آٹھواں ایڈیشن

صبیحہ بانو

ایک سنسنی خیز آپ بیتی

چھلاوا

اردو میں سب سے زیادہ شائع ہونے والی سرگزشت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

جملہ حقوق محفوظ

مکمل آپ بیتی

آٹھواں ایڈیشن

ناشر ———— ہمایوں اقبال

مقام اشاعت ——— ۱۱۶۰/۱۴ فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

طابع

ٹی ایس پرنٹرز کراچی

قیمت ۲۰۰ روپے

واحد تقسیم کار : کتابیات پبلیکیشنز پوسٹ بکس ۲۲ کراچی ۱

ابتدائیہ

اب پچھلا داکا پیکر مکمل بھی آپ کے سامنے ہے لیکن میں نہیں سمجھتی کہ یہ پیکر مکمل ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ میری زندگی کا ایک باب مکمل ہو گیا۔ رہ گئی میری زندگی تو اس کے ان گنت ابواب ابھی آپ کی نظر سے نہیں گزرے۔ الف لیلہ والوں کو تو اصرار تھا کہ میں سبھی کچھ لکھ ڈالوں لیکن اب میں اکتا گئی تھی، تھک گئی تھی بلکہ پچھلے دنوں سے تو طبیعت بھی کچھ مکدر رہنے لگی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میں زندگی کو برتنے ۔۔۔مال ہوتی جارہی ہوں میں نے اپنی زندگی کے ہر پل کو ہمیشہ اپنے قابو میں رکھا ہے لیکن اب ایسا ہو گیا ہے کہ ہر لمحہ مجھے شکست دیتا رہتا ہے۔ ۔۔۔سوچتی کچھ ہوں، چاہتی کچھ ہوں اور ہو کچھ جاتا ہے۔ شاید اب میرے اعصاب جواب دینے لگے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں وہ فکشن بھی نہیں لکھ ۔۔۔کی جس کا اعلان الف لیلہ میں "سایہ" کے نام سے ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ تو میں اسے لکھ کر ضائع بھی کر چکی ہوں۔ دراصل میری خواہش ہے ۔۔۔بھی اتنا یادگار بنا دوں جیسے میری آپ بیتی آپ لوگوں کے ذہن پر نقش ہو گئی ہے۔

ان گنت محبت نامے اور ٹیلیگرام مجھے موصول ہوتے رہتے ہیں کہ میں اپنی آپ بیتی پھر شروع کردوں۔ مجھے یاد کرنے والے ان حضرات میں ۔۔۔تعداد لڑکیوں کی ہے (اور بہ قول ارباب الف لیلہ) ایسا ہونا بھی چاہیے۔ بہرحال میں اس بحث میں نہیں پڑوں گی کہ ایسا ہونا چاہیے ۔۔۔یا نہیں۔ مجھے تو وہ سبھی عزیز ہیں جنھوں نے میری سرگزشت کو بنظر تحسین دیکھا۔ سرگزشتوں کے ذیل میں یہ غالباً تاریخ ساز واقعہ ہے کہ کوئی ۔۔۔سرگزشت بہت کم عرصے میں اتنی مرتبہ شائع ہوئی۔ یہ اس کتاب کا آٹھواں ایڈیشن ہے اور ایسا بھی نہیں جبکہ یہ کم تعداد میں شائع ہو رہا ہو۔ ۔۔۔تعداد اچھی خاصی ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کی تمام کاپیاں اشاعت سے قبل ہی بک ہو چکی ہیں۔ بہرحال،

صبیحہ بانو

یوں تو میرے پاس ایک ایئر کنڈیشنڈ کار ہے لیکن میں اکثر بسوں میں سفر کرتی ہوں۔ بس میں سفر کرنا مجھے کیوں پسند ہے؟ .... اس کا اندازہ ہر ایک نہیں لگا سکتا۔ ایسا نہیں ہے کہ بس کے دھچکے کھا کر ہی میرا کھانا ہضم ہوتا ہو اور یوں بھی نہیں ہے کہ بس ڈرائیور کی مغلظات اور کنڈکٹر کی بدتمیزیاں میری سماعت پر محبوب کے دل نواز فقروں کا سا مخمور کن تاثر چھوڑتی ہوں بلکہ اس کا تعلق کچھ دل سے ہے۔ ایک نازک سا معاملہ، ایک اچھوتی سی بات جو سمجھائی نہیں جا سکتی، صرف محسوس کی جا سکتی ہے۔ اور محسوس کرنے والے بھی مرد نہیں ہو سکتے۔ صرف عورتیں ہی محسوس کر سکیں گی اور وہ بھی شاید ساری دنیا میں معدودے چند ہوں گی۔ یونان کی مشہور عظیم شاعرہ سیفو میرے جذبات کو بخوبی سمجھ سکتی تھی۔

اگر میں ان جذبات کی تفسیر بیان کرنا شروع کر دوں تو غالباً درجنوں صفحات کالے ہو جائیں گے اور شاید بات پھر بھی واضح نہ ہو سکے لہٰذا بہتر ہوگا کہ جو لوگ میری یہ سرگزشت پڑھیں، وہ بڑے سکون و صبر سے میری حرکات و سکنات کا جائزہ لیتے رہیں۔ بات از خود واضح ہو جائے گی۔ میرے جذبات کی تفسیر میری حرکات و سکنات میں مضمر ہے۔

میں کون ہوں؟ میں کیا ہوں؟ ان سوالوں کا جواب آپ کو آگے چل کر ملے گا۔ ابھی تو آپ صرف اس واقعے کا مشاہدہ کیجئے جو میں بیان کرنے والی ہوں۔

اس روز موسم بڑا رومانٹک تھا۔ سرمئی بادلوں کے ننھے منے ٹکڑے، دھنکی ہوئی روئی کی طرح آسمان پر بکھرے ہوئے تھے۔ ہوا ٹھنڈی تھی لیکن چپکے چپکے، دھیمے دھیمے اس طرح چل رہی تھی جیسے اچانک کوئے جاناں میں پہنچ کر محبوب کو چونکا دینا چاہتی ہو۔ جب ایسی فضا ہو تو میرا دل بے اختیار مچل اٹھتا ہے اور میں کبھی فراز کے اور کبھی ناصر کاظمی کے شعر گنگناتی ہوئی در جاناں کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی ہوں۔ اب اگر کہیں ساتی کا موقع مل گیا تو ٹھیک، ورنہ پھر میرا دوسرا اور آخری سہارا شراب ہی ہوتی ہے۔ میں اس وقت تک پیتی رہتی ہوں جب تک میرے جسم و دماغ پر شراب کا بھرپور تسلط نہیں ہو جاتا۔

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اس روز جب موسم خوشگوار ہوا اور میرا دل مچلا تو حالات بھی سازگار ہو چکے تھے۔ یعنی کالج وغیرہ کھلے ہوئے تین چار دن گزر چلے تھے۔ دراصل یہ واقعہ ان دنوں کا ہے جب صدارتی

... کی شکست کھا گئی تھیں اور خوفناک ہنگاموں کے بعد صورتِ حال۔ قابو پایا جا چکا تھا کالج اور اسکول خاصے عرصے تک بند رہنے کے بعد کھل جا چکے تھے۔ اندر ہی اندر ایک لاوا سا تو اب بھی پک رہا تھا لیکن بظاہر صورتِ حال معمول پر آ چکی تھی۔

میں گھر سے تو اپنی کار ہی میں روانہ ہوئی لیکن صدر پہنچ کر میں نے کار کو اپنی رہنے دیا اور ٹہلتی ہوئی رنگیل کے بس اسٹاپ پر پہنچ گئی۔ سینا بالکل گرم گرم لگا۔ میں نے مجھے اپنے جسم میں کھبتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ دو ایک دبے دبے سے فقرے بھی سنائی دیئے اور ایک آدھ سیٹی بھی لیکن میں ان سب باتوں کو حقارت سے نظر انداز کرتی ہوئی ایک ایسے روٹ کی بس میں سوار ہو گئی جسے لازماً کسی گرلز کالج کے سامنے سے گزرنا تھا۔ دوسری بسوں کی طرح وہ بس بھی مسافروں سے کھچاکھچ بھری ہوئی تھی لیکن عورتوں کے حصے میں کوئی طوفان بدتمیزی نہ تھا۔ مجھ سے پہلے وہاں صرف دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں ایک تو ادھیڑ عمر کی میمن عورت تھی جس نے سامان کی چھابی اپنے پیروں کے پاس رکھ چھوڑی تھی اور دوسری نے ایک غلط تراش کا برقع اوڑھ رکھا تھا۔ سنا ہے ایسے ہی برقعے میں پوشیدہ کسی عورت کو اپنی راہ میں دیکھ کر کسی مکرانی گدھا گاڑی والے نے بے ساختہ کہا تھا۔

”اڑے ہٹو فی راستے سے، کیا پیراشوٹ کا مانک ادھر ادھر گھومتا ہے۔“

میں جب بھی اس قسم کا برقع دیکھتی ہوں میرے ذہن میں یہ برجستہ فقرہ کھنکھنانے لگتا ہے اور میرے لبوں پر مسکراہٹ کانپ جاتی ہے۔

اگلے بس اسٹاپ سے زنانے حصے میں دو افراد کا اضافہ ہوا وہ غالباً ماں بیٹی تھیں۔ ماں باپردہ تھی لیکن بیٹی کو ابھی برقع نہیں اوڑھایا تھا ابھی اس کی عمر بھی زیادہ نہیں تھی بس بارہ تیرہ سال کی ہوگی۔ اس کا سینہ دیکھ کر میری زبان کی نوک پر کچے امرودوں کا ذائقہ مچلنے لگا۔ امرود جو مجھے سخت ناپسند ہیں۔ مجھے تو نارنگیاں پسند ہیں۔ گول گول، گلابی سی، ترو تازہ نارنگیاں! ...... مجھے تو وہ لوگ بھی نہیں بھاتے جو کچر کچر کرکے امرود کھاتے ہوں۔ بڑی غیر شاعرانہ سی حرکت معلوم ہوتی ہے یہ!

اس اسٹاپ سے گزر کر بس نے برق رفتاری کے ریکارڈ قائم کرنا شروع کر دیئے۔ غالباً اسی نمبر کی کوئی اور بس پیچھے لگ گئی تھی۔ اگلا اسٹاپ ایک گرلز کالج کا تھا۔ مجھے ڈر ہوا کہ ڈرائیور صاحب اس بس اسٹاپ پر ایک نگاہِ غلط انداز ڈالتے ہوئے نہ گزر جائیں لیکن صد شکر کہ میرا اندیشہ غلط تھا۔ بس کی رفتار اچانک سست پڑتی چلی گئی۔ بس اسٹاپ پر لڑکیوں کے غول کے غول موجود تھے۔ میرا یہ اندازہ ٹھیک ہی نکلا تھا کہ چھٹی ہو چکی ہوگی۔

بس کے رکتے ہی وہ تتلیاں اپنی کتابیں سنبھالتی ہوئی جھپٹ

... تھیں اور کوری بھی۔ بستہ قد بھی تھیں اور لمبی بھی، برقع پوش بھی تھیں اور بے پردہ بھی۔ نوجوان بھی اور نوخیز بھی۔ وہ مچلتی، بل کھاتی، ایک دوسرے کو دھکیلتی بس میں داخل ہو رہی تھیں اور اس وقت کوئی دیکھتا میری بے چین نگاہوں کی آوارگی! ...... ایک کے بعد دوسری پر اور دوسری کے بعد تیسری پر میری نگاہیں بڑی چابکدستی سے پھسل رہی تھیں۔ مسئلہ انتخاب کا تھا اور میرا انتخاب بڑا سخت ہوتا ہے۔ کوئی نہیں جو مجھے کو ذوق ہے۔ میری جمالیاتی حس کسی جوہری سے کم نہیں۔

جلد ہی بس کا یہ زنانہ حصہ بھی مردانہ حصے کی برابری کا دعویدار ہو گیا۔ اب وہاں تل دھرنے کی جگہیں تو خیر کیا تھیں لیکن یہ ناممکن تھا کہ کوئی اور لڑکی اندر آ کر کہیں قدم جما لیتی۔ یہ اطمینان بخش صورتِ حال دیکھ کر کنڈکٹر صاحب نے ٹوبل کی بانگ لگائی اور بس چل پڑی۔ لڑکیاں بس میں آ کر سنے کے باعث ان پر بھی کمی ہوئی تھیں لیکن مجھے انتہائی مایوس صورتحال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کیونکہ اس ہجوم میں ایک بھی ایسی نہیں تھی جو میری تنہا نگاہِ انتخاب کا مرکز بن سکے۔

اب میری دوسری امید وہ گرلز اسکول تھا جو پانچ چھ اسٹاپ کے بعد آتا۔ میں بڑی بے چینی سے اس کے قریب آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ کنڈکٹر آیا تو میں نے اس روٹ کے ٹرمنس کا ٹکٹ لے لیا۔ میرا ذہن اس خیال سے بھی الجھ رہا تھا کہ گرلز اسکول سے اگر کوئی پسندیدہ لڑکی بس میں سوار بھی ہوئی تو میں اسے اپنے پہلو میں کس طرح بٹھاؤں گی۔ اب کھڑے ہونے کی جگہ نہیں تھی تو بیٹھنے کی کہاں سے آتی؟

اگلے اسٹاپ پر دو ایک لڑکیاں اتر گئیں لیکن اس ہجوم میں دو ایک کی کمی محسوس نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر اس سے اگلے اسٹاپ پر سے صرف ایک عورت سوار ہوئی تھی۔ اگلے اسٹاپ پر مزید کمی ہوئی تو میرے دل کو کچھ آس بندھی۔ غالباً میرے ستارے کچھ موافق سے تھے۔ گرلز اسکول کے اسٹاپ تک آتے آتے اتنی گنجائش پیدا ہو چکی تھی کہ دو لڑکیاں بیٹھ سکتیں۔ میں ذرا پھیل کر بیٹھ گئی۔ مقصد ظاہر ہے۔ میں چاہتی تھی کہ جب میری پسند کی لڑکی اندر آئے تو میں اسے بیٹھنے کی جگہ مہیا کر سکوں۔

بس کے رکتے ہی الھڑ جوانیوں کی یلغار ہوئی۔ کیونکہ یہ اسکول تھا اس لئے نوخیز لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ان میں ایک آدھ ایسی لڑکی بھی تھی جسے دیکھ کر میرے ذہن میں دائمی تربوز بجنے لگے تو لڑکی کو بالغ کہنے کا لفظ شاید بہت کم محسوس کیا جائے مگر کیا کروں میرا ذوق اسی قسم کا ہے۔ تیرہ چودہ سال کی عمر میں جب کوئی ایسی لڑکی نظر آنے لگے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس نے کسی بہتر ماحول میں پرورش نہیں پائی ...... ان میں سب تو نہیں ہوتی۔ بہن، بیٹیاں ... سباب ... اندر آ بیٹھی تو خود میری کیا تی الگ دھڑی کی دھڑی رہ

... گرلز اسکول کے اسٹاپ نے میرے دل کی کلی کھلا دی تھی میری

جو ہر شناس نظروں میں ایک ایسی لڑکی ہو مار رہی تھیں جس کی عمر پندرہ سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی۔ اس کی عمر اور اس کا سینہ میرے معیار کے عین مطابق تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے دل میں ہلچل سی مچ گئی اور سارے جسم میں نشہ سا تیرنے لگا۔ وہ تین لڑکیوں کے بعد اندر آئی اور میں نے فوراً ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

”ادھر آ جاؤ بے بی! یہاں بیٹھ جاؤ۔“ میں نے ایک طرف سمٹ کر اس کے لئے جگہ بنائی۔

وہ شکریہ ادا کرکے بیٹھ گئی۔ اس کی آواز میں وہ نغمگی نہیں تھی جس کی میں توقع کر رہی تھی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس کی آواز میں سختی یا کوئی دوسرا عیب تھا۔ ہاں بس وہ ایک معمولی آواز تھی جبکہ اس کا جسم کوئی معمولی جسم نہیں تھا۔ اس کے نقش و نگار کوئی معمولی نقش و نگار نہیں تھے۔ اس کی رنگت میں، زعفران ملے ہوئے میدے کی سی بات تھی۔ معمولی سی نیلی فراک اور سفید شلوار میں بھی اس کا حسن خود کو بے حد نمایاں کئے ہوئے تھا۔ میں نے بڑی بے تکلفی سے اس کی ران پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔

”تم کہاں رہتی ہو بے بی!“

”نصیر آباد میں۔“ اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ وہ کچھ شرمیلی سی لڑکی تھی۔ یہ محسوس کرکے مجھے خوشی ہوئی۔ تیز طرار لڑکیاں گو کہ زیادہ لذت بخش ثابت ہوتی ہیں لیکن ذرا مشکل ہی سے ہاتھ لگتی ہیں۔ شرمیلی لڑکیوں کو آسانی سے شیشے میں اتارا جا سکتا ہے۔

اتنی دیر میں بس کا یہ زنانہ حصہ ایک بار پھر کھچاکھچ بھر گیا تھا۔ کنڈکٹر نے دو مرتبہ سیٹی بجائی اور بس چل پڑی۔ کھڑی ہوئی لڑکیاں ایک دوسرے پر لدی جا رہی تھیں۔ اس عالم میں کوئی یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ میرا ہاتھ لڑکی کی ران پر تھا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے اپنا پورا نام بتایا۔ پورے نام سے میری مراد یہ ہے کہ اس کے نام کے آخر میں باپ کا نام بھی تھا لیکن میں اس نام کو لکھنے سے احتراز کروں گی۔ میں اس شریف آدمی کی شخصیت کو طشت از بام نہیں کرنا چاہتی۔ آج کے معاشرے نے اس مظلوم اور شریف آدمی کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اسے راز ہی میں رہنا چاہیئے۔

میری سرگزشت میں اس لڑکی کا تذکرہ فریدہ کے نام سے ہوگا۔

”کس کلاس میں پڑھتی ہو؟“ میں نے اس کی ران پر ہلکا سا دباؤ بڑھا دیا۔

”میٹرک۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔

اب میرے ہاتھ نے آہستہ آہستہ حرکت کرنی شروع کر دی تھی۔

اس حرکت سے خود میرا تمام جسم سنسنا اٹھا۔ میں نے انکھیوں سے دیکھا کہ فریدہ کے چہرے پر بھی سرخی پھیلتی جا رہی تھی۔ اس نے اب اپنا بایاں ہاتھ اپنی گود میں رکھ لیا تھا اور میرے متحرک ہاتھ کی راہ میں مزاحم ہو رہی تھی لیکن جب

وہ سنسناہٹ ہی ہو سکتی تھی جو اس وقت اس کے سارے جسم میں پھیل ہوئی ہوگی۔

جب کنڈکٹر آیا تو میں نے جھٹ سے فرخ کا ٹکٹ لے لیا۔ وہ مجھے روکتی ہی رہ گئی۔

"اتنا تکلف نہ کرو گڑیا!" میں نے ہنس کر کہا۔

میرے اس انداز تخاطب پر وہ کچھ جھینپ سی گئی۔ چہرہ کچھ اور سُرخ ہوگیا۔ اس عالم میں وہ مجھے بہت اچھی لگی میرا جی چاہا کہ اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لوں میرا ہاتھ اب کچھ زیادہ ہی آوارہ ہو گیا تھا۔ فرخ کے تنفس میں تیزی آنے لگی اور آنکھوں میں خمار سا چھاتا چلا گیا۔

"مجھے بھی نصیر آباد ہی اترنا ہے۔" میں قدرے خاموشی کے بعد بولی "وہاں میری ایک دوست رہتی ہے مجھے اس سے پانچ بجے ملنا تھا لیکن صدر میں میری کار خراب ہوگئی۔ تم جانو، اس وقت صدر میں ٹیکسی ملنا تو ناممکن ہی ہوتا ہے۔ مرد تو خیر دوڑ بھاگ کرکے ٹیکسی پکڑ لیتے ہیں لیکن عورتیں کیا کریں؟ مجبوراً مجھے بس میں ہی بیٹھنا پڑا۔"

"آپ کے پاس کون سی کار ہے؟" فرخ کے شرمیلے لہجے میں خاصا اشتیاق تھا۔

"مرسیڈیز۔" میں نے لاپرواہی سے کہا پھر بولی "اگر تم چاہو تو آج شام کو میرے ساتھ کلفٹن کی سیر کو چلو۔"

"ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ آپ کی کار ....."

"خراب ہوگئی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں گھر سے دوسری کار لے لوں گی۔ میرے پاس دو کاریں ہیں۔"

"اوہ!" فرخ کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا تھا۔

"تو پھر تم چلوگی؟" میں نے پوچھا "تم جیسی پیاری پیاری لڑکیوں کے ساتھ گھومتے ہوئے مجھے بڑا اچھا لگتا ہے۔"

"نہیں میں نہیں جاسکوں گی۔ اگر میں وقت پر گھر نہیں پہنچی تو امی پریشان ہوجائیں گی۔"

"گھر جاکر امی سے اجازت لے آؤ اور کہہ دینا کسی سہیلی کے گھر جانا ہے۔ بہانہ سازی میں تم لڑکیوں کو خاصی مشق ہوتی ہے۔"

وہ جھینپ کر مسکرادی۔

بس کے زنانے حصے میں لڑکیوں کی زبان قینچی کی طرح چلے جارہی تھی۔ خاصا شور ہو رہا تھا۔ اس شور میں بس کے انجن کی کرخت آواز بھی شامل تھی اسلئے میری اور فرخ کی گفتگو شاید ہی کسی نے سنی ہو۔ اگر دو ایک فقرے سن بھی لیے ہوں گے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ دو عورتوں میں اس قسم کی باتیں کسی شک و شبہے کو جنم نہیں دیتیں۔

"میں تمہاری امی سے بھی دوستی کرلوں گی۔" میں نے فرخ سے کہا۔

"آپ نے ابھی تک اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔"

صرف بانو کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں اپنی گود میں رکھ لیا۔

"آپ کی ساڑی بہت خوبصورت ہے۔" فرخ

"کیا تم ساڑی باندھتی ہو؟"

"کبھی کسی تقریب میں باندھ لیتی ہوں۔ میرے پاس

"میں تمہیں ایک خوبصورت ساڑی تحفے میں دوں گی۔ کو دوست بناتی ہوں، اسے کوئی تحفہ ضرور دیتی ہوں۔"

"لیکن میں امی کی اجازت کے بغیر کوئی تحفہ نہیں لے سک

"میں نے کہا نا کہ میں تمہاری امی کو بھی دوست بنالوں گی مسکرا کر کہا۔

فرخ کا نرم و گداز ہاتھ میری گود میں تھا اور میرا ہاتھ اس ہماری ہمسفر عورتیں اور لڑکیاں اس بات سے بے خبر تھیں کہ ان کے نئی اور عجیب و غریب دوستی کا سنگ بنیاد رکھا جاچکا ہے۔ تمام لڑکیاں اپنی اپنی چیں پٹاخ میں لگی ہوئی تھیں۔

جب نصیر آباد کا بس اسٹاپ آیا تو میں فرخ سے اس کے بہترین معلومات حاصل کرچکی تھی۔ فرخ کا باپ سرکاری ملازمت میں چھ سات سو روپے تنخواہ ملتی تھی۔ فرخ کے علاوہ دو بچے اور تھے کی ایک لڑکی اور آٹھ سال کا ایک لڑکا۔ مکان ان لوگوں کی ذاتی تھا لیکن ابھی فنانس کارپوریشن کو اس کی قسطیں ادا کی جارہی تھ کے دونوں بھائی بہن اسکول میں پڑھتے تھے۔ فرخ کی ماں ایک سلـ عورت تھی جو اس قلیل تنخواہ میں گھر کو بڑے قاعدے سے چلا ر

نصیر آباد کے بس اسٹاپ تک بس بڑی حد تک خالی ہو چکی لئے مجھے اور فرخ کو اترنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اترتے و نے غیر ارادی طور پر ایک اچٹتی سی نظر بس کے مردانہ حصے پر بھی ڈال اور یہ میرے حق میں بہتر ہی ثابت ہوا مجھے ایک جانی پہچانی شکل نظر آ کیا یہ میرا تعاقب کررہا ہے؟ میں نے سوچا۔

میں اور فرخ بس سے اتر کر ایک طرف چل پڑے۔ فرخ کے مطابق اسٹاپ سے اس کے گھر تک کا فاصلہ ڈیڑھ دو فرلانگ اس وقت مجھے اپنی چھوٹی بہن کی شرارتوں کے بارے میں بتارہی تھی ذہن رضوان ساجد میں الجھا ہوا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد میں نے اپنا دیکھا اور میرے شبہے کی تصدیق ہوگئی۔ رضوان ساجد ہمارے پیچھے آ بغیر جلی سگریٹ اسکے منہ میں دبی ہوئی تھی۔ مجھے اس طرح مڑتے د بھی ایک دم رک گیا اور قدرے جھک کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"کیا ہوا؟" فرخ نے پوچھتے ہوئے خود بھی مڑ کر دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ میں راستہ یاد رکھنے کے لئے نشانیاں دیکھ رہی تھی

"کیا آپ اس علاقے میں پہلی بار آئی ہیں؟"

"ہاں۔"

ی دوست..."

اپنا پتہ بتا دیا تھا۔"

اس کے مکان کا؟"

وقت میرا جی چاہ رہا ہے کہ اپنا سر پیٹ لوں" میں نے

املیکر کہا۔

؟" فرخ کے معصوم سے چہرے پر حیرت تھی۔

اپنی ڈائری کار میں بھول آئی ہوں۔ سلمیٰ نے اپنے مکان کا نمبر میں لکھ دیا تھا۔"

"اب آپ کیا کریں گی؟"

صدر جاؤں گی اور کار سے اپنی ڈائری لوں گی۔ سلمیٰ سے آج ضروری ہے۔"

کہتی ہوں اب آپ میرے گھر چلئے۔ شاید آپ کو امی سے

ان سے مل کر بیحد خوشی ہوگی لیکن آج نہیں، پھر کسی دن!۔ ت ملنا بیحد ضروری ہے۔ اچھا جانی!... اب اجازت دو۔"

محسوس کیا کہ فرخ میری اس اچانک رخصت سے کچھ خوش رہی تھی۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ لڑکیاں بہت جلد میری شخصیت جاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو میرے جذبے کیسے سیراب ہوں؟

مجھے بھی اس وقت فرخ سے جدا ہوتے ہوئے کچھ اچھا نہیں لگ چاہتی تھی کہ اس کے گھر جاکر اس کی ماں کو اس طرح شیشے میں فرخ کو میرے ساتھ بھیجنے پر آمادہ ہوجائے لیکن بُرا ہو اس ساجد کا جو ایسے موقع کباب میں ہڈی بنا تھا۔ میں نہیں فرخ کے گھر سے واقف ہو جائے اس لئے ضروری تھا کہ میں کے گھر نہ جاؤں۔ اپنی جھنجھلاہٹ اور طیش کی کیفیت کو میں سے چھپا رہی تھی۔

گرمجوشی سے فرخ کا ہاتھ دبایا اور بہت جلد دوبارہ ملنے واپسی کے لئے مڑ گئی۔ میرے مڑتے ہی تعاقب میں آتا ہوا رضوان ٹھٹک گیا اور مڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

تم سے اچھی طرح سمجھوں گی رضوان!" میں دانت پیستے ہوئے لیکن اس کی طرف دیکھے بغیر گزرتی چلی گئی۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ میں جانے کی بجائے میرے پیچھے پیچھے چلا آئے گا لیکن میں چاہتی اس وقت ہو جب فرخ نظروں سے اوجھل ہوجائے۔ اسٹاپ پر جا کھڑی ہوئی اور سب سے پہلے اس طرف فرخ تھی۔ میں نے اسے ایک گلی میں گھستے ہوئے دیکھا۔ اب اوجھل ہو چکی تھی۔ رضوان ساجد ٹہلتا ہوا میرے قریب براؤن اور سفید بائی نیک سوئٹر میں ملبوس تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

م بہت خوشگوار ہے۔" وہ سر جھکا کر آہستہ سے بڑبڑایا۔

میں کچھ نہیں بولی۔ غصہ اتنا ہی شدید تھا کہ دل کی بھڑاس نکالنے کی بجائے میں گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ میری نظریں سڑک پر دور دور تک جارہی تھیں۔ میں چاہتی تھی کہ جلد از جلد کوئی ٹیکسی مل جائے۔ اب بس میں سفر کرنے کا موڈ نہیں تھا۔

"شاید اب آپ کو میرے اس خیال سے اتفاق نہیں کہ موسم خوشگوار ہے۔" رضوان پھر بولا اور اس کے لہجے کی شرارت نے میرے تن بدن میں آگ لگادی۔

"رضوان!" میں دانت پیس کر رہ گئی۔

"بانو!" وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر قدرے جھک گیا "حکم دیجیے!"

بس اسٹاپ پر اکا دکا افراد موجود تھے جن کی وجہ سے مجھے خود پر قابو رکھنا پڑ رہا تھا۔ اگر وہاں سناٹا ہوتا تو میں رضوان کی پٹائی کئے بغیر نہ رہتی۔ رضوان کے ذہن میں بھی تحفظ کا احساس موجود تھا ورنہ وہ مجھ سے دور ہٹ کر کھڑا ہوتا۔ اسے معلوم تھا کہ میں بہت جلد ہاتھ چھوڑ دیتی ہوں۔

دور سے ایک ٹیکسی آتی نظر پڑی تو میں نے فوراً ہاتھ اٹھا کر اُسے رکنے کا اشارہ دینا شروع کردیا۔ جیسے ہی ٹیکسی قریب آکر رُکی میں نے بڑھ کر اس کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی پھر دروازہ بند کرکے جب میں سیدھی ہوئی تو میں نے رضوان کو اپنے برابر میں بیٹھتے ہوئے پایا۔ وہ دوسری طرف کا دروازہ بند کر رہا تھا۔ پھر اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا "صدر چلو!"

ڈرائیور نے سر ہلایا اور ٹیکسی آگے بڑھادی۔ میں اس وقت مارے غصے کے سر سے پیر تک کانپ گئی تھی۔ رضوان میرے اس غصے سے ڈرتا بھی تھا لیکن صرف اس وقت جب آس پاس کوئی نہ ہو۔

"ڈرائیور! تم کہاں کے رہنے والے ہو؟" رضوان نے سندھی زبان میں ڈرائیور سے پوچھا۔

ڈرائیور نے اپنے سامنے لگے ہوئے آئینے میں رضوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جی صاحب؟"

رضوان نے پھر اپنا سوال دُہرایا۔

"شاید آپ سندھی بول رہے ہیں؟" ڈرائیور نے کہا "لیکن میں سندھی نہیں جانتا۔"

رضوان اس کے لہجے سے اندازہ لگا کر بولا "پنجاب کے رہنے والے معلوم ہوتے ہو؟"

"جی ہاں صاحب!"

رضوان مسکرایا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے سندھی میں بولا۔ "اب ہم بڑے اطمینان سے تبادلۂ خیال کرسکتے ہیں۔"

"تبادلۂ خیال میں ہاتھوں سے کروں گی۔ بس ذرا موقع مل جائے۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ میں بھی سندھی میں بولی تھی۔

"ذرا اپنی طرف کی کھڑکی سے سر باہر نکالئے اور غصہ تھوک دیجیے!"

"تم جو اکثر میرا تعاقب کرتے ہو، کسی روز بہت گھاٹے میں رہوگے۔"

میں غرّائی۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے بانو کہ آپ کو راہِ راست پر لا کر رہوں گا۔"

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم مجھے بلیک میل کرنے کے لئے مواد حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

"توبہ توبہ۔" رضوان اپنا منہ پیٹنے لگا۔

"میں تمہیں خوب جانتی ہوں رضوان!۔۔۔ اخباری لائن میں تم سے بڑا بلیک میلر کوئی نہیں ہے۔"

"میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا بانو کہ اس شہر کی کئی معزز ہستیاں میری مٹھی میں رہتی ہیں لیکن آپ کو میں اپنی مٹھی میں نہیں بلکہ دل میں۔۔۔"

"تھرڈ ریٹ شاعری مجھے سخت ناپسند ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ناک سکیڑ کر کہا۔

"صرف نو خیز لڑکیوں کا قرب پسند آتا ہے!" رضوان کے لہجے میں تلخی آگئی۔

"تم سے مطلب؟" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"وہ سب کچھ غیر فطری ہے۔"

"فطرت کا سبق میں کتابوں سے بھی لے سکتی ہوں۔ تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"میں تو کمر کس چکا ہوں۔ فیصلہ ہونے تک کوشش جاری رہے گی۔"

"جس دن بھی موقع مل گیا میں تمہارے ہاتھ پیر توڑ کر رکھ دوں گی۔"

"اسی لئے میں تنہائی میں آپ کے قریب نہیں پھٹکتا۔ مجھے خود بھی یہ ناپسند ہے کہ آپ مجھ پر جوڈو، کراٹے کے داؤ آزمائیں۔ ویسے یہ بڑا ہی مضحکہ خیز لگتا ہے بانو!۔۔۔ جوڈو اور کراٹے سے کسی عورت کی وابستگی ایسی ہی معلوم ہوتی ہے جیسے عورت کے داڑھی مونچھ نکل آئی ہو۔"

میں کچھ نہیں بولی۔ موڈ سخت آف ہو چکا تھا۔ فرخ کے بدن کا گداز مجھے رہ رہ کر یاد آ رہا تھا۔ آج وہ جھلملاتی ہوئی لڑکی میری آغوش میں مچل رہی ہوتی اگر رضوان یہ مداخلت بیجا نہ کرتا۔

سبیل والی مسجد تک سفر خاموشی سے ہوتا رہا۔ میں فرخ کے بارے میں سوچتی رہی۔ میں اس سے کل صبح ہی ملنے کا پروگرام بنا رہی تھی۔

"۔۔۔ نہ آج شام بیچ لگژری میں گزاری جائے۔" رضوان نے سکوت کا قفل توڑا۔

"اگر مجھے گزارنی ہوئی تو جا کر گزار لوں گی۔"

"مطلب یہ کہ میرے ساتھ۔" رضوان نے جلدی سے کہا۔

"منہ دھو رکھیے۔"

"آج دوپہر کو بھی دھویا تھا۔"

"تو پھر آئینہ نہیں دیکھا ہوگا۔"

"دو مرتبہ دیکھا تھا۔"

"پھر بھی اپنے بارے میں اتنی غلط فہمی ہے؟" میرا لہجہ نوکیلا تھا۔

"میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں بانو!" رضوان نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔ "لڑکیاں میری آغوش میں پکے ہوئے پھل کی طرح گرتی ہیں لیکن کمبخت دل صرف آپ سے وابستگی چاہتا ہے۔ اسی لئے آپ کے پیچھے لگا رہتا ہوں کہ کبھی تو آپ کا پتھر دل پگھلنے لگے گا۔"

"چلہ کشی شروع کر دو۔" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"چلہ کشی کا مذاق نہ اڑائیے بانو!۔۔۔ اگر کسی دن کوئی سچے بزرگ مل گئے تو بس پھر بیڑا پار ہے۔ کچے دھاگے سے بندھی آئیں گی سرکار میری۔"

"کوشش کر دیکھو۔ اخباروں میں آئے دن اشتہار آتے رہتے ہیں۔ محبوب آپ کے قدموں میں۔"

"وہ قطعی منحوس قدم ہوں گے جو ان کی بدولت آئیں۔" رضوان منہ بنا کر بولا۔

مجھے اس کے فقرے پر بالکل ہنسی نہیں آئی۔ میرا موڈ ہی ٹھیک نہیں تھا۔

صدر پہنچ کر ٹیکسی چھوڑ دی گئی۔ رضوان نے کرایہ خود ہی ادا کیا۔ میں اس گلی کی طرف چل پڑی جہاں میں نے اپنی مرسیڈیز کھڑی کی تھی۔ رضوان بھی میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور موسم کی خوشگواری پر تبصرے کر رہا تھا۔ جب میں اپنی گاڑی کے قریب پہنچ کر رکی تو وہ بولا۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔ پھر ملاقات ہوگی۔"

"میرے ساتھ گھر نہیں چلو گے؟" میں نے اپنے لہجے میں پیار بھرنے کی کوشش کی۔

"توبہ میری۔" رضوان اپنے کان پکڑتے ہوئے بولا۔ "میری شامت آئی ہے جو آپ کے گھر جاؤں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ تنہائی میں میری کیا درگت بنائیں گی۔"

میں بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور ہنستی ہوئی بولی۔ "پھر تمہیں میرے قرب کی خواہش کیوں ہے؟"

"جس دن آپ کے لہجے میں سچا پیار ہوگا میری چھٹی حس مجھے بتا دے گی۔"

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"ٹاٹا!" رضوان نے ہاتھ ہلا کر کہا اور پیچھے ہٹ گیا۔

میں نے گاڑی بیک کر کے کاروں کی قطار سے نکالی اور پھر اسے فرسٹ گیئر میں ڈال کر آگے بڑھا دیا۔

رضوان ساجد کو میں تقریباً چار سال سے جانتی تھی اور تقریباً دو سال سے وہ میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اسے مجھ سے محبت کا دعویٰ تھا لیکن میں اس سلسلے میں مشتبہ تھی۔ میرے خیال کے مطابق وہ محض اس لئے میرے پیچھے پڑا ہوا تھا کہ میری جنسی کمزوری کے بارے میں کوئی ثبوت حاصل کر سکے۔ اسے اس بات کا شبہ بلکہ یقین ہو چکا تھا کہ میں ہم جنس پرست ہوں۔ وہ اس بات کا ثبوت حاصل کر کے مجھے بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ میں یقیناً اس کے لئے ایک سونے کی مرغی ثابت ہوتی۔ کبھی لوگ یہ سمجھتے تھے کہ میں کروڑپتی ہوں جا

ئن سہن میں کروڑ پتیوں جیسی کوئی بات نہیں تھی۔ ہاں مجھے لکھ پتی ضرور سمجھا جاتا تھا کیونکہ میں امپورٹ ایکسپورٹ کرنے والی ایک بہت بڑی فرم کی دولت مند مالک تھی۔

ویسے یہ بھی حقیقت ہے کہ شہر کے متمول طبقے میں مجھے ایک پُراسرار عورت سمجھا جاتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ میں کون ہوں اور میرا ماضی کیا ہے؟ کسی کو یہ نہیں معلوم کہ میں اس شہر میں کہاں سے وارد ہوئی تھی۔ ملک کے مشہور و معروف خاندان میرے نام اور میری موجودہ زندگی سے تو ضرور واقف ہیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے۔

رضوان ساجد سے جدا ہونے کے بعد میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ اب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ میں خود کو شراب میں غرق کر لوں۔

ڈیفنس کالونی میں داخل ہونے کے بعد جب میں نے اپنی گاڑی سن سیٹ بلیوارڈ کی طرف موڑی تو اتفاقاً میری نظر عقب نما آئینے پر گئی اور میں نے سیاہ رنگ کی ایک شیورلیٹ کو پیچھے آتے دیکھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی میرے ذہن میں کیڑے سے رینگنے لگے۔ مجھے کچھ کچھ یاد پڑ رہا تھا کہ جب میں ڈیفنس کالونی میں داخل نہیں ہوئی تھی تب بھی یہ شیورلیٹ میری گاڑی کے پیچھے موجود تھی۔ میرا شبہ بڑھا تو میں نے اچانک اپنی گاڑی کی رفتار بہت تیز کر دی۔ میری نظریں عقب نما آئینے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ جلد ہی وہ شیورلیٹ بھی سن سیٹ بلیوارڈ پر مڑ گئی اور اس کی رفتار میں بھی تیزی سے اضافہ ہوا۔ میں نے ہونٹ بھینچ لئے۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ وہ شیورلیٹ میرا تعاقب کر رہی تھی۔ تصدیق کے لئے میں نے اپنی مرسیڈیز کی رفتار یکلخت کم کر دی۔ فوراً ہی شیورلیٹ کی رفتار بھی کم ہو گئی۔ میں نے اپنی رفتار اور سست کر دی۔ دراصل میں فاصلہ اتنا کم کر دینا چاہتی تھی کہ ان لوگوں کی شکلیں دیکھ سکوں لیکن میری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی۔ شیورلیٹ کی رفتار بھی بہت کم ہو گئی تھی لیکن فاصلہ بدستور رہا۔ میں صرف اتنا دیکھ سکی تھی کہ شیورلیٹ کی اگلی سیٹ پر تین افراد موجود تھے۔ ان کی شکلیں اور وضع قطع مجھے دکھائی نہیں دے سکی تھی۔

میں نے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ مرسیڈیز کی رفتار پھر بڑھا دی۔ اب میں گھر کی طرف نہیں جا رہی تھی۔ میں یہ جاننے کی فکر میں پڑ گئی تھی کہ میرا تعاقب کیوں کیا جا رہا ہے اور تعاقب کرنے والے کون ہیں؟

میں مرسیڈیز کو ڈیفنس کے ایک ایسے حصے میں لے گئی جہاں عمارتوں کی تعمیر کا آغاز ہی ہوا تھا۔ دور دور تک ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ شیورلیٹ نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ میں رفتار پھر کم کرتی چلی گئی اور بالآخر گاڑی کو روک کر کھڑی کر دیا۔ میں اس ویران سے علاقے میں اس لئے نکل آئی تھی کہ شاید وہ لوگ اسے غنیمت جان کر کھل کھیلیں۔

میری توقع پوری ہوئی۔ شیورلیٹ تیزی سے قریب آتی چلی گئی۔ مرسیڈیز کے برابر سے گزرتے ہوئے اس کی رفتار بہت کم ہو چکی تھی اور میں نے اس میں بیٹھے ہوئے تینوں آدمیوں کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ ڈرائیونگ کرنے والے نے اسٹیئرنگ کو بائیں جانب کاٹا اور پھر شیورلیٹ ایک جھٹکے سے میری گاڑی کے ساتھ میری گاڑی کے بالکل آگے اس طرح رکی کہ اب میں آگے نہیں نکل سکتی تھی۔

"اوہو! یہ لوگ تو کچھ خطرناک موڈ میں معلوم ہوتے ہیں۔" میں زیرِ لب بڑبڑا کر دروازہ کھولتی ہوئی گاڑی سے اتر آئی۔

ان تینوں میں سے ایک شخص کی وضع قطع نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ چالیس بیالیس سال کا کوئی عرب تھا اور اس کی صورت مجھے کچھ جانی پہچانی سی محسوس ہوئی تھی۔ یہ یاد نہیں آ سکا تھا کہ میں اسے پہلے کب اور کہاں دیکھ چکی ہوں۔

عرب کے دونوں ساتھی گاڑی سے اتر کر تیزی سے میری طرف آئے۔ گو کہ وہ سوٹ بوٹ میں ملبوس تھے لیکن چہرے سے شریف آدمی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک کے چہرے پر چاقو کے زخم کا نشان بھی تھا۔

میں بڑے اطمینان کے ساتھ اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی ہوئی تھی۔ میرا یہ اطمینان ہی دیکھ کر دونوں جھجک گئے ورنہ تو وہ اتنی ہی تیزی سے میری طرف آ رہے تھے جیسے ایک ہی ہلے میں مجھے دبوچ کر کچا نگل جائیں گے۔ وہ چند فٹ کے فاصلے پر رک کر مجھے گھورنے لگے۔

"فرمائیے!" میرے لہجے میں جھنکار سی تھی۔

"فرخ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" زخمی چہرہ شخص نے براہِ راست سوال جڑ دیا۔

اور یہ سوال ایسا تھا کہ میں اچھی خاصی الجھن کا شکار ہو گئی۔ آخر ان لوگوں کو فرخ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟۔۔۔ کہاں وہ اسکول کی سیدھی سادی لڑکی اور کہاں یہ لوگ؟۔۔۔ ویسے قرائن سے مجھ پر یہ ضرور آشکارا ہو گیا تھا کہ مجھے ان دونوں بدمعاشوں کی کچھ خاطر مدارات ضرور کرنی پڑے گی۔ میں ساری ڈیفنس کالونی کو اپنا گھر سمجھتی ہوں اور گھر آئے ہوئے لوگوں کو نظر انداز کر دینا اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔ اپنے اسی اخلاق کے اظہار کے لئے میں آہستگی سے دو ایک قدم آگے بڑھ گئی۔

"میں فرخ کی دوست ہوں۔" میں نے جواب میں کہا تھا۔

"تمہارا نام؟"

"صبیحہ بانو۔" میں نے کہتے ہوئے اس طرح ہاتھ آگے بڑھایا جیسے مصافحہ کرنا چاہتی ہوں۔

وہ دونوں میری اس حرکت پر خاصے متحیر رہ گئے تھے۔ شاید کچھ نروس بھی ہو گئے ہوں۔ زخمی چہرہ شخص نے بیساختہ اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ دوسرے ہی لمحے ہم دونوں کے ہاتھ مل چکے تھے اور مجھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایک خوبصورت ترین موقع مل گیا تھا۔

بس اس کے بعد مجھے صرف اتنا کرنا پڑا کہ ایک خاص ٹرک کے ساتھ اپنے ہاتھ کو جھٹک دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ زخمی چہرے والے کے حلق سے "ہک" کی سی آواز نکلی اور اس کے پیر زمین سے اکھڑ گئے۔ اس نے فضا میں ایک قلابازی کھائی اور پھر دھاڑ سے سڑک پر کمر کے بل گرا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی کربناک چیخ، فٹ بال کی طرح فضا میں اچھل گئی تھی۔

اس کے ساتھی نے بوکھلا کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ غالباً وہ میرے

اخلاق کا مظاہرہ پسند نہیں آیا تھا اور اظہارِ ناپسندیدگی کے لئے وہ ریوالور نکالنا چاہتا تھا لیکن یہ میرے اصولِ میزبانی کے خلاف ہے کہ مہمانوں کو ایسی واہیات حرکتیں کرگزرنے کا موقع دوں۔ میں اپنی جگہ سے اس طرح اچھلی کہ میرے نامعقول مہمان کی آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ میری دونوں لاتیں اس کے چہرے پر پڑیں اور میں خود اس کے ساتھی پر گری جو کراہتا ہوا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ میرے نیچے دب کر بری طرح کراہا۔ جس کے چہرے پر میں نے لاتوں سے نقش و نگار بنائے تھے وہ کسی بکرے کی طرح ڈکراتا ہوا چت گر پڑا تھا۔ اس کا چہرہ لہولہان ہو چکا تھا اور غالباً ایک آنکھ بھی ضائع ہو گئی تھی کیونکہ میں فرنچ ہیل پہنتی ہوں۔

میں جس کے اوپر گری تھی وہ اچانک بے حس و حرکت ہو گیا۔ غالباً بیہوش ہو گیا تھا۔ کسی نازک مقام پر چوٹ لگی ہو گی۔ اس کا ساتھی دونوں ہاتھ اپنی آنکھ پر رکھے بری طرح تڑپ رہا تھا۔ میں اسے یونہی تڑپتا چھوڑ کر شیدی کی طرف جھپٹی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے تیسرے مہمان کو میرے تغافل کی شکایت ہو لیکن وہ شریف صورت عرب اتنی ہی دیر میں بُرا مان چکا تھا۔ وہ بڑی عجلت میں کار اسٹارٹ کر کے بھاگ نکلا۔ ظالم نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا کہ اس کی میزبان ہاتھ ملتی رہ گئی ہے۔

اب مجھے پھر انہی دونوں مہمانوں کی طرف متوجہ ہونا پڑا جس کی آنکھ پھوٹی تھی، وہ بھی اب ساکت پڑا نظر آیا۔ غالباً وہ پھوٹی ہوئی آنکھ کی تکلیف برداشت نہیں کر سکا تھا اور اس نے اپنے ساتھی کی تقلید مناسبِ حال سمجھی تھی۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور تاریکی زمین پر اترتی چلی آ رہی تھی۔ ابھی تک کسی اور گاڑی نے اس ویران علاقے کا رخ نہیں کیا تھا لیکن یہ کوئی اطمینان بخش بات نہیں تھی۔ کسی وقت بھی کوئی اس طرف آ سکتا تھا۔ ا میری عافیت اسی میں تھی کہ اب چپ چاپ یہاں سے رفوچکر ہو جاؤ۔

میں ان دونوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتی ہوئی مرسیڈیز میں جا بیٹھی۔ اور انجن اسٹارٹ کر کے وہاں سے روانہ ہو گئی۔ دو موڑ مڑنے کے بعد میں نے اپنے گھر کا رخ کیا۔ فرخ کے نہ ملنے کے باعث مجھ پر جو کسلمندی طاری ہو گئی تھی۔ اب اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس ورزش سے میری کھوئی ہوئی چاق و چوبند ہو گئی تھی۔ ہاں البتہ ذہن ضرور الجھ گیا تھا۔ بہت بری طرح الجھ گیا تھا کیونکہ اب مجھے یہ بات بھی یاد آ چکی تھی کہ اس عرب کو میں نے کہاں دیکھا تھا۔ دراصل میں نے اسے نہیں بلکہ اس کی تصویر دیکھی تھی۔ ابھی چند روز پہلے ایک عرب شیخ کراچی آیا تھا۔ اخبارات میں اس کی تصویریں چھپی تھیں اور انہی تصویروں میں یہ عرب بھی اس شیخ کے ساتھ موجود تھا۔

اپنی کوٹھی پہنچنے تک میرا ذہن اس سوال میں الجھا رہا کہ ایک عرب شیخ کے ساتھی کا ان بدمعاشوں سے کیا تعلق اور ان بدمعاشوں کو یہ فکر کیوں کہ فرخ سے کس کس کا ربط ہے؟

میں نے اپنی کوٹھی کے پھاٹک پر کار روک کر ہارن بجایا۔ ذرا ہی دیر میں بوڑھے چوکیدار نے پھاٹک کھول دیا اور میں گاڑی کو پھر حرکت میں لے آئی۔ عام طور پر میں گاڑی کو پورچ میں لے جا کر روکتی ہوں اور ڈرائیور اسے گیرج میں لے جاتا ہے لیکن اس روز میں خود ہی گیرج کی طرف لئے چلی گئی۔ اگر میں پورچ کا رخ کرتی تو مجھے برآمدے گزر کر کوٹھی میں داخل ہونا پڑتا اور میں ملازمین کی نظروں میں آ جاتی۔ اس وقت یہ مناسب نہیں تھا۔ میری ساڑی ایک جگہ سے پھٹ گئی تھی اور جوتی کی ہیل میں خون بھرا ہوا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ملازمین کی نظروں میں نہیں آنی چاہیئے تھیں۔

میں نے کار گیرج میں لے جا کر کھڑی کی اور گیرج سے متصل دروازے کا قفل کھول کر کوٹھی میں داخل ہو گئی۔

خوابگاہ میں داخل ہو کر میں نے سب سے پہلے اس دروازے کا بولٹ چڑھایا جسے عام آمد و رفت کے لئے استعمال کرتی ہوں۔ پھر میں نے باتھ روم کا رُخ کیا۔ ساڑی اتار کر اسٹینڈ پر ڈالی اور خون آلود جوتی اتار کر اسے واش بیسن میں دھونے لگی۔ اور ہاں! یہ کام شروع کرنے سے پہلے میں نے باتھ ٹب کا نل کھول دیا تھا۔ جتنا وقت جوتی دھونے میں لگا اتنی دیر میں ٹب، پانی سے بھر چکا تھا۔ میں بنیان اور کوٹ اور بال کوٹ اتار کر ٹب میں گھس گئی۔

تھوڑی دیر بعد میں اپنے شاندار ڈائننگ ہال میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ دو ملازمائیں میرے قریب ہی موجود تھیں تاکہ مجھے جب بھی کسی چیز کی ضرورت پڑے۔ میں فوراً طلب کر سکوں۔ دونوں ملازمائیں خوب چٹی اور تندرست تھیں لیکن میں کبھی بھی کسی ملازم کو اپنے قریب آنے کا موقع نہیں دیتی ہوں۔ اس طرح بات پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بات پھیل کر رہتی ہے۔ جب میں تنہائی کے احساس اور اداسی کا شکار ہوتی ہوں تو باہر ہی سے کوئی لڑکی میری خوابگاہ میں آتی ہے۔ ملازمین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ آرٹ کی کوئی طالبہ ہو گی جسے میں اپنا ورک دکھانے لائی ہوں۔

شاید میں یہ ذکر کرنا بھول گئی کہ میں فطری طور پر آرٹسٹ ہوں۔ میرا نگارخانہ میری خوابگاہ سے متصل ہے اور میری بنائی ہوئی تصویروں سے اٹا پڑا ہے۔

کھانے کی میز پر بیٹھی ہوئی میں گزشتہ ایک ہفتے کے اخبارات کی الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ آخر مجھے وہ اخبار مل ہی گیا جس میں عرب شیخ کی تصویریں چھپی تھیں۔ دو تصویروں میں شیخ کے ساتھ وہ عرب بھی تھا جس کی دو ساتھیوں کی میں تھوڑی ہی دیر پہلے خاطر تواضع کر چکی تھی۔ تصویروں کے نیچے اس عرب کا نام سعد بن عتبہ تحریر تھا اور یہ بات بھی لکھی تھی کہ وہ عرب شیخ کا سکریٹری ہے۔ عرب شیخ کا سکریٹری، دو بدمعاش، اسکول کی ایک طالبہ!

آخر اس مثلث سے کیا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے؟

میں بڑے انہماک سے اس مثلث پر غور کرتی رہی اور اسی انہماک میں مجھے احساس ہی نہیں ہو سکا کہ میں نے کب کھانا ختم کیا اور کب ہال سے اٹھ گئی۔ میں نے اسٹڈی کا رخ کیا تھا۔ وہیں بیٹھ کر میں نے سگریٹ سلگا کر آرام کرسی کی پشتگاہ سے ٹیک لگا لی۔ میں عام طور پر نہیں پیتی لیکن کھانے کے بعد ایک سگریٹ ضرور پیتی ہوں یا پھر مسلسل پینے کی خواہش مجھے اس وقت ہوتی ہے جب میں ڈرنک کرتی ہوں۔

میں سگریٹ پیتی رہی اور میرا ذہن فرخ میں الجھا رہا۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ معصوم طالبہ عنقریب کسی جال میں پھنسنے والی ہے اور میں اسے ہر قیمت پر اس جال سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔

کچھ دیر بعد میں نے اسٹڈی سے اٹھ کر اپنے خوشنما لان کا رخ کیا۔ پندرہ منٹ تک وہاں ٹہلتی رہی اور پھر اپنی خوابگاہ میں چلی آئی۔ شب خوابی کا لباس پہن کر میں بستر میں گھس گئی اور سائڈ لیمپ جلا کر کاؤنٹ ڈی سانے کی کتاب کا مطالعہ کرنے لگی۔ یہ کتاب میں نے کل ہی خریدی تھی۔ ایک منفرد شخص کی یہ سوانح عمری خاصی دلچسپ تھی لیکن اس میں میرا جی نہ لگ سکا۔ وجہ یہ تھی کہ ذہن تو کہیں اور ہی الجھا ہوا تھا۔ میں نے کتاب بند کر کے ایک طرف ڈال دی۔ اور اپنے ذہن کو مختلف خیالات سے الجھنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ وہ دونوں آدمی بھی بار بار میرے تصور میں ابھر رہے تھے جن کی میں مرمت کر چکی تھی۔ اب نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کہاں اور کس عالم میں ہوں گے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ سعد بن عتبہ نے جا کر ان دونوں کے ساتھیوں کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا ہو اور وہ لوگ آ کر ان دونوں کو اٹھا لے گئے ہوں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کسی راہگیر نے ان دونوں کو اس عالم میں پڑا دیکھ کر پولیس کو اطلاع دے دی ہو۔ اس صورت میں ان دونوں کو اس وقت سول ہسپتال میں ہونا چاہیئے تھا۔ پولیس افسران سے پوچھ گچھ بھی کر رہے ہوں گے۔ سوچتے سوچتے، بالآخر میں نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

*

دوسرے دن میری مرسیڈیز بڑی تیزی سے نصیر آباد کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ فرخ کے اسکول کا وقت ہونے میں ایک گھنٹہ باقی تھا جب میں نے اپنی گاڑی اس کے گھر کے قریبی بس اسٹاپ سے کچھ فاصلے پر روکی۔ بس اسٹاپ پر لوگ خاصی تعداد میں جمع تھے لیکن فرخ ان میں نہیں تھی۔ میں اس کا انتظار کرنے لگی۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنی جلدی اسکول نہیں جا سکتی تھی۔ جب تک اسکول کا وقت نہ ہو گیا ہو گی۔

قرب و جوار سے گزرنے والوں کی نظریں میری طرف ضرور اٹھ رہی تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں عورت تھی اور دوسرے یہ کہ میں نے وہاں اپنی گاڑی کھڑی کر رکھی تھی۔ ان لوگوں کے ذہن میں یہ سوال ضرور ابھر رہا ہو گا کہ میں کون ہوں اور یہاں کیوں رُکی ہوئی ہوں؟

لیکن میں ان لوگوں کے خیالات سے لاپرواہ۔ فرخ کا انتظار کرتی اور ماحول کا جائزہ لیتی رہی۔ ایک سبزی فروش اپنا ٹھیلا لئے چلا جا رہا تھا۔ کچھ دور دکان کے سامنے ایک کھٹارا سی جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر جیپ میں دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور دو آدمی سڑک پر کھڑے جیپ میں بیٹھے ہوئے آدمیوں سے گپیں ہانک رہے تھے۔ ایک آٹو رکشہ والا اپنی رکشہ کا پلگ صاف کر رہا تھا اور کئی آدمی اسکی خدمت میں درخواستیں گزار رہے تھے۔ رکشہ والا بڑی بے نیازی سے اپنے کام میں مصروف تھا۔ غالباً وہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ کس شریف آدمی کی درخواست قبول کرے۔

دور سے مجھے فرخ آتی ہوئی دکھائی دی تو میں مرسیڈیز کو حرکت میں لے آئی۔ اس سے پہلے کہ وہ بس اسٹاپ پر پہنچے، میں خود ہی اس کے قریب پہنچ جانا چاہتی تھی۔ میں نے مرسیڈیز کو بلا تکلف گیئر میں اتار دیا۔ میں نے دیکھا کہ فرخ کی نظریں بھی کار کی طرف اٹھ گئی تھیں اور وہ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ درمیانی فاصلہ اچھا خاصا تھا۔ مجھے بھی فرخ کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اسے محض اس کے چلنے کے انداز سے پہچانا تھا۔

پھر جیسے ہی فرخ نے مجھے پہچانا، اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ میں نے مرسیڈیز اس کے بالکل برابر میں لے جا کر روک دی۔ کھڑکی سے سر نکال کر بولی۔

"آؤ فرخ!۔۔۔ تمہیں اسکول چھوڑتی ہوئی نکل جاؤں گی۔"

"آپ اس وقت یہاں کیسے!" فرخ حیرت سے بولی۔

"میں تو رات ہی سے تمہارے علاقے میں ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "سلمیٰ کے پاس آئی تھی نا!۔۔۔ رات کو اس نے روک لیا۔ اب میں واپس اپنے گھر جا رہی تھی تو سوچا تمہیں اسکول چھوڑتی ہوئی نکل جاؤں۔ آؤ!"

میں نے دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔

جب وہ بیٹھ گئی تو میں مرسیڈیز کو حرکت میں لے آئی۔

"ہائے اللہ!۔۔ کتنی خوبصورت ہے آپ کی کار۔" فرخ سیٹوں پر چڑھے ہوئے نرم شنیل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"پسند آئی تمہیں؟" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور نظریں سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔

"بہت۔۔ بہت۔۔ بہت۔۔۔" فرخ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پہلے کبھی کار میں بیٹھی ہی نہ ہو۔

"کسی روز تم کو میں اپنا گھر بھی دکھاؤں گی۔ شاید تمہیں پسند آئے۔"

"میں نے کبھی کوئی بڑا گھر نہیں دیکھا۔" فرخ کے لہجے میں حسرت تھی۔

"کہو تو آج ہی دکھا لاؤں۔"

"آج؟۔۔۔ مگر کس وقت؟"

"ابھی۔"

"ابھی تو مجھے اسکول جانا ہے۔"

"ایک دن کا ناغہ کر دو۔ کیا تم کبھی چھٹی نہیں کرتیں؟"

"کرتی تو ہوں۔"

"بس تو پھر آج بھی سہی۔"

فرخ کے چہرے پر تذبذب کے آثار پیدا ہو گئے لیکن میں نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ میرے ساتھ جانے کی خواہشمند ہے۔

میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی اور کہا۔ "میں تمہیں اپنی بنائی

ہوئی تصویریں بھی دکھاؤں گی۔ تمہیں آرٹ سے کچھ لگاؤ ہے؟"

"ہائے اللہ! آپ آرٹسٹ بھی ہیں؟" فرخ خوشی سے چہکتی ہوئی بولی۔

"بس یونہی الٹے سیدھے رنگ پوت لیتی ہوں۔"

"آپ کو آرٹسٹ ہونا ہی چاہئے تھا۔"

"کیوں؟"

"آپ اتنی خوبصورت جو ہیں۔" یہ کہتے کہتے فرخ کی رنگت شہابی ہو گئی۔

"ایسا ہے نہیں تو۔" میں ہنس پڑی۔

"واہ!... آپ تو مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔" فرخ نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی "میری امی بھی بہت خوبصورت ہیں میں ان سے بہت محبت کرتی ہوں۔"

"پھر تو تم مجھ سے محبت نہیں کرو گی؟"

"واہ! کیوں؟"

"اپنی ممی سے جو محبت کرتی ہو۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں تو ہر خوبصورت عورت سے محبت کرنے لگتی ہوں۔"

میں ہنس پڑی۔ فرخ کا یہ معصومانہ اندازِ گفتگو میرے جی کو بھا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں یہ فکر بھی سوار ہو چکی تھی کہ وہ کیسے کمبخت لوگ ہیں جو اس معصوم لڑکی کے گرد کوئی پُراسرار جال بُننا چاہتے ہیں۔

اس وقت بھی یہ بات میرے علم میں تھی کہ تعاقب جاری تھا۔ تعاقب کرنے والی وہ جیپ تھی جسے میں نصیر آباد کے علاقے میں کھڑا دیکھ چکی تھی۔ اس پر چار آدمی نظر آ رہے تھے۔ درمیانی فاصلہ آج بھی اتنا تھا کہ مجھے ان کی شکلیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اگر فرخ میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں ان چاروں سے نمٹنے کے بارے میں کچھ سوچ لیتی لیکن موجودہ حالت میں یہ ممکن نہیں تھا۔

فرخ معصومانہ انداز میں گفتگو کرتی رہی اور میں نے بھی جواب دینے میں کوئی توقف نہیں کیا۔ دراصل میں اس کے دل میں یہ شبہ بھی پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی کہ میں کوئی خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔

بہت جلد میں اس فیصلے پر پہنچ گئی کہ خاموشی کے ساتھ، حالات کے دھارے پر نظر رکھی جائے، خود کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔

جب مرسیڈیز کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئی تو فرخ نے بڑی پُرشوق نظروں سے عمارت کے بیرونی حصے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ میں نے گاڑی پورچ میں لے جا کر روک دی اور کہا "اپنی کتابیں کار میں ہی چھوڑ دو۔"

"بہتر۔"

میں اسے لے کر گاڑی سے اتر آئی اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ میری رفتار خاصی تیز تھی لیکن شاید فرخ کو میرے اس شوقِ فراواں کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

راہداری کے دبیز قالین پر چلتی ہوئی فرخ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی "آپ تو بہت امیر معلوم ہوتی ہیں۔"

"ایسی زیادہ تو نہیں۔ ویسے یہ سب کچھ تم اپنا ہی سمجھو۔"

دیواروں پر لگی ہوئی قیمتی پینٹنگز اور چھت سے لٹکے ہوئے فانوس دیکھ دیکھ کر فرخ مرعوب ہوئی جا رہی تھی۔ میں نے اسے کوٹھی کے حصوں کی سیر کر ڈالی۔ ایک مرتبہ پر فرخ نے بڑے بچکانہ انداز میں "ایسی چیزیں میں نے پہلے کبھی دیکھی ہیں تو صرف فلموں میں۔"

آخر میں میں اسے اپنے نگار خانے میں لے گئی لیکن اس کمرے میں داخل ہونے سے پہلے میں نے اپنی خصوصی ملازمہ کو آواز دے کر ہدایت کر دی تھی کہ اب مجھے قطعی ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ میں جب اپنے نگار خانے میں جاتی ہوں تو میرا حکم ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ اب کوئی دخل اندازی نہ ہو۔ اس دوران میں مجھے کافی یا دوسرے کسی مشروب کی ضرورت پڑتی ہے تو میں خود ہی تیار کر لیتی ہوں۔ نگار خانے کے ایک گوشے میں ایک بڑا کپ بورڈ لگا ہوا ہے اور اس میں ہر وہ چیز موجود رہتی ہے جس کی ضرورت نگار خانے میں محسوس کر سکتی ہوں۔

میری تصویریں دیکھ کر فرخ مسرت سے چیخ پڑی۔ تعریف کرتے اس کی زبان نہیں تھک رہی تھی اور ادھر میرا یہ عالم تھا کہ بے خود پر قابو پائے ہوئے تھی۔ جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ بس اسے آغوش میں کھینچ لوں لیکن معاملہ ابھی ... ضبط ... [illegible]

"کیا خیال ہے، آرنج اسکواش پیو گی؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"پلائیے!" اس کے انداز میں اب قدرے بے تکلفی آ چلی تھی۔

میں اسے ایک بڑی تصویر کو دیکھتا چھوڑ کر کپ بورڈ کی طرف بڑھی۔ آئس باکس میں برف موجود تھی۔ میں نے آرنج اسکواش کے دو گلاس بنائے۔ ایک گلاس میں میں نے تھوڑی سی برانڈی بھی ڈال دی تھی۔ اپنے گلاس میں پورا ایک پیگ ڈالا تھا۔ یہ کام مجھے اپنے ہی جسم کی آڑ میں کرنے پڑے۔ میں دونوں گلاس لے کر فرخ کے قریب گئی اور کم برانڈی ملا ہوا اسے دے دیا۔

"آپ تو بہت ہی اچھی تصویریں بناتی ہیں باجی!" وہ بولی۔

"باجی نہیں، بانو ... کیا تم میرا نام بھول گئیں؟"

"واہ! تو کیا میں آپ کا نام لیا کروں!"

"میں نے تمہیں اپنی دوست بنایا ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ آپ مجھ سے بڑی تو ہیں۔"

"اس صورت میں بھی تم مجھے بانو کہہ کر مخاطب کر سکتی ہو۔ یہ صرف نام ہی نہیں بلکہ عزت و احترام کا اندازِ تخاطب بھی ہے۔"

"اچھا چھوڑیئے اس بحث کو۔ آپ مجھے اس تصویر کے بارے میں بتائیے۔"

"پوچھو، کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"

ان باتوں کے دوران میں آرنج اسکواش کے گلاس خالی ہو گئے۔ فرخ نے اسکواش کی مٹھاس میں برانڈی کی خفیف سی تلخی کو محسوس نہیں کیا۔ میں دونوں خالی گلاس لے کر کپ بورڈ کی طرف گئی اور مزید اسکواش بنانے لگی۔ اس مرتبہ میں نے فرخ کے گلاس میں قدرے زیادہ برانڈی ڈالی۔ جب میں گلاس لے کر اس کے قریب پہنچی تو وہ تعجب سے بولی۔

"یہ کیا؟"

"ایک گلاس سے جی نہیں بھرا تھا۔"

فرخ نے ہنس کر اپنا گلاس میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔ سات آٹھ منٹ میں یہ دوسرا دور بھی مکمل ہو گیا۔ اس مرتبہ فرخ نے گلاس ختم کر کے اپنی گردن ملتے ہوئے منہ بنایا تھا۔

"کیا ہوا جان!" میں نے بڑے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اسکواش میں کچھ تلخی سی تھی۔"

"ارے نہیں۔ وہم ہے تمہارا۔ بھلا اسکواش میں تلخی کیسی؟ ایک گلاس اور بناؤں؟"

"آپ بھی کمال کرتی ہیں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی آنکھوں میں باریک سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے۔ ہلکا سا خمار اس کے وجود پر اپنا قبضہ قائم کر چکا تھا۔

میں خالی گلاس لے جا کر کپ بورڈ میں رکھ آئی اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈالتی ہوئی بولی "چلو اب تمہیں اپنی خواب گاہ دکھاؤں۔"

"چلئے!"

میری خوابگاہ، نگار خانے سے متصل تھی اور درمیانی دیوار میں دروازہ بھی تھا۔ میں اسی دروازے سے فرخ کو اپنی خوابگاہ میں لے گئی۔ یہ کمرہ فرخ کو بہت دلکش انداز میں سجا محسوس ہوا کہ وہ مسرت سے چیخ اٹھی۔ وہ ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھ رہی تھی اور چھونے کا انداز ایسا تھا جیسے آبگینوں کو ٹھیس لگ جانے کا اندیشہ ہو۔ صرف بستر کے نرم گدے کو اس نے خاصا دبا کر دیکھا۔

"ہائے... کیسے نرم ہیں یہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"بیٹھ جاؤ!" میں نے بڑے پیار سے کہا۔

وہ دھم سے بستر پر بیٹھی اور فوم کے نرم گدے میں دھنستی چلی گئی۔ اس کے چہرے پر ایسی سرخی پھیل گئی تھی جیسے اس نے گدگدی سی محسوس کی ہو۔ میں بھی اس کے قریب بیٹھ گئی اور اپنا بوجھ اس کے کندھے پر ڈالتی ہوئی بولی۔

"میں تو اب کچھ تھکن محسوس کر رہی ہوں فرخ!"

"تو کچھ دیر آرام کر لیجئے۔!"

"آؤ، تم بھی لیٹ جاؤ!" میں اسے اپنے بازو میں سمیٹتی ہوئی بستر پر دراز ہو گئی۔

فرخ کسمسائی تو میں نے اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر سینے سے لگا لیا اور اس کے دہکتے ہوئے شہابی عارض کو چومتے ہوئے سرگوشی کی "تم مجھے بہت پیاری لگی ہو فرخ!"

"آپ بھی مجھے ... بہت اچھی ... لگی ہیں سب ... بانو!" فرخ کی سانسیں تیزی سے چلنے لگی تھیں۔

میں اپنے گداز سینے پر اس کی اٹھتی ہوئی جوانی کو محسوس کر رہی تھی۔ میرے ہاتھ اس کی پشت پر حرکت کر رہے تھے۔ میرا داہنا ہاتھ اس کے جسم کی حدوں سے تجاوز کرنے لگا تو فرخ پھر کسمسائی۔

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں بانو!" اس کی آواز گھبرائی ہوئی تھی۔

"میں تمہیں پیار کر رہی ہوں جان!... اچھی چیزوں کو سبھی پیار کرتے ہیں۔ تم بھی مجھے پیار کرو۔ کیا میں تمہیں اچھی نہیں لگی۔؟"

میرے ہاتھ نے اب اس کے شباب کی سرکشی تک رسائی حاصل کی۔ اس کے منہ سے ایک سسکاری سی نکل گئی۔ اس نے اپنی مخمور آنکھیں بند کر لیں اور جسم کو یکلخت اس طرح ڈھیلا چھوڑ دیا جیسے بالکل جان نہ رہ گئی ہو۔ میری وہ حرکت مشاقی اور تجربے کا نتیجہ تھی۔ اس حرکت کے بعد لڑکیوں کی مدافعت قطعی دم توڑ دیتی ہے۔ میں نے اپنے پیاسے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ وہ پنکھڑیاں بڑی نازک، بڑی رسیلی تھیں۔ میں ان کا رس، بہت دھیمے دھیمے، بہت ... ہوئے نچوڑنے لگی۔ کبھی کبھی میں اپنے دانتوں کا خفیف سا دباؤ بھی ڈال دیتی تھی۔ ایسے موقعوں پر فرخ کے منہ سے سسکاری ضرور نکلتی۔ میرا بایاں ہاتھ اس کی گردن کے نیچے سے ہوتا ہوا، کلائی سے مڑ کر اس کے نوجوان ٹھوس سینے تک آیا ہوا تھا۔ میں نے داہنے ہاتھ سے اس کی بائیں ٹانگ اٹھا کر اپنے کولہے پر رکھ لی۔ اس کے پیر میں چپل موجود تھی۔ وہ اتار کر میں نے ایک طرف اچھال دی اور پھر آہستہ آہستہ اس کی انگلیاں دبانے لگی۔ پھر تلوے سہلائے، پھر اس کے گول گول ٹخنوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کے بعد تو میرے ہاتھ کی آوارگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس کی پنڈلیاں صاف و شفاف اور مرمر کی طرح چکنی تھیں۔

فرخ نے جو تھوڑی سی برانڈی پی تھی، اس کے خمار کو میری حرکتوں نے دو آتشہ کر دیا۔ وہ شرم سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھی لیکن اب اس کا بدن بھی پھنک رہا تھا۔ اب اس کا انگ انگ بھی کچھ مطالبے کر رہا تھا۔ اس کی خواہش خود اس کے لئے انجانی تھی، اجنبی تھی لیکن اس خواہش میں شدت آتی جا رہی تھی۔ اس کا رواں رواں پکار رہا تھا۔ میں جل رہی ہوں۔ میری پیاس بجھاؤ! میں دہک رہی ہوں، مجھے ٹھنڈا کرو۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب وہ کسی بھی مرحلے پر مدافعت نہیں کرے گی تو میں نے اپنا دایاں ہاتھ کھینچ لیا۔ اب میں شلوار کے اوپر ہی سے اس کی پنڈلی دبا رہی تھی۔ میرا ہاتھ اوپر کی طرف حرکت کرتا رہا۔ گھٹنوں تک پہنچا، پھر اور اوپر، اور اوپر!... اب میں بندشوں سے نبرد آزما تھی۔ فرخ ساکت پڑی رہی لمبی لمبی سانسیں لیتی رہی۔ اس کے چہرے کی سرخی بتا رہی تھی کہ اس کا مطالبہ اب بہت شدید ہو چکا ہے۔

اٹھتی ہوئی جوانی جب بے نیازِ پیرہن ہوئی تو میں جسم کا وہ تناسب، وہ شادابی اور وہ پیچ و خم دیکھ کر جیسے تڑپ اٹھی۔ جلد ہی میں نے خود کو بھی ہر تار کی بندش سے آزاد کر لیا۔ میں اس سے لپٹ گئی اور اس شدت سے لپٹی جیسے اس میں پیوست ہو جانا چاہتی ہوں یا اسے اپنا جزوِ بدن کر لینا چاہتی ہوں۔ اب اس کے ہاتھ بھی بہت حجابانہ انداز میں آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگے تھے۔ میں ان پیارے پیارے ہاتھوں کو اپنے سینے پر لے آئی اور زور زور سے دبانے لگی۔ میری خواہش تھی کہ فرخ بھی اسی جارحیت کا ارتکاب کرے جس کی مرتکب میں ہو رہی تھی لیکن نوخیز کلی کا حجاب آڑے آ رہا تھا۔ وہ پہلی ہی کوشش میں اتنی فعال نہیں ہو سکتی تھی۔ میں خود ہی اس کے ہاتھوں سے

کام لیتی رہی۔

ایک زرخیز جوانی ایک بھرپور جوانی سے ٹکرا رہی تھی۔ سرمستی و سرشاری میں اضافہ ہوتا رہا۔ ہمارے گرد کہکشاں جیسے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتی رہی۔ ایک کلی چٹخ رہی تھی اور ایک پھول مست ہوا جا رہا تھا۔ دونوں جسم پسینے میں ڈوبتے جا رہے تھے لیکن اس پسینے میں بھی ایک مست کن مہک رچی بسی ہوئی تھی۔ چٹختی ہوئی کلی نے بیتاب ہو کر پھول کو کاٹ لیا اور پھول اس کلی کو بھنبھوڑنے لگا۔ جسموں کی آویزش لمحہ بہ لمحہ آسودگی کی منزل کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔

اب فرخ کی خواہش اس کے لئے اجنبی نہیں رہی تھی، اب اس کا مطالبہ اس کے لئے انجانا نہیں رہا تھا۔ وہ ادراک کی منزل پر آ گئی تھی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ شاید وہی سب کچھ اسے مل رہا ہے جو وہ چاہتی تھی۔

کمرے کے سکوت میں لذت و سرشاری کی سسکیاں گونجتی رہیں۔ فرخ کے بدن کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جسے میرے ہونٹوں کا سجدہ نہ ملا ہو میں اس کے ایک ایک ریشے کو چوم رہی تھی۔ وحشت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے لپٹتے ہوئے، جوڑے چکنے بستر پر مچل رہے تھے، تڑپ رہے تھے، بل کھا رہے تھے، مست ہو رہے تھے، پھسل رہے تھے اور زندگی کے ہزارہا پراسرار راز آشکارا ہوتے چلے جا رہے تھے۔

آخر کلی نے پوری طرح چٹخ کر اپنی آسودگی کا اعلان کر دیا۔ پھول اس سے پہلے ہی طغیانی سے گزر چکا تھا۔ سانسیں بکھر کر رہ گئیں۔ انگ انگ نڈھال ہو گیا۔ پھول نے آنکھیں موند لیں اور کلی تو پہلے ہی سے حجاب اندر حجاب کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

کمرے کے سکوت میں تنفس کی آواز گونج رہی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ بھی مدھم پڑتی چلی گئی۔ آخر میں بالکل سکون چھا گیا۔ میں اور فرخ ایک دوسری سے لپٹی ہوئی بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھیں۔ کسی کا جی نہیں چاہ رہا تھا اٹھنے کو!

دس منٹ بعد میں نے ہی اس سکوت کا قفل توڑا۔ "فرخ!"

"ہوں" فرخ آنکھیں بند کئے رہی۔

"چلو اب اٹھ جاؤ!"

لیکن فرخ نہ تو اٹھی اور نہ اس نے آنکھیں کھولیں۔ میں نے اس کی گردن کے نیچے سے اپنا بازو نکالا اور بستر سے اٹھ کر گاؤن پہن لیا۔ پھر الماری کی طرف گئی۔ اسے کھول کر ایک اور گاؤن نکالا۔ وہ گاؤن میں نے فرخ پر اچھال دیا اور کہا۔

"یہ پہن لو۔ تمہاری یونیفارم گندی ہو گئی ہے۔ پہلے اس پر استری کرنا پڑے گی۔" پھر میں اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر باتھ روم میں گھس گئی۔ میں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ میری نیلی نیلی آنکھوں کا خمار ڈھل چکا تھا۔ میں مسکرائی اور پھر زیر لب گنگناتی ہوئی، واش بیسن میں کلیاں کرنے لگی۔ ذرا دیر بعد جب میں باتھ روم سے نکلی تو دیکھا کہ فرخ نے گاؤن پہن لیا تھا اور ٹانگیں بستر سے نیچے لٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ جھینپی جھینپی سی نظر آ رہی تھی۔

میں اس کے قریب گئی اور ہاتھ پکڑ کر بستر سے اٹھاتی ہوئی مسکرا کر بولی "اب کتنی دیر تک شرماتی رہو گی جان!... چلو جلدی سے کپڑے استری کر کے پہن لو۔ استری اور اس کی میز وغیرہ کونے میں ہے۔ تم جتنی دیر میں استری کرو گی اتنی دیر میں میں بھی تیار ہو جاؤں گی۔"

میں نے اسے میز کے قریب جا کر چھوڑا اور پھر الماری سے ایک شلوار سوٹ نکال کر دوبارہ باتھ روم میں جا گھسی۔ تیار ہو کر باتھ روم سے نکلنے میں آدھا گھنٹہ لگا۔ اتنی دیر میں فرخ بھی اپنی یونیفارم پر استری کر کے پہن چکی تھی اور ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹ شرمیلے سے انداز میں کپکپا رہے تھے۔ میں اس پر ایک شوخ نظر ڈالتی ہوئی سنگھار میز کے سامنے جا بیٹھی۔ میک اپ کرنے میں مجھے پانچ منٹ لگے۔ گلابی شلوار سوٹ میں مجھے خود ہی اپنا سراپا بہت پیارا لگ رہا تھا۔ میرے شباب کی تمام تر رعنائیاں اس تنگ لباس سے پھٹ کر باہر نکل آنا چاہتی تھیں۔ اس زمانے میں یہ فیشن بہت عام تھا۔ موری کی شلوار اور کولہوں سے چپکا ہوا جمپر... دوپٹے کی بجائے جمپر کے کپڑے کی ایک چوڑی پٹی استعمال ہوتی تھی جس کو سینے پر کراس کی شکل کر کے پن لگا لئے جاتے تھے۔ کندھوں پر بھی ایک ایک پن ہوتا تھا تاکہ وہ پٹی شانوں سے پھسلنے نہ پائے۔ میں اس لباس میں خاصی گدرائی ہوئی نظر آنے لگتی تھی۔

"چلو فرخ! تمہارے اسکول کا وقت ختم ہونے میں ڈیڑھ گھنٹہ رہ گیا۔ اتنی دیر میں تم میرے ساتھ کلفٹن گھوم آؤ۔ پھر میں تمہیں چھوڑنے کے لئے تمہارے گھر چلوں گی۔ آج مجھے تمہاری امی سے بھی ملنا ہے۔"

"چلئے!" فرخ نے بہت دھیمی آواز میں کہا اور کھڑی ہو گئی۔

میں اس کا ہاتھ تھام کر اسے نگار خانے میں لے گئی اور پھر اسی دروازے سے باہر نکلی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ ملازمین ہمیں خوابگاہ سے نکلتے دیکھیں۔

"کیا خیال ہے؟ کچھ پی لیا جائے؟" میں بولی۔

"پیاس تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔"

میں نے فریج کھول کر دودھ کی ٹھنڈی بوتلیں نکالیں اور انہیں دو گلاسوں میں انڈیلا۔ ایک گلاس فرخ کو دیا اور دوسرا اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ دودھ پی کر ہم دونوں نگار خانے سے نکلیں۔

جب مرسیڈیز پھاٹک سے گزر کر سڑک پر پہنچی تو میں نے متجسس نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ مجھے توقع تھی کہ جس جیپ نے ہمارا تعاقب کیا تھا وہ قرب و جوار میں کہیں موجود ہو گی لیکن میرا خدشہ غلط ثابت ہوا۔ وہ جیپ نظر نہیں آئی لیکن اس کے نظر نہ آنے سے میں مطمئن نہیں ہو گئی۔ میرے خیال کے مطابق اس بات کا قوی امکان تھا کہ تعاقب کرنے والوں نے گاڑی تبدیل کر لی ہو۔ وہ یقیناً کوئی بہت بڑا گینگ تھا جو کسی وجہ سے فرخ کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ میرے شبہات اب کچھ اس قسم کے تھے کہ وہ بردہ فروشوں کا گروہ ہو جو لڑکیوں کو اغوا کر کے عرب ریاستوں میں بھیج دیتا ہے۔

فرخ میرے برابر والی نشست پر سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

"کچھ بولو فرخ! تم کو تو جیسے چپ لگ گئی ہے۔" میں نے اسے ٹوکا۔

"کیا... کیا... بولوں... باجی!" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"کچھ تو کہو! زندگی کا یہ تجربہ کیسا رہا؟... لذت و سرشاری کی یہ دنیا تمہارے لئے اجنبی تو ہو گی لیکن تم یہ نہیں کہہ سکتیں کہ لطف اندوز نہیں ہو سکی ہو؟"

"ج... جی... !"

"کیسا رہا یہ تجربہ؟"

"م... میں... میں... کیا بتاؤں؟" وہ بری طرح جھینپ رہی تھی اور مجھے اس موضوع پر باتیں کرتے ہوئے مزہ آ رہا تھا۔ اس کے گالوں پر پھیلا ہوا تمتماتا ہوا گہرا رنگ اور آنکھوں میں ابھرتی ہوئی شرمگیں چمک اس کے اشتعال و انبساط کا سبب بن رہی تھی۔

مگر لطف اندوزی کی ان منزلوں سے گزرتے ہوئے میں اس خیال سے غافل نہیں ہوئی تھی کہ تعاقب کا امکان بدستور موجود ہے۔ میں گاڑی کو بار بار مختلف سڑکوں پر موڑ رہی تھی اور عقب نما آئینے میں پیچھے آنے والی گاڑیوں پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ آخر کار میں یہ جان لینے میں کامیاب ہو گئی کہ ایک سفید کار میں ہمارا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ یہ جان لینے کے بعد میں نے مرسیڈیز کو اس راستے پر ڈال دیا جو کلفٹن کی طرف جاتا تھا۔

"میں اپنی زندگی اسی طرح گزار دینا چاہتی ہوں فرخ!" میں قدرے سنجیدہ ہو کر بولی۔ "شادی کے تو خیال ہی سے مجھے کراہیت ہوتی ہے۔ میں کسی مرد کو اپنے اتنا قریب نہیں کرنا چاہتی۔ یہ مرد ذات بڑی بدذات ہے۔ ہمیشہ سے مشرق کی عورت پر ان لوگوں نے اپنا تسلط قائم کر رکھا ہے اور اسے اپنی ملکیت سمجھتے ہیں لیکن میں اس حق کو تسلیم نہیں کرتی۔ آخر ہم میں ایسی کیا کمی ہے کہ ہم پر صنف مخالف کی برتری قائم رہے؟"

میں اس موضوع پر بات کرتے کرتے جذباتی ہو جاتی ہوں اور اس وقت بھی جذباتی ہو گئی تھی۔ میں کافی دیر تک بڑے جوش و خروش سے بولتی رہی لیکن فرخ نے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید یہ میری حماقت ہی تھی کہ یہ موضوع اس وقت چھیڑ بیٹھی جب فرخ شرم و حجاب کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اگر اسے مجھ سے اتفاق ہوتا تو بھی اور اتفاق نہ ہوتا تو بھی، وہ بہرحال چپ ہی رہتی۔ اپنی اس حماقت کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب ہم کلفٹن پہنچ گئے اور میں نے گاڑی روک دی۔ سفید فیٹ برابر تعاقب میں لگی ہوئی تھی۔ میں فرخ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ساحل پر نکل آئی۔ موسم بھی خوشگوار تھا۔ ساحل پر خاصی چہل پہل تھی۔ خورد و نوش کی اشیاء بیچنے والوں کے ٹھیلوں پر خاصے گاہک نظر آ رہے تھے۔ میں نے فرخ سے پوچھا کہ اگر کچھ کھانے کو دل چاہ رہا ہو تو بتائے لیکن اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"کچھ کھائے بغیر تو بات نہیں بن سکتی میری جان!" میں نے کہا اور چاک بار بیچنے والی ایک گاڑی کے قریب رک گئی۔ دراصل کہیں رک کر میں اس بات کا اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ ہمارا تعاقب کرنے والے کون ہیں؟

دو چاک بار خرید کر میں فرخ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ میں تعاقب کرنے والوں کو دیکھ چکی تھی۔ وہ دو تھے۔ ممکن ہے ان کی ایک آدھ ٹولی اور بھی ہو لیکن اس ٹولی کو میں تاڑ نہیں سکی۔

میرے ذہن میں معاملات ابھی تک الجھے ہوئے تھے اور میں انہیں سلجھانا چاہتی تھی۔ اس کی ایک صورت جو میری سمجھ میں آئی، وہ یہ تھی کہ تعاقب کرنے والوں کو گرفتار کروا دیا جائے۔ پھر پولیس خود ہی ان سے پوچھ لیتی کہ وہ کتنے پانی میں ہیں۔ گذشتہ شام میں نے ان کے جن دو آدمیوں کی مرمت کی تھی، انہیں یقیناً ان کے ساتھی اٹھا لے گئے ہوں گے۔ اگر وہ پولیس کے ہاتھ لگے ہوتے تو آج کے اخبار میں ان سے متعلق کوئی خبر ضرور ہوتی۔ میں نے آج کا اخبار بہت غور سے دیکھا تھا لیکن مجھے ایک بھی سطر ایسی نہیں ملی تھی جو ان کے بارے میں ہوتی۔

میں فرخ کو لئے ہوئے ساحل کے ویران حصے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ ادھر ریت کے دو چار ٹیلے بھی نظر آ رہے تھے۔ فاصلہ پانچ چھ فرلانگ کا تھا۔ کسی بھی ٹیلے کی دوسری طرف جا کر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوا جا سکتا تھا اور میں یہ اس لئے کرنا چاہتی تھی کہ تعاقب کرنے والوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل سکے۔ میں انہیں گرفتار کرا کے ہی دم لینا چاہتی تھی اور اس سلسلے میں صورت حال کوئی خطرناک رنگ اختیار کر لیتی تو میں اس کے لئے بھی تیار تھی۔ میرے پرس میں ایک چھوٹا سا پستول موجود تھا جس کی ننھی سی گولی، انسانی زندگی کو بہ آسانی ختم کر سکتی تھی۔

فرخ نے اپنے ہونٹوں پر تالہ ڈال رکھا تھا اور یہ چیز مجھے خاصی کھل رہی تھی۔ آخر میں نے ایک ایسا موضوع چھیڑ دیا جس پر بات کرتے ہوئے فرخ کو ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہو سکتی تھی۔

"تمہارے آپشنل سبجیکٹ کیا ہیں فرخ؟"

"سوکس اور ہوم اکنامکس۔" فرخ نے میری توقع کے مطابق واضح جواب دیا۔

"یہ سبجیکٹ پڑھانے والی ٹیچرز کیسی ہیں؟"

"ایک تو بہت ہی نکچڑی ہیں لیکن دوسری اچھی ہیں۔"

اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے اور چاک بار کی ٹھنڈک کو اپنی زبان اور ہونٹوں پر منتقل کرتے ہوئے ہم آگے بڑھتے رہے۔ فرخ نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں اس ویران حصے کی طرف کیوں جا رہی ہوں۔ میں نے اس دوران میں ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں ہمارے پیچھے چلے آ رہے ہوں گے۔

"تعلیمی دور بھی خوب ہوتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "زندگی ایک کھیل معلوم ہوتی ہے۔"

میرے اس خیال پر فرخ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اب ہم دونوں ٹیلے کی دوسری طرف پہنچ چکے تھے۔

"آؤ کچھ دیر یہیں بیٹھیں۔ تم تھک بھی گئی ہو گی۔" میں نے کہا۔

"نہیں تو۔ کچھ ایسی زیادہ تھکن تو نہیں ہوئی۔"

اس سے پہلے کہ میں فرخ کی اس بات کے جواب میں کچھ کہتی، فضا میں گڑگڑاہٹ کی آواز گونجی۔ میرے ساتھ ہی فرخ کی نظریں بھی اوپر اٹھ گئیں۔ وہ ایک ہیلی کاپٹر تھا۔

شہر کی فضا میں کبھی کبھی ہیلی کاپٹر بھی پرواز کرتے ہوئے نظر آجاتے ہیں اسے کوئی غیر معمولی بات نہیں سمجھا جا سکتا لیکن یہ ہیلی کاپٹر بہت نیچی پرواز کر رہا تھا۔ کلفٹن کے ساحل پر کسی ہیلی کاپٹر کی آمد ... کسی قدر غیر معمولی بات تھی لیکن مجھے کسی خطرے کا فوری احساس نہیں ہو سکا۔ خطرہ محسوس کرنے کی کوئی منطقی وجہ تھی ہی نہیں۔ بس اسے دیکھ کر ذہن ایک خفیف سی الجھن کا شکار ہوا تھا۔ خطرے کا احساس تو مجھے اس وقت ہوا جب ہیلی کاپٹر بالکل سر پر پہنچ چکا تھا اور اس کے پائلٹ کی شکل بھی نظر آنے لگی تھی۔ خیر پائلٹ کی شکل سے تو کسی خطرے کا کوئی تعلق نہیں تراشا جا سکتا لیکن جب اس کے برابر میں بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں ریوالور دکھائی دے تو یقیناً تشویش کی بات ہے۔ ریوالور کا رخ بھی میری ہی طرف معلوم ہو رہا تھا لیکن اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ نشانہ فرخ ہو۔ بہرحال مجھے اس ریوالور کو دیکھ کر خطرے کا احساس ہوا تھا اور سارے جسم میں چیونٹیاں سی رینگ گئی تھیں۔ ممکن ہے کہ مساموں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ بھی پھوٹ پڑا ہو۔ اب اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد مجھے اپنی اس وقت کی کیفیت مکمل طور پر یاد نہیں۔ ہاں اتنا ضرور یاد ہے کہ مجھے اپنی جان بچانے کے ساتھ ساتھ فرخ کی زندگی کی بھی فکر لاحق تھی۔

جب میں نے متوقع گولی سے بچنے کے لئے خود کو ریت پر گرایا تو فرخ کے بھی ٹانگ ماردی تھی۔ پہلے میں گری اور میرے اوپر فرخ گری۔ ہیلی کاپٹر ہمارے اوپر گرجتا رہا۔ وہ فضا میں معلق ہو گیا تھا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ گولی چلائی گئی تھی یا نہیں۔ اگر چلائی گئی تھی تو اس کا نشانہ یقیناً خطا گیا تھا۔ یہ میں دیکھ ہی چکی تھی کہ ریوالور کی نال پر سائیلنسر فٹ تھا اس لئے گولی کی آواز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

"زیادہ پھرتیلے پن کا مظاہرہ کرنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا چالاک لیڈی!" ریوالور بدست شخص نے چیخ کر کہا تاکہ ہیلی کاپٹر کے انجن کا شور اس کی آواز کو دبا نہ سکے۔ "اب تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ لڑکی کو ہمارے حوالے کردو! اگر ایسا نہیں کروگی تو گویا اپنی موت کو دعوت دوگی۔"

میں ریت پر چت پڑی ہوئی آنکھیں پٹ پٹا رہی تھی کیونکہ اس صورت حال کا تو مجھے سان گمان بھی نہیں تھا۔ فرخ میرے اوپر پڑی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ دہشت سے سفید ہو گیا تھا۔

"چلو بس اب کھڑی ہو جاؤ!" ریوالور والا پھر چیخا۔

میں نے دیکھا کہ اس نے ایک سیڑھی نیچے گرادی تھی۔

"کھڑی ہو جاؤ فرخ!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے ان کے حوالے مت کیجئے بانو!" فرخ گڑگڑائی۔

"کیا تم نے سنا نہیں؟" ریوالور والے کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔

فرخ کا سارا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ مجھے اٹھتے وقت اسے سہارا دینا پڑا۔ اس بہانے سے میں نے خود کو اس کی آڑ میں رکھا تھا کیونکہ بات بالکل صاف تھی کہ وہ لوگ فرخ کو زندہ ہی حاصل کرنا چاہتے اسی لئے میں نے اس کی آڑ کو اپنی زندگی کا ضامن جانا تھا۔ جب تک اس کی آڑ میں رہتی، وہ ... گولی نہیں چلا سکتا تھا۔ دوسرے میں اس ایک اور فائدہ بھی حاصل کرنا چاہتی تھی۔

"چلو شاباش!" ریوالور والا بولا۔ "لڑکی کو سیڑھی سے اوپر ..."

"چلو!" میں نے فرخ کو آہستہ سے سیڑھی کی طرف دھکیلا۔

"نہیں... نہیں... میں نہیں جاؤں گی... نہیں..." فرخ ... انداز میں چیخنے لگی۔ اس نے میری گرفت سے نکلنے کی کوشش بھی کی تھی میں نے اسے بڑی مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ میں اسے سیڑھی کی طرف دھکیلنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی میں ایک اور حرکت میں بھی مصروف تھی۔ ریت پر ... وقت میرا پرس میری کلائی میں پڑا ہوا تھا اس لئے مجھ سے جدا نہ ہوا۔ وہی پرس میری زندگی کی ضمانت دے سکتا تھا کیونکہ اس کے ... میں ... سا پستول موجود تھا۔

فرخ چیختی رہی میری گرفت سے نکلنے کے لئے جدوجہد کرتی لیکن اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ میں نے آخرکار اسے سیڑھی کے بالکل قریب پہنچا ہی دیا۔ اسی کی آڑ میں، میں اپنا پرس کھول کر پستول ... چکی تھی۔

"بس اب آگے اوپر چڑھو..." ریوالور والے نے حکم دیا اور ... کر بولا۔ "لڑکی! یہ چیخنا چلانا ... سیڑھی کے ذریعے اوپر آ جاؤ۔ تم نے بلا ناخیر السباد کیا تو میں گولی تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔"

اس کا لہجہ اتنا بھیانک اور سفاک تھا کہ فرخ سہم گئی۔ اس کی ... میں ایک دم بریک لگ گیا۔ وہ اب بھی ساری جان سے تھر تھر کانپ رہی ...

"گھبراؤ نہیں فرخ!... میں تمہیں ان درندوں کے حوالے نہیں ..." میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"بہت دیر ہو رہی ہے۔" ریوالور والا کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔

"چلو، شاباش، اوپر چڑھو!" میں نے آہستہ سے کہا۔

فرخ اس وقت اپنے ایک ایک پیر کو من من بھر کا محسوس کر ہوگی۔ وہ بمشکل ہی ایک قدم اٹھا کر سیڑھی پر رکھ سکی۔ میں اسے اوپر چڑھنے میں مدد دے رہی تھی اور اس بہانے سے میرے دونوں ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہوتے جا رہے تھے۔ ریوالور والا یعنی دایاں ہاتھ میں نے فرخ کی ... کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ ریوالور والے کی چمکتی ہوئی نگاہیں ہم پر جمی ہوئی ... مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ میرا دشمن بے وقوف ہے۔ ... اس امکان کو نظر انداز کر رہا تھا کہ میرے پاس بھی پستول یا ریوالور ہو ...

فرخ چوتھی سیڑھی پر پہنچ گئی۔ میں چونکہ ریت پر ہی کھڑی تھی ... فرخ کو سہارا دیتے ہوئے میرے ہاتھ بالکل سیدھے ہو چکے تھے۔ اسی و... مجھے انتظار بھی تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنا دایاں ہاتھ فرخ کی بغل ...

دار ریوالور والے پر گولی چلا دی۔ گولی ٹھیک اس کے سینے پر لگی۔ وہ منہ کے بل آگے کی طرف جھکا اور دھم سے ریت پر آ گرا۔ اس کی حسرت بھری ... میں صرف ایک جھلک دیکھ سکی تھی۔

یہ واقعہ اتنا غیر متوقع تھا کہ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ بوکھلا گیا۔ اس نے اپنے ... کو نیچے گرتے دیکھ لیا تھا اور شاید گولی چلنے کی آواز بھی سنی ہوگی۔ لہٰذا ... فرار ہونا اس کے لئے مشکل نہیں تھا۔ وہ جھٹ سے ہیلی کاپٹر کو حرکت میں لے آیا اور اسی وقت میں نے فرخ کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

ریوالور والا ریت پر ساکت و صامت پڑا ہوا تھا۔ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہوگی۔

فرخ میرے سینے سے لگ کر سسکنے لگی۔ میں اسے سہارا دیئے ... اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہی تھی۔ ہیلی کاپٹر دور ہوتا چلا جا رہا تھا اور پائلٹ ... کی سیڑھی بھی اوپر کھینچ لی تھی۔ میں نے اپنا پستول پرس میں رکھ لیا۔

اب مجھے ان دونوں آدمیوں کا خیال آیا جو ہمارے تعاقب میں لگے ہوئے ... اب تک انہیں یہاں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھنا چاہا لیکن ... دیر ہو چکی تھی۔ وہ دونوں دبے قدموں چلتے ہوئے میری پشت پر بالکل ... آپہنچے تھے۔ ان میں سے ایک نے میرے بازوؤں کو اپنے مضبوط ہاتھوں کی ... گرفت میں لے لیا اور دوسرے نے فرخ کو کھینچ کر مجھ سے علیحدہ کر دیا۔ فرخ ... چلا اٹھی تھی۔

"اب اگر تم نے ہلنے کی بھی کوشش کی تو تمہارے بازو ٹوٹ جائیں گے۔" میری پشت پر کھڑے ہوئے آدمی کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔

میں نے خود بھی محسوس کر لیا تھا کہ اس شخص کے ہاتھوں میں آہنی شکنجے کی سی مضبوطی اور سختی تھی۔ میرا دایاں ہاتھ اپنے بائیں بازو پر اس کے بالوں بھرے ہاتھ تک پہنچ گیا اور بایاں ہاتھ داہنے بازو پر جمے ہوئے ہاتھ پر۔ میری یہ حرکت اضطراری تھی مگر یہ احساس بھی مجھے فوراً ہی ہو گیا کہ میری یہ اضطراری حرکت سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔

دوسرا آدمی فرخ کو کلائی سے پکڑے ہوئے تھا اور فرخ کسی چڑیا کی طرح سہمی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو قطار در قطار بہہ رہے تھے لیکن منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" میں نے بڑے سکون سے پوچھا۔

"ابھی تک تو صرف اس لڑکی ہی کو حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن اب تمہیں بھی کچھ مزہ چکھائیں گے۔ تم نے ہمارے ایک ساتھی کو ختم کر دیا ہے۔" میری پشت پر موجود غنڈہ کسی زہریلے ناگ کی طرح پھنکارا۔

ہیلی کاپٹر کی آواز اب پھر آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ ہیلی کاپٹر کا رخ ہماری ہی طرف تھا۔ غالباً پائلٹ نے دیکھ لیا ہوگا کہ صورت حال اب پھر اس کے حق میں سازگار ہو چکی ہے۔

اس سے پہلے کہ ہیلی کاپٹر ہمارے سروں پر پہنچ جاتا، مجھے کچھ کر گزرنا چاہئے تھا۔ بعد میں اگر کچھ کیا جاتا تو شاید اس سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوتا۔

"لڑکی کو بے ہوش کردو!" میری پشت پر کھڑے ہوئے غنڈے نے اپنے ساتھی سے کہا اور جملہ ختم کرتے ہی اس کے حلق سے ایک کربناک چیخ نکلی۔ میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کی خاص نسوں کو اپنے انگوٹھوں اور شہادت کی انگلیوں کی مدد سے دبا دیا تھا۔ میرے بازوؤں پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور میں ایک جھٹکے سے خود کو آزاد کرتے ہوئے پھرکنی کی طرح گھوم گئی۔ میرا اکھڑا ہاتھ اس غنڈے کے سر پر پڑا اور وہ ایک چیخ کے ساتھ پہلو کے بل گرا۔ یہ کیراٹے کا وار تھا مگر چونکہ ٹھیک نہیں کیا گیا تھا اس لئے بھرپور نہیں ثابت ہوا۔ اگر بھرپور لگ جاتا تو اس کے کاسۂ سر کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔

دوسرے غنڈے نے جو معاملے کو یوں بگڑتے دیکھا تو فرخ کو چھوڑ کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈال بیٹھا۔ شاید وہ کسی قسم کا ہتھیار نکالنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے اس کا موقع نہیں دیا۔ میں کسی تیز رفتار پرندے کی طرح فضا میں اڑی اور میری لاتیں اس کے سینے پر پڑیں۔ وہ کسی جنگلی بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا ریت پر گرا۔ خود میں بھی ریت پر گر چکی تھی مگر اس طریقے سے کہ مجھے چوٹ نہ لگ سکے۔ فلائنگ کک لگانے کا یہ طریقہ خود میری دریافت تھا۔

پہلا غنڈہ اس اثنا میں سنبھل چکا تھا۔ اس نے مجھے ریت پر پڑا دیکھ کر جست لگائی۔ وہ مجھے دبوچ لینا چاہتا تھا لیکن اسے ریت کا فانکتہ چکھنا پڑا۔ میں تو پھرتی سے قوس بناتے ہوئے کر اس کی زد سے نکل گئی تھی۔ جیسے ہی وہ اوندھے منہ گرا میں اچھل کر اس کی پشت پر پہنچ گئی۔ میری فرخ ہیل کی ضرب نے اسے کراہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے اس پر ایک بار پھر کیراٹے کا ہاتھ آزمایا۔ اس مرتبہ میرا مقصد صرف بے ہوش کرنا تھا۔ میں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ کنپٹی پر پڑنے والی ضرب نے اسے ساکت کر دیا۔

دوسرا غنڈہ ریت سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں جیسے اڑتی ہوئی اس پر جا گری۔

فرخ ایک طرف کھڑی تھر تھر کانپے جا رہی تھی اور ہیلی کاپٹر پھر دور ہوتا چلا جا رہا تھا۔

چند فرلانگ دور، ساحل پر جو لوگ تفریح کر رہے تھے، انہیں اس خطرناک ڈرامے کا احساس بھی نہ ہو سکا ہوگا کیونکہ یہ سب کچھ ٹیلے کی آڑ میں ہوا تھا۔

دوسرے غنڈے کو بھی ہوش و خرد سے بیگانہ کر کے جب میں سیدھی کھڑی ہوئی تو فرخ ایک بار پھر دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور سسکنے لگی۔

"بانو! یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"فکر نہ کرو میری جان!... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پولیس بڑی آسانی سے معلوم کر لے گی کہ یہ سنگین شرارتیں کس کے اشارے پر ہو رہی ہیں۔ میں ان دونوں کو ابھی گرفتار کرا دوں گی لیکن اس کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"میں... میں کیا کر سکتی ہوں... بانو!"

"تمہیں پولیس کو یہ بیان دینا ہوگا کہ ان دونوں غنڈوں نے تمہیں آج اس وقت اغوا کیا تھا جب تم اسکول جا رہی تھیں۔ یہ تمہیں ادھر ادھر گھماتے پھرے اور آخر میں کلفٹن یعنی یہاں لے آئے۔ اس ٹیلے کے پیچھے انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا اور جب ہیلی کاپٹر آگیا تو انہوں نے تم سے کہا کہ

سیڑھی کے ذریعے ہیلی کاپٹر میں چڑھ جاؤں۔ اسی وقت میں یہاں پہنچ گئی۔ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے آدمی نے مجھ پر فائرنگ کی تو مجھے بھی جوابی فائر کرنا پڑا۔ میری چلائی ہوئی گولی اس آدمی کے سینے میں لگی اور وہ ہیلی کاپٹر سے نیچے گر پڑا۔ پھر یہ دونوں آدمی مجھ سے لپٹ گئے لیکن آخر کار میں انہیں بھی بے ہوش کرنے میں کامیاب ہو گئی۔"

"نہیں نہیں بانو! بس یہاں سے بھاگ چلئے مجھے گھر پہنچا دیجئے۔ میں پولیس سے یہ سب کچھ نہیں کہہ سکتی۔ پولیس والے بہت چالاک ہوتے ہیں۔ وہ مجھ سے آڑے ترچھے سوالات کریں گے تو میں بوکھلا کر حقیقت اگل بیٹھوں گی۔"

میں نے فرخ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن اسے آمادہ نہ کر سکی۔ آخر کار مجھے خود ہی یہ محسوس ہو گیا کہ میں غلط انداز میں سوچ رہی تھی۔ فرخ جیسی سیدھی سادی لڑکیوں سے اس قسم کے بیان نہیں دلوائے جا سکتے۔ اگر دباؤ ڈال کر دلوا بھی دیئے جائیں تو کسی وقت نروس ہو کر وہ حقیقت اگل سکتی ہیں۔

"اچھا فرخ!" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "چلو پھر یہاں سے نکل چلیں۔"

"چلئے!" فرخ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے مردہ سی آواز میں کہا۔ میں اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا سارا جسم ٹھنڈا پڑ چکا ہے۔

جیسے ہی میں مڑی، میری نظریں ٹیلے کے اوپر گئیں اور میں ٹھٹھک کر رک گئی۔ ٹیلے پر رضوان ساجد کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے اور بڑے سکون سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

اس پر نظر پڑتے ہی فرخ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ غالباً وہ رضوان ساجد کو بھی انہی غنڈوں کا ساتھی سمجھ بیٹھی تھی۔ البتہ میرا ذہن الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ میں فوری طور پر کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکی تھی۔ رضوان ساجد کی وہاں موجودگی کو کسی خانے میں فٹ کرنا آسان نہیں تھا۔

"تم دونوں آخر یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟" رضوان ساجد بلند آواز میں بولا۔ "جاتی کیوں نہیں ہو یہاں سے؟"

"اور تم یہاں کیسے موجود ہو؟" میں نے پوچھا۔

"یہ جگہ اس تفصیلی گفتگو کے لئے نہیں ہے بانو!.... جلد از جلد یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ میں بہت جلد تم سے ملوں گا۔ میں تم سے کوئی مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ تم جانتی ہو کہ جب میں سنجیدہ نہیں ہوتا تو تمہیں آپ کہہ کر مخاطب کرتا ہوں۔"

رضوان کے اس اندازِ گفتگو نے مجھے مزید الجھن کا شکار کر دیا۔ اس وقت رضوان کی شخصیت میری نظروں میں بے حد پراسرار بن چکی تھی۔

"کیا تم سن نہیں رہی ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟" اس مرتبہ رضوان کے لہجے میں جھلاہٹ آ گئی تھی۔

"چلو!" میں نے فرخ کا بازو تھام کر آہستہ سے کہا۔

"یہ کون ہے بانو!" فرخ نے سرگوشی کی۔

"ایک اخبار کا رپورٹر۔"

میرے ساتھ فرخ نے بھی قدم اٹھانا شروع کر دیئے۔ ہم دونوں ٹیلے کی آڑ سے نکل کر ساحل کے آباد حصے کی طرف بڑھنے لگیں۔ میرا ذہن رضوان ساجد ہی میں الجھا ہوا تھا مگر ان واقعات کی زنجیر میں رضوان کی کڑی کہیں بھی فٹ نہیں ہو رہی تھی۔

ساحل پر لوگوں کا ہجوم کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ میں اور فرخ اس ہجوم میں سے گزرتی ہوئی مرسیڈیز کی طرف بڑھیں۔ بہت سی بیباک نگاہیں ہمارے کپڑوں کو چیر کر ہمارے جسموں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ جب مرسیڈیز حرکت میں آ گئی تو فرخ کے چہرے پر ایسا دکھ گیا جیسے اب وہ خود کو قدرے مامون محسوس کر رہی ہو۔

"وہ.... اخباری رپورٹر.... وہاں کیوں رک گیا بانو!" فرخ نے پوچھا۔

"ہو گی کوئی وجہ۔ اُسے بھول جاؤ۔ فی الحال میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ اس وقت مجھے تمہارے گھر جانا ہے۔ تم اپنی امی سے میرا تعارف کس طرح کراؤ گی؟"

"جیسا آپ کہیں۔"

"میرا خیال ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے اپنی اسکول کی نئی پرنسپل ظاہر کر دینا۔"

"بہتر۔"

"کیا تمہارے والد بھی گھر پر ہوں گے؟"

"ہونا تو چاہئے۔ وہ عموماً اس وقت تک گھر آ جاتے ہیں۔"

میں کچھ دیر تک اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی گاڑی چلاتی رہی اور پھر اس وقت چونکی جب فرخ نے مجھ سے پوچھا کہ وہ آج کے واقعات کے بارے میں اپنے والدین کو کیا بتائے؟

"تم ان کو صرف اتنا بتا دینا کہ آج راہ میں کچھ غنڈوں نے تمہیں اغوا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میری بروقت دخل اندازی کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکے اور اسی واقعے کی بناء پر میں خود تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑنے آئی ہوں۔ کیا تم اتنا جھوٹ بھی نہیں بول سکتیں؟"

"گھر میں تو میں تھوڑا بہت جھوٹ بول ہی لیتی ہوں۔" فرخ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

مشکل یہ تھی کہ اگر وہ ٹھیک ٹھیک بیان دیتی تو یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ وہ اسکول کی بجائے میرے گھر کیوں گئی تھی اور اس نے میرے ساتھ اتنا وقت کیونکر گزارا تھا؟

اب بیسری پہر ہو چکی تھی اور سڑکوں پر خاصا ٹریفک ہو گیا تھا۔ میں بڑی احتیاط سے گاڑی چلا رہی تھی کیونکہ میرا ذہن خاصا پراگندہ تھا۔ میں نے اس گروہ کی دست درازی کے بارے میں پہلے جو اندازے لگائے تھے وہ اندازے خاصے کم معلوم ہو رہے تھے۔ یہ گروہ کوئی بہت ہی زبردست تھا۔ ہیلی کاپٹر استعمال کرنے والے عناصر معمولی نہیں ہو سکتے تھے۔

فرخ کے گھر پہنچنے تک ہمارے مابین کوئی اور خاص گفتگو نہیں ہوئی۔ میں نے فرخ کے گھر کے سامنے گاڑی روکی تو غالباً انجن کی آواز سن کر کسی نے کھڑکی سے جھانکا۔ پھر کسی بچی کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"امی امی! باجی آ گئیں۔ کار میں آئی ہیں!"

میں نے انجن بند کر دیا۔ فرخ اتر چکی تھی۔ اس کے بعد میں بھی اتری اور ہم دروازے تک پہنچ گئیں۔ دستک دینے سے پہلے ہی دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی عورت چالیس بیالیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی۔ یقیناً فرخ کی ماں ہو گی۔ اس کی تصدیق بھی فوراً ہی ہو گئی۔

"امی! یہ ہماری نئی پرنسپل ہیں۔" فرخ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ فرخ کی ماں نے بڑی خوش مزاجی سے میرا استقبال کیا اور مجھے کمرے میں لے جا کر بٹھایا جو معمولی سے سادہ فرنیچر سے آراستہ تھا۔ فرخ کے بھائی بہن بھی کمرے میں آ گئے تھے اور فرخ کے کولھے سے لگ کر بیٹھ گئے تھے۔ غالباً وہ میرے ہی بارے میں بچگانہ استفسارات کر رہے ہوں گے لیکن فرخ نے چپ سادھ رکھی تھی۔ ماں کو کچھ بتانے کے خیال سے اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک رنگ جا رہا تھا۔

"آپ نے یہاں تشریف لا کر ہماری بڑی عزت افزائی کی ہے۔" فرخ کی ماں نے مجھ سے کہا۔ پھر فرخ سے بولی۔ "جاؤ بیٹی! جلدی سے جا کر اپنی پرنسپل صاحبہ کے لئے چائے بناؤ!"

لیکن فرخ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے فرخ! تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ماں نے جیسے گھبرا کر پوچھا۔

"امی!" فرخ نے ایک چیخ سی ماری اور اٹھ کر بے تحاشہ ماں سے لپٹ گئی۔

"ارے ارے! کیا ہوا فرخ!" ماں اور گھبرا گئی۔

اسی وقت اندرونی کمرے سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ "کیا ہوا زبیدہ!"

زبیدہ شاید فرخ کی ماں کا نام تھا اور وہ مردانہ آواز فرخ کے باپ کی ہو سکتی تھی۔ فوراً ہی اندرونی کمرے کے دروازے پر پڑا ہوا پردہ ہٹا اور ایک مرد تیزی سے اندر گھسا چلا آیا۔ ظاہر ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کی چیخ سن کر خود پر قابو نہیں رکھ سکتا لیکن جب اس کی نظریں مجھ پر پڑیں تو وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

"آ جائیے! آ جائیے ہاشمی صاحب!" میں دھیرے سے بولی۔ فرخ ہی نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے باپ کا نام احمد ہاشمی ہے۔ وہ لپکتا ہوا اپنی بیوی کے قریب پہنچ گیا اور بولا۔ "کیا ہوا؟ کیا بات ہے زبیدہ! کیا ہوا فرخ کو؟"

فرخ کی ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔

"میں کیا بتاؤں!" فرخ کی ماں روہانسی ہو کر بولی۔ "پوچھ تو رہی ہوں مگر یہ کچھ بتاتی ہی نہیں۔"

اب ہاشمی نے بھی فرخ پر سوالات کی بوچھار کی مگر وہاں رونے کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔

"آپ ہی کچھ بتائیے خاتون!" ہاشمی نے بڑی بے بسی سے مجھ سے پوچھا۔ "آخر ماجرا کیا ہے؟"

"آج دو ایک غنڈوں نے فرخ کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر میں بروقت اس گلی میں نہ پہنچ گئی ہوتی تو وہ لوگ کامیاب ہو جاتے۔"

یکلخت ہاشمی کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا اور پھر اس کے منہ سے جیسے بے اختیاری میں نکلا۔ "آخر وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔"

ہاشمی کے اس فقرے نے مجھے چونکا دیا۔ اس سے تو یہی بات ظاہر ہو رہی تھی کہ کچھ خاص نکتے پہلے ہی سے ہاشمی کے علم میں تھے۔

"میں نے تو چاہا تھا کہ پولیس میں رپورٹ کروا دوں لیکن فرخ پولیس کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی۔" میں نے کہا۔

ہاشمی نے آہستہ سے سر ہلایا اور مغموم نظروں سے اپنی سسکتی بلکتی ہوئی بیٹی کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ اپنا کچھ وقت مجھے دے سکیں گے؟" میں بولی۔

"جی!" ہاشمی اس طرح میری طرف دیکھنے لگا جیسے میرا مطلب نہ سمجھ سکا ہو۔

"میں آپ سے تنہائی میں کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟"

"ہاں ہاں! ممکن کیوں نہیں ہے! زبیدہ! تم بچوں کو لے کر اندر چلی جاؤ۔"

"جی اچھا۔"

فرخ اب بھی رو رہی تھی۔ زبیدہ اس کو سہارا دیتے ہوئے اندرونی کمرے کی طرف لے جانے لگی۔ اس نے دونوں بچوں سے بھی کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ آئیں۔

میں کھڑکی کے قریب جا بیٹھی لیکن میرا مقصد ہوا کھانا نہیں تھا بلکہ میں باہر کی طرف نظر رکھنا چاہتی تھی۔

ہاشمی متجسس نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"آپ فرخ کے والد ہیں!" میں نے کہنا شروع کیا۔ "اس لئے ظاہر ہے کہ آپ کو اس کی زندگی اور اس کا مستقبل بے حد عزیز ہو گا لیکن میں اس کی پرنسپل ہوں اس لئے مجھے بھی اس کا مستقبل کچھ کم عزیز نہیں۔ ذرا دیر پہلے آپ نے ایک ایسا جملہ کہا تھا کہ میں چونک گئی تھی۔ اس جملے سے ظاہر ہوا تھا کہ آپ کو پہلے ہی سے اس قسم کی کسی بات کی توقع تھی۔"

"جی ہاں!" ہاشمی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "مجھے اس بات کا خدشہ تو تھا۔"

"اس کے باوجود آپ فرخ کو تنہا اسکول جانے دیتے تھے؟" میں

خشک لہجے میں بولی۔

"میں نے اس کی حفاظت کا بندوبست تو کیا تھا لیکن پوشیدہ طور پر۔" ہاشمی نے جواب دیا۔ "پتہ نہیں وہ اس وقت کہاں غائب ہو گیا جب فرخ کو اغوا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ میں اسے اتنا غیر ذمے دار نہیں سمجھتا تھا۔"

"وہ؟ یعنی جسے آپ نے فرخ کی حفاظت پر مقرر کیا تھا؟"

"جی ہاں۔ میں نے کیا مقرر کیا تھا وہ خود ہی مقرر ہو گیا تھا۔ وہ ایک اخبار کا رپورٹر ہے اور......"

"رضوان ساجد؟" میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"آپ اسے کیسے جانتی ہیں؟" ہاشمی نے حیرت سے پوچھا۔

اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مجھے اس طرح بیچ میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہئے تھی۔ میری اس حماقت سے باتوں کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا۔ اب ادھر ادھر کی باتوں میں بلاوجہ کچھ وقت ضائع ہو جاتا۔

"دراصل۔" میں نے ہاشمی کو ٹالنے کی کوشش کی۔ "اخباری لائن میں میری واقفیت صرف رضوان ساجد ہی سے ہے اس لئے بے اختیار اس کا نام زبان پر آ گیا۔ کسی خاص وجہ سے میں نے اس کا نام نہیں لیا تھا۔"

"جب آپ اسے جانتی ہیں تو پھر اس بات سے بھی بے خبر نہیں ہوں گی کہ وہ ایک شریف اور ذمے دار نوجوان ہے۔ دراصل وہ میرے ہونہار شاگردوں میں سے ایک ہے۔ اس سرکاری ملازمت میں آنے سے پہلے میں ایک پرائمری اسکول میں ٹیچر تھا۔ رضوان کی پرائمری کی تعلیم میرے ہی ہاتھوں ہوئی ہے۔"

"ہاں تو آپ یہ بتا رہے تھے کہ فرخ کے سلسلے میں اس قسم کے کسی افسوسناک واقعے کی توقع آپ کو پہلے ہی سے تھی!"

"جی ہاں! اور اسی کی وجہ سے میں خاصا پریشان تھا۔ اتفاق سے اسی روز میری ملاقات رضوان سے ہو گئی۔ اس نے میری پریشانی بھانپ لی اور اس کے بارے میں استفسار کرنے لگا۔ میں اسے اپنے آپ سے بہت قریب پاتا ہوں ہر چند کہ وہ کبھی میرے گھر نہیں آیا۔ بہرحال میں نے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا اور اس نے خاصی غور و فکر کے بعد مجھے اپنے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ وہ فرخ کی نہ صرف یہ کہ حفاظت کرے گا بلکہ اس کی کوشش یہ بھی ہو گی کہ وہ اس پوشیدہ چہرے کو بھی سامنے لائے جو اس معاملے کے پس پردہ کارفرما ہے۔"

"آپ نے اس معاملے پر اب تک روشنی نہیں ڈالی۔" میں بول پڑی۔

"اب میں اسی طرف آ رہا ہوں خاتون!" ہاشمی نے کہا۔ "یہ اب سے چار روز پہلے کی بات ہے۔ میرے آفس سپرنٹنڈنٹ نے مجھے اپنے کمرے میں بلا کر مجھ سے درخواست کی کہ میں شام کی چائے اس کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں پیوں۔ مجھے اس دعوت پر بے حد حیرت ہوئی کیونکہ میرا آفس سپرنٹنڈنٹ انتہائی خر دماغ اور ذلیل قسم کا آدمی ہے۔ سارا دفتر اس سے نالاں رہتا ہے۔ وہ اس لائق ہی نہیں ہے کہ اس کرسی پر بیٹھ سکے۔ کسی بڑے آدمی کی سفارش سے وہ اس کرسی تک پہنچا ہے۔ آپ تو جانتی ہی ہوں گی کہ آج کل صرف رشوت اور سفارش کا دور دورہ ہے۔ سارا معاشرہ اس سے تباہ ہو چکا ہے اور......"

"تو کیا آپ نے اپنے افسر کی وہ دعوت قبول کر لی تھی؟" میں پھر بول پڑی۔

"اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ حکم حاکم مرگ مفاجات کے مطابق شام کو اس ریسٹورنٹ میں جانا پڑا۔ جہاں اس نے مجھے بلایا تھا۔ وہ مجھ سے بڑے اچھے انداز میں پیش آیا اور میری مالی پریشانیوں کے سلسلے میں ہمدردی کا اظہار کیا۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ میں رشوت لینا شروع کر دوں۔ ایمانداری سے زندگی گزارنے کو اس نے لغو قرار دیا اور پھر آخر میں بولا کہ اگر میں ایک کام کے لئے آمادہ ہو جاؤں تو مجھے پچاس ہزار روپے مل سکتے ہیں۔ اتنی بڑی رقم کا ذکر سن کر مجھے ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ میں سمجھا تھا کہ وہ مجھ سے غیر قانونی کام لینا چاہتا ہے جس کے لئے میں ہرگز تیار نہیں ہوتا۔ بہرحال اس کام کے بارے میں استفسار تو کرنا ہی پڑا اور تب اس نے بتایا کہ "ایک عرب شیخ پاکستان آیا ہوا ہے جس کے سیکرٹری نے راہ چلتے کسی جگہ پر فرخ کو دیکھ لیا ہے۔ اب وہ چاہتا ہے کہ وہ فرخ کو اپنی ربا...

سپرنٹنڈنٹ نے یہ بھی بتایا کہ ملک کی ایک اہم شخصیت عرب شیخ کو خوش رکھنا چاہتی ہے اس لئے اسی شخصیت نے میرے لئے پچاس ہزار کی منظوری دی ہے۔ وہ شخصیت چاہتی ہے کہ میں فرخ کو عرب شیخ کے سیکرٹری کے سپرد کر دوں اور اس لین دین کا ذکر کسی سے نہ کروں۔"

یہ سب کچھ بتاتے ہوئے ہاشمی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ منہ سے جھاگ اڑنے لگے تھے۔ ایک باپ اپنی اس تذلیل پر بجد...

اور میں دم بخود بیٹھی ہوئی تھی۔ معاملہ بے حد سنگین ظاہر ہوتا جا رہا تھا۔ یقیناً اس معاملے میں کوئی بہت ہی اونچی ہستی ملوث تھی۔

ہاشمی نے قدرے خاموشی اختیار کی۔ وہ اپنے ابلتے ہوئے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنے میں فرخ کی ممی چائے کی ٹرے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ ہاشمی نے اسی سے پانی منگوا کر پھر پیالیوں میں چائے بنا کر ایک پیالی مجھے دی اور ایک خود لی۔ اب جذبات پر قابو پا لیا تھا اس لئے دوبارہ بولنے لگے۔

"سپرنٹنڈنٹ کی ان باتوں نے مجھے چراغ پا کر دیا تھا۔ یہ بات ہی نہیں تھی کہ میں اپنی لخت جگر کو اس طرح بیچ ڈالتا۔ میں نے اس پیشکش کو قطعی مسترد کر دیا۔ اس پر سپرنٹنڈنٹ نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی اور بالآخر دھمکیوں پر اتر آیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے بہرحال فرخ سے ہاتھ دھونے پڑیں گے کیونکہ یہ ملک کی ایک بہت اہم ہستی کا فیصلہ ہے۔ جب سپرنٹنڈنٹ نے یہ فقرہ کہا تو میں آپے سے باہر ہو گیا اور چائے بیچ کر ریسٹورنٹ سے نکل آیا۔ رات تک میں پاگلوں کی طرح ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ میری حالت مجنونوں کی سی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان حالات میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ پولیس سے رابطہ قائم کرنا فضول معلوم ہو رہا تھا۔ جب ملک کی کوئی اہم شخصیت مقابل ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم جیسے معمولی لوگوں کو پولیس کا تعاون مل جائے۔ آپ تو جانتی ہیں کہ آج کل ملک کی حالت کیسی ہے۔ سارا معاشرہ غنڈوں کے رحم و کرم پر ہے۔ مادرِ ملت کی شکست کے بعد تو یہ لوگ اور کھل کھیلے ہیں۔

حکومت غنڈوں کی سرپرستی کر رہی ہے کسی شریف آدمی کی ... محفوظ نہیں ہے۔ ان حالات میں مجھ پر جنون کا دورہ پڑ جاتا ....

اسی عالم میں میری ملاقات رضوان سے ہو گئی۔ اس کو جب ... حالات کا پتہ چلا تو اس نے قسم کھائی کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک فرخ کی حفاظت کرے گا۔"

ہاشمی خاموش ہو کر میری صورت تکنے لگا۔

"آج کی زندگی واقعی بڑی کٹھن ہو چکی ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"میری تو خواہش ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس ملک سے نکل جاؤں۔ زمین کا یہ ٹکڑا ہم نے بڑی قربانیاں دے کر حاصل کیا تھا مگر آج یہی زمین ہم پر تنگ ہو گئی ہے۔"

"خدا کی لاٹھی بے آواز ہے ہاشمی صاحب! ظلم و جبر کی یہ ناؤ آخر کار ڈوب کر رہے گی۔"

"جب ہم سب بھی ڈوب چکے ہوں گے۔" ہاشمی کے لہجے میں زہر تھا۔

"ان دو چار دنوں میں آپ کے سپرنٹنڈنٹ کا رویہ کیسا رہا؟"

"بہت سخت — اس نے مجھ پر کام کا دباؤ بڑھا دیا ہے اور عموماً مجھے بڑی حقارت سے دیکھتا ہے۔"

میں نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر پیالی رکھ دی اور پھر کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "اچھا اب مجھے اجازت دیجئے ہاشمی صاحب!.... میں بھی اس سلسلے میں آپ کے کسی کام آنے کی کوشش کروں گی۔ کچھ اثر و رسوخ میرا بھی ہے۔ میں فرخ کی حفاظت کے لئے بہت کچھ کر سکوں گی...."

"اگر اس گھر کی عزت باقی رہ گئی تو میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔" ہاشمی نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔

میں نے ہنس کر اس کی تسلی تشفی کے لئے دو چار کلمات کہے اور پھر بولی۔ "اب ذرا اپنی بیگم اور فرخ کو بلوا لیں تاکہ میں ان سے بھی جانے کی اجازت لے لوں۔ غالباً فرخ کو ان تمام باتوں کا علم نہیں ہے!"

"رضوان کے علاوہ اب صرف آپ واقف ہیں۔ میں نے زبیدہ کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ورنہ وہ تو رو رو کر جان دے دیتی۔"

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔"

"ارے بھئی زبیدہ!... فرخ!... دیکھو یہ تمہاری مہمان جا رہی ہیں۔" ہاشمی نے بلند آواز میں پکار کر کہا۔

چند لمحے بعد ہی ماں بیٹی اس کمرے میں داخل ہوئیں۔ بچوں کو شاید اندرونی کمرے میں روک دیا گیا تھا ورنہ وہ بھی پیچھے پیچھے چلے آتے۔ فرخ اب رو تو نہیں رہی تھی لیکن اس کا چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ میں نے فرخ کی ماں سے اجازت لی اور فرخ کو سینے سے لگا کر اس کی پیشانی چومی۔ فرخ کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔ شاید اسے کچھ یاد آ گیا تھا۔

"اچھا فرخ اب میں چلتی ہوں۔ صبح خود تمہیں لینے آؤں گی۔ تم اکیلی اسکول مت جانا۔"

"بہت اچھا۔" فرخ نے آہستہ سے کہا۔

ماں باپ اور بیٹی مجھے چھوڑنے کے لئے دروازے تک آئے...

جب میری مرسیڈیز وہاں سے روانہ ہوئی تو اندھیرا پھیل چکا... میرے ذہن پر تفکرات کا شدید دباؤ تھا۔ میں اچھی طرح محسوس کر چکی... اس معاملے کو یونہی سرسری انداز میں ہینڈل نہیں کیا جا سکے گا۔ بہت... محتاط وہ کر پلاننگ کے ساتھ اقدامات کرنے کی ضرورت تھی لیکن کوئی... بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس بات کا علم اشد ضروری تھا کہ مقابلے پر کون... ہے؟ ملک کی اس اہم ہستی کا چہرہ سامنے آ جانے کے بعد ہی کوئی پلاننگ... کی جا سکتی تھی۔

گھر پہنچ کر میں سیدھی اپنی خوابگاہ میں چلی گئی۔ بھوک بالکل نہیں... محسوس ہو رہی تھی اس لئے میں نے ملازمہ سے کہہ دیا تھا کہ آج رات... دودھ کا ایک گلاس لوں گی۔

خوابگاہ میں پہنچ کر میں رائٹنگ ٹیبل پر جا بیٹھی۔ رائٹنگ پیڈ... نکالا اور اس پر ایک پیغام لکھنے لگی۔ زیادہ طویل پیغام نہیں تھا بس چ... سطریں۔ ان سطروں کے نیچے میں نے ایک ٹیلیفون نمبر لکھا اور پھر وہ کا... ... تہہ کر کے ایک لفافے میں رکھ دیا۔

چند منٹ بعد جب میری خاص ملازمہ دودھ کا گلاس لے کر آئی... میں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ "سنو!... اس بات کا ... آج کل میں کسی عجیب و غریب صورت حال سے دوچار ہو گیا ہے... کسی حادثے کا شکار ہو جاؤں۔"

"خدا نہ کرے بی بی...." وہ جلدی سے بولی۔

لیکن میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس صورت میں... تمہیں صرف ایک کام کرنا ہو گا۔ یہ لفافہ دیکھ رہی ہو؟... اس میں ایک کا... پر ایک پیغام لکھا ہوا ہے۔ اس پیغام کے نیچے ایک ٹیلیفون نمبر بھی در... ہے۔ تم وہ نمبر رنگ کر کے وہ پیغام پڑھ دینا۔ لفافہ میں نیچے والی دراز م... ڈالے دے رہی ہوں۔"

میں نے ملازمہ کے سامنے ہی وہ لفافہ میز کی نچلی دراز میں ڈال د... اور بولی۔ "بس اب جاؤ!"

ملازمہ کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آ رہے تھے۔ وہ مجھ... استفسار کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی ہمت نہ کر سکی اور چلی گئی۔

دودھ کا گلاس پی کر میں نے ایک سگریٹ سلگائی۔ جب میں فکرمن... ہوتی ہوں تو کبھی سگریٹ پینے لگتی ہوں۔ ابھی سے نیند آنے کا کوئی سوا... ہی نہیں پیدا ہوتا تھا اس لئے میں نے بستر پر ایک نگاہ غلط انداز بھی... نہیں ڈالی۔ میں کمرے میں ٹہلتی رہی اور سگریٹ پھونکتی رہی۔ کبھی کبھی میں... ذرا دیر کے لئے کرسی پر بھی بیٹھ جاتی تھی۔ صرف ایک سوال مجھے پریشان... کئے ہوئے تھا کہ ان حالات کو اپنے قابو میں کرنے کے لئے کیا قدم اٹھا... چاہیئے۔

کوئی ایک گھنٹہ گزرا ہوگا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں یہ سمجھی کہ میری فرم کے جنرل منیجر کا فون ہوگا چونکہ میں آج دفتر نہیں گئی تھی اور کوئی اطلاع بھی نہیں دی تھی اس لئے اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ تشویش میں مبتلا ہو گئی ہو۔ یہی خیال کرکے میرا جی نہ چاہا کہ ریسیور اٹھاؤں لیکن جب گھنٹی بجتی ہی رہی تو مجھے جھنجھلا کر ریسیور اٹھانا پڑا۔

"ہلو!" میرے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"بانو؟" دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"کون؟" میری جھلاہٹ ایک دم غائب ہوگئی۔

"میں رضوان بول رہا ہوں۔"

"اوہ! کیا بات ہے؟ ہاں میں بانو بول رہی ہوں۔"

"مجھے ہاشمی صاحب سے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ان سے مل کر تمام باتوں سے آگاہی حاصل کر چکی ہو۔ میں اس وقت اپنے گھر ہی سے بول رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم اسی وقت میرے گھر آکر مجھ سے مل لو۔ کہیں اور بھی ملا جا سکتا تھا لیکن اس وقت میں اپنے گھر سے نہیں نکلنا چاہتا۔ کچھ لوگ میرے پیچھے لگ چکے ہیں اور مجھے ان کے ارادے بے حد خطرناک معلوم ہو رہے ہیں۔ دراصل میں نے ان کے گروہ کا پتہ لگا لیا ہے۔"

"کون ہے وہ؟" میں نے بیتابی سے پوچھا۔

"ملاقات پر تفصیل سے بتاؤں گا۔ اچھا خیر! اتنا بتائے دیتا ہوں کہ موجودہ اقتدار اعلیٰ سے اس کا گہرا تعلق ہے۔"

"اوہ!" میرے ذہن میں بیک وقت کئی نام چکرا گئے۔

"تو پھر تم آرہی ہو نا؟"

"ہاں۔ تم اپنا پتہ بتاؤ!" میں نے جلدی سے کہا۔

رضوان نے اپنا پتہ بتایا اور پھر پوچھا "تم کتنی دیر میں پہنچ جاؤ گی؟"

"بس دس منٹ میں۔"

"عقبی گلی کی طرف سے آنا۔ سامنے تو...."

ریسیور میں مجھے گولی چلنے کی آواز آئی اور رضوان کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ میں اچھل پڑی۔

"ہیلو.... ہیلو.... رضوان!" میں ماؤتھ پیس میں چیخی۔

لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ ریسیور میں ہوا کی "سائیں سائیں" سنائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس گولی نے ریسیور ہی کے ٹکڑے اڑا دیئے ہوں۔

میں نے ریسیور پٹخا اور تیزی سے دروازے کی طرف لپکی۔ پھر کچھ خیال آیا تو جلدی سے مڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گئی اور اپنا وہ پرس اٹھا لیا جس میں پستول موجود تھا۔ میں تقریباً دوڑتی ہوئی باہر نکلی لیکن برآمدے میں پہنچ کر مجھے ٹھٹھک جانا پڑا کیونکہ اسی وقت ایک پولیس جیپ برآمدے کے سامنے آکر رکی تھی۔

ایک پولیس انسپکٹر دو سپاہیوں کے ہمراہ جیپ سے اتر کر تیزی سے میری طرف آیا اور بولا۔

"آپ ہی صبیحہ بانو ہیں؟"

"جی ہاں" میرے منہ سے نکلا۔

"آپ خود کو زیر حراست سمجھیں۔"

"وہ کس جرم میں؟"

"آپ پر قتل کا الزام ہے۔"

مجھے یوں لگا جیسے میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔

انسپکٹر اپنی جیب سے کچھ نکالتا ہوا بولا۔ "یہ آپ کی گرفتاری کا وارنٹ ہے۔"

اس وقت مجھے خود کو پُرسکون رکھنے میں خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔ میرا جسم جیسے شل ہو کر رہ گیا تھا۔

یہ بات تو خیر طے تھی کہ انسپکٹر مجھے گرفتار کرکے ایک رات کے لئے بھی حوالات میں بند نہیں کر سکتا تھا۔ میں قانون کی گرفت کو ڈھیلا ہونے پر مجبور کر دیتی لیکن اس میں دو ایک گھنٹے ضرور لگ جاتے۔ دو ایک گھنٹے جو اس وقت میرے لئے دو ایک صدیوں کی مانند تھے۔ ایک ایک لمحے کی قیمت بے پناہ تھی۔ مجھے جلد از جلد رضوان ساجد کے گھر پہنچنا تھا۔ وہاں جو کچھ بیت چکی تھی اس کا میرے علم میں آنا از بس ضروری تھا۔ تاخیر کے بعد تو شاید مجھے لکیر ہی پیٹنا پڑتی، سانپ کا دور دور تک پتہ نہ ہوتا۔

پولیس افسر کے اشارے پر ایک کانسٹیبل ہتھکڑیوں کا جوڑا لے کر میری طرف بڑھا۔ میں نے بڑی سعادت مندی سے اپنی دونوں کلائیاں آگے بڑھا دیں اور کلائیوں ہی کی آڑ میں کنکھیوں سے دائیں بائیں کا جائزہ لے لیا۔ کانسٹیبل میرے بالکل قریب آکر رک گیا۔ وہ میرے اور پولیس افسر کے درمیان میں حائل تھا۔ چونکہ میری طرف سے مزاحمت کے آثار قطعی نہیں پیدا ہوئے تھے لہٰذا ان لوگوں کی مت ماری جا چکی تھی اور انہوں نے چوکنا رہنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اللہ انہیں سدا خوش رکھے۔ مجھے ایسے لوگ بہت پسند ہیں۔ جیسے ہی کانسٹیبل نے ہتھکڑیاں میری کلائیوں کی طرف بڑھائیں، میں نے بڑے پیار سے گھٹنا اس کے پیٹ پر رسید کر دیا۔ اس کے منہ سے عجیب سی کراہ نکلی، وہ دہرا ہوتا چلا گیا لیکن میں نے اس کی ٹھوڑی پر وار کرکے اسے نہ صرف سجدے میں جانے سے روک دیا بلکہ فوراً ہی اس کی ٹانگ میں اس طرح ٹانگ ماری کہ وہ اپنا توازن کھو بیٹھا۔ یہ میرے لئے گولڈن چانس تھا۔ میں نے اسے اس طرح دھکا دیا کہ وہ بڑی محبت سے اپنے افسر اعلیٰ پر جا گرا۔

یہ سب کچھ بہت ہی قلیل وقت میں ہو گیا تھا۔ اتنی دیر میں مشکل سے تین مرتبہ پلکیں جھپکائی جا سکتی تھیں۔ بہتر اس سے پہلے کہ وہ لوگ چوتھی مرتبہ پلکیں جھپکاتے، میں نے پلٹ کر جست لگائی اور واپس گھر کے اندر چلی گئی۔ دروازہ میں نے ایک دھڑاکے سے بند کیا اور اس آواز میں وہ مغلظات دب گئیں جو پولیس افسر کے دہنِ مبارک سے ابل رہی تھیں۔

میں اندرونی دروازے کی طرف دوڑی اور اسی وقت میں نے پولیس افسر کی چیختی ہوئی آواز سنی "دروازہ توڑ ڈالو!"

اندرونی دروازے کے قریب پہنچ کر میرے ذہن میں ایک ایسا خیال آیا کہ میں فوراً رک گئی۔ میں نے اپنے ذہن میں آتے ہوئے خیال پر بڑی تیزی سے غور کیا اور پھر اتنی ہی تیزی سے واپس مڑی۔ میں نے بس اتنا خیال رکھا تھا کہ قدموں کی آواز نہ ہونے پائے۔

دروازہ اس وقت جیسے خوفناک آندھیوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔ شاید بیک وقت دونوں کانسٹیبل دروازے پر ٹوٹ پڑے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پولیس افسر صاحب بھی ان ایازوں کی صف میں کھڑے ہو گئے ہوں۔

میں ایک صوفے کے پیچھے جا چھپی۔ اسی وقت دروازہ ایک پُرشور آواز کے ساتھ ٹوٹ کر گر پڑا اور وہ لوگ اندر گھستے چلے آئے۔ میں صوفے کے نیچے سے ان کی ٹانگیں دیکھ سکتی تھی۔ اس وقت میں نے بھاگنے کی بجائے وہیں چھپ کر ایک نفسیاتی کھیل کھیلا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق، پولیس افسر کے سان گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ میں بھاگنے کی بجائے وہیں چھپ گئی ہوں گی۔ مجھے توقع تھی کہ وہ میری تلاش میں اندر گھستا چلا جائے گا۔ میری یہ توقع پوری ہو گئی لیکن اس کے ساتھ جو دوسری توقع تھی وہ صرف پچاس فیصد پوری ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ دونوں کانسٹیبل بھی اپنے افسر کے ساتھ گھستے چلے جائیں گے لیکن کم بخت افسر تھوڑا سا کائیاں نکلا۔ اس نے ایک کانسٹیبل کو وہیں رکنے کی ہدایت کی تھی اور دوسرے کو اپنے ساتھ آنے کا حکم دیا تھا۔ نتیجہ یہ کہ میرے سر پر گویا ایک دربان مسلط ہو گیا۔

اس ہنگامے نے میرے ملازمین کو بوکھلا دیا ہوگا۔ پولیس کو دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی ہو گی لہٰذا وہ جہاں تھے، وہیں رکے رہنے میں انہیں اپنی عافیت نظر آئی ہوگی۔

میں نے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر صوفے کی سائیڈ ٹیبل سے وہ وزنی ایش ٹرے اٹھا لیا جو میرے جاپانی استاد نے مجھے تحفے میں دیا تھا۔ اسے ہاتھ میں تول کر میں ایک دم کھڑی ہوئی اور پھر اسے پوری قوت سے دروازے پر کھڑے ہوئے کانسٹیبل پر کھینچ مارا۔ کانسٹیبل مجھے صوفے کے عقب سے نمودار ہونے دیکھ کر چونکا تو تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، ایش ٹرے منجنیق سے پھینکے ہوئے پتھر کی طرح اس کی کھوپڑی سے جا ٹکرایا۔ ٹکرا کر وہ خاصی آواز کے ساتھ فرش پر گرا تھا اور اسی آواز میں کانسٹیبل کی کراہ دب کر رہ گئی تھی۔

میں تیزی سے دروازے کی طرف دوڑی۔ کانسٹیبل ٹوٹے ہوئے دروازے پر گر کر بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں اس کے اوپر سے زقند لگاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ جب میں فرخ کے گھر سے آئی تھی تو میں نے اپنی کار کو گیرج میں نہیں پہنچایا تھا اور یہ بات اس وقت میرے حق میں بڑی اچھی ثابت ہوئی تھی۔ مجھے گیرج تک نہیں جانا پڑا اور میں نے پورچ میں کھڑی ہوئی مرسیڈیز میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اس وقت میرے جسم میں برقیاتی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ میں کار کو بڑے طوفانی انداز میں چلاتی ہوئی سڑک پر لے آئی۔ وہ ساڑھے گیارہ کا عمل تھا اور سڑک دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی لہٰذا مجھے تیز رفتار ڈرائیونگ میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ میں ایک سنگین صورت حال کا جال توڑ کر نکل چکی تھی اور اس عمل میں میرے صرف پانچ منٹ ضائع ہوئے تھے۔ صرف پانچ منٹ ...! لیکن اس وقت مجھے پانچ منٹ بھی کھل گئے تھے۔

مرسیڈیز کی ہیڈ لائٹس تاریکی کا سینہ چیرتی رہی اور میرا ذہن واقعات کا سینہ چیر کر حقیقت حال تک پہنچنے کی کوشش کرتا رہا۔ پولیس میرے پیچھے پڑ چکی تھی اور مجھ پر قتل کا الزام تھا لیکن میں اس بات سے بے خبر تھی کہ وہ کس کے قتل کا الزام تھا..؟ اگر میں پولیس افسر سے دو چار سوالات کر لیتی تو مجھے اس کا علم بھی ہو جاتا لیکن میں نے وقت کے زیاں سے بچنے کے لئے گفتگو کو طول نہیں دیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ ہی ساتھ مجھے یہ الجھن بھی لاحق تھی کہ رضوان ساجد پر کیا گزری؟ گولی کی آواز سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ صورت حال خاصی گمبھیر ہو گی۔

برنس روڈ پہنچنے میں مجھے دس منٹ لگے۔ ان دنوں رضوان ساجد وہیں ایک بلڈنگ میں رہا کرتا تھا۔ اس علاقے میں خاصی رونق تھی۔ یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ رات اپنے نصف پہر میں داخل ہونے والی ہے۔ میں نے اپنی مرسیڈیز ریڈیو ہوٹل والی گلی میں موڑ دی۔ (کافی عرصہ ہوا یہ ہوٹل بند ہو چکا ہے) ادھر نسبتاً اندھیرا تھا۔ گاڑی روک کر میں نے انجن بند کر دیا۔ کھڑکیوں کے شیشے چڑھائے اور دروازوں کو لاک کر دیا۔ گاڑی سے اتر کر میں تیزی سے چلتی ہوئی اس گلی میں مڑ گئی جہاں سرکاری لیٹرین بنا ہوا تھا۔ یہ گلی سناٹے اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہیں ایک بلڈنگ کے فلیٹ میں رضوان ساجد کا قیام تھا۔ میں ایک الیکٹرک پول سے چپک کر کھڑی ہوگئی۔ ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔ میری نظریں اس بلڈنگ کی طرف گئیں جہاں رضوان ساجد رہتا تھا۔ وہ دوسری منزل کا کوئی فلیٹ ہونا چاہئے تھا کیونکہ فون پر رضوان نے سات نمبر بتایا تھا۔ مجھے دوسری منزل کی بالکونیوں میں سے صرف دو میں تاریکی نظر آرہی تھی۔ باقی بالکونیاں روشن تھیں۔

قدرے تذبذب کے بعد میں اس بلڈنگ کی طرف بڑھی۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ بلڈنگ کا چوکیدار ایک اجنبی عورت کو اتنی رات گئے، بلڈنگ میں داخل ہوتے دیکھ کر کیا ردعمل ظاہر کر سکتا ہے؟ یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ مجھے ٹوک بیٹھتا لیکن اسے غالباً خوش قسمتی کہیں گے کہ چوکیدار نہایت فرض شناس تھا اب اس سے زیادہ فرض شناسی اور کیا ہوگی کہ اس نے خواب خرگوش کے مزے لوٹنے کے لئے کسی ایسی ویسی جگہ کا انتخاب نہیں کیا تھا بلکہ اپنی چارپائی زینے کے عین سامنے بچھائی تھی وہ چادر اوڑھے لیٹا ہوا تھا بلکہ سو رہا تھا۔ اگر سو نہ رہا ہوتا تو قدموں کی آہٹ سن کر اپنے سر سے چادر ضرور ہٹاتا۔

زینے پر روشنی تھی اس لئے بڑے اطمینان سے میں اوپر چڑھتی چلی گئی۔ میں نے بس اتنا خیال رکھا تھا کہ قدموں کی آواز کم سے کم ہو۔ ایک دو مرتبہ میں نے مڑ کر نیچے بھی دیکھا اور چوکیدار کو بدستور سوتا ہوا پا کر مطمئن ہو گئی۔

پہلی منزل پر چار فلیٹوں کے دروازے نظر آئے ان پر نمبر بھی پڑے ہوئے تھے۔ ان نمبروں کو دیکھ کر میرے اس خیال کو تقویت پہنچی کہ سات نمبر کا فلیٹ دوسری منزل پر ہونا چاہیئے۔

دوسری منزل پر بھی چار فلیٹ تھے اور ان میں سے ایک پر سات نمبر پڑا ہوا تھا۔ اب مجھے اس الجھن نے گھیر لیا کہ کیا ان فلیٹوں کے مکیں بہرے ہیں؟ آخر ان لوگوں نے فائر کی آواز کیوں نہیں سنی؟ یہاں کے حالات تو ایسے پرسکون تھے جیسے کسی بھی فلیٹ میں کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہو حتیٰ کہ ایک فلیٹ سے مدھم مدھم آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ گویا یہ بات حتمی طور پر کہی جا سکتی تھی کہ اس فلیٹ کے مکیں جاگ رہے تھے۔ ویسے گولی چلنے کی آواز تو سوتوں کو بھی جگا سکتی ہے۔

میں سات نمبر فلیٹ کے سامنے رک گئی اور دروازے سے کان لگا دیئے۔ مجھے یہ دھڑکا بھی لگا ہوا تھا کہ اگر قریب کے فلیٹ سے کوئی باہر نکل پڑا تو کیا ہو گا؟ جواب دہی مشکل ہو جاتی۔

رضوان کے فلیٹ میں بالکل سناٹا معلوم ہو رہا تھا۔ میں ایک منٹ تک دروازے سے کان لگائے کھڑی رہی لیکن کوئی آواز نہیں سن سکی۔ میں نے آہستہ سے دروازے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا دبایا اور پھر ایک دم رک گئی کیونکہ دروازہ تو کھلنے لگا تھا۔ اب کوئی قدم اٹھانے سے پہلے کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت تھی لیکن اس سے پہلے کہ میں کسی فیصلے پر پہنچتی، قریب کے ایک فلیٹ کے دروازے کا بولٹ گرنے کی آواز سنائی دی۔ غالباً کوئی دروازہ کھول کر باہر نکلنے ہی والا تھا۔ مجھے ایسی مشتبہ حالت میں کھڑا دیکھ کر وہ میری طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہتا۔ اس لمحے میرے ذہن نے بڑی تیزی سے کام کیا اور میں اس فیصلے پر پہنچ گئی کہ مجھے رضوان کے فلیٹ میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ اگر اندر "نامعلوم دشمن" کی موجودگی کے باعث کوئی ہنگامہ کھڑا ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ ویسے بھی صورتِ حال اب بگڑنے ہی لگی تھی۔

پلک جھپکتے میں یہ فیصلہ ہوا اور دوسری مرتبہ پلک جھپکنے سے پہلے میں رضوان کے فلیٹ میں داخل ہو چکی تھی۔ میں نے تیزی سے دروازہ بھی بند کر لیا۔ کمرے میں روشنی تھی۔ میں دروازے سے پشت لگا کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ میری ان حرکات و سکنات سے کوئی آواز نہ ہونے پائے اور میں اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب رہی تھی۔

فرنیچر وغیرہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کمرے کو ڈرائنگ روم کے طور استعمال کیا جاتا ہو گا۔ آرائش کی بیش قیمت چیزیں وہاں موجود تھیں مگر ان کی بے ترتیبی سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ ان چیزوں کے استعمال میں کبھی کسی سلیقے کو دخل نہیں رہا۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ اس گھر میں کوئی عورت نہیں ہو گی جو ان چیزوں کی دیکھ ریکھ کر سکتی۔

میں دروازے سے ٹیک لگائے متجسس نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔ ان لمحات میں میرے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہو چکی تھی اور یہ اضافہ اسی وقت ہو گیا تھا جب میں فلیٹ میں داخل ہوئی تھی۔

اندر دو کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ ایک سامنے والی دیوار میں تھا اور دوسرا بائیں جانب کی دیوار میں۔ سامنے والا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس پر ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ بائیں طرف کا دروازہ بند تھا اور اس پر پڑے ہوئے پردے ایک طرف سرکے ہوئے تھے۔

ان دونوں کمروں میں بھی سکوت کی حکمرانی معلوم ہوتی تھی۔ میں دبے قدموں، سامنے والے دروازے کی طرف بڑھی۔

وہ کمرہ خواب گاہ ثابت ہوا لیکن کوئی متنفس وہاں بھی نظر نہیں آیا۔ اس کمرے کی بائیں طرف کی دیوار میں بھی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ میں اس کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ ملتوی کر کے مڑی اور بائیں دیوار کے دروازے کی طرف بڑھی۔ میں نے ابھی تک اپنے پرس سے پستول نکالنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ میں عموماً اس کے استعمال سے بچنے ہی کی کوشش کرتی ہوں اور میرا کام اس کے بغیر بھی چل جاتا ہے۔

بند دروازے پر رک کر میں نے آہٹ لینے کی کوشش کی اور پھر ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ ہینڈل کو گھماتے ہوئے میں نے دروازے پر دباؤ ڈالا اور وہ کھلتا چلا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ دروازہ غیر معمولی طور پر وزنی تھا۔ اس کمرے میں بھی روشنی موجود تھی۔ میں اندر داخل ہو گئی۔ اس وقت میرے دل کی دھڑکنیں کچھ اور تیز ہو چکی تھیں۔ شائد ذہن کے کسی اندھیرے گوشے میں یہ خیال کلبلا رہا تھا کہ اس کمرے میں رضوان ساجد کی لاش سے بھی سابقہ پڑ سکتا ہے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس کمرے کو ساؤنڈ پروف بنایا گیا تھا۔ کمرے کے ساز و سامان کی روشنی میں یہ بھی خواب گاہ ہی تھی۔ میں نے بستر کی سائڈ ٹیبل پر ٹیلیفون رکھا ہوا دیکھا لیکن کریڈل پر ریسیور دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ریسیور کے ٹکڑے تو فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔ گویا میرا یہ اندازہ ٹھیک ہی ثابت ہوا تھا کہ گولی نے رضوان ساجد کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریسیور کو نشانہ بنایا تھا۔

فرش پر خون کے چند قطرے بھی پڑے ہوئے نظر آئے لیکن رضوان ساجد یا اس کی لاش کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ کوئی اور شخص بھی وہاں نظر نہیں آیا۔ گویا یہ بات طے تھی کہ ہنگامہ کرنے والے وہاں سے جا چکے تھے۔ مجھے وہاں آنے میں دیر بھی تو لگی تھی۔ اس وقت میں پوری بٹالین بھی غائب ہو سکتی ہے۔

مگر رضوان ساجد؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا ممکن ہے وہ لوگ اسے اغوا کر لے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان لوگوں سے بچ گیا ہو اور ازاں بعد ان کے تعاقب میں لگ گیا ہو۔

میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بستر کی سائڈ ٹیبل کے قریب پہنچی اور متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ دراصل اب میں اس انداز میں سوچ رہی تھی کہ اگر رضوان ساجد کو اغوا نہیں کیا گیا اور وہ اپنی مرضی سے کہیں گیا ہے تو وہ میرے لئے کوئی پیغام ضرور چھوڑ گیا ہو گا۔ مجھے اسی پیغام کی تلاش تھی اور جب وہ پیغام مجھے نہیں ملا تو میری تشویش دو چند ہو گئی۔ اب اس بات پر یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ رضوان ساجد کو اغوا کیا جا چکا ہے۔

میں تیزی سے واپسی کے لئے مڑی کیونکہ اب وہاں رکنا ہی بیکار تھا۔ نہ صرف بیکار بلکہ یہ خدشات بھی تھے کہ میں کسی الجھن میں پڑ جاتی یا کوئی بڑا خطرہ سر پر آ جاتا۔

فلیٹ کا بیرونی دروازہ کھولتے ہوئے میں نے بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ ہلکی سی آواز بھی نہیں ہونے دی تھی اور اس بات کا یقین بھی کر لیا تھا کہ راہداری ویران تھی۔ جب میں باہر نکلی تو میرا دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں تیزی سے، لیکن دبے قدموں، زینے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میں ارد گرد کے ماحول سے پوری طرح باخبر تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا دماغ رضوان ساجد میں بھی الجھا ہوا تھا۔ اس پر کیا گذری ہو گی؟ اسے کن لوگوں نے اغوا کیا تھا؟ اغوا کی وجہ کیا تھی؟ اس قسم کے سوالات میرے دماغ پر یورش کئے ہوئے تھے۔

جب میں آخری زینے طے کر رہی تھی تو چوکیدار کا پلنگ سامنے ہی نظر آ رہا تھا۔ اچانک میری نظریں ایک ایسی چیز پر پڑیں کہ میں ٹھٹک کر رک گئی۔ میرا منہ حیرت سے کھل گیا اور آنکھیں پھیل گئیں۔ چوکیدار کی چارپائی کے سرہانے سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور وہ بوند بوند خون جمع ہو کر اب ایک دھار بن کر بہہ نکلا تھا۔ اگر بہاؤ نہ ہوتا تو شائد اب بھی میری نظریں اس پر نہ پڑتیں۔ میرا تمام جسم سنسنا اٹھا۔ اب یہ بات سمجھ میں آئی تھی کہ ایک بلڈنگ کا چوکیدار اتنا غیر ذمے دار کیسے ہو گیا؟ وہ بیچارہ تو احساسات کی دنیا سے بیگانہ ہو چکا تھا۔ غالباً اس نے رضوان ساجد کو اغوا کرنے والوں کی راہ میں مزاحم ہونے کی کوشش کی ہو گی اور ان لوگوں نے اسے ٹھکانے لگا دیا ہو گا۔

باقی زینے میں نے بڑی پھرتی سے طے کر ڈالے۔ چارپائی کے قریب پہنچ کر رکی اور پھر سرہانے کی طرف سے چادر الٹ دی۔ وہ ادھیڑ عمر کا پٹھان تھا اور غالباً خون کی بوندیں اس کے پھٹے ہوئے سر سے ٹپک رہی تھیں۔ وہ ابھی مرا نہیں تھا، صرف بے ہوش ہوا تھا۔ وہ لوگ اسے چارپائی پر ڈال کر چادر اس لئے اڑھا گئے ہوں گے کہ یہ معاملہ زیادہ سے زیادہ وقت تک لوگوں کی نظروں سے چھپا رہے۔ اگر وہ اسے یونہی چھوڑ جاتے تو کسی وقت بھی کسی کی نظر اس پر پڑ سکتی تھی۔

دفعتاً ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ میں چونک کر گھومی اور زینے کے [illegible] کی طرف دیکھنے لگی۔

جن کی وجہ سے آواز ہوئی تھی، وہ بڑے معصومانہ انداز میں بولیں [illegible]۔

"جی ہاں، آیئے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر زیر لب کہا۔ "میں تو جا ہی رہی تھی۔"

میں تیزی سے باہر نکل گئی۔ میں نے چوکیدار کی چادر کو دوبارہ اس کے سر پر نہیں ڈھکا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ اسے جلد از جلد کوئی اس حالت میں دیکھ لے تاکہ اسے ممکنہ عجلت سے طبی امداد مل سکے۔

گلی میں بدستور سناٹا تھا لیکن اورنگ زیب پارک کی طرف لوگوں کی چلت پھرت جاری تھی۔ میں جلدی جلدی قدم اٹھاتی ہوئی بیڈن پاؤل والی گلی کی طرف مڑ گئی۔ ان گلیوں میں مکمل سناٹا نہیں ہوتا لیکن یہ میری خوش قسمتی تھی کہ کسی سے میری مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔

رضوان ساجد کو اس طرح غائب کیا گیا تھا کہ میں فوری طور پر اس کا سراغ نہیں لگا سکتی تھی اس لئے اب میرا پروگرام یہ تھا کہ سیدھی پولیس ہیڈ کوارٹر جاؤں اور اپنے اوپر عائد ہونے والے قتل کے الزام سے نپٹوں۔ اس معاملے کو سلجھانے کے بعد ہی میں شہر میں بلا روک ٹوک، نقل و حرکت کر سکتی تھی۔

جیسے ہی میں اپنی کار کے قریب پہنچی، دو آدمی بڑی سرعت کے ساتھ میرے دائیں بائیں آ گئے۔ وہ میری ہی کار کی آڑ میں کھڑے ہوئے تھے اور اتنی تیزی سے میرے قریب آئے تھے جیسے انہیں اندھیرے نے اگل دیا ہو۔ مجھے کوئی "کاریگری" دکھانے کی مہلت نہیں مل سکی اور ریوالوروں کی نالیں میرے دونوں پہلوؤں سے آ لگیں۔

"ذرا بھی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی اور ماری گئیں۔" ایک غرایا۔

"تمہارا پیٹ گولیوں سے چھلنی ہو جائے گا۔" دوسرا بولا۔

اسی وقت کار کی آڑ سے دو اور آدمی قریب آ گئے۔

"ارے!" میں ہنس پڑی۔ "ایک عورت کے لئے پوری گارد آئی ہے!"

"تم صرف عورت نہیں ہو۔ شیطان کی خالہ بھی ہو۔ چلو جلدی سے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولو۔"

"دروازہ کھولنے سے پہلے مجھے اپنا پرس کھولنا پڑے گا۔ چابی پرس ہی میں ہے۔"

فوراً ایک آدمی نے میرے ہاتھ سے پرس جھپٹ لیا اور اسے کھول کر ٹٹولنے لگا۔ پھر اس کے منہ سے نکلا۔ "او ہو!... اس میں تو پستول بھی ہے۔"

"یہ کھلونا میرے پرس میں ہر وقت پڑا رہتا ہے لیکن میں اسے استعمال نہیں کرتی ہوں۔"

میری اس بات کے جواب میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ پرس ٹٹولنے والا چابی نکال چکا تھا۔ اس نے پرس مجھے واپس کر دیا لیکن میں دیکھ چکی تھی کہ میرا پستول اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

کار کا مقفل دروازہ کھولا گیا اور پھر سب کے سب اندر بیٹھ گئے۔ مجھے دو آدمیوں کے درمیان پچھلی سیٹ پر بیٹھنا پڑا تھا۔ دو آدمی آگے بیٹھے تھے اور ان ہی میں سے ایک نے ڈرائیونگ سنبھالی تھی۔

ضبط کرنے میں مجھے بڑی قدرت حاصل ہے۔ میں نے بالکل ظاہر

نہیں ہونے دیا کہ میں ان سے خوفزدہ یا پریشان ہوں۔ زیادہ خائف تو میں یقیناً نہیں تھی لیکن پریشانی سے انکار محال ہے۔ مجھے اغوا کیا جا رہا تھا اس لئے میں پریشان کیسے نہ ہوتی؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں اور مجھ سے کیا سلوک کریں گے۔ تاہم مجھے یہ امید ضرور ہو گئی تھی کہ شاید میں وہیں پہنچ جاؤں جہاں رضوان ساجد کو پہنچایا گیا ہوگا۔ یہ ایک قدرے خوشگوار بات تھی۔

مرسیڈیز حرکت میں آگئی۔

اسی وقت میں صرف اپنی لاپرواہی ظاہر کرنے کے لئے بول پڑی۔

"ذرا احتیاط سے چلانا۔ میری گاڑی بہت نازک ہے۔"

"چلائیں گے تو ہم تم کو بھی احتیاط سے۔" میرے بائیں ہاتھ پر بیٹھے شخص نے ایک بے ہودہ سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"تم؟ مجھے چلاؤ گے؟" میں بڑی حقارت سے بولی۔ "کیا تم لوگوں کی مردانگی مشتبہ نہیں ہے؟ مجھ اکیلی کے لئے چار کی ضرورت محسوس کی گئی۔ میرے خیال میں تم لوگوں کا تعلق اسی قبیل سے ہے جسے ایران کا علی اصغر بروجردی بہت پسند کرتا تھا۔"

"بکواس بند کرو!" میری دائیں طرف بیٹھا ہوا شخص میری بات پر اس بری طرح تلملایا تھا کہ اس نے ریوالور کا دستہ بڑی زور سے میری کنپٹی پر جڑ دیا۔ مجھے اپنی آنکھوں کے آگے تارے سے اڑتے محسوس ہوئے اور پھر اندھیرے کا رنگ گہرا ہوتا چلا گیا۔ میرے حواس زائل ہو گئے۔

پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں نے محسوس کیا کہ میرا جسم تو سخت زمین پر پڑا ہوا ہے لیکن سر کے نیچے کوئی گداز چیز موجود ہے۔ میرا شعور جب پوری طرح بیدار ہوا تو مجھے پتہ چلا کہ میں ایک کمرے کے ننگے فرش پر پڑی ہوئی تھی اور میرا سر رضوان ساجد کے زانو پر رکھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر تھیں اور دیکھنے کا انداز بڑا پیار بھرا تھا۔

"صد شکر کہ آپ کو ہوش آگیا۔" وہ بڑی اپنائیت سے بولا۔

میں تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اتنی تیز حرکت سے مجھے اپنے سر میں بڑی شدید دھمک محسوس ہوئی تھی اور چند لمحوں کے لئے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔

"لیٹی رہیے، لیٹی رہیے!" رضوان ساجد جلدی سے بولا۔ "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ کے ہوش میں آتے ہی میرے زانوؤں کی بدنصیبی شروع ہو جائے گی تو میں آپ کی بے ہوشی کی طوالت کے لئے دعا مانگتا۔"

ان لمحات میں میری آنکھوں کے آگے سے اندھیرا چھٹ گیا اور میں رضوان ساجد کو گھورتی ہوئی بولی۔ "یہ کون سی جگہ ہے؟"

"جہاں آپ میرے ساتھ ہوں وہ جگہ میرے لئے جنت سے کم نہیں۔" رضوان نے بڑے والہانہ انداز میں کہا۔

"کیا تم مجھ سے پٹنا چاہتے ہو؟" میں جھنجھلا گئی۔

"مائی گاڈ!" رضوان ساجد بڑے بوکھلائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ دیوار سے جا لگا۔ اس کے اس خوف میں اصلیت بہت کم اور بناوٹ بہت زیادہ تھی۔

میں برا سا منہ بنا کر ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔ یہ کمرہ نہ زیادہ بڑا تھا نہ بالکل چھوٹا۔ ایک کھڑکی تھی اور ایک دروازہ۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اس میں گرل کی بجائے آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ غالباً یہ مکان بہت پرانا بنا ہوا تھا۔ نئے مکانوں کی کھڑکیوں میں سلاخیں نہیں لگائی جاتیں۔ دیواروں کا چونا جگہ جگہ سے جھڑا ہوا تھا اور فرش کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی۔ سامان کے نام سے اس کمرے میں کچھ بھی نہیں تھا۔

مجھے اور رضوان ساجد کو یہاں لانے والوں نے اس کی بالکل پروا نہیں کی تھی کہ ان کے قیدی کہاں اٹھیں بیٹھیں گے۔ کرسی تو کرسی وہاں دری کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہیں تھا۔

میں اٹھ کر کھڑکی کی طرف گئی اور اس کی دو سلاخیں پکڑ کر باہر جھانکنے لگی۔ اس طرف ایک راہداری سی تھی لیکن سامنے والی دیوار میں کوئی دروازہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ راہداری کسی بلب وغیرہ سے بے نیاز تھی لیکن کمرے کی جو روشنی اس طرف جا رہی تھی، وہ اتنی ضرور تھی کہ دیوار کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔

میں مڑی اور متجسس نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

"وہ باہر سے بند ہے۔" رضوان ساجد بول پڑا۔

"اتنا میں بھی سمجھ سکتی ہوں۔" میں نے منہ بنا کر کہا اور پھر رضوان ساجد کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ "اب تم سنجیدگی سے بتاؤ کہ یہ کیا معاملہ ہے اور تم یہاں کیسے لائے گئے ہو؟"

رضوان ساجد کے چہرے سے شوخی کے تاثرات مٹ گئے اور وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کیا تم یقین کرو گی کہ جو لوگ مجھے اور تمہیں یہاں لائے ہیں وہ کیپٹن آفاق کے پروردہ غنڈے ہیں؟"

میں حیرت سے رضوان ساجد کی طرف دیکھنے لگی۔ اب چونکہ اس نے مجھے "تم" کہہ کر مخاطب کیا تھا اس لئے میں یقین کر سکتی تھی کہ اب وہ سنجیدہ تھا۔ جب اس پر غیر سنجیدگی مسلط ہوتی تھی تو وہ مجھے "آپ" کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

"کیپٹن آفاق؟" میں زیر لب بڑبڑائی۔

کیپٹن آفاق، اقتدار اعلیٰ سے گہرا تعلق رکھتا تھا اور یہ بات اب شک و شبہے سے بالاتر ہو چکی تھی کہ موجودہ حکومت کی لرزیدہ بنیادوں کو سنبھالنے کے لئے غنڈہ گردی کے جو حربے اپنائے جا رہے تھے ان میں کیپٹن آفاق کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

"تو فرخ کے معاملے میں کیپٹن آفاق کی شخصیت کارفرما ہے!" میں چند لمحے بعد پھر بڑبڑائی۔

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" رضوان ساجد پھر بول پڑا۔

"تمہیں اس کا علم کیسے ہوا؟"

"کلفٹن پر تم دونوں کے رخصت ہو جانے کے بعد میں نے ان غنڈوں

کی ملاقات کی اور جتنے ان کی جیبوں سے کچھ ایسے کاغذات مل گئے تھے جن سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی تھی۔"

"اب وہ کاغذات کہاں ہیں؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ مجھ سے واپس چھین لئے گئے۔" رضوان ساجد نے مایوسانہ لہجہ میں کہا اور پھر کھڑا ہو کر کمرے میں ٹہلتا ہوا بولا۔ "کلفٹن سے میں صدر پہنچا تھا اور ایک جنرل اسٹور کے ٹیلیفون پر ہاشمی صاحب سے بات کی تھی۔ انہوں نے جب فرخ کی پرنسپل کا ذکر کیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ تم ہو گی۔"

رضوان ساجد تفصیل سے سب کچھ بتاتا رہا اور اس کی باتیں سننے کے ساتھ ساتھ میرا دماغ ان حالات کا تجزیہ بھی کرتا رہا جو اب تک پیش آ چکے تھے۔ ہاشمی کو اس کے آفس سپرنٹنڈنٹ نے جو پیش کش کی تھی وہ خاصی غیر معمولی تھی اور ایک سرکاری افسر سے اس قسم کی پیش کش کرانے والا کیپٹن آفاق جیسا ہی کوئی آدمی ہو سکتا تھا۔ مجھے اس بات پر بھی بہت حیرت ہوئی تھی کہ ایک جرائم پیشہ گروہ کے پاس ہیلی کوپٹر کہاں سے آگیا لیکن اب میری حیرت بھی ختم ہو چکی تھی۔ جس معاملے میں کیپٹن آفاق جیسی شخصیت کا ہاتھ ہو اس معاملے میں ہیلی کوپٹر تو کیا، ہوائی جہاز پر بھی حیرت ظاہر نہیں کی جا سکتی تھی۔ کیپٹن آفاق بہت کچھ کرنے پر قادر تھا۔

"پھر میں نے اپنے گھر سے تم کو فون کیا۔" رضوان ساجد کی آواز میرے کانوں میں پہنچ رہی تھی۔ "اور اس وقت تک مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ لوگ میرے تعاقب میں لگ چکے ہیں۔ چونکہ کیپٹن آفاق کا نام میرے علم میں آ چکا تھا اس لئے مجھ پر تھوڑی سی سراسیمگی طاری ہو چکی تھی۔ آجکل کیپٹن آفاق کے نام سے بڑے بڑے لوگوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے، میں بے چارہ تو کسی شمار و قطار میں ہی نہیں ہوں۔ بہرحال اسی سراسیمگی اور گھبراہٹ میں مجھے یہ خیال نہیں رہا تھا کہ اپنے فلیٹ کا دروازہ اندر سے بند کر لوں۔ ویسے یہ بات بھی میرے وہم و گمان میں نہیں تھی کہ وہ لوگ مجھ پر اتنی تیزی سے جھپٹ پڑیں گے۔ دروازہ کھلا ہونے کی وجہ سے انہیں آسانی سے فلیٹ میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ پھر اس وقت جب میں ٹیلیفون پر تم سے گفتگو کر رہا تھا تو وہ لوگ اندرونی کمرے میں گھس آئے اور انہوں نے فائر کر دیا۔ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر وہ گولی ریسیور پر پڑی تھی اور اس کے ٹکڑے اڑ گئے تھے۔"

"میں نے وہاں خون کے قطرے بھی پڑے دیکھے تھے۔"

"وہ کوئی خاص بات نہیں۔" رضوان ساجد نے اپنا دایاں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "بس ایک انگلی میں خراش سی آگئی تھی، اسی سے قطرے ٹپک گئے ہوں گے۔"

"پھر تم نے کیا کیا تھا؟" میں نے بیتابی سے پوچھا۔

"جب مقابلے پر تین آدمی ہوں اور ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور بھی ہو تو کیا کیا جا سکتا ہے؟ عقلمندی کا تقاضہ یہی تھا کہ میں خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں۔"

"تمہارے کسی پڑوسی نے گولی چلنے کی آواز بھی نہیں سنی اور میں اس کا سبب جان چکی ہوں۔ تمہارے فلیٹ کا وہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے۔ آخر تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی تھی کہ ایک کمرے کو ساؤنڈ پروف بنواؤ؟"

"میرے پاس کچھ خاص قسم کے ٹیپ ہیں کبھی کبھی ریکارڈ پر لگا کر سنتا ہوں اور وہ ٹیپ ایسے نہیں ہیں کہ ان میں بھری ہوئی آوازیں میں آس پاس رہنے والوں کو بھی سنواؤں۔"

"بلیک میلنگ اسٹف!" میرا منہ بن گیا۔

"ہاں۔" رضوان ساجد نے جواب دیا۔ "لیکن اس وقت میں یہ مسئلہ زیر بحث نہیں لانا چاہتا اور میرا خیال ہے تم بھی اس بحث میں الجھنا مناسب نہیں سمجھو گی۔"

"یہ لوگ تمہیں یہاں کیسے لائے؟"

"ریوالور کی نال میری کمر سے لگا کر وہ لوگ مجھے بلڈنگ سے نکال لائے تھے۔ بلڈنگ کے چوکیدار کی شامت آئی تو اسے کچھ شبہ ہو گیا۔ وہ ان لوگوں کو ٹوک بیٹھا اور نتیجے میں اسے اپنے سر پر ایک شدید ضرب کھانی پڑی۔ اسے چارپائی پر ڈال کر وہ لوگ مجھے باہر لے گئے جہاں ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے اس کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا اور پھر اچانک ان میں سے ایک نے میرے منہ پر کلوروفارم سے آلود رومال رکھ دیا۔ پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں اس کمرے میں تھا۔"

"تمہارے ہوش میں آنے کے بعد سے اب تک یہاں کوئی نہیں آیا؟"

"بس ایک مرتبہ دو آدمی آئے تھے اور وہ اس لئے آئے تھے کہ تم کو بھی اس کمرے میں پہنچانا تھا۔"

"ان سے تمہاری کوئی بات چیت نہیں ہوئی؟"

"قطعی نہیں۔"

"آخر ہمارے اغوا کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟"

"یہی سوچ سوچ کر میں بھی تھک چکا ہوں۔ اگر ہمیں قتل کرنا مقصود ہوتا تو اغوا کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور اگر انہیں ہم سے کچھ معلوم کرنا ہوتا تو اب تک پوچھ گچھ شروع کی جا چکی ہوتی۔"

"تو پھر ایک ہی بات ممکن ہے۔" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ "وہ لوگ کیونکہ فرخ کو اغوا کرنا چاہتے ہیں اور ہم دونوں اس میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے لہٰذا انہوں نے اس طرح ہمارا بندوبست کر دیا۔ اب وہ بڑی آسانی سے فرخ کو اغوا کر لیں گے۔"

"اوہ!" یکلخت رضوان ساجد کے چہرے کی سرخی بڑھتی چلی گئی اور وہ بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ بار بار اپنے بائیں ہاتھ کا مکہ، دائیں ہتھیلی پر مار رہا تھا۔ غالباً اسے میری بات بہت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوئی تھی اور وہ اندرونی طور پر بے حد مشتعل ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہو گا کہ اس بے بسی کے عالم میں وہ فرخ کے لئے کیا کرے؟

"زیادہ پُرجوش ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔" میں سنجیدگی سے بولی "ہمیں بڑے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غور کرنا ہوگا کہ یہاں سے بچ نکلنے کی کوئی صورت ممکن ہے یا نہیں۔"

رضوان ساجد آہستہ آہستہ معمول پر آتا چلا گیا۔ میں نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ میری بات کا اثر تھا یا یہ اس کی فطرت تھی کہ وہ بہت جلد مشتعل ہوکر بہت جلد ٹھنڈا بھی پڑ جاتا تھا۔

"کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ہم اس وقت کس علاقے میں ہیں؟" میں بولی۔

"ظاہر ہے کہ یہ کسی ماڈرن بستی کا مکان نہیں ہوسکتا۔" رضوان ساجد نے چاروں طرف نظریں گھماتے ہوئے کہا "اور معمولی درجے کے لوگوں کی بستیاں کراچی میں دو ایک نہیں، ان گنت ہیں۔ یہ لیاقت آباد کا کوئی مکان بھی ہوسکتا ہے اور گولیمار کا بھی۔ یہ آگرہ تاج کالونی بھی ہوسکتی ہے اور رتن تلاؤ بھی...."

"تم نے سب سے پہلے لیاقت آباد اور گولیمار کا نام لیا ہے کیونکہ ان دونوں علاقوں نے حال ہی میں خاصی شہرت حاصل کرلی ہے لیکن میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ مکان ان دونوں علاقوں میں ہرگز نہیں ہوگا۔ ان دنوں یہ دونوں علاقے اس قدر مشتعل ہیں کہ کیپٹن آفاق کے آدمی ان علاقوں کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز نہیں بنا سکتے۔"

رضوان ساجد نے پُرفکر نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر سر ہلاتے ہوئے بولا "یہ تو واقعی سمجھ میں آتا ہے۔ مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔"

"دراصل میں علاقے کا تعین کرکے یہ اندازہ لگانا چاہتی ہوں کہ اگر اس مکان میں کوئی ہنگامہ ہو تو آس پاس کے لوگ متوجہ ہوسکتے ہیں یا نہیں۔ ظاہر ہے یہ ساری بستی تو کیپٹن آفاق کے آدمیوں کی نہیں ہوگی۔"

"ہنگامہ کیسا؟"

"ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ اگر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہے تو وہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں گے۔ میں فرخ کو اس عبرتناک انجام تک پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔"

"کاش کوئی ہمیں بھی ایک عبرتناک انجام سے بچاتا۔" رضوان ساجد نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔

میں اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی اس لئے رضوان ساجد کے لہجے کی شوخی کو محسوس نہیں کرسکی اور جھونک میں پوچھ بیٹھی "کیا مطلب؟ تمہارا عبرتناک انجام کیسا؟"

"اگر کسی کی نظرِ کرم حاصل نہ ہوسکے تو انجام کی عبرتناکی میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔"

"ہوں۔" میں اس کی شرارت کو سمجھ کر اسے گھورنے لگی۔

"آخر آپ کو لڑکیوں سے کیا ملتا ہے بانو!.... ان کی بھی دو آنکھیں، آپ کی بھی دو آنکھیں، آپ کی بھی ایک ناک، ان کی بھی ایک ناک، ان کے بھی دو ہونٹ، آپ کے بھی دو ہونٹ۔ آپ کے بھی دو.... دو.... میرا مطلب ہے، ان کے بھی دو۔"

"ہوں۔" میں بُرا سا منہ بناکر بولی "کیا مردوں کے بھی دو آنکھیں، دو ہونٹ، ایک ناک اور دو کان نہیں ہوتے؟"

"یہ سب نادر تو برسبیلِ تذکرہ آگئے تھے۔ میں جس نکتے کی طرف بلکہ نکتوں کی طرف آیا تھا، انہیں آپ نظرانداز کر رہی ہیں۔" رضوان ساجد کے نتھنے شرارت سے پھڑک رہے تھے۔ "آخر آپ تبدیلی کیوں نہیں چاہتیں؟"

"جس کی طرف تمہارا اشارہ ہے، میں اس تبدیلی سے نفرت کرتی ہوں۔"

"پہلے تو آپ نے پی ہی نہیں۔"

"جب بھی پینے کی کوشش کی، قے ہوجائے گی۔"

"آزمائش شرط ہے۔ کبھی میری خدمات حاصل کرکے دیکھئے۔" رضوان بڑے ڈرامائی انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتا ہوا بولا۔

"تم۔" میں ہنس پڑی "نسوانیت تو تم میں بھی اچھی خاصی ہے۔"

"کیا؟" رضوان نے مصنوعی انداز میں بگڑتے ہوئے کہا "میں یہ ہتک برداشت نہیں کرسکتا۔ آزمائش سے پہلے آپ یہ بات ہرگز نہیں کہہ سکتیں۔"

"میرا خیال ہے ہم فضول باتوں میں اُلجھ کر وقت ضائع کر رہے ہیں۔" میں اچانک سنجیدہ ہوگئی "یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ ہم فرخ کے علاوہ کچھ سوچیں۔ اس پر نہ جانے کیا گزر رہی ہوگی۔"

"اس وقت تو کچھ بھی نہیں گزر رہی ہوگی۔ جو کچھ بھی ہوگا، کل صبح ہوگا۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ ممکن ہے وہ اسے رات ہی میں اغوا کرلینا چاہتے ہوں۔"

"اگر وہ اسے رات میں اغوا کرنا چاہتے تو پھر ہمیں قید کرنے کا کوئی مقصد نہیں رہ جاتا۔ ہم رات کو تو اس کے مکان کی حفاظت کرتے نہیں تھے۔ انہیں ہماری وجہ سے صرف دن میں ہی پریشانی تھی۔"

میں اثبات میں سر ہلانے لگی۔ رضوان کا استدلال خاصا وزنی تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے کہا اور پھر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ تین بج رہے تھے۔ "پانچ گھنٹے۔" میں بڑبڑائی "گویا فرخ ابھی پانچ گھنٹے تک محفوظ ہے۔ ہمیں انہی پانچ گھنٹوں میں کچھ کرنا ہوگا۔"

لیکن وہ پانچ گھنٹے، بحث و مباحثے اور سوچ بچار میں ہی گزر گئے۔ کوئی تدبیر ہماری سمجھ میں نہیں آسکی۔ اب دن کا اجالا کمرے میں بھر گیا تھا اور بلب کی روشنی، چراغ بن کر رہ گئی تھی۔ ساری رات جاگنے کے باوجود بھی میری آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا اور یہی حالت رضوان کی بھی تھی۔

...وازے پر آہٹ ہوئی تو ہم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ...آدمی غالباً ناشتے کی ٹرے لئے ہوئے کمرے میں داخل ...آدمی دروازے ہی پر کھڑے رہے۔ ان کے ریوالوروں ...سے خوفناک دہانے، موت کی آنکھوں کی مانند، ...رہے تھے۔

"...ہاں اپنے پیٹ کا جہنم پُر کرلیں۔" ناشتہ لانے والے ...نے کہا "اس کے بعد آپ ذلیل خاتون کو اس مکان کے ...ے میں چلنا ہوگا۔"

"کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"...ابھی پتہ چلے گا۔" وہ ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگا کر بولا۔

...دروازے کی طرف مڑ گیا۔

...لوگوں نے کمرے سے باہر نکل کر دروازہ پھر بند کردیا تھا۔ ...معقول قسم کا تھا۔ میں فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہوگئی لیکن ...رضوان کی طرف دیکھنے لگی جس نے ناشتے کی طرف ہاتھ ...اٹھایا۔

"...ل! کیا تم ناشتہ نہیں کروگے؟" میں نے پوچھا۔

"...لوگ تمہیں دوسرے کمرے میں کیوں لیجانا چاہتے ہیں!" ...سے بہت زیادہ پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔

...میں ہنس پڑی "آخر تم کیا سمجھ رہے ہو؟"

"...تم پر وحشیوں کی طرح ٹوٹ پڑیں گے۔ تم ان لوگوں کو ...اس قسم کے لوگ دنیا کے ایک خوبصورت اور نازک ...سی چیز درندگی سے سرانجام دیتے ہیں۔"

"...سمجھ رہے ہو۔ اگر اس قسم کی کوئی بات ہوتی تو گزرنے ...ل نہیں جاتی۔ چلو ناشتہ کرو۔ تمہیں اس سلسلے میں ...ہونا چاہیئے۔"

...ناشتے میں شریک ہوگیا لیکن اس کے چہرے سے تفکر کا ...ناشتہ کرنے کے بعد اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر جلائی۔

"...ٹ مجھے بھی دو۔"

...اس نے پیکٹ میری طرف بڑھا دیا جس میں اب ایک ہی ...تھی۔ میں نے وہ نکال کر سلگائی اور ہلکے ہلکے کش لینے لگی۔ ...سوال میں اُلجھا ہوا تھا کہ وہ لوگ مجھے کسی دوسرے کمرے ...میں، میری دانست میں زیادہ امکان اس بات کا تھا ...ہو کی جاتی لیکن میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھی کہ ...بھی ہوگی۔

...دس منٹ بعد وہ لوگ آئے اور مجھے اس کمرے سے ...وہ مجھے لے جارہے تھے تو میں نے دیکھا کہ رضوان ساجد ...پھیل گئی تھی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ یہ شخص واقعی مجھ سے محبت کرتا ہے لیکن یہ میری فطرت کے خلاف ہے کہ میں کسی مرد کی محبت کا جواب دے سکوں۔

مجھے دوسرے کمرے میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کردیا گیا۔ وہ لوگ میرے ساتھ اندر داخل نہیں ہوئے تھے۔ میں دروازے کے قریب ہی رُک کر اس آدمی کو گھورنے لگی جو سامنے والی دیوار کے قریب کھڑا تھا۔ میری طرف اس کی پشت تھی۔ وہ چیک کلیٹی سوٹ میں ملبوس تھا اور دیوار سے لگی ہوئی ایک میز پر دونوں ہاتھ ٹکائے آگے جھکا ہوا تھا۔

"بہت خوب!" اس کی بھاری آواز کمرے میں گونجی "تم واقعی خوبصورت ہو۔ یقین نہیں آتا کہ ایسی دلکش عورت، آفت کی پرکالہ بھی ہوگی۔"

اس نے مڑ کر میری طرف نہیں دیکھا تھا اس لئے اس کے ان فقروں نے مجھے اُلجھن میں ڈال دیا لیکن میری یہ اُلجھن زیادہ دیر قائم نہیں رہی۔ جلد ہی میری نظر اس آئینے پر پڑگئی جو میز پر کچھ ایسے زاویئے سے رکھا ہوا تھا کہ اس میں میری شکل صاف نظر آرہی ہوگی لیکن درمیانی فاصلے کے باعث اس چھوٹے سے آئینے میں اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"کچھ تو بولو خوبصورت عورت!" اس نے قدرے توقف سے کہا۔ "میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری آواز بھی اتنی ہی خوبصورت ہے یا نہیں؟"

"میری آواز خوبصورت بھی ہے اور زہریلی بھی۔"

"بہت اچھے۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "خاصی جرأتمند ہو کہ ایک قیدی ہوکر ایسی دبنگ آواز میں بول رہی ہو۔"

"کسی تھرڈ ریٹ فلم کا مکالمہ ہوگا، اگر میں یہ کہوں کہ جرأتمندی دیکھنا ہو تو اس چہار دیواری سے باہر نکل کر میرے سامنے آؤ۔"

"ہیر.... ہیر.... ہیر...." اس نے سیدھے کھڑے ہوکر تین مرتبہ تالی بجائی لیکن اس کا رُخ اب بھی دیوار کی طرف تھا۔ مقصد یہی ہوگا کہ میں اس کی شکل نہ دیکھ سکوں۔ غالباً اس نے اپنی آواز بدلنے کی بھی کوشش کی ہوگی لیکن میں اسے پہچان چکی تھی۔ وہ اپنے قد و قامت کے اعتبار سے کیپٹن آفاق ہی معلوم ہو رہا تھا۔

"مجھے اب تک نہیں معلوم ہوسکا کہ میرے اغوا کا مقصد کیا ہے۔" میں بولی۔

"کیا واقعی تم نہیں سمجھ سکیں؟"

"بس اندازہ ہی لگا سکی ہوں کہ اس کا تعلق فرخ سے ہے۔"

"ٹھیک ہی اندازہ لگایا ہے تم نے۔ تم اور رضوان ساجد میرے راستے کی رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اب آج بڑے اطمینان سے فرخ کو اغوا کرلیا جائے گا۔"

"آخر تم لوگ اس معصوم لڑکی کے پیچھے کیوں پڑگئے ہو؟"

"میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ اس کے حق میں بھی بہتر ہوگا۔ وہ زندگی کی گراں ترین آسائشات سے بہرہ ور ہوسکے گی۔ ایک ہیڈ کلرک کی بیٹی کو

وہ سب کچھ نہیں مل سکتا جو میں اسے دلوانا چاہتا ہوں۔"

"دولت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔"

"آج کے دور میں وہ اساسی شے ہے لیکن میں نے تمہیں اس لئے نہیں بلوایا تھا کہ ان مسائل پر گفتگو کر دوں۔"

"کس لئے بلایا تھا۔"

"صرف دیکھنا چاہتا تھا تم کو — تمہارے بارے میں اتنی حیرت انگیز رپورٹس مل چکی ہیں کہ میں تمہیں دیکھنے کے لئے بےچین ہو گیا تھا۔ آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں کسی عورت کو دیکھنے کے لئے اتنا بےچین ہو … اب تمہیں دیکھا ہے تو کچھ خواہشات بھی انگڑائیاں لینے لگی ہیں لیکن خیر پھر کبھی سہی۔"

"میرا انجام کیا ہو گا؟"

"زندگی — خوبصورت زندگی۔"

"کیا مطلب —؟"

"آج رات کو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ میرے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ تم دونوں کو مار کر کسی ویرانے میں دفن کر دیا جائے لیکن میں بلاوجہ خون خرابہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ ویسے تم جیسی خوبصورت عورت کو قتل کر دینا ایک غیر شاعرانہ بات بھی ہو گی۔ رہ گیا رضوان ساجد تو مجھے اس کی زندگی سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آج دن میں فرخ کے معاملے کو بخیر و خوبی انجام تک پہنچانے کے بعد میں رات کو ذرا سی دیر کے لئے رضوان ساجد سے ملوں گا۔ میں اس سے چند ایسی چیزیں حاصل کرنا چاہتا ہوں جن کے سہارے وہ میرے بعض دوستوں کو بلیک میل کر رہا ہے۔ میں اس سے معلوم کروں گا کہ اس نے وہ چیزیں کہاں چھپائی ہیں۔ وہ چیزیں حاصل کرنے کے بعد میں اسے اور تمہیں، دونوں کو چھوڑ دوں گا۔" اس نے خاموش ہو کر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی پر ہاتھ مارا۔ فوراً ہی میں نے اپنے عقب میں دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور وہ پھر بولا "میری روانگی کا بندوبست کرو۔"

"بہت بہتر جناب والا!" اندر آنے والوں میں سے ایک نے کہا اور پھر اس کے ریوالور کی نال میرے پہلو سے آ لگی۔ وہ تحکمانہ انداز میں بولا "چلو!"

میں ان دونوں کے ساتھ اس کمرے سے نکل آئی۔ وہ میرے دائیں بائیں تھے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" میں بڑے مایوسانہ انداز میں بولی۔

"کیا مطلب!"

"میں سمجھی تھی تم لوگوں نے میرے ساتھ کچھ اچھا وقت گزارنے کا اہتمام کیا ہو گا۔ ایک رات بھی بے رنگ و بو ہو جائے تو مجھے زندگی سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ میرا ساتھی رضوان ساجد تو ان معاملات میں بالکل خشک اور کورا ہے۔"

میری یہ باتیں ایک واضح قسم کا اشارہ تھیں۔ ان دونوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ان میں ایک بولا "تو تم ہمارے ساتھ کچھ اچھا وقت گزارنا چاہتی ہو؟"

"میں رات سے بھوکی ہوں۔ ایسی منحوس راتیں میری زندگی میں بہت کم آئی ہیں۔" میرا انداز بالکل فاحشاؤں کا سا تھا۔ "لگ رہا ہے جیسے میرے وجود میں کوئی گیلی لکڑی سلگ رہی ہو۔"

"اگر ایسا ہے تو تم ہمارا انتظار کرنا۔ ہم کچھ دیر بعد تمہیں لے جائیں گے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" دوسرا آدمی بڑی تیزی سے بولا "جانو کو پتہ چل گیا تو وہ ہمیں کچا چبا جائے گا۔"

"استاد جانو تو کچھ دیر میں جانے ہی والا ہے۔ پھر یہاں ہمارے علاوہ ہو گا ہی کون۔" یہ کہتے ہوئے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی رال ٹپکی جا رہی ہو۔ وہ بڑی بھوکی نظروں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔

"لیکن —"

"چھوڑو بھی یار! تم خواہ مخواہ ہڈی بنے جا رہے ہو۔ کسی کو پتہ کیسے چلے گا؟ یہ تو بتانے سے رہیں۔"

"میں کسی کو کیوں بتانے لگی۔ میں تو بھوکی ہوں۔ مجھے"

"وہ غذا تمہیں ضرور ملے گی۔" اس نے بڑے چیب ہنستے ہوئے کہا۔

وہ دونوں مجھے اسی کمرے میں واپس پہنچا کر باہر سے بند کر گئے۔ رضوان ساجد بڑی بیتابی سے میری طرف آیا اور میرے سراپا کا جائزہ لینے لگا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمہارا خیال غلط ثابت ہو چکا ہے۔"

"تو … تو … پھر۔"

"کیپٹن آفاق مجھے دیکھنا چاہتا تھا۔"

"اوہ! وہ بھی ہے اس مکان میں؟" رضوان نے چونک کر کہا۔

"ہاں ابھی تو ہے لیکن دو چار منٹ میں چلا جائے گا۔"

"کیا باتیں ہوئیں اس سے؟"

اس سوال کے جواب میں مجھے سب کچھ دہرانا پڑا۔

"سؤر کا بچہ صرف تمہیں دیکھنے آیا تھا!" رضوان غراہٹ بھری آواز میں بولا۔ "اچھا ہی ہوا کہ وہ دیکھنے آ گیا اور مجھے اس کمرے تک جانا پڑا۔"

"اس میں اچھائی کا کیا پہلو ہے؟"

"اس طرح مجھے ایک پانسہ پھینکنے کا موقع مل گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے وہ پانسہ کس کروٹ گرتا ہے۔"

رضوان نے میرے فقروں کی تشریح کروانا چاہی لیکن میں نے ٹال دیا۔ جو کچھ میرے ذہن میں تھا، اس کی عمل پذیری یقینی نہیں تھی۔ میں بڑی بےچینی سے ان دونوں آدمیوں کا انتظار کرتی رہی۔ میں نے انہیں اپنے جسم کی دعوت دی تھی اور ان میں سے ایک کی رال کو بڑی شدت سے بہتا ہوا محسوس کیا تھا۔ امکان تو یہی تھا کہ وہ میرے دام میں آ جاتے لیکن مستقبل کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہی تھا۔

میں لحظہ بہ لحظہ فرخ کے لئے پریشان ہوتی جا رہی تھی۔ ہر گزرنے والا لمحہ اس کی تباہی کو اسکے قریب لیے جا رہا تھا۔ میں ان سفاک لمحات سے پہلے ہی فرخ تک پہنچ کر اسے اپنے بازوؤں کی امان میں لے لینا چاہتی تھی۔ اندازہ یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ فرخ کو اس وقت اغوا کیا جائے گا جب وہ اسکول کے لئے گھر سے روانہ ہو گی۔ ابھی اس وقت میں کئی گھنٹے باقی تھے اس لئے میں چاہتی تھی کہ یہ وقت گزرنے سے پہلے یہاں سے چھٹکارہ مل جائے اور اس کی صورت یہی تھی کہ پانسہ میری خواہش کے عین مطابق گرے۔

گھنٹہ گزر گیا لیکن وہ دونوں منحوس نہیں آئے۔

آدھا گھنٹہ اور گزرا لیکن دروازے پر آہٹ نہیں ہوئی۔ میرے اضطراب کا عالم دیدنی تھا۔ رضوان نے حیرت سے دیکھا اور بولا "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تمہیں کسی کا انتظار ہے۔ تم بار بار دروازے کی طرف اٹھ رہی ہو۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس خالی خالی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔ رضوان میرے اس گم صم انداز سے کچھ پریشان ہو اٹھا۔

آدھا گھنٹہ اور گزر گیا۔ اب میرے ضبط و صبر کی حد ہو چکی تھی۔ قریب تھا کہ میں چیخ چیخ کر ان دونوں آدمیوں کو گالیاں دینا شروع کر دیتی کہ شرافت کا جنازہ ہی اٹھ گیا؟

جب ہی دروازے پر آہٹ ہوئی، میرا دوران خون یکلخت تیز ہو گیا۔ میرا بڑا عجیب سا ردعمل ہوا تھا۔ دروازہ کھلا تو توقع کے مطابق انہی دونوں کی شکلیں نظر آئیں۔ حسب سابق ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور بھی تھا۔

"چلو!" میں نے بڑی بیتابی سے پوچھا۔

"ہاں!" وہ بولا جس کے ہاتھ میں ریوالور نہیں تھا اور رال ٹپک رہی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" رضوان کچھ بوکھلا گیا تھا۔ "کہاں جا رہی ہو؟"

"آدھ گھنٹے میں آ جاؤں گی۔" میں نے بڑی لاپرواہی سے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"لیکن … وہ … سنو …" اس نے اس انداز میں ہاتھ اٹھایا جیسے مجھے روکنا چاہتا ہو لیکن میرے رویّے کی سرد مہری کو دیکھ کر وہ اپنی نقطۂ کمال نہ کر سکا۔ اس کا ہاتھ ڈھیلا ہو کر گر پڑا۔

ان دونوں نے مجھے باہر نکلنے کے لئے راستہ دے دیا تھا۔ میرے پیچھے وہ بھی باہر آئے اور دروازہ بند کر دیا۔ ریوالور والا بہت چوکنا تھا۔ غالباً اس کو لہو و لعب سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں تھی اور وہ محض اپنے ساتھی کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا۔

"کیا اب وہ مکان میں نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔ "وہ … میرا مطلب ہے … شاید تم نے استاد جانو کا نام لیا تھا!"

"ہاں اب اس مکان پر صرف ہماری حکمرانی ہے جانِ جگر!" میرا عاشق بڑے خوشگوار موڈ میں بولا۔

"سنو رفن خاں!" ریوالور والے نے اس سے کہا۔ "بہتر ہو گا کہ تم اپنے اس پروگرام کو ملتوی کر دو۔"

"یار اب رنگ میں بھنگ نہ کرو!" رفن خاں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

ریوالور والے نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے، جیسے اب کچھ نہ بولنے کی قسم کھالی ہو۔

وہ دونوں مجھے ایک ایسے کمرے میں لے گئے جہاں ایک بستر، ایک معمولی سی میز اور چند کرسیوں کے سوا کوئی سامان نہیں تھا۔ میز پر شراب کی بوتل اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ گویا میرے عاشق رفن خاں نے تمام تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔

"میرا جسم ٹوٹ رہا ہے۔" میں نے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے اور ایک توبہ شکن انگڑائی لی۔ ایسی انگڑائی کہ میرے شباب کی سرکشی دوچند ہو گئی۔ رفن خاں ان رعنائیوں میں کھو گیا۔

"کیا دیکھنے لگے؟" میں نے ہنس کر ہاتھ نیچے گرا دیئے۔

"بلندیوں میں کھو گیا تھا۔"

"پستی میں ڈوب کر سب کچھ بھول جاؤ گے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

رفن خاں نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا اور میز کی طرف بڑھا۔ بوتل کھولتے ہوئے اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور بولا "تم بھی پیو گی نا؟"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔"

رفن خاں جب میرے گلاس میں بھی انڈیلنے لگا تو ریوالور والا بول پڑا۔ "میں نہیں پیوں گا۔"

"کیوں! … ایک آدھ پیگ میں کیا حرج ہے یار!"

"تم بھول رہے ہو کہ ہمیں اس عورت کی طرف سے پوری

طرح ہوشیار رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔"

"ارے تو کیا تم ایک ہی پیگ میں بہک جاؤ گے؟"

"ان کی صورت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"میں ایسے بھروں میں نہیں آتا ہوں زہر کی پڑیا!" ریوالور والے نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

میں باطنی طور پر کھسیا کر رہ گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ فقرہ میں نے اسے جوش دلانے ہی کے لیے کسا تھا۔ عورتوں کے ایسے فقروں سے مرد عموماً بے وقوف بن جاتا ہے لیکن ریوالور والا کچھ زیادہ ہی سور تھا۔ اس کے اس طرح کٹ کر نکل جانے سے میں کچھ پریشان ہو گئی۔ ضروری تھا کہ تھوڑا بہت نشہ اسے بھی ہو جاتا۔ میری کامیابی کے لیے ایسا ہونا سو فیصد ناگزیر تو نہیں تھا، تاہم اس سے میرے کام میں قدرے آسانی ضرور ہو جاتی۔ میں ان دونوں کو حسن و شراب سے اس طرح بدمست کرنا چاہتی تھی کہ پھر جب میرے ہاتھ چلیں تو وہ کوئی روک نہ کر سکیں۔

رفن خاں نے دو گلاسوں میں شراب بنا کر ایک مجھے دیا اور دوسرا اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ میں بڑے اطمینان سے چلتی ہوئی بستر پر جا بیٹھی۔ ایک گھونٹ میں نے بھی لے لیا تھا۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا تو رفن خاں کا گلاس آدھا خالی ہو چکا تھا۔ باقی آدھا بھی بہت جلد خالی ہو گیا اور وہ اپنے لیے دوسرا پیگ بنانے لگا۔ میں بہت دھیرے دھیرے پی رہی تھی۔ جتنی دیر میں میرا ایک پیگ ختم ہوا اتنی دیر میں رفن خاں اپنے لیے چوتھا گلاس بنا رہا تھا۔ میں اپنا خالی گلاس لیے ہوئے اس کے قریب گئی۔

"میرے لیے بھی بناؤ!"

"ہاں ہاں... جانِ من... کیوں نہیں؟"

اس سے ایک پیگ بنوا کر میں پھر بستر پر جا بیٹھی۔ اس دوران میں گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہا تھا لیکن وہ سب تھرڈ ریٹ قسم کی باتیں تھیں۔ رفن خاں نہایت فحش قسم کے فقرے اڑا رہا تھا اور میں بھی اسی قسم کی باتیں کر کے اس کے موڈ کو خوشگوار تر بناتی چلی جا رہی تھی۔ ریوالور والا منہ بنائے کچھ دور کھڑا ہوا تھا اور یہی صورتِ حال میرے خلاف جا رہی تھی۔ یہ فاصلہ مجھے اس کے ریوالور کی ہلاکت آفرینی کے قریب کیے ہوئے تھا۔ اگر وہ میرے قریب ہوتا تو میں کسی وقت بھی موقع دیکھ کر اس کے ریوالور پر ہاتھ ڈال سکتی تھی۔ اب اسے قریب لانے کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ میں اسے اپنے بدن کے خال و خد سے روشناس کرواؤں۔ پھر تو شاید وہ بیتاب ہو کر قریب آ ہی جاتا۔

رفن خاں نے چوتھا پیگ ختم کر کے جھومتے ہوئے کہا "اتنی دور کیوں بیٹھی ہو جانم!... اب یہ فاصلے ختم ہو جانے چاہئیں۔"

میں مسکراتی ہوئی اٹھی اور اس کے قریب پہنچ گئی۔ میں اس کے قریب کی کرسی پر بیٹھنا چاہتی تھی لیکن اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے مجھے اپنی گود میں بٹھا لیا۔

"یہاں بیٹھو شہزادی!"

میں دھیرے سے ہنس پڑی۔ اب رفن خاں کا دایاں آوارہ ہو چکا تھا۔ اس کے ہونٹ میرے ہونٹوں کی طرف چلے آ رہے تھے۔ اس کے منہ سے نکلتی ہوئی بو سے مجھے اپنا پھنستا ہوا محسوس ہوا۔ وہ بو صرف شراب کی نہیں تھی۔ ایک بو تھی جو مجھے انتہائی ناگوار گزر رہی تھی لیکن اس وقت مجھے گوارہ کرنا ہی تھا۔ رفن خاں کے ہونٹ میرے ہونٹوں پر دیر تک جمے رہے اور مجھے دیر تک اپنی سانس روکنی پڑی، سے نجات کا واحد راستہ یہی تھا۔

"قیامت ہو، قیامت۔" رفن خاں بڑبڑایا۔

"رفن خاں!" میں گنگناتی ہوئی سی آواز میں بولی۔

"ہاں جانی!"

"اگر اس وقت تمھاری آغوش میں میری بجائے ہوتی تو؟"

"وہ تو اب کسی اور ہی کی آغوش کو سجائے گی۔" نے ہنس کر کہا۔ "اب تک اسے اغوا کیا جا چکا ہوگا۔ اس وہ اسٹیشن پر ہوگی۔"

"اسٹیشن پر کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"بذریعہ ریل لاہور اور پھر..." وہ ایکدم خاموش اور پھر جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا "یہ تم نے کیا چھیڑ دیں!"

میں نے ہنس کر اپنے ہونٹ اس کے مکروہ گالوں دیے تاکہ اس کا ذہن کسی خاص لائن پر نہ سوچنا شروع اس بات نے میرے جسم میں سنسنی پھیلا دی تھی کہ فریحہ کو اغوا ہوگا اور وہ لوگ اسے کسی وجہ سے پہلے لاہور لے جا رہے

اس کے بعد کچھ لمحے ایسے گزرے جب مجھے سے کام لینا پڑا۔ رفن خاں کے ہاتھ کی گستاخیاں بڑھتی وہ مجھے دیکھ تو رہا تھا لیکن اس طرح دیکھنا چاہتا تھا۔ بے نقاب ہو جائے، جیسے دہکتے ہوئے چاند پرت جائیں، جیسے آئینے کی گرد صاف ہو جائے۔

میں صبر و ضبط کے ساتھ بے نقاب ہوتی چلی کچھ میری فطرت سے تضاد رکھتا تھا لیکن میں مجبور تھی۔ کو قریب لانے کا راستہ ہی یہ تھا۔ میں کنکھیوں سے دیکھتی جا رہی تھی۔ میں نے اس کے چہرے کی رنگت بد کی۔ اسے بیتابانہ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے بھی د وہ رک گیا۔ میں اتنی آسانی سے شکست ماننے کے لیے

اب میں نے رفن خاں کی آغوش میں تڑپنا اور بل کھانا شروع میں اپنے خال و خد کو بڑے طوفانی انداز میں محسوس کرانا چاہتی ادھر رفن خاں میری ان حرکات و سکنات سے پاگل ہوا جا رہا اس کے بدبودار ہونٹ میرے ایک ایک رونگٹے سے آشنا ہو تھے۔ اب وہ آخری سفر بھی طے کر لینا چاہتا تھا لیکن میں اس جانے کے لیے تیار نہیں تھی۔

ریوالور والا چند قدم اور آگے بڑھ آیا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا۔ یقیناً اب اسے اپنے اوپر قابو رکھنے میں دشواری پیش ہوگی۔

"بس دو قدم اور آگے بڑھ آ سور کے بچے!" میں نے ہی دل میں اسے پکارا۔

اب میں ایسی حرکتیں کر رہی تھی جیسے بالکل مدہوش ہو چکی ہوں۔ آنکھیں بند کر لی تھیں مگر پلکوں کے درمیان اتنی ہلکی سی درز تھی کہ سب کچھ دیکھ سکوں۔

"چلو... ادھر... چلیں..." رفن نے لکنت آمیز میں کہتے ہوئے گوشۂ استراحت کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو!" میں نے جھومتے ہوئے کہا۔

رفن خاں کھڑا ہوا تو میں اس کی گردن میں جھول گئی۔ میں یوں کر رہی تھی جیسے مجھے سہارے کی ضرورت ہو۔ رفن خاں کا نشہ گہرا ہو چکا تھا۔ اس نے صرف شراب ہی نہیں پی تھی بلکہ عنایوں کے جرعے بھی پیے تھے۔ اس نے مجھے سہارا دینے کی اور میں نے اسے سنبھالا۔ ہم دونوں کے قدم بری طرح رہے تھے۔ رفن خاں تو واقعی نشے میں تھا لیکن میری ڈگمگاہٹ تھی۔ میں اس آڑ میں اُس فاصلے کو ختم کر دینا چاہتی میرے اور ریوالور والے کے درمیان تھا۔

ریوالور والے کے تنفس کی رفتار بہت تیز ہو چکی تھی۔ آخر وہ تھا۔ کہاں تک ضبط کرتا؟ اس کی بھوکی نظریں میرے حسن و جیسے لخت لخت کیے ڈال رہی تھیں۔ میں دیکھ رہی تھی کہ پر اب اس کی گرفت بھی مضبوط نہیں تھی۔ نال کا رخ بھی ف نہیں تھا۔ وہ قدرے جھک گئی تھی۔

ایک بار میں اس طرح ڈگمگائی جیسے گر ہی پڑوں گی۔ صاف رہا تھا کہ رفن خاں مجھے نہیں سنبھال سکے گا۔ ریوالور والا تیار آگے جھک آیا۔ وہ مجھے سنبھالنا چاہتا تھا اور اس بہانے پھولوں کو چن لینا چاہتا تھا جن کو صرف دیکھ کر ہی اس کی غیر ہو چکی تھی۔

مجھے تو جیسے صدیوں کے بعد وہ سنہری موقع ہاتھ آیا تھا۔ طرح چیل گوشت کے لوتھڑے پر جھپٹتی ہے، اسی طرح میں نے اس کے ریوالور پر جھپٹا مارا۔ وہ کمبخت چونک پڑا۔ چونک کر اس نے سنبھلنے کی کوشش بھی کی، اپنا ہاتھ تیزی سے پیچھے کرنا چاہا لیکن نہ تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا نہ میں ہوئی۔ وہ ریوالور بچا نہیں سکا اور میں ریوالور چھین نہیں سکی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر دیوار سے جا ٹکرایا اور پھر کھٹ سے فرش پر گر پڑا۔

اب وہ غیر مسلح تھا لہٰذا میرا کلیجہ گز بھر کا ہو گیا۔ اگر درمیان میں آتشیں ہتھیار کا معاملہ نہ ہو تو میں دشمن کی تعداد سے کبھی مرعوب نہیں ہوتی۔ وہاں تو بے چارہ وہ تھا ہی ایک!... رفن خاں کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے ساتھی کی مدد کر سکتا۔

وہ مجھے ایک گندی سی گالی دے کر ریوالور کی طرف جھپٹا لیکن میں نے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ ایک جھٹکے سے گرا اور اگر انسانی جبلت نے اسے اس کی کہنیوں کا سہارا نہ دلوایا ہوتا تو یقیناً اس کا منہ ٹوٹ جاتا۔

"ہائیں ہائیں، یہ کیا شروع کر دیا... تم لوگوں نے؟" رفن خاں آنکھیں پھاڑتا ہوا چیخا۔

میں اچھل کر ریوالور والے کے اوپر جا گری۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک کراہ کے ساتھ وہ پھر فرش چاٹنے لگا۔ بلا تاخیر میں نے ایک کھڑا ہاتھ اس کی کھوپڑی پر جڑ دیا۔ کیرات کے کسی بھی ماہر کی یہ ضرب، آہنی ہتھوڑے سے کم نہیں ہوتی۔ یہ ضرب کھا کر وہ ذبح ہوتے ہوئے بیل کی طرح ڈکرایا اور غالباً وہ اس کی زندگی کی آخری چیخ تھی۔

رفن خاں آگے پیچھے جھومتا ہوا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ صرف چار پیگ اسے اس کی کھوپڑی سے باہر نکال لائے تھے۔ غالباً اسے زیادہ پینے کی عادت نہیں تھی۔ اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کچھ دکھائی نہ دے رہا ہو لیکن اگر اسے سب کچھ دکھائی دے جاتا تو بھی اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے ساتھی کا غمگسار بن سکتا۔

"یہ تم... کیا کر رہی ہو... جانِ جاناں!" رفن خاں ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے میری طرف بڑھا۔

"میں تمھارے ساتھی کی خاطر مدارات کر رہی تھی۔ آؤ اب تمھاری میزبانی کا شکریہ بھی ادا کر دوں۔"

"اس میں... شکریے کی... کیا بات ہے جانی!... غیروں کی سی باتیں... نہ کرو... ارے... ارے... ہائیں..."

منہ پر گھونسہ پڑتے ہی وہ بوکھلا گیا تھا۔ پھر جب میں نے اس کے جبڑے پر دوسرا شکریہ بھی ادا کر دیا تو وہ ندامت سے فرش پر

ڈھیر ہو گیا۔

"ارے ارے۔ . . جانی! . . . جانی!" وہ چیخا۔

"تیرا ستیاناس!" میں نے دانت پیستے ہوئے اسکی کھوپڑی پر ٹھوکر رسید کی۔ یہ گویا ابتدائے عشق تھی۔ پھر حق تو یہ ہے کہ میں نے میزبان شناسی کا حق ادا کر دیا۔ انتہائے عشق تک پہنچتے پہنچتے نہ تو مجھے ٹھوکروں کی تعداد یاد رہی اور نہ رفیق خاں صحیح معنوں میں اختر شماری کر سکا۔

جب وہ بے ہوش ہو گیا تو میں ایک کرسی پر بیٹھ کر اپنی پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس چکر میں خاصا وقت ضائع ہو چکا تھا اور اب مجھے امید نہیں تھی کہ فرخ کو بچا سکوں گی۔ ممکن ہے وہ اب تک ان کمبختوں کے ہتھے چڑھ بھی چکی ہو۔

میں نے اپنی بے نقابی کو پھر نقاب آشنا کیا اور وہاں سے نکل کر تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھی جہاں رضوان، انتہائے تفکر میں، ایک ایک پل کو ایک ایک صدی پر محیط پا رہا تھا۔ مجھے تنہا دیکھ کر اس کے منہ سے بیساختہ نکلا۔

"کیا مطلب ہے؟"

"بس اب نکل چلو یہاں سے مطلب بتانے کا وقت نہیں ہے۔"

اچانک رضوان ساجد کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ شاید میرے بکھرے ہوئے بالوں اور ہونٹوں پر پھیلی ہوئی لپ اسٹک نے اسے وہ کہانی سُنا دی تھی جو انجام تک نہیں پہنچی تھی لیکن وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو گیا کہ کہانی اپنے کلائمکس سے ہمکنار ہوئی تھی۔

"تو ہم اس رشوت کے بدلے چھوٹ رہے ہیں؟" وہ بڑے تلخ لہجے میں بولا۔

اس کا یہ انداز دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا۔

"آخر تم مجھے اپنی بیوی کیوں سمجھ رہے ہو!" میں نے مشتعل لہجے میں کہا اور جھنجلائے ہوئے انداز میں مُڑ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ چند ہی قدم چل کر مجھے اپنے عقب میں رضوان ساجد کے قدموں کی آہٹ بھی سُنائی دینے لگی۔

وہ مکان بہت پُرانا بنا ہوا تھا لیکن تھا خاصا بڑا۔ اس کا بیرونی دروازہ تلاش کرنے میں تین چار منٹ لگ گئے۔ جب ہم باہر نکلے تو فوری طور پر اندازہ نہیں ہو سکا کہ یہ کون سا علاقہ تھا۔

ہاں جب ایک کشادہ سڑک پر پہنچے تو پتہ چلا کہ یہ پی۔ آئی۔ بی کالونی تھی۔

ہر انسان رات بھر اپنے گھر میں رہنے کے بعد دوسرے روز گھر سے باہر نکلتا ہے تو اسے کوئی خاص احساس نہیں ہوتا لیکن مجھے رات بھر کی قید کے بعد خود کو نکھری ہوئی دھوپ میں پا کر کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ میں اپنی اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتی۔ اسے صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جن کو قید کے بعد ... ملی ہو۔

سڑک پر پہنچتے ہی ایک ٹیکسی نظر آ گئی اور میں نے ... کے اشارے سے روک لیا۔ رضوان بدستور میرے ساتھ ... اس کے چہرے پر گمبھیرتا چھائی ہوئی تھی۔ مجھے اس کے ... رہ کر غصہ آ رہا تھا۔

ٹیکسی میں بیٹھنے کے بعد میں نے ڈرائیور سے کہا۔ "... ہیڈ کوارٹر۔"

"کیا مطلب!" رضوان چونک پڑا۔

"پولیس میری تلاش میں ہو گی۔" میں نے انگریزی ... "میں اس معاملے کو نپٹانے سے پہلے آزادانہ نقل و حرکت ... کر سکتی اس لیے پہلے اسی سے نپٹنا چاہتی ہوں۔"

"کیا فرخ کی خبر نہیں لو گی؟"

"اس کے اسکول کا وقت ہو چکا ہے۔ اگر اسے ا... کیا جا سکا ہو گا تو وہ اب تک اسکول پہنچ چکی ہو گی اور ... کی عمارت سے اغوا نہیں کیا جا سکتا۔"

"اور اگر اسے اغوا کیا جا چکا ہو تو؟"

"تو میں فی الحال اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکوں گی۔ میں ... کہا نا کہ آزادانہ نقل و حرکت سے پہلے مجھے پولیس سے نپٹنا ہو..."

"مگر کیسے؟"

"تم اس فکر میں مت پڑو۔ بہتر ہو گا کہ فرخ کے سلسلے ... کچھ کرو۔ سب سے پہلے یہ معلوم کرنا کہ اسے اغوا کیا جا چکا ... نہیں۔ اگر وہ اغوا ہو چکی ہو تو پھر اسٹیشن کا رُخ کرنا۔ غالباً ... لوگ اسے لاہور لے جانے کے لیے کسی میل ٹرین کا انتخاب کر...

"لاہور!" رضوان کے لہجے میں استعجابیہ لہر تھی۔

"ہاں، وہ لوگ اسے لاہور لے جائیں گے۔"

"تمھیں کیسے معلوم ہے؟"

"انہی دونوں میں سے ایک نے بتایا تھا۔" میں نے ... دیا اور پھر کہا۔ "فرخ کے اغوا کا صحیح وقت معلوم کرنے کے ... اس کا پتہ چلانا کہ اس وقت سے اب تک کے وقفے میں کو... میل ٹرین کینٹ یا سٹی اسٹیشن سے روانہ ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر کوئی میل روانہ ہو چکی ہے اور فرخ کو اغوا بھی کیا جا چکا ... تو پھر اب فرخ اسی میل میں سفر کر رہی ہو گی۔"

رضوان کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے پر تفکر کی دھول ... رہی تھی اور آنکھوں میں پریشانی کی دھندلاہٹ چھائی ہوئی ... وہ قدرے وقفے سے بولا۔ "تو پھر مجھے فرخ کے اسکول کے ... ہی اُتار دو۔"

"... نہیں جو کچھ بھی معلوم ہو، مجھے اس سے آگاہ کر دینا۔"

"پولیس ہیڈ کوارٹر آ کر؟"

"نہیں، میرے گھر فون کر دینا۔ جو بھی ٹیلیفون اٹھائے، اسے ... دینا۔" میں نے کہا اور پھر ایکدم بولی۔ "ہاں ایک کام اور ... میں ذاتی طور پر تمھاری شکر گزار ہوں گی اگر تم میرا یہ کام کر دو۔ ... گھر فون کر کے ملازمہ کو یہ پیغام دے دینا کہ میں اس وقت ... ہیڈ کوارٹر میں ہوں۔ یہ کام تم کو پہلی فرصت میں کرنا ہو گا۔"

"ہو جائے گا۔ اور کچھ؟"

"بس۔" میں اپنے ہونٹوں کی پھیلی ہوئی لپ اسٹک کو صاف ... لگی۔

کچھ دیر بعد میری ٹیکسی، رضوان کو فرخ کے اسکول کے سامنے ... آگے بڑھ گئی۔ میرا ذہن بہت شدید طور پر فرخ میں اُلجھا ہوا ... اس کے حالات سے آگاہی چاہتی تھی لیکن میرے حالات ... مجبور کیا تھا کہ مجھے سب سے پہلے اپنی فکر کرنا پڑ رہی تھی۔ مجھے ... ... کا شدید خطرہ تھا اور اسی لیے میں سب سے پہلے اسی ... نپٹنا چاہتی تھی۔ اس کے بعد میں فرخ کے لیے آزادانہ اقدامات ... تی۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ اگر فرخ کی زندگی برباد ہو گئی تو ... آفاق کی زندگی کو بھی جہنم بنا دوں گی۔ بیشک وہ بڑے ... ہوٹل کا مالک تھا اور اقتدارِ اعلیٰ سے اس کو خاص قربت تھی ... رت . . . صبیحہ بانو سے ٹکرانا بھی کوئی ہنسی کھیل نہیں تھا۔

جب ٹیکسی صدر پہنچی تو میں نے اسے ایک نیوز پیپر اسٹال ... پر رکوایا اور ڈرائیور کو پانچ کا ایک نوٹ دے کر تو لی کر وہ ... اخبار خرید لائے۔

یہ واضح کر دوں کہ میرا پرس کل رات سے اب تک میرے ... رہا تھا۔ ان لوگوں نے صرف اتنی زحمت کی تھی کہ پرس ... اپستول نکال لیا تھا۔

ڈرائیور نے اخبار لا کر دیا اور ٹیکسی پھر چل پڑی۔

میں اخبار کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ میں سرخیوں پر نظر ... تھی۔ آخری صفحے پر مجھے کلفٹن پر ہونے والے قتل کی ... ... گئی اور اس خبر کو پڑھ کر میں نے بے اختیار ایک ... سانس لی۔ اب مجھے پتہ چلا تھا کہ اسی قتل کے الزام میں میرا ... ماری کیا گیا تھا۔ میرے فرار کی خبر بھی موجود تھی لیکن میرا نام ... ... تھا صرف یہ اشارہ تھا کہ امپورٹ ایکسپورٹ کرنیوالی ایک بڑی فرم ... کو پولیس بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہی ہے

میں اپنے گرد بچھے ہوئے اس جال کے تانے بانے سے اُلجھی ... اس وقت چونکی جب ٹیکسی پولیس ہیڈ کوارٹر کے احاطے میں ... ... میں نے کرایہ ادا کر کے ٹیکسی کو رخصت کر دیا۔ اِدھر اُدھر نظر آنے والے پولیس والوں نے مجھے دیکھا لیکن کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ ان کے خواب و خیال میں نہیں آ سکتا تھا کہ میں وہی صبیحہ بانو ہوں جسے آج پولیس بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہی ہے۔ اس معاملے کا علم تو انھیں ضرور ہو گا لیکن اس بات کا شاید وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ صبیحہ بانو خود ہی پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ جائے گی۔

جب میں نے مرکزی دفتر میں پہنچ کر اپنے نام کا اعلان کیا تو وہاں پر موجود سب کے سب پولیس والے ایک دم کھڑے ہو گئے اور مجھے اس طرح گھورنے لگے جیسے میرے سر پر فاختہ بیٹھی ہوئی ہو۔

"میں متعلقہ آفیسر سے ملنا چاہتی ہوں۔" میں نے بڑے دبدبے سے کہا۔

ماحول میں سنسنی سی پھیل گئی تھی۔ کوئی اِدھر بھاگا، کوئی اُدھر بھاگا اور ذرا ہی دیر بعد میں ایک ڈی، ایس، پی کے سامنے بیٹھی ہوئی اس کے سوالوں کا نشانہ بن رہی تھی۔

"آپ ہی صبیحہ بانو ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"وہی صبیحہ بانو جس کی ہمیں تلاش ہے؟"

"اب یہ تو آپ ہی بتا سکیں گے کہ آپ کو میری تلاش ہے یا نہیں؟"

میرے جواب کا یہ انداز دیکھ کر ڈی، ایس، پی کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور پھر وہ بڑے کرخت لہجے میں بولا۔ "آپ ڈیفنس میں رہتی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"کل پولیس آپ کو گرفتار کرنے آپ کے گھر پہنچی تھی؟"

"یقیناً۔"

"اور آپ ایک کانسٹبل کو زخمی کر کے بھاگ گئی تھیں؟"

"یہ بھی حقیقت ہے۔"

"خوب۔" ڈی، ایس، پی نے پہلو بدلا۔ "گویا اب آپ خود ہی گرفتاری کے لیے پیش ہو گئی ہیں؟"

"میں ایسی کوئی خواہش نہیں رکھتی۔"

"کلفٹن پر وہ قتل آپ ہی نے کیا ہے؟"

"مجھے اس بات سے انکار ہے۔"

ڈی، ایس، پی نے مجھے گھور کر دیکھا اور پھر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اردلی اندر آیا۔ ڈی، ایس، پی نے اس سے کسی انسپکٹر کو بلوایا اور یہ ہدایت بھی کی کہ وہ ہتھکڑیاں لیتا آئے۔

"اگر یہ ہتھکڑیاں آپ میرے لیے منگوا رہے ہیں تو ذرا سوچ ...

سمجھ بیٹھے گا۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب ہے؟" ڈی، ایس، پی غرّایا۔

"مطلب یہ کہ اگر مجھے قاتل ثابت نہ کیا جاسکا تو میری کلائیوں میں لگی ہوئی ہتھکڑیاں، پولیس ہیڈ کوارٹر میں زلزلہ لے آئیں گی۔" یہ سب کچھ کہتے ہوئے میرے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

اعتماد کی اس شدت کو ڈی، ایس، پی نے بھی محسوس کیا اور اس کے چہرے پر اُلجھن کے تاثرات پھیل گئے۔ وہ تولنے والی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ ادھر میں اس اُلجھن کا شکار تھی کہ رضوان ساجد نے میرے گھر فون کر دیا ہو گا یا نہیں؟ دراصل میں اس طرح کسی کو اپنی پوزیشن سے آگاہ کرنا چاہتی تھی۔ کل رات ہی میں نے ایک خاص پیغام لکھ کر اپنی ملازمہ خاص فریدہ کو دے دیا تھا اور اسے ہدایت کر دی تھی کہ اگر میرے ساتھ کوئی خاص واقعہ پیش آجائے تو وہ میرے لکھے ہوئے ٹیلیفون نمبر پر وہ پیغام دے دے ——— اس کے بعد ہی پولیس میرے گھر پر چڑھ آئی تھی اور مجھے وہاں سے بھاگنا پڑا تھا۔ ظاہر ہے کہ فریدہ نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کر لی ہو گی اور میرا پیغام میرے بتائے ہوئے فون نمبر پر دے دیا ہو گا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ شخص فریدہ سے برابر رابطہ قائم کیے ہوئے ہو گا اور اب جیسے ہی اسے یہ بات معلوم ہو گی کہ میں پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ چکی ہوں، وہ اس صورتِ حال کو ملک کی ایک بہت اہم ہستی تک پہنچا دے گا۔ پھر یہ کام اس اہم ہستی کا تھا کہ وہ مجھے پولیس کے شکنجے سے کس طرح نکالتی ہے۔ بس شرط یہی تھی کہ رضوان نے تساہلی نہ برتی ہو۔

وزنی جوتوں کی دھمک سن کر میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک پولیس افسر اندر داخل ہو رہا تھا اور یہ وہی تھا جو گزشتہ رات مجھے گرفتار کرنے کے لیے میرے گھر پہنچا تھا۔ اسے غالباً میرے بارے میں اطلاع مل چکی تھی اس لیے وہ مجھے وہاں دیکھ کر بالکل نہیں چونکا۔ وہ تو بڑی رعونت سے مجھے گھورتا ہوا اندر آیا تھا۔ ہتھکڑیاں اس کے [illegible] ہوئی تھیں۔

"ایک منٹ انسپکٹر حامد!" ڈی، ایس، پی نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ کہنے یا کوئی قدم اٹھانے سے روکا اور پھر مجھے گھورتا ہوا بولا۔ "آپ پولیس ہیڈ کوارٹر میں زلزلہ کیسے لاسکتی ہیں؟"

"ہتھکڑیاں لگا کر دیکھ لیجیے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"بہتر ہو گا کہ آپ یہ ڈرامائی انداز اختیار کرنے کی بجائے صاف صاف گفتگو کریں۔"

"صاف صاف گفتگو یہ ہے کہ مجھے پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میں نے کوئی قتل نہیں کیا۔"

"پھر آپ فرار کیوں ہوئی تھیں؟"

"مجھے ایک اشد ضروری کام تھا جو میں گرفتار ہونے کے بعد نہیں کر سکتی تھی۔"

"اس طرح آپ نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔!"

"میں نے صرف قانون کی زیادتی سے بچنے کی کوشش کی تھی۔"

"کیا یہ عورت۔" انسپکٹر حامد نے اپنے افسر سے پوچھا۔ "دھمکیوں پر اُتر آئی ہے؟"

"تمیز سیکھو انسپکٹر!" میں کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ "کیا تہذیب کی ہجے نہیں معلوم؟"

اہانت کے احساس سے انسپکٹر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ بوجھل بادلوں کی طرح پھٹ پڑتا لیکن ڈی، ایس، پی نے ایک اسے ہاتھ کے اشارے سے خاموش کر دیا۔ وہ کچھ عقلمند آدمی ہوتا تھا اس لیے میرے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے میری دھمکیوں کے وزن کا اندازہ لگا لینا چاہتا تھا۔ اس نے گھورتے ہوئے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ آپ کو گرفتار کیوں نہ کیا جائے؟"

"اس لیے کہ آپ کے پاس میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"دو گواہ ہیں۔"

"یہ کوئی بیّن ثبوت نہیں ہے۔ گواہ جھوٹے بھی ہو سکتے ہیں۔ اتنے کمزور کیس میں قاتل کی ضمانت بڑی آسانی سے ہو سکتی ہے۔ میں اسی وقت اپنی ضمانت کا بندوبست کر سکتی ہوں۔ آپ کسی معزز شریف شہری کو اتنی آسانی سے ہتھکڑیاں نہیں لگا سکتے۔!"

"آپ کا ضامن . . . ؟"

"بہت سے لوگ ہو سکتے ہیں۔" میں اس کی بات کاٹتی ہوئی بولی۔ "جسے کہیے فون کر کے یہاں بلا لوں۔ سیاستدانوں میں چوہدری نعیم الزماں موجود ہیں۔ اگر آپ کسی منصف کو چاہیں تو جسٹس یہاں آسکتے ہیں۔ تجارت میں سیٹھ احمد فاروق کا نام لے سکتی ہوں۔ ملک کے کسی بھی شعبے کی کسی مشہور شخصیت کا نام لیجیے، وہ شخص صبیحہ بانو کی خاطر یہاں آسکتی ہے۔" میں اتنے دھواں دھار لہجے میں بولی تھی کہ ڈی، ایس، پی کے چہرے کے عضلات ڈھیلے ہو گئے لیکن انسپکٹر شاید تھا ہی خر دماغ! . . . اس نے بڑی رعونت سے کہا۔

"میرے پاس وارنٹ موجود ہے لہٰذا میں اپنا فرض ادا کروں گا۔"

"شوق سے ادا کرو۔ اگر تم اپنی تباہی کے ہی خواہش مند ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"شٹ اپ۔"

"شٹ اپ۔" میں اس سے زیادہ زور سے چیخی۔

ٹھیک اسی وقت راہداری میں کچھ بھگدڑ سی ہوئی اور پھر ایک باوردی سپاہی بے تحاشہ کمرے میں گھستا چلا آیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ اپنے افسر کو کوئی خاص اطلاع دینا چاہتا تھا۔ کچھ قدموں کی آوازیں تیزی سے قریب آتی چلی جا رہی تھیں۔ ایک شخص بلند آواز میں کچھ کہہ بھی رہا تھا اور اس آواز کو سن کر میں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی تھی۔ ڈی، ایس، پی کے ہونٹ کھلے مگر اس کی آواز نکلنے سے پہلے ہی ایک شخص تیزی سے اندر گھس آیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی ڈی، ایس، پی اور انسپکٹر بری طرح بوکھلا گئے۔ ڈی، ایس، پی اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وزارتِ داخلہ کی اتنی اہم ہستی کو اپنے کمرے میں آتے دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے تھے۔ نووارد کے پیچھے وزارتِ داخلہ کے سیکریٹری اور دو ایک افسر بھی تھے۔

"ہیلو بانو!" نووارد نے میری طرف ہاتھ بڑھایا

"ہیلو!" میں نے مسکرا کر نووارد سے ہاتھ ملایا۔

"بیٹھیے بیٹھیے!... آپ لوگ کب تک کھڑے رہیں گے؟" نووارد نے ڈی ایس پی سے کہا۔ "ہم صرف صورتِ حال جاننے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ دراصل یہ بات بڑی حیرت انگیز تھی کہ آپ صبیحہ بانو جیسی معزز ہستی اس وقت ہیڈ کوارٹر میں موجود ہے۔ تشریف رکھئے بانو!"

"آپ بھی بیٹھیں۔" میں نے کہا

"ہاں۔" نووارد نے ایک کرسی سنبھال لی۔

باقی لوگ بھی ایک ایک کر کے بیٹھ گئے۔ انسپکٹر حامد کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"ہاں!" نووارد نے میری طرف دیکھا۔ "یہ کیا قصہ ہے بانو!"

"پولیس مجھے ایک قتل کے الزام میں گرفتار کرنا چاہتی ہے۔"

"بہت خوب!" نووارد نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن آپ کے قاتل ہونے کا ثبوت کیا ہے ان لوگوں کے پاس؟"

"گواہ ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"گرفتاری کا وارنٹ؟"

"ان کے پاس ہے۔" میں نے انسپکٹر حامد کی طرف اشارہ کیا۔

نووارد کی نظریں انسپکٹر کی طرف اٹھیں تو وہ گڑبڑا کر اٹین شن ہو گیا۔

"وارنٹ کس مجسٹریٹ نے جاری کیا ہے؟" نووارد نے پوچھا۔

"یار محمد ترمذی نے۔" جواب ملا۔ آواز بڑی گھٹی ہوئی تھی۔

اب نووارد نے ڈی، ایس، پی کی طرف رُخ کیا اور پھر فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ذرا مسٹر ترمذی کا نمبر ملائیے!"

ڈی، ایس، پی جھٹ سے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس کی انگلی واضح طور پر کانپ رہی تھی۔

نووارد پھر میری طرف متوجہ ہوا۔ "مقتول کون ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔ ابھی ان لوگوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ مجھے بس اخبارات سے اتنا پتہ چلا ہے کہ میں گلشن پر ہونے والے کسی قتل کے سلسلے میں پولیس کو مطلوب ہوں۔"

اتنے میں ڈی، ایس، پی ٹیلیفون پر یار محمد ترمذی سے رابطہ قائم کر چکا تھا۔ اس نے ترمذی کو بتایا کہ اس سے کون بات کرنا چاہتا ہے اور پھر اس نے ریسیور نووارد کو دے دیا۔

"مسٹر ترمذی!" نووارد نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "اگر دو آدمی کھڑے ہو کر کسی ثبوت کے بغیر مجھ پر کوئی سنگین الزام لگا دیں تو کیا آپ میری گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیں گے؟... نہیں؟... تو پھر آپ نے صبیحہ بانو کا وارنٹ کیسے جاری کر دیا۔ کیا یہ خاتون پولیس کی بلیک لسٹ پر ہیں؟... کیا پولیس کو ماضی میں یہ شبہ رہا ہے کہ یہ خاتون جرائم پیشہ ہیں؟... تو پھر آپ نے یہ قدم کیسے اٹھایا؟... شرفا اور جرائم پیشہ افراد سے ایک ہی قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے؟... ٹھیک ٹھیک جواب دیجئے۔ آخر کس نے آپ کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا؟... میں یہ بات نہیں مان سکتا۔ آپ کو اس کا جواب تحریری طور پر دینا ہو گا۔" نووارد نے غصے میں ریسیور میز پر پھینک دیا اور پھر ڈی ایس پی سے بولا۔ "ذرا ایک نمبر اور ملائیے!"

ڈی، ایس، پی نے کریڈل دبا کر ڈائل پر انگلی رکھ دی۔ نووارد نے نمبر بتایا اور ڈی، ایس، پی انہیں ڈائل کرنے لگا۔ میں زیرِ لب مسکرا دی کیونکہ یہ نمبر ملک کے نامور سائنسداں ڈاکٹر اسلام صدیقی کا تھا۔ وہ میرے دوستوں میں سے ہیں۔

نووارد نے رابطہ قائم ہونے کے بعد چند رسمی جملے ادا کیے اور پھر کہا۔ "میں اس وقت پولیس ہیڈ کوارٹر سے بول رہا ہوں۔ آپ فوراً یہاں آجائیے۔ آپ کو صبیحہ بانو کی ضمانت لینا ہے۔ وہ اس وقت ایک قتل کے الزام میں زیرِ حراست ہیں۔... ہاں ہاں... نہیں بھئی میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ آپ آئیے تو یہیں آ کر تفصیل معلوم کر لیجیے گا۔" نووارد نے ریسیور ڈی، ایس، پی کو واپس کیا اور وہ اس نے کریڈل پر رکھ دیا۔

اتنی دیر میں انسپکٹر حامد بالکل سفید پڑ چکا تھا۔ اس نے ایسی نظروں سے اپنے ڈی، ایس، پی کی طرف دیکھا جیسے اس موقعے پر اس کی مدد چاہتا ہو۔ ڈی، ایس، پی نے اس کی آنکھوں کی تحریر پڑھ لی۔ اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور پھر نووارد سے بولا۔

"لیکن... ضمانت کی کیا ضرورت ہے جناب!... ہم اس معاملے کو ویسے ہی دبا دیتے ہیں۔"

"غیر قانونی کام!" نوارد نے بڑی زور سے میز پر گھونسہ مارا۔ "جی نہیں، میں دھاندلیوں کی اجازت نہیں دے سکتا۔" نوارد کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔ اس نے گرجتے ہوئے کہا۔ "آپ نے وارنٹ حاصل کیا ہے تو گرفتار بھی کیجئے۔ ابھی ڈاکٹر صدیقی یہاں پہنچنے والے ہیں۔ وہ ان کی ضمانت لیں گے۔ آپ ان کا کیس عدالت میں لے جائیے گا۔ اس کے بعد یہ آپ پر ہتک عزت کا دعویٰ کریں گی اور اس کے بعد یہ فیصلہ ہوگا کہ آپ کے کندھوں پر یہ اسٹار مناسب ہیں یا نہیں۔"

ڈی، ایس، پی کا منہ لٹک گیا۔ میں بڑی بے تعلقی سی بنی بیٹھی ہوئی تھی۔ "آپ ضمانت کی کاغذی کارروائی مکمل کریں۔" نوارد پھر بولا۔ "اور اس بات کا جواب تو آپ کو تحریری طور پر دینا ہوگا کہ آپ نے یہ وارنٹ کس کے اشارے پر حاصل کیا تھا۔"

اب تو ڈی، ایس، پی اور انسپکٹر کے چہروں پر پھٹکار ہی برسنے لگی تھی۔

میری سرگزشت پڑھنے والے شاید اس بات پر حیران ہو رہے ہوں کہ آخر یہ صبیحہ بانو ہے کیا بلا؟..... میں واقعی بلا ہوں لیکن فی الحال اس کا جواب نہیں دوں گی کہ کس قسم کی بلا ہوں؟ آہستہ آہستہ آپ کو خود ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

آدھے گھنٹے کے اندر اندر سارا معاملہ نپٹ گیا۔ میں ڈاکٹر صدیقی کی ضمانت پر رہا ہو گئی۔ اس کے بعد پولیس ہیڈ کوارٹر سے میری روانگی اس شان سے ہوئی کہ میں نوارد کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھی ہوئی تھی اور کار پر وزارتی فلیگ لہرا رہا تھا۔

ڈاکٹر صدیقی اپنی کار میں بیٹھ کر چلے گئے تھے لیکن انہوں نے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا کہ میں جلد ہی ان سے ملاقات کروں گی۔

"اب آپ بتایئے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟" نوارد نے مجھ سے اس وقت کہا جب کار حرکت میں آ چکی تھی۔

"یہ سب کچھ کیپٹن آفاق کے اشارے پر ہوا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ!" نوارد چونک پڑا۔ پھر قدرے سوچ میں ڈوبتا ہوا بولا۔ "ویسے مجھے یہ خیال تو تھا کہ اس معاملے کے پس پردہ کوئی خاص ہاتھ ہوگا۔"

"مجھے آپ میرے گھر پر اتارتے ہوئے چلے جائیں تو شکر گزار ہوں گی۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔"

ڈرائیور کے برابر کی نشست پر بیٹھے ہوئے نوارد کے سیکرٹری نے ڈرائیور کو ڈیفنس چلنے کی ہدایت کی۔

میں بار بار اس ہستی کا تذکرہ نوارد کے نام سے کر رہی ہوں۔ کیونکہ اصل نام لکھنا مناسب نہیں ہے اور فرضی نام لکھتے ہوئے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔

راستے بھر گفتگو جاری رہی لیکن میں نے نوارد کو حالات سے بے خبر ہی رکھا۔

جب میں اپنے گھر پر گاڑی سے اتر رہی تھی تو نوارد نے آواز میں کہا۔ "میں اس معاملے کو صدارتی سطح تک لے جاؤں گا۔"

"میں درخواست کروں گی کہ آپ ایسا نہ کریں۔ میں کیپٹن سے خود ہی نپٹوں گی۔ بس آپ اتنا خیال رکھئے گا کہ سرکاری طور خلاف کوئی غیر قانونی قدم نہ اٹھایا جائے۔"

"مجسٹریٹ ترمذی اور پولیس کے متعلقہ افسروں سے تو میں سے باز پرس کروں گا۔"

"اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "کیا آپ غریب خانے پر چند منٹ رکیں گے نہیں؟"

"میں بہت جلدی میں ہوں بانو!..... ایک ضروری کام سے ہیڈ کوارٹر پہنچا تھا۔"

"میں اس تکلیف دہی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔"

نوارد کو رخصت کر کے میں اپنے گھر میں داخل ہوئی۔ ملازمائیں سخت پریشان تھیں۔ مجھے دیکھ کر ان کے چہرے کھل اٹھے۔ فریدہ کی آنکھوں میں تو فرط جذبات سے آنسو آ گئے تھے۔ میں نے گلے لگا کر اس کا شانہ تھپکا۔ وہ سب مجھ سے اس ہنگامے کی [illegible] کرنا چاہتی تھیں لیکن میں نے انہیں دو چار فقرے کہہ کر ٹال دیا۔ فرخ میں الجھا ہوا تھا۔ میں جلد از جلد اس سے متعلقہ صورت حا واقف ہونا چاہتی تھی۔

"رضوان ساجد کا تو کوئی فون نہیں [illegible]"

"فون تو آیا تھا۔ ان ہی سے مجھ کو اطلاع ملی تھی کہ آپ پو ہیڈ کوارٹر میں ہیں اور....."

"اس کے بعد کوئی فون نہیں آیا؟" میں اس کی بات کاٹ کر

"جی نہیں۔"

میں نے اپنے کمرے کا رخ کیا اور سیدھی باتھ روم میں جا گھسی۔ میں اپنا حلیہ درست کرنے کے بعد ہی گھر سے نکل سکتی تھی۔ جلدی جا غسل کر کے میں نے کپڑے تبدیل کئے۔ میک اپ کیا اور پھر پرس اٹھا کر چلنے ہی والی تھی کہ فریدہ کھانے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی کمرے میں د

"آپ نے ابھی کھانا تو نہ کھایا ہوگا۔"

"اوہ..... شکریہ فریدہ! میں واقعی بھوک محسوس کر رہی تھی۔"

میں نے جلدی جلدی الٹے سیدھے دو چار لقمے لئے اور اس دوران میں فریدہ سے بولی۔ "تم ایک کام کرنا فریدہ!..... پولیس اسٹیشن مرسیڈیز کی گمشدگی کی رپورٹ کر دینا۔ رپورٹ کی عبارت کیا ہوگی! تم کو لکھ کر دیئے دیتی ہوں۔"

رات کو وہ لوگ مجھے میری مرسیڈیز ہی میں اغوا کر کے لے

رضوان کے ساتھ پی۔ آئی۔ بی کالونی کے اس مکان سے نکلی کسی بھی کار کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ گلی اتنی چوڑی تھی ہی کار داخل ہو سکتی۔ اب میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ گاڑی کی گمشدگی کو پولیس کے علم میں لے آؤں۔

میں نے ایک کاغذ پر رپورٹ کی عبارت لکھ کر فریدہ کو دی اور پھر لگی کہ ایک ملازمہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک

آپ کا ٹیلیگرام آیا ہے بانو!" وہ بولی۔

میں نے جلدی سے لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے چاک پیغام نکالا۔ وہ ٹیلیگرام رضوان ساجد کا تھا۔ اس سے مجھے صورت حال پیغام گول مول لفظوں میں لکھا ہوا تھا لیکن میں اسے بہ آسانی اس پیغام کے مطابق فرخ کو اغوا کیا جا چکا تھا۔ وہ اپنے گھر ہوئی تھی لیکن اسکول نہیں پہنچی تھی۔ یہ معلوم کرنے کے بعد ریلوے اسٹیشن کا رخ کیا تھا کیونکہ اس وقت ایک روانہ ہونے والی تھی۔ رضوان اس ٹرین کے ایک ایک ڈبے میں پھرا لیکن فرخ دکھائی نہیں دی۔ پھر اچانک رضوان کو پلیٹ فارم ایسا آدمی دکھائی دے گیا جس کو وہ پہچانتا تھا۔ وہ ان آدمیوں میں سے رضوان کو اس کے گھر سے اغوا کر کے لے گئے تھے۔ رضوان تیزی سے کہ اس آدمی پر نظر رکھ سکے لیکن وہ بھیڑ میں گم ہو گیا۔ رضوان اسے کے باوجود تلاش نہیں کر سکا لیکن اب اسے اس بات کا یقین ہو کو اسی گاڑی سے لاہور لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے فوراً وہ بھی لاہور روانہ ہو جائے اور راستے میں فرخ کی تلاش جاری رکھے کے بعد اس نے اسٹیشن ہی سے مجھے یہ ٹیلیگرام دیا تھا۔

ٹیلیگرام پڑھتے ہوئے میرے ذہن نے تیزی سے سوچنا شروع ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ٹیلیگرام کا آخری لفظ پڑھ ذہن میں ایک خیال آیا اور چند لمحے سوچ کر میں نے اس پر عمل فیصلہ کر ڈالا۔

ملازمہ ٹیلیگرام دے کر جا چکی تھی اور فریدہ کھانے کی ٹرالی دھکیلتی رخصت ہونے والی تھی کہ میں نے اسے آواز دے کر

"فریدہ! تم جلدی سے میرے چند جوڑی کپڑے اور ضروری چیزیں کیس میں بھر دو۔"

اس سے پہلے کہ فریدہ کوئی استفسار کرتی، میں تیزی سے باہر میں نے گیراج کا رخ کیا تھا۔ وہاں سے میں نے اپنی دوسری گاڑی اوپل تھی جو اب میرے پاس نہیں ہے۔ وہ ایک حادثے میں تباہ میری قسمت ہی اچھی تھی جو میں بچ گئی۔ اوپل کو گیراج سے نکال کر میں برآمدے میں لے آئی۔ دراصل میں نے ٹرین کے تعاقب کا فیصلہ کیا تھا۔ اگر اُس زمانے میں حیدرآباد کا بائی وے بن چکا ہوتا تو میں بہت کم وقت میں یہ فاصلہ طے کر کے ٹرین سے بہت پہلے حیدرآباد پہنچ جاتی لیکن اس زمانے میں حیدرآباد کا راستہ صرف طویل بلکہ بہت خراب تھا۔ بہرحال مجھے توقع تھی نہیں تو اس سے اگلے کسی اسٹیشن پر ٹرین کو پکڑ ہی لوں گی۔

کمرے میں فریدہ نے ابھی تک اٹیچی کیس تیار نہیں کیا تھا۔ میں اس کی مدد کرنے لگی کیونکہ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

"میں دو چار روز کے لئے کراچی سے جا رہی ہوں۔" میں نے فریدہ کو بتایا۔ "لیکن اگر کوئی میرے بارے میں پوچھے تو لاعلمی ہی کا اظہار کرنا۔ ہرگز کسی کو مت بتانا کہ میں کراچی میں نہیں ہوں۔"

فریدہ میری ہدایات پر سر ہلاتی رہی۔ غور سے سننا اس کی فطرت ہے وہ کبھی کسی بات کو دوبارہ نہیں پوچھتی۔

کچھ ہی منٹ بعد میں اپنی اوپل میں گھر سے روانہ ہو گئی۔ سب سے پہلے میں نے پٹرول کی ٹنکی بھروائی اور اس کے بعد حیدرآباد کے راستے پر ہو لی۔ اگر اسی زمانے میں بائی وے بن گیا ہوتا تو مجھے وہ تکلیف برداشت نہ کرنا پڑتی۔ اس سڑک پر تیز رفتاری سے سفر کرنے کا مطلب یہی تھا کہ آدمی اپنے انجر پنجر ڈھیلے کروا لے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اب وہ سڑک بقید حیات ہے یا اسے بند کیا جا چکا ہے؟... اگر بند نہیں کیا گیا تو بھی کوئی پاگل ہی اس سڑک کا رخ کرتا ہوگا۔

میں جتنی تیز رفتاری سے سفر کرنا چاہتی تھی، نہیں کر سکی۔ جب پے در پے جھٹکے لگنے لگتے تھے تو مجھے جھنجھلا کر رفتار کم کرنا پڑتی تھی اور اس وقت کی ذہنی جھنجھلاہٹ کا کیا پوچھنا؟

لیکن اس جھنجھلاہٹ کے باوجود بھی میرے خیالات کی رو فرخ ہی کی طرف بہتی رہی۔ میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ لوگ اسے ٹرین میں کس طرح لے جا رہے ہوں گے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ اپنی خوشی سے چلی جاتی۔ غالباً انہوں نے اسے بہت زیادہ ڈرا دھمکا دیا ہوگا۔ ریوالور اور چاقو دکھائے ہوں گے کہ اگر اس نے شور مچایا تو اس کے ٹکڑے کر ڈالے جائیں گے۔ وہ معصوم سہم کر رہ گئی ہوگی۔ اس کی حالت کا تصور کر کے میرا کلیجہ کٹنے لگا۔ اس کا آدھا خون تو اب تک خشک ہو چکا ہوگا۔

ایک گھنٹے کے سفر کے بعد سڑک کی حالت قدرے بہتر ہو گئی اور میں نے اوپل کو قدرے تیز رفتاری سے بھگانا شروع کیا۔

جب میں حیدرآباد پہنچی تو وقت دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ ٹرین کو حیدرآباد سے نکلے ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا ہوگا۔ میں نے گاڑی ایک پٹرول پمپ پر روکی اور تین گیلن بھرنے کی ہدایت کر کے پٹرول پمپ کے ڈیوٹی کلرک کے کیبن میں جا گھسی۔ وہاں سے میں نے ریلوے اسٹیشن فون کیا اور معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ اس ٹرین کو گزرے ہوئے

صرف آدھا گھنٹہ ہوا ہے۔ دراصل وہ بیچ میں کسی جگہ بیس منٹ لیٹ ہو گئی تھی۔

یہ خبر میرے لئے ایک مژدہ ہی تھی۔ ٹرین کا لیٹ ہونا عموماً کوفت کا سبب بنتا ہے لیکن اس روز زندگی میں پہلی مرتبہ کسی ٹرین کی تاخیر میرے لئے خوشی کا سبب بنی۔ گو کہ حیدرآباد تک کے سفر نے مجھے بہت بری طرح تھکا دیا تھا لیکن وہ لمحات ایسے نہیں تھے کہ میں آرام کرنے کے بارے میں سوچ سکتی۔ قدرت نے مجھے ایک موقع فراہم کیا تھا اور اگر میں اس سے فائدہ نہ اٹھاتی تو یہ گویا ناشکری ہوتی۔

میں نے پیٹرول پمپ سے صرف ایک گلاس پانی پیا اور روانہ ہو گئی۔ مجھے امید تھی کہ میں نواب شاہ میں ٹرین کو پکڑ لوں گی۔ راستے کے جھٹکوں نے میرا جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیا تھا لیکن میں جنونی انداز میں ڈرائیونگ کرتی رہی۔ یہ تمام تکلیفیں میں فرخ کے ایک تبسم پہ نثار کر سکتی تھی۔

جب میں نے گاڑی نواب شاہ کے اسٹیشن پر روکی تو اس خیال سے میرے دل کی دھڑکنیں بہت تیز ہو گئیں کہ مجھے دو چار منٹ کی دیر نہ ہو گئی ہو۔ میں نے گاڑی سے اتر کر ڈکی سے اپنا اٹیچی کیس نکالا اور اسٹیشن کی سالخوردہ عمارت کی طرف بڑھی۔ راستے میں ایک قلی میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"بیگم صاحب.... قلی۔"

"آں.... ہاں....." میں نے اٹیچی کیس اس کے ہاتھ میں دے دیا اور پھر اس سے ٹرین کے بارے میں پوچھا۔

"اوہ!.... اس گاڑی سے جانا ہے آپ کو؟" قلی چونک کر بولا۔

"ہاں، کیوں!" مجھے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

"وہ تو بس اب چھوٹنے ہی والی ہو گی۔ جلدی چلئے!" قلی نے ایک دم اپنی رفتار بڑھا دی۔ "آپ نے ٹکٹ تو لے لیا ہے نا؟"

"ہاں ہاں، تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"کس کلاس کا؟"

"فرسٹ کلاس۔"

قلی اتنی تیز چل رہا تھا کہ میں تقریباً دوڑنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ ایک عورت کو اس طرح بھاگتے دیکھ کر کچھ لوگ تمسخرانہ انداز میں مسکرانے لگے۔ ایک آدھ نے فقرہ بھی کس دیا اور میں خون کے گھونٹ لے کر رہ گئی۔ عام حالات میں تو میں اس قسم کے شہدوں کا منہ توڑے بغیر نہیں رہتی ہوں لیکن اس وقت مجھے سب کچھ برداشت کرنا تھا۔ جلدی جو تھی۔ فرخ کا خیال جو تھا۔

یہ دیکھ کر میں نے اطمینان کی سانس لی کہ گاڑی پلیٹ فارم پر موجود تھی۔ اسی وقت گارڈ نے سیٹی بجائی اور قلی نے جلدی سے ایک ڈبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بس اسی میں چڑھ جائیے۔ اپنا کمپارٹمنٹ اگلے اسٹیشن پر [illegible] لیجئے گا۔"

میں نے کسی فرماں بردار بچی کی طرح اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ جب میں ڈبے پر چڑھی تو انجن نے سیٹی دی اور گاڑی نے ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ آگے سرکنا شروع کیا۔ قلی نے جلدی سے کیس میرے قدموں میں رکھ دیا اور اپنی مزدوری لینے کے لئے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں نے پرس کھول کر پانچ کا ایک وہ نوٹ لے کر قلی نے سلام کیا اور گاڑی آگے نکل گئی۔

ڈبہ فرسٹ کلاس ہی کا تھا اور اس میں چار کمپارٹمنٹ تھے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ ان میں سے کسی میں کوئی برتھ خالی ہو گی یا نہیں۔ میں اٹیچی کیس اٹھا کر آگے بڑھی۔ کمپارٹمنٹ کے اندر سے مردانہ قہقہوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ [illegible]

اس کمپارٹمنٹ میں چار برتھیں تھیں [illegible]

"ایکسکیوز می۔" میں نے معذرتی لہجے میں کہا اور [illegible]

دوسرا کمپارٹمنٹ چھ برتھ کا تھا لیکن وہاں بھی کوئی [illegible] تھی۔ غالباً ایک ہی خاندان کی عورتیں اور مرد تھے اس میں [illegible] بھی تھا۔ اب میں تیسرے کمپارٹمنٹ کے سامنے پہنچی۔ اس کا [illegible] تھا۔ میں نے اس پر دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ [illegible] کم عمری ظاہر ہو رہی تھی۔

"مسافر۔" میں نے جواباً کہا۔ "کیا یہاں کوئی برتھ خالی [illegible]"

"جی ہاں، آ جائیے۔ دروازہ بولٹ نہیں ہے۔"

میں سلائیڈنگ ڈور کو ایک طرف کھسکا کر اندر داخل [illegible] سے پہلے لڑکی ہی دکھائی دی تھی اور میں نے اُسے پسندیدہ [illegible] دیکھا تھا۔ اس کی عمر اس حد پر پہنچ چکی تھی جہاں سے قیامت [illegible] ہوتا ہے۔ چست لباس میں اس کے بدن کا گداز جیسے بول رہا [illegible] ہی فیشن زدہ قسم کی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اُسے دیکھ کر میرے [illegible] میں ایک پکار سی بج گئی۔

دوسری برتھ پر ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں خلا میں ایک غیر مرئی نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ نہ تو ا[illegible] لڑکی کی طرف تھیں نہ وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔

"یہ باقی دونوں برتھ آپ ہی کے لئے ہیں۔" لڑکی بڑے [illegible] لہجے میں بولی۔ "براہ کرم دروازہ بند کر لیجئے۔"

میں نے سلائیڈنگ ڈور کو بند کر کے بولٹ بھی لگا دیا اور کیس ایک طرف رکھ کر لڑکی کے قریب ہی جا بیٹھی۔

"دراصل مجھے اسٹیشن پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی۔ گاڑی [illegible] والی تھی لہٰذا میں ٹکٹ لئے بغیر سوار ہو گئی ہوں۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "ٹی ٹی آ جائے تو [illegible] لیجئے گا۔ آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"لاہور۔"

[illegible]" وہ پرمسرت انداز میں بولی۔ "ہم بھی لاہور جا رہے ہیں [illegible] لطف رہے گا۔ میں ڈر رہی تھی کہ کہیں کوئی بور ہمسفر نہ آ [illegible]

[illegible] حال، مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ابھی ایک برتھ تو خالی ہے۔" [illegible] کر کہا۔

"کوئی بور آیا تو میں کہہ دوں گی کہ یہ برتھ ریزرو ہے۔" وہ [illegible] کر بولی۔

[illegible] نہیں۔" ادھیڑ عمر آدمی خاموش نہ رہ سکا۔ "تم اس قسم کی [illegible] نہیں کرو گی غزالہ!.... سمجھیں!"

میں نے اس آدمی پر ایک نظر ڈالی اور پھر سوالیہ نظروں سے غزالہ [illegible] کھا۔

"یہ میرے ڈیڈی ہیں۔" اس نے مجھے بتایا اور پھر انگریزی میں [illegible] از بلائنڈ۔"

"اوہ!" میرے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔ ویسے مجھے پہلے ہی اس [illegible] ہو چکا تھا کہ یہ شخص نابینا ہے۔ میں نے غزالہ سے اظہار افسوس [illegible] انگریزی ہی میں بولی۔ "مجھے ان رسمی باتوں سے اختلاج ہونے [illegible] کیا آپ کسی اور موضوع پر گفتگو نہیں کر سکتیں؟"

میں نے ایک طویل سانس لی اور پھر انگریزی میں کہا۔ "کیا تمہارے [illegible] انگریزی نہیں جانتے...؟"

"بس اتنی جانتے ہیں کہ یس اور نو کہہ سکیں۔" وہ ہنس پڑی۔

ٹرین اب شور مچاتی ہوئی تیزی سے اڑی چلی جا رہی تھی۔ جب [illegible] کسی اسٹیشن پر نہ رکتی، اس وقت تک میں نہ تو فرخ کو تلاش [illegible] اور نہ رضوان کو ڈھونڈ سکتی تھی لہٰذا میں نے کچھ دیر کے لئے وہ [illegible] فراموش کر دیا اور غزالہ سے گفتگو کرتی رہی۔ یہ لڑکی میرے دل [illegible] تھی۔ اس کا باتیں کرنے کا انداز بے حد شوخ تھا۔ مجھے یوں معلوم [illegible] جیسے شرارت کے ٹکڑے الفاظ میں ڈھل کر اس کے گداز [illegible] سے پھسل رہے ہوں۔ پتہ نہیں "شرارت کے ٹکڑے" کی اصطلاح [illegible] جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو بھی میری بلا سے۔ میں کوئی [illegible] ہوں نہیں جو ان نکتوں پر غور کروں۔

غزالہ سینٹ جوزف کی طالبہ تھی۔ اس کا نابینا باپ ایک ٹیکسٹائل [illegible] لک تھا۔ دو بھائی تھے جن میں سے ایک تو مل کی دیکھ بھال کرتا تھا [illegible] دوسرے کی رہائش لاہور میں تھی۔ وہ دوسرا بھائی شادی شدہ تھا۔ اس [illegible] کے بیوی بچوں سے ملنے کی خواہش غزالہ کے باپ کو لاہور [illegible] ہی تھی۔ غزالہ کا بھائی، کاروباری مصروفیات کی وجہ سے باپ کو [illegible] جانے نہیں جا سکتا تھا اس لئے غزالہ نے اپنے تعلیمی سلسلے کو [illegible] روز کے لئے منقطع کر دیا تھا۔ باپ کو لاہور چھوڑ کر وہ بذریعہ [illegible] واپس کراچی چلی جاتی۔ غزالہ کے باپ کو ہوائی سفر سے وحشت ہوتی تھی۔ اس لئے اس نے ٹرین سے سفر کو اپنایا تھا۔

یہ ساری باتیں مجھے غزالہ سے چند منٹ کے اندر اندر معلوم ہو گئیں۔ وہ بہت تیز بولتی تھی۔ اس نے مجھے بولنے کا موقع بہت کم دیا۔ میں زیادہ بولنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ باتوں کے دوران میں میں نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا اور قدرے حرکت بھی کی لیکن اس نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے میری حرکت کو قطعی اہمیت نہ دی ہو لیکن جب میری بے باکی کچھ اور بڑھی تو اس کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔ ویسے اب بھی اس نے کھسک کر مجھ سے دور ہٹنے کی کوشش نہیں کی تھی فی الحال میں نے اتنا ہی کافی سمجھا اور خود ہی ہاتھ ہٹا لیا۔

اب اندھیرا پھیل چکا تھا۔ غزالہ نے بٹن دبا کر روشنی کر دی تھی۔ اس روشنی کے انعکاس سے اس کے گال انگاروں کی طرح دہکنے لگے۔ اب وہ مجھے اور زیادہ اچھی معلوم ہونے لگی تھی۔

"غزالہ!" اچانک اس کے باپ نے آواز دی۔

"جی ڈیڈی!"

"کیا بج گیا؟ میں بھوک محسوس کر رہا ہوں۔"

"بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔" غزالہ نے کہتے ہوئے برتھ کے نیچے سے ایک خاصا بڑا ٹفن گھسیٹا پھر مجھ سے بولی۔ "آئیے آپ بھی کھانا کھا لیجئے۔"

"نہیں نہیں.... شکریہ!... میں ڈائننگ کار میں کھا لوں گی۔"

"شاید اب آپ تکلف برتنے کی کوشش کر رہی ہیں۔" غزالہ ہنس کر بولی۔ "لیکن اطمینان رکھئے۔ میں آپ کی اس کوشش کو بہت بری طرح سبوتاژ کر دوں گی۔"

"ہاں ہاں بیٹی!.... آ جاؤ! تکلف کی کیا ضرورت ہے؟" غزالہ کا باپ مجھ سے کہہ رہا تھا۔ "ہاں اگر غزالہ کے بنائے ہوئے شامی کباب تم کو پسند نہ آئیں تو دوسری بات ہے۔"

"ڈیڈی!" غزالہ ٹھنکی۔

اور وہ ہنسنے لگا۔ پیار بھری سی ہنسی تھی۔

مجھے ان باپ بیٹی کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا ہی پڑا۔ مجھے بھوک بھی خاصی زور کی لگ رہی تھی۔ دوپہر کو پیٹ بھر کر تو کھایا نہیں تھا۔ غزالہ کا باپ خاصا سنجیدہ آدمی تھا لہٰذا اس سے تو میری زیادہ گفتگو نہیں ہوئی لیکن غزالہ سے گفتگو کا سلسلہ کھانے کے بعد بھی جاری رہا۔ وہ مسلسل چہکتی رہی اور اس کی چہکار سے میرے دل کی لذت انگیز خلش میں اضافہ ہوتا رہا۔

خیرپور کے اسٹیشن پر گاڑی رکی تو ہم دونوں ڈبے سے اتریں۔ پلیٹ فارم ٹیوب لائٹ کی روشنیوں سے منور تھا۔ خوانچے والوں کی آوازیں تو جیسے ہر طرف بکھری ہوئی تھیں۔ ٹھنڈا گرم کی صدائیں لگ رہی تھیں۔ میں متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ غزالہ ایک پھل فروش

سے ٹیلے پر رک گئی۔

"آپ کو کون سا پھل پسند ہے؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"ناز نگیاں۔" میرے منہ سے بیساختہ نکلا اور میری نظریں اس کے چہرے پر سے پھسلتی ہوئی اس کی تھوڑی کے نیچے پھسل گئیں۔

غزالہ نے میری نظروں کی تیزی محسوس کی تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ جلدی سے پھل والے کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "دو درجن کیلے دے دو!"

"کیلوں سے پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔" میرا لہجہ عجیب سا تھا۔

"ایک درجن موسمیاں بھی دے دینا۔" غزالہ پھل والے سے بولی۔

"ہاں یہ کچھ معقول بات ہے۔ اگر...." دوسرے فقرے کا دوسرا لفظ میرے حلق میں اٹک کر رہ گیا کیونکہ میری نظریں رضوان ساجد سے جا ٹکرائی تھیں جو کچھ فاصلے پر کھڑا میری ہی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی ہم دونوں کی نظریں ملیں، وہ ایک طرف مڑا اور کچھ دور جا کر ایک ڈبے میں سوار ہو گیا۔ غالباً وہ مجھے دکھانا چاہتا تھا کہ وہ کس ڈبے میں ہے۔ اس نے غزالہ کی وجہ سے میرے قریب آنے اور مجھ سے مخاطب ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

گارڈ نے سیٹی دے دی۔ ٹرین کو خیرپور اسٹیشن پر زیادہ دیر نہیں رُکنا تھا۔ غزالہ نے جلدی سے پھل والے کو پیسے دیئے اور بولی ــــ "آیئے جلدی۔"

پھلوں کے دو تھیلوں میں سے ایک میں نے اٹھا لیا تھا۔ ہم تیزی سے اپنے ڈبے میں پہنچ گئے۔ اسی وقت گارڈ نے دوسری سیٹی دی اور ٹرین نے ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ اپنی جگہ سے سرکنا شروع کر دیا۔

رضوان ساجد کو دیکھنے کے بعد اب پھر میرا ذہن صرف فرخ سے متعلقہ خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں اس سوال کی چبھن بڑھنے لگی کہ رضوان نے فرخ کا پتہ چلا لیا ہو گا یا نہیں؛

"آپ اچانک کن خیالوں میں کھو گئیں صبیحہ صاحبہ!" غزالہ نے مجھے ٹوکا اور میں چونک پڑی لیکن اس سے پہلے کہ میں جواب میں کچھ کہتی غزالہ پھر بول پڑی۔ "یہ صبیحہ صاحبہ بڑا عجیب سا لگتا ہے۔ دونوں لفظ ایک ہی قبیلے کے لگتے ہیں۔ کیوں نہ میں آپ کو بانو صاحبہ کہا کروں۔"

"صاحبہ کی ضرورت ہی نہیں۔ تم مجھے صرف بانو کہہ سکتی ہو۔"

"خیر یہ تو بہت ہی غیر مناسب بات ہو گی۔"

"قطعی غیر مناسب نہیں معلوم ہو گی۔ تم ٹرائی تو کرو۔!"

غزالہ میرے اس اندازِ گفتگو پر ہنس پڑی اور پھر بولی۔ "اچھا یہ پھل لیجئے!"

"میں صرف موسمی لوں گی۔ کیلے سے تو مجھے چڑ ہے۔"

غزالہ نے چند کیلے اپنے باپ کو دیئے۔

اگلا اسٹیشن روہڑی کا تھا اور وہاں گاڑی زیادہ دیر تک رکتی ہے' اس لئے میں سوچ رہی تھی کہ رضوان سے بڑے اطمینان سے گفتگو ہو سکے گی۔ ممکن تو یہ بھی تھا کہ میں چلتی گاڑی ہی میں رضوان تک پہنچ جاؤں کیونکہ تمام ڈبوں میں رابطے کا راستہ موجود تھا لیکن خطرے کی بات یہ تھی کہ میں اس ڈبے میں نہ پہنچ جاؤں جہاں ہوں۔ ہر چند کہ میں فرخ ہی کی تلاش میں تھی لیکن یہ ضروری تھا کہ ان لوگوں کو نظروں سے بچانے کی حتی الامکان کوشش ضرور کی۔ فرخ کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو جان جاتے کہ میں فرخ کو ان لوگوں سے اتنے چپکے سے چھین لینا چاہتی تھی کہ کوئی ہنگامہ نہ ہو سکے۔ اگر ہنگامہ ہو جاتا تو بات اخبارات تک پہنچ جاتی۔ اس میں فرخ کی بدنامی تھی۔ معاشرے میں اسے ایسی نظروں سے دیکھا جانے لگتا کہ وہ اپنی حالت پر اندر ہی اندر جلنے لگتی اور میں اپنے من پسند غنچے کو اس طرح مرجھاتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

روہڑی کا اسٹیشن قریب آیا تو گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی۔

"روہڑی پر گاڑی رکے گی تو میں کچھ دیر کے لئے ایک جگہ جاؤں گی۔" میں نے غزالہ سے کہا۔

"کس ڈبے میں!" وہ استعجابیہ لہجے میں بولی۔

"میرے کچھ جاننے والے بھی اس گاڑی میں سفر کر رہے ہیں۔ اسٹیشن پر مجھے ان میں سے ایک کی جھلک نظر آئی تھی۔ ذرا ان سے مل آؤں جا کر۔"

"کتنی دیر میں واپس آئیں گی؟"

"گاڑی کی روانگی سے پہلے ہی لوٹ آؤں گی۔"

"ضرور لوٹ آیئے گا۔ اگر آپ وہیں رک گئیں تو مجھے بڑی مایوسی ہو گی۔ ڈیڈی تو بس اب سو جائیں گے لیکن مجھے سفر کے دوران میں دیر سے نیند آتی ہے۔ آپ ہوں گی تو کچھ گپ شپ رہے گی۔"

"میں ضرور واپس آؤں گی۔ خود میری بھی یہی خواہش ہے کہ رات بھر گپ شپ کرتی رہوں۔" میں نے اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔

"غزالہ!" اس کے باپ نے پکارا۔

"جی ڈیڈی!"

"بھئی میرا بستر کر دو تو اب میں سو جاؤں۔"

"اچھا ڈیڈی! ابھی کئے دیتی ہوں۔"

گاڑی روہڑی کے پلیٹ فارم کو چھو چکی تھی۔ اسٹیشن کی مخصوص آوازیں کانوں سے ٹکرانے لگی تھیں۔ میں کھڑی ہو گئی۔

"بس میں پندرہ منٹ میں آ جاؤں گی۔" میں نے غزالہ کی ٹھوڑی پکڑ کر ہلا دی اور وہ ہنس پڑی۔ ہنسی کا تو اس کے پاس اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ وہ اُسے بات بے بات لٹاتی رہتی تھی۔ معمولی معمولی فقروں پر فوارہ چھوٹ جاتا تھا۔

ہم اسٹیشن پر اتری اور ادھر اُدھر دیکھ کر تیزی سے رضوان کے ڈبے کی طرف بڑھی۔ ڈبے کے قریب پہنچی ہی تھی کہ رضوان آیا۔ اس نے فوراً میرا ہاتھ پکڑا اور واٹر ٹینک کی آڑ میں لے گیا جس پر "پینے کا ٹھنڈا پانی" لکھا ہوا تھا۔

"یہاں ہم اطمینان سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ اندھیرا سا ہے اس لئے ہماری شکلیں نہیں دکھائی دیں گی۔" رضوان نے کہا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم بھی اس گاڑی سے سفر کر رہی ہو گی۔ میں نے تمہیں کراچی اسٹیشن سے ٹیلیگرام بھیجا تھا۔"

"وہ مجھے مل گیا تھا۔"

"مل گیا تھا؟" وہ حیرت سے بولا۔ "کہاں ملا تھا؟"

"ظاہر ہے کہ وہ تم نے میرے گھر کے پتے پر بھیجا تھا تو وہیں ملا زیادہ اچھوت ــ میں اس گاڑی میں کراچی سے نہیں بیٹھی ہوں۔ یہ تو میں تمہارا تار ملنے کے بعد اپنی گاڑی میں روانہ ہوئی تھی۔ میں نے نواب شاہ پہنچ کر پکڑا تھا۔"

"اوہ!" رضوان نے خاصی طویل سانس لی۔ "اب یہ تو میں سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ میرے ذہن میں تو صرف یہ بات آسکی تھی کہ تم بائی ایئر پہنچ کر اسٹیشن پر گاڑی کا انتظار کرو گی۔"

"فرخ کا کچھ پتہ چلا؟" میں نے بیتابی سے پوچھا۔

"تم نے تو شاید ایک اور فرخ ڈھونڈ لی ہے!" رضوان نے ہنستے لہجے میں کہا۔

"فضول باتیں کرنے کی بجائے میرے سوال کا جواب دو تو بہتر ہے۔"

"میں ابھی تک اس کا سراغ نہیں لگا سکا ہوں۔" رضوان نے اداس لہجے میں کہا۔ "اس آدمی کی شکل بھی مجھے پھر نہیں دکھائی دی۔"

"اوہ!" میرے لہجے میں بھی تشویش پیدا ہو گئی۔ "یہ تو بُرا ہوا۔ اب کل صبح ہی تلاش کر سکیں گے۔ رات میں تو ممکن نہیں۔"

"میرا پروگرام یہ ہے کہ دو بجے کے بعد چلتی گاڑی میں مختلف ڈبوں میں پھر دیکھوں گا۔"

"ان لوگوں کی نظر تم پر نہیں پڑنا چاہیئے۔"

"میری کوشش تو یہی ہو گی۔ آگے اللہ مالک ہے۔"

"ہاں ذرا میں ایک ٹیلیگرام دینا چاہتی ہوں۔"

"ان لوگوں میں سے کسی کی نظر نہ پڑ جائے تم پر؟... کسے ٹیلیگرام دو گی!"

"نواب شاہ میں اپنے ایک واقف کار کو۔" میں نے جواب دیا۔ "میری کار وہیں اسٹیشن پر کھڑی ہوئی ہے۔ میں نے چابی بھی اسی میں چھوڑ دی تھی۔ میں ٹیلیگرام میں لکھوں گی کہ وہ اسٹیشن جا کر گاڑی اپنے قبضے میں کر لے۔"

"مجھے اپنے اس واقف کار کا پتہ دے دو۔ میں اسے ٹیلیگرام کر دوں گا۔ تمہارا اس طرح پلیٹ فارم پر نقل و حرکت کرنا مناسب نہیں ہے۔ عورت نسبتاً جلدی نظروں میں آتی ہے جبکہ میں احتیاط بھی برتوں گا۔"

میں نے رضوان کو اپنے واقف کار کا پتہ بتا دیا۔

"کوئی اور خاص بات تو نہیں کرنا؟" رضوان نے مجھ سے پوچھا۔

"ابھی فرخ کا پتہ ہی نہیں چلا ہے تو کوئی خاص بات کیا ہو گی۔"

"یہ میں نے اس لئے پوچھا تھا کہ زیادہ دیر تک یہاں کھڑا رہنا بھی مناسب نہیں ہے۔"

"بس اب میں چلتی ہوں۔ تم ٹیلیگرام ضرور دے دینا۔ اب کل صبح ملاقات ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

میں نے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں اور پھر تیزی سے اپنے ڈبے کی طرف بڑھی۔

غزالہ مجھے دیکھ کر حیرت سے بولی۔ "اتنی جلدی لوٹ آئیں آپ؟"

"وہ لوگ مجھے ملے ہی نہیں۔ شاید مجھے دھوکہ ہوا تھا۔" میں نے غزالہ کے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو برتھ پر آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا۔ میں نے کمپارٹمنٹ کا دروازہ بند کر کے بولٹ لگا دیا۔

"اب تک کسی ٹی ٹی نے ہمارے ڈبے کا رُخ ہی نہیں کیا۔" میں برتھ پر غزالہ کے قریب بیٹھتی ہوئی بولی۔ "ابھی تک میں بغیر ٹکٹ سفر کر رہی ہوں۔"

"اور کوئی چوتھا مسافر بھی نہیں آیا۔" غزالہ نے مسرت کا اظہار کیا۔ "چلو اچھا ہی ہوا۔ رات بڑی خوبصورت گزرے گی۔ کیوں!"

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاید۔" وہ پھر سرخ ہونے لگی۔ "لیکن میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"کیا سمجھنے سے قاصر ہو؟"

"یہی کہ رات کس طرح خوبصورت گزرے گی۔" وہ حسبِ عادت ہنس پڑی۔

"لمحات کبھی خوبصورت یا بدصورت نہیں ہوتے۔ کوئی وصف تو نہیں انسان ہی بخشتا ہے۔ ہم دونوں مل کر اس رات کو خوبصورت بنا دیں گے۔"

"مگر کیسے!" وہ قدرے جھینپ رہی تھی۔

"دونوں مل کر۔"

"میں پھر کہوں گی کہ میں ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میں نے ان باتوں کے بارے میں سنا تو بہت کچھ ہے مگر....."

"ان سے دور رہی ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں۔"

"آج رات کے بعد تم یہ نہ کہہ سکو گی۔" میں نے ہنستے ہوئے

کہا اور جھٹکی سے اس کے ہونٹ پکڑ کر مسل ڈالے۔ وہ سسکاری سی لے کر رہ گئی اور میرے ساتھ ہنسنے لگی۔

ہم دونوں کی یہ گفتگو انگریزی ہی میں ہو رہی تھی۔ اس طرح ہم کو یہ اطمینان حاصل تھا کہ غزالہ کا باپ اگر جاگ بھی رہا ہو تو کچھ سمجھ نہ سکے۔

غزالہ کا معاملہ فرخ سے بہت مختلف تھا۔ غزالہ خاصی کھیلی ہوئی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے تجربات خاصے وسیع ہوں گے۔

جب ٹرین روہڑی سے چل پڑی تو میں نے اٹھ کر تمام کھڑکیوں کے شٹر گرا دیئے۔ اس کے بعد میں پھر غزالہ کے پاس جا بیٹھی اور بلا تکلف اسے اپنی آغوش میں گھسیٹ لیا۔ غزالہ میرے مطالبوں کو سمجھ چکی تھی اور اس کا اشتیاق بھی بڑھ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شوق کی فراوانی صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ اس نے میری حرکات و سکنات کا استقبال بڑی گرمجوشی سے کیا۔

غزالہ کا باپ تھوڑا سا منہ کھولے ہوئے گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اب یہ بات شبہات سے بالاتر تھی کہ وہ سو چکا تھا۔

ٹرین نے اب خاصی دفتار پکڑ لی تھی۔ ڈبے کے ہچکولے بڑے بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ میرے اور غزالہ کے جذبات کا رنگ بدلتا رہا۔ ہم دونوں پُرجوش ہوتے چلے گئے۔ غزالہ بڑی شیطان ثابت ہوئی۔ اس نے بعض ایسی حرکتیں کیں کہ میں نے بے چین ہو کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ میں نعال سے فعال تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ زندگی کے پراسرار راز غزالہ پر آشکارا ہوتے چلے گئے۔ بیتابیاں بڑھیں، ولولے سوا ہوئے اور طوفان نے شدت اختیار کر لی۔ جھاگ اڑنے لگے اور فضا سنسنا اٹھی۔

میں غزالہ کے ساتھ اس آندھی کے بگولوں میں چکراتی ہوئی بالآخر ایک پُرسکون وادی میں پہنچ گئی۔ اب وہ تلاطم تھا نہ وحشتیں، نہ وہ شوریدہ سری تھی، نہ وہ ولولے۔ ہاں البتہ دماغ میں ان سب باتوں کی ایک گونج سی باقی رہ گئی تھی۔ اس بازگشت کا تاثر کچھ ایسا تھا کہ میں خود کو ایک خواب دیکھتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ شاید یہی عالم غزالہ کا بھی تھا۔ وہ میرے بازو پر سر رکھے آنکھیں بند کئے، بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔

وہ رات یونہی گزر گئی۔ ایک خوبصورت، ایک دلکش رات!

صبح میں جلدی جاگ گئی لیکن غزالہ سوتی رہی۔ میں نے کھڑکیوں کے شٹر اٹھا دیئے۔ صبح کی خوشگوار ہوا اور روشنی کمپارٹمنٹ میں در آئی۔ ٹرین اب پنجاب کی سرزمین پر فراٹے بھر رہی تھی۔

غزالہ کا باپ بھی ابھی سو رہا تھا۔

میں باتھ روم میں جا گھسی۔ غسل کر کے میں نے پتلون اور قمیض پہن لی۔ اس لباس کا انتخاب میں نے یوں کیا تھا کہ اگر کوئی ہنگامہ آرائی ہو ہی جائے تو میں اس سے نمٹنے کے لئے خود کو چاق و چوبند پاؤں۔ ان حالات میں نسوانی لباس ٹھیک نہیں رہتے بلکہ دشواری کا سبب بنتے ہیں۔ جب میں وہ لباس پہن کر باتھ روم سے نکلی تو غزالہ جاگ چکی تھی۔

"اوہ ..... سویٹ!" وہ مجھے اس لباس میں دیکھ کر۔

"سو چکیں تم!" میں مسکرائی۔

"ہاں، بہت گہری نیند آئی۔"

"تھک جو گئی تھیں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

وہ ہنستی ہوئی اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی۔

ٹرین کی رفتار کم ہونے لگی تھی۔ غالباً کوئی اسٹیشن قریب

اب میں پھر تمام باتوں کو ذہن سے جھٹک کر صرف فرخ میں سوچنے لگی۔ نہ جانے رضوان کو کامیابی ہوئی ہو گی یا نہیں؟ اگر اس نے تمام ڈبے دیکھ ڈالے ہوں تو ممکن ہے کہ وہ فرخ کو تلاش میں کامیاب بھی ہو گیا ہو۔ میں چاہتی تھی کہ ان لوگوں کو ڈھونڈ کر خاموشی سے ان کی نگرانی کی جائے اور جب وہ اپنے ٹھکانے پہنچ جائیں تو ان پر اس طرح جھپٹا جائے کہ وہ اپنے دفاع میں کوئی قدم نہ اٹھا سکیں۔

جب گاڑی اسٹیشن پر رکی تو میں کمپارٹمنٹ سے نکل گئی۔ ابھی تک باتھ روم میں تھی۔ میں ڈبے سے اتر کر ادھر ادھر دیکھتی رضوان کے ڈبے کی طرف بڑھی۔ مجھے توقع تھی کہ وہ بھی ڈبے آئے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے ڈبے کے دروازے پر رک نے چند لمحے توقف کیا اور پھر اوپر چڑھ گئی۔ یہ ڈبہ بھی فرسٹ کلاس تھا اور اس میں چار کمپارٹمنٹ تھے۔ میں نے وہ چاروں کمپارٹمنٹ ڈالے لیکن رضوان کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ اب میں پریشان ہو میں چونکہ گاڑی رکتے ہی ادھر نکل آئی تھی اس لئے اس با... امکان نہیں تھا کہ رضوان ڈبے سے اتر کر کسی اور طرف، یعنی تلاش میں نکل گیا ہو۔

میں اس ڈبے سے اتر کر واپس اپنے ڈبے کی طرف گئی اب صرف اسی امکان پر نظر رکھی جا سکتی تھی کہ رضوان خود ہی تلاش میں میرے ڈبے کی طرف نکل آئے گا۔

غزالہ لباس تبدیل کر چکی تھی اور اب اس کا باپ بھی بیدار غزالہ ڈائننگ کار کے ایک بیرے کو ناشتے کی ہدایت دے رہی جب بیرا چلا گیا تو غزالہ مجھ سے بولی۔

"ڈائننگ کار کا ناشتہ اچھا تو نہیں ہوتا لیکن کیا کیا جائے مجبوری ہے۔"

"ہوں۔" میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے؟ آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں!" غزالہ نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پریشان؟" میں ہنس پڑی۔ "وہ نہیں تو! بس یونہی طبیعت کچھ بوجھل سی ہو گئی ہے۔"

غزالہ کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ میرے جوا

...بہ ہو سکی ہے۔ اس نے مجھے زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ ...ایک کھڑکی کے قریب بیٹھ گئی اور چہرے کو ہاتھ کی آڑ ...تے ہوئے پلیٹ فارم پر نظریں دوڑاتی رہی۔ میرا ذہن ...ی طرح الجھ گیا تھا۔ میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ کون سا ...تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی چل پڑی اور میری مایوسی میں اضافہ ہو گیا۔ اس سے اگلے اسٹیشن پر میں پھر رضوان کے ڈبے کی طرف گئی لیکن ...م ہی لوٹنا پڑا۔ رضوان پراسرار طور پر لاپتہ ہو چکا تھا۔ اب بُرے ...ے خیالات مجھے گھیرنے لگے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان لوگوں نے ...ہلاک کر کے، راستے ہی میں اس کی لاش ٹرین سے باہر ...دی ہو؟

"میں نہیں مان سکتی کہ آپ پریشان نہیں ہیں۔" غزالہ نے ...برتوں پر ٹھونگے مارتے ہوئے کہا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر زبردستی مسکرائی ...ل، بالکل یقین جانو! ..... بھلا مجھے کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟"

"یہ تو آپ ہی بتائیں گی، مجھے کیا معلوم!"

"بھئی قسم لے لو جو مجھے کوئی پریشانی ہو۔"

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے آپ کو کسی کی تلاش ہے اور وہ ...نہیں مل رہا ہے۔"

غزالہ واقعی بہت ذہین تھی۔ اس نے حقیقت کو تاڑ لیا تھا ...ہ ہے کہ میں اس کا اعتراف نہیں کر سکتی تھی۔ میں اسے ٹال دی گئی ...ب میں اس بات کی کوشش کرنے لگی کہ اپنی پریشانی کو اپنی ...ں تاثرات سے ظاہر نہ ہونے دوں۔

اسٹیشن پر اسٹیشن گزرتے چلے گئے۔ لاہور قریب آتا چلا گیا۔ ...اب بڑھتا رہا لیکن رضوان کا کہیں پتہ نہ تھا۔

جب ٹرین لاہور کینٹ سے گزری تو غزالہ نے مجھ سے کہا۔ ...میرا پتہ لکھ لیجئے، اگر کبھی کراچی آنا ہو تو ضرور ملئے گا۔"

"اگر موقع ملا تو میں تم سے لاہور میں بھی ملوں گی۔ تم اپنے بھائی کا ...م لکھوا دو۔"

غزالہ نے اپنے دونوں پتے لکھوا دیئے۔ اس کا لاہور کا پتہ میں ...نے بھی لیا تھا کہ شاید کوئی ضرورت پڑ ہی جائے۔

"اب آپ بھی اپنا پتہ بتائیں، میں آپ کو خط لکھوں گی۔" غزالہ ...م، ...ے لئے پتہ، نواب شاہ کے واقف کار کا پتہ لکھوا دیا۔

"اب تو بتا دیجئے!" غزالہ نے مجھے گھورتے ہوئے روٹھ جانے ...ے انداز میں کہا۔

"کیا؟" میں اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"آپ صبح سے پریشان کیوں ہیں؟"

"ارے نہیں بے بی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، میری طبیعت کچھ بوجھل ہے تو تم پریشانی کیوں سمجھ رہی ہو؟"

غزالہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اٹھ کر اپنا سامان درست کرنے لگی۔

ادھر میں بڑی تیزی سے سوچ رہی تھی کہ ان حالات میں مجھے کیا قدم اٹھانا چاہیئے۔ اگر فرخ کا پتہ چل جاتا تو دوسری بات تھی لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں کسی بھی قسم کی ہنگامہ آرائی سے خوفزدہ ہوئے بغیر کھل کر ان لوگوں کی تلاش شروع کر دوں۔ رضوان کی گمشدگی کے بعد تو یہ اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ ان لوگوں پر جلد از جلد ہاتھ ڈال دیا جائے۔ اس کی واحد صورت یہی تھی کہ میں ٹرین کے رکتے ہی جھپٹ کر ان سلاخوں والے دروازوں تک پہنچ جاؤں جہاں سے مسافروں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ وہاں رک کر میں ان لوگوں کا انتظار کرتی اور جب وہ نظر آ جاتے تو ان کی مزاج پرسی کر لیتی۔

ٹرین کی رفتار کم ہونے لگی تو میں نے اپنا اٹیچی کیس سنبھالا اور پھر غزالہ سے رسمی قسم کی الوداعی گفتگو کرنے ہی والی تھی کہ دو آدمی کسی بھونچال کی طرح کمپارٹمنٹ میں گھس آئے۔ اندر آتے ہی ان میں سے ایک نے اپنی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔

"خبردار! کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔" کمپارٹمنٹ میں اس کی تیز سرگوشی گونج گئی۔

اس کا ساتھی لپک کر تمام کھڑکیوں کے شٹر گرانے لگا۔

غزالہ کا چہرہ یکلخت بالکل سفید پڑ گیا تھا اور اس کے نابینا باپ نے اپنی برتھ سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بوکھلا کر کہا تھا۔

"کون ہے؟"

"چپکے بیٹھے رہو بڈھے!" پستول والا غرایا۔

اتنی دیر میں کھڑکیوں کے تمام شٹر بند ہو گئے اور دروازہ تو انہوں نے سب سے پہلے بند کیا تھا۔

میں خاموش بیٹھی ان دونوں کو گھورتی رہی۔ یہ دونوں چہرے میرے لئے اجنبی ہی تھے۔

"غزالہ!" بوڑھے باپ نے کانپتی ہوئی آواز میں پکارا۔

"خاموش بیٹھو!" پستول والا پھر غرایا۔ "اب اگر تم نے آواز نکالی تو تمہارا سر پھاڑ دیا جائے گا۔"

غزالہ میرے بازو سے لپٹ گئی۔ خوف سے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔

گاڑی ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ لاہور اسٹیشن پر رک گئی۔

"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟" میری آواز بالکل پُرسکون تھی۔

"خاموشی، صرف خاموشی!" پستول والے نے کہا۔

"لیکن ہم لوگوں کو یہیں اترنا ہے۔"

"کسی کو یہاں نہیں اترنا، خاموش بیٹھی رہو۔ گوجرانوالہ تک اس کپارٹمنٹ کا دروازہ بند رہے گا۔ گوجرانوالہ پر ہم اس ڈبے سے اتر جائیں گے۔ اس کے بعد تم لوگ جہنم میں جانا یا کہیں اور۔"

پستول والے کے ساتھی نے بھی اب اپنی جیب سے ایک ریوالور نکال لیا۔ ریوالور کی نال پر سائیلنسر فٹ تھا۔ وہ مجھے گھورتا ہوا بولا۔

"اب اگر کسی نے آواز نکالی تو میں بے دریغ گولی مار دوں گا۔"

میں نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے فرخ کو اغوا کیا تھا؟

کمپارٹمنٹ میں خاموشی چھائی رہی۔ غزالہ مجھ سے لپٹی ہوئی خوف سے کانپ رہی تھی اور اس کا نابینا باپ اپنی بے بسی پر روہانسا نظر آ رہا تھا۔

پلیٹ فارم کے ہنگاموں کی آوازیں اب بہت مدھم ہو کر میرے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ اچانک کمپارٹمنٹ کے دروازے پر آہٹ ہوئی، وہ کئی افراد معلوم ہوتے تھے۔ ان آہٹوں کو سنتے ہی وہ بہت چوکنا نظر آنے لگے۔ میں نے ایسی آوازیں سنیں جیسے کمپارٹمنٹ کے دروازے پر رک کر وہ لوگ کسی بات پر بحث کر رہے ہوں۔ یہ بحث بمشکل ایک منٹ ہوئی ہوگی اور اس کے بعد قدموں کی آہٹیں دور ہوتی چلی گئیں۔

مایوسی! مایوسی اور صرف مایوسی! یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی بھی ہماری مدد کو نہیں آنے گا۔ میں اس وقت بڑی بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ وہ دونوں مجھ سے اتنی دور تھے کہ اگر میں ان پر جھپٹنے کی کوشش کرتی تو گولی اس سے پہلے ہی مجھ پر جھپٹ پڑتی۔

پانچ منٹ...... دس منٹ...... پندرہ منٹ......

وقت گذرتا رہا۔

اب میں فرخ کی طرف سے بھی مایوس ہو چکی تھی۔ یقیناً وہ لوگ اتنی دیر میں اسے اسٹیشن سے باہر لے جا چکے ہوں گے۔ شاید یہ خطرناک ڈرامہ کھیلا ہی اس لئے جا رہا تھا کہ میں فرخ کے حصول کے لئے ان لوگوں پر نہ جھپٹ سکوں۔

کمپارٹمنٹ میں مرگ آسا خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کچھ وقت اور گذرا، پھر ریلوے انجن کی سیٹی سنائی دی۔ غالباً گاڑی روانہ ہونے والی تھی۔ میں نے عالم اضطراب میں اپنی سیٹ پر پہلو بدلا تو ریوالور والے نے اپنے ریوالور کو جھٹکا دیا اور مجھے بڑے کھا جانے والے انداز میں گھورا۔ غالباً وہ خاموشی کی زبان سے مجھے یہ دھمکی دے رہا تھا کہ میں اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہ کروں۔

انجن نے پھر ایک سیٹی دی اور گاڑی نے ایک دھچکے کے ساتھ لاہور کا پلیٹ فارم چھوڑ دیا۔

سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور کی وجہ سے اُن دونوں کی پوزیشن بیحد مستحکم تھی۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی ضرورت سے زیادہ سرکش ہو جاتا تو اُن کو فائرنگ کرنے میں قطعی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ وہ ہم تینوں کو ہلاک کر کے بھی محفوظ رہتے کیونکہ ... کی وجہ سے گولیاں چلنے کی آوازیں برابر کے کمپارٹمنٹ تک بھی ... پاتیں۔

غزالہ اب بھی کسی سہمی ہوئی چڑیا کی طرح میرے بازو سے لگی تھی۔ اس کا یہ فعل میری ذات پر اس کے اعتماد کا پتہ دیتا تھا۔ ... کہ اسے اپنے نابینا باپ کی بے بسی کا مکمل احساس ہوگا اور ایسی ... میں وہ میرے علاوہ کس پر اعتماد کر سکتی تھی؟

میں تسلی دینے والے انداز میں اس کا ہاتھ تھپکتی رہی اور نظریں اُن دونوں پر جمی رہیں جو شکاریوں کی طرح چوکنا نظر آ رہے ...

شروع میں میرے ذہن میں صرف شکوک نے جنم لیا تھا ... اب میرے اس خیال نے یقین کی صورت اختیار کر لی تھی کہ یہ دونوں کیپٹن آفاق ہی کے گرگے تھے۔ انھوں نے نہ تو لوٹ مار کی کوشش کی تھی، نہ کوئی اور نقصان پہنچایا تھا۔ وہ صاف صاف کہہ چکے تھے کہ گوجرانوالہ کے اسٹیشن پر اتر جائیں گے۔ اس طرح اُن کا یہ مقصد واضح ہو گیا تھا، بس ہمیں لاہور کے اسٹیشن پر نہیں اترنے دینا چاہتے تھے۔ غزالہ اور اس کے باپ کو یہ ستم میری وجہ سے اٹھانا پڑ رہے تھے۔ وہ میری ہی تھی جس کا لاہور ریلوے اسٹیشن پر اُترنا اُن لوگوں کے لئے پریشانی ثابت ہو سکتا تھا مجھے اس طرح روک کر ان لوگوں نے فرخ کو نکال جانے میں اپنے لئے سہولت بہم پہنچائی تھی۔

اس بات کا یقین کر لینے کے بعد اب مجھے یہ سوچنا تھا کہ ان کے قول پر کس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے؟.... انھوں نے ایسا کیا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ کوئی خاص رویہ اختیار کئے بغیر گوجرانوالہ اسٹیشن پر اتر جائیں گے لیکن کیا اس بات پر یقین کیا جا سکتا تھا؟ اُن دونوں کو یہ خدشہ نہیں ہوگا کہ کمپارٹمنٹ سے اُن کے باہر نکلتے ہی ہم شور مچا کر انھیں پکڑوا سکتے ہیں؟ یقیناً وہ اس پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ انھوں نے اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور سوچ لیا ہوگا۔

جب میں نے اس پر غور کیا کہ وہ حل کیا ہو سکتا ہے، تو کئی باتیں میرے ذہن میں آئیں لیکن بہرنوع میں حتمی طور پر نہیں کہہ سکتی تھی کہ انھوں نے کیا سوچ رکھا ہوگا۔

ٹرین، چیختی چنگھاڑتی، پوری رفتار سے اپنی منزل کی طرف رواں تھی۔ لاہور بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ اب تک فرخ کو اسٹیشن سے نکال کر لے جایا جا چکا ہوگا لہٰذا اس سلسلے میں پریشان ہونے سے کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا۔ دوسری پریشان کن بات میرے لئے یہ بھی ہو سکتی تھی کہ رضوان ساجد پر کیا بیتی لیکن میں نے اس پریشانی کو بھی اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ فی الوقت دماغی کاوش کے لئے ... صورت حال کے سوا کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی تھی۔ مجھے یہ سوچنا تھا کہ اس کٹھن امتحان سے کیونکر عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔

دشمن کے پاس ریوالور تھے اور درمیانی فاصلہ بھی زیادہ تھا اگر ... باتیں نہ ہوتیں تو میں اب تک ان دونوں کو اُن کی ہڈیوں سکا ... کتاب سمجھا چکی ہوتی۔

گاڑی کی رفتار میں کمی اور گزرے ہوئے وقت سے میں نے اندازہ ... گوجرانوالہ قریب آگیا تھا۔ اب میں اضطراب سے دوچار ہو گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ اسٹیشن پر گاڑی رکنے کے بعد ان دونوں آدمیوں کا ... ہوگا۔

"سنو!" ایک ریوالور والے نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "ہمیں ... ہے کہ تم بہت چالاک عورت ہو لیکن اسٹیشن پر گاڑی رکنے کے ... اگر تم نے کسی چالاکی کا مظاہرہ کرنا چاہا تو اس بوڑھے کی موت کی ... داری صرف تم ہی پر عائد ہوگی۔"

اشارہ واضح طور پر غزالہ کے باپ کی طرف تھا۔

"آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے ظالمو!" غزالہ کے باپ نے ... بے بسی سے کہا۔

"بیشک تم نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا اور اسی لئے ہم تمہیں مارنا ... نہیں چاہتے لیکن اگر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو پھر تم ... ہمارا نشانہ بنو گے کیونکہ ہم تم ہی کو وقتی طور پر یرغمال بنانا چاہتے ہیں۔"

"کیا مطلب!" میں جیسے چونک کر بول پڑی۔

"مطلب بالکل صاف ہے۔ ہم دونوں اس بوڑھے کو اپنے ساتھ ... کر اس کمپارٹمنٹ سے اتریں گے۔ ہمارے ریوالور والے ہاتھ جیبوں ... میں ہوں گے اور ریوالوروں کی نالیں بوڑھے کے پہلوؤں سے لگی رہیں گی ... سے باہر نکل کر ہم بوڑھے کو کسی ایسی جگہ پر چھوڑ دیں گے کہ یہ تمہیں ... سے نظر آجائے لیکن تم دونوں کے لئے لازم ہے کہ پانچ منٹ تک ... سے باہر نہ نکلو۔ کمپارٹمنٹ سے باہر نکلنے میں بھی کم سے کم تین ... کا وقفہ ہونا چاہیے۔"

یہ ہدایات دینے کے بعد جب وہ خاموش ہوا تو غزالہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس صورت حال نے اس کی ساری شوخی، کافور کر دی تھی۔ ... اس کے باپ کا چہرہ بھی خوف سے سفید پڑ گیا تھا اور ہونٹ ... کانپ رہے تھے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو۔

"بہتر ہوگا کہ وہی کیا جائے جو کہا جا رہا ہے۔" میں آہستہ سے بولی۔

گاڑی کی رفتار اب بہت کم ہو چکی تھی۔

جس کے ہاتھ میں بغیر سائیلنسر کا ریوالور تھا، اس نے ایک کھڑکی ... اٹھا کر باہر جھانکا اور شٹر دوبارہ بند کر کے غزالہ کے باپ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کھڑے ہو جاؤ بوڑھے! جلدی کرو، گاڑی رکنے والی ہے۔" اس کا تحکم آمیز لہجہ اتنا خوفناک تھا کہ غزالہ کا باپ میکانکی انداز میں ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔

"ڈیڈی!" غزالہ بے اختیار، بیتاب ہو کر بوڑھے کے سینے سے جا لگی اور وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا۔ اس کی آنکھیں کچھ اور زیادہ ویران نظر آنے لگی تھیں۔

"الگ ہٹو لڑکی!" ان میں سے ایک غرایا۔ دوسرا کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھولنے لگا تھا۔ گاڑی ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ رک چکی تھی۔

"اِدھر آؤ غزالہ!" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے اپنی طرف گھسیٹ لیا۔

"خدا حافظ بیٹی!" بوڑھے کی آواز کپکپا رہی تھی۔

ان دونوں نے بوڑھے کو اپنے درمیان میں لے لیا اور اسے اس طرح کمپارٹمنٹ سے نکال لے گئے جیسے اُس کو سہارا دیئے ہوئے ہوں۔

غزالہ کے آنسو اچانک رک گئے تھے اور وہ پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے کمپارٹمنٹ کے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کا گال تھپکتے ہوئے کہا۔

"غزالہ! گھبراؤ مت میری جان! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلو جلدی سے اپنا سامان سمیٹ لو۔ ممکن ہے کوئی مسافر اس کمپارٹمنٹ میں آنا ہی چاہتا ہو۔"

لیکن غزالہ یہ کام کرنے کی بجائے دھم سے برتھ پر بیٹھ گئی اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے ہاتھ پیروں میں جان ہی نہ رہ گئی ہو۔ اس کی یہ جسمانی خستگی میری توجہ چاہتی تھی لیکن وقت کا تقاضہ یہ تھا کہ میں سامان کی طرف توجہ دوں کیونکہ گاڑی یہاں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں رکتی۔

میں نے کھڑکی کے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک قلی کو اشارے سے بلا لیا اور اس سے سامان اٹھانے کے لئے کہا۔ پھر خود ہی میں غزالہ کو سنبھالنے لگی جس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ میں نے اسے جلدی سے تھرماس کھول کر پانی پلایا تو اس کے تنفس کی رفتار میں کچھ توازن پیدا ہوا۔

سامان زیادہ نہیں تھا۔ ایک ہی قلی نے سب کچھ سنبھال لیا۔ اس کے پیچھے پیچھے میں بھی غزالہ کو سہارا دیئے ہوئے کمپارٹمنٹ سے نکلی۔ تین منٹ کا وہ وقفہ گزر چکا تھا جس کی تاکید ان دونوں بدذاتوں نے کی تھی۔

"خود کو سنبھالو غزالہ!" میں پھر بولی۔

"ڈیڈی" غزالہ نے سسکی سی لی۔

"وہ بخیریت ہوں گے۔ مجھے یقین ہے۔ اگر وہ لوگ قتل و غارتگری کے موڈ میں ہوتے تو ہم تینوں کو اس کمپارٹمنٹ میں بھی ختم کیا جا سکتا تھا۔"

میں نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "جب ایسا نہیں ہوا تو پھر ہمیں یقین کر لینا چاہیئے کہ تمہارے ڈیڈی اسٹیشن کے باہر کہیں قریب ہی کھڑے ہوئے مل جائیں گے۔"

کا اظہار نہیں کیا تھا مگر اس کے چہرے کی درماندگی بدستور قائم رہی۔ میرے تشفی آمیز فقرے اس کے دل و دماغ پر اثر انداز نہیں ہو سکے تھے۔ وہ بدستور اس خلجان میں مبتلا تھی کہ اپنے ڈیڈی کو دوبارہ دیکھ سکے گی یا نہیں۔

قلی بہت تیز چل رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دے کر آہستہ چلنے کی ہدایت کی۔ جب ہم اسٹیشن سے باہر نکلے تو میرے اندازے کے مطابق پانچ منٹ سے زیادہ گزر چکے تھے۔

"وہ دیکھو!" میں نے پُرمسرت انداز میں ایک طرف اشارہ کیا۔

غزالہ کی نظریں تانگہ اسٹینڈ کی طرف اٹھیں اور پھر اپنے باپ کو دیکھ کر اس کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔

"ڈیڈی!" وہ چیخ کر اس کی طرف دوڑی۔

نابینا بوڑھا جو کھڑا ہوا بڑی پریشانی کے عالم میں پہلو بدل رہا تھا، چونک گیا۔ اس نے بیتابانہ اپنے ہاتھ اس طرح پھیلا دیئے جیسے بیٹی کو اپنی آغوش میں سمیٹ لینا چاہتا ہو۔

میں بڑی تیزی سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی لیکن وہ دونوں بدذات مجھے کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے پانچ منٹ کی مہلت لی تھی تو انہیں اس بات کا یقین بھی ہو گا کہ وہ اتنی دیر میں وہاں سے باآسانی رفوچکر ہو سکتے ہیں۔

غزالہ، باپ کے سینے سے چپٹ کر رونے لگی۔ مسرت کے آنسوؤں کو بہانہ مل گیا تھا۔ اردگرد نظر آنے والے لوگوں نے اس منظر کو دلچسپی سے دیکھا۔ جو ذرا حساس تھے، وہ متاثر بھی نظر آنے لگے۔ ان لوگوں نے یہی خیال کیا ہو گا کہ باپ بیٹی بہت عرصے کے بعد ایک دوسرے سے ملے ہیں۔ اصل واقعہ تو کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

ایک تانگے والا ہمارے قریب آ گیا اور پنجابی میں پوچھنے لگا کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔

اب تو میں پنجابی بھی بڑی روانی اور تیزی سے بول سکتی ہوں مگر اس زمانے میں نہیں بول پاتی تھی۔ ہاں، سمجھ ضرور لیتی تھی۔ میں نے تانگے والے کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہمیں کسی کا انتظار ہے۔ دراصل مجھے ٹیکسی کی تلاش تھی تاکہ گوجرانوالہ میں ایک منٹ بھی ضائع کئے بغیر لاہور کا رُخ کر سکوں۔ میری نظریں ہر طرف چکرا رہی تھیں لیکن کوئی ٹیکسی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ شاید اس زمانے میں گوجرانوالہ ٹیکسیوں سے بے نیاز سی تھا۔ آٹو رکشہ بھی چند ہی ہوں گے۔ سارے گوجرانوالہ پر تانگوں کی حکمرانی تھی۔ آج کل تو وہاں خاصی ٹیکسیاں ہیں اور کرائے پر ملنے والی پرائیویٹ گاڑیوں کی بھی کمی نہیں لیکن اس زمانے میں یہ سہولتیں حاصل نہیں تھیں۔ اسے خوش قسمتی ہی کہنا چاہئے کہ اتفاق سے ایک پرائیویٹ گاڑی اسٹیشن پر موجود تھی جس کا نوجوان ڈرائیور لپکتا ہوا ہمارے قریب آ گیا تھا۔

"کدھر چلنا اے میم صاب جی!"

وہ بھی پنجابی ہی بول رہا تھا۔

"لاہور۔"

"ہیں جی!" وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔

حیرت کی بات بھی تھی۔ ہم لوگ جس گاڑی سے اترے تھے لاہور ہی سے تو آئی تھی۔

"دراصل" میں نے جلدی سے کہا "ہم سے ایک غلطی ہو گئی جس کی وجہ سے ہم لاہور میں نہیں اتر سکے۔"

ڈرائیور نے شانے جھٹکے اور بولا "خیر جی میم صاب!... بس سے چلی جائیں۔ وہ ادھر کھڑی ہوئی تو ہیں بسیں۔"

پھر وہ واپس مُڑ کر چلنے ہی والا تھا کہ میں جلدی سے ہاتھ اٹھا کر اسے روکتی ہوئی بولی "سنو!... کیا تمہیں دو سو روپے اچھے نہیں

وہ دو سو روپوں کے نام پر جھٹکے سے رک گیا اور حیرت سے بولا

"میں جی؟ دو سو روپے؟"

میں نے اپنے پرس میں سے ایک بڑا نوٹ نکال کر اس کی طرف دیا اور پھر کہا "دوسرا نوٹ لاہور پہنچ کر۔"

غزالہ اپنے باپ کے سینے سے لگی ہوئی یہ باتیں سن رہی تھی۔ اس نے خود کچھ بولنا غیر ضروری سمجھا تھا۔

ڈرائیور نے دو مرتبہ اپنا سر جھٹک کر سو کے نوٹ کی طرف، اور پھر نوٹ کو اپنی جیب میں ٹھونستا ہوا بولا "اچھا میم صاب! آپ ضد کرتی ہیں تو چلا چلتا ہوں ورنہ......"

میں نے اس کا یہ "احسان" بڑی خندہ پیشانی سے قبول کر لیا۔ اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔

قلی سامان سنبھالے ہمارے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے گاڑی کی طرف چلنے کا اشارہ کیا اور پھر غزالہ سے بولی "تم بھی چلو میں ابھی آتی ہوں۔"

غزالہ کی ذہنی کیفیت کچھ ایسی تھی کہ اس کے لئے کچھ سوچنا سمجھنا بھی دشوار تھا۔ اس نے مجھ سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں وہاں کیوں رکنا چاہتی ہوں۔ جب وہ اپنے بوڑھے باپ کو سہارا دیتے ہوئے کار کی طرف بڑھ گئی تو میں نے قریب ترین تانگے کا رُخ کیا اور بوڑھے کوچوان سے بولی۔

"سنو بابا! ذرا ایک منٹ کے لئے ادھر آنا۔!"

بوڑھا اپنا تانگہ چھوڑ کر میرے قریب آ گیا تو میں دس کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی "میں تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں اور یہ اس کا معاوضہ ہے۔ اگر تم نہ بتا سکے تو کوئی بات نہیں لیکن تم نے ٹھیک ٹھیک بتا دیا تو دس روپے اور دوں گی۔"

دراصل یہ بات کرتے ہوئے یہ امکان میرے پیش نظر تھا کہ شاید اس بوڑھے نے ان دونوں بدذاتوں کو دیکھا ہو جو غزالہ کے نابینا باپ کو اس جگہ کھڑا کر کے رفوچکر ہو گئے تھے ___ کیونکہ اس بوڑھے

ی کھڑا تھا اس لئے یہ امکان خاصا قوی تھا کہ وہ مجھے ے بارے میں کوئی معمولی یا غیر معمولی بات بتا سکے۔ بعض اوقات اہم بھی بڑی اہم ثابت ہو جاتی ہیں۔

ن جب اس بوڑھے کوچوان نے میرے سوالوں کے جواب میں باتوں میں چکرا کر رہ گئی۔ وہ دیہات میں بولی جانے والی ٹھیٹھ رہا تھا جسے سمجھنے کی کوشش کرنے میں شاید میرے ں کو بل جاتے۔ دوسری طرف اس بوڑھے کا حال ممکن نہیں معلوم ہوتا تھا اردو ویسے اس کی بولی تو پرائی بمشکل ہی بچتی۔ نتیجہ یہ کہ دو تین منٹ تک باتیں کرنے سمجھ میں آ سکا کہ اس نے ان دونوں آدمیوں کو دیکھا تھا جو نابینا باپ کو اسٹیشن سے باہر لائے تھے اور آگے وہاں چھوڑ تھے۔

دو تین منٹ صرف کرنے کے بعد میں آنا اور معلوم کر سکی کہ کی ایک گاڑی پہلے ہی سے کھڑی ہوئی تھی اور وہ دونوں وہاں سے چلے گئے تھے۔ بوڑھا کوچوان یہ نہیں بتا سکا کہ تھا اور وہ کس طرف گئی تھی۔

میں بیٹھی ہوئی میری طرف دیکھ رہی تھی اور ڈرائیور امری لگی ہوئی تھیں۔ ان دونوں ہی کی سمجھ میں نہیں آ رہا ایک تانگے والے سے گفتگو کرنے کی کیا ضرورت پیش

ایک منٹ اور صرف کرنے کے بعد جب مجھے یقین ہو گیا کہ ڑھے سے مزید معلومات حاصل نہیں کر سکتی تو میں نے اسے ایک نوٹ اور تھمایا۔ پھر کار کی طرف بڑھ گئی۔

الہ اور اس کا نابینا باپ پچھلی نشست پر بیٹھے تھے لیکن میں ڈرائیور کے برابر میں بیٹھ گئی اور بولی "چلو!"

"ان بڈھے سے کیا باتیں کر رہی تھیں میم صاب!" ڈرائیور میں لاتے ہوئے پنجابی زبان میں پوچھا۔

ان دو والے آدمیوں کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہی تھی بھاگ گئے ہیں۔" میں نے یہ جواب یوں دیا کہ اگر ڈرائیور ان آدمیوں کو دیکھا ہو تو اس سے بھی کچھ معلومات

کیا!" ڈرائیور چونک پڑا۔

میں نے کہا "وہ ادراسی لئے ہم لاہور اسٹیشن پر نہیں اتر سکے ہمارے کمپارٹمنٹ میں گھس آئے تھے اور..." میں ادا کر دیا لیکن اس میں یہ اضافہ بھی کیا تھا کہ وہ دونوں ہار اور غزالہ کے گلے سے ایک لاکٹ اتار لے گئے جس کی مالیت پچاس ہزار روپے ہے۔

"اجی ان دونوں کو تو میں نے بھی دیکھا تھا۔" ڈرائیور پُرجوش انداز میں بولا "میری سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ ایک بوڑھے آدمی کو اس طرح چھوڑ کر کیوں چل دیئے تھے۔ وہ سفید رنگ کی فیاٹ تھی جی ___ سکس ہنڈریڈ۔"

"کیا تم یہ بھی بتا سکتے ہو کہ وہ کار اس شہر کے کس حصے میں ڈھونڈی جا سکتی ہے؟" میں نے بیتابانہ پوچھا "یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ تم کو یہ بات معلوم تو ہونا چاہئے۔ اس شہر میں زیادہ کاریں تو ہوں گی نہیں۔"

"مجھے تو لگتا ہے میم صاب کہ وہ لاہور کی گاڑی تھی۔" ڈرائیور نے پُرخیال انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اس کا یہ جواب سنتے ہی میرے ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح چمکا کہ شاید اس وقت وہ دونوں بھی لاہور ہی کی طرف سرگرم سفر ہوں۔ ایسی صورت میں اگر تیز رفتاری دکھائی جاتی تو انہیں راہ میں ہی پکڑا جا سکتا تھا۔

"لیکن میم صاب!" ڈرائیور بولا "آپ کو پولیس میں رپورٹ تو کرنا ہی چاہیے تھی!"

"کوئی فائدہ نہ ہوتا۔" میں نے منہ بنا کر کہا "وہ رشوت دے کر چھوٹ جاتے۔ الٹا ہم ہی لوگوں کو پریشانیاں اٹھانا پڑتیں۔"

"یہ تو آپ ٹھیک کہتی ہیں میم صاب!... زمانے کی ہوا ہی بگڑی ہوئی ہے۔ اس حکومت نے تو جینا حرام کر دیا ہے۔ جسے دیکھو لوٹ مار میں لگا ہوا ہے۔ اب تو کوئی بڑا ہی انقلاب آئے گا تو اس ملک کے حالات سدھریں گے۔ وہ تو جب مادرِ ملت ہار گئی تھیں، تبھی ہم نے کہہ دیا تھا کہ اب اس ملک کا اللہ ہی بیلی ہے۔"

کار جی ٹی روڈ پر فراٹے بھر رہی تھی اور ڈرائیور کی زبان نے سیاست کی فضا میں اڑنا شروع کر دیا تھا لیکن میں اس کی "سیاسی بصیرت" پر غور کرنے کی بجائے یہ سوچ رہی تھی کہ اگر ان دونوں کو لاہور کے راستے میں پکڑا جا سکے تو انہیں گھیر کر ان سے کچھ کارآمد معلومات بھی حاصل کی جا سکتی ہیں۔

غزالہ اور اس کا باپ پچھلی نشست پر بالکل خاموش بیٹھے ہوئے میری اور ڈرائیور کی باتیں سن رہے تھے۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"جان محمد۔"

"کیا تم ہماری مدد کرنے کے لئے کوئی خطرہ مول لے سکتے ہو؟"

"میں سمجھا نہیں میم صاب!"

"اگر ہم کوشش کریں تو ہماری لٹی ہوئی چیزیں ہم کو واپس مل سکتی ہیں۔ کیا تم اس سلسلے میں ہماری مدد نہیں کرو گے؟"

"ہم تو اپنی ماں بہنوں کے لئے اپنی جان کی بازی لگا سکتے ہیں میم صاب!" جان محمد نے پُرجوش انداز میں کہا "مگر جان کی بازی لگا کر

آپ کی لُٹی ہوئی چیزیں کیسے مل سکتی ہیں؟"

"بس ایک امکان ہے کہ وہ ہمیں لاہور کے راستے میں مل جائیں تم ہی نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ شاید وہ لاہور کی گاڑی تھی۔ اگر ہم انھیں پکڑ سکے تو اُن سے اپنا مال واپس لے سکتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" جان محمد نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں ان سالوں کا کچومر نکال دوں گا۔ ان کے باپ بھی مال واپس کر دیں گے۔"

"بس تو پھر گاڑی تیز کر دو۔ انھیں پکڑنے کے لئے ہمیں بہت تیز رفتاری سے چلنا ہو گا۔"

جان محمد نے ایکسلریٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔

"شاباش جان محمد! تمہارے ہی جیسے نیک نیت جیالے اب اس دیس کو قائم رکھ سکتے ہیں۔"

میرے اس فقرے نے جان محمد کے جوش و خروش میں خاصا اضافہ کر دیا اور یہی میرا مقصد بھی تھا کسی گاؤں کے اس سیدھے سادے شریف نوجوان کو بے وقوف بناتے ہوئے مجھے تھوڑا سا دکھ تو ہوا لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اُسے اصل واقعات تو بتا نہیں سکتی تھی۔ ان باتوں کا علم تو غزالہ اور اس کے باپ کو بھی نہیں تھا۔

کار سنسناتے ہوئے تیر کی طرح اُڑی چلی جا رہی تھی۔ جی، ٹی روڈ پر اچھا خاصہ ٹریفک رواں دواں تھا۔ گوجرانوالہ کے علاوہ بھی کئی چھوٹے چھوٹے شہر لاہور کے قریب ہیں اور اُن سب کا ٹریفک، جو لاہور سے مربوط ہو، اسی سڑک سے گزرتا ہے۔ اس کاروں کو دیکھ کر مجھے یہ پریشانی لاحق ہو گئی تھی کہ اگر ہم نے ان دونوں بدذاتوں کو راہ میں جا بھی لیا تو کیا اس بھری پُری سڑک پر اُن کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے؟

"میم صاب جی!" جان محمد کچھ سوچ کر بولا۔ "آپ نے بتایا ہے کہ اُن کے پاس پستول وغیرہ بھی ہیں۔ میرے بازو، گولیوں وغیرہ کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے نا؟ اس کی کوئی ترکیب سوچنی پڑے گی۔"

"اس کی فکر مت کرو۔ پستول میرے پاس بھی ہے۔" میں نے اپنا پرس تھپتھپا کر کہا جس میں واقعی پستول موجود تھا۔

"آپ پستول چلانا جانتی ہیں؟" وہ چونک کر بولا۔

"ہاں، میرا تعلق فوج سے ہے جان محمد!"

"پاکستانی فوج سے؟"

"نہیں تو کیا ہندوستانی فوج سے ہو گا!" میں نے ہنس کر کہا۔

"اجی پھر تو ہم اُن دونوں کی ایسی تیسی کر دیں گے۔" جان محمد خوش ہو کر بولا۔ "آپ فوجی ہیں اور میں ہٹا کٹا..... نہ آپ کو موت کا ڈر، نہ مجھے۔"

"موت سے تو کسی بھی مسلمان کو نہیں ڈرنا چاہئے۔"

"ہاں جی، یہ تو ہے، مگر لوگ ڈرتے ہیں۔" جان محمد نے جواب دیا اور پھر پاکستانی فوج کے بارے میں تبصرے شروع کر دیئے۔ اس کی باتوں

اور لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُسے پاکستانی فوج سے بڑا [illegible] بڑی محبت ہے۔

میں نے مڑ کر ایک مرتبہ غزالہ اور اس کے باپ کی [illegible] لیکن کچھ کہے بغیر صرف مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

"وہ ہے" اچانک جان محمد بڑے پُرجوش انداز میں [illegible] فیاٹ معلوم ہوتی ہے۔"

کوئی ایک [illegible] کے فاصلے پر ایک سفید [illegible] [illegible] تھی۔ جان محمد کا اشارہ اسی کی طرف تھا۔

خوشی سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ مجھے [illegible] اُمید نہیں تھی۔

"سنو جان محمد!" میں نے پہلو بدل کر کہا۔ "کیونکہ میں [illegible] کو پولیس تک نہیں لے جانا چاہتی اس لئے کام اس طرح کر [illegible] کو کانوں کان خبر نہ ہو۔"

جان محمد واقعی بہت سیدھا سادہ نوجوان تھا اس [illegible] نہیں سوچا کہ ایک فوجی کے معاملے میں پولیس کسی غیرت [illegible] کا مظاہرہ نہیں کر سکتی، تو پھر میں پولیس کو اس معاملے سے [illegible] رکھنا چاہتی ہوں۔

آگے پیچھے ٹریفک رواں دواں تھا اس لئے جا [illegible] میں نہیں آ سکا کہ یہ کام خاموشی سے کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

فیاٹ سے درمیانی فاصلہ کچھ اور کم ہوا تو جان محمد [illegible] "تو مجھے یقین ہے میم صاب کہ یہ وہی گاڑی ہے۔ اس میں [illegible] نظر آ رہے ہیں۔ میں سامنے جا کر انھیں پہچان لوں گا۔"

"تمہارا کام بس اتنا ہو گا جان محمد کہ اپنی گاڑی کو فیاٹ سے [illegible] لے جا کر اس طرح روکو کہ وہ بھی رُکنے پر مجبور ہو جائیں۔ ظاہر [illegible] اس حرکت پر انھیں غصہ آ جائے گا اور وہ اپنی گاڑی سے [illegible] ممکن ہے وہ تمھیں گالیاں دیتے ہوئے قریب بھی آ جائیں آ گئے تو پھر کام بہت آسان ہو جائے گا۔"

میں اُسے سمجھانے لگی کہ ہمیں کیا کچھ کرنا ہو گا۔ جان محمد توجہ سے میری ہدایات سنتا رہا۔ پھر اس نے گاڑی کی رفتار [illegible] دی تاکہ فیاٹ سے آگے نکل سکے۔

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں بانو صاحبہ!" غزالہ انگریزی [illegible] اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"ان دونوں کو سزا ضرور ملنی چاہیے غزالہ! میں معاف [illegible] عادی نہیں ہوں۔ اب تم اس طرح نیم دراز ہو جاؤ کہ باہر سے [illegible] یہی درخواست میں آپ سے بھی کروں گی محترم بزرگ!" [illegible] نے اردو میں کہا تھا۔

"کیسی درخواست بیٹی!"

میں نے اس سے بھی وہی بات کہی جو غزالہ سے

[illegible] بوڑھے نے مجھے یہ سمجھانا شروع کر دیا کہ خطرناک قسم کے [illegible] کم از کم عورتوں کو تو نہیں ٹکرانا چاہئے لیکن میں نے اس [illegible] سنی اور اُسے بھی کچھ کرنے پر مجبور کر دیا جو ضروری تھا۔ [illegible] گاڑی جب فیاٹ کے برابر سے آگے نکلی تو میں بھی نیم دراز [illegible] اب باہر سے دیکھنے والوں کو گاڑی میں جان محمد کے سوا کچھ [illegible] آتا۔ جان محمد نے فیاٹ سے آگے نکلتے ہوئے اپنی گاڑی کو [illegible] کچھ فاصلے پر روکا تھا۔

"یہی دونوں ہیں۔ میں پہچان گیا۔" جان محمد پُرجوش انداز میں بولا۔

"انھیں اس طرح روکنا کہ باقی ٹریفک متاثر نہ ہو۔" میں نے [illegible] ہدایت کی۔

"اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔"

[illegible] مشکل سے آدھا منٹ گزرا ہو گا کہ میں نے گاڑی کو بائیں [illegible] محسوس کیا اور دفعتاً وہ ایک جھٹکے سے رُک بھی گئی۔ عقب [illegible] ٹائروں کی چیخیں سنائی دیں اور اس کے ساتھ ہی کوئی چیخ [illegible] "ڈیم فول!"

"تم گاڑی سے اُتر کر اپنا بونٹ کھولو، جیسے اس میں کوئی خرابی [illegible]" میں نے سرگوشی کرنے والے انداز میں کہا۔ "وہ دونوں [illegible] برستے ہوئے خود ہی قریب آ جائیں گے اور پھر میں انھیں [illegible] لوں گی۔"

جان محمد نے میری ہدایت پر عمل کیا۔

"بانو صاحبہ!" غزالہ مری مری سی آواز میں بولی۔

"خاموش رہو!" میرے لہجے میں خاصی سختی تھی۔

جان محمد بونٹ کھول کر انجن پر جھک چکا تھا کہ مجھے تیزی سے [illegible] بڑھتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

"تم بالکل جنگلی ہو؟ گاڑی روکنے کا سلیقہ بھی نہیں جانتے؟" [illegible] کی آواز پھر سنائی دی جس نے "ڈیم فول" کا نعرہ لگایا تھا۔ [illegible] نے جیسے ہی یہ محسوس کیا کہ اب وہ کار کے بالکل قریب [illegible] جلدی سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے [illegible] رومال کھڑکی پر رکھی ہوئی تھی اور ریوالور پر میں نے اپنا [illegible] ڈال دیا تھا کہ وہ نظر نہ آ سکے۔

[illegible] دونوں کی نظریں مجھ پر پڑیں اور وہ چونک گئے، لیکن [illegible] وہ کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کرتے، میں نے مسکرا [illegible] آپ لوگوں کے ہاتھ جیبوں کی طرف گئے تو مجھے اپنے ریوالور [illegible] افسوس ہو گا۔"

[illegible] ریوالور رومال سے ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کی نال تو ان دونوں [illegible] سمت ہی۔ ان دونوں نے گھبرا کر ہاتھ اوپر اٹھا دینا چاہے [illegible] بولی۔ "اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ لوگ تو میرے [illegible] سر راہ مل گئے ہیں۔"

اُن دونوں کے چہروں کی رنگت بدل گئی تھی اور وہ بالکل بیوقوف نظر آنے لگے تھے۔ اگر وہاں راہگیر بھی ہوتے تو یہ کام مشکل ہو جاتا لیکن وہاں صرف ٹریفک تھا جس کی قطار ہماری دائیں جانب سے گزرتی چلی جا رہی تھی۔

"غزالہ تم آگے آ جاؤ!" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"بانو صاحبہ.....!"

"یہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

غزالہ کو میری بات ماننی ہی پڑی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے کی طرف سے میرے برابر میں آ بیٹھی۔ اس کے بعد جان محمد نے بھی اشارہ ملتے ہی اپنی سیٹ سنبھال لی اور میں نے ان دونوں سے کہا۔ "براہِ کرم آپ دونوں حضرات پچھلی سیٹ پر آ جائیے۔"

ان دونوں نے تذبذب کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو میں سرد لہجے میں بولی۔ "مجھے اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں کہ میرے ریوالور کی نال پر سائلینسر فٹ نہیں ہے۔"

غزالہ کا بوڑھا باپ دائیں جانب، دروازے کے قریب کھسک گیا تھا۔ وہ دونوں اس کے برابر میں بیٹھ گئے۔ اب میں نے اپنی پوزیشن بدل لی تھی اور رومال سے ڈھکے ہوئے ریوالور کا رُخ انھی کی طرف رکھا تھا۔ جان محمد نے میرا اشارہ ملتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

"اب ان دونوں کو کہاں لے چلنا ہے میم صاحبہ!" جان محمد بولا۔

"کسی ویران سی جگہ پر چلو جہاں ان سے بات چیت کی جا سکے۔"

"ویران سی جگہ....." جان محمد کچھ سوچنے لگا اور پھر دفعتاً بولا "میم صاب! کوئی پندرہ میل آگے میرے بھائی کے کھیت ہیں۔ ان کھیتوں کی دوسری طرف اُس کا مکان ہے۔ وہیں چلوں؟"

"گاؤں میں؟"

"نہیں میم صاب! وہاں تو بس کھیت ہی کھیت ہیں۔ میرے بھائی نے وہیں اپنا مکان بنوا لیا ہے۔"

"مگر کیا ان معاملات کو تمہارا بھائی پسند کرے گا؟"

"اجی وہ تو بالکل دیہاتی ہے میم صاب!" جان محمد نے ہنس کر کہا۔ "میں جب چاہتا ہوں، اُسے بے وقوف بنا دیتا ہوں۔"

"بس تو پھر وہیں چلے چلو۔ وہ جگہ بالکل ٹھیک رہے گی ان دونوں کو کچھ سزا تو ملنی چاہیے۔ کم سے کم دو گھنٹے کے لئے مرغا بنایا جائے گا ان کو۔"

"یہ ٹھیک ہے میم صاب!" جان محمد، مرغا بنانے کی تجویز پر بیحد خوش ہوا۔

غزالہ میرے برابر میں بیٹھی ہوئی پہلو بدل رہی تھی اور پچھلی سیٹ پر اُس کا بوڑھا باپ، سپاٹ چہرہ لئے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے برابر میں وہ دونوں کچھ پریشان پریشان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اب تک اُن کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا اور میں خود بھی یہی

چاہتی تھی کہ جان محمد کے سامنے اُن سے گفتگو نہ ہو۔
کوئی دس بارہ میل چلنے کے بعد جان محمد نے گاڑی کو ایک کچے راستے پر ڈال دیا۔ اونچی نیچی زمین تھی اس لئے رفتار بھی کم کرنا پڑی۔ اب ہمارے دائیں بائیں، ہرے بھرے کھیتوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔
میں اپنے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لئے اُن دونوں بدذاتوں کی طرف دیکھتی رہی۔ ان کے جسموں پر بہترین سوٹ تھے اور چہرے مہرے سے بھی وہ تیسرے درجے کے غنڈے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ شاید وہ انگریزی بھی جانتے ہوں گے۔ اپنے اس خیال کی تصدیق کے لئے میں نے ان سے انگریزی میں پوچھا کہ اُن کے نام کیا ہیں۔ وہ میرا سوال سمجھ گئے اور انھوں نے اپنے نام بتائے۔ ایک کا نام خان جاوید تھا اور دوسرے کا حیدر بٹ ۔۔۔ لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ انھوں نے غلط نام بتائے ہوں۔
"جب تم دونوں انگریزی جانتے ہو تو پھر ہم لوگ انگریزی ہی میں گفتگو کریں گے۔ کیوں! ٹھیک ہے نا؟"
"تم ہمیں اس طرح کیوں لے جا رہی ہو؟ مقصد کیا ہے؟" حیدر بٹ انگریزی ہی میں بولا۔
"مقصد بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ آخر گھبراہٹ کیا ہے؟"
پھر اُن دونوں نے کوئی سوال نہیں کیا اور دو ڈھائی میل چلنے کے بعد گاڑی ایک مکان کے سامنے رُک گئی۔ یہ مکان اونچے اونچے درختوں کے جھنڈ میں گھرا ہوا تھا۔ دروازے پر دو بیل اور ایک بھینس بندھی ہوئی تھی۔ کچھ دور ایک گھوڑا چر رہا تھا۔ جب گاڑی وہاں جا کر رُکی تو مکان کا دروازہ کھلا اور چالیس بیالیس سال کا ایک کسان پگڑ باندھتے ہوئے باہر نکلا۔
"یہی میرا بھائی ہے میم صاب!" جان محمد نے انجن بند کرتے ہوئے کہا۔ "آپ ایک منٹ رُکیں، میں ابھی آیا۔" وہ گاڑی سے اتر کر تیزی سے اپنے بھائی کی طرف گیا جو ہم لوگوں کو دیکھ کر اُلجھا اُلجھا سا نظر آنے لگا تھا۔
"میں اسی مکان کو تمھارا مدفن بنا دوں گی۔" میں نے ان دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر تمھیں یہ جگہ پسند نہ ہو تو پھر اس سے بچت کی واحد صورت یہی ہو گی کہ میرے ہر سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دو۔"
"ہمیں اب تک یہ نہیں معلوم کہ تم ہم سے معلوم کیا کرنا چاہتی ہو؟"
"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" میں نے کنکھیوں سے جان محمد کی طرف دیکھا جو بڑی تیزی سے قریب آ رہا تھا۔
"آئیے میم صاب! آتارئیے ان سالوں کو۔ میں نے بھائی جی سے ساری بات کر لی ہے۔ انھیں سمجھا دیا ہے۔"
غزالہ نے اس موقع پر پھر کوئی اندیشہ یا گھبراہٹ ظاہر کرنا چاہی تھی لیکن میں نے اُسے ہاتھ دبا کر خاموش کر دیا اور بولی۔ "تم اپنے باپ

کو سہارا دے کر لے چلو۔" پھر میں نے اُن دونوں کو گاڑی ... کا حکم دیا۔

اس مکان میں چار کمرے تھے جن میں سے ایک ... سامان نہیں تھا۔ میں نے اسی کمرے میں ان دونوں کو دیوار ... منہ کر کے کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ پھر جان محمد سے کہا کہ وہ غز... کے باپ کو دوسرے کمرے میں پہنچا دے۔ وہ ان دونوں کو ... گیا تو میں ان دونوں بدذاتوں کے قریب گئی جو اب میز... کھڑے تھے۔ میں نے ان کی تلاشی لی اور ان کی جیبوں سے ... نکال لئے۔ اس کے بعد بھی میں نے تلاشی جاری رکھی تھی ... آ گیا۔ میں نے اُس سے ایک رسی کی فرمائش کی اور وہ ... باہر دوڑ گیا۔ میں اُن دونوں کے قریب سے پیچھے ...
"اب تم دونوں پھر میری طرف رُخ کر سکتے ہو۔"
وہ دونوں میری طرف مڑے اور پھر خان جاوید ... "سب کچھ تمھیں مہنگا بھی پڑ سکتا ہے۔"
"زیادہ ٹرٹر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں ... لہجے میں کہا۔ "ویسے میں مہنگی ترین چیزیں خریدنے کی ... ہوں۔ کیا تم لوگوں کو ماضی میں اس کا تجربہ نہیں ہو چکا ... "باس نے تم کو ڈھیل دے دی تھی ورنہ یہ بھی ممکن ... کے مکان میں تمھیں ختم ہی کر دیا جاتا۔"
میں اُسے جواب نہیں دینے پائی تھی کہ جان محمد ... آ گیا۔
"ٹھیک ہے۔" میں نے رسی کی مضبوطی کا اندازہ ... ظاہر کیا اور پھر بولی۔ "اب اس سے ان دونوں کے ہاتھ ..."
جان محمد رسی سنبھالے ان دونوں کی طرف لپکا۔
"سامنے سے نہیں۔" میں نے اُسے ٹوکا۔
لیکن اس وقفے میں وہ اُن کے قریب پہنچ چکا ... ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ حیدر بٹ نے اس کی گردن دبوچ ... ایک جھٹکے سے اس کا رُخ میری طرف کرتے ہوئے اُسے ... شکنجے میں جکڑا کہ اب وہ ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر میں ... گولی حیدر بٹ کی بجائے جان محمد کے سینے میں پیوست ...
"اگر تم نے میرے قریب آنے کی کوشش کی تو میں ... گھونٹ دوں گا۔" حیدر بٹ سانپ کی طرح پھنکارا۔
خان جاوید میرے ریوالور کی زد میں تھا لیکن اگر میں ... تو حیدر بٹ اُس کا انتقام جان محمد ہی سے لیتا۔
جان محمد نے گندی گندی گالیاں بکنا شروع کر دی تھیں ... مشتعل ہو گیا تھا کہ اس نے میری موجودگی بھی نظر انداز کر دی تھی اور ... کا طوفان برپا کئے ہوئے تھا کہ ایک بار تو مردے بھی کانوں ...

... ہوئے اپنی قبروں سے نکل کر بھاگ جائیں۔
ایک لمحے کے لئے میں تذبذب میں پڑ گئی کہ کیا کروں لیکن فیصلہ ... دوسرا لمحہ نہیں گزرنے پایا۔ میں نے ان دونوں کے ریوالور ... اپنا ریوالور بھی برابر والے کمرے میں پھینک کر دروازہ بند کر ... اس طرح دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑی ہو گئی جیسے اعلانِ پسپائی ... ہوں۔
... خان جاوید پھرتی سے میری طرف لپکا۔ جب تک وہ میرے ... آ گیا، میں اس طرح کھڑی رہی جیسے کوئی تعرض نہیں کرنا ... لیکن جیسے ہی وہ نزدیک آیا، میں گویا بھگولا کھا کر اس کی ... اور ... نے لانگ جمپ کا ایک ایسا مظاہرہ کیا ... شاید وہ مجھ سے بالکل توقع نہیں کر سکتے تھے۔ چشم زدن میں ... بجلی کوند جاتی ہے، اسی طرح میں بھی اڑتی ہوئی حیدر بٹ ... پہنچ گئی۔ میں نے کھڑا ہاتھ اس کے شانے پر مارا تو ... نکل گئی۔ گرفت ڈھیلی پڑی اور جان محمد نے ایک معمولی ... کر خود کو چھڑا لیا۔
... خان جاوید دوبارہ میری طرف جھپٹنے کی بجائے دروازے کی طرف ... ان دونوں ریوالوروں پر قابض ہونا چاہتا تھا جو میں نے دوسرے ... پھینکے تھے لیکن میں نے اس کی یہ آرزو پوری نہیں ہونے دی۔ ... کر اس کے قریب پہنچ گئی۔ وہ کنڈی کی طرف ہاتھ بڑھا چکا ... اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔ وہ اوندھے منہ گرا تو میں ... اس کی پیٹھ پر پہنچی۔ میری ایڑیوں کی ضرب اس کی ریڑھ کی ... تھی۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔
... نے حیدر بٹ کی پٹائی کرنا چاہی تھی لیکن حیدر بٹ جیسے ... سے نپٹنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ وہ بیچارہ خود ... کرا بیٹھا۔ حیدر بٹ نے اسے مکوں پر رکھ لیا تھا۔
... خان جاوید کو ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی دروازے ... ہٹا لائی اور پھر جان محمد کو بچانے کے لئے خان جاوید پر ... خان جاوید نے شاید مجھے بھی جان محمد کی طرح نرلوا سمجھ ... تھے لیکن پلک جھپکنے میں اس کی خوش فہمی رفع ہو ... جاتا ہوا نظر آیا۔ میں نے اسے پہلے تو ٹانگ مار کر ... اس کے سر اور قدموں پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ اچانک ... کے چہرے پر ایسے تاثرات دیکھے جیسے اس نے میرے ... والے کو دیکھ لیا ہو۔ اُس کے ہونٹ ہلے مگر اس ... سے پہلے ہی میرے ذہن نے اس کے ذہن کا یہ پیغام سن لیا ... ہاتھ کر مجھ پر حملہ کرنے والا ہے۔ میں برق رفتاری سے ... میرے قریب پہنچ چکا تھا۔ میرا کھڑا ہاتھ اُس کے بازو ... اس طرح چیخ اٹھا جیسے اس کے بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی ... میرے بائیں ہاتھ نے بھی حرکت کی اور اس کی کمر پر پڑا۔

اس ضرب نے خان جاوید کے سارے کس بل نکال دیئے اور وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔
جان محمد موقع دیکھ کر حیدر بٹ پر پل پڑا تھا۔ اس نے حیدر بٹ سے بڑا بھرپور انتقام لیا اور اگر میں اسے روک نہ لیتی تو وہ حیدر بٹ کے چہرے کو اس قابل بنا دیتا کہ اُسے لوتھڑا کہا جا سکے۔
"بس کافی ہے جان محمد!" میں اس کا شانہ تھپکتی ہوئی بولی۔ ویسے معاملہ کافی سے بھی کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ خان جاوید اور حیدر بٹ، دونوں ہی خاموش ہو گئے تھے۔
جان محمد کھڑا ہوا ہانپتا رہا۔ نچلا ہونٹ پھٹ جانے کی وجہ سے اس کو بار بار تھوکنا پڑ رہا تھا۔
"ہمارے ہار ان دونوں کے پاس سے نہیں نکلے جان محمد!" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔
"نہیں نکلے؟" وہ چونک کر بولا۔
میں نے مایوسانہ انداز میں اپنے سر کو منفی جنبش دی اور پھر کہا۔ "شاید انھوں نے وہ ہار اپنی کار ہی میں چھپا دیئے ہوں گے۔"
"یہی ہو سکتا ہے تو پھر چلیں واپس؟ کار تو وہیں کھڑی ہو گی۔"
"چلنا تو پڑے گا لیکن اس سے پہلے ان دونوں کو باندھ دیا جائے۔ انھیں بھاگ نکلنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔"
جان محمد نے پُرجوش انداز میں مجھ سے اتفاق کیا اور پھر میں اس کی مدد سے ان دونوں کو باندھنے لگی۔ میں نے ان کے منہ کھول کھول کر کپڑا بھی ٹھونس دیا کہ میری عدم موجودگی میں وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکیں۔ جب مجھے اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو میں نے کمرے سے باہر نکل کر جان محمد سے کہا۔ "دروازے میں تالا ڈال دو!" اُسے یہ ہدایت کرنے کے بعد میں اس کمرے میں گئی جہاں غزالہ اور اس کا نابینا باپ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی غزالہ بول پڑی۔
"آخر آپ کیا کرنا چاہتی ہیں بانو صاحبہ!"
"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم پریشان نہ ہو!" میں نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔
"لاہور میں بھائی جان ہمارے لئے پریشان ہو رہے ہوں گے۔"
"میری خاطر تم ڈیڑھ دو گھنٹے بھی نہیں رُک سکتیں؟ میں وعدہ کرتی ہوں کہ دو گھنٹے بعد تم کو لاہور پہنچا دوں گی۔"
"لیکن......!"
"بس۔" میں نے بڑی محبت سے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ "اب کوئی سوال نہیں۔ تم یہیں میرا انتظار کرو۔ بس یوں گئی اور یوں آئی۔" میں نے آخری فقرہ دو مرتبہ چٹکی بجا کر کہا۔
غزالہ بے بسی سے میری طرف دیکھتی رہ گئی۔
جان محمد کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ "میں نے وہاں تالا لگا دیا ہے میم صاب!... اور بھائی جی کو سمجھا بھی دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے، چلو!"

میں اس کے ساتھ مکان سے نکلی اور کار میں بیٹھ کر چل دی۔ کار کے ساتھ ساتھ جان محمد کی زبان نے بھی چلنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ان دونوں کی خوب ٹھکائی کرنے کے بعد انھیں پولیس کے حوالے بھی کر دیا جائے تاکہ کوئی کسر باقی نہ رہے۔ میں اس کی باتوں کے جواب میں بس "ہوں ہاں" کرتی رہی۔

جب ہماری کار شاہراہ پر پہنچی تو میں نے یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ ان دونوں کی فیاٹ بدستور ایک طرف کھڑی ہوئی تھی اور اس کے قریب کوئی دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔ غالباً اس دوران میں پولیس کی کوئی پٹرول کار ادھر سے نہیں گزری تھی ورنہ ایک خالی کار کو وہاں کھڑا دیکھ کر وہ لوگ ضرور رُکتے۔

"جان محمد!" میں بولی۔ "میرا خیال ہے کہ گاڑی کی تلاشی لینے کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ لوگ نہ جانے کیا سوچنے لگیں۔"

"تو پھر؟" جان محمد نے انجن بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس کار کو بھی تمہارے بھائی کے گھر لیے چلتے ہیں۔ وہاں یہ دیکھنے والا کوئی نہ ہوگا کہ ہم کسی کی کار کی تلاشی لے رہے ہیں۔"

"لیکن اسے چلائے گا کون...؟ ارے ہاں... آپ تو فوجی ہیں۔ آپ کو تو چلانا آتی ہوگی!"

میں مسکرا کر اس کی کار سے اتری اور پھر فیاٹ کی طرف بڑھی اس وقت جب میں فیاٹ کا دروازہ کھول رہی تھی ایک کار نے بریک لگائے اور فیاٹ کے قریب ہی رک گئی۔

"ہیلو مس بانو!" یہ آواز سنتے ہی میں نے سر گھما کر اس آواز کی طرف دیکھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر مجھے ادھیڑ عمر کرنل قدوس کی شکل نظر آئی وہ اس وقت اپنی مکمل وردی میں ملبوس تھا۔ اسے دیکھ کر میں ایک لمحے کے لئے تو سٹپٹا گئی لیکن پھر فوراً ہی میں نے سنبھالا لے لیا اور مسکراتی ہوئی اس کار کی طرف بڑھی "ہیلو کرنل!"

کرنل قدوس سے میرے رسمی تعلقات تھے اور اس سے ملاقات ہوئے غالباً سال بھر ہو چکا تھا۔ کراچی سے اس کی منتقلی ہو گئی تھی۔

"آپ یہاں کیسے؟" وہ کار سے اتر کر مجھ سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔

"گوجرانوالہ جا رہی ہوں۔"

"لیکن آپ کی گاڑی کا رخ تو لاہور کی طرف ہے۔"

"مجھے اس کی شکل نظر آ گئی تھی اس لئے مڑ کر آنا پڑا۔" میں نے جان محمد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ میرے ایک واقف کار کا ڈرائیور ہے۔ میں ان صاحب کو ایک پیغام پہنچانا چاہتی تھی اس لئے..."

"لاہور میں کبھی غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں۔"

"ضرور حاضر ہوں گی! اچھا اب اجازت دیجئے!" میں نے [illegible] کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

کرنل قدوس مجھ سے مصافحہ کر کے اپنی کار میں جا بیٹھا اور [illegible] حرکت میں آ گئی۔ اس مڈبھیڑ پر میں بہت خوش تھی۔ جان محمد [illegible] مجھے ایک فوجی افسر سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا لہٰذا اب میری طرف سے کلی اطمینان حاصل رہتا۔ اب کسی بھی اسٹیج پر [illegible] دل میں شکوک و شبہات جنم نہیں لے سکتے تھے۔

فیاٹ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر میں نے [illegible] پر نظر ڈالی جو اپنی جگہ پر موجود تھی۔ میں نے انجن اسٹارٹ کر کے [illegible] کو چلنے کا اشارہ کیا۔ اس نے فوراً ہی گاڑی موڑ لی۔

میں اس کے پیچھے چل پڑی۔

لاہور سے دور ہوئے مجھے ڈھائی تین گھنٹے گزر گئے تھے [illegible] نہیں کہہ سکتی کہ اس دوران میں فرخ پر کیا گزر گئی ہوگی۔ اب [illegible] اور حیدر بٹ میرے ہاتھ لگ گئے تھے تو اس بات کی [illegible] امید پیدا ہو گئی تھی کہ شاید میں ان سے فرخ کے بارے میں کچھ [illegible] کر سکوں۔ اگر وہ ہاتھ نہ لگتے تو مجھے لاہور پہنچ کر اندھیرے میں ٹوئیاں مارتی پڑتیں۔

میں فیاٹ ڈرائیو کرتی ہوئی جان محمد کی کار کے پیچھے اس کے بھائی کے گھر پہنچ گئی۔ جان محمد نے وہاں پہنچتے ہی [illegible] کی بوچھار کر دی۔ وہ اسی فوجی افسر کے بارے میں پوچھ رہا [illegible]

"وہ ایک اتفاقیہ ملاقات تھی جان محمد!" میں [illegible] کر کہا۔

"کیا وہ آپ سے بڑا افسر تھا؟"

"نہیں، بس برابر کا سمجھ لو!"

جب میں نے مکان کے دروازے کی طرف قدم [illegible] تو جان محمد چونک کر بولا "کار تلاش نہیں کیجئے گا؟"

"میں یہاں آتے ہوئے راستے میں کار کی تلاشی لے [illegible] ار اس میں بھی نہیں ہیں۔"

"پھر کہاں گئے؟" جان محمد نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ ان ہی دونوں سے معلوم کرنا پڑے گا۔"

"میں تو ان کی بوٹیاں اڑا دوں گا،" اگر انہوں [illegible]

"نہیں جان محمد! تم اس معاملے میں نہ بولو۔ میں [illegible] نمٹ لوں گی۔ اگر تم نے اس معاملے میں حصہ لیا اور بعد [illegible] بگڑ گیا تو تمہارے لئے پریشانی..." باقی جملہ [illegible] ساتھ، میرے بند ہونٹوں کے پیچھے مقفل ہو گیا کیونکہ میری [illegible] لڑکیوں پر پڑ گئی تھیں جو مکان کے دروازے پر کھڑی ہو[illegible]

"وہ میری بھتیجی صغرا ہے میم صاحب!" جان محمد نے جلدی [illegible]۔ "اور دوسری اس کی سہیلی زبیدہ ہے۔ وہ کبھی کبھی صغرا [illegible] ایک روز کے لئے یہاں آ جاتی ہے۔"

"لیکن اس وقت یہ دونوں کہاں تھیں؟" میں نے آہستہ [illegible]۔

"کھیتوں میں نکل گئی ہوں گی۔"

میں آہستہ آہستہ مکان کی طرف قدم بڑھانے لگی۔ جان محمد میرے [illegible] رہا تھا۔ دونوں لڑکیاں بھی ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان میں [illegible] تو بہت ہی معمولی شکل و صورت کی لڑکی تھی لیکن دوسری کی [illegible] جوانی نے مجھے جھرجھری سی لینے پر مجبور کر دیا۔ وہ سبز [illegible] والا سرخ لاچا باندھے ہوئے تھی اور سبز رنگ کی قمیض سے [illegible] گویا پھٹی پڑ رہی تھی۔

"یہ زبیدہ ہے۔" جان محمد نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے [illegible] "اور یہ میری بھتیجی صغرا ہے۔ اسے میرے بھائی نے ہی پالا ہے [illegible] کی ماں بچپن میں مر گئی تھی۔"

میں نے بڑے پیار سے ان دونوں کے گال تھپتھپائے لیکن [illegible] تھپتھپاتے ہوئے میرا انداز کچھ زیادہ والہانہ ہونا ہی چاہیے تھا۔

[illegible] مکان میں داخل ہونے کے بعد میں نے سرگوشی کرنے والے انداز [illegible] سے پوچھا۔ "کیا تمہارے بھائی نے دونوں لڑکیوں کو [illegible] لڑکوں کے بارے میں بتا دیا ہوگا؟"

"[illegible] میں ابھی پوچھ کر بتلائے دیتا ہوں۔"

"میں ان دونوں کے پاس جا رہی ہوں۔ اس بات کا خیال رکھنا [illegible] لڑکیاں اس کمرے کے دروازے پر نہ آئیں۔"

"اس کی تو آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

میں نے جان محمد سے اس کمرے کی چابی لے لی اور جب میں [illegible] ہاں پہنچی تو میں نے دیکھا کہ وہ دونوں ہوش میں آ چکے [illegible] کپڑا ٹھنسا ہونے کی وجہ سے کچھ بولنا ان کے لئے ممکن [illegible] انھوں نے بڑے غصے اور نفرت سے میری طرف دیکھا۔ میں [illegible] پہلے خان جاوید کے منہ میں سے کپڑا نکالا اور پھر [illegible] بھی اس قابل کر دیا کہ وہ بول سکے۔

"[illegible] مجھے بتاؤ گے کہ فرخ کہاں ہے؟" میں نے ان دونوں [illegible] ہوئے انگریزی میں کہا۔

"تم اس کی گرد بھی نہیں پا سکو گی۔" خان جاوید غرایا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے دماغ کی گرد جھڑوانا چاہتے ہو۔ کیا [illegible] ہاتھوں کی تباہ کاری بھول گئے؟... میرے ہاتھ بہت [illegible] ہیں لیکن جب بھی میں چاہتی ہوں، انھیں فولاد [illegible]"

"[illegible] اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔" حیدر بٹ نے اپنے ساتھی کو سہارا دیا۔

"لیکن اس کا نام جانتے ہو!" میں بڑے تلخ لہجے میں بولی۔

"ہمیں بس اتنا معلوم ہے کہ اُسے کراچی سے اغوا کر کے لاہور لایا گیا ہے۔ لاہور سے اسے کہاں لے جایا جائے گا یا لاہور میں کہاں رکھا جائے گا، اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔" خان جاوید نے کہا۔

"تمہارا چہرہ تمہارے جھوٹ کی چغلی کھا رہا ہے خان جاوید!... اگر تم دونوں نے حقیقت نہیں اُگلی تو میں چاقو سے تمہارے جسموں کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں الگ کرنا شروع کر دوں گی۔ میرا یہ عمل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم فرخ کے بارے میں نہیں بتاؤ گے۔ اگر تم لوگ واقعی فرخ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی غلط فہمی کی وجہ سے تمہارا تمام گوشت کاٹ ڈالوں گی اور اس کمرے میں صرف ہڈیوں کے دو ڈھانچے پڑے رہ جائیں گے۔"

"تم... تم... ایسا نہیں کر سکتیں۔" حیدر بٹ کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"مجھے کون روک سکتا ہے؟" میں نے سرد لہجے میں کہا اور پرس کھول کر اس میں سے قلم تراش چاقو نکال لیا۔ "یہ ہے تو بہت چھوٹا سا لیکن اتنا تیز ہے کہ بوٹیاں بڑی صفائی سے اتارے گا۔"

حیدر بٹ کی آنکھوں سے جھانکتا ہوا خوف کچھ اور گہرا ہو گیا لیکن خان جاوید کا چہرہ بالکل سپاٹ رہا۔ اسے اپنے اعصاب پر خاصا قابو حاصل تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ حیدر بٹ زیادہ بہتر شکار ثابت ہوگا۔

"یہ عمل شروع کرنے سے پہلے میں تمہارے منہ میں کپڑا ضرور ٹھونسوں گی تاکہ تم بکروں کی طرح نہ چلا سکو۔"

"نہیں!" وہ چیخ پڑا۔

دوسرے ہی لمحے میرے الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کے گال پر پڑا اور میں بڑے سفاک انداز میں غرائی "اگر تم نے ابھی سے شور مچانا شروع کیا تو میں یہ چاقو تمہاری گردن ہی میں اتار دوں گی۔"

حیدر بٹ کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔ وہ میری توقع سے زیادہ بودا ثابت ہو رہا تھا اور یہ بات میرے حق میں بہتر تھی۔ ویسے اگر وہ دونوں بہت پتھر قسم کے آدمی ہوتے تو بھی میں ان سے حقیقت اگلوا کر دم لیتی لیکن اب کام بہت ہی آسان نظر آنے لگا تھا جیسے ہی میں نے منہ میں ٹھونسنے کے لیے کپڑا اٹھایا، حیدر بٹ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں... میں... میں جو کچھ جانتا ہوں، وہ بتا دوں گا۔"

"حیدر!" خان جاوید کے لہجے میں تنبیہ تھی۔

دوسرے ہی لمحے، میں نے اس کے ہونٹوں پر الٹا ہاتھ رسید کیا اور اس کے دانت، ہونٹوں میں گڑ گئے۔ خون کی ایک لکیر اس کی بانچھ سے بہہ نکلی۔

"اب اگر تم نے..." خان جاوید نے جلدی سے کچھ کہنا چاہا تھا

لیکن میں نے تڑاخ سے ایک ہاتھ اور رسید کر دیا۔

”تم نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو ہونٹوں کا قیمہ بنا دوں گی۔“ میں اسے گھورتی ہوئی بولی۔

خان جاوید کی باچھ سے بہتے ہوئے خون میں تیزی آگئی اور وہ مجھے ایسی نظروں سے گھورنے لگا جن میں نفرت اور غصے کی چنگاریاں اُڑ رہی تھیں۔

”ہاں۔“ میں پھر حیدر بٹ کی طرف متوجہ ہوئی۔ ”تم عقلمند آدمی معلوم ہوتے ہو۔ زبان تو تم دونوں ہی کو ہر قیمت پر کھولنی پڑتی لیکن عقلمند وہی ہے جو ہوا کا رُخ پہچان کر متوقع اذیت سے بچ جائے۔“

حیدر بٹ نے اپنے خشک ہونٹوں کو زبان سے تر کیا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”لاہور میں ایک علاقہ ہے، کرشن نگر۔ . .“

”میں لاہور کے چپے چپے سے واقف ہوں لہٰذا تم اصل بات کی طرف آجاؤ۔“

”فرخ کو رکھنے کے لیے کرشن نگر ہی کے ایک مکان کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اگر ابھی اسے لاہور سے کہیں اور منتقل نہیں کیا گیا تو وہ وہیں ہوگی۔“

”کیا اسے کہیں اور منتقل کیا جانا ہے؟“

”ہاں۔“

”کہاں؟“

”یہ مجھے نہیں معلوم۔“

میں نے اسے گھور کر دیکھا اور چاقو کی دھار پر انگلی پھیرنے لگی۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں۔“ وہ گڑگڑانے والے انداز میں بولا۔ ”یہ بات ہم لوگوں سے پوشیدہ رکھی گئی تھی کہ اس لڑکی کو لاہور سے کہاں لیجایا جائے گا۔“

”کرشن نگر کے اس مکان کا پتہ بتاؤ!“ میں سپاٹ لہجے میں بولی۔

حیدر بٹ نے پتہ بتایا جو میں نے اپنے پاس لکھ لیا۔

”اب میں لاہور جا رہی ہوں۔“ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”واپس آکر تم دونوں کو چھوڑ دوں گی ۔۔۔ لیکن اگر فرخ وہاں نہ ہوئی تو پھر تمھاری خیریت نہیں۔“

”مگر۔“ وہ گھبرا کر بولا۔ ”میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ فرخ کو کہیں اور منتقل کرنے کا پروگرام تھا۔“

”اگر فرخ وہاں نہ ملی تو بھی میں یہ ضرور معلوم کر لوں گی کہ اسے اس مکان میں لایا گیا تھا یا نہیں۔“

میرے اس جواب سے حیدر بٹ کچھ مطمئن نظر آنے لگا اور اسی بات سے مجھے یقین آیا کہ اس کا بیان غلط نہیں تھا۔

”لیکن جانے سے پہلے میں تمھارے منہ میں کپڑا ضرور ٹھونسوں گی۔“ میں نے کہا اور وہ کپڑا دوبارہ اٹھا لیا۔

جب میں اس کمرے سے نکلی تو میں نے دیکھا کہ جان محمد دروازے پر مستعد کھڑا تھا، جیسے پہرہ دے رہا ہو۔ اس نے یقیناً ہماری آوازیں سنی ہوں گی مگر وہ گفتگو انگریزی میں ہوئی تھی اس لیے وہ کچھ سمجھ نہ سکا ہوگا۔

”گڑبڑ ہو گئی جان محمد!“ میں نے دروازہ مقفل کر کے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

”وہ کیا میم صاب!“ جان محمد نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

”ان لوگوں کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ وہ پکڑے جا سکتے ہیں! انھوں نے دونوں بار اپنے ایک ساتھی کو وہ دے دیے تھے جو ان کی نیابت زیادہ تیز رفتاری سے لاہور چلا گیا تھا! اس کی کار آگے نکل گئی تھی۔“

”اوہ! تو اسی کا پتہ معلوم کیا ہے آپ نے!“ جان محمد نے ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اور شاید اس آدمی کا نام فرخ ہے۔“

جان محمد کے ان جملوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس باتیں سنی تھیں لیکن سمجھا وہ صرف دو ہی باتیں!۔ . . ایک تو کرشن نگر دوسرا فرخ کا نام!

”جان محمد! میں اب لاہور جا رہی ہوں۔“ میں نے اس

”میری واپسی تک وہ دونوں خبیث یہیں قید رہیں گے بس یہی بڑا اور ان کی لڑکی کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں ۔۔۔ انھیں لاہور پہنچا فرخ سے معاملہ نپٹا کر میں رات تک واپس آجاؤں گی۔ میرا سامان بھی گا اس کی حفاظت کرنا۔ روپیہ وغیرہ بھی ہے اس سامان میں سے ایک ہزار روپیہ تمھاری خدمات کا معاوضہ ہے جو میں تم کو دے جاؤں گی۔“

”ایسی باتیں نہ کیجیے میم صاب! مجھ پر ایک روپیہ بھی حرام آپ کی خدمت کر کے یہ سوچ رہا ہوں کہ میں نے پاکستانی فوج کی کی ہے۔ اس خدمت کے بدلے میں روپیہ تو میں ہرگز نہ لوں گا نے بڑے خلوص سے کہا۔

مجھے اس بات پر افسوس ہونے لگا کہ میں ایک سادہ لو برابر بے وقوف بنائے چلی جا رہی تھی۔

ممکن ہے کہ اب جبکہ میری یہ سرگزشت شائع ہو رہی جان محمد کی نظروں سے بھی گزرے اسے ضرور اس بات پر افسوس اسے بے وقوف بناتی رہی تھی۔ میں ان سطور کے ذریعے اس سے خواستگار ہوں۔ میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہ تھا جان محمد

جب میں لاہور کی طرف روانہ ہوئی تو غزالہ اور اس کا میرے ساتھ تھے۔ گاڑی، جان محمد کی تھی جو اس نے کسی چوں میرے حوالے کر دی تھی۔ وہ مجھ پر اتنا ہی اعتماد کرنے لگا تھا جتنا پر کر سکتا تھا۔

”غزالہ!“ میں بڑی سنجیدگی سے بولی۔ ”اب وہ میں حقیقتِ حال، آشکارا کر دوں۔ تمھیں یہ وعدہ کرنا پڑے افشا نہیں کرو گی۔ ویسے بھی اگر تم نے ایسی کوئی حماقت کی تو اس نقصان پہنچے گا۔“

غزالہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی لیکن میری نظریں سا جمی رہیں۔ گاڑی تیز رفتاری سے فاصلہ طے کر رہی تھی۔ میں

”میرا تعلق پاکستانی سی آئی اے سے ہے۔“

غزالہ اس طرح اچھلی جیسے کسی نے سوئی چبھو دی ہو۔

میں اس کی طرف دیکھے بغیر کہتی رہی۔ ”مجھے ایک اہم شخصیت کی نگرانی پر مامور کیا گیا تھا اور وہ شخصیت بھی اسی ٹرین میں سفر کر رہی تھی۔ اس شخصیت کو لاہور میں اُترنا تھا۔ کچھ لوگ اس شخصیت کو اغوا کرنے کی فکر میں تھے۔ کسی طرح ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ میں اس کی حفاظت کے لیے اس کی طرح پیچھے لگی ہوئی ہوں لہٰذا انھوں نے ایک ایسا چکر چلایا کہ میں لاہور میں اُتر ہی نہ سکوں۔ اب ان کے وہ دونوں گرگے میرے ہاتھ لگ گئے اور لاہور پہنچ کر مجھے اپنے ہیڈ کوارٹر کو اس صورتِ حال سے آگاہ کرنا ہے۔ پھر وہاں سے جو ہدایات ملیں گی، میں ان پر عمل کروں گی۔“

”اور . . . اور وہ . . . شخص . . . شخصیت؟“ غزالہ ہکلائی۔

”ان دونوں پر تشدد کر کے مجھے کچھ باتیں معلوم تو ہو گئی ہیں لیکن وہ سب کچھ تمھیں نہیں بتا سکتی۔ جو کچھ بتا دیا ہے، وہ بھی بہت زیادہ ہے۔ اتنا بھی نہیں بتانا چاہیے تھا لیکن مجبوراً بتا دیا ہے۔ اگر نہ بتاتی تو خدشہ تھا کہ تم ان معاملات کے بارے میں شور مچا دو اور صورتِ حال بگڑ جائے۔ اس سے خود تمھاری ذات کو بھی نقصان پہنچ جاتا۔“ میں ایک لمحے کو خاموش ہوئی، پھر غزالہ کے باپ سے مخاطب ہو کر بولی۔ ”محترم بزرگ . . . آپ ایک تجربہ کار انسان کی حیثیت سے اس معاملے کی نزاکت سمجھ رہے ہوں گے اس لیے اس بات کا خیال رکھیں گے کہ غزالہ کے منہ سے کوئی نامناسب بات نہ نکلنے پائے۔“

”میں خیال رکھوں گا۔“ بوڑھے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”شکریہ۔“

غزالہ کی زبان بند رکھنے کے لیے، میں یہ لمبا چوڑا جھوٹ بولنے پر مجبور تھی ورنہ غزالہ ان واقعات کے بارے میں شور مچا دیتی۔ عین ممکن تھا کہ یہ بات پولیس کے کانوں تک بھی پہنچ جاتی اور وہ لوگ جان محمد کے بھائی کے گھر پر دھاوا بول دیتے۔ اس طرح اُن دونوں آدمیوں کا میرے ہاتھ سے نکل جانا یقینی تھا جبکہ میں فرخ کی بازیابی تک، انھیں ہر قیمت پر اپنے قبضے میں رکھنا چاہتی تھی۔

جب گاڑی لاہور میں داخل ہو گئی تو میں نے رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔ ”یہاں سے تم لوگ ٹیکسی کر لو۔ مجھے دوسری طرف جانا ہے۔“

”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

میں نے ایک کھڑی ہوئی ٹیکسی کے آگے گاڑی روک دی اور وہ لوگ اُتر پڑے۔ ٹیکسی ڈرائیور کو میں نے غزالہ کے بھائی کے گھر کا پتہ سمجھا دیا۔ میں نے ان دونوں کا سامان، اپنی گاڑی سے ٹیکسی میں رکھوایا۔ غزالہ نے اپنے باپ کو سہارا دے کر ٹیکسی میں بٹھایا اور پھر اس کی جانب مڑی جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو لیکن کہہ نہ سکی۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

”غزالہ!“ میں نے اس کا گال تھپکتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔ ”میں بہت جلد تم سے پھر ملوں گی۔ تو ایسی چیز تو نہیں ہے کہ آسانی سے بھلائی جا سکے۔“

”خدا حافظ۔“ وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی اور پھر میرا جواب سنے بغیر جھپاک سے ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ شاید وہ اپنے بہہ نکلنے والے آنسوؤں کو میری نظروں میں نہیں لانا چاہتی تھی۔

”جاؤ بھئی!“ میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

ٹیکسی کا انجن اسٹارٹ کیا جا چکا تھا۔ وہ فوراً ہی حرکت میں آگئی۔ غزالہ نے اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لیے تھے۔ اس نے پُرنم آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔ میں نے بھی ہاتھ ہلا دیا اور ٹیکسی آگے نکل گئی۔ میں کھڑی ہوئی اسے دیکھتی رہی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سر جھٹک کر کار کی طرف بڑھی۔

اب مجھے جلد از جلد کرشن نگر پہنچنا تھا۔ میں نے باقی تمام باتوں کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا اور صرف دو ہستیوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ فرخ اور رضوان کے بارے میں!۔ . . ان دونوں پر کیا گزری تھی؟ مجھے اس کا قطعی علم نہیں تھا۔ میں وہ سب کچھ جاننے کے لیے بے چین تھی لیکن رضوان ساجد کے بارے میں پتہ لگانے کا کوئی ذریعہ فی الحال میرے سامنے نہیں تھا۔ صرف فرخ کے بارے میں ایک سراغ ملا تھا اور میں اسی نشان پر آگے بڑھ سکتی تھی۔

میں تیز رفتاری سے فاصلہ طے کر کے کرشن نگر پہنچ گئی لیکن اس مکان تک پہنچنے کے لیے ضروری تھا کہ میں کسی ایسے شخص سے پوچھ گچھ کروں جو وہیں رہتا ہو۔

مگر اچانک ہی میرے ذہن میں یہ نکتہ آگیا کہ میں نادانستگی میں کسی ایسے آدمی سے پوچھ گچھ نہ کر بیٹھوں جو انہی لوگوں سے تعلق رکھتا ہو۔ بہتر ہوگا کہ خود ہی اس مکان کو ڈھونڈا جائے۔ یہ سوچ کر میں نے گاڑی کی رفتار کچھ کم کر دی اور دائیں بائیں کی گلیوں پر ان کے نام تلاش کرنے لگی۔

کرشن نگر بہت بڑا علاقہ ہے۔ کسی سے پوچھ گچھ کیے بغیر کسی مکان کی تلاش آسان بات نہیں ہے لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری۔ کوئی ایک گھنٹے تک میں اِدھر اُدھر چکراتی رہی اور پھر اچانک میری نظریں رضوان ساجد پر پڑیں۔ وہ کھڑی ہوئی ایک آٹو رکشہ کی طرف لپک رہا تھا۔ میں نے جلدی سے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ رضوان کو یوں سامنے پا کر میرے ذہن کو ایک مسرت آمیز جھٹکا لگا تھا۔ یہ مسرت ایسی ہی تھی جیسے حادثے کی اطلاع ملنے کے کچھ دیر بعد یہ معلوم ہو کہ ہمارا عزیز اس حادثے میں ہلاک نہیں ہوا ۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس کے زندہ ملنے کی توقع بہت ہی کم تھی۔ جیسے ہی وہ رکشہ میں بیٹھا، میری گاڑی اس کے قریب پہنچ گئی۔ میں نے بریک لگاتے ہوئے آواز دی۔

”رضوان!“

رضوان ساجد نے چونک کر گاڑی کی طرف نظریں اٹھائیں اور پھر مجھے

دیکھ کر اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ رکشہ ڈرائیور میٹر ڈاؤن کر چکا تھا لیکن رضوان نے اس کی پرواہ کیے بغیر رکشہ سے جست لگا دی۔ پلک جھپکتے میں وہ مجھ کا دروازہ کھول چکا تھا۔ جلدی سے اندر بیٹھ کر اس نے دھڑاک سے دروازہ بند کیا اور بولا۔

"تیزی سے سیدھی نکلی چلی چلو۔ تم نے ادھر سے ایک نیلی کار کو گزرتے دیکھا ہو گا، ہمیں اسے پکڑنا ہے۔"

میں نے گاڑی کو حرکت میں لا کر رفتار میں بڑی تیزی سے اضافہ کیا۔

رضوان نے مجھ سے میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا اور اس سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ وہ اس وقت کسی بہت ہی الجھی ہوئی صورت حال سے دوچار ہے۔ اسے کسی نیلی کار کی تلاش تھی اور وہ تلاش اتنی اہم تھی کہ اس نے میرے بارے میں تمام سوالات کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

"وہ کار ابھی اسی گلی سے نکلی تھی جس سے میں نکلا تھا۔" رضوان نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"میں یہ نہیں دیکھ سکی کہ تم کس گلی سے نکلے تھے لیکن یہ تو بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے۔ وہ نیلی کار۔ ۔ ۔"

"اس میں فرخ کو لے جایا جا رہا ہے۔" رضوان نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اس جملے نے میرے جسم میں سنسناہٹ پھیلا دی اور ایکسیلریٹر پر میرے پاؤں کا دباؤ اور بڑھ گیا۔

"وہ اسے کہاں لیجا رہے ہیں؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"یہ مجھے نہیں معلوم۔" رضوان بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

میں نے گاڑی کو بہت زیادہ تیزی سے دوڑایا تھا لیکن وہ نیلی کار دکھائی نہیں دی۔ ظاہر ہے کہ اس کا اس سڑک پر سیدھا چلنا ضروری نہیں تھا۔ وہ کسی طرف بھی مڑ سکتی تھی۔

"بیکار ہے۔" رضوان نے بڑے مایوس لہجے میں کہا۔ "اس کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی کہ اتنی جلدی غائب ہو جاتی۔"

"وہ کسی طرف مڑ گئی ہو گی۔"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

ادھر میں بھی متفکر ہو گئی تھی کیونکہ رضوان اس نیلی کار کے ساتھ فرخ کا حوالہ دے چکا تھا۔ گویا فرخ میری دسترس میں آتے آتے ایک بار پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

مزید کچھ پیٹرول پھونکنے کے بعد میں نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔

"اب صبح چار بجے تک انتظار کرنا پڑے گا۔" رضوان بڑبڑایا۔

"کیا مطلب!"

"کہیں اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔"

"تو کسی ہوٹل میں چلتے ہیں مجھے دوپہر کا کھانا اب تک نصیب نہیں ہوا ہے۔"

"یہاں تو عالم یہ ہے کہ رات سے اب تک ایک کھیل بھی … میں نہیں گئی۔"

"آخر تم غائب کہاں ہو گئے تھے؟ میں تو یہ سوچنے لگی تھی کہ … لوگوں نے تمہاری گردن ریت ڈالی۔"

"وہ یقیناً ایسا کرتے، اگر میں ہوشیار نہ ہو گیا ہوتا۔"

"وہ کیسے؟"

"میں فرخ کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس … ہی ان لوگوں کی نظریں بھی مجھ پر پڑ گئی تھیں۔ فرخ بے قبضے میں تھی اور اس پر … کا عالم طاری تھا۔ غالباً وہ لوگ اسے کوئی نشہ آور دوا مسلسل انجکٹ کر … ہیں۔ اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں تھا اور تین آدمی اس کے ساتھ …"

میں نے لارڈز کے سامنے گاڑی روک دی اور رضوان کا … دیر کیلئے منقطع ہو گیا۔ ہوٹل میں داخل ہو کر ہم نے ایک ایسی میز منتخب کی … آس پاس کوئی اور نہیں تھا۔ بیرے کو کھانے کا آرڈر دینے کے بعد … سے بولی۔

"اچھا تو پھر؟"

"وہ صورت حال ایسی تھی کہ وہ لوگ مجھے ختم کر دینے کے … ہی نہیں سکتے تھے۔ انھیں ہر قیمت پر فرخ کو لاہور پہنچانا تھا۔ میں … طور پر فیصلہ کیا کہ مجھے فوراً روپوش ہو جانا چاہیے۔ ٹرین میں روپوش … نہیں تھا لیکن میں نے اسکی تدبیر سوچ لی۔ میں چادر لے کر تھرڈ کلاس … ڈبے میں گھس گیا۔ جن لوگوں کو سیٹیں نہیں ملی تھیں وہ ڈبے کے فرش … سو گئے تھے۔ میں بھی انہی میں شامل ہو گیا اور چادر اوڑھ لی۔ لاہور تک کا … نے اسی طرح لیٹے ہوئے گزار دیا! اور ہاں، ایسا کرنے سے پہلے میں ایک … کام نہیں بھولا تھا۔ میں نے ایک اسٹیشن سے اپنے ایک دوست کو … تھا۔ زبیری یہاں لاہور میں میرے اخبار کا نمائندہ ہے۔ ہم لوگ … کے سلسلے میں ایک دوسرے کو جو ٹیلیگرام بھیجتے ہیں وہ کوڈ ورڈز میں … ہیں۔ میں نے جو یہ ٹیلیگرام دیا، اس میں بھی کوڈ ورڈز ہی استعمال کیے … میں نے ان تینوں کے علاوہ فرخ کا حلیہ بھی ٹیلیگرام میں لکھ دیا تھا اور … سے درخواست کی تھی کہ وہ اسٹیشن پر آ کر گاڑی کا انتظار کرے اور ان … کے چاروں افراد کی خفیہ نگرانی کرے۔"

ویٹر پانی رکھنے کے لیے آیا تو رضوان کو ایک بار پھر خاموش ہونا …

"کھانا ذرا جلدی لانا ویٹر!" میں نے کہا۔

"بس پانچ منٹ لگیں گے میڈم!" ویٹر نے مودبانہ جوا…

اس کے جانے کے بعد رضوان نے پھر بولنا شروع کیا۔ "لاہور کے اسٹیشن پر ٹرین رکی تو بھی میں فوری طور پر ڈبے سے نہیں نکلا۔ میں … کوئی دس منٹ گزار دیے تھے۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ زبیری ان کے … لگ جائے گا۔ وہ بہت چالاک ہے اور حقانی نظر میں رکھتا ہے۔ … تمھاری فکر تھی کہ میری گمشدگی سے پریشان ہو گئی ہو گی لیکن میرے … اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔"

… کر چادر اوڑھ کر پڑ جاؤ۔" میں بیساختہ مسکرا دی۔

رضوان کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اس نے میری بات پر دھیان … چند لمحے بعد بولا۔ "جب میں اسٹیشن پر اترا تو مجھے وہ لوگ دکھائی … نظر آئیں۔ زبیری بھی نہیں تھا۔ اس کی عدم موجودگی نے مجھے … دیا کہ وہ ان لوگوں کے پیچھے لگ گیا ہو گا ورنہ وہ وہیں ہوتا۔ … میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ اسٹیشن سے میں سیدھا … کے گھر پہنچا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ کوئی آدھے گھنٹے بعد … اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ وہ ان لوگوں کے پیچھے لگ … اس نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ کرشن نگر کے ایک مکان میں گئے ہیں۔"

"کیا یہی پتہ ہے اس مکان کا؟" میں نے اپنے پرس سے کاغذ … کے سامنے رکھ دیا۔

"ہاں۔" رضوان نے اثبات میں سر ہلایا۔ "کیا تم بھی اسٹیشن سے … کے پیچھے لگ گئی تھیں؟"

"میں تو ابھی ابھی گوجرانوالہ سے لاہور آئی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" رضوان حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔

… میں نے بھی اپنی بپتا سنا ڈالی۔ رضوان نے میری کہانی کو بڑی … دلچسپی سے سنا۔ جب میں خاموش ہو گئی تو اس نے پرخیال انداز … اور کہا۔ "یہ لوگ بہت تیز طرار ہیں۔"

"اگر نہ ہوتے تو فرخ کو اغوا کیسے کرتے؟ ... خیر چھوڑو اس … پہلے تم اپنی کہانی مکمل کرو۔"

"شاید تمھیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ وہ مکان ایک بی۔ڈی ممبر کا …"

"مجھے بالکل حیرت نہیں ہوئی کیونکہ یہ سارا معاملہ کیپٹن آفاق سے … ہے۔ بیشتر بی۔ ڈی ممبر اس کے اشاروں پر ناچتے ہوں گے۔"

"ہوں۔" رضوان نے سر ہلایا پھر کہا۔ "میں نے اس مکان کی نگرانی … تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہاں ایک کار آ کر رکی تو میں دروازے … چلا گیا اور کان لگا کر اندر ہونے والی گفتگو سننے کی کوشش کرنے … تک مجھے ایک لفظ بھی سنائی نہیں دیا مگر دو تین منٹ بعد … آہٹیں سنائی دیں۔ ان سے اندازہ ہوا کہ کچھ لوگ مکان سے … دروازے کی طرف آ رہے ہیں۔ میں نے ایک بھاری بھرکم … غالباً وہ بی۔ ڈی ممبر ہی ہو گا۔ اس نے کسی سے کہا تھا … اس لڑکی کو مکان میں واپس بھی لانا ہے۔ اگر میں اس سے … کی کوشش کرتا تو پکڑا جاتا اس لیے جلدی سے … جا کر ایک ڈسٹ بن کی آڑ میں اس طرح بیٹھ گیا جیسے …. … وہاں سے میں بہ آسانی دروازے پر نظر رکھ سکتا تھا۔ … ان کو دیکھا جو فرخ کو سہارا دیے ہوئے باہر لا رہے تھے۔ وہ … تھی اور کسی نشہ آور دوا کے زیر اثر تھی۔ وہ دونوں اسے … وہاں سے روانہ ہو گئے۔ میں فوراً گلی سے نکلا کہ کوئی ٹیکسی پکڑ کر ان کا تعاقب کروں لیکن ٹیکسی کی بجائے ایک رکشہ نظر آیا تھا۔ پھر قسمت مہربان ہوئی اور تم وہاں پہنچ گئیں لیکن قسمت کی یہ مہربانی کسی کام نہ آ سکی۔"

"اسی لیے تم نے کہا تھا کہ اب صبح چار بجے تک انتظار کرنا پڑے گا۔" میں سوچتی ہوئی بولی۔

"ہاں، بی۔ ڈی ممبر نے ان لوگوں کو یہی ہدایت کی تھی کہ صبح چار بجے تک لڑکی کو واپس لانا ہے۔" رضوان نے جواب دیا۔

ویٹر کھانا لے کر آیا تو ایک بار پھر ہماری گفتگو کچھ دیر کے لیے رک گئی۔ جب ویٹر چلا گیا تو میں نے سالن کی ایک ڈش اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آخر فرخ کو صبح چار بجے تک کے لیے کہاں بھیجا گیا ہے؟"

"ملاقات ہو گئی تو میں ان لوگوں سے یہ سوال ضرور کروں گا۔" رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

میں نے اس کے طنز پر دھیان نہیں دیا اور سر جھکا کر خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔ میرا دماغ فرخ ہی میں الجھا ہوا تھا۔

"اگر پولیس کو اس معاملے سے آگاہ کیا جائے تو؟" کچھ دیر بعد رضوان بولا۔ "کیا خیال ہے؟"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ جب ایک بی۔ ڈی ممبر کی شخصیت مقابل نظر آ رہی ہے تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنی قوت بازو پر بھروسہ کیا جائے۔"

"کیا اندھیر نگری ہے!" رضوان نے ٹھنڈی سانس لی۔

"میں اس نکتے پر غور کر رہی ہوں کہ فرخ کو لاہور کیوں لایا گیا ہے۔ اگر عرب شیخ کا سیکریٹری، فرخ کو چاہتا ہے تو اسے لاہور لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ نکتہ واقعی قابل غور ہے۔"

"اور اسی لیے۔" میں نے رک کر کہا۔ "ابھی ابھی میرے ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ عرب شیخ کے سیکریٹری کو خوامخواہ فریم میں لایا گیا ہے۔ معاملات وہ نہیں معلوم ہوتے جو ظاہر کیے گئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"شاید عرب شیخ کے سیکریٹری کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہ ہو۔"

رضوان چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر سر ہلا کر بولا۔ "یہ ممکن تو ہے۔"

"خیر، جو کچھ ہو گا، سامنے آ جائے گا۔ فی الحال ہمیں صرف اس بات پر زور دینا ہے کہ فرخ کو ان لوگوں سے چھڑا کر کراچی واپس لیجایا جائے۔"

"صبح چار بجے سے پہلے تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور پھر کہا۔ "مجھے اب واپس جانا ہے۔ میں جان محمد سے کہہ کر آئی تھی کہ رات سے پہلے پہلے لوٹ آؤں گی۔ وہاں پر میری موجودگی اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہاں خان جاوید اور حیدر بٹ موجود ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں کوئی گڑبڑ ہو جائے۔"

"ان دونوں کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے جا…

"ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکی ہوں۔ تم مجھے اپنے دوست زبیری کا گھر دکھا دو۔ میں صبح چار بجے سے پہلے تم سے آملوں گی۔" میں نے ویٹر کو اشارے سے بُلایا اور اس سے بل لانے کے لیے کہا۔

جب تک بل آیا، ہم کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ بل کی ادائیگی کر کے ہم فوراً اٹھ گئے اور رضوان نے مجھ سے کہا کہ میں کار کو جو برجی کی طرف لے چلوں۔ اس کے دوست زبیری کا گھر وہیں تھا۔

وہ گھر دیکھ کر اور رضوان کو وہاں چھوڑ کر میں ہائی وے کی طرف روانہ ہو گئی۔ میں برابر فرخ ہی کے بارے میں سوچتی چلی جا رہی تھی۔ اس کی صبح چار بجے تک کی مُہلت نے مجھے تشویش میں مبتلا کر رکھا تھا۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ اسے کسی درندہ صفت مرد کا پہلو گرمانے کیلئے تو نہیں بھیجا گیا؟... اگر اس کی دوشیزگی یوں چھین لی جاتی تو مجھے زندگی بھر اس کا قلق رہتا۔ ویسے تو میری زندگی میں ان گنت لڑکیاں آئیں اور چلی گئیں لیکن کسی نے بھی مجھے فرخ کی طرح متاثر نہیں کیا تھا۔ اس کی معصومیت میرے دل میں اس طرح مہکی تھی کہ باقی خوشبوئیں مدھم پڑ کر دم توڑ چکی تھیں۔ فرخ کے بعد میں نے غزالہ کی شوخ و چنچل جوانی کے پھول بھی چُنے تھے لیکن فرخ کی پھلواری کا حظ کچھ اور ہی تھا۔

غزالہ کا خیال ذہن میں آیا تو میں سوچنے لگی کہ اس وقت وہ کیا کر رہی ہو گی۔ اس نے اپنے بھائی اور بھاوج کو تاخیر سے لاہور پہنچنے کے بارے میں کیا بتایا ہو گا؟ کیا وہ کوئی ڈھنگ کا جھوٹ بول سکی ہو گی؟... اس کا امکان کم ہی تھا لیکن میں اس کے نابینا باپ کی وجہ سے مطمئن تھی۔ اس نے ضرور کوئی معقول کہانی گڑھ لی ہو گی۔ وہ ایک تجربہ کار بوڑھا تھا۔ اس عمر تک جینے کے آداب آجاتے ہیں۔ زندگی گزارنے کا ایک سلیقہ آجاتا ہے۔

جب میں جان محمد کے گھر پہنچی تو رات کی تاریکی کھیتوں میں قدم رکھ رہی تھی۔ جان محمد بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ چھوٹتے ہی بولا۔

"آپ نے تو بڑی دیر کر دی میم صاب!"

"ہاں جان محمد!" میں نے تھکے تھکے سے انداز میں کہا۔ "ان دونوں کمینوں نے اپنے جس دوست کا پتہ بتایا تھا، اسے ڈھونڈنے میں بڑا وقت لگا اور پھر معلوم ہوا کہ وہاں اس نام کا کوئی آدمی نہیں رہتا۔"

"او! تو ان دونوں نے دھوکہ دیا؟" جان محمد غصیلی آواز میں بولا۔

"ہاں جان محمد! اب میں بہت تھک گئی ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آج کی رات یہیں گزار لوں؟... مجھے اب اس امکان پر غور کرنا ہی پڑے گا کہ ان دونوں کو پولیس کے حوالے کر دوں۔"

"یہ تو آپ کو پہلے ہی کرنا چاہیے تھا میم صاب!"

"جان محمد! میں سونا چاہتی ہوں۔ بہت تھک گئی ہوں۔"

"چونکہ آپ نے واپس آنے کے لئے کہا تھا اس لئے آپ کا بستر تیار کر دیا گیا ہے۔ گرما گرم کھانا بھی تیار ہے البتہ مجھے اب اجازت دیجئے میم صاب!... مجھے واپس گوجرانوالہ جانا ہے۔ یہ کار میری نہیں ہے میم صاب!... اگر یہ وقت پر اپنے مالک کے پاس نہ پہنچ گئی تو وہ پریشان ہو کر پولیس میں رپورٹ کروا دے گا۔"

"اگر ایسی بات ہے تو تم ضرور جاؤ لیکن واپس تو آؤ گے نا؟"

"مجھے گوجرانوالہ میں دو ایک کام ہیں۔ وہ کر کے آجاؤں گا"

"ٹھیک ہے۔"

جان محمد مجھے مکان کے اس کمرے میں لے گیا جہاں میرے لیے بستر لگایا گیا تھا۔ پھر اس نے اپنی بھتیجی صغرا کو آواز دے کر بلایا۔ اس کے ساتھ ساتھ زبیدہ بھی چلی آئی۔ وہی زبیدہ جس کو میں نے مرتبہ مکان کے دروازے پر کھڑے دیکھا تھا تو اس کی جوانی کے شعلے لپک اپنے دل تک محسوس کی تھی۔

جان محمد، صغرا کو ہدایت کرنے لگا کہ وہ ہر طرح میرا خیال رکھے۔ پھر جب وہ جانے لگا تو میں نے اس سے پوچھا کہ وہ واپس کیسے جائے گا، گاڑی تو اس کے پاس ہو گی نہیں!

"میں بس سے آؤں گا میم صاب!" اس نے جواب دیا۔

"اور سڑک سے یہاں تک؟"

"پیدل۔" جان محمد نے ہنس کر کہا۔ "ہم لوگ شہری نہیں میم صاب! میلوں تک پیدل چلیں گے تو اس طرح جیسے آپ باغوں میں گھومتے ہیں۔"

صغرا اپنے چچا کے اس جواب پر ہنسنے لگی لیکن زبیدہ صرف دی۔ اس کے انداز میں ایک رکھا رکھاؤ سا تھا۔ وہ کوئی دیہاتی نہیں معلوم ہوتی تھی۔

جان محمد کے جانے کے بعد صغرا نے مجھ سے کھانے کیلیے

"نہیں صغرا!" میں نے جواب دیا۔ "ابھی بھوک نہیں ہے جب بھوک لگے گی تو تمھیں پکار لوں گی۔"

"تو پھر ہم جائیں بی بی صاب!"

صغرا کے منہ سے یہ "بی بی صاب" بہت اچھا لگا اور میں

"جاؤ!"

وہ دونوں دروازے کی طرف مڑ گئیں۔ میری نظریں زبیدہ کمر کے ہلال پر پھسلنے لگیں۔ اس کے کولہے بڑے متناسب تھے۔ میرے دل میں گدگدی سی کر کے چلی گئی۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر خود کو بستر پر گرا دیا۔ میں واقعی بہت تھک گئی تھی مگر سونے کا کرنا حماقت ہی ہوتی۔ مجھے چار بجے سے پہلے لاہور پہنچنا تھا۔ اگر تو یہ محال ہی تھا کہ بر وقت آنکھ کھل جائے۔

میرا بستر اس کمرے میں لگا ہوا تھا جس سے متصل کمرے

بدرہٹ قید تھے۔ اس کمرے کا دروازہ بھی اسی کمرے کی نظریں اس کے قفل پر پڑیں تو میں ان دونوں کے بارے ا۔ وہ دونوں اس کمرے میں اس طرح بندھے پڑے تھے کہ حرکت کرنا بھی محال تھا۔ منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا ہونے کی وجہ بھی نہیں سکتے تھے۔ یقیناً وہ اس طرح پڑے پڑے ادھ موئے ہوں گے لیکن مجھے اس کی پرواہ کیوں ہوتی؟ مجھے ان سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ اگر وہ مر بھی جاتے تو مجھے کوئی افسوس

میں چراغ جل رہا تھا اور اس کی کانپتی ہوئی لَو، دیواروں سامنے بنا رہی تھی۔ میری نظریں اس کانپتی ہوئی لو پر فرخ کے بارے میں سوچنے لگی جس کو میں ہر قیمت پر نجات دلانا چاہتی تھی۔

آفاق سے ٹکر لینا کوئی ہنسی کھیل نہیں تھا لیکن کیپٹن آفاق کو معلوم تھی کہ وہ کس سے ٹکر لے رہا ہے۔ ابھی اس نے یہ نہیں لگایا تھا کہ یقین ہے کہ میرے معاملے میں وزارت داخلہ کے دخل انداز ہونے سے وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے گا کہ میرا تعلق پاکستانی انٹیلی جنس یا اسی قسم کے کسی میں اس کی یہ غلط فہمی رفع بھی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن بہرحال اپنی شخصیت کو اس پر آشکارا نہیں ہونے دیتی۔ اسی ذہن آفاق کی الجھنوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا۔ ابھی تک تو ابھی ذہن اور اپنی ذاتی طاقت استعمال کی تھی لیکن جب میں الجھی طاقتوں کو میدان عمل میں لاتی تو کیپٹن آفاق کو دن میں ۔ اقتدار اعلیٰ سے اپنی گہری وابستگی کے باوجود بھی اسے ناک مراحل سے گزرنا پڑتا۔

الحال تو فرخ کی ذات میرے لیے ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی ر کا مسئلہ بن گیا تھا۔ میں ایک ڈیڑھ گھنٹے تک بستر پر الجھتی رہی اور پھر اٹھ کر کمرے کی اس کھڑکی میں جا کھڑی جو کھیتوں کی طرف کھلتی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ٹکرانے لگے۔ میری نظریں چاند کی طرف اٹھ گئیں اور پھر اسکی روشنی کو اپنی آنکھوں کے راستے سے اپنی حل کرتی رہی۔ جب میری ٹانگیں دکھنے لگیں تو میں پھر

رات کا سکوت لحظہ بہ لحظہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ دیر ... انے پر بندھی ہوئی بھینس یا بیل کے ڈکرانے کی ہٹ سے فضا مرتعش ہو جاتی تھی لیکن اب شاید کی آوازوں میں گم ہو چکی تھیں۔

د میں داخل ہوئی تو میں اپنے خیالات سے چونکی۔

"بی بی صاب! کھانا لاؤں؟" صغرا نے پوچھا۔

"نہیں بی بی جی! اب بھی بھوک نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

صغرا شرما کر چلی گئی۔

میرے خیالات کی رَو زبیدہ سے جا ٹکرائی اور اس دیہاتی لڑکی کے گٹھے ہوئے بدن کا تصور میرے خفتہ جذبات کو اس طرح چھیڑنے لگا جیسے کوئی آہستہ آہستہ مضراب سے ان تاروں کو چھیڑتا ہے جو بہت دیر سے ساکت ہوں۔

پھر کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ مجھے فضا میں ہنسی کا ترنم بکھرتا محسوس ہوا۔ میں نے چونک کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔ آواز باہر ہی سے آئی تھی۔ میں جلدی سے اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ میں نے صغرا اور زبیدہ کو دیکھا جو کھیتوں میں نکل گئی تھیں اور ایک دوسری سے چہلیں کر رہی تھیں۔ چاند اب پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اس کی کرنیں، کھیتوں میں روپہلی جوت جگا رہی تھیں۔ سب کچھ بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ زبیدہ اس وقت بھی سبز ریشمی لاچا باندھے ہوئے تھی اور اس کی قمیص ایسی تھی کہ اس کی جوانی کو تنگ دامنی کا احساس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر تک وہ دونوں ایک دوسری کو چھیڑتی ہوئی ایک دوسری کے پیچھے بھاگتی رہیں اور پھر انھوں نے کھیتوں میں بھنگڑا ناچنا شروع کر دیا۔ میں کچھ آڑ میں ہو گئی تاکہ ان دونوں میں سے کسی کی نظر مجھ پر نہ پڑ سکے۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیتیں تو یقیناً رقص بند کر دیتیں۔

چاندنی میں دو نوجوانیوں کی مستی اُبلتی رہی۔ بقول شخصے، اعضا شاعری کر رہے تھے اور میری نظریں صرف زبیدہ کی شاعری کو پرکھ رہی تھیں۔ زبیدہ کے اعضا اس شاعری سے خوب واقف معلوم ہو رہے تھے۔ یہ ایک ایسی شاعری تھی جو جذبات میں ہلچل مچا دیتی ہے۔ خود زبیدہ بھی بے خود ہوئی جا رہی تھی، سرشار ہوئی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کا لاچا سرک جاتا تھا تو میری نگاہیں اس کی گوری گوری ساقِ سیمیں کو چوم لیتی تھیں۔ اس وقت مجھے ایک پل کے لیے یوں لگتا تھا جیسے کوئی دل میں گدگدی کر گیا ہو۔

بھیگتی ہوئی رات کے ساتھ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میرا وجود بھی بھیگتا چلا جا رہا ہو۔ جذبات کی اوس بڑی شدت سے گرنے لگی تھی۔ میری نظریں، بھنگڑا ناچتی ہوئی زبیدہ کے گرد ناچتی رہیں، میری خواہشات کے سائے زبیدہ کے بدن پر لہراتے رہے اور میری نگاہوں کا پیار اس کی جوانی پر نثار ہوتا رہا۔

جب جذبات برانگیختہ ہو جائیں تو بعض اوقات سوچنے کا انداز بڑا عجیب ہو جاتا ہے۔ اُس وقت میں نے سوچا، کاش میں چاندنی بن کر ان کھیتوں میں بکھر جاتی جہاں زبیدہ ناچ رہی تھی، جہاں زبیدہ کے گورے گورے پاؤں ثبت ہو رہے تھے۔ وہ مٹی کتنی خوش قسمت تھی جسے ان سڈول پیروں کا لمس حاصل ہو رہا تھا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ کسی گاؤں کی ایک الہڑ مٹیار نے میرے اندر کو برمایا تھا۔ اُس کے مینائے شباب کی سرافرازی نے ایک مضراب کی طرح میرے

جذبات کے تاروں پر بڑی وحشیانہ سی دُھن چھیڑ دی تھی۔ وہ ایک لاہوتی دُھن تھی۔ وہ ایک لاہوتی نغمہ تھا جو اگر آسودۂ تکمیل نہ ہوتا تو مضراب کی وحشت سے جذبات کے تار ٹوٹ جاتے۔ میرے دل کی دھڑکنیں اس نغمے کی تیز دُھن پر بڑی چابکدستی سے تال دے رہی تھیں۔ ایک طوفان برپا ہوتا جا رہا تھا اور اس طوفان میں زبیدہ کی ساق سیمیں کبھی کبھی بجلی کی طرح چمک جاتی تھی۔

زبیدہ ناچتی رہی، صُغرا ناچتی رہی۔ دو جوانیاں ناچتی رہیں۔ زندگی رقص میں تھی۔ جذبات رقص میں تھے۔ آرزوئے وصال کا گرداب مجھے بھینچے ڈال رہا تھا۔ میں آتش شوق کی گرمی سے پسینے پسینے ہوئی جا رہی تھی۔

زبیدہ اور صُغرا ناچتے ناچتے ایک دوسری سے ٹکرائیں اور پھر رقص بھول کر آپس میں لپٹ گئیں۔ بے خودی نے ان کو بھی آرزوئے لمس سے سرشار کر دیا تھا۔ وہ ایک دوسری سے لپٹی ہوئی کھیت میں گر پڑیں اور ان کی ہنسی ایک جھنکار کی طرح فضا میں پھیل گئی۔

زبیدہ کے اعضا کی حرکت کا انقطاع مجھے یوں لگا جیسے نبض کائنات ڈوب گئی ہو۔ فضا میں جو ایک غیر شنیدہ سا شور تھا، وہ تھم گیا۔ نغمگی، سکوت میں غرق ہو گئی۔

زبیدہ اور صُغرا ایک دوسری سے لپٹی ہوئی، کھیت میں اس طرح لُڑھکنے لگیں کہ ان کے لاچے اپنے فرائض سے بڑی حد تک غافل ہو گئے۔ اس خیرگی سے میری آنکھیں چُندھیا گئیں۔ مجھے اپنے وجود کی گہرائی سے ایک شعلہ سا اُوپر کی طرف لپکتا محسوس ہوا اور میرے جنون نے شاید آخری حد چھو لی۔ اُس وقت میرا پاگل پن کوئی عجیب سی صورتِ حال مرتب کر دیتا لیکن اسی وقت ایک کڑکدار آواز سُنائی دی۔

”صُغراں! بیداں!... کتھے گیئو کُڑیو!“ یہ شاید جان محمد کے بھائی کی آواز تھی۔

صُغرا اور زبیدہ گھبرا کر اپنا آپا سنبھالتی ہوئی، اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”آئی بابے!“ صغرا نے بلند آواز میں کہا اور پھر وہ زبیدہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے، تیزی سے مکان کے دروازے کی طرف لپکی۔

مجھے یوں لگا جیسے کوئی سُندر سپنا ٹوٹ گیا ہو۔ میں نے اپنی پیشانی کھڑکی کی چوکھٹ پر مار دی اور کچھ دیر کے لیے یونہی بے حس و حرکت ہو گئی۔

میری پنڈلیوں میں سنسناہٹ ہو رہی تھی اور تنفس جیسے آگ کی لپٹیں خارج کر رہا تھا۔

میں زندگی میں کبھی بھی یوں ناآسودہ نہیں رہی۔ جب بھی میرے جذبات اس شدت سے مچلے ہیں، مجھے آسودگی کا ساحل ضرور ملا ہے لیکن زبیدہ نے مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑا تھا! اس منجدھار سے نکلتے نکلتے مجھے دس پندرہ منٹ لگ گئے۔ میں اس دوران میں کھڑکی کی چوکھٹ سے پیشانی لگائے کھڑی رہی اور مکان کے کسی کمرے میں جان محمد کے بھائی کی غصیلی آوازیں گونجتی رہیں۔ وہ ان دونوں لڑکیوں پر بگڑ رہا تھا کہ وہ اکثر رات کو مکان سے کھیتوں میں کیوں نکل جاتی ہیں۔

پندرہ منٹ بعد مکان پھر سکوت کی آغوش میں ڈوب گیا۔ [...] وقت میں نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا اور پھر دفعتاً چونک پڑی [...] بات بھی تھی۔ مجھے ایک کار کی ہیڈ لائیٹس نظر آئی تھیں۔ ابھی و[...] دُور تھی لیکن اُس کا رُخ اس مکان ہی کی طرف تھا۔

میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ کار جان محمد [...] ہو سکتی.....! وہ کہہ کر گیا تھا کہ کار اسے گوجرانوالہ ہی میں چھوڑنی [...] وہ بس سے واپس لوٹتا اور جی ٹی روڈ سے مکان تک کا کچا فاصلہ [...] کرتا ——

تو پھر یہ آنے والا کون ہے؟

میرے ذہن میں اس سوال کی گونج پھیلتی رہی اور [...] ہیڈ لائیٹس پر جمی رہیں۔ پھر اچانک میں تیزی سے مڑ کر بستر کی [...] جہاں میرا پرس پڑا ہوا تھا۔ پرس اٹھا کر میں نے اس میں سے [...] اور دوبارہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

کار اب مکان کے قریب آ چکی تھی اور اس میں کوئی [...] رہا تھا کہ وہ جان محمد کی کار نہیں تھی —— آنیوالا بھی جان محم[د ...]

کار سے اترنے والے دونوں آدمیوں نے فو[جی] وردیاں پہن رکھی تھیں۔ نکھری ہوئی چاند[نی میں] ان دونوں کے نقوش صاف نظر آ گئے اور میں نے ان کو پہچان لیا۔ وہ رضوان ساجد تھا۔

میں کھڑکی سے ہٹ کر تیزی سے دروازے [...] بڑھی۔ مکان کے بیرونی دروازے پر پہنچنے کے لیے [...] لازمی تھا۔ جب میں نے صحن میں قدم رکھا تو جان [محمد کا بھائی جو صحن] میں چارپائی ڈالے سو رہا تھا، جلدی سے کھڑا ہو گیا [...] کہ کیا تجھے کسی چیز کی ضرورت پڑ گئی ہے؟

”نہیں نہیں، تم آرام کرو۔“ میں نے کہا اور در[وازے کے] قریب پہنچ کر کنڈی کھولنے لگی۔

رضوان ساجد کی آمد اتنی غیر متوقع تھی کہ میرا [...] طور پر ”دو اور دو چار“ کی منزل سے نہیں گزر سکا [...] جسم پر نظر آنے والی فوجی وردی مزید اُلجھاؤ کا سبب [...] اس کے ساتھی کے بارے میں، میں نے یہ قیاس کیا [...] دوست زبیری ہو گا جو لاہور میں اس کے اخبار کا نما[ئندہ ...]

جب میں دروازہ کھول کر باہر نکلی تو وہ [...] دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ رضوان مجھے دیکھ [کر] مسکرایا جیسے میری حیرت زدگی سے لُطف اندوز ہو [رہا ہو۔ میں] نے اس کی مسکراہٹ کو درخورِ اعتنا نہیں گردانا او[ر ...] سے اس کے ساتھی کی طرف دیکھنے لگی۔

[...]درست ہیں، زبیری!“ رضوان جلدی سے بولا۔
[...]کہ ہم انگریزی میں گفتگو کریں۔“ میں نے کہا۔
[...]ی میزبان ہماری گفتگو سُن نے تو کچھ سمجھ نہ سکے۔
[...]ل......“
[...]ضرورت بڑی شدید تھی۔“ رضوان نے میری بات [...]
[...]”تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے یہاں فوجی ہونے کا [...]
[...]
[...]ا آنے کہا۔“
[...]ں آدمی کہاں ہیں؟“
[...]ون آدمی؟“
[...] لاہور ریلوے اسٹیشن کو تمہاری قدم بوسی سے [...]
[...]
[...]ایک کمرے میں بندھے پڑے ہیں۔“
[...] آئے ہیں۔“
[...]
[...]ایسی محفوظ نہیں ہے۔ کیا تم ان دونوں کو یہاں [...]
[...]و؟..... کسی وقت بھی معاملہ بگڑ سکتا ہے۔ میں [...]
[...]کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان [...]
[...]ے منتقل کر دینا چاہیئے۔“
[...]!“
[...]ے گھر پر۔“
[...]بیری پر ایک بار پھر اچٹتی نظر ڈالی۔ ابھی تک [...]
[...]ھی نہیں بولا تھا لیکن اس کی نظریں میرے جسم [...]
[...]ں۔ وہ بڑے غور سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔ [...]
[...]ے میرے بارے میں بہت سی خاص باتیں [...]
[...]
[...]لا“ یہ فوجی وردیوں کا ڈرامہ کھیلنا ہم نے اس [...]
[...] تمہارے میزبان تمہاری طرف سے مطمئن ہو جائیں [...]
[...]سے جانے کے بعد بھی وہ کسی کو ان معاملات [...]
[...]ں بتائیں گے۔ انہیں یہ خوف رہے گا کہ فوجیوں [...]
[...]ا انا ان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ [...]
[...]اور اس بات کی تاکید بھی کر دینا کہ وہ اس بارے [...]
[...]
[...]مگر میں نے کنکھیوں سے دروازے کی [...]
[...]کا بھائی، آوازیں سُن کر دروازے میں آ کھڑا [...]
[...]
[...]ئے رضوان سے کہا اور دروازے کی طرف مڑی [...]
[...]راستہ دینے کے لئے ایک طرف ہٹ [...]

گیا۔ میں اس کے قریب رُک کر بولی ”یہ دونوں افسران قیدیوں کو لینے آئے ہیں۔ تم کچھ اور سمجھ کر پریشان نہ ہو جانا۔ دراصل جب میں شہر گئی تھی تو میں نے ہیڈ کوارٹر کو سارے معاملے کی خبر دے دی تھی۔“

سادہ لوح کسان جلدی جلدی اثبات میں سر ہلانے لگا۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہیں بولا۔

میں رضوان اور زبیری کو اس کمرے میں لے گئی جہاں میں نے کیپٹن آفاق کے گُرگوں کو قید کر رکھا تھا۔ وہ دونوں بیہوش پڑے ہوئے تھے۔

”ارے!“ رضوان کے منہ سے نکلا۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف بے ہوش ہیں۔“ میں نے کہا۔

”یہ..... بے ہوش کیسے ہو گئے؟“

”کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ ان کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا ہے۔ آزادی سے سانس نہ لینے کے باعث اپنے حواس کھو بیٹھے ہوں گے۔ اس کے علاوہ یہ سارے دن بھوکے پیاسے بھی رہے ہیں۔“ میں نے لاپرواہی سے کہا کیونکہ مجھے ان دونوں سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں ہو سکتی تھی۔

”یہ اچھا ہی ہے۔“ زبیری نے پہلی مرتبہ زبان کھولی ”اب انہیں اُٹھا کر گاڑی تک لیجانے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔“

”فرخ کا کیا رہا؟“ میں نے رضوان سے پوچھا۔

”ابھی تو کچھ بھی نہیں رہا۔“ رضوان نے جواب دیا ”صبح چار بجے کے بعد ہی کچھ ہو سکے گا۔ ویسے ایک کام بڑا عمدہ ہو گیا ہے۔“

”وہ کیا؟“ میرے لہجے میں خاصی دلچسپی تھی۔

”اس بی۔ ڈی ممبر کے مکان کے برابر والا مکان کرایے پر اُٹھنے کے لیے خالی تھا۔ کرشن نگر کے مین روڈ پر واقع ایک اسٹیٹ ایجنسی اس مکان کو کرایے پر اُٹھانے کی مجاز تھی چنانچہ اس سے رابطہ قائم کر کے زبیری نے وہ مکان لے لیا ہے۔“

میں چند لمحے رضوان کی طرف دیکھتی رہی اور پھر آہستہ آہستہ سر ہلاتی ہوئی بولی ”ممکن تو ہے کہ اس سے کچھ فائدہ پہنچ جائے۔ تو پھر صبح چار بجے میں تم سے اسی مکان پر ملوں یا مسٹر زبیری کے گھر پر۔“

”کیا مطلب!“ رضوان حیرت سے بولا ”کیا تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گی؟“

”نہیں۔“ یہ جواب دیتے ہوئے میرے ذہن میں کچھ خوشبوئیں چکرانے لگیں۔

”کیوں!“

”آج کی رات میں یہیں رُکوں گی۔“

”کوئی سبب بھی تو ہو!..... آخر اب اسکی کیا ضرورت ہے۔“

"میں بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" میں نے چڑ کر کہا۔
رضوان ساجد اُلجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔
"واقعی، تم بحث میں وقت کیوں ضائع کر رہے ہو رضوان!"
زبیری بول پڑا "ہمیں جلد از جلد واپس پہنچنا ہے۔ یہ صبح آجائیں گی تو تمہاری صحت پر کیا اثر پڑے گا۔"
"ٹھیک ہے۔" رضوان ساجد نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے شانے جھٹکے "تو پھر اٹھایا جائے ان دونوں کو؟"
"بالکل۔" زبیری نے کہا۔
اس دوران میں مجھے کمرے کے باہر سے مدھم مدھم سرگوشیاں سنائی دیتی رہی تھیں۔ غالباً زبیدہ، صغرا اور جان محمد کا بڑا بھائی اس صورتِ حال پر تبصرے کر رہے تھے۔ انہوں نے چھپ کر ہماری باتیں سننے کی کوشش کی ہوگی۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ باتیں سنی ہوں گی لیکن مجھے اطمینان تھا کہ وہ کچھ نہ سمجھ سکے ہوں گے۔ ہماری تمام گفتگو انگریزی ہی میں ہوتی رہی تھی۔
رضوان اور زبیری نے دونوں قیدیوں کو اٹھا کر اپنے اپنے کندھے پر ڈال لیا تو میں دروازے کی طرف مڑ گئی۔ میرے پیچھے پیچھے وہ دونوں بھی باہر آگئے۔ جب ہم صحن سے گزر رہے تھے تو صغرا اور زبیدہ بھی گھاس کے پودوں کی آڑ میں کھڑی ہوئی ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ رضوان نے بھی ان دونوں کو دیکھ لیا تھا۔ میرے اس شبہے کی تصدیق اس وقت ہوئی جب قیدیوں کو کار میں ڈالنے کے بعد رضوان مسکراتا ہوا میری طرف متوجہ ہوا اور بائیں آنکھ دبا کر بولا۔
"گویا..... چیڑی اور دو دو۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ آپ آج کی رات یہاں کیوں گزارنا چاہتی ہیں۔"
رضوان نے میری دُکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھ دی تھی لیکن میں نے اپنی تلملاہٹ کو چہرے سے نہیں ظاہر ہونے دیا۔
"میں چار بجے سے پہلے تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔" میں نے اس سے کہا۔ "لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ ملو گے کہاں۔"
"اپنے نئے مکان پر۔" رضوان نے مسکرا کر کہا۔
"اس کی پہچان کیا ہے؟"
"سفید رنگ کا دروازہ ہے۔" رضوان نے جواب دیا۔ "پورے کرشن نگر میں تو کیا، پورے لاہور میں کوئی اور ایسا مکان نہیں ملنا چاہیے جس کا دروازہ سفید ہو۔ کم از کم میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی سفید دروازہ نہیں دیکھا۔"
"خیر اب ایسا بھی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو سفید چیزوں سے خبط کی حد تک لگاؤ ہوتا ہے۔"
زبیری نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کر دیا تھا۔

"آؤ بھئی!" اس نے رضوان کو پکارا۔
"اچھا....." میں نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہو[ئے] انداز میں ہاتھ ہلایا۔
"وقت پر پہنچ جانا۔" رضوان نے کار کا دروازہ ک[ھولتے] بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے کہ ہمیں فوری طور پر کچھ کرگ[ا] مل جائے۔"
"میں زیادہ سے زیادہ چار بجنے میں ایک منٹ پر[تمہارے] پاس ہوں گی۔"
"میں دعاگو ہوں کہ آپ کی یہ رات خوشگوار گزرے" کار میں بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے، بائیں آنکھ د[با کر کہا]۔
میں ایک بار پھر تلملا گئی۔ دراصل مجھے غصہ اس [بات کا] تھا کہ رضوان زبیری کے سامنے اس قسم کی باتیں کر[رہا تھا]۔
زبیری نے گاڑی کو ریورس میں ڈال کر را[ستے پر لیا] اور پھر اتنی تیزی سے واپسی کے راستے پر موڑا کہ دھو[ل کا] طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اگر میں تیزی سے پیچھے نہ ہٹتی [تو گاڑی] سے اُٹ جاتی۔
کار تیزی سے دُور ہوتی چلی گئی اور میری [نظریں] سُرخ ٹیل لائٹ پر جمی رہیں۔ جب وہ سُرخ نقطے اندھیرے میں مدغم ہو گئے تو میں مکان کی طرف مڑ[ی]۔
جان محمد کے بھائی کو دروازے پر کھڑا ہوا دیکھا۔ و[ہ] کچھ پریشان معلوم ہو رہا تھا۔ جب میں اس کے قر[یب پہنچی] تو وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
"میم صاحب جی..... کوئی گڑبڑ تو نہیں ہ[ے]؟"
"کیسی گڑبڑ؟" میں نے اسے تسلی دینے کے [لیے] اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دینا چاہا تو وہ جھجک [کر پیچھے ہٹ] گیا۔ میں خجل سی ہو کر رہ گئی۔ مجھے اس بات کا خیال [آیا کہ] یہ ایک سادہ لوح دیہاتی ہے جس کے لیے کسی غیر عو[رت] کا لمس گناہ سے کم درجہ نہیں رکھتا۔
"میم صاحب جی! ہم بہت غریب لوگ ہیں [کسی] جھگڑے میں پڑ کر ہماری شامت نہ آجائے۔"
"اس کی طرف سے اطمینان رکھو۔ تمہارا کچھ [نہیں بگڑے گا]۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "بس اس بات کا خیال رکھ[نا کہ] ان باتوں کا تذکرہ نہ آنے پائے۔"
"میری زبان تو مرتے دم تک نہیں کھلے [گی]۔"
"تو پھر تمہارے لیے خطرے کی بھی کوئی [بات نہیں]۔" میں نے ہنس کر کہا، پھر بولی "تمہیں اس بات پر [اعتراض تو نہیں] ہے کہ میں آج کی رات تمہارے گھر پر گزارنا چا[ہتی ہوں]؟"
"نہیں میم صاحب! آپ شوق سے ر[ہیں]۔"

دراصل میں جان محمد کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ وہ [آ]نے سے پہلے آجائے تو اچھا ہے۔"
"اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہے میم صاحب!"
"[خی]ر، میں اس کا انتظار تو کر دوں گی۔" یہ کہتی ہوئی میں مکان [میں داخ]ل ہو گئی اور اس کمرے کا رُخ کیا جہاں میرے لیے بستر لگا ہوا تھا۔
[مجھے ی]ہ رات بھر یہاں گزارنے پر کیوں مُصر تھی؟ رضوان نے [شاید] صحیح اندازہ لگایا تھا لیکن "چیڑی اور دو دو" والی بات [میرے ل]یے صغرا تو نہیں، صرف زبیدہ نے متاثر کیا تھا۔ مجھے [اس کی] دہکتی جوانی میں، کوری صُراحی کی سی سوندھی سوندھی [خوشب]و بسی ہوئی تھی۔ اسے رقص کرتے دیکھ کر تو میرا دل اور [دماغ] تھا۔ وہ گورے گورے پیر، چمکتی ہوئی پنڈلیاں، وہ بل [کھاتی] ہوئی کمر!
[ل]یکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ آج کی رات [میرے د]ل کی پکار سُن لے گی۔ بس ایک اُمید موہوم پر میں [یہاں ر]ک گئی تھی۔
[ص]غرا نے کمرے میں آکر مجھ سے ایک بار کھانے کے لیے [پوچھا]۔

"[ن]ہیں گڑیا! بس اب تم جا کر سو جاؤ!" میں نے اس سے کہا۔ "[دوپ]ہر کا کھانا اتنی دیر سے کھایا تھا کہ اب رات کی ضرورت [ہی ن]ہیں آئے گی۔"
[صغ]را جس طرح شرماتی ہوئی آئی تھی، اسی طرح شرماتی ہوئی [چلی گئ]ی۔ میں بستر پر لیٹ کر زبیدہ کے تصور میں ڈوب گئی۔ میں [سوچ ر]ہی تھی کہ اگر چڑیا خوبصورت ہو تو شکاری اسے اپنے [جال میں پھنسانے] کے لیے کس قدر بے چین ہو جاتا ہے۔
[میں ن]ے جان محمد کے بھائی سے تو یہی کہا تھا کہ میں جان محمد [کا انتظار کرنا چاہتی ہ]وں لیکن مشیت کی چوکھٹ پر میری صدا یہ تھی کہ جان محمد [نہ آ]ئے۔ کوئی ایسی آہٹ نہیں ہونی چاہیے تھی کہ چڑیا [سہم جائ]ے نہ آسکے۔ جان محمد کا بھائی تو باہر صحن میں سو رہا تھا [ل]یکن دل میں صرف شکاری اور چڑیاں تھیں۔
[رضو]ان اور زبیری کی آمد سے میرے جذبات کی ہیجانی [کیفیت ما]ند پڑ گئی تھی لیکن اب جبکہ وہ جا چکے تھے، وہ دباؤ بھی ختم [ہو گی]ا ہیجان، وہی سرشوری پھر عود کر آئی تھی۔ یہ میری [فطرت ہے کہ ا]گر جذبات میں طغیانی آجائے تو پھر ساحلِ آسودگی [تک پہنچے] بغیر بات نہیں بنتی۔ درمیانی وقفہ طویل ہوتا چلا [گیا۔ میں ا]ضطرابی کی گرد چڑھنے لگتی ہے اور میں جام مے کی [طرح] لگتی ہوں لیکن یہاں مجھے سیالِ خود فراموشی کے [بجائے] تھے۔ زبیدہ، صرف زبیدہ ہی میرے جذبات

کی وحشت کو سکون آشنا کر سکتی تھی۔
میں بستر پر لیٹے لیٹے وقت گزارتی رہی۔ جال کی ڈوری کھینچنے سے پہلے میں اس بات کا یقین کر لینا چاہتی تھی کہ جان محمد کا بھائی سو چکا ہے۔ اس کے بعد مجھے اپنا کام کچھ ایسا زیادہ مشکل نظر نہیں آرہا تھا۔ زبیدہ مجھے جس انداز میں ناچتی، مچلتی اور تھرکتی ہوئی نظر آئی تھی اس سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ انجانی خواہشیں اس کے جسم میں اندر ہی اندر ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی ہیں اور وہ لاشعوری طور پر ایک ایسے ساتھی کی متلاشی ہے جو ان بکھری ہوئی خواہشوں کو جوڑ سکے۔ دُھندلے خاکوں میں رنگ بھر سکے، سلگتے ہوئے رنگ، بولتے ہوئے رنگ!
ایک گھنٹہ میں نے اس طرح گزارا کہ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے مینائے شباب کی سرافرازی سے کھیلتی رہی اور میرے جذبوں میں آگ بھرتی چلی گئی۔ ایک گھنٹے بعد میں اپنے بستر سے اٹھی اور دبے قدموں اس دروازے کی طرف بڑھی جو مجھے ان دونوں کے کمرے میں لے جاتا۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ صغرا ابھی سو چکی ہو۔
دروازے پر پڑی ہوئی چق کو ہٹا کر جب میں نے دوسرے کمرے میں قدم رکھا تو مجھے اپنے اعصاب پر ایک جھٹکا سا محسوس ہوا۔
کمرے میں دو چارپائیاں تھیں مگر ان میں سے ایک اس وقت خالی تھی۔ دوسری چارپائی پر زندگی کے بھرپور آثار تھے لیکن ایک دبیز چادر کے نیچے۔ کمرے میں جلتی ہوئی لالٹین بہت مدھم کر دی گئی تھی اور اس کی دھندلاہٹ میں متحرک چادر کے جو سائے دیوار پر پڑ رہے تھے، ان کو دیکھ کر مجھے عصمت چغتائی کا افسانہ "لحاف" یاد آگیا۔
چار چھ لمحوں کے لیے تو میں دروازے پر ٹھٹکی رہی تھی لیکن پھر میرے قدم تیزی سے آگے بڑھے۔ میں ننگے پیر تھی اس لیے آہٹ بالکل نہیں ہوئی۔ میں چارپائی کے نزدیک پہنچ گئی لیکن چادر کی حرکت میں کوئی وقفہ نہ آیا۔ جہاں زندگی کے اسرار منکشف ہو رہے ہوں، وہاں خود فراموشی کا آخری درجہ ہی تو بھی بات بنتی ہے۔
اس میں شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ چادر کے نیچے صغرا اور زبیدہ موجود تھیں۔ ایک پل کے لیے تو میرے جی میں آیا کہ چادر کا کونا پکڑ کر گھسیٹ لوں لیکن پھر خیال آیا کہ کہیں وہ دہشت سے چیخ نہ پڑیں۔
"صغرا.....!" میں نے مدھم سی آواز میں پکارا۔
بہت ہی مدھم آواز تھی مگر ان دونوں کو شاید بم کا دھماکہ محسوس ہوا۔ چادر اس طرح بیٹھتی چلی گئی جیسے غبارے میں سے ہوا نکل گئی ہو۔ میں چارپائی کے بالکل نزدیک تھی اس لیے بھاری تنفس مجھے پوشیدہ کہانیاں سنا گیا۔ اب میں نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر چادر کا ایک کونا پکڑا اور ایک جھٹکے سے سب کچھ بے نقاب کر دیا۔
صغرا اور زبیدہ نے بے اختیار ایک لمبی سانس کھینچی اور پھر یوں دبو[ل]

کی سانسیں جیسے اندر پھیپھڑوں ہی میں کہیں اٹک کر رہ گئیں۔ وہ دم بخود، ہراساں نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں لیکن میری نگاہوں کا مرکز اُن کے چہرے نہیں تھے۔ سانولے رنگ سے مل کر گورا رنگ کچھ اور ہی قیامت ڈھا رہا تھا۔

میں نے مسکرا کر کہا۔ "ڈر گئیں!" میری آواز میں لرزش تھی۔

میری مسکراہٹ دیکھ کر ان کے پھیپھڑوں نے اُن کی مقید سانسوں کو آزاد کیا اور پھر ان دونوں ہی کے ہاتھ، اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے لاچوں اور قمیصوں کی طرف گئے تھے لیکن میں نے بیک وقت دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا۔ دونوں کی نظریں میرے چہرے کی طرف اٹھیں اور مجھے بدستور مسکراتے دیکھ کر ان کے چہروں سے خوف و ہراس زائل ہونے لگا۔ اب اس کیفیت کی جگہ شرم نے لے لی۔ زبیدہ کا چہرہ سرخ، اور سرخ، اور سرخ ہوتا چلا گیا۔

میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ چڑیاں اس حد تک بے قابو ہو چکی ہیں لیکن بہرحال یہ بات میرے حق میں بہتر ہی ثابت ہوئی تھی۔

چارپائی اتنی کشادہ تھی کہ اس نے ایک اور وجود کو بھی قبول کر لیا۔ میں نے ان دونوں کے بیچ میں جگہ بنائی تھی۔ ان دونوں کے سر میرے بازوؤں پر تھے اور میرے ہاتھ؟.... ہاں.... بلندیوں کا گداز میری دسترس میں تھا۔ جہاں سے آگ سارے جسم میں پھیلتی ہے میں نے اسی مقام کو ہدف بنایا تھا۔ ابتدا تو یوں ہوئی کہ وہ دونوں سچ مچ سہمی ہوئی چڑیوں کی طرح میرے بازوؤں میں تھیں لیکن پھر آہستہ آہستہ، بتدریج، پھڑکنے کی کیفیت پیدا ہو گئی، مچلنے اور بل کھانے کا سماں بندھ گیا۔

مفعولیت نے رنگِ دِگر اختیار کرنا شروع کیا۔ وہ مجھ میں یوں پیوست ہوئیں کہ میں خود کو برق کی لہروں کی لپیٹ میں محسوس کرنے لگی۔ دست و زباں کی حرکتیں جنوں خیز ہوتی چلی گئیں۔ کبھی لب سے لب ملتے اور کبھی مینائے شباب سے چھلکتی ہوئی مے، تشنگی کا مداوا کرتی۔ تین زبانیں آزادی کے معنی تلاش کر رہی تھیں۔ صغرا ان معاملات میں زبیدہ سے زیادہ تجربہ کار تھی۔ اس کے تجربات نے مجھے اتنا پاگل کر دیا کہ میں جھنجھوڑ ڈالنے کی منزل میں آ گئی۔ اس کی زبان اور لب میرے بدن کے ایک ایک در پر جبیں سائی کر رہے تھے۔ اس نے اس گوشے تک رسائی حاصل کی جس کے معکوس ساغروں میں خون بھی شراب معلوم ہونے لگتا ہے۔ میں یکبارگی تڑپ اٹھی۔ مجھے اپنے پورے وجود میں ایک زناٹا سا محسوس ہوا اور پھر جیسے آندھی کا زور ٹوٹتا ہے، اسی طرح میں بھی نڈھال ہو گئی۔ زبیدہ کی تلاطم آشنائی کی تمنا مجھ سے پہلے ہی آسودہ ہو چکی تھی لیکن صغرا نے اپنی منزل پانے میں مجھے بھی گردِ کارواں کر دیا۔

گھاٹیوں اور وادیوں، رفعتوں اور پستیوں سے گزر کر جب یہ تین نفری قافلہ اپنی منزل پر پہنچا تو رات کو اپنے نصف پہر سے گزرے، دو گھنٹے ہو چکے تھے۔

گو کہ صرف صغرا ہی مجھ پر گھنگھور گھٹا کی طرح برسی تھی لیکن پیار مجھے زبیدہ ہی پر آ رہا تھا۔ میں نے صغرا سے کہا کہ اب مجھے بھوک لگنے لگی

ہے۔ جب وہ باورچی خانے میں چلی گئی تو میں نے زبیدہ کو ایک ... کیا اور سرگوشی میں بولی۔

"پیاری گڑیا! تم مجھے کافی دن تک یاد رہو گی۔"

زبیدہ نے شرما کر میرے بازوؤں میں منہ چھپا لیا۔

"میں نے تمہیں رقص کرتے ہوئے دیکھا تھا اور اسی ... فدا ہو گئی تھی۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "لاچا باندھے رقص کرتی بہت خوبصورت ہوتی ہے۔"

"میم صاب جی!" زبیدہ بھرائی ہوئی آواز میں ... سچ مچ آپ کو بہت اچھی لگی ہوں؟"

یہ سوال اس نے کچھ اتنے سنجیدہ لہجے میں کہا تھا کہ میں تکتی رہ گئی۔

"جواب دیجئے نا میم صاب جی!" زبیدہ کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

"ہاں میم صاب کی جان! تم مجھے پیاری لگی ہو۔" ... اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ "لیکن تم اتنی رنجیدہ کیوں ہو گئیں؟"

"میں بہت دُکھی ہوں میم صاب جی! مجھے اپنے ساتھ ... میں آپ کی خدمت کروں گی۔ آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ..." زبیدہ کے ہونٹ اس طرح لرز رہے تھے جیسے وہ رو پڑنے والی ہو۔

"زبیدہ!" میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "... تمہیں کیا دُکھ ہے؟ اگر تمہیں صغرا کا یہاں رہنا پسند نہیں تو اپنے ... پاس واپس چلی جاؤ۔"

"بس.... وہیں تو نہیں جانا چاہتی۔"

"کیوں؟"

دروازے پر صغرا کے قدموں کی آہٹ ہوئی تو زبیدہ ... لہجے میں جلدی سے کہا۔ "صغرا کے سامنے کوئی بات نہ کیجئے گا۔"

صغرا تھالی میں کھانا لیے کمرے میں داخل ہوئی تو ... مسکرا کر کہا۔ "شکریہ صغرا! آج رات میں نے تمہیں بہت تکلیف ..."

"نہیں تو میم صاب! بھلا آپ سے کیا تکلیف ہو گی!"

"تم بھی ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "... جگہ کوئی مرد ہوتا تو تمہیں ضرور تکلیف ہوتی۔ یہ مرد بڑے پیٹو ہوتے ہیں۔ اگر رات کو جاگ لیں تو دو دو بار کھانا ڈکوستے ہیں۔"

صغرا نے کھانے کی تھالی میرے سامنے رکھ دی۔ موٹی روٹیوں کے ساتھ کسی قسم کا ساگ تھا۔

"آؤ، تم دونوں بھی کھاؤ نا!" میں نے صغرا اور زبیدہ کو پکڑ کر کھینچا اور ان کے لاکھ انکار کے باوجود بھی انہیں کھانے میں شریک کر لیا۔

کمرے میں صغرا کے آتے ہی زبیدہ نے اپنی دگرگوں حا...

...لیکن میرے ذہن میں ایک خلش پیدا ہو چکی تھی۔ آخر زبیدہ ... واپس کیوں نہیں جاتی؟ کیا ایک بیٹی کو اپنے باپ ... دُکھ ہو سکتا ہے؟... اگر اسے امکانی بات سمجھ لیا ... کے زمین پر اس سے زیادہ دردناک ... نہیں

دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ ہر ممکن طور پر زبیدہ کی ... معلوم ہونا بھی مقدم تھا کہ اسے اپنے باپ کے گھر ... وہ فرار کیوں حاصل کرنا چاہتی ہے؟

... کے سامنے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے محترز تھی ... اب زیادہ وقت نہیں رہا تھا۔ ڈھائی بج چکے تھے اور ... یہاں سے روانہ ہو جانا تھا۔

... بعد جب صغرا برتن اٹھا کر لے گئی تو میں نے زبیدہ ... اس پندرہ منٹ میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گی اور ... تم کوئی بات کرنا نہیں چاہتیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کل تم ... مل لو؟"

... جگہ؟" زبیدہ نے بیتابی سے پوچھا۔

... ٹھہری ہو؟"

"لاہور میرا دیکھا ہوا ہے میم صاب جی!"

"... دوپہر کو ٹھیک دو بجے لوہاری گیٹ پر مل جانا۔"

"... لوہاری گیٹ پر کس جگہ؟"

"... گیٹ کے سامنے کتابوں کی جو دکان ہے، وہیں کھڑی ... بالکل صحیح وقت پر گاڑی لے کر پہنچ جاؤں گی۔"

"... ضرور آؤں گی میم صاب جی!" زبیدہ کی آنکھوں میں ... گئی۔

... ایک بار پھر اسے سینے سے لگا کر اس کے ہونٹ چوم لیے ... کیفیت سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہیں ہو ... واپس آ گئی تھی۔

"... ابا تو اب تک گوجرانوالہ سے نہیں لوٹا!" میں اس سے ... "مجھے یہاں سے لازماً روانہ ہو جانا ہے۔ جان محمد آئے تو ... ہے فوجی افسر آئے تھے جو اُن قیدیوں کو اپنے ساتھ لے ... مجھے کل صبح ہی صبح وہاں حاضری دینی ہے۔"

... سویرا ہونے میں تو ابھی بہت دیر ہے۔" صغرا بولی۔

"... دیر تو ہے لیکن مجھے لاہور پہنچ کر نہانے دھونے اور کپڑے ... میں بھی تو کچھ وقت لگے گا۔" میں کھڑی ہو گئی۔ "مجھے بس اب ... ہٹ کر یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔"

... جتنی دیر میں اپنا سامان سمیٹا، اتنی دیر میں صغرا نے میرے ... اور اپنے باپ کو بھی جگا دیا۔

خان جاوید اور حیدر بٹ کی سفید فیاٹ بدستور مکان کے سامنے موجود تھی اور مجھے لاہور جانے کے لیے اسی کو کام میں لانا تھا۔ میں نے اپنا مختصر سا سامان اس کی پچھلی نشست پر ڈال دیا اور رخصت ہونے کے لیے اُن تینوں کی طرف مڑی۔

"تم لوگ بہت اچھے ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "میں تم لوگوں کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ اگر موقع ملا تو میں پھر کبھی تم لوگوں سے ملنے ضرور آؤں گی۔ جان محمد سے میرا سلام کہہ دینا۔"

میں نے باری باری سے زبیدہ اور صغرا کو اپنے سینے سے لگایا اور اُن کی پیشانی چومی۔ میرے اس اظہارِ محبت سے جان محمد کا بھائی بہت متاثر ہوا اور اس کی آنکھوں میں اس طرح آنسو آ گئے جیسے کوئی اپنے عزیز کو رخصت کر رہا ہو۔

میں نے کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی گیئر میں ڈالی اور الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے، کلچ پر اپنے پیر کا دباؤ کم کرتی چلی گئی۔ گاڑی کے پہیوں نے بہت آہستگی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ رفتار میں بتدریج اضافہ ہوا اور میں عقب نما آئینے میں ان تینوں کی طرف دیکھنے لگی جو اندھیرے کی وجہ سے زیادہ دیر تک نظر نہ آ سکے۔

کچے راستے پر مجھے اپنی رفتار کم ہی رکھنا پڑی تھی لیکن جی، ٹی روڈ پر پہنچ کر میں نے ایکسلریٹر سے اس طرح کھیلنا شروع کر دیا جیسے وہ کوئی کھلونا ہو۔ گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ تیز رفتار ڈرائیونگ کا شوق مجھے خبط کی حد تک ہے۔ ایک ماہ میں کم از کم ایک چالان تو لازمی سمجھیے!

آج میں ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکی تھی لیکن وقت کچھ ایسے خوشگوار انداز میں گزرا تھا کہ میں ذرا بھی کسلمندی محسوس نہیں کر رہی تھی۔ رضوان ہی کا یہ قول کرسی نشین ہوا تھا کہ "چڑی اور دو دو" ... یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ گویا فراوانی میسر آ گئی تھی۔

لیکن اس تجربے کے صلے میں ایک الجھن بھی مقدر بنی تھی۔ زبیدہ کا معاملہ فراموش کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ ایسی پیاری پیاری لڑکیوں کو میں کسی بھی قیمت پر نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اب ڈر صرف یہ تھا کہ فرخ کے معاملے میں میری ٹانگ اس طرح نہ الجھ جائے کہ میں وقت پر زبیدہ سے ملنے کے لیے لوہاری گیٹ پہنچ ہی نہ سکوں!

جی، ٹی روڈ کے رواں دواں ٹریفک میں سفید فیاٹ کسی تیر کی طرح سنسناتی چلی جا رہی تھی۔ سبزیوں کے چھکڑے سڑک کے کنارے چل رہے تھے تاکہ طوفانی بسوں اور سامان بردار ٹرکوں کی سنگین شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ کبھی کبھی میں سفید فیاٹ کو جی، ٹی روڈ پر تنہا بھی پاتی۔ یعنی قرب و جوار میں تو کیا، دور دور تک کوئی بس، ٹرک، یا چھکڑا نظر نہیں آتا۔ ایسے ہی ایک موقعے پر ایک تیز رفتار کار فیاٹ کے پہلو میں آ گئی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مجھ سے آگے نکل جانا چاہتی ہو لیکن جب میں نے ذرا سر

گھما کر اس کی طرف دیکھا تو میرے ہاتھوں کے طوطے اڑنے کی کوشش کرنے لگے کیونکہ اس کار کی ایک کھڑکی سے ریوالور میری طرف اٹھا ہوا تھا۔

"گاڑی روک دو ورنہ تمہاری کنپٹی میں سوراخ ہو جائیگا۔" ریوالور والے نے چیخ کر کہا۔

بے اختیار میرا پیر، ایکسلریٹر سے ہٹ کر بریک پر پہنچ گیا۔ فیاٹ کی رفتار تیزی سے کم ہوئی اور اتنی ہی تیزی سے اُس نیلی کار کی رفتار میں بھی کمی آگئی جس میں تین آدمی سوار تھے۔ بلاشبہ اس کار کا ڈرائیور بہت چالاک اور ڈرائیونگ میں ماہر تھا۔ اس نے میری یہ کوشش ناکام بنا دی تھی کہ میں تیزی سے رفتار کم کر کے ریوالور کی زد سے نکل جاؤں۔

جب فیاٹ رکی تو نیلی کار بھی پہلو ہی میں رکی تھی اور وہ ریوالور مجھے زد میں لیے رہا تھا۔

میں دل ہی دل میں اس وقت کو کوسنے لگی جب میں نے اپنے دوسرے سامان کے ساتھ اپنا پرس بھی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا تھا۔ اگر وہ میری گود میں ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ اس میں رکھا ہوا ریوالور کسی طرح میرے کام آ جاتا۔

وہ تینوں اپنی کار سے اتر کر تیزی سے فیاٹ کی طرف آئے۔

"نیچے اتر آؤ!" ریوالور والے نے حکم دیا۔

"گرمے! تم فیاٹ سنبھالو!" دوسرے آدمی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

فیاٹ کی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول دیا گیا تھا لیکن کھولنے والا وہ نہیں تھا جس نے ریوالور سنبھال رکھا تھا۔ وہ کچھ دور ہی رہا تھا۔

میں فیاٹ سے اترنے پر مجبور ہو گئی لیکن اس عالم جبر میں بھی میں موقعے کی تلاش میں تھی۔ اگر ریوالور والا ایک پل کے لیے بھی غافل ہو جاتا تو میں یقیناً ایک طوفانِ بدتمیزی کھڑا کر دیتی۔ تین آدمیوں کو تماشا دکھا دینا میرے لیے کوئی ایسا خاص مسئلہ نہیں ہے لیکن ایسے کھیلوں میں آتشی ہتھیاروں کا عدم وجود بنیادی شرط ہے۔

ریوالور ہی کی طاقت نے مجھے فیاٹ سے نیلی کار کی پچھلی سیٹ پر منتقل کر دیا۔ ریوالور والا بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا لیکن بالکل دروازے سے لگ کر! مجھے دوسری طرف کے دروازے سے ملا کر بٹھایا گیا تھا تاکہ درمیان میں زیادہ سے زیادہ فاصلہ رہے۔ وہ لوگ میری طرف سے کچھ غیر معمولی طور پر چوکنا تھے۔

اس سے پہلے کہ کوئی ٹرک یا بس قریب آ جاتی، کھیل ختم ہو گیا۔ نیلی کار مجھے لے کر روانہ ہو گئی۔ تیسرا آدمی، فیاٹ لیے ہوئے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

میں اس دوران میں ان حالات کو ذرا اور دو چار کر چکی تھی۔ اس کے سوا کوئی بھی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ محض اس فیاٹ سے میری شامت آئی تھی۔ یہ لوگ یقیناً کیپٹن آفاق کے گرگے تھے۔ جاوید اور حیدر بٹ کی پراسرار گمشدگی نے ان لوگوں کو پریشان کیا ہو گا اور یہ ان دونوں ہی کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے کہ انہیں سفید فیاٹ نظر آ گئی۔ ظاہر ہے کہ انہیں خان جاوید اور حیدر بٹ کی کار کا نمبر معلوم ہی ہو گا لہٰذا وہ لوگ مجھے چھاپہ...

"تمہارا نام صبیحہ بانو ہے؟" ریوالور والے نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" میں بلاوجہ جھوٹ بول گئی۔ میرے ذہن میں کوئی خاص اسکیم نہیں تھی۔

ریوالور والا مجھے گھورتا رہا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے میرے جواب پر یقین نہیں کیا ہے۔

"یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" ڈرائیونگ کرنے والا بولا۔ "حیدر بٹ اور خان جاوید کے غائب ہونے کے بعد اگر کوئی ان کی گاڑی میں نظر آئے تو وہ صبیحہ بانو کے علاوہ کوئی نہیں۔"

"سنو!" ریوالور والے نے مجھے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "ہم نے دوپہر سے اب تک اپنے ساتھیوں کی تلاش میں اور گجرانوالہ کو ایک کر ڈالا ہے اور اب تم ہمارے ہاتھ لگی ہو تو بنانے کی کوشش کر رہی ہو لیکن اس سے کام نہیں چلے گا۔ تمہیں بتانا ہی پڑے گا کہ ہمارے ساتھی کہاں ہیں۔"

"جہنم میں۔" میں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"تو پھر بہت جلد تم بھی وہیں پہنچ جاؤ گی۔"

"یہ دم خم ہیں!" میں تمسخرانہ انداز میں بولی۔ "اور درمیان میں میلوں کا فاصلہ قائم کر رکھا ہے!"

"تم عورت نہیں، چھلاوہ ہو۔" ریوالور والے نے کہا۔ "ہم کو تمہارے بارے میں ساری تفصیلات بتائی جا چکی ہیں۔ ہمیں تمہاری طرف سے ہوشیار تو رہنا ہی پڑے گا۔"

"بے شرمی کی حد ہو گئی۔" میں نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "تم دو مرد ہو اور میں تنہا عورت ذات۔"

"مجھے قطعی جوش نہیں آئے گا۔" وہ منہ بگاڑ کر بولا۔

"قوتِ برداشت کی کمی معلوم ہوتی ہے۔" میں اسے تاؤ دلانے پر تلی ہوئی تھی۔

"کچھ دیر بعد میں تمہیں اس کے بارے میں تفصیل بتانے کی کوشش کروں گا۔" اس نے دانت پیس کر کہا۔

"اپنے دماغ پر قابو رکھو!" ڈرائیونگ کرنے والا بڑبڑایا۔ "یہ چالاک عورت تمہیں غصہ دلا کر تمہاری چاق و چوبند کو توڑنا چاہتی ہے۔"

[...] رہا ہوں۔" ریوالور والے نے منہ بنا کر کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بالکل نہیں سمجھ رہا تھا۔ اگر [...]ے والے نے دخل اندازی نہ کی ہوتی تو شاید میں [...]ہی کامیاب ہو جاتی۔ اب اس نے سنبھالا لینے کی اور جلد ہی اپنے دماغ کو ٹھنڈا کرنے میں کامیاب بھی [...]ت کے تاثرات سے ہر آدمی کی دماغی کیفیت کا اندازہ [...]ہے چنانچہ میں نے بھی اس کے دماغ کی ٹھنڈک کو [...] پھیلتے ہوئے محسوس کر لیا۔

[...]ر تیز رفتاری سے اڑی جا رہی تھی اور میرا ذہن بھی تدبیروں [...] اڑ رہا تھا۔ میں کسی ایسی تدبیر پر جھپٹنا چاہتی تھی جس [...]ر پر عمل کیا جا سکے اور جس کی کامیابی بھی بڑی حد تک [...]

[...] مجھے اپنی پشت میں کوئی چیز گڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ [...] شروع ہی سے گڑ رہی تھی مگر اس کا احساس مجھے اب ہوا تھا۔ [...]وازے سے الگ ہو کر پیچھے سر گھمایا تو پتہ چلا کہ وہ دروازے [...] ہتھا۔

[...] سے بیٹھی رہو۔" ریوالور والا چیخ کر بولا۔ [...] اصل دروازے سے الگ ہونے کے باعث میرا اور اس کا [...]اصلہ کچھ کم ہو گیا تھا۔ یہ چیز اس کے لئے مخدوش ثابت [...] اس لئے وہ چیخ پڑا تھا۔ میں جلدی سے پھر دروازے [...] اس کی اس اضطرابی حرکت پر غصہ بھی آیا تھا اور ہنسی [...] لیکن مجھے اس کے خوف سے لطف اندوز ہونے کا زیادہ [...] کیونکہ اچانک ہی میرے ذہن میں تدبیر کی ایک کرن [...] اور اب مجھے ہر پہلو سے اس کا جائزہ لینا تھا۔ [...] جیسے سوچتی گئی، مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہوتا چلا گیا۔ [...] پر عمل کی ابتدا کرنے میں بھی دیر نہیں لگائی اور اپنی [...] تبدیلی کر کے دروازے کے ہینڈل پر کہنی کا دباؤ [...] انداز ے کے مطابق وہ دباؤ اسی طرف پڑ رہا تھا جس [...] کھلتا لیکن میری اس حرکت میں اتنی تدریج اور اتنا ٹھہراؤ [...] والے کے ذہن میں شک و شبہے کی پرچھائیں بھی نہیں [...]

[...] حیدر بٹ اور خان جاوید کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ [...]ور والا پھر اسی موضوع پر لوٹ آیا۔

[...] انہیں دفن کر چکی ہوں۔" میں نے بڑے اطمینان سے [...]

[...] تو پھر تمہیں بھی دفن ہونا پڑے گا۔"

[...] کو دفن کرنے والا کوئی مرد تو ہرگز نہیں ہو گا۔ میں اسے [...] نہیں کر سکتی۔"

میں اتنی بے جگری اور لاپرواہی سے گفتگو کر رہی تھی کہ ریوالور والے کے چہرے پر بار بار حیرت کے تاثرات ابھرتے تھے لیکن اس نے میری اس صفت کو تحسین کی نظروں سے نہیں دیکھا۔ اس کے برخلاف وہ متنفر اور مشتعل نظر آ رہا تھا۔

اِدھر میں اس منزل میں تھی کہ میں نے ہینڈل پر مزید دباؤ ڈالنا بند کر دیا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق اب بہت ہی خفیف سے دباؤ کی کمی رہ گئی تھی۔ وہ کمی پوری ہوتے ہی دروازہ ایک جھٹکے سے کھل جاتا کیونکہ میرے جسم کا دباؤ اس پر بھی پڑ رہا تھا۔

سفید فیاٹ بدستور پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی لیکن نہ جانے کیوں اس نے درمیانی فاصلہ بہت بڑھا دیا تھا۔ میں اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی لیکن میں نے جو ایک خطرناک لائحہ عمل مرتب کیا تھا اس کے لیے یہ فاصلہ سودمند ثابت ہوتا۔

ریوالور والا پوری طرح چوکس تھا اور اس کی نظر ایک پل کے لیے بھی میری طرف سے نہیں ہٹ رہی تھی۔ مجھے اب بس اس بات کا انتظار تھا کہ دو ایک بسیں جو پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھیں، وہ آگے نکل جائیں۔ یہ مرحلہ آنے میں کوئی دس منٹ لگے اور پھر میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ، ہینڈل پر اپنی کہنی کا دباؤ مکمل کر دیا۔

کار تیز رفتاری سے اڑی چلی جا رہی تھی۔ اس حالت میں شاید ہی کوئی شخص وہ قدم اٹھا پاتا جو میں نے اٹھایا تھا۔ ہینڈل پر دباؤ کی تکمیل ہوتے ہی دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا اوپری جسم بھی کار سے باہر نکل گیا اور ایک دبی دبی خوفزدہ چیخ میرے حلق سے نکل گئی۔ ریوالور والے کو یہی محسوس ہوا ہو گا کہ میں باہر جا گروں گی کیونکہ اس کی نظریں میرے اس پیر کی طرف نہیں تھیں جو میں نے اگلی نشستوں کے نیچے پھنسا دیا تھا۔ میری دہشت زدہ چیخ اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھر گئی تھی۔ ریوالور والے نے بے تحاشہ جھپٹ کر میرا ہاتھ تھام لیا اور اپنے تئیں مجھے گرنے سے بچانے کی کوشش کی۔ اِدھر مجھے انتظار ہی اس موقعے کا تھا۔ ساری دردسری اسی لیے کی گئی تھی۔ ریوالور والے نے میرا بایاں ہاتھ پکڑا تھا چنانچہ میرے داہنے ہاتھ نے اسکے ریوالور والے ہاتھ پر جھپٹا مارا۔ جس طرح چیل کا پنجہ کسی کے ہاتھ سے گوشت کی بوٹی چھین لیتا ہے، اسی طرح میں نے اس کے ہاتھ سے ریوالور جھپٹ لیا۔ ڈرائیونگ کرنے والے نے میری چیخ سنتے ہی بریک لگا دیئے تھے لیکن تیز رفتار گاڑی کو رکنے میں کچھ دیر تو لگنی ہی چاہیے تھی۔ بس اسی وقفے میں میں نے سارا کھیل ختم کر دیا۔ میری لات ریوالور والے کے سینے پر پڑی اور وہ ڈگمگاتا ہوا دروازے سے جا ٹکرایا لیکن وہ اس طرح گرا تھا کہ اس کے پیر کی ٹھوکر میرے اس ہاتھ پر لگی تھی جس میں ریوالور تھا۔ میں ابھی اس پر اپنی گرفت مضبوط نہیں کر سکی تھی اس لئے اس ٹھوکر نے ریوالور کو میرے ہاتھ سے اچھال دیا۔ میں نے اسے سنبھالنے کی کوشش تو کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو

سکی تھی۔ ریوالور کھلے ہوئے دروازے سے باہر جا گرا لیکن یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ میں اس کا ماتم کرنے کیلئے ایک لمحہ بھی ضائع کرتی۔ میں اس پر ٹوٹ پڑی اور کیرات کے ایک ہی وار سے اس کے ہوش و حواس زائل کر دیئے۔

کار ایک جھٹکے سے رک گئی لیکن یہ حسرت ڈرائیونگ کرنے والے کے دل میں رہ گئی کہ وہ میرے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتا۔ میرے داہنے ہاتھ کی کھڑی چوٹ اس کے سر پر پڑی اور وہ کراہ کر اپنی سیٹ پر ہی لڑھک گیا۔

میں نے تیزی سے مڑ کر دیکھا۔ سفید فیاٹ اب بہت قریب آ چکی تھی اور اسے ڈرائیو کرنے والے کا پیر غالباً بریک پر پہنچ چکا تھا۔

میں اگلی نشست کی پشت گاہ کو پھلانگ کر، ڈرائیونگ کرنے والے کو برابر کی نشست پر دھکیلتی ہوئی، ڈرائیونگ سیٹ پر پہنچ گئی۔ عقبی آئینے پر نظر ڈالنے سے مجھے پتہ چلا کہ فیاٹ اب بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔ میں فوراً گاڑی کو حرکت میں لے آئی۔ دوسرے، تیسرے اور پھر ٹاپ گیئر تک پہنچنے میں مجھے بہت ہی کم وقت لگا۔ اس کے باوجود بھی فیاٹ سے اتنی جلدی تو چھٹکارا نہیں مل سکتا تھا۔ وہ بھی برق رفتاری سے اڑی چلی آ رہی تھی اور میرے اندازے کے مطابق اس کا انجن بہت طاقتور تھا۔ میں جس گاڑی میں تھی اس کا انجن بہت پرانا تھا اور فیاٹ سے اس کا مقابلہ ناممکن سی بات معلوم ہو رہی تھی۔ وہ بالکل میرے سر پر پہنچ گئی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے آگے نکل کر میرا راستہ مسدود کرنا چاہتی ہے لیکن میں اسے آگے نکلنے کیوں دیتی؟ مجھے یہ خطرہ بھی تھا کہ برابر میں آ کر شاید وہ شخص مجھ پر گولیاں برسانا شروع کر دے۔ اسی خطرے کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اسے آگے نکلنے کا موقع نہیں دیا۔ میری نظریں عقب نما آئینے پر تھیں اور میں بڑی چابکدستی کے ساتھ اسٹیئرنگ سے کھیل رہی تھی۔ فیاٹ کو بریک لگا کر ٹکراؤ سے بچنا پڑتا تھا۔ میں عقب نما آئینے میں اس کے ڈرائیور کو دانت پیستے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ مجھے اس خطرناک کھیل میں مزہ آنے لگا۔

کیپٹن آفاق کے گرگوں میں سے ایک پچھلی سیٹ پر اور دوسرا میرے برابر کی نشست پر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ میں نے انہیں جو چچے تلے ہاتھ مارے تھے وہ انہیں آدھے گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہ آنے دیتے۔

لاہور اب قریب آ چکا تھا اس لیے میں اس خطرناک کھیل سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہیں ہو سکتی تھی مجھے اب یہ سوچنا چاہیے تھا کہ چھٹکارے کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟

اچانک فیاٹ کی رفتار کم ہوتی چلی گئی اور یہ دیکھ کر میری پیشانی پر ایک سلوٹ پڑ گئی۔ اچانک رفتار کا کم کر دینا سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔ کیا وہ مجھ سے ڈر گیا تھا؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ تو پھر؟ اچانک مجھے خیال آیا کہ شہری حدود قریب آ گئی تھیں۔ شاید اس کے دل میں یہ دھڑکا پیدا ہو گیا ہو گا کہ میں اس معاملے میں فوری طور پر قانون کی مدد حاصل کر لوں گی۔ میں ابھی اپنے اس خیال کو تقویت پہنچانے کی کوشش کر ہی رہی تھی کہ فیاٹ کی رفتار میں پھر اضافہ ہوا۔ وہ برق رفتاری سے بڑھتی چلی۔ میں نے عقب نما آئینے میں اسکے زاویئے کو دیکھتے ہوئے اسٹیئرنگ بتدریج دائیں طرف گھمانا شروع کیا۔ فیاٹ کی رفتار میں کوئی کمی بلکہ شاید کچھ اضافہ ہی ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے فیاٹ کا والا پاگل ہو گیا ہو اور اسے حادثے کا کوئی ڈر نہ رہ گیا ہو۔ بجلی کی میرے ذہن میں کوندا گیا کہ وہ میرے دل میں امکانی حادثے کا خوف جاہتا ہے۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ میں حادثے سے دہشت زدہ ہو کے لیے راستہ چھوڑ دوں۔ اس کی یہ سوچ میرے ذہن کی گرفت میں شاید بڑی سفاکی سے مسکرائی تھی۔ فیاٹ نے اب گویا پیر کر کسی درندے کی طرح غرانا شروع کر دیا تھا لیکن میں نے اس کا نہیں کی اور دانت پر دانت جما کر بڑی بے دردی سے اسٹیئرنگ تھوڑا سا اور گھمایا۔ اب فیاٹ کا آگے نکلنا محال تھا۔ گو کہ پر سڑک ابھی خالی تھی لیکن سامنے سے ایک بیل گاڑی چلی آ رہی تھی تھا کہ اب فیاٹ کے بریک چیخ اٹھیں گے۔ پلک جھپکتے میں یہ بھی آ گیا۔ بریک تو چیخے لیکن فیاٹ اب ڈرائیور کے قابو سے باہر میری گاڑی تو ایک زناٹے کے ساتھ چھکڑے کے برابر سے نکل گئی فیاٹ کسی بہکے ہوئے شرابی کی طرح چھکڑے سے جا ٹکرائی۔ میرا پیر بریک پر پہنچ گیا لیکن اتنی تیز رفتاری میں رک جانا ممکن نہیں تھا گاڑی خاصی آگے نکل گئی لیکن میں نے عقب نما آئینے میں حادثے کو واضح طور پر دیکھا۔ بیل گاڑی کے تو شاید ٹکڑے اڑ گئے فیاٹ کسی کھلونے کی طرح قلابازیاں کھاتی ہوئی ایک درخت سے جا ٹکرائی تھی۔ اس بات کا کوئی امکان ہی نہیں تھا کہ اس کا ڈرائیور بچ گیا ہو۔ اس کے بچنے یا نہ بچنے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی غریب بیل گاڑی والے کا خیال تھا کہ اس بیچارے کا نہ جانے کیا حشر ہوا ہو۔

اس حادثے کو دیکھ کر میرے اعصاب جھنجھنا میں نے دیکھا کہ ایک گڈز ٹرک، حادثے کے رک چکا ہے۔ میں نے بریک سے پیر ہٹا کر پھر ایکسیلریٹر میرا وہاں رکنا حماقت ہی ہوتی۔ میں جس گاڑی میں نہیں تھی اور اس میں دو بے ہوش آدمی بھی پڑے اگر میں رک جاتی تو ان دونوں کو دیکھا جا سکتا تھا سے مجھے لینے کے دینے پڑ جاتے۔ میں تیز رفتاری سے نکل اور حادثے کا خوفناک منظر کسی زہریلے کیڑے کی طرح ذہن میں کلبلاتا رہا۔

شہر پہنچتے ہی میں نے سب سے پہلے اس گاڑی حاصل کی اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر کرشن نگر کی طرف ان دونوں کو میں نے بے ہوشی ہی کی حالت میں چھوڑ میرے اندازے کے مطابق انہیں پانچ دس منٹ میں

لا تھا۔

میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ چار بجنے میں دو منٹ اس وقت ٹیکسی، کرشن نگر کے مین بازار کی طرف

اچانک مجھے ایک ایسا خیال آیا کہ مجھے اپنی جان نکلتی ہوئی ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں میری تمام چیزیں تو فیاٹ ہی میں رہ گئی تھیں۔ صورت تھی کہ رضوان سے پیسے لیکر کرایہ ادا کر دوں کے لیے ضروری تھا کہ ٹیکسی کو اسی مکان کے دروازے جائے جو رضوان نے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ میں رضوان میں سوچ کر مطمئن ہو گئی لیکن پھر میرے ذہن میں ایک کا سانپ اپنا پھن کاڑھنے لگا۔ اگر رضوان وہاں نہ ہوا لیکن فرخ کے معاملے نے کوئی ایسی کروٹ لی ہو کہ میں جانا پڑ گیا ہو۔ فوراً ہی مجھے زبیری کا خیال آیا۔ پھر بھی تو جا سکتی تھی۔ لیکن اگر وہ بھی رضوان کے تو کیا ہو گا؟

اوقات تاریک پہلو اتنی شدت سے اور اتنے تواتر آتے ہیں کہ طبیعت بری طرح گھبرا جاتی ہے لیکن بعد ہے کہ سب اندیشے فضول تھے۔ میرے ساتھ بھی یہی نہ تھا۔

ی کو کرایہ ادا کر کے رخصت کر دیا گیا اور میں ایک کرسی پر ڈھیر ہو لینے لگی۔ اس کمرے میں تین کرسیوں، ایک تپائی اور ایک کوئی سامان نہیں تھا۔

ان ساجد شرارتی انداز میں دونوں ہاتھ باندھ کر میرے سامنے کھڑا میں نے اسے ٹال دینا چاہا لیکن جب وہ کھڑا ہی رہا تو میں اسے بولی "کیا بات ہے؟"

اور حکم؟" وہ مودبانہ بولا۔

خوشگوار موڈ میں نظر آ رہے ہو۔ کیا بات ہے؟ فرخ تو شاید پہنچ گئی ہو گی؟"

"آدھے گھنٹے پہلے ہی یہاں لے آیا گیا تھا۔"

پہلے کیوں؟"

بات ہوئی تو ان لوگوں سے یہ ضرور پوچھوں گا اگر انہوں نے گزارش گزار کر دوں گا۔" رضوان نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

میں بری طرح جھلا گئی کیونکہ وہ اب بھی اسی طرح ہاتھ باندھے کھڑا سرکار کا مصاحب خاص ہو۔

تم مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہو؟" میرے لہجے میں اشتعال تھا۔

اس نے آنکھیں پٹ پٹائیں "میں یہ جرأت کیسے کر سکتا

"پھر یہ ہاتھ باندھے کیوں کھڑے ہو؟"

"آپ نے کیا سمجھ لیا؟... میں آپ کے حضور میں کوئی احتراماً تو نہیں کھڑا ہوا ہوں۔" اس نے برا مان جانے والے انداز میں کہا۔

"پھر کیا بات ہے؟"

"میرے پیٹ میں درد ہے اور اس مکان کا فلیش سسٹم خراب ہے۔"

رضوان نے اتنی بے چارگی سے کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔

"محض آپ کا انتظار کرنے کی وجہ سے میں کہیں اور بھی نہیں جا سکا۔"

رضوان پھر بولا "اب مجھے کچھ دیر کے لیے اجازت دیجئے لیکن جانے سے پہلے میں آپ کو اندرونی کمرے میں لے جانا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟" میں اسے گھورنے لگی۔

"کچھ چڑھانا ہے آپ کے۔"

"رضوان!" میں پیر پٹخ کر کھڑی ہو گئی۔

"ارے ارے! تو اس میں اتنا برا ماننے کی کیا بات ہے؟" رضوان جلدی سے دو تین قدم پیچھے ہٹ کر بولا "میری زندگی میں دو تین بار ایسے مواقع آئے ہیں کہ میں نے لوگوں کے سروں پر ہیڈ فون چڑھایا ہے مگر ان میں سے کسی نے بھی برا نہیں مانا۔"

میں اسے گھورتی رہی اور وہ بولتا رہا "دوسرے کمرے کی ایک دیوار میں سوراخ ہے جسے غالباً چوہے آمد و رفت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ دیوار، بی ڈی ممبر کے مکان اور اس مکان کی مشترکہ دیوار ہے اس لیے اسے دیکھ کر مجھے خیال آیا تھا کہ اگر بی ڈی ممبر کے مکان میں ایک ڈکٹا فون چھپا دیا جائے اور اس کے تار اس سوراخ کے ذریعے سے اپنے اس مکان میں لے آئے جائیں تو ہیڈ فون لگا کر ہم اس مکان میں ہونے والی گفتگو سن سکتے ہیں۔ زبیری سے گفتگو کرنے کے بعد میں نے ایسا ہی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ڈکٹا فون وغیرہ کا بندوبست زبیری نے کر دیا اور میں چوروں کی طرح صحن کی دیوار پھلانگ کر بی ڈی ممبر کے مکان میں جا گھسا۔ بی ڈی ممبر کے بال بچے شاید کہیں گئے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے انھیں یہاں سے بھیجا ہی اس لیے گیا ہو کہ فرخ کو یہاں لا کر رکھنا تھا۔ بہر حال میں اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں میرے اندازے کے مطابق دیوار کا وہ سوراخ ہونا چاہیے تھا اسے خوش قسمتی سمجھنا چاہیے کہ وہ اس مکان کا سب سے اہم کمرہ ثابت ہوا۔ بی ڈی ممبر صاحب کی خواب گاہ جس میں ٹیلیفون بھی لگا ہوا ہے۔ موصوف اپنے بستر پر لیٹے خواب خرگوش کے مزے لیتے رہے اور میں میز کے نیچے ڈکٹا فون فٹ کر کے اور اس کے تار سوراخ کے ذریعے اس مکان میں گھسیڑ کر وہاں سے واپس چلا آیا۔ اس دوران میں میرے دل کی دھڑکنیں تھری ناٹ تھری سے زیادہ رہیں اور میرے جسم سے جو پسینہ خارج ہوا وہ آدھا سیر سے کم نہیں ہو گا۔"

"تم سنجیدہ گفتگو کرتے کرتے بہک کیوں جاتے ہو؟" میں جھنجھلا گئی۔

"دراصل میں تو کسی کو بھی دم مارنے کی اجازت نہیں دیتا۔" بالآخر رضوان ٹھنڈی سانس لے کر بولا "خیر! تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ واپس یہاں آ کر

میں نے تاروں کو ہیڈ فون سے جوڑا اور ہیڈ فون اپنی کھوپڑی پر چڑھا کر وقت گزارنے لگا۔ زبیری اپنی بیوی سے بہت ڈرتا ہے اس لیے وہ چلا گیا تھا میں نے ٹھیک تین بجے گھنٹی بجنے کی آواز سنی۔ بی ڈی ممبر صاحب کی خواب گاہ میں ٹیلیفون پکار رہا تھا۔ تھوڑے وقفے کے بعد بی ڈی ممبر صاحب نے ریسیور اٹھایا اور بہت مختصر سی گفتگو ہوئی۔ دراصل ٹیلیفون پر صرف یہ اطلاع دی گئی تھی کہ فرخ ساڑھے تین بجے اس کے مکان پر پہنچ جائے گی۔ مجھے اس اطلاع کا علم اس وقت ہوا جب بی ڈی ممبر صاحب نے آواز دے کر جعفر نامی اپنے کسی چیلے کو بلایا اور اسے اس کے بارے میں اطلاع دی۔ ارے باپ!" اچانک رضوان دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ پکڑے ہوئے تقریباً دہرا ہو گیا۔

مجھے اس کی یہ حالت دیکھ کر جھلاہٹ بھی ہوئی اور ہنسی بھی آئی۔ پھر جب میں بولی تو میری آواز میں بھی دونوں کیفیتوں کا امتزاج تھا۔

"ارے تو تم جلتے کیوں نہیں ہو؟"

"ہاں۔۔۔ اب۔۔۔۔ جانا ہی۔۔۔۔ پڑے گا"۔ رضوان نے اٹک اٹک کر کہا۔ "آپ دروازہ۔۔۔۔ بند کر لیجیے۔۔۔۔ باقی باتیں۔۔۔۔ واپس۔۔ آ کر بتاؤں گا"

"ارے تو اب جا بھی چکو جلدی سے!"

رضوان دروازے کی طرف مڑ کر چل دیا لیکن اس کی رفتار میں تیزی نہیں تھی۔ وہ قدم جما جما کر چل رہا تھا اور اس کی چال بدل گئی تھی۔ مجھے ہنسی آنے لگی۔ جسے میں نے بمشکل روکا۔

"بس۔۔ دس پندرہ منٹ میں آ جاؤں گا"۔ رضوان نے بھرائی ہوئی آواز میں اس وقت کہا جب بیرونی دروازہ کھول کر گلی میں قدم رکھ رہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد میں دروازہ بند کر کے ایک آدھ منٹ تک وہیں کھڑی ہوئی، رضوان کی مضحکہ خیز پوزیشن کا تصور کر کے لطف اندوز ہوتی رہی۔ اس دوران میں مجھے وہ خوفناک حادثہ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ جس کے نتائج مجھے بعد میں اگلے دن کے اخبارات سے معلوم ہوئے تھے۔

میں دبے قدموں اس کمرے میں پہنچی جہاں ایک تپائی پر ہیڈ فون رکھا ہوا تھا اور اس کے قریب دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک کرسی پر بیٹھ کر ہیڈ فون اپنے کانوں پر چڑھا لیا۔ خراٹوں کی آوازیں میرے کان میں پہنچنے لگیں۔ بی ڈی ممبر خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا لیکن یہ بات طے تھی کہ اس مکان میں کچھ لوگ ضرور جاگ رہے ہوں گے جن کو فرخ کی نگرانی پر مامور کیا گیا ہو گا۔

کراچی سے لاہور تک کے طوفانی سفر کی یادیں میرے ذہن میں تازہ ہو گئیں۔ جب میں کراچی سے چلی تھی تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں فرخ کو پا سکوں گی یا نہیں لیکن اب میرے اور فرخ کے درمیان میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ فرخ کی آزادی میری کس قسم کی کوششوں سے عبارت ہو سکتی ہے؟۔۔۔ رضوان سے گفتگو کرنے کے بعد ہی میں اس مسئلے کو حل کر سکتی تھی کیونکہ ابھی مجھے یہاں کے کوائف و تفصیلات کا

رضوان کوئی بیس منٹ بعد لوٹا۔ اس نے دستک دی

جا کر دروازہ کھولا تھا۔ اب اس کے چہرے پر سکون کی علامات نمایاں تھیں۔ اسے دیکھ کر بیساختہ مسکرا پڑی تو وہ اندر داخل ہوتا ہوا جھینپ کر بولا۔

"آپ کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب کچھ"

"اس میں کیا شک ہے"۔ میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔ "یہ جو سیلاب آتے ہیں، ان میں بھی میرا ہی ہاتھ ہوتا ہے"۔

رضوان نے دروازہ بند کیا اور ہم کمرے میں آ گئے۔ رضوان ایک جھٹکے سے اس طرح بیٹھا جیسے بہت تھک گیا ہو۔

"فرخ کے بارے میں اگر تمہیں کچھ معلومات حاصل ہوتی بتاؤ"۔ میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بی ڈی ممبر کے کمرے میں۔۔۔"

"اس بی ڈی ممبر کا نام کیا ہے؟" میں نے رضوان کی ہوئے پوچھا۔ "میرا خیال ہے کہ تم نے کچھ بتایا تو تھا لیکن اب

"اگر بتایا بھی ہو گا تو غلط بتایا ہو گا۔ مجھے اس کے نام غلط فہمی ہو چکی ہے۔ اس کا نام احمد یار خاں ہے۔ ہاں اس ہوا ہے کہ وہ لوگ اپنے دو آدمیوں کی گمشدگی کی وجہ سے پریشان ہیں اور اسی لیے فرخ کو بار بار ادھر سے ادھر منتقل کر رہے ہیں سراغ نہ لگایا جا سکے۔ احمد یار خاں اس بات پر جھلایا ہوا بھی پہلے سے کیوں پتا نہیں کیا گیا"۔

"کیا مطلب!" میں چونک کر بولی "یہ سودا کیسا؟"

"یہ بردہ فروشی کرنے والے لوگ ہیں خاتون!۔۔۔ آپ کا ہی ثابت ہوا ہے کہ ایک عرب ریاست کو بلاوجہ اس معاملے میں کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر اس کی کوئی وجہ ہے بھی تو وہ فی الحال سامنے نہیں آئی ہے"۔

"ہوں"۔ میں سوچتی ہوں رضوان کی آنکھوں میں دیکھ کر آہستہ سے بولی "اب یہ گروہ اور زیادہ پریشان ہو جائے گا"

"وہ کیوں؟"

"اپنی ہلاکت کا باعث وہ خود بھی تھا اس کے دو ساتھی بے ہوشی کی حالت میں چھوڑا تھا اور وہ اب تک اپنے مقامی صورت حال سے آگاہ کر چکے ہوں گے"۔

"خاتون!" رضوان نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے کہا "بیان فرمایا، وہ کس رسالے میں شائع ہوتا ہے؟"

میں بیساختہ مسکرا پڑی۔ میرے فقرے اتنے مبہم تھے ان کا مطلب نہیں سمجھ سکتا تھا۔ میں رضوان کو ان واقعات کی لگی جو مجھے جی ٹی روڈ پر پیش آئے تھے۔ ساری باتیں سننے کے پُرتفکر انداز میں سر ہلایا اور کہا۔

"تم واقعی بہت خطرناک عورت ہو۔ ان بے چارو

ہمیں سوچنا یہ ہے کہ فرخ کو کس طرح چھڑایا جائے"۔

"ان سے نپٹنے کے لئے غنڈہ گردی ہی کرنی پڑے گی"۔

مطلب؟"

زبیری سے بات کروں گا کہ وہ کرائے کے چند غنڈوں کا بندوبست کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ فرخ کو ان لوگوں سے چھین لیا جائے ان کا سہارا لیا تو کیپٹن آفاق اپنے اثر و رسوخ سے اس بہار لے گا"۔

"مگر یہ تو خیر کرنا ہی پڑے گی لیکن اس کے لیے کرائے کے غنڈوں جائے گی۔ ہمیں شور شرابے سے بچ کر کام کرنا ہے"۔

"کس طرح؟"

"اس کی ترتیب فی الحال تو مشکل ہی ہے"۔ میں نے جواب دیا "پر کڑی نظر رکھنا پڑے گی اور ان لوگوں کے کسی کمزور پہلو کی تاک موقع ملتے ہی ہم کام کر گزریں گے۔ صبح ہوتے ہی تم باہر نکل جانا جگہ سے احمد یار خاں کے گھر کی نگرانی کرتے رہنا۔ ادھر میں ہیڈ جا کر بیٹھ جاتی ہوں، شاید ان لوگوں کی گفتگو سے کوئی کارآمد لگے"۔

"بہت خوب!" رضوان نے پھر آنکھیں پٹ پٹائیں "میں جو اس وقت مرکز اہو گیا تھا، اس سے آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہیں۔ ملازم نہیں ہوں کہ آپ اس طرح احکامات صادر کریں"۔

"کرنا ہی پڑیں گے"۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ "کیونکہ مرد اس قابل خود کچھ کر سکیں"۔

"مجھے کبھی کچھ کرنے کا موقع تو دیں۔ سب مردوں پر آپ یہ الزام لگائیں کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے"۔

مت"۔

"جانے آپ کو کب عقل آئے گی!" رضوان نے ٹھنڈی سانس لے اپنی زندگی برباد کیے ڈال رہی ہیں کبھی چکھ کر تو دیکھئے۔ چکھے اپنے اوپر حرام کر لینے کا فعل، بذات خود حرام ہے"۔

جملے کا جواب دئیے بغیر کرسی سے اٹھی اور اس کمرے کے دروازے جہاں ہیڈ فون رکھا ہوا تھا۔ میرے پیچھے پیچھے رضوان بھی آیا۔ میں ہیڈ فون سر پر چڑھا کر بیٹھ گئی لیکن اب بھی صرف سنائی دے رہے تھے کچھ دیر تک میں اور رضوان خاموش پھر مدھم آواز میں باتیں کرنے لگے۔ دیوار کا وہ سوراخ بس تھا کہ ہماری ان باتوں کو احمد یار خاں کے کمرے میں

کچھ دیر بعد صبح کا اجالا، رات کی سیاہی میں گھلنے لگا تو اس سے پوچھا "ناشتے وغیرہ کا کیا رہے گا؟"

"ہی تیار کرنا ہے۔ سامان میں نے کل رات ہی کو لا کر رکھ

"ارے ہاں!" مجھے کچھ یاد آ گیا "حیدر بٹ اور خان جاوید کو تم لوگوں نے کہاں رکھا ہے؟"

"زبیری کے ایک مجرد دوست کے گھر پر"۔ رضوان نے جواب دیا "وہ بھی اخباری لائن کا آدمی ہے"۔

"جب تک ہم فرخ کو آزاد نہ کرا لیں، ان دونوں کو قید ہی میں رکھنا پڑے گا"

"وہ تو ظاہر ہے"

"اچھا تو پھر اب تم ناشتہ تیار کر لو!"

"یہ عورتوں کا کام ہے خاتون!"

"اب تم مردوں کو یہ خناس اپنے دماغ سے نکال دینا چاہیے"

"خناس تو ایک روز آپ ہی کے دماغ سے نکالنا پڑے گا"

رضوان نے کہا اور پھر ٹھنڈی سانس لیکر کھڑا ہوتا ہوا بولا "خیر! اس وقت تو ناشتہ میں ہی تیار کئے لیتا ہوں کیونکہ بحث میں وقت ضائع کر کے میں اپنے معدے پر ظلم نہیں کرنا چاہتا"۔

رضوان اس کے کمرے سے چلا گیا اور میں ہیڈ فون سر پر چڑھائے بیٹھی رہی۔ اب بھی صرف خراٹے ہی سنائی دے رہے تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ اس ہیڈ فون ہی کے ذریعے کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے گی کہ فرخ کے سلسلے میں کچھ کر گزرنا آسان ہو جائے گا۔

تھوڑی دیر بعد خراٹے بند ہو گئے۔ غالباً احمد یار خاں جاگ چکا تھا۔ کوئی ایک منٹ بعد اس کے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر دروازہ کھلا اور قدموں کی آواز معدوم ہو گئی۔ احمد یار خاں کمرے سے چلا گیا تھا۔ پانچ چھ منٹ بعد قدموں کی آہٹ پھر سنائی دی اور اس کے بعد بھاری بھرکم آواز میں جعفر کو پکارا گیا۔ وہ آواز احمد یار خاں ہی کی ہو سکتی تھی۔ کچھ دیر بعد میں نے اسے جعفر سے کہتے ہوئے سنا۔

"لڑکی کا کیا حال ہے"

"وہ بدستور مدہوش ہے استاد!۔۔۔ سات بجے اسے پھر خواب آور دوا کا انجکشن لگا دیا جائے گا"۔ جعفر نے جواب دیا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ پھر ریسیور اٹھایا گیا اور احمد یار خاں کی آواز آنے لگی "ہیلو۔۔۔۔ ہاں میں بول رہا ہوں۔۔۔۔ ارے!۔۔۔۔ کیسے؟۔۔۔۔ اوہ! یہ تو برا ہوا۔۔۔ خدا غارت کرے اسے۔ یہ عورت ہے یا بلا؟ اچھا پھر اب؟۔۔۔۔ ہوں۔۔۔۔ ہوں۔۔۔۔ ہوں"۔ احمد یار خاں کچھ دیر تک صرف "ہوں، ہوں" کرتا رہا اور پھر بولا "میں سمجھ گیا"۔ اس کے بعد ریسیور کو کریڈل پر رکھنے کی آواز سنائی دی۔

"جعفر!۔۔۔ اب تو میری بھی یہ خواہش ہے کہ اس عورت کو دیکھوں جو کسی کے قابو میں نہیں آتی"۔ احمد یار خاں بولا۔ "حیدر بٹ اور خان جاوید کی تلاش میں سجاد، رحیم اور مودی کو

...کہ انہیں راستے میں حیدر بٹ کی کار نظر آگئی جسے ایک عورت چلا رہی تھی۔" احمد یار خاں نے وہ ساری تفصیلات دہرائیں جن کا علم مجھے پہلے ہی سے تھا، بلکہ وہ سب میرے مشاہدے کی باتیں تھیں۔ سب کچھ بیان کرنے کے بعد احمد یار خاں نے کہا "وہ واقعی چھلاوہ ہے کسی کے قابو میں آکر نہیں دیتی۔"

"استاد! کبھی وہ ہمارے ہتھے چڑھ گئی تو . . . . ."

"لات دگزاف کی ضرورت نہیں۔" احمد یار خاں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "تم خان جاوید سے تیز نہیں ہو۔"

"استاد! خان جاوید اور حیدر بٹ کو تو یہ بات معلوم تھی ناکہ اس لڑکی کو یہاں لایا جائے گا!"

"ہاں۔"

"کہیں انہوں نے بتا نہ دیا ہو۔"

"اگر انہوں نے بتا دیا ہوتا تو ہم اب تک کسی خطرے سے دوچار ہو چکے ہوتے۔"

"یہ بلا آخر کب تک ہمارے گلے میں پڑی رہے گی؟"

"بس آج تین بجے تک۔ ابھی مجھے اسی کے بارے میں ہدایت ملی ہے۔"

"اب اسے کہاں پہنچانا ہوگا؟"

"کہیں پہنچانے کی ذمے داری ہم پر نہیں ڈالی گئی ہے۔ غالباً اس کا سودا ہو چکا ہے اس لیے حسب سابق ہمیں یہ نہیں معلوم ہو سکے گا کہ اسے کہاں لیجایا گیا ہے۔ ٹھیک تین بجے سفید رنگ کی ایک بیوک ہمارے دروازے پر آکر رُکے گی اور اس میں ڈرائیور کوئی عورت ہوگی۔ تم لوگ اس لڑکی کو سنبھالے ہوئے، دروازے پر رُکے رہنا اور جب میں اشارہ کردوں تو لڑکی کو لیجا کر بیوک کی پچھلی سیٹ پر ڈال دینا۔"

اُدھر احمد یار خاں، جعفر کو ہدایات دے رہا تھا اور اِدھر میرے دماغ نے برق سرعت سے کام شروع کر دیا تھا۔ میرے ذہن میں اس سوال کی گونج پھیل رہی تھی کہ کیا میں اس عورت کی جگہ لے سکتی ہوں؟

اتنے میں رضوان ناشتے کی ٹرے سنبھالے کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے فوراً ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔ رضوان کا کھلا ہوا منہ فوراً بند ہو گیا اور میں پوری توجہ سے احمد یار خاں کی آواز سنتی رہی۔

"تم لوگوں کو اس عورت سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لڑکی کو بیوک کی پچھلی سیٹ پر ڈال کر دروازہ بند کر دینا۔ کار فوراً حرکت میں آجائے گی۔"

"کیا ہم اس عورت کو پہلے کبھی دیکھ چکے ہیں؟ مطلب یہ کہ وہ ہم ہی میں سے کوئی ہے یا . . . . . ."

"اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا گیا لیکن ہے کہ وہ صرف تمہارے لیے ہی نہیں بلکہ میرے لیے ہوگی۔"

"استاد! یہ پہلی لونڈیا ہے جسے چھونے کی بھی ہم کو اجازت نہیں۔"

"اسی لئے تو تم لوگ اسے الا بلا کہہ رہے ہو اس سے نجات حاصل کرنا چاہتے۔" احمد یار خاں نے ہنس

"نجات حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے استاد کہ کوئی بے قابو نہ ہو جائے۔ اس کا جسم مکھن کی طرح ہے۔"

"اچھا بس اب دفع ہو جا! میرے لیے ناشتہ!"

جعفر بے حیائی سے ہنسنے لگا اور اس کے قدموں کی دی۔ جب وہ چاپ معدوم ہو گئی تو میں نے مسکرا کر رضوا دیکھا جو ناشتے کی ٹرے تپائی پر رکھ کر کھڑے کھڑے میرا جا رہا تھا۔

"کیا میرے سر پر کودنے کا پروگرام ہے!" میں بو

رضوان ٹھنڈی سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گیا اور نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ وہ یہ جاننے کے لیے منہ میں نے ہیڈ فون پر کیا سنا ہے لیکن وہ اپنے چہرے پر اضطر نہیں ہونے دے رہا تھا۔

"لاؤ . . . . دیکھیں، کیا ناشتہ تیار کیا ہے تم نے؟ ٹرے اپنی طرف کھسکائی جس میں ابلے ہوئے انڈوں اور چا کچھ نہیں تھا۔ میں منہ بنا کر بولی "ربے اناڑی کے اناڑی ڈبل روٹی تو ہونی چاہیے تھی۔"

"بیچارے چوہوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ وہ میں لایا ہوں۔"

"اوہ!" میں ہنس پڑی "چلو خیر!"

"ہیڈ فون۔" رضوان دانت پر دانت جما کر بولا۔

"آج تین بجے کا وقت ہمارے لیے بہت اہم ہے" اس سے کہا اور پھر احمد یار خاں کی وہ ساری باتیں دہرانے لگی سنی تھیں۔ ان باتوں کے ساتھ ساتھ میں نے انڈوں کو بھی لگا کیا اور رضوان کو بھی اشارہ کیا کہ وہ کاہلی نہ برتے۔

جب میں خاموش ہو گئی تو رضوان بولا "اگر تم کسی طرح عورت کی جگہ لے لو تو مزہ آجائے۔"

"یہی خیال مجھے بھی آیا تھا۔"

"اگر پانچ چھ آدمیوں کا بندوبست ہو جائے تو یہ کام ہے"

"وہ کیسے؟"

"اس گلی کے دائیں بائیں دو بڑی سڑکیں ہیں۔ ظاہر

کو متعین کر دیں اور پھر جب وہ بیوک اس گلی کے قریب طرح اسے چار پانچ منٹ کے لیے روک لیا جائے۔ اس وقفے کام کر گزرو۔"

"ہمارے آدمی اس بیوک کو پہچانیں گے کیسے؟"

"پہچان کافی ہے کہ اسے کوئی عورت چلا رہی ہوگی۔"

"گویا دنیا کی کوئی دوسری عورت بیوک نہیں چلا سکتی؟"

"چلا تو سکتی ہے لیکن یہ اتفاق لاکھوں میں سے ایک ہو سکتا ہے وقت پر کوئی عورت بیوک چلاتی ہوئی ادھر سے گزرے۔"

رضوان کی دلیل میں خاصا وزن تھا۔ میں نے سر ہلایا اور بولی۔

"کیا کیسے جائے گا؟"

"اگر کوئی اسکوٹر گاڑی کے مڈگارڈ سے ٹکرا جائے تو یہ معمولی عورت کو پانچ دس منٹ کے لیے تو روک ہی سکتا ہے۔"

"آخری سوال یہ ہے کہ میرے پاس سفید بیوک کہاں سے آئے گی؟"

"کرائے پر حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں۔"

"اور یہ سارے انتظامات زبیری کے توسط سے ہو سکتے ہیں؟"

"باآسانی۔" رضوان نے جواب دیا۔

"بس تو پھر تم ناشتہ کر کے فوراً روانہ ہو جاؤ۔"

رضوان اپنے حصے کے انڈے اڑا چکا تھا۔ اس نے ایک گلاس چائے کی پیالی اٹھائی اور وقفے وقفے سے چھوٹے چھوٹے ... ہوا کسی سوچ میں ڈوبا رہا۔

اس دوران میں مجھے ہیڈ فون پر آوازیں سنائی دیتی رہیں ... میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں تھی کہ ان کا ذکر کیا جائے۔ ناشتے کے بعد جب رضوان جانے لگا تو میں نے اس سے کہا۔

"اب میں کوئی بک اسٹال تو ہوگا!"

"ہاں۔ کیوں؟"

"مجھے ایک اخبار خرید کر دیتے جاؤ تاکہ مجھے وقت گزاری کا ... ہو جائے۔" میں نے کہا۔

رضوان پانچ منٹ میں اخبار لے کر آگیا اور مجھے دیتا ہوا بولا۔

"پہلا صفحہ پڑھے جسے تم خاص طور پر پڑھنا چاہتی ہو۔"

"وہ میں دیکھ لوں گی، تم جاؤ!"

رضوان کو رخصت کر کے میں نے دروازہ بند کر لیا اور ہیڈ فون ... ہی میں آبیٹھی۔ ہیڈ فون سر پر چڑھا لیا اور اخبار کا آخری صفحہ ... لگی جس پر خبر کے ساتھ جی ٹی روڈ کے حادثے کی دو تین ... بھی چھپی تھیں۔ جھکڑے کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے ... کے مطابق "اسے چلانے والا اپنی دونوں ٹانگوں سے ... گیا تھا۔" یہ پڑھ کر مجھے بہت اذیت پہنچی۔ مجھے اس کے

فیصلہ کیا کہ ان بدنصیبوں کی کچھ نہ کچھ مدد ضرور کروں گی۔ کچھ دن بعد میں نے اپنے فیصلے پر عمل بھی کیا۔ بیل گاڑی والے اور لیس شی کی کریانے کی ایک بہت بڑی دکان آج کل ملتان ہی میں ہے جسے وہ اپنے ملازمین کی مدد سے چلاتا ہے۔

اس حادثے میں موری ہلاک ہو گیا تھا۔ پولیس رپورٹ کے مطابق اس کا شمار غیر پسندیدہ عناصر میں کیا جاتا تھا۔

میں نے دوسری خبروں پر سرسری سی نظر ڈالی اور اخبار تپائی پر ڈال دیا۔ ہیڈ فون پر اب مجھے کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ غالباً احمد یار خاں اب کمرے میں نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ مکان سے ہی چلا گیا ہو۔

مجھے زبیدہ کا خیال آیا جس سے مجھے آج دو بجے لوہاری گیٹ پر ملنا تھا۔ دو بجے وہاں اور تین بجے یہاں! . . . . ذرا سی الجھن پیدا ہو گئی تھی۔ کام تو کوئی خاص نہیں تھا اور میں تین بجے تک یہاں لوٹ سکتی تھی لیکن اگر غیر متوقع طور پر کوئی چھوٹی سی بھی گڑبڑ ہو جاتی تو کسی بڑی الجھن کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔

میں اُدھیڑ بُن کا شکار رہی اور کافی وقت گزر گیا۔

ساڑھے بارہ بجے کے قریب دروازے پر رضوان کی مخصوص دستک سنائی دی۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا۔ رضوان جب اندر آیا تو بے حد مطمئن نظر آرہا تھا۔

"سب بندوبست ہو گیا ہے۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔ "بیوک بھی کرائے پر حاصل کر لی گئی ہے اور ایسے آدمی بھی مل گئے ہیں جو اس بیوک کو ہر قیمت پر روکنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر ایکسیڈنٹ سے بات نہیں بنی تو وہ کوئی دوسرا حربہ استعمال کریں گے لیکن اس کام میں انھیں ناکامی نہیں ہوگی۔ اس کام کے عوض انھوں نے تین ہزار روپے کا مطالبہ کیا تھا۔ وقتی طور پر تو یہ ادائیگی زبیری کر دے گا لیکن بعد میں اسے یہ روپے فرخ کے والد سے دلوا دیے جائیں گے۔"

"اخراجات کی بالکل پروا نہ کرو۔ فرخ کے والد سے بھی اس کا تذکرہ مت کرنا۔ ایک ایک پائی میں خود ادا کروں گی۔"

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے اندرونی کمرے میں آگئے اور رضوان بستر پر ڈھیر ہوتا ہوا بولا "ہیڈ فون پر کوئی اور خاص بات تو نہیں سنی؟"

"نہیں۔ میرا خیال ہے کہ احمد یار خاں کسی کام سے کہیں چلا گیا ہے۔" میں نے جواب دیا اور پھر پوچھا "بیوک کب ملے گی؟"

"وہ تو لے لی گئی ہے۔ میں اسے یہاں بھی لا سکتا تھا لیکن خدشہ یہ تھا کہ اگر احمد یار خاں کے آدمیوں کی نظر اس پر پڑ گئی تو وہ خواہ مخواہ اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ میں اسے لکشمی چوک پر کھڑا کر آیا ہوں۔ تم یہاں سے ڈھائی بجے ٹیکسی میں روانہ

ہو رہا تھا۔ دو دن کے بعد سے تم جب اپنی آدمی کو دن بجے دے
بھول گئے۔ گلی کے ایک سرے پر میں اور دوسرے سرے پر زبیری
کھڑا ہو گا۔ تم کسی طرف سے بھی آؤ، تمہیں لائن کلیئر کا اشارہ مل جائے گا۔
ہاں اگر کچھ گڑبڑ ہو گئی، جس کا امکان بہت کم ہے تو ہم تمہیں خطرے کا
اشارہ دیں گے۔“

رضوان نے مجھے ”لائن کلیئر“ اور ”خطرے“ کے اشارے بھی بتلائے۔
”بڑی تیزی سے منصوبہ بندی کی ہے تم نے!“ میں ایک طویل
سانس لے کر بولی۔

”اگر آپ کبھی موقع دیں تو بھی منصوبہ بندی کو نظر انداز نہیں
کروں گا۔“

”کیسا موقع؟“ میں بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔
”منصوبہ بندی کا موقع۔“ وہ بڑی معصومیت سے بولا
لیکن اس کے چہرے پر ناچتی ہوئی شرارت مجھ سے چھپی نہ رہ سکی۔ میں
بُری طرح جھلا گئی۔ وہ اتنا اچانک بہکتا تھا کہ ذہن کو اچھے خاصے جھٹکے کی
کیفیت برداشت کرنا پڑتی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ میری جھلاہٹ
ترش الفاظ کا جامہ پہنے، اس نے جلدی سے اپنے چہرے پر ہر سنجیدگی
طاری کر لی اور کہا ”ٹھیک ڈھائی بجے تم یہاں سے روانہ ہو جانا۔“

”میری روانگی تو سوا بجے ہو گی۔“
”اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے؟“
”مجھے ایک کام سے لوہاری جانا ہے۔“
”یہ غیر متوقع طور پر کیا کام نکل پڑا ---؟“
”غیر متوقع تمہارے لئے تو ہو سکتا ہے لیکن میرے لئے نہیں ہے۔“
”آخر کام کیا ہے؟“

”یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ تم اس میں نہ پڑو۔“
رضوان نے بہت چاہا کہ مجھ سے کام کی نوعیت معلوم کر لے
لیکن میں نے اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھی۔ معاملہ چونکہ ایک
لڑکی کا تھا اس لئے رضوان کو طنز کرنے کا موقع مل جاتا۔

لیکن میری اس رازداری نے رضوان کو تشویش میں مبتلا
کر دیا۔ اس کا یہ سوچنا بجا بھی تھا کہ میرے نامعلوم کام کی وجہ سے
فرخ کے معاملے میں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔

”تمہیں اتنا فکر مند نہیں ہونا چاہیئے۔“ میں نے سمجھانے والے
انداز میں کہا ”تم فرخ کے معاملے میں اتنے حساس نہیں ہو سکتے جتنی
حساس میں ہوں۔“

رضوان نے غور سے میری طرف دیکھا لیکن میری باتیں اس کے
چہرے سے تفکر کے نشانات نہیں مٹا سکی تھیں۔
”میرا خیال ہے کہ اب ذرا پھر ہیڈ فون کو آزما لیا جائے۔“
میں کھڑی ہوتی بولی۔

”ٹھہرو!... جب تم سوا بجے یہاں سے روانہ
ہو تو کھانا کھا لو!“ یہ کہتے ہوئے رضوان نے وہ پیکٹ تپائی
جو ابھی تک اس کے ہاتھ میں رہا تھا ”ایک ریسٹورنٹ
دو لنچ باکس خرید لایا ہوں۔“

”یہ بھی اندرونی کمرے میں اٹھا لے چلو۔ ہیڈ فون
کی باتیں بھی سنتے رہیں گے اور کھانا بھی کھا لیا جائے گا۔“
رضوان نے مجھ سے اختلاف نہیں کیا۔ فکر مند ہوتے
ہوئے سنجیدہ بھی ہو گیا تھا۔ مجھے جھنجھلاہٹ سی ہونے لگی
اتنا غیر ذمے دار کیوں سمجھ رہا ہے؟ اسے فرخ کی فکر مجھ
ہرگز نہیں ہو گی ---!

دوسرے کمرے میں کرسی پر بیٹھ کر وہ لنچ باکس کھو
اور میں نے ہیڈ فون سر پر چڑھا لیا۔ فوراً ہی مجھے احمد یار خا
سنائی دی۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا ”اسے ہوش آ گیا ہے
کھانا دے دو۔ کھانے کے بعد پھر مدہوشی کی دوا دے دینا
یہ ذکر صریحاً فرخ ہی کا ہو سکتا تھا۔

جواب میں کہا گیا ”لیکن ہوش میں آنے پر وہ کچھ کھ
کی بجائے رونا اور گڑگڑانا شروع کر دیتی ہے کہ اسے چھوڑ دیا جا
”اب وہ اتنی بھوکی ہو گی کہ نہ اس کے آنسو بہ سکیں
وہ گڑگڑا سکے گی۔ جاؤ!“ احمد یار خاں کا لہجہ خشک ہو گیا۔
پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔
اِدھر میں فرخ کی حالت زار کا تصور کر کے اپنے دل
سی محسوس کرنے لگی۔ میرا جی چاہا کہ ریوالور لے کر اس مکان
اور احمد یار خاں پر اتنی گولیاں برساؤں کہ اس کے جسم میں سو
سوراخ ہو جائیں۔

میرے چہرے کے تاثرات بھی شاید میرے دل کی
گئے تھے کیونکہ رضوان اچانک سوال کر بیٹھا ”کوئی نئی بات؟

”فرخ کو ہوش آ گیا ہے اور وہ بھوک پیاس سے
رہی ہے۔“ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
رضوان کے چہرے کی بھی رنگت متغیر ہو گئی لیکن و
ہی رہا۔ یہ ایک ایسا جذباتی مرحلہ آ گیا تھا کہ نہ تو میں ٹھیک
کھا سکی اور نہ رضوان نے کھایا۔ ہم دونوں ہی نے دو چار لقمے
کر کے ہاتھ روک لیا۔
ایک بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ میں نے جلدی
حلیہ درست کیا اور روانگی کے لئے تیار ہو گئی۔
رضوان نے مجھ سے دوبارہ میرے کام کے بارے
استفسار نہیں کیا اور جب میں مکان سے باہر نکل چکی تھی ا
بند کرتے وقت بھی اس کے چہرے پر فکر و تشویش اور ناگوار

...س کی چابی میرے حوالے کرتے ہوئے بھی اس نے مجھے برقت
کی تاکید نہیں کی تھی۔
مین روڈ سے میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور لکشمی چوک کی طرف
ہو گئی۔ رضوان نے مجھے کار کا نمبر اور وہ جگہ بتا دی تھی جہاں اس
نے کھڑی کی تھی۔ ویسے حق بات تو یہ ہے کہ دھڑکا مجھے بھی لگا
یہ بات بعید از قیاس نہیں تھی کہ مجھے کسی معاملے میں اُلجھنے
کے باعث کرشن نگر پہنچنے میں دیر ہو جاتی۔ زبیدہ نے مجھ سے جس
مدد کی درخواست کی تھی وہ انداز کسی پیچیدگی کی نشاندہی کر رہا تھا
کسی بات سے خائف تھی اور وہی خوف اسے فرار پر اکسا رہا
لئے یہ بات بھی قابل غور تھی کہ اسے اپنے ساتھ لے جانا
کس قسم کی پریشانیاں کھڑی کر سکتا ہے؟
میں کسی نتیجے تک پہنچنے سے پہلے لکشمی چوک پہنچ گئی۔ ٹیکسی
کا کرایہ ادا کر کے رخصت کر دیا۔ چوک کی ... ڈھونڈنے میں مجھے
دیر بھی نہیں لگا تھا۔ وہ اُسی عمارت کے نیچے کھڑی ہوئی تھی جہاں
ویڈیو پکچرز کا دفتر ہے۔ نہ جانے اس زمانے میں بھی وہ دفتر وہاں
تھا یا نہیں ویسے مجھے کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ تھا۔
چوک میں بیٹھ کر میں لوہاری کی طرف روانہ ہو گئی اور جب وہاں
میں سست رفتار ڈرائیونگ کرتی ہوئی بجٹ ہال کے سامنے
پہنچی تو ادھر اُدھر نظر دوڑانے کے باوجود بھی مجھے زبیدہ نظر
نہ آئی۔ میں اردو بازار تک نکل چلی گئی اور پھر وہاں سے لوٹی۔ اسی طرح
کئی چکر لگائے اور میرا اضطراب و خلفشار بڑھتا رہا۔ زبیدہ نے
بات کرتے ہوئے جو لہجہ اختیار کیا تھا، اس میں کوئی لچک نہیں تھی۔ مجھے
یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گی لیکن وہ نہیں آئی تھی۔
ڈھائی بجے تک میں اس علاقے میں چکر لگاتی رہی اور جب میری
بے چینی آخری حد کو چھو لیا تھا تو وہ اچانک میری گاڑی کے سامنے آ گئی
اس نے مجھے دیکھ لیا تھا اور ہاتھ ہلا کر رُکنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ میں نے
قریب گاڑی روک دی اور اپنی برابر کی سیٹ کا دروازہ کھولتی
ہوئی بولی ”آؤ بیٹھو! جلدی کرو! تم کہاں رہ گئی تھیں؟“ میری آواز
میں جھلاہٹ کا کچھ کچھ اثر تھا۔
”ابھی ابھی بس سے یہاں پہنچی ہوں!“ وہ میرے برابر میں
بیٹھتی ہوئی بولی اور میں نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کر لیا۔ پھر گاڑی کو
آگے بڑھائی اور اس کی رفتار میں اضافہ کرتی چلی گئی۔
”میم صاحب جی!“ وہ سہمے ہوئے انداز میں بولی ”کیا آپ
مجھ سے ناراض ہو گئیں؟“ اس کی آواز بھرا گئی تھی اور جب میں نے
اس کی طرف دیکھا تو مجھے اس کی آنکھوں میں آنسو بھی تیرتے ہوئے
نظر آئے۔
ایک دم میرا دل جیسے پگھل کر رہ گیا اور میں نے جلدی سے

کہا ”ارے نہیں پگلی! میں بھلا تم سے کیوں ناراض ہوں گی؟ ہاں مجھے
غصہ آنے لگا تھا۔ تیرے دیر سے آنے پر کیونکہ میں ایک انتہائی ضروری
کام چھوڑ کر آئی ہوں۔“
”مجھے معاف کر دیجئے میم صاب جی!... اگر راستے میں بس
خراب نہ ہو جاتی تو میں دو بجے سے بھی پہلے یہاں پہنچ جاتی۔“
”خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ کہ تم اپنا گھر چھوڑ کر کیوں بھاگنا
چاہتی ہو؟“
”مجھے اپنے باپ سے ڈر لگتا ہے میم صاب جی!... اس کی نظریں
اچھی نہیں ہیں۔ وہ بھنگ بھی پیتا ہے۔ کبھی اسے زیادہ نشہ ہو گیا تو وہ میرے
ساتھ نہ جانے کیا کر بیٹھے۔“
زبیدہ نے بڑی صاف صاف بات کی تھی لیکن مجھے کچھ یقین نہیں
آیا۔ میں حیرت سے بولی ”یہ تم اپنے باپ کے بارے میں کہہ رہی ہو؟“

”وہ میرا سوتیلا باپ ہے۔“ زبیدہ نے بتایا۔
”اوہ!“ میں نے ایک طویل سانس لی۔
”جب میرا باپ مر گیا تھا تو میری ماں نے اس سے شادی
کر لی تھی۔ اب میری ماں بھی زندہ نہیں ہے۔ میں گھر میں اس کے ساتھ
اکیلی رہتی ہوں۔ مجھے اس کی نظروں سے ڈر لگتا ہے اور اسی سبب سے
میں کئی کئی دن کے لئے صغرا کے پاس چلی جاتی ہوں۔ اب اگر آپ نے
مجھے سہارا دے دیا تو اس سے میری جان چھوٹ جائے گی۔“
”اگر تمہاری گمشدگی پر اس نے پولیس میں رپورٹ کر دی تو
کیا ہو گا؟“
”پولیس آپ کا کیا بگاڑ سکتی ہے میم صاب جی!... میں
ڈنکے کی چوٹ پر کہہ دوں گی کہ آپ کے قدموں میں رہ کر زندگی گزارنا
چاہتی ہوں۔“
میں نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا اور اس معاملے کی پیچیدگی پر
غور کرتی ہوئی ڈرائیونگ کرتی رہی۔ زبیدہ بالغ تھی اور اس کا بیان بھی
میرے خلاف نہیں ہوتا لہٰذا مجھ پر اغوا کا مقدمہ قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ میں
نے فیصلہ کیا کہ مجھے زبیدہ کو اس مصیبت سے ضرور نجات دلانا چاہیئے
ورنہ سوتیلا باپ کسی نہ کسی روز بھنگ کے نشے میں اس کی زندگی
برباد کر دے گا۔
اب اسے میری حماقت کہا جائے یا کچھ اور کہ میں زبیدہ کی بھولی
بھالی معصوم صورت سے دھوکا کھا گئی اور مجھے اندازہ نہ ہو سکا کہ
وہ کتنی بڑی حرافہ ہے۔ اس کا علم تو مجھے بعد میں ہوا تھا اور میں ہکا بکا
رہ گئی تھی لیکن اس وقت تو مجھے اس پر ترس ہی آیا تھا۔
اس کی مدد کا فیصلہ کرنے کے بعد میرے سامنے یہ الجھن آ پڑی
کہ فی الحال اسے کہاں چھوڑ دوں۔ احمد یار خاں کے گھر پر مجھے تن تنہا جانا
چاہیئے تھا اور مجھے اتنی مہلت حاصل نہیں تھی کہ اسے کسی ہوٹل میں لے
جا کر ایک کمرہ دلا دیتی۔

میرے ذہن میں در آیا۔ میں نے گاڑی ایک جگہ روک دی اور زبیدہ سے کہا "تم یہیں اتر جاؤ اور اسکول کے پھاٹک کے پاس میرا انتظار کرو۔ میں پانچ دس منٹ میں واپس آجاؤں گی۔"

زبیدہ متذبذب نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی "آپ ضرور آئیں گی نا میم صاب جی؟"

"ہاں ہاں پگلی!... آؤں گی کیوں نہیں؟" میں نے اس کا گال تھپتھپایا۔ "دراصل مجھے ایک صاحب سے کچھ کام ہے۔ اگر میں تم کو اپنے ساتھ لے گئی تو وہ تمہیں شبے کی نظروں سے دیکھیں گے۔ تم اپنے حلیے سے کوئی شہری لڑکی نہیں معلوم ہو رہی ہو۔ میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں واپس آجاؤں گی۔"

"اچھا میم صاحب جی! میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

میں نے دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ کار سے اتر گئی۔ میں نے دروازہ بند کیا اور گاڑی کو حرکت میں لے آئی۔ میں تیز رفتاری سے احمد یار خاں کے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ میری نظریں بار بار کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر پڑ رہی تھیں۔ حالانکہ مجھے دیر نہیں ہوئی تھی لیکن دل و دماغ پر اضطراب چھاتا چلا جا رہا تھا۔

میں جس راستے سے گلی تک پہنچی، وہاں زبیری کھڑا ہوا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا لیکن مجھے اس کی طرف سے "لائن کلیئر" کا اشارہ نہیں ملا۔ مجھے بیوک روک دینا پڑی اور میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے قریب کی دکانوں کو اس طرح دیکھنے لگی جیسے مجھے کسی خاص دکان کی تلاش ہو۔ ساتھ ہی ساتھ میں کنکھیوں سے زبیری کی طرف بھی دیکھتی جا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ زبیری بھی مضطرب تھا اور اس کی نظریں گلی کے دوسرے سرے پر لگی ہوئی تھیں۔ اس سرے پر غالباً رضوان ہوگا۔ زبیری کو جب رضوان سے اشارہ ملتا تو وہ مجھے اشارہ دیتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ بیوک اسی راستے سے آتی جہاں میں رکی ہوئی تھی۔ اس صورت میں سارا تماشہ میری نظروں کے سامنے ہی ہو جاتا۔

اب ٹھیک تین بجے تھے۔

گزرتے ہوئے سیکنڈ مجھ پر صدیوں کا بوجھ ڈالے دے رہے تھے کہیں ایسا تو نہیں کہ پروگرام میں کوئی تبدیلی آگئی ہو؟... حالانکہ ابھی کچھ ایسی دیر نہیں ہوئی تھی لیکن ایسے موقعوں پر تاریک پہلو کچھ زیادہ ہی شدت سے ابھرتے ہیں۔

تین بجنے کے بعد غالباً ڈیڑھ منٹ اور گزرا ہوگا کہ مجھے زبیری کی طرف سے لائن کلیئر کا اشارہ ملا۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ میں فوراً بیوک کو حرکت میں لے آئی اور اسے برق رفتاری سے گلی کی طرف لے گئی۔ موڑ پر مجھے رفتار کم کرنا پڑی اور بیوک جیسے ہی زبیری کے قریب سے گزری، زبیری نے ایک لفافہ کھڑکی سے میری گود میں ڈال دیا۔ اس نے یہ حرکت بڑی پھرتی اور صفائی سے کی تھی لیکن اتفاق سے قرب و جوار میں کوئی تھا

لفافہ اٹھا کر میں نے فوراً اپنی ران کے نیچے دبا لیا کیونکہ مجھے فرصت کہاں تھی کہ اسے پڑھتی۔ بمشکل سے بیس سیکنڈ میں بیوک احمد یار خاں کے مکان پر پہنچ گئی۔ اس لفافے نے مجھے شدید الجھن میں ڈال دیا تھا کیونکہ اس قسم کی کوئی بات پروگرام میں شامل نہیں تھی۔

بیوک رکتے ہی میں نے احمد یار خاں کے مکان کا دروازہ کھلتے دیکھا۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی باہر نکل کر بیوک کی طرف آنے لگا۔ غالباً احمد یار خاں ہوگا۔

دفعتاً ایک خیال میرے ذہن میں بجلی کی طرح چمکا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ایک دوسرے کی شناخت کے لیے، بلکہ شاید صرف میری شناخت کے لیے کچھ خفیہ الفاظ مقرر ہوئے ہوں۔ اس کے ساتھ ہی یہ امکان بھی تھا کہ رضوان کو بعد میں ان خفیہ الفاظ کا علم ہوا ہو اور اس نے بذریعہ خط مجھے ان سے باخبر کرنے کی کوشش کی ہو۔

احمد یار خاں اب بیوک سے دو چار قدم کے فاصلے پر تھا اور مجھے وہ لفافہ کھول کر دیکھنے کی ذرا بھی مہلت حاصل نہیں تھی۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ناکامی کا تصور بھی سوہانِ روح تھا۔

احمد یار خاں بالکل قریب آگیا اور ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی پر جھکتا ہوا سوالیہ انداز میں بولا "فرخ؟"

میرا دل اب بری طرح اچھلنے لگا۔ فرخ؟ یہ محض ایک سوال بھی ہو سکتا تھا اور شناخت کا خفیہ لفظ بھی جس کے جواب میں شاید مجھے بھی کوئی خاص لفظ کہنا چاہیے تھا لیکن کہتی تو میں اس صورت میں جب مجھے کچھ پتا ہوتا۔ میں بس اتنا کر سکی کہ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی اس حرکت کے ردعمل کا انتظار کرنے لگی۔

احمد یار خاں کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں پیدا ہوا۔ اس نے مڑ کر مکان کے دروازے کی طرف دیکھا۔ شاید اس کی آنکھوں نے کچھ کہا ہوگا۔ فوراً ہی دروازے کے دونوں پٹ کھل گئے اور میں نے فرخ کو دیکھ کر اپنے جسم میں مسرت کی لہریں محسوس کیں۔ دو آدمی اسے اس طرح پکڑ کر سہارا دیئے ہوئے باہر لا رہے تھے۔ فرخ پر مدہوشی کی کیفیت طاری تھی لیکن عام لوگ اسے دیکھ کر شاید یہی سمجھتے کہ وہ بیمار ہے اسے ہسپتال لے جانے کے لیے سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا جا رہا ہے۔ احمد یار خاں اب بیوک سے دور ہٹ گیا تھا۔

وہ دونوں آدمی فرخ کو بیوک کے قریب لے آئے۔ پھر انہی میں سے ایک نے بیوک کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور پھر دونوں نے مل کر فرخ کو سیٹ پر ڈال دیا۔ میری رگ رگ میں نشہ سا تیرنے لگا۔ آدمی کو غیر متوقع طور پر کامیابی ہوتی نظر آئے تو کچھ ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے۔

ان دونوں نے فرخ کو اندر ڈال کر جیسے ہی دروازہ بند کیا، میں گاڑی کو حرکت میں لے آئی۔ میں نے اتنی تیزی سے گیئر پر گیئر بدلے جیسے شیطان میرے تعاقب میں دوڑ رہے ہوں۔ حالانکہ گلی کے اختتام

تمہارے بیرم ...

دائیں طرف لوگوں کا ہجوم نظر آ رہا تھا اس لئے مجھے بائیں جانب مڑنا پڑا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ ہجوم جائے حادثہ پر ہوگا۔ شاید کچھ مخنت ہو گیا تھا۔

میں بیوک کو تیز رفتاری سے اڑائے لیے چلی گئی۔ مجھے خاصا گھوم کر اس کے مین بازار تک آنا پڑا تھا۔ جب میں اسکول پر پہنچی تو زبیدہ وہاں میری منتظر تھی۔ اس کی وجہ سے مجھے رکنا ہی تھا۔

"جلدی سے آجاؤ!" میں نے دروازہ کھولتے ہوئے اضطرابی لہجے میں کہا۔

وہ جلدی سے اندر آگئی اور میں نے دروازہ بند کر کے گاڑی کو بڑھا دیا۔

"کیا بات ہے میم صاب جی!... آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں!" وہ بولی۔

میں نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے سے یہ اندازہ لگا لیا کہ ابھی تک اس کی نظر پچھلی سیٹ پر نہیں پڑی ہے۔ اگر اس نے فرخ کو دیکھ لیا ہوتا تو چونک پڑی ہوتی۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" میں نے اسے ٹالا اور اپنی ران کے نیچے دبا ہوا لفافہ نکال لیا۔ لفافہ بند نہیں تھا اس لیے اسے کھولنے کے لیے مجھے اپنے دوسرے ہاتھ کی مدد درکار نہیں تھی۔ اس میں جو تہہ کیا ہوا کاغذ تھا اس میں مجھے کسی موٹی سی چیز کی موجودگی محسوس ہوئی اور جب میں نے اسے کھول کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ ریلوے کے ٹکٹ تھے۔ ان کے ساتھ جو خط تھا، اس کی تحریر رضوان کی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

بانو!

یہ دو ٹکٹ اتفاق سے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ زبیری کا ایک دوست جس کی نئی نئی شادی ہوئی ہے آج کراچی جا رہا تھا۔ زبیری نے کسی طرح ان دونوں کو روک لیا ہے اور ان کی ریزرویشن اب تمہارے پاس ہے۔ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ کراچی میں کیپٹن آفاق کے گرگوں نے اسی قسم کی منصوبہ بندی پر عمل کیا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ لوگ فرخ کو اغوا کر کے اسٹیشن لے گئے تھے اور تم فرخ کو آزاد کرا کے اسٹیشن کا رخ کرو گی۔ یہ بڑا اچھا ہوگا کہ تم فرخ کو لے کر جلد از جلد لاہور سے نکل جاؤ۔ میں تمہیں یہ بتانا بھول گیا تھا کہ بیوک کی پچھلی سیٹ کے نیچے دو برقعے چھپا دیئے گئے ہیں۔ تم اور فرخ اس پردے میں لاہور سے نکل جاؤ۔ میں بھی بہت جلد کراچی پہنچ جاؤں گا۔

رضوان ساجد

میں نے خط کو توڑ مروڑ کر اپنے بلاؤز میں ٹھونس لیا اور ٹھیک اسی وقت پچھلی سیٹ سے فرخ کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ زبیدہ اس طرح

اچھل پڑی جیسے ...

مڑ کر دیکھا اور پھر حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔

"یہ کون ہے میم صاب جی!" اس نے بے اختیار پوچھا۔

"تمہاری ہی طرح ایک مصیبت زدہ لڑکی۔" میں نے جواب دیا اور پھر بولی "سیدھی ہو کر بیٹھو زبیدہ! ایسی بن جاؤ جیسے پچھلی سیٹ خالی پڑی ہے۔"

"مم... مگر... میم صاب جی... وہ..." زبیدہ ہکلا کر رہ گئی لیکن وہ میری ہدایت کے مطابق سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ وہ صرف نیم بے ہوشی کی حالت میں ہے۔"

زبیدہ کی سانسیں تیزی سے چلنے لگی تھیں اور غالباً وہ بڑی مشکل سے خود کو پیچھے دیکھنے سے باز رکھے ہوئے تھی۔

"ہم سیدھے اسٹیشن ہی جا رہے ہیں۔" میں نے زبیدہ کو بتایا اور پھر بولی "اچھا ہوا کہ تمہارا ساتھ ہو گیا۔ فرخ کو ریل کے ڈبے تک لے جانے میں تم میری مدد کر سکو گی۔"

زبیدہ نے جواباً کچھ نہیں کہا مگر اس کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اس صورت حال نے اسے الجھا دیا ہے۔

ادھر اچانک میرے ذہن میں یہ نکتہ ابھرا تھا کہ اگر میں احمد یار خاں کے گھر پہنچنے کے لئے وہ راستہ اختیار کرتی جدھر رضوان کھڑا ہوا تھا۔ تو یہ خط مجھ تک کیسے پہنچتا؟ یہ تو ممکن تھا کہ اس خط کی ایک کاپی رضوان کے پاس بھی ہوتی لیکن ریلوے ٹکٹ کی ڈپلی کیٹ تو نہیں ہو سکتی تھی!

اس نکتے نے مجھے ایسا الجھایا کہ میں نے ریلوے اسٹیشن تک کا راستہ تقریباً غیر ارادی طور پر طے کر ڈالا۔ مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ بیوک کب ریلوے اسٹیشن پہنچ گئی تھی۔ رکنے کے بعد میں نے ارد گرد کا جائزہ لیا اور گاڑی کو دوبارہ حرکت میں لے آئی۔ اس مرتبہ میں نے اسے قدرے دور لے جا کر ایک ایسی جگہ روکا جہاں قرب و جوار میں کوئی نہیں تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر میں پچھلی نشست پر گئی اور اس کے نیچے سے برقعے نکال لیے۔ زبیدہ خاموشی سے میری حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ میں نے فرخ کا گال تھپتھپایا اور اسے آواز دی۔ فرخ نے نیند اسی آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔ وہ اپنے ہوش و حواس کو تقریباً کھوئے ہوئے تھی۔ میں نے بمشکل تمام اسے برقع پہنایا اور خود بھی پہن لیا، پھر زبیدہ سے کہا "آؤ، اب ذرا اسے سہارا دو!"

زبیدہ نے میرا ہاتھ بٹایا۔ فرخ کو گاڑی سے نکال کر ہم اسٹیشن کی طرف چل پڑے۔ فرخ کو تقریباً گھسیٹنا پڑ رہا تھا اور اس کی وجہ سے لوگوں کی توجہ ہماری طرف مبذول ہو رہی تھی۔ ایسا ہونا ہمارے حق میں بہتر تو نہیں تھا لیکن اس کے سوا کوئی راہِ عمل بھی نہیں تھی!....

جیسے تیسے ہم اسٹیشن میں داخل ہوئے اور میں نے ریلوے

پندرہ منٹ باقی ہیں۔ اسی شریف آدمی نے ڈبے تک ہماری رہنمائی بھی کی اور اسی وقت مجھے پتہ چلا کہ وہ ایک ایئرکنڈیشنڈ کوپا تھا جس میں صرف دو برتھیں نظر آ رہی تھیں۔

میں نے فرخ کو ایک برتھ پر لٹا دیا اور پھر کوپے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ زبیدہ کے بارے میں میں نے سوچا تھا کہ اس کا ٹکٹ راستے ہی میں ٹی ٹی سے بنوا لوں گی۔

ٹرین کی روانگی میں شاید پانچ منٹ رہ گئے تھے کہ کوپے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں سمجھی کہ شاید ٹی ٹی آ گیا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور پھر جھجک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ مجھے اپنے اعصاب پر زناٹا سا محسوس ہوا تھا۔ یہ بات تو میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھی کہ میں ایک پولیس انسپکٹر اور دو سپاہیوں کو اپنے سامنے کھڑا ہوا پاؤں گی۔

جب تک سانس کا اتار چڑھاؤ جاری ہے، زندگی کے نشیب و فراز سے فرار حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نشیب و فراز، کم یا زیادہ، ہر شخص کا مقدر ہیں۔ میری زندگی نشیب و فراز ہی سے عبارت رہی ہے لیکن غیر متوقع صورت حال سے ذہن کو جھٹکا لگنا فطرت کے عین مطابق ہے۔ ان پولیس والوں کو دیکھ کر میں اگر بوکھلاہٹ میں دو قدم پیچھے ہٹ گئی تو اس میں خجالت یا عار کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔

میرے اس اضطراری عمل سے پولیس والوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ وہ بلاتکلف ڈبے میں گھستے چلے آئے۔ زبیدہ جو بیٹھی ہوئی تھی، گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے ان چند لمحوں میں سنبھالا لے لیا تھا۔

"کیا مطلب ہے اس دخل اندازی کا؟" میں تیز لہجے میں بولی۔

"ہم ایک ایسی لڑکی کی تلاش میں ہیں جسے کراچی سے اغوا کیا گیا ہے۔" سب انسپکٹر نے متجسس نظروں سے زبیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اس کی نظریں فرخ پر گڑ گئیں جو بدستور غشی کے عالم میں تھی۔

"اور آپ اس لڑکی کو ایک ایسی ٹرین میں تلاش کر رہے ہیں جو کراچی جا رہی ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کراچی اور لاہور کے درمیان میں متعدد اسٹیشن ہیں اور ان میں سے کسی بھی اسٹیشن پر اترنا کوئی غیر قانونی فعل نہیں۔" سب انسپکٹر چند قدم اور آگے بڑھ کر فرخ کے بالکل قریب پہنچ گیا اور بولا۔ "کیا یہ لڑکی سو رہی ہے؟"

"بے ہوش ہے۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "بعض قریبی رشتہ داروں سے بچھڑنے کے غم میں یہ بہت روئی تھی اور اس کا نتیجہ بیہوشی ہی کی صورت میں نکلنا چاہیے تھا۔"

"بہت خوب!" سب انسپکٹر کے لہجے کی چبھن میں نے اپنے دماغ پر محسوس کی۔

میں بہت تیزی سے سوچ رہی تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ یہ اصلی پولیس

تھا اور یہ بھی کوئی غیر امکانی بات نہیں تھی کہ سارے ملک کی پولیس کو بارے میں ہوشیار کر دیا گیا ہو لیکن یہ بات جی کو نہیں لگتی تھی کہ پولیس اچانک اسی ڈبے میں پہنچ سکتے ہیں جس میں فرخ موجود ہو۔ ڈبہ بھی ٹرین کا جس کا سفر اسے کراچی سے دور نہیں بلکہ کراچی کے قریب لے جا

پولیس والوں کے نقلی ہونے کا صریح مطلب یہ تھا کہ وہ کمینہ کے گرگے تھے۔ انہیں اسٹیشن اس لئے بھیجا گیا تھا کہ اگر انہیں فرخ تو وہ قانون کی آڑ لے کر اسے دوبارہ اپنے قبضے میں کر لیں۔ یہ امکان لوگوں کی نظر میں بھی ہو گا کہ فرخ کو واپس کراچی لے جانے کی کوشش لہٰذا وہ سب سے پہلے اسٹیشن کی طرف ہی دوڑ لگا سکتے تھے۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" سب انسپکٹر نے زبیدہ کی طرف اشار بہت گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"میری ملازمہ ہے۔"

"ہوں۔" سب انسپکٹر نے چند لمحے کچھ سوچا پھر دیکھتا ہوا بولا "آپ لوگوں کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا

وہی بات سامنے آ گئی تھی جس کا مجھے دھڑکا تھا۔

ریلوے انجن نے سیٹی دی۔

"جلدی کیجئے!" پولیس افسر بولا اور پھر اس نے سپاہیوں کو کہ وہ فرخ کو سہارا دے کر اٹھائیں۔

میں ابھی تک دروازے کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ میں اہم قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور اس پر عمل کرنے میں کسی تاخیر کو گوارا ان نقلی پولیس والوں کو شاید اس قسم کی کسی حرکت کا خیا لہٰذا جب تک وہ سنبھلے، میں اپنا کام کر چکی تھی۔ میں نے پھرتی سے دروازہ بند کر لیا تھا بلکہ اپنا پستول بھی نکال لیا تھا۔

"تم تینوں اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو!" میری تیز سرگوشی اس طرح گونجی جیسے سانپ کی پھنکار ہو۔

ایک پل میں ان تینوں کے چہروں نے اپنی رنگت کھو دی انہوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے۔ ایسے موقعوں پر اگر ایک ضائع ہو جائے تو انجام کار پچھتانا پڑتا ہے لہٰذا میں ایسے حالات تیزی سے اقدامات کرتی ہوں۔ میں برقی سرعت سے آگے بڑھ کر انسپکٹر کے قریب پہنچ گئی اور پھر اس کی کنپٹی پر پڑنے والی میرے ہاتھ کی کھڑی چوٹ نے اسے ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانہ کر دیا ہوئے شہتیر کی طرح گرا اور اسی وقت انجن نے دوسری سیٹی دونوں کانسٹیبلوں نے مجھ پر بیک وقت ٹوٹ پڑنا چاہا کو تو اپنے پیٹ پر میرے گھٹنے کی ضرب کو خوش آمدید کہنا پڑا اور دو گال پر الٹے ہاتھ کا اتنا موثر تھپڑ پڑا کہ اس نے ضرور کہکشاں کو میں گھستا محسوس کیا ہو گا۔ وہ چکرا کر کھڑکی سے جا ٹکرایا اور دوسرا

اور میں نے اس کی پیشانی پر ماری تھی۔ وہ الٹ کر چت گرا۔ بوکھلاہٹ میں ایک برتھ پر چڑھ گئی تھی۔ ٹرین کے ہلکے ڈگمگا گئی اور گرتے گرتے بچی۔

بھی کھڑکی سے ٹکرایا ہوا سر جھٹک جھٹک کر میرے ہاتھ کی کر سراہ رہا تھا کہ میں نے اس کے قریب پہنچ کر ریوالور کے میری تواضع کی۔ یہ تواضع اس کی اوقات سے کچھ زیادہ لے جا بھی کچھ ایسا ہی تھا لہٰذا وہ کم از کم دس منٹ تک کے لئے ڈھیر ہو گیا۔ اس کا ساتھی اپنی پیشانی سے بہتے ہاتھ سے دبائے ہوئے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں برق سر پر تپک گئی۔ اس کا سر میری ٹھوکروں کا ٹارگٹ بن گیا۔ ایک چیخیں نکلیں اور پھر وہ ٹھوکروں کے احساس سے

رفتار میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔

پستول رکھ لیا اور مسکرا کر زبیدہ کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا ہے میم صاب جی!" زبیدہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"نا،" میں اس کے قریب پہنچ کر اس کا گال تھپتھپانے لگی۔ گی تو یہ تماشے آئے دن دیکھنا پڑیں گے! ایسی باتوں سے چھوڑ دو!"

"میم صاب جی..... یہ تو پولیس والے....."

"پولیس والے نہیں ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے باتیں اطمینان سے کرنے کی ہیں۔ پہلے ذرا ان تینوں کا ل۔"

کی سمجھ میں نہ آ سکا ہو گا کہ "بندوبست" سے میری مراد کیا ہے؟ پہلے تو ان تینوں کی تلاشی لی اور اس تلاشی میں میرا یہ لا وہ تینوں پولیس سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ان کی شناختی کارڈ تھے، نہ کوئی دوسرا ایسا کاغذ تھا جو پولیس کے تعلق کو روشنی میں لاتا۔ کانسٹیبلوں میں سے ایک کی جیب سے ا، جس میں بہت سے نام، پتے اور ٹیلیفون نمبر درج تھے۔ یہ ت میرے کام آ سکتی تھی اس لئے وہ میں نے اپنے پرس میں لیا۔ میں نے ان کی جیبوں ہی میں رہنے دیں کیونکہ وہ میرے تی تھیں۔ ان کے لباس کو پھاڑ پھاڑ کر میں نے اس طرح ں۔ اس رسی سے میں نے تینوں کے ہاتھ پیر باندھ دیئے۔ میری حرکتوں کو دیکھتی رہی۔ انہیں باندھنے کے بعد ہوئی ایک ایک کر کے باتھ روم میں لے گئی۔ باتھ روم زیادہ کسی نہ کسی طرح میں نے ان کو ٹھونس ہی دیا اور دروازہ بند ہاتھ جھاڑے جیسے کوڑا باہر پھینک کر آئی ہو۔

میں زبیدہ کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی "آخر تم اتنی گھبرا کیوں رہی ہو جانِ من!..... مجھے دیکھو! یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی کتنی مطمئن ہوں۔"

"یہ لوگ پولیس والے نہیں ہیں تو کون ہیں؟"

"بدمعاش۔" میں نے جواب دیا۔ "ان لوگوں نے فرخ کو کراچی سے اغوا کیا تھا۔ فرخ اس لڑکی کا نام ہے۔ اسی کو ان لوگوں سے چھڑانے کے لئے میں لاہور آئی تھی۔ بمشکل تمام میں اسے ان لوگوں سے چھیننے میں کامیاب ہو سکی۔ ان لوگوں کو اندازہ ہو گا کہ میں فرخ کو جلد از جلد کراچی لے جانے کی کوشش کروں گی لہٰذا انہوں نے اپنے تین آدمیوں کو اسٹیشن کی طرف دوڑا دیا۔ انہوں نے پولیس کی وردی پہن کر اپنے کام کو آسان کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں انہیں تاڑ گئی۔"

"اب آپ ان کا کیا کریں گی؟"

"بس یہ باتھ روم میں بند رہیں گے۔ کراچی پہنچ کر بھی میں ان کو نہیں نکالوں گی۔ بعد میں ڈبے کی صفائی کرنے والوں کو ان کا پتہ چلے گا اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوتا رہے، مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"یہ بے ہوش ہیں؟" زبیدہ نے فرخ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں۔"

"تو آپ انہیں ہوش میں کیوں نہیں لاتیں؟"

"اسے خود ہی ہوش آئے گا۔ دراصل اسے غشی کی دوا دی گئی ہے۔ اس کا توڑ دوا ہی سے کیا جا سکتا ہے اور دوا میرے پاس نہیں ہے۔"

زبیدہ متفکر نظروں سے فرخ کی طرف دیکھتی رہی۔

چیختی چنگھاڑتی ہوئی ٹرین اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی لیکن ایئرکنڈیشنڈ کوپے کی فضا اس شور سے خالی تھی۔

فرخ کو حاصل کرنے کے بعد اب میں اپنے ذہن کو ایک بہت بڑے بوجھ سے آزاد پا رہی تھی۔ ڈبے میں جو کچھ ہو چکا تھا، اسے اپنے ذہن سے جھٹکنے کے لیے میں نے زبیدہ کو اپنی آغوش میں گھسیٹ لیا اور اس کے پھڑکتے ہوئے ہونٹوں میں اپنی دل بستگی کا سامان ڈھونڈنے لگی۔

رضوان لاہور ہی میں رہ گیا تھا لیکن مجھے توقع تھی کہ وہ بھی جلد ہی کسی ٹرین سے کراچی کے لیے روانہ ہو جائے گا۔

میرے پاس خورد و نوش کا سامان نہیں تھا اس لیے اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی کہ کراچی پہنچنے تک صرف پانی پر گزارا کیا جائے۔ کھانے کی کوئی چیز خریدنے کے لیے ڈبے سے اترنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق، اپنے تین ساتھیوں کے لاپتہ ہونے سے ان لوگوں نے سمجھ لیا ہو گا کہ انہیں پھر شکست ہوئی ہے، نیز یہ کہ میں اسی ٹرین میں سفر کر رہی ہوں۔

مجھے یقین تھا کہ اپنی اس شکست پر کیپٹن آفاق دانت پیس رہا ہو گا۔

تھا کہ میں بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار رہوں۔

لیکن وقتی طور پر میں ان سب باتوں کو فراموش کر کے زبیدہ کے جوان بدن کا سیمیں رنگ چُراتی رہی۔ میرے ہونٹ اس کے عارض گلگوں سے سرگوشیاں کرتے کرتے گستاخیوں کی منزل سے گزر گئے۔ میرے ہاتھوں نے جذبات کے ہر در پر دستک دی اور زبیدہ کی حرکات و سکنات نے بھی مجھے مایوس نہیں کیا، تاہم جو لپک میں نے صغرا میں محسوس کی تھی، زبیدہ میں اس کا فقدان تھا۔ بس اس کی شہابی رنگت ہی میرے دل کو بھا گئی تھی اور میں نے وحشت میں اس رنگت کو نچوڑ نچوڑ ڈالا تھا۔

شام تک کے وقت کے بیشتر حصے میں دو بدن یونہی جلتے رہے اور ان کے پسینے کی مہک سے تنفس کی آشنائی کا سلسلہ ٹوٹ نہ سکا۔

شام کو جب فرخ نے کروٹ بدلی تو میں اس کے بالکل قریب ہو گئی۔ اب اسے ہوش آنے والا تھا۔ میں نے اس کے پہلو میں لیٹ کر اپنا بازو اس کی گردن کے نیچے کر دیا اور دوسرا ہاتھ بڑے پیار سے اس کے چہرے پر پھیرنے لگی۔ ساتھ ہی میں اسے دھیمی آواز میں پکارتی بھی جا رہی تھی۔

"فرخ!... فرخ!... جان!... آنکھیں کھولو جان!"

فرخ کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ آہستہ آہستہ پلکیں جھپکانے لگی۔

اس کا چہرہ جذبات سے عاری تھا۔

"فرخ!... جان!" میں نے اسے پھر پکارا۔

اس نے میری طرف سر گھمایا اور اس طرح دیکھنے لگی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ آنکھیں کھل جانے کے بعد بھی اس کے حواس ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی جھلک مجھے چند لمحے بعد نظر آئی تھی۔

"بانو!" اس کے منہ سے مدھم سی آواز نکلی۔

"ہاں جان!" میں نے اس کے نچلے ہونٹ پر انگلی پھیری۔ "گھبراؤ نہیں۔ اب تم محفوظ ہو۔ میں تمہیں ان لوگوں سے چھڑا لائی ہوں۔"

"بانو!" فرخ نے پھر ایک سسکاری لی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں کے دروازوں سے آنسوؤں کا ہجوم امڈ پڑا تھا۔ ان آنسوؤں میں مسرت اور تشکر کی چمک کے ساتھ کرب بھی جھلک رہا تھا۔ میں نے اپنے ہونٹ اس کی آنکھوں پر رکھ دیے۔ وہ موتی اتنے کم قیمت تو نہیں تھے کہ خاک نشیں ہو جاتے۔ ان کی جگہ تو میرے دل کے مرکز میں تھی۔ میرے ہونٹ انہیں اس مرکز پر جمع کرتے رہے۔ فرخ کے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا رہا۔ میں نے اسے چپ ہونے کی تلقین نہیں کی۔ آنسو بہہ جاتے ہیں تو دل کا غبار صاف ہو جاتا ہے۔ جب وہ غبار صاف ہو گیا تو میں نے زبیدہ سے کہا کہ وہ باتھ روم سے گلاس میں پانی بھر لائے۔ ایک گلاس وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔ ممکن ہے وہ ڈائننگ کار کا ہو۔ زبیدہ پانی لے آئی تو میں نے فرخ کو بٹھایا اور گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

مُرجھایا ہوا گلاب سیراب ہوا تو اڑی ہوئی رنگت واپس لوٹنے

ٹٹولا اور پھر سوالیہ انداز میں میری طرف اٹھیں۔

"یہ زبیدہ بھی تمہاری طرح ایک مصیبت زدہ لڑ

فرخ کی نگاہوں کو جواب دیا۔ "سوتیلے باپ کی ستائی تھی۔ میں اس کی لاٹھی بن گئی ہوں۔ محبت کی بھوکی ہے۔ بولو گی تو یہ تمہاری بھی ہو جائے گی۔"

فرخ نے محبت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ زبیدہ کی

بھی مسکرا دی۔ میں نے دو شگفتہ کلیوں کی بہار دیکھی اور

قریب بٹھا لیا۔ فرخ پھر میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی آ

مچل رہے تھے۔ ان سوالوں کو نطق کی حاجت بھی نہیں

میرے احساس کی چھاتی میں دھڑکنے لگے تھے اور میں

سکتی تھی۔ انہیں سمجھ سکتی تھی۔ میں فرخ کو بتانے لگی کہ ا

نے اس قیامت کا بھی اظہار کیا جو اس کے اغوا سے مجھ پر گ

اسے تفصیل سے بتایا کہ اسے حاصل کرنے کے لیے مجھے کیا کیا

تھے۔ اس نے میری باتوں کو بڑے غور سے سنا اور بڑی

کسی موقعے پر وہ بے حد سنجیدہ نظر آنے لگی اور کبھی اس

گوشے مسکراہٹ سے کانپنے لیکن اس نے بیچ میں مجھے نہیں

سے سب کچھ سنا اور جب میں بیان کی تکمیل پر چپ

پھر مجھ سے لپٹ گئی۔

"ہائے بانو... ! آپ نے مجھ کم نصیب کے

کیوں مول لیے ...؟ میں اس قابل تو نہیں ہوں۔"

"میرے دل کو گویائی کی طاقت مل جائے تو

پچاس دھڑکنیں تمہاری ایک سانس سے کم قیمت ہیں۔"

بالوں میں انگلیاں الجھاتے ہوئے کہا۔ "خود میرے کو اپنی

نہیں ہوتا۔ اس کا تعین تو آنکھوں میں پیدا ہونے والی

فرخ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ مجھ سے اس طرح

مخمور ہو گئی ہو۔

"تمہیں بھوک تو لگی ہو گی جان؟" میں نے اس

"بھوک؟" وہ مجھ سے الگ ہو کر مسکرائی

محسوس کر رہی ہوں جیسے میرے پیٹ میں حد نگاہ تک ر

"مگر جان! میں تمہیں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں

میں نے افسردگی سے کہا۔ "آفات کے بھوت ہمارے تعاقب میں

ہیں۔ اگر ہم نے ڈبے کا دروازہ کھولا تو شاید قیامت ہی

پہنچنے تک ہمیں ڈبے میں مقید رہنا ہے۔"

"ارے تو اس میں آپ کو اتنا مغموم ہونے کی کیا ب

"اس خیال سے میرا دل کٹا جا رہا ہے کہ تم بھوکی ہو

"اب میں کوئی ایسی ننھی بچی بھی نہیں ہوں کہ ایک

برداشت نہ کر سکوں۔" فرخ نے ہنس کر کہا۔

خیال کیوں ہوا آپ کو؟... ارے ہاں! آپ کو کیا معلوم؟

میں کسی وقت کی بھوکی نہیں ہوں۔ آج دوپہر کو بھی ان لوگوں

کر دیا تھا اور میں نے کچھ لقمے زہر مار کر لیے تھے۔" فرخ نے بتایا۔

نہیں کہہ سکتی کہ اس نے میری تسلی کے لیے ایسا کہا تھا یا حقیقت

فرخ!" میں نے مشتعل ہو کر کہا۔ "کراچی پہنچ کر میں ان

ری تکلیف کے ایک ایک لمحے کا حساب لوں گی۔ ابھی تک

مقابل اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ اب میں ان

لگی کہ صبیحہ بانو کیا چیز ہے۔"

اور وہ لوگ مجھ سے پوچھیں تو میں انہیں بتاؤں کہ صبیحہ بانو کیا

فرخ نے مسکرا کر کہا۔

کیا بتاؤ گی تم ان کو؟" میں نے اس کا نچلا ہونٹ پکڑ کر ہولے

دبا دیا۔

میں انہیں بتاؤں گی کہ صبیحہ بانو، التفاتِ مجسّم کا نام ہے۔"

ان لوگوں کے لیے تو میں قضائے مبرم ثابت ہوں گی۔"

نہیں بانو! میری خاطر آپ خطرات سے نہ الجھیے گا۔ اگر آپ کو

ان پہنچ گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کر دوں گی۔"

نہیں جان! مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ایسے لوگوں سے

نقصان پہنچتا ہے ان عورتوں کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ

ہیں۔"

تینوں باتھ روم میں ہی بند ہیں؟" فرخ کی ذہنی رو دوسری

گئی۔

کیا دیکھو گی انہیں؟"

جہنم میں جائیں وہ۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ انہیں دیکھوں۔"

اب ہوش میں ہیں۔" زبیدہ نے مجھے بتایا۔ "جب میں ہاتھ

دھو رہی تھی تو وہ مجھے ایسی نظروں سے گھورنے لگے تھے جیسے

گے۔"

کچا کھا جاؤں گی انہیں۔" میں ہنس کر بولی۔

کی رفتار میں اچانک کمی آ گئی تھی۔

کوئی اسٹیشن آ گیا۔" زبیدہ بولی۔

ہے، سگنل نہ ہوا ہو۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

بعد ہی میرے خیال کی تصدیق ہو گئی کیونکہ گاڑی کی رفتار

ہو گیا۔ گاڑی کے رکنے سے پہلے ہی لائن کلیر مل گئی تھی۔

اچھا جان!" میں نے فرخ کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا۔ "اب اجازت

سو لوں۔ دو راتوں سے جاگ رہی ہوں۔"

اب آپ سو جائیے! آپ کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔"

ہوا!... اگر کوئی دستک دے تو دروازہ ہرگز نہ کھولنا،

"ہماری ہمت ہی نہیں پڑے گی دروازہ کھولنے کی۔" فرخ بولی۔

میں ہنس کر برتھ پر لیٹ گئی۔ میں نے اپنا سر زبیدہ کی گود میں رکھ دیا تھا۔ زبیدہ کے چہرے پر مدھم سی سرخی پھیل گئی۔ یہ سرخی ایسی ہی تھی جیسے دہکتے ہوئے انگارے پر راکھ کی باریک سی پرت آ گئی ہو۔

"ذرا سر تو سہلاؤ زیبی!" میں نے زبیدہ سے کہا۔

اس نے اپنی خوبصورت انگلیاں میرے بالوں میں الجھا دیں اور انگلیوں کو اس طرح حرکت دینے لگی کہ مجھے تسکین کا احساس ہوا۔ دو خوبصورت وجود میرے قریب تھے اور میں بڑی آسودگی محسوس کر رہی تھی۔ میں نے ٹانگیں پھیلا کر بایاں پیر فرخ کی گود میں رکھ دیا اور وہ بڑے پیار سے میرا تلوا سہلانے لگی۔ ان لمحات کو میں نے کیف و انبساط سے لبریز پایا اور جلد ہی میری بوجھل پلکوں نے آنکھوں کو ڈھانپ لیا۔ سہانے خواب میری بند آنکھوں میں در آئے اور خوابیدہ دماغ میں خوشبوئیں مچلنے لگیں۔ اگر ان خوشبوؤں کی لپیٹ میں آ جاؤ تو کٹھن زندگی کا سفر بڑا آسان معلوم ہونے لگتا ہے۔

جب میری آنکھ کھلی تو بھی میرا سر زبیدہ کی گود میں اور پیر فرخ کی گود میں تھا۔ میں نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی۔ ڈھائی بجنے والے تھے۔

"ارے!" میں جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ "میں تو چھ سات گھنٹے سولی۔"

"اچھا ہے نا!... آپ کا دماغ اب ہلکا پھلکا ہو گیا ہو گا۔" فرخ بولی۔

"اور تم دونوں اتنی دیر تک یوں ہی بیٹھی رہیں۔ سو جاتیں تم دونوں بھی۔"

"آپ کی نیند جو ٹوٹ جاتی میم صاب جی!... آپ کا سر میری گود میں تھا۔"

"اور میری گود آپ کے پیر سے آباد تھی۔" فرخ نے ہنس کر کہا۔

میری نظروں سے پھوٹتی ہوئی محبت ان دونوں پر نچھاور ہونے لگی۔

"اچھا اب تم دونوں سو جاؤ!" میں نے بڑے پیار سے کہا۔

"آپ بھی سو جائیے!... ابھی تو بہت رات باقی ہے۔"

"نہیں اب مجھے نیند نہیں آئے گی۔ کافی سو چکی ہوں۔" میں نے اپنے پرس میں سے سگرٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں لیٹ گئیں اور میں سگرٹ جلا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگی۔ اب ایک بار پھر میرے دماغ پر تفکر کی گرد نے جمنا شروع کیا۔ آنے والا وقت اپنی اہمیت کا پرچم لہرا رہا تھا۔ میں یہ فیصلہ تو کر چکی تھی کہ کراچی پہنچنے تک ڈبے کا دروازہ نہیں کھولوں گی لیکن سوال کراچی پہنچنے کے بعد کا تھا۔ اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں تھی کہ وہاں کیپٹن آفاق کے گرگے ہمارے سواگت کے لیے پوری طرح تیار ہوں گے۔ میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھی کہ سواگت

صبح تک میرا دماغ اسی ادھیڑ بن میں لگا رہا۔ فرخ اور زبیدہ سوتی رہیں۔ سگریٹ پی پی کر میرا حلق کڑوا ہو گیا تھا۔ میں اٹھ کر باتھ روم میں گئی۔ وہ تینوں آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ میں نے یہ جاننے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ گھٹن سے بے ہوش ہو گئے تھے یا انہیں نیند آگئی تھی۔

میں نے واش بیسن میں تین چار کلیاں کیں، دو گھونٹ پانی پیا اور باتھ روم سے نکل آئی۔ سوتی ہوئی زبیدہ اور فرخ کے چہروں پر میں نے بڑے پیار سے ہاتھ پھیرے، ان کے چہروں پر بکھرے ہوئے بال سمیٹ کر میں اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

آٹھ نو بجے کے درمیانی حصے میں وہ دونوں جاگ گئیں۔ بھوک نے فرخ کو نڈھال کر رکھا تھا۔ اس کے چہرے کی گمشدہ رنگت سے اس کے حالِ زار کی ساری کیفیت عیاں تھی لیکن اب بھی اس نے اپنی نڈھال کیفیت کو الفاظ بن کر زبان پر نہ آنے دیا۔

فی الحال ... پانی کے دو گھونٹ ہی ان دونوں کا بھی مقدر تھے۔ میں نے فرخ کا جی بہلانے کے لیے اسے اِدھر اُدھر کی باتوں میں الجھا لیا۔ اس گفتگو میں خاصا وقت گزر گیا۔ اب میرے اندازے کے مطابق ٹرین کو کراچی کے مضافات میں ہونا چاہیے تھا۔ گویا منزل قریب آچکی تھی اور فیصلہ کن لمحات کا دیو میرے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ میرے چہرے پر پھیلتا ہوا اضطراب، ذہین فرخ کی نگاہوں سے چھپا نہ رہ سکا اور وہ بول پڑی۔

"آپ اچانک کچھ پریشان نظر آنے لگی ہیں۔"

"پریشان! نہیں تو۔" میں ہنس پڑی۔

فرخ پھر کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن الفاظ اس کے منہ میں پھنسے رہ گئے۔ ٹرین کو اچانک دھچکا سا لگا تھا اور اس کے ساتھ ہی انجن کی تیز سیٹی سنائی دی تھی۔ پھر فوراً ہی ٹرین کی رفتار میں بتدریج کمی کا بھی احساس ہوا۔

"گاڑی کسی چیز سے ٹکرائی تھی۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کس سے؟" زبیدہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"کوئی جانور آگیا ہوگا پٹڑی پر۔" میں نے جواب دیا۔ "کسانوں کی گائیں بھینسیں اور گدھے، اکثر گاڑی کے سامنے آکر ہلاک ہو جاتے ہیں۔"

ٹرین کی رفتار خاصی تیزی سے کم ہوتی چلی گئی تھی اور بالآخر وہ رک ہی گئی۔ میں بے اختیار ایک کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ اگر اسے بے احتیاطی کہا جائے تو یہ اس سفر کے دوران میں میری پہلی بے احتیاطی تھی۔ ویسے بھی چونکہ وہ کوئی اسٹیشن نہیں تھا اس لئے خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔ میں نے لوگوں کو دیکھا جو ڈبوں سے اتر اتر کر آگے، انجن کی طرف بھاگ رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے میری طرح صرف کھڑکی سے جھانکنے پر اکتفا کر رکھا تھا۔ میں نے ادھر ادھر [illegible] کا جائزہ لیا تو مجھے پتہ چلا کہ گاڑی ابھی ابھی لانڈھی کے اسٹیشن سے گزری تھی۔

[illegible]

"یہاں سے میں بس اتنا ہی دیکھ سکتی ہوں کہ لوگ جمع ہو رہے ہیں اور جھک جھک کر انجن کے نیچے کچھ دیکھ ... کوئی جانور ہی ہلاک ہوا ہے۔ اس کی لاش انجن کے نیچے رہ گئی ہوگی۔"

"تو کیا گاڑی اب دیر تک رکے گی؟" فرخ ...

"جب تک اس لاش کو نہ نکالا جائے...!" میرے حلق میں دھچکا لگ گیا کیونکہ رضوان کی وہاں موجودگی تو میں کبھی نہیں تھی۔

"فرخ کو لے کر جلدی سے اتر آؤ!" رضوان اکڑ ... ہوا مجھ سے کہہ رہا تھا۔ اس کی نظریں میرے چہرے کی ... کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ شاید کوئی متوقع خط ... میں کلبلا رہا تھا۔

رضوان کی وہاں موجودگی حیرت انگیز ہونے کے سا ... غیر بھی تھی لیکن اس موقع پر غور و فکر میں وقت گزار دینا حما ... مجھے اور فرخ کو ڈبے سے اتار لینا چاہتا تھا تو یقیناً اس میں کچھ ... وہ مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گیا تھا اس لئے یقیناً اس نے حالات ... لیا ہوگا۔ میں نے تیزی سے پیچھے ہٹ کر کھڑکی بند کی اور ... پکڑتی ہوئی بولی۔

"چلو! ہمیں یہیں اترنا ہے۔"

"اور.... اور.... مجھے ..... میم صاب جی!"

"تم کو میں یہاں کیسے چھوڑوں گی؟ تم بھی آؤ!"

"بانو!" فرخ پر تشویش لہجے میں بولی۔ "یہ تو شاید وہ ... جو کلفٹن پر ....."

"ہاں اس کا نام رضوان ہے۔ اپنا دوست ہی سمجھو!" ... کھولتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے تمہیں اس کے بارے میں ..." فرخ گھبرائے ہوئے انداز میں بس سر ہلانے لگی۔

میں نے دروازہ کھول کر پہلے تو فرخ کو اتارا اور پھر ز ... زبیدہ کو دیکھ کر چونک پڑا تھا۔ جب میں اتری تو میرا خیال تھا کہ زبیدہ کے بارے میں سوال کرے گا لیکن موقعے کی نزاکت ... سے زیادہ معلوم تھی۔ اس نے بس اتنا کہا۔ "ادھر چلیں سب ..."

میں نے رضوان کے پیچھے قدم اٹھائے۔ زبیدہ میرا ہا ... ہوئے تھی اور فرخ نے خود کو میرے دائیں بازو سے چپکا دیا تھ ... بڑھاتے ہوئے میری نظریں اردگرد کے ماحول سے پوری طرح ... گو کہ اس سچویشن میں کسی بھی خطرے کی تمام تر ذمے داری رضوان ... تھی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں ہر بات سے بے ... ہو جاؤں۔

ہم سڑک پر پہنچے جہاں کھڑی ہوئی ایک کار کا دروازہ ...

[illegible]

... میں نے فرخ اور زبیدہ کو پچھلی نشست پر بٹھایا اور خود اگلی نشست ... رضوان دوسری طرف کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ رہا ... سفر مجھے ایک خواب محسوس ہونے لگا۔ گویا آنکھ کھلی تو کار میں تھی۔ رضوان کار کو حرکت میں لے آیا۔

"تم بائی ایئر پہنچے ہو؟" میں نے سوال داغا۔

"ظاہر ہے۔" رضوان نے جواب دیا۔ "میں رات ہی کو کراچی پہنچ ..."

"یہاں لانڈھی میں کیسے ٹپک پڑے؟"

"ایک امکان تھا کہ شاید تم کراچی اسٹیشن پر کسی خطرے سے دوچار ہو جاؤ ... فیصلہ کیا کہ تمہیں کراچی کینٹ سے پہلے ہی کسی جگہ اتار لوں گا۔"

"ٹرین کے آگے شاید کوئی جانور آگیا تھا!"

"آ نہیں گیا تھا بلکہ ڈالا گیا تھا۔"

"اوہ!" میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"ایک لاوارث گدھے کو مار کر پٹڑیوں پر ڈال دیا گیا تھا۔ اس ... مجھے دو آوارہ سے لونڈوں کی خدمات حاصل کرنی پڑی تھیں۔ ... میں کام ہو گیا۔ اب وہ دونوں لونڈے پڑے ہوئے ... دم لگا رہے ہوں گے۔"

"تم واقعی خاصے ذہین ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "کاش تم ... ہے۔"

"دوسری لڑکی تم کہاں سے پکڑ لائیں؟" رضوان اچانک ... میں بولا۔ اس کا لہجہ کچھ خشک تھا۔

"اگر تم یہ سوال دوستانہ انداز میں کرتے تو میں ضرور جواب دیتی۔" ... خشک لہجے میں کہا۔

رضوان کچھ نہ بولا۔ کار تیز رفتاری سے کراچی کی طرف بڑھتی رہی۔ ... پر زبیدہ اور فرخ بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔

"کراچی میں کیا صورتِ حال ہے؟" میں نے کچھ دیر بعد رضوان ... کہا۔

"صورتِ حال سے کیا مراد ہے؟"

"فرخ کے والدین ...؟"

"... دونوں کا برا حال ہو گیا ہے۔"

"انہوں نے پولیس میں رپورٹ تو کی ہوگی؟"

"نہیں۔" رضوان نے جواب دیا۔ "کراچی اسٹیشن سے روانگی سے پہلے ... نے تمہیں ٹیلیگرام دیا تھا تو انہیں بھی ٹیلیگرام ہی کے ... ہدایت کر دی تھی کہ وہ اس سلسلے میں پولیس کا بکھیڑا نہ پھیلائیں ... میرے پیغام کا انتظار کریں۔ پھر لاہور پہنچ کر میں نے انہیں ... دیا تھا کہ وہ میرا انتظار کریں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ... بھی ڈال دیا تھا کہ میں جلد ہی فرخ کو لے کر کراچی پہنچوں گا۔"

[illegible] پیش آئی۔"

"ہنگامی صورتِ حال تو اب پیش آئے گی۔ کیپٹن آفاق نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ اس نے اپنے گرگوں کا جال پھیلا دیا ہوگا۔"

"اب فکر نہ کرو۔ میں اس کے جال کے ٹکڑے اڑا دوں گی۔ اب اگر کسی نے فرخ کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔"

میرا لہجہ کچھ ایسا ہی تھا کہ رضوان چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔

"تم مجھے میرے گھر پر ہی گاڑی سے اتارنا۔" میں نے ... کے تاثرات پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "اس کے بعد فرخ کو گھر لے جانا اور تقریباً آدھے گھنٹے تک وہاں رکنا۔ اتنی دیر تک فرخ کی حفاظت کرنا تمہارا فرض ہوگا اور اس کے بعد کی تمام تر ذمے داری میرے اوپر عائد ہوگی۔"

"تم کیا کرو گی؟"

"یہ بتانا تو میرے لئے بہت مشکل ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ضروری تو نہیں کہ تم سوال کیے جاؤ۔"

رضوان نے ہونٹ بھینچ کر ونڈ اسکرین پر نظریں جما دیں۔

کراچی پہنچنے میں آدھا گھنٹہ لگا۔ رضوان نے گاڑی میرے گھر کے سامنے روکی۔ میں نے بیٹھے بیٹھے پلٹ کر فرخ کا گال تھپتھپایا اور بولی۔ "گھبرانا مت گڑیا!..... رضوان تم کو تمہارے گھر پہنچا دیں گے۔ شام کو میں خود تم سے ملنے آؤں گی۔"

فرخ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

"تم گاڑی سے اتر آؤ زبیدہ!" میں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"میں ایک گھنٹے بعد تمہیں فون کروں گا!" رضوان نے مجھ سے کہا۔

"بہتر ہوگا کہ تم یہاں آجاؤ۔"

رضوان نے کچھ سوچا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

میں اور زبیدہ کار سے اتر چکی تھیں۔ رضوان نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہی رکھا تھا۔ ہم دونوں کے اترتے ہی وہ گاڑی کو حرکت میں لے آیا۔

"آؤ!" میں نے زبیدہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور پھاٹک کی طرف مڑ گئی۔

"آپ کا گھر تو بہت پیارا ہے میم صاب جی!" زبیدہ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"اب تو یہ تمہارا ہی گھر ہے جان!" میں نے مسکرا کر کہا۔

جب ہم اندر پہنچے تو ایک کے پیچھے ایک، ساری ملازمائیں دوڑی چلی آئیں۔ میں نے اپنی مخصوص ملازمہ کو ہدایت کی کہ وہ زبیدہ کو لے جا کر پہلے تو کچھ کھلائے اور پھر اسے غسل خانے میں پہنچا دے تاکہ وہ نہا دھو کر

کسی بھی ملازمہ کا لباس پہن سکتی تھی۔

پھر میں سیدھی اپنی خوابگاہ میں پہنچی اور ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف گھنٹی بجی اور پھر کسی نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو!" ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"کمانڈر حق!" میں نے اونچی آواز میں کہا۔ "کاغذ قلم سنبھالو اور..."

"یور ہائی نس!" دوسری طرف سے چونک کر کہا گیا۔

"ایک پتہ نوٹ کر دو!" میں نے اپنا فقرہ مکمل کیا۔

"آپ....."

"میں جو کہہ رہی ہوں، وہ کرو!" میں نے ڈپٹ کر کہا۔

"یس.... یس یور ہائی نس!" آواز سے بوکھلاہٹ عیاں تھی۔

میں نے اسے فرخ کے گھر کا پتہ نوٹ کروایا اور پھر بولی۔ "اس گھر میں ایک لڑکی رہتی ہے جس کا نام فرخ ہے۔ کچھ لوگ اُسے اغوا کرنا چاہتے ہیں اور وہ بڑے بارسوخ لوگ ہیں لیکن تمہیں ان کے اثر و رسوخ کی ذرہ برابر پروا نہیں کرنا چاہیے۔ معاملہ بڑھے گا تو میں خود بھگت لوں گی۔ تمہیں بس اتنا کرنا ہے کہ وہ لڑکی کو اغوا نہ کر سکیں۔ اگر سڑک پر لاشیں گرانے کی نوبت آ جائے تو بھی نہ گھبرانا۔ سمجھ گئے؟"

"یس یور ہائی نس!"

"آدھے گھنٹے کے اختتام سے پہلے اس کی حفاظت کی ذمّے داریاں سنبھال لو۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو بہت بُری طرح پیش آؤں گی۔"

"آپ اطمینان رکھیں یور ہائی نس!..... اگر باز پرس کی نوبت آ ہی گئی تو وہ باز پرس آپ کمانڈر حق سے نہیں بلکہ اس کی لاش سے کریں گی۔"

میں نے مزید کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا اور کرسی پر گر کر اطمینان کی سانس لی۔ اب میں فرخ کی طرف سے بے فکر رہ سکتی تھی۔ لیکن آفاق نے مجھے اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ میں اپنے وسائل کو کام میں لاؤں۔ اب کیپٹن آفاق کو احساس ہو گا کہ اس نے ایک چٹان سے ٹکر لی ہے۔

ممکن ہے کہ میری اس سرگزشت کو پڑھنے والے، ٹیلیفون پر ہونے والی اس گفتگو سے کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائیں اس لئے میں یہ بات صاف کر دینا چاہتی ہوں کہ میں انویسٹی گیشن کے کسی سرکاری محکمے کی سربراہ نہیں ہوں۔ پہلے بھی کہیں میں یہ بات کہہ چکی ہوں کہ میں حکومت پاکستان کے کسی بھی شعبے کی ملازم نہیں ہوں۔ کمانڈر حق نے مجھے "یور ہائی نس" کہا تھا لیکن اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ میں کسی ملک کی شہزادی ہوں۔ بات کچھ اور ہی ہے لیکن میں اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گی۔ میں نے اپنی سرگزشت کے آغاز میں ہی کہہ دیا تھا کہ میری ذات سے وابستہ اسرار سے رفتہ رفتہ خود ہی پردہ اٹھتا رہے گا۔ میں خاص طور سے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔

میں کرسی پر بیٹھی سستا رہی تھی کہ ایک ملازمہ ناشتے کی ٹرالی

حدِ نگاہ تک ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ چائے کے ساتھ جو کچھ میں چٹ کر گئی۔ پھر چائے کی دو پیالیاں پی کر تو میں مکمل طور دم ہو گئی۔ اب نئے سرے سے کسی کام میں جُٹ جانا میرے مسئلہ نہیں تھا لیکن فی الحال میں کچھ کرنے کے بجائے صرف ہی رہ سکتی تھی۔ مجھے رضوان ساجد کا انتظار تھا۔ جب وہ یہ اطلاع دیدیتا کہ وہ آدھے گھنٹے تک فرخ کے گھر میں رُک کر آ ... اس دوران میں فرخ محفوظ رہی ہے تو پھر مجھے مکمل اطمینان ... حق ایک ایسی ہی ہستی ہے جس پر میں مکمل اعتماد کر سکتی ہوں ... تو اس نے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں کہ میں بھی دم بخود رہ گئی

میں اُسی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی کہ ملازمہ نے آ کر رضو... کارڈ دیا اور میں فوراً ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔ میں اس کے ... صورتِ حال کو پرکھ لینا چاہتی تھی لیکن مجھے اس میں ناکامی

"کیا رہا؟" میں سوال کرنے پر مجبور ہو گئی۔

"میں فرخ کے گھر سے آ رہا ہوں۔"

"وہ محفوظ ہے نا؟"

"جب میں وہاں سے چلا تھا، اس وقت تک محفوظ

"تم وہاں آدھے گھنٹے رُکے تھے؟"

"ہاں۔"

"بس تو پھر اب فکر کرنے کا کوئی محل نہیں رہا۔" میں مطمئن ہو کر بولی۔

"تمہارے اطمینان کا سبب میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے" ... ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"سبب بس اتنا ہی ہے کہ اب میں اپنے وسائل کو بر... لا چکی ہوں۔ عموماً تو میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنے نجی معا... صرف اپنے دماغ سے کام لوں لیکن فرخ کے معاملے نے مجھے ا... کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"وہ وسائل کیا ہیں؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتی۔ میرے وسائل جب تک راز ہیں، میں انہیں راز میں رکھوں گی۔ اگر کبھی از خود اس را... گیا تو اور بات ہے۔"

"تم خواہ مخواہ زیادہ پُر اسرار بننے کی کوشش کر رہی" ... نے منہ بنا کر کہا۔

میں ہنس کر رہ گئی، پھر بولی "ٹھہرو! میں تمہیں ... اور تماشا دکھاتی ہوں۔" میں نے ملازمہ کو آواز دے کر بلایا ... میں رکھتے ہوئے ٹیلیفون کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی "...

جب ملازمہ ٹیلیفون اٹھا رہی تھی تو میں نے ا...

...فون ڈائریکٹری بھی اٹھا لائے۔ ٹیلیفون کا تار اتنا لمبا تھا کہ وہ آسانی ... ڈرائنگ روم کی ہر نشست تک پہنچ سکتا تھا۔ میں ڈائریکٹری کے ... ورق پلٹنے لگی۔ مجھے کیپٹن آفاق کے فون نمبر کی تلاش تھی۔ رضوان اُلجھی ... نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ فون نمبر تلاش کرنے کے بعد میں ... ریسیور اٹھایا اور رضوان کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی۔

"اب میں آفاق کو ٹیلیفون کر رہی ہوں۔"

"اوہ!" رضوان کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا اور اس کے چہرے ... کے سائے مزید گہرے ہو گئے۔

جب میں نمبر ڈائل کر چکی تو رضوان بولا۔ "کیا ضروری ہے کہ وہ ... اس وقت گھر پر ہی ہو؟"

"قطعی غیر ضروری ہے اور اس صورت میں مجھے پھر کسی وقت فون ... کرنا ہو گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی ذرا وہ باتیں سُن لو جو میں آفاق سے ... کروں گی۔"

دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ جلد ہی کسی نے ریسیور اُٹھایا اور ... مردانہ آواز سنائی دی جو میرے اندازے کے مطابق آفاق کی نہیں ... تھی۔

"کون بول رہا ہے؟" میں نے بارعب لہجے میں پوچھا۔

"سکریٹری ٹو کیپٹن آفاق!"

"میں کیپٹن آفاق سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"خاتون! کیا میں آپ کا نام پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟"

"صبیحہ بانو۔"

"بہتر ہے۔ آپ ذرا ہولڈ آن کریں۔"

میں نے رضوان کی طرف دیکھا اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر ... ہنستی ہوئی بولی "یہ اس کا سکریٹری بول رہا تھا۔"

رضوان اضطراب میں پہلو بدل رہا تھا۔ میں اندازہ کر سکتی تھی ... وہ اس وقت ایک ذہنی بھونچال سے دوچار تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں ... نہیں آ سکتی تھی کہ میں کیپٹن آفاق سے کیا باتیں کرنا چاہتی ہوں۔

جلد ہی مجھے ریسیور میں آواز سنائی دی "کیپٹن آفاق اسپیکنگ۔" ... لہجے میں خاصا جوش تھا۔ ظاہر ہے میرا نام سنتے ہی اس کے دوران ... خون میں تیزی آ گئی ہو گی۔

"ہیلو کیپٹن!" میری آواز میں چہکار تھی "امید ہے تم میرا نام ... سن کر بہت خوش ہوئے ہو گے۔"

"فون کرنے کا مقصد بتاؤ!" آفاق نے اپنے لہجے میں سختی پیدا کرنے ... کی کوشش کی۔

"صرف یہ اطلاع دینا مقصود ہے کہ میں فرخ سمیت کراچی پہنچ ... گئی ہوں اور فرخ اس وقت اپنے گھر پر ہے۔ تمہارے لئے بہتر ہو گا ... کہ اس کے گھر پر ہی رہنے دو۔ میں اس کی حفاظت کا مکمل بندوبست ... کر چکی ہوں۔ اب اگر تم نے اُسے چھیڑنے کی کوشش کی تو خون کی ندیاں

بہہ جائیں گی۔"

مجھے فوری طور پر کوئی جواب نہ ملا۔ میرا یہ چیلنج سُن کر آفاق سناٹے میں آ گیا ہو گا۔ وہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ اس ملک میں اسے چیلنج کرنے والا بھی کوئی موجود ہے۔

میں قدرے توقف سے پھر بولی۔ "کیا تمہیں سانپ سونگھ گیا کیپٹن آفاق!"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کسے چیلنج کر رہی ہو۔" کیپٹن آفاق کی آواز قدرے بھرّا گئی تھی۔

"میں جانتی ہوں کہ تم پریسیڈنٹ سے کتنے قریب ہو لیکن تم کو ابھی یہ نہیں معلوم کہ صبیحہ بانو کیا چیز ہے۔" میں نے جواب دیا اور پھر شوخ لہجے میں کہا۔ "تم کہو تو میں تمہیں پریسیڈنٹ ہی سے مُرغا بنوا دوں۔"

"شٹ اپ!" آفاق تلملا گیا۔

"بہت اچھا۔" میں نے بڑے اطمینان سے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

رضوان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"اب ایک تماشا ہو گا۔ تم تالیاں بجانا۔" میں نے خوشدلی سے کہا۔

"یہ مت بھولو کہ آجکل ملک میں پریسیڈنٹ کے بعد کیپٹن آفاق ہی کا سکہ چلتا ہے۔"

"میں اس سکے کو کھوٹا کر دوں گی۔ تم دیکھتے تو رہو!"

رضوان پُرتشویش نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ دراصل اس کی بینائی اس گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی تھی جہاں میرے وسائل کا جال پھیلا ہوا تھا۔

"اب تم جا کر آرام کرو!" میں نے اس سے کہا۔ "لاہور میں تمہارے دوست زبیری نے جو اخراجات کئے ہیں ان کی مجموعی فیگر مجھے بتا دینا۔ میں زبیری کو چیک بھیج دوں گی۔ فرخ کے والد کو ان اخراجات کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔"

"کیا واقعی تمہیں فرخ کی طرف سے مکمل اطمینان ہے؟"

"قطعی۔"

رضوان نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کھڑا ہو گیا۔ "اچھی بات ہے۔ تو پھر میں چلتا ہوں۔"

میں اسے چھوڑنے کے لئے برآمدے تک گئی اور پھر اپنی خوابگاہ کی طرف چل پڑی۔ اب میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی۔ راہداری میں میری مُڈبھیڑ اپنی ملازمہ خصوصی سے ہوئی جو زبیدہ کو ساتھ لئے آ رہی تھی۔ زبیدہ نے اپنا لاچا اور کرتا اتار کر شلوار قمیص پہن لی تھی۔ مجھے وہ اس لباس میں اتنی بھلی نہیں لگی، تاہم میں نے مسکرا کر اس کے سراپا کا جائزہ لیا اور پھر اپنی ملازمہ سے کہا۔

"تم جاؤ!"

"آپ کی دونوں گاڑیاں گیرج میں موجود ہیں۔" ملازمہ نے بتایا۔

نواب شاہ سے لیکر آئے تھے۔"

یہ اطلاع میرے لئے خاصی خوشگوار تھی ورنہ مجھے فوری طور پر کسی اور گاڑی کا بندوبست کرنا پڑتا۔

میں زبیدہ کو لیکر اپنی خوابگاہ میں داخل ہوئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"تم نے کھانا کھایا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ہاں میم صاحب جی!"

"آؤ تو پھر کچھ دیر آرام کریں۔" میں نے بستر پر لیٹ کر کہا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس طرح گھسیٹا کہ وہ میرے سینے پر آ رہی "یہ بس کچھ دیر یونہی پڑی رہو۔" میں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھنساتے ہوئے کہا۔ "میرے کلیجے میں ٹھنڈک رہے گی تو نیند جلد آجائے گی۔"

زبیدہ ذرا سا کسمسائی اور پھر ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کا شباب میرے سینے پر مچل رہا تھا اور اس کے تنفس کی گرمی مجھے اپنے گالوں پر محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب میرے دماغ سے تفکر کی دھول صاف ہو چکی تھی اس لئے نیند آنے میں دیر نہیں لگی۔

جب میری آنکھ کھلی تو سورج غروب ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ زبیدہ میرے بازو پر سر رکھے بے خبر سو رہی تھی۔ میں آہستگی سے اپنے بازو کو اس کے سر کے نیچے سے نکال کر بستر سے اٹھ گئی۔ میں نے باتھ روم کا رخ کیا، غسل کر کے کپڑے تبدیل کئے اور زبیدہ کو سوتا چھوڑ کر کمرے سے نکل آئی۔ اب مجھے فرخ سے ملنے کی بیتابی تھی۔ میں نے گیرج سے مرسڈیز نکالی اور روانہ ہو گئی۔

رات ہوتے ہی کراچی نے روشنیوں کی اوڑھنی اوڑھ لی تھی۔ ان روشنیوں کو دیکھ کر مجھے وجود اپنے وجود کے اندھیرے سمٹتے ہوئے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ جو روشنیوں کے اس شہر کا باسی ہو، وہ کہیں اور خوش نہیں رہ سکتا۔ میں دو ہی دن کراچی سے باہر رہی تھی لیکن اس دوران مجھے مسلسل ایک انجانی سی کمی کا احساس ہوتا رہا تھا۔ میں کافی عرصے فرانس میں رہی ہوں لیکن پیرس کی شامیں بھی اس انجانی سی کمی کا ازالہ نہیں کر سکی تھیں۔ جب میں نے مادام ڈیگال سے اپنے اس احساس کا اظہار کیا تھا تو انہوں نے اسے "ہوم سکنس" قرار دیا تھا۔ شاید ان کا خیال ٹھیک ہی ہو۔

جب گاڑی لیاقت آباد سے گزرنے لگی تو زندہ دلانِ لالوکھیت کے ہجوم کی وجہ سے رفتار کم کرنا پڑی۔

ڈاک خانے سے نصیر آباد تک پہنچنے میں پندرہ منٹ لگ گئے۔ جب مرسڈیز فرخ کے گھر کے سامنے رکی تو ساڑھے سات بج چکے تھے۔ آس پاس کا ماحول تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا لیکن میری تیز نگاہوں نے اس تاریکی میں بھی کچھ پراسرار سایوں کی موجودگی محسوس کر لی۔ یقیناً کمانڈر حق کے آدمی پوری طرح چوکس تھے۔

دروازہ کھل گیا۔ فرخ کے والد ہاشمی نے باہر نکل کر بڑے گرمجوش انداز میں میرا استقبال کیا۔ وہ مجھے گھر کے اندر لے گیا تو فرخ کی امی مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو پھوٹ رہے تھے۔ فرخ نے ان کو پوری تفصیل سے بتا دیا ہوگا کہ اس کی رہائی میری کوششوں کا نتیجہ ہے۔

میں نے فرخ کو گلے لگا کر اس کی پیشانی چومی اور پھر ایک طرف بیٹھ کر اس کے ماں باپ کا جائزہ لینے لگی جو دو ہی دن میں بوڑھے ہو کر رہ گئے تھے۔ جوان بیٹی کی جدائی بڑی مضبوط بنیادوں کو ہلا دیتی ہے۔

"آپ کیا پینا پسند کریں گی بانو!" فرخ کی امی نے پوچھا۔ "گرم یا ٹھنڈا؟"

"آپ بھی کمال کرتی ہیں امی!" فرخ بول پڑی۔ "یہ کھانے کا وقت ہے یا کچھ پینے کا؟"

"ہاں میں کھانا کھاؤں گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔

میری اس بے تکلفی پر ان لوگوں کے چہرے کھل اٹھے اور فرخ کی امی کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "سالن تو تیار ہے۔ میں بانو کے لیے گرم گرم روٹی ابھی ڈالے لیتی ہوں۔"

"ہاں بیٹی! ذرا جلدی سے۔" فرخ کی ماں نے کہا اور پھر میری طرف دیکھا۔ "ہم غریبوں کے کھانے کا ذائقہ شاید آپ کو پسند نہ آئے لیکن آپ اس میں خلوص کی مہک ضرور پائیں گی۔"

"جب میں نے بے تکلفی کو اپنایا ہے تو آپ کو بھی یہ پُر تکلف باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔" میں نے شکوہ کرنے والے انداز میں کہا۔

"بانو آپ ان کی باتوں کا برا نہ منائیں۔" ہاشمی نے جلدی سے کہا۔ "یہ سوچے سمجھے بغیر بولنے کی عادی ہیں۔"

فرخ کی ماں جھینپ سی گئی اور جلدی سے کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "میں ذرا جا کر فرخ کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔"

میں اور ہاشمی اکیلے رہ گئے تو چند لمحوں کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ چند لمحے بعد ہاشمی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں اپنی بچی کے سلسلے میں آپ کا اور رضوان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اس احسان کا قرض شاید میں عمر بھر نہ اتار سکوں گا۔"

"اب آپ بھی اپنی بیگم کی طرح بغیر سوچے سمجھے بول رہے ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "مت بھولیے میں بھی فرخ سے محبت کرتی ہوں۔ وہ میری ایک ہونہار طالبہ ہے۔ میں اس کے لیے بہت کچھ کر سکتی ہوں۔" میں نے پہلی ملاقات میں ہاشمی کو یہی بتایا تھا کہ میں فرخ کی پرنسپل ہوں۔

"مجھے ڈر ہے کہ اب شاید وہ لوگ کوئی بہت ہی سخت قدم اٹھائیں۔" ہاشمی نے پریشان لہجے میں کہا۔ "میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

"آپ اب اس سلسلے میں ذرا بھی فکرمند نہ ہوں۔ میں نے حالات کا مکمل بندوبست کر دیا ہے۔ دشمن بہت قوی سہی لیکن میرا بھی اثر و رسوخ ہے اس شہر میں۔ یہ مت سمجھئے کہ میں بس ایک پرنسپل ہوں۔ یہ دراصل میرا شوق ہے۔"

"یہ تو میں سمجھ گیا تھا۔" ہاشمی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "کسی اسکول کی پرنسپل کے پاس مرسڈیز نہیں ہوتی۔ کیا آپ میرے اطمینان کے لیے مجھے یہ بھی بتائیں گی کہ آپ نے فرخ کی حفاظت کے لیے کیا بندوبست کیا ہے؟"

"اگر آپ یہ معلوم کرنے پر اصرار نہ کریں تو میں آپ کی شکر گزار رہوں گی۔"

"کیا یہ کوئی ایسی اہم بات ہے؟" ہاشمی نے حیرت سے کہا۔

"اہم ترین۔"

"اگر ایسا ہے تو پھر میں واقعی اصرار نہیں کروں گا۔"

"شکریہ۔"

"فرخ کی ذہنی کیفیت تو ٹھیک ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"پوری طرح ٹھیک نہیں کہی جا سکتی۔ کبھی کبھی مجھے اس کی آنکھوں میں ایسا تاثر نظر آتا ہے جیسے وہ سہمی ہوئی ہو۔"

"ہوں۔" میں نے سر ہلایا۔ "خیر یہ کوئی ایسی فکر کی بات نہیں ہے۔ میں ابھی فرخ کو اپنے ساتھ گھمانے لے جاؤں گی، اس طرح اس کا ذہن بھی صاف ہو جائے گا۔"

کچھ دیر بعد میں ان لوگوں کے ساتھ کھانے میں شریک تھی۔ میں نے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ فرخ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ کھانے کے بعد ہی جب میں نے اس سے یہ کہا کہ میں ابھی اسے گھمانے لے چلوں گی تو اس کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ شاید گھر سے باہر نکلنے کا تصور اس کے لیے ہولناک تھا۔

"گھبراؤ نہیں فرخ!" میں نے اس سے کہا۔ "کیا ماضی کے تجربات میری ذات پر تمہارے اعتماد کو نہیں بڑھا سکے؟"

فرخ پھیکے سے انداز میں مسکرائی اور پھر اس نے ہونٹوں سے تو کچھ نہیں کہا مگر جن نظروں سے میری طرف دیکھا وہ نظریں پکار پکار کر یہ کہہ رہی تھیں کہ آپ تو میرا ایمان بن چکی ہیں بانو!

کھانے کے بعد اس نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے اور میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔ فرخ کے والدین اسے میرے ساتھ بھیجتے ہوئے ذرا بھی نہیں ہچکچائے تھے۔

مرسڈیز آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گلی سے نکلی اور سڑک پر پہنچ کر فراٹے بھرنے لگی۔

"کہاں چلیں فرخ!" میں نے اس سے پوچھا۔

"جہاں آپ کا جی چاہے۔"

"میرا دل تو اس وقت یہ چاہ رہا ہے کہ بس کار میں گھومتے پھریں۔"

"بس تو پھر گھومتی رہیے!" فرخ نے ہنس کر کہا۔

چند لمحوں کے لیے میں خاموش ہو گئی۔ میری نظریں عقب نما آئینے سے غافل نہیں تھیں۔ میں کچھ فاصلے پر ایک کار کی ہیڈ لائٹس دیکھ رہی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق وہ کمانڈر حق یا اس کے کسی آدمی ہی کی ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے فرخ پر نظر رکھنا اس کی ڈیوٹی تھی۔ میں نے اس سے یہ کب کہا تھا کہ جب فرخ میرے ساتھ ہو تو نگرانی کی ضرورت نہیں۔ اب مجھے اپنی ہدایات کے نامکمل ہونے کا احساس ہوا تو اس میں کمانڈر حق کا کوئی قصور نہیں تھا۔

مرسیڈیز ہائی وے پر پہنچ گئی۔

"فرخ! جان!" میں قدرے توقف سے بولی۔ "تم جانتی ہو، مجھے تم سے کتنی محبت ہے؟"

"شاید آپ کو مجھ سے اتنی محبت نہ ہو جتنی محبت مجھے آپ سے ہو گئی ہے۔" فرخ نے کہتے ہوئے اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا۔ "جی چاہ رہا ہے کہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہوں۔"

"شادی کر لو مجھ سے!" میں نے ہنس کر کہا۔

میرے شانے پر فرخ کی گرفت سخت ہو گئی لیکن اس نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ میں نے کار کے اندر تاریکی رکھی تھی اس لئے اس کے چہرے کا تاثر بھی نہیں دیکھ سکی۔ ویسے میں اندازہ کر سکتی ہوں کہ اس وقت وہ گلنار ہو گئی ہوگی۔

میری خواہش تھی کہ کار کو کسی ویرانے میں نکال لے جاؤں مگر کمانڈر حق کی وجہ سے میں کسی بھی ویرانے کو بہار آشنا نہیں کر سکتی تھی۔

لیاقت آباد کی روشنیوں میں مجھے وہ کار صاف نظر آنے لگی۔ وہ کار میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔

میں ڈرائیونگ کرتی رہی اور فرخ کی بھولی بھالی باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ صدر پہنچ کر میں نے گاڑی شیزان کے سامنے روک دی۔ وہاں ہم نے چائے پی اور پھر میں فرخ کو واپس اس کے گھر کی طرف لیجانے لگی۔

"آپ مجھے ڈرائیونگ سکھا دیں گی بانو!" فرخ شرماتی ہوئی بولی۔

"ہاں ہاں جان! کیوں نہیں! میں تمہیں ایک کار بھی دلا دوں گی۔"

"بس بس، اب آپ میرا دماغ بالکل ہی خراب کر دیں گی۔" فرخ ہنس کر بولی اور میں نے اپنا بایاں ہاتھ اس کے گھٹنے پر رکھ دیا۔ یہ گویا قناعت کی انتہا تھی۔ جی تو میرا یہ چاہا تھا کہ اسے سینے سے لگا کر اپنے وجود میں جذب کر لوں۔

جب مرسیڈیز فرخ کے گھر کے سامنے جا رکی تو میں نے اس سے کہا۔ "کل کسی وقت میں پھر آؤں گی اور تمہیں اپنے گھر لے چلوں گی۔"

"ابھی وقت لے چلتیں۔"

"پھر تو بہت دیر ہو جاتی واپسی میں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تمہارے والدین پریشان ہو جاتے۔"

فرخ کے جواب سے پہلے ہی مکان کا دروازہ کھل گیا۔ ہاشمی ہی باہر نکلا تھا۔

فرخ کو چھوڑ کر میں واپس ڈیفنس کی طرف روانہ ہو گئی۔ میرے اعصاب میں سنسناہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ فرخ کی قربت نے کچھ خواہشوں

کو انگڑائی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب ان شکستہ انگڑائیوں کی لاج رکھنے کا فرض زبیدہ ہی ادا کر سکتی تھی۔

گھر پہنچ کر میں نے گاڑی گیرج میں بند کی اور پھر گنگناتی ہوئی برآمدے کی طرف بڑھی۔ برآمدے میں میری کوئی ملازمہ ٹہل رہی تھی۔ قریب جا کر میں نے اسے پہچانا۔

"مالکن!" اس نے سرگوشی کی۔ "ذرا اس کمرے میں آ کر میری ایک بات سن لیں۔"

"خیریت؟" میں نے اس کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"پہلے اس کمرے میں آ جائیے!"

میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا اور پھر سرگوشی میں بولی۔

"ابھی میں نے کسی سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔"

"اب بک چکو جلدی سے۔" میں جھنجھلا گئی۔

"مالکن! یہ لڑکی جو آپ کے ساتھ آئی ہے، بالکل دیہاتی لگتی ہے نا؟"

"لگتی نہیں ہے بلکہ واقعی دیہات کی ہے۔"

"کیا کچھ پڑھی لکھی بھی ہے؟"

"تم اصل بات کیوں نہیں بتا رہی ہو!" میرا پارہ چڑھنے لگا۔

"مالکن!" اس کا لہجہ اور دھیما پڑ گیا۔ "ابھی کوئی آدھے گھنٹے پہلے میں آپ کے کمرے کی صفائی کے خیال سے اُدھر گئی تھی، پھر مجھے ایسی آواز سنائی دی کہ میں دروازے ہی پر رک گئی اور جھانک کر اندر دیکھنے لگی۔ وہ لڑکی ٹیلیفون پر کسی سے باتیں کر رہی تھی۔"

"ٹیلیفون پر؟" میں چونک پڑی۔

"ہاں مالکن!" اس کا لہجہ اور پُرجوش ہو گیا۔ "وہ کسی کو آپ کے بارے میں بتا رہی تھی کہ آپ کا تعلق فوج سے ہرگز نہیں ہے، اسے غلط فہمی ہوئی تھی۔"

مجھے اپنے اعصاب پر زنّاٹا سا محسوس ہوا۔ میں زبیدہ کی طرف سے کسی ایسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

ملازمہ نے اپنا بیان جاری رکھا۔ "پھر اس نے یہ بھی کہا تھا مالکن کہ وہ دو ایک روز میں آپ کے بارے میں تفصیلات حاصل کر کے فون پر بتا دے گی۔ اس نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ آپ کے سامان کی تلاشی لے کر بہت سی باتیں جان لے گی۔ اب بتائیے مالکن! کیا وہ لڑکی دیہات کی ہو سکتی ہے؟"

"تفصیل سے بتاؤ! اس نے فون پر اور کیا کیا کہا تھا؟" میں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"کوئی اور خاص بات نہیں تھی مالکن! ورنہ مجھے ضرور یاد رہتی۔"

"ہوں، اچھا، فی الحال کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ بات پھیلے۔"

"ہاں مالکن! مجھے بھی یہ بڑا خطرناک لگا تھا۔ اسی لئے آپ کے سوا کسی سے کچھ نہیں کہا۔"

میں سر ہلا کر اس کمرے سے نکلی اور اپنی خواب گاہ کی طرف۔ میرے دماغ کی حالت ایسی تھی جیسے سمندر میں طوفان آیا ہوا۔ مختلف النوع خیالات طوفانی لہروں کی طرح امنڈ رہے تھے۔ میں سب سے زیادہ بپھری ہوئی لہر یہ تھی کہ آخر زبیدہ کو لگانے والا کون ہو سکتا ہے؟ کیا زبیدہ کیپٹن آفاق کی ایجنٹ؟ اس سوال کا اثباتی جواب محال تھا۔ یہ بات منطق کے دائرے سما سکتی تھی کہ میں نے گوجرانوالہ اور لاہور کے درمیان میں اتفا جگہ قیام کیا وہاں کیپٹن اخلاق کا کوئی ایجنٹ پہلے ہی سے موجود۔ یہ فرض کر لیا جائے کہ زبیدہ کیپٹن آفاق کی ایجنٹ ہے تو یہاں پہنچ کر کھٹپ ہو جاتی ہے کہ اس نے ان قیدیوں کو آزاد کوشش کیوں نہیں کی جنہیں میں نے صغرا کے مکان میں قید۔ اگر وہ کیپٹن آفاق کی ایجنٹ ہوتی تو اس کا فرض اولین یہی۔

تو پھر... ؟ وہی طوفانی لہر...! میرا دماغ اس لہر شدت سے ہلا جا رہا تھا۔ میں جب اپنی خواب گاہ کے دروازے میرے قدم خود بخود رک گئے۔ دفعتاً ہی میرا دماغ ایک فیصلے میں اُلٹے قدموں واپس لوٹی اور ڈرائنگ روم میں پہنچ کر کمانڈ ڈائل کرنے لگی۔

دوسری طرف گھنٹی بجی، پھر کسی نے ریسیور اٹھایا لیکن جواب دی، وہ کمانڈر حق کی نہیں بلکہ اس کے خاص ماتحت ضرغام کی۔ نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ کسی آدمی کو لے کر ٹھیک دو میرے گھر پہنچ جائے۔

"برآمدے میں میری ملازمہ موجود ہو گی۔" میں نے ضرغا "تم اسے اپنا کارڈ دکھانا۔ وہ تمہیں میری خواب گاہ کے دروا دے گی۔ تم وہاں رک کر میرے اشارے کا انتظار کرنا۔ جب اندر مرتبہ تالی بجنے کی آواز آئے تو بے جھجک اندر داخل ہو جانا۔"

"بہت بہتر یور ہائی نس!" ضرغام نے کہا۔

میں نے سلسلہ منقطع کر کے اپنی ایک ملازمہ کو پکارا اور ہدایات دے کر برآمدے میں بھیج دیا۔ اس کے بعد میں پھر اپنی خوابگاہ کی طرف بڑھی۔ اب میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی لیکن مسکراہٹ کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔

میں زبیدہ کے بارے میں ایک اہم فیصلہ کر چکی تھی۔ گو کہ اس خوبصورت لڑکی کو بے تحاشا پسند کیا تھا اور اس کی نوخیز جوانی کچھ لمحات کا حاصل بھی بن چکی تھی لیکن یہ میرے لئے ناقابل برداشت کہ ایسی کوئی لڑکی مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کرے۔

میں مسکراتی ہوئی اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئی اور دیکھا کہ زبیدہ کرسی پر بیٹھی، ٹانگ پر ٹانگ رکھے کسی سوچ میں غرق۔

کسی دیہاتی لڑکی کا ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر حالات معمول کے تو شاید میں اس نکتے پر غور ہی نہیں کرتی لیکن جو سنسنی خیز مجھے معلوم ہو چکی تھیں، ان کے بعد کسی معمولی سے معمولی نکتے کو بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ مجھے دیکھ کر چونکی اور پھر مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ "آپ گئی تھیں میم صاب جی!... آپ کی نوکرانیوں نے مجھ سے کئی مرتبہ کھالو تو میں نے کھا لیا۔"

"اچھا کیا زبیدہ!... میں کسی سے ملنے چلی گئی تھی۔ وہیں مجھے کھانا پڑا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم کھانے کے لئے میرا انتظار؟"

"تو کیا میں آپ کو بھول سکتی ہوں؟" زبیدہ نے یہ فقرہ بڑی سے کہا لیکن اب مجھے اس میں سے عیاری کی بو آ رہی تھی۔

"نہیں چندا! تم مجھے بھلا کیسے بھول سکتی ہو!" میں نے بڑے پیار گال میں چٹکی بھری۔

"میم صاب جی! آپ مجھے کبھی اپنے سے جدا نہ کر دیجیے گا!" زبیدہ لہجے میں کچھ آزردگی سمیٹنے کی کوشش کی تھی۔

"یہ خیال تیرے دل میں کیسے آ گیا پگلی کہ میں تجھے جدا بھی کر سکتی؟" میں نے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"بڑے لوگ چھوٹے لوگوں کو بھول ہی جاتے ہیں۔" زبیدہ نے کہا۔

"ہش۔" میں نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی اور اسے ساتھ بستر کی طرف بڑھی۔ اسے بستر پر بٹھا کر میں کپ بورڈ کی طرف گئی۔ وہسکی کی بوتل نکال کر میں نے دو گلاس بنائے اور انہیں لئے واپس لوٹی۔

"لو! پیو!" میں نے ایک گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے میم صاب جی!"

"اب طلسم، عرقِ بہاراں، کچھ بھی کہہ لو!" میں نے کہا اور اپنا ہی سانس میں خالی کر گئی۔

زبیدہ گلاس کو اپنے ہونٹوں تک لے گئی اور پھر شاید اس کی بُو سے کر اپنا سر پیچھے کر لیا۔ "کیا یہ شراب ہے میم صاب جی!" اس نے اف کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

"بعض لوگ اسے شراب بھی کہتے ہیں۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ "لیکن اس میں آج تک شر کا کوئی پہلو نظر نہیں آیا۔"

"میں نے تو... کبھی نہیں پی... میم صاب جی!"

"تو پی لو!... پہلی مرتبہ جو بھی پیتا ہے، اس نے پہلے کبھی نہیں پی لیکن...!"

"ہیں!" میں نے پیار بھرے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا اب بھی ٹال دو گی؟"

"نن... نہیں... میں آپ کی بات کیسے ٹال سکتی ہوں۔"

"بس تو پھر پی جاؤ! شاباش! میری اچھی جان!"

زبیدہ نے ہچکچاتے ہچکچاتے گلاس کو ہونٹوں سے لگایا، آنکھیں بند کیں اور پھر شاید سانس بھی روک لی۔ دوسرے ہی لمحے وہ غٹ غٹ کر کے پورا گلاس چڑھا گئی۔ آخری گھونٹ لے کر اس نے گلاس پھینک کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھام لیا اور بُری طرح کھانسنے لگی۔

گلاس قالین پر اس طرح گرا تھا کہ ٹوٹنے نہیں پایا۔

"کیا ہوا؟ کیا سینے میں جلن ہو رہی ہے؟" میں نے کہتے ہوئے زبیدہ کو اپنے قریب گھسیٹ لیا۔

"ہاں۔" زبیدہ بمشکل کہہ سکی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"لاؤ میں سہلا دوں۔" میں نے اس کے ہاتھ ہٹا دیئے اور اس کے سینے کو مسلنے لگی۔ "بس ابھی ایک منٹ میں ساری جلن ختم ہو جائے گی۔"

"میرے سینے میں آگ لگ گئی ہے میم صاب جی!"

"ابھی بجھ جائے گی، گھبراؤ نہیں۔" میرا ہاتھ نشیب و فراز سے الجھتا رہا۔ زبیدہ نے اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا۔

ایک دو منٹ میں اس کی حالت سنبھل گئی تو میں کپ بورڈ سے بوتل نکال لائی۔ قالین پر پڑا ہوا گلاس اٹھا کر سائڈ ٹیبل پر رکھا اور بوتل کھولنے لگی۔ میں نے پہلا گلاس بنایا تو زبیدہ کچھ نہ بولی لیکن جب میں نے دوسرے گلاس میں بھی شراب انڈیلنا شروع کی تو اس نے بے ساختہ کہا۔

"نہیں میم صاب جی! اب بالکل نہیں پیوں گی۔"

"ذرا دیر رک کر پی لینا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"میرا سینہ جھلس جائے گا۔"

میں نے ہنس کر اپنا گلاس اٹھا لیا اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔ وہ گلاس میں نے دس منٹ میں ختم کر کے اپنے لئے ایک گلاس اور بنایا۔ پھر میں دونوں گلاس اٹھا کر زبیدہ کے قریب جا بیٹھی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ اب زبیدہ کی آنکھوں میں باریک باریک سرخ لکیریں کھنچ گئی تھیں۔ شراب کا پہلا گلاس اثر پذیر تھا۔ جب میں نے دوسرا گلاس اپنے ہاتھ سے اس کے ہونٹوں سے لگایا تو اس نے قدرے تذبذب کے بعد ایک گھونٹ لے لیا۔

"بس اسی طرح ایک ایک گھونٹ پیتی رہو۔" میں نے گلاس اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"یہ تو... بہت کڑوی ہوتی ہے... میم صاب جی!"

"اس کا اثر بہت میٹھا ہوتا ہے۔"

زبیدہ نے ایک گھونٹ اور لیا۔ میں نے بھی اپنا گلاس منہ سے لگا لیا۔ زبیدہ نے وہ گلاس ختم کرنے میں آدھا گھنٹہ لگایا۔ اتنی دیر میں اس دوران میں اپنے لئے پھر ایک گلاس لبریز کر چکی تھی۔

ایک گھنٹے میں میں نے پانچ گلاس ختم کیے اور زبیدہ میرے شدید اصرار پر بڑی مشکل سے تین گلاس ختم کر سکی۔ اب میں نے اسے اپنی بانہوں

کے حصار میں قید کر لیا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے کھلتے ستارے تھے اور
چہرے پر غرور کی تمتماہٹ سی پھیل گئی تھی۔ میں نے اس آگ سے ہونٹوں کو
جلا لیا۔ شراب سب! میرے رگ و پے میں شعلوں کی اللہ... بیتاب شعلوں کی طرح
لپکنے لگی تھی۔

"کیا اب بھی تمہارا سینہ جل رہا ہے؟" میں نے اس کی کنپٹی پر
ہونٹ رگڑتے ہوئے سرگوشی کی۔

"اب تو الاؤ دہک رہا ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

میرا ہاتھ اس کے شانوں سے پھسلتا ہوا اس کے گریبان تک پہنچا
... جب تختے سے گھبرا کی آواز پیٹ تک پھیلتی چلی گئی۔ اس کی یہ
بے لگامی میرے لئے اور جنون خیز ثابت ہوئی۔ آج میں زبیدہ کو اس طرح
برتنا چاہتی تھی کہ پھر اسے برتنے کی خواہش زندہ رہے۔ میرے پیار کا انداز
وحشیانہ ہوتا چلا گیا۔ زبیدہ میری ایک حرکت سے تڑپ گئی۔ اس نے اپنے
دانت میرے شانے میں گاڑ دیئے۔ وہ مجھ سے اس طرح لپٹ گئی جیسے بندریا
کا بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے لپٹ جاتا ہے۔ میں نے کمرے کی تیز روشنیوں کو بجھا
کر سرخ رنگ کا لیمپ جلا دیا تھا۔ اس مدھم نیلی روشنی میں دیوار پر پڑتے
ہوئے سائے ایک دوسرے سے نبرد آزما دکھائی دے رہے تھے۔ ان سایوں
کی حرکات و سکنات نے دیوار پر جیسے ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ وہ سائے ایک
دوسرے کو اٹھا رہے تھے، پٹخ رہے تھے، جھپٹ رہے تھے، لپٹ رہے تھے
اور کبھی یوں محسوس ہونے لگتا تھا جیسے دیوار پر ایک ہی سایہ رہ گیا ہو۔
جب وہ سائے نکتہ ٔ انجماد سے آشنا ہوئے تو کمرے میں میرے اور
زبیدہ کے تنفس کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔
میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ضرغام کو فون کئے تقریباً دو گھنٹے گزر
چکے تھے۔ اب وہ پہنچنے ہی والا ہوگا۔ میں نے سوچا اور اٹھ کر اپنی بے لباسی
کو کاؤن کا رہنا پہنا دیا۔ زبیدہ اب بھی بستر پر بکھری ہوئی تھی اور وہ بھی
اس طرح جیسے صاف و شفاف آئینہ جو کسی بات کو راز نہیں رکھتا۔
"زبیدہ!" میں نے اسے پکارا۔
اس نے آنکھیں کھولیں، نشیلے انداز میں میری طرف دیکھا اور پھر
مسکرا کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔
"اٹھو!" میں نے اسے بازو پکڑ کر اٹھایا۔
"اب تو سو ہی جانے دیجئے!" وہ ٹھنک کر بولی۔
"ابھی یہاں کوئی آنے والا ہے۔"
"آنے دیجئے!" زبیدہ کا مخمور دماغ ٹھیک سے کام نہیں کر رہا تھا۔
میں نے خود ہی اسے زبردستی اٹھایا اور اسے اس قابل کیا کہ اسے دوسروں
کے سامنے لایا جا سکے۔ ابھی اتنا وقت گزرا کہ اب میں دروازے سے
باہر ضرغام کی موجودگی کا یقین کر سکتی تھی۔
سہارا ختم ہوتے ہی زبیدہ پھر بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ اس کی شریانوں
میں تیرتا ہوا الکحل اسے بے سدھ کئے دے رہا تھا۔
میں نے چار مرتبہ تالی بجائی۔ فوراً دروازہ کھلا اور ضرغام اپنے
ساتھ ایک آدمی کو لئے ہوئے کمرے میں گھس آیا۔ زبیدہ نے
پٹ پٹ ایک آنکھ کھولی کر آنے والوں کو دیکھا۔ نہیں ... تب
آنکھ بند کر لیتی۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ضرغام
"اس لڑکی کو اٹھا لے جاؤ!"
زبیدہ کی دوسری آنکھ بھی کھل گئی۔ وہ یکبارگی اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"کیوں لے جاؤ... لڑکی کو!" اس کی زبان لڑکھڑا
میں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا اور ضرغام سے کہتی
... سے معلوم کرنا کہ آج اس نے یہاں سے کس کو فون کیا تھا
... ہے پیچھے کیوں لگ گئی ہے۔ یہ سب کچھ معلوم کرنے کے لئے تمہیں
کی انتہا بھی کرنا پڑے تو قطعی نہ ہچکچانا۔"
میرے ان فقروں میں زبیدہ کو آندھیوں کا شور محسو
وہ لڑکھڑا کر بستر سے اٹھ گئی۔ اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا ہوگا۔
ضرغام نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور زبیدہ کی طرف
گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگی۔ اس کی نظریں میری طرف اٹھیں اور دیکھا
... انداز میں کہا۔ "ان باتوں کا کیا مطلب ہے میم صاحب جی!
"مطلب تو تمہیں بتانا ہوگا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا
... نے یہاں سے کس کو فون کیا تھا؟"
"کسی کو بھی نہیں۔ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں میم صاحب؟
"لے جاؤ اسے!" میں ضرغام سے بولی جو زبیدہ کی ...
... رہا تھا اور زبیدہ دیوار سے لگ کر رک گئی تھی۔
"کیا اسے بے ہوش کر کے لے جانا ہوگا یور ہائی نس!"
... نے پوچھا۔
"اگر یہ از خود نہ جائے تو بے ہوشی ناگزیر ہے۔"
"کیا ارادہ ہے لڑکی!" ضرغام نے زبیدہ کا بازو پکڑا
زبیدہ کا چہرہ تیز دھوپ میں نظر آنے والے بادلوں کی
سفید پڑ گیا تھا اور آنکھوں میں سراسیمگی کے مٹیالے سائے لہرا
"چلو!" ضرغام نے اسے کھینچا اور وہ کسی معمول کی طر
چلی گئی۔ اب اس کی نظریں بھی میری طرف نہیں تھیں۔ اس کا
... زو ضرغام کے ساتھی نے پکڑ لیا تھا۔ وہ دونوں اسے پکڑے
دروازے کی طرف لئے چلے گئے۔ میں خاموش کھڑی ہوئی ان
... دیکھتی رہی۔ جب وہ باہر نکل گئے تو میں ان کے قدموں کی آہٹ
... تا۔ میرے رگ و پے میں رنج کی ایک خفیف سی لہر دوڑ رہی تھی
... یوں کرب کے شکنجے میں دھکیل کر مجھے افسوس تو ہوا تھا مگر اس
... کوئی صورت بھی تو نہیں تھی۔!
میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور دو قدم آگے بڑھ کر
... گئی۔ میں سب کچھ ذہن سے جھٹک کر اب سو جانا چاہتی تھی نیند
... بدن کو توڑے ڈال رہا تھا۔ مجھے نیند آنے میں دیر نہیں لگی۔
دوسرے دن جب میں بیدار ہوئی تو زبان کسیلا پن محسو

... ر بھاری تھا۔ میں نے ایک پیگ بنا کر پیا تو کم گشتہ جسمانی
... اپس لوٹی۔ اس کے بعد میں نے غسل کیا اور پوری طرح چاق و چوبند
... کو ناشتے کی ہدایت دینے کے بعد میں نے فون سنبھالا اور
... ملانے لگی۔
... ہیلو!" دوسری طرف سے کمانڈر حق کی آواز سنائی دی۔
... رپورٹ ہے؟" میں نے پوچھا۔
... تک اس لڑکی کو اغوا کرنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔
... رہا ہوں اور اب میں نے اپنی جگہ ضرغام کو بھیج دیا ہے۔"
... اس لڑکی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں جسے میں نے کل
... حوالے کیا تھا۔"
... ی سخت جان ثابت ہو رہی ہے یور ہائی نس!... تاہم
... آدمی کا نام اور پتہ معلوم ہو گیا ہے جس کو اس نے آپ کے
... تھا۔ اس کا نام وکٹر ہے اور وہ لارنس روڈ کی ایک بلڈنگ

... بنگلو انڈین ہے؟"
... ہاں۔"
... کیا ہے؟"
... معلوم کرنے کے لئے ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دی گئی ہے۔ اس کی
... ہی آپ کو آگاہ کر دوں گا۔"
... منتظر ہوں۔" اتنا کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔
... سلسلے میں کسی بھی قسم کی کوئی حرکت نہ ہونے سے میں یہ
... ہی تھی کہ میرے چیلنج نے کیپٹن آفاق کو مذبذب کر دیا تھا۔
... علم میں آ ہی چکی تھی کہ وزارت داخلہ کی ایک اہم ترین ہستی
... خاطر رکھتی ہے۔ غالباً اب وہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے
... ملے رہا ہوگا۔ ممکن ہے وہ سب سے پہلے یہی معلوم کرنے
... ہو کہ میں کون ہوں۔
... کرنے کے بعد میں اپنی فرم کے دفتر کی طرف روانہ ہو گئی۔
... کئی دن غیر حاضر رہی تھی اس لئے یقیناً خاصا کام پینڈنگ
... تھا۔
... کی اس خوبصورت بلڈنگ میں میرا دفتر اس اعتبار سے
... چپراسیوں کے علاوہ صرف عورتیں ہی کام کرتی ہیں۔ معمولی
... کر جنرل منیجر تک عورتیں ہی ملیں گی۔
... دفتر پہنچتے ہی جنرل منیجر میرے کمرے میں آ گئی۔ میں اپنی میز
... میز تو دیکھ ہی چکی تھی۔ میں نے مسکرا کر جنرل منیجر سے کہا۔
... بیگم!... میں کئی دن بعد آئی ہوں مگر آج بھی ایک
... وقت نہیں دے سکوں گی۔ آپ مجھ سے صرف وہ کام
... ضروری ہوں۔"
... بہت بہتر میڈم!"

اس کے بعد میرا ایک گھنٹہ شدید مصروفیت میں گذرا۔ متعدد نوٹ
لکھوائے اور متعدد دستخط کئے۔ آخر میں میں نے قلم پھینک کر انگڑائی لی
اور کرسی کی پشت سے ٹیک کر بولی۔ "اب آپ مجھے عمدہ سی کافی پلوا دیں تاکہ
میں یہ تھکن اتار کر دفتر سے روانہ ہو سکوں۔"
"بہت بہتر، میں ابھی بھجواتی ہوں۔"
فوزی بیگم کے جاتے ہی میں نے فون کا ریسیور اٹھایا اور کمانڈر
حق کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف سے ریسیور اٹھایا گیا اور کمانڈر
حق کی آواز سنائی دی تو میں نے کہا۔ "میں رپورٹ کی منتظر ہوں کمانڈر!"
"میں نے آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن معلوم
ہوا کہ آپ گھر پر موجود نہیں ہیں۔"
"ہاں، کہو!"
"وکٹر ایک انشورنس ایجنٹ ہے اور گزشتہ چھ ماہ سے اس
فلیٹ میں رہتا ہے۔ پہلے اس فلیٹ میں ایک کرسچین عورت مارتھا لارسن
رہتی تھی۔ اس کا پیشہ لڑکیوں کی دلالی کرنا تھا۔ یہ بات پڑوسیوں کے علم
میں آئی تو انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور مارتھا اس فلیٹ کو چھوڑنے پر
مجبور ہو گئی۔ وکٹر نے اسے پگڑی دے کر وہ فلیٹ حاصل کر لیا اور تب سے
وہ وہاں تن تنہا قیام پذیر ہے۔ ابھی یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ چھ ماہ قبل وہ
کہاں رہتا تھا لیکن میں نے تفتیش جاری رکھوائی ہے۔ شاید شام تک آپ
کو مفصل رپورٹ مل سکے۔"
"ایک آدمی کو اس کی نقل و حرکت کی نگرانی پر مامور کر دو!"
"وہ تو کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک رپورٹ مجھے یہ ملی ہے
کہ وکٹر آج صبح نو بجے اپنے گھر سے روانہ ہو کر صدر گیا تھا۔ وہاں اسے ڈاکٹر
فونگ کی دکان میں جاتے ہوئے دیکھا گیا لیکن یہ بات نہیں معلوم ہو سکی
کہ وہ وہاں کیوں گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کے دانتوں میں کچھ تکلیف ہو۔"
"یہ ڈاکٹر فونگ کون ہے؟"
"ایک ڈینٹسٹ ہے۔"
"ہوں، اچھا! کیا وکٹر کے پاس اس کی اپنی گاڑی ہے؟"
"جی ہاں، ایک کھٹارا سی مورس ہے۔"
"وکٹر کے شب و روز کے معمولات کیا ہیں؟"
"ابھی مجھے یہ بات نہیں معلوم ہو سکی۔ آپ خود سوچیے کہ اتنی جلدی...!"
"اچھا خیر، زبیدہ نے اور کچھ بتایا؟"
"جی نہیں۔ وہ اس وقت بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔ بلا کی سخت جان ہے۔"
"فرخ کی طرف سے قطعی غافل نہ ہونا۔"
"آپ مطمئن رہیں۔"
میں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور کافی کا انتظار کرنے لگی۔ فرخ کی طرف سے
مجھے کامل اطمینان ہو چکا تھا اس لئے میری دماغی رو صرف زبیدہ اور وکٹر کا طواف
کر رہی تھی۔ ان دونوں کے مابین جو تعلق تھا اس کی سریت مجھے خلجان میں مبتلا
کئے ہوئے تھی۔ میں جلد از جلد یہ معلوم کر لینا چاہتی تھی کہ زبیدہ کو میرے پیچھے

لگانے میں کس کا ہاتھ ہے۔ یہ معاملہ اس لئے اور زیادہ پُراسرار معلوم ہو رہا تھا کہ میری اور زبیدہ کی رفاقت ایک اتفاق پر مبنی تھی۔ گوجرانوالہ اور لاہور کی مواصلاتی سڑک پر ایک کسان کے مکان میں میرا رُکنا کسی پروگرام کا حصہ نہیں تھا کہ زبیدہ کو وہاں پہلے سے رکھنے کا جواز پیدا ہو جاتا۔

کافی آگئی تو میں اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی ہوئی اسی مسئلے سے الجھتی رہی۔ ایک دو مرتبہ میری دماغی رَو ڈینٹسٹ ڈاکٹر فونگ کی طرف بھی گئی لیکن میں نے اس پر زیادہ غور نہیں کیا کہ وکٹر اس چینی کے پاس کیوں گیا تھا۔ ایک انشیورنس ایجنٹ کی حیثیت سے وہ ہر شخص کے پاس جا سکتا تھا اور ایک ڈینٹسٹ کی حیثیت سے یہ رعایت ڈاکٹر فونگ کو بھی حاصل تھی کہ تمام لوگ اس سے ملاقات کر سکتے تھے۔

کافی پی چکنے کے بعد میں اپنے دفتر سے روانہ ہو گئی۔ میکلوڈ روڈ پر ٹریفک کے ہجوم میں کار چلاتے ہوئے بھی میرا ذہن الجھا رہا۔ اس وقت میری کوئی منزل نہیں تھی۔ غیر ارادی طور پر میں گھر ہی پہنچ گئی۔ دماغ پر دباؤ پڑتا ہی چلا جا رہا تھا اس لئے میں نے شراب کی بوتل نکالی۔ ایک پیگ پی کر اس دباؤ میں کچھ کمی محسوس ہوئی۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی کہ وکٹر کے بارے میں مفصل رپورٹ کا انتظار کروں۔ یہ انتظار مجھے شدت سے کھل رہا تھا اور میں چاہتی تھی کہ خود ہی کچھ کر گزروں لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ بالکل اچانک ہی میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ میں خود ہی وکٹر کے بارے میں چھان بین کروں۔ یہ خیال ذہن میں آیا تو میں نے ان خطوط پر سوچنا شروع کیا اور دوسرا پیگ ختم ہونے سے پہلے پہلے میں ایک لائحہ عمل مرتب کر چکی تھی۔ آخری گھونٹ لے کر میں نے گلاس رکھا اور اٹھ کر کپڑوں کی الماری کی طرف بڑھی جس میں مختلف قسم کے لباس بھرے ہوئے ہیں اور جن کو استعمال کرنے کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی ہے۔ ان کپڑوں کو الٹ پلٹ کر میں نے ایک اسکرٹ منتخب کیا۔ دراز کھول کر دھوپ کا ایک چشمہ نکالا۔ الماری ہی میں ایک بڑی سی ہیٹ موجود تھی، وہ بھی نکال لی۔

آدھے گھنٹے بعد کوئی مجھے اس کمرے میں دیکھتا تو شاید بے ساختہ مجھ سے پوچھ بیٹھتا کہ صبیحہ بانو کہاں ہے؟ دراصل اب میں اسکرٹ میں ملبوس تھی۔ سر پر ہیٹ تھی۔ بالوں کا اسٹائل بدل چکا تھا اور ایک لوشن نے ان کی سیاہی بھی چاکلیٹی رنگ میں بدل دی تھی۔ آنکھوں کی پتلیوں پر میں نے سبز رنگ کے شیشے چڑھا لئے تھے۔ میری جلد کی رنگت تو سُرخ و سفید ہے ہی لہٰذا اب کوئی بھی مجھے دیکھتا تو یوروپین ہی سمجھتا۔ انگریزی اور جرمن تو میں کسی اہلِ زبان کی طرح بول سکتی ہوں اور فرنچ پر بھی مجھے اتنی قدرت ضرور حاصل ہے کہ کوئی غیر فرانسیسی میرے لہجے کی ناپختگی محسوس نہیں کر سکتا۔

میں نے قدِ آدم آئینے میں اپنا ناقدانہ جائزہ لیا اور اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس وقت مجھے نہ جانے کیوں یہ خیال آیا کہ فون کرنے والا رضوان ہوگا لیکن جب میں نے ریسیور اٹھایا تو کمانڈر حق کے نائب کی آواز سنائی دی۔ اس نے بتایا کہ ابھی تک مزید معلومات حاصل نہیں ہو سکیں [illegible] ابھی تک تاریکی میں تھا۔

"کمانڈر صاحب؟" میں نے پوچھا۔

"وہ سو رہے ہیں یور ہائی نس! ... انہوں نے [illegible] ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد [illegible]"

"مجھے فوری طور پر ایک فلیٹ [illegible]"

"فلیٹ کہاں ہو یور ہائی نس!"

"کہیں بھی ہو لیکن اس میں ٹیلیفون ضرور ہو [illegible]"

"[illegible] دس منٹ بعد آپ کو اس سے میں بتا سکوں [illegible]"

"[illegible] منتظر ہوں۔" یہ [illegible] میں نے [illegible] سلسلہ منقطع کر [illegible]

زبیدہ کے بارے میں اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ [illegible] زبیدہ سے مزید معلومات حاصل [illegible]

میں رضوان کے بارے میں سوچنے لگی۔ [illegible] فون کیا تھا اور نہ مجھ سے ملاقات کے لئے آیا۔ مجھے [illegible] حالات تو ایسے نہیں تھے [illegible] بند ہو سکتے۔

میں اس سلسلے میں زیادہ نہیں سوچ سکی کیونکہ [illegible] نائب نے دس منٹ کے بجائے پانچ منٹ میں ہی [illegible] فون کر دیا۔

"[illegible] روڈ کی ایک بلڈنگ کا فلیٹ ہے [illegible] ٹیلیفون [illegible] جیسا آپ نے کہا"

"فلیٹ کی چابی اور [illegible]

کار کو وہاں سے ہٹانے سے قبل اس بات کا اطمینان کر لیجئے گا کہ نگرانی نہیں کی جا رہی ہے۔ اگر نگرانی کی جا رہی ہو تو مجھے فون پر اطلاع دیجئے گا۔"

"بہت اچھا یور ہائی نس!"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔

میری زندگی میں [illegible] چند بڑے [illegible] تھے [illegible]

خوبصورت لڑکیاں میرے جذبات کا محور رہی تھیں۔ [illegible] نے میرے دل کو لبھایا تھا اور پھر [illegible] شوخ و شنگ، تیز و طرار غزالہ ... اس کے بعد زبیدہ [illegible] جنہوں نے میرے جذبات کے [illegible] ان دونوں نے مجھے خوب خوب سیراب کیا تھا لیکن غزالہ [illegible]

[illegible] اس کا [illegible] مجھے [illegible] حیرت [illegible] پڑ گیا۔ اگر [illegible] ہنگامی [illegible] دوبارہ ضرور [illegible] بہر حال میں [illegible] لاہور [illegible] سکتی تھی لیکن فی الحال [illegible] اس کے بارے میں زیادہ نہیں سوچ سکی تھی۔

نائب کا انتظار مجھے کافی دیر تک کرنا پڑا اور اسی دوران [illegible] کے اخبارات دیکھ ڈالے۔ تقریباً سبھی اخبارات [illegible] کی موجودگی پر مجھے حیرت نہیں ہو سکتی تھی [illegible] پر تین بے ہوش آدمی ملے تھے جنہوں نے پولیس [illegible] تھیں۔ فوراً ہی یہ معاملہ مقامی پولیس کے ہاتھوں [illegible] یہ بات صاف ہو گئی تھی کہ ان تینوں آدمیوں [illegible] کسان کے بیان کے مطابق وہ [illegible] آنکھ کھلی تھی تو وہ اس زینے کے باقاعدہ [illegible] یہ بھی نہیں بتا سکے کہ ان کے جسم پر [illegible]

[illegible] کے مطابق اس سلسلے میں پولیس کی تفتیش [illegible] زیرِ لب مسکرا دی۔ [illegible]

[illegible] نظر [illegible] تھی کہ دروازے پر دستک [illegible] دروازہ کھلا اور میری ایک خادمہ اندر [illegible] وہ چونکی اور پھر حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے [illegible] اور بولی۔

"[illegible]"

[illegible] پہچان [illegible] اچھل پڑی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر [illegible] مسکراتی رہی۔ آخر وہ ہکلاتی ہوئی بولی۔ "آپ؟"

"[illegible] کیا بات ہے۔ کوئی [illegible] آپ سے [illegible] کار میں گئے ہیں وہ صاحب [illegible]"

"[illegible]"

"[illegible] کھڑی ہو گئی؟" انہوں نے کار کہاں کھڑی [illegible]

"[illegible] کے سامنے۔"

[illegible] وہ گاڑی کو پہلو کے دروازے کی طرف [illegible] ان صاحب کے ساتھ جا رہی ہوں اور اب [illegible] واپس نہ آؤں۔ اگر کوئی فون کرے یا یہاں [illegible] تو لاعلمی کا اظہار کرنا۔ کسی کو بھی یہ نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اس حلیے میں یہاں سے گئی ہوں۔"

"بہت اچھا۔"

جب وہ چلی گئی تو میں نے دھوپ کا چشمہ اٹھا کر آنکھوں پر [illegible] سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس اٹھائی۔ چھوٹا سا پستول، بازو سے لٹکے ہوئے دستی بیگ میں رکھا اور کمرے سے نکل کر اس دروازے کی طرف چل پڑی جو عمارت کے عقبی پہلو میں تھا۔

کار اس دروازے کے سامنے موجود تھی۔ اس کو ادھر بلانے کا مقصد یہ تھا کہ مجھے اس میں بیٹھتے ہوئے کوئی نہ دیکھ سکے۔ سامنے کا حصہ تو پھاٹک کے اس پار، سڑک سے صاف دیکھا جا سکتا تھا۔

میں نے گاڑی کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ کمانڈر حق کا نائب چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔

"سب ٹھیک ہے، چلو!" میں نے آہستہ سے کہا۔

میری آواز پہچان کر اس نے اطمینان کی سانس لی اور کار کو حرکت میں لے آیا۔ میں نشست پر دراز ہو گئی تاکہ نظر نہ آ سکوں۔ میں نے لیٹے لیٹے کہا "ایجل روڈ کی طرف نکل چلو۔ جہاں بالکل سناٹا نظر آئے، وہیں گاڑی روک کر مجھے بتا دینا۔"

"بہت اچھا یور ہائی نس!"

میں نشست پر لیٹی رہی۔ نائب نے سڑک پر پہنچ کر تیزی سے اڑانا شروع کر دیا۔ ایجل روڈ پر پہنچ کر کار روک دی گئی اور مجھے بتلایا گیا کہ خاصی دور تک کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی ہے۔

میں جلدی سے اٹھ بیٹھی، دروازہ کھول کر نیچے اتری اور پھر ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے کا ہینڈل پکڑتی ہوئی بولی۔

"تم دوسری طرف سرک جاؤ!"

وہ سرک گیا اور میں نے دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"مجھے اس فلیٹ میں پہنچا کر ہی تمہاری ڈیوٹی ختم ہوگی۔" میں نے کار کو حرکت میں لاتے ہوئے کہا۔

"جو آپ کا حکم!" اس نے مودبانہ سر ہلا دیا۔

میری تیز رفتار ڈرائیونگ کے باعث وہ دم بخود بیٹھا [illegible] جب میں نے چیک کیا کہ اس نے اپنی سانس تک روک لی تھی مگر وہ مجھے ٹوکنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

آخر ہم منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ اس نے ایک بلڈنگ کے نیچے کار روکنے کے لئے کہا۔ میں اس وقت اس کی ہدایات کی پابندی کر رہی تھی۔ جو وہ کہتا رہا، میں کرتی رہی اور اس طرح بلڈنگ کی دوسری منزل کے ایک فلیٹ میں پہنچ گئی۔

تین کمروں کا فلیٹ تھا جس کی آرائش بڑے قیمتی ساز و سامان

سے ہوئی تھی۔ ان کمروں کا جائزہ لینے کے بعد میں نے کمانڈر حق کے ٹیم کو اس ہدایت کے ساتھ رخصت کر دیا کہ جیسے ہی ڈکٹر اپنے گھر پہنچے مجھے ہر ممکن اطلاع دی جائے۔

اب میں پھر گویا انتظاری لمحات سے دوچار تھی۔ کرنے کے لئے کوئی کام نہیں تھا۔ بیٹھے بیٹھے میں نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر رضوان کا نمبر گھما دیا۔ مجھے توقع تھی کہ اس نے اپنے ٹوٹے پھوٹے ہوئے ٹیلیفون کو ٹھیک کروا لیا ہوگا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی لیکن ریسیور نہیں اٹھایا گیا۔ میں نے کریڈل دبا کر اس کے دفتر رنگ کیا لیکن وہ وہاں بھی موجود نہیں تھا۔ دفتر والوں سے اس کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں مل سکی۔ اب میرا متفکر ہو جانا فطری امر تھا۔ آخر رضوان کہاں غائب ہوگیا۔

ٹیلیفون کی گھنٹی بجی تو میرے خیالات کا تسلسل ٹوٹا۔ مجھے اس فلیٹ میں آئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا۔ توقع کے مطابق وہ کمانڈر حق ہی کے آدمی کا فون تھا۔ مجھے اطلاع دی گئی کہ ڈکٹر واپس اپنے گھر پہنچ چکا ہے۔ میں فوراً اس فلیٹ سے روانہ ہو گئی۔ کار نے آندھی، طوفان کی طرح فاصلے طے کئے اور میں بہت جلد اس بلڈنگ کے نیچے جا رکی جس کی پہلی منزل پر ڈکٹر کی رہائش تھی۔ اوپر پہنچ کر میں نے فلیٹ کی کال بیل کا بٹن دبایا اور سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر سلگا لی۔

دروازہ کھلنے میں کوئی ایک منٹ لگا۔ بتیس، تینتیس سال کا ایک سانولا مرد میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے سبز رنگ کی جیکٹ اور پتلون پہن رکھی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کی پلکیں جھپک گئیں جیسے وہ اچانک تیز روشنی سے دوچار ہو گیا ہو۔ وہ ڈکٹر ہی ہو سکتا تھا کیونکہ مجھے اس فلیٹ میں کسی دوسرے کی موجودگی سے باخبر نہیں کیا گیا تھا۔

"ہیلو!" میں خالصتاً انگلش لہجے میں بولی۔ "اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو مارتھا لارسن کو ریٹا کی آمد سے باخبر کر دیں۔"

"مارتھا لارسن!" اس نے ایک طویل سانس لی اور بڑے بے تکلفانہ انداز میں مسکرایا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت یہی سوچ رہا ہوگا کہ میں بھی ان لڑکیوں میں سے ہوں جن کی دلالی میں مارتھا لارسن کے ہاتھ کالے ہوتے تھے۔

میں چاہتی بھی یہی تھی کہ ڈکٹر میرے بارے میں یہی بات سوچے۔ اس کے چہرے مہرے کا جائزہ لیکر مجھے دلی مسرت ہوئی تھی۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا جو ہر وقت جنسی بھوک کا شکار رہتا ہے اور صنف مخالف کو دیکھ کر اس کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔

"تشریف لائیے!" وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

"شکریہ!" میں بڑے اطمینان سے اندر داخل ہو گئی لیکن پھر متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی ہوئی بولی۔ "اوہ! میں اس کمرے کو خاصا تبدیل پا رہی ہوں۔" یہ میرا اندازہ ہی تھا کہ مارتھا لارسن اپنا سامان اپنے ساتھ لے گئی ہوگی۔

ڈکٹر نے میری بات ان سنی کر دی اور ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "تشریف رکھیے!"

"شکریہ!" میں بیٹھ گئی اور جب وہ بھی میرے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا مارتھا لارسن موجود نہیں ہے؟"

"کیا آپ مارتھا لارسن کے علاوہ کسی سے باتیں کرنا پسند نہیں کرتیں؟" اس نے بے تکلف ہونے کی کوشش کی۔

"خیر ایسا تو نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "لیکن باتیں کبھی کبھی کو خاصی مہنگی پڑتی ہیں۔" میرا لہجہ خاصا معنی خیز تھا۔

اس نے اس طرح سر ہلایا جیسے بین السطور میں چھپی بات سمجھ گیا ہو۔ پھر مسکراتا ہوا بولا۔ "شاید آپ نے مہنگی کا لفظ غلط استعمال کیا ہے۔ اگر آپ اس کی جگہ قیمتی کا لفظ استعمال کریں تو شاید زیادہ موزوں ہوتا۔"

خوب! میں نے دل میں سوچا۔ تو گویا اسے گفتگو کرنے کا سلیقہ بھی آتا ہے۔

"دراصل لفظوں کا وزن کرنا میرے بس کی بات نہیں۔"

"آپ کا یہ فقرہ ہی آپ کی بات کی تردید کر رہا ہے۔"

"شاید میں باتوں میں آپ سے نہ جیت سکوں گی۔"

"آپ ہر معاملے میں مجھ سے جیت جائیں گی۔ حسن کو شکست کھاتے میں نے تو کبھی نہیں دیکھا۔" اس نے بے تکلفی کی طرف ایک قدم اور بڑھایا۔

"شکست ہی حسن کا مقدر ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟"

"حسن کبھی بھی فاتح نہیں رہا۔"

"یہی تو حسن کی ذہانت ہے کہ فاتح نہ ہوتے ہوئے بھی فاتح رہتا ہے۔"

"کیا آپ وکیل ہیں؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"انشورنس ایجنٹ۔"

"اوہ اچھا!... ایسی باتیں وکیل کر سکتا ہے یا فلسفی۔"

"خیر چھوڑیئے ان باتوں کو۔ میں نے اب تک آپ سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ آپ کیا پینا پسند کریں گی!"

"اگر آپ کچھ پلانا ہی چاہتے ہیں تو کوئی ٹھنڈی چیز۔"

"اس موسم میں..."

"ٹھنڈی چیز مناسب نہیں ہوتی۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں جانتی ہوں لیکن اس وقت تو دل یہی چاہ رہا ہے۔"

"جیسا آپ چاہیں۔ کیا آرنج اسکوائش؟"

"چلے گا۔"

"میں ابھی آپ کے لئے بنا کر لاتا ہوں۔"

"صرف میرے لئے؟ کیا آپ نہیں پئیں گے؟"

"اگر آپ مجھے شریک دیکھنا چاہتی ہیں تو میں انکار نہیں کر سکتا۔"

"تنہا تو میں کچھ بھی نہیں پیوں گی۔"

"میں خود بھی آپ کو تنہا نہیں دیکھنا چاہتا۔" وہ مسکراتا ہوا اندر چلا گیا۔

میں متجسس نظروں سے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ سامان سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کمرے کو صرف نشست گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہوگا جس طرح بیٹھا رہا تھا۔ اس صوفے کی داہنی طرف ایک خوبصورت سی الماری میں کتابیں سجی ہوئی تھیں۔ وہیں ایک ٹیلیفون بھی موجود تھا اور ایک ٹائم پیس رکھی ہوئی تھی۔ میں کوئی ایسی چیز نہ دیکھ سکی جو ڈکٹر کے کسی درپردہ رنگ کی جھلک سامنے لا سکتی۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا لیکن جب وہ دوبارہ نہیں بجی تو مجھے خیال آیا کہ شاید اندرونی کمرے میں بھی فون موجود ہے۔ دونوں فون ایک ہی نمبر سے تعلق رکھتے ہوں گے اور گھنٹی بجنا شاید اس لئے بند ہو گئی تھی کہ اندرونی کمرے میں ڈکٹر نے ریسیور اٹھا لیا ہوگا۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس تیزی کا سبب یہ خیال تھا کہ اگر میں ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا لوں تو اس گفتگو کو سن سکتی ہوں جو اس وقت ڈکٹر کسی سے کر رہا تھا۔ اس کے امکانات اگرچہ بہت روشن نہیں تو بہت تاریک بھی نہیں تھے کہ وہ گفتگو کسی خاص راہ کی طرف نشاندہی کر سکے۔ کم سے کم اس کی ذہنیت ہی کو سمجھنے میں مدد مل سکتی تھی اور اس کو سمجھے بغیر کسی قسم کا قدم اٹھانا کوئی مناسب بات نہیں ہوتی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر دبے قدموں ڈکٹر کی نشست کی طرف بڑھی۔ میں نے ایک مرتبہ پلٹ کر اندرونی کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا جس پر پردے لٹکے پڑے ہوئے تھے اور پھر میرا ہاتھ ٹیلیفون کی طرف بڑھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں معمول سے زیادہ ہو چکی تھیں۔ اس سے پہلے کہ میری انگلیاں ٹیلیفون کے ریسیور کا لمس پاتیں، مجھے اپنے عقب میں آہٹ سنائی دی اور میرا دل یکبارگی جیسے اچھل پڑا۔ اس آہٹ کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ ڈکٹر دروازے پر آ چکا ہے۔ میں نے اس لمحے بڑی حاضر دماغی کا ثبوت دیا اور ٹیلیفون کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ کو ذرا سا اور آگے بڑھا کر کتابوں تک پہنچا دیا۔ اس میں سے ایک کتاب نکال لی اور اس وقت میں نے اس کے قدموں کی آہٹ کو کمرے میں ہی محسوس کیا۔ وہ یقیناً اندر آ چکا تھا۔ میں نے کتاب نکال کر بڑے اطمینان سے ڈکٹر کی طرف رخ کیا اور مسکرا کر بولی۔

"آپ تو بڑی جلدی بنا لائے!"

"فریج میں بالکل یخ پانی موجود تھا اس لئے بنانے میں کیا دیر لگتی!" وہ مسکراتا ہوا بولا۔

میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ڈکٹر کے اتنے جلدی لوٹ آنے سے میں یہ نتیجہ اخذ کر سکتی تھی کہ اس نے فون کال ریسیو نہیں کی۔ اتنا وقت وہ اسکوائش کی تیاری ہی میں لگ گیا ہوگا تو پھر یہی بات ممکن ہے کہ گھنٹی غلطی سے بج گئی ہو۔ مطلب یہ کہ کسی آدمی کو نمبر ڈائل کرتے ہی رانگ نمبر کا احساس ہو گیا ہوگا۔

"معاف کیجئے گا، میں آپ کی جگہ بیٹھ گئی۔ دراصل میں نے سوچا یہ تھا کہ وقت گزاری کے لئے کوئی کتاب ہی دیکھ لوں۔"

"سوری سے...!"

"اب تو اس کی ضرورت ہی نہیں رہی۔" میں نے کتاب کو شیلف میں اس کی جگہ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ اتنی جلدی لوٹ آئیں گے۔"

ڈکٹر نے اسکوائش کا ایک گلاس میرے قریب رکھ دیا اور دوسرا گلاس خود لئے ہوئے اس نشست پر جا بیٹھا جہاں پہلے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جب اس نے اسکوائش کا ایک گھونٹ بھی لے لیا تو میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ اس کے دانت میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اس قسم کے امراض میں ٹھنڈی اور میٹھی چیزیں مضر ثابت ہوتی ہیں۔ گویا اس طرح یہ بات طے پا گئی کہ ڈکٹر کا ڈاکٹر فونگ کے پاس جانا بغرض علاج ہرگز نہیں تھا۔ شاید بیمے وغیرہ ہی کا چکر ہو۔ تاہم ابھی یقین سے کچھ کہنا مشکل ہی تھا چونکہ ڈکٹر کی شخصیت پر اسرار کے پردے پڑے ہوئے تھے اس لئے وہ کسی بھی جگہ جاتا، اس پر شک کی نظر ڈالنا ہی پڑتی۔

مشروب کی چسکیاں لیتے ہوئے اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرا نام ڈکٹر ہے۔"

"اور میں اپنا نام بتا ہی چکی ہوں۔"

"ریٹا ایک خوبصورت نام ہے، مجھے پسند آیا۔"

"لیکن میں اب بھی یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ مارتھا لارسن کہاں ہے؟"

"آپ پچھلی بار یہاں کب آئی تھیں؟"

"شاید چھ سات ماہ کی بات ہے۔ کیوں؟ کیا مارتھا اب یہاں نہیں رہتی؟" میں نے چونکے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"آپ ٹھیک سمجھیں۔ اس حرافہ کو یہ فلیٹ چھوڑے ہوئے چند ماہ گزر چکے ہیں۔ لیکن کیا آپ یہ جاننے کے بعد اب یہاں سے فوراً چلی جائیں گی؟"

میں مسکرائی اور پھر میں نے کہا۔ "میرا حلقۂ احباب خاصا وسیع ہے اور اس میں کسی بھی خوشگوار اضافے کو میں بصد مسرت قبول کرتی ہوں۔"

"کیا میرا اضافہ خوشگوار کہا جا سکتا ہے؟"

"پہلی ملاقات میں اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"میں جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہوں۔" ڈکٹر پہلو بدل کر بولا۔

وہ خاصا بے چین نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں مجھے بار بار اپنے جسم کے بعض حصوں پر گردش کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔ خاص طور پر میرے گریبان سے جھانکتی ہوئی گولائیاں اس کی نگاہوں کا ہدف تھیں۔ بھوک اسے بے چین کئے دے رہی تھی لیکن میرا محتاط انداز اسے آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔

"اس وقت" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "فوری طور پر اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔"

"کیوں؟"

"میرا ذہن الجھا ہوا ہے۔ دراصل میں ایک خاص کام سے مارتھا کے پاس آئی تھی۔ اگر وہ مل جاتی تو میرا مسئلہ حل ہو جاتا۔"

"کیا مسئلہ ہے؟"

جیسے چہرہ پہچان سورت ہے ۔۔۔ تو بابڑی صاف گوئی سے کہا۔ "ماد تھا سے میں اکثر قرض لے لیا کرتی تھی اور اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کر وہ اپنا حساب بیباق کرنے کے لیے جلد از جلد میری کوئی رات بک کروا دیتی تھی۔"

"کتنے روپوں کی ضرورت ہے تمھیں؟" ڈکٹر کی آواز میں ارتعاش پیدا ہو گیا اس کے لہجے کی بیباکی اور بے تکلفی اچانک ہی بڑھ گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جلد از جلد سودا کر لینا چاہتا ہو۔

"فی الحال مجھے دو ہزار روپے درکار تھے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا میں دے دوں؟" اس کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف گیا۔

"اگر دے دو تو میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "بعد میں ہم حساب بیباق کر لیں گے۔"

"وہ تو اس وقت بھی ہو سکتا ہے۔" ڈکٹر نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"اتنی جلدی تو یہ ممکن نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں سوداگر کو پرکھے بغیر کوئی سودا نہیں کرتی۔"

ڈکٹر نے اپنی جیب سے پرس نکالا اور اس میں سے سو سو کے بیس نوٹ کھینچ کر میری طرف آیا۔ "تو یہ رکھ لو۔ تم مجھے ہر اعتبار سے ایک بہتر سوداگر پاؤ گی۔"

میں نے بڑے اطمینان سے نوٹ لے کر اپنے پرس میں رکھ لیے۔

"کیا اور کچھ ہو گی؟" اس نے پوچھا۔

[illegible] اس کا مطلب سمجھ گئی تھی لیکن [illegible] نے تجاہل [illegible]

"ایک گلاس پینے کے بعد [illegible] کیا چاہیے سکتی ہے۔"

"وہسکی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہسکی۔" میں مسکرائی۔ "ہاں وہ تھوڑی بہت تو پی جا سکتی ہے۔"

"میں لے کر آتا ہوں۔" وہ اندرونی کمرے کی طرف بڑھا۔ اس نے ابھی ایک قطرہ بھی نہیں پیا تھا لیکن اس کے قدموں میں ڈگمگاہٹ آ گئی تھی۔ وہ اس خیال ہی سے مخمور ہوا جا رہا تھا کہ ذرا دیر بعد میں اس کی آغوش میں ہوں گی۔ وہ رنگین خوابوں میں تیرنے لگا تھا اور ادھر میں یہ سوچ رہی تھی کہ نشہ اس کی زبان سے کوئی ایسی بات بھی کہلوا سکتا ہے جو میرے لیے گویا "خبر رساں" ثابت ہو سکے۔

وہ بوتل اور دو گلاس لے کر جلد ہی لوٹ آیا۔ پھر دوبارہ گیا اور ایک جگ میں پانی بھر لایا۔

"او ہو! مجھے تو اس کی ضرورت نہیں۔ میں نیٹ پیوں گی۔"

"تو پھر میں بھی نیٹ پی لوں گا۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" اس نے کہا اور جگ رکھنے کے لیے واپس چلا گیا۔

میرا اندازہ یہ تھا کہ وہ شاید ہی نیٹ پیتا ہو۔ محض میری وجہ سے اس نے اپنی کمتری گوارا نہیں کی تھی اور مجھے اپنے بارے میں علم تھا کہ نیٹ پی سکتی ہوں۔ پانچ چھ پیگ تک تو میں ذہنی طور پر نارمل ہی رہتی جبکہ

میرے خیال کے مطابق وہ پانچ چھ پیگ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میری قربت کے تصور ہی سے اس پر خمار کی کیفیت ہو گئی تھی۔

وہ جگ رکھ کر واپس آیا اور اس مرتبہ وہ جیسے ہی میرے سامنے بیٹھا۔ یہ اس کی خوش ذوقی کی علامت تھی۔ بیٹھتے ہی [illegible] نہیں آتا۔

دو ساغر کھنکے۔ میں نے اس کی صحت کا اور اس نے جام تجویز کیا۔ اس کی خواہش تو بہکی تھی اور وہسکی بڑی معلوم ہوتی تھی۔ پیتے ہی گھونٹ نے مجھے بتا دیا کہ وہ خاصی تیز تھی۔

"خوشی تیز ہے۔" میں نے آنکھیں بند کر کے مسکرا کر۔

"تمھاری جوانی سے زیادہ تیز نہیں ہو سکتی۔"

میں مسکرا دی۔ دو ہزار روپے دینے کے بعد وہ بہت کھل جانا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہیں کسی جھجک کے بغیر جسم کی آنچ تھیں۔ میری پنڈلیوں اور میرے گریبان کو اس نے پا لیا تھا۔ پہلے پیگ کے دوران میں ہم دونوں زیادہ تر خاموش رہے۔ دوسرا دور چلا تو ڈکٹر نے چہکنا شروع کر دیا۔ وہ محبت [illegible] ۔۔۔ وہ شاکرہ میرا دوست ہے۔ میں یہاں کب سے [illegible] ۔۔۔ ڈکٹر رشتے کا اندازہ ہے [illegible] ۔۔۔ میں [illegible] کے سہم جواب دیتی رہی اور جب اس نے تیسرا جام خالی کر کے ساتھ کیا تو وہ خاصے موڈ میں آ چکا تھا۔ اس نے چوتھا جام گھونٹ لینے کے بعد جھومتے ہوئے کہا۔

"کبھی تم بھی کسی ہنستا دینے والے نے پسند کیا ہو گا۔ یہ میاں کا ناصح [illegible] مناظر اضیت ہے۔ میں حسن کی بارگاہ کروں گا کہ وہ اس فاصلے کو مٹا دے۔"

"مشتری کے بچے۔ ہوش و حواس ہونا چاہیے صاحب۔ تم بڑے کاربند ہو جاؤ گے تو حسن خود بخود تمھاری آغوش میں [illegible] ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"تم ٹھیک [illegible] ہو۔" اس نے کہا اور چوتھا جام خالی کر دیا۔ اس کا تجربہ تلک کر کے کچھ دیر تک اپنے سر کو ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے پانچواں پیگ شروع کیا۔ اس طرح میں [illegible] نکل گیا۔ میں چاہتی بھی یہی تھی۔

"ڈکٹر۔" میں نے اسے بڑے پیار بھرے لہجے میں۔

"ہاں جانِ من!" وہ اٹھ کر میری طرف جھکا۔

"تمھارا پیشہ کیا ہے؟"

"میں انشورنس ایجنٹ ہوں جانِ من۔"

"اس کے علاوہ بھی تو کچھ کرتے ہو گے۔"

"ہاں ہاں۔ کرتا ہوں۔" اس نے لٹک کر کہا۔

"کیا کرتے ہو؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"اپنے مسائل غریب! تو دیانت اور زمیں ۔۔۔ ادا ایک بار [illegible] کر بائیں آنکھ دباتا ہوا بولا۔ "میں عشق کرتا ہوں۔"

پھر اس نے پانچویں پیگ بھی ایک ہی سانس میں خالی کیا اور اپنا [illegible] ہوا ایسی کونے میں آ گرا۔ میرا جام ہاتھ سے چھوٹ کر قالین پر گر گیا۔ دونوں بازو میری گردن میں ڈال دیے اور مجھے سنبھلنے کا ذرا سا [illegible] ملا۔ اس نے ایک جھٹکے سے میرا چہرہ اپنے چہرے پر جھکا لیا اور [illegible] میرے ہونٹوں پر اس طرح جما دیے جیسے اب کبھی انھیں جدا [illegible] نہ ہو۔

[illegible] چاہتی تو جوڈو کا کوئی داؤ آزما کر اسے اپنی گود سے اچھال [illegible] ایسا کرنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے پیار محبت سے کام لے کر ہی [illegible] اس سے راز اگلوانا تھا۔ میں نے تھرا دینے والا اس کے بوسے کو برداشت [illegible] خود بھی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ میرا یہ رد عمل محسوس کرتے ہی [illegible] ہاتھ میری گردن میں حمائل رہ گیا۔ دوسرا ہاتھ گردن [illegible] پھسلتا ہوا کچھ اور نیچے چلا گیا۔ میں نے قطعی مزاحمت نہیں [illegible] وہ کھیلنا چاہتا تھا اسی طرح اسے کھیلنے دیا۔ تا ہم جب [illegible] کی حرکات میری جھنجھلاہٹ کا باعث ہونے لگیں تو میں [illegible] بیٹھے سے اپنا سر اونچا کر لیا۔

"یہ ظلم نہ کرو!" وہ فقیروں کی طرح گڑگڑایا۔

"یا میری جان ہی نچوڑ لو گے؟" میں نے اٹھلا کر کہا۔

"تم تو راحت کا خزانہ ہے جانِ من! ۔۔۔ سے لٹانے میں کنجوسی نہ برتو۔"

[illegible] میرے بدن پر اس کا لمس جاری رہا تھا کہ ایک موقعے پر مجھے اس [illegible] پڑا۔

"صرف دو ہزار روپے دے کر تم اس حد تک جانا چاہتے ہو ڈکٹر؟ میں [illegible] میرے جذبات کو روپوں میں مت تولو۔ ڈیئر! میرا سب کچھ تمھارا ہے۔"

"تم کہاں کے کسی گدا کی طرح باتیں کر رہے ہو۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"اچھا تو۔۔۔" وہ جھومتا ہوا میری گود سے اٹھا اور اپنی پتلون کی جیب [illegible] نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

میں دراصل یہی چاہتی تھی کہ مجھے اس کی گرفت سے نکلنے کا موقع ملا۔ الحمد لله میں اٹھ کر دوسرے صوفے پر جا بیٹھی۔

ڈکٹر نے اپنے پرس سے سارے نوٹ نکالے اور بڑے والہانہ انداز میں [illegible] اچھال دیے۔ نوٹ فضا میں بکھرے اور قالین پر ادھر ادھر [illegible]

"[illegible] پانچ ہزار ہیں۔" ڈکٹر جھومتا ہوا میری طرف بڑھا۔ "تمھاری جوانی [illegible] زیادہ تو نہیں ہو سکتی۔"

[illegible] نفرت سے ٹھکرا اس کے ہاتھ جاکھڑی ہوئی اور لوٹی۔ "لعنت [illegible] ڈکٹر! میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے اتنا کم قیمت نہ سمجھو ۔۔۔ [illegible] میرے صرف ان محنت کی ۔۔۔ ہیں جو تم ابھی میرے ساتھ گزار سکے۔"

"میرا موڈ خراب مت کرو ڈیئر!" ڈکٹر جھماں سا ہو گیا [illegible] لگا۔ "اتنے روپوں میں تو میں کسی فلم ایکٹریس کو بھی اپنے پہلو کی زینت بنا سکتا ہوں۔"

"تم ایکٹریس ہی کر سکتی ہو کیونکہ تمھیں ایسی کی عزت نہیں بڑھا سکتے ڈکٹر!۔۔۔ ان سڑی بسی فلم ایکٹریسوں کو میں خوب جانتی ہوں۔"

ڈکٹر مجھے گھورتے گھورتے اچانک مسکرایا۔ پھر بولا۔ "تم بہت ظالم ہو ڈیئر! تم کچھ دیر تک تڑپانے کے بعد میری آغوش میں آنا چاہتی ہو۔"

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی، ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ڈکٹر برا سا منہ بنا کر فون کی طرف بڑھا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ میں اسے فون کی طرف بڑھتے دیکھتی رہی اور میرے ذہن میں یہ سوال گونج رہا کہ فون کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

ڈکٹر نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہیلو! ڈکٹر اسپیکنگ۔"

اس کا چہرہ میری طرف تھا۔ میں نے اس کی رنگت بدلتی ہوئی محسوس کی۔

"یس ۔۔۔ یس سر!" ڈکٹر کی لکنت بڑھ گئی۔ "آل رائٹ ۔۔۔ میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھا تو میں نے محسوس کیا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ پھر وہ دھم سے صوفے پر بیٹھ گیا اور مجھے گھورتا ہوا بولا۔ "اب تم جا سکتی ہو۔"

مجھے ایسا لگا جیسے ڈکٹر کا سارا نشہ ہرن ہو چکا ہو۔ میں بے چین ہو گئی۔ آخر اس نے فون پر کس کی آواز سنی تھی؟ وہ کس کی آواز تھی جس نے ڈکٹر کے اعصاب کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا تھا؟

"کیا بات ہے ڈارلنگ! ۔۔۔ تم میرے معمولی مذاق پر اتنے ناراض ہو گئے۔ پہلے میں اخلاقاً بولی۔" اس کی طرف بڑھی۔

"نہیں ڈیئر! میں ناراض نہیں ہوں۔" ڈکٹر نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کی۔ "یہ دراصل ابھی مجھے دفعتاً ایک ضروری کام سے جانا پڑے گا۔"

"کیا وہ کام مجھ سے بھی زیادہ ضروری ہے؟" میں اس کے کندھے سے جا لگی۔

"تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں ڈیئر!" وہ مضطربانہ انداز میں ایک دم کھڑا ہو گیا۔ "اگر ممکن ہو تو رات کو گیارہ بجے تک [illegible] میں تمھارا انتظار کروں گا۔"

"لیکن روپوں کی ضرورت تو مجھے اسی وقت ہے ڈارلنگ!"

"میں نے یہ کب کہا ہے کہ تم یہ روپے لے کر نہ جاؤ گی۔" ڈکٹر نے اس طرح کہا جیسے اس کے نزدیک پانچ سات ہزار روپے کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

"لیکن ۔۔۔"

"جاؤ ڈیئر!" وہ میری بات کاٹتا ہوا بولا۔ "کسی بحث کے لیے میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ جاؤ، رات کو آنا۔"

میں چند لمحے ایسا بُرا منہ بنائے کھڑی رہی جیسے یہ واقعہ مجھے بہت ہی ناگوار لگا ہو۔ پھر میں نے جھلا جانے والے انداز میں "ہونہہ" کرتے سر کو جھٹکا اور قالین پر بکھرے ہوئے نوٹوں کو ٹھوکر مارتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

وکٹر نے کچھ نہیں کہا۔ خاموش کھڑا ہونٹ بھینچے رہا۔ بہر حال بلیک اس فون کال نے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔

نیچے پہنچ کر میں نے اپنی سرخ اسپورٹس کار سنبھالی اور تیز رفتاری سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ مجھے یہ اطمینان تو تھا ہی کہ وکٹر کی نقل و حرکت پر نظر رکھی جائے گی اور کمانڈر حق کے فون سے مجھے معلوم ہو جائے گا کہ وکٹر کہاں گیا تھا۔

فون پر وکٹر نے جو مودبانہ انداز اختیار کیا تھا، اس سے یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ فون کرنے والا وکٹر کے لئے نہ صرف قابلِ احترام تھا بلکہ وکٹر اس سے خوفزدہ بھی تھا۔ یقیناً وہ کوئی بہت ہی پُراسرار شخصیت تھی جو وکٹر کی نگرانی کے باعث میرے سامنے آ جاتی۔

فلیٹ میں پہنچ کر میں ایک آرام کرسی پر ڈھیر ہو گئی۔ اور کچھ فاصلے پر رکھا ہوا ٹیلیفون اٹھا کر میں نے اپنی گود میں رکھ لیا۔ پھر ریسیور اٹھایا اور کمانڈر حق کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا گیا اور مجھے آواز سنائی دی۔ ”حق اسپیکنگ۔“

”وکٹر کے بارے میں رپورٹ دو!“

”اس کے فلیٹ سے آپ کے نکلنے کے صرف ایک منٹ بعد وہ باہر نکلا تھا اور اپنی کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں مجھے آخری رپورٹ بس یہی ملی ہے۔ میرے آدمی اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ جلد ہی مجھے ان کی طرف سے کوئی دوسری رپورٹ ملے گی اور میں فوری طور پر آپ کو صورتِ حال سے آگاہ کر دوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

آسمان کا اندھیرا اب در و بام پر اتر آیا تھا اور کمرے کی سفید و شفاف دیواریں کجلا گئی تھیں۔ میں نے اٹھ کر لائٹ آن کی اور پھر اسی آرام کرسی پر آ بیٹھی۔ چھوٹی سائڈ ٹیبل اپنے قریب گھسیٹ کر میں نے ٹیلیفون اس پر رکھ دیا تھا۔ پھر میں نے ایک سگریٹ سلگائی اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

اب مجھے کچھ یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے یہ غیر ملکی جاسوسوں کا کوئی چکر ہو۔ اس شبہے کا کوئی منطقی جواز نہیں تھا۔ بس میری چھٹی حس تھی جس نے اس طرف اشارہ کیا تھا اور اب میں سوچ رہی تھی کہ اگر یہ غیر ملکی جاسوسوں ہی کا کوئی چکر ہوا تو زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ ہندوستانی جاسوس ہوں گے۔ بھارت سے ہمارے تعلقات کی کشیدگی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔

مجھے زبیدہ کا خیال آیا تو میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور فون اٹھا کر پھر کمانڈر حق سے رابطہ قائم کرنے لگی۔

”ہیلو!“ حق کی آواز سنائی دی۔

”زبیدہ کے بارے میں تم نے کچھ نہیں بتایا!“ میں خشک لہجے میں بولی۔

”وہ بہت ہی سخت جان ثابت ہو رہی ہے یور ہائی نس!.... وکٹر کے بارے میں بھی اس نے نہ جانے ... بتا دیا!... اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس نے اپنے ہونٹ سی لئے ہوں۔“

”ناکارہ ہو تم لوگ!“ مجھے غصہ آ گیا۔ ”ایسا معلوم ہوتا ہے مجھے خود ہی آ کر اسے دیکھنا پڑے گا۔“

حق کچھ نہ بولا۔

”ہیلو!“ میں غرائی۔

”یس... یس یور ہائی نس!“ اس نے گھبرا کر کہا۔ اس نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔

میں نے جھنجھلا کر ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ پھر مجھے فرخ کا خیال آیا اور میں دوبارہ فون کا ریسیور اٹھا کر حق کے نمبر ڈائل کیے لیکن اس مرتبہ دوسری طرف گھنٹی نہیں بجی۔ لائن انگیج تھی۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور پھر ٹہلنے لگی۔ مجھے فرخ کے سلسلے میں کچھ زیادہ بے اطمینانی نہیں تھی۔ اگر کوئی واقعہ ہوتا تو کمانڈر حق خود ہی مجھے مطلع کرتا۔

دو منٹ گزرے ہوں گے کہ فون گنگنا اٹھا۔ میں فون پر جھپٹی اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ ”ہیلو!“

”یور ہائی نس!“ کمانڈر حق کی آواز سنائی دی۔ ”ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ وکٹر سیدھا ڈاکٹر فونگ کے پاس پہنچا تھا۔“

”کیا!“ میں چونک پڑی۔

”جی ہاں۔“ حق نے کہا۔ ”اور آخری اطلاع کے مطابق وہ وہیں تھا۔“

میرا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وکٹر کا رابطہ کسی انشورنس پالیسی کے تحت ہرگز نہیں تھا۔ میں نے فون والی فون کال کے باعث جس پُراسرار شخصیت کے بارے میں سوچا تھا وہ شخصیت ڈاکٹر فونگ ہی کی تھی۔

”اب کیا حکم ہے یور ہائی نس!“ حق نے پوچھا۔

”آں!“ میں نے چونک کر ماؤتھ پیس کی طرف دیکھا اور بولی۔ ”وکٹر کی نگرانی بدستور جاری رکھو اور اس کے ساتھ ہی اب اس پر بھی نظر رکھنا ہو گی۔“

”بہت بہتر۔“

میں نے چند لمحے کچھ سوچا لیکن جب کسی ضروری ہدایت کا خیال نہ آیا تو ریسیور رکھ دیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں اپنے ذہن کو مجتمع کر رہی تھی اس لئے مجھے ایک اور سگریٹ سلگانی پڑی۔

ایک معمولی چینی ڈینٹسٹ بڑے پُراسرار انداز میں ابھر کر سامنے آیا تھا اور میرے ذہن میں ڈاکٹر نکولا اور ڈاکٹر فونگ کے نام کیڑوں کی طرح کلبلانے لگے تھے۔ میرے تصور میں چالیس پچاس سالہ دبلے پتلے چینی کا خاکہ ابھر آیا تھا جس کی مونچھیں لٹکی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں کسی سانپ کی سی چمک تھی۔

... ناول لکھتے تو مجھے ... کر ... دیا۔ اس مثلث کے تینوں ... اہم تھے۔ ایک چینی ڈاکٹر، دوسرا ایک اینگلو انڈین اور ... مقامی لڑکی!.... آخر ان تینوں کا کیا رابطہ؟ ... سے شروع ہونے والے قصے کا یہ کلائمکس انتہائی ... پر غیر معمولی اسرار کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

... مجھے کمانڈر حق سے یہ اطلاع ملی کہ وکٹر ڈاکٹر فونگ کی ... ہو چکا ہے۔

... منٹ بعد کی اطلاع یہ تھی کہ وکٹر اپنے گھر پہنچ چکا ہے۔

... کیا کرنا چاہیئے تھا؟ میں اس کا فیصلہ نہ کر سکی۔ میرا دماغ ... ہو گیا تھا۔ فلیٹ کے در و دیوار سے مجھے وحشت ہونے ... تو نکل بھاگی۔ اسپورٹس کو کچھ دیر تک سڑکوں پر بلا مقصد ... ایک پٹرول پمپ کے قریب سے گزرتے ہوئے مجھے خیال آیا ... کا وقت ہو چکا ہے۔ یہ خیال بھوک کے احساس سے پیدا ... دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھا سکی تھی۔

... کھانے کے بعد بھی میں کافی دیر تک پیلس ہی میں بیٹھی رہی اور ... کمانڈر حق کو فون کیا۔

... میں رپورٹ؟“

... تک ہے۔“ جواب ملا۔

... سلسلہ منقطع کیا اور وہاں سے وکٹر کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی ... تھا کہ میں گیارہ بجے اس سے مل سکتی ہوں چنانچہ میں گیارہ ... پر اس کے فلیٹ کی کال بیل بجا رہی تھی۔

... دروازہ کھولا اور مجھے دیکھ کر چونک پڑا۔ شاید اسے میری ... تھی۔

... میں مسکرائی۔ ”تم تو اس طرح چونکے ہو جیسے تم نے مجھے ... بلایا تھا!“

... وہ جلدی سے بولا۔ ”دراصل.... خیر تم اندر تو آؤ!“ ... داخل ہوئی اور اس نے دروازہ بند کر لیا۔ میں نے دیکھا ... نشست کے آگے ایک سنہری بیگ رکھا ہوا تھا۔

... جانے والے تھے؟“ میں نے اس بیگ پر نظریں جما کر ...

... جواب دیا۔ وہ اپنی نشست پر جا بیٹھا تھا۔

... تمہیں طلاق ہی آئی ہوں۔“ میں نے منہ بنا کر کہا۔

... کر میں تمہیں وقت نہ دے سکوں گا۔ اگر تم پانچ منٹ ... نہ آتا۔ میرا ٹکٹ میری جیب میں موجود ہے۔ میں ... جا رہا ہوں۔“

... نام سنتے ہی میرے دماغ میں سرسراہٹ سی ... وکٹر کی جیب میں موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اسے ڈاکٹر فونگ سے ملا ہو گا۔ میری اطلاعات کے مطابق وہ فونگ کے پاس سے سیدھا اپنے گھر آیا تھا۔ گویا وکٹر کو لاہور جانے کا حکم ڈاکٹر فونگ سے ہی ملا ہو گا۔

”وکٹر ڈارلنگ!“ میں اس کے پہلو میں جا بیٹھی اور اپنی ٹھوڑی اس کے کندھے پر ٹکاتی ہوئی بولی۔ ”کل صبح چلے جانا!“

”نہیں۔“ وکٹر نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔ ”آج، ابھی اور اسی وقت میرا جانا ضروری ہے۔ تاخیر ہوئی تو معاملہ بگڑ جائے گا۔“

”آخر ایسی کیا بات ہے؟“ میں نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

”تم کو آخر میرے معاملات سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟“ وہ مجھے مشکوک نظروں سے گھورنے لگا۔

”ایسی تیسی میں جاؤ!“ میں نے جھنجھلا کر کہا اور کھڑی ہو گئی۔ وکٹر خاموش بیٹھا رہا۔ میں نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وکٹر نے اس بات کی قطعاً کوشش نہیں کی کہ میں روٹھے ہوئے انداز میں جانے کی بجائے خوشگوار موڈ میں وہاں سے جاؤں۔

باہر نکل کر میں نے بڑی زور سے دروازہ بند کیا۔ انداز ایسا تھا جیسے مجھے اپنی اہانت پر طیش آ گیا ہو لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف ایکٹنگ تھی۔ طیش تو کجا، ذرا سی جھنجھلاہٹ بھی میرے ذہن میں نہیں تھی۔ اس وقت صرف یہ سوال میرے ذہن کا دامن گیر تھا کہ وکٹر کے پیچھے مجھے خود لاہور جانا چاہیئے یا اپنے کسی آدمی کو بھیج دوں۔

نیچے آ کر میں نے اسپورٹس سنبھالی اور اسے تیزی سے چلاتی ہوئی صدر تک لے آئی۔ یہاں میں نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روکی اور ریسٹورنٹ میں جا کر کمانڈر حق کو فون کیا۔

”سنو!“ میں نے تیزی سے کہا۔ ”وکٹر اس وقت کی کسی فلائٹ سے لاہور جا رہا ہے۔ معلوم کرو کہ پرواز کس وقت ہے۔ کوشش کرنا کہ اسی فلائٹ سے تمہارا کوئی آدمی بھی لاہور چلا جائے تاکہ وکٹر کی نگرانی کا تسلسل نہ ٹوٹے۔“

”بہت بہتر۔“

”میں اب اپنے گھر جا رہی ہوں۔ اس فلیٹ کی چابی اور یہ سرخ اسپورٹس وہیں سے منگوا لینا۔ تمہاری رپورٹ کا انتظار بھی میں اپنے گھر پر کروں گی۔“

”بہتر ہے۔“

میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

صورتِ حال، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تیز رفتار ہوتی جا رہی تھی۔ اگرچہ میں دماغ کی کمی کا شکار ... ہوتی ... رفتار کا ساتھ نہ دے پاتی۔ بہرحال اب میرے ذہن کا دو حصوں میں منقسم ہونا یقینی تھا۔ ایک حصہ کراچی میں کام کرتا اور دوسرا لاہور میں—!

اسپورٹس کو تیز رفتاری سے ڈیفنس کی طرف لے جاتے ہوئے

کی ضرورت فی الحال ختم ہو چکی تھی۔ محض دکٹر کی وجہ سے مجھے یہ کھڑاگ پھیلانا پڑا تھا۔ اب میں گھر جا کر اپنی اصل جون میں لوٹ جاتی اور پھر مجھے زبیدہ سے نپٹنے جانا تھا۔ وہ خوبصورت تتلی ابھی تک اپنے ہونٹوں میں قفل لگائے ہوئے تھی اور مجھے ہر قیمت پر وہ قفل کھولنا تھا۔

جب میں گھر پہنچی تو وہاں میرے ذہن کو الٹ پلٹ کر دینے والی کئی خبریں موجود تھیں۔ میری ملازمہ خاص نے مجھے بتایا کہ سلطانہ غائب ہے۔ سلطانہ میری ایک ملازمہ کا نام تھا۔

"غائب ہے!" میں نے چونک کر کہا۔ "کیا مطلب ہوا اس بات کا؟"

"آپ کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی وہ مارکیٹنگ کے لئے گئی تھی اور پھر واپس نہیں لوٹی۔"

"تم لوگوں نے ڈھونڈا بھی اسے؟"

"ہر طرف جا کر دیکھ لیا۔"

میرا ذہن ابھی اسی میں الجھا ہوا تھا کہ ملازمہ خاص نے دوسرا دھماکہ کیا۔ "ایک لڑکی آپ کے لئے یہ لفافہ دے گئی تھی۔" اس نے ایک چھوٹا سا لفافہ میری طرف بڑھایا۔

"لڑکی!" میں نے چونک کر کہا اور لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"جی ہاں، وہ ایک ٹیکسی میں آئی تھی۔ اٹھارہ بیس سال کی ہو گی۔"

"کب کی بات ہے؟" میں نے لفافہ چاک کرتے ہوئے پوچھا۔

"تین بجے کے قریب۔"

میں نے لفافہ چاک کر کے اس میں رکھا ہوا کاغذ نکال لیا تھا۔ جب میں اس کاغذ کی تہیں کھول رہی تھی تو ملازمہ نے کہا۔

"رضوان صاحب بھی کئی بار فون کر کے آپ کے بارے میں پوچھ چکے ہیں۔"

میں نے وہ الفاظ تو سن لیے مگر ان پر دھیان نہیں دے سکی کیونکہ اس کاغذ پر لکھی ہوئی دو سطروں نے میرے اعصاب پر دھماکہ سا کر دیا تھا۔

بانو!
آ کر آخری بار مجھ سے مل جائیے!
آپ کی
فرخ

آخری بار!
آخری بار!
آخری بار!

میرے ذہن میں دھماکے سے ہونے لگے۔ میں اپنی خوابگاہ کی طرف بھاگی۔ اپنی آنکھوں کی پتلیوں پر چڑھے ہوئے رنگین شیشے اتار کر میں نے نہ جانے کہاں پھینک دیے۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے

ت اتار، شلوار سوٹ پہنا اور پھر با[illegible]

"کیا ہوا بانو! کیا ہوا بانو!" ملازمہ بو[illegible] نا میرے پیچھے دوڑ رہی تھی۔

"کچھ نہیں، جاؤ!" میں نے جھنجھلا کر اسے ڈا[illegible] وہ سہم کر برآمدے ہی میں رک گئی۔

میری مرسیڈیز گیراج میں تھی۔ اسے نکالنے [illegible] ضائع ہو جاتا اس لیے میں نے سپورٹس ہی سنبھا[illegible] اسٹارٹ کر کے تیزی سے حرکت میں لے آئی۔

فرخ کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ "آخری بار مجھ سے مل جائیے!"

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری کوئی م[illegible] آندھیوں کی زد میں آ گئی ہو۔ میرا دل جیسے اندر ہی اند[illegible] تھا۔ نہ جانے کیا افتاد پڑ گئی تھی میری فرخ پر!..... تھی کہ کمانڈر حق کو بھی اس کا علم نہ ہو سکا تھا ورنہ وہ مطلع کرتا۔

کراچی کی پر ہجوم سڑکوں پر اسپورٹس نے تیز [illegible] خطرناک ریکارڈ قائم کیے۔ اگر اس وقت راہ میں کوئی مل جاتا تو وہ یقیناً میری ٹانگ لیتا۔

آخری بار!
آخری بار!
آخری بار!

میرے ذہن میں دھماکے ہوتے رہے اور ا[illegible] پاؤں کا دباؤ بڑھتا ہی رہا۔ اس وقت میری تمام تر تو[illegible] ے ایک مکان میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ میں [illegible] گئی تھی۔ میں نے دکٹر کو فراموش کر دیا تھا۔ ڈاکٹر نیلم کی شخصیت میرے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔ نہ مجھے رضوان کی کا خیال رہا تھا نہ اپنی ملازمہ کی گمشدگی کی فکر!...

اور اب اسپورٹس پچھتر میل کی رفتار سے کرا[illegible] کے سامنے سے گزر رہی تھی۔

جب میں اندرونی سڑکوں پر پہنچی تو رفتار کم کر[illegible] جو موڑ تھے، مجھے ان سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ ا[illegible] مجھے رفتار کم کرنا پڑ رہی تھی۔

آخر اسپورٹس ایک جھٹکے سے فرخ کے مکا[illegible] رک گئی۔

گاڑی سے اترتے ہوئے میں نے تیز تجسس [illegible] پر ڈالیں۔ دراصل میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ آدمی کس حد تک مستعد ہیں میں نے محسوس کیا کہ ارد گرد

[illegible] خاص منضبط ہے۔ نگرانی کرنے والوں کے جب ملنے پر نہیں تھی اور ان کے اس اطمینان سے ظاہر ہوتا تھا [illegible] مات سے بے خبر ہیں جو فرخ پر پڑ چکی تھی۔ ان کی اس بے خبری کر دیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ کمانڈر حق سے بہت باز پرس کروں گی۔

میں نے کال بیل کا بٹن دبایا اور پھاٹک کھلنے کا انتظار کرنے [illegible] ن برابر اس سوال سے الجھا ہوا تھا کہ فرخ پر ایسی کیا افتاد [illegible] بے تابو ہو کر مجھے پکار بیٹھی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ اس پر مسلح حملہ [illegible] زخمی ہو کر بستر مرگ پر پہنچ گئی ہو۔ اتنا بڑا اور سنگین واقعہ [illegible] گاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ تو پھر؟ کیا وہ بیمار [illegible] لیکن ایسی کیا بیماری ہو سکتی ہے جو اتنی جلدی کوئی خطرناک [illegible] کرے اور فرخ مایوس ہو کر مجھے یہ لکھنے پر مجبور ہو جائے آخری بار مجھ سے مل جائیے ـــ اس فقرے میں کس قدر گھائل دل [illegible] ہوتی تھی جس نے مجھے بیتاب کر دیا تھا۔

آخری بار!
[illegible] ی بار!

[illegible] ناد اب بھی میرے ذہن میں دھماکے کر رہے تھے اور یہ [illegible] حد تک کو لرزائے دے رہا تھا کہ میں فرخ کو نہ جانے [illegible] دیکھوں گی؟.... اگر وہ کسی عذاب سے دوچار ہوئی تو میرا [illegible] ہو؟

[illegible] ان کا پھاٹک کھلنے میں دیر نہیں لگی لیکن وہ لمحات مجھ پر [illegible] پیکر سوچوں کی طرح گزرے۔ میں جہنم زدوں میں فرخ تک [illegible] ہی تھی۔ ان بھاری لمحات میں مجھے اس محبت کا صحیح اندازہ [illegible] ے ہو گئی تھی۔ محبت کی شدت کا ادراک ایسے ہی موقعوں [illegible] ب کسی افتاد سے دوچار ہو جائے۔

[illegible] پھاٹک کھلا تو میں چونک پڑی۔ یہ تو میرے سان و گمان میں [illegible] پھاٹک کھولنے والا رضوان ساجد ہو گا۔ اسے دیکھ کر میں [illegible] و ضرور ہوئی لیکن میری تشویش کا خاتمہ ہو گیا۔ رضوان کے [illegible] جھینپ اور خفت کی پریشانی کا ہلکا سا سایہ تو بیشک نظر آ رہا [illegible] یسی کوئی بات نہیں تھی جس سے فرخ کی ناگفتہ حالت کا پتہ [illegible] گھر میں کوئی انتہائی نازک صورت حال ہوتی تو رضوان کے چہرے [illegible] اڑی ہوتیں۔

[illegible] ھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب اور بے نام سا اضطراب [illegible] مجھ میں اس وقت کوئی معنی نہ پہنا سکی۔ بس مجھے خفیف سا [illegible] وان کو میری آمد گراں گزری ہے۔ یہ بات تو بہت پہلے ہی آشکارا ہو چکی تھی کہ فرخ سے میرے ربط ضبط کو وہ ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا تھا۔

"بانو... تم... تم..." رضوان نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

"کیا چکر ہے؟" میں نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے اسے گھور کر کہا۔

"چکر جو کچھ بھی ہے فرخ کی بہتری اسی میں ہے کہ تم یہاں سے فوراً لوٹ جاؤ!" رضوان نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"فضول باتیں نہ کرو!" میں نے تڑخ کر پھاٹک کے اندر قدم رکھ دیا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو بانو!" رضوان میرے راستے میں حائل ہوتا ہوا بولا۔ "فرخ سے تمہاری یہ ملاقات اس کی آئندہ زندگی پر اثرانداز ہو سکتی ہے۔ آخر تم اس معصوم لڑکی کی زندگی تباہ کرنے پر کیوں تلی ہوئی ہو۔ خاموش رہو! ہاں میں جانتا ہوں کہ تم کو اس سے محبت ہے۔ تم نے اس کی خاطر بہت بڑے خطرات کو اپنے دامن میں سمیٹا تھا لیکن محبت کے اس زاویے کو کسی طور بھی پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔"

میں جلد از جلد فرخ تک پہنچنا چاہتی تھی لیکن رضوان جیسے دیوار بن کر رہ گیا تھا۔ میں اپنے غصے پر قابو رکھتے ہوئے بولی۔ "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ فرخ کس حال میں ہے۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہے اور اگر تم اس سے نہ ملیں تو وہ آئندہ بھی ٹھیک ہی رہے گی۔"

"میں فرخ سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔ کیا تم مجھے روکنے کی کوشش کرو گے؟" میرے لہجے میں اشتعال کی لہریں امنڈنے لگیں۔

"آخر تم چاہتی کیا ہو بانو!" رضوان جھلا کر بولا۔ "کیا تم فرخ کو بھی اپنا جیسا بنا کر چھوڑو گی۔۔!"

"کاش میں ہر لڑکی کو اپنا جیسا بنا سکتی لیکن مجھ جیسا بننے کے لئے جس دل گردے کی ضرورت پڑتی ہے وہ ہر لڑکی کے پاس کہاں!" میں نے داہنے ہاتھ سے رضوان کو ایک طرف ہٹا کر برآمدے کی سیڑھی پر قدم رکھ دیا۔

"فرخ کبھی بھی تم جیسی نہیں بن سکتی بانو! لیکن وہ ایک حساس لڑکی ہے۔ تمہاری قربت اس پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی اور موجودہ حالات میں ایسا ہونا کچھ خوشگوار نہیں ہو گا۔"

برآمدے کے پہلے زینے پر میرا قدم ٹھٹھک گیا۔ میں نے سر گھما کر رضوان کی طرف دیکھا اور تیکھے لہجے میں بولی۔ "موجودہ حالات سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"فرخ کے لئے بر تلاش کر لیا گیا ہے۔ آج ہی اس کی شادی ہو جائے گی۔ کل صبح کی فلائٹ سے وہ امریکہ روانہ ہونے والی ہے۔ اس طرح وہ

ان سفروں سے محفوظ ہو جائے گی جو اس شہر میں اسے ہمیشہ گھیرے ر
سنسناتے میں آ گئی۔ یہ خیال تو میرے ذہن کے تاریک ترین گوشوں میں بھی نہیں کلبلایا تھا کہ فرخ کی شادی کا بندوبست کیا جا رہا ہوگا۔ میرے دل و دماغ نے صدمے کا جھٹکا محسوس کیا۔ میں رضوان کا منہ تکتی رہ گئی اور رضوان کے چہرے پر قدرے بشاشت آ گئی۔ شاید اب اسے کچھ کچھ گمان ہو رہا تھا کہ وہ مجھے فرخ سے نہ ملنے پر آمادہ کرے گا۔ اس نے قدرے جوش میں آ کر لیکن دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "میں کل سے اسی چکر میں سرگرداں رہا ہوں۔ دراصل ہاشمی صاحب سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ ان کا ایک عزیز امریکہ سے آیا ہوا ہے اور فرخ میں دلچسپی لے رہا ہے۔ وہ لڑکا ہاشمی صاحب کو بھی پسند ہے اس لئے میں نے انہیں سمجھا بجھا کر چپ چپاتے شادی کرنے پر راضی کر لیا۔ وہ فرخ کے سلسلے میں بے حد خوفزدہ ہیں۔ اس لئے انہیں اونچ نیچ سمجھانے میں مجھے زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ لڑکا بالکل اکیلا ہے لہٰذا اسے بھی فوری شادی پر آمادہ کرنے میں دقت نہیں پیش آئی۔ وہ اپنے دو چار دوستوں کے ساتھ آنے ہی والا ہے۔ فوراً ہی نکاح ہو جائے گا۔ آج رات دولہا دلہن یہیں رہیں گے اور کل صبح نہایت خاموشی سے دلہن کو جہاز میں سوار کرا دیا جائے گا۔"

رضوان بولتا رہا اور میں نے اس دوران میں خود کو سنبھال لیا۔ اگر حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھا جائے تو فرخ کا اس ملک سے چلا جانا ہی اس کے حق میں بہتر تھا لیکن بہتری کی راہیں بعض اوقات کتنی اذیت ناک ہوتی ہیں؟ اس کا اندازہ مجھے اس روز پہلی بار ہوا۔ اور میں یوں محسوس کرتی رہی جیسے میرے دل کو زہریلے ناگ ڈس رہے ہوں۔

جب رضوان خاموش ہوا تو میں بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تمہیں یقین ہے کہ یہ سب کچھ اتنی ہی آسانی سے ہو جائے گا؟"

"ہاں، مجھے بڑی حد تک اطمینان ہے۔ سفری کاغذات تیار ہیں مجھے ان کے لئے خاصی دوڑ دھوپ کرنی پڑی لیکن خدا کا شکر ہے کہ سب کام ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے۔"

"ہوں، اچھا، خیر!" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "لیکن میں فرخ سے ملے بغیر تو بہرحال نہیں جاؤں گی۔"

رضوان کے چہرے پر لوٹتی ہوئی رنگت پھر اڑنے لگی اور اس نے مضطرب ہو کر کہا۔ "لیکن۔۔۔"

"بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔" میں اس کی بات کاٹتی ہوئی بولی۔ "فرخ سے میرا ملنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ میں یہاں خود نہیں آئی ہوں مجھے فرخ نے بلایا ہے۔ اس نے اپنی کسی دوست کے ہاتھ پرچہ بھیجا تھا۔"

"اوہ!" رضوان کے منہ سے نکلا۔

"غالباً یہ تمہاری ہی تجویز ہوگی کہ مجھے اطلاع نہ کی جائے۔" میرے لہجے میں تلخی پیدا ہو گئی۔

"دراصل۔" رضوان گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میرا خیال تھا کہ تم میری تجویز سے اتفاق نہیں کرو گی۔"

"متفق تو میں اب بھی نہیں ہوں۔ مجھے تم جیسے مردوں سے جو اپنی خواہش کے مطابق، لڑکیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح دیتے ہیں۔" میرے لہجے میں شدید جارحیت آ گئی۔ "مجھے اس سے بھی اتفاق نہیں کہ اس طرح فرخ محفوظ ہو جائے گی۔ کیا تمہارے خیال کے مطابق کیپٹن آفاق اتنا ہی بے خبر ہوگا کہ تم اس کی لعل کو ملک سے باہر بھیج دو؟"

"فرخ کی ایک سہیلی برقع استعمال کرتی ہے اور تک کئی بار آ جا چکی ہے۔ میں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے تعاقب نہیں کیا جاتا۔ کل صبح فرخ اس کا برقع استعمال کرے گی۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح کیپٹن آفاق کے علاوہ تمہارے کھا جائیں گے۔"

"لغو۔" میں نے زیر لب کہا۔ مجھے رضوان کے کسی بات سے اتفاق نہیں تھا۔ دراصل اس نے کیپٹن آفاق کی ابلیسانہ خباثت کے بارے میں غلط اندازے لگائے تھے۔ وہ کیپٹن کے وسائل اور سوجھ بوجھ کو معمولی سمجھ رہا تھا جبکہ میری دانست میں ایسی نادانی کی مہر لگانا قطعی احمقانہ بات تھی۔ مجھے یقین تھا کہ کیپٹن آفاق غافل نہیں ہوگا۔ اس نے رضوان کی کڑی نظر رکھی ہوگی۔ اور چونکہ امریکہ کے لئے فرخ کا ٹکٹ نام سے بنایا گیا ہوگا اس لئے یہ بات آفاق کے کسی معمولی کار چھپی نہیں رہ سکتی تھی کہ اب حالات کا اونٹ کس کروٹ۔

یہ صورت حال خاصی بحث طلب تھی لیکن میں وہاں کھڑے کھڑے رضوان سے اس موضوع پر نہیں الجھنا چاہتی فرخ سے ملنے کے لئے میرا اضطراب اب بہت بڑھ چکا تھا صورت میری آنکھوں میں ناچ رہی تھی۔ مجھے اس کے مغموم لکھی ہوئی نظر آ رہی تھی "مجھے اس ظلم سے بچاؤ!" اس بھی میرے لئے ایک فریاد ہی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اگر وہ اس خوش ہوتی تو مجھے بھلا اس انداز میں کیوں پکارتی؟ اس کی دبی دبی سی سسکیوں نے مجھے تڑپا دیا تھا۔

میں نے برآمدے کے دوسرے زینے پر قدم رکھا اور میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر یہی مناسب سمجھا کہ اب میری ہونے کی کوشش نہ کرے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ پھر مزاحم ہونے کرتا تو میرا اشتعال رنگ لے آتا۔

فرخ کے والدین مجھے دیکھ کر چونکے اور پھر بوکھلا کر "آپ!" ان دونوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"میں معذرت خواہ ہوں کہ اس تقریب میں شرکت کے چلی آئی۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

ہاں پہروں پر سر مند ۔۔۔ ا رپید ہو
کرنے ہی کے لئے لب کھولے تھے کہ میں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں
کہا۔ "رضوان نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے اس میں کوئی
آپ لوگوں نے رازداری کے خیال سے مجھے اطلاع نہیں دی
گئی نا۔۔۔ بن بلائے ہی سہی۔۔۔! میں نے شاید ایک بار
لوگوں سے بڑی قربت محسوس کرنے لگی ہوں۔ ظاہر ہے
میں کسی قسم کا تکلف نہیں برت سکتی۔"
اور زیادہ شرمندہ نہ کیجئے بانو!" ہاشمی صاحب دل گرفتہ

شرمندہ ہیں۔" بیگم ہاشمی نے خجالت آمیز لہجے میں کہا۔ "اچھا
ہاں، اگر آپ نہ ہوتیں تو بھلا ہمیں یہ خوشی کہاں دیکھنے کو

پ ان دونوں کی طرف دیکھا لیکن بیگم ہاشمی نے جس
اس کی ہلکی سی جھلک بھی مجھے ان کے چہروں پر نظر نہیں
ان میں غم کے سائے ضرور لہرا رہے تھے۔ فرخ کی شادی کے لئے
جانے کیا کیا ارمان ہوں گے لیکن زندگی نے انہیں حالات
پر لا کر پٹخا تھا کہ بس فرض کی ادائیگی کر سکتے تھے۔ خوشیوں
پتہ نہ تھا۔

درماندگی دیکھ کر میں بھی بے حد افسردہ ہو گئی۔ رضوان اپنا
ئے میرے قریب ہی کھڑا ہوا نہ جانے کس سوچ میں گم تھا۔
میں دلہن سے مل سکتی ہوں؟" میں چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔
ہاں، کیوں نہیں، آپ ہی اسے سمجھائیے گا۔" بیگم ہاشمی نے
کہا۔ "وہ تو بس روئے جا رہی ہے۔ اس کی سہیلیاں اسے دلہن
رہیں لیکن وہ تیار ہی نہیں ہو رہی ہے۔ رو رو کر اس نے

حالات میں وہ اور کر بھی کیا سکتی ہے۔ کیا آپ لوگوں نے آئینے
دیکھے ہیں؟ کیا آپ کو اپنے چہرے پر کوئی خوشی نظر آ رہی ہے؟"
صاحب نے ایک دلدوز آہ بھری اور کمرے سے باہر برآمدے

الفاظ نے بیگم ہاشمی کو آبدیدہ کر دیا تھا۔ وہ مجھے برابر والے
لئیں۔ مجھے اس کمرے کی ہر شے پر سوگواری چھائی ہوئی نظر
لیکن سی سوگوار ہو تو شاید یہی احساس ہوتا ہے کہ ہر چیز
اس کی دو سہیلیوں اور چھوٹی بہن نے سنبھال رکھا تھا۔ یا
کی کوشش کر رہی تھیں۔ فرخ کے ساتھ ساتھ دونوں
میں بھی ایسی سرخی تھی جیسے وہ بھی روتی رہی ہوں۔ فرخ
کا بھی یہی حال تھا۔

دیکھتے ہی فرخ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے کا
رہا تھا۔ وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور سسکیاں لیتی ہوئی

ہوں۔ بانو۔۔۔ بانو!۔۔۔ بانو۔" وہ فرط جذبات سے اپنا فقرہ بھی نہ کر سکی تھی۔

میں اس کی پیٹھ تھپکنے لگی۔ اس کے نرم و گداز جسم سے لپٹ کر جو راحت اور سرشاری کا جو عالم مجھ پر طاری ہوتا تھا، وہ اس وقت بالکل نہ ہو سکا۔ اس کی سسکیاں میری روح پر ایک بوجھ بن گئی تھیں اور اس کے آنسو میرے دل پر پگھلے ہوئے لاوے کی طرح ٹپک رہے تھے۔ اگر میری جگہ کوئی عام عورت ہوتی تو اس موقع پر رو پڑتی لیکن میں بیک وقت حساس بھی ہوں اور پتھر بھی۔ خارجی عوامل کی اثر پذیری میرے چہرے سے کبھی ظاہر نہیں ہوتی۔ میں نے فرخ کی پیٹھ تھپکتے ہوئے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"آخر ہوا کیا ہے جان! تم کیوں اس طرح خود کو ہلکان کر رہی ہو۔ بانو کی موجودگی میں بھلا کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف ہو سکتی ہے؟"

میرے الفاظ نے فرخ پر جادو کا سا اثر کیا اور جب وہ میرے سینے سے الگ ہوئی تو اتنی مغموم نہیں تھی جتنی ذرا دیر پہلے نظر آئی تھی۔ میں نے اچانک اس کی کمر پکڑتے ہوئے، انگوٹھوں سے اس کے پیٹ میں گدگدی کر دی اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مجھے یوں لگا جیسے کوئی مرجھایا ہوا گلاب، شبنم کی نمی پا کر تر و تازہ ہو گیا ہو۔

فرخ کے مزاج کی اس تبدیلی کا اثر اس کی چھوٹی بہن اور سہیلیوں پر بھی ہوا۔ میں ان بچیوں میں بچی بن گئی اور ایسے لطیفے سنائے کہ قہقہے اٹھنے لگے۔ شاید ہمارے ہنسنے کی آوازیں بیگم ہاشمی تک بھی پہنچ گئی تھیں یا پھر ممکن ہے کہ وہ ضرورتاً ہی اس کمرے میں آ نکلی ہوں۔ بہرحال وہ کھلے ہوئے دروازے میں کھڑی، متحیر نگاہوں سے ہمیں تک رہی تھیں۔ بیٹی کو خوش و خرم دیکھ کر ان کے چہرے سے افسردگی کا غبار کم ہونے لگا تھا۔

"آیئے بیگم ہاشمی!" میں بڑے شگفتہ انداز میں چہکی۔ "مجھے فرخ سے دور رکھ کر آپ نے فرخ کے ساتھ زیادتی کی تھی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بانو!" بیگم ہاشمی کے لہجے میں ممنونیت کا احساس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ "کاش میں نے آپ کو بہت پہلے ۔۔۔ ہوتا۔ دراصل حالات نے ہمارے ذہنوں کو ماؤف کر رکھا ہے

تے ہے مل لیں۔ اگر وہ آپ کو پسند آ جائے تو فرخ کو سمجھایئے گا مجھے یقین ہے کہ آپ کی بات نہیں ٹالے گی لیکن اگر آپ ہی کو لڑکا پسند نہیں آیا تو پھر میں یہ رشتہ ہرگز نہیں ہونے دوں گی، خواہ کسی بھی خطرے کا سامنا کرنا پڑے۔"

میں نے بیگم ہاشمی کو غور سے دیکھا۔ ان کی باتوں سے ظاہر ہونے والے خلوص کی لہریں ان کے چہرے پر بھی موجود تھیں۔ اس آڑے وقت میں بھی ان کی ممتا خاصی پرجوش تھی۔ جوان بیٹی کا درد ان کے دل میں سمایا ہوا تھا۔ ہاشمی صاحب عزت کے خوف سے بیٹی کے مستقبل کو خطرے میں ڈال سکتے تھے کیونکہ باپ کو اپنی عزت بیٹی کی خوشیوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے لیکن ماں کا دل تو سارے جہان سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ ہزار قربانیوں کے بعد بھی اولاد کی خوشیوں پر آنچ نہیں آنے دیتی۔

میں خود بھی اس وقت فرخ کے مستقبل کے بارے میں متفکر تھی میرا دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ فرخ اس طرح اچانک مجھ سے جدا ہو کر اتنی دور چلی جائے لیکن اس حقیقت سے انحراف کرنا بھی میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ فرخ میری طرح آزاد زندگی نہیں گزار سکتی۔ ایک نہ ایک دن اسے شادی کرنا ہی پڑتی اور جب یہ ہونا ہی تھا تو ان حالات میں لیت و لعل سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ اگر لڑکا مناسب ہو اور فرخ کو محبت سے رکھ سکے تو پھر رضوان کی تجویز بری نہیں تھی لیکن طریقہ کار میں کچھ بنیادی تبدیلیاں ناگزیر تھیں۔

میں نے بڑے کمرے میں جا کر منہاس کو دیکھا، اس سے باتیں کیں اور جلد ہی یہ محسوس کر لیا کہ وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔ وہ اس دنیا میں تنہا تھا اور تنہائی سے عاجز آیا ہوا تھا لیکن امریکہ کے ماحول میں رہتے ہوئے بھی اس نے وہاں کے حالات سے سمجھوتہ نہیں کیا تھا، اپنی تنہائی کا عارضی مداوا نہیں کیا تھا بلکہ اسے مستقل علاج کی فکر تھی۔

میں نے چھوٹے کمرے میں جا کر بیگم ہاشمی کو بتا دیا کہ لڑکا مجھے پسند ہے۔ بیگم ہاشمی اور ان کے شوہر کا چہرہ کھل اٹھا۔ میں نے رضوان کو بھی مسکراتے ہوئے دیکھا۔ دراصل اب کہیں جا کر اسے میری طرف سے اطمینان ہوا تھا ورنہ اسے یہ فکر تھی کہ میں کوئی گڑبڑ کر دوں گی۔

میں پھر فرخ کے پاس چلی گئی۔ بیگم ہاشمی وہاں آئیں اور کسی بہانے سے لڑکیوں کو وہاں سے اٹھا لے گئیں۔ دراصل وہ چاہتی تھیں کہ میں تنہائی میں فرخ کو اچھی طرح سمجھا بجھا دوں۔

"دیکھو جان!" میں نے فرخ کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "ایک نہ ایک دن تمہیں اس مرحلے سے گزرنا ہی پڑے گا، تو پھر کیوں نہ آج ہی یہ منزل سر کر لی جائے۔ میں نے منہاس کو دیکھ لیا ہے۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں بڑے پیار سے رکھے گا۔ تم اس کو دیکھ لو اگر وہ تمہیں پسند نہ آیا تو میں یقین دلاتی ہوں کہ کوئی بھی تمہیں شادی پر مجبور نہیں کر سکتا۔ میں کسی کی کوئی بات نہیں سنوں گی۔"

فرخ نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "بانو میں آپ سے جدا ہونا نہیں چاہتی۔"

"میں کب تم سے جدا ہونا چاہتی ہوں جان! حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ جدائی ناگزیر ہے لیکن یہ مت سمجھو کہ امریکہ بہت دور ہے۔ تم مجھے خط لکھ کر دیکھ لینا، میں اڑ کر تم تک پہنچ جاؤں گی۔"

"لیکن میں شادی نہیں کرنا چاہتی بانو!۔۔۔ آپ نے ایک بار مجھے سمجھایا تھا کہ یہ مرد۔۔۔۔"

"ان باتوں کو بھول جاؤ!" میں اس کی بات کاٹ دی۔ "سب جذباتی باتیں اور جذبات کی اندھی آنکھوں کے ساتھ میں نہیں نکلا جا سکتا، بھٹک جانے کا خطرہ رہتا ہے۔"

میری ان باتوں نے فرخ پر خاطر خواہ اثر کیا اور وہ ہو گئی جب میں نے اسے منہاس سے ملانا چاہا تو اس نے انکار کر دیا۔

"میری پسند آپ کی پسند سے مختلف نہیں ہو سکتی۔"

میں نے بے اختیار اسے گلے لگا کر چوم لیا۔

منہاس کے ساتھ اس کے دو چار دوست بھی تھے کا سے ماحول خاصا بدلا ہوا تھا۔ پہلے جیسی سوگواری قائم نہیں تھی۔ ہاشمی خوش نظر آ رہے تھے۔ اور رضوان کی مسرت کا تو ٹھکانہ نہ تھا کھیل ہی اس نے رچایا تھا لیکن اس کی مسرت میں کی جھلکیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ ایسے لڑکیوں سے میری تھی اس لیے وہ فرخ کو مجھ سے جدا کر کے اس طرح سرشار تھا رقیب کو ٹھکانے لگا کر کھل اٹھتا ہے۔ میں نے سوچا اس کو کی سزا ضرور دوں گی۔

کھانے کے بعد جب فرخ کو دلہن بنانے کا وقت آیا

بیگم ہاشمی سے کہا۔

"فرخ کو میں خود اپنے ہاتھوں سے دلہن بناؤں گی۔"

بیگم ہاشمی کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا لیکن رضوان ہو گیا۔ یہ اور بات ہے کہ اسے کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہو سکی اسے یہ خدشہ تھا کہ اگر مجھے تنہائی مل گئی تو میں فرخ سے کھل کھیلوں!

چھوٹی بہن اور سہیلیوں نے مل کر فرخ کو سرخ جوڑا پہنا دیا میں نے اسے میک اپ کے لئے آئینے کے سامنے بٹھا دیا۔

پھر جب میں نے بڑے چاؤ سے فرخ کو سجانا اور سنوارنا شروع کیا تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اس وقت جذبات کے سمندر میں تھی۔ جب میرے ہاتھ اس کے جسم کے کسی حصے سے ٹکراتے تو وہ سنسنانے لگتی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے سانس غیر ہموار ہو میرے سارے جسم کو بھی سنسناہٹ کا احساس ہونے لگا۔ اگر دوسروں کی موجودگی کا احساس نہ ہوتا تو میں میک اپ کا سامان کر فرخ سے لپٹ پڑتی۔ اور ہم دونوں لذت کے بحر بیکراں میں لیکن آج یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا۔ آج میں اپنی محبوب کو کسی سجانے پر مجبور تھی اور میری کوشش تھی کہ فرخ کا شوہر جب

ات چھوٹے وصل سے اور ... ہو تو ایسا جلوہ ... یہاں میں فرخ کی بھلائی تھی اور یہی میری خوشی تھی میری

ادھر میرے ہاتھوں کے لمس نے فرخ کو بے حال سا کر دیا ... الی ہونے لگی کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی غلط حرکت ... گھبرا کر فرخ کی بہن سے کہا۔

... باجی کو کوئی ٹھنڈی چیز لا کر دو۔ اگر برف ہو تو شربت

... اٹھی اور جب وہ صحن کی طرف کے دروازے سے باہر ... کی دونوں سہیلیوں کو بھی اس کی مدد کے لئے دوڑا دیا ... سمجھ رہی ہوں لیکن اس طرح مجھے ذرا سی دیر کے لئے تنہائی مل گئی۔

... میں نے سرگوشیوں میں فرخ سے کہا۔ "خود کو سنبھالو آج ... کے ساتھ گزارنی ہے اور وہ تمہیں پہلی ملاقات میں یوں ... پسند نہیں کرے گا۔ اپنے جذبات کو قابو میں رکھو مجھے یقین ... نہیں ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ تم مجھے بھول ہی جاؤ۔"

... باتوں کا الٹا اثر ہوا اور وہ تنہائی ملتے ہی، صبر کا دامن ... ہٹ گئی۔

... میں نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔ "خدا کے لئے خود کو

... پیار بھری ڈانٹ کا یہ اثر ہوا کہ فرخ رونے لگی اور اتفاق ... بھی کمرے میں آ گئیں۔ فرخ کو روتے دیکھ کر وہ بھی کمال ... کو دلاسہ دینے لگیں۔ فرخ نے آنسو پونچھ لئے۔

... وقت بھی بڑا عجیب ہوتا ہے۔" بیگم ہاشمی نے ٹھنڈی سانس ... کہنے سے کچھ اور ہی کہہ بیٹھیں۔

... اس موقع پر ہر لڑکی کبیدہ خاطر ہوتی ہے اور شاید ... شوہر سے پہلی ملاقات کا خوف اور ماں باپ کو چھوڑ ... جانے کا خیال، یہ احساسات شادی کی فطری خوشی کو دبا ہی

... بہن اور اس کی سہیلیاں، شربت کا ایک جگ اور گلاس ... سب ٹھنڈے شربت سے شغل کیا۔ میں نے فرخ کو بھی

... اور جب اس کے جذبات کا دہکتا ہوا الاؤ کچھ دھیما پڑا تو میں ... کام شروع کیا۔

... بہن، اس کی سہیلیاں، چھوٹا بھائی اور ماں اس کمرے کو ... رہ گئے جہاں دولہا دلہن کو رات گزارنا تھی۔

... اپنے کاموں سے فارغ ہوئے تو رات اپنا نصف سفر

... بیگم ہاشمی! آپ نے ایسی چاند سی دلہن پہلے کبھی نہ دیکھی ہو گی۔"

پہلے ... ہو ... ن ادائیں اور ... کا مکمل ٹھاٹ دکھایا۔ وہ جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر فرخ کی بلائیں لینے لگیں۔ فرخ کی چھوٹی بہن اور اس کی دونوں سہیلیاں بار بار گھونگھٹ اٹھا کر فرخ کو دیکھنے اور اسے چھیڑنے لگیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ میری بھی تعریف کرتی جاتی تھیں۔

کچھ دیر بعد ہم سب اس کمرے سے نکل آئے اور منہاس کو اندر بھیج دیا گیا۔

مکان میں جگہ کی کمی کا احساس مجھے شدت سے تھا۔ اگر ممکن ہوتا تو میں یہ شادی اپنے گھر میں بڑی دھوم دھام سے کرتی لیکن صورت حال نے مجھے بالکل بے بس کر دیا تھا۔

میرے سونے کا بندوبست بیگم ہاشمی نے اپنے کمرے میں کیا۔ فرخ کی چھوٹی بہن کے لئے بھی وہیں گنجائش نکالی گئی۔ ہاشمی صاحب، رضوان، فرخ کے چھوٹے بھائی اور ساجد کے احباب کے لئے بڑا کمرہ وقف ہو گیا۔ ان سب نے فرش پر بچھے ہوئے قالین پر لوٹ لگانے کی جگہ بنائی تھی۔ سب ہی تھکے ہوئے تھے اس لئے جلد ہی نیند بھی آ گئی لیکن میری آنکھوں میں ابھی نیند کہاں؟ مجھے تو بہت کچھ کرنا تھا۔ میں رضوان کی طرح مطمئن نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ کیپٹن آفاق اتنی آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہے۔ اس کا کینہ پرور فطرت کوئی پوشیدہ بات نہیں تھی۔ وہ فرخ کو اتنی آسانی سے ہرگز نہ نکلنے دیتا۔ مجھے یقین تھا کہ ایئرپورٹ اور دوسرے اسٹیشنوں پر اس نے اپنے کارندے چھوڑ رکھے ہوں گے اور فرخ کو راستے سے اڑانے کا سارا بندوبست کر لیا ہو گا۔

مجھے اس کی تیاریوں کا توڑ کرنا تھا، اس کی ناپاک سازشوں کے پرخچے اڑانے تھے۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ میں نیند کے سہانے خوابوں میں ڈوب کر اس نازک اور قیمتی وقت کو ضائع کر دیتی۔

جب میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے تو میں اٹھی، میں نے ہاشمی صاحب اور ان کی بیوی کو جگا کر ان سے رخصت کی اجازت چاہی۔

"اچانک آپ کو کیا یاد آ گیا بانو!" بیگم ہاشمی نے حیرت سے کہا۔

"ایک بے حد ضروری کام۔" میں نے مسکرا کر کہا تاکہ وہ لوگ پریشان نہ ہو جائیں۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں لوٹ آؤں گی۔

دونوں میاں بیوی کے چہروں سے اب الجھن مترشح تھی مگر انہوں نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ جب ہاشمی صاحب کو جگایا گیا تھا تو رضوان کی آنکھ بھی کھل گئی تھی اور وہ اس وقت ہمارے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے اشارہ کیا تو وہ مجھے چھوڑنے کے بہانے باہر کار تک آیا۔

"میرا خیال ہے کہ آج رات کیپٹن آفاق سو نہیں سکے گا۔" میں نے سرگوشی کی۔

"وہ کیوں؟"

"کیا تم نے فرخ کی سیٹ کسی فرضی نام سے بک کرائی ہے؟"

"نہیں، یہ کیسے ممکن تھا؟ پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات اصل نام سے ہی تیار ہو سکتے تھے۔"

"پھر بھی تم سمجھ رہے ہو کہ آج رات کیپٹن آفاق سو سکے گا؟"

رضوان کچھ نہ بولا۔ میری بات تو اس کی سمجھ میں آ گئی ہو گی لیکن وہ اب بھی خطرے کو اتنی شدت سے محسوس کرنے کے لئے تیار نہیں تھا جتنی شدت سے میں محسوس کر رہی تھی۔ میں نے دراصل یوں سوچا تھا کہ فرخ کے سلسلے میں میرا چیلنج کیپٹن آفاق کی انا کے لئے ایک ضرب کاری تھا اور کیپٹن آفاق کو اپنی انا کس حد تک عزیز تھی؟ اسکا اندازہ کراچی کی تاریخ سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ انتخابات میں جن علاقوں نے مادرِ ملت کو زیادہ سپورٹ کیا تھا، ان علاقوں پر آفاق نے چنگاریاں برسا دی تھیں۔

بہرحال میں نے رضوان کو ہوشیار رہنے کی تاکید کی اور کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی۔ کار چلاتے ہوئے میں اطراف کا جائزہ بھی لیتی جا رہی تھی۔ رات کے سناٹے میں یہ جان لینا میرے لئے کچھ مشکل نہیں تھا کہ وہاں کمانڈر حق کے آدمیوں کے سوا کوئی اور نگرانی کرنے والا موجود نہیں تھا' البتہ عائشہ منزل پہنچ کر مجھے شبہ ہوا کہ وہاں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو آنے جانے والی کاروں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ شاید اسی طرح دوسرے راستوں کی بھی نگرانی کی جا رہی ہو گی۔ یہ لائحہ عمل شاید اس لئے مرتب کیا گیا تھا کہ نصیر آباد جیسی جگہ پر ایک چھوٹے سے مکان کی نگرانی کرنے والے، نظروں میں آئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے جبکہ یہ نسبتاً محفوظ طریقہ تھا کہ آمد و رفت کے راستوں پر نظر رکھی جائے۔ یہ طریقہ اتنا ہی مؤثر تھا جتنا مکان کی نگرانی کرنا خصوصاً اس صورت میں جبکہ چند مخصوص لوگوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا مقصود ہو۔ میرا نام اس سلسلے میں سرِفہرست رہا ہو گا۔ اور عین ممکن ہے کہ اس وقت جبکہ میں عائشہ منزل سے تیز رفتاری کے ساتھ دور ہوتی جا رہی تھی، ان نگرانی کرنے والوں میں سے کوئی شخص قریبی ٹیلیفون کی طرف دوڑ رہا ہو گا تاکہ آفاق کو میرے بارے میں اطلاع دی جا سکے۔

میں تیز رفتاری کے ریکارڈ قائم کرتی ہوئی اپنے بنگلے پر پہنچی، خوابگاہ میں داخل ہوتے ہی میں نے ٹیلیفون کا رخ کیا اور کمانڈر حق کے نمبر ڈائل کئے۔ میری آواز سنتے ہی کمانڈر حق نے بولنا شروع کر دیا۔

"آج فرخ کے مکان میں خاصی چہل پہل رہی یور ہائی نس! خود آپ بھی وہاں موجود تھیں لہٰذا غالباً اس سلسلے میں کسی رپورٹ کی ضرورت تو نہ ہو گی۔"

"زبیدہ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"وہ بہت سخت جان لڑکی ہے یور ہائی نس! کوئی حربہ کام نہیں کر رہا ہے۔ اب صرف آخری ڈگری استعمال کرنے کی کسر رہ گئی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔"

"نہیں اب اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے بات کا

"اسے لے کر تم کریم آباد کے چوراہے پر پہنچو۔ اسے دواؤں کے ز
چاہئیے۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ کار میں اس کی موجودگی کا
چل سکے۔"

"بہتر ہے۔"

"میں تمہیں اس کام کے لئے تین منٹ سے زیادہ نہیں
کریم آباد پر میں اپنی کار چھوڑ کر تمہاری کار میں منتقل ہو جاؤ
کو کار نہ بدلنا پڑے۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

میں نے سلسلہ منقطع کیا اور جب میں اپنی ملازمہ
کی ہدایت دے رہی تھی تو مجھے یاد آیا کہ آج میری ایک ملازمہ
پر لاپتہ ہو چکی ہے۔ شام کو جب میں گھر لوٹی تھی تو مجھے اس کے
دیا گیا تھا لیکن فرخ کے خطے سے میں اتنی بدحواس ہوئی تھی
بھول کر نصیر آباد دوڑی چلی گئی تھی۔

پانچ منٹ بعد میں اسٹرانگ بلیک کافی کی چسکیاں
اپنے دماغ کو بہت الجھا ہوا پا رہی تھی۔ مسائل و سوالات
کر رہا تھا۔ ملازمہ کی گمشدگی ایسی نہیں تھی جسے میں آسانی سے
میرے شبہات کے مطابق یہ اغوا ہی کا کیس ہو سکتا تھا اور یہ
آفاق کی بھی ہو سکتی تھی۔ عین ممکن تھا کہ میرے بارے میں معلو
کرنے کے لئے اس نے میری ملازمہ ہی کو ہدف بنایا ہو۔

میری ملازمائیں اپنی ساتھی کی پُراسرار گمشدگی
اور اداس تھیں۔ آدھی رات گزر جانے کے باوجود وہ سب
میں نے ان سب کو تسلی دی اور کہا کہ کل صبح میں اس سلسلے میں
قدم اٹھاؤں گی۔

فی الحال میرے سامنے سب سے اہم مسئلہ فرخ کا تھا
میں ایک بار پھر اپنی مرسیڈیز میں بیٹھی نصیر آباد کی طرف رواں
اور میں نے خود کو بڑی حد تک پُرسکون کر لیا تھا۔ جذباتیت
نقصان دہ ہی ثابت ہوتی۔ بہتر یہی تھا کہ سب کام اطمینان
سمجھے منصوبے کے تحت دقت پر ہوں۔

مجھے کریم آباد کے چوراہے تک پندرہ منٹ میں پہنچنا
سے میں نے کار کی رفتار قائم کر لی تھی۔ میرا یہ اندازہ اتنا ٹھیک
میں کریم آباد کے چوراہے پر پہنچی تو کما
کار آ کر وہاں رک رہی تھی۔ میں اس کے برابر میں جا رکی۔ میں
انجن بند نہیں کیا اور اتر کر کمانڈر حق کے قریب پہنچ گئی جو جھ
سے اتر آیا تھا۔

رات کے سناٹے میں کمانڈر حق کی ایڑیاں ٹکرا ز
تک پھیل گئی۔ اس نے روایتی انداز میں فوجی سلیوٹ کیا تھا
کے اشارے نے جواب دیا اور کار کے کھلے ہوئے دروازے سے ڈ

ی کی رات آرام کے لئے نہیں ہے۔" میں نے کمانڈر حق سے کہا۔
ہنگامہ رہے۔"
میں اور میرے آدمی ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار
ہیں!"

نے اندرونی بتی جلا کر پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی۔ زبیدہ کو اس حال
افسوس ہوا۔ اس کا چہرہ کملایا ہوا تھا اور وہ بے سدھ پڑی
ہاں کئی جگہ سے مسکے اور نچے ہوئے تھے۔ ایسے مقامات پر خون کی
لشانات سے اذیت رسانی کا پتہ چل رہا تھا۔

نے کار اسٹارٹ کی اور تیز رفتاری سے نصیر آباد کی طرف ڈرائیو
ی اندرونی بتی اب بھی روشن تھی لیکن باہر سے کسی کی نظر میں
نہیں آ سکتی تھیں۔ وہ کشادہ سیٹ پر اس طرح پڑی ہوئی تھی کہ
کوئی بھی حصہ کھڑکی کے لیول تک نہیں پہنچ رہا تھا۔ میں چاہتی
دیکھنے والے صرف مجھے دیکھیں اور کار میں تنہا سمجھیں۔

میں زبیدہ کو خطرے میں ڈال کر فرخ کی حفاظت کا سامان کرنا چاہتی
طے کیا ہوا لائحہ عمل یہ تھا کہ زبیدہ برقع پہن کر رضوان کے ساتھ
ا کرے اور اگر کیپٹن آفاق کے آدمی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے
رضوان اور زبیدہ سے الجھ جائیں۔ ان کی اس غلطی سے فائدہ
فرخ ان کے جال سے صاف نکال لے جاتی۔

ان نکلنے میں دو ڈھائی گھنٹے باقی تھے جب میں فرخ کے گھر پہنچی۔
زکی روانگی میں ابھی اتنی ہی دیر تھی۔ بیگم ہاشمی جاگ رہی تھیں
ہر کے ساتھ آخری تیاریوں میں مصروف تھیں۔ سامان سوٹ
بند کیا جا چکا تھا اور ناشتے کی تیاری ہو رہی تھی۔

رضوان بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں اسے کرانچی
ہی۔ وہ زبیدہ کو دیکھ کر بُری طرح چونکا تھا لیکن کچھ بولا نہیں
ں سے مجھے تکنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں خود ہی کچھ بتاؤں۔

"فرخ کو ممکنہ خطرے سے بچانے کی تدابیر کر رہی ہوں۔" میں نے
نظروں کے سوال کا جواب دیا۔ "تمہیں اور اس لڑکی کو سارا خطرہ
ہو گا۔"

"مجھے خطرہ مول لینے پر تو کوئی اعتراض نہیں لیکن تم نے اس لڑکی
حالت بنا رکھی ہے؟"

"تم اس کی پرواہ مت کرو، یہ لڑکی اتنی معصوم نہیں ہے جتنی نظر
مجھے اس سے رتی برابر ہمدردی نہیں رہی۔"

"ظاہر ہے، بھونرے کو تو پھول کے رس سے غرض ہے۔" رضوان نے
لہجے میں کہا۔ "رس چوسے جانے کے بعد پھول کا رنگ تو پھیکا پڑ
ہی۔"

میں نے اس کی فضول باتوں پر دھیان نہیں دیا اور اسے اپنا پروگرام
دی۔ پروگرام یہ تھا کہ روانگی کے مقررہ وقت سے پندرہ منٹ پہلے

رضوان، زبیدہ کو برقع پہنا کر کمانڈر حق کی کار میں ایرپورٹ کی طرف روانہ ہو جائے۔ ان سے تین چار منٹ پہلے ہاشمی صاحب، منہاس اور اس کے دوست روانہ ہو چکے ہوں گے۔ نگرانی کرنے والے، رضوان کے ساتھ ایک برقع پوش لڑکی کو دیکھ کر یہی خیال کریں گے کہ انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ انہیں جو کچھ کرنا ہے، وہ کر گزریں گے اور میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ رضوان کی روانگی کے دس منٹ بعد، میں، بیگم ہاشمی، فرخ اور اس کے بہن بھائی کو لے کر ائرپورٹ کی طرف چل پڑوں گی۔

یہ پروگرام طے کرنے کے بعد میں اور رضوان کار سے اتر کر مکان میں پہنچے۔ دولھا دلہن کو "جگایا" جا چکا تھا۔

ناشتے کے پندرہ منٹ بعد پروگرام کے تحت روانگی عمل میں آئی۔ دولھا میاں اپنے دوستوں اور خسر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ گاڑی ان کے دوستوں ہی کی تھی اور خاصی بڑی تھی۔ سامان بھی اسی گاڑی میں رکھا گیا تھا۔ اس گاڑی کی روانگی کے ٹھیک تین منٹ بعد رضوان اور زبیدہ روانہ ہوئے۔ یہ کمانڈر حق کی گاڑی تھی۔ سامان تو اس میں نہیں

[illegible] کیا گیا تھا [illegible] سامان سے بھری ہوئی [illegible] تھوڑا سا [illegible] ایک بڑا سا سوٹ کیس تھوڑا سا باہر نکلا ہوا تھا۔ ساری تیاریاں صبح کے اندھیرے میں مکمل ہوئی تھیں [illegible] صاحب وغیرہ کو اس کار میں زبیدہ کی موجودگی کا علم نہیں ہو سکا تھا۔

ٹھیک دس منٹ بعد میں نے فرخ کو رضوان کی بتائی ہوئی کار [illegible] بیگم ہاشمی [illegible] ان کے دونوں بچوں کو [illegible] اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

راستے [illegible] پہلے ہی [illegible] راستے منتخب کی تھیں جو [illegible] طور پر سنسان رہتے ہیں۔ میں چاہتی تھی کہ اگر کیپٹن آفاق کے آدمی کچھ کرنا چاہیں تو انہی راستوں [illegible] لیکن وہ کیا کریں گے؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہی تھا۔

[illegible] چالیس میل کی رفتار سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ ذہن [illegible] طرح الجھا ہوا تھا [illegible] پوزیشن سے عجیب [illegible] تھی۔ ذہن [illegible] بے وقوف [illegible] کی توانائی نہیں تھی۔ ابھی مکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ دشمن میری چال سے باخبر ہو گیا ہو۔ [illegible] براہ راست کسی [illegible] کو اس کے کسی اقدام کی زد میں [illegible] فرخ میرے ساتھ تھی۔

لیکن میرے یہ سارے خدشات بے بنیاد ثابت ہوئے اور جو کچھ ہوا [illegible] علاوہ رضوان بھی [illegible] گیا۔ [illegible] جانے والی سڑک کی ابتدا پر [illegible] مجھے رضوان کی کار کھڑی نظر آئی [illegible] رضوان کی کار کے [illegible] ایک تیسری [illegible] کھڑی ہوئی تھی [illegible] تیز ہو گئیں اور [illegible] سے [illegible] پہنچ گیا [illegible]

کیا اور جب گاڑی ایک جھٹکے سے رکی ... تو بیگم ہاشمی نے گھبرا کر کہا: "کیا ہوا؟"

"یہ تو رضوان بھائی والی کار ہے!" فرخ کی ممی نے بہت بولی۔

میں نے انجن بند کرتے ہوئے پھرتی سے اپنی طرف کا دروازہ کھولا۔ میں دیکھ چکی تھی کہ رضوان کی کار کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ... رضوان کسی پر جھکا ہوا تھا ... دونوں کاروں کے بیچ میں ... [illegible] ... مل گیا۔ وہ دوڑ کر ... لگے۔

"آپ لوگ گاڑی سے نہ اتریں!" میں نے بیگم ہاشمی سے کہا اور تقریباً دوڑتی ہوئی رضوان کی طرف گئی۔

ابھی صبح نہیں ہوئی تھی لیکن ... روشنی کا احساس ہونے لگا تھا ... میں رضوان کو زبیدہ کے ... جسم پر جھکا ہوا دیکھا۔ مجھے قریب پا کر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا باز!" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا "دشمن ہماری گھات میں تھے۔ انہوں نے زبیدہ کو فرخ سمجھ کر گولی مار دی۔"

"لیکن یہ ہوا کیسے؟" میں نے مضطربانہ انداز میں پوچھتے ہوئے ان ... پر بھی نظر ڈالی جو بدستور ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے ... اب ان میں سے ایک دوسرے پر غالب آ چکا تھا۔ اس نے اپنے حریف کی زبردست پٹائی شروع کر رکھی تھی لیکن یہ میرے لئے خاصا اطمینان بخش تھا کیونکہ میں پٹائی کرنے والے کو پہچان چکی تھی۔ وہ کمانڈر حق کے ماتحتوں میں سے ایک تھا۔

میرے سوال کے جواب میں رضوان نے جلدی جلدی بتانا شروع کیا کہ واقعات کس طرح پیش آئے تھے۔ ہوا یوں تھا کہ جب رضوان کی گاڑی اس چورنگی پر پہنچی تو دفعتاً ایک کار نے سامنے آ کر اس کا راستہ روکا۔ گو رضوان نے بریک لگائے لیکن ٹکراؤ سے نہ بچ سکا۔ اس کار کو چلانے والا ٹکراؤ سے ذرا پہلے ہی اپنی کار سے نکل آیا تھا۔ وہ تیزی سے رضوان کی کار کے قریب آیا اور جیب سے ریوالور نکال کر برق کی تیزی سے زبیدہ پر گولی داغ دی۔ رضوان خود کو بچانے کے لئے دروازہ کھول کر نیچے کود گیا اور گاڑی کی آڑ میں ... پڑا رہا۔ اسی وقت اس نے ایک آدمی کو دیکھا جو ہاتھ میں ... دباتے دوڑتا ہوا قریب آ رہا تھا۔ غالباً وہ اسی ... کا ایک فرد تھا اور اس نے ٹارچ سے سگنل دے کر اپنے فائر والے ساتھی کو بتلایا ہو گا کہ آنے والی کار ہی مطلوبہ گاڑی ہے۔

رضوان ابھی ... دو تو ... نمٹنے کا کوئی طریقہ سوچ رہا تھا ... ایک تیز رفتار کار قریب آئی اور ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس میں سے جو آدمی اترا وہ مسلح تھا ... اترتے ہی ان بدمعاشوں پر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ زبیدہ کے قاتل نے بھی جوابی فائر کئے لیکن اس کی

گولیاں ضائع ہو گئیں اور وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔

"وہ کہاں ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"کار کی دوسری طرف پڑا ہوا ہے۔" رضوان نے ...

میں نے جھک کر کار کے نیچے سے دوسری طرف دیکھا۔ جسم ڈھیر کی صورت میں ساکت و صامت پڑا نظر آیا۔ غالباً وہ ... ہو چکا تھا۔

"لیکن ٹارچ والے کو نو وارد سے گتھم گتھا ہونے کا ... تھا۔" رضوان کہتا رہا۔ "لیکن اب شاید وہ بھی بے ہوش ہو چکا ..."

میں کھڑی ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ کمانڈر حق کا آدمی ... جواب ہماری طرف آ رہا تھا۔

"جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ تمہارا ہی آدمی ہے۔" میرے جواب دینے سے پہلے ہی کمانڈر حق کا آدمی ... آ گیا۔ اس نے مجھے سلیوٹ کیا اور اسی وقت اس کی نظر زبیدہ ... وہ بوکھلا گیا۔

"یہ... یہ تو... کیا یہ مر گئی؟"

"ہاں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں... میں معافی... چاہتا ہوں۔ کاش میں ... پہنچ جاتا۔"

"تم فکر مت کرو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ وہ ... جس کی حفاظت کے لئے تمہیں کہا گیا تھا۔"

"اوہ!" کمانڈر حق کے آدمی نے اطمینان کا ایک سانس ... زبیدہ پر جھک گیا۔

"بیچاری!" رضوان نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔ "... قربان ہوئی ہے۔"

"اس کے حق میں یہی بہتر تھا۔" میں نے مختصراً کہا۔

رضوان نے مجھے گھور کر دیکھا اور پھر سرد لہجے میں بولا: "... دل پتھر کا ہے بانو!"

میں نے اس فضول بات پر دھیان نہیں دیا اور کمانڈر ... سے بولی "سنو! ابھی اندھیرا ہی ہے۔ جو تمہاری سمجھ میں آئے وہ ... واقعے سے ہمارا کوئی تعلق ثابت نہیں ہونا چاہیے۔"

"بہت بہتر۔" اس نے جواب دیا۔ "تدبیر تو بالکل سامنے ... یہ گاڑی ایک ایسے شخص کی ہے کہ اس سے ہمارا کوئی تعلق ثابت ... بس میں اپنی گاڑی لے کر یہاں سے چلتا بنوں گا۔ بعد میں اگر پولیس یہاں پہنچ گئی تو یہ دونوں آدمی خود ہی اپنی صفائی پیش کرتے رہیں گے۔"

"اگر ایسا ہے تو تم رضوان صاحب کو لے کر میرے پیچھے آؤ!"

"آئیے جناب!" کمانڈر حق کے آدمی نے رضوان سے کہا۔

ان نے مجھ سے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن میں تیزی سے مڑ گئی۔ ہاشمی اور فرخ کار میں بیٹھی ہوئی بڑی بے چینی سے میری منتظر تھیں۔ قریب پہنچی۔ بیگم ہاشمی نے پوچھا: "کیا بات تھی؟"

"رضوان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" میں نے سرسری انداز ... اسٹیئرنگ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

"ٹھیک تو ہیں وہ؟" فرخ نے پوچھا۔

"ہاں! وہ دوسری کار میں ہمارے پیچھے پیچھے آ جائے گا۔" میں نے ... کرتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن وہ دونوں آدمی لڑ کیوں رہے تھے؟"

"وہ شریف آدمی ادھر سے گزر رہا تھا۔ حادثہ دیکھ کر رک گیا۔ ... غلطی دوسری گاڑی والوں کی تھی لیکن وہ الٹا رضوان پر چڑھ ... وہ شریف آدمی رضوان کی طرف سے بول پڑا تو نوبت ہاتھا پائی ... گئی۔"

"عجیب زمانہ آ گیا ہے۔" بیگم ہاشمی نے ٹھنڈی سانس لی۔

میں نے ان کے اس تبصرے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور کار کی رفتار ... لی۔

... پر منہاس اور ہاشمی صاحب بڑی بے تابی سے ہمارے ... جیسے ہی ہماری گاڑی رکی وہ دوڑ کر قریب آ گئے۔ منہاس ... سنبھالا اور ہاشمی صاحب مجھ سے بولے۔

"خیریت تو ہے؟ رضوان کہاں رہ گیا؟"

"اس کی گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا تھا۔ وہ ایک راہ گیر کی لفٹ ... رہا ہے۔ اسی لئے دیر ہو گئی۔"

حادثے کے نام سے ہاشمی صاحب پریشان ہو گئے تھے لیکن میں ... کر تسلی دے دی کہ حادثہ معمولی نوعیت کا تھا۔

... منٹ میں رضوان بھی وہاں پہنچ گیا۔ کمانڈر حق کا آدمی ہم سے ... گیا تھا جیسے اس کا ہم سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ منہاس اور رضوان ... صاحب کے ساتھ سامان کو بکنگ کاؤنٹر پر رکھ گئے اور اسے ہوائی کمپنی ... کے حوالے کرنے لگے۔ سامان بہت زیادہ تھا۔

فرخ بظاہر خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے منہاس کو یقیناً پسند کیا تھا ... وہ میری طرف دیکھتی تھی، اس کی آنکھوں میں اداسی کا تاثر ... جھلکتا تھا۔ میں ادھر ادھر کی باتوں سے اس کا دل بہلانے لگی تاکہ وہ ... مغموم نہ ہونے پائے۔

... وقت بھی آ گیا جب منہاس اور فرخ کو سب سے رخصت ہو کر ... لاؤنج میں جانا تھا۔ بیگم ہاشمی اور ہاشمی صاحب اپنے بچوں کے ... ہو گئے لیکن مجھے اور رضوان کو لاؤنج میں جانے کا موقع مل گیا۔ ... ہماری رپورٹر ہونا کام آیا تھا اور پولیس والوں نے ہمیں روکنے کی ... نہیں کی تھی۔

وہاں ہمیں چند منٹ گزرے تھے کہ مجھے شبہ ہوا جیسے دو تین آدمی ہم پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔ ان میں سے ایک کا تعلق ڈیوٹی فری شاپ سے تھا اور دوسرے کے جسم پر کسی ہوائی کمپنی کے کارندے کی وردی نظر آ رہی تھی۔

اچانک رضوان نے مجھے اشارے سے الگ بلایا اور سرگوشی میں بولا "ہماری نگرانی کی جا رہی ہے۔"

"مجھے بھی شبہ ہوا تھا کہ کھیل ابھی ختم نہیں ہوا!"

"کیا یہ کیپٹن آفاق کے گرگے ہیں؟"

"ناممکن تو نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تو شروع ہی سے کہہ رہی ہوں کہ کیپٹن آفاق آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں۔"

"لیکن یہاں وہ کیا کر سکتا ہے؟"

"دشمن کو کمزور کبھی مت سمجھو! ہاں یہ بیشک کہا جا سکتا ہے کہ یہاں اسے کچھ مشکل ضرور پیش آئے گی۔"

رضوان کے چہرے سے پریشانی کا اظہار ہونے لگا۔ ذہن تو میرا بھی الجھ گیا تھا لیکن میری فکر کی نوعیت دوسری تھی۔ رضوان صرف فرخ کی سلامتی کی طرف سے فکر مند ہو گا لیکن میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ یہاں کیپٹن آفاق کس قسم کی شیطنت بکھیر سکتا ہے۔

میں اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ لاؤنج میں ایک ایسا شخص داخل ہوا جسے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ کمانڈر حق تھا۔ وہ تیر کی طرح میری طرف آیا۔

"خیریت؟" میں اسے گھورنے لگی۔

"میرے جس آدمی کو آپ نے باہر چھوڑا تھا اس نے کیپٹن آفاق کو وی آئی پی روم (V.I.P. ROOM) میں دیکھا ہے۔"

"اوہ!" میرے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی۔ گویا آخری مرحلے پر خود کیپٹن آفاق میدان میں اتر آیا تھا۔

کمانڈر حق نے مزید کہا۔ "کیونکہ میرا وہ آدمی لاؤنج میں نہیں آ سکتا تھا اس لئے اس نے فون پر مجھے اطلاع دی۔ میں فوراً ادھر دوڑ پڑا تاکہ آپ کو کیپٹن آفاق کی موجودگی سے باخبر کر سکوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب آ گئے ہو تو یہیں ٹھہر و! شاید تمہاری ضرورت پڑ جائے۔ کیپٹن آفاق کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر قیمت پر مجھے شکست دینا چاہتا ہے۔"

"کیا دو ایک آدمیوں کو اور بلوا لوں؟"

"نہیں، زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" میں نے کمانڈر حق کو آنکھیں کھلی رکھنے کی ہدایت کی اور فرخ کی طرف واپس لوٹی۔ وہ منہاس کے ساتھ ایک طرف بیٹھی الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اور اس کا شوہر میری اور رضوان کی پراسرار نقل و حرکت سے کچھ پریشان ہو گئے تھے۔ جب میں ان کے قریب پہنچی تو انہوں نے استفسار بھی کیا لیکن میں ٹال گئی اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی بظاہر میں اپنے

ماحول سے قطعی غافل ہو گئی تھی لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ میں پوری طرح چوکنا تھی اور اطراف میں حرکت کرنے والے سبھی لوگ میری نظر میں تھے۔

میں نے ایک لڑکھڑاتے ہوئے آدمی کو لاؤنج میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا جو اسے سہارا دیئے ہوئے تھا۔ سہارا دینے والے کے ہاتھ میں ایک ایر بیگ بھی تھا۔

میں انہیں کوئی اہمیت نہ دیتی لیکن اس وقت مجھے چونکنا پڑا جب ہماری نگرانی کرنے والوں میں سے ایک شخص ان دونوں کی طرف بڑھا۔ یہ ڈیوٹی فری شاپ والا آدمی تھا۔ اس کے قدم ان دونوں کی طرف اٹھے تھے لیکن پھر اچانک وہ اس طرح رک گیا تھا جیسے چابی ختم ہو جانے پر کوئی کھلونا حرکت کرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ غالباً اسے اشارہ کر دیا گیا [illegible] رہو۔ اس کے بعد ڈیوٹی فری شاپ والا ایسا بیگانہ بن گیا جیسے اس [illegible] والوں کو دیکھیں تک نہ ہو۔

لڑکھڑانے والا شاید نشے میں دھت تھا۔ اس نے نیلا سوٹ پہن رکھا تھا اور اسے وہاں لانے والے کے جسم پر جیکٹ اور پتلون تھی۔ اس نے نیلے سوٹ والے کو لے جا کر ایک کونے کے صوفے پر بٹھایا اور ایر بیگ اس کے کندھے سے لٹکا کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اسی راستے سے واپس لوٹ گیا جدھر سے آیا تھا۔

میں نے نشے میں دھت اس شخص کو نظر میں رکھ لیا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ بن رہا ہے اور نشے میں ہرگز نہیں ہے لیکن اس کی اداکاری بلاشبہ بہت جاندار ہے۔ اس کا ایر بیگ مجھے بہت بری طرح کھٹک رہا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ شاید اس میں کوئی آتشیں اسلحہ ہوگا۔ بندوق یا فولڈنگ رائفل وغیرہ!.... کسی بھی مناسب موقع پر وہ اداکاری چھوڑ کر پوری طرح ہوش میں آ جائے گا۔ بیگ کھول کر ہتھیار نکالے گا اور.....

میں نے کمانڈر حق کی طرف دیکھا۔ وہ بظاہر تو ماحول سے لاپرواہ نظر آ رہا تھا لیکن میں یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ پوری طرح چوکنا ہوگا۔ وہ نیلے سوٹ والے اس شرابی سے زیادہ دور نہیں تھا۔

"آج موسم خوشگوار ہے اور مطلع بالکل صاف ہے۔ فلائٹ صحیح وقت پر ہوگی۔" میں نے منہاس سے کہا اور پھر مسکرا کر بولی۔ "امریکہ پہنچ کر تم میری لاڈلی کو مغموم بالکل نہ ہونے دینا۔ اگر مجھے کوئی ایسی اطلاع ملی تو وہیں پہنچ کر میں تمہارے دونوں کان اکھیڑ دوں گی۔"

میرا لہجہ ایسا تھا کہ فرخ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور منہاس بھی جھینپے ہوئے انداز میں مسکرا دیا۔ پھر اس نے کہا۔ "یقین کیجئے! فرخ اب مجھے بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنی آپ کو۔"

"اسی میں تمہاری بہتری بھی ہے لڑکے!" میں نے کہا اور فرخ کی ہنسی جاری رہی۔

رضوان لاؤنج کے دو تین چکر لگا کر ہمارے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر تشویش کچھ گہری ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہوگا کہ وہ کیا کرے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے غصہ آنے لگا۔ اسے اپنے اوپر قابو رکھنا چاہیے تھا کیونکہ اس کے چہرے پر برستی ہوئی پھٹکار کو بھی پریشان کر سکتی تھی۔

جلد ہی وہ وقت آ گیا جب جہاز اڑان کے لئے تیار تھا نے لاؤڈ اسپیکر پر اس کا اعلان کیا۔

ایک ایر ہوسٹس مسافروں کی رہنمائی کے لئے لاؤنج کے ا کھڑی ہوئی جو رن وے کی طرف کھلتا تھا۔ تمام مسافر اٹھ اور آہستہ آہستہ اس دروازے سے باہر نکلے۔ منہاس اور طرف چلے۔ میں اور رضوان ان کے ساتھ تھے۔ مجھے یقین کے دل کی دھڑکنیں بہت تیز ہو گئی ہوں گی کیونکہ یہی کو روکنے کی آخری کوشش کی جا سکتی تھی۔

گزرتا ہوا ہر لمحہ بڑا سنسنی خیز تھا۔ میں محسوس کر رہی والا ہے لیکن یہ اندازہ لگانا محال تھا کہ کیا ہوگا۔

میں نے نیلے سوٹ والے کو کھڑا ہوتے ہوئے دیکھا کی طرف بڑھنے کی بجائے ایک مسافر سے الجھ گیا تھا۔ مسا بنا کر ایک طرف اشارہ کر دیا اور نیلے سوٹ والا اسی طرف اس کا رخ ٹوائیلٹس کی طرف تھا۔

اب میرا ذہن اور الجھ گیا۔ آخر ٹوائیلٹ میں جانے کیا واقعی بیگ میں فولڈنگ رائفل موجود ہے جسے فٹ وہ ٹوائیلٹ کا رخ کر رہا ہے؟

یہ بات میرے جی کو نہ لگ سکی۔ اب اس کام کا وقت جب تک وہ ٹوائیلٹس سے باہر آتا، ہم فرخ اور منہاس کو سوار کرا چکے ہوتے۔ نیلے سوٹ والے کو فائر کرنے کا موقع ہی نہ

اچانک مجھے ایک اور خیال آیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسی جہاز کا مسافر ہو؟... اگر اسے فرخ کے ساتھ ہی سفر تو... تب تو وہ کہیں بھی موقع ملنے پر فرخ کو ٹھکانے لگا

اس خیال نے مجھے بے حد مضطرب کر دیا کیونکہ میں کیپٹن آ عیاری کا کوئی توڑ نہیں کر سکتی تھی۔ چند لمحوں میں اس کا تو اس پر عمل کرنا امر محال نظر آ رہا تھا۔ یہ ناممکن سی بات تھی کہ میں کوئی سیٹ مل جاتی اور میں فرخ کے ساتھ سفر کر سکتی۔

اوہ! دفعتاً ایک ایسا خیال میرے ذہن میں آیا کہ مجھے خطرہ بے بنیاد نظر آنے لگا۔ اگر آفاق کو یہی کرنا تھا تو پھر اسے وہ کی کیا ضرورت تھی جس کا شکار زبیدہ ہوئی تھی؟۔ وہ سب کچھ مطلب ہی یہ تھا کہ کوئی دوسری تدبیر نہیں سوچی گئی تھی اور عین تدبیر کو عملی جامہ پہنانا ممکن نہیں تھا۔ امریکہ کی فلائٹس پیک تھیں اور ایڈوانس بکنگ کے بغیر سیٹ نہیں ملتی تھی۔ اس کے رسمی کارروائیاں بھی تھیں۔ کیپٹن آفاق لاکھ بارسوخ اور موثر شخص وہ آدھے گھنٹے میں یہ سارے انتظامات ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔

یہ سب کچھ سوچنے کے بعد میں نے اطمینان کی سانس

پہنچ گئے۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ فرخ کی نظریں اب یں بٹ رہی تھیں اور بار بار ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوشش کر رہی ہو۔ جہاز کی سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے وہ رت پیٹ گئی اور سسکیاں لینے لگی۔

"اے ایک کیا پاگل پن ہے۔" میں نے اسے پیار بھرے انداز میں

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے یہ ہماری... آخری ملاقات ہے۔" ہوئی بولی۔

"ت!... ایسی باتیں کرو گی تو میں تم سے روٹھ جاؤں گی۔" میں آواز کو بھرانے سے روک سکی۔

"نہیں نہیں باجی! آپ مجھ سے نہ روٹھئے گا ورنہ میں تو مر جاؤں گی۔"

"تو پھر یہ رونا دھونا بند کرو!" میں نے اس کی آنکھوں کے موتی سمیٹ لئے۔

سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "آپ نے میں آپ کو لکھوں، آپ امریکہ پہنچ جائیں گی۔"

"ہاں!" میں نے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "بس تم مجھے یہاں آنے میں جتنی دیر لگتی ہے اتنی دیر مجھے وہاں پہنچنے میں اب مسکراؤ... مسکراؤ!" میں نے اس کے پیٹ میں گدگدی دی۔ اس کی آنکھیں اب بھی بھیگی ہوئی تھیں۔ مجھے وہ ہنستے پیارے لگے۔

ہو کر میں منہاس کی طرف متوجہ ہوئی اور کہا۔ "دیکھو! ہوں میری گڑیا کو ذرا بھی مغموم نہ ہونے دینا۔"

اس کچھ سنجیدہ نظر آنے لگا اور بولا۔ "باجی! مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔"

"پاگل!" میں نے بڑی محبت سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ "رک جاؤ، خدا حافظ!"

"خدا حافظ رضوان بھائی!" فرخ بولی۔

"خدا حافظ بے بی!" میرے پیچھے کھڑے ہوئے رضوان نے پُرمسرت لہجے گرمجوشی کے ساتھ منہاس سے ہاتھ ملایا۔

اس دوران میں طیارے پر چڑھنے والے مسافروں پر بھی نظر رکھے اور میں نے اطمینان کا سانس لیا تھا کیونکہ ان مسافروں میں کی شکل نظر نہیں آئی تھی۔

ان نے فرخ کا ہاتھ تھام لیا اور دونوں سیڑھیاں چڑھنے لگے پر رکے۔ نیچے ہماری طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے الوداعی اور جہاز کے اندرونی حصے میں گم ہو گئے۔

"کا شکر ہے کہ سب ٹھیک رہا۔" رضوان ایک گہرا سانس

"اب بھی مطمئن نہیں ہوں رضوان!... ایرپورٹ پر خود کیپٹن آفاق موجود ہے اور فرخ اتنی آسانی سے جہاز میں سوار ہو گئی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"وہم کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہیں۔" رضوان نے منہ بنا کر کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ اپنے کسی اور ذاتی کام سے ایرپورٹ آیا ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں بڑبڑائی۔ "لیکن جب تک جہاز اڑ نہیں جاتا مجھے اطمینان نہیں ہوگا۔"

"اطمینان تو شاید اب تمہیں کبھی بھی نہیں ہوگا۔" رضوان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "فرخ کی جدائی کا گھاؤ جو کھایا ہے دل پر۔"

"اور تم ہرگز نہیں بھول سکتی کہ یہ گھاؤ تم نے لگایا ہے۔ میں تمہیں اس کی سزا ضرور دوں گی رضوان! یاد رکھنا!"

"ہم تو مستقل سزا بھگتنے کے لئے تیار ہیں خاتون! آپ ذرا گھاس ڈال کر تو دیکھئے!"

"اپنا یہ لوفرانہ انداز چھوڑ دو ورنہ کسی دن بہت بری طرح پڑ گے۔"

"چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ...۔"

میں بھنا کر لاؤنج کی طرف واپس جانے لگی اور رضوان نے ہنس کر اپنا فقرہ نامکمل ہی چھوڑ دیا۔

لاؤنج میں میری نظروں نے نیلے سوٹ والے کو ہر طرف تلاش کیا لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ البتہ کمانڈر حق ایک طرف بیٹھا ہوا بڑا مطمئن نظر آ رہا تھا۔ شاید اس کی دانست میں بازی ختم ہو چکی تھی لیکن پھر بھی عالم تھا کہ ایرپورٹ پر آفاق کی موجودگی ذہن میں کسی کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔

بعد میں حالات نے ثابت بھی کر دیا کہ میرے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔ آفاق کی موجودگی سے فکر مند تھی تو یہ کچھ غلط نہیں تھا۔

میں یوں ہی ڈیوٹی فری شاپ پر رک کر وہاں رکھی ہوئی چیزوں کا جائزہ لینے لگی اور رضوان باہر رن وے کی طرف نظریں دوڑانے لگا۔ جہاز ابھی تک اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا اور مسافروں کو اوپر پہنچانے والی سیڑھیاں بھی اس سے جدا نہیں کی گئی تھیں۔

میں نے رضوان کے قریب پہنچ کر کہا۔ "آخر اب کس بات کا انتظار ہے؟"

اور پھر شاید میرے سوال کے جواب میں ہی لاؤڈ اسپیکر بول اٹھا۔ مسافروں کے لئے آخری کال کی جا رہی تھی۔

"کوئی مسافر رہ گیا ہے شاید۔" رضوان لاپرواہی سے بولا۔

مسافروں کے لئے آخری کال [illegible] اس مسافر کا نام بھی لیا گیا جو ابھی تک طیارے تک نہیں پہنچا تھا۔ اس مسافر کا نام طاہر سعید تھا اور چونکہ وہ کاؤنٹر پر اپنا سامان جمع کرا چکا تھا اس لئے اس کا انتظار ضروری تھا۔

لیکن جب پندرہ منٹ بعد بھی طاہر سعید جہاز پر سوار ہونے نہیں آیا تو قطعی آخری کال کی گئی۔

"ارے!" بے ساختہ رضوان کے منہ سے نکلا۔ "اس جہاز سے تو کوئی اہم شخصیت جا رہی ہے۔"

میں ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی لیکن رضوان کا یہ فقرہ سنتے ہی میں نے چونک کر رن وے کی طرف دیکھا۔ دو تین آدمی بڑے پُر وقار انداز میں چلتے ہوئے طیارے کے اگلے حصے کی طرف بڑھ رہے تھے اور فوٹو گرافر ان کی تصویریں اتارنے میں مشغول تھے۔

جہاز کے دروازے پر پہنچ کر ان آدمیوں میں سے ایک نے پلٹ کر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔

"اوہ!" میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"وزیر خارجہ" جو سیاست کے افق پر ابھرتی ہوئی ایک نئی شخصیت تھے، دو منٹ بعد ہی سیڑھیاں جہاز سے الگ کر دی گئیں۔ اور دونوں دروازے اندر سے بند کر لئے گئے۔ پندرہ منٹ بعد جہاز زمین چھوڑ چکا تھا۔

اب مجھے اور رضوان کو وہاں رکنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی لیکن روانگی سے پہلے مجھے ایک بار پھر اس نیلے سوٹ والے کا خیال آیا کہیں وہ طاہر سعید تو نہیں تھا؟ میں نے اسے ٹوائیلٹس کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر اس کی شکل نہیں دکھائی دی تھی۔ کیا وہ ابھی تک وہیں تھا؟

میں بے اختیار ٹوائیلٹس کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میں نے اس بات کی بھی پروا نہیں کی کہ مجھے مردانہ ٹوائیلٹس کی طرف بڑھتے دیکھ کر لوگ کیا سوچیں گے۔

رضوان میرے پیچھے لپکا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "محترمہ خاتون! آپ چشمہ استعمال کیا کیجئے۔ یہ لیڈیز ٹوائیلٹ نہیں ہے۔"

میں شاید اسے کوئی تیز قسم کا جواب دیتی لیکن اندر داخل ہوتے ہی میری نظریں اس شرابی پر جم کر رہ گئی تھیں جو فرش پر دیوار کے سہارے نیم دراز خراٹے لے رہا تھا۔ یقیناً یہ اداکاری نہیں تھی۔

میرے ذہن نے تیزی سے کام کرنا شروع کیا اور میں سمجھ گئی کہ مجھ سے اندازے کی غلطی ہوئی تھی یا ایک نفسیاتی غلطی!۔۔۔ چوں کہ شروع ہی میں یہ خیال میرے ذہن میں جم گیا تھا کہ نیلے سوٹ والا دشمنوں کا آدمی ہے اس لئے میں نے اس کی مدہوشی کو حقیقت سمجھنے کی بجائے اداکاری سمجھا تھا۔

رضوان بھی اس شرابی کو اس عالم میں وہاں دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ میں جھکی اور نیلے سوٹ والے کا کندھا پکڑ کر ہلا دیا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور جب وہ بولا تو اس کے منہ سے بدبو کے بھبکے اڑ رہے تھے۔

"مجھے سونے دو۔۔۔ اس کمرے کا دروازہ غائب ہو گیا ہے۔ دیواریں مجھے سلا رہی ہیں۔ تم کیوں بول رہی ہو۔۔۔ مجھے سونے دو!" اس کی یہ بہکی بہکی باتیں اس کی مدہوشی اور شراب کی موجودگی کا پتہ دے رہی تھیں اور میں نے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"محترمہ خاتون!" رضوان دونوں ہاتھ باندھ کر بڑے ادب سے بولا کہ آپ باہر چلئے! اگر آپ کو یہ شرابی پسند آگیا ہے تو میں اسے کندھے پر اٹھا کر آپ کی کار تک پہنچا دوں گا۔"

میں نے اب بھی اس کی بات پر دھیان نہیں دیا اور شرابی کو جھنجھوڑا جس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس نے پھر آنکھیں کھولیں اور پھر بڑبڑانے لگا۔ "میرے پیارے دوستوں کو بلاؤ!۔۔۔ انہوں نے مجھے ٹریٹ دی ہے۔۔۔ ڈیڈی۔۔۔ میں ان کا تحفہ کھاتا ہوں۔۔۔ تو ۔۔۔" "تحفہ" کی تکرار کرتا اپنی جیبوں سے ایک ایک چیز نکال کر فرش پر پھینک کر ہنسنے لگا۔

میں نے ان چیزوں کا جائزہ لیا۔ اس کے پاسپورٹ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس کا نام طاہر سعید تھا اور اس نے امریکہ جانے کے لئے پہلے سے ریزرویشن کرائی تھی۔ وہ کیپٹن آفاق کا ساتھی ہرگز نہیں تھا۔

میں اس پر لعنت بھیج کر سیدھی کھڑی ہونے ہی والی تھی کہ اس نے دونوں ہاتھ میری گردن میں حمائل کر دیئے اور ان کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ میں ایک جھٹکے سے اس پر جا پڑی اور میرے منہ سے نکلا:

"تم بہت لالچی ہو۔" وہ بڑبڑایا۔ "میں وہ تحفہ تمہیں نہیں دوں گا۔۔۔ میرا سوٹ کیس لاؤ۔"

میں نے ایک جھٹکا دے کر خود کو چھڑا لیا اور وہ فرش پر گر پڑا۔ ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "تمہارا سوٹ کیس جہاز پر ہے میری جان!۔۔۔ تم یہیں پڑے سڑتے رہو۔"

"ہائے!۔۔۔ سوٹ کیس بھی گیا۔۔۔ دوست بھی گئے۔۔۔ میرا تحفہ!۔۔۔ کیسی خوبصورت آواز تھی۔۔۔ ٹک ٹک۔۔۔ ٹک۔۔۔ ہائے میری ٹک ٹک۔" وہ رونے لگا۔

میں اسے چھوڑ کر ٹوائیلٹ سے جانے کے لئے تیزی سے مڑی تو رضوان جلدی سے بولا۔ "سنئے بانو! کیا اٹھاؤں اسے کندھے پر؟"

لیکن میں اس کی طرف دھیان دیئے بغیر تیزی سے چلی گئی۔ میرے ذہن میں "ٹک ٹک" کی گونج رہی تھی اور ذہن جھنجھنا رہا تھا۔ مجھے اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ کیپٹن آفاق نے شکست کھا لی تھی۔

میں دیوانہ وار دوڑتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی اور کمانڈر حق پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالتی ہوئی باہر نکلتی چلی گئی۔ میں نے کمانڈر حق کو اٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور پیچھے پیچھے رضوان بھی آ رہا تھا۔

تب جیسے ہی ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر نکلی کہ ایک آدمی میرے قریب آ گیا جو رضوان کو آدھے راستے سے ایئرپورٹ تک لایا تھا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔

"وہ ابھی اپنی کار میں بیٹھا ہے۔"

"کوئی خاص بات؟"

"دراصل میں اس کی کار کے قریب ہی کھڑا تھا جب وہ کار میں بیٹھا تو ایک آدمی نے اس کے قریب پہنچ کر اسے اطلاع دی تھی کہ سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے۔ پھر شاید کیپٹن آفاق نے وقت پوچھا تھا اور اس آدمی نے گھڑی دیکھے بغیر "گیارہ بجے" کہا تھا۔"

"گیارہ بجے؟۔۔۔ لیکن گیارہ بجنے میں تو ابھی۔۔۔ بہت۔۔۔" میں کہتے کہتے ایک دم خاموش ہو گئی۔ مجھے اپنے اعصاب پر قابو رکھنا تھا اور دو اور دو چار کرنے کے لئے مجھے ایک بات مل گئی تھی۔

اسی وقت ایک لمبی سی شیورلٹ میرے قریب سے گزری۔ اس میں کئی افراد تھے اور اس کی پچھلی سیٹ پر کیپٹن آفاق بیٹھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی وہ جیکٹ والا بھی نظر آیا جو طاہر سعید کو لاؤنج میں چھوڑ گیا تھا۔ مجھ سے نظر ملتے ہی کیپٹن آفاق بہت کھل کر مسکرایا! اس مسکراہٹ میں طنز بھی تھی اور فتح و کامرانی کا لطف بھی!

میں، رضوان اور کمانڈر حق بھی میرے قریب پہنچ گئے۔ میں نے کمانڈر حق کو مخاطب کیا۔ "سنو! امرانہ وائیٹ میں ایک پلان ہے۔ تم اسے کسی طرح بھی یہاں سے اکھڑوا لے جاؤ اور اس سے یہ پوچھنے کی کوشش کرو کہ اس نے پچھلے دو گھنٹے میں کس طرح گزارے؟"

کمانڈر نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور تیزی سے مڑ گیا۔

"مگر اپنے باس کی مدد کرو!" میں نے کمانڈر حق کے آدمی سے کہا۔ پھر رضوان کی طرف مڑ کر بولی۔ "فرح کی زندگی خطرے میں ہے!"

"میرا بھی کچھ ایسا ہی اندازہ لگایا ہے۔" رضوان نے دانت بھینچ کر کہا۔ "غالباً اس شرابی کے سوٹ کیس میں بم رکھوا دیا گیا ہے اور وہ بم ٹھیک گیارہ بجے پھٹ جائے گا۔"

"تم کیسے کہہ سکتی ہو؟" رضوان کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔ "اس بحث میں پڑنے سے بہتر ہو گا کہ۔۔۔"

"کچھ کریں۔" میں رضوان نے میرا فقرہ مکمل کر دیا اور پھر بولا۔ "ٹھیک ہے! کر تو میں کر ایئرپورٹ کے ذمے دار افسر میری اس اطلاع کو سنیں گے؟"

"جو کرنا ہے جلدی کرو!" میرا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر اس طرف دوڑتا چلا گیا جدھر انتظامیہ کے دفاتر تھے۔ میں وہیں کھڑی رہی۔ میرا پریشان ذہن جلد از جلد کوئی پلان بنا رہا تھا۔ میں صرف رضوان پر تکیہ نہیں کرنا چاہتی تھی حالانکہ رضوان کا کامیاب ہونا یقینی تھا۔ متعلقہ افسران اس کی اطلاع کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ اس قسم کی اطلاعات اگر فون پر موصول ہوں تو انہیں شرارت بھی سمجھا جا سکتا ہے لیکن جب اطلاع دینے والا سامنے ہو اور اس کا تعلق بھی ملک کے ایک بڑے اخبار سے ہو تو اسے نظر انداز کرنے کی حماقت نہیں کی جا سکتی تھی لیکن میرا ذہن اس اطلاع کے ردِ عمل سے بھی آگے تک سوچ رہا تھا۔ میں ان حالات پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہتی تھی جو بعد میں پیش آتے اور اس کے لئے قبل از وقت کچھ بندوبست کرنا میرے لئے ناگزیر تھا۔ میں نے ایک ٹیلیفون کال کرنے کا فیصلہ کیا۔

قریب ترین ٹیلیفون پی۔ آئی۔ اے کی فلائٹ انفارمیشن کے کاؤنٹر پر تھا چنانچہ میں وہیں پہنچی۔ کاؤنٹر کلرک مجھے فون کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیتا لہذا میں نے اس سے کچھ کہے بغیر فون کا ریسیور اٹھایا اور تیزی سے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ کاؤنٹر کلرک حیرت سے منہ پھاڑ کر میری صورت دیکھتا رہ گیا۔

میں نے وزیر داخلہ کے گھر کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ کیوں کہ اتنی صبح انہیں گھر ہی پر ہونا چاہئے تھا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ جلد ہی میں فون پر ان سے گفتگو شروع کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

"خیریت تو ہے بانو!۔۔۔ اتنی صبح۔۔۔"

"معاملہ اتنا ہی اہم ہے کہ میں آپ کو زحمت دینے پر مجبور ہوئی!" میں نے وزیر داخلہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے ڈیڑھ سو جانیں بچانے کے لئے آپ کی فوری مدد درکار ہے۔ خصوصاً ہمارے وزیر خارجہ کی زندگی بھی خطرے میں ہے۔ تھوڑی دیر قبل امریکہ کے لئے ایک فلائٹ گئی ہے اور اس طیارے میں بم رکھ دیا گیا ہے۔"

"کیا؟" وزیر داخلہ شاید اچھل پڑے تھے۔

ادھر کاؤنٹر کلرک بھی چونک گیا اور اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی لیکن میں اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتی رہی۔ "طیارہ تقریباً دو گھنٹے میں تہران پہنچ جائے گا لیکن ٹائم بم کے پھٹنے کا وقت تہران سے روانگی کے بعد کا ہے۔ غالباً گیارہ بجے!۔۔۔ گو کہ میں نے ایک شخص کے ذریعے متعلقہ حکام کو اس کی اطلاع تو کروا دی ہے لیکن شاید وہ لوگ کسی تساہلی سے کام لے جائیں اس لئے میں آپ کو باخبر کر رہی ہوں۔ آپ براہ راست صدرِ مملکت سے رابطہ قائم کر کے ان کے حکم سے بھی اس فلائٹ کو تہران میں رکوا سکتے ہیں۔"

"لیکن۔۔۔"

"پہلے پوری بات سن لیجئے!۔۔۔ طاہر سعید نامی ایک مسافر اس طیارے میں سوار نہیں ہو سکا ہے لیکن اس کا سامان طیارے میں پہنچا دیا گیا تھا اسی کے سوٹ کیس میں وہ ٹائم بم چھپایا گیا ہے۔"

"بول چکیں؟" وزیر داخلہ کو شاید میری قطع کلامی ناگوار گزری تھی۔

"جی۔"

"آپ اس وقت کہاں ہیں؟ نمبر بتایئے تاکہ میں کچھ دیر بعد پھر آپ سے رابطہ قائم کرسکوں۔ میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جاسکتا ہے۔"

میں نے انہیں اسی ٹیلیفون کا نمبر بتادیا جہاں سے بات کررہی تھی۔ سلسلہ منقطع کرکے میں نے کاؤنٹر کلرک سے کہا۔ "میں ابھی وزیرِ داخلہ سے بات کررہی تھی۔ ذرا دیر بعد وہ یہاں رِنگ کریں گے۔ مجھے بتادینا۔"

کلرک نے بوکھلاہٹ کی طرح اثبات میں سرہلایا۔ میں ایک قریبی صوفے پر جابیٹھی۔ اتنے میں رضوان میری طرف آتا نظر آیا۔ اس کی چال سے عجلت ظاہر ہورہی تھی۔ وہ میرے قریب آتے ہی بولا۔

"اس اطلاع نے یہاں ہنگامہ کردیا ہے۔ اگر میرا تعلق ملک کے سب سے بڑے اخبار سے نہ ہوتا تو شاید اتنی جلدی ان لوگوں کے کان کھڑے نہ ہوتے۔ ویسے وہ لوگ چاہتے تھے کہ میں ان سے جُدا نہ ہوسکوں۔ اس پر جب میں نے چراغپا ہونے کی کوشش کی اور کہا کہ میں یہیں ایرپورٹ پر اپنی ایک ساتھی کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ تو بادلِ ناخواستہ انہوں نے اجازت دی۔"

"لیکن کچھ آنکھیں تمہاری نگرانی ضرور کررہی ہوں گی۔ اتنی خوفناک اطلاعات دینے والوں کو دسترس سے دُور نہیں ہونے دیا جاتا۔"

"بہرحال اب صورتِ حال قابو میں آجائے گی۔"

"اگر یہ لوگ تمہاری بات نہ سنتے تو بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ میں اپنے وسائل کو بھی کام میں لاچکی ہوں۔ میں نے ایک فون کیا تھا۔ بہت جلد اس کے نتائج بھی سامنے آجائیں گے۔"

"وسائل!" رضوان نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "آخر تمہارے وسائل معنی کیا رکھتے ہیں؟ تم خود کیا بلا ہو؟"

"آہستہ آہستہ خود ہی تھوڑا بہت جان لوگے۔" میں نے جواب دیا اور یہ بات میں نے سوچے سمجھے بغیر نہیں کہی تھی۔ رضوان کی ذہانت سے میں کبھی بھی منکر نہیں ہوئی۔ اب تو کمانڈر حق اور اس کے دو ایک آدمی بھی رضوان کی نظروں میں آگئے تھے۔ وہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرکے میری شخصیت کو تھوڑا بہت ضرور جان لیتا۔

میں وزیرِ داخلہ کے فون کی منتظر تھی لیکن جب پون گھنٹہ گزرگیا اور کال نہیں آئی تو مجھے بے چینی ہونے لگی۔ پھر پندرہ منٹ اور گزر گئے تو میں دوبارہ فون کرنے کے لئے صوفے سے اٹھی ہی تھی کہ خود وزیرِ داخلہ سامنے سے آتے نظر آگئے۔ ان کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی تھے۔ جن کو میں قطعاً نہیں جانتی تھی۔

وزیرِ داخلہ کی آمد سے ایرپورٹ پر کھلبلی مچ گئی۔ ذمے دار افسران اِدھر سے اُدھر دوڑتے نظر آنے لگے۔

وزیرِ داخلہ ان آدمیوں کے ساتھ سیدھے میری طرف بڑھے تھے۔ میں ان کی طرف بڑھی اور جب قریب پہنچ گئی تو وزیرِ داخلہ نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھادیا۔ مصافحہ کرنے کے بعد وہ اپنے ساتھ آنے والوں میں سے ... کرکے میرا تعارف کرانے لگے۔

"یہ ... بانو ہیں۔ وہ اطلاع انہی کی دی ہوئی ..."

پھر مجھے بتایا گیا کہ جس شخص سے میرا تعارف کرایا گیا وہ ... کا ڈائریکٹر ہے۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ باقی لوگ بھی ... افسران ہوں گے۔

انٹیلی جنس ڈائریکٹر نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ ... چاہتا تھا کہ بم کے بارے میں میری معلومات کے ذرائع کیا ... جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو سوالات کی اس بوچھاڑ اور حقیقتاً ... بوکھلا جاتا لیکن میں نے بڑے اطمینان سے ہاتھ اٹھا کر ... دیا اور کہا۔

"جناب پہلے آپ وزیرِ خارجہ اور دوسرے مسافروں ... بندوبست کریں۔ یہ گفتگو تو بعد میں بھی ہوسکتی ہے۔"

میرے اس انداز پر ڈائریکٹر بہت بُری طرح جھلا گیا ... اور پھر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا بندوبست کیا جاچکا ہے۔ ... سیکورٹی کا عملہ جہاز کو اپنی تحویل میں لے لیگا۔ مسافروں کو اتار ... کی تلاشی شروع کی جائے گی۔"

"سارے جہاز کی تلاشی لینا چنداں ضروری نہیں ... پرسنل لگیج کو دیکھنا کافی ہوگا۔"

"تلاشی کا آغاز پرسنل لگیج ہی سے ہوگا۔" ڈائریکٹر نے ... کہ آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔"

"میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔" ... انداز میں کہا۔

یہ ایک ایسی بات تھی کہ ڈائریکٹر کے چہرے کا رنگ ... اس کو غصے میں آتے دیکھ کر وزیرِ داخلہ مضطرب ہوگئے اور انہو... سے مجھے مخاطب کیا۔ "معاملہ بہت نازک ہے بانو! آپ ... کرنا چاہیئے۔"

"مجھے معاملے کی نزاکت کا پورا پورا احساس ہے اور ... زبان بند رکھنا پڑرہی ہے۔ میں اس سلسلے میں صرف پریذیڈنٹ ... دوں گی۔"

میرے اس جواب پر وزیرِ داخلہ تو چونک گئے لیکن ڈائ... نظروں سے گھورنے لگا۔ اس کا مزاج کچھ نادرشاہی قسم کا تھا ... مرعوب کرنے میں اسے ناکامی ہی ہونا تھی۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ غصے میں مجھ پر پھٹ پڑتا ... قریب آنے والا ایک آدمی جُھک کر اس کے کان میں کچھ کہنے ... نے اس کی بات سننے کے بعد مجھے پھر گھورا اور الفاظ چبا... طاہر سعید نامی مسافر نے اپنی سیٹ پندرہ دن پہلے بک کرا... وزیرِ خارجہ نے اچانک ہی اس فلائٹ سے امریکہ جانے کا ف...

... ہے تو ...!"

اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی مجھے ہنسی آگئی۔ ہنسی مجھے اس ... آئی تھی کہ جہاز پر وزیرِ خارجہ کی موجودگی کی بنا پر یہاں ہی کو بم کا نشانہ ... بنایا جاسکتا تھا۔

میری ہنسی سے ڈائریکٹر کے چہرے پر شدید غصے کی سُرخی پھیل گئی۔ ... پھر چیخ کر کہا۔ "آپ کو اس عدم تعاون کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

"مقدر کو کون ٹال سکتا ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

اس جواب پر ڈائریکٹر کا جو حال ہوا ہوگا وہ بیان کرنے کی ضرورت ... وزیرِ داخلہ نے اس موقع پر یہ ضروری سمجھا کہ ڈائریکٹر کو بازو سے ... میرے قریب سے ہٹالے جائیں اور اسے سمجھانے کی کوشش کریں کہ ... صورت سے الجھ رہا ہے۔

دراصل میں عدم تعاون پر اس لئے آمادہ تھی کہ مجھے کیپٹن آفاق کو ... کمانے کا ایک سنہری موقع مل رہا تھا اور میں اس موقع کو ہاتھ سے نہیں ... دینا چاہتی تھی اگر میں انٹیلی جنس ڈائریکٹر کو سب کچھ بتا کر مطمئن کر ... پھر صدرِ مملکت سے ملاقات کا امکان ختم ہوجاتا۔ اگر میں وزیرِ داخلہ ... توسط سے صدر تک پہنچتی تو ملاقات کی نوعیت بدل جاتی۔ اس وقت ... آفاق کے سلسلے میں جو کچھ کہتی وہ شکایت کا رُوپ دھار لیتا جبکہ ... چاہتی تھی کہ کیپٹن آفاق کے مجرم ہونے کا انکشاف صرف صدر کے ... کروں۔ اس طرح میری بات سے شکایت کا عنصر گویا ختم ہوجاتا اور ... کہتی اس سے خلوص جھلکتا ہوا محسوس کیا جاتا۔ اسی نکتے کو سامنے ... رکھتے ہوئے میں عدم تعاون کی پالیسی پر قائم رہنا چاہتی تھی۔

ڈائریکٹر اور وزیرِ داخلہ میرے قریب آگئے۔

"ٹھیک ہے خاتون!" وہ مجھے گھورتا ہوا بولا۔ "اس معاملے کی ... تحقیقات کی جائے گی اور اس سلسلے میں آپ کو بھی ہمارے ساتھ ... ہوگا۔"

میں سمجھ گئی کہ وہ مجھے خواہ مخواہ گھسیٹ کر صرف پریشان کرنا ... ہے۔ وزیرِ داخلہ کے سمجھانے پر بھی اس کی کلیں پوری طرح سیدھی ... نہیں ہوئی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "میں ضرور چلوں گی۔"

اسی وقت ایرپورٹ کا ایک افسر انٹیلی جنس ڈائریکٹر کے ... دوسروں سے الگ لے جاکر کچھ کہنے لگا۔ اپنی بات ختم کرنے ... واپس جانے لگا تو اس کی نظر رضوان پر پڑی۔ اس نے فوراً "ڈائریکٹر ... یہ ان صاحب نے بھی بم کے بارے میں اطلاع دی تھی۔"

رضوان میرے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر ڈائریکٹر کی آنکھوں ... میں کی چمک پیدا ہوگئی۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کیا ... آیا تھا۔

"یہ میرے ساتھی ہیں۔" میں بول پڑی۔ "میں نے ہی ان کو اطلاع ... کے لئے متعلقہ افسران کے پاس بھیجا تھا۔"

"... کی تعریف؟" ڈائریکٹر براہِ راست رضوان سے مخاطب ہوا۔

جواباً رضوان نے اپنا ... تعارف کرادیا۔ وہ میرے قریب ہی کھڑا ہوا تھا اور اس نے ڈائریکٹر سے میری لوک جھونک سن لی تھی اس لئے مجھے یقین تھا کہ وہ جوابات دیتے ہوئے محتاط رہے گا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ جہاز میں بم رکھا گیا ہے؟" ڈائریکٹر نے رضوان سے ٹھیٹ دبنگ انداز میں سوال کیا۔

"مجھے بھی بانو نے بتایا تھا۔" رضوان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "انہی کی ہدایت پر میں متعلقہ حکام کو اطلاع دینے گیا تھا۔"

ڈائریکٹر نے شاید سوچا یہ تھا کہ وہ رضوان کو رعب میں لے سکے گا لیکن اسے یہاں بھی ناکامی ہوئی۔

"جناب!" ایک آدمی نے قریب آکر ڈائریکٹر سے کہا۔ "ایک اسپیشل فلائٹ نان اسٹاپ ماسکو جارہی تھی۔ اس کا بندوبست کرلیا گیا ہے کہ تہران میں رُک کر آپ کو اتار دے۔"

ڈائریکٹر نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی اور اپنے دو آدمیوں کو الگ لے جاکر کچھ ہدایات دینے لگا۔ اس کے بعد وہ دوسرے افسران کے ساتھ عجلت کے انداز میں دفاتر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اس کے دونوں آدمی جن کو اس نے ہدایات دی تھیں میرے اور رضوان کے قریب آکھڑے ہوئے۔

"یہ دونوں بھاگیں گے نہیں۔" وزیرِ داخلہ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یس ... یس سر!" وہ دونوں بوکھلا کر یک تنت بولے۔

وزیرِ داخلہ نے مجھے اشارہ کیا اور دوسروں سے ذرا الگ ہٹ کر بولے۔ "یہ ڈائریکٹر ... ہے ... اس کا منہ چڑھا ہے اس ... میں زیادہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔"

"پرواہ مت کیجئے میں نمٹ لوں گی۔ کیا آپ نے صدر کو اس صورتِ حال سے آگاہ کردیا ہے؟"

"وہ تو میں کرچکا ہوں لیکن یہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ ان سے ملنا چاہتی ہیں۔ آخر آپ کو ان کی ضرورت کیوں محسوس ہورہی ہے؟"

"اگر آپ مجھے فی الحال اس بارے میں لب کشائی پر مجبور نہ کریں تو ... آپ کی شکر گزار ہوں گی۔"

"یہ اسی کی ضرورت تو نہیں؟" وزیرِ داخلہ کا اشارہ کیپٹن آ... کی طرف تھا جسے میں سمجھ گئی۔

"بہتر ہوگا کہ ہم پھر کسی وقت اس موضوع پر گفتگو کریں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے کنکھیوں سے انٹیلی جنس کے ان دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا جن کے کان ہماری گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔

انٹیلی جنس ڈائریکٹر نے میرے ساتھ رضوان کو بھی گھسیٹ لیا اور ہم اس فلائٹ پر سوار ہوگئے جو ماسکو جارہی تھی لیکن جسے اب محض ہماری وجہ سے تہران میں بھی رُکنا تھا۔

تحقیقاتی پارٹی میں سے وی آئی پی سیکشن کے چند افسر بھی تھے۔ مجھے اور رضوان کو ملا کر پارٹی کل پندرہ افراد پر مشتمل تھی۔ اس پارٹی کے دو تین افسر

جو رہے تم خود بہت ذہین ہوتے جا رہے ہو"۔ فلائٹ کے دوران وہ سے ادھر ادھر کی گفتگو کرتے رہے اور باتوں کے دوران میں مجھے کریدنے کی کوشش کی لیکن بالآخر انہیں مایوس ہو جانا پڑا۔ میں نے انہیں ایسے الجھتے ہوئے جواب دیئے تھے کہ ان کی طبیعت صاف ہو گئی ہو گی۔ میری غیر معمولی حاضر دماغی کا سبب یہ تھا کہ اب میں بے حد خوشگوار موڈ میں تھی۔ دماغ پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔ فرخ کی طرف سے میں بالکل مطمئن ہو چکی تھی۔ کیپٹن آفاق کی عیارانہ چال کے قبل از وقت انکشاف کے بعد یہ متعلقہ افسروں کی ذمے داری تھی کہ وہ اس طیارے کو دھماکے سے بچا لیں اور ظاہر ہے کہ وہ اس سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں کر سکتے تھے۔ طیارے میں وزیر خارجہ کی موجودگی کے باعث یہ معاملہ ویسے بھی بہت زیادہ گمبھیر ہو چکا تھا۔

میرے برابر میں رضوان بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے چھیڑا "کیا تم اس خیال سے چپ ہو کر خاموشی ہزار بلاؤں کو ٹالتی ہے۔"

"میں اس وقت بہت خوش ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"وجہ؟"

"ایران دیکھنے کی آرزو تھی مجھے، اس بہانے پوری ہو جائے گی۔"

"تم آدمی تو واقعی خوبصورت ہو۔"

"یہ خیال کیسے آیا اس وقت؟"

"میں تمہارے مستقبل کی طرف سے فکر مند ہوں۔"

"وہ کیوں؟"

"میں نے ایرانیوں کے ذوق کے بارے میں عجیب عجیب افواہیں سنی ہیں۔" میری اس چوٹ پر رضوان جھینپ کر رہ گیا اور میں ہنس کر ٹوائلٹ کے بہانے سیٹ سے اٹھ گئی۔

سیٹوں کے اختتام پر دروازے کے سامنے وہ کیبن تھا جس سے کچن کا کام لیا جاتا تھا۔ یہیں سے مسافروں کے لئے کھانے کی ٹرے ٹرالیوں پر سجا کر لے جائی جاتی تھیں لیکن ظاہر ہے کہ مجھے ان سب باتوں سے اتنی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی کہ میں اٹھ کر یہاں تک چلی آتی۔ مجھے یہاں لانے والی کشش تو ایک ایئر ہوسٹس کی تھی۔

دودھ جیسی سفید رنگت میں ہلکے گلابی رنگ کی آمیزش ہونے کے باعث

کی وجہ سے اور نمایاں ہو گئی تھی۔ "آئی برو" نے غزالی آنکھوں کو کچھ اور قیامت بنا دیا تھا رہی سہی کسر "آئی لائنر" نے پوری کر دی تھی اور مجھے مسکرا کر لیا خیر مقدم چہرے پر خوشگوار رنگت چلتے محسوس ہو رہے تھے۔ ہونٹوں کی کلیاں کسی بھونرے کی منتظر محسوس ہو رہی تھیں اور وہ جو ہونٹوں کے اوپر ہلکی سی سنہری روئیدگی تھی اس نے میرے دل کو گدگدا کر رکھ دیا تھا۔ جسم کی بناوٹ بھی ایسی تھی جیسے اسے میری خواہشوں کے سانچے میں تراشا گیا ہو۔ عمر کچھ زیادہ تھی۔ لیکن اتنی زیادہ بھی نہیں کہ باقی تمام خوبیاں اس خامی کو دبا نہ سکیں۔

میرا خوابیدہ سا ذہن اور تھکا ہوا جسم ساری کسلمندی کو بھول کر اس کی مسکتی ہوئی بانہوں کو بلانے لگا لیکن ظاہر ہے کہ تنہائی کی اس مختصر

دنیا میں میری شریر دل کی آرزوؤں کا گلستان کسی طرح بھی نہیں کھل سکتا تھا۔

وہ مجھے اپنی طرف تکتے دیکھ کر کچھ نروس سی ہو گئی، پھر مسکرا کر بولی "آپ کو کچھ چاہئے؟"

میں نے اسے نشیلی آنکھوں سے دیکھا اور پھر معنی خیز لہجے میں کہا "چاہتی تو بہت کچھ ہوں لیکن اس خرابے میں تم مجھے کیا دے سکتی ہو؟"

اس فقرے پر اس کے چہرے کی سرخی کچھ گہری ہو گئی اور مجھے لگا جیسے شفق کی شوخیوں کو سورج کی کرنوں نے کچھ اور دہکا دیا ہو۔ اس نے میرے اشارے کو خوب خوب سمجھ لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ عمر کے جس حصے میں تھی، وہاں تک بغیر کسی تجربے کے نہیں پہنچی ہو گی۔

وہ آہستہ سے بولی "فی الحال آپ مشروبات سے شغل کر سکتی ہیں، ذرا دیر بعد ناشتہ سرو کیا جائے گا۔"

"ان چیزوں سے میری تسلی نہیں ہو سکے گی۔" میں نے بے ساختہ کہا "کاش یہ جہاز تہران سے آگے نہ جا رہا ہوتا۔"

"کیا ہے... کیا یہ جہاز بہت زیادہ پسند آ گیا ہے؟" وہ شرارت بھرے لہجے سے بولی اور پھر کہا "اگر میں پسند آ جاتی تو تہران میں رک بھی سکتی تھی۔"

"واقعی ہماری قسمت کا کیا پوچھنا، لیکن یہ طیارہ تو ماسکو جا رہا ہے۔"

"میں صرف تہران تک جاؤں گی۔ آپ کی پارٹی کے لئے خصوصی طور سے مجھے شامل کیا گیا ہے۔" اس نے کہا اور پھر چونک کر پیچھے کسی سنگ سے پکار لیا تھا "سوری!" وہ میری طرف دیکھ کر بولی اور اندر چلی گئی۔

میں اپنی سیٹ کی طرف واپس جاتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ تہران میں رکنا بڑا اچھا وقت گزرے گا۔ وہ نہ صرف خوبصورت اور باذوق بھی معلوم ہوتی تھی۔

جب میں اپنی سیٹ پر جا بیٹھی تو رضوان چھیڑتے ہوئے بولا۔

"تمہارے ذوق کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔"

"شکریہ۔" میں نے مختصر کہہ کر بات ختم کر دینا چاہی تھی لیکن پھر بولی "یہ تمہاری ہی ہمت ہے کہ ان حالات میں بھی ادھر ادھر کی سوچ لیتی ہو اور ان میں الجھ بھی جاتی ہو۔"

"میں کبھی بھی ادھر ادھر کی باتیں نہیں سوچتی اور میرا کوئی اقدام بے مقصد نہیں ہوتا۔"

"تو کیا ایئر ہوسٹس سے اتنی دیر باتیں کرنے کا بھی کوئی مقصد تھا؟" رضوان کے لہجے میں طنز کی لہر دوڑ رہی تھی۔ "تو گویا میں نے غلط سمجھا تھا۔"

"نہیں غلط تو نہیں سمجھا لیکن تم نے ادھر ادھر کی بات کہہ کر اہمیت کو کم کر دیا ہے ورنہ یہ تو حاصل حیات ہے۔ کیا تم فرائڈ کے اس نظریے سے اختلاف رکھتے ہو کہ زندگی کے ہر مقصد کا محرک جنس اور صنف...

"گویا فرائڈ تمہارا ولی ہے!"

"ہرگز نہیں۔ اپنی ولی میں خود ہوں۔"

"میں تم سے باتوں میں بھی نہیں جیت سکتا۔" رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور چپ ہو گیا۔

باقی سفر کے دوران میں، میں اس ایئر ہوسٹس کے نام سے بھی آگاہ ہو گئی اور اس اتفاق پر دل ہی دل میں مسکرا دی۔ ایئر ہوسٹس کا نام بھی بالو تھا مہر بانو!

ہمارا طیارہ جب تہران کے ہوائی اڈے پر اترا تو خاصے لوگ ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے۔

فرخ کا جہاز یہاں ایک گھنٹہ پہلے پہنچ چکا تھا۔ تمام مسافر اتار لئے گئے تھے اور انہیں آرام کرنے کے لئے ہوٹل میں بھیج دیا گیا تھا۔ جہاز کے ایک مسلح دستے کی نگرانی قائم کر دی گئی تھی۔ طاہر سعید کے سوٹ کیس سے ٹائم بم برآمد کیا جا چکا تھا لیکن بم ڈسپوزل اسکواڈ کسی دوسرے بم کی تلاش میں اب بھی مصروف تھا۔

"وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟" میں نے انٹیلی جنس ڈائریکٹر سے کہا۔ "کوئی دوسرا بم نہیں ملے گا اس طیارے میں۔"

"یہ باتیں آپ کے سمجھنے کی نہیں ہیں۔" ڈائریکٹر نے چڑچڑاہٹ کا اظہار کیا۔ "بہتر ہو گا کہ آپ ہوٹل میں جا کر آرام کریں۔ ہمیں ابھی یہاں کچھ دیر لگے گی۔ اگر مجھے آپ کی ضرورت محسوس ہوئی تو بلوا لوں گا۔"

"آپ خود ہی ہوٹل تشریف لے آئیے گا۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ ڈائریکٹر نے مجھے گھور کر دیکھا لیکن خاموش ہی رہ گیا۔ شاید وہ ایرانی حکام کے سامنے مجھ سے جھڑپ لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

فرخ کے جہاز کی روانگی یقینی طور پر پانچ چھ گھنٹے کے لئے ٹل گئی تھی اور ہماری واپسی کا تو ابھی کچھ پتہ ہی نہیں تھا لیکن امید کی جا سکتی تھی کہ چند گھنٹوں کے اندر اندر لوٹنا نصیب ہو جائے گا۔

ہمیں اسی ہوٹل میں پہنچایا گیا جہاں تمام مسافروں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ میں نے فوری طور پر فرخ سے ملنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ کلرک نے بتایا کہ ان دونوں میاں بیوی نے ڈسٹرب نہ کرنے کی ہدایت کی ہے کیونکہ وہ سونا چاہتے تھے۔

پتہ نہیں ان دونوں کو اس سفر نے مضمحل کیا تھا یا گزشتہ رات کی تھکن لائی تھی، بہر حال میں نے انہیں چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا اور کلرک کو فرخ کے لئے یہ پیغام دے دیا کہ جب وہ جاگے تو میرے کمرے میں آ کر مل لے۔

رضوان میرے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے یہ بہانہ کر کے ٹال دیا کہ سونا چاہتی ہوں۔ حقیقتاً یہ بہانہ بھی نہیں تھا۔ میں واقعی سونا چاہتی تھی۔ رات بھر کی بے آرامی اور بھاگ دوڑ نے مجھے خاصا تھکا دیا تھا۔

پتہ نہیں میں کتنی دیر تک سوئی تھی کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں کوئی تھا۔ میرے غنودہ سے ذہن نے بستر کے قریب ہی اس کی موجودگی محسوس کی تھی۔ میں نے اس کی آواز سنی۔

"بالو! کیا آپ سو رہی ہیں...؟"

میں تیزی سے اٹھ بیٹھی کیونکہ میں نے فرخ کی آواز پہچان لی تھی۔ دروازہ اندر سے اسی لئے لاک نہیں کیا تھا کہ فرخ جب آئے تو مجھے جگا لے۔

"فرخ!... میری گڑیا!" میں بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔

وہ نائٹ گاؤن میں ملبوس تھی۔ ہم دونوں خاصی دیر تک ایک دوسرے سے لپٹے رہے۔ خاموشی سے ایک دوسرے کو ٹٹولتے رہے، ڈھونڈتے رہے، جیسے خدشہ ہو کہ گزشتہ واقعات نے ہم میں کچھ کمی کر دی ہو گی۔

پھر ہم نے ہنسنا اور بولنا شروع کیا، جیسے برسوں بعد ملاقات ہوئی ہو، جیسے عرصۂ دراز تک بچھڑے رہنے کے بعد ملے ہوں۔ فرخ کا ذہن اس الجھن میں پھنسا ہوا تھا کہ جہاز یہاں کیوں رک گیا ہے۔ مسافروں کو صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ کسی تکنیکی خرابی کی وجہ سے یہ التوا ناگزیر ہے۔

میں نے بھی فرخ کو اصل وجہ نہیں بتائی۔ ڈر تھا کہ وہ اس کا ذکر منہاس سے کر دے گی۔ منہاس کہیں اور یہ ذکر کر بیٹھتا اور اس طرح یہ بات پھیل جاتی جو عرصۂ دراز سے سرکاری فائلوں میں بند ہے اور جسے اب میرا قلم لوگوں کے سامنے لا رہا ہے۔

سرکاری سطح پر کیسے کیسے سنسنی خیز ڈرامے ہوتے رہتے ہیں؟... ان کا علم عام لوگوں کو کبھی نہیں ہوتا۔ سرکاری فائلوں کے قلب میں یہ وارداتیں اس طرح دفن ہو جاتی ہیں کہ عام لوگوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی اور شاید وہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ سنسنی خیز کہانیاں صرف انہی کے محلوں اور گلی کوچوں میں جنم لیتی ہیں۔

فرخ اس بات پر بھی حیران تھی کہ میں اچانک وہاں کیسے پہنچ گئی۔ اس سلسلے میں میرے پاس کوئی معقول بہانہ نہیں تھا، میں نے بڑے بے تکے سے جواب دیئے لیکن اس وقت فرخ غالباً میرے جوابوں کے بے تکے پن پر غور نہیں کر سکی کیونکہ ان باتوں کے دوران میں ہم ایک دوسرے سے بہت قریب رہے تھے۔ وہ قربت رنگ بھی لا رہی تھی۔ ایک جوش، ایک ولولہ پیدا ہو رہا تھا۔ سانسیں، اعتدال کا دامن چھوڑ رہی تھیں۔ قلب کی وارداتوں کا رنگ آنکھوں میں جھلک آیا تھا اور حرکات و سکنات میں ترنگ پیدا ہو گئی تھی۔

اس جوش و خروش کے بعد اظہار جوش کی انتہا کا سفر شروع ہوا۔ بے تکلفی کے دور نے آنکھیں کھولیں اور جب لذت و انبساط کی انگڑائیاں ٹوٹنے لگیں تو میں نے محسوس کیا کہ فرخ شادی کے بعد بھی نہیں بدلی تھی،

بالکل ویسی ہی تھی لیکن شادی کے نتیجے میں یہ تغیر تو آنا ہی چاہئے تھا کہ آج وہ حجاب اندر حجاب کی تصویر نہیں بنی تھی۔ اس کی جھجک کا بڑی حد تک خاتمہ ہو چکا تھا اور اب اس کی گستاخیاں میری بیباکیوں سے ہم آہنگ ہو گئی تھیں۔

جب ایلچل کے یہ لمحات ختم ہو گئے تو میں نے اس سے منہاس کے بارے میں پوچھا۔ فرخ نے مسکرا کر بتایا کہ منہاس چونکہ "بے غرض" ہونے کے بعد سویا ہے اس لئے لنچ سے پہلے اس کے اٹھنے کا کوئی امکان نہیں۔

لنچ کا وقت بھی ہو ہی رہا تھا للہذا میں نے اٹھ کر لباس تبدیل کیا یہ لباس اور ضرورت کی کچھ دوسری چیزیں میں نے ایرپورٹ سے ہوٹل آتے ہوئے راستے میں خرید لی تھیں۔ تیار ہو کر میں فرخ کے ساتھ اس کے کمرے میں گئی۔ منہاس کو جگایا اور پھر میں نے فون کر کے رضوان کو بھی وہیں بلوا لیا تاکہ سب مل کر کھانا کھائیں۔

میری اور رضوان کی موجودگی نے منہاس کو بھی ششدر کر دیا تھا لیکن میں نے اسے بھی ویسے ہی ٹلنے والے جوابات دیئے جیسے فرخ کو دے چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ منہاس ان جوابات سے مطمئن نہ ہوا ہوگا اور اس نے یہ بات محسوس کر لی ہوگی کہ میں اسے ٹال رہی ہوں لیکن اس کے یہ محسوس کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ اگر میں اسے حقائق سے باخبر کر دیتی تو یہ زیادہ حرج کی بات ہوتی۔

فلائٹ کسی وقت بھی روانگی کے لئے تیار ہو سکتی تھی اس لئے مسافروں کو باہر جانے سے روک دیا گیا تھا۔ ہم سب اس وقت تک ساتھ ہی رہے جب تک ایک ایر ہوسٹس مسافروں کے لئے بس لے کر نہیں پہنچ گئی۔

رضوان تو فرخ اور منہاس کو رخصت کرنے کے لئے ایرپورٹ تک گیا لیکن میں نے انھیں ہوٹل کے صدر دروازے ہی پہ الوداع کہہ دیا۔ یہاں میں فرخ سے جدا ہوتے ہوئے دل پہ کچھ زیادہ ہی بوجھ محسوس کر رہی تھی۔ فضا میں جیسے سوگواری کے "ذرات" اڑنے لگے تھے۔

بوجھل قدموں سے میں اپنے کمرے پر پہنچی تو ... وہاں ... منتظر تھا۔ اس کے جسم پر نفیس تراش کا سوٹ اور چہرے سے ذہانت و شرافت ٹپک رہی تھی۔ جب اس نے اپنا تعارف کرایا تو میں چونک گئی۔ وہ وزیر خارجہ کا سکریٹری تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وزیر خارجہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔

"کہاں ہیں وہ؟" میرے منہ سے بیساختہ نکلا۔

"وہ ایرپورٹ پر ہی ہیں" سکریٹری نے جواب دیا۔

یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وزیر خارجہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ بم کے سلسلے میں وہ اپنے طور پر مجھ سے پوچھ گچھ کرنا چاہتے ہوں گے بعض لوگ دوسروں پر کم اور اپنی ذات پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں۔ وزیر خارجہ کی فطرت کے بارے میں میں نے کچھ ایسی ہی باتیں سن رکھی تھیں۔

سکریٹری میرے پاس جس کار میں آیا تھا وہ ایرانی حکام نے اس کے لئے مہیا کی تھی۔ میں اس کے ساتھ اسی گاڑی میں بیٹھ کر تہران ایرپورٹ پہنچی۔ وی۔ آئی۔ پی روم میں وزیر خارجہ میرے منتظر تھے۔ انھوں نے اٹھ کر بڑی گرمجوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا اور رسمیات کو بالائے طاق رکھ کر خاصی بے تکلفی سے انگریزی میں بولے۔

"مس صبیحہ بانو! میں تہہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں معلوم ہوا ہے کہ طیارے میں بم کی موجودگی کا بروقت انکشاف آپ ہی نے کیا تھا۔"

"بس یہ نیکی میرے ہی حصے میں آنی تھی۔" میں نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔

"لیکن آپ کے پاس کچھ اور معلومات بھی ہیں جنہیں آپ شاید پریزیڈنٹ کے سامنے ظاہر کرنا چاہتی ہیں! ..... اوہ! ..... تشریف رکھیے نا!"

میں ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ مجھے بہت غور سے دیکھ رہے تھے اور ان کی تیز نظریں مجھے اپنے ذہن میں اترتی محسوس ہو رہی تھیں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو ان نظروں کی ذہن کو چھو لینے والی خصوصیت سے یقیناً گھبرا جاتا۔ گھبرا کر سب کچھ اگل دیتا لیکن میں جواب دینے سے پہلے پہلو بدل کر ذرا اطمینان سے بیٹھ گئی۔ ایک ملازم نے مشروبات کی ٹرے لا کر بڑے ادب سے پیش کی تھی اور میں نے اس میں سے ایک گلاس اٹھا لیا۔

"آپ نے ٹھیک ہی سنا ہے۔" میں نے مشروب کا ایک گھونٹ لے کر بڑے اطمینان سے کہا۔

"اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ اپنی معلومات سے مجھے بھی بہرہ ور ہونے کا موقع دیں تو شاید میری یہ درخواست آپ کی طبع نازک پر گراں گزرے گی اور میں چونکہ خواتین کے نازک احساسات کا خیال رکھنے کا قائل ہوں اس لئے صرف اتنا پوچھنا چاہوں گا کہ کیا وہ بم ..... واقعی میرے لئے تھا؟ ہاں یا نہ میں مختصر سا جواب دیجئے، میرے لئے کافی ہوگا۔"

وزیر خارجہ کا یہ خوبصورت انداز گفتگو مجھے بیحد پسند آیا اور میں مسکرا کر بولی "میں سمجھ رہی ہوں کہ آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اعتبار کرنے کے لئے ذہنی طور سے تیار ہیں تو میں عرض کر دوں گی کہ وہ بم آپ کے لئے ہرگز نہیں تھا۔ اگر آپ اس جہاز میں نہ بیٹھتے تو بھی وہ بم جہاز میں رکھا جاتا۔"

"شکریہ" وزیر خارجہ نے فوراً کہا "آپ نے میری بڑی مشکل حل کر دی۔ دراصل میں اپنے بارے میں اس خوش فہمی یا غلط فہمی کا شکار رہنے میں خاصا باخبر رہنے والا آدمی ہوں۔ میں کسی ایسی سازش سے بے خبر نہیں رہ سکتا جس کا جال میری ذات کے گرد بنا جائے۔ مجھے چونکہ اس کا علم نہیں ہو سکا تھا اس لئے وہ یقیناً آپ کے کسی عزیز کے لئے تھا۔ شاید آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ اس قابل ملامت حرکت میں کس کا ہاتھ ہے؟"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں اس شخص کو جانتی ہوں؟"

"اگر آپ انکار کر دیں تو میں چپ ہو جاؤں گا۔" وزیر خارجہ نے مسکرا کر کہا "دراصل یہ اندازہ ہم نے آپ کی اس ضد سے لگایا ہے کہ آپ اپنی معلومات صرف پریزیڈنٹ کے گوش گزار کرنا چاہتی ہیں۔ شاید آپ کو یقین ہے کہ مجرم کی گوشمالی پریزیڈنٹ کے سوا کوئی اور نہ کر سکے گا!"

وزیر خارجہ کے اس تجزیے پر میں نے دل ہی دل میں تحسین و آفرین کے کلمات دہرائے اور پھر مسکرا کر بولی "اگر میں نے آپ سے چند لمحے اور گفتگو کی تو مجھے یقین ہے کہ آپ مجرم کا نام بھی بتا دیں گے۔"

وزیر خارجہ کی ہنسی بڑی دلکش تھی۔ انھوں نے کہا "نہیں میں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔ دراصل پریزیڈنٹ کے گرد چاپلوسی کرنے والوں اور مفاد پرست مشورہ نوازوں کا جو جمگھٹا آج کل لگا ہوا ہے ان میں سے کسی ایک کا نام لینا صرف اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ مجھے کچھ اور معلومات حاصل ہو جائیں۔ مثلاً یہ کہ بم رکھنے کا مقصد کس شخصیت کو ختم کرنا تھا اور ...؟"

"... میں میری ایک ... کو اغوا کیا گیا تھا لیکن میری کوششوں نے ... کو برآمد کر لیا۔ ... اغوا کرنے والی شخصیت سے میری ... ملاقات ... گئی۔ میں نے اپنی دوست کو اس سے محفوظ رکھنے کے لئے ... میں امریکہ روانہ کر دیا۔ اس کا اس طرح ہاتھ سے نکل جانا اس ... کے لئے ناقابل برداشت تھا چنانچہ وہ یہ حرکت کر گزرا۔"

وزیر خارجہ کی آنکھوں کو ایسی چمک ابھری جیسے انھوں نے ... سمجھا ہو۔ جب انھوں نے لب کھولے تو میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ ... میرے خیال میں تو ایک ہی شخصیت ایسی ہے جو اتنی معمولی ... بات پر اتنی نامعقول حرکت کر بیٹھے مس بانو! مجھے ڈر ہے کہ شاید پریزیڈنٹ ... انصاف ... نظر انداز کر دیں۔ وہ شخصیت پریزیڈنٹ سے بہت ... آپ بھی جانتی ہوں گی۔"

"میں شکایت کے انداز میں بات کرنا بھی نہیں چاہتی۔ میں پریزیڈنٹ ... اس طرح آگاہ کر دوں گی جیسے ان کی مخلص ہوں۔"

وزیر خارجہ ... لمحے خاموش رہ کر کچھ سوچا پھر بولے "آپ ... ہے شاید آپ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہی رہیں۔"

میں اپنے مشروب کا آخری گھونٹ لے چکی تھی جیسے ہی میں نے گلاس ... وزیر خارجہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جہاز پہ میرا انتظار ہو رہا ہوگا ورنہ میں آپ سے کچھ دیر اور گفتگو کرتا۔ مجھے ... مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی ہے۔"

"اور میرے پاس تو اظہار مسرت کے لئے الفاظ ہی نہیں ہیں۔" میں نے ... کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ میں ان کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں آپ کا، اپنے ملک کا اور ساری قوم کا خادم ہوں۔ اگر کبھی آپ کو ... محسوس ہو تو مجھ تک پہنچنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہ کیجئے گا۔"

"شکریہ!"

"اور ہاں جب تک آپ پریزیڈنٹ سے نہ مل لیں احتیاط برتئے گا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کا دشمن اپنی شکست پر بری طرح تلملا رہا ہوگا۔ وہ کسی سانپ کی طرح خطرناک ہے۔"

ان کے اس اظہار تشویش اور مشورے پر میں نے ایک بار پھر ان کا شکریہ ادا کیا اور یوں یہ خوشگوار ملاقات اختتام کو پہنچی۔

جہاز کی روانگی تک میں ایرپورٹ پر ہی رکی رہی۔ رضوان بھی وہیں مل گیا تھا۔ مجھے وہاں دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تو میں نے اس کی حیرت رفع کرنے کے لئے وزیر خارجہ سے اپنی ملاقات کا ذکر کر دیا۔

یہ باتیں کرتے ہوئے میں ادھر ادھر بھی دیکھتی جا رہی تھی۔ اچانک میری نظر ایک ایسے آدمی پر پڑی جو بڑے غور سے ہم دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے مجھے اپنی طرف متوجہ پایا جلدی سے اپنا رخ بدل کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

وہ ایک چینی تھا۔ میرے اعصاب جھنجھنا گئے۔

ڈاکٹر فونگ! میرے ذہن میں ایک نام گونج گیا۔

۶۱

میں نے پہلے کبھی ڈاکٹر فونگ کو نہیں دیکھا تھا اس لئے اس بات پر یقین نہیں کر سکتی تھی کہ وہ چینی، ڈاکٹر فونگ ہی ہوگا، تاہم اس کی خصوصی توجہ کو محسوس کر کے میرے ذہن نے اس بات کی تصدیق کی کہ ... ڈاکٹر فونگ نہیں لیکن اس کا کوئی کارندہ ضرور ہے۔ زبیدہ بھی ڈاکٹر فونگ ... سے متعلق ثابت ہو چکی تھی اور وہ میرے پیچھے محض اس لئے پڑی تھی کہ میں نے اپنا تعلق، فوج سے ظاہر کیا تھا گویا میرا فوج سے متعلق ہونا ڈاکٹر فونگ کی دلچسپی کا باعث ہوا تھا اور یہ دلچسپی یقیناً مشکوک تھی۔

اب دیکھنا یہ تھا کہ ڈاکٹر فونگ کو ہماری فوج سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ میں نے سوچا، کہیں اس کی تنظیم، فوج سے متعلق افراد کی نگرانی اس لئے تو نہیں کرا رہی کہ ہماری فوج کے بارے میں اہم معلومات حاصل کر سکے اور پھر یہ معلومات کو ... کسی دشمن ملک کے ہاتھوں فروخت کر دے۔

اپنے ذہن میں ابھرنے والا یہ خیال میرے دل کو بھی باور آ گیا۔ ڈاکٹر فونگ کی تنظیم یا تو جاسوسی کا کاروبار کرتی تھی یا پھر وہ لوگ خود ہی کسی ایک دشمن ملک کے جاسوس تھے جو اس سرزمین پہ پنجے گاڑ کر اپنے ملک کی مقصد براری کے لئے راہ ہموار کر رہے تھے۔

تہران میں ڈاکٹر فونگ کے آدمی کی موجودگی، اس تنظیم کی بین الاقوامی وسعت کی طرف اشارہ کر رہی تھی اور اس اشارے کو محسوس کر کے میرے جسم میں سنسنی کی ہزاروں لہریں دوڑ گئی تھیں۔

چینی کے بارے میں جو رہا سہا شک تھا، اسے دور کرنے کے لئے میں نے راست اقدام کا فیصلہ کیا۔ میں ایسے موقعوں پر نفیس تھا کہنا پسند نہیں کرتی۔ میں کوئی تربیت یافتہ جاسوس تو ہوں نہیں کہ مجھے محتاط اقدامات کی عادت ہو۔ میں اپنی کسی بھی الجھن کو دور کرنے کے لئے سیدھا سادا راستہ اختیار کرتی ہوں چنانچہ اس وقت بھی میں نے ایسا ہی کیا۔

رضوان ... نہ جانے کیا کیا بتا رہا تھا لیکن میں خیالات

کے بحر میں اس حد تک ڈوب چکی تھی کہ اس کا ایک لفظ بھی نہیں سن سکی۔ میں نے اپنا رُخ بدلا تو رضوان چونک کر خاموش ہو گیا۔ میں نے تیزی سے قدم اٹھانا شروع کئے تو رضوان بھی کچھ کہے بغیر میرے پیچھے چل پڑا۔ میرا رُخ اُسی چینی کی طرف تھا۔ اس نے جب مجھے یوں اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو شاید بوکھلا گیا۔ یہ بوکھلاہٹ ہی تھی کہ وہ ظاہری طور پر بھی میری طرف متوجہ ہو گیا تھا اور اس کی بھنویں متحیرانہ انداز میں سکڑ گئی تھیں۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ وہ وہاں رُکا رہے یا بھاگ نکلے۔ شاید وہ بھاگ نکلنے ہی کا فیصلہ کرتا لیکن اس کے تذبذب کی کیفیت ختم ہونے سے پہلے ہی میں اس کے سر پر پہنچ گئی۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر تیزی سے اردو میں کہا۔ "تمہارا نام؟"

"کائی چیک۔" اس کے منہ سے بیساختہ نکلا اور پھر اس نے تیزی سے اپنا منہ بند کر لیا، جیسے اس سے کوئی زبردست غلطی سرزد ہو گئی ہو، اور وہ غلطی، اس کے سوا کیا ہو سکتی تھی کہ اپنا نام بتا کر اس نے اردو داں ہونے کا اعتراف کر لیا تھا۔

کسی چینی کا اردو داں ہونا اس بات پر دال تھا کہ وہ عرصۂ دراز تک، اردو بولے جانے والے کسی علاقے میں مقیم رہا ہے اور یا پھر اسے خاص طور سے اردو زبان سکھائی گئی ہے۔

"مسٹر... کائی... چیک!" میں الفاظ چباتی ہوئی بولی۔ "ڈاکٹر فونگ کو فون کرو یا ٹیلیگرام دو تو میری طرف سے آداب عرض کرنا، خیریت معلوم کرنا اور کہنا کہ اس نے مجھے چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔ اسے یہ بھی بتا دینا کہ میرے چالاک ترین دشمن مجھے چھلاوہ سمجھتے ہیں۔"

چینی کے چہرے کی زردی کچھ اور گہری ہو گئی۔ اس کی یہ کیفیت محسوس کر کے مجھے پوری طرح باور آ گیا کہ وہ ڈاکٹر فونگ ہی کا آدمی ہے۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور اٹک اٹک کر بولا۔ "مجھے نہیں معلوم... آپ کس کا ذکر... کر رہی ہیں۔"

"تمہارے منہ سے دودھ کی بو آ رہی ہے۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "ڈاکٹر فونگ سے یہ بھی کہنا کہ وہ اپنے آدمیوں کو اچھی طرح تربیت دے۔ دودھ پیتے بچوں کو میرے پیچھے لگانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

چینی نے پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تھا لیکن مجھے اب وہاں رُکنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا، وہ کر چکی تھی۔ میں تیزی سے دوسری طرف مُڑ گئی۔ اب میرا رُخ ایئرپورٹ سے باہر نکلنے کے راستے کی طرف تھا۔

رضوان مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھتا ہوا میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا لیکن میری خاموشی کے تسلسل نے اسے بولنے پر مجبور کر دیا۔

"کیا معاملہ تھا؟" اس نے پوچھا۔

"ذاتی نوعیت کی بات ہے۔" میں نے ٹالنے کے لئے کہا۔

لیکن رضوان اتنی آسانی سے ٹل جانے والی ہستی کہاں تھی! وہ بڑبڑاتا ہوا بولا۔ "یہ فونگ کون ہے اور اس کا اس آدمی سے کیا تعلق ہے؟"

"اگر معلوم کر لو تو تمہارے اخبار کے لئے ایک اچھی سی کہانی ہو جائے گی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

لیکن رضوان اب نہ صرف سنجیدہ بلکہ کچھ فکرمند بھی نظر آ رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "بے شک چین سب سے بڑا، سب سے عظیم دوست ہے اور وہاں کے عوام بھی ہمارے دل سے دور نہیں لیکن یہ دو ٹکے چینی بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ اگر تم کسی گروہ کو چھیڑ بیٹھی ہو تو یہ تم نے بہت برا کیا ہے۔"

خود مجھے بھی اس بات کا احساس تھا کہ میں نے ڈاکٹر فونگ کے معاملے میں الجھ کر اپنے آپ کو ایک خطرناک سچویشن میں ڈال دیا ہے۔ اس کے آدمی سے یوں دو ٹوک بات کرنا تو فونگ کو للکارنے ہی کے مترادف تھا لیکن یہ بات بھی بالکل صاف ہے کہ اس سلسلے میں میرے کسی ارادے کو دخل نہیں تھا۔ زبیدہ خود ہی میرے پیچھے لگی تھی اور جب اس کی [illegible] کا اسرار سامنے آیا تھا تو میری متجسس فطرت بیدار ہو گئی تھی۔ میں نے اس کی زبان کھلوانے کے لئے اسے کمانڈر حق کے حوالے کر دیا تھا۔ گو کہ وہ کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہوئی تھی لیکن اس کی زبان سے نکلنے والے ایک نام "یو وکٹر" نے مجھے ڈاکٹر فونگ تک پہنچا دیا تھا اور اب ڈاکٹر فونگ کے آدمی میرے تعاقب میں تہران تک آ پہنچے تھے۔ گویا چھیڑ چھاڑ اُس کی طرف سے ہوئی تھی اور اب میری انا یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ خطرات سے منہ چھپا کر بیٹھ جاؤں۔ ملک دشمن عناصر کے معاملے میں کوئی بھی اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا اور میرے معاملے کا تو ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مجھے مردوں کو نیچا دکھا کر بڑی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ میں ان لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتی جو مجھے کمتر درجے کی مخلوق سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔

جب ہم ایئرپورٹ سے ٹیکسی میں بیٹھ کر ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے تو کچھ دیر بعد رضوان نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "ہمارا تعاقب ہو رہا ہے؟"

"ہونے دو۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "ہمیں یہاں صرف چند گھنٹے گزارنے ہیں۔ ان چند گھنٹوں میں ہمیں کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا۔ یہاں پر ہمیں چھیڑنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔"

یہ بات میں نے کہہ تو دی تھی لیکن مجھے خود اس کا یقین نہیں تھا۔ بعد کے حالات نے ثابت بھی کر دیا کہ میں نے رضوان سے ایک غلط بات کہی تھی۔

فونگ کے آدمی نے ہوٹل تک ہمارا تعاقب کیا اور پھر اس کی [illegible] وہاں رُکے بغیر آگے نکلی چلی گئی۔

چائے کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے رضوان کو اپنے ساتھ چائے پینے کی دعوت دی جو اس نے قبول کر لی۔ میرے کمرے کے سامنے اسے اچانک خیال آیا کہ اس کے پاس سگریٹ ختم ہو گئے ہیں۔

"میں ابھی دو منٹ میں آیا۔ اپنے کمرے سے سگریٹ لے آؤں۔"

اُس نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

میں مدھم سروں میں فرینک سناٹرا کا ایک گیت گنگناتی ہوئی اپنے کمرے کا قفل کھولنے لگی۔ فرخ کو بخیر و عافیت روانہ کرنے کے بعد میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ گو کہ ایئرپورٹ پر ڈاکٹر فونگ کے آدمی سے مڈبھیڑ نے میرے اعصاب کشیدہ کر دیئے تھے لیکن یہ وقتی بات تھی۔ اب میں نے اسے بھی فراموش کر دیا تھا اور ایک [illegible] کی مورت میرے ذہن کے نہاں خانے سے ابھر کر شعور کی [illegible] کرنے لگی تھی۔ اس مورت کا نام مہربانو تھا۔ وہ ایئر ہوسٹس [illegible] طیارے میں مجھ سے لگاوٹ کی باتیں کی تھیں اور جس کا بدن دیکھ کر [illegible] محسوس ہوا تھا جیسے اُس کو میری خواہشوں کے سانچے میں تراشا [illegible]۔ اسے دیکھ کر میں نے تمنا کی تھی کہ وہ کبھی میری تنہائی کی رفیق بنے۔

جیسے ہی میں نے کمرے میں قدم رکھا، مجھے وہاں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں ٹھٹھک کر رُک گئی۔ بند کمرے میں کسی کی موجودگی [illegible] کی علامت معلوم ہوتی تھی۔ میں نے متوقع خطرے سے بچنے کے لئے خود کو پوری طرح آمادہ کر لیا لیکن اسی لمحے وہ شخصیت مجھے نظر آ گئی جس کے نظر آتے ہی میرا اعصابی تناؤ ختم ہو گیا۔

وہ مہربانو تھی!

بے اختیار ایک ضرب المثل میرے ذہن میں کلبلائی لیکن میں نے اسے ابھرنے سے پہلے ہی کچل دیا کیونکہ اس کہاوت کو ایک دلربا وجود پر بھی منطبق نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مہربانو ایک ہلکے پھلکے گاؤن میں ملبوس، کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ باہر کی ہلکی ہلکی روشنی، کھڑکی کے جالی دار پردے سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ ملگجی سی چاندنی سے مشابہہ اس روشنی میں مہربانو کو دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وینس کا مجسمہ مجھے دعوت نظارہ دے رہا ہو۔ اس کے گاؤن کی تراش خراش کچھ ایسی تھی کہ جسم کا تناسب اور [illegible] انتہائی باغیانہ انداز میں اپنی پوشش کو رد کر رہے تھے۔

"آیئے!" وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"تم یہاں کیسے آ گئیں؟" میرے لہجے میں استعجاب رچا ہوا تھا۔

"مجھے آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔" مہربانو نے گاؤن کی ڈوری [illegible] ہوئے جواب دیا۔ "میرا خیال تھا کہ آپ مجھے اچانک یہاں پا کر حیران ہوں گی اور خوش بھی اس لئے میں نے کمرہ، بیرے سے کھلوا لیا تھا۔ ایک تومان (ایرانی سکہ) کی قربانی دینا پڑی تھی اور تھوڑا سا جھوٹ [illegible] تھا۔ کیا آپ مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئیں؟"

"پل بھر کے لئے تو ڈر ہی گئی تھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مہربانو ہنس پڑی۔ ہنسنے کے انداز میں بڑی سیکس اپیل تھی۔ [illegible] رگ و پے میں نشہ انگیز لہریں دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور یہ لہریں میرے لئے اجنبی نہیں تھیں۔ میں مخمور انداز میں آگے [illegible] بولی۔

"مجھے تمہارے آنے کی امید نہیں رہی تھی۔"

"شاید اس لئے کہ میں دوپہر کو آپ کے پاس نہیں آ سکی اور نہ ہی میں نے آپ سے فون پر رابطہ قائم کیا۔"

"شاید یہی وجہ ہو۔" میں بستر پر بیٹھ گئی جو مسکا ہوا تھا۔ مہربانو میرے انتظار میں بستر پر لیٹ گئی ہو گی۔ ایسی بے تکلفی مجھے پسند نہیں لیکن میری اس ناپسندیدگی کا اطلاق مہ جبینوں پر نہیں ہوتا۔

"کاش، یہاں ہمارا قیام کل صبح تک کے لئے ہوتا۔" مہربانو نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اب تو صرف چند گھنٹے ہیں۔"

"چند گھنٹے بھی بہت ہیں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "لیکن اس وقت تمہاری یہاں موجودگی نے مجھے ایک مشکل سچویشن میں پھنسا دیا ہے۔"

"کیسی سچویشن؟" مہربانو چونک کر بولی۔

"میں اپنے ساتھی کو چائے کی دعوت دے چکی ہوں۔ وہ سگریٹ لینے کے لئے اپنے کمرے میں گیا ہے اور بس آیا ہی چاہتا ہے۔"

"اوہ!" مہربانو نے اس طرح اطمینان کی سانس لی جیسے یہ کوئی اہم مسئلہ نہ ہو، پھر بولی۔ "میں ابھی آپ کی یہ مشکل دور کئے دیتی ہوں۔"

میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کیا کرے گی۔ اس نے بھی مجھے کچھ نہیں بتایا اور اس کونے کی طرف چلی گئی جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ وہ ریسیور اٹھا کر شاید آپریٹر سے باتیں کرنے لگی۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے رضوان کے سلسلے میں جس تشویش کا اظہار کیا تھا وہ مصنوعی تشویش تھی۔ رضوان کو ٹالنا میرے لئے ذرا بھی مشکل نہیں تھا لہٰذا میں نے اس بات پر بھی دھیان نہیں دیا کہ مہربانو کیا کرنا چاہتی تھی۔ میں بستر سے اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

واش بیسن میں منہ ہاتھ دھو کر میں نے خود کو لباس کی قید سے آزاد کیا اور گاؤن پہن لیا۔ میرا خیال تھا کہ مہربانو بھی صرف گاؤن پر تکیہ کئے ہوئے ہے۔

جب میں دوبارہ خوابگاہ میں داخل ہوئی تو میں نے مہربانو کو بستر پر نیم دراز پایا۔ اس کا گاؤن کئی جگہ سے کھلا ہوا تھا۔ وہ کھلے ہوئے حصے صاف و شفاف سنگ مرمر کی یادوں کو جلا بخشنے پر قادر تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے سنگ مرمر پر شفق کی چھوٹ پڑ رہی ہو۔ میرا دوران خون تیز ہو گیا اور جسم کے نامعلوم حصوں میں جمی ہوئی حدت پگھلنے لگی۔

"میں نے آپ کے ساتھی کا بندوبست کر دیا ہے۔" مہربانو مسکرا کر بولی۔

"وہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"ویٹر کو فون کر کے چائے ان کے کمرے میں ہی بھجوا دی ہے۔ عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ وہ سمجھ جائیں گے کہ آپ اچانک آرام کرنے کے موڈ میں آ گئی ہیں لہٰذا اب وہ آپ کو ڈسٹرب نہیں کریں گے۔"

میں نے مہربانو کی اس شوخ تدبیر پر پسندیدگی کے انداز میں سر

ہلایا اور مسکرا دی۔

"تھینکس بانو! اب کچھ دیر آرام کر لیجیے!" مہر بانو نے کہا اور کروٹ لیکر اوندھی لیٹ گئی۔ کروٹ لینے سے گاؤن کا نچلا حصہ دائیں ٹانگ پر سے سرک گیا اور ساقِ سیمیں گھٹنے تک آشکارا ہو گئی۔ بظاہر یہ سہواً معلوم ہوا تھا لیکن میں خوب جانتی تھی کہ یہ ارادی دعوتِ نظارہ ہے۔ اس نظارے میں پکار کی استعداد بدرجہ اتم موجود تھی۔ میں نے والہانہ انداز میں اس پکار پر لبیک کہا اور مہر بانو پر یوں جا گری جیسے کوئی تشنہ دہن صحرا میں اچانک کسی ٹھنڈے چشمے کو دیکھ کر اس پر جا گرتا ہے۔ میں مہر بانو کی سڈول ساقِ سیمیں کی ایک ہی جھلک دیکھ کر جھرجھری سی لیکر رہ گئی تھی، میرے لبوں کی بیتابیاں مہر بانو کی گردن پر آشکارا ہوئیں تو وہ جیسے تڑپ کر سیدھی ہو گئی اور دو وجود کبڑا کی مانند ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ لبوں کے خطِ اتصال پر خواہشوں کا الاؤ دہکنے لگا۔ حلاوت کے یہ گھونٹ پیاس کو بجھا اور بھڑکانے لگے۔

"مہر!" میری سرگوشی میں طوفانی ہواؤں کی سی سنسناہٹ تھی۔

"بانو!" اُدھر بھی ایک سمندر ہانپ رہا تھا۔

"تم مجھے پاگل کر دو گی!" میں نے کہا۔

"کچھ میری خبر بھی لیجیے!"

"ہوش سے تو بیگانہ کیے دے رہی ہو!"

"کوئی میرا عالم تو دیکھے!"

مہر بانو کے ہاتھ میری گردن سے پھسل گئے۔ ڈھیلے ڈھالے گاؤن کا گریبان انہیں روکنے سے قاصر تھا، میرے شباب کی رفعتوں پر ان کا لمسِ آوارگی جنون خیز ہوتا چلا گیا۔ اس جنون نے میرے ہاتھوں کو بھی بے قابو کر دیا۔ مہر بانو کے گلہائے شباب پر جیسے بھونرے منڈلانے لگے۔ راکھ میں دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا ملی تو شعلے بھڑکنے لگے۔ یہ شعلے گاؤن کی قیود کو ناگوار محسوس کر رہے تھے۔ مہر بانو نے اس بے موقع رکاوٹ کو مجھ سے پہلے محسوس کیا اور اس کی انگلیوں کی ایک جنبش نے مجھے ہر قید سے آزاد کر دیا۔ اب میری باری تھی۔ میں نے مہر بانو کو ابتدائے آفرینش کی طرف لوٹا دیا اور اس کے جلوۂ بے محابہ سے میری آنکھیں جل اٹھیں۔ مہر بانو کی آنکھیں سرخ ہوتی جا رہی تھیں۔ شراب جیسے سرخ ڈوروں میں ڈھلتی جا رہی تھی۔ چشمِ غزالاں میں اترتے ہوئے میخانے مجھے مدہوش کیے دے رہے تھے۔

"جانِ من!" میری آواز میں لرزش تھی۔

"جانانِ من!" مہر بانو کے ساعدِ سیمیں نے مجھے بھینچ ڈالنا چاہا۔

یہ شباب در شباب کی منزل تھی۔ گداز نے گداز کو پا لیا تھا۔ ہونٹوں سے ہونٹوں کی سرگوشیاں مکمل ہو چکی تھیں۔ کہانی اب آگے بڑھنے لگی۔ برق کی لہریں، اضطراب میں متشکل ہو چکی تھیں۔ بستر پر اضطراب بل کھانے لگا، آرزوؤں کا پارہ مچلنے لگا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پُرشور ندیاں کہہ نکلی ہوں اور طوفانِ باد و باراں میں برق چمک رہی ہو۔

یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا۔ مہر بانو بہت فعال ثابت ہوئی۔ میں نے ... سب لڑکیوں سے مختلف پایا جواب تک میں آ چکی تھیں۔ کئی بار مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے مہر بانو میرا بدن نہیں بلکہ میں خود ہی مہر بانو کا شکار ہوں۔ وہ جیسے ٹوٹ ٹوٹ کر مجھے پر تھی۔ میرے بدن کا ایک ایک رُواں اس کے لبوں کا مشکور ہوا۔ ... لب اس کو اتنا سرگرم جواب نہ دے سکے۔ میرے ہاتھوں کی آوارگی کے ہاتھوں کی دیوانگی سے شکست پر شکست کھا رہی تھی لیکن ایسی ... کھانے کو جی چاہتا ہے۔ اس شکست میں مہر بانو کی بدمزگی کا کو ہو تو ہو، مجھ پر تو لذت و سرشاری کے در کھل گئے تھے۔ شکست میری مشامِ جاں کو معطر کرتا رہا۔ مہر بانو کی فتح کا پرچم میری آسودگی در و بام پر لہراتا رہا۔ دیوانگی بڑھتی رہی۔ جنون کے آفتاب کی ... جسم، پسینے پسینے ہو گئے۔ بال بکھر گئے اور بستر کی ہزار ہا شکنوں کی تفسیر مکمل ہوئی۔

ایک گھنٹہ جیسے پر لگا کر اُڑ گیا۔

اب مجھ پر ایسی نشہ انگیز تھکن طاری تھی جیسے کسی نے جسم کا سب کچھ نچوڑ لیا ہو۔ مہر بانو کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ ڈوبے ہوئے بدن بڑی دیر تک موسیقی جاری رہے اور کمرے کے سکوت میں صرف تیز سانسوں کی بازگشت حکمراں رہی۔ اس عالم نصف گھنٹہ گزارنے کے بعد حرکت کی سکت پیدا ہوئی۔ میں نے ... کے گال پر اپنی محبت نثار کی اور بستر سے اٹھ گئی۔ مہر بانو بھی اٹھی، اُدھر بکھرے ہوئے گاؤن پھر لپیٹنے فرائضِ منصبی سے آگاہ ہوئے۔

"حلق خشک ہو رہا ہے بانو! کچھ پلائیے!" مہر بانو نڈھال میں بولی۔

"کیا ہو گی؟" میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر لٹ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو کیا پسند ہے؟" مہر بانو نے اپنے گاؤن کی ڈوری ... ہوئے سوال کیا۔

میں نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے چھوٹی بڑی دو تین بوتلیں نکالیں اور کہا "میں اپنے پاس سب ہی کچھ رکھتی ہوں لیکن مجھے شیری پسند ..."

"مجھے تو یہ دیجیے گا!" اس نے ایک بوتل کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تو پورٹ ہے!"

"جی ہاں!"

"پورٹ اور شیری میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا، تو پھر تم ساتھ کیوں نہ دو!" میں نے کہتے ہوئے شیری کی بوتل میز پر رکھی اور باقی بوتلیں واپس دراز میں رکھنے لگی۔

"نہیں نہیں، میں پورٹ پیوں گی!" مہر بانو پہلو بدل کر ... اس کا اضطراب مجھے بڑا عجیب معلوم ہوا لیکن میں نے اس پر توجہ نہیں دی اور پورٹ کی بوتل نکال کر شیری کی بوتل رکھ دی۔

... کیا آپ نہیں پئیں گی؟" مہر بانو بے اختیار بولی۔

... ٹ پی لوں گی۔ تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتیں تو میں ... رہی ہوں!"

مہر بانو ہنستی ہوئی اٹھی اور سائیڈ ٹیبل کے قریب آ کر اس ... کی بوتل نکالتی ہوئی بولی "آپ شیری ہی پیجیے!"

... فرق پڑتا ہے مہر!" میں نے بڑے پیار سے کہا "یقین ... ناز ذرا بھی گراں نہیں گزرے گا!"

... بار گزرے لیکن جب آپ شیری کی عادی ہیں تو شیری ...

... اضطراب کے بعد مجھے اس کا یہ اصرار بھی کچھ عجیب محسوس ... ہونے لگا۔

... دونوں بوتلیں کھولیں اور انہیں یکے بعد دیگرے ... دو گلاسوں میں انڈیلا۔

... ہیں آپ؟" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ...

... خاص بات نہیں!" میں نے مسکرا کر کہا "بس یونہی مجھے اچانک ... واقعی تمہیں مرد بالکل پسند نہیں ہیں؟"

... نفرت ہے۔ یہ وحشی تو عورتوں کو بھینس کر رکھ دیتے ہیں!" ... کہا۔

... تم کبھی کسی مرد کے قریب نہیں ہوئیں؟"

...

... کا منہ تکتی رہ گئی۔ میری نظر میں اس کا یہ بیان مشتبہ ... یہ بات محسوس کر لی تھی کہ اس کی دوشیزگی کسی مرد ... ہے۔

... شیری کا گلاس میری طرف بڑھا دیا اور خود پورٹ کا ... ہونٹوں سے لگانے ہی والی تھی کہ میں نے اس کی ...

... تم میرے ساتھ شیری ہی پیو!" میں نے کہا۔

... کا اس حرکت پر مہر بانو کو ہنس پڑنا چاہیے تھا۔ اس ... تھوڑی سی متعجب بھی ہو سکتی تھی لیکن میں نے اس کی ... خوف کو لہراتے دیکھا۔

... وہ سنبھل کر بولی "میں پورٹ ہی پیوں گی!"

... ٹ سے زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔ تم پی کر تو دیکھو!"

... پی چکی ہوں لیکن یہ مجھے کبھی پسند نہیں آئی!" مہر بانو ... بولی۔

... ساتھ بھی پی کر دیکھو، میری خاطر، ذرا سی تو چکھو!

پھر منع کر دینا۔ میں دوبارہ اصرار نہیں کروں گی!" میں نے اپنا گلاس اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

مہر بانو کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اس کی آنکھوں سے خوف کے ساتھ الجھن بھی ہویدا تھی۔ شاید اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور اِدھر مجھے اب یقین آ چکا تھا کہ وہ میرے گلاس سے شراب پینے پر کسی طرح بھی آمادہ نہیں ہو گی۔ اس کا یہ احتراز اس کے دل میں چھپے ہوئے کسی چور کی طرف اشارہ کر رہا تھا اور وہ چور اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ اس نے شراب میں کچھ ملا دیا ہو۔ یہ کام اس کے لیے مشکل نہیں تھا کیونکہ وہ میری عدم موجودگی میں یہاں آئی تھی۔ گو کہ بوتل کو میں نے بند ہی پایا تھا لیکن میں خود بھی ایسے طریقوں سے واقف ہوں کہ کچھ ملا دینے کے بعد بھی بوتل بند کی بند محسوس ہو۔

"ب.... بانو!" مہر بانو ہکلائی۔

"لو پیو!" میرے لہجے میں سختی آ گئی۔

اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں چونک پڑی۔ کیا آنے والا رضوان ہو سکتا ہے؟ میں نے سوچا اور یہ سوچتے ہی مجھے یاد آیا کہ رضوان کے لئے جانے کا انتظام مہر بانو نے کروا دیا تھا۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ اکیلی نہیں تھی تو سوچا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھی سے رضوان کو بھی زہر دلوانے کی کوشش کی ہو گی۔ ایسی صورت میں دروازے پر دستک دینے والا مہر بانو کا ساتھی بھی ہو سکتا تھا۔

دستک پھر ہوئی۔ اس مرتبہ دستک دینے کے انداز میں اضطراب ... جھلک تھی۔ میں نے مہر بانو کے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھے مگر اس الجھن کو کسی قسم کے معنی نہ پہنا سکی اور شیری کا گلاس میز پر رکھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

دروازہ کھولتے وقت میں ہر قسم کی سچویشن سے دو چار ہونے کے لئے تیار تھی۔ اگر نو وارد کے ہاتھ میں ریوالور دکھائی دیتا تو میں چشم زدن میں اس پر جھپٹ پڑتی۔

دروازے کے باہر، توقع کے مطابق ایک اجنبی ہی دکھائی دیا مگر اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ شخصیت بڑی وجیہہ اور پُروقار تھی۔ لباس بڑی حد تک پُرتکلف تھا۔ اس کے پیچھے دو آدمی مؤدبانہ انداز میں ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

میں کچھ کہے بغیر اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتی رہی۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟" اجنبی نے بڑے شائستہ انداز میں پوچھا لیکن انداز سو فیصدی رسمی تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ منفی جواب سننے کا عادی نہ ہو۔

میں نے قدرے توقف کے بعد اس کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ وہ آہستہ آہستہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور سیدھا اس طرف بڑھ گیا جہاں مہر بانو ابھی تک اپنا گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے تھی لیکن اب وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"گویا میں عین وقت پر پہنچا ہوں" اجنبی نے قدرے تیز آواز میں کہا اور مڑ کر میری طرف دیکھا۔ اس کی شائستگی برقرار تھی لیکن پھر بھی اس کی شخصیت کا کوئی پہلو ایسا ضرور تھا جس نے میرے ذہن میں ایک کھٹک پیدا کر دی تھی۔ اس نے اب تک اپنا تعارف نہیں کرایا تھا۔ ممکن ہے کہ اس بات کو میرے لاشعور نے کچھ ناگوار محسوس کیا ہو۔ اس کی حرکات و سکنات اور انداز گفتار کا بے پناہ اعتماد بھی میری طبیعت پر گراں گزر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی تکبرانہ چمک تھی جیسے وہ کسی کو خاطر میں لانے کا عادی نہ ہو اور اس وقت میرا وجود بھی اس کی نظروں میں ایک حقیر نقطے سے زیادہ اہم نہ رہا ہو۔

میری خاموشی غالباً اسے پسند نہیں آئی کیونکہ اب وہ بولا تو اس کے لہجے کی شائستگی کچھ اڑی اڑی سی تھی "شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ میں نے بروقت پہنچ کر آپ کی جان بچائی ہے۔ اگر مجھے ایک منٹ کی بھی دیر ہو جاتی تو آپ یہاں خون تھوکتی ہوئی نظر آتیں۔"

"اپنی ذات سے بے خبری کو میں کفر سمجھتی ہوں" میں نے بڑے طنطنے سے کہا۔

"تو کیا آپ کو علم تھا؟" اجنبی نے حیرت کا اظہار کیا۔

"میرا نام صبیحہ بانو ہے اور میں اپنی حفاظت کرنا خوب جانتی ہوں۔"

"اوہ!" اجنبی کو جیسے کچھ خیال آ گیا "میرا نام مرتضیٰ ہے۔ یہاں کے لوگ مجھے آقائے مرتضیٰ کے نام سے پکارتے ہیں" اس نے غور سے میری طرف دیکھا "تہران میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو میرے نام سے واقف نہ ہو۔ میں ایک تاجر ہوں لیکن تجارت سے میری دلچسپی برائے نام ہے۔ یہ گندا دینے والا کام میرے کارندے انجام دیتے ہیں۔ میں تو محض آپ جیسی ذہین اور نازک ہستیوں کی خدمت کے لئے وقف ہوں۔" شائستگی کا ملمع اترنے لگا اور اس کی جگہ عامیانہ انداز نے لے لی۔

"شکریہ" میں نے خشک لہجے میں کہا "مجھے آپ کی خدمت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ بہت ناشکر گزار ہیں!" آقائے مرتضیٰ کے لہجے میں شکایت کا عنصر عود کر آیا اور مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی کیونکہ میں شکایت کو کمزوری کی علامت سمجھتی ہوں۔ اس شکایت کا مطلب یہ تھا کہ آقائے مرتضیٰ کی شائستگی کے بعد ان کی خود اعتمادی کا ستون بھی لرزنے لگا تھا۔

اس گفتگو کے دوران میں مہر بانو نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہیں کی تھی لیکن اس کا چہرہ بار بار رنگ بدل رہا تھا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش میں ایک ثانیے کے لئے کامیاب ہوتی تھی تو دوسرے ثانیے میں پھر گھبراہٹ کا غلبہ ہو جاتا تھا۔

"میں آپ کا شکریہ کس سلسلے میں ادا کروں!" میں نے آقائے مرتضیٰ کی بات کے جواب میں کہا۔ میرے لہجے میں تمسخر تھا "میں نے تو آپ کو خدمت گزاری کا کوئی موقع نہیں دیا اور نہ دینا چاہتی ہوں۔"

"آپ شاید اس کمرے میں ہونے والے ڈرامے سے!"

آقائے مرتضیٰ نے مسکرا کر کہا "چلئے میں مانے لیتا ہوں لیکن آپ کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ وہ آپ کی طرح باخبر ہرگز نہیں"

"اوہ! تو کیا رضوان ...." میں ایک لمحے کے لئے بوکھلا دوسرے ہی لمحے میں نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے جملہ ادھورا دیا۔ مجھے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اگر رضوان کو تو آقائے مرتضیٰ اس طرح اس کا تذکرہ نہ کرتا۔

"آپ بے فکر رہیں" اس نے میرے اطمینان کو تقویت آلود چائے کی پیالی عین اس وقت اس کے ہاتھ سے لے لی گر، وہ اس کا پہلا گھونٹ لینے ہی والا تھا"

"شکریہ" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "ویسے سے توقع کرتی ہوں کہ وہ اپنے بہترین محافظ ثابت ہوں، جائیں تو یہ ان کی اپنی غلطی ہو گی جس کی سزا بھی انہیں خود ہی کرنی چاہیئے۔"

"درست، لیکن آپ کے یہاں کی ایک مثل ہے کہ گیہوں گھن بھی پس جاتا ہے اور پس جانے میں گھن بے چارے کی نہیں ہوتی۔ وہ تو گیہوں کے التفات میں مارا جاتا ہے۔"

مجھے ہنسی آ گئی۔ آقائے مرتضیٰ ذہین اور دلچسپ شخص

"ہنستے ہوئے آپ بہت اچھی لگتی ہیں" وہ بولا

اس تبصرے پر میں بھنا گئی۔ یہ عامیانہ انداز برداشت سے باہر تھا لیکن میں یہ بھی جاننا چاہتی تھی کہ یہ شخص آدھمکا ہے؟ مجھ میں اس کی دلچسپی کی نوعیت کیا ہے؟ رضوان اس کی باخبری کس خانے میں فٹ ہوتی ہے اور اسے مہر بانو کی کا علم کیسے ہوا؟

آقائے مرتضیٰ نے شاید میرے چہرے سے میری جھنجھلا لگا لیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیلنے پھر سنجیدہ ہو گیا اور مہر بانو کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا "ان جان سے مارنے کی کوشش کی تھی لہٰذا اب انہیں اس کی سزا بھی

میں چپ رہی۔ مجھے دیکھنا تھا کہ آخر یہ شخص چاہتا

آقائے مرتضیٰ اپنے آدمیوں کی طرف مڑا جو دروازے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ اس کا اشارہ پا کر قریب آ گئے۔ آقائے سے شیری کا گلاس اٹھا لیا۔ مہر بانو اب لرزہ براندام تھی سے خوف جھانکنے لگا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے ہاتھ سے اپنا چکی تھی۔

آقائے مرتضیٰ نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر کہا "چکھا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ اس کام میں ہمارے ساتھ کریں گی۔"

ان دونوں آدمیوں نے اشارہ سمجھ لیا اور مہر بانو

ہنستی چلی گئی اور دیوار سے جا لگی۔ وہ دونوں بھی اس ایک نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور دوسرے نے پیچھے سے اب وہ ہل بھی نہیں سکتی تھی۔

منصوبے سے آگاہ ہونے کے بعد اب مجھے مہر بانو سے ہمدردی سکتی تھی لیکن اس کی موت سے مجھے کوئی فائدہ نہیں اس کی زندگی میرے کام آ سکتی تھی۔ صرف اسی سے مجھے میرے قتل کی ذمے داری کس نے سونپی تھی کیپٹن آفاق

!

دونوں آدمیوں کی گرفت میں بری طرح مچل رہی تھی اور امانہ انداز میں شراب کے گلاس کو اس کے ہونٹوں سے

اسا۔

مرتضیٰ!" میں ہاتھ اٹھا کر بولی "مجھے مہر بانو سے

مڑ کر میری طرف دیکھا اور چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد کر بولا "اچھی بات ہے۔ میں تھوڑی دیر انتظار لڑکی کو یہ گلاس تو خالی کرنا ہی پڑے گا" آقائے مرتضیٰ لہجہ تھا۔

مہر بانو کے قریب پہنچ گئی اور ان دونوں آدمیوں دیں۔ وہ دونوں استفہامیہ نظروں سے اپنے آقا کی

آقائے مرتضیٰ نے کہا۔

مہر بانو کو چھوڑ کر الگ ہٹ گئے۔ وہ بری طرح سہمی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ وہ گڑگڑاتی ہوئی بولی۔ بچا لیجئے! میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔ بس آپ بچا لیں۔"

مرتضیٰ سرد لہجے میں بولا "یہ خاتون اس قسم کا کوئی نہیں ہیں۔"

اس نے آقائے مرتضیٰ کی طرف دیکھا اور پھر مہر بانو مضبوط لہجے میں بولی "میں وعدہ کرتی ہوں۔"

ان کے پیش نظر میں آقائے مرتضیٰ ہی با اثر ... "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے مصداق مہر بانو ... اور فر فر وہ سب کچھ اگلتی چلی گئی جس کا علم میں نے

وہ میری توقع کے عین مطابق تھا۔ اسے اور اس گروپ میں، جس آفیسر نے شامل کرایا تھا، اس ... کے ساتھ دیکھ چکی تھی زہر بھی اسی آفیسر نے ... کے لئے اس قسم کے کئی کام کر چکی تھی۔ اس مرتبہ ... ساتھی بھی مہیا کیا گیا تھا جو ہوٹل کے بیرے کی وردی میں رضوان کے لئے چائے لیکر گیا تھا۔

میں نے مہر بانو کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا "اگر میں زہر آلود شراب پی لیتی تو کیا تمہیں کسی کو اس امر کی اطلاع دینی تھی؟"

مہر بانو نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کسے؟" میں نے پوچھا۔

"اسی آفیسر کو" مہر بانو نے نظریں جھکا کر جواب دیا "فون کرنا پڑتا۔"

"اس کے نمبر بتاؤ۔"

مہر بانو نے نمبر بتایا جو میں نے ذہنی طور پر کئی مرتبہ دہرا کر یاد کر لیا اور پھر بولی "کیا تم نے صرف شیری کی بوتل میں زہر ملایا تھا؟"

"نہیں" مہر بانو نے جواب دیا "پورٹ کے علاوہ ساری بوتلیں زہر آلود ہیں۔"

"اگر میں پورٹ ہی کا انتخاب کرتی؟"

"یہ ایک چانس تو لینا ہی تھا" مہر بانو نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہوں" میں ایک طویل سانس لیکر کچھ سوچنے لگی۔

آقائے مرتضیٰ بولا "آپ کو جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ غالباً آپ معلوم کر چکی ہیں!"

"ہاں" میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا "لیکن اب آپ مہر بانو کو زہر نہیں دیں گے۔ میں نے اس کی جان بچانے کا وعدہ کیا تھا اور میں اپنے وعدے کی پابند رہتی ہوں۔"

"لیکن میں آپ کے وعدے کا پابند نہیں ہوں" آقائے مرتضیٰ نے ترش روئی سے جواب دیا "میں نے اس لڑکی کے لئے موت کی سزا تجویز کی ہے اور میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔"

آقائے مرتضیٰ اب بڑے بھیانک روپ میں سامنے آ رہا تھا۔ مجھے ایسی بات محسوس ہو رہی تھی جیسے مہر بانو کو زہر پلانا، مرتضیٰ کی زندگی کا کوئی اہم فریضہ ہو۔ اس کے چہرے کے تاثرات بڑے خوفناک ہو گئے تھے۔ وہ غراتا ہوا بولا۔

"اب آپ پیچھے ہٹ جایئے!"

میں اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ فوری طور پر کوئی راست اقدام کر سکتی۔

آقائے مرتضیٰ دیوانگی کی حد تک سفاک معلوم ہو رہا تھا۔ ایسے لوگ ذرا ذرا سی بات پر خون بہا ڈالتے ہیں لیکن میں یہ باور کرنے پر آمادہ نہیں تھی کہ وہ محض میری وجہ سے مہر بانو کا خون بہانا چاہتا تھا اور صرف میری جان بچانے کے لئے کمرے میں آیا تھا۔ بات یقیناً کچھ اور تھی۔

میں پیچھے ہٹ گئی۔

"بانو!" مہر بانو گڑگڑائی اور اسی وقت آقائے مرتضیٰ کے اشارے پر دونوں آدمی پھر جھپٹے۔ انہوں نے مہر بانو کو بے بس کر دیا۔ آقائے مرتضیٰ زہریلی شراب کا گلاس لئے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

میں اس وقت میز کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ آقائے مرتضیٰ میری طرف متوجہ نہیں تھا اور اس کے دونوں آدمی بھی مہر بانو میں الجھے ہوئے تھے۔ میں نے بڑے اطمینان سے زہریلی شراب کی بوتل اٹھائی اور اسے

آقائے مرتضیٰ کے گلاس والے ہاتھ کی طرف اُچھال دیا۔

بوتل نشانے پر لگی۔ گلاس مرتضیٰ کے ہاتھ میں ٹوٹا اور بوتل نیچے گر کر ٹوٹی۔ ٹوٹتے ہوئے گلاس کا کوئی ٹکڑا شاید مرتضیٰ کے ہاتھ میں بھی لگ گیا کیونکہ جب اس نے میری طرف مڑتے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھایا تو اس سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ شراب کے چھینٹوں سے اس کا لباس داغدار ہوگیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دیوانگی جھلکنے لگی تھی اور چہرہ خوفناک ہوگیا تھا۔

میری جگہ کوئی عام سی لڑکی ہوتی تو آقائے مرتضیٰ کی یہ حالت دیکھ کر خوف سے کانپنے لگتی لیکن میں اطمینان سے کھڑی، اس کی اگلی حرکت کا انتظار کرتی رہی۔

"تم بہت تیز ہو" وہ غرایا "تم نے شراب کی بوتل بھی توڑ دی اور گلاس بھی لیکن تم اس لڑکی کی یہ بات بھول گئیں کہ باقی بوتلیں بھی زہر آلود ہیں۔ میں انہیں بھی استعمال کرسکتا ہوں"

"اگر تم اس لڑکی کو چھوڑ کر فوراً اس کمرے سے نہ چلے گئے تو میں فون کرکے پولیس کو بلوا لوں گی"

"پولیس" آقائے مرتضیٰ نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا اور پھر ٹیلی فون کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا "ضرور شوق فرمایئے!"

میرا خیال تھا کہ جب میں فون کی طرف بڑھوں گی تو وہ جھپٹ کر میرا راستہ روک لے گا لیکن جب اس نے ایسا نہیں کیا تو میں خود ہی رک گئی۔ آقائے مرتضیٰ کے اطمینان کا مطلب یہی تھا کہ اس نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے ہوں گے۔

اچانک میں مڑی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بستر تک گئی۔ اس پر بیٹھ کر میں نے بڑے اطمینان سے کہا "مسٹر مرتضیٰ! آپ خاصی تیاریوں کے ساتھ یہاں آئے ہیں لیکن یہ تیاریاں محض میری جان بچانے کے لئے ہرگز نہیں ہوسکتیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ اپنے کارڈ کھول دیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کی خدمات میرے کسی دشمن ہی نے حاصل کی ہوں گی"

آقائے مرتضیٰ بڑے غور سے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر اچانک مسکرا دیا۔ اس شخص کا چہرہ عجیب تھا، پل پل میں رنگ بدل لیتا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ مہربانو کو وہاں سے لیجائیں، پھر وہ مجھ سے بولا "تنہائی میں ذرا اطمینان سے گفتگو ہوسکے گی"

مہربانو کی فریاد کرتی ہوئی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں لیکن میں نے اسے وقتی طور پر نظر انداز کردینا ہی مناسب سمجھا۔ میں جھگڑے کو بڑھانا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اس صورت میں مجھے آقائے مرتضیٰ کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو پاتا۔

دونوں آدمی مہربانو کو گھسیٹتے ہوئے کمرے سے نکال لے گئے۔ جب دروازہ کھولا گیا تھا تو باہر بھی کچھ آدمی کھڑے نظر آئے تھے۔ گویا آقائے مرتضیٰ نے دروازے پر بھی پہرہ لگا رکھا تھا۔

آقائے مرتضیٰ نے جیب سے رومال نکال کر اپنے زخمی ہاتھ پر رکھ لیا اور میرے سامنے صوفے پر بیٹھ کر سنجیدگی سے بولا "مجھے بانو کہ تم جیسی نڈر، ذہین اور تیز عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی، اپنی زندگی میں آنے والی عورتوں کی تعداد بھی یاد نہیں مجھے۔

"لیکن تم مجھے ضرور یاد رکھو گے" میں نے چبھتے ہوئے ...

"یقیناً" وہ بھوکی نظروں سے میرے سراپا کا جائزہ ...

"یہ ہوشربا جوانی تو کسی قیمت پر بھی نہیں بھلائی جاسکتی ... میں اپنا کام بڑی خوشی اور بڑی خوش اسلوبی سے کرسکوں ..."

"کیسا کام؟" میری نظریں اس کے چہرے پر اس کے ... ٹٹولنے کی کوشش کررہی تھیں۔

"تمہیں زیر کرنے کا کام" وہ مسکرا کر بولا "تمہیں کچھ سوالات کے جواب حاصل کرنے ہی کے لئے کسی نے مجھے لگایا ہے"

"کتنی رقم ملی ہے اس کام کے لئے؟"

"رقم!" آقائے مرتضیٰ نے قہقہہ لگایا "رقم کی میرے لئے اہمیت نہیں ہے۔ تمہارے دشمن مجھے نہیں خرید سکتے، شاید میں ... میں تو اس چیلنج کی وجہ سے اس کام پر آمادہ ہوا تھا کہ تم پر ... تمہارے دشمنوں نے کہا تھا کہ اگر میں تم پر قابو پاسکا تو ..."

اس گفتگو کے دوران میں میرا ذہن تیزی سے کام ... مہربانو، کیپٹن آفاق کی ایجنٹ ثابت ہوچکی تھی اس سے ... کام لینے والا ڈاکٹر فونگ ہی کا گروپ ہوسکتا تھا۔ ایئرپورٹ ... سے مل چکی تھی اور اب یہ ثابت ہوگیا تھا کہ کائی چیک نرا ... اس نے بڑی خوبی سے اپنا بار مرتضیٰ کے کندھے پر ڈال ... مرتضیٰ سے بخوبی واقف ہوگا، مرتضیٰ کی کمزوریاں اس کی نظروں میں ہوں گے اور اس نے انہیں بڑی کامیابی کے لئے استعمال کرلیا تھا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ... میرا تعاقب کرتا ہوا کراچی سے یہاں نہیں آیا تھا بلکہ عرصہ ... مقیم تھا۔ ایسی صورت میں اس کو آقائے مرتضیٰ کے بارے میں ... تھیں۔ کائی چیک کا عرصہ دراز سے تہران میں قیام ... کی "بین الاقوامیت" پر بھی مہر تصدیق ثبت کررہا تھا۔

"بتاؤ بانو!" آقائے مرتضیٰ عجیب سے لہجے میں ... زیر نہیں کرسکتا؟"

"اگر میں تمہارے سوالوں کا جواب دیدوں تو کیا ... کہ تم نے مجھے زیر کرلیا؟"

آقائے مرتضیٰ نے مجھے تعریفی نظروں سے دیکھ ... میں سر ہلایا۔

"بہت خوب" میں نے کہا "وہ سوالات کیا ..."

"صرف دو سوال۔" آقائے مرتضیٰ نے کہا "پہلا ... پاکستان کی کسی انٹیلی جنس سروس سے ہے؟ اور دوسرا ... کس اعتبار سے جانتی ہے"

... سی بات؟"

... ہاں"

... سمجھ لو کہ تم نے مجھے زیر کرلیا کیونکہ میں ان دونوں سوالوں کا ... کے لئے تیار ہوں۔ پہلے سوال کا جواب میں نفی میں دوں گی۔ میں ... کے کسی بھی شعبے سے تعلق نہیں رکھتی۔ دوسرے سوال کا ... کہ ڈاکٹر فونگ کی ایک ساتھی میرے پیچھے لگ گئی تھی اور اسی ... میں ڈاکٹر فونگ سے واقف ہوئی تھی۔ کیا تم ڈاکٹر فونگ کو جانتے ہو؟"

"نہیں" آقائے مرتضیٰ نے جواب دیا "یہ معلومات میرے ایک دوست ... اور اس نے مجھے ڈاکٹر فونگ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ غالباً ڈاکٹر ... کوئی دوست ہے جو شاید اسمگلنگ کا کاروبار کرتا ہے"

... جواب سے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ کائی چیک نے آقائے مرتضیٰ ... میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بھلا ڈاکٹر فونگ کی اصلیت کیسے ... تھا، اگر ڈاکٹر فونگ کا نام سامنے لانا ضروری نہ ہوتا تو وہ یقیناً ... پردہ پوشی کرتا۔

... "میں نے مسکرا کر کہا" اب تم اپنے دوست کو یقین دلا سکتے ... زیر کرلیا ہے"

... اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم نے مجھے ٹھیک ٹھیک جواب دیئے ہیں"

... میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی"

... امکان ہے کہ یہی فقرہ جھوٹ ہو"

... میں نے پوچھا "پھر اب تم کیا چاہتے ہو؟"

آقائے مرتضیٰ نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر بولا "اگر میں یہ فرض ... کہ تم نے سچ سچ جواب دیئے ہیں تو بھی ایک بات رہ جاتی ہے"

"وہ کیا؟"

... انعام" آقائے مرتضیٰ بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

... نے ہونٹ بھینچ لئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نوبت ہاتھا پائی ... ہے گی۔ آقائے مرتضیٰ کسرتی جسم کا آدمی تھا اور لڑائی جھگڑے ... کے تجربے میں نقصان کا پہلو غیر امکانی تھا لیکن مجھے بھی اپنے ... کراٹے پر بڑا اعتماد تھا۔ میں اسے خاک چاٹنے پر مجبور کرسکتی تھی ... کان یہ تھا کہ اپنی شکست کے آثار دیکھ کر وہ اپنے ساتھیوں کو ... دروازے کے باہر موجود تھے۔ ان سب سے بر سر پیکار ہونا بھی ... مشکل یا ہمت شکن نہیں تھا لیکن اگر نوبت آتشیں ہتھیاروں ... تک پہنچ جاتی تو معاملہ بگڑ سکتا تھا۔

... میرا ذہن تیزی سے کام کرتا رہا۔ میں کوئی ایسی تدبیر سوچنا چاہتی ... کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

... "بانو!" آقائے مرتضیٰ دونوں ہاتھ پھیلا کر میری طرف بڑھا ... "پھولوں کا صحن تمہاری جوانی کے پھولوں سے بھر جانا چاہتا ہے ... تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔ ایک مرتبہ میری بن جانے والی عورتیں زندگی بھر میرے قرب کی تمنا کرتی ہیں"

میں جلدی سے کھڑی ہوگئی اور آقائے مرتضیٰ نے مجھے اپنی آغوش میں لیکر اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ میں کسمسا کر رہ گئی۔ آقائے مرتضیٰ کا ایک ہاتھ میرے بدن پر آوارگی کرنے لگا۔ ڈھیلے ڈھالے گاؤن کی وجہ سے اس کو راہ بھی گویا ہموار مل گئی تھی۔ اس بوسے اور ہاتھ کے لمس نے، سرشاری کی کیفیت پیدا کرنے کی بجائے میرے تن بدن میں آگ لگادی لیکن میں اپنے غصے پر ضبط کرتے ہوئے بولی "تم یقیناً بڑے بھرپور معلوم ہوتے ہو۔ وقت اچھا گزرے گا۔ تم ذرا بیٹھو، میں چند منٹ کے لئے شاور لے لوں"

اس نے میری خود سپردگی محسوس کرلی تھی اس لئے بے خودی کے لہجے میں بولا "ہاں ہاں، ضرور مجھے بارش میں دھلے ہوئے پھول بہت پسند ہیں"

میں نے مسکرا کر اس پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور مردوں کو مخمور بنا دینے والی چال چلتی ہوئی باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ دراصل میں سوچنے کے لئے مہلت چاہتی تھی۔

میں نے گاؤن اتارا اور گرم پانی کی بوچھار کے نیچے کھڑی ہوگئی۔ میرا ذہن صورت حال سے الجھا رہا اور میری نظریں ادھر اُدھر بھٹکتی رہیں۔ تین چار منٹ اسی طرح گزرے اور پھر ایک خیال جیسے بجلی کی طرح میرے ذہن میں کوند گیا۔ میں نے جلدی سے شاور بند کیا اور باتھ ٹب کی طرف بڑھی۔ میں نے ٹب میں ڈاٹ لگائی اور اُسے بھرنے کے لئے پانی کھول دیا۔ باتھ روم کے کونے میں وہ انگنی رکھی ہوئی تھی جسے ضرورت کے وقت، باتھ روم کی لمبائی میں لگے ہوئے کانٹوں میں ڈالا جاسکتا تھا۔ انگنی میں دو تار تھے جن کو میں نے ذرا سی کوشش سے الگ کرلیا۔

آئینے کے پاس، بجلی کا ریزر استعمال کرنے کے لئے پلگ لگا ہوا تھا۔ ایک سو دس اور دو سو بیس، دونوں وولٹیج تھے۔ میں نے تاروں کے سرے موڑ کر دو سو بیس وولٹیج کے خانے میں لگائے اور دوسرے سرے ٹب میں ڈال کر ان پر اپنا گاؤن اس طرح پھیلا دیا کہ وہ نظر نہ آئیں۔ پھر میں نے انڈر ویئر پہنا اور اس کے بعد جب بریزیئر کے ہک لگا رہی تھی تو باتھ روم کے دروازے پر دستک ہوئی۔

میں جلدی سے ٹب میں لیٹ گئی اور بولی "آجاؤ!"

مرتضیٰ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور مجھے ٹب میں لیٹا دیکھ کر شیطانی انداز میں مسکرا دیا "خوب! تو یوں دیر لگی؟ شاور لیتے لیتے باقاعدہ غسل شروع کردیا!"

"تم بھی آجاؤ!" میں نے مسکرا کر دعوت دی۔

آقائے مرتضیٰ یہ دعوت شباب کیونکر نظر انداز کرسکتا تھا، وہ جلدی جلدی کپڑے اتار کر ٹب میں اتر آیا۔

"کیا تم یونہی نہاتی ہو؟" اس کا اشارہ میرے بریزیئر اور انڈر ویئر کی طرف تھا۔ "نہیں تو" میں نے کہا اور ٹب سے نکل کر خوشبودار تیل کی ایک

پوری بوتل پانی میں الٹ دی۔
"ارے ارے، یہ تو سر میں ڈالنے کا تیل ہے۔" آقائے مرتضیٰ جلدی سے بولا۔
"تیل تو ہے، اور پھر خوشبودار بھی۔" میں نے ہنس کر کہا اور آئینے کے سامنے یوں جا کھڑی ہوئی جیسے کپڑے اتارنے کا ارادہ ہو۔
آقائے مرتضیٰ ٹب میں لیٹا ہوا میری طرف دیکھتا رہا۔ وہ اپنی شامت سے قطعاً بے خبر تھا۔
میں نے مسکراتے ہوئے بڑے اطمینان سے ہاتھ آگے بڑھایا اور سوئچ آن کر دیا۔ برقی لہریں ٹب کے پانی تک پہنچ گئیں اور آقائے مرتضیٰ بری طرح اچھل گیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔ وہ باتھ ٹب میں اس طرح تڑپ رہا تھا جیسے کوئی اسے ذبح کئے ڈال رہا ہو۔ میں بڑی سفاکی سے اس کو اس کرب سے گزرتے ہوئے دیکھتی رہی اور چند لمحے بعد سوئچ آف کر دیا۔
آقائے مرتضیٰ اب نڈھال ہو چکا تھا۔ ہوش و حواس سے بیگانگی اس کے وجود پر حکمراں تھی۔ میں نے ٹب سے تار نکالے اور وائگنی درست کر کے کونے میں رکھ دی۔ پھر میں نے جلدی جلدی اپنا وہ لباس پہنا جو ایئرپورٹ سے واپسی پر پہنے ہوئے تھی۔ باتھ روم سے نکل کر میں . . . ے کی طرف بھاگی اور اسے کھول کر آقائے مرتضیٰ کے ملازمین سے انگریزی میں بولی۔
"جلدی کرو! تمہارے آقا کو دل کا دورہ پڑ گیا ہے۔"
ملازمین نے ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے بات ان کی سمجھ میں نہ آئی ہو لیکن مجھے دوبارہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ تیزی سے کمرے میں گھسے اور میرے اشارے پر باتھ روم کی طرف دوڑتے چلے گئے۔
اب میرے لئے راستہ صاف تھا۔ اگر چاہتی تو وہاں سے بھاگ نکلتی لیکن اب اس کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آقائے مرتضیٰ اگر مرا نہیں تھا تو بھی بجلی کے جھٹکوں سے ادھ مرا ضرور ہو گیا تھا۔ اسے سنبھلنے میں چند گھنٹے ضرور لگتے اور میں اس عرصے میں ہوٹل چھوڑ کر جہاز پر سوار ہو چکی ہوتی۔
مجھے یقین تھا کہ اس کے آدمیوں کے پاس میرے بارے میں کوئی ہدایت نہیں ہوگی اس لئے مجھے ان کی طرف سے بھی کوئی خطرہ نہیں تھا۔
چند منٹ بعد آقائے مرتضیٰ کے آدمی اسے اٹھائے ہوئے باہر نکلے۔ میری توقع کے مطابق وہ آنکھیں بند کئے گہری گہری سانسیں لے رہا تھا اور اس میں کچھ کہنے سننے کی سکت نہیں تھی۔
وہ لوگ مجھ سے مخاطب ہوئے بغیر تیزی سے باہر نکل گئے۔ انہیں سب سے پہلے فکر یہ ہوگی کہ اپنے آقا کو جلد از جلد کسی ڈاکٹر تک پہنچا دیں۔
ان کے جاتے ہی میں نے دروازہ بند کیا۔ ٹوٹی ہوئی شراب کی بوتل اور گلاس کے ٹکڑے اٹھائے۔ باتھ روم سے جھاڑن لا کر شراب کے نشانات صاف کئے اور پورٹ کی بوتل اٹھا کر سائڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ دی۔
شراب کے چھینٹے، قالین اور صوفے کی پشت پر بھی لیکن میں ان کا کوئی تدارک نہیں کر سکتی تھی۔
یہ سب کام کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال ' اب مجھے رضوان کی خبر لینی چاہیئے اس لئے ان کاموں سے فار میں دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر مجھ جانا پڑا کیونکہ باہر سے کسی نے دستک دی تھی۔
"کون؟" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
جواب میں ایک شناسا آواز سنائی دی تو میں نے د ، رضوان یتیموں کی سی صورت بنائے کھڑا تھا۔ اس دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔ "خیریت؟" میرے لہجے میں شوخی تھ
"آپ کی موجودگی میں خیریت کہاں!" وہ منہ بنا کر بولا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اس غریب سے اس حد آ گئی ہیں۔"
"کس حد تک؟"
"چائے کی دعوت کر کے زہریلی چائے بھجوا دیں گی۔ نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔
"لیکن تم اتنے سخت جان ہو کہ میرا تیچھا ہی نہیں چھو
"ایسا بھی نہیں ہے۔" رضوان نے مسکین صورت بنا کر تو آپ کے پیش کئے ہوئے زہر کو امرت سمجھ کر پیئے لے رہا تھا ہو آپ کے دوست مرتضیٰ کا جس نے پیالی میرے ہاتھ سے آپ نے پہلے کبھی اپنے ایرانی دوست کا تذکرہ نہیں کیا تھا!"
"میں نے تو اپنے چینی، جاپانی، روسی اور امریکی دوست تم سے کبھی ذکر نہیں کیا لیکن موقع بے موقع ایسے دوست ٹپکتے رہتے ہیں۔"
"لیکن موصوف ہیں کہاں!" رضوان کمرے میں داخل ، طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیا نپٹ کر جا چکے؟"
"بے وقت دل کا دورہ پڑنے سے موصوف بہت جلد ہو گئے۔" میں نے یوں ٹھنڈی سانس بھری جیسے کوئی جنم ، ادھوری رہ گئی ہو۔
"تو پھر اب خاکسار کو موقع دیجئے!... میں ساری کمی ب کر سکتا ہوں۔ آزمائش شرط ہے۔" رضوان نے عامیانہ انداز
"میں ڈرتی ہوں کہ دل کا دورہ تمہیں بھی نہ لے ڈوبے"
"میرا دل بہت مضبوط ہے۔"
"مرتضیٰ کا دل تم سے کہیں زیادہ مضبوط تھا لیکن میری تر بھی راس نہ آ سکی۔" میں نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔
"تو کیا واقعی وہ مردود ناکام رہا؟" رضوان سنجیدہ ہو "کس سلسلے میں؟" میں اسے گھورنے لگی۔

ادھر مجھے اپنے جن ساتھیوں کی حفاظت میں چھوڑ آیا تھا، ان یہ ظاہر ہوا تھا کہ تمہارے بارے میں اس کے ارادے اچھے"
جان لینے کے بعد بھی تم اطمینان سے بیٹھے ان کے ساتھ گپیں "میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"میں نے ان سے بھڑنے کی کوشش کی تھی لیکن کسی بدبخت ی وزنی چیز مار کر بے ہوش کر دیا۔ دیکھو کتنا بڑا اشاہد رضوان سر کے ایک حصے کی طرف اشارہ . . . . . . ف
ہاتھ سے ٹٹولا تو واقعی خاصا ابھار موجود تھا اور خون کے ے تھے۔
بیچارے رضوان پر ترس آ گیا۔ میں تسلی دینے کے سے انداز میں ... میری جان! میں تمہارا بدلہ لے چکی ہوں وہ موصوف ... کندھوں پر سوار ہو کر تشریف لے گئے ہیں مگر یہ تو بتاؤ کہ ... ملا؟"
ہوش کے بعد ابھی ذرا دیر پہلے میری آنکھ کھلی تھی تو ان کا ... سنے میں پہنچا تھا اس نے فارسی میں اپنے ساتھیوں سے گفتگو ... وہ سب مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اسی لئے تو میں نے سوچا ... فرار ہو گیا۔" رضوان نے ٹھنڈی سانس لی۔
... مطلب ہے کہ انہوں نے مہربانو اور اس کے ساتھی کو بھی ..." میں بڑبڑائی۔
"... تو!" رضوان چونک پڑا۔
... میں نے جواب دیا۔ "جب آقائے مرتضیٰ یہاں پہنچا تو مہربانو ... ہوں۔"
... الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا تو میں نے ... کہانی بھی سنا دی اور پھر کہا۔ "وہ بیرا جو تمہیں چائے دے ... ساتھی اسٹیوارڈ تھا۔ وہ دونوں ہی کیپٹن آفاق کے لئے ... اور یہ کیپٹن آفاق کی آخری کوشش تھی مجھ سے بدلہ لینے کی۔"
... کیوں؟ کیا کیپٹن آفاق کے مرنے کی خبر آ چکی ہے؟"
... لوگ اتنے جلدی نہیں مرتے۔ آخری کوشش میں نے اس لئے ... وار کرنے کا موقع نہیں دوں گی۔ مجھے یقین ہے کہ صدر ... ملاقات کا بندوبست کیا جا چکا ہوگا۔ انٹیلی جینس ڈائریکٹر ... بات بھی نہیں معلوم ہوئی ہوگی۔ اب معلومات کا واحد ذریعہ ... کراچی پہنچتے ہی مجھے صدر تک پہنچا دیا جائے گا۔ میں کوشش ... کو یہاں پیش آنے والے واقعات کا علم نہ ہو سکے۔"
... ممکن ہے؟"
... اسے میں سوچنا پڑے گا۔"
... "
... میں جھونکو، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے رضوان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ اسے بھی چھوڑ دیا گیا ہوگا۔ اسے قید رکھ کر یا ہلاک کر کے وہ اپنا کوئی مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ میرے سامنے جو اسے زہر دینے کی کوشش کی گئی تھی، وہ محض ایک ڈرامہ تھا۔ اس طرح دراصل مجھے مرعوب و متاثر کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔" یہ کہتے ہوئے اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں زیرِ لب بڑبڑائی۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں . . . . مرتضیٰ کو اس کا علم کیسے ہوا کہ مجھے اور تمہیں زہر دینے کی کوشش کی جانے والی ہے۔"
"ان لوگوں کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ ٹیلی فون آپریٹر ان کا اپنا آدمی ہے اور....."
"اوہ! میں سمجھ گئی۔" میں نے رضوان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مہربانو نے جب . . . کرے سے اپنے ساتھی کو فون کر کے تمہارے لئے زہریلی چائے تجویز کی ہوگی تو آپریٹر نے آقائے مرتضیٰ کو اس سے باخبر کر دیا ہوگا۔ اطلاع ملتے ہی وہ تمہارے کمرے میں پہنچا۔ اس نے مہربانو کے ساتھی پر تشدد ضرور کیا ہوگا۔ اسی سے آقائے مرتضیٰ کو مہربانو کی اسکیم معلوم ہوئی ہوگی یعنی مجھے زہر دینے کی اسکیم..."
"ہم اتنے ہنگاموں سے گزر گئے۔" رضوان ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "لیکن ہمارے انٹیلی جینس ڈائریکٹر صاحب نہ جانے کہاں سو رہے ہیں۔"
"وہ ہماری طرف سے مطمئن ہیں اس لئے انہوں نے ہماری نگرانی کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔ "کراچی ایئرپورٹ پر جوان کا رعب و دبدبہ تھا وہ اس لئے نہیں تھا کہ وہ ہماری طرف سے مشکوک تھے۔ دراصل ان کی کوشش یہ تھی کہ میں گھبرا کر کچھ اگل بیٹھوں۔"
رضوان نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا، چند جملوں پر مشتمل گفتگو ہوئی اور پھر میں نے سلسلہ منقطع کر کے رضوان کو بتایا کہ ہمیں ایئرپورٹ پر بلایا جا رہا ہے۔
"گویا واپسی؟" رضوان بولا۔
"ظاہر ہے۔"
"آقائے مرتضیٰ کے سلسلے میں کچھ نہیں کرنا؟"
"کیا فائدہ کچھ کرنے سے؟ مقامی پولیس سے رابطہ قائم کرنے کے بعد ہمیں یہاں خاصا وقت برباد کرنا پڑے گا جبکہ آقائے مرتضیٰ سے ہمارا براہ راست کوئی جھگڑا بھی نہیں ہے۔ وقتی جھڑپوں کا غبار میرے دل میں نہیں رہتا۔"
"لیکن اس کے ذریعے کانی چیک کو گرفت میں لیا جا سکتا ہے۔"
"وہ ذیلی آدمی ہے۔ میں تو اب براہ راست ڈاکٹر فونگ سے ٹکرانے کے موڈ میں ہوں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ جلد از جلد کراچی پہنچا جائے۔ تم منہ ہاتھ دھو کر اپنا حلیہ درست کر لو!"
رضوان اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلا گیا۔
چند منٹ بعد ہم دونوں اس کمرے سے نکلے اور یہ ایک اتفاق ہی

تھا کہ راہداری میں مہر بانو سے مڈبھیڑ ہوگئی وہ سامنے سے آ رہی تھی اور اس کے ساتھ ہمارے طیارے کا اسٹیوارڈ بھی تھا۔

ہم پر نظر پڑتے ہی وہ دونوں ایک جھٹکے سے رُک گئے اور اُن کے چہروں کی رنگت بدل گئی۔

"خوب!" میں ان کے قریب رُک کر مسکراتی ہوئی بولی "گویا صیاد کے پنجرے سے دونوں پنچھیوں کو ابھی ابھی رہائی ملی ہے۔"

مہر بانو نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے ہونٹ لرز کر رہ گئے

رضوان بڑا بُرا سا منہ بنائے ان دونوں کو گھور رہا تھا۔

"چلو خیر!" میں نے کہا "اب ملاقات ہو ہی گئی ہے تو کچھ باتیں بھی ہو جائیں اپنے کمرے کی طرف چلو۔"

قدرے تذبذب کے بعد مہر بانو نے قدم اٹھایا۔ اس کا کمرہ راہداری کے اختتام پر تھا۔ ہم چاروں اس کے کمرے میں پہنچ گئے۔

"سنو!" میں نے مہر بانو کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "یہ تو تم سمجھ ہی گئی ہوگی کہ آقائے مرتضیٰ نے میری ہی بات مانتے ہوئے تمہیں چھوڑا ہے لیکن تمہیں یہ نہیں معلوم ہوگا کہ اپنے وعدے کو پورا کرنے کے لئے مجھے کتنی بڑی قربانی دینا پڑی ہے۔"

سارے حالات مہر بانو کے علم میں نہیں تھے اس لئے میں اس پر ایک ناکردہ احسان کا بوجھ لاد کر اپنے حق میں ہموار کرنا چاہتی تھی۔

"میں آپ کی شکر گزار ہوں بانو!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی "مگر ہم نے جو کچھ بھی کیا، اس میں ہماری بدنیتی کو دخل نہیں تھا میرا مطلب ہے کہ ہمیں تو آپ سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ ہمیں اس کام پر مجبور کیا گیا تھا۔ کیپٹن آفاق کی خواہش کو رد کرنے والا اس ملک میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر زندہ بھی رہے گا تو اس کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ وہ موت کی خواہش کرنے لگے۔"

"پریسیڈنٹ کے بعد اس ملک میں کیپٹن آفاق ہی کا سکہ چلتا ہے" مہر بانو کا ساتھی بھی بول پڑا۔

"تم دونوں، خلوصِ دل سے کیپٹن آفاق کو برا سمجھتے ہو؟" میں نے پُرزور لہجے میں پوچھا۔

"میں قسم کھا سکتی ہوں بانو!" مہر بانو جوشیلے لہجے میں بولی "ہمیں کیپٹن آفاق سے کوئی ہمدردی نہیں۔"

"تو پھر میرا ایک کام کر دو" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا "جو فون نمبر تم نے مجھے بتایا تھا اس پر اپنے آفیسر کو اطلاع دو کہ تم نے اپنا کام بحسن و خوبی انجام دے دیا ہے۔"

اس گفتگو کے دوران میں مہر بانو کے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت بتدریج بحال ہوتی رہی تھی لیکن میری یہ بات سن کر وہ پھر لرز گئی۔

"بانو!" اس کی آواز میں دہشت کا عنصر تھا۔

"کیوں!" میں نے تیوری چڑھا کر کہا "کیا تمہیں کیپٹن آفاق کو دھوکہ دینا گوارہ نہیں؟"

"آپ غلط سمجھیں" مہر بانو جلدی سے بولی "اسے د
تو مجھے سو جان سے گوارہ ہوگا لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات چھپی نہ
گی" اور اس کے بعد کوئی بھی ہماری زندگی کی ضمانت نہیں د

"تم مجھے کیا سمجھتی ہو؟"

"میں آپ کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی۔"

"تو سن لو میں کیپٹن آفاق کو ناکوں چنے چبوا رہی ہوں جلد اس پر میرا ایک کاری وار بھی ہونے والا ہے۔ تم دیکھو گی کہ گھٹنے ٹیک دے گا۔ میں تمہاری زندگی کی ضمانت دے سکتی ہو تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

مہر بانو اور اس کے ساتھی کے چہرے پر تذبذب کے صاف نظر آ رہے تھے۔ میری ضمانت انہیں اتنی آسانی سے مطمئن کر سکتی تھی۔

اس موقعے پر رضوان بھی بول پڑا "غالباً یہ دونوں کیپٹن کے خصوصی ایجنٹ ہیں۔ یہ ساری باتیں انہوں نے محض ہمیں بے بنانے کے لئے کہی ہیں۔"

"ہمیں غلط مت سمجھئے!" مہر بانو سہمی ہوئی سی آواز میں
"اگر ایسا ہی ہے تو میں اپنی زندگی کا جوا کھیلنے پر آمادہ ہوئی جاتی

مہر بانو کے ساتھی نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر پھر کس کے تحت چپ ہی رہ گیا۔

مہر بانو نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے ریسیور اٹھایا اور آپر کراچی کے لئے لائن مانگی۔

لائن ملنے میں دس منٹ لگے اور میں اس دوران میں مہ کو یقین دلاتی رہی کہ اس کی حفاظت کرنا میرے لئے ناممکن نہیں

مہر بانو نے فون پر مبہم الفاظ میں اپنے آفیسر کو اطلاع اور جب ایک منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے ریسیور رکھا تو اسکے پر کچھ بشاشت نظر آ رہی تھی۔ اس بشاشت کا سبب میری سمجھ میں وقت آیا جب اس نے بتایا کہ اس کامیابی پر ایک ہفتے کی چھٹی کا دیا گیا ہے۔

"اور ہمیں یہ چھٹی تہران ہی میں گزارنے کی ہدایت کی گئی ہے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا" میں نے مسکرا کر کہا "ایک ہفتے بعد تم کراچی پہنچو گی تو وہاں کے حالات بدل چکے ہوں گے۔"

"خدا کرے ایسا ہو۔"

"ایسا ہی ہوگا" میں نے اس کا شانہ تھپکا اور معنی خیز لہجے میں بولی "پھر وہاں تم کو میرے ساتھ وقت کی کمی کا بھی کوئی احساس نہیں ہوگا۔"

مہر بانو کے چہرے پر سرخی پھیل گئی اور اس نے کنکھیوں سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا جو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

یں اور رضوان ہوٹل سے ہوائی اڈے کی طرف روانہ
لا "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ مہر بانو دوبارہ
نے آفیسر کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ نہیں کرے گی"
ہے کہ اس کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی"
؟"
بھی نہیں۔ ہم نے جو کچھ کیا، اس کے سوا کچھ نہیں
اب جو کچھ بھی ہوگا، کراچی کے ہوائی اڈے پر ہمارے
ے گا۔"
ن چپ تو ہو گیا لیکن اس کے چہرے پر بہت زیادہ تشویش
انے رہے۔
ئی اڈے پر انٹیلی جنیس ڈائرکٹر سے ملاقات ہوئی۔ اس نے
لے جا کر میری زبان کھلوانے کی کوشش کی لیکن بیچارے
سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ وہ غراتا اور بل کھاتا ہوا دوسری
گیا۔
ے کی روانگی میں ابھی کچھ دیر تھی۔ میں تہران ایئرپورٹ
ڑانے لگی اور اسی وقت مجھے ایک جانا پہچانا چہرہ دکھائی

کائی چیک تھا۔
دیکھتے ہی میں طنزیہ انداز میں مسکرا دی لیکن اس وقت مجھے
ا پڑا جب میں نے اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس کے
عجیب سے تاثرات تھے۔ آنکھوں میں شکست کا دھندلکا
تھا لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔
وان سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔
راؤ نہیں" میں آہستہ سے بولی "غالباً وہ مجھ سے کچھ کہنا
ہتا۔ اتنا احمق وہ ہرگز نہیں ہوگا کہ اس جگہ کوئی ہنگامہ کرکے
ل کروائے۔"
ا اندازہ ٹھیک ہی تھا۔ میرے قریب آتے ہی کائی چیک نے
بولنا شروع کر دیا "میں نے آقائے مرتضیٰ سے ملنے کی
تھی مگر اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔ میں حیرت زدہ ہوں
نے اسے کیسے شکست دی۔"
دھیرے سے ہنسی اور پھر میں نے کہا "عورت اگر چاہے
کر سکتی ہے۔ جب تم اپنے آقا سے رابطہ قائم کرو تو اس
اپنا ناپاک دھندا سمیٹ کر جلد از جلد اس ملک کو لوٹ
لئے وہ کام کر رہا ہے۔ یہی اس کے حق میں بہتر ہوگا۔"
نگ" کائی چیک نے یہ نام بڑے احترام سے لیا۔
اہمیت ہیں خاتون اور آپ جیسی ذہین ہستیوں کی قدر
یں۔ اگر آپ ان سے مل بیٹھیں تو فائدے میں رہیں گی۔"
خوب!" رضوان زہریلے لہجے میں بولا "کیا ہمیں اس

مشورے کے لئے شکریہ ادا کرنا چاہیئے؟"

"جناب! کائی چیک تو بہت حقیر آدمی ہے۔ آپ شوق سے اس کا مذاق اڑائیے" کائی چیک نے بڑی سنجیدگی سے کہا "لیکن کراچی ایئرپورٹ پر آپ لوگوں کو ڈاکٹر فو بنگ کی عظمت کا اندازہ ہو جائیگا۔"

پھر وہ جواب کا انتظار کئے بغیر تیزی سے مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا لوگوں کے ہجوم میں کھو گیا۔

میں نے مسکرا کر رضوان کی طرف دیکھا "کیا خیال ہے؟"

"یوں ایئرپورٹ پر آکر چیلنج کرنا بڑی بچکانہ حرکت ہے۔ قصے کہانیوں کی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت مجھے ابن صفی کے کئی سنسنی خیز ناول یاد آ گئے۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ یہ چیلنج کسی خاص مقصد سے کیا گیا ہے۔"

"وہ مقصد کیا ہو سکتا ہے؟"

"یہ تو مستقبل ہی بتائے گا۔ فی الحال میرے ذہن میں کوئی بات نہیں ہے۔"

رضوان خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد ہم طیارے کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ یہ طیارہ لندن سے آ رہا تھا اور اس میں اگر ہمیں کچھ سیٹیں خالی مل گئی تھیں تو یہ ایک اتفاق ہی تھا۔ لندن سے آنے والی فلائٹ عموماً فل ہوتی ہے۔

مسافروں میں پڑھے لکھے اسکالر قسم کے آدمی بھی تھے اور تجارت پیشہ بھی لیکن زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو سالہا سال تک لندن میں رہنے کے باوجود بھی اتنے ہی دیہاتی تھے جتنے دیہاتی وہ لندن روانگی کے وقت رہے ہوں گے۔

جہاز نے تہران ایئرپورٹ چھوڑا اور فضا میں بلند ہو کر کراچی کی راہ پر لگ گیا تو مسافروں نے سیفٹی بیلٹ کھول دیں۔ کچھ نے آپس میں ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں اور کچھ اطمینان سے رسالے لیکر بیٹھ گئے۔

میرے برابر میں بیٹھا ہوا رضوان شائد کوئی رسالہ لینے کیلئے جہاز کے اگلے حصے کی طرف گیا تو فوراً ہی ایک جانی پہچانی شخصیت نے اس کی جگہ لے لی۔

یہ انٹیلی جنیس ڈائرکٹر تھا۔

"فرمائیے!" میں مسکرائی۔

"مس بانو!" ڈائرکٹر نے بڑے دبنگ لہجے میں کہا "آپ کا یہ عدم تعاون کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ شائد کراچی پہنچ کر میں آپ کو حراست میں لینے پر مجبور ہو جاؤں۔"

میں جواب میں کوئی سخت بات کہہ دیتی مگر اچانک مجھے ایک ایسا خیال آیا کہ میں ضبط کر گئی۔ ایک معاملے میں ڈائرکٹر کا تعاون حاصل کرکے میں خاصی الجھن سے بچ سکتی تھی۔ یہ معاملہ فضائی کمپنی کے اس افسر کا تھا جسے میں مہر بانو سے فون کروا چکی تھی لیکن یہ میرے اختیار میں نہیں تھا کہ اس کی نظروں میں نہ آؤں۔ جب میں کراچی ایئرپورٹ پر اترتی تو وہ مجھے دیکھ لیتا اور پھر اس کی اطلاع کیپٹن آفاق کو بھی ہو جاتی۔

"میں بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں" میں نے ایک طویل سانس لے

[illegible] تو آپ مجھے [illegible] اور دوسری طرف مجھے اپنی جان جاتی ہوئی نظر آرہی ہے۔"

ڈائرکٹر کا چہرہ کھل اٹھا۔ شاید اسے کچھ امید بندھ گئی تھی۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "میں آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ آپ کچھ بیان تو دیں۔"

میں نے یوں ظاہر کیا جیسے سوچ میں پڑ گئی ہوں۔ ڈائرکٹر بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ میں قدرے توقف سے بولی۔ "مشکل یہ ہے کہ میں جو کچھ جانتی ہوں اسے ثابت کرنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں خود کسی مصیبت میں پڑ جاؤں گی کیوں کہ اس معاملے میں بہت بڑے بڑے لوگوں کا ہاتھ ہے۔ ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے میں خاموشی اختیار کئے ہوئے ہوں۔ ان حالات میں اگر میں کچھ کہہ سکتی ہوں تو صرف صدرِ مملکت سے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں کہ کوئی بھی آپ کو پریشان نہیں کر سکے گا۔ رہا ثبوت اور گواہی کا معاملہ تو اس کا انتظام بھی میں بآسانی کر لوں گا۔ بس آپ کچھ اشارہ دے دیں۔"

"اشارہ!... ہاں اشارہ تو میں دے سکتی ہوں لیکن آپ مجھ سے یہ وعدہ کریں کہ اس کے بعد مجھ سے مزید کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اس کے بعد میں جو کچھ بھی کہوں گی وہ صرف پریسیڈنٹ کے سامنے۔"

ڈائرکٹر صرف اشارے ہی کے لئے اتنا بے چین ہوا کہ اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا۔ میں نے فوراً کہا۔ "اور آپ یہ وعدہ بھی کر چکے ہیں کہ میری حفاظت کریں گے۔"

ڈائرکٹر نے بیتابی سے اثبات میں سر ہلا دیا تو میں نے اس طرح ایک طویل سانس لی جیسے اب کہیں جا کر مجھے کلی اطمینان حاصل ہوا ہو، پھر میں سرگوشی کے انداز میں بولی۔ "میں آپ کو ایک ایسے آدمی کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں جس کا اس سازش سے گہرا تعلق ہے۔ وہ فضائی کمپنی کا ایک افسر ہے اور جس طرح میں اس سے خائف ہوں، اسی طرح وہ بھی میری طرف سے فکرمند ہوگا کہ میں نے سب کچھ اگل نہ دیا ہو۔"

"اس کا نام؟"

"یقین کیجئے کہ میں اس کے نام سے واقف نہیں ہوں۔"

"پھر میں اس پر کیسے ہاتھ ڈالوں گا۔ ایسے افسروں کی تعداد کم تو نہ ہوگی۔"

"اگر آپ مجھ سے پہلے جہاز سے اتریں اور اس کا بندوبست کر دیں کہ میں تھوڑی دیر تک جہاز ہی میں رکی رہوں تو وہ افسر خود ہی بے چین ہو کر آپ سے میرے بارے میں پوچھ بیٹھے گا۔ پھر اگر آپ اسے میرے بارے میں کوئی بری خبر سنا سکیں تو وہ اس کے لئے باعثِ اطمینان ہوگی۔"

"بری خبر سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"مثال کے طور پر یہ کہ تہران میں کسی نے مجھے زہر دے کر ہلاک کر دیا ہے۔"

"اوہ!" ڈائرکٹر مجھے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ "کیا تہران میں اس قسم کی کوشش کی گئی تھی۔۔؟"

"آپ نے میرے الفاظ پر غور نہیں کیا۔" میں مسکرائی۔ "میں نے کہا تھا۔ مثال کے طور پر۔"

ڈائرکٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا، پھر ایک آدھ رسمی جملہ کہہ کر سیٹ سے اٹھ گیا۔ اس کے جاتے ہی رضوان تیر کی طرح اپنی سیٹ سے اٹھ کر آیا اور بڑے گمبھیر لہجے میں بولا۔ "کیا باتیں ہو رہی تھیں؟ کیا تم نے اسے کچھ بتا دیا؟"

"تم ایک ناممکن خدشہ ظاہر کر رہے ہو۔" میں نے کہا اور اس سے اپنی گفتگو کا ماحصل بتانے لگی۔

رضوان نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔ "فرض کرو اگر ڈائرکٹر سے تمہارے بارے میں استفسار نہیں کیا تو؟"

"یہ ناممکن ہے ذرا خود کو اس افسر کی جگہ رکھ کر سوچو۔ کیا تم ڈائرکٹر سے ملے بغیر رہ سکو گے؟ مہر بانو کے بیان پر یقین ہی نہ کرتا تصدیق سے روگردانی نہیں کی جا سکتی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" رضوان نے سر ہلا کر کہا۔ "لیکن ذہن میں ایک اور سوال ابھرا ہے۔"

"وہ بھی کر ڈالو!" میں نے ایک طویل سانس لی۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اس افسر سے پہلے کوئی اور شخص تمہارے بارے میں استفسار کر بیٹھے۔"

"کسی اور شخص کو میری فکر کیوں دامنگیر ہوگی۔"

رضوان سوچ میں پڑ گیا۔

"بلاوجہ اپنا ذہن نہ تھکاؤ!" میں پھر بولی۔

"اچھی بات ہے۔" رضوان نے اپنا سر جھٹکا اور پھر بولا۔

[illegible]

"کچھ دیر تو لگے گی لیکن امکانات پہلے سے زیادہ روشن ہیں۔" دراصل مجھے یقین تھا کہ اس افسر کو مہم کے بارے میں کچھ پتہ نہ ہوگا۔ بالفرض اگر اسے کچھ معلوم بھی ہو تو وہ اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ کیپٹن آفاق کا تھا اس لئے وہ افسر اس کا نام لیکر اپنی بریت کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

ہمارا جہاز کراچی ایئرپورٹ پر اترا تو اس سے قبل کہ میں سامان سنبھال کر اترنے کے لئے کھڑی ہو جاتی، اینٹلی جنیس کا آدمی ایک بار پھر ہمارے پاس آیا۔

"سنیئے!" اس نے جھک کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "کیپٹن کو آپ کے بارے میں ہدایات دیدی ہیں۔ آپ مسٹر رضوان جہاز میں اس وقت تک رک سکتی ہیں جب تک میرا ایک آدمی آپ کو لینے نہ آجائے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بولی۔ "میں نے اپنی ذمہ داری نبھا ڈال لی ہے۔ آپ اس بات کا خیال رکھئے گا کہ اس شخص کو ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ ملے۔"

مجھے اطمینان دلا کر رخصت ہو گیا تو میں نے مسکرا کر رضوان سے کہا۔ "... ٹال آفت کی پرکالہ ہو۔" رضوان بولا۔

میں ہنس کر رہ گئی۔

مسافروں کے اترنے کے بعد اب ہم وہاں تنہا تھے ہمیں یہ تنہائی کچھ دیر برداشت کرنی پڑی۔

"کامیابی ہوئی؟" میں نے انٹلی جنیس کے اس آدمی سے پوچھا جو ہمیں لینے آیا تھا۔

اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو میں نے دوبارہ کوئی سوال نہیں کیا۔ پھر ہم کسی روک ٹوک کے بغیر ہی کسٹمز سے گزر گئے۔ ایئرپورٹ پر ہم اس طرف بڑھے جہاں انتظامی امور کے دفاتر تھے۔ ان ہی میں ایک کمرے میں انٹلی جنیس ڈائرکٹر کسی اجنبی سے مصروفِ گفتگو تھا۔ وہاں کوئی تیسری ہستی موجود نہیں تھی۔ وہ اجنبی دروازے کی طرف پیٹھ کئے بیٹھا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی ہماری رہنمائی کرنے والے نے بلند آواز میں کہا۔ "میں مہر بانو اور ان کے ساتھی کو لے آیا ہوں۔"

اجنبی اس طرح بوکھلا کر پلٹا جیسے کسی نے اسے زہریلے سانپ کی بشارت دے دی ہو۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں دیکھ رہا تھا۔

"مسٹر ندیم!" انٹلی جنیس ڈائرکٹر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "بالکل ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آپ نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔"

ندیم اس اجنبی ہی کا نام ہو سکتا تھا کیونکہ ڈائرکٹر کی نظریں اسی کی طرف تھیں۔ وہ فضائی کمپنی کا وہی افسر تھا۔

"لیکن... لیکن..." وہ ہکلاتا ہوا بولا۔ "ابھی تو آپ نے بتایا تھا کہ ان میں کسی حادثے کا شکار ہو چکی ہیں۔"

"لیکن آپ کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آپ کو پہلے ہی اس کی توقع تھی۔" ڈائرکٹر غرایا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی شکاری اپنے شکار کو زد میں پا کر حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا ہو۔ یہ بات شاید ندیم نے بھی محسوس کر لی تھی کیوں کہ وہ کسی سہمے ہوئے پرندے ہی کی طرح نظر آرہا تھا۔

"آپ مجھ پر کس بات کا شبہ کر رہے ہیں؟" وہ بوکھلا کر بولا۔

"یہ بات بھی تم ہی بتا دو کہ تم پر کس بات کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔" ڈائرکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مجھے یقین تھا کہ اب ندیم کو کسی صورت سے بھی چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ اب میرا وہاں رکنا ایک قطعی غیر ضروری بات تھی۔ میں نے ڈائرکٹر سے اجازت چاہی۔

"ٹھیک ہے آپ جایئے!" ڈائرکٹر نے کہا۔ "لیکن اپنے گھر سے رابطہ رکھئے گا۔ ملاقات کے سلسلے میں کسی وقت بھی آپ سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔"

ندیم کے چہرے کا رنگ بار بار بدل رہا تھا۔ میں اس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر رضوان کے ساتھ باہر نکل آئی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" رضوان نے پوچھا۔

"میں بری طرح تھک گئی ہوں۔ اگلے چوبیس گھنٹوں تک کچھ کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ صرف پریسیڈنٹ کا حکم ہی مجھے بستر سے نکلنے پر مجبور کر سکے گا۔ تمہارا کیا پروگرام ہے؟ کیا آفس جاؤ گے؟"

"جانا ہی پڑے گا۔ ہم ملازمت پیشہ لوگوں کو آرام کہاں ملتا ہے؟ ویسے مجھے خود بھی کچھ کام ہیں۔"

آخری فقرہ کہتے ہوئے رضوان کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں چونک پڑی۔

"کیسے کام؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"کسی کے بارے میں کچھ معلومات درکار ہیں۔" رضوان نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اس کی مسکراہٹ کے انداز ہی نے اس کے دل کی بات مجھ پر آشکارا کر دی۔ میں سمجھ گئی کہ اسے کس کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔ وہ میرے ہی بارے میں چھان بین کرنا چاہتا تھا۔ کراچی سے تہران جاتے ہوئے اسے میرے بارے میں خاصی الجھن لاحق ہو گئی تھی۔ کمانڈر حق کے تنظیمی انداز نے بھی اسے مشکوک کر دیا تھا اور وہ مجھے کوئی ایسی شہزادی سمجھنے لگا تھا جو کسی وجہ سے اپنا ماضی چھپانے پر مجبور ہو۔ یہ بالکل قصہ کہانیوں کی سی بات تھی اور میرے لئے تو اس کا تصور ہی قہقہہ انگیز تھا۔

ہم دونوں ایک ٹیکسی میں روانہ ہوئے رضوان کو میں نے اس کے دفتر پر اتارا اور پھر اپنے گھر پہنچی۔ ٹیکسی کو پھاٹک ہی سے رخصت کر دیا اور پھر تھکے تھکے قدموں سے چلتی ہوئی احاطے میں داخل ہوئی۔ پھاٹک پر موجود چوکیدار نے میرا مختصر سا سامان سنبھال لیا تھا۔

بنگلے میں داخل ہوتے ہی میری ملازمہ خاص نظر آئی۔ وہ مجھے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹکی اور پھر تیزی سے میری طرف آئی۔

"خیریت؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"سلطانہ... سلطانہ مل گئی ہے۔" یہ فقرہ کہتے ہوئے وہ جیسے ہانپ گئی تھی۔

سلطانہ میری اسی ملازمہ کا نام تھا جو پراسرار طور پر لاپتہ ہو گئی تھی اور جس کے بارے میں میرا یہ خیال تھا کہ اسے کیپٹن آفاق نے اغوا کروایا ہے۔

"کہاں ہے وہ!" میں نے پوچھا۔

"ہسپتال میں ہے۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ کمانڈر صاحب نے اسے بنگلے کے پاس سڑک پر پایا تھا وہی اسے ہسپتال لے گئے تھے۔"

میں نے ذرا سا غور کیا اور پھر ایک گہرا سانس لیکر بولی۔ "ٹھیک ہے میں اسے صبح دیکھوں گی۔ اس وقت تو میرا جسم ٹوٹا جا رہا ہے۔"

مجھے کمانڈر حق کو فون کرنا چاہئے تھا، اس سے سلطانہ کی بابت سب کچھ معلوم ہو سکتا تھا اور طاہر سعید کے بارے میں بھی رپورٹ مل جاتی جس کے سامان میں بم رکھ کر ڈرخ کے طیارے میں پہنچایا گیا تھا لیکن میں بیچ مچ اتنی تھکن محسوس کر رہی تھی کہ بستر کے سوا کچھ یاد نہیں آرہا تھا۔ میں اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"خیال رکھنا میرے آرام میں کوئی خلل نہ پڑے۔ مگر مجھے کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی تو تمہیں انٹر کام پر بلا لوں گی۔"

"انٹر کام" سے میری مراد اس صوتی نظام سے تھی جو میں نے اپنی رہائش گاہ کے مختلف حصوں میں پھیلا رکھا ہے۔ جو کمرے خاص طور سے میرے استعمال میں رہتے ہیں وہاں بیٹھ کر میں اپنے سارے گھر سے رابطہ قائم کر سکتی ہوں۔ بس مجھے خودکار نظام کا بٹن دبانا پڑتا ہے اور پھر میری آواز گھر کے مختلف حصوں میں سنائی دینے لگتی ہے۔

خوابگاہ کے دروازے پر پہنچ کر خادمہ مجھ سے رخصت ہو گئی۔ بستر کے تصور ہی سے میری آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ دروازہ کھولنا بھی مجھے دوبھر معلوم ہوا تھا۔ اندر داخل ہو کر میں نے ایک ہاتھ سے دروازہ بند کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے بجلی کا بٹن دبایا۔ پھر میں مڑی لیکن ایک ہی قدم اٹھا کر ٹھٹھک گئی۔

کھڑکی کے پاس میری ڈریسنگ ٹیبل تھی جس کی کرسی پر میں نے ایک چینی شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے سیاہ ریوالور کی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔ نال میں سائلنسر فٹ تھا۔

"پلٹ کر بھاگنے کی کوشش ہلاکت کا باعث ہو گی۔" وہ آہستہ سے بولا لیکن اتنا آہستہ بھی نہیں کہ میں اس کی آواز نہ سن سکتی۔

میرے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس چینی کی آنکھوں میں ایسا نہ جانے کیا تاثر تھا کہ مرگھٹ جیسے مقامات میرے تصور میں ابھرنے لگے۔ وہ چہرے سے بہت ذہین اور مضبوط قوت ارادی کا مالک محسوس ہوتا تھا۔ نقوش میں ایسی گمبھیرتا رچی بسی ہوئی تھی کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ بڑی مضحکہ خیز معلوم ہوتی۔ آنکھوں کی ویرانی میں سفاک فطرت کی پرچھائیں محسوس کی جا سکتی تھی اور جوڑے جبڑے اس کے درندہ صفت ہونے کی غمازی کر رہے تھے۔

"مجھے امید ہے ..... کہ تمہیں ..... ڈاکٹر فونگ کو ..... اپنے کمرے میں دیکھ کر ..... خوشی ہوئی ہو گی۔" وہ اس طرح رک رک کر بولا جیسے میرے چہرے پر اپنے ایک ایک لفظ کا اثر دیکھنا چاہتا ہو۔

اوہ! تو یہ ڈاکٹر فونگ ہے! میں نے سوچا۔

"خوب!" میں مسکرائی۔ "تو اب تم نے خود ہی زحمت کر ڈالی!..... خیر! تم کو یہاں دیکھ کر مجھے یقیناً خوشی ہوئی ہے۔"

"تم نے میری آمد کا مقصد نہیں پوچھا!"

"فوری طور پر اس قسم کا سوال اصول میزبانی کے خلاف ہے۔"

میں نے کہا اور مسکراتی ہوئی بڑے اطمینان سے بستر پ
فونگ کی آنکھیں میرے ساتھ ساتھ حرکت

"کائی چیک نے تمہیں بتا ہی دیا ہو گا کہ میرا تعلق سروس سے نہیں ہے۔" میں نے بستر پر بیٹھتے ہوئے
کائی چیک کے آلۂ کار سے یہ بھی نہیں چھپایا تھا کہ میں
کو کس طرح جانا ہے لہٰذا اب تمہاری آمد میرے لئے

"میں تمہیں صرف ایک بات سے باخبر کرنے آیا

"کس بات سے؟" میں نے پلکیں جھپکائیں۔

"یہ تمہاری زندگی کے آخری لمحات ہیں۔"

"یقیناً یہ میرے لئے ایک دلچسپ اطلاع
مسکرائی۔ گو کہ میرے لہجے میں تمسخر تھا لیکن ڈاکٹر فون
پر کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے
قسم کی کسی چیز سے واقف ہی نہ ہو۔

وہ بدستور دھیمی آواز میں بولا۔ "یہ بات تو مال
کہ تم انٹیلی جینس سے تعلق نہیں رکھتیں لیکن یہ میں نہ
تم زبیدہ کے ذریعے مجھ تک پہنچی تھیں۔ وہ میری اتنی
کہ اسے میرا نام بھی نہیں معلوم تھا۔"

ڈاکٹر فونگ کی یہ بات غلط نہیں تھی۔ زبیدہ
دکٹر کا پتہ چلا تھا اور دکٹر کے ذریعے سے میں ڈاکٹر فو

"ہو سکتا ہے کہ زبیدہ کو تمہارا پتہ چل گیا ہو
لاعلم ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"ایسی باتوں سے لاعلم رہنا ڈاکٹر فونگ نے
ہو گا کہ تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں
بننے نہیں آیا ہوں۔"

"لیکن آئے کیسے ہو؟" میں نے استعجابیہ انداز میں
"تم کو یہاں آتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔" میں
باتوں میں وقت گزارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بستر
میں نے انٹر کام کا بٹن دبا دیا تھا اور اب یہ بات ط
کمرے میں ہونے والی ساری باتیں دوسرے کمروں میں
جا رہی ہوں گی۔ گویا میری ملازماؤں کو اس بات کا علم
کہ میں کس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں۔

"میں دیوار پھلانگ کر چمن میں وارد ہوا تھا۔"
نے جواب دیا۔ وہ بڑی شستہ اردو بول رہا تھا۔ "اس کم
کھڑکی چمن کی طرف کھلی ہوئی تھی اس لئے مجھے یہاں
دقت نہیں ہوئی۔ مجھے طیارے کی آمد کا وقت معلوم تھا لہٰذا
دیر تک انتظار بھی نہیں کرنا پڑا۔"

"اگر میرے ساتھی کمانڈر حق کو یہاں پر تمہاری موج
ہو جائے تو تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔"

تم کس ساتھی کو باخبر کر سکو گی؟"

نہیں دو گے تو مجبوری ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔
لئے پہلی مرتبہ ڈاکٹر فونگ کی آنکھوں میں تغیر پیدا
وہ عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے واقعی
ملازم کی باتیں کی تھیں لیکن ڈاکٹر فونگ کے فرشتے بھی
کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس طرح میں نے اپنی ملازماؤں
باتھا کہ وہ فوری طور پر کمانڈر حق کو فون کر دیں۔ اب میں
تھی کہ اگلے چند منٹ میں کمانڈر حق اپنے آدمیوں کے
پہنچ جائے گا۔

بستر پر اس طرح نیم دراز ہو گئی کہ میری سڈول ٹانگیں
توجہ اپنی طرف مبذول کر لیں لیکن میری خواہش تشنہ ہی
ونگ دوسری قسم کے آدمیوں میں سے تھا۔ اس نے
ٹانگوں پر اچٹتی ہوئی سی نظر بھی نہیں ڈالی۔

اگر اب میں اپنا وقت ضائع نہ کروں۔" وہ زیر لب

رنگ!" میں نے جلدی سے کہا۔ "تمہیں یقین کیوں نہیں
وہ ہی کے ذریعے سے تمہیں جانا تھا۔"
کسی قیمت پر بھی نہیں بھانی جا سکتی۔ بہتر ہو گا کہ تم حقیقت
ے میں تمہیں زندہ چھوڑا جا سکتا ہے۔"
بلا جانتی تھی کہ دکٹر کا نام بتا کر میں اپنی یقینی موت کو
ل۔ ڈاکٹر فونگ جیسے لوگ کسی ایسے شخص کو زندہ نہیں
کے وجود سے واقف ہو گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ میں
ڈاکٹر فونگ کو کچھ دیر تک روک سکتی تھی۔ مجھے بس چند
اس کے بعد کمانڈر حق وہاں پہنچ ہی جاتا۔
ایک سودا کر لو!" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے سنجیدگی

سودا؟"
اپنے بارے میں کچھ بتاؤ!"
کیا چاہتی ہو؟"
مشن کیا ہے؟"
ہاں ..... پاکستان اور چین کے تعلقات خراب کر دینا ہی
میرے حلیف جو اس مشن میں مجھ سے تعاون کر رہے ہیں
کہ پاکستان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔"
یکہ تم چینی ہو کر چین کے خلاف کام کر رہے ہو۔"
میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"
تمہارا تعلق تائیوان سے ہو گا۔"
خیال درست ہے۔"

"یہ تو تمہیں خود ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔"

"بھارت؟"

"ظاہر ہے۔"

"پاک چین تعلقات کو خراب کر کے تائیوان کو کیا فائدہ ہو گا؟"

"اس سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں صرف اپنے ذاتی مفاد کے لئے کام کر رہا ہوں۔ حب وطن جیسے احمقانہ جراثیم مجھ میں قطعی نہیں ہیں۔" ڈاکٹر فونگ نے جواب دیا اور پھر اچانک بولا۔ "مجھے اعتراف ہے کہ میں نے تم جیسی عورت کبھی نہیں دیکھی۔ تم اس طرح پرسکون نظر آرہی ہو جیسے میں یہاں خیر سگالی کے دورے پر آیا ہوں۔"

"میں نے اپنی تربیت کچھ ایسے ہی انداز میں کی ہے کہ ہر قسم کے حالات میں پرسکون رہ سکوں۔ اضطراب و انتشار سے کوئی فائدہ تو ہوتا نہیں۔"

"خیر!" فونگ نے شانے جھٹکے۔ "میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا۔ اب تم بتاؤ کہ میرے بارے میں تمہیں کیسے معلوم ہوا تھا؟"

"تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ پاک چین تعلقات خراب کرنے میں تمہارا کیا مفاد ہے۔"

"بس۔" ڈاکٹر فونگ یکلخت کھڑا ہو گیا۔ "تم میرا خاصا وقت ضائع کر چکی ہو۔ اب میں یہاں ایک منٹ بھی نہیں رکنا چاہتا۔ اب بھی اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو میں اس کے کھلنے کا انتظار بھی نہیں کروں گا۔"

یہ بڑا نازک موقع تھا لیکن اس خواہش کے باوجود کہ مجھے کچھ کہنا چاہئے، میں کچھ کہہ نہ سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ اچانک ڈاکٹر فونگ کے بپھر جانے سے میں بوکھلا گئی تھی لیکن میں نے اپنی بوکھلاہٹ کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ میں ہنستی رہی اور آہستہ سے بولی۔ "میں ایک شرط پر بتا سکتی ہوں۔"

"میں اب تمہاری کوئی شرط سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں۔" ڈاکٹر فونگ کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ پیدا ہو گئی۔

"تب پھر بیکار ہے۔" میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "کیونکہ اس صورت میں بھی موت ہی میرا مقدر بنے گی۔"

"موت؟"

"ہاں، موت، اگر میں نے تمہیں حقیقت بتا دی تو مجھے مار ڈالا جائے گا۔"

اب ڈاکٹر فونگ کی آنکھوں سے الجھن مترشح تھی۔

"کون مار سکتا ہے تمہیں؟"

"وہی جس کا نام لوں گی۔" میں نے جواب دیا۔ میں خوش تھی کہ میں نے وقت گزاری کے لئے ڈاکٹر فونگ کو پھر ایک نکتے پر الجھا دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ ڈاکٹر فونگ کچھ کہتا، دروازے پر دستک ہوئی۔ اس موقعے پر ڈاکٹر فونگ کو تو چونکنا ہی چاہیئے تھا لیکن میں بھی چونکے بغیر نہ رہ سکی کیونکہ میرے اندازے کے مطابق کمانڈر حق کے آنے میں ابھی کچھ وقت اور لگنا چاہیئے تھا۔

اس ملاقات کے دوران میں پہلی مرتبہ ڈاکٹر فونگ کے چہرے پر اضطراب کی جھلک نظر آئی اور وہ دو قدم میرے بستر کی طرف بڑھ آیا۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" ڈاکٹر فونگ نے سرگوشی کی۔

"میں کیا بتا سکتی ہوں۔ شاید کوئی ملازم ہو گی۔"

"بلاؤ اسے۔" یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر فونگ کسی ایسے درندے کی طرح وحشت زدہ تھا جیسے اپنے اردگرد، شکاریوں کی موجودگی کا احساس ہو گیا ہو۔

"اندر آجاؤ!" میں قدرے بلند آواز میں بولی۔

دروازہ کھول کر جو شخص اندر آیا وہ چوکیدار تھا ڈاکٹر فونگ کے ریوالور پر نظر پڑتے ہی وہ خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔

"گھبراؤ نہیں چوکیدار! آگے آؤ! کیا بات ہے؟" میں بولی۔

چوکیدار آگے تو آ گیا لیکن اس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔

"بیگم صاحب!" وہ تقریباً ہکلاتا ہوا بولا۔ "آپ.... آپ جو بیگ اپنے ساتھ.... لائی تھیں.... وہ کہاں رکھنا ہے؟"

"اتنی سی بات پوچھنے کیلئے پریشان کیا ہے تم نے اپنی مالکہ کو؟" ڈاکٹر فونگ نے چوکیدار کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے۔

"کیا واقعی تمہارا آنا ضروری تھا؟" میں نے چوکیدار کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "اس بیگ کا تعلق کمانڈر حق سے تھا۔ اسی کو فون کر کے پوچھ لیتے!"

"انہوں نے فون پر کچھ نہیں بتایا۔ کہنے لگے کہ میں خود آرہا ہوں لیکن وہ اب تک نہیں آئے۔ وقت نکلا جا رہا تھا اس لئے...."

"تم نے بالکل ٹھیک سوچا۔" میں نے شاباشی دینے والے انداز میں مسکرا کر کہا۔ "لیکن تمہارا آنا میرے دوست ڈاکٹر فونگ کو بہت ناگوار گزرا ہے۔"

ڈاکٹر فونگ کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اب اس کے شکوک انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ اسے گڑبڑ کا احساس تو ہو گیا تھا لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ کیا گڑبڑ ہے؟ یہ سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے وہ گولی چلانے سے گریز کر رہا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آ بھی نہیں سکتی تھی کہ چوکیدار نے خود کو خطرے میں ڈال کر میرے لئے چند انتہائی قیمتی منٹ حاصل کر لئے تھے۔

میرے اعصاب میں بلا کا تناؤ پیدا ہو گیا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ اگر اب بھی کمانڈر حق نہ پہنچ سکا تو کیا ہو گا؟

"تمہارے ساتھ اب اس چوکیدار کو بھی ختم کرنا...." فونگ غرایا اور اس کے ریوالور والے ہاتھ نے خفیف.... میں جلدی سے بولی۔ "اپنا برا بھلا سوچ کر فو.... ! مجھے یقین ہے کہ اس وقت تک کمانڈر حق اور .... ٹیکے سے تمہارے فرار کی تمام راہیں مسدود کر چکے ہوں.... چھوڑنے کی صورت میں تو تم فرار ہو سکتے ہو لیکن میری.... تمہا.... میں کوئی ایسا .... گا جو تمہیں بچا....

ڈاکٹر فونگ کی آنکھوں سے شدید الجھن جھانکتی.... ادھر میرے مساموں سے پسینہ پھوٹ چکا تھا۔ میں ا.... ایک انتہائی خطرناک موڑ پر کھڑی ہوئی تھی۔ موت اور زند.... فاصلے کو اس قدر گھٹا ہوا دیکھنا کوئی آسان بات نہ.... غیر ضروری تھا کہ فونگ کو میری بات کا یقین آجاتا اور .... ہی میں اسے اپنی عافیت نظر آتی۔

ڈاکٹر فونگ ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ در.... دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ چشم زدن م.... نے دروازے کی طرف جست لگائی اور اسے اندر سے.... میں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ .... کی دراز میں میرا پستول موجود ہونا چاہیئے تھا۔ میں ا.... پستول نکالنا چاہتی تھی لیکن مجھے مہلت نہیں مل سکی.... دروازہ بولٹ کر کے اتنی تیزی سے پلٹ آیا تھا کہ میں.... گئی۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی آدمی کو اتنا پھر.... اس کی حرکت دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا جیسے کمرے میں....

باہر سے کسی نے دروازہ پیٹ ڈالا اور چیخ کر کہا "....غلط حرکت نہ کرنا۔ عمارت مکمل طور سے ہمارے نرغے میں...."

"اب کیا خیال ہے ڈاکٹر فونگ!" میں چہکتی ہوئی.... ڈاکٹر فونگ کوئی جواب دینے کے بجائے، مجھے ا.... کو ریوالور کا نشانہ بنائے ہوئے پیچھے ہٹا۔ چشم زدن میں وہ کھ.... قریب تھا۔ اس نے کنکھیوں سے باہر کا جائزہ لیا۔ غالباً وہ.... جاننا چاہتا تھا کہ اس طرف کوئی آدمی موجود ہے یا اسے ڈھ.... کوشش کی گئی ہے۔

جس وقت ڈاکٹر فونگ باہر کا جائزہ لے.... رہا تھا، میں آہستہ سے بستر کے کنارے کی طرف سرک گئی۔ .... ہیجان خیز لمحات میں اپنی زندگی کی طرف سے غافل نہ.... ڈاکٹر فونگ، شکاریوں کے نرغے میں پھنسے ہوئے در.... مشتعل ہو چکا تھا اور اب اس کی درندگی کسی رنگ میں.... ہو سکتی تھی۔

میرا چوکیدار ساری جان سے کانپ رہا تھا۔ ....

.... بھاگ آیا تھا لیکن اب اس سے باہر سے پر.... ہو گئی تھی۔

.... کی وحشت کے بارے میں میرا خدشہ درست .... نے کھڑکی سے باہر کا جائزہ لینے کے بعد اچانک .... میں اس کے ہاتھ کو سیدھا ہوتے دیکھ کر بستر سے .... پر گری۔ فونگ کی چلائی ہوئی گولی میرے شانے کے سرہانے سے بچ کر دیوار میں جا گھسی۔

.... بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ جب میں نے .... ان لپکتے دیکھا تو جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ میری طرف .... کا مطلب ہی یہ تھا کہ ڈاکٹر فونگ کمرے میں موجود .... اس نے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی تھی۔ اگر وہ .... تو چوکیدار میری طرف لپکنے کی بجائے فرش ہی پر .... دیتا جہاں شاید وہ گولی چلتے وقت گر پڑا تھا۔

.... اس وقت چمن کی طرف سے ڈاکٹر .... والی چیخ سنائی دی۔ وہ بالکل ایسی چیخ تھی جیسے کسی .... پر چھری چلا دی ہو۔

.... خوابگاہ کا دروازہ کھولنے کے لئے لپکا لیکن میں کھڑکی .... کر دیکھنا چاہتی تھی۔ میں نے کھڑکی کی چوکھٹ پر ہاتھ .... جھکی تو میری پشت پر دروازہ کھلنے کی آواز ہوئی۔ .... ہی تھی کہ عقب سے مجھے ایک جانی پہچانی نسوانی ....

.... ہی ہو؟"

حیرت کے عالم میں مڑ کر دیکھا اور کھڑکی سے پھر فرش .... میں بیگم پرتاب گڑھ کھڑی تھی۔

.... جس کی آمد کا مجھے اس وقت سان و گمان بھی نہیں .... دیکھ کر ذرا دیر کے لئے ڈاکٹر فونگ کو بھی بھول گئی۔

.... بیگم پرتاب گڑھ نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

.... سے دوڑ کر بیگم پرتاب گڑھ سے جا لپٹی اور اسے .... لگی لیکن اس والہانہ انداز میں جنس کی کوئی آمیزش .... ایسا ہی تھا جیسے دو بہنیں عرصۂ دراز کے بعد ملنے پر ....

.... بہنیں؟" میں نے اس سے جدا ہوتے ہوئے پوچھا .... والی ہوں۔ دراصل ایک سرکردہ شخصیت نے شکایت کی .... سرگرمیوں میں حصہ لے رہا ہے لیکن جب میں یہاں .... بھارت کے لئے کام کر رہا ہے۔ آخر یہ چکر کیا ہے بانو! .... کو بدنام کر دیا ہے؟"

.... کہ تم کو میری بجائے کیپٹن آفاق کی فکر ہے۔ ابھی میں .... کے پھنسے ہوئے بچے ہیں....

"وہشت! مجھے کیپٹن آفاق کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے!.... میں تو یہ کہنا چاہتی تھی کہ تمہیں اس کے منہ نہیں لگنا چاہیئے تھا۔ وہ ایک کمینہ شخص ہے۔"

"کمینے لوگوں کو سبق دینا میری ہابی ہے۔ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔"

"اور یہ ڈاکٹر فونگ کس قسم کا کمینہ ہے؟" بیگم پرتاب گڑھ نے پوچھا۔

ڈاکٹر فونگ کا نام سنتے ہی میری وہ کیفیت ختم ہو گئی جو بیگم پرتاب گڑھ کو اچانک سامنے دیکھ کر مجھ پر چھا گئی تھی۔ میں تیزی سے کھڑکی کی طرف جھپٹی۔

"کیوں خود کو تھکا رہی ہو؟" میں نے بیگم پرتاب گڑھ کی آواز سنی۔ "تمہارا وہ کمینہ کیرد واب کہیں بھاگ نہیں سکے گا۔ کھڑکی کے باہر آہنی شکنجہ لگا دیا گیا تھا۔ کیا تم نے اس کی چیخ نہیں سنی؟"

"اوہ!" میں ایک بار پھر ٹھٹھک کر رک گئی اور مڑ کر حیرت سے بولی۔ "یہ آہنی شکنجہ؟"

"ہاں، میری گاڑی میں پڑا ہوا تھا۔ جنگل کو موذی جانوروں سے نجات دلانے کے لئے وہاں آہنی شکنجے لگوائے تھے۔ انہی میں سے ایک گاڑی میں پڑا رہ گیا تھا جو اس وقت کام آگیا۔"

بیگم پرتاب گڑھ کی اراضی کا خاصا بڑا حصہ جنگلات پر مشتمل تھا۔ آجکل وہ ان درختوں کو صاف کرا کے وہاں آم کے باغات لگوا رہی تھی۔

میں اور بیگم پرتاب گڑھ خواب گاہ سے نکلے چوکیدار ہمارے ساتھ تھا اور ہم تیزی سے چمن کا رخ کر رہے تھے۔

اچانک پے در پے کئی فائر ہوئے؛ ایک آدمی کی چیخ گونجی اور پھر بھاگتے ہوئے قدموں کی دھمک، شور کی شکل اختیار کر گئی۔

اب ہم نے بھی دوڑنا شروع کیا اور جلد ہی چمن میں پہنچ گئے۔ خوابگاہ کی کھڑکی کے نیچے ہمارا ایک آدمی اپنی ران دبائے، پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر لوہے کا ایک بڑا سا شکنجہ پڑا ہوا نظر آیا۔ اس شکنجے میں دبا ہوا جوتا، خون میں اس بری طرح لتھڑا ہوا تھا کہ دیکھتے ہی کراہیت محسوس ہوتی تھی۔

جوتا، خالی نہیں تھا۔

ہمارے آدمی نے تکلیف سے کراہتے ہوئے بتایا کہ جب ڈاکٹر فونگ اس شکنجے میں پھنسا تو اس کی چیخ نکل گئی تھی۔ غالباً اسی چیخ کو سن کر ایک آدمی دوڑتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ اس نے شکنجہ کھولنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا تھا اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ وہ فونگ کا ساتھی ہی ہو گا۔ ہمارا ایک آدمی کچھ فاصلے پر درخت کی آڑ سے یہ ماجرا دیکھ رہا تھا۔ اس نے انہیں للکار کر ہتھیار پھینکنے کے لئے کہا تو اس پر ایک گولی چلائی گئی جو اس کی ران میں لگی۔ باقی گولیاں فونگ نے خود اپنے پاؤں پر چلائی تھیں۔ ان گولیوں نے ٹخنے کے قریب کی ہڈی کو چور چور کر دیا ہو گا۔ باقی کام شاید چاقو سے لیا گیا

تھا۔ اس طرح خود اپنے ہاتھوں سے اپنی ٹانگ کاٹ کر فونگ نے اس شکنجے سے رہائی پائی تھی اور اس کا ساتھی اسے اپنے کندھے پر اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔

یہ بربریت اور سفاکی کی انتہا تھی کہ آدمی خود ہی اپنے جسم کا کوئی عضو کاٹ کر پھینک دے۔ یہ میرا چشم دید واقعہ تھا۔ لیکن اگر میں نے کسی سے سنا ہوتا تو شاید ہی یقین کرتی۔

کمانڈر حق جلدی میں اپنے ساتھ دو تین ہی آدمیوں کو لا سکا تھا۔ اس کی یہ للکار محض ایک دھمکی ہی تھی کہ بنگلے کو گھیر کر فرار کی راہیں مسدود کر دی گئی ہیں۔ وہ اپنے انہی چند آدمیوں کے ساتھ ڈاکٹر فونگ کے تعاقب میں دوڑا تھا لیکن اس کی واپسی چند منٹ بعد ہی ہو گئی تھی۔ وہ ناکام لوٹا تھا۔

دراصل ڈاکٹر فونگ کی کار بنگلے کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ اگر وہ کچھ دور ہوتی تو وہ لوگ کمانڈر حق کی دسترس سے نہیں نکل پاتے۔

میرے بنگلے کے پاس پڑوسی جمع ہونے لگے تھے۔ ان کے ذہنوں میں گونجتے ہوئے پُرتشویش سوالوں کی آسودگی کے لئے میں نے ایک ناکام ڈاکے کی داستان گھڑ کر سنا دی۔ خدا جانے اس داستان سے ان کی تشفی ہوئی یا نہیں لیکن بہرحال وہ آہستہ آہستہ منتشر ہونے لگے۔ ویسے بھی ہر شخص پولیس کے جھمیلوں سے بچنے ہی کا خواہشمند رہتا ہے۔ اور میں انہیں بتا چکی تھی کہ پولیس کو فون کیا جا چکا ہے۔ پولیس کی آمد سے پہلے وہ آہنی شکنجہ اور اس میں پھنسا ہوا ڈاکٹر فونگ کا جوتا وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔

کمانڈر حق نے اپنے زخمی ساتھی کے بارے میں بھی پولیس کو اطلاع دیدی اس لئے پولیس کے ساتھ ڈاکٹر بھی موجود تھا۔

بیگم پرتاب گڑھ کی موجودگی کے باعث، پولیس افسر دبے دبے سے رہے۔ یوں بھی کسی قسم کا شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ان دنوں شہر میں اس قسم کی وارداتوں کا خاصا زور تھا اور میں ہر طرح سے ایک "مناسب شکار" معلوم ہوتی تھی۔

جب تمام کارروائیوں کی تکمیل کے بعد پولیس رخصت ہو گئی تو اطمینان نصیب ہوا۔ میں بیگم پرتاب گڑھ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جا بیٹھی اور ملازمہ سے کافی کے لئے کہہ دیا۔

"یہ تمہیں آہنی شکنجے کا خیال کیسے آ گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"آدمیوں کی کمی کے باعث" بیگم پرتاب گڑھ نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اتنی کم تعداد پورے بنگلے کو نہیں گھیر سکتی تھی۔ ملازمہ نے بتا ہی دیا تھا کہ ڈاکٹر فونگ چین کی کھڑکی سے کمرے میں پہنچا ہے۔ امکان تھا کہ وہ اُدھر ہی سے بھاگے گا لہٰذا وہاں شکنجہ لگا کر آدمیوں کی کمی کا ازالہ کیا جا سکتا تھا۔"

"لیکن اس کمبخت نے شکنجے میں پھنس کر بھی خود کو بے بس نہیں سمجھا۔" میں نے کہا اور اس وقت کا تصور کر کے میرا رُواں رُواں کھڑا ہو گیا۔

"تمہارا یہ دشمن درندوں سے بھی زیادہ سفّاک ہے" بیگم پرتاب گڑھ کا لہجہ پُرتشویش تھا۔ "بہت محتاط رہنا پڑے گا تمہیں۔ تم نے ابھی تک مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

میں نے ڈاکٹر فونگ کے سلسلے میں وہ ساری معلومات جو اب تک میرے علم میں آ چکی تھیں۔ پھر اچانک کچھ خیال آیا تو ملازمہ کو آواز دی۔ وہ اندر آ کر مؤدب کھڑا ہو گیا۔

"لیکن... تمہیں تو کوئی کام نہیں ہے کمانڈر..." میں نے استفہامیہ نظروں سے بیگم پرتاب گڑھ کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر خود ہی فیصلہ کن انداز میں بولی۔ "اگر ہو بھی تو ابھی چند روز تک کمانڈر حق کو چھٹی نہیں دے سکتی۔"

"تمہاری مرضی بے بی!" بیگم پرتاب گڑھ نے ... وہ عمر میں مجھ سے دس سال بڑی ہے۔ اور شاید اسی لئے اس کا انداز تخاطب کچھ بزرگانہ ہو جاتا ہے لیکن ہماری بے تکلفی اس سے مختلف نہیں ہوتی۔

کمانڈر حق اسکے ذاتی محافظوں کا انچارج تھا۔ میں اس لئے استعمال کر رہی ہوں کہ سال گزشتہ اس کا ... بیگم پرتاب گڑھ نے اسے ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ مجھے ... سمجھے۔ یہی وجہ تھی کہ میرا حکم کمانڈر حق کے لئے ... کے حکم سے زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ وہ لوگ مجھ سے مخاطب تھے جیسے بیگم پرتاب گڑھ سے ہمکلام ہوں۔ شروع ... "یور ہائی نس" کہنا مجھے بڑا عجیب سا لگتا تھا لیکن ... عادت ہو گئی تھی۔

میں نے کمانڈر حق کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم ... جاری رکھو۔ اس کا ایک ٹھکانہ تم کو معلوم ہی ہے ... والی دوکان کی طرف ہے۔ امکان تو نہیں کہ اب وہ ... کرے لیکن یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت اپنی ... کے لئے وہاں جائے۔"

"بہتر ہے" کمانڈر حق کی ایڑیاں بج اٹھیں ... فوراً رخصت ہو گیا۔

ان ہنگاموں میں میری تھکن کافور ہو گئی تھی ... پر مسلط ہونے لگی۔ بیگم پرتاب گڑھ نے میرے چہرے پر ... کر کے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم لیٹنا چاہتی ہو۔ چلو ... ہیں۔ لیٹ کر اطمینان سے گفتگو ہوتی رہے گی۔"

یہ گویا میرے دل کی بات تھی۔ میں بیگم پرتاب گڑھ ... میں آ گئی۔ کشادہ بستر پر ہم ایک دوسرے کے قریب لیٹ ... بیگم پرتاب گڑھ عمر میں مجھ سے دس سال زیادہ ...

... مہمانی طور پر بہت سخت بری بکھری تھی۔ بہت سے مرد اس کی ... فدائی رہتے تھے لیکن اس کی شخصیت میں ایک ایسا وقار اور دبدبہ ... تھا کہ لوگ اس سے بے تکلف ہونے کی ہمت کر پاتے تھے۔ گو کہ وہ خود ... عالی طبیعت رکھتی تھی لیکن اس کا انتخاب بہت سخت ہوتا تھا۔ ... کو بچا کر اپنی قربت سے نوازتی تھی۔

... میں اسی طبقے سے تعلق رکھتی ہوں جسے متمول طبقہ کہا جاتا ہے ... کے طور طریق میرے دل کو کبھی نہیں بھائے۔ خاص طور سے ... لوگوں کی زندگی سے تو مجھے وحشت ہوتی ہے اپنی ذات کی ... میں شادی کی قائل ہی نہیں لیکن دوسروں کو چاہیئے کہ جب شادی ... اور کچھ پابندیاں بھی لاگو کریں۔ میرے طبقے نے تو ان پابندیوں ... ڈھونگ کا ہے۔ بیویوں کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ ان کے شوہر ... پیچھے دم ہلاتے پھر رہے ہیں۔ اور شوہروں کو بیویوں کی نیم شبی ... سے کوئی سروکار نہیں۔ کچھ یہی حال بیگم پرتاب گڑھ کا تھا۔ اب ... چکی ہے اور اس نے گوشہ نشینی بھی اختیار کر لی ہے۔ مگر اس ... اپنی اٹیچوٹیز پر شوہر کی موجودگی کو اثر انداز نہیں ہونے دیتی ... کچھ اچھا نہیں لگتا تھا لیکن میں نے اس کا اظہار کبھی نہیں ... کی دوست تھی اور مجھے اس کے افعال سے کوئی سروکار ... چاہئے تھا۔ اس نے بھی تو کبھی اس بات پر اعتراض نہیں ... کہ فیزا اور جان جین قسم کی لڑکیاں میری کمزوری ہیں۔

... پرتاب گڑھ سے میری دوستی اس وقت سے ہے جب ... کے رعب و دبدبے کی بات ہی کچھ اور تھی لیکن پاکستان ... بھی یہاں کے اکابرین کی نظر میں اس کا اور اس کے شوہر ... تھا۔ ان کی شخصیتیں نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھیں۔ یہ ... دبدبے کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا۔ ایک محل نما کوٹھی ... میں ملازمین کی فوج کی فوج دست بستہ حاضر رہتی تھی — ... باڈی گارڈز اتنے تھے کہ انہیں انگلیوں پر نہیں گنا جا سکتا تھا۔

...

... مکمل تو میں کمرے میں تنہا تھی۔ بیگم پرتاب گڑھ کو بستر چھوڑے ... دیر ہو چکی ہو گی کیوں کہ دن آدھے سے زیادہ گزر چکا تھا۔ ... کی دیر تک سو کر اپنی ساری تھکن اتار ڈالی تھی۔

... ٹیبل پر رکھا ہوا اخبار اٹھا کر میں نے اس پر ایک اچٹتی ... اور پھر انٹرکام کا سوئچ آن کر کے اپنی ملازمہ خاص کو بلایا۔ ... ایک ٹرالی دھکیلتی ہوئی کمرے میں آئی۔ ٹرالی کو بستر ... کر کے وہ میرے لئے چائے بنانے لگی۔ میں اخبار پر نظر ... ڈالی۔

"بیگم پرتاب گڑھ کب گئی تھیں؟"

"وہ علی الصبح چلی گئی تھیں۔" ملازمہ نے جواب دیا اور پھر بولی "کمانڈر صاحب آپ کو کئی بار فون کر چکے ہیں۔"

میں نے چائے کی پیالی ملازمہ کے ہاتھ سے لے کر اسے کمانڈر حق کا نمبر ملانے کے لئے کہا۔ میں چائے کی چسکیاں لیتی رہی اور ملازمہ فون پر نمبر ڈائل کرتی رہی۔ جب رابطہ قائم ہو گیا تو وہ ٹیلیفون سیٹ سائڈ ٹیبل پر لے آئی۔ میں نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"یور ہائی نس!" کمانڈر حق کی آواز سنائی دی۔ "میں صبح سے کئی مرتبہ فون کر چکا ہوں۔ معلوم ہوتا رہا تھا کہ آپ آرام کر رہی ہیں۔"

"ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے رپورٹ دو۔"

"رات کو مجھے ڈاکٹر فونگ کے ٹھکانے پر پہنچنے میں ذرا سی دیر ہو گئی تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو ڈاکٹر فونگ اپنے ساتھی کے سہارے اپنی کار میں بیٹھ رہا تھا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا اور اس طرح میری رسائی ایک اور عمارت تک ہوئی۔ رات کا وقت ہونے کی وجہ سے آس پاس کوئی دکان کھلی ہوئی نہیں تھی جس کے فون پر میں اپنے ساتھیوں سے رابطہ قائم کر سکتا۔ مجبوراً مجھے اپنے ساتھیوں کو لینے خود جانا پڑا۔ پھر جب میں نے اس عمارت پر چھاپہ مارا تو وہاں سے چڑیا کا بچہ بھی نہیں مل سکا۔ ساری عمارت خالی پڑی تھی۔"

"اوہ!" میں نے ایک طویل سانس لی۔ "گویا ڈاکٹر فونگ ہاتھ سے نکل گیا۔"

"جی نہیں۔ شائد میں نے اس کا پتہ چلا لیا ہے۔" کمانڈر حق کے لہجے سے دبے دبے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔

"شائد کا کیا مطلب ہوا؟"

"...اصل میں نے آج صبح اس عمارت کے بارے میں چھان بین کی تھی۔ پتہ چلا کہ وہ ایک چترالی سوداگر کی ہے۔ اس شخص کی تجارت کے سلسلے میں ہماری پولیس خاصی مشکوک ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ اس کی ایک اور کوٹھی پی، ای، سی، ایچ، ایس میں بھی ہے۔ میں نے اپنے ایک آدمی کو وہاں کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا اور اس آدمی نے ابھی دس منٹ قبل مجھے یہ اطلاع دی ہے کہ اسے کوٹھی کی ایک کھڑکی میں کسی چینی کا چہرہ نظر آیا تھا۔"

"ڈاکٹر فونگ کا چہرہ؟" میں نے بیتابی سے پوچھا۔

"میرا آدمی اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکا۔"

"عمارت کا پتہ بتاؤ!" میں نے کہا اور ملازمہ کو اشارہ کیا۔ وہ میز پر سے قلم اور پیڈ اٹھا لائی۔ میں نے پتہ نوٹ کرنے کے بعد کمانڈر حق سے کہا۔

"تم وہاں پہنچو، میں بھی جلد از جلد پہنچنے کی کوشش کروں گی۔"

میں نے سلسلہ منقطع کر دیا لیکن ریسیور رکھتے ہی مجھے خیال آیا تھا کہ میں دو تین باتیں پوچھنا بھول گئی ہوں۔ رات کے ہنگامے میں بھی مجھے سلطانہ کا خیال نہیں آیا تھا جسے کمانڈر حق نے ہسپتال پہنچا دیا تھا اس کے علاوہ مجھے ناصر سعید کے بارے میں پوچھنا تھا کہ اس سے کوئی بات معلوم ہوئی یا

نہیں؟ ویسا مدن لوٹ بوٹ کے برابر تھا اور میری سب سے اہم بات یہ معلوم کرنا تھی کہ ڈکٹر کا کیا ہوا وہ ڈاکٹر فونگ کا ایک اہم ایجنٹ معلوم ہوتا تھا۔ اس کی اچانک لاہور کی طرف روانگی خاصی معنی خیز تھی۔ کمانڈر حق کے ایک ماتحت کو میں نے اس کے تعاقب میں بھیج دیا تھا۔ لیکن ابھی تک مجھے اس کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں ملی تھی۔

"ناشتہ تیار ہونے میں صرف دس منٹ لگیں گے۔" ملازمہ نے مجھے بتایا۔

"ٹھیک ہے، میں اتنے تیار ہوتی ہوں۔" میں نے کہا اور بستر سے اٹھ کر ملحقہ غسلخانے میں چلی گئی۔

تر و تازہ ہو کر میں نے ناشتہ کیا اور گیرج سے مرسڈیز نکال کر سومنگی کی طرف روانہ ہو گئی۔ کمانڈر حق کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچنے میں مجھے دس منٹ لگے۔ گاڑی میں نے کچھ فاصلے پر چھوڑ دی تھی اور پھر ٹہلتی ہوئی اس عمارت کے قریب پہنچی تھی۔

کمانڈر حق پان کی دوکان پر کھڑا شاید سگریٹ لے رہا تھا۔

"ہیلو..." اس کے قریب پہنچ کر میں اس طرح مسکرائی جیسے اچانک کوئی شناسا مل گیا ہو۔

"ہیلو!" کمانڈر حق نے بھی بڑی گرمجوشی کا اظہار کیا اور پھر ہم دونوں موسم کی باتیں کرتے ہوئے دکان سے کچھ آگے بڑھ گئے۔

"کوئی خاص بات؟" میں نے سرگوشی کی۔

"کچھ لوگ ابھی ابھی کوٹھی میں داخل ہوئے ہیں مگر ان میں کوئی بھی چینی نہیں تھا۔"

"تمہارے آدمی کہاں ہیں؟"

کمانڈر حق نے ایک طرف اشارہ کیا۔ وہ آدمی کچھ دور ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے یوں کھڑا تھا جیسے کسی کا منتظر ہو۔ اس سے ذرا دور کچھ اور لوگ بھی کھڑے تھے۔ غالباً انہیں بس کا انتظار تھا۔ اس طرف ایک ہی نمبر کی بس آتی تھی اور اس پر ہمیشہ رش رہتا تھا کیونکہ بسوں کی تعداد ضرورت سے خاصی کم تھی۔

دفعتاً میں ایک شخص کو دیکھ کر چونک پڑی۔ وہ بھی بس کے منتظر ہجوم میں کھڑا تھا۔ چہرے پر بڑی خوبصورت سی داڑھی تھی۔ پہلی نظر میں تو میں نے اسے نہیں پہچانا تھا لیکن دوسری نظر نے داڑھی کے سارے پردے چاک کر دیئے۔

"رضوان!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

کمانڈر حق کی نظر اس طرف اٹھ گئی جدھر میں دیکھ رہی تھی۔ رضوان بھی یقیناً مجھے دیکھ چکا تھا لیکن وہ اس طرح منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا جیسے مجھے پہچانتا ہی نہ ہو۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" میں بڑبڑائی۔

اس بہروپ میں رضوان کی یہاں موجودگی میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ کمانڈر حق کے چہرے سے بھی الجھن کا اظہار ہونے لگا تھا اور میں اس ادھیڑ بن کے مرحلے سے ابھی نکلی بھی نہیں پائی تھی کہ ایک واقعہ پیش آیا۔ کچھ فاصلے پر ایک ٹیکسی آکر رکی اور ایک لڑکی اتر کر ڈرائیور کو پیسے دینے لگی۔

لڑکی کے جسم پر سادا مگر شوخ رنگ کے کپڑے تھے۔ انتخاب میں سلیقہ تھا۔ لباس نے عریانیت کے کسی تقاضے کو تھا لیکن تراش خراش ایسی تھی کہ وہ "صاف چھپتے بھی نہیں نہیں" کی تفسیر بن گیا تھا۔ اس تراش خراش نے جسم کے کچھ ایسی قیامت ڈھائی تھی کہ میری نظریں اس کی طرف اٹھی رہ گئیں۔ پھر جب لڑکی نے کرایہ ادا کر کے میری طرف اعصاب نے اچھا خاصا جھٹکا محسوس کیا۔ لڑکی چینی نسل کی تھی۔ چہرہ بھی خاصا پرکشش تھا اور یہ ایک غیر معمولی بات میں ایسے نقوش شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں۔

موجودہ حالات میں ایک چینی لڑکی کا نظر آنا دینے والی بات تھی لیکن میرے چونکنے کا ایک سبب اور بھی میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ لوگ اسے سوسن لی کے نام سے اصل نام تو کچھ ... ہی ہوگا لیکن اس نے اپنے گاہکوں کی نام کا پہلا حصہ "سوسن" سے بدل لیا تھا۔ وہ ایک ... کرنے کے اہل تھے "کم گاہک، زیادہ پیسہ" اس کا اصول اصول کی بنا پر وہ اپنی ترو تازگی برقرار رکھ سکی تھی ورنہ کسی عورت کو اس قابل کہاں چھوڑتی ہے کہ وہ ... سال ڈیڑھ سال پہلے میں نے اس کی گلبدنی کیا تھا اور آج اسے دیکھ کر میرے ذہن میں اس ملاقات کی پھیلی تھی کہ میرے رگ و پے میں سنسنی کی لہریں دوڑ گئی تھیں۔

میرا خیال تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر تیر کی طرح میری لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے مجھے دیکھا تو ضرور تھا لیکن وہ میرے قریب سے ہو کر نکل گئی اور میں نے الجھتے ہوئے اپنا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ ملاقات کا انداز اتنا سرسری نہیں تھا کہ کوئی بھی فریق دو بھلا سکتا۔

یہ بنا شوشہ ایسا تھا کہ رضوان کی موجودگی سے جو پیدا ہوئی تھی وہ اس میں دب کر رہ گئی۔ میری نظریں سوسن تھیں۔ میں نے اسے ایک پتلی سی گلی میں داخل ہوتے دیکھا۔ ذہن کی حالت کچھ ایسی ہو گئی تھی جیسے وہ کسی بھنور میں کوئی فوری فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہ گئی تھی لیکن اگر کر بھی لیا ہوتا تو اس پر عمل نہیں کر پاتی۔

گلی کی طرف سے ایک تیز چیخ سنائی دی تھی۔ یہ آواز شاید سوسن ہی کی تھی۔ میں بے تحاشہ اس گلی کی طرف دو

ی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پہنچ دوسروں نے بھی سنی ہوگی اور میری طرح ان کا ردِ عمل فطری عمل تھا۔

ں سب سے پہلے میں ہی پہنچی۔ سوسن گلی کی دیوار سے اور اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے جب کہ گلی میں اس ی نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں ے کے ایک ڈھیر کی طرف دیکھتی ہوئی ہسٹریائی انداز ہا تھی۔

ں آگے بڑھ کر اس کے دونوں کندھے پکڑے اور اسے زور سے ہوئی بولی "ہوش میں آؤ کیا پاگل پن ہے؟"

ا کی چیخوں میں یکلخت بریک لگ گئے۔ اس نے مجھے دیکھا اور متوقع حرکت کی کہ میں خود کو بالکل احمق محسوس کرنے لگی۔

آنکھ مارتے ہوئے سرگوشی کی تھی "خدا کے لئے شناسائی کا یا۔"

ماس سے کچھ کہنے کی مہلت نہیں مل سکی کیونکہ اب کچھ اور لوگ وہاں پہنچ گئے تھے۔ سوسن نے اچانک اپنا جسم ڈھیلا میرے ہاتھوں میں یوں جھول گئی جیسے اچانک غش کھا گئی ہو۔ اس کا پُراسرار رویہ دیکھ چکی تھی اس لئے سمجھ گئی کہ محض اداکاری ں گر اس کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ سوسن کی اس حرکت لگتی تھی۔

ہوا؟ کیا ہوا؟" لوگ مجھ سے اس طرح پوچھ رہے تھے جیسے موجود رہی ہوں۔

ش آگیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جب اسے ہوش آجائے تو پہلے راستہ دیجئے یہاں تو اتنی بدبو ہے کہ شاید اسے زندگی بھر ئے گا۔"

لے ہمارے گزرنے کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ اس وقت ھر جھری سی لے کر آنکھیں کھولیں اور کمزور سی آواز میں سانپ... سانپ..."

کھلا کر گلی میں نظریں دوڑانے لگے۔ کچھ تو گھبرا کر گلی سے گلی میں کئی جگہ کوڑے کرکٹ کا ڈھیر تھا اس لئے وہ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کہ کسی ڈھیر میں سے وہ سانپ حملہ کر دے۔

ہیں مجھے کمانڈر حق کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ غالباً اس آدمی نے اپنی جگہ سے ہلنا غلط سمجھا تھا۔

سن کو سہارا دیئے ہوئے گلی سے نکال لائی۔

کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلئے!" سوسن نے لرزتی ہوئی آواز ال بے قابو ہوا جا رہا ہے۔"

"یہ خوفزدہ ہو گئی ہیں۔" ایک لقراط بولے۔ "انہیں فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

ایک صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے ایک ٹیکسی بھی روک لی۔ میں سوسن کو لے کر ٹیکسی کی طرف بڑھی۔ ایک آدمی نے جلدی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ وہ کمانڈر حق کا آدمی تھا۔

"پندرہ منٹ بعد... فون... گھر پر۔" میں زیر لب بڑبڑائی اور سوسن کو لے کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ کمانڈر حق کے آدمی نے میری بڑبڑاہٹ سن لی ہوگی۔

ٹیکسی حرکت میں آگئی۔

"کہاں چلنا ہے خاتون!" ڈرائیور کوئی مہذب شخص معلوم ہوتا تھا۔ بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے اس زمانے میں اگر پڑھے لکھے لوگ ٹیکسی ڈرائیونگ کرنے لگے تھے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔

سوسن نے ٹیکسی میں بھی اپنی اداکاری ختم نہیں کی۔

ڈرائیور کو میں نے اپنے گھر کا پتہ بتایا تھا۔ وہاں پہنچنے میں دس منٹ لگے۔ پھاٹک پر میں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ اس کے جاتے ہی سوسن کی اداکاری بھی ختم ہو گئی۔ اور جب میں اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے احاطے میں داخل ہوئی تو اس نے کہا۔ "اب آپ سوالات شروع کر دیں گی لیکن میں چاہتی ہوں کہ اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو ہو۔ میرا حلق خشک ہے۔"

وہ مجھ سے اتنی جڑی ہوئی چل رہی تھی کہ ڈرائنگ روم تک پہنچتے پہنچتے اس کے گدرائے ہوئے بدن نے مجھے خاصا مخمور کر دیا۔

"تم کچھ حلق خشک ہونے کا ذکر کر رہی تھیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں۔" اس نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔ "اور مجھے وہ پرتگالی شراب بھی یاد آرہی ہے جو آپ نے پہلی ملاقات میں مجھے پلائی تھی۔ اس جیسی چیز مجھے پھر کبھی نہیں ملی۔ کیا وہ اب بھی ہے آپ کے پاس؟"

میں اسے جواب نہیں دے پائی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

دوسری طرف کمانڈر حق ہی تھا۔ "یور ہائی نس! یہاں تو کھلبلی مچ گئی ہے۔" وہ تیزی سے کہہ رہا تھا۔ "کوٹھی پر محکمہ آبکاری کے لوگوں نے چھاپہ مارا ہے اور وہ مکینوں کو پکڑ پکڑ کر بند گاڑی میں بھر رہے ہیں۔"

"کیا وہ بھی پکڑا گیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ڈاکٹر فونگ؟... میں اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ ریڈ ابھی جاری ہے۔ اگر وہ اس عمارت میں ہوگا تو یقیناً پکڑا جائے گا۔"

"تم نگرانی جاری رکھو اور جیسے ہی اس کے بارے میں کوئی حتمی بات معلوم ہو، مجھے اطلاع دینا۔"

"بہتر ہے۔"

ریسیور رکھتے وقت میں نے محسوس کیا کہ عجلت کا بوجھ میرے ذہن سے ہٹ چکا ہے۔ پہلے تو میں یہی چاہتی تھی کہ سوسن سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد جلد از جلد پھر اس عمارت تک پہنچ جاؤں لیکن اب اس کی ضرورت باقی

"تو تم وہ پرتگالی شراب پینا چاہتی ہو؟" میں سوسن کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائی۔

"ہاں!"

"تو پھر اٹھو!... میں ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر تو خود پیتی ہوں اور نہ کسی کو پلاتی ہوں۔"

سوسن نے اٹھنے میں اتنی عجلت کی تھی کہ مجھے ہنسی آگئی۔

اسے لے کر میں خواب گاہ میں آئی کپ بورڈ سے پرتگالی شراب کی بوتل نکال کر دو جام بنائے۔ ایک اسے دیا اور دوسرا اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ سوسن پہلا جام تو ایک ہی سانس میں خالی کر گئی اور پھر دوسرا جام اس نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اس کی ایک چسکی لے کر اس نے مخمور نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

"اب میرے ذہن میں پرانی یادیں چکرانے لگی ہیں!"

"پہلے تو تم اپنے ذہن میں تھوڑی دیر قبل کی یادیں تازہ کرو۔ تمہارے رویے سے میں اتنا تو سمجھ ہی چکی ہوں کہ وہ محض اداکاری تھی اور تمہیں سانپ وانپ کچھ نظر نہیں آیا تھا؟"

"آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔" سوسن نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ حرکت کرنے کے لئے مجھے کرائے پر حاصل کیا گیا تھا۔"

"کیا مطلب!؟"

"اس واقعے سے پچیس منٹ پہلے دو آدمی میرے گھر آئے تھے اور بظاہر ایک چھوٹے سے کام کے لئے ایک ہزار روپے کی پیشکش کی تھی۔ کام وہی تھا جو آپ دیکھ چکی ہیں۔ یعنی میں ٹیکسی میں وہاں پہنچ کر اتروں اور چلتی ہوئی کسی گلی میں داخل ہو جاؤں وہاں ایک زوردار چیخ ماروں اور جب لوگ میری پرسش کے لئے وہاں پہنچیں تو میں ایک سانپ کا ذکر کر کے معاملہ ختم کر دوں۔ اتنے سے کام کے لئے ایک ہزار روپے بُرے نہیں تھے اس لئے میں نے ان لوگوں کی بات فوراً مان لی تھی۔"

میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ فوری طور پر میں اس کے سوا کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکی کہ یہ ڈاکٹر فونگ ہی کی حرکت تھی۔ غالباً اسے عمارت کی نگرانی کا اندازہ ہو گیا ہوگا لہٰذا اس نے فون پر اپنے آدمیوں کو یہ سارا بندوبست کرنے کی ہدایت دیدی ہوگی۔ یہ بات وہ بڑے یقین سے سوچ سکتا تھا کہ نگرانی کرنے والے ایک حسین لڑکی کو دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکیں گے اور پھر جب وہ لڑکی ایک گلی میں داخل ہو کر چیخے گی تو وہ بوکھلا کر اس گلی کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ بس اسی افراتفری میں ڈاکٹر فونگ وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن شاید وہ کسی وجہ سے نکل نہیں سکا۔ اگر وہ عمارت سے نکلتا تو یقیناً کمانڈر حق کی نظر میں آجاتا کیونکہ حق نے اس افراتفری میں بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ ممکن ہے کہ اسے کھڑا دیکھ کر ہی فونگ باہر نہ نکلا ہو اور اب وہاں پولیس کا ریڈ ہو چکا تھا۔ گویا ڈاکٹر فونگ کی گرفتاری یقینی تھی۔

جام بھی ختم کرنے والی تھی۔

"لیکن تم نے وہاں مجھے نظر انداز کیوں کیا تھا؟"

"اگر نظر انداز نہ کرتی تو اپنا کام کیسے کرتی؟"... ہوئے کہا۔ "میں تو ڈر رہی تھی کہ کہیں آپ مجھے روک نہ لیں۔"

اب وہ اپنے لئے تیسرا جام تیار کرنے لگی۔

"کیا ساری بوتل پی جاؤ گی!؟" میں بول پڑی۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ کنجوس نہیں ہیں۔" اس... کر میں ہنس پڑی۔

تیسرے جام کے بعد جلد ہی چوتھے جام کی بھی نو... شراب سامنے دیکھ کر سوسن ایسی پل گئی تھی جیسے جنم جنم... اتنی دیر میں دوسرا جام بھی لطف سے زیادہ نہیں پیا تھا

"اب اس رات کو مہکا دو بانو!" سوسن جھومتی... سے بولی اور اٹھ کر بستر پر میرے قریب آبیٹھی۔

میں نے پیار سے اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیا۔ "تمہیں رات کہاں دکھائی دے گئی ہے؟"

"کیا یہ رات نہیں ہے؟" اس نے آنکھیں پھاڑ... طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ رات نہیں ہے... تو... کیسے دے رہی ہیں؟... دن میں تو کچھ دکھائی نہیں دیتا... شراب اس کے ذہن پر اپنا تسلط قائم کر چکی تھی۔

میں نے ہنس کر اپنے جام کا آخری گھونٹ لیا... جام لے کر سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس نے کوئی تعرض نہیں کیا معاملے میں تعرض کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ میں نے ایک... اپنی گود میں گرا لیا اور اس کے شراب سے بھیگے ہوئے ہونٹوں... نمی جذب کرنے لگی۔

سوسن کے ہاتھ میرے بدن کا طواف کر رہے تھے... کی طرح وہ آج بھی بہت پُرجوش تھی۔ میرے وجود میں... اس نے جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔

"بانو!" اس نے میرے ہونٹوں میں کہا۔

"ہاں صنم!" میں نے اسے اپنے بازوؤں کے حصا...

"آج تو تم مجھے بالکل توڑ پھوڑ کر رکھ دو!" وہ...

میں نے ہنس کر اس کے گرد لپٹے ہوئے بازو... لی اور وہ ایک سسکاری لیکر پیوست جان ہونے لگی۔

میری زندگی مختلف النوع تجربات سے آشنا... دنیا کے مختلف خطوں کے شباب کی سرشوریاں میرے جذبا... ٹکرا ٹکرا کر آسودہ ہوتی اور مجھے آسودہ کرتی رہی ہیں لیکن... میں مجھے جو کیف و سرور حاصل ہوا وہ الفاظ کا محتاج... وہ صرف محسوس کرنے کی بات ہے۔ بچھولوں کے سے گدا...

...انزلت کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

...ان خصوصیات سے ...نیں ہونے کے ساتھ ساتھ کسی متموج... تی ہوئی البیلی لہر تھی۔ وہ لہر کسی مست ناگن کی طرح میرے... سمندر کے اضطراب نے اس ناگن کی پھنکاروں کو ذریعہ... جذبات کی ناؤ اس میں ہچکولے کھانے لگی۔ ضبط کا یارا... ہاتھوں سے چھوٹ گئے۔ ایسے طوفان میں تو ڈوب جانے ہی کو... اس لہر کی لپیٹ میں اس طرح آئی کہ اس کے ساتھ سمندر... ملا گئی۔ اتنی دور کہ بالآخر میرا سانس اکھڑ گیا۔ اس لہر نے... ایسے ساحل پر پہنچا تھا جہاں پھیلے ہوئے خوابناک سکوت... ہٹ سنائی دے رہی تھی اور کوئی تھرے ہوئے تھپک... جاؤ۔

...ہی جاتی لیکن دروازے پر ہونے والی دستک نے مجھے چونکا... ول کے بوجھل پپوٹوں نے بمشکل حرکت کی۔ میں منہ بناتی... ئے ہوئے انداز میں چیخی۔

...ہے؟"

...میں مجھے باہر سے اپنی ملازمہ کی آواز سنائی دی۔ اس نے... اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ اس دخل اندازی پر نادم تو... کسی کام کی وجہ سے اسے اس دخل اندازی پر مجبور ہونا پڑا تھا... لب بڑبڑاتی ہوئی اپنے لباس کی طرف متوجہ ہوئی۔

...ہے... بانو!" سوسن آنکھیں بند کئے کئے بڑبڑائی اور... انتظار کئے بغیر دوسری طرف کروٹ لے لی۔

...بدن پر چادر ڈال کر دروازے کی طرف بڑھی۔

...ہے؟" میں دروازہ کھول کر ملازمہ کو گھورنے لگی۔

...وہ..." اس نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔ "ایک شخص... ہے"

...ہے؟"

...اس نے نہیں بتایا۔ اسے ٹالنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن... گھس آیا۔ اب ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے اور آپ...

...پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ...شت نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی... ہتی گھس کر مجھ سے ملنے کی کوشش کرے۔

...ا سے ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑی۔ ملازمہ میرے پیچھے... میں داخل ہوتے ہی میری جھلاہٹ کچھ اور بڑھ گئی... اس زبردستی کے مہمان کو پہچان لیا تھا۔

...اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں غصیلی آواز...

...اگر ہم تنہائی میں گفتگو کریں۔" رضوان نے اپنی نقلی داڑھی... انگریزی میں کہا۔

حکم دیا۔ پھر میں آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ "اب بولو! تنہائی سے تمہیں کیا فائدہ اٹھانا ہے!"

"میں تمہاری پارسائی کی لاج رکھنا چاہتا تھا۔" رضوان نے بڑے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیا فائدہ کہ ملازمائیں بھی تمہاری شخصیت کے گھناؤنے پہلوؤں سے واقف ہو جائیں۔"

"تمہارا دماغ تو درست ہے!" مجھے سچ مچ غصہ آنے لگا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ملک دشمن بھی ثابت ہو گی۔" رضوان ایک جھٹکا سا لے کر کھڑا ہو گیا۔ "چونکہ میرے دل میں تمہارے لئے ایک جگہ رہی ہے۔ لہٰذا میں تمہیں یہ وارننگ دینے آیا ہوں کہ تم اپنی راہیں بدل لو۔"

میں منہ پھاڑ کر اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ حیرت اور غصے نے میری ذہنی حالت کو کچھ عجیب سا کر دیا تھا۔ میں جو کچھ کہنا چاہتی تھی اسے کہنے سے قاصر رہی اور رضوان نے پھر بولنا شروع کر دیا۔

"میں تمہارے بارے میں خاصی تحقیقات کر چکا ہوں۔ کمانڈر حق وغیرہ بیگم پرتاب گڈھ کے ملازمین ہیں اور ایک عوامی حلقے میں بیگم پرتاب گڈھ کے بارے میں خاصے شکوک پائے جاتے ہیں۔ پرتاب گڈھ پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان نے پرتاب گڈھ کے نواب کو اتنی دولت سمیٹ کر پاکستان نہیں آنے دیا ہوگا کہ یہ خاندان یہاں بھی لارڈز کی سی زندگی گزار سکے اور برسہا برس گزرنے کے بعد بھی اس دولت میں کوئی کمی نہ آئے۔ ان حالات میں لوگوں کا یہ سوچنا برحق ہے کہ کچھ خفیہ ذرائع آمدنی ضرور ہوں گے۔"

"اگر تم نے بک بک بند نہیں کی تو میں تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گی۔" میرا اشتعال سچ مچ بڑھ گیا تھا۔

"اب میں تمہارے رعب میں آنے والا نہیں ہوں بانو جی!" رضوان نے مجھے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تم سے صرف اسی وقت تک ڈرتا تھا جب تک میرے دل میں تمہارے خلاف کوئی جذبہ نہیں تھا۔ میں تمہیں بتا دوں کہ میری جیب میں ریوالور موجود ہے۔ اگر تم نے میرے قریب آنے کی کوشش کی تو وہ ریوالور جیب سے نکل کر میرے ہاتھ میں بھی آسکتا ہے۔"

جیسا کہ میں نے کہا، میری ذہنی حالت بڑی عجیب سی تھی — غالباً یہ اس الجھن ہی کا نتیجہ تھا کہ اچانک میرا اشتعال جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا اور حیرت کے عناصر اس پر غالب آگئے۔

رضوان نے وقفہ دے کر پھر بولنا شروع کیا۔ "بانو جی!.. کمانڈر حق سے تمہارے رابطے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ تم بھی بیگم پرتاب گڈھ کے پُراسرار گینگ سے تعلق رکھتی ہو۔ آج میں نے اپنا خاصا وقت کمانڈر حق کی نگرانی کرتے ہوئے گزارا ہے۔ اسی کا تعاقب کر کے میں پی، ای، سی، ایچ، ایس کی اس عمارت تک پہنچا تھا — وہ

آج شاید اس عمارت میں اسمگلروں کی کوئی خاص میٹنگ تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو رفیق شاہ اس عمارت میں داخل ہو رہا تھا۔ رفیق شاہ جو ایک بدنام ترین اسمگلر ہے اور پولیس والے گزشتہ دو ماہ سے اس کا وارنٹ جیب میں ڈالے گھوم رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد تم بھی وہاں پہنچ گئی تھیں لیکن یہ میری سمجھ میں اب تک نہیں آسکا ہے کہ تم لوگ اس عمارت کے گرد کیوں منڈلا رہے تھے۔؟" رضوان نے ایک لمحے کے لئے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا "شاید تمہارے اور رفیق شاہ کے گروہوں میں کچھ اختلاف ہو گیا ہے۔ کیوں؟"

میں نے اتنی دیر میں اپنی حیرت پر بھی قابو پالیا تھا اور پرسکون ہو کر رضوان کی ذہنی کیفیت کو جانچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب اس نے دوسری مرتبہ سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا تو میں آہستہ سے بولی۔

"کیا میں تمہیں ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پیش کروں؟"

"اس سنجیدہ مسئلے کو مذاق میں اڑانے کی کوشش بے سود ہو گی بانو!" رضوان نے بڑے گمبھیر لہجے میں کہا "یوں سمجھ لو کہ رضوان اب تمہارے پیچھے لگ چکا ہے اور تمہاری شخصیت کے جو گوشے ڈھکے چھپے رہ گئے ہیں وہ بھی جلد ہی سامنے آجائیں گے۔ میں تمہیں چاہتا ضرور ہوں لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ میرے ضمیر کے تقاضے اس چاہت کے بوجھ سے دب جائیں۔ تمہاری ہم جنس پرستی کا جرم تو میں نظرانداز کر سکتا ہوں۔ لیکن ملک دشمنی کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کی جا سکتی۔"

ایک طویل سانس لے کر میں چند قدم آگے بڑھی اور ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ رضوان کو میرے بارے میں کچھ غلط فہمیاں ہو گئی تھیں۔

"کاش تم ایسی نہ ہوتیں!" رضوان کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔

"اس عمارت پر پولیس کے ریڈ کا سبب کیا تھا؟" میں نے ایک شبہے کے تحت پوچھا۔

"رفیق شاہ کو پہچاننے کے بعد میں نے ہی اس کی اطلاع پولیس کو دی تھی۔" رضوان نے میرے شبہے کی تصدیق کی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے سر ہلایا "پھر اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

رضوان نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور پھر بند کر لیا۔ وہ اس وقت بیحد جذباتی ہوا جا رہا تھا۔ اس نے دانت پر دانت جما لیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا شوکیس کے قریب پہنچا۔ وہیں ایک گدیلا اسٹول پڑا ہوا تھا۔ وہ اس پر بیٹھ گیا۔ اب اس کی پیٹھ میری طرف تھی اور وہ بھرائی [illegible] رہا تھا۔

"میں تمہاری طرف نہیں دیکھ رہا ہوں۔ تم چاہو تو مجھے گولی مار کر اس خطرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر سکتی ہو۔ جب میرا اور تمہارا آمنا سامنا ہو گا تو میں تمہیں اس کا موقع ہرگز نہیں دوں گا۔"

[illegible] بڑی بے وقوفی کی حرکتیں اور باتیں کرنے لگتا ہے۔ مجھ سے ہو رہا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھی اور مسکراتی ہوئی اس لئے میری آہٹ تو سنی ہو گی لیکن پلٹ کر نہیں دیکھا نے یہی سمجھا ہو گا کہ میں اسے ہلاک کرنے کے لئے بڑھ رہی ہوں۔ محبت کی چوکھٹ پر شہید ہونے کے لئے تیار تھا۔

"سوہنے منڈے!" میں نے بڑے پیار سے [illegible] رکھتے ہوئے کہا "میں بھلا تجھ کو مار سکتی ہوں؟... مجھے جب تیری جنس بدل جائے گی اور میں تجھے انگلی کے تیرے بدن کا ایک ایک ریشہ اپنے دانتوں سے ادھیڑ ڈالوں۔"

رضوان نے آہستہ سے سر گھما کر میری طرف دیکھا [illegible] انداز میں آنکھ مار دی۔

"بانو! مجھ سے کھیلنے کی کوشش مت کرنا!" رضوان ہوئی آواز میں کہا

"نہیں کٹو جان! میں تم سے کھیل نہیں رہی ہوں کہ ہو گا جب تمہاری جنس۔"

رضوان ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا اور میں ہنس کر ہٹ گئی۔

"بانو! تمہاری یہ بے تکلفی میرے شبہات کا خاتمہ" وہ بولا۔

میں کوئی جواب دینے ہی والی تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی میں ڈرائنگ روم کے اس گوشے کی طرف بڑھتی چلی گئی جہاں تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ کال کمانڈر حق کی ہونا چاہ میرا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ دوسری طرف سے انٹیلی جنس بول رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں آدھے گھنٹے میں ایرپورٹ

"کیوں!" میں نے حیرت سے کہا۔

"پریسیڈنٹ نے آپ کو فوراً طلب کیا ہے۔ آپ کو چلنا ہے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گا۔"

"اوہ... مگر...!"

"اب آپ کو ہچکچاہٹ کیوں ہے؟ آپ تو خود پریسیڈنٹ سے ملنا چاہتی تھیں۔"

"دراصل اتنے شارٹ نوٹس پر...!"

"شارٹ نوٹس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ کو کسی قسم کی تیاری کی تو ضرورت ہی نہیں ہے۔ کوئی سامان بھی اپنے ساتھ نہ لیجئے۔ [illegible] سے فوراً ہی واپس بھی لوٹا دیا جائیگا۔ سامان کی ضرورت تو اس وقت جب آپ کو وہاں قیام کرنا ہوتا۔"

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر ایک لمبی سانس لے کر کہا بات ہے۔ میں پہنچ رہی ہوں۔"

آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

سلسلہ منقطع کر دیا۔ ریسیور رکھتے وقت میں نے کنکھیوں [illegible] دیکھا جو مجھے ہی گھور رہا تھا۔

"تم جا کر اپنی داڑھی صاف کرو!" میں نے مسکرا کر کہا "کل [illegible] ہو گی۔ فی الحال تو میں اسلام آباد جا رہی ہوں۔"

[illegible] ہونٹ سکڑ گئے۔ اس کی آنکھوں میں سوال مچلنے لگے تھے۔

"[illegible] جنس ڈائرکٹر کا فون تھا۔" میں نے اسے بتایا "فوری طلبی [illegible] بھی فوراً ہی ہو گی۔ میں کوشش کروں گی کہ واپس آکر تمہارے [illegible] کپڑے جھاڑ دوں۔"

[illegible] نے ہونٹ بھینچ لئے اور میں ہاتھ ہلا کر "بائے" کہتی ہوئی اندرونی [illegible] بڑھ گئی۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اسے باقاعدہ رخصت کرتی۔

[illegible] خواب گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے ملازمہ کو پکارا اور اسے [illegible] کے لئے اسلام آباد جا رہی ہوں۔

[illegible] اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ سوسن لی [illegible] ہاتھ ٹیکے ہوئے بیٹھی جماہیاں لے رہی تھی۔

"کہاں چلی گئی تھیں بانو!" وہ منہ بنا کر بولی۔

"اچانک اسلام آباد جانا پڑ رہا ہے سوسن!" میں نے باتھ روم [illegible] ہوئے کہا "تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں راستے میں چھوڑ دوں گی جہاں سے تم کو ٹیکسی مل جائے۔"

[illegible] نے شاید کوئی سوال ہی کرنے کے لئے منہ کھولا تھا لیکن [illegible] روم میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

[illegible] ارسوٹ ایک ایسا لباس ہے جسے انتہائی عجلت میں پہنا [illegible] لیا۔ میں نے وہی پہنا اور باہر نکل کر ڈریسنگ ٹیبل پر جا بیٹھی۔

"اسلام آباد...!" سوسن بولی۔

"[illegible] وقت بالکل نہیں ہے سوسن!" میں نے اس کی بات [illegible] کہا "اگر تم نے دیر لگائی تو میں تم کو یہیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"

[illegible] سوسن منہ بنا کر باتھ روم میں چلی گئی۔ میں نے جتنی دیر میں میک اپ کیا [illegible] بھی تیار ہو گئی۔ میں اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیزی سے باہر [illegible] مجھے بتایا کہ داڑھی والا جا چکا ہے لیکن میں نے اس اطلاع [illegible] دھیان نہیں دیا اور آگے بڑھتی چلی گئی۔ جب میں ڈرائنگ روم سے [illegible] فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ایک لمحے کے لئے تو میرے جی میں آئی [illegible] نظرانداز کر دوں لیکن اس خیال نے مجھے رکنے پر مجبور کر دیا کہ شاید [illegible] ڈائرکٹر ہی کا فون ہو۔ پروگرام میں اچانک کوئی تبدیلی بھی تو [illegible]

[illegible] جب میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے کمانڈر حق کی [illegible] دی۔

[illegible] نے کہا "تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے، جلد از جلد کہہ ڈالو۔ میرے [illegible] نہیں ہے۔"

"میں آپ کو صرف یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ جواب نہیں دے سکا۔ اب اسے [illegible] نہیں ہوا۔" [illegible]

"اوہ! کیا وہ بھاگ نکلا؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"جی نہیں! اسے بھاگنے کا تو موقع ہی نہیں مل سکتا تھا۔"

"تو پھر؟"

"غالباً وہ اس عمارت میں تھا ہی نہیں۔"

"یہ تم یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"اگر وہ وہاں ہوتا تو پولیس اسے کیوں چھوڑتی؟"

"ممکن ہے وہ اس وقت بھاگ نکلا ہو جب وہاں افراتفری مچی تھی!"

"ناممکن ہے یور ہائی نس!" کمانڈر حق نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "میں نے اس افراتفری پر بالکل دھیان نہیں دیا تھا۔ میں اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا۔ میری نظریں عمارت کے دروازے پر ہی تھیں۔"

"کوئی اور راستہ بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"میرے آدمی عمارت کے چاروں طرف موجود تھے اور انہوں نے اس عرصے میں کسی کو بھی وہاں سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔"

یہ جواب ملتے ہی سوسن لی کا کردار ایک سوالیہ نشان کی صورت میں میری نظروں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"اچھا سنو!" میں جلدی سے بولی "میں اس وقت اسلام آباد جا رہی ہوں۔ اپنی گاڑی ہی میں ایرپورٹ جاؤں گی۔ تم کچھ ایسا انتظام کر دینا کہ گاڑی واپس میرے گھر پہنچ جائے۔"

"بہت بہتر! لیکن چابی گاڑی ہی میں چھوڑ دیجئے گا۔"

"وہ تو ظاہر ہے۔" میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

سوسن لی کی شخصیت اب میری نظر میں انتہائی مشتبہ ہو چکی تھی۔ اس نے جو واقعہ سنایا تھا، وہ دھواں بن کر میرے ذہن سے اٹھنے لگا۔ بنیاد کے بغیر کچھ بھی قائم نہیں رہ سکتا اور اس واقعہ کی بنیاد کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ جب ڈاکٹر فونگ اس عمارت میں تھا ہی نہیں تو پھر سوسن لی کے اس ڈرامے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا کہ اس طرح دراصل مجھ کو سوسن لی کے قریب لانے کی کوشش کی گئی تھی اور اس کوشش کا مقصد فی الحال کسی واضح صورت میں سامنے نہیں تھا۔ اس دھندلے سے خاکے میں غور و فکر کا رنگ بھرنے کی ضرورت تھی لیکن میرے پاس فوری طور پر اتنا وقت نہیں تھا۔ میں سوسن لی کو لے کر باہر نکلی اور مرسڈیز میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی۔

سوسن کے دماغ سے ابھی پرتگالی شراب کا اثر پوری طرح ختم نہیں ہوا تھا۔ اس نے کھڑکی پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے بھی اسے چھیڑنا غیر ضروری سمجھا۔ فی الحال میں اس پر اپنے کسی شبہ کا اظہار کرنے کی حماقت

آج شائد اس عمارت میں نہ جانا تھا کہ واپسی پر اس معاملے کو دیکھوں گی۔ وہاں پہنچا تو رفیعہ نے صرف اسلام آباد جانے کی فکر تھی۔

راہ میں ایک ٹیکسی نظر آئی تو میں نے اپنی گاڑی کو اس کے برابر سے آگے نکالتے ہوئے ڈرائیور کو رکنے کا اشارہ کیا۔

ٹیکسی میری گاڑی کے پیچھے رک گئی تو میں نے سوسن کا کندھا پکڑ کر ہلایا اور جب اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں تو میں نے پیچھے اشارہ کرتے ہوئے کہا: "جاؤ ٹیکسی کھڑی ہے۔ میں رات کو ہی اسلام آباد سے واپس آجاؤں گی۔ تم کل کسی وقت مجھ سے ملنا۔"

"اچھا" کہتے ہوئے سوسن نے جماہی لی اور گاڑی سے اتر کر شاید نشے ہی کی جھونک میں بڑی زور سے دروازہ بند کیا۔

میں ہر تشریح کر سٹیرنگ کو حرکت میں لے آئی۔

جب میں ایئر پورٹ پہنچی تو دس منٹ لیٹ تھی لیکن طیارہ کی روانگی میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔

انٹیلی جنس ڈائریکٹر اکیلا ہی میرا منتظر تھا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر طیارے کی طرف بڑھتا ہوا بولا: "آپ خوش قسمت ہیں کسی عام آدمی کو اتنی جلدی پریسیڈنٹ تک رسائی حاصل نہیں ہوتی۔"

"شائد آپ مجھے عام آدمیوں میں شمار کر کے غلطی کر رہے ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

انٹیلی جنس ڈائریکٹر ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو گیا۔ میری خود اعتمادی اسے خاصا بور کر دیتی تھی۔

ہمارے سوار ہونے کے پانچ منٹ بعد ہی طیارے نے زمین چھوڑ دی۔ یہ دیکھ کر میرا جی بہت خوش ہوا تھا کہ میرے آس پاس دو تین خوبصورت اور سڈول لڑکیاں موجود تھیں۔ ایسے چہرے نظر کے سامنے ہوں تو سفر بوجھل نہیں ہونے پاتا۔ میں نے ان میں سے ایک لڑکی کو اپنی طرف متوجہ بھی کر لیا اور سارا سفر اس سے باتیں کرتے ہوئے گزار دیا۔ انٹیلی جنس ڈائریکٹر بے چینی سے پہلو بدلتا رہا تھا۔ اسے میری اس حرکت سے خاصی کوفت ہوئی تھی لیکن وہ دخل در معقولات کر کے اپنے بے تہذیب ہونے کا ثبوت نہیں دینا چاہتا تھا۔

جب طیارے نے لینڈ کیا تو میں بادل ناخواستہ اس لڑکی سے جدا ہوئی جس کے ہونٹوں کو گلاب کی کلیاں بھی پیار کرنا چاہ سکتی تھیں۔

پریسیڈنٹ ہاؤس کے دو افسر ہمارے استقبال کے لئے چکلالہ کے ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔ ان کے ساتھ ایک کار میں سفر شروع ہوا یہ ایک تھکا دینے والا سفر تھا۔ اسلام آباد پہنچتے پہنچتے میری طبیعت بڑی بوجھل ہو گئی لیکن پریسیڈنٹ سے ملاقات کی لگن نے اس اضمحلال کو خاصی حد تک دبا دیا۔

ایوان صدر میں قدم رکھتے وقت میرے ... تیز ہو گئیں اور صرف یہ سوال میرے ذہن میں گونج ... مقصد میں کامیاب ہو سکوں گی یا نہیں؟

رسمی کارروائیوں میں زیادہ وقت ضائع ... گیا اور جلد ہی میں اس کمرے میں داخل ہوئی جہاں ملاقات ہونا تھی۔ میرے اندازے کے مطابق ... تنہا ہونا چاہئیے تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر میں ... کے قریب کیپٹن آفاق بھی بیٹھا ہوا تھا۔

صدر مملکت کے ساتھ کیپٹن آفاق کی ... تعجب خیز تھی۔ میرے ذہن میں تو ... تنہائی میں ملاقات کروں گی۔ انٹیلی جنس ڈائریکٹر کے بعد میرے اس یقین کو تقویت ہی پہنچی تھی کہ صدر ... ہو گی۔ مگر وہاں کیپٹن آفاق بھی موجود تھا۔

آخر کیوں؟

کیا اسے علم ہو گیا تھا کہ مجھے ایران میں کوئی ... یہ اسی وقت ممکن تھا جب اس نے اپنے کارندے ... کرتے ہوئے خود بھی اس معاملے میں دلچسپی لی ہو یا ... گیا ہو کر واپس آنے والے وفد کے ممبران کی تعداد ... آئی ہے۔

کیپٹن آفاق کو صدر سے میری متوقع ملاقات ... اور شاید یہاں اس کی موجودگی کی وجہ بھی یہی تھی۔ ... صدر مملکت کو الٹی سیدھی پٹی پڑھا کر اپنی طرف سے ... میری طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہو۔

میرے ذہن میں ان خیالات کی گردش ... کی نہیں تھی کیونکہ جیسے ہی کیپٹن آفاق نے مجھے دیکھا ... حیرت کے آثار پیدا ہو گئے۔ چند لمحوں کے لئے ... پھیل گئیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کی یہ کیفیت ... دلانے کے لئے کافی تھی کہ میرے ذہن میں ابھرنے ... تھے۔ آفاق کی موجودگی مبنی بر اتفاق تھی ورنہ وہ ...

اب میں مطمئن ہو گئی۔ اور میں نے مسکرا کر ... صدر کی شخصیت کتنی وجیہہ اور کشش انگیز ... مجھے اس روز ہوا۔ یوں تو میں انہیں پہلے بھی کئی ... کے ساتھ دیکھ چکی تھی اور ان میں سے کوئی بھی ان ... کر سکتا تھا لیکن اتنے قریب سے میں انہیں پہلی ... سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر تھے اور ان کے ... مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

... رسمیات میں وقت بالکل ضائع نہیں ہوا۔ صدر نے کیپٹن آفاق ... تعارف کرایا اور پھر بولے: "یہ بس جا ہی رہے تھے۔ آپ تشریف ... یہاں میرے قریب آجائیں۔"

... میں صدر کے پاس بیٹھ گئی۔ صوفہ اتنا بڑا تھا کہ ہمارے درمیان میں ... اور بیٹھ سکتے تھے۔

کیپٹن آفاق نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا اور پھر جھجکتے ہوئے ... مخاطب ہوا: "اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں بھی یہاں موجود ..."

صدر نے گھور کر کیپٹن آفاق کو دیکھا اور ان کی پیشانی پر ناگواری ... بھی ابھر آئیں مگر ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں بول پڑی: "مجھے اعتراض نہیں ہے کیپٹن!"

کیپٹن آفاق مجھے یہاں دیکھ کر یقیناً بوکھلا گیا تھا اور اس کی ... سمجھنے کی صلاحیتیں کسی نہ کسی حد تک مفلوج ضرور ہو گئی تھیں ... ورنہ مجھ سے یہ خلاف تہذیب درخواست نہ کرتا۔

اس درخواست کے پس منظر جو لاشعوری محرکات تھے، میں ... خوب جانتی تھی لیکن صدر مملکت مکمل تاریکی میں تھے۔ انہیں تو ... معلوم تھا کہ میں اور کیپٹن آفاق ایک دوسرے کے لئے اجنبی ...

... کیپٹن آفاق کی موجودگی سے میرے لئے کسی نقصان کا احتمال ... اس کے برخلاف کام میں کچھ آسانی ہوتی نظر آئی تھی۔

... جب میں نے کیپٹن آفاق کو موجود رہنے کی اجازت دے دی ... حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولے: "مجھے تو یہ بتایا گیا تھا کہ ... تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔"

"اگر کیپٹن آفاق کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں یقیناً تنہائی کی متمنی ہوتی۔" ... ان کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی مگر اس سے پہلے کہ وہ الجھن ... میں پھر بول پڑی: "میں جو احتیاط برتنا چاہتی تھی، اس ... کی موجودگی قطعاً اثر انداز نہیں ہو گی کیونکہ میں جو کچھ کہنا ... کیپٹن آفاق کو پہلے ہی سے معلوم ہے۔"

... آفاق نے ایک بار پھر بے چینی سے پہلو بدلا۔ ظاہر ہے کہ ... پوزیشن کی نزاکت کا مکمل احساس ہو گیا ہو گا۔

... انہوں نے حیرت سے میری طرف اور پھر کیپٹن آفاق کی طرف دیکھا۔ مجھے ... میں ایک بے نام سے شک و شبے کی جھلک نظر آئی تھی۔

"... اس معاملے سے کیپٹن آفاق کا کیا تعلق!" وہ بھنویں سکیڑ ... الجھتے ہوئے بولے۔

"... کہ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا!" کیپٹن ... سنبھل کر بول پڑا۔

"... معاملے سے؟" میں نے تیز لہجے میں کیپٹن آفاق سے سوال کیا۔

کیپٹن آفاق فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اب اسے بھی یہ احساس ہو گیا ہو گا کہ وہ بہت ہی بے تکا بول گیا ہے۔ میں اس کی گھبراہٹ سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"دراصل" کیپٹن آفاق قدرے توقف سے بولا: "میں نے آپ کو ایئر پورٹ پر دیکھا تھا اور وہیں مجھے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔"

"تم وہاں کیا کر رہے تھے؟" صدر نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک دوست کو ریسیو کرنے گیا تھا۔" کیپٹن آفاق نے جلدی سے کہا اور پھر اس طرح مطمئن نظر آنے لگا جیسے یہ جھوٹ اس کی دانست میں بیحد معقول ہو لیکن میں اسے اتنی آسانی کے ساتھ جال سے کس طرح نکلنے دیتی؟

"ایئر پورٹ پر آپ نے جب مجھے دیکھا تھا، اس وقت کوئی فلائٹ ڈیو نہیں تھی اور میرا خیال ہے کہ آپ کسی فلائیٹ کے ڈیو ہونے سے پہلے ہی وہاں سے چلے آئے تھے۔"

"معاف کیجئے گا، میرے منہ سے ایک غلط لفظ نکل گیا۔ میں ریسیو کرنے نہیں بلکہ سی آف کرنے گیا تھا۔" کیپٹن آفاق نے بات نبھانے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش کرتے ہوئے اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی منی بوندیں چمک اٹھی تھیں۔

"خوب!" میں مسکرائی: "کیا آپ اپنے اس دوست کا نام بتائیں گے جسے آپ الوداع کہنے گئے تھے؟"

کیپٹن آفاق کوئی جواب نہیں دے سکا لیکن صدر مملکت کی تیز نگاہیں اسے کچھ نہ کچھ بولنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ اس موقعے پر اس عیار نے جھلاہٹ کا لبادہ اوڑھ کر اپنی دروغ بیانی کو چھپانے کی کوشش کی۔

"آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟" وہ بولا: "کیا آپ میرے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے یہاں آئی ہیں؟"

میں نے صدر کی طرف دیکھا جن کے چہرے سے اب تشویش کا بھی اظہار ہونے لگا تھا۔ جب میں نے ان کی نظروں میں استفہام محسوس کیا تو آہستہ سے بولی۔

"کیپٹن آفاق کا یہ خدشہ غلط نہیں ہے جناب والا! میں ان ہی سے متعلق بات کرنے آئی ہوں اور ان ہی کی وجہ سے میں نے اپنی زبان بند رکھی تھی۔ میرے پاس اس امر کی شہادتیں موجود ہیں کہ وزیر خارجہ کے جہاز میں بم کی موجودگی کیپٹن آفاق ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ گو کہ یہ کام ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے نہیں کیا ہو گا لیکن کام کی نگرانی کے لئے یہ ایئر پورٹ پر موجود ضرور تھے۔"

"یہ غلط ہے!" کیپٹن آفاق کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

میں نے اس کے اس چیلنج کو چیلنج نہیں کیا اور صدر کے چہرے پر نظریں جمائے ان کے قلبی جذبات کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتی رہی۔

"لڑکی!" وہ بہت سخت لہجے میں بولے: "تم کیپٹن آفاق پہ ...

بڑا سنگین الزام لگا رہی ہو۔ اگر اُسے ثابت نہ کیا جا سکا تو...“ انہوں نے اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

”میرا خیال ہے“ میں نے بڑے اعتماد سے کہا ”کیپٹن آفاق خود ہی اس کا اقرار کر لیں گے۔“

”کیوں؟“ صدرِ مملکت نے ایک جھٹکے سے اپنے سر کو آفاق کی طرف موڑتے ہوئے کہا ”کیا تمہیں اس کا اقرار ہے؟“

کیپٹن آفاق نے تیسری مرتبہ پہلو بدلا۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ ”سٹی گم ہو گئی“ تو اس وقت کیپٹن آفاق کی یہی حالت تھی۔

”بولتے کیوں نہیں“ صدر کا لہجہ اور سخت ہو گیا۔ انہیں غصّہ آنے لگا تھا۔

”میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں“ کیپٹن آفاق نے مری مری سی آواز میں کہا۔

”ٹھیک ہے“ میں بڑے اطمینان سے بولی ”اگر کیپٹن آفاق اپنا بُرا بھلا سمجھنے سے قاصر ہیں اور اپنی اس گھناؤنی حرکت کا اعتراف کرنے کی ہمت نہیں پاتے تو میں اس بارے میں ثبوت فراہم کر سکتی ہوں۔ اس میں قباحت صرف یہ ہے کہ یہ کام چُپ چپاتے نہیں ہو سکے گا۔ بات پھیلے گی ضرور جبکہ میں نے رازداری ہی کے خیال سے اب تک اپنی زبان بند رکھی تھی۔ پریذیڈنٹ سر! میں آپ سے تنہائی میں اسی لئے ملنا چاہتی تھی کہ بات پھیل نہ سکے۔ کیپٹن آفاق تو اس کی زد میں آتے ہی لیکن آپ بھی عوام کی نظر میں سبک سر ہو جاتے۔ جناب والا! میں آپ کی ایک ادنیٰ ہوں اور آپ کی ان پُرخلوص کوششوں کی مداح ہوں جو آپ نے اس ملک کے لئے کی ہیں مگر...“

صدر نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور نرم لہجے میں بولے ”اچھی لڑکی! میں تمہارا شکر گزار ہوں گا اگر تم اس سلسلے میں اب بھی اپنی زبان بند ہی رکھو۔ مجھے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔“

”جیسا آپ مناسب سمجھیں“ میں نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

”تم یہاں سے دفع ہو جاؤ!“ صدر نے کیپٹن آفاق کو گھورتے ہوئے غرّا کر کہا۔

کیپٹن آفاق فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک بار اس نے کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا مگر پھر ارادہ ترک کر دیا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

”تم مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ یہ کیا معاملہ ہے!“ صدر نے میری طرف دیکھتے ہوئے متفکر لہجے میں کہا۔

”آپ کو بہت دُکھ ہو گا جناب والا!“

”تم اس کی پرواہ مت کرو۔“

میں دل ہی دل میں بیحد خوش تھی۔ میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی آسانی سے بات بن جائے گی۔ دراصل کیپٹن آفاق کی موجودگی ہی نے میرے لئے راہ ہموار کر دی تھی۔ اس کی بوکھلاہٹ نے صدر کو میری سچائی کا یقین دلایا تھا ورنہ مجھے خاصے پاپڑ بیلنے پڑتے۔

جب میں نے ساری کتھا بیان کر ڈالی تو صدر مملکت پیچ و تاب کھانے لگے۔ ان کے چہرے سے شدید غصّہ صاف ظاہر ہو رہا تھا اور آنکھوں میں صدمے کی دھندلاہٹ بھی نظر آ رہی تھی۔ میں انہیں تکتی رہی۔ ذرا دیر بعد وہ بولے۔

”اچھی لڑکی! میں آفاق کو قرار واقعی سزا دوں گا لیکن یہ میرے لئے بھی مُضر ثابت ہو سکتا ہے۔“

”آپ اطمینان رکھیں، میری زبان بند رہے گی۔ ایک درخواست ہے۔“

”کہو!“

”آپ انٹیلی جنس ڈائریکٹر کو سمجھا دیں کہ وہ مجھے اور اس غریب مسافر کو بھی پریشان نہ کیا جائے جس کے سامان سے بم برآمد ہوا تھا۔ میں چاہتی ہوں کہ اُسے خاموشی سے امریکہ کے لئے جہاز میں بٹھا دیا جائے۔ اس کے جانے کے بعد کوئی کتنا بھی سر مارے، اس معاملے سے میرا تعلق ثابت نہیں کر سکے گا۔“

”میں اس کا انتظام کر دوں گا“ صدر نے کہا اور کھڑے ہو گئے۔ یہ ملاقات ختم ہونے کا اشارہ تھا۔ میں بھی کھڑی ہو گئی اور مصافحے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔

”جنابِ صدر! میں چلتے چلتے اپنے دل کی آواز آپ تک پہنچانا چاہتی ہوں۔ آپ اپنے اردگرد کے ماحول سے باخبر رہیں ورنہ طوفان آ جائے گا۔ آپ کے چند قریبی لوگ اس طوفان کو دعوت دے رہے ہیں۔ خدا کے لئے آپ ان لوگوں سے ہوشیار رہیں۔“

صدر نے بہت غور سے مجھے دیکھا۔ میں نے ان کی آنکھوں میں عجیب سے کرب کی جھلک محسوس کی۔ وہ نرم لہجے میں بولے ”میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ اگر کبھی کوئی ضرورت ہو تو بلا جھجک مجھے فون کر دینا۔“

پھر وہ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اس دروازے کی طرف مُڑ گئے جو اندرونی حصّے میں کھلتا تھا۔

میں باہر جانے کے لئے مُڑ گئی۔ اس وقت میں بہت خوش ہو رہی تھی۔ شاندار کامیابی کا حصول بھی شیمپین کے دو پیگ سے کم نہیں ہوتا۔ باہر کوریڈور میں کیپٹن آفاق بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تیر کی طرح میری طرف آیا تو میں ٹھٹھک کر رُک گئی۔ مجھے ایسا لگا تھا جیسے وہ قریب آتے ہی مجھ پر ہاتھ چھوڑ بیٹھے گا لیکن اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ مجھ سے دو فٹ کے فاصلے پر رُک کر وہ مجھے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

”فرمایئے کیپٹن!“ میں نے مسکرا کر بڑی خوش اخلاقی سے کہا۔

”...اس کی ذلت میں کبھی نہیں بھولوں گا“ وہ غرّایا۔

”یہ تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔ اگر تم بھول گئے تو شاید پھر کوئی گڑبڑ ہو جائے... ہو سکتا ہے کہ اگلی مرتبہ اتنے سستے نہ چھوٹ سکو۔“

”میں تمہیں دیکھ لوں گا صبیحہ بانو!... اور وہ جو تمہارے ساتھی ہیں ان سے نمٹنے کا بندوبست کرنے کے بارے میں بھی سوچ چکا ہوں۔ اگر تم صدر کو متاثر کر سکتی ہو تو میں بھی نواب پرتاب گڑھ کو اپنا ہمنوا بنا سکتا ہوں۔“

میں نے ایک لمحے تو کیپٹن آفاق کی بات پر غور کیا اور پھر بولی۔ ”کیپٹن! میرا نام صبیحہ بانو ہے اور صبیحہ بانو کو دوسروں کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ دوسروں پر تکیہ کرنے والے ہمیشہ ذلیل ہوتے ہیں۔“

میں نے کیپٹن آفاق کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور کوریڈور کے آخری سرے کی طرف چل دی جہاں باہر جانے والے راستے کی طرف ... انٹیلی جنس ڈائریکٹر مجھے وہیں ملا جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔ وہ ٹیلی فون کا ریسیور کان سے لگائے بڑے غور سے کسی کی باتیں سن رہا تھا۔ ... سے میں نے قیاس کیا کہ وہ پریذیڈنٹ سے ہدایات لے رہا تھا اور غالباً وہ ہدایات میرے ہی سلسلے میں رہی ہوں گی۔ میں اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

”...ل دل سر!“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا اور پھر ریسیور رکھ کر میری طرف مُڑا۔ اس کی آنکھوں سے تفکر جھانک رہا تھا اور اس میں مایوسی کی آمیزش بھی تھی۔ ظاہر ہے کہ صدرِ مملکت کے احکامات اس کے لئے عجیب و غریب رہے ہوں گے۔

”اب مجھے آپ سے کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں“ میں نے کہا ”تاہم میں آپ سے درخواست کروں گی کہ سعید کے لئے امریکہ جانے کا بندوبست کر دیں۔ ٹکٹ اس کے پاس موجود ہے۔ بس جلد از جلد اس کے لئے کسی فلائیٹ میں سیٹ بک کرانے کا انتظام ضرور ہونا چاہئے کہ اُسے پریشان نہ کیا جائے۔“

”غالباً اسی آدمی کا نام ہے جس کے سامان سے بم برآمد ہوا تھا۔“

”ہاں میں اسی کی بات کر رہی ہوں۔“

انٹیلی جنس ڈائریکٹر کے چہرے سے بے بسی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ سعید کو پکڑ کر اس سے پوچھ گچھ کرے لیکن ظاہر ہے کہ وہ صدرِ مملکت کے احکامات نہیں بھول سکتا تھا۔ اسے صاد کرنا پڑا، پھر اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے، آپ جب تک چاہیں یہاں رہ سکتی ہیں۔ اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں آپ کی رہائش کا بندوبست کر دیا جائے گا۔“

”میں جلد از جلد کراچی پہنچنا چاہتی ہوں۔“

”...پہلی فلائیٹ میں آپ کے لئے جگہ حاصل کر لی جائے گی۔ ... تک آپ صدر کی مہمان ہیں۔“

لیکن میں نے اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس کی بجائے راولپنڈی کے ایک صاف ستھرے ہوٹل میں رات گزارنا مناسب سمجھا۔ اس طرح میں اگلے چند گھنٹے آزادی کے ساتھ پنڈی کی سیر کر کے گزارنا چاہتی تھی۔

کیپٹن آفاق سے مجھے چھٹکارا مل گیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اب وہ مستقل نہیں تو کچھ عرصے ضرور مجھ سے دور رہے گا۔ یہ دردِ سر ختم ہو جانے سے میں خود کو بڑی حد تک ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ گو کہ ابھی ڈاکٹر فونگ کا مسئلہ طے نہیں ہوا تھا لیکن کراچی سے دوری کی بنا پر میں فی الحال اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ڈاکٹر فونگ اب بھی کراچی میں ہو گا یا نہیں!... عین ممکن تھا کہ ٹانگ کٹ جانے کی وجہ سے وہ کچھ دن کے لئے پاکستان ہی سے چلا گیا ہو۔ اب لے دے کے میں اگر کچھ کر سکتی تھی، تو صرف یہ کہ اس بستی کی طرف دوڑ ... جہاں سے زبیدہ میرے پیچھے لگی تھی اور اس کی وجہ سے مجھے ڈاکٹر فونگ کی خطرناک تنظیم کا سُراغ ملا تھا۔ اس بستی میں زبیدہ کی موجودگی کوئی اتفاقی امر نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے اس سلسلے میں بہت سوچا تھا اور جس نتیجے پر پہنچی تھی وہ یہ تھا کہ اس علاقے میں دشمن کی سرگرمیاں خاصی عروج پر ہیں۔ یا تو وہاں ان لوگوں کا ہیڈ کوارٹر تھا یا پھر وہ لوگ کسی خاص وجہ سے وقتی طور پر وہاں جمع ہو گئے تھے اور کسی گہری سازش میں مصروف تھے۔

میں اس بستی میں جا کر صورتِ حال کا جائزہ لے سکتی تھی لیکن فوری طور پر یہ بھی ممکن نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کام کے لئے پوری توجہ اور تیاری ضروری تھی جبکہ میں کراچی میں سوسن لی کی موجودگی کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔

میں اس سلسلے میں پُرسکون تھی کہ سوسن لی کو میرے پیچھے اس طرح لگایا گیا تھا کہ میں اس پر اعتماد کرنے لگوں اور اُسے اپنا خیر خواہ سمجھوں۔ اس سے دشمن کیا فائدہ حاصل کرتا؟ اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میں صرف اتنا سوچ سکتی تھی کہ شاید سوسن لی کے ذریعے مجھ سے نجات حاصل کرنے کی کوئی اسکیم بنائی جا رہی ہو۔ کسی قسم کا جال ہی ہو سکتا تھا جو میرے گرد پھیلایا جا رہا ہو۔

زبیدہ کے بارے میں تفتیش کرنے کی بجائے میں دشمن کے اس منصوبے سے واقفیت حاصل کرنا ضروری سمجھتی تھی جس کی ایک کڑی سوسن لی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح میں کوئی ایسی راہ ڈھونڈ لوں گی جو نسبتاً آسان ہو گی اور اس پر چل کر میں بہت جلد دشمن کے سر پر پہنچ جاؤں گی۔

لیکن فی الحال میں ان بکھیڑوں سے بہت دور تھی۔ مجھے چند گھنٹوں کی آزادی حاصل تھی اور میں اس آزادی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔

امید تھی کہ ہوٹل میں مجھے کوئی مناسب سی ساتھی مل جائے گی۔

جس کے ساتھ شہر کی سیر کا مزا آجائے گا۔ کسی پارک کی نشیلی فضا میں گھومنے کے لئے تنہائی نہیں بلکہ کسی مخمور آنکھوں والی ساتھی کی ضرورت پڑتی ہے۔ ڈیم کے مصنوعی آبشاروں کو دیکھنے کا مزا اس وقت تک کیسے آتا جب تک جذبات کے دھاروں سے کھیلنے والی کوئی شعلہ رُخ ساتھ نہ ہوتی۔ مری کی بلندیوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے بھی کسی نازک، سڈول اور نشیب و فراز سے مزین ساتھی کا ہونا ضروری تھا۔

لیکن ہوٹل میں مجھے ایک بھی ایسا چہرہ دکھائی نہیں دیا جو میرے ذوق پر پورا اُترتا۔

رات کے دس بجے تھے جب میں ہوٹل سے نکلی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی ایک طرف چلنے لگی۔ کوئی ساتھی نہ ملنے کی وجہ سے طبیعت بڑی مکدر تھی اور میرا خیال تھا کہ واپسی پر مجھے شراب کے پانچ چھ پیگ پی کر اپنے امڈتے ہوئے جذبات کو تھپکنا پڑے گا۔

❦

رات ابھی زیادہ نہیں گزری تھی لیکن اس رونق کا کہیں پتہ نہیں تھا جو کراچی کی سڑکوں پر نظر آتی ہے۔ گو کہ راولپنڈی ہمارے بڑے شہروں میں سے ایک ہے لیکن جس طرح کراچی کو روشنیوں کا شہر کہا جاتا ہے اسی طرح میں راولپنڈی کو اندھیروں کی بستی کہتی ہوں۔ صدر کے علاقے سے نکل کر اندرونی حصوں میں جائیے تو تانگوں کا دیس نظر آتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا تانگہ آپ کے قریب سے گزرتا رہے گا اور گھوڑوں کی ٹاپیں مسلسل سنائی دیتی رہیں گی۔ مجھے تو یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے گھوڑوں کی ٹاپیں وہاں کی فضا میں رچی بسی ہوئی ہوں۔

لیکن میں اس وقت مال پر تھی جہاں گھوڑوں کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے اور یہاں صرف آٹو رکشا اور ٹیکسیاں چلتی ہیں۔ کبھی کبھی کوئی ٹیکسی میرے قریب سے گزرتے ہوئے آہستہ ہو جاتی تھی لیکن جب میری طرف سے کوئی اشارہ نہیں ملتا تھا تو ٹیکسی ڈرائیور مجھے مشکوک انداز میں گھور کر ایکسلریٹر دبا دیتا تھا۔

میں کافی دیر تک مال روڈ پر ہی رہی اور اس کے بعد اندرونی علاقوں کی طرف مڑ گئی جہاں نام نہاد قسم کی روشنی تھی۔ رات کا ایک حصہ گزر چکا تھا اس لئے گھوڑوں کی ٹاپیں تسلسل سے سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ اکا دکا راہگیر آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس علاقے میں اتنی رات کو ایک تن تنہا عورت شاید ہی کبھی دکھائی دیتی ہو۔ کبھی کبھی آوارہ گردوں کا کوئی گروپ بھی میرے قریب سے گزر جاتا تھا اور وہ لوگ مجھ پر فقرے ضرور کستے تھے۔ جب مجھے محسوس ہوا کہ میں کسی وقت بھی مشتعل ہو کر کسی سے جھگڑا کر بیٹھوں گی تو میں نے ایک تانگہ روک لیا۔

"کشمیری بازار۔" میں نے تانگے میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

ٹپ ٹپ... ٹپ ٹپ

تانگہ چل پڑا۔

ٹپ ٹپ... ٹپ ٹپ

رات بھیگتی رہی۔

ٹپ ٹپ... ٹپ ٹپ

میری طبیعت کا اضمحلال بڑھتا رہا۔ آج کی رات بھی منحوس راتوں میں سے ایک تھی۔ ہوٹل سے نکلنے کا سبب تکدر کو دور کرنا تھا لیکن تکدر میں کمی کی کوئی صورت ابھی نہیں آئی تھی۔ اس کے برخلاف اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔

تانگہ جناح روڈ سے گزر رہا تھا جب ایک منظر دکھائی پڑا۔ کچھ فاصلے پر تین افراد ایک گلی میں جھانکتے ہوئے نظر آئے۔ ان کا اس طرح گلی میں جھانکنا ایک مشتبہ حرکت تھی لیکن میری چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ ان میں ایک چینی شخص بھی تھا اور کسی چینی کو دیکھ کر چونک پڑنے کا سبب یہ تھا کہ ڈاکٹر ژونگ کی شخصیت ذہن سے چپکی ہوئی تھی۔

تانگہ ان تینوں کے قریب سے گزر گیا لیکن وہ گلی کی طرف متوجہ رہے۔ ان میں سے ایک شخص مقامی لباس میں تھا یعنی کُرتہ اور واسکٹ! دوسرا آدمی بھی مقامی ہی تھا لیکن اس نے انگریزوں کا لباس پہن رکھا تھا جو ہمارے "شرفا" کا لباس بن چکا ہے۔ غلامی کی اس یادگار کو ہم نے شاید اسی لئے اپنے سینے سے لگا رکھا ہے کہ بُرے وقت کو بھول نہ سکیں۔

جیسے جیسے تانگہ ان تینوں سے دور ہوتا جا رہا تھا میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے تانگے والے سے رکنے کے لئے کہا۔ تانگہ رکتے رکتے میں نے پرس سے پانچ کا نوٹ نکال لیا تھا۔ تانگہ رکتے ہی میں اتر پڑی اور پانچ کا نوٹ دے کر واپسی کے لئے مڑ گئی۔

جناح روڈ، بانیٔ ملک کی سڑک تقریباً اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں عمارتوں کی دیواروں کے سائے سائے چلتی ہوئی وہاں پہنچ گئی جہاں میں نے ان تینوں کو دیکھا تھا۔ اب وہ تینوں دکھائی نہیں دیئے تو میں نے مایوسانہ انداز میں ایک طویل سانس لی اور وہاں سے چل پڑنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ مجھے اس گلی کا خیال آیا جس میں وہ تینوں جھانک رہے تھے۔ کچھ سوچ کر میں اس گلی میں داخل ہوئی اور آگے بڑھتی چلی گئی۔ گلی زیادہ لمبی نہیں تھی۔ گلی کے دوسرے سرے پر ایک تانگہ کھڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔

گلی میں دائیں بائیں دو چار گلیاں اور بھی تھیں۔

دفعتاً مجھے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ سنائی دی اور میرے قدم جس جگہ تھے وہیں جم کر رہ گئے۔ چیخ سے مجھے کچھ ایسا لگا جیسے چیخنے والے کا منہ دبا دیا گیا ہو۔

میں نے مضطرب اور متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ یہ بات طے تھی کہ قرب و جوار ہی میں کہیں کوئی خطرناک کھیل کھیلا جا رہا تھا اور کسی خطرناک کھیل کی قربت کے احساس سے میرے خون میں تیزی آنی ہی چاہیئے تھی۔

میں چند قدم آگے بڑھی کر دائیں طرف کی پتلی سی گلی میں جھانک کر جھانکتے ہی میرے اندیشے کی تصدیق ہو گئی۔ کچھ دور ایک مکان کے دروازے پر چھوٹا سا بلب جل رہا تھا اور اس کی مدھم سی روشنی میں ان آدمیوں کو دیکھ سکتی تھی۔ یہ وہی تینوں تھے جن میں سے ایک دو ایک لڑکی کو کھینچے لیے چلے آ رہے تھے۔ ان کا رُخ اسی طرف ہی کو مڑی ہوئی تھی۔ لڑکی کا لباس اس کے دیہاتی ہونے کی چغلی کھاتا تھا۔ وہ لاچے اور کُرتے میں ملبوس تھی۔

یہ منظر دیکھ کر میرے خون کی حدت بڑھ گئی لیکن میں نے آگے بڑھ کر بدمعاشوں کو للکارنے کی بجائے وہیں رک کر ان کا انتظار مناسب سمجھا۔ گلی کے سرے پر کھڑے ہوئے خالی تانگے کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ تینوں اس لڑکی کو اسی تانگے میں وہاں سے لے جانا چاہتے تھے۔

لڑکی کی چیخ، اغوا ہونے والی کا چہرہ تو میں نہیں دیکھ سکی تھی لیکن اس کے لباس سے اندازہ ضرور ہوا تھا کہ وہ اٹھارہ بیس سال سے زیادہ کی نہیں تھی۔

جیسے ہی وہ لوگ اسے گھسیٹتے ہوئے گلی کے سرے پر لائے، میں بجلی کی طرح لہرا گئی۔ کسی کے جبڑے پر گھونسہ پڑا، کسی کے پیٹ پر لات پڑی اور کسی نے کھڑے ہاتھ کی ضرب سے اپنی کمر کو دوہرا کر لیا۔ یہ حملہ بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے لئے غیر متوقع تھا اس لئے وہ بوکھلا گئے اور مجھے ان کی مرمت کرنے کا خاصا موقع مل گیا۔ اس مرمت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ لڑکی ان کی گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی اور آزادی کی فضا ملتے ہی اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان اُبل پڑا۔ وہ پنجابی زبان میں ان تینوں کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔

میں نے گراری کی مخصوص آواز سنی لیکن اندھیرے میں یہ نہیں دیکھ سکی کہ چاقو کس نے نکالا تھا۔

"ہٹ جاؤ لڑکی!" میں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں نے چاقو نکالا ہے۔"

"فکر نہ کرو بہن جی!" میں نے لڑکی کا جواب سنا۔ "چاقو تو میں نے بھی نکالا ہے۔"

میں حیران رہ گئی۔ لڑکی کے پاس گراری دار چاقو کی موجودگی کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

وہ تینوں بھاگ نکلے۔ خدا جانے وہ چاقو سے ڈر گئے تھے یا انہیں پکڑے جانے کا خوف پیدا ہو گیا تھا کیونکہ بعض عمارتوں کی کھڑکیاں کھل گئی تھیں۔ گلی میں ہونے والی دھما چوکڑی کی آوازیں مکینوں تک پہنچ گئی تھیں۔

لڑکی ان تینوں کو للکارتی ہوئی ان کی طرف جھپٹی تھی لیکن اچانک میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ "جانے دو انہیں۔ تمہاری بہادری نے مجھے خوش کیا ہے لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ہنگامے کو طول نہ دیا جائے۔ ہتھیار ان لوگوں کے پاس بھی ہو سکتے ہیں۔ انہیں ان ہتھیاروں کے استعمال پر مجبور نہ کرنا ہی بہتر ہے۔"

وہ تینوں تانگے پر جا چڑھے تھے اور تانگہ حرکت میں آ گیا تھا۔ اندھیرے میں گھوڑے کی ٹاپیں اور پہیوں کی چرچراہٹ گونج اٹھی تھی۔

"بھاگ نکلے کمبخت!" میری اجنبی ساتھی کے لہجے میں تاسف کی لہریں تھیں۔

"پرواہ مت کرو۔ تم بچ گئیں، یہی کافی ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر تھپکتے ہوئے کہا۔

"کمبختوں نے بے خبری میں چھاپ لیا تھا ورنہ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں پڑتی۔" وہ غراتی ہوئی بولی۔ "ہاتھ میں گراری آ جائے تو ان جیسے چھ مرد بھی میرا بدن نہیں چھو سکتے۔" لڑکی کے لہجے میں تفاخر آ گیا۔

اس کے ہاتھ میں زندگی کی بھرپور حرارت تھی اور وہ قدرے سخت ہونے کے باوجود بھی گداز محسوس ہو رہا تھا۔ لہجے میں بھی خاصی گرمی تھی اور اس کی لن ترانی کا انداز میرے جی کو بھا گیا تھا۔

گلی میں کھلنے والے کئی دروازے چرچرائے اور کچھ لوگ باہر نکلتے دکھائی دیئے۔

"اب کھسک لو یہاں سے۔" میں لڑکی کا ہاتھ دباتی ہوئی بولی۔ "ہمدردوں کا طوفان آنے والا ہے۔"

"ٹھیک ہے بہن جی!" وہ ہنس پڑی۔

ایسے موقعوں پر لوگوں کے استفسار سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی لیکن ہمارے نکلنے سے پہلے ایک صاحب قریب آ ہی گئے۔ میں نے انہیں تسلی دے دی کہ چند غنڈوں نے ہمیں چھیڑا تھا لیکن شور سے گھبرا کر بھاگ نکلے۔

اس جواب کے بعد مزید کسی استفسار کی گنجائش نہیں تھی۔

چند افراد نے پیش کش کی کہ وہ ہمیں ہمارے گھروں تک پہنچا آئیں گے لیکن میں نے نرمی سے ان کی درخواستوں کو رد کر دیا۔

کھڑکیاں اور دروازے کھلنے سے گلی میں خاصی روشنی ہو گئی تھی اور اس روشنی میں اپنی نئی ساتھی کو دیکھ کر میری باچھیں کھل گئی تھیں۔ وہ خاصی تنومند تھی لیکن پھیلاؤ اتنا نہیں تھا کہ جسم کا تناسب بگڑ جاتا۔ کمر پتلی ہونے کی وجہ سے وہ بے حد جنسی کشش کی حامل بن گئی تھی۔ چہرے کے نقوش بھی مر مٹنے کی راہ ہموار کرنے پر قادر تھے اور کھلتی ہوئی رنگت کسی بھی تشنہ چشم کو آسودہ کر سکتی تھی۔

میں اس کا ہاتھ تھامے ہوئے اس گلی سے نکل آئی اور مکانوں کے دروازے بند ہونے لگے۔

مین روڈ پر پہنچ کر میں نے اس سے کہا۔ "تم تو خاصی خوبصورت ہو۔"

میں اس سے کہنا چاہتی تھی کہ اتنی خوبصورت لڑکیوں کو اتنی رات گئے اپنے گھروں سے نہیں نکلنا چاہئے لیکن وہ میری بات سننے سے پہلے ہی بول پڑی۔

"آپ بھی کسی سے کم تو نہیں ہیں۔ جس مرد کے ہتھے چڑھیں گی وہ اپنی قسمت پر ناز کرے گا۔"

مجھے اس کی بیباکی پر حیرت نہیں ہوئی۔ جو لڑکی لپسٹے پاس ہیا قور رکھتی ہو اس سے ایسی ہی باتوں کی توقع کی جاسکتی ہے۔

"کسی مرد کی مجال نہیں کہ مجھے چھونے کا تصور کرسکے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کب تک بچیں گی آپ!" وہ بھی مسکرائی۔ "ایک نہ ایک روز ماں باپ کسی کے پلّے باندھ ہی دیں گے۔"

"ماں باپ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں لہٰذا میں ایسے کسی خطرے سے دوچار نہیں ہوسکتی۔" میں نے جواب دیا اور پھر بولی "تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"میرا گھر تو شاید اب کہیں بھی نہیں۔" وہ اچانک افسردہ ہوگئی۔

"کیا مطلب؟" مجھے حیرت ہوئی تھی۔

"گھر تو اسی کو کہتے ہیں ناجہاں اپنا کوئی ہو۔" اس کے لہجے کی سوگواری بڑھ گئی۔

"تم کچھ دکھی معلوم ہوتی ہو۔" میں نے قدرے توقف سے کہا۔

وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔ اندرونی غم کا چشمہ اس کے چہرے سے اُبلنے لگا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہمدردی کے چند الفاظ سنتے ہی وہ رو پڑے گی۔ اس کا یہ روپ مجھے بڑا اجنبی اجنبی سا لگا۔ چند لمحے پہلے وہ کتنی بیباک اور تیز و طرار نظر آرہی تھی!

"اگر تمہیں مجھ پر بھروسہ ہو تو میرے ساتھ چلو۔" میں نے ہمدردی سے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ "ہم اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"چلئے!" وہ آہستہ سے بولی۔ "میں آپ پر بھروسہ کیوں نہیں کروں گی؟ آپ نے تو میرے لئے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔"

میں نے ایک تانگہ روکا اور جب ہم دونوں کے بیٹھنے کے بعد تانگہ چل پڑا تو میں لڑکی سے بولی۔ "تم نے اپنا نام ابھی تک نہیں بتایا۔"

"ریشماں۔"

"خوب!" میں مسکرائی۔ "ریشمی لڑکیوں پر یہ نام خوب سجتا ہے۔"

میرے اس فقرے پر وہ بھی مسکرائی لیکن مسکراہٹ کچھ پھیکی پھیکی سی تھی۔ جب میں اسے لے کر ہوٹل میں داخل ہوئی تو وہ حیرت سے بولی۔ "کیا آپ کا کوئی گھر نہیں ہے؟"

"کم از کم ... شہر میں نہیں ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "میں پردیسی ہوں۔"

"آپ کہاں سے آئی ہیں؟"

"کراچی سے۔"

"ہائے!" اس نے بیساختہ کہا۔ "میں نے کراچی کے بہت قصے سنے ہیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے وہ پریوں کا دیس ہو۔"

"لیکن تم جیسی ملیح پریاں وہاں بہت کم ہوتی ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "اگر تم نے پسند کیا تو میں تمہیں وہاں لے چلوں گی۔"

اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ ریشماں ایک ایک چیز کو بڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ایک شاندار ہوٹل کے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ زندگی میں بھی وہ ان تکلفات سے آشنا نہیں ہوسکی ہوگی۔ وہ ... بستر پر بیٹھی تو ایک بار اچھل ہی پڑی لیکن پھر اس نے اپنی ... پالیا۔ جب وہ جم کر بیٹھ گئی تو میں نے اس سے کہا۔ "تم نے کچھ کھایا ہے یا نہیں؟"

"اگر ایک وقت کچھ نہ کھایا جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تکلف برت رہی ہو!" میں نے ہنس کر کہا اور ٹیلیفون ... کر روم سروس کو کال کیا۔ کھانے کا آرڈر دینے کے بعد میں نے ... کہ وہ منہ ہاتھ دھو ڈالے۔ میں نے آنکھ اشارے سے غسلخانہ ... دکھا رہا تھا۔ وہ اپنا لاچا سنبھالتی ہوئی غسلخانے کی طرف بڑھ ... کے کولہوں کی لرزش دیکھ کر میرے دل میں گدگدی سی ہونے ... جب وہ منہ ہاتھ دھو کر غسلخانے سے نکلی، اسی وقت ... آیا۔ ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے اور کھانے کے دوران میں ... اپنے بارے میں سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔

ریشماں کا گھر ایک نواحی بستی میں تھا۔ وہاں وہ ماں ... کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ باپ کے پاس خاصی زمین تھی اس لئے ... اچھے دن گزار رہے تھے۔ ریشماں نے آٹھویں جماعت تک ... کے بھائی نے زراعت کی تعلیم حاصل کی تھی۔

"میرے ابا کے ایک بچپن کے دوست ہیں۔" ریشماں ... نے تجارت میں مسلسل نقصان اٹھایا تو مدد کے لئے میرے ابا کے ... ان دنوں فصلیں اچھی نہیں ہوئی تھیں اور دو تین روز پہلے ابا ... کی کچھ زمینیں بھی خریدی تھیں اس لئے نقدی کی صورت میں ... بھی نہیں تھا۔ وہ پریشان ہوگئے کیونکہ دوست سے انکار ... تھے۔ آخر انہوں نے اپنی زمینوں کا کچھ حصہ ... رکھ کر رقم حاصل کی اور اپنے دوست کو دے دی لیکن اس رقم ... کا کام نہیں چل سکا۔ چند روز بعد انہوں نے ابا سے مزید رقم کا ...

"اور تمہارے ابا نے باقی زمین بھی گروی رکھ دی؟"

"اس کی ضرورت تو نہیں تھی کیونکہ گروی رکھی ہوئی زمین ... قرض مل جانا چاہئے تھا لیکن جاگیردار شوکت بڑا کمینہ ہے۔ اس ... نے لینے والی رقم ... پر اصرار کیا۔ ... صاحب ... ہی رقم کی ادائیگی کا یقین دلایا تھا۔ اس لئے ابا نے کچھ زیادہ ... وہ دوستی کا بھرم رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے جاگیردار سے ... رقم کے حوالے کردی۔"

"اور ... صاحب وہ رقم کھا گئے؟"

ریشماں نے آخری نوالہ منہ میں رکھا اور اسے تھوڑا ...

... صاحب کا کاروبار شہر میں تھا۔ وہ ابا کو خطوط بھیجتے رہتے تھے ... کا سلسلہ بند ہوگیا۔ پھر اس وقت ابا کو بہت فکر ہوئی ... شوکت نے پیسوں کا مطالبہ شروع کردیا۔ کچھ زمینیں بیچ کر ... سکتا تھا لیکن کاغذات شوکت کے قبضے میں تھے۔ کاغذات ... نہیں تھا۔ بڑی مشکلوں سے دو تین ایسے گاہک مل بھی گئے ... کاغذات ملنے کی یقین دہانی پر رقم کی ادائیگی کا وعدہ کرلیا ... لوٹے ہی نہیں۔ ابا خود اُن کے پاس گئے تو انہوں نے کوئی نہ ... کر زمینیں خریدنے سے معذوری ظاہر کردی۔"

"... شوکت کی شرارت؟"

"... خیال تھا۔" ریشماں نے سر ہلا کر کہا۔ "ایک دن انہوں ... صاف لفظوں میں یہ بات کہی تھی کہ جاگیردار شوکت ہر جائز یا ناجائز ... کرکے ہماری زمینوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ ہماری بستی ... جاگیردار شوکت کو پسند نہیں کرتا لیکن اس کی غنڈہ گردی کے ... دبے رہتے ہیں۔ ہماری زمینوں کے گاہکوں کو بھی اس ... سودے سے منحرف کیا ہوگا۔"

... سے فارغ ہو چکے تھے۔ میں نے بیرے کو بلا کر برتن ... جائے لانے کے لئے بھی کہا۔ پھر میں اور ریشماں ہاتھ دھو کر ... قریب قریب بیٹھ گئے۔ ریشماں نے اپنی داستان آگے بڑھائی۔ ... ابا کو یہاں پنڈی شہر آنا پڑا۔ وہ اپنے ایک دوست سے رقم ... تھے اور معاملہ چونکہ بہت بڑی رقم کا نہیں تھا اس لئے ... انکار کی توقع نہیں تھی۔"

"... نے انکار کردیا!"

"..." ریشماں کی آواز بھرا گئی۔ "ابا یہاں سے زندہ نہیں لوٹے ... میں ہی کسی کار سے ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔"

... ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا۔ ... میں فوری طور پر فیصلہ نہیں ... سے کس انداز میں تعزیت کروں۔

... کے بعد ریشماں بولی۔ "میں اور میرا بھائی تو یہی سمجھ ... دوست تک پہنچ ہی نہ سکے ہوں گے لیکن دو روز بعد ... پتہ چلا کہ انہوں نے ... اپنے دوست کے سامنے ہی وہ رقم جاگیردار شوکت ... دی تھی اور زمین کے کاغذات بھی حاصل کرلئے تھے۔"

"..." میرے منہ سے بےساختہ نکلا۔

... سوچنے لگی۔ اگر ریشماں کے باپ نے اپنی جائداد ... میں کرلیا تھا تو پھر ریشماں پر کیا مصیبت ٹوٹ پڑی ... اس چھوڑ کر پنڈی آنا پڑا تھا۔ کیا جاگیردار شوکت نے ... کرالی تھی؟

... اس بیٹھی قالین کو تکتی رہی۔

قدرے توقف سے میں نے پوچھا۔ "کیا ابا کے انتقال پر کاغذات ان کے پاس سے برآمد نہیں ہوئے تھے؟"

"نہیں!" ریشماں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"تمہیں پنڈی کیوں آنا پڑگیا؟"

"دراصل ابا کے مرتے ہی جاگیردار نے بڑی سختی سے پیسوں کا مطالبہ کیا تھا۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ابا اس کا قرض اتار چکے ہیں ... کے دوست کا خط ملا تو جاگیردار شوکت کی بےایمانی سامنے آئی اور ..."

"ٹھہرو!" میں غور کرتی ہوئی بولی۔ "اگر تمہارے ابا نے اپنے دوست کے سامنے شوکت کو رقم ادا کی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شوکت بھی تمہارے ابا کے ساتھ پنڈی آیا تھا۔ دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ انہیں پنڈی میں مل گیا ہو۔ ہر دو صورتوں میں یہ سوچا جا سکتا ہے کہ تمہارے ابا کی موت میں شاید شوکت ہی کا ہاتھ ہو۔ کیا اس کے پاس کار ہے؟"

"ہے تو۔" ریشماں نے جواب دیا۔ "اور اسی شبہے کی بنا پر کل میرا بھائی جاگیردار شوکت کے پاس گیا تھا۔ میں نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن ابا کے دوست کا خط ملنے کے باعث وہ بےحد مشتعل ہوگیا تھا۔ اس نے میری بات نہیں مانی اور جاگیردار شوکت سے ملنے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد میں نے گولی چلنے کی آواز سنی اور اس کے تھوڑی دیر بعد ہی جاگیردار شوکت اپنا پٹیوں سے بندھا ہوا ہاتھ لے کر ہمارے گھر آیا۔ وہ میرے بھائی پر یہ الزام لگا رہا تھا کہ وہ اسے زخمی کرکے اور اس کی تجوری صاف کرکے بھاگ نکلا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر لوٹی ہوئی رقم فوراً واپس نہ کی گئی تو وہ تھانے میں رپورٹ لکھوا دے گا اور میرا بھائی اشتہاری ... جائے گا۔"

"کیا واقعی ایسا ہوا ہوگا؟ یعنی کیا تمہارا بھائی اسے لوٹ کر بھاگ سکتا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" ریشماں نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "میرا بھائی مجھے تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔" شدتِ جذبات سے ریشماں کا جسم لرز اٹھا اور وہ سسکیوں کے ساتھ رونے لگی۔

میں نے اس کے قریب ہوکر تسلی آمیز انداز میں اس کا شانہ تھپکا تو وہ بالکل ہی بےقابو ہوگئی اور میرے سینے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

"رو نہیں جان!" میں اس کی پیٹھ تھپکنے لگی۔ "تم ایک بہادر لڑکی ہو۔ ایسی لڑکیوں کو رونا زیب نہیں دیتا۔"

"مجھے ڈر ہے ... اس کمینے نے ... میرے بھائی کو ... قتل نہ کردیا ہو۔" وہ ہچکیاں لیتی ہوئی بولی۔

"نہیں، شوکت اسے قتل نہیں کرسکتا۔ وہ اس کی قید میں ہوگا۔ جب تک شوکت کو یقین نہ ہوجائے کہ تمہارے بھائی کی زندگی سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، وہ اسے زندہ ہی رکھے گا۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا بھائی اس کی قید میں ہوگا۔" یہ سب کچھ میں نے کہہ تو دیا لیکن مجھے

خود بھی ان باتوں پر یقین نہیں تھا۔
"اسے... میرے بھائی کی زندگی... زندگی سے... کیا فائدہ... پہنچ سکتا ہے؟"
"شوکت کی نظریں تمہاری زمینوں پر ہیں اور اب صرف تم ہی اس کی راہ کا کانٹا ہو۔ کسی وقت بھی وہ تم پر دباؤ ڈالنے کے لئے تمہارے بھائی کو استعمال کر سکتا ہے۔"
"وہ کیسے؟"
"اپنے بھائی کی تکلیفوں کا حال سن کر کیا تم تڑپ نہیں اٹھو گی؟ یہ دباؤ ڈال کر وہ تم کو بہت سی باتوں پر مجبور کر سکتا ہے۔"
میرا طریقۂ استدلال ایسا تھا کہ بات ریشماں کی سمجھ میں آگئی اور آہستہ آہستہ وہ پھر معمول پر آتی چلی گئی۔ اسی دوران میں بیرا چائے لے آیا۔ گرم گرم چائے کے گھونٹ لے کر ریشماں کی حالت مزید بہتر ہو گئی۔ وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔ تھوڑے توقف کے بعد وہ دانت پیستی ہوئی بولی۔
"اگر اس نے میرے بھائی پر تشدد کیا تو میں چاقو اس کے پیٹ میں اتار دوں گی۔"
"گڈ!" میں نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا۔ یہ دیکھ کر مجھے واقعی مسرت کا احساس ہوا تھا کہ ریشماں کی کچھ دیر پہلے والی بیباکی اور تیز طراری واپس لوٹ رہی تھی۔
"تم بڑے خطرات میں گھری ہوئی ہو۔" میں نے ذرا دیر بعد سنجیدگی سے کہا۔ "تم سے زمین حاصل کرنے کے بعد بھی وہ نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ تم کسی وقت بھی اس کے لئے طوفان کھڑا کر سکتی ہو اس لئے وہ تم دونوں کو ختم ہی کر دینا چاہے گا۔ ہاں ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ تمہیں اعتماد میں لینے کی کوشش کرے یا کسی طرح تمہیں مجبور کر دے کہ تم اس کے ساتھ ہو جاؤ۔"
"وہ مجھے کسی طرح بھی ایسا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔" ریشماں بڑے جوش سے بولی۔ "میں اس کے منہ پر تھوک دوں گی۔"
"دھیرج... دھیرج میری جان!... جوش میں آنے کی بجائے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ حالات و امکانات کا جائزہ لینا چاہیئے۔" میں نے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "اگر شوکت ویسا ہی ہے جیسا میں اس کے بارے میں قیاس کر سکتی ہوں تو اس کی نظر تمہاری زمینوں ہی پر نہیں بلکہ تم پر بھی ہو گی۔ تم اتنی خوبصورت ہو کہ کوئی مرد تمہاری خواہش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شوکت تو یقیناً بہت عیاش آدمی ہو گا۔ وہ تم سے شادی کی خواہش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"
"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ریشماں نے آہستہ سے کہا۔ "اس نے کسی کے ذریعے مجھ تک یہ تجویز پہنچائی بھی تھی کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ اس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ اس طرح سارے جھگڑے مٹ جائیں گے۔"
"پھر تم نے کیا جواب دیا تھا؟"
"پیغام لانے والے کو جھاڑنے کے سوا کیا کر سکتی تھی۔ وہ اتنا ذلیل اور کمینہ آدمی ہے کہ گاؤں والے اپنی بہو بیٹیوں کو گھروں میں بند رکھتے ہیں۔ شادی تو زندگی بھر کا سودا ہے جبکہ میں اس کے ساتھ لمحہ بھی نہیں گزار سکتی۔"
"تمہاری بات سو فیصد درست ہے۔ شادی ایک ایسا سودا ہے جس میں عورت ہمیشہ گھاٹے میں رہتی ہے۔"
"لیکن یہ پہاڑ سی زندگی تنہا بھی تو نہیں کٹ سکتی۔"
"کون کہتا ہے کہ تنہا رہو۔ صرف مرد ہی تنہائی دور کرنے کا ذریعہ نہیں ہیں۔"
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" ریشماں نے پلکیں جھپکا کر میری طرف دیکھا لیکن میری تیز نظروں کو محسوس کر کے جھینپ گئی۔ وہ مجھ سے اتنی قریب بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کے بدن کی مساموں کو بھی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی گردن میں بانہیں ڈال دی اور اسے اتنا قریب کر لیا کہ میرے ہونٹ اس کے عارض چھو سکیں۔ لب و رخسار کی اس گفتگو سے ریشماں کے چہرے پر شفق پھوٹنے لگی اور میرے بدن میں جیسے ستارے ٹوٹنے لگے۔
"ریشی!" میں نے سرگوشی کی۔
"جی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔
"مردوں کے پیار پر بھروسہ کر کے کتنی عورتوں نے صرف دکھ پلنے والی ہزاروں مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ ضروری ہے کہ مردوں ہی سے پیار کیا جائے۔"
"جی۔" ریشماں کی سانسیں تیز ہونے لگیں اور شباب کی موج امنڈنے لگا۔ میرے ہاتھ اس امنڈتے ہوئے طوفان سے... ریشماں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ میں نے اس کے کان کی لو کو آہستگی سے کاٹا تو وہ ایک سسکاری لے کر رہ گئی۔
"ریشی۔" میں نے سرگوشی کی۔ "اگر تم جاگیردار شوکت سے لو تو تمہاری مصیبت ختم نہیں ہو جائے گی۔ تم پر قبضہ جمانے کے بعد بھائی سے نپٹنا اس کے لئے بہت آسان ہو جائے گا۔ تم سب کچھ دیکھتی رہو گی اور کچھ نہ کر سکو گی۔"
"لیکن موجودہ حالات میں بھی کیا کر سکتی ہوں۔"
"میرے ہوتے ہوئے تم اپنے آپ کو بے بس نہ سمجھو۔ حاصل کرنا تمہارے لئے کوئی دشوار کام نہیں۔ اپنے ابا کے گواہی دلوا کر تم کسی اچھے وکیل کی مدد سے مقدمہ جیت سکتی ہو۔ ...سے بھی جاگیردار کی ساری بدمعاشی نکلوائی جا سکتی ہے۔"
"پولیس؟" ریشماں نے زہرخند کیا۔ "علاقے کا ...شوکت کا بے دام غلام ہے۔ شاید میں آپ کو بتانا بھول گئی علاقے کی بی ڈی کمیٹی کا چیئرمین بھی ہے۔ اپنے علاقے سے... پہنچ دور تک ہے۔"

...ماں کے اس انکشاف پر مجھے واقعی اس معاملے کی ...ہو گیا۔ ریشماں کی مظلومیت مسلم تھی اور ظالم اتنا طاقتور ...بھی کی طرح بپھر پھڑا تو سکتی تھی لیکن کچھ کر گزرنا ...تھا اسے واقعی کسی طاقتور ساتھی کی ضرورت ...ستون بن جانا چاہیئے تھا لیکن میرے ساتھ مشکل ...واپس کراچی پہنچنا تھا۔ میں ڈاکٹر نونگ کے معاملے ...ملی تھی۔ اس ملک گیر معاملے کو نظرانداز کرنا ممکن ...ذہن میں ایک خلش یہ بھی پیدا ہو گئی تھی کہ ریشماں ...آدمیوں میں ایک چینی شخص کیوں تھا؟
...ذہن میں چکراتا ہوا یہ سوال ریشماں کے کانوں میں اتار دیا۔
...سے میں کچھ نہیں جانتی۔" ریشماں نے جواب دیا۔ ...کے آدمیوں میں اسے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن دو ...سننے میں ضرور آئی تھی کہ اس کی حویلی میں کچھ چینی ...
...لہجے میں تفکر کی آمیزش تھی۔
...گاؤں کے جاگیردار کی حویلی میں چینی مہمانوں کا ...لیکن اس بات کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ ...سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔
...پر غور کرنے کا زیادہ موقع نہیں مل سکا کیونکہ ...میرے اور ریشماں کے لمس کی شدت میں جذبات ...ہو چکی تھیں۔ ان کھلے ہوئے پھولوں کی سرخی ...بن کر سما گئی تھی اور ادھر میرا جسم بھی کسی ...سنسنانے لگا تھا۔
میں نے سرگوشی کی۔ "یہ رات کچھ کہہ رہی ہے۔"
...آواز بہت دھیمی تھی۔
"ہاں!"
...دن کو اپنے ہاتھوں پر سہار لیا۔ اسے یوں ...بات بڑھی تو میرے قدم اس کے بوجھ سے نہیں ...ڈگمگا رہے تھے۔ میں اسے لئے ہوئے بستر پر ...لہریں پیوست جاں ہوں اور ساحل تک ...مضطرب ہوں۔
...اور میرے ہاتھوں نے ہزار دیے پرکھا ...نے کی کوشش کی۔ ہماری ان کوششوں ...ان کو منہ دیا۔ ساری فضا سنسناتی محسوس ...کہ ہم پھنکار رہے تھے اور ان کی سرخ سرخ ...رہی تھیں۔ ریشماں کا لاچا اور میرا لباس

دور ہی سے یہ تماشۂ طرب دیکھ رہا تھا۔
تماشے کے فریقوں کا جوش و خروش بڑھتا رہا اور وہ آپس میں لب و رخسار کی داد پاتے ہوئے اس منزل تک پہنچ گئے جہاں انتہائے جذبات کی حکمرانی کا زوال شروع ہوتا ہے۔
عروج و زوال کا یہ تماشہ جب اپنی ابتدا سے انتہا کو پہنچا تو بھیگی ہوئی رات نڈھال محسوس ہونے لگی اور سانسوں کی ناہمواری بتدریج سناٹے میں مدغم ہوتی چلی گئی۔
"رشو!" میں نے اسے دھیمے سے پکارا۔
"جی۔" وہ گویا اب بھی بہت دور سے بول رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں کیونکہ کمرے کی روشنی کے باعث اس کے حجاب کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی۔
"رشو! رات تو خاصی بیت چکی ہے۔"
"جی۔"
"لیکن آنکھوں میں نیند کا اب تک پتہ نہیں ہے۔"
"جی۔" وہ اب بھی بس یہی ایک لفظ بول سکی۔
میں نے آہستگی سے اس کا رخ اپنی طرف کر لیا اور اس کے ذہن کی پنکھڑیوں کو چومتی ہوئی بولی۔ "اب آنکھیں تو کھول دو عروس!"
میری اس بات سے اس کے چہرے پر شرم کی ایک اور تہہ چڑھ گئی۔ اس نے بے اختیار اپنا چہرہ میرے بازو کے نیچے چھپا لینا چاہا تو میں ہنس دی۔
"کیا اب زندگی بھر اسی طرح شرماتی رہو گی؟"
"آپ بڑی وہ ہیں، ہاں۔" وہ کچھ اس انداز میں بولی کہ اس کی یہ ادا میرے جی کو بھا گئی۔ میں نے اسے ایک دم اپنے سینے سے لگا کر بھینچ ڈالا۔ پھر اچانک میں نے سنجیدگی سے کہا۔
"ارے ہاں! تم نے ایک بات تو بتائی ہی نہیں۔ میں نے سوال تو شاید کیا تھا لیکن بات دوسری طرف نکل گئی تھی۔ تم نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم آتنی رات کو راولپنڈی کی تاریک گلیوں میں کہاں بھٹکتی پھر رہی تھیں... کیا تمہیں اپنے ابا کے اسی دوست کی تلاش تھی جس نے...؟"
"جی ہاں، آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں انہی کے گھر گئی تھی لیکن ملاقات نہیں ہو سکی۔ خواجہ صاحب گھر پر نہیں تھے۔ وہ تنہا رہتے ہیں اس لئے کسی سے یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ کافی انتظار کے بعد میں وہاں سے یہ سوچ کر پلٹی کہ شاید آج رات انہیں واپس آنا ہی نہ ہو۔"
"اور پھر تم ان بدمعاشوں کے ہتھے چڑھ گئیں؟"
"جی۔"
پھر میں نے کوئی سوال نہیں کیا اور اس کی زندگی کے پیچیدہ حالات پر غور کرنے لگی۔ ریشماں ایک ایسے مقام پر کھڑی تھی جہاں اس کے

گرد کھائیاں ہی کھائیاں تھیں اور وہ اپنا توازن قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر اسے کسی کا سہارا نہ ملتا تو وہ کسی نہ کسی گہری کھائی میں جا گرتی۔

میں شدید کشمکش سے دوچار ہو گئی۔ ریشماں کو حالات کے اس بے رحم دھارے پر چھوڑ دینا میرے لئے ناممکن تھا لیکن میری کراچی واپسی بھی اشد ضروری تھی۔ خاصی ادھیڑ بن کے بعد مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ میں اپنی کراچی واپسی کو دو ایک روز کے لئے ملتوی کر دوں۔ ڈاکٹر نوئنگ کا معاملہ ایسا تھا جس سے میں دو روز بعد بھی نپٹ سکتی تھی لیکن ریشماں کا معاملہ ایسا تھا جو دو گھنٹے میں بھی اس طرح بگڑ سکتا تھا کہ پھر اسے کسی طرح بھی نہ سنبھالا جا سکتا۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد مجھے بڑا سکون محسوس ہوا۔ ایک بوجھ تھا جو میرے سر سے ہٹ گیا اور نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

پھر جب میری آنکھ کھلی تو ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ شاید اسی کی آواز نے مجھے اتنی صبح بیدار کیا تھا ورنہ میں دیر تک سوتی رہتی۔ دیوار گیر کلاک میں ابھی صرف چھ ہی بجے تھے۔

"ہیلو!" میں نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

یہ دراصل ٹیلی جینس کے ڈائریکٹر کا فون تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ کراچی کے لئے میری سیٹ بک ہو چکی ہے اور مجھے کچھ دیر میں ائرپورٹ پہنچ جانا چاہئے۔

"سیٹ کینسل کروا دیجئے!" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کیوں؟" ڈائریکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں دو ایک روز پنڈی ہی میں رکوں گی۔ بہتر ہوگا کہ اب آپ مجھے بھول جائیے۔ جب مجھے جانا ہوگا، میں خود ہی چلی جاؤں گی۔"

پھر میں نے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

ریشماں جوانی کی گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے بالوں کو بڑے پیار سے ہٹایا اور لیٹ کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کچی نیند سے بیداری کے باعث میری آنکھیں جل رہی تھیں اور میں اس جلن کو سارے دن کے لئے اپنے اوپر مسلط نہیں کرنا چاہتی تھی۔

دوبارہ میری آنکھ کھلی تو ساڑھے نو بجے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ریشماں اپنے لباس سے آراستہ، کرسی پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ یہ اندازہ کرنا میرے لئے مشکل نہیں تھا کہ اس کی سوچ کے زاویے کیا ہوں گے؟

"صبح بخیر!" میں نے مسکرا کر کہا تو وہ چونک پڑی۔

"جاگ گئیں آپ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، تم کب اٹھی تھیں؟"

"مجھے جاگے ہوئے تو ایک گھنٹہ ہو گیا۔"

"مجھے بھی جگا لیتیں!"

جواب میں کچھ کہنے کی بجائے ریشماں صرف مسکرا کر رہ گئی۔

میں نے فون اٹھا کر روم سروس کو ناشتے کی ہدایت کی اور بستر سے

اٹھ کر باتھ روم میں جا گھسی۔ میں نے تیار ہونے میں بڑی

ناشتہ میرے تیار ہونے سے پانچ منٹ پہلے ہی آ گیا۔

ریشماں نے بڑی رغبت سے ناشتہ کیا۔ خا

کے ایک دیہات کی ہتیار تھی۔ یہاں کے لوگوں کی خورا

ہوتی ہی ہے۔

ناشتہ کر چکنے کے بعد میں نے ریشماں سے کہا۔

اس کے گاؤں جاؤں گی اور دیکھوں گی کہ جاگیردار شوکت

اس کی جائیداد سے بے دخل کرتا ہے۔ میں نے تم

اس کے بھائی کو بھی شوکت کی قید سے رہائی دلوا کر

ریشماں ننھی منی بچیوں کی طرح خوش ہو کر مجھ

"لیکن" میں نے مزید کہا "گاؤں جانے

ابا کے اس دوست سے ملنا چاہتی ہوں جس نے

لوگوں کو اس مصیبت میں پھنسایا۔ کیا تمہیں

"بٹ صاحب۔ وہ یہیں سیٹلائٹ ٹاؤن میں

نے جلدی سے کہا۔ "مجھے ان کے مکان کا نمبر یاد ہے۔"

اس کا پورا نام غفور بٹ تھا۔ وہ سیٹلائٹ ٹاؤ

مل گیا۔ ریشماں کو دیکھ کر پہلے تو وہ چونکا اور پھر بڑا ایک

موٹے اور تھلتھلے جسم کا وہ شخص مجھے پہلی ہی

نہیں معلوم ہوا۔ اس نے ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا

چلا گیا۔ شاید چائے وغیرہ کے لئے کہنے گیا ہوگا۔ جب

کسی تمہید کے بغیر بولنا شروع کر دیا۔

"دیکھئے بٹ صاحب! ریشماں میری بہت اچھی

آپ کو خوب معلوم ہوگا کہ یہ آپ کی وجہ سے آجکل ایک

"مجھے اس کا بے حد افسوس ہے۔" غفور بٹ

ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میں نے چودھری کرم دین

لیا تھا کہ جلدی واپس لوٹا دوں گا لیکن میری بدقسمتی سا

لگی رہی اور میں قرض کی ادائیگی نہیں کر سکا۔ بہرحال

میں جلد ہی چودھری صاحب کا حساب بیباق کرنے کی

"ایسا شاید اسی وقت ہوگا جب جاگیردار شوکت

زمینیں اپنے قبضے میں کر لے گا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے

"کیا مطلب، کیوں؟" غفور بٹ چونک

"مسٹر بٹ! میں نے بڑے زہریلے انداز میں

کرم دین کی طرح بھولی نہیں ہوں کہ تمہاری چرب زبانی

مجھے یقین ہے کہ تم نے وہ قرض جاگیردار شوکت ہی کی

ہے ایک بڑی جائیداد کوڑیوں کے مول لینے کی جو سازش

برابر کے شریک معلوم ہوتے ہو۔"

غفور بٹ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا لیکن جلدی اس

اور بڑے تیکھے لہجے میں بولا۔ "میں نہیں جانتا کہ آپ

اسی طرح الٹے سیدھے الزامات لگاتی رہیں تو میں

بھی انکار کر دوں گا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں چودھری

اور وقت آنے پر قرضہ ریشماں یا اس کے بھائی کو

"اچھا، تو تم بزنس کس چیز کا کرتے ہو؟" میں بدستور

"کسی ایسے بزنس کا نام لینا جس میں فوری منافع

دین کو تم نے کوئی ایسا ہی نکتہ سمجھایا تھا۔"

"...کاروبار کرتا ہوں۔ عمارتی سریہ ملوں سے خرید کر ٹھیکیداروں

کو سپلائی کرتا ہوں۔ اگر سیمنٹ کا پرمٹ مل

...ہوں۔"

...نہیں کہ دوسرے عمارتی سامان کی طرح سریا اور

...میں لیکن مجھے نہ جانے کیوں اس بات کا یقین نہیں

...پیسہ تجارت ہی میں لگایا ہوگا۔ میرے ذہن میں یہ

...غفور بٹ اس سازش میں جاگیردار شوکت کا آلہ

"...سریا خریدتے ہو؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔

...میں نے کبھی سریے کی خرید و فروخت ضرور کی ہوگی

...نام سے دو تین ملوں کے نام گنا دیئے۔

...بٹ!" میں کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ ... ... ہوں

...جائے گا کہ تم نے ان دنوں کتنا سریا خریدا تھا۔

...بٹ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس مرتبہ

...نہیں لوٹ سکی۔ وہ خاصا گھبرا گیا تھا۔ اس کی

...میرے شبہات غلط نہیں تھے۔ غفور بٹ

...کا آلۂ کار تھا۔ جاگیردار نے چودھری کرم دین

...لئے باقاعدہ پلاننگ کی تھی لیکن جب اس

...چودھری کرم دین روپوں کا بندوبست کر کے

...لینے میں کامیاب ہو گیا تو شوکت کے لئے

...اگر وہ چودھری کرم دین کو جھٹکانے ہی لگوا

...اتفاقی حادثے کا نتیجہ ہوتی تو جائیداد کے

...رائد ہو جاتے۔ ان کاغذات کی عدم موجودگی

...ثابت کر رہی تھی۔ وہ کاغذات شوکت کے

...اپنی دیدہ دلیری سے جیبوں کی زینت بنا لیا۔

...غفور بٹ کے گھر سے رخصت ہو گئی۔ دوپہر

کا کھانا ہم نے ہوٹل ہی میں کھایا۔ کھانا کھا کر میں نے فون پر کراچی سے رابطہ قائم کیا اور کمانڈر حق کو ہدایت کی کہ وہ سعید کو بذریعۂ طیارہ امریکہ روانہ کر دے۔

"بہت بہتر یور ہائی نس!" کمانڈر حق نے کہا۔

"میں شاید پرسوں تک واپس آ سکوں گی۔ ایک ضروری کام سے مجھے پنڈی ہی میں رکنا پڑ رہا ہے۔" میں نے کہا اور پھر کمانڈر حق سے کچھ سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کیوں نہ ایک بار خواجہ صاحب سے بھی مل لیا جائے۔" میں نے ریشماں سے کہا۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

میں ریشماں کو لے کر جناح روڈ گئی جہاں گذشتہ رات مجھے غنڈوں سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

خواجہ صاحب کا گھر بدستور بند ملا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کام کے باعث شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔" ریشماں نے اظہار خیال کیا۔

میں نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ میرے ذہن میں تو یہ شبہ سر ابھار رہا تھا کہ کہیں جاگیردار شوکت نے خواجہ صاحب پر بھی ہاتھ صاف نہ کر دیا ہو۔ وہی اس بات کے واحد گواہ تھے کہ چودھری کرم دین نے روپیہ ان سے لے کر جاگیردار کو واپس کر دیا تھا اور کاغذات حاصل کر لئے تھے۔

میں ریشماں کو لے کر ہوٹل واپس ہوئی اور اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر ہم ریشماں کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔

راولپنڈی سے اس گاؤں کا فاصلہ تیس بتیس میل کے قریب ہے۔ بس سے وہاں پہنچا جا سکتا تھا لیکن میں نے ٹیکسی کو ترجیح دی۔ ٹیکسی ڈرائیور وہاں جانے پر آمادہ نہیں تھا لیکن جب میں نے دوگنے کرائے کی بات کی تو وہ تیار ہو گیا۔

مغرب کے وقت ہم ریشماں کے گاؤں پہنچے۔ ریشماں کا مکان بستی کے ایک سرے پر خاصے بڑے رقبے میں بنا ہوا تھا۔ مکان کیا، حویلی ہی تھی۔ دوسرا بڑا مکان جاگیردار شوکت کا تھا جو ریشماں نے مجھے اشارے سے دکھایا۔

ریشماں کے مکان کا دروازہ مقفل ہونا چاہئے تھا لیکن اسے کھلا ہوا دیکھ کر ریشماں پریشان ہو گئی۔

"یہ دروازہ کس نے کھولا؟" وہ پُرتشویش لہجے میں بولی۔

میں ریشماں کو لئے ہوئے دندناتا اندر گھستی چلی گئی۔ جس نے دروازہ کھولا تھا وہ وہاں موجود ملا۔ کشادہ صحن میں پلنگڑی پر پاؤں پسارے وہ حقہ نوشی میں مشغول تھا۔

"لالو!" ریشماں کے لہجے میں نفرت اور غصے کی لہریں تھیں۔

"یہ شوکت کا خاص غنڈہ ہے باجو!"

لالو نے تیکھی نظروں سے ریشماں کی طرف اور پھر مجھے دیکھا لیکن اپنی

جگہ سے اٹھنے کی زحمت نہیں کی۔

"تم نے حویلی کا تالا کیوں توڑا؟" ریشماں غصیلے لہجے میں بولی۔

"حویلی کے مالک نے کہا تھا!" لالو نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"حویلی کا مالک؟" ریشماں چونک پڑی "کیا میرا بھائی لوٹ آیا؟"

"وہ ڈاکو اب کہاں لوٹے گا؟ میں حویلی کے نئے مالک کی بات کر رہا ہوں۔ جاگیردار صاحب نے مجھے یہاں صفائی ستھرائی کے لئے بھیجا ہے وہ یہاں اپنے ولایتی مہمانوں کو رکھیں گے۔"

"ولایتی مہمان!" میں زیرلب بڑبڑائی۔

"جاگیردار صاحب کے پاس دور دور سے لوگ ملنے آتے ہیں۔" لالو نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"بکواس بند کرو۔" ریشماں چیخ کر بولی "میری موجودگی میں تیرے مالک کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حویلی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ اپنا بوریا بستر اٹھا اور اپنا راستہ ناپ۔ اپنے مالک کو بتا دیجیو کہ اگر اس نے ادھر کا رخ کیا تو میں اس کی آنتیں نکال دوں گی۔"

لالو نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا اور پھر بولا "چند دن صبر کر، پھر نوٹ گرجنا برسنا۔ خود ہمارے مالک بھی تمہاری ڈانٹ ڈپٹ سے سہم جایا کریں گے۔ وہ اب زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہتے۔ بہت جلد تم ہم سب کی مالک بن جاؤ گی۔"

ریشماں کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا لیکن اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی میں نے دخل اندازی کی "یہ سنو! تم جاکر اپنے مالک کو بتا دو کہ ریشماں اس دنیا میں اکیلی نہیں رہ گئی ہے، اب بھی اس کے کچھ ہمدرد باقی ہیں۔"

لالو نے ایک مرتبہ مجھے غور سے دیکھا اور پھر ہنس کر کہا "جاؤ میم صاحب! کیوں میرے منہ پڑ رہی ہو۔ مجھے آرام کرنے دو۔" اس نے دوسری طرف کروٹ لے لی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہم دونوں کو ذرہ برابر بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہ ہو۔

ریشماں نے اسے ایک موٹی سی گالی دیتے ہوئے اپنے لاچے میں سے پستول نکال لیا۔ گراری کی آواز سنتے ہی لالو نے پھر ہماری طرف کروٹ لی لیکن اٹھا اب بھی گوارہ نہیں کیا۔ وہ تضحیک آمیز نظروں سے ریشماں کی طرف دیکھتا ہوا بولا "جا گڑیے! تنگ نہ کر! یہ عورتوں کے کھیلنے کا کھلونا نہیں ہے۔"

ریشماں نے بڑی تیزی سے جھپٹ کر وار کیا تھا مگر لالو کے لئے یہ کھیل بہت پرانا تھا۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے نہ جانے کیسے ریشماں کی چاقو والی کلائی تھام لی اور اسے بڑی سختی سے مروڑ دیا۔ ریشماں ایک چیخ کے ساتھ گھوم گئی۔ اب اس کی پشت لالو کی طرف تھی۔ میں اس کی طرف جھپٹی لیکن میری مدد پہنچنے سے پہلے ہی لالو نے ریشماں کے چاقو والے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا۔ ریشماں کے منہ سے پھر ایک چیخ نکلی اور وہ لالو پر ڈھیر ہو گئی۔ فوراً ہی لالو نے اپنے دونوں ہاتھوں کی قوت سے اس کو اس طرح اچھالا کہ وہ کچھ دور جا کر گری۔ چاقو اس کے شانے میں دھنس گیا تھا اور خون کی دھاریں بہہ بہہ کر میں جذب ہو رہی تھیں۔ غالباً اس کی دوسری چیخ کا زخم ہی تھا۔

یہ منظر دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ لالو کو نظر انداز کر کے ریشماں کی طرف جھپٹی۔ میں نے بٹھایا اور کسے دانت پر دانت جمائے رکھنے کی اس کے زخم سے کھینچ لیا۔ ریشماں نے اپنی سسکی ہی میں گھونٹ دیا تھا اور صرف ایک تیز سسکاری لالو بدستور پلنگڑی پر لیٹا ہوا تھا اور تمسخرانہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

میں خون آلود چاقو اپنے ہاتھ میں تولتی ہوئی تو وہ حقارت آمیز لہجے میں بولا "کیا اب تو بھی اپنے چاہتی ہے؟"

"میری بات سن!" میں نے دھیمے لہجے میں جاگیردار تک پہنچ جانا چاہئے کہ اگر اس نے کتوں کی ہڈیوں پر جھپٹنا نہ چھوڑا اور کل صبح تک لوٹ کر واپس نہ گئے تو میرا نام اس کے ماتھے پر بھی اسی جیسے ابھی ذرا دیر میں تیرے ماتھے پر گودا جانے والا سمجھ گیا؟" لالو نے مذاق اڑانے والے انداز "ذرا ذرا دیر میں اور اچھی طرح سمجھ جائے گا۔"

جما کر کہا اور چاقو لہرا کر لالو پر ٹوٹ پڑی۔

لالو نے میرے ہاتھ کی حرکت کو بھانپتے ہوئے اٹھائے تھے لیکن اس کے ہاتھ ہوا ہی میں جھولتے رہ گئے میں نے صرف دھوکہ دیا تھا۔ یکلخت جھک کر میں اور اسے ایک جھٹکے سے الٹ دیا۔ لالو اس کے اس نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا۔ وہ واہی تباہی بکتا نکل آیا تھا۔ اور تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا غرور نہیں سے دو چار کئے ہوئے تھا کہ اس کے سا نہیں ہے۔

"میں گرے پڑوں پر چاقو کا وار نہیں کر چھیڑا۔ یہ تم پر میں چاقو کی صرف نوک استعمال کر اپنا نام گودنا چاہتی ہوں!"

میری بات ختم ہوتے ہی لالو مجھ پر ہاتھ میں دبے ہوئے چاقو کو نظر انداز کر دیا تھا کچھ ایسی تھی جیسے کوئی ارنا بھینسا جھپٹ پڑ آ جاتی تو وہ یقیناً مجھے گرا کر دور تک رگید سے ایک طرف ہٹ کر اس کی زد سے نکل گئی

پھر اس طرح گرا جیسے کسی نے اسے اٹھا کر بڑی زور سے اس کی جگہ کوئی معمولی آدمی ہوتا تو یہ شدید چوٹ اسے اٹھنے سے لیکن وہ صرف ڈکرا کر رہ گیا۔ اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی وہ بری طرح جھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ایک عورت کے ہاتھوں اس کے لئے باعث شرم رہا ہوگا اور ادھر میں یہ فیصلہ کر چکی اسی طرح زچ کرتی رہوں گی۔ میں اسے اس طرح تھکا دینا چاہتی میں اس کے سینے پر چڑھ کر اس کی پیشانی کو گود دوں تو وہ زیادہ

دوسرا حملہ جھنجھلاہٹ کا شکار تھا۔ اس لئے میں نے بڑی آسانی بچا لیا۔ نہ صرف بچا لیا بلکہ اس مرتبہ لالو کی پسلیوں پر ایک ہاتھ

تیسرا حملہ بجا نپا تلا تھا۔ اس مرتبہ میں نے اس کی زد سے نکلنے نہیں کی بلکہ آگے کی طرف جھک کر بڑی تیزی سے سیدھی ہوئی۔ بڑی نپی تلی ہوئی تھی۔ میرے اٹھتے ہوئے سر کی شدید ٹھوڑی پر پڑی اور وہ ڈکراتا ہوا الٹ کر گرا۔ اس مرتبہ وہ ساتھ نہیں اٹھ سکا تھا۔

"دل نہ چھوٹا کر، ماسٹو!" میں نے ریشماں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "زخم کا معقول بدلہ لوں گی۔"

ریشماں کچھ نہ بولی۔ وہ تکلیف برداشت کرنے کے لئے دانت جمائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دائیں ہاتھ سے اپنے شانے کے رکھا تھا۔

اٹھ کر جب چوتھی مرتبہ میری طرف بڑھا تو اس کے منہ سے تھا اور شکل بڑی خوفناک نظر آنے لگی تھی۔ وہ گالیاں بکتا ہوا اوپر آیا تھا اور میں نے اس کے پیٹ میں لات رسید کر دی دوہرا ہو گیا اور میں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے تابڑ توڑ مکے برسا دیئے۔ میں اس کے صرف چہرے کو تھی۔ ذرا سی دیر میں وہ ادھ مرا ہو کر ڈھیر ہو گیا۔ مجھے اسی انتظار تھا۔ میں اس کے سینے پر چڑھ بیٹھی اور چاقو کی نوک سے پیشانی گودنے لگی۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چلایا اس پر ذرا بھی ترس نہیں آ سکتا تھا۔ میں نے جب تک اپنے حروف تک نہیں گود دیا، اسے چھوڑ کر نہیں ہٹی۔

"شاباش! مزا آ گیا۔" ریشماں پر مسرت انداز میں چیخی۔ اور میں اب چیخنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ اس کا خون میں ڈوبا چہرہ بھیانک نظر آنے لگا تھا۔

کے باہر سے لوگوں کے زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں رہی تھیں۔ لالو کی چیخوں ہی نے لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا کے دروازے پر جمع ہوتے جا رہے تھے۔

ہوئی دروازے کی طرف سے چلی۔ اب اس میں مزاحمت کی بالکل سکت نہیں رہ گئی تھی۔ ریشماں اٹھ کر میری طرف آئی۔ وہ میرا ہاتھ بٹانا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے روک دیا۔ یہ کوئی اتنا بھاری کام نہیں تھا کہ میں تنہا اسے انجام نہ دے سکتی۔

میں نے دروازہ کھولا اور اسے گھسیٹتی ہوئی باہر لئے چلی گئی۔ زور زور سے بولتے ہوئے لوگ یہ منظر دیکھ کر یکلخت خاموش ہو گئے تھے۔ اکا دکا ایسے بھی تھے جو دشمن کو بھی تکلیف میں دیکھ کر افسوس کرنے لگتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ لالو جیسے آدمیوں سے ہمدردی نہیں کی جا سکتی۔

میں لالو کو دروازے سے دس بارہ فٹ دور چھوڑ کر واپسی کے لئے پلٹی تو میں نے دیکھا کہ ریشماں بھی حویلی سے باہر نکل آئی تھی۔ میں دل ہی دل میں اس کی باہمتی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکی۔ اگر اس کی جگہ کوئی عام لڑکی ہوتی تو شانے پر اتنا گہرا زخم کھا کر اپنی جگہ ہی پر پڑی تڑپتی رہتی۔ وہ حویلی سے نکلتے ہوئے لالو کے استعمال کی اشیا بھی اٹھا لائی تھی۔ وہ سب چیزیں اس نے بڑی نفرت اور غصے سے لالو کی طرف اچھال دیں۔

"ارے! تو بھی زخمی ہے ریشماں!" ایک ادھیڑ عمر عورت نے جلدی سے ریشماں کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں ماسی!" ریشماں نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"ارے کوئی ڈاکٹر کو لاؤ جلدی سے۔" ماسی مجمعے کی طرف دیکھتی ہوئی بوکھلائے ہوئے انداز میں چیخی۔

"میں ابھی لے کر آتا ہوں ماسی!" ایک نوعمر لڑکے نے زور سے کہا اور ایک طرف دوڑا چلا گیا۔

ریشماں لوگوں کے استفسارات کا ہدف بن گئی۔ جتنے منہ تھے، اتنے ہی سوالوں کی بھرمار ہو گئی تھی۔ لوگ جاننا چاہتے تھے کہ لالو کو اس بری طرح زخمی کس نے کیا ہے۔ جب ریشماں نے میری طرف اشارہ کیا تو لوگوں کی آنکھوں سے بے یقینی جھلکنے لگی۔ بھلا وہ کیسے یقین کر لیتے کہ لالو جیسے غنڈے کی مرمت ایک عورت نے کی ہے۔ میں ان کی نظروں میں عام عورتوں سے مختلف نہیں ہو سکتی تھی۔

میں ریشماں کو ان لوگوں کے نرغے سے نکال کر حویلی میں لے گئی لیکن ماسی سے پیچھا نہیں چھوٹ سکا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ حویلی میں چلی آئی تھی۔ اب خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اس لئے میں نے پہلے تو روشنی کی اور پھر دوپٹہ پھاڑ کر ریشماں کے زخم پر باندھنے لگی۔ خون کا بہاؤ روکنا تو ناممکن تھا لیکن دوپٹے کی مضبوط بندش اس بہاؤ میں رکاوٹ ضرور بن سکتی تھی۔

ماسی کی زبان برابر چلتی رہی۔ وہ میرے ہی بارے میں باتیں کر رہی تھی۔ دراصل اسے بھی دوسروں کی طرح اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ لالو کی مرمت میں نے کی تھی۔

جواب میں ریشماں نے جیسے زچ آ کر کہا "تو پھر تم ہی بتاؤ ماسی

دکھائی دے رہا ہے؟"

"دکھائی تو کوئی نہیں دے رہا مگر لاٹو کا یہ حال دیکھ کر میں سمجھی تھی کہ شاید تیرا بھائی لوٹ آیا۔"

"بھائی کی واپسی کی مجھے کوئی امید نہیں۔"

"ہائے بیٹی! ایسی فال منہ سے مت نکال! یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ جاگیردار بدمعاش ہے لیکن اب ایسا بھی کیا کہ وہ تیرے بھائی کو مار ڈالے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے تیرے بھائی کو پٹوا کر کسی دوسرے گاؤں میں بھجوا دیا ہو۔ آج نہیں تو کل، تیرا بھائی ضرور آئے گا۔ میری اس بات کو گانٹھ میں باندھ لے۔" ماسی نے یہ سب کچھ بڑے محبت آمیز لہجے اور ہمدردانہ انداز میں کہا تھا۔

"تیرے منہ میں گھی شکر ماسی!" ریشماں نے ایک لمبی سانس لے کر کہا اور پھر مجھ سے بولی "لیکن آپ نے لاٹو کی یہ درگت بنا کر اچھا نہیں کیا بانو!.... اب جاگیردار کے غصے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ وہ بہت کمینہ ہے۔ جو کچھ بھی کر گزرے، وہ کم ہے۔"

"میں اس کی مرمت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی لیکن تمہارے شانے کو زخمی ہوتے دیکھ کر میں آپے سے باہر ہو گئی۔ اب رہ گیا جاگیردار کا غصہ تو میں اسے بھی دیکھ لوں گی۔ تم فکر مت کرو، میں ایسے لوگوں سے نپٹنا خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"لیکن بیٹی!" ماسی نے پُرتشویش لہجے میں کہا "جاگیردار اکیلا تھوڑی آئے گا! اس کے ساتھ اس کے غنڈے بھی ہوں گے۔"

"اکیلی ریشماں پر جب غنڈے چڑھ دوڑیں گے تو کیا گاؤں والے خاموش رہیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"ہونہہ!" ریشماں نے بُرا سا منہ بنا کر سر جھٹکا "گاؤں والوں کو جب یہ پتہ چلے گا کہ شوکت اپنے غنڈوں کو لے کر اپنی حویلی سے نکلا ہے تو وہ سب کے سب اپنے گھروں میں بند ہو جائیں گے۔"

"چاہے اُن کی کسی بہن کی عزت لٹتی رہے!"

"ہائے بیٹی!" ماسی بول پڑی "ایسی بات نہ کہو۔ اللہ سب کی عزتیں محفوظ رکھنے والا ہے۔"

"گاؤں والوں کو متحد ہو کر شوکت کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔" میں نے کہا "جب تک وہ ایسا نہیں کریں گے، انہیں بدمعاشوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہونا ہی پڑے گا۔ آج جو کچھ ریشماں پر بیت رہی ہے، کل وہ ان کی بہو بیٹیوں پر بھی بیت سکتی ہے۔"

"اللہ سب کی حالت پر رحم کرے۔" ماسی نے ٹھنڈی سانس لی۔

اتنے میں ڈاکٹر وہاں پہنچ گیا۔ صورت سے تو وہ کوئی کمپاؤنڈر ہی معلوم ہوتا تھا لیکن اس وقت اسی کی موجودگی غنیمت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ گاؤں کے دو ایک آدمی بھی اندر آ گئے۔ وہ ریشماں کے ہمدرد تو تھے لیکن شوکت سے اتنے خائف تھے کہ ریشماں

"بہن جی!" ان میں سے ایک نے بڑے پُرتشویش لہجے سے کہا "آپ نے لاٹو کی مرمت کر کے اچھا نہیں کیا۔ ابھی ساتھی آ کر اسے نیلی حویلی کی طرف لے گئے ہیں۔ جاگیر... خراب ہے۔ میری مانو تو آج کی رات یہ حویلی چھوڑ کر کہیں...

"کہاں؟" ریشماں بڑے نوکیلے انداز میں بولی یہ کہا...

گھر چلیں۔"

تجویز پیش کرنے والے کا چہرہ فق پڑ گیا۔ وہ... میں اٹک اٹک کر بولا "میری... میری کٹیا تو نیلی حویلی... ہے۔ اگر جاگیردار کے آدمیوں نے دیکھ لیا تو؟... میری... ہو گئی ہے اور میں اس کی ماں کے لئے بھی پریشان رہتا ہوں..."

"اللہ ہماری حالت پر رحم کرے۔" ماسی پھر بول... بیٹی! اگر حویلی چھوڑنی ہی ہے تو پھر میرے ساتھ چلو۔ گھر کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ میں اس گاؤں میں... تھی جب جاگیردار کی ماں سیانی نہیں ہوئی تھی۔" ماسی کے... اعتماد اور خلوص تھا، اسے محسوس کر کے مجھے اس پر پیا...

"نہیں ماسی!" ریشماں نے آہستہ سے کہا "ہم اپنی... شریک نہیں کرنا چاہتے۔"

"ارے اس کی مجال نہیں جو میرے گھر کی طرف... میں نے اس کی ماں کی بڑی خدمت کی ہے۔ اب کیا... ہی سفید ہو گیا ہے؟"

میں ہنس پڑی۔ ماسی بہت بھولی تھی۔ ہم... نئی دنیا کے رنگ نہیں دیکھے تھے۔

"سنو ماسی!" میں بول پڑی "ریشماں تم... کتنے دن گزارے گی؟ آج نہیں تو کل، اسے شوکت کا... ہی پڑے گا، پھر اس مرحلے کو کل پر کیوں ٹالا جائے... کم از کم میں تو اس کے ساتھ ہوں۔ جلد ہی مجھے یہاں... جانا ہوگا۔"

"مگر تم دو مل کر جاگیردار کا کیا بگاڑ سکتی ہو..."

"اس کا فیصلہ بھی بہت جلد ہو جائے گا۔ ... مت کرو!" میں نے مسکرا کر کہا۔

اس دوران میں ڈاکٹر خاموشی سے ریشماں... کر پٹی باندھ چکا تھا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر... ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ جاگیردار صاحب کا غصہ بہت... اگر آپ آج رات اس حویلی میں قیام نہ کریں تو بہتر...

میں نے اس کے مشورے پر دھیان دیئے بغیر... پوچھا "تمہارے گھر میں کوئی ہتھیار ہے؟ یعنی بند...

"ابا جی کی رائفل ہے۔"

ہیں۔" ریشماں کی بجائے ڈاکٹر بول پڑا "جب وہ ... گیا تھا تو اس کے پاس رائفل نہیں تھی۔"

"... کیسے معلوم؟" میں نے استعجابیہ نظروں سے دیکھا۔

"... اس وقت وہاں جاگیردار صاحب کے پاس ایک غیر ملکی ... پٹی کرنے گیا ہوا تھا۔ کسی حادثے میں اس بیچارے ... کٹ گئی ہے۔"

"... کٹ گئی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ "اور وہ ... ہے؟"

"ہاں۔ وہ کوئی چینی ہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا اور ... اس کی ڈریسنگ کر رہا تھا کہ ریشماں کا بھائی ... پہنچا۔ میرے سامنے ہی جاگیردار سے اس کا جھگڑا ... وقت اس کے پاس رائفل نہیں تھی میں... اگر جھگڑے ... سے کیوں کہ جاگیردار نے مجھے فوراً ہی رخصت ..."

... اور بھی بہت کچھ کہتا رہا لیکن مجھے اس کی آواز بہت ... سی ہو رہی تھی۔ میرا جسم سنسنانے لگا تھا اور ... یاں سی چلنے لگیں تھیں۔ ڈاکٹر نے ایک چینی شخص ... کا ذکر کر کے مجھے ڈاکٹر فونگ کی یاد دلا دی تھی ... اپنی کٹی ہوئی ٹانگ میری کوٹھی کے احاطے ہی میں چھوڑ ... اب میں یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ جاگیردار شوکت کی ... لینے والا کہیں ڈاکٹر فونگ ہی تو نہیں ہے؟ یہ ... صرف یہ تھی کہ اس زخمی حالت میں ڈاکٹر فونگ کو ... تک کا سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اسے ... ساری کراچی میں کوئی ٹھکانہ نہیں ملا تھا؟

... سوچ کی لہریں مختلف پگڈنڈیوں پر سفر کرتی رہیں ... یاد نہیں کہ ڈاکٹر کب وہاں سے رخصت ہوا تھا ... کب حویلی سے گئے تھے۔ میں اپنی سوچ کے صحرا ... لوٹی جب ریشماں نے مجھے مخاطب کر کے کہا، ... ہی ہوں کہ آپ کو اپنے ساتھ خطروں میں ڈال کر ... ونی کا ثبوت دیا تھا۔"

"... کبھی تم نے ایسی بے وقوفی کی بات کی تو میں ... مار دوں گی۔" میں نے اسے پیار بھرے انداز میں ... ہوتی ہوئی بولی "اب میں ذرا اس عمارت کا جائزہ ... ہوں تاکہ شوکت کے غنڈوں کا متوقع حملہ روکنے ... پہلے ہی سے سوچ لی جائے۔ تمہارے ابا کی ... ہمارے کام آ سکتی ہے۔"

کہا "چلیے میں آپ کو پوری حویلی دکھائے دیتی ہوں۔"

"تمہارے زخم کا کیا حال ہے؟"

"ابھی تو کچھ زیادہ تکلیف نہیں ہے۔ تازہ زخم ہے نا!"

میں نے سوچا، ریشماں کو منڈی لیجا کر کسی اچھے ڈاکٹر سے اس کے زخم کا علاج کرانا پڑے گا۔

ریشماں نے مجھے پوری حویلی کا چکر لگوا دیا۔ بڑی مضبوط عمارت تھی، دیواروں میں نقب لگانا آسان نہیں تھا۔ دروازے کو توڑنے کے لئے بھی کئی آدمیوں کو انتھک کوشش کرنا پڑتی۔

آخر میں ریشماں مجھے چھت پر لے گئی اور میں نے بیرونی دیواروں پر بنے ہوئے کنگوروں کو پُرتشویش نظروں سے دیکھا۔ ان کنگوروں پر بڑی آسانی سے کمند ڈال کر اوپر چڑھا جا سکتا تھا گویا خطرہ امنڈ سکتا تھا تو اسی طرف سے۔۔۔! میں نے فیصلہ کیا کہ رات چھت پر ہی گزارنا چاہیئے تاکہ خطرے کی قربت کو فوری طور پر محسوس کیا جا سکے۔

"ہم آج کی رات چھت پر ہی گزاریں گے۔" میں نے ریشماں سے کہا "ہوا میں خنکی تو ہے مگر قابلِ برداشت حد تک! ذرا دیر میں چاند چڑھ جائے گا تو سماں بہت خوشگوار ہو جائے گا۔"

موسم واقعی بہت خوشگوار تھا اور ریشماں میرے پاس تھی۔ خون بہہ جانے کی وجہ سے اس کے چہرے کا رنگ کچھ پھیکا پڑ گیا تھا لیکن پھر بھی وہ کسی آسمانی حور کی طرح نظر آ رہی تھی۔ مجھ پر نشہ سا چھانے لگا اور جسم میں سنسنی آمیز لہریں دوڑنے لگیں لیکن جلد ہی میں نے اپنی اس کیفیت پر قابو پا لیا۔ آج کی رات خوشبوؤں کی فضا میں اڑنے کے لئے نہیں تھی میرا خیال تھا کہ آج رات بہت کچھ ہوگا۔ میری چھٹی حس مجھے یقین دلا چکی تھی کہ جاگیردار شوکت کا وہ زخمی مہمان ڈاکٹر فونگ ہی ہے۔

میں اور ریشماں نیچے جا کر بستر وغیرہ اٹھا لائیں۔ ریشماں نے اپنے باپ کی رائفل بھی لے لی تھی۔ چھت پر بستر بچھا کر ہم دونوں اپنا کچھ سامان بھی اوپر لے آئے۔ اس سامان میں رات کا کھانا بھی تھا جو میں منڈی سے چلتے وقت ہوٹل سے لے آئی تھی۔

کھانا کھا کر ہم نے صراحی کا ٹھنڈا پانی پیا اور بستر پر قریب قریب لیٹ گئے۔ یہ قربت میرے جذبات کو جھنجھوڑنے لگی لیکن میں نے خود پر قابو پائے رکھا۔ اگر ہم دونوں جذبات میں بہہ جاتیں تو ہمیں ماحول کا ادراک نہ رہتا جب کہ جاگیردار شوکت کے غنڈے کسی وقت بھی حملہ آور ہو سکتے تھے۔

میں خاص طور پر ڈاکٹر فونگ کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر شوکت کا وہ زخمی مہمان ڈاکٹر فونگ ہی تھا تو یہ بات یقین

واقف ہو گیا ہو گا۔ لالو کی پیشانی پر اپنا نام گود کر میں نے خود ہی اپنے آپ کو آشکار کر دیا تھا لیکن اس وقت میں یہ کہاں جانتی تھی کہ ڈاکٹر فونگ بھی گاؤں میں موجود ہے۔ اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو میں وہ حماقت ہرگز نہ کرتی۔

رات بھیگتی رہی اور میری آنکھوں میں بسا ہوا انتظار نڈھال ہونے لگا۔ جاگیردار شوکت کے آدمیوں کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ مجھے گاؤں کے ان لوگوں پر غصہ آنے لگا جو جاگیردار شوکت کے غصے کو میرے سامنے ہوا بنا کر پیش کرتے رہے تھے آخر یہ کیسا غصہ تھا کہ ابھی تک کسی صورت میں سامنے نہیں آیا تھا۔

جاگیردار شوکت کی طرف سے اس تحمل کا ایک سبب بہت دیر بعد میری سمجھ میں آیا اگر اس بات پر یقین کر لیا جاتا کہ ڈاکٹر فونگ کو میرے بارے میں علم ہو چکا تھا تو شوکت کی خاموشی منطقی ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر فونگ نے مجھے کسی نہ کسی حد تک تو یقیناً سمجھ لیا ہو گا اور اب اس نے اپنے تجربے ہی کی روشنی میں شوکت کو یہ بات سمجھائی ہو گی کہ اس وقت تحمل اور خاموشی ہی مناسب ہے ڈاکٹر فونگ سمجھ سکتا تھا کہ میں آج رات پوری طرح چوکنا رہوں گی اس لئے وہ لوگ کوئی قدم اٹھا کر فائدے میں نہیں رہ سکتے تھے البتہ بعد میں کسی وقت مجھے دھوکے میں رکھ کر زد میں لینے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔

ڈاکٹر فونگ کی اس سوچ کو سمجھ کر میں از خود زیر لب مسکرا دی اور میں نے سوچا کہ اگر وہ لوگ آج کی رات چھپکے ہو کر بیٹھ رہے ہیں تو پھر میں ہی کچھ کر گزروں۔

"آپ ابھی تک سوئیں نہیں بانو!" ریشماں آہستہ سے بولی۔

"ارہو! تم بھی جاگ رہی ہو!" میں نے چونک کر کہا۔

"آج کی رات نیند کیسے آسکتی ہے؟"

"زخم تو تکلیف نہیں دے رہا ہے؟"

"تکلیف تو کچھ بڑھ گئی ہے مگر نیند نہ آنے کا سبب صرف زخم نہیں ہے۔"

"ایک بات تو بتاؤ۔ تم مجھے نیلی حویلی کے اندرونی نقشے کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہو؟"

"کیوں؟" وہ استعجابیہ لہجے میں بولی۔

"پہلے تم میری بات کا جواب دو۔"

"جب میں چھوٹی تھی تو نیلی حویلی میں جایا کرتی تھی۔ شوکت کی ماں مجھے بہت اچھی لگتی تھی یہ کئی سال پرانی بات ہے لیکن پھر بھی میرا خیال ہے کہ میں نیلی حویلی کو بھولی نہیں ہوں۔"

میں اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی "تو پھر مجھے اس کا نقشہ سمجھا دو!"

"آخر آپ کا ارادہ کیا ہے بانو!"

"کیا مطلب؟"

"تم نقشہ تو سمجھاؤ!"

ریشماں نے ایک طویل سانس لی اور پھر ا
بیٹھ گئی۔ اس نے مجھے نیلی حویلی کے اندرونی حصے
میں بتانا شروع کیا۔ میں بڑی توجہ سے سنتی رہی
پیش آتی تھی تو میں سوال کر بیٹھتی تھی لیکن ایسے وا
آئے۔ خود ریشماں ہی بڑی تفصیل سے ایک ایک
تھی آخر جب وہ چپ ہو گئی تو میں نے بڑے اط
"ٹھیک ہے اب مجھے وہاں داخل ہونے او
گھومنے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔"

"آپ وہاں جائیں گی؟" ریشماں حیرت

"ہاں ریشی!... اگر وہ لوگ چوڑیاں پہ
تو پھر میں ہی کچھ کر گزروں۔ اگر تمھارا بھائی زندہ
ہے تو میں اسے ضرور ڈھونڈ لوں گی۔"

"بانو!" ریشماں کی آواز سے خوف جھا

"نیلی حویلی میں نقب لگانا کچھ ایسا مشکل
آج کی رات تو اس کام کے لئے بے حد مناسب ہے ان لوگ
گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ اتنا میں ہی ان کی کچھا

"وہ بھیڑوں کا چھتہ ہے بانو! سب کے
لپٹ پڑیں گے۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑی اور پھر ریشماں
چٹکی لیتی ہوئی بولی "رشو جان! ابھی تجھے نہیں
بانو کیا چیز ہے۔"

"لیکن......"

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ بس میرا انتظار کر
میں تمھارے بھائی کو لے کر ہی لوٹوں گی۔"

"اور اگر آپ کے جاتے ہی وہ لوگ....."

"نہیں۔" میں نے پھر اس کی بات کاٹ
ہے کہ آج رات ان میں سے کوئی بھی ادھر کا رخ نہ
ریشماں سوچ میں پڑ گئی۔

"چلو اب مجھے دروازے تک رخصت کر آ
کھڑے ہوتے ہوئے کہا پھر تم بڑے اطمینان سے سو
ہی رات تمھارے لئے خطرے کی رات نہیں
وہ کسی وقت بھی دھوکے میں رکھ کر حملہ کر سکتے

"کیوں نہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں

"اگر تم زخمی نہ ہوتیں تو یہ ممکن تھا لیکن ا
میرے لئے بھی دشواریوں کا باعث بن سکتی ہو۔"

ت نہیں کی۔
نیچے اترے اور ریشماں کی مدد سے میں نے
تھیلے میں رکھا جو اس مہم کے لئے ضروری تھا
نے کیلئے دروازے تک آئی۔ اب وہ منہ سے
تھی لیکن اس کے چہرے سے پریشانی اور
ظاہر ہو رہا تھا۔ اسکی خواہش یہی تھی کہ میں نہ جاؤں
رخصت ہو کر میں تیزی سے نیلی حویلی کی

بستی پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کبھی کبھی کسی طرف
بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی میرے دل
ہو گیا کہ کتوں کا کوئی غول میرے پیچھے لگ جائے
بت میں بستی کے لوگ چوکنا ہو جاتے....
ہ صورتحال سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔
یلی کی ایک سمت میں کھیت ہی کھیت پھیلے
نے اسی سمت کا انتخاب کیا تھا۔
میں رک گئی اور تھیلے میں سے وہ سارا
جو میں ریشماں کی حویلی سے لیکر چلی تھی۔
پر اینٹیں تو استعمال کی گئی تھیں مگر ان اینٹوں کے
گارے سے لگائے گئے تھے۔ اسی نکتے نے مجھے
ان سمجھائی تھیں میں کدال کے پھل سے اینٹوں
کی ابتدا میں چونکہ کسی اینٹ کو ہلانے جلانے کی گنجائش
ولیں اینٹیں بڑی مشکل سے نکلیں مگر اس کے بعد کام
رکھے رات کے سناٹے میں آواز سن لئے جانے کا ڈر نہ
اہ کام کر سکتی تھی لیکن میرے پاس عجلت کا کوئی
لئے میں ابھی تین گھنٹے باقی تھے اور میری مہم کے لئے یہ بہت

نے دیئے کافی دن گزر چکے تھے اس لئے اینٹیں بھی بھربھری
ہو گئی ہی گئی تھیں لیکن پھر بھی آر پار سوراخ کرنے میں کوئی
اس سوراخ کو چوڑا کرنے میں مزید آدھا گھنٹہ صرف
ہونے دو گھنٹے باقی رہ گئے تھے لیکن میرے اندازے کے
گھنٹے سے زیادہ نہیں لگنا۔
ال کر میں چند لمحے خاموشی سے کچھ سننے کی کوشش
اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے تو میں

کوٹھری تھی جس میں ایک دروازے کے علاوہ
میں لرزتے دل سے دروازے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ
بند ہو سکتا ہے لیکن اس وقت میرے دل کی

سی چرچراہٹ کے ساتھ دوسری طرف کھلتا چلا گیا۔ اگر وہ باہر سے بند ہوتا تو مجھے ایک اور نقب لگانی پڑتی۔ میں بڑی احتیاط سے دروازے کو ایک ایک انچ سرکاتی رہی اور جب وہ اتنا کشادہ ہو گیا کہ میں اس میں سے گزر سکوں تو میں نے قدم بڑھایا۔

باہر نکل کر میں نے خود کو ایک دالان میں پایا۔ اس میں کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ کچھ آگے جا کر دالان بائیں جانب گھوم گیا تھا۔ کمروں کی قطار وہاں بھی تھی۔ پھر دالان ایک مرتبہ اور بائیں جانب گھوما تھا۔ کمروں کی قطار وہاں بھی تھی۔

دالان کے نیچے کیاریاں بنی ہوئی تھیں پھر صحن کا دروازہ تھا۔ دروازے کے قریب ہی شاید ٹوائیلٹ وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ ایک کونے پر باورچی خانہ تھا۔ اس کے برابر والے کمرے میں تیز روشنی ہو رہی تھی اور شاید وہ خاصا بڑا کمرہ تھا۔ وہاں سے بلند آہنگ قہقہے سنائی دے رہے تھے اور کبھی کبھی کسی عورت کی سسکیاں بھی سنائی دے جاتی تھیں۔

میرا خون کھولنے لگا۔ یہ سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں تھی کہ اس کمرے میں کیا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک عورت ہسٹریائی انداز میں چیختی ہوئی باہر نکلی۔ اس کے جسم پر کپڑے کا ایک تار بھی نہیں تھا۔ اس کے پیچھے دو تین مرد بھی لپکتے ہوئے باہر آئے۔ وہ بیرونی دروازے کا رخ کر رہی تھی۔ دروازہ کھول کر وہ باہر بھاگ جاتی لیکن اسے دروازے کے قریب پہنچنا بھی نصیب نہیں ہو سکا۔ ایک بدمعاش نے جست لگا کر اسے دبوچ لیا تھا۔ بدنصیب اور بے بس عورت نے کچکچا کر اس کے ہاتھ میں دانت اتار دیئے۔ بدمعاش کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی اور اس نے طیش میں آکر عورت کے منہ پر بڑی زور سے ہاتھ مارا۔ مظلوم عورت چیختی ہوئی زمین پر ڈھیر ہو گئی — بدمعاش کے ساتھی قہقہے لگانے لگے۔ وہ شراب کے نشے میں چور نظر آ رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے بدبختو!" ایک بھاری آواز دالان میں گونجی۔ "کیا تم کو میرے مہمانوں کے آرام کا بھی خیال نہیں؟"

میں نے ایک لحیم شحیم آدمی کو دیکھا جو ایک کھلے ہوئے دروازے میں کھڑا قہر آلود نظروں سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بدمعاشوں کو جیسے ہوش آگیا۔ ان کے قہقہے ایک دم رک گئے۔ انہوں نے زمین پر پڑی ہوئی عورت کو جلدی سے اٹھایا اور واپس کمرے میں چلے گئے۔ دروازہ بند کر لیا اور ماحول پر ایک بار پھر تاریکی مسلط ہو گئی۔

میں اپنی جگہ پر پوشیدہ کھڑی ہوئی دانتوں سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پائے رکھا تھا ورنہ خواہش تو یہی تھی کہ ان بدمعاشوں پر ٹوٹ پڑوں اور اس ظلم کا بدلہ لوں جو اس عورت پر توڑا جا رہا تھا۔

قریب ہی کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں پھر بجس و حرکت ہوگئی اور متجسس نظروں سے اردگرد کا جائزہ لینے لگی۔ بائیں ہاتھ پر دو تین ستون آگے کوئی آدمی کھڑا تھا۔ صحن کی طرف سے چھننے والی روشنی میں وہ ایک سائے کی مانند نظر آرہا تھا لیکن یہ بات مجھ سے چھپی نہ رہ سکی کہ اس نے بیساکھیاں سنبھال رکھی تھیں۔ جب اس نے حرکت کی تو میرے خیال کی تصدیق بھی ہوگئی۔ دالان میں بیساکھیوں کی "کھٹ کھٹ" گونج اٹھی تھی۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اندھیرے میں اس آدمی کی شکل تو مجھے دکھائی نہیں دی تھی لیکن جثے کو دیکھ کر میں یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ ڈاکٹر فونگ ہی تھا۔

بدمعاشوں کے شور و غل ہی کی وجہ سے ڈاکٹر فونگ نے اپنے کمرے سے نکلنے کی ضرورت محسوس کی ہوگی۔ اب وہ واپس اپنے کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اندر جاکر اس نے دروازہ بند کرلیا اور میں بت بنی اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ میرے ذہن میں اب خیالات کا ایک ہجوم تھا۔ میں جاگیردار... شوکت اور ڈاکٹر فونگ کے گٹھ جوڑ پر غور کر رہی تھی۔ آخر ان دونوں میں ایسا کون سا گہرا تعلق تھا کہ ڈاکٹر فونگ نے پناہ لینے کے لئے کراچی سے اتنی دور آکر اس کی حویلی کا انتخاب کیا تھا۔

ڈاکٹر فونگ کو دیکھ کر مجھے اس بات کا بھی خیال آگیا تھا کہ ڈاکٹر فونگ بھی گاؤں میں میری موجودگی سے واقف ہوچکا ہوگا۔ مجھے اس بات کا خیال آیا تو حویلی میں اپنی موجودگی خطرے سے پر نظر آنے لگی۔ امکان تو یہی تھا کہ کم از کم اس وقت حویلی میں میری موجودگی ڈاکٹر فونگ کے علم میں نہیں ہوسکتی تھی لیکن پھر بھی میرا دل کچھ غیر مطمئن سا ہوگیا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میری ایک ایک حرکت اس خطرناک آدمی کے علم میں تھی اور اس وقت بھی وہ دروازے کی جھری سے آنکھ لگائے مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

اس خطرے کو محسوس کرنے کے بعد میری بہتری اسی میں تھی کہ یہیں سے واپس لوٹ جاؤں لیکن یہ میری فطرت کے منافی تھا کہ میں کسی کام میں ہاتھ ڈال کر اسے ادھورا ہی چھوڑ دوں۔ میں یہاں رحم دین کی تلاش میں آئی تھی اور اب میری واپسی اسی صورت میں ہوسکتی تھی کہ رحم دین میرے ساتھ ہو۔ دوسری شکل یہ بھی ممکن تھی کہ مجھے حویلی میں رحم دین کی عدم موجودگی کا یقین ہوجائے۔

میں بے آواز چلتی ہوئی آگے بڑھی اور میں نے دالان میں کھلنے والے دروازوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ مجھے ایک ایسے کمرے کی تلاش تھی جو باہر سے بند ہو۔ علاوہ ازیں وہ کوئی بڑا کمرہ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ کسی کو قید کرنے کے لئے یہاں کوئی کوٹھری ہی ہوسکتی تھی۔

میں نے ابھی تین ہی دروازے دیکھے تھے کہ مجھے دالان کے سرے پر کھٹکا سنائی دیا۔ میں بڑی تیزی سے گھوم کر اس سمت میں

نہیں محسوس ہوئی اور نہ دروازہ کھلا ہوا دکھائی، وہ آواز میرے وہم ہی کی پیداوار تھی۔ چند لمحے کے بعد میں نے پھر آگے بڑھنا شروع کیا۔

آخر مجھے ایک ایسا دروازہ مل ہی گیا جس پر لگی ہوئی تھی۔ میں نے اس دروازے سے کان لگا کر سننے کی کوشش کی تو کسی کے سانس لینے کی آواز سنا یقیناً کوئی موجود تھا اور چونکہ دروازے کی کنڈی تھی اس لئے وہ کمرہ میری نظر میں مشتبہ ہوچکا تھا میں نے کنڈی کھولنے سے قبل اطراف کا جا کے ایک کمرے کے سوا ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی میں جو کھیل کھیلا جا رہا تھا، اس کی وضاحت مردانہ سسکیوں سے ہو رہی تھی۔

مطمئن ہونے کے بعد میں نے آہستگی سے دروازے پر دباؤ ڈالا۔ وہ کسی آواز کے بغیر کھلتا چلا داخل ہوگئی۔

کوٹھری میں ایک چھوٹی سی لالٹین جل رہی دو آدمی موجود تھے۔ ایک تو چادر اوڑھے ہوئے کی بیدار آنکھیں کھلتے ہوئے دروازے کی طرف اٹھ میں چوکنا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی لیکن سوالیہ اور الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا میں نے اپنی پشت پر دروازے کو آہستہ سے بند کیا۔

"یہ چادر اوڑھے کون سو رہا ہے؟"

"رحم دین" اجنبی کے منہ سے بیساختہ نکلا۔

"اوہ!" میرے منہ سے اطمینان کی سانس اس ادھیڑ عمر اجنبی سے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں رحم دین کے باپ کا دوست ہوں" اس نے میں بتایا۔

میں چونک پڑی اور میرے منہ سے بیساختہ نکلا میرے منہ سے اپنا نام سن کر اس شخص کے دل میں خیالات پیدا ہوئے ہوں گے لیکن اس کا جواب بن کر میرے سامنے آیا۔

"تم کون ہو بیٹی!" اس نے پوچھا تھا۔

"یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے خواجہ صاحب! اس حویلی میں آئی ہوں۔ مجھے رحم دین کی تلاش تھی لیکن ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہیں تھا کہ آپ بھی یہاں کو جگائیے۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ہے۔"

وہ آدمی معقول تھا اس لئے اس نے اپنے

مجھے پتہ چلا کہ رحم دین کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس کے لگتے ہوئے تھے۔ دشمن اسے خوب زدوکوب سے اٹھانے میں خواجہ کی مدد کی تو محسوس ہوا کہ تپ رہا تھا۔

"جاؤ بیٹی! میں اسے اپنے کندھے پر اٹھا لوں گا۔" وہ ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود خاصا لحیم شحیم اور اس نے رحم دین کو اٹھا کر اپنے کندھے پر لاد لیا۔

"ٹھہرو" میں نے اس سے کہا "میں ذرا باہر کا جائزہ

دالے میں تھوڑی سی جھری قائم کرکے باہر جھانکا۔ حویلی کے صحن میں روشنی محسوس ہو رہی تھی اور بڑے ہوا تھا۔ صحن میں لوگ حرکت کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ معلوم ہوتی ہے" میں نے پلٹ کر خواجہ کی طرف دیکھتے ۔۔۔ کوئی آواز نہ ہو۔"

۔۔۔ مانہ انداز میں سر ہلا دیا اور میں پھر باہر جھانکنے باہر جا رہے تھے۔ میں الجھن میں پڑ گئی۔ آخر حویلی کو چھوڑ کر کہاں جا رہے تھے؟ ریشماں کا خیال آیا اور میرے جسم میں سنسنی پھیل گئی۔ بات نہیں سوچی جا سکتی تھی کہ ان لوگوں نے اتنی رات بال پر دھاوا بولنے کا پروگرام بنایا تھا۔ پر سناٹا چھا گیا اور میری سانسیں تیز سے چلنے لگیں۔ کہا "جلدی کیجئے! وہ لوگ یقیناً ریشماں کی طرف

۔۔۔ سے دروازہ کھولا اور باہر نکلی۔ باہر نکلتے ہی ۔۔۔ سے وہ مخصوص آوازیں پھر سنائی دیں۔ میں پھر آوازوں کا مطلب یہ تھا کہ پوری حویلی خالی نہیں کی ۔۔۔ موجود تھے۔

۔۔۔ دبے قدموں اپنے پیچھے آنے کا مشورہ دیا اور اس ۔۔۔ میں نقب لگائی تھی۔ خواجہ میرے پیچھے پیچھے

پہنچ کر میں اچانک ٹھٹھک گئی۔ نقب کی دوسری طرف ۔۔۔ روشنی محسوس ہوئی تھی۔ یکلخت میرا دل بڑی ۔۔۔ نقب کی دوسری طرف کوئی موجود ہے؟ مگر کون؟ ۔۔۔ سے کام کر رہا تھا۔ جیسے جیسے میں نے غور کیا، ڈاکٹر ۔۔۔ میں واضح ہوتی چلی گئی۔ یقیناً اس کو کسی نہ کسی ۔۔۔ موجودگی کا علم ہوگیا تھا چنانچہ اب جاگیردار شوکت اس کی

وقت دھوکے ہی سے مارا جا سکتا ہے۔ جاگیردار شوکت اپنے آدمیوں کو لے کر اس طرح رخصت ہوا تھا جیسے ریشماں کی طرف جا رہا ہے لیکن دراصل وہ نقب کی دوسری طرف پہنچا ہوا تھا۔ سوچا یہ گیا ہوگا کہ اسے یوں رخصت ہوتے دیکھ کر میں جلد از جلد ریشماں تک پہنچنے کے لئے نقب تک پہنچوں گی اور پھر جیسے ہی دوسری طرف نکلوں گی مجھے گولی مار دی جائے گی۔

نقب سے نکلتے ہوئے چور کو گولی مارنے والا خاص قانونی دشواریوں سے بچ سکتا تھا۔

میرے ذہن میں خیالات کا سفر جاری تھا اور میرے سامنے، حالات کے چہرے پر ہلکی سی گہر چھائی ہوئی تھی۔ میری نگاہ کو یہ اعجاز بھی حاصل نہیں تھا کہ اس گہر کو چیر کر اس چہرے کے نقش و نگار کو ہتھیلی کی لکیروں کی طرح پڑھ لیتی۔ مجھے صرف قوت متخیلہ ہی کے سہارے اس چہرے کے نقش و نگار کا ادراک حاصل کرنا تھا اور میرے دماغ کے خلیے اسی کوشش میں مصروف تھے۔

میں نے نقب کی دوسری طرف جو مدھم سی روشنی محسوس کی تھی وہ میرے وہم کا کرشمہ بھی ہوسکتا تھا لیکن زندگی برتنے کا فن، احتیاط میں مضمر ہے، سو میں احتیاط برتنا چاہتی تھی۔ اگر میں احتیاط نہ برتتی اور نقب کی دوسری جانب دشمن موجود ہوتا تو میری کھوپڑی کسی بھی رائفل کی گولی کا مسکن بن جاتی۔ اس کے بعد گولی چلانے والا، قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے، بڑے اطمینان سے کہہ سکتا تھا کہ اس نے چور کو للکار کر روکنا چاہا تھا لیکن چور کی جوابی کارروائی سے گھبرا کر گولی چلا دی تھی۔

میں نے اندھیرے میں خواجہ کا کندھا دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو عین ممکن تھا کہ وہ مجھے یوں چپ چاپ کھڑا دیکھ کر کچھ بول پڑتا۔ اس کے بولنے کے بعد مجھے سوچنے کی ذرا بھی مہلت نہیں ملتی اور مجھے فوری طور پر کوئی قدم اٹھانا پڑتا۔

مجھے سوچنا یہ تھا کہ میرے خدشے کی کوئی بنیاد ہے یا نہیں؟ یہ بات تو طے تھی کہ ڈاکٹر فونگ کو اس گاؤں میں میری موجودگی کا علم ہوچکا ہوگا۔ مجھ سے یہ حماقت جو سرزد ہوگئی تھی کہ میں نے جاگیردار کے غنڈے لالو کی پیشانی پر اپنا نام گود دیا تھا۔ اگر اس وقت مجھے یہ معلوم ہوتا کہ بیچ میں کہیں ڈاکٹر فونگ کی ٹانگ بھی الجھی ہوئی ہے تو مجھ سے اپنا راز منکشف کرنے کی یہ حماقت ہرگز سرزد نہ ہوتی۔

بہرنوع یہ بات طے تھی کہ ڈاکٹر فونگ کو میری موجودگی کا علم ہوچکا تھا اور اس نقیار زماں سے یہ بات بعید نہیں تھی کہ وہ میرے متوقع اقدامات کا اندازہ لگالے۔ اس نے ضرور یہ سوچ لیا ہوگا کہ میں ریشماں کے بھائی کی تلاش میں جاگیردار کی حویلی کا رخ کرسکتی ہوں۔ پھر اس وقت جب میں حویلی میں داخل ہوئی تھی تو ڈاکٹر فونگ کو بھی شور و غل سن کر اپنے کمرے سے نکلنا پڑا تھا۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں تھی کہ اس وقت اس نے بھی مجھے دیکھ لیا ہو۔

مجھے نقب سے نکلتے ہوئے ہلاک کرنے کی اسکیم بھی ڈاکٹر فونگ

[illegible]

ڈاکٹر فونگ اپنے تجربات کی روشنی میں یہ سوچ سکتا تھا کہ مجھے صرف نعوکے ہی سے ہلاک کیا جا سکتا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ میری ہلاکت، ڈاکٹر فونگ کی تمنا بن چکی ہوگی۔ اُسے زندگی بھر جو ایک جسمانی نقص پالنا تھا، اس کی ذمے دار میں ہی تو تھی۔ میری ہی وجہ سے وہ لنگڑا ہوا تھا اور یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو فراموش ہو سکتی۔

میں سوچ رہی تھی کہ اگر میرے شبہات درست ہیں تو پھر اس بات کا یقین ناگزیر ہے کہ نقب کی دوسری جانب ڈاکٹر فونگ بھی موجود ہوگا۔ وہ اپنی آنکھوں سے ہی مجھے مرتا ہوا دیکھ کر مطمئن ہو سکتا تھا۔ سابقہ تجربات ایسے تھے کہ میری موت کے بارے میں دوسروں کے بیانات پر اُسے یقین نہیں آتا۔

میری سوچ کی لہریں جب مختلف نتائج کو چھوتی ہوئی، ڈاکٹر فونگ کے یقین اور عدم یقین کی کیفیت کے نکتے سے ٹکرائیں تو میرے دماغ میں ایک خیال کا جھماکا ہوا۔ حالات کے چہرے پر جو گھبر چھائی ہوئی تھی، اُسے ہٹانے کا ایک طریقہ تو گویا سامنے کی بات تھی۔ مجھے بس یہ معلوم کرنا تھا کہ ڈاکٹر فونگ اپنے کمرے میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر وہ اپنے کمرے میں ہوتا تو میرے شکوک بے بنیاد ثابت ہو جاتے اور اگر وہ کمرے میں نہ ہوتا تو اس یقین کی منزل آ جاتی کہ وہ نقب کی دوسری طرف موجود ہے۔

میں نے خواجہ کا ہاتھ پکڑا اور دبے قدموں چلتی ہوئی، کوٹھری کے دروازے پر آ گئی۔ پھر میں نے خواجہ کی طرف جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "میں ابھی آتی ہوں، آپ یہیں رُکیں۔"

خواجہ کے ذہن میں اس وقت سوالات کا ایک جال بنتا جا رہا ہوگا لیکن وہ آدمی خاصا سمجھدار تھا۔ کچھ جان لینے کی بیتابی کو اس نے اپنی زبان پر نہیں آنے دیا اور میں اُسے کوٹھری کے دروازے پر چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

ڈاکٹر فونگ کا کمرہ میں نے دیکھ ہی لیا تھا۔ میں دبے قدموں اس کی طرف بڑھی۔ دوسرے کمرے سے عورت کی سسکاریاں اور دو تین مردوں کے مدھم مدھم قہقہے اب بھی سنائی دے رہے تھے۔ نشے میں دُھت، ان مردوں نے اپنا لغرت انگیز کھیل ابھی تک ختم نہیں کیا تھا اور وہ بدنصیب عورت بدستور عذاب میں گرفتار تھی۔ اس کے بارے میں تصور ہی کر کے مجھے اپنے دورانِ خون میں چنگاریاں سی چٹختی محسوس ہونے لگی تھیں۔ مجھے بہ خاطرِ تحفظِ نسوانیت، ان درندوں کو للکارنا چاہیئے تھا لیکن موجودہ صورتِ حال کے تقاضے مجھے ضبط کی تلقین کر رہے تھے۔ ان حالات میں میری توجہ کو تقسیم نہیں ہونا چاہیئے تھا کیونکہ حاصلِ تقسیم کچھ اور پریشانیاں ہوتیں جو میری جھولی میں آ گرتیں۔

میں نے اپنی سماعت پر عدم توجہی کا پہرہ بٹھا لیا اور اس کمرے سے آنے والی آوازوں کو نظر انداز کرتی ہوئی ڈاکٹر فونگ کے کمرے تک جا پہنچی۔ میں نے آہستگی سے دروازے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا۔ [illegible]

[illegible]

میرے اس یقین کے پرزے بکھر گئے۔ دروازہ [illegible] اندازوں اور قیاسات کی عمارت اُٹھی [illegible] ایک کمرہ [illegible] تھی۔ کمرے میں ڈاکٹر فونگ کی موجودگی نے اس بات کا [illegible] مجھے نقب کے باہر جو روشنی نظر آئی تھی وہ میرے [illegible]

اب میں تیزی سے مڑی اور بدستور دبے قدموں والی کوٹھری کے دروازے پر پہنچ گئی۔ وہاں پہنچتے ہی [illegible] ہلکا سا محسوس ہوا اور میں ٹھٹھک گئی۔ وہاں کچھ [illegible] گڑبڑ کا اندازہ ان سرگوشیوں ہی سے کیا جا سکتا تھا جو [illegible] تھیں۔ میں نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی لیکن سرگو[illegible] تھیں کہ الفاظ کے جامے کے ساتھ میری سماعت کی گر[illegible] میں وہاں ہونے والی گفتگو کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

ایک بار پھر میری سوچ کا طوفانی سفر شروع [illegible] کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میری دو منٹ کی غیر حاضری [illegible] کیا گل کھل گیا تھا؟ وہ سرگوشیاں، رحم دین اور خواجہ کی [illegible] تھیں۔ رحم دین اس قابل نہیں تھا کہ کسی گفتگو میں باقاعدہ [illegible] یہی بات ممکن نظر آتی تھی کہ وہ دونوں، جاگیردار شوکت [illegible] ہوں۔ میں نے نقب کی دوسری طرف جو روشنی دیکھی تھی [illegible] تھا۔ جاگیردار شوکت اور اس کے آدمی وہاں موجود تھے [illegible] میں انہوں نے اندر گھس کر میرے دونوں رفیقوں کو جا[illegible] میرے منتظر ہوں گے لیکن میں ان کے لئے لوہے کا [illegible] سرگوشیوں میں گفتگو کرنے کی حماقت میری سمجھ میں نہ [illegible] خاموشی سے میرا انتظار کرنا چاہیئے تھا۔

"مجھے خود جا کر دیکھنا چاہیئے" آخر اتنی دیر کیوں ہو[illegible] صاف سنائی دی اور بے اختیار میرے منہ سے ایک طویل [illegible] میں نے آواز پہچان لی تھی لیکن اس سوال نے مجھے حیران [illegible] یہاں کیسے پہنچ گیا؟

قدموں کی آہٹ دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی [illegible] گھستی چلی گئی۔ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا رضوان ٹھٹھک [illegible] دیر تک اندھیرے میں رہنے کے باعث اب میری آنکھیں دیکھنے پر قادر ہو چکی تھیں۔ میں نے ایک لڑکی کا سایہ بھی [illegible] رحم دین کو کوٹھری کے کچے فرش پر لٹا دیا تھا۔

"ریشماں!" میں نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے [illegible]

"جی بانو!" جواب ملا۔

اپنا قیاس درست ہونے پر میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"خاکسار کو بھی پکار لیجیے!" رضوان گنگنایا۔

"تمہیں تو میں اچھی طرح پکاروں گی لیکن پہلے یہا[illegible] فکر کرنا چاہیے۔ بہت سے سوالات میرے ذہن میں [illegible]

[illegible] وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا [illegible]

اس وقت کوئی بے تکی بات نہ چھیڑ کر عقلمندی کا مظاہرہ کیا۔ [illegible] وقت دو آدمی نہیں گزر سکتے تھے اس لئے پہلے [illegible] پھر میں نے بیمار رحم دین کو نقب سے باہر نکالنے میں [illegible] رضوان نے رحم دین کو اپنی طرف کھینچا، پھر خواجہ، [illegible] کر کے سرنگ سے نکل گئے۔ خواجہ نے ایک [illegible] اٹھانے پر ڈال لیا اور ہم سب کے ساتھ جلدی جلدی [illegible]

[illegible] کیا کہ ریشماں کے منہ سے کبھی کبھی مدھم سی کراہ نکل جاتی [illegible] کا زخم ہی ہو سکتا تھا۔ اگر وہ ایک باہمت لڑکی [illegible] چیخیں سنائی دیتیں۔ اُسے چاقو کا زخم کھائے [illegible] ہو چکی تھی اس لئے تکلیف میں شدت آنا ہی [illegible]

[illegible] ایک جیپ کھڑی ہوئی نظر آئی تو میں ٹھٹھک گئی۔ [illegible] اب اور بڑھ گیا جب رضوان نے خواجہ سے کہا۔ [illegible] پریشان کیجیے!"

"[illegible] میں بولے بغیر نہ رہ سکی۔ "یہ کیا یہ جیپ...."

"[illegible] تو نہیں ملی۔" رضوان نے میری بات کاٹتے ہوئے [illegible] میری ہی ہے۔"

[illegible] سے مجھے خاصی تقویت پہنچی تھی۔ اب رحم دین [illegible] لے جا کر کسی ہاسپٹل میں داخل کیا جا سکتا تھا۔ میں [illegible] دیکھی تھی۔ اس کا تقاضہ یہی تھا کہ اُسے جلد از جلد [illegible] جائے۔ اس کے ساتھ ہی ریشماں کے زخمی بازو کی [illegible] تھی۔ گاؤں کے ڈاکٹر کی کی ہوئی ڈریسنگ [illegible] نہیں ہوا تھا لیکن اس وقت کوئی اور صورت ممکن [illegible]

[illegible] کا رُخ کر نا یوں بھی ناگزیر تھا کہ اس وقت ریشماں [illegible] نہیں تھی۔ جاگیردار شوکت اپنے غنڈوں کو لے کر [illegible] تھا۔

[illegible] کو پچھلی سیٹ پر لٹانے کے بعد خواجہ اگلی سیٹ پر [illegible] اس نے پچھلی ہی سیٹ سنبھالی تھی اور بیمار و نزار [illegible] محبت سے اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔

[illegible] ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور پھر مجھے بدستور کھڑا دیکھ [illegible] بولا۔ "کیا ارادہ ہے؟"

[illegible] وقت الجھن میں مبتلا تھی۔ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ [illegible] ایک اتفاق کے تحت ڈاکٹر فونگ میری نظر میں [illegible] کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اب مجھے سوچنا صرف یہ [illegible] ڈاکٹر فونگ کے سلسلے میں کیا کر سکوں گی۔ فوری طور

پر تو یہاں میرے لئے سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں تھی۔ بہتر یہی معلوم ہوتا تھا کہ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ پنڈی چلی جاؤں اور اسی دوران میں یہ سوچ لوں کہ ڈاکٹر فونگ کے سلسلے میں کیا قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔

"چلو!" میں کہتی ہوئی جیپ پر چڑھ گئی۔

"ابھی تک کس استغراق میں تھیں مادام!" رضوان نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم ضرورت سے زیادہ ہی سر چڑھتے جا رہے ہو!" میں نے ناگواری سے کہا۔

"کاش میرا چڑھنا آپ کو ناگوار نہ ہوتا۔" رضوان ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"بکو مت!"

"آپ نے ابھی تک یہ نہیں پوچھا کہ میں یہاں پہنچا کیسے؟"

"یہ کچھ ایسی زیادہ تعجب خیز بات نہیں ہے۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔ "فوری طور پر تو میں واقعی حیران ہو گئی تھی لیکن اب میں سوچ سکتی ہوں کہ ایسا کیونکر ہوا ہوگا۔"

"ذرا میں بھی تو آپ کے تخیل کی پرواز دیکھوں!"

"بالکل سیدھی سی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "میں چونکہ فوری طور پر کراچی واپس نہیں لوٹی تھی اس لئے تمہارے پیٹ میں درد اٹھا جو تمہیں پنڈی اٹھا لایا۔ وہاں تم نے انٹیلی جینس ڈائریکٹر سے رابطہ قائم کیا ہوگا۔ اس سے تمہیں اس ہوٹل کا نام معلوم ہو گیا جہاں میں ٹھہری تھی۔ وہاں سے یہاں تک کا معاملہ اس ٹیکسی ڈرائیور سے معلوم ہو سکتا ہے جو مجھے یہاں لایا تھا۔ اس ٹیکسی ڈرائیور تک تمہاری رسائی ہوٹل کے دربان کی وجہ سے ہوئی ہوگی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے واقف کار معلوم ہوتے ہیں کیونکہ جب میں ٹیکسی میں بیٹھی تھی تو ان دونوں نے ہاتھ اٹھا کر ایک دوسرے سے سلام دُعا کی تھی۔ اب بتاؤ! میں نے کوئی غلط نکتہ بیان کیا ہے؟"

رضوان حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا پھر ایک طویل سانس لے کر زیرِ لب بڑبڑایا۔ "شرلک ہومز کی مادہ کو نہ جانے کیا کہتے ہیں!"

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آئی۔" میں نے کہا۔ "جاگیردار شوکت کی حویلی کے بارے میں تم کو ریشماں ہی سے معلوم ہوا ہوگا اور وہی تم کو وہاں لے گئی ہوگی لیکن الجھن یہ ہے کہ اس نے تم پر اعتبار کیسے کر لیا؟"

"ہا ہا.... یہ بھی ایک دلچسپ لطیفہ ہے۔"

"میں بتاؤں بانو!" پیچھے سے ریشماں بول پڑی۔ "میں نے چاقو کی نوک ان کی پسلیوں سے لگا رکھی تھی۔"

"اور اس کی پیشکش بھی میں نے ہی کی تھی۔" رضوان نے لقمہ دیا۔

"ظاہر ہے کہ تم ایسا کئے بغیر ریشماں کو جاگیردار کی حویلی تک نہیں لے جا سکتے تھے۔" میں نے کہا اور پھر مڑ کر پیچھے دیکھتی ہوئی بولی۔ "جیپ کی رفتار ذرا تیز کرو۔"

"کیوں؟ خیریت؟ کیا کوئی ہمارے پیچھے لگ گیا ہے؟"

"ابھی تو نہیں لگا مگر اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

میں نے کہا پھر بولی "ریشماں! تمہیں تو یہ اندازہ نہیں ہوگا کہ تم ایک خطرے سے بال بال بچی ہو۔"

"وہ کیسے بانو!"

"تم تو اس وقت جاگیر دار کی حویلی کی طرف نکل آئی تھیں اور وہ اب تمہاری حویلی کی دیواروں سے سر ٹکرا رہا ہوگا۔" میں نے بتایا "وہ کچھ ہی دیر پہلے اپنے غنڈوں کو لے کر اپنی حویلی سے روانہ ہوا تھا۔"

"اوہو!" رضوان بولا "پھر تو وہ اس وقت تلملا رہا ہوگا۔"

"اس وقت اور تلملائے گا جب واپس اپنی حویلی پہنچ کر اسے پتہ چلے گا کہ اس کے دونوں قیدی غائب ہو چکے ہیں۔"

"اس وقت تو وہ اپنی بوٹیاں نوچے گا بانو!" ریشماں چہکی۔

"مجھے صرف اس بات کی خوشی ہے کہ تمہیں تمہارا بھائی مل گیا۔"

"آپ کا یہ احسان تو میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

"اب تمہیں خواجہ صاحب بھی مل گئے ہیں۔ ان کی شہادت کے زور پر تم جاگیر دار شوکت سے قانونی جنگ لڑ سکتی ہو۔"

"قانونی جنگ لڑنے کے لئے پیسے کی ضرورت پڑتی ہے بانو!" ریشماں نے افسردگی سے کہا۔

"تو فکر نہ کر بیٹی!" خواجہ بول پڑا۔ "تیرا چاچا زندہ ہے، میں تجھے تیرا حق دلا کر رہوں گا۔ جاگیر دار کی ایسی کی تیسی۔"

"مجھ سے بھی اس سلسلے میں جو کچھ ہو سکے گا، وہ ضرور کروں گی۔" میں نے ریشماں کی ڈھارس بندھائی۔

اچانک رضوان نے سندھی زبان میں خواجہ کو مخاطب کر کے پوچھا "آپ کیا کاروبار کرتے ہیں؟"

"بیٹا! میں یہ زبان نہیں سمجھ سکتا۔ شاید تم سندھی بول رہے ہو؟"

"جی ہاں، میں یہ کہہ رہا تھا کہ بانو کے ساتھ ساتھ آپ کو میرا بھی تعاون حاصل رہے گا۔"

"شکریہ بیٹا! شکریہ!"

میں سمجھ گئی کہ اب رضوان سندھی زبان میں مجھ سے مخاطب ہوگا۔ اس نے خواجہ سے اس زبان میں مخاطب ہو کر دراصل یہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ وہ سندھی جانتا ہے یا نہیں!... ریشماں کے بارے میں اس بات کی تصدیق وہ پہلے ہی کر چکا ہوگا۔ ممکن ہے کہ جاگیر دار شوکت کی حویلی کے راستے میں وہ ریشماں کو سندھی میں مخاطب کر بیٹھا ہو کیونکہ کبھی کبھی وہ موقع محل دیکھے بغیر سندھی، پنجابی یا بلوچی زبان میں گفتگو کرنے کا عادی تھا۔ اپنے دوستوں کو بھی وہ دوسرے صوبوں کی زبان سیکھنے کی تلقین کیا کرتا تھا۔ اس ضمن میں اس کی یہ بات دل کو لگتی بھی تھی کہ یہ چھوٹا سا قدم اٹھا کر صوبائی عصبیت کی ہوا کو دھیما کیا جا سکتا ہے۔

میرا خیال درست ثابت ہوا اور رضوان نے سندھی میں مجھ سے کہا "بانو! یہ آپ کو قدم قدم پر نئی نئی لڑکیاں کیسے مل جاتی ہیں؟"

"شکر خورے کو شکر والی بات تو تم نے سنی ہی ہوگی۔" میں نے بھی سندھی ہی میں جواب دیا۔ "لیکن اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے، تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا بھوت کیسے اتر گیا۔"

"کیا مطلب؟ کیسا بھوت؟"

"جب میں کراچی سے چلی تھی تو تمہارے ذہن پر یہ بھوت سوار تھا کہ میں اسمگلروں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتی ہوں۔"

"آ... ہاں..." رضوان نے سر جھٹکا۔ "میں نے بہت سوچا تھا اور مجھے اپنے وہ خیالات کچھ احمقانہ سے لگے۔ کسی کو اتنی جلدی عقل آتے ہوئے میں نے بہت کم دیکھا ہے۔"

"آپ میری بات ٹال رہی ہیں۔ میں یہ پوچھ رہا تھا کہ اس معصوم لڑکی کو کیسے پھانس لیا؟"

"خیر یہ اتنی معصوم بھی نہیں ہے جتنی نظر آ رہی ہے۔ بہت کچھ سمجھ کر ہی یہ یہاں تک آئی ہے، اپنے اچھے برے کی پہچان تک کر لیتی ہے۔"

"ٹکراؤ کہاں ہوا تھا؟"

میں نے مختصر طور پر اسے ریشماں کے بارے میں بتا دیا۔

"خوب!" رضوان نے طویل سانس لے کر کہا۔ "گویا آج کل آپ حاتم کی طائی ہو رہی ہیں!"

"کیا مطلب؟"

"چلی تھیں پریسیڈنٹ سے ملنے لیکن بیچ میں ایک تمثال ٹپک پڑی جو اپنے پونے چار سوالوں کے ساتھ آپ کے سامنے آ گئی۔"

"پریسیڈنٹ سے بھی مل چکی ہوں۔"

"کیسی رہی ملاقات!"

میں نے اس ملاقات کا حال بھی سنا دیا۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکی کیونکہ ہم پنڈی پہنچ گئے تھے۔ رضوان نے ہاسپٹل کے سامنے روک دی کیونکہ رحم دین کو داخل کرانا تھا۔

رحم دین کو داخل تو کرا دیا گیا لیکن یہاں ہمیں ایک نئی مشکل سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ رحم دین کے جسم پر تشدد کے نشانات بالکل صاف تھے لہٰذا ان کا معائنہ کرتے ہی ڈاکٹر نے پولیس کو فون کر دیا اور بیس منٹ میں ایک پولیس جیپ وہاں پہنچ گئی۔ ایک سب انسپکٹر... ایک اے ایس آئی اور دو کانسٹبل تھے۔ انہوں نے آتے ہی ہم لوگوں کو تشخیصے ہمارے لتے لے لئے۔ وہ رحم دین کی اس جسمانی حالت کی وجہ جاننا چاہتے تھے۔ میں الجھن میں پڑ گئی۔ سب بتانے کا مطلب تھا کہ جاگیر دار شوکت کا نام سامنے آ جاتا۔ پولیس فوراً جاگیر دار کو مطلع کرتی۔ جاگیر دار ان حالات سے واقف ہوتے ہی اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لاتا اور معاملے کا رخ ہی موڑ کر رکھ دیتا۔ اس طرح اسے اپنے لئے ایک سازگار فضا پیدا کرنے کی مہلت مل جاتی جبکہ رحم دین اور ریشماں کا کھیل بگڑ جاتا۔ ان سب باتوں کو نظر میں رکھ کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے کسی اچھے وکیل سے

...ے مشوروں کی روشنی میں بیانات دیئے جائیں۔
...لہٰذا اس طرح وکیل کو بھی آئندہ کیس لڑنے میں
...وا ہمیں سے ایسا ماحول تیار کر لیتا جس سے مستقبل میں

...جب میں نے سب انسپکٹر سے کہی کہ ہم اپنے وکیل سے مشورہ
...لیں دیں گے تو وہ بری طرح بھنا گیا۔ نہ جانے کیوں
...اپنے شہری حقوق یا قانونی حق کو بہ رضا و رغبت
...اتے ہیں اور اس کے نتیجے میں بات بڑھتی چلی جاتی
...معاملے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتا ہے اور اپنے اختیارات
...رو" کو رگڑ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
...ہم پولیس کو عام لوگوں کا تعاون حاصل نہیں ہوتا اور
...مے پہلے چیدگیاں ختم ہو سکتی ہیں وہ عدم تعاون کے
...مسئلہ بن کر رہ جاتی ہیں۔

...پھر بھی، ہمیں بند کر دینے کی دھمکیوں پر اتر آیا اور
...کرنا پڑا کہ میں اس کے شانے پر نظر آنے والے پھولوں
...کے امکانات روشن کر سکتی ہوں۔ میرے اس ترکی بہ
...ٹھنڈا پڑ گیا۔ ممکن ہے اسے ماضی میں کوئی تلخ تجربہ ہو
...ڈی پر نظر ڈالتا ہوا غرایا۔
...م نئے ہیں۔"
...آئی ہوں کہ ساڑھے آٹھ بجے سے پہلے کسی وکیل کا دفتر
...لہٰذا اطمینان سے کہا۔ "لہٰذا آپ نو بجے تک انتظار

...یہ بھی ممکن ہے کہ میں اس شخص کو طبی امداد نہ پہنچنے

...میں نے لاپروائی سے کہا۔ "ظاہر ہے کہ اس
...بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ایک عام آدمی کی زندگی
...پولیس ہی کی صوابدید پر ہوتا ہے۔"
...میں ایسی چبھن تھی کہ پولیس انسپکٹر کا چہرہ غصے

...میرے قریب ہی کھڑا تھا اور اس گفتگو سے قطعی بے تعلق
...کے برخلاف ریشماں اور خواجہ کے چہرے پر تشویش
...تھے۔ ریشماں تو کچھ گھبرائی ہوئی بھی تھی۔ یہ کتنا
...یہاں کے لوگ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی پولیس
...ہیں۔
...سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "وہ زخمی کو
...ل جانے یا نہیں؟"
...عمل ادا کیجئے!" سب انسپکٹر کی غراہٹ میں بڑی

میرے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لیکن" سب انسپکٹر نے مجھے گھورا۔ "آپ لوگ یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے۔"

"کوئی حرج نہیں۔ وکیل کو فون کر کے بھی بلایا جا سکتا ہے۔ آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ آفیسر!" میرے لہجے کا نوکیلا پن برقرار تھا۔

ہمیں ایک ایسے کمرے تک محدود کر دیا گیا جہاں ٹیلیفون موجود تھا۔ دونوں کانسٹبل دروازے پر تعینات کر دیئے گئے تھے۔

"آپ ان لوگوں سے کیوں الجھ رہی ہیں بانو!" تنہائی میسر آتے ہی ریشماں گھبرائے ہوئے لہجے میں مجھ سے بولی۔ "کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔"

"تم بالکل نہ گھبراؤ!" میں نے اس کی پیٹھ تھپکی۔ "بیجا دباؤ ڈالا جائے تو ان لوگوں سے الجھنا ہمارا حق ہے۔ ہمارے اس حق کا استحصال زیادہ عرصے تک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر حکومت نے اس کا سدباب نہ کیا تو آگے اس کے سنگین نتائج بھگتنا پڑیں گے، بلکہ میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب ان نتائج کا وقت قریب ہی آ گیا ہے۔"

وقت نے ثابت کر دیا کہ میرے اندیشے غلط نہیں تھے۔ وہ حکومت ایک عظیم انقلاب کے دھارے پر خس و خاشاک کی طرح بہہ گئی تھی اور ایک نیا سورج طلوع ہوا تھا جس سے لوگوں نے بڑی خوبصورت توقعات وابستہ کر لی تھیں۔

میں اور رضوان سندھی میں گفتگو کرنے لگے۔ رضوان نے کہا "پولیس کے ان جھمیلوں سے نجات تو بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے لیکن بڑی بچکانہ سی بات ہوگی اگر تم اتنی چھوٹی چھوٹی مشکلات کے لئے صدر مملکت سے رابطہ قائم کرو۔"

"ظاہر ہے۔" میں نے کہا۔ "ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے تو میں وزیر داخلہ سے بھی رابطہ قائم کرنا پسند نہیں کروں گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں اس وقت تک کسی کا سہارا نہیں لیتی جب تک قطعی بے بسی کا شکار نہ ہو جاؤں۔"

"اپنی شخصیت کا وقار اسی طرح بحال رہ سکتا ہے۔" رضوان نے سر ہلا کر کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

اب صبح کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا اور کہیں قریب ہی سے چڑیوں کی چہکار سنائی دینے لگی تھی۔

میں ڈاکٹر نونگ کے بارے میں سوچنے لگی۔ یہ سوال میرے لئے بڑا اہم تھا کہ وہ چالاک، خطرناک اور سفاک شخص ان حالات کا تجزیہ کر کے کن نتائج تک پہنچے گا؟... اب میں یہ شبہ کر سکتی تھی کہ اسے میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوا ہوگا۔ اگر معلوم ہو جاتا تو وہ مجھے ہمیشہ کے لئے اپنی راہ سے ہٹانے کی کوشش ضرور کرتا۔ اس کی بے حرکتی، اس کی بے خبری کی دلیل تھی لیکن اب جو ہنگامہ میری ذات سے برپا ہو چکا تھا اس کے بعد ڈاکٹر نونگ کو سب کچھ معلوم ہو جاتا

حتیٰ کہ میرا نام سن کر وہ سناٹے میں آجاتا۔ جو کچھ ہو چکا تھا اس سے وہ یہی نتیجہ اخذ کرتا کہ میں اتفاقاً ہی ریشماں اور جاگیردار کے تضیے سے ملوث ہو گئی ہوں اور یہ کہ مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم!..... اگر معلوم ہوتا تو میں آتے اس طرح نظر انداز کر کے وہاں سے نہ نکل جاتی۔

یہ سوچ کر مجھے اطمینان ہو گیا کہ وہ میری طرف سے مطمئن ہو گا۔ میری "بے خبری" کا اندازہ ہو جانے کے بعد اسے جاگیردار کی حویلی سے فرار ہونے کا کوئی جواز نظر نہ آتا اور یہی میرے حق میں بہتر تھا۔ موجودہ الجھن سے نکل جانے کے بعد میں پھر اس تک پہنچ سکتی تھی۔

سوچ بچار اور ادھر ادھر کی باتوں میں آٹھ بج گئے۔ کانسٹیبلوں سے کہہ کر ہاسپٹل کی کینٹین سے ناشتہ منگوا لیا گیا۔ ناشتے کے بعد میں ٹیلیفون ڈائرکٹری اٹھا کر کسی وکیل کا نمبر ڈھونڈنے لگی۔ خواجہ نے اندازہ کر لیا کہ مجھے کس چیز کی تلاش ہے۔ وہ بول پڑا۔

"کیا تم کو کسی وکیل کی تلاش ہے؟"

"ہاں۔"

"اس کی ضرورت نہیں بیٹی! میں ایک بہت اچھے وکیل سے واقف ہوں۔ وہ میرے دو ایک مقدمے لڑ چکا ہے۔"

"تو پھر آپ اس سے رابطہ قائم کر لیجئے۔ ساڑھے آٹھ تو بج گئے ہیں۔ عموماً وکیل اس وقت تک دفتر پہنچ جاتے ہیں۔"

خواجہ سر ہلا کر ٹیلیفون کے قریب آگیا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ وکیل سے اس کی گفتگو دو تین منٹ تک ہوئی اور پھر اس نے سلسلہ منقطع کر کے مجھے بتایا کہ وکیل پندرہ بیس منٹ میں یہاں پہنچ جائے گا۔

نو بجنے میں پانچ منٹ رہ گئے تھے جب وکیل وہاں پہنچا۔ اس نے بڑے غور سے سارے واقعات سنے اور کچھ دیر تک سوچنے کے بعد بولا۔ "آپ لوگ حقائق کو جوں کا توں بیان کر دیں۔ اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پولیس الٹا ہم کو چکر میں نہ پھانس دے۔" خواجہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"جاگیردار کے وسائل بہت ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں! میں سب دیکھ لوں گا۔"

مجھے وکیل کا یہ طریقۂ کار کچھ جچا نہیں لیکن میں قانونی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے خاموش رہی۔

سب انسپکٹر نے ہم لوگوں کو باری باری ایک کمرے میں بلا کر بیانات قلمبند کئے۔ میں نے اس دوران میں ٹیلیفون پر اسی ہوٹل سے رابطہ قائم کیا جہاں قیام کر چکی تھی۔ اتفاق سے برابر برابر دو خالی کمرے موجود تھے جو میں نے بک کروا لئے۔

بیانات کے بعد سب انسپکٹر نے مجھ سے کہا۔ "فی الحال آپ لوگ

راولپنڈی نہیں چھوڑ سکتے اور ہمیں یہ ضرور معلوم ہو جا[ئے کہ آپ] لوگوں کا قیام کہاں ہو گا؟"

میں نے اس ہوٹل کا نام بتا دیا جہاں کمرے [بک کرائے تھے۔]

"میں تو اپنے گھر جاؤں گا بیٹی!" خواجہ بولا۔ "جب [میرا گھر موجود ہے تو] میں ہوٹل میں کیوں ٹھہروں؟"

"اپنے گھر پر آپ کسی خطرے سے بھی دوچار ہو [سکتے ہیں۔] جاگیردار شوکت نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔"

"اب میری حفاظت کی ذمے داری پولیس پر [ہے۔"] خواجہ نے کہا۔

میں نے کنکھیوں سے سب انسپکٹر کی طرف [دیکھا۔]

"ہم جانتے ہیں کہ ہمیں کس وقت کیا کرنا چاہیئے۔ آپ [اپنا پتہ لکھوا دیں۔"] خواجہ نے پتہ لکھا دیا۔

اس جھگڑے سے نپٹ کر ہم لوگ ڈاکٹر کی طرف [گئے اور] اس سے رحم دین کے بارے میں پوچھا۔

"ان کو صحیح طور پر ٹریٹ منٹ دیا جا رہا ہے۔ [آپ فکر نہ] کریں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "ان کی حالت زیادہ [خراب نہیں۔] کل تک وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ گفتگو کر سکیں۔"

"ڈاکٹر جی!" ریشماں بھرائی ہوئی آواز میں [بولی۔ "میری] دنیا میں اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

"بالکل مت گھبراؤ بی بی! وہ ٹھیک ہو جائیں [گے۔"]

"میں اس کے پاس چلی جاؤں؟" ریشماں نے [پوچھا۔]

"آج نہ ملو تو بہتر ہے۔ تم ان سے کوئی گفتگو تو کر [نہیں سکو گی۔"]

"لیکن..." ریشماں نے پہلو بدلا اور اپنی بات [ادھوری چھوڑ دی۔] ایک بھائی کے لئے بہن کا پیار تڑپ رہا تھا [۔ میں نے ڈاکٹر سے] کہا کہ وہ ریشماں کو صرف ایک منٹ کے لئے رحم [دین کے پاس] جانے کی اجازت دے دے۔ ڈاکٹر نے اجازت [دے دی اور ریشماں] خواجہ کے ساتھ رحم دین کو دیکھنے چلی گئی۔

رضوان بولا۔ "ہمیں آخر کب تک یہاں رکنا [ہے؟"]

"ریشماں آ جائے تو چلتے ہیں۔"

"میری مراد ہاسپٹل سے نہیں، راولپنڈی سے [ہے۔"]

"راولپنڈی سے نکلنا تو ابھی بہت مشکل ہے۔ [اگر یہ] جھگڑا نہ کھڑا ہو گیا ہوتا تو بھی میں ابھی راولپنڈی [نہیں چھوڑ سکتی] تھی۔ آخر تمہیں ہو کیا گیا تھا کہ کراچی سے یہاں تک [آ گئے؟"]

"ہائے۔" رضوان نے بڑی دلدوز آہ بھری۔ "[یہ سوال] نہیں بلکہ سیدھا سیدھا قاتلانہ کہنا چاہیے۔ کاش! [تمہیں معلوم ہوتا کہ] کسی کے دل پر فاصلوں کے کیا اثرات مرتب ہوتے [ہیں۔"]

"کسی دن میں تمہارے سر سے عشق کا بخار ا[تار دوں] گی۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

[حس]ن کے گلستان میں کراٹے اور جوڈو سے آبیاری کرنا [بڑی] بات ہے۔" رضوان نے بڑی مضحکہ خیز سنجیدگی کے [ساتھ کہا۔]

[ایسی] باتوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں کیونکہ اس سے افیونی [ہوتی] ہے۔"

["تمہارے جیسے] لوگوں کے منہ سے ایسی باتیں سن کر خودکشی کر لینے کو جی [چاہتا ہے۔"]

[تم] مجھ کو کسی طرح، بس باتیں ہی بناتے رہتے ہو۔"

[ہاں، میں مانتا] ہوں لیکن جس پر مرا ہوں، وہ بڑا سفاک محبوب ہے۔ [جو کبھی اس بات] پر تو کوئی مفاہمت ہی نہیں کرتا۔"

[یہ بات میرے لئے بڑی] سخت جلا دینے والی تھی کہ ریشماں اور خواجہ واپس آتے [تو] مجھے خوشی ہوئی کہ ریشماں نے اپنے زخم کی ڈریسنگ [نہیں کرائی تھی۔] اس ہنگامے میں مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔

[خواجہ کو ہ]م نے اپنے ساتھ جیپ میں بٹھا دیا۔ میں نے اس سے [کہا کہ] اس کے گھر پر چھوڑتے ہوئے نکل جائیں گے۔

[میں تو] تمہارے ہوٹل ہی چلوں گا بیٹی!" خواجہ نے کہا۔ [مجھے ت]م سے [بات] کرنا ہے۔"

[مجھ سے؟ خ]واجہ صاحب!" میں نے حیرت سے اس کی [طرف دیکھا۔]

[وہاں] چل کر بتاؤں گا۔"

[خواجہ کا] انداز بڑا پراسرار سا تھا۔ میں الجھن میں پڑ گئی۔ رضوان [ب]اہر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا تھا اور ریشماں خواجہ [کو گھور رہی] تھی۔

[ہوٹل پہنچ] کر میں نے کاؤنٹر سے کمروں کی چابیاں لیں اور پھر ہم [اوپر چلے گئے۔]

"لو!" میں نے رضوان سے کہا۔ "میں اور ریشماں دوسرے [کمرے میں رہیں] گے۔"

[" ... "] رضوان سندھی زبان میں زیر لب بڑبڑایا۔

[میں نے] اس کی بڑبڑاہٹ کو در خور اعتنا جاننے کی ضرورت [نہیں سمجھی] اور کمرے کا مقفل قفل کھولنے لگی۔ رضوان بھی ہمارے [ساتھ ہی کمرے] میں داخل ہو گیا۔ اس کے دل میں یہ کرید ہو گئی تھی کہ [خواجہ ہم سے] کیا کہنا چاہتا ہے۔

[ج]ب ہم چاروں بیٹھ گئے تو میں نے استفہامیہ نظروں سے [خواجہ کی طرف دیک]ھا۔

[خو]اجہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "کیا تم میرے ساتھ نیچے

"ہاں۔"

"چلئے!" میں ایک لمبی سانس لے کر کھڑی ہو گئی۔ یہ سمجھنا اب مشکل نہیں رہا تھا کہ خواجہ مجھ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہے۔ میں نے رضوان سے کہا۔ "تم ریشماں کے ساتھ یہیں رکو! میں ابھی آتی ہوں۔"

رضوان نے منہ بنا کر سر ہلا دیا اور میں خواجہ کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔

"آپ مجھ سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں نا؟" میں نے چند قدم چل کر پوچھا۔

"ہاں۔"

"تو اس کے لئے نیچے جانا کیا ضروری ہے؟"

"بالکل ضروری نہیں ہے بشرطیکہ یہاں تنہائی میسر آسکے۔"

"بس تو پھر ہم اس کمرے میں بیٹھے جاتے ہیں۔" میں نے برابر والے کمرے کے دروازے پر رکتے ہوئے کہا۔ میں نے اس کی چابی ابھی رضوان کو نہیں دی تھی۔

اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"اب ہم اطمینان سے گفتگو کر سکتے ہیں۔" میں نے خواجہ سے کہا۔

"ہاں۔" خواجہ نے سر ہلایا۔

ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

"بیٹی!" خواجہ نے مجھ سے نظریں ملائے بغیر کہا۔ "میں ٹھہرا پرانا آدمی لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ تم نئی دنیا کے تقاضوں کو پوری طرح سمجھتی ہو۔ ریشماں سے تمہارے بے غرض تعاون اور خلوص کو دیکھنے کے بعد میں تم پر اعتماد بھی کر سکتا ہوں۔ مجھے تم سے ایک مشورہ درکار ہے۔ میں نے پولیس سے ایک بات چھپالی تھی اور اب تم ہی مجھے بتاؤ گی کہ میں نے غلط تو نہیں کیا۔"

"وہ کیا بات ہے؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"کل میں نے رات کے ابتدائی حصے میں جاگیردار شوکت کے آدمیوں کی کچھ گفتگو سنی تھی جس سے مجھے پتہ چلا تھا کہ وہ لوگ آج کسی لڑکی کو اغوا کرنے والے ہیں۔ لڑکی ایک کالج میں سیکنڈ ایر کی طالبہ ہے۔ اسی گینگ کے ایک خوبصورت نوجوان نے اس لڑکی کو اپنے عشق کے جال میں پھنسایا ہے اور آج اسی نوجوان کے ذریعے سے اس لڑکی کو اغوا کر لیا جائے گا۔"

"وہ کس کالج میں پڑھتی ہے؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

خواجہ نے کالج کا نام بتایا جو میں یہاں مصلحتاً نہیں لکھ رہی ہوں۔

"اسے کالج سے چھٹی کے وقت اغوا کیا جائے گا۔" خواجہ نے بتایا۔

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ درس گاہوں کی چھٹی ہونے میں ابھی خاصی دیر تھی۔

"یہ بات آپ نے پولیس کے سامنے کیوں نہیں بتائی؟" میں نے

سوال کیا۔

"میں نے کہا نا بیٹی کہ میں پرانی طرز کا آدمی ہوں۔ یہ نئی دنیا کی الجھنیں مجھے پریشان کر دیتی ہیں اور میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کیا کروں میں ڈر رہا تھا کہ یہ نیا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تو میں نہ جانے کس چکر میں پھنس جاؤں۔ پولیس سے ڈر ہی لگتا ہے۔ میرے پاس اس بات کا کوئی ثبوت تو ہے نہیں کہ کسی لڑکی کو اغوا کیا جانے والا ہے اور اس میں جاگیردار شوکت ملوث ہے۔"

"آپ نے ٹھیک کیا خواجہ صاحب! خواہ مخواہ ایک نئے معاملے میں کھنچے کھنچے پھرنا پڑتا۔"

"لیکن میرا دل بڑا افسردہ ہو گیا ہے بیٹی! اس معصوم بچی پر نہ جانے کیا قیامت گزر جائے۔" خواجہ ایک رقیق القلب شخص تھا۔

"اس کی فکر نہ کیجئے!" میں نے کہا۔ "میں پولیس کو اس بات سے باخبر تو کروں گی لیکن خود سامنے نہیں جاؤں گی۔"

"ہاں بیٹی! یہ ٹھیک ہے۔" خواجہ نے خوش ہو کر کہا۔ "اسی لئے تو میں نے صرف تمہیں بتایا ہے اس کے بارے میں!... مجھے یہ تدبیر نہیں سوجھ سکتی تھی۔"

"اب آپ اپنے گھر ہی جائیں گے نا؟" میں کھڑی ہو گئی۔

"ہاں، تھوڑی دیر کے لئے جاؤں گا۔ پھر مجھے وکیل صاحب کے پاس جانا ہے۔ انہوں نے بلایا تھا نا؟"

"ٹھیک ہے۔ شام تک کسی وقت مجھ سے بھی مل لیجئے گا۔"

میں خواجہ کو چھوڑنے کے لئے ہوٹل کے دروازے تک گئی اور اسے رخصت کر کے تیزی سے واپس لوٹی۔ رضوان سگریٹ نوشی میں مصروف تھا اور ریشماں بھی کسی خیال میں کھوئی ہوئی چپ چاپ بیٹھی تھی۔

"خواجہ چاچا گئے؟" وہ مجھے دیکھتے ہی سوال کر بیٹھی۔

"ہاں۔" میں نے کہا پھر رضوان سے بولی۔ "تم ذرا میرے ساتھ آؤ۔"

"آپ کہاں جا رہی ہیں بانو!" ریشماں نے جلدی سے پوچھا۔

"بس برابر کے کمرے میں جا کر دس پندرہ منٹ بعد لوٹ آؤں گی۔ مجھے ان سے کچھ گفتگو کرنا ہے۔" میں نے رضوان کی طرف اشارہ کیا جو کھڑا ہو چکا تھا۔

ریشماں کو اطمینان ہو گیا اور میں اسے دروازہ بند کر لینے کی تاکید کر کے رضوان کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔ برابر کے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے میں نے رضوان سے کہا۔ "اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمہیں بہت کچھ بتا دوں۔"

"کوئی خاص چکر؟"

"بہت لمبا چکر۔"

کمرے میں ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے تو میں نے اسے تفصیل سے ڈاکٹر فونگ کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ واقعات کا ابتدائی حصہ ہی ایسا تھا کہ رضوان کے چہرے سے انتہائی دلچسپی کا اظہار ہونے لگا۔

سارے واقعات دہرانے میں مجھے بیس منٹ لگے اور ...
ہوئی تو رضوان کے چہرے سے تفکر و تشویش کا اظہار ہو ...

"اب مجھے اس سلسلے میں تمہاری مدد کی ضرورت ...

"یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق ملک و قوم ...
بھی شخص اپنا دامن بچانے کی کوشش نہیں کر سکتا۔"

"میں چاہتی ہوں کہ تم ڈاکٹر فونگ پر نظر رکھو۔"

"آخر جاگیردار شوکت سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ...

"یہی تو ہمیں دیکھنا ہے۔"

"ان معاملات کی اطلاع انٹیلی جنس کو کیوں نہ ...

"کیا ضروری ہے کہ ہم اس معاملے کو اپنے طور پر نہ ...
نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"گویا بات ذاتی تسکین کی بھی ہے!"

"یقیناً۔" میں نے کہا۔ "مجھے بیحد خوشی ہو گی اگر ...
اپنے طور پر نپٹا سکوں۔ کیا یہ ایک کارنامہ نہیں ہو گا؟ ...
ہو تو میں تمہیں تعاون پر مجبور نہیں کروں گی۔"

"میں نے خوفزدہ ہونا نہیں سیکھا۔" رضوان غرایا ...

"یہی سوچ کر تو میں نے تمہیں یہ ساری باتیں ...
مسکرا پڑی۔

"کیا تم نے کمانڈر حق وغیرہ کو بھی بلا لیا ہے؟"

"وقت پڑا تو انہیں بھی طلب کر لوں گی لیکن ...
ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر فونگ اور اس کے آدمیوں نے ...
نہیں دیکھا اس لئے اب وہ تمہیں اس گاؤں میں دیکھ ...
زیادہ شبہ نہیں کریں گے۔ اسی لئے میں ڈاکٹر فونگ ...
تمہارے سپرد کرنا چاہتی ہوں۔ اس گاؤں میں دو افراد ...
تم اپنا آلۂ کار بھی بنا سکتے ہو۔"

"وہ کون ہیں؟"

میں نے رضوان کو ماسی اور اس دیہاتی ڈاکٹر کے ...
بتایا جو ڈاکٹر فونگ کی بریدہ ٹانگ کا علاج کر رہا تھا۔ ...

"میں تمہاری آنکھوں میں سرخی دیکھ رہی ہوں۔ رات بھر ...
تم نڈھال ہو گے اس لئے دو تین گھنٹے سو کر اس گاؤں کی ...
ہو جاؤ!"

"ایک رات جاگنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں ...
سکتا ہوں۔"

"اگر تم ہمت کر سکو تو یہ بڑی اچھی بات ہو گی۔"

"تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"میں یہیں پنڈی میں ہوں۔ اگر تمہیں کوئی خاص ...
تو واپس آ کر مجھے بتانا۔"

"ٹھیک ہے۔" رضوان کھڑا ہو گیا۔

... رخصت کر کے میں پھر اپنے کمرے میں پہنچی اور اداس ریشماں ...
... دونوں ہاتھوں میں لے کر بولی۔ "اب تم اتنی غمگین کیوں ہو ...
... تو تمہیں تمہارا بھائی بھی مل چکا ہے۔"

"... بات کا افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ بھی ان ...
... میں گِھر کر رہ گئی ہیں۔"

"... شکایت کرو۔ مجھے تم سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ میں تمہیں ...
... نجات دلائے بغیر پنڈی سے جا ہی نہیں سکتی۔" میں ...
... کے ہونٹ چوم لئے۔ وہ شرما سی گئی۔ میں نے اس کے ...
... بابت پوچھا تو وہ بولی۔

"... میں ان لوگوں نے جو دوا لگائی ہے، اس سے کافی ...
... گئی ہے۔"

"... ڈاکٹر پر مجھے بھی اعتبار نہیں تھا لیکن اس وقت کوئی ...
... نہیں۔" میں نے کہا اور پھر ٹیلیفون کی طرف بڑھ گئی۔
... پہلے ہوٹل کے منیجر سے رابطہ قائم کیا اور اسے کرائے کی ...
... لینے کہا۔ پھر سلسلہ منقطع کر کے اپنی گھڑی پر ...
... پاس اتنا وقت ضرور تھا کہ میں غسل کر سکوں۔ اس ...
... کا رخ کر سکتی تھی جس کی کسی لڑکی کو آج اغوا کیا ...
... میں اس سوال سے پریشان تھی کہ اس لڑکی کو شناخت ...
... ہا۔
... کے میں نے وہی کپڑے پہن لئے جو میں غسل سے پہلے ...
... میرا سامان، ریشماں کی حویلی میں رہ گیا تھا۔
... گھنٹے بعد مجھے منیجر سے اطلاع ملی کہ کرائے کی گاڑی ...
... گئی ہے۔

"... اب تم آرام کرو!" میں نے ریشماں سے کہا۔ "تم ...
... نا، اتنی ہی جلدی تمہارا زخم ٹھیک ہو جائے گا۔"

"... کہیں جا رہی ہیں؟" ریشماں پریشان ہو گئی۔

"... ایک ضروری کام ہے لیکن تمہارے لئے اب پریشانی کی ...
... یہاں تمہیں کوئی خطرہ پیش نہیں آ سکتا۔ جاگیردار ...
... لوگوں کو بھی نہیں معلوم ہو گا کہ تم یہاں ہو۔"

"... کوئی ڈر نہیں ہے بانو!... میں اپنی حفاظت کرنا ...
... ڈر تو مجھے تنہائی سے لگتا ہے۔"

"... ہوتے گانے سنو!... اس سے تنہائی کا احساس مٹ جائے ...
... اگر پولیس کا فون آئے تو کہہ دینا کہ میں اور رضوان کچھ خریدنے ...
... گئے ہیں۔ تم نے کبھی ٹیلیفون پر کسی سے بات کی ہے؟"

... اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"... آؤ!" میں نے اس سے کہا۔ "میں تمہیں بتاتی ہوں کہ فون ...
... کی جاتی ہے۔ جب گھنٹی بجے تو اسے اٹھا لینا۔ اسے ریسیور ...
... اس طرح کان سے لگایا جاتا ہے کہ اس کا دوسرا حصہ منہ

کی طرف رہے، اس طرح۔" میں نے ریسیور اٹھا کر اس کے کان سے لگا دیا۔ "پھر جب تم ہیلو کہو گی تو تمہیں دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سنائی دینے لگے گی۔ تم اس طرح باتیں شروع کر دینا جیسے سامنے بیٹھے ہوئے کسی شخص سے گفتگو کر رہی ہو۔"

ریشماں نے بڑی توجہ سے میری باتیں سنیں اور افہامی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں اندازہ نہیں کر سکتی تھی کہ کال کرنے والا کون ہو گا۔ بہرحال میں نے ریشماں ہی سے ریسیور اٹھانے کے لئے کہا۔

ریسیور اٹھاتے ہوئے ریشماں کے ہاتھ میں خفیف سی لرزش تھی اور جب اس نے ریسیور اپنے کان سے لگایا تھا تو اس کے چہرے پر ایسی سرخی تھی جیسے وہ اپنی زندگی کا کوئی سنسنی خیز تجربہ کر رہی ہو۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر مجھے اس پر پیار آنے لگا اور میں بے ساختہ مسکرا دی۔ ریشماں نے میری مسکراہٹ کو دیکھا بھی نہیں۔ اس کی ساری توجہ ٹیلیفون کی طرف تھی۔ اس نے بڑے بیٹھنگے سے انداز میں ہیلو کہا اور پھر جلدی جلدی پلکیں جھپکاتی ہوئی، اس آواز کو سننے لگی جو دوسری طرف سے آ رہی تھی۔

"ہیں جی؟ کس کی کال ہے؟" ریشماں کی آواز میں بھی لرزش تھی۔ اس نے دوسری طرف کا جواب سنا اور پھر میری طرف دیکھتی ہوئی جلدی سے بولی۔ "پتہ نہیں کون ہے۔ کہہ رہا ہے کراچی سے کال ہے۔"

میں سمجھ گئی کہ ہوٹل کا آپریٹر بول رہا تھا۔ میں نے ریشماں کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا اور ماؤتھ پیس میں بولی۔ "ہیلو! صبیحہ اسپیکنگ۔"

"کراچی سے بیگم پرتاب گڑھ کی کال ہے مادام!" آپریٹر نے بتایا۔

"ملاؤ!" میں نے کہتے ہوئے سوچا کہ بیگم کو اس ہوٹل کا علم انٹیلی جنس ڈائرکٹر ہی سے ہو سکتا ہے۔

"بات کیجئے!" چند لمحے بعد آپریٹر نے کہا۔

"ہیلو!" میں بولی۔

"بانو!" دوسری طرف سے جانی پہچانی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم اب تک پنڈی میں کیا کر رہی ہو؟"

"ایک مظلوم لڑکی کی حمایت میں رکنا پڑا ہے مجھے۔"

"لڑکیوں سے کبھی تمہارا پیچھا چھوٹے گا بھی یا نہیں؟"

"اگر کبھی ایسا ہوا تو وہ میری زندگی کا بدترین دن ہو گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"مجھے تمہارے بارے میں خاصی تشویش ہو گئی تھی اس لئے میں نے انٹیلی جنس ڈائرکٹر سے تمہارے بارے میں پوچھا۔"

"یہ تو میں سمجھ گئی تھی کہ تمہیں اسی سے ہوٹل کا نام معلوم ہوا ہو گا۔"

"تم کب تک واپس آ رہی ہو؟"

"فوری طور پر تو ممکن نہیں۔ دو تین روز لگ جائیں گے۔ میں آج ہی کسی وقت کمانڈر حق کو کال کرنے والی تھی۔ تم اسے پہلی فلائٹ

سے یہاں بھیج دو۔ مجھے کچھ روپوں کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس سے کہہ دینا کہ وہ پانچ ہزار روپے لیتا آئے۔"

"وہ تو خیر میں بھیج دوں گی لیکن....."

"میں ٹیلیفون پر تفصیل سے کچھ نہیں بتا سکتی۔" میں نے بیگم پرتاب گڑھ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اطمینان سے کراچی آ کر بتاؤں گی۔"

"اچھا!" بیگم پرتاب گڑھ نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "مجھے ڈر ہی لگتا رہتا ہے تمہاری سیمابی طبیعت سے!... کبھی کسی ایسے چکر میں پڑ وگی کہ....."

"اچھا خدا حافظ۔" میں نے جلدی سے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

ریشماں پلکیں جھپکاتی ہوئی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ جب میں نے ریسیور رکھ دیا تو وہ بولی۔ "کون تھا بانو!"

"میری بہن تھی۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔ ٹیلیفون کا تجربہ تو تم نے کر ہی لیا۔"

ریشماں میرے جانے سے کچھ مضطرب تھی لیکن میں نے تسلی دلاسہ دے کر ہمت بندھائی اور وہاں سے روانہ ہو گئی۔

کرائے کی جو گاڑی فراہم ہوئی تھی اس کا رنگ کالا تھا! گویا میرا پسندیدہ رنگ!

کالج کی طرف جاتے ہوئے میرا ذہن اسی ادھیڑ بن میں لگا رہا کہ میں ایسی لڑکی کو شناخت کیسے کروں گی۔

کالج پہنچنے میں مجھے پندرہ منٹ لگے۔ ابھی کالج کا پھاٹک بند تھا۔ چھٹی ہونے میں کچھ دیر تھی۔ پھاٹک کے قریب کئی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جو مختلف طالبات کو لینے کے لئے ان کے گھروں سے بھیجی گئی ہوں گی۔ انہی گاڑیوں کے قریب میں نے اپنی کار بھی روک دی اور انجن بند کر دیا۔

اچانک مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہو۔ فرخ کا معاملہ کچھ زیادہ پرانا نہیں تھا۔ وہ بھی اسکول ہی سے اغوا کی گئی تھی۔ اس معاملے پر غور کرتے ہوئے مجھے طیش آنے لگا۔ ان دنوں لاقانونیت اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ خاص طور پر لڑکیوں کے اغوا اور ان کی آبرو ریزی کی خبریں تو تقریباً روزانہ ہی اخباروں کی "زینت" بنی رہتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سارے ملک میں بردہ فروشی کا طوفان آیا ہوا ہو۔

میں اپنے ان خیالات سے اس وقت چونکی جب کالج کا پھاٹک کھلا اور لڑکیوں نے باہر نکلنا شروع کیا۔ زیادہ تر بے پردہ تھیں۔ برقعے تو گنے چنے ہی نظر آتے تھے۔ میں غور سے ایک ایک لڑکی کو دیکھنے لگی۔ اس کے سوا میں کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی کہ ارد گرد کے ماحول پر نظر رکھوں اور چہروں سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کروں کہ کون سی لڑکی

"محبوب" سے ملنے کے نشے میں سرشار ہے۔

لڑکیوں کے غول ادھر ادھر روانہ ہونے لگے ۔۔
کی کاریں آئی تھیں، وہ کاروں میں بیٹھ بیٹھ کر جانے لگ
کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی، عالم اضطراب میں پہلو ب
"ڈرائیور!" ایک کھنکتی ہوئی آواز نے مجھے
میری بائیں جانب ایک ڈاج کھڑی تھی جس کا ڈ
میں ملبوس تھا۔ اسی سے ایک لڑکی کہہ رہی تھی۔ "تم گا
ممی سے کہہ دینا کہ میں سیما کے ساتھ چلی گئی ہوں۔ مجھے کچھ
ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد میں سیما کی گاڑی میں گھر آ جاؤں گی
ڈرائیور نے مؤدبانہ انداز میں سر ہلا کر انجن اسٹا
اس لڑکی کو دیکھتی رہ گئی جس پر بہاروں نے ٹوٹ کر
لباس میں اس کا بدن چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ جوانی اس
ایسے آتی ہے۔ وہ تنگ موری کی شلوار اور کولہوں ت
سے چپکے ہوئے جمپر میں، ملبوس و غیر ملبوس کی چپقلش
کئے ہوئے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ ا
ہی نظر میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کسی الٹرا ماڈرن گھر
ڈاج وہاں سے روانہ ہو گئی اور میری نظریں اس
وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر اپنی ساتھی لڑکی سے کچھ کہہ رہی تھی
ہنس پڑیں۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔" چست لباس والی نے کہا
فون آئے تو کہہ دینا کہ میں ابھی نوٹس لیتے لیتے ہاتھ روم
"فکر مت کرو، میں سب سنبھال لوں گی۔"

"بائے!" چست لباس والی نے ہاتھ ہلایا اور
طرف چل پڑی۔

ان باتوں سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی اپنی
بنا کر اپنی دوست سیما کے گھر جانے کی بجائے کہیں اور جا
تھی۔ میں نے سوچا! عین ممکن ہے کہ یہ لڑکی اپنے محبوب
ہو اور اسی کو اغوا کیا جانے والا ہو۔

اس بات پر یقین تو نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن میں
میں تھی کہ قیاسات ہی کی بنیاد پر کوئی قدم اٹھا سکتی تھی۔
آئینے میں اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی جب وہ کچھ دور
نے انجن اسٹارٹ کیا اور "یوٹرن" لے کر اسی طرف چل
رفتار بہت کم رکھی تھی اور اس طرح ادھر ادھر دیکھتی جا
کسی خاص عمارت کی تلاش ہو۔

کچھ دور جا کر وہ لڑکی بائیں ہاتھ کی سڑک پر مڑ گئی
ایکسلریٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔ میں چاہتی تھی کہ وہ میری
اوجھل نہ ہو اور میرا اس انداز میں سوچنا ہی میرے کام

میں نے دیکھا کہ وہ نیلے رنگ کی ایک آسٹن کا دروازہ
لا رہی تھی۔ میں نے اپنی گاڑی کی رفتار کچھ بڑھا دی اور
گزرتے ہوئے کنکھیوں سے اس کے ڈرائیور کی
ایک خوبصورت نوجوان تھا اور یقیناً ایسا ہی تھا کہ حق
کے گرد منڈلاتی ہی رہتی ہوں گی۔
عقب نما آئینے میں دیکھا آسٹن حرکت میں آ چکی تھی۔
پھر کم کر دی۔ یہ ضروری تھا کہ میں آسٹن کے پیچھے رہوں۔
ہو گیا۔ تیز رفتار آسٹن آگے نکل گئی۔ اب میں نے
دی۔ تعاقب کرتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ
کے اغوا میں مزاحمت کروں گی تو کس حد تک سنگین
فی الحال اس کے بارے میں کوئی قیاس کرنا مشکل

آسٹن ایک ریسٹورنٹ کے سامنے رکی اور میں اپنی
ہوئے آسٹن سے آگے نکال لے گئی۔ جب
آئینہ مجھے بتا رہا تھا کہ وہ دونوں ریسٹورنٹ میں

انجن بند کیا اور گاڑی کو لاک کر کے ریسٹورنٹ کی
ریسٹورنٹ میں داخل ہو کر میں نے چھوٹے سے ہال پر
ڈالی اور پھر ایک ایسی میز پر جا بیٹھی جو ان دونوں کی
ویٹر کو اشارے سے بلا کر میں نے چائے کا آرڈر دیا۔
تھی کہ ان دونوں کو کنکھیوں سے دیکھ سکوں۔
رہے تھے۔
میں چائے میری میز پر آ گئی اور میں ایک پیالی بناتے
ان دونوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتی رہی۔
کہ بہت دھیمی آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔ بس کبھی
میرے کانوں سے ٹکرا جاتا تھا اور میں نے جو فقرہ بھی
زدگی" کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی محسوس ہوئی۔
کنکھیوں سے ان دونوں کی طرف دیکھتی تھی،
کر میرے خون کی تپش بڑھ جاتی تھی۔ اس خوبصورت
بدصورت انسان چھپا ہوا تھا!... ایک معصوم
کے جال میں پھنسنے والی تھی۔
چائے ختم کر لی۔ وہ دونوں کھانا کھانے میں مصروف
مگ رہی تھی لیکن میں نے کھانے سے احتراز کیا
بھری جا چکی ہوئی تھی۔ اس لئے کھانا میرے اعصاب

کی گفتگو سننے کی کوشش سے مجھے اتنا فائدہ ہوا کہ
معلوم ہو گئے۔ لڑکی کا نام نادرہ تھا اور نوجوان کا

پرویز! انہوں نے کھانے کے بعد چائے بھی پی اور پون گھنٹہ گزر گیا۔ اب میں بے چین ہونے لگی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس چالباز نوجوان کا پروگرام کیا ہو گا۔ نادرہ کو اغوا کروانے کے لئے اس نے نہ جانے کیا سوچا تھا؟

ریسٹورنٹ میں ایک گھنٹہ گزر چکا تھا جب نوجوان نے ویٹر کو بلا کر بل کے لئے کہا۔ میں نے بھی فوراً ادائیگی کر دی۔ بل ادا کرنے کے بعد وہ دونوں اٹھے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگوں کی نظریں اس نوجوان و خوبرو جوڑے پر لگی ہوئی تھیں۔ جب وہ دونوں باہر نکل گئے تو میں بھی اٹھی۔

آسٹن حرکت میں آ چکی تھی جب میں اپنی کار میں بیٹھی اور تعاقب پھر شروع ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب ہنگامی صورت حال پیش آنے ہی والی ہے۔

آسٹن سٹیلائٹ ٹاؤن میں داخل ہو گئی اور میں اپنی پیشانی پر الجھنوں کا جال بچھائے تعاقب کرتی رہی۔ ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جس سے مجھے اندازہ ہوتا کہ ان دونوں کو اپنے تعاقب کا شبہہ ہو چکا ہے۔

آخر ایک جگہ آسٹن رک گئی۔ میں نے رفتار کم کر دی لیکن رکی نہیں۔ جب میں آسٹن کے برابر سے آگے نکل رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ نوجوان تو ڈرائیونگ سیٹ ہی پر بیٹھا رہا تھا لیکن نادرہ گاڑی سے اتر گئی تھی۔ اب میری نگاہیں عقب نما آئینے کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ میں نے آسٹن کو حرکت میں آتے دیکھا۔ نادرہ پیدل ہی ایک طرف چل پڑی تھی۔

یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی! میں نے سوچا اور گاڑی کی رفتار میں مزید کمی کر دی۔ آسٹن فراٹے بھرتی ہوئی مجھ سے آگے نکل گئی۔ میں نے کار اس طرف موڑ لی جدھر نادرہ جا رہی تھی۔ میرے ذہن میں اس نئے شبہے نے سر ابھارا تھا کہ نوجوان نے نادرہ کو کسی جگہ پہنچ کر اپنا انتظار کرنے کے لئے کہا ہو گا اور اس مقام پر جاگیردار شوکت کے غنڈے موجود ہوں گے۔

نادرہ ایک بڑے سے خوبصورت بنگلے میں داخل ہوتی نظر آئی تو غیر ارادی طور پر میرا پیر بریک پر پہنچ گیا۔ گاڑی رک گئی۔ میں شدید الجھن سے دوچار تھی۔ کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد میں گاڑی کو پھر حرکت میں لے آئی۔ اس مرتبہ میں نے بنگلے کے پھاٹک پر بریک لگائے تھے اور احاطے میں نظر دوڑائی تھی۔ پورٹیکو کے سامنے مجھے دو چھوٹے چھوٹے بچے کھیلتے نظر آئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر عورت بھی تھی جس کی وضع قطع اور حلیہ آیاؤں کا سا تھا۔ پورٹیکو کے آگے وہی کار کھڑی نظر آئی تھی۔ جسے میں نے کالج کے پھاٹک پر دیکھا تھا۔ اس کار کو دیکھ کر میرے ذہن میں یہ

بات صاف ہو گئی کہ یہ نادرہ کا اپنا گھر تھا۔
تو کیا خواجہ کی اطلاع غلط تھی؟ میں نے سوچا، یا میں ہی کسی اور لڑکی کے پیچھے لگ گئی تھی؟
ذہن میں تیسرا خیال یہ بھی ابھرتا تھا کہ شاید جاگیردار شوکت نے رحم دین اور خواجہ کے ہنگامے کی وجہ سے نادرہ کے اغوا کا پروگرام ایک آدھ روز کے لئے ملتوی کر دیا ہو۔
کچھ سوچ کر میں نے گاڑی کو چند گز آگے بڑھا کر روکا اور انجن بند کر کے اتر آئی۔ پھاٹک میں داخل ہو کر میں کسی جھجک کے بغیر پورٹیکو کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ آیا نے مجھے دیکھا تو ذرا دیر کے لئے بچوں کی طرف سے غافل ہو گئی۔
"مجھے نادرہ سے ملنا ہے۔" میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔
"نادرہ بی بی ابھی ابھی آئی ہیں کالج سے۔" آیا نے بتایا۔ "انہیں اطلاع دو کہ کوئی ان سے ملنے آیا ہے۔"
"آپ کا نام؟"
"نام میں انہی کو بتاؤں گی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔
آیا کو میرا یہ جواب کچھ عجیب تو لگا ہو گا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ اس نے چھوٹے بچے کو اپنی گود میں اٹھایا اور دوسرے کی انگلی پکڑ کر دروازے کی طرف لئے چلی گئی۔ میں پورٹیکو میں چہل قدمی کرنے لگی۔ گیرج کے سامنے ڈرائیور کھڑا ہوا، تولیے سے اپنے کان صاف کر رہا تھا۔
کوئی دو منٹ بعد دروازہ کھلا اور نادرہ کی شکل نظر آئی۔ اس نے ابھی لباس تبدیل نہیں کیا تھا۔ وہ دروازے سے نکلتے ہی، ٹھٹھک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مجھے پہچان نہیں سکی ہے۔ ریسٹورنٹ میں اس کی نظریں مجھ پر پڑیں تو ضرور ہوں گی لیکن وہ اس وقت اپنے "محبوب" میں کچھ اس طرح گم تھی کہ اسے اردگرد کے ماحول کا کچھ ہوش ہی نہ ہو گا۔
اس وقت وہ مجھے کچھ اور اچھی لگی۔ غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ اب میرے ذہن میں کوئی الجھن، کوئی پریشانی نہیں تھی۔ میں اسے دیکھ کر اس طرح مسکرائی جیسے اجنبیت کا کوئی پردہ بیچ میں حائل نہ ہو۔ میں نے اس کی طرف قدم بڑھایا تو وہ بھی ہچکچاتی ہوئی آگے بڑھی۔ جب میں نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بھی ہاتھ بڑھا دیا اور اس گداز کا لمس پاتے ہی میرے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی۔ میرا ایک ایک نفس اس کے جسم کو پکارنے لگا۔
"نادرہ! تم بہت پیاری ہو۔" میں نے بڑی بیباکی سے لیکن آہستہ سے کہا۔
"کیا مطلب!... آپ مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہیں؟" وہ مجھے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔
"میں تمہیں دنیا کی نشیب و فراز سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔ یہ

مرد بڑے کٹھور ہوتے ہیں۔ کلیوں کو چوم کر اس طرح اڑ اور ہی گلستان میں نظر آتے ہیں۔"
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی!" نادرہ کے
"میں اس نوجوان کا ذکر کر رہی ہوں جس کے ساتھ وقت گزارا ہے۔"
"اس معاملے سے آپ کا کیا تعلق؟" وہ تیز ہو کے نجی معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں۔"
"لڑکیوں پر اپنے حق کو میں مسلّم سمجھتی ہوں۔"
"آپ یہاں سے جا سکتی ہیں!" نادرہ کے چہ پھیل گئی۔
"میں چاہتی تھی کہ تم اس موضوع پر سنجیدگ میں نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن..... خیر!..... تم اگر اس نہیں کرنا چاہتیں تو میں تمہاری ممی سے مل لیتی؛ دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔
"ٹ..... ٹھہریئے!" اس نے جلدی سے
اور میں نے سر گھما کر شرارتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا پر غصے کی جو سرخی پیدا ہوئی تھی، اس کا اب نام و نشا
"کہو!" میرے لہجے میں چہکار تھی۔
"آخر آپ چاہتی کیا ہیں؟" نادرہ کے لہجے میں
"بس یہ چاہتی ہوں کہ تم اس نوجوان سے ملنا
"کیا پرویز آپ کا کوئی عزیز ہے؟"
"مجھے عزیز تو صرف تم ہی ہو سکتی ہو!" میں نے پیار اس پر نچھاور کیا۔
"آپ....." وہ اپنی بات پوری نہ کر سکی اور ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ اس کے چہرے سے گھ مترشح تھی اور آنکھوں میں الجھن تھی۔
"پرویز کوئی اچھا لڑکا نہیں ہے۔" میں نے اچھا ہے نہ اس کا خاندان۔"
"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں!" نادرہ بولی۔ "ان کے میں ایک اہم عہدے پر فائز ہیں۔"
"شرافت کی کسوٹی عہدے نہیں ہوتے۔"
"آپ..... آپ آخر..... کون ہیں؟"
"ایسے معاملات میں تو خدائی فوجدار ہی کہا میں نے مسکرا کر کہا۔ اسی وقت میری نظر کھلتے ہوئے د اور میں نے ایک معمّر عورت کو باہر نکلتے دیکھا۔ شکل پیشِ نظر میں اسے نادرہ کی ماں ہی سمجھ سکتی تھی۔ میں نے لیکن جلدی سے کہا۔ "میں اب چلتی ہوں کیونکہ

ں کے سامنے پرویز کی گفتگو نہیں کرنا چاہتیں اس لئے
رقت ملوں گی۔ وہ میرے بارے میں پوچھیں تو کوئی
ہنا، خدا حافظ۔"
باہر آنے والی عورت سے اس طرح نظریں چرائی تھیں
ہاں نہ ہو اور نادرہ سے ہاتھ ملا کر پھاٹک کی طرف بڑھتی
پھاٹک سے نکل کر میں متجسس نظروں سے اطراف کا جائزہ
ے قریب پہنچی اور دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر

ک ایسی لڑکی تھی کہ اس سے یہ سرسری سی ملاقات بھی مجھے
امکان تھا کہ میں اسے "راہِ راست" پر لانے میں کامیاب
ب دیکھنا یہ تھا کہ جاگیردار کا نشانہ یہی ہے یا میں
یچھے لگ گئی تھی۔ زیادہ قوی امکان اب مجھے یہی نظر
ادانے کی غلطی ہوئی تھی۔ محکمۂ خارجہ کے کسی اہم عہدیدار
شوکت جیسے جرائم پیشہ لوگوں کا آلۂ کار نہیں بن سکتا تھا۔
ہوٹل پہنچی تو تین بجنے والے تھے۔ میں تیزی سے زینے
دوسری منزل پر تھے۔ جب میں نے پہلی منزل کے
تو دوسری منزل سے نیچے آتا ہوا ایک آدمی مجھ سے
۔
وہ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھا لیکن ایک دم اس طرح
ٹھٹھکا ہو۔ "آپ صبیحہ بانو ہیں؟" اس نے پوچھا۔
ی کے منہ سے اپنا نام سن کر میں حیران رہ گئی۔ "ہاں۔" میرے
کلا۔ "کیا بات ہے؟"
راہے کی طرف سے آئی ہیں یا دائیں طرف سے؟"
ہنے سے۔" میں نے پھر بیساختہ جواب دیا۔
اگر آپ دائیں چوراہے کی طرف سے آتیں تو آپ کو
ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ ایک صاحب کی ٹانگ ٹوٹ
ہوٹل میں ہیں۔ ایکسیڈنٹ کے بعد سب سے پہلے میں
تھا۔ انہوں نے مجھے اس ہوٹل کا پتہ بتا کر کہا کہ میں
پہنچا دوں۔ اس سے پہلے کہ پولیس انہیں ہاسپٹل لے جائے،
کر لینا چاہتے ہیں۔"
دل پر دورانِ خون کا شدید ٹکراؤ محسوس ہونے
آدمی سے پوچھا۔ "کیا وہ صاحب چاکلیٹی پتلون پہنے

"ہاں۔" اجنبی نے جلدی سے کہا۔
منہ سے پلٹی اور تیزی سے زینے طے کرتی چلی گئی۔
سوچا دیکھا کہ اجنبی میرے پیچھے آ رہا ہے یا نہیں۔ چاکلیٹی
جو اس پر بجلی بن کر گری تھی۔ وہ شخص رضوان کے

سوا کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ غالباً دشمن ہی نے اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی ہو گی لیکن بات صرف ٹانگوں پر بیت گئی تھی۔ میرے ذہن میں ایک خیال یہ بھی چکرا رہا تھا کہ رضوان نے دشمن کے بارے میں کوئی اہم ترین بات معلوم کر لی تھی اور مجھے جلد از جلد اس سے باخبر کر دینا چاہتا تھا۔
میں افتاں و خیزاں اس چوراہے پر پہنچ گئی جس کا ذکر اجنبی نے کیا تھا لیکن مجھے وہاں کسی ایکسیڈنٹ کے آثار نہیں دکھائی دیئے۔ سب کچھ معمول کے مطابق نظر آ رہا تھا۔
"کیا ابھی یہاں کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا؟" میں ایک دوکاندار سے پوچھ بیٹھی۔
"یہاں تو مہینوں سے کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔" دوکاندار نے جواب دیا اور مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔
یہ میرے اعصاب پر دوسرا ازدھا تھا۔ حماقت، حماقت، حماقت!
میرا ذہن چیخ اٹھا اور میں پلٹ کر ایک بار پھر تیزی سے چل پڑی۔ وہ اجنبی بڑی صفائی سے مجھے بے وقوف بنا گیا تھا اور اس طرح بے وقوف بنانے کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے اوپر جانے سے روکنا چاہتا ہو گا۔ یقیناً اس وقت اوپر کوئی گڑبڑ ہو رہی ہو گی۔ ممکن ہے کہ ان لوگوں نے ریشماں کے اغوا کی منصوبہ بندی کی ہو۔
ہوٹل کے زینوں پر بھی میں زقندیں بھر رہی تھی۔ جن لوگوں نے مجھے اس حال میں دیکھا، ان کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے لیکن مجھے اس وقت کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ میں آندھی، طوفان کی طرح اپنے کمرے کے سامنے پہنچ گئی اور ریشماں کو آواز دینے کی بجائے ہینڈل گھما کر دروازے پر دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ میں تیزی سے اندر داخل ہو گئی۔ یہ نشست کا کمرہ تھا اور خالی پڑا تھا۔ میں تیزی سے اندرونی کمرے کی طرف لپکی۔ دروازے پر رک کر میں نے آہٹ لینے کی کوشش کی مگر اس کمرے میں بھی سناٹا ہی معلوم ہوتا تھا۔ قدرے توقف کے بعد میں دروازے پر دباؤ ڈالتی ہوئی اندر داخل ہو گئی اور داخل ہوتے ہی مجھے یوں لگا جیسے تاریخ کا سب سے بڑا زلزلہ آ گیا ہو۔
سامنے بستر پر ریشماں کی لاش پڑی تھی۔ ایک چاقو اس کے سینے میں دستے تک پیوست تھا اور خون کی سرخی بستر کے خاصے بڑے حصے کو رنگین کر چکی تھی۔
چند لمحے تو میرے ذہن پر چھائے ہوئے سناٹے میں دھول سی اڑتی رہی اور پھر میرے منہ سے ایک سسکاری سی نکل گئی جو "ریشماں" کے نام سے متشکل تھی۔ میں نے بے اختیار آگے دوڑ کر ریشماں کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔
"یہ تجھے کیا ہو گیا ریشی!" میری تیز سرگوشی کمرے میں پھیل گئی۔
"یہ تجھے اس تاریک غار میں کس نے دھکیل دیا؟"

لیکن ریشمی اس تاریک غار کی اتنی گہرائی میں اُتر چکی تھی کہ میری آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ سکی۔ اس کے شرارتی لب، ساکت تھے اور تیکھی چتونیں، ڈھیلی پڑ چکی تھیں لیکن چہرے کے گلاب کی تروتازگی ابھی باقی تھی۔ میرے ہاتھ ٹھنڈے پڑ چکے تھے اور میں ان پر اسکے چہرے کی گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ میری ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اُسے تکتی رہیں اور میرا رُواں رُواں اُسے پکار تا رہا۔ اس وقت میری جذباتی کیفیت کسی متلاطم سمندر کی سی تھی لیکن اس کی صحیح عکاسی کرنے سے میں قاصر ہوں۔ میرے دماغ میں ان گنت رنگ سے بکھرے ہوئے تھے اور ان رنگوں میں کہیں چنگاریاں سلگ رہی تھیں، کہیں شعلے بھڑک رہے تھے۔ دل کی گہرائی میں کہیں کوئی ناؤ ڈوبتی جا رہی تھی۔

ایک پل کے لئے مجھے یوں لگا جیسے ریشماں کہہ رہی ہو۔ دیکھ لیا بانو! میں آپ کے جلنے سے بے سبب تو نہیں گھبرا رہی تھی۔

"ہاں رشو!" میں بڑبڑائی "لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ تو مستقبل میں جھانک سکتی ہے۔" میری زبان سے افسانوں کے سے الفاظ ادا ہونے لگے۔ "میری جان! میری رشو! میں تیری جوان مرگی کی قسم کھاتی ہوں، تیرے اس خون کی سُرخی سے میں تیرے قاتلوں کا ملبوس رنگوں گی۔"

میں آہستہ آہستہ سیدھی کھڑی ہوتی چلی گئی۔ اب میری مٹھیاں بھنچ گئی تھیں اور دانت پر دانت بڑی سختی سے جمے ہوئے تھے۔ اگر میں اس وقت آئینہ دیکھتی تو شاید مجھے اپنے چہرے پر برستی ہوئی وحشت سے خوف آنے لگتا۔

دفعتاً مجھے دھمک سُنائی دینے لگی۔ کوئی میرے دماغ کو جیسے کوٹے ڈال رہا تھا۔ میں فوری طور پر تو سمجھ ہی نہ سکی کہ وہ دھمک وزنی جوتوں کی تھی۔ پھر دروازہ کھلنے کی آواز بھی مجھے زوردار دھماکے کی طرح محسوس ہوئی اور میری نظریں اس طرف اُٹھ گئیں۔

دروازے میں پولیس کھڑی ہوئی تھی۔

میں خالی خالی نظروں سے ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا دیکھ رہی ہوں اور کیا ہو رہا ہے۔

وزنی جوتوں کی دھمک آگے بڑھی اور جب پولیس آفیسر میرے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تو ایک سسکتی ہوئی طویل سانس میرے پھیپھڑوں سے آزاد ہو گئی۔ میں پلکیں جھپکاتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ میری ذہنی حالت پوری طرح نہیں سنبھل سکی تھی، تاہم میں نے اتنا ضرور سمجھ لیا کہ ایک قتل ہو گیا ہے اور اس قتل کے سلسلے میں پولیس وہاں پہنچ چکی ہے۔

"آپ خود کو زیرِ حراست سمجھیں۔" پولیس آفیسر کا لہجہ کسی کھردری چٹان کی طرح محسوس ہوا۔

مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ صورتِ حال بڑی گمبھیر ہے لیکن میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ میں اس سے کس طرح نبرد آزما ہو سکوں گی۔ مجھے اب اپنی اس وقت کی حالت پر تعجب ہوتا ہے۔ نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔

آخر ایسی کیا بات تھی ریشماں میں کہ اس کے قتل نے کو بُری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں ڈگمگاتے پڑی ہوئی ایک کرسی کی طرف بڑھی اور اس پر ڈ وجود کے اندر سے چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ اپنے آ اپنے آپ کو سنبھالو!

میں اپنی پیشانی ملنے لگی۔ شاید اس طر بھونچال پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کچ اسی طرح گزار دیا اور خود پر قابو پانے میں بڑی بھی ہو گئی۔ اب میں نے سر اُٹھا کر کمرے کا جائزہ سے میں نے دانستہ نظریں چرائی تھیں لیکن یہ د کہ پولیس والے لاش کے قریب موجود ہیں۔ میرے کی طرف دیکھا جو میرے قریب ہی کھڑا، بغور کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں اب اس حد تک سو چ گئی تھی کہ سازش کی بُو سونگھ سکوں۔ پولیس کا پہنچنا، سازش کی طرف اشارہ، اس لئے نئے اس کمرے سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی تھ تو پہلے ہی کیا جا چکا ہوگا لیکن پولیس کو اس و ہو گی جب میں نادرہ کے گھر سے سیدھی ہوٹل کو وہاں پہنچنے میں کچھ وقت لگتا لہذا قاتلوں مجھے فرضی ایکسیڈنٹ کا ڈرامہ دکھا کر ذرا دیر دور کر دیا۔

"خاتون!" پولیس آفیسر نے مجھے مخ آپ بتائیں گی کہ آپ نے اپنی ساتھی لڑکی کو کیو کون تھی؟"

"یہ ایک مظلوم لڑکی تھی۔" میں نے بھر "اور میں اس کی مدد کرنا چاہتی تھی۔"

"قتل کر کے؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"اسے میں نے قتل نہیں کیا۔"

"خوب! تو پھر کس نے کیا ہے؟"

"یہ معلوم کرنا پولیس کا کام ہے۔" میرا چکی تھی جس کے باعث میرا اندازِ گفتار خاصا میرا یہ جواب سنکر پولیس آفیسر کی پیشانی پر بل پڑ تیکھے انداز میں دیکھنے لگا۔

میں اٹھی اور نظریں جھکائے ہوئے بڑھ گئی۔ باتھ روم میں جا کر میں نے منہ پر چھینٹ مارے، کُلّی کی، اور دو گھونٹ پانی پی بھی لیا کچھ اور سنبھل گئی۔ اب میرے ذہن نے تیزی تھا۔ میں اس سازش کے تانے بانے سے اُلجھ

کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ فی الحال میرے سامنے من تھے۔ کیپٹن آفاق، ڈاکٹر فونگ اور جاگیردار شوکت!... لزد کو ایک ہی خانے میں رکھا جا سکتا تھا لیکن آفاق کی حیثیت تھی۔ اس کے بارے میں میرا خیال یہ تھا کہ پریسیڈنٹ کی سرزنش امنی جلدی مجھ پر کوئی وار کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا لیکن اور جاگیردار شوکت کا معاملہ بھی اُلجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس بات کا علم کیسے ہوا کہ میں اور ریشماں اس ہوٹل میں !

یہ سوچتی ہوئی غسل خانے سے نکلی اور "قتل گاہ" میں رُکے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی۔ پولیس آفیسر نے تیزی سے رُکنے کی کوشش کی تو میں نے تلخی سے کہا "میں رہی ہوں آفیسر!... گفتگو کے لئے بیرونی کمرہ مناسب

کی بات پولیس آفیسر کی سمجھ میں آ گئی اور وہ میرے ساتھ کمرے میں آ گیا۔

اس لڑکی کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہتا ہوں۔"

سامنے میں کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا اور سب کچھ بیان کرنا شروع کر دیا۔ کوئی بات چھپانے کی لئے نہیں تھی کہ اسی شہر کے ایک اور علاقے کی پولیس یہ بتایا ہی جا چکا تھا۔

بیان نے پولیس آفیسر کے چہرے پر تحیر کی جھلکیاں جب میں چپ ہوئی تو وہ اُٹھ کر اس صوفے پر جا بیٹھا جس پر ٹیلیفون رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور کا۔ آپریٹر سے رابطہ قائم کر کے اس نے اس پولیس تھانہ جس کے دو افسروں نے ہاسپٹل کے ایک کمرے ہا تھا۔

گزرنے کے ساتھ، جیسے جیسے میری حالت ٹھیک ہوتی نئے نئے نکتے سوجھ رہے تھے۔ اب مجھے رحم دین اور بھی پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ اگر یہ فرض کر لیا جاتا میں جاگیردار شوکت کا ہاتھ تھا تو پھر رحم دین اور ابھی خطرے سے دوچار ہو سکتی تھی۔

خیالات سے اس وقت چونکی جب پولیس آفیسر نے سب انسپکٹر جعفر کو یہیں بلوا لیا ہے۔"

اس طرح سر ہلایا جیسے اس معاملے سے میرا کوئی تعلق کر ٹیلیفون کے قریب پہنچ گئی اور جب میں نے

آفیسر بول پڑا۔ "آپ کسے فون کر رہی ہیں؟"

میں نے جواب دیا اور ہوٹل کے آپریٹر سے رابطہ قائم کرنے کے لئے "ایک" ڈائل کیا۔

چار بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے اس لئے امکان یہی تھا کہ وکیل اپنے دفتر میں موجود ہوگا۔ میں نے اس کا نمبر ہوٹل کے آپریٹر کو بتایا۔ جلد ہی رابطہ قائم ہو گیا اور ایک مردانہ آواز سُنائی دی۔

"میں صبیحہ بانو بول رہی ہوں اور سعید برکی صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں برکی بول رہا ہوں بانو! کہیئے، خیریت؟"

"آپ سنائیں، معاملات کس حد تک آگے بڑھے؟"

"میں نے جاگیردار شوکت کے خلاف سوٹ فائل کر دیا ہے۔ جلد ہی اسے عدالت میں حاضر ہونے کے لئے سمن تعمیل ہو جائے گا۔"

ایڈووکیٹ کی یہ تیزی میرے لئے تعجب خیز ثابت ہوئی لیکن میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور بولی "پولیس نے اس سلسلے میں کیا کیا؟"

"وہ لوگ جاگیردار کے پاس گئے تو تھے لیکن اس نے اپنی صفائی میں ایک ایسی شہادت پیش کر دی ہے جو مقدمے بازی میں کسی مرحلے پر مجھے بھی خاصا پریشان کرے گی۔" ایڈووکیٹ برکی نے کہا۔ "جاگیردار نے بیان دیا ہے کہ کل رات شفیق زبیری صاحب اس کے مہمان تھے اور....."

"شفیق زبیری کون؟" میں بیچ میں بول پڑی۔

"یہ محکمۂ خارجہ کی ایک اہم شخصیت ہیں۔" ایڈووکیٹ نے جواب دیا اور پھر بولا۔ "جاگیردار کا بیان ہے کہ وہ کل رات اس کے گھر پر مدعو تھے اور کھانے کے بعد انہوں نے ساری حویلی دیکھی تھی۔ وہ دیہات کا طرزِ تعمیر دیکھنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ایک ایک گوشہ دیکھا تھا اور اب وہ پولیس کو بتا سکتے تھے کہ وہاں دو آدمی تو کجا بلی کا ایک بچہ بھی قید نہیں تھا۔"

"خوب!" میں نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ محکمۂ خارجہ کے حوالے نے مجھے نادرہ کے محبوب پرویز کی یاد دلا دی تھی۔ اس کا باپ بھی محکمۂ خارجہ کے کسی اہم عہدے پر فائز تھا۔ کم از کم نادرہ سے مجھے یہی بات معلوم ہوئی تھی۔

"آپ کہاں سے بول رہی ہیں؟" ایڈووکیٹ برکی نے مجھے چونکا دیا۔

"میں اپنے ہوٹل ہی سے بول رہی ہوں مسٹر برکی!... خواجہ صاحب کہاں ہیں؟"

"وہ اپنے گھر گئے ہیں۔ ابھی کوئی پندرہ منٹ پہلے تو یہیں تھے۔"

"برکی صاحب! آپ فوراً ان کے پاس پہنچئے۔ مجھے شبہ ہے کہ ان کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"وہ کیسے؟" ایڈووکیٹ نے چونک کر پوچھا۔

"یہاں کسی نے ریشماں کو قتل کر دیا ہے۔"

"ارے!" ایڈد کیٹ اپنی کرسی پر اچھل ہی پڑا ہوگا۔
"کیا پولیس وہاں موجود ہے؟" ایڈد کیٹ برکی نے تیزی سے پوچھا۔
"جی ہاں۔"
"اچھا میں آرہا ہوں۔"
میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ پولیس آفیسر بڑی توجہ سے میری باتیں سُن رہا تھا سلسلہ منقطع کرنے کے بعد میں نے پھر ہوٹل کے آپریٹر کو رِنگ کیا اور اس سے بولی "پریسیڈنٹ ہاؤس سے ملاؤ!"
میرے اس مطالبے پر پولیس آفیسر بڑی طرح چونکا تھا لیکن میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ کچھ ہی دیر میں پریسیڈنٹ ہاؤس کی لائن مل گئی۔
"ہیلو! پریسیڈنٹ ہاؤس" آواز آئی۔
"میں صبیحہ بانو بول رہی ہوں اور فوری طور پر آنریبل پریسیڈنٹ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"
"پہلے آپ ان کی سکریٹری سے بات کر لیجئے!"
"چلو ملاؤ!" میں نے کہا۔
جلد ہی سکریٹری سے بھی رابطہ قائم ہو گیا اور اس نے میرا مطالبہ سُن کر کہا "اس وقت تو آپ پریسیڈنٹ سے بات نہیں کر سکتیں۔"
"کیوں!" میں نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔
"پریسیڈنٹ، عنقریب جاپان جانے والے ہیں اور اسی سلسلے میں ایک اہم میٹنگ ہو رہی ہے۔"
"میٹنگ کب ختم ہو گی؟"
"اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"
"خیر، میں پھر فون کروں گی۔" میں نے کہا اور سلسلہ منقطع کر کے پولیس آفیسر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔ میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "چونکہ آپ نے مجھے حراست میں لے لیا ہے اس لئے میں نے سوچا تھا کہ پریسیڈنٹ کو اس کی اطلاع دے دوں۔ یہ خبر ان کے لئے بہت دلچسپ ہوتی کہ صبیحہ بانو کو ایک قتل کے شبہے میں زیرِ حراست لیا گیا ہے۔"
"اوہو! آپ غلط سمجھی تھیں۔" پولیس آفیسر جلدی سے بولا۔ "ہم پولیس والے جب قتل کی کسی واردات پر پہنچتے ہیں تو اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ ہم واقعی ایسا کر گزریں گے یہ تو صرف رسمی سی باتیں ہوتی ہیں۔ ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ شرفا کی عزت سے کھیلیں۔"
میں بیٹھی ہوئی تلخی سے مسکراتی رہی۔ پولیس آفیسر کی باتیں بالکل کھوکھلی تھیں۔ وہ اب مجھ سے مرعوب ہو چکا تھا لہٰذا ایسی باتیں کر رہا تھا۔
قدموں کی آہٹ سُن کر میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ سب انسپکٹر جعفر اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ مجھے گھورتا ہوا آگے آیا اور غراتا ہوا بولا۔
"آپ کا صبح کا بیان بکواس ثابت ہو چکا ہے۔ ا
شخص کے بیان نے جاگیردار شوکت کی پوزیشن بالکل صا
ہے اور....."
"ایک منٹ... ایک منٹ..." پولیس آ
سے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی اور اُٹھ کر اس
پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا "ذرا میرے ساتھ آؤ!"
وہ اسے اندرونی کمرے میں لئے چلا گیا۔
بیٹھی رہی۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ پولیس آفیسر
جعفر کو نرم لہجے میں بات کرنے کی تلقین کرے گا کہ میر
پریسیڈنٹ تک ہے۔
مجھے اطمینان ہو گیا کہ اب مجھے کسی مشکل کا س
پڑے گا۔ گو کہ میں پریسیڈنٹ سے گفتگو نہیں کر سکی
میرا خیال تھا کہ اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آ
کچھ دیر بعد جب سب انسپکٹر جعفر واپس آیا تو اس کا لہجہ
کھو چکا تھا۔ وہ میرے سامنے بیٹھتا ہوا بولا "ہمارے لئے بڑا
حال پیدا ہو چکی ہے خاتون!.... محکمۂ خارجہ کے ایک معزز شخص
شوکت کے حق میں بیان دیا ہے لیکن دوسری طرف ہم آپ کو بھی
سکتے۔ اب ریشماں کے قتل نے معاملات کو اور الجھا دیا ہے۔
بھی مر چکا ہے۔"
"کیا؟" میں اچھل پڑی۔
"جی ہاں۔" سب انسپکٹر جعفر نے سر ہلاتے ہوئے کہا
مجھے نصف گھنٹے پہلے ملی تھی۔ ڈاکٹر بھی حیران ہیں کہ وہ کیسے
تشویشناک نہیں تھی۔ بہرحال لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج
کی موت کا سبب شام تک ہمارے علم میں آجائے گا۔ جب
ملی تھی تو میں نے اس کے بارے میں زیادہ نہیں سوچا تھا لیکن
کے بعد یہ مسئلہ بھی قابلِ غور ہو گیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں
دے دیا گیا ہو!"
میں کچھ نہیں بولی۔ میرے ذہن میں سرخ سرخ
لگے تھے اور مجھے بڑی حد تک یقین ہو چکا تھا کہ ایڈد کیٹ
خواجہ کے قتل کی اطلاع مل گئی۔ رحم دین کی موت میر
زہر ہی کا نتیجہ ہو سکتی تھی اور اس طرح یہ ثابت ہو گیا تھا کہ
شوکت ہی کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ جاگیردار کی قسم
طوفان کی طرح بھی پڑ رہی تھی۔ وہ ہر اس ہستی کو ختم کر دینا
کے لئے مشکلات کھڑی کر سکتی ہو۔
اندرونی کمرے میں ماہرین اپنا کام کرتے
آفیسر سب انسپکٹر جعفر کے ساتھ مجھ سے گفتگو کرتا رہا
لہجے میں اب زمین آسمان کا فرق آچکا تھا۔ وہ بڑی

معاملات نے بڑی پیچیدہ شکل اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے خود
ظاہر کیا کہ اب شاید یہ معاملات، پولیس کے ہاتھ سے سی آئی اے
میں چلے جائیں۔
میں اس گفتگو میں پوری طرح دلچسپی نہیں لے سکی کیونکہ میرا
ذہن الجھا ہوا تھا اور میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔
ایک سپاہی کمرے میں داخل ہوا تو میری نظریں اس کی طرف اٹھیں
کی طرف دیکھے بغیر اپنے آفیسر سے بولا "کوئی ایڈد کیٹ
ہیں۔"
"انہیں فوراً اندر بلا لو!" میں نے جلدی سے کہا اور اضطراب
کھڑی ہو گئی۔
سپاہی نے سوالیہ نظروں سے اپنے افسر کی طرف دیکھا۔
"ہاں ہاں، بلا لو!" آفیسر نے میری تائید کی۔
سپاہی دروازے کی طرف بڑھا تو میرے قدم بھی دروازے
کی طرف چلے گئے۔ میں ان جاں گسل لمحات سے بچنا چاہتی تھی جو
برکی کے اندر آنے میں صرف ہوئے۔ کمرے سے نکلتے
وقت میں سپاہی سے صرف ایک قدم پیچھے تھی اور قدم باہر رکھتے ہی میری
زبان کی ایک طویل سانس نکل گئی۔ ایڈد کیٹ برکی کے ساتھ
خواجہ بھی تھا اور اس کے چہرے پر روہانسی کیفیت صاف نظر
آ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ انہیں ایڈد کیٹ سے ریشماں کے قتل کا علم ہو چکا تھا۔
میں ان دونوں کو اپنے ساتھ اندر لے آئی۔
"وہ ہو گیا بی بی!" خواجہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ مجھ سے
مخاطب تھا۔
"خواجہ صاحب!" میں نے اپنی آواز میں خفیف سی بھی لرزش نہیں
آنے دی۔ "جو کچھ بھی ہوا ہے، اس کا حساب کچھ لوگوں کو چکانا ہی پڑے گا!"
"میں ریشماں کی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" خواجہ نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں
سے اندرونی کمرے کی طرف دیکھا۔ یہ سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں
تھی کہ لاش اندرونی کمرے میں ہو گی۔
"صبر کریں خواجہ صاحب!" سب انسپکٹر جعفر بول پڑا۔
"لاش کا معائنہ ختم ہونے ہی والا ہے۔ اس کے بعد لاش،
پوسٹ مارٹم کے لئے روانہ کی جائے گی لیکن اس سے پہلے آپ اسے ایک

لڑکھڑاتے ہوئے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے
ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا کوئی قریبی عزیز قتل کر دیا گیا ہو۔
ایڈد کیٹ برکی اور میں، دوسروں سے ذرا ہٹ کر بیٹھے تھے۔
وہ صورتِ حال کے بارے میں کرید کرید کر پوچھنے لگا۔
وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میرے بارے میں پولیس کا
میں نے اسے اطمینان دلا دیا کہ پولیس میرے خلاف کوئی
اٹھائے گی۔
"برکی صاحب!" میں نے آہستہ سے کہا "میرے پاس کوئی ثبوت تو نہیں لیکن میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ قتل جاگیردار شوکت نے کروایا ہے۔ الجھن مجھے صرف یہ ہے کہ اسے اس ہوٹل کا علم کیسے ہوا؟"
"جاگیردار کو یہ بات پولیس سے بھی معلوم ہو سکتی ہے۔"
"گویا سب انسپکٹر جعفر؟"
"وہ جعفر بھی ہو سکتا ہے اور اس کا کوئی دوسرا ساتھی بھی۔"
"کیا آپ کو رحم دین کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے؟"
"رحم دین کے بارے میں؟" ایڈد کیٹ برکی نے تیزی سے کہا۔ "کیا ہوا رحم دین کو؟"
"وہ بھی ختم ہو چکا ہے۔"
ایڈد کیٹ چند لمحوں کے لئے سناٹے میں آ گیا۔
میں نے قدرے توقف کے بعد وہ گفتگو بھی دُہرا دی جو رحم دین کے سلسلے میں سب انسپکٹر جعفر سے ہوئی تھی۔ ایڈد کیٹ کے چہرے سے بے حد پریشانی ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "پھر تو خواجہ صاحب کی زندگی بھی خطرے میں ہے!"
"یقیناً۔"
"میں اس سلسلے میں کوئی ٹھوس قدم اٹھاؤں گا۔" ایڈد کیٹ نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔
کچھ دیر بعد پولیس آفیسر نے میرے قریب آ کر کہا "اس کمرے کو تو سیل کر دیا جائے گا۔ منیجر سے کہہ کر میں آپ کے لئے دوسرے کمرے کا بندوبست کروائے دیتا ہوں۔"
"اس کی ضرورت نہیں۔ برابر کا کمرہ بھی میرے تصرف میں ہے۔"
"آپ کے ساتھی مسٹر رضوان کہاں ہیں؟" سب انسپکٹر جعفر پوچھ بیٹھا۔
"وہ اپنے کسی دوست سے ملنے گئے ہوئے ہیں؟" میں نے جواب دیا۔
پھر جعفر نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے پریسیڈنٹ ہاؤس فون کر کے ان لوگوں کو خاصے رُعب میں لے لیا تھا۔
"میں اب اسی برابر والے کمرے میں جا رہی ہوں۔" میں پولیس آفیسر کو بتاتی ہوئی کھڑی ہو گئی اور کہا۔ "میں شاید اعصابی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔"
"ہاں ہاں، آپ آرام کریں۔ اس قسم کے حادثے واقعی اعصاب شکن ہوتے ہیں۔"
"اگر آپ مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہیں تو وہیں آ جائیے گا۔"
"ٹھیک ہے۔"
"آپ خواجہ صاحب کے ساتھ ہی رہیئے گا۔" میں نے ایڈد کیٹ برکی سے کہا۔ "ان کا تنہا رہنا مناسب نہیں ہو گا۔"
"میں یہیں ہوں۔" برکی نے سر ہلا کر کہا۔
میں وہاں سے برابر والے کمرے میں چلی آئی اور میں نے بیرے کو بلا کر اس سے وِسکی منگوائی۔ میری یہ اعصابی تھکن شراب ہی سے

ٹوٹ سکتی تھی۔ شراب کے ساتھ ہی میں نے سگریٹ بھی منگوا لیے۔
شراب کا پہلا پیگ میں نے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا پھر سگریٹ سلگائی اور دوسرا پیگ بنا کر چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔
کوئی نصف گھنٹے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ اس وقت میں تیسرا پیگ ختم کر رہی تھی۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ وہ خواجہ اور ایڈووکیٹ برکی تھے۔ میں انہیں اندر لے آئی۔ تپائی پر رکھی ہوئی بوتل اور گلاس دیکھ کر برکی ٹھٹھکا تو میں بول پڑی۔
"پرواہ مت کریں ٹھیک ہے۔ آیئے بیٹھیں!" میں نے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔
خواجہ کی آنکھوں میں ایسی سُرخی نظر آ رہی تھی جیسے وہ بے تحاشا رو یا ہو۔ غالباً اسے ریشماں کی لاش دکھا دی گئی تھی۔
"لاش پوسٹ مارٹم کے لئے لے جائی جا چکی ہے۔" برکی نے بھرائی ہوئی آواز میں مجھے بتایا۔ "اب کمرے کو سیل کیا جا رہا ہے۔ میں نے سوچا اب جانے سے قبل آپ سے ملتا چلوں۔"
"معاف کیجئے گا۔" میں نے اپنا پیگ تپائی سے اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنے اعصاب کو پُرسکون کرنے کے لئے اس کی سخت ضرورت تھی۔"
"کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ بھی کسی خطرے سے دوچار ہو جائیں۔" ایڈووکیٹ نے خدشہ ظاہر کیا۔
"آپ صرف خواجہ صاحب کی فکر کریں۔"
"میں نے اس سلسلے میں ان دونوں پولیس افسروں سے گفتگو کر لی ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ خواجہ صاحب کی حفاظت کا معقول بندوبست کر دیں گے۔ خدا جانے کیا بات ہے کہ ان لوگوں کے رویے میں اچانک تبدیلی آ گئی ہے اور وہ بجید کو اپر تیو ثابت ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔"
میں نے ایڈووکیٹ برکی کو یہ نہیں بتایا کہ اس کا سبب وہ ٹیلیفون کال ہے جو میں نے پریذیڈنٹ ہاؤس کی تھی۔
وہ ایک رسمی سی باتیں کر کے برکی کھڑی ہو گیا اور اپنے ساتھ خواجہ کو بھی لے گیا۔ میں ان کو دروازے سے رخصت کر رہی تھی کہ پولیس آفیسر قریب آ گیا۔
"فرمایئے!" میرے لہجے میں کچھ چڑچڑاہٹ آ گئی تھی مجھے شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ مجھے تنہائی کی ضرورت ہے۔
"میں صرف یہ کہنے آیا تھا کہ جب آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک ہو جائے تو مجھے اطلاع دے دیجئے گا۔ تفتیش کے سلسلے میں آپ سے کچھ معلومات۔"
"بہتر ہو گا کہ آپ مجھ سے کل صبح مل لیں۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
"بہتر ہے۔" وہ نہایت سعادت مندی کا ثبوت دے رہا تھا۔
میں نے دروازہ بند کیا اور اپنی نشست پر واپس آ کر چوتھا پیگ بنانے لگی۔ میں اتنا پینا چاہتی تھی کہ ہوش ہی نہ رہے اور میں نے اتنی پی ڈالی

مجھے ہوش نہیں رہا۔ میرا آخری احساس یہ تھا کہ میں صوفے پر لیٹ گئی۔ ایک رات کی بیداری اور رادیرے آٹھ پیگ!.... کر بارہ تیرہ گھنٹے تک سوتی رہی آنکھ کھلنے پر جب دن کی روشنی ہوا تھا تو میں بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ بے اختیار میری نظر کلائی کی گھڑی پر گئی۔ ساڑھے چھ بج چکے تھے۔
میں باتھ روم میں گئی اور مُنہ دھو کر لوٹ آئی۔ نہا کر غسل کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے چوبیس گھنٹے سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اب بھوک برداشت سے باہر ہو رہی تھی اس لئے میں نے رُوم سروس سے رابطہ قائم کیا اور ناشتے کے بارے میں کہا۔
جتنی دیر میں ناشتہ آیا، گذشتہ روز کے سارے واقعات کی طرح میرے ذہن کے پردے پر منعکس ہو چکے تھے۔ مجھے رضوان حق کا بھی خیال آیا تھا۔ کمانڈر حق کے بارے میں، میں اس کا اندازہ کر سکتی تھی کہ وہ اس وقت اسی ہوٹل میں موجود ہو گا لیکن رضوان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔
ناشتے کے ساتھ بیرا اخبار بھی لے کر آیا تھا۔ خبار رکھ کر میں ناشتے میں مصروف ہو گئی۔ بیرے نے بوتل اٹھا کر پیگ گلاس وغیرہ سمیٹ کر رخصت ہو گیا۔
ناشتہ کرنے کے بعد میں نے اخبار اٹھایا۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ ریشماں کے قتل پر اخبار کے تاثرات کیا ہیں لیکن اس وقت مجھے حیرت ہوئی جب ریشماں کے قتل کی کوئی چھوٹی سی خبر بھی دکھائی دی۔ اس کی تلاش میں، میں نے تمام چھوٹی بڑی سُرخیاں پڑھ ڈالیں۔ اخبار ایک طرف ڈال کر میں سوچ میں پڑ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خبر کی اشاعت رکوائی گئی ہو۔ لیکن رکوانے والا کون تھا، اس کا اندازہ لگانا میرے لئے مشکل تھا۔
سگریٹ ختم کر کے میں اٹھی اور کمرے سے نکل آئی۔ میں بڑی آسانی سے معلوم کر سکتی تھی کہ کمانڈر حق کس کمرے میں ہے لیکن مجھے یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ اچانک کمانڈر حق دکھائی دے گیا جو راہداری کے سرے پر کھڑکی کے قریب کھڑا ہوا تھا جس کے شیشوں سے سڑک کے رُخ کا منظر نظر آتا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور تیر کی طرح آ گیا۔
"گڈ مارننگ یور ہائی نس!" اس نے قریب آ کر کہا۔
"مارننگ۔" میں نے جواب دیا اور دروازہ کھولتی ہوئی بولی۔ "آؤ!"
میں اسے کمرے میں لے گئی۔
"میں کل رات یہاں پہنچا تھا یور ہائی نس! آپ کے دروازے پر ہلکی سی دستک بھی دی تھی۔ جواب نہیں ملا تو میں سمجھا کہ آپ سو گئی ہیں لہٰذا....."
"روپے لائے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ

"ہاں۔" کمانڈر حق نے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر میز پر رکھ دی۔
"فی الحال تمہارے لئے ایک چھوٹا سا کام ہے۔" میں نے کہا۔ "اس گڈی میں سے کچھ نوٹ نکال لے جاؤ اور بازار سے دو ساڑیاں خرید لاؤ۔ میرے پاس کوئی لباس نہیں ہے اس لئے کپڑے لیکر درزی کو دے دینا۔ وہ بلاؤز کل تک مل جائیں تو حرج نہیں ہے لیکن ایک بلاؤز اور ایک پیٹی کوٹ اسی وقت سلوا لاؤ، خواہ کتنے ہی پیسے دینا پڑیں۔"
میں نے ایک کاغذ پر اپنے بلاؤز کی ناپ لکھ کر دے دی اور وہ فوراً ہی رخصت ہو گیا۔
میرا لباس اب بالکل میلا کچیلا ہو چکا تھا اس لئے میں دوسرے لباس کے بغیر باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ مجبوراً اب صرف یہی ہو سکتا تھا کہ کمرے میں بیٹھے بیٹھے ان حالات کا تجزیہ کرتی رہوں جو گذشتہ چوبیس گھنٹوں میں پیش آ چکے تھے۔ ریشماں سے ڈرامائی ملاقات سے لے کر اس کے ڈرامائی قتل تک کے واقعات ایک بار پھر میرے ذہن میں گردش کرنے لگے اور اس واقعاتی کہانی میں ایک کردار نادرہ کا بھی تھا۔ وہ جس لڑکے سے محبت کرتی تھی، اس کا باپ محکمۂ خارجہ میں عہدیدار تھا اور جس شخص نے جاگیردار شوکت کے حق میں گواہی دی تھی، وہ بھی محکمۂ خارجہ سے تعلق رکھتا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ یہ معاملہ کسی ایک ہی شخص کا تو نہیں ----؟
اس سوال کا جواب نادرہ ہی سے مل سکتا تھا۔ میں نے اس سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی ساڑھے سات ہی بجے تھے۔ امکان تھا کہ وہ کالج کے لئے روانہ نہیں ہوگی۔ میں ٹیلیفون پر رابطہ قائم کر سکتی تھی لیکن مجھے اس کا نمبر نہیں معلوم تھا۔ نمبر کے لئے مجھے ٹیلیفون ڈائرکٹری کا سہارا لینا پڑا۔ میں نے کوٹھی میں داخل ہوتے وقت، پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر شمشیر زماں کا نام میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔
راولپنڈی میں اس نام کا کوئی دوسرا آدمی ہرگز نہیں تھا۔ اگر تھا بھی تو میں ڈائرکٹری میں اس شمشیر زمان کا انتخاب کرتی جو سیٹلائٹ ٹاؤن کا ہوتا۔ بالفرض اگر سیٹلائٹ ٹاؤن میں بھی اس نام کے آدمی نکل پڑتے تو میں یکے بعد دیگرے ان سب کو فون کر کے نادرہ کے بارے میں پوچھتی لیکن میری یہ توقع درست نکلی کہ ڈائرکٹری میں شمشیر زمان نام کا ایک ہی آدمی نظر آیا۔ میں نے نمبر ذہن نشین کر کے ڈائرکٹری بند کی اور ریسیور اٹھا کر نمبر ملایا۔
اس کے بعد جب رابطہ قائم ہو گیا اور "ہیلو" کی مردانہ آواز سنائی دی تو میں نے کہا۔ "ذرا نادرہ سے بات کروا دیجئے!"
دوسری طرف سے بولنے والا شاید کوئی ملازم تھا۔ اس نے کہا۔ "چھوٹی بی بی ناشتہ کر رہی ہیں۔ آپ ذرا رکیں، میں انہیں اطلاع کرتا ہوں۔"
"اچھا۔" میں نے کہا اور انتظار کرنے لگی۔
یہ انتظار ایک منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا۔ مجھے دوسری طرف سے نسوانی آواز سُنائی دی۔ "ہیلو!"
"نادرہ؟" میرا لہجہ سوالیہ تھا۔
"بول رہی ہوں۔" جواب ملا۔
"اور سُناؤ! تمہارے محبوب پرویز کا کیا حال ہے؟"
دوسری طرف چند لمحے کے لئے سناٹا چھا گیا، پھر بھرائی آواز سُنائی دی۔ "تم کون ہو؟"
"وہی۔" میں نے پُراسرار لہجے میں کہا۔ "تمہاری نئی دوست!۔ کل میں تمہارے گھر کے پورٹیکو میں تم سے ملی تھی۔ یاد آیا؟"
"آخر تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو؟" نادرہ روہانسی ہو گئی۔
"تمہارے کمرے پر سیل لگی ہوئی ہے!"
"ہاں۔" میں نے اپنی نشست کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
"محبت کی بات ہے۔ میں اس سلسلے میں تم سے تفصیلی گفتگو کرنا چاہتی تھی۔" میں نے کہا پھر اپنے ہوٹل کا نام اور کمرے کا نمبر بتا کر بولی۔ "اس وقت کالج جانے کے بجائے سیدھی یہیں آ جاؤ۔ یہ ایک بھرا پُرا ہوٹل ہے اور میں بھی تمہاری طرح عورت ہوں لہٰذا تمہیں میری طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیئے۔ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"
"لیکن میرے پاس فضول باتوں کے لئے بالکل وقت نہیں ہے۔" نادرہ کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔
"اگر تم ساڑھے نو بجے تک یہاں نہ آئیں تو میں یہ فضول باتیں کرنے کے لئے تمہارے گھر پہنچ جاؤں گی۔" میں نے کہا اور پھر جواب سُنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔
چارہ پھینکنے کے بعد مجھے اس بات کا انتظار کرنا تھا کہ مچھلی پھنستی ہے یا نہیں؟ میری دانست میں دونوں امکانات پچاس پچاس فیصد تھے۔ انتظار کی اُلجھن سے بچنے کے لئے میں نے شراب کی بوتل اُٹھائی اور ایک پیگ بنا کر چھوٹے چھوٹے گھونٹ پینے لگی۔ وہ پیگ ختم کر کے دوسرا پیگ بنایا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔
"آ گئی۔" میں زیرِ لب بڑبڑا اُٹھی۔
اتنی جلدی آنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ فوراً ہی اپنے گھر سے روانہ ہو گئی تھی۔
لیکن جب میں نے دروازہ کھولا تو میری اُمیدوں پر اوس پڑ گئی۔ آنے والا تو رضوان تھا اور اس کے چہرے سے گھبراہٹ مترشح تھی۔
"یہ کیا چکر ہے؟" وہ اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔

"کس چکر کی بات کر رہے ہو؟" میں نے دروازہ بولٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کل اس کمرے میں ایک حادثہ ہو چکا ہے۔"

"کیسا حادثہ!" رضوان کے لہجے کا اضطراب بڑھ گیا۔

"بیٹھ جاؤ اور اطمینان سے سنو!" میں نے پیگ اٹھاتے ہوئے کہا اور ایک گھونٹ لیا۔

رضوان میرے سامنے بیٹھ گیا لیکن اضطراب کے باعث بیٹھنے کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے کسی بھی لمحے اٹھ کھڑا ہو گا۔

"ریشماں کہاں ہے؟" اس کے ذہن میں شکوک ابھر رہے تھے۔

"اسے..... کسی نے..... قتل کر دیا۔" میری آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔

رضوان اس طرح اچھلا جیسے اس کے ننگے بدن سے انگارہ چھو گیا ہو۔

"نہیں۔" اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

ریشماں کے قتل کا ذکر زبان پر لاتے ہی میں اپنے آپ کو مغموم محسوس کرنے لگی تھی۔ میں نے ایک ہی سانس میں وہ پیگ بھی اپنے حلق میں انڈیل لیا۔

"بیٹھ جاؤ!" میں پھر بولی۔ "میں نے کہا تھا کہ اطمینان سے سنو!"

رضوان بیٹھ گیا اور میں نے ریشماں کے قتل کی کہانی تفصیل سے سنا ڈالی۔ اس دوران میں، میں نے وہ پیگ ختم کر کے تیسرا پیگ بھی بنا لیا تھا۔

رضوان نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے میرا چہرہ دیکھتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میرے سنائے ہوئے واقعات کو اپنے ذہن میں دہرا رہا ہو۔

"اب تم بتاؤ!" میں تیسرے پیگ کا پہلا گھونٹ لے کر بولی۔ "تمہاری اب تک کی غیر حاضری کے کیا نتائج نکلے۔"

"میرے پاس سنانے کے لئے کوئی خاص واقعہ نہیں ہے۔" رضوان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر اسے خاص بات کہا جا سکے تو وہ صرف یہ ہے کہ ڈاکٹر فونگ بدستور وہیں مقیم ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود کو میری نظروں سے پوشیدہ سمجھ رہا ہے۔" میں بڑبڑائی۔

"کیا ریشماں کے قتل میں جاگیردار شوکت ہی کا ہاتھ ہے؟" رضوان نے سوال کیا۔

"ان حالات میں کوئی اور نام ذہن میں نہیں آتا۔"

رضوان نے سگریٹ سلگائی اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ میں بھی اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی شراب پیتی رہی۔ کچھ دیر بعد رضوان میرے قریب ٹھٹک کر بولا۔ "رحم دین کی موت کا سبب ابھی نہیں معلوم ہو سکا؟"

"پولیس والوں سے ملاقات ہو تو کچھ پتہ چلے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ رحم دین کی موت بھی طبعی نہیں ہو گی۔"

"تو گویا جاگیردار نے کرم دین کی حویلی پر قبضہ کرنے راہ کے دونوں کانٹے صاف کر دیئے۔"

"لیکن میں اس کی راہ کا ایک ایسا کانٹا بن جاؤں گی جو اس کے دل میں پیوست ہو جائے گا۔" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "ساتھ دینے کے لئے تیار ہو رضوان؟"

"تم کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"میں آج رات کو جاگیردار کی حویلی میں گھسوں گی۔ شاید وہاں سے کوئی ایسی چیز مل جائے جسے اس کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ بات بن جائے گی۔ یہ بھی نہیں تو میں کم از کم جاگیردار کو اپنی موجودگی کا احساس ضرور کرانا چاہوں گی۔"

"تم جذباتی ہوئی جا رہی ہو۔"

"میں ریشماں کے قتل کو فراموش نہیں کر سکتی۔"

"اس چکر میں پڑ کر تم ڈاکٹر فونگ کو بھولی جا رہی ہو۔"

"میں محسوس کر رہی ہوں کہ ڈاکٹر فونگ کا چکر تو لمبا چلے گا لہٰذا میں لگے ہاتھوں ریشماں کے معاملے سے نپٹ لوں۔"

رضوان کے جواب سے پہلے ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ رضوان اس طرف مڑا۔ وہ دروازہ کھولنے کے لئے آگے بڑھا تھا کہ میں کھڑی ہو گئی۔

"ٹھہرو!" میں نے کہا۔ "میں دیکھتی ہوں۔" ممکن تھا کہ اس مرتبہ نادرہ ہی آئی ہو ویسے امکان کسی اور کی آمد کا بھی تھا۔

میں نے دروازہ کھولا تو نادرہ کی شکل نظر آئی۔

"اوہ!..... آؤ!" میرے منہ سے نکلا اور میں ایک طرف ہٹ گئی۔ نادرہ کے انداز سے ہچکچاہٹ ظاہر ہونے لگی۔ اس کی نظریں رضوان پر جمی ہوئی تھیں اور رضوان بھی اسے ہی گھور رہا تھا۔

"رضوان!" میں بولی۔ "مجھے اپنی مہمان سے تنہائی میں بات کرنی ہے۔ تم نیچے ڈائننگ ہال میں میرا انتظار کرو۔"

رضوان بدستور نادرہ کو گھورتا ہوا قریب آیا اور ہوا باہر نکل گیا۔

"اب تو آ جاؤ اندر۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

وہ آ گئی اور میں نے دروازہ بند کر لیا۔

"بیٹھو!" میں نے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس میں رکھی تھیں۔ تپائی پر رکھی ہوئی بوتل اور گلاس پر نفرت بھری نظر ڈالی تھی اور پھر اس طرف سے منہ پھیر لیا۔ غصیلا سا انداز مجھے بڑا بھلا معلوم ہوا۔ وہ کسی روٹھی ہوئی

تھی۔ ایسی لڑکیوں کو زیر کرنے میں مجھے بڑا مزا آتا ہے۔ گزشتہ ... بھی وہ بیحد چست لباس میں تھی اور اس کے جسم کی ... دیکھ کر مجھے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا بدن چٹخا ... اس کا یہی عالم خمار آگیں دیکھ کر کچھ دیر کے لئے میرے ... ریشماں کی موت کے اثرات ہٹ گئے۔

"تمہیں شراب سے نفرت ہے!" میں نے کہتے ہوئے ... ۔

"مجھے ان لوگوں سے بھی ہے جو اس سے نفرت نہیں ..." نادرہ کے لہجے میں آگ گھلی ہوئی تھی۔

... سرکشی کا یہ انداز مجھے بڑا قاتلانہ محسوس ہوا۔ میں نے ... میں بچی ہوئی شراب اپنے حلق میں انڈیلی اور پھر اٹھ ... جا بیٹھی جس کے ایک سرے پر نادرہ بیٹھی ہوئی تھی۔

"... آئی ہوں۔" نادرہ تڑپتی۔ "اب بتاؤ، کیا کہنا ہے؟"

"... باتیں تو الگ رکھو۔ میں انہیں لے کر بھاگنے کی فکر ... ہوں۔"

"... نہیں بولی اور میں نے کتاب میں اس کی گود سے اٹھا کر ... میرے ہاتھ کی انگلیاں ایک لمحاتی کیف سے سرشار ...

"... میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟" نادرہ مجھے گھورتی ہوئی بولی۔

"... اتنی پیاری کیوں ہو کر لوگ تمہارے پیچھے لگ جاتے ..." مسکرا کر کہا۔

"... نہیں، صرف تم ہی پیچھے پڑی ہو۔"

"... پرویز کو حاصل ہے!"

"... اپنے کیا دشمنی ہے!" نادرہ نے جیسے چڑ کر کہا۔

"... ہر اس دشمنی ہے جو خوبصورت لڑکیوں کے پیچھے ...

... اور ہو زمانے بھر کی!"

"... ہوا رہ!" میں نے مسکرا کر اس کی ٹھوڑی پکڑتے ہوئے کہا۔ ... ہاتھ جھٹک دیا اور بولی۔ "یہ تو میں سمجھ چکی ہوں کہ تم ... نا چاہتی ہو لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ اپنی زبان بند ... کتنا روپیہ چاہیے۔"

"... تمہاری محبت چاہیے نادرہ!" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ... وہ چونک کر حیرت سے مجھے دیکھنے لگی۔

"... میں دو چار روز سے زیادہ نہیں رکوں گی۔ میں چاہتی ... تم مجھے بس دو ایک بار مل جانا۔" میں نے کہتے ہوئے ... آغوش میں سمیٹ لیا۔ میری اس حرکت پر وہ ذرا دیر کے لئے بھونچکا سی رہ گئی۔ ان ہی لمحات میں میرے ہونٹوں نے اس کے ترشے ہوئے یاقوتوں کو اپنی پناہ میں لے لیا۔

میں پانچ پیگ پی چکی تھی لیکن اس وقت میں نے جو ساغر پیا، اس کا نشہ بہت گہرا تھا۔ اس خمار سے میرے ہاتھ بھی بہک گئے۔

نادرہ میری اس حرکت پر بوکھلا گئی تھی لیکن جب اس کے حواس بجا ہوئے تو وہ تڑپ کر میری گرفت سے نکل گئی اور ہانپتی ہوئی بولی۔ "تو... تو... تم اس قسم کی..... عورت ہو!"

میں نے دیکھا کہ ذرا سی دیر کے قرب نے اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے بھر دیئے تھے۔ بلاشبہ وہ جوانی کی اس منزل پر تھی جہاں ذرا سی چھیڑ سے جذبات ابل پڑتے ہیں۔

"بس اب فاصلوں کو جنم نہ دو!" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے اس کا بازو تھام لیا۔ "آج کے بعد میں بھول جاؤں گی کہ تم پرویز سے محبت کرتی ہو۔"

بلیک میلنگ کا مطالبہ کھل کر سامنے آ چکا تھا اور نادرہ کے چہرے پر بڑی بے بسی نظر آ رہی تھی۔ جب میں نے دوبارہ اسے اپنی طرف کھینچا تو اس نے خود کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بلیک میل ہونے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ میں نے اس کے جسم کی خوشبوؤں کو اپنی آغوش میں بسا لیا اور ایک بار پھر اس کے ترشے ہوئے یاقوتوں کی نمی اپنے ہونٹوں میں جذب کرنے لگی۔

گزرتے ہوئے لمحات اب جیسے آگ کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ میں اس آگ میں جل رہی تھی اور اپنے قرب کی ہر شے کو اس آگ میں جلا دینا چاہتی تھی۔ میرے ڈگمگاتے اور ادھر سے ادھر گرتے ہوئے ہاتھ، نادرہ کے وجود میں بھی آتش خوابیدہ کو جگا چکے تھے لیکن وہ کوشش کر رہی تھی کہ میں اس کی تڑپ کو محسوس نہ کر سکوں۔ وہ خود کو برف کی ٹھنڈی سل کی طرح پیش کرنا چاہتی تھی لیکن مجھے اس کی آنکھوں میں جذبات کا دہکتا ہوا الاؤ نظر آ رہا تھا۔ اس کے ناہموار سانسوں میں کسی بحر کا ناآسودہ تلاطم محسوس ہو رہا تھا اور کبھی کبھی ہونٹوں سے خطا ہو جانے والی سسکاری میں طلب و رسد کی پکار سنائی دے جاتی تھی۔

کمرے کا سکوت لباس کی سرسراہٹوں سے آشنا ہوا اور ارتقا کا بھرم کھلتا چلا گیا۔ جذبوں کی حیوانیت بے نکیل ہو گئی اور طلب و رسد کی تفسیر رقم ہونے لگی۔ وہ لمحے جو گزر رہے تھے بجا و داں محسوس ہونے لگے۔ بے اعتبار زندگی پر اعتبار آنے لگا اور جب گرداب کی طرح چکراتی ہوئی ہوا رکی تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چند لمحوں میں کئی جگ بیت گئے ہوں۔

کمرے کے سکوت میں سرسراہٹوں کا اعادہ ہوا اور نادرہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ جو سفر طے ہوا تھا، اس کی گرد اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔

میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور مخمور چال چلتی ہوئی تپائی کے قریب گئی۔ ایک پیگ بنایا اور نادرہ کے سامنے جا بیٹھی۔

"میں جاؤں؟" نادرہ کی آواز ایسی تھی جیسے آنا کے شکستہ محل کی آخری دیوار بھی گر گئی ہو۔

"تو تمہیں یقین ہے کہ پرویز ایک شریف خاندان کا چشم و چراغ ہے؟"

"اب تمہیں اس قسم کے سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں۔ میں تمہارا مطالبہ پورا کر چکی ہوں۔"

"لیکن میں تمہیں باخبر تو کر دوں کہ وہ جلال توقیر نامی ایک اسمگلر کا لڑکا ہے۔"

"غلط۔" نادرہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "اس کے والد محکمۂ خارجہ میں ملازم ہیں اور ان کا نام جلال توقیر نہیں بلکہ احمد نیازی ہے۔"

یہ نام سن کر میں نے بے اختیار ایک طویل سانس لی۔ نادرہ کو جھوٹا سمجھنے کا کوئی محل نہیں تھا لہٰذا یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ میرا شبہ غلط تھا۔ جاگیردار شوکت کے حق میں گواہی دینے والی شخصیت پرویز کے باپ کی نہیں تھی۔

میں نے شراب کے دو لمبے گھونٹ لئے اور سوچنے لگی کہ میرا شبہ غلط ثابت ہونے کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں نے نادرہ کے پیچھے لگ کر وقت ضائع کیا ہے۔ ایسی خوش چہرہ اور خوش بدن لڑکیوں کے لئے تو کئی دن بھی صرف کئے جا سکتے ہیں۔

"تو اب میں جاؤں؟" نادرہ پھر بولی۔

"تمہیں ایسی ہی جلدی ہے تو چلی جاؤ لیکن یہ کہنے کے لئے میرا دل نہیں چاہ سکتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نالیا! تم کالج بھی جاؤ گی؟"

نادرہ کوئی جواب دیئے بغیر تپائی کی طرف بڑھی اور اپنی کتابیں اٹھا کر دروازے کی طرف جانے لگی۔ میں نے بھی اس کے پیچھے قدم بڑھائے۔ جب وہ دروازہ کھول کر باہر نکل رہی تھی تو میں بولی "سنو!"

وہ پلٹی۔

"بھول مت جانا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی پنڈی میں دو چار روز اور ہوں اور تمہیں مجھ سے ایک مرتبہ پھر ملنے آنا ہے۔"

"ہوں۔" نادرہ ہونٹ بھینچ کر غرائی اور ایک جھٹکے سے مڑ کر راہداری میں تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

میں نے دروازہ بھیڑ کر پیگ سے ایک گھونٹ لیا اور گنگناتی ہوئی واپس لوٹی۔ ریشماں کی موت نے مجھے مضمحل کر دیا تھا لیکن نادرہ کی رفاقت نے اس کا ازالہ کر دیا۔

کچھ ہی دیر بعد رضوان کمرے میں آ گیا۔ اس نے نادرہ کو ہوٹل سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا ہو گا۔ اندر آتے ہی وہ مجھے بڑی خشمگیں نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کیوں؟" میں مسکرائی۔ "کچھ ناراض معلوم ہوتے ہو!"

"تم ان حالات میں بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ سکیں۔" ... نے جیسے جل کر کہا۔

"جب صورتِ احوال مکدر ہو چکی ہو تو اس کا مداوا نا گزیر ... ورنہ یہ دنیا ہی جہنم بن کر رہ جائے۔"

رضوان منہ بنا کر رہ گیا۔

پھر کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں ... اٹھایا۔ دوسری طرف سے ریسپشنسٹ بول رہا تھا۔ اس نے ... آفیسر مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔

"آنے دو کمرے میں۔" میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر ...

"کون ہے؟" رضوان نے پوچھا۔

"پولیس آفیسر۔" میں نے جواب دیا۔

ذرا ہی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ آنے والا ... ہی تھا۔ میں نے اُسے رضوان سے متعارف کرایا۔ چند رسمی ... اور پھر پولیس آفیسر اصل موضوع پر آ گیا۔

"رحم دین کی پوسٹ مارٹم رپورٹ سے یہ بات ثابت ... کسی نے زہر دیا تھا۔ ہاسپٹل کی ایک نرس کو شبے میں گرفتار کر ... خیال ہے کہ وہ اس معاملے میں کسی کی آلۂ کار بنی ہے۔"

"اس کی حفاظت کیجئے گا آفیسر!" میں نے کہا۔ ... ڈال جائے گی۔"

اس سے پہلے کہ پولیس آفیسر جواب میں کچھ کہتا ... گھنٹی پھر بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھایا۔ یہ کال ایڈو... کی تھی۔

"بالو! کیا آپ ریشماں کی آخری رسوم میں شریک کریں گی؟"

"کب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اسی وقت۔" ایڈووکیٹ نے جواب دیا۔ "ریشما... دونوں ہی کی لاشیں ہمیں آج صبح مل گئی تھیں۔ دونوں کو ... ہے اگر آپ فوراً خواجہ صاحب کے گھر آ سکیں تو قبر ... روانگی کو دس پندرہ منٹ کے لئے ملتوی کیا جا سکتا ہے۔"

"میں آ رہی ہوں۔" میں نے سلسلہ منقطع کیا اور ... سے بولی۔ "میں ایک بار پھر معذرت چاہوں گی۔ مجھے ر... رسوم میں شرکت کے لئے جانا ہے۔"

"اوہ... اچھا، اچھا!" پولیس آفیسر سر ہلا کر کھڑا ... پھر کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔"

میرا لباس تو تبدیل ہو چکا تھا اور میں اس حالت ... سے احتراز کر رہی تھی لیکن ریشماں کی آخری رسوم میں ...

... اتفاق ہی تھا کہ عین وقت پر کمانڈر حق میرے ... بھی بڑی غلطی ... تبدیلی لباس کے فرض سے ... اہمیت میں شرکت کے لئے نیا لباس پہننا کوئی ... ن میں اس پر بھی مجبور تھی۔

❖❖

... اور رضوان ریشماں کے گاؤں کی طرف روانہ ... رضوان ہی ڈرائیو کر رہا تھا اور میں اس کے ... رہی تھی کہ آج کی رات فیصلہ کن بھی ثابت ...

... صاحب کو ساتھ نہیں لیا؟" رضوان بولا۔ ... میں مزید بھاڑ مناسب نہیں رہتی۔" میں نے ...

... سر کر چکی ہو؟"

... آخر تمہارا مطلب کیا ہے؟"

... رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "آخر یہ ... ملا سے عشق کی قائل ہو تو میں تو کچھ اور سوچتا۔" ... ملاست بھی کرتی ہوں مگر نوعیت کچھ بدل جاتی ... وقت میں جاگیردار شوکت سے عشق کرنے ...

... تو آپ جیسی ایک محبوبہ میسر آ جاتی تو آج ... ہوں کی بجائے بھولو کے اکھاڑے میں ...

...

... رہو۔ میں کچھ سوچنا چاہتی ہوں۔

رضوان چپ ہو گیا۔

... تھی جب ہم گاؤں کے قریب پہنچے۔ میں ... جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں رکوا دیا جب ... نظر جیپ پر نہیں پڑ سکتی تھی۔ وہاں سے ... ہم پیدل چل دیئے۔ یہ ایک اچھی بات تھی ... بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ... تھے۔

... چاند پر سے ہٹا اور روشنی پھیلی تو کچھ فاصلے ... لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا مشرق کی طرف چلا جا ... اس کی نظر ہم پر نہیں پڑی ہو گی۔ ... کے منہ سے نکلا۔ "یہ آدھی رات کو جاگیردار ...

... ختہ ہو؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔ ... اتفاق ہوا تھا۔"

"ہمیں اس کے پیچھے چلنا چاہیے۔"

"چلو!"

چاند پر پھر بدلی آ گئی تھی اور اندھیرا چھا گیا تھا۔ ہم اسی طرف چل پڑے جدھر جاگیردار شوکت کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد رضوان بڑبڑایا۔ "یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ جنوں کی گڑھی کی طرف جا رہا ہے۔"

"جنوں کی گڑھی؟" میرے لہجے میں سوال تھا۔

"ہاں، وہ ایک چھوٹا سا شکستہ قلعہ ہے۔ گاؤں والوں کے خیال میں ان کھنڈرات پر جنوں کی حکمرانی ہے۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"بکواس ہو یا کچھ بھی ہو لیکن گاؤں والوں میں ایسا ہی مشہور ہو ..."

میں سوچ میں پڑ گئی۔ کیا جاگیردار شوکت اس شکستہ گڑھی کو اپنے کسی مقصد کے لئے استعمال کر رہا ہے؟ جنوں والی بات میری سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔

رضوان کا خیال ٹھیک ہی ثابت ہوا۔ جاگیردار شوکت کے تعاقب میں ہم اس شکستہ گڑھی تک پہنچ گئے تھے۔ جب ہم نے اس گڑھی میں قدم رکھا تو احتیاط ہمارے اعصاب پر مسلط تھی۔ جاگیردار شوکت ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ ہم اس کی تلاش میں ادھر سے ادھر بھٹکتے پھر رہے تھے۔ چمگادڑوں کی بو سے میری ناک پھٹی جا رہی تھی۔ اور اندھیرے میں ہر پل یہ خدشہ موجود تھا کہ کوئی چمگادڑ ہمارے چہرے سے نہ ٹکرا جائے۔

دفعتاً ایک نسوانی چیخ سے گڑھی گونج اٹھی۔ میں اور رضوان بے ساختہ اچھل پڑے تھے۔ پھر ہم تیزی سے اس طرف لپکے جدھر سے چیخ سنائی دی تھی۔ جلد ہی ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں روشنی تھی۔ وہ ہال کی طرح ایک کشادہ جگہ تھی اور اس کشادہ جگہ میں ایک کوڑا لہرا رہا تھا۔ ایک خوبصورت لڑکی اس کوڑے کی زد میں تھی۔ خوبصورت، برہنہ اور دہشت زدہ لڑکی!

اس لڑکی کا جھلمل کرتا بدن ایسا ترشا ہوا تھا کہ یونانی سنگتراش بھی اُسے دیکھتے تو مبہوت رہ جاتے اور اس اُمنڈتے ہوئے شباب کو تراشنے کی آرزو کرتے۔ میں بھی اگر عام حالات میں اُسے یوں بے نقاب دیکھ لیتی تو میری ان گنت سانسیں مخمور گزرتیں لیکن یہ تو بڑا عجیب وقت تھا۔ ایک ایسا وقت جس کی نسیں کھنچی ہوئی تھیں۔ میری نظروں کے سامنے تشدد کا بازار سجایا جا رہا تھا۔ اس کی دید نے میری آنکھوں میں آگ بھر دی اور سارے جسم میں اشتعال کا الاؤ دہکا دیا۔ یہ منظر ناقابلِ برداشت تھا کہ ایک خوبصورت اور نرم و نازک سی لڑکی ایک سخت، کھردرے اور سفاک کوڑے کی زد میں تھی۔

جس شخص کے ہاتھ میں کوڑا تھا' اس سے میں ناواقف تھی لیکن اس کا قد وقامت اور جثہ اسی شخص کا سا تھا جس کا تعاقب کرتے ہوئے میں اور رضوان یہاں پہنچے تھے۔ گویا میں اس شخص کو جاگیردار شوکت سمجھنے میں حق بجانب ہو سکتی تھی۔ رضوان نے میرے کان کے قریب منہ لا کر سرگوشی کر کے میرے اس خیال کی تصدیق کر دی کہ وہ شوکت ہی تھا۔

میں دیکھ رہی تھی کہ جب لہراتا ہوا کوڑا' فضا میں آندھی کی سی گونج پیدا کرتا تو وہ لڑکی چیختی ہوئی' کسی طرف بھاگ کر خود کو بچا لیتی اور جاگیردار شوکت کا مکروہ قہقہہ' آس پاس پھیلی ہوئی ویرانی کو کچھ اور بھیانک بنا دیتا۔

"خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو! مجھ پر رحم کرو!" لڑکی گڑگڑا رہی تھی۔

رضوان اور میں آڑ میں تھے۔ رضوان میری کلائی تھامے ہوئے تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مجھے کسی بے دریغ اقدام سے باز رکھنا چاہتا ہو اور میں اس انتظار میں تھی کہ جاگیردار شوکت کچھ بولے۔ اس کی زبان سے ادا ہونے والے کسی بھی فقرے سے یہ ظاہر ہو سکتا تھا کہ وہ لڑکی سے کیا چاہتا ہے اور کسے اس طرح دہشت زدہ کیوں کر رہا ہے۔ اس طرح کوڑا لہرانا محض دہشت زدہ کرنے ہی کے لئے تھا کیونکہ اب تک وہ لڑکی ایک بار بھی کوڑے کی زد میں نہیں آئی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جاگیردار شوکت خود ہی کوڑے کو اس طرح جنبش دیتا ہے کہ لڑکی کوشش کر کے اس سے بچ جائے۔

"تاریک گڑھی میں کھیلا جانے والا یہ کھیل ابھی تک میرے لئے بے معنی ہی تھا اور میں اس کھیل کی روح کو جانے بغیر اس میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

لڑکی کی فریادیں جاگیردار شوکت کے وجود میں سوئے ہوئے انسانیت کے پتلے کو بیدار نہ کر سکیں اور وہ خبیث شخص کوڑا لہرا لہرا کر لڑکی کو کسی بندریا کی طرح ناچنے پر مجبور کرتا رہا۔ ایک خوبصورت لڑکی کی یہ تذلیل میری برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھی اور قریب تھا کہ میں دخل اندازی کر بیٹھتی۔

"بس!!" جاگیردار شوکت کی گرجتی ہوئی آواز کے ساتھ کوڑے کی جنبش بھی مفقود ہو گئیں۔ "آج کے لئے اتنا ہی سبق کافی ہے۔ اب تم کپڑے پہن سکتی ہو۔" جاگیردار ایک طرف ہٹا تو میں نے دیکھا کہ وہاں فرش پر کپڑوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔

خوفزدہ لڑکی دونوں ہاتھوں سے اپنے سینے پر کراس بنائے ہوئے لرزیدہ قدموں سے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف بڑھی۔ اس کا انداز سہما سہما سا تھا' جیسے اسے ڈر ہو کہ جب وہ اپنے کپڑوں کے قریب پہنچے گی تو جاگیردار کا کوڑا پھر حرکت میں آ جائے گا اور وہ اپنے کپڑوں کو چھونے سے بھی قاصر رہے گی' لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے اپنے کپڑے اٹھا لئے۔ جاگیردار شوکت چند قدم ادھر ہٹ گیا

محسن جب شعلۂ عریاں کی طرح بصارت کو د
بے تکمیل ہوئے بغیر نہیں رہتے لیکن میں نے اور رضوان
بھیانک ماحول میں دیکھا تھا جہاں دھنک رنگ بنا
امکان مفقود تھا۔

جب لڑکی نے کپڑے پہن لئے تو جاگیردار
اپنے بائیں ہاتھ میں سنبھال لیا اور کسی کو آواز دی۔
مخالف سمت میں تھا۔ وہاں دیوار میں ایک خلا تھی۔
دروازہ بھی رہا ہو۔ جاگیردار کی آواز کے جواب میں
آئے اور حکم طلب نگاہوں سے جاگیردار کی طرف دیکھ
ریشمی کرتے اور لنگی میں ملبوس تھے اور ان کے چہ
برس رہی تھی۔

"اسے لے جاؤ!" جاگیردار نے لڑکی کی طرف
"خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو!" لڑکی پھر گڑ
مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

جاگیردار نے کوئی جواب نہیں دیا اور دونوں
بڑھ کر لڑکی کو اس کے بازوؤں سے پکڑ لیا۔
ادھر ہی لے جا رہے تھے جدھر سے آئے تھے۔
سمت میں یعنی ہماری طرف رخ کیا۔ میں اور رضوان
کھسک کر مکمل تاریکی میں ہو گئے۔ ایک چمگادڑ
میرے سر پر سے گزر گئی۔

قدموں کی آہٹ قریب آتی جا رہی تھی۔
شوکت کا ہیولیٰ نظر آیا۔ میں نے اور رضوان نے
جانے کی کوشش کی اور اس بات کا بھی خیال ر
تک نہ ہو۔

جو حالات سامنے آئے تھے' ان میں تشنگی
تھا' اس لئے تحمل سے کام لینا ایک ناگزیر سی بات
پھٹ پڑتی تو تشنگی کا عالم جوں کا توں رہ جاتا۔
ہی رہ جاتی کہ جاگیردار شوکت اس لڑکی سے کیا چاہتا
ہوا وقت ہی اس حقیقت کے چہرے سے نقاب ا
جاگیردار شوکت کا ہیولیٰ ہماری نظروں سے
تاریکی میں تحلیل ہو گیا۔ امکان یہی تھا کہ وہ واپس
گا۔ میں آہستگی سے کھڑی ہو گئی اور رضوان نے
روشنی کی ہلکی سی کرن بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی
جہاں وہ لڑکی جاگیردار شوکت کی دہشت پسندی
اندھیرا کرنے والے بھی وہی لوگ ہوں گے جو

"اب کیا ارادہ ہے خاتونِ اعلیٰ؟" رضوان

نئے نئے اندازِ تخاطب ڈھونڈ نکالتا تھا۔
"مگر تمہیں اس لڑکی سے ہمدردی تو ہو گی!" میں نے کہا۔

جاننا چاہئے کہ اُسے کہاں قید کیا گیا ہے۔"
انی ہو گا؟"
"نا ابھی مشکل ہے۔ میں ذہنی طور پر الجھ گئی ہوں۔"
الجھن کے بارے میں کیا خیال ہے!"
کچھ کہنے کی بجائے بس جھنجھلا کر رہ گئی۔ رضوان
بھی اپنی دانست میں بذلہ سنجی کا مظاہرہ کر بیٹھتا
نہیں' حماقت سمجھتی تھی۔

کچھ کہے بغیر دبے قدموں آگے بڑھنے لگی۔ اس
چلانا خطرناک سہی لیکن ناگزیر تھا۔ کوئی اجنبی
ت سے سادت نہیں کر سکتی۔ کہیں بھی ٹھوکر لگ
سکتا ہے کہیں بھی کوئی دیوار مزاحم ہو
کی محدود روشنی میں آگے بڑھتی رہی اور
قدم پر چلتا رہا۔

ساری فضا مسموم سی تھی۔ جگہ جگہ مکڑیوں نے
دیواروں کی اینٹیں اور پتھر جگہ جگہ بکھرے ہوئے
دروازے بھی ملے۔ جو دروازے اپنی جگہ پر
خستہ ہو چکی تھی۔

پنسل ٹارچ بجھا دی کیونکہ کہیں قریب ہی سے
میرے پیچھے رضوان بھی رک گیا تھا۔ آوازوں
کے بعد میرے قدم اُس طرف اٹھنے لگے۔ پنسل
اب مجھے بہت احتیاط سے آگے بڑھنا پڑ رہا
کی نفی سے آخر ہم دونوں اس جگہ تک پہنچنے میں
وہ آوازیں آ رہی تھیں وہ ایک کمرہ تھا جس
لگی گئی تھیں اور موکھلے سے بن گئے تھے۔

دوسری طرف دیکھ رہی تھی جہاں وہی دونوں
اس لڑکی کو اپنی تحویل میں لیا تھا۔ اس کمرے
ملی ہم آہنگ نہیں تھی۔ وہاں ضروریات
تھا اور دو صاف ستھرے بستر بھی نظر آ
نے کرسیاں سنبھال رکھی تھیں اور
شراب کی بوتل موجود تھی۔ شراب کے
ان کی آپس کی گفتگو اسی لڑکی کے بار
مخلوط پر بڑے فحش انداز میں تبصرے
تک ان کی باتیں سننے کے بعد مجھے جھنجھلاہٹ
بھی اُن کی زبان پر نہیں آئی تھی۔

اُس کمرے میں ایک اور کمرے کا دروازہ تھا جس کی کنڈی لگی ہوئی تھی۔ اس کنڈی کی وجہ سے مجھے یہ شبہ ہوا کہ وہ لڑکی اسی کمرے میں قید ہو گی۔ میں ابھی تک یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہی تھی کہ مجھے اس اسٹیج پر کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ میں نے سوچا' کوئی قدم اٹھانا اسی وقت مناسب ہو گا جب ماحول کا مکمل ادراک ہو جائے۔ ابھی تو میں اس بات سے بھی بے خبر تھی کہ اس گڑھی میں جسے جنوں کی گڑھی کہا جاتا ہے' صرف یہی دو آدمی ہیں یا ان کے مزید ساتھیوں سے بھی مڈبھیڑ کا امکان ہے۔ اس کا پتہ چلانا بے حد ضروری تھا۔

رضوان کی بات پر میں جس جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئی تھی' وہ لمحاتی تھی۔ اب اُس کا عشرِ عشیر بھی باقی نہیں رہا تھا' لہٰذا میں رضوان کا ہاتھ پکڑ کر گربہ قدمی سے آگے بڑھ گئی۔ پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد میں نے سرگوشی کی۔

"کوئی عملی قدم اٹھانے سے قبل اس گڑھی کا مکمل جائزہ بہت ضروری ہے۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اُن سے اب تک ہماری ملاقات کیوں نہیں ہوئی!"

"کن سے؟"

"انہی جنوں سے جو اس گڑھی میں شاید کرائے دار ہیں۔ یہ اُن کی اپنی پراپرٹی تو نہیں ہو سکتی کیونکہ...."

میں رضوان کو مزید بکواس کا موقع دیئے بغیر بول پڑی۔ "یہ جنوں کا چکر' جاگیردار شوکت کی اختراع معلوم ہوتی ہے۔ اس حویلی کو استعمال کرنے ہی کے لئے اس نے جنوں کی افواہ پھیلائی ہو گی۔"

"بائی دی وے۔ اگر سچ مچ کوئی جن مل گیا تو آپ کیا کریں گی۔ میں نے سنا ہے کہ جن حضرات جوڈو پروف ہوتے ہیں۔"

"لیکن یہ مت بھولو۔ کہ تم جوڈو پروف نہیں ہو۔" میں نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

"اسی لئے تو میں عموماً آپ سے پانچ ہاتھ کے فاصلے پر رہتا ہوں۔ اس وقت کی بات اور ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کوئی ہنگامہ کرنا پسند نہیں کریں گی۔"

رضوان پر بکواس کا دورہ پڑا ہوا تھا لہٰذا میں نے خاموش ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔ اس وقت میں واقعی اس سے نہیں الجھ سکتی تھی اور وہ میری اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا تھا۔

میں نے ایک بار پھر پنسل ٹارچ جلائی تھی اور اس کی روشنی میں آگے بڑھنا شروع کیا تھا۔ رضوان بھی میرے ساتھ قدم بڑھاتا رہا اور ہم نے آدھے گھنٹے میں ساری گڑھی چھان ڈالی۔ وہاں ہمیں کوئی اور آدمی نظر نہیں آیا تھا لیکن اس اندھیرے میں بھی کچھ آنکھیں ہماری نگرانی کر رہی تھیں۔ چمگادڑوں' چھپکلیوں اور ان حشرات الارض کی آنکھیں جو اس گڑھی میں ہر سو پھیلے ہوئے تھے۔

اب میں رضوان کے ساتھ اس کمرے کی طرف لوٹی جہاں جاگیردار شوکت کے دونوں آدمی شراب نوشی میں مصروف تھے۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اس گڑھی میں کوئی اور نہیں ہے، میں یہ سوچ رہی تھی کہ صرف دو آدمیوں سے نپٹنا تو کوئی مشکل بات نہیں۔ انہیں بڑی آسانی سے باندھ کر ایک طرف ڈالا جا سکتا ہے۔ بعد ازاں اس لڑکی کو بھی قید سے نجات دلائی جا سکتی ہے لیکن وہ تشنگی تو پھر بھی رہ جاتی کہ جاگیردار شوکت اس لڑکی سے کیا چاہتا ہے۔ وہ جو اتنی دیر تک کوڑا لہرا لہرا کر اس لڑکی کو نچا تا رہا تھا تو یقیناً اس کا کوئی مقصد ہو گا۔ میں وہ مقصد ضرور جاننا چاہتی تھی اور اس کمرے کی طرف لوٹتے ہوئے میرے ذہن میں یہی سوال گردش کر رہا تھا کہ میں وہ مقصد کیونکر جان سکتی ہوں۔

اچانک مجھے احساس ہوا کہ رضوان بہت دیر سے خاموش ہے۔ اُسے میں اپنا مسخرا پن ہی کہوں گی کہ اس کے بولنے سے مجھے جھنجھلاہٹ ہونے لگتی تھی لیکن اس کی خاموشی کو برداشت کرنا بھی میرے بس میں نہیں تھا۔

"کیا بات ہے؟ اتنے چپ کیوں ہو؟"

"لگتا ہے کوئی سانپ مجھے سونگھ کر چلا گیا ہو۔ اندھیرے میں کچھ پتہ تو چل نہیں سکتا۔" رضوان نے جیسے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور میں دھیرے سے ہنس پڑی۔ بعض اوقات وہ سچ مچ بیساختہ ہنسا دیتا تھا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" وہ بولا۔

"کوئی بات نہیں۔"

"پھر کیوں ہنسی تھیں؟"

"پاگل پن تھا میرا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

رضوان نے فوراً کوئی فقرہ نہیں کسا۔ وہ میرے شانہ بہ شانہ چل رہا تھا۔

اچانک میں رُک گئی اور میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ ہم بھٹک گئے ہیں۔ اتنی دیر میں تو ہمیں اس کمرے تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" رضوان نے سر ہلا کر تائید کی۔

میں نے پنسل ٹارچ کی روشنی اِدھر اُدھر پھینکی۔

"اب ہمیں اِدھر چلنا چاہیے۔" رضوان نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"چلو!" میں نے کہتے ہوئے اسی طرف قدم بڑھا دیئے جدھر رضوان نے اشارہ کیا تھا۔

"پتہ نہیں کیا بات ہے۔" رضوان بڑبڑایا۔ "اندھیرے میں میری جمالیاتی حس مردہ ہو جاتی ہے جبکہ دنیا میں اس کے برخلاف ہوتا ہے۔"

"بالآخر آ ہی گئے اپنی خرافات پر۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

اچانک وہ اس طرح میری طرف جھکا جیسے کوئی جمالیاتی حرکت کر گزرنا چاہتا ہو۔ میں نے خود کو اس سے دور کرنے کی قطعاً کوشش نہیں کی لیکن اپنے دائیں ہاتھ کو پوری طرح تیار کر لیا۔ میں نے فوری طور پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اس کے ہونٹ میرے عارض سے مس بھی ہو گئے تو میں اس کے گالوں پر اپنی انگلیوں کی یادگار ضرور چھوڑ دوں گی لیکن اس کے ہونٹوں نے میرے عارض تک کا سفر نہیں کیا بلکہ وہ میرے کان کے پاس رُک گئے۔

"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں، کوئی ہماری ..." اس نے بہت ہی مدھم سرگوشی کی۔

میں چونکے بغیر نہ رہ سکی اور رضوان سیدھا ہو کر چلتا رہا جیسے کوئی خاص بات نہ ہو۔

اِدھر اس کے فقرے سے میرے جسم میں ... چلی گئی تھی۔ رضوان کا یہ انکشاف کسی معمولی اہمیت کا ... ذہن میں خیالات کا طوفان گڑگڑانے لگا۔ اگر رضوان ... بات نہیں کہی تھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ کسی بھی وقت ... کھڑی ہو سکتی تھی۔ ناسازگار حالات کا کوئی بھی ... یہ بات میری ذہنی دسترس سے دور تھی کہ نگرانی کون کر سکتا ہے۔ یہ خیال تو میرے ذہن کے کسی حصے ... نہیں بنا سکتا تھا کہ اس گڑھی میں واقعی جنات بسیرا ... میں سے کوئی ہمارے پیچھے لگ گیا ہے۔ اگر ہماری ... یقیناً وہ کوئی آدمی ہی کر سکتا تھا مگر کون آدمی ... کا گزر تھا؟... نہیں نہیں... یہ ناممکن ہے۔ جاگیردار ... کیا پڑی تھی کہ وہ ہماری نگرانی کرتا؟ وہ تو ہمیں ... کوئی بھی اس سے باز پرس نہ کرتا۔ جاگیردار شوکت ... سے نوازتا کہ اس نے دو اہم دشمنوں کو ڈھونڈ ...

اس سوچ بچار کے دوران میں میرے ... دل کی دھڑکنیں ناہموار ہو چکی تھیں۔ دنیا کا دلیر ترین ... خطرات میں گھرا ہوا محسوس کرے تو تھوڑا بہت ... یہی کیفیت میری بھی تھی۔ اگر دشمن سامنے ہوتا تو میں ... انتہائی عروج سے بھی مرعوب نہیں ہوتی لیکن ... میرے اعصاب کو ستار کے تاروں کی طرح کھینچ ...

اچانک میرے ذہن میں خدا جانے کس ... میں دوسرے انداز میں سوچنے لگی۔ شاید میں اس ... پُرسکون کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اپنے ذہن میں ... اجازت دی تھی کہ رضوان کا یہ شبہ غلط بھی ہو سکتا ... ہونے کا دعویٰ کس بنیاد پر کیا تھا؟ اگر اس نے ... مجھے کیوں نہیں سنائی دی اور اگر اس نے کسی کا ... کیوں نہیں نظر آیا؟

پنسل ٹارچ کی روشنی میں میرے قدم ... خفیف ترین آواز کی بھی منتظر رہی۔ میں خود کو ... باور کرانے کی کوشش کے باوجود اپنے آپ کو ... کرنے کے لئے بھی تیار کئے ہوئے تھی۔ اچانک ... بالکل ہی عجیب و غریب خیال کلبلانے لگا۔ ...

... کی ہوا اور محض مجھے پریشان کرنے کے لئے یہ شوشہ ...

... پنسل ٹارچ بجھا دی کیونکہ اب ہم پھر اسی کمرے کے پاس ... پہنچ چلے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم تقریباً ایک گھنٹے تک ... رہے تھے۔

... کھلے سے کمرے میں جھانکا۔ اس ایک گھنٹے میں ان دونوں ... پی ڈالی تھی اور اب بڑی احمقانہ حرکتوں اور باتوں میں مصروف ... لیتی تھیں کہ عام حالات میں تو انہیں سن کر ہنسی آ جاتی ... طرح لڑکھڑا رہی تھیں مگر ان میں سے ہر ایک یہ ثابت ... تھا کہ اسے ابھی بالکل نشہ نہیں ہوا۔ ان کی یہ حالت دیکھ ... کیا کہ تھوڑی دیر میں ان کی حالت مزید ابتر ہو جائے ... ہو کر اپنے اپنے بستر پر اس طرح گریں گے کہ صبح ... ہوش نہیں آ سکے گا۔

... کھلے سے رضوان بھی وہاں کا جائزہ لے رہا تھا لیکن ... کے ساتھ ساتھ اپنے عقب سے بھی چوکنا تھی۔ میرے ... خیال کہ رضوان نے شرارت کی ہے، کسی تو بہر حال نہیں ... کسی ناگزیر تھی۔ موقع بھی ایسا نہیں تھا کہ میں رضوان ... کی بنیاد کے بارے میں استفسارات کر کے کسی نتیجے ... موضوع پر گفتگو کرنا قطعاً غیر مناسب تھا۔ اگر واقعی ... جا رہی تھی تو نگرانی کرنے والا یقیناً کہیں قریب ہی ... کے باعث گفتگو میں رازداری ممکن نہیں تھی۔ ... ہماری باتیں سن سکتا تھا اور جب اسے یہ معلوم ہو ... سے واقف ہو چکے ہیں تو وہ کوئی انتہائی ...

... ادھیڑ بن میں گرفتار تھی کہ رضوان نے میرا ہاتھ ... دبا دیا۔ میں اس کی اس حرکت کا مقصد سمجھنے ... وہ بولا "تبھی میں سمجھ سکی۔

... "کیا اس لڑکی کو نکال کر لے جانا ہے؟ میرا خیال ... اس کمرے میں قید ہو گی۔ اس کمرے کے دروازے کی ... ایسا بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔"

... ذہن میں بھی موجود ہے۔" میں نے سر ہلا کر کہا لیکن ... سرگوشی کی حد سے نہیں گزری تھی۔ کم سے کم اس کمرے ... ہوش آدمی اس سرگوشی کو ہرگز نہیں سن سکتے تھے۔ ... "کسی ہچکچاہٹ کے بغیر کر ڈالو!" رضوان نے ... پروا اس وقت کریں گے جب وہ سامنے آ جائے ... آخری فقرہ خاصا معنی خیز تھا۔

... "کہیں ہو کر رکاوٹ سامنے آ گئی؟" ... سمجھ گیا اور بولا "اس پر ہم بعد میں گفتگو کر لیں گے۔ فی الحال ہمیں صرف یہ سوچنا ہے کہ ہمیں کرنا کیا چاہیئے۔ کیا تم اس لڑکی کو آزاد کرانا چاہتی ہو؟"

میرے جسم میں ایک بار پھر ٹھنڈی ٹھنڈی سی لہریں دوڑ گئیں کیونکہ اب مجھے یقین آ چکا تھا کہ رضوان نے شرارت نہیں کی تھی۔ اس کے بدلے ہوئے اندازِ تخاطب کی روشنی میں مجھے صورتِ حال کی گمبھیرتا کا احساس ہو گیا تھا۔ رضوان کے ساتھ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ وہ مجھے "تم" کہہ کر اسی وقت مخاطب کرتا تھا جب سنجیدہ ہو۔ اگر اس نے مجھ سے شرارت کی ہوتی تو بدستور "آپ" کے موڈ میں رہتا۔

"بولو! کیا ارادہ ہے؟" اس نے میری خاموشی کو برداشت نہیں کیا۔

"میرا خیال ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں اتنی پی چکے ہیں کہ ذرا دیر بعد انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہے گا۔ ہمیں ان سے نپٹنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی اور ہم اندر داخل ہو کر اس لڑکی تک پہنچ جائیں گے۔"

"اس کے بعد؟"

"لڑکی سے ملاقات کرنے کے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکوں گی کہ کیا کرنا چاہیئے۔"

"تو پھر آؤ!"

میں اور وہ، دوبارہ اس کمرے کے قریب پہنچ گئے۔ میں نے موکھلے سے جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے بستر پر اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ تپائی پر رکھی ہوئی بوتل خالی نظر آ رہی تھی اور ایک گلاس لڑھکا ہوا تھا۔

"راستہ صاف ہے۔" رضوان نے سرگوشی کی۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر ہم دونوں کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہ اندر سے بند نہیں تھا۔ انہوں نے اسے بند کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی ہو گی۔ ان کے خیال کے مطابق کوئی بھی اس گڑھی کا رُخ نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے دروازہ کھولا اور میرے ساتھ رضوان بھی اندر داخل ہو گیا۔ میں دروازے کی چرچراہٹ کو روکنے سے قاصر رہی تھی لیکن وہ دونوں بدستور بے سُدھ پڑے رہے۔ ان کے ہوش میں آنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا، تاہم احتیاط کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ میں دبے قدموں اس دروازے کی طرف بڑھی جس کی کنڈی لگی ہوئی تھی۔ آہستگی سے کنڈی کھول کر میں نے دروازے پر دباؤ ڈالا اور وہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ دروازے اتنے قدیم تھے کہ انتہائی کوشش سے بھی ان کی آواز کو نہیں روکا جا سکتا تھا۔

اس کمرے میں بھی ایک چھوٹے سے لیمپ کی زرد روشنی، در و دیوار اور فرش سے چپٹی ہوئی تھی اور اس روشنی کی وجہ سے قیدی لڑکی کا چہرہ کچھ اور زرد نظر آ رہا تھا۔ وہ ابھی تک جاگ رہی تھی اور مجھے اس پر قطعاً حیرت نہیں ہوئی۔ وہ جن حالات سے دوچار تھی ان میں

اتنی جلدی نیند آ جانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ وہ دیوار سے پیٹھ لگائے ہوئے ایک چٹائی پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا رُخ دروازے کی طرف تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر خفیف سی حیرت اور اُلجھن کا تاثر ابھر آیا۔ وہ اس گڑھی میں کسی عورت کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اور یہ سوچنا تو اس کے لئے محال ہی تھا کہ میں ان لوگوں سے متعلق نہیں ہوں جنہوں نے اُسے قید کیا تھا۔

میں نے پلٹ کر رضوان کو اشارہ کیا کہ وہ وہیں رُکے۔ میں نے اس اشاروں سے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ ان دونوں مدہوش آدمیوں کی وجہ سے اس کا وہاں رُکنا ضروری ہے لیکن دراصل میرا مقصد کچھ اور تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ ہماری نگرانی کرنے والا یہاں آ کر اس کمرے میں جھانک سکے جہاں مجھے اس لڑکی سے گفتگو کرنا تھی۔

رضوان نے میرا مقصد سمجھ کر اثبات میں سر ہلا دیا اور وہیں رُکا رہا۔ میں نے دوسرے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بھیڑ لیا اور جب میں مڑی تو دیکھا کہ لڑکی کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور چہرے پر اُلجھن کے تاثرات بڑھ چکے تھے۔ میں خواہ مخواہ مسکرا دی۔ لیکن نہیں، میری مسکراہٹ بلا وجہ نہیں تھی۔ میں نے اپنی مسکراہٹ سے لڑکی کو یہ باور کرانا چاہا تھا کہ میں اس کی دشمن نہیں ہوں۔ جب میں اس کے بالکل قریب پہنچ گئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ تیز تیز سانسیں لینے لگی تھی۔

"گھبراؤ نہیں اچھی لڑکی!" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"الماس" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"واقعی الماس ہو!" میں نے بھی بے اختیار کہا تھا اور میرے ہونٹوں پر پسندیدگی کی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"جی!" وہ میرا اشارہ نہ سمجھ سکی۔

"کچھ نہیں" میں سنجیدہ ہو گئی۔ "وقت کم بھی ہے اور پُرخطر بھی لہٰذا ہمیں جلد از جلد کام کی باتیں کر ڈالنا چاہئیں۔"

لڑکی استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ ظاہر ہے اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا ہوگا کہ کام کی باتوں سے میری کیا مراد ہے۔

"تمہیں ان لوگوں نے کیوں اغوا کیا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا اور پھر بولی۔ "ظاہر ہے کہ تمہیں اغوا ہی کیا گیا ہوگا۔ اوہو... ٹھہرو! مجھے ایک خیال آ رہا ہے۔ کیا تم کو تمہارے کالج سے اغوا کیا گیا ہے؟"

"آپ کیسے جانتی ہیں؟" وہ حیرت سے پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

"مجھے تمہارے اغوا کے بارے میں قبل از وقت معلوم ہو گیا تھا لیکن میں تمہاری صورت سے آشنا نہیں تھی اس لئے دھوکہ کھا گئی۔ تمہاری بجائے میں ایک اور لڑکی نادرہ کی حفاظت کرتی رہ گئی اور یہ بدبخت تمہیں لے اُڑے۔"

"آپ کون ہیں؟" الماس مجھے جاننے کے لئے

"کیا فی الحال یہ جان لینا کافی نہیں ہے کہ میں اور تمہارے دشمنوں کی دشمن ہوں۔"

الماس نے اضطراب کے عالم میں دروازے

"بالکل مت گھبراؤ!" میں پھر بولی۔ "وہ دو نشے میں مدہوش پڑے ہیں۔ ویسے ان کی نگرانی ایک ساتھی وہاں موجود ہے۔"

"تو کیا آپ مجھے یہاں سے نکال لے جائیں لہجے میں بچکانہ سی مسرت تھی۔

"ان لوگوں نے تمہیں اغوا کیوں کیا ہے؟" میں کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ لوگ کچھ دیر قبل انہوں نے میرے ساتھ بڑا عجیب سلوک کیا کوئی مقصد سمجھ میں نہیں آتا انہوں نے... انہوں نے...

الماس کے حلق میں اٹکنے لگے۔ وہ اپنی آپ بیتی سنا تھی اور یہ فطری امر تھا۔ دنیا کی کوئی بھی عورت اسا کر اُسے برہنہ کر کے اس کے گرد کوڑا نچایا گیا ہے ہو گئی تھی بلکہ شاید اپنی اس تذلیل ہی کا تصور کر کے

"میں اس کے بارے میں جانتی ہوں" میں نے طرف دیکھے بغیر کہا اور پھر پوچھا۔ "تم اس کوڑے ہو گئی؟"

"نہیں" الماس نے جواب دیا۔ "یہ سب کیا میں اُلجھ گئی۔ الماس سے کچھ بھی معلوم ہونے کی تو

ذہن اس وقت دو سمتوں میں بٹا ہوا تھا۔ اِدھر میں کر رہی تھی اور اُدھر نگرانی کرنے والے کا خیال بھی کمرے کی طرف سے ابھی تک کوئی ایسی آواز نہیں آئی قسم کی گڑبڑ کا پتہ چلتا لیکن گڑبڑ کسی وقت بھی ممکن تھی کر رہا تھا اس کا کچھ مقصد تو ضرور ہوگا اور جب وہ مقصد بھی ناگزیر ہوتا۔

"سنو الماس!" میں نے اپنی آواز کچھ اور دھیمی کی کہ یہ لوگ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں!"

"کاش میں ان کا بدترین انجام دیکھ سکوں!" سے کہا۔

"تمہاری یہ خواہش پوری تو ہو سکتی ہے لیکن تھوڑی سی قربانی دینا ہوگی۔"

"کیسی قربانی؟ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"تمہیں ان لوگوں کی قید میں ایک آدھ دن خیال ہے کہ ان لوگوں کا مقصد سامنے آنے میں

کی ساری بات کھل جائے۔"

الماس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ اس کے اعصاب وہ تو یہ خواب دیکھنے لگی ہوگی کہ اب اُسے آزادی مل جائے

ن فقرے نے اس کی خواہشوں کا گلستان اجاڑ دیا کر مجھے افسوس ہوا لیکن میں محسوس کر رہی تھی کہ نہیں ہے۔ حالات بڑے اُلجھے ہوئے تھے۔ نامعلوم لعقب۔ اس نگرانی کے دوران میں آگے یہاں سے ال کوشش کا بار آور ہونا مخدوش تھا۔ جب تک کی شخصیت سامنے نہ آ جاتی، حتمی طور پر کچھ نہیں کہا

نا نہیں چاہئیے" میں نے اس کے شانے پر تھپکی دی۔ میں رہنے کے باوجود بھی میری نظروں میں رہو گی۔ یہ لوگ مان نہیں پہنچا سکیں گے جس کی تلافی نہ ہو سکے۔"

اس بات سے بے خبر ہوں کہ آپ کون ہیں!" الماس زمیں کہا۔

لی جینس سے ہے" یہ جھوٹ میں نے اس خیال سے اس کی ہمت بندھ سکتی تھی۔

الماس کے منہ سے نکلا۔ "تو کیا انٹیلی جینس ان لوگوں

"!

یہاں ان لوگوں پر ہاتھ ڈالنے کے لئے ٹھوس ثبوت ان پر ایسا جال ڈالنا چاہتے ہیں جسے یہ توڑ نہ سکیں۔

تو یہ کام بہت آسانی سے ہو جائے گا۔"

میں کیا کہ میرے جھوٹ نے الماس کے چہرے پر گہرے اس اطلاع نے اُسے خاص تقویت پہنچائی تھی کیے کے پیچھے لگ چکی ہے جنہوں نے اسے قید کر رکھا تھا۔ نے پُر امید نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم ہم

"

بہت پریشان ہو رہے ہوں گے۔" اس نے ہا۔ اس کے لہجے سے نیم آمادگی ٹپک رہی تھی۔

"پتہ بتا دو۔ تمہارے والدین سے مل کر انہیں بتا دیا جائے گا تاکہ وہ پریشان نہ ہوں۔"

بار! تو میں نے اپنے پاس نوٹ کر لیا۔ اس کا پتہ نوٹ اشارہ وہ تکلیف برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ اس ل۔ اس کے تعاون سے میں جاگیردار شوکت کے گرد دائرہ ہے تو نہ جا سکتا لیکن اس سلسلے میں مجھے پریشانی کوئی ہماری نگرانی کر رہا تھا اس سے یہ بات معلوم ہوں اور اس بات سے اس کا باخبر ہونا کیا نتائج سلسلے میں فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔" میں نے الماس سے کہا۔ "کل اسی وقت پھر آؤں گی۔ تم مجھے بتانا کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔"

"اچھا" الماس کے لہجے میں مُردنی سی تھی۔

ایک بار پھر کچھ منتخب فقرے کہہ کر میں نے اس کی ڈھارس بندھائی اور پھر دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کے قریب رُکتے ہوئے میں نے ایک بار مُڑ کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔ ایسے موقعوں پر مسکراہٹ بہت بڑی طاقت ہوتی ہے اور الماس کی ہمت بندھانے کے لئے میں نے اس طاقت کا مظاہرہ ضروری خیال کیا تھا۔ مجھے مسکراتے دیکھ کر وہ بھی پھیکے سے انداز میں سہی، لیکن مسکرائی تھی۔

بیرونی کمرے میں رضوان بڑی بے چینی سے میرا منتظر تھا۔ وہ دونوں آدمی بدستور مدہوش پڑے ہوئے تھے۔ میں نے الماس کے کمرے کی کنڈی لگائی اور رضوان کے قریب پہنچ کر بڑی مدھم سرگوشی میں بولی۔

"کیا حالات ہیں؟"

"بدستور" رضوان نے جواب دیا۔

"آؤ، چلیں۔"

"اور وہ..." رضوان نے کنڈی لگے ہوئے کمرے کی طرف دیکھا۔

"بس چلو!" میں نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے قدم بڑھا دیئے۔

گڑھی بدستور سناٹے اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں اور رضوان جب وہاں سے نکلے تو دو بجے تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد جب یقین ہو گیا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے تو میں نے رضوان سے کہا۔ "تمہیں کیسے معلوم...؟"

"میں نے وہاں ایک سایہ دیکھا تھا" رضوان نے میری بات کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ "پھر کچھ دیر بعد میں نے ایک ایسی آہٹ بھی سنی تھی جیسے کوئی ہمارے پیچھے لگا ہوا ہو۔"

"میں نے تو کوئی آہٹ نہیں سنی۔"

"بہت خفیف سی آہٹ تھی لیکن میرے کان بہت تیز ہیں۔"

"تم ان دونوں موقعوں پر چونکے تو ضرور ہو گے!"

"یقیناً میں چونکا تھا لیکن اندھیرے کی وجہ سے تم مجھے چونکتے ہوئے نہیں دیکھ سکیں" رضوان نے جواب دیا۔

ہمارے قدم اس طرف بڑھ رہے تھے جہاں ہم نے جیپ چھوڑی تھی۔

"اس لڑکی سے تمہاری کیا باتیں ہوئیں؟" رضوان نے پوچھا۔

"وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ اُسے کیوں اغوا کیا گیا ہے" میں نے جواب دیا اور پھر الماس سے اپنی گفتگو کا سارا متن دہرا دیا۔ جب میں خاموش ہو گئی تو رضوان بولا۔

"ضروری تو نہیں کہ جاگیردار شوکت کا مقصد کل ہی سامنے آ جائے!"

"زیادہ سے زیادہ پرسوں تک ضرور سامنے آ جائے گا۔"

"لیکن تم نے الماس سے کل تک کے لئے کہا ہے۔"

"کل اُسے پھر ایک دن کے لئے آمادہ کر لوں گی۔ اگر ابھی سے دو دن کی بات کی جاتی تو اس کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو جاتا۔"

"اب اس وقت کیا ارادہ ہے؟"

"واپس پنڈی چلیں گے۔"

"جاگیردار شوکت کی حویلی میں گھسنے کا ارادہ ترک کر دیا؟"

"کسی نگراں کی موجودگی میں یہ مناسب نہیں ہوگا۔"

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے جیپ کے قریب پہنچ گئے اور قریب پہنچتے ہی ہمیں چونکنا پڑا۔ چونکنے کا سبب وہ سایہ تھا جو اچانک جیپ کی آڑ سے نکل کر ہمارے سامنے آ گیا تھا۔ رضوان کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا اور اسی وقت بادلوں کی نقاب چاند کے چہرے سے ہٹ گئی۔ یکلخت ہونے والی چاندنی کی بارش میں ہم نے ایک خوش شکل اجنبی کو اپنے سامنے دیکھا جس کے پاس بظاہر کوئی ہتھیار دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"معاف کیجئے گا۔" وہ بڑے مہذب لہجے میں بولا۔ "میں اپنے مخل ہونے پر بیحد شرمندہ ہوں لیکن صورتِ حال ایسی ہے کہ میں آپ لوگوں کی مدد حاصل کئے بغیر بے بس ہی رہوں گا۔"

"فرمایئے!" میں اُسے متجسس نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

رضوان کا ہاتھ بدستور جیب میں تھا لیکن میں اس بات سے واقف تھی کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

"دراصل۔" اجنبی نے کہا۔ "میں ان اطراف میں اپنی موٹر سائیکل پر آیا تھا لیکن وہ اچانک خراب ہو گئی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک اسے ٹھیک کرنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر مجھے دور سے آپ کی یہ جیپ آتی دکھائی دی۔ میں فوراً اس طرف لپکا کہ آپ کی مدد حاصل کروں لیکن جب میں یہاں پہنچا تو آپ لوگ جیپ کھڑی کر کے جا چکے تھے۔ جب سے اب تک میں یہیں کھڑا ہوا آپ لوگوں کا انتظار کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے دو گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔"

"بڑی زحمت ہوئی آپ کو!" رضوان نے چبھتے ہوئے سے لہجے میں کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اجنبی جلدی سے بولا۔ "برسبیل تذکرہ ہی میں نے یہ بات کہی تھی کہ دو گھنٹے سے آپ لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس انتظار میں میری ہی غرض شامل تھی۔ بلکہ اب بھی ہے۔ اگر آپ لوگ شہر جانے کا ارادہ رکھتے ہوں تو میں درخواست کروں گا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ شہر میں کسی جگہ بھی اتار دیجئے گا۔"

"آپ کی موٹر سائیکل کہاں ہے؟" رضوان نے پوچھا۔

"اُسے میں نے قصبے میں ایک شریف آدمی کے مکان کے سامنے کھڑا کر دیا ہے۔ کل صبح کسی مستری کو ساتھ لے کر آؤں گا۔" اجنبی نے جواب دیا۔

رضوان نے میری طرف دیکھا۔

"کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے اجنبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم آپ کو شہر چھوڑ دیں گے۔"

"بیحد شکریہ۔" اجنبی نے خوش ہو کر کہا۔

"چلو!" میں نے رضوان سے کہا۔

رضوان ڈرائیونگ سیٹ کا رُخ کرتے ہوئے بولا۔

"آپ آگے میرے برابر میں آ جایئے۔"

"بہتر ہے۔" اجنبی نے کہا۔

میں سمجھ گئی کہ رضوان مجھے پیچھے کیوں بٹھانا چاہتا ہے۔ اس طرح میں اجنبی کی حرکات و سکنات پر نظر رکھ سکتی تھی۔ جن حالات میں وہ ہمیں ملا تھا، وہ خاصے پراسرار تھے۔ اس کا ... ہونا حماقت ہی کا ایک درجہ ہوتا۔ یہ بات ممکن تو تھی کہ ... ہو لیکن ثبوت کے بغیر اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جیپ نے شہر کی طرف فراٹے بھرنا شروع کر دیئے ... نہ رہ سکی کہ جاگیردار شوکت کے معاملے نے ڈاکٹر ثروت کو ... دیا ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو یہ ایک ہی معاملے کے دو پہلو ... اب بھی جاگیردار شوکت کی حویلی میں مقیم تھا اور کسی وقت ... کے امکانات روشن تھے۔

"آپ ان اطراف میں کس لئے آئے تھے؟" ... سے پوچھا۔

"میں آج کل ایک فلم اسٹوری لکھنے کے لئے یہاں کا جائزہ لے رہا ہوں۔"

"خوب! تو آپ اسٹوری رائٹر ہیں؟"

"ہوں تو نہیں لیکن ہو جاؤں گا۔" اجنبی نے ... "یہ میری پہلی فلم ہوگی۔"

رضوان نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا۔ اجنبی بھی بڑی بے تکلفی سے اور نہایت پُراطمینان انداز میں گفتگو کر ... یہ انداز اس کی شخصیت سے اشتباہ کے نقاب کو اٹھ ... غالباً رضوان نے یہ باتیں چھیڑی بھی اسی لئے تھیں کہ ... کو پرکھ سکے۔

میں کبھی تو اُن کی باتیں سننے لگتی اور کبھی میرا ذہن ... کی طرف پرواز کر جاتا جہاں الماس قید تھی۔ وہ خوبصورت بدن بھی لوٹنے پر قادر تھا۔ ایک ایسی پکار تھی اس ... کیا جا سکتا ہے، بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میں اس کے ... مجھے یقین تھا کہ وہ کم از کم آج کی رات تو محفوظ ہی ... کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میرے ذہن ... رہا تھا کہ ممکن ہے، کل جب میں وہاں جاؤں تو وہ وہاں ... کی وجہ سے مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ مجھے صبح ہی صبح ... اطراف میں پہنچ جانا چاہیئے تاکہ گڑھی پر نظر رکھ سکوں۔

جیپ شہر میں داخل ہو گئی تو میں نے اجنبی کو ... دیکھا۔ روشنی میں اب اس کے چہرے کا ہر نقش صاف ... کی عمر پینتیس سال سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ ... کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سا تیکھا پن اور غیر محسوس ...

... ملنت کو سامنے لا سکتی تھی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ ... طرف ذہن اس اجنبی کی طرف ضرور راغب ہونے ...

... ن کو اپنا نام رؤف احمد بتایا تھا۔ مجھے یہ نام اس ... ہم آہنگ نہیں محسوس ہوا۔ وہ اپنے بیان کے مطابق ... آیا تھا اور یہاں ایک ہوٹل میں مقیم تھا۔ موٹر سائیکل ... کسی دوست سے عاریتاً لے لی تھی۔

... ہوٹل کے سامنے رُکی تو اس نے رضوان سے ہاتھ ملاتے ہوئے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ ... اس نے کہا اور جیپ سے اتر گیا۔

... میرے ذہن میں سنسناہٹ کی لہر دوڑتی چلی گئی۔ جب وہ ... اس کی بائیں کہنی میری نظر میں آئی تھی۔ اس کے ... کے سوٹ پر ایک بھی داغ نہیں تھا مگر کہنی ... تھا۔ میرے ذہن نے فوراً ہی اس خیال پر جست ... یہی شخص ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ وہی ایک ... میں مکڑی کا جالا اس کے کوٹ پر لگ سکتا ... کہیں نہیں ہو سکتی تھی۔

... جیپ کو حرکت میں لے آیا تھا اور میں اضطراب ... میں نے ایک مرتبہ پلٹ کر دیکھا بھی تھا۔ اس ... داخل ہو رہا تھا۔

... کو دیکھتے ہوئے پاکر طنزیہ انداز میں کہا۔ "شاید ... پسندیدگی کی نظر سے دیکھ سکیں۔ ویسے عام طور پر ... ہو رہی۔"

... ہی ہماری نگرانی کر رہا تھا۔" میں نے بے ساختہ کہا۔ ... لہجے میں حیرت اتر آئی۔ "یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟" ... رضوان کوئی نصف منٹ تک سوچ میں ... نہیں کہ وہ جالا اس کے کوٹ میں کہیں لگا ہوا ... تھا ہے!... تم اس کے بیان کو فراموش نہ کرو، مگر ... تھی تو ظاہر ہے کہ وہ کسی کھلی ہوئی جگہ پر ہو ... جالا اس کے نہیں لگ سکتا تھا۔"

... کہا۔ اس کے ذہن میں کوئی ایسا نکتہ نہیں آ سکا ... بحث کو آگے بڑھا سکتا۔ اس کے چہرے پر ... دیکھ کر میں سمجھ گئی کہ اُسے میری بات پر یقین ...

... "رضوان قدرے توقف سے بڑبڑایا۔ ... بنے گا۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ... نہیں ہوں!" بس سوچ میں ڈوبا رہا یہاں تک کہ ... ہمارا قیام تھا۔

"انجن بند کر کے چابی مجھے دے دینا۔" میں بولی۔

"کیوں!" رضوان انجن بند کرتے ہی چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔

"صبح قریب ہے۔ میں اب سوؤں گی نہیں۔ کچھ دیر بعد ناشتہ کر کے روانہ ہو جاؤں گی۔"

"کہاں؟" رضوان الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔

"جنوں کی گڑھی۔" میں نے جواب دیا۔ "ہم وہاں سے چلے تو آئے ہیں لیکن الماس کو ان لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بے خبر ہو جانا کوئی مناسب بات نہیں ہوگی۔ چلو اب جیپ سے اترو!" یہ کہتے ہوئے میں جیپ سے اتر گئی تھی۔

رضوان بھی اتر آیا اور ہم ہوٹل کے دروازے کی طرف بڑھے۔

رشیماں کے قتل کی وجہ سے پولیس ایک کمرے کو سیل کر چکی تھی اس لئے اب مجھے اور رضوان کو مجبوراً ایک ہی کمرے میں رہنا تھا۔ اس کمرے میں پہنچتے ہی میں نے ایک آرام کرسی میں ڈھیر ہو کر سگریٹ جلا لی۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ آپ وہاں تنہا جائیں؟" رضوان بولا۔

"تم نیند میں ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ جھونک میں کوئی حماقت نہ کر بیٹھو!"

"میں آپ سے زیادہ چاق و چوبند آدمی ہوں باجی!" رضوان نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر تم جاگنے ہی پر بضد ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میرے ساتھ رہ کر تم اپنی عاقبت کیوں برباد کر رہے ہو!"

"یہ سب میرے دلِ نابکار کا کیا دھرا ہے۔" رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "بدبخت ایک پتھر کی عورت پر آ گیا ہے۔"

رضوان کا اشارہ میری ہی طرف تھا لیکن میں ٹال گئی اور کہا۔ "اچھا اب اگر تم سونا نہیں چاہتے تو کچھ دیر کے لئے خاموش ضرور ہو جاؤ۔ ابھی ابھی ایک خیال میرے ذہن میں آیا ہے اور میں اس پر غور کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ نے مجھے کچھ اور آشنا تو بنایا نہیں ہے، اب خیال آشنا ہی کر لیجئے!"

"اچھا تو سنو! میں یہ سوچ رہی ہوں کہ جنوں کی گڑھی میں ہماری نگرانی کرنے والا شخص اگر رؤف ہی تھا تو پھر وہ ہم سے پہلے ہماری جیپ تک کیسے پہنچ گیا؟"

"جس وقت آپ الماس کے کمرے میں تھیں، اسی وقت وہ نگرانی ختم کر کے گڑھی سے نکل گیا ہوگا۔"

"مگر کیوں؟ کیا اسے ہماری جیپ تک پہنچنے کی جلدی تھی؟"

"یہی سوچا جا سکتا ہے۔" رضوان نے سر ہلا کر کہا۔

"تو پھر اس کا کچھ سبب بھی ہوگا!"

"سبب تو بالکل سامنے ہے۔ وہ ہم سے لفٹ لینا چاہتا تھا۔"

"اس کا اس طرح سامنے آ جانا بڑا غیر فطری ہے۔ اسے تو یہ کوشش کرنا چاہیئے تھی کہ ہم اس کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکیں۔"

"مجبوری بھی تو کوئی چیز ہے۔"
"کیا مطلب!"
"آخر وہ شہر کیسے آتا؟"
"اگر وہی ہماری نگرانی کر رہا تھا تو میں اس کی موٹر سائیکل والی کہانی کو جھوٹ کا پلندہ قرار دوں گی۔"

رضوان بڑے غور سے میری طرف دیکھنے لگا۔ شاید وہ میرے ذہن میں مچلتے ہوئے خیالات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیا اور کرسی کے پچھلے حصے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس سوال نے میرے ذہن میں چبھن سی پیدا کر دی تھی کہ رئوف نے ہمارے قریب ہونا کیوں ضروری سمجھا تھا۔

کچھ دیر بعد صبح کی قربت میں اضافہ ہو گیا۔ ہوٹل میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اکا دکا قدموں کی آہٹیں سنائی دینے لگی تھیں۔ میں نے ٹیلیفون پر روم سروس سے رابطہ قائم کر کے دو آدمیوں کے لئے ناشتے کی ہدایت کی۔ پندرہ منٹ میں ناشتہ آ گیا۔ ناشتے کے دوران میں خاموشی رہی۔ رضوان اپنی سوچ میں اور میں اپنے خیالوں میں گم تھی۔

مجھے یقین تھا کہ کمانڈر حق اپنے کمرے میں مقیم ہو گا۔ میں روانگی سے قبل اسے کچھ ہدایات دے دینا چاہتی تھی اس لئے میں نے رضوان سے کہا۔ "تم بیٹھو! میں ابھی پانچ منٹ میں آتی ہوں، پھر ہم روانہ ہو جائیں گے۔"

رضوان نے سر ہلا دیا اور میں دروازے کی طرف بڑھی۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ میں دروازہ کھول کر گویا کسی بند کا منہ کھول دوں گی۔ ایک ریلا سا اندر گھستا چلا آیا اور میں اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ تین آدمی تھے اور ان میں سے کوئی بھی غیر مسلح نہیں تھا۔ تین ریوالوروں کی نالیں اب مجھے اور رضوان کو زد میں لئے ہوئے تھیں۔ انہی میں سے ایک نے اندر گھستے ہی بڑی پھرتی سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

"خبردار! اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" کمرے میں بیک وقت دو تین افراد کی سرگوشیاں گونجی تھیں۔

رضوان نے جو انہیں دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا، اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔

"کیا تم نے نہیں سنا؟" ایک ریوالور والا مجھے گھورتا ہوا سخت لہجے میں بولا۔

"میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ میں ساڑھی باندھے ہوئے ہوں اور ساڑھی میں کوئی جیب نہیں ہوتی۔"

"تم سے جو کہا جا رہا ہے وہ کرو!"

میں نے بُرا سا منہ بنا کر ہاتھ اٹھا دیئے۔ میں ابھی یہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ وہ کس قبیل کے لوگ تھے۔ صورت شکل سے تو برے آدمی نہیں معلوم ہوتے تھے لیکن یہ بھی بہر حال کوئی شریفانہ بات نہیں تھی کہ کسی کمرے میں جبراً گھسا جائے اور ہاتھوں میں ریوالور موجود ہوں۔

ان میں سے ایک نے اپنا ریوالور جیب میں رکھ لیا اور رضوان کی طرف بڑھا۔ اس نے یہ احتیاط ملحوظ رکھی تھی کہ رضوان ا... میں حائل نہ ہونے پائے۔ وہ ذرا سا گھوم کر رضوان کے تلاشی لینے لگا۔

میں سوچ رہی تھی کہ اگر یہ لوگ لٹیرے ہیں تو ... گے کیونکہ میرے اور رضوان کے پاس کوئی بڑی رقم نہ... ماننے پر آمادہ نہیں تھا کہ وہ لٹیرے ہیں۔ بلکہ یقینا گمبھیر تا کا پس منظر سمجھنے سے قاصر تھی۔

ایک ریوالور کا رُخ میری طرف اور دوسرے ... تھا۔ وہ دونوں پوری طرح چوکس نظر آ رہے تھے ... آٹھ فٹ سے کم نہیں تھا۔ ان کا ساتھی رضوان کی ... طرف بڑھا تو میں سٹپٹا گئی۔

"کیا مطلب!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔
"تمہاری بھی تلاشی لی جائے گی۔" جواب میں ... ریوالور کی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔

تیسرا آدمی میرے عقب میں پہنچ چکا تھا! ... ہو رہی تھی کہ وہ میرے جسم کو ہاتھ لگائے گا۔ ... بس میں کچھ بھی نہیں تھا لہٰذا دعا کر رہی تھی سب کچھ ... لینے والا اس بات سے خوب واقف تھا کہ عورتیں ... ہیں لیکن جب میرے پاس کوئی ہتھیار تھا ہی نہیں ...

"دونوں غیر مسلح ہیں۔" اس نے اپنے ساتھیو...
"کمرے کی تلاشی بھی لے ڈالو!" وہ نیلا ... کے ریوالور کی نال مجھے زد میں لئے ہوئے تھی۔ ... پتلون اور ٹائی میں تھا۔ تلاشی لینے والے نے بش... کمرے کی تلاشی میں بھی اسے کچھ ہاتھ نہ لگ... نے تپائی پر رکھا ہوا میرا پرس اٹھایا تو میں ایک ... مجبور ہو گئی۔

"اس میں ہے پستول۔" تلاشی لینے والے...
"مجھے یقین تھا کہ ان لوگوں کے پاس ہتھیار..." والے نے سر ہلایا۔

میں اس الجھن کا شکار تھی کہ آخر یہ لوگ کس ... زور دے رہے تھے۔ میری دانست میں تو انہوں نے ... وہ اپنے ریوالوروں کے زور پر ویسے ہی بہت کچھ ...

"اب اندرونی کمرہ بھی دیکھ لو!" سوٹ وا...
"اس کی کیا ضرورت ہے۔" بش شرٹ والے ... اندرونی کمرے میں جانے ہی نہیں دیں گے!"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔" سوٹ والے نے سر ہلا...
"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟" رضوان بول ...
"صرف ایک دن کا قیام!" بش شرٹ والے نے ...

... نے میری طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا کر کہا۔ "ہم آج ... غیر معمولی حالات ہوئے تو ممکن ہے کہ رات بھی ... صبح ہم یہاں سے ضرور واپس چلے جائیں گے۔"

رضوان نے بچکانہ انداز میں مسرت ظاہر کی۔ "تم لوگ ... کوئی اعتراض نہیں۔ ویسے بھی کمرہ دن بھر خالی ... گھومنے جا رہے ہیں۔"

... والے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں ... نہیں جا سکتا۔"

... ہم کسی کو تمہارے بارے میں بتائیں۔" رضوان نے ... کہتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھایا ہی تھا کہ ٹائی ... میں بولا۔

... نہ کرو ورنہ میرا ریوالور گراں جانے لگا۔"
... تو اجازت ہے۔" سوٹ والے نے کہا۔ "لیکن ... مت کرنا۔ چلو اس صوفے کو گویا حدِ ماں ... تم دونوں کو نقل و حرکت کرنے کی اجازت ہے۔"
... ہو!" میں بے اختیار پوچھ بیٹھی۔
... سوٹ والے نے حیرت سے کہا۔
... کی تلاش میں ہو گی لہٰذا تم ہمارے کمرے کو پناہ گاہ ... چاہتے ہو۔ بارہ، چوبیس گھنٹے بعد جب تم لوگوں کو ... کا ایسی قرب و جوار میں نہیں ہے تو تم یہاں سے

... سوٹ والا ہنس پڑا۔ "چلو یہی سمجھ لو!"
... ہو کہ میرا اندازہ غلط ہے۔" میں اسے ٹٹولنے ... لگی۔
... کا جواب دینے کے پابند نہیں ہیں۔" سوٹ ... بہتر ہو گا کہ اب تم ہم سے مخاطب ہی نہ ہو۔ دل ... ساتھی سے باتیں کر سکتی ہو۔"
... رضوان نے میری طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس ...

... کچھ بولتی، دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ تینوں ... انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ... آہستہ میرے قریب آیا۔ وہ سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔ ... تم جا کر دروازہ کھولو اور دروازہ کھولتے ہی دو ... والے کو تمہاری آڑ میں نہیں رہنا چاہیے ... کوشش کرنا کہ اسے جلد از جلد رخصت کر دو!" ... آہستہ سے کہا۔
... کا اشارہ کیا تو تمہیں ایک بدترین نتیجے کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

میں نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا اور وہ تینوں آنے والے کی نظر سے بچے رہنے کی سبیل کرنے لگے۔ سوٹ والا تو اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ ٹائی والے نے ایک صوفے کی آڑ میں بیٹھ کر خود کو چھپا لیا اور بش شرٹ والا ایک پردے کے پیچھے چھپ گیا۔

میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ دستک دینے والا کمانڈر حق بھی ہو سکتا ہے اور وہ پولیس آفیسر بھی جو اب تک مجھ سے مفصل گفتگو کر کے اپنی رپورٹ مکمل نہیں کر سکا تھا۔ پولیس آفیسر کو تو میں اپنے دل میں بکھاڑ قرار دے چکی تھی اور مجھے اس سے کوئی توقع نہیں تھی لیکن اگر کمانڈر حق آ جاتا تو میں یہ امید باندھ سکتی تھی کہ شاید وہ فضا کا رنگ پہچان لے۔ میں اسے کوئی اشارہ تو کر نہیں سکتی تھی، اگر وہ خود ہی صورتِ حال کو بھانپ لیتا تو بات بن سکتی تھی۔

لیکن جب میں نے دروازہ کھولا تو پولیس آفیسر کی شکل نظر آئی، نہ کمانڈر حق کی، وہ تو ویٹر تھا جو برتن سمیٹنے کے لیے آیا تھا۔ میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر پیچھے ہٹ گئی لیکن وہ تینوں آڑ میں ہی رہے، تاہم ان کے ریوالور اب بھی مجھے اور رضوان کو نشانہ بنائے ہوئے ہوں گے۔

جب ویٹر ناشتے کے برتن سمیٹ کر لے گیا تو وہ تینوں آڑ سے نکل آئے۔ بش شرٹ والے نے خود ہی آگے بڑھ کر دروازہ بولٹ کر دیا۔

میں رضوان کے قریب جا بیٹھی۔

"میرے لباس میں اب بھی ایک ریوالور پوشیدہ ہے۔" رضوان نے سندھی زبان میں سرگوشی کرتے ہوئے مجھے بتایا لیکن وہ سرگوشی اتنی مدھم نہیں تھی کہ وہ تینوں اسے سننے سے قاصر رہتے۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی بات بڑی بے تکی سی معلوم ہوئی تھی۔ وہ اب کنکھیوں سے ان تینوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور سندھی ہی میں بولا۔ "انہیں یہ زبان نہیں آتی۔ اگر یہ میری بات سمجھ جاتے تو ریوالور کی تلاش میں میری طرف جھپٹ پڑتے۔"

"اوہ!" میں نے رضوان کا مقصد سمجھ کر ایک گہری سانس کھینچی اور پھر مسکرا کر کہا۔ "بعض اوقات تم بہت ذہانت کی حرکتیں کر جاتے ہو!"

"دھیل لگ جاتی ہے کبھی کبھی۔" رضوان نے مضحکہ خیز سنجیدگی سے کہا پھر بولا۔ "اب آپ کا کیا پروگرام ہے بانو جی!"

میں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔

ہمیں سندھی میں باتیں کرتے دیکھ کر ان تینوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا لیکن ان میں سے کسی نے بھی ہمیں ٹوکنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ شاید انہیں یہ اطمینان تھا کہ اگر ہم ان کے خلاف کوئی سازش کریں گے تو اس میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ ان تینوں میں سے ایک تو شوکیس پر چڑھ کر بیٹھ گیا

تھا اور دوسرے نے ایک صوفے پر نشست جمائی تھی، تیسرا مینٹل پیس سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔

"میں اس بچی کے لئے بےحد فکرمند ہوں" میں نے رضوان سے کہا۔ "آج دن میں اس پر نہ جانے کیا گزر جائے" میں نے دانستہ الماس کا نام نہیں لیا تھا اور نام کی بجائے "اس بچی" کے الفاظ استعمال کئے تھے۔

"میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اب ہم پر کیا گزرے گی"

"ان تینوں کے چہروں سے تو کسی خطرناک ارادے کا پتہ نہیں چلتا"

"کچھ اندازہ لگایا ان کے بارے میں؟"

"کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی! ایک امکان یہ بھی ہے کہ ہمیں جنوں کی گڑھی تک پہنچنے سے روکنے کے لئے ہی ان تینوں کو مامور کیا گیا ہو"

"انہیں مامور کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟"

"یہ سوال اور زیادہ پیچیدہ ہے"

"اس نئی پارٹی کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے شہر کرنے کے لئے ہم سے لفٹ لی تھی" رضوان نے رؤف احمد کا نام لینے سے احتراز کیا تھا۔

"اس کی شخصیت بہت زیادہ پُراسرار ہے"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اسی نے ان تینوں کو بھیجا ہو؟"

"ممکنات کی بات چھوڑو۔ ہمیں تو حتمی طور پر معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم کس مرحلے سے گزر رہے ہیں"

"حتمی طور پر تو آپ ہی معلوم کرتی رہیئے" رضوان نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "میں تو اب سوتا ہوں پڑ کر"

رضوان نے جوتے اُتارے اور بڑے صوفے پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ اتنا مطمئن ہرگز نہیں ہوگا جتنا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ صبح کی روشنی اب پوری طرح پھیل چکی تھی۔ اُن دونوں کے ریوالور اپنے نشانے سے ذرا بھی نہیں ہٹے تھے اور میں بڑی بےبسی محسوس کر رہی تھی۔ درمیانی فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ میری کوئی بھی حرکت، کوئی بھی داؤ کارگر نہیں ہو سکتا تھا لیکن میں اپنے ذہن پر دباؤ بڑھاتی چلی جا رہی تھی۔ کوئی نہ کوئی تدبیر سوچنا بےحد ضروری تھا۔

دس بج گئے لیکن میرے ذہن نے یاوری نہیں کی۔ رضوان اب سچ مچ سو چکا تھا لیکن میری آنکھوں کی نیند کافور ہو چکی تھی۔ کمرے میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ تینوں آپس میں بھی مخاطب نہیں ہو رہے تھے۔

گیارہ بج گئے کوئی تدبیر میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ کمرے پر چھایا ہوا سناٹا مجھے بہت بوجھل محسوس ہونے لگا۔ میں سائڈ ٹیبل میں فکس ریڈیو کا سوئچ آن کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ

ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں تو اس کی آ
وہ تینوں بھی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ ان
تھا جیسے ٹیلیفون کی گھنٹی بھی اُن کے لئے کوا
میں نے سوالیہ نظروں سے ان لوگوں
"تمہیں بات کرنے کی اجازت ہے"
دیکھتے ہوئے گویا فیصلہ سنایا۔" لیکن خیال
بولنے والے کو تم کوئی معمولی سا اشارہ بھی نہ
میں کوئی جواب دیئے بغیر ٹیلیفون کے
گھنٹی برابر بج رہی تھی لیکن رضوان اتنی گہری
گھنٹی بھی اسے نہیں جگا سکی تھی۔
"ہیلو!" میں نے ریسیور اُٹھا کر ماؤتھ
مادام صبیحہ بانو؟" ہوٹل کے آپریٹر
"میں بول رہی ہوں"
"بات کیجئے!" آپریٹر نے کہہ کر کسی سے سلسلہ
"ہیلو!" کمانڈر حق کی جانی پہچانی آواز
بڑی مشکل سے اپنی خوشی کے تاثر کو اپنے چہرے
"ہاں کیا بات ہے" میں بولی۔
"زحمت دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ م
میں اپنے کمرے میں پڑے پڑے گھبراہٹ کا ش
کی طرف سے کوئی ہدایت نہ ملنے کی وجہ سے م
"ٹھیک ہے۔ تم آ سکتے ہو!"
"جی!"
"میں تمہاری منتظر ہوں" میں نے کہا
منقطع کر دیا۔
"اس کا کیا مطلب ہوا؟" سوٹ والا مجھ
اُسے یہاں کیوں بلایا؟"
"اس نے خود ہی پوچھا تھا آنے کے
جواب دیا۔ "اگر میں اسے منع کرتی تو اسے میر
ہوتی کیونکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ آخر تم ا
میں کوشش کروں گی کہ وہ جلد از جلد رخصت
"وہ ہے کون؟"
"میرا ایک دوست ہے" میں نے
لیا تھا کہ کمانڈر حق سے دوستانہ انداز میں گفتگو
تھا کہ وہ میرے اس بدلے ہوئے انداز سے کہ
طرف سے کوئی ہدایت نہ ملنے کے باعث وہ گھ
"یہ کال کہاں سے کی گئی تھی؟" سوٹ
"یہ تو میں نے اس سے معلوم ہی نہیں کیا
"ہوں" سوٹ والے نے کچھ سوچتے

ہوں، ہم لوگ چھپ جائیں گے۔ پھر اگر ان
نے اُسے کوئی اشارہ کر دیا تو ہمارے ریوالور ان
ہوں گی؟
کی دھمکی مجھے مشتعل کر رہی تھی لیکن میرے لئے
وہ نہیں تھا۔
دروازے پر ہونے والی دستک پر لگے ہوئے تھے
دروازے ہی کی طرف تھی۔ میرا خیال تھا کہ دستک
حق نے وہ فون اپنے کمرے ہی سے کیا ہوگا۔
صورت حال سے بےخبر سوتا رہا۔ یہاں تک کہ
اگر ممکن تھا تو وہ فون اس نے ڈائننگ ہال

گیا
آیا!
تنہا ڈرتی ہوئی محسوس ہونے لگی کیونکہ کمانڈر حق
جانے تھی۔ پانچ منٹ اور گزر گئے تو مجھ پر تشویش
ان کے چہرے پر تاثرات کا رنگ نہیں بدلا وہ
والا آنے والا کہیں دور سے آئے گا!
گئے، گویا پورے بیس منٹ ہو چکے تھے۔
لیکن پریشانی کا سبب یہ ہرگز نہیں تھا کہ
محروم رہ گئی تھی۔ مجھے یہ خیال پریشان کر رہا تھا
کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ اب تک اسے یقینی طور پر

ذہنی طور پر بھونچال میں آ چکی تھی اور دوسری
پر بھی تاثرات کی تبدیلی نظر آنے لگی تھی۔
انہیں ابھی تک؟" ٹائی والے نے مجھے گھورتے
کہا۔
کہہ سکتی ہوں" میں نے اپنے لہجے کو پُرسکون
کوشش کی۔
دوسرے کی طرف دیکھا۔ تینوں کی نظروں
ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ اس
دلوں میں شکوک کی پیداوار ایک فطری امر تھی۔
جانتے تھے کہ میں نے ٹیلیفون پر اشاراتی جملوں

ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ اب میں اس
ہو چکی تھی۔ وہ یقیناً کسی چکر میں پھنس گیا
میں تھی کہ اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔
وہ تینوں پوری طرح چوکنا نظر آ رہے تھے وہ کوئی
ہونگے لیکن میں جانتی تھی کہ ان کے لئے کوئی

خطرہ نہیں ہے۔ میں نے کمانڈر حق سے کوئی اشاراتی جملہ نہیں کہا تھا۔

جب ڈیڑھ بجے دروازے پر دستک ہوئی تو میں اس طرح چونک گئی جیسے قریب ہی کہیں سانپ نظر آ جائے۔ دراصل اب تو مجھے کمانڈر حق کے آنے کی اُمید ہی نہیں رہی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی اور سوالیہ نظروں سے ان تینوں کی طرف دیکھا۔

سوٹ والے نے سر ہلا کر مجھے دروازہ کھولنے کی اجازت دی اور پھر وہ تینوں خود کو پوشیدہ کرنے کے لئے تیزی سے حرکت میں آ گئے۔ ایک اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ دوسرے نے پردے کی آڑ لے لی اور تیسرا صوفے کے پیچھے چھپ گیا۔

میں دروازے کی طرف بڑھی اور میرا ذہن تیزی سے ان خطوط پر کام کرتا رہا کہ مجھے کمانڈر حق سے کس انداز میں گفتگو شروع کرنی چاہیئے۔

میں نے دروازہ کھولا — اور حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گئی۔

دروازے کے باہر نادرہ کھڑی تھی۔ وہی نادرہ جو ایک روز قبل میری آغوش کو اپنے بدن کی خوشبو سے مہکا چکی تھی۔ اسے میرے دباؤ میں آ کر میرے جذبوں کا ہدف بننا پڑا تھا اور رخصت ہوتے وقت وہ ناراض ناراض سی تھی۔ اس کا کوئی امکان ہی نہیں تھا کہ وہ خود کبھی از خود میرے پاس آئے گی لیکن میری آنکھیں اسے اپنے سامنے پا رہی تھیں۔

"تم . . ." میرے منہ سے بےاختیار نکلا اور اس کے ساتھ ہی مجھے ان تینوں کی ہدایت یاد آئی۔ میں جلدی سے دو تین قدم پیچھے ہٹ گئی۔ نادرہ یہ سمجھی کہ میں نے اسے اندر آنے کے لئے راستہ دیا ہے۔

وہ اندر آ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ ہاتھ میں کتابیں دبی ہوئی تھیں اور اس امر سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کالج سے سیدھی یہیں آئی ہے۔

"مجھے دیکھ کر آپ حیران ہوئی ہیں نا؟" وہ بڑی معصومیت سے بولی۔

میں آگے بڑھ کر دروازہ بولٹ کرنے لگی تھی۔ پلٹ کر میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "کیا مجھے حیران نہیں ہونا چاہیئے؟ ویسے میں تمہیں دیکھ کر خوش بھی ہوئی ہوں۔" میں نے بڑی محبت سے اس کا بازو تھام لیا اور اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے، صوفے کی طرف بڑھی۔ "یہاں بیٹھو!" یہ کہتے ہوئے کتابیں اس کے ہاتھ سے لے لیں اور انہیں اپنے برابر میں رکھ لیا۔

نادرہ کچھ جھینپی جھینپی سی تھی۔ میں نے اسے اتنا قریب کر کے بٹھایا تھا کہ ہمارے بدن ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ وہی جانی پہچانی سی خوشبو، وہی شناسا جلن، جو گزشتہ روز مجھے جلا چکی تھی، دہکا چکی تھی، آج پھر مجھے ستانے چلی آئی تھی۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھتا کہ جوانی کا راز کیا ہے تو میں جواب میں نادرہ کا نام لیتی۔ وہ بڑی بھری بھری سی لڑکی تھی۔

"آپ کی ایک بات سے میں بے حد متاثر ہوئی ہوں اور اسی لئے آج یہاں کھنچی چلی آئی۔" نادرہ نے بہت دھیمے لہجے میں اور بہت سنجیدہ ہو کر کہا۔

"اوہو!" میں ہنس پڑی۔ "آخر ایسی کیا بات ہو گئی؟"

"میں نے ایک ٹھوکر کھائی ہے۔" نادرہ کچھ رنجیدہ بھی نظر آنے لگی۔ "اور آپ نے اس کی پیشگوئی بھی کر دی تھی۔"

"وہ کیا؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔ "میں نے کونسی پیشگوئی کی تھی؟"

"آپ نے کہا تھا کہ ان مردوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔" نادرہ کی آواز بھرا گئی۔

"اوہ!" میں اس کی صورت تکتی رہ گئی۔ کچھ کچھ اندازہ ہونے لگا تھا کہ کیا واقعہ پیش آیا ہوگا۔

"یہ میری زندگی کا المیہ ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا وہ دوسرے دن ہی پورا ہو گیا۔" نادرہ کی پلکوں پر نمی دکھائی دینے لگی تھی۔ قدرے توقف کر کے اس نے اپنی بھرائی ہوئی آواز پر قابو پانے کی کوشش کی اور دوبارہ بولنا شروع کر دیا۔ "جیسا کہ آپ نے کہا تھا، وہ ایک بھونرا ہی ثابت ہوا جو ایک کلی کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری کی تلاش میں رہتا ہے۔ آپ کی پیشگوئی کے ایک دن بعد ہی یہ بات ثابت ہو گئی۔ میں نے اسے ایک اور لڑکی کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ میں مشتعل ہو گئی اور اسے نظر انداز نہیں کر سکی۔ میں دندناتی ہوئی اس کے قریب گئی اور لڑکی کے سامنے ہی اس پر برس پڑی۔ جو بھی میرے منہ میں آیا، بکتی چلی گئی۔ میرا انداز اتنا جارحانہ اور اتنا شدید تھا کہ وہ بھی برداشت نہ کر سکا۔ اس نے میرے منہ پر طمانچہ مار دیا اور اس کے ساتھ ہی الفاظ میرے حلق میں اٹک گئے۔ مجھے ذرا دیر کے لئے سکتہ سا ہو گیا اور جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو مجھے احساس ہوا کہ کیا ہو چکا ہے۔ مجھے طمانچہ مارنے والا وہ شخص تھا جو کبھی میرے عارض کی قسمیں کھایا کرتا تھا۔ جب مجھے یہ احساس ہوا تو میں رو پڑی، میرا دل رو پڑا، میرا پورا وجود رونے لگا اور میں روتی ہوئی وہاں سے چلی آئی۔"

میں نے دیکھا کہ نادرہ اس وقت بھی رو رہی تھی۔ اس کی کٹورا آنکھوں سے بہتے ہوئے اشک اس کے عارضوں پر اپنی کہانیاں رقم کر رہے تھے۔ اس کے دل کا ناسور بہہ نکلا تھا۔ درد کی ایک نہر پھوٹ پڑی تھی یا اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور میں نے اسے اپنے سینے میں چھپا لینے کی کوشش کی۔ میں اس کی پیٹھ تھپک رہی تھی اور اپنے ہونٹوں سے اس کے آنسو پی رہی تھی۔ میں نے اسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی۔ دل کا درد بہہ جاتا تو وہ پُرسکون ہو جاتی۔

ذرا دیر کے لئے میں یہ بھی بھول گئی تھی کہ خوفناک اور اجل رساں ریوالور مجھے نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔

کچھ دیر تک رونے کے بعد نادرہ کی آ[...]
ہو گئیں۔

"زندہ رہنا بھی ایک فن ہے نادرہ!" [...]
پہلی بار زبان کھولی۔ "جب تم درد کے تھپیڑوں کو [...]
اڑانا سیکھ لو تو سمجھ جانا کہ تمہیں بھی اس فن پر دسترس [...]
فن نہیں سیکھنا چاہتیں؟"

"یہ مت سمجھئے کہ میں اپنی ناکامی پر روئی [...]
ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ آنسو تو میں نے اپنی بے [...]
میں اپنے آپ کو بہت ذہین سمجھتی تھی لیکن اس وا[...]
پاش پاش کر دیا ہے۔ یہ بُت اس طرح ٹوٹا ہے کہ [...]
زندگی احساس کمتری کا شکار رہوں گی۔"

"اس میں احساس کمتری کا شکار ہونے کی [...]
حوادث کا مجموعہ ہے ہماری زندگی۔ یہ حادثے ہ[...]
ہیں۔ میں تو حادثوں کو معلم کہتی ہوں۔ ان سے بڑا معل[...]
یہ تمہیں جو کچھ سکھائیں اسے گرہ میں باندھ لو اور سنہ[...]
کے خارزار میں چل پڑو۔"

"کیا میں منہ دھو سکتی ہوں؟" نادرہ نے [...]

"ہاں ہاں کیوں نہیں؟... وہ سے [...]
کمرے سے منسلک باتھ روم کی طرف اشارہ کیا۔

وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلی گئی اور [...]
جیسے ہی دروازہ بند کیا، صوفے کی آڑ میں بیٹھے [...]
آمیز سرگوشی کی۔ "اس لڑکی کو جلد از جلد دفع کرو [...]
میں جیسے چونک پڑی۔ خیالوں کی بستی [...]
لوٹ آئی۔

یہ سب کچھ تو ہوا تھا مگر رضوان کی نیند [...]
"سن لیا تم نے؟" غراہٹ پھر سنائی [...]
مجھے اثبات میں سر ہلانا پڑا۔ اس وقت میر[...]
کر رہ گئی تھی۔ اگر وہ لوگ نہ ہوتے تو نادرہ کے [...]
سکتا تھا لیکن مجھے پھر خیال آیا کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے [...]
یہاں نہ ہوتی۔ پروگرام کے مطابق تو مجھے اس وقت [...]
قریب دربار میں ہونا چاہئے تھا۔ یہ خیال آیا تو مجھ[...]
الماس کے ساتھ جاگیردار شوکت، ڈاکٹر فرخ [...]
بھی آیا۔ ایک جال سا بچھا ہوا تھا اور میں اس کے [...]
ہوئی نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ آغاز [...]
میں کیپٹن آفاق جیسی شخصیت بھی تو رت تھی۔

میرے ذہن میں ابھرتی ہوئی یہ ساری [...]
اندھیرے میں ڈوب گئیں جب نادرہ باتھ روم [...]
اس کا دھلا ہوا چہرہ چنبیلی کی طرح تر و تازہ نظر آ[...]

[...]لیا نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر پھر اپنے پہلو میں بٹھا [...]

[...]بھول جاؤ نادرہ!" میں نے کہا۔ "یاد ماضی کا عذاب [...]

[...]تو کھائی ہے کہ اب کبھی کسی مرد پر بھروسہ نہیں کروں [...]کبھی کوئی تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔"

[...] سے پہلے ہی مردوں کی نفسیات کو سمجھ لیا تھا۔"
[...]ادرہ کے زانوں پر رکھتے ہوئے کہا۔ دائیں ہاتھ سے
[...] ہوئی، نادرہ کی کالج کی فائل کو الٹ پلٹ کر رہی
[...]انگلیاں فائل سے منسلک بال پوائنٹ سے ٹکرائیں
[...]گرنے سے پانی کی سطح پر پیدا ہونے والا دائرہ تیزی
[...]اح میرے ذہن میں بھی ایک دائرہ پھیلتا چلا گیا۔
[...]ہی تھی اس نے میرے جسم میں سنسناہٹ سی

[...]نے اپنے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا۔" نادرہ بولی۔
[...]پھر کسی وقت پر اٹھا رکھو!" میں نے مسکرا کر کہا اور
[...]ں میں پکڑ کر فائل کھول لی۔
[...]تھی کہ میرا دایاں ہاتھ اور وہ فائل، ان تینوں میں
[...]میں آ سکتی تھی۔

[...]والد کیا کرتے ہیں؟" میں نے نادرہ سے پوچھا۔
[...]ات گزاری کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے نادرہ کا
[...]ہماز ہی تو جیسے ہوا میں اڑ رہا تھا اور ہاتھ کی جنبش
[...]ل کی طرف دیکھے بغیر بڑی تیزی سے لکھتی چلی

[...]ں زندگی خطرے میں ہے۔ تین آدمی کمرے میں چھپے
[...]ہاس ریوالور ہیں۔ انہوں نے مجھے کمرے میں روک رکھا
[...]مات کی اطلاع دے دو تو میں تمہاری شکرگزار

صبیحہ بانو

[...] نے دیکھے بغیر لکھا تھا لیکن مجھے توقع تھی کہ نادرہ
[...]ف کو سمجھنے میں ناکام نہیں رہے گی۔ یہ چند سطریں
[...]کر دی۔

[...]ممکن ہے کہ کل تم پھر مجھ سے ملاقات کر لو۔"
[...]ہوں گی!" نادرہ نے کہا اور پھر سرتے ہوئے رضوان
"[...] صاحب کون ہیں؟ انھیں میں نے اس روز
[...] آتے دیکھا تھا!"
[...]سمجھو!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "مردوں کو دوست
[...]نہیں ہوتا۔"
[...]الی اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، پھر اپنی

گھڑی پر نظر ڈال کر بولی۔ "اچھا اب اجازت دیجئے!"

"کل ضرور ملنا۔" میں نے اس کی کتابیں اسے تھماتے ہوئے کہا اور کھڑی ہو گئی۔ میں نے فائل اوپر ہی رکھی تھی اور دل ہی دل میں خدا سے دعا کر رہی تھی کہ نادرہ کو جلد ہی کسی وجہ سے فائل کھولنا پڑ جائے۔ میں اسے چھوڑنے کے لئے دروازے کی طرف گئی۔

"اس وقت میں بڑا عجیب سا محسوس کر رہی ہوں۔" دروازے کے قریب رک کر نادرہ نے جھینپے جھینپے سے انداز میں کہا اور میں سمجھ گئی کہ اسے کیا یاد آ گیا تھا۔ میں ہنس پڑی۔

"اچھا... خدا حافظ!" نادرہ نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ!" میں نے جواباً ہاتھ ہلایا اور جب میں دروازہ بولٹ کر کے مڑی تو وہ تینوں اپنی اپنی پناہ گاہوں سے باہر آ چکے تھے۔ ان کے چہروں پر ناگواری کے تاثرات تھے مگر وہ اس مسئلے پر مجھ سے نہیں الجھے کہ میں نے نادرہ کو اتنی دیر کیوں بٹھائے رکھا تھا۔

میں بھی خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی اور تپائی سے ایک میگزین اٹھا کر اس طرح ورق گردانی کرنے لگی جیسے ارد گرد کا ماحول بے حد خوشگوار ہو لیکن میرا ذہن نادرہ کی فائل میں الجھا ہوا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ نادرہ وہ فائل کب کھولے گی؟ شاید وہ گھر جا کر کھانا کھانے کے بعد اسٹڈی کرنے بیٹھے۔ اسی صورت میں اس کی نظر میری تحریر پر پڑ سکتی تھی۔

تین بجے کے قریب رضوان کے ساکت جسم میں کلبلاہٹ سی ہوئی۔ پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور ایک انگڑائی لے کر اٹھ گیا۔

"بہت کم سوئے؟" میرا لہجہ طنزیہ تھا۔

رضوان نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "ارے تین بج گئے۔"

"اور اس دوران میں وہ کچھ ہو چکا ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" میں نے سندھی زبان میں کہا۔

"یعنی؟" رضوان نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا اور سگریٹ کا پیکٹ کھولنے لگا۔

میں نے اسے تفصیل سے سارے واقعات بتا دیے اور رضوان نے وہ سب کچھ بڑے انہماک سے سنا۔ جب میں خاموش ہو گئی تو وہ بولا۔ "گویا نادرہ ہماری نجات دہندہ بن سکتی ہے؟"

"ایک امکان تو ہے!"

رضوان نے سگریٹ سلگا لی تھی۔ وہ کچھ سوچتا ہوا ہلکے ہلکے کش لیتا رہا، پھر اچانک اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا اردو ہی میں بولا۔ "معدے میں بڑا پُر ہول سناٹا چھایا ہوا ہے!"

"سنو!" سوٹ والا بول پڑا۔ "تم لوگ چاہو تو روم سروس کو آرڈر دے کر اپنے لئے کھانا منگوا سکتے ہو!"

"اور تم لوگ؟" رضوان نے پوچھا۔

"ہم کھانا کھائے بغیر کئی روز تک زندہ رہ سکتے ہیں!" سوٹ

واؤ مسکرایا۔
"یہ شعبدے بازی ہمیں نہیں آتی۔" رضوان نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔
میں سمجھ چکی تھی کہ ان تینوں کو بھوکا رہنا کیوں گوارا ہے۔ وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ اگر دو کی بجائے پانچ افراد کا کھانا منگایا جاتا تو روم سروس والوں کو اس پر تعجب ہو سکتا تھا۔
رضوان نے فون کا ریسیور اٹھا کر روم سروس سے رابطہ قائم کیا اور دو آدمیوں کے لئے کھانے کی ہدایت دی۔
جب ویٹر کھانا لے کر آیا تو وہ تینوں پھر اپنی پناہ گاہوں میں چھپ گئے۔
کھانے کے دوران میں رضوان پر ایک بار پھر کسی سوچ کا دورہ پڑ گیا اور وہ مجھ سے بالکل مخاطب نہیں ہوا۔ ادھر میں بھی صرف اسی خیال میں کھوئی ہوئی تھی کہ شاید اب نادرہ نے اپنی فائل کھول کر دیکھ لی ہو۔
کھانا کھانے کے بعد رضوان کے ساتھ میں نے بھی سگریٹ جلائی۔
رضوان کے چہرے پر سکون ہی سکون کھیلا ہوا تھا لیکن میں اندازہ کر سکتی تھی کہ یہ ویسا ہی سکون ہے جیسا میرے چہرے پر نظر آ رہا ہو گا۔ درحقیقت میں جتنی پریشان تھی، اس سے زیادہ پریشانی رضوان کو ہو گی۔ میں نہ صرف اپنے لئے بلکہ نادرہ حق کے لئے بھی متفکر تھی۔ نہ جانے اس پر کیا گزری ہو گی، میں اندازہ لگانے سے قاصر تھی۔
کچھ دیر بعد ویٹر آیا اور کھانے کے برتن لے کر چلا گیا۔ اس وقفے میں ان دونوں نے خود کو پوشیدہ رکھا۔
"آج تمہارا جوڈو اور کیراٹ سب دھرا رہ گیا۔" رضوان نے برا سا منہ بنا کر سندھی میں کہا۔
"دنیا میں جوڈو اور کیراٹ کا جو سب سے بڑا ماہر ہے وہ بھی اس سچویشن میں بے بس ہو جائے گا۔ جب دو ریوالور سامنے ہوں اور درمیانی فاصلہ بھی آٹھ فٹ سے کم نہ ہو تو کیا کیا جا سکتا ہے؟"
"یہ تو میں اس وقت بتاتا جب اس فن کا ماہر ہوتا۔"
"تم فضول باتیں کیوں کر رہے ہو!" میں جھنجھلا گئی۔
"وقت گزاری کے لئے کچھ تو ہونا چاہئے۔" رضوان نے بڑی سادگی سے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو عشقیہ باتیں شروع کروں!"
"بس اب خاموش ہو جاؤ۔" میری جھنجھلاہٹ بڑھ گئی۔
"اچھا!" رضوان نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور چپ ہو گیا۔
پھر شام ہونے تک وہ خاموش ہی رہا تھا۔
بش شرٹ والے نے بٹن دبا دیا کر کمرے کی چاروں بتیاں روشن کر دیں اور رات کی تاریکی پھیلنے سے کچھ دیر پہلے ہی کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔
سات بج چکے تھے جب رضوان نے روم سروس سے رابطہ

قائم کر کے چائے کے لئے کہا۔ ان تینوں نے ا
تھا۔ ابھی تک ان کے رویے میں کوئی ایسی با
معاندانہ کہا جا سکتا۔ جب ویٹر چائے لے کر
اور جب ویٹر چلا گیا تو وہ پھر سامنے آ گئے۔ کھا
چائے میں بھی شرکت نہیں کی تھی۔ سارا دن انہ
کر گزار دیا تھا۔
آدھے گھنٹے بعد ویٹر آیا اور چائے کے
کے دس منٹ بعد جب دروازے پر دستک ہوئی
پڑا۔ ویٹر برتن لے کر جا چکا تھا اس لئے اب اس
ممکن نہیں تھی جب تک اُسے بلایا نہ جاتا۔
میں نے کمرے پر چھائے ہوئے سناٹے میں
کیا اور سوالیہ نظروں سے ان تینوں کی طرف دیکھا
دروازے کھولنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ تینوں بڑی
میں پہنچ گئے۔
میں دروازے کی طرف بڑھی۔ رضوان اپنی
کی نظر دروازے ہی کی طرف تھی۔
میں نے دروازہ کھولا اور کھولتے ہی چونک
تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ دستک دینے والا
سوٹ میں اس وقت بھی خاصا اسمارٹ نظر آ رہا
پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ دایاں ہاتھ کوٹ کی
کر ایک قدم پیچھے ہٹی ہی تھی کہ اس کا ہاتھ کوٹ
میرا یہ خدشہ غلط ثابت ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ میں
نے اس کے ہاتھ میں ایک بے ضرر سی چیز دیکھی
"ملاحظہ فرمایئے!" اس نے کارڈ میری طر
کر کہا اور کمرے میں آ گیا۔
غیر شعوری طور پر میرے ہاتھ نے جنبش کی
ہاتھ سے میرے ہاتھ میں منتقل ہو گیا۔ کارڈ پر لکھا

سپرنٹنڈنٹ رؤف احمد
فرام "سی۔ آئی۔ اے"

میں نے حیرت سے منہ کھول کر اس کی طرف
پلٹ کر دروازہ بند کر رہا تھا۔ بولٹ لگانے کے
کمرے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔
"اب چھپے رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔"
میں نے تیزی سے گھوم کر پیچھے دیکھا۔
سے نکل رہے تھے اور اب ان میں سے کسی کے
دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
رضوان کے چہرے پر بھی حیرت کے تاثرا
جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

ہا جھانکتے ہوئے" رؤف احمد نے تحکمانہ لہجے میں ان تینوں
دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے دروازے کی طرف
ؤف احمد نے پھر میری طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا "کیا
کے لئے نہیں کہیں گی؟"
ا" میں نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر کہا۔
ظاہر پر چل نکلا تھا کہ کیا کوئی نیا جال بچھایا جا رہا ہے؟
وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ تینوں کمرے سے جا چکے تھے۔
مت نہ ہو تو دروازہ بند کر لیجئے!" رؤف احمد نے

وازہ بند کر کے مڑی تو رضوان، رؤف احمد کو گھور
قریب پہنچ گئی۔ رؤف احمد کا کارڈ اب بھی میرے ہاتھ
مجھ سے لے لیا اور اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالنے
بعد رؤف احمد کو گھورنے لگا۔
ئی اہمیت نہیں رکھتا۔" رضوان نے خشک لہجے میں
ہزاروں کارڈ چھپوا سکتا ہے۔"
ناپسند کریں تو میرے پاس شناختی کارڈ بھی ہے۔"

دیکھ کر ہی اطمینان ہو سکتا ہے۔"
اس نے اپنی جیب سے شناختی کارڈ نکالا لیکن رضوان
میری طرف بڑھا دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ اب آپ
آپ تشریف تو رکھیں۔"
اس کا شناختی کارڈ دیکھتی ہوئی اس کے سامنے
ایک طویل سانس لے کر وہ کارڈ رضوان کی طرف
نے بھی کارڈ کو غور سے دیکھا اور پھر خشک لہجے میں بولا۔
ماندوں کا یہ رویہ تو بہرحال ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔"
وضاحت ضرور کروں گا۔" رؤف احمد نے رضوان کی
ف دیکھتے ہوئے دیا "لیکن یہ ضروری ہے کہ
تنہائی میں ہو۔"
محسوس ہونے لگا تھا جیسے معاملہ بہت گمبھیر

مطالبے پر رضوان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔
اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ اُسے دوسرے کمرے
وہ ڈھیلا پڑ گیا۔ یہ صاف محسوس ہو گیا تھا کہ اُسے
گوارا ہی ہے۔
ؤف احمد نے مجھ سے اس وقت کہا جب رضوان
میں جانے کے بعد بڑے زور سے دروازہ بند کر

اس سپاٹ لہجے میں بولی۔
پہلے تو میں اس بات کی معذرت چاہتا ہوں کہ آج ..

دن بھر آپ کو میری وجہ سے زحمت ہوئی۔"
"میرا خیال ہے کہ ان تکلفات کی ضرورت نہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔
"میں خود بھی ان تکلفات میں نہیں پڑنا چاہتا کیونکہ وقت بہت کم ہے۔" رؤف احمد نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا اور پھر آگے جھک کر بہت ہی مدھم سرگوشی میں بولا۔ "پریسیڈنٹ اسی وقت آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"
"پریسیڈنٹ؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "کون پریسیڈنٹ؟"
"آہستہ بولیے۔" رؤف احمد نے پہلے ہی کے سے انداز میں سرگوشی کی۔
"پریسیڈنٹ سے میری مراد صدر مملکت سے ہے۔"
میں سناٹے میں آ گئی۔ یہ تصور بھی محال تھا کہ کسی وقت خود پریسیڈنٹ مجھ سے ملنے کے خواہشمند ہوں گے۔
رؤف احمد پھر بولا۔ "آپ کو اسی وقت میرے ساتھ پریسیڈنٹ ہاؤس چلنا ہے اور ہونے والی اس ملاقات کا علم ابھی تک کسی تیسرے فرد کو نہیں ہے۔ پریسیڈنٹ کی خواہش ہے کہ وہ چوتھا فرد کبھی پیدا نہ ہو۔"
میں رؤف احمد کی صورت دیکھتی رہ گئی۔
"میں پھر عرض کروں گا کہ وقت بہت کم ہے۔" رؤف احمد اپنی گھڑی پر نظر ڈال کر مضطربانہ انداز میں بولا۔
"یہ معاملہ اتنا اہم ہے کہ میں سوچنے کے لئے وقت چاہوں گی۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔
"اوہ!" رؤف احمد کی آنکھوں سے پریشانی جھانکنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ آپ پانچ منٹ سوچ لیں۔ دراصل وقت کی کمی اس لئے ہے کہ پریسیڈنٹ رات ہی کو کسی وقت کراچی جا رہے ہیں اور روانگی سے قبل آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اس معاملے میں سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔ اتنی خفیہ ملاقات کا سبب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور نہ جانے کیوں میں یہ محسوس کرنے لگی تھی جیسے عنقریب میں کسی سیاسی اسکینڈل میں بھی ملوث ہو جاؤں گی۔
اُن دنوں ملک کے حالات بڑے نازک موڑ پر محسوس ہو رہے تھے۔ پریسیڈنٹ کی شخصیت لوگوں کی نظر میں مشتبہ ہو چکی تھی۔ سیاسی فضا میں حبس سا تھا اور بادل کسی وقت بھی برس سکتے تھے۔ ان حالات میں پریسیڈنٹ سے یہ خفیہ ملاقات کرتے ہوئے میرا دل ڈر رہا تھا۔ گو کہ اس سے پہلے خود میں نے پریسیڈنٹ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور ان سے مل بھی چکی تھی لیکن یہ صورت حال بہت مختلف تھی کہ خود پریسیڈنٹ مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔
"پانچ منٹ ہو گئے۔" رؤف احمد بولا تو میں اپنے خیالات سے چونکی۔
"اچھا... چلئے!" میں نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے فیصلہ کیا۔
"آپ مسٹر رضوان کو بھی یہ نہیں بتائیں گی کہ آپ میرے ساتھ کہاں

جارہی ہیں۔"

"بہتر ہے۔" میں نے کہا۔

میں دل ہی دل میں فیصلہ کر چکی تھی کہ پریسیڈنٹ سے ملنے کے بعد اگر میں نے اس ملاقات کے پس منظر میں کسی قسم کا اشتباہ محسوس کیا تو پھر میں اپنی پہلی فرصت میں وزیر خارجہ سے بھی اپنے طور پر ایک خفیہ ملاقات ضرور کروں گی۔ سیاسی افق پر وہی ایک ایسا چہرہ تھا جس پر اعتبار کر لینے کو جی چاہتا تھا۔

تہران ائیرپورٹ کے وی آئی پی روم میں ان سے میری ایک ملاقات ہو بھی چکی تھی اور انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر کبھی کسی معاملے میں مجھے ان کی مدد درکار ہو تو ان سے فوراً مل لوں۔ اب شاید وہ وقت قریب آگیا تھا جب مجھے اُن سے ملنا پڑتا۔

سپرنٹنڈنٹ رؤف احمد کار ڈرائیو کر رہا تھا اور میں اُس کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مُلک کی سیاسی فضا کے دائو پیچ میرے ذہن میں اُتھل پتھل کو دمچائے ہوئے تھے۔ ان سب باتوں کو پس منظر میں رکھ کر میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ صدر مملکت سے میری یہ ملاقات کس نوعیت کی ہوگی؟ میرا یہ احساس بڑا عجیب تھا کہ میں کسی سیاسی گورکھ دھندے میں پھنسنے والی ہوں۔ ایسے بے بنیاد خیالات کو عموماً احمقانہ قرار دیا جاتا ہے لیکن صد فیصد موقعوں پر ایسا نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اس قسم کے خیالات چھٹی حس کا کرشمہ ہوتے ہیں اور حیاتِ انسانی کا یہ عجوبہ یعنی یہ پراسرار چھٹی حس، مردوں کی برنسبت عورتوں میں زیادہ قوی ہوتی ہے۔ بعد میں یہ ثابت بھی ہو گیا کہ میرا یہ خیال احمقانہ نہیں بلکہ چھٹی حس کا کرشمہ تھا۔

میری قوتِ فکر کی روشنی، مستقبل کے دھندلکے میں داخل ہونے کی کوشش کرتی رہی اور اس کے ساتھ ساتھ زمانۂ حال و ماضی کی اُلجھی ہوئی ڈور بھی میرا امتحان لیتی رہی۔ رؤف احمد نے مجھے سارا دن ہوٹل کے کمرے میں محبوس رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور میں اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ مجھے یہ جاننے کا بھی اضطراب تھا کہ اس دوران میں کیا کچھ ہو چکا ہوگا۔ میں خاص طور سے الماس کے لئے فکرمند تھی۔ جس کے وجود کی مہکار کسی آغوش کی زینت بننے کی بجائے جاگیردار شوکت کے زنداں میں محبوس تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس پر کیا گزری ہوگی لیکن میرے خیال کے مطابق رؤف احمد کو اس کے بارے میں مکمل معلومات ہوں گی۔

راہ میں مجھے رؤف احمد سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ قصرِ صدارت تک کا فاصلہ طے ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

پھر رسمی کارروائی میں بھی زیادہ وقت صرف نہیں ہوا اور مجھے اس کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں صدر کی پُروقار شخصیت میری منتظر تھی۔

ان کے چہرے سے تفکر کا اظہار ہو رہا تھا۔ پیشانی پر
بڑی ہوئی تھیں لیکن مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنے
تاثرات لانے کی کوشش کی۔ میں نے انہیں سلام کیا تو
جواب دیا اور بولے۔

"تم حیران تو ہوگی کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا۔
میں نے اُن کے اندازِ تخاطب میں نمایاں تبد
ملاقات میں انہوں نے مجھے "تم" کہہ کر مخاطب نہیں
یہ بے تکلفی گراں نہیں گزری۔ میں نے اس بے تکلفی ر
تھا کیونکہ وہ بہرحال عمر میں مجھ سے بڑے تھے۔

"میری حیرت ایک قدرتی امر ہے جنابِ وا
"کیا آپ کے خیال میں مجھے حیران نہیں ہونا چاہیئے؟"
صدر آہستہ سے ہنسے لیکن فوراً ہی پھر سنج
"آپ بہت پریشان نظر آرہے ہیں جناب
نہیں رہ سکی۔

"پریشان؟ ہاں میں پریشان تو ہوں لیکن
مطابق بہت پریشان نہیں ہوں۔" صدر مسکرائے
زیادہ جاندار نہیں تھی۔ "دراصل میں تم سے آفاق
کرنا چاہتا تھا۔ وہ دوبارہ تو تمہارے لئے پریشانی
"جی نہیں۔ مجھے ان سے پھر کوئی شکایت نہیں
"آج مجھے ان دیواروں سے بڑی گھٹن ہو
اچانک صدر کھڑے ہو گئے "آؤ ذرا باہر چلیں۔"
"باہر؟" میرا متعجب ہونا فطری تھا۔
"باہر سے میری مُراد پائیں باغ سے ہے
میں اپنے ذہن میں اُلجھ کر رہ گئی۔ صدر کا
سے بالاتر تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لئے ہوئے کمرے
باغ تک چلے آئے۔ سیکورٹی کے آدمیوں کو ا
ہدایت کر دی تھی۔

پائیں باغ پھولوں کی خوشبو سے مہک
موجود تھی۔ ایک جگہ سائبان سا بنا ہوا تھا جس
ہوئی تھیں۔ اس جگہ بیٹھ کر آس پاس کے ماحول
تھی۔ صدر نے اس جگہ کا انتخاب کر کے مجھے یہ سو
وہ مجھ سے کوئی اہم ترین گفتگو کرنے والے ہیں، کوئی ا
لفظ بھی کسی اور کے کانوں تک نہیں پہنچنا چاہیئے
میں سنسناہٹ سی پھیلتی ہوئی محسوس کرنے لگی اور
میں ناہمواری آگئی۔ عنقریب میں کسی اہم معاملے
بننے والی تھی۔

"بیٹھو!" صدر نے سگار سلگا کر میری

ہوں بدستور ٹھہری تھی۔
شکریہ جنابِ والا!" میں نے چونک کر کہا اور اُن کے
گئی۔
تم ہی بہت پریشان نظر آرہی ہو!" صدر ایک

تو نہیں لیکن میں بہت بُری طرح اُلجھ کر رہ گئی ہوں۔
ہو رہا ہے جیسے آپ کوئی ایسی گفتگو چھیڑنے والے ہیں جس
ہی کر سکتی۔"
احساس بالکل درست ہے۔ میں ایک ایسی گفتگو کا
ہوں جو تمہارے لئے بہت عجیب و غریب ہوگی۔" صدر کے
فقروں نے میرے اعصابی تناؤ میں اضافہ کر دیا۔
نے سگار کا ایک گہرا کش لیا اور کچھ سوچنے لگے۔ ایسا معلوم
گفتگو کا آغاز کرنے کے لئے مناسب الفاظ ڈھونڈ
جب انہوں نے بولنا شروع کیا تو اُن کا انداز ایسا تھا
بڑی احتیاط سے چُن چُن کر لفظ پر رہے ہوں۔
بات سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں بیٹی بانو
وطن عورت ہو، اس لئے مجھے یقین ہے کہ میں جو کچھ
اسے اپنے دل کے مدفن میں چھپا دو گی۔ اگر مجھ کو اس
وقت تم میرے سامنے نہ ہوتیں۔" صدر نے قدرے
کے دو ایک کش لینے کے بعد دوبارہ بولنے لگے۔ "ہر
طرح تم بھی یہ جانتی ہو گی کہ آج کا امریکہ خود کو ساری
لگا ہے۔ نہ صرف سمجھنے لگا ہے بلکہ دوسروں کو یہ
ہر ممکن کوشش کر ڈالتا ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ کی
ایجنسی انتہائی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ ساری دنیا
ہو چکا ہے کہ بعض چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے سربراہ
سے کانپ جاتے ہیں۔ جن ملکوں کی فضا میں امریکہ کی
ہواتے وہاں یہ ایجنسی بہت زیادہ متحرک ہو جاتی ہے۔
حالت پاکستان میں بھی ہو گئی ہے۔"
نے احتیاط سے پہلو بدلا جیسے مجھے خدشہ ہو کہ عدم
تک صدر کی اس رواں دواں تقریر کو ٹھیس پہنچ

ہونٹوں میں دبے ہوئے سگار کے سرے پر راکھ جمع ہوتی
جس میں چنگاریاں سلگنے لگیں۔ جب کوئی سربراہ مملکت
سی آئی اے کا ذکر کر رہا ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ بس
ہلاک آئیں گے۔
رک کر پھر بولنا شروع کیا۔ "ہماری آزاد خارجہ پالیسی
اور دوستی امریکہ کی طبع نازک پر گراں گزری ہے۔ صدر
جبکہ امریکہ کی خواہش ہے کہ چین کو دھتکار دیں جبکہ

چین ہمارا سب سے عظیم دوست ہے۔ ہم اس کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمارے اس موقف کو محسوس کر کے امریکہ نے پچھلے دنوں عوام کو بغاوت پر اکسانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی یہ سازش کامیاب نہیں ہو سکی۔ قبل از وقت ہی نقاب اٹھ گیا۔ غالباً اسی کے نتیجے میں امریکی سفارتخانے کے عملے کو واپس امریکہ بلایا جا رہا ہے۔ ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو بھیجا جائے گا۔ خیال اغلب ہے کہ سینٹرل انٹیلی جینس ایجنسی کا نیا تربیت یافتہ عملہ پاکستان آکر کوئی نیا گُل کھلانے کی کوشش کرے گا۔"

میں دھیرے سے سر ہلا کر رہ گئی۔ میرا اعصابی تناؤ بڑھتا ہی جا رہا تھا کیونکہ صدر نے ابھی تک یہ بات نہیں بتائی تھی کہ میرے سامنے ان سب باتوں کے اظہار سے ان کا مقصد کیا ہے۔

وہ مسلسل بولتے رہے۔ "اس وقت ہمارا ملک اپنی تاریخ کے بڑے نازک دور سے گزر رہا ہے۔ ہندوستان کی ہمسائیگی ہمیں نہ تو ماضی میں راس آئی ہے اور نہ مستقبل میں اس کے راس آنے کا کوئی امکان ہے۔ گو کہ معاہدہ رن کچھ کے بعد ہمارے تعلقات بظاہر کچھ خوشگوار ہو چلے ہیں لیکن حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کل یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ سی آئی اے ان حالات کو اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کر سکتی ہے اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ مستقبل قریب میں پاکستان کو کسی کٹھن امتحان سے گزرنا ہوگا۔"

اب میری قوتِ برداشت جواب دے گئی اور میں بول پڑی۔

"لیکن جنابِ والا! میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ مجھے یہ سب کچھ کیوں بتا رہے ہیں۔ میں نہ تو اپنے ملک کی سرکاری مشینری کا کوئی پرزہ ہوں اور نہ پولیٹیشین ہوں۔"

"میں تمہیں یہ سب کچھ اس لئے بتا رہا ہوں کہ تم محبِ وطن ہو۔"

"محبِ وطن تو ہر پاکستانی ہے جنابِ والا! غداروں کی تعداد تو گنی چنی ہوگی۔"

"بیشک ہر پاکستانی محبِ وطن ہے لیکن ہر پاکستانی میں وہ صلاحیت نہیں ہوگی جو تم میں ہے۔"

"میں اب بھی آپ کا مطلب نہیں سمجھی جنابِ والا! گستاخی تو ہوگی لیکن مجھے عرض کرنے دیجئے کہ میں آپ سے صاف صاف گفتگو کی متمنی ہوں۔"

"میں اب صاف صاف ہی گفتگو کروں گا۔" صدر نے کہا۔ "لیکن اس گفتگو سے پہلے یہ سب کچھ بتانا ضروری تھا۔" صدر نے سگار کا کش لینا چاہا مگر ناکام ہو گئے کیونکہ سگار بجھ چکا تھا۔ انہوں نے لائٹر کے لئے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور جب لائٹر نہیں ملا تو انہوں نے سگار پھینک دیا۔ ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "اس وقت میری ذات امریکی سی آئی اے کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے اور خدشہ ہے کہ وہ لوگ اس کانٹے کو اپنی راہ سے ہٹانے کی کوششیں کریں گے۔"

میں مضطربانہ انداز میں کھڑی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ "تو۔ تو کیا ... تو کیا ..." الفاظ میرے حلق میں پھنس گئے۔

"ہاں" صدر نے سر ہلا کر کہا۔ "اس بات کا امکان ہے کہ مجھے ختم کر دینے کی کوشش کی جائے۔"

"کیا میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں جناب؟" میں نے تیزی سے کہا۔

"ہاں" صدر نے سر ہلایا "میرے گرد کسی بھی سازش کا جال بنا جاسکتا ہے۔ اس سازش سے باخبر ہونے کے لئے میں نے خاص طور سے کچھ لوگوں کا انتخاب کیا ہے۔ وہ لوگ میرے اردگرد کی فضا پر کڑی نظر رکھیں گے اور ان کی کوشش ہوگی کہ میرے خلاف ہونے والی کوئی سازش ان کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکے۔"

"خوب!" میں نے زیر لب کہا۔ مجھے یہ سُن کر افسوس ہوا تھا کہ صدر نے صرف اپنی ذات اور اپنے اقتدار کے بارے میں سوچا تھا حالانکہ وہ سربراہِ مملکت تھے، انہیں صرف یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ سی آئی اے کے پُراسرار ہاتھ پورے ملک کو نقصان نہ پہنچا دیں۔

"لیکن" صدر پھر بولے "میں ان لوگوں پر بھی کلی اعتماد نہیں کرسکتا۔ عین ممکن ہے کہ ان میں سے کسی کا تعلق سی آئی اے سے ہو یا وہ بعد میں سی آئی اے کا آلۂ کار بن جائے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں پر بھی نظر رکھی جائے۔ ان کے بارے میں بھی تحقیقات ہوتی رہے اور اسی کام کے لئے میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔"

میں نے بے اختیار ایک بہت طویل سانس لی۔ اب کہیں جا کر یہ بات سمجھ میں آئی تھی کہ صدر نے مجھے ملاقات کا شرف کیوں بخشا تھا۔ گویا وہی بات کُرسی نشیں ہوئی تھی جس سے مجھے چھٹی حس نے قبل از وقت آگاہ کر دیا تھا۔ اس وقت میں اپنی زندگی کے اہم ترین موڑ پر کھڑی ہوئی تھی اور مجھے ایک فیصلہ کرنا تھا۔ قابلِ عمل صورتیں صرف دو ہی تھیں۔ ایک یہ کہ میں واپس لوٹ جاؤں اور دوسری یہ کہ قدم بڑھا دوں۔ موخر الذکر اقدام مجھے سیاسی جرائم کی اس فضا میں لے جاتا جہاں ایک ایک سانس پر دس دس بندشیں ہوتی ہیں۔ گو کہ مجھے اس فضا کا کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن میں اندازہ ضرور لگا سکتی تھی کہ اس ماحول میں زندگی کتنی کٹھن اور کتنی اندازاں ہو جاتی ہوگی۔ وہ میری زندگی کا ایک سنسنی خیز تجربہ ہوتا اور میں اس وقت صدرِ مملکت کے سامنے بیٹھی ہوئی یہ محسوس کر رہی تھی کہ میں اپنے دل و دماغ کی مکمل آزادی کے ساتھ یہ تجربہ کرنے پر آمادہ ہوں۔ اس تجربے میں کوئی قباحت یا ہچکچاہٹ اگر کوئی ہو سکتی تھی تو صرف یہ کہ صدر نے جو کچھ کہا، حقیقت وہی تھی یا اس کے پسِ پردہ کچھ اور بھی تھا۔

"اب" صدر نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوا ہوگا کہ میں نے اس پیچیدہ معاملے کے لئے تمہارا ہی انتخاب کیوں کیا ہے؟"

"جی ہاں جناب!" میں نے مسکرا کر بے تکلف "اگر میرے ذہن میں یہ سوال پیدا نہ ہوتا تو یہ غالباً بیٹی ہوتی۔"

میرے اس جملے پر صدر بڑی خوشدلی سے مسکرائے۔ سی ہنسی کے ساتھ بولے۔ "دراصل میں اس دوران میں خاصی تحقیق کر چکا ہوں۔ شائد اس ملک میں بیگم پرتاب گڑھ کے شخص ہوں جس کو تمہارے ماضی کا علم ہو چکا ہے۔"

"کک۔ کیا!" میں بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھو بیٹھو!" صدر نے ہاتھ اٹھا کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ماضی پر پڑے ہوئے ایک پردہ بھی میری وجہ سے کبھی نہیں اٹھے گا۔ میں اٹھا کر جو کچھ دیکھا ہے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھول کروں گا۔ تمہارا ہر راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔ خیر چھوڑو ... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہارے بارے میں کافی چکا ہوں۔ تمہاری شخصیت کا وہ پہلو بھی پوری طرح میری ... جسے خدائی فوجدار کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ تم معاشرے سامنے جس طرح سینہ سپر ہو جاتی ہو اس طرح کوئی کرسکتا ہے۔ میں یہ بھی جان چکا ہوں کہ تم بڑی منتقم اور انہی شخصیتوں میں سے تمہارا ایک روپ معاشرے کی اعتراض بھی ہے لیکن میں اس موضوع پر تم سے کوئی کرنا چاہتا۔"

میں سمجھ گئی کہ صدر کا اشارہ میری ہم جنس پر ... گو کہ میں اس سلسلے میں اپنے نظریات اور دلائل رکھتی تھی لیکن اس موضوع پر گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں تھے لہٰذا میں بحث کرنے کی ضرورت تو اس وقت ہوتی جب صدر میرے عادل ... پر کوئی جارحانہ حملہ کرتا۔

صدر کہتے رہے۔ "تمہاری شخصیت کا وہ پہلو خدائی فوجدار کہا ہے، اس کے بارے میں تازہ ترین ... سے حاصل ہوئی تھیں اور وہ آخری باتیں تھیں جو مجھ ... کے بعد ہی میں نے فیصلہ کیا تھا کہ تم سے یہ کام لوں گا، فیصلہ باقی ہے کہ تم یہ کام کرنا چاہو گی یا نہیں۔ میں تم پر ... ڈالنا چاہتا۔ تم سوچ سمجھ کر بڑی آزادی سے کوئی فیصلہ کر ... ضرور چاہوں گا کہ اگر تم میری خواہش کے خلاف فیصلہ ... کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا جو اس وقت ہمارے مابین ہوئی ... بھی فیصلہ کرو، اس سے رؤف کو آگاہ کر دینا۔ وہی ایک ... جس پر میں مکمل اعتماد کرسکتا ہوں۔ وہ میرے ...

... ساتھ رؤف کا جو رویّہ ..."

... اسے میں تم رؤف ہی سے بات کرنا۔" صدر نے اپنی ... میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے ان سب باتوں کا علم ... ان بھی کرسکتا ہوں لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے ... مجھے امید ہے تم رؤف سے گفتگو کر لو گی تو مطمئن ... تم اسے اپنے فیصلے سے بھی آگاہ کر دینا۔ وہ مجھے اس کے ... دے دیگا۔" آخری جملہ کہہ کر صدر کھڑے ہو گئے۔

... بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ ایسی باتیں جن میں ڈاکٹر ... کی اوقیت حاصل ہوتی لیکن موقع ایسا تھا کہ میں چپ رہ ... تھا کہ ایک سربراہِ مملکت کے وقت کا ایک ایک لمحہ کتنا اہم ...

... مجھے جو کام سونپنا چاہتے تھے میں اس کے بارے میں ایک ... تھی لیکن جب صدر نے خود ہی مجھے ایک دن کی مہلت ... نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اظہار میں کوئی عجلت نہ کروں ... سلسلے میں وزیرِ خارجہ سے ضرور ملنا چاہتی تھی۔ اور میرا ... ارادہ ان سے اس گفتگو کو چھپاؤں۔ وہ ایک ایسی شخصیت ... کرنے کو میرا دل چاہتا تھا۔ ان سیاسی جھگڑوں میں ... میں ان کو صورتِ حال سے باخبر کرنا ضروری سمجھ رہی تھی۔

... رت سے واپسی پر میں نے رؤف احمد کو ان سوالات کا ... ذہن کو الجھائے ہوئے تھے سوالات کی اس بوچھار کو ... ہلکی مسکراہٹ کی ڈھال پر روکا اور پھر کہا۔ "آپ کے ... ساری جواب دینا تو ذرا مشکل ہے لہٰذا بہتر ہوگا کہ میں ... واقعات دہراتا چلا جاؤں۔ میری اس کہانی میں آپ کو ... جواب مل جائے گا۔"

"بہتر" میں نے سر ہلا کر کہا۔

... وقت بھی ڈرائیونگ سیٹ رؤف نے ہی سنبھال رکھی تھی ... نظر رن وے پر جمی رہی اور اس نے بولنا شروع کیا۔ "غالباً آپ ... ریشماں کے قتل کا کیس، پولیس کے ہاتھوں سے نکل کر ... محکمہ کے پاس آگیا ہے۔ اس تبدیلی سے پہلے ہی میں ... نے تحقیقات شروع کر چکا تھا۔ میرا یہ عمل آنریبل پریذیڈنٹ ... او ... تھا۔ پھر جب ریشماں کے قتل کا معاملہ میرے محکمے ... کی کوشش کر کے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کل جب آپ ... کے گاؤں کی طرف روانہ ہوئی تھیں تو میں اپنی وائرکول ... ماڈیکل پر آپ کے تعاقب میں تھا۔ جنوں کی گڑھی میں بھی ... نظر رکھی اور جب آپ اس قیدی لڑکی کے کمرے میں ملی ... سے نکل کر آپ کی جیپ کے پاس پہنچا میں آپ کی اور مسٹر رضوان کی گفتگو سننا چاہتا تھا لہٰذا میں نے جیپ میں ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر فٹ کر دیا۔"

اس موقعے پر میرے ذہن میں ایک سوال مچلا تھا لیکن میں نے اسے نوکِ زبان پر آنے کی اجازت نہیں دی۔ چونکہ رؤف احمد خود ہی سب کچھ بتانے پر آمادہ تھا لہٰذا میری بے صبری ایک بچکانہ سی بات ہوتی۔ بہتر یہی تھا کہ میں خاموشی سے رؤف احمد کا بیان سنتی رہوں۔

اب وہ کہہ رہا تھا۔ "ٹرانسمیٹر فٹ کرنے میں کچھ زیادہ وقت لگ گیا جس کی وجہ سے مجھے وہاں سے ہٹنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میں اپنے کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ آپ اور رضوان صاحب وہاں پہنچ گئے میں چونکہ آپ لوگوں کی نظر میں آگیا لہٰذا مجھے اپنی موٹر سائیکل کی خرابی کا قصہ گڑھنا پڑا۔ اس طرح مجھے آپ لوگوں کے ساتھ ہی شہر تک آنا پڑا۔ جب آپ مجھے ہوٹل پر اتار کر چلی گئیں تو میں نے اپنی جیب سے وہ ریسیونگ سیٹ نکال لیا جس پر آپ کی اور مسٹر رضوان کی گفتگو سنی جاسکتی تھی۔ جب میں نے آپ دونوں کی باتیں سُنیں تو مجھے اپنے اناڑی پن پر بہت غصہ آیا۔ یہ اناڑی پن ہی تھا کہ آپ نے میری شخصیت کے مشتبہ پہلو کو تاڑ لیا تھا اور سمجھ گئی تھیں کہ جنوں کی گڑھی میں آپ لوگوں کی نگرانی کرنے والا میں ہی تھا۔ پھر جب آپ دونوں ہوٹل پہنچ گئے تو آپ نے جیپ سے اترنے سے پہلے ہی یہ ارادہ ظاہر کر دیا تھا کہ آپ تھوڑی دیر بعد پھر جنوں کی گڑھی کی طرف جائیں گی کیونکہ آپ الماس کو ان لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بے خبر نہیں ہونا چاہتیں۔"

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ اب وہ باتیں بھی میری سمجھ میں آنے لگی تھیں جو رؤف نے ابھی نہیں بتائی تھیں لیکن الماس کی طرف سے میری فکرمندی بدستور قائم تھی۔ نہ جانے اس بیچاری پر کیا گزری ہوگی؟ یہ سوال مجھے مضطرب کئے ہوئے تھا۔ بہرحال اب بھی میں خاموشی ہی سے رؤف احمد کی آپ بیتی سنتی رہی۔

"اس موقع پر میں نے فیصلہ کیا کہ آپ کو الماس کے معاملے سے دُور رکھوں اور خود ہی صورتِ حال سے نمٹوں۔" رؤف احمد کہتا رہا۔ "آپ کے بارے میں تھوڑی بہت تحقیقات سے ہی میں اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ جاگیردار شوکت کے معاملے میں آپ کا دامن ہر آلودگی سے پاک ہے۔ جنوں کی گڑھی میں الماس کی موجودگی اور اس کے ساتھ جاگیردار کے رویّے نے بڑی حد تک ثابت کر دیا تھا کہ وہ شخص مجرمانہ کردار کا مالک ہے۔ میں اس کے معاملے کو اپنے ہاتھوں سے انجام تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اس لئے مجھے فیصلہ کرنا پڑا کہ آپ کو ہوٹل سے نکلنے ہی نہ دوں۔ میں نے اپنے محکمے کے تین آدمی آپ کو روکنے کے لئے بھیج دیئے۔ میں نے ان کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ آپ کے ساتھ کوئی توہین آمیز رویّہ اختیار نہ کیا جائے۔

... طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں جاگیردار کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔" رؤف احمد نے خاموش ہو کر اسٹیئرنگ پر سے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا

اور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی "اوہ!" اس کے منہ سے نکلا اور پھر اس نے اچانک رفتار میں خاصا اضافہ کر دیا۔

"کیا آپ کو کہیں پہنچنے کی جلدی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں" رؤف احمد نے جواب دیا "میں آپ کو ہوٹل کے دروازے ہی پر چھوڑ کر رخصت ہو جاؤں گا۔"

ہوٹل قریب آچکا تھا اور میرے خیال کے مطابق اتنے کم وقت میں رؤف احمد باقی واقعات نہیں سنا سکتا تھا اس لئے میں مضطرب ہو گئی۔ میں الماس اور جاگیردار شوکت کے بارے میں سب کچھ جان لینے کے لئے بے چین تھی۔ ان دونوں کے علاوہ مجھے ڈاکٹر فونگ کا خیال بھی تھا کہ اس کا کیا ہوا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ ہوٹل پہنچتے ہی سو جائیں گی کیونکہ آپ نے ساری رات جاگ کر گزاری ہے۔"

"شاید مجھے فوری طور پر نیند نہ آسکے۔"

"کیوں؟"

"میں الماس اور جاگیردار شوکت کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین ہوں۔"

"ان کے بارے میں آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اس معاملے کو بڑی خوبی سے نمٹا چکا ہوں۔ کل صبح میں آپ سے ملاقات کروں گا اور تفصیل سے ان کے بارے میں بھی بتا دوں گا۔"

مجھے چپ رہ جانا پڑا کیونکہ کار اس وقت ہوٹل کے سامنے رک رہی تھی۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ میں رؤف احمد سے اس کی تفصیلات معلوم کرتی اور اسے روکنا مناسب نہیں تھا۔ اسے نہ جانے کتنا ضروری کام ہو!

جب وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تو مجھے ایک بات کا خیال آیا۔ میں اس سے کمانڈر حق کے بارے میں پوچھنا بھول گئی تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ کمانڈر کو مجھ تک پہنچنے سے روکنے میں رؤف ہی کا ہاتھ ہوگا۔ اس شبہے کی وجہ سے مجھے یہ اطمینان تو تھا کہ کمانڈر حق خیریت ہی سے ہوگا لیکن اس کے بارے میں پوچھ لینے سے ذہنی خلش دور ہو جاتی۔

میں اپنی اس بھول پر خود کو برا بھلا کہتی ہوئی اوپر اپنے کمرے میں پہنچی جہاں رضوان بڑی بے چینی سے میرا منتظر تھا لیکن مجھے دیکھ کر اس نے کوئی سوال نہیں کیا اور منہ پھلا کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ غالباً اسے یہ گراں گزرا تھا کہ میں اسے چھوڑ کر رؤف احمد کے ساتھ چلی گئی۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر مجھے ہنسی آگئی۔

"کیوں بھئی! تمہارا منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟" میں نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"آپ سے مطلب؟" رضوان کا منہ کچھ اور پھول گیا۔

"مجھ سے واقعی کوئی مطلب نہیں لیکن تمہارا منہ اس طرح سوجا ہوا ہے جیسے مجھ سے کوئی گہرا مطلب ہو۔"

"میں کل صبح واپس جا رہا ہوں۔"

"اوہ ... گویا یہ جدائی کا غم ہے ... لیکن

پروگرام بن کیسے گیا؟"

"مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تھی۔ میں اپنے وز

وہاں سے حکم ہوا کہ میں اپنی چھٹیوں کو منسوخ سمجھوں

کراچی واپس پہنچ جاؤں۔"

"گڈ نیوز" میں نے سر ہلا کر کہا "تم میرے

ہو تو مجھے یوں محسوس ہوتا رہتا ہے جیسے میں نے کوئی د

لے کر پال لیا ہو۔"

"گویا آپ کا ارادہ یہیں ٹھیرے رہنے کا ہے؟"

گھور کر دیکھا۔

"اب تو شاید میرا قیام اور طویل ہو جائے۔"

"کیوں!"

لیکن میں نے اس "کیوں" کا کوئی جواب نہیں دیا

نہیں بتا سکتی تھی کہ صدر مملکت سے میری کیا گفتگو ہو

مجھے بہت کریدا کہ میں رؤف احمد کے ساتھ کہاں گئی تھی

اسے کچھ نہیں بتایا۔

صبح کی فلائٹ سے رضوان کراچی چلا گیا۔

وہ ایک سنسنی خیز دن تھا۔ میں رات کو جو فیصلہ

پر فوری طور سے عمل درآمد نہیں ہو سکتا تھا۔ میں یقینی

تھی کہ اب میں وزیر خارجہ سے کب مل سکوں گی کیونکہ

پاکستان میں نہیں تھے۔ اخباری خبر کے مطابق وہ ڈھاکہ

وہاں پہنچتے ہی انہوں نے بڑے نڈر لہجے اور بے باک اندا

داغ دیا تھا کہ ہم امریکہ کی خوشنودی کے لئے چین کی

چھوڑیں گے۔

وزیر خارجہ کا بیان اس لئے اور بھی سنسنی خیز تھا

میں "صدائے کشمیر" کے نام سے ایک خفیہ ریڈیو اسٹ

تھا۔ انقلابی کونسل بھی قائم ہو گئی تھی اور اس کونسل

میں جنگِ آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔

ان خبروں نے میرے ذہن کو اتنا پراگندہ کیا کہ میں

نکال کر سلگائی اور پھر ان حالات کا تجزیہ کرنے کی کوشش

پریشان کر دیا۔ مستقبل میں آگ اور خون کے سوا کچھ نظر

ہند تعلقات کی کشیدگی ایک یقینی امر نظر آ رہی تھی۔ معاہدہ

دھرا ہی رہ جاتا۔ رن کچھ میں شکست کے بعد بھارتی

دیا تھا" اس کے الفاظ میرے ذہن میں گونج رہے تھے

نے کہا تھا "اب ہم اپنی مرضی کا محاذ کھولیں گے۔" اور

تھی کہ کیا اب کشمیر ہی وہ محاذ بنے گا؟

فیصلہ کیا کہ وزیر خارجہ سے ملاقات کے بغیر ہی میں ان فرائض

جو صدر مملکت مجھے سونپنا چاہتے تھے۔ دراصل میں جاننا چاہتی

جو کچھ ہونے والا ہے، اس کے اندرونی اسباب و علل میری

یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ بین الملکی یا بین الاقوامی طور

منظر میں آتا ہے، وہ حقیقت نہیں ہوتی۔ حقیقت تو سیاسی

چھپ جاتی ہے اور میں چاہتی تھی کہ قبل از وقت ہی ان

طرف پہنچ جاؤں۔ اسی صورت میں وہ اندرونی اسباب

منظر میں آسکتے تھے۔

ور فکر کے اس صحرا میں بھٹک ہی رہی تھی کہ دروازے پر

نے مجھے چونکا دیا۔ میں فوراً اٹھ کر دروازے پر پہنچی۔

ہے؟" میں نے با آوازِ بلند پوچھا۔

"خادم' یور ہائی نس!" کمانڈر حق کی آواز سنائی دی۔

جلدی سے دروازہ کھول دیا اور کمانڈر حق اندر آگیا۔ میں

گئی اور کمانڈر حق کو بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی "میں

منتظر ہوں۔"

شرمندہ ہوں یور ہائی نس! دراصل میرے ساتھ ایک عجیب د

گیا تھا" کمانڈر حق کے چہرے سے شدید الجھن ہویدا تھی۔

ہوٹل کے کاؤنٹر سے فون کیا تھا۔ فون کر کے جب میں مڑا تو دو

وہیں موجود تھے اور سامنے ایک تیسرا شخص کھڑا تھا۔ اس

نے کارڈ دکھایا تو پتہ چلا کہ وہ انٹیلی جینس سے تعلق رکھتا ہے

ساتھ لے جانا چاہتے تھے اور میں اپنے آپ کو ان کا حکم ماننے

اگر وہ غیر سرکاری آدمی ہوتے تو ان کے فرشتے بھی مجھ کو

لے جا سکتے تھے۔ وہ مجھے اپنے ہیڈ کوارٹر لے گئے مگر انہوں

اور نہ پوچھ گچھ کی اور نہ کوئی سخت برتاؤ کیا۔ آج صبح انہوں نے

صرف اتنا کہا کہ میں فوری طور پر آپ سے مل لوں۔"

"ہے" میں نے سر ہلا کر کہا "تمہیں اس سلسلے میں فکرمند

بات نہیں۔ اب تم جا کر آرام کرو!"

سے استفسار کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی اس لئے

ہی وہ کھڑا ہو گیا۔ گو کہ میں نے اس سے کہا تھا کہ اسے اس

کی ضرورت نہیں لیکن یہ اس کے لئے ممکن ہی نہیں

میں نے تو اس کی الجھن میں اور اضافہ کر دیا ہوگا لیکن

بات نہیں تھی کہ اس کی الجھن رفع کرتی۔

گرمی تھی لیکن میرے سر میں ہلکا ہلکا سا درد ہونے

میں نے چائے منگوا کر پی۔ میں بڑی بے چینی سے رؤف احمد

اس نے وعدہ کیا تھا کہ آج صبح مجھ سے ملے گا لہٰذا

رؤف احمد متوقع تھی۔ کمانڈر حق کی دستک سن کر تو میں نے

یہی خیال کیا تھا کہ رؤف آیا ہوگا۔

وہ گیارہ بجے کے قریب آیا۔ میں نے اسے ایک معمولی سے لباس میں دیکھا۔ سفید کھدر زمین کی بے داغ پتلون اور سفید قمیض میں وہ کوئی اسپورٹس مین معلوم ہو رہا تھا۔ چہرے سے ایسی بشاشت ٹپک رہی تھی جو کامیابی و کامرانی کا ردِ عمل ہوتی ہے۔ اس عالم میں وہ مجھے خاصا بھلا معلوم ہوا لیکن میری اس پسندیدگی میں کسی جنسی آمیزش کا گمان کرنا یکسر غلط ہوگا۔ کسی مرد کے سلسلے میں میری پسندیدگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کسی پودے میں اُگا ہوا گلاب انسان کو متاثر کر دے۔ فرائڈ نے اگر ہر معاملے میں جنسی پہلو ڈھونڈے تھے تو یہ اس کی غلطی تھی۔ میں تو کسی مرد کو جنسی لگاوٹ کے ساتھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو خاصا انتظار کرنا پڑا" رؤف نے آتے ہی مسکرا کر کہا۔

"ہاں مجھے بے چینی سے انتظار تھا" میں نے اعتراف کیا۔

"شاید آپ کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ آج صبح جاگیردار شوکت کا معاملہ بڑی خوش اسلوبی سے نپٹ گیا۔"

"آج صبح؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"جی ہاں" مسکراہٹ تو رؤف کے ہونٹوں سے گویا چپکی ہوئی تھی۔ "میں اپنی غلط بیانی کی معافی چاہتا ہوں کل میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ جاگیردار شوکت کا معاملہ نپٹ گیا۔ وہ سلسلہ تو آج صبح تک چلتا رہا تھا مجھے یہ جھوٹ مجبوراً بولنا پڑا ورنہ آپ ان آخری مرحلوں میں میرے ساتھ رہنے پر اصرار کرتیں۔"

میں بے اختیار ایک طویل سانس لیکر رہ گئی۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ رؤف میں ذہانت بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس نے میری نفسیات کے بارے میں بڑا صحیح اندازہ لگایا تھا۔

"آپ کو تمباکو کی بو گراں تو نہیں گزرتی؟" وہ اپنی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

"کبھی کبھی میں خود بھی سگریٹ پی لیتی ہوں۔"

"اوہ! تب ٹھیک ہے۔" اس نے اپنی ایک جیب سے پائپ اور دوسری جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکالی۔

"بہرحال" میں نے کھسیانے والے انداز میں ہنس کر کہا "اب تو آپ جاگیردار شوکت کے معاملے کی تفصیلات بتا ہی دیں۔"

"بات ابھی پوری طرح کھل کر سامنے نہیں آئی لیکن خیال غالب ہے کہ جاگیردار شوکت کئی قسم کے جرائم میں ملوث ہے۔ ان جرائم کا ثبوت حاصل کرنے میں دو چار دن لگ جائیں گے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کے صرف جرم سے دلچسپی ہوگی جس کا ایک کردار وہ لڑکی الماس ہے"

"نہیں" میرا لہجہ خاصا پُرزور تھا "میرے دل پر سب سے بڑا داغ نورشماں اور اس کے بھائی کے قتل کا ہے۔ میں جاگیردار شوکت کو پھانسی کے تختے پر لٹکتا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"یہ تو مستقبل کے پردے میں چھپا ہوا ہے کہ عدالت اس شخص کے لئے کیا سزا تجویز کرے گی لیکن یہ خبر آپ کے لئے باعثِ مسرت ہونا چاہیئے کہ ریشاں کو قتل کرنے والے بھی گرفتار کئے جا چکے ہیں اور انہوں نے اس بات کا اقرار کر لیا ہے کہ یہ جُرم انہوں نے جاگیردار شوکت کے اشارے پر کیا تھا۔"

"یہ خبر واقعی باعثِ مسرت ہے۔"

"اب آپ الماس کا قصہ بھی سُن لیجئے۔ اس کے ساتھ کوڑوں کا وہ کھیل محض اسے دہشت زدہ کرنے کے لئے کھیلا جا رہا تھا۔ جاگیردار شوکت اس معصوم لڑکی کو اس حد تک سہما دینا چاہتا تھا کہ پھر وہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اس کے اشاروں پر ناچتی رہے۔ جاگیردار اس کی معصومیت کو ایک بوالہوس کی چوکھٹ پر قربان کرنا چاہتا تھا۔ کل رات الماس اُس بوالہوس کی خدمت میں پیش کی گئی تھی اور اس معاملے کا ایک انتہائی افسوسناک پہلو یہ ہے کہ وہ شخص ہماری وزارتِ خارجہ کا ایک اہم عہدیدار ہے۔"

"اوہ!" میں چونک پڑی۔ "آپ کا اشارہ شفیق زبیری کی طرف تو نہیں ہے؟"

"جی ہاں۔" رؤف احمد نے جواب دیا۔ "غالباً یہ خیال آپ کو اس لئے آ گیا کہ شفیق زبیری ہی نے جاگیردار شوکت کی موافقت میں بیان دیا تھا۔"

"میں اسی وقت سے الجھن میں ہوں کہ شفیق زبیری جیسے شخص کا جاگیردار شوکت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"تعلق کی صحیح نوعیت تو ابھی سامنے نہیں آ سکی ہے لیکن اتنا قیاس ضرور کیا جا سکتا ہے کہ جاگیردار شوکت الماس کی رشوت دے کر شفیق زبیری سے کوئی کام لینا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں ایک نکتہ مجھے بڑی الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ صدرِ مملکت کے ساتھ چین جانے والے وفد میں ایک نام شفیق زبیری کا بھی تھا۔ اس پس منظر کو سامنے رکھ کر میں اس سوال پر غور کرنے کے لئے مجبور ہوں کہ جاگیردار شوکت کسی دشمن ملک کے جاسوس کا آلۂ کار تو نہیں بن گیا تھا؟ اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ صدرِ مملکت کے اس دورے کو ناکام بنانے کی سازش کی جا رہی ہو۔"

میں نے رؤف احمد کی اس خیال آرائی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا حالانکہ میں جانتی تھی کہ وہ بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہا تھا۔ جاگیردار شوکت کے اس اقدام کا محرک ڈاکٹر فونگ تھا اسی کی ایما پر شفیق زبیری کو پھانسا گیا ہو گا۔ اس بات کا اعتراف تو ڈاکٹر فونگ میرے سامنے بھی کر چکا تھا کہ وہ بھارتی سرکار کے لئے کام کر رہا ہے اور ان دنوں بھارت کی زہریلی نظریں پاک چین دوستی پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ پاک چین تعلقات میں گہری دراڑیں پڑ جائیں۔

"خیر!" رؤف بولا۔ "انہ امات کا پتہ بھی چل ہی جائے گا۔ ہاں تو میں آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ شفیق زبیری کو عین اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ مجرمانہ حملہ کرنے والا تھا۔ چونکہ یہ واردات جاگیردار شوکت کی حویلی میں ہوئی تھی اس لئے شفیق زبیری کے ساتھ ہی جاگیردار شوکت کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔"

"کیا گرفتار شدگان میں کوئی چینی بھی ہے؟"

"جی نہیں۔ ویسے مجھے یہ ضرور معلوم ہوا ہے کہ کل شام کے مہمان تھے۔ کل شام کو وہ رخصت ہو گئے تھے۔"

مجھے اس بات کا افسوس ہوا کہ ڈاکٹر فونگ ہو گیا۔ وہ بلا کا عیار تھا۔ چونکہ پولیس جاگیردار شوکت اس لئے ڈاکٹر فونگ نے یہی مناسب سمجھا ہو گا کہ اس کی حویلی سے دور رہے۔ اس کی یہی احتیاط اس کے کام

"یہ گرفتاریاں رات کو کب عمل میں آئیں؟" میں نے

"جاگیردار کے حواریوں کی پکڑ دھکڑ تو آج صبح لیکن شفیق زبیری اور جاگیردار کو رات ایک بجے گر

"اخبارات میں اس کی کوئی خبر تو آئی نہیں!"

"شفیق زبیری کی وجہ سے معاملے کو دبا دیا گیا

"الماس اب کہاں ہے؟"

"اُسے اس کے والدین کے پاس پہنچایا جا چکا

میرے تصور میں الماس کا وہ سراپا اُبھر آیا جو پیوستہ رات کو دیکھا تھا۔ وہ گدرائی ہوئی لڑکی کس بارے میں بہت کچھ سوچ سکتی تھی۔

رؤف اس گفتگو کے دوران میں اپنے پائپ میں اب ذرا خاموشی ہوئی تو اس نے پائپ سلگایا اور دو تین کش بعد بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اب آپ کی ساری الجھنیں دور

"قطعی۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔

"تو پھر اب آپ میری الجھن بھی دور کر دیجئے!"

"اب آپ کو بھی کوئی الجھن ہے؟"

"جی ہاں، مجھے عزتِ مآب صدر کو پیغام بھیجنا ہے اسی وقت بھیج سکتا ہوں جب مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ

"اوہ! اچھا! آپ کا اشارہ اس معاملے کی طرف ہے صدر کو پیغام بھیج دیجئے کہ میں اس کام کے لئے آمادہ ہوں۔"

"گڈ نیوز۔" رؤف نے پُر مسرت لہجے میں کہا۔ "فیصلے کا یقین تھا۔"

"یقین تھا؟"

"جی ہاں۔"

"کیوں؟"

"آپ ایک محبِ وطن ہونے کے ساتھ ساتھ مہم

ن نے کہا۔

سوچ میں پڑ گئی۔ آخر رؤف نے میرے بارے میں کس حد تک کر لی ہوں گی؟ کیا یہ بھی میرے بارے میں سب کچھ جان گیا صدرِ مملکت میرے ماضی سے واقف ہو گئے ہیں۔ میں نے غور چہرے کی طرف دیکھا لیکن اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ میں اپنے شبہے کی تصدیق یا تردید نہیں پا سکی تھی۔

اب کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا، پائپ کے پے در پے کش لگا

چائے پسند کریں گے یا کوئی ٹھنڈا مشروب؟" میں نے پوچھا تو

کی خواہش نہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "میں تین چار گھنٹے کی ناشتہ سا ناشتہ کر کے گھر سے چلا تھا مجھے بس اب اپنے گیارہ بارہ بجے چند آدمیوں سے بڑے اہم بیانات لینے ہیں لیکن آپ کو آپ کے فرائض کے چند بنیادی نکتے بتا دینا چاہتا ہوں۔" تو بہت ضروری ہے۔"

افراد ہیں جن کو صدر نے اپنے ارد گرد کے ماحول کا نگران میں دو عورتیں ہیں اور تین مرد! ان میں سے ایک صاحب راولپنڈی میں ہیں۔ ایک صاحب اور ایک صاحبہ کراچی میں صاحب لاہور میں ہیں۔" رؤف نے اپنی جیب سے ایک کاغذ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس پر ان سب کے نام اور پتے

نے ان سب ناموں پر ایک نظر ڈالی اور میری پیشانی پر شکنیں سب خاصی معروف شخصیتیں تھیں اور ان میں سے ایک آدھ کو میں جانتی تھی۔

ان سب کے بارے میں تحقیقات کرنا ہے۔" رؤف نے کہا۔ طور پر کام جاری رکھوں گا لیکن آپ اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ رکھتی ہیں۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ یہ پانچوں افراد انتہائی تعلق رکھتے ہیں۔ آپ انہی لوگوں کی سوسائٹی میں موو کرتی معمولی سپرنٹنڈنٹ ہوں۔" رؤف دھیرے سے ہنسا۔

اور سے اس کی طرف دیکھا لیکن اس کے چہرے پر کسی زاویے کی کوئی جھوٹ نہیں پڑ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں بھی کوئی تھا۔ اس نے یہ بات بڑی سادگی سے کہہ دی تھی اور یہ کہتے کمتری کا شکار بھی نہیں معلوم ہوا تھا۔ میں اس کی نفسیات کے پہنچ گئی کہ وہ ٹھوس حقائق کو بڑی خندہ پیشانی سے قبول

اس کے پائپ کا تمباکو، راکھ بن چکا تھا۔ وہ راکھ اس نے جھاڑی اور پائپ صاف کر کے اپنی جیب میں رکھنے کے بعد میرا وزٹنگ کارڈ تو آپ کے پاس ہے نا؟ اس پر میرا ٹیلیفون نمبر بھی موجود ہے۔ آپ جب چاہیں مجھ سے رابطہ قائم کر سکتی ہیں۔ ویسے آج رات کو میں پھر آپ سے مل لوں گا تاکہ اگر آپ کے لئے صدرِ محترم کا کوئی پیغام ہو تو آپ کو پہنچا دوں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

میں اسے چھوڑنے کے لئے دروازے کی طرف گئی اور جب وہ رخصت ہو گیا تو مجھے ایک بات کا خیال آیا جو میں کل بھی اس سے پوچھنا بھول گئی تھی۔ مجھے نادرہ کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ کل جب وہ مجھ سے ملنے آئی تھی تو میں نے اس کی کالج فائل پر ایک پیغام لکھ دیا تھا۔ اس کا کوئی ردِ عمل نہ ہونا اس بات پر دال تھا کہ رؤف احمد نے اس معاملے کو بھی سنبھال لیا ہو گا لیکن میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ اس نے اس سلسلے میں کیا کیا تھا؟

میں نے سوچا، کیوں نہ اسی بہانے نادرہ سے مل آؤں۔ معلوم بھی ہو جائے گا اور ملاقات بھی ہو جائے گی۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے کچھ یادگار لمحوں کو فراموش نہیں کیا ہو گا۔ کل تو وہ بصد خوشی میری خوشبو کو قبول کر لیتی لیکن رؤف کے آدمیوں کی موجودگی کے باعث اپنے نفس پر قید و بند لگانا پڑی تھی۔

میں نے فون پر ہوٹل کی انتظامیہ سے کہا کہ وہ میرے لئے کار کا بندوبست کر دیں، پھر میں کچھ دیر آرام کرنے کے ارادے سے بستر پر لیٹ گئی۔ ایک گھنٹے تک میں تمام حالات کا جائزہ لیتی رہی اور اس دوران میں کچھ غنودگی کا عالم بھی رہا۔ ایک گھنٹے بعد میں بستر سے اٹھی، روم سروس کو فون پر کھانے کی ہدایات دیں اور باتھ روم میں چلی گئی۔ میری ساڑی کی استری خراب ہو چکی تھی۔ اس لئے میں نے دوسری ساڑی باندھی۔ منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو چکی تھی جب ویٹر کھانا لے آیا۔ کھانا کھا کر میں ہوٹل سے روانہ ہو گئی۔ حسبِ معمول اس وقت بھی میرا دماغ خیالات سے خالی نہیں تھا۔ خاص طور سے ڈاکٹر فونگ کی شخصیت بار بار ذہن کے پردے پر اُبھر رہی تھی۔ چونکہ وہ ایک بار پھر میری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا اس لئے مجھے خاصی تشویش تھی۔ پس پردہ رہ کر وہ نہ جانے کیا کچھ کر گزرتا۔ اسی کی وجہ سے میں نادرہ کے گھر کی طرف جاتے ہوئے اپنے اردگرد کے ماحول سے پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہی کوشش میرے حق میں اچھی ثابت ہوئی۔ بہت جلد مجھے محسوس ہو گیا کہ ایک کار میرا تعاقب کر رہی تھی۔ دو تین سڑکوں پر مڑنے کے بعد اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔

تعاقب کرنے والی کار اتنے فاصلے پر تھی کہ ڈرائیونگ کرنے والے کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھی کہ وہ کوئی چینی ہے یا مقامی؟ میں نے دو ایک مرتبہ رفتار کم کر کے درمیانی فاصلے کو گھٹانا چاہا لیکن تعاقب کرنے والے نے بھی اپنی رفتار کم کر کے ہوشیاری کا ثبوت دیا۔

"لعنت ہو تم پر!" میں نے دل ہی دل میں تعاقب کرنے والے سے

کہہ کر گاڑی کو اس طرف موڑ دیا جدھر نادرہ کا گھر تھا۔ وقتی طور پر میں اپنے تعاقب کو بھول جانا چاہتی تھی لیکن فطری طور پر یہ ممکن نہیں تھا لہٰذا میں اسے بس نظر انداز ہی کر سکی۔ نادرہ کے بنگلے کا پھاٹک مجھے کھلا ہوا نظر آیا تھا اس لئے میں گاڑی کو پورچ تک لئے چلی گئی۔ گاڑی کی آواز سن کر ایک ملازم باہر نکل آیا تھا۔ میں انجن بند کر کے گاڑی سے اتری اور ملازم سے کہا۔ ”مجھے نادرہ سے ملنا ہے۔“

”میں آپ کے بارے میں انہیں کیا بتاؤں؟“ ملازم نے بڑے مہذب انداز میں پوچھا۔

”میرا نام صبیحہ بانو ہے۔“

”آپ تشریف رکھیں میں انہیں اطلاع دیتا ہوں۔“ ملازم نے برآمدے میں پڑی ہوئی ایزی چیئرز کی طرف اشارہ کیا۔

میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی لیکن مجھے دو منٹ سے زیادہ نہیں بیٹھنا پڑا۔ ایک معمر عورت کو باہر نکلتے دیکھ کر میں کھڑی ہو گئی تھی۔ یہ نادرہ کی ماں تھیں۔ میں جب پہلی مرتبہ یہاں آ کر نادرہ سے ملی تھی تو مجھے ان کی ایک جھلک دیکھنے کا موقع مل گیا تھا۔

”آداب!“ میرا ہاتھ پیشانی پر پہنچ گیا۔

”جیتی رہو بیٹی!“ معمر عورت نے خلیق لہجے میں کہا۔ ”شاید میں تمہیں پہلے بھی کبھی دیکھ چکی ہوں۔“ غالباً خاتون کی یادداشت اچھی

”نادرہ کے ساتھ ہی دیکھا ہوگا۔“ میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”کیا اس وقت نادرہ گھر پر نہیں ہیں؟“

”وہ گھر پر تو ہے لیکن ....“ معمر خاتون نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ”کیا تمہیں اس سے کوئی خاص کام ہے؟“

”ایک معمولی سا کام ہے۔“ میں نے جواب دیتے ہوئے بڑے غور سے معمر خاتون کی طرف دیکھا کیونکہ ان کے اس سوال کا سبب میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

”دراصل“ معمر خاتون نے مغموم لہجے میں کہا۔ ”ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ نادرہ کو زیادہ سے زیادہ آرام کا موقع دیا جائے۔“

”اوہ!“ میں چونک پڑی۔ ”کیا ہوا نادرہ کو؟“

”یوں لگتا ہے جیسے کسی کی نظر کھا گئی ہے میری بچی کو۔“ معمر خاتون نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔ ”کل کالج سے آتے ہی بستر پر اس طرح گری کہ آج صبح ہوش آیا ہے۔ کمبخت بخار تھا کہ بڑھتا ہی چلا گیا تھا۔ ڈاکٹر پر ڈاکٹر آتے رہے لیکن بخار کی وجہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ آج کل کے ڈاکٹر بھی بس یونہی ہوتے ہیں۔ ایک تو کہنے لگا کہ مریضہ کو کسی قسم کا صدمہ پہنچا ہے۔ اب بھلا بتاؤ بیٹی! میری نازوں کی پالی کو کیا صدمہ پہنچ سکتا ہے۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آجکل کے ڈاکٹر ایسی ہی فضول باتیں کرتے رہتے ہیں۔“ میں نے دھیرے سے کہا لیکن مجھے یقین آ گیا تھا کہ ڈاکٹر نے بالکل صحیح تشخیص کی تھی۔ نادرہ نے میرے سامنے اپنے محبوب کے خلاف

غصے کا اظہار تو کیا تھا لیکن اس کے دل میں غصہ کی شدت وہ جس کو اُس نے زبان آشنا کیا تھا۔ درحقیقت، محبوب کی بے بے التفاتی اسے گہرا صدمہ پہنچا گئی تھی جس کا ردعمل بخار کی صورت اس صورتِ حال کے سامنے آنے سے مجھے یہ اندازہ اس کی کالج فائل پر جو تحریر لکھی تھی وہ اس نے پڑھی ہی نہیں ہی تو وہ بیمار ہو گئی تھی۔ اب میرے لئے بہت ضروری ہو گیا تھا کہ فائل میں نہ رہنے دوں ورنہ آئندہ چند روز میں کسی وقت بھی اس پر پڑ سکتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ اب وہ اس تحریر کو کبھی نہ دیکھ

”تو کیا ڈاکٹروں نے ملنے ملانے پر بھی پابندی عائد کی نے پوچھا۔

”ہاں، وہ چاہتے ہیں کہ نادرہ زیادہ سے زیادہ آرام

”ملنے ملانے میں تو بے آرامی کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ آپ بالکل درست ہے کہ آجکل کے ڈاکٹر بس یونہی سے ہوتے ہیں، قدغن لگا دیتے ہیں۔ آپ خود ہی سوچئے ملنے ملانے سے تو مریض ہے اور وہ کچھ دیر کے لئے اپنے مرض کو بھول جاتا ہے جس کا اس پر اچھا اثر پڑتا ہے۔“

میرا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔ نادرہ کی ماں نے سر ہلا

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹی!... میری عقل پر بھی پتھر پڑ گئے اپنی بچی کو کمرے میں سڑنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا ہے۔ ایسی تیسی ان کی پابندیاں ہم، آؤ میرے ساتھ۔ میں تمہیں اس سے ملا دیتی

میں مسکراتی ہوئی ان کے ساتھ ہو لی۔

”نادرہ مجھ سے خاصی بے تکلف ہے۔“ میں نے کہا۔ دیر کے لئے تنہا چھوڑ دیجئے گا۔ اس طرح مجھے اس کا دل بہلانے ہو جائے گی۔“

”ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ میں تمہیں اس کے کمرے جاؤں گی۔“

میرا مسئلہ بڑی آسانی سے طے ہوتا جا رہا تھا اور کہ میں نادرہ کی کالج فائل سے اپنی وہ تحریر اڑا لینے میں کامیا اس کے علاوہ، یونہی چلتے چلتے مجھے اپنے تعاقب کرنے والے کا اور ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ اگر میں یہاں سے ٹیلی فون ک اس بات سے آگاہ کر دوں تو وہ میرا تعاقب کرنے والے کا ضرور کر دے گا۔ امکان یہی تھا کہ تعاقب کرنے والا، نادرہ آس پاس ہی منڈلا رہا ہوگا۔

”لو بیٹی! دیکھو کون آیا ہے؟“ نادرہ کی والدہ داخل ہوتے ہوئے بہ آوازِ بلند بولیں۔

میں ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تھی پر لیٹی ہوئی نظر آئی مجھے دیکھتے ہی اس نے یکلخت اٹھنا

نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”لیٹی رہو۔ بیمار کے لئے ہیں ہوتا کہ وہ اٹھ کر ہی مہمان کا استقبال کرے۔“

!“ نادرہ میری طرف دیکھتے ہوئے بس اتنا ہی کہہ سکی۔ اس کے چھائی ہوئی نقاہت کا اظہار اس کے کمزور لہجے سے بھی ہو رہا تھا۔ مسکراتی ہوئی اس کے قریب پہنچی اور بڑی محبت سے اُس کا قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

ان سے باتیں کرو نادرہ!“ معمر خاتون نے کہا۔ ”میں جا کر ان شربت بھجواتی ہوں۔“

میں نے اس موقع پر اظہارِ تکلف ضروری نہیں سمجھا اور نادرہ لیٹی ہوئی بولی۔ ”یہ تم نے ایک ہی دن میں کیا حالت بنالی

بس... یونہی...“ نادرہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

تھا؟“

ہی تو نہ آیا ہوگا۔ غالباً تم اسے فراموش نہیں کر سکیں۔“ کریدتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

کا مرجھایا ہوا سا چہرہ کچھ اور پھیکا پڑ گیا۔ اس نے جواب لیکن ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔ اس نے نظریں چرا کر اپنی جھنجھلاہٹ کو میرے لئے راز بنا دینا چاہا تو میں نے اس لاج رکھ لی۔ میں اٹھ کر اس گوشے کی طرف بڑھتی چلی ٹیلیفون رکھا ہوا نظر آ گیا تھا۔

ایک ٹیلیفون کر لوں!“ میں اس طرف بڑھتی ہوئی

نے کچھ نہیں کہا۔ وہ ان لمحات میں اپنے جذباتی طوفان رہی ہوگی۔ اگر وہ اس وقت بول پڑتی تو اس کی بھرائی اس کی قلبی واردات کا راز فاش ہو جاتا۔ میری سمجھ لڑکیاں اتنی بے وقوف کیوں ہوتی ہیں۔ اگر کوئی ان سے تو یہ جواباً خود بھی سنگدل کیوں نہیں بن جاتیں؟ صنفِ آخر کب ختم ہوگی؟ ارتقا کے اس دور میں کم از کم مجھے تو مضحکہ خیز نظر آتا ہے۔

ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا اور رؤف کے نمبر ڈائل کرنے نے ذہن نشین کر لئے تھے کیونکہ مجھے یقین تھا کہ وقتاً ضرورت پڑتی ہی رہے گی۔ اس وقت البتہ مجھے یہ خدشہ ضرور اپنے ٹیلیفون کے قریب نہ ہو۔ وہ مجھ سے یہ کہہ کر گیا اہم بیانات لینا ہیں۔ امکان تھا کہ وہ ابھی اسی سلسلے

طرف گھنٹی بجی، ریسیور اٹھایا گیا اور پھر آواز آئی۔

[illegible]“

میں نے اطمینان کی سانس لی اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”میں صبیحہ بول رہی ہوں۔ ذرا ایک پتہ نوٹ کیجئے!“ میں نے اسے نادرہ کا پتہ بتایا اور پھر بولی۔ ”میں یہیں سے بول رہی ہوں۔ ایک شخص ہوٹل سے میرا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا ہے۔“

”اوہ!“ رؤف کا انداز چونکا ہوا تھا۔ ”اس تعاقب سے آپ نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے؟“

”آپ خود ہی چیک کیجئے!“

”یہ تو اسی وقت ہو سکے گا جب آپ وہاں سے روانہ ہوں اور میں دیکھوں کہ تعاقب کرنے والا کون ہے۔“

”میں آدھے گھنٹے بعد یہاں سے الماس کے گھر کی طرف روانہ ہو جاؤں گی۔“

”الماس کے گھر کی طرف؟ کیوں؟“

”بس میں ملنا چاہتی ہوں اس سے۔“

”اچھی بات ہے۔ میں فوراً اپنے دفتر سے روانہ ہو رہا ہوں۔“

رؤف کی آسانی کے لئے میں نے اسے تعاقب کرنے والی گاڑی کا رنگ اور نام بھی بتا دیا۔ پھر ریسیور رکھ کر میں نادرہ کی طرف مڑی جو مجھے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں مسکرا دی۔

”کوئی خاص بات نہیں ہے۔“ میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”بعض اوقات اس قسم کے دل پھینک مردوں سے بھی سابقہ پڑ جاتا ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ تعاقب کر کے عورت کو رجھایا جا سکتا ہے۔ میں نے اپنے ایک جاننے والے کو فون کر دیا ہے جو پولیس میں ہے۔ وہ خود ہی اس شہدے سے نپٹ لے گا۔“

”ایسے موقعوں پر نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔“ نادرہ نے کہا۔

”میں اس کی قائل نہیں۔“ میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”ایسے لوگوں کو سزا ضرور ملنی چاہیئے۔ کبھی کبھی تو میں خود ہی دو چار ہاتھ جھاڑ دیتی ہوں۔“

”یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔ نہ جانے کب کسی بہت ہی غلط آدمی سے مڈبھیڑ ہو جائے۔“

”ہوں۔“ میں مسکرا کر اس موضوع کو ٹال گئی۔ نادرہ کو یہ بتانا مناسب نہیں تھا کہ غلط آدمیوں سے ٹکر لینا میری ہابی ہے۔

اتنے میں ایک ملازمہ لیمن اسکواش کا ایک گلاس لے آئی اور بڑے ادب سے مجھے پیش کر کے واپس چلی گئی۔

”میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گی۔“ نادرہ نے کہا۔ ”مجھے اس وقت بھی حرارت ہے۔“

”لیکن اگر شام تک تم نے اس حرارت کو رخصت نہیں کر دیا تو میری اور تمہاری لڑائی ہو جائے گی۔“

”ارے!“ نادرہ ہنس پڑی۔ ”بھلا بیماری پر انسان کا کیا اختیار؟“

"بعض حالات میں مکمل اختیار ہوتا ہے۔ تمہارا معاملہ بھی اختیاری ہے۔ جذباتی بہاؤ پر قابو پالو گی تو ٹھیک ہو جاؤ گی۔ زندگی، مرد کی چاہت سے عبارت تو نہیں۔"

"آپ تو شاعر بھی ہیں۔" نادرہ مسکرائی۔

"میں نے کبھی ایک شعر بھی موزوں نہیں کیا۔ ہاں اگر کبھی تم جیسی لڑکی میں شعریت آجاتی ہے تو اس پر جھوم ضرور اٹھتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے نادرہ کو ایسی نظروں سے دیکھا تھا کہ وہ جھینپ کر نظریں چرانے پر مجبور ہو گئی۔ اسے وہ کچھ یاد آگیا ہو گا۔

"ارے ہاں! مجھے ایک کاغذ تو دو ورنہ پھر میں بھول جاؤں گی۔" میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا مجھے توقع تھی کہ نادرہ کی درسی کتب اسی کمرے میں ہوں گی۔

"کیسا کاغذ؟" نادرہ نے پوچھا۔

"سادہ کاغذ۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے کچھ نوٹ کرنا ہے۔ تمہاری کالج فائل کہاں ہے؟"

"اس الماری میں ہے۔ ٹھہریئے! میں دیتی ہوں۔" نادرہ نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی۔

"نہیں۔" میں نے اسے روک دیا۔ "تم مت اٹھو! میں خود لے لوں گی۔" میں نے لیمن اسکوائش کا گلاس تپائی پر رکھا اور اٹھ کر اس الماری کی طرف بڑھی جدھر نادرہ نے اشارہ کیا تھا۔

الماری میں کتابیں موجود تھیں۔ فائل نیچے دبی ہوئی تھی۔ میں نے اسے نکال کر کھولا۔ میری وہ تحریر موجود تھی۔ میں نے پلٹ کر نادرہ کی طرف دیکھا، مسکرائی اور پھر فائل میں سے وہ کاغذ پھاڑ لیا۔ فائل رکھ کر الماری بند کی اور کاغذ کو تہہ کر کے اپنے پرس میں رکھتی ہوئی پھر نادرہ کے قریب جا بیٹھی۔ اسکوائش کا گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ لیا اور پھر بولی۔ "تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ تو ایک آدھ تفریحی پروگرام بنالیں؟"

"تفریحی پروگرام" کا مطلب نادرہ سمجھ ہی سکتی تھی اس لئے اس کے ہونٹ شرمگیں انداز میں کپکپا اٹھے اور چہرے پر جیسے مدھم مدھم سا الاؤ جل اٹھا۔ میرا جی چاہا کہ اس سرخی کو اپنے ہونٹوں کی تپش سے اکتسا کر دوں لیکن اس ماحول میں یہ مناسب نہیں تھا۔ نادرہ کی ماں کسی وقت بھی وہاں آسکتی تھیں کیونکہ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ اگر میں بولٹ کرتی تو یہ مشتبہ کرنے والی بات ہوتی۔

اسکوائش کا گلاس ختم کر کے میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کل میں پھر آؤں گی۔ اگر تم اس وقت تک ٹھیک نہ ہوئیں تو پھر میں تمہاری امی سے کہوں گی کہ ہمیں ایک دو گھنٹے کے لئے کمرے میں تنہا چھوڑ دیا جائے۔ کمرے کا دروازہ ہم اندر سے بند کر لیں گے اور میں تمہارا علاج شروع کر دوں گی۔"

"چلئے میں آپ کو برآمدے تک چھوڑ آؤں۔" نادرہ نے جلدی سے کہا۔

اس سے پہلے کہ میں اُسے روکتی، وہ پھرتی سے کھڑی ہو گئی۔ اس وقت میں نے بے اختیار ہو کر اسے اپنی آغوش میں کھینچ لیا تو بولی۔ "ابھی نہیں، یہاں نہیں۔ میں کل آپ کے ہوٹل آؤں گی۔"

"پکا وعدہ؟" میں نے سرگوشی کرتے ہوئے اس کا ... سے کاٹ لیا۔

"میں ضرور آؤں گی۔"

میں نے اسے ہونٹ چوم کر چھوڑ دیا اور پرس ہاتھ کمرے سے نکل آئی۔ ایک ملازمہ سامنے پڑی تو نادرہ نے ...

"امی کو بتا دو کہ یہ جا رہی ہیں۔"

ملازمہ جلدی سے ایک طرف دوڑ گئی۔ میں اور نادرہ میں پہنچ کر رک گئے۔

"میں کل بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کروں گی۔" لہجے میں کہا۔

"مجھے یقین ہے شام تک میری طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی لیکن کل میں کالج نہیں جاؤں گی۔ سیدھی آپ کے پاس ..."

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی نادرہ کی والدہ وہاں پہنچ گئیں۔ انہوں نے مسکرا کر ان سے کہا۔ "آپ دیکھ رہی ہیں نادرہ کو۔ کیسی بشاشت اس کے چہرے پر!..... ڈاکٹر کے مشوروں پر بس ایک حد تک ... چاہیے، تنہائی میں ایک جگہ پڑے پڑے تو احساس علالت مرض کے رفع ہونے میں دیر لگ جاتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹی! اچھا ہوا کہ تم آگئیں اور اس ... لیکن تم اتنی جلدی کیوں جا رہی ہو؟ شام کی چائے پی کر جاتیں۔"

"اگر مجھے ایک ضروری کام نہ ہوتا تو میں رک جاتی ... آؤں گی تو سارے دن رکوں گی۔ اچھا، خدا حافظ۔"

"خدا حافظ بیٹی!"

"خدا حافظ۔" نادرہ نے بھی دھیرے سے کہا۔

میں کار میں جا بیٹھی اور انجن اسٹارٹ کر کے بایاں ہاتھ ... میں ہلایا۔ وہ ماں بیٹی بھی ہاتھ ہلانے لگیں اور میں کار کو گیٹ میں ... لے آئی۔ سڑک پر پہنچ کر میں نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی ... والی کار کی تلاش تھی جو فوری طور پر تو دکھائی نہیں دی لیکن ... وہ کسی گلی سے نکل کر میرے پیچھے لگ گئی تو میں نے اسے دیکھ لیا ... درمیانی فاصلہ بھی کم تھا اس لیے میں اس شخص کا چہرہ دیکھ ... گئی۔ وہ مقامی نوجوان ہی تھا اور اس کی عمر تیس پینتیس سال معلوم ہو رہی تھی۔ کار میں وہ اکیلا ہی تھا۔

میں نے عقب نما آئینے میں ان گاڑیوں کا جائزہ ... پیچھے آرہی تھیں لیکن میں یہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ رو ... ان

... اندازہ نہ لگا سکنے کے باوجود مجھے اس بات کا یقین ضرور ... موجود ہو گا۔ میں نے اپنی گاڑی کو بلاوجہ دو تین سڑکوں ... میں لیے تعاقب میں آنے والی گاڑی کی شناخت کے سلسلے ... ماہر نہ چاہتی تھی۔

... تو یہی تھا کہ اب سیدھی الماس کے گھر پہنچوں گی لیکن پھر ... ایک صاف ستھرے ریسٹورنٹ پر پڑی تو میں نے سوچا کہ ... ہلانے یہاں کچھ دیر رکا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے یہاں ... کر تعاقب کنندہ کے ارادے کیا ہیں؟ آخر وہ میرے ... لگا ہوا ہے؟ مقصد محض نگرانی ہے یا کچھ اور؟

... اپنی کار ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی جہاں اور بھی کئی ... تھیں۔ انجن بند کرتے ہوئے میری نظر عقب نما آئینے پر ... تعاقب کرنے والی گاڑی کو کچھ فاصلے پر رکتے دیکھا تھا۔ ... نے گاڑی کے شیشے چڑھائے اور دروازوں کو لاک کر دیا۔ ... ایئرکنڈیشنڈ تھا اور روشنیاں زیادہ تیز نہیں تھیں۔ فوری ... اندھیرے کا احساس ہوا لیکن جب میں آگے بڑھ کر ... تو آنکھیں اس اندھیرے کی کچھ کچھ عادی ہو چکی تھیں۔

... کے قریب میزیں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ ایک ویٹر ... قریب آیا لیکن میں نے مینو کی طرف دھیان دیئے بغیر ... لے آؤ۔"

... دروازے کی طرف لگی ہوئی تھی۔ کوئی ایک منٹ بعد ... اندر داخل ہوتے دیکھا جو میرے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔ ... پتلون پہن رکھی تھی اور اس کا دایاں ہاتھ پتلون کی ... دروازے کے قریب ہی رک کر ہال کا جائزہ لینے لگا۔ ... وہ آگے بڑھنے سے قبل اپنی آنکھوں کو اس ملگجے ... عادی بنا لینا چاہتا ہو۔ میں اب براہ راست اس کی ... آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور اتنی دیر میں مجھے وہاں ... ماحول کا کوئی احساس نہیں رہا تھا۔ ہر چیز بالکل صاف ... نے اس نوجوان کے چہرے پر ایک عجیب سی دحشت اور ... کی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی صحرا میں دھول اڑ رہی ہو۔ ... کے شکستہ آبگینوں کی کرچیں سی اڑتی نظر آرہی تھیں۔ ... احساسات پر مجھے بڑی حیرت سی ہوئی۔ آخر ایسی ... نوجوان کے چہرے پر جسے میں نے اتنے مختلف النوع ... تھا۔

... دروازے پر رک کر رہنے کے بعد اس نوجوان نے آگے ... میری طرف نہیں دیکھا تھا لیکن میں ایسا ہی محسوس ... نظروں کی غیر مرئی نوک میرے وجود میں پیوست ... اپنا اور غصہ آنے لگا۔ آخر میں اس نوجوان کو اپنے اعصاب پر اتنی شدت سے کیوں محسوس کر رہی ہوں؟ میں نے ناسر جھٹک کر ان بے سروپا خیالات سے نجات پانے کی کوشش کی لیکن اس وقت میرے ہر رگ و ریشے میں اضطراب کی لہریں دوڑنے لگیں جب وہ نوجوان آگے ہی آگے بڑھتا چلا آیا! اس نے کئی خالی میزوں کو نظرانداز کر دیا تھا۔ گو کہ اب بھی میری ذات اس کی نگاہوں کا مرکز نہیں تھی لیکن میں بدستور اس احساس سے دوچار تھی کہ اس کی تمام تر توجہ میری ہی طرف مبذول ہے۔

جب میرا اور اس کا درمیانی فاصلہ برائے نام رہ گیا تو یکلخت میں اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ یہ میری چھٹی حس تھی جس نے کسی انجانے خطرے کی نشاندہی کرنا چاہی تھی۔ گو کہ میں اس خطرے کی نوعیت نہیں سمجھ سکی مگر چوکنا ہو گئی۔ میرا کھڑا ہو جانا ہی میرے حق میں بہتر ثابت ہوا تھا۔ اگر میں کھڑی نہ ہوئی ہوتی تو شاید آج زندہ نہ ہوتی۔

نوجوان میرے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس کا ہاتھ برقی سرعت کے ساتھ پتلون کی جیب سے نکلا۔ "کھٹ" کی آواز ہوئی اور میری آنکھوں کے سامنے چمک سی ہوئی۔ بٹن دبتے ہی چاقو کا لمبا چوڑا پھل اپنی کمین گاہ سے نکل کر خون آشام درندے کی طرح تن گیا تھا۔ وہ درندہ مجھ پر جھپٹ پڑا اور ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے متعدد افراد چیخ پڑے۔

اگر میں جوڈو کی ماہر نہ ہوتی تو اس حملے سے میرا بچنا محال ہی تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے بڑی تیز حرکت کی لیکن اس حرکت میں میرے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ دراصل جوڈو کی تعلیم کچھ ایسے ہی انداز کی ہوتی ہے کہ اس کے داؤ پیچ، جبلت میں داخل ہو جاتے ہیں اور خطرہ سامنے دیکھ کر آدمی بالکل مشینی انداز میں متحرک ہو جاتا ہے۔ بالکل یہی میرے ساتھ بھی ہوا۔ میں اچھل کر اس کی زد سے اس طرح نکلی کہ اس کے دائیں پہلو میں آگئی۔ وہ اپنی جھونک میں ایک قدم آگے نکل گیا تھا۔ میں نے اس موقعے سے پوری طرح فائدہ اٹھایا۔ میری دائیں ٹانگ نے بڑی تیز حرکت کی! اس وقت اسٹیمپ کک ہی مناسب رہتی۔ میں نے حملہ آور کی دائیں ٹانگ کے گھٹنے کی پشت کو نشانہ بنایا تھا۔ اس ٹھوکر سے حملہ آور کی ٹانگ لچک گئی اور قدرتی طور پر اس کا دھڑ پیچھے کی طرف جھکا۔ اس نے اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی اور وہ یقیناً اس میں کامیاب بھی ہو جاتا لیکن میں نے کسی تاخیر کے بغیر اس کی بائیں ٹانگ کے گھٹنے کی پشت کو بھی نشانہ بنا ڈالا۔ یہ اسٹیمپ کک پڑتے ہی وہ اپنا توازن کھو بیٹھا اور پیچھے کی طرف گرنے لگا۔ میں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے چاقو والے ہاتھ کی کلائی تھام لی مگر اس بات کا خیال رکھا کہ میری یہ گرفت اس کا سہارا نہ بن جائے! اس کے گرتے ہوئے جسم کے ساتھ میں بھی بیٹھتی چلی گئی تھی اور میں نے اپنی بائیں ٹانگ کے گھٹنے کو آگے کر دیا تھا۔

حملہ آور چت گرا اور اس کے چاقو والے ہاتھ کو جو سیدھا پھیلا ہوا تھا، میں نے اپنے گھٹنے سے ٹکرا دیا۔ مجھے بس اتنا خیال رکھنا پڑا تھا کہ ہاتھ کا کہنی والا حصہ میرے گھٹنے سے ٹکرائے! اس کی کلائی پر میں نے دباؤ بڑھا دیا تھا چنانچہ جب ہاتھ میرے گھٹنے پر پڑا تو حملہ آور کی چیخ نکل گئی۔ اگر میں

کلائی پر کچھ زیادہ دباؤ بڑھا دیتی تو کہنی سے اس کا ہاتھ ٹوٹ ہی جاتا۔ اب بس اتنا ہوا کہ اذیت کے باعث اس کی مٹھی کھل گئی اور چاقو فرش پر گر پڑا۔

کچھ بے جگر افراد جو حملہ آور کا چاقو دیکھ کر فوراً میری مدد کو لپکے تھے، ان کی حالت اب دیدنی تھی۔ وہ کچھ فاصلے ہی پر رک کر بڑی حیرت سے یہ معرکہ آرائی دیکھ رہے تھے۔ ان کے لیے یہ سب کچھ ایسا ہی تھا جیسے وہ کوئی فلم دیکھ رہے ہوں۔ انھوں نے حقیقی زندگی میں کسی عورت کو اس طرح لڑتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔

جب حملہ آور کا چاقو فرش پر گر گیا تو میں اسے ٹھوکر مارتے مارتے اس لیے رک گئی کہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ایک ریوالور حملہ آور کے سر سے آلگا تھا اور مجھے ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی تھی۔

”سیدھے کھڑے ہو جاؤ ورنہ بے دریغ گولی مار دوں گا۔“ رؤف کے لہجے میں پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کی سی ٹھنڈک تھی۔

حملہ آور نوجوان کے اٹھنے سے پہلے ہی میں اسے چھوڑ کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگ ہمارے اردگرد جمع ہو گئے تھے۔

”براہ کرم زیادہ قریب نہ آئیں۔“ رؤف نے بلند آواز میں کہا۔ ”میں ایک پولیس آفیسر آپ سے یہ درخواست کر رہا ہوں۔“

پولیس کا نام سنتے ہی لوگ محتاط ہو گئے۔

حملہ آور نوجوان کھڑا ہو چکا تھا اور اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے تھے۔ اس کے چہرے پر برستی ہوئی دہشت تو اب ختم ہو گئی تھی مگر ایک ویران سا تاثر اب بھی قائم تھا۔

”آپ قریبی پولیس اسٹیشن کو فون کر دیجیے!“ رؤف نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ریسٹورنٹ میں فون تو ضرور ہو گا۔“

”میں نے فون کر دیا ہے پولیس کو۔“ ایک ادھیڑ عمر آدمی بول پڑا جو کچھ نروس نظر آ رہا تھا۔ ”میں اس ریسٹورنٹ کا منیجر ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ رؤف نے کہا اور پھر لوگوں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”آپ حضرات اپنی اپنی میزوں پر تشریف لے جائیں۔ قانون آپ کے تعاون کا متمنی ہے۔“

بھیڑ چھٹنے لگی اور ایک منٹ میں وہاں صرف میں اور ریسٹورنٹ کا منیجر کھڑے رہ گئے۔ لوگ اپنی اپنی میز پر تو چلے گئے تھے مگر ان کی نظریں ہماری ہی طرف تھیں۔ مجھے تو وہ لوگ اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے میں کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔ ان کی اس حیرت کا سبب میرا طریقِ جنگ تھا۔ دراصل اس قسم کی عورتوں کے وجود کا تصور صرف یورپ و امریکہ سے ہے۔ کسی مشرقی عورت سے اس تیزی و طراری کی توقع نہیں کی جاتی۔ پاکستان میں کسی ایسی عورت کا وجود تو لوگوں کے لیے اچنبھا ہی ہو سکتا تھا۔

”آپ نے کمال کر دیا۔“ رؤف نے مستحسن نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ویسے اگر میں فوراً اندر آ جاتا تو آپ کو یہ زحمت نہ ہوتی۔ میں نے سوچا تھا کہ دو منٹ رک کر اندر داخل ہوں تاکہ ....“

”کیا فرق پڑتا ہے!“ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”بہت دن سے میری کچھ ورزش بھی نہیں ہوئی تھی۔ وقت میں جو مشقیں کرتی ہوں اس کے لیے بھی موقع نہیں ملا!“

رؤف کی گھورتی ہوئی نظریں اب حملہ آور نوجوان پر … ”بھئی! تم ان خاتون کو کیوں قتل کرنا چاہتے تھے؟ کیا ان سے دشمنی ہے؟“

”میری دشمنی تو صرف تقدیر سے ہے۔“ نوجوان نے … لے کر کہا۔

”فلسفہ!“ رؤف تمسخرانہ انداز میں بولا۔

نوجوان نے کوئی جواب دینے کی بجائے سختی سے دانت جما لیے۔

پولیس کو وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ رؤف نے … کو اپنا کارڈ دکھانے کے بعد کہا۔ ”اس شخص نے ان خاتون پر حملہ … اتفاقاً یہاں پہنچ گیا اور اسے قابو میں کرنے کے لیے مجھے اپنا ر… کرنا پڑا۔“

رؤف کی ان باتوں سے میں سمجھ گئی کہ وہ پولیس کو حقائق … دکھانا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب مجھے بھی اسی روشنی میں بیان …

نوجوان کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں اور وہ چاقو بھی پولیس … میں کر لیا جو فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ریسٹورنٹ کے منیجر اور کاؤنٹر کلرک … گواہ بنا لیا اور رسمی کارروائیوں کے بعد ریسٹورنٹ سے روانگی … اسٹیشن پہنچ کر نوجوان کو حوالات میں بند کر دیا گیا اور پھر میرا بیان قلمبند … اپنے بیان میں کہا کہ حملہ آور میرے لیے اجنبی ہے اور میں نہیں جانتی … نے مجھے کیوں قتل کرنا چاہا تھا۔

رؤف کی موجودگی کے باعث پولیس نے مجھے زیادہ … کیا اور مجھے جانے کی اجازت مل گئی۔ متعلقہ پولیس آفیسر نے … اور کہا کہ شام تک وہ اس نوجوان کی زبان کھلوانے میں کامیاب …

روانگی کے لیے اٹھتے ہوئے میں نے رؤف کی طرف … تھی کہ وہ بھی میرے ساتھ وہاں سے نکلے تو کچھ گفتگو ہو جائے! … انداز سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ وہیں رکنا چاہتا ہے۔ غالباً … ہو گا کہ نوجوان سے کیا کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ محسوس کرنے کے … کہنا مناسب نہیں سمجھا اور پولیس اسٹیشن سے نکل آئی۔

ذہنی طور پر میں اس بات پر یقین تھی کہ وہ نوجوان … ہے۔ بھلا ایک اجنبی کو مجھ سے کیا دشمنی ہو سکتی تھی؟ ہاں اگر اس … کی کوشش کی ہوتی تو دوسری بات تھی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا … قسم کے حملے کا مقصد صرف قتل ہی ہوتا ہے۔

اب سوال یہ تھا کہ وہ کس کا آلۂ کار بنا ہوگا؟ میرے … ہی نام تھے کیپٹن آفاق اور ڈاکٹر فونگ۔ ایک کینہ پرور شخص

… ذہن کو بھول نہیں سکتا تھا لیکن میرے ذہن میں بار بار ڈاکٹر … ابھر رہی تھی۔ میرے سوچنے کا ایک انداز یہ بھی ہو سکتا تھا کہ … شوکت کے گروہ سے تعلق رکھتا ہو اور اس نے منتقمانہ طور … کوشش کی ہو لیکن یہ خیال میرے جی کو نہیں لگ رہا تھا۔ اس … بھی بات تھی جس کی بنا پر میں اسے پیشہ ور قسم کا جرائم پیشہ … نہیں تھی۔ وہ مجھے ایک ایسا شخص معلوم ہو رہا تھا جو زمانے کے … ستا رہا ہو اور اپنے انتہائی مسموم حالات سے تنگ آ کر کسی کا …

…ی دشمنی تو صرف تقدیر سے ہے۔“ نوجوان کا یہ فقرہ میں بھول …

…نے تو نوجوان کی اس بات کا مذاق اڑایا تھا لیکن مجھے نوجوان … کی کربناک چیخوں کی گونج محسوس ہوئی تھی۔ وہ فلکِ کج رفتار … نظر آ رہا تھا اور ایسے لوگ بعض اوقات مجرمانہ ذہنیتوں کا … لیتے ہیں۔ جرائم کے کانٹوں کی پرورش ناآسودگی کے صحرا …

… تے ہوئے میں ذہنی طور پر ان خیالات سے نبرد آزما تھی کہ ایک … نے میرے ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ … سی آئی اے کا آلۂ کار بنا ہو؟ ... گو کہ صدرِ مملکت سے … میں ہوئی تھی لیکن سی آئی اے کے عیار ذہنوں سے یہ … نے اس ملاقات کا مقصد تاڑ لیا ہو اور وہ ابتدائی … اپنی راہ سے ہٹا دینا چاہتے ہوں۔

… تھی کہ اگر یہ سی آئی اے ہی کی حرکت تھی تو پھر اس امر میں … سکتا کہ صدرِ مملکت مجھ سے جن پانچ افراد کے بارے میں … چاہتے تھے وہ سی آئی اے ہی کے ایجنٹ ہیں۔ اگر پانچوں … ایک آدھ تو ضرور ہے۔

… سے ملاقات کرنے کے لیے بے چین ہو گئی لیکن مجھے … سے کام لینا تھا۔ میں اس سے فوری طور پر نہیں مل سکتی … زیادہ محتاط بھی رہنا تھا۔ میری زندگی بڑے شدید … تھی۔ سی آئی اے سے ٹکرانا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ … دن سے اکھاڑنے کی خوفناک صلاحیتیں رکھتی ہو اس … انسان کو ختم کروا دینا تو گویا ایک کھیل ہے۔ بعض اوقات … قتل کروا دیتی ہے کہ دیکھنے والے اس قتل کو حادثہ …

… تک پڑی۔ خیالات میں کھوئی ہوئی میں اس علاقے … اسی جگہ الماس کا گھر تھا کیونکہ میں اس سے ملنے ہی کے … کے گھر سے چلی تھی اس لیے غیر شعوری طور پر کار کا … پر گھومتا رہا تھا۔ اب میں نے بریک لگاتے ہوئے گاڑی کو سڑک کے کنارے پر روک دیا اور اپنے پرس سے وہ نوٹ بک نکالنے لگی جس میں الماس کا پتہ درج تھا۔ وہ پتہ الماس ہی نے بتایا تھا لیکن اس وقت صورتِ حال ایسی تھی کہ میں جلدی میں اسے ذہن نشین نہیں کر سکی تھی۔

اب میں نے وہ پتہ دیکھ کر اسے اپنے ذہن میں بٹھایا اور پھر نوٹ بک بند کر کے پرس میں ڈال لی۔

الماس کا گھر ڈھونڈنے میں مجھے دس منٹ لگے۔

کال بیل کے جواب میں جب دروازہ کھلا تو مجھے ایک نوجوان کی شکل نظر آئی جو الماس سے خاصا مشابہ تھا۔

”آپ الماس کے بھائی ہیں؟“ میں نے چھوٹتے ہی کہا۔

”جی؟ جی ہاں!“ اس کے منہ سے بھی فوراً نکلا اور وہ مجھے الجھی ہوئی سی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک بھی پیدا ہو گئی تھی۔ میرے تجربے اور مشاہدے کے مطابق ایسی چمک ان لوگوں کی آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے جنھیں عورت کی شدید خواہش رہتی ہو لیکن کسی وجہ سے عورت کا قرب نصیب نہ ہوتا ہو۔

”مجھے الماس سے ملنا تھا۔“ میں نے کہا۔

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کون ہیں؟“ یہ سوال کرتے ہوئے اس کی نظروں کو میرے چہرے کی طرف ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے اس کی نگاہوں کو کہیں اور پھسلتے ہوئے دیکھا۔

”میرا تعلق انٹیلی جینس سے ہے۔“

توقع کے مطابق میرے اس جملے نے اس پر شدید ردِعمل کیا اور وہ بوکھلایا ہوا نظر آنے لگا۔

”اوہ!“ اس کے منہ سے نکلا۔ ”تشریف لائیے! تشریف لائیے!“ وہ بوکھلاہٹ میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

میں نے اپنی مسکراہٹ کو ہونٹوں پر آنے سے روکا اور کمرے میں داخل ہو گئی۔ کمرہ تو چھوٹا ہی تھا لیکن اسے سجانے کی کوشش بڑے سلیقے سے کی گئی تھی۔

”آپ... ب... بیٹھیں!“ نوجوان نے ہکلاتے ہوئے کہا اور پھر میرے بیٹھنے کا انتظار کیے بغیر اندرونی دروازے سے دوسری طرف نکل گیا۔

میں ایک صوفے پر بیٹھ گئی اور وقت گزاری کے لیے دیواروں پر لگے ہوئے ڈیکوریشن پیس دیکھنے لگی۔ اس نوجوان کو گئے ہوئے دو منٹ گزرے تھے کہ اندرونی دروازے کی طرف آہٹ ہوئی۔ میں نے اس طرف دیکھا تو ایک معمر آدمی اندر آتا ہوا نظر آیا۔ وہ پچاس پچپن سال کا ایک منحنی سا آدمی تھا۔

”بیٹھیے! بیٹھیے!“ مجھے کھڑا ہوتا دیکھ کر وہ جلدی سے بولا۔ ”الماس میری بیٹی ہے۔ میں آپ کو اس سے ملا تو دوں گا لیکن آپ لوگوں سے میری درخواست ہے کہ اسے اب زیادہ پریشان نہ کیا جائے۔ ان واقعات نے اس کے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا ہے اور معمولی سا کھٹکا بھی سن کر وہ اس طرح اچھل پڑتی ہے جیسے اس کے قریب بم پھٹ گیا ہو۔“

"مجھے احساس ہے۔" میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "کسی دوشیزہ کے ساتھ اس قسم کے واقعات پیش آجائیں تو وہ خاصے دنوں تک اعصابی مریض رہتی ہے۔ آپ مجھے ان سے ملا دیں، میں بس چند منٹ لوں گی اور زیادہ پوچھ گچھ کر کے انھیں پریشان نہیں کروں گی۔ حقیقتاً ان سے میری ملاقات کا سبب صرف یہ جاننا ہے کہ وہ پوچھ گچھ کے قابل ہیں بھی یا نہیں ہے۔"

"میں اسے بلا دیتا ہوں۔" معمر آدمی نے کہا اور پھر پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے پکارا۔ "آصف!"

یہ شاید اسی نوجوان کا نام تھا۔ باپ کی پکار پر اس نے فوراً ہی لبیک کہا۔

"جاؤ الماس کو بلا لاؤ۔" معمر آدمی بولا، پھر آصف کے جانے کے بعد اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے رؤف صاحب سے ایک درخواست کی تھی اور اب چونکہ آپ بھی اس کیس پر کام کر رہی ہیں اس لیے میں آپ سے بھی درخواست کروں گا کہ یہ تحقیقات جلد از جلد مکمل کر لیں۔ میں چاہتا ہوں کہ الماس کو چند روز کے لیے کراچی بھیج دوں۔ یہ تبدیلی اس پر کچھ خوشگوار اثرات مرتب کر سکتی ہے۔"

"رؤف صاحب نے کیا جواب دیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"انھوں نے فوری طور پر کوئی جواب دینے سے معذوری ظاہر کی تھی۔"

"آپ اطمینان رکھیں، میں اس سلسلے میں آپ کی سفارش کروں گی۔"

"اوہ! بہت بہت شکریہ خاتون!" معمر آدمی خوش ہو گیا۔

دروازے پر آہٹ ہوئی تو میری نظریں ایک بار پھر اس طرف اٹھیں۔ اس مرتبہ میں نے الماس کو اندر آتے ہوئے دیکھا۔ وہ سفید شلوار، نیلے جمپر اور سفید دوپٹے میں ملبوس تھی اور بال بکھرے ہوئے سے تھے۔ چہرے کی رنگت اڑی اڑی سی تھی۔ اسے دیکھتے ہی جنتوں کی گڑھی کا وہ منظر میری نگاہوں میں گھوم گیا جب الماس کی تپتی ہوئی جوانی کا آہنگ انگ میرا نظر نواز ہوا تھا۔ اس وقت تو اس کے شباب کی تمام تر رعنائیاں جمپر میں کسی ہوئی تھیں لیکن میرا تصور مجھے بہت کچھ دکھا سکتا تھا۔

"آپ!" وہ مجھے دیکھ کر چونک پڑی۔

"آؤ... بیٹھو!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ دونوں واقف کار ہیں؟" الماس کا باپ حیرت سے بولا۔

"جب الماس قید میں تھیں تو سب سے پہلے میں ہی ان سے ملی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

الماس چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی قریب آئی اور باپ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"یہ کب کی بات ہے؟" الماس کے والد نے پوچھا۔

"وہ زنداں میں الماس کی پہلی رات تھی۔"

"تو پھر آپ لوگوں نے الماس کو اسی رات کیوں نہ"

"مصلحت کے تقاضے ہمارے پیش نظر تھے۔"

اس موضوع پر الماس کے والد سے میری گفتگو

لیکن الماس نے اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ وہ قطعی غیر متعلق تھی۔ اس کی نگاہیں دیوار پر آویزاں ایک تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔ طور پر اس تصویر کے قرب و جوار میں بھی نہیں معلوم ہو رہا کہ

ادھر میرا یہ حال تھا کہ میں الماس کے والد سے گفتگو

لیکن دل ہی دل میں اسے برا بھلا بھی کہے جا رہی تھی۔ میری خواہش اور الماس کو کچھ دیر کے لیے تنہا چھوڑ دیا جاتا۔ گو کہ وہ تنہائی کا دورانیہ تو نہ بنتی لیکن میں بے تکلفی کا ماحول تشکیل دینے میں ہو جاتی اور مستقبل کے کسی لمحے میں کہکشاں کے بکھرنے کا سا

جب الماس کے باپ نے اٹھنے کا نام ہی نہ لیا، خود ہی اٹھ گئی۔

"اچھا الماس! میں پھر کسی وقت آؤں گی تم سے" بڑی محبت سے الماس کے گال پر تھپکی دی۔

الماس نے کوئی جواب نہ دیا اور اس کا باپ مجھے لیے دروازے تک آیا۔

"آپ نے کوئی بات نہیں کی الماس سے؟" میں بولا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے تھے اس کی حالت ایسی نہ سے پوچھ گچھ کی جا سکے۔"

"جی ہاں! اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ وہ کچھ دن کے چلی جائے۔ وہاں اس کے ماموں رہتے ہیں۔ ماموں زاد بہن اس کی طبیعت بہل جائے گی۔"

"میں رؤف صاحب سے کہوں گی کہ وہ الماس کو کرا اجازت دے دیں۔"

الماس کے والد نے اس سلسلے میں میرا پیشگی شکر

جب میں وہاں سے روانہ ہوئی تو میری طبیعت کچھ بھی۔ میرے اس اضمحلال کے بنیادی سبب کے علاوہ ایک تھا کہ مجھے کراچی سے جدا ہوئے خاصے دن گزر چکے تھے ہے۔ وہ چٹختی کلیوں کا گلستاں ہے جہاں ایک قدم پر سائیکی قدم پر افروڈیٹ سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ شام کو کلفٹن پر نکل یوں لگتا ہے جیسے دھنک پر قدم رکھ دیا ہو۔

میں سیدھی ہوٹل گئی اور خود کو شراب میں ڈبو دیا۔ ہو کر بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ پھر جب میری آنکھ کھلی تو رات ہر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں بستر سے اٹھ کر اندازے سے سو

ریسپشن کلرک نے مجھے بتایا کہ آٹھ بج کر دس منٹ ... بیٹھ کر اپنی پیشانی مسلنے لگی۔ میرے سر میں ہلکا ... الحال تو بھی ٹھیک نہیں تھا۔ میں اٹھ کر باتھ روم ... باتھ ٹب میں لیٹی اپنا بدن سہلاتی رہی۔ اس سے میری ... میں کپڑے وغیرہ پہن کر تیار ہوئی تو بڑی حد تک چاق و چوبند ... کھانا کھایا اور سگریٹ سلگا کر دو تین گہرے کش لیے ... تازگی دوڑ گئی۔ میری ذہنی رو اس نوجوان کی ... دوپہر کو مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ میں اس بات ... کیا بیان دیا ہوگا۔ اس کا علم مجھے رؤف ہی سے ... فون کا ریسیور اٹھا کر آپریٹر کو رؤف کے گھر ... وہ اس وقت گھر پر ہوگا لیکن دوسری طرف ... نے بتایا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔

... پیغام نوٹ کروا دیجیے!" نسوانی آواز نے کہا۔ اس کے علاوہ کوئی پیغام نہیں کہیں نے فون ... ل رہی ہیں۔

... ب ملا۔

... ایک جھٹکا سا لگا۔ نہ جانے کیوں، رؤف کا شادی ... غیر متوقع بات تھی۔ ریسیور رکھتے ہوئے میں ... چار بچے بھی ہوں اور یہ سوچ کر میرے ہونٹوں ... کا شادی شدہ اور بال بچے دار ہونا میرے لیے ... کوئی کم لوٹن!

... تے لیکن میں اتنی دیر سوچ چکی تھی کہ مجھے کمرے کی ... ماری۔ میں ہوٹل سے نکل کھڑی ہوئی۔ رات ... بیٹھ کر یونہی ایک طرف چل پڑی۔ ایک ہاتھ ... ہاتھ سے اسٹیئرنگ کرتے ہوئے میں نے رفتار ... نہیں ہونے دیا۔ جب کوئی منزل نہ ہو تو تیز رفتاری ... ہوٹل سے نکلی تھی لیکن جلد ہی مجھے اپنی حماقت ... انہیں تھا جو رات گئے تک جاگتا رہتا ہے۔ ... ویرانی پھیلنا شروع ہو جاتی ہے۔

اس کے باوجود میں نے واپسی کا قصد نہیں کیا ... گرد کے ماحول سے پوری طرح باخبر تھی۔ دوپہر ... ہونے کا تنا سینے کی ضرورت تھی۔

... بے آوارہ گردی کرتی رہی اور پھر مجھے ایک ... سیٹلائٹ ٹاؤن کی طرف کر دیا۔ رؤف ... نام پتے دیے تھے اور جن میں سے دو افراد کا ... ایک شخص یعنی رانا حمید کی رہائش گاہ ... تھی۔

... سی ایس پی آفیسر رہے ہیں۔ انھیں ریٹائر ہوئے کچھ ہی دن ہوئے تھے مگر ان کا سی ایس پی آفیسر ہونا میرے لیے تعجب خیز نہیں تھا۔ میں خوب جانتی ہوں کہ خفیہ محکمے کے افسران بظاہر عام قسم کے عہدوں پر فائز رہتے ہیں اور کسی کو بھی اس کا علم نہیں ہو پاتا کہ ان کے اصل فرائض کچھ اور ہوتے ہیں۔

رانا حمید کی عمر اتنی ہو چکی تھی کہ وہ اپنے اس خفیہ عہدے سے بھی ریٹائر ہو چکے ہوں گے لیکن جب صدر مملکت کو کسی نجی کام کے سلسلے میں آدمیوں کی ضرورت پڑے تو ایسے ہی آدمیوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

رانا حمید کی شخصیت میرے لیے اجنبی بھی نہیں تھی۔ اخبارات میں تو کبھی کبھی ان کی تصویریں چھپتی ہی رہتی تھیں جو میری نظر سے گزری تھیں لیکن مجھ سے ان کی ایک ملاقات بھی ہو چکی تھی۔ بیگم پرناب گڑھ کے گھر پر کوئی فنکشن تھا جس میں ہم ایک دوسرے سے متعارف ہوئے تھے لیکن یہ اتنی پرانی بات تھی کہ شاید وہ مجھے بھول ہی گیا ہو۔

اس وقت میں سیٹلائٹ ٹاؤن کی طرف اس لیے آئی تھی کہ لگے ہاتھوں اس کی رہائش گاہ دیکھ لوں۔ عین ممکن تھا کہ مستقبل قریب میں مجھے اس کی ضرورت پڑتی اور عین وقت پر گھر ڈھونڈنے میں مجھے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

کار کی رفتار میں نے بہت کم کر دی تاکہ عمارتوں کے نمبر دیکھتی رہوں۔ بعض پھاٹکوں پر نمبر موجود نہیں تھے مگر جن پر تھے ان سے مجھے اندازہ لگانے میں آسانی ہو سکتی تھی۔ ان نمبروں سے اندازہ کرتی ہوئی میں مختلف راستوں پر مڑتی رہی۔ آدھے گھنٹے تک مجھے پٹرول پھونکنا پڑا اور پھر کہیں جا کر مجھے ایسے نمبر دکھائی دیے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ رانا حمید کا مکان ارد گرد ہی کہیں موجود

ایک کارنر پلاٹ کے نمبر سے اندازہ ہوا کہ اب مجھے بائیں طرف گھوم کر دائیں جانب کی دوسری قطار کے سامنے سے گزرنا چاہیے۔ امکان تھا کہ رانا حمید کا گھر اسی قطار میں مل جاتا۔

میں جیسے ہی اس طرف مڑی، کار کی ہیڈ لائٹس ان تین افراد پر پڑیں جو ایک مورس کار سے اتر کر دونوں قطاروں کی درمیانی گلی میں داخل ہو رہے تھے۔ ان تینوں میں سے ایک لڑکی تھی۔ وہ لوگ چند لمحے کے لیے میری نظر میں آئے تھے اس لیے میں ان کا تفصیلی جائزہ نہیں لے سکی تھی۔ وہ تنگ گلی میں روپوش ہو گئے لیکن میں مورس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کا چہرہ دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکی اور یکبارگی میرا جسم سنسنا اٹھا۔

وہ شخص وکٹر تھا۔

وہی وکٹر جس کا نام اور پتہ مجھے زبیدہ پر تشدد کروا کے معلوم ہوا تھا اور جس کی وجہ سے ڈاکٹر فونگ کی شخصیت سامنے آئی تھی۔ میں نے اینگلو انڈین عورت کا روپ دھار کر وکٹر سے دوستی بھی کر لی

تھی اور غالباً میں اُس سے بہت کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتی لیکن اچانک وہ ایک فلائٹ سے لاہور روانہ ہو گیا تھا۔ میں نے کمانڈر حق کے ایک آدمی کو اس کے پیچھے روانہ کیا تھا لیکن لاہور پہنچ کر نگرانی کرنے والے کو چوٹ ہو گئی۔ وکٹر اسے ڈاج دے کر نکل گیا تھا اور پھر مجھے یہ بات نہیں معلوم ہو سکی تھی کہ وہ کہاں ہے۔

اب وہ وکٹر مجھے پنڈی میں نظر آیا تھا اور ایک ایسی جگہ نظر آیا تھا جہاں آس پاس ہی کہیں رانا حمید کی رہائش گاہ تھی۔

میں نے اپنی کار کی اندرونی روشنی بجھا رکھی تھی اس لئے یہ امکان نہیں تھا کہ وکٹر نے بھی میرا چہرہ دیکھ لیا ہو گا لیکن اگر دیکھ بھی لیتا تو مجھے پہچان نہیں پاتا۔ میں نے جب اس سے دوستی گانٹھی تھی تو میرا رنگ روپ کچھ اور ہی تھا۔ میری موجودہ صورت تو وکٹر کے لئے اجنبی ہی ہوتی۔

میں اپنی گاڑی کو تیزی سے آگے نکال لے گئی اور پھر دائیں جانب مڑی۔ اب میرے دائیں ہاتھ پر جو عمارتیں تھیں، انہی میں سے ایک میں رانا حمید کا قیام ہونا چاہیئے تھا۔

میں نے کار کی رفتار کم کر دی لیکن میرے ذہن نے اب تیزی سے آرٹ نا شروع کر دیا تھا۔ مجھے چوکنا کرنے کے لئے وکٹر کی شکل ہی کافی تھی لیکن اگر وہ نظر نہ آتا تو یہ بات بھی سوچنے کی راہ ہموار کرنے کے لئے بہت تھی کہ ایک لڑکی اور دو مرد اس عقبی گلی میں داخل ہوئے تھے۔ ان تینوں کی وضع قطع ملازمین جیسی نہیں تھی جو آمد و رفت کے لئے عقبی دروازہ استعمال کرتے ہیں۔ لڑکی نے ساڑی باندھ رکھی تھی اور وہ دونوں مرد سوٹ میں ملبوس تھے۔ پھر یہ کہ میں نے انہیں ایک کار سے اتر کر گلی میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اگر وہ کسی کے مہمان ہوتے تو سامنے کا دروازہ استعمال کرتے، انہیں اس گندی اور تنگ و تاریک گلی میں داخل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میری آنکھیں عمارتوں کے نمبروں سے بے خبر نہیں رہی تھیں۔ میں نے صرف دائیں قطار پر نظر رکھی تھی اور جلد ہی مجھے مطلوبہ نمبر دکھائی دے گیا تھا۔ رانا حمید کا بنگلہ!

میرا پیر ایکسلریٹر سے ہٹ کر بریک پر پہنچ گیا اور جب گاڑی رکی تو میں رانا حمید کے بنگلے سے کوئی بیس گز دور نکل آئی تھی۔ سامنے تو مجھے دور تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا اور پیچھے کا جائزہ لینے کے لئے میں نے کار کے عقبی آئینے پر نظر ڈال لی تھی۔ ہر طرف ویرانی تھی، سناٹا تھا۔ روشنی بھی بہت کم عمارتوں میں دکھائی دے رہی تھی۔ زیادہ تر عمارتیں تاریک پڑی ہوئی تھیں۔

میں نے گاڑی کا انجن بند کر دیا لیکن گاڑی سے اُتری نہیں۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لینا ضروری تھا۔ آخر وہ تینوں افراد اس گلی میں کیوں داخل ہوئے تھے؟ کیا انہیں چوری چھپے کسی کے گھر میں گھسنا ہے؟... کیا وہ گھر رانا حمید کا ہو سکتا ہے جہاں وہ

جانا چاہتے ہیں؟... مگر کیوں؟... رانا حمید سے
بات تو طے تھی کہ وکٹر کا تعلق ڈاکٹر فونگ سے تھا
خود کو تائیوان سے متعلق ثابت کیا تھا۔ تائیوان
حاصل تھی اور اس طرح ان معاملات
سی آئی اے سے ملتے نظر آرہے تھے لیکن یہ
کہ ڈاکٹر فونگ کے آدمی رانا حمید کے گھر میں کیو
وہاں کوئی خفیہ میٹنگ تھی؟ کیا رانا حمید بھی سی
ہے اور صدر مملکت کو ڈبل کراس کر رہا ہے!
جلد ہی میں نے محسوس کر لیا کہ خیالوں
نتیجے کی منزل تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ مشاہدہ
بن سکتی۔ مجھے جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چا
جب میں نے یہ فیصلہ کر لیا تو گاڑی سے اتر آ
کچھ دور کسی گلی میں کتے بھونک رہے تھے
کے ماحول میں کسی قسم کی ہلچل نہیں تھی۔ ویرانی ا
میں رانا حمید کے گھر کے سامنے پہنچ گئی۔ بنگلے
تھا لیکن پھاٹک خاصا بلند تھا۔ مجھے اس پر چ
پڑتا۔ ساڑھی کی وجہ سے دشواری ہو سکتی تھی
دیکھنے والا نہیں تھا۔ اس لئے میں نے پھاٹک
سے اوپر کر لی تھی۔
دوسری طرف اتر کر میں کچھ دیر تک آ
حشرات الارض کی سیٹیوں کے سوا کچھ سنائی نہ
بڑھی۔ مکان کے اندرونی حصے میں پہنچنے کا ...
کھڑکیاں تو موجود تھیں مگر ان میں گرل لگی ہوئی
تھا ہی نہیں کہ کوئی دروازہ کھلا ہوا ملتا۔
برآمدے میں ستون تھے اور ان پر بیلیں
ان میں سے ایک بیل کی مضبوطی کا اندازہ لگا کر
اوپر چڑھتی چلی گئی۔ بس یہی ایک امکان تھا کہ
مل جاتا۔
چھت پر خاصی کشادہ ٹیرس بنی ہوئی تھی
برآمدے کی چھت سے صرف چار فٹ اوپر تھا
دشواری نہیں ہوئی۔ ٹیرس سے ہٹ کر صرف ا
جس کی حالت کچھ بہتر نہیں تھی۔ ممکن ہے کہ وہ
میں رہتا ہو۔
اس کمرے میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی سنا
اگر وہاں کوئی ہے بھی تو سو رہا ہے لیکن میں نے ا
نہیں کیا۔ میں رینگتی ہوئی ایک طرف بڑھنے لگی ا
بعد اس جگہ پہنچ گئی جہاں نیچے جانے کے لئے ز
میں نے بلا تاخیر نیچے اترنا شروع کر دیا۔

... میں نے خود کو ایک کشادہ کوریڈور میں پایا۔
... دروازے نظر آرہے تھے اور کوریڈور کے
... دروازہ تھا جو غالباً خارجی رُخ پر ہو گا۔
... ہیل کی سینڈلیں اتار کر ہاتھ میں لے لیں اور
... میرے دل کی دھڑکنیں غیر معمولی ہو چکی تھیں۔
... سے دوچار ہو سکتی تھی۔ ایک دروازے
... اور دروازے سے کان لگا کر کچھ سننے کی
... چھائی ہوئی تھی۔ اب میں نے اس
... دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ میں
... اسی مکان میں آئے ہیں تو مجھ سے پہلے
... گا اور اس صورت میں انہیں کسی کمرے

... کان لگا کر بھی مجھے سناٹے کا احساس
... دروازے کے سامنے پہنچ کر میں رکی
... جہاں مدھم سی روشنی پڑ رہی تھی۔ جلد
... روشنی دروازے کے کی ہول سے باہر
... پہنچتے ہی مجھے مدھم مدھم آوازوں کا
... اس کمرے میں نہ صرف یہ کہ روشنی تھی بلکہ

... ایک آنکھ کی ہول سے جا لگی۔ ضروری نہیں
... لیکن دروازے کا وہ مخفی قفل بہت
... نسبتاً بڑا تھا۔ اس کے علاوہ اس
... سے تعاون کیا۔ وہ ایک ہال نما خوابگاہ
... دیوار کے قریب ایک خوبصورت ڈبل
... ہٹ کر کوئی چیز دکھائی نہیں

... ایسا ہی تھا کہ میری جگہ کوئی عام عورت
... ہول سے ہٹا لیتی۔
... برہنہ نظر آرہا تھا اور ساتھ میں جو لڑکی
... تھا۔
... اور پھر ایک مدھم سی مردانہ
... اب دوسرا لو... سلویا!
... سامنے نہیں تھا۔
... نے اپنا سر بائیں جانب گھمایا۔
... کرو!
... اور پھر ایک آدمی میری نظروں میں آ
... کر لڑکی کو بتانا شروع کیا تھا کہ اب
... پھر اس نے لڑکی کی مدد سے رانا حمید

کو بھی ایک خاص زاویے سے لٹایا۔ اس وقت یہ دیکھ کر میرے ہونٹ بھنچ گئے کہ رانا حمید یا تو مر چکا ہے یا بے ہوش ہے۔ اس کے جسم کی حرکات و سکنات اس لڑکی اور اس مرد کی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ وہ خود کوئی حرکت کرنے سے قاصر تھا۔

"بس اب ٹھیک ہے جون!" وہی مردانہ آواز پھر سنائی دی۔ اس کا چہرہ ابھی تک میری نظر میں نہیں آیا تھا۔

جس آدمی نے لڑکی اور رانا حمید کو "سیٹ" کیا تھا، وہ پیچھے ہٹ گیا اور چند لمحے بعد ہی ایک بار پھر روشنی کا جھماکہ ہوا۔

"بس سلویا! اب اٹھ جاؤ!" آواز پھر سنائی دی۔

لڑکی اٹھی اور بستر کی دوسری طرف پڑے ہوئے اپنے کپڑے اٹھانے لگی۔ ساڑی، بلاؤز اور پیٹی کوٹ!... اس وقت میں نے لڑکی کا سراپا دیکھا اور پھر جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔ وہ بدن میرے معیار کے عین مطابق تھا۔

کمرے میں کھیلے جانے والے کھیل کی تمام جزئیات میری سمجھ میں آچکی تھیں اور اسی لئے مجھے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ رانا حمید مردہ نہیں بلکہ صرف بے ہوش ہے۔ بلیک میلنگ اسٹف مُردوں کے خلاف استعمال کرنے کے لئے نہیں تیار کیا جاتا۔ رانا حمید کی جو تصویریں اتاری گئی تھیں، وہ ظاہر ہے کہ کسی اور کے خلاف استعمال نہیں کی جا سکتی تھیں۔

لڑکی پیٹی کوٹ پہن رہی تھی جب میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے فوری طور پر اس مکان سے نکل کر کسی ایسی جگہ پہنچ جانا چاہیئے جہاں سے وکٹر کی گاڑی پر نظر رکھ سکوں۔ ان لوگوں کی واپسی اسی گاڑی میں ہوتی اور میں اس کا تعاقب کر کے ان لوگوں کے ٹھکانے سے واقف ہو سکتی تھی۔

میں تیزی سے مڑی اور پنجوں کے بل دوڑتی ہوئی زینے کے قریب پہنچ گئی۔ تیزی سے زینے طے کئے اور پھر رینگ کر ٹیرس کو عبور کیا۔ برآمدے کی چھت پر اتری اور وہاں سے نیچے پہنچ گئی۔ پھاٹک کو ایک بار پھر پھلانگنا پڑا۔ سینڈلیں ابھی تک میرے ہاتھ میں تھیں۔ اب میں نے انہیں پہنا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی ہوئی اپنی کار کی طرف بڑھی۔

جو واقعات میرے مشاہدے میں آئے تھے انہوں نے مجھے خاصا پُر جوش کر دیا تھا۔ ڈاکٹر فونگ تک پہنچنے کی راہ ہموار ہوتی نظر آرہی تھی۔

میں نے کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور یو ٹرن لے کر موڑ تک آگئی۔ یہاں پہنچ کر میں نے انجن پھر بند کیا اور گاڑی سے اتر کر عمارت کے احاطے کی دیوار سے لگی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ کونے پر پہنچ کر میں رکی اور جھانک کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

موٹر وہیں موجود تھی جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔

کوئی دو منٹ بعد مجھے گلی میں سے تین سائے نکلتے نظر آئے۔

وہی لڑکی اور اس کے دونوں ساتھی!... کار کا دروازہ کھلا اور دونوں آدمی اس میں بیٹھ گئے۔ میری توقع کے مطابق، ان آدمیوں کے بعد اس لڑکی کو بھی بیٹھ جانا چاہئے تھا لیکن کار کا دروازہ بند ہوگیا۔ اس کی عقبی سرخ بتیاں جل اٹھیں اور پھر وہ حرکت میں آگئی۔ لڑکی پیدل ہی اس طرف چل پڑی جدھر کار جا رہی تھی۔ میں الجھن میں پڑ گئی۔ آخر اس کا کیا مطلب ہوا؟ فوری طور پر بس یہی ایک بات ذہن میں آتی تھی کہ لڑکی کا گھر کہیں قریب ہی ہوگا۔

اب مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کار کا تعاقب کروں یا لڑکی کا؟...

مجھے زیادہ بہتر یہ معلوم ہوا کہ لڑکی کا تعاقب کروں۔ کار کا پیچھا کرنے میں یہ قباحت تھی کہ اگر ان لوگوں کو تعاقب کا شبہہ بھی ہوگیا تو بھڑک جائیں گے۔ میں اس مرتبہ انہیں بھڑکنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ مجھے کوئی ایسا طریقۂ کار سوچنا تھا کہ انہیں بے خبری میں چھاپ لوں۔

کار کا تعاقب کرنا اس لئے بھی زیادہ ضروری نہیں تھا کہ میں بعد میں بھی اس کا پتہ چلا سکتی تھی۔ میں نے اس کا نمبر ذہن نشین کر لیا تھا۔

اس سوچ بچار میں کار کے تعاقب کا موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ اتنی دور جا چکی تھی کہ اب مجھے اس کی عقبی سرخ روشنیاں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ لڑکی مجھے اب بھی جاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ میں تیزی سے اپنی کار کی طرف لپکی اور اس میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ گاڑی کو حرکت میں لائی اور اسے بائیں جانب موڑا، یعنی اسی طرف جدھر وہ لڑکی جا رہی تھی۔ رانا حمید کی خواب گاہ میں وکٹر کے کسی آدمی نے اسے سلویا کے نام سے مخاطب کیا تھا اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ وہ اینگلو انڈین ہے۔

کار کچھ ہی آگے بڑھی تھی کہ سلویا ہیڈ لائٹس کی زد میں آگئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور تیز روشنی میں اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ وہ جلدی سے سڑک کے بالکل کنارے ہوگئی۔ انداز ایسا تھا جیسے کار کو نکلنے کیلئے پورا راستہ دے دینا چاہتی ہو لیکن میں نے نکل جانے کی بجائے بریک لگائے اور کار کو اس کے بالکل برابر میں لے جا کر روک دیا۔

"اتنی رات کو پیدل کہاں جا رہی ہو بے بی! کیا میں تم کو تمہارے گھر تک چھوڑ دوں؟" میں نے گویا از راہِ اخلاق پوچھا۔

"جی!... جی نہیں!" سلویا کچھ گھبرا گئی تھی۔ "میرا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔ میں پیدل جا سکتی ہوں۔"

"اتنی رات کو ایسے ویران مقام پر کسی لڑکی کا پیدل چلنا اس کے لئے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ آؤ بیٹھ جاؤ!" میں نے اپنی برابر کی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "تمہارا گھر قریب بھی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تمہیں وہاں تک چھوڑ دوں گی۔"

سلویا نے کنکھیوں سے گاڑی کی پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور غالباً اس وجہ سے اس کو اطمینان ہوگیا کہ میں گاڑی میں تنہا تھی۔ قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ وہ میرے برابر میں بیٹھ گئی۔

"دروازہ بند کر لو!... تمہیں کہاں؟

بتاتی رہو۔" میں نے کہا۔

سلویا نے دروازہ بند کر لیا اور بولی

اباؤٹ سے بائیں جانب گھومنا ہے۔"

میں گاڑی کو حرکت میں لے آئی

اس میں تو کوئی شبہہ ہی نہیں تھا

تھی اور اس نے وکٹر وغیرہ کے لئے گویا

گروہ سے ہی متعلق ہوتی تو وہ لوگ اسے

لیکن گروہ سے متعلق نہ ہونے کے باوجود وہ

کچھ نہ کچھ جانتی ضرور ہوگی۔ اجنبیوں کے

ہرگز آمادہ نہ ہوتی۔ اسے ان لوگوں کے!

تھا، وہی میں اس سے معلوم کر لینا چاہتی تھی،

اور مرحلے طے ہو جاتے تو اس میں بھی کوئی

سراپا کو میں کیسے بھول جاتی؟

راؤنڈ اباؤٹ سے میں نے گاڑی

کچھ دور چلنے کے بعد مجھے سلویا کے کہنے سے

رکنا پڑا۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا

"کیا تم یہاں تنہا رہتی ہو؟" میں

"جی نہیں میری ماں بھی رہتی ہیں"

کھولنے کے لئے ہینڈل پر پہنچ چکا تھا۔

"اس وقت تم رانا حمید کے گھر کیوں گئی

سوال کیا۔

"رانا حمید!" سلویا نہ صرف چونکی بلکہ

بھی متغیر ہوگیا۔ "کون رانا حمید؟"

"جہاں سے تم ابھی آ رہی ہو۔" میں

انداز میں دائیں آنکھ دبا کر بولی۔ "کیا کوئی تکرار

مت کرنا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر اتنی

لڑکی کسی عقبی گلی سے نکلتی دکھائی دے تو اس

ہوتا ہے۔"

سلویا اتنی گھبرا گئی تھی کہ اس کے منہ

دروازے کے ہینڈل پر اس کا ہاتھ اس طرح سا

بالکل بے جان سا رہ گئی ہو۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں

"میں کسی کو بتانے تھوڑی جا رہی ہوں۔ یہ سب

بھی یہی بابی ہے لیکن میں ذرا اونچے پیمانے

ہے کہ میرے پاس ایک خوبصورت گاڑی بھی

اونچے پیمانے پر کس طرح کام کیا جاتا ہے۔"

میری ان باتوں سے سلویا کے چہرے

بات ایک تو آپ ہی کے پاس سے آ رہی ہوں۔

تھکن محسوس ہو رہی ہے اور پیاس بھی لگ رہی ہے۔

ٹھنڈا پانی پلا سکتی ہو؟"

"کیوں نہیں؟ آئیے۔"

انجن میں پہلے ہی بند کر چکی تھی۔ اب میں نے اگنیشن کی

دروازہ کھول کر نکل گئی اور اپنے مکان کے دروازے

میں کار سے اتر کر اس کے قریب پہنچی تو دروازہ

دروازہ کھولنے والی ایک ادھیڑ عمر عورت تھی جس نے

تھا اس کے چہرے پر پھٹکار برس رہی تھی اور ریزتیاں

سا گئے۔ سلویا جیسی خوبصورت لڑکی کی ماں ہوگی لیکن سلویا

کو مخاطب کیا تھا۔

کے مطابق اس کے مکان میں تین ہی کمرے تھے۔

ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور ماں سے کہا کہ وہ فریج میں

پانی لائے۔

جاتے ہی میں نے تھکے تھکے سے انداز میں ایک انگڑائی

آنکھوں سے سلویا کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "اتنی تھک

رہا ہے، یہیں سو جاؤں۔"

چہرے سے الجھن کا اظہار ہونے لگا لیکن مجھے یقین تھا

نہیں کر سکے گی۔ اس کے دل میں ایک چور تھا۔

اور یہ میرا دباؤ محسوس کر رہی ہوگی۔

"یہاں سونے سے تمہیں کچھ اعتراض ہوگا؟" میں نے

پوچھا۔

"نہیں... نہیں!" جلدی سے بولی۔ "بھلا مجھے کیا اعتراض

آپ سے سوئیں۔"

"جانِ من!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تمہاری خواب گاہ

اوپر والے کمرے میں سوتی ہوں۔"

ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہی سوؤں گی۔ کوئی اور

کی ضرورت نہیں۔"

آنکھوں سے الجھن بدستور مترشح تھی۔

میں اس کی منحوس صورت ماں پانی کی بوتل اور گلاس

رانی محسوس ہو رہی تھی اور آنے والے لمحات کا تصور

سے جلانے لگا تھا۔ میں دو گلاس پی گئی۔

اپنی ماں کو بتایا کہ میں اس کی دوست ہوں اور آج

بڑھیا نے سپاٹ لہجے میں مختصراً کہا اور پانی کی بوتل

لہجہ لاتعلقانہ سا انداز تھا اور شاید مسکانا تو وہ جانتی

یہی تو پانے رکھا تھا اس کے کمرے میں نئی اور کشادہ بستر کو دیکھ کر بولی۔ "اس پر تو دو افراد بڑی آسانی سے سو سکتے ہیں۔"

سلویا نے میرے خیال پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ بدستور الجھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ میں اس کے انجماد کو نظر انداز کر کے سیدھی بستر پر جا گری اور بڑی بھرپور انگڑائی لی۔ میرے وجود میں ایک نشہ سا تیرنے لگا تھا۔ میں دو تین روز سے تشنہ لب تھی اور اب ایک لہلہاتا ہوا نخلستان مجھے اپنی دسترس میں نظر آ رہا تھا۔

"میں ذرا کپڑے تبدیل کر لوں۔" سلویا نے الماری کھولتے ہوئے کہا اور اس میں سے اپنی شب خوابی کا لباس نکال کر منسلک باتھ روم میں چلی گئی۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کپکپا رہی تھی اور گنگنانے کو جی چاہ رہا تھا۔ حمایت علی شاعر کی نظم "ان کہی" کے دو مصرعے میرے ذہن میں گونج رہے تھے۔

ترے عارض، تری آنکھیں، ترے گیسو، ترے ہونٹ

ایک انجانی سی معصوم خطا کرتے ہیں!

میں نے لیٹے لیٹے اپنی سینڈلیں اتار پھینکیں اور تکیے کو بازوؤں میں جکڑ کر اوندھی لیٹ گئی۔ کوئی چار پانچ منٹ بعد باتھ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو میں کروٹ لے کر سیدھی ہوگئی اور صرف ایک آنکھ کھول کر سلویا کی طرف دیکھنے لگی جو اب ایک ڈھیلا ڈھالا سا گاؤن پہنے ہوئے تھی۔

سلویا کا رنگ سرخ و سفید تو نہیں تھا لیکن وہ عام اینگلو انڈین لڑکیوں کی طرح سانولی بھی نہیں تھی۔ خاصا کھلتا ہوا رنگ تھا لیکن جسمانی تراش خراش ایسی تھی کہ سرخ و سفید رنگت کی کمی کی طرف دھیان بھی زیادہ نہیں جاتا تھا۔

"آپ کو بھی کچھ دوں پہننے کے لئے؟" سلویا نے بستر پر بیٹھ کر پوچھا۔

"ضرورت نہیں۔" میں نے اسے نیم باز آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپ لیٹی رہیں نا!" سلویا بولی۔

"نہیں، پہلے تم لیٹ جاؤ!" میں نے خود ہی اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر اسے لٹا دیا اور پھر بستر سے نیچے لٹکے ہوئے اس کے پیر بھی اٹھا کر بستر پر لے آئی۔ محبوب کے ناز اٹھانے میں لطف و انبساط کی ایک ناقابلِ بیان سی کیفیت ہوتی ہے۔

میری نظریں اس کے پیروں پر پڑیں تو میں نے ایک جھرجھری سی لی۔ اتنے خوبصورت پیر شاذ و نادر ہی دکھائی دیتے ہیں۔ بے اختیار میں نے اس کا ایک پاؤں اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اس کی نازک نازک انگلیوں کا مساج کرنے لگی۔

"آپ لیٹ جائیں نا!" سلویا کسمسائی۔

"لیٹ جاؤں گی، ایسی کیا گھبراہٹ ہے!" میں نے محبت بھری

[illegible] طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر بولی۔ تمہارے پیر بہت خوبصورت ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ انہیں چوم لوں۔"

میری انگلیاں لب اس کے گدرائے ہوئے ٹخنے کو سہلا رہی تھیں۔ اس کا مدوّر ابھار ایسا تھا کہ اسے سہلاتے ہوئے میرا جسم سنسنا اٹھا۔ مجھے اپنے وجود کی گہرائی میں لبریز پیمانے ٹوٹتے محسوس ہونے لگے اور سطحِ وجود پر جیسے بادۂ رنگیں کی برسات ہونے لگی۔ ایک لمحۂ بے تاب میں میرے لب اس ٹخنے کے گداز سے آشنا ہو گئے۔ میں نے اسے چوما . . . پھر چوما . . . . اور پھر چوما . . . یہ لمس کی کہانی تھی جس کا آغاز صرف ٹخنے سے ہوا تھا۔ لمس کا سفر شروع ہو جائے تو پھر کسی ایک نقطے کو محور نہیں بناتا۔ میرے ہونٹ منزلوں پر منزلیں مارتے چلے گئے۔ اب سلویا بھی بے تاب ہو کر میری ہمسفر بن چکی تھی۔ میں بستر پر بکھر گئی۔ میرا سر اور سلویا کے پیر کمرے کے دروازے کی طرف تھے۔ میں نے اپنی پنڈلیوں پر سلویا کے ہونٹوں کا اظہارِ بے تابی محسوس کیا۔ جنون کی کرشمہ سازیاں اب قابلِ دید تھیں۔ ہم دونوں کے ہونٹ اب جیسے پاگل ہو گئے۔ ان پاگل ہونٹوں نے عجیب عجیب گل کھلائے۔ جلتی پر تیل کا متبادل بن گئے یہ ہونٹ! جیز مری آگ خوب بھڑکی، نظر نہ آنے والے شعلے خوب بھڑکے اور بدن کی پور پور اس کی گرمی سے چٹخنے لگی۔ میرے وجود میں ساحر بدستور چیخ رہے تھے اور بادۂ رنگیں کی برسات بھی جاری تھی ورنہ وہ آگ مجھے بھسم کر دیتی۔ برسات خوب ہوئی، خوب ہوئی، اتنی ہوئی کہ میں بری طرح بھیگ گئی۔ تر بتر ہو گئی اور وہ شعلے ٹھنڈے پڑ گئے۔ آگ، راکھ بن گئی، دھواں سا پھیلتا چلا گیا اور پھر نہ تو مجھے کچھ ہوش رہا اور نہ سلویا کو! نیند نے حواس پر اپنے پہرے جما دیئے تھے۔

جب یہ پہرہ ہٹا تو صبح ہو چکی تھی۔ سلویا نے مجھ سے خاصی دیر قبل بستر چھوڑ دیا ہو گا۔ کیونکہ جب میں جاگی تو وہ پوری طرح فارم میں نظر آ رہی تھی۔ میں نے حیرت سے اس کے جسم پر نرسوں کا لباس دیکھا۔

"جلدی سے تیار ہو جائیے! مجھے نو بجے ڈیوٹی پر پہنچنا ہے۔" سلویا بولی۔

میں نے اس سلسلے میں کوئی استفسار کرنا غیر ضروری سمجھا۔ سلویا کسی ہاسپٹل میں نرس تھی تو اس میں کسی خاص تعجب کا پہلو نہ تھا۔ اس قسم کی سوسائٹی گرلز آڑ کے لئے کوئی نہ کوئی کام تو کرتی ہی ہیں۔

میں حتی الامکان تیزی سے تیار ہو گئی۔ سلویا کی ماں نے ہم دونوں کا ناشتہ کمرے ہی میں پہنچا دیا۔ سلویا بہت چپ چپ تھی لیکن میں اس کی اس خاموشی کو شرم کا ایک انداز سمجھنے کی حماقت میں ہرگز مبتلا نہیں ہو سکتی تھی۔ ایسی لڑکیاں اس قسم کی باتوں سے کبھی نہیں شرماتیں۔ اس کی خاموشی کا سبب صرف الجھن ہی ہو سکتی تھی۔ میرا کردار اسے پریشان کئے ہوئے تھا۔ وہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ مجھے کیا سمجھے۔

میں نے سوچا کہ اسے ڈیوٹی پر جانے کی جلدی ہے اس لئے مجھے اپنا کام فوراً مکمل کر لینا چاہیئے۔

"تم ڈکرز کو کب سے جانتی ہو؟" میں نے اچانک پوچھا۔

[illegible] ایک ایسا [illegible] سلائس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر تپائی پر جا گرا اور [illegible] اسی وقت فیصلہ کن ضرب بھی لگائی۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں اندھیرے میں تیر چلا رہی ہوں! ہے۔ بلکہ میرے پاس ثبوت بھی ہے۔ جب تم ڈراما تمہید کے نبھا رہی تھیں اس وقت میرا مووی کیمرہ تم لوگوں کی فلم بنا رہا تھا! میں تم لوگوں کی آوازیں بھی بھری جا رہی تھیں۔ ان چیزوں کی اپنی گردن نہیں بچا سکو گی۔"

سلویا بالکل زرد پڑ گئی اس کے ہاتھ کانپ رہے

"لیکن اگر تم مجھ سے تعاون کرو تو تمہارا کچھ نہیں [illegible] مسکرا کر کہا۔ "میں تم کو کوئی نقصان پہنچانا پسند نہیں کروں گی بچی ہو۔ تمہارے پاؤں تو بہت ہی خوبصورت ہیں۔ میں نے اچھا وقت گزارا ہے اور میری خواہش ہے کہ ہماری دوستی کی واحد صورت یہی ہے کہ تم سب کچھ ٹھیک ٹھیک [illegible] سے تمہاری ملاقات کہاں اور کب ہوئی؟ نیز یہ کہ تم نے [illegible] پر کیا تھا؟ کیا تم مجھے ان دونوں سوالوں کا جواب دو گی؟"

". . . . . آپ . . . کون ہیں؟" [illegible] نمایاں لرزش تھی۔

"یہ بھی بتا دوں گی لیکن پہلے تم میرے سوالوں [illegible]

"میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔" سلویا نے آنا کہہ [illegible] کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہرو! میں پلاتی ہوں۔ تمہارا یہ کپکپاتا ہوا ہاتھ [illegible] میں نے اس کے لئے گلاس میں پانی انڈیلا اور اٹھ کر اس کی کرسی کے ہتھے سے جا ٹکی۔ میں نے داہنا [illegible] میں حائل کر دیا اور بائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا پانی کا گلاس [illegible] سے لگا دیا۔ "لو پیو!" میرے لہجے میں محبت کی مٹھاس تھی۔

سلویا نے غٹ غٹ کر کے پورا گلاس خالی کر دیا [illegible] لی۔ میں نے جھک کر اس کے عارض پر ایک بوسہ ثبت کر دیا [illegible] پر جا بیٹھی۔ "ہاں اب بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"میں آپ کو سب کچھ سچ سچ بتائے دیتی ہوں۔" [illegible] ہوئی آواز میں بولنا شروع کیا۔ "ڈکرز کو میں پہلے سے نہیں [illegible] اس کے پاس جیون لے گیا تھا۔ جیون ان لوگوں میں سے [illegible] گاہک تلاش کرتے ہیں۔ ڈکرز سے میری ملاقات کل ہی ہوئی [illegible] بتایا تھا کہ مجھے ایک آدمی کے ساتھ برہنہ تصویریں اتروانی [illegible] کے لئے مجھے دس ہزار کی پیش کش کی گئی تھی۔ اور دو ہزار ایڈوانس بھی مل گئے تھے۔ مجھے یہ معاملہ کچھ خطرناک تو [illegible] کے تحت میں مجبور ہو گئی۔ ان دنوں مجھے کوئی اچھا گاہک نہیں ملا تھا [illegible] بڑا تنگ تھا۔ کل رات وہ لوگ پروگرام کے تحت کالے کر [illegible]

[illegible] دروازے سے داخل ہوئے تھے؟"

[illegible] کھلا ہوا ملا تھا؟"

[illegible] دستک دی تھی تو کھلا تھا۔ دروازہ کھولنے والا [illegible] کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ ملازم کو کچھ دے [illegible] لیا تھا اور اس نے اپنے مالک کو دودھ میں بیہوشی [illegible] تھی۔ مجھے اس وقت تک یہ نہیں معلوم تھا کہ اس گھر کا [illegible] کس کے ساتھ کھنچوانی ہیں وہ تو جب میں نے [illegible]

[illegible] کو پہلے سے جانتی تھیں؟"

[illegible] نہیں تھی لیکن میں نے ان کا نام سنا تھا اور اخبارات [illegible] دیکھی تھیں۔ جب میں نے ان کو پہچانا تو مجھے احساس [illegible] خطرناک ہے جتنا میں نے سوچا تھا۔"

[illegible] تصویریں اتروانے پر آمادہ ہو گئیں؟"

[illegible] مجبور تھی۔ اگر میں انکار کرتی تو وہ لوگ میرا نہ جانے [illegible] ویسے میرا اندازہ تھا کہ وہ بہت خطرناک آدمی [illegible] میں ان کے رحم و کرم پر تھی۔"

[illegible] لہجے میں سچائی کا پرتو نظر آ رہا تھا اس لئے میں اس کے [illegible] الفاظ پر یقین کرتی چلی گئی۔

[illegible] گھر میں کوئی اور نہیں تھا؟" میں نے پوچھا۔

[illegible] کے علاوہ کوئی تھا ہی نہیں۔ جیون اور ڈکرز کی گفتگو [illegible] میں آئی تھی کہ رانا حمید کے بیوی بچے دو چار روز [illegible] ہوئے ہیں۔"

[illegible] اندر پہنچے تھے تو وہ ملازم کہاں تھا؟"

[illegible] دروازے کے باہر ہی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔"

[illegible] معلوم تھا کہ رانا حمید کس کمرے میں ہو گا؟"

[illegible] کو معلوم تھی۔ اسی کی رہنمائی میں ہم اس کمرے [illegible]

[illegible] اطمینان انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دی اور پھر پوچھا۔ [illegible] ملاقات کہاں ہوئی تھی؟"

[illegible] ہوٹل میں مقیم ہے۔"

[illegible] میں؟"

[illegible] ہوٹل کا پتہ اور کمرے کا نمبر بتایا جو میں نے ذہن نشین [illegible] دوسرے ساتھی کے بارے میں میں نے کوئی پوچھ [illegible] ذیلی شاخیں تھیں جنہیں چھانٹنے یا نہ چھانٹنے سے [illegible] تھا۔

[illegible] کہ میں نے تمہارا بہت زیادہ وقت نہیں لیا۔"

[illegible] جاؤں گی۔ اسے ہاں! چائے تو پی لو!"

پیالیوں میں ہماری چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی لیکن چائے دانی ابھی گرم تھی۔ مزید دو پیالیاں آسانی سے بن گئیں۔ چائے پی کر ہم دونوں گھر سے روانہ ہوئے۔

"آپ نے ابھی تک اپنے بارے میں نہیں بتایا؟" سلویا ہچکچاتی ہوئی بولی۔

"تمہارا کیا اندازہ ہے؟" میں مسکرائی۔

"پولیس۔" وہ بولی۔

"ظاہر ہے کہ اس کے علاوہ کچھ نہیں سوچا جا سکتا۔ اب اس بات کا تم خاص خیال رکھنا کہ ان لوگوں کو میری تمہاری ملاقات کا علم نہ ہونے پائے۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ ابھی تو میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ تم سرکاری گواہ بن گئی ہو اور ان لوگوں کو پکڑوانے میں میری مدد کر دو گی لیکن اگر وہ لوگ بھاگ نکلے تو یہی سوچا جائے گا کہ تم نے انہیں ہوشیار کر دیا۔ اس کے بعد میں تمہیں کسی طرح بھی نہیں بچا سکوں گی۔ سمجھ رہی ہو نا؟"

سلویا نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

اسے ہاسپٹل کے گیٹ پر اتار کر میں اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔ مجھے خدشہ تھا کہ میری رات بھر "گمشدگی" نے کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلایا ہو گا۔ رؤف مجھے غائب پا کر چین سے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اسے جب اپنی بیوی سے معلوم ہوا ہو گا کہ میں نے فون کیا تھا تو اس نے فوری طور پر مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہو گی اور مجھے نہ پا کر؟

ہاں! یہی ایک اہم سوال تھا کہ مجھے نہ پا کر اس نے کیا کیا ہو گا؟

میں ہوٹل پہنچی اور دروازہ کھول کر اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ داخل ہوتے ہی میرا پیر اخبار پر پڑا جو صبح ہی صبح ویٹر دروازے کی نچلی درز سے اندر پھینک گیا ہو گا۔ میں اخبار اٹھا کر اسے کھولتی ہوئی اپنے بستر کی طرف بڑھی۔ بستر پر بیٹھتے بیٹھتے میری نظر سرخی پر پڑی وہ خاصی سنسنی خیز تھی۔

"عوام کو بغاوت پر اکسانے کی امریکی سازش!
سینٹرل انٹیلی جنس ایجنسی کا تربیت یافتہ
عملہ پاکستان پہنچنے والا ہے۔"

اس سرخی کے ذیل میں جو خبر شائع ہوئی تھی، اس کا علم مجھے پریس رات کو صدرِ مملکت سے ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس خبر کو شہ سرخی کے ساتھ دیکھ کر مجھے معاملے کی سنگینی کا بڑا شدید احساس ہوا۔

اخبار کی دوسری سنسنی خیز خبر یہ تھی کہ بھارتی فوج اور کشمیری حریت پسندوں میں جنگ شروع ہو گئی۔

یہ خبر میرے لئے تو کیا، کسی کے لئے بھی غیر متوقع نہیں ہو گی کیونکہ ایک روز قبل ہی انقلابی کونسل نے مقبوضہ کشمیر میں جنگِ آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔

ان خبروں نے مجھے خاصی حد تک تشویش میں مبتلا کر دیا۔ پاک و ہند پر جنگ کے بادل منڈلاتے نظر آ رہے تھے۔ ان حالات میں سی، آئی، اے

اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور میرے خیالات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں نے ریسیور اٹھایا۔

فون کرنے والا رؤف ہی تھا۔ میں نے اس کی آواز سنی۔ "مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ آپ ہوٹل پہنچ گئی ہیں۔"

"ہاں ہاں، کیوں!" میں نے اتنی معصومیت سے کہا جیسے کوئی خاص بات نہ ہو۔

"میں ابھی آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔" رؤف نے کسی قسم کے سوالات کئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں ریسیور رکھ کر پھر اس پیچیدہ اور سنگین صورتِ حال سے اُلجھنے لگی۔ یہ غالباً میری چھٹی حس تھی جس نے مجھے یہ باور کرا دیا تھا کہ ڈاکٹر زنگ تائیوان کے توسط سے سی آئی اے کا ایجنٹ ہے اور اب ان لوگوں نے رانا حمید کی تصویریں اس لئے بنائی ہیں کہ اسے بلیک میل کر کے اس سے کوئی خاص کام لے سکیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا کام ہے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی بہت ہی اہم کام ہو گا۔

صدرِ مملکت کے ذہن میں سی آئی اے کی متوقع سرگرمیوں کے خدشات پہلے ہی جاگ چکے تھے اور یہ ان کی ذہانت کی دلیل تھی لیکن مجھے افسوس صرف اس بات کا تھا کہ انھیں سب سے زیادہ فکر اپنے اقتدار اور اپنی زندگی کی تھی۔

وزیرِ خارجہ ابھی تک ڈھاکہ میں تھے اور میں ان کو یہ صورتحال بتانے کے لئے بہت بے چین تھی۔ مجھے اعتراف ہے کہ ان کی شخصیت نے مجھے بہت متاثر کر رکھا تھا اور میں اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ اگر وہ صدرِ مملکت کی جگہ ہوتے تو اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر پورے ملک کی بقاء کے لئے فکرمند ہوتے۔

میں اسی ادھیڑبن میں مبتلا تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میرے خیال کے مطابق، آنے والا رؤف ہی ہو سکتا تھا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔

"آپ خیریت سے تو ہیں نا؟" وہ اندر داخل ہو کر چھوٹتے ہی بولا۔

"ہاں ہاں، کیوں؟" میں ہنس پڑی۔

"آپ رات بھر کہاں غائب رہیں؟"

"اطمینان سے بیٹھئے، پھر بات چیت ہو گی۔" میں یہ کہکر ٹیلیفون کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ ریسیور اٹھا کر میں نے روم سروس سے رابطہ قائم کیا اور چائے کے لئے ہدایت دی۔ سلویا کے گھر کی چائے مجھے اچھی نہیں لگی تھی۔

رؤف بیٹھ کر اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا تھا جب میں اس کے سامنے جا بیٹھی تو رؤف بولا۔ "رات کو دو بجے تک تو میں نے آپ کا انتظار کیا تھا اور پھر تھکن کی وجہ سے مجھے نیند آ گئی تھی۔ میں نے بس ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ جیسے ہی آپ واپس لوٹیں، مجھے فون پر

اطلاع دے دی جائے۔ ایک بار رپن ین آ با
کے لئے پولیس فورس استعمال کر لیں گے۔
اگر آپ آج دوپہر تک دستیاب نہ ہوتیں تو
"کل رات میں رانا حمید کے معاشقے

"کیا مطلب؟"

میں نے اسے شروع سے آخر تک تما
نے بڑی حیرت اور دلچسپی سے سب کچھ سنا اور
اسے ڈاکٹر فونگ کی ساری کہانی بھی سنا دی تھی۔
کیا تو ملازم اسی وقت ویٹر چائے لے کر آیا۔

چائے پینے کے دوران میں گفتگو آگے بڑ
معاملات میں اب بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹ
"سب سے پہلے تو آپ وکٹر کی نگرانی ک
"صرف نگرانی!" رؤف کچھ سوچتے ہو
میں دیکھوں گا۔"

"اس اسٹیج پر کوئی انتہائی قدم اٹھانے
میں نے تنبیہہ کرنے والے انداز میں کہا۔ "پہلے یہ معلو
دشمن کے ارادے کیا ہیں؟"

"ہوں!" رؤف پائپ سلگا کر کچھ سوچتا
"پریسیڈنٹ کراچی میں کب تک رکیں
"وہ آج دوپہر کو پنڈی پہنچ رہے ہیں
"یقیناً؟"

"ہاں اس پروگرام میں کوئی تبدیلی اس
آج رات پریسیڈنٹ کو ایک غیر سرکاری تقریب
"غیر سرکاری تقریب؟"

"جی ہاں، ایک سرکاری افسر کی بیٹی کی شادی
بہرحال سرکاری تقریب نہیں کہا جا سکتا۔"

"پریسیڈنٹ سے آپ کا رابطہ قائم ہوا تھا
"جی ہاں، انھیں آپ کے فیصلے سے بہت
"اوہ! میں ایک اہم بات پوچھنا تو بھول
سے کچھ معلوم ہوا جس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا؟"

اس کے بیان نے تو معاملے کو بہت اُلجھا د
"وہ کیسے؟"

وہ ایک پڑھا لکھا لیکن تباہ حال نوجوان
سے ملازمت کی تلاش میں ہے اور اتنی طویل بے کاری
کسی حد تک غیر متوازن کر دیا ہے۔ وہ خود تو فاقہ مستی
بیوی بچوں کی حالت اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہے
گھر کا نقشہ اتنے دردناک انداز میں کھینچا تھا کہ میں ا
بغیر نہیں رہ سکا۔ ان حالات کی وجہ سے وہ کیسی ا

ول ان کی ملاقات ورلیے ان کی سے کیں
ملنے کے عوض بیس ہزار روپے کا لالچ دیا تھا۔
ہزار بعد میں۔ طارق نے اس پیشکش کو

ہ نام ہے؟" میں غیر ارادی طور پر بول پڑی،
ہ نہیں تھی۔

لے لیا۔ "بات چیت طے ہونے کے بعد انہوں
ٹی اور وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ گرفتار ہو گیا تو باقی
سے دیا جائے گا۔"
لوگ اپنے وعدے کا پاس کریں۔"
ہ کر دس ہزار بھی اس کے لواحقین کی حالت

"
مگر کیا وہ لوگ یہ بات نہیں سوچ سکتے تھے کہ طارق
ن کے کام سے منحرف ہو سکتا ہے!"
ن سکتے تھے اور انہوں نے سوچا بھی تھا۔ طارق
لے اس کو دھمکی دی تھی۔ اس سے کہا تھا کہ اگر اس
ا، گر روپیہ لے کر وہ اسے بھی سزا دیں گے۔"
ذ بامیہ نظروں سے رؤف کی طرف دیکھتی رہی۔
ہاں اور گاڑی انہی لوگوں نے مہیا کیا تھا۔
، اندر ہی بیٹھیں تو اسے اشارے سے آپ کے بارے

ہ اُن نے دیا ہو گا اسے؟"

ہے کر ریوالور کیوں نہیں دیا گیا۔" میں بڑبڑائی۔
اب اور اُلجھا دینے والی بات تو ٹیلیفون نمبر ہے!"

"
منے اس سے کہا تھا کہ جب وہ آپ کو قتل کر کے
ریالات رابطہ قائم کرے۔ انہوں نے وعدہ کیا
فرار ہو جانے میں بھی مدد دیں گے۔"
؟" میں نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔
لانے کے پریس اٹاچی کا۔" رؤف نے جواب دیا۔
دیکھنے لگی۔ یہ جواب ہی ایسا تھا کہ میرے دماغ میں
لی گئی تھی اور کچھ بولنے کا یارا نہ رہا تھا۔
آخر کچھ دیر کے بعد میرے منہ سے نکلا۔

"
ملک میں چینی سفارت خانے کا ہاتھ ہو۔ پاکستان سے

"
درست ہے لیکن حکومتِ چین اپنے یہاں کے کسی

مردی داں بڑا تا ... ہیں کر کی۔
"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ چینی پریس اٹاچی صرف ذاتی طور پر اس معاملے میں ملوث ہے؟"

"میں حتمی طور پر تو یہ نہیں کہنا چاہتا لیکن بہرحال اس امکان کو نظرانداز نہیں
"اس معاملے کی بڑی باریک بینی سے چھان پھٹک کی جانی چاہیئے۔"
"وہ تو ظاہر ہے۔" رؤف نے سر ہلا کر اتفاق کیا۔
"آپ مجھے چینی پریس اٹاچی کا پتہ لکھوا دیں۔"
"لکھ لیجئے۔"
میں نے اپنی نوٹ بک نکالی اور رؤف نے پتہ لکھوا دیا۔
"آج کا اخبار دیکھا آپ نے؟" رؤف بولا۔
"ہاں۔" میں نے کہا۔ "صورتِ حال بڑی گمبھیر ہو گئی ہے۔ کیا آپ کو علم ہے کہ وزیرِ خارجہ ڈھاکہ سے کب آ رہے ہیں؟"
"کیوں؟ یہ آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"
"بس یونہی خیال آ گیا تھا کہ اس وقت ان کو مغربی پاکستان میں ہونا چاہیئے تھا۔" میں یہ جواب دے کر اصل بات گول کر گئی، رؤف پریسیڈنٹ کا انتہائی خاص آدمی تھا، اس لئے میں اسے یہ بات بتانا نہیں چاہتی تھی کہ میں وزیرِ خارجہ کو ان باتوں سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔
"مجھے وزیرِ خارجہ کے ... کا علم نہیں۔"
"آپ کے خیال میں مقبوضہ کشمیر کی جنگ کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟" میں نے موضوعِ گفتگو کے اصل رُخ پر توجہ دی۔
"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" رؤف نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "حالات بڑے غیر یقینی ہیں۔ سیاسی اکابرین ہی اس کے بارے میں کوئی قیاس آرائی کر سکتے ہیں۔"
"یہ بات تو طے شدہ ہے کہ سی آئی اے اب بہت فعال ہو جائے گی۔"
"بلاشبہ!" رؤف مجھ سے متفق تھا۔
میرا ذہن چینی پریس اٹاچی میں اُلجھنے لگا اور میں ذرا دیر کے لئے خاموش ہو گئی۔ رؤف نے میری خاموشی سے فائدہ اٹھایا اور یہ کہہ کر رخصت ہو گیا کہ اسے جلد از جلد وکٹر کی نگرانی کا بندوبست کر دینا چاہیئے۔
میں اُسے چھوڑنے کے لئے دروازے تک گئی تھی اور میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ مجھے ہر وقت صورتِ حال سے باخبر رکھے۔
دس بج چکے تھے لیکن مجھے اب کہیں نہیں جانا تھا۔ آج کسی وقت نادرہ بھی آنے والی تھی اور مجھے اس کا انتظار کرنا تھا۔ میں جانتی تھی کہ اگر آج وہ آئی تو خودسپردگی کی تمام ترغیبات کے ساتھ آئے گی۔ اس کے نہ آنے کا امکان صرف اسی صورت میں تھا کہ اس کی طبیعت ابھی پوری طرح نہ سنبھلی ہو۔ جب تک وہ نہ آتی میرے لئے اس کے سوا کوئی کام نہ تھا کہ میں سوچتی رہوں۔ چنانچہ میں سوچتی رہی۔
راولپنڈی میں وکٹر کی موجودگی اور اس کی سرگرمی سے میں یہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ ڈاکٹر فونگ بھی یہیں موجود ہو گا اور اب یہ ناممکن تھا کہ وہ خود کو

... کو اس کے بارے میں سب کچھ بتا چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ فونگ کو تلاش کرنے کے لئے اپنے بہترین ذرائع استعمال کئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ سب سے خوش آئند بات تو یہ بھی کہ ورکر نظر میں آ گیا تھا اس کے ذریعے بھی ڈاکٹر فونگ تک رسائی ممکن تھی۔

یہ کمبخت ڈاکٹر فونگ، میرے اعصاب پر مسلط ہوتا جا رہا تھا اور میں چاہتی تھی کہ اب اسے جلد از جلد جال میں پھنسا لیا جائے۔ اگر وہ میرے اعصاب پر مسلط نہ ہوتا تو بھی اس کی بلا تاخیر گرفتاری ضروری ہو گئی تھی۔ وہ سی آئی اے کا ایک انتہائی عیار ایجنٹ تھا اور ان حالات میں اسے کھلی چھٹی نہیں دی جا سکتی تھی۔ نہ جانے کب وہ کیا کر گزرتا۔

میں سوچتی رہی اور وقت گزرتا رہا۔ ایک بج گیا لیکن نادرہ نہیں آئی۔ اب مجھے بھوک لگنے لگی تھی۔ میں نے فون پر روم سروس کو کھانے کا آرڈر دیا اور کھانے کا انتظار کرنے لگی۔

کھانا کھانے کے بعد میری طبیعت کچھ بوجھل سی ہو گئی تھی، اس لئے میں لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ پانچ دس منٹ بعد ہی مجھ پر غنودگی کی یلغار ہو گئی۔ غنودگی کا یہ عالم بھی دس پندرہ منٹ تک رہا اور پھر شاید میری آنکھ لگ گئی تھی جب دروازے پر ہونے والی دستک نے مجھے چونک کر اٹھنے پر مجبور کر دیا۔

نادرہ ہو گی! میں سوچتی ہوئی بستر سے اٹھی اور دروازہ کھولنے کے لئے بڑھی۔ نادرہ کی آمد کا مجھے کچھ یقین سا تھا اس لئے میں نے دستک دینے والے کا نام پوچھے بغیر دروازہ کھول دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت میرا ذہن غنودگی کے نتیجے میں تھا ورنہ میں نام پوچھے بغیر دروازہ کھولنے کی حماقت ہرگز نہ کرتی۔ میں اسے حماقت ہی سمجھتی ہوں لیکن بہرحال اس وقت میری حماقت کوئی رنگ نہیں لائی۔ کیونکہ میرے یقین کے مطابق وہ نادرہ ہی تھی۔

اودے رنگ کے چست شلوار سوٹ میں اس کے شباب کی بغاوت دیدنی تھی۔ اس کا گورا گورا رنگ اودے پس منظر کے باعث کچھ اور نکھر رہا تھا۔

اچانک مجھے شرارت سوجھی! میں نے روٹھے ہوئے انداز میں منہ پھیر کر کہا۔ ”اگر اتنی ہی دیر سے آنا تھا تو نہ آتیں، کیا فرق پڑتا۔“

میں نے دیکھا تو نہیں لیکن محسوس کیا کہ نادرہ نے جلدی سے اندر آ کر دروازہ بند کر لیا۔ اس کی مہک میرے بہت قریب آ گئی اور پھر میں نے اپنے کندھے پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔

”میں تو صبح ہی آنا چاہتی تھی باجو لیکن امی کا اصرار تھا کہ کم سے کم ایک روز اور آرام کر لوں۔ بمشکل تمام میں ان کو باور کرا سکی کہ باہر نکلنے سے میری طبیعت سنبھل جائے گی کیونکہ گھر میں پڑے پڑے اب میں گھبراہٹ اور اکتاہٹ کا شکار ہو گئی ہوں۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اپنی ایک دوست کے گھر جا رہی ہوں اور ایک گھنٹے میں لوٹ آؤں گی۔ انہوں نے اجازت تو دے دی لیکن اس بات پر اڑ گئیں کہ کھانا کھائے بغیر کسی کے گھر جانا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔“

”ہم تو صبح سے جل رہے ہیں پڑے ہوئے۔“ میں نے بدستور منہ پھلائے رکھا۔

”میری اچھی باجو!“ اس نے بیت ...

میرے سینے پر جکڑ دیئے اور اس طرح مجھے اپنے مینائے شباب کو اپنے وجود پر چھایا ہوا محسوس کر کے بھی میرے جذبات کی کلید بن گیا تھا۔ میرے جسم کھلتے چلے گئے اور جذبات کے دیوان دراز دل سے ...

میں نے گھوم کر نادرہ کی طرف رخ کر ... بندش کچھ ڈھیلی کر دی۔ میں اس کی طرف مڑی تو میری اس مسکراہٹ کو دیکھ کر نادرہ کے ہونٹوں کی کلیاں ... کلیوں پر اپنے ہونٹوں کا سایہ پھیلا دیا۔ اب ہم دونوں تھے۔ شباب سے شباب نبرد آزما تھا۔ ہونٹوں کی گفت ... رہی اور گفتگو کے اختتام پر میں نے ہنس کر کہا۔ ”جی کرا اپنے پاس رکھ لوں۔“

”جب کبھی نادرہ آپ کے پاس ہے آ ...“ اس نے شوخی سے کہا۔

”نادرہ ہر وقت تو پاس نہیں رہ سکتی۔“

”ہر وقت پاس رہنے سے کوئی اہمیت ...“ بڑی سچی اور سامنے کی بات کہی تھی۔

”تم فلسفی بھی ہو؟“ میں نے ہنس کر کہا ... مسلسل دیا۔ پھر میں اس کے گلے میں بانہیں ڈالے ہو ...

”باجو!“ نادرہ قدرے سنجیدگی سے بولی۔ ”میں اب تک کچھ نہیں بتایا۔“

”کیا اس سے کوئی خاص فرق پڑتا ہے؟“ بستر پر ہم دونوں قریب قریب بیٹھ گئے تھے۔

”فرق تو کوئی نہیں پڑتا۔“ نادرہ نے کہا ... نہ جاننے کے باوجود مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ جانتی ہوں۔ غیریت اور اجنبیت کا کوئی احساس نہیں۔ سحر انگیز ہے۔ مرد تو آپ کے لئے پاگل ہو سکتے ہیں۔“

”اور میں نے بھی کسی پاگل کو اپنے قریب ...“ بولی اور پھر اس خیال سے کہ بات چیت کا دھارا ... کی طرف نہ بہہ جائے، میں جلدی سے لیٹ گئی۔ نادرہ ... لیا۔ مجھے ڈر صرف یہ تھا کہ رؤف کا فون نہ آ جائے ... ہی ٹپک پڑتا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ ان حسین لمحوں میں رخنہ پڑے۔

”نادرہ!“ میں نے سرگوشی کی۔

”ہوں!“ اس نے بڑی محویت سے اپنی ...

”مجھے پیار کرو!“ میں نے کہا۔

”اوں ہوں نہیں!“ اس نے سر کو نفی جنبش دی۔

”کیوں؟“

... مسکراتے ہوئے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ ... جاؤں گی۔“

”...

”...

... تم سے نہیں بولتے!“ میں نے اپنا منہ دوسری ... نہیں ہوں تو پھر مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ!“ ... کا ترنم مجھے اپنے چہرے پر بکھرتا محسوس ہوا ... میں پھلجھڑیاں سی چھوٹ رہی تھیں۔ کیونکہ ... سچ مچ خفا نہیں ہو سکتی تھی۔ اور نادرہ کو ... تھا۔

... نے محسوس کیا کہ نادرہ کا چہرہ میرے چہرے ... کے تنفس کی خوشبو سے مہک اٹھیں اور پھر ... سی تھپیڑ محسوس کی۔ میرا پورا جسم سنسنا اٹھا ... حرکت لیٹی رہی۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ میرے ... کانپ رہی تھیں جیسے طوفانی ہواؤں کی ... کی کروٹ بڑی تدریج اور نہایت آہستگی سے ... کوئی چور، دبے قدموں کسی کے گھر میں داخل ...

... کھول دیں اور دیکھا کہ نادرہ کی آنکھیں ... اٹی تھی۔ میں نے اپنے جسم کو اب بھی کوئی حرکت ... کوئی شئے ابل پڑنے کے لئے بے تاب ... ہونے دیا اور ایک دوشیزہ کی ہچکچاہٹ ... دیکھتی رہی۔ یہ مشاہدہ دلچسپ بھی تھا۔

... ہونٹوں کا وصال مکمل ہوا اور پھر نادرہ ... ہمارے کے سامنے قدم نہ جما سکی وہ اتنے ... وجود میں گم ہو جانا چاہتی ہو۔ اس کا ایک ... اور دوسرا ہاتھ میرے شباب کی بلندیوں ... نہ دیا۔ میرے دونوں ہاتھ بھی پاگل ہو گئے ... بھرائی تھی۔ جذبات کے میدان میں وحشت ... دونوں جسم ہر قید و بند سے آزاد ہو گئے کہ یہی ... جذبات کے بے لگام عفریت اس میدان ... اس جنگ کو شدید سے شدید تر کرتا چلا گیا ... کی رسائی بڑی شدید تھی لیکن نادرہ کو بھی ... کی آوارگی جنون خیز تھی اس لئے نادرہ ... تھا۔ دو منہ زور حریفوں کی جنگ میں مینائے ... بالآخر وحشت کے صحرا میں دھول اڑنے ... رہے لیکن دونوں ہی نے اپنے ناقابل ...

... شکست ہونے کا مظاہرہ کیا تھا۔ دونوں کی سانس ایک وقت اکھڑی تھی۔ کوئی کسی سے بازی نہیں لے جا سکا تھا۔

”نادرہ!“ میں نے سرگوشی کی۔

”ہوں!“ وہ آنکھیں بند کئے رہی۔

”آنکھیں تو کھولو! میچ ڈرا ہو چکا ہے۔“

میرے اس فقرے پر نادرہ دھیرے سے ہنس پڑی اور میں نے اپنا مخمور سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ وہ گزرتے ہوئے لمحات میری اور نادرہ کی تھکن نچوڑ کر لے گئے۔ اب ہماری جنگ پھر عود کر آئی تھی لیکن پھر کوئی معرکہ نہیں ہوا۔ جذبات کے عفریتوں نے منہ زوری نہیں دکھائی۔ ہم بس ساتھ ساتھ لیٹے ہوئے ہلکی پھلکی سی چھیڑ چھاڑ کرتے رہے اور ادھر ادھر کی باتیں بھی شروع ہو گئیں۔ نادرہ اپنی کالج کی دوستوں اور اپنے گھر والوں کی باتیں کرتی رہی۔ اسی ذیل میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ نادرہ کے والد ایک کاروباری آدمی تھے۔ ان کا امپورٹ، ایکسپورٹ کا بہت بڑا بزنس تھا اور راولپنڈی میں ان کے ہوٹل بھی تھے۔ نادرہ نے ان ہوٹلوں کا نام بتایا تو میں قدرے چونک گئی۔ ان میں سے ایک ہوٹل تو وہی تھا جس میں ورکر نے رہائش اختیار کر رکھی تھی۔

ذرا دیر کے لئے میں ذہنی طور پر غیر حاضر ہو گئی۔ مجھے بالکل احساس نہیں رہا کہ اب نادرہ کیا کہہ رہی تھی۔ مجھے اس سوال نے الجھا لیا تھا کہ کیا اس بات سے کوئی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟

نادرہ اپنے والد کے ہوٹل میں مجھے کمرہ دلوا سکتی تھی لیکن یہ کوئی ایسا کام نہ تھا جو نادرہ کے بغیر نہ ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ فوری طور پر میرے ذہن میں کوئی سود مند نکتہ نہ آ سکا۔

نادرہ پانچ بجے تک میرے کمرے میں رہی اور پھر جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

”اب کب ملو گی؟“ میں نے سوال کیا۔

”کل سے تو مجھے کالج جانا ہو گا۔“

”کالج سے واپسی پر تو میرے پاس سے ہو کر جا سکتی ہو۔“

”لیکن اس وقت زیادہ دیر تک نہیں رک سکتی۔“

”زیادہ دیر رکنا ضروری تو نہیں۔“ میں نے بڑے پیار سے اس کا گال تھپتھپا کر کہا۔ ”بس اپنا چاند سا چہرہ دکھا کر چلی جانا۔“

”اچھی بات ہے۔“

میں اسے چھوڑنے کے لئے دروازے تک گئی اور دروازہ کھولنے سے قبل اسے اپنے سینے سے لگا کر الوداعی پیار کیا۔

جب وہ چلی گئی تو میں پھر بستر پر جا لیٹی۔ یہ گزشتہ چوبیس گھنٹے مجھ پر بہت مہربان تھے۔ رات کو سلویا نے آسودہ کیا تھا اور دن میں نادرہ کی جوانی کو پرکھنے کا موقع مل گیا تھا۔

جب چھ بج گئے تو مجھ پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔ اب میں چہار دیواری

[illegible] روف نے ہی جو ح پیغام کے باعث میرا
نکلنا مناسب نہ تھا۔ اس بات کے امکانات تاریک نہیں تھے کہ اس نے دکٹر
کی نگرانی شروع کروا کے کوئی کام کی بات معلوم کرلی ہو۔
میں نے چائے منگوا کر پی لیکن ظاہر ہے کہ اس سے بوریت کا ازالہ ممکن نہیں تھا۔ بوریت بڑھتی ہی رہی۔
سات بجے دروازے پر بڑے زور سے دستک ہوئی۔ میں چونکی ہی نہیں بلکہ اچھل پڑی مجھے دستک دینے والی کی بدتمیزی پر غصہ آ گیا۔
"کون ہے؟" میرے لہجے میں شدید جھلاہٹ تھی۔
"رؤف!" جواب ملا۔
میں دروازے کی طرف بڑھی لیکن اب میری جھلاہٹ کی جگہ تعجب نے لے لی تھی۔ رؤف انتہائی مہذب اور پڑھا لکھا آدمی تھا۔ اس سے میں ایسی وحشیانہ دستک کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔
جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا، رؤف نے مضطربانہ انداز میں کہا "جلدی سے تیار ہو جائیے!"
"خیریت؟" میں نے اسے گھور کر دیکھا۔
"اتنا وقت نہیں ہے کہ یہیں کھڑے کھڑے سب کچھ بتاؤں!" رؤف اندر آتا ہوا بولا۔ "آپ تیار ہونے میں جتنا کم وقت صرف کریں گی، اتنا ہی بہتر ہوگا۔"
رؤف کے چہرے پر اضطراب و پریشانی کی ایک نہ پڑھی جانے والی کہانی تحریر تھی۔ میں نے اس کہانی کو پڑھنے کی کوشش میں وقت صرف نہیں کیا اور جلدی سے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ رؤف کی خواہش کے مطابق میں نے تیار ہونے میں سات آٹھ منٹ سے زیادہ صرف نہیں کئے اور اس کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔
کمرے کو لاک کر کے چابی [illegible] اور تیزی سے زینے کی طرف قدم بڑھاتی ہوئی بولی۔ "ہاں اب بتائیں کیا بات ہے؟"
"کار میں بیٹھ کر گفتگو ہوگی۔" رؤف نے جواب دیا۔
میں چپ ہو گئی۔ زیادہ بے تابی کا مظاہرہ بھی کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ زینے کے اختتام پر کمانڈر حق سے آمنا سامنا ہو گیا۔ وہ اوپر آ رہا تھا۔ میں اجنبیوں کی طرح اس کے برابر سے گزر گئی اور اس نے بھی شناساؤں کا سا کوئی انداز ظاہر نہیں کیا۔ وہ بدستور اسی ہوٹل میں مقیم تھا کیونکہ میں نے اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ خاموشی سے میرے آئندہ احکامات کا انتظار کرے۔
رؤف خود کار میں آیا تھا اس لئے مجھے اپنے کرائے کی گاڑی لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں ڈرائیونگ سیٹ کے برابر میں بیٹھی اور رؤف نے اسٹیرنگ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ میں بڑی بے چینی سے اس کے بولنے کی منتظر تھی لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ بات چیت کی ابتدا اب خود نہیں کروں گی۔
رؤف نے میرے صبر کو زیادہ نہیں آزمایا اور بولا۔ "میں نے فوری طور پر دکٹر کی نگرانی شروع کرا دی تھی اور ابھی آدھے گھنٹے قبل اس کا نتیجہ بھی نکل آیا ہے۔"

میں نے اس نتیجے کے بارے میں کوئی استفسا
کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ رؤف خاموش
"آج شام دکٹر فلیش ہوٹل میں ایک آ
والے سے ان کی باتیں سننے کی کوشش کی گئی تھی لیکن
صرف ایک جملہ اور قدرے توقف کے بعد ایک لفظ
یہ تھا کہ ..... وہ مجبوراً ایسا کرنے پر آمادہ
لفظ تھا ..... "تقریب!"
"تقریب!" میں نے زیر لب دہرایا اور مجھے
یہ بات یاد آئی کہ آج رات پریسیڈنٹ ایک جنیرس کو
کریں گے۔"
"ہاں" رؤف نے کہا۔ "بس یہی ایک لفظ
والے کی سمجھ میں آیا تھا۔"
"آپ نے اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے؟"
"یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن اس
کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی عریاں تصاو
کر انہیں بلیک میل کر کے کسی خاص کام پر مجبور کیا جا
لفظ سے میرا دھیان اسی تقریب کی طرف گیا ہے جس
ہونے والے ہیں۔"
میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ سات بج کر میں
رؤف کہتا رہا۔ "بارات وہاں ساڑھے سات
آٹھ بجے آئیں گے۔ پروگرام کے مطابق ان کو وہاں
یہ ایک گھنٹہ بڑا اہم ہے۔ ضروری تو نہیں ہے کہ میرا
لوگ کسی بھی امکان کو نظرانداز کرنے کی خطرناک غلطی
"آپ کا قیاس کیا ہے؟" میں نے سوال
رہی تھی کہ وہ کیا سوچ رہا تھا۔
"کیا آپ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میں کیا سوچ
لہجے کی سنجیدگی میں بڑی گھمبیرتا آ گئی۔
"ہوں!" میں نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی
اٹھانے والے ہیں؟"
"میں اس سلسلے میں جو احتیاطی اقدامات کر
لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ اس تقریب میں ضرور شر
"یہ کیسے ممکن ہے؟"
"ناممکن نہیں ہے۔ ہم وہاں ساڑھے سات
وقت بارات کا ہے۔ میزبان یہ سمجھیں گے کہ آپ مہا
طرح آپ کو تقریب میں شرکت کا موقع مل جائے گا۔
رانا حمید پر نظر رکھئے گا۔"
"کیا رانا حمید کی وہاں موجودگی کے بارے میں
"ہاں!" رؤف نے جواب دیا۔ "اور لیڈی

ہی پانچ افراد میں سے ایک تھی جن
خواہش کے مطابق تحقیقات کر رہا تھی۔
کٹھن امتحان میرے سر پر تھا۔ میں اپنی
جب برق رفتار گاڑی بہت تیزی سے
جھٹکے کے ساتھ وہ رک ہی گئی۔ میں نے
گھبرا کر دہ بولا۔
ہوش سنبھالیے۔ یہاں سے آپ کو تنہا جانا ہے!
آپ کے ساتھ دیکھا جائے!" رؤف نے
ہوئے کہا۔
اس لئے میں سر ہلا کر ڈرائیونگ سیٹ پر کھسک
کلچ دبا کر ایکسیلیریٹر پر پیر رکھ دیا۔
مڑ جائیے گا۔" رؤف نے دروازہ بند
وہی مقام تقریب ہے۔"
انداز میں سر ہلا کر ایکسیلیریٹر پر دباؤ ڈالتے ہوئے
سے حرکت میں آ گئی۔
پریسیڈنٹ کو قتل کرنے کی کوشش کی جائے گی؟
معمولی سی چار تھی لیکن میرا دل اس خدشے
کم سے کم رانا حمید سے اس حرکت کی توقع
اپنی عریاں تصاویر کے باعث بلیک میل ہو
وہ خود کو بدنامی سے بچانے کے لئے اتنا
تھا۔
میں ایک خیال ابھرا۔ رؤف نے پریسیڈنٹ
سے روک کیوں نہ دیا؟ وہ ایسا کرنے پر قادر
انٹیلی جنس افسروں کے ایسے مشوروں کو رواداری
شادی کی تقریب تھی جسے بڑی آسانی سے
ملا گیا لیکن راستے کا خیال میرے ذہن سے محو
پر مڑنے کے لئے کہا تھا، میں اسی سڑک
آگے، گاڑیوں کی ایک لمبی سی قطار چلی
کی گاڑیاں تھیں۔
ملٹری پولیس کے مسلح جوان ایستادہ تھے۔ ظاہر
لئے نہیں بلکہ پریسیڈنٹ کی آمد کے باعث تھے۔
تھی جسے بقعۂ نور بنایا گیا تھا۔ میں بار اتیوں
کا لان بھی بہت بڑا تھا۔ لان کی اچھا خاصا
انتظامات کئے گئے تھے۔ دولہا دلہن کے لئے
اسٹیج تیار کیا گیا تھا۔
غیر متوقع طور پر میرا سامنا کیپٹن آفاق سے
ہو گیا۔
"آپ!" وہ بھی مجھے دیکھتے ہی چونک پڑا اور پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ "میں چونکہ میزبانوں میں ہوں اس لئے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ ادھر تشریف لائیے!"
میں خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ اس طرف چل پڑی جدھر وہ مجھے لے جا رہا تھا۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر وہ رکا۔
"یہاں تشریف رکھئے!" اس کے لہجے سے زہر ابلا پڑ رہا تھا۔
"کیپٹن آفاق!" میں نے اپنی پیشانی پر ہلکی سی شکن ڈال کر کہا۔ "میں بچی نہیں ہوں۔"
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا معزز خاتون!" کیپٹن آفاق نے قدرے جھک کر کہا۔
"تمہارے استقبال کرنے کے انداز میں جو کاٹ ہے وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ بہتر ہوتا کہ تم ماضی کے واقعات کو بھول جاتے، میں نے بھی انہیں بھلا دیا ہے۔"
"کیا زخم کو بھی بھلایا جا سکتا ہے صبیحہ بانو!"
"میں نے تمہیں کوئی زخم نہیں لگایا۔ صرف اس زخم کو روکا ہے جو تم کسی کو لگانے والے تھے۔"
"یہ تو مختلف اندازِ فکر کی بات ہے صبیحہ بانو! . . . اچھا اب مجھے اجازت دیں۔ میں دلہن کے بھائی کا دوست ہوں اس لئے مجھے آنے والوں کا استقبال کرنا ہے۔"
میں نے جواب دینے کی بجائے ہونٹ بھینچ لئے اور کیپٹن آفاق کو دور جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اس سے ٹکراؤ نے طبیعت کو خاصا مکدر کر دیا تھا۔ میں کوشش کرنے لگی کہ اس تکدر کو جلد از جلد ختم کر دوں کیونکہ میں یہاں ایک اہم مشن پر آئی ہوں۔ مجھے ذہنی و جسمانی طور پر پوری طرح چاق و چوبند رہنے کی ضرورت تھی۔
باوردی ملازمین، ٹرالیوں پر مختلف مشروبات لئے ہوئے مہمانوں کے درمیان میں گھومتے پھر رہے تھے۔ میں نے ایک ٹرالی سے ایک گلاس اٹھا لیا۔ اور ہلکی ہلکی چسکیاں لیتی ہوئی اردگرد کا جائزہ لینے لگی۔
وہاں اس وقت چار سو سے کم افراد نہ تھے اور آمد کا سلسلہ ابھی جاری تھا۔ چیدہ چیدہ شخصیتیں نظر آ رہی تھیں۔ سیاسی بھی اور غیر سیاسی بھی۔ تجارتی اور بڑے بڑے سرکاری ملازمین بھی۔ ملک کا ایک مشہور و معروف فلمی ہیرو بھی وہاں موجود تھا۔
مجھے کئی شناسا چہرے بھی نظر آئے لیکن مجھے اب تک ان میں سے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھا تو نہیں تھا لیکن یہ ضروری نہ تھا کہ تقریب کے اختتام تک مجھے کوئی نہ دیکھتا۔ اختتام کی بات تو بہت دور کی تھی، دس منٹ بعد ہی میں اپنے شناساؤں میں گھر گئی وہ سب مجھ سے اس اچانک ملاقات پر بے حد خوش نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے تین افراد نے بہت عرصہ قبل کراچی چھوڑ کر پنڈی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور ایک صاحب خاص طور سے اس تقریب میں شرکت

کرنے کے لئے آج ہی کراچی سے آئے تھے۔ ان کا نام زماں تھا، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ زماں ہے۔ وہ آج بھی زندہ ہے۔ دماغ کا آپریشن کرنے میں ان کو خاصی مہارت حاصل ہے۔

ان لوگوں سے مل کر میری تنہائی بھی ختم ہو گئی اور اجنبیت کا احساس بھی مٹ گیا۔ ان لوگوں سے باتوں کے دوران میں میں اپنے ماحول پر کڑی نظر رکھے رہی۔

اسٹیج پر دولہا دلھن اور ان کے اعزا اور قاضی صاحب بھی موجود تھے۔ نکاح کے لئے پریسیڈنٹ کی آمد کا انتظار تھا۔

اچانک میری نظر دو چینی اشخاص پر پڑی تو مجھے چینی سفارت خانے کے پریس اٹاچی کا خیال آ گیا جس کا ٹیلیفون نمبر مجھ پر حملہ کرنے والے نوجوان کو دیا گیا تھا۔

"بانو!" ڈاکٹر زماں بولے۔ "آپ میزبانوں کی طرف سے شریک ہیں یا مہمانوں میں شامل ہیں؟"

"یہ سوال آپ نے کیوں کر ڈالا؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"میں دولہا میاں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ بارات کی آمد کے سلسلے میں وقت کی پابندی میں نے کبھی نہیں دیکھی۔"

"دولہا میاں کیپٹن ہیں۔" میرے ایک اور شناسا آذر سلیم بول پڑے "یہ بڑے اچھے آرٹسٹ ہیں اور انھیں بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔"

"اوہ!" ڈاکٹر زماں نے سر ہلایا۔ "گویا یہ فوجی ڈسپلن کا نتیجہ تھا۔"

"دولہا میاں کے والد بھی فوجی ہیں۔" آذر سلیم نے بتایا۔ "وہ ریٹائرڈ بریگیڈیئر ہیں۔"

"فوجی ڈسپلن مجھے تو بڑا غیر فطری سا محسوس ہوتا ہے۔" ایک اور صاحب بول پڑے اور پھر آہستہ آہستہ، گفتگو کا موضوع، مقبوضہ کشمیر میں حریت پسندوں کی جنگ کی طرف چلا گیا۔

میں نے اطمینان کی سانس لی کہ مجھے ڈاکٹر زماں کے سوال کا جواب نہیں دینا پڑا۔ میری دانست میں یہ بے حد ضروری تھا کہ کسی کو بھی نہیں معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ میں کس کی طرف سے شریکِ تقریب ہوں۔

"شاید یہ معاملہ اتنا بڑھ جائے گا کہ پاکستان غیر جانبدار نہیں رہ سکے گا۔" ڈاکٹر زماں نے بڑے پُرزور لہجے میں کہا۔

"اگر پاکستان غیر جانبدار نہ رہ سکا تو پھر بھارت سے جنگ بھی یقینی سمجھئے!" آذر سلیم نے خیال ظاہر کیا۔

میں نے اس بحث میں حصہ نہ لیا اور اطراف و جوانب کا جائزہ لیتی رہی۔ میری آنکھیں زُوف کی متلاشی تھیں لیکن وہ ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔ مہمانوں کی تعداد اب پانچ سو تک پہنچ گئی تھی اور مجھے یقین تھا کہ اس تعداد کا پانچواں حصہ یقیناً انٹیلی جینس کے آدمیوں پر مشتمل ہو گا۔

لیڈی فاروق کو تو میں پہچانتی ہی نہیں تھی لیکن رانا حمید کو میں نے دیکھ لیا تھا۔ وہ اسٹیج کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اور تنہا نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی شخصیات کسی تقریب میں تنہا نہیں رہ سکتیں لیکن وہ ان لوگوں کی رفاقت

سے کچھ اکتایا ہوا سا نظر آ رہا تھا۔ اکتاہٹ کے
پر اضطرابی کیفیت بھی بالکل نمایاں نظر آ رہی
اچانک سڑک کی طرف سے پے در
اور پھر پریسیڈنٹ کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔
خاصی ہڑبونگ سی مچ گئی لیکن ا
ایک پہلو نمایاں تھا۔ غالباً
کا نتیجہ تھا کہ صدرِ مملکت کی آمد کا غلغلہ سن کر بھ
نہیں بھاگ اٹھے تھے۔ جن لوگوں کو میں نے
غالباً اس تقریب کے انتظامی گروہ کے ا
میں نے خاص طور سے صرف رانا
اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہیں کی تھی لیکن اس
اچار کچھ بڑھ گئے تھے۔ اضطرابی کیفیت اس
تھی اور وہ بار بار پہلو بدل رہا تھا۔
ادھر میرے اعصابی تناؤ میں بھی
آمد کے ساتھ ہی مجھے ساری فضا بڑی مسموم معلو
کوئی واقعہ ظہور پذیر ہونے والا تھا اور کیفیت
اپنے وجود میں کسی دھماکے سے کم نہ ہوتا۔
مخرج یا منبع رانا حمید کی ذات ہو گی اس لئے
لیڈی فاروق کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں
جب میری توجہ رانا حمید کی طرف سے ہٹ جانا
مناسب نہیں ہوتا۔
میں معذرت کر کے اپنے ساتھیوں
ہاتھ میں لئے تنہا شغل کرتی رہی۔ بظاہر میں
لیکن درحقیقت میں نے اپنے ہوش و حواس بحا
پہلے کبھی شاید ہی کی ہو۔
اچانک میں نے دیکھا کہ رانا حمید ذرا
اٹھ کر ایک طرف چل پڑا۔ چند گنے چنے افراد
اسی طرف رخ کر رہے تھے۔ میں بھی اسی طرف
حرکات و سکنات کے ایک ایک پل کا حساب
وہ گھوم کر عمارت کے عقبی حصے کی طرف چل
اس کے پیچھے لگی رہی۔ مجھے دیکھنے والوں
تھا کہ میں کسی کا تعاقب کر رہی ہوں۔ میں تو
رانا حمید کا بھی تھا۔ ہم دونوں کے علاوہ بھی کئی
تھے۔ میں نے ان لوگوں پر اچٹتی سی نظر ڈال
کی تھی کہ اچٹتی سی نظر ہی سے ان کی شخصیت
میں اُن میں سے ایسے افراد کو تاڑ لینا چاہتی تھ
رکھتے ہوں۔ امکان یہی تھا کہ انٹیلی جینس کے
چپے چپے پر ہوں گے، البتہ ان کا زور عمارت

اپنی گاڑی سے اترنے کے بعد میزبانوں
لے۔
پھر کی ہوئی عمارت کے عقبی لان میں پہنچ گئی
تھیں اور انہیں کھانے کے لئے سجایا جا رہا تھا۔
بیرے تیزی سے ادھر اُدھر حرکت کر رہے تھے۔
ان کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی
نے کام میں مصروف تھے۔ لان پر اکا دکا افراد
اپنے حلیے اور وضع قطع کے اعتبار سے وہ
دو چار سے زیادہ نہیں تھے۔
روشنی ہر طرف بکھری ہوئی تھی۔ اس روشنی
کسی گوشے میں بھی سائے کا احساس نہیں ہو
ہو گئی کہ رانا حمید ادھر کیوں آیا ہے۔
نہیں ہو سکتی تھی کہ ڈاکٹر فونگ نے ڈنر کے
ام کے لئے مجبور کیا ہے؟ اس تقریب میں وانا
جو ڈاکٹر فونگ کی متعصد براری کا باعث ہو؟
بار بار ذہن میں یہی آتا تھا کہ شاید صدر
کی جائے گی۔ رانا حمید کے اس طرف آنے سے
وہ کہیں ٹائم بم چھپانے کی کوشش کرے گا۔
قدم رکھتے ہی متلاشی نظروں سے ادھر اُدھر
نظر بس دو تین ہی لمحوں کے لئے ایک مرکز
تاڑ لیا۔ اب میں نے گہری نظر سے سفید
کو دیکھا جو بظاہر کام کرتے کرتے تھک
کرسی میں گر گیا تھا۔
چلا گیا۔ میں ذرا زاویہ بدل کر آگے بڑھی
نہیں تھا کہ میں براہِ راست ان کے قریب
ا۔
بیرے کے قریب پہنچا تو وہ مؤدبانہ انداز
رانا حمید سے کچھ کہنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا
ہو کہ آں کے لئے کوئی سا مشروب پیش
بغیر ان لوگوں سے جس حد تک نزدیک
قربت اس حد تک نہیں تھی کہ میں ان کی
لوگوں کی چہل پہل سے محروم تھا اور وہ میز
الگ تھلگ رکھی ہوئی تھی۔ غالباً اس میز کو
لایا جانا تھا۔ اس میز کے بالکل برابر میں
مجھے اس باڑھ سے فائدہ اٹھانے کا
لیکن اس میں زیادہ دیر بھی نہیں لگی اور

میرے قدم اس طرف اٹھتے چلے گئے۔ میں باڑھ کی دوسری طرف ان کے بالکل قریب پہنچ کر رک گئی۔ اب میری بائیں جانب کراٹا کی باڑھ تھی اور دائیں جانب احاطے کی جالی دار دیوار! میں ان جالیوں سے احاطے کے باہر جھانکنے لگی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے بوریت کے عالم میں اس سے بہتر مشغلہ نہ سوجھ سکا ہو۔

احاطے کی دوسری طرف خاصی چلتی ہوئی سڑک تھی۔ ظاہر ہے کہ اس سمت کو محفوظ خیال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے ادھر بھی سڑک پر مسلح پولیس کا سخت پہرہ تھا۔ پہرہ دینے والے سپاہیوں کی پشت دیوار کی طرف تھی اس لئے یہ احتمال نہیں تھا کہ وہ مجھے دیکھ لیں گے۔ رہ گئے بیرے وغیرہ یا وہ چند افراد جو لان پر چہل قدمی کر رہے تھے، تو اُن کی نظریں کراٹا کی باڑھ میں ہی الجھ کر رہ جاتیں۔ بالفرض محال اگر وہ لوگ مجھے دیکھ بھی لیتے تو زیادہ سے زیادہ یہ شبہہ کرتے کہ میں وہاں اپنے کسی ساتھی کی منتظر ہوں۔ ایسے گوشۂ تنہائی میں کسی سے ملاقات، شادی کے ہنگاموں سے زیادہ باعثِ لطف ہوتی ہے۔ میں نے ایسی تقریبات میں کئی مرتبہ "آنکھ مچولیاں" دیکھی ہیں۔

میں نے جالی دار دیوار سے جھانکتے ہوئے اپنی سماعت کو کراٹا کی باڑھ کی دوسری طرف مبذول کر رکھا تھا اور میرے اس فعل کی سودمندی ثابت بھی ہو گئی تھی۔ میں نے رانا حمید کو اٹک اٹک کر بولتے سُنا۔

"پستول تو.... سیکورٹی والوں نے.... لے لیا!"

"مگر کیسے؟ سیکورٹی والوں نے ہر ایک کی جامہ تلاشی تو نہیں لی۔ انہیں تم پر شبہہ کیوں ہوا؟" بیرے کے لب و لہجے میں ادب کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ اس کے برعکس ایسی سختی تھی جیسے بچے کی کسی غلطی پر اسے سرزنش کی جا رہی ہو۔

"کچھ شبہہ تو ہوا ہی ہوگا!" رانا حمید کی آواز میں بالکل جان نہیں تھی۔

"ہو سکتا ہے تم نے جان بوجھ کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا ہو مسٹر حمید!... اگر تم ناکام رہے تو یہ سمجھ لو کہ کل دوپہر سے پہلے پہلے تمہاری تصویریں اس شہر کے بچے بچے کے ہاتھوں میں ہوں گی۔ میں ناکامی کی وجوہات پر غور کرنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"مگر اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ پستول...."

"یہ بہانہ تو میں ابھی ختم کئے دیتا ہوں۔ مجھے اسی قسم کی کسی بات کا خدشہ تھا اور اسی لئے میں اس وقت یہاں موجود ہوں۔ لو یہ سنبھالو اور اب میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گا!"

میں نے فیصلہ کیا کہ اب وہاں سے ہٹ جاؤں۔ مجھے جو کچھ سُننا تھا، وہ سُن چکی تھی۔ ویسے بھی امکان یہی تھا کہ اب ان دونوں میں مزید گفتگو نہیں ہو گی۔ مجھے اس بیرے کی آواز جانی پہچانی سی لگی تھی اور اسی لئے میں نے سوچا تھا کہ جلد از جلد لان پر پہنچ کر ذرا قریب سے اس پر ایک نظر ڈال لوں۔

بیرے کی جیب سے رانا حمید کی جیب تک کا فاصلہ پستول نے کیونکر

طے کیا؟ یہ تو میں نہیں دیکھ سکی کیونکہ کرنا کی باڑ ھ نے میری بصارت کو بھی قاصر کر رکھا تھا لیکن جب میں لان میں پہنچ کر اُن دونوں کے قریب سے گزری تو میں نے یہ ضرور دیکھا کہ رانا حمید کا ایک ہاتھ جیب میں تھا۔

اس بیرے کے بارے میں میرے شبہات درست ثابت ہوئے اور میں نے اُسے پہچان لیا۔ وہ وکٹر تھا' ڈاکٹر فونگ کے گروہ کا ایک سرگرم رُکن! موجودہ حالات تو یہ بتا رہے تھے کہ شاید وہ ڈاکٹر فونگ کا دست راست تھا۔ میں نے اُسے پھاٹک کی طرف بڑھتے دیکھا۔ غالباً اب وہ وہاں سے رخصت ہو جانا چاہتا تھا۔

اس اثناء میں پھاٹک سے وہ بھیڑ چھٹ چکی تھی جو محترم صدر کی آمد کے باعث ہوئی تھی۔

رانا حمید بڑے بھلے انداز سے ... واپس لوٹ رہا تھا۔ اُسے جو فکر کھائے جا رہی تھی مجھے اس کا مکمل ادراک تھا۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ رانا حمید بلیک میلر کے ہاتھوں کھلونا نہیں بننا چاہتا لیکن خود کو مجبور محض پا رہا ہے۔ اس عالم میں آدمی سبھی کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کی یہ آمادگی صدرِ مملکت کے قتل کے سلسلے میں تھی تو یقیناً میں اسے کامیاب نہ ہونے دیتی۔ اب مجھے سوچنا یہ تھا کہ اُسے ناکام بنانے کے لئے کیا کچھ کرنا ہوگا۔

میں سائے کی طرح رانا حمید کے پیچھے لگی رہی۔ رہ رہ کر یہی ایک خیال ذہن میں جمتا جا رہا تھا کہ میں اس کے قریب تر رہنے کی کوشش کروں اور جب بھی وہ گولی چلانے کے ارادے سے پستول سنبھالے میں اُسے چاپ بیٹھوں۔ اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی تھی کہ انٹیلی جینس والوں کو رانا حمید کی جیب میں موجود پستول سے باخبر کر دیا جاتا لیکن اس میں ایک خرابی یہ تھی کہ رانا حمید کا پستول چھن جانے کی صورت میں دشمن کوئی اور حربہ استعمال کر بیٹھتا جس سے میں قطعی بے خبر تھی۔ یہ بے خبری دشمن کی کامیابی کا سبب بن جاتی۔

میں خیالات سے الجھتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی کہ ایک شخص سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ میں اس وقت باغ کے اس حصے میں پہنچنے ہی والی تھی جہاں تمام مہمان جمع تھے۔ اچانک وہ شخص سامنے آیا تو میرے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ اس نے جان بوجھ کر میرا راستہ روکا ہے۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" میں غرائی۔

"کیا آپ کا نام صبیحہ بانو ہے؟" اس اجنبی شخص نے جواب دینے کی بجائے سوال داغ دیا۔

میں نے ایک جھرجھری سی لی۔ معاملہ کچھ گڑبڑ معلوم ہو رہا تھا لیکن میں نے اپنی پریشانی کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اگر ہو بھی تو تم سے مطلب؟"

"مجھے بس اتنا مطلب ہے کہ میں اس تقریب میں شرکت کرنے والے ہر شخص کا دعوت نامہ چیک کر سکتا ہوں۔ کیا آپ اپنا دعوت نامہ دکھائیں گی؟"

"میرے پاس کوئی دعوت نامہ نہیں۔ میں مہ
"تو پھر یہ اطلاع درست ہی معلوم ہوتی ہے
کے ساتھ آئی ہیں اور نہ دُلہن والوں کی مہمان ہیں کہ
یہ تاکید موجود ہے کہ اس کے بغیر تقریب میں شرکت
آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میرے ساتھ
لے چلیں۔ میرے ایک ساتھی آپ سے کچھ سوالات کر
میں ایک انتہائی پریشان کن سچویشن
سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ اجنبی یا تو سیکورٹی
یا انٹیلی جینس والوں سے متعلق تھا۔ دونوں ہی
سے جان نہیں چھڑا سکتی تھی۔ دوسری طرف رانا
اوجھل ہو کر مہمانوں میں شامل ہو چکا تھا۔ اب
طرف سے وہ حرکت متوقع تھی جسے روکنے کا
اجنبی سے جان چھڑانے کی کوئی تدبیر
تھی اور اس بے بسی کی وجہ سے مجھے غصہ آنے
استعمال کو زبان نہیں دے سکی۔ اگر میں یہ نا
لوگ میری طرف متوجہ ہو جاتے۔
"کیا آپ نے سنا نہیں خاتون!" اجنبی
کہا "میں آپ کو اپنے افسرِ اعلیٰ کے پاس لے جانا
"تمہارا افسرِ اعلیٰ ہے کہاں؟" میں اپنے
ہوئی بولی۔
"زیادہ دور نہیں ہیں" جواب ملا۔
میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ
لوں اور جلد از جلد اس کے افسرِ اعلیٰ کو کسی طرح مطم
پہنچ جاؤں۔ وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اور ا
کرنا ہی مفید ثابت ہو سکتا تھا۔
وہ اجنبی مجھے عمارت کے اندر ایک تو
اس کمرے میں قدم رکھتے ہی اگر بڑ کی ساری وجہ
کمرے میں کیپٹن آفاق موجود تھا اور ا
مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس کے ساتھ کمرے
کی عمر پچاس ساٹھ کے لگ بھگ معلوم ہوتی
میرے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔
"ان کے پاس دعوت نامہ نہیں ہے" مجھ
نے ادھیڑ عمر شخص کو بتایا۔
"کیوں؟" ادھیڑ عمر شخص کی نظریں میر
"اگر میں کارڈ لانا بھول گئی ہوں تو ک
ساتھ ایسا اہانت آمیز سلوک کیا جائے؟" میں
"اس سینہ زوری سے تمہیں کوئی فائدہ
شخص غراتا ہوا بولا۔ "اگر تمہارا نام صبیحہ بانو

ہاں مہمان ہو۔ ہمارے پاس مہمانوں کی جو فہرست
مل نہیں ہے۔"
والوں کی غلطی ہے" میرے لہجے میں مزید تیزی
آفاق کو گھورتے ہوئے کہا "میں اچھی طرح سمجھ
نے کا یہ فرض تم ہی نے ادا کیا ہے لیکن تم بھی سمجھ
نہیں نکلیں گے۔"
کیپٹن آفاق نے مسکراتے ہوئے کہا "کوئی
نتائج کا سبب بن سکتا ہے اور اسی لئے میں نے
کے بارے میں کرنل سرفراز کو آگاہ کر دوں۔"
میں نے ادھیڑ عمر شخص کو گھورتے ہوئے کہا۔
خطرناک غیر ذمے داری کا ثبوت دے

ں کے بارے میں مجھ سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا"
لہجے میں کہا "آپ کی بریت اسی وقت ممکن ہے
اپنی شرکت کا معقول جواز پیش کر دیں گی۔"
لہجے میں ویسا ہی استحکام اور سختی تھی جو ایک فوجی
اس کے نام کے ساتھ "کرنل" کا اضافہ اس بات
سابق فوجی ہے۔ اس کے یہ تیور دیکھ کر میں اور
ہو گئی وعظ سے کام چلنے کا بھی کوئی امکان
نازک پوزیشن میں پھنس گئی تھی۔ مجھے ایک
ت ایک ایسی تقریب میں پکڑا گیا تھا جہاں
ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سیکورٹی کے
ہا ہتے تھے۔ میں لفظ بہ لفظ درست بیان دے
اس وقت تک جان نہیں چھڑا سکتی تھی جب
ت میرے بیان کی تصدیق نہ کر لیتا لیکن یہ
بھی نہیں سکتی تھی۔
ات پر غصہ آنے لگا۔ اُسے چاہئے تھا کہ
حاصل کئے بغیر مجھے اس تقریب میں شرکت
وہ غائب بھی ہو گیا تھا جیسے گدھے کے سر سے
کی کسی مصلحت سے تھی اس لیے میری زبان
تھا تھا۔ نتیجہ یہ کہ بے بسی کے احساس کی شدت سے
ہونے لگی۔ میری پریشانی کا سبب پریزیڈنٹ تھے
درپیش تھا۔ مجھے اپنے بارے میں کچھ زیادہ فکر
سیکورٹی والوں سے پیچھا چھڑا ہی لیتی'
گزر رہا تھا' وہ بڑا قیمتی اور بڑا نازک تھا۔
نے کیا کر گزرتا۔
الجھی ہوئی تھی اور کرنل سرفراز کے لئے میری
ق ہو رہی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر

برس پڑتا' میں آہستہ سے بول اٹھی۔
"اگر آپ قاعدے سے بات کریں تو میں صاف صاف گفتگو کرنے کے لیے تیار ہو سکتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میرے ذہن میں کوئی خاص خیال نہیں تھا۔ میں کسی نتیجے پر پہنچے بغیر بس یونہی بول پڑی تھی۔

کرنل سرفراز چند لمحے تو میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا اور پھر نسبتاً نرم لہجے میں بولا "میرا خیال ہے کہ ابھی تک میری طرف سے کوئی بے قاعدگی نہیں ہوئی۔"

"آپ کا لہجہ ایسا رہا ہے جیسے آپ کسی مجرم سے مخاطب ہوں۔"

"آپ مجرم کی بجائے ملزم کا لفظ استعمال کریں تو مناسب ہو گا۔"

کرنل سرفراز پہلی مرتبہ مسکرایا اور پھر بولا "آپ ایک پڑھی لکھی اور خاصی سوجھ بوجھ کی خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ اس لیے آپ کو تو یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ آپ کو شک و شبہے کی نظر سے دیکھنے کے لیے میرے پاس خاصا معقول جواز ہے۔"

"تاہم قاعدے کی بات یہ ہوتی کہ آپ پہلے اپنا تعارف کراتے اور پھر یہ بتاتے کہ یہاں ان صاحب کی موجودگی کیوں ضروری ہے۔" میں نے کیپٹن آفاق کی طرف اشارہ کیا۔

"میرا نام تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے' اب یہ اور بتائے دیتا ہوں کہ میں یہاں پریسیڈنٹ کی سلامتی کا ذمے دار ہوں۔ کیپٹن آفاق کی موجودگی کا سبب یہ ہے کہ انہی کی نشاندہی پر میں نے آپ کو پوچھ گچھ کے لیے یہاں بلایا ہے ورنہ ابھی آپ کی صرف نگرانی ہی جاری رہتی۔"

"نگرانی!" میں چونک پڑی۔

"جی ہاں" کرنل سرفراز پھر مسکرایا "آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ہم یہاں دعوت میں شرکت کے لئے آئے ہیں؟ میں آپ کو بتاؤں کہ جب آپ نے اس عمارت کے احاطے میں قدم رکھا تھا تو میرے دو آدمی آپ کے پیچھے لگ گئے تھے۔"

"مگر کیوں؟ میرا خیال ہے کہ مہمانوں میں سے کسی کا بھی کارڈ نہیں چیک کیا گیا۔"

"کارڈز کی چیکنگ قطعی غیر ضروری ہوتی کیونکہ متوقع مہمانوں کی فہرستیں ہمیں کئی دن پہلے ہی دے دی گئی تھی۔ ہم نے تمام لوگوں کے بارے میں چھان بین کی تھی اور جن کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا' صرف انہی کو کارڈ ایشو کرائے گئے تھے۔ اس احاطے میں موجود میرے تمام آدمیوں نے مہمانوں کے چہرے بھی ذہن نشین کر لیے تھے لہٰذا جیسے ہی ایک اجنبی' میرا مطلب ہے آپ نے یہاں قدم رکھا۔ میرے آدمیوں کی نظر میں آ گئیں۔"

"پھر تو مجھے فوراً ہی پکڑ لینا چاہئے تھا۔"

"ہم دیکھنا چاہتے تھے کہ آپ کون ہیں اور اس طرح بن بلائے کیوں دھمک پڑی ہیں۔ ہمیں یہ اعتماد تھا کہ ہم آپ کو کوئی غلط حرکت کرنے کا موقع نہیں دیں گے۔ آپ کی وجہ سے ان لوگوں کی بھی نگرانی

شروع ہو چکی ہے جن سے آپ نے گفتگو کی تھی۔"

"خوب!"

"اور اب" کرنل سرفراز کے لہجے میں غضبناکی آگئی "یہ آپ بھی بتا دیجئے کہ آپ اس اہم تقریب میں بن بلائے کیسے آگئیں۔"

"میں اسی نیت سے آئی ہوں جس نیت سے آپ یہاں موجود ہیں۔" میں اب صاف صاف گفتگو کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی کیونکہ اس کے سوا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"کیا مطلب!" کرنل سرفراز نے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے علم ہوا تھا کہ اس تقریب میں صدر کی شمولیت اُن کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے چنانچہ میں بن بلایا مہمان بننے کا خطرہ مول لینے پر مجبور ہو گئی تھی۔"

میرے ان جملوں نے کرنل سرفراز کے چہرے پر چھائے ہوئے پُروقار تاثرات کو متزلزل کر دیا۔ اس کے جسم نے بڑی مضطربانہ جنبش کی مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال کرتا میں پھر بولنے لگی "یہاں آنے سے قبل تو میں خطرے کی نوعیت سے واقف نہیں تھی لیکن اب بڑے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے۔ کسی وقت بھی انہیں گولی ماری جا سکتی ہے۔"

"اوہ!" کرنل سرفراز کے منہ سے بیساختہ نکلا "آخر یہ خطرہ ہے کس شخص کی طرف سے؟"

"رانا حمید" میں نے مختصراً کہا۔

کرنل سرفراز چند لمحوں کے لیے میری صورت دیکھتا رہ گیا اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا "رانا حمید پر مجھے ہماری نظر ہے لیکن وہ کم از کم اب کچھ نہیں کر سکتا۔ ہم اس کی تلاشی لے کر اس کا پستول اپنی تحویل میں لے چکے ہیں جو تقریب کے بعد اُسے واپس کر دیا جائے گا۔"

"اس خوش فہمی میں نہ رہئے کہ آپ نے اُسے غیر مسلح کر دیا ہے اسے دوبارہ مسلح کیا جا چکا ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم؟" کرنل سرفراز نے بے چینی سے پوچھا۔

"آپ واقعی بڑی مستعدی کا ثبوت دے رہے ہیں کرنل!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "اس وقت جبکہ پریسیڈنٹ کی زندگی خطرے میں ہے، آپ کو مجھ سے پوچھ گچھ کرنے میں کم از کم ایک گھنٹہ ضرور گزار دینا چاہئے۔"

کرنل سرفراز کی آنکھوں سے الجھن مترشح تھی۔ میں نے کنکھیوں سے کیپٹن آفاق کی طرف دیکھا جو بڑا برا سا منہ بنائے بیٹھا تھا۔ غالباً اسے میری اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ پریسیڈنٹ کی زندگی خطرے میں ہے۔ کرنل سرفراز نے کچھ سوچ کر اس طرح سر ہلایا جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گیا ہو اور پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اچھی بات ہے۔ میں خود جا کر ایک بار پھر رانا حمید کی تلاشی لیتا ہوں لیکن اس دوران میں آپ یہیں رُکیں گی۔ دروازے پر محافظ موجود ہیں۔ اگر آپ نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو وہ آپ کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کر سکیں گے اور ہمیں بھی اس سلسلے میں آپ سے معذرت نہیں چاہوں گا۔"

"کرنل!" کیپٹن آفاق بول ہی پڑا "میں نے دیا تھا کہ یہ خاتون بڑی عیار واقع ہوئی ہیں لیکن پھر باتوں میں آگئے اور......"

"میں اس قسم کی اطلاعات کو نظر انداز نہیں کر... نے آفاق کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور پھر میری... اگر آپ کی یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی تو پھر مجھ سے کسی... ہرگز نہ کیجئے گا۔"

کیپٹن آفاق نے پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھو... تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"کیپٹن آفاق!" میں اس کی طرف دیکھتی ہو... میں بولی "شاید تم آنریبل پریسیڈنٹ کی سرزنش کو..."

"میں اُسے اُس وقت تک نہیں بھول سکتا... نہ لے لوں۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم کس کے ل... شاید پچھلی ملاقات میں تم سے کہا بھی تھا کہ اگر تم بیگم ر... ہو تو میں بھی نواب آف رتاب گڑھ کی قربت حاصل... ہی تم میری کوششوں کا نتیجہ بھی دیکھ لو گی۔"

"تمہاری یہ بچکانہ حرکتیں تمہیں خاصا نقصان... نے نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر کہا۔

"بہت جلد میں تمہیں اس قابل بھی نہیں رہنے... سے نظر ملا کر بات کر سکو۔"

"کیا مطلب!" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"تمہاری عمر اتنی کچی تو نہیں ہے کہ تم میرا مطلب... نے بائیں آنکھ دبا کر بڑے لوفرانہ انداز میں کہا۔

"اوہو! تو یہ عزائم بھی ہیں؟" مجھے غصہ آ ل...

"مجھ سے غلطی تو یہ ہوئی کہ میں نے تمہیں اس... جب تم پہلی مرتبہ میرے قبضے میں آئی تھیں۔"

آفاق کا اشارہ اُس رات کی طرف تھا جب میں کو... کالونی کے ایک مکان میں اس کی قیدی تھی۔

"تمہاری اس غلطی نے تمہیں بہت فائدہ پہنچایا... نے زہریلے لہجے میں کہا "ورنہ شاید آج بھی تم کسی ہ... ہوئے اپنے شکستہ اعضاء کی درستگی کا انتظار کر رہے..."

"تمہیں اپنے جوڈو کراٹے کی مہارت پر بڑا نا... منہ بنا کر کہا "بہت جلد تم اپنی اس مہارت کو بھی آزما..."

میں نے نفرت سے سر جھٹکا اور دور و دانست... میں اپنے تصور میں کرنل سرفراز اور رانا حمید کو ایک... رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ رانا حمید کو بہت لوکھلایا ہوا ہو... دوسری تلاشی کی ذرا بھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

...ان تمسخرانہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا لیکن ...کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔ میں اس ...زیادہ الجھ کر اپنا دماغ پراگندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ...وہ بڑی پُرشور آواز کے ساتھ کھلا اور کرنل سرفراز ...آیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سُرخ اور موڈ بے حد خراب...

...زندگی میں کبھی اتنی شرمندگی نہیں اٹھائی۔ وہ آتے ہی ...بدترین سلوک کے لئے تیار ہو جاؤ۔ رانا حمید ...لیا گیا۔ ایک چھوٹا سا چاقو بھی برآمد نہیں ہوا۔"

...کیپٹن آفاق کے طنزیہ قہقہے نے کرنل سرفراز کے ...پائل پھڑک دیا۔ اب یہ بات یقینی نظر آ رہی تھی کہ ...اہانت آمیز گفتگو شروع کر دے گا۔ اس صورت حال ...میں خاصا اضافہ کر دیا تھا۔ میں اب مزید کچھ کہنے کی ...تھی۔ گو کہ میں نے پستول کو رانا حمید کے ہاتھوں ...سے تو نہیں دیکھا تھا لیکن میں اپنی زندگی کی شرط ...لے رانا حمید کو پستول دیا تھا۔ رانا حمید کی پھولی ہوئی ...منظر دکھا گئی تھی لیکن اب یہ بھی تو ممکن نہیں تھا کہ ...جھوٹا سمجھ لیتی۔ اس نے یقیناً رانا حمید کی تلاشی لی تھی۔ ...کی تلاشی نامکمل نہیں ہو سکتی۔

...یا ریوالور کہاں گیا؟

...سنا تم نے کس طرح تلاشی لی تھی؟" میرا سوال انتہائی

...سرفراز نے گرج کر کہا "تلاشی لینے کی تربیت ...ہوں گا۔"

...پستول کہیں چھپا دیا ہوگا۔" میں نے اپنے ذہنی ...کوشش کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"...گا" کرنل سرفراز نے طنزیہ انداز میں دہرایا "گویا ...میں دوبارہ اس کی تلاشی لینے آ رہا ہوں۔"

...کرنل! اُسے دوسرا پستول میری موجودگی میں دیا گیا ...میں نے بلا کی بے بسی محسوس کی۔

...پھر برس پڑنا چاہئے تھا لیکن اسی وقت دروازے ...کرنل نے فوراً دروازے کی طرف دیکھا اور میری نظریں ...بھی۔ میرے خیال کے مطابق کرنل سرفراز کا کوئی آدمی ...لے کر آیا تھا۔

"...کرنل سرفراز بلند آواز سے بولا "اندر آ جاؤ۔"

...وہ آدمی اندر داخل ہوا اس کا تعلق سیکورٹی ...تھا مگر صورت آشنائی کو جاننا کہا جا سکے تو میں کہہ ...جاتی تھی۔ وہ صدرِ مملکت کا پی۔ اے تھا۔

"آپ!" کرنل سرفراز کے لہجے میں استعجاب کی لہر تھی "خیریت تو ہے؟"

"میں آپ کو بتانے آیا ہوں کہ محترمہ صبیحہ بانو کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے۔" پی۔ اے نے شائستہ لہجے میں کہا "یہ آنریبل پریسیڈنٹ کی مہمان ہیں۔ کسی وجہ سے انہیں باقاعدہ دعوت نہیں دی جا سکتی تھی لیکن اب آپ ان کا نام اُن لوگوں کی فہرست میں شامل کر لیں جو صدر محترم کی طرف سے بلائے گئے ہیں۔"

اس "اطلاع" پر کرنل سرفراز تو بھونچکا ہوا ہی تھا لیکن اس کے ساتھ ہی میں بھی چند لمحوں کے لئے چکرا کر رہ گئی تھی اور کیپٹن آفاق کے چہرے پر تو پھٹکار کا مینہ برس گیا تھا۔ ایسی مایوسی اور جھنجھلاہٹ کا شکار تو شاید وہ کبھی بھی نہ ہوا ہوگا۔

چند لمحے کے توقف سے پی۔ اے پھر بولا "کرنل! اگر آپ کو میری بات پر یقین نہ آیا ہو تو خود چل کر عزت مآب صدر سے تصدیق کر لیں۔"

"ارے نہیں!" کرنل سرفراز نے جلدی سے کہا "میں آپ کو جھوٹا کیسے گردان سکتا ہوں۔"

"یہ تو گردان سکتے ہیں۔" میں نے طنزیہ نظروں سے کیپٹن آفاق کی طرف دیکھا جو بڑی سختی سے دانت پر دانت جمائے بیٹھا تھا۔ میری اس فقرے بازی کا اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کے سارے کس بل نکل چکے تھے۔

"بہت بہت شکریہ خاں صاحب!" کرنل سرفراز نے صدر مملکت کے پی۔ اے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آپ نے مجھے بروقت آگاہ کر دیا ورنہ شاید میں ان کے ساتھ کوئی سخت برتاؤ کر بیٹھتا۔ یہ تو شاید اس حقیقت سے پردہ اٹھانے کے موڈ میں نظر ہی نہیں۔"

"جب خود صدر محترم میرے نام کو فہرست پر نہیں لائے تھے تو میں اس بات کو کیسے آشکارا کر سکتی تھی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" کرنل سرفراز نے سر ہلا کر کہا لیکن اس کی آنکھوں سے الجھن مترشح تھی۔ ظاہر ہے کہ اسے یہ سوال پریشان کر رہا ہوگا کہ صدر میرے نام کو فہرست میں کیوں نہیں لائے تھے؟

"تو پھر اب میں جا سکتی ہوں؟" میں نے اجازت طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اوہ! یقیناً! میں آنریبل پریسیڈنٹ کی مہمان پر کوئی قدغن کیسے لگا سکتا ہوں۔" کرنل سرفراز نے کہا لیکن اس کے چہرے سے کسی قسم کی خجالت کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ بہرحال اس کی ڈیوٹی تھی۔

میں اُس کا شکریہ ادا کر کے صدر کے پی۔ اے کے ساتھ کمرے سے نکل آئی اور چند قدم چلنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا "آپ میرے لئے فرشتۂ رحمت بن کر کیسے آ گئے؟"

"رؤف صاحب ملے تھے مجھ سے" پی۔ اے نے جواب دیا۔ "وہ بھی یہیں ہیں لیکن کسی وجہ سے سامنے نہیں آنا چاہتے۔ انہیں شرمندگی

ہے کہ وہ عجلت میں کوئی خاطر خواہ بندوبست نہیں کر سکے اور آپ کو پریشانی اٹھانا پڑی۔"

"تو گویا رؤف صاحب سے ملنے کے بعد ہی آپ نے میرے بارے میں صدرِ مملکت سے ہدایات لی ہوں گی۔"

"ارے نہیں" پی۔ اے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اُن سے ہدایات لینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ کرنل سرفراز کو میری باتوں پر یقین آ جائے گا، بالکل اسی طرح جیسے میں نے رؤف صاحب کے ایک ایک لفظ پر اعتبار کر لیا۔"

"ہوں!" میں سر ہلا کر رہ گئی۔ میرے قدم بہت جلدی جلدی اُٹھ رہے تھے۔ میں باغ میں پہنچ کر رانا حمید پر نظر رکھنے کے لئے بے چین تھی۔ میری عدم موجودگی کے اس وقفے میں نکاح ہو چکا تھا اور اب مہمانوں میں چھوہارے تقسیم کئے جا رہے تھے۔

باغ میں پہنچ کر میں صدر کے پی۔ اے سے جدا ہو گئی اور رانا حمید کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگی۔ وہ مجھے ایک ایسی کرسی پر بیٹھا دکھائی دیا جو صدر کی نشست سے قریب تر تھی۔ مجھے یہ جان کر قلبی سکون حاصل ہوا کہ ابھی تک کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوا تھا۔

باغ کے اس حصے میں رونق اپنے شباب پر تھی۔ سب مہمان ابھی یہیں تھے لیکن اس ہجوم کے باوجود بھی افراتفری یا بدانتظامی نہیں تھی۔ یہ یقیناً سیکورٹی والوں کا کارنامہ تھا کہ وہ کم از کم دخل اندازی کر کے مہمانوں کو منظم رکھے ہوئے تھے۔ ان کی طرف سے مہمانوں کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں تھی اور جو جہاں چاہتا تھا، بیٹھ سکتا تھا۔ جو مہمان بیٹھے بیٹھے اُکتا گئے تھے، وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ کر اِدھر اُدھر کھڑے ہوئے مصروفِ گفتگو تھے۔

اس تقریب میں دلکش اور گداز لڑکیوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی لیکن میرے ذہنی انتشار نے مجھے ان چمکتے چہروں کی ایمان دشمنی سے بچا رکھا تھا۔ میں ان کو نظر انداز کرتی ہوئی چند شناسا افراد کی ایک ایسی ٹولی میں جا کھڑی ہوئی جو رانا حمید کی نشست سے قریب تر تھی۔ میں نے "قریب تر" کے الفاظ بڑی احتیاط سے استعمال کئے ہیں۔ میں نے "قریب ترین" اس لئے نہیں کہا کہ میں اس گفتگو کو سننے سے قاصر تھی جو رانا حمید ایک ادھیڑ عمر عورت سے کر رہا تھا۔

میں نے اپنے ایک شناسا سے اس عورت کے بارے میں پوچھا تو میرے ذہن میں آئے ہوئے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ وہ لیڈی فاروق ہی تھی جو نہ جانے کیوں مجھے پہلی ہی نظر میں ایک ناپسندیدہ شخصیت معلوم ہوئی۔ مجھے اپنے اس احساس پر تعجب بھی ہوا کیونکہ بظاہر وہ خاصے رعب و دبدبے کی مالک تھی۔

میں ابھی اپنے اس احساس کا کوئی تجزیہ نہیں کر پائی تھی کہ میری نظریں لڑکھڑا کر اس لڑکی کے چہرے پر رُک گئیں جو لیڈی فاروق کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ دنیا و مافیہا

سے بے خبر معلوم ہو رہی تھی۔ میں سنے اُسے ایک
رہی۔ مجھے یوں لگا جیسے برف کے ٹھنڈے ٹھنڈے
ذہنی انتشار کو منجمد کر دیا ہو۔ گل رُخوں سے تغافل
کر دم توڑ دیا اور وہ الھڑ متوالی میری نظروں میں
آنکھوں میں تل بھر جگہ بھی باقی نہ رہی ہو گی۔

مجھے اعتراف ہے میری زندگی کے افق پر
نہیں جگمگایا تھا جسے دیکھ کر پور پور سنسنا اُٹھا
گھنا گھنا سا نشہ چھا جائے۔ اس کے چہرے پر
ہو رہا تھا اور اس کی جوانی راہ چلتے لڑکپن کی تا
اس کا جوبن کچھ ایسی والہانہ بے قراری سے تمک
زاہد بھی اپنی آغوش کے در کھولنے پر مجبور ہو جا
ہوا جیسے اس کے گالوں پر پھولوں کی بارات اُتر
پر شفق نے اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیا ہو۔ اس کی
رہی تھی اور اس کی زلفوں میں جنگل کی گھنگھور
تھا۔ میں کیا کہوں اور کیسے کہوں؟ اُس کا سراپا
میں لفظوں کے ڈھیر میں سے بصد احتیاط ایک
لیکن مجھے خود بھی اپنے اس انتخاب پر اطمینان
کچھ نئے لفظ تراش سکتی یا میرے پاس مائیکل انجلو
اس پاپی خدوخال والی سلمائے زمیں کا خاکہ کھینچ

کاش! اے کاش!

"کیا دیکھ رہی ہیں بانو!" مجھے اپنے کان
سنائی دی تو میں چونک پڑی۔

انہی لوگوں کی ٹولی میں سے میرا ایک شنا
مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ جب
ہوئی تو وہ پھر بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے
عجوبہ دیکھ لیا ہو۔"

"عجوبہ!" میں نے کھوئے کھوئے سے ا

اس وقت میری نگاہوں کے سائے میں بہاروں
تھے۔ کیا آپ نے بہاروں کی شہزادی کو نہیں

"دیکھا تو تھا لیکن جب گھبرا کر آنکھیں پھیرا
اُسے خونخوار شیرنی بھی کہتے ہیں۔" میرے شنا
ساتھ ہی پوری ٹولی قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

"کیا مطلب!" مجھے ان لوگوں کا یہ اند

"آپ شبانہ ہی کو دیکھ رہی تھیں نا؟" میرے

"مجھے اس کا نام نہیں معلوم۔"

"وہ لیڈی فاروق کی بیٹی ہے اور اس کا
سنگی واقع ہوئی ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر بگڑ
پچھلے دنوں اس نے اپنی ایک ملازمہ کو جھنجھوڑ کر

ایسا ہوا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح ملازمہ پر
ہاتھوں سے اُدھیڑ کر رکھ دیا تھا۔"

انجان ساتھی نے تعجب سے پوچھا۔

اتفاقاً کہیں اِدھر اُدھر پڑ گیا تھا۔" راوی نے
ہنستے ہوئے کہا۔

ہنگو لیمن کی طرف مائل ہونے لگی اور میں ان
مل شبانہ کے برابر میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب
اس لئے میں نے موقع سے فائدہ اٹھا لیا
میں جا بیٹھی۔

الطتی ہوئی بھینی بھینی سی مہک ایسی تھی کہ
کی برسات ہونے لگی۔ اب وہ قدرے سنبھل
کھول دی تھیں۔ ایک اجنبی سی نظر مجھ پر بھی
ل میں مجھے خرابات کے در کھلتے نظر آئے تھے۔
ان آنکھوں کے اُوپر سیاہ ابرو اس طرح کھنچے
ی کمانیں ناوک فگنی کے لئے بے قرار ہوں۔ میرا
اس کی قربت نے مجھے ایک عجیب سی لذت
ا تھا۔ اس کے ہر موئے بدن سے تو انٹھتی کی
مستانہ ہونے لگا۔ میں اُسے چھو کر دیکھنا چاہتی
ان بجلیوں کا کتنا ذخیرہ ہے۔ میں اُسے اُسی
ن و تو" کے الفاظ کی ترکیب بے معنی ہو کر
بغیر نہیں رہ سکتے تھے لیکن اچانک ہی شبانہ اپنی
ہو گئی۔ ایک شوخ و شنگ لڑکی نے اُسے اشارے
شاید وہ اس کی کوئی سہیلی رہی ہو گی۔

اس سے گئی تو مجھے اپنے پہلو میں دل کی جگہ کچھ
ہوئی۔ میری نگاہیں اس کے مقناطیسی بدن سے
آ پلٹ گئیں۔ وہ لڑکی اسے اپنے ساتھ اتنی دور
تار ٹوٹ گیا جو اس کے مقناطیسی بدن سے
رکھنا چاہتا تھا۔

گئے دن بہار کے، اور میں خزاں کی ایک تپتی
میں کھوئی کھوئی سی بیٹھی ہوئی تھی کہ لیڈی فاروق
مجھے چونکا دیا۔ میں جنوں کے خارزار میں بھٹکتے
میں لوٹ آئی جہاں شادی کی تقریب منعقد ہو
ل گھات لگائے بیٹھا تھا۔

رانا حمید کی کسی بحث میں جوش و خروش پیدا ہو
الفاظ اب مجھے صاف سنائی دے رہے تھے۔
بول رہی تھی اور اس کی باتوں کا لب لباب
سے کھونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور
موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔

یہ ایک عام سی بحث تھی۔ لیڈی فاروق کی زبان سے ادا ہونے والا کوئی لفظ بھی قابلِ گرفت نہیں تھا مگر نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ رانا حمید کو اُکسا رہی ہو، اُسے مجبور کر رہی ہو کہ وہ فوراً اپنی جیب سے پستول نکالے اور صدرِ مملکت کو گولی مار کر کھیل ختم کر دے۔

رانا حمید صرف ہوں ہاں کر رہا تھا۔ اُسے لیڈی فاروق کی باتوں میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی اور اس کے چہرے پر بوریت کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔ وہ اس طرح اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا جیسے بھاگ نکلنے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہو۔

میں لیڈی فاروق کی طرف کان لگائے ہوئے، اس کی باتوں کا ایک ایک لفظ سن رہی تھی کہ منتظمین نے کھانا لگ جانے کا اعلان کیا۔ صدرِ محترم اور ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے دوسرے اہم مہمان، منتظمین کی رہنمائی میں عقبی لان کی طرف چل دیئے۔ ان کے پیچھے باقی مہمانوں کا ہجوم چلا اور میں بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

سب لوگ عقبی لان میں پہنچ گئے اور کھانا شروع ہو گیا۔

رانا حمید، صدرِ مملکت کی میز سے زیادہ دور نہیں تھا۔ لیڈی فاروق منٹ بھر کے لئے اس سے جدا ہوئی تھی لیکن اب پھر اس کے ساتھ ہی نظر آ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ رانا حمید کی طرف جھک کر رازدارانہ انداز میں کچھ کہہ رہی تھی اور رانا حمید کی آنکھیں اس طرح پھیل گئی تھیں جیسے وہ لیڈی فاروق سے ان باتوں کی توقع نہ کر سکتا ہو۔ کبھی کبھی وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر بھی دیکھ لیتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے ڈر ہو کہ لیڈی فاروق کی باتیں کسی اور کے کانوں تک نہ پہنچ جائیں۔

لیڈی فاروق کا یہ پُراسرار انداز میری الجھن میں خاصا اضافہ کر چکا تھا۔ میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ لیڈی فاروق، رانا حمید کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے۔ آخر وہ رانا حمید سے ایسی کیا بات کہہ رہی تھی جسے سن کر رانا حمید گھبراہٹ کا شکار ہو گیا تھا؟

میں کسی حتمی نتیجے تک نہ پہنچ سکی لیکن لیڈی فاروق کا کردار میری نظروں میں ازحد مشکوک ہو چکا تھا۔ مجھے اب اپنی پہلی فرصت میں اس کے متعلق چھان بین کرنا تھی۔ شاید یہ فیصلہ کرتے ہوئے میرے لاشعور میں یہ خیال بھی موجود تھا کہ اس طرح مجھے شبانہ سے ملنے کا موقع مل سکتا ہے۔ شبانہ جو دوسری بے شمار لڑکیوں سے بہت مختلف انداز میں میرے حواس پر چھا گئی تھی۔ میں نے اُسے کچھ عجیب ہی انداز میں محسوس کیا تھا۔ اس وقت وہ میرے قرب و جوار میں موجود نہیں تھی اور غالباً یہی بہتر بھی تھا۔ اگر وہ میری نظروں میں آ جاتی تو پھر مجھے صدرِ مملکت کی سلامتی کا بھی خیال نہ رہتا اور میں رانا حمید کے سفاکانہ ارادوں کو بھول کر اس حیت جور کے ورشن میں، خود فراموشی کی ہر منزل سے گزر جاتی۔

لیڈی فاروق اب چپ چاپ کھڑی کھانے میں مصروف تھی اور رانا حمید مضطربانہ انداز میں پہلو بدل رہا تھا۔ اِدھر میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ اب بڑا نازک وقت آ چکا ہے۔ کھانے کے بعد صدرِ مملکت کو فوراً ہی

روانہ ہو جانا تھا اور اُن کی روانگی میں اب زیادہ دیر نہیں تھی۔ گویا رانا حمید کو جو کچھ بھی کرنا تھا بہت جلد کرنا تھا ورنہ پھر اُسے موقع نہ ملتا اور یہ ناکامی اُس کی سیاسی و اخلاقی موت کا راستہ کھول دیتی۔ ڈیکسٹر نے بہت کھل کر کہہ دیا تھا کہ اگر رانا حمید ناکام ہو گیا تو اس کی تصاویر عوام میں پھیلا دی جائیں گی۔ اس خوفناک صورتِ حال سے بچاؤ کی صرف ایک ہی صورت رانا حمید کے سامنے تھی اور اس سے مستفید ہونے کے لئے اب رانا حمید کے پاس چند ہی منٹ رہ گئے تھے۔

یہ چند منٹ میرے لئے بھی بڑے اہم تھے اس لئے میں اپنے ذہن کو ادھر اُدھر بھٹکنے سے روک کر اپنی تمام تر توجہ رانا حمید پر مرتکز رکھنا چاہتی تھی۔

— لیڈی فاروق اپنی پلیٹ سنبھالے ہوئے دوسری میز کی طرف بڑھتی چلی گئی اور رانا حمید نے اپنی پلیٹ میز پر رکھ دی۔ شاید وہ کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے سے بے چینی ہویدا تھی اور وہ خاصا نروس دکھائی دے رہا تھا۔ یہ لمحات تھے ہی اتنے فیصلہ کُن کہ اچھے اچھوں کے اعصاب جواب دینے لگیں۔ خود میں بھی اپنے دل و دماغ میں بڑا شدید تناؤ محسوس کرنے لگی تھی۔

رانا حمید نے ایک مرتبہ صدرِ مملکت کی طرف دیکھا اور پھر مُڑ کر عمارت کی طرف چل دیا۔ اس نے نہ تو ہاتھ دھونے کی زحمت گوارا کی تھی اور نہ میز پر رکھے ہوئے نیپکن استعمال کیے تھے۔ اس کی بجائے اس نے اپنی جیب سے رومال نکال کر ہاتھ پونچھ ڈالے تھے۔ اس کی یہ حرکت اس کے ذہنی انتشار کا پتہ دے رہی تھی اور عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے قدم ڈگمگا بھی رہے تھے۔

میں نے اپنی پلیٹ میز پر رکھی اور نیپکن سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی رانا حمید کے پیچھے چل پڑی۔ اب ایک اور نیا سوال میرے ذہن کو اُلجھا رہا تھا۔ آخر رانا حمید عمارت کی طرف کیوں جا رہا ہے؟

یوں تو مہمانوں کی نشست و برخاست کا انتظام باغ ہی میں تھا لیکن ٹوائیلٹس کے لئے عمارت ہی کا رُخ کرنا ضروری تھا۔ ممکن ہے اس وقت رانا حمید نے ٹوائیلٹ ہی کی ضرورت محسوس کی ہو۔

اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ شاید رانا حمید نے اپنا پستول بھی عمارت ہی میں کسی جگہ چھپا دیا ہو۔ ٹوائیلٹ کے بہانے سے وہ عمارت میں بہ آسانی آ جا سکتا تھا۔ اب شاید وہ پستول لینے ہی کے لئے اُدھر جا رہا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق اس نے ٹوائیلٹس کا رُخ کیا اور میں کچھ دور قدرے تاریکی اور آڑ میں رُک کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ یہ انتظار کس لمحوں پر پھیلا ہوا تھا۔ رانا حمید کی واپسی فوری ہوئی تھی اور میں نے اس کی جیب کو واضح طور پر بھاری محسوس کیا تھا۔

میرے دل کی رفتار میں خاصا اضافہ ہو گیا اور جسم سے پسینہ پھوٹ پڑا۔ اب بس چند لمحوں کی بات تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ کھانا ختم ہو چکا ہو گا اور صدرِ مملکت واپس لوٹ رہے ہوں گے۔ انہیں اسی دروازے کے

قریب سے گزرنا پڑتا جس سے رانا حمید کو
مجھے کرنل سرفراز کا خیال آیا جس کی ہم
دی تھی جبکہ میرا خیال تھا کہ وہ اور اس کے
سگے۔ کرنل سرفراز ہی کی طرح رئوف کا بھی کہ
محسوس کرنے لگی تھی جیسے تمام تر ذمے دار
ہو۔ میں اس ذمے داری سے عہدہ برآ نہ
بھی تھی اور مجھے شدت سے یہ احساس تھا
کی رات پاکستان کی تاریخ کا ایک انسو
رانا حمید کا رُخ نکاسی کے دروا
کے قریب پہنچ کر وہ زینوں کی طرف بڑھ گیا
پہلی دوسری منزل کے لئے زینوں کا سلسلہ
واقع تھا۔ رانا حمید کو ادھر جاتے دیکھ کر میں
بہرحال ناممکن تھا کہ میں اس کا پیچھا چھوڑ دو
دبی کہ رانا حمید پہلی منزل کے زینے طے کر
اُٹھا دیتی تو یقیناً رانا حمید کی نظر میں آ جاتی
پر آمد و رفت نہیں تھی۔

وقفہ دے کر میں نے احتیاطاً
رانا حمید کے قدموں کی دھمک پہلی منزل پر ہا
دوسری منزل پر نہیں جانا تھا اور یہ بات بھی
لئے وہاں رُک کر سن گن لینا چاہتا ہو۔ اب
چند لمحوں کے لئے وہیں رُک جاؤں جہاں
اس کے ہوشیار ہونے کا سبب بن جاتی
آسان نہ ثابت ہوتا جتنا میں سمجھے ہوئے
پریشان کئے ہوئے تھا کہ رانا حمید اوپر
میں نصف زینے طے کر کے رُک گئی
ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی گرا ہو۔ پھر
سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی کوئی چیخا۔
"رُک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا"
کوئی دروازہ بڑی پُرشور آواز سے
پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی
اب یہ ناممکن تھا کہ میں اپنی جگہ
بھرتی ہوئی اوپر پہنچ گئی اور میں نے محسوس
شخص دوڑتا چلا آ رہا ہے۔
زینے کا اختتام ایک کوریڈور میں
دونوں جانب بالکونیاں تھیں۔ کوریڈور میں
تھا لیکن روشنی کی اس کمی کو باہر کی روشنی پورا
آگے جا کر کوریڈور کے خاتمے پر ایک کمرہ تھا
ایک شخص اپنے شانے سے ٹکریں مار رہا تھا

ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔" وہ تقریباً چیخ کر بولا۔
لی کو محسوس کر کے میرے مساموں سے ٹھنڈا
جب اس عمارت کے احاطے میں داخل ہوئی
لی پر بھی بڑی تھیں اور میرا اندازہ تھا کہ صدر
ل کے سامنے ہی کھڑی کی گئی ہو گی۔ امکان تھا کہ
رت ہو رہے ہوں۔ کار میں بیٹھنے سے قبل وہ
مزور ملاتے اور اس موقع پر بالکونی میں کھڑا
ن کے دل پر گولی چلا سکتا تھا۔ رانا حمید نے
نت اس بالکونی کا رُخ کیا تھا لیکن اسے شاید
اں بھی سیکورٹی کے کسی آدمی سے مڈبھیڑ ہو سکتی ہے۔
صداق وہ سیکورٹی والے کو دھکا دے کر اس کمرے
کان تھا کہ اس کمرے کی کوئی نہ کوئی کھڑکی اس
مرِ صدرِ مملکت کی کار کو کھڑا ہونا چاہئے تھا گویا
گولی کا نشانہ بن سکتے تھے۔
خیالات کی گردش بس انہی لمحات میں مکمل ہو گئی
ولی اس دروازے کے قریب پہنچی جسے توڑنے
ی اپنے شانے سے ٹکریں مار رہا تھا۔
وڑتے ہوئے قدموں کی آواز بدستور سنائی دے
دیکھنا غیر ضروری خیال کیا تھا۔ دراصل مجھے
ہی کا کوئی آدمی ہو گا۔
سے کے قریب پہنچی تھی ویسے ہی سیکورٹی والے
کا اندرونی بولٹ اکھڑ گیا تھا۔ دروازہ ایک
اور سیکورٹی والا اندر جا گرا۔ میرے جسم میں اس
تھی میں بھی جیسے اڑتی ہوئی کمرے میں پہنچ گئی۔
کی اسی اس رُخ پر کھلی ہوئی تھی جدھر میرے
ملکت کی کار کو کھڑا ہونا چاہئے تھا لیکن میرا
رانا حمید پستول لئے ہوئے اس کھڑکی
میز پر بیٹھا ہوا جلدی جلدی کچھ لکھ رہا تھا اور
بہہ رہے تھے۔ میز پر پستول اس کے سامنے ہی

مامنا ہوتے ہی وہ اس طرح چونکا کہ قلم اس
اس نے تیزی سے پستول کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
نے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غالباً اسے
مہلت نہیں کہ وہ فوری طور پر اٹھنے میں ناکام

والا بھی اب کمرے میں داخل ہو چکا تھا
ٹ کر پلٹ کر اُسے دیکھ سکتی۔ میرے ذہن
کی طرح چمک گیا تھا کہ رانا حمید خودکشی

کرنے والا ہے۔ اس کی اشک آلود آنکھوں اور کچھ لکھنے کی کوشش نے مجھے ساری کہانی سنا دی تھی۔

غالباً رانا حمید اس تقریب کے دوران میں تذبذب و پیچ کا شکار رہا تھا لیکن آخر وقت میں وہ اس فیصلے پر پہنچ گیا کہ صدرِ مملکت کو ہلاک نہیں کرے گا۔ پھر اس فیصلے کے بعد یہ فیصلہ بھی ناگزیر تھا کہ خودکشی کرے۔ اسے اپنے بلیک میلروں سے کسی رعایت کی توقع ہرگز نہیں رہی ہو گی اور وہ عمر کے اس حصے میں پہنچ چکا تھا جہاں آدمی کو موت سے زیادہ بدنامی سے ڈر لگتا ہے۔ اسی بدنامی سے بچنے کے لئے رانا حمید خودکشی کا فیصلہ کرنے پر مجبور ہوا تھا۔

ایک لمحے میں رانا حمید کی شخصیت ایک عظیم انسان کا رُوپ دھار کر میرے ذہنی اُفق پر چھیلتی چلی گئی۔ اور میرا دل یہ پکار اٹھا کہ اس اچھے انسان کو مرنا نہیں چاہئے۔

میں نے ایک پل بھی ضائع کئے بغیر جست لگا دی اور اس سے پہلے کہ رانا حمید اپنے پستول کی نال اپنی کنپٹی پر رکھتا، میں فضا میں تیرتی ہوئی اس پر جا پڑی۔ یہ میری زندگی کی طویل ترین جست تھی۔ میرے جسمانی دھکے سے رانا حمید اس کرسی سمیت لڑھک گیا جس پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اوپر میں بھی گری اور اس جھٹکے میں رانا حمید کا پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر پھسلتا ہوا میز کے نیچے چلا گیا۔

"مجھے مر جانے دو! خدا کے لئے مر جانے دو!" رانا حمید گڑگڑایا۔

"نہیں رانا حمید!" میں نے اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔ "آپ کو اپنے دشمنوں کے سینے پر مونگ دلنے کے لئے زندہ رہنا ہو گا۔"

رانا حمید اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے میلوں دور سے دوڑتا چلا آ رہا ہو۔

میں نے کنکھیوں سے سیکورٹی والوں کی طرف دیکھا جن کے ہاتھوں میں ریوالور تو تھے مگر چہروں سے ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ اس صورتِ حال نے اُن کی قوتِ فیصلہ کو سلب کر دیا تھا۔ دوسرے سیکورٹی والے کی شکل میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ وہ وہی تھا جو مجھے پکڑ کر کرنل سرفراز کے پاس لے گیا تھا۔

میں نے فرش سے اٹھتے ہوئے رانا حمید کو بھی اٹھانے کی کوشش کی اور اسی وقت نیچے سے کئی موٹر سائیکلوں کے اسٹارٹ ہونے کی آوازیں سنائی دیں۔ ان کے ساتھ ہی کوئی کار بھی اسٹارٹ ہوئی اور اس کے ساتھ ہی سیٹیاں بھی سنائی دینے لگیں۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ صدرِ مملکت رخصت ہو رہے تھے اور انہیں اس ہنگامے کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی جو پہلی منزل پر برپا ہوا تھا۔

میں نے اطمینان کی سانس لی اور رانا حمید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیکورٹی والوں سے کہا۔ "انہیں سنبھالو۔ اگر یہ خودکشی کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تم لوگوں کو شاید صدرِ مملکت کے عتاب کا نشانہ بننا

پڑے گا۔"

میرے تعاقب میں آنے والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "تم جا کر یہاں کے بارے میں کرنل کو رپورٹ دو۔ میں یہیں رکتا ہوں۔"

"خدا کے لئے ...." رانا حمید پھر اس طرح گنگنایا جیسے موت کی بھیک مانگ رہا ہو۔

"گھبرایئے نہیں رانا حمید!" میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "میں اُن تصویروں کو عوام تک ہرگز نہیں پہنچنے دوں گی۔"

رانا حمید چونک کر میری صورت دیکھنے لگا۔ میں اسے اٹھا کر کھڑا کر چکی تھی۔ سیکورٹی والے نے کرسی اٹھا کر سیدھی کر دی اور میں نے رانا حمید کو اس پر بٹھا دیا۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہ برسوں کا بیمار ہو۔

سیکورٹی والے نے جھک کر اپنا رومال میز کے نیچے پڑے ہوئے پستول پر ڈالا اور اسے بڑی احتیاط سے اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر اس کی نظر اس کاغذ کی طرف گئی جس پر رانا حمید نے کچھ لکھنے کی کوشش کی تھی۔ سیکورٹی والے نے وہ کاغذ میز پر سے اٹھایا، ایک نظر تحریر پر ڈالی اور اسے جیب میں رکھتا ہوا تیزی سے کھڑکی کی طرف گیا۔ غالباً وہ نیچے کی صورت حال کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

صدرِ مملکت اس عمارت سے اتنی دور جا چکے تھے کہ اب ان کے جلوس کی گاڑیوں کی آوازیں بھی نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

"آپ نے اس کاغذ پر کیا لکھا تھا؟" میں نے سرگوشی میں رانا حمید سے پوچھا۔

"میں اپنی خودکشی کی وجہ لکھنا چاہتا تھا۔" رانا حمید نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن مکمل حقائق تو بہرحال سامنے نہ لاتا۔"

"اب بھی مت لایئے گا۔" میں نے بدستور دھیمی آواز میں کہا۔ "میں کوشش کروں گی کہ آپ کو ہر قیمت پر بدنامی سے بچا لوں۔"

"آپ آخر کون ہیں نیک خاتون!"

میں اس سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی لیکن اگر دینا چاہتی بھی تو نہیں دے پاتی کیونکہ اسی وقت کرنل سرفراز آندھی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوا تھا۔

کھڑکی میں کھڑا ہوا سیکورٹی کا آدمی واپس لوٹا۔

"آپ ذرا میری بات سنیں!" میں نے کرنل سرفراز سے کہا اور اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

سیکورٹی کے کئی آدمی اب کوریڈور میں موجود تھے۔ میں کرنل سرفراز کو ایک بالکونی میں لے گئی اور دھیمی آواز میں اس سے بولی۔ "رانا حمید کو بلیک میلنگ کے ذریعے صدرِ مملکت کے قتل پر مجبور کیا جا رہا تھا لیکن آخری وقت میں اس اچھے آدمی نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آپ اس کے ساتھ کوئی سخت برتاؤ نہ کیجئے گا۔"

"لیکن ...."

"میں اب اجازت چاہوں گی۔" میں [illegible] کہا کیونکہ میں کسی بکھیڑے میں پھنس کر وقت نہیں مجھے جلد از جلد رؤف کو ڈھونڈنا تھا اور رانا کی کوئی راہ نکالنا تھی لیکن اس میں بھی کوئی ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ دشمن سے رانا حمید کی تصویریں کوئی آسان کام ثابت نہیں ہوتا۔

میں جب نیچے اتری تو نیچے کے انتظامات متعین نظر آئے۔ کوئی بھی شخص اب اوپر جانے نہیں ہو سکتا تھا۔ اخباری رپورٹروں کو بھی بھنک مل چکی تھی ورنہ اتنی دیر میں تو یہاں ان کا ہجوم ہو جاتا۔

میں تیزی سے باہر نکل چلی گئی۔ تقریباً نہیں ہوئی تھی اور لوگ اس ہنگامے سے لاعلم برپا ہو چکا تھا۔ میں رؤف کی تلاش میں ادھر اس دوران میں میں نے لیڈی فاروقی کو بھی دکھائی دی اور نہ اس کی بیٹی! جو یہاں رہ وہ ماں بیٹی بھی ہوں گی۔

آخر ایک جگہ مجھے رؤف کی شکل نظر آئی ہوئیں تو میں نے اسے اشارہ کیا کہ باہر نکل کر خفیف سی جنبش دے کر دوسری طرف نکل گیا طرف چل پڑی۔

میں یہاں رؤف کی کار میں آئی تھی تھی لہٰذا میں کار ہی جا بیٹھی اور رؤف کا انتظار

پانچ منٹ بعد رؤف نہ جانے کدھر سے پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ

"بس نکل چلئے!" اس نے کہا اور سیٹ کہ باہر سے کسی کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔

میں گاڑی کو حرکت میں لے آئی۔

دوسروں کے سامنے رؤف مجھ سے تھا کہ اس طرح میں لوگوں کی نظر میں چڑھ جاتی ایک معاون گردہ سمجھ لیا جاتا جبکہ صدرِ مملکت رکھنا چاہتے تھے۔ ان کا یہ لائحہ عمل غیر مناسب خیال میں اب یہ لائحہ عمل مجروح ہو چکا تھا۔ واقعات پیش آ گئے تھے کہ صدر سے میرے لوگوں کو ہو چکا تھا۔

میں نے کار میں سفر کرتے ہوئے جب رؤف پر کیا تو وہ بولا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہی پروگرام تو واقعی مجروح ہو چکا ہے، تاہم اب بھی

سمبھل سکے۔"

حالات سے خاصی دور نکل آئی تھی چنانچہ رؤف پچھلی نشست پر میرے برابر میں آ بیٹھا۔

"حال بڑی خراب ہو چکی ہے۔" میں نے اس سے کہا۔ "حالات کا علم ہو چکا ہے جو پہلی منزل پر پیش آئے تھے۔ مؤثر قدم اٹھایئے۔ ہمیں ہر قیمت پر رانا حمید کو گا۔"

"دیکھئے! میں ابھی تک حالات کا ذرا بھی تجزیہ نہیں نے کہتے ہوئے اپنی جیب سے پائپ اور تمباکو کی

کیونکہ کچھ سوچنے کا موقع تو مجھے بھی نہیں ملا تھا۔ کہ بہت تیز رفتاری سے پیش آئے تھے۔

کام ہوگا کہ رانا حمید نے ان کے دباؤ کو مسترد کر دیا ہے میں رانا حمید کی تصاویر کے پھیلاؤ کے لیے کوئی ان کے لئے کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں تھا۔ اس کام کو سب سے پہلے وکٹوریہ کی طرف جا سکتی تھی کیونکہ دسترس میں تھا۔ میری دانست میں ڈاکٹر فونگ کے ہم زبان آدمی تھا۔ ممکن ہے کہ امریکی سینٹرل انٹیلی جینس ایجنسی تعلق نہ ہو لیکن ڈاکٹر فونگ کے ذریعے سے باضابطہ مہم میں اس پر ہاتھ ڈالنا شاید بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا لیکن اب اس کے سوا کوئی صورت ہی نہیں جا رہی۔

"وکٹر پر ہاتھ ڈال دینا چاہئے۔" رؤف نے ہلاتے ہوئے کہا۔ "تصویروں کی تقسیم کا کام اس نے کے سپرد کیا ہوگا۔"

"تو شاید ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ وہ لوگ تصاویر کو طریقہ اختیار کریں گے۔"

"ان تصویروں کو اخبارات میں تو چھپوا نہیں سکتے۔ وہ پھیلانے کی کوشش کریں گے۔"

"اتنی مؤثر تعداد میں ان تصویروں کی کاپیاں کرانا چیتے ہوئے کہا۔ "اور یہ کام پرنٹ نکلوانے سے تصویریں چھپوانا پڑیں گی۔"

"پریسوں کی نگرانی کرنا ضروری ہے۔"

"کی نگرانی ضروری نہیں۔ بڑے پریس تو یہ غیر قانونی نہیں لیں گے۔ یہ کام تو ایسے چھوٹے موٹے پریس کر سکتے کام نہ ہوتا ہو۔ آپ ایسے پریسوں پر نظر رکھیں۔

زیادہ عرصہ نہ گزرا ہوگا۔"

بہت کم ہوں گے۔"

"اسی وجہ سے آپ کا کام بہت آسان ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

رؤف کچھ سوچتا ہوا سر ہلانے لگا۔ کار اب میرے ہوٹل کے قریب پہنچ چکی تھی۔ میں نے رؤف سے کہا۔ "آپ اس سلسلے میں بہت تیزی سے کام شروع کر دیجئے۔ یہ رات بڑی اہم ہے۔ اگر ممکن ہو تو مجھے صورتِ حال سے آگاہ کرتے رہیے گا۔"

"بشرطیکہ آپ ہوٹل ہی میں رہیں۔" رؤف نے مسکرا کر کہا۔ "اگر کل کی طرح آج کی رات بھی آپ نے کہیں اور گزارنے کا پروگرام بنا لیا تو میں آپ کو کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔"

"نہیں آج میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" میں نے ہنس کر کہا اور گاڑی ہوٹل کے سامنے روک دی۔ انجن اسٹارٹ ہی رہنے دیا کیونکہ رؤف کو فوراً ہی رخصت ہو جانا تھا اور یہ کار بھی اسی کی تھی۔

میں اپنے آپ کو کچھ تھکا ہوا محسوس کر رہی تھی اس لئے اپنے کمرے میں پہنچتے ہی میں نے باتھ روم کا رخ کیا۔ باتھ ٹب کے نل کھول کر میں نے کپڑوں کی قید و بند سے آزادی حاصل کی اور ٹب میں اتر کر لیٹ گئی۔ فضا میں اس وقت حبس کی سی کیفیت تھی اس لئے ٹھنڈے ٹھنڈے پانی میں ڈوب کر مجھے بڑی فرحت محسوس ہوئی۔ میرے ہاتھ دھیرے دھیرے ہولے ہولے جسم پر پھسلنے لگے اور میں نے کیف و سرور کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں۔ ذرا دیر کے لئے سارے مسائل میرے ذہن سے محو ہو گئے اور میں حسین خوابوں میں تیرتی چلی گئی۔ میں نے ان خوابوں میں فرخ کو دیکھا اور اس کے کنوارے بدن کی خوشبو مجھے اپنے چاروں [illegible]۔ اس کے بعد مجھے غزالہ یاد آئی جو اپنے نابینا باپ کے ساتھ ٹرین میں سفر کر رہی [illegible] سفر کا ساتھ نبھایا تھا، اسے یاد کر کے میرا جسم اور سنسنا اٹھا۔ اس سے میں لاہور جاتے ہوئے ملی تھی اور اب میرا خیال تھا کہ وہ واپس کراچی پہنچ چکی ہوگی۔ مجھے کراچی سے آئے ہوئے کافی دن گزر چکے تھے اور اب گھر لوٹنے کو جی ہمکنے لگا تھا لیکن فی الحال میں ایسے مسائل میں گھری ہوئی تھی کہ کراچی کی طرف رخ کرنے کا امکان دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

میرے خوابوں کا سلسلہ جاری رہا اور میں ماضی میں سفر کرتی رہی۔ میں نے خود کو ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں پایا۔ صغرا اور زبیدہ بھی ان فضاؤں میں میرے ساتھ تھیں۔ گاؤں کی الھڑ مٹیاریں جنہوں نے مجھے خوب سیراب کیا تھا اور پھر ان میں سے ایک ڈاکٹر فونگ کی آلۂ کار ثابت ہوئی تھی۔ زبیدہ ہی کی وجہ سے وکٹر میری نظر میں آیا تھا اور میں حالات کے پیچ و خم میں الجھتی ہی چلی گئی تھی۔

یہ میری زندگی کا سب سے زیادہ ہنگامی دور تھا لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس عرصے میں جتنی لڑکیوں نے میری تشنہ لبی کا مداوا کیا تھا، اتنی لڑکیاں اتنے کم عرصے میں میری زندگی میں کبھی نہیں آئی تھیں۔

زبیدہ کے بعد میں نے ریشماں اور نادرہ کے چمن زاروں کی سیر کی تھی اور سلویا کو تو کل رات ہی برتا تھا۔ صرف الماس ایک ایسی لڑکی تھی

جس نے میری پیاس تو بھڑکائی تھی لیکن میرے ہونٹ اس کے چشمۂ بدن سے سیراب نہیں ہو سکے تھے۔

میرے خوابوں میں ایک نیا چہرہ ابھرا۔ وہ بیلے کی کلی، وہ حسن کا تارہ تھا جس کی خاطر دین و دنیا بھی طاقِ نسیاں ہو جائیں۔ اس کی جوانی میں آندھیاں اور طوفان پل رہے تھے۔ اس کے بدن کی حدت میں پگھل جانے کو جی چاہ سکتا تھا۔ جب میں نے عالمِ بے اختیاری میں اس چہرے کو چھونے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو وہ ہوا میں تحلیل ہو گیا اور میری سسکاریوں میں شبانہ کے نام کی گونج پھیلتی چلی گئی۔

شبانہ! شبانہ! شبانہ!

میں نے یکلخت آنکھیں کھول دیں۔ میرا جسم ٹھنڈے پانی میں ڈوبا ہوا تھا مگر جلنے لگا تھا۔ شبانہ کے صرف خیال ہی نے میرے جذبات میں انگاروں کی تپش بھر دی تھی۔ اگر میں اسے چھو لیتی تو شاید بھک سے اڑ جاتی۔ شاید یہ تند تیز سمجھا جائے لیکن حقیقت دیکھنے جو میں کہہ رہی ہوں، یہ مجھے اپنی زندگی کا ایک المیہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس وقت شبانہ کی جوانی کے آنگن میں نہیں کھیل سکتی تھی، میرا وجود اس کے متموج شباب کے بھنور میں نہیں ڈوب سکتا تھا۔

میں ٹب سے نکل آئی کیونکہ میں جانتی تھی کہ اب یہ سرد پانی میرے وجود میں بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا نہیں کر سکے گا۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا جب مجھ پر جنون کی اتنی شدید کیفیت طاری ہوتی ہو لیکن جب ایسا ہو جاتا تھا تو پھر کوئی لڑکی ہی اس طوفان کا زور توڑ سکتی تھی۔

اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی آہستہ آہستہ میرے کمرے کا دروازہ تھپتھپا رہا ہے۔ میں چونک پڑی [illegible] کھونٹی سے لٹکا ہوا باتھ گاؤن اتارا۔

رؤف مجھے ابھی ابھی چھوڑ کر گیا تھا اور کمانڈر حق سے بھی مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس وقت دروازے پر دستک دے گا لیکن ان دونوں میں سے کسی کی آمد کو یکسر نظرانداز بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ تو بلّی کے خواب میں چھیچھڑے والی بات تھی کہ مجھے نادرہ کا خیال آیا جبکہ وہ اتنی رات کو اپنے گھر سے نکل کر میرے پاس آ ہی نہیں سکتی تھی۔

میں نے سلیپر پہنے اور باتھ گاؤن کی ڈوری کستی ہوئی غسلخانے سے نکل آئی۔

دروازہ اب تھپتھپانے کی بجائے پیٹا جا رہا تھا اور اس سے آنے والے کی بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔

"کون ہے؟" میں نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا۔

"سلویا!" جواب ملا۔

ظاہر ہے کہ مجھے حیران رہ جانا چاہیے تھا۔ سلویا کی آمد قطعی غیر متوقع بات تھی۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا تھا، میں نے اُسے اپنا پتہ بھی نہیں بتایا تھا، پھر وہ یہاں کیسے آ گئی؟ اور کیوں؟

میں نے دروازہ کھول دیا اور سلویا کو اپنے سامنے کھڑا ہوا پایا۔ وہ کچھ گھبرائی ہوئی اور خوفزدہ سی معلوم ہوتی تھی لیکن اس نے زیادہ ہی پیاری معلوم ہوئی۔ ممکن ہے میرے اس احساس کا جذباتی کیفیت ہو۔ میں اس وقت بھبھک رہی تھی۔ میں نے یہ تو سمجھ لیا تھا کہ ضرور کچھ گڑبڑ ہوئی ہے لیکن اس وقت ایسے حیوانی جذبے کے زیر اثر تھی جو دنیا کا سب سے زیادہ جذبہ ہوتا ہے۔ دوسرے تمام جذبے اور احساسات اس کے نیچے بری طرح دب جاتے ہیں۔ میرے تمام احساسات کے دباؤ میں آ گئے۔ میں نے سلویا کو تقریباً گھسیٹ کر کمرے میں کر لیا، دروازے بند کیے اور پھر سلویا سے لپٹ کر اسے بھینچ ڈالا۔

"تم بہت صحیح وقت پر آئی ہو جانِ من!" میں نے اس کے ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں میں پنہاں کر لیا۔ جنگلی پھولوں کی طرح سرکش تھے اور اس طرح پھڑپھڑا رہے تھے جیسے بیتابیوں کی داستان رقم کرنا چاہتے ہوں۔

جب میں نے اُسے چھوڑا تو وہ مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میری گرم جوشی نے اس پر بڑا گہرا اثر چھوڑا تھا۔ اڑتی ہوئی ہوائیاں اور آنکھوں سے جھانکتا ہوا خوف جا چکا تھا۔ میری وحشت اس کے حیوانی جذبے کو جگا گئی تھی، باقی احساسات اس جذبے کے نیچے دب گئے تھے۔

میں نے اُس سے الگ ہوتے ہی اپنے گاؤن کی ڈوری کھول دی اور وہ میرے چکنے شانوں پر سے پھسلتا ہوا میرے ہر موئے بدن سے آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں، اس آگ کا سرور آگیں لمس بخشا اور وہ اس کی حدت میں پگھل گئی، بکھر گئی۔ اس کا پاپی جوبن میرے شباب کی چنگاریاں نکلنے لگیں۔ آگ، ہلچل، ہنگامہ، آندھی، طوفان... عالم زیر و زبر ہونے لگا۔ میری کنپٹیوں میں بجلیاں کوند رہی تھیں، سینے میں ایک تلاطم برپا تھا۔ سلویا کے پھڑکتے ہوئے سرشاری کے نیم وا دروازے پر دستک دے رہے تھے، ہونٹوں نے بھی سجدہ گاہیں ڈھونڈ لی تھیں۔ انبساط کے دروازے کھل گئے اور ہم دونوں نے ان خیابانوں کی سیر کی جہاں بہار تھی۔ اس فضا میں ہم تا دیر ہمدم و دمساز رہے اور جب ہو گئیں تو بالآخر ایک جھٹکا سا لگا اور خیابان اجڑ گیا، کہ ہو گئیں، تلاطم ختم ہو گیا اور آخری سرکش و شدید لہر نے ساحل کو چھو لیا جہاں سے داستانِ طرب کا آغاز ہوا تھا۔

اب کچھ نڈھال لمحے اس طرح گزرے کہ ہم ایک دوسرے کے تنفس کا انتشار محسوس کرتے رہے۔ معمول پر ہوا تو ہم نے لباس کے تقاضوں کو جانا اور گردانا۔

بارش کے بعد فضا جیسے نکھر آئی اور ہر طرف نیلگوں آسمان کی ٹھنڈک کو نمایاں کرنے لگے۔ اب مجھے یاد آیا کہ سلویا کی آمد ایک تعجب خیز امر ہے۔ جب میں نے اس کا ذکر کیا تو ایک بار پھر سلویا کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"مجھے بچا لیجیے!" وہ بے اختیار بولی۔

"کس سے؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "کس سے بچا لیجیے؟"

"ان سے... انہی لوگوں سے... وہ... وہ شاید... مجھے مار ڈالیں!"

"ان لوگوں کا ذکر کر رہی ہو، جنہوں نے رانا حمید کے ساتھ [illegible]..."

"میں ان کی بات کر رہی ہوں۔" سلویا نے جلدی سے میری بات کاٹی۔ "جیون بڑا خطرناک آدمی ہے بالو!"

"تمہیں اس سے کیا دشمنی ہو گئی؟"

"ان تصویروں کے ذریعے رانا حمید کو بلیک میل کر کے اس سے [illegible] چاہتے تھے لیکن وہ ان کا کام کرنے سے پہلے ہی پکڑا گیا۔ [illegible] ایک ایسی بات معلوم ہو گئی ہے کہ وہ اس گڑبڑ کا ذمے دار [illegible]"

میں نے پوچھتے ہوئے اٹھی اور پورٹ کی بوتل اٹھا کر اس [illegible]۔ سلویا نے اپنے ہونٹوں پر اس طرح زبان پھیری جیسے [illegible] محسوس کر رہی ہو۔ میں نے پورٹ کے دو گلاس بنائے [illegible] بڑھا دیا۔ وہ ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر گئی اور [illegible] پُرسکون لہجے میں گفتگو کرنے پر قادر ہو سکی۔

"[illegible] دیر پہلے جیون میرے گھر پہنچا تھا۔" وہ بولی۔ "میں [illegible] صرف ممی تھیں۔ وہ مجھ سے ایک آدمی کا پتہ معلوم [illegible] تو اسے پتہ بتا کر رخصت کر دیتی لیکن میری عدم موجودگی [illegible] باتوں باتوں میں اُسے ممی سے یہ معلوم ہو گیا کہ گزشتہ [illegible] میرے ساتھ گھر پہنچی تھی۔ یہ پتہ چلنے پر کہ [illegible] اس نے آپ کا حلیہ بیان کیا اور ممی نے اس کی تصدیق [illegible] بعد میں بھی گھر پہنچ گئی مگر جیون نے مجھ سے ان باتوں [illegible] سے کر چکا تھا۔ اس نے مجھ سے میرے ایک [illegible] اور چلا گیا۔"

"[illegible] اب مجھے کرید ہونا ہی چاہیے تھی۔

"[illegible] اس کا نام۔" سلویا نے جواب دیا۔ "وہ ایک [illegible] میرے مستقل گاہکوں میں سے ہے۔"

[illegible] چوہان کے بارے میں شاید کچھ اور بھی بتایا تھا لیکن [illegible] پر ہی پرانگندہ ہو گئی تھی۔ میں اتنی مضطرب [illegible] ذہن میں ابھرنے والا سوال فوراً ہی میری زبان پر [illegible]

"[illegible] رفیق چوہان کے پولیس کا علم ہے؟"

"جی ہاں، اسے ایک مرتبہ اس بات کا علم ہو گیا تھا لیکن آپ نے [illegible] خاص طور سے یہ سوال کیوں کیا ہے؟"

میں نے بے چینی سے پہلو بدلا اور اپنے لیے پورٹ کا دوسرا گلاس بنانے لگی۔ اچانک مجھے کچھ خیال آیا اور پھر میں سلویا کی بات کا جواب دینے کی بجائے سوال کر بیٹھی۔ "تمہیں یہ خطرہ کیوں ہے کہ وہ لوگ تمہیں ختم کر ڈالیں گے؟"

"وہ لوگ یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کا کوئی کارندہ پولیس کے کسی شخص سے دوستی رکھتا ہو اور جیون کو آپ کے بارے میں جو واقفیت ہے، اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ آپ کی طرف سے بہت چوکنا ہیں۔ جیون کو ممی سے میرے اور آپ کے رابطہ کا علم ہو گیا تھا لیکن اس نے مجھ سے اس گفتگو کا ذکر کیا تو میں دہشت زدہ ہو گئی۔ جیون کا اس طرح خاموشی سے چلا جانا میرے لیے بہت خوفناک تھا۔ [illegible] کی خاموشی میں طوفان پلتے ہیں بالو!"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری حفاظت کی جائے گی۔ تم میرا ایک کام کرو۔ مجھے اپنے دوست رفیق چوہان کے گھر لے چلو۔"

"اسی وقت؟" سلویا نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ابھی۔" میں نے جواب دیا اور کپڑے تبدیل کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

سلویا الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ وہ کچھ خائف اور پریشان بھی معلوم ہو رہی تھی۔

میں نے کپڑے تبدیل کرنے میں بہت کم وقت صرف کیا اور پھر ٹیلیفون پر کمانڈر حق سے رابطہ قائم کیا۔ وہ شاید گھنٹی کی آواز سے جاگا تھا کیونکہ اس کی آواز ایسی ہی تھی۔

"کمانڈر!" میں نے تیزی سے کہا۔ "میں ذرا باہر جا رہی ہوں۔ صبح سے پہلے واپسی کی امید نہیں۔ کیا تم میرے کمرے میں ٹھہر سکتے ہو؟ میں چاہتی ہوں کہ میرے لیے کوئی پیغام آئے تو نوٹ کر لو!"

"بہت بہتر یور ہائی نس!" کمانڈر حق نے خمار آلود آواز میں کہا۔

"میں کمرہ کھلا چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ فوراً آ جاؤ۔" میں نے اتنا کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور سلویا کو ساتھ لیے ہوئے کمرے سے نکل آئی، دروازے کو صرف بھیڑ دیا۔ سلویا بوجھل بوجھل قدموں سے میرا ساتھ دے رہی تھی۔

ہوٹل کے پارکنگ شیڈ میں میری گاڑی موجود تھی۔ ہم اس پر بیٹھ گئے اور جب میں نے انجن اسٹارٹ کر دیا تو سلویا نے بتایا کہ رفیق چوہان کا گھر اس کے گھر سے دو چار فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔

میں کار کو حرکت میں لے آئی اور مجھے ایک بار پھر اسی بات کا خیال آیا جو ہوٹل میں سلویا کی آمد پر میرے ذہن میں در آیا تھا، یعنی یہ کہ سلویا کو میری رہائش گاہ کا علم کیسے ہوا۔ باتوں میں الجھ کر میں اس بارے میں سوال [illegible]

کرنا بھول ہی گئی تھی اور گفتگو کے دوران میں بھی کوئی ایسا نکتہ سامنے نہیں آیا تھا جو میری اس کرید کو ختم کر دیتا۔
اب میں نے واضح الفاظ میں سلویا سے اس کے بارے میں پوچھا۔ تو وہ بولی۔ "آپ ہی نے تو بتایا تھا"
"میں نے بتایا تھا؟" میں حیران رہ گئی۔
"جی ہاں"
"مجھے تو یاد نہیں آرہا" میں بڑبڑائی۔
"حیرت ہے" سلویا نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "صبح جب آپ مجھے ہاسپٹل چھوڑنے جا رہی تھیں تو آپ نے اس ہوٹل کا نام بتایا تھا"
میری پیشانی پر سلوٹیں تو پڑ گئیں لیکن میں کچھ کہہ نہیں سکی مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ میں نے سلویا کو اپنا پتہ بتایا ہو لیکن اس کے لہجے میں ایسا اعتماد اور ایسی معصومیت تھی کہ میں الجھن میں پڑ گئی۔ یقینی طور پر کچھ طے کرنا مشکل ہو گیا، تاہم اس مرحلے پر شکوک و شبہات کا انگڑائی لینا ایک فطری امر تھا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ میں کسی جال میں تو پھنسنے نہیں جا رہی ہوں؟ اس امکان پر غور کرنا ضروری ہو گیا تھا کہ وہ لوگ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کے لئے سلویا کو اپنا آلۂ کار بنا سکتے ہیں یا نہیں؛ نیز یہ کہ سلویا بھی ان کا آلۂ کار بن سکتی ہے یا نہیں؟
ناممکن تو کچھ بھی نہیں ہوتا لہٰذا میں نے سوچا کہ مجھے ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اگر یہ شبہ مجھے ہوٹل ہی میں ہو گیا ہوتا تو میں کمانڈر حق کو اشارہ دے دیتی کہ وہ میری نگرانی کرے اور کوئی خطرہ پیش آنے پر میرا مددگار بن جائے لیکن ہوٹل میں میرا ذہن صرف پرنٹنگ پریس سے الجھا رہ گیا تھا ... [illegible]
"آخر آپ رفیق چوہان سے کیوں ملنا چاہتی ہیں؟" سلویا بولی۔
"میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ جیون اس سے کیا کام لینا چاہتا ہے"
"یہ تو میں کل اس سے معلوم کر کے آپ کو بتا دوں گی"
"کل تک انتظار نہیں کیا جا سکتا" میں نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی سوچا کہ سلویا کے ان سوالوں میں معصومیت ہے یا ریاکاری؟
کار جب کالونی میں داخل ہو گئی تو سلویا نے ایک گلی کی طرف اشارہ کیا اور اس گلی میں کچھ دور چلنے کے بعد ایک بنگلے کے سامنے رکنے کیلئے کہا۔
بنگلہ تاریک پڑا تھا۔ خاصی کشادہ اور جدید طرز کی عمارت تھی۔
احاطے میں اصل عمارت سے ملی ہوئی ایک انیکسی تھی جو شاید ملازموں کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتی ہو گی۔ اس کی بناوٹ ایسی نہیں تھی جو مہمانوں کو ٹھہرانے کے لائق قرار دی جا سکتی۔ اس انیکسی کے ایک کمرے میں روشنی کا بلب روشن تھا اس کے علاوہ عمارت کے کسی بھی حصے میں روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یا تو عمارت میں کوئی بھی موجود نہیں ہے اور اگر ہے تو اپنے کمرے میں پڑا ہوا سو رہا ہے۔ اگر جیون ملاقات کے لئے آیا ہوا ہوتا تو یقیناً سامنے کے کسی بڑے کمرے میں روشنی ہوتی۔
قدرے توقف کے بعد میں نے پھاٹک کے کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ وقفے وقفے سے کئی ... لیکن بے سود!
"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دوست گھر پر نہیں ہے" ... سے کہا۔ "کیا وہ تنہا رہتا ہے؟"
"صرف ایک بوڑھا ملازم ہے جو اونچا سنتا ہے ... بلب اسی کے کمرے میں روشن ہے"
"غالباً وہ اس وقت اپنے پریس میں ہو گا" میں ...
"کون؟ رفیق؟ وہ اتنی رات کو پریس میں کیا ... پریس اتنا بڑا نہیں ہے کہ وہاں اخبارات وغیرہ ... یہاں صرف دن میں کام ہوتا ہے"
"کیا تمہیں اس کا پتہ معلوم ہے؟"
"میں وہاں کبھی نہیں گئی"
"تو اس کا پتہ کیسے معلوم کیا جائے؟" میں ...
"پتہ تو گھر میں ضرور موجود ہو گا لیکن مشکل ... گا کون؟"
میں سوچنے لگی۔ کیا سلویا مجھے عمارت میں ... ویسے سلویا کا یہ خیال غلط بھی نہیں تھا کہ گھر میں پریس کا ... کسی میز میں وزیٹنگ کارڈ پڑے ہوئے مل سکتے تھے کہ رفیق چوہان کے پریس میں چھپوائی کروائی ہو ...
میں نے ارد گرد کا عمیق نظروں سے جائزہ لیا ... اتنی گنجان نہیں تھی جتنی غربا کی آبادیوں میں ہوتی ہے۔ ہوا تھا۔ کبھی کبھی کہیں دور سے کسی کتے کے بھونکنے ... جاتی تھی۔
آخر میں نے عمارت میں داخل ہونے کا فیصلہ کر ... تو تھا کہ اس عمارت میں میرے لئے جال بچھا ہوا ہو لیکن ... میرے شکوک غلط ہوں۔
"میں اندر داخل ہونا چاہتی ہوں سلویا!" میں ...
"مگر کیسے؟"
"جیسے کوئی چور"
"لیکن ..."
"مجھے بہر نسبت پر رفیق چوہان کے پریس کا پتہ ... ٹھوس لہجے میں کہا اور پھر سلویا کے احتجاج کی پروا ... پڑھنا شروع کر دیا۔
پھاٹک زیادہ اونچا نہیں تھا اور غالباً کسی ... کے لئے نہیں بلکہ چار دیواری کی خوبصورتی کے ... طرف اتر کر میں نے اس کی کنڈی کھول دی تا کہ سلویا

... گئے تو؟" سلویا لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔
... کرنے والے قانون کے محافظ ہوتے تو تم سمجھ سکتی ... کی پریشانی نہیں ہو سکتی لیکن اگر وہ کچھ دوسرے ... ن سے نپٹنا بھی اچھی طرح جانتی ہوں" میں نے ... میں کہا۔
... ضروری تھا اس لئے میں سلویا کے چہرے کے تاثرات ...
... کے قریب پہنچ کر مجھے کسی ایسی کھڑکی کی تلاش ہوئی ... م ان نہ ہو۔
... ایک کھڑکی نہ صرف یہ کہ مل گئی بلکہ مجھے اس کی اندرونی چٹخنی ... شیشہ بھی نہیں توڑنا پڑا۔ کھڑکی کھلی ہوئی ملی تھی اور ... بار پھر دھڑک اٹھا تھا۔ کیا واقعی مجھے جال تک لانے ... رکھے گئے تھے؟
... اب مجھے اس عمارت میں داخل تو ہونا ہی تھا۔ ہاں ... احتیاط کی ضرورت تھی۔
... منہ سے کبھی کبھی کوئی ایسا فقرہ نکل جاتا تھا جس سے ... ہوا تھی لیکن میں سنی ان سنی کرتی رہی۔ میں نے اسے ... پر چڑھایا اور پھر خود بھی چڑھ گئی۔
... میں کودے تھے، وہ خاصا کشادہ تھا۔ وہاں فرنیچر کی ... سلیقے سے ترتیب دیا گیا تھا۔ اس کمرے میں روشنی ... میں نے کھڑکی پر پڑا ہوا پردہ برابر کر دیا تھا۔
... ایسی چیز نہیں مل سکی جو رفیق چوہان کے پریس کا ... ایک کیلنڈر تو تھا لیکن وہ باہر کا چھپا ہوا تھا۔
... دروازے تھے اور دونوں ہی کھلے ہوئے تھے۔
... کر ایک دروازے کی طرف بڑھی۔ میں نے سوچ رکھا ... آیا تو میں سلویا کو ڈھال بناؤں گی۔
... کمرے میں بھی کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔ یہاں ... میں میز کرسی لگی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہی ... میں اس میز کی درازیں دیکھنے لگی۔ لیکن اس تلاشی کے ... بات کا خیال رکھا تھا کہ میری پشت دروازوں کی ...
... کامیابی حاصل ہو گئی۔ میز کی دوسری دراز میں مجھے ... کا فولڈر مل گیا تھا۔ جس پر اس کے پریس کا پتہ بھی ... اپنے حافظے میں رکھ لیا۔
... میں نے سلویا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے سرگوشی کی ... کار میں بیٹھ گئے اور میں انجن اسٹارٹ کر کے ... کچھ ہونا تھا نہ ہوا۔ اب میں نے اطمینان کی ... بے بنیاد ثابت ہو چکے تھے۔ اگر دشمن نے سلویا کو آلۂ کار بنا کر مجھے پھانسنے کی کوشش کی ہوتی تو اب تک معاملہ کھل کر سامنے آ چکا ہوتا۔ چونکہ کچھ نہیں ہوا تھا اس لئے میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ میں بھی تو انسان ہی ہوں، میری یادداشت بھی دھوکہ کھا سکتی ہے۔ میں نے واقعی سلویا کو اپنے ہوٹل کا پتہ بتا دیا ہو گا اور وہ جیون سے خوفزدہ ہو کر میری طرف دوڑی چلی آئی ہو گی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جیون جیسے لوگوں کی خاموشی، ہزاروں دھمکیوں سے زیادہ خوفناک ہوتی ہے۔
رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی لیکن میرے پاؤں کا چکر ابھی ختم نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کے جلد ختم ہونے کی توقع تھی۔
رفیق چوہان کے پریس تک پہنچنے میں دس منٹ لگے۔ وہ ایک گلی میں تھا اس لئے میں نے کار سڑک ہی پر چھوڑ دی تھی۔
پریس ڈھونڈنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ پریس کا دروازہ بند تھا لیکن عقبی حصے کے ایک روشندان سے اندرونی روشنی باہر آرہی تھی اور مشین چلنے کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔
دو اور دو چار کرنے کے سے انداز میں میں نے سمجھ لیا کہ پریس میں اس وقت رانا حمید کی تصویریں چھپ رہی تھیں۔
میں نے محسوس کیا کہ یہاں پہنچ کر میرا کام ختم ہو چکا ہے، اب یہاں سے رؤف کا کام شروع ہو گا۔ وہی سرچ وارنٹ حاصل کر کے پریس پر چھاپہ مار سکتا ہے۔
میں تیزی سے اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہاں سے میں رؤف کو فون کرنے کے بعد بری الذمہ ہو جاتی۔ سلویا بدستور میرے ساتھ تھی۔ کیونکہ مجھے ابھی اس کے بارے میں کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔
ہوٹل میں کمانڈر حق میرے کمرے میں بیٹھا جاگ رہا تھا۔ میں نے اسے رخصت کیا اور ٹیلیفون پر رؤف سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ میری عدم موجودگی میں کوئی پیغام موصول نہیں ہوا تھا ورنہ کمانڈر حق خود ہی بتا دیتا۔
میں ڈر رہی تھی کہ فون پر رؤف سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا تو کیا ہو گا؟ لیکن میرا یہ خوف جلد ہی اطمینان میں بدل گیا۔ جب میں نے دوسری طرف سے رؤف کی آواز سنی۔
"ہیلو! رؤف اسپیکنگ"
"میں بانو بول رہی ہوں"
"خیریت؟"
"آپ نے اب تک کیا پروگریس کی ہے؟"
"میں چھوٹے چھوٹے پریسوں کے بارے میں معلومات جمع کر چکا ہوں اور اب ٹیلیفون اٹھا کر اپنے آدمیوں کو ان پریسوں کی نگرانی کے بارے میں ہدایات دینے ہی والا تھا"
"اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میں نے اس پریس کا پتہ چلا لیا ہے جہاں اس وقت وہ تصویریں چھپ رہی ہیں"
"واقعی؟" رؤف شاید اپنی جگہ پر اچھل پڑا ہو گا۔

میں نے اُسے مختصر الفاظ میں پریس تک رسائی کی کہانی سنا دی اور پھر کہا "اب یہ آپ کا کام ہے کہ سرچ وارنٹ حاصل کر کے اس پریس پر چھاپہ ماریں لیکن یہ کام بڑی عجلت میں ہونا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں صرف لکیر پیٹنا پڑے۔"

"آپ اب اطمینان سے سو جائیں۔ انشاء اللہ کل صبح ملاقات ہوگی۔"

رفیق چوہان کے پریس کا پتہ چلنے کے بعد مجھے اطمینان تو واقعی ہو گیا تھا لہٰذا میں ٹیلیفون بند کر کے انگڑائی لیتی ہوئی بستر کی طرف بڑھی۔ سلویا تو کمرے میں آتے ہی بستر پر ڈھیر ہو گئی تھی اور اس کی آنکھوں سے خمار جھانک رہا تھا۔

"میرے لئے آپ نے کیا سوچا ہے بانو!" وہ پُر تشویش لہجے میں بولی۔

"آج کی رات تو تم یہیں گزارو، کل دیکھا جائے گا۔ مگر ہاں!... تمہارا ساری رات غائب رہنا تمہاری ممی کے لئے تو گھبراہٹ کا سبب نہیں بنے گا؟"

"نہیں! ممی اس کی عادی ہیں۔ ہفتے میں دو ایک مرتبہ تو میری راتیں دوسروں ہی کے گھروں پر بسر ہوتی ہیں۔"

"بس تو پھر سو جاؤ۔"

میں نے اپنی ساڑھی اُتار کر ایک کرسی پر پھینک دی اور صرف بلاؤز اور پیٹی کوٹ پہنے ہوئے بستر پر لیٹ گئی۔

میں نے اپنی دانست میں رانا حمید کو بدنامی سے بچا لیا تھا۔ اس لئے بے حد پُر سکون تھی۔ جلد ہی میں نیند کے سالونے سلونے رنگوں میں ڈوبتی چلی گئی۔ میرا خیال تھا کہ میں دیر تک سوتی رہوں گی۔ مجھے بڑی گہری نیند آئی۔ سلویا نے مجھے مکمل آسودگی بخشی تھی اس لئے میں نے کوئی رنگین خواب بھی نہیں دیکھا۔

صبح مجھے ٹیلیفون کی گھنٹی نے اس وقت جگایا جب دیوار گیر کلاک سات بجنے کا اعلان کر رہا تھا۔ میں نے بوجھل دماغ کے ساتھ ریسیور اٹھایا اور محسوس کیا کہ گھنٹی نے سلویا کی نیند میں بھی خلل ڈالا تھا لیکن اس نے کسمسا کر دوسری طرف کروٹ لے لی تھی۔

مجھے فون کرنے والا رؤف تھا۔ اس نے کہا "میں معذرت چاہتا ہوں بانو کہ میں نے آپ کی نیند پوری نہیں ہونے دی لیکن کام کی نوعیت ایسی ہے کہ میں آپ سے جلد از جلد ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے آپ کے ہوٹل پہنچنے میں بس آدھا گھنٹہ لگے گا۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"یہ میں وہیں آ کر بتاؤں گا۔"

اس سے پہلے کہ میں پھر کوئی سوال داغ دیتی، رؤف نے سلسلہ منقطع کر دیا اور میں ریسیور کو اس طرح گھورنے لگی جیسے ماؤتھ پیس میں سے کسی بچھو کے نکلنے کا اندیشہ ہو۔ رؤف کے پُر تشویش لہجے نے میری نیند بالکل اڑا دی تھی۔ چند لمحے بعد میں نے ریسیور رکھا اور بستر سے

اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں اپنی ساڑھی اٹھا کر باتھ روم میں گھ... لیکن پھر مجھے کچھ خیال آیا تو میں نے باتھ روم کا رُخ کر لینے کی... روم سروس کو ناشتے کی ہدایت دے دی۔

آدھا گھنٹہ میری تیاری کے لئے کافی تھا۔ جب ... پہنچا تو ناشتہ بھی کمرے میں آ چکا تھا۔ میں نشست گاہ میں ... بیٹھی تھی تاکہ اندرونی کمرے میں سوتی ہوئی سلویا ہماری ... جاگ نہ جائے۔

رؤف کے بال منتشر سے تھے اور آنکھیں سُرخ ... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مسلسل جاگتا رہا ہو۔

"صورتِ حال بڑی گمبھیر ہو گئی ہے بانو!" اس نے ...

"کیا پریس پر چھاپہ ناکام ہو گیا؟" میں نے جلدی سے ...

"غالباً ہم اُسے ناکامی ہی کہیں گے کہ وہاں سے ما... نہیں برآمد ہو سکیں۔"

"تو پھر مشین پر کیا چھپ رہا تھا؟"

"کسی تجارتی ادارے کا ایک ہینڈبل۔"

میں رؤف کی صورت تکتی رہ گئی۔ اس اطلاع نے ... رکھ دیا تھا۔

"ہمیں بڑی گہری چوٹ ہوئی ہے بانو!" رؤف ... میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "دشمن کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم ... طباعت روکنے کے لئے پریسوں پر نظر رکھیں گے لہٰذا اس ... چلی کہ ہماری توجہ پریسوں سے ہٹ کر رفیق چوہان کے پریس ... اور وہ اپنی اس چال میں کامیاب بھی ہو گیا۔ اسی دوران میں ... اور پریس میں چھپوائی جا چکی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میرا شبہہ درست ہی تھا۔"

"کون سا شبہہ؟"

"یہی کہ سلویا ہمارے دشمنوں کی ساتھی ہے۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ نادانستگی میں ان لوگوں کی ... ہو۔" رؤف نے خیال ظاہر کیا۔ "جیون نے سلویا سے دفی... اسی لئے پوچھا ہو گا کہ یہ بات آپ تک پہنچ جائے۔ اب ... پروگرام یہ ہے کہ شام کی ایک فلائٹ سے جیون وہ تصویریں ... روانہ ہو جائے۔ کراچی میں ان لوگوں نے کچھ ایسا بندوبست ... وہ تصویریں ایک ہی وقت میں ہزاروں لوگوں تک پہنچ ...

"آپ کو یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہو گئیں؟" میں ...

"میں نے وکٹر کی نگرانی کے علاوہ یہ بندوبست بھی کر ... کے کمرے میں ہونے والی گفتگو کو ٹیپ کیا جا سکے۔ اس کی ... وہاں دو تین مائک چھپا دیئے گئے تھے۔ اس کمرے میں ... تمام باتیں ریکارڈ ہو چکی ہیں اور آج صبح میں نے جو ٹیپ ... ہے اس سے مجھے یہ ساری باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ ...

... کی رپورٹ دیتا رہا ہے۔ دراصل اس وقت میں رانا حمید ... زیادہ اسی معاملے سے متوحش ہوں۔"

... معاملے سے؟"

... "تاتلانہ حملہ کرنے والے نوجوان طارق نے تو ہمیں چینی پریس ... بتایا ہی تھا لیکن اب وکٹر کے معاملے نے اُسے قطعی ... وکٹر اسی نمبر پر رپورٹ دیتا رہا ہے۔ ویسے یہ رپورٹ ... رہا ہوتی تھی کہ کم سے کم ہوٹل کا آپریٹر ان باتوں سے ... نہیں کر سکتا تھا۔"

... سب کچھ اب ایک ڈرامہ سا ... ہے۔" میں بڑبڑائی ... آپریٹر کو دوسری طرف سے جواب بھی ملا تھا یا اس نے بس ... منقطع کر دیا تھا؟"

... ملا تھا بلکہ پریس اتاچی نے اپنا نام بھی بتایا تھا۔ اب ... اور رُخ بھی دیکھ لیجئے: رانا حمید کو دیا جانے والا پستول ... اس کے نمبر سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ وہ چینی ... ہمارے پاس سفارت خانوں کے عملے کے تحفظ ... رکھا جاتا ہے جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔"

... رہ گئی۔ یہ معاملہ تو واقعی بہت گمبھیر تھا۔

... اپنا پائپ جلا کر دو تین گہرے کش لئے اور پھر بولا۔ ... اب سب کچھ ٹھنڈا ہوا جا رہا ہے۔ ... ابتدائی مرحلے ہی میں ایک سلائس کھا چکی تھی اور اب ... نہیں چاہ سکتا تھا۔ میں نے دو پیالیوں میں چائے بنا ... کر دی۔

اس نے پیالی لیتے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ "اب بہت ... اس معاملے کو گہرائی تک کھنگالا جائے لیکن سرکاری ... تک جائے گی، اس کا علم چینی سفارت خانے کو ضرور ... حکومت اپنے سفارت خانے کے ایک سرکردہ ممبر ... تحقیقات کو اچھی نظر سے نہیں دیکھے گی اس لئے ... تحقیقات کا در، غیر سرکاری سطح پر کھولا جائے۔ آپ ... ہیں نا؟"

... "ہیں کہ اس معاملے کی چھان بین صرف میں کروں؟"

... "سوا کوئی صورت نہیں۔"

... "سمجھ رہی ہوں کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔ آپ نے ... اس سلسلے میں کیا سوچا؟"

... "پریشان کن نہیں رہا۔ شام کو ایئرپورٹ پر جیون ... لیا جائے گا اور اس کی گرفتاری کے لئے ان تصویروں ... برآمد ہو گی۔"

... "شاید آپ کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

...

"یہ معاملہ وہ نہیں معلوم ہوتا جو دکھائی دے رہا ہے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"میرا ذہن خود ہی اتنا اُلجھا ہوا ہے کہ ابھی میں کوئی سلجھی ہوئی بات کہنے سے قاصر ہوں۔ مجھے سوچنے کے لئے وقت چاہئے۔ ممکن ہے کہ شام تک میں کچھ واضح گفتگو کرنے کے قابل ہو جاؤں۔ اب آپ کہاں جائیں گے؟"

"میرے لئے اب چند گھنٹے کی نیند ضروری ہے۔ میرا دماغ پھوڑے کی طرح دُکھ رہا ہے۔"

"تو پھر اب آپ جائیے! باتوں میں وقت گزارنے سے کیا حاصل! میں سوچوں گی کہ میں ان حالات میں کیا کر سکتی ہوں۔"

ان باتوں کے دوران میں رؤف نے چائے کی آدھی پیالی ختم کر لی تھی۔ اُسے ختم کرنے کے لئے دو بڑے بڑے گھونٹ لے کر وہ اٹھ گیا۔

میں اتنی اُلجھی ہوئی تھی کہ اُسے رخصت کرنے کے لئے دروازے تک بھی نہیں گئی۔ میں نے سگریٹ سلگائی کیونکہ اس وقت مجھے اس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

جب سے ان معاملات میں چینی سفارت خانہ ملوث ہوا تھا، مجھے وہ سب کچھ ایک ڈرامہ معلوم ہونے لگا تھا لیکن ابھی تک اس کی نوعیت پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ پاک چین تعلقات میں اس قسم کی گڑبڑ سے بہت بھیانک نتائج مرتب ہو سکتے تھے۔

میں نے تپائی پر سے اخبار اٹھا لیا۔ رؤف کی وجہ سے مجھے کچھ پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اب میں نے سرخیوں پر نظر ڈالی اور اس کے بعد خاص خاص خبروں کو غور سے پڑھ ڈالا۔

ان خبروں کے مطابق ملک کے حالات کسی بھی لمحے نازک ہو سکتے تھے۔ کشمیر میں شروع ہونے والی جنگِ آزادی پاکستان کو بھی گولہ بارود کی دھمک سے لرز اٹھنے پر مجبور کر سکتی تھی۔ کشمیر میں آزادی کے متوالے ہر قدم پر کامیابی سے ہمکنار ہو رہے تھے۔ فوجی کیمپوں پر کشمیری جیالوں کے حملے تباہ کن ثابت ہو رہے تھے اور بھارتی فوج کو زبردست نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا۔ پاکستان میں عوام الناس کی رائے یہ تھی کہ پاکستان کو ان مظلوم کشمیریوں کی مدد کرنا چاہئے اور اُدھر بھارتی رہنماؤں نے یہ الزام تراشی شروع کر دی تھی کہ کشمیر میں پاکستانی فوجی لڑ رہے ہیں۔

وزیرِ خارجہ ڈھاکہ سے واپس آ چکے تھے اور انہوں نے آتے ہی صاف صاف بیان دے دیا تھا کہ کشمیر میں پیش آنے والے واقعات میں پاکستان کا کوئی ہاتھ نہیں اور پاکستان تمام قضیوں کو پُرامن طور پر حل کرنا چاہتا ہے۔ وزیرِ خارجہ نے وعدہ کیا تھا کہ سارے معاملات، امن کے اصولوں کو ہاتھ سے چھوڑے بغیر طے کیے جائیں گے۔

ان حالات میں دشمن کے ایجنٹوں کی اندرونِ ملک سازشوں میں تیزی آ ہی جانا چاہئے تھی اور ان کی سازشوں کا نشانہ ہمارے سرکردہ رہنماؤں یا ہمارے حلیف ممالک کے سفارت خانوں کے سوا کون ہو سکتا تھا؟

میں نے اخبار ایک طرف ڈال دیا اور رانا حمید کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ ایک سچا محبِ وطن ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اس کے لئے اچھے جذبات ہیں۔ صدرِ مملکت کو قتل کروانے کے لئے اس کا انتخاب کر کے امریکی سی آئی اے نے ذرا بھی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ میں نے اس پر جتنا غور کیا، اتنا ہی مجھے صدر کو قتل کرانے کے سلسلے میں امریکی سی آئی اے کی اسکیم پھُس پھُسی اور کمزور نظر آئی۔ اس مشہور ادارے سے جس کا ڈنکا ساری دنیا میں بج رہا تھا، میں ایسی بے جان منصوبہ بندی کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے یہ ماننے میں بھی تامل تھا کہ امریکی سی آئی اے کے مقامی ایجنٹ اور اس کے لئے کام کرنے والے ادارے کمزور یا ناکارہ ہیں۔ ڈاکٹر فونگ نے تو یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ بڑے دور رس ذہن کا مالک ہے۔ اس کا نائب وکٹر بھی کچھ کم چالاک نظر نہیں آتا تھا۔ یہ اس کی صلاحیت ہی تھی کہ وہ جہاں جاتا تھا، وہاں کے بدمعاشوں اور تخریب پسند عناصر کو منظم کر کے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیتا تھا۔

تو پھر آخر ان لوگوں کی طرف سے ایسی پھُس پھُسی اسکیم کیوں؟

اس سوال پر غور کرتے ہوئے میرے ذہن نے کچھ مخصوص خطوط پر کام کرنا شروع کر دیا اور پھر بہت جلد میرے دل نے یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ میں بالکل درست سوچ رہی ہوں۔

سلویا کے بارے میں بھی مجھے یقین ہو چکا تھا کہ وہ نادانستگی میں وکٹر کی آلۂ کار نہیں بنی تھی بلکہ سچ مچ اس کی ایجنٹ تھی۔ اس نے وکٹر ہی کی ہدایات کے مطابق مجھے بے وقوف بنایا تھا۔

لیکن فی الحال میں سلویا کو یہ باور نہیں کرانا چاہتی تھی کہ میں اس کی حقیقت سے واقف ہو گئی ہوں۔ یہ امکان میرے پیشِ نظر تھا کہ میں کسی وقت اسی کے ذریعے دشمن پر کوئی کاری وار کر سکتی ہوں۔ گو کہ اس سلسلے میں ابھی تو میرے ذہن میں کوئی خاص اسکیم نہیں تھی لیکن کسی وقت بھی مجھے کوئی نکتہ سوجھ سکتا تھا۔

میں اٹھ کر اندرونی کمرے میں گئی۔ سلویا گہری نیند میں دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر لکھنے کی میز کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میز کی دراز سے خطوط لکھنے کا پیڈ نکالا اور قلم کھول کر اس پر لکھنے لگی۔

سلویا ڈارلنگ! ڈھیروں پیار!

مجھے ایک اشد ضروری کام سے جانا پڑ رہا ہے۔ تمہیں جگانا میں نے اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ شاید کچی نیند سے اٹھنے کے باعث تمہاری طبیعت خراب ہو جائے۔ میری عدم موجودگی سے گھبرانا مت، اور جب تک میں نہ آ جاؤں یہیں رکنا۔ ہسپتال سے ایک دن کی چھٹی کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر ضروری سمجھو تو ہسپتال کو فون کر کے اپنی غیر حاضری کی اطلاع دے دینا۔ کھانے اور ناشتے وغیرہ کے لئے تم ہوٹل کی روم سروس سے رابطہ قائم کر سکتی ہو۔

میں جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گی۔

تمہاری

صبیحہ بانو

یہ خط لکھ کر میں نے سلویا کے سرہانے رکھا اور چپ[...] نکل آئی۔ ایک منٹ بعد ہی میں کاندرحق کے کمرے پر [...] فوراً ہی دروازہ کھولا گیا اور کاندرحق مجھے دیکھ کر چونک [...]

"ارے آپ!... تشریف لائیے!" وہ ایک [...]

"نہیں، میں جا رہی ہوں۔ تمہیں ایک کام بتانے [...] تم نے رات جس لڑکی کو میرے ساتھ دیکھا تھا، وہ اس [...] سو رہی ہے۔ اگر وہ باہر نکلے تو اس کی نقل و حرکت پر کڑ[...]"

"بہت بہتر۔"

"بس میں یہی ہدایت کرنے آئی تھی۔" میں نے کہا [...] آگے بڑھتی چلی گئی۔

میرا پروگرام یہ تھا کہ چینی پرنس آٹاچی سے ملاقات [...] میں اسے ٹٹولنے کی کوشش کروں گی۔ مجھے اس کا تو یقین [...] پرنس آٹاچی دشمنوں میں سے ایک ہرگز نہیں ہے، میں [...] چاہتی تھی کہ وکٹر اس کے ٹیلیفون نمبر کو کیونکر استعمال کر [...]

میں اپنی کرائے کی گاڑی میں بیٹھ کر پرنس آٹاچی [...] گئی۔ اس وقت بس یونہی مجھے رانا حمید کا خیال آ گیا۔ نہ جا[...] میں اور کہاں ہوگا۔ میں رؤف سے اس کے بارے میں [...] وہ بدستور سیکورٹی والوں کی حراست میں ہے یا اسے کس[...] تحویل میں دے دیا گیا ہے۔ اس کی فوری رہائی تو ممکن نہ [...]

میں سوچتی ہوئی کار ڈرائیو کرتی رہی اور جب [...] جہاں مجھے پرنس آٹاچی سے ملاقات کرنا تھی تو میرے خیالات ایک مرکز پر جمع ہونے لگے۔ مجھے یہ طے کرن[...] کس قسم کی گفتگو کی جائے۔ ابھی تک میرے ذہن میں ا[...] نہیں تھا۔

دفعتاً میری نظر سامنے سے آتی ہوئی ایک کا[...] گئی۔ اس کار میں دو چینی تھے۔ ان میں سے ایک تو یقیناً ا[...] دوسرے کے چہرے میں بھی مجھے شناسائی کی جھلک [...]

میرا پیر غیر ارادی طور پر ایکسلریٹر سے ہٹ کر [...] فونگ کی کار زن سے نکل گئی۔ میں نے بڑی تیزی سے [...] ہوتے ہوتے بچا۔ میرے پیچھے آنے والی ٹیکسی نے اگر [...] ہوتے تو میری گاڑی کے اسی حصے سے ٹکرا جاتی جو [...] یقیناً اس کا ڈرائیور مجھے بے تحاشا گالیاں بکنے لگا ہوگا [...] ڈاکٹر فونگ کے علاوہ کسی بات کی فکر نہیں تھی۔

ڈاکٹر فونگ مجھے یوں برسرِ عام پہلی مرتبہ نظر آ[...] شبہہ سا ہو رہا تھا کہ اس کی کار کسی عمارت کے پھا[...]

[...]ہا سے ملا تھا۔

[...] رفتار میں بہت تیزی سے اضافہ کرتی چلی گئی [...] نہیں پہنچ سکی۔ پانچ سات منٹ بعد مجھے یقین [...] اوجھل ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر فونگ کی کار اس سڑک [...] سے کسی طرف مڑ گئی تھی اور میں نے اسے [...] تھا۔

[...] مایوسانہ سانس لی اور ایکسلریٹر پر میرے [...] اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہو سکتی تھی کہ [...] متوجہ ہو جاؤں جس کے لئے اپنے ہوٹل سے

[...] کار کو تلاش کر لیتی تو بھی اس کے سوا کچھ نہیں [...] تعاقب کرتی رہوں اور اس کے ٹھکانے کا پتہ [...] میں کہ اس پر ہاتھ ڈال سکتی اور اگر یہ اختیار [...] ممکن نہیں تھا۔ ابھی تک اس عیار شخص کے [...] ہو سکا تھا۔

[...] اپنی گاڑی کا رخ موڑا لیکن اس مرتبہ ٹریفک [...] نہیں کی تھی۔ یہ سوچ کر میرے ہونٹوں پر [...] وہ ٹیکسی ڈرائیور اب بھی دل ہی دل میں [...] بڑی غنیمت ہوا تھا کہ وہ غصّے اور جھلاہٹ [...] تھا۔

[...] پرنس آٹاچی کی رہائش گاہ کے احاطے میں [...] تھے۔ اندیشہ تھا کہ وہ اپنے دفتر یعنی [...] جب میں نے ایک ملازم کو اپنی آمد کا مقصد [...] گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پرنس آٹاچی ابھی

[...] گیا۔ پرنس آٹاچی پینتیس چالیس سالہ شخص [...] ملا اور بڑے مناسب الفاظ میں اس [...] پوچھا۔

[...] فون بھی کیا تھا۔" میں اس کے چہرے

[...] اس نے پوچھا۔

[...] ایک بجے کے بعد، بلکہ ساڑھے گیارہ [...] نہیں کرتا۔ میرے بہت سے کرم فرما میری [...] جانتے ہیں۔ میں ساڑھے گیارہ بجے اپنی [...] خوابگاہ میں فون نہیں رکھتا۔ جس کمرے [...] کی ڈیوٹی اسی لئے رہتی ہے کہ اگر [...] کر مجھے جگا لے۔ باقی لوگوں سے وہ یہ کہہ کر معذرت کر لیتا ہے کہ وہ صبح ٹیلیفون کریں۔"

"پھر تو کوئی آپ کے اس ٹیلیفون کو غلط طور پر بھی استعمال کر سکتا ہے۔" میں پلکیں جھپکائے بغیر اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی۔

"نہیں۔" پرنس آٹاچی نے ہنس کر کہا۔ "وہاں ڈیوٹی دینے والا ایک قابلِ اعتماد شخص ہے۔" پھر وہ یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ "آخر آپ یہ سب کچھ کیوں معلوم کر رہی ہیں۔ آپ نے ابھی تک اپنی آمد کا مقصد بھی نہیں بتایا۔"

"میں اسی طرف آ رہی ہوں محترم!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اگر آپ ایک گلاس پانی پلوا دیں تو ممنون ہوں گی۔"

پرنس آٹاچی نے ملازم کو بلا کر پانی اور چائے کے لئے کہا۔

ادھر مجھے اب بالکل یقین ہو چکا تھا کہ پرنس آٹاچی قطعی بے قصور ہے۔ میں نے اس کے چہرے پر اپنے فقروں کا کوئی منفی ردِّ عمل نہیں دیکھا تھا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ اس کے ٹیلیفون کو اس کی نادانستگی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا "قابلِ اعتماد" آدمی یقیناً ڈاکٹر فونگ کے ہاتھوں بک چکا تھا۔

"دراصل۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "کوئی شخص مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔"

"اوہ!" پرنس آٹاچی کے چہرے پر سنجیدگی کا دباؤ بڑھ گیا۔ "لیکن اس معاملے میں آپ نے مجھ سے ملنا کیوں ضروری سمجھا؟"

"میں بلیک میلر کی شخصیت سے ناواقف ہوں۔ اس نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ اگر مجھے اس کا مطالبہ منظور ہو تو میں اس سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کروں۔ اس نے جو ٹیلیفون نمبر دیا تھا، میں نے اس کے بارے میں چھان بین کی تو پتہ چلا کہ وہ نمبر...."

"ناممکن۔" پرنس آٹاچی پرجوش انداز میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ مجھے اپنا جملہ پورا کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی کیونکہ اس نے سمجھ لیا تھا کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔

اتنے میں ملازم پانی لے آیا اور اس کی موجودگی میں خاموشی رہی۔ میں نے پانی پی کر گلاس واپس کیا تو وہ کمرے سے رخصت ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی پرنس آٹاچی نے پُرجوش انداز میں بولنا شروع کر دیا۔

"آپ کو سوچ سمجھ کر کوئی بات منہ سے نکالنا چاہئے تھی خاتون! میں ایک غیر ملکی سفارت خانے کا ایک ذمّے دار شخص ہوں۔ آپ کو اندازہ ہونا چاہئے کہ آپ مجھ پر یہ الزام لگا کر اپنے لئے مشکلات کھڑی کر لیں گی۔"

"آپ میری نیت پر شبہہ نہ کیجئے!" میں آہستہ سے بولی۔ "خدانخواستہ میں آپ کو بلیک میلر نہیں سمجھ رہی ہوں۔ اگر مجھے یہ خیال ہوتا تو میں اس طرح سیدھی آپ کے پاس نہ آتی۔ مجھے صرف یہ شبہہ ہے کہ کوئی شخص آپ کی پوزیشن خراب کرنا چاہتا ہے۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ کل رات میں نے آپ کے ٹیلیفون پر بلیک میلر سے گفتگو بھی کی تھی!"

"کیا؟" پرنس آٹاچی منہ پھاڑ کر میری صورت تکنے لگا۔

"جی ہاں۔" میں نے بڑے سکون سے کہا۔ "اگر آپ اپنے جذبات پر

قابو رکھیں تو ہم اس معاملے کی چھان پھٹک کر کے ساری حقیقت معلوم کر سکتے ہیں۔"

"میں کسی قیمت پر بھی وانگ لی پر شبہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" پرلیس اٹاچی نے سخت لہجے میں کہا۔

وانگ لی غالباً اس شخص کا نام تھا جس کی ڈیوٹی رات کے وقت ٹیلیفون والے کمرے میں رہتی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ پرلیس اٹاچی کا مزاج برہم ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ مجھ سے تعاون کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہو گا۔ اب میرے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہا تھا کہ ترپ کا آخری پتہ بھی استعمال کر ڈالوں۔

"آپ کوئی بہت ہی عیار خاتون معلوم ہوتی ہیں۔" پرلیس اٹاچی نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "اس لئے مناسب یہی ہو گا کہ میں پولیس سے رابطہ قائم کر لوں۔"

"ایسا کر کے آپ اپنے لئے مشکلات کھڑی کر لیں گے۔" میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "کیونکہ آپ کا پستول بھی آپ کے پاس نہیں ہے۔"

"کیا مطلب ہوا اس جملے کا؟" وہ مجھے تیکھی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بلیک میلر کسی شخص کو میرے ہاتھوں قتل کروانا چاہتا ہے۔ قتل کرنے کے لئے اس نے مجھے ایک پستول بھیجا ہے اور وہ پستول چینی ساخت کا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ آپ ہی کا ہو گا۔"

پرلیس اٹاچی غصے میں ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔

"میں ایک بار پھر کہوں گی کہ اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی کوشش کیجئے۔ میرے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے قبل آپ کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ آپ کا پستول اپنی جگہ پر ہے یا نہیں۔"

میرا اطمینان اور اعتماد دیکھ کر پرلیس اٹاچی کے چہرے پر تذبذب کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ کچھ سوچتا رہا اور پھر غراتا ہوا بولا۔ "اچھی بات ہے۔ میں اپنا پستول چیک کئے لیتا ہوں لیکن اس کے بعد میرا پہلا ہی قدم بہت سخت ہو گا۔"

"میں اس پر معترض بھی نہیں ہوں گی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

پرلیس اٹاچی خاصا محتاط شخص تھا۔ اس نے مجھے ڈرائنگ روم میں تنہا نہیں چھوڑا۔ ملازم کو آواز دے کر اس نے کسی کو بلوایا اور پھر آنے والے سے بولا۔ "میں ابھی پانچ منٹ میں آتا ہوں۔ تم یہیں رکو۔ یہ بھی یہیں رہیں گی۔" آخری جملہ کہتے ہوئے اس نے اپنے لہجے میں خاصا زور پیدا کیا تھا۔

نووارد نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور مستعدی سے کھڑا ہو گیا۔ پرلیس اٹاچی تیزی سے چلتا ہوا اندرونی دروازے میں غائب ہو گیا اور میں اطمینان سے بیٹھی رہی۔ مجھے ذرا بھی فکر یا تشویش نہیں تھی۔ اس کی بجائے یقین تھا کہ پرلیس اٹاچی واپس آئے گا تو صورت حال قطعی بدل چکی ہو گی۔

پرلیس اٹاچی کی واپسی میں دیر نہیں لگی اور جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"تم جاؤ!" وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ا
میرا نگراں مقرر کر گیا تھا۔

وہ آدمی چپ چاپ رخصت ہو گیا۔

"وہ پستول کہاں ہے سنگدل خاتون!"
بڑھتے ہوئے لہجے میں بے چینی سے پوچھا۔

"وہ میں نے فوراً ہی پارسل بنا کر اک
دوست کے پتے پر روانہ کر دیا تھا اور ٹیلیفون
تھی کہ اس کے پتے پر میرا ایک پارسل آنے کا
ہے۔ میں کسی وقت آ کر لے لوں گی۔ یہ بھی
خطرناک چیز کی میرے پاس موجودگی مجھے
تھی۔ میرا یہ ارادہ تو تھا ہی نہیں کہ بلیک میلر
کسی کو قتل کر دوں گی۔"

"وہ پستول مجھے جلد از جلد واپس مل جا
کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نظر آنے لگے۔

"جیسے ہی وہ پارسل میرے دوست
آؤں گی اور آپ کو لوٹا دوں گی لیکن کیا اب
ہیں کے لئے تیار نہیں ہیں؟"

پرلیس اٹاچی میرے سامنے والے
رومال جیب سے نکال کر اپنا چہرہ صاف
چائے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا کمرے میں لایا۔

"اس وقت تو میرا دماغ گھوم گیا ہے"
آواز میں کہا۔

ملازم چائے کی ٹرالی چھوڑ کر واپس
اپنے قریب کرلی اور کہا۔ "میں آپ کو چائے
آپ کی طبیعت سنبھل جائے گی۔ زیادہ کہا
میں ایک بار پھر، شاید تیسری بار کہوں گی کہ
کوشش کیجئے۔ ہم بڑے سکون سے اس
اور حقیقت کا سراغ لگا لیں گے۔"

"میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وانگ
گا۔" پرلیس اٹاچی نے بھرائی ہوئی آواز میں
"اب بھی یہ ممکن ہے کہ آپ کے ا
بے قصور ثابت ہو۔" میں نے یوں ہی اس
اس کا امکان تو نظر نہیں آتا تھا۔

پرلیس اٹاچی نے میری دی ہوئی چا
قبول کی اور دوسری پیالی میں نے اٹھالی۔

"کیا وانگ لی یہاں موجود ہے؟" میں
میں نے پوچھا۔

"جی ہاں وہ ہو گا۔"

ں اس سے کچھ سوالات کروں گی۔ کیا آپ

اس معمے کو حل کرنا چاہتا ہوں۔"
حل ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔"
ل کر بلوایا۔ یہ ایک جوان العمر آدمی تھا۔

ں گی۔" پرلیس اٹاچی نے اس سے تحکمانہ
طلب دیتا ہیں۔"
تب لہجے میں کہا اور میری طرف دیکھنے لگا۔
اس کمرے میں رہتی ہے جہاں ٹیلیفون
م سوال سے کی۔
لے جواب دیا۔
میں گزری ہیں؟"

سے کہیں نہیں گئے؟"

ملازمی تم ہی پر عائد ہوتی ہے!"
ہم انداز میں کہا۔ "میں آپ کا مطلب

کہ غلط ہاتھوں کے استعمال میں ہے اور
وہ غلط ہاتھ تمہارے ہیں یا کسی اور کے
کہا۔
نہیں رہ سکی کہ وانگ لی کی رنگت

ر اس کے حلق میں اٹکنے لگی۔
میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے
اور اگر وہ غلط ہاتھ تمہارے نہیں ہیں
عائد ہوتی ہے۔"
حل ہی پھیکا پڑ گیا۔
لہجہ اپنی گرج۔ "رات کو ٹیلیفون کون

تا ہوا پرلیس اٹاچی کے قدموں میں جا
سے جانے کیا کیا بک رہا تھا۔ میں اس کا

کچھ گرجا برسا لیکن پھر اچانک میں
میں نے کچھ تبدیلی محسوس کی۔ وہ
ہا تھا۔ چہرے کے عضلات کچھ
ر میں تفکر کی دھندلی دھندلی سی

پرچھائیاں ناچنے لگی تھیں۔ پھر میں نے اس کی پیشانی پر سلوٹیں بھی ابھرتے دیکھیں۔

"بات خاصی حد تک کھل گئی ہے۔" اس نے انگریزی میں مجھ سے کہا۔

"یہ کیا بتا رہا ہے؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

پرلیس اٹاچی نے مجھے جواب دینے کی بجائے چینی زبان میں وانگ لی سے کچھ کہا اور وانگ لی اس کے قدموں سے اٹھ کر چند قدم پیچھے ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ پرلیس اٹاچی پھر میری طرف متوجہ ہوا۔

"اس معاملے میں میرے دو مہمانوں کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔" وہ بولا۔

"مہمان؟... کیا وہ آپ کے ہم وطن ہیں؟"

"ہاں۔" پرلیس اٹاچی نے سر ہلا کر کہا۔ "ان میں سے ایک تو کسی حادثے میں اپنی ٹانگ ضائع کر چکا ہے۔"

میرے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی کیونکہ یہ اشارہ واضح طور پر ڈاکٹر فونگ کی طرف تھا۔

پرلیس اٹاچی کہتا رہا۔ "وہ دونوں، ایران میں مقیم ہمارے سفیر کے دوستوں میں سے ہیں اور ان کا سفارشی خط لے کر آئے ہوئے ہیں۔"

یکلخت مجھے یاد آ گیا کہ ابھی میں نے کار میں ڈاکٹر فونگ کے ساتھ جس چینی کو دیکھا تھا، اس کی شکل مجھے جانی پہچانی سی کیوں معلوم ہوئی تھی۔ دراصل اس سے میری مڈبھیڑ تہران ایئرپورٹ پر اس روز ہوئی تھی جب کیپٹن آفاق نے فرخ کے طیارے میں بم رکھوایا تھا۔

"خوب!" میں نے پرلیس اٹاچی سے کہا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ خط آپ کے ایرانی سفیر ہی نے لکھا تھا؟ کیا آپ ان کی تحریر یا دستخط پہچانتے ہیں؟"

"ان کے دستخط تو میں نے کئی فائلوں پر دیکھے ہیں لیکن میں نے انہیں ملانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ویسے میں نے اس دوران میں دو مرتبہ ایران میں چینی سفارت خانے سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کرنا چاہا تھا لیکن دونوں مرتبہ لائن کٹ گئی تھی۔"

"خیر اس سلسلے میں تو بعد میں بھی گفتگو کی جا سکتی ہے لیکن پہلے یہ بتائیے کہ آپ کو اپنے اُن مہمانوں پر شبہ کیوں ہو رہا ہے؟ وانگ لی نے کیا بتایا ہے؟"

"اس کا کہنا ہے کہ پرسوں رات کو لن چان ٹہلتا ہوا اس کے کمرے میں آ گیا تھا۔ میرا مطلب ہے، اس کمرے میں جہاں ٹیلیفون ہے۔ لن چان نے وانگ لی کو ایک سگریٹ دی تھی اور ادھر ادھر کی دو چار باتیں کر کے چلا گیا تھا لیکن وانگ لی کو وہ سگریٹ پینے کے بعد نیند آ گئی تھی۔ صبح اٹھنے پر اسے خود پر غصہ آیا تھا کہ سو گیا۔ اس بات کا اسے ذرا بھی شبہ نہیں ہوا تھا کہ وہ نیند اس سگریٹ کی وجہ سے تھی۔ یہ شبہ تو اسے آج صبح ہوا تھا کیونکہ لن چان نے کل رات بھی اسے سگریٹ پلائی تھی اور وہ سو گیا تھا۔ آج صبح اسے الجھن لاحق ہو گئی لیکن وہ مجھے یہ واقعہ بتاتے ہوئے اس لئے ہچکچا رہا تھا کہ کسی ثبوت کے بغیر دو معزز مہمانوں پر الزام تراشی مناسب

بھی ہوگی یا نہیں ۔"

"اب آپ کے دو مہمان کہاں ہیں؟"

"آپ کی آمد سے کوئی بیس منٹ قبل گئے ہیں۔ انہیں کچھ شاپنگ کرنا ہے۔ دوپہر تک واپس آنے کو کہا ہے۔ وہ کل تک میرے مہمان رہیں گے۔"

"آپ کی میزبانی ختم ہو چکی ہے محترم!.... اب وہ واپس نہیں آئیں گے۔"

"لیکن انہیں کیا معلوم کہ ان کا راز فاش ہو چکا ہے۔ انہیں واپس تو آنا چاہئے۔"

میں نے اس نکتے پر بحث کرنا فضول سمجھا اور بولی "تو آپ کے خیال میں آپ کا پستول بھی انہوں ہی نے چرایا ہوگا؟"

"ان حالات میں اس کے سوا کیا سوچا جا سکتا ہے!"

"گویا اب یہ بات طے پا گئی کہ آپ کو کسی معاملے میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ آپ کے پراسرار مہمان نہیں چاہتے تھے کہ آپ ایران میں چینی سفارت خانے سے رابطہ قائم کر کے اس سفارشی خط کے بارے میں پوچھیں اس لئے تہران کے آپریٹر کو بھی ان لوگوں نے اپنے ساتھ ملا لیا ہوگا۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد آپ جیسے ہی اپنا نام بتاتے ہوں گے، آپریٹر لائن کو ڈس کنکٹ کر دیتا ہوگا۔"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" پریس آباچی بڑبڑایا۔ "میرے نام بتاتے ہی لائن کٹ گئی تھی۔"

"ذرا آپ اس وقت پھر ایران سے رابطہ قائم کریں۔ دیکھئے لائن ملتی ہے یا نہیں؟ ویسے مجھے یقین ہے کہ لائن مل جائے گی۔ آپریٹر کو اطلاع دے دی گئی ہوگی کہ اب کسی گڑبڑ کی ضرورت نہیں۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" پریس آباچی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بہت پریشان اور گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"کیا میں بھی آپ کے ساتھ آؤں؟"

"آیئے آیئے!"

وانگ لی سے کچھ نہیں کہا گیا تھا اس لئے وہ وہیں کھڑا رہا۔

میں پریس آباچی کے ساتھ اس کمرے میں پہنچی جہاں ٹیلیفون تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے اور آپریٹر سے لائن مانگی۔ لائن ملنے میں زیادہ دیر بھی نہیں لگی اور سفارت خانے سے رابطہ قائم ہونے کے بعد ڈس کنکشن کی بھی نوبت نہیں آئی۔ پریس آباچی چینی زبان بولنے لگا۔ گفتگو صرف دو منٹ جاری رہی اور جب اس نے ریسیور رکھا تو اس کا ہاتھ کپکپا رہا تھا۔

"سفیر نے میرے نام کوئی خط نہیں لکھا تھا!" وہ بیٹھی ہوئی آواز میں بولا۔

میں سر ہلا کر رہ گئی کیونکہ مجھے اسی بات کی توقع تھی۔

"لیکن۔" پریس آباچی نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ "ان لوگوں کو سفارت خانے کا لیٹر پیڈ کیسے مل گیا؟"

"جن لوگوں کی سازش کا جال پاکستان
ان کے لئے کسی سفارت خانے کا لیٹر پیڈ ہم!
"آخر یہ سب کیا ہے؟" پریس آباچی
ابھی اپنے بال نوچنا شروع کر دے گا۔
"میں کیا کہہ سکتی ہوں محترم آخر
جا رہا ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں پولیس
"ہرگز نہیں۔" پریس آباچی نے جلدی
میں اپنے سفیر کو ان حالات سے آگاہ کر دوں
کیا کرنا چاہئے۔ نیک دل خاتون! کیا میں آپ
سلسلے میں ابھی پولیس کو کچھ نہیں بتائیں گی!"
"مجھے نہیں معلوم کہ حالات کیا رخ اختیار
حالات میں کیا کرنا پڑے گا۔"
"میں آپ پر کوئی دباؤ تو نہیں ڈال
ضرور کروں گا کہ آپ کوئی قدم اٹھانے سے
اگر مناسب سمجھیں تو مجھے اپنا پتہ بھی دے جا
میں نے اسے ہوٹل کا پتہ بتا دیا۔
مجھے چھوڑنے کے لئے باہر تک آیا۔
"سنئے خاتون!" وہ اچانک بولا "کیا
کہ آپ جلد ہی میرا پستول مجھے واپس پہنچا
"یہ میرا وعدہ ہے۔"
"بہت بہت شکریہ۔" اس نے
میں اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے
ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ چکا تھا۔ یہ بات
پاکستانی شخص چین کی دوستی پر شبہ کرنے
محض اس لئے کی گئی تھی کہ پاکستانی حکومت
میں سیدھی اپنے ہوٹل پہنچی۔ کا
نظر آ گیا۔ سلویا پر نظر رکھنے کے لئے اس
اگر سلویا ہوٹل سے نکلتی تو اس کا
میں کاؤنٹر کی طرف اپنے پیچھے آنے
بڑھ گئی۔ جب میں نصف زینے طے کر
آ گیا۔
"وہ دس بجے ہوٹل سے نکلی تھی
کے ایک میڈیکل اسٹور سے اس نے
تھی۔"
"ٹھیک ہے۔ اب تم آرام کرو۔"
میں نے اپنے کمرے کے سامنے
سلویا نے بہت جلد دروازہ کھول دیا۔
کہ آپ آ گئیں۔ میرا دل بہت گھبرانے

میں اندر داخل ہوتی ہوئی بولی۔
دروازہ بند کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میں ساڑھے
اسے بستر کی طرف لئے چلی گئی۔
"کیا سوچا ہے باتو!" وہ پریشان سے لہجے
"لیکن فی الحال میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی۔ میرا سر
کی نیند پوری نہیں ہو سکی ہے اس لئے میں دو
جب اٹھوں گی تو تمہیں بتاؤں گی۔ فی الحال تم
سے کہہ کر چپ ہو گئی۔
نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے میرا سر بھاری ہو
بوجھ بھی ہٹ چکا تھا اس لئے مجھے نیند آنے میں
بج چکے تھے اور میں بھوک محسوس کر رہی تھی۔ سلویا
کھایا ہوا تھا اور وہ چھت کو گھورتی ہوئی کسی
میں نے اس کی طرف سر گھمایا تو وہ بھی میری
بھی لگ رہی ہوگی!" میں نے اس سے پوچھا۔
فون کا ریسیور اٹھایا اور روم سروس کو کھانے
میں نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بجنے لگی۔ میں
بول رہا ہوں۔"
چاہتا تھا کہ آپ ہوٹل ہی میں ہیں یا کہیں گئی
میں آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔"
یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔
نے پوچھا۔
ملاقات کرے گا۔"
"میں تمہیں تفصیل سے سب کچھ بتا دوں گی۔"
کر لیا تھا کہ سلویا کو رؤف کے حوالے کر کے اس
اہم نکتہ میرے ذہن میں نہیں آیا تھا کہ میں
اس کا احساس بھی نہ ہوتا۔
فارغ ہو چکے تھے جب رؤف ہوٹل پہنچا۔
"آپ انسپکٹر ہیں۔" میں نے سلویا کو بتایا۔ "یہ تمہیں

اسی وقت جیل بھیج دیں گے۔ وہاں تم بالکل محفوظ رہو گی۔"

"کک... کیا مطلب!" سلویا کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔

"اداکاری مت کرو ورنہ مار مار کر چمڑی ادھیڑ دوں گی۔" میں غراتی ہوئی بولی۔ "میں خوبصورت لڑکیوں کو پسند تو کرتی ہوں لیکن ایسی لڑکیوں پر مجھے بالکل رحم نہیں آتا جو میرے وطن کی جڑیں کھوکھلی کر رہی ہوں۔"

سلویا کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ وہ اتنی دہشت زدہ ہو گئی تھی کہ کچھ بول بھی نہیں سکی۔

رؤف استعجابیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر وہ بولے بغیر نہ رہ سکا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بانو!"

"یہ وکٹر کی ایجنٹ ہے۔"

"لیکن نادانستگی میں...."

"ایسا نہیں ہے رؤف صاحب!" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسا زیرک آفیسر اس نکتے پر غور نہیں کر سکا۔"

"کس نکتہ پر؟"

"جیون اس کے گھر کیوں گیا تھا؟"

"رفیق چوہان کا پتہ معلوم کرنے۔"

"اور پتہ معلوم کرنے کا مقصد یہی تھا کہ ہماری توجہ کو دوسرے پہلوؤں سے ہٹا لیا جائے۔"

"ظاہر ہے۔"

"لیکن جیون کیسے جانتا تھا کہ سلویا یہ بات مجھ تک پہنچا دے گی۔ اسے میرے اور سلویا کے تعلقات کا علم کیسے ہوا تھا؟"

رؤف چند لمحے تو میری صورت تکتا رہا، جیسے میری دلیل کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ جھینپے ہوئے انداز میں اپنی گدی سہلانے لگا۔

"واقعی، میرا خیال تو اس طرف گیا ہی نہیں تھا۔ میں اس خیال سے مطمئن ہو گیا تھا کہ آپ دونوں کے تعلق کا علم جیون کو سلویا کی ماں سے ہوا تھا جبکہ یہ بعد کی بات ہے۔ بنیادی سوال یہی ہے کہ جیون سلویا کے گھر گیا ہی کیوں؟"

"اس سے یہ ثابت ہوا کہ وکٹر جیسے چالاک آدمی بھی بعض اوقات چوک ہی جاتے ہیں۔" میں نے کہا۔

اچانک سلویا تیورا کر فرش پر گر پڑی۔ وہ خوف سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ میں نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر رؤف سے بولی۔ "اس کا بندوبست کیجئے!"

رؤف سر ہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اس نے فون کر کے اپنے محکمے کے تین آدمیوں کو بلوایا جو سلویا کو وہاں سے اٹھا لے گئے۔

"اب ہم اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کر سکتے ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "شاید آپ کو سن کر خوشی ہو کہ میں چینی پریس آباچی سے مل کر سارا عقدہ حل کر چکی ہوں۔"

"ارے! کب؟" رؤف نے حیرت سے کہا۔

میں نے تفصیل سے ساری باتیں بیان کر ڈالیں۔ رؤف بڑی توجہ سے سنتا رہا۔ بیچ میں کبھی کبھی وہ کوئی سوال بھی کر بیٹھتا تھا۔ جب میں خاموش ہوئی تو رؤف کا چہرہ مسرت سے سرخ ہو رہا تھا۔

"آپ نے تو کمال کر دیا۔" وہ بولا۔ "اس معاملے کی تفتیش کا اس سے بہتر انداز کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے صدرِ محترم کے انتخاب کی داد دینا پڑتی ہے۔ انہوں نے آپ کی صلاحیتوں کو خوب پہچانا۔"

"لیکن اب آپ یہ سوچئے کہ چینی سفیر کو جب ان باتوں کا علم ہوا ہو گا۔ تو اس نے کیا قدم اٹھایا ہو گا؟"

"مجھے اب چلنا چاہئے۔" رؤف کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "چینی سفیر نے یقیناً ہمارے محکمے سے رابطہ قائم کر لیا ہو گا۔ آپ نے پریس اتاچی کو اپنا پتہ بتا کر غلطی کی۔ اب اگر میں نے جا کر اس معاملے کو سنبھال نہ لیا تو میرے محکمے والے آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔"

"تو پھر جلدی جائیے۔ میں ان الجھنوں میں پھنس گئی تو رانا حمید کے معاملے کو نہ دیکھ سکوں گی۔"

رؤف بڑی عجلت میں رخصت ہو گیا اور اس کے جاتے ہی میں بھی ہوٹل سے نکل بھاگی۔ دراصل مجھے ڈر یہ تھا کہ اگر رؤف کے پہنچنے سے پہلے ہی انٹیلی جنس کے افسران میری طرف دوڑ پڑے تو میں ان کے تجربے میں آ کر کوفت میں مبتلا ہو جاؤں گی۔

لیکن یہ بھی ایک مسئلہ تھا کہ جاؤں کہاں؟ کچھ دیر تک یونہی آوارہ گردی کرنے کے بعد میں ایک ریسٹورنٹ پر جا رکی۔ کھانے کے بعد میں نے چائے نہیں پی تھی لہٰذا اس ریسٹورنٹ میں چائے بھی پی اور بیٹھے بیٹھے خاصا وقت بھی گزار دیا۔ فی الحال میرے پاس کرنے کے لئے کوئی کام بھی نہیں تھا۔ گو کہ میں لیڈی فاروق کو چیک کرنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن فی الحال میرا ذہن شام کی اس فلائٹ کی طرف لگا ہوا تھا جس سے جیون کراچی جا رہا تھا۔ رؤف نے اس کے سامان کی تلاشی کے انتظامات کر لئے تھے لیکن یہ توقع بالکل نہیں کی جا سکتی تھی کہ اس سے کوئی فائدہ ہو گا۔ یہ بات تو اب ثابت ہو چکی تھی کہ دشمن ہماری تمام سرگرمیوں سے واقف تھا۔ اگر تکلف برطرف کر دیا جائے تو یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ ہم اب تک دشمن کی انگلیوں کے اشارے پر ناچتے رہے تھے۔

ڈاکٹر جانتا تھا کہ سلویا مجھے اس کے ہوٹل کا پتہ بتا چکی ہے۔ لہٰذا اسے نہ صرف یہ کہ اپنی نگرانی کا احساس ہو گیا بلکہ وہ اس بات سے بھی واقف ہو گیا تھا کہ اس کے کمرے میں مائیکروفون لگا دیئے گئے ہیں اور وہاں ہونے والی ہر گفتگو ریکارڈ کی جا رہی ہے۔ اسی لئے اس نے چینی پریس اتاچی کے فون پر ڈاکٹر ڈونگ کو رپورٹ دی تھی اور اس طرح چینی پریس اتاچی کو شکوک و شبہات کی زد میں کھڑا کر دیا تھا۔

اب اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ یہ ایک قابلِ غور سوال تھا۔

میں ادھر ادھر گھومتی ہوئی چھ بجے کے قریب اپنے ہوٹل واپس پہنچی۔ ریسپشنسٹ نے مجھے روک کر رؤف کا ایک پیغام دیا۔ یہ پیغام ٹیلیفون پر دیا گیا تھا۔ پیغام کے مطابق رؤف نے صورتِ حال

میں اپنے کمرے میں پہنچ کر بستر پر ڈھیر ہو گئی
وجہ سے کچھ تھک گئی تھی۔ آنکھیں بند کیں تو غنودگی طاری
سو ہی گئی۔ میں عموماً اتنا نہیں سوتی ہوں لیکن ان دنوں
حالات رہے تھے کہ مجھے آرام کرنے کا بہت کم موقع ملا تھا

جب میری آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا
تو بیرونی دروازے پر دستک سنائی دی۔ غالباً میری
آنکھ پہلی دستک پر کھلی تھی۔ میں نے جلدی سے کمرے کا
بیرونی دروازے تک پہنچی۔

"کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"رؤف۔" جواب ملا۔

میں نے دروازہ کھول دیا۔ رؤف اندر آ گیا۔
تھا۔ اندر آتے ہی وہ ایک صوفے پر ڈھیر ہو گیا اور میں
کے قریب پہنچی۔ بیٹھتے ہوئے میں نے اپنی رسٹ واچ
کراچی جانے والی فلائٹ کا وقت گزرے ہوئے
اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ رؤف ایئرپورٹ سے
اور میری توقع کے مطابق اس کے چہرے پر ناکامی

"کیا جیون کراچی نہیں گیا؟" میں نے پوچھا

"گیا تو ہے۔" رؤف نے ایک طویل سانس

"او ہو!" مجھے تعجب ہوا۔

"اور اس کے پاس سامان کی قسم سے صرف
رؤف نے بتایا۔ "بریف کیس کی تلاشی میں کوئی کہ
بے سود رہی۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا۔ جب یہ بات سے
ڈرامہ ہمیں بے وقوف بنانے کے لئے کھیلا جا رہا تھا،
کہ جیون کو مع تصویروں کے بھیجا جاتا اور اس کی گر
کر دی جاتی۔"

"پھر آخر وہ کراچی گیا ہی کیوں ہے؟"

"ممکن ہے کہ تصویریں کسی اور ذریعے سے کرا
جیون وہاں جا کر ان کے پھیلاؤ کا بندوبست کرے۔"

"لیکن دشمن کو یہ احساس تو ہو گا کہ ہم جیون

"ہو سکتا ہے کہ دشمن ہمیں بے بسی کا احسا
ہو کر ہم جھنجلاہٹ میں مبتلا ہو جائیں۔"

رؤف چند لمحے میری آنکھوں میں دیکھتا رہا،
سر ہلا کر رہ گیا۔

"رانا حمید کا کیا رہا؟" میں نے پوچھا۔

"اب وہ میرے ہی محکمے کی تحویل میں ہے
نظر بند کر دیا گیا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے اسا

اپنی کا خیال آیا ادریس نے اس کے بارے
انہوں نے اس کے جواب میں کہا۔ "چینی سفیر نے
رابطہ قائم کر لیا تھا چنانچہ میں نے کوشش کر کے فوراً
سنبھال لیا تاکہ آپ روشنی میں نہ آنے پائیں۔"
ایک بہت بڑا فائدہ ہوا ہے۔"

ڈونگ کے خلاف کوئی ایسا نکتہ نہیں تھا کہ اسے
ہم اس پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ چینی پریس اتاچی
اس معاملے میں اُسے اس بری طرح جکڑا
سکے۔"

اچھا۔"
نے مجھے بہت زیادہ الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔
بھی ہے۔"

کی جو پلاننگ کی گئی تھی وہ نہایت بچکانہ
اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی لیکن اب یہ ثابت
عمل کرنے کا پروگرام سرے سے تھا ہی نہیں۔
پاکستانی حکومت کو چین سے بدظن کرنا

کامیاب نہیں ہو سکے۔"
اعتراف کرنا چاہئے کہ اصل حقیقت کا اندازہ

یاد آ گیا۔ "اسی فلائٹ سے وہ لڑکی بھی
نے اغوا کروایا تھا۔"
اٹک کر کہا۔

اپنی ملاقات یاد آ گئی۔ اس نے مجھے بتایا
کو کراچی بھیجنا چاہتا ہے تاکہ ماحول کی تبدیلی

میں نے رؤف سے پوچھا۔
اس کے ساتھ ہے، شبانہ۔" رؤف نے

میں سنسناہٹ پھیلتی چلی گئی۔
ہے؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔
نہیں معلوم ہوتا لیکن آپ اس سلسلے میں

فاروق بھی سی آئی اے سے ملی ہوئی ہے
نہیں بتایا؟"

"نہیں تو۔"

"حیرت ہے۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ تقریب میں لیڈی فاروق کھل کر رانا حمید کے سامنے آ گئی تھی۔"

"آپ کا خیال غلط ہے ورنہ رانا حمید اس کے بارے میں بتا دیتا۔"

"بہتر ہو گا کہ آپ ایک کام کا بندوبست کر دیں۔"

"کس کام کا؟"

"کراچی ایئرپورٹ پر شبانہ کے سامان کی تلاشی لی جائے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں!" وہ حیرت سے بولا۔

"میرے اس شبہے کی درستگی کا امکان صرف ایک فیصد ہے لیکن یہ اصول تو آپ ہی لوگوں کا ہے کہ کسی بھی امکان کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔"

رؤف چند لمحے تو میری صورت دیکھتا رہا اور پھر اچانک کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "اگر یہ بندوبست کرنا ہے تو مجھے فوراً جانا چاہئے۔ وہ فلائٹ ایک گھنٹہ بعد کراچی پہنچے گی۔"

"آپ فوراً جا کر بندوبست کریں۔"

رؤف چلا گیا اور میں بیٹھی ہوئی سوچتی رہی کہ اگر میرا شبہ درست نکلا تو مجھے بہت دکھ ہو گا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ شبانہ اپنی ماں کے گھناؤنے کرتوت میں اس کی ساتھی ہو۔

حالات کا دھارا اب کسی حد تک کراچی کی طرف بہہ نکلا تھا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے بھی کراچی پہنچ جانا چاہئے۔ میں عزیز جبار سے بھی ملاقات کرنے کے لئے بے چین تھی اور وہ اس وقت کراچی ہی میں تھے۔

اچانک مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر آپریٹر سے کراچی کی لائن مانگی۔ میں نے اُسے رضوان کے دفتر کا نمبر دیا تھا کیونکہ اس وقت وہ اپنے گھر پر تو نہیں ملتا۔ امکان یہ بھی تھا کہ وہ دفتر میں بھی نہ ہو لیکن دیکھ لینے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔

لائن مل گئی اور دوسری طرف سے خود رضوان نے ہی ریسیور اٹھایا۔

"میں بانو بول رہی ہوں۔" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"واقعی؟" رضوان چہکا۔ "اللہ اللہ! ہمارے تو کان ترس گئے تھے اس آواز کو سننے کے لئے!"

"غور سے سنو! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"لیکن میرے پاس بہت وقت ہے۔ آپ رات بھر بولتی رہئے۔"

"میں کل صبح کی فلائٹ سے کراچی پہنچوں گی لیکن اس وقت ایک فلائٹ پنڈی سے کراچی پہنچ رہی ہے۔ اس میں جیون نام کا ایک مسافر بھی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اس پر نظر رکھو۔"

"آپ پر نظر رکھی تھی تو کیا پھل ملا؟"

"میں نے پھلوں کی دکان نہیں لگا رکھی ہے!" میں جھلا گئی۔

"آپ کی دکان پر تو بڑے تر و تازہ پھل ہیں خاتون!" رضوان نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ "انمول، ان چھوئے پھل۔"

میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور ایک وقفے کے بعد مسکرانے

تھی۔ رضوان کی بے وقت دلاتی پر غصہ تو آتا تھا لیکن اس کے جملوں کی تراش خراش سوچ کر ہنسی بھی آنے لگتی تھی۔

گفتگو تسلی بخش نہیں ہو سکی تھی، تاہم مجھے یقین تھا کہ رضوان اس وقت ایئر پورٹ کی طرف دوڑ لگانے کی تیاری کر رہا ہوگا۔ وہ میری کسی بھی بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

ایک منٹ بعد میں نے پھر ریسیور اٹھایا اور پی۔آئی۔اے سے رابطہ قائم کرنے لگی۔ میں معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کل صبح کراچی کے لئے کوئی فلائٹ ہے یا نہیں؟ جواب اثبات میں ملا تو میں نے فوراً کمانڈر حق کو اپنے کمرے میں بلایا اور اس سے کہا کہ صبح کی فلائٹ میں دو سیٹیں بک کرا آئے۔ دراصل میں کمانڈر حق کو بھی اپنے ساتھ ہی واپس لے جانا چاہتی تھی۔ راولپنڈی میں اس کے تن تنہا رہنے کے لئے کوئی جواز نہیں تھا۔

کمانڈر کے جانے کے بعد میں نے باتھ روم کا رُخ کیا اور اپنا حلیہ درست کرنے کے بعد کمرے سے نکل آئی۔ میں رات کا کھانا ڈائننگ ہال میں کھانا چاہتی تھی۔

میں نے نہ صرف کھانا کھایا بلکہ کافی بھی پی اور اس کے بعد سگریٹ سلگالی۔ ان دنوں میں کچھ زیادہ ہی سگریٹ پینے لگی تھی۔

کچھ وقت گزارنے کے بعد میں پھر اپنے کمرے میں آگئی۔ آدھے گھنٹے بعد کمانڈر حق نے مجھے ٹیلیفون پر بتایا کہ وہ بکنگ کرا لایا ہے۔ اسی نے مجھے فلائٹ کا وقت بتایا اور میں اس خیال سے مطمئن ہو گئی کہ صبح مجھے عجلت میں ایئر پورٹ نہیں جانا پڑے گا۔ تیاری کے لئے خاصا وقت تھا، ویسے مجھے کوئی خاص تیاری بھی نہیں کرنا تھی۔

میں آج دن میں دو مرتبہ سو چکی تھی اس لئے اب میری آنکھوں میں نیند کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ میری ذہنی رَو کبھی ایک اور کبھی دوسرے مسئلے کی طرف بھٹک رہی تھی۔ فی الحال بنیادی مسئلہ رانا حمید کی تصویروں کا تھا۔ اب تک پنڈی میں تو انہیں چھپوانے کی کوشش کی نہیں گئی تھی، اس لئے امکان یہی تھا کہ شاید یہ کام وہ لوگ کراچی ہی میں کرنا چاہتے ہیں۔

گیارہ بجے میں نے رؤف کا فون وصول کیا۔

"کراچی سے رپورٹ موصول ہو چکی ہے۔" اس نے بتایا۔

"کیا رہا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"شبانہ کے سامان میں کوئی بھی قابلِ گرفت چیز نہیں تھی۔"

اس جواب سے مجھے ایک گونہ سکون حاصل ہوا اور پھر میں بولی۔

"خیر اب یہ معاملہ مجھے کراچی ہی جا کر دیکھنا پڑے گا۔"

"آپ کب جا رہی ہیں؟" رؤف نے جلدی سے پوچھا۔

"میں نے کل صبح کی فلائٹ میں سیٹ بک کرالی ہے۔"

"اوہ! اتنی جلدی پروگرام بن گیا!"

"ہاں! مجھے کچھ ایسا احساس ہونے لگا ہے جیسے میرا کراچی جانا ضروری ہو۔ ویسے میں ٹیلیفون پر آپ سے رابطہ قائم کرتی رہوں گی۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔

"ہیلو!" میں بولی۔

"جی۔" رؤف نے جیسے چونک کر کہا۔ "میں
آپ کا کراچی جانا مناسب ہے بھی یا نہیں!... اچھا
کو الوداع کہنے کے لئے ایئر پورٹ آؤں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ کوئی اور خاص بات؟"

"جی نہیں۔ اچھا، شب بخیر۔"

"شب بخیر۔" میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر د
اس رات میں دیر تک جاگتی رہی اس لئے
کہیں کل دیر تک نہ سوتی رہوں۔ میں نے فون پر کا
وہ میرا انتظار کرنے کی بجائے مجھے بروقت بیدار کر

اگلے روز میں طیارے میں بیٹھی ہوائی کراچی
تھی اور پنڈی کی بہت سی یادیں اس طرح میرے
تھیں جیسے اب مجھے کبھی پنڈی نہ آنا ہو۔

ان یادوں کے ساتھ ہی کراچی کی جگمگاتی
کرتی ہوئی لڑکیاں بھی میرے ذہنی افق پر
بھی وہیں پہنچ چکی تھی۔ مجھے اُسے حاصل کرنے کی تمنا
شبانہ کی وجہ سے اس کے رنگ کچھ پھیکے پھیکے
شبانہ بلاشبہ ایک ایسی لڑکی تھی جو لاکھوں میں ای
بے بہا تھی۔ یگانۂ روزگار تھی۔ میں اس کے خیالوں میں
گھنٹے کا سفر جیسے ہواؤں میں گم ہو گیا۔

کراچی ایئر پورٹ پر رضوان میرا منتظر تھا۔

میں نے کمانڈر حق سے کہا کہ وہ ٹیکسی کر لے
اس کے بعد میں رضوان کے ساتھ ٹہلتی ہوئی ای

"کیا رہا؟" میں نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"یہ معاملہ تو بڑا گمبھیر معلوم ہوتا ہے۔"

"گمبھیر نہ ہوتا تو میں تمہاری مدد کیوں لیتی، مگر تم
احساس کیونکر ہوا؟"

"کیا رانا حمید کی تصویریں دیکھ کر یہ احساس نہ
میں رضوان کے منہ سے رانا حمید کی تصویر
پڑی۔ "تم نے وہ تصویریں کہاں دیکھیں؟" میں نے

"دھیرج... دھیرج۔" رضوان نے سرگوشی کی
سب کچھ بتا دوں گا۔" رضوان ایک موٹر سائیکل

"ہم یہاں سے ٹیکسی کر سکتے ہیں۔" میں بولی۔

"اگر میری موٹر سائیکل یہاں سے چوری ہو گئی ا
آج کل کراچی میں یہ وارداتیں بہت ہو رہی ہیں۔"

"تمہیں ٹیکسی ہی میں آنا چاہئے تھا۔" میں بو

"ٹیکسی ڈرائیوروں کا بگڑا ہوا منہ دیکھ کر
ہے۔" رضوان نے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کک لگائی ا

...ں کراؤں گا نہیں۔"
...وان کے پیچھے بیٹھنا پڑا۔ اگر مجھے اس سے معلومات
...دینی تھیں۔ موٹر سائیکل پر بیٹھنا مجھے بہت ہی
...س تو بُرا نہیں لگتا لیکن عورت کا موٹر سائیکل
...یہ بھری پُری سڑکوں پر موٹر سائیکل نہیں
...س وقت ساڑی باندھے ہوئے تھی اور
...ہیں چلائی جا سکتی۔
...نے جو کہانی سنائی وہ کچھ یوں تھی کہ جیون
...ترتے ہی اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا کاغذ
...کے دیا تھا۔ اس کی یہ حرکت شاید ہی کسی
...ہ کر دہ آدمی فوراً ہی ایئر پورٹ سے
...عقلمندی یوں ثابت کی تھی کہ جیون کی نگرانی
...کے تعاقب میں چل پڑا تھا۔
...ارمن کوارٹرز میں تھی اور وہ ایئر پورٹ سے
...کے دروازے پر عبدالواحد کے نام کی تختی لگی
...س آدمی کا نام بھی معلوم ہو گیا۔
...ٹ سٹیشن گیا تھا اور اس نے ایک "سیلف
...رشش کی تھی لیکن اُسے بتایا گیا تھا کہ وہ مال
...تے کراچی پہنچے گا۔
...ہی "سیلف بلٹی" جیون نے عبدالواحد کو دی
...ہوڈی میں گڈز کلرک سے ملا اور اُسے کچھ
...کہا کہ جب عبدالواحد کا سامان اسٹیشن پہنچ جائے
...کھ دے۔
...میں کامیابی ہو گئی۔ وہ سامان جو کراچی پہنچا،
...س تھا۔ اس میں تجارتی ہینڈ بل بھرے ہوئے
...یہ صرف اوپر نیچے لگے ہوئے تھے۔ نیچ
...تھے۔
...کے بعد رضوان قریب کے اس گھٹیا سے
...بدالواحد انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ
...ا۔ وہ نووارد عبدالواحد سے کہہ رہا تھا کہ
...ہا ایرو کلب جائے اور سوٹ کیس جمیل
...کے سپرد کر دے۔
...ن لو!" آپ کی فلائٹ کے آنے کا وقت
...ہا!"
...ہوا جیسے میرے وجود کو کسی نے بم سے
...وان کے ٹکڑے اڑا ڈالوں۔
...ی تھا!" میں تقریباً چیخ کر بولی۔
...کی اجازت کے بغیر میں ان لوگوں کے خلاف
کوئی واضح قدم کیسے اٹھا سکتا تھا!"

"ایرو کلب کی طرف چلو!" میں نے جھلا کر کہا۔

یہ نتیجہ اخذ کرنا میرے لئے مشکل نہیں ثابت ہوا تھا کہ دشمن کا پروگرام کیا ہے۔ ان لوگوں نے ایرو کلب سے بات کر کے "ہینڈ بلوں" کو کراچی کی فضا میں پھنکوانے کا بندوبست کیا تھا اور یہ ڈیوٹی جمیل گردیزی نام کے پائلٹ کی تھی۔

رضوان نے اپنی موٹر سائیکل کو ہوا میں اڑانا شروع کر دیا۔ سڑک ایسی تھی کہ مجھے خاصے جھٹکے لگ رہے تھے۔ ایک بار تو مجھے خیال آیا کہ رضوان جان بوجھ کر ایسی ڈرائیونگ کر رہا ہے تاکہ میرا جسم اس کے جسم سے ٹکراتا رہے۔

ایرو کلب پہنچنے میں جو وقت گزرا، وہ مجھے اپنی رگِ جاں پر سے گزرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں ڈر رہی تھی کہ جمیل گردیزی ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی پرواز کر گیا تو کیا ہوگا۔

"خدا تم سے سمجھے رضوان! میں تمہیں اتنا گدھا نہیں سمجھتی تھی۔" میں نے تلملاتے ہوئے انداز میں کہا۔

رضوان کچھ نہ بولا۔ شاید اب اُسے بھی اپنی حماقت کا احساس ہو چکا تھا۔

ایرو کلب پہنچ کر ہم نے رسمی کارروائی میں وقت گزارنے کی بجائے فوری طور سے جمیل گردیزی تک پہنچنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ وہ ہینڈ بل لے کر ابھی ابھی فضا میں اڑا ہے۔

"وہ جا رہا ہے اس کا جہاز۔" ایک صاحب نے اشارے سے بتایا۔

میں نے ایرو کلب کے اس چھوٹے سے طیارے کو شہر کی طرف جاتے دیکھا تو سینے میں میرا دل بیٹھتا چلا گیا۔ میرے اختیارات اتنے نہیں تھے کہ میں وائرلیس کے ذریعے پائلٹ کو واپس آنے پر مجبور کر سکتی۔

"چلو!" میں نے رضوان کا بازو پکڑ کر باہر کی طرف کھینچا۔

جن لوگوں سے ہم نے جمیل گردیزی کے بارے میں پوچھا تھا، وہ حیرت سے ہمیں دیکھتے رہ گئے۔

سی آئی اے کی اس فتح پر میں تلملانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ رضوان نے موٹر سائیکل کا انجن اسٹارٹ کیا اور میں اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

ایرو کلب کا طیارہ کراچی کی فضا میں گم ہو چکا تھا۔

رضوان نے موٹر سائیکل کو ہوا کے دوش پر اڑانا شروع کر دیا لیکن میں اس بلا رفتاری کے کسی متوقع نقصان سے خوفزدہ ہونے کی بجائے صرف اپنی شکست پر کھول رہی تھی۔

ایرو کلب کا طیارہ کراچی کی فضا میں گم ہو چکا تھا اور اب میری تصوراتی آنکھ اُسے شہر کے وسط میں اڑتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ طیارے کے پائلٹ جمیل گردیزی نے اپنا کام شروع کر دیا ہوگا۔ ہزاروں پمفلٹ کراچی کی فضا میں بکھر چکے ہوں گے اور لوگوں کی توجہ بھی اُن کی طرف مبذول ہو چکی

ہوئی۔اب میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

چند منٹ بعد میرے خیال کی تصدیق ہوگئی۔ ہم کنٹری کلب روڈ سے جمشید روڈ کی طرف مڑ رہے تھے جب میں نے جمیل گردیزی کے طیارے کو واپس لوٹتے ہوئے دیکھا۔ کچھ دور اس نے ایک غوطہ لگایا اور پمفلٹ کا ایک ڈھیر فضا میں اچھال دیا۔

"بانو!" رضوان چہکا۔ "ایک اشتہار تو پکڑ ہی لیں۔ کیا چیز ہے! آپ دیکھیں گی تو طبیعت خوش ہو جائے گی۔"

اس شوخی پر میرا خون کھول گیا۔ میں نے ان فقروں کو رضوان کی بذلہ سنجی پر محمول نہیں کیا تھا بلکہ میں یہ سمجھی تھی کہ وہ میری شکست کا تمسخر اڑا رہا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ عورت کو نیچا دکھانے کی خواہش مرد کی فطرت ہے لیکن مجھے رضوان سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ کسی نازک وقت میں اس طرح میرے زخموں پر نمک پاشی کرے گا۔

میں نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا اور رضوان نے میرے جواب کا انتظار کرنے کی زحمت کئے بغیر موٹر سائیکل کی رفتار کم کر دی تھی۔ ہم جمشید روڈ کے موڑ پر رکے۔ لہراتے ہوئے پمفلٹ ہمارے چاروں طرف گر رہے تھے۔ رضوان کو موٹر سائیکل سے اترنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ایک ہینڈ بل ہمارے سروں پر لہرایا تو رضوان نے اچک کر اسے دبوچ لیا۔ اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے بازاری سے انداز میں بولا۔

"دیکھیے! اگر دیکھ کر طبیعت خوش نہ ہو تو ایمان دھرم سے کہہ دینے پر پیسے واپس! بعض حالات میں کیفی حرجانہ بھی دے سکتی ہے۔"

"اس وقت تمہاری یہ باتیں مجھے زہر لگ رہی ہیں۔" میں نے دانت پر دانت جما کر کہا اور اس کے ہاتھ سے پمفلٹ بھی نہیں لیا۔

رضوان نے میری تلخ کلامی کا ذرا بھی نوٹس نہیں لیا اور بولا۔ "اچھا میں خود ہی پڑھ کر سناتا ہوں۔ اگر آپ کو دلچسپی محسوس ہو تو تصویر بھی دیکھ لیجیے گا۔"

میں پھر اسے کچھ سخت سست کہتی لیکن اس نے مجھے مہلت دیے بغیر پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ ایک مشہور صابن کا اشتہار تھا۔ اس کی عبارت سن کر مجھے ایک ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا کیونکہ یہ سب کچھ میری توقع سے بہت دور تھا۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ ساری عبارت آرائی رانا حمید کے بارے میں ہوگی۔

میں پمفلٹ کی طرف سے اپنے تغافل کو برقرار نہ رکھ سکی اور میں نے رضوان کے شانے کے اوپر سے پمفلٹ پر نظر ڈالی۔ وہ واقعی صابن کا اشتہار تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ کیا یہ ممکن ہے؟ میں نے گویا اپنے آپ سے سوال کیا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ رانا حمید کی تصویروں کی جگہ اس اشتہار نے لے لی ہو؟

رضوان نے پورا اشتہار پڑھ ڈالا تھا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ "یہ ان اشتہاروں میں سے ایک ہے جو رانا حمید کی تصویروں کے بنڈلوں میں اوپر نیچے لگائے گئے تھے۔ مقصد یہی تھا کہ بادی النظر میں اصل چیز کو نہ دیکھا جا سکے۔ ویسے بنڈلوں کو اس طرح باندھا گیا تھا کہ ڈوری آسانی سے کھولی

جا سکتی تھی۔ بنڈل بھی اتنے چھوٹے چھوٹے تھے کہ ا
جہاز سے باہر پھینک سکے۔"

"اوہ!" میرے منہ سے نکلا اور میرا ا
کا اشتہار دیکھ کر مجھے جو ڈھارس بندھی تھی، وہ کا
رضوان بڑی سنجیدگی سے بولتا رہا۔ "ر
اس سوٹ کیس کو رانا حمید کی تصویروں سے بھرا د
میں نے کسی نہ کسی طرح کلرک کو رشوت دے کر اس
سوٹ کیس اس آدمی کے حوالے نہ کرے جس کے
نکل کر قریب کے ایک پریس تک گیا۔ وہاں میں نے
کاغذ کٹوائے اور انہیں لیکر پھر اسٹیشن پہنچا۔ کلرک ا
ہر طرح تعاون کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا لہذا
کی جگہ اخباری کاغذوں کو دے دی اور اس کے
کے حوالے کر دیا گیا جو بلٹی لیکر آیا تھا۔

میں منہ پھاڑے ہوئے، بیٹھی کی بیٹھی
انکشاف کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔

"چنانچہ" رضوان کہتا رہا۔ "اس وقت تھا
کیساتھ وہی اخباری کاغذ اڑتے ہوئے پھر
تو میں نے فوراً ہی ایک محفوظ مقام پر پہنچا دی
کو لینے کے لئے ہوائی اڈے کا رخ کیا تھا۔"

"مائی گاڈ!" میرے منہ سے ایک طویل
چاہا کہ دونوں ہاتھوں سے رضوان کی پیٹھ پر گھ
مجھے بے وقوف بنانے کے لئے اتنا لمبا ڈرامہ کھیلا
میں میرا آدھا خون خشک ہو گیا ہوگا۔

"کیا میں ان اخباری کاغذوں میں سے
رضوان نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

یکلخت مجھے اس پر ڈھیروں پیار آ گیا۔
جھلکتی چلی گئی۔

"بانو! بانو!" وہ بوکھلا کر بولا۔ "لوگ

"تم نے اتنی دیر میں میرا سارا خون جلا ڈ
سزا ضرور دوں گی۔" میرے لہجے میں پیار بھری

"آپ نے تو خود ہی اپنا خون جلایا ہے۔"
اس ناچیز کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ آپ حکم کریں اور میں
ذکر سکوں؟ میری صلاحیتیں اتنی بے اعتبار تو نہ

"اگر مجھے تمہاری صلاحیتوں پر اعتبار نہ
کرتی۔"

"اگر آپ کو میری صلاحیتوں پر اعتبار ہو
نہیں ہو سکتی تھی۔"

"اس کا سبب یہ ہے کہ میرا ذہن بے حد

...ے۔"
...ں پر زلفیں پریشاں کر کے ....."
...ے میں غرائی اور پھر اسے ٹہوکا دیتی ہوئی بولی۔

...ات بھی پوری طرح نہیں سنی۔" وہ شاکی لہجے

...م کیا کہہ رہے تھے۔"
...رضوان نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔ "یہ کبھی
...ھر والا بچہ ہوں۔ اپنے کھلونے کے لئے مدتوں
...ہ ایک روز آپ کو ....."
...ٹہوکا دیتے ہوئے پھر غرائی۔
...کر انجن اسٹارٹ کیا اور موٹر سائیکل کو حرکت

...اپنے گھر سے رؤف کے نمبر پر کال بُک کی۔ پندرہ
...میں نے رؤف کو رانا حمید کی تصویروں کی بازیابی

...نے ایک طویل سانس لی۔ "یہ خدا کا شکر ہے۔"
...ال تھی کہ رؤف پھر بول پڑا۔ "میں نے بھی یہاں اس
...ہاں ہینڈ بل چھپے تھے۔ رانا صاحب کے فوٹوگراف
...ہے؟"
...کی؟ رانا حمید کو میری طرف سے مبارکباد ضرور
...ر مندی سے نجات مل گئی ہوگی۔"
...نہیں مل جائے گی۔ اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔
...!"

"میں نے جواب دیا۔ "پنڈی آنے سے پہلے میں
...آتی ہوں۔"
...ی مراد وہ لوگ تھے جن کا ذکر صدر مملکت نے
...سے دو کا قیام کراچی ہی میں تھا۔ رؤف نے
...اس نے مجھ سے وضاحت نہیں چاہی اور رد
...اں کر دیا۔
...ہی گزارا۔ میں سچ مچ اتنی تھکن محسوس کر رہی
...بستر سے نہ اٹھوں لیکن ظاہر ہے کہ یہ ممکن
...بعض حالات کے دائرے سے نہیں نکل سکی تھی۔
...معقول بندوبست نہ ہو جاتا، میں اطمینان کی سانس
...اس وقت کسی زخمی سانپ کی طرح بل کھا رہا ہوگا۔
...کی خبریں لگائی تھیں۔ ایک تو رانا حمید کی تصویر
...نہیں ہاشمی کے معاملے میں۔ ان کے علاوہ سابقہ

چوٹیں بھی تھیں جن میں سے ایک چوٹ کے اثرات دائمی تھے۔ کٹی ہوئی ٹانگ اسے اٹھتے بیٹھتے میری یاد دلاتی رہتی ہوگی۔ حالیہ چوٹوں نے اسے بہت زیادہ مشتعل کر دیا ہوگا اور اب اسے یہ فکر ہوگی کہ جلد از جلد میرا کام تمام کر دے۔

میرے لئے ناگزیر تھا کہ اس کی طرف سے چوکنا رہوں۔

میں اب وزیر خارجہ سے بھی ملاقات کر لینا چاہتی تھی لیکن ایک بجے کی خبروں سے پتہ چلا تھا کہ وہ جشنِ آزادی کی کسی تقریب میں شرکت کرنے کے لئے اندرونِ سندھ جانے والے ہیں۔ اسی وجہ سے مجھے امید نہیں تھی کہ ان سے چند لمحوں کا بھی وقت لے سکوں لیکن کوشش کر لینے میں بہرحال کوئی حرج نہیں تھا۔ میں نے ٹیلیفون پر ان کے پی اے سے کنٹیکٹ کیا اور میری توقع کے مطابق اس نے وزیر خارجہ کی مصروفیتوں کا عذر پیش کر دیا۔

"اچھا!" میں نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔ "انہیں بتا ضرور دیجئے گا کہ میں نے فون کیا تھا۔"

"بہتر ہے۔"

میں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور سوچنے لگی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔

مجھے شبانہ یاد آئی جو الماس کے ساتھ کراچی آ چکی تھی۔ اس کا سراپا میرے تصور میں ابھرا تو میں اپنے دل میں ایک میٹھا میٹھا سا درد محسوس کرنے لگی۔ پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ اگر میں شبانہ کے بارے میں سوچتی رہی تو مجھ پر وحشت طاری ہونے لگے گی۔ میں نے اپنا دھیان بٹانے کے لئے اپنی فرم کی جنرل منیجر کو اس کے گھر پر فون کیا۔

"ہیلو!" دوسری طرف سے جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

"صبیحہ اسپیکنگ۔" میں نے کہا۔

"اوہ! گڈ ایوننگ بانو! ... آپ کب تشریف لائیں؟"

"ایوننگ۔" میں نے اس کے سلام کا جواب دیکر کہا۔ "میں آج ہی کراچی پہنچی ہوں۔ آپ ضروری فائلیں لیکر گھر آ جائیے۔ میں چاہتی ہوں کہ پینڈنگ کیسز پر آج ہی گفتگو کر لی جائے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ کل کراچی میں ہوں گی یا نہیں۔"

"بہتر ہے، میں حاضر ہو جاتی ہوں لیکن پہلے تو دفتر جانا پڑے گا کیونکہ فائلیں ....."

"کوئی حرج نہیں۔ آپ دفتر سے فائلیں لیکر گھر آ جائیے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

جنرل منیجر کی آمد تک میں نے گذشتہ دو تین روز کے اخبارات پر تفصیل نظر ڈال لی اور اسی دوران میں اپنی خصوصی ملازمہ فریدہ کو یہ ہدایت بھی کر دی کہ رات کے کھانے پر میرے ساتھ ایک مہمان بھی ہوگی۔

جنرل منیجر ایک گھنٹے میں آ گئی۔ چائے پینے کے دوران میں ادھر ادھر کی رسمی باتیں ہوئیں اور پھر کاروباری فائلیں کھول لی گئیں۔ پینڈنگ میں پڑا ہوا کام میری توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ رات کا کھانا ہم لوگوں نے دس بجے کے قریب کھایا اور اس کے بعد پھر کام میں جٹ گئے۔ میں ہر قیمت پر آج ہی سارا کام

نمٹا دینا چاہتی تھی لیکن جب دو بج گئے تو میری ہمت جواب دے گئی۔

"بس اب آدھے گھنٹے کا کام اور رہ گیا ہے۔" جنرل منیجر بولی

"اب میں ہرگز کچھ نہیں کر سکتی۔" میں نے جماہی لیکر کہا۔ "یہ کل دیکھا جائے گا۔ تم بھی اب یہیں سو جاؤ، اتنی رات کو کہاں جاؤ گی۔ کل صبح یہیں سے دفتر چلی جانا۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" وہ ادب سے بولی اور فائلیں سمیٹنے لگی۔

میں نے اپنی خصوصی ملازمہ فریدہ کو پکارا اور وہ پہلی ہی آواز پر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ یہ اس کا وطیرہ تھا کہ وہ مجھ سے پہلے کبھی نہیں سوتی تھی۔

"خوابگاہ سے میرا ایک نائٹ ڈریس نکال لاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔

اور وہ اتنی ہی پھرتی سے واپس چلی گئی جتنی پھرتی سے آئی تھی۔

میں نے جنرل منیجر سے کہا۔ "نائٹ ڈریس میں نے آپ ہی کے لئے منگوایا ہے۔ فریدہ آجائے تو اس کے ساتھ آپ گیسٹ روم میں چلی جایئے گا۔ کل صبح جس وقت بھی آپ کی آنکھ کھلے، آپ ناشتہ کرکے دفتر چلی جائیں۔ میرے جاگنے کا انتظار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"بہت بہتر۔ لیکن یہ جو کام رہ گیا ہے، اس کا کیا ہوگا؟"

"کل میں کچھ وقت نکال کر دفتر آنے کی کوشش......" میرا جملہ ادھورا رہ گیا۔ فریدہ کی چیخ سن کر میں اچھل پڑی تھی۔ یہی حال میری جنرل منیجر کا ہوا تھا۔

"بچاؤ!" فریدہ کی چیخ پھر سنائی دی۔

میں زقندیں بھرتی ہوئی اپنی خوابگاہ کی طرف بھاگی۔ میرے اندازے کے مطابق فریدہ کی چیخیں اُدھر ہی سے آئی تھیں۔ میرے پیچھے میری جنرل منیجر بھی دوڑ پڑی تھی لیکن ہم دونوں سے پہلے دو ایک ملازمائیں خوابگاہ میں پہنچ چکی تھیں۔ انہوں نے فریدہ کے خوف سے کانپتے ہوئے جسم کو سہارا دے رکھا تھا اور وہ دہشت زدہ نظروں سے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا فریدہ!" میں نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"وہ...... وہ......" فریدہ نے کانپتے ہوئے ہاتھ کی انگلی سے کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اِدھر سے...... بھاگ گئے۔"

"کون؟" میں نے بے ساختہ پوچھا لیکن جواب کا انتظار کئے بغیر ہی کھڑکی کی طرف جھپٹی۔

اس طرف پائیں باغ تھا جہاں چھائی ہوئی تاریکی میں جھینگروں کی آوازیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اچانک مجھے کچھ خیال آیا تو میں برق سُرعت سے کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گئی۔ بے محابہ کھڑکی کے سامنے چلا جانا میری حماقت ہی تھی۔ اگر وہاں اب بھی کوئی چھپا ہوا ہوتا تو بڑی آسانی سے مجھے گولی کا نشانہ بنا دیتا۔ یہ بات تو طے تھی کہ وہ میرا کوئی دشمن ہی ہوگا۔ وہ یہاں چھپا ہوا میرا انتظار کر رہا تھا لیکن اتفاق سے میری بجائے فریدہ یہاں پہنچی۔ وہ فوری حملے کی زد میں آ گئی لیکن جلد ہی حملہ آور کو غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ یہاں سے بھاگ نکلا۔

امکان تھا کہ شاید وہ اب بھی پائیں با

میں نے چیخ کر ایک ملازمہ سے کہا۔ "پولیس کو ٹیلی فو

ٹیلیفون خوابگاہ ہی میں موجود تھا۔

دوسری ملازمہ کا سہارا لیکر فریدہ قالین ہی پر بیٹھ

احمقوں کی طرح منہ پھاڑے ہوئے یہ سب کچھ دیکھ

"کک...... کیا نمبر ہے ب...... بالو" ...

ہوئے پوچھا۔

میں نے اسے ایک تجارتی ادارے کا نمبر

وقت کوئی بھی موجود نہیں ہوتا۔ پھر میں فریدہ

پوچھنے لگی۔

فریدہ نے بتایا کہ جب وہ کمرے میں دا

تھا۔ اس نے بٹن دبا کر روشنی کی اور اُسی وقت دو

انہوں نے فریدہ کو بُری طرح جکڑ لیا۔ اس کے منہ پر

وہ ذرا بھی آواز نہیں نکال سکتی تھی مگر اچانک ان

تاثرات اُبھرے جیسے ان سے کوئی غلطی ہو گئی

ڈھیلی پڑ گئی اور فریدہ کو چیخنے کا موقع مل گیا۔ ...

طرف بھاگے اور فریدہ ایک مرتبہ پھر چیخ اُٹھی۔

جب میں یہاں پہنچی تھی تو وہ دونوں کھڑ

گم ہو چکے تھے۔

"اس نمبر سے کوئی جواب نہیں مل رہا ہے" ا

کو فون کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

"رہنے دو۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

اس چکر میں پڑ کر خواہ مخواہ وقت کیوں ضائع کیا جا

"یہ تو دیکھ لیجئے، کچھ غائب تو نہیں ہو

میں نے متجسس نظروں سے کمرے کا جا

"سب ٹھیک ہے۔"

ملازمہ نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اتنی دیر میں میری پانچوں ملازمائیں کم

نے ان سے کہا کہ میری ورزنی وارڈ روب کو کھسکا

پھر کوئی اس راستے سے اندر نہ آ سکے۔

کھڑکیوں میں گرل لگوانے سے مجھے سخت

رہا تھا کہ مجھے کھڑکیوں میں گرل لگوانا ہی پڑے گی۔ اس

فونگ بھی کھڑکی ہی کے راستے سے میرے کمرے میں آ

بھی گرل کی عدم موجودگی ہی کا نتیجہ تھی۔

میں نے فریدہ کو اسکواش کا ایک گلاس پ

گئی اور پھر میں نے اسے کہا کہ وہ جاکر آرام کرے۔

اس ہنگامے کے دوران میں میرا کوئی مرد

مالی اور چوکیدار وغیرہ کو گھر میں قدم رکھنے کی اجازت

...کی حفاظت کے تحت انہیں گھر کے اندر بلایا ہو۔

ایک نائٹ ڈریس نکال کر جنرل منیجر کو دیا اور
...روم میں بھیج دیا۔ پھر جب میں وہاں تنہا رہ گئی تو
...بند کیا اور سگریٹ سلگا کر آرام کرسی میں ڈھیر ہو گئی۔
...نہیں تھا حالانکہ میں نے نیند ہی کی وجہ سے
...لمحہ کے لئے ملتوی کر دیئے تھے۔

...سے اپنی قوتِ فکر کو بہت سہارا دیا
...اس کے بارے میں کوئی حتمی اندازہ لگانے سے
...ایک بات سامنے تھی کہ مجھے اغوا کرنے کی کوشش
...الرنگ یا کوئی اور؟

...ہی پر گزار دیا۔ ساڑھے تین بج رہے تھے جب
...میں نے اُٹھ کر اپنی دیوار گیر مقفل الماری
...پستول، ریوالور اور بندوقیں رکھی ہوئی
...تھا۔ میں نے اس میں سے اعشاریہ تین پانچ
...سرہانے رکھ کر بستر پر لیٹ گئی۔
...نیند آ چکی تھی۔

...بج چکے تھے۔ میں نے گھنٹی بجا کر ملازمہ
...منیجر دس بجے کے قریب بیدار ہوئی تھی اور
...بجے وہاں سے چلی گئی تھی۔
...نے بھی ناشتہ کیا حالانکہ کھانے کا وقت
...ہوئی پائیں باغ میں پہنچی اور اپنے کمرے
...لگی۔ دو آدمیوں کے جوتوں کے نشانات

...دشوار نہیں ہوئی کہ وہ لوگ چہار دیواری
...کی بلندی کم نہیں تھی لیکن رسی کے سہارے

...میں آ گئی۔ میں نے فریدہ کو اپنے کمرے
...تاثر بھی اب اس کے چہرے پر نہیں تھا
...آرام تھی۔
...کہا "تم آج ہی ساری کھڑکیوں میں گرل

...میں کہا "اخراجات کی پرواہ مت کرو۔
...کو بلا لو۔"
...سر ہلا کر چلی گئی۔
...بستر پر لیٹ رہی۔ میں کم سے کم آج
...کرنے پر آمادہ ہو جاتی تو پھر یہ سلسلہ

...کی وقت سے بیزار رہتی...
اُٹھایا جا سکتا تھا۔ پائلٹ آفیسر جمیل گردیزی کے واسطے سے بھی میں ڈاکٹر فونگ کے گروہ تک پہنچنے کی کوشش کر سکتی تھی اور میں نے سوسن لی کو بھی فراموش نہیں کیا تھا۔ کراچی سے پنڈی روانگی کے وقت سوسن لی کے کردار کی ستریت مجھ پر عیاں ہو گئی تھی اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ڈاکٹر فونگ کی آلۂ کار تھی۔

اگر میں ڈاکٹر فونگ کو نظر انداز کر دیتی تو بھی میرے پاس کرنے کے لئے بہت سے کام تھے۔ مجھے صدرِ مملکت کے ان دو افراد کو چیک کرنا تھا جو کراچی میں مقیم تھے۔ اس کے علاوہ میری نجی سرگرمیاں بھی تھیں، دفتری کام بھی تھے اور میں آج کی حد تک اُن سے گریزاں رہنا چاہتی تھی۔

میرا ارادہ یہ تھا کہ صبح سے پہلے گھر سے باہر قدم نہیں نکالوں گی لیکن پانچ بجے کے قریب مجھے ضروریات کی کچھ چیزوں کا خیال آیا جو ختم ہو گئی تھیں۔ یہ ضروری تھا کہ وہ سب کچھ میں آج ہی خرید لاؤں کیونکہ کل یومِ آزادی کی وجہ سے بازار بند رہتے۔ اگر میں اس خریداری کو پرسوں تک ملتوی کر دیتی تو اس بات کا احتمال تھا کہ مجھے پریشان ہونا پڑتا۔ وہ ایک چیزیں ایسی تھی جن کی ضرورت آجکل میں کسی وقت بھی ہو سکتی تھی، ہر مہینے تک یہ مصیبت جان کو لگی رہتی ہے۔

میں نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کئے اور گیراج سے کار نکال کر صدر کی طرف روانہ ہو گئی۔ الفی سے میں نے ضروریات کی وہ چیزیں خرید کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالیں اور چل پڑی۔ اب مجھے واپس گھر ہی جانا تھا لیکن جب میں الفی کے جہانگیر پارک والے سرے پر پہنچی تو مجھے ایک دُکان کے سامنے الماس کھڑی ہوئی نظر آئی۔ بے اختیار میرا پیر ایکسلریٹر سے ہٹ گیا۔ یہ ناممکن ہی تھا کہ میں الماس کو نظر انداز کرکے گزر جاتی لیکن مشکل یہ تھی کہ الفی کے اس حصے میں کار پارکنگ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ مجبوراً مجھے جہانگیر پارک کے کونے تک گاڑی لیجانا پڑی۔ انجن بند کرکے میں تیزی سے اُتر پڑی۔ ڈر یہ تھا کہ الماس کہیں اس جگہ سے ہٹ نہ جائے جہاں میں نے اُسے دیکھا تھا لہٰذا عجلت میں، میں نے گاڑی کو مقفل بھی نہیں کیا۔

الماس سے میں اس کی قیام گاہ پر بھی مل سکتی تھی لیکن الفی پر ہونے والی یہ اتفاقی ملاقات زیادہ موثر ثابت ہو سکتی تھی۔ اس ملاقات کے بعد اگر میں الماس کے گھر جاتی تو اسے یہ شبہ نہ ہوتا کہ میں اس سے کسی خاص مقصد کے تحت مل رہی ہوں۔

میں نے تیزی سے سڑک پار کی اور الفی کے اس مقام کی طرف جھپٹی جہاں میں نے الماس کو دیکھا تھا۔

الماس اس جگہ نظر نہیں آئی جہاں میں نے اُسے دیکھا تھا لیکن وہ چند فٹ ہٹ کر ایک اور دکان کے شوکیس کے سامنے کھڑی وہاں سجی ہوئی اشیاء کا جائزہ لے رہی تھی۔

اُس کے قریب پہنچ کر میں نے اپنی رفتار خاصی تیز کر دی اور پھر کچھ اِس طرح ایک طرف جھکی جیسے قریب سے گزرنے والے ایک مرد سے کترانا چاہتی ہوں۔ میرے اس بچاؤ کا نتیجہ وہی نکلا جو میں چاہتی تھی۔ یعنی میں الماس سے ٹکرا گئی اور اس کا پرس ہاتھ سے چھوٹ کر فٹ پاتھ پر آ گیا۔

میں نے جلدی سے پرس اُٹھایا اور چہرے پر شرمندگی کے آثار پیدا کرتی

ہوئی الماس کی طرف مڑی "معاف کیجئے گا... میں... اوہ!" میں جیسے چونک پڑی اور میرے منہ سے نکلا "تم ہو... الماس!"

الماس بڑے پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔ اس نے بھی مجھے پہچان لیا تھا لیکن یہ میرے لئے بڑی مایوس کن بات تھی کہ اس نے نہ تو کسی گرمجوشی کا اظہار کیا، نہ مسرت کا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی اور ان کے نیچے سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ گزرے ہوئے حادثے کا اثر اس پر اب تک موجود تھا۔ اس کی یہ پژمردگی دیکھ مجھے قلبی دکھ ہوا اور میرا جی چاہا کہ اس کا غم بانٹ لوں۔

"کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں الماس!" میں بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"میں آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں!" وہ دل گرفتہ سی آواز میں بولی "آپ کی شخصیت تو میری زندگی کے اس حادثے کا ایک حصہ ہے جسے میں اپنے ذہن سے کبھی نہیں کھرچ سکوں گی۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آواز درد کے جھلستے ہوئے صحرا سے گزر کر میرے کانوں تک پہنچی ہو۔

"لیکن آپ یہاں کیسے؟" الماس نے پوچھا۔

"میں یہیں رہتی ہوں۔ مجھے ایک کیس کے سلسلے میں پنڈی جانا پڑا تھا۔"

"میں یہاں اپنی خالہ کے گھر آئی ہوں۔ کبھی تشریف لائیے۔"

"ضرور۔" میں نے مسکرا کر کہا "تم دعوت دے رہی ہو تو میں سر کے بل آؤں گی۔"

"شکریہ۔"

اسی وقت میری آنکھوں میں روشنیوں کے جھماکے ہونے لگے۔ کسی طرف سے شبانہ اچانک قریب آگئی تھی اور گلابی ساڑی میں اس کا بدن کسی گلاب ہی کی طرح مہکا ہوا تھا۔ اس نے قریب آتے ہی بڑی آہستگی سے الماس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا اب گھر چلیں الماس!" وہ بولی۔

"ہاں... ہاں۔" الماس نے چونک کر کہا "آپ اسکے آئیے۔"

"ہاں۔" شبانہ نے کہا اور مجھ پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔

میں شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں کہ اس نے مجھے پہچان لیا تھا لیکن وہ اپنے انداز سے اجنبیت ظاہر کر رہی تھی۔ ممکن ہے اس کی وجہ وہی ہو جو لوگوں نے مجھے بتائی تھی۔ یعنی یہ کہ شبانہ حد درجہ مغرور لڑکی ہے۔

"یہ میری بہت اچھی دوست شبانہ ہیں۔" الماس نے تعارف کروایا اور پھر شبانہ سے بولی "یہ وہی خاتون ہیں جن کا میں تم سے ذکر کر چکی ہوں۔"

"گلیڈ ٹو میٹ یو۔" میں نے مسکرا کر شبانہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"سیم ٹو۔" شبانہ نے بڑے سپاٹ لہجے میں کہا اور مصافحے کا انداز تو "بہ جبر و اکراہ" کی مکمل تفسیر تھا۔

میں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ وہ گداز ہاتھ، وہ پھول ہاتھ ایسا تھا کہ لطف و انبساط کی اچھوتی کہانیاں رقم کر سکتا تھا۔ اس کے لمس نے میرے سارے جسم میں سنسناہٹ پھیلا دی اور میرا جی

چاہا کہ اس ہاتھ پر اپنے ہونٹوں کی بے قراری
بڑی سڑک پر یہ ناممکن تھا۔ اس کے علاوہ
ملاقات میں میرا یہ بیباکانہ اقدام شبانہ کو میرو
بہت سرکش، بہت منہ زور تھی۔ اسے رام کر
کی ضرورت تھی۔

"کیوں نہ ایک کپ چائے پی لی جائے
دیکھتے ہوئے کہا۔

"چائے۔" الماس آہستہ سے بولی او
"ہمیں ذرا جلدی ہے۔" شبانہ نے
انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میر
رہی ہے۔

"نہیں شبی!" الماس بول پڑی۔ "اگر م
گے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مجھے اس وقت م
ہے میں ایک اسپرین بھی لوں گی۔ میرے سر م
ان باتوں سے مجھے سہارا مل گیا اور ہم
ریسٹورنٹ میں لے گئی۔ شبانہ طوعاً و کرہاً سا
ایک گوشے کی میز منتخب کر کے میں
لوازمات کے ساتھ اسپرین بھی لانے کی ہدا
الماس نے دونوں کہنیاں میز پر ٹکا
ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا تھا۔

"اس طرح کیسے کام چلے گا الماس!"
"اسے بھول جاؤ اور زندگی میں دلچسپی لینا
وہ کمبخت تمہارے لائق تھا بھی نہیں۔"

الماس نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن
میری سوچ کو ایک راستہ دے دیا۔

"کیا چکر ہے؟" میں بولے بغیر نہیں ر
نے بے وفائی کی ہے؟"

"مردوں کو بے وفائی کرنے کے سوا آتا ہی
اور نفرت کے زہر میں بجھی ہوئی تھی۔

"مجھے اس بات سے مکمل اتفاق ہے"
شبانہ نے مجھ پر ایک گہری نظر ڈال
اس لئے آئی تھی کہ اس کا منگیتر اس کی ہمت
نے الماس سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا۔"

"کیوں؟"

"محض اس لئے کہ الماس چند روز غنڈو
شبانہ نے جواب دیا اور پھر بڑی نفرت سے بو
سمجھتا ہے کہ الماس اب عصمت مآب نہیں رہی
"لیکن کامران مرزا کو ان باتوں کا علم کیے

پتہ کہ الماس کے نام کی پردہ پوشی کر دی

امران مرزا گھر پر موجود تھا لیکن اس نے
ملازم کے ذریعہ اپنے ایک دوست کا
میں تفصیل سے لکھا ہوا تھا کہ پچھلے دنوں
کامران کا وہ دوست الماس کے پڑوس میں
کو معاملات کی سن گن مل گئی ہوگی ایسی باتیں
پھیل میں۔"
آگئی اور میں نے پوچھا "یہ کامران مرزا

الماس کا بھائی ہوتا ہے۔ میں نے اسے
تھا۔ پتہ نہیں الماس کو اس میں کیا نظر آگیا۔
اسے۔"

کا علم نہیں تھا۔ وہ چپ رہی تو الماس نے
وہ بہت ہی اچھی طبیعت کا مالک تھا
کہ وہ مجھ سے ملے بغیر اپنے دوست کی باتوں پر
ہا تھا۔" الماس کی آواز بھرا گئی۔
نفت سے سر جھٹکا۔
اعتبار نہیں ہوتا۔" میں بولی۔
بارگی سے ہم دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اداسی
آئی ہوں مگر دل نہیں مانتا۔ مجھے تو اس کے
لگی ہے۔"

شبانہ نے منہ بنایا۔
نے الماس کا ہاتھ تھپک کر کہا "چند دن
ان رہو۔ اگر وہ تمہارے ذہن سے یکسر نہ
اور بھی اچھا ہو اگر تم دونوں میرے یہاں
کی تفریح کر ڈالیں گے۔"
ٹھہری ہوئی ہوں۔" الماس نے جواب دیا۔
کہ ہم کمیں کہ میں زیادہ دیر تک گھر سے باہر

یہ شبانہ خشک لہجے میں بولی "ہم ان
بجے تک لوٹ آئیں گے لیکن اب ساڑھے
ہو گا۔"
امات لیکر آگیا تھا۔ الماس نے صرف ایک
پڑی۔
مجھے بہت خوشگوار محسوس ہو رہی تھی۔
اور میں نگاہوں سے شبانہ کے عارض

چومتی رہوں۔

چائے پی کر میں نے بل ادا کیا اور الماس سے کہا "کل دوپہر کا کھانا تم دونوں میرے ساتھ کھاؤ۔"

شبانہ کے چہرے سے صاف معلوم ہو گیا تھا کہ وہ پہلو بچانا چاہتی ہے مگر الماس نے دعوت قبول کر لی۔ بس یہ شرط ضرور تھی کہ خالہ آمادہ ہو جائیں۔ میں نے الماس کو اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے فون پر بتا دینا۔"

"یہ مناسب ہو گا۔"

"تم بھی مجھے اپنی خالہ کے گھر کا پتہ دیدو۔"

الماس نے پتہ بتایا جو میں نے نوٹ کر لیا۔

ہم ریسٹورنٹ سے نکلے اور یہ ایک معجزاتی اتفاق تھا کہ ٹیکسی فوراً مل گئی۔ میں نے یہ پیش کش کی تھی کہ انہیں اپنی کار میں چھوڑ آؤں لیکن شبانہ ٹال گئی تھی اور میں نے بھی اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

انہیں رخصت کر کے میں جہانگیر پارک کی طرف بڑھی جہاں میں نے اپنی گاڑی پارک کی تھی۔ شبانہ اور الماس کے ساتھ اس خوشگوار نشست کا خمار میری رگ رگ میں تیر رہا تھا۔ شبانہ کو تو رہنے دیں لیکن الماس کی تپتی ہوئی جوانی بھی میرے لئے کسی ہیرے سے کم نہیں تھی۔ میں نے جنوں کی گڑھی میں اس کا جو سراپا دیکھا تھا، وہ کوئی بھولنے والی چیز نہیں تھی۔ میں اس سراپا کو اپنے پہلو میں مچلتا ہوا ضرور دیکھنا چاہتی تھی اور شبانہ کے بارے میں میرا خیال یہ تھا کہ وہ سہل الحصول ثابت نہیں ہو گی۔

میں ان مہکتی ہوئی جوانیوں کے نشے میں سرشار اپنی کار تک پہنچی اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ انجن اسٹارٹ کیا اور چل پڑی۔ اب اندھیرا پھیل چکا تھا اس لئے ہیڈ لائیٹس بھی جلا لیں۔

میرے بنگلے کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ میں نے گاڑی کو پورچ میں لیجا کر روکا۔ انجن بند کر کے اتری اور جب دروازہ بند کر کے چلنے لگی تو مجھے ان چیزوں کا خیال آیا جو میں نے الفی سے خریدی تھیں۔ وہ اٹھانے کے لئے میں نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور پھر کھڑے کھڑے اس طرح ساکت ہو گئی جیسے افراسیاب نے پھونک مار کر مجھے پتھر کا بنا دیا ہو۔

صاف ستھرے، جدید تراش کے سوٹ میں ملبوس ایک نوجوان، ٹانگیں سکیڑے ہوئے سیٹ پر پڑا سو رہا تھا۔ میں چونکتا ہو گئی کیونکہ ضروری نہیں تھا کہ بظاہر بے ضرر نظر آنے والا وہ شخص واقعی بے ضرر ثابت ہوتا۔ میری کار میں اس کی موجودگی خاصی پُراسرار اور سنسنی خیز تھی۔ آخر وہ کون تھا؟ میری کار میں کہاں سے آگیا تھا؟ اسی قسم کے ان گنت سوال میرے ذہن میں چکرانے لگے تھے۔

"اے!" میں نے اسے للکارا "اٹھو! یہ تمہارے باوا جی کی کار نہیں ہے۔"

نوجوان ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا اور اس نے آنکھیں کھولے بغیر اس طرح ٹانگیں پھیلانا چاہیں جیسے بستر کم خواب پر لیٹا رہا ہو۔

میں نے دانت پیس کر اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور اسے کار کے باہر گھسیٹ لیا۔ اُس کا سر بڑی زور سے پورچ کے فرش سے ٹکرایا اور وہ کراہتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" میں اس پر اس طرح برسی جیسے وہ کوئی فقیر ہو۔ "جہانگیر پارک کی کسی بینچ پر نہیں سو سکتے تھے؟"

چونکہ گاڑی میں نے جہانگیر پارک کے قریب پارک کی تھی اس لئے یہ یقینی امر تھا کہ وہ وہیں سے گاڑی میں گھسا ہوگا۔

نوجوان بُرا سا منہ بناتے ہوئے اپنے سر کو ٹٹول رہا تھا لیکن اس نے میری طرف بالکل توجہ نہیں دی۔ وہ اس طرح بے فکر نظر آ رہا تھا جیسے یہ بنگلہ اُس کے باپ کی ملکیت ہو اور میں نے اُسے کار سے گھسیٹ کر باہر نہ نکالا ہو بلکہ اُترتے ہوئے وہ پاؤں پھسل جانے کے باعث گر پڑا ہو۔

"تم کون ہو؟" میں نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

نوجوان نے سر گھما کر میری طرف دیکھا اور ایسا معلوم ہوا جیسے اب پہلی مرتبہ اُسے میری موجودگی کا احساس ہوا ہو۔ وہ اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر یوں بیٹھ گیا جیسے ذہن پر زور دے رہا ہو۔

"میں نے تمہارا نام پوچھا ہے!" میں پہلے سے زیادہ تیز لہجے میں بولی۔

اس دوران میں میری دو ایک ملازمائیں برآمدے میں جمع ہو چکی تھیں اور حیرت و دلچسپی سے اس طرف دیکھ رہی تھیں۔ پھاٹک پر کھڑا ہوا چوکیدار بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس نے قریب آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

نوجوان نے خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا "نام؟ ...... میرا نام؟ ...... کیا ہے میرا نام؟"

میں نے بہت بُرا سا منہ بنایا۔ مجھے یہ سب کچھ ایک ڈرامہ معلوم ہو رہا تھا۔ فلمی انداز کا ڈرامہ! —— یادداشت کھو جانے کے مناظر کبھی فلم میں بھی مجھے مناسب نہیں معلوم ہوئے تھے تو بھلا میں جیتی جاگتی زندگی میں اسے حقیقت کیسے تسلیم کر لیتی۔

میں طنزیہ انداز میں بولی "جناب! اداکاری چھوڑیے۔ آپ کے سر میں اتنی گہری چوٹ نہیں لگی ہے کہ آپ کا دماغ ہل جاتا اور یادداشت چلی جاتی۔"

نوجوان کی آنکھوں میں اُلجھن کے آثار پیدا ہو گئے اور پھر وہ اس طرح بولا جیسے جملے اس کی زبان ہی پر ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرے جا رہے ہوں۔

"میری ...... میری سمجھ میں ...... آپ کی ...... کوئی بات ...... نہیں ...... میرا ...... سر چکرا رہا ہے۔"

"میں ابھی تمہارے سر کے دو ٹکڑے کروائے دیتی ہوں۔" میں نے غرا کر کہا اور پھر چوکیدار کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

چوکیدار تو گویا اس قسم کے کسی اشارے کا منتظر ہی تھا۔ وہ اپنا ڈنڈا سنبھالے لپکتا ہوا قریب آ گیا۔

"اسے دھکے دے کر بنگلے سے نکال دو!" میں نوجوان کی طرف

اشارہ کرتی ہوئی غرائی۔

چوکیدار نے کھا جانے والی نظروں سے نوجوان کے انداز سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ اس نے وہ اس طرح بیٹھا رہا جیسے ذہنی انتشار میں مبتلا ایک طرف پھینک کر اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کی طرف گھسیٹنے لگا۔ نوجوان یکبارگی تڑپا اور چوا لیکن چوکیدار نے اُسے فوراً ہی چھاپ لیا۔

"مجھے چھوڑ دو! مجھے چھوڑ دو!" نوجوان شروع کر دیا۔

اس عرصے میں مالی بھی اپنے کوارٹر سے نے چوکیدار کی مدد کی۔ دونوں نے مل کر نوجوان کو لئے ہوئے پھاٹک کی طرف بڑھے۔

اس ہڑبونگ میں نوجوان کی جیب سے پڑی تھی۔ دور سے تو وہ مجھے وزٹنگ کارڈ معلوم قریب پہنچی تو پتہ چلا کہ وہ پاسپورٹ سائز کا فوٹو اٹھاتے چونک پڑی کیونکہ وہ فوٹو ایک ایسی لڑکی نہیں تھی۔

بے اختیار میں نے ہاتھ اُٹھا کر مالی اور ہی میں لپکتی ہوئی ان کے قریب پہنچ گئی۔

"چھوڑ دو اسے!" میں نے کہا۔

مالی اور چوکیدار میرے رویے کی اس کر نہیں سمجھے ہوں گے لیکن میرے حکم کی تعمیل انہوں سے نکل کر نوجوان وہیں ریتیلی زمین پر بیٹھ گیا اور اس کی مسافت دوڑتے ہوئے طے کی ہو۔

میں نے تصویر اس کے سامنے کرتے ہو۔ نوجوان نے غور سے تصویر کی طرف دیکھا اور سر ہلانے لگا۔ میں نے اُسے گھور کر دیکھا اور مجھے اس کی ڈورے سے تیرتے ہوئے نظر آئے۔ عجیب خوابیدہ سی کی پہلی مرتبہ میرے ذہن میں خیال آیا کہ شاید یہ اداکاری نہ نوجوان میں میری دلچسپی محض اس لئے بڑھ گئی الماس کا فوٹو نکلا تھا۔

"کھڑے ہو جاؤ!" میں نے تحکمانہ لہجے میں

"میرا سر چکرا رہا ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز

"اسے سہارا دے کر اندر لے چلو!" میں سے بولی "تمہاری اب کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

چوکیدار نے نوجوان کو سہارا دے کر اٹھایا نہیں کی۔ میں ان دونوں کے پیچھے پیچھے چل دی۔ اشارے پر چوکیدار نے نوجوان کو ایک صوفے پر

... میں ابھی آتی ہوں۔" میں نے چوکیدار سے کہا اور ... اپنی خوابگاہ کی طرف بڑھی۔ کسی طرح سے قریب آ گئی ...

... نہیں لگ سکے گی بانو!" وہ بولی "میں نے پوری پوری ... نہیں بن سکی، البتہ سارے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں۔

... ہو جائے گا۔"

... میں نے لاپرواہی سے کہا۔ دراصل اس وقت میرا ذہن ... ہوا تھا اور میں لاشعوری طور سے، کسی اور بات پر ... نہیں تھی۔

... پہنچ کر میں نے ٹیلیفون سنبھالا اور اپنے ڈاکٹر کے ... ہی کوشش میں رابطہ قائم ہو گیا۔ میں نے ڈاکٹر سے ... جلد از جلد میرے گھر پہنچ جائے۔

... بہت خراب ہے؟" ڈاکٹر نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

... ایک مہمان ہے۔"

... ہوں۔"

... منقطع کیا اور الماس کی خالہ کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ ... بجی، پھر ریسیور اُٹھایا گیا اور ایک نسوانی آواز ... والی کوئی معمر عورت معلوم ہوتی تھی۔

... بات کرنا چاہتی ہوں۔" میں نے کہا۔

... دوسری طرف سے بولنے والی عورت الماس کی خالہ ... نے الماس کی آواز سُنی۔

... رہا ہے؟" اس نے پوچھا تھا۔

... کہا "کیا تم فوراً میرے گھر آ سکتی ہو؟"

... نے جواب دیا "اس وقت تو خالہ مجھے گھر سے نکلنے کی ... ملے گی۔"

... کو ساتھ لے آؤ، یا خالہ ہی کے ساتھ آ جاؤ۔ ممکن ... کا حامل ثابت ہو۔"

...

... ڈرائنگ روم میں ایک نوجوان بیٹھا ہے اور مجھے اس ... ملی ہے۔"

الماس کے لہجے میں حیرت تھی۔

... اب دیا "اور مجھے شبہ ہے کہ شاید یہ تمہارا منگیتر

... الماس ہکلا گئی۔

... نام نہیں بتا سکتا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ... ہو۔"

... الماس کے منہ سے نکلا۔

"تو پھر کیا تم آ رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں ضرور آؤں گی۔ میں آ رہی ہوں۔" الماس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

میں نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا تاکہ سوال و جواب کا سلسلہ طویل نہ ہو جائے۔

اب میں پھر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی جہاں چوکیدار اس مخبوط الحواس نوجوان کی نگرانی کر رہا تھا۔

الماس سے پہلے ڈاکٹر پہنچ گیا اور اس نے نوجوان کا بغور معائنہ کیا۔ پھر وہ مجھے ایک طرف لیجا کر سرگوشی کرنے والے انداز میں بولا۔

"ان صاحب کا ذہن کسی نشے سے ماؤف معلوم ہو رہا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بُرے لوگوں کی صحبت میں پڑ کر منشیات کے عادی ہو گئے ہوں لیکن شائد ابھی یہ عادت زیادہ پختہ نہیں ہوئی ہے۔ اگر اس سلسلے میں جلد از جلد کچھ نہ کیا گیا تو مستقبل میں مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔ نشے کی عادت پختہ ہو جائے تو اسے چھڑانے کا عمل نہایت تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے۔"

"ان حالات میں آپ کا کیا مشورہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نشے کی اس عادت کو ختم کرنے کی کوشش فوری طور پر ہونا چاہیے۔ یہ کوئی آسان کام تو نہیں لیکن توجہ اور کوشش سے یہ بُری عادت چھڑائی جا سکتی ہے۔ زیادہ وقت گزرنے کے بعد زیادہ مشکلات پیش آئیں گی۔"

"یہ کونسے نشے کا عادی ہے؟"

"فی الحال تو میں اس کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔ کچھ ٹیسٹ ضروری ہیں۔ میں اس کا تھوڑا سا خون نکال لے جاتا ہوں۔ لیبورٹری میں اس کا تجزیہ کرنے کے بعد ہی میں کچھ بتا سکوں گا۔ نوجوان کے بائیں ہاتھ پر میں نے سوئیوں کے نشانات دیکھے ہیں۔ یہ نشانات منشیات کے انجکشنوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن میں کسی ایسے عام نشے سے واقف نہیں ہوں جو ذہن کو اس طرح متاثر کر سکے جیسے اس نوجوان کا ذہن ہوا ہے۔"

"آپ بہتری کے لئے جو کچھ بھی کر سکتے ہوں، وہ ضرور کیجئے!"

ڈاکٹر سر ہلاتا ہوا نوجوان کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اپنے بیگ میں سے سرنج نکالی اور نوجوان کے ہاتھ کی نس میں سے تھوڑا سا خون نکال لیا۔

پانچ منٹ بعد میں ڈاکٹر کو چھوڑنے کے لئے برآمدے تک گئی۔ ڈاکٹر کی کار بنگلے کے پھاٹک سے نکلی ہی تھی کہ ایک ٹیکسی پھاٹک میں داخل ہوئی۔ اس ٹیکسی میں الماس اور شبانہ کے ساتھ، ادھیڑ عمر کا ایک مرد بھی تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ الماس کا خالو ہی ہو سکتا تھا۔

وہ لوگ ٹیکسی سے اتر کر تیزی سے میری طرف آئے۔

"یہی صبیحہ بانو ہیں۔" الماس نے گھبرائی ہوئی آواز میں اپنے خالو کو بتایا۔

"کامران کہاں ہے؟" الماس کے خالو نے میری طرف دیکھتے ہوئے پُرتشویش انداز میں پوچھا۔

"تشریف لائیے!" میں نے بڑی شائستگی سے کہا اور انہیں لئے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

وہ نوجوان اب آنکھیں بند کئے ہوئے صوفے پر نیم دراز تھا اور لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔

"کامران!" الماس نے دیکھتے ہی سسکی بھری۔

اب اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں تھی کہ نوجوان کے بارے میں میرے شبہات غلط نہیں تھے۔ وہ الماس کا منگیتر ہی تھا۔

"یہ یہاں کیسے پہنچا؟" الماس کے خالو نے پوچھا۔ "اور یہ اس کی حالت کیا ہو رہی ہے؟"

"ان کا یہاں پہنچنا ایک اتفاق ہی سمجھا جا سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں کچھ خریداری کرنے صدر گئی تھی۔ وہاں میں نے اپنی گاڑی جہانگیر پارک کے قریب پارک کی تھی لیکن دروازہ لاک کرنا بھول گئی تھی۔ یہ گاڑی میں گھسے اور پچھلی سیٹ پر لیٹ کر سو گئے۔ مجھے ان کی موجودگی کا علم اس وقت ہوا جب میں نے گھر آ کر گاڑی پورچ میں روکی۔"

"آپ کو اس کا علم کیسے ہوا کہ یہ کامران ہے؟"

"ان کی جیب سے مجھے الماس کی تصویر ملی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

جذبات کی شدت سے الماس کے ہونٹ کانپنے لگے اور اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ اس کے قریب ہی شبانہ بھی کھڑی ہوئی تھی لیکن اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کا تاثر نہیں تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے کامران کو گھورے جا رہی تھی جو گہری نیند میں غرق معلوم ہو رہا تھا۔

الماس کا خالو پھر بولا۔ "آپ نے ٹیلیفون پر شاید یہ بھی کہا تھا کہ کامران اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔"

"یہ غلط فہمی مجھے اس لئے ہوئی تھی کہ کامران اپنا نام نہیں بتا سکے تھے۔ ان پر ایسی وحشت طاری تھی جیسے یہ کوشش کے باوجود اپنے ماضی کے بارے میں کچھ یاد کرنے سے قاصر ہوں۔"

"اوہ!"

"لیکن فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔" میں پھر بولی۔ "میں نے ڈاکٹر کو بلا کر دکھا دیا تھا۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ یہ کسی صدمے کا وقتی اثر ہے۔ انشاءاللہ یہ صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

نشے والی بات میں نے قصداً گول کر دی تھی۔ جب تک یہ معاملہ میرے سامنے کوئی واضح شکل اختیار نہیں کر لیتا، میں الماس کے خالو کو کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی۔

"کامران کی وجہ سے آپ کو بڑی زحمت ہوئی۔" الماس کے خالو نے قدرے توقف سے کہا۔ "ہم اس سلسلے میں آپ کے شکر گزار ہیں۔ اب میں کامران کو اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں۔"

"یہ مناسب نہیں ہوگا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ڈاکٹر نے کہا تھا اگر یہ سو جائیں تو ان کے آرام میں خلل نہ ڈالا جائے۔ کچی نیند سے اٹھنا ان کے ذہن پر مخدوش اثرات مرتب کر سکتا ہے۔"

"تو پھر کیا کرنا چاہیے؟" الماس کا خالو کچھ پریشان ہو گیا۔

"آرام۔" میں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "آپ لوگ چاہیں تو آج رات اسی چھت کے نیچے گزار سکتے ہیں۔"

میں الماس یا شبانہ کی قربت کے اس بہا...
نہیں دینا چاہتی تھی۔

"میں تو نہیں رک سکتا۔" الماس کے خالو...
الماس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اور تمہارا یہاں رکنا گوارا نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ ہم ان شریف خاتو...
کامران کو یہیں چھوڑ کر ہم لوگ چلے جاتے ہیں۔ کل...

"میں یہیں رکوں گی۔" الماس نے فیصلہ کن...

"تمہاری خالہ....؟"

"آپ انہیں سمجھا دیجئے گا۔" الماس تنک کر بو...
ہو تو وہ بھی یہاں آ جائیں۔"

"ڈر؟" میں بڑی معصومیت سے بولی۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" الماس کے خالو...
وہ پرانے وقتوں کی عورت ہیں۔ بچی کو اجنبی لوگوں میں...
نہیں ہے۔"

"یہ ایک اچھی بات ہے۔" میں نے سر ہلا کر کہا...
یہ اطمینان دلا سکتی ہوں کہ اس گھر میں کوئی مرد نہیں،
میری ملازمائیں۔ صرف ایک چوکیدار اور ایک مالی...
تک محدود رہتے ہیں۔"

"الماس کے ساتھ میں بھی یہیں رک جاتی ہوں..."

الماس کے خالو کے چہرے پر اب بھی تذبذ...
شبانہ نے چڑ کر کہا۔ "کیا آپ خالہ کو سمجھا نہیں سکتے؟"

"سمجھا تو دوں گا لیکن..... اچھا خیر!" ...

مجھے اس بات سے بڑی مسرت ہوئی کہ...
رکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ دشمنِ ایمان میری...
میں ساغر چھلکنے لگے لیکن مجھے یہ خوش فہمی ہرگز نہیں...
کا گھونگھٹ الٹنا کوئی آسان کام ثابت ہوگا۔ اس...
تھا کہ وہ غرور پیشہ نازنین میرے دل کے اضطراب کی...
ہی اپنی جفاؤں کے مضبوط ترین بند باندھنے کی کو...
جبینِ ناز کو اس کی بے نیازیوں کی دیوار سے ٹکرانا...
دینا ہوں گے۔

الماس کے خالو کے جانے کے بعد میں نے...
آدمیوں کے لئے کھانے کی میز لگوا دی۔

"نہیں نہیں۔" الماس جلدی سے بول پڑی۔

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔ "کیا تم دونوں...

"کھایا تو نہیں مگر...؟"

"تکلف؟"

"یہ بات نہیں۔" الماس نے جلدی سے کہا۔

...ن۔ وراد چھیے تو، کامران کس طرح لیٹا ہے۔ اگر ان...
...س کی تو نیچے گر پڑے گا۔"

"تو ہم کھانا یہیں کھائے لیتے ہیں۔" میں نے کہا اور پھر...
...ہ کھانا ٹرالی پر رکھ کر بھجوا دے۔
...نظروں سے کامران کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ دیکھنے...
...دے تھے اور قربان ہو جانے کا جذبۂ فراواں
...ا رہا تھی اور مجھے عورت کے اس روپ سے سخت چڑ...
...عورت کے یہ جذبات میری دانست میں اس بات...
...عورت مساکسٹ ہے۔ مساکسٹ ہونا اس قسم کا...
...اں کو اس قسم کے مرض میں گرفتار دیکھ کر تلملا جاتی تھی۔
...رہ شخص تھا جس نے الماس کو ٹھکرا کر اس کی تذلیل کی...
...کے لئے ضروری تھا کہ الماس بھی اسے ٹھوکروں...
...کے برخلاف الماس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کامران...
...ہو۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کامران کے لئے...
...رہی ہے۔
...وں کی نفسیات کے اس پہلو کو انقلاب آشنا کر سکتی۔
...نظر آتا ہے؟... محبت!... لیکن محبت کیا ہے؟
...محض کیا ہو نام!... بات جب اسی وحشی جذبے...
...س کے لئے مرد ہی کیوں؟ کیا محبت کسی عورت سے...

...ہ ناپختہ کار لڑکیاں میری ان باتوں کو نہیں...

...لہا! کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔
...ذکی خوشبو نے میری اشتہا کو بھڑکا دیا۔ میں...
...بس اب تکلف میں وقت ضائع نہ کریں۔
...میں میری خواہش تھی کہ ایک ایک چیز اپنے ہاتھ...
...رہی تھا کہ وہ میرے لتفاتِ بے پایاں کو محسوس کرلے۔
...مزاج چڑیا کو پکڑنے کے لئے ضروری تھا کہ جال کی...
...کم نہ ہو جائے۔
...ال کا دور چلا اور ادھر ادھر کی باتوں کا رخ کسی...
...ہوا گیا۔ میں نے شبانہ کو جنوبی امریکہ کے ان گنت...

...یہاں بھی رہی ہیں!" شبانہ نے قدرے تعجب...

...ال دور جنوبی امریکہ میں گزرا ہے۔" میں نے مسکرا...
...ہماندول تھی۔"
مجھے جنوبی امریکہ بڑا پُراسرار براعظم معلوم ہوتا ہے۔"

...طلاح "مساکسٹ" ان لوگوں کے لئے استعمال ہوتی...
...کر لذت حاصل کرتے ہیں۔

"وہ واقعی پُراسرار ہے۔ اس سرزمین کے بے شمار گوشے تو ابھی تک مہذب دنیا تک نہیں پہنچ سکے۔" میں نے جواب دیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ جنوبی امریکہ شبانہ کی کمزوری ہے۔ میں یہ جان کر دل ہی دل میں خوش ہو گئی کیونکہ اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔

میری اور شبانہ کی اس گفتگو میں الماس نے قطعاً دلچسپی نہیں لی۔ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں خلا میں گھورتی رہی یا اس کی نظریں سوئے ہوئے کامران پر جمی رہیں۔

جب ہم کافی پی چکے تو ملازمہ برتن سمیٹ لے گئی۔ میں نے اس دوران میں کئی مرتبہ اپنی نشست بدلی تھی اور بالآخر میں ایک موقعے پر شبانہ کے برابر ہی میں بیٹھ گئی۔ اسے قطعاً محسوس نہیں ہوا ہوگا کہ میری یہ حرکت دیدہ و دانستہ ہے۔

"تم بہت تھکی ہوئی ہو الماس!" میں نے کہا۔ "بہتر ہوگا کہ میرے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ میں اور شبانہ، کامران کی دیکھ بھال کے لئے یہاں موجود ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" الماس نے جواب دیا۔

میں دل ہی دل میں جھنجلا کر رہ گئی۔ میں شبانہ کے ساتھ تنہائی کی خواہشمند تھی۔ اس تنہائی کے حصول کا ایک راستہ یہ بھی تھا کہ میں اور شبانہ یہاں سے اٹھ جاتے لیکن میرا خیال تھا کہ شبانہ میرے ساتھ میری خوابگاہ میں جانا پسند نہیں کرے گی۔ اگر میں اسے کسی اور کمرے میں سلا دیتی تو میرا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔

وقت گزرتا رہا اور میں شبانہ کو جنوبی امریکہ کے عجیب عجیب قصے سناتی رہی۔ کامران تو اس طرح سویا تھا کہ ابھی تک اس نے کروٹ لینے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ الماس نے اپنا سر صوفے کی پشتگاہ سے ٹکا دیا تھا اور چھت کو گھورے جا رہی تھی۔ ایک بجے کے بعد اس کی آنکھیں گویا خود بخود بند ہو گئیں۔ وہ اسی عالم میں بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔ ادھر اب شبانہ نے بھی جمائیاں لینا شروع کر دی تھیں۔ میری باتوں پر وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد دھیرے سے "ہوں" یا "ہاں" کر دیتی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اب وہ بھی نیند کے دباؤ میں آ چکی ہے۔

دو بجے کے قریب وہ بھی صوفے سے سر ٹکا کر سو گئی اور میں جنوبی امریکہ کا جو قصہ سنا رہی تھی، وہ ادھورا ہی رہ گیا۔

ادھر میرے جذبات بڑی حد تک برانگیختہ ہو چکے تھے۔ شبانہ کا قرب مجھے بہکتی ہوئی فضا میں لے گیا تھا۔ وہ مجھ سے بمشکل ایک فٹ دور تھی۔ میں بڑی آہستگی سے اس کی طرف سرکی اور یہ فاصلہ بھی ختم ہو گیا۔ اب میں اس کے کولھوں کے گداز سے آشنا تھی۔ میرا جی چاہا کہ اسے اپنے بازوؤں میں لیکر پیس ڈالوں، اس کے ہونٹوں پر اپنے جذبوں کی برسات کر دوں، اس کی جوانی کی سرکش چوٹیوں کو سر کر لوں لیکن پھر وہی بات کہ شبانہ کے سلسلے میں احتیاط اور تحمل ضروری تھا۔ وہ آسانی سے پگھل جانے والی ہرگز نہیں تھی۔

میری آنکھیں اب جذبات کی تپش سے جلنے لگی تھیں۔ میں نے اس آگ پر اپنی پلکوں کا گھنا سایہ کر دیا۔ آنکھیں موند کر میں ایسی بن گئی جیسے سو گئی ہوں۔

شبانہ کا سر ڈھلک کر میرے شانے پر آ گیا تھا۔ اس کی مہکتی ہوئی زلفوں نے مجھے کچھ اور مخمور کر دیا۔ میرا بایاں ہاتھ اب بڑی ہی آہستگی سے شبانہ کے گھٹنے پر پہنچ گیا تھا۔ اس لمس سے میرے جسم میں برقی روئیں دوڑنے لگیں۔ میرے اندر کا وحشی عفریت بے قابو ہوا جا رہا تھا اور میں بڑی مشکل سے اس کی منہ زوری کو قابو میں کئے ہوئے تھی۔ میرے ہاتھ نے بہت خفیف سی حرکت کی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ریشم پر سفر شروع ہو گیا ہو۔ یہ سفر بڑا دل نواز، بڑا کیف آور تھا۔ اسی کیف و سرمستی میں سفر کچھ تیز ہو گیا اور اس کے نتیجے میں شبانہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ پر پہنچ گیا اور میرے شانے سے ٹکا ہوا سر الگ ہو گیا۔ میں قطعی بے حس و حرکت رہی۔ میری آنکھیں بدستور بند تھیں لیکن میں محسوس کر رہی تھی کہ شبانہ نے بہت غور سے میری طرف دیکھا تھا۔ پھر شاید وہ یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئی کہ میں سو رہی ہوں۔ اس کے مطمئن ہونے کا ثبوت مجھے اس بات سے ملا تھا کہ اس کی معطر زلفیں پھر میرے چہرے پر پھیل گئی تھیں۔ اس نے حسب سابق اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا تھا لیکن اس کا ہاتھ میرے ہاتھ پر سے نہیں ہٹا۔

ریشم کا گداز بدستور میرا مقسوم بنا ہوا تھا لیکن میرے ہاتھ کی شوقِ آوارگی کو لگام دے دی گئی تھی۔ میرے جذبات ایک کڑے امتحان سے دوچار تھے۔ صبر و تحمل کا پہاڑ مجھے پیسے ڈال رہا تھا۔

دس منٹ بے حسی میں گزر گئے۔ دس منٹ بعد شبانہ کا ہاتھ میرے ہاتھ پر ڈھیلا پڑ گیا۔ اب میں نے پھر ایک فنکارانہ جنبش کو جنم دیا۔ دراصل میں شبانہ کے اندر کے اس وحشی جذبے کو جگا دینا چاہتی تھی جو جوانی میں بس ہلکی سی ٹھیس کا طلبگار ہوتا ہے۔

شبانہ ایک مرتبہ پھر چونکی اور اس مرتبہ اس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ میں اس طرح چونک کر سیدھی ہو گئی جیسے سچ مچ کسی خواب سے چونکی ہوں۔ شبانہ سرک کر مجھ سے کچھ دور ہو گئی۔

"اوہ! میں گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "شاید ہم سو گئے تھے۔"

"شاید۔" شبانہ نے بڑے خشک لہجے میں کہا اور الماری کی طرف دیکھنے لگی۔

مجھے بڑی عجیب سی خجالت کا احساس ہوا اور میں شبانہ کے پتھریلے پن پر جھنجھلا بھی گئی۔ اس وقت میرا سارا جسم پھنکا جا رہا تھا۔ میرے جی میں آئی کہ درندوں کی طرح شبانہ پر ٹوٹ پڑوں اور اسے جھنجھوڑ کر رکھ دوں لیکن ظاہر ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتی تھی ورنہ شبانہ چیخنا چلانا شروع کر دیتی جس کے نتیجے میں نہ صرف کامران اور الماس جاگ جاتے بلکہ میری ملازمائیں بھی ڈرائنگ روم میں جمع ہو جاتیں۔ میں چور بن کر رہ جاتی۔

"میرا خیال ہے کہ الماس کو کسی کمرے میں پہنچایا جا سکتا ہے۔" شبانہ میری طرف دیکھے بغیر بولی۔

"لیکن یہ آمادہ تو ہو۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ بہت گہری نیند سوتی ہے۔ جب تک اسے جھنجھوڑ کر نہ جگایا جائے، اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔ اگر آپ میرا ساتھ دیں تو ہم اسے اٹھا کر کسی کمرے تک پہنچا سکتے ہیں۔"

میں نے غور سے شبانہ کی طرف دیکھا۔ میں
سمجھنا چاہتی تھی۔ دراصل میرے دل میں یہ خیال
نے میری خواہش کی زبان سمجھ لی ہے اور اب یہاں
قریب کوئی تیسرا نہ ہو۔

میں اس بارے میں کوئی حتمی اندازہ
اس کی تجویز پر عمل کرنے کے سلسلے میں آمادگی ظا
الماس کو بڑی آہستگی سے اٹھایا۔ وہ ہونٹوں
تھوڑا سا مچلی اور پھر ہم دونوں کے ہاتھوں پر سا
اٹھائے ہوئے ڈرائنگ روم سے نکلے۔ میں الماس
پہنچا دینا چاہتی تھی۔

جب الماس کو گیسٹ روم کے بستر پر لٹا
بولی۔ "بہت بہت شکریہ! اب آپ بھی جا کر آرا
کے ساتھ سو جائیں گی۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بہت زو
مار دیا ہو۔ یہ میری زندگی کا پہلا موقع تھا جب کس
شکست دی تھی اور میرے لئے اس کے سوا کوئی چا
کو خندہ پیشانی سے قبول کر لوں۔

"اچھا" میں نے آہستہ سے کہا۔ "اگر تم الماس
ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"شکریہ۔" شبانہ کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

میں کمرے سے نکلی تو مجھ پر وحشت طاری تھی
کپڑے پھاڑ ڈالوں، دیواروں کو گھونسے لگاؤں، دیوا
اور کھلی فضا میں نکل کر بہت دور تک دوڑتی چلی

اس ناآسودہ وقت میں صرف ایک ہی
تھی، شراب! میں اپنے کمرے میں پہنچ کر ازلی پیاس
ٹوٹ پڑی۔ ایک پیگ، دوسرا پیگ، تیسرا پیگ
چھٹا اور اس کے بعد کسی بات کی خبر نہ رہی۔

ڈھلتی ہوئی رات، خوابوں میں ڈھل گئی
اپنی ناآسودگی کا علاج مل گیا۔ بھولی بسری حسین
میں در آئیں اور دھنک کے سارے رنگ میر
کر میرے دہکتے اضطراب کو سکون آشنا کرنے لگے۔

میں بہت دیر سے سوئی تھی اس لئے قبل
نہ کھلتی لیکن فریدہ نے مجھے صبح ہی جگا دیا۔ جنگلے کی
پڑی تھی کہ کھڑکیوں میں گرل لگانے کے لئے مزدور آ گئے

بیدار ہوتے ہی میں نے فریدہ سے کامران مرزا
پوچھا۔ معلوم ہوا کہ وہ جاگ چکا ہے اور اب اس
شام کی سی نہیں ہے۔

روم میں بھی تو کامران چاق و چوبند نظر آ رہا
من مہر و درشت تھی۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی
بھیجہ باکو ہیں؟"
اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔
ظاہر میں آپ کا مہمان ہوں لیکن مجھے یہ نہیں
اس کس طرح بن گیا۔ ملازماؤں نے میرے
آپ کا انتظار کروں۔"
ے مہمان ہیں۔" میں نے جواب دیا اور پھر
مہمان کس طرح بنا تھا۔ وہ کہانی سنا کر میں
الماس ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔
اس طرح اچھلا جیسے اس نے سورج کو
دیکھ لیا ہو۔
منہ سے نکلا۔ "تم یہاں کیسے؟"
کیسی ہے؟" الماس نے اس کا سوال گول
کر کے پوچھا۔
" کامران مرزا نے حیرت ظاہر کی۔
لی بلا اندازی ضروری سمجھی۔ "رات میں نے
کامران! آپ کا طبی معائنہ کیا جا چکا ہے۔"
کامران کی آنکھوں میں اضطراب لہرا گیا اور
طرف دیکھنے لگا۔
" ڈاکٹر کے خیال کے مطابق آپ وقتی طور

لمانے ایک طویل سانس لے کر میری طرف دیکھا۔
کہ لٹنے کی عادت کا علم الماس کو ہو۔
کر رہوں کہ آپ نے میرے لئے اتنی تکلیف
میں بولا۔
انہیں دو ایک گھسے پٹے فقرے کہنا چاہیے

طرف متوجہ ہوا۔ "تم نے بتایا نہیں؟"
طرف جھکا کر پوچھا۔

چند روز قبل بدمعاشوں سے میری
مدد کی تھی۔"
ہی محسن ہو گئیں۔"
مسٹر کامران!" میں نے چبھتے ہوئے
رشتہ رہ گیا ہے۔ آپ تو اس منگنی کو

چھلک گئیں۔ الماس ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے
اس کی طرف دیکھنے لگی۔ شبانہ کی آنکھوں سے تنفر جھانک رہا تھا۔ دراصل وہ شروع ہی سے کامران کو ایک ناپسندیدہ شخص قرار دے چکی تھی۔

"میں اپنی اس حماقت پر شرمندہ ہوں۔" کامران نے آہستہ سے کہا۔ "اس انکار میں میری جھوٹی انا کا ہاتھ تھا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ الماس جیسی بیوی مجھے ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گی۔"

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کامران جھوٹ رہا ہو۔ اس کا چہرہ اس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ اصل بات کچھ اور ہے۔

"لیکن الماس اب تمہیں یونہی نہیں مل جائے گی۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "تمہیں خود کو الماس کے لائق بنانا پڑے گا۔"

الماس میرا منہ تکنے لگی۔ میری بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر کامران مرزا میرا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ اس نے ملتجیانہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر بولا۔ "اگر میں خود کو الماس کے لائق نہیں بنا سکا تو اسے حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کروں گا۔"

الماس الجھ کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ میری ایک ملازمہ اندر آئی اور اس نے خوبصورت کاغذ میں لپٹا ہوا ایک ڈبہ میری طرف بڑھایا۔

"یہ ایک آدمی آپ کے لئے ابھی ابھی لایا ہے۔"

میں نے اس کے ہاتھ سے ڈبہ لے لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ اس پر میرا نام تو تحریر تھا لیکن بھیجنے والے کا نام پتہ غائب تھا۔

"وہ آدمی کون ہے؟" میں نے ملازمہ سے پوچھا۔

"پتہ نہیں، ویسے چوکیدار نے اسے روک رکھا ہے۔"

میں نے ڈبہ تپائی پر رکھ دیا۔

"ایکسکیوز می۔" میں نے الماس وغیرہ کی طرف دیکھ کر کہا اور باہر کی طرف لپکی۔

مجھے ڈر تھا کہ وہ آدمی چلا نہ جائے۔ میرا یہ خدشہ درست ہی ثابت ہوا۔ جب میں پھاٹک پر پہنچی تو وہاں چوکیدار کھڑا تھا اور اپنا جبڑا سہلا رہا تھا۔

"کیا ہوا چوکیدار!" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ کمبخت کا بچہ بے خبری میں ہم کو مار کر بھاگ گیا۔" چوکیدار نے شرمندہ سے لہجے میں جواب دیا اور میں ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟" میں نے چوکیدار کا شانہ تھپک کر پوچھا۔

"نہیں، بالکل نہیں، مگر ہم کو اس کا صدمہ ہے کہ وہ بھاگ گیا۔"

"کوئی بات نہیں، اب ذرا ہوشیار رہنا۔" میں نے چوکیدار سے کہا اور تیزی سے واپسی کے لئے مڑی۔

جب میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو الماس، شبانہ اور

کامران مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ دراصل میرا یوں بھاگ اُٹھنا ان کے لئے تعجب خیز ثابت ہوا تھا۔

میں نے مسکرا کر کہا "میں اپنے اس کرم فرما کا شکریہ ادا کرنے گئی تھی جو میرے لئے یہ تحفہ لایا تھا لیکن اسے اتنی عجلت تھی کہ وہ چوکیدار کو مار پیٹ کر بھاگ نکلا۔"

"مار پیٹ کر کیا مطلب!" کامران نے تیزی سے پوچھا۔

"مار پیٹ کا مطلب پیار ہرگز نہیں ہو سکتا کامران صاحب!" میں نے صوفے پر گرتے ہوئے کہا۔

"مائی گاڈ!" شبانہ اچھل پڑی "پھر تو اس ڈبے میں بم بھی ہو سکتا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بہت زیادہ جاسوسی ناول پڑھے ہیں۔" میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا "بم اتنے مشتبہ انداز میں نہیں بھیجے جاتے بے بی!"

"تو پھر اس ڈبے میں کیا ہے؟" الماس نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"یہ ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔" میں نے ڈبہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ تینوں گھبراتے ہوئے نظر آنے لگے۔ غالباً انہوں نے بم کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ میں نے ڈبے کو اپنے کان کے قریب لے جا کر ہلایا اور پھر اس کا کاغذ پھاڑنے لگی۔

"احتیاط ضروری ہے بانو!" الماس مضطربانہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔

اس موقع پر میرا دل بھی یکبارگی دھڑک اٹھا اور میں نے سوچا کہ احتیاط برتنے میں کوئی حرج تو بہرحال نہیں ہو گا۔

میں ڈبہ سنبھالے ہوئے کھڑی ہو گئی اور بولی "احاطے میں چل کر دیکھ لیتے ہیں۔"

وہ تینوں میرے ساتھ چل پڑے مگر یہ ان کی سمجھ میں نہیں آسکا ہو گا کہ احاطے کا رُخ کرنے میں مجھے احتیاط کا کون سا پہلو نظر آگیا ہے۔

میں برآمدے ہی میں رُک گئی اور میں نے پوری قوت سے اس ڈبے کو احاطے کی دیوار کی طرف پھینکا۔ الماس، شبانہ اور کامران نے جلدی سے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ انہیں بم کے دھماکے کا انتظار تھا لیکن کوئی دھماکہ نہیں ہوا۔

وہ ڈبہ گتے کا تھا اس لئے دیوار سے ٹکرا کر اس کے جوڑ کھل گئے اور اس میں سے کوئی چیز نکل کر زمین پر لڑھکتی چلی گئی۔

"بم!" شبانہ کے منہ سے نکلا۔

"نہیں وہ بم نہیں ہے۔" میں برآمدے سے اتر کر تیزی سے اس طرف بڑھی۔

میرا خیال درست ہی ثابت ہوا۔ وہ بم نہیں بلکہ ایک مری ہوئی

بلی تھی جس کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی تھی۔

"میرے خدا!" میں نے اپنی لرزتی
آواز سنی۔

میں نے مُڑ کر دیکھا۔ وہ تینوں میر
"... یہ ... یہ ... اس کا کیا مط
ہانپنے لگی تھی۔

"میرے کسی دشمن نے موت کی دھمکی
لاپرواہی سے کہا۔

"دشمن؟" کامران بولا۔

"ہاں۔" میں مسکرائی "میرے کئی
ایسا بھی ہے جس کی ٹانگ اسی احاطے میں
"خدا کی پناہ!" الماس بہت خو
"تمہارے اغوا میں بھی تیرے
اس سے کہا "اس معاملے میں اسے بڑی گہری
علاوہ بھی بہت سی چوٹیں ہوئی ہیں جن کا بدلہ
سکتا ہے۔"

"تب ... تو ... تب تو ... آپ
الماس کے لہجے میں لکنت آگئی۔

"اور یہ خطرہ آپ کو ہماری ہی دم
تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"نہیں، یہ تو میرا پرانا جھگڑا ہے۔ ..
فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ میں اپنے دشمنوں
جانتی ہوں۔"

گفتگو کا یہ موضوع آگے نہیں بڑھ
سے ایک ٹیکسی احاطے میں داخل ہوئی تھی اور
خالو کا چہرہ نظر آیا تھا۔

"ارے! یہ تو خالو ہیں!" کامران کے
"مجھے لینے آئے ہیں۔" الماس نے آ
ہم چاروں واپس برآمدے کی طرف ا
"اپنے خالو سے اس بلی کا تذکرہ
خواہ مخواہ وہ لوگ بھی میرے لئے پریشان ہوں
الماس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔
جب ہم برآمدے کے قریب پہنچے
اتر آئے تھے۔

"صبح بخیر!" میں نے مسکرا کر کہا۔
الماس کے خالو کی نظریں کامران کم
سے نظریں چرا رہا تھا۔

"اندر تشریف لے چلیے!" میں نے

ڈرائنگ رُوم میں جا کر بیٹھ گئے تو الماس کے
...ارہ کر کے مجھ سے پوچھا "کیا رہا؟"
"...بالکل ٹھیک ہیں۔" میں نے جواب دیا۔
ثابت ہوا کہ ان کی یادداشت کسی وجہ
...گئی تھی۔ انہیں کچھ دن اپنا علاج ضرور

...بیٹھا رہا۔
...کہ خالو نے پہلو بدلا اور پھر سوالیہ انداز میں

...ابقہ رویے پر شرمندہ ہیں خالو!" الماس

...ان سے بھی معافی مانگوں گا۔" کامران جلدی

...انہ اچکائے جیسے انہیں اس معاملے میں

...ا جائے۔" وہ قدرے توقف سے بولے۔
...جلدی!" میں نے کہا "ابھی تو ان لوگوں

...گھر جا کے کر لیں گے۔"
...ناشتہ تو تیار بھی ہو چکا ہو گا۔" میں نے کہا
...کر ناشتے کے بارے میں پوچھا۔
...م میں داخل ہوئی اور بولی "یہیں
...روم ..."
...میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
...اور اسی وقت عمارت کے مختلف حصوں
...لگیں۔
...کے لئے معافی چاہتی ہوں۔" میں نے مسکرا کر
...ال رُخ پر کھلنے والی کھڑکیوں میں گرل

الماس کے خالو نے سر ہلا دیا۔
...آ گیا اور میں نے بہ اصرار الماس کے
...پھر ناشتے کے دوران میں میں نے

...حال مجھ سے ضرور مل لیجئے گا۔ ڈاکٹر
...معاملے میں کوئی مفید مشورہ دے سکے گا۔"
...لوں گا۔" کامران نے سر جھکا کر کہا "مجھے
...حالات سے باخبر ہو چکی ہوں۔"
...وہ لوگ روانہ ہونے لگے تو میں

نے مصافحہ کرتے ہوئے شبانہ کا ہاتھ آہستہ سے دبا دیا۔ ردِعمل یہ ہوا کہ شبانہ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔

"جلد ہی تم سے پھر ملاقات ہو گی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

وہ اب بھی کچھ نہیں بولی اور ہاتھ چھڑا کر ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

اُن لوگوں کے جاتے ہی میرے قدم تیزی سے اس طرف اٹھنے لگے جہاں بلی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ان لوگوں سے باتوں کے دوران میں بھی میرا ذہن اسی طرف اُلجھا رہا تھا۔ وہ کوئی ایسی بات ہرگز نہیں تھی جسے میں سرسری انداز میں ٹال دیتی۔

میں نے بہت قریب سے بلی کی لاش کا جائزہ لیا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

بلی کے جسم کو جگہ جگہ سے بہت بُری طرح نوچا کھسوٹا گیا تھا۔ لاش خون میں ڈوبی ہوئی تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ نوچنے کھسوٹنے کا عمل بلی کی زندگی ہی میں کیا گیا تھا۔ بلی انتہائی اذیت ناک موت سے دوچار ہوئی ہو گی۔ میں اس کا تصور ہی کر کے کانپ گئی۔

مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ ڈاکٹر فونگ اب ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ اس نے میرے لئے جو موت تجویز کی تھی، اس کا ایک نمونہ مجھے بھیج دیا تھا۔

میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ پے در پے ناکامیوں نے شاید ڈاکٹر فونگ کا دماغ الٹ دیا ہے۔ بلی کی لاش بھیج کر اس نے ایک بچکانہ حرکت کی تھی۔ اس قسم کی باتیں ابنِ صفی کے جاسوسی ناولوں میں تو مل سکتی ہیں لیکن حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا۔

یہ مجنونانہ حرکت ڈاکٹر فونگ کے سینے میں بھڑکتی ہوئی آتشِ انتقام کی بھرپور نشاندہی کر رہی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ اس حرکت نے مجھے یہ اطمینان بھی دلا دیا تھا کہ مجھ پر کسی آتشی اسلحے سے حملہ نہیں ہو گا۔ مجھے زندہ پکڑنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ انتہائی اذیتیں دے کر موت کی نیند سُلایا جا سکے۔

پرسوں رات کا واقعہ بھی اب اپنی اصلی شکل میں میرے سامنے آگیا تھا۔ میری خوابگاہ میں گھس کر جن لوگوں نے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی، وہ ڈاکٹر فونگ ہی کے آدمی ہو سکتے تھے۔

"اچھی بات ہے فونگ!" میں زیرِ لب بڑبڑائی "گویا ہم دونوں کی لڑائی کا آخری دور شروع ہو گیا ہے۔"

میں نے فریدہ کو بلا کر ہدایت کی کہ وہ بھنگی کو بلا کر بلی کی لاش وہاں سے پھنکوا دے۔ یہ ہدایت کرنے کے بعد میں گھر میں آگئی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں ٹیلیفون پر رضوان کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

آج یومِ آزادی تھا اور اس سلسلے میں ہونے والی کئی تقریبات کے دعوت نامے میری میز پر پڑے ہوئے تھے لیکن میں اُن میں سے کسی بھی تقریب میں شرکت کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس قسم کے فنکشن اسی صورت میں اٹینڈ کئے جا سکتے ہیں جب آدمی ذہنی طور پر آسودہ ہو

اور میں انتہائی انتشار میں مبتلا تھی۔

اسی انتشار کی وجہ سے مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یوم آزادی کی وجہ سے آج اخبارات کے دفاتر بند ہوں گے۔ اس بات کا خیال مجھے اس وقت آیا جب دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی لیکن ریسیور نہیں اٹھایا گیا۔ میں نے کریڈل دبا کر رضوان کے گھر کے نمبر رنگ کئے لیکن وہاں سے بھی گھنٹی ہی کی آواز آتی رہی۔ غالباً رضوان گھر پر موجود نہیں تھا۔ میں نے ایک طویل سانس لیکر ریسیور رکھ دیا اور پھر میں کمرے سے نکلی ہی تھی کہ فریدہ سے مڈبھیڑ ہوئی۔

"رضوان صاحب آئے ہیں" اس نے اطلاع دی۔

"ڈیول از دیئر" میں ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔

رضوان مجھے دیکھتے ہی صوفے سے اُٹھا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتا ہوا بولا "خادم آداب بجا لاتا ہے"

"اُس دن کے بعد صورت ہی نہیں دکھائی"

"آپ کون سا میری صورت دیکھنے کے لئے تڑپتی رہتی ہیں!" رضوان نے ایک دلدوز آہ بھر کر کہا "جب بھی ایسا ہوگا میں شیرینی منز در باٹنوں گا"

"تمہاری پھٹکار برستی ہوئی صورت دیکھنے کے لئے میں کبھی نہیں تڑپ سکتی" میں نے شوخ لہجے میں کہا۔

"مجھے بھی اس کا احساس ہے" رضوان نے منہ بنا کر کہا "اور اسی لئے میں نے آپ کو اپنی صورت دکھانا بھرتی کا فعل سمجھا تھا۔ میرے یہ دو دن خاصے مصروف گزرے کیونکہ استقلال ایڈیشن کی تیاری کرنا تھی"

"رانا حمید کی تصویروں کا کیا ہوا؟"

"وہ پمفلٹ" رضوان بولا "وہ تو میں نے پرسوں ہی کیماڑی لیجا کر سمندر برد کر دیئے تھے" پھر اس نے پوچھا "یہ ٹھوکا پیٹی کیسی ہو رہی ہے؟"

"کھڑکیوں میں گرل لگوا رہی ہوں"

"چودہ اگست ہی کا دن رہ گیا تھا اس کام کے لئے!"

"میں تو کل ہی لگوا لیتی لیکن انتظام نہیں ہو سکا تھا۔ میں اس کام میں دیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کھڑکیاں میرے لئے پرخطر ہو گئی ہیں"

"وہ کیسے؟" رضوان مجھے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"پرسوں رات مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی گئی تھی"

"نہیں!" رضوان کسی قدر اُچھل پڑا تھا۔

میں نے اسے پرسوں رات کا واقعہ سُنایا تو اس کے چہرے سے تشویش جھلکنے لگی اور وہ بڑبڑانے والے انداز میں بولا "یہ حرکت کس طرح سے ہو سکتی ہے؟"

"ڈاکٹر فونگ"

"یقینی طور سے تو نہیں کہا جا سکتا"

"آج کے واقعے کے بعد کہا جا سکتا ہے"

"آج کا واقعہ؟"

"ہاں، ڈاکٹر فونگ نے مجھے ایک ا
دی ہے" میں نے مسکرا کر کہا اور پھر اسے
بھی سُنا دیا۔

"مائی گاڈ!" رضوان نے ایک طویل
کا بچہ پاگل ہو گیا ہے!"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے"

"اب اس کا دائمی بندوبست کرنے
کرنا ہی پڑے گی" رضوان نے سوچ میں ڈوبے
دفعتاً اس طرح مسکرا پڑا جیسے ذہن میں کوئی
"کیوں!" میں اُسے گھورنے لگی۔

"مجھے اپنے ہی فقرے پر یہ دلچسپ
منصوبہ بندی کا خوب طریقہ اختیار کر رکھا
کر یہ منفرد طریقہ اختیار کرنے پر آپ کو انعامات

"میں خود ہی انعام حاصل کر لیتی ہوں
سنہری چڑیاں ہی میرا انعام ہیں۔ یہ مجھے خو

"چڑیوں کے پاس کیا دھرا ہے کہ میرا
ہی سر انجام دے سکتا ہے"

"وحشی چڑے" میں نے نفرت سے
"خاکسار بہت شائستہ قسم کا چڑا واقع
مہربان!" رضوان نے بڑے بیکڑ انداز میں

"تم مردوں کی وحشت و بربریت کو
"کیا کبھی آپ کو اس سلسلے میں کوئی تلخ
"اگر میں نے شروع ہی میں اپنے لیے
تو یہ تلخ تجربہ بھی ہو جاتا"

"یہ راہیں آپ نے کب منتخب کی تھ
ہوا بولا۔

"جب میں پندرہ سال کی تھی"

"مائی گاڈ!" رضوان اپنی کھوپڑی
گویا انتہائی پختہ ہو چکی ہے"

"اس میں کوئی شک نہیں"

"تب تو اسے چھڑانا بہت دشوار ہو
لہجے میں کہا۔

"تمہیں اس دشواری سے گزرنے کی
انداز میں بولی۔

"عاشق کو ہر دشواری سے گزرنا پڑ
"اچھا عاشق صاحب! دماغ مت

ل بھر گھری میں آرام کروں گی اور یہ سوچوں گی کہ مجھے
ارج کرنا ہے"
معلوم ہیری ضرورت بھی پڑ سکتی ہے" رضوان سنجیدہ ہو گیا۔
ی تو میں تمہیں فون کروں گی"
"تو میں اپنا بوریا بستر یہیں اٹھا لاؤں؟"
الت خشمگیں نظروں سے دیکھا تو وہ ہنس پڑا۔
"منہ پیٹتا ہوا بولا "میری نیت میں کوئی فتور

جاتے ہو یا کرانے کا کوئی ہاتھ دکھاؤں"
رتے" رضوان منہ بنا کر کھڑا ہو گیا "مہمان نوازی
اتے"
ری نیند نہیں لے سکی ہوں اس لئے مجھے اس
شار رہی ہے"
"کیا خاک اچھا لگے گا"
ل مجھے آج میسر ہی نہیں ہے"
ا پھول تو حاضر ہے" رضوان نے قدرے جُھک کر کہا۔
ملے تپائی سے رسالہ اٹھایا اور اُسے کھینچ کر رضوان کے
اس نے مسکین صورت بنا کر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔
بی!" اس نے بڑے مظلومانہ انداز میں کہا اور
کی طرف بڑھتا چلا گیا۔
ا بی پہ مجھے ہنسی آتے آتے رہ گئی۔
گھر میں ہو کر ایک ایسے کمرے میں پہنچی جہاں گرل
ملازمہ کو وہیں بلایا اور اس سے کہا۔
بند کر کے اس کمرے میں سو جاتی ہوں اگر کوئی
ٹیلیفون کرے تو کہہ دینا کہ میں گھر میں موجود نہیں ہوں"
الا!"
کر میں چار بجے تک اٹھ جاؤں گی۔ اگر نہ اٹھ سکوں

رخصت کیا اور دروازہ بند کر کے لیٹ گئی۔ دروازہ
ای کی آوازوں سے بڑی حد تک نجات مل گئی تھی۔
دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔
عمل کر چار بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ دس منٹ
رہی اور جب فریدہ مجھے جگانے آئی تو میں نے
آیا تو نہیں تھا؟"
نے دو نام لیے سوسن لی اور کامران!
تھے؟" میں نے پوچھا۔
ا بجے اور سوسن لی ڈھائی بجے آئی تھی۔

میں نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا اور پھر کہا "اچھا تم میرے لیے ہلکا سا ناشتہ تیار کروا دو۔ مجھے بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے لیکن میں کھانا نہیں کھاؤں گی"

فریدہ چلی گئی تو میں نے باتھ روم کا رُخ کیا اور دس منٹ تک باتھ ٹب میں لیٹی رہی۔ کامران اور سوسن لی کے چہرے میرے تصور میں چکر لگاتے رہے اور میں ان کے بارے میں سوچتی رہی۔ کامران کے بارے میں تو مجھے اندازہ تھا کہ وہ جلد از جلد مجھ سے ملنے کی کوشش کرے گا لیکن سوسن لی؟ اس کی آمد خاصی معنی خیز تھی۔ ویسے اگر وہ نہ آتی تو میں خود ہی اس کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی لیکن یہ بہت اچھا ہوا تھا کہ وہ خود آگئی تھی۔ اگر میں اس تک پہنچتی تو اس کے ذہن میں شبہات جاگ سکتے تھے۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ڈاکٹر فونگ کی ایجنٹ ہے اور اُس کی آمد اس بات کی دلیل تھی کہ ڈاکٹر فونگ کوئی نیا چکر چلانے کا پروگرام بنا چکا ہے۔

نہا کر میں نے سفید جارجٹ کی ساڑی باندھی اور ناشتہ کیا۔ فریدہ نے بتایا کہ گرل لگنے کا کام مکمل ہو چکا ہے اور اس پر رنگ کل کیا جائے گا۔

ناشتہ کر کے میں نے سگرٹ جلائی اور ہلکے ہلکے کش لیتی ہوئی خیالات کے گھوڑے دوڑاتی رہی۔ یہ فیصلہ کرنا تو میرے لیے مشکل ہی تھا کہ پہلے کامران اور الماس کا قضیہ نپٹاؤں یا ڈاکٹر فونگ کا معاملہ دیکھوں اس کا تمام تر انحصار حالات پر تھا۔ جو بات بھی پہلے سامنے آجاتی، اسی کو دیکھنا پڑتا۔

میں نے گھر سے نکلنے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ سوسن لی یا کامران کسی وقت بھی دوبارہ آسکتے تھے۔

سوسن لی سے ملنے میں مجھے دوہرا فائدہ تھا۔ ایک تو اس بات کا اندازہ ہوتا کہ ڈاکٹر فونگ اب کیا کرنے کی فکر میں ہے اور دوسرے سوسن لی کے بدن کے سائے میں کچھ خوشگوار لمحے گزارنے کا موقع مل جاتا۔ شبانہ کے سلسلے میں گزشتہ رات کی ناکامی کو میں نے شراب میں غرق تو کر دیا تھا لیکن ایک خلش سی ابھی باقی تھی۔ کچھ ٹوٹے ہوئے ساغر احساس کی نازک جلد میں بُری طرح چبھ رہے تھے۔

سوسن لی دوبارہ میرے پاس اُس وقت پہنچی جب اندھیرے کا عفریت ہر طرف اپنا تسلط قائم کر چکا تھا۔ جب ملازمہ سے مجھے اس کے آنے کی اطلاع ملی تو میں نے اُسے خوابگاہ میں ہی بلوا لیا۔

وہ منی اسکرٹ میں ملبوس تھی۔ میری نظریں فوراً ہی اس کے اسکرٹ کے نیچے تک پھسلتی چلی گئیں اور میں نے مسکرا کر کہا۔

"بڑے اچھے موقع پر آئیں تم! آج میں بڑی مضمحل تھی"

جوابی گرمجوشی کا اظہار کرنے کے لئے سوسن لی کو مسکرانا چاہیے تھا لیکن وہ سنجیدہ ہی رہی اور عجیب سے انداز میں بولی۔

"آپ تو ذرا بھی پریشان نظر نہیں آرہی ہیں!"

"تو کیا مجھے پریشان ہونا چاہیے تھا؟" میں ہنس پڑی۔
"میرے خیال کے مطابق تو ہونا ہی چاہیے تھا۔"
"کیوں؟"
"اس لیے کہ آج آپ کو ایک پیکٹ ملا ہوگا جس میں ایک مُردہ بلی کی لاش ہوگی۔"
"ہاں ایک ایسی چیز ملی تو تھی۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔
"تو پھر؟ کیا آپ سمجھیں نہیں کہ اس کا کیا مطلب ہوا؟" سوسن حیرت سے بولی۔
"مطلب تو سمجھ میں آگیا تھا۔" میں نے بڑی خوش مزاجی سے کہا۔ "لیکن جس مکتب میں ایسی دھمکیوں سے مرعوب ہونا سکھایا جاتا ہے، وہاں میں نے کبھی قدم نہیں رکھا۔"
سوسن لی نے ایک طویل سانس لی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ کسا ہوا اسکرٹ کچھ اور سکڑ گیا اور میرے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔
"وہ پیکٹ میرے سامنے ہی بنایا گیا تھا۔" سوسن نے تشویش آمیز سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اور اس پر آپ کا نام میرے سامنے ہی لکھا گیا تھا۔"
"خوب!" میں سنجیدہ ہو گئی۔ دراصل میرا تمسخرانہ انداز دیکھ کر سوسن خاموش بھی ہو سکتی تھی اور ایسا ہونا مناسب نہیں تھا۔
میرے سنجیدہ ہوتے ہی سوسن پُرجوش ہو گئی، بولی۔ "مجھے یہ سمجھانے کے لئے بلایا گیا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"
"گویا کوئی نیا کام سونپا گیا ہے تمہیں؟"
"فی الحال مجھے یہ ہدایت ملی ہے کہ کسی طرح مستقلاً آپ کے ساتھ رہنے لگوں۔ آپ کے ساتھ گزرنے والے ہر گھنٹے کی قیمت مجھے سو روپے ملے گی۔ بعد میں کسی وقت مجھے بتایا جائے گا کہ میں کوئی بہانہ بنا کر آپ کو کسی خاص جگہ پر لے جاؤں۔ اگر میں نے یہ کام بخوبی انجام دے ڈالا تو مجھے دس ہزار روپے کا انعام دیا جائے گا۔"
"مبارک ہو!" میں پھر شوخ ہو گئی۔ "یہ ڈیوٹی تو بہت آسان اور معاوضہ گرانقدر ہے۔ پرتگالی شراب میرے ساتھ پیو، جراتی کے ساز پر جذبات کی دھن چھیڑو اور ہزاروں روپے کا انعام بھی پاؤ!"
سوسن نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اسے میری بات سے دکھ پہنچا ہو، پھر وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "بانو! میں بچی نہیں ہوں۔ میں نے اس عمر میں دنیا دیکھ ڈالی ہے۔ مُردہ بلی بھیجنے کا مطلب تو میں سمجھ ہی سکتی ہوں اور سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے آپ کو کسی جال میں پھنسانے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ ناممکن ہے کہ میں آپ کے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر آپ کو موت کی دہلیز تک پہنچا دوں لیکن یہ بھی ناگزیر تھا کہ میں آپ کے پاس آؤں۔ اگر میں انکار کرتی تو وہ لوگ میری جان کے دشمن ہو جاتے لیکن اب آپ ایسا کیجئے کہ مجھے دھکے دے کر گھر سے نکلوا دیجئے۔ میں ان لوگوں کے پاس جا کر اپنی ناکامی کا اعتراف کر لوں گی۔ اس طرح میری جان بھی چھوٹ جائے گی اور آپ بھی محفوظ رہیں گی۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "بھلا یہ نازک جسم ملازمہ کے لیے ہے؟"
سوسن لی نے بُرا مان جانے والے انداز میں کہا "مذاق میں میری بات ٹال رہی ہیں۔ سنجیدگی سے معاملے سمجھیے!"
"سنجیدگی کی بات کرتی ہو تو سنو! جو کھیل میرے ... ہیں وہی کھیل میں بھی کھیل سکتی ہوں۔ یہ تمہاری محبت ... دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بننا چاہتیں لیکن ... کرو جو وہ لوگ چاہتے ہیں۔"
"کیا مطلب! اس سے آپ کیا فائدہ اُٹھا ..."
"فائدہ نہ ہوتا تو میں تم سے یہ سب کچھ کیوں ... کوئی کاری وار کرنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں ... بنایا ہے۔ اب اگر تم نے خود کو اس معاملے سے ... کیا ہوگا؟"
"کیا ہوگا؟"
"وہ لوگ تمہاری جگہ کسی اور کو کام میں لائیں گے ... دیا جا اور پھر مجھے پتہ ہی نہیں چل سکے گا کہ دشمن مجھ ... کرنا چاہتا ہے۔"
سوسن لی چند لمحے سوچتی رہی، پھر سر ہلا کر ... "سمجھ میں تو آتی ہے۔"
"سمجھ میں آتی ہے تو پھر اب تمہیں اس سد... کی قطعاً ضرورت نہیں۔ تم میرے ساتھ رہو اور ... ہدایات ملیں تو تم مجھے بتا دو۔ میں وقتِ مقررہ پر تمہارے ساتھ چلوں گی۔ لیکن روانگی سے پہلے تمام انتظامات ..."
"آپ بلا کی ذہین ہیں۔" سوسن لی اس طرح ... بار اسے کچھ اطمینان نصیب ہوا ہو۔
"ذہانت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔"
"یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ بڑے دل گردے ... اس طرح موت کی دھمکی ملتی تو میں خوف سے ..."
"اب چھوڑو بھی ان غیر شاعرانہ باتوں کو ... پھولوں کے قصے سناؤ، مہکتی ہوئی کلیوں کی ..."
سوسن کرسی سے اُٹھ کر مسکراتی ہوئی ... اس طرح گری جیسے کسی جنم جنم کے پیاسے ... دھکے سے میں بستر پر چت گری اور وہ مجھ پر ... ہونٹوں کی بے تابیوں پر اپنے ہونٹوں کا حا... تک قائم رہا کہ میرے سارے جسم میں شعلوں ... سوسن کی یہ جذباتی یلغار اتنی شدید اور ... ہو گیا، ساڑی بستر پر بکھر گئی اور سوسن کے ہونٹو...

...میرے منہ سے سسکاریاں نکلنے لگیں۔ اور میں لذت و ... تڑپنے لگی۔ آج ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سوسن مجھے ... اس کے دانتوں کے ہلکے ہلکے کچوکے ایک قیامت تھے۔
... "سوسن!" میں نے سسکاری لی۔ "آج تو تم مجھے مار ... ڈالو گی!"
... آنکھیں بند تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس ... اس کا ظلم حد سے سوا ہوتا رہا لیکن میں بھی کب ... آخر میں نے اُسے اپنے بازوؤں میں لے کر ... بھینچا اور تیزی سے کروٹ لی۔ اب وہ زیر ہو چکی تھی ... اُس کی جنوں خیزی کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ اس ... لبِ لبست وکشاد کی آمریت کے سامنے ہتھیار ... اس کے بدن کا ایک ایک ریشہ ادھیڑ ڈالنے کے ... اس کے منہ سے مدھم مدھم چیخیں نکلنے لگیں۔
... کا افریت چنگھاڑ رہا تھا اور جنس کے سمندر ... مل رہی تھی۔ سرکش لہریں میرے اور سوسن کے جسموں ... بہت نیچے لے جاتی رہیں اور بالآخر یہ زیر و بم ... سے اپنا سر پھوڑ بیٹھا جو وحشی جذبوں کا مقسوم ... اس ساحل پر بکھر گئیں۔ دیر تک بکھری رہیں اور ... نے نو بجنے کا اعلان کیا تو خوابیدہ خوابیدہ سے ... ہم نے اپنے اپنے نڈھال بدن سمیٹے اور بے معنی ... ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
... وحشت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔" میں بولی۔
... آپ کی منتظر تھی جب آپ ایک دن میں ... پاگل ہو گئی تھیں۔"
... تو ... سے پک رہا تھا یہ لاوا؟"
... ہنس پڑی اور میں نے بستر سے اُٹھتے ہوئے ... حلیہ درست کر لو۔ بھوک بہت محسوس ہونے لگی ہے۔
... بستر چھوڑ دیا۔
... ہم دونوں کھانے کی میز پر تھے۔ دونوں نے ... اچھی طرح یاد ہے کہ اس روز فریدہ نے ... پکائے تھے جو میرے دل کو اتنے بھائے کہ ... ان کی فرمائش کرنے لگی۔
... کر جانے کو جی نہیں چاہا اور ہم دونوں پھر ... مسلط ہونے لگی تھی۔
... شراب نہیں پلائی!" سوسن نے مجھے ... کہا۔
... پینا!"

ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر سو گئے۔ اس قربت نے کوئی نیا گل نہیں کھلایا تھا۔ پہلی ہی مرتبہ میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کے جسم سے ساری طاقت نچوڑ لی تھی۔
صبح میری آنکھ ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز سے کھلی۔ میں نے لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا اور کان سے لگا لیا۔
"ہیلو!" میری آواز میں خمار تھا۔
لیکن دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سنتے ہی میرا سارا خمار غائب ہو گیا اور میں جلدی سے اُٹھ بیٹھی۔
دوسری طرف سے وزیرِ خارجہ کا پی اے بول رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وزیرِ خارجہ یومِ آزادی کی دو تقریبوں میں شرکت کرنے کے بعد کل شام ہی کو اندرونِ سندھ سے کراچی لوٹ آئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے ملاقات کے لیے آج ساڑھے نو بجے صبح ہی کا وقت مقرر کیا تھا۔
میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔
"میں پہنچ رہی ہوں۔" میں نے ماؤتھ پیس میں وزیرِ خارجہ کے سیکرٹری سے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔
سوسن ابھی تک گہری نیند میں تھی۔ میں نے اُسے جگانا غیر ضروری سمجھا اور جلدی سے باتھ روم میں جا گھسی۔
چالیس منٹ بعد میری کار بنگلے کے احاطے سے نکل رہی تھی۔
ٹھیک نو بج کر ایک منٹ پر مجھے وزیرِ خارجہ سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

میں اس دن کو اپنی زندگی کا ایک یادگار دن سمجھتی ہوں کیونکہ اس روز ایک تاریخ ساز شخصیت نے از خود مجھے شرفِ ملاقات بخشا تھا گو کہ اس ملاقات کی خواہش میں نے گذشتہ روز خود ہی کی تھی لیکن یہ بھی تو بڑی بات ہے کہ جب اس خواہش کا علم وزیرِ خارجہ کو ہوا تو انہوں نے مجھے یاد رکھنے کی زحمت کی۔
میں نے اپنی زندگی میں کبھی بھی مَردوں سے متاثر ہونا نہیں سیکھا لیکن دنیا کی دو شخصیتیں ایسی ضرور ہیں جن سے میں متاثر ہوئی۔ ان میں سے ایک شخصیت تو جنرل ڈیگال کی ہے اور دوسری؟
آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ میرا اشارہ کس طرف ہے۔
وزیرِ خارجہ نے ایک پُرتمکنت مسکراہٹ کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولے "اگر کل مجھے جشنِ استقلال کی بعض تقریبوں میں شرکت کے لیے اندرونِ سندھ نہ جانا ہوتا تو میں آپ سے ملاقات کے لیے کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکال لیتا۔"
"مجھے آپ کی مصروفیات کا خوب احساس ہے۔ میں آپ کے قیمتی وقت میں اپنا حصہ بٹانے کی جسارت ہرگز نہ کر پاتی لیکن آپ ہی مجھے اس بات کی اجازت دے بیٹھے تھے کہ ضرورت پڑنے پر میں آپ سے رابطہ قائم کر سکتی ہوں۔"

"مجھے یاد ہے۔" وزیرِ خارجہ نے سر ہلا کر کہا۔ "آپ بتائیں آپ کو میری کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"دراصل میں آپ کو بعض حالات سے باخبر کرنا چاہتی تھی۔"

"یعنی؟"

"ذرا تفصیلی کہانی ہے کیا آپ مجھے زیادہ وقت دے سکیں گے؟"

"میں نے آپ کے لیے پورا گھنٹہ وقف کیا ہے۔"

"یہ وقت تو اطمینان بخش ہے۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

وزیرِ خارجہ استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے۔ اب میں نے بھی قیمتی لمحات کا زیاں مناسب نہیں سمجھا اور وہ سب کچھ بیان کرنا شروع کر دیا جو میں انہیں بتانا چاہتی تھی۔ میں نے اپنی آپ بیتی کا آغاز اس وقت سے کیا جب میں صدرِ مملکت سے ملی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد میری آپ بیتی کا اختتام رانا مجید کی تصویروں کی بازیابی پر ہوا۔ وزیرِ خارجہ نے میری یہ کہانی بڑی توجہ اور بڑی سنجیدگی سے سنی۔ بیچ میں انہوں نے کسی بھی موقعے پر مجھے ٹوک کر کوئی وضاحت نہیں چاہی اور جب میں خاموش ہو گئی تو بھی وہ فوراً کچھ نہیں بولے۔

میں نے خاموش ہو کر غور سے ان کی طرف دیکھا مگر ان کے چہرے پر کسی بھی قسم کا تاثر نہیں تھا۔ میں اندازہ نہیں لگا سکی کہ وہ کیا سوچ رہے تھے۔ سمندر کی پُرسکون سطح اپنے بطن میں مچلتے ہوئے طوفانوں کی پردہ پوشی کر لیتی ہے، سو کچھ ایسی ہی بات وزیرِ خارجہ کے چہرے پر بھی تھی۔

کچھ دیر بعد انہوں نے ایک طویل سانس لی، مسکرا کر میری طرف دیکھا اور پھر بولے۔ "آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتانا چاہتی تھیں؟"

"میرا خیال ہے کہ آپ ان واقعات کی روشنی میں قبل از وقت ہی کوئی ایسا واقعہ دیکھ سکتے ہیں جو سیاسی افق پر ظاہر ہونے والا ہے۔" میں نے بڑے محتاط لہجے میں کہا۔

"کیا آپ کی نظر بھی سیاسی اُفق پر ہے؟" وزیرِ خارجہ نے مجھے ٹٹولتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔

"میں صرف محسوس کر رہی ہوں کہ یہ واقعات کسی متوقع طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میری سیاسی بصیرت آپ کی ژرف نگاہی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ میں کبھی بھی سیاست کی طالب علم نہیں رہی۔ ان واقعات سے آپ ہی کوئی صحیح نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔"

"لیکن جب صدرِ مملکت ان حالات سے واقف ہیں تو میری کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ وہ خود ہی کچھ نتائج اخذ کر لیں گے اور محتاط ہو جائیں گے۔"

"میں صدرِ مملکت کی سیاسی بصیرت کی برتری یا کمتری کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اس لئے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی، تاہم مجھے یہ احساس ضرور ہے کہ صدر کے گرد و پیش دُور دُور تک کی جال سا بچھا ہے۔ اس ماحول میں مجھے صرف آپ ہی کی شخصیت اتنی سلجھی ہوئی لگی کہ آپ پر اعتماد کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

وزیرِ خارجہ نے بے اختیار ایک طویل سانس لی۔ محسوس ہوا جیسے اس سانس میں بے بسی کا کرب چھپا ہو۔ آہستہ سے بولے۔ "اس اعتماد کا شکریہ!... بہرحال آپ نے مجھے ان حالات سے آگاہ کر دیا۔ کچھ باتیں میرے علم میں بھی تھیں۔ میں محسوس کر چکا ہوں کہ امریکہ کو چین سے ہماری دوستی بہت گراں گزری ہے اور وہ ہمارے صدر کو دباؤ میں لانے کے لیے مختلف حربے استعمال کر رہا ہے۔ صدر کو قتل کرنے کا منصوبہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس طرح صدر کو دھمکانے کی کوشش کی گئی ہے۔"

"مگر کیوں!" میں نے مضطرب ہو کر کہا۔ "آخر یہ کس طوفان کا پیش خیمہ ہے؟"

"شاید میں اس طوفان کی ہلکی سی آہٹ محسوس کر رہا ہوں۔" وزیرِ خارجہ نے متفکر لہجے میں کہا۔ "فی الحال میں واضح طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن میں نے اپنے شبہات کی پرچھائیاں دکھا دی ہیں۔ ملک و قوم کی باگ ڈور اس وقت صدر کے ہاتھ میں ہے اس لیے وہی کوئی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

"لیکن...!"

"بانو!" وزیرِ خارجہ نے ہاتھ اٹھا کر میری بات کاٹ دی۔ "میں اس موضوع پر زیادہ کھل کر گفتگو کرنے سے قاصر ہوں۔"

میں بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئی۔

وزیرِ خارجہ پھر بولے۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ سوسن سی آئی اے کا ایجنٹ ہے؟"

"کم سے کم مجھے تو اس میں کوئی شبہ نہیں۔ آپ کو یہ شبہ کیوں پیدا ہوا؟"

"سی آئی اے حد درجہ محتاط تنظیم ہے۔ اس کے ایجنٹ اس طرح سامنے نہیں آتے۔ دراصل میں اس انداز میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں اس طرح صدرِ مملکت کے قتل کا منصوبہ محض ایک ڈرامہ اور یہ سارے واقعات ہی ایک ڈرامہ نہ ہوں۔"

"اوہ!" میرے منہ سے اتنا ہی نکل سکا اور میں وزیرِ خارجہ کی طرف دیکھنے لگی۔ بلاشبہ انہوں نے بہت دور کی بات سوچی تھی۔ قائدینِ ملک و ملت میں سے ہر شخص کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ یہ تو ممکن تھا کہ ان کا شبہ غلط ثابت ہوتا لیکن یہ ناگزیر بات تھی کہ وہ ہر پہلو پر نظر رکھیں۔

میں قدرے توقف سے بولی۔ "آپ کے خیال میں یہ ڈرامہ کون اسٹیج کر سکتا ہے؟"

... بھی۔" وزیرِ خارجہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ "یہاں امریکہ کے خلاف لاوا پکنے لگا ہے، اس ... اس واقعے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ... حکومت کو امریکہ کے خلاف برگشتہ کر سکتی ہیں بلکہ عوام ... ہو سکتا ہے۔"

"... کہہ رہے ہیں۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "میں نے اب ... تک اتنا غور نہیں کیا تھا۔"

"... آپ اپنا لائحۂ عمل مرتب کرتے ہوئے اس نکتے کو ... مجھے حیرت ہے کہ آپ اتنے خطرناک لوگوں ... سے ڈٹ گئی ہیں۔ آپ کو تو سرکاری مشینری کا ... تھا۔"

"... کر گزرنے کے لئے سرکاری مشینری کا پرزہ بننا ... ہے۔"

"... کامیابیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔"

"... ناکامیوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔"

... سے ہنس پڑے لیکن پھر فوراً ہی سنجیدہ بھی ... "ایک بات تو بتائیں۔ اس دوران میں کبھی سرحد ... آپ کے سامنے نہیں آئی؟"

"... سرحد سے ہے۔"

... دیر تک دیکھتے رہے لیکن مجھے کوئی ایسی بات یاد ... صوبۂ سرحد سے ہو۔ میں نے نفی میں سر ہلاتے ... کی طرف دیکھا اور بولی۔

"... صوبۂ سرحد کے بارے میں کوئی غلط رپورٹ ملی ہے؟"

"... ملی ہے مگر اس کے غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ ... ہے۔"

"... کا تعلق صوبۂ سرحد کے عوام سے ہے؟"

"... ہی معاملہ ہے۔ ابھی اس کے بارے میں واضح ... " وزیرِ خارجہ نے کلائی پر بندھی ہوئی ... رسٹ واچ کی طرف دیکھا تو پتہ چلا کہ ملاقات ... نصف منٹ باقی رہ گیا تھا۔

"... شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اتنا وقت دیا۔" میں ... "آپ سے ملاقات کر کے میرے ذہن کا خاصا بوجھ ..."

"میں اپنی بہترین خواہشات کے ساتھ آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں۔" وزیرِ خارجہ نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

جب میں وہاں سے واپس روانہ ہوئی تو کے جی بی ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن کر میرے ذہن میں کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے اس سوال پر خاصی سنجیدگی سے غور کرنا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری بہت سی باتیں بھی قابلِ غور تھیں جن کو میں نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ ان باتوں پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی حفاظت کا بھی خیال رکھنا تھا۔ ڈاکٹر فونگ نے ایک مری ہوئی بلی بھیج کر مجھے یہ بات جتا دی تھی کہ وہ مجھے ایک اذیت ناک موت مارنا چاہتا ہے۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے میرا اغوا ضروری تھا اور میں یہ بھی محسوس کر چکی تھی کہ وہ اس سلسلے میں کیا قدم اٹھا چکا ہے۔ اس نے سوسن لی کو میرے پیچھے لگا دیا تھا۔ اور سوسن مجھ سے مل کر ڈبل ایجنٹ کا رول ادا کر رہی تھی۔ مجھے ابھی حتمی طور پر اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ کیا کرے گی۔ اس لیے مجھے اس کی طرف سے بہت چوکنا رہنا تھا۔

جب میں وزیرِ خارجہ سے ملنے کے لیے گھر سے روانہ ہوئی تھی تو اس کا گداز بدن میری خوابگاہ کے بستر پر بکھرا ہوا تھا اور میں اس کے ساتھ ایک خوشگوار رات گزار چکی تھی۔

مگر ان دنوں میرے حواس پر شبانہ کا مہکتا ہوا وجود چھایا ہوا تھا۔ سوسن مجھے جسمانی آسودگی تو بخش سکتی تھی لیکن میری روح کی تشنگی کا سامان شبانہ ہی کے پاس تھا۔ اس کے بدن سے چھلکتی ہوئی گولائیاں میرے ضبط کا امتحان بنی ہوئی تھیں۔ اس کی مخمور آنکھوں کا تصور ہی کر کے میرے پائے جذبات میں لغزش آ جاتی تھی اور اس کا مہکتا ہوا شباب میری انگلیوں کو مضطرب کر دیتا تھا۔

کتنی مغرور، کتنی ظالم تھی وہ کہ اس نے میرے خوابوں کو بھی پیاسا رکھا تھا۔ کاش وہ کبھی خوابوں ہی میں مہربان ہو جاتی۔

الماس بھی ایک خوبصورت اور خوش بدن لڑکی تھی لیکن شبانہ کا چاند طلوع ہونے کے بعد کسی بھی چراغ میں روشنی نہیں رہی تھی۔ سب رنگ پھیکے پڑ گئے تھے۔ وہ خوشبوئیں جو اس کے بدن سے ماسوا تھیں، ماند پڑ گئی تھیں، ٹھٹھر گئی تھیں۔

میں ان خوشبوؤں کو ذہن میں سمائے ہوئے جب اپنے گھر پہنچی تو پتہ چلا کہ سوسن لی ناشتہ کرنے کے بعد کہیں چلی گئی تھی اور ڈرائنگ روم میں کامران میرا منتظر تھا۔

کامران کا نام سنتے ہی پرسوں شام کے سارے واقعات کسی فلمی منظر کی طرح میرے ذہن کے پردے پر منعکس ہو گئے۔ میں سیدھی ڈرائنگ روم میں جانے کی بجائے پہلو کے ایک دروازے سے اندر گئی اور ٹیلیفون پر اس ڈاکٹر سے رابطہ قائم کیا جس نے کامران مرزا کا معائنہ کیا تھا۔ اس سے میں نے کامران کی طبی رپورٹ لی اور سلسلہ منقطع کر کے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔

... سی آئی اے کے مقابل کام کرنے والی روسی تنظیم۔

ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا کامران مجھے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔
"آداب۔"
"آداب۔" میں نے جواب دیا۔ "بیٹھو نا۔"
"شکریہ۔" وہ بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں نے کل بھی آپ سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن ...."
"ہاں مجھے معلوم ہوا تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
"میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے الماس اور اس کے گھر والوں کو میری بُری عادت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"
"اس سلسلے میں تم کو شکر گزار ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔" میں نے روکھے لہجے میں کہا۔ "یہ بات میں نے محض اس لئے چھپائی تھی کہ الماس کو مُفت کی کوفت اور تکلیف سے بچالوں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بات الماس سے زیادہ عرصے تک چھپی نہیں رہ سکے گی۔"
کامران مرزا نے عالمِ خجالت میں نظریں جھکا لیں اور پھر تاسف آمیز لہجے میں بولا۔ "انہی حالات کی بنا پر میں نے الماس سے منگنی توڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور میں اپنے آپ کو اب اُس کے لائق نہیں سمجھتا۔ اس پر جو کچھ بیتی تھی اُسے تو میں نے منگنی توڑنے کا بہانہ بنا لیا تھا۔"
"لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ تمہارا یہ سفاکانہ جواب اسے کتنی اذیت سے دو چار کرے گا۔"
"اس پہلو پر میں نے واقعی نہیں سوچا تھا۔ سچ پوچھئے تو اس مجری عادت نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ میرا ذہن مجھے دھوکہ دینے لگا ہے۔ میں کسی بھی کام کو صحیح طور پر کرنے کے قابل نہیں رہ گیا ہوں۔ میرا امپورٹ ایکسپورٹ کا خاصا اچھا چلتا کام تھا لیکن وہ بھی بتدریج ٹھپ ہوتا جا رہا ہے۔"
"تمہیں یہ بُری عادت پڑی کیسے؟" میں نے اپنے لہجے کو کچھ نرم کرتے ہوئے سوال کیا۔
"یہ ایک دوست کی صحبت کا نتیجہ ہے۔"
"یعنی؟ ذرا تفصیل سے بتاؤ!"
"آپ کو شاید علم نہ ہو کہ میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔ الماس کی والدہ میری سگی خالہ نہیں ہیں، دور دراز کا رشتہ ہے۔ والدین میرے لئے جو کچھ چھوڑ کر مرے تھے اُس سے میں نے ایک چھوٹا سا کام شروع کر دیا تھا۔ اسی دوران میں میرا ایک دوست افضل، پنجاب سے کراچی آیا تو ہم دونوں ساتھ ہی رہنے لگے۔ کچھ دن بعد افضل ہفتے میں دو تین مرتبہ ایک گھٹیا سے ریسٹورنٹ میں جانے لگا۔ پہلے تو اس نے مجھ سے یہ بات چھپائی تھی لیکن پھر ایک روز وہ مجھے بھی وہاں لے گیا۔ وہ ریسٹورنٹ نشہ بازوں کا اڈہ تھا۔ وہاں مجھے چرس کی سگریٹیں پینے کو ملیں اور پھر جلد ہی وہ منزل بھی آ گئی کہ میں مارفیا کے انجکشن لینے لگا۔"
میں بڑے غور سے کامران مرزا کی داستان سن رہی تھی اور

سوچ رہی تھی کہ اس شہر میں اور بھی بہت سے سادہ لو
کے عادی ہو کر اپنی زندگی تباہ کر رہے ہوں گے۔ ان
پھیلاؤ کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا اور اس ناجائز کار
کی طرح پھیلتی جا رہی تھیں۔
کامران خاموش ہوا تو میں بولی۔ "میں سنا ہے
پہلے، ڈاکٹر سے تمہارے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اس
ابھی تم اس اسٹیج پر نہیں پہنچے جہاں سے واپسی نا
ارادہ کر لو تو یہ بدعادت چھوٹ سکتی ہے۔"
کامران نے متذبذب نظروں سے میری طرف
انکار میں سر ہلاتا ہوا قدرے ہچکچاہٹ سے بولا۔
اس ریسٹورنٹ میں جانا نہیں چھوڑ سکتا۔"
"کیوں؟" میں نے اسے تیکھی نظروں سے
کامران کی نظریں دوبارہ فرش پر گڑ گئیں اور
کہا۔ "میں اس ریسٹورنٹ میں جانے پر مجبور ہوں۔"
"بات اب بھی سمجھ میں نہیں آئی۔" میں نے
"دیکھیے میں آپ کو بتاتا ہوں۔" کامران نے
پھیرتے ہوئے کہا۔ "انجکشن لینا میں نے ابھی حال
اس میں میری مرضی کو دخل نہیں ہے۔ مجھے اس کے
"تمہاری بات اب بھی بے سر و پا معلوم ہو
کامران کے چہرے سے ایسا معلوم ہوا
غصے کو محسوس ہی نہ کیا ہو۔ وہ نظریں جھکائے بولا
کی بات ہے۔ میں ایک روز چرس کے سگریٹ پی کر
مجھے کچھ خبر نہ رہی۔ پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں
ہاتھ خون میں لت پت تھے۔ افضل نے مجھے
میں لڑ پڑا تھا اور میرے ہاتھوں سے ایک
مجھے اس بات پر یقین نہیں آیا لیکن میں پریشان
قسم کھائی کہ اب کبھی کوئی نشہ نہیں کروں گا لیکن
توڑنا پڑی۔ ہوا یہ کہ اس ریسٹورنٹ کا ایک
اس نے مجھے ایک تصویر دی جس میں مجھے ایک
ہوئے دکھایا گیا تھا۔ اس تصویر کو دیکھ کر میرے
نکل گئی۔ ریسٹورنٹ کے ملازم نے مجھے بتایا
کو مل چکی ہے اور اب اگر میں نے ریسٹورنٹ
نہیں کی تو یہ تصویر پولیس کے حوالے کر دی
کہ میں نے پھر ریسٹورنٹ میں جانا شروع کر دیا
میرے قدم تباہی کی منزل کی طرف بڑھنے لگے
محض چرس کے سگریٹوں پر اکتفا نہیں کرنے
بھی لینے پر مجبور کر دیا۔"
"عجیب واقعہ ہے۔" میں بڑبڑائی۔

کی وہ میں نے آپ کو بتا دی۔ نہ جانے کیوں میرا
اعتماد کر لوں۔ میں کسی اور کے سامنے یہ اعتراف نہیں
لیکن
اب گئی۔ کسی آدمی کو منشیات کا عادی بنانے
منصوبے کی تیاری میری سمجھ سے باہر تھی۔ یقیناً
وہ کوئی اور بھی مقصد رہا ہو گا۔
کامیابی کتنی ہے؟" میں نے ایک خیال کے
کم نہیں۔" کامران نے جواب دیا۔ "میرے بزنس
ہے۔ میرے ذہن میں بہت سے منصوبے تھے
ہو گئے۔ میں یقینی تباہی کے دہانے پر کھڑا ہوا
الماس کو اپنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" کامران
لگا۔
اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا کر بولی۔ "مایوسی
کر نظریں اٹھائیں اور کہا۔ "میں سمجھا نہیں۔"
ہمت ہار دی ہے۔ محض ایک تصویر دیکھ کر
ہے۔ محض تصویر اس بات کی سند نہیں کہ تم
کوئی قتل کیا ہے۔"
ہیں!" کامران کی آنکھوں سے اُلجھن
ہو سکتی ہے۔ اس قسم کی تصویریں بنا لینا آج
کام نہیں۔"
منہ سے اتنا ہی نکلا اور اس کی آنکھوں میں
کرے آپ کا خیال درست ہو۔ اس کی
اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اُن لوگوں
مارفیا کا عادی بنانے کی کوشش کی۔ نہیں
مزید بلیک میل ہونے سے انکار
بھی اسٹیج پر غیر موثر ہو سکتی تھی لیکن
مکمل طور پر ان کے اثر میں آ جاتے۔
کوئی خطرناک کام لینا چاہتے ہوں۔ کیا
ممکن نہیں ہو سکتی؟"
اور پھر جواب دیا۔ "ہو تو سکتی ہے لیکن
ہو گا۔"
چھٹکارا لو گے تو یہ خطرہ ٹل جائے گا۔"

"کیا آپ اپنے ذہن میں کوئی خاص لائحہ عمل ترتیب کر چکی ہیں؟"
"خاص تو نہیں، بس ایک خیال ذہن میں آ گیا ہے۔ نہ جانے تم اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو سکو گے یا نہیں!"
"میں کہہ چکا ہوں کہ میرا دل سب کچھ آپ پر چھوڑ دینے کے لیے آمادہ ہو گیا ہے۔"
"تمہیں نشہ ٹوٹنے کی تکلیف برداشت کرنا ہو گی۔"
"میں بڑی سے بڑی قیامت جھیلنے کے لیے تیار ہوں۔ الماس کو پا لینے کی اُمید مجھے تمام آزمائشوں سے گزرنے میں مدد دے گی۔"
"تو پھر آج ہی سے تم یہاں آ جاؤ۔ خود کو نشے سے دُور رکھنے کی کوشش تنہائی میں تو قیامت خیز بن جاتی ہے۔ تکلیف کے وہ دن تم یہاں گزار سکتے ہو۔ یہاں تم کو میری عدم موجودگی میں بھی تنہائی کا احساس نہ ہو گا۔ میری خادمائیں تمہارا خیال رکھیں گی۔ میرا ڈاکٹر تمہاری دیکھ بھال کرتا رہے گا اور بروقت ضرورت تمہیں طبی امداد بھی بہم پہنچائے گا۔"
"آپ کو میری وجہ سے زحمت تو نہ ہو گی؟"
"اگر زحمت ہوتی بھی تو میں الماس کے مستقبل کو خوشگوار بنانے کے لیے اُسے برداشت کر لیتی۔"
"شکریہ۔" وہ مجھے ممنون نظروں سے دیکھنے لگا۔
"تم مجھے اس ریسٹوران کا پتہ بتا دو جو اس فساد کی جڑ ہے۔"
"اس کا پتہ لے کر آپ کیا کریں گی؟"
"ان لوگوں سے تمہاری وہ تصویر تو حاصل کرنا ہی ہے۔"
"آپ؟" وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔ "وہ بڑے خطرناک لوگ ہیں بانو!"
"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ میں ان لوگوں کے مقابلے پر ان سے بھی زیادہ خطرناک لوگوں کو کھڑا کر دوں گی۔"
کامران مرزا کے چہرے سے اُلجھن اور پریشانی کا اظہار ہو رہا، تاہم اس نے ریسٹوران کا پتہ بتا دیا۔ یہ پتہ صدر کے اس علاقے کا تھا جہاں دیسی عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ یہ لوگ مغربی ممالک کی اندھی تقلید میں سب سے آگے ہیں۔ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی اُن کا لباس اور طرزِ معاشرت پاکستانی نہیں ہے۔ ان لوگوں کو منشیات کا عادی بنانے کے لیے زیادہ جدوجہد کی ضرورت نہیں پیش آتی کیونکہ مغربی ممالک میں منشیات کا استعمال عام ہو چکا تھا۔ چرس کی سگریٹیں بطور فیشن پی جانے لگی تھیں اور انگریزی فلموں کے توسط سے یہ فیشن ان لوگوں تک پہنچ چکا تھا۔
کامران مرزا دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا لیکن میں اس کی رخصت کے بعد بھی ڈرائنگ روم میں بیٹھی خیالات میں ڈوبی رہی۔
ٹیلیفون پر میرے ڈاکٹر نے کامران مرزا کے بارے میں جو رپورٹ دی تھی، اُس میں ایک نکتہ مجھے خاصا معنی خیز معلوم ہوا تھا۔ رپورٹ کے

مطابق، کامران مرزا کا ذہن ماؤف کرنے کے لیے اُسے مارفیا کے علاوہ بھی کوئی چیز دی گئی تھی اور ڈاکٹر یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کیا چیز تھی۔

بہ ظاہر تو یہ زیادہ قابلِ غور بات نہیں اور میں نے بھی اپنے ذہن سے اس خیال کو جھٹکنا چاہا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میری چھٹی حس کسی خاص بات کی نشاندہی کرنا چاہتی ہو۔ میں کوشش کے باوجود اس نکتے کو اپنے ذہن سے نہیں جھٹک سکی۔ لیکن بہت غور کرنے کے باوجود کوئی نتیجہ بھی اخذ نہیں ہو سکا۔

ابھی ڈاکٹر فو نگ کا معاملہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ میں اس نئے قضیے میں الجھ گئی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں بیک وقت دو معاملوں سے کس طرح نپٹوں گی۔

یہ دوسرا معاملہ زیادہ اہم نہیں معلوم ہوتا تھا اس لیے اسے نظر انداز بھی کیا جا سکتا تھا لیکن الماس کی وجہ سے میں ایسا کرنے سے قاصر تھی۔ صاف صاف کیوں نہ کہوں کہ الماس کے توسط سے شبانہ کا قرب حاصل ہو سکتا تھا اور میں اس کے لیے بے چین تھی۔ نتیجہ یہ کہ میرا ذہن ڈاکٹر فو نگ سے زیادہ کامران سے الجھ رہا تھا۔

کامران سے اپنے عجیب و غریب تصادم پر بھی میں خاصا غور کر چکی تھی اگر اس شام میں نے الماس کو صدر میں نہ دیکھا ہوتا تو شاید آج یہ حالات میرے سامنے نہ ہوتے۔ یہ کتنا عجیب و غریب اتفاق تھا کہ جب میں الماس کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھی ہوئی چائے پی رہی تھی تو اس کا منگیتر نشے کے عالم میں میری کار میں گھس کر لیٹ گیا تھا۔

میں نے ان سب باتوں پر بہت غور کیا مگر ذہنی طور پر خلفشار ہی میں مبتلا رہی۔

دوپہر کے کھانے سے کچھ دیر پہلے سوسن لی لوٹ آئی۔ وہ کچھ ضروری سامان لینے کے لیے اپنے گھر چلی گئی تھی۔

"اور وہاں پہنچتے ہی مجھے نئے احکامات مل گئے۔" وہ متفکر نظروں سے میری طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"یعنی؟" میں نے پوچھا۔

"حکم یہ ہے کہ میں آپ کو کسی بہانے سے ہل پارک کے مشرقی حصّے تک لے جاؤں۔"

"کب؟"

"آج ہی سہ پہر کو، تین بجے کے قریب۔"

"خوب۔"

"میں تو کہتی ہوں بانو کہ آپ فوراً پولیس کی مدد حاصل کر لیجئے۔ میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔"

"خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر میں پولیس کی حفاظت میں چلی جاؤں تو کیا اُن سے چھٹکارا مل جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ ایک دن، دو دن، تین دن، پولیس آخر کب تک میری حفاظت کرے گی؟ جب بھی پولیس کا حصار ختم ہوگا، یہ لوگ حرکت میں آ جائیں گے۔ خطرہ مول لینے کی صورت میں تو یہ ممکن ہے کہ میں ان لو... ڈے کر خطرے کا مستقل خاتمہ کر سکوں۔"

سوسن جواب میں کچھ نہیں بولی لیکن اس کے چہ... بادل نہیں ہٹے۔

"پگلی! تجھے میرے لیے اتنا پریشان نہیں ہونا چا... بڑے پیار بھرے انداز میں اس کا گال تھپک کر کہا اور پھر... بولی۔ "حرافہ! تجھ سے تو میں اچھی طرح نپٹوں گی، ذرا یہ..."

دوپہر کا کھانا ہم دونوں نے ساتھ ہی کھایا۔

چونکہ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ سوسن ا... کی ایجنٹ ہے اس لیے میں نے دل ہی دل میں حتمی اند... ہل پارک پر کوئی واقعہ پیش نہیں آئے گا۔ اگر وہاں وا... تو سوسن مجھے اس کے بارے میں ہرگز نہیں بتاتی اور کو... بہانہ بنا کر مجھے وہاں لے جاتی۔ مجھے باخبر کرنے کا مطلب... مقابلے کے لیے مکمل تیاریاں کر لوں اور ڈاکٹر فو نگ مجھے... ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔

تو پھر مجھے ہل پارک لے جانے کا مقصد؟

لے دے کر یہی ایک بات ذہن میں آتی تھی کہ... ہو گا آج سوسن مجھے ہل پارک لے جا رہی ہے تو کل منگھو... علاقے میں لے جا سکتی تھی۔ پرسوں مضافاتی سڑک کا نمبر... کے بعد کوئی چوتھی جگہ!... ہر مرتبہ مجھے مایوسی کا شکار ہونا... اکتاہٹ بڑھتی چلی جاتی اور پھر کسی نہ کسی عالمِ بے خبری... مجھے آ لیتا۔

کھانا کھانے کے کچھ دیر بعد میں سوسن لی کے... ہو گئی۔ سوسن اب بھی تفکر و پریشانی کی اداکاری میں لگ...

تین بجنے میں پانچ منٹ پر ہم سوسائٹی کے ا... گئے جسے ہل پارک کہا جاتا ہے۔ اس وقت وہاں ویرانی... تیز دھوپ میں جلنے کے لیے کون آتا؟ اس جگہ شام... کو رونق ہوتی ہے یا سحر خیز لوگ چہل قدمی کے لیے... پہنچتے ہیں۔ اس وقت تو وہاں اکا دکا افراد نظر آ رہے...

ہل پارک ایک ایسی جگہ ہے جہاں چھپنے... نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص، دوسروں کی نظر میں آئے ب... کر سکتا۔ پارک کا مشرقی حصہ انتہائی بلندی پر ہے... دور کے نظارے کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے برابر... سڑک سوسائٹی کے اندر تک چلی گئی ہے۔ اس سڑ... ہوتے میں نے سوچا کہ اس سمت سے کوئی بھی مجھے... نشانہ بنا سکتا ہے مگر چونکہ مجھے بلی کی لاش مل چکی... اپنی ہلاکت کا خطرہ نہیں تھا۔ خطرے کی بات صرف... کرنے کی کوشش کی جا سکتی تھی، تاہم یہ معاملہ ہم...

...لیے میں نے احتیاط کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ...ا سے قدرے دور ہو گئی۔

...ے؟" میں نے مسکرا کر سوسن کی طرف دیکھا۔

...ہ رہی ہوں۔" سوسن نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ ...ا پھر واپس چلیں گے۔"

دو ...ینی نوجوانوں کو پارک میں داخل ہوتے ...ے اُن کا جائزہ نہیں لے سکی تھی کہ سوسن نے ...ا کی طرف توجہ دینا ہی شاید میری غلطی تھی۔ ...ب اردگرد گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ فائرنگ ...کی جا رہی تھی۔ مجھے تو قریب سے گزرتی ہوئی ...ہ ...ارا تھا اور پھر میں نے سوسن کی چیخ سنی ...رنگ کا ایک نشان ابھرتا نظر آیا تھا۔ ...میں نے بھی ان گولیوں سے بچنے کے لیے خود...

...ا اور فائر کرنے والے نیچے تھے اس لیے میں نہیں ...ہ وہی دونوں چینی تھے۔ جو ذرا دیر قبل مجھے ...لے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں دبے ہوئے ...لیں آگ اُگل رہی تھیں۔ نالوں کی لمبائی کا سبب ...ر تھے۔

...ی تیزی سے گولیاں برسا کر اپنے ریوالور ...لگا ہوئے پارک سے نکل گئے۔ انہوں نے ...مجھا تھا کہ ان کی گولیوں میں سے کوئی نشانے ...پر۔ ...اں! سوسن کی چیخ سے انہیں کم از کم ایک ...ا یقین ہو گیا ہو گا، البتہ وہ یہ نہیں جان ...سی کو نقصان پہنچا ہے اور کتنا نقصان پہنچا ہے۔ ...افراد موجود تھے، وہ سوسن کی چیخ سن کر ...ا طرف دوڑ پڑے۔ انہیں حالات کی سنگینی ...کا تھا کہ انہوں نے فائر کی آواز نہیں...

...مال نکال کر سوسن کے زخم پر رکھ دیا ...مال باندھنے لگی۔ یہ عمل کرتے ہوئے مجھے ...کی ضرب نہیں لگائی تھی اور صرف گوشت ...مناسب ڈریسنگ اور دو تین دن آرام ...ا، تشویش کی کوئی بات نہیں تھی لیکن ...ے دوچار ہونا پڑ رہا تھا۔ اس کے ...اتی اور منہ سے کراہیں نکل رہی تھیں۔ ...پہنچنے والے پہلے شخص نے پوچھا۔ ...ا، ...ت جواب دیا۔ "ان کا پاؤں پھسل گیا۔

تھا۔ رگڑ لگنے سے کچھ خون نکل آیا اور شاید موچ بھی آئی ہے۔"

"کیا ہم آپ کی کچھ مدد کر سکتے ہیں؟" دوسرے شخص نے پوچھا۔

"جی نہیں، شکریہ۔" میں نے سوسن کو سہارا دے کر کھڑا کرتے ہوئے کہا۔ "میں انہیں اپنے سہارے سے کار تک لے جا سکتی ہوں۔"

سوسن میرا اشارہ سمجھ گئی اور میرا کندھا پکڑ کر لنگڑاتی ہوئی چلنے لگی۔ اس کے منہ سے کراہیں اور سسکاریاں اب بھی نکل رہی تھیں۔

ہماری پرسش کرنے والے جہاں کھڑے تھے، وہیں کھڑے ہماری طرف دیکھتے اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔ اگر میں انہیں حقیقتِ حال سے باخبر کر دیتی تو پولیس، تھانے کی نوبت آ جانا ایک یقینی امر تھا۔

بہرحال اس واقعے نے میری عقل خبط کر دی تھی اور مجھے یہ سوچنا پڑ رہا تھا کہ شاید میں نے سوسن کے بارے میں غلط اندازہ لگایا ہے۔ اس حملے کا صریح مطلب یہ تھا کہ سوسن میرے معاملے میں پُرخلوص تھی اور ڈاکٹر فو نگ کو اس بات کا علم نہیں تھا۔

لیکن میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ یہ حملہ بڑے مضحکہ خیز انداز میں کیا گیا تھا۔ اس طرح مارنے کی نہیں بلکہ دہشت زدہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور میں یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ ڈاکٹر فو نگ مجھے دہشت زدہ کر کے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

میں سوسن کو کار تک لے گئی۔ میں نے اسے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر بٹھایا اور جب میں نے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا تو سوسن بولی۔

"میں اپنے گھر جاؤں گی۔"

"کیوں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

سوسن نے ایک سسکاری سی لی اور بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آپ کی مدد کرتے کرتے میں تو ختم ہی ہو گئی تھی۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ مقابلہ خطرناک لوگوں سے ہے اس لیے آپ پولیس کی مدد حاصل کر لیں مگر آپ نہیں مانیں۔ اب آپ کا جو دل چاہے، کریں لیکن مجھے تو معاف ہی رکھیں۔ میں اب آپ سے دور ہی رہنا پسند کروں گی۔"

میں کوئی جواب دیے بغیر کار کو حرکت میں لے آئی۔ میری خاموشی اس لیے مناسب تھی کہ سوسن کا لہجہ بڑا تلخ تھا۔ اس تلخی کی وجہ بھی میں سمجھ ہی سکتی تھی۔ ہر عورت میری طرح آہنی اعصاب کی مالک نہیں ہو سکتی۔ گولیوں کی بوچھار کے مقابل آنا، معمولی دل گردے والوں کے بس کی بات نہیں۔ ویسے بھی یہ سوسن کے لیے زندگی کا پہلا موقع ہو گا اور یہ پہلا ہی تجربہ اُسے مہنگا پڑا تھا۔ اس کا غصہ ایک فطری بات تھی۔

سوسن اپنے گھر کا راستہ بتانے لگی کیونکہ میں اس سے ناواقف تھی۔ پہلے کبھی اس کے گھر جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ میں نے گاڑی کو اس کے بتائے ہوئے راستے پر ڈال تو دیا لیکن راستے میں بولی۔

"مناسب ہوتا کہ تم میرے ہی گھر چلتیں۔ میں فون کر کے اپنے ڈاکٹر

کو بلالیتی اور....."

"میں بھی فون کرکے ڈاکٹر کو اپنے گھر پر بلاسکتی ہوں۔" سوسن نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

میں نے بحث کرنا فضول سمجھا اور خاموشی اختیار کرلی۔

سوسن نے پشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔ زخم کی تکلیف نے اسے سسکیاں لینے پر مجبور کر رکھا تھا۔ کبھی کبھی اس کے منہ سے کراہ بھی نکل جاتی تھی۔

کچھ دیر بعد میں نے اس مقام پر گاڑی روکی جہاں سوسن چاہتی تھی۔ یاتھو آئی لینڈ کی ابتدا ہی میں وہ ایک سہ منزلہ عمارت تھی۔

"میرا فلیٹ پہلی ہی منزل پر ہے۔" سوسن نے آہستہ سے اس وقت کہا جب میں اسے سہارا دے کر گاڑی سے اتار رہی تھی۔

پہلی منزل پر پہنچ کر سوسن نے چابی نکالی اور قفل کھولا۔ میں اسے سہارا دیے ہوئے اندر لے گئی۔

خالی مکان میں سناٹا ہی ہوتا ہے لیکن سوسن کے فلیٹ پر چھایا ہوا سناٹا مجھے معمول سے کچھ زیادہ ہی گہرا محسوس ہوا۔ اگر یہ احساس مجھے فلیٹ میں داخل ہونے سے قبل ہو جاتا تو سود مند ثابت ہو سکتا تھا لیکن فلیٹ میں داخل ہو جانے کے بعد وہ مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکا۔ دو بھاری بھرکم جسم مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن بیسود!

پھر کوئی تیسرا آدمی قریب آکر میرے مڑے ہوئے ہاتھ پیروں کو نائیلون کی مضبوط ڈوری سے جکڑنے لگا۔

"یہ کس کمبخت کی تجویز تھی کہ مجھے زخمی کیا جائے؟" سوسن اُن لوگوں پر برس پڑی۔

"اگر تم زخمی نہ ہوتیں تو یہ محترمہ آسانی سے ہمارے ہاتھ نہ آتیں۔" چوتھا آدمی بولا۔ اس کا لہجہ چینی تھا اور آواز مانوس! میں نے گردن ٹیڑھی کرکے آواز کی سمت دیکھا۔

یہ وہی چینی تھا جس سے میں پہلی مرتبہ تہران ایرپورٹ پر ملی تھی اور جو دوسری مرتبہ پنڈی میں ڈاکٹر فونگ کے ساتھ کار میں دکھائی دیا تھا۔ اسے ڈاکٹر فونگ سے بڑی عقیدت تھی اس لیے وہ اُسے عظیم فونگ کے نام سے یاد کرتا تھا۔

"کائی چیک!" میرے منہ سے بیساختہ نکل گیا۔

"شناخت کرلینے کا بیحد شکریہ بانو!" کائی چیک مسکرا کر بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ یہ دوسری ملاقات کسی خوشگوار ماحول میں نہیں ہوئی اور تیسری ملاقات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کیوں؟" میں اسے دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

"آپ کا اطمینان قابلِ رشک ہے۔" کائی چیک نے تعریفی انداز میں کہا۔

"میں ہر حال میں مطمئن رہنا پسند کرتی ہوں۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"لیکن جلد ہی آپ کا سارا اطمینان رخصہ
تہران ہی میں آپ کو بتا دیا تھا کہ ڈاکٹر فونگ بہ
اُس سے ٹکر نہ لیں مگر آپ نہیں مانیں سلب
آپ کے لیے سزا تجویز کی جا چکی ہے۔"

"خوب!"

"کیا آپ جانتی ہیں کہ وہ سزا کیا ہے؟"

"شاید۔" میں نے بدستور اطمینان کا اظہار کر

لیکن حقیقت یہ تھی کہ میرا اطمینان معنو ل
تیز ہو چکی تھیں۔ میں اس بری طرح جکڑی گئی تھ
نظر نہیں آرہا تھا۔ اب شاید موت ہی مجھے ا
چھٹکارا دلا سکتی تھی اور موت بھی ایسی کہ اس کا تصو
سارے مساموں سے پسینہ بہنے لگے۔ زندہ
برداشت کرنا ہنسی کھیل نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں ہا
کس طرح نوچا جائے گا؟ بلی کے جسم پر جو زخم
دانتوں کے مرہونِ منت تھے لیکن میں یہ نہ
وہ دانت کس چیز کے تھے۔

کائی چیک قدرے توقف سے بولا: "
کی قدر کرتا ہوں اور مجھے اعتراف ہے کہ آپ
آپ کیونکہ عورت ہیں اس لیے ان ادھات کی ا
آپ جیسی عورت کو ایک اذیت ناک موت سے
مجھے افسوس ہوگا۔ میں عظیم فونگ سے آپ کی
امید نہیں کہ وہ میری بات مانیں گے۔ پہلے
چڑچڑا بنا دیا ہے۔ آج کل وہ کسی کی بھی نہیں
کر گزرتے ہیں۔ بلی والی مثال آپ کے سامنے
عظیم فونگ سے اس بچکانہ حرکت کی توقع نہیں کر
دماغ کی اختراع ہوتی ہیں۔"

کائی چیک کے لہجے سے مجھے ایسا
میرے لیے واقعی فکرمند ہو۔

اچانک سوسن نے پھر چیخنا شروع کر
بلا دو۔ تکلیف سے میری جان نکلی جا رہی ہے
مجھے اس کے واویلا کرنے کے انداز پر
چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر تم اتنی ہی
کیوں ہوئیں؟"

میری بات کے جواب میں سوسن کی
اسے بتا دیا جاتا کہ اسے زخمی بھی ہونا پڑے گا تو ا
بیساختگی نہ رہنے پاتی۔ ڈاکٹر فونگ اپنے
واقف ہے اور انہیں استعمال کرنا خوب جا
آنا کہا گیا تھا کہ ہل پارک پر کچھ وقت گزار کر

ے گا بانو کہ سوسن کا زخم ہی آپ کو یہاں
یہ نہیں ہوا تھا کہ آپ کسی جال میں پھنسنے

لت وہی تھی جس کا اظہار کائی چیک نے
مجھے اپنے گھر لانے کی کوشش کرتی تو

صورتحال سے دوچار تھی اور اس سے
اری طور پر میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے
ہاتھ بند لگائے تھے اور جس ڈوری سے
ہونے کے باوجود بڑی مضبوط تھی۔

"میں نے کائی چیک سے پوچھا۔
منتظر ہیں۔" کائی چیک نے جواب دیا۔
بلا لی جا چکی ہے اور ذرا دیر بعد ہم
ہم گے۔ بس چند منٹ کی بات ہے۔ میرا
بلانے گیا ہوا ہے۔ وہ آجائے تو ہم

مارے کھڑے تھک گئی تھی۔ اب اس
کیوں اور کراہوں کے سلسلے میں بے بس
ایک ڈاکٹر کو ساتھ لیے ہوئے فلیٹ
ا مخصوص بیگ موجود تھا۔ اس
اچٹتی سی نظر ڈالی اور سوسن کی

تھی کہ ڈاکٹر اُن لوگوں کا اپنا آدمی ہوگا۔
ہوا بولا۔ "میں محسوس کر رہا ہوں کہ
ہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ
نہیں رکھ سکتا۔ آپ کو چیلا وہ کہا
نہیں کہا جاتا اور عظیم فونگ آپ
ل سے نہیں دیتے۔ شاید آپ کو
میں انہوں نے خود بتائے تھے۔ اب وہ
از کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ مجھے
خاکر کا رتک لے جائیں گے۔"
ان میرے قریب آئے۔ ان میں سے
نے کندھے سنبھالے تو مجھے اپنی
بڑی شدید اہانت کا احساس ہوا

لیبنگ کرنے میں مصروف تھا۔ اُس
مجھے اٹھا کر دروازے کی طرف
اتھ ملتا ہوا بولا۔

"ہمیں اس بات کی بالکل پرواہ نہیں ہے کہ آپ کو اس طرح کار تک لے جاتے ہوئے دیکھ لیا جائے گا۔ کار چوری کی ہے اور یہ فلیٹ بھی صرف اسی مقصد کے لیے کرائے پر لیا گیا تھا۔ ہم اسے آج ہی چھوڑ دیں گے۔ اگر کسی نے آپ کو اس حالت میں دیکھ بھی لیا تو زیادہ سے زیادہ یہ کرسکے گا کہ پولیس کو فون کرے لیکن جتنی دیر میں پولیس یہاں آئے گی، اتنی دیر میں ہم یہاں سے بہت دور جا چکے ہوں گے۔ دیکھنے والوں میں اتنی ہمت تو ہوگی نہیں کہ ہمیں روکنے کی کوشش کریں۔ ہاں اگر کسی سر پھرے کی شامت دھکا دے ہی گئی تو ہمارے ریوالور اس کا علاج کر دیں گے۔"

فلیٹ سے نکل کر اب وہ لوگ زینے طے کر رہے تھے اور مجھے شاید اُن کی دیدہ دلیری پر عش عش کرنا چاہیے تھا۔ دن دہاڑے ایک عورت کو اس طرح اٹھا کر کار تک لے جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

ویسے شاید ہی کسی نے ہمیں دیکھا ہو کیونکہ کار بالکل زینے کے سامنے لاکر کھڑی کی گئی تھی۔ اس دوران میں بلڈنگ کا کوئی مکین بھی نہیں آیا گیا تھا۔ مجھے کار کی پچھلی نشست پر ڈال کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ کار بڑے سائز کی تھی اور کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس کا امکان نہیں تھا کہ مجھے باہر سے دیکھ لیا جاتا۔

ان احتیاطی تدابیر نے میری رہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے میرا آخری وقت آپہنچا ہو اور اس "آخری" وقت میں مجھے خیال آیا بھی تو کس کا؟ شبانہ کا!

کار چل پڑی اور اس کی رفتار میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔

شبانہ کا سحر انگیز چہرہ میری نظروں میں گھوم رہا تھا اور مجھے اس کے جسم کی بھینی بھینی مہک محسوس ہونے لگی تھی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں اُسے واقعی بڑی شدت سے چاہنے لگی تھی۔ یہ میرے لیے بہت بڑا کرب تھا کہ شاید میں اسے حاصل کیے بغیر ہی مر جاؤں گی۔ محرومیت کے احساسات جاگے تو میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ اب شبانہ میرے تصور میں بسی ہوئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کا جیتا جاگتا وجود میرے پہلو میں ہو۔ یہ تصوراتی احساسِ قرب میرے لیے حد درجہ طمانیت بخش تھا مگر دفعتاً ایک دھماکہ ہوا۔ شبانہ کا وجود جیسے پھٹ کر بکھر گیا اور میرے ارد گرد بھونچال سا آگیا۔

وہ دھماکہ خیالی نہیں تھا اور بھونچال کی کیفیت بھی حقیقی تھی۔ تیز چلتی ہوئی کار کو کسی گاڑی نے سائڈ ماری تھی اور کار ڈرائیور کے قابو سے نکل کر کسی چیز سے ٹکراتی ہوئی رک گئی تھی۔ ونڈ شیلڈ ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں تیزی سے قریب آگئیں۔

"خبردار! کوئی حرکت نہ کرے!" ایک جانی بوجھی آواز سنائی دی۔ اور میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

پھر کسی نے کار کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور مجھے کندھوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔

اب میں نے دیکھا کہ وہ نرسری کے علاقے کی ایک ویران گلی ہے۔ اسی گلی کے ایک پول سے کار ٹکرائی تھی۔ چند گز پیچھے ایک اور کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی میں نے رضوان کی موٹر سائیکل بھی سائڈ اسٹینڈ پر کھڑی ہوئی دیکھی۔

رضوان میرے پیروں کی بندشیں کھول رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور نوجوان بھی تھا جسے میں نہیں جانتی تھی۔

جب میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی تو میں نے دیکھا کہ جس کار میں مجھے لے جایا جا رہا تھا، اس کی اگلی نشستوں پر بیٹھے ہوئے دونوں آدمی بے ہوش ہو چکے تھے۔ ان میں کانی چیک بھی تھا۔ ونڈ شیلڈ کے شکستہ شیشے اُن کے سروں سے ٹکرا گئے ہوں گے کیونکہ ان دونوں ہی کے چہروں پر خون بہہ رہا تھا۔ ڈرائیونگ کرنے والے کا چہرہ تو بالکل لہولہان ہو گیا تھا۔

رضوان میرا بازو پکڑ کر پیچھے کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔ "جلدی سے نکل چلو!"

"میرے ہاتھ تو کھولو!" میں نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

"گاڑی میں بیٹھ کر کھول دوں گا۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے دور نکل جانا چاہیے۔ ابھی تو یہ گلی سنسان پڑی ہے لیکن کسی وقت بھی کوئی گاڑی ادھر آ سکتی ہے۔"

بات معقول تھی۔

رضوان نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "تم میری موٹر سائیکل سنبھال لو۔"

اِدھر میرے ذہن میں چیستانوں کے در کھل چکے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رضوان فرشتۂ رحمت بن کر کہاں سے پہنچ گیا۔ اس کے ساتھی کے بارے میں بھی مجھے الجھن تھی کیونکہ وہ میرے لیے اجنبی تھا۔ یہ کار بھی رضوان کی نہیں ہو سکتی تھی جس میں وہ مجھے لے جا رہا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ اسی نوجوان کی ملکیت ہو۔

رضوان نے ایک ہاتھ سے کار کا اسٹیئرنگ سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے میرے ہاتھوں کی بندشیں ڈھیلی کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کار کے اسپیڈومیٹر کی سوئی پچاس کے ہندسے پر تھرک رہی تھی۔ میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ ہم جائے حادثہ کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ دو چینی وہاں زخمی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت تک وہاں پڑے رہتے جب تک کوئی انہیں دیکھ کر پولیس کو اطلاع نہ دے دیتا۔ انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر رضوان نے بہت عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔ میں بھی اگر اس کی جگہ ہوتی تو یہی کرتی۔ پولیس کے جھمیلوں سے بچنے کی یہی ایک صورت تھی۔

رضوان ہونٹ بھینچے ہوئے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ آخر مجھے ہی سکوت کا قفل توڑنا پڑا۔

"اب تم منہ سے کچھ پھوٹو گے بھی یا نہیں؟
"تمہارے لیے مناسب سزا تو یہی ہوتی
رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا۔" رضوان غرّایا۔
میں پلکیں جھپکاتی ہوئی اُسے حیرت
اس موڈ کا سبب میری سمجھ سے باہر تھا۔
"آخر تم ایسے خطرناک چکروں میں پڑ
پھر بولا۔ اس مرتبہ اُس کے لہجے میں جھلاہ
"اوہ!" میں ہنس پڑی۔ اب اُس کی
میں آگیا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تو کیا
عورت کی طرح گھر میں بیٹھ کر آٹا گوندھوں؟"
"وہ بھی کوئی بری بات تو بہرحال
"تمہارے دماغ پر گرمی کا خاصا اثر
گھورتے ہوئے کہا۔
"ہاں! شاید یہ گرمی ہی کا اثر ہے کہ تم
تمہاری حفاظت کے خیال سے تم پر نظر رکھ
میری طرف دیکھے بغیر کہا۔
"تم کب سے میری نگرانی کر رہے ہو؟
"آج صبح ہی سے۔"
"ہل پارک پر ...."
"میں وہاں موجود تھا۔" رضوان نے
"لیکن میں نے خود کو اتنی دور رکھا تھا کہ
ہوئے دونوں ابھی میری نظر میں آئے
دوڑ کر قریب پہنچا، معاملہ ختم ہو چکا تھا
اور تم کھڑی ہو چکی تھیں۔ تمہیں بچ
لی۔ تم سوسن کی ٹانگ پر پٹی باندھ رہی
"تم سوسن کو جانتے ہو؟" میں
"میں اس شہر کی نوّے فیصد
"تو یہ شوق بھی رہا ہے؟" میں
"میں مرد ہوں۔" رضوان نے
رہا بھی ہو تو اس میں چنداں مضائقہ
لڑکی کے ساتھ دیکھ کر کم سے کم مجھے
معقول قسم کی لڑکیوں سے لفٹ
"سوسن بڑی جبی ہوئی لڑکی
اصطلاح استعمال کی۔
رضوان بُرا سا منہ بنا کر
"ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے؟
"جب میں سوسن کی ٹانگ پر
"اس کے علاوہ کیا سمجھتا کہ

ے سر ہلایا۔
ک سے روانہ ہوئیں تو بھی میں اپنی موٹر سائیکل
ا تھا۔ بہتر ہاتھائی لینڈ کی اس بلڈنگ میں
ا کہ شاید تم خود ہی سوسن کی ڈریسنگ کرنا چاہتی
ا ایک ڈاکٹر کو اس بلڈنگ میں داخل ہوتے
ا تو ایک چینی شخص بھی تھا۔ اُسے دیکھ کر میرا ماتھا
ا کہ تمہارے ساتھ کوئی چکر تو نہیں چل گیا ہے!
ت میرا ایک دوست اپنی کار میں ادھر سے گزر
ر رک گیا۔ ہم وہیں کھڑے باتیں کرنے
لمے کے دروازے ہی کی طرف تھی۔ اُس وقت
ں نے میں نے ایک کار کو بلڈنگ کے دروازے
ہوتے ہوئے دیکھا۔ پارکنگ کے لیے وہ جگہ قطعاً
ش اس لیے اور زیادہ ہو گئی کہ اس کار کا
ما، مجھے پچہتر فیصد یقین ہو گیا کہ تمہارے ساتھ کوئی
ے اس وقت اپنے دوست کی موجودگی کو غنیمت
ں وہ کار کی ضرورت پڑ ہی سکتی ہے۔ میں نے
کو مختصر طور پر بتایا کہ چند ناپسندیدہ عناصر
ہے۔
ت نے جواب ہمارے پیچھے پیچھے موٹر سائیکل پر
...
شد ہے اور یہ ایک اخبار کا سرکولیشن منیجر ہے۔ ہم
ہی سے جانتے ہیں اس لیے میں اُس پر
ملے تفصیل سے جواب دیا اور پھر کہا۔ "جب
نشست پر ڈال رہے تھے تو میں نے محسوس
ہو۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ
لوگ میں فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر
ے کر روانہ ہو گئی۔ اب اس کے سوا کوئی
اس کار کے تعاقب میں چل پڑوں۔ میں نے
ل ا۔ میرے پیچھے پیچھے آئے۔ تعاقب کے
ا کہ جہاں تمہیں لے جایا جا رہا ہے وہاں
بہت زیادہ ہو اور میں تم کو اُن سے نہ چھڑا
ملتے ہی میں کچھ کر گزرنے کی کوشش کی
تھے اس لیے اُن سے بہ آسانی نپٹا جا سکتا
راشد کی کار کے برابر میں لے جا کر اس
ڈنڈا مار کر روکنے کی کوشش کرے۔ اس
بڑی آسانی سے کیا جا سکتا تھا لیکن یہ بات
کی تھی کہ وہ چینی ایک اناڑی ڈرائیور ہے
باہر ہو جائے گی۔"

"جو کچھ ہوا، اچھا ہی ہوا۔" میں بولی۔ "اگر وہ کھمبے سے نہ ٹکراتی تو وہ دونوں بے ہوش بھی نہ ہوتے اور تمہیں خاصی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا۔"

"وہ ڈاکٹر فونگ ہی کے آدمی تھے نا؟"

"ہاں۔"

"سوسن کا کیا رہا؟"

"وہی تو اس فساد کی جڑ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ بھی ڈاکٹر فونگ کی ایجنٹ ہے۔"

"اوہ!" رضوان کے منہ سے اتنا ہی نکلا۔

میں اسے تفصیل سے بتانے لگی کہ سوسن نے کیا ڈرامہ کھیلا تھا۔

کار اب ہاتھائی لینڈ کے علاقے میں پہنچ چکی تھی۔ رضوان نے اسی بلڈنگ کے سامنے پہنچ کر بریک لگائے اور بولا۔ "سوسن سے تو نپٹنا ہے نا؟"

"یقیناً۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن تم اپنے دوست کو اب رخصت کر دو۔ ہم دونوں اس معاملے سے خود ہی نپٹ سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اسے چلتا کیے دیتا ہوں۔" رضوان نے انجن بند کرتے ہوئے کہا۔

موٹر سائیکل کار کے برابر میں آ رکی تھی۔

میں کار سے اتر کر بلڈنگ کے دروازے کی طرف دیکھنے لگی لیکن وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ قریب ہی میری کار اب بھی کھڑی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر فونگ کے ایجنٹوں نے اُسے وہاں سے ہٹانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

رضوان نے راشد کو رخصت کر دیا۔

"آؤ!" میں نے رضوان سے کہا اور بلڈنگ کے دروازے کی طرف بڑھی۔

"کیا تمہارے پاس ریوالور ہے؟" رضوان نے اس وقت پوچھا جب ہم زینے طے کر رہے تھے۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن تم اس کی فکر مت کرو۔ اگر خطرے کا احساس مجھے قبل از وقت ہو جائے تو میں غیر مسلح ہونے کے باوجود اپنے دشمنوں کے لیے بلائے بے درماں ثابت ہو سکتی ہوں۔"

"تمہاری یہ خوش فہمی کسی دن تمہیں قبر میں پہنچا دے گی۔"

"اچھا اب خاموش!" میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا کیونکہ ہم تین چوتھائی زینے طے کر چکے تھے۔

رضوان چپ ہو گیا۔ وہ اپنی جیب میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا۔ ممکن ہے اس کے پاس ریوالور ہو۔

لیکن پہلی منزل پر پہنچ کر مجھے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ فلیٹ اب مقفل تھا۔ چڑیاں اُڑ چکی تھیں۔ یہ تو مجھے کانی چیک نے بتا ہی دیا تھا کہ یہ فلیٹ صرف اسی کام کے لیے حاصل کیا گیا تھا لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ لوگ اتنی جلدی غائب ہو جائیں گے۔

میں اور رضوان واپس لوٹے۔
"خیر!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا "میں اسے چھوڑ دوں گی ہرگز نہیں۔ کسی نہ کسی طرح اس کا پتہ چلا ہی لوں گی۔"
"چونکہ تم ان لوگوں کے جال سے نکل چکی ہو اس لیے ممکن ہے کہ سوسن روپوش ہو جائے۔"
"دیکھا جائے گا۔" میں نے لاپرواہی سے کہا "لیکن اب تم اپنے چہرے سے سنجیدگی کا غلاف اتار دو۔ اس موڈ میں ذرا بھی اچھے نہیں لگتے۔"
رضوان دھیرے سے ہنس پڑا۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ وہ اب تک بہت سنجیدہ رہا تھا۔ اس کا ثبوت یہ بات تھی کہ وہ مجھے "تم" کہہ کر مخاطب کرتا رہا تھا۔ یہ خاصا دلچسپ امر ہے کہ جب وہ مجھ سے بے تکلفانہ گفتگو کرتا تھا تو "آپ" کہہ کر مخاطب کرتا تھا اور سنجیدہ موڈ میں "تم" پر اتر آتا تھا۔
"میں اپنی کار میں چلتی ہوں۔ تم اپنی موٹر سائیکل پر پیچھے پیچھے آؤ۔" میں نے بلڈنگ کے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔
"مجھے تو آپ کے آگے رہنے کی تمنا ہے۔" رضوان نے ٹھنڈی سانس بھری۔
"سور!" میں نے کہتے ہوئے اسے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ وہ بدک کر مجھ سے دور ہو گیا۔
"بس یہ آپ کا ہنٹر والی کا انداز مجھے سخت ناپسند ہے۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔
"قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ کسی روز میرا یہ انداز تمہیں عملی طور پر برداشت کرنا پڑے گا۔"
"اگر چچا غالب نے آپ سے ملاقات کر لی ہوتی تو وہ دھول دھپے والا شعر ہرگز نہ کہتے۔"
میں مسکراتی ہوئی اپنی کار کی طرف بڑھ گئی اور وہ اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کک لگانے لگا۔
میں کار اسٹارٹ کر کے اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔ اب شام کے سرمئی دھندلکے زمین پر اترنے لگے تھے۔ گزشتہ چند گھنٹوں کی باتیں ایک ایسے بے ہنگم خواب کی طرح میرے ذہن میں چکرا رہی تھیں جو معدے کی خرابی کا نتیجہ رہا ہو۔ ہل پارک پر بے آواز فائرنگ، سوسن کا زخمی ہونا، اسے کریانتھ آئی لینڈ کی عمارت میں جانا۔ کائی چیک کے ہاتھوں میری گرفتاری، کار میں اغوا، پھر اس کار کا حادثہ، کائی چیک اور اس کے ساتھی کی بے ہوشی، رضوان کی مدد اور میری نجات! یہ سب کچھ کسی بے ہنگم خواب سے کم نہیں تھا۔
رضوان میری کار کے پیچھے پیچھے موٹر سائیکل چلاتا ہوا گھر آیا اور ہم دونوں ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے۔ میں نے ملازم سے چائے کے لیے کہہ دیا۔
"اب کیا ارادہ ہے؟" رضوان بولا۔

"کس سلسلے میں؟"
"ڈاکٹر نونگ سے تصادم کے بارے میں کیا
اس سے پہلو نہیں بچایا جا سکتا؟"
"یہ کیسے ممکن ہے؟"
"یہ ایسے ممکن ہے کہ ہم دونوں اس شہر کو چھ
"کہاں؟" میں مسکراتی ہوئی اس کی طرف دیکھ
"ہاں بس یہی سوچنا پڑے گا کہ کہاں؟"
کچھ سوچتا ہوا بڑبڑانے لگا "افق کے اس پار جانا
مشتاق کا ہجوم ہو گا۔ سب ادھر ہی کا رخ کر لے
پاسپورٹ سسٹم رائج نہ ہو گیا تو افق کے اس پار
لیے بس ایک آدھ ہی جگہ رہ جائے گی۔"
میں مسکراتی رہی اور رضوان بکتا رہا۔
مناسب جگہ چاند تھی لیکن اب وہ بھی بیکار ہے۔ پہلے
امریکی آ کے جھگڑے کا گھر بنا دیں گے۔"
"تو پھر؟" میں بولی۔
"اب تو بس ایک ہی جگہ رہ گئی ہے۔" رضوا
لے کر کہا "چل کر کسی کانجی ہاؤس میں جا بیٹھتے"
"وہاں تو تمہاری خاصی یاد اللہ ہو گی۔" م
"ایسی ویسی؟ بہت بے تکلفی ہو چکی ہے۔
مجھ سے نہیں چھپاتے۔ اکثر آپ کا ذکر کرتے
"اچھا اب تم دفع ہو جاؤ۔" میں نے ہنستے
گئی ہوں اس لیے کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔"
"میں چائے پی کر دفع ہو جاؤں گا لیکن
کوئی بھی سرگرمی مجھ سے پوشیدہ نہ رکھیں۔ کہیں ہم
دے کر جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ شادی سے پہلے ہی
ملازم چائے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا ڈرا
اس لیے میں خاموش رہی۔
رضوان چائے پی کر رخصت ہو گیا اور
واقعی اب محتاط رہنا چاہیے۔ اگر میں نے اپنی
بندوبست نہیں کیا تو ڈاکٹر نونگ کسی وقت
کمانڈر حق اور اس کے آدمی اس سلسلے
زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتے تھے۔ انہیں اس
تجربہ تھا۔
میں نے ایک گھنٹہ تو بستر پر لیٹے لیٹے
ٹیلیفون پر مختلف کلبوں اور ہوٹلوں کی
لگی۔ میں چاہتی تھی کہ مجھے کہیں سے سوسن کا پتہ
سلسلے میں میرا یہ طریقہ کار بے سود ہی رہا۔ کہیں سے
چل سکا۔

ہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور پھر اٹھ کر کپڑے
ے ذہن میں کوئی خاص تدبیر نہیں آ سکی
سن کا خیال ذہن سے جھٹک دیا تھا۔
ا تیز رفتاری سے الماس کے گھر کی طرف اڑی
باوجود میرے تصور کے جھولے پر پینگیں
وں پر ایک خود کار سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی
راز کا ایک شعر گنگنانے لگی۔
لماس کے گھر پہنچی تو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ
روشنیوں سے سجایا گیا تھا اور مہمانوں کی
ہوتا تھا جیسے وہاں کوئی چھوٹی موٹی تقریب
بن بلایا مہمان بننا گوارا نہیں کیا اور اپنے
چکا تھا لہٰذا میں نے اس "فرض"
کوئی حرج نہیں سمجھا۔ پھر کچھ دیر تک لان پر
میں جا کر سو گئی۔
نے ناشتے کے بعد اپنے ڈاکٹر کو فون کیا اور اسے
اپنے گھر بلا رہی ہوں۔ یہ سن کر ڈاکٹر نے
نرسنگ ہوم میں داخل کر دیا جائے تو زیادہ

ہوم میں نا؟" میں نے پوچھا۔

اگر آپ اس کو زیادہ مناسب سمجھتے ہیں تو
ان کو لے کر آپ کے پاس پہنچوں گی۔"
ہوں گا۔"
کر سلسلہ منقطع کر دیا۔
کامران آیا تو میں نے اسے نرسنگ ہوم
اعتراض نہیں کیا۔
آپ کا دل چاہے کیجیے!"
ڈاکٹر کے نرسنگ ہوم کی طرف روانہ ہو
سے پوچھا۔
سلسلے میں کچھ کیا؟"
میں پوچھنا چاہتی ہوں۔" میں اس کا سوال
تمہیں منشیات کے انجکشن ریسٹورنٹ
تھا؟"
جواب دیا۔

جہانگیر پارک میں بلا لیا جاتا تھا۔" کامران
جہانگیر پارک ہی میں انجکشن لگایا گیا تھا۔

جب آپ نے مجھے اپنی کار میں چڑھا ہوا پایا۔"
"کیا پارک میں انجکشن لگانا خطرناک بات نہیں؟"
"بڑی صفائی سے کام ہوتا ہے۔ بس چند لمحوں کے لیے کسی درخت یا بنچ کی آڑ درکار ہوتی ہے۔ اگر اس میں خطرہ ہوتا تو وہ لوگ ایسا کیوں کرتے؟"
"کیا تمہارے دوست کو بھی جہانگیر پارک میں بلایا جاتا تھا؟"
"مجھے اس کا علم نہیں۔" کامران جواب دیتے ہوئے الجھنے سا لگا اور پھر بولا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ کیا جاننے کی کوشش کر رہی ہیں؟"
"بس میں اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہی ہوں۔ مجھے یہ کرید لگی ہوئی ہے کہ وہ لوگ تمہیں زبردستی نشے کا عادی بنانے کی کوشش کیوں کر رہے تھے؟"
"ممکن ہے کہ آپ کا خیال درست ہی ہو۔ وہ لوگ میرے بزنس کنکشن کو اسمگلنگ میں استعمال کرنا چاہتے ہوں۔"
"کیا تمہارا دوست اب بھی تمہارے ہی گھر میں رہتا ہے؟"
"جی ہاں، کیوں؟"
"میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"
"اس سے آپ کو کیا معلوم ہو سکے گا!" کامران کچھ مضطرب ہو گیا۔ مجھے اس کی یہ کیفیت بڑی عجیب معلوم ہوئی لیکن میں نے اپنے تعجب کا اظہار نہیں کیا۔
"یہ تو اس سے ملنے کے بعد ہی اندازہ ہو سکے گا کہ میں اس سے کچھ معلوم کر سکتی ہوں یا نہیں۔" میں نے کہا۔
"آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں؟ میں اسے فون کر دوں گا کہ وہ خود آپ سے مل لے۔"
"کیا تمہارے گھر پر فون ہے؟"
"جی ہاں۔"
میں چند لمحے سوچتی رہی، پھر بولی "نہیں تم فون مت کرنا۔ میں خود ہی جا کر اس سے مل لوں گی۔ اس میں تکلیف کی کوئی بات نہیں ہے۔"
کامران چپ ہو گیا۔
اسے نرسنگ ہوم میں داخل کرانے کے بعد میں واپس اپنے گھر پہنچی اور میں نے فون پر کمانڈر حق سے رابطہ قائم کر کے اسے کامران کے گھر کا پتہ بتایا۔
"اسی گھر میں افضل نامی ایک شخص رہتا ہے۔" میں نے کہا "تم اس پر کڑی نظر رکھو۔"
"بہت بہتر۔"
میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ افضل سے فوری طور پر براہ راست

گفتگو کرنے کی بجائے میں نے یہ مناسب سمجھا تھا کہ شروع میں دو ایک روز تک اس پر صرف نظر رکھی جائے۔

وقت گزاری کے لیے میں نے اخبار اٹھا لیا اور موٹی موٹی سرخیوں پر نظر دوڑانے لگی۔ ایک خبر کے مطابق وزیر خارجہ صوبہ سرحد پہنچ چکے تھے۔ اس خبر کو پڑھتے ہوئے مجھے وہ ساری گفتگو یاد آئی جو وزیر خارجہ سے ہوئی تھی۔ ان کا یہ سوال خاصا معنی خیز تھا کہ ڈاکٹر فزنگ سے جھڑپوں کے دوران میں سرحد کا کوئی تذکرہ تو میرے سامنے نہیں آیا؟ آخر انہیں سرحد کے بارے میں ایسی کیا اطلاعات ملی تھیں جن کی وجہ سے وہ تفکر و تشویش کا شکار ہو گئے تھے۔ کیا اِن دنوں سرحد میں بھی سی آئی اے کے ایجنٹ سرگرم کار تھے؟

سی آئی اے کے ساتھ اب کے جی بی کا نام بھی میرے سامنے آگیا تھا اور یہ میرے لیے خاصی قابلِ غور بات تھی کہ میں سی آئی اے سے نبرد آزما ہوں یا کے جی بی کے عیار ہاتھ مجھے کھلونا بنائے ہوئے تھے۔

کامران کے معاملے میں الجھ جانے کی وجہ سے میں ان خطرناک ترین معاملات کی طرف پوری طرح توجہ نہیں دے پا رہی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ رؤف سے بھی آج کل میرا کوئی رابطہ قائم نہیں تھا اور میں کراچی میں مقیم اُن دونوں افراد کو بھی چیک نہیں کر سکی تھی جن کے بارے میں مجھے صدرِ مملکت سے ہدایات ملی تھیں۔

اگر میں شبانہ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی تو کامران کا معاملہ بڑی ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا اور میری توجہ دو حصوں میں منقسم نہیں ہونے پاتی۔

شبانہ کا خیال آیا تو میں ایک بار پھر الماس کی خالہ کے گھر جانے کے بارے میں سوچنے لگی۔ گزشتہ رات تو میں وہاں ہونے والی تقریب کے باعث واپس لوٹ آئی تھی۔

میں نے فیصلہ کیا کہ لنچ کرنے کے بعد الماس کی خالہ کے گھر جاؤں گی۔ دو بجے میں روانگی کے لیے تیار ہو چکی تھی کہ کمانڈر حق کا فون آگیا۔

"یور ہائی نس!" وہ متفکر لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو کوئی اچھی خبر نہیں سنا رہا ہوں۔"

"کیا ہوا؟" مجھے بھی تشویش ہو گئی۔

"افضل بظاہر ایک حادثے کا شکار ہو کر مر چکا ہے۔"

"ارے!" میرے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔

کمانڈر حق نے تفصیل سے بتانا شروع کیا۔ "میں آپ کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچا تو افضل گھر کے دروازے پر قفل لگا رہا تھا۔ وہیں ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ ٹیکسی کی چھت پر ایک سوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ گھر کو مقفل کر کے افضل ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور میں نے ٹیکسی کا تعاقب شروع کر دیا۔ افضل سیدھا سٹی اسٹیشن پہنچا تھا۔ وہاں اسے ایک شخص ملا جو پتلون اور جیکٹ میں ملبوس تھا۔ اس نے افضل کو ریل کا ٹکٹ دیا اور اس کے ساتھ خود بھی ریل میں سوار ہو گیا۔ میرے لیے اس کے سوا کوئی صو... ڈبے میں چڑھ جاؤں۔ ٹرین چھوٹنے میں صرف ایک... مجھے اتنی مہلت حاصل نہیں تھی کہ آپ کو فون کرتا۔ میں... جھانکنے لگا تاکہ آگے والے اس ڈبے پر نظر رکھوں جس م... ہوئے تھے۔ میں نے ان دونوں کو ڈبے کے درو... بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پلیٹ فارم کے ہو... ہو رہے ہوں۔ جب گاڑی چلی تو بھی وہ دروازے... تھے اور جب گاڑی پلیٹ فارم سے نکل کر رفتار... افضل کا توازن بگڑ گیا اور وہ گاڑی سے باہر جا گرا... کھینچ کر گاڑی رکوالی لیکن افضل کچھ ایسے ڈھب... سر پھٹ گیا اور اُس نے جان دے دی۔"

"کیا واقعی افضل کا توازن بگڑ گیا تھا؟" م...

"میں آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔" کمانڈ... اس کا احتمال ہے کہ اسے دھکا دیا گیا ہو۔ دھکا د... بھی ہو سکتا ہے، کیوں کہ اُس وقت وہی اس کے ق... بعد اس کا جو رویہ تھا وہ بھی اُسے مجرم ثابت کرتا ہے... کے لیے ایک سیکنڈ بھی وہاں نہیں رُکا تھا اور اس نے... تھی۔ وہ افضل کا سوٹ کیس لے کر اُتر پڑا تھا اور ا... ٹھہر گیا تھا۔"

"کیا تم جائے حادثہ پر رُک گئے تھے؟" میں... پوچھا۔

"نہیں یور ہائی نس! میں ٹیکسی کا تعاقب کر... ٹھکانے تک پہنچا تھا۔"

"پتہ چلا کہ وہ کون ہے؟"

"میں معلوم کر چکا ہوں یور ہائی نس! وہ ... کا مالک ہے۔"

"اوہ!" میں نے چونک کر کہا۔ "ریسٹورنٹ کا..." کمانڈر حق نے اسی ریسٹورنٹ کا نام بتایا جو کا... مطابق منشیات کا اڈہ تھا۔

میں اُلجھن کا شکار ہو گئی۔ افضل کا قتل مجھ... کے لیے مجبور کر رہا تھا۔

"میرے لیے اب کیا حکم ہے یور ہائی نس!" کما... تو میں اپنے خیالات سے چونکی۔

"فی الحال.... کچھ نہیں۔" میں نے کہہ کر سلسلہ... آخر افضل کو آج ہی کیوں قتل کیا گیا؟ یہ قت... خاص سمت اشارہ کر رہا تھا۔ اگر میں کمانڈر حق کو اس... وہ غالباً آج بھی قتل نہ کیا جاتا۔ گویا ان لوگوں کو معلو... کو چیک کرنے والی ہوں اور ان کو یہ بات صرف کامران...

...ایک سوالیہ نشان بن کر میری سوچ کے... اس سوالیہ نشان کو شبہات کی گرد میں... میں وہ گرد بہت صاف نظر آرہی تھی۔

...بھی تھا جو بظاہر دکھائی دے رہا تھا۔ اس... کھیلے تھے کہ میرا اعتماد حاصل کر سکے۔ اس... افضل کا ذکر شاید کسی مجبوری کے تحت کیا... افضل کے پیچھے لگنے والی ہوں تو اس نے... اطلاع دی جنھوں نے فوراً افضل کو ختم کرا... تو ممکن ہے میں اُس کے ذریعے سے کوئی... یاب ہو جاتی۔

...بات پر کرنا تھا کہ کامران نے یہ ڈرامہ کھیل کر میرا... کیوں کی؟

...میں یہ سمجھ رہی تھی کہ کامران کے ذریعے سے مجھے... تلاش کرنے کا موقع ملے گا، لیکن اب میں... کا معاملہ کچھ اور ہے۔

...ڈاکٹر فزنگ کی طرف گئی۔ عین ممکن تھا کہ اُسی نے... ہو۔

...میں وہی ہو گا جس کے لیے سوسن ایک ناکام...

...کر لینا ایک بچکانہ سی بات ہوتی۔ یہ بھی تو ممکن... اور ہو۔ بہرحال اب مجھے کامران کی طرف...

...سپاٹ گزرے۔ کوئی ہنگامہ نہیں ہوا، کوئی... کام کاج دیکھنے کے لیے خاصا وقت مل گیا۔ ...رسنگ ہوم جا کر کامران کی خیریت دریافت... نہیں ظاہر ہونے دیا کہ مجھے اس پر شبہ ہو چکا ہے۔ ...موت کی خبر اخبارات میں آ چکی تھی لیکن کسی کو... والا کون تھا۔ اس حادثے میں افضل کی شکل اس... شناخت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کی جیبوں... نہیں مل سکے تھے جو اس کی شخصیت کی تلاش میں...

...ایک مرتبہ میں الماس کی خالہ کے گھر بھی گئ... کامران کے عشق میں تڑپتا ہوا محسوس کیا تھا۔ ...جانے سے وہ پریشان بھی ہو گئی تھی اور اسے... کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ میں اسے یہ بات... ہرگز نہیں بتانا چاہتی تھی کہ کامران ایک نرسنگ ہوم میں داخل ہے۔

شبانہ بدستور الماس کے ساتھ مقیم تھی اور اس ظالم نے چند منٹ بھی میری آنکھوں کو تازگی نہیں بخشی تھی۔ مجھے اور الماس کو باتیں کرتا ہوا چھوڑ کر ڈرائنگ روم سے چلی گئی تھی۔ اُس کے اِس تغافل قاتلانہ پر میرے دل پر آرے چل گئے تھے۔ اور میں جھنجھلاہٹ میں یہ تک سوچ بیٹھی تھی کہ اس لڑکی کو اغوا ہی کرنا پڑے گا۔

میں اپنے شام کے اوقات سوسن لی کی تلاش میں گزار رہی تھی، لیکن مجھے ابھی تک کوئی ایسا شخص نہیں مل سکا تھا جو سوسن کے پتے سے واقف رہا ہو۔

چوتھے دن شام کو بھی میں سوسن لی کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی کہ ایک شاپنگ سینٹر میں مجھے غزالہ نظر آ گئی۔ وہی غزالہ جو لاہور جاتے ہوئے مجھے ٹرین کے ڈبے میں ملی تھی اور جس نے اپنے نابینا باپ کی موجودگی میں بھی میری خواہشوں کے سائے میں پناہ لی تھی۔

میں نے جا کر پیچھے سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے چونک کر سر گھمایا اور مجھے دیکھتے ہی جیسے کھل اُٹھی۔

"آپ!" اس کے منہ سے یہ لفظ بہ مسرت نکلا، لیکن پھر دوسرے ہی لمحے وہ سنجیدہ اور مضطرب ہو گئی۔ غالباً اُسے وہ سارے خوفناک واقعات یاد آ گئے تھے جن سے وہ محض میری وجہ سے دوچار ہوئی تھی۔

میں اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔ میرے مسکرانے کا انداز نہ جانے کیوں لڑکیوں کو پسند آتا ہے۔ میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور دھیمی سی آواز میں بولی۔ "آؤ کہیں بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

"ایک منٹ۔" غزالہ نے جلدی سے ہاتھ چھڑا لیا اور اپنا پرس کھول کر اس میں سے نوٹ نکالنے لگی۔ نوٹ گن کر اُس نے دکاندار کو دیے اور وہ پیکٹ شوکیس سے اُٹھا لیا جو دکاندار نے بنا رکھا تھا۔

"چلیے!" وہ مجھ سے بولی۔

چلتے ہوئے میں نے اس کا ہاتھ پھر تھام لیا تھا۔ اس کے ہاتھ کا لمس مجھے ایک گزری ہوئی کہانی یاد دلا رہا تھا۔ اس یاد نے میرے جسم میں لذت آمیز سنسناہٹ سی پھیلا دی تھی۔ ویسے بھی کئی راتوں سے میرے ہونٹ خشک تھے اور میں پیاس سے تڑپ رہی تھی۔ اب غزالہ کے مدبھرے پیالوں میں مجھے اپنی تشنگی بجھانے کا سامان مہیا ہو گیا تھا اور اس قلیل سے وقفے میں میری نظر کئی مرتبہ اس کے گریبان سے الجھ الجھ گئی تھی۔

غزالہ میرے قدم بہ قدم چلتی ہوئی بولی۔ "آپ سے بہت دن بعد ملاقات ہوئی ہے لیکن مجھے وہ واقعات اس طرح یاد ہیں جیسے کل ہی کی بات ہو۔"

"میں بھی ان خوش گوار لمحوں کو نہیں بھول سکی۔" میں نے غزالہ کا ہاتھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا اشارہ دوسری طرف ہے۔" غزالہ جلدی سے بولی۔ "میں

ان لوگوں کی بات کر رہی ہوں جنھوں نے ریوالور دکھا کر ہمیں لاہور کے اسٹیشن پر اُترنے سے روک دیا تھا۔“

”تمہیں ان ناخوش گوار باتوں کو یاد رکھنے کی بجائے صرف اُن لمحات کو یاد رکھنا چاہیے تھا جو صرف ہم دونوں کی ذات سے متعلق تھے۔“ میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

غزالہ بڑے شوخ سے انداز میں ہنس دی۔

میری زندگی میں جو لڑکیاں آئیں، اُن میں غزالہ اس اعتبار سے منفرد رہی ہے کہ وہ ایسی باتوں پر شرمانے لجانے کی بجائے، کسی حد تک کھُل کر گفتگو کر لیتی تھی۔

میں اسے لے کر ایک ریسٹورنٹ میں جا بیٹھی۔

”کیا پیو گی؟“ میں نے اس سے پوچھا۔ ”چائے، کافی یا کوئی ٹھنڈا مشروب؟“

”جو آپ کا دل چاہ رہا ہے وہ پی لیجیے۔“

”میں جو کچھ پینا چاہتی ہوں وہ اس کھلے ہوئے ماحول میں نہیں پیا جا سکتا۔“

”فی الحال اسی پر اکتفا کیجیے جو یہاں پیا جا سکتا ہو۔“ غزالہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”دوسری چیزیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔“

”وعدہ رہا۔“

”پکا وعدہ۔“

”ہاتھ ملاؤ۔“

اُس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور میں نے اس کے گداز کو اپنی ہتھیلی میں سمیٹنے کی کوشش کی۔

ویٹر آیا تو میں نے اسے چائے اور دیگر لوازمات کا آرڈر دیا۔

”تم نے اس دوران میں کبھی مجھے یاد بھی کیا ہے غزالہ؟“ میں ویٹر کے جاتے ہی بولی۔

”سچ کہتی ہوں، آپ مجھے بہت یاد آتی رہی ہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ کوئی لڑکی بھی ایک مرتبہ آپ سے باتیں کرنے کے بعد آپ کو بھول ہی نہیں سکتی۔“

”بعض لڑکیاں تو مجھے درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھتیں۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”ناممکن۔“ غزالہ نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ ”میں اِس پر یقین نہیں کر سکتی۔“

”یہ حقیقت ہے۔ ایک لڑکی نے تو آج کل مجھ سے ایسا رویہ اختیار کیا ہوا ہے کہ میں بڑی توہین محسوس کر رہی ہوں۔“

”آپ کہتی ہیں تو میں یقین کیے لیتی ہوں ورنہ یہ بات ناقابلِ اعتبار ہے۔ آخر وہ لڑکی ہے کون؟“

”شبانہ اس کا نام ہے اور وہ لیڈی فاروق کی لڑکی ہے۔ تم نے لیڈی فاروق کا نام تو سنا ہی ہوگا۔“

”ہاں، وہ تو شائد پنڈی میں رہتی

”شبانہ آج کل کراچی آئی ہوئی ہے

”وہ کہتی کیا ہے؟“

”کچھ کہنے پر بھی آمادہ نہیں۔ اس لفٹ“ کا بورڈ لگا رکھا ہے۔“

”تو پھر وہ کسی کومپلکس کا شکار ہو

”شائد۔“

”آپ اس سے چاہتی کیا ہیں؟“

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟“

”ہوں۔“ غزالہ کچھ سوچتی ہوئی بو

”ارے!“ میں ہنس پڑی۔ ”تم تو سم

”آپ اس کا پتہ بتائیے!“

”کیوں؟“

”میں اسے مجبور کر دوں گی کہ وہ آپ

”وہ کیسے؟“ میں استعجابیہ مسکراہٹ دیکھنے لگی۔

”بس یہ مت پوچھیے۔ ہاں اتنا ضر، کالج کے بعض لڑکے مجھے غنڈی کہنے لگے ہیں۔“

”غنڈی؟“ میں ہنس پڑی۔

”یقین کیجیے، میں غلط نہیں کہہ رہ، معاملہ بیچ میں نہ ہو تو میں ہاتھا پائی کے لـ

”فائن!“ میں نے اس کا ہاتھ تھپک کیا شبانہ کو اغوا کراؤ گی؟“

”یہ بھی کوئی ناممکن تو نہیں ہے لیکن ضرورت پیش نہیں آئے گی۔“ غزالہ نے بڑے اس کا پتہ بتائیے اور گویا بری الذمہ ہو جائیے۔ کی مُراد پوری نہ کرا دی تو اپنا نام بدل دوں گی۔“

پر تاؤ دینے لگی۔

”مائی گاڈ!“ میں ہنس پڑی۔

اُسی وقت ویٹر چائے وغیرہ لے آیا، کا سلسلہ رُک گیا۔

چائے کے لوازمات سے انصاف کرتے ہو، تو آپ نے اُن لوگوں کے بارے میں نہیں بتایا جو

”وہ ایک سرکاری راز ہے۔ اس کے جاننا ہی تمھارے حق میں بہتر ہوگا۔“ میں نے سلم

”یہ میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ اگر سے تعلق رکھتی ہیں تو میں اپنے مستقبل کو کچھ محفو

م کی فرار میں بڑی سنگین ہو جاتی ہیں۔ مجھے ڈر
ں پھنس جاؤں۔“

ابتناب کرنا چاہیے۔ میں تمھیں تحفظ دے
، وہ اس لیے نہیں کروں گی کہ اس سے پھر
ا۔

مجبور ہوں۔ اگر کوئی حرکت کرنے کو یہ دل
خود زیرِ قابو نہیں رہ جاتا۔“

ڈیڈی نے ان باتوں کا ذکر کسی اور سے

ماں سے کچھ کہہ بیٹھی لیکن ڈیڈی نے اپنی
زدہ کر دیا تھا کہ میں اس معاملے میں گنگ

مارے ڈیڈی خاصی سوجھ بوجھ کے مالک ہیں۔“
.. انھوں نے اپنی ساری زندگی پھونک پھونک

ا ہے۔“

ڈیڈی ایکشن ہو گیا ہے۔“ میں مُسکرا کر بولی۔

الہ ہنس پڑی۔

، وہاں ہیں بس اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ بل کی
الرن ریسٹورنٹ سے نکلے تو میرے ذہن میں یہ
کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی لیکن اس نے کورا
یا۔

اس نے کہا تھا۔“ اب بہت دیر ہو چکی ہے،
جانا ہے۔ ڈیڈی نے مجھے بہت آزادی دے
ادھر ملنے“ کے سختی سے قائل ہیں۔“

لبتہ آپ کے گھر آؤں گی۔ میرا تو خود بھی دل چاہ
تھ جاؤں لیکن مجبوری ہے۔“
آؤ گی؟“

لیے ملا۔“

لبتہ مگر پتہ ہوتی تو؟“
ٹیلیفون کر لوں گی آنے سے پہلے۔“
اپنی گاڑی میں تمھارے گھر تک ہی چھوڑ آؤں۔“
بہت اچھا ہوگا۔“ غزالہ نے خوش ہو کر کہا۔ ”اس وقت
ہا ہے۔“

میں ہو کر روانہ ہوئے تو غزالہ بولی۔ ”آپ نے مجھے

ا....“

”ارے تو کیا آپ مذاق سمجھ رہی تھیں؟“

میں نے مُسکرا کر اُسے الماس کی خالہ کے گھر کا پتہ بتا دیا اور پھر سوچنے لگی کہ غزالہ شبانہ کے سلسلے میں کیا کر سکتی ہے۔

اُسے گھر پر چھوڑ کر میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی تو طبیعت میں اضمحلال پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے غزالہ کو دیکھ کر بہت سی توقعات وابستہ کر لی تھیں جو پوری نہیں ہو سکیں۔

میں تشنگی کے اس عالم میں عموماً اتنی شراب پیتی ہوں کہ ہوش نہ رہ جائے مگر ان دنوں ڈاکٹر فونگ کا خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا۔ اس کی وجہ سے میری مدہوشی کسی طور بھی مناسب نہیں ہوتی۔ تاہم میں نے عادت کے مطابق دو تین پیگ پی ہی ڈالے اس کے بعد کھانا کھایا اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔

دوسری صبح میں نے اپنے ڈاکٹر کا فون وصول کیا۔

”بانو!“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”آج میں کامران صاحب کو نرسنگ ہوم سے ڈسچارج کر رہا ہوں۔“

”اتنی جلدی؟“ میں نے تعجب سے کہا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ یہ ابتدائی اسٹیج ہے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔“

”اچھا اچھا“ میں نے سر ہلایا۔

”کامران صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔“

”کیا آپ کے قریب ہی موجود ہیں؟“

جی ہاں، میں انھیں ریسیور دے رہا ہوں۔“

چند لمحوں بعد کامران کی آواز آئی۔ ”ہیلو بانو! آداب عرض۔“

”آداب۔“

”میں آپ کا شکر گزار ہوں بانو اور ڈاکٹر صاحب کا بھی!.... آپ لوگوں نے مجھ پر جو پُرخلوص توجہ دی اسے اگر میں بھلا دوں تو یہ میری کم ظرفی ہوگی۔“

”میں الماس کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں، اور بس۔“

”اس خوشی کے موقع پر میری طرف سے ایک دعوت قبول کیجیے!“

”کیا مطلب؟“

”آج رات کا کھانا آپ میرے غریب خانے پر کھائیے۔ میں الماس اور شبانہ کو بھی بلاؤں گا۔“

”اس کی کوئی ضرورت تو....“

”دیکھیے میرا دل نہ توڑیے!“ کامران نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”میں سات بجے آپ کا منتظر رہوں گا۔“

”اچھا!“ میں نے ایک طویل سانس لی۔ ”میں شبانہ اور الماس کو ساتھ لیتی ہوئی پہنچوں گی۔“

”اس تکلیف کی کوئی ضرورت نہیں۔“ کامران جلدی سے بولا۔ ”الماس کو لینے تو میں خود جاؤں گا۔ آپ کی آمد پر وہ غریب خانے پر موجود ہوگی۔“

"اچھا، جیسا تم چاہو۔"

"شکریہ! میں بے چینی سے آپ کا انتظار کروں گا۔"

میں نے سلسلہ منقطع کیا اور سوچنے لگی کہ اس میں کوئی چال تو نہیں؟ میں اس امکان کو نظرانداز نہیں کر سکتی تھی کہ کامران کے گھر پر میرے لیے کوئی جال بچھایا جا سکتا ہے۔

ایک گھنٹے تک میں اسی مسئلے سے اُلجھتی رہی کہ مجھے کامران کے گھر پہنچنے سے قبل کیا تیاری کرنا چاہیئے؟ کم سے کم مجھے یہ امکان خاصا قوی نظر آ رہا تھا کہ ڈاکٹر فونگ سے ٹکراؤ ہو کر رہے گا۔

ایک مرتبہ پھر ٹیلیفون گنگنایا اور میں نے ریسیور اُٹھایا۔

"ہیلو! صبیحہ اسپیکنگ۔"

"اِدھر سے آپ کا خادم کائی چیک بول رہا ہے۔" آواز آئی۔

یکلخت میرے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا اور ریسیور پر انگلیاں بہت سختی سے جم گئیں۔ فوری طور پر میرے منھ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔

"ہیلو!" کائی چیک نے گویا پکارا۔

"کیا بات ہے؟" میری آواز کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔

"اس روز تو آپ لوگوں نے کمال ہی کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ نے کچھ لوگوں کو اپنی حفاظت پر مامور کر رکھا ہو گا۔"

"اِدھر اُدھر کی باتوں میں اُلجھنے کی بجائے اصل مطلب کی طرف آ جاؤ۔" میں خشک لہجے میں بولی۔

"میں آپ کے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔"

"کون سا احسان؟"

"اس روز آپ نے مجھے اور میرے ساتھی کو پولیس کے حوالے نہیں کیا۔"

"اس سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔"

"بہرحال آپ کی اُس روز کی فتح نے میری پوزیشن بہت خراب کر دی ہے مجھے ڈاکٹر کی سخت ترین سرزنش کا سامنا کرنا پڑا۔ اب مجھے حکم ملا ہے کہ میں واپس تہران چلا جاؤں۔ چنانچہ ذرا دیر بعد میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، میں اس وقت ایئرپورٹ سے بول رہا ہوں۔"

"خوب! تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے؟" میرے لہجے سے اُکتاہٹ آشکارا تھی۔ دراصل مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کائی چیک نے میرا وقت برباد کرنے کے لیے فون کیا ہو۔

"میں آپ کو ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں۔" کائی چیک بولا۔ "کیا آج رات آپ کسی جگہ مدعو ہیں؟"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر تیزی سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ آج رات آپ کامران مرزا کے گھر پر مدعو ہیں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

میرے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی تھی ... جوش ہونے نہیں دیا اور دھیمی آواز میں بولی "... وہ کہتے رہو۔"

"اچھا تو سُنیے!" کائی چیک نے بولا ... مرزا ڈاکٹر فونگ کا ایجنٹ ہے۔ اسے بلیک میل ... کام کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اسے آپ کی ... کہ وہ آپ کی قربت حاصل کرے اور پھر اس کے ... تلاش کر کے آپ کو پھانس لیا جائے۔ ڈاکٹر ... طرف سے گھیرنے کی کوشش کی تھی یعنی سوسن کی ... تھا۔ سوسن کا چکر آپ نے ناکام بنا دیا تھا، اس لیے ... جو جال بچھایا گیا ہے وہ بہت مضبوط ہے۔ آپ کو ... کر کے بی مارکیٹ کی ایک عمارت میں پہنچایا جائے گا۔ ... گاڑیاں کھڑی ہوں گی جن میں اسٹین گن بردار ... آپ کے اغوا میں مزاحم ہونے کی کوشش کی ... بھون دی جائیں گی۔ ڈاکٹر فونگ بہت مشتعل ہے ... ہے کہ اگر آپ کو اغوا کرنے میں خون کی ہولی بھی کھیلنی پڑے تو دریغ نہ کیا جائے۔"

جیسے جیسے کائی چیک بولتا جا رہا تھا، ... ہوتی جا رہی تھی، کیوں کہ اس کے لہجے سے سچائی کا اظہار ... کے ساتھ ہی یہ اُلجھن بھی تھی کہ کائی چیک مجھے ... کر رہا ہے۔

وہ بولتا رہا۔ "بی مارکیٹ کی عمارت میں ڈاکٹر ... اور آپ کی پذیرائی کے تمام انتظامات بھی مکمل ہوں ... عمارت میں ایسے چوہوں کی پرورش کی گئی ہے جو ... سے کھاتے ہیں۔ زندہ گوشت کا مطلب تو آپ ... لاش بھی آپ کو یاد ہو گی، وہ لاش اگر چوہوں سے ... اُس کے گوشت کا ایک ایک ریشہ ناپید ہو جاتا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا دو ہاتھ ریسیور دبا ہوا تھا۔

"آپ سن رہی ہیں نا، بانو!" کائی چیک ...

"ہاں ہاں، تم کہتے رہو۔"

"بس مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔"

"بہت خوب!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا ... ہوں کائی چیک کہ تم نے مجھے یہ سب کچھ کیوں بتایا؟"

"کیا میں اپنی پھر وہی بات دہراؤں کہ آپ ایک ہمہ صفت عورت ہیں۔"

"لیکن مجھ سے زیادہ تو ڈاکٹر فونگ کو عظیم فونگ کہا کرتے تھے۔"

... ہے۔ کسی نظریئے کے تحت کام کرتے ہوئے ... اپنی عظیم ہوتے ہیں مگر جب آدمی ذاتی عناد ... ہو جائے تو اُس کی عظمت خاک میں مل جاتی ہے۔ ... بار اپنی راہ سے ہٹا رہا تو مجھے اس سے کوئی ... انداز سے آپ کی ... کا بندوبست کیا ہے، ... کی بو آتی ہے اسی بنا پر میں نے اس سے اپنی ... آپ کو آنے والے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں ... تم اس سے علیحدگی اختیار کر لو؟"

"میں اس تنظیم کا تنخواہ دار نہیں ہوں۔ میں نے ... کی وجہ سے اس تنظیم کے لیے کام شروع ...

... یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا کہ کائی چیک ... ڈاکٹر فونگ کی کوئی چال ہے؟ کائی ... تھی لیکن میرا دل اُس سچائی کو اداکاری ...

"اجازت دیجیے!" کائی چیک کی آواز پھر ... وقت قریب آ چکا ہے۔ اس لیے اب میں اس ... اگر آپ پھر کبھی طہران آئیں تو یاد رکھیے گا کہ ... ہے جس کا نام کائی چیک ہے۔"

... کر رہی تھی کہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ... دیر تک ریسیور کان سے لگائے گم صم ... ہیں رہا تھا کہ ریسیور میرے ہاتھ میں ہے میرا ... بھٹ کھا رہا تھا۔

... اطلاعات درست ہیں تو میں کامران کے گھر کا رُخ ... والے کو دعوت دیتی لیکن اگر یہ باتیں درست ... تھیں!

... دیر بعد میں نے ریسیور کو آہستہ سے کریڈل پر ... رکھ کر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور دو انگلیوں ...

... دعوت ملتے ہی کھٹک گیا تھا لیکن کائی ... میں ڈال دیا۔ اب میں یقین سے نہیں کہہ ... البتہ یہ بات ضرور طے ہو گئی تھی کہ میں کسی ... والی ہوں۔

... خیال آیا کہ اگر کائی چیک جھوٹا ہے تو میرے ... وہم نہیں ہے۔ میں نے ریسیور اٹھا کر فوراً ... اور اس سے پوچھا۔

"... کوئی فلائٹ گئی ہے؟"

"... اس منٹ بعد جانے والی ہے۔ کیوں؟ خیریت؟"

"میں اس فلائٹ کے مسافروں کے نام جاننا چاہتی ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟"

"ممکن تو ہے مگر اس کے لیے آپ کو آدھے گھنٹے انتظار کرنا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے، میں آدھے گھنٹے بعد فون کروں گی۔"

میرا واقف کار پھر استفسار کرتا اس لیے میں نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔

اب مجھے آدھا گھنٹہ گزرنے کا انتظار تھا لیکن انتظار کرتے ہوئے میرا ذہن خیالات سے خالی نہیں رہ سکا۔ میں مسلسل سوچتی رہی کہ مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیئے۔ ایک ایسا موقع میرے سامنے آ رہا تھا جو بے حد خطرناک تھا۔ لیکن میں اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر فونگ سے ایک فیصلہ کن ٹکراؤ اب ہو ہی جانا چاہیئے تھا۔ وہ اتنے عرصے سے میرے اعصاب پر ایک بوجھ بنا ہوا تھا کہ اب میں اسے مزید ایک دن بھی برداشت کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھی۔ میں نے فرض کر لیا کہ کائی چیک کی اطلاعات درست ہیں اور یہ فرض کر لینے کے بعد میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ اس صورتِ حال سے کیسے نپٹا جا سکتا ہے؟

مجھے کمانڈر حق کا خیال آیا۔ وہ اور اس کے آدمی پوشیدہ رہ کر میری حفاظت کر سکتے تھے۔ کمانڈر حق کی پھرتی اور ذہانت پر میں آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتی تھی۔ میں نے ریسیور اُٹھایا اور کمانڈر حق کے نمبر ڈائل کرنے لگی، دوسری طرف گھنٹی بجی، پھر ریسیور اُٹھایا گیا اور کمانڈر حق کی جانی پہچانی آواز سنائی دینے لگی۔

"ہیلو! حق اسپیکنگ۔"

"صبیحہ بانو دِس اینڈ۔"

"گڈ نون یور ہائی نس۔"

مجھے کمانڈر حق کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا۔ اُس کے لہجے میں خشکی اور بیزاری کا اظہار تھا۔

"سنو!" میں نے کہا۔ "تم کو آج بڑی ذمے داری اور احتیاط سے ایک کام سرانجام دینا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے یور ہائی نس! میں اب آپ کے لیے کوئی کام نہیں کر سکوں گا۔"

"کیا مطلب؟" مجھے غصہ آ گیا۔ "تم اپنے ہوش میں ہو؟"

"میں بہ ہوش و حواس بول رہا ہوں یور ہائی نس۔" کمانڈر حق نے جواب دیا۔ "مجھے نواب صاحب نے سختی سے تاکید کی ہے کہ اب میں آپ کی کوئی خدمت سرانجام نہ دوں۔"

"اوہ!" میرے منھ سے نکلا اور مجھے فوراً کیپٹن آفاق کی بات یاد آ گئی۔ پنڈی کی اس تقریب میں جہاں صدرِ مملکت پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا، آفاق نے مجھ سے کہا تھا کہ بیگم پرتاب گڑھ میری دوستی کا دم بھرتی ہیں، لہٰذا اب وہ نواب پرتاب گڑھ کو اپنی مٹھی میں لے گا۔ اب حالات کا یہ موڑ اس بات کا ثبوت تھا کہ آفاق اپنی چال چل گیا تھا۔

بیگم کہاں ہیں؟" میں نے غرا کر کمانڈر حق سے پوچھا۔
"وہ ایک ہفتے کے لیے کل ہی لندن گئی ہیں۔"
میں نے بڑی زور سے ریسیور رکھ دیا۔ مجھے آفاق سے زیادہ اپنے اوپر غصہ آ رہا تھا۔ آخر اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کے بجائے میں دوسروں پر تکیہ کیوں کرنے لگی تھی؟ یہ اچھا ہی ہوا کہ آج مجھے اس کی سزا مل گئی۔
کمانڈر حق کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد میں رضوان کا سہارا حاصل کر سکتی تھی لیکن جھنجھلاہٹ اور طیش کے باعث میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان خطرناک حالات سے تن تنہا نمٹوں گی۔
وقت مقررہ پر میں نے دوبارہ ایئر پورٹ فون کیا اور اپنے واقف کار سے پوچھا کہ: "سیٹھ نام کا کیا رہا؟"
"جناب... ان تاریخوں کے تہرانی سو مسافروں کی طویل فہرست اس وقت میرے سامنے پڑی ہوئی ہے۔"
"وہ تم مجھے پڑھ کر سنا دو۔"
"آخر معاملہ کیا ہے بانو؟"
"یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔"
میں نے ایک طویل سانس لینے کی آواز سنی اور پھر میرے واقف کار نے فہرست کے نام پڑھنا شروع کر دیے۔ فہرست طویل تھی لیکن وہ اسے پوری نہیں پڑھنی پڑی۔ لگ بھگ چالیس ناموں کے بعد کائی چیک کا نام آ گیا۔ اس کے بعد میں نے مصلحتاً دس بارہ نام اور سنے، پھر شکریہ ادا کر کے کسی استفسار کا جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔
اس معاملے کی تفتیش سے قبل میرا خیال یہ تھا کہ اگر کائی چیک کا نام مسافروں کی فہرست میں ہوا تو میں اس سے ملی ہوئی اطلاعات کو مصدقہ سمجھ لوں گی لیکن اب میں پھر ڈانواڈول ہو چکی تھی۔ میں نے اس انداز میں سوچنا شروع کر دیا تھا کہ ڈاکٹر فونگ بہت عیار آدمی ہے۔ اس سے یہ بعید نہیں کہ اس نے میری تفتیش کے خدشے کو مدنظر رکھتے ہوئے، اپنے کسی آدمی کو کائی چیک کے نام سے تہران روانہ کر دیا ہو۔
میں سوچتی رہی اور بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے دونوں ہی صورتوں سے نمٹنے کی تیاری کرنا چاہیے۔ پہلی صورت حال وہ تھی جس کی نشان دہی تو کائی چیک نے کی تھی۔ اگر وہ سچا تھا اور میرے شبہات بھی درست تھے تو مجھے کامران کے گھر سے اغوا کر لیا جاتا۔ میں اس اغوا سے بچنے کی خواہش مند بھی نہیں تھی۔ کیوں کہ اگر میں اس اغوا سے بچ جاتی تو مجھے ڈاکٹر فونگ تک پہنچنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ میں تو خود ہی یہ چاہتی تھی کہ اس تک پہنچوں اور اس آخری معرکے میں فتح حاصل کروں۔ اب سوچنا بس یہ تھا کہ جب میں اس کے رُو برو پہنچوں گی تو کیا مجھے حالات پر اتنا اختیار ہوگا کہ میں فونگ سے نپٹ سکوں؟
زیادہ امکان تو اس بات کا ہوگا کہ اس وقت بے بس ہوں گی اور اس بے بسی کو ختم کرنے کی کوئی تدبیر اگر ممکن بھی تھی تو اس کے بارے میں پہلے سے نہیں سوچا جا سکتا تھا۔ عین وقت پر ہی کوئی حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر میں اس کا حل تلاش نہ کر سکی تو؟

خوفناک مردم خور چوہے میرے ز...
کرنے لگے اور میں نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ...
محسوس کی۔
اُن چوہوں کے بارے میں سوچتے سوچتے ...
آئی کہ میں جلدی سے اُٹھ کر اس کمرے میں ...
بنا رکھا ہے۔ میرے پاس بارہ تیرہ ہزار کتابیں ...
اور گراں بہا نسخے ہیں۔ میں ان نسخوں میں سے ایک ...
ایک گھنٹے کی تلاش کے بعد وہ مطلوبہ کتاب ...
جلدی اس کی ورق گردانی کرنے لگی آخر مجھے ...
چاہتی تھی میں نے اس صفحے کو بغور پڑھا اور ...
میں سے کچھ چیزوں کے نام لکھنے لگی۔ نام لکھ کر ...
لائبریری سے نکل آئی۔
اب مجھے بازار جا کر وہ چیزیں خریدنا تھیں ...
کتاب سے لکھے تھے۔
گھر سے نکلتے نکلتے مجھے غزالہ کا خیال آیا ...
آج کسی وقت بھی مجھ سے ملنے آئے گی۔
میں نے اپنی خصوصی ملازمہ فریدہ کو ...
کوئی لڑکی مجھ سے ملنے آئے تو اسے عزت و تکریم ...
میں بٹھا کر اس کی خاطر مدارات کی جائے اور ...
ریکارڈ بجائے جائیں۔ یہ ہدایت کر کے میں اپنی ...
پہنچی اور وہاں سے چند سفوف خریدے اور پھر ...
گئی جس نے کامران مرزا کی نام نہاد بیماری کا علاج کیا ...
ڈاکٹر سے کچھ دیر کامران کے بارے میں ...
کی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر یوں ہی جیسے روا روی میں ...
"ڈاکٹر صاحب! آپ کے یہاں کوئی ایسی ...
کھانے کے ایک گھنٹے بعد جسم سے پسینہ پھوٹ پڑے ...
"پسینہ لانے والی دوائیں تو بہت ہیں ...
بات سمجھ میں نہیں آئی۔" ڈاکٹر نے ہنس کر کہا۔
"بس یہی تو خاص بات ہے۔" میں نے مسکرا ...
دوا چاہیے جسے کھانے کے ایک گھنٹے بعد پسینہ آ جائے ...
"آپ بڑی عجیب خواہش لے کر آئی ہیں۔"
"لیکن میں بڑی امید لے کر آئی ہوں۔ آپ کو ...
ہوگا۔" میں نے زور دے کر کہا۔
"عجیب بات ہے۔ آخر معاملہ...."
"بس آپ مجھ سے کوئی سوال نہیں کریں گے۔"
ڈاکٹر نے مسکرا کر کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ...
سوچ میں ڈوب گیا۔ میں پُر امید نظروں سے اُس کی طرف ...
کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے کہا: "یہ اچھی بات ہے ...

... ادویات درکار ہے۔"
... دھڑکتے دل سے کہا "کیونکہ مجھے وہ دوا ...

... مسکرا کر کہا "میں آپ کو اس سے بھی زیادہ وقت ...
... آؤں گی آپ کے پاس۔"
... کو تیار ملے گی۔"
... کے روانہ ہو گئی۔ اب میں واپس اپنے گھر جا ...

... ابھی تک نہیں آئی تھی۔ کھانا کھا کر میں اپنی ...
... شروع ہونے سے پہلے کچھ دیر تک آرام ...

... نہیں مل سکا وہ مسلسل کام کر رہا تھا۔ میں نے ...
... کسی حد تک مکمل کر لی تھی جو کائی چیک کے ...
... لیکن اگر وہ سب کچھ جھوٹ تھا تو میں یہ اندازہ ...
... میں کیا حالات پیش آ سکتے ہیں اور میں ان ...

... اندھیرے میں کوئی عجیب و غریب واقعہ پیش ...
... خوف محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہی حالت ...
... اندھیرے میں قدم رکھتا تھا اس لیے میرا دل ...
... کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ میری زندگی میں ...
... جب میں نے اتنا شدید اعصابی تناؤ ...

... باتھ روم میں جا گھسی کہ نہا کر اپنی کسل مندی دور ...
... باتھ ٹب میں لیٹی جسم کو ہولے ہولے مل ...
... ٹب سے نکل کر بڑے تولیے سے جسم کو خشک ...
... کے لیے ہیئر ڈرائیر کا پلگ ساکٹ میں لگا دیا ...
... بال خشک ہو گئے تو پونی ٹیل کے انداز میں ...
... بعد میرا ہاتھ لباس اُٹھانے کے لیے بڑھا ...
... دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔
... چونک کر بے ساختہ پوچھا، لیکن میں سمجھ ...
... دروازے پر دستک دینے کی جرأت صرف ...

... آ گئی ہیں؟" میری توقع کے مطابق فریدہ ہی کی ...

... ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔" میں نے کہا اور پھر ...
... بولی "سنو فریدہ!" ...
... ہوئے قدموں کی آواز تھم گئی۔

"غزالہ کو یہیں میرے کمرے میں لے آؤ۔" میں نے کہا۔
میں نے باتھ روم میں ہی ٹنگی ہوئی ایک ریشمی چادر اتاری اور بنگالی ساڑی کے انداز میں جلدی جلدی باندھنے لگی۔ پھر عین اسی وقت جب میں باتھ روم سے نکل رہی تھی، غزالہ بھی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے فریدہ نے دروازہ بند کر دیا۔
مجھ پر نظر پڑتے ہی غزالہ جیسے ٹھٹھک کر رک گئی اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا "ہائے!.... آپ اس عالم میں کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔ سویٹ بانو!"
"سچ؟" میں مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔
"آپ کے پیارے پیارے ہونٹوں کی قسم۔" اس نے بڑی شوخی سے کہا "بنگالی طرز کا یہ اندازِ ستر پوشی مجھے بہت پسند ہے۔"
"تم نے کبھی یہ انداز اختیار کیا ہے؟" میں اس کا ہاتھ تھام کر بستر کی طرف لاتے ہوئے بولی۔
"مجھے کبھی اس کا موقع نہیں ملا۔"
"میرا خیال ہے کہ تم بھی اس حلیے میں تو بہ شکن نظر آؤ گی۔"
"شاید۔"
"آزما کر دیکھ لو۔" میں نے کہا اور پھر اُسے چھوڑ کر الماری کی طرف بڑھتی ہوئی بولی "ایسی ریشمی سفید چادریں میرے پاس کئی ہیں۔" میں نے الماری کھول کر ایک چادر نکالی اور غزالہ کی طرف اچھال دی۔
غزالہ معنی خیز انداز میں مسکراتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔ وہ بہت ذہین تھی۔ اس نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں کن آسانیوں کی جستجو میں ہوں۔ میں بستر پر نیم دراز ہو کر مدھم سُروں میں گنگنانے لگی۔ اس وقت سارے خطرات، سارے اندیشے اور سارے وسوسے میرے ذہن سے نکل گئے تھے اور میں غزالہ کی قربت کے احساس سے مخمور ہوئی چلی جا رہی تھی۔
دس منٹ بعد غزالہ وہ چادر باندھ کر باتھ روم سے نکلی تو اسے دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے میرا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔
"اُف ظالم!" میرے منھ سے نکلا۔ "تو تو اس عالم میں قیامت بن گئی ہے۔"
"ہم دونوں کو اگر کوئی تیسرا شخص دیکھے گا تو یہی کہے گا کہ میں آپ کے سامنے ماند پڑ گئی ہوں۔"
"بکواس۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ میرے اوپر آ گری۔ اس نے گرتے گرتے اپنے جلتے ہوئے ہونٹ میری گردن پر رکھ دیے۔ میں تو بے تاب تھی ہی لیکن اس کی بیتابی مجھ سے بھی سوا تھی۔ اس کی خواہشات کی سرکش لہریں اس کے متموج شباب میں پنہاں تھیں۔ جب فاصلوں نے فنا کی چوکھٹ کو سجدہ کیا اور قربتوں کے بیچ میں کوئی حدِ فاصل نہ رہی تو میرے جذبات۔

کے بھنور میں ان سرکش لہروں کا راز آشکارا ہو گیا۔ میری سرشوری اس کی سرکشی سے نبرد آزما تھی۔ اس کا شعلہ آسا بدن میرے بازوؤں کے ہالے کا امتحان بن گیا اور اس کے بازوؤں نے میرے وجود کی برقِ تپاں سے مصالحت کے در بند کر دیے۔ ایک ہی پل میں ہم دونوں زیر و زبر ہو کر رہ گئے۔ چادریں بکھر گئیں اور داستانِ شوق کی عبارت سلوٹوں کی صورت میں ان چادروں پر نقش ہونے لگی۔ میری شریانوں میں اب شراب محوِ خرام تھی۔ میرے ہونٹوں پر اب غزالہ کے شباب کا گلستان مہک رہا تھا۔ اور غزالہ کے ہونٹوں نے بھی اپنی راہِ شوق کا انتخاب کر لیا تھا۔ جنون کی اس منزل پر فضا مشک بار ہو گئی تھی اور اس لمحہ بے خودی میں ہزاروں ساغر چھلک رہے تھے۔ ساری کائنات جیسے میرے قبضے میں آگئی تھی۔ یہاں جام میرا غلام تھا یہاں مینا میری کنیز تھی۔

اس دن غزالہ نے مجھے نئے جہانوں کی سیر کرائی اور عجیب عجیب انداز میں لمس کے جادو جگائے۔ جذبات کی سرکش تندیوں کو بڑی جارحیت سے مسخر کیا اور بڑے اچھوتے اچھوتے نشیب تلاش کیے۔ یہ فراز یہ نشیب ہونٹوں کی بے تابیوں سے آشنا ہوتے رہے اور ہمارے تنفس میں آندھیوں کی پرورش ہونے لگی۔ متلاطم سینے طوفانوں کی آماجگاہ بن گئے اور ان چنگھاڑتے ہوئے طوفانوں اور سنسناتی ہوئی آندھیوں نے اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ آنکھیں کھلی رکھنا محال ہو گیا۔

پھر جب طوفان نے دم توڑا، آندھیوں کی آہٹیں معدوم ہوئیں اور رقصِ شرر اپنے اختتام کو پہنچا تو اس کی زد میں آئے ہوئے وجود پسینے پسینے ہو چکے تھے۔ سرکشی اور سرشوری گویا کسی نے نچوڑ کر رکھ دی تھی۔

جب خود فراموشی کو ہوش آیا تو غزالہ میرے کان کے قریب اپنا منہ کر کے جیسے گنگناتی ہوئی بولی "آپ تو شعلۂ جوالہ ہیں بانو"

"تمھارے جسم میں بھی تو لاوا پک رہا ہے" میں نے ہنس کر کہا۔

"میری بات اور ہے"

"وہ کیوں؟"

"میری زندگی کا تو یہ تیسرا تجربہ ہے، لیکن آپ کو اس میدان میں گل گشت کرتے ہوئے شاید خاصا عرصہ گزر چکا ہے۔ اتنی مدت میں تو جذبات کا گلستان مرجھانے لگتا ہے؟"

"جب تک اس دنیا میں ایک شگوفہ بھی موجود ہے میرے جذبات میں کبھی زوال نہیں آ سکتی" میں نے دائیں ہاتھ کی ایک انگلی اور انگوٹھے سے اس کے ہونٹوں کو ہولے ہولے مسلتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

"عمرِ رفتہ کو آپ کیوں کر آواز دیں گی؟" وہ بولی

"میری آرزو ہے کہ میں عمرِ رفتہ کو آواز دینے کی منزل سے پہلے ہی منزلِ فنا سے گزر جاؤں"

"خدا نہ کرے" اس نے جلدی سے میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا اور میں نے جلدی سے منہ کھول کر اس کی ایک انگلی دانتوں میں دبا لی۔ وہ ہنسنے لگی اور پھر ہنستے ہوئے بولی "اتنی زور سے کاٹیے کہ انگلی سے خون چھلک جائے"

"خدا نہ کرے" میں نے بھی اسی کے ا... ہنسنے لگے۔

دیوار گیر کلاک پانچ بجنے کا اعلان کر رہا تھا

"تم نے آج مجھے سارا دن انتظار کرایا" م...

"میں جلدی ہی آتی لیکن آپ کے کام ل...

"کون سا کام؟"

"اتنی جلدی بھول گئیں؟"

"مجھے واقعی یاد نہیں"

"شبانہ" وہ معنی خیز طور پر مسکرائی۔

"کیا مطلب؟" میں نے استعجابیہ لہجہ...

"میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کے ... کا شیشہ چکنا چور کر کے رہوں گی"

"مائی گاڈ!" میں حیرت سے بولی "تو آ... کیا ہے؟"

"میں الماس کے گھر پہنچ گئی تھی"

"اوہ!" میں جلدی سے اٹھ بیٹھی اور ... سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگی۔

"اب اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کرنا چاہتی... باتھ روم میں چلی گئی۔

میں نے چادر ہی کو اب بھی ... نکلی تو اپنا مکمل لباس دوبارہ پہن چکی تھی۔

"ہاں! تو تم الماس کے گھر گئی تھیں؟" ... اپنی بے تابی ظاہر کر دی۔

غزالہ میری کیفیت سے لطف اندوز ہو... ہانے لگی اور پھر بولی "آپ اندازہ کر سکتی ہیں کہ م... کے لیے کیا بہانہ بنایا ہو گا؟"

"کسی قسم کا چندہ لینے کے بہانے پہنچ گئی،"

"نہیں اتنا لمبا چکر چلانے کی ضرورت نہیں ... ہاشمی کا پتہ پوچھنے گئی تھی"

"سائرہ ہاشمی کون؟"

"یونہی ایک فرضی نام لے لیا تھا لیکن ظاہر ... ہیں اور وہ انہی اطراف میں کہیں رہتی ہیں" غزالہ نے ... کہ وہاں سب سے پہلے مجھے شبانہ ہی ملی تھی۔ جب ... دے سکی تو اس نے الماس کو پکارا، لیکن الماس نے ... صرف چند دن سے قیام پذیر ہے اس لیے پڑوسیوں ... اس نے اپنی خالہ سے پوچھا لیکن ظاہر ہے کہ وہ خاتون ... پتہ بتانے سے قاصر رہی ہوں گی۔ بہرحال میں نے اس

...ٹھنڈا پانی پینے کی خواہش ظاہر کی۔ الماس نے مجھے ڈرائنگ ... لایا اور ٹھنڈے پانی سے میری پیاس بجھائی۔ شبانہ بھی ... الماس کی خالہ نے گویا ہم بالشت بھر کی چھوکریوں ... تھا۔ ان کی عدم موجودگی میرے لیے مفید ثابت ہوئی ... اختیار کرنے کا موقع مل گیا"

... مسکرا کر کہا "تم واقعی بہت چالاک لڑکی ہو"

"... چالاک کہہ کر میری توہین کر رہی ہیں" غزالہ ... مچل کر کہا۔

"... اچھا چلو" میں نے ہنس کر کہا۔

"... مختصراً یہ سمجھ لیجیے کہ میں نے الماس سے دوستی ... وہ بے تکلف نہ ہو سکی۔ وہ واقعی بہت مغرور لڑکی ... اسے کس طرح شیشے میں اتارا جا سکتا ہے۔ الماس ... لڑکی ہے۔ میں نے اسے پسند کیا ہے۔ کیا وہ آپ کے

... بھی ہے میرے دل میں لیکن شبانہ کی بات ہی

... تو کر لیا ہو گا؟" غزالہ شوخی سے بولی۔

"... سکی" میں نے ہنس کر کہا "لیکن فی الحال تم اس ... کا معاملہ کہاں تک پہنچا؟"

"اس سے میری ملاقاتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔ آج شام میں ... انوائٹ کیا تھا لیکن پتہ چلا کہ اس کے منگیتر ... مدعو کیا ہے"

... ایک فطری امر تھا۔

"... اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

... نہیں بولی۔ غزالہ کی وجہ سے میرے اردگرد وہ جو ... تھی، ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئی اور پھر وہ ... کا جمالیات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ڈاکٹر زونگ ... زخم ہوں نے میرے ذہن پر یلغار کر دی۔ کامران ... تھا اور اس کے بیان کے مطابق الماس اور شبانہ ... غزالہ سے مجھے دوسری بات معلوم ہوئی تھی۔ شبانہ ... ان میں کیوں مدعو کیا تھا؟

... پہلے سے مجھے کائی چینگ کا بیان درست ہی معلوم ہوا۔ ... بندوبست کیا گیا ہو گا اور ظاہر ہے کہ وہ لوگ اس ... پوشیدہ رکھنا چاہتے ہوں گے۔ میرے اغوا کے بعد ہی ... اور میرے وہاں نہ پہنچنے پر حیرت کا اظہار کرتا۔

"... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" غزالہ حیرت

... میرے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی اور غزالہ نے اسے محسوس کر لیا تھا۔

"اوہ! کوئی خاص بات نہیں" میں نے ہنس کر سنبھالا لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بات تو ضرور ہے، شیزان والی بات سے آپ پر بڑا شدید ردِ عمل ہوا ہے"

"دراصل" میں نے بات بنانے کی کوشش کی "مجھے اس بات سے صدمہ پہنچا ہے کہ الماس پھر اپنے منگیتر سے ملنے لگی ہے"

"اس سے آپ کو صدمہ کیوں پہنچا؟" غزالہ نے تعجب سے پوچھا۔

"اس کا منگیتر کوئی اچھا لڑکا نہیں ہے۔ میں نے الماس کو بہت سمجھایا ہے کہ وہ اس منگنی کو توڑ دے۔ میرا خیال تھا کہ اس نے میری بات سمجھ لی ہو گی لیکن تمھاری اطلاع کے مطابق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میری باتوں نے الماس پر کوئی اثر نہیں کیا تھا"

"تو کیا وہ بہت ہی برا لڑکا ہے؟"

"شاید ناقابلِ اصلاح"

"تب تو واقعی الماس کو اس سے منگنی توڑ دینا چاہیے"

"مشکل یہ ہے کہ وہ بے وقوف اس سے محبت کرتی ہے"

غزالہ چند لمحے سوچتی رہی، پھر بولی "تو اب گویا مجھے یہ کوشش بھی کرنی پڑے گی کہ اسے کسی طرح راہِ راست پر لاؤں"

"ہاں تم بھی کوشش کرنا۔ ویسے میں بھی آج اس سے ملوں گی"

"اب میرے بارے میں کیا ارشاد ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"اجازت ملے گی جانے کی؟"

"کس دل سے کہوں کہ جاؤ"

"دل سے نہ سہی زبان ہی سے کہہ دیجیے!" غزالہ نے ہنس کر کہا۔

"ارے ہاں!" میں چونک کر بولی "تم نے اپنے والد سے تذکرہ نہیں کیا تھا اس بات کا؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

"مجھے خیال آیا تھا کہ شاید ذکر کر بیٹھی ہو"

غزالہ نے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی اور کھڑے ہوتے ہوئے کہا "کیا خیال ہے کل مووی دیکھی جائے؟"

یکلخت مجھے پھر اس ہنگامے کا خیال آیا جو آج شام کو جنم لینے والا تھا۔ میں سوچنے لگی، کیا میں کل تک زندہ رہوں گی؟

"کیا بات ہے؟" غزالہ نے مجھے ٹوکا "آپ پھر سنجیدہ ہو گئیں!"

میں نے مسکرانے کی کوشش کی اور کہا "میں یہ سوچنے لگی تھی کہ کل میرا کوئی پروگرام تو نہیں ہے؟"

"اچھی طرح سوچ کر جواب دیجیے۔ میں بکنگ کروا لوں گی"

"ایسا کرو، کل صبح مجھے فون کر کے پوچھ لینا۔ ابھی میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ کل مجھے فلم دیکھنے کا موقع ملے گا یا نہیں"

"اچھی بات ہے۔ میں صبح نو دس بجے فون کروں گی۔"
"فون ہے تمہارے گھر میں؟"
"پڑوس کے ایک گھر میں ہے اور میں وہاں خاصی بے تکلف ہوں۔"
میں اٹھی اور اسے چھوڑنے کے لیے برآمدے تک آئی۔
جب میں دوبارہ اپنی خواب گاہ میں پہنچی اور میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنا سراپا دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے چہرے پر زیادہ سنجیدگی بکھری ہوئی تھی۔

اب مجھے اپنی زندگی کی شاید سب سے زیادہ خطرناک مہم پر روانگی کی تیاریاں مکمل کرنا تھیں۔ میں نے اپنے جسم سے چادر اتار کر مختصر سے لباس لباس میں جوڈو اور کراٹے کی مشقیں شروع کیں۔ آدھے گھنٹے میں میرا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ کچھ دیر سستانے کے بعد میں باتھ روم میں گئی۔ ایک بار پھر غسل کر کے اپنے جسم اور بالوں کو مکمل طور پر خشک کرنے کے بعد میں مختصر ترین لباس میں باتھ روم سے باہر نکل آئی۔ میں نے اپنا پرس اٹھا کر اس میں سے وہ پڑیاں نکالیں جو میں آج ہی ہمدرد دواخانے سے خرید کر لائی تھی۔
یہ تین قسم کے سفوف تھے جن کو میں نے یکجا کر کے اچھی طرح ملا دیا۔ اب گویا ایک ہی قسم کا سفوف رہ گیا جو بالکل پاؤڈر کی طرح تھا۔ میں اس سفوف کو پاؤڈر ہی کی طرح اپنے جسم پر ملنے لگی۔ میں نے جسم کا کوئی حصہ بھی ایسا نہ رہنے دیا جہاں سفوف نہ لگے۔
اس سفوف میں اچھی یا بری کوئی بو نہیں تھی لیکن کتاب میں لکھا تھا کہ اگر اس سفوف میں پانی ملایا جائے تو اس میں ایک عجیب قسم کی بو پیدا ہو جائے گی۔ اس بو کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ چوہے اسے برداشت نہیں کر سکتے اس لئے اس سے بہت دور بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔
یہ احتیاطی تدبیر میں اس لئے کرنا چاہتی تھی کہ اگر مجھے فونگ پر برتری حاصل نہ ہو سکے اور مجھے مردم خور چوہوں کی زد پر آنا پڑے تو میں اس سفوف کی بو کی وجہ سے محفوظ رہ سکوں۔
میں کامران کے گھر میں داخل ہونے سے قبل وہ دوا کھا لینا چاہتی تھی جو مجھے چھ بجے ڈاکٹر سے لینا تھی۔ اس دوا کا اثر ایک گھنٹے بعد ہوتا اور میرا اندازہ تھا کہ اگر مجھے مردم خور چوہوں کی زد پر آنا ہی پڑا تو اس میں ایک گھنٹہ ضرور لگے گا۔ اس وقت وہ دوا مجھے پسینہ پسینہ کر دیتی اور وہ سفوف پسینے میں بھیگتے ہی بو دینے لگتا۔
میں نے کپڑے پہنے اور گھر سے روانہ ہو گئی۔ میں نے اپنے پرس میں ایک چھوٹا سا پستول اور پوری آستین کے جمپر کے کف میں ایک بلیڈ چھپا لیا تھا۔
میں ڈاکٹر کے پاس سوا چھ بجے پہنچی، گویا پندرہ منٹ لیٹ! لیکن ڈاکٹر میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے مجھے ایک کیپسول دیتے ہوئے کہا۔
"یہ جسم میں داخل ہونے کے ایک گھنٹے بعد تحلیل ہو گا۔ میں نے اسے دو گھنٹے تک ایک خاص محلول میں بھگویا تھا جس کی وجہ سے یہ جسم کی اندرونی گرمی کو ایک گھنٹے تک برداشت کرے گا۔ جب یہ پگھلے گا تو اس میں بھری ہوئی دوا فوراً اور اسے کھانے والا پسینے میں ڈوب جائے گا۔"
میں نے کیپسول اپنے پرس میں رکھا اور وہاں سے روانہ ہو گئی۔ اب میرا رخ الماس کے گھر کی طرف تھا۔ میں آخری مرتبہ یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ کامران کو ... میں بہتر ہو گا۔
الماس گھر پر موجود تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی ... ہو کر بولی۔ "بانو! کامران مل گیا۔ اسے ایک ضروری کام سے دوسرے شہر جانا پڑا تھا۔ اس نے مجھے خط لکھ دیا تھا لیکن ڈاک والوں کی بد انتظامی کا شکار ہو گیا۔ آج شام سات بجے مجھے اور شبانہ کو شیزان میں مدعو کیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا بلایا ہے۔"

"خوب! تو اس نے تمہیں ساڑھے ... " میں نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔
"جی ہاں، کیوں؟" وہ تعجب سے بولی۔ "... دیا ہے ...؟"
"مجھے سات بجے بلایا ہے اور مقام بھی ..."
"ارے! کیوں!" اس کے تعجب میں اضافہ ...
"اس کے سبب ہی کی بنا پر میں تمہیں کہہ ... اسے بھولنے کی کوشش کرو۔"
"آپ میرے نجی معاملات میں مداخلت ... کر رہی ہیں بانو!" الماس کے چہرے پر گہری سنجیدگی ... میں اسے گھورنے لگی۔ مجھے اس بیوقوف لڑکی ... لگا تھا۔ یہ بڑا اچھا ہوا کہ ... ڈرائنگ روم میں ہم دونوں تھا۔ اگر شبانہ بھی ہوتی تو میرا ذہن بار بار اس کی طرف ... یکسوئی کے ساتھ الماس سے گفتگو کر پاتی۔
"بیوقوف لڑکی!" میں نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں نہیں چاہتی تھی کہ تفصیلات بتا کر تمہیں ... لیکن تمہارے سر پر اس کی محبت کا بھوت کچھ اس طرح ... تفصیلات میں جانا ہی پڑے گا۔ کامران منشیات کا ... اور کوئی ایسا جرم بھی کر چکا ہے جس کی بنا پر کچھ لوگ ... کر رہے ہیں۔ وہ ان کی انگلیوں کے اشارے پر ناچ ... وہی لوگ ہیں جن کے چنگل سے میں نے تمہیں نجات ..."
"نہیں!" الماس کے چہرے کی رنگت بدل گئی ...
"سنتی ... جو!" میں نے غرا کر کہا۔ "میں تمہیں ... کر دوں ... وہی لوگ اب میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں ... پر ختم کر دینا چاہتے ہیں اور کامران اس سلسلے میں ...

... سات بجے کا وقت دیا ہے لیکن مجھے سات ... مجھے میرے دشمنوں کے حوالے کرنے کے بعد ... بات پر حیرت کا اظہار کرو۔ رہے گا کہ میں نہیں آئی۔" ... الماس سرگوشیاں سی کرنے لگی۔ "میرا کامران ...

... " میں رسٹ واچ پر نظر ڈالتی ہوئی کھڑی ... نہ پہنچ سکی، تب تو تمہیں یقین آ جائے گا کہ ... نہیں۔"
... آپ ... جان بوجھ کر وہاں نہ پہنچیں۔" الماس ... میں غیر ہموار ہو چکی تھیں۔
... ہو گیا۔ میں چند لمحے اسے گھورتی رہی اور پھر ... کا پتہ بتا کر بولی۔ "کل تم اس پتے پر جا کر تصدیق ... روز سے وہاں زیر علاج تھا۔ اس نے تم سے جھوٹ ... ہوا تھا۔ تم نرسنگ ہوم کے ڈاکٹر سے یہ بھی پوچھ ... بات کا علاج کرا رہا تھا۔ ڈاکٹر تمہیں بتائے گا ... کی عادت چھڑانے کی کوششیں کی گئی تھیں۔"
... بالکل سفید پڑ گیا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ... میں مبتلا ہے۔ اس کا ذہن تو میری باتوں کو درست ... تھا لیکن کمبخت دل میں تو کامران کی محبت رچی بسی ...

... ممکن تھا کہ میں اسے اپنے ساتھ لے جا کر کامران کی ... دکھا دیتی لیکن اس طرح اس کا وجود بھی خطرے ... تھی کہ وہ کسی حادثے سے دوچار ہو لہٰذا اسے قلب ... چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔ میں نے اسے یہ ... تھا کہ کامران نے مجھے اپنے گھر پر بلایا ہے۔ اگر میں ... تو یہ ممکن تھا کہ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے وہاں پہنچ جاتی ... تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا اور میں اپنے اعصابی تناؤ ... کرتی رہی۔ میں تن تنہا ڈاکٹر فونگ سے ٹکر لینے جا رہی ... ارادے کا علم ہوتا تو وہ میری دماغی صحت پر شبہ کرتے ...

... کامران کے گھر کے سامنے کار روکی تو سات بجکر ایک منٹ ... انجن بند کر کے اپنے پرس میں سے وہ کیپسول نکالا جو ... رکھا تھا۔ وہ میں نے پانی کے بغیر ہی نگل لیا اور کار سے ... اطراف کا جائزہ لیا۔ ادھر ادھر کئی گاڑیاں کھڑی ... کوئی ایسی علامت نظر نہیں آئی جس کی بنا پر مجھے یہ ... کون سی گاڑیاں ڈاکٹر فونگ کی ہیں۔ کانی چیک نے ... ان میں ڈاکٹر فونگ کے آدمی اسٹین گنیں سنبھالے ہوئے تیار بیٹھے ہوں گے لیکن مجھے ہر گاڑی خالی نظر آئی تھی۔ میں نے سوچا، شاید وہ ادھر ادھر چھپے ہوئے ہوں گے اور انہیں اس بات کا انتظار ہو گا کہ میں کامران کے گھر میں داخل ہو جاؤں تو وہ اپنی گاڑیوں میں جا بیٹھیں اور اسٹین گنیں سنبھال لیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ہنگامہ ہونا ہوتا تو اسی وقت ہوتا جب میں کامران کے گھر میں داخل ہو جاتی۔
میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کامران کے گھر کے دروازے پر دستک دی تو دروازہ اتنی جلدی کھل گیا جیسے کامران دروازے ہی پر موجود رہا ہو۔
"تشریف لائیے!" وہ مسکراتا ہوا ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ان در و دیوار کی قسمت جاگ رہی ہے۔"
میں مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ کامران نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ میری نگاہیں ایک صوفے پر ٹھٹھک گئیں جس کا رخ میری مخالف سمت میں تھا۔ صوفے کے اوپر اٹھتی ہوئی، نیلگوں دھوئیں کی لکیریں ظاہر کر رہی تھیں کہ صوفے پر کوئی شخص بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔
کامران نے بیرونی دروازہ بند کیا ہی تھا کہ اندرونی دروازے سے دو آدمی میرے سامنے آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور موجود تھے اور ان کی نالیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔
"کک... کیا مطلب!" میں اس طرح اچھل پڑی جیسے یہ سب کچھ میرے لئے انتہائی غیر متوقع رہا ہو۔
اسی وقت کامران نے جھپٹ کر میرا پرس چھین لیا۔
"شاباش کامران!" ایک ریوالور والا بولا۔ "پرس میں پستول ضرور ہو گا۔"
"یہ سب کیا ہے کامران!" میں غصیلی آواز میں بولی۔
لیکن کامران نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ نظر آ رہا تھا۔ ہر قسم کے جذبات سے یکسر عاری!
"کیا تم لوگ مجھے لوٹنا چاہتے ہو؟" میں غرائی اور کنکھیوں سے اس صوفے کی طرف بھی دیکھا جس کے اوپر نیلگوں دھوئیں کی لکیریں چکرا رہی تھیں۔
"یہ بات نہیں ہے مس صبیحہ بانو!" صوفے کی طرف سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی وہ شخص صوفے سے کھڑا ہو کر میری طرف مڑا۔ میں جیسے سکتے میں آ گئی۔ یہ بات میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھی کہ ڈاکٹر فونگ یہاں خود موجود ہو گا۔ اگر مجھے اس بات کا پتہ چل جاتا تو میں اس سے نپٹنے کے لئے دوسری قسم کی تیاریاں کرتی اور بلاشبہ وہ تیاریاں ایسی ہوتیں کہ ڈاکٹر فونگ کو یہاں سے بچ نکلنا ہرگز نصیب نہ ہوتا۔
"غالباً اب تم نے معاملے کی نوعیت سمجھ لی ہو گی۔" ڈاکٹر فونگ نے آہستہ سے کہا اور مجھے اس کی آنکھیں کسی زہریلے سانپ کی طرح چمکتی نظر آئیں۔ اس کے بعد چند لمحوں کے لئے کمرے پر ایک بوجھل سکوت طاری ہو گیا۔
آج ڈاکٹر فونگ کی بغلوں میں بیساکھیاں نہیں تھیں اور وہ مصنوعی ٹانگ کے سہارے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی رنگت میں پیلاہٹ گھلی ہوئی تھی اور چہرہ ستا ہوا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت کچھ کمزور نظر آ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں سے بلا کی درندگی اور دہشت ٹپک رہی تھی۔

"میرے ڈاکٹر!" میں نے اطمینان سے کہا۔ "تم سے دوبارہ مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔"

"خوش تو میں بھی ہوں اور جلد ہی مجھے بہت زیادہ خوشی حاصل ہونے والی ہے۔ تمہیں بھی خوش ہونے کا موقع ضرور ملے گا، اگر تم خوف سے بے ہوش نہ ہو گئیں۔" ڈاکٹر فونگ نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"میرا نام صبیحہ بانو ہے ڈاکٹر!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں مر تو سکتی ہوں لیکن خوف سے بے ہوش نہیں ہو سکتی۔"

"یہ فلمی انداز کے مکالمے میری سمجھ میں کبھی نہیں آ سکتے۔ خیر چھوڑو اس تذکرے کو۔ تمہیں اب یہاں سے ہمارے ساتھ چلنا ہے۔"

"اغوا؟"

"جو چاہو کہہ لو۔"

"لیکن اس چھوٹے سے کام کے لئے تم نے کیوں تکلیف کی ڈاکٹر!"

"مجھے ایک مرتبہ اپنے آدمیوں کی نااہلی کا تجربہ ہو چکا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم ان لوگوں کے قابو میں نہیں آ سکو گی۔"

"کیا ہم اسے باندھ لیں ڈاکٹر؟" ایک ریوالور والے نے کہا۔

پھر وہ اور اس کا ساتھی میری طرف بڑھے ہی تھے کہ ڈاکٹر فونگ چیخا۔

"رک جاؤ بے وقوفو!۔ اگر تم اس کے قریب گئے تو مارے جاؤ گے۔"

وہ دونوں جہاں تھے وہیں ٹھٹھک کر رک گئے اور مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا لگا۔ میری برتری تو اب اسی میں تھی کہ ان میں سے کوئی میرے قریب آ جاتا اور میں جوڈو کا کوئی داؤ آزما کر صورت حال کو اپنے حق میں کر لیتی لیکن ڈاکٹر فونگ نے شاید مجھے اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔

"کوئی اس کے قریب نہیں جائے گا۔" ڈاکٹر فونگ ریوالور والوں کو گھورتے ہوئے کھا جانے والے انداز میں کہا۔

کامران مجھ سے کچھ دور ہی کھڑا ہوا تھا لیکن ڈاکٹر فونگ کی اس بات کے بعد وہ بدک کر کچھ اور دور ہٹ گیا۔

"اب تم دروازہ کھول کر باہر نکلو۔" ڈاکٹر فونگ نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ "دروازے پر ایک سیڈان کھڑی ہوئی ہوگی۔ تمہیں اس میں بیٹھنا ہے۔ اگر تم نے مکان سے نکلتے ہی دروازہ بند کر کے بھاگنے کی کوشش کی تو اپنی موت سے گلے مل جاؤ گی۔ دروازے سے نکلتے ہی تم پانچ عدد اسٹین گنوں کی زد میں ہو گی۔ اگر تم اپنا جسم چھلنی کروانا چاہو تو بیشک کوئی ایسی ویسی حرکت کر بیٹھنا۔"

"یہ تمہارے لئے بڑے شرم کی بات ہے ڈاکٹر!"

"کونسی بات؟"

"یہی کہ صرف ایک عورت کے لئے تم نے اتنی زبردست تیاریاں کی ہیں۔"

"میں تم کو عورت نہیں سمجھتا۔"

"بھیڑیا سمجھتے ہو؟" میں مسکرائی۔

"لوگ جو کہتے ہیں، وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ تم چھلاوہ ہو۔"

"یہ جواب دے کر تم میرے مقابلے..."

"بکواس بند کرو!" ڈاکٹر فونگ گر... میں تم کو بڑی اذیت ناک موت بخش سکتا ہوں اور چاہتی ہو تو اپنی زبان بند رکھو اور صرف ... چار رہا ہے۔"

میں ہونٹ بھینچ کر چند لمحے اسے گھورتی ر... دروازے کی طرف مڑ کر قدم بڑھاتی چلی گئی۔ فوری طور ... نہیں رہا تھا۔ ڈاکٹر فونگ کی عیاری میرے آڑے ... وہ داؤ آزمائی جو دشمن پر اس وقت کئے جاتے ہیں ... ہو لیکن فریقین کے بیچ ... سے زیادہ فاصلہ ... ان داؤں کی مشقیں کر کے ... د۔

گھر کے دروازے پہ مجھے سیڈان کھڑی ہوئی ... کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے کنکھیوں سے ادھر ... میں بیٹھے ہوئے آدمی پوری طرح میری طرف متو... گود میں رکھی ہوئی ہول گی۔ گویا کائی چیک کی ...

میں سیڈان کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی ... سیٹ کے بیچ میں ایک پارٹیشن تھا اس ... کسی بھی شخص کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میرے بیٹھتے ... خود بخود بند ہو گیا۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا ... کا میکنزم ڈرائیونگ سیٹ کے سامنے ہو گا۔

کار چل پڑی اور اس کی رفتار میں بڑی ... چلا گیا۔ رفتار کا اندازہ مجھے ہچکولوں سے ہو رہا تھا ... سے تو میں قاصر ہی تھی عقبی شیشہ اور کھڑکیوں ... ان کی دوسری طرف نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

میں ڈاکٹر فونگ سے تو بڑے اطمینان سے ... تھی لیکن اب میرا اضطراب بڑھ چکا تھا۔ ڈاکٹر فو... میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ شاید مجھے جوڈو ... نہیں مل سکے گا۔ ایسا موقع تو اس وقت ملتا جب ... قریب آنے دیتا۔

مستقبل میرے لئے بڑا غیر یقینی ہو چکا تھا اور ... میں نے تن تنہا، ڈاکٹر فونگ کے مقابلے پر آ کر ...

میرے خیالات کا سلسلہ اس وقت ٹوٹا جب کار ... ساتھ کسی جگہ رکی۔ دروازہ گویا خود بخود کھلا اور ... سنائی دی "باہر آ جاؤ صبیحہ بانو!"

فی الحال میرے پاس، تعمیل کے سوا کوئی ... میں گاڑی سے اتری اور پہلے ہی کی طرح ... یہ غالباً بلیک مارکیٹ ... کا گنجان آباد ... نے خود کو ایک عمارت کے احاطے میں کھڑا ہوا پایا۔

...ہا دوسری طرف دیکھنے ... اندازہ تو ہو ہی سکتا تھا کہ ...

غالباً حال ہی میں اونچی کر دی گئی ... نظر آ رہی تھی۔ اس پیوند کاری ... تھا لیکن عمارت نہایت مخدوش حالت ... ایک نظر ڈالتے ہی اس کے غیر آباد ہونے کا احساس ... واریں گر چکی تھیں۔ بیشتر کھڑکیاں اور دروازے ... پلاسٹر جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔

... میں یہاں لائی گئی تھی، اس کے آگے ایک اور ... ڈاکٹر فونگ اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ اسی ... کے قبل یہاں پہنچا تھا۔ وہ دونوں ریوالور سنبھالے ... دور کھڑے تھے۔ تقریباً یہی فاصلہ ڈاکٹر فونگ ... مجھے اس مضحکہ خیز سچویشن پر ہنسی آنے لگی۔ وہ لوگ ... تھے!

"...طرف جاؤ!" ڈاکٹر فونگ نے مجھے حکم دیا۔ ... کی شکنیں درست کرنے لگی۔ ... ڈاکٹر فونگ، بھیڑیے کی طرح غرایا۔ ... مسکراہٹ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں اپنے لباس کی ... کے بعد بڑے اطمینان سے عمارت کے دروازے کی ...

... مضطربانہ انداز میں بار بار احاطے کے پھاٹک کی طرف ... اسے یہ خدشہ لاحق ہو گا کہ باہر سے کوئی اس ڈرامے ...

...عمارت میں داخل ہوئی۔ دروازے میں قدم رکھتے ہی مجھے ... تھا کہ عمارت کے اس حصے کو کافی محنت سے صاف کیا گیا ہے ... اور اس کے ریوالور بردار ساتھی میرے پیچھے پیچھے تھے ... آگے بڑھنے کی ہدایات دیتا جا رہا تھا۔ ہم متعدد کمروں سے گزرنے لگے۔ ڈاکٹر فونگ کے ہاتھ میں دبی ہوئی ... روشنی دکھا رہی تھی۔ آخر ہم ایک ایسے کمرے میں پہنچ ... ڈاکٹر فونگ نے سوئچ دبا کر روشنی کر دی۔ غالباً عمارت ... میں برقی نظام کو درست کر لیا گیا تھا۔ ... کی فضا بڑی مکدر تھی۔ حالانکہ کسی قسم کی خوشبو سے ہوا کو ... کی کوشش کی گئی تھی لیکن یہ خوشبو بھی بند ہوا کی گھٹن اور ... دبانے میں ناکام رہی تھی۔

... میں فرنیچر نام کی صرف ایک شے تھی۔ ایک کرسی جو کمرے کے ... رکھی ہوئی تھی۔ اس کے سوا وہاں کوئی سامان نہیں تھا، دیواریں ... کے داغوں سے "آراستہ" تھیں اور فرش بھی جگہ جگہ سے ...

"اس کرسی پر بیٹھ جاؤ!" مجھے ڈاکٹر فونگ کا حکم ملا۔

میں نے کنکھیوں سے ریوالور والوں کی طرف دیکھا۔ وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر پوری طرح چوکس تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پلکیں بھی کم جھپکا رہے ہوں۔

"بیکار ہے۔" ڈاکٹر فونگ سفاکانہ انداز میں مسکرایا۔ "میں نے ایسی کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے کہ تم کوئی حرکت کر سکو۔"

میں چپ چاپ کرسی کی طرف بڑھ گئی۔

"تمہیں وہ بلی یاد ہے صبیحہ بانو!" ڈاکٹر فونگ بولا۔

"مجھے سب کچھ یاد ہے، تم فکر مت کرو۔"

ڈاکٹر فونگ مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔ شاید اسے میرے اطمینان پر حیرت ہو رہی تھی۔

جب میں کرسی پر بیٹھ گئی تو ایک ریوالور والے نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ وہ گھوم کر میری پشت پر آیا تو میں نے سر موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"پیچھے مت دیکھو!" ڈاکٹر فونگ سرد لہجے میں بولا۔

میں پھر فونگ کی طرف دیکھنے لگی اور خشک لہجے میں کہا۔ "غالباً یہ شخص میرے سر پر کوئی چیز مار کر مجھے بے ہوش کرنا چاہتا ہے!"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم ذرا اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کر دو۔"

"اوہ!" میرے منہ سے نکلا اور میں سمجھ گئی کہ میرے ہاتھ باندھ دیئے جائیں گے۔

ڈاکٹر فونگ پھر بولا۔ "اگر تم میرے احکامات کی تعمیل میں دیر کرتی رہیں تو مجھے کوئی خاص قدم اٹھانا پڑے گا۔"

پتہ نہیں "خاص قدم" سے ڈاکٹر فونگ کی مراد کیا تھی۔ بہر حال میں نے دونوں ہاتھ پیچھے کر دیئے اور اس آدمی نے فوراً ہی اپنا فرض ادا کرنا شروع کر دیا جو میری پشت پر آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ میرے دونوں ہاتھوں کی کلائیاں جوڑ کر انہیں چرمی تسمے سے باندھ رہا تھا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو ڈاکٹر فونگ!" میں بولی۔

"میں نے تم سے ابھی پوچھا تھا کہ تمہیں وہ بلی یاد ہے؟"

"اور میں نے تمہارے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا..."

"میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ بلی بھی کچھ دیر کے لئے اس کمرے میں لائی گئی تھی اور اسے یہاں چھوڑ کر دروازے کو باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔" ڈاکٹر فونگ نے سرسراتے ہوئے سے لہجے میں کہا۔ "اس کمرے کی روشنی باہر ہی سے آن، آف کی جاتی ہے۔ جب میں نے لائٹ آف کی تو ٹھیک سات بجے تھے۔ پھر سات بج کر دو منٹ پر میں نے ایسی ... سنی جیسے بلی نے جست لگائی ہو۔ غالباً وہ ایک آدھ چوہے کو دیکھ کر ... پر ٹوٹ پڑی تھی لیکن پھر ایک منٹ بعد خود بلی ہی نے چیخنا شروع کر دیا ... بہت سے شکار تنہا شکاری پر ٹوٹ پڑے تھے۔ بلی بڑے بھیانک ...

ہاتھ رہا تھا سا حصہ اس کی چیخیں مدھم پڑتی چلی گئیں اور پھر سناٹے میں
مدغم ہو گئیں۔ اس وقت اگر میری سماعت غیر معمولی طور پر تیز ہو جاتی
تو میں ننھے ننھے قدموں کے دوڑنے اور ننھے ننھے منہ چلنے کی آوازیں ضرور سنتا۔
میں نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈی ٹھنڈی سی لہریں دوڑتی
محسوس کیں۔ ڈاکٹر فونگ نے میرے لئے کتنی بھیانک موت تجویز کی تھی!
اگر میں اُن چوہوں کا علاج اپنے ساتھ نہ لائی ہوتی تو شاید فونگ کی یہ
باتیں سن کر میرا دل بیٹھ جاتا۔
ڈاکٹر فونگ کہتا رہا۔ "لیکن میں نے چوہوں کو یہ دعوت اڑانے
کا پورا پورا موقع بہم نہیں پہنچایا بلکہ روشنی کر دی۔ روشنی ہوتے ہی چوہے
اپنے اپنے بلوں میں بھاگ گئے اور میں نے دروازہ کھول کر کمرے میں قدم
رکھا۔ اگر میں پندرہ منٹ تک روشنی نہ کرتا تو مجھے یہاں بلی کی صرف ہڈیاں
ہی ملتیں لیکن تمہیں یہاں چھوڑ کر جانے کے بعد میں کئی گھنٹے تک روشنی
نہیں کروں گا۔"

میں خاموش رہی۔ ڈاکٹر فونگ کا آدمی میری کلائیاں باندھنے
کے بعد اب میری ٹانگوں کو کرسی کے پایوں سے باندھ رہا تھا۔
"خاموش کیوں ہو گئیں چھلاوہ بانو!" ڈاکٹر فونگ بڑے کٹیلے انداز
میں بولا۔ "تمہیں اپنے مرنے کا یہ انداز پسند تو آنا چاہئے!"
"میں کوشش کر رہی ہوں کہ اسے پسند کر لوں۔" میں نے کہا۔ اب
میری دوسری ٹانگ بھی تقریباً باندھی جا چکی تھی۔
ڈاکٹر فونگ نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس میں
شک نہیں کہ تم بہت نڈر اور بہادر ہو لیکن بہرحال ایک عورت ہو۔ عورت
جو اپنے قریب چوہے کا وجود برداشت نہیں کر سکتی لیکن مجبوری یہ ہے
کہ تم اپنی قسمت سے نہیں بھاگ سکتیں۔ جس طرح تمہاری وجہ سے میری
ٹانگ کا ضائع ہونا میرا مقدر تھا، اسی طرح میرے ہاتھوں تمہارا
انجام بھی لکھا گیا تھا۔"

میں اپنے چہرے سے یہ ظاہر کرتی رہی کہ خوفزدہ تو ہوں لیکن
اپنے خوف پر قابو پائے ہوئے ہوں۔ اگر میں اپنے قلبی اطمینان کو چہرے پر
ظاہر ہو جانے دیتی تو عین ممکن تھا کہ فونگ کا عیار ذہن شکوک و شبہات
کا شکار ہو جاتا اور شاید پھر میں وہ سب کچھ نہ کر پاتی جو کر گزرنے کا تو مجھے
امکان پیدا ہو گیا تھا۔
چوہوں کی طرف سے مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میرے اندازے کے
مطابق مجھے دوا کھائے ہوئے اتنی دیر ہو چکی تھی کہ اب جلد ہی مجھے پسینہ
نے والا تھا۔ پسینہ آتے ہی میرے جسم پر ملا ہوا سفوف کسی قسم کی بو دینے
ما جس کی وجہ سے چوہے میرے قریب نہ آنے پاتے۔
میری بائیں آستین کے کف میں ایک تیز بلیڈ چھپا ہوا تھا اور میں
حوس کر چکی تھی کہ میرے دائیں ہاتھ کی انگلیاں اس بلیڈ کو نکالنے پر
رہیں۔ بلیڈ نکال کر میں چرمی تسمہ کاٹ دیتی اور اس کے بعد ٹانگوں کو

بھی آزاد کیا جا سکتا تھا۔ اسی دوران میں بہت
شروع کر دیتی جیسے شدید اذیت میں مبتلا ہوں
سن کر یہ سمجھتا کہ چوہوں نے مجھ پر یلغار کر دی ہے۔
اپنی چیخوں کو مدھم کرتی چلی جاتی اور آخر میں با
ڈاکٹر فونگ سمجھ لیتا کہ میں ختم ہو گئی۔ پھر گھنٹے دو
ڈاکٹر فونگ کمرے میں روشنی کر کے میری ہڈیوں کا
میں داخل ہوتا تو میں اس پر ٹوٹ پڑتی۔ مجھے اپنی
پر ناز ہے اور میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ اگر
بے خبر ہو تو پھر وہ میری زد سے ایک پل کے لئے بھی نہ
"چلو اب باہر نکلو!" ڈاکٹر فونگ نے اپنے آدمی
"ڈاکٹر!" میں سنجیدگی سے بولی۔ "میں ابھی
گھڑی دیکھنے سے قاصر ہوں۔ مجھے کم از کم اپنے مرنے کا
دراصل میں اس بات کا یقین چاہتی تھی کہ د
پر آ چکا ہے۔
ڈاکٹر فونگ نے اپنی گھڑی دیکھ کر کہا۔ "آ
باقی ہیں۔"

"کیا!" میں تقریباً چیخ پڑی کیونکہ ابھی دوا کا
میں تیرہ منٹ باقی تھے۔ میں نے وہ کیپسول سات
تھا وقت کے بارے میں اپنے اندازے کی غلطی محسوس
"کیوں!" ڈاکٹر فونگ مجھے گھورنے لگا۔
"تمہاری... تمہاری گھڑی... غلط معلوم ہوتی
میں لرزش تھی۔
"بیوقوف!" ڈاکٹر فونگ نے منہ بنا کر کہا۔ "ہم
گھٹیا گھڑیاں استعمال کر سکتے ہیں؟"
میں کچھ نہیں بولی۔ میرے جسم کے رونگٹے کھڑے
بے شمار ننھے ننھے کراہیت آمیز جسم مجھے اپنے اردگرد رینگتے ہو
میں کپکپا کر رہ گئی اور میں نے دیواروں میں نظر آنے وا
طرف دیکھا جن میں کبھی کبھی اُن مردم خور چوہوں کی آنکھ
تھیں۔ چنگاریوں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں ادھر کرنے
مصروف تھے لیکن ابھی انہیں روشنی کی وجہ سے ادھر آنے کی
ہو رہی تھی۔
ڈاکٹر فونگ اور اس کے دونوں ساتھی کمرے سے
دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔
دوا کا عمل شروع ہونے میں ابھی دس منٹ باقی
اُن چوہوں کے لئے بہت کافی تھا۔ وہ اتنی دیر میں مجھے ہلاک
نہیں سکتے تھے لیکن اس طرح بھنبھوڑ ضرور ڈالتے کہ مجھے مہ
کے لئے کئی ہفتے تک ہسپتال میں رہنا پڑتا اور اس کے بعد
اتنے داغ ہونے کہ میں خودکشی کے امکان پر غور کرنے لگتی۔

میں گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ باہر سے سوئچ آف
مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میرا دل اُچھل کر حلق میں
گر گیا۔ "لائن کلیئر" کا سگنل مل چکا تھا۔
اپنے بائیں کف سے بلیڈ نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔
اپنے ہاتھوں کو آزاد کر لیتی، اتنا ہی اچھا تھا۔
پر ایک بوجھل سا سکوت طاری رہا اور پھر اس
بے شمار قدموں کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ دیواریں
جیسے اُن میں اینٹوں کی جگہ زندہ چوہے چُنے
ہوتے ہی جاگ کر حرکت میں آ گئے ہوں۔
ایک منٹ گزرا ہوگا کہ میں نے اپنے اردگرد بے شمار جگنو
ہوں کی روشن آنکھیں کچھ دوری سے میرا جائزہ لے
وہ یہ دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ میں زندہ ہوں

زور سے کرسی کھسکا کر اس کی آواز سے چوہوں کو
اپنے بلوں میں بھاگ جائیں لیکن میری یہ کوشش
کرسی کے چاروں پائے فرش میں پیوست تھے۔
آہ! میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔
کف سے بلیڈ نکال چکی تھی اور تسموں کو کاٹنے کی
تھی لیکن یہ اتنا آسان کام نہیں تھا کہ پلک جھپکتے میں
تھی تو بندھا ہوا تھا جس کی انگلیاں بلیڈ کو پکڑے

بہت قریب آ چکے تھے۔ غالباً انہیں یقین ہو

اس قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔
کل سے موٹے چرمی تسمے کو کاٹنے کی کوشش کر رہی
میری پنڈلی میں منہ مارا۔ مجھے یوں لگا جیسے آدھے
کی پنڈلی کے گوشت میں دھنستی ہوئی چلی گئی ہو
اور فوراً ہی کمرے کے باہر ڈاکٹر فونگ کا ہذیانی
میری حالت کا تصور کر کے لطف اندوز ہو رہا تھا۔
تھی کہ میری انگلیاں بلیڈ کو تیزی سے حرکت دینے
کی کلائی پر بلیڈ کا ایک ہلکا سا چرکا بھی لگ گیا
وہ برابر پرواہ نہیں کی۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ تسمہ

کہ اپنے جسم کے دو حصوں میں بیک وقت آگ لگتی
تو میری پنڈلی ہی تھی اور دوسرا حصہ میرا کولہا
دھائے تھے اور اُن میں سے دو تین کو میں اپنی
مار رہی تھی۔
وں سے آئے ہوئے زخموں کی تکلیف نے مجھے

ایک بار پھر چیخنے پر مجبور کر دیا اور اس کے ساتھ ہی شاید دہشت کے
باعث میرے جسم کے مساموں سے پسینہ پھوٹ پڑا۔
میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ وہ پسینہ مجھے دہشت کی وجہ سے آیا
تھا ورنہ ممکن تو یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر فونگ کی گھڑی غلط ہی رہی ہو اور اب
دوا کے عمل کا وقت آ گیا ہو۔
پسینہ پھوٹنے کے بمشکل دس سکینڈ بعد مجھے اپنے جسم سے ایک
تیز قسم کی بو اٹھتی محسوس ہوئی اور اس کے ساتھ ہی چوہوں میں بھگدڑ
مچ گئی۔ جو چوہے میری گود میں چڑھ آئے تھے، وہ تو اس طرح اچھل کر
فرش پر جا گرے جیسے انہیں الیکٹرک شاک لگے ہوں۔ کمرہ اتنی جلدی
خالی ہو گیا جیسے وہاں کبھی کوئی چوہا موجود ہی نہ رہا ہو۔
میں نے اطمینان کا سانس لیا لیکن میرے زخموں میں پیدا ہونے
والی ٹیسیں مجھے بے چین کیے ہوئے تھیں۔ مجھے تین زخم لگے تھے جن
میں سے ایک کولہے پر تھا اور دو بائیں پنڈلی پر تھے۔ اچانک مجھے
خیال آیا کہ مجھے بُری طرح چیخنا چلانا شروع کر دینا چاہیے تاکہ ڈاکٹر
فونگ کو دھوکا دیا جا سکے۔
میری انگلیوں میں دبے ہوئے بلیڈ نے تسمہ کاٹ دیا اور میں
آزاد ہو گئی۔ اس آزادی سے میرے رگ و پے میں مسرت کی لہریں
دوڑ گئیں لیکن اس مسرت کا اظہار میں نے ایسی چیخوں سے کیا جو ڈاکٹر
فونگ کے خیال میں شدید تکلیف ہی کا ردِ عمل ہو سکتی تھیں۔
کمرے کے باہر ڈاکٹر فونگ فاتحانہ قہقہے لگاتا رہا اور میں چیخ چیخ
کر بلیڈ سے وہ تسمے بھی کاٹنے لگی جو میری ٹانگوں کو جکڑے ہوئے تھے۔
میرے جسم سے وہ بو جتنی تیزی سے اٹھی تھی، اتنی ہی تیزی سے
مدھم بھی پڑتی چلی گئی لیکن بالکل ختم نہیں ہوئی۔ اس کا اتنا اثر باقی رہا کہ
چوہے اب بھی کمرے میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔
جلد ہی میں آزاد ہو کر اس کرسی سے کھڑی ہو گئی جسے ڈاکٹر
فونگ نے میرے لیے موت کی کرسی بنانا چاہا تھا۔ کھڑے ہونے سے
میری بائیں پنڈلی میں شدید ٹیسیں اٹھیں لیکن میں نے انہیں برداشت
کیا۔ آخری معرکہ سر کرنے کے لیے ضروری تھا کہ میں خود کو اس تکلیف
کی عادی بنا لوں۔
زخموں سے خون بہہ رہا تھا لیکن میں اندھیرے کے باوجود یہ
اندازہ کر سکتی تھی کہ وہ بہاؤ خطرناک حد تک تیز نہیں تھا۔
میری چیخیں اب بھی جاری تھیں اور باہر سے کبھی کبھی ڈاکٹر فونگ
کا قہقہہ سنائی دے جاتا تھا۔
پندرہ منٹ تک زور زور سے چیخنے کے بعد جب میرے
حلق میں خراش پڑ گئی تو میں نے آہستہ آہستہ اپنی چیخوں کو مدھم کرنا شروع
کیا۔ اس طرح مزید پندرہ منٹ گزار لینے کے بعد میں بالکل خاموش
ہو گئی۔ اب گویا میں اذیت سے بے ہوش ہو چکی تھی اور چوہے میرے
جسم کا گوشت ادھیڑنے میں مصروف تھے۔

میں نے بڑی آہستگی سے اپنی سینڈلیں آتاریں اور انہیں کرسی کے پاس ہی چھوڑ کر ننگے پاؤں دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کے قریب مڑ کر مجھے اس وقت کا انتظار کرنا تھا جب کمرے میں روشنی ہوتی اور ڈاکٹر فونگ اندر آتا۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مجھے کب تک انتظار کرنا ہوگا لیکن اس کے سوا کوئی صورت ہی نہیں تھی کہ میں انتظار کرتی رہوں، سو میں انتظار کرتی رہی۔ میرے زخموں کی ٹیسیں اب مدھم پڑ چکی تھیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ میں ان کی عادی ہو گئی ہوں۔ میرے جسم سے وہ ہلکی ہلکی سی گو اب بھی خارج ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر فونگ نے کہا تھا کہ وہ کئی گھنٹے تک اس کمرے میں روشنی نہیں کرے گا لیکن مجھے اس کی بات پر یقین نہیں تھا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ وہ گھنٹے آدھ گھنٹے میں ہی اندر آئے گا۔ اُسے میری بچی ہوئی لاش دیکھنے کے لیے بے چین ہو جانا چاہیے تھا۔

میرا یہ اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔ غالباً ایک گھنٹہ گزرا ہوگا کہ کمرے میں روشنی ہو گئی۔ میں نے کرسی سے دروازے تک فرش پر اپنے خون کے دھبے دیکھے جو ابھی پوری طرح خشک نہیں ہوئے تھے۔

میں دروازے کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھی تھی لیکن روشنی ہوتے ہی کھڑی ہو گئی۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا کیونکہ فیصلہ کن لمحات سر پر آ چکے تھے۔

روشنی ہونے کے لگ بھگ ایک منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھلا۔ ڈاکٹر فونگ کو میری موت کا اتنا پختہ یقین تھا کہ اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے ذرا بھی احتیاط نہیں برتی۔

فونگ نے کمرے میں پہلا ہی قدم رکھا تھا کہ میں نے جست لگائی اور گویا اڑتی ہوئی اس پر جا گری۔ وہ میرے دھکے سے کمرے کے باہر ہی جا گرا اور میں اس پر ڈھیر ہو گئی۔ حیرت کی انتہا کے باعث ڈاکٹر فونگ کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکل گئی تھیں اور چہرے سے وہ بالکل بونق نظر آنے لگا تھا۔

میں نے اس پر گرتے گرتے اردگرد کا جائزہ لے لیا۔ وہاں فونگ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ یہ میرے حق میں بڑی مفید بات تھی۔ اگر وہ دونوں ریوالور بردار وہاں ہوتے تو مجھے ان پر بھی توجہ دینا پڑتی مگر ان کی عدم موجودگی کے باعث اب میں صمیم قلب سے فونگ کی خاطر مدارات کر سکتی تھی۔ میں نے سب سے پہلے کراٹے کے دو ہاتھ فونگ کے شانوں پر مار کر اس کے دونوں ہاتھوں کو عضو معطل کر دیا۔ دونوں ضربیں کھا کر ڈاکٹر فونگ کے منہ سے دو ہی چیخیں نکلی تھیں۔ اس کے فوراً بعد میں نے اس کے چہرے پر مکوں کی بارش کر دی۔ وہ بری طرح تڑپنے لگا لیکن میرے نیچے سے نہیں نکل سکا۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ میں نے اس کے دونوں ہاتھ اس طرح بیکار کر دیے تھے کہ وہ ان پر زور نہیں دے سکتا تھا اور دوسرے یہ کہ اس کی ایک ٹانگ مصنوعی

تھی جس کو خم نہیں دیا جا سکتا تھا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ فونگ کی چیخ ...
نہیں آیا تھا۔ فونگ نے ان دونوں کو کسی کام سے ...
کی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں عمارت کے ...
کا انتظار کر رہے ہوں۔

جب مکوں کی بارش کرتے کرتے میرے ...
فونگ کو چھوڑ کر الگ کھڑی ہو گئی اور آستین سے ...
خشک کرتی ہوئی غرائی "یہ کھڑے ہو جاؤ عظیم ...

لیکن فونگ کی حالت اتنی تباہ ہو چکی تھی ...
اٹھنے سے قاصر رہا۔ اس کا چہرہ لہولہان ہو گیا تھا ...
بڑا بھیانک نظر آ رہا تھا۔ اس کے پھٹے ہوئے ...
رہے تھے اور آنکھوں میں نفرت و غصے کا ابھار ...
نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس کے منہ سے ...
زور ڈالتے ہی اسے شدید اذیت سے دوچار ...
کے شانوں پر کراٹے کے دار کر کے اسے کس ...
دیا تھا۔

اٹھنے کی دوسری کوشش میں فونگ ...
کام لیا جو مصنوعی نہیں تھا۔ جب وہ اٹھنے کی ...
اپنی جگہ بدل کر ایک خاص زاویے سے کھڑی ہو ...
بڑا پیارا سا خیال آیا تھا اور میری آنکھیں ...
جیسے ہی ڈاکٹر فونگ کھڑا ہونے میں ...
کر اس کے سینے پر فلائنگ کک لگائی۔ یہ میری ...
ککوں میں سے ایک تھی۔ ڈاکٹر فونگ کے قدم ...
وہ اچھل کر اس کمرے میں جا گرا جہاں اس نے ...
میں نے جھپٹ کر کمرے کا دروازہ بند کیا ...

"ڈاکٹر فونگ!... چوہوں کا انتظار کرنے کی زحمت ...
کرنا ہوگی۔ میں لائٹ آف کرنے جا رہی ہوں!"

"نہیں!" ڈاکٹر فونگ شاید پوری قوت ...
معرکے میں پہلی مرتبہ اس کے منہ سے کوئی آواز ...
میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور ...
آگے بڑھ کر اسے آف کیا تو مجھے ڈاکٹر فونگ کی ...
دینے لگیں اور میں نے فونگ ہی کے انداز میں ...
میرے جسم سے اٹھتی ہوئی بو اگر اس ...
بہت دھیمی گئی تھی تو کچھ دیر میں ختم ہو جاتی ...
بلوں سے نکل کر فونگ پر ٹوٹ پڑتے۔

میں اس کرسی پر بیٹھ گئی جس پر بیٹھ کر ...
کا انتظار کرتا رہا تھا۔ اب میں اس کی موت کی منتظر ...
وقت تک نہیں ہٹنا چاہتی تھی جب تک اس ...

... نہیں کر سکتی تھی کہ میری عدم موجودگی میں فونگ
... اسے بچا لے جائے۔ اگر میری موجودگی ہی میں
... ان سے نپٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔
... نے اب گالیاں بکنا بند کر دی تھیں۔ غالباً وہ
... اپنے بھیانک انجام پر غور کرنے لگا ہوگا۔
... فرش پر پڑے ہوئے ایک پرس پر گئی۔ وہ
... ڈاکٹر فونگ گرا تھا۔ غالباً اسی کی جیب سے
... کی طرف گئی اور اسے اٹھا کر کھولتی ہوئی کرسی
... پرس کے دو حصوں میں سے ایک میں نوٹ بھرے
... میں ایک لفافہ رکھا تھا۔ میں نے اسے
... سے کچھ کاغذات مل سکیں۔
... ہی تھے ایک تو چار پانچ صفحات پر
... تھا اور ایک پاکستان کا نقشہ تھا۔ اس
... ایک مقام پر دائرہ بنا ہوا تھا اور وہ مقام

... ایک چھناکا سا ہوا اور مجھے وزیر خارجہ سے
... اس ملاقات میں وزیر خارجہ نے تشویش ظاہر
... کا اظہار کیا تھا کہ صوبہ سرحد میں کچھ گڑبڑ ہے۔
... کوئی سراغ میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔
... کی ایک بھیانک چیخ سنائی دی اور
... پھر اس خیال سے میرے ہونٹوں پر ایک
... گئی کہ چوہوں نے ڈاکٹر فونگ پر حملہ کر دیا تھا۔
اطمینان سے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی اور وہ
... بعد ہی میری پیشانی پر شکنیں پڑ چکی تھیں،
... ہونے کے باوجود میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
... کو سمجھنے کے لیے کسی ماہر کی ضرورت پڑتی۔
... کی بھیانک چیخوں میں تسلسل پیدا ہو گیا
... سا تو بر رہنے میں ناکام ہو گئی۔ میں نے نقشہ اور
... میں رکھے پھر اٹھ کر دروازے کی طرف گئی۔
... میں نے دروازہ تھپتھپا کر ہنستے ہوئے کہا۔
... کھودا تھا وہی اب تمہارا مقدر بنا ہے۔"
... نے چیخوں کے ساتھ ہی ساتھ گالیاں

... رہا ہے" میں بڑی حقارت سے ہنسی۔
... فونگ حلق پھاڑ کر چیخا "میرے آدمی تجھے
... ایک خوفناک چیخ کے باعث فونگ کا جملہ ادھورا

"میں آدھے گھنٹے بعد بتی جلاؤں گی فونگ!" میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا "اتنی دیر تو چوہوں کو برداشت کر لو!"

فونگ گالیاں بکتا رہا، چیختا چلاتا رہا اور میں اس سے محظوظ ہوتی رہی۔ اپنے وطن کے ایک دشمن کو اس عبرت ناک انجام سے دوچار کرنے کے باعث میں بے حد خوش تھی۔ ملک دشمنوں کا وجود ناپاک کیڑوں کی طرح ہوتا ہے جنہیں اسی طرح مسل دینا چاہیے۔

اس وقت مجھے کاؤ چیک یاد آیا۔ میں دل کی گہرائیوں سے اس کی ممنون تھی۔ کاش وہ اس وقت یہاں ہوتا اور اپنے "عظیم فونگ" کی حالت دیکھتا جس نے اب گڑگڑا کر رحم کی بھیک مانگنا شروع کر دی تھی۔

"ڈاکٹر فونگ!" میں نے سرد لہجے میں کہا "رحم صرف ان لوگوں پر کیا جاتا ہے جو خود بھی رحم کرنا جانتے ہوں۔ سانپ پر کوئی رحم نہیں کرتا۔"

یہ جواب سن کر فونگ پھر گالیوں پر اتر آیا۔

ٹھیک اسی وقت ایک عجیب و غریب بات ہوئی۔ مجھے اپنے پیروں کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ میں اچھل پڑی اور پھر مجھے ایسا لگا جیسے ایک طرف کی دیوار میں لپک پیدا ہو گئی ہو۔ میں حیرت سے دم بخود کھڑی اس صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ایک پرشور تڑاخا ہوا۔ میں نے اس دیوار کو عین بیچ میں سے ٹوٹتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ٹوٹتے ہی چھت بڑی تیزی سے نیچے آنے لگی۔ میں اچھل کر بھاگی لیکن مجھے دیر ہو چکی تھی۔ چھت ایک دھماکے سے میرے اوپر آ رہی اور پھر مجھے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ میرا آخری احساس یہ تھا کہ شاید پوری عمارت ہی منہدم ہو گئی ہے۔

زندگی اور موت کا کھیل، قدرت کا ایک عجیب و غریب کھیل ہے۔ عجیب و غریب اس لیے کہ یہ کسی کلیے کے تحت نہیں کھیلا جاتا۔ جہاز کریش ہوتا ہے تو اس کے بعض مسافر زندہ بھی بچ جاتے ہیں اور بعض اوقات صرف ٹھوکر کھا کر گرنے سے آدمی کی حرکت قلب بند ہو جاتی ہے۔

لی مارکیٹ کی وہ عمارت اس طرح منہدم ہوئی تھی کہ ملبے کا ڈھیر بن گئی تھی لیکن میرے جسم پر بس معمولی سی خراشیں آئی تھیں۔ لی مارکیٹ کے علاقے میں رہنے والوں کو اس عمارت کی تباہی اچھی طرح یاد ہو گی۔ جن لوگوں نے اس عمارت کا ملبہ دیکھا تھا کیا وہ تصور کر سکتے ہیں کہ اس ڈھیر میں سے کوئی زندہ نکلا ہوگا؟

ہاں! وہ میں تھی جو زندہ بچی!

جب مجھے ہوش آیا تو میں سول ہسپتال کے ایک وارڈ میں تھی۔ ایک نرس کو میرے بستر کے قریب شاید اس لیے متعین کیا گیا تھا کہ جب میں ہوش میں آؤں تو تنہائی محسوس نہ کروں اور اس عمارت کی تباہی کو یاد کر کے خوف سے چیخنا چلانا نہ شروع کر دوں۔

نرس نے مجھے آنکھیں کھولتے دیکھا تو مجھ پر جھک گئی "نئی زندگی مبارک ہو۔" اس نے کہا۔ "آپ خود کو کیسا محسوس کر رہی ہیں؟"

"ٹھیک ہوں نرس! میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا اور نظریں چاروں طرف گھمائیں۔

نرس نے پوچھا۔ "اگر میں ذرا دیر کے لیے چلی جاؤں تو آپ گھبرائیں گی تو نہیں؟"

"میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ...."

"آپ جو کچھ بھی جاننا چاہتی ہیں، وہ آپ کو ڈاکٹر صاحب بتا سکیں گے۔ میں انہیں آپ کے ہوش میں آنے کی اطلاع دے کر ابھی آتی ہوں۔" وہ اس طرح مسکرائی جیسے میری ڈھارس بندھانا چاہتی ہو اور پھر مڑ کر چل دی۔

جنرل وارڈ کا دیوار گیر کلاک اس وقت ایک بجا رہا تھا۔ اس سے میں بس اتنا اندازہ کر سکی کہ میری بے ہوشی خاصی لمبی تھی۔ اس وقت تک مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ لی مارکیٹ کی وہ عمارت ملبے کا ڈھیر بن گئی تھی۔ میرے ذہن میں کلبلاتا ہوا خیال صرف یہ تھا کہ اس کمرے کی چھت بیٹھ گئی تھی اور غالباً میرا سر اس کی زد میں آ گیا تھا۔

غیر ارادی طور سے میرا ہاتھ سر پر چلا گیا اور یہ بات میرے لیے بڑی اطمینان بخش ثابت ہوئی کہ میرے سر پر پٹی بندھی ہوئی نہیں تھی، البتہ کمر کے ایک حصے میں بڑا سا گومڑا ضرور تھا۔ پٹیاں میرے جسم کے صرف دو حصوں میں تھیں۔ کولہے پر اور پنڈلی پر۔ دونوں زخم ڈاکٹر فونگ کے مردم خور چوہوں نے لگائے تھے۔

میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھی کہ ڈاکٹر فونگ کا کیا حشر ہوا اور مجھے ہسپتال تک کس نے پہنچایا؟

ہسپتال تک اپنی رسائی کا سبب مجھے ڈاکٹر سے معلوم ہوا اور میں یہ جان کر دم بخود رہ گئی کہ لی مارکیٹ کی وہ عمارت ملبے کا ڈھیر بن گئی تھی۔

ڈاکٹر جو نرس کے ساتھ وارڈ میں آیا تھا، میری نبض دیکھتا ہوا بولا۔ "اب آپ قطعی نارمل ہیں۔ یہ آپ کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ آپ کا اوپری نصف دھڑ ملبے سے باہر نکلا ہوا تھا۔ والنٹیئرز نے آپ کو دیکھا تو فوراً ہی نکال لیا۔ آپ کا اس طرح بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔ آپ کے جسم پر صرف دو زخم ہیں جن کو دو ایک دن میں ہی ٹھیک ہو جانا چاہیے۔ ان زخموں کا سبب میری سمجھ میں نہیں آسکا۔ اس قسم کے زخم ملبے میں دبنے سے تو نہیں آسکتے۔"

میں ڈاکٹر کو اصل بات نہیں بتانا چاہتی تھی اس لیے بات کو گول کر گئی اور بولی۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ ان زخموں کے مندمل ہونے تک میں ہسپتال ہی میں رہوں؟"

"قطعی ضروری نہیں ہے لیکن جانے سے قبل آپ کو پولیس کے چند سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔"

"پولیس؟" میں چونک پڑی۔ "پولیس مجھ
چاہتی ہے؟"
"بنیادی سوال غالباً یہ ہوگا کہ آپ اس عمارت میں
اس عمارت کو مخدوش قرار دے کر خالی کرا لیا گیا تھا اس
موجودگی پولیس کے لیے حیرت انگیز ہے۔"
"اوہ!" میں ساکت رہ گئی کیونکہ یہ معاملہ
"وارڈ کے باہر ایک پولیس آفیسر آپ کے ہو
ہے اور آپ کا بیان لینے کے لیے آئے ہیں۔ میری اجازت
سے بتایا اور پھر بولا۔ "میرے خیال میں آپ اب
اس لیے میں پولیس آفیسر کو آپ کے پاس بھیجے دیتا"
"ایک منٹ!" میں جلدی سے ہاتھ اٹھا کر
میں اس وقت ہسپتال کے مخصوص لباس میں تھی۔
"آپ کی ساڑی وغیرہ ہسپتال کی تحویل میں
یہاں سے رخصت ہوں گی تو وہ آپ کو دے دی جا
"میرے بلاؤز میں کچھ کاغذات بھی تھے۔"
دل کے ساتھ کہا کیونکہ وہ کاغذات مجھے ڈاکٹر فونگ
ملے تھے۔
"کاغذات تو پولیس کی تحویل میں ہیں۔" ڈاکٹر
کاغذات پولیس نے اس لیے دیکھے ہیں۔ شاید ان سے
پتہ معلوم ہو جائے مگر ان دونوں چیزوں کا پتہ نہ چلا
پولیس نے وہ کاغذات ہسپتال کو واپس نہیں کیے۔"
یہ جواب سن کر میرا جسم سنسنا اٹھا۔ وہ کاغذات
وجہ سے بڑے پراسرار معلوم ہوتے تھے اس لیے پو
کو شک و شبہے کی نظر سے دیکھتی جس کے پاس
ہوتے۔ پھر میں تو ویسے بھی مشتبہ پوزیشن میں تھی کیونکہ
کے عالم میں ایک ایسی عمارت کے ملبے سے نکالا گیا تھا
دے کر خالی کروائی جا چکی تھی۔
"تو پھر میں پولیس آفیسر کو بھیجے دیتا ہوں۔"
میرے جواب کا انتظار کیے بغیر دروازے کی طرف مڑ
میرے قریب کھڑی رہی۔
اب میں ایک پریشان کن صورت حال
والی تھی۔ پولیس کو جواب دہی ایک ایسا مرحلہ تھا جس کو
نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ بہت ہی غلط بات ہوئی تھی کہ
کاغذات پولیس کے ہاتھ لگ گئے تھے جبکہ میں ان کا
وزارت خارجہ کے سپرد کرنا چاہتی تھی۔ میری دانست میں
اتنے اہم تھے کہ ان کے سلسلے میں مکمل رازداری برت
جبکہ پولیس کے بیچ میں آ جانے سے رازداری کا
ہی رہ گیا تھا۔

ے بیڈ تک پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ایک
ے کے چہرے سے سخت گیری عیاں تھی۔
نے ہی بڑے اکھڑ لہجے میں بولا۔
نے آہستہ سے کہا۔

کانسٹیبل نے اپنے محکمے کی مخصوص نوٹ
منہ سے نکلنے والے الفاظ نوٹ کرنا

عمارت میں آپ کیوں گئی تھیں؟" پولیس آفیسر
یا۔
تھی کہ ملبے میں دب کر انسان کس طرح مرتا
دراصل میں کوئی معقول بہانہ سوچ ہی نہیں

پولیس آفیسر مجھے کڑی نظروں سے گھورنے لگا۔
اپنے جملے کا انگریزی میں ترجمہ کر ڈالا۔ اس
سرخ ہو گیا اور وہ گرج کر بولا۔ "میں آپ
ا دوں۔"
تاؤں؟" میں نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔
آمادہ ہو گئی تھی۔ اس کے سوا کرتی بھی کیا؟
نے کی وجہ سے میں ایک بے تکا جواب
بے تکے پن کو برقرار رکھنے کے علاوہ کوئی
ھا۔
آپ اپنے ہوش میں نہیں ہیں!" پولیس آفیسر

ہوش و حواس ہوں۔" میں نے شریر سی مسکراہٹ
آپ کو ملبے میں دب کر انسان کے مرنے
ں؟"
آفیسر آپے سے باہر ہو گیا۔
میں نے ہی کیا تھا لیکن پولیس آفیسر کی بدتمیزی
آؤٹ!" وہ میں غرائی۔ "میں تمہارے کسی سوال
ہوں۔"
صورتِ حال دیکھی تو گھبرا گئی۔ وہ مڑ کر تیزی سے
باہر نکل گئی۔ شاید اس نے فیصلہ کیا ہوگا کہ
ت آگاہ کر دینا چاہیے۔
گھما جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔ اگر
وہ انتہا درجے کا سخت رویہ اختیار کر بیٹھتا۔
طرف دیکھتا تھا اور کبھی اپنے آفیسر کا منہ تکنے

"آئی سے، گیٹ آؤٹ!" میں پھر گرجی۔ "جب تم عورتوں سے گفتگو کرنے کے آداب سیکھ لو تو میرا بیان لینے آ جانا۔"

"تم اپنے آپ کو زیر حراست سمجھو!" آفیسر بھی گرجا۔

"وہ کس جرم میں؟" میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"تم ایک ایسی عمارت میں داخل ہوئی تھیں جسے مخدوش قرار دے کر خالی کروایا جا چکا تھا۔"

"نادانستگی میں بھی تو ایسا ہو سکتا ہے لہٰذا دنیا کی کوئی عدالت مجھے مجرم ثابت نہیں کر سکتی۔"

"تم مجھے قانون پڑھانے کی کوشش مت کرو!"

ہماری یہ لایعنی گفتگو جاری ہی تھی کہ ڈاکٹر تیزی سے چلتا ہوا ہمارے قریب آ گیا اور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "خاموش پلیز! خاموش! کیا آپ لوگوں کو یہ احساس نہیں کہ یہ جنرل وارڈ ہے اور یہاں بہت سے مریض موجود ہیں۔"

یہ حقیقت تھی کہ ہماری اس بلند آواز گفتگو سے کئی مریضوں کی آنکھ کھل گئی تھی جبکہ مجھے ہوش آیا تھا تو وہ سب سو رہے تھے۔

اب ان کی بے چین اور متجسس نظریں ہماری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"میں آپ کی مریضہ کو حراست میں لے رہا ہوں۔" پولیس آفیسر نے ڈاکٹر سے کہا۔

"آپ انہیں بصد شوق حراست میں لیجئے لیکن آپ کو یہاں پر شور مچانے کا اختیار ہرگز نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے خشک لہجے میں کہا۔

"ڈاکٹر!" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ "ذرا ان سے یہ تو پوچھیے کہ یہ کن اختیارات کی رو سے مجھے حراست میں لے سکتے ہیں۔"

"میں صرف ایک ٹیلیفون کر کے اختیارات بھی حاصل کر لوں گا۔" آفیسر نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کہا۔

"ڈاکٹر! آپ انہیں ایک فون کرنے کی اجازت ضرور دیجئے! اور ہاں، آفیسر! جس سے بھی تم اختیارات حاصل کرو گے اسے میرا نام اور پتہ ضرور بتا دینا۔ شاید اسے یاد آ جائے کہ کچھ عرصے قبل مجسٹریٹ یار محمد ترمذی نے میری گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا تھا تو اسے کتنی شرمندگی اور پریشانی اٹھانا پڑی تھی۔"

آفیسر مجھے گھورنے لگا۔ شاید وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرے جملے کیا معنی رکھتے تھے۔

میں نے اس سے کہا۔ "تم اس معاملے سے قطعی بے خبر معلوم ہوتے ہو اس لیے میری باتوں کو نہ سمجھ سکو گے لیکن کراچی پولیس کے بڑے افسران صبیحہ بانو کے نام سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہوں گے۔ جا کر انہیں اطلاع دو کہ تم صبیحہ بانو کو حراست میں لینے والے ہو۔"

پولیس آفیسر کچھ کہے بغیر تیزی سے گھوم کر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کے بعد اس بات کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ کانسٹیبل وہاں

رُکا رہتا، وہ بھی جلدی سے چلتا بنا۔

"آپ کو قانون سے مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ڈاکٹر نے خشک لہجے میں مجھ سے کہا۔

"مذاق؟"

"نرس نے مجھے بتا دیا ہے کہ آپ نے پولیس آفیسر کو کیا جواب دیا تھا۔"

"اوہ! وہ۔" میں سنجیدگی سے بولی۔ "حقیقتاً میں نے کوئی غلط جواب نہیں دیا تھا۔ مجھ سے غلطی بس یہ ہوئی کہ میں نے اپنے لہجے کو سنجیدہ نہیں رکھا اور الفاظ کے انتخاب میں بھی غیر محتاط ہو گئی۔"

"آپ کی بات میری سمجھ میں بھی نہیں آ سکی۔" ڈاکٹر کا لہجہ بدستور ناخوشگوار تھا۔

"دراصل۔" میں سنجیدگی سے بولتی چلی گئی۔ "مجھے فنِ تعمیر سے بہت گہرا لگاؤ ہے۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ اس عمارت کو مخدوش قرار دے کر خالی کرایا جا چکا ہے چنانچہ میں اسے دیکھنے چلی گئی تھی۔ دراصل مجھے یہ جاننا مقصود تھا کہ در و دیوار میں پیدا ہونے والی کن خرابیوں کی بنا پر کسی عمارت کو مخدوش قرار دیا جاتا ہے۔" یہ جواب دینے کے بعد مجھے اس بات کا افسوس ہونے لگا کہ یہی بہانہ مجھے پہلے کیوں نہیں سوجھا تھا۔ اگر میں نے یہی جواب پولیس آفیسر کو دیا ہوتا تو بات اتنی نہ بڑھتی۔

"عجیب جواب دیا ہے آپ نے!" ڈاکٹر مجھے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"کیا میرا جواب بے تکا ہے؟"

"آپ کا یہ جواب تو بے تکا نہیں لیکن پولیس آفیسر سے آپ کا رویہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

"میں نے عرض کیا نا کہ اس وقت میں یونہی مذاقاً ذرا سا بہک گئی تھی۔ پھر اس آفیسر کے ہتک آمیز رویے نے مجھے مشتعل کر دیا۔ بہرحال اس جھڑپ نے میرے اعصاب اور ذہن پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔ شاید میں رات بھر ایک پل کے لیے بھی نہ سو سکوں۔"

"آپ کے لیے آرام ناگزیر ہے۔"

"لیکن مجھے نیند ہی نہیں آئے گی!"

"اس کا بندوبست تو میں کر دوں گا۔" ڈاکٹر نے کہا اور پھر نرس کو کسی انجکشن کی تیاری کی ہدایات دینے لگا۔

میں دل ہی دل میں اپنی چالاکی پر بہت خوش ہوئی۔ میں نے زبان پر اصل بات لائے بغیر ڈاکٹر کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا جو میں چاہتی تھی۔ خواب آور دوا کا انجکشن میرے لیے بہترین حصار ثابت ہوتا اور میں کم از کم آج رات کے لیے پولیس کا دوبارہ سامنا کرنے سے بچ جاتی۔ بات چونکہ کسی حد تک بگڑ گئی تھی اس لیے میں نہیں چاہتی تھی کہ اس میں مزید بگاڑ پیدا ہو اور اپنے بچاؤ کے لیے مجھے بار بار ملک کی بڑی ہستیوں کو بیچ میں گھسیٹنا پڑے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ میں اپنے طور پر پولیس کو مطمئن کر دوں اور پولیس کو مطمئن کرنے کے لیے کی مہلت ملنی ضروری تھی۔ وہ مہلت حاصل کرنے کے لیے دوا کا انجکشن ایک بہترین ذریعہ ثابت ہوتا۔ صبح جب میں تو گھنٹے آدھ گھنٹے تک آنکھیں بند کیے پڑی رہتی اور اچھی طرح سمجھنے کے بعد پولیس کا سامنا کرتی۔

نرس میرے بازو میں انجکشن لگا رہی تھی تو میں نے کہا:

"اگر آپ میرے گھر پر فون کر کے میری ملازمہ فریدہ کو میری اطلاع دے دیں تو میں شکر گزار ہوں گی۔"

"آپ کا فون نمبر؟"

میں نے اسے فون نمبر بتا دیا۔

نرس مجھے انجکشن لگانے کے بعد سرنج دھونے لگی۔ آنکھیں بند کر لیں۔ میرے کانوں میں ڈاکٹر کے دور ہوتے قدموں کی آہٹیں گونج رہی تھیں۔ بالآخر وہ معدوم ہو گئیں اور اس کی ایڑیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دینے لگی۔ میرے ذہن پر چھا رہا تھا۔ کھٹ کھٹ کی آوازوں پر اس غبار کی تہہ تمام احساسات بھی اس کے نیچے دب گئے۔

صبح جب میں بیدار ہوئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی میں نہیں تھی۔ یہ غالباً اسپیشل وارڈ تھا۔ خواب آور دوا سے میں اس بات سے بے خبر رہی تھی کہ رات کو کب جنرل وارڈ سے یہاں منتقل کر دیا گیا تھا۔

کمرے میں ٹائم پیس کی مدھم ٹک ٹک کے سوا نہیں تھی۔ سات بج چکے تھے۔

میں نے اندازہ لگایا کہ اسپیشل وارڈ میں منتقلی کی کوششوں سے ہوئی ہو گی۔

لیکن اس وقت مجھے اس قسم کے اندازے لگا نہیں تھی۔ مجھے تو یہ سوچنا تھا کہ اب مجھے کس انداز میں پولیس چاہیے۔ رات کو جو حماقت ہو گئی تھی، اس کا اعادہ نہیں ہونا مجھے زیادہ نہیں سوچنا پڑا اور میں نے پولیس لائحہ عمل مرتب کر لیا۔ اب ٹائم پیس میں سوا سات بجنے کا میں اپنی پنڈلی اور کولہے کے زخموں میں ہلکی کر رہی تھی۔

ساڑھے سات بجے تھے جب کمرے کا دروا نوعمر نرس اندر داخل ہوئی۔ میں نے اپنی عادت کے نظر سے دیکھا۔ وہ ایک قبول صورت اور خوش بدن لڑکی

"صبح بخیر مادام!" وہ مسکرا کر بولی۔

"صبح بخیر۔" میں نے بھی مسکرا کر کہا۔ "مجھے رات منتقل کیا گیا تھا؟"

"مجھے اس کا علم نہیں۔ میں تو ابھی آئی۔"

۱ ۱ "

اام ... میں نے ہنس کر کہا۔

... لفریبل نہیں تھی۔

... ہی سنجیدہ ہو گئی۔ "کیا میرے کمرے کے باہر

۱

... ہر بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ شاید آپ کا بیان لیں

... پہلے ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو جائیں۔"

... کھلا دی۔

... ناخوشگوار رویے پر حیرت نہیں ہوئی تھی۔ میں ... غالباً نرس نے صبیحہ بانو کے نام کی چھان بین ... تہ چل گیا ہو گا کہ وہ کس عورت سے

... تولیے سے میرا چہرہ صاف کیا اور پھر تکیوں کے ... کر کولہے کا زخم دبنے نہ پائے۔

... سکے گا؟" میں نے پوچھا۔

... نے جواب دیا۔

... آیا تو اس کے ساتھ اخبار بھی تھا۔ میں نے ... پر نظر دوڑانا شروع کی اور آخر میں نے ... ۔ لی مارکیٹ کی اس عمارت کے انہدام ... شائع ہوئی تھی۔ میں نے پوری خبر بڑی توجہ ... کے علاوہ کوئی خاص بات نظر نہیں آئی کہ ... لاش برآمد ہوئی تھی جو کسی لنگڑے آدمی کی تھی۔ ... لاش ڈاکٹر فونگ ہی کی ہو سکتی تھی لیکن اس ... تھا کہ اخبارات اس کی چینی قومیت پر روشنی

... میں نے ناشتے کے دوران میں دوسری خبریں ... بابل کے بارے میں تھیں۔ ان خبروں سے ... کامیابیاں حاصل کر رہے تھے اور ... پاکستان نے اپنے فوجی مقبوضہ کشمیر میں داخل

... ارغ ہوئی تو ایک ڈاکٹر مجھے دیکھنے آیا۔ یہ ڈاکٹر ... تھا۔ اس نے سلونی کو کچھ ہدایت کی اور چلا گیا۔ ... نے مجھے ایک کیپسول کھلایا اور پھر وہ بھی

... منٹ سات میں سے ایک تو وہی رات ... میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ یہ وہی ایس ... میں مجھے انسپکٹر حامد کے ہاتھوں سے

ہتھکڑیاں لگوانا چاہی تھیں لیکن وزارتِ داخلہ کی ایک اہم ہستی نے جب اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا تو اس کے سارے کس بل نکل گئے تھے۔

آج وہ دوسری مرتبہ میرے سامنے آیا تو ہمہ تن عجز و انکسار تھا۔

"میں بے حد معافی چاہتا ہوں بانو!" وہ کہتے ہی بولا اور پھر اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل ان کو معلوم نہیں تھا کہ آپ کون ہیں۔"

"ایس پی صاحب!" میں لفظوں کو گویا چباتی ہوئی بولی۔ "اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں جھنگو تیلی کی بیٹی ہوں یا انگلستان کی ملکہ! پولیس کو ہر شہری کا احترام کرنا چاہیے۔"

"میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔" پولیس آفیسر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اگر آپ نادم ہیں تو میں بھی اپنی اس غلطی پر شرمندگی کا اظہار کروں گی کہ میں نے آپ کے سوال کے جواب میں سنجیدگی برقرار نہیں رکھی تھی۔ گو کہ میں نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا لیکن ذرا سا پُر مزاح ہو گئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں۔" ایس پی جلدی سے بول پڑا اور پھر اس نے کہا۔ "میں یہاں اس لیے آ گیا ہوں کہ میرے سامنے ہی رسمی کارروائی مکمل ہو جائے۔"

"رسمی کارروائی؟"

"میرا مطلب ہے، آپ کا بیان۔"

"مجھے بیان دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

میں نے اس عمارت میں اپنی موجودگی کا وہی جواز پیش کر دیا جو میں ڈاکٹر کو بتا چکی تھی۔ میرا یہ بیان خاموشی سے نوٹ کر لیا گیا۔ بال کی کھال نکالنے والے وہ سوالات نہیں کیے گئے جو پولیس عام طور سے کرتی ہے۔

"بہت بہت شکریہ۔" ایس پی بولا۔ "اب ہمیں اجازت دیجیے۔"

"ایک منٹ!" میں ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "میں یہ چاہوں گی کہ اس سلسلے میں میرا نام اخبارات میں نہ آنے پائے۔"

"نہیں آئے گا۔" ایس پی نے بڑے وثوق سے کہا۔

"دوسری بات یہ کہ میرے کچھ کاغذات شاید آپ کے پاس ہیں۔" میں نے پولیس آفیسر کی طرف دیکھا۔

"اوہ... جی ہاں۔" پولیس آفیسر نے جلدی سے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کاغذات نکال کر میری طرف بڑھا دیے۔

ان کاغذات کو دوبارہ اپنے قبضے میں پا کر مجھے مسرت کا احساس ہوا۔ میں تو یہ سوچے بیٹھی تھی کہ وہ کاغذات پولیس کے ہاتھوں سے گزرتے ہوئے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچیں گے۔

"دراصل۔" پولیس آفیسر بولا۔ "کاغذات میں نے یہ دیکھنے کی خاطر لیے تھے کہ آپ کا نام اور پتہ معلوم ہو جائے۔"

"لیکن اپنے مقصد میں ناکام ہونے کے بعد آپ نے یہ کاغذات ہسپتال کو واپس کیوں نہیں کیے؟"

"میں تو ... فریدہ کی جواب نہیں دیا ... تجربے سے
... تھا۔
... کی بات دیکھتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔
...پ کو بانو کے سوال کا جواب دینا چاہیے۔"
"بات دراصل یہ تھی کہ میں ... الجھن میں پڑ گیا تھا۔ پولیس آفیسر نے تکلیف دیتے
...ے کہا۔
"الجھن کیسی؟" میں نے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے
...ے پوچھا۔
"میں ان کاغذات کو سمجھنے میں ناکام رہا تھا اور یہ ناکامی ہی میری
...جھن کا باعث ہوئی تھی۔"
میں نے اس موضوع پر گفتگو کو آگے بڑھانا غلط سمجھا اس لیے
... بولی۔ "اب تو آپ کو کسی قسم کی الجھن نہیں ہے؟"
"جی جی نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔
...نے تو مجھی یقین ہے کہ اس نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ کاغذات
...لیے تھے ... نہیں ... دیکھ لینے دیا ... الجھن سے نجات پا سکا۔
دونوں پولیس والوں کے رخصت ہوتے ہی میں ان کاغذات کا
...ائزہ لینا چاہتی تھی لیکن چند دوسری الجھنوں کے پیش نظر میں نے یہ کام
...عد کے لیے اٹھا رکھا۔ دراصل مجھے یہ فکر تھی کہ میری ملازمہ خاص فریدہ
...کو میرے بارے میں اطلاع مل چکی ہے یا نہیں؟
اس بنیادی فکر کے بعد کچھ اور باتیں بھی تھیں جو میں سوچ رہی
...تھی۔ مثلاً یہ کہ رات کو الماس جب کامران سے ملی ہوگی تو ان دونوں
...میں کیا باتیں ہوئی ہوں گی؟ کامران نے تو ظاہر ہے اس بات پر حیرت
...ظاہر کی ہوگی کہ میں کیوں نہیں پہنچی لیکن دیکھنا یہ تھا کہ الماس نے اس
...کی حیرت پر کیا ردعمل ظاہر کیا ہوگا؟ میری ... اس کے ذہن پہ
...اثر انداز ہوئی ہوں گی یا نہیں؟
مجھے ان باتوں کا علم اس وقت تک نہیں ہو سکتا تھا۔ جب
...تک میں الماس سے ملاقات نہ کر لیتی۔ اس کی صورت یہی تھی کہ میں
الماس کو کسی طرح ہسپتال بلوا لیتی یا ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر اپنے
گھر چلی جاتی اور وہیں الماس سے ملتی۔ ڈاکٹر مجھ سے کہہ بھی چکا تھا کہ
ہسپتال میں داخل رہنا ... کے لیے ضروری نہیں ہے۔ خود میں بھی یہی
محسوس کر رہی تھی کہ میرے زخموں میں زیادہ تکلیف نہیں ہے۔ اس لیے
ان کی دیکھ بھال گھر پر ... بھی کی جا سکتی ہے۔
میں وہ کاغذات اپنے تکیے کے نیچے رکھنے لگی۔ اسی وقت نرس سلوٹی
کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی بولی۔
"... آپ سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں۔
انہیں آنے دیا جائے۔"
"کون ہے؟" میں نے پوچھا۔
"ایک تو فریدہ ہے جو خود کو آپ کی ملازمہ بتاتی ہے اور
ایک صاحب ہیں جن کا نام رضوان ہے۔"
"انہیں فوراً بھیج دو۔ میں ان سے ملنے کے لیے بے تاب
سلوٹی سر ہلا کر رخصت ہو گئی۔ کوئی دو منٹ بعد دونوں
بہ حالِ پریشاں کمرے میں داخل ہوئے۔
"اوہ!" رضوان نے شاید مجھے مسکراتے دیکھ کر ایک لمبا
"گویا آپ واقعی بالکل خیریت سے ہیں؟"
"تمہیں اس میں شبہ کیوں تھا؟"
"ڈاکٹروں اور نرسوں کی باتوں پر یقین نہیں آتا۔"
فریدہ میرے بستر کے قریب اسٹول پر بیٹھ گئی تھی۔ اس
محبت سے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "رات سے
بے حد پریشان ہیں۔"
میں نے فریدہ کی سرخ آنکھوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ
کی جاگی ہوئی ہے۔ کچھ یہی کیفیت رضوان کی بھی تھی۔
فریدہ بولتی رہی۔ "رات کو یہاں سے کسی نے گھر پر فون
اطلاع دی تھی کہ آپ کو ایک منہدم عمارت کے ملبے سے
زخمی ... کر یہ جان کر مجھ پر کیا گزر گئی۔ گھبراہٹ میں مجھے اس
سوجھا کہ رضوان صاحب کو بھی فون پر اطلاع دے دوں۔ یہ فوراً
چلے آئے تھے اور پھر ہم دونوں نے اس ہسپتال کا رخ کیا تھا
پتہ چلا کہ آپ کو خواب آور دوا دی جا چکی ہے۔ رضوان صاحب
کہ آپ کو اسپیشل روم میں منتقل کر دیا جائے۔ اس کام میں کوئی
ہوئی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ آپ صبح سے پہلے بیدار نہیں ہوں گی
ہسپتال میں رکنا بے سود ہے۔ مجبوراً ہم یہاں سے چلے گئے
بھی سو نہیں سکی اور صبح ہوتے ہی یہاں دوڑی چلی آئی۔ رضوان
سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ جب تک پولیس
لے لے، ہم آپ سے نہیں مل سکتے چنانچہ ہم انتظار کرتے
پولیس گئی تو......"
"بس اب سانس بھی لے لو!" میں نے مسکراتے
بات کاٹی۔ "تم تو بولتی ہی چلی جا رہی ہو۔"
"جی ... جی ہاں۔" فریدہ نے جھینپ کر جلدی
"گئی تو ہم آپ کے کمرے میں آ گئے۔"
"اب تم بھی کچھ بولو!" میں نے رضوان کی طرف دیکھا
"... مارکیٹ کی اس عمارت میں تمہاری موجودگی میرے
حیرت انگیز ہے۔" رضوان نے سنجیدگی سے کہا۔
میں فریدہ کے سامنے اس موضوع پر سنجیدگی سے گفتگو
چاہتی تھی اس لیے ہنس کر بولی۔ "میں اس عمارت کو ایک
میں کرائے پر حاصل کرنا چاہتی تھی۔"
"اس عمارت کو؟" رضوان نے بے اعتباری سے کہا

"... عمارت بھی گر سکتی تھی!"
"... کہ وہ عمارت کس حد تک کمزور ہو چکی ہے اور
"... حادثہ صرف ہو سکتا ہے۔"
"... ملبے سے ایک لنگڑے آدمی کی لاش بھی برآمد
... اسٹیٹ ایجنٹ تھا جو تمہیں وہ عمارت دکھانے
... معنی خیز لہجے میں کہا۔
... ان کے ذہن میں کون سا شبہ سر ابھار رہا تھا۔
... سوچا کہ سندھی زبان میں گفتگو شروع کر دوں۔ فریدہ
...
"... رضوان!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔
... انجام کو پہنچ گیا!"
"... دیکھو!"
... سب کچھ بتانا شروع کر دیا۔ رضوان بڑی دلچسپی
... سنتی رہی۔ جب میں نے یہ بتایا کہ میں دیدہ و
... میں جا پھنسی تھی تو رضوان کا منہ بن گیا لیکن اس نے
... بس ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔
... نام پر پہنچی تو وہ بولا۔
"... نے بڑا اچھوتا طریقہ دریافت کیا تھا لیکن گورنٹ
کا ایک دن متعین ہے۔"
... منہ بنا کر پھر بولا۔ "میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ
... کے گل پر زرے نیٹ ہیں۔"
... نے مسکرا کر کہا اور پھر فریدہ کا ہاتھ تھپک کر بولی۔
"... کچھ لوگ مجھے ٹیلیفون کریں۔ تم انہیں یہ
... دو چار ہو چکی ہوں۔ بس یہ کہہ دینا کہ میں
...
... بھری ہوتی ہوئی بولی۔ "لیکن یہ تو بتا دیجئے کہ
... سکتا ہے۔"
"... آج ہی کسی وقت گھر آ جاؤں گی۔"
... رخصت ہو گئی۔
"... ہیں؟" رضوان نے سوال داغا۔
"... لیکن میں وہ تم کو نہیں دکھاؤں گی۔"
"... کم سے کم لوگوں کو شریک ہونا چاہیے۔" میں
... لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔
... میں نے قدرے توقف سے پوچھا۔
... نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔
... اس کے انداز پر ہنس پڑی۔

"اس لیے کہ جب ایک خطرناک ترین سچویشن میں آپ نے میری
مدد لینا گوارا نہیں کی تو اب کیا ضروری ہے۔"
"بھئی دراصل میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے ساتھ تم بھی اپنی جان سے
ہاتھ دھو بیٹھو!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ابھی تو تمہیں شادی کرنا ہے،
بچے بنانا ہیں اور اسی قسم کے بہت سے فضول کام کرنا ہیں۔"
"لیکن جب آپ نہیں ہوں گی تو میں یہ فضول کام کس طرح کر سکوں
گا؟" رضوان نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔
"اپنے سر سے یہ بھوت اتار دو ورنہ خسارے میں رہو گے۔"
"خسارے میں رہنا تو مرد کا مقدر ہے۔ ذخیرہ صرف عورت ہی کر
سکتی ہے۔"
چونکہ ابھی اور باتیں ہوتیں مگر اسی وقت ڈاکٹر کمرے میں آ گیا۔ اس کے
ساتھ سلوٹی بھی تھی۔ ڈاکٹر صرف خیریت معلوم کرنے کے لیے راؤنڈ
پر نکل آیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں ہسپتال سے رخصت لینا چاہتی ہوں۔
"آپ آج شام کو چلی جائیے گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "تیسرے پہر کو آپ کی
ڈریسنگ کی جائے گی۔ دو دن بعد آپ کو ڈریسنگ کے لیے پھر آنا پڑے
گا۔ وہ غالباً آخری ڈریسنگ ہوگی۔"
"شکریہ ڈاکٹر!"
ڈاکٹر نے سلوٹی کو میرے بارے میں کچھ ہدایات دیں اور چلا گیا۔
میں پھر رضوان کی طرف متوجہ ہوئی۔ "ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ
تم ذرا الماس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنا۔ اُسے صرف اتنا پیغام
پہنچانا ہے کہ میں یہاں ہسپتال میں ہوں۔ اگر وہ چاہے تو مجھ سے ملاقات
کر لے۔"
"رابطہ قائم کرنے کی صورت؟" رضوان نے سوال کیا۔
میں نے اُسے ٹیلیفون نمبر بتا دیا۔
"کامران مرزا کی گوشمالی کر دوں؟" رضوان نے پوچھا۔
"ابھی نہیں۔ میں پہلے الماس سے ملنا چاہتی ہوں۔"
رضوان نے اپنی گھڑی دیکھی اور پھر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "میں دوپہر
کے بعد کسی وقت آؤں گا۔"
"میں منتظر رہوں گی۔"
رضوان چلا گیا تو سلوٹی مجھ سے بولی۔ "اب آپ آرام کیجیے!"
پھر وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر مڑی اور دروازہ کھول کر
باہر نکل گئی۔
میں ڈاکٹر تونگ کے کاغذات کا بغور مطالعہ کرنے کے لیے بےچین
تھی لیکن یہاں ہسپتال میں یہ مناسب نہیں ہوتا۔ سلوٹی، ڈاکٹر یا کوئی اور
شخص کسی وقت بھی کمرے میں آ سکتا تھا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ کسی کی
نظر ان کاغذات پر پڑے۔ درحقیقت اسی لیے میں نے وہ کاغذات
رضوان کو بھی نہیں دکھائے تھے۔ سرکاری راز والی بات تو محض ایک

باز تھی۔
میں نے کروٹ لے کر آنکھیں بند کرلیں۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ ڈاکٹر فونگ کے مرنے کا مطلب سارے جھگڑے کا خاتمہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر فونگ کسی تنظیم کا ایک پرزہ تھا اور وہ تنظیم بہرحال ختم نہیں ہوئی تھی۔
وزیرِ خارجہ سے گفتگو کے بعد اب مجھے اس بات پر مکمل یقین نہیں رہا تھا کہ ڈاکٹر فونگ کی پشت پر سی آئی اے ہی تھی۔ اب تو یہ امکان بھی پیدا ہوگیا تھا کہ وہ کے جی بی کا ایجنٹ رہا ہو۔
مجھے ان باتوں پر غور کرتے ہوئے خاصی دیر ہوگئی اور مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ شاید میں سو ہی جاتی لیکن اسی لمحے مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کوئی چیز میرے تکیے کے نیچے داخل ہو رہی ہو۔ یکلخت میرے دل کی دھڑکنیں غیر ہموار ہوگئیں اور مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ میری پشت پر کوئی شخص موجود تھا جو آہستہ آہستہ تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال رہا تھا۔
میں نے برق سی سرعت سے اپنے جسم کو پلٹا اور اندازے سے اسی جگہ پر ہاتھ مارا جہاں سے وہ نامعلوم ہاتھ تکیے کے نیچے داخل ہو رہا تھا۔ یہ حرکت کرتے ہوئے میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے کسی بھی خطرناک صورتِ حال کا مقابلہ کرنا پڑسکتا ہے لہٰذا میں اس کے لئے پوری طرح تیار رہی۔
میرے ہاتھ نے ایک کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اس کے ساتھ ہی ایک دبی دبی سی نسوانی چیخ میری سماعت سے ٹکرائی۔ میں نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ وہ کلائی نرس سلونی کی تھی۔
"میں... میں تو... آپ کا تکیہ... ٹھیک کر رہی تھی۔" سلونی روہانسی ہوگئی۔ اس نے اپنا ہاتھ تکیے کے نیچے سے نکالنے کی کوشش کی تو میں اس کی کوشش میں حارج نہیں ہوئی۔ ہاتھ تکیے کے نیچے سے نکلا تو خالی ہی تھا۔
میں نے مسکرا کر اس کی کلائی چھوڑ دی اور بولی۔ "میں سمجھی تھی میرے کمرے میں کوئی چور گھس آیا ہے۔"
"بھلا یہاں... کوئی چور کیسے آسکتا ہے!" سلونی ہانپنے لگی تھی۔
مجھے اس کے سینے کا زیروبم بڑا بھلا لگا اور میں نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے بستر پر بٹھا لیا۔
مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ وہ میرے دشمنوں کی ایجنٹ تھی۔ تکیہ ٹھیک کرنے کا بہانہ تو بڑا بچکانہ تھا، حقیقتاً اسے ڈاکٹر فونگ کے کاغذات درکار تھے۔
"تم بہت پیاری بچی ہو۔" میں نے سرگوشی کی اور اس کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے اپنے اوپر جھکا لیا۔ پھر میرا ایک ہاتھ تو اس کے تموج شباب سے چھیڑ کرنے لگا اور میرے ہونٹوں نے اس کے ہونٹوں سے گفتگو کرنا چاہی۔
"یہ... یہ آپ..." وہ کسمسائی اور اس نے میری گرفت سے نکلنا چاہا۔
"سلونی!" میں اپنی گرفت مضبوط کرتی ہوئی بولی۔ "تو معاملت ہی سے چلتا ہے۔ اب دیکھو نا، میں ہسپتال کی انتظامیہ سے اس بات کی شکایت نہیں کروں گی کہ تم نے میرے تکیے سے روپے نکالنے کی کوشش کی تھی۔"
"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں نے تو تکیہ..."
"بچوں کی سی باتیں مت کرو۔ اگر تم ہٹ دھرمی کرو گی تو میں ہسپتال کی انتظامیہ سے شکایت ضرور کروں گی۔"
سلونی یکلخت ڈھیلی پڑگئی اور اس نے میرے ہونٹوں کی جارحیت کو بھی برداشت کرلیا۔
"بس اب جاؤ!" میں نے ذرا دیر بعد اسے رخصت کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اپنی یہ عادت چھوڑنے کی کوشش ضرور کرنا۔ چور کو اچھا انسان نہیں سمجھا جاتا ہے۔"
"جی... جی ہاں۔" وہ میری اس حرکت سے بوکھلا گئی اور تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔
میں نے وقتی طور پر اپنی تفریحِ طبع کا تھوڑا سا سامان کر لیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں خاصی پریشان ہوگئی تھی۔ سلونی کی حرکت کا مطلب یہ تھا کہ ڈاکٹر فونگ کے آدمی میرے پیچھے لگے ہوئے تھے اور انہیں ان کاغذات کی فکر دامنگیر تھی۔ سلونی کی ناکامی کے بعد وہ بہت جارحانہ اقدام بھی کرسکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ ان کاغذات کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے تھے جو کاغذات ڈاکٹر فونگ کی تحویل میں تھے، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔
میں محسوس کررہی تھی کہ ان کاغذات کی حفاظت ایک مسئلہ بننے والی ہے۔
دفعتاً میرے کمرے کا دروازہ بڑی پُرشور آواز کے ساتھ کھلا۔ میرا دل شاید پوری قوت کے ساتھ میری پسلیوں سے ٹکرایا۔ میری نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور میں بے اختیار ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔
کمرے میں داخل ہونے والی غزالہ تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا اور وہ حواس باختہ سی تھی۔ وہ تیر کی طرح میری طرف آئی اور اس طرح میرے اوپر چھا گئی جیسے مجھے دنیا کی ساری آفات سے محفوظ کرلینا چاہتی ہو۔
"باجی! آپ ٹھیک تو ہیں نا باجی!" وہ گویا رو دینے والی تھی۔
میں نے اس کا یہ والہانہ انداز دیکھا تو اسے دونوں بازوؤں کے حلقے میں لے کر زور سے بھینچ لیا۔ وہ میرے سینے پر جھک گئی اور اس کے گال پر رگڑتی ہوئی بولی۔ "پگلی! تجھے کیا یہ اطلاع ملی تھی کہ میں بسترِ مرگ پر ہوں؟"
"مجھے بس اتنا بتایا گیا تھا کہ آپ کوئی مارکیٹ کی

حال میں ہیں۔" غزالہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"کس نے آپ کے گھر فون کیا تھا؟"
"پتہ نہیں۔ بس غزالہ کا فون پہنچ گیا ہوگا۔ اگر ...ایت کے مطابق ہرگز یہ نہیں بتاتی کہ..."
"...اطلاع پر وہ غزالہ پھر بولی۔ "پتہ نہیں..."
...اں!"
میں نے مسکرا کر کہا۔
"آپ کے؟" وہ میرے سینے سے ...الگ ہوئی۔
"ہاں، جو دو ایک روز میں ہی ٹھیک ...آج شام تک رہنا ہے۔"
...ایک بار پھر میرے سینے کو سیج سمجھ ...
...اس کے گال پر رکھ دیئے۔ "لولی ...ہو۔"
"..." وہ سر اٹھا کر شاکی نظروں سے ...
...ہم کر اپنے جذبات کی شدت ظاہر ...تازہ کھلا ہوا ہے۔"
...ہا گئی اور پھر اس نے جھپٹ کر ...
...ٹکرا کر کہا۔ "اب ہم جی بھر کر ایک ...
...اس نے اپنی ریشمی کلائیوں کو میرا ...زن دیوا دینے کے لئے بہت کافی ...ہے لبس کیسے ہوئے تھا۔ اگر متعلقہ ...ہوتا تو شاید میں اپنی پنڈلی اور ...ل۔
...اپنا مسئلہ حل کرنے کا ایک راستہ بھی ...ہوئے اس کے بارے میں غور بھی ...میں نے غزالہ کے ذریعے ان کاغذات ...منتقل کی تو کامیابی کا امکان کس حد ...ہا کہ کہیں غزالہ ہی کی زندگی خطرے ...
...تھا۔ اس بات کے قوی امکانات تھے کہ سلونی ٹیلیفون پر اُن لوگوں کو اپنی ناکامی کی اطلاع دے چکی ہو۔ یہ اطلاع ملتے ہی وہ لوگ یہ اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ میں نے سلونی کو محض بے وقوف بنانے کے لئے اس پر چوری کا الزام لگایا ہے ورنہ حقیقتاً میں اس بات کو سمجھ گئی ہوں کہ سلونی نے دراصل وہ کاغذات حاصل کرنا چاہے تھے۔ یہ سمجھ لینے کے بعد میرے لئے ناگزیر تھا کہ ان کاغذات کو کسی محفوظ جگہ تک پہنچانے کی کوشش کروں اور اس کام کے لئے میں اپنے کسی ملاقاتی ہی کو آلۂ کار بنا سکتی تھی۔
یہ اندازہ قائم کرلینے کے بعد میری مخالف ٹیم میرے ہر ملاقاتی پر کڑی نظر رکھتی۔ مشتبہ ہو جانے کی صورت میں میرے ملاقاتیوں کو خطرے کا بھی سامنا کرنا پڑسکتا تھا۔ ایسی صورت میں کیا یہ مناسب ہوتا کہ میں غزالہ کو ان خطرات کے سامنے کھڑا کردوں؟ وہ ایک ناپختہ کار لڑکی تھی۔ وہ اپنی حرکات و سکنات سے ان لوگوں کو اپنی طرف سے مشتبہ کر ہی دیتی۔ اس سے کام لینے کا صرف ایک طریقہ تھا۔ میں اسے یہ احساس ہی نہ ہونے دیتی کہ وہ کتنا اہم کام کر رہی ہے۔
"غزالہ!" میں نے اس کی ریشمی زلفوں سے کھیلتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔ "کیا تم میرا ایک چھوٹا سا کام کردو گی جان؟"
"میں تو شاید اب آپ کی خاطر اپنی جان بھی دے سکتی ہوں باجی!" اس کے لہجے میں محبت کا رس تھا۔
"فی الحال کوئی ایسا سنگین مسئلہ نہیں ہے کہ تمہیں اپنی جان دینے کے امکان پر غور کرنا پڑے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"آپ بتائیے تو سہی کہ مجھے کیا کرنا ہے؟"
"ہسپتال کے قریب کہیں کوئی اسٹیشنری کی دکان ضرور ہوگی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے ڈاک کے دو بڑے لفافے لادو۔ دونوں لفافوں کا سائز مختلف ہونا چاہیے، بلکہ چار لفافے لے آؤ۔ دو تو ایک سائز کے ہوں اور دو اس سے بڑے ہوں۔"
"کیا ابھی لے آؤں؟"
"فوراً۔"
وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"فی الحال پیسے اپنے پاس سے خرچ کردینا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "بعد میں مع سود واپس کردوں گی۔"
غزالہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔
اس کے جاتے ہی میں نے ڈاکٹر فونگ کے کاغذات تکیے کے نیچے سے نکال لیے۔ گو کہ میں ہسپتال کے کمرے میں ان کاغذات کا جائزہ نہیں لینا چاہتی تھی لیکن اب یہ ضروری ہوگیا تھا۔ میں غزالہ کے ذریعے ان کاغذات کو کہیں روانہ کرنے والی تھی اور اس کے بعد یہ کاغذات مجھے تین چار روز کے بعد ملتے۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ان تین چار دنوں میں حالات کیا رُخ اختیار کریں گے۔ مگر مجھے ان کاغذات سے

کچھ نکتے معلوم ہو جاتے تو ممکن تھا کہ میں حالات کے رُخ بدلتے ہوئے
دھاروں کا آسانی سے مقابلہ کر سکتی۔

میں نے سب سے پہلے تو نقشے کا جائزہ لیا جس میں صوبۂ سرحد
کے ایک مقام پر سرخ نشان لگا ہوا تھا۔ میں نے یہ بات اچھی طرح ذہن
نشین کر لی کہ وہ نشان کس جگہ پر لگا ہوا ہے۔ اس کے بعد میں نے چار
پانچ صفحات پر مشتمل اس خط کا جائزہ لینا شروع کیا۔

وہ خط انگریزی میں تھا اور بظاہر کسی سٹور کی اسٹاک رپورٹ
معلوم ہو رہا تھا۔ وہ رپورٹ "زاغریب" نام کے کسی مقام سے بھیجی
گئی تھی جس میں مختلف قسم کے گوشوارے شامل تھے۔ ان میں یہ دکھایا
گیا تھا کہ مختلف قسم کے سامان کی کتنی مقدار اسٹاک میں موجود تھی۔
وہ خط یقیناً کوڈ ورڈز میں تھا کیونکہ ڈاکٹر فوننگ جیسے آدمی
کو ایسی فضول باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔

میں ان کوڈ ورڈز کو سمجھنے سے قاصر تھی اس لیے سامان کی
نوعیت اور گوشواروں کی تفصیل سمجھنے سے قاصر رہی۔

یہ بات میرے لیے خاصی دلچسپ تھی کہ وہ خط زاغریب نام کے
کسی شہر سے بھیجا گیا تھا۔ یہ بات کسی معمے سے کم نہیں تھی۔ میں زاغریب
نام کے ایک شہر سے اچھی طرح واقف ہوں لیکن وہ شہر پاکستان سے
بہت دُور یورپ میں واقع ہے۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ
"زاغریب" بھی کوڈ ورڈ تھا۔ پاکستان ہی کے کسی شہر کو ان لوگوں نے
زاغریب کا نام دے دیا تھا اور یہ بات عین ممکن تھی کہ وہ شہر صوبۂ سرحد
میں واقع ہو۔

میں نے ایک بار پھر نقشہ دیکھا لیکن وہ نشان کسی شہر پر نہیں
لگایا گیا تھا۔ میں نے ان شہروں کے نام ذہن نشین کر لیے جو اُس
نشان کے آس پاس تھے۔

ان کاغذات سے میں مزید معلومات حاصل کرنے سے قاصر
تھی لہٰذا میں نے انہیں تہہ کر کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

غزالہ ابھی تک نہیں لوٹی تھی۔ ممکن ہے اُسے قرب و جوار میں
اسٹیشنری کی کوئی دُکان نہ ملی ہو اس لیے وہ کہیں دُور نکل گئی ہو۔
میں اُس کے خیالوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اچانک کمرے کا
دروازہ کھُلا اور بھاری جوتوں کی دھمک کے ساتھ دو فوجی افسر کمرے
میں داخل ہوئے۔ اُن کی وردیوں پر لگے ہوئے نشانات انہیں ملٹری
پولیس سے متعلق ثابت کر رہے تھے۔

میں انہیں دیکھ کر نہ صرف چونکی بلکہ میرے جسم میں سنسنی بھی
پھیلتی چلی گئی۔

"معاف کیجیے گا!" ایک آفیسر بولا۔ "کیا آپ نسیمہ بانو ہیں؟"
"جی ہاں!" میں انہیں ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتی رہی۔
جس آفیسر نے مجھے مخاطب کیا تھا' وہ کرنل کے رینک کا تھا۔ وہ

میرا جواب سننے کے بعد اپنے ساتھی سے بولا۔ "کیپٹن
باہر دروازے ہی پر رُکو اور کسی کو اندر مت آنے د
"ویری ویل سر!" کیپٹن نواز نے مستع
کی ایڑیوں سے کھٹ کھٹ کرتا ہوا کمرے
بھی اُسی نے بند کیا تھا۔

میں محسوس کر چکی تھی کہ معاملہ خاصا گمبھیر ہ
اپنے ذہن کو پوری طرح حاضر رکھنے کی کوشش کی
"تشریف رکھیے!" میں آہستہ سے بولی
"شکریہ!" وہ اس کرسی پر بیٹھ گیا جو
گیا تھا۔

"فرمائیے!" میں نے کرنل کو متجسس نظ
کہا۔ "آخر ملک و قوم کے محافظوں کو مجھ تک آ
پڑی؟"

"ہم اسی وقت کسی کے پاس پہنچتے ہیں
میں ہو۔ پاکستان کے ہر شہری کی حفاظت کرنا ہ
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی!"
"ایک بم آپ کے ہاتھ میں ہے جو کس
"میں اب بھی کچھ سمجھنے سے قاصر ہوں
"آپ کے پاس کچھ ایسے کاغذات ہیں
آپ کو ہلاکت سے دوچار کر سکتے ہیں۔"
"اوہ!" میں نے بے اختیار ایک طو
کرنل بولتا رہا۔ "میں نہیں جانتا کہ آ
کا علم ہے یا نہیں لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ اب
بھی وہ کاغذات آپ کے پاس موجود ہیں۔"
گیا کہ سی آئی اے کے بعض ایجنٹ ہمارے
میں سے ایک لڑکی یہاں نرس کی حیثیت
سے وہ کاغذات حاصل کرنا چاہتے تھے مگر ا
نے ٹیلیفون پر کسی کو اپنی ناکامی سے مطلع کیا
پر جو گفتگو ہوئی تھی اُسی سے ہمیں پتہ چلا کہ
آپ کے پاس ہیں۔"
میں چُپ رہی۔ میری سمجھ میں نہیں
"میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ ا
لے لوں۔" کرنل بولتا رہا۔ "گو کہ ہمیں آپ
بارے میں پوچھ گچھ کرنا ہے لیکن یہ کام
میرا فرض صرف اتنا ہے کہ میں وہ کاغذات
پہنچا دوں۔ اُن کاغذات کا کسی عام جگہ پ
آئی اے انہیں حاصل کرنے کے لیے ہ

"نہیں" سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "وہ
ہو سکتے اور میری سمجھ میں نہیں
سا پاؤں۔ میرا خیال ہے کہ فوج
ہے شوق وہ کاغذات سے

لت نکال کر کرنل کے حوالے کر
نہیں بتایا!"
جیبوں میں ٹھونستا ہوا کھڑا
طلب کیا جائے گا۔ ڈاکٹر
ہو جائیں گی۔"

بہت شکریہ!"
غیر معمولی سی نظروں سے
ن خاصا پراگندہ تھا اور اس
میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی
تھے یا نہیں۔ میری نظر میں

وہ کاغذات اُن کے حوالے
تھا۔ اگر میں وہ کاغذات از خود
حاصل کرنے کی کوشش
ممکن تھا کہ وہ اپنے ریوالور
وہ لوگ فوجی افسروں کا
ہسپتال میں گھس سکتے ہوں

اس قابل نہیں پا رہی تھی کہ
اس سے نپٹ سکتی۔ اس
تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میری
جاتی اور خون خرابہ ہوتا۔
پہنچنے کے لیے یہ کوئی گھاٹے
ہو گئیں۔ وہ کاغذات
ان میں اُن کا پہنچنا خطرناک
کسی راز سے پردہ اٹھا
ان کوڈ ورڈز کا توڑ مجھ

وہ جو سنے کا افسوس تو تھا
ایک نکتے ڈھونڈنے

تھے اُن سے فائدہ اٹھانے کا کوئی نہ کوئی راستہ مل ہی جاتا بس کوشش
شرط تھی۔

اور پھر ابھی تو اس بات کی کوئی سند بھی نہیں پائی تھی کہ وہ
فوجی افسر نقلی ہی تھے۔ ممکن تھا کہ میرے شبہات یکسر غلط ثابت ہوتے۔
میں ان خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ دروازہ کھلا اور غزالہ
کمرے میں داخل ہوئی۔ لفافے اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے تھے۔ وہ
آتے ہی بولی۔ "یہاں قریب میں تو مجھے اسٹیشنری کی کوئی دُکان دکھائی
نہیں دی۔"

"تو کیا صدر چلی گئی تھیں؟"
"نہیں! برنس روڈ تک جانا پڑا تھا۔"
"اچھا خیر! اب تو ان لفافوں کی ضرورت ہی نہیں رہی۔" میں
نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"کیوں؟"
"ایک صاحب کو میں کچھ چیزیں پوسٹ کرنا چاہتی تھی لیکن
اتفاق سے وہ صاحب خود ہی آ گئے۔"
"کہاں ہیں؟"
"تمہاری آمد سے بمشکل دو منٹ پہلے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ
راہداری میں تمہارا اور اُن کا آمنا سامنا بھی ہوا ہو۔"
"اچھا خیر! میں اب جاؤں گی۔ گھر سے نکلے خاصی دیر ہو چکی ہے۔
آپ سے ملنے شام کو پھر آؤں گی۔"
"آنے سے پہلے گھر پر فون کر لینا۔ ممکن ہے کہ میں اُس وقت
تک ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر پہنچ جاؤں۔"
"خدا کرے' ایسا ہی ہو۔ ہسپتال کی فضا میں تو ایسی گھٹن ہوتی
ہے کہ میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔"
"اچھی بات ہے' جاؤ' لیکن جانے سے پہلے مجھے پیار تو کرو۔"
میں نے مسکرا کر کہا۔

غزالہ ہنستی ہوئی مجھ پر جھکی اور میرے ہونٹوں پر گلاب کی
پنکھڑیاں نچھاور کر کے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی میرے ذہن کو پھر
انہی فوجیوں کے خیال نے آ گھیرا۔ میں اس بات کی تصدیق کرنے کے
لیے بے چین تھی کہ وہ فوجی نقلی تھے یا اصلی؟ یہ معلوم کرنا کچھ زیادہ
مشکل نہیں تھا۔ بس ملٹری ہیڈ کوارٹر کو فون کرنا پڑتا اور یہ اسی وقت
ممکن تھا جب میں ہسپتال سے اپنے گھر چلی جاتی۔

دوپہر کو میرے لیے کھانا آیا اور ذرا دیر بعد ہی سلونی بھی کمرے
میں داخل ہوئی۔ وہ خاصی دیر بعد وہاں آئی تھی اور اب بھی اس کا
انداز ایسا تھا جیسے وہ اندر ہی اندر جز بز ہو رہی ہو۔ وہ کوشش
کر رہی تھی کہ مجھ سے نظریں نہ ملنے پائیں۔ اس نے ایک کیپسول
میرے بستر کی سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کھانے کے بعد کھا لیجئے گا۔" یہ ہدایت کرتے ہوئے بھی اس نے میری طرف نہیں دیکھا تھا اور مُڑ کر دروازے کی طرف چل دی تھی۔

میں کھانا کھا ہی رہی تھی کہ رضوان آگیا۔

"میں الماس سے رابطہ قائم نہیں کرسکا۔" وہ آتے ہی بولا۔

"کیوں؟"

"میں نے چھ سات مرتبہ رِنگ کیا لیکن جب بھی دوسری طرف سے ریسیور اٹھایا گیا ایک معمّر عورت کی آواز سنائی دی۔ اس عورت نے بتایا کہ الماس گھر پر نہیں ہے۔ جب میں نے پوچھا، کہاں گئی ہیں تو وہ جواب دینے کی بجائے مجھ سے پوچھنے لگی کہ میں کون ہوں۔ ظاہر ہے کہ میں اس سوال کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔"

"ہوں۔" میں سر ہلا کر رہ گئی۔

یہ سمجھنا میرے لیے مشکل نہیں تھا کہ جواب دینے والی معمّر عورت الماس کی خالہ ہوگی۔ وہ کچھ ڈکٹیٹر قسم کی عورت تھی۔ ممکن ہے کہ اب اس نے الماس پر کچھ زیادہ ہی پابندیاں لگا دی ہوں اور اسے فون پر بھی کسی سے بات نہ کرنے دیتی ہو۔

الماس کے ساتھ ہی مجھے شبانہ کا بھی خیال آیا۔ وہ کافر ادا لڑکی ایسی تھی ہی نہیں کہ میں اسے زیادہ دیر تک اپنے دل و دماغ سے دُور رکھ سکتی۔ غزالہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس غارت گر خواب کو میرے قدموں میں لا گرائے گی لیکن میں ابھی تک یہ اندازہ نہیں کر سکی تھی کہ غزالہ کی اس بات میں کتنا وزن تھا۔

رضوان بہت دیر تک مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ ڈاکٹر نوئنگ کے بارے میں گفتگو ہو لیکن میں اسے ٹال گئی۔ ہسپتال میں وہ باتیں مناسب نہیں ہوتیں۔

تیسرے پہر کو جب میرے زخموں کی ڈریسنگ کی گئی تو رضوان کو کچھ دیر کے لیے کمرے سے باہر جانا پڑا۔ ڈریسنگ کے بعد مجھے ہسپتال سے رخصت ہونے کی اجازت مل گئی۔ رضوان مجھے میرے گھر لے گیا۔ وہاں پہنچی تو ساری ملازماؤں نے مجھے گھیر لیا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ میرے قریب آ کر میری خیریت پوچھے۔ پانچ دس منٹ میں جب اُن سب کی تسلی ہو گئی تو انہوں نے میرا پیچھا چھوڑا۔ اب کمرے میں میرے ساتھ صرف رضوان رہ گیا تھا۔

"تمہیں ملٹری ہیڈ کوارٹر کا نمبر معلوم ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"کیوں!" وہ چونک کر مجھے گھورنے لگا۔

"میں ملٹری پولیس کے کرنل جعفری یا کیپٹن نواز سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہ کون بزرگ ہیں؟"

"اس کا جواب بعد میں لینا۔ پہلے فون ملاؤ!"

رضوان منہ بناتے ہوئے اٹھ کر ٹیلیفون کے قریب گیا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس نے کسی نمبر معلوم کیا اور پھر رابطہ منقطع کر کے دوسرا نمبر ڈائل کیا۔ پہلو کے بل لیٹی ہوئی اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"ہیلو!" رضوان ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میں ملٹری پولیس کے کرنل جعفری سے بات کرنا ... اوہ، اچھا، شکریہ۔" رضوان نے سلسلہ منقطع کر کے کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"کیا ہوا؟" میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکی

"وہاں سے مجھے دوسرا نمبر بتایا گیا ہے۔" جاری رکھتے ہوئے جواب دیا۔

میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"ہیلو!" چند لمحے بعد رضوان پھر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "کرنل جعفری سے بات کرنا چاہتا ہوں... جی! ... رہے ہیں؟... کمال ہے... اچھا کیپٹن نواز ... کمال ہے... اچھا شکریہ۔" رضوان نے منہ بنا کر میری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"ملٹری پولیس میں ان ناموں کا کوئی ..."

گو کہ مجھے اسی قسم کے جواب کی توقع تھی لیکن ہلکا سا جھٹکا ضرور لگا۔ میں چند لمحے تک رضوان کو دیکھتی رہی پھر ہونٹ بھینچ کر سر ہلانے لگی۔

ہسپتال میں تو میں نے کچھ زیادہ نہیں ... محسوس کر رہی تھی کہ شاید مجھے اپنی زندگی کی ... کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ زندگی میں ایسی بے بسی ... جب آدمی شبہ ہو جانے کے باوجود دھوکہ کھا جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہی میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔

"آخر بات کیا ہے؟" رضوان نے پوچھا لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ... مناسب تھا۔ مجھے جو چوٹ ہوئی تھی، اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ رضوان نے بہت کوشش کی لیکن میری زبان کھلوانے میں کامیاب نہ ہوا۔ میں نے اپنی ملازمہ فریدہ کو بلا کر رات کے کھانے کے سلسلے میں ہدایات دیں۔ اسی وقت فریدہ نے پوچھا:

"بانو آپ کی گاڑی کہاں ہے؟"

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ... نے اپنی کار کامران کے گھر کے پاس کھڑی کی ... سر گھما کر رضوان کی طرف دیکھا اور بولی:

... رضوان نے انگریزی میں کہا۔
... زحمت آپ کبھی اٹھائیں تو اس مشترکہ ...

... ہی میں بولی۔ "یہ مت سمجھنا کہ میں ... ہوں۔ میرے زخم اب اس حد تک ... کے ایک آدھ ہاتھ سے تمہاری تواضع ...

... جوابات کی ایسی تیسی کر کے رکھ دیتی ... بنا کر کہا۔ "بہرحال فرمائیے! آپ مجھے ..."

"... کل میں نے کامران کے گھر کے پاس ... بھی وہیں کھڑی ہو گی۔"

"... ہو تو؟"

... تھی جہاں پارکنگ ممنوع ہو۔"

... ہوئی تھی اس لیے فریدہ ٹکر ٹکر ... چلا گیا تو میں فریدہ سے بولی۔

"... میرے کمرے میں بھیج دینا۔"

... کر رخصت ہو گئی۔

... کے بجائے اُس کا فون آیا۔

"... بانو!" اس نے کہا۔

... پوچھا۔

"... صاحب ٹھیک پڑے ہیں۔"

"... منور کی اولادِ نرینہ کی واحد اولاد ... میں کہا۔

"... کہ وہ اولادِ نرینہ ہی ہیں؟" میں نے

... دینے کے خواہشمند ہیں اور آیا ... کر وہ میرے لیے نہایت مناسب رہیں

... ہے؟"

"... کی خاطر تواضع میں لگی ہوئی ہوں ... اندر کچھ ایسے انداز میں تواضع کروں ... کا رُخ کرنے کی ہمت ہی نہ کر سکیں۔" ... جا رہی ہو۔ وہ بے چارہ تو بڑا مانو ...

... کے سوا کسی کے دل کی پرواہ نہیں رہی۔"

غزالہ نے جواب دیا اور پھر بولی۔ "آپ نے مجھ سے اب تک شبانہ کے بارے میں نہیں پوچھا۔"

"خیال نہیں رہا تھا۔" میں نے جھوٹ بولا۔

"میں برابر اس کی فکر میں لگی ہوئی ہوں بانو لیکن اب وہ لاپتہ ہو گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اب وہ الماس کے گھر نہیں ہے اور یہ بات مجھے الماس کی خالہ سے معلوم ہوئی ہے۔ میں نے معلوم کرنا چاہا تھا کہ اب شبانہ کہاں ہے لیکن الماس کی تنک چڑھی خالہ نے بڑی رعونت سے جواب دیا کہ اس نے لوگوں کا پتہ بتانے کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔ پھر میں نے چاہا تھا کہ الماس سے ملاقات کر لوں لیکن اس خرانٹ بڑھیا نے الماس سے بھی نہیں ملنے دیا۔ اس نے مجھے یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ الماس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے وہ کسی سے نہیں ملنا چاہتی۔"

"ارے!"

"خیر، اللہ مالک ہے۔ کل میں کسی نہ کسی ترکیب کو آزما کر الماس سے مل ہی لوں گی۔ اچھا اب اجازت دیجئے با تو! خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنائی دی لیکن میں اس کے بعد بھی چند لمحے تک ریسیور کان سے لگائے رہی۔ دراصل میرا ذہن کچھ اُلجھ گیا تھا۔ رضوان اور غزالہ، دونوں ہی الماس سے رابطہ قائم کرنے میں ناکام رہے تھے اور اب پتہ چلا تھا کہ شبانہ بھی غائب تھی۔ آخر یہ کیا چکر تھا؟ کوئی خاص گڑبڑ تو نہیں ہو گئی تھی؟

ذرا دیر بعد میں نے چونک کر ریسیور، کریڈل پر رکھا اور پھر سوچنے لگی کہ مجھے الماس کے گھر فون کرنا چاہئے یا نہیں؟ منطقی طور پر یہ بے کار ہی نظر آتا تھا۔ جس طرح رضوان کو الماس سے بات کرنے میں ناکامی ہوئی تھی، اسی طرح مجھے بھی الماس کی خالہ ہی کا جواب سننا پڑتا۔

کچھ دیر کے بعد مجھے فریدہ سے اطلاع ملی کہ رضوان گاڑی لیکر آیا تھا اور اُسے چھوڑ کر باہر ہی سے رخصت ہو گیا تھا۔

"وہ یہ کہہ کر گئے ہیں کہ کل صبح آئیں گے۔" فریدہ نے بتایا۔

میں سر ہلا کر رہ گئی۔

رات کے کھانے کے بعد میں نے بستر سے اُٹھ کر چار پانچ منٹ تک کمرے ہی میں چہل قدمی کی۔ چلنے سے کولہے کے زخم میں تو زیادہ تکلیف نہیں ہوئی لیکن پنڈلی کے زخم نے مجھے کچھ پریشان کیا۔

دوسری صبح جب میں بیدار ہوئی تو منہ دھونے کے لئے باتھ روم تک گئی۔ رات کی بہ نسبت آج پنڈلی کے زخم کی تکلیف کچھ کم تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آج میں اپاہجوں کی طرح گھر میں نہیں سڑوں گی۔ مجھے کامران اور الماس سے ملنے کی فکر تھی لیکن کامران سے ملنے کا امکان بہت دھندلا سا تھا۔ یہ بات کامران کو بھی معلوم ہو گئی ہو گی کہ میں زندہ بچ نکلی ہوں اس

لئے وہ گھبرا کر رُوپوش ہو سکتا تھا۔
میں ناشتہ کرتے ہوئے اپنے لئے آج کا لائحہ عمل طے کر رہی تھی کہ رضوان آ گیا۔ نہ صرف آیا بلکہ ناشتے میں بھی شریک ہو گیا۔
"کیا بنگال سے ڈائریکٹ فلائٹ مل گئی تھی؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔
"اب آپ کے زخموں کا کیا حال ہے؟" رضوان نے میری بات اپنے دوسرے کان سے اڑا دی۔
"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"ذرا دکھائیے تو!"
میں نے گھور کر رضوان کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر بڑی معصوم سی شرارت پھیلی ہوئی تھی اور وہ سر جھکائے ناشتے میں مصروف تھا۔
جب میں خاموش رہی تو وہ پھر بولا۔ "آپ نے جواب نہیں دیا۔"
"بیٹے! تم کسی روز میرے ہاتھ سے بہت بُری طرح پٹو گے۔"
"جب بھی وہ دن آیا، میں بن باس لے لوں گا۔"
"اس وقت کس جنگل کا رُخ کرنا ہے؟"
"دفتر جاؤں گا۔"
"کیا جانا بہت ضروری ہے؟"
"کیوں؟"
"میں تمہیں اپنے ساتھ لیجانا چاہتی تھی۔"
"آپ کی رفاقت میں رہنے کے لئے تو میں دفتر پر گیارہ ہزار مرتبہ لعنت بھیج سکتا ہوں۔"
ناشتہ کرنے کے بعد میں نے باتھ رُوم میں جا کر کپڑے تبدیل کئے
جب میں باتھ رُوم سے نکلی تو رضوان جلدی جلدی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔
"آپ تو واقعی بالکل ٹھیک ٹھاک معلوم ہو رہی ہیں!"
"آؤ!" میں دروازے کی طرف بڑھ گئی۔
میں نے گیرج سے مرسڈیز نکالی اور رضوان کو ساتھ لیکر روانہ ہو گئی۔
"سُنیے خاتون!" رضوان بولا۔ "یوں تو میں آپ کے ساتھ جہنم میں بھی جانے کو تیار ہوں لیکن آپ اگر پہلے سے منزل کا پتہ نشان بتا دیں تو میرا آپ کا مستقبل محفوظ ہی رہے گا۔"
"بذلہ سنجی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش میں تم بعض اوقات اضافی جملے بول جاتے ہو۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔
"فی الحال تو برداشت کر لیجئے، شادی کے بعد محتاط رہوں گا۔"
"یہ ایک اچھا خاصا فقرہ تھا جسے گوارہ کیا جا سکتا ہے۔"
"شکریہ! ویسے ابھی پتہ نہیں چلا کہ ہم قاضی کے پاس جا رہے ہیں یا کورٹ میں!"
"مجھے کامران مرزا سے ملنا ہے۔"
"اوہ!" رضوان سخت سنجیدہ ہو گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا

اور پھر منہ بنا کر بولا۔ "دیکھیے خاتون! ڈاکٹر ...
اب آپ کو ان خرافات سے دامن بچا لینا چاہئے ...
ہے اور یہاں رنگین تر مصروفیات تلاش کی جا ...
"میں کامران مرزا کو معاف نہیں کر سکتی!"
"اس نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔"
"یہ بھی بتانے کی ضرورت ہے؟"
"بچوں کی چھوٹی موٹی خطائیں معاف کی جا ...
"میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ معصوم الماس کی ... برباد نہ ہو۔"
"کچھ معصوم رضوان کا بھی خیال کر لیا ہوتا ... صلیب پر اُلٹا لٹکا جا رہا ہے۔"
میں خاموش رہی۔ رضوان کی بک بک ... کی مہلت ہی نہیں ملتی لہٰذا مناسب یہی تھا کہ ... کامران مرزا کو میں ایسا سبق دینا چاہ ... یاد رکھے اور الماس بھی اس کے ہاتھوں تباہ ...
کچھ دیر میں ہم کامران کے گھر پہنچ گئے۔
قفل نے ہمارا استقبال کیا۔ میں نے آس پاس کے ... کی تو پتہ چلا کہ صبح دس بجے تک تو کامران اپنے گھر ... میں وہاں سے ناکام لوٹی۔
"اب فرمائیے!" راستے میں رضوان بولا
"کافی پینے کا موڈ ہو رہا ہے۔"
"ابھی تو گھر سے ناشتہ کر کے چلی ہیں!"
"گھر پر تو چائے پی تھی۔"
میں نے صدر کے ایک کیفے کے سامنے ...
لیکن وہاں اتنی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں کہ پار ... کو آگے جا کر جگہ مل گئی۔ میں نے وہاں گاڑی کھڑ ... کے ساتھ کیفے کی طرف لوٹی۔
کافی پینے کے دوران میں رضوان نے ... اُن کاغذات کا کیا کیا جو فونگ کے پاس سے برآمد ...
"میں نے انہیں وہیں پہنچا دیا جہاں انہیں ...
"کب پہنچایا؟"
"کافی پیو، ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"
رضوان نے مجھے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں ... اُٹھا کر کافی کا گھونٹ لینے لگا۔
کافی پینے کے بعد ہم فوراً ہی کیفے سے اُٹھ گئے ... کیفے سے نکلتے ہی میری نظر ہسپتال کی زر ... چمڑے کا ایک بیگ ہاتھ میں لئے تیزی سے ایک ...

... ہلت کا اظہار ہو رہا تھا اور
... بولا۔ "یہ شاید سول ہسپتال
... ا"
... کل میں تم سے کئی بار دیکھا
... میں نے قدم اُٹھاتے ہوئے کہا۔
... بولا۔
... ال ہے؟"
... گھبرائے ہوئے لوگوں کے پیچھے
... کر رہ جائے گی۔ آج کل تو اپنے یہاں
... فی الحال میں رضوان کو یہ نہیں
... کی تنظیم کا ایک پُرزہ ہے۔
... بار رضوان کو نہیں دیکھا ہو گا
... گیا جب سلونی نے ایک مرتبہ
... میں پار یکلخت اپنی رفتار تیز کر دی۔
... "نا شاید کیا چکر ہے؟"
... اپنی رفتار تیز کر دی ہے۔" میں نے
... کا سبب یہ تھا کہ میں اپنی پنڈلی
... سنبھال سکتی تھی۔
... کی تمام چیزیں جا رہی ہے!"
... بڑھتا ہوا درمیانی فاصلہ مجھے
... اوقات اچھے خاصے سمجھدار آدمی
... ہیں کہ دوسروں کو ہنسی آ جائے۔
... کسی اور رضوان ہنسنے لگا تھا۔
... والے چوراہے پر دائیں جانب
... رفتار میں اضافہ کیا۔ پنڈلی کے زخم میں
... اس کی پرواہ نہیں کی۔
... راہے پر اُس طرف مڑے تو میں نے
... تھی۔ گرنے کا سبب غالباً ترنج ہیل
... کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ ویسے بھی
... رکھا تھا۔
... اس کی طرف جھپٹ پڑے۔
... "قی ہمدردی" ہوتی ہے نا!....

اور پھر سلونی تو ابھی جوانی ہی کی منزل میں تھی۔
میں اور رضوان اس بھیڑ کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک شخص شوفر کی وردی پہنے ہوئے اُس بھیڑ سے نکلا اور تیزی سے سڑک پار کرنے لگا۔ اس کی طرف میری توجہ اس لئے مبذول ہوئی تھی کہ سلونی کا بیگ اب اُس کے ہاتھ میں نظر آ رہا تھا۔
میں ابھی صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر ہی رہی تھی کہ شوفر نے سڑک پار کر لی۔ وہاں ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس کار کا دروازہ فوراً کھلا اور ایک آدمی نے گاڑی سے کچھ باہر نکلتے ہوئے، شوفر کے ہاتھ سے وہ بیگ لے لیا۔ پھر کار کا دروازہ بند ہوا اور وہ حرکت میں آ گئی۔ شوفر واپس لوٹنے لگا۔
"رضوان! تم اس کار کا تعاقب کرو!" میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔
"کیسے کروں؟" رضوان نے بوکھلا کر کہا۔ "ہماری گاڑی تو یہاں سے بہت دُور کھڑی ہوئی ہے۔"
"ٹیکسی کر لو!" میں نے جھنجھلا کر کہا۔
رضوان نے فٹ پاتھ سے اترتے ہوئے، ہاتھ اُٹھا کر ایک ٹیکسی کو رُکنے کا اشارہ کیا لیکن کسی فرعون کی طرح اکڑی ہوئی ٹیکسی ڈرائیور کی گردن بالکل سیدھی نہیں ہوئی۔ وہ رضوان پر ایک نگاہِ غلط انداز ڈالے بغیر گزر گیا۔
وہ کار اب بہت دُور جا کر نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔
میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور رضوان کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔ اب اگر اسے کوئی ٹیکسی مل بھی جاتی تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ وہ کار اب اتنی دُور نکل چکی تھی کہ اسے پکڑنا محال تھا۔ اس بات کو رضوان نے بھی محسوس کر لیا ہو گا، اسی لئے اس نے واپس آ کر مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے اسے واپس کیوں بلا لیا۔
سلونی کے گرد وہ بھیڑ اب بھی نظر آ رہی تھی اور اسے دیکھ کر چوراہے کا ڈیوٹی کانسٹبل بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔
میں اس بھیڑ میں داخل نہیں ہو سکتی تھی لیکن رضوان لوگوں کو چیرتا ہوا اندر گھستا چلا گیا۔ پھر اس نے واپس آ کر مجھے بتایا کہ سلونی کی ٹانگ میں موچ آ گئی ہے۔
"اب لوگ ڈیوٹی کانسٹبل سے کہہ رہے ہیں کہ وہ ایک ٹیکسی روک دے جس میں سلونی کو ہاسپٹل بھیج دیا جائے۔" رضوان نے بتایا۔
"وہ شوفر کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔
"وہ بھی اسی بھیڑ میں ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ بھی، پہلے سے سلونی کا واقفکار نہیں ہے۔ ممکن ہے سلونی نے اسے وہ بیگ دیکر کہہ دیا ہو کہ وہ اسے سڑک پار کھڑی ہوئی گاڑی تک پہنچا دے۔"

"ہوں" میں سر ہلانے لگی۔

ہم دونوں فٹ پاتھ پر ایک طرف کھڑے ہوئے بہت دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے لیکن اگر ہماری آواز کچھ تیز ہو جاتی تو بھی کوئی سننے والا نہ ہوتا۔ سب کی توجہ تو صرف اس بھیڑ کی طرف تھی۔

"آؤ چلیں" میں بدستور دھیمی آواز میں رضوان سے بولی اور واپسی کے لئے قدم اٹھانے لگی۔

"کچھ تو بتایئے خاتون کہ یہ معاملہ کیا ہے؟" رضوان منہ بنا کر بولا۔

"یہ نرس ڈاکٹر فونگ کی تنظیم کا ایک پرزہ ہے۔"

"ارے!" رضوان اچھل پڑا۔

"کل اس نے میرے تکیے کے نیچے سے وہ کاغذات نکالنے کی کوشش کی تھی۔"

"مائی گاڈ!" رضوان اپنا سر سہلانے لگا "یہ فونگ کی تنظیم کے آدمی کہاں کہاں موجود ہیں!"

"ایسی تنظیمیں ہر جگہ اپنا ایک آدھ مہرا فٹ کئے رہتی ہیں۔" رضوان سوچ میں پڑ گیا اور پھر بڑبڑانے والے انداز میں بولا "بیگ میں کیا چیز ہو سکتی ہے؟"

"تم اس کار کے مالک کا پتہ لگاؤ!"

"وہ کس طرح؟"

"میں نے اس کار کا نمبر ذہن نشین کر لیا تھا۔"

"اوہ!"

میں نے اسے نمبر بتایا اور پھر بولی "یہ کام جلد از جلد کر ڈالو۔"

"آپ مجھے کہاں ملیں گی؟"

"میں اب گھر ہی جا رہی ہوں۔ میرے زخموں میں تکلیف ہونے لگی ہے۔"

"قدرتی بات ہے۔ اتنی بھاگ دوڑ جو ہو گئی۔ اچھا تو پھر میں یہیں سے ٹیکسی کئے لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔"

رضوان سڑک پر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا اور پھر میں اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ اپنی کار تک پہنچتے پہنچتے میری پنڈلی کا زخم خاصا تکلیف دہ ہو چکا تھا۔

میں کار میں بیٹھ کر سیدھی گھر پہنچی اور خوابگاہ میں جا کر بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ اس مختصر سی مہم نے مجھے بہت بری طرح تھکا دیا تھا۔ میں کوئی آدھے گھنٹے تک آنکھیں بند کئے، بستر پر لیٹی رہی تو زخموں کی تکلیف ختم ہوئی۔

مزید نصف گھنٹہ بھی میں نے لیٹے لیٹے گزار ا[...]

ارادہ کر ہی رہی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو!" میں ماؤتھ پیس میں بولی۔

"میں رضوان بول رہا ہوں۔ یہ بتانے کے لئے [...] کہ میں اب شام تک مصروف ہوں۔ ہوا یہ کہ بس ایک خیال سے دفتر آ گیا تھا۔ یہاں آ کر ایک کام میں ا[...] شام تک نجات نہیں مل سکے گی۔"

"اس کام کا کیا رہا؟" میں نے بے صبری سے [...]

"وہ کار ابھی پچھلے ہی ماہ کسی شیر بہادر کے [...] ہے یہ مجھے بڑی آسانی سے معلوم ہو گیا تھا۔"

"شیر بہادر کا پتہ بھی معلوم کیا؟"

"ہاں! لکھ لیجئے۔"

"ایک منٹ!" میں نے کہہ کر سائیڈ ٹیبل [...] اس میں سے پیڈ اور پنسل نکالی، پھر ماؤتھ پیس [...] بتاؤ!"

رضوان نے سوسائٹی کا ایک پتہ بتایا جو مں[...]

"اور کچھ؟" رضوان بولا۔

"تم نے شیر بہادر کے بارے میں کچھ معلوما[...]

"کیا میں نے آپ کو اتنی دیر بعد فون کیا [...]

"کیا مطلب؟"

"کسی شخص کے بارے میں معلومات حاصل کر[...] ہی وقت لگتا ہے؟"

"یہ بات تم سیدھی طرح نہیں کہہ سکتے تھے؟"

"اچھا خدا حافظ۔" رضوان نے جلدی سے [...] کر دیا۔

میں ریسیور رکھ کر شیر بہادر کے بارے میں سو[...] تو خاصا بارعب تھا۔ شخصیت نہ جانے کیسی ہو۔ دیکھا [...] کی تنظیم سے اس آدمی کا کیا تعلق ہے اور سلونی نے ا[...] کیا چیز پہنچائی ہے۔

دوپہر کا کھانا کھا کر میں الماس کے گھر جانے [...] رہی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی خالہ کا [...] کروں گی۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ ایک مرتبہ اسے فو[...] میں نے ریسیور اٹھایا اور اتنی احتیاط سے نمبر گھما[...] ہو کہ ڈائلنگ کی آواز الماس کی خالہ نہ سن لے۔

دوسری طرف گھنٹی بجی اور پھر کسی نے ریسی[...]

"ہیلو!" بڑی مری ہوئی سی آواز سنائی د[...]

میں چونک پڑی کیونکہ وہ آواز الماس ہی کی [...]

[...]ما نے حیرت سے کہا۔ [...] ایسا سناٹا چھا گیا جیسے سننے والے کو ذہنی جھٹکے سے [...]

[...]ما نے گویا پکارا۔

الماس کی آواز کانپ رہی تھی۔

[...]ہی ہوں تم خیریت سے تو ہو؟"

[...]آپ زندہ ہیں؟"

[...] زندہ ہوں بلکہ اپنے دشمن کو کیفر کردار تک پہنچا[...]نے کے لئے بے چین ہوں۔ تمہاری طبیعت تو [...]انے سے یوں معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے برسوں کی [...]

[...]ر قید کر رکھا ہے۔" وہ روہانسی آواز میں بولی۔ [...]ہیں نہیں نکلنے دیتیں۔ اس وقت تو بس اتفاق [...]نے کا موقع مل گیا ہے۔ وہ باتھ روم میں ہیں [...]می۔" الماس جلدی جلدی بولنے لگی۔ "مجھے [...] کرتی ہیں۔ لیکن میں ٹیلیفون پر زیادہ دیر تک [...] لیتے ہی آپ سے ملاقات کرنے کی کوشش [...] آئے گا نہیں نہیں چاہتی کہ خالہ آپ سے [...]ملیں۔"

[...]ہی، الماس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور میں [...] الجھ کر رہ گئی۔

[...]ما جیسے الماس کا معاملہ خاصا گمبھیر ہو گیا ہو۔ [...]زاری ہو گئی تھی لیکن اس نے مجھے اپنے [...] موقع نکال کر خود ہی میرے پاس آتی، [...]ار رکھا تھا کہ وہ کیونکر آ سکے گی۔ بقول اس کی [...] قید کر رکھا تھا۔

[...] گھر دیا اور سوچتی رہی کہ مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔ [...]ن تو گھر میں نہیں گزارا جا سکتا تھا اور میں [...]س کی عدم موجودگی میں آئے اور مایوس ہو کر [...]

[...] الماس کی [...] کے گھر ٹیلیفون کیا۔ امکان [...] ریسیور اٹھانے کا موقع مل جاتا اور میں اس [...]

[...] آ سکے گی۔"

[...] اور ریسیور اٹھایا گیا۔

[...]ال دی۔

[...] منقطع کر دیا کیونکہ وہ آواز الماس کی [...]

میں نے ریسیور [...] نہیں اٹھایا تھا کہ گھنٹی بجی۔ میں نے پھر ریسیور اٹھا لیا اور اسے کان سے لگا کر بولی۔ "ہیلو!"

"مجھے صبیحہ بانو سے بات کرنا ہے۔" ایک مردانہ آواز سنائی دی جسے میں فوراً پہچاننے سے قاصر رہی۔

"میں بول رہی ہوں۔ آپ کون صاحب ہیں؟"

"آپ کا خادم۔"

اس مرتبہ میں آواز پہچان گئی اور چونک پڑی۔

"کامران!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"پہچاننے کا شکریہ۔"

"ہوں۔" میں نے ہونٹ بھینچ لئے اور میری پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ مجھے کامران سے اس دیدہ دلیری کی توقع نہ تھی کہ وہ خود ہی مجھے [...] کرے گا۔

"میں ابھی ابھی اپنے گھر پہنچا ہوں۔" کامران بولا۔ "مجھے اپنے پڑوسیوں سے پتہ چلا ہے کہ کوئی صاحبہ یہاں میرے بارے میں پوچھتی پھر رہی تھیں۔ پوچھ گچھ کرنے والی کی وضع قطع سے مجھے شبہ گزرا کہ وہ آپ ہی ہو سکتی ہیں۔ کیا میرا خیال درست ہے؟"

"سو فیصد درست۔" میں نے اور بھی ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"فرمایئے! کیسے زحمت کی تھی؟"

"میں اپنے اس خیال کی تصدیق کرنے گئی تھی کہ تم روپوش ہو گئے ہو گے۔"

"کیوں؟" کامران نے حیرت ظاہر کی۔ "میں کیوں روپوش ہوتا؟"

"ہاں!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "شاید تمہیں ہی روپوش ہونا چاہئے تھا۔"

"وہ کیوں؟ معاف کیجئے گا بانو۔ آپ کی بے تکی بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی ہیں۔"

یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ کامران میرا مضحکہ اڑانے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے جھنجھلا کر ریسیور، کریڈل پر پٹخ دیا۔ کامران کے تمسخرانہ انداز نے مجھے مشتعل کر دیا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ کامران کو اسی وقت سبق ملنا چاہئے۔ میرا کولہا اور پنڈلی زخمی سہی لیکن کامران جیسے لونڈوں کو تو میں اس حالت میں بھی سنبھال سکتی ہوں۔

میں نے فریدہ کو بلایا اور اس سے کہا۔ "میں ایک ضروری کام سے جا رہی ہوں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپسی ہو جائے گی۔ اگر میری عدم موجودگی میں الماس آئے تو اسے واپس مت جانے دینا۔ اس سے کہنا کہ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر میرا انتظار کرے۔"

"بہتر ہے۔" فریدہ نے کہا اور پھر دبی زبان سے بولی۔ "لیکن زیادہ مناسب ہوتا اگر آپ دو ایک روز تک زیادہ حرکت نہ کریں۔"

میں نے ہنس کر اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "اپاہجوں کی سی زندگی گزارنا میرے بس کی بات نہیں۔"

پھر میں دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میری گاڑی پورچ ہی میں کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اُس کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔

کامران نے اپنے گھر سے فون کیا تھا لہٰذا میں تیزی سے اُسی طرف اُڑی چلی جا رہی تھی۔ میں کامران کو اس حالت میں پہنچا کر واپس آنا چاہتی تھی کہ وہ دو تین روز تک اسپتال میں پڑا رہے۔

میں نے اُس کے گھر کے سامنے گاڑی روکی۔ اُس وقت دو بج رہے تھے۔ جلتی ہوئی دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے گاڑی مقفل کی اور کامران کے گھر کی طرف بڑھی۔

دروازہ مقفل نہیں تھا۔ میں نے دستک دی اور انتظار کرنے لگی۔ جلد ہی اندر سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ کامران میرے سامنے کھڑا تھا۔

"اوہ! آپ!" اس کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ "تشریف لائیے! چشمِ ما روشن، دلِ ما شاد۔" اُس نے ایک طرف ہٹ کر مجھے اندر آنے کی دعوت دی۔

میں ہونٹ بھینچے ہوئے اندر داخل ہو گئی اور کامران نے دروازہ بند کر لیا۔

"ادھر اس صوفے پر تشریف لائیے!" کامران نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"کیا تمہیں کسی سے ملنے کا بھی سلیقہ نہیں آتا؟" میں بولی۔

"کیا مطلب؟"

"ملاقات ہونے پر مصافحہ کیا جاتا ہے۔" میں نے بڑی زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ایک لمحے کے لئے کامران کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دکھائی دیئے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ مسکرا پڑا۔ اُس نے مصافحے کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی بداخلاقی کی معافی چاہتا ہوں۔"

اب میں نے بھی ہاتھ بڑھایا۔ دونوں ہاتھ ملے اور یکلخت میں نے اُس کے ہاتھ کو جھٹکا دے کر جوڈو کا ایک ایسا داؤ مارا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اُس کا جسم فضا میں اُچھل کر قلابازی کھاتا ہوا بڑی زور سے فرش پر گرا تھا اور اُس وقت اُس کے منہ سے دوسری چیخ نکلی تھی۔

"ویری... ویری... ویری..." کسی نے تالی بجاتے ہوئے کہا اور میں چونک پڑی۔

اندرونی کمرے کے دروازے پر ایک ادھیڑ عمر غیر ملکی کھڑا ہوا تھا اور اُس کی تحسین آمیز نگاہیں میری ہی طرف تھیں۔

"بلاشبہ تم ایک حیرت انگیز عورت ہو!" وہ انگریزی میں بولا لیکن اُس کا لہجہ انگریزوں جیسا نہیں تھا بلکہ امریکیوں کا سا تھا۔

"تم کون ہو؟" میں اُسے گھورتی ہوئی
"میرا اصل نام تو دو چار ہی آدمی جا
میں مجھے مسٹر فوکس کہا جاتا ہے۔"
میں اُسے گھورتی رہی۔ اُس کی آنکھوں سے
عیاری جھانک رہی تھی۔ وہ سچ مچ کسی لومڑ
معلوم ہوتا تھا۔
اُس کا جائزہ لینے کے بعد میں نے کامر
دیکھا جو فرش سے اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا
کو ایسے جھٹکے لگے تھے کہ وہ فرش سے اُٹھ
رہا تھا اور یہ بات اُس کے چہرے سے
عیار فوکس مجھ سے مخاطب ہوا۔ "تم
کو خاصی زبردست چوٹیں پہنچا دی ہیں۔"
"میں اُسے کئی روز تک اسپتال میں
میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "اس نے ٹیلیفون پر
گفتگو کی تھی۔"
"اس کا قصور وار تو دراصل میں ہوں
ہی اس سے ایسی گفتگو کروائی تھی کہ تم مشتعل
چلی آؤ۔"
"کیوں؟" میں نے اُسے تیکھی نظروں
ہو کر تم مجھے دھوکہ دے کر مار دو گے۔"
"تمہیں مارنا میرا مقصد ہرگز نہیں
سنجیدگی سے کہا۔ "فونگ تو بے وقوف تھا کہ ا
کی۔ کامران! تم ایک طرف بیٹھ جاؤ۔"
میں نے دیکھا کہ کامران ایک صوفے پر
کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ فوکس
صوفے پر بیٹھ گیا لیکن اُس کی نگاہیں میری
اُس کی آنکھوں سے شدید نفرت جھانک ر
"بیٹھ جاؤ صفیہ بیگم!" اُس نے ا
کی ریڑھ مارتے ہوئے کہا۔ "میں نے کہا تم
گفتگو کرنا ہے۔"
"پرواہ مت کرو۔ میں کھڑے کھڑے
کر سکتی ہوں۔"
"تمہاری مرضی!" فوکس نے لاپرواہی
میں اس لئے کھڑی رہنا چاہتی تھی کہ
کرنے کے لئے خود کو تیار رکھ سکوں۔ میں نوکر
تھی۔ اُس نے کہا تو یہی تھا کہ وہ مجھ سے گف
یہ دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔ وہ بڑے ٹھنڈے

طرناک ثابت ہوتے ہیں۔
ایک کیلنڈر کی طرف دیکھتا ہوا کسی گہری
ں خاموشی سے اُس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔
رہا تھا کہ فوکس کیا مسئلہ چھیڑنا چاہتا تھا۔
قدرے توقف سے بولا۔ "سب سے پہلے
مجھے فونگ کی جگہ کام کرنا ہے۔ گویا تمہارے
ملک کا سب سے طاقت ور آدمی ہوں۔ تمہیں
طاقت کا اندازہ تو ہو ہی چکا ہوگا۔"
کھینچے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں تمہاری تنظیم
سے اچھی طرح نپٹ چکی ہوں۔"
ناکامیوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتی ہو لیکن میں
کی طرح میرا ذہن کبھی بھی جھلاہٹ کا شکار
ذہنوں کو اکثر مار کھانا پڑتی ہے۔ میں نے
اُن کے ساتھ پہلے معاملے میں ہاتھ ڈالا اور

ہاں واقعی بہت بڑی کامیابی ہے۔"
میرا اشارہ اُن کاغذات کی طرف ہے
لے گئے۔ غالباً اب تک تمہیں علم ہو چکا ہوگا کہ

الجھنے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر فوکس!
بات مجھے اُس وقت بھی معلوم تھی جب
زخمیوں کے حوالے کر رہی تھی۔"
سے دیکھنے لگا۔ "پھر تم نے وہ کاغذات کیوں

حالت کو سمجھ نہیں سکی تھی۔ غالباً وہ تم لوگوں کے
کو سمجھنے سے قاصر رہی تھی لہٰذا ایسے بیکار
اسپتال میں کوئی ہنگامہ کھڑا کر کے مریضوں
ہی تھی۔"
غور سے دیکھنے لگا۔ شاید وہ میرے چہرے سے
اندازہ کرنا چاہتا تھا۔ آخر اُس کے ہونٹوں
پھیل گئی اور وہ بولا۔ "مجھے تمہاری حیرت انگیز
صرف رپورٹیں ملی تھیں، اب تمہاری ذہانت
گئی ہے۔ تم واقعی ایک ایسی شخصیت ہو جسے
فونگ بے وقوف تھا جس نے تمہیں ضائع

مجھے ہو مسٹر فوکس!"
تم اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر رہی ہو۔"

"وہ کیسے؟"

"معاف کرنا، تمہارا ملک اس قابل نہیں ہے کہ ذہین لوگ اس کی تعمیر میں حصہ لیں۔ یہاں ذہین لوگوں کو پیچھے کر دیا جاتا ہے اور ابن الوقت قسم کے لوگ مزے کرتے ہیں۔ تعلیم کے فقدان کی وجہ سے عوام بھی اچھے اور بُرے لوگوں کی تمیز کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ نہ تو اپنے ووٹ کا صحیح استعمال جانتے ہیں اور نہ اپنے حقوق کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ایسی فضا میں ذہین لوگ بے بس ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنی ذہانت کو اُن لوگوں کے لئے وقف کر دیں جو ذہانت کی قدر کرنا جانتے ہیں۔"

بات کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی تھی۔ میری پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں اور میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "کھل کر بات کرو مسٹر فوکس!"

"میری حکومت ہر قیمت پر تمہاری صلاحیتوں سے بہرہ ور ہونا چاہتی ہے۔" فوکس نے صاف صاف کہہ دیا۔

"گویا تم لوگ مجھے خریدنا چاہتے ہو؟" میں نے تلخی سے کہا۔

"تمہیں نہیں، تمہاری ذہانت کو۔" فوکس نے جواب دیا۔

"اور نہ تو ذہانت خریدنا بُری بات ہے، نہ ذہانت بیچنا کوئی بُرا فعل... یہ کاروبار دنیا کے ہر گوشے میں ہر شخص کرتا ہے۔ جس دن یہ کاروبار بند ہو گیا، اُس دن ارتقا کے عظیم ایوان ڈھیر ہو جائیں گے، خاک میں مل جائیں گے۔"

"تم لوگ میری ذہانت کی کیا قیمت لگا سکتے ہو؟" میرے لہجے میں تلخی برقرار رہی۔

"بعض ذہانتیں انمول ہوتی ہیں صفیہ بیگم!" فوکس بولا۔

"تمہاری ذہانت کا شمار بھی ہم اُنہی ذہانتوں میں کرتے ہیں۔"

"لہٰذا مفت خریدنا چاہتے ہو؟" میں ہنس پڑی۔

"نہیں۔" فوکس نے کہا۔ "اس سلسلے میں تم جو قیمت مقرر کرو گی وہ ہمیں منظور ہوگی۔"

"دس ملین ڈالر کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہمیں منظور ہے۔" فوکس نے بلا تاخیر جواب دیا۔

میں نے تمسخر اُڑانے کے لئے ایک بات کی تھی اور مجھے اُس جواب کی توقع نہیں تھی۔ میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر فوکس کو دیکھنے لگی۔

"میرے جواب میں کوئی اشتباہ نہیں ہے صفیہ بیگم!" فوکس پھر بولا۔ "میری حکومت تمہارے لئے اس سے بھی زیادہ خرچ کر سکتی ہے۔"

اُس وقت میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال اُبھرا۔

"خوب!" میں آہستہ سے بولی۔ "یہ رقم میرے اکاؤنٹ میں کب جمع ہوگی؟"

"جب تم ہم میں شامل ہو جاؤ گی۔"

"اگر میں اسی وقت اپنی شمولیت کا اعلان کر دوں تو کیا تم اعتبار کر لو گے؟"

"نہیں" فوکس نے بڑی صاف گوئی سے جواب دیا۔ "صرف کہہ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔"
"پھر؟"
"تمہیں اس کا ثبوت دینا ہوگا۔"
"وہ کیسے؟"
"ہم تم سے دو ایک کام لیں گے۔ اگر تم نے وہ کر دیے تو ہمیں یقین آ جائے گا کہ تمہاری نیت ٹھیک ہے۔"
"دس ملین ڈالر" میں اس طرح بڑبڑائی جیسے میری رال ٹپکی پڑ رہی ہو۔
فوکس بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔
"لیکن" میں جیسے کوئی بہت دور کی بات سوچ کر بولی۔ "مجھ سے دو ایک کام کروا لینے کے بعد تم لوگ مجھے نظر انداز بھی تو کر سکتے ہو۔"
"یہ ناممکن ہے۔ کام کے آدمیوں کو ہم کسی بھی قیمت پر نظر انداز نہیں کرتے" فوکس نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ "اگر ہم ایسا کریں تو ساری دنیا میں ہماری کارکردگی وہ نہیں رہے گی جو ہے۔"
"ہوں" میں اپنے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی جیسے تذبذب کا شکار ہو گئی ہوں۔
دس ملین ڈالر ایک ایسی ہی رقم ہے کہ آدمی لڑکھڑا سکتا ہے لیکن کیا میں بھی لڑکھڑا سکتی ہوں؟ جو لوگ مجھے قریب سے جانتے ہیں وہ اس بات کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں۔
دراصل میں یہ سوچ رہی تھی کہ اگر ان لوگوں کے ساتھ مل کر انہیں کوئی گہرا چرکا لگایا جائے تو خاصی مزیداری کی بات رہے گی لیکن یہ قطعی مناسب نہ ہوتا کہ میں فوراً ہی اپنی آمادگی ظاہر کر دیتی۔
"دس ملین ڈالر کم نہیں ہوتے مِنیبہ تبنو!" فوکس نے مجھے اکسانے کی کوشش کی۔
"کیا تم سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم ہو سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"یقیناً ہو سکتا ہے۔"
"مجھے فون نمبر دے دو۔ میں آج شام کو یا کل صبح تم سے بات کروں گی۔"
فوکس نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر ایک نمبر بتا دیا۔ میں نے ان نمبروں کو ذہنی طور پر دو مرتبہ دہرایا اور پھر مطمئن انداز میں سر ہلا کر بولی۔
"ٹھیک ہے۔ بہت جلد ہم اس موضوع پر کوئی فیصلہ کن گفتگو کریں گے۔"
فوکس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی جسے میں کسی قسم کے معنی نہیں پہنا سکی۔ پتہ نہیں وہ اپنی نیم کامیابی پر خوش تھا یا یہ محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں اسے بے وقوف بنا رہی ہوں۔

اس گفتگو کے دوران میں کامران بالکل...
میں نے آخری مرتبہ اسے خشمگیں نظروں سے دیکھا
بولی۔ "میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"
"کیا مطلب؟"
"کیا میں اس پیشکش کو قبول کر لوں گی!"
"میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا
ہوں کہ ہر ذہین آدمی اپنی زندگی کے لیے اپنے
ہی فیصلہ کرتا ہے۔"
"اچھی بات ہے۔ میرا بہتر فیصلہ تمہیں کل...
گا۔ اب میں چلتی ہوں۔"
اس گفتگو کے دوران میں نہ تو میں...
اور نہ فوکس اپنی جگہ سے ہلا تھا لیکن اب وہ مسکرا...
مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔ "کیا م...
مجھ پر جوڈو کا داؤ نہیں آزماؤ گی!"
"اوہ!" میں ہنس پڑی۔
ہم دونوں نے مصافحہ کیا اور ایک عجیب...
اپنے اختتام کو پہنچی۔ خود میں بھی حتمی طور پر یہ...
سے کس نے کس کو بے وقوف بنایا تھا اور
کہیں ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے...
کھیل رہے تھے؟
اگر اس سوال کا جواب اثبات میں تھا...
سوال پیدا ہو جائے گا۔ میں اس سے کھیلنے...
یقیناً اس کا ایک مقصد تھا لیکن اگر وہ بھی مجھ...
اس کا کیا مقصد ہوگا؟
واپس اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے...
شکار رہی۔ عیار و مکار فوکس سے میں اس با...
تھی کہ وہ اتنی آسانی سے بے وقوف بن جا...
یہ سب باتیں ایسی تھیں جو سارے د...
رہتیں لیکن گھر پہنچتے ہی میرا ذہن ان سب با...
کیونکہ وہاں الماس میری منتظر تھی۔
میں نے اسے دیکھا تو مجھے بڑا...
کی طرح نظر آ رہی تھی جو جلتی ہوئی دھوپ...
کے نیچے سیاہی آ گئی تھی اور گالوں کی شفق...
بات بڑی عجیب سی تھی کہ صرف دو دن میں...
"الماس!" میں حیرت سے اس کی طرف...
وہ مجھے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی تھی اور...
طرح کپکپا رہے تھے جیسے کسی بھی لمحے رو...

...نہیں۔ پھر وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر میری طرف بڑھی
...گئی۔ آنسوؤں کو راستہ ملا اور ہچکیوں کا طوفان
...عمر ان رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔
"الماس!... آخر بات کیا ہے؟" میں اس کی
...تھی۔
"میں... میں..." اس کے الفاظ ہچکیوں میں
...محسوس کیا کہ جب تک اس کی حالت نہ سنبھل جائے
...بات نہیں کر سکے گی۔ میں نے فریدہ کو آواز دی اور اس
...لانے کے لیے کہا۔ الماس مجھ سے لپٹی ہوئی روتی رہی
...اس کی پیٹھ تھپکتی رہی۔ میں نے زبان سے
...کہا۔ یہ اچھا ہی تھا کہ اس کے دل کی بھڑاس
...پانی لے آئی۔ میں الماس کو اپنے سہارے سے
...اٹھی اور اسے بٹھا کر فریدہ کے ہاتھ سے پانی کا
...میں نے الماس کے منہ سے لگا دیا۔
...دو تین گھونٹ لے سکی اور پھر اس نے اپنا سر
...میں نے پانی کا گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھا اور فریدہ
...اور میں الماس کے سر میں انگلیاں پھیرنے لگی۔
...آنسوؤں کا زور ٹوٹ گیا تھا لیکن ابھی وہ خاموش
...جھک کر اس کے سر کو پیار کرنے لگی۔ "کچھ بتاؤ
...ہے۔ کیا تمہاری خالہ نے تمہارے ساتھ بہت
"بس... وہ... کامران" اس کا سر میری گود سے
...زبان پر بل پڑ گئے۔ "کیا اس نے کوئی زیادتی
...آواز حلق سے پھنس کر نکلی۔
...تیزی سے پوچھا۔
...اس کی ہچکیاں اور آنسو تیز ہوتے لگے لیکن
...ابل گئی۔ روتے دھوتے ہوئے اس نے کسی نہ
...ڈالی اور وہ سب کچھ سن کر میرا خون کھولنے لگا۔
...کے مطابق ہوا یوں تھا کہ مجھے فونگ کے حوالے
...الماس ریسٹورنٹ میں پہنچا تھا جہاں اس نے
...دی تھی۔ میں نے کامران کے گھر جانے
سے پہلے الماس کو صورت حال سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا... کامران کی محبت میں اندھی ہونے کی وجہ سے میری باتوں پر یقین نہیں کر سکی تھی لیکن اس کے ذہن پر شبہات کا سایہ ضرور پڑنے لگا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ریسٹورنٹ جاتے ہوئے اس نے شبانہ کو اپنے ساتھ نہیں لیا تھا۔ کامران سے ملاقات ہونے پر اس نے یہ بہانہ کر دیا کہ شبانہ کی طبیعت اچانک کچھ خراب ہو گئی تھی اس لئے وہ نہیں آ سکی۔
ادھر کامران نے بھی اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ میں بھی وہاں نہیں پہنچ سکی تھی۔ اس کی اس بات پر الماس کو میرا بیان کچھ درست معلوم ہونے لگا۔ اس نے یونہی جیسے روا روی میں یہ خیال ظاہر کیا کہ میں غلط فہمی میں پڑ کر کامران کے گھر نہ پہنچ گئی ہوں۔ کامران نے اس غلط فہمی کو مضحکہ خیز قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ ناممکن ہے لیکن الماس بضد ہو گئی کہ گھر چل کر دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ طوعاً و کرہاً کامران کو ریسٹورنٹ سے اٹھنا ہی پڑا اور الماس اس کے ساتھ اس کے گھر پہنچی۔ وہاں الماس کو فضا میں اس سینٹ کی خوشبو محسوس ہوئی جو میں اس زمانے میں بڑے شوق سے لگایا کرتی تھی۔ وہ خوشبو سونگھ کر الماس کو میرے بیان کی درستگی پر سو فیصد یقین ہو گیا اور اس نے کامران کو گھورتے ہوئے بڑے مضبوط لہجے میں کہا کہ بانو یہاں ضرور آئی تھیں۔ الماس کے تیور دیکھ کر کامران ذرا دیر کے لئے گنگ ہو گیا اور اس کی یہی خاموشی الماس کو چراغ پا کرنے کا سبب بنی۔ اسے میرے بیان کا یقین آ گیا اور اس نے کامران کو پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔ اس نے واشگاف الفاظ میں کامران پر یہ الزام لگا دیا کہ وہ میرا قاتل ہے۔ اس نے کامران کو یہ دھمکی بھی دی کہ وہ پولیس کو ان حالات سے آگاہ کر دے گی۔ اس کی یہی دھمکی اس کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی۔ کامران نے اسے بہت بری طرح زدوکوب کیا اور جب وہ نڈھال ہو گئی تو اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ الماس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ کامران کو اس کے سنگین ارادے سے باز رکھ سکتی۔ کامران نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ کہیں کی نہ رہی۔ آدھی رات گزرنے کے بعد کامران نے اسے واپس خالہ کے گھر جانے کی اجازت دی اور اسے باور کرایا کہ اب صرف وہی اس سے شادی کر سکتا ہے لہٰذا اسے گرفتار کرانے کی کوشش انتہائی احمقانہ بات ہوگی۔ الماس جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی۔ اس میں بولنے کی سکت ہی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ بس روتی رہی اور کامران اسے اسی حالت میں ایک ٹیکسی میں بٹھا کر اس کے گھر چھوڑ آیا۔ خالہ نے جو اس کی یہ حالت دیکھی تو اپنا سر پیٹ لیا اور الماس کو بتانا پڑا کہ اس پر کیا گزر چکی ہے۔ اگر وہ نہ بتاتی تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ دوسری صبح کامران نے خود فون پر الماس کی خالہ کو بتا دیا کہ وہ گذشتہ رات الماس کے ساتھ کیا سلوک کر چکا ہے۔ اس نے الماس کی خالہ کو یہ تنبیہ بھی کی کہ اب جلد از جلد اس کی اور الماس کی شادی ہو جانا چاہئے۔ الماس کی خالہ

نے اسے بُرا بھلا کہہ کر فون بند کر دیا اور الماس پر یہ پابندی لگا دی کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکلے گی۔

الماس نے مجھے مزید بتایا کہ کل کسی وقت راولپنڈی میں اُس کے والد کو خالہ کا خط مل جائے گا جس میں لکھا گیا تھا کہ وہ فوراً کراچی آکر اپنی بیٹی کو لیجائیں۔

اپنی یہ دردبیتی سُنانے کے بعد بھی الماس اپنا سر میری گود میں رکھے رہی تھی لیکن اس کی ہچکیاں اب بند ہو چکی تھیں۔ میں نے اسے اپنی گود میں سے اُٹھا کر تھوڑا سا پانی اور پلایا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے دُھل گیا تھا۔ میں نے اسے اپنے رومال سے صاف کیا۔ الماس کی آنکھیں اب اور زیادہ ویران نظر آنے لگی تھیں۔

"الماس!" میں نے پیار سے کہا "میں کامران سے تمہاری دوشیزگی تو واپس نہیں دلا سکتی لیکن میں اسے تمہارے قدموں میں لا کر اس طرح پٹخوں گی کہ وہ تم سے رحم کی بھیک مانگنے لگے۔"

"اب ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا بانو!" وہ کھوکھلی سی آواز میں بولی "جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ یہ میری حماقت تھی کہ میں نے آپ کی باتوں پر کان نہیں دھرے۔ اب مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑے گا مجھے تو بس اس بات کی خوشی ہے کہ آپ زندہ ہیں۔"

"میں نے اس مرتبہ اپنے دشمن کو بہت بُری طرح شکست دی ہے۔"

الماس نے اس فتح یا شکست میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور میں بھی اسے ساری تفصیلات بتانے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"شبانہ کہاں ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"وہ خالہ کے رویے سے عاجز ہو کر پرسوں شام ہی کو چلی گئی تھی۔"

"کہاں؟"

"کراچی میں اس کے بہت دوست ہیں۔ کسی کے یہاں بھی چلی گئی ہو گی۔ مجھے بتا کر نہیں گئی۔"

اس وقت تم اپنی خالہ کے گھر سے نکل کیسے آئیں؟"

"کیوں!"

"تم نے فون پر بتایا تھا کہ انہوں نے تمہیں قید کر رکھا ہے۔"

"اس سے میری مراد یہ تھی کہ انہوں نے مجھے گھر کے باہر نکلنے اور کسی کو فون کرنے سے روک دیا تھا۔ ایسی بات نہیں تھی کہ انہوں نے مجھے کسی کمرے میں بند کر کے مقفل کر دیا ہو۔"

"ہوں۔" میں نے سر ہلایا اور پھر بولی "تو تم اس وقت چپکے سے نکل آئی ہو؟"

"ہاں۔" الماس نے جواب دیا "بس ایک چھوٹا سا پرچہ چھوڑ آئی ہوں خالہ کے نام! میں نے اس میں لکھ دیا ہے کہ میں پنڈی جا رہی ہوں۔"

"کیا مطلب!"

"میں اب واپس خالہ کے یہاں نہیں جاؤں گی۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ ہر وقت ان کی جلی کٹی سنتی رہوں۔"

میں غور سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس
سے کہہ دی تھی لیکن اس کا لہجہ بڑا مستحکم تھا۔

"تو پھر اب میرے ساتھ رہو گی؟" میں

"یہ بھی میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ مجھے
گا۔ آپ مجھ پر بس اتنا کرم کر دیں کہ مجھے ہوائی جہا
دیں۔ اس سے پہلے کہ میرے والد پنڈی سے کراچ
میں وہاں پہنچ جانا چاہتی ہوں۔"

میں سنجیدگی سے سر ہلاتی ہوئی اس
اس میں کوئی شبہ نہیں کہ الماس کا پنڈی جانا
جو لوگ اُسے بُرا بھلا کہتے، وہی اسے کلیجے سے بھی

"گویا تم صرف آج رات میری مہمان رہو گی

"مہمان کہہ لیجئے یا ایک بے آسرا۔" الماس

"پگلی!" میں نے اس کے چہرے کو اپنے
لیتے ہوئے اس کے ہونٹ چوم لئے اور بولی "یہ
گھر ہے۔"

"شکریہ۔"

"اچھا اُٹھو، اب تم میرے کمرے میں چ
میں نے اس کا بازو پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے کہا۔

اس نے کوئی تعرض نہیں کیا اور میں
میں نے اسے بستر پر لٹایا اور خود قریب پڑی
بیٹھ گئی۔

"میں کل صبح کی پنڈی فلائٹ میں تمہارے
کرائے دیتی ہوں۔" میں نے کہا اور ٹیلیفون
کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اس ایجنسی کا مالک مجھے
میں نے اس سے ایک سیٹ کا بندوبست کر
کر دیا۔

الماس بہت نڈھال تھی۔ میں اُسے سو
کمرے سے نکل آئی اور اسٹڈی میں جا بیٹھی
کے بعد مجھے اس بات پر افسوس ہو رہا تھا کہ میں
نہیں دے سکی تھی۔ گو کہ خود مجھے بھی کامران کی
کا شکار ہونا پڑا تھا لیکن الماس کی بپتا کے سا
نہیں رہ گئی تھی۔ اب تو مجھے صرف یہ سوچنا تھا کہ
لوں۔

چار بجے رضوان آیا تو میں اسٹڈی ہی میں
اس کے لئے وہیں چائے منگائی اور پھر اس سے
"تم سیدھے دفتر سے آ رہے ہو؟"
"ہاں، کیوں؟"

یہ سنا ہے کہ شیر بہادر کے بارے میں پوچھ
... دوں۔"
اپنا غلام سمجھ رکھا ہے!" رضوان نے منہ ٹیڑھا
مجھے اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔
آنے دیں جب مجھے کہنا پڑے کہ بی بی! میں

میں بھی نہیں آ سکتی۔" میں نے چڑ کر کہا۔
... ہار آ چکی ہے۔" رضوان نے شرارت سے
"ہر مرتبہ مجھے ایک مولوی صاحب کی ہدایت
... کی ہمت میں کبھی نہیں کر سکا۔"
... کیونکہ ان مولوی صاحب کا لطیفہ میں سُن

... وان نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے
... میری ان خوشگوار باتوں پر ہنسی ہیں۔"
... ملازمہ چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی آئی اور
... کے لئے رُک گیا۔ میں نے ملازمہ ہی سے کہا
... بنا دے۔
... کو چائے بنا کر دے گئی تو رضوان نے پہلا
... مذاق ختم! میں شیر بہادر کے بارے میں
... ہوں۔ وہ ویٹ نامی ہے اور اس کا گھر

... تھا رہے ہو؟" میرا منہ بن گیا۔

... کا نام شیر بہادر؟"
... کہا کہ وہ نسلاً ویٹ نامی ہے۔"

... اس کا باپ ویٹ نام میں جا بسا تھا۔"
... سُنا کہ اپنی طرف کا کوئی آدمی ویٹ نام میں

... سُنا تو یہ آپ کے کانوں کا قصور ہے۔ اس
... ہوتی ہے اور نہ شیر بہادر یہ۔"
... کہنے لگی اور وہ بولتا رہا "مجھے جو معلومات
... آپ کے گوش گزار کر رہا ہوں۔ آپ کا دل
... رہا ہے تو نہ کیجئے۔" رضوان نے چائے کا
... بتاتا رہا "شیر بہادر کو سیاحت کا شوق ہے
... وہ تین چوتھائی دنیا گھوم چکا ہے۔ بہار
... بے انتہا دولت مند آدمی ہے لیکن یہ بات
... نہیں جانتے کہ اس کے پاس اتنی دولت کہاں

... یہاں آتے ہی اس نے ایک کار خرید لی تھی جسے دیکھ کر آج صبح سے آپ کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ اس کے سارے ملازم ویٹ نامی ہیں اور وہ سیاحت کے دوران میں ان سب کو اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ آئندہ دو چار روز میں وہ ہمارے ملک کو الوداع کہنے والا ہے لیکن یہ بات مجھے نہیں معلوم ہو سکی کہ وہ یہاں سے کہاں جائے گا۔"

"ہوں!" میں متفکرانہ انداز میں سر ہلانے لگی۔

"ہوں کا کیا مطلب ہوا؟"

"آخر فونگ کی تنظیم سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"یہ تو اس سے پوچھ کر ہی بتا سکوں گا۔ اگر کہئے تو کل اس کا انٹرویو لینے چلا جاؤں۔"

"انٹرویو!" میں بڑبڑائی اور پھر مسکرا کر بولی "یہ خیال تو بُرا نہیں ہے۔"

"لیکن چپٹے چپٹے ویٹ نامی چہرے دیکھ کر مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔"

"ایک عظیم قوم کے لوگوں کا تذکرہ تمہیں اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔"

"دیکھئے خاتون!" رضوان نے منہ بنا کر کہا "میں اس وقت اخلاقیات کی کسی کلاس میں نہیں بیٹھا ہوں لہٰذا کوئی لیکچر نہیں سنوں گا۔"

"اچھا تو پھر اب میرا ایک کام اور کر دو۔" میں نے ہنس کر کہا "شیر بہادر کا سراغ تو کار کے نمبر سے لگا تھا اب میں تمہیں ایک ٹیلیفون نمبر دینا چاہتی ہوں۔ معلوم کر دو کہ یہ کس کا ٹیلیفون نمبر ہے اور وہ کس قسم کا شخص ہے —— ویٹ نام سے آیا ہے یا برازیل سے۔"

"یہ ٹیلیفون نمبر آپ کے پاس آیا کہاں سے؟"

"کالا چور دے گیا تھا!"

"تو پھر اسی سے آپ دیگر کوائف بھی معلوم کر والیں۔" رضوان نے خشک لہجے میں کہا "آخر آپ مجھے ہر معاملے میں بے خبر رکھنے کی کوشش کیوں کرتی ہیں؟"

"ڈر لگتا ہے تم سے۔ اخباری آدمی ہو نا!"

"کیا میں نے کبھی آپ سے ملنے والی معلومات کو خبر بنا کر چھاپا ہے؟"

"نہیں چھاپا۔ مجھے اعتراف ہے لیکن ڈر لگا رہتا ہے کہ کسی وقت بہک ہی نہ جاؤ۔" میں نے کہا اور پھر ہنس کر بولی "خیر تم یہ معلومات تو حاصل کرو، پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ یہ ٹیلیفون نمبر مجھے کہاں سے ملا تھا۔"

رضوان نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر پیالی ٹرالی میں رکھ دی۔ میں نے اُسے وہ ٹیلیفون نمبر دیا جو مجھے فوکس سے ملا تھا۔ کچھ دیر بعد رضوان یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ آٹھ بجے تک مجھے فون پر رپورٹ دے گا۔

میں اسٹڈی ہی میں ایزی چیئر پر نیم دراز رہی۔ آج اتنی بھاگ دوڑ ہو گئی تھی کہ اب اپنے زخموں کو تکلیف دینا مجھے مناسب نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ میں فیصلہ کر چکی تھی کہ اب پھر گھر سے نہیں نکلوں گی۔

[illegible]

"کہاں غائب ہو تم!" میں نے جیسے رُوٹھے ہوئے انداز میں کہا۔

"اسی مصیبت میں پھنسی ہوئی ہوں۔ حضرت دماغ تو ابھی سے گلے کا ہار بن گئے ہیں۔ کسی وقت پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔"

"کسی طرح بھی پیچھا چھڑاؤ۔ میں بہت بور ہو رہی ہوں۔"

"بس کل تک کی مہلت اور دیجئے۔ آپ کے زخموں کا کیا حال ہے؟"

"خاصا بہتر حال ہے۔ کل تک میں اس قابل ضرور ہو جاؤں گی کہ تم سے محبت کر سکوں۔"

دوسری طرف غزالہ ہنس پڑی اور پھر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اب اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ میں اسٹڈی سے اٹھ کر اپنی خوابگاہ میں پہنچی۔ بتی جلائی تو دیکھا کہ الماس بے خبر سو رہی تھی۔ میں اس کے قریب گئی۔ اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے بالوں کو ہٹایا اور اس کے شہابی عارض پر محبت کی ہلکی سی مہر ثبت کی۔ وہ کسمسا کر رہ گئی لیکن اس کی آنکھ نہیں کھلی۔ غالباً وہ اِن دنوں میں بہت کم سو سکی ہو گی۔ زیادہ وقت تو خالہ کی جلی کٹی باتیں سننے میں گزرا ہو گا یا روتے ہوئے!

میں آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔ میری نظریں الماس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور میں سوچ رہی تھی کہ پتہ نہیں اس لڑکی کے مقدر میں کیا لکھا ہے۔ پہلے اُسے جاگیردار شوکت نے اغوا کیا اور کوڑوں سے نچایا۔ وہاں سے اس کو نجات دلائی گئی تو اب یہ کامران کی درندگی کا نشانہ بن گئی۔ کامران سے اس کا حساب چکانا بے حد ضروری تھا۔

ساڑھے سات بجے میں نے پھر ایک ٹیلیفون کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے رضوان بول رہا تھا۔ "ہالنوا! وہ ٹیلیفون نمبر ایک غیر ملکی فرم نے اپنے جنرل منیجر کی قیامگاہ کے لیے دو سال قبل لیا تھا۔ ان دو سالوں میں کئی جنرل منیجر بدل چکے ہیں۔ نئے جنرل منیجر کا نام فوکس ہے۔ بس فی الحال میں اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں کر سکا ہوں۔"

"بس کافی ہے۔ شکریہ رضوان!"

"اب آپ اپنا وعدہ پورا کیجئے!"

"کون سا وعدہ؟"

"یہ ٹیلیفون نمبر آپ کو کس نے دیا تھا؟"

"خود فوکس نے۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن وہ مجھ سے اپنی فرم کے جنرل منیجر کی حیثیت سے نہیں ملا تھا۔"

"پھر؟"

"ڈاکٹر فونگ کے جانشین کی حیثیت سے۔"

"مائی گاڈ!"

"بس فی الحال اب کوئی اور سوال مت کرنا۔ اچھا خدا حافظ۔" میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز اور اس کے بعد کامران سے میری گفتگو بھی الماس کو نہیں جگا سکی تھی۔

[illegible] نے فوکس کے نمبر ڈائل کر [illegible]

"ہیلو!" دوسری طرف سے ریسیور اٹھا [illegible] اور شاید فوکس ہی کی تھی لیکن میں تصدیق کے [illegible]

"مسٹر فوکس پلیز!"

"فوکس اسپیکنگ۔"

"صبیحہ بانو دس اینڈ۔"

"اوہ! [illegible] ذرا دیر کے لیے خا[illegible] کو توقع نہیں تھی کہ میں اتنی جلدی فون کروں گی[illegible]

"ہیلو!" میں بولی۔

"صبیحہ بیئو!" فوکس نے ایک طویل [illegible] تم کل صبح سے پہلے فون نہیں کرو گی۔"

"جب میں کوئی فیصلہ کر لوں تو اس پر عمل [illegible] ہو جاتی ہوں۔"

"کیا فیصلہ کیا؟"

"میں نے اس دوران میں بہت سوچا [illegible] اپنی صلاحیتوں کو غلط لوگوں پر صرف کرتی رہی ہوں[illegible]

"ویری گڈ!"

"میں تم لوگوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار [illegible]

"اگر واقعی ایسا ہے تو میں اپنے بڑوں کی [illegible] گا۔ صبیحہ بیئو کو اپنی تنظیم میں شامل کر لینا ایک [illegible] لیکن تمہیں اس بات کا ثبوت دینا ہو گا کہ تم نے [illegible] دینے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"وہ ثبوت کس طرح دیا جائے گا؟"

"وہ ایک چھوٹے موٹے کام کرنا ہوں [illegible]

"میں تیار ہوں۔ مجھے کام بتاؤ۔"

"میں ایک کام کچھ اور لوگوں کے سپرد کر [illegible]

"وہی تم مجھے سونپ دو۔"

"تم لیڈی فاروقی کو تو جانتی ہو گی!" فوکس [illegible] مجھے لہجے میں پرچھا کر سا محسوس ہوا [illegible] میں تاخیر نہیں کی۔ "ہاں میں نے یہ نام سنا ہے [illegible] اسے دیکھا بھی تھا۔ تم اسی لیڈی فاروقی کی بات [illegible] سیاست کی کھلاڑی ہے اور پنڈی میں رہتی [illegible]

"ہاں میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔ کل [illegible] پہنچ رہی ہے۔ تمہیں ایک خاص انداز میں اس [illegible]

"خاص انداز میں کیا مطلب؟"

"جب وہ ہوائی جہاز سے اترے گی [illegible] پرس ہو گا۔ اس سے پہلے کہ وہ ہوائی اڈے [illegible] تمہیں اس سے وہ پرس چھین کر غائب کر دینا [illegible]

[illegible] لمحوں سے کے خاموش رہی۔ فوکس کی یہ عجیب [illegible] [illegible] نہیں تھیں کہ فوراً جواب دیا جا سکتا۔

[illegible] "!" فوکس بول پڑا۔ "خاموش کیوں ہو گئیں؟"

"عجیب و غریب کام ہے۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

[illegible] اہم کام ہے۔ وہ پرس ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔"

[illegible] ائی اڈے پر اس سے وہ پرس میں کس طرح چھین سکوں [illegible]

[illegible] تمام تر انحصار تمہاری اپنی صلاحیت اور ذہانت پر ہے۔"

میں ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔ "وہ پرس حاصل کرنے کے بعد [illegible] گا؟"

[illegible] تم میرے ایک آدمی کے حوالے کر دو گی۔"

[illegible] آدمی کو شناخت کیسے کروں گی؟"

[illegible] وہی تمہارے قریب آ کر تمہیں اپنا نام بتائے گا۔"

[illegible] خاموش رہ گئی۔ فوکس کی باتوں سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا [illegible] تھا۔ اب تک میں یہ سمجھتی رہی تھی کہ لیڈی فاروقی ڈاکٹر [illegible] کا ایک گروہ ہے لیکن اب اگر فوکس جھوٹ نہیں بول [illegible] ان کی ابتدا نہیں تھی تو پھر یہ ثابت ہو جاتا تھا کہ [illegible] تھے۔

[illegible] آپ کا منتظر ہوں صبیحہ بیئو!" فوکس بولا۔

[illegible] میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں یہ امتحان [illegible] ہوں۔"

[illegible]

[illegible] کب ملاقات ہو گی؟"

[illegible] فائنل امتحان ہو گا۔"

[illegible]

[illegible] کل بتا سکوں گا۔"

[illegible] پھر اب میں ریسیور رکھ رہی ہوں۔ مجھے سوچنا [illegible] کس طرح کیا جائے۔ گڈ بائی!"

[illegible] ریسیور رکھ دیا اور الماس کی طرف دیکھا جو بدستور سو [illegible] چہرے پر بڑا معصوم سا تاثر بکھرا ہوا تھا۔ [illegible] باتوں پر غور کر رہی تھی اور مجھے یقین نہیں آ [illegible] اور فونگ کی تنظیم دو متضاد چیزیں ہیں۔ فوکس [illegible] ڈرامہ معلوم ہو رہی تھیں۔

[illegible] اس وقت چونکی جب فریدہ نے [illegible] دستک دی۔

[illegible] میں نے بلند آواز میں کہا۔

[illegible] اس نے مجھ سے کھانے کے لئے پوچھا۔

[illegible]

"ساڑھے نو بجے تک بھوک لگنے کا امکان ہے۔"

"بہتر ہے۔" فریدہ نے جاتے جاتے کہا اور پھر رُک کر بولی۔ "کھانا یہیں کھائیں گی یا ڈائننگ روم میں؟"

"یہیں۔" میں نے جواب دیا۔

وہ چلی گئی اور میں نے اٹھ کر کپ بورڈ سے وسکی کی بوتل نکالی۔ سوچ سوچ کر میرا ذہن اتنا بوجھل ہو گیا تھا کہ میں شراب کی ضرورت محسوس کرنے لگی تھی۔ میں نے پہلا پیگ بنایا۔ اس کے پندرہ منٹ بعد ہی دوسرا پیگ اور اس کے نصف گھنٹے بعد تیسرا۔ پھر میں نے بوتل بند کر کے کپ بورڈ میں رکھ دی اور تیسرے پیگ کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی ہوئی الماس کے قریب بستر ہی پر بیٹھ گئی۔

وہ سو رہی تھی اور اب میرا جی چاہنے لگا تھا کہ اُسے بھینچ بھینچ کر پیار کروں۔ بہت دن ہوئے جب میں نے اُسے جاگیردار شوکت کے سامنے شعلہ عریاں کی طرح دیکھا تھا، اسی وقت اُسے اپنانے کی خواہش میرے دل میں پیدا ہو گئی تھی لیکن حالات نے کبھی ایسا رُخ اختیار نہیں کیا کہ میں اُسے اپنا سکتی۔ آج بھی جب وہ پوری طرح میری دسترس میں تھی تو مجھ پر بے بسی کا عالم طاری تھا کیونکہ اور پنڈلی کے زخم میرے اور الماس کے بیچ میں ایک دیوار کی طرح حائل تھے۔

تیسرا پیگ ختم کرنے کے بعد میں نے گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور الماس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتی ہوئی سرگوشیوں میں بولی۔ "الماس جان! ... اب اٹھ جاؤ۔ بہت دیر سولی ہو۔"

الماس کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی، پلکیں ایک دوسرے سے جدا ہوئیں اور وہ نیند بھری آنکھوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"نو بج چکے ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم پانچ چھ گھنٹے سو چکی ہو۔"

الماس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کر کے انگڑائی لی تو میرے ضبط کا شیشہ چٹخ گیا۔ میں نے بے تابی سے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا اور اسے دونوں بازوؤں میں بھینچتی ہوئی بولی۔

"الماس! تم پاگل کر دینے والے شباب کی مالک ہو۔"

"شباب!" الماس تلخی سے مسکرائی۔ "اب تو سب کچھ باسی ہو چکا ہے باجی!"

"میرے لیے تم آج بھی کسی گلاب کی طرح تر و تازہ ہو۔"

دروازے پر دستک ہوئی تو میں جلدی سے الماس کو چھوڑ کر ایزی چیئر پر جا بیٹھی اور بلند آواز سے بولی۔ "آ جاؤ!"

فریدہ کمرے میں آئی اور اس نے کھانے کے لیے پوچھا۔

"لے آؤ!" میں نے اس سے کہا اور پھر الماس سے بولی۔ "تم جلدی سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لو۔"

الماس باتھ روم میں چلی گئی۔

ایجنٹ کا فون آیا اور اس نے مجھے صبح کی پنڈی فلائٹ کا وقت بتایا۔ اسی سے میں نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ صبح پنڈی سے آنے والی فلائٹ کا وقت کیا ہے۔

الماس اس دوران میں کھوئی کھوئی سی رہی۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں نے پنڈی سے آنے والی فلائٹ کا وقت کیوں معلوم کیا تھا۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا اور میں الماس کا دل بہلانے کے لیے دلچسپ قسم کی باتیں کرتی رہی۔ جب ہم بیٹھے بیٹھے تھک گئے تو لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔ الماس کافی سو چکی تھی اس لیے اسے بارہ ایک بجے سے پہلے نیند آ ہی نہیں سکتی تھی۔

میں نے ٹائم پیس میں الارم لگا دیا تاکہ صبح وقتِ مقررہ پر بیدار ہو جاؤں۔

میری وہ رات بڑی بے چینی میں گزری۔ الماس کا قرب میرے لیے ایک امتحان بن گیا تھا۔ میں اس امتحان سے گزر تو گئی لیکن اس طرح کہ مجھ پر قیامتیں گزر گئیں۔

علی الصبح بیدار ہو کر ہم نے ناشتہ کیا اور پھر میں الماس کو مرسیڈیز میں بٹھا کر ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہو گئی۔

پنڈی سے آنے والی فلائٹ کا وقت، جانے والی فلائٹ سے خاصا پہلے تھا اور میں اسی وقت کو پیشِ نظر رکھ کر گھر سے روانہ ہوئی تھی۔

راستے میں الماس سے بالکل گفتگو نہیں ہوئی کیونکہ میں اپنے حالات کی بخیہ میں الجھی ہوئی تھی۔ ذرا دیر بعد ہوائی اڈے پر جو ہنگامہ ہونے والا تھا، اس کے تمام پہلو میرے سامنے تھے اور میں ان کا جائزہ لے رہی تھی۔ ابھی میں نے اس سلسلے میں کوئی خاص لائحہ عمل مرتب نہیں کیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مرتب کر ہی نہیں سکی تھی۔ ہوائی اڈے کے ہجوم میں کسی کا پرس چھین لینا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ لے دے کر میرے ذہن میں بس یہی ایک خیال آ سکا تھا کہ لیڈی فاروق کا پرس اپنے پرس سے بدلنے کی کوشش کروں۔ اسی خیال سے میں اپنا ایک سفید پرس لے کر گھر سے چلی تھی لیکن یہ قطعی ضروری نہیں تھا کہ لیڈی فاروق کے پاس بھی اسی قسم کا پرس ہو۔

ہم ہوائی اڈے پہنچے تو ٹریول ایجنسی کا ایک نمائندہ ہمارا منتظر تھا۔ اس نے راولپنڈی کا ٹکٹ مجھے دیا اور رخصت ہو گیا۔

میرا ذہن بدستور، فوکس اور لیڈی فاروق میں الجھا ہوا تھا۔ میرے احساسات اب بھی یہی تھے کہ فوکس نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی ہے لیکن میں بھی بے وقوف بن کر یہ ثابت کر دینا چاہتی تھی کہ میں ان لوگوں کے لئے کام کرنے پر پوری طرح آمادہ ہوں۔

"اب آپ کبھی پنڈی آئیں گی باتو!" الماس بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

...ہیں ...؟ ...یں ...ہوں

"بدنصیبوں کو سبھی بھول جاتے ہیں" ۔۔۔

"اپنے اوپر قنوطیت مت طاری کرو!" ۔۔۔

بھرے انداز میں ڈانٹا۔ جو ہو چکا اسے بھول ...

سے زندگی گزارنے کا پروگرام بناؤ۔ زندگی میں ...

رہتے ہیں لیکن ان کی وجہ سے زندگی کو گھن نہیں ...

الماس ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی ...

آنکھوں کے گوشے خشک کرنے لگی۔

ذرا دیر بعد ہم دونوں مسافروں کے لاؤ...

سے آنے والی فلائٹ میں پانچ منٹ رہ گئے تھے۔

"جہاز کب روانہ ہوگا؟" الماس نے پوچھا ...

"ابھی تو خاصی دیر ہے۔"

"تو پھر آتنی جلدی کیوں آ گئیں؟"

"بس غلط فہمی ہو گئی تھی، وقت کے بارے ...

میں ابھی آتی ہوں۔"

الماس نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کہاں جا رہی ...

میں لاؤنج سے باہر نکلی۔ پنڈی فلائٹ کے ...

وہاں کے ماحول کا جائزہ لے لینا چاہتی تھی۔ میں ...

اُدھر گھومتی رہی اور جب یہ اعلان ہو گیا کہ پنڈی ...

ہوائی اڈے پر اتر چکا ہے تو میں ٹہلتی ہوئی اس ...

مسافروں کو آنا تھا۔

دفعتاً میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی ...

تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بڑی عجلت اور گھبراہٹ ...

مسافروں کے لاؤنج سے باہر نکلا تھا۔ میں اس ...

لوگوں کی بھیڑ میں گم ہو گیا۔

رضوان نے بتایا تھا کہ شیر بہادر کے سا...

اس لیے ایک ویٹنامی کو ہوائی اڈے پر دیکھ کر مجھے ...

چاہیے تھا۔ مجھے الماس کا خیال آیا اور میں تیزی ...

طرف بڑھی۔

"الماس وہاں موجود تھی لیکن اس کا چہرہ ...

"خیریت تو ہے الماس!" میں حیرت سے ...

"جی!... جی ہاں... بالکل... میں ٹھیک ...

"تمہارے چہرے سے تو اچانک ایسا ...

جیسے تم برسوں کی بیمار ہو۔"

"پتہ نہیں، بس کچھ گھبراہٹ سی ہو رہی ہے ...

مجھے یوں لگا جیسے الماس جھوٹ بول رہی ...

پڑ گئی اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ مجھے کیا کرنا چا...

ساتھ رکنا ضروری معلوم ہو رہا تھا لیکن دوسری طرف ...

... اندازے کے مطابق تمام مسافر اب دروازے ...

... تھے۔

... میں نے الماس کا شانہ تھپک کر کہا "میں ابھی ...

... ہوں۔"

"... جانا ہے!" الماس گھگھیائی۔

"... زیادہ نہیں لگیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔"

... "

"... ہوں نا!" میں نے جھنجھلا کر کہا اور جانے کے لئے ...

"... ہرگز نہیں جائیں گی۔" الماس پھر بولی۔

... میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں چونک کر تیزی سے ...

... ہو گئی۔

... اپنے ہوئے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کی نال ...

... تھی۔

"... ماس... تم..." الفاظ میری زبان پر ...

... گئے۔

... پر جیسے زرد رنگ کا غبار بکھر گیا تھا اور ...

... نظر آ رہی تھی۔ اُس نے پستول کو اب دونوں ...

... تھا۔ یہ اس کے جسمانی عدم توازن کی انتہا تھی۔

... نہیں رہا تھا کہ وہ صرف ایک ہاتھ سے پستول ...

... مسافروں میں سنسنی پھیل گئی تھی اور اِکا دُکا ...

... نہیں نکل گئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم ...

... جنگِ عظیم کا آغاز ہو گیا ہو اور خوف و ...

... کے قلب میں پیوست ہوتی چلی جا رہی ہوں۔

... جیسے میں نے آسمان میں شگاف پڑتے ہوئے ...

... میں پستول، آسمانی شگاف سے کم بعید از ...

"... یہاں سے... کہیں نہیں جائیں گی۔" الماس ...

... لیے۔ مجھے اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا ...

... رہی ہوں۔

... موجود افسران بھی چند لمحے کے لئے تو سناٹے ...

... انھوں نے اپنے منتشر حواس سمیٹ کر اس ...

... تھی کہ کوئی شخص الماس کے قریب نہ ہونے ...

... کہ اگر کوئی اس لڑکی کے قریب پہنچ گیا تو وہ ...

اِدھر میرے ذہن میں مختلف النوع خیالات کے طوفان ... رہے تھے۔ وہ ویٹنامی یاد آ رہا تھا جسے میں نے لاؤنج سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ غالباً اُسی کی کوئی شرارت یہ رُخ اختیار کر گئی تھی کہ الماس نے میرے اوپر پستول نکال لیا تھا۔ مجھے اس طرح لاؤنج میں روکنے کی کوشش یہ ظاہر کر رہی تھی کہ مجھے لیڈی فاروق تک پہنچنے سے روکا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر فونگ کے جانشین فوکس کا کردار اب میری سمجھ میں آنے لگا تھا۔ اُس نے واقعی مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تھی لیکن یہ امر اب بھی میری سمجھ سے بالاتر تھا کہ الماس اُن لوگوں کی آلۂ کار کیسے بن گئی؟

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میری نظریں الماس کے چہرے ہی پر جمی رہی تھیں اور میں یہ بھی محسوس کرتی رہی تھی کہ الماس بے حد نروس ہے۔ ہاتھ میں پستول ہونے کے باوجود نروس ہونا اس بات پر دال تھا کہ الماس ایسے خطرناک کھیلوں کی عادی نہیں تھی۔ ممکن ہے کہ اس نے آج زندگی میں پہلی مرتبہ پستول ہاتھ میں لیا ہو۔

اس افراتفری میں پانچ منٹ اس طرح گزر گئے کہ ان کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہو سکا اور پھر اچانک الماس نے پستول پھینک کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

یہ حیرت کا دوسرا جھٹکا تھا جو میرے اعصاب کو برداشت کرنا پڑا۔ جس طرح الماس کے ہاتھ میں پستول کی موجودگی ناقابلِ قیاس تھی، اسی طرح پستول پھینک دینا بھی حیران کن تھا۔

"باتو!" الماس نے جیسے چیخ ماری اور دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"باتو!..... باتو!" وہ میرے شانے پر سسک رہی تھی۔ "مجھے معاف کر دیجئے باتو!.... اگر میں ایسا نہ کرتی تو وہ لوگ آپ کو مار ڈالتے۔"

میری سمجھ میں نہیں آ سکا کہ الماس نے کیا کہنا چاہا تھا۔

لوگوں کے ہجوم نے بڑی تیزی سے ہمیں اپنے نرغے میں لے لیا تھا اور چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ پولیس کو بلایا جائے۔

میں الماس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خالی الذہن سی تھی۔

"ارے! یہ تو نقلی پستول ہے۔" کسی طرف سے ایک چیختی ہوئی حیرت زدہ سی آواز سنائی دی۔

میں نے چونک کر اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی لیکن ہجوم کے باعث وہ شخص مجھے دکھائی نہیں دیا جس نے پستول کے نقلی ہونے کا اعلان کیا تھا۔

الماس میرے کندھے پر سر رکھے، سسکیاں لیتی ہوئی، دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "وہ مشرقِ بعید کا باشندہ تھا باتو!..... وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ میں آپ کو لاؤنج ہی میں روکوں۔ اُس نے بڑے خوفناک انداز میں کہا تھا کہ اگر آپ لاؤنج تک محدود نہ رہیں تو آپ کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ اسی نے مجھے پستول بھی دیا تھا اور یہ ہدایت کی تھی کہ میں آپ کو لاؤنج میں روکنے کے لئے پستول سے دھمکانے ...

بی کوشش نہ کروں۔ پھر وہ فوراً ہی میسٹر پاس سے چلا گیا تھا اور اس کے بعد آپ آ گئی تھیں۔ میں اس واقعے سے اتنی حواس باختہ ہو گئی تھی کہ مجھ سے کچھ سوچا ہی نہیں جا سکا تھا اور جب آپ لاؤنج سے جانے لگی تھیں تو مجھ سے وہی کچھ سرزد ہو گیا تھا جس کی مجھے ہدایت کی گئی تھی میں نہیں چاہتی تھی بانو کہ وہ لوگ آپ کو ہلاک کر ڈالیں۔ غالباً یہ وہی لوگ ہوں گے جن کے لئے کامران کام کر رہا تھا۔"

میں پُرخیال انداز میں آہستہ آہستہ سر ہلانے لگی۔ اب تو یہ بات بالکل صاف ہو گئی تھی کہ فوکس نے مجھے بے وقوف بنانا چاہا تھا۔ وہ دیٹ نامی باشندے شیر بہادر نامی ایک سیاح کے ملازم تھے اور شیر بہادر سے فوکس کا تعلق اس طرح ثابت ہو چکا تھا کہ اُس نے نرس سلونی کے توسط سے اُسے کوئی چیز بھجوائی تھی۔

"اب یہ رونا دھونا بالکل بند کر دو الماس!" میں اس کے کان میں بولی۔ "پولیس اب آیا ہی چاہتی ہے۔ اگر تم بڑی دشواریوں سے بچنا چاہتی ہو تو اس بیان پر جم جانا کہ تم نے مجھ سے مذاق کیا تھا۔ یہ بات تو ظاہر ہو ہی چکی ہے کہ وہ پستول نقلی تھا لہٰذا پولیس تمہارے خلاف کوئی سخت قدم نہیں اُٹھا سکے گی۔"

میری بات الماس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

جب پولیس آئی تو الماس بالکل پُرسکون تھی۔

لوگ پولیس کو بتانے لگے کہ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ سب کچھ سُننے کے بعد جب پولیس آفیسر ہماری طرف متوجہ ہوا تو الماس بڑے سکون سے بولی۔

"وہ سب کچھ ایک مذاق تھا۔"

"کیا مطلب!" پولیس آفیسر کے لہجے میں درشتی بھی تھی۔

"دراصل۔" میں ہنستی ہوئی بولی۔ "الماس مجھے ڈرا کر تفریح لینا چاہتی تھی۔"

"پبلک پلیس پر اس قسم کے خطرناک مذاق کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔" پولیس آفیسر کے لہجے کی سختی برقرار رہی۔ "آپ لوگوں کو میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہو گا۔"

"یہ تو ممکن نہیں۔" میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "الماس کی فلائٹ میں اب تھوڑا ہی سا وقت رہ گیا ہے۔ یہ پنڈی جا رہی ہے۔"

"قانون کو مطمئن کئے بغیر یہ کہیں نہیں جا سکتیں۔"

"قانون کو مطمئن کرنے کی کوشش تو صرف میں بھی کر سکتی ہوں۔ الماس کو رخصت کر کے میں آپ کے ساتھ پولیس اسٹیشن چلی چلوں گی۔"

"آپ اس معاملے میں براہِ راست ملوث نہیں ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔" میں نے شانے جھٹک کر فیصلہ کُن انداز میں کہا۔ "الماس کی یہ فلائٹ کسی قیمت پر مس نہیں ہو سکتی۔"

"کیا آپ قانون سے نبرد آزما ہونا چاہتی ہیں؟"

"قانون!" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ "کیا یہ کوئی قانونی معاملہ ہے؟ میں تو بھی ہی کوئی کمانت ہو رہا ہے۔"

ہوئے لوگوں پر پھیلنے لگیں۔

پولیس آفیسر میرا اشارہ سمجھ گیا اور ہجوم سے ... اپنی اپنی نشستوں پر تشریف لے جائیں۔"

ہجوم کا ہر چہرہ ہماری قربت کا تمنائی نظر ... جاننے کی خواہش تھی کہ اس بحث کا کیا نتیجہ نکلا ... بھی پولیس کی ہدایت کو نظر انداز کرنے کی ہمت نہ ... منتشر ہو گئے تو میں پولیس آفیسر سے بولی۔

"بہتر ہو گا کہ آپ الماس کو نہ روکیں۔ ا... کو نہ دبایا تو آپ کے بڑے یہ کام کریں گے۔ اگر ا... تو پھر اُن سے بڑوں تک بات پہنچے گی اور ہو گا ... اگر آپ چاہیں تو میرا کارڈ رکھ لیں۔" میں اپنا پرس ... کارڈ نکالنے لگی۔

کئی واقعات کی بنا پر محکمۂ پولیس میں ... ہو گئی تھی اور جو لوگ میری صورت آشنا نہیں تھے، ... ضرور جاننے لگے تھے۔ اسی لئے میرا خیال یہ تھا کہ ... پولیس آفیسر پگھل جائے گا۔

خیال غلط نہیں ثابت ہوا۔ کارڈ پر نظر ... ہاتھ کپکپا گیا اور جب کپکپاہٹ ختم ہوئی تو جب ... بھینچے ہوئے جبڑے ڈھیلے پڑ گئے تھے اور آنکھوں پر دھند چھا گئی تھی۔

"ذرا آپ ادھر تشریف لایئے!" وہ ہاتھ ... کرتا ہوا بولا اور ایک قدم آگے بڑھ گیا۔

"ضرور۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے اس ... پولیس آفیسر مجھے دوسروں سے اتنی دُو... کسی کان تک نہ پہنچ سکے۔

"کیا یہ کوئی خاص معاملہ ہے؟" وہ بڑے ... بولا۔ "اگر میری کوئی ضرورت ہو تو بلا تکلف ... آ کر خوشی ہو گی۔"

"یہ بس اتنا ہی معاملہ ہے جتنا آپ کے علم میں ..." ... نے مسکرا کر کہا۔ "اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

پولیس آفیسر کے چہرے سے صاف ظاہر ... پر اعتبار نہیں آیا تھا لیکن اسے اتنی ہمت نہیں ہو ... کا اظہار کر سکتا۔

بات ختم ہو گئی اور میں الماس کے پاس جا ...

"کیا رہا؟" الماس نے مضطربانہ انداز میں پو...

"کچھ نہیں، تم اطمینان سے پنڈی جاؤ۔" میں ...

"غالباً آپ کو اپنی سرکاری حیثیت ظاہر کرنا پ...

...رسائی سے تعلق رکھتی ہوں اور اس محکمے کے ... رکھتے ہیں۔

... ان چکروں میں کیوں اُلجھاتی ہو۔"

...

"... کیا پروگرام ہے؟"

... فکرمند رہوں گی۔ وہ لوگ تو ہاتھ دھو کر آپ کے ...

... ہنا مجھے خوب آتا ہے۔"

... لاؤنج تک کیوں محدود رکھنا چاہتے تھے بانو!" ... حال کو گول کر گئی۔ گول کرنے کے لئے سہارا مجھے اس ... مائک پر کیا جا رہا تھا، پنڈی جانے والے مسافروں ... ہی کہ وہ طیارے میں پہنچ جائیں۔

... تسلی دلاسہ دے کر رخصت کیا اور جب اُس کا ... میں آ گیا تو میں واپس جانے کے ارادے سے مڑی۔ ... نکل کر میں کاروں کی ایک قطار کے اُس حصے ... گاڑی کھڑی تھی۔ میں اپنے خیالات میں ... پہنچی لیکن دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ ...

... اُس پر اجمان تھا!

... منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

... کسی جگہ ڈراپ کر دینا۔" وہ آہستگی سے بولا۔ ... سانس لی اور دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ ... ٹ کرتے ہوئے میں فوکس کی دیدہ دلیری پر غور ... کا یہ جانشین خاصا فعال آدمی ثابت ہو رہا تھا۔ ... کہ تم اس امتحان میں پوری نہیں اُتر سکیں۔" ... گاڑی حرکت میں آ گئی۔ ... بھینچے ہوئے خاموشی سے ڈرائیونگ کرتی رہی۔ میں ... چاہتی تھی کہ میں اس کی عیارانہ چال کو سمجھ چکی ... لیکن میں اب بھی نہیں پہنچ سکی تھی کہ اس عیارانہ ... فوکس نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کیوں ...

... کہہ رہا تھا۔" میں اس کی تمام تر ذمے داری تم ... اصل تمہارے ذہن میں تو یہ خیال ہی نہیں ہو گا ... پرس پر ہاتھ صاف کرنے سے پہلے بھی تم کسی خطرے ... فی الحال تو خود میرے ذہن میں بھی نہیں تھا۔ اب ... کالی بھیڑ کو تلاش کرنا ہو گا جس نے غداری کی ہے۔ ... اس بات کا علم کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے ... والی کے پرس پر ہاتھ صاف کرنے والا ہوں!....

یقیناً کسی نے مخبری کی ہے۔ میرے صرف دو آدمیوں کو اس بات کا علم تھا اس لئے میں آسانی سے پتہ چلا لوں گا کہ ان میں سے وہ کالی بھیڑ کون ہے۔"

میں اب بھی کچھ نہیں بولی۔ میں فوکس کو زیادہ سے زیادہ بولنے کا موقع دینا چاہتی تھی کیونکہ میں نے کار اسٹارٹ کرتے وقت چپکے سے ٹیپ ریکارڈر کا ریکارڈنگ سوئچ آن کر دیا تھا۔ اب جو گفتگو ریکارڈ ہوتی وہ میں کسی وقت فوکس کے خلاف استعمال کر سکتی تھی۔

"تم اتنی خاموش کیوں ہو صَبیہ بَنو!" فوکس مجھے ٹوک بیٹھا۔

"خاموش؟" میں نے ایک طویل سانس لی۔ "میں اس لئے خاموش ہوں کہ میرے پاس بولنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔"

"کیا تم ہمت ہار بیٹھی ہو؟"

"کس معاملے میں؟"

"ہمارا ساتھ دینے کے سلسلے میں۔"

"لیکن میں امتحان میں ناکام ہو چکی ہوں۔"

"دوسرا امتحان سہی۔"

"کیا مطلب!"

"اگر تم ایک شخص سے دوستی کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو اس ناکامی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔"

"کس شخص سے؟"

"اس کا نام شیر بہادر ہے۔"

فوکس کے منہ سے یہ نام سنتے ہی مجھ پر گہرا ردِعمل ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے اپنے جذبات پر قابو پائے رکھا اور خاموشی سے ڈرائیونگ کرتی رہی۔ فوکس اب شیر بہادر کے بارے میں وہی سب باتیں بتا رہا تھا جو مجھے پہلے ہی رضوان سے معلوم ہو چکی تھیں۔

آخر میں فوکس نے پوچھا۔ "کیا تم شطرنج کھیلنا جانتی ہو؟"

"اگر میں مقابلوں میں حصہ لینے لگوں تو شاید اپنے ملک کی چیمپین تو بن ہی جاؤں گی۔"

"ویری گڈ! پھر تو تم شیر بہادر سے دوستی کرنے میں بڑی آسانی سے کامیاب ہو سکتی ہو۔ وہ بھی شطرنج کا کھلاڑی ہے اور شام کو بساط جمانے کے لئے کلب ضرور جاتا ہے۔"

"کس کلب میں؟"

فوکس نے ایک کلب کا نام بتایا۔ ... میں وہ نام لکھنے سے گریز کر رہی ہوں۔ بس اتنا اشارہ کافی ہو گا کہ وہ کراچی کا مشہور ترین کلب ہے اور میں اس کی باقاعدہ ممبر ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی بھی باقاعدگی سے وہاں نہ جا سکی ہوں۔

"رات کو نو بجے تک وہ کلب ضرور پہنچتا ہے۔" فوکس نے بتایا۔

"میں آج ہی وہاں اُس سے ملاقات کر لوں گی لیکن اس سے دوستی کرنے کے بعد مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

" یہ بات ہے۔ وقت آنے پر سب معلوم ہو ... کا سلسلہ

ہاں! میں تمہیں اتنا اور بتا دوں کہ ٹینا فارنڈتی جب تک کراچی میں ہے، شیر بہادر ہی کی مہمان رہے گی۔"

"اوہو! وہ دونوں ایک دوسرے کو کیسے جانتے ہیں؟"

"یہ تو وہی دونوں بتا سکیں گے۔"

"لیکن تم بھی مجھے ایک بات ضرور بتا سکتے ہو۔"

"وہ کیا؟"

"ڈاکٹر فونگ سی، آئی، اے کا ایجنٹ کیسے بن گیا تھا؟"

میرے اس سوال پر فوکس کے ہونٹوں پر بڑی پُراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیوں!" میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "اس میں اس طرح مسکرانے کی کیا بات ہے؟"

"تم نے اچانک بڑا غیر متعلق سا سوال کیا ہے۔ گفتگو تو دوسرے رُخ پر ہو رہی تھی۔"

یہ حقیقت ہے کہ میرا سوال اس گفتگو سے میل نہیں کھاتا تھا۔ میں یہ سوال محض اس لئے کر بیٹھی تھی کہ اس کا جواب دے کر فوکس سی آئی اے سے اپنے تعلق کا ثبوت دے بیٹھتا اور یہ بات ریکارڈ ہو جاتی۔

"ہاں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "میرا یہ سوال واقعی بڑا الگ تھلگ سا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گفتگو کے دوران میں یہ بہرحال میرے ذہن میں موجود تھا۔ میں کل ہی سے یہ بات سوچتی رہی تھی کہ جب تم سے ملاقات ہوگی تو میں یہ سوال ضرور کروں گی۔ ذہن میں جب پہلے ہی سے کوئی بات موجود ہو تو گفتگو کے دوران میں وہ بے موقع بھی زبان سے نکل جاتی ہے۔"

"تمہاری توجیہہ قابلِ قبول ہے۔" فوکس مسکراتا رہا۔ "لیکن کیا واقعی تمہارا یہ جواز، حقیقت پر مبنی ہے؟"

میں نے ایک بار پھر بے چینی سے پہلو بدلا۔ "آخر تم میرے ایک سیدھے سادے سوال کو کیا رنگ دینا چاہتے ہو؟"

"میں تو اسے کوئی رنگ نہیں دینا چاہتا۔ ہاں اسے اس کے اصل رنگ میں ضرور دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اصل رنگ سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"چھوڑو اس تذکرے کو۔ ہم اس موضوع پر پھر کبھی گفتگو کریں گے۔ اب تم گاڑی روک دو، مجھے یہیں اترنا ہے۔"

میں نے ایک طویل سانس لی اور میرا دایاں پیر ایکسلریٹر سے ہٹ کر بریک پر پہنچ گیا۔

جب گاڑی رک گئی تو فوکس دروازہ کھولتا ہوا بولا۔ "معاف کرنا صبیہ بہنو! میں نے تمہیں ایک چھوٹی سی زحمت فراہم کر دی ہے تم اپنے ٹیپ ریکارڈر کا ایک وائر چیک کروا لینا۔ وہ میں نے کاٹ دیا تھا۔ اچھا، گڈبائی!" اس نے گاڑی سے اتر کر زور دار آواز کے

ساتھ دروازہ بند ...

مجھے یوں لگا جیسے کسی نے مجھے پہاڑ ...
دیا ہو۔ فوکس کے اس انکشاف نے میرا جوڑ جوڑ ...
ریکارڈر کا ایک وائر کاٹ چکا ہے۔

میں ایک ڈیڑھ منٹ تک اس ...
کوشش کرتی رہی اور آخر میں فوکس کو زیرِ لب ...
اسٹارٹ کر کے چل پڑی۔ وہ کمبخت بلا کا عیار ...
سے نپٹنا شاید فونگ سے بھی زیادہ مشکل ثابت ...

فونگ ایک سفاک آدمی تھا جو ہر لمحہ ...
تھا، جبکہ فوکس کو بڑے ٹھنڈے دل و دماغ ...
قسم کے لوگ، فونگ جیسے آدمیوں سے زیادہ ...
یہ امر مسلمہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو قابو میں کرنا ...

میں فوکس کے بارے میں سوچتی ہوئی ...
جب ایک ایمبولینس میری گاڑی کے برابر سے نکل ...
پنڈلی کے زخم کا خیال آیا۔ گو کہ میں تکلیف ...
ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ایک مرتبہ ڈریسنگ ...
گھر جانے سے پہلے سول ہسپتال پہنچی اور ڈریسنگ ...

"کل شام کو آپ خود ہی یہ پٹیاں اتار پھینکیے ...
بعد نرس نے کہا تھا۔

"شکریہ بی بی!" میں نے قبول صورت ...
اور باہر نکل آئی۔

اس روز موسم بڑا خوشگوار تھا۔ آسمان ...
ٹکڑے تیر رہے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی جذبات ...
سارے ہنگاموں کو بھول کر مدھم سُروں میں ...
ڈیفنس تک پہنچنے میں خاصا وقت لگ گیا ...
سے ڈرائیونگ کی تھی۔

میں گاڑی کو پورچ میں کھڑا کر کے اتری ...
لپکتی ہوئی میرے قریب آئی۔

"غزالہ بی بی آئی ہیں۔ ڈرائنگ روم میں ...
بولی۔

"تو اس میں اتنی گھبراہٹ کی کیا بات ...
ہوئے کہا۔

"ان کے ساتھ شبانہ بی بی بھی ہیں۔"

"اوہ!" میرے جسم میں جیسے شراب ...

"شبانہ بی بی کی حالت ایسی ہے جیسے ...
فریدہ نے بتایا۔ "انہیں ٹیکسی سے اتار کر بہ مشکل ...
گیا تھا۔"

... منہ سے ... اور میں تیزی سے ... روم
... میرے ذہن میں بس یہی ایک خیال ابھر
... کر بیٹھی ہے۔

... تیز جھونکے کی مانند ڈرائنگ روم میں داخل
... سے پہلے شبانہ ہی پر پڑی۔ وہ بڑے صوفے پر
... ہوتا تھا جیسے سو رہی ہو۔ اس کے قریب،
... بیٹھی ہوئی ایک رسالے کی ورق گردانی کر رہی
... جیسے سرخوشی کے عالم میں رسالے کو ہوا میں
... ۔

... آپ کے خوابوں کی تعبیر حاضر ہے۔"
... اس کے ساتھ؟" میں تیزی سے شبانہ
کی نبض دیکھنے لگی۔

"... حرکت تو نہیں کی ہے۔" غزالہ چہکی۔ "یہ صرف
... گھنٹے میں اسے ہوش آ جائے گا۔"
"... کیا ہے؟"

... ریسٹورنٹ میں داخل ہوتی نظر آ گئی تھی لہٰذا
... فوراً ہی ریسٹورنٹ میں پہنچ گئی۔ اس نے مجھے
بنایا تھا لیکن یہ اتنی ہمت نہیں کر سکتی تھی
... ملاقات میرے ساتھ چائے پینا پڑی اور
... چائے میں ایک سفوف ڈال دیا۔"

... نہیں معلوم، وہ میں نے آفتاب سے حاصل
... اسٹوڈنٹ ہے اور میرے فرمانبرداروں
... ایک آنکھ دبا کر کہا۔ "بہت دن ہوئے
... حاصل کیا تھا لیکن اس کے استعمال کی نوبت
... کی نادرِ روزگار قسم کی چیزیں جمع کرتے
... یہ چیزیں ہر وقت اپنے پرس میں ڈالے
... کوڑھ بھی آپ کو میرے پرس میں مل

... سہلانے لگی۔ "شریر لڑکی! تم تو آفت

... تو زندگی بڑی پھیکی ہو جائے۔" غزالہ

... یہاں تک کیسے لائیں؟"
... جھومنا شروع کر دیا تھا اور میں اسے فوراً
ریسٹورنٹ سے نکال لائی تھی۔ اپنی ٹیکسی کو
... لہٰذا اسے یہاں لانے میں بھی کوئی دشواری

ہوئی۔ وہ سفوف سریع الاثر نہیں تھا ... بعد
ہی مکمل طور پر بے ہوش ہوئی ہے۔ راستے میں تو یہ نہ جانے کیا کیا اوٹ پٹانگ بڑبڑاتی رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا رہا تھا جیسے یہ شراب کی کئی بوتلیں پی گئی ہو۔"

"خدا کی پناہ غزالہ!..... آخر تمہیں یہ سب کچھ کر گزرنے کی ہمت کیسے ہوئی؟"

"بس آپ کی خاطر سر سے کفن باندھ لیا تھا۔"

"لیکن اس سے فائدہ؟"

"یعنی اب فائدہ بھی بتانا پڑے گا؟" غزالہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "کیا اب یہ آپ کے رحم و کرم پر نہیں ہے؟"

"اس سے کیا حاصل!" میں نے ایک خالی صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "خوابیدہ بدن اور مُردہ جسموں میں میرے لئے کوئی فرق نہیں ہے اور مُردہ جسموں سے کسبِ لذت کا تصور بھی مجھے کراہیت انگیز معلوم ہوتا ہے۔"

"لو اور سنو!" غزالہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر قالین پر اکڑوں بیٹھ گئی۔ "یہ تو گویا میری ساری محنت پر پانی پھر گیا!"

"ظاہر ہے کہ تم نے ایک بے تکا راستہ اختیار کیا۔ اگر تم مجھ سے بات کر لیتیں تو میں تمہیں اس کا مشورہ ہرگز نہ دیتی۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" غزالہ جیسے غصے میں غرائی اور ایک جھٹکے سے کھڑی ہو کر بے ہوش شبانہ کو گھورنے لگی۔

"کیا نہیں ہو سکتا؟" میں بولی۔

"میری محنت پر پانی نہیں پھرنا چاہئے۔"

"یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ اسے ہوش آ جائے اور یہ میرے اظہارِ محبت پر کوئی احتجاج نہ کرے۔"

"یہی ہوگا۔" غزالہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے اور اسے اپنی خوابگاہ میں پہنچا دیجئے۔"

"کیوں!"

"بس یہ نہ پوچھیے!"

"تمہارے ارادے تو بہت خطرناک معلوم ہو رہے ہیں۔ نہیں نہیں تم کو اس کی بے ہوشی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھانے دوں گی۔"

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں!" غزالہ ہنس پڑی۔ "یہ میرا وعدہ ہے کہ جب تک اسے ہوش نہیں آئے گا، میں اس کے قریب نہیں جاؤں گی۔"

"آخر تم چاہتی کیا ہو؟" میں اُسے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میں جو کچھ بھی چاہتی ہوں، وہ از خود آپ کے سامنے آ جائے گا اور اب اگر آپ نے مجھ سے کوئی سوال کیا تو میں آپ سے رُوٹھ جاؤں گی۔"

میں چپ رہ گئی۔ ویسے تو میں دل سے یہی چاہتی تھی کہ کوئی سبیل نکل آئے لیکن غزالہ کا رویہ اُلجھن میں مبتلا کر دینے والا تھا۔ اگر وہ مجھے قبل از وقت ہی بتا دیتی تو میرا خیال ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اُس کے سر پر شاید یہ دھن سوار ہو گئی تھی کہ مجھے مبتلائے تجسس رکھے۔ آخر مجھے اس کی لاج رکھنا پڑی۔

غزالہ نے شبانہ کو میرے بستر پر اس طرح ڈالا کہ مجھے محسوس ہوا جیسے پھولوں کا ڈھیر بکھر گیا ہو۔ وہ شعلہ بدن ساڑی میں ملبوس تھی لیکن اب اس کی ساڑی کا آنچل کہیں تھا اور وہ خود کہیں تھی۔ مِنی اسٹائل میں بندھی ہوئی ساڑی نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اُس زمانے میں ساڑی کا یہ اسٹائل عام نہیں ہوا تھا۔

"اب آپ کمرے سے باہر تشریف لے جائیں۔" غزالہ نے مجھ سے کہا۔ "میرا خیال ہے دس پندرہ منٹ میں اسے ہوش آنے ہی والا ہے۔ جب اسے ہوش آجائے گا تو یہاں ایک عجیب و غریب تماشہ ہوگا۔ آپ کو عجیب عجیب سی آوازیں سُنائی دیں گی لیکن خبردار جو آپ نے کمرے میں قدم رکھا۔ آپ کی دخل اندازی سے میرا ڈرامہ بگڑ جائے گا۔ ہاں پانچ سات منٹ کے بعد آپ کو اندر آنے کی اجازت ہے۔"

"آخر.....؟"

"کوئی سوال نہیں!" غزالہ آنکھیں نکال کر بولی۔

میں نے ایک طویل سانس لی اور کمرے سے نکل آئی۔ غزالہ کے سر پر جو بھوت سوار ہو گیا تھا، اُسے میں کسی طرح بھی نہیں اُتار سکتی تھی۔

کمرے کے دروازے کے قریب ہی میں نے ایک کرسی ڈال لی اور بیٹھ کر سوچنے لگی کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

وقت گزرتا رہا اور شبانہ میرے حواس پر حکومت کرتی رہی۔ وہ خوش بدن، وہ خوش ادا، بہت عرصے سے میرا امتحان لے رہی تھی اور آج شاید اس امتحان کے خاتمے کا وقت آگیا تھا۔ آنے والے لمحات میں شاید کوئی لمحہ ایسا بھی تھا کہ جسے میں نکتۂ آسودگی کہہ سکتی۔

پچیس منٹ اس طرح گزرے جیسے پچیس گھنٹے گزرے ہوں اور چھبیسویں منٹ پر کمرے میں ایک چیخ سُنائی دی۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ چیخ غزالہ کی تھی یا شبانہ کی، لیکن اس چیخ کو سنتے ہی میں اچھل پڑی اور کرسی سے کھڑی ہو گئی۔

اب کمرے میں ایک قہقہہ گونج رہا تھا۔ وہ قہقہہ یقیناً غزالہ کا تھا لیکن خدا کی پناہ! اس قہقہے میں ایسی وحشت تھی کہ سُنکر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ میں بے اختیار دروازے کی طرف جھپٹی لیکن اس وقت میرے ذہن میں وہ الفاظ گونجنے لگے جو غزالہ نے کہے تھے "جب اسے ہوش آجائے گا تو یہاں ایک عجیب و غریب تماشہ ہوگا۔ آپ کو عجیب عجیب آوازیں سنائی دیں گی ... میں قدم رکھا۔ آپ کی دخل اندازی سے ... ہاں پانچ سات منٹ کے بعد آپ کو اندر آ...

میں ٹھٹک کر دروازے سے دو ...

اُس وقت میں نے ایسی آواز سُنی جیسے کوئی ... ہوئی آواز سُنائی دی۔ وہ مدد کے لئے پکا... وحشیانہ قہقہے اس کی آواز پر بھاری پڑ رہے ... اس ہنگامے کا نتیجہ یہ نکلا کہ میری ک... اِدھر نکل آئیں۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ... اور اشارہ کیا کہ وہ واپس چلی جائیں۔ میرے ... تو جانا بڑا۔ نگران کی پریشانی اور حیرت، دیدنی ... میری خوابگاہ میں ہنگامہ جاری تھا ... اٹھا پٹخ، مدد کی پکار اور وحشیانہ قہقہے ایسے ... پڑ رہا ہو۔

غزالہ نے مجھے پانچ سات منٹ لوٹ کر... دی تھی لیکن میں نے لفظ "سات" کو فراموش ... رکھا اور چھٹا منٹ شروع ہوتے ہی دروا... کے ساتھ کھولتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

کمرے کا منظر توقع کے مطابق ہی تھا ... کتابیں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں۔ ایک کو... دزنی گلدان، فرش پر لڑھک رہا تھا۔ دوسرا... طرف پھیلی ہوئی نظر آرہی تھیں اور سیت... کر شبانہ کمرے کے ایک کونے میں دُبکی ہوئی ... کانپ رہی تھی اور خوف سے اس کا چہرہ زرد ... کھل چکی تھی اور اس کا بہت تھوڑا سا حصہ ... نتیجہ یہ کہ ساڑی فرش پر بچھ گئی تھی اور اس سا... رقص جاری تھا وہ اپنے دائیں ہاتھ میں پھل ... تھی اور اپنے اس ہاتھ کو بڑے خوفناک اند... لہرا رہی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز سنتے ہی غزالہ ... دیکھا اور مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل کر میری ...

"کیوں آئی ہو یہاں؟" اس نے ... پھر مجھے آنکھ بھی ماری۔

وہ چونکہ میری طرف متوجہ ہو گئی ... کے گوشے سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ وہ دوڑ ... اس کی ساڑی غزالہ کے پیروں کے نیچے دبی ... لگتے ہی شبانہ کے پیٹی کوٹ میں اڑسا ہوا آخری ...

... کے لئے مجھے اس پاگل سے بچائیے!" شبانہ میرے سینے ... وہ بڑی مشکل سے بول سکی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا ... کے حلق میں پھنسی جا رہی ہو۔

... بے تابانہ اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ یقین کرنے ... رہا تھا کہ یہ وہی پیکرِ غرور و نخوت ہے جس نے ایک ... شرمندہ کیا تھا۔

"... اسے!" غزالہ ایک مرتبہ پھر گرجی اور ساتھ ہی اس نے ...

... کچھ سمجھنے لگی تھی کہ غزالہ اس ڈرامے سے کیا نتائج حاصل ...

"... ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔ تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا ... شبانہ کو کچھ اور سمیٹنے کی کوشش کی۔ میری اس کوشش میں ... زور عفریت چنگھاڑ رہا تھا۔ میرے تن بدن میں ... شبانہ کا وہ ایک لمسِ بے محابا، وہ بحرِ شباب سے ابھرتے ... فضا میں اڑائے دے رہے تھے۔ شبانہ کے جسم میں ... شراروں اور بجلیوں کا ایک شہر آباد تھا جہاں میں ... جاتی۔

... سُنکر غزالہ نے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا اور بولی۔ ... بہت محبت کرتی ہو؟"

... تمہاری محبت بیکار ہے۔ یہ تو کسی سے بھی محبت نہیں ...

... نہیں، یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔"

...

... شبانہ کے کان کے قریب منہ کر کے سرگوشی کی۔ "کبھی کبھی ... ایسا ہی دورہ پڑتا ہے اور اگر ایسے میں کوئی بات اس ... ہو جائے تو یہ خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

"... کیا کہہ رہی ہو؟" غزالہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "تم ... کہ یہ تم سے محبت کرتی ہے۔"

"ہاں!..... دیکھو!" میں نے شبانہ کی ٹھوڑی ... کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

... کے عالم میں وہ دلرُبا مجھے اتنی قاتل لگ رہی تھی کہ میرا ... ہونٹوں اور اس کے شفق زا عارض کو درندگی کے نکتۂ عروج ... میرے انگارہ ہونٹ، میرے کانپتے ہوئے ہونٹ ... پیاسے ہونٹ اس کے چشمۂ لعلیں سے سیراب ہوتے ... اور میرے بازوؤں نے اپنی بے تابی کا اظہار اتنی شدت ... سے ابھرتے ہوئے جزیرے، پیوستِ جاں ہو گئے ...

شبانہ کا جسم بالکل ٹھنڈا پڑ گیا تھا اور وہ پسینے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں کے اوپر لرزتی، کانپتی، چمکتی ہوئی پسینے کی ننھی منی بوندوں کو میں امرت سمجھ کر پی گئی اور شبانہ نے خفیف سا بھی تعرض نہیں کیا۔

غزالہ کا رچایا ہوا کھیل سو فیصدی کامیاب ہو چکا تھا۔ گو اس ڈرامے میں فطری رنگوں کی از حد کمی تھی لیکن شبانہ اس درجہ خائف ہو گئی تھی کہ شاید اس کا دماغ کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ اگر وہ ذہنی طور پر کچھ سنبھلی ہوئی ہوتی تو اس ڈرامے کے کچے پن کو صاف محسوس کر لیتی۔

جب میرے پیاسے ہونٹ اس کے چشمۂ لعلیں سے ایک لمبا گھونٹ پی کر الگ ہوئے تو مجھے زندگی پھر حرکت میں محسوس ہوئی۔ چند لمحوں میں تو وقت جیسے منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔

"تم نے دیکھا!" میں غزالہ سے مخاطب ہوئی تو میری آواز میں ... تھی۔ "یہ واقعی مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"یہ ثبوت ناکافی ہے۔" غزالہ غرائی۔

"تم اِدھر آؤ شبانہ!" میں نے کہا اور اس کے پھول بدن کو سہارا دیے ہوئے اپنے بستر کی طرف لے گئی۔ وہ کسی معمول کی طرح میرے اشارے پر چل رہی تھی۔ میں نے اسے بستر پر لٹایا تو اس کے پیٹی کوٹ نے اِدھر اُدھر سرک کر، صباحت و ملاحت کی ایک رنگین داستان سُنا ڈالی۔ میری آنکھوں نے اس داستان کو پڑھا تو میرے جسم کی گہرائی میں سوئیاں سی ٹوٹنے لگیں، آنکھوں میں گلابی گلابی شرارے ناچنے لگے اور کانوں میں ایسی سائیں سائیں ہونے لگی جیسے رگ رگ میں خون ابلنے لگا ہو، کھولنے لگا ہو۔

میرے ضبط کی بندشیں تڑاخ تڑاخ کر کے ٹوٹ گئیں اور میری بے چین و مرتعش انگلیوں نے سارے بندِ قبا کھول ڈالے۔ خو... بھی آشکارا ہو گئی اور اسے بھی منکشف کر لیا۔ وہ جگمگ جگمگ کرتے ہو... کو لمحے، وہ جھلمل جھلمل کرتی ہوئی کمر اور اُمنڈتے ہوئے ساگر کو پیچھے دھکیل دینے والے شباب کی وہ اٹھان ایسی تھی کہ میرے جسم کے اندر دھماکے سے ہونے لگے۔ ایک جوالا مکھی، پھٹ پڑنے کے لئے بے قرار... میری آنکھوں میں اَن گنت رنگ اُتر آئے تھے۔ ہرے، پیلے، لال، گلا... نیلے رنگ!..... اور میں رنگوں کی اس برسات میں بھیگتی ہوئی ... حواس کی دُنیا سے دُور نکلی جا رہی تھی۔

شبانہ کا جسم ابتدا میں بالکل سرد تھا مگر تابکے؟ وقت ... آواز سے انحراف ناممکن ہے، غیر فطری ہے۔ ٹھنڈک آہستہ آہستہ کم ہوئی اور پھر اس کی جگہ، بتدریج بڑھتی ہوئی تپش نے لے لی ... میں اس کے بدن کی گونج سن سکتی تھی اور دھیرے دھیرے بلند ہوتی ہوئی پکار پر لبیک کہنے کے لئے میرے بدن کا ریشہ ریشہ ہمک رہا تھا ... ہونٹوں کی سرگوشیاں طویل گفتگو میں مدغم ہو گئیں اور ...

آوارگی شوق نہ جانے کہاں کہاں لے گئی۔ میں نے مہتاب کو اپنی آغوش میں طلوع ہوتے ہوئے دیکھا اور خود کو اس مہتاب کی گھاٹیوں میں گم ہوتا ہوا محسوس کیا۔ کاش ہنگام وصال کے وہ لمحات، پتھر کی لکیر کی طرح دائم و قائم ہو جاتے اور میرے ہونٹوں پر جنم لیتی ہوئی مسکاریاں کبھی آسودہ نہ ہوتیں۔ میرا جی چاہ رہا تھا، وقت سے کہوں رُک جا ظالم! ٹھہر جا! یہ لمحے ثبات چاہتے ہیں، ان لمحوں کو آب حیات درکار ہے۔ او وقت! او سفاک وقت! تو سنتا کیوں نہیں؟ دیکھ تو سہی! آج شبانہ کی جوانی مجھے سرفراز کر رہی ہے۔ کیا تو نے کبھی شبانہ کو نہیں دیکھا؟ نہیں دیکھا تو آج دیکھ لے۔ ہاں، یہ شبانہ، یہ جو میرے سینے پر بکھری ہوئی ہے، یہ جو میرے وجود پر چھائی ہوئی ہے۔ یہ جو سلملائے زمیں ہے۔ یہ جو غیرتِ ناہید ہے۔ کیا تو نے اس کی آواز نہیں سُنی؟ اس کے گلے میں راگوں کا چمن چھلکتا ہے۔ اس کی چال دیکھ کر ارمن رسما کا دل دھڑک اٹھتا ہے۔ اس کی نظر جھکتی ہے تو پتھر کو تراش دیتی ہے اور جب اٹھتی ہے تو بُت شرما جاتے ہیں۔

لیکن میں یہ سب کچھ نہ کہہ سکی۔ خواہش کے باوجود مجھے کچھ کہنے کا ہوش نہیں تھا۔

وقت، بہرہ وقت، ظالم وقت گزر گیا۔ میرے پینگیں لیتے ہوئے جسم میں یارائے جنبش نہ رہی۔ ایک دریا کھلا اور میرے لہو میں سمٹتا ہوا سیال آخر ایک نکتے پر آ کر لذت و انبساط کے سنگم پر بکھر گیا۔

پھر وہ کئی منٹ کا وقفہ تھا جو سکوت کی آغوش میں گزرا۔ اس کے بعد جب میں نے آنکھ کھول کر ارد گرد کا جائزہ لیا تو مجھے غزالہ نظر نہیں آئی وہ نہ جانے کب کمرے سے چلی گئی تھی۔ شبانہ کا سر میرے دائیں بازو پر رکھا ہوا تھا اور ریشمی زلفیں میرے چہرے پر بھی بکھری ہوئی تھیں۔ وہ آنکھیں بند کئے ہوئے تھی ہلکے ہلکے سنہری روئیں اس کے کندن بدن پر جھلملا رہے تھے۔ میں نے ایک جھرجھری سی لی اور محسوس کیا کہ اگر شبانہ کچھ دیر تک اسی طرح میرے قریب رہی تو میں ایک بار پھر گریباں چاک عالم میں، وحشتوں کے صحرا کی طرف نکل جاؤں گی۔

"شبی!" میرے ہونٹ اس کے گال پر گنگنائے "اب اٹھ جاؤ چندا"

گھنی پلکیں اس طرح اٹھیں کہ میرے دل کی دنیا زیر و زبر ہونے لگی۔ اس نے اپنی کٹورا آنکھوں سے ایک بار میری طرف دیکھا اور پھر نظر چرا کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

"ڈرو نہیں" میں بولی "وہ پاگل اب کمرے میں نہیں ہے"

شبانہ نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ بستر سے اٹھتے ہوئے شرما رہی ہے۔ میں نے مناسب یہی سمجھا کہ باتھ روم میں چلی جاؤں، اپنا حلیہ درست کر لوں اور اسے بھی ٹھیک ٹھاک ہونے کا موقع دوں۔

باتھ روم میں جا کر اپنا حلیہ درست کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ وہ آفت کی پرکالہ نہ جانے ک[illegible] ہو گئی ہے۔

جب میں باتھ روم سے نکلی تو شبانہ ساڑی باندھ [illegible] بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ میں نے [illegible] میں دیکھا اور پھر اس سے مخاطب ہوئے بغیر کمرے کا جا[ئزہ لینے] لگی۔ پیتل کا گلدان اٹھا کر صحیح جگہ پر رکھا، بک شیلف و[غیرہ] دوسری منتشر چیزوں کو بھی سنبھالا۔ ان کاموں میں مجھے [کئی منٹ] لگ گئے اور اس دوران میں شبانہ چپ چاپ بیٹھی رہی

"ہاں!" میں ایک طویل سانس لے کر اس کی طر[ف مڑی] "اب بتاؤ! کیا پیو گی؟ چائے یا کوئی ٹھنڈا شربت۔ تو ابھی ہوا نہیں ہے"

"میں جانا چاہتی ہوں" شبانہ گھبرائی ہوئی [تھی۔ اس] کی نظریں بدستور فرش پر گڑی ہوئی تھیں۔ وہ مفتوح [سلطنت کی] ملکہ کی طرح نظر آ رہی تھی۔

"چلی جانا! اب ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ میں [...] ہوں۔ چائے کے لئے کہہ آؤں"

وہ شاید مجھے روکنا چاہتی تھی لیکن اس کے [لبوں پر ہلکی] سی لرزش ہو کر رہ گئی۔ میں مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل [گئی۔ چائے کے] لئے کہنے کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی دیکھنا چاہتی تھی کہ [غزالہ کہاں ہے]

فریدہ نے مجھے ایک لفافہ دیا اور بولی:

"غزالہ بی بی دے گئی ہیں"

میں نے لفافہ چاک کیا۔ اس میں میرے نام خط تھا۔

بانو!

آرزوئے وصال کی تکمیل مبارک ہو! مجھے انعام نہ دیا تو یہ زیادتی ہو گی۔ مجھے [اس] وقت گھر پہنچنے کی جلدی ہے اور میں جانتی [ہوں کہ] آپ کو بالکل جلدی نہیں ہو گی لہٰذا میں [کل] شام کو یا کل صبح آؤں گی"

غ

"فریدہ!" میں نے اس خط کو پڑھنے کے بعد کہا "تم میرے کمرے میں چائے بھجوا دو۔ کھانے میں تو [ابھی دیر ہے؟]"

"جی ہاں، ایک گھنٹہ لگے گا"

میں اپنے کمرے میں لوٹ آئی جہاں شبا[نہ ...] پر بیٹھی تھی اور اس نے لب اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں [...] میں اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی اور بانہیں اس کے [گلے میں ڈال کر]

"کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟"

[وہ خ]اموش رہی۔ اس نے اب تک مجھ سے غزالہ کے بارے [میں نہیں پو]چھا تھا اور اس سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ وہ اب اس [...] کل ہے۔

[پھر م]یں نے کہنا شروع کیا "تم نے میری افتادِ طبع کو تو [دیکھ ہی لیا ہ]وگا۔ ہاں شبی! خوبصورت لڑکیاں میری کمزوری ہیں، [لیکن تم] میری سب سے بڑی کمزوری بن چکی ہو۔ جب میں نے تمہیں [دیکھا] تھا، اسی وقت تم نے میرے دل کے اس گوشے میں جگہ [بنا لی تھی جہ]اں دوسری لڑکیوں کا گزر نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت سے [تم میرے] دل و دماغ میں مہکتی رہی ہو۔ میری پلکوں کی چلمن [پر] تمہارا عکس جھلملاتا رہا ہے۔ میری سانسوں میں تمہارے [لمس کی و]حشت گونجتی رہی ہے۔ شبی! تم میرے حواس پر چھائی رہی [ہو۔ مجھے یقین ہ]ے کہ تم زندگی بھر میرے حواس پر چھائی رہو گی۔ میں [تمہیں ہرگ]ز نہیں بھول سکتی"

[...]یلات کھڑی ہو گئی۔ "میں اب جانا چاہتی ہوں"

"[...] جائیے تو ..."

"[...] اب جاؤں گی" شبانہ کچھ بدحالسی ہو گئی۔

[میں] نے ایک طویل سانس لی "جیسی تمہاری مرضی۔ آؤ" [...] کر دروازے کی طرف بڑھی۔

[...] میں پہنچ کر اس نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا "شکریہ! [میں چلی] جاؤں گی"

"[...] میں ابھی کار میں چھوڑ آتی ہوں"

"[...] شکریہ! میں ٹیکسی کر لوں گی"

"[...] میں ٹیکسی ملنا بڑا مشکل ہوتا ہے"

"[...] کسی طرح چلی ہی جاؤں گی۔ آپ فکر نہ کریں" اس نے [...] اور برآمدے سے اتر کر تیزی سے پھاٹک کی طرف [...]

[...]اسب نہیں سمجھا کہ اسے پھر روکنے کی کوشش کروں۔ مجھے [...]ت ایک عجیب عالم سے گزر رہی ہے۔ آج اس [...]ش ہوا تھا۔ اسے سنبھالا لینے کے لئے کچھ وقت [...] کیفیت ایسی تھی کہ اگر وہ میرے اظہارِ محبت [...] بھی کرتی تو نہ سمجھ پاتی۔

[...] میں لوٹ آئی اور بستر پر لیٹ گئی۔ بستر ابھی تک [...] مہک رہا تھا۔ میں آنکھیں بند کر کے ہاتھوں [...]۔ ذرا دیر پہلے یہ بستر چنگاریوں کا مسکن بنا ہوا تھا [...] بجے فریدہ نے اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔

[...] کھاؤں گی" میں نے فریدہ سے کہا اور اٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی۔ بیس منٹ میں نے باتھ ٹب میں گزار دیئے اور پھر بدن خشک کر کے شلوار سوٹ پہن لیا۔

کھانا کھانے کے بعد مجھ پر غنودگی مسلط ہونے لگی تھی اس لئے میں پڑ کر سو گئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی۔ بیداری کے بعد بھی میں کچھ دیر تک بستر پر ہی پڑی رہی۔ مجھے وہ مہکتے ہوئے لمحات یاد آنے لگے جو میں نے شبانہ کے ساتھ گزارے تھے۔ ان یادوں نے میرے جسم میں سنسناہٹ بھر دی اور میں خود کو بہت چاق و چوبند محسوس کرنے لگی۔ میں نے اٹھ کر لائٹ جلائی اور باتھ روم میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اب مجھے کلب جانے کی تیاری کرنا تھی۔ میں نے الماری سے ہلکے سبز رنگ کی سلکن ساڑی نکال کر باندھی۔ اس شام ہلکی سی خنکی تھی اس لئے میں نے الماری سے سیاہ رنگ کا اسٹول بھی نکالا اور اپنے شانوں پر ڈال لیا۔ یہ اسٹول میری ایک محبوبہ نے پچھلے سال مجھے فرانس سے بھیجا تھا۔

آٹھ بجے میں اپنے کمرے سے نکلنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ باہر کسی موٹر سائیکل کے رُکنے کی آواز سنائی دی۔ غالباً رضوان ہو گا، میں نے سوچا اور ذرا دیر بعد ہی میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ فریدہ نے آ کر بتایا کہ ڈرائنگ روم میں رضوان میرا منتظر ہے۔

میں اپنے شانوں پر اسٹول درست کرتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو رضوان ایک دم کھڑا ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھتا ہوا بولا "کسے قتل کرنے کی تیاری ہے خاتون!"

"بس جو بھی مل گیا، اس کی خیر نہیں" میں نے ہنس کر کہا۔

"سب سے پہلے تو میرا ہی لاشہ گرے گا"

"نہیں میاں مٹھو! تم کو تو میں چوری کھلاؤں گی"

"یہ والی چوری؟" رضوان نے اپنے گال پر انگلی رکھ کر بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"یہ والی چوری کھانے کی تو تم میں ہمت ہی نہیں ہے"

"ایسا نہ کہیئے۔ اگر میں کسی روز نقرئی گولیوں کا ایک ڈوز لے بیٹھا تو آپ کی خیریت نہیں"

"فضول باتیں چھوڑو اور میرے ساتھ آؤ!" میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "اپنی موٹر سائیکل یہیں کھڑی رہنے دو"

"لیکن چلنا کہاں ہے؟"

"تم آج دن بھر کہاں غائب رہے؟" میں جواب دینے کی بجائے سوال کر بیٹھی۔

"آپ ہی کے حکم کی تعمیل میں لگا ہوا تھا"

"کیا مطلب؟"

"آپ نے فرمایا تھا نا کہ شیر بہادر کا انٹرویو لو"

"اوہ، ہاں، اچھا پھر؟"

"اس نے آج شام کو چار بجے بلایا تھا۔ اس سے کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک بڑی دلچسپ گفتگو رہی"

"ویری گڈ!" میں نے کہا۔ "کیا وہ انٹرویو کل کے اخبار میں شائع ہو رہا ہے؟"

"یقیناً!" رضوان نے جواب دیا۔

ہم باتیں کرتے ہوئے نہ صرف باہر نکل آئے تھے بلکہ کار میں بھی بیٹھ گئے تھے۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو دھیمی رفتار سے چلاتی ہوئی پھاٹک سے نکال لائی۔ سڑک پر پہنچ کر میں نے رفتار میں بتدریج اضافہ شروع کیا اور رضوان کو بتانے لگی کہ میں اس وقت کلب جا کر شیر بہادر سے ملوں گی۔

"اس طرح آپ ایک مہیب خطرے کو دعوت دیں گی!" رضوان بڑی گمبھیر سنجیدگی سے بولا۔

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر کہا۔

"شیر بہادر بلا کا عورت خور ہے اور آپ ایسی خاتون نہیں ہیں کہ وہ آپ کو نظر انداز کر دے۔"

"بکو مت!" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں بھی بڑے غضب کی مردم خور ہوں۔"

"مردم خور تو آپ خاک نہیں ہیں۔" رضوان نے منہ بنا کر کہا۔ "اگر ہوتیں تو اب تک میرا لائسنس ضبط کر چکی ہوتیں۔"

"لرننگ لائسنس کی ضبطی سے فائدہ؟"

"کبھی دیکھئے تو سہی، لرننگ نہیں ہے۔"

اسی نوک جھونک میں ہم صدر پہنچ گئے۔ میں نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک دی۔

"یہاں؟" رضوان حیرت سے بولا۔ "کیا کھانے کا پروگرام ہے؟"

"نہیں بس دو ایک سینڈوچ اور کافی! میں آج رات کا کھانا گول کروں گی۔ ہاں اگر تم کھانا کھانا چاہو تو کھا لو۔"

"میں تو ضرور کھاؤں گا۔ دوپہر کو بھی کچھ ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔"

ہم دونوں ریسٹورنٹ کے ایک کیبن میں جا بیٹھے۔ رضوان نے کھانے کا آرڈر دیا جب کہ میں نے اپنے لئے صرف کافی اور سینڈوچ منگائے۔

ریسٹورنٹ میں کوئی پون گھنٹہ گزرا اور میں نے اس دوران میں رضوان سے شیر بہادر کے انٹرویو کی تفصیلات معلوم کیں۔

"اس میں تو کوئی ایسا نکتہ نہیں ہے جو میری دلچسپی کا باعث ہو۔" میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"لیکن یہ نکتہ ضرور آپ کی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ لیڈی فاروق شیر بہادر کی مہمان ہے۔"

"یہ تو مجھے پہلے ہی معلوم ہے، تو کس نے بتایا تھا۔"

"تو کس کے معاملے میں آپ نے مجھے ابھی تک اندھیرے ہی میں رکھ چھوڑا ہے۔" رضوان نے شکوہ کرنے والے انداز میں میں چند لمحات کچھ سوچتی ہوئی اس کی طرف دیکھتی وہ ساری باتیں بتانے لگی جو اب تک اس سے پوشیدہ رضوان بڑی توجہ اور دلچسپی سے سنتا رہا۔

سب کچھ بتانے کے بعد میں بولی۔ "ان تمام با میرا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تم ان پر غور کرو۔ کل کسی و کریں گے تاکہ کسی نتیجے تک پہنچ سکیں۔"

رضوان اسی وقت گہری سوچ میں ڈوب گیا کو بلا کر بل ادا کیا اور ہم وہاں سے اٹھ گئے۔ جب ہم ساڑھے نو بجے تھے۔

میں بہت دن بعد ادھر آئی تھی اس لئے تیزی سے سارے کلب میں پھیل گئی۔ مجھے اس کلب کا سمجھا جاتا ہے۔ متعدد لوگوں نے مجھے گھیر لیا اور میں ان باتیں کرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ میں اس کمرے کا رخ شطرنج کھیلی جاتی ہے۔

کمرے میں شطرنج کھیلنے والوں کے کئی گروپ نظریں ادھر ہی جم گئیں جدھر مجھے جانا تھا۔ وہ ا رہبری ان دو ویٹ نامی باشندوں نے کی تھی ہم ایک قوی الجثہ شخص کے پیچھے بڑی مستعدی سے کھڑا ان دونوں کے بیچ میں ایک گداز بدن بھی موجود تھا، ہاتھ اس قوی الجثہ آدمی کے کندھے پر رکھا ہوا تھا

"یہی شیر بہادر ہے۔" رضوان نے آہستہ

"اور یہ لڑکی؟"

"لڑکی کا خیال سب سے پہلے آ گیا!"

"یہ میرے معیار کے عین مطابق ہے۔"

"یہ شیر بہادر کی لڑکی ہے۔ اس کی ماں بمباری میں ہلاک ہو گئی تھی۔"

"لڑکی کا نام کیا ہے؟"

"نومی کہا جاتا ہے اسے۔" رضوان کا نام نعیمہ ہے۔ نومی کہہ کر پکارنے کا مقصد رنگ بھی موجود ہے۔"

میں سر ہلاتی ہوئی آگے بڑھتی رہی ا میز پر پہنچی تو کئی افراد نے "ہلو بانو!" کہتے ہوئے استقبال کیا۔ میں مسکرا مسکرا کر ان سے رسمی آ محسوس کیا کہ شیر بہادر بڑی گہری نظروں سے میں نے ان نظروں کی گرسنگی پوری شدت

"آپ بہت دنوں بعد آئی ہیں ا" نے کہا۔

اں بس آج جی چاہ رہا تھا کہ شطرنج کی ایک آدھ ئے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

آپ بڑے موقعے سے آئی ہیں۔ ان سے ملیے! .... اور ہیں۔"

دیتھ بانو کہتے ہیں۔" میں نے مسکرا کر شیر بہادر کی طرف

سے مل کر مجھے ہی نہیں بلکہ سب کو خوشی ہوئی ہوگی۔" صافحہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ میرا خیال تھا کہ وہ قدرے زور سے دبائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس اندازہ لگایا کہ یہ شخص خاصا چالاک قسم کا عورت خور ت احتیاط سے قدم اٹھانے کا عادی ہوگا۔

بڑی گہری نظر سے اس کے پیچھے کھڑی ہوئی نومی

بیٹی نومی ہے۔" شیر بہادر نے خود ہی تعارف کرا دیا۔

مل کر خوشی ہوئی۔" نومی نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔

ابھی بچی معلوم ہوتی ہو۔" میں نے مصافحہ کر کے اس

سے کہا۔

میں میٹھا دہ مسکرائی۔

اں، تم مجھے صرف بانو کہہ کر مخاطب کر سکتی ہو۔ مجھے بھی

ا۔"

تو جائیے بانو!" وہ شخص کرسی سے کھڑا ہوتا ہوا بولا

مقابل بیٹھا ہوا تھا۔

ں! پہلے آپ اپنی بازی تو مکمل کر لیجئے!"

ق نہیں پڑتا۔ معلوم ہے کہ ہار جاؤں گا۔"

آپ تو بڑے اچھے کھلاڑی ہیں مسٹر انصاری!"

کا بہترین اچھا کھلاڑی مسٹر شیر بہادر علی کا لوہا مان چکا ہوں، نے مجھے بتایا۔" ان سے آپ کا مقابلہ خاصا

میں نے بڑی دلچسپی سے شیر بہادر کی طرف دیکھا جو بہت نکھار رہا تھا۔

بھی بڑی تیزی سے کلب میں پھیل گئی کہ شیر بہادر ہم نے ابھی مہرے جمائے ہی تھے کہ ہمارے گرد

دل پر کھیلتے ہوئے شاطر حضرات بھی اپنا کھیل آئے۔ اس ہجوم کو دیکھتے ہی وہ دونوں ویٹ نامی مڑانے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ شیر بہادر

دہی سفید مہرے مجھے دیئے گئے تھے۔ اس لیے

پہلی چال میں نے چلی۔

"میں آپ کی کامیابی کے لئے دعاگو ہوں۔" شیر بہادر نے مسکراتے ہوئے کہا اور بائیں کنارے کے پیدل کو حرکت دی۔

کھیل آگے بڑھتا رہا۔ لوگ بڑی توجہ اور دلچسپی سے ایک ایک چال کو دیکھ رہے تھے۔ شیر بہادر کے ہونٹوں پر بڑی پُراعتماد مسکراہٹ رقصاں تھی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کے دو دو پیدل پیٹ لئے اور ایک موقعے پر فیلوں کا تبادلہ ہوتے ہوتے بچا۔ شیر بہادر خود ہی کترا گیا تھا جب کہ میری خواہش تھی کہ وہ اپنے فیل سے میرے فیل کو مار دے۔ پھر میں اس کے فیل کو مارتے ہوئے اپنا گھوڑا آگے نکال لے جاتی۔ اس طرح میرے لئے بہتر راستے کھلنے کے امکانات تھے جن کو شیر بہادر نے محسوس کر لیا تھا۔

کھیل کے دوران میں میری کچھ توجہ نومی کی طرف بھی رہی۔ میری نظریں تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس کی طرف ضرور اٹھ رہی تھیں۔ اس کی طرف نہیں بلکہ اس کے گریبان کی طرف!... اس نے خاصے کشادہ گلے کا اسکرٹ پہن رکھا تھا جہاں سے طلوع ہوتے ہوئے سانولے ہلال، کسی مقناطیس کی طرح میری نگاہوں کو کھینچ لیتے تھے۔

ایک موقعے پر مجھے شیر بہادر کا ایک پیدل مارنے کا موقع مل گیا لیکن وہ پیدل مارنا میری زبردست غلطی تھی۔ شیر بہادر فوراً اپنے فیل کو ایک ایسے رُخ پر لے آیا کہ میرے گھوڑے کا پٹ جانا یقینی نظر آنے لگا۔

"اوہ!" میرے منہ سے نکلا اور شاید ہاتھ پیر بھی پھول گئے۔ تماشائیوں میں سنسنی پھیل گئی۔ رضوان ہونٹ بھینچے، بساط پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

اس وقت میں نے ایک بار پھر نومی کی طرف دیکھا جو اس چال کو سمجھنے کے لئے کچھ آگے جھک آئی تھی۔ اس کا یہ جھکاؤ میری نگاہوں کے لئے قیامت بن گیا۔ میرے بدن میں برقی لہریں دوڑنے لگیں۔ نوخیز شباب کی رعنائیاں جیسے میرے وجود پر گری پڑ رہی تھیں۔

"چال چلیے بانو!" شیر بہادر بولا۔

"اوہ، ہاں!" میں نے بوکھلا کر چال چل دی لیکن اس چال سے میرے گھوڑے کا بچاؤ تو ممکن ہی نہیں تھا۔

"یہ کیا کر دیا آپ نے؟" رضوان جیسے چیخ پڑا۔ "اس چال سے گھوڑا کیسے بچے گا؟"

"گھوڑا کسی طرح بھی نہیں بچ سکتا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"بچ کیوں نہیں سکتا!... آپ وزیر کو کراس میں دو خانے آگے نکال لیتیں۔ اگر یہ آپ کا گھوڑا مارتے تو آپ ان کا پیدل مار کر شہ دیتیں۔ جب یہ شہ سے بچتے تو آپ ان کا رُخ مار کے بات برابر کر لیتیں۔ اگر یہ اس شہ سے بچنے کے لئے آپ کے گھوڑے کو بھول کر اپنے پیدل کو زور

دیتے تو آپ بھی اپنے وزیر کو دائیں طرف لاکر اپنے گھوڑے کو زور دے لیتیں۔"

"ہوں۔" میں ہونٹ بھینچ کر رہ گئی کیونکہ رضوان ٹھیک کہہ رہا تھا۔

"آپ چال واپس لے لیں۔" شیر بہادر نے پیش کش کی۔

"نہیں، شکریہ۔"

"کیا آپ ہمیشہ ایسا ہی کریں گی؟"

"کیسا؟... کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کہ آپ پھر میری زد پر آجائیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ شیر بہادر کا لہجہ خاصا معنی خیز تھا۔

"آپ میری پرواہ نہ کریں۔ زد پر آنے کا مطلب شکست تو نہیں ہوتا مسٹر شیر بہادر!"

"آپ کی مرضی۔" شیر بہادر نے کہتے ہوئے اپنے رُخ سے میرے گھوڑے کو مارا۔

کھیل کی صورت حال میرے لئے تشویش ناک ہو چکی تھی۔ شیر بہادر جیسے کھلاڑی کے مقابلے پر ایک مہرہ کم ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اب مجھے شکست سے بچنے کے لئے اپنے دماغ کی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی ضرورت تھی اور اس ساری خرابی کا سبب میری جمالیاتی حس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ نومی کے گداز نے میری توجہ اس طرح حاصل کی تھی کہ مجھے پوری طرح کھیل کی طرف متوجہ رہنے کا یارا ہی نہ رہا تھا۔

لیکن اب اس عاشقی میں عزت سادات بھی جاتی نظر آ رہی تھی۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ میری شکست سے کلب کے بہتیرے ممبر پژمردہ ہو جائیں گے۔ جو لوگ میرے ارد گرد کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے مجھ سے بہت سی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں اور میری اس غلط چال کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ان کی آنکھوں میں جیسے چراغ بجھ گئے تھے۔

"بس اب سنبھل جاؤ بانو۔" میں نے اپنی قوت ارادی کو مضبوط کرنے کے لئے دل ہی دل میں کہا اور مقابلے کے لئے اپنے ذہن کو یکسو کرنے کی کوشش میں لگ گئی۔

کھیل آگے بڑھتا رہا۔ میرا مہرہ پٹ جانے کے بعد ایسا سناٹا چھا گیا تھا جیسے وہ کلب کا کمرہ نہیں، قبرستان ہو۔

تین چار چالوں کے بعد ہی میں اپنے ذہن کو یکسو کرنے میں کامیاب ہو گئی اور میری چالوں کا انداز جارحانہ ہوتا چلا گیا۔ شیر بہادر کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ شروع سے اب تک قائم رہی تھی، وہ کافور ہو گئی اور پھر جلد ہی ایک ایسا موقع آیا کہ اس کا رُخ میری زد میں آگیا۔ صورت کچھ یوں تھی کہ اگر وہ رُخ بچانے کی کوشش کرتا تو اس کا وزیر مارا جاتا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا یہ مسئلہ دیکھ کر شیر بہادر کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔

"بہتر ہے!" رضوان اچھل پڑا۔

"یہ ہوا ہے جواب!" کلب کا سکریٹری بھی بول پڑا۔ "کیا خیال ہے مسٹر بہادر!"

"بلاشبہ یہ ایک اچھی چال تھی۔" شیر بہادر نے کہا۔

اُس وقت میرا جی چاہا کہ نومی کی طرف دیکھوں لیکن اس خواہش کو بہ جبر کچل دیا۔ میرے لئے فی الحال یہی تھا اپنے جمالیاتی ذوق کی گٹھڑی باندھ کر الگ رکھے رہوں۔

شیر بہادر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد رُخ کو پیچھے ہٹا دیا اور دائیں جانب سے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا دیا۔

"آپ اطمینان رکھیں مسٹر شیر بہادر!" میں نے کہا۔ "میں آپ کا رُخ ہرگز نہیں ماروں گی۔"

"کیا!" رضوان آنکھیں نکال کر بولا۔ "یہ تو حماقت ہے۔"

"میں چاہتی ہوں کہ مات ہونے تک مسٹر شیر بہادر کا رُخ زندہ رہے۔"

"ایسا کر کے آپ میرے ساتھ زیادتی کریں گی۔" شیر بہادر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اس میں ایک طرح سے میری ہتک کا پہلو بھی نکلتا ہے۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں مسٹر شیر بہادر! میں آپ کا رُخ اس لئے نہیں ماروں جبکہ مات کی چال موجود ہے۔" میں نے اپنے ایک پیادے کو دو خانے ہٹایا اور چہکی۔ "اگلی چال میں آپ پر شہ ہو گی۔ آپ اُسے کسی طرح نہیں روک سکتے اور اس کے بعد تیسری چال میں آپ کو مات ہو جائے گی۔ رُخ اور وزیر کے چکر میں آپ میرے اس اقدام پر غور ہی نہیں کر سکے تھے۔"

دفعتاً کسی کی ہلکی سی کراہ سنائی دی اور پھر کوئی گرا۔

"نومی!" شیر بہادر جیسے چیخ پڑا اور مایوسی کے عالم میں اٹھا کہ میز الٹتے الٹتے بچی۔ سارے مہرے جھٹکے سے لڑھک ہی گئے تھے۔

نومی فرش پر پڑی ہوئی اس طرح اینٹھ رہی تھی جیسے اس کی جان نکلی جا رہی ہو۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر کوئی چیخا۔ "ڈاکٹر! ڈاکٹر کو بلاؤ!"

"گھبرائیے نہیں۔" شیر بہادر نے جیسے ہنس کر کہا۔ "یہ ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔"

شیر بہادر کے باڈی گارڈز میں سے ایک نے چھوٹی سی شیشی نکالی، اس کا کارک الگ کیا اور شیشی نومی کی ناک سے لگا دی۔

"یہ... یہ... ہوا کیا ہے؟" رضوان ہکلا کر بولا۔

"یہ میری بدنصیبی ہے۔" شیر بہادر نے مغموم لہجے میں کہا۔ "نومی کو کبھی کبھی مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔"

"مرگی!" میرے مُنہ سے نکلا اور میں جیسے سناٹے میں آگئی۔ یہ جان کر صدمہ پہنچا تھا کہ نومی جیسی خوش بدن لڑکی، سب کی ترحم آمیز نظریں نومی کے اینٹھتے، بل کھاتے ہوئے [illegible] پر جمی تھیں اور شیر بہادر کا باڈی گارڈ نومی کی ناک سے شیشی لگائے ہوئے تھا۔

اس کے بعد نومی کی اینٹھن اور اکڑن کم ہونا شروع ہوئی اور [illegible] بحال ہو گئی۔ جب وہ خود ہی اُٹھ کر بیٹھی تو اس کا چہرہ زرد اور وہ حد درجہ مضمحل نظر آ رہی تھی۔

"جی ہاں!" شیر بہادر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور اسے سہارا دے کر اٹھانے لگا۔ پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر معذرت [illegible] لایا۔ "معاف کیجئے گا حضرات! میں اب رُک نہیں سکوں گا!"

اس نے کسی کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور نومی کو سہارا دے کر دروازے کی طرف لیے چلا گیا۔ کلب کا سکریٹری اور کچھ دوسرے [illegible] بھی ساتھ ساتھ ہو لیے لیکن میں جہاں تھی، [illegible] رہی۔

[illegible] "نومی! مرگی!" میرا جسم سنسنا رہا تھا۔

"ہم بھی نکل چلیں۔" رضوان نے میری طرف جھک کر کہا۔ "ویسے مجھے اس پر یقین نہیں ہے کہ اُسے مرگی کا [illegible]"

"[illegible]" میں چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

"[illegible] کہ اس طرح اُس نے اپنے باپ کو شکست سے [illegible]"

"[illegible] بات کر رہے ہو۔"

"نہیں بلکہ حالات کا غیر جانبدارانہ جائزہ ہے۔ [illegible] بیان میں اُلجھ کر رہ گئی تھیں۔" رضوان نے کہا۔

[illegible] تیز نگاہوں سے دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔

[illegible] اور اس کی بیٹی کو چھوڑنے کے لیے چلے گئے [illegible] تھے، وہ دو تین گروپوں میں بٹ کر نومی ہی کے [illegible] اظہار رائے کر رہے تھے۔ عورتوں کے بارے میں [illegible] جنس کی آمیزش مجھے بڑی شدت سے محسوس [illegible] بات کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔

[illegible] کر جلد ہی باہر نکل جانے کا موقع مل گیا۔ [illegible] جاتے ہوئے میں نے کار کی رفتار خاصی تیز رکھی [illegible] نام ٹریفک رہ گیا تھا۔ جب میں گھر پہنچی تو [illegible] سے اتر کر اپنی موٹر سائیکل کی طرف بڑھ گیا۔

"[illegible]" میں نے بلند آواز سے کہا۔

[illegible] سر ہلا کر اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا اور اُس [illegible] کی طرف مُڑ گئی۔ جب میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی تو میں نے موٹر سائیکل کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سُنی۔

فریدہ میرے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کھانے کے لئے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "آج میں کھانا گول کرنا چاہتی ہوں۔ کل سے پیٹ کچھ بھاری ہو رہا ہے۔" آخری فقرہ کہتے ہوئے مجھے مزمون کا خیال آگیا۔ اگر وہ موجود ہوتا تو میرے مُنہ سے یہ بات سُن کر خوب خوب پھبتیاں کستا۔

اپنی خوابگاہ میں پہنچ کر میں نے شب خوابی کا لباس پہنا اور بستر پر لیٹ گئی۔ لیٹتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے شبانہ بھی وہاں موجود ہو۔ بستر اس کے کنوارے بدن کی خوشبو سے مہکتا محسوس ہو رہا تھا۔

دوسری صبح میں خاصی دیر سے جاگی۔ دس بجے ناشتہ کرنے بیٹھی۔ ناشتے کے بعد میں نے اخبار اٹھا کر سرخیوں پر نظر ڈالنا شروع کی اور ابھی دوسری ہی سُرخی پڑھ رہی تھی کہ ٹیلیفون گھنگھنانے لگا۔

کون ہو سکتا ہے؟ میں نے سوچتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو!" "میں ماؤتھ پیس میں بولی۔ "صبیحہ اسپیکنگ۔"

"آداب عرض۔" آواز کچھ جانی پہچانی محسوس ہوئی۔

"آداب۔" میں اُس شخص کو پہچاننے کے لیے دماغ پر زور ڈالنے لگی۔

"شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں!"

"اوہ!" میں چونک پڑی۔ "مسٹر شیر بہادر!"

"میری خوش قسمتی کہ آپ نے پہچانا۔"

"معاف کیجئے گا۔ دراصل پہلے کبھی آپ کی آواز ٹیلیفون پر سُنی ہی نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ میری دانست میں آپ کے ٹیلیفون کا کوئی امکان بھی نہیں تھا۔ آپ کو میرا نمبر کیسے معلوم ہوا؟"

"کلب کے سکریٹری سے معلوم کر لیا تھا۔"

"اوہ! اچھا! فرمائیے، کیسے زحمت کی؟ نومی کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ وہ کبھی کبھی بس وقتی طور سے پریشانی کا سبب بن جاتی ہے۔"

"مجھے بیحد افسوس ہے کہ اتنی پیاری بچی اتنے بے ہودہ مرض میں گرفتار ہے۔"

"چھوڑیے بھی ان باتوں کو۔ اس تذکرے سے میں کچھ دیر کے لئے مضمحل ہو جاتا ہوں۔ دراصل میں نے آپ کو ایک اطلاع دینے کے لئے فون کیا تھا۔"

"اطلاع؟"

"جی ہاں۔" شیر بہادر نے کہا۔ "میں اپنے گھر پر ایک جشن کا اہتمام کر رہا ہوں۔ شطرنج کے تمام اچھے اچھے کھلاڑیوں کو اس جشن میں

مدعو کیا جائے گا۔ میں نے اس سلسلے میں کلب کے سکریٹری سے بات کرلی ہے۔ وہ اپنے مکمل تعاون کا یقین دلا چکے ہیں۔ یہ جشن کل رات سے شروع ہو جائے گا اور ایک ہفتے تک جاری رہے گا۔ رقص و سرود کی محفلوں کے ساتھ بساطِ بھی جمتی رہے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ جشن آپ کے اعزاز میں برپا کیا جائے۔"

"ارے نہیں مسٹر شیر بہادر! میں اس قابل کہاں ہوں۔"

"آپ شطرنج کی بہت اچھی کھلاڑی ہیں۔ کل میں آپ سے بہت متاثر ہوا تھا۔ آپ نے بڑی خوبصورت مات نکالی تھی۔"

"لیکن مات ہوئی کہاں تھی؟ کھیل ہی گڑبڑ ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ آپ بچاؤ کا کوئی راستہ نکال لیتے۔"

"جو ہو گیا، اُسے چھوڑیے! میں تو کل کی بات کر رہا ہوں۔ آپ آئیں گی نا؟"

"آپ میری معذرت قبول کرلیں تو اچھا ہے۔ میں کچھ مصروف۔۔۔"

"میں کوئی عذر نہیں سنوں گا بانو!" وہ میری بات کاٹتا ہوا بولا۔ "اگر آپ نے حامی نہیں بھری تو آج شام کو نومی کی قیادت میں ایک وفد آپ کے پاس آئے گا۔ یہ خود نومی کی تجویز ہے کہ یہ جشن آپ کے اعزاز میں ہو۔"

میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ کیا شیر بہادر، نومی کا نام لے کر میرے جذبات کو اُبھارنا چاہتا ہے؟ کیا اُسے معلوم ہو گیا ہے کہ میں لڑکیوں سے محبت کرتی ہوں؟

"جواب دیجیے بانو!" شیر بہادر قدرے توقف سے بولا۔

"آپ نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے مسٹر شیر بہادر! اچھا آپ مجھے شام کو فون کر لیجیے گا۔ اِس وقت تو میں کوئی جواب نہیں دے سکوں گی۔ مجھے کچھ مہلت دیجیے سوچنے کے لیے۔"

"آپ خوب سوچیے لیکن آپ کو جواب تو اثبات ہی میں دینا ہو گا۔"

"یہ تو گویا زبردستی ہوئی!" میں ہنس کر بولی۔

"اب آپ جو کچھ بھی سمجھیں۔"

"اچھا خیر!" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ "شام کو دیکھا جائے گا۔"

"بہتر ہے۔ اچھا، خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" میں نے آہستہ سے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

یہ ایک ایسی صورتِ حال تھی جس کا گزر میرے ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی نہیں ہوا تھا۔ گو کہ میں گذشتہ رات اسی لئے کلب گئی تھی کہ شیر بہادر سے تعلقات پیدا کرنے کی راہ نکالوں گی لیکن اب ہوا یوں تھا کہ شیر بہادر خود ہی راستہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اب میں جتنا بھی آگے بڑھنا چاہتی، بڑھ سکتی تھی۔

مجھے فوکس کا خیال آیا جو یہ چاہتا تھا کہ میں شیر بہادر سے تعلقات بڑھاؤں۔ یہ معاملہ اتنا پیچیدہ تھا کہ میں اس میں بُری طرح اُلجھ گئی تھی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے فوکس مجھے بیوقوف بنا رہا ہو اور کبھی ایسا لگتا سب کچھ حقیقت ہے جو فوکس نے مجھے بتائی تھی۔

فوکس کو سچا سمجھنے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہو جاتا تھا کہ آخر لیفٹی فاروق اور شیر بہادر کا تعلق کس گروہ سے ہے؟ کیا وہ روسی تنظیم کے جی بی کے ایجنٹ ہیں؟ اس کی دشمنی کے جی بی ہی سے ہو سکتی تھی۔

لیکن اگر میرا پہلا خیال درست تھا، یعنی فوکس بنانے کی کوشش کی تھی تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ بنانے کا مقصد کیا ہے؟ آخر وہ مجھے ان چکروں میں چاہتا تھا؟

میں نے ان سوالوں پر بہت غور کیا لیکن سر سوا کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا۔

شیر بہادر کا فون آنے سے قبل میں اخبار پڑھ رہی تھی مگر یہ کام مکمل نہیں ہو سکا تھا۔ اب میں نے پھر اخبار سے اہم خبر یہ تھی کہ کشمیر میں ہونے والی جنگِ آزادی چکی تھی۔ خبر سے کچھ ایسا اندازہ ہو رہا تھا جیسے سارا کشمیر چکا ہے اور گوشے گوشے میں شعلے لپک رہے ہیں۔ اگ اسی عالم میں گزر چکا تھا اور کل ستمبر کی پہلی تاریخ تھی۔ گزشتہ ماہ کا سورج کشمیر کے حالات میں کوئی تبدیلی لا ایک خبر کے مطابق وزیرِ خارجہ صوبۂ سرحد میں اپنی نامعلوم مصروفیات کے بعد اسلام آباد پہنچ چکے تھے۔

یہ خبر پڑھ کر مجھے وہ گفتگو یاد آئی جو وزیر اور پھر مجھے ڈاکٹر ڈونگ کی جیب سے برآمد ہونے کا خیال آیا جس میں صوبۂ سرحد کے ایک مقام پر نشان لگا نقشے کے ساتھ ایک خفیہ رپورٹ بھی تھی اور وہ دونوں ہاتھ سے نکل چکی تھیں۔ فوکس نے ہی انہیں زبردستی میرے پاس سے اڑوایا تھا۔

دفعتاً ایک خیال میرے ذہن میں بجلی کی طرح تو نہیں کہ فوکس مجھے اِن بے تکے معاملات میں الجھا کر روکے رکھنا چاہتا ہو۔

گو کہ میں نے اُسے یہی باور کرانے کی کوشش خفیہ رپورٹ اور نقشے کو سمجھنے سے قاصر رہی ہوں لیکن میرے بیان پر یقین نہ آیا ہو۔ وہ چاہتا ہو گا کہ میں مقام کی طرف دوڑ نہ لگا سکوں لہٰذا اُس نے مجھے رکھنے کے لئے ایک ڈرامہ کھیلنا شروع کر دیا۔

جیسے جیسے میں اس نکتے پر غور کرتی رہی، میرا یقین مستحکم ہوتا چلا گیا کہ مجھے صوبۂ سرحد کے اُس مقام کا رُخ آدھے گھنٹے کے اندر اندر میں نے کراچی

کی میں مصروف ہو گئی۔ سب سے پہلے میں نے لائنس کے بارے میں پوچھا۔ پتہ چلا کہ پشاور زی دیر قبل جا چکی ہے لیکن تیسرے پہر کو ایک ایسی لی ہوتی ہوئی پشاور پہنچے گی۔

ایر سوچا اور پھر فیصلہ کر لیا کہ مجھے اسی فلائٹ لے۔ گو کہ میری اصل منزل پشاور نہیں تھی لیکن جہاں الی جہاز نہیں جاتے تھے۔ اس جگہ تک پہنچنے کا سہارا لینا پڑتا اور یہ سہارا میں کراچی سے لینا چاہتی تھی۔ اس طرح خاصا وقت بچ من میں یہ بات بھی تھی کہ مجھے اپنی منزل ہوپ بھی بھرنا ہو گا جو پشاور ہی سے بھرا جا

س ٹریولنگ ایجنٹ کو فون کر کے ٹکٹ کے کیس میں اپنے چند جوڑے اور نسوانی ضروریات ریوالور اور کارتوسوں کی پیٹی بھی اُسی میں اریں میں کھانے کا وقت ہو گیا اور چونکہ رات ں لئے اب فوراً ہی کھانا کھانے بیٹھ گئی۔

آنے کا وعدہ کر کے گئی تھی لیکن ابھی ضوان سے بھی یہ بات طے تھی کہ آج کسی مے گا۔ اب اگر وہ دونوں دو بجے تک ا سکتی تھی۔ ڈھائی بجے میں ایئرپورٹ کے

کہ میں نے رضوان کے دفتر فون کیا لیکن وہاں وہ عموماً دفتر سے غائب ہی رہتا تھا۔ اس کی ڈیوٹی یہ نہیں تھی کہ وہ دفتر میں

ک اُن دونوں کا انتظار کیا اور پھر اپنا ایرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔ میں نے انتا تا کہ وہ گاڑی واپس گھر لا سکے۔ وہ استے میں نے ہی سکھائی تھی۔ بانو!" فریدہ نے پوچھا۔

ہاں، ہوں لیکن مجھے یہ بات راز میں رکھنا منا اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ کراچی میں نہیں ہوں۔ اگر کوئی ر میں انتہائی مصروف ہوں، اس لئے لسا اور نہ فون پر بات کر سکتی ہوں۔"

"بہتر ہے۔ کیا رضوان صاحب کو بھی یہی جواب دینا ہو گا؟"

"ہاں، سب کو۔"

"کیا آپ یہ بھی نہیں بتائیں گی کہ واپسی کب تک ہو گی؟"

"تین چار دن میں واپس آجانا چاہیے۔ اگر میں اس عرصے میں واپس آنے سے قاصر رہی تو پھر کم از کم کوئی پیغام ضرور بھیج دوں گی۔"

"ہاں ایسا ضرور کیجیے گا ورنہ مجھے پریشانی لاحق ہو جائے گی۔" فریدہ نے کہا۔

تین بجنے میں دس منٹ باقی تھے جب میں نے گاڑی ایئرپورٹ پر روکی اور جب پورٹر گاڑی سے میرا اٹیچی کیس نکال رہا تھا تو کچھ فاصلے پر ایک موٹر آکر رکی۔ میری نظر اتفاقاً ہی اُس طرف اٹھ گئی تھی۔ میں نے موٹر سے ایک بوڑھے آدمی کو اترتے دیکھا اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں۔

"آپ کہاں جائیں گی میڈم؟" پورٹر نے پوچھا۔

"پشاور۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر فریدہ سے بولی۔ "تم یہاں رک کر کیا کرو گی؟ جاؤ!"

"بہتر ہے۔ خدا حافظ بانو!"

"خدا حافظ۔"

اب جو میں نے پلٹ کر اُس بوڑھے کو دیکھنا چاہا تو وہ غائب ہو چکا تھا۔ میں پورٹر کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ عمارت کے دروازے پر حسبِ معمول میرا ٹریولنگ ایجنٹ موجود تھا۔ اُس نے ٹکٹ میرے حوالے کیا اور رخصت ہو گیا۔ پورٹر نے میرا اٹیچی کیس لے جا کر اُس کاؤنٹر پر رکھ دیا جہاں سامان وزن کیا جاتا تھا۔ وہیں سے مجھے سیٹ نمبر اور سامان کا نمبر مل گیا۔ پورٹر کو میں نے پانچ روپے دے کر رخصت کر دیا اور ڈیپارچر لاؤنج کی طرف بڑھی۔ اس دوران میں میرا ذہن اِس سوال کی چبھن برداشت کرتا رہا تھا کہ اُس بوڑھے کی شخصیت مجھے شناسا کیوں محسوس ہوئی تھی؟ میں نے اُسے پہلے کب اور کہاں دیکھا تھا؟

ڈیپارچر لاؤنج میں پہنچ کر میں ایک صوفے کے کنارے پر بیٹھ گئی اور پھر اچانک میں نے محسوس کیا کہ لاؤنج میں موجود افسران میری طرف دیکھ دیکھ کر آپس میں کچھ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ ایک دو لمحوں کے لئے تو مجھے ان کا یہ انداز سخت ناگوار گزرا لیکن پھر جلد ہی اس کا سبب میری سمجھ میں آگیا۔ دراصل اُن افسروں نے مجھے پہچان لیا تھا۔ ابھی کل ہی تو وہ اس ہنگامے سے دوچار ہو چکے تھے جس کا مرکز میری اور الماس کی ذات تھی۔

میں نے لاپروایانہ انداز میں اپنا سر جھٹکا اور صوفے کی پشت سے ٹیک کر سرسری سے انداز میں دوسرے مسافروں کا جائزہ لینے لگی۔ دفعتاً میری نگاہیں ایک چہرے پر ٹھٹھک گئیں۔ یہ اُسی بوڑھے کا چہرہ تھا جس نے ذرا دیر قبل میرے ذہن میں خلش پیدا کر دی تھی۔ وہ سر جھکائے اخبار پڑھ رہا تھا۔ اُس نے کسی گرم کپڑے کا بُش کوٹ اور سفید پتلون

پہن رکھی تھی۔ سر کے آدھے سے زیادہ بال سفید ہو چکے تھے اور یہی حال گھنی مونچھوں کا تھا۔ اس نے سنہری فریم کی عینک لگا رکھی تھی، جس کے شیشے خاصے موٹے معلوم ہو رہے تھے۔ دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں سگار دبا ہوا تھا جس کے سرے پر جمی ہوئی راکھ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بجھ چکا تھا۔

مجھے زیادہ دیر تک اس کا جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ مسافروں سے درخواست کی جا رہی تھی کہ وہ پشاور جانے والے طیارے میں پہنچ جائیں۔

بہت سے مسافروں کے ساتھ میں بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور میں نے کنکھیوں سے دیکھا کہ وہ بوڑھا اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔ دوسرے بہت سے لوگ بھی بیٹھے رہے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جن کو بعد کی کسی فلائٹ سے کہیں جانا ہوگا۔

میں اندرونی دروازے سے رن وے کی طرف نکل گئی۔ وہاں ایک وین مسافروں کو طیارے تک لے جانے کے لئے موجود تھی۔ میں اس میں بیٹھ گئی۔ جب ساری سیٹیں بھر گئیں تو وین کے دروازے بند ہو گئے اور وہ حرکت میں آگئی۔

میں خواہ مخواہ اُلجھن میں پڑ گئی ہوں، میں نے اُس بوڑھے کا خیال کرتے ہوئے سوچا۔ یہ ایک عام بات ہے کہ بعض چہروں کو دیکھ کر خواہ مخواہ شناسائی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

میں نے سر جھٹک کر اس بوڑھے کے خیال کو اپنے ذہن سے نکالنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ جب وین رُکی اور مسافر اُتر اُتر کر طیارے کی طرف بڑھنے لگے تو میں وہیں ٹہلنے لگی۔ مجھے دوسری وین کا انتظار تھا جو آتی دکھائی دے رہی تھی۔ ذرا ہی دیر بعد وہ وہاں رُکی اور اُس میں سے مسافر اترنے لگے۔ میں ایک ایک چہرے کا جائزہ لینے میں معروف تھی۔ آخر آخری مسافر بھی اُتر آیا لیکن اُس بوڑھے کی شکل نہیں دکھائی دی۔

وہ واقعی کسی اور فلائٹ کا مسافر ہوگا، میں نے طیارے کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے سوچا۔

طیارے میں میری سیٹ خاصی آگے تھی۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے میں نے جائزہ لے لیا کہ طیارے میں دو ائیر ہوسٹس تھیں مگر ان میں سے ایک بھی میرے معیار کے مطابق نہیں تھی۔ مجھے بڑی کوفت ہوئی اور میں نے اپنی دائیں جانب کی سیٹوں کا جائزہ لیا۔ وہ سیٹیں بھر چکی تھیں اور وہاں بھی کوئی دلآرام چہرہ نہیں تھا۔ سبھی مونچھوں والے تھے۔

میری سیٹ کھڑکی کے قریب تھی اور میرے برابر کی دونوں سیٹیں خالی تھیں۔ اب میں بس یہی دعا کر سکتی تھی کہ ان سیٹوں کے بھاگ جاگ جائیں لیکن بہ مشکل دو منٹ بعد ہی میری دعا کی نامقبولیت کا پچاس فیصد ثبوت مل گیا یعنی کنارے والی سیٹ پر ایک ادھیڑ عمر خان صاحب آبیٹھے۔ اب صرف بیچ کی سیٹ، دل میں گڑگڑا کر دعا مانگنے لگی کہ کم سے کم اس چہرہ نہ آئے۔

میری یہ دعا قبول ہو گئی۔ اس سیٹ پر کیا لیکن بدنصیبی کہ کوئی گداز بدن بھی نہیں آئی رہی اور جہاز کے دروازے سے سیڑھی ہٹالی مایوس ہو کر نشست گاہ سے ٹیک لگالی اور کچھ دیر بعد جہاز ٹیک آف کر گیا۔ میں

لگی جو مجھے اب سر کرنا تھی۔ میں نے فوکس بھی سوچا امکان یہی تھا کہ میرے اس طرح وہ دونوں چکرا کر رہ جاتے اور میرا پتہ لگا ایک کر دیتے۔

طیارے کو پرواز کرتے ہوئے آدھا گھنٹہ مسلط ہونے لگی۔ سفر میں اگر کوئی میری چہرہ کی فضا بھی بوجھل ہو تو مجھ پر بڑی شدید بوریت میں یہ سوچ کر اپنی سیٹ سے اُٹھی کہ طیارے لیا جائے، شاید کہیں دو چار سانسیں لینے مل جائے۔

میں درمیانی راستے پر چل پڑی۔ لوگ سوچا ہو گا کہ میں باتھ روم جا رہی ہوں۔ کی نشستوں پر پھسلتی چلی جا رہی تھیں کہ ایک قدم ڈگمگا گئے۔

وہ چہرہ اُسی پُراسرار بوڑھے کا تھا اور اخبار پڑھنے میں مصروف تھا گو کہ میں اُسے اب اُسے دوبارہ سامنے دیکھ کر میرے دل شبہات کی جڑیں مضبوط ہونے لگیں۔ کالا ضرور ہے۔

میں ایک لمحے کے لئے ٹھٹھک بڑھنے لگی تھی۔ میں بوڑھے کے برابر کی نظریں اخبار سے نہیں ہٹی تھیں لیکن حرکت سے باخبر ہوگا۔

میں چھ سات قدم آگے بڑھی تو جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔ اس مرتبہ تو میری جان نثار تھی لیکن اُسے ملنا ایک لازمی امر تھا۔

وہ شبانہ تھی، شبانہ! میری میں نے دیکھا کہ اس کی نظر بھی ہونٹ جیسے غیر ارادی طور پر کھلا اور

اُٹھ کر دیکھنے لگی۔ اس کی ناراضگی کا یہ انداز بڑا
ساکے برابر میں بیٹھ گئی۔ دونوں نشستیں

سانے اُسے مخاطب کیا۔
اشبہ میں بولی اور اس کی نگاہیں بدستور
ہیں۔
کیا بھی نہیں؟" میں نے شکایتی انداز میں کہا
سے سر گھما کر میری طرف دیکھا اور پھر نظریں

" میں نے پیار بھرے انداز میں پوچھا۔
کیوں پڑ گئی ہیں!" وہ جیسے روہانسی
حاصل کر لیا ہے اب تو میرا پیچھا چھوڑ دیجئے!"
اور میں سنجیدہ ہو کر بولی "شبو! تم نے
ہی انداز میں محسوس کیا ہے۔ کاش تم میرے
مجھے تم سے پیار ہے۔ مجھے تم سے محبت
ہے ..... شبو! شاید یہ لفظ بھی میرے
سکتے۔ اگر کبھی وقت آیا تبھی تم اندازہ
کتنا شدید ہے۔"
بس "واقعی، وہ پیار مجھے کتنا پیارا ہوتا
پاش پاش کر دیا ہے۔ بانو! مجھے موت
کاش کر لیتی۔"
ایک زہر ہے۔ یہ کیفیت ایک
کو اندر ہی اندر چاٹتی چلی جاتی ہے
کھا کر رہ جاتا ہے۔ میں نے تو
عشق کی تھی جہاں رہتے رہتے
جانا۔"
دونوں ہی کی آواز اتنی مدھم رہی
لوگ کچھ نہ سن سکیں۔
دینے میں مصروف تھے دو
تھیں۔ شبانہ اس طرح ساکت
ہی نہ ہو۔ میں نے ہی اُس
سنبھالے لی اور اس میں تھوڑی سی
"تو جائے تو پی لو۔"
اُٹھا لیا۔

ا لی۔"
سے مل کر میں اس پُراسرار
اس مسئلے سے اُلجھا

ہوا تھا کہ شبانہ کی ناراضگی کس طرح رفع کی جائے۔

"کیا تم واپس پنڈی جا رہی ہو؟" میں نے چائے پینے کے بعد پوچھا۔

"ہاں۔"

"لیکن تمہاری ماں تو کل ہی کراچی پہنچی تھیں!"

"اُن کی مصروفیات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تمہیں اچانک پنڈی جانے کا خیال کیوں آگیا؟"

"میں وہاں سے مری چلی جاؤں گی۔"

"مری تو اب ویران ہو رہی ہوگی، سیزن ختم ہو چکا ہے۔"

"جب میں ذہنی طور پر زیادہ اَپ سیٹ ہو جاتی ہوں تو مری کے سرد ویرانے مجھے بڑا سکون بخشتے ہیں۔"

"وہی تو کہتا ہوں!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ویرانوں میں صرف انہی لوگوں کو سکون ملتا ہے جو اپنی ذات کے خول میں بند رہتے ہیں۔ اس خول سے باہر نکلو شبانہ! تیرگی کو اپنا مقسوم نہ بناؤ۔ زندگی کا حسن، ذات کے خول میں کبھی نہیں ملتا۔"

"مشورے کا بے حد شکریہ۔" شبانہ کے لہجے میں ایک بار پھر تلخی عود کر آئی۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ میری بربادی کے غم میں دُبلا ہونا چھوڑ دیں؟ بڑا کرم ہوگا اگر آپ مجھے بھول جائیں۔"

میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ شبانہ کو سمجھانا بجا طور پر بے سود تھا۔ وہ کوئی بہت بڑی ٹھوکر کھانے کے بعد ہی سنبھل سکتی تھی لیکن مجھے ڈر یہ تھا کہ وہ کوئی بڑی ٹھوکر کھا کے مر ہی نہ جائے!

پنڈی تک کا سفر بہت بوجھل ہو گیا۔ شبانہ جب پنڈی ائیرپورٹ پر مجھ سے جُدا ہوئی تو اُس نے مجھ سے ایک رسمی جملہ کہنا بھی گوارہ نہیں کیا۔ یہ رویّہ میرے لیے بڑا عذابناک تھا لیکن میں اُسے برداشت کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

پنڈی ہی میں وہ پُراسرار بوڑھا بھی جہاز سے اُتر گیا اور اب مجھے پھر یہی بات سوچنا پڑی کہ میں اس بوڑھے کے بارے میں خواہ مخواہ الجھن کا شکار ہو گئی تھی۔ اگر وہ میری نگرانی کر رہا ہوتا تو پنڈی میں کیوں اترتا؟

پنڈی سے پشاور تک کی مختصر پرواز میں نے اپنی نشست پر آنکھیں بند کیے کیے گزار دی اور ساحر لدھیانوی کی یہ بات میرے ذہن میں گونجتی رہی۔

تم سے ملنا خوشی کی بات سہی
تم سے مل کر اداس رہتا ہوں

پشاور کے ہوائی اڈے پر مجھے اپنا اٹیچی کیس لینے کے لیے پندرہ منٹ تک رُکنا پڑا، پھر میں ایک پرائیویٹ ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔ یہاں میں کسی ہوٹل میں قیام نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے میں نے ڈرائیور کو ناظمہ کا پتہ دے دیا تھا۔

ناظمہ خان سال بھر پہلے تک کراچی میں زیرِ تعلیم رہی تھی اور

اس سے میرے تعلقات کی نوعیت بڑی بھرپور رہی تھی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کراچی چھوڑتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے اور میں نے اس کی گہری آنکھوں کو چومتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ اس سے ملنے پشاور ضرور آؤں گی۔

لیکن اس کی نوبت سال بھر کے بعد آئی تھی۔ اس عرصے میں ناظمہ کے پندرہ بیس خط میرے پاس آچکے تھے لیکن میں تین چار مرتبہ سے زیادہ جواب نہیں دے سکی تھی۔ بہرحال اُن خطوط ہی کی وجہ سے مجھے معلوم تھا کہ ابھی ناظمہ کی شادی نہیں ہوئی تھی اور وہ اپنے ماں باپ ہی کے ساتھ تھی۔

میں یہ سوچ کر مسکرانے لگی کہ ناظمہ مجھے دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو جائے گی۔ مجھے وہ لمحات یاد آنے لگے جو میں نے ناظمہ کے ساتھ گزارے تھے۔

پرائیویٹ ٹیکسی اس مکان کے سامنے جارکی جس کا پتہ میں نے ڈرائیور کو بتایا تھا۔ اس مکان کی بناوٹ خاصے پرانے طرز کی تھی لیکن وہ بہت بڑا اور پُرشکوہ تھا۔ اُسے دیکھ کر مکینوں کی حیثیت کا اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا تھا۔ ناظمہ مجھے بتا بھی چکی تھی کہ اس کا باپ پشاور کے بہت بڑے کاروباریوں میں سے ایک ہے اور پھلوں کی تجارت کے میدان میں کوئی بھی اس کا ہم پلّہ نہیں ہے۔

جب میں نے مکان کے دروازے پر دستک دی تو ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔

"مجھے ناظمہ سے ملنا ہے۔" میں نے اُسے بتایا۔

"آپ کا نام؟"

"جاکر بس اتنا بتادو کہ میں کراچی سے آئی ہوں۔"

ملازم سرہلاکر چلا گیا۔ میں ڈرائیور کی طرف مُڑی اور اُس سے کہا کہ وہ میرا اٹیچی کیس اتار کر مکان کے دروازے پر رکھ دے۔ اُس نے تعمیل کی اور پھر میں نے اُسے کرایہ دے کر رخصت کردیا۔

میں دروازے پر کھڑی ہوئی تھی کہ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مکان میں بھونچال آگیا ہو۔ چیزوں کے گرنے کی آوازوں کے ساتھ دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک بھی سنائی دے رہی تھی اور وہ دھمک تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتی چلی آرہی تھی۔ زیادہ لمحے نہیں گزرنے پائے تھے کہ میں بھی اُس بھونچال کی زد میں آگئی۔ وہ بھونچال دراصل ناظمہ تھی جسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہا تھا۔ دوپٹے سے بے نیاز وہ گرتی پڑتی مجھ سے آٹکرائی تھی اور مجھ سے اس بُری طرح لپٹ گئی تھی جیسے بھینچ کر رکھ دے گی۔

"ارے ارے!" میں ہنستی ہوئی بولی۔ "کیا میری پسلیاں توڑ دو گی؟"

وہ بدستور مجھے بھینچے ہوئے، دانت پر دانت جما کر بولی۔ "جی تو یہی چاہ رہا ہے کہ آپ کو جان سے ماردوں۔ سال بھر کے لیے ادھر کا رُخ کیا ہے آپ نے!"

بڑی مشکل سے میں نے خود کو اُس کی گرفت سے چھڑایا اور وہ میری کلائی پکڑ کر مجھے تقریباً گھسیٹتی ہوئی اندر لے جانے لگی۔

"ارے پگلی! میرا اٹیچی کیس بھی تو رکھا ہے،" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وادوگل!" اُس نے شاید ملازم کو آواز دی کہ دروازے سے اٹیچی کیس اٹھالائے۔

پھر وہ مجھے کھینچتی ہوئی اس کمرے میں لے گئی جہاں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا ناک نقشہ اور اپنی وضع قطع سے ایک روایتی پٹھان معلوم ہوتی تھی۔

"ماں!" ناظمہ نے اُس سے پشتو میں کہا۔ "یہ سلمیٰ ہے جس کا میں تم سے ذکر کیا کرتی تھی۔"

ماں نے مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ میں نے سلام کرکے پشتو ہی میں کہا۔ "مجھے پتا ہے۔ اس نے ضرور مجھے بُرا بھلا کہا ہوگا۔"

میری زبان سے پشتو سن کر ناظمہ کی ماں کو جیسے خوشی ہوئی۔ اس نے جیسے کھِل کر کہا۔ "نہیں نہیں بیٹی! ناظمہ کہتی ہے کہ سچ پوچھو تو میں سُن سُن کر اُکتا گئی تھی۔ تم نے جانے کیا جادو کردیا تھا۔"

"ارے بس!" ناظمہ منہ بنا کر بولی۔ "ماں جھوٹ موٹ کہا کرتی تھی۔ اگر یہ اتنی اچھی ہوتیں تو تین چار مرتبہ مجھ سے ملنے آچکی ہوتیں۔"

"بے وقوف!" میں ناظمہ سے بھی پشتو میں بولی۔ "تمہیں کیا معلوم کہ کراچی میں زندگی کتنی مشینی ہے!"

"مجھے کچھ نہیں لینا اُس کی مشینی سے۔"

اُس کی ماں ہنسنے لگی اور ہنستی ہوئی بولی۔ "تم اپنی سہیلی کو کسی صاف ستھرے کمرے میں لے جاکر ٹھہراؤ۔ میں ملازم سے کہہ دیتی ہوں کہ وہ ان کے لیے مہمان خانے کا کمرہ درست کردے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ماں جی!" ناظمہ بولی۔ "یہ میرے ہی کمرے میں سوجائیں گی۔ ایک دن کے لیے تو آئی ہیں۔"

"ایک دن کے لیے تو آئی ہوں۔" میں نے بڑی اُمیدوں سے ایک دن کے لیے آنے والی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر اُس نے میری کلائی کو جھٹکا دیا اور مجھے کھینچتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

"میرا ہاتھ توڑ دینا، اچھا؟" میں کراہی۔

"دیکھیے ابھی کیا کیا توڑتی ہوں!"

مجھے اسی طرح کھینچتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں لے گئی اور پھر مجھے بستر پر دھکیل دیا۔ میں اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کا یہ انداز مجھے بُرا بھلا لگ رہا تھا۔

"ذرا دروازہ تو بند کرلو!" میں نے اُسے نکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو کر لوں؟" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں ہاں!" وہ آنکھیں نکال کر بولی اور پھر بائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "باتھ رُوم کا دروازہ یہ ہے۔ میں ...

... "آ! استغفراللہ!" کرتی رہ گئی اور وہ ہوا کے تیز جھونکے کی طرح ...

... اپنی جگہ سے اُٹھی اور باتھ رُوم میں جاکر دروازہ ... تو قدیم طرز کا تھا لیکن اندر ہر چیز جدید طرز کی تھی۔ ... منہ ہاتھ دھویا۔ اس وقت کمرے میں کچھ آہٹ ... میں نے منہ دھوکر وہیں لٹکے ہوئے تولیے سے ... کمرے میں پہنچی۔ ... نہیں تھی لیکن میرا اٹیچی کیس ایک گوشے میں رکھا ... رکھ گیا ہوگا۔

... اور ناظمہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ ذرا ... گنگنانے کی آواز سُنی۔ وہ کمرے کی طرف آرہی تھی۔ ... کیا جاسکتا تھا کہ وہ میرے آنے سے کتنی خوش ... ایک کرسی بستر کے قریب گھسیٹ لی اور اُس پر ... آپ کے لیے کھانا تیار کرنے کی ہدایات جاری ... دیر تو لگے گی لیکن تیاری میں اتنا وقت لگے گا ... کھانا نہیں کھاسکیں گی۔"

... اُس کے سراپا کا جائزہ لینے لگی۔

... نکل آئے ہیں؟" وہ بولی۔

... میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم پہلے سے زیادہ بھری ...

... کراچی کی سنایئے! وہاں کا موسم آج کل کیسا ... بہت یاد آتی ہیں۔"

... ہم دونوں نے بہت زیادہ وقت گزار دیا۔ ... مرزاتی کے ہزاروں شکوے کیے لیکن وہ جو ...

... ملے، سارا گلہ جاتا رہا۔ ... پاس سے اُٹھ کر یہ دیکھنے گئی کہ کھانا تیار ...

... کو یہ نہیں بتایا تھا کہ مجھے ایک ضروری کام ہے ... ہوں گی۔ اگر میں اسے بتا دیتی تو وہ لڑنا ... اس لیے صرف ایک دن رہنے کی ... کافی سمجھا ہوگا۔ وہ یہ سوچ رہی ہوگی کہ ... کیا کہنا چاہیے۔ اگر کسے میری بات پر یقین آگیا ہوتا تو وہ بجھ کر رہ جاتی اور میں چاہتی تھی کہ وہ کم از کم کل صبح تک تو خوش ہی رہے۔

دس بجے ملازم نے کھانا کمرے ہی میں پہنچادیا۔ ناظمہ نے پُرتکلف بہت زیادہ اہتمام کروا ڈالا تھا۔

کھانے کے بعد پشاور کے رواج کے مطابق قہوے کا دَور چلا۔ اُسی دوران میں میں نے اُس سے اُس کے باپ اور بھائی کے بارے میں پوچھا۔ پتہ چلا کہ بھائی تو باپ کی ہدایت کے مطابق کسی کام سے نوشہرہ گیا ہوا ہے جہاں سے کل شام کو واپس آئے گا۔

"اور ابا جی اپنے کمرے میں ہیں۔" ناظمہ نے بتایا۔

"اُن سے تمہیں ملواؤ گی؟ خیر کل صبح سہی۔" میں نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی جواب دے دیا۔

قہوہ پینے کے بعد ناظمہ بولی۔ "چلیے کچھ دیر چھت پر چل کر ٹہلتے ہیں۔"

"نہیں، میں کچھ تھکن محسوس کررہی ہوں۔ بس اب لیٹیں گے۔"

"ہوں!" اس نے مسکرا کر معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں ہنس پڑی۔

"وادوگل!" ناظمہ نے بلند آواز سے پکارا اور جب وہ دوڑا چلا آیا تو اُسے ہدایت کی کہ کھانے کے برتن سمیٹ لے جائے۔

میں نے اٹیچی کیس کھول کر اپنا شب خوابی کا لباس نکالا اور اسے پہننے کے لیے باتھ رُوم میں چلی گئی۔ جب میں باتھ رُوم سے نکلی تو وادوگل جاچکا تھا اور ناظمہ کمرے کا دروازہ اندر سے بند کررہی تھی۔

ہم دونوں بستر پر قریب قریب لیٹ گئے۔ ناظمہ نے بیڈ سوئچ دبا کر کمرے کی تیز روشنی گُل کردی اور مدھم روشنی کا نیلا بلب جلا دیا۔ ماحول حد درجہ رومینٹک ہوگیا اور ایک رسیلے پرفیوم کی خوشبو سے فضا مہک اُٹھی۔ ناظمہ کے پیرہن نے میرے ہاتھوں کی بے قراری کے مقابل سپر ڈال دی اور میری قبا کے سارے اُلجھاؤ ناظمہ نے سلجھا دیے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت قریب ہوگئے۔ ریشم و اطلس و کمخواب کی قربت تھی یا سنگِ مرمر سے تراشیدہ صنم یکجا تھے۔

"آج ہم ساری رات جاگیں گے باتوں!" ناظمہ نے بوجھل بوجھل سی سرگوشی کی۔

میں نے ہنس کر دستِ جارحیت آگے بڑھایا اور حسن و شباب کے کنگوروں پر سرور و کیف کی کمند پھینکی۔ بلند مرمریں پہاڑوں کی چوٹیاں مجھے برف سے ڈھکی ہوئی محسوس ہوئیں۔ میری اس حرکت سے ناظمہ جیسے تڑپ اُٹھی۔ وہ ناگن کی طرح بل کھا گئی اور اُس نے مجھے زیر کرلیا۔ اُس کے ہونٹ میرے ہونٹوں کا سائبان بن گئے اور اس کی ساقِ سیمیں ناگنوں کی طرح میری کمر سے لپٹ گئیں۔ ادھر میرے بدن کی ساری طاقت میرے پوروں میں سمٹ آئی تھی اور پہاڑوں کی سرد چوٹیاں، گرم سے گرم تر ہوتی چلی گئی تھیں۔ ناظمہ کے لبوں کی آہنی بندش سے میرا دم اکھڑنے

لگا تھا لیکن ناظمہ کے جنون کو میری مطلق پرواہ نہیں تھی اور لب میری تپش کا سفر اُس نشیب کی طرف جاری تھا جہاں ایک سیپ، تشنہ لب تھی۔

میرے ہونٹوں سے سائبان اُس وقت ہٹا جب میری پوریں ایک اندیکھی گہرائی میں آسودگی کے خزانے ڈھونڈ رہی تھیں۔ ناظمہ نے اپنے دانت میرے شانے پر گاڑ دیے۔ اس کی سانسوں میں گرہیں پڑ چکی تھیں اور میرا عالم بھی ماسوائے ہیجان، کچھ نہ تھا۔ میرے کانوں میں ایسی آوازیں آنے لگی تھیں جیسے سرور و کیف کی رقاصہ نے اپنے پیروں میں گھنگھرو باندھ لیے ہوں اور چھم چھم کرتی اساموں میں اترتی چلی جا رہی ہو۔

بستر اب جیسے چنگاریوں سے بھر گیا تھا۔ ناظمہ بھی اب میری ہی طرح شدید اور فعال ہو گئی تھی۔ اس کی انگلیوں کی پوروں نے میرے وجود کے تاروں پر ایک ایسا نغمہ چھیڑ دیا جو اگر پہاڑ کے بطن میں اترے تو آتش فشاں بن جائے اور لوپسوں کی رگ رگ میں سمائے تو سارے چمن کو دہکا دے۔ ناظمہ کے پوروں کی وجدانی حرکت سے اُس نغمے کی لے تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔

ادھر میں بھی اس تشنہ لب سیپ کے ہونٹ بھگو چکی تھی اور خود کو آسودگی کے خزانے سے قریب تر پا رہی تھی۔ ہمارے وجود، زربفت کی چادروں کی طرح تن گئے، اتنا تنے کہ ٹوٹ گئے، بکھر گئے، منتشر ہو گئے اور وہ نغمہ لاہوتی ایک انتہائی تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ ہم رم جھم کرتی ہوئی پھوار میں بھیگتے چلے گئے اور پھر آنکھیں کھولنے کو جی نہیں چاہا۔

❖

دوسری صبح میں ناظمہ کو یہ کہہ کر چھیڑ رہی تھی کہ تم تو رات بھر جاگنے کے ارادے باندھ رہی تھیں!

"ہاں!" اُس نے ایک طویل سانس لے کر کہا "پہلے تو یہی جی چاہتا ہے لیکن پھر...." وہ اپنا جملہ پورا کرنے کی بجائے ہنس پڑی۔ "خیر! آج رات سہی۔"

"نہیں ناظمو! آج شام کو تو میں یہاں نہیں ہوں گی۔"

"اجی ہاں! بڑی آئیں نہ ہونے والی۔"

"تم میری بات تو سن لو چاند!..... مجھے ایک خاص کام سے قبائلی علاقے کی طرف جانا ہے اور یہ کام مجھے حکومت کی طرف سے سونپا گیا ہے۔ میں ایک خاص پیغام لے کر جا رہی ہوں اور اس سلسلے میں مجھے تم سے بھی۔ ایک چھوٹی سی مدد درکار ہے۔"

ناظمہ حیرت و پریشانی سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور میں بولتی چلی جا رہی تھی "میں ایک ماڈرن عورت کے روپ میں اُس علاقے کا رخ نہیں کر سکتی اس لئے تم مجھے پٹھانوں کا مخصوص مردانہ لباس مہیا کر دو۔ میں یہ بہروپ بھرنے کے بعد ہی یہاں سے روانہ ہو سکتی ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں!" ناظمہ پریشان

ہو رہی۔

"میں نے تو کوئی الجھی ہوئی بات نہیں کی جا

"کیا حکومت کے پاس آدمیوں کی کمی ہے

کے سپرد کر دیا!"

"حکومت اس معاملے میں بہت زیادہ رازدا

اگر یہ فرض کسی سرکاری آدمی کو سونپا جاتا تو راز افشا ہو جا

میری طرف تو کسی کی توجہ ہی نہیں ہو گی!"

مجھے یہ لمبا چوڑا جھوٹ اس لیے بولنا پڑا تھا

لیے عذر کا سہارا نہ لے سکے۔ دوسری بات یہ تھی کہ مجھے

بھر کر روانہ ہونا تھا اور اس کے لئے کسی جوتر کی ضر

جھوٹ میں جواز بھی موجود تھا۔

ناظمہ نے مجھے روکنے کے سلسلے میں خود کو م

کیا تو رو ہانسی ہو گئی اور اس کے منہ سے ایک لفظ

"تو پھر؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی

مردانہ لباس مہیا کر سکتی ہو؟"

"بھیا کے کپڑے لائے دیتی ہوں" ناظمہ

"آپ کب جائیں گی؟"

"مجھے اسی وقت روانہ ہو جانا چاہیے۔"

"اچھا۔" ناظمہ نے کہا اور دروازے کی طرف

آنکھوں میں چراغ سے بجھ گئے تھے۔

اُس کا یہ ردِ عمل میرے لئے متوقع ہی

مجھے بھی اداس کر گئی تھی۔ ناظمہ کا شمار ایسی لڑکیوں

کر جاتی تھیں اور جب بھی مجھ سے ملتی تھیں تو اس

جائیں۔ ایسی لڑکیوں کو اداس دیکھ کر میں بھی ر

ناظمہ نے اپنے بھائی کا لباس لا کر میرے

ہوئی آواز میں بولی "کچھ اور تو نہیں چاہئے؟"

"ناظمو!" میں نے اُسے گھورتے ہوئے

کیا ہو گیا ہے چندا! میں کسی مقتل کی طرف تو نہیں

ناظمہ کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ پلکوں کی

نے اچانک تیزی سے پلٹ کر کمرے سے چلا جا

میں نے جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑ لی تھی اور پھر

آغوش میں سمیٹتے ہوئے اس کا سر اپنے سینے پر

ناظمہ کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور

نیساں برسنے لگا۔ میں نے اُس برسات کو روکا

کر برس جانے کے بعد ہی مطلع صاف ہوتا۔

کچھ دیر میں جب اُس کی سسکیاں تھم

گئیں تو میں نے اُس کا سر تھوڑا سا پیچھے ہٹایا اور

پر اپنے ہونٹ رگڑتی ہوئی بولی "بس میں تم

معاملات اجازت لیکر تمہیں بھی کچھ دن کے لئے کراچی لے چلوں

دکھاؤں!"

ملی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔

میں نے اُس کے پیٹ میں گدگدی کی۔

دی لیکن مسکراہٹ بڑی پھیکی پھیکی سی تھی۔

میں بولی "تم کسی کو بتانا مت کہ میں یہاں سے یہ بھیس

ماں جی کو بھی مت بتانا۔"

سے ملے بغیر گئیں تو وہ مجھ سے پوچھیں گی۔"

بنا دینا۔ میں جانتی ہوں کہ ایسے معاملات میں تمہارا

اچھا اب میں تیاری کر ڈالوں۔"

کوئی آدھا گھنٹہ لگا اور جب میں مردانہ لباس میں

آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو ایک لمحے کے لیے خود

ایک خوبصورت نوجوان پٹھان لڑکا معلوم ہو

رہا ہے!" ناظمہ کسی قدر کھل کر مسکرائی۔

میں نے چونک کر پوچھا۔

دوشیزہ آپ پر عاشق ہو کر آپ کو شادی کے

!

ہنس پڑی "ہاں یہ خطرہ تو ہے۔ لیکن خیر! میں

ناظمہ سے ہو چکی ہے۔"

میں لوٹ آئیں گی نا؟" ناظمہ نے کہا۔

اگر کسی وجہ سے مجھے دیر ہو جائے تو تم میرا ایک

ہے؟"

تمہیں۔" میں اٹیچی کیس کھول کر اس میں

نے قلم کھولا اور رضوان کے نام خط لکھنے

اتنا لکھا کہ میں صوبہ سرحد کے کس مقام کی طرف

پیغام بھجوانے کا مقصد یہ تھا کہ اگر میں کسی مصیبت

مدد کو آ سکے۔

تو ناظمہ نے ریڈیو کا سوئچ آن کر دیا۔

نسیم بیگم کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دے رہی

بیگم کا یہ گانا بے حد مقبول تھا۔

بہار آئی تو لوٹ آؤں گا

پردیسی، بہار آئی ہے

ناظمہ نے کچھ ایسی نظروں سے میری طرف

ناظمہ بکی تھی۔ وہ میں نے ایک لفافے میں رکھ کر

کا پتہ لکھنے لگی۔

خط تین چار دن بعد ہی پوسٹ کرنا، اگر میں

واپس نہ آؤں۔"

"تین دن میں یا چار دن میں؟"

میں نے کچھ سوچا اور پھر بولی "چار ہی دن رکھ لو!"

"ٹھیک ہے۔ میں چار دن بعد اسے پوسٹ کر دوں گی۔"

"اور میرا یہ اٹیچی کیس بھی سنبھال کر رکھنا۔"

"یہ آپ لیکر نہیں جائیں گی؟"

"نہیں۔" میں نے اٹیچی کیس سے ریوالور اور کارتوسوں کی پیٹی نکالتے ہوئے کہا "مردانہ بہروپ بھر کر میں یہ سامان اپنے ساتھ کیسے لے جا سکتی ہوں۔"

ناظمہ نے پرتشویش نظروں سے ریوالور اور کارتوسوں کی پیٹی کی طرف دیکھا جو میں اپنی گردن میں ڈال کر بائیں پہلو میں لٹکا چکی تھی۔

"اس کی بھی ضرورت پڑے گی آپ کو؟" وہ سراسیمہ لہجے میں بولی۔

"میں ایک خطرناک علاقے میں جا رہی ہوں اس لیے مجھے ہر طرح سے تیار تو رہنا ہی ہو گا۔" میں نے جواب دیا اور پھر بولی "اب تم مجھے خاموشی کے ساتھ گھر سے نکال دو۔ کوئی عقبی دروازہ تو ضرور ہو گا!"

"میں ابھی آئی۔" ناظمہ نے کہا اور لپکتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

میں نے ایک بار پھر آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا۔ ریوالور کی وجہ سے میں کسی بڑے قبائلی سردار کا لڑکا معلوم ہونے لگی تھی۔

ناظمہ کوئی پانچ منٹ بعد واپس آئی اور میں اس کے ہاتھوں میں کپڑے کی ایک پٹی سی دیکھ کر مسکرا دی۔ وہ امام ضامن بنا کر لائی تھی۔ وہ اُس نے میرے بازو پر باندھ دیا۔ اب وہ پھر کچھ اداس نظر آنے لگی تھی۔

"چلئے!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"چلو!"

وہ مجھے عقبی دروازے پر لے گئی اور اُس کی کنڈی کھول کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی "بائیں طرف مڑ کر چلتی رہئے گا اور پھر دائیں ہاتھ کی تیسری گلی میں مڑ جایئے گا اُس گلی کا اختتام ایک بڑی سڑک پر ہو گا۔"

"اچھا، خدا حافظ۔" میں نے کہتے ہوئے اسے اپنی آغوش میں سمیٹا، اُس کے ہونٹوں سے کچھ کہا اور پھر اُس سے الگ ہو کر، دروازہ کھولتی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی۔

"خدا حافظ!" میں نے اپنی پشت پر گلوگرفتہ سی آواز سنی۔

میں گلی میں تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ اب میں نے اپنے چلنے کا انداز بھی بدل دیا تھا۔ میں کسی کو یہ موقع نہیں دینا چاہتی تھی کہ وہ میرے چلنے کے انداز سے میرے عورت ہونے کا پتہ چلا لے۔

بڑی سڑک پر پہنچ کر میں نے ایک تانگہ روکا اور اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی۔ تانگے والے کو میری زبان سے پشتو سنکر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہو سکا ہو گا کہ میں اہلِ زبان نہیں ہوں۔

اسٹیشن پہنچ کر میں نے انکوائری سے معلومات کیں تو پتہ چلا کہ دو گھنٹے سے پہلے وہاں کوئی ٹرین نہیں جائے گی جہاں مجھے جانا تھا۔

دو گھنٹے کا انتظار خاصا تھکا دینے والا ہوتا ہے لیکن میرے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی کہ اُس تھکن کو برداشت کروں میں نے اپنی منزل کا ٹکٹ خریدا اور جب کھڑکی سے ہٹنے کے لیے پلٹی تو ایک ادھیڑ عمر شخص سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ وہ کوئی پٹھان ہی تھا۔

"معاف کرنا خان!" میں نے جلدی سے پشتو میں کہا۔

اُس نے عجیب انداز میں مُسکراتے ہوئے بس سر ہلا دیا اور میں تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

وقت گزاری کے لئے، پلیٹ فارم سے بہتر جگہ کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں وہاں بُک سٹال پر جا کھڑی ہوئی اور اخبارات پر نظر دوڑانے لگی۔ آج مجھے اتنی مہلت ہی نہیں مل سکی تھی کہ ناظمہ سے اخبار کے بارے میں پوچھتی۔

مُلک کے سب سے بڑے اُردو اخبار کی شہ سُرخی دیکھ کر میں سناٹے میں آگئی۔ اُس خبر نے تو سارے مُلک میں بم کا دھماکہ کیا تھا لیکن میں اتنی دیر تک اُس سے بے خبر رہی تھی۔

میں نے اخبار خرید لیا اور پلیٹ فارم پر ٹہلتے ہوئے وہ خبر پڑھنے لگی۔ اُس خبر کے مطابق پاکستانی افواج نے، آزادی کے متوالوں کی مدد کرنے کے لئے کشمیر کی طرف پیشقدمی شروع کر دی تھی۔

اُس خبر کو پڑھتے ہوئے میں نے اپنے جسم میں ایک ولولہ اُبھرتا محسوس کیا اور میرا جی چاہا کہ میں اُڑتی ہوئی اپنے فوجی جوانوں تک پہنچ جاؤں، اُن سرفروشوں کے ساتھ میں بھی سر دھڑ کی بازی لگا دوں۔ کشمیر کی اُکھڑی ہوئی سانسوں کو اعتدال پر لانے کے لئے اگر میری سانسیں اُکھڑ جائیں تو یہ کوئی مہنگا سودا ہرگز نہیں ہوتا۔

اُس خبر کو پڑھ کر میرے جذبات و احساسات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ دو گھنٹے کے گزرنے کا پتہ ہی نہیں چل سکا۔

ٹرین کے ڈبے میں بھی ہر شخص کا موضوعِ گفتگو کشمیر ہی تھا اور وہ سب بے حد پُرجوش نظر آ رہے تھے۔

ٹرین چل پڑی اور تب میں نے دیکھا کہ وہ خان بھی اسی ڈبے میں بیٹھا ہوا تھا جس سے میں ٹکٹ کی کھڑکی پر ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ وہ میری ہی طرف دیکھ رہا تھا لیکن جیسے ہی ہماری نظریں ملیں، وہ جلدی سے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

یہ کیا ماجرا ہے؟ میں سوچنے لگی، کیا یہ شخص میرے پیچھے لگا ہوا ہے؟

ٹرین شور مچاتی ہوئی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک اسٹیشن پر رُکی اور دو منٹ بعد پھر چل پڑی میری منزل ابھی بہت دُور تھی۔ بعض مصلحتوں کی بنا پر میں اپنی منزل کا نام لکھنے سے احتراز کر رہی ہوں۔

تیسرے اسٹیشن پر گاڑی رُکی تو میں نے نیلی واسکٹ والے

اُس خان کو اُٹھتے ہوئے دیکھا۔ وہ ڈبے کے د
بڑھ رہا تھا۔ جیسے ہی اُس نے ڈبے کے باہر قد
نشست چھوڑ دی اور دروازے کی طرف لپکی
پر نظر رکھ کر اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ ماجرا کیا
ڈبے کے دروازے پر میں رُک گئی اور
دیکھنے لگی جدھر وہ گیا تھا۔ نیلی واسکٹ کی و
نظر میں آگیا۔ وہ کچھ فاصلے پر کھڑا ایک ایسے
تھا جس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرے ذہن کو
وہ وہی پُراسرار بوڑھا تھا جسے اپنے ملیا
شکار ہو رہی تھی لیکن جب وہ پنڈی میں اتر گیا
تھی۔ اب وہ ایک بار پھر بڑے ڈرامائی انداز
آیا تھا اور میرے سارے جسم میں سنسناہٹ پھیل
محسوس ہونے لگا جیسے میرے گرد کوئی مضبوط
صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس کرتے
سیٹ پر آ گئی۔ بوڑھے کو اس بات سے بے خبر رکھنا
اُسے دیکھ چکی ہوں۔

ذرا دیر بعد گاڑی نے پہلی سیٹی دی اور
واسکٹ والا خان اپنی نشست پر آ چکا تھا۔ گاڑی
ساتھ پلیٹ فارم سے سرکنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ اس کی
اب میری نظریں تو نیلی واسکٹ کی طرف تھیں
میں اُلجھا ہوا تھا۔ وہ پُراسرار بوڑھے کا ایجنٹ تھا یا
ایجنٹ تھا یا کیا، تو کس کا؟ آخر مجھے یہ کیوں محسوس
پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں۔ میں نے اُسے کہاں
ہو سکتا ہے؟ میں اُن شخصیتوں کو اپنے ذہن میں
قریب میں میرا واسطہ پڑ چکا تھا۔ میں نے ایک ایک
حتیٰ کہ رضوان کو بھی نہیں بھولی مگر اُن میں سے کسی
میں نہیں تھی۔ وہ کوئی اور ہی تھا جس کی جھلکیاں
رہی تھیں۔

بہرحال وہ جو کوئی بھی ہو، مجھے اب
تھی سب سے پہلے اپنے مشن کو پردۂ راز میں رکھنے میں ناکامی
ناکامی بلکہ میرے گرد ایک جال بھی بُنا جا رہا تھا
جال کو تنگ کرنے کی کوشش ضرور کی جاتی۔

کئی گھنٹے کا سفر اسی ادھیڑ بُن میں گزر گیا
جب ٹرین میری منزل پر رُکی تو شام ہو چلی
اُتر گئی لیکن وہ اسٹیشن کیا، بس ایک پلیٹ فارم
دُنیا تین سنگی بنچوں پر مشتمل تھی۔ پان بیڑی اور
لڑکے اس پلیٹ فارم پر دوڑتے پھر رہے تھے
میں نے پان بیڑی بیچنے والے لڑکے کو

ایک ہے۔" وہ بولا۔
"میں نے اُسے ایک روپے کا نوٹ دیتے
کہ جانتے ہو؟"
وہ مجھ سے پوچھ بیٹھا۔
پر کرتا ہے۔"
وہاں سے نکلنے جھکے اور دو روپے کے نوٹ میں
لالہ" جاؤ کے اڈے سے پتہ کر دو۔"

ہے؟"
کہاں ہو گا؟"
مینی ودی۔ یہاں گنتی کے چند سات مسافر
ار ہوئے تھے۔ اترنے والوں میں نیلی واسکٹ
ن وہ کنفیوژن سی تھی جو میں نے لڑکے سے

آئے ہو؟" وہ مجھ سے مخاطب ہو بیٹھا۔
لہرتے ہوئے کہا۔" مجھے یہاں ایک آدمی کا پتہ
ہے۔"
"خوشی میں نے نیلی واسکٹ والے ہی کو سنانے
"پھر خان اور کہاں کا دلبر خان!
واسکٹ والے نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔" یہ
پانچ چلانے کے لیے جاتو کے اڈے سے بہتر
جا رہا ہوں۔ آؤ چل کر معلوم کیے لیتے ہیں؟"
"خان سے کہا اور سگریٹ کے پیکٹ کی
اتھ ہولی۔
پنڈی کی طرف بڑھ رہے تھے جو غالباً

پہلے اسٹیشن پر دیکھا تھا۔" نیلی واسکٹ

"ہوں۔" میں نے جواب دیتے ہوئے
مال اور پوچھا۔" تمہارے پاس ماچس ہو
گی۔"
اپنی جیب سے ماچس نکال کر مجھے دی
والا نہیں ہے؟"

جانتے۔"
"ہوں۔ وہ میرے باپ سے کچھ پوچھ
ہے کہ وہ یہاں ہے۔"
یہاں اکثر غلطی کی ہے۔"

"کیوں!"

"یہ آبادی اچھے لوگوں پر مشتمل نہیں ہے اور تم ابھی نوعمر ہو میرا خیال ہے کہ تمہاری عمر..."

"کم عمری سے کچھ نہیں ہوتا۔" میں نے مُنہ بناتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"یہ شاید تم اس ریوالور کے زور پر کہہ رہے ہو جو تمہاری کمر سے لٹکا ہوا ہے لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ یہاں رہنے والوں کے لئے ان کھلونوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"میں بھی یہاں کے لوگوں کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"بہت خود سر معلوم ہوتے ہو۔ مجھے تمہارے باپ پر حیرت ہے۔ وہ تو عاقل و بالغ آدمی ہو گا۔ اس نے تمہیں یہاں بھیجنے کی غلطی کیوں کی؟"

"میرے باپ کے انتقال کو ایک مہینہ گزر چکا ہے۔"

"اوہ!" نیلی واسکٹ والے نے ایک طویل سانس لی۔ "اب سمجھا۔ پھر تو تمہاری خود سری سمجھ میں آتی ہے۔"

مجھے اُس کی بناوٹی باتوں پر غصہ آنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ میں عورت ہوں مگر بالکل انجان بن کر گفتگو کر رہا تھا۔

اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے ہم بستی تک پہنچ گئے۔ بیشتر مکانات کچے لیکن خاصے بڑے بڑے تھے۔

ایک جگہ چٹائیوں اور بانسوں سے بنا ہوا ایک بڑا سا سائبان نظر آیا۔ وہ کم سے کم دو سو مربع گز پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے نیچے چھوٹے چھوٹے تخت بچھے ہوئے تھے جن پر دو دو چار چار کی ٹولیاں براجمان تھیں۔ ایک پہلو میں بکرے کی رانیں ٹنگی ہوئی تھیں اور قریب ہی گوشت بھوننے کے لیے کئی چولہے جل رہے تھے۔ ایک تنور بھی تھا جہاں روٹیاں تیار کی جا رہی تھیں۔

"یہی جاتو کا اڈا ہے۔" نیلی واسکٹ والے نے کہا۔ "یہاں سے شاید تمہیں دلبر خان کا پتہ چل جائے۔ اچھا میں اب چلتا ہوں۔" وہ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا آگے نکل گیا۔

اب اندھیرا پھیلنے لگا تھا اور آسمان پر اکا دکا ستارے ٹمٹمانے لگے تھے۔ سائبان کے نیچے کسی نے ٹرانزسٹر کا سوئچ آن کیا اور فضا میں ایک پشتو نغمہ گونجنے لگا۔

میں آہستہ آہستہ سائبان کی طرف بڑھنے لگی۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہاں کئی تخت خالی بھی پڑے ہوئے تھے۔ میں جب سائبان کے نیچے پہنچی تو بہت سی آنکھوں نے مجھے گھور گھور کر دیکھا۔ مجھے خوب احساس تھا کہ میں ایک نوعمر خوبصورت لڑکا نظر آ رہی ہوں اس لئے مجھے پریشانیوں سے ضرور دوچار ہونا پڑے گا۔

سائبان کے نیچے بارہ بارہ چودہ چودہ سال کے کئی لڑکے اِدھر سے اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ وہ کسی کے تخت پر بھُنے ہوئے گوشت کی کڑھائی رکھتے تو کسی کو چنگیری میں روٹیاں پہنچاتے۔ کسی کو قہوے کی پیالیاں فراہم

کرتے تو کسی کو سلاد لیجا کر دیتے۔

میں ایک خالی تخت پر بیٹھی ہی تھی کہ ایک لڑکا دوڑ کر میرے پاس آ گیا۔ میں اس قسم کے کھانوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی اس لئے میں نے بڑی بے تکلفی سے لڑکے کا کندھا تھپتھپا کر کہا: "جو تمہارا دل چاہے وہ لے آؤ۔ بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

یہ حقیقت ہے کہ مجھے بہت زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے صبح ناظمہ کے ساتھ بس ناشتہ کیا تھا اور سفر کے دوران میں کچھ بھی نہیں کھا سکی تھی۔

لڑکا میری بات سن کر سیٹی بجاتا ہوا اس طرف دوڑ گیا۔ جہاں گوشت بھونا جا رہا تھا۔

ادھر مجھے سب سے بڑی پریشانی یہ لاحق تھی کہ رات کہاں گزاروں گی۔ یہ اتنا چھوٹا سا علاقہ تھا کہ یہاں ہوٹل تو ہوٹل سرائے کے امکانات بھی مفقود ہی تھے۔

میں اس ادھیڑ بن میں گرفتار تھی کہ ایک بوڑھا آدمی میرے تخت پر آ بیٹھا۔ اس نے مجھ سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ یہ اگر کسی مہذب شہر میں وقوع پذیر ہوا ہوتا تو میں اسے ڈانٹ کر بھگا دیتی لیکن یہاں میں ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ یہاں کے طور طریق مختلف تھے اور ان پر احتجاج کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ شامت کو دعوت دی گئی۔

یہ بوڑھا حد درجہ گندا تھا۔ اس نے ایک طرف نسوار کی پچکاری لگائی اور اس لڑکے کو گالیاں بکنے لگا جس نے فوری طور پر اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ گالیاں سنتے ہی لڑکا دوڑا چلا آیا اور بوڑھے کا آرڈر لے کر چلا گیا۔ اب بوڑھے نے اپنی گندی آنکھوں سے مجھے گھورنا شروع کیا اور میں نے اس سے نظریں چرا لیں۔ مجھے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے مخاطب ضرور کرے گا لیکن ابھی اس کی نوبت نہیں آئی تھی کہ کسی گاڑی کے انجن کی کرخت آواز سنائی دی جو تیزی سے قریب آتی چلی جا رہی تھی۔

ایک جیپ سائبان کے قریب آ رکی۔ قمیض پتلون پہنے ہوئے ایک آدمی اس کا انجن بند کر کے اترا اور سائبان کے اس حصے کی طرف بڑھا جہاں گوشت بھونا جا رہا تھا۔

اس آدمی کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرے جسم کے کسی حصے میں ایک سرد لہر اٹھی اور سارے جسم میں پھیلتی چلی گئی۔

وہ وکٹر تھا۔ ڈاکٹر فونگ کا دستِ راست!

میں نے دیکھا اس نے گوشت بھوننے والے کو کچھ ہدایات دیں اور سگریٹ سلگاتا ہوا واپس اپنی جیپ کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اب غالباً اسے اپنے آرڈر کئے ہوئے گوشت کی تیاری کا انتظار تھا۔

سائبان کے نیچے بہت سی آنکھیں وکٹر کو گھور رہی تھیں اور ان آنکھوں سے شدید نفرت جھانک رہی تھی لیکن وکٹر کے انداز میں ایسی لاپروائی تھی جیسے وہ ان لوگوں کو کیڑوں مکوڑوں سے زیادہ

اہمیت نہ دے رہا ہو۔

ڈاکٹر فونگ کے معتمد ا...
مختلف النوع خیالات کا ملغو...
دیکھنے کے بعد اس میں تو کسی شک و شبے کی...
سے صوبہ سرحد کے اس مقام کا رخ کر کے...
اب میں کچھ یوں محسوس کرنے لگی تھی جیسے...
سے جرائم کی بو رچی بسی ہوئی ہو۔ یقیناً وہ ا...
کھیلنے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور ا...
نہ صرف بنا چلانا تھا بلکہ اس کا شیرازہ بکھیرنے...
میں کنکھیوں سے وکٹر کی طرف...

میں نے ماحول پر بھی گہری نظر رکھی تھی...
تھا کہ وہاں کی فضا کچھ کشیدہ سی ہو گئی تھی۔
لوگ وکٹر کو بڑے متنفرانہ انداز میں دیکھ...
وکٹر کا انداز ایسا تھا کہ مخالفین کو غصہ آ...
میں اعتمادِ ذات کی بڑی بھرپور چمک تھی...
میں کوندے کی طرح لپک جاتی ہے۔

اس ماحول کو دیکھ کر میرے ذہن...
جنم لیا تھا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہ...
علاقہ تھا جہاں صرف مقامی لوگوں کی عمل...
جب یہاں آتے تھے تو انہیں بھیگی بلی بنا...
کی شخصیت اس کلیے پر کاری ضرب لگ...

میں اپنے خیالات سے اس وقت...
ہوٹل یا ہوٹل نما سرائے کا لڑکا کڑاہی...
میں رکابیاں لے کر آیا۔ سلاد اور دہی کی...
روغنی کا ایک نوالہ توڑا اور اپنے تخت...
بولی "آؤ خان بابا! کھانا کھاؤ!"

"بسم اللہ! بسم اللہ کرو نوجوا...

"یہ کون ہے خان بابا!" میں نے...
اشارہ کیا۔

"سرکاری کتا۔" بوڑھے کی آواز میں...

"کیا مطلب؟"

"تم اس علاقے میں اجنبی ہو؟"...

"ہاں! میں آج ہی یہاں آیا ہوں۔"

"جبھی تم ان سرکاری کتوں کو نہیں..."

"تو کیا اور بھی ہیں؟"

"اس سمت میں ہیں۔ ڈاک بنگلے...
نے بتایا۔ "یہ لوگ زمین کی دیکھ بھال کے لئے...
یہاں سے ایک سڑک نکالنا چاہتی ہے...

...ع کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی جیسے مجھے ان
...ہا نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ حقیقت یہ نہیں تھی۔
...ظاہر ہو گیا تھا کہ مقامی لوگوں کو حکومت
...یہ میرے لئے مقامِ تشویش و فکر تھا۔
...کسی قریبی ڈاک بنگلے میں ٹھہرے ہوئے
...کی آدمی ظاہر کیا تھا۔ اب مجھے دیکھنا یہ تھا
...گ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔
...کا آرڈر کیا ہوا کھانا تیار ہو گیا۔ اس نے سب
...الا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن
...بھی نگاہیں اسے گھورتی رہیں اور جب
...بل گئی تو گویا جمع شدہ لاوا ابل پڑا۔
...کو گالیاں دی جا رہی تھیں، حکومتِ وقت

...ے کی چسکیاں لیتی رہی۔ میں کھانا کھا چکی
...ہا بوڑھا پٹھان ابھی تک بوٹیوں سے
...ذرا کی میں کہاں سے آ گئی!
...ں خاص طور سے یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ
...پہنچا جائے جہاں وکٹر اور اس کے ساتھی مقیم تھے۔
...جہاں رہنے کے باوجود میرے کان ان
...ہے لیے جنہوں نے حکومتِ وقت اور
...منصوبہ جاری رکھا تھا۔ میں اب تک یہ سمجھنے
...ڈیرہ کو اس حد تک ناپسندیدہ قرار دیا
...جاتے ہیں اب تک زندہ کیسے تھے!
...ں کی بعض باتیں سن کر زندہ ہو گئیں۔
...ت سے جسے وہ لوگ "خان زادہ" کہتے
...ں کہ وکٹر وغیرہ کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔
...ہوتے ہوئے تھے کہ ان میں اتنی
...ف کر سکیں۔
...ایک الجھن تو رفع ہو گئی لیکن اب
...برا جا لیا کہ یہ خان زادہ کون ہے اور
...قت سے کیوں بچانا چاہتا ہے؟
...ہوئے بوڑھے پٹھان کی طرف دیکھا
...دعا قسم کی ڈکار لی تھی۔
...ن بابا؟" میں نے اس سے پوچھا۔
...ا لڑکا!" بوڑھے نے جواب دیا۔ "اس
...گھر سنبھال لیا ہے۔ بڑا خان پتہ نہیں کہاں

...ہا اضطراب فطری بات تھی۔

"ہاں! بس ایک صبح پتہ چلا کہ وہ اپنے بستر پر نہیں ہے۔ اسے بہت ڈھونڈا گیا لیکن کوئی سراغ نہیں ملا۔ اب تک اس کی تلاش جاری ہے۔"

"اسے غائب ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟" مجھے کرید ہو گئی۔

"پندرہ دن تو ہو گئے ہوں گے۔" بوڑھے نے اپنی جیب سے نسوار کی ڈبیہ نکالتے ہوئے کہا۔

میں نے محسوس کیا کہ مجھے ایک کام کی بات معلوم ہو گئی ہے۔ بڑے خان کا پُراسرار طور پر لاپتہ ہونا، چھوٹے خان کا اس کی جگہ لینا اور پھر وکٹر وغیرہ کی زندگی کا ضامن بننا۔ یہ سب بڑی پُراسرار سی کڑیاں معلوم ہو رہی تھیں۔ ان کڑیوں کو اچھی طرح ٹٹولنا بہت ضروری تھا۔ اس طرح باقی کڑیاں بھی سامنے آ جاتیں اور وہ زنجیر مکمل ہو جاتی جس کی مجھے تلاش تھی۔

لیکن کیا میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں گی؟ میں نے یہاں آنے کے سلسلے میں بہت رازداری برتنے کی کوشش کی تھی لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کراچی ائیرپورٹ سے ہی ایک بوڑھے نے میری نگرانی شروع کر دی تھی۔ دوسری مرتبہ وہ پُراسرار بوڑھا مجھے اس وقت نظر آیا تھا جب میں ٹرین میں سفر کر رہی تھی اور راہ میں ایک پلیٹ فارم پر نیلی واسکٹ والے ایک خان نے ٹرین سے اتر کر اس بوڑھے سے راز و نیاز کیے تھے۔ بعد میں وہ نیلی واسکٹ والا بھی اسی پلیٹ فارم پر اتر پڑا تھا جہاں میں اتری تھی اور پھر جالو کے اڈے تک میری رہنمائی کرنے والا بھی وہی نیلی واسکٹ والا خان تھا۔ گویا یہ بات طے پا چکی تھی کہ رازداری کے سلسلے میں میرے تمام اقدامات فضول ثابت ہوئے تھے اور میرا مردانہ بہروپ بھی مجھے پوشیدہ رکھنے میں ناکام رہا تھا۔ "کچھ لوگ" اس بات سے آگاہ تھے کہ میں ایک نوجوان و خوبرو پٹھان لڑکا نہیں بلکہ صبیحہ بانو ہوں۔ میرے راز کے اس افشا نے مجھے گویا اس بات کی سند دے دی تھی کہ مستقبل میں مجھے شدید خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

میں نے خود کو ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار پایا اور جالو کے اڈے سے روانہ ہونے کے لئے کھڑی ہو گئی۔ اب مجھے سب سے پہلے اس ڈاک بنگلے کا پتہ چلانا تھا جہاں وکٹر وغیرہ مقیم تھے۔ میں اس طرف بڑھی جہاں گوشت بھونا جا رہا تھا۔ وہیں پر بیٹھا ہوا ایک آدمی لوگوں سے پیسے وصول کر رہا تھا۔ جب میں نے اس کو بل کی ادائیگی کی تو وہ بولا۔

"تم کہاں سے آئے ہو نوجوان!"

"پشاور سے۔" میں نے جواب دیا۔

"یہاں کسی کے مہمان ہو؟"

"کسی کا بھی نہیں۔" میں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں یہاں ایک آدمی کی تلاش میں آیا ہوں جس کا نام دلبر خان ہے۔"

میں نے اسے وہی کہانی سنا دی جو نیلی واسکٹ والے خان کو سنائی تھی۔

"دلبر خان تو یہاں کئی ہیں۔" وہ میری کہانی سن کر بڑبڑانے والے

انداز میں بولا "تم اس کا حلیہ بتاؤ تو کچھ اندازہ ہو۔"

میں نے الٹا سیدھا ایک حلیہ بیان کر ڈالا۔

"اوہ! وہ!" ایک آواز سنائی دی "اُسے تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

میں نے سر گھما کر اپنے برابر میں آ کھڑے ہونے والے اس شخص کو دیکھا جس نے میرے تخیلاتی دلبر خان سے شناسائی کا دعویٰ کیا تھا۔ اس شخص کو دیکھ کر میں نے اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی۔ وہ شکل ہی سے غنڈہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی دائیں آنکھ کچھ بند بند سی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی شدید چوٹ نے اس کی آنکھ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا بنا دیا ہو۔

"میں اسے خوب جانتا ہوں۔" وہ پھر بولا۔ "اس کی عادتیں ایسی ہی ہیں۔ اس نے اپنی زندگی میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کیا کہ لوگوں کو دھوکہ دے۔"

"میرے باپ کے ساتھ دھوکہ کر کے اس نے اپنی شامت کو دعوت دی ہے۔" میں غراتی ہوئی بولی۔ "مجھے حساب کتاب چکانا خوب آتا ہے۔"

"کیا تم میں اتنی ہمت ہے کہ اس کے دروازے پر جا کر اُسے للکار سکو؟"

"میں اس کا گریبان پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا اس کے مکان سے باہر نکال لاؤں گا۔"

"اگر تم میں اتنی ہمت ہو تو میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں اُس کے گھر کے دروازے پر پہنچا دوں گا۔"

"تم کون ہو؟"

"میرا نام جالو ہے۔ میں اس اڈے کا مالک ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔

میں الجھن میں پڑ گئی۔ دلبر خان کی کہانی مجھے مصلحتاً چھیڑنا پڑی تھی۔ لیکن اب میں اس میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ جالو مجھے کسی دلبر خان تک لے جاتا اور میں یہ کہنے پر مجبور ہوتی کہ یہ وہ دلبر خان نہیں ہے۔ گویا خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا، لیکن صورت حال ایسی تھی کہ وقت کا زیاں ناگزیر ہو گیا تھا۔ میں جالو سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ مجھے کسی دلبر خان کے گھر نہیں جانا۔

"کیا دلبر خان اس وقت اپنے گھر پر ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہونا تو چاہیے۔"

"تو پھر چلو!"

"بس ایک منٹ ٹھہرو!" جالو نے کہا اور پھر اپنے اڈے کے ملازمین کو کچھ ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔

میں سائبان کے نیچے سے نکل کر ایک طرف کھڑی ہو گئی اور سگریٹ سلگانے لگی۔ پہلا کش میں نے بڑی احتیاط اور آہستگی سے لیا۔ کنگ اسٹارک پینا کوئی مذاق نہیں ہے۔ اس کا ہر کش سینے میں جا کر

اس طرح لگتا ہے جیسے ہیروشیما کی زمین اتر

جالو کوئی پانچ منٹ میں فارغ ہو کر

بے تکلفی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا ...

میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ میں نے ...

نیچے بیٹھے ہوئے لوگ بڑی معنی خیز مسکراہٹ ...

رہے تھے۔

بستی کے مکانوں میں روشنی ہو رہی ...

ہونے کی وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا تھا ...

ہو۔ جدید شہروں میں رہنے والوں کو ایسی بستیوں ...

ہوتا ہے، سو مجھے بھی ہو رہا تھا۔

راستے میں جالو نے مجھ سے کہا "...

تم اپنی کمر سے ریوالور باندھے ہوئے ہو ..."

"میں ریوالور کا استعمال بھی خوب جانتا ...

ہوتا ہے!"

"اچھا!" جالو نے ہنس کر میری ...

"اگر نہ ہوتا تو دلبر خان کا پتہ ...

"یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔" جالو ...

تمہیں بتا دوں کہ پشاور میں اور یہاں ...

"مجھے کہیں بھی کوئی فرق نہیں ...

"یہاں پر ضرور محسوس ہوگا۔"

"دیکھا جائے گا۔" میں نے لاپروا ...

ہم کوئی پندرہ منٹ تک چلتے رہے ...

کی کوشش کرتا رہا کہ اس علاقے میں اگر ...

جاتا ہے۔

آخر ہم ایک مکان کے دروازے پر ...

پر دستک دی۔

میں ارد گرد کا جائزہ لینے لگی ...

سے ... قریب قریب تھے۔ مکانات کی ...

گلیاں ... تھیں۔ اُن کی تنگی کو ایک وقت میں ...

نہیں کر سکتے تھے۔ میں جس گلی میں کھڑی ہوئی ...

کی ایک دکان تھی جہاں لالٹین کی زرد ...

بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا۔ آس پاس کے ...

کے چیخنے چلانے یا رونے کی آوازیں ...

جالو کی دستک کے جواب میں ...

"جالو۔" جواب دیا گیا اور پھر جالو نے ...

سے کہا "یہ دلبر خان کا رشتے دار ہے ...

تم پشاور سے آئے ہو اور تمہیں دلبر خان کی ...

اُسے یہ بتا دیا تو ممکن ہے کہ وہ دلبر خان کو ...

... سر ہلا دیا۔

... روشنی ہم دونوں پر پڑی۔ میں فوری

... جس نے دروازہ کھولا تھا،

... پڑ رہی تھی۔

... ہے۔" جالو بولا۔

... عجیب و غریب بات محسوس کی۔ جالو

... کرتے ہوئے، دروازہ کھولنے والے

... اپنے اعصاب پر زناٹا سا محسوس

... کیفیت کو اپنے چہرے پر منعکس

... جیسے کچھ دیکھا ہی نہ ہو۔

... دروازہ کھولنے والا بولا تو اس کا

... وہ بات کو سمجھ نہ سکا ہو۔

... میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "اس

... وہی متذبذب لہجہ!

... بیٹھک میں اس کا انتظار کرتے ہیں۔"

... سے ایک طرف ہٹ گیا تا کہ ہم

... شدت سے خطرے کا احساس ہو

... دلبر خان کا گھر نہیں تھا۔ جالو نے یہ چال

... لگے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر

... تھا کیا وہ میرے مخالف گروہ سے

... کر مکان میں داخل ہوتے ہوئے

... غیر دوستانہ نہیں تھی۔

... تو ذہنی و جسمانی طور پر ہر قسم

... تیار تھی۔ اندر داخل ہوتے وقت

... شکل بھی دیکھ لی تھی۔ وہ ایک تنومند

... ویسکٹ اور شلوار تھی۔ قمیص پہنے

... جس بیٹھک میں پہنچی، وہاں دو

... تھے۔ شکل و صورت کے اعتبار سے

... ہوتے مجھے ان کی نظریں ہماری

... جم گئیں۔ واسکٹ والا بھی وہاں

... ان دونوں آدمیوں کی طرف دیکھتے

... ور ی مہمان کو لے کر آیا ہوں۔"

... میں سے ایک نے معنی خیز انداز

"ہم سب دلبر خان کے دوست ہیں۔" جالو نے مجھ سے کہا۔ "لیکن ہم میں سے کوئی بھی دلبر خان کی حرکتوں کو پسند نہیں کرتا۔ اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے تو ہم تم کو تمہارا حق ضرور دلائیں گے۔ ابھی تک تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔"

"آصف خٹک۔" میں نے بتایا۔

"یہ گل خان ہے۔" جالو نے ان دونوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "اور یہ مناظر خان ہے۔"

"بیٹھو دوست!" مناظر خان نے مجھ سے کہا۔

وہاں مونڈھے پڑے ہوئے تھے۔ میں ان میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ جالو میرے برابر والے مونڈھے پر بیٹھ گیا۔

"آج لال پری دکھائی نہیں دے رہی ہے۔" جالو ہنس کر بولا۔

"نکالوں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے!" گل خان بول پڑا۔

لال پری کی اصطلاح میرے لئے نئی نہیں تھی۔ جلد ہی میرے خیال کی تصدیق بھی ہو گئی۔ ٹھرے کی بوتل اور گلاس نکالے گئے تھے۔

"میں نہیں پیوں گا۔" میں نے چوتھا گلاس دیکھ کر کہا۔

"ارے کیوں!" مناظر خان نے ایسی حیرت ظاہر کی جیسے ٹھرا نہ پینا کوئی بُری بات ہو۔

"میں نے کبھی نہیں پی۔"

"تو آج پی لو! کیا فرق پڑتا ہے!"

"نہیں۔" میرے لہجے میں سختی تھی۔

ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔" جالو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بس ہم تینوں ہی پی لیں گے۔"

مناظر خان تین گلاسوں میں انڈیلنے لگا۔

"دلبر خان نہیں آیا!" میں بولی۔

"اوہ ... ہاں!" جالو نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو! میں خود دیکھ کر آتا ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا بیٹھک سے نکل گیا اور میں سوچنے لگی کہ دیکھیں اب پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ ابھی تک میں جالو کی شخصیت کے بارے میں کسی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچ سکی تھی۔

جالو نے واپس آنے میں دیر نہیں لگائی اور بیٹھتا ہوا بولا۔

"وہ نہا رہا ہے۔ ابھی آ جائے گا۔"

"اتنی رات کو نہا رہا ہے!" میں نے حیرت سے کہا۔

"پاگل ہے۔" جالو نے منہ بنا کر تبصرہ کیا۔

مجھے یقین تھا کہ جالو نے جھوٹ بولا تھا لیکن میں اس کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔

ان تینوں نے ٹھرے کے گلاس اٹھا لئے اور لمبے لمبے

گھونٹ بھرنے لگے۔
میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ میری خواہش تھی کہ جو بات بھی ہے وہ کھل کر جلد از جلد سامنے آ جائے۔ یہ انتظار تو اعصاب شکن ثابت ہو رہا تھا۔
ان تینوں نے ٹھرے کے پہلے گلاس تو اتنی جلدی ختم کر لئے جیسے وہ پگھلی ہوئی آگ نہیں ٹھنڈے مشروب تھے۔ پھر دوسرا دور چلا اور وہ بھی دس منٹ میں ختم ہو گیا۔ تیسرا دور شروع ہوا تو وہ آپس میں کچھ اس قسم کا ہنسی مذاق کرنے لگے جو ہر زاویے سے تہذیب کے دائرے سے نکلا ہوا تھا۔ اب میرا ماتھا ٹھنکا اور بات کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی۔ وہ بات ایسی تھی کہ اگر صحیح ثابت ہو جاتی تو مجھے بڑی کوفت ہوتی۔ میرا یہ شبہہ غالباً درست نہیں تھا کہ جالو کا تعلق میرے مخالف گروہ سے ہے۔ جالو مجھے یہاں شاید اس لئے گھیر لایا تھا کہ میں ایک خوبصورت لڑکا نظر آ رہی تھی۔ ان تینوں کے انداز سے یہ ظاہر ہونے لگا تھا کہ خوبصورت لڑکے ان کی کمزوری ہیں۔ یہ ایک ایسا ہی کیس تھا جیسے خوبصورت لڑکیاں میری کمزوری ہیں۔
میں دل ہی دل میں کچھ جھنجھلا سی گئی اور میں نے سوچا کہ اگر یہ بات درست ثابت ہوئی تو میں ان تینوں کو حد درجہ معقول سبق دوں گی۔
ان تینوں نے ٹھرے کا تیسرا دور بھی ختم کر لیا اور میں بڑے صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے خاموش بیٹھی رہی۔ میں نے دوبارہ دلبر خان کے بارے میں پوچھنا فضول سمجھا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں طے پا چکی تھی کہ یہ کسی دلبر خان کا مکان نہیں تھا۔
جب چوتھا دور شروع ہوا تو آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ ان تینوں کی آنکھوں میں سرخ شیطان ناچنے لگے تھے۔ جالو نے بڑی ہی بے تکلفی سے میرے گھٹنے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔
"پیو دوست! تم بھی پیو! آج پی کر تو دیکھو!... یہ تمہیں اور خوبصورت بنا دے گی۔"
یہ بکواس کرتے ہوئے جالو کے ہاتھ نے کچھ اور تجاوز کرنے کی کوشش کی تو میں یکلخت مونڈھے سے کھڑی ہو گئی۔
"جالو خان!" میں بڑے گمبھیر لہجے میں بولی۔ "میں سمجھ چکا ہوں کہ یہاں کوئی دلبر خان نہیں رہتا اور میں نے یہ بھی جان لیا ہے کہ تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔"
جالو نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "سن لیا دوستو! یہ بچہ بہت سمجھ دار ہے۔"
"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" مناظر خان نے جھومتے ہوئے کہا۔
"اب یہ بھی ہم کو پیار کر سکتا ہے۔" گل خان نے لقمہ دیا۔
"بیٹھو نوجوان!" جالو نے کہتے ہوئے میرا کولھا تھپتھپایا۔
یہ بات میری برداشت سے باہر تھی۔ میں نے جالو کے منہ پر
پوری قوت سے الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ ...
ہل گیا اور اس کے ہاتھ میں دبا ہوا ٹھرے ...
سے نکل کر فرش پر گرا۔ شیشے کے ٹکڑے ...
سے کچھ دور ہٹ گئی اور جالو اچھل کر کھڑا ...
گندی سی گالی دی اور مجھے کھا جانے وال ...
"یہ لڑکا تو بہت باغی ہے جالو خان۔ ...
"میں اس کی بغاوت کو اس کی ... جملہ لکھنے سے قاصر ہوں۔
"جالو!" میں بڑے سکون سے بولی ...
تو تمہاری ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا شمار کرنا ...
کہ تم تینوں مل کر مجھے قابو میں کرنے کی کوشش ...
فائدہ یہ ہوگا کہ میری لگائی ہوئی چوٹیں تین ...
گی اور تمہارے ساتھیوں کو ہمدردی کا گلہ نہیں ...
جالو نے گالیوں کی بوچھار کرتے ہو ...
اور اس کا خمیازہ اس طرح بھگتنا کہ اپنے ...
کیا۔ پھر وہ ڈکراتا ہوا آگے جھکا ہی تھا کہ میر ...
اس کے بائیں کندھے پر پڑی۔ اس کے ...
وہ بڑی مشکل سے خود کو گرنے سے بچا ...
میں نے دروازے کی طرف ...
سے بند کر لی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی ...
میں خلل انداز ہو۔
مناظر خان اور گل خان ابتدا ...
مگر اب ان دونوں نے بھی اپنے اپنے گلا ...
ہو گئے۔
جالو دیوار سے ٹکا ہوا ہانپ رہا ...
پسینے کے قطرات پھوٹ پڑے تھے ...
بائیں کندھے کو اس طرح دبائے ہوئے تھا ...
مبتلا ہو۔
"پکڑو اسے!" جالو غصے سے چلایا مگر ...
کیفیت بھی موجود تھی۔
"میں بھاگ تو نہیں رہا ہوں جیالو! ...
انداز میں بولی۔ "اگر میں چاہوں تو اپنے ...
قابو میں کر سکتا ہوں لیکن میں اس وقت تک ...
تک تم لوگ ہتھیار بازی پر نہ اتر آؤ۔ میں ...
خالی ہاتھوں کا مقابلہ خالی ہاتھوں سے کیا ...
مناظر خان اور گل خان اس طرح ...
بھونچال آتا ہے۔ دو سمتوں سے مجھ پر ...
تھی لیکن اس وقت ان دونوں کی آنکھ ...

... رے سیدھی انداز میں حرکت کی تھی میں
... نے آزمائے تھے اور ان دونوں نے چیخیں
... کی داد دی تھی۔ ادھر سے میں نے بیداد
... ل سے تین منٹ میں وہ دونوں ادھ موئے

... ہوا۔ حیرت سے آنکھیں پھاڑے میری
... رہا تھا۔ اس نے شاید ہی کبھی کسی کو
... کھا ہو۔ غالباً جوڈو اور کراٹے اس کے لئے
... ات کا خاص خیال رکھا تھا کہ یہ داؤ پیچ
... سے بگڑی نہ کرنے پائے۔ اگر ایسا
... میرا راز افشا کر دیتے۔
... جالو خان!" میں نے تمسخر اڑانے والے

... سے دروازے کو پیٹ رہا تھا اور جالو
... دو یا دو سے زائد آدمی معلوم ہوتے تھے
... ہی جالو خان!" میں نے طنزاً کہا۔
... تمہاری مدد کر سکیں۔ یا ٹھہرو! میں
... استقبال کرتا ہوں۔"
... اٹھا کر مجھے آگے بڑھنے سے روک
... دیکھتے ہوئے بلند آواز میں بولا۔ "تم
... ہو!"
... میں یکلخت رک گئیں۔
... حکم دیا۔
... ہاں!" باہر سے پوچھا گیا۔
... ہاں سے۔" جالو نے غصیلی آواز میں کہا۔
... ہوئی سنائی دیں۔
... از کی طرف دیکھنے لگی۔ میں یہ سمجھنے کی
... ذہن میں اب کس قسم کے خیالات

... فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ ان کی
... حالات کر کھڑے ہونے میں

... ہاتھ بڑھاتا ہوں آصف خنک!" جالو
... تم مر چکے ہو۔ میں نے تمہیں غلط

... آدمی ہی سے ہوتی ہے۔" میں
... دل سے کہا اور ایک مونڈھا گھسیٹ
... اب کیا حال ہے؟"

"تکلیف کم تو ہو گئی ہے لیکن ختم نہیں ہوئی۔" جالو نے مسکرانے کی کوشش کی۔
"دراصل میں نے ہاتھ مارتے وقت دیدہ و دانستہ رعایت سے کام لیا تھا ورنہ وہ تکلیف کم نہ ہوتی۔"
"تم عجیب و غریب انداز میں لڑے تھے۔ کیا یہی جوڈو تھا؟ میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔"
"یہ جوڈو بھی تھا اور کراٹے بھی۔" میں نے بڑے اطمینان سے بتایا۔ "لیکن ابھی تم نے اس کی بس ایک ہلکی سی جھلک دیکھی ہے۔"
جالو نے مناظر خان اور گل خان کی طرف دیکھا۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں چوکنا ہو گئی۔ جالو مجھے دھوکے میں رکھ کر تو کوئی وار نہیں کرنا چاہتا تھا؟
اس نے دروازہ کھولا اور دو تین نام پکارے۔ میں بدستور مونڈھے پر بیٹھی رہی لیکن میں نے کسی دوسرے ہنگامے کے لئے خود کو پوری طرح تیار رکھا تھا۔
تین آدمی وہاں پہنچے تو جالو نے مناظر خان اور گل خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "انہیں سہارا دے کر اٹھا لے جاؤ۔"
آنے والوں نے ان دونوں کی حالت زار کو بڑی حیرت سے دیکھا۔
"کھڑے منہ کیا تک رہے ہو!" جالو کا موڈ خراب ہو گیا۔
وہ لوگ جلدی سے آگے بڑھے۔ دو نے تو گل خان اور مناظر خان کو سہارا دیا اور تیسرا آدمی فرش پر بکھرے ہوئے گلاس کے ٹکڑے سمیٹنے لگا۔ جالو کھڑا ہوا اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں کندھے کو رگڑتا مسلتا رہا۔ میں مونڈھے پر بیٹھی ان سب کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتی رہی۔
پانچ منٹ بعد اس کمرے میں میرے اور جالو کے سوا کوئی نہیں تھا۔
"آصف خنک!" جالو میرے سامنے ایک مونڈھے پر بیٹھتا ہوا بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "یہ مت سمجھنا کہ میری باتوں میں کوئی چھل کپٹ ہے۔ میں نے پورے خلوص نیت سے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ آج سے ہم دونوں ایک دوسرے کے کام آنے کی کوشش کریں گے۔ میں اس بستی کے سارے دلبر خان تمہارے سامنے جمع کر دوں گا۔ تم ان میں سے اپنے شکار کو تلاش کر لینا۔"
"اس کے عوض مجھ سے کیا چاہو گے؟" میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔
"دوست کو دوست کے کام تو آنا ہی پڑتا ہے۔" جالو نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"مگر کیا کام؟"
"وہ کوئی ایسا کام تو بہرحال نہیں ہے جو تمہارے لئے محال

ہو میں نے تمہارے لڑنے کے انداز کو دیکھ لیا ہے اور اب شرط لگا کر کہہ سکتا ہوں کہ تم آٹھ دس آدمیوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے ہو گے!"

"تو گویا لڑنے بھڑنے کا معاملہ ہے؟"

"ہاں" جالو نے کہا "آج کل کچھ لوگوں سے میری ٹھنی ہوئی ہے اور وہ لوگ میرے آدمیوں پر بھاری پڑتے ہیں۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو یقیناً یہ مقابلہ بڑا مزے دار ہو جائے گا۔"

"جھگڑا کس بات کا ہے؟"

"سب سے پہلے تو میں تم کو یہ بتاؤں کہ میرا جھگڑا کس شخص سے ہے۔ اگر تم اس بستی کے رہنے والے ہوتے تو خان زادہ فرید کا نام تمہارے لئے اجنبی نہ ہوتا۔ وہ بڑے خان کا لڑکا اور اس بستی کا موجودہ خان ہے۔ میں اسی کے خلاف ڈٹا ہوا ہوں۔"

میرے جسم میں سنسناہٹ سی پھیل گئی۔ یہ تو وہی معاملہ معلوم ہوتا تھا جس میں مجھے یقینی طور پر دلچسپی لینا تھی۔ دلبر وغیرہ کا سرپرست خان زادہ فرید تھا لہٰذا میں اس سرپرستی کے پس پردہ محرکات جاننے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس طرف مرتکز کرنے پر مجبور تھی۔

"تمہیں اپنے نئے خان سے کیا شکایت ہے؟" میں نے حیرت ظاہر کی۔

"وہ حکومت کا پٹھو ہے۔" جالو نے بڑی نفرت سے کہا۔ "اس نے حکومت کے بعض آدمیوں کو اپنی حفاظت میں لے رکھا ہے جبکہ خان زید ایسا ہرگز نہ کرتا۔"

"خان زید یعنی خان زادہ فرید کا باپ؟"

"ہاں۔"

"کیا اس کا انتقال ہو گیا؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"نہیں، وہ پُراسرار طور پر لاپتہ ہو چکا ہے۔"

جالو نے مجھے وہی سب کچھ بتایا جو میں اس کے اڈے پر دوسروں سے سن چکی تھی۔ آخر میں جالو نے کہا "مجھے شبہ ہے کہ خان زید کو خان زادہ فرید ہی نے اغوا کروایا ہے۔"

"مگر کیوں؟"

"تاکہ بستی پر اپنا اقتدار قائم کر سکے۔ ایسا ہوئے بغیر وہ سرکاری پٹھوؤں کی حفاظت کرنے سے بھی قاصر رہتا۔ اسی لئے میرا یہ خیال ہے کہ خان زید کے اغوا میں سرکاری طور پر خان زادہ فرید کی مدد کی گئی ہو گی۔"

"مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ دلبر خان کو یہاں کے کسی بڑے سردار کی سرپرستی حاصل ہے۔ کیا وہ بڑا سردار خان زادہ فرید ہو سکتا ہے؟" میں نے یہ بات محض اس لئے کہی تھی کہ خان زادہ فرید کے معاملے میں اپنی دلچسپی پر ذاتیات کے رنگ کی ایک تہہ چڑھا سکوں۔

جالو نے ذرا دیر سوچ کر جواب دیا: "
یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن میں کل تک
خان زادے کے حواریوں میں اس نام کا کوئی
"تم کل تک یہ بات ضرور معلوم کر لو
اگر اس کے حواریوں میں دلبر خان ہوا تو م
دوں گا۔ تم نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا
ہاتھ کو نظر انداز کرنے کا قائل نہیں ہوں
جالو بڑے غور سے میری طرف د
جیسے وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا ہو۔
"کیوں؟" میں اسے گھورتی ہوئی
زبان پر آتے آتے رہ گئی ہے!"
"ہاں" جالو نے طویل سانس
آتے ہو، ذہنی طور پر اتنے کم عمر نہیں ہو
"شکریہ جالو خان!" میں ہنس
تمہارا کندھا کیسا ہے؟"
"تکلیف میں مزید کمی واقع ہو
"صبح تک بالکل ٹھیک ہو جا
"تم نے جوڈو سیکھا کہاں سے
"میں ایک مرتبہ اپنے باپ کے
بہت بڑے باپ کا لڑکا ہوں جالو خا
دلبر خان کا سراغ لگاتا ہوا یہاں تک
نہیں کہ میں ان روپوں کے لئے نکو
اس غصے کی ہے کہ میرے باپ کو دھوکہ
"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے جذبا
سر ہلاتے ہوئے کہا: "میرا خیال ہے
بندوبست کروا دوں۔ ایک کمرہ ٹھیک
"وہ تو تم کروا دینا لیکن مجھے
نہیں ہے۔ تم مجھے ذرا ان سرکاری پٹھو
جن کی سرپرستی تمہارے خیال کے مطا
"حکومت اس علاقے سے ایک
اسی سلسلے میں زمین کی دیکھ بھال
بھیجا گیا ہے۔ وہ تینوں ڈاک بنگلے
"ڈاک بنگلہ کہاں ہے؟" یہ
وہ سوال کر ڈالا جس کے جواب سے
"آبادی سے ذرا ہٹ کر وہ
لیکن یہ بات تم کیوں پوچھ رہی ہو
"جب خان زادہ فرید سے دو
پٹھوؤں سے بھی نپٹنا پڑے گا۔ اگر

بات طے ہے کہ سراغ نکالنے کے لئے ان سرکاری
طرف توجہ دینا ہو گی۔"
جالو نے پُرخیال انداز میں سر ہلاتے ہوئے میری
بڑی اچھی بات سوچی ہے۔ ہم نے تو اس
نہیں دیا تھا۔"
دیتی غیر ممالک میں ہوئی ہے جالو خان!... اس
کے تمام پہلو میری نظر میں فوراً آجاتے ہیں۔"
لہجے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے پوری
ہا ہے۔
توقف سے بولی "تم اسی وقت چل کر مجھے وہ ڈاک
اس کے لہجے میں استعجاب تھا۔
وقت" میں نے زور دے کر کہا "میں وقت ضائع
ہتی ہوں۔"
جالو نے سوچتے ہوئے کہا "اگر تم اسی وقت سے
کرنے پر آمادہ ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں
رہنے کے لئے ایک کمرے کی صفائی کی ہدایت دے
جاؤ" میں نے سگریٹ نکال کر اس کا ایک سرا پیکٹ
گیا اور میں سگریٹ کو ہونٹوں میں دبا کر اسے جلانا
مالی ملتے ہی میرے ذہن نے گذرے لمحے
بات مجھے بڑی عجیب سی معلوم ہو رہی تھی کہ
میں نے اس مکان میں قدم رکھا تھا تو شاید
دشمن تھے لیکن اب یہاں کی فضا میرے
اس مکان کے ناخدا نے میری طاقت کا
کے ذہن میں یہ بات بھی آگئی تھی کہ وہ
میں استعمال کر سکتا ہے۔
میرے حق میں بہتر ہی ہوا تھا مجھے اس
کی اشد ضرورت تھی۔ وہ بہت سے
کر سکتا تھا۔ مثال کے طور پر ڈاک بنگلے ہی
دیکھ کیے بغیر میں اس ڈاک بنگلے تک
بہت سے مسائل کا حل مل جانے کے باوجود
یں ہو سکی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا
غبار میرے گرد پھیلا ہوا ہو۔ میں اس
سگریٹ والے کو بھول نہیں سکتی تھی،
جالو کے اڈے تک پہنچایا تھا۔ یہ بات

تشبیہ سے بالاتر تھی کہ وہ لوگ میری نگرانی کر رہے تھے لیکن مجھے یہ اندازہ اب تک نہیں ہو سکا تھا کہ وہ لوگ کون تھے؟ گو کہ منطقی طور پر میری نگرانی کرنے والوں کا تعلق سی آئی اے ہی سے ہو سکتا تھا لیکن بہرحال ابھی یہ بات طے نہیں پائی تھی۔

خان زید اور خان زادہ فرید کا نقشہ بھی اپنی تمام تر ابہت کے ساتھ میرے ذہن میں موجود تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ کیا مجھے اس کے بارے میں بھی سوچنا چاہئے؟ لیکن ابھی میں اس کے بارے میں کچھ سوچنے نہیں پائی تھی کہ جالو واپس آگیا۔

"کیا چلیں؟" اس نے آتے ہی پوچھا۔

"ہاں، بالکل۔" میں اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر سگریٹ سلگاتے ہوئے میں نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"تم بہت سگریٹ پیتی ہو؟" جالو نے میرے ہاتھ میں دبے ہوئے پیکٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کروں، مجھے یہاں کوئی اچھا سگریٹ ملا نہیں۔"

"اچھا سگریٹ تو یہاں واقعی نہیں ملتا لیکن میں کل صبح تمہارے لئے بندوبست کر دوں گا۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے مکان سے نکل آئے۔

"گل خان اور مناظر خان کا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ان کی حالت ابھی ٹھیک نہیں ہوئی۔"

"انہیں کل تک اپنے جسم کی سینکائی کرنی پڑے گی!" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا "انہوں نے غلطی یہ کی کہ میرے مقابلے پر جم جانے کی کوشش کر ڈالی۔ ایک آدھ ہاتھ کھا کر پیچھے ہٹ جاتے تو یہ حال نہ ہوتا۔"

جالو نے ہنستے ہوئے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا "تم بہت حیرت انگیز لڑکی ہو۔"

"ابھی تو کوئی ایسا موقع ہی نہیں آیا کہ تم مجھے صحیح معنوں میں حیرت انگیز کہہ سکو۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"ایسا موقع بہت جلد آئے گا۔"

"مجھے اس کا منتظر سمجھو!"

ہم باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ اکا دکا راہگیروں سے آمنا سامنا ہوتا رہا۔ وہ لوگ شاید جالو کی رفاقت کے باعث مجھے بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھتے تھے۔ میں نے اس بات کو بڑی شدت سے محسوس کیا لیکن اس احساس میں کوئی جذباتی آمیزش نہیں ہونے دی۔ ان لوگوں کا یہ انداز ایک فطری بات تھی کیونکہ وہ جالو کی افتادِ طبع سے واقف ہوں گے۔

ہم باتیں کرتے ہوئے بستی سے نکل آئے۔ کچھ دور اونچے نیچے ٹیلوں کے ہیولے سے نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف سناٹا اور تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اگر میری جگہ کوئی عام عورت ہوتی تو اس

ویرانے میں جالو جیسے غنڈے کی وجہ سے اُس کا دل کانپ گیا۔
"وہ اس طرف پہاڑی پیالہ ہے۔" جالو نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"پہاڑی پیالہ!" میں حیرت سے بولی۔
"ہاں۔" جالو نے بتایا۔ "وہاں کچھ پہاڑیوں نے ایک دائرہ سا بنا دیا ہے اور ان پہاڑیوں کے بیچ کا حصہ پیالے کی طرح نظر آتا ہے۔ ہماری بستی میں وہ مقام، پہاڑی پیالے ہی کے نام سے مشہور ہے۔ اس پیالے میں داخل ہونے کا ذریعہ صرف ایک درّہ ہے۔"
"تم مجھے یہ سب کچھ کیوں بتا رہے ہو؟" میری حیرت برقرار تھی۔
"اس لئے کہ کل ہمیں وہاں جانا ہے۔ رات کو کسی وقت وہاں ایک معرکہ کرنا ہوگا۔"
"کس سے؟"
"خان زادہ فرید کے آدمیوں سے۔"
"مگر کیوں؟"
"جیسا کہ میں نے ابھی بتایا، اس پیالے میں داخل ہونے کا ذریعہ صرف ایک درّہ ہے اور آج کل خان زادہ فرید کے آدمی اس درّے پر پہرہ دے رہے ہیں۔ کسی کو بھی پہاڑی پیالے میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ شاید ان لوگوں نے خان زید کو وہیں قید کر رکھا ہو۔"
"تم یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ خان زید کو قید میں رکھا گیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ اُسے قتل ہی کر دیا گیا ہو!"
"جب تک ہمیں اپنے خان کی لاش نہ مل جائے، ہم اُسے زندہ ہی سمجھنا چاہتے ہیں۔" جالو کچھ جذباتی سا ہو گیا۔
مجھے اس کی بات احمقانہ سی معلوم ہوئی تھی لیکن میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ تاہم پہاڑی پیالے سے متعلق وہ باتیں ایسی نہیں تھیں جنہیں میں نظر انداز کر دیتی۔ یہ معاملہ خاصا پُراسرار تھا کہ خان زادہ فرید کے آدمی اس پہاڑی پیالے کی نگرانی کر رہے تھے۔
"کیا یہ ضروری ہے کہ اس درّے سے گزر کر پہاڑی پیالے میں داخل ہوا جائے؟" میں نے پوچھا۔
"بتایا تو کہ وہی ایک راستہ ہے۔"
"کیا پہاڑیوں پر چڑھ کر دوسری طرف نہیں اترا جا سکتا؟"
"وہ پہاڑیاں خاردار جھاڑیوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ اگر ہم انہیں کاٹتے ہوئے اُوپر چڑھیں تو شاید چوٹی تک پہنچتے پہنچتے صبح ہو جائے اور میں دن کی روشنی میں دوسری طرف اترنے کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"
"جھاڑیاں تو دوسری طرف کے نشیب میں بھی ہوں گی جن کی آڑ میں چھپا جا سکتا ہے۔

"نہیں۔" جالو نے جواب دیا۔ "یہ ایک ...
ہے کہ پہاڑیوں کی دوسری طرف کی سطح قطعی ...
جھاڑیاں نوکیا، ایک تنکا بھی اُگا ہوا نہیں ہے۔"
"اوہو!"
"ہمیں اس درّے ہی سے داخل ہونا ہوگا
کے چودہ پندرہ آدمی پہرہ دیتے ہیں لیکن مجھے ...
ہمارے ساتھ ہو گئے تو ان سے نمٹنا کچھ زیادہ ...
"یہ مہم کل رات کو کس وقت سَر کرنا ہے؟"
جالو جواب دینے کی بجائے یکلخت ...
ایک طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "وہ دیکھو!"
میں نے اس سمت میں نظر دوڑائی۔ ...
چھوٹی سی عمارت کا ہیولیٰ سا نظر آ رہا تھا۔
"یہی ڈاک بنگلہ ہے۔" جالو پھر بولا۔
"بالکل اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے۔"
"قریب جاؤ گے تو روشنی بھی نظر آ جا...
تو ہے نہیں کہ دُور ہی سے نظر آ جائے۔"
"...ں۔" میں ڈاک بنگلے کی طرف دیکھ...
وہاں وکٹر ہوگا، اس کے ساتھی ہوں گے اور ...
کوئی اسکیم بنا رہے ہوں۔
"اب کیا ارادہ ہے؟" جالو بولا۔ "کہاں چلنا ہے؟"
"نہیں، آج کے لئے بس اتنا ہی کافی ...
دیکھ لیا۔ آؤ اب واپس چلیں۔" میں نے اس ...
کیا اور واپسی کے لئے مڑ گئی۔
بستی کی طرف لوٹتے ہوئے بھی جالو ...
خان زید ہی کے تذکرے کرتا رہا اور میں اس ...
سنتی رہی کہ شاید کوئی نئی بات معلوم ہو جا...
واپس مکان پر پہنچ کر میں نے جالو ...
کر لو گے کہ خان زادہ فرید کے حواریوں میں ...
نہیں!"
"ہاں، میں پتہ لگا لوں گا۔"
پھر جالو نے مجھے اس کمرے میں ...
کرنا تھا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تو میں نے ...
کر لیا۔ سر کے بوجھ سے میں بڑی شدت سے ...
...تو میں نے فوراً اس سے نجات حاصل کر...
کر بستر پر لیٹ گئی۔
رات اپنی نصف زندگی بِتا چکی تھی ...
نیند کی پگڈنڈیاں ابھی تک سُونی پڑی تھ...

...لد اُمل گئے تھے۔ میرا ذہن، تفکرات کی پُرخار راہوں ...
...ا اور ماضی قریب کی بھینی بھینی یادیں بھی غیر یقینی ...
...دھند میں چھپی ہوئی تھیں۔
...سے زیادہ وہ ذہنی خلفشار مجھے اُس پُراسرار بوڑھے ...
...میں نے کراچی ائیرپورٹ سے ہی میری نگرانی شروع ...
...گمان تھا کہ وہ بھی اس بستی تک پہنچ چکا ہوگا۔
...سے ہر دم چوکنا رہنا تھا۔
...تک میرا ذہن، خیالات کی انہی لہروں پر ہچکولے ...
...جب میں بستر سے اٹھی تو میری آنکھوں کی جلن مجھے ...
...نیند پوری نہیں ہو سکی ہے۔
... کے بعد میں جالو کے گھر سے نکل کھڑی ...
میں نے جالو سے کہہ دیا تھا کہ "ٹہلنے جا رہا ہوں۔ ...
...لوٹ آؤں گا۔"
...مقابلے میں اس وقت بستی میں زیادہ چہل پہل ...
لوگوں نے مجھے گھور گھور کر دیکھا۔ خیر گھورنے ...
...بگڑ سکتا تھا لیکن میں اس بات سے ڈر رہی تھی کہ ...
...پیچھے ہی نہ لگ جائے۔ میں ڈاک بنگلے کی ...
...تھی۔ اس لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ کوئی میرے ...
...
...اس وقت حاصل ہوا جب میں بستی سے نکل آئی ...
...نہیں لگا۔ اب میں جلدی جلدی قدم اٹھانے ...
...پہاڑی ٹیلے پر وہ ڈاک بنگلہ یہاں سے بھی ...
...میں کوئی شے حائل نہیں تھی۔
...انداز میں ڈاک بنگلے کے قریب پہنچ گئی۔
...پر مشتمل تھی اور اس کے سامنے کے حصے ...
...احاطہ بھی تھا۔ اس احاطے میں سرونٹ کوارٹر ...
...بنی ہوئی تھی۔ وہ کمرہ غالباً ایک سو بیس مربع ...
...کی چھت سے ایک چمنی باہر نکلی ہوئی تھی۔
...نکل رہا تھا۔ احاطے کی دیوار پانچ فٹ سے ...
...اور اس کے درمیانی حصے میں لکڑی کا پھاٹک ...

...کھڑی ہوئی، احاطے کا جائزہ لے ہی رہی تھی کہ ...
...آواز آئی "اے!"
...سے گھوم گئی۔
...مقابلہ ہوا۔
...اور سَنچِتُون ہی تھی۔ اس کی عمر تیس بتیس سال ...
...پر شادی شدہ عورتوں جیسی پختگی تھی ...
...تھا۔ اس کا انگ انگ کنوارپن کا ...

فریب دے رہا تھا۔ اگر میری آنکھوں کے تجربے نے اس کے چہرے کی پختگی نہ پڑھ لی ہوتی تو فریب کھا جانے کا قوی احتمال تھا۔
"میں پردیسی ہوں۔" میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لینے کے بعد کہا اور محسوس کیا کہ میں نے اُسے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا، جتنی گہری نظر سے وہ میرا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں امڈتی ہوئی کیفیت کو میں نے صاف پڑھ لیا۔ وہ محرومی کے صحرا میں بھٹکتی ہوئی ایک تشنہ تن روح تھی۔ اس نے مجھے اسی طرح دیکھا تھا جیسے کوئی پیاسا، پانی کو دیکھتا ہے۔
"پردیسی ہو!" وہ مسکرائی۔ "لیکن یہاں کیا تلاش کرنے آئے ہو؟"
"مجھے کسی ایسے ٹھکانے کی تلاش ہے جہاں سر چھپا سکوں۔"
"اوہ!" عورت کی نیلی آنکھوں کی گہرائی میں کوئی کرشمے چمک اٹھی اور پھر اس نے تیزی سے میرے قریب آتے ہوئے کہا۔ "کیا تم اکیلے ہو؟"
"ہاں۔"
"پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ!" اس نے بڑی بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑا اور لکڑی کے پھاٹک کو دھکا دیا جو اندر سے بند نہیں تھا۔ وہ مجھے لئے ہوئے احاطے میں داخل ہوئی اور سرونٹ کوارٹر کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں چھابی تھی۔ وہ بستی سے سودا سلف خرید کر لائی تھی۔
سرونٹ کوارٹر میں داخل ہوتے ہی میں نے ایک نظر میں وہاں کا جائزہ لے لیا۔ دو پلنگوں پر بستر لگے ہوئے تھے اور پلنگوں کے نیچے ٹرنک گھسیڑ دیئے گئے تھے۔ ایک گوشے میں باورچی خانے کا سامان پھیلا ہوا تھا۔ دیواروں پر ٹھکی ہوئی کیلوں سے کپڑے اور فلمی کیلنڈر لٹکے ہوئے تھے۔
"کیا تم یہاں رہ سکتے ہو؟" عورت نے سوال کیا مگر اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ حکم دینا چاہتی ہو کہ تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔
"تم یہاں اکیلی رہتی ہو؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں۔" عورت نے بڑی تلخی سے کہا۔ "یہاں ایک ایسا شخص بھی رہتا ہے جسے لوگ میرا شوہر کہتے ہیں۔"
"لوگ... شوہر کہتے ہیں!" میں اس طرح بولی جیسے بات سمجھ میں نہ آ سکی ہو۔
"ہاں۔" اس کے لہجے کی تلخی برقرار رہی۔ "مجھے تو وہ کبھی بھی باور نہیں کرا سکا کہ وہ میرا شوہر ہے۔"
اب مجھ پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ اُس نے مجھے للچائی ہوئی نظروں سے کیوں دیکھا تھا لیکن یہ بات اب بھی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کہ اس کا شوہر اپنی شخصیت کو اپنی بیوی سے کیوں نہیں منوا سکا تھا۔
"کیا وہ کوئی بوڑھا آدمی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے جواب دیا اور پھر میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑی۔ "تم اپنے دماغ کو ان باتوں میں کیوں الجھا رہے ہو! بیٹھو! میں تمہارے لئے قہوہ تیار کرتی ہوں۔ تم تھکے ہوئے ہوگے۔"

وہ چولھے کی طرف بڑھ گئی۔

"سنو!" میں بولی۔ "تمہارے شوہر کو میرے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟"

"ہوا کرے۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "اب میں اس کی حرکتوں سے تنگ آچکی ہوں اور اسے منہ توڑ جواب دینا چاہتی ہوں۔"

"وہ کس طرح؟"

"بالکل ہی نادان ہو!" اس نے مسکرا کر کچھ ایسی میٹھی نظروں سے میری طرف دیکھا کہ میں سٹپٹا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ یہ بڑی مضحکہ خیز سچویشن تھی۔ فلموں میں تو اس قسم کی باتیں دکھائی ہی جاتی ہیں کہ ہیروئن جب مردانہ روپ بھرتی ہے تو اسے کسی نہ کسی لڑکی کے عشق کا ہدف بننا پڑتا ہے لیکن میرا معاملہ ان فلمی چکروں سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ گیا تھا یعنی ایک شادی شدہ عورت مجھ سے وہ تقاضے کر رہی تھی جو مراحلِ عشق کے بہت بعد میں آتے ہیں۔ اگر حدودِ عشق میں رہا جاتا تو میں کسی نہ کسی طرح اس ڈرامے کو جاری رکھ سکتی تھی لیکن ایسی صورت میں تو یہ ناممکن تھا کہ میرا راز افشا نہ ہوتا۔

ایک الجھن یہ بھی تھی کہ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں مجھے یہاں کیسے رکھ سکے گی۔ جہاں تک میں نے سمجھا تھا، بات کچھ یوں معلوم ہوتی تھی کہ اس کا شوہر دوسری عورتوں کے چکر میں پڑا رہتا تھا اور وہ یہاں پڑی تنہائی کا زہر پیتی رہتی تھی لیکن یہ بات طے ہے کہ اس قسم کے شوہر بھی اپنی بیویوں کے یہ لچھن برداشت نہیں کر سکتے۔

وہ بہت جلد میرے لئے قہوہ بنا کر لے آئی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"گل بانو۔"

میں نے بے اختیار ایک طویل سانس لی۔ صبیحہ بانو سے گل بانو آ ٹکرائی تھی۔

"کیوں؟ تمہیں میرا نام پسند آیا؟" وہ بولی۔

"آں... ہاں... ہاں... اچھا نام ہے۔" میں نے اس کی نظروں کی تاب نہ لا کر جلدی سے قہوے کا گھونٹ لیا تو میرا منہ جل گیا۔

گل بانو بستر پر میرے قریب ہی بیٹھ گئی اور میرا جی چاہا کہ پیالہ پھینک کر بھاگ نکلوں۔ گل بانو کے انداز سے بے صبری صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"صاحب داد!" باہر سے کسی نے پکارا

"میں ابھی آئی۔" گل بانو جلدی سے کھڑ

اور بڑی تیزی سے باہر نکل گئی۔

کیا ماجرا ہے؟ میں سوچتی ہوئی اٹھی ا

قریب جا کر آڑ میں کھڑے ہوتے ہوئے باہ

ڈاک بنگلے کے برآمدے میں وکٹر کھڑ

اس کی کوئی بات سن رہی تھی۔ پھر وہ مڑ کر ا

آ نے لگی اور وکٹر مڑ کر اندر چلا گیا۔ میں جلد

آ بیٹھی اور قہوے کی چسکی لینے لگی۔

گل بانو اندر آئی۔

"ڈاک بنگلے میں کچھ صاحب لوگ ٹھہ

اس نے مجھے بتایا۔ "میں انہیں چینی دے کر

اس نے چھابی میں سے ایک تھیلی نکالی ا

میں سوچ رہی تھی کہ اگر میں ڈاک ب

قیام کروں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ یہاں رہ کر ا

نظر رکھی جا سکتی تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ م

جاتا۔ اس کے علاوہ ابھی میں یہ اندازہ

گل بانو کے شوہر پر کیا ردِ عمل ہوگا۔ غال

گل بانو جب واپس لوٹی تو میں ق

رکھ چکی تھی۔ گل بانو کے چہرے سے

ہو رہا تھا اور وہ زیرِ لب کچھ بڑبڑا بھی ر

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"صاحب لوگوں نے دو گھنٹے کے

کھانا اپنے ساتھ لے کر وہ پہاڑیوں کی

کو واپس لوٹیں گے۔"

یہ جواب سن کر میں گل بانو کی

گئی۔ اب اسے فوری طور پر کھانا پکا

جبکہ وہ چاہتی تھی کہ کچھ وقت میرے ساتھ

"تم بستر پر لیٹ کر آرام کرو۔" وہ م

پکا ڈالوں۔"

"تمہارے شوہر کا نام صاحب دا

"ہاں۔" اس نے چولھے کے پاس

"وہ اس وقت کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں کہاں ہوگا۔" گل بانو نے

رات بھر غائب رہتا ہے۔ شراب پیتا ہے

ہے تو لوٹ آتا ہے۔ کبھی کبھی دیر ہو

وہیں پڑ کر سو جاتا ہے اور پھر دن چڑھے گھر

آج بھی کمبخت کہیں لیٹ گیا ہوگا۔"

ی کو کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟"

"

والدین کہاں ہیں؟"

رہتے ہیں۔" گل بانو نے کھانے کی تیاری جاری

رکھ دیا۔

ٹھک کر دروازے کی طرف دیکھا کیونکہ قدموں کی آہٹ

پھر دروازہ کھلا اور ایک تنومند پٹھان اندر داخل ہوا

اسے لگ بھگ معلوم ہو رہی تھی۔ چڑھی ہوئی

پتہ چل رہا تھا کہ وہ حد سے زیادہ شراب پینے

مگر وہ چونکا اور پھر اس کی نظریں گل بانو کی طرف اٹھیں۔

صاحب داد ہے، میں نے سوچا۔

وہ گرجا۔

گل بانو نے اسے بڑی تیکھی نظروں سے دیکھا۔

اس کا ہاتھ ایک جھٹکے سے میری طرف اٹھا۔

وہ لاپروائی سے بولی۔ "ڈاک بنگلے میں صاحب

نے سوچا کہ اسے یہاں روک لوں۔"

ہاں؟" وہ پھر چیخا۔

میں اس پر اعتراض کیوں ہے؟ میں نے تمہیں

ٹوکا!" گل بانو چبھتے ہوئے سے لہجے میں بولی۔

ان نظروں سے گل بانو کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر

میری طرف گھومیں اور گویا میرے چہرے

دیر تک مجھے دیکھتا رہا اور پھر اس کے چہرے

نے پھیلے گئے۔ آخر میں اس کے ہونٹوں پر

میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔

گل بانو کی طرف متوجہ ہو کر معنی خیز لہجے میں بولا۔

ان کی آمد پر مجھے واقعی اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔"

مجھے تو یہ توقع تھی کہ وہ ابھی وحشیوں کی

کرنے لگا لیکن یہاں تو رنگ ہی بدل گیا

لئے کسی تحفے سے کم نہیں تھی۔

اس مہمان کے ساتھ میں تمہیں کھل کھیلنے کا موقع

بانو غرائی۔ "اور یاد رکھو! اگر تم نے اپنے

بھی ساری حدوں سے گزر جاؤں گی۔"

صاحب داد نے قہقہہ لگایا۔

ایک شبہے نے سر ابھارا اور اس شبہے کا سبب

تھے۔ صاحب داد ہی کے نہیں بلکہ

اس نے یہ کیوں کہا تھا کہ وہ صاحب داد کو

اوقات نہیں دے گی۔

صاحب داد میرے سامنے آ [illegible]

نام کیا ہے گل بانو کے مہمان!"

"آصف خٹک۔" میں نے جواب دیا۔

"خٹک؟" صاحب داد کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "کہاں سے آئے ہو؟"

"پشاور سے۔"

"خوب! یہاں کس سلسلے میں آئے ہو؟"

"مجھے ایک آدمی کی تلاش ہے۔"

"کس کی؟"

"کیا یہ ضروری ہے کہ میں ہر سوال کا جواب دوں؟"

"نہیں۔" وہ مسکرا پڑا۔ "یہ بالکل ضروری نہیں ہے۔"

"میں یہاں دو دن سے زیادہ نہیں رکوں گا۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔ "لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میری وجہ سے ابھی تم دونوں میاں بیوی میں جھگڑا کیوں ہوا تھا۔"

"آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آجائے گا۔" وہ مسکراتا ہوا بولا۔

دوسری طرف گل بانو کھانا پکانے میں مصروف تھی اور اس کی حرکات و سکنات سے جھنجھلاہٹ کا اظہار ہو رہا تھا۔ شاید وہ اس بات پر کھول رہی تھی کہ صاحب داد مجھ سے مخاطب تھا۔

"تمہارے ساتھ کچھ سامان نہیں ہے؟" صاحب داد نے پوچھا۔

"نہیں۔"

صاحب داد بڑی بے تکلفی سے میرے پہلو میں بیٹھ گیا اور گل بانو کے چہرے سے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ چمٹا اٹھا کر اپنے شوہر پر کھینچ مارے گی۔ ادھر میں یہ سوچ رہی تھی کہ بہت بری طرح پھنسی ہوں۔ ایک طرف بیوی عاشق تو دوسری طرف شوہر، اس رسہ کشی کا انجام کیا ہوگا؟ میں گویا چکی کے دو پاٹوں میں پھنس گئی تھی۔ اب مناسب یہی تھا کہ میں کسی طرح یہاں سے بھاگ نکلوں۔ وکٹر وغیرہ پر نظر رکھنے کی کوئی اور سبیل بھی نکالی جا سکتی تھی۔ یہاں رہنا کوئی ضروری نہیں تھا۔ میں سب کچھ سوچتی ہوئی میں یکلخت کھڑی ہو گئی۔

"کہاں چلے؟" صاحب داد نے چونک کر پوچھا۔

"میں بستی میں جا کر اس آدمی کو تلاش کروں گا جس کی وجہ سے یہاں آیا ہوں۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں لوٹ آؤں گا۔"

"اگر تم مجھے بتا دیتے تو میں تمہاری کچھ مدد کرتا۔"

"شکریہ! میں اپنی مدد آپ کا قائل ہوں۔"

"اچھا تو ذرا جلدی لوٹنے کی کوشش کرنا۔" گل بانو بول پڑی۔ "یہاں تمہیں کھانا بالکل تیار ملے گا۔"

"اچھا۔" میں کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

دونوں میاں بیوی کے دل میں اس وقت بھی سوال ہوگا کہ

سکار واپس لوٹ کر آیا نہیں؟

میں نے پھاٹک کی طرف بڑھتے ہوئے کنکھیوں سے برآمدے کی طرف دیکھا جو سنسان پڑا تھا۔ برآمدے کے سامنے اتنی جگہ تھی کہ وہاں جیپ کھڑی ہو سکتی تھی لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئی۔

پھاٹک سے نکل کر میں تیزی سے قدم اٹھانے لگی۔ گو کہ اطراف میں دُور دُور تک سناٹا تھا لیکن میں نے اس ویرانے میں بھی اس بات کا خیال رکھا کہ میری چال میں نسوانیت نہ آنے پائے۔ کیا عجب کہ کہیں کسی آڑ سے کوئی مجھے دیکھ ہی رہا ہو۔

جب میں جالو کے گھر کے دروازے پر پہنچی تو کچھ تھک سی گئی تھی۔

دستک سُن کر جس شخص نے دروازہ کھولا، وہ مناظر خان تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر سٹپٹا گیا اور پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر مجھے داخل ہونے کا راستہ دیا۔

"کیا حال ہے مناظر خان!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ جھینپ رہا تھا۔

"جالو نہیں ہے؟"

"آدھے گھنٹے میں اُسے واپس آجانا چاہیے۔ وہ یہی کہہ کر گیا تھا۔"

مناظر خان میرے ساتھ ساتھ چلتا ہوا بیٹھک تک آیا لیکن اندر داخل ہونے کی بجائے دروازے ہی سے واپس لوٹ گیا۔

میں ایک مونڈھے پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ ڈکٹر وغیرہ پر نظر رکھنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے؟

جالو سے حاصل ہونے والی معلومات بھی میرے ذہن میں موجود تھیں اور میں اس پہاڑی پیالے کے بارے میں سوچ رہی تھی جس کے داخلی درّے پر خان زادہ فرید نے پہرہ لگا رکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس پہرے کا سبب کسی خاص اہمیت کا حامل ہوگا اور ممکن ہے کہ وہ سب کچھ ڈکٹر کے اشارے پر ہو رہا ہو۔ گویا سی آئی اے یہاں کوئی عجیب و غریب ہی کھیل کھیل رہی تھی۔

میں نے سوچا، اگر میں رات کو چوری چھپے ڈاک بنگلے میں داخل ہو سکوں تو اس بات کا امکان ہے کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔ یہ کام گل بانو کے تعاون سے بہ آسانی ہو سکتا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ اور اس کا شوہر میرے بارے میں جذباتی ہو چکے تھے۔ ان کے جذبات کو نا آسودہ رکھنا اس اعتبار سے محال ہی ثابت ہوتا کہ میں اپنی شخصیت کو راز میں رکھنا چاہتی تھی۔

مناظر خان کے بیان کے مطابق جالو آدھے گھنٹے میں لوٹ آیا اور تھکے ہوئے سے انداز میں میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "خان زادہ فرید کے حواریوں میں دلبر خان نام کے کسی آدمی کا سراغ نہیں مل رہا ہے، تاہم ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ میں نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ کل صبح تک مجھے کوئی یقینی

بات بتادیں سے یا نہیں ہے۔"

"میں ابھی ڈاک بنگلے کی طرف گیا تھا۔"

"اوہ!" جالو غور سے میری طرف دیکھتا

میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہو!"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "موجودہ حکومت

اس لئے مجھے یہ کرید ہوگئی ہے کہ حکومت

کرنا چاہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر مجھے فسا

لینا ہے تو پھر ان سرکاری پٹھوؤں پر ضرور نظ

"ہوں۔" جالو پُرخیال انداز میں سر ہلا

"اس ڈاک بنگلے کا رکھوالا، صاحب دا

"تم کو کیسے معلوم؟" جالو نے چونک کر کہا

"بتایا تو کہ ابھی ڈاک بنگلے ہی کی طرف

"صاحب داد ملا تھا؟"

"پہلے تو اس کی بیوی ملی تھی، گل بانو۔"

"خوب!" جالو معنی خیز انداز میں مسکرایا

"ملی تو تنہا تھی لیکن بعد میں صاحب دا

"پھر کیا ہوا؟ وہ تو تم پر ریجھ گئی ہوگی!"

"خوبصورت ہے۔" میں نے بائیں آنکھ

کی بدنصیبی یہ ہے کہ اس کا شوہر دوسرا ہی ذو

ہے کہ ڈاک بنگلے میں رہنے والے کسی وقت ا

کر دیں۔"

"ناممکن ہے۔ گل بانو کچھ بھی سہی لیکن وہ

سکتی کہ اُسے کوئی غیر پٹھان ہاتھ لگائے۔"

"ڈاک بنگلے میں رہنے والے کئی ہیں۔

بے بس ہو جائے گی۔"

"اُن لوگوں کو ایسا کرنے کی ہمت نہیں

ہنگامہ ہو جائے گا، اس کے بعد تو خان زادہ فرید

والوں کے خوفناک انتقام سے نہیں بچا سکے گا۔

"میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"گل بانو مجھ پر فریفتہ ہو گئی ہے نا؟"

"تمہاری بات اور ہے۔ تم پٹھان ہی ہو"

چونک کر بولا۔ "کتنی عجیب بات ہے؟ تم نے پہلے

نہیں بتایا۔"

"آصف خٹک۔" میں نے اُسے وہی نا

صاحب داد کو بتایا تھا۔

اسی وقت مناظر خان کمرے میں داخل ہو

ہو کر کچھ گھریلو قسم کی باتیں کرنے لگا۔ جالو نے

ف توجہ ہو گیا۔

ات کا کیا پروگرام ہے؟" میں نے اُس سے پوچھا۔

لے کی طرف چلنا ہے۔"

"

"ی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

کتنے آدمی ہیں؟"

تمہارے علاوہ چھ آدمی ہوں گے۔"

یا ہوگا؟"

تے نپٹ کر درّے میں داخل ہونا ہے۔"

پٹ کر؟ انہیں بے ہوش کر کے یا کسی طرح بے بس

ے؟"

نے تو اچھا ہے لیکن اگر کوئی دوسری صورت نہ

ہیں گے۔"

ی کے سہارے چلنا ہے۔"

ت کتنی دور ہے؟"

میل۔"

"...

نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہم جیپ

البت ہو جائے گا؟"

دو جیپیں ہیں۔"

ہے۔" میں نے سر ہلا کر کہا اور پھر بولی۔ "آج

بنگلے پر بھی چھاپہ مارنا چاہتا ہوں۔"

کہ اگر میں وہاں چوری چھپے داخل ہونے

کوئی کام کی بات ضرور معلوم ہو

سلسلے میں گل بانو سے بہت مدد مل سکتی ہے

ہو سے کھیل بگڑنے کا احتمال ہے۔"

رات کو تاڑی خانے میں پڑا رہتا ہے۔"

ہیں تو تاکہ وہ رات کو گھر پہنچ جائے؟"

تا ہے۔"

کا رات گڑبڑ ہو جائے گی۔"

دولبت کر دوں گا کہ آج ایسا نہ ہو۔"

"

کہہ دوں گا کہ وہ صاحب داد کو تاڑی خانے

تو میں بڑے اطمینان سے ڈاک بنگلے کا

ذبح کر سکوں گا۔"

"یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔"

اس گفتگو کے بعد جالو کسی کام سے چلا گیا اور میں اسی کمرے میں "کسی" ڈوکی دُھن میں مگن "بیٹھی رہی۔

شام تک جالو سے ایک ملاقات اور ہوئی، پھر شام کو جب وہ آیا تو اس نے آتے ہی کہا کہ میں چلنے کے لئے تیار ہو جاؤں۔

روانگی دو جیپوں میں ہوئی۔ آگے والی جیپ کی اگلی نشست پر صرف میں اور جالو بیٹھے تھے۔ آبادی سے نکل کر جیپیں ایک سمت میں سرگرم سفر ہو گئیں۔ اس وقت اندھیرا پھیل چکا تھا۔

"تم۔" جالو نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ "پہاڑی پیالے سے ایک ڈیڑھ میل اِدھر ہی جیپیں روک لیں گے اور باقی سفر پیدل ہی طے کرنا ہوگا۔"

"تم یہ چاہتے ہو کہ انجنوں کی آواز سُن کر وہ ہوشیار نہ ہو جائیں!"

"ہاں۔"

"ایک ڈیڑھ میل کا سفر زیادہ دشوار گزار تو نہیں ہے؟"

"زیادہ دشوار گزار تو ہرگز نہیں ہے لیکن راستے کی زمین ناہموار ضرور ہے۔ اونچے نیچے ٹیلے بھی ملیں گے اور جھاڑیاں بھی بہ کثرت ہیں جن سے بچ بچ کر چلنا ہوگا۔"

میں سر ہلا کر رہ گئی۔

جیپوں کی ہیڈ لائٹس، اندھیرے کا سینہ چیر رہی تھیں اور سفر جاری تھا۔ دفعتاً جیپ کی ہیڈ لائٹس بند ہو گئیں۔ فوراً ہی پچھلی جیپ نے بھی اس کا ساتھ دیا اور مجھے یوں لگا جیسے ماحول پر اندھیرا برس پڑا ہو۔

"یہ کیا ہوا؟" میں چونک کر بولی۔ "ہیڈ لائٹس ...."

"خراب نہیں ہوئیں، بجھائی گئی ہیں۔" جالو نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اب ہم ایسے رُخ پر سفر شروع کر رہے ہیں کہ پہاڑی پیالے کے درّے کی طرف سے ہیڈ لائٹس دیکھی جاسکتی ہیں۔"

"ہوں۔"

اس کے بعد ہم پھر خاموش ہو گئے۔

جتنی دیر تک سفر جاری رہا، میں پہاڑی پیالے کے بارے میں سوچتی رہی۔ یہ بات میرے ذہن کی گہرائی میں اترنے کی بجائے ذہن کی سطح پر ہی مچل رہی تھی کہ اس پہاڑی پیالے میں بستی کے بڑے خان کو قید رکھا گیا ہوگا۔ اصل بات یقیناً کچھ اور تھی جس کا اندازہ لگانا مجھے محال ہی معلوم ہو رہا تھا۔

جالو نے جیپ کی رفتار کم کرنا شروع کر دی تھی۔ آخر اس نے اسے روک ہی دیا۔ پچھلی جیپ بھی رُک گئی۔

"اب پیدل چلنا ہوگا!" میں بولی۔

"ہاں۔" جالو نے انجن بند کرتے ہوئے کہا۔

[illegible]

کہ جس حد تک بھی ممکن ہو اسے پوشیدہ رکھا جائے۔

سب لوگ جیپوں سے اتر کر چل پڑے لیکن اس پیدل سفر میں بھی میں اور جانو ہی آگے آگے تھے۔

"کیا اس معرکے میں آتشیں ہتھیار استعمال نہیں کئے جا سکتے؟" میں کچھ سوچ کر بولی۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ہم کھلے میں ہوں گے اور ان لوگوں کو چٹانوں کی آڑ حاصل ہو گی۔ وہ بڑی آسانی سے ہم سب کو بھون ڈالیں گے۔ ان سے نمٹنے کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم چھپتے چھپاتے اس درّے تک پہنچیں اور ایکدم اندر داخل ہو کر ان پر ٹوٹ پڑیں۔ فائرنگ کی صورت میں یہ بھی خدشہ ہے کہ پہاڑی پیالے میں ان کے جو ساتھی ہوں گے وہ بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔ اس طرح بات بگڑ جائے گی اور ہمارا یہ مقصد پورا نہیں ہو سکے گا کہ پہاڑی پیالے میں داخل ہو کر وہاں کا جائزہ لے سکیں۔"

"تو اس دُو بدُو معرکے میں تمہیں اپنی کامیابی کے امکانات کتنے فی صد نظر آ رہے ہیں؟"

"تمہاری وجہ سے سو فیصد۔"

"خوب!" میں مسکرا کر رہ گئی۔

سرحدی علاقے کا یہ غنڈہ مجھ سے اتنا مرعوب ہو گیا تھا کہ شاید مجھے سپرمین سمجھنے لگا تھا۔ ادھر مجھے صرف یہ فکر لاحق تھی کہ اس معرکے میں سرخرو ہونا میرے لئے ممکن ہو گا یا نہیں۔ اگر صرف مقامی لوگوں سے ٹکراؤ ہوتا تو میں جوڈو اور کراٹے کے بل پر اپنی جیت کو یقینی سمجھ سکتی تھی لیکن اس معاملے میں سی آئی اے کا ہاتھ ہونے کی وجہ سے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ غیر مقامی لوگوں سے بھی ٹکراؤ ہو جائے۔ ان لوگوں میں جوڈو اور کراٹے کا کوئی ماہر بھی ہو سکتا تھا جس کی وجہ سے وہ مناسب مجھ جاتا جو جانو کے ذہن میں تھا۔ اس نے میرے معاملے میں ایک اور آٹھ کا بندسہ ذہن نشین کر لیا تھا۔

پندرہ منٹ چلتے رہنے کے بعد جانو نے رکتے ہوئے کہا۔

"اب ہمیں اوندھے لیٹ کر رینگتے ہوئے آگے بڑھنا ہو گا۔"

میں نے کچھ کہنے کی بجائے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ جانو بہت محتاط رہنا چاہتا تھا اور عقلمندی کی بات بھی یہی تھی۔

سب لوگوں نے اوندھے لیٹ کر چھپکلیوں کی طرح آگے بڑھنا شروع کیا۔ پہاڑی پیالے کی اونچی اونچی چٹانیں اب اندھیرے میں بھی صاف نظر آ رہی تھیں۔ درمیانی فاصلہ بمشکل ایک فرلانگ رہ گیا ہو گا۔ دفعتاً ایک آدمی نے سرگوشی کرتے ہوئے جانو کو پکارا۔ جانو کے ساتھ ہی میں بھی اس آدمی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ آدمی ہاتھ سے بائیں جانب اشارہ کر رہا تھا۔ میری اور جانو کی نگاہیں اس جانب اٹھیں۔

"اوہ! یہ کون آ رہا ہے؟" جانو ... ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس تیزی سے ... میرے اندازے کے مطابق وہ کوئی ٹرک تھا۔ ... کے ساتھ میں اسے دیکھتی رہی۔

"یہ خان زادہ فرید کی جیپ ہو سکتی ہے"

"نہیں یہ ٹرک ہے۔" میں نے ...

"ٹرک!" جانو کے لہجے میں تشویش پیدا ... کیا کام؟"

"اس کے بارے میں تو تم ہی کوئی اندا...

"میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔"

"تو پھر اس کے بارے میں جاننے کی کوشش ...

"کیسے؟"

"اس کا رُخ درّے ہی کی طرف معلوم ہوتا ...

"ہاں۔"

"تو پھر میں آگے بڑھ کر درّے کے ...

"اس سے کیا ہو گا؟ صرف تم کیوں؟"

"درّے کے قریب ہونے کی وجہ ... میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اس وقت ٹرک کی ... ساتھ آگے بڑھنا مناسب نہیں ہو گا۔"

"اچھا تو صرف میں تمہارے ساتھ آگے ... رُک جائیں گے۔"

میں اکیلی ہی آگے بڑھنا چاہتی تھی لیکن ... میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور ضائع ہو جاتا۔ جب کہ ... چکا تھا۔

جانو نے اپنے ساتھیوں کو وہیں رکنے ... انداز میں میری جانب دیکھا۔

"آؤ!" میں نے سرگوشی کی اور تیزی سے ... شروع کر دیا۔

درّے سے قریب ترین ٹیلے تک ... وقت صرف کیا۔ یہاں سے ہم آڑ میں رہ کر ... جب ہم اس ٹیلے تک پہنچے اس کے دو چار ... درّے پر پہنچ کر رُکا۔ درّے پر تین آدمی شاید ... کرنے کے لئے موجود تھے۔ میں نے ٹرک ... کر ان میں دو تو قبائلی ہی تھے لیکن تیسرا شخص ... ہے کہ وہ مقامی نہیں ہو گا۔

ٹرک کی ہیڈ لائٹس بجھ گئیں اور اب ... آ رہے تھے۔ ٹرک سے دو سائے اترے۔ ... اترنے والوں نے صرف ایک سائے سے ...

... ملس ہو گا۔ اس کے بعد وہ تینوں سائے ٹرک کے عقبی حصے ... آئے۔ میری نظریں مقناطیس کی طرح ان کی طرف لگی ہوئی تھیں ... کی وجہ سے بڑی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ اگر روشنی ... سب کچھ دیکھا جا سکتا تھا جو اندھیرے کی وجہ سے دکھائی نہیں ... تھا۔

... تینوں ٹرک کے بالکل پیچھے آ گئے۔ ٹرک کا عقبی حصہ بہتر ... زاویے سے ہماری نظر میں تھا۔ ان تینوں میں سے دو سائے ... کو اٹھانے لگے جو ٹرک کے عقبی حصے پر پڑی ہوئی تھی۔ جب ... ہو گئی تو تیسرا سایہ ٹرک پر چڑھ گیا۔ ترپال اٹھانے والے ... کچھ ہی ہٹے رہے اور ان میں سے ایک نے نہایت طاقتور ... نکال کر اس کی روشنی ٹرک میں ڈالی۔

... !" جانو کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

... کل خاموش رہو!" میں سانپ کی طرح پھنکاری۔ جانو کے ... آواز نکلنے پر مجھے غصہ آ گیا تھا۔

... پیچھے ٹرک میں موجود چیزیں دیکھ کر میری حیرت بھی بقول شخصے ... نہیں کرنے لگی تھی۔ میرے ذہن کے کسی انتہائی تنگ خانے ... بات نہیں تھی کہ اس ٹرک میں موٹر سائیکلیں ہوں گی۔ نئی موٹر سائیکلیں! ... میں فوری طور پر جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ موٹر سائیکلوں کی ... ہاری ہے ــــ لیکن یہ توقع کیسے کی جا سکتی تھی کہ ... اسمگلنگ کے دھندے میں ملوث ہو گی؟ یقیناً کوئی بات ... تھا جس کے بارے میں فی الحال اندازے بھی نہیں لگائے ... تھے۔

... میں پڑھا ہوا آدمی ان موٹر سائیکلوں کی گنتی کر رہا تھا۔ کوئی ... مطمئن انداز میں ٹرک سے اتر آیا۔ ٹارچ بجھا دی ... سائے ترپال گرانے لگے۔ ترپال گرانے کے بعد وہ ... موٹر سائیکلوں کی گنتی کرنے والے سے مصافحہ کر کے ٹرک میں ... اشارٹ ہوا۔ ہیڈ لائٹس روشن ہوئیں اور پھر ٹرک حرکت ...

... ذہن میں ایک سوال گونجا تھا جس کا جواب فوراً ہی مل گیا۔ ... میں داخل ہوا تھا۔ درّے کا دہانہ گویا ایک قسم کی چیکنگ ...

... سائے بھی درّے میں داخل ہو گئے اور ٹرک کے انجن ... ہوتی ہوئی سناٹے میں مدغم ہو گئی۔

... !" جانو بولا تو مجھے ایسا لگا جیسے وہ ہانپ رہا ہو۔

... چلیں۔" میں نے کہا اور زمین پر لیٹے لیٹے واپسی کے ...

... اس جگہ پہنچ گئے جہاں جانو کے باقی ساتھی موجود ...

... تھے تو میں نے آہستہ سے کہا۔ "درّے سے اتنی دُور ہونے کے بعد ... ہم قدرے اطمینان سے گفتگو کر سکتے ہیں۔"

میرے منہ سے یہ الفاظ نکلنا غضب ہو گیا۔ جانو کے سب ... ساتھیوں نے بیک وقت بولنا شروع کر دیا۔ وہ جانو سے یہ پوچھنا ... چاہتے تھے کہ ہم کیا معلوم کر کے لوٹے تھے۔

"خاموش رہو!" میں غرائی۔ "اتنا شور کرنے کی حماقت جہنم میں بھی ... پہنچا سکتی ہے۔"

میری اس ڈانٹ پر ان سب کو سانپ سونگھ گیا۔ وہ سب مجھے ... نہیں جانتے تھے مگر انہیں میرے بارے میں معلومات ضرور حاصل ہو چکی ... ہوں گی۔

"وہ لوگ ....." جانو اپنے ساتھیوں کو حقیقت سے آگاہ کرنا ... چاہتا تھا کہ میں نے اس کا ہاتھ دبا دیا اور بولی۔

"ان باتوں کو پھر کسی وقت پر اٹھا رکھو جانو! ..... ہمیں یہاں ... بس اتنی دیر رکنا ہے کہ وہ ٹرک واپس چلا جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ واپس ... جائے گا۔"

"اس کے بعد؟"

"بس پھر ہم لوگ بستی کی طرف واپس لوٹ چلیں گے۔ بس دیکھنا ... ہے کہ اس ٹرک کو یہاں کتنی دیر لگتی ہے۔"

"لیکن ....."

"اس پروگرام کو بھول جاؤ جو بنا کر آئے تھے۔ صورت حال وہ ہرگز ... نہیں ہے جو تم سمجھ رہے تھے۔ یہ کوئی بہت ہی گمبھیر معاملہ معلوم ہوتا ... ہے۔ اب تو بہت ہی محتاط رہ کر کوئی قدم اٹھانا ہو گا۔"

جانو چپ ہو کر شاید میری بات پر غور کرنے لگا۔ اس کے ساتھی ... بہت بے چین نظر آنے لگے تھے۔ انہیں یہ بات بُری طرح کھل گئی ہو گی ... کہ میں نے جانو کو بولنے سے روک دیا تھا۔

میں جانتی تھی کہ جانو اپنے ساتھیوں کو کبھی بھی کچھ نہ بتلاتے۔ ... میں اندیشہ یہ تھا کہ بات پھیل جائے گی۔ اگر وہ لوگ تعلیم سے بہرہ ور ہوتے ... تو ان سے احتیاط کی توقع کی جا سکتی تھی مگر وہ اتنے اُجڈ تھے کہ ان ... قطعی منضبط نہ ہوتا۔ بات بڑی تیزی سے بستی میں پھیلتی اور اس طرح ... لوگوں کے بھی کانوں تک پہنچ جاتی جو یہ سارا پُراسرار کھیل کھیلنے میں ... مصروف تھے۔

ٹرک کی واپسی کا انتظار ہمیں لگ بھگ آدھے گھنٹے تک کرنا ... اس کے انجن کی کرخت آواز سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ جلد ... ہی وہ ہمارے سامنے سے گزر گیا۔ یہ بات تو سامنے کی تھی کہ وہ موٹر سائیکلیں ... اب اس ٹرک میں ہرگز نہیں ہوں گی۔

ٹرک کی عقبی سرخ روشنیاں اندھیرے میں گم ہو گئیں تو میں ... جانو سے کہا کہ اب واپس بستی کی طرف چلنا چاہیے۔

مجھے خدشہ تھا کہ جانو واپسی پر آمادہ نہ ہونے کے لئے بحث ...

دیکھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ غیر متوقع طور پر اس نے فوراً ہی میری بات مان لی۔

جیپوں تک پہنچتے ہوئے قطعی خاموش رہی۔ جانو بھی کسی گہری سوچ میں غرق رہا تھا۔

جب جیپیں بستی کی طرف روانہ ہوگئیں تو ہماری جیپ میں سب ہی چپ سے تھے لیکن میں پورے وثوق سے کہہ سکتی تھی کہ پیچھے آنے والی جیپ میں زبردست کھچڑی پک رہی ہوگی۔

ادھر میں یہ پروگرام بنا رہی تھی کہ جانو کو ذرا قاعدے سے تھپکنے کے بعد میں آنے والی رات کو تنِ تنہا اس پہاڑی پیالے کی طرف جاؤں گی اور حالات کا جائزہ لوں گی۔ اپنی ذات پر اعتماد کے باعث مجھے اس بات کا یقین تھا کہ میں پہرے داروں کی نظر سے بچ کر پہاڑی پیالے میں ضرور داخل ہو جاؤں گی اور اس بات کا پتہ چلا لوں گی کہ وہاں کس قسم کا ڈرامہ کھیلنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ کوئی بھی اہم قدم اٹھانے سے قبل تمام معلومات کا حصول ضروری تھا۔ جو باتیں معلوم ہونی چاہیے تھیں، اُن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ موٹر سائیکلوں سے بھرا ہوا ٹرک آج ہی یہاں پہنچا تھا یا پہلے ہی سے موٹر سائیکلیں جمع کی جا رہی تھیں؟ اسمگلنگ کے خیال کو تو میں نے اپنے ذہن سے بالکل ہی جھٹک دیا تھا۔

جانو کے گھر پر پہنچ کر سب سے پہلے میں ہی جیپ سے اتری اور مکان میں چلی گئی۔ میرے پیچھے پیچھے جانو بھی آ رہا تھا۔ اگر وہ نہ آتا تو میں بھی رُک جاتی کیونکہ میں اسے اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرنے کا موقع ہرگز نہیں دینا چاہتی تھی۔

بیٹھک میں پہنچ کر جب ہم آمنے سامنے بیٹھ گئے تو جانو سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"جانو!" میں نے ایک طویل سانس لے کر بولنا شروع کیا۔ "میں نے ایک بار پہلے بھی تم کو بتایا تھا کہ میں ایک دُنیا دیکھ چکا ہوں۔ میں بہت کم عمر سہی لیکن میرا تجربہ بہت زیادہ ہے۔ میں اڑتی چڑیا کے پَر گن سکتا ہوں۔ جو حالات آج ہمارے سامنے پیش آئے ہیں، وہ کسی بہت ہی عجیب و غریب ڈرامے کی تیاری معلوم ہوتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ اس علاقے کے خلاف کوئی بہت بڑی سازش ترتیب دی جا رہی ہو اور جب معاملہ یوں ہو تو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس قسم کے معاملات سے جذباتی انداز میں نہیں نپٹا جا سکتا۔ بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ ایسے مسئلے بندوق سے نہیں بلکہ ذہانت سے حل کئے جاتے ہیں اور اسی لئے میرا مشورہ ہے کہ تم جوش میں نہ آؤ۔ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں دو ایک دن میں ہی پتہ چلا لوں گا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور جب ساری معلومات حاصل ہو جائیں گی تو کوئی بھی فیصلہ کن قدم اٹھا کر سازشیوں کا قصہ تمام کیا جا سکتا ہے۔ جب تک وہ معلومات حاصل نہیں ہو جاتیں، تم اپنے ساتھیوں کو بھی کچھ نہ بتاؤ۔ اس طرح بات پھیل جائے گی اور عین ممکن ہے

کہ دشمن کے کانوں تک بھی پہنچ جائے۔ اس سے د
جاتے گا اور ہم اُن پر آسانی سے وار نہیں کر سکیں گے۔

میں نے اس طول طویل تقریر کے دوران میں
سے اندازہ لگا لیا کہ وہ رام ہو چکا ہے۔ آخر میں میں نے
حربہ بھی استعمال کر ڈالا اور بولی۔ "تمہارے ساتھی تعلیم سے
ہونے کی وجہ سے ضبط و تحمل کا ثبوت نہیں دے سکتے لیکن
ہے کہ تم غیر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود سمجھدار ہو اور
معاملات میں ضبط و رازداری کا ثبوت دے سکتے ہو۔"

جانو نے ایک طویل سانس لی اور بھرائی ہوئی آوا
"ٹھیک ہے۔ میں اپنے ساتھیوں کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"اس طرح تم اپنے علاقے کے بہتر مستقبل ک
گے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔ "تم مجھے بس پرسوں تک کی
میں یقیناً ساری معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جا

"بس مجھے ڈر ہے کہ میرے اندر کا جوش مجھے

جانو کی آواز بدستور بھرائی ہوئی تھی۔

"نہیں، تم سمجھ دار ہو۔ ضبط کر لو گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اکیلے کیا کر سکو گے۔"

"بس دیکھتے رہو۔ میں اکیلا بہت کچھ کر سکتا ہوں۔"

جانو خاموش رہا اور اس کی خاموشی سے میں نے
طرح میرے قابو میں آ چکا ہے۔

"اب مجھے اپنے آج کے پروگرام پر عمل کرنا ہے

"کون سا پروگرام؟"

"مجھے ڈاک بنگلے کی طرف جانا ہے۔ تم نے اس
کر دیا تھا کہ صاحب داد آج رات اپنے گھر کا رُخ نہ کر سکے

"ہاں، میں نے اپنے ایک آدمی کو اس کے پیچھے
کہ وہ کسی وقت بھی تاڑی خانے سے نہ ہٹے، وہیں

"بس تو پھر اب میں روانہ ہوتا ہوں۔"

"کھانا تو کھا لو!"

"اوہ! میں تو بھول ہی گیا تھا کہ ابھی کھانا نہیں
سے منگا لو!"

کھانا کھا کر میں جانو کے گھر سے روانہ ہوگئی۔
چکی تھی اور بستی پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کبھی کبھی کسی سمت
کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

راہ میں کسی سے بھی میری مڈبھیڑ نہیں ہوئی
نکل آئی میرے قدم بڑی تیزی سے ڈاک بنگلے
تھے اور میں سوچ رہی تھی کہ اگر گل بانو کو آلۂ کا
مجھے ڈاک بنگلے میں داخل ہونے کا موقع مل جا
گل بانو کو راہ پر لانے میں کچھ نہ کچھ وقت تو ضرور

ع ہونے کے مترادف تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے خود
کروں گی۔

اتنا ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی میرے پیچھے موجود ہو۔
ہستے گھومی ——— لیکن میرے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ کسی
کے احساس نے میرے دل کی دھڑکنیں تیز کر دی تھیں
ر معمول پر نہیں آ سکیں۔ میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ
گر کچھ نظر نہیں آیا۔ اندھیرے کی وجہ سے زیادہ دُور تک
ہی جا سکتا تھا۔

دو منٹ بعد میں نے پھر اپنی منزل کی طرف بڑھنا شروع
اب میں مطمئن نہیں رہی تھی۔ مجھے اس آہٹ نے پریشان
میں نے اپنے عقب میں محسوس کی تھی۔ ہر چند کہ مجھے
نہیں آیا تھا لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی تھی کہ میرا
تھا یا میں وہم کا شکار ہوگئی تھی کیونکہ اندھیرے میں زیادہ
دیکھا جا سکتا تھا اس لئے یہ بات ممکن تھی کہ میرا تعاقب
مجھے پلٹتے دیکھ کر جلدی سے زمین پر لیٹ گیا ہو۔
ہاں اب مجھے بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے،
ل ہی دل میں کہا۔

بنگلے کے قریب پہنچ کر میں ایک بار پھر بڑی تیزی
لیکن مجھے کوئی دکھائی نہیں دیا۔ میں ٹھنڈی سانس لے
بنگلے کی طرف مڑ گئی۔ ایک انجانے اور غیر یقینی خطرے
ذہن اپنے پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں کرنا چاہتی تھی جو
[illegible]

بنگلے کی چہار دیواری زیادہ اونچی نہیں تھی اس لئے اس
مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ پھر میں آہستگی سے
کو گئی اور جہاں تھی وہیں پڑی ہوئی کچھ دیر تک

جب کسی طرف سے بھی میرے کودنے کا کوئی ردِ عمل
میں اس جگہ سے اٹھی اور ڈاک بنگلے کے برآمدے کی
ی۔

سامنے جیپ موجود تھی لیکن توقع کے مطابق کوئی
ں نہ رہا تھا۔ میں نے ایک نظر گل بانو کے کوارٹر
ت کے قریب دیوار میں ایک گول سوراخ تھا جس
روشنی باہر آ رہی تھی۔ غالباً لالٹین جل رہی ہوگی۔
قدموں ڈاک بنگلے کے برآمدے میں پہنچ گئی اور ایک
حالات کا جائزہ لیا۔ بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن احتیاطاً
ہولسٹر سے نکال چکی تھی۔

میں دو دروازے تھے۔ میں جانتی تھی کہ وہ اندر سے
میں نے دونوں کو کھولنے کی کوشش ضرور کی۔

اس طرف سے مایوس ہونے کے بعد میں برآمدے سے اتر آئی۔ میں نے ڈاک بنگلے کے گرد ایک چکر لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔

ڈاک بنگلے کی عقبی دیوار بالکل سپاٹ تھی لیکن دائیں بائیں طرف کی دیواروں میں کھڑکیاں تھیں۔ کھڑکیوں میں شیشے لگے ہوئے تھے اور وہ اندر سے بند تھیں۔ اُنہیں کھولنے کی کوشش صرف اسی صورت میں کی جا سکتی تھی کہ شیشے پر طبع آزمائی کی جاتی لیکن میرے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں تھا جس سے شیشہ کاٹا جا سکتا۔ اگر میں شیشہ توڑنے کی کوشش کرتی تو اس کی آواز سے دشمن ہوشیار ہو سکتا تھا۔

دائیں طرف کی دیوار میں جو کھڑکی تھی، اُس کے شیشوں پر روشنی کا عکس پڑ رہا تھا۔ اس سے میں یہ نتیجہ اخذ کر سکتی تھی کہ اس کمرے میں ضر کوئی شخص موجود ہے اور ابھی سویا نہیں ہے۔ میں اُس کھڑکی کے قریب ہی کھڑی ہوئی اس صورتِ حال کا جائزہ لے رہی تھی کہ مجھے ایک آو سنائی دی۔

"تم نے آج کھانا نہیں کھایا بڈھے!"

میں چونکی اور پھر بڑی تیزی سے کھڑکی کے قریب ہوگئی۔ دراصل وہ آواز اس کھڑکی کی دوسری جانب سے آئی تھی اور میرا اندازہ تھا کہ وہ وکٹر کی آواز تھی۔

اس کے جواب میں کچھ کہا تو گیا لیکن آواز اتنی مدھم تھی کہ میں سُن نہیں سکی۔ کھڑکی بند ہونے کی وجہ سے بھی آواز کے باہر آنے میں رکاوٹ ہوتی ہوگی۔ وکٹر کی آواز تو مجھے اس لئے سنائی دے گئی تھی کہ وہ گرج کر بولا تھا۔

"اچھی بات ہے بڈھے!" وہ پھر گرجا۔ "ابھی تو میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ صبح تمہارا دماغ درست کروں گا۔"

میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ وکٹر نے جس شخص کو بڈھے کہہ کر مخاطب کیا تھا کیا وہ خان زید ہو سکتا ہے؟ اس بستی کا گمشدہ سردار! کیا یہ ممکن ہے کہ اسے اغوا کر کے ڈاک بنگلے میں قید رکھا گیا ہو؟ غالباً یہ محفوظ ترین جگہ تھی۔ کسی کا دھیان بھی اس طرف نہیں جا سکتا تھا۔

دروازہ بند ہونے کی پُرشور آواز نے مجھے چونکایا اور میں مُڑ کر تیزی سے چل پڑی۔ "بوڑھے" سے وکٹر نے کہا تھا کہ وہ کسی کام سے جا رہا ہے اس لئے میں اُسے جاتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی۔

دیوار کے موڑ پر پہنچ کر میں رُکی اور احتیاط سے دوسری طرف جھانکنے لگی، پھر مزید احتیاط کے خیال سے زمین پر اوندھی لیٹ گئی۔ اب میرے دیکھ لئے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ اندھیرے کی چادر بھی مجھے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔

برآمدے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور اندرونی روشنی کی چھوٹ جیپ پر پڑنے لگی۔ میں نے تین آدمیوں کو برآمدے سے اترتے دیکھا۔ ان میں سے ایک وکٹر تھا۔ وہ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور اس کا ایک ساتھی پھاٹک کی طرف بڑھتا چلا گیا

دوسرا ساتھی جیپ پر سوار نہیں ہوا۔
"آپ کب آئیں گے باس!" یہ اسی کی آواز تھی۔
"صبح کے قریب لوٹ سکوں گا۔" وکٹر نے جواب دیا۔
"میرا خیال..."

میں باقی الفاظ نہیں سن سکی کیونکہ وکٹر نے جیپ کا انجن اسٹارٹ کر دیا تھا۔ اسی وقت میں نے سرونٹ کوارٹر کے دروازے کو تھوڑا سا کھلتے ہوئے دیکھا۔ شاید گل بانو ابھی تک جاگ رہی تھی، یا ممکن ہے کہ وہ آوازیں سن کر بیدار ہو گئی ہو۔ اس نے جھانک کر باہر دیکھا اور پھر دروازہ بند کر لیا۔

وکٹر اپنی جیپ کو حرکت میں لے آیا۔ اس کا ساتھی پھاٹک کھول چکا تھا۔ جب جیپ پھاٹک کے قریب پہنچی تو وہ اچھل کر چلتی ہوئی جیپ میں چڑھ گیا اور جیپ کی رفتار تیز ہو گئی۔

جو آدمی وہیں رہ گیا تھا، وہ کوئی آدھے منٹ تک جیپ کی دور ہوتی ہوئی سرخ روشنی کو دیکھتا رہا اور پھر مڑ کر ڈاک بنگلے میں چلا گیا۔ میں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور روشنی کی چھوٹ کو غائب ہوتے ہوئے دیکھا۔

میں یہاں اس لئے آئی تھی کہ ڈاک بنگلے کی تلاشی لوں تو شاید کوئی کام کی چیز ہاتھ لگ جائے مگر اب تو صورت حال بالکل ہی بدل چکی تھی۔ اس نامعلوم بوڑھے کے وجود نے مجھے ڈاک بنگلے میں داخل ہونے کے لئے ازحد بے چین کر دیا تھا۔ میں ہر قیمت پر یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ بوڑھا کون ہے۔ خان زید یا کوئی اور؟

ڈاک بنگلے میں چوروں کی طرح داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی اس لئے مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ دلیرانہ اندر گھسا جائے۔ قرائن سے یہی پتہ چلتا تھا کہ میرا ٹکراؤ صرف ایک آدمی سے ہو گا۔ اسی سے جس نے ابھی دروازے پر آ کر وکٹر کو رخصت کیا تھا۔

میں نے اس طرف دیکھا جدھر جیپ گئی تھی۔ اس کی سرخ روشنیاں بھی اب اندھیرے میں تحلیل ہو چکی تھیں۔ ممکن ہے کہ وہ پہاڑی پیالے ہی کی طرف گیا ہو۔

میں نے دو تین منٹ تک غور کیا اور پھر فیصلہ کن انداز میں قدم آگے بڑھا دیئے۔ میں سیدھی برآمدے میں پہنچی۔ ایک مرتبہ مڑ کر سرونٹ کوارٹر کی طرف دیکھا اور پھر دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے بہت چونکے ہوئے انداز میں پوچھا گیا تھا۔

"میں ہوں، گل بانو۔" میں نے اس طرح کہا جیسے آواز بیٹھی ہوئی ہو۔

دوسری طرف قدموں کی آہٹ ہوئی جو قریب آتی چلی جا رہی تھی۔ پھر دروازہ کھلا اور میں دروازہ کھولنے والے کی آنکھوں میں برق کی طرح چمک گئی۔ میرا ہاتھ کسی آہنی ہتھوڑے کی طرح اس کی کنپٹی پر پڑا اور اس کی آنکھیں اوپر چڑھ ... ایسی آواز نکلی تھی جس کا احاطہ کرنے میں حروف ... کو میں خود بھی محسوس کر رہی ہوں۔

وہ تیورا کر گرنے لگا تو میں نے اسے سنبھالا ... چاہتی تھی کہ اس کے گرنے سے زیادہ آواز ہو ... بہت تیزی سے چلنے لگی تھیں اور میرے اندازے ... وہ آدھے گھنٹے کے لئے بے ہوش ہو چکا تھا ... سے فرش پر ڈال دیا اور ایک مرتبہ باہر جھانک کر ... سے بند کر لیا۔

یہ ڈاک بنگلہ چار کمروں پر مشتمل تھا لیکن ... کمرے ہوتے تو بھی میں اندازے سے اسی کمرے ... وہ بوڑھا قید تھا۔

اس کمرے میں کسی قسم کا سامان نہیں تھا ... جس پر وہ بوڑھا لیٹا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پٹیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کی عمر ساٹھ سے کم نہیں ہو گی لیکن قبائلی بوڑھوں کی طرح وہ خان ... کے چہرے پر ایسی تمکنت تھی جو میرے خیال میں ... ہی کے چہرے پر نظر آتی ہے۔ اس نے سر کو تھوڑا سا اوپر اٹھایا اور میری طرف دیکھا۔ میں حیرت سے ... ۔

"تم کون ہو؟" وہ پشتو میں بولا۔

میں تیزی سے اس کے قریب پہنچ گئی ... بجائے اسی سے سوال کر بیٹھی۔ "تم خان زید ہو؟"

"ہاں — لیکن تم کون ہو لڑکی؟" خان ... انداز میں کہا۔ "تم میری بستی کی تو نہیں معلوم ہو ..."

"ہاں خان زید بابا! میں یہاں کی رہنے والی ... ڈاک بنگلے میں اسی لئے آیا ہوں کہ تمہیں آزاد کرا ..."

"تو پھر جلدی کرو لڑکی! اس سے پہلے کہ ... مجھے آزاد کر دو۔ مجھے اپنی زندگی سے تو پیار نہیں ... سے بڑی محبت ہے۔"

بوڑھے خان زید کا جملہ خاصا معنی خیز تھا ... ایسی پوزیشن میں نہیں تھی کہ ایسے نکتوں پر غور کر سکوں۔

"ایک منٹ ٹھہرو خان بابا! کسی کمرے میں تلاش کر کے لاتا ہوں۔ تمہاری کلائی پر ... تسموں کو کسی تیز دھار آلے سے ہی ..." میرا جملہ ... میں چونک پڑی تھی۔ مجھے کچھ ایسی آواز سنائی دی ... ٹوٹ کر گرا ہو — شاید کسی کھڑکی کا شیشہ!

وہ آواز سنتے ہی میرا ذہن گویا اڑ کر اس کھڑکی تک جا پہنچا جو ڈاک بنگلے کے دوسرے پہلو کی دیوار میں ... موجود تھا۔ کوئی ایسی ہستی جو میری طرح چوری ... میں داخل ہونا چاہتی تھی۔ اگر وہ وکٹر ہوتا تو اُسے ... کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی اور وہ سیدھا دروازے ... ڈاک بنگلے میں آ جاتا۔

... کے لئے مضطرب ہو گئی کہ وہ کون ہو سکتا ہے ... ڈاک بنگلے میں داخل ہونے کی ضرورت محسوس ... ہو سکتا ہے؟

خان زید کے چہرے سے بھی فکر و تشویش کا اظہار ہو ... کی آواز سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا تھا اس لئے ... قاصر ہی رہا۔

"ہاں خان بابا!" میں نے سرگوشی کرنے والے ... سے چلتی ہوئی اس کمرے سے نکل گئی۔ مجھے بس ... کمرے تک پہنچنا تھا جہاں سے شیشہ ٹوٹنے کی آواز ... اتنا بڑا نہیں تھا کہ مجھے اس کمرے تک پہنچنے میں ... وہاں پہنچنے میں بمشکل دس سیکنڈ صرف ہوئے ... دروازہ کھول کر بے تحاشہ اندر گھستی چلی گئی ... ہی مجھے ٹھٹھک کر رک جانا پڑا۔ وہ کھڑکی مجھے ... جس کا شیشہ اگر نہ ٹوٹتا تو مجھے یہاں آنے کی ... کھڑکی کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ کوئی ... کے لئے کھڑکی پر چڑھ رہا تھا۔ کھڑکی میں سلاخیں ... کی راہ میں مزاحم ہوتیں لیکن اس مزاحمت کی عدم ... کی کامیابی کی ضمانت نہیں بن سکی۔ اس کا ... اس اجنبی نو وارد پر کیا گیا تھا۔ میں نے اس ... واپس گرتے ہوئے دیکھا۔

... اس صورت نے میری جبلت کو بیدار کر دیا ... سے فرش پر گرا دیا کیونکہ کھلی ہوئی ... اندر آ کر میرا مزاج بھی پوچھ سکتی تھی۔

... خیالات کا بھونچال سا آ گیا تھا اور میں سمجھنے ... حملہ ہے۔ نہ جانے وہ کون تھا جس پر گولی ... تھی جس نے فائر کیا تھا؟

... پیدا کرتے ہوئے اس چیستان کا نصف ... مل گیا جب باہر سے ایک چیختی ہوئی ...

... کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔"

... وہ وکٹر تھا۔ میں چکرا کر رہ گئی۔

... اچانک کیسے واپس لوٹ آیا! صورت حال کے مختلف پہلو بڑی تیزی سے میرے ذہن میں اجاگر ہوتے چلے گئے۔ میں اب خطرے میں گھر چکی تھی۔ وکٹر کے واپس آنے کا مطلب یہ تھا کہ اب وہ ڈاک بنگلے میں بھی آئے گا اور میں یہاں موجود تھی۔ نہ صرف موجود تھی بلکہ یہاں سے فوری طور پر فرار بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ خان زید کو آزاد کرانا ناگزیر تھا اور اس میں یقیناً کچھ وقت لگتا کیونکہ خان زید چرمی تسموں سے بندھا ہوا تھا۔

وکٹر کی آواز سننے کے بعد یہ سارے خیالات بمشکل دو سیکنڈ میں میرے ذہن میں چکرا گئے اور تیسرے سیکنڈ پر میں تیزی سے رینگتی ہوئی اس کمرے سے نکل آئی۔ مجھے اب جو کچھ بھی کرنا تھا، برق رفتاری اس کے لئے ناگزیر تھی۔

دفعتاً میں نے پھر ایک فائر کی آواز سنی۔ یہ فائر کھڑکی کے قریب سے کیا گیا تھا، اس لئے ظاہر ہے کہ وکٹر پر کیا گیا ہو گا۔ اس تمہید کے بعد دونوں طرف سے گولیاں چلنے لگیں۔ معرکہ اب سنگین ہو چکا تھا لیکن مجھے اتنی مہلت حاصل نہیں تھی کہ اس معرکے میں کوئی حصہ لیتی۔

کمرے سے نکلنے کے بعد میں اٹھ کر تیزی سے چل پڑی۔

ڈاک بنگلے میں باورچی خانہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی کیونکہ یہاں مقیم ہونے والوں کے خورد و نوش کا بندوبست سرونٹ کوارٹر میں صاحب داد کی خوبصورت بیوی گل بانو کرتی تھی۔

جب میں واپس خان زید کے کمرے میں داخل ہوئی تو میرے پاس کوئی ایسا تیز دھار آلہ نہیں تھا جس سے خان زید کے چرمی تسمے کاٹے جا سکتے۔

"میں جا رہا ہوں خان بابا!" میں نے خان زید سے کہا۔ "صورت حال ایسی ہے کہ مجھے یہاں سے فوراً چلا جانا چاہئے لیکن اطمینان رکھو میں جلد ہی تمہیں آزاد کرانے کے لئے..."

"سنو!" خان زید نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "مجھے اپنی آزادی کی اتنی فکر نہیں ہے، جتنی خواہش اس بات کی ہے کہ میرا وطن سلامت رہے۔ تم مجھے چھڑانے کی فکر کرنے کی بجائے کسی بڑے سرکاری افسر تک پہنچنے کی کوشش کرو اور اسے یہ اطلاع دو کہ بھارت آج سے چوتھے روز ہمارے ملک پر حملہ کرنے والا ہے۔ ان پہاڑوں میں دشمن کے چھاتہ بردار اترنے والے ہیں جو..."

بھارتی حملے کی اس اطلاع پر میرا جسم جھنجھنا کر رہ گیا تھا۔ میں نے تیزی سے خان زید کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں اس کا علم کیسے ہوا؟"

باہر سے فائرنگ کی آوازیں برابر آ رہی تھیں اور یہ میرے فرار کے لئے بڑا اچھا موقع تھا۔ اگر یہ معرکہ ختم ہو جاتا تو مجھے فرار کے لئے زیادہ مہلت نہیں ملتی، مگر خان زید نے ایک ایسی بات کہہ دی تھی، جس کا سیاق و سباق جاننا میرے لئے اشد ضروری تھا۔

"مجھے آج ہی ان لوگوں کی باتوں سے اس کا پتہ چلا ہے۔" خان زید

نے بتایا۔ "جس دن حملہ ہوگا، اُسی رات کو دشمن اپنے چھاتہ برداروں کو اس علاقے میں اتار دے گا۔ یہاں سے وہ چھاتہ بردار کسی خاص مہم پر روانہ ہوں گے۔ اُن کی روانگی، موٹر سائیکلوں پر ہوگی اور وہ موٹر سائیکلیں پہاڑی پیلے میں جمع کی جا رہی ہیں۔"

مجھے اپنے اعصاب پر تناؤ سا محسوس ہوا۔ قرائن سے پتہ چلتا تھا کہ خان زید کی یہ اطلاعات درست ہی ہوں گی۔ پاکستان کی فوجوں نے کشمیر کی طرف پیش قدمی شروع کر رکھی تھی اس لئے اس بات کا شدید احتمال تھا کہ بھارت، پاکستان کی سرحدوں پر یلغار کر دیتا۔

موٹر سائیکلوں کو ذخیرہ ہوتے ہوئے میں خود دیکھ چکی تھی اور اس مشاہدے کی روشنی میں یہ سوچا جا سکتا تھا کہ وہ چھاتہ بردار یہاں سے، پاکستان کی کچھ اہم فوجی تنصیبات پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوتے۔

میں نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ اب مجھے کھل کر وکٹر کے مقابلے پر آجانا چاہئے۔ میں اُس سے محض اس لئے بچنے کی کوشش کرتی رہی تھی کہ اس پر نظر رکھ کر حقائق کا پتہ چلاؤں لیکن اب تو ساری بات سامنے آ چکی تھی لہٰذا پس پردہ رہنا غیر ضروری ہو چکا تھا۔

باہر سے فائرنگ کی آواز آنا بند ہو چکی۔ غالباً اس معرکے کا کوئی فیصلہ ہو چکا تھا لیکن میں اس بات سے بے خبر تھی کہ فیصلہ کس کے حق میں ہوا ہوگا؟ وکٹر کے حق میں یا اُس پُراسرار نووارد کے حق میں جس نے کھڑکی کے راستے سے ڈاک بنگلے میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی!

"اب تم جلدی سے نکل جاؤ لڑکے!" خان زید نے چیخ آواز میں بولا۔ "تمہیں بہت تیزی سے کسی سرکاری افسر تک پہنچنا ہے۔"

میں نے بوڑھے خان زید کو جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور برقی سرعت کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ اسی وقت میں نے ایسی آواز سنی جیسے کوئی قدرے بلندی سے کودا ہو۔ میں نے قیاس کیا کہ وکٹر یا وہ پُراسرار نووارد اُسی کھڑکی سے ڈاک بنگلے میں کود آیا ہے۔ میں چاہتی تھی کہ مدِ مقابل کے اندر آنے سے پہلے ہی اس کھڑکی تک پہنچ جاؤں اور جیسے ہی وہ اندر آئے، اُس پر ٹوٹ پڑوں۔ اس طرح مدِ مقابل کو سنبھلنے کا موقع نہیں مل پاتا اور میں اُسے زیر کر لیتی مگر اب اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی، لہٰذا اب میں نے خان زید ہی کے کمرے میں رُک کر انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ کر کے میں اتنی ہی تیزی سے واپس مڑی جتنی تیزی سے باہر نکلی تھی۔

مجھے دوبارہ اندر آتے دیکھ کر خان زید کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آئے اور پھر اُس نے کچھ کہنے کے لئے مُنہ کھولا ہی تھا کہ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کے مُنہ سے کوئی آواز تو نہیں نکلی مگر مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ میں دروازے کے قریب دیوار سے چپک کر کھڑی ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ وکٹر ہو یا کوئی اور، اس کمرے میں ضرور آئے گا۔

چند لمحوں بعد ہی قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ کو تیزی سے اس طرف آرہا تھا۔ میرے عضلات تن گئے اور اپنے پٹھوں کو اکڑا لیا۔ میں ایک جسمانی معرکے کے لئے تیار ہو گئی۔ گو کہ میرے پاس ریوالور موجود تھا لیکن میں گ... کرنا چاہتی تھی۔ مدِ مقابل کو زندہ رکھنا ضروری تھا۔ اُس سے بہتری معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔

خان زید کا کھلا ہوا مُنہ تو اب بند ہو چکا تھا بلکہ ... دروازے ہی کی طرف لگی ہوئی تھی۔

دروازہ کھلا اور جو شخص اندر داخل ہوا، وہ وکٹر ... نے اپنے دائیں ہاتھ میں ریوالور سنبھال رکھا تھا۔ میرے ... کی ضرب اس کی کلائی پر اس طرح پڑی جیسے برق گرا... پر اس کی گرفت قائم نہیں رہ سکی۔ ریوالور اس کے ہاتھ ... فرش پر گرا اور میں نے اُسے ٹھوکر مار دی۔ ٹھوکر کھا کر ... سے جا ٹکرایا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے وکٹر کے وار سے ... کرنا پڑی۔ اس نے اپنا بایاں ہاتھ گھمایا تھا۔ اُس کا مکہ میرے جبڑے ہی پر پڑتا لیکن میرے بائیں ہاتھ نے کو اس وقت تھام لیا جب اس کا گھونسہ میرے جبڑے ... دُور رہ گیا تھا۔ فوراً ہی میرے دائیں ہاتھ نے بھی تیز... میرے کھڑے ہاتھ کی ضرب اُس کی کلائی اور بازو ... اور وہ اس طرح چیخ اٹھا جیسے ہڈی ٹوٹ گئی ہو لیکن ... ایسا نہیں ہوا تھا۔ میں نے اُسے سنبھلنے کا موقع دیئے ... بائیں گھٹنے پر اسٹیپ کک لگائی اور اس کی کلائی چھوڑ ... کے انگر ڈیگر اس کی پسلیوں پر آزمائے۔ چونکہ وہ اٹھ ... کر میرے اوپر گرنے لگا تھا اس لئے فنگر ڈیگرز نے ... پر انتہائی تکلیف دہ اثرات مرتب کئے۔ وہ ذبح ... بکرے کی طرح چیخ اٹھا اور اس وقت میں نے ... ایک داؤ بھی آزما ڈالا۔ فنگر ڈیگرز کی تکلیف سے ... منتشر ہو گئے تھے اس لئے جب میں نے ... کرنے کے لئے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا تو وہ سمجھ ... کیا کرنے والی ہوں۔ میں نے بڑی آسانی سے ... کر پوری قوت سے فرش پر پٹخ دیا۔ اُس کے ... نکلی جیسے موت کے قریب پہنچ گیا ہو۔

"اوہ... لڑکے... لڑکے!" خان زید بے ... کے عالم میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

وکٹر کسی مختل حواس شخص کی طرح فرش سے ا... کر رہا تھا کہ میں نے اس کے سر پر ٹھوکر لگائی اور وہ ... میں نے دوسری ٹھوکر اس کی کنپٹی پر لگائی اور وہ اس...

...گیا ہو، لیکن اُس کی یہ تڑپ لمحاتی تھی۔ جلدی ہی وہ بے حس و ...گیا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ مرا نہیں ہوگا، صرف بے ہوش ہوا تھا۔

"...اب تمہیں یہاں سے نکال کرنے جایا جا سکتا ہے خان بابا!" ...خان زید سے کہا اور پھر وکٹر پر جھک کر اس کی جیبوں کی تلاشی ...بات مجھے میرے تجربات نے بتائی تھی کہ وکٹر جیسے لوگ اپنی ...قلمتراش چاقو ضرور رکھتے ہیں کیونکہ یہ ننھا سا آلہ متعدد معاملات ...ثابت ہوتا ہے۔ وکٹر کے بارے میں بھی میرا یہ اندازہ درست ...لا۔ اس کی جیب میں قلمتراش چاقو موجود تھا اور اب میں اس کی ...سے خان زید کے چرمی تسمے کاٹ سکتی تھی۔

"...حیرت انگیز ہو لڑکے!... بہت حیرت انگیز ہو!" خان زید ...ہا جب میں اُس کے ایک ہاتھ کو چرمی تسمے کی قید سے آزاد ...خان زید کے اس تبصرے کا سبب، معرکہ آرائی کا وہ انداز ...میں نے وکٹر پر استعمال کیا تھا۔

...ابھی ایک مدھم سا شور سنائی دیا جو فوراً ہی سناٹے میں ...یوں لگا تھا جیسے ہوا کا کوئی جھٹکا سا ابھرا تھا، کہیں دُور سے آوازوں کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے گزر گیا ہو۔

...خان زید اب آزاد ہو چکا تھا۔ اُسے بستر سے اٹھا چھوڑ کر میں ...اٹ نکلی اور اُسے کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ بہت دُور بستی ...بہت سی متحرک روشنیاں نظر آئیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا ...ت لوگ لالٹینیں اٹھائے ہوئے تیزی سے ڈاک بنگلے کی ...چلے آ رہے ہوں۔ میرے ذہن نے فوراً اس نتیجے پر ...ایا کہ فائرنگ کی آواز بستی میں بھی سنی گئی ہوگی اس لئے ...لی اتیش کے لئے اس طرف دوڑے چلے آ رہے تھے۔

...میں نے پھر ایک خطرناک صورتِ حال کو اپنے سامنے پایا۔ اس ...الٰہ ضروری تھا۔ میں فی الحال خان زید کو ان لوگوں سے ...ونا چاہتی تھی۔ دراصل مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ اس ہجوم ...و فرید کے آدمی، خان زید کے خلاف کوئی خطرناک قدم ...ھا لیں۔ ابھی مجھے قطعاً نہیں معلوم تھا کہ اس بستی میں خانزادہ ...ا گفتہ میں اور خان زید کا حامی کون کون ہے؟ فی الحال میری ...ظر میں ایسی شخصیت تھی جس کے بارے میں کہا جا سکتا ...ہ زید کی سچی بہی خواہ ہے۔

...ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا لیکن میں فوری طور ...فیصلہ نہیں کر سکی کہ مجھے خان زید کو اپنے ساتھ لے کر کس طرف ...اگر میں بستی کی طرف رُخ کرتی تو اس ہجوم سے ...اور مخالف سمت کے ویرانے کی طرف جانے میں یہ ...خانزادہ فرید کے آدمیوں سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ ...پھر گل بانو کا خیال آیا۔ اُس کا کوارٹر ہمارے چھپنے کے لئے ...ثابت ہو سکتا تھا۔ بس سوچنے کی بات صرف یہ تھی کہ گل بانو پر اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ عین ممکن تھا کہ اس کی ہمدردیاں خانزادہ فرید کے ساتھ ہوں۔ ایسی صورت میں وہ ہمیں مبتلائے مصیبت بھی کر سکتی تھی لیکن اس خدشے کے ساتھ ساتھ میرے ذہن میں یہ نکتہ بھی موجود تھا کہ گل بانو مجھ پر عاشق ہو چکی ہے۔ کیا وہ اس عشق کا ذرا سا بھرم بھی نہیں رکھے گی؟ میرے تجربے کے مطابق تو ایسی عورتیں اپنے اندر کے اس شدید جذبے کے ہاتھوں اس حد تک مجبور ہو جاتی ہیں کہ سارے رسم و رواج و نظریات کو طاقِ نسیاں کر دیتی ہیں۔

میں کھڑکی میں کھڑی ہوئی یہ سب کچھ سوچ رہی تھی اور میری نظر اُن متحرک روشنیوں پر جمی ہوئی تھی جن کے ساتھ اب انسانی ہیولے بھی دکھائی دینے لگے تھے۔

میں نے اپنے عقب میں خان زید کی تیز سانسوں کی آواز سنی تو مُڑ کر دیکھا اور بولی۔ "ہمیں اس ہجوم سے بچنا ہوگا خان بابا!"

"کیوں؟" وہ حیرت سے بولا۔ "یہ سب تو میری ہی بستی کے لوگ ہوں گے، ان سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟"

خان زید اس بات سے بے خبر معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا بیٹا، بستی میں کیا رنگ جما چکا ہے۔ میں نے تیزی سے کہا۔

"اس بستی کے لوگوں میں اب کچھ لوگ تمہارے جانی دشمن بن چکے ہیں لیکن یہ ایسا موقع نہیں ہے کہ میں تمہیں ساری تفصیلات بتاؤں۔ میرے ساتھ آؤ، جلدی کرو!"

خان زید میری اِن مبہم باتوں سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا مگر اس میں اتنی عقل ضرور تھی کہ اس نے مجھے اپنے پے در پے میں نہیں اُلجھایا اور تیزی سے میرے ساتھ چلنے لگا۔

ڈاک بنگلے سے نکل کر سرونٹ کوارٹر کی طرف بڑھتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ فائرنگ کی آواز تو گل بانو نے بھی سُنی ہوگی۔ وہ خوفزدہ ہو کر اپنے کوارٹر سے بھاگ نہ گئی ہو۔

لیکن جب میں نے کوارٹر کے دروازے پر دباؤ ڈالا تو پتہ چلا وہ اندر سے بند ہے۔ میں نے اطمینان کی سانس لے کر دروازے پر دستک دی۔ جب اس دستک کا جواب نہیں ملا تو دوسری دستک کے ساتھ میں نے گل بانو کو آواز بھی دی۔

"کون ہے؟" اندر سے گل بانو کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ آواز سے سراسیمگی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں ہوں، آصف۔ جلدی دروازہ کھولو!" میں نے جواب دیا۔

بستی کی طرف سے آنے والوں کا شور اب صاف سنائی دینے لگا تھا۔ وہ اتنے قریب آ چکے تھے کہ تین چار منٹ بعد ہمیں راہِ فرار ملنا مشکل ہو جاتا۔ میں نے مضطربانہ انداز میں دروازے پر پھر دستک دی اور اپنا نام بتا کر گل بانو کو پکارا۔

خان زید میرے قریب ہی کھڑا لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ یقیناً اس وقت اُسے ذہنی انتشار کی معراج حاصل ہو گی۔ اُس کی سمجھ...

میں ہمیں آ رہا ہو گا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟

جب گل بانو نے دروازہ کھولا تو سب سے پہلے اس کی نظر مجھ پر ہی پڑی اور میں نے اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار پھیلتے دیکھے۔ شاید دروازہ کھولنے سے قبل اُسے یقین نہیں تھا کہ آواز اُسی "نوجوان" آصف خٹک کی ہے جس کو آج دن میں اُس نے پسندیدہ نظر سے دیکھا تھا۔

"اوہ! یہ تم ہی ہو!" اُس کے مُنہ سے نکلا اور پھر اُس وقت وہ اُچھل پڑی جب اُس کی نظر خان زید پر پڑی۔

میں خان زید کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے اندر گھستی چلی گئی اور میں نے ہی دروازہ بھی بند کیا۔ گل بانو تو لڑکھڑاتے ہوئے انداز میں کئی قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد میں اُس کی طرف مڑی۔

"گل بانو!" میں نے تیزی سے کہا۔ "تم نے فائرنگ کی آواز بھی سنی تھی نا؟"

گل بانو نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے مُنہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔

"وہ فائرنگ مجھ پر اور خان پر کی گئی تھی۔ ہم دونوں کی زندگی خطرے میں ہے۔ کیا تم ہمیں یہاں پناہ نہیں دو گی؟"

"خان کے لئے تو اس بستی کا کوئی گھر بھی اپنے دروازے بند نہیں کر سکتا۔" گل بانو نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اور اس گھر کے دروازے تو تمہارے لئے بھی بند نہیں ہو سکتے!"

"صاحب داد کہاں ہے؟"

"وہیں ہو گا، اپنی قبر پر۔" گل بانو نے جلے بھنے انداز میں کہا اور پھر خان زید کی طرف دیکھ کر بولی۔ "مگر خان..."

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ اس وقت تمہیں بہت سے سوالات پریشان کر رہے ہوں گے لیکن فی الحال ان باتوں کے لئے یہ کوئی مناسب موقع نہیں۔ بس تم اتنا جان لو کہ خان کو کچھ لوگوں نے اغوا کر کے قید میں ڈال رکھا تھا اور میں نے ان کو چھڑایا ہے۔ بعض وجوہات کی بناء پر یہ ضروری ہے کہ آج رات کو ہم دونوں یہیں چھپے رہیں۔ تم یہ شور و غل سُن رہی ہو نا؟ بستی کی طرف سے لوگ آ رہے ہیں اور ہمیں ان سے پوشیدہ رہنا ہے۔ تم نے یہ بات بالکل غلط کہی تھی کہ اس بستی کے ہر گھر کا دروازہ خان کے لئے کھلا ہوا ہے۔ صورتِ حال بدل چکی ہے۔ بعض دروازے ایسے بھی ہیں جہاں خان کے لئے موت کا پھندہ لٹکا ہوا ہے۔ ایسے دروازوں کے مالک اس ہجوم میں بھی ہوں گے جس کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ ہمیں ان سے ہر قیمت پر بچنا ہے۔ تفصیلات تم بعد میں جان لینا۔ فی الحال ہمیں کہیں چھپا دو اور پھر کوارٹر سے باہر نکل کر ان لوگوں سے گفتگو کرو۔ تم ظاہر کرنا کہ فائرنگ کی آواز نے تم کو بھی خوفزدہ کر دیا تھا اس لئے تم باہر نہیں نکل تھیں۔"

گل بانو نے اس طرح اِدھر اُدھر نظر دوڑائی جیسے ہمارے چھپنے کے لئے جگہ کا انتخاب کر رہی ہو۔ خان زید ہونٹ بھینچے کھڑا رہا تھا۔ اس کی حالت ایک ایسی کٹھ پتلی کی سی تھی جو میرے ہاتھ میں ہو۔ چونکہ میں نے اُسے آزاد کرایا تھا، اس کے لئے ایک ایسی شخصیت بن گئی تھی جس پر وہ مکمل اعتماد کر سکتا تھا۔

گل بانو کے بارے میں میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا کہ وہ ہمارا ساتھ دے گی۔ اس نے ہمیں پلنگوں کے نیچے سامنے کے حصے میں ٹرنک رکھے ہوئے تھے، اس لئے کسی کی نظر اس وقت تک نہیں پڑ سکتی تھی جب تک کہ نیچے جھانکا نہ جاتا۔

ہجوم کا شور اب صاف سُنائی دینے لگا تھا۔ غالباً وہ لوگ ڈاک بنگلے کے پھاٹک تک پہنچ چکے تھے۔

گل بانو ہمیں چھپا کر کوارٹر سے باہر چلی گئی۔ میرا جسم سے مَس ہو رہا تھا۔ مجھے لوگوں کا یہ قول یاد آیا کہ مرد کا لمس، برقی رَو کی حیثیت رکھتا ہے۔ مجھے اس قول کی صداقت پر شبہ نہیں ہوا۔ میرے خیال میں، نفسیاتی طور پر بات درست ہے۔ لمس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن جب یہ پتہ چل جائے کہ لمس عورت کا ہے تو یقیناً اس کا کچھ ردِ عمل ہوتا ہو گا۔ مجھے تو خان زید کے لمس میں کوئی برقی رَو محسوس نہیں کی جا سکتی۔

باہر سے شور و غل کی آوازیں اب صاف سُنائی دے رہی تھیں۔ بولنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ فقرے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے تھے اور لفظوں کا ایک ملغوبہ سا بن گیا تھا۔ تاہم جو الفاظ میرے ذہن کے ہاتھ لگ سکے، اُن سے میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی کہ فائرنگ کی آواز ہی انہیں یہاں کھینچ لائی تھی۔ وہ لوگ یہ جاننے کے لئے بے چین تھے کہ فائرنگ کس نے کی تھی اور اس کے کیا نتائج نکلے؟

ڈاک بنگلے کے احاطے میں وہ ہنگامہ کوئی آدھے گھنٹے تک ہوتا رہا اور میں خان زید کے ساتھ دُبکی ہوئی یہ سوچتی رہی کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ یہ اضطراب خان زید کا بھی تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اُسے یہ اُلجھن بھی لاحق ہو گی کہ اس کی جان بچانے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے جو اس کے باپ ...

ہنگامہ بتدریج سرد ہوا اور جب گل بانو کوارٹر کا دروازہ کھول کر اندر آئی تو میں نے جھانک کر دیکھا کہ گل بانو اکیلی ہی تھی۔ اس کے چہرے پر جو تاثرات تھے، ان سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ اُسے کسی بات نے پریشان اور شاید کچھ سراسیمہ بھی کر رکھا تھا۔

میں رینگ کر پلنگ کے نیچے سے نکلی۔ خان زید نے بھی میری تقلید کی۔ میں نے دیکھا کہ گل بانو نے ...

... نے جلدی سے سرگوشی کی۔ "دروازہ بند کر لو!"

... نے پر گل بانو کو یاد آیا کہ اُس سے کیا بھول ہو گئی ... ہوتے ہی وہ اتنی عجلت اور گھبراتے ہوئے ... کی طرف مڑی جیسے ایک ثانیے کی بھی تاخیر ہو گئی ... ہٹ جائے گی۔ اُس نے کھٹ سے کنڈی لگا دی ... حالت کر کے لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔ اس کا وہ ... بھی بڑا ہیجان خیز لگا تھا۔

"...!" میں نے پلنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ... اپنی آواز اتنی مدھم رکھی تھی کہ چند فٹ کے ... بانو بھی نہیں سن سکی ہو گی۔ اس نے صرف اشارے ... لے خان زید سے پوچھنے کے لئے کہا تھا۔

"... لڑکے! کچھ تو بتاؤ، تم نے مجھے ابھی ابھی ... کی کوشش کیوں کی ہے؟" خان زید کی ... لی۔

"... خان بابا!" میں نے بڑے سکون سے ... کر لینے دو کہ اس ہنگامے کا نتیجہ کیا رہا۔" میں ... گل بانو کی طرف دیکھنے لگی۔

... ہونٹوں پر زبان کی نمی منتقل کی اور ... کر میں نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر ... بتاؤ۔ یہاں، ہمارے قریب آ جاؤ!" ... آئی تو اس کے قدموں میں استحکام ... اس کی شریانوں میں لہو کی بجائے ... کی خاصیت ذہن کو منتشر کرتا ہے اور ... منتشر ہی تھی وہ انتشار اُس کے قدموں کی ... کیفیت میں جب وہ بولی تو چھوٹے چھوٹے ... تین تین مرتبہ ٹوٹ رہے تھے جیسے ... بتانا چاہتی تھی۔ اس کا لبِ لباب یہ تھا کہ ... طرف آئے تھے اور کسی حد تک مشتعل تھے۔ ... سرکاری آدمیوں ہی نے کسی سے جھگڑا ... ڈاک بنگلے میں گھس کر ان سرکاری آدمیوں ... خان زادہ فرید اور اس کے حواری ... نے لوگوں کو تنبیہہ کی کہ وہ ڈاک بنگلے ...

... کے چہرے پر حیرت کے تاثرات اُبھر ... نہیں ہو سکتا تھا کہ اُس کا بیٹا ان ... باپ کو قید کئے ہوئے تھے۔ ... قصہ یہ تھا کہ خان زادہ فرید اور ... اور سنوزر میں موجود تھے۔

میرے ذہن میں یہ سوال اُبھرا کہ وکٹر کو بے ہوشی کی حالت میں پا کر خان زادہ فرید پر کیا گزری ہو گی؟

امکان تھا کہ اب تک وکٹر کو ہوش میں لایا جا چکا ہو گا اور خان زید کو غائب پا کر اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہو گی۔ خان زید اُن لوگوں کے ایک اہم راز سے واقف تھا۔

وہ راز اب میں بھی جان چکی تھی اور میرا سب سے بڑا مسئلہ اب یہی تھا کہ جلد از جلد اس علاقے سے نکل جاؤں۔ میں جانتی تھی کہ میری یہ اطلاع سرکاری سطح پر بھونچال لے آئے گی لیکن قابلِ غور نکتہ یہ تھا کہ میری اس اطلاع پر یقین بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ یقین ہی کی صورت میں میرا یہ انکشاف دھماکہ خیز ثابت ہوتا کہ دو دن بعد بھارتی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر حملہ آور ہونے والی ہیں۔ اتنی بڑی اطلاع کسی ثبوت کے بغیر، قابلِ اعتبار نہ ہوتی اور اسی لئے میرے ذہن میں یہ خیال ابھی سے جڑ پکڑ چکا تھا کہ مجھے براہِ راست صدرِ مملکت یا وزیرِ خارجہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا پڑے گی۔ پھر تیسرا نمبر وزیرِ داخلہ کا تھا۔ ملک کی یہی تین اہم شخصیتیں ایسی تھیں جو کسی ثبوت کے بغیر بھی میری اطلاع پر یقین کر لیتیں۔

اس مسئلے پر غور کرتے ہوئے، موجودہ صورتِ حال بھی میرے ذہن سے غبار بن کر نہیں اڑی تھی اور مجھے اردگرد کے ماحول کا بھرپور ادراک تھا۔ میں اُس فائرنگ کو بھی نہیں بھولی تھی اور یہ سوال میرے ذہن میں بدستور جما ہوا تھا کہ وکٹر کی جھڑپ کس شخص سے ہوئی تھی؟ نیز یہ کہ اس جھڑپ کا کیا نتیجہ نکلا تھا۔

جب میں نے گل بانو سے اس فائرنگ کے بارے میں پوچھا تو وہ بولی۔ "بنگلے کی مشرقی دیوار پر گولیوں کے نشانات ملے ہیں اور اُس طرف کی کھڑکی کا شیشہ بھی ٹوٹا ہوا ہے لیکن کوئی لاش نہیں ملی۔"

"وہاں خون کے دھبے تو ہوں گے!"

"نہیں، خون کے دھبے بھی نہیں ہیں۔" گل بانو نے بتایا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ فائرنگ بے نتیجہ ہی رہی تھی اور اُس شخص کو فرار ہونے کا موقع مل گیا تھا جس پر وکٹر نے گولیاں چلائی تھیں۔ میں نے قرائن سے یہ بات سمجھ لی تھی کہ اُس نامعلوم شخص نے کھڑکی کا شیشہ توڑ کر بنگلے میں داخل ہونا چاہا تھا لیکن وکٹر کی دخل اندازی کے باعث اُس کی یہ کوشش بارآور نہیں ہو سکی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ نامعلوم شخص کون ہو سکتا ہے لیکن اس سوال پر غور کرتے ہوئے میرے ذہن میں دو شخصیتیں ضرور اُبھر رہی تھیں۔ ایک تو وہی پُراسرار بوڑھا جس نے کراچی سے پنڈی تک میرا تعاقب کیا تھا اور پھر پشاور سے یہاں تک کا سفر کرتے ہوئے بھی میں نے اس کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ دوسرا شخص اس بوڑھے کا ساتھی، یعنی نیلی جیکٹ والا وہ خان تھا جس نے پشاور سے یہاں تک میرے ہی ڈبے میں

سفر کیا تھا اور یہاں پہنچنے کے بعد مجھے جالو کے اڈے پر پہنچا کر غائب ہو گیا تھا۔

"لڑکے!" بوڑھا خان زید طنزیہ انداز میں بولا۔ "تم مجھے ابھی تک اندھیرے میں رکھے ہوئے ہو!"

"بابا!" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔ "تم نے تو یہ جان ہی لیا ہے کہ تمہارا بیٹا، تمہارے دشمنوں کا ساتھی ہے۔ کیا اس کے بعد کسی وضاحت کی بھی گنجائش باقی ہے؟"

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر ان سب باتوں کا پس منظر کیا ہے؟" خان زید نے پہلو بدل کر کہا۔

"میرا خیال تھا کہ تم نے پس منظر بھی سمجھ لیا ہو گا۔ اس میں کوئی پیچیدہ بات نہیں ہے۔ تمہارا بیٹا اس بستی کی سرداری چاہتا تھا، سو وہ اسے تمہارے اغوا کے بعد مل گئی۔ یہ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ تمہیں اغوا کرنے والے تمہارے بیٹے کے دوست ہیں۔ اس کے بعد اب کسی وضاحت کی کوئی گنجائش نہیں۔"

"یہ بات تو اب بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ مجھے اغوا کرنے کا مقصد کیا تھا۔ اگر میرے بیٹے کو سرداری ہی مقصود تھی تو مجھے ختم کیوں نہیں کر دیا گیا؟"

"اوہ!" میں خان زید کی آنکھوں میں دیکھنے لگی اور پھر آہستہ سے بولی۔ "میرا خیال تھا کہ ان لوگوں نے تم سے کسی قسم کی معلومات حاصل کرنے کی کوششیں کی ہوں گی۔"

"نہیں، میں بھلا کس قسم کی معلومات فراہم کر سکتا تھا؟..... انہوں نے مجھے قید رکھنے کے دوران میں مجھ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی۔"

"عجیب بات ہے!" میں بڑبڑا کر رہ گئی۔

ہماری اس گفتگو کے دوران میں گل بانو بالکل خاموش رہی اور ٹکر ٹکر ہماری طرف دیکھتی رہی۔ میں خان زید کے متعلق سوچنے لگی تھی مگر اس وقت میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا جب باہر سے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ ان آوازوں سے یہ اندازہ بہ آسانی لگایا جا سکتا تھا کہ کچھ لوگ ڈاک بنگلے سے نکل کر گئے تھے۔ خان زادہ فرید نے صورتِ حال کا علم ہوتے ہی اپنے آدمیوں کو چاروں طرف دوڑا دیا ہو گا۔

خان زید کی زندگی خطرے میں تھی اور اسے بچانے کے لئے مجھے اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی کہ جالو کی مدد حاصل کروں۔ اس کی مدد حاصل کرنے کے لئے مجھے ایک پیغام رساں درکار تھا کیونکہ میں یا خان زید اس وقت باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ وہاں کے اندھیرے میں خان زادہ فرید کے بھیڑیوں کا غول ہماری بو سونگھتا پھر رہا ہو گا۔ دلکش نے ان لوگوں کو یہ بات بھی بتا دی ہو گی کہ خان زید کو آزاد کرانے والا ایک نوجوان لڑکا ہے اس لئے اگر میں ان بھیڑیوں کی نظر میں آ جاتی تو وہ مجھے ہرگز نظر انداز نہ کرتے۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" گل بانو کی آ...
"تم نے جالو کا گھر تو دیکھا ہو گا؟" یہ سو...
یقین تھا کہ گل بانو کا جواب اثبات میں ہو گا۔
جالو کو اس بستی کی مشہور شخصیت ہونا چاہئے۔

"ہاں!" گل بانو نے میری توقع کے م...

"تو پھر تم کسی طرح بھی اسی وقت جالو...
بتاؤ کہ میں خان بابا کے ساتھ یہاں موجود ہو...
کی زندگی بچانے کے لئے یہ کام نہیں کر سکتیں...

گل بانو نے مجھے بڑی عجیب سی نظر...
آنکھیں بولتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ میں نے...
کے اندر کی عورت کو، خارزارِ عشق میں آبلہ...
نے جو کچھ کہا تھا، وہ میں نے اتنے ہی یقین...
سے اپنے دل کی دھڑکنیں محسوس کرتی ہو...
صرف یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ مہ...
کام کرنے پر آمادہ ہے۔

جب وہ جانے لگی تو میں نے جلدی...
راستے میں تم کو خان زادہ فرید کے آدمی مل...
تمہارا بستی کی طرف جانا انہیں شبہات میں...
تم سے پوچھ گچھ کر بیٹھے تو تم انہیں کس طرح...
یہ سوال کرتے وقت میرے ذہن میں...
میں گل بانو کو بتانا چاہتی تھی لیکن وہ بھی بلا کی...
ذہن میں وہ بہانہ پہلے سے موجود تھا۔

"میں ان سے کہہ دوں گی کہ میں اپنے...
کی طرف جا رہی ہوں۔" گل بانو نے جواب دیا...
جو کچھ ہو چکا ہے، وہ ایسا ہی ہے کہ اس...
تمہارا ڈھونڈنے لگے گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ...
مطمئن ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں اس کشیدہ فضا...
...ہنسی لیکن پھر فوراً ہی سنجیدہ ہو کر بولی۔ "لیا...
کر جانا۔"

گل بانو نے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے...
جب وہ چلی گئی تو خان زید نے...
"کیا اس عورت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟"
"ہاں!" میں نے بڑے مضبوط لہجے میں...

خطرہ بننا چاہتی تو اسی وقت بن جاتی جب...
تھے اور وہ باہر ان لوگوں سے باتیں کر رہا...
خان زید بہ اندازِ تفکر اثبات میں سر...
میں دبے قدموں دروازے تک...

... کامل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ رہ گئی ڈاک بنگلے...
... یہ اندازہ لگانا محال ہی تھا کہ وہاں کوئی...

... زید نہایت غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار...
... میں لے لینا تو ہم یہاں سے فرار بھی نہیں...
... ت متفق تھا۔
... خان زید کے قریب جا کر سرگوشی کی "جالو کی...
... نہیں ہے گا۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو...
... تے ہیں۔ وہ ساری بستی کو تمہارے گرد جمع کر...
... کہ تمہاری طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ سکے۔
... اس بات کی فکر ہے جو میں تم کو بتا چکا ہوں۔"
... کے بعد تو غالباً اس بات کا سوال ہی...
... اس علاقے میں آ رسکیں۔"
... ان کے جسم گولیوں سے چھلنی ہو جائیں...
... ق سے کہا۔
... رہ گیا!"
... کے بارے میں بتایا تھا۔"
... میں سنبھال لوں گا۔"
... پہنچ سکو گے؟"

... کو کتا، باہر سے کسی کے گانے کی...
... اسے۔ وہ ایک مردانہ آواز تھی۔
... گانے والا نشے میں ہو۔ وہ کوئی لوک...
... آتی جا رہی تھی۔
... پہنچ گئی اور کان لگا کر سننے لگی،
... گانے والا خاصا بلند آہنگ تھا۔
... برا بھلا بھی کہنے لگتا تھا۔ جواب میں...
... آواز سنائی دیتی تھی۔
... صاحب داد ہی ہو سکتا تھا۔
... تیز ہو گئیں۔ فوری طور پر میری...
... کس طرح نپٹا جا سکتا ہے مگر...
... داد کو اس بات کا حق تھا کہ وہ اس...
... کوئی اور شخص بھی تھا جو اس...

... ہرگز نہیں۔ ان آہٹوں سے بھی...
... ولی تھے۔
... ایک آواز سنائی دی۔

یکبارگی میرا دل بڑی زور زور سے اچھلنے لگا کیونکہ وہ آواز میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ تالے کی موجودگی پر حیرت ظاہر کرنے والا جالو تھا۔ جالو جسے لینے کے لئے میں نے گل بانو کو بھیجا تھا مگر جو گل بانو کے شوہر کو لے کر آیا تھا۔

"تالا!" صاحب داد کی بہکی ہوئی آواز سنائی دی۔ "وہ..... کہاں چلی گئی... خنزیر کی بچی...."

میرے ذہن نے اس وقت بڑی تیزی سے کام کیا اور دو، دو چار کی طرح میں اس نتیجے پر پہنچ گئی کہ جالو نے یہاں تک آنے کے لئے صاحب داد کو محض آڑ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ دراصل اسے میری ہی تلاش ہو گی کیونکہ میں اسے اپنے ارادوں سے باخبر کر چکی تھی۔ اس نے کچھ اس انداز میں سوچا ہو گا کہ خطرات سے بچنے کیلئے میں نے گل بانو کے پاس پناہ لے رکھی ہو گی لہٰذا اب وہ مجھے یہاں سے نکال لے جانے کے لئے آیا تھا۔

"جالو خان!" میں بے اختیار ہو کر اسے پکار بیٹھی لیکن اس بات کا خیال رکھا تھا کہ آواز زیادہ دور تک نہ پھیلنے پائے۔

باہر چند لمحے کے لئے سناٹا چھا گیا۔ میری آواز کا یہ ردِ عمل فطرت کے عین مطابق تھا۔ چند لمحے بعد صاحب داد کی ڈری ڈری سی آواز سنائی دی۔

"او ہو ہو ہو! کیا میرے گھر میں بھوت گھس گئے ہیں!"

"جالو خان!" میں نے پھر پہلے ہی کی سی مدھم آواز میں پکارا۔ "یہ میں ہوں، آصف!"

"آصف... آصف... آصف..." صاحب داد زیرِ لب بڑبڑانے لگا۔

"باہر سے تالا کیوں لگا ہوا ہے آصف خان!" جالو نے سرگوشی میں پوچھا لیکن وہ سرگوشی اتنی مدھم بھی نہیں تھی کہ میں اسے نہ سن سکتی۔

"میں نے گل بانو کو تمہارے گھر بھیجا ہے۔"

"اوہ!" جالو کے منہ سے اتنا ہی نکل کر رہ گیا۔ صورتِ حال نے اسے بھی چکرا کر رکھ دیا ہو گا۔

صاحب داد کی خوفزدہ اور گھبرائی ہوئی مخمور آواز سنائی دی۔ "یہ تم کس سے باتیں... کر رہے ہو... جالو خان!" اسے ہچکی آ گئی۔ وہ اتنے گہرے نشے میں تھا کہ اسے میری ملاقات بھی یاد نہیں رہی تھی۔ اگر ملاقات یاد ہوتی تو میرا نام بھی یاد ہوتا۔

"جالو خان!" میری سرگوشی میں اضطراب بھی تھا۔ "کسی طرح تالا کھولنے کی کوشش کرو۔"

"میرے پاس چابیوں کا ایک گچھا ہے تو سہی۔" جالو خان بڑبڑایا۔

"ان چابیوں کو آزماؤ!" میں نے پُرجوش انداز میں کہا۔ "ممکن ہے، کوئی چابی لگ جائے۔"

پھر مجھے ایسی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی جیسے چابیوں کا گچھا نکالا گیا ہو۔ صاحب داد اب کچھ اس انداز میں بڑبڑا رہا تھا کہ الفاظ میری سمجھ

میں میں جا بیٹھے تھے۔ میں دروازے سے کان لگائے آوازیں سننے کی کوشش کرتی رہی۔ خان زید بھی میرے قریب کھڑا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر بڑی گمبھیر سنجیدگی تھی۔ میں ایسی آوازیں سننے لگی جیسے تالے میں ایک کے بعد ایک چابی آزمائی جا رہی ہو۔ صاحب داد ایک بار پھر اس ماحول سے بے نیاز ہو کر بے ہنگم آواز میں لوک گیت گانے لگا تھا۔

دفعتاً ایسا کھٹکا سنائی دیا جیسے تالا کھل گیا ہو، اور پھر جالو خان نے میری سماعت کی سچائی پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

"تالا کھل گیا آصف خان!" وہ پُرجوش انداز میں بولا تھا۔

میں نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا اور اس وقت خان زید کے چہرے کا تاثر اس لئے نہیں دیکھ سکی کہ میری تمام تر توجہ دروازے کی طرف تھی۔ میں نے کنڈی کھلنے کی آواز سنی اور ایک قدم پیچھے ہٹ گئی کیونکہ دروازے کو اندر ہی کی جانب کھلنا تھا۔

لیکن دروازہ کھلنے سے پہلے ہی وہ واقعہ ہو گیا جس کے خیال سے میرے ذہن کے تاریک تر گوشے بھی غیر آباد تھے۔ مکان کے باہر کسی سمت سے گولیاں برس پڑی تھیں اور سب سے پہلے صاحب داد کی چیخ سنائی دی تھی۔ اس کے فوراً بعد جالو خان بھی کراہ اٹھا تھا اور میں نے ان دونوں کے گرنے کی آوازیں سنی تھیں۔

"او خدا!" خان زید کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

ادھر مجھے خطرے کے احساس نے اس بُری طرح جکڑا تھا کہ میں چند لمحوں کے لئے پتھر کے بُت کی طرح ساکن رہ گئی تھی۔ وہ چند لمحے اس طرح گزرے جیسے میری زندگی میں وہ کبھی آئے ہی نہ ہوں۔ ان لمحوں کے اختتام پر جب زندگی کا ایک بیدار لمحہ شروع ہوا تو میں نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں۔ میرا ذہن اب تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ میں نے پلک جھپکنے کے وقفے میں صورت حال کا تجزیہ کر لیا۔ اگر میں یا خان زید دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کرتے تو ہمیں گولیوں کی بوچھاڑ کو اپنے سینے پر محسوس کرنا پڑتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ہم وہیں رک کر صورتِ حال سے نمٹنے کی کوئی تدبیر سوچتے لیکن کیا دشمن ہمیں اتنی مہلت دے دیتا؟ یقیناً نہیں!... ہاں! اگر دروازہ اندر سے بند ہوتا تو ہمیں سنبھالا لینے کی تھوڑی بہت مہلت ضرور مل جاتی۔

میں نے جھپٹ کر دروازے کی کنڈی لگانا چاہی لیکن مجھے دیر ہو چکی تھی۔ باہر سے کوئی شخص دروازے پر گویا ٹوٹ پڑا تھا۔ میں اس اچانک دھکے کو برداشت نہیں کر سکی اور میرے قدم اکھڑ گئے۔ میں پیچھے کی طرف گری اور دروازہ ایک پُرشور آواز کے ساتھ کھل گیا۔

میرے پیچھے کھڑے ہوئے خان زید نے مجھے سنبھال نہ لیا ہوتا تو شاید میں فرش پر اس طرح گرتی کہ میرا سر پھوٹ جاتا لیکن اس چوٹ سے بچاؤ کے عوض میرا راز قربان ہو گیا۔ میرے سر سے پگڑی گر گئی اور مقید بال آزاد ہوتے ہی بڑی بے تابی سے چاروں طرف بکھر گئے۔

چوپٹ دروازے سے اندر آنے وا
فرید اور وکٹر!... ان دونوں کے ہاتھوں م
میرے راز کا افشا خان زید کے لئے
ہوا ہوگا لیکن میں اس وقت اس کے چہرے
سکی۔ میری توجہ تو ان واردان کی طرف تھی جن
ہوئی گولیاں صاحب داد اور جالو خان کو غالباً د
میرے لباس کی وجہ سے وکٹر نے مجھے
میں ذرا ہی دیر قبل اس سے مقابلہ کر چکی تھی،
اس کے لئے بھی تعجب خیز ثابت ہوا تھا
کے چہرے سے ہوا۔
مگر خان زادہ فرید کی توجہ خان زید ا
خان زید نے مجھے سنبھالا دیتے ہ
فرید کو گھورتا ہوا بولا۔ "ناخلف!... خنزیر!
کھوٹ تھا کہ تو ایسا ہو گیا؟"
"بکومت بوڑھے!" خان زادہ ف
کا حق صرف نے خون کو ہوتا ہے لیکن تم
کی طرح چھپے ہوئے تھے۔"
"یہ مباحثے کا وقت نہیں ہے" خان
سے کہا۔ "ہمیں چاہئے کہ ان دونوں کو فوراً
غائب کر دیں۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو دوست!"
اس کے ساتھ ہی اس کے ریوالور کی نال ن
وکٹر کے ریوالور کا رُخ میری طرف تھا
نہیں تھی کہ اپنی حفاظت کر سکتی۔ اتنی مہلت
ریوالور نکال سکتی۔
موت کو اتنا یقینی دیکھ کر میں نے
وکٹر پر جست لگا دوں لیکن اس سے پہلے
عمل کرتی، اسٹین گن چلنے کی آواز سے کمرہ
کی بوچھاڑ سے وکٹر کے جسم کو رنگین ہو
خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ اٹھا تھا،
ریوالور کے دستے پر اپنی گرفت قائم نہیں
اسٹین گن چلنے کی آواز نے خان
اور اس نے تیزی سے پلٹ کر دروازے
تھیں کیونکہ اسٹین گن کا برسٹ اسی طرف
نے وکٹر کے انجام کو پیش نظر رکھتے ہوئے
اٹھا دیے ہوتے تو شاید اس کی جان
کارروائی کے موڈ کو دیکھ کر اسٹین گن

اس نے فوراً ہی اسٹین گن کا دوسرا برسٹ مارا
کے جسم میں بھی ان گنت سوراخ ہو گئے جن سے
ڈھیر ہو چکا تھا اور اب خان زادہ فرید کی باری تھی۔
سی کھڑی اسٹین گن والے کی طرف دیکھتی رہی
تھا جس کی شخصیت مجھے کئی روز سے اُلجھائے
مبارک ہو خان زید!" بوڑھا ایسے بھرائے ہوئے
اپنی اصل آواز کو چھپانا چاہتا ہو۔
گہرائی ہوئی سی نگاہیں اس شخص پر جمی ہوئی
تھا اور جس کی لاش اب فرش کو رنگین کر رہی تھی۔
بہت بُری طرح اُلجھا ہوا تھا۔ میں اس بوڑھے
آنہ رویے کا تعین کرنے سے قاصر تھی۔ اب
بنا مخالف سمجھا تھا لیکن موجودہ صورتِ حال
ثبوت بہم پہنچا رہی تھی۔
نے میری طرف دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی
....."
جالو خان پر پڑی جو گھسٹتا ہوا دروازے کے
کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ اس کے
بہہ رہا تھا لیکن اس نے داہنے ہاتھ میں ریوالور
کی نال پُراسرار بوڑھے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔
"میں چیخ پڑی "دوست پر گولی نہیں چلائی
ٹھٹک کر میری طرف دیکھا اور اس کا منہ حیرت
ایسا ہی آصف خان ہوں!" میں ہنس پڑی
اپنی ہنسی اتنی عجیب معلوم ہوئی کہ میں فوراً
ریوالور والا ہاتھ جھک گیا اور میں تیزی سے اس
جاننا چاہتی تھی کہ گولی نے اس کے جسم کے
ہے۔
گزار ہوں اجنبی!" خان زید نے بوڑھے کی
جیسی آواز میں کہا۔ "اگر تم بروقت نہ آگئے
یہاں میری لاش پڑی ہوتی۔"
کر تمہارا بیٹا....."
افسوس نہ کرو اجنبی!" خان زید نے اس کی بات
اس قابل تھا کہ کُتے کی موت مارا جاتا۔"

بوڑھے نے خالی الذہنی کے سے عالم میں سر ہلایا اور میری طرف دیکھنے لگا۔

میں جالو پر جھک گئی تھی "تمہیں کہاں گولی لگی ہے جالو خان!" میں نے اس سے پوچھا۔

"شانے میں لگی ہے... آہ..." جالو مجھے آصف کہتے کہتے رک گیا۔

اسے چھوڑ کر میں نے صاحب داد کا جائزہ لیا۔ وہ ختم ہو چکا تھا۔ گولی اس کی گردن کے آر پار ہو گئی تھی اور غالباً شہ رگ کو نشانہ بننا پڑا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس کی موت کا بہت افسوس ہوا۔ شاید میرے لاشعور میں یہ خیال تھا کہ گل بانو بیوہ ہو گئی تھی۔ ان دونوں کے ازدواجی تعلقات خراب سہی لیکن بہرحال وہ گل بانو کا سہارا تھا۔

جالو نے دروازے کی چوکھٹ پکڑی اور آہستہ آہستہ کھڑا ہو گیا۔ میں احاطے کے علاوہ اِردگرد کے ماحول پر بھی کڑی نظر رکھے ہوئے تھی کیونکہ خان زادہ فرید اور وکٹر کے ساتھیوں کی طرف سے کسی بھی لمحے کوئی خطرہ اُمڈ سکتا تھا۔

جالو چوکھٹ پکڑ کر کھڑا ہوا تو اس کی نظر غالباً پہلی بار خان زید پر پڑی اور وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ حیرت زدگی کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک بھی نظر آئی تھی۔

"خان!... خان!" اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"ہاں جالو! تمہارا خان ابھی زندہ ہے۔" خان زید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "کیا تم نے مجھے مُردہ سمجھ لیا تھا؟... ہاں... شاید ساری بستی نے یہی سمجھ لیا ہوگا۔ مجھے اس آدمی نے ڈاک بنگلے میں قید کر رکھا تھا۔" خان زید نے بڑی نفرت سے وکٹر کی لاش کی طرف دیکھا۔

"یہ بڑا نازک وقت ہے جالو خان!" میں آہستہ سے بولی۔ "ہمیں جلد از جلد بستی والوں کو یہاں بلا لینا چاہیے تاکہ خان زادہ فرید کے آدمی ہمارے لئے کسی مصیبت کا باعث نہ بن سکیں لیکن مشکل یہ ہے کہ تم زخمی ہو۔"

"ہاں!" جالو خان کا چہرہ پسینے میں ڈوب گیا تھا۔ تکلیف برداشت کرتے کرتے اس کی حالت تباہ ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی غیر معمولی صحت نے اسے سنبھال رکھا تھا ورنہ کوئی اور آدمی تو اس حد تک اخراجِ خون کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

"کیا میں اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکتا ہوں؟" پُراسرار بوڑھا میری اور جالو کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اگر بستی کے کسی آدمی تک کوئی پیغام پہنچانا ہو تو میں حاضر ہوں۔"

اس سے پہلے کہ میرے یا جالو کے منہ سے کوئی بات نکلتی، احاطے کے پھاٹک کی طرف سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔

"جالو خان!" کسی نے زور سے پکارا اور میں نے اس کی

آوازنہ پہچان لی۔ وہ جانو کے ساتھیوں میں سے ایک تھا۔

جانو چونکہ دروازے کی چوکھٹ پکڑے ہوئے کھڑا تھا اور اندرونی روشنی اس کے پورے وجود پر پڑ رہی تھی اس لئے اس کے ساتھیوں نے پہلی ہی نظر میں اس کو پہچان لیا تھا۔

وہ تین تھے اور ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ ان میں سے دو کو تو میں پہچانتی تھی لیکن تیسرا میرے لئے اجنبی تھا۔ ان تینوں کے پیچھے گل بانو بھی دوڑی چلی آ رہی تھی۔ اسے جانو نہیں ملا تھا اس لئے وہ اس کے ساتھیوں ہی کو لے آئی تھی۔

مجھے ایک بار پھر صاحب داد کی لاش کا خیال آیا۔ اسے دیکھ کر گل بانو پر نہ جانے کیا ردِ عمل ہوتا۔

جانو کے ساتھیوں نے وہاں پہنچتے ہی جانو کو سنبھال لیا اور گل بانو، صاحب داد کی لاش پر نظر پڑتے ہی ٹھٹھک گئی۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں دروازے پر نہیں کھڑا ہونا چاہئے۔" میں بولی۔ "یہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔ اگر دشمن گولیاں برسائے تو ہلاکت کا اندیشہ ہے۔"

گل بانو نے چونک کر میری طرف دیکھا اور میں نے چند قدم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "ہاں گل بانو!" میں نے آہستہ سے کہا۔ "میں وہی آصف خان ہوں۔ بعض مصلحتوں نے مجھے مردانہ روپ دھارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آؤ اندر چلیں۔"

گل بانو نے پھر صاحب داد کی طرف دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے۔" میں آہستہ سے بولی۔ "صاحب داد مر چکا ہے۔"

گل بانو کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا مگر اس کا چہرہ جیسے پتھرا کر رہ گیا تھا۔ میں اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے کوارٹر کے اندر لے آئی۔

جانو کے ساتھی اس کے زخم پر کس کے پٹی باندھنے لگے تاکہ خون کے بہاؤ میں کمی آ جائے۔

"تم لوگ بستی کی طرف جاؤ۔" جانو آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو کسی بہانے سے یہاں لے آؤ۔ جب وہ یہاں آ جائیں گے تو انہیں بتایا جائے گا کہ یہاں بڑے خان موجود ہیں۔ اس کے بعد خان زادہ فرید کے آدمیوں میں اتنی ہمت نہیں رہے گی کہ وہ کوئی غلط قدم اٹھائیں۔ بہتر ہو گا کہ تم میں سے دو آدمی چلے جائیں۔ تیسرا یہیں میرے پاس رکے۔"

جانو کی اس تجویز پر فوراً عمل کیا گیا۔ دونوں آدمیوں کے جاتے ہی کوارٹر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔ اب اگر دشمن یہاں حملہ کر بھی دیتا تو ہم اتنی دیر تک مقابلہ ضرور کر سکتے تھے کہ بستی کے لوگ آ جائیں۔ مجھے سب سے زیادہ اطمینان اس اسٹین گن کی وجہ سے تھا جو پُراسرار بوڑھے کے ہاتھوں میں موجود تھی۔ میرا ریوالور اور جانو کے ساتھی کی رائفل تو بس معمولی سہارا تھے۔

خان زید، جانو اور اس کے ساتھی کو اپنے ... لگا۔ جب اس نے دشمن کے عزائم سے پردہ ا... چونک پڑا۔ اس نے تیزی سے سر گھما کر میری طرف ... میں بولا۔

"کیا یہ اطلاع درست ہے؟"

"خان کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت..."

بوڑھے کی آنکھوں میں تشویش کے سا...

وہ بڑبڑایا۔ "مجھے جلد از جلد راولپنڈی ..."

"تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم کون ..."

"مجھے آپ کی حفاظت پر مامور کیا گیا ..."

"سرکاری طور پر؟" میں نے چونک کر ..."

"جی نہیں، میں کسی سرکاری محکمے ..."

"تو پھر؟"

"مجھے افسوس ہے۔" بوڑھے نے کہا۔ "... کا نام زبان پر نہیں لا سکتا جس نے مجھے آپ ... کیا ہے۔"

میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف ...

"اور وہ نیلی جیکٹ والا؟" میں نے ...

"اس کے علاوہ کچھ نہیں بتا سکتا کہ وہ بھی میرا ... کے گرد پھیلے ہوئے اندھیرے میں وہ اس وقت کسی ... پھر رہا ہو گا۔ اگر ہم لوگ کسی بڑے خطرے سے د... مدد کر سکتا ہے۔"

ہماری یہ گفتگو انگریزی میں ہوئی تھی لہٰذا یہ ... سے کسی نے ہماری کوئی بات سمجھی ہو گی۔ ویسے بھی ... تمام تر توجہ خان زید کی باتوں پر تھی۔ رہ گئی گل بانو تو ... کسی کی طرف بھی نہیں تھا۔ وہ ذہنی طور پر کہیں اور ... رہی تھی۔ شاید وہ اپنے غیر یقینی مستقبل کے صحرا ... ادھر مجھے اس بوڑھے کی باتوں نے الجھن ... دیا تھا۔ اس کی شخصیت پہلے ہی کون سی کم پُراسرار ... اس کی باتوں نے پوری کر دی۔ اب مجھے گویا ... اسے میری حفاظت پر مامور کرنے والا کون ہے ... واشگاف طور پر یہ بات کہہ دی تھی کہ وہ کوئی سرکا... میں یہ سوچ لیتی کہ اسے میری حفاظت پر ... میں اسی ادھیڑ بن میں گرفتار تھی کہ خان ... چونکا دیا۔

"بیٹی! تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم ..." میں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

... نے مردانہ بھیس کیوں بدلا تھا اور ان معاملات ... کیا معنی رکھتی ہے۔"

"... خان بابا کہ میں اسی سازش کا پتہ چلانے کے لئے ... مجھے بعض ذرائع سے علم ہوا تھا کہ یہاں کچھ ... یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اس گڑبڑ کی نوعیت ...

... جاسوس ہو؟"

"... سرکاری ملازم نہیں ہوں۔ یہ سب کچھ میں نے ایک ... حیثیت سے کیا ہے۔"

... نے سوالیہ نظروں سے پُراسرار بوڑھے کی طرف دیکھا ... ساتھی ہی سمجھیں۔" میں جلدی سے بول پڑی۔ ... کر خان زید سے بھی وہی الجھی ہوئی باتیں کہی جائیں ... سے کہی تھیں۔

میں نے جانو کے چہرے پر کچھ ایسی کیفیت دیکھی ... کہتے کہتے رک گیا ہو۔ میں مسکرا کر اس کی طرف متوجہ ... "جانو خان! تم ابھی مجھ سے کچھ کہنے والے تھے۔"

"..."

"... کیا خیریت!" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "... دوست سمجھ سکتے ہو۔ میں قطعی برا نہیں مانوں گی۔ ... کے سوا کسی سے دوستی نہیں پسند کرتے تو ..."

... پایا کہ اس کے سارے چہرے پر سرخی پھیل گئی ... باعث اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا ... بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اب میرا کیا ہو گا ..."

"... بیٹی!" خان زید نے اس سے کہا۔ "اس بستی ... سا ہو، ہماری اولاد ہے۔"

... کچھ نہیں کہا۔ اسے اپنے شوہر سے محبت تو تھی ... حول نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔

... فضا میں داخل ہو چکی تھی لیکن میری آنکھوں ... نہیں تھا اور میں اس فکر میں تھی کہ موجودہ صورتِ حال ... ہاں سے فوراً روانہ ہو جاؤں۔ خود وہ پُراسرار ... جلد از جلد راولپنڈی پہنچنا ضروری ہو گیا ہے۔ ... کسی طرح عمل میں آئے۔ اس وقت کوئی ...

... کی ضرورت پڑے گی خان بابا!" میں نے اچانک ... جانے کے لئے ہمارے پاس کوئی اور ذریعہ ...

"... میری جیپ لے لینا۔" خان زید سے پہلے جانو بول پڑا۔

"شکریہ دوست!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اتنا اور بتا دو کہ راولپنڈی میں تمہارا کوئی جاننے والا ہے یا نہیں؟"

"کئی ہیں ۔۔۔ مگر کیوں؟"

"میں جیپ تمہارے اسی دوست کے حوالے کر دوں گی تاکہ وہ تمہیں واپس پہنچا دے۔"

جانو نے کچھ سوچا اور پھر اپنے ایک دوست کا پتہ بتا دیا۔

کوارٹر کے باہر اب آہٹیں سنائی دینے لگی تھیں اور وہ اکا دکا قدموں کی نہیں بلکہ بے شمار قدموں کی آہٹیں تھیں۔ شائد بستی کے لوگ وہاں پہنچ گئے تھے۔ ہم سب کی توجہ دروازے کی طرف مبذول ہو گئی لیکن کسی نے بھی اٹھ کر دروازہ نہیں کھولا۔ دروازہ کھولنے سے قبل اس بات کی تصدیق ضروری تھی کہ آنے والے بستی ہی کے لوگ تھے۔ یہ تصدیق اس وقت ہوئی جب کسی نے باہر سے جانو کو پکارا اور دروازے پر دستک دی۔

جانو کے ساتھی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا اور ایک بھیڑ کی بھیڑ اندر گھستی چلی آئی۔ خان زید کو دیکھتے ہی ان کے چہرے مسرت سے کھل اٹھے اور خوشی کے نعروں سے کوارٹر گونج اٹھا۔

وہ رات اس بستی کی ایک یادگار رات تھی۔ ایک تاریخی رات تھی۔ بستی کے بیشتر لوگ خان زادہ فرید سے خوش نہیں تھے، اس لئے خان زید کو دوبارہ پا کر ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ وہ سب خان زید کو لے کر ایک جلوس کی شکل میں بستی کی طرف روانہ ہوئے۔ تین لاشیں بھی اس جلوس کا ایک حصہ تھیں اور گل بانو کو بھی ساتھ لے لیا گیا تھا۔

میں نے راستے میں خان زید کو مشورہ دیا کہ وہ جلد از جلد پہاڑی پیالے پر حملہ کر کے وہاں پر ... سائیکلوں پر قبضہ کر لے اور اس علاقے میں اتنا سخت پہرہ لگوا دے کہ اگر ہندوستانی چھاتہ بردار وہاں اتریں تو انہیں آسانی سے بھون ڈالا جائے۔

پہاڑی پیالے پر قبضہ کرنا ایک اہم ترین مہم تھی جس میں مجھے بھی شامل ہونا چاہئے تھا لیکن ایک اور اہم ترین کام کی وجہ سے مجھے اس مہم کو نظر انداز کرنا پڑا۔ میں جلد از جلد راولپنڈی کی طرف روانہ ہو جانا چاہتی تھی چنانچہ میں نے بستی میں پہنچتے ہی جانو سے جیپ کا تقاضہ کر دیا۔ جانو نے فوراً جیپ منگوا دی اور میں نے خان زید سے روانگی کی اجازت چاہی۔

راولپنڈی کے اس سفر پر روانہ ہوتے ہوئے، وہ پُراسرار بوڑھا اور اس کا ساتھی بھی میرے ساتھ تھے۔ بوڑھے کے ساتھی نے اس وقت بھی نیلی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ اسی نے سنبھالی۔ میں اور وہ بوڑھا پچھلی نشست پر بیٹھ گئے تھے۔ روانگی کے ان آخری لمحات میں خان زید نے بوڑھے سے اس کی

اسٹین گن مانگ لی تھی کیونکہ پہاڑی پیلے کی مہم میں وہ اُس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ بوڑھے نے قدرے ہچکچاہٹ کے بعد اسٹین گن اُسے دے دی تھی۔

تاریک رات میں جیپ تیز رفتاری سے ایک طرف روانہ ہوگئی۔ نیلی جیکٹ والے کا ڈرائیونگ سنبھالنا ایسا ہی تھا جیسے میں نے اپنی تکیل کسی اجنبی کے ہاتھ میں دے دی ہو لیکن موجودہ حالات میں اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ میں چونکہ اس علاقے سے ناواقف تھی اس لئے میں ڈرائیونگ کر کے جیپ کو پنڈی تک نہیں لے جاسکتی تھی۔ میرے برخلاف نیلی جیکٹ والا ڈرائیونگ کرتے ہوئے اتنا پُراعتماد تھا جیسے یہاں کے چپے چپے سے واقف ہو۔

تقریباً نصف گھنٹے تک یہ سفر مکمل خاموشی سے جاری رہا۔ نہ اُس بوڑھے نے کچھ کہا اور نہ میں اُس سے مخاطب ہوئی لیکن بالآخر یہ سکوت میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو ہی گیا۔

"کیا یہی تمہاری اصل شکل ہے؟" میں بوڑھے سے پوچھ بیٹھی۔

"کیا مطلب!" بوڑھے نے چونک کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم میک اپ میں ہو!"

"خیال غلط نہیں ہے۔"

"کیا تمہیں میری حفاظت پر بیگم پرتاب گڑھ نے مامور کیا ہے؟"

"میں نے عرض کیا تھا نا کہ میں اُس شخصیت کا نام زبان پر نہیں لا سکتا۔"

"ہوں!" میں نے ہونٹ بھینچ لئے اور سوچنے لگی کہ بیگم پرتاب گڑھ کے علاوہ تو کوئی شخصیت بھی ایسی نہیں جسے میری حفاظت کی فکر لاحق ہو سکے۔ اگر بوڑھے کا تعلق سرکاری مشینری سے ہوتا تو میں سوچ سکتی تھی کہ وہ صدرِ مملکت کا آدمی ہوگا لیکن وہ نہایت دو ٹوک انداز میں کہہ چکا تھا کہ وہ حکومت کا کارندہ نہیں ہے۔

جب میں کراچی سے روانہ ہوئی تھی، اس وقت بیگم پرتاب گڑھ ملک سے باہر تھیں، اس لئے میرا یہ شبہ تقویت نہیں پا سکا کہ یہ بوڑھا بیگم پرتاب گڑھ ہی کا آدمی ہوگا۔ چونکہ میرے اس شبہے کو تقویت نہیں مل رہی تھی اس لئے میں مستقل طور پر الجھن کا شکار ہوگئی۔

جیپ اونچے نیچے پہاڑی راستوں پر فراٹے بھر رہی تھی اور میں نے اس بات کی کوشش شروع کر دی تھی کہ اپنی الجھن کو ذہن سے جھٹک کر مستقبل کے بارے میں غور کر سکوں۔ دو دن بعد میرے ملک کی سرحدوں پر سانپوں کی باڑھ لہرانے والی تھی اور اس کے زہر سے صرف اسی طرح بچا جا سکتا تھا کہ میرے سرحدوں کے رکھوالوں کو ہوشیار کر دیا جاتا۔

بیچ میں ابھی دو دن باقی تھے اور یہ ایک اچھی خاصی مہلت تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ اگر کوئی بہت بڑی رکاوٹ سامنے نہ آگئی تو میں بارہ گھنٹے کے اندر اندر صدرِ مملکت کو اس سنگین صورتِ حال سے آگاہ کر دوں گی اور آئندہ چھتیس گھنٹوں میں اِ[...] نپٹنے کی تیاریاں کر لی جائیں گی۔

یہ سب کچھ سوچتے سوچتے شاید میں اونگھ [...] خوفناک آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ آواز گولی چلنے کی تھ[...] پو پھٹ چکی تھی۔ میں نے ہلکے ہلکے اجالے [...] ساتھی کو سیٹ پر لڑھکتے ہوئے دیکھا۔ اس کی پیشا[...] پھیلتا جا رہا تھا کسی انجن کی آواز کے باعث میری ت[...] مبذول ہوگئی اور میں نے دیکھا کہ ایک کار، جیپ [...] ہوئی تھی۔ اس کار کی ایک کھڑکی سے کسی کا ہاتھ ا[...] اس ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کی نال، جیپ کی [...] ایک فائر پھر ہوا لیکن میں اپنے آپ کو لو[...] پر گرا چکی تھی۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو اس گولی نے [...] نہ کسی حصے کو ضرور چاٹ لیا ہوتا۔

میرے جھکنے سے لے کر اب تک کا یہ [...] سیکنڈ کا تھا۔

جیپ کی رفتار میں اچانک بڑی تیزی سے [...] کے ساتھ ہی نیلی جیکٹ والا گھبرائی ہوئی آواز میں [...] فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ کیا [...] میں محسوس کر رہی تھی کہ خیریت نہیں ہے۔ بوڑھ[...] لمس مجھے یہ بتا رہا تھا کہ وہ ختم ہو چکا ہے۔ گولی [...] سے داخل ہو کر کسی ایسے اندرونی عضو میں پیوست [...] نے چند لمحوں کے لئے بھی زندگی کا بوجھ اٹھا[...] میں نے پھرتی سے اپنا ریوالور نکالا۔ اُس [...] تیسری گولی چلائی گئی۔ نیلی جیکٹ والے نے [...] سے بچنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں کامیا[ب...] میں نے اپنا صرف ہاتھ اوپر کر کے تعاقب کن[...] جھونک دیئے۔ میں یہ نہیں دیکھ سکی تھی کہ میری [...] کس حد تک کارگر ہوئی تھیں لیکن اندازہ [...] جا سکتی تھی کہ کار والوں نے بوکھلا کر اپنی رفتار کم [...] جیپ کی رفتار میں اضافہ ہو رہا تھا اس لئے [...] فاصلہ بڑھ گیا ہوگا۔

"کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟" نیلی جیکٹ [...] کی طرح چیخ اٹھا تھا۔ "آپ جواب کیوں نہیں [...] وہ بوڑھا اُس کا باس تھا۔

"مجھے افسوس ہے دوست!" میں [...] باس ختم ہو چکا ہے۔"

نیلی جیکٹ والے کو گویا سکتہ ہو گیا۔ ا[...] لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔

[...]کر کے تھوڑی سی اوپر ہوئی اور قدرے سر اٹھا کر [...] میرا خیال درست تھا۔ تعاقب کرنے والی [...] نہیں تھی کہ اس سے چلائی جانے والی گولیاں [...] سکتیں۔

[...] اگلی نشست پر، جیکٹ والے کے پاس منتقل [...] مدھم اجالے میں دیکھا کہ جیکٹ والے کا چہرہ [...] تھا۔

[...]ی سے کتنی دور ہیں؟" میں نے اُس سے پوچھا۔

[...]ل!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

[...] کہاں سے ٹپک پڑی!" میں نے بڑبڑانے والے [...]

[...] ہی سے ہمارے تعاقب میں لگی ہوئی ہو۔"

[...]ل ظاہر کیا۔

[...] اتنی دیر تک چپ کیوں رہے؟ میرا مطلب [...] تو پہلے بھی شروع کیا جا سکتا تھا!"

[...] ہوگا کہ اندھیرے میں نشانہ خطا ہوتا ہے [...] کی آواز بدستور بھرائی ہوئی تھی۔

[...] وزنی تو نہیں تھی لیکن میں بھی فوری طور [...] سوچ سکی۔ میں نے ایک بار پھر پلٹ کر [...] کی طرف دیکھا۔ اب صبح کی روشنی کچھ بڑھ [...] کے ونڈ اسکرین کا ٹوٹا ہوا حصہ صاف نظر آگیا۔ [...] چلائی ہوئی گولیاں یا اُن میں سے کوئی ایک [...] ذہن میں فوراً یہ نکتہ اُبھرا کہ گولی کے [...] میں تو دشمن کو جانی نقصان کا بھی سامنا کرنا [...] کیا تو پتہ چلا کہ کار میں ایک ہی آدمی ہے جو ڈرائیونگ کر رہا تھا اور دوسرا ڈرائیونگ [...] کی جگہ خالی تھی۔ اگر میری گولی نے اُسے ہلاک [...] سیٹ کے نیچے لڑھک گئی ہوگی۔

[...] کو محسوس کر کے میں اس وقت مسکرا [...] والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اُن [...] ہوں۔"

[...] کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا اور پھر [...] پوچھا۔ "وہ کتنے ہیں؟"

[...] گیا ہے۔"

[...] سے نپٹنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

[...] میں جلدی سے بول پڑی۔ "یہ لگا رہنے دو [...] نقصان نہیں ہے۔ جب شہری حدود قریب [...] نکل جائے گا۔"

جیکٹ والے نے اس سلسلے میں مجھ سے کوئی بحث نہیں کی اور خاموشی سے جیپ کو دوڑاتا رہا۔

تعاقب کرنے والی کار نے دوبارہ قریب آنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر جیکٹ والے سے کہا۔

"مجھے تمہارے باس کی موت کا بیحد افسوس ہے۔"

"ہونی کو، کون ٹال سکتا ہے!" جیکٹ والے نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"لاش کے سلسلے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شہری حدود میں داخل ہوتے ہی یہ ہمارے لئے پریشانیاں کھڑی کر دے گی۔ اب صبح ہو چکی ہے۔ اجالے میں ہر ایک کی نظر لاش پر پڑے گی۔"

"میں اس پر اپنی جیکٹ ڈال دوں گا تاکہ خون نہ دکھائی دے۔ شہری حدود میں داخل ہوتے ہی آپ جیپ سے اتر جائیے گا۔ میری اور آپ کی منزل جدا جدا ہے۔"

"مجھے اب تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ تمہارا باس کون تھا اور تم کون ہو۔" میں نے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے باس نے کراچی ہی سے میرا تعاقب شروع کر دیا تھا۔"

"حقیقت یہ ہے کہ میں اس بارے میں تفصیل سے کچھ نہیں جانتا۔ مجھے تو باس نے پنڈی سے فون پر ہدایت کی تھی کہ فلاں فلائٹ سے اس حلیے کی ایک خاتون پشاور پہنچ رہی ہیں اور مجھے ان کی نگرانی کرنا ہے۔ بس پھر میں نے آپ کی نگرانی شروع کر دی اور جب باس پشاور پہنچ گئے تو میں نے ان کو رپورٹ دے دی۔ اس کے بعد بھی میں انہی کی ہدایت کے مطابق آپ کے پیچھے لگا رہا۔"

"رات کو جب میں ڈاک بنگلے میں گئی تھی تو فائرنگ....."

"وہ فائرنگ۔" جیکٹ والے نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "وکٹر اور باس کے درمیان ہوئی تھی۔ وکٹر نے باس کو ڈاک بنگلے کی کھڑکی کا شیشہ توڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔"

"تمہارا تعلق کسی تنظیم سے ہے؟" میں اچانک سوال کر بیٹھی۔

"تنظیم۔" وہ بڑبڑایا۔ "آپ چاہیں تو اسے تنظیم بھی کہہ سکتی ہیں۔"

"تم اسے کیا کہنا چاہو گے؟"

"بیکار ہے بانو!" جیکٹ والے نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ "آپ مجھ سے کوئی بات نہیں اگلوا سکتیں۔"

"ہوں!" میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو گئی۔

تعاقب کرنے والی کار اور جیپ کے درمیانی فاصلے میں اب مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ غالباً کار والے نے اپنی رفتار بتدریج کم کرنا شروع کر دی تھی۔ گویا میرا یہ خیال درست ہی ثابت ہوا تھا کہ شہر کی قربت کو محسوس کر کے تعاقب کرنے والا خود ہی کترا جائے گا۔

لیکن اُس وقت میرا سارا اطمینان رخصت ہو گیا جب کار کے

پیچھے سے ایک جیپ نمودار ہوئی اور بہت تیزی سے ہمارے قریب آنے لگی۔ اس جیپ میں کھڑے ہوئے ایک آدمی کے ہاتھ میں رائفل صاف نظر آ رہی تھی۔

"اوہ! مائی گاڈ!" میرے منہ سے نکلا۔

"کیا ہوا؟" جیکٹ والے نے گھبرا کر پوچھا۔

"دشمن کو کمک پہنچ گئی ہے۔" میں نے دانت پر دانت جما کر کہا۔ درمیانی فاصلہ ابھی اتنا کم نہیں ہوا تھا کہ میں ریوالور استعمال کر سکتی لیکن رائفل کے لئے اس فاصلے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کا ثبوت بھی فوراً ہی مل گیا۔ رائفل چلنے کے دھماکے سے فضا گونج اٹھی اور میں نے اپنے نیلی جیکٹ والے ساتھی کی گردن کو نشانہ بنتے ہوئے دیکھا۔ خون کا فوارا سا ابل پڑا تھا اور اس کی بے شمار چھینٹیں میرے چہرے پر بھی پڑی تھیں۔

موت نے میرے ساتھی کو ایک پل کی بھی مہلت نہیں دی تھی اور اس وقت جیپ کی رفتار بتانے والی سوئی کے نیچے پچاس کا ہندسہ جھلک رہا تھا۔ اس رفتار سے دوڑتی ہوئی گاڑی کا ڈرائیور اگر مر جائے تو گاڑی کا کیا حشر ہونا چاہئے؟

خطرات سے مقابلہ کرنے والی انسانی جبلت بعض اوقات معجزے دکھاتی ہے اور اسی قسم کا ایک معجزہ اس وقت میری جبلت نے بھی دکھایا۔ جس لمحے میرے چہرے پر خون کی چھینٹیں پڑی تھیں، اسی لمحے میں نے اپنا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ دیا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ نیلی جیکٹ والے کی لاش کسی طرف لڑھک جاتی، میں بڑی پھرتی سے اس کی گود میں بیٹھ گئی۔ میرے دونوں ہاتھوں نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور اپنی ٹانگوں سے میں نے جیکٹ والے کی ٹانگیں ادھر اُدھر کر دیں۔ میرا ایک پیر ایکسلریٹر پر پہنچ گیا۔ اب میں دوسرے پیر سے کلچ یا بریک کو بھی استعمال کر سکتی تھی۔ میرا وجود، اسٹیئرنگ اور نیلی جیکٹ والے کی لاش کے بیچ میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ عام حالات میں اس طرح ڈرائیونگ کرنا شاید میرے لئے بہت دشوار ثابت ہوتا لیکن اس وقت مجھے کسی دشواری کا احساس ہی نہیں تھا۔ مجھ پر صرف یہ دھن سوار تھی کہ جیپ کو انتہائی برق رفتاری کے ساتھ دشمن کی زد سے نکال لے جاؤں۔ ایکسلریٹر پر میرے پیر کا دباؤ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اسپیڈومیٹر کی سوئی پچاس کے ہندسے سے سرک کر ساٹھ پر پہنچ گئی تھی۔

رائفل چلنے کا دھماکا ایک بار پھر سنائی دیا۔ میں نہیں جانتی کہ اس گولی کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ میں نے خود کو نیلی جیکٹ والے کی لاش کی آڑ میں اس لئے کر رکھا تھا کہ اس طرح میں دشمن کی چلائی ہوئی گولیوں سے کسی نہ کسی حد تک ضرور محفوظ ہو گئی تھی۔

اگر نیلی جیکٹ والے نے اس سفر کے لئے مرکزی سڑک کا راستہ اختیار کیا ہوتا تو دوسری آتی جاتی گاڑیوں کی وجہ سے دشمن کو اتنی دیدہ دلیری سے حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ نیلی جیکٹ والے نے سفر کا ابتدائی حصہ بھی ویران اور ناہموار راستوں پر طے کیا تھا۔ اُسے کسی مجبوری کی بناء پر مرکزی سڑک اختیار کرنا پڑی تھی لیکن اب میں نے جیپ کو ایک بار پھر مرکزی سڑک سے ناہموار راستے پر ڈال دیا تھا۔

اب میں اس ویرانے میں ایک خطرناک ... تھی۔ میرے دونوں ساتھی ہلاک ہو چکے تھے اور ... معلوم ہو سکا تھا کہ وہ کون تھے۔ دشمن کی جیپ ... میں لگی ہوئی تھی لیکن میں نے طوفانی ڈرائیونگ ... میں اضافہ کر دیا تھا۔

کچھ وقفے سے تیسرا دھماکا ہوا اور میں نے ... میں گولی کی رگڑ محسوس کی۔ اب مجھے ڈر ہوا کہ ... نشانہ بن گیا تو کیا ہوگا؟

اسپیڈومیٹر کی سوئی اب ستر کے ہندسے ... راستے کی ناہمواری کے باعث جیپ کو قابو ... تھا۔ اس راستے پر یہ تیز رفتاری اتنی خطرناک تھی ... دی جائے لیکن میں ایک یقینی موت سے بچنے ... پر مجبور تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ مجھے ز... میں اُن کے ایک ایسے راز سے واقف ہو گئی ...

تیز دھوپ میں اب شہر کے آثار دکھائی ... اب جو میں نے ایک بار پلٹ کر دیکھا تو ... وہ جیپ غائب ہو چکی تھی۔ شہر کے آثار دیکھ ... مناسب سمجھا تھا۔ ایکسلریٹر پر میرے پیر کا دبا... چلا گیا اور اسپیڈومیٹر کی سوئی تیس کے ہندسے ... نیلی جیکٹ والے کی لاش کو دوسری طرف ... سے بیٹھ گئی۔

اف خدایا! کیسے خطرناک لمحات سے ... ہو رہا تھا جیسے بہت دیر تک سمندر کی طوفانی ... رہنے کے بعد ساحل نصیب ہوا ہو۔ میرا جسم ... تھا اور دل کے دھڑکنے کی رفتار شاید اپنی ... میں نے ایک نظر جیکٹ والے کی لاش ... کی گردن کے چیتھڑے سے اڑ گئے تھے اور خون ... پر پھیل کر اُسے حد درجہ خوفناک بنا دیا تھا۔ اگر ... ہوتی تو اس عبرتناک منظر کو دیکھ کر اگر چیخ نہ ... جاتی۔

پچھلی نشست پر اس بوڑھے کی لاش ... تھا کہ گولی نے اُس کی پیٹھ میں خاصا بڑا سوراخ ... یہ دو لاشیں لے کر شہر میں داخل ہونا تھا اور ... میرے لئے پریشانیاں کھڑی ہو سکتی تھیں۔

... کی رفتار میں مزید کمی کی اور ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ ... ہاتھ سے چہرے کو رگڑ رگڑ کر صاف کرنے لگی۔ ... کی چھینٹیں میرے چہرے پر بھی تو آئی تھیں۔ ... لینے کے بعد میں نے ایک جگہ جیپ روک ... تھا کہ میں جیپ چھوڑ کر پیدل ہی آگے بڑھ جاؤں۔ ... کیا جا سکتا تھا کہ میں لاشیں وہیں پھینک کر ... میں داخل ہو جاؤں لیکن صرف لاشیں پھینکنے ... تھی۔ جیپ میں خون بھی تو بے تحاشہ پھیلا ... کی وجہ سے بھی میرے لئے دشواریاں پیدا ہو سکتی ... سے زیادہ اہم نکتہ تو میرے ذہن میں ابھی ... اس نکتے کی آمد کی وجہ یہ تھی کہ دشمن کی جیپ ... کر دیا تھا۔ یہ بات مجھے اب بڑی عجیب محسوس ...

... کے باعث وہ لوگ بھاگ نکلے تھے۔ انہیں ... مجھے ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی کیونکہ ... اہم راز معلوم ہو گیا تھا۔ اس راز کو راز رکھنے ... بڑی جانی قربانیوں سے گریز نہیں کرنا چاہئے تھا ... غائب ہو گئی؟

... میرے ذہن میں یہ نکتہ فروزاں کیا تھا کہ شاید اس ... جس پر ان لوگوں نے پنڈی میں موجود ... کر دیا ہوگا۔ اب اس بات کے قوی امکانات ... اب وہ لوگ میری جیپ کا انتظار کر رہے ... دیا گیا ہوگا کہ میں کس سمت سے شہر میں داخل ...

... کر میں نے پیدل آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ... میری کمر سے لٹکی ہوئی تھی اور کسی بھی ... کام تھا جب مجھے اس کو استعمال کرنے کی ... میں نے ریوالور کے خالی چیمبر بھی پُر کر لئے۔ ... لباس میں تھی لیکن میرے بال بکھرے ہوئے ... یہ خطرہ تھا کہ لوگوں کی توجہ میری طرف مبذول ... لئے کوئی ایسا راستہ بھی نہیں تھا کہ اُس ... رات کا اندھیرا ہوتا تو میں بچتی بچاتی نکل ... یہ ممکن نہیں تھا۔

... ہوئے میں نے اپنے رُخ میں خاصی تبدیلی ... کر شہری حدود میں داخل ہو لی تھی۔ یہ جگہ ... اس لئے لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ کچھ زیادہ ... نہیں تھی کہ مجھے فوراً ہی ایک تانگہ مل گیا۔ ... بغیر جلدی سے تانگے پر چڑھ گئی ... بیٹھنے کے بعد کوچوان کو ایک محلے کا نام بتا دیا۔

کوچوان نے میرے حلیے کو اُلجھی ہوئی نظروں سے دیکھا مگر چونکہ میں ایک عورت تھی اس لئے وہ کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ اس نے چابک لہراتے ہوئے لگاموں کو جنبش دی اور گھوڑے نے قدم بڑھا دیے۔

میں نے کوشش کی تھی کہ کوچوان کی نظر میری پشت پر نہ پڑ سکیں کیونکہ میرے لباس کے پچھلے حصے میں خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ اب دوپہر ہو چکی تھی اور میری بھوک کا یہ عالم تھا کہ پیٹ کے ہر گوشے میں سناٹا چھایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ دادت کے کھانے کے بعد سے اب تک میرے منہ میں کھیل بھی اُڑ کر نہیں گئی تھی۔ اگر وہ سردیوں کا زمانہ نہ ہوتا تو پانی کا نہ ملنا ہی میرے لئے عذاب بن جاتا۔ مجھے پیاس محسوس تو ہو رہی تھی لیکن وہ مرحلہ نہیں آیا تھا جسے ناقابلِ برداشت سے تعبیر کیا جا سکے۔

میں نے تانگے والے کو جس محلے کا نام بتایا تھا، وہاں میری ایک پرانی دوست رہتی تھی اور موجودہ حالات میں اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہ تھا کہ میں اپنے کسی جاننے والے کے گھر کا رُخ کروں۔ گو کہ میرے پاس اچھی خاصی رقم موجود تھی جس سے کسی بھی ہوٹل میں کمرہ حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن میں ایسے حلیے میں نہیں تھی کہ کسی ہوٹل کا رُخ کر سکوں۔ مجھے فوری طور پر ایک بہتر لباس کی ضرورت تھی جو مجھے کسی شناسا ہی کے گھر سے دستیاب ہو سکتا تھا۔

تانگہ پنڈی کے تانگوں کی مخصوص رفتار سے رواں دواں تھا۔ گھوڑا ڈُلکی چل رہا تھا اور پنڈی کی فضا ماضی کی کچھ یادوں کو جگا رہی تھی۔ مجھے ریشماں یاد آئی جو مجھے انہی فضاؤں میں ملی تھی۔ وہ ریشماں جو اپنے لاچے میں چاقو بھی اڑسے رہتی تھی اور جس نے اپنے حق کے لئے جاگیردار شوکت سے ٹکر لی تھی۔

ریشماں کیا یاد آئی کہ میرے ذہن میں یادوں کی بارات اُترتی چلی آئی۔ بہت سے اچھے بُرے لوگ یاد آئے اور ان کے ساتھ ہی الماس کا خیال بھی آیا۔ وہ معصوم، بھولی بھالی لڑکی جو اس وقت پنڈی ہی میں تھی۔ چند دن پہلے خود میں نے اُسے سٹیلائٹ میں بٹھا کر پنڈی کی طرف روانہ کیا تھا۔ میں سوچنے لگی، اس وقت الماس کے ذہن کی سطح پر اس خیال کا ہلکا سا عکس بھی نہیں ہوگا کہ میں اس بھری دوپہر میں، پنڈی کی سڑکوں پر غیر یقینی حالات سے گزر رہی ہوں گی۔

میں اپنے ان خیالات سے اس وقت چونکی جب تانگے والے نے مجھ سے پوچھا "اب کتھے چلنا اے؟"

میں نے تانگے کو اسی محلے میں پایا جس کا نام کوچوان کو بتایا تھا۔

"ٹھیک ہے، اس طرف موڑ لو!" میں نے اپنی یادداشت پر زور ڈال کر راستہ یاد کرتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔

ذرا دیر بعد ہی تانگہ اس مکان کے سامنے پہنچ گیا جہاں میری دوست بتول رہتی تھی اور جو اب بیگم عباسی کہلاتی تھی۔ اس سے

میری آخری ملاقات دو سال پہلے ہوئی تھی اور اس وقت اُس کے چار بچے تھے۔

میں نے تانگہ رُکوا کر کرایہ ادا کیا اور پھر اس طرح تانگے سے اُتری کہ میری پشت کوچوان کی طرف نہ ہونے پائے۔

تانگے والے کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کی پرچھائیاں صاف نظر آ رہی تھیں اور ادھر میری بے لبسی کا یہ عالم تھا کہ میں اُن پرچھائیوں کو کسی طرح بھی نہیں ہٹا سکتی تھی۔

جب تانگہ آگے بڑھ گیا تو میں نے مکان کے دروازے تک کا مختصر فاصلہ لمبے قدموں چل کر طے کیا اور کال بیل پر انگلی کا مختصر سا دباؤ ڈال کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگی۔

اِکا دُکا راہگیر اِدھر سے اُدھر آتے جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور مجھے دیکھ کر ان کے چہروں پر بھی عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ میرا حلیہ ہی ایسا تھا۔

کال بیل کے جواب میں کوئی ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک بڑھیا کی شکل نظر آئی جو نہایت معمولی قسم کے لباس میں تھی۔

"مجھے بتول سے ملنا ہے۔ وہ گھر میں ہیں؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

دوسروں کی طرح بڑھیا نے بھی مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ اگر میں معقول حلیے میں ہوتی تو شاید وہ مجھے اندر بلا لیتی لیکن اس بوالعجبی کو دیکھ کر اس نے پوچھا "آپ کا نام؟"

"صبیحہ بانو!"

"ایک منٹ ٹھہریں!" بڑھیا یہ کہہ کر دروازہ بند کر لینا چاہتی تھی لیکن مجھے یوں باہر کھڑا رہنا مناسب نہیں معلوم ہو رہا تھا، اس لئے میں بڑھیا کو تقریباً دھکیلتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

"ارے!... ارے ارے!" بڑھیا گھبرا کر چیخ اُٹھی۔

میں اس کی گھبراہٹ پر دھیان دیے بغیر دروازہ بند کرنے لگی۔

"کیا بات ہے جمن بوا!" اندر سے ایک نسوانی آواز آئی جو میں نے پہچان لی۔ وہ بتول ہی تھی۔

"بی بی! یہ کوئی..." بڑھیا نے زور سے میرے بارے میں کچھ اظہارِ خیال کرنا چاہا لیکن میں نے اُس سے زیادہ بلند آہنگی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "یہاں آؤ بتول! میں ہوں صبیحہ۔"

"ارے صبی!" بتول کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی اور پھر میں نے قدموں کی ایسی آہٹ سنی جیسے کوئی جلدی جلدی اِدھر آ رہا ہو۔

میں بڑے اطمینان سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ یہ ڈرائنگ روم ہی تھا۔ بڑھیا منہ پھاڑے ہوئے میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

اندرونی دروازے کا پردہ ہٹا اور بتول بڑے حواس باختہ سے انداز میں اندر داخل ہوئی۔ اُسے دیکھ کر میں صوفے سے کھڑی

ہو گئی۔ ہم دونوں بڑی گرم جوشی سے ملے لیکن ... سے بتول بھی متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی ... پر بھی آ گئی۔

"تم نے یہ لباس کیسا پہن رکھا ہے؟"

"اطمینان سے بتاؤں گی۔ پہلے تم مجھے پا... ہوا جا رہا ہے۔" میں نے جواب دیتے ہوئے ... طرف دیکھا جو بڑے مضحکہ خیز سے انداز میں ...

"پیاس تو مجھے بھی لگی ہے۔" بتول نے ... دیکھتی ہوئی بولی "جمن بوا! ذرا جلدی سے ... کوک نکال لاؤ۔"

بڑھیا نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن ... تھی تو اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا ... دل میں مجھے گالیاں بک رہی ہو۔

جب وہ چلی گئی تو میں نے ہنس کر بتول ... تمہاری ملازمہ ہے نا؟"

"ہاں، کیوں؟ یہ چیخی کیوں تھی؟"

"بھئی یہ مجھ سے میرا نام پوچھ کر دروا... مجھ سے صبر نہیں ہو سکا اور میں اندر گھستی چلی آ...ل

یہ جواب سن کر بتول بھی میرے سامنے ... ہی سنجیدہ بھی ہو گئی۔ میرے لباس سے ناس ... کر رکھی تھی۔

"میں تمہارے کپڑوں پر سرخ دھبے بھی ... انداز میں بولی۔

"ہاں، یہ خون ہی کے دھبے ہیں۔" میں ...

"کیا!" وہ اُچھل پڑی۔

"دراصل ایک لڑکی کا چکر تھا۔" میں نے ...

"میں اس کے پیچھے مردان تک گئی تھی لیکن ... کے دو حقدار اور بھی ہیں۔ بس پھر مجھے اس ... سوجھی کہ اُن دونوں کو آپس میں ہی لڑوا دوں ... کر کے میں وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔ وہاں ... ہی آ کر دم لیا۔"

"ان میں سے کوئی مرا تو نہیں؟" بتول ...

"یہ مرد اتنے حیادار نہیں ہوتے یار!"

"تمہارا یہ شہد پن ابھی تک ختم نہیں ہوا ... آپ کو بدل لینا چاہئے۔"

"اور تمہاری طرح بچے جننا شروع کر دینا ... بنا کر کہا "اب تمہارے کتنے بچے ہیں؟"

"ماشاء اللہ پانچ ہیں۔" بتول کی آنکھیں ...

... یہاں کی دولت مل جانے کا قصہ سنایا ہو۔

... وہ اس کی طرف دیکھتی رہی۔ یہ مائیں میری ... نہیں۔ چائلڈ میکر مشین بن کر یہ اس طرح خوش ... کی معراج حاصل کر لی ہو۔

... بڑھیا کوک کی دو بوتلیں اور گلاس لے کر آ گئی۔ ... رکھ کر کوک انڈیلا اور خالی بوتلیں لے کر چلی گئی۔ ... گلاس تو ایک ہی سانس میں خالی کر دیا اور پھر ... سانس لینے لگی۔

... لباس کی ضرورت ہے۔" میں نے بتول سے کہا۔

"... لیکن..."

... لوگوں نے تم کو یہاں آتے ہوئے ضرور دیکھا ... جواب دوں گی؟"

... ہے۔" میں نے لاپرواہی سے شانے اُچکا ... کوئی غرض نہیں۔ تم تو فوری طور پر میرے لئے ...

"... تم بچے جن جن کر موٹی ہو گئی ہو، اس لئے ... ڈھیلا تو ضرور ہو گا لیکن مجبوری ہے۔ لڑکے ... ہاں ہیں؟"

"... یہیں۔"

... گیا ہوا ہے۔ باقی اندر کھیل رہے ہیں۔ ... میں تم کو اُن سے ملواتی ہوں۔" بتول ... آہستہ پکارا۔

... "بس!" میں جلدی سے بولی "کھیلنے دو ... بھلا! تم جانتی ہو کہ مجھے بچوں سے بڑی ...

... شادی کر لینی چاہئے۔" بتول نے بڑی ... کہا۔ "سچ کہتی ہوں، عورت کو تکمیل کا احساس ... وہ ماں بن جاتی ہے۔"

... پہلے میں خودکشی کر لوں گی، سمجھیں!" میں ... کہا اور پھر کھڑی ہوتی ہوئی بولی "جلدی ... سے اور میرے لئے کپڑے نکال دے... ... ی۔"

... جمن بوا نے روٹیاں پکانا شروع کر...

... نے گھنٹی بجائی۔ ... روم میں پہنچا دیا۔ ... جب میں باتھ روم سے نکلی تو کھانا

میز پر لگایا جا چکا تھا۔ اس وقت بتول کے تین بچے بھی وہاں موجود تھے۔ چھوٹا شاید ابھی تک سو رہا تھا۔

"بچو!" بتول نے اُنچی بلند آواز میں کہا جیسے مجھے چھیڑ رہی ہو۔ "ان سے ملو، یہ تمہاری آنٹی ہیں۔"

دونوں بڑے بچوں نے مجھے سلام کیا لیکن تیسرا جو چھوٹا تھا، ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ میں نے ہنس کر ان تینوں کے گال تھپتھپائے اور پھر کرسی پر بیٹھ کر اپنی پلیٹ سیدھی کرنے لگی۔

"بھئی اب تم بُرا مانو یا بھلا!" بتول نے میرے ہی انداز میں کہا۔ "میں اپنے بچوں کو اپنی جان سے الگ نہیں کر سکتی۔ خاص طور سے کھانا تو میں ان کے ساتھ ہی کھاتی ہوں۔"

"اچھا اچھا، ٹھیک ہے، کھانا کھاؤ!" میں جلدی سے بولی۔

بتول ہنسنے لگی۔

کھانے کے دوران میں ہی میں نے چائے کی فرمائش کر دی تھی لہٰذا کھانے کے خاتمے پر مجھے چائے تیار ملی۔ چائے پینے کے بعد میں نے بتول سے جانے کی اجازت مانگی۔

"کیا!" بتول آنکھیں نکال کر بولی "یہ کیسے ممکن ہے کہ تم ہوا کے جھونکے کی طرح آ کر گزر جاؤ۔ عباسی دفتر سے آئیں گے تو میں اُن سے کیا کہوں گی؟ انہیں پتہ تو چل جائے گا کہ تم آئی تھیں اور پھر وہ مجھے انتہائی غیر مہمان نواز اور نہ جانے کیا کیا ٹھہرائیں گے۔"

"وہ مجھے کیا جانیں؟"

"میں انہیں تمہارے بارے میں ایک ایک بات بتا چکی ہوں۔"

"ایک ایک بات کیا مطلب؟" میں نے اُسے گھورا۔

"تمہاری افتادِ طبع کے بارے میں۔"

"وہ سب کچھ بھی بتا دیا؟" میں غرّائی۔

"شوہر سے کوئی بات نہیں چھپائی جا سکتی۔" بتول نے شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"خدا تجھ سے سمجھے بتول!" میں نے دانت پیس کر کہا "میں کسی وقت اس کا حساب ضرور چکاؤں گی لیکن اس وقت جلدی میں ہوں۔"

"جلدی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" بتول نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"دراصل تم معاملے کو سمجھ نہیں سکتیں۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا "مجھے ابھی جا کر ایک پولیس آفیسر سے ملاقات کرنا ہے۔ مردان میں ہونے والا وہ جھگڑا کوئی غلط رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے کہ ایسا ہو جائے، میں اُس معاملے کو دبوا دینا چاہتی ہوں۔"

"اوہ!" بتول ایک بار پھر پریشان نظر آنے لگی۔

میں نے پہلے تو بتول کو اس معاملے کی طرف سے مطمئن کر دیا

تھا لیکن اب اُس سے جان چھڑانے کے لئے مجھے اس کے سوا کوئی راہ نہیں سوجھی تھی کہ معاملے کو مزید گمبھیر بنا کر پیش کر دوں۔
یہ تدبیر کارگر رہی اور بتول نے اصرار کرنے کی مہم ترک کر دی۔
"اب میں تمہارے لئے پریشان رہوں گی۔" بتول نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے میں تم کو فون پر صورتِ حال سے آگاہ کر دوں گی۔"
"لیکن تم پولیس آفیسر سے ملنے کے بعد واپس تو آسکتی ہو!"
"ضروری نہیں ہے۔ اگر اس پولیس آفیسر سے مل کر بات نہیں بن سکی تو پھر مجھے فوراً کراچی پہنچنا ہوگا۔"
"خدا تم سے سمجھے صبی!" بتول نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "تم اپنے آپ کو عجیب عجیب گورکھ دھندوں میں پھنسائے رکھتی ہو۔"
پھر وہ اپنے بڑے بچے کے ساتھ، مجھے رخصت کرنے کیلئے دروازے تک آئی۔ اُس وقت میں اپنی بغل میں ایک بڑا سا پیکٹ بھی دبائے ہوئے تھی جس میں میرا خون آلود لباس بندھا ہوا تھا۔ میں اس لباس کو بتول کے گھر میں نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔
بتول سے اُس کا ایک بڑا پرس لے کر میں نے ریوالور اس میں رکھ لیا تھا۔ کارتوسوں کی پیٹی میں سے کارتوس نکال کر وہ بھی پرس میں بھر لئے تھے اور خالی پیٹی، لباس والے پیکٹ میں باندھ لی تھی۔
کچھ دور تک میں پیدل ہی چلتی رہی۔ مجھے اپنا وجود بالکل ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ نہانے اور کھانا کھا کر چائے پینے سے بدن میں جولانی سی آگئی تھی۔ بتول سے ہونے والی دلچسپ گفتگو نے بھی ذہنی تکدر کو رفع کیا تھا اور رات کے ہنگاموں کا بوجھ دماغ سے ہٹ گیا تھا۔
لیکن ایک بوجھ اب بھی ذہن پر موجود تھا اور وہ اُس وقت تک نہ ہٹتا جب تک صدرِ مملکت سے ملاقات نہ ہو جاتی۔
بازار سے میں نے ایک اٹیچی کیس خرید کر کپڑوں کا بنڈل اس میں رکھ لیا اور ایک تانگے میں بیٹھ کر پنڈی کے سب سے بڑے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔ اب تک میں نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ میری نگرانی نہیں کی جا رہی تھی۔ دشمن ابھی تک میرا سراغ لگانے میں ناکام رہا تھا لیکن یہ بات طے تھی کہ وہ لوگ کتوں کی طرح میری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔
ہوٹل پہنچ کر میں نے ایک فرضی نام سے کمرہ حاصل کیا اور سب سے پہلے اخبار منگوایا تاکہ ملک کی تازہ ترین صورتِ حال سے باخبر ہو سکوں۔
کشمیر کے محاذ پر پاکستانی افواج کی پیش قدمی جاری تھی اور خبروں سے کچھ ایسا اندازہ ہو رہا تھا جیسے تین چار روز میں ہی سارا

کھیل ختم کر دیا جائے گا۔
ان حالات میں پاکستان کی سر[illegible]
امکانات بہت قوی تھے۔
میں نے اخبار میں کوئی ایسی خبر تلاش
مملکت کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا لیکن
دکھائی دی۔ دراصل میں یہ معلوم کرنا چاہتی
میں موجود ہیں یا نہیں۔ اصولاً تو انہیں
چاہئے تھا کیونکہ موجودہ حالات ایسے
اخبار ایک طرف ڈال کر میں نے
رابطہ قائم کیا اور کافی بھیجنے کی ہدایت کی۔
نیند کے گھنگھور بادل لہرانے لگے تھے۔
کافی پی کر مجھے سنبھالا مل گیا اور میں
رؤف سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔
طرف سے ملنے والا جواب میرے لئے بڑا
کے مطابق رؤف کسی کام سے کراچی گیا ہوا تھا
صورت نہیں رہ گئی تھی کہ میں خود ہی صدرِ مملکت
میں نے ٹیلیفون پر ایوانِ صدر کے نمبر ملائے
والے جواب سے تو میرے پسینے چھوٹ
صدرِ مملکت آج ہی کسی وقت نتھیا گلی پہنچے
وہاں سے مایوس ہونے کے بعد
قائم کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ یہ بھی
وزیرِ خارجہ ہیں یہاں ہیں ؟ سرکاری ذرائع ان کے
خاموشی اختیار کئے ہوئے تھے۔ میں نے
پر پٹخ دیا اور فیصلہ کیا کہ میں اسی وقت نتھیا
گی مگر مجھے آخر میں وزیر داخلہ سے
کرنا چاہئے تھی لیکن حالات کی نامساعدت
میں مبتلا کر دیا تھا اور میرے اندر کی
ہو گئی تھی۔
ایک گھنٹے کے اندر اندر میں پنڈی
ہو گئی۔ نتھیا گلی کا قریب ترین راستہ مری ہے
کے ذریعے سے کرائے کی گاڑی حاصل کر لی
ڈرائیو کر رہی تھی۔
راستے بھر میرا ذہن مختلف النوع خیال
مجھے یہ بہت عجیب سا معلوم ہو رہا تھا کہ
نتھیا گلی چلے گئے تھے۔ یہ زمانہ ایسا تو نہیں
اپنی تھکن اتارنے کے لئے پُرفضا مقامات
افواج ایک محاذ پر پیش قدمی کر رہی تھیں
کو دارالحکومت ہی میں ہونا چاہئے تھا۔ ویسے

[illegible] تھا۔
[illegible] مجھے اُس بیوروکریسی کا خیال آیا جس
[illegible] لئے ہوئے تھا۔ وہ بے وقوف لوگ
[illegible] دیا کرتے تھے۔
[illegible] دل میں بُرا بھلا کہتی ہوئی کار چلاتی رہی
[illegible] ابھی کل کا دن اور باقی تھا۔ خان زیدی کی
[illegible] میں پرسوں کسی وقت پاکستانی سرحدوں

[illegible] شام ہو چکی تھی۔ سردی سے میرے دانت
[illegible] اتنا اُبھار رہا تھا کہ میں مری کی سردی
[illegible] کی تھی۔
[illegible] اتنی ہی کہوں گی کہ مال روڈ پر مجھے ایک
[illegible] جہاں سے میں کوٹ خرید سکتی تھی۔ وہ
[illegible] میں کھوے سے کھوا چھلتا ہے، اس
[illegible] سردی نے وہاں کی ساری رونق کو
[illegible] رہے تھے اور اکا دکا ہی دکانیں

[illegible] کوٹ بلکہ دستانے اور فر کی ٹوپی بھی خریدی۔
[illegible] کچھ میں نے پہن لیا تو جان میں جان

[illegible] میں نتھیا گلی کی طرف روانہ ہونا تھا۔
[illegible] تو نہیں تھی لیکن کسی وقت بھی ہو سکتی تھی۔
[illegible] نتھیا گلی کے خطرناک راستوں پر کار
[illegible] موت کو دعوت دینے کی کوشش
[illegible] اور صورت تھی بھی تو نہیں! اپنے
[illegible] خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے
[illegible] لیکن روانگی سے قبل میں نے کھانا کھا
[illegible] سمجھا۔ کھانے کے بعد گرم گرم کافی کے ایک
[illegible] پہنچاتے۔ میں نے کار ایک ہوٹل کے
[illegible] میں تین چار گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔
[illegible] اسی ہوٹل میں مقیم تھے۔ کچھ لوگ برفباری
[illegible] بھی مری جاتے ہیں۔
[illegible] اس وقت صرف دو میزیں آباد نظر آ
[illegible] بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے
[illegible] گئی۔ چونکنے کے ساتھ ہی
[illegible] سی مسرت کا احساس دوڑ گیا۔
[illegible] نہیں تھا کہ یہاں میری ملاقات شبانہ

وہ اپنی میز پر بالکل تنہا تھی اور کسی خیال میں کھوئی ہوئی، کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی تھی۔ اس کے دل نواز چہرے پر اداسی کا ایک ہلکا سا غبار پھیلا ہوا تھا۔ میں بے اختیار اس کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میرے قدموں کو جیسے کسی مقناطیس نے کھینچ لیا تھا۔
وہ مجھے دیکھ کر اتنی شدت سے چونکی کہ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی پیالی سے کافی چھلک گئی۔
"ہیلو شبانہ!" میں اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔
"ہیلو!" اُس نے مُردہ سے لہجے میں کہا۔
"اب مجھے یاد آرہا ہے کہ کراچی سے پنڈی آتے ہوئے جب تم طیارے میں مجھ سے ملی تھیں تو تم نے اپنے مری آنے کے خیال کا اظہار کیا تھا۔ میں اس بات کو بالکل بھول ہی گئی تھی۔ اب تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے تمہاری وہ بات یاد آرہی ہے۔"
"ہوں۔" شبانہ نے نظریں جھکا لیں اور کافی پاٹ کو گھورنے لگی۔
ہال کا اکلوتا بیرا اب ہماری میز کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے کھانا لانے کے بارے میں ہدایات دیں اور پھر شبانہ سے بولی۔ "کیا تم اسی ہوٹل میں مقیم ہو؟"
"ہاں۔" شبانہ کی آواز بدستور دھیمی تھی۔
"کس کمرے میں؟"
"گیارہ نم...." شبانہ "نمبر" کہتے کہتے رُک گئی اور پھر مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "آپ کو میرے کمرے کا نمبر معلوم کرنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"
"بے فکر رہو!" میں مسکرا کر بولی۔ "میں تمہارے کمرے میں قیام کرنے کا ارادہ قطعی نہیں رکھتی۔ میں کھانا کھا کر یہاں سے فوراً ہی روانہ ہو جاؤں گی۔ مجھے نتھیا گلی جانا ہے۔"
"اس وقت؟ رات میں؟" شبانہ نے کسی حیرت کا اظہار کئے بغیر بڑے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔
"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "کام اتنا اہم ہے کہ مجھے اسی وقت جانا ہوگا۔"
شبانہ نے کام کی اہمیت کے بارے میں کوئی استفسار نہیں کیا اور کافی کا آخری گھونٹ لے کر پیالی رکھ دی۔ اب وہ بے تعلق سی نظر آنے لگی تھی۔ ایسا انداز تھا جیسے اس کی میز پر کوئی اور موجود نہ ہو۔
"اس موسم میں تم مری کیوں آگئیں؟" میں قدرے توقف سے بولی۔
"جب میرا ذہن بوجھل ہوتا ہے تو میں مری کے ویران گوشوں میں بڑا سکون محسوس کرتی ہوں۔" شبانہ نے بدستور دھیمی آواز میں جواب دیا۔
میں پھر کچھ کہنے والی تھی کہ شبانہ "ایکسکیوز می" کہہ کر اٹھی

اور ایک طرف بڑھتی چلی گئی۔ وہ اوپر کمرے کی طرف جا رہی تھی۔
میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔ اس لڑکی کا ذہن اتنا پیچیدہ تھا کہ مجھے اس کے سلجھاؤ کی کوئی توقع نہیں تھی۔

کھانا آیا تو میں اس کی طرف متوجہ ہو گئی لیکن کھانے کے دوران میں میرا ذہن شبانہ ہی میں الجھا رہا۔ اُس کے بدن کی تپتی ہوئی دھوپ میں اِس سرد رات کا مداوا بڑی آسانی سے ہو سکتا تھا لیکن مجھے ایک ایسی مہم درپیش تھی جس میں کسی ۔۔۔ سے کام لینا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

کھانے کے بعد میں نے کافی منگوائی۔ پہلا کپ پینے کے بعد میں دوسرا کپ بنا رہی تھی کہ ہال میں داخل ہونے والے کسی شخص کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے دروازے کی طرف یونہی ایک اچٹتی سی نظر ڈالنا چاہی تھی لیکن ہوا یہ کہ میں اُدھر ہی دیکھتی رہ گئی۔
فوکس، ڈاکٹر فونگ کا جانشین، میری طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اُسے یہاں دیکھ کر مجھے اپنے اعصاب پر الیکٹرک شاک کی سی کیفیت محسوس ہوئی تھی۔

"ہیلو!" وہ میرے قریب آ کر بولا۔ "کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

"بیٹھ جاؤ!" میں نے سرد مہری سے کہا۔
فوکس میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ "حبیبہ بینو!" وہ قدرے توقف سے بولا۔ "تم مجھے ایک مرتبہ تو بے وقوف بنانے کی کوشش کر چکی ہو لیکن اگر دوسری بار پھر اس قسم کی کوئی کوشش کی گئی تو یہ تمہارے حق میں بُرا ثابت ہوگا!"
"کیا مطلب!" میں خشک لہجے میں بولی۔
"ہماری تنظیم ذہین لوگوں کی قدر کرتی ہے۔ میں تم سے اس موضوع پر بڑی تفصیل گفتگو کر چکا ہوں۔ میں نے تمہیں اپنے ساتھ ملانے کے لئے ایک بڑی پیشکش بھی کی تھی جسے تم نے قبول کر لیا تھا لیکن بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تھی۔ تمہاری وجہ سے صوبۂ سرحد میں ہمارا ایک پلان تباہ ہو چکا ہے اور تم ایک ایسے راز سے بھی واقف ہو گئی ہو جس کے انشا سے ہمارا ایک اور پلان متاثر ہو جائے گا۔ مجھے کراچی ہی میں اس بات کی اطلاع مل تھی کہ صوبۂ سرحد کا پلان تباہ کرنے والی کوئی عورت ہے اور میں سمجھ گیا تھا کہ وہ تم ہی ہو سکتی ہو۔ میں آج تیسرے پہر کو کراچی سے پنڈی پہنچ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ تم صدرِ مملکت تک پہنچنے کی کوشش کرو گی اور جب مجھے یہ پتہ چلا کہ صدرِ مملکت نتھیا گلی گئے ہوئے ہیں تو میں سمجھ گیا کہ تم نے بھی اُدھر ہی کا رُخ کیا ہوگا۔ میں تیز رفتاری سے اس طرف چل پڑا لیکن روانگی سے قبل میں نے کچھ دوسرے انتظامات بھی کر دیئے تھے۔ میں اُن دوسرے انتظامات کی

وضاحت نہیں کروں گا۔ یہ تمہاری خوش قسمت
مری میں مل گئیں۔ اب بہتر ہوگا کہ تم یہیں سے
صدرِ مملکت تک پہنچنے کی کوشش کر دو گی آ
"نقصان کی وضاحت ضروری ہے؟"
انداز میں بولی۔
"موت!" فوکس نے بڑے ڈرامائی ا
"ایسا تو یقیناً ہے کہ ہم ذہین لوگوں کی قدر کر
ذہانت ہمارے قابو سے باہر ہونے لگے تو
ہٹا دیتے ہیں۔"
"میں اس وقت کا انتظار کروں گی مس
کہا ۔۔۔ "یہ ناممکن ہے کہ میں اپنے مش
"مجھے تمہاری موت سے صدمہ ہوگا!"
"میں کوشش کروں گی کہ تمہیں یہ صد
فوکس یکلخت کھڑا ہو گیا۔ اُس نے ا
بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تیزی سے
گیا اور میں متفکر سی اپنی کرسی پر بیٹھی رہ گئی
خطرناک ہو چکی تھی۔ اس میں مجھے کوئی شُ
مجھے ہر قیمت پر روکنے کی کوشش کریں
میں ناکامی ہوگی تو مجھے قتل کرنے سے بھی
میں اُن کے ایک ایسے ہی راز سے واقف
میں نے کافی کے دوسرے کپ کا
رہی کہ ان حالات میں نتھیا گلی پہنچنے کا منصوبہ
دفعتاً مجھے شبانہ کا خیال آیا اور میں
میں اُس سے کوئی مدد لی جا سکتی ہے یا نہیں
ایک دھندلا دھندلا سا خاکہ اُبھرنے لگا ا
سہارے اس کے پہلوؤں کو جائزہ کرنے لگی۔
کافی ختم کرتے کرتے میں ایک جھوٹا
لیکن اس منصوبے کا ایک کمزور پہلو یہ تھا کہ اس
ہو جاتا۔ مجھے یہ رات مری ہی میں گزارنا پڑ ل
گلی کی طرف روانہ ہو سکتی تھی۔ وہ روانگی
عمل میں آتی۔ فوکس کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں کب
گئی اور میری کامیابی کی واحد صورت بھی یہی تھی کہ
علم نہ ہو سکے۔ اِس وقت تو فوکس اور اس کے
نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ جیسے ہی میں یہا
لوگ میرے پیچھے لگ جاتے اور موقع دیکھ کر
کوشش کرتے۔
میں نے اپنی روانگی صبح تک کے لئے

۔۔۔ تھی کہ یہ الٹا فوکس کو الجھن میں ڈال دے چنانچہ میں
۔۔۔ ل سے نکل آئی۔ میں چوکنا نظروں سے اِدھر اُدھر
۔۔۔ ار کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ خود ہی
۔۔۔ الی پیدا کر دوں گی اور پھر اسے اسٹارٹ کرنے کی
۔۔۔ بار ناکام ہونے کے بعد گاڑی سے اتر آؤں گی۔ اس
۔۔۔ گا کہ میں گاڑی کی خرابی کی وجہ سے رُکنے پر مجبور
۔۔۔ صورت یہ بھی ممکن تھی کہ میں گاڑی کو چلاتی ہوئی
۔۔۔ جاؤں اور اس کے بعد انجن میں خرابی پیدا کر دوں۔
۔۔۔ مجھے پتہ چل جاتا کہ میرا تعاقب کیا گیا ہے یا نہیں۔
میں نے کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرنے کی
۔۔۔ چلا کہ فوکس پہلے ہی اپنا کام مکمل کر چکا ہے۔ کار
۔۔۔ اسٹارٹ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی اور یہ میری
۔۔۔ ہی کی کسی شرارت کا نتیجہ ہو سکتا تھا۔
۔۔۔ یہاں بیٹھے بیٹھے طنزیہ انداز میں مسکرا پڑی اور پھر جب
۔۔۔ رہی تو اپنی حرکات و سکنات سے شدید جھنجھلاہٹ
۔۔۔ کر رہی تھی۔ مجھے دیکھنے والوں کو ایسا ہی محسوس
۔۔۔ کے اسٹارٹ نہ ہونے سے چراغپا ہو گئی ہوں۔
ہوٹل میں آئی اور ایک کمرہ کرائے پر حاصل کیا۔
۔۔۔ میں نے کوئی آدھا گھنٹہ دیں گزارا اور پھر باہر
۔۔۔ ے کی طرف چل پڑی۔ وہ کمرہ بھی اسی منزل پر تھا۔
۔۔۔ پہنچ کر رُکی۔ ایک مرتبہ اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر
۔۔۔ دی۔
"؟" اندر سے شبانہ کی چونکی ہوئی آواز سنائی دی۔
۔۔۔ نے کوشش کی تھی کہ میری آواز زیادہ بلند نہ

۔۔۔ آہٹ دروازے کی طرف آئی اور پھر دروازہ کھل
۔۔۔ اوڑن میں ملبوس میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا
۔۔۔ سپاٹ نظر آ رہا تھا لیکن آنکھوں میں مستفسرانہ کیفیت

۔۔۔ میں اس کی اجازت کے بغیر اندر داخل ہوتی
۔۔۔ اس وقت مجھے بہت ہی مجبور ہو کر تمہارے کمرے

۔۔۔ کی مجبوریوں کا اندازہ تو ڈائننگ ہال ہی میں ہو
۔۔۔ لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔
"شبانہ!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس میں تو
۔۔۔ ہمارا قرب مجھے رنگین و مخمور فضا میں پہنچا سکتا ہے
۔۔۔ کی خواہشمند بھی ہوں لیکن اِس وقت میرے یہاں
۔۔۔ مر میں ایک معاملے میں تمہاری مدد چاہتی ہوں۔"

"فرمایئے!" شبانہ کا لہجہ سپاٹ تھا۔
"دروازہ بند کر لو۔ وہ گفتگو ایسی نہیں ہے کہ کھڑے کھڑے کی جا سکے۔"
شبانہ نے کسی احتجاج کے بغیر دروازہ بند کر لیا۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر بستر کی طرف لے گئی۔ اسے بستر پر بٹھایا اور خود ایک کرسی بستر کے قریب گھسیٹ لی۔ کمرے میں ہیٹر جل رہا تھا جس کی وجہ سے کمرے کی فضا بڑی تسکین بخش ہو گئی تھی۔
"شبانہ!" میں نے کسی تمہید کے بغیر آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ "میں اس وقت ایک خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہوں۔ میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا تھا کہ مجھے نتھیا گلی جانا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد میں ہوٹل سے باہر نکل گئی تھی لیکن جب میں نے اپنی کار اسٹارٹ کرنا چاہی تو پتہ چلا کہ اس میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ بعض حالات کی بنا پر میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ خرابی از خود پیدا نہیں ہوئی بلکہ پیدا کی گئی ہے۔ کچھ لوگ نہیں چاہتے کہ میں نتھیا گلی پہنچ سکوں۔"
مجھے اس جواب کے ایک پہلو نے بڑا مایوس کیا اور وہ مایوسی
"آپ کو میری کار چاہیئے؟" شبانہ کا لہجہ سپاٹ ہی رہا۔
"کچھ اسی قسم کی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "دراصل میں چاہتی ہوں کہ رات تو ہوٹل ہی میں گزاروں۔ اس طرح وہ لوگ میری طرف سے مطمئن ہو جائیں گے جو میری تاک میں ہیں۔ وہ یہ سمجھ لیں گے کہ میں اپنی کار ٹھیک کروانے کے لئے ہوٹل ہی میں صبح ہونے کا انتظار کر رہی ہوں لیکن میں ایسا کروں گی کہ علی الصبح، فجر سے بھی کچھ پہلے چھپتی چھپاتی ہوٹل سے باہر نکل جاؤں گی۔ میرے بعد تم بھی ہوٹل سے نکلنا اور اپنی گاڑی میں پوسٹ آفس پہنچ جانا۔ وہاں میں تم سے آملوں گی اور تمہاری کار میں نتھیا گلی کی طرف روانہ ہو جاؤں گی۔ اگر تم بھی میرے ساتھ چلنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن اگر تم نہ چاہو تو میں اصرار نہیں کروں گی۔ نتھیا گلی سے میری واپسی شام سے پہلے ہو جائے گی اور میں تمہاری کار واپس کر دوں گی۔"
شبانہ ایسی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی جیسے میری باتوں کے وزن کا اندازہ کرنا چاہتی ہو۔
"اچھی شبانہ!" میں نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اُس کی پشت کو سہلاتی ہوئی بولی۔ "یقین کرو کہ میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھو! کیا تمہیں ان میں مکاری کی کوئی جھلک نظر آ رہی ہے؟"
"کچھ لوگ کیوں چاہتے ہیں کہ آپ نتھیا گلی نہ جا سکیں!" شبانہ کی آواز بھرّائی ہوئی تھی۔
"یہ ایک قومی نوعیت کا معاملہ ہے شبانہ! ہمارے صدرِ مملکت اس وقت نتھیا گلی ہی میں ہیں اور مجھے ایک اہم اطلاع ان تک پہنچانا ہے۔ کچھ وطن دشمن اس اطلاع کو صدرِ مملکت تک نہیں پہنچنے دینا

چاہیے۔

"اوہ!" شبانہ کی آنکھوں میں پہلی مرتبہ کچھ تغیر پیدا ہوا۔ شاید یہ باتیں اس کے لئے کچھ سنسنی خیز ثابت ہوئی تھیں۔

"ہاں شبانہ!" میں نے لہجے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "تم میری مدد کر کے دراصل وطن اور قوم کی خدمت کرو گی۔"

شبانہ نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں سے سوچ بچار کا اظہار ہو رہا تھا۔ ادھر میں اب بھی اس کے ہاتھ کی پشت کو آہستہ آہستہ سہلاتے جا رہی تھی۔ مجھے اپنی اس حرکت سے بڑا سرور، بڑا انبساط حاصل ہو رہا تھا۔ محبوب کے جسم کے بے حجابے کا لمس نشاط انگیز ہی ہوتا ہے۔ یوں تو میری زندگی میں ان گنت لڑکیاں آئیں لیکن فرخ کے بعد شبانہ ہی ایک ایسی لڑکی تھی جس کا لمس مجھے حد درجہ ایکسائٹ کر دیتا تھا۔

"اچھا۔" شبانہ کچھ دیر بعد ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "آپ میری کار لے جائیے گا۔"

میری زبان پر بھی آ گئی۔ "تم نہیں چلو گی؟"

"میں کیا کروں گی جا کر؟"

اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ میں اس کا خوبصورت مکھڑا تکتی رہ گئی۔

"میرا ہاتھ تو چھوڑیئے!" شبانہ بولی۔

"نہیں شبانہ!" میں اب جذباتی ہو چکی تھی۔ "میں تو چاہتی ہوں کہ زندگی بھر تمہارا ہاتھ نہ چھوڑوں۔"

"ایک عورت کے لئے دوسری عورت کی یہ خواہش بڑی مضحکہ خیز ہے۔" شبانہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اور ویسے بذاتِ خود یہ جملہ بھی کچھ کم مضحکہ خیز نہیں۔"

"تم بالکل پتھر ہو شبانہ!"

"یہ بالکل غلط ہے، انو ہے۔ اگر میں پتھر ہوتی تو آپ کی اس حرکت کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوتا لیکن مجھ پر شدید اثر ہوا ہے۔ میں بے حد جذباتی ہوں بانو! اور اسی لئے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئی ہوں۔ آپ نے مجھے بری طرح توڑ ڈالا ہے۔ ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔"

"ایسی باتیں نہ کرو جان!" میں بے تاب ہو کر بستر پر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی اور اس کے گلے میں باہیں ڈالتی ہوئی بولی۔ "تمہیں اس انداز میں نہیں محسوس کرنا چاہیے۔"

"آپ کیسی مہمل باتیں کر رہی ہیں باز!" شبانہ نے یہ فقرہ کسی اشتعال کے بغیر سرسری سے لہجے میں کہا اور پھر بولی۔ "ہر انسان کے محسوسات اس کے اپنے خمیر کا ایک حصہ ہوتے ہیں اور کسی ارادے کے تابع ہرگز نہیں ہو سکتے۔"

شبانہ کے اس جواب نے مجھے جھنجھنے
مجھے احساس ہوا تھا کہ شبانہ بڑے پختہ اندازِ فکر کی
لڑکیوں سے بہت مختلف ا

لیکن ادھر میرے جذبات اب اتنے ب
کہ میں کسی خشک بحث میں الجھنا بھی نہیں چاہتی
اچانک اپنی باہوں میں سمیٹا اور بستر پر گر کر اس کو
پر سجا لیا جیسے وہ کوئی پھول تھی۔ اس کا قامت بھی شا
گیا تھا۔ میں نے اس شاخ کو اپنی ٹانگوں اور باہوں
طور پر وہ معترض بھی نہیں ہوئی۔ ایک مرتبہ انا کا
کے بعد اب شاید اس کے لئے ان باتوں کی کوئی
تھی۔ میں نے اپنے جلتے ہوئے ہونٹوں سے اس
یاقوتوں کو پی جانے کی کوشش کی تو اس کی آنکھ
میرے ہاتھوں کی بے ... ہو گئی ... ہونٹوں نے
شروع کر دیا جو شبانہ کے نازک گداز ...
کو میرے ہاتھوں کی محدود آغوش میں پناہ مل گئی ا
آنکھیں کھلی رکھنا محال ہو گیا۔ حنا کے رنگ سیاہ
میں چھپ گئے اور اس کی زلفیں میرے شا
ہونٹوں نے مشترکہ طور پر ایک طویل سفر طے کیا ا
میرے جذبات کے عفریت کی وحشتیں عروج
میرے ہاتھوں نے ہر پردہ چاک کر ڈالا
کا امین تھا۔ شبانہ کی جوانی اب پارے کی طرح
میں نے اسے اپنے سانچے میں لے لیا تھا لیکن
اپنے آپ کو تلملاتی ہوئی دھوپ میں محسوس کر
ہونٹوں کو بڑی شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ ا
رہے ہیں۔ میں اس جلتی ہوئی سطح کے ج
اس سفر میں میرے ہونٹ اس بلندی تک
شعلے اٹھ رہے تھے۔ میں ان شعلوں کو بھی پی
رہی کہ میرے وجود کی گہرائی میں ایک آتش فشاں
میں بھی اب یار لے تے تکلف نہ رہا تھا اور میرے مینا
ہاتھوں کی جارحیت کا نشانہ بنے ہوتے تھے۔

پھر پہلو بدلے گئے، زاویے بدلے گ
سجدہ گاہیں مل گئیں۔ انگ انگ سے چٹخنے
لگیں اور پھر مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میر
کھینچ کر نکال لی ہو۔ جیسے فرشتۂ اجل روح نکال
شبانہ کی بھی کیونکہ اس کی سانسیں بھی میری
ہم آہنگ ہو گئی تھیں۔ ہم دونوں نڈھال ہو چکے
میرا سر کہاں تھا اور میں کہاں تھی؟ مجھے
ایک رات کی جاگی ہوئی بھی تھی اس لئے خو

... آغوش میں لے لیا۔ میں اتنی گہری نیند سوئی
... روزِ حشر ہی جاگوں گی لیکن کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر

... کیا نہیں جائیے گا؟" یہ شبانہ کی آواز تھی۔
... نام کان میں پڑتے ہی میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔
... بجے تھے!
مری کی صبح اتنی یخ بستہ ہوتی ہے کہ بستر سے نکلنا
قیامت کے عمل کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے اور یہ خوف
لحاف سے نکلتے ہی برف کا ڈلا بن کر رہ جائیں گے۔
... بجے بستر سے نکلتے ہوئے میں نے ایسا ہی
... کائنات مجھے فریزر میں رکھ دیا ہو۔ اگر شبانہ نے
... شاید میں صبح نو دس بجے تک سوتی ہی رہتی لیکن میرے
... یہ ہرگز نہ ہوتا کہ فضا میں قطب شمالی کی ٹھنڈک
... کا بنیادی سبب میری تھکن اور بے خوابی ہوتی۔
... کے بعد سونا نصیب ہوا تھا اور جب گم شدہ خواب
... حاصل ہوں تو پلکوں پر ان کا بوجھ کسی ازلے کا روادار
... ہی جا کے!
... سے کپڑے پہن کر روانگی کے لئے تیار ہو گئی۔ اتنی
... ہوٹل سے ناشتہ مل جاتا لیکن اس وقت مجھے بڑی
... جب میں نے دو پیالیوں سے گرم گرم کافی کی بھاپ

... اس میں کافی بھر والیتی ہوں۔" شبانہ میری حیرت

... ہو کر چٹکی بجانے کی کوشش کی اور ناکام ہو گئی
... آستانے چڑھاتے تھے۔
... میں کافی کا پہلا ہی گھونٹ مزا دے گیا۔ میں نے
... سے کہا: "جی چاہتا ہے کہ اس کافی کے صلے میں تمہیں
...

... سپاٹ لہجے میں بولی۔
... بڑا تکلیف دہ تھا کہ شبانہ رات سے اب
... تھی۔ رات سے ہی نہیں بلکہ اسی روز سے جب
... پہلی مرتبہ اس کے وجود پر گرما برسا تھا۔ اسی عفریت
... مسکراہٹوں کا چمن اس طرح اجاڑا تھا کہ پھر
... نہیں کھوئے تھے۔ مجھے اپنے دل کی گہرائی
... جیسے وہاں کوئی کانٹا ٹوٹ گیا ہو۔ احساس
... اسی وقت نکلتا جب شبانہ کے ہونٹوں
... نظر آتے۔ دراصل مجھے یہ گمان بھی نہ تھا

کہ میرا وہ جبر شبانہ کی روح میں شگاف ڈال دے گا ورنہ میں محتاط رہتی۔ میری زندگی میں شبانہ وہ پہلی لڑکی تھی جس نے ان باتوں کو "توہینِ ذات" بنا کر اپنے وجود پر مسلط کر لیا تھا۔ اس قسم کی کوئی مثال پہلے کبھی میرے سامنے نہیں آئی تھی ورنہ میں یقیناً کوئی قدم اٹھانے سے پہلے دس مرتبہ سوچتی۔

لیکن اب سوچنے کا وقت گزر چکا تھا۔ شبانہ کے ہونٹوں کو ان کی زندگی لوٹانے کے لئے کوئی حتمی تدبیر ناگزیر تھی لیکن فی الحال مجھے ایسی کوئی تدبیر سوچنے کا موقع حاصل نہیں تھا۔ میں اس بات پر مجبور تھی کہ سب کچھ بھول بھال کر نتھیا گلی کی طرف روانہ ہو جاؤں۔ ایک اہم ترین فرض کا بوجھ میرے شانوں پر تھا اور میں اس بوجھ سے سبکدوش ہوئے بغیر ادھر ادھر کی کوئی بات نہیں سوچ سکتی تھی۔ مجھے چند گھنٹے کے اندر اندر صدرِ مملکت تک پہنچنا اور انہیں یہ بتانا تھا کہ اگلے روز ہمارے وطن کی سرحدوں پر دشمن فوجوں کی یلغار ہونے والی ہے۔

سی آئی اے کی بدنامِ زمانہ تنظیم اس معاملے میں ہمارے دشمنوں کی حلیف تھی اور اس کے ایجنٹ مجھے صدرِ مملکت تک پہنچنے سے روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دینے پر آمادہ تھے۔ فوکس میرا تعاقب کرتا ہوا مری پہنچ چکا تھا اور گزشتہ رات اس نے مجھے وارننگ بھی دے دی تھی کہ اگر میں نتھیا گلی کی طرف روانہ ہوئی تو مجھے ہلاک کر دیا جائے گا۔

گویا اب نتھیا گلی کی طرف میری روانگی ایسی ہی تھی جیسے میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قدم بڑھانا شروع کر دوں۔ ہر چند میں نے فوکس کو ڈاج دینے کی ایک تدبیر کر لی تھی مگر یقین سے کہنا مشکل تھا کہ یہ تدبیر کس حد تک کارگر ہو سکے گی۔

کافی کا آخری گھونٹ لے کر میں نے شبانہ سے کہا: "تو اب میں چلوں!"

"جی ہاں، آپ روانہ ہو جائیں۔" شبانہ نے جواباً کہا۔ "میں دس منٹ بعد کمرے سے نکلوں گی اور اپنی گاڑی لے کر پوسٹ آفس پہنچ جاؤں گی۔"

میں چند لمحے تو پرخیال نظروں سے شبانہ کی طرف دیکھتی رہی اور پھر سر ہلا کر کرسی سے اٹھ گئی۔ میرا رخ دروازے کی طرف تھا۔ شبانہ بھی میرے پیچھے پیچھے آئی اور دروازہ کھول کر مجھے رخصت کرنے سے پہلے بولی۔

"کیا آپ کو عقبی راستے کا علم ہے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں پہلے بھی دو ایک بار اس ہوٹل میں قیام کر چکی ہوں۔"

"تو کچھ دیر کے لئے خدا حافظ۔" شبانہ کا لہجہ آثارِ چڑھاؤ سے عاری تھا۔ "میرا خیال ہے کہ جب آپ پوسٹ آفس پہنچیں گی تو میں وہاں موجود ہوں گی۔"

میں نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا اور ویران راہداری میں آگے بڑھتی چلی گئی۔ میں کوشش کر رہی تھی کہ میرے قدموں کی آواز اس مہم کے راز کو آشکارا نہ کر سکے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس زینے تک پہنچ

[illegible] عقبی دروازہ تھا جسے ہوٹل کے ملازمین کوڑا کرکٹ باہر پھینکنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

ہو سکتا ہے چند فوکس میری کڑی نگرانی کرنا چاہتا ہو گا لیکن میری دانست میں اس بات کا امکان نہیں تھا کہ وہ عقبی دروازے پر بھی نظر رکھے۔ وہ تو یہ سمجھ رہا ہو گا کہ میں کار کے بغیر نتھیا گلی کا رخ نہیں کر سکتی لہٰذا اس نے میری کار پر نظر رکھنا ہی کافی سمجھا ہو گا۔

لیکن یہ سب کچھ سوچ لینے کے باوجود میں پوری طرح مطمئن نہیں تھی۔ میں نے بڑی احتیاط سے دروازے کی چٹخنی نیچے کی اور دروازے کو بس اتنا کھولا کہ جھانک کر باہر کا جائزہ لے سکوں۔ اتنا سا دروازہ کھلتے ہی ٹھنڈک کی ایک زبردست لہر میرے چہرے سے ٹکرائی اور میرے پورے وجود پر پھیلتی چلی گئی۔ میرا جسم کپکپا گیا اور تب مجھے خیال آیا کہ باہر کس غضب کی سردی ہو گی!

میں نے جھانک کر باہر دیکھا۔ تاریکی میں وہ سناٹا بڑا مہیب معلوم ہو رہا تھا۔ نشیب میں جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں اور تیز ہوا سے ہل رہی تھیں۔ کوئی بھی ان میں سے کسی جھاڑی کی آڑ لے کر عقبی دروازے کی نگرانی کر سکتا تھا لیکن سردی کی وجہ سے میں نے اس امکان کو مسترد کر دیا۔ رات بھر اس کھلی فضا میں رہ کر تو آدمی خود ہی منجمد ہو کر رہ جاتا!

دو تین منٹ تک ماحول کا جائزہ لینے کے بعد میں سردی سے مقابلے کی ہمت پیدا کر کے باہر نکلی۔ دروازے کو آہستہ سے بند کیا اور کنڈی لگا دی۔ کنڈی نہ لگاتی تو تیز ہوا سے دروازہ چوپٹ کھل جاتا۔

اب میں نے جلدی جلدی قدم بڑھانا شروع کیے۔ سرد ہوا کے جھونکے میرے کانوں میں سیٹیاں بجا رہے تھے اور ٹھنڈک میرے تمام جسم میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔ فر کی ٹوپی، اوور کوٹ اور دستانوں کے باوجود مجھے ذرا سی دیر میں یوں محسوس ہونے لگا جیسے صرف قمیض شلوار پہنے ہوئے ہوں۔ میں نے سختی سے دانت پر دانت جما لیے تھے ورنہ وہ جلترنگ چھیڑ دیتے۔ میرا چہرہ آہستہ آہستہ سُن ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے کچھ اور تیزی سے چلنا شروع کر دیا۔ اس طرح جسم میں کچھ گرمی پیدا ہوئی جو اس ٹھنڈک کا مقابلہ کرتی اور مجھے پوسٹ آفس پہنچنے میں بھی کم سے کم وقت لگتا۔ میں اپنا یہ سفر جھاڑیوں اور پودوں کے درمیان میں چلتے ہوئے طے کر رہی تھی۔ احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ میں کسی مجبوری کے بغیر سڑک کا رخ نہ کروں۔ گو کہ اس وقت سڑک پر بھی قبرستان ہی کا سا سناٹا ہونا چاہیے تھا، تاہم بعض اوقات کوئی ایسی صورت حال بھی پیش آ جاتی ہے جو حد درجہ بعید از قیاس ہو۔

جب میں ڈاک خانے کے سامنے پہنچ کر سڑک پر آئی تو میں نے وہاں ایک کار کھڑی ہوئی دیکھی۔ مجھے علم نہیں تھا کہ شبانہ کے پاس کون سی کار ہے لیکن اس وقت کسی کار کو وہاں دیکھ کر میں اس کے علاوہ کیا سمجھ سکتی تھی کہ وہ شبانہ ہی کی ہو گی۔ میں اس کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ ہوٹل سے یہاں تک پہنچنے میں مجھے آدھا گھنٹہ لگ گیا تھا جبکہ سڑک پر چل کر میں یہ فاصلہ دس منٹ میں طے کر سکتی تھی۔ ویسے یہ آدھا گھنٹہ میری تو ہی تھا اور اس عرصے میں سردی نے میرے حواس گم کر دیے تھے۔ سیٹیاں بجاتی ہوئی سرد ہوا کے تھپیڑوں نے میرے ہی بنا کر رکھ دیا تھا۔

جیسے ہی میں کار کے قریب پہنچی، شبانہ کی آواز سے ٹکرائی: "خدا کا شکر ہے کہ آپ آ گئیں۔"

میں نے دیکھا کہ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہے۔ شاید مجھے دیکھنے کے بعد اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ کیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو مجھے اس کی آواز سنائی نہیں کے باقی شیشے مکمل طور پر بند تھے۔ "آیئے!" اس طرف کا دروازہ کھول دینے لگی۔

میں گھوم کر اس طرف پہنچی اور اندر بیٹھ کر دروازہ اپنی طرف کا شیشہ بند کرنے لگی۔ مجھے کار میں بیٹھ کر ایسا جہنم سے نجات مل گئی ہو۔ گو کہ کار کی اندرونی فضا بھی سرد ٹھنڈک سے تو اس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔

شبانہ بولی: "آپ کے یہاں پہنچنے میں دیر ہوئی تو میں پریشان ہو گئی۔"

"ہاں۔" میں نے ایک طویل سانس لے اندیشوں اور وسوسوں نے گھیر لیا ہو گا۔"

"میں یہ سمجھنے لگی تھی کہ آپ کو انہی لوگوں نے صدر مملکت تک پہنچنے سے روکنا چاہتے ہیں۔"

"مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ اتنی دیر ہو جائے گی۔ سڑک پر چلتی ہوئی یہاں تک نہیں آنا چاہتی تھی۔" میں "تم نے کوئی غیر معمولی بات تو نہیں محسوس کی؟"

"غیر معمولی بات؟ کیا مطلب؟"

"کسی نے تمہیں چیک تو نہیں کیا؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔"

میں پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگی۔ دور دور تک کہیں کہیں لوگوں کی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں مگر کوئی نہیں دے رہا تھا۔ الیکٹرک پولز کے کم طاقت والے بلب میں اونگھتے ہوئے سے محسوس ہو رہے تھے۔ ماحول میں ہلکی ہلکی سی کہر پھیلی ہوئی تھی۔

"اچھا شبانہ! اب اجازت دو!" میں نے کہا۔ "ہوں کہ تم نے اتنی زحمت کی۔ میرا خیال ہے کہ میں آ جاؤں گی اور تمہاری کار واپس کر دوں گی۔"

"میں خود آپ کو لے کر چل رہی ہوں۔" شبانہ کا ہاتھ اگنیشن کی پر پہنچ گیا۔

"اوہ!" میرے منہ سے نکلا اور میرے رگ

...نس دور کیا۔ شبانہ میرے دل کو پھر اسی طرح بھائی یہاں بھی میرے لئے انبساط کا پہلو موجود تھا۔ ...ی مسکراہٹ کے ساتھ گویا انگڑائی لی اور پھر بولی ...نے گیئر بدلا اور بڑے سبک طریقے سے گاڑی ...ی۔

ساتھ تو یہ سفر بہت ہی خوشگوار ہو جائے گا۔" میں نے ڈرائیونگ سیٹ تو تم مجھے ہی سنبھال لینے دو!"

...سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

...گلی کا راستہ جانتی ہو؟"

...نتھیا گلی گئی ہیں؟"

...تفاق ہو گا۔"

...مرتبہ گئی ہوں۔ مری سے نتھیا گلی تک کا یہ سارا علاقہ ...شاید یہ دعویٰ بھی کچھ زیادہ غلط نہیں ہو گا کہ میں یہاں واقف ہوں۔ میں ان راستوں پر آنکھیں بند کر کے ...ہوں۔"

...ایسا غضب نہ کرنا!" میں نے جیسے گھبرا کر کہا۔ ...مجھے اپنی زندگی سے بہت پیار ہو گیا ہے۔" ...بڑی سنجیدگی سے بولی: "آپ کی یہ باتیں مجھے بڑی ...لگی ہیں۔"

...غیر فطری کے جھگڑے میں الجھتی ہی کیوں ہو! یہ ...والی بحث ہے۔ کیا تمہیں اس خیال سے ...نہیں ہوتا کہ ایک عورت تمہیں ٹوٹ کر چاہتی ہے، ...تمہیں پیار کرتی ہے، اپنے جذبوں کی تمام تر شدت ...محبت کرتی ہے۔"

...شبانہ کے لہجے میں زہر گھل رہا تھا۔ "جنسی آسودگی ...بھی؟"

...ماورائے جنس سے ماورا نہیں ہو سکتا۔ یہ محبت عورت ...سے مرد کو، عورت سے مرد کو ہو یا مرد کو عورت ...ضرور کارفرما ہوتی ہے۔"

...فرائڈ کو بہت پڑھا ہے۔ وہ آپ کے ذہن پر

...! اس کو نہیں بلکہ ان سب لوگوں کو بھی پڑھا ہے ...ہیں لیکن میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، اس پر کسی کی چھاپ ...کیا وجہ ہے کہ بہن کو بھائی سے یا بیٹے کو ماں سے ...ہوتی ہے؟ محض اس لئے کہ بچپن ہی سے اُن کے ...ن کی تقدیس رچ بس جاتی ہے اور وہ اس بات ...سمجھتے ہیں کہ ان رشتوں میں جنسی آسودگی کا ...ں اس دلیل سے تم سمجھ ہی سکتی ہو کہ میں فرائڈ کے نظریات پر ایمان ...یں رکھتی لیکن شبانہ ان لوگوں کی محبت میں بھی دبی دبی سی خوفزدہ جنسی خواہشات کو تلاش کر لیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ ایک لاطائل بحث ہے۔" شبانہ نے اکتا کر کہا۔

مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا: "اس موضوع پر مجھ سے بحث کرنے والے عموماً اسی جملے میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اوہ! ذرا آہستہ گاڑی چلاؤ!"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں خوب جانتی ہوں کہ مجھے کہاں آہستہ چلنا چاہیے اور کہاں پر میں تیز چل سکتی ہوں۔" شبانہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔

میں اپنا پرس کھول کر سگریٹ نکالنے لگی کہ شاید اسی طرح سردی کا کچھ مداوا ہو جاتا۔ جب میں نے سگریٹ نکال کر ہونٹوں سے لگائی تو شبانہ جلدی سے بولی: "یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟"

"تمہیں دھواں کچھ ناگوار گزرتا ہے؟"

"ناگوار تو نہیں گزرتا لیکن دھوئیں سے کار کی فضا گھٹ کر رہ جائے گی۔ سارے شیشے بند ہیں۔ اگر ایک آدھ کھڑکی کھولی گئی تو سردی ....."

"اوہ!" میں نے ایک طویل سانس لے کر سگریٹ ہونٹوں سے نکالی اور پیکٹ میں رکھنے کی بجائے پرس ہی میں ڈال لی۔

کار، مری کی بل کھاتی ہوئی سڑکوں پر رواں دواں تھی۔ کچھ دیر بعد شبانہ بولی: "اب ہم مری کی حدود سے نکل چکے ہیں۔ یہ دریا گلی کا علاقہ ہے۔"

"تمہیں یہاں کے سارے علاقوں کے نام معلوم ہیں؟"

"ہاں۔" شبانہ نے جواب دیا۔ "دریا گلی کے بعد سوار گلی ہے۔ اس کے بعد خیرا گلی آئے گا۔ پھر چھانگلہ گلی، کوزہ گلی، گھوڑا گلی، اس کے آگے کنڈلا، پھر ڈونگا گلی پھر نتھیا گلی۔"

"میرے خدا! یہاں گلیاں ہی گلیاں ہیں۔ آخر گلی سے مراد کیا ہے؟"

"یہ مقامی زبان کا لفظ ہے۔ پنجابی زبان میں جسے پنڈ اور اردو میں جسے گاؤں کہتے ہیں، اُسی کو یہاں گلی کہا جاتا ہے۔"

"چلو، تمہارا ساتھ ہونے سے میرے علم میں اتنا اضافہ تو ہوا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے تمہاری بتائی ہوئی ترتیب بھی یاد رہے گی۔ ذرا اسے ایک بار پھر دہرا دو!"

"دریا گلی، سوار گلی، خیرا گلی، چھانگلہ گلی، کوزہ گلی، گھوڑا گلی، کنڈلا، ڈونگا گلی، نتھیا گلی۔" شبانہ نے دُہرایا۔

اب مجھے شبانہ کی اس بات پر مکمل یقین آ چکا تھا کہ وہ اس علاقے کے چپے چپے میں خوب گھوم چکی ہے۔ گو کہ میں اس کی بتائی ہوئی ترتیب کی تصدیق کرنے سے قاصر تھی لیکن شبانہ کا لہجہ اس کی سچائی کا گواہ تھا۔ ممکن ہے اُس سے ایک آدھ جگہ غلطی بھی ہو گئی ہو لیکن ایک آدھ غلطی

...نہیں پڑتا تھا۔

کچھ دیر بعد شبانہ نے کہا: "اب ہم دیا گلی سے بھی گزر چکے ہیں۔"

میں سر ہلا کر رہ گئی۔ دراصل اب میری خواہش تھی کہ شبانہ سے زیادہ باتیں نہ کروں تاکہ وہ پوری طرح ڈرائیونگ ہی کی طرف متوجہ رہے۔ جو لوگ مری سے نتھیا گلی تک سفر کر چکے ہوں، وہ میرے احساسات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ یہ راستے اتنے خطرناک ہیں کہ کار پر چلنے والے عام لوگوں کی تو سانسیں رکنے لگتی ہیں۔ ایک جانب بلند و بالا پہاڑ اور دوسری جانب میلوں گہری وادیاں جو دن میں سبزے سے ڈھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سڑک اتنی چوڑی نہیں ہے کہ تین گاڑیاں برابر برابر چل سکیں۔ اگر سامنے سے کوئی گاڑی آ جائے تو کسی ایک گاڑی کو اس حد تک اپنی سائڈ میں ہونا پڑتا ہے کہ اگر پل بھر کے لئے بھی اسٹیرنگ پر ہاتھ بہک جائے تو گاڑی میلوں گہرے نشیب میں لڑھکتی چلی جاتی ہے۔

موڑ بھی بہت تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہیں اور پہاڑوں پر چکر کھاتی ہوئی یہ سڑک بتدریج بلند ہوتی چلی جاتی ہے۔ "یوٹرن" بے شمار ہیں اور انتہائی خطرناک ہیں۔ ایسے ہر موڑ پر متنبہ کرنے والے الفاظ ضرور لکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

"آپ اچانک خاموش کیوں ہو گئیں!" شبانہ بولی۔

"خاموشی ہی بہتر ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "ان خطرناک راستوں پر زیادہ گفتگو نہیں کرنا چاہیے۔"

"آپ بہت خائف معلوم ہوتی ہیں۔"

"میں نے کہا نا کہ تمہاری رفاقت کے باعث زندگی کچھ زیادہ ہی پیاری معلوم ہونے لگی ہے۔ دیکھو! موڑ آ رہا ہے۔"

کار کی ہیڈ لائٹس اس چٹان پر پڑ رہی تھیں جس پر موٹے موٹے حروف میں لکھا ہوا تھا "ہارن دے کر موڑیے"۔ اس عبارت کے ساتھ ہی یوٹرن کا نشان بنا ہوا تھا۔

شبانہ نے رفتار میں کچھ کمی کرتے ہوئے ہارن دیا۔ جب بھی وہ کسی موڑ پر ہارن بجاتی تھی تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میلوں گہری دلویاں چیخ اٹھی ہوں۔ سناٹے میں ہارن کی آواز بہت دور تک پھیلتی تھی اور بہت خوفناک محسوس ہوتی تھی۔

جواب میں کوئی ہارن نہیں سنائی دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دوسری طرف سے کوئی گاڑی نہیں آ رہی تھی۔ ان راستوں پر عموماً رات کو سفر نہیں کیا جاتا۔

موڑ مڑتے ہی میں نے محسوس کیا کہ یہ چڑھائی کچھ زیادہ ہی واضح قسم کی تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کار بلندی کی طرف جا رہی تھی۔

دفعتاً میں چونک پڑی۔ میری نظریں اس وقت نشیب کی طرف تھیں۔ اسی نشیب میں وہ سڑک تھی جس پر چل کر ہماری کار ایک موڑ مڑنے کے بعد اس بلندی پر آئی تھی۔ اُس سڑک پر مجھے ایک کار کی ہیڈ لائٹس نظر آئی تھیں۔

"مائی گاڈ!" میرے منہ سے نکلا۔ "یہ تو ...

ہے۔"

"اوہ!" شبانہ کے لہجے میں تشویش تھی ...

ہم سے غیر متعلق لوگ ہوں۔"

"اتنی رات کو یہ سفر کون کر سکتا ہے!"

"ہم جو کر رہے ہیں۔"

"ہمیں تو ایک اہم کام درپیش ہے ...

"ان لوگوں کو بھی کوئی اتنا ہی اہم کام ...

شبانہ کی بات کو قطعی بے وزن ...

میری چھٹی حس مجھے آنے والے خطرے سے آگاہ ...

اب وہ کار ٹھیک ہمارے پیچھے ...

وہ اسی موڑ سے مڑتی جہاں سے ہم مڑ کر ...

پیچھے آ جاتی لیکن وہ وقت آنے سے پہلے ...

مڑ چکی تھی۔ اب میں اس کار کی ہیڈ لائٹس ...

میرے دل نے اب تیزی سے ...

سامنے پھیلے ہوئے اندھیرے میں نظر جمائے ...

کار میں ذوکس ہوا تو میں اس سے کس طرح نپٹ ...

"ذرا تیز چلو شبانہ!" میں مضطربانہ انداز ...

"تھوڑی دیر پہلے تو آپ کہہ رہی تھیں کہ ...

ہو گیا ہے۔" شبانہ کے لہجے میں طنز کی کوئی ...

"ہاں!" میں نے پہلو بدل کر کہا۔ "لیکن ...

چکی ہے۔"

"کچھ بھی ہو، رفتار نہیں بڑھائی جا سکتی ... میں ایک لمحے کے لئے بھی سست رفتاری ... اس بات کا خیال ضرور رکھنا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے کا مطلب یقینی موت ہو گا۔ اس ... میل فی گھنٹے کی رفتار سے چل رہی ہے اور اس ... ہو سکتی ہے۔"

میں بے بسی سے ہونٹ بھینچ کر رہ گئی ...

ان راستوں پر تو بعض اوقات صرف آٹھ میل ... نہیں کیا جا سکتا۔

میں نچلا ہونٹ کاٹتی ہوئی بولی: "اگر میں ... لوگوں کے چہرے دیکھ لیتی تو یہ بات طے پا جاتی ... میں سے ہیں یا تمہارے خیال کے مطابق غیر متعلق ... "اس کار کے اندر روشنی تو شاید تھی!"

"لیکن اتنی بلندی سے اُن کے چہرے ...

"میرا خیال ہے کہ دوربین سے تو کام چل ...

... کہاں سے آئی!" میں خواہ مخواہ جھنجھلا سی گئی۔

... میری کٹ رکھی ہوئی ہے۔ اس میں دوربین بھی ہے۔" ... خوش ہو کر کہا۔ "لیکن پہلے، میرا مطلب ہے اس کی ... تھا۔"

"... میں یہ بات ہی نہیں تھی کہ ان لوگوں کے چہرے ... تصدیق کی جا سکتی ہے۔" شبانہ نے کہا۔ "خیر! اس قسم ... مڑتے ہی کہ وہ کار نشیب میں سامنے سے آتی ... ہم بلندی پر ہوں گے۔"

... ہی ہو۔" میں نے کہا اور اٹھ کر پچھلی سیٹ سے ... کر میں نے اندر ہاتھ ڈالا اور دوربین نکال لی۔ ... علاوہ ایک کیمرا ورنہ جانے کیا کیا الا بلا بھری ہوئی ... میں نے کٹ پھر پچھلی سیٹ پر ڈال دی۔ اس سنسنی خیز ... ماحول میں ایسا تناؤ پیدا کر دیا تھا کہ ٹھنڈک کے ... ی تھی۔

... کہ آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔" شبانہ بولی۔ ... غلط لوگ ہوں گے۔ آخر آپ کے دشمنوں کو آپ کی ... ہے؟ ہوٹل سے پوسٹ آفس تک کسی ... کیا اور آپ بھی عقبی دروازے سے نکل کر آئی ...

... تم درست کہہ رہی ہو لیکن میں اس معاملے میں غفلت ... بہت عیار شخص ہے۔ وہ کسی نامعلوم ذریعے سے ... حاصل کر سکتا ہے۔" میں متفکرانہ انداز میں سامنے ...

... اس بحث کو آگے نہیں بڑھایا اور خاموشی سے ... پریشان تو اُس کے چہرے سے بھی ظاہر ہونے ... سے براہِ راست تشویش نہیں تھی لہٰذا اس کی پریشانی ... مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو گا۔

... بعد ایک ایسا یوٹرن آیا کہ وہی صورتحال پیدا ... تھا۔ میں نے جلدی سے دوربین آنکھوں سے ... نشیب میں اس سڑک کی طرف دیکھنے لگی ... اوپر آئی تھی۔ جلد ہی مجھے اس کار کی ہیڈ لائٹس ... پیچھے آ رہی تھی۔ ابھی وہ ہماری کار کے عین نیچے ... کی وجہ سے مجھے اُن دونوں آدمیوں کے چہرے ... پر بیٹھے ہوئے تھے یکبارگی مجھے یوں محسوس ... دل ایک دم دھڑکنیں فراموش کر دی ہوں کیونکہ ... پر بیٹھا ہوا شخص ذوکس کے علاوہ کوئی اور ...

"شبانہ!" ... بولی۔

"ہوں!" میں نے دوربین آنکھوں سے ہٹا کر ایک طویل سانس لی۔

"کیا یہ وہی لوگ ہیں؟" شبانہ کا اضطراب ظاہر ہونے لگا۔

"ہاں!" میں نے آہستہ سے کہا۔ "وہی لوگ ہیں۔"

"جہنمی۔" شبانہ کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب!" میں چونک کر بولی۔

"ظاہر ہے کہ وہ شیطان ہی ہوں گے ورنہ انہیں آپ کی روانگی کا علم کیسے ہو سکتا تھا؟"

"ہوں!" میں نے ایک بار پھر دوربین آنکھوں سے لگائی اور ذوکس کی کار کی طرف دیکھنے لگی جو اب ہماری کار کے عین نیچے آنے والی تھی۔

ذوکس کے برابر میں بیٹھا ہوا آدمی اوپر ہماری کار کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"لیکن اب کیا ہو گا!" شبانہ پُرتشویش لہجے میں بولی۔

فوری طور پر میں اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتی تھی اس لئے خاموش ہی رہی۔ ذوکس کی کار اب نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی لیکن اس کے اوجھل ہونے یا نظروں میں رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اصل بات صرف یہ تھی کہ ایک عیار شخص ایک خطرہ بن کر میرے تعاقب میں تھا لیکن اس خطرے کی اہمیت میری نظر میں صرف اس لئے تھی کہ میرا مشن ناکام نہ ہو جائے۔ موت سے تو میں کبھی بھی نہیں ڈری لیکن اس وقت محض اس لئے پریشان تھی کہ اگر میں صدرِ مملکت کو وہ اطلاع نہ دے سکی تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

سطح زمین سے ہزاروں فٹ کی بلندی پر ایک خوفناک ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا اور اس ڈرامے کے انجام کی خبر کسی کو بھی نہیں تھی۔ پہاڑوں میں چکراتی ہوئی دو کاریں، بلند سے بلند تر ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ ایک کار میں صرف دو عورتیں تھیں اور دوسری کار میں چار مرد! میں نے اس کار کی پچھلی نشست پر بھی دو آدمیوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ دونوں مقامی ہی تھے لیکن ذوکس کے برابر میں بیٹھا ہوا شخص غیر ملکی تھا۔

میں اپنے ذہن پر دباؤ بڑھاتی چلی گئی۔ میں کوئی ایسی تدبیر سوچنا چاہتی تھی کہ جلد از جلد اس خطرے سے چھٹکارا حاصل کر لوں۔

مجھے اس بات نے بڑی تقویت پہنچائی تھی کہ شبانہ ایک دلیر لڑکی تھی۔ اگر وہ اس صورتِ حال سے خوفزدہ ہو جاتی تو اس کے لئے ڈرائیونگ کرنا دوبھر ہو جاتا۔ اگر اس کے ہاتھ کانپنے لگتے تو عین ممکن تھا کہ گاڑی کسی حادثے سے دوچار ہو جاتی۔ وہ اس صورتِ حال سے پریشان تو ضرور تھی لیکن خائف ہرگز نہیں تھی۔

دفعتاً میں نے اس سے کہا: "اب مجھے پھر ویسی ہی پوزیشن کا انتظار ہے کہ دشمن کی گاڑی نشیب میں سامنے سے آتی نظر آئے۔"

"کیوں! اب کیا کرنا ہے؟"

...ان دونوں کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔"
"کیسے؟" شبانہ چونک کر بولی۔
"یہ اسی وقت دیکھنا۔"
"آپ قتل کریں گی!" شبانہ کے لہجے میں پہلی مرتبہ دہشت کی ایک ہلکی سی لہر محسوس ہوئی۔
"ہاں!" میں نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ "ایک اجتماعی بھلائی، ایک بلند مقصد کے لئے ملک دشمنوں کو ہلاک کرنا کوئی بری بات نہیں ہے۔"
شبانہ کچھ نہیں بولی۔ آگے ایک موڑ تھا۔ شبانہ نے ہارن دے کر کار موڑ لی۔ کچھ دیر بعد وادی پیچھے رہ گئی۔ اب سڑک کی دونوں جانب بلند و بالا پہاڑ تھے۔ شبانہ نے کار کی رفتار میں بڑی تیزی سے اضافہ کیا کیونکہ اس راستے پر دشمن بھی تیز رفتاری کا مظاہرہ کر کے درمیانی فاصلے کو کم کر سکتا تھا۔ کوئی پانچ منٹ بعد ایک بستی کے آثار نظر آتے سڑک کے دائیں بائیں چند دکانیں دکھائی دیں جو بند پڑی تھیں۔
"یہ شاید خیرا گلی ہے!" میں بولی۔
شبانہ نے جواب دینے کی بجائے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ وہ کار کو اس وقت انتہائی رفتار سے دوڑانے کی کوشش کر رہی تھی اس لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی تمام توجہ اسٹیئرنگ اور سڑک پر رکھے۔ جلد ہی ہماری کار پھر اپنی خطرناک، پُرپیچ راستوں پر پہنچ گئی جہاں زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اب تک ہم غالباً ایک تہائی سفر طے کر چکے تھے۔
"میرا خیال ہے کہ اس قسم کی سچویشن عنقریب آنے والی ہے۔" شبانہ بولی۔
"میں بڑی بے چینی سے اس کی منتظر ہوں۔"
"میں نے کبھی کسی کو قتل ہوتے نہیں دیکھا۔" شبانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"آج دیکھ لینا۔" میرا خیال ہے کہ میرے لہجے میں بلا کی سفاکی تھی۔
آخر وہ موڑ آ ہی گیا جس کا مجھے انتظار تھا۔ کار مڑ کر اسی رُخ پر چل پڑی جدھر سے ہم آتے تھے۔ میں نے دوربین آنکھوں سے لگالی اور نشیب میں سڑک کی طرف دیکھنے لگی۔ فوکس کی گاڑی آتی نظر آ رہی تھی۔
"کار روک دو شبانہ!" ادھر میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور ادھر شبانہ کا پیر بریک پر پہنچ گیا۔ کار ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ رک گئی اور شبانہ استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی، لیکن مجھے اتنی مہلت حاصل نہیں تھی کہ اس کی نظروں کے سوال کا جواب دیتی۔ میں نے جو کچھ کرنے کے بارے میں سوچا تھا، وہ برق سُرعت کا متقاضی تھا۔ میں دروازہ کھول کر تیزی سے نیچے اتری تو ٹھنڈک کی ناقابل برداشت سی لہروں نے مجھ پر یلغار کر دی۔ میں ساری جان سے کپکپا گئی۔ ہوا نے مجھے تھپیڑے لگانا شروع کر دیئے تھے لیکن میں اُسے نظر انداز

...ی ہوئی سڑک کے کنارے پہنچ گئی۔
سڑک کے کنارے چھوٹے بڑے پ...
ان میں سے بعض اتنے بڑے تھے کہ انہیں چٹان...
قسم کے پتھر پہاڑوں ہی سے ٹوٹ ٹوٹ کر سڑ...
انہیں راستے سے ہٹا کر کنارے کر دیا جاتا ہے...
میں نے ایک ایسے پتھر کا انتخاب کیا...
سکتا تھا، تاہم وہ خاصا بڑا تھا۔ اُسے اس کی جگہ سے...
مجھے پوری قوت استعمال کرنی پڑی۔ شاید پہ...
میں اتنی مشقت کبھی نہیں کی تھی۔ مجھے اس پتھر کو...
پڑا تھا لیکن میں اتنا ہی کر کے ہانپ گئی تھی۔ پتھر...
کنارے سے جا لگا تھا اور اب اسے نشیب کی...
لئے بہت معمولی طاقت صرف کرنے کی ضرور...
میں نے فوکس کی کار کی طرف دیکھا ج...
کی رفتار سے بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ میں نے زمیں...
کو اس پتھر کی آڑ میں اس طرح چھپا لیا تھا کہ نیچے...
مجھ پر نہیں پڑ سکتی تھی۔
شبانہ اس دوران میں کار سے نہیں اتری...
سے میری حرکات و سکنات دیکھتی رہی ہو گی۔...
کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ میں نے یکدم مڑ کر...
شبانہ کار سے اترنے والی تھی۔ میں جلدی سے...
تم کار سے نہ اترو!"
پھر وہ کار سے اُتری تھی یا نہیں؟ اس کا...
نہیں ہو سکا کیونکہ مجھے فوکس کی کار کی طرف متو...
بالکل قریب آ چکی تھی۔ میرے دونوں ہاتھ پتھر پ...
نے یکلخت اپنی پوری طاقت صرف کر کے ا...
پتھر کے نیچے گرنے سے گڑگڑاہٹ...
سڑک پر ایک دھماکہ سا ہوا۔ میرے اندازے...
کی کار کے ونڈ اسکرین یا چھت پر گرنا چاہئے تھا...
کہ اگر وہ ونڈ اسکرین پر گرا تو اگلی نشست پ...
آدمی ہلاک نہ بھی ہوتے تو بری طرح زخمی ہو...
ممکن تھا کہ اسٹیرنگ وہیل بھی ٹوٹ جاتا اور ا...
کا شکار ہو جاتی لیکن اگر وہ پتھر اس کی چھت پر گرتا...
کچھ ایسے ہی ہوتے جن سے میرے مقصد کو تق...
لیکن یہ سب تو خیالوں کی باتیں تھیں۔...
منہ پر بڑا بھرپور طمانچہ مارا تھا۔ جب میں نے جھا...
چلا کہ پتھر جب سڑک پر گرا تھا تو فوکس کی کار آ...
نکل چکی تھی۔ اپنی اس ناکامی پر میں تلملا کر رہ گئی۔ میں...
دوڑ کر شبانہ کی کار کے قریب پہنچی، تیزی سے...

"جلدی کرو!" میں نے کہا۔
...نہ: ذرا کار کو حرکت میں لے آئی اور بولی "یہ کیا ہوا؟"
...ہتوں کے ستارے اچھے ہیں۔" میں نے دانت پیس کر
...چ گئے۔"
..."شبانہ کے منہ سے اتنا ہی نکل کر رہ گیا۔ اس نے کسی قسم
...احتراز کیا تھا، ممکن ہے، اس کی سمجھ میں ہی نہ آ سکا
تبصرہ کرنا چاہیے۔
...راستہ کچھ بہتر تھا۔ میں نے دیکھا کہ کار کے اسپیڈومیٹر کی سوئی
...کے ہندسے پر لرز رہی تھی۔ ویسے عام حالات میں یہاں
...سے زیادہ کی رفتار سے ڈرائیونگ نہیں کی جاتی ہو گی۔
...ب آیا تو شبانہ کو رفتار کم کرنا پڑی۔ میں نے سر گھما کر پیچھے دیکھا۔
...لمسی نظر آ رہی تھی۔ اس روشنی کا مطلب یہ تھا کہ فوکس کی
...چل بھی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ نظروں کے سامنے
...پنی کار کو موڑ چکی تھی۔
...پلا ہونٹ دانتوں سے کاٹنے لگی۔ مجھے اپنے ہی اوپر
...سے غصہ آ رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اپنے اندازے کو
...ہی تھی۔ اگر میرا اندازہ غلط نہ ہوتا تو فوکس کی کار تباہ ہو چکی ہوتی۔
...اس کا ایک ضرر رساں پہلو یہ بھی تھا کہ فوکس کی کار کو جانے
...کا موقع مل گیا تھا۔ درمیانی فاصلے میں خاصی کمی ہو گئی تھی۔
...ادر شبانہ اس طرح خاموش ہو گئے تھے جیسے کسی بہت
...ن سے دوچار ہونے کے بعد اس کا سوگ منا رہے

...نے اپنا پرس کھول کر اُس کے اندر ہاتھ ڈال دیا تھا اور
...لستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ چونکہ فوکس کی کار سے
...جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اس لئے اب کسی وقت بھی
...مت پیش آ سکتی تھی۔ جس وقت میں نے فوکس کی
...نے کے لئے پتھر نیچے لڑھکایا تھا، اس وقت ریوالور
...جا سکتا تھا لیکن میں دراصل اس کے استعمال سے
...تی۔ اگر میں فائر کرتی تو جواباً ادھر سے بھی فائرنگ شروع
...مرنے یا زخمی ہونے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔
...ا سلامت نتھیا گلی پہنچنا تھا۔ اس فرض سے سبکدوش
...مجھے کسی بھی قسم کا خطرہ مول لیتے ہوئے ہچکچاہٹ

...بعد ہم چھانگلہ گلی سے گزر رہے تھے۔
...! شبانہ بڑبڑائی۔
...میں نے چونک کر پوچھا۔
...دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

جیسے وہ پھر بہت پیچھے رہ گئی ہو۔"
"ہوں۔" میں نے سر ہلایا۔
"اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ اس کا ڈرائیور مہارت سے ڈرائیونگ نہیں کرتا تو یہ سوال پیدا ہو گا کہ ابتدا میں ہمارا درمیانی فاصلہ یکساں کیوں تھا؟ وہ تو بڑھتا چلا جانا چاہیے تھا، جیسے اس وقت بڑھا ہے۔"
"تم بہت دُور کی کوڑی لاتی ہو!" میں نے پُرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھا۔
"کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ وہ لوگ ہمارے قریب آنا ہی نہیں چاہتے!"
"لیکن قریب آئے بغیر وہ مجھے نتھیا گلی پہنچنے سے کس طرح روک سکتے ہیں؟" میں نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔ اس عجیب و غریب بات نے مجھے بُری طرح الجھا دیا تھا۔
"ممکن ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔" شبانہ بولی۔
"کیا مطلب!"
"وہ آپ کو روکنا نہ چاہتے ہوں۔"
"پھر کیا میری محبت میں پیچھے پیچھے دوڑے چلے آ رہے ہیں!" میں نے منہ بنا کر کہا۔
شبانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے پاس میری بات کا کوئی جواب تھا ہی نہیں لیکن میں بھی اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتی تھی کہ درمیانی فاصلہ کیوں بڑھ گیا؟ شبانہ کی دلیل بڑی مضبوط تھی۔ اس کی روشنی میں اس کے سوا کچھ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ فوکس نے درمیانی فاصلے کو جان بوجھ کر بڑھایا ہے۔ وہ کسی وجہ سے قریب نہیں آنا چاہتا تھا۔ میں غور کرتی رہی کہ وہ وجہ کیا ہو سکتی ہے لیکن کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکی۔ یہ تو میں پہلے ہی جانتی تھی کہ فوکس بلا کا شاطر تھا اور اب اس کی چالاکی ایک بار پھر ثابت ہو رہی تھی۔ وہ کسی ایسی اسکیم پر عمل کر رہا تھا جو شاید میرے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی تھی۔
جب میری سمجھ میں کچھ نہ آ سکا تو میں فوکس پر تاؤ کھانے لگی۔ اس کمبخت کی وجہ سے اس سفر کا جمالیاتی پہلو بُری طرح غارت ہو گیا تھا۔ شبانہ کی رفاقت سے میں ذرا بھی لطف اندوز نہیں ہو سکی تھی۔
کچھ دیر بعد ایک "ایل ٹرن" آیا۔ ہماری کار کوئی پانچ منٹ تک اس راستے پر چلتی رہی۔ اس کے بعد ایک معمولی سا گھماؤ تھا۔ وہاں میں نے پلٹ کر دیکھا تو گزشتہ سے پیوستہ موڑ پر فوکس کی کار کی ہیڈلائٹس چمک رہی تھیں۔ میرے اندازے کے مطابق یہ فاصلہ اتنا ہی تھا جتنا پتھر گرانے سے قبل تھا۔
پندرہ منٹ بعد ایک اسی قسم کا یُو ٹرن آیا کہ میں نشیب میں فوکس کی کار کو آتے ہوئے دیکھ سکتی تھی۔ غالباً اب ہمارا درمیانی فاص...

اس کا جنگل میں کچھ دیر پہلے ایل ٹرن پر دیکھ چکی تھی۔ اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ فوکس نے درمیانی فاصلے کو جان بوجھ کر بڑھایا تھا۔ اگر ڈرائیونگ میں مہارت کی کمی کے باعث ایسا ہوا ہوتا تو اب اس فاصلے کو اور بڑھ جانا چاہیے تھا۔

"میرے خدا! آخر یہ کیا کرنا چاہتا ہے!" میں بڑبڑائی۔

شبانہ خاموشی سے ڈرائیونگ کرتی رہی۔ اس کے چہرے پر فکر و تشویش کے آثار بدستور موجود تھے۔ اِدھر میرے اعصاب میں بڑا شدید تناؤ پیدا ہو گیا تھا کیونکہ یہ صورتِ حال بڑی ہی الجھی ہوئی تھی۔ مجھے یہ احساس تو تھا کہ دشمن کوئی چال چل رہا ہے لیکن اس چال کی نوعیت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میری اس بے بسی کی مثال ایسی تھی جیسے کوئی اندھا شخص سڑک پر چلتے چلتے اچانک کسی تیز رفتار گاڑی کی آواز سن کر اندازہ لگا لے کہ وہ اسے کچلنے کے لئے سر پر پہنچ چکی ہے لیکن اس کی سمجھ میں یہ نہ آ سکے کہ وہ کس طرف ہٹ کر اس گاڑی کی زد سے بچ سکتا ہے۔

جب ہماری کار گوزہ گلی سے بھی گزر گئی تو بہت دیر بعد شبانہ نے اپنے ہونٹوں پر پڑا ہوا قفلِ سکوت توڑا۔ "اب صبح ہونے والی ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کے دشمنوں کو اسی کا انتظار ہو۔ شاید وہ کوئی ایسا قدم اٹھانا چاہتے ہوں جو رات کے اندھیرے میں نہیں اٹھایا جا سکتا، یا یہ کہ اندھیرے کی وجہ سے اس اقدام کی کامیابی مشکوک ہو۔"

شبانہ کے بیان کردہ اس نکتے نے مجھے چونکا دیا۔ بات ایسی نہیں تھی کہ سمجھ میں نہ آ سکے لیکن یہ الجھن بدستور قائم رہی کہ دن کی روشنی میں ایسا کیا قدم اٹھایا جا سکتا ہے جو رات کے اندھیرے میں نہیں اٹھایا جا سکتا۔

بہرحال اب ضرورت اس امر کی تھی کہ پہلے سے بھی چوکنا رہا جائے۔ میں نے ریوالور پرس سے نکال کر گود میں رکھ لیا اور محسوس کیا کہ شبانہ نے کنکھیوں سے ریوالور کی طرف دیکھا تھا۔ غالباً اس نے یہ بھی سوچا ہو گا کہ میں ریوالور کے زور پر تنِ تنہا ان لوگوں سے کب تک نمٹ سکوں گی۔ ادھر میرے ذہن میں اب صرف ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔ دن کی روشنی میں وہ لوگ کیا کر سکتے ہیں؟ دن کی روشنی میں وہ لوگ کیا کریں گے؟ دن کی روشنی میں .....؟ میرے ذہن پر جیسے پتھر برس رہے تھے اور میں بار بار مڑ کر پیچھے دیکھ رہی تھی کہ فوکس کی کار قریب تو نہیں آ گئی؟

اب اتنا اجالا ہو گیا تھا کہ دائیں جانب کی بلند و بالا چٹانوں پر کھڑے ہوئے اونچے اونچے درخت نظر آنے لگے تھے لیکن کوئی پرندہ اڑتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔ سردی ہی اتنی تھی کہ وہ اپنے اپنے گھونسلوں میں دبکے ہوئے ہوں گے۔ کوئی خوخیاتا ہوا بندر بھی اِدھر سے اُدھر اچھلتا ہوا دکھائی نہیں دے رہا تھا جبکہ دن میں یہاں بندر اور لنگور ضرور نظر آتے ہیں۔ ترائی کے جنگلوں میں تو ان کی بہتات ہے اور وہاں دوسرے جانور بھی پائے جاتے ہیں اوپر نہیں آتے۔ گیدڑ بھی کثرت سے ہیں اور رات ضرور سنائی دیتی ہیں لیکن ہم نے وہ آوازیں اس کر ہماری کار کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔

ایک ایل ٹرن آیا تو میں نے دیکھا کہ فوکس کی کار ابھی دور تھی۔

"درمیانی فاصلے میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔" میں دیکھتی ہوئی متفکرانہ انداز میں بڑبڑائی۔

"کمی تو ہو بھی نہیں سکتی۔" شبانہ نے کہا۔ "میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میں انتہائی رفتار سے ڈرائیونگ کر رہی ہوں۔ اسی رفتار سے وہ بھی چل رہے ہوں گے۔ اگر اس سے زیادہ تیز رفتاری سے چلیں گے تو مہلک حادثہ ان کا مقدر بن جائے گا۔ وہ اپنا فاصلہ بڑھا تو سکتے ہیں لیکن میں انہیں اس بات کا موقع نہیں دوں گی کہ وہ فاصلے کو کم کر سکیں۔"

"پھر تو گویا ....." میں ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑائی۔ میری الجھن شدید تر ہو چکی تھی۔ درمیانی فاصلہ کم نہ ہو تو میں تو وہ لوگ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

شبانہ نے کار کی ہیڈ لائٹس بجھا دیں کیونکہ اب ان کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اتنا اجالا پھیل چکا تھا کہ ارد گرد کا ماحول صاف نظر آنے لگا تھا۔

جب ہم گھوڑا گلی سے گزرے تو سورج کی کرنیں چوٹیوں کو چمکانے لگی تھیں۔ یہاں ہم نے اکا دکا مقامی آدمی کمبلوں میں لپٹے ہوئے، تیز تیز قدم اٹھاتے کسی طرف جاتے دیکھے۔ ہمارے سفر کا دو تہائی حصہ طے ہو چکا تھا۔ میں نے بڑے بچکانہ انداز میں سوچا کہ اگر باقی ایک تہائی حصہ بھی خیریت سے گزر جائے تو کتنا اچھا ہو!

"اوہ! یہ کیا!" شبانہ کے منہ سے نکلا اور ساتھ ہی اس کا پاؤں ایکسلریٹر سے ہٹ کر بریک پر پہنچ گیا۔

سڑک کے بیچوں بیچ، دو بڑے بڑے پتھر پڑے تھے جو شاید رات ہی میں کسی وقت پہاڑ سے لڑھک کر گرے ہوں گے۔ ان پتھروں کو ہٹائے بغیر ہماری کار آگے نہیں جا سکتی تھی اس لئے شبانہ کو گاڑی روکنا ہی پڑی۔

"تم بیٹھی رہو، میں ابھی ان کو راستے سے ہٹا دیتی ہوں۔" میں نے شبانہ سے کہا اور کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ سردی کا اب بھی وہی عالم تھا کہ آدمی کی قلفی جم جائے۔ میں ایک پتھر کو راستے سے ہٹانے کے لئے جب دوسرے پتھر کے قریب گئی تو میں چونک پڑی۔ اس پتھر پر کسی نے کچھ رکھا تھا اور اس پر ایک چھوٹا سا پتھر رکھ دیا گیا تھا۔

میں نے پتھر کو ایک طرف لڑھکاتے ہوئے وہ کاغذ اٹھا لیا۔ اس کی دونوں تہیں کھول ڈالیں۔ اس پر تحریر انگریزی میں تھی جسے دیکھ کر مجھے اپنے اعصاب پر بوجھ سا محسوس ہوا۔ وہ ایک خط تھا جو فوکس نے مجھے لکھا تھا۔ اس میں لکھا تھا:

تمہیں ایک ایسی جگہ ملے گا کہ تم حیران رہ جاؤ گی۔ اس قسم کے ڈرامائی واقعات عموماً تو کہانیوں میں ہوتے ہیں لیکن میں یہ ڈرامائی حرکت محض اس لئے کر رہا ہوں کہ تمہارا دماغ جھنجھنا اٹھے اور تم ذہنی طور پر تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں ذہنی طور پر خوابیدہ ہی نہیں چاہتا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم اپنا احمقانہ کھیل جاری رکھتیں۔ اگر کوئی شخص جذباتی ہو جاتا ہے تو میں اسے احمق ہی تصور کرتا ہوں۔ تم بھی جذباتی ہو گئی ہو اور اس جذباتیت میں تمہاری بھلائی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ تمہاری بھلائی صرف اس میں ہے کہ ہم سے تعاون کرو۔ ہم اچھے ذہنوں کی قدر کرنا جانتے ہیں۔ میں تمہیں اپنے ساتھ ملانے کے لئے آخری کوشش کر رہا ہوں۔ آخری مرتبہ اس لئے کہ اگر میری یہ کوشش ناکام ہو گئی تو تم اس دنیا میں نہیں رہو گی۔ میں یہ خط لکھ کر اپنے ایک آدمی کو دے دوں گا اور وہ اسے لے کر مری سے روانہ ہو گا۔ میں نے اسے ہدایت کر دی ہے کہ وہ تم سے آگے نکلنے کے بعد اس خط کو سڑک کے بیچ ایک پتھر پر رکھ دے اور خود کہیں چھپ کر تمہاری نگرانی کرتا رہے۔ میں اسے یہ حکم بھی دے سکتا ہوں کہ وہ تمہیں گولی مار دے لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ ملانے کے لئے آخری حد تک کوشش کروں گا۔

شبانہ کار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے چونکے ہوئے انداز میں اپنی متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پہاڑ پر نباتات بھی اور جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ ایسی جگہیں تھیں جن کی آڑ میں بہ آسانی چھپا جا سکتا تھا۔

"بانو!" شبانہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کھڑکی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ "فوکس کی کار تیزی سے بڑھتی چلی آ رہی ہو گی۔ اس کا مقصد کچھ دیر تک مجھے روکنا ہی ہو۔" میں نے آہستہ دوسرا پتھر بھی راستے سے ہٹایا اور کار کی طرف لپکی، جلدی سے دروازہ کھولا اور اندر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "تیزی سے نکل چلو!"

کار کا انجن اسٹارٹ ہی رکھا گیا تھا۔ شبانہ اسے فوراً حرکت میں لے آئی اور اس کے ساتھ ہی بولی۔ "یہ کیا پڑھ رہی ہیں آپ؟"

"ایک منٹ ٹھہرو! میں ابھی بتاتی ہوں۔" میں نے کہا اور خط کی باقی عبارت پر نظر دوڑانے لگی۔ دوسرے پیراگراف میں لکھا تھا:

میرا اندازہ ہے کہ اس خط تک تم سوا چھ اور ساڑھے چھ بجے کے درمیان پہنچو گی لہٰذا میں نے تمہاری موت کا وقت پونے سات متعین کیا ہے۔ گویا تمہارے پاس سوچنے اور فیصلہ کرنے کے لئے پندرہ منٹ ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ مہلت کچھ ایسی غیر مناسب تو نہیں ہے۔ بہتر ہو گا تم یہ وقت ختم ہونے سے پہلے اپنی کار سے اتر کر کچھ پیچھے آ جاؤ جہاں میں ایک کار میں تمہارا انتظار کروں گا۔ غالباً گھوڑا گلی پہنچنے تک تم اس بات سے واقف بھی ہو چکی ہو گی کہ تمہارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اگر تم نے میری اس پیشکش سے فائدہ نہ اٹھایا تو پونے سات بجے وہ کار ایک دھماکے سے اڑ جائے گی جس میں تم سفر کرنے والی ہو۔ میرا خیال ہے کہ پندرہ منٹ میں تم اس ٹائم بم کو تلاش کر کے ضائع نہیں کر سکتیں۔

میرے جسم میں سنسنی کی ایک شدید لہر دوڑتی چلی گئی۔ خط کی عبارت بس اتنی ہی تھی اور آخر میں فوکس کا نام لکھا ہوا تھا۔ میری نظر اپنی کلائی کی گھڑی پر گئی۔ چھ بج کر پچیس منٹ ہو رہے تھے اور اگر فوکس کی ٹائم بم والی بات درست تھی تو اس کے پھٹنے میں بیس منٹ باقی تھے۔

"کیا بات ہے بانو! آپ بتاتی کیوں نہیں!" شبانہ مضطربانہ انداز میں پہلو بدلتی ہوئی بولی۔

میں نے اسے ٹائم بم کے بارے میں بتا کر دہشت زدہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور کہا۔ "مجھے دھمکی دی گئی ہے کہ اگر میں یہیں سے واپس نہ لوٹ گئی تو میرے خلاف کوئی سخت قدم اٹھایا جائے گا۔"

"یعنی؟"

"اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔"

شبانہ کے چہرے پر تشویش کے آثار گہرے ہو گئے۔ پھر وہ بولی۔ "مگر یہ خط یہاں کیسے پہنچ گیا؟"

"شاید وہ لوگ جادوگر ہیں۔" میں جھنجھلا سی گئی۔ دراصل میں چاہتی تھی کہ شبانہ خاموش رہے۔ اگر وہ بولتی رہتی تو مجھے کچھ سوچنے کا موقع نہیں ملتا جبکہ سوچنے اور فیصلہ کرنے کے لئے صرف انیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔

"جادوگر؟" شبانہ حیرت سے بولی۔ وہ میرے جواب میں جھنجھلاہٹ کے عنصر کو محسوس نہیں کر سکی تھی۔

"پلیز شبانہ! خاموش رہو! مجھے سوچنے دو، تمہارے تمام سوالوں کے جواب میں بعد میں دوں گی۔" میں نے اپنی جھنجھلاہٹ کو دباتے ہوئے کہا۔

شبانہ نے ایک بار عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر سامنے سڑک پر دیکھنے لگی۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں فوکس کی بات کو حقیقت پر مبنی سمجھوں یا محض ایک دھمکی! ..... مجھے زیادہ امکان تو یہی معلوم ہو رہا تھا کہ اس فیصلہ کن اسٹیج پر فوکس جیسا شاطر آدمی دھمکیوں کا سہارا نہیں لے سکتا۔ میں نتھیا گلی پہنچ کر جو راز افشا کرنے والی تھی، وہ سی آئی اے کی پیشانی پر ایک بدنما داغ بن جاتا جسے عرصۂ دراز تک نہیں دھویا جا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں فوکس محض دھمکیوں کا سہارا کیسے لے لیتا؟

میں نے خط کو توڑ مروڑ کر اپنے گریبان میں ڈالا اور کار کا جائزہ لینے لگی۔ سب سے پہلے میں نے ڈیش بورڈ کے خانے کھول کھول کر دیکھے حالانکہ اتنی سامنے کی جگہ پر ٹائم بم نہیں ہو سکتا تھا۔ فوکس نے کسی مضبوطی ہی کی بنا پر یہ دعویٰ کیا ہو گا کہ میں اتنے کم وقت میں ٹائم بم تلاش نہیں کر سکتی۔

"آخر آپ کیا ڈھونڈنے لگیں!" شبانہ حیرت سے بولی۔

"عافیت۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"کیا مطلب!" وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"میں کوئی ایسی چیز ڈھونڈنا چاہتی ہوں جو اس آڑے وقت میں کام آ سکے۔"

میرا جواب اب بھی الجھا ہوا تھا اس لئے شبانہ کے چہرے سے حیرت کے آثار ختم نہیں ہو سکے۔

"ذرا مجھے وہ خط تو دکھائیے!" وہ بولی۔

"ڈرائیونگ کرتے ہوئے خط پڑھو گی تو کار نیچے جا گرے گی۔"

میرے جواب میں اتنا وزن تھا کہ شبانہ پھر کچھ نہ کہہ سکی لیکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مطمئن نہیں ہو سکی تھی۔ اسے بڑا قوی شبہ ہو گیا تھا کہ خط میں کوئی خاص بات تھی جسے میں نے چھپا لیا تھا۔

میں نے کوئی اور اوٹ پٹانگ بات کہنے سے بہتر سمجھا کہ خاموش ہو جاؤں۔ ویسے بھی سوچنے کے لئے خاموشی ضروری تھی۔ ڈیش بورڈ کے خانے دیکھنے کے بعد میں نے ٹائم بم کی تلاش ترک کر دی تھی۔ مجھے ایسا کرنا تضیع اوقات معلوم ہوا تھا۔ اگر فوکس نے دعویٰ کیا تھا کہ میں اتنے کم وقت میں ٹائم بم تلاش نہیں کر سکتی تو اس کا مطلب یہی تھا کہ میں واقعی کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

اب ساڑھے چھ بجنے میں ایک منٹ تھا
چھ بج کر اکتیس منٹ پر میں نے ایک فیصلہ
کی روشنی میں فوری طور پر شبانہ سے کار روکنے کے
از بحث تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا لیکن فوکس کی کار دکھا
شبانہ نے بھی شاید اب خاموش رہنے کی
لیکن پانچ منٹ بعد وہ بولے بغیر نہیں رہ سکی "پا
گزر رہے ہیں۔" اس نے کہا تھا۔
میں اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے
لگی۔ بظاہر یہ بڑی خوش کن بات تھی کہ ہم نتھیا گل
گئے تھے اور اب بیچ میں صرف گھوڑا گلی کا علا
لیکن یہ بات ناممکن تھی کہ یہ سارا فاصلہ نو منٹ
ایک ایل ٹرن پر میں نے دیکھا کہ فوکس کی ا
فاصلے سے ہمارے تعاقب میں لگی ہوئی تھی۔ میں
دانت پیسے اور مجھے اعتراف ہے کہ میری زر
کا منہ بولتا ثبوت تھی۔
"بانو!" شبانہ کے لہجے میں بڑی گھبر
"آں!" میں چونک کر اس کی طرف دیکھ
"خدارا بتا دیجئے کہ اس خط میں کیا لکھا تھا
میں کہیں سچ مچ حادثہ نہ کر بیٹھوں۔ میرا دھیان بار
ہوا ہے۔"
"بس پانچ منٹ اور صبر کر لو!" میں
نے کہا۔
وہ اپنے ہونٹ بھینچ کر خاموش ہو گئی
پہاڑوں پر اب دھوپ پھیلنے لگی تھی
اثرات سے محظوظ ہونے کا موقع ہی نہیں
تو کوئی بھی چیز ذہن پر خوشگوار اثرات مرتب
وادی کے اس پار دور دراز کی پہاڑ
برف اب صاف نظر آنے لگی تھی۔ ارد گرد
ہوں گے گران کی طرف توجہ دینے کی فرصت
فوکس کے بیان کے مطابق ٹائم
باقی رہ گئے تھے میرے دل کی دھڑکنیں
پر عمل درآمد کا وقت بہت قریب آ چکا تھا
کچھ ایسی تھی جیسے کوئی تار کستے کستے ٹو
ہو گیا ہو۔
سات بجنے میں اٹھارہ منٹ باقی
میں نے بڑی تیزی سے کہا۔ "گاڑی روک
میرے لہجے کی کیفیت کچھ ایسی تھی
بریک کو پوری طاقت سے دبا دیا۔ گاڑی

کی اور اس کا انجن بند ہو گیا۔
جلدی سے نیچے اتر آؤ!" میں اپنی طرف کا دروازہ کھولتی ہوئی
گاڑی میں رکھا ہوا بم اب پھٹنے ہی والا ہے۔"
"شبانہ چیخ اٹھی اور اس کے چہرے سے ایسا معلوم
کی سانسیں رک گئی ہوں لیکن دوسرے ہی پل میں اسے
وہ اتنی تیزی سے دروازہ کھول کر اتری کہ گرتے گرتے
کی طرف پہنچ چکی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے
نشیب کی طرف بڑھی۔
.... ادھر کہاں!" شبانہ ہانپتی ہوئی بولی۔
کے لئے یہاں اور کوئی جگہ نہیں ہے۔" میں نے

یہاں سے شبانہ کا دم نکلنے لگا ہو گا کہ ہمیں اس نشیب
نشیب کوئی معمولی نشیب نہیں تھا۔ ذرا سی بھی
حال تو ہم دونوں میلوں گہری وادی میں لڑھکتے چلے
پہنچنے کے بعد ہمارے جسموں کے ٹکڑے

فوکس کی کار دکھائی نہیں دے رہی تھی میرے
تک اسے دو موڑ پیچھے ہونا چاہیے تھا۔
شبانہ نے ایک جھاڑی کو پکڑا اور بہت احتیاط
طرف سے نشیب میں اتر گئے۔ یہ کوئی چار مربع
جہاں ہم دونوں نے قدم جما لئے تھے۔
اب چھ بج کر چوالیس منٹ کا اعلان کر رہی تھی۔
ایک منٹ باقی تھا لیکن وہ بم ایک منٹ پہلے
اتنا زوردار تھا کہ پہاڑ سے کئی پتھر لڑھکتے
اس کے کچھ ٹکڑے اڑ کر نشیب میں بکھر گئے
کار کا ڈھانچہ اچھل کر سڑک کے کنارے تک
نشیب میں اتر گیا۔ کار نشیب کی طرف

سامنے کھڑی ہوئی تھیں۔ شبانہ کا چہرہ سفید
پر تھیں جو شعلوں میں گھری ہوئی تھی اور
طرف جھکتی ہی چلی جا رہی تھی۔
اس خیال سے سنسنا رہا تھا کہ بم وقت
تھا۔ اس کا صریح مطلب یہ تھا کہ میری اور
منٹ کا فرق تھا۔ اگر یہی فرق تین چار
میرے اور شبانہ کے جسموں کی کیا حالت

جلتا ہوا ڈھانچہ نشیب کی طرف جھکتے
اور لڑھکتا ہی چلا گیا۔

میں نے پچھلے موڑ کی طرف دیکھا جہاں سے فوکس کی کار سامنے آ رہی تھی۔ میں اور شبانہ ایک گھنی جھاڑی کی آڑ میں تھے اس لئے امکان نہیں تھا کہ ہمیں دیکھ لیا جاتا۔

فوکس کی کار اس جگہ سے کچھ پیچھے رکی جہاں شبانہ کی کار دھماکے سے اڑی تھی۔ فوکس اور اس کے ساتھی بڑی تیزی سے دروازے کھول کھول کر کار سے اترے تھے۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر نشیب میں اس طرف دیکھنے لگے جہاں شبانہ کی کار کا جلتا ہوا ڈھانچہ لڑھکتا چلا جا رہا تھا۔

فوکس اپنے ساتھیوں سے کچھ کہنے لگا۔ میں اس کی آواز تو نہیں سن سکی لیکن میں نے اس کے چہرے پر مایوسی کے تاثرات دیکھے۔ ان تاثرات سے اس بات کی بھی غمازی ہو رہی تھی کہ فوکس کو میری "موت" پر افسوس ہوا تھا۔

وہ لوگ چند لمحے تو متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے رہے اور پھر واپس اپنی کار میں جا بیٹھے۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور کار حرکت میں آ گئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ لوگ واپسی کا قصد کریں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کار سیدھی بڑھتی چلی گئی اور اگلے موڑ پر پہنچ کر میری آنکھوں کے پردے سے غائب ہو گئی۔

شبانہ مجھ سے چمٹی ہوئی تھی اور مجھے اس کے بدن کی لرزش کا احساس ہو رہا تھا۔ یہ لرزش اس بات کی غماز تھی کہ دھماکے نے اس کے اعصاب پر برا اثر ڈالا تھا۔ میں سردی کو اس لرزش کا سبب ماننے کے لئے تیار نہیں تھی کیونکہ اس خوفناک حادثے کے باعث دھیان کسی دوسری طرف جا ہی نہیں سکتا تھا اور جب تک ذہن کسی بات کا احساس نہ کر لے، اس وقت تک جسم پر اس کے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔

میں اس طرح شبانہ کی پیٹھ تھپکنے لگی جیسے اس کی ڈھارس بندھانا چاہتی ہوں۔ میری نظریں نشیب میں اس طرف گئیں جہاں کار کا شعلوں میں لپٹا ہوا ڈھانچہ لڑھکا تھا۔ میں نے اسے تقریباً ڈیڑھ دو میل کی گہرائی میں دیکھا۔ وہ انتہائی گہرائی میں پہنچنے سے پہلے ہی کسی سطح جگہ پر رک گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کوئی سطح جگہ نہ ہو بلکہ کوئی بہت بڑا پتھر یا درخت، رکاوٹ بن گیا ہو۔ بہرحال اب وہ مجھے ایک چھوٹا سا شعلہ نظر آ رہا تھا جس کے اوپر دھوئیں کی لکیریں چکرا رہی تھیں۔

دفعتاً مجھے نشیب میں، چھوٹے چھوٹے مکانوں کی چھتیں نظر آئیں۔ ان مکانوں کی تعداد بیس پچیس سے زیادہ نہیں تھی۔ پہاڑی لوگوں کی اس بستی کو دیکھ کر میں کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

"بانو!" شبانہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

میں چونک پڑی کیونکہ چند لمحے کے لئے میں خود کو تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔

"یہ کیا ہُوا ہے بانو!" شبانہ پھر بولی۔ "مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہوں۔"

"شبّی!" میرے لہجے میں گمبھیر سنجیدگی تھی۔ "ہم ایک بھیانک حقیقت سے دوچار ہیں۔ ہماری منزل اب اس لحاظ سے بہت دُور ہو گئی ہے کہ ہمارے پاس کوئی سواری نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی باعثِ تشویش ہے کہ میرے دشمن، وہاں سے لوٹ جانے کی بجائے آگے بڑھ گئے ہیں۔ اب اگر ہم نے پیدل ہی بڑھنا شروع کر دیا تو اس کا اندیشہ ہے کہ آگے کسی جگہ ان لوگوں سے مڈبھیڑ ہو جائے۔"

"ہوں۔" شبانہ اس طرح میری طرف دیکھنے لگی جیسے اس مسئلے کا حل میری ہی زبان سے سُننا چاہتی ہو۔

"وہ دیکھو!" میں نے نشیب میں نظر آنے والی بستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ پہاڑی لوگوں کی بستی معلوم ہوتی ہے۔"

شبانہ نے اُس طرف دیکھا اور پھر سر ہلاتی ہوئی بولی۔ "ہاں ہے تو۔"

"اور جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہ پہاڑی لوگ خچروں پر سفر کرتے ہیں۔"

"لیکن سب کے پاس خچر نہیں ہوتے۔ یہ پہاڑی لوگ بہت غریب ہیں۔"

"پوری بستی میں دو ایک کے پاس تو خچر ہوتے ہی ہوں گے!"

"یہ بات بھی یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔"

"یقین سے نہیں، مگر امکان تو ہے!"

"ہاں امکان کو تو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔"

"تو پھر میں اس امکان کا جائزہ ضرور لوں گی۔" میں نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔ "دراصل اس سڑک پر پیدل چلنا مجھے بہت مخدوش نظر آ رہا ہے اور مجھے یہ بھی شبہ ہے کہ ٹونس مطمئن نہیں ہو سکا۔"

"کیا مطلب!"

"دراصل اسے شاید آخری لمحوں میں یہ خیال آ گیا ہے کہ میں بم پھٹنے سے قبل کار سے اُتر کر کسی جگہ چھپ سکتی ہوں۔ اپنے اس خیال کی تصدیق کے لئے وہ آگے جا کر کسی جگہ رُک گیا ہو گا اور ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔"

"ہوں۔" شبانہ پریشان نظر آنے لگی۔

"لہٰذا۔" میں نے پھر پہلے ہی کے سے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔ "ہم سڑک پر آگے بڑھنے کی بجائے نشیب میں اُتر کر اس بستی تک پہنچیں گے اور وہاں سے خچر لے کر دوبارہ بلندی کی طرف بڑھیں گے۔"

"لیکن وہ لوگ اپنے خچر ہمیں کیوں دینے لگے"

"روپے کی طاقت سے سب کچھ ہو سکتا ہے تم

"ہاں ... تب تو بات بن جائے گی۔ جن ہوتے ہیں، وہ خچروں ہی کو اپنا ذریعہ آمدنی بنائے

"وہ کیسے؟"

"مثال کے طور پر، یہاں سے کچھ دُور ایک میرن جانی کہا جاتا ہے۔" شبانہ نے بتایا۔

"مجھے معلوم ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ لوگ چڑھتے ہیں۔"

"اور اس کے لئے اُنہیں خچروں کی ضرورت ضرورت، وہ مقامی لوگ پوری کرتے ہیں جن کے ہیں۔"

"بس تو پھر اگر اس بستی میں دو ایک خچر مل جائیں گے۔"

"لیکن ....." شبانہ کسی قدر خائف نظروں سے طرف دیکھنے لگی۔

"کیوں!" میں نے غور سے شبانہ کے چہرے کا جائزہ لیا اور پھر بولی۔ "شاید تم اس لئے ڈر رہی ہو خطرناک ہے۔"

"کیا یہ آپ کو خطرناک نہیں معلوم ہو رہا ہے؟"

"خطرناک تو ہے لیکن اس خطرے کو مول ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ یہ ممکن تو ہے کہ میں تمہیں یہیں دوں اور تم کسی گزرنے والی گاڑی سے لفٹ خطرہ یہ ہے کہ تم میرے دشمنوں کے ہتھے نہ چڑھ جاؤ میں پوچھ گچھ کرنے کے لیے تمہیں گھیر سکتے ہیں۔"

شبانہ بڑی بے بسی سے میرا مُنہ تکنے لگی۔ سڑک پر سناٹا چھایا ہُوا تھا۔ ابھی تک وہاں گاڑی نہیں گزری تھی۔ کار کے جلتے ہوئے ٹکڑوں کے بُجھ گئے تھے۔

"آؤ!" میں نے شبانہ کا ہاتھ دبا کر کہا۔ "اب چاہیے۔"

شبانہ کے چہرے سے خوف اور جھجک ہو رہی تھی لیکن بالآخر اس نے بھی محسوس کر لیا کہ اس چارہ کار نہیں ہے۔

نشیب کا یہ سفر بلاشبہ بڑا خطرناک تھا۔ ذرا ہمیں ہزاروں فٹ کی گہرائی میں پہنچا دیتی۔ ہم دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ نیچے اُترتے ر

... ڈالنا پڑ رہا تھا جہاں چٹانیں عمودی حالت میں تھیں۔ ... سے بھی الجھنا پڑ رہا تھا۔

... آلود نہیں تھا اس لئے دُھوپ بہت نکھری ... کی وجہ سے ٹھنڈک میں معتد بہ کمی ہو گئی تھی ... دکراچی کا انتہائی سرد موسم بھی اس ٹھنڈک ... آتا تھا۔

... بعض فاصلہ ہم نے کوئی آدھے گھنٹے میں طے ...

... پہ کو رُک جاتے! شبانہ ہانپنے لگی تھی۔ شدت سے احساس تھا کہ بڑا قیمتی وقت ... لیکن شبانہ کی حالت دیکھ کر مجھے رُکنا ہی پڑا۔ ... گھٹنوں میں مُنہ دے کر بیٹھ گئی اور میں سر اُٹھا ...

... کے مُنہ سے نکلا۔ "کچھ لوگ جائے حادثہ پر پہنچ ...

... کر گھٹنوں سے سر اٹھایا اور اُوپر دیکھنے لگی ... ایک بس کھڑی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ایبٹ آباد کی ... اُس بس کے سبھی مسافر نیچے اُتر آئے تھے اور ... مند ہو رہے تھے۔ ان کی نظریں نشیب میں اُسی طرف ... جہاں شبانہ کی کار کا ڈھانچہ ایک شعلے کی مانند ... آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے لیکن ظاہر ہے ... ہم تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ بس اُن کی حرکات و ... جوش و خروش کا اظہار ہو رہا تھا۔

شبانہ کو ایسی پوزیشن حاصل تھی کہ وہ لوگ ہمیں ... تھے۔ ویسے بھی اُن لوگوں کو اِدھر اُدھر دیکھنے کا ... اُن کی تمام تر توجہ کار کے شعلے ہی کی طرف تھی۔ وہ ... تھا کہ کوئی شخص بھی نشیب میں اُترنے کی ہمت ... وہ لوگ پھر بس میں جا بیٹھے اور بس حرکت میں آ ... کسی قریب ترین بستی تک پہنچ کر وہاں سے ... کو اِدھر بھیجتے۔

... اپنے دل میں کہا ہمیں اس امدادی پارٹی کی آمد ... بستی تک پہنچ جانا چاہیے۔ میں شبانہ کا ہاتھ پکڑتی ... اب ہمت کرو!"

... ہو گئی اور ہم نے ایک دُوسرے کا ہاتھ پکڑ کر پھر ... شروع کر دیا۔ یہ ایک ایسا سفر تھا کہ اگر ہم نے موٹے ... پہن رکھے ہوتے تو ہمارے جسم جگہ جگہ سے چھل جاتے۔ ... اور خاردار جھاڑیوں نے ہمیں نقصان پہنچانے میں ... فار کھی تھی۔

جب ہم بستی کے قریب پہنچے تو شبانہ بُری طرح نڈھال ہو چکی تھی۔ بستی کے کچھ لوگوں نے ہمیں دیکھا تو دوڑتے ہوئے قریب آ گئے وہ بڑی حیرت سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ اُن میں سے ایک نے ہم سے کچھ کہا۔ ظاہر ہے، کوئی سوال ہی کیا ہو گا لیکن وہ سوال میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ میں اُن کی زبان سمجھنے سے قاصر رہی تھی۔

شبانہ نے اپنی بوجھل سی پلکیں اُٹھا کر سوال کرنے والے کی طرف دیکھا اور پھر انہی لوگوں کی زبان میں کچھ بولنے لگی۔ مجھے اس بات سے بڑی تقویت کا احساس ہُوا کہ شبانہ ان پہاڑوں میں بولی جانے والی زبان سے اچھی طرح واقف تھی۔

دو چار باتوں کے تبادلے کے بعد شبانہ نے مجھ سے کہا۔ "میں نے ان لوگوں کو بتایا ہے کہ ہماری کار ایک حادثے کا شکار ہو گئی ہے لیکن ہم معجزانہ طور پر بالکل صاف بچ گئے ہیں۔ ان لوگوں کو میری بات پر یقین آ گیا ہے۔ ان پہاڑوں میں رہنے والے بہت سادہ لوح ہوتے ہیں۔ اب ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ وہ ہم دونوں کو اپنے گھر لے جائے اور ہماری خاطر مدارات کرے۔"

"لیکن ہم یہاں خاطر مدارات کرانے نہیں آئے ہیں۔" میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"سستانے کے لئے کچھ دیر تو رُکنا ہی ہو گا۔ پھر یہ کہ وہیں گل پاٹے کو بھی بُلا لیا جائے گا جس کے پاس دو خچر ہیں۔"

"گل پاٹے!" میں نے استعجابیہ انداز میں کہا۔ "کیا یہ کسی کا نام ہے؟"

"ہاں، اِن پہاڑی لوگوں میں عجیب عجیب نام ہوتے ہیں۔ یہ گل پاٹے، دو خچروں کا مالک ہے۔ اس بستی میں صرف اُسی کے پاس خچر ہیں۔"

"فائن!" میں نے کہا۔ "گویا تقدیر ہمارے ساتھ ہے۔"

"اب یہ بتایئے کہ ہم ان میں سے کس کے مہمان بنیں۔"

"تم جسے چاہو، منتخب کر لو!" میں نے اُن چھ آدمیوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

شبانہ ایک ادھیڑ عمر آدمی سے مخاطب ہو کر کچھ کہنے لگی۔ باقی لوگوں کے چہروں پر مایوسی چھا گئی۔ دراصل یہ غریب لوگ شہر سے آنے والوں سے یہ توقع ضرور رکھتے ہوں گے کہ انہیں اُن سے کچھ بخشش ضرور ملے گی۔

ہمیں ایک چھوٹے سے مکان میں لے جایا گیا جہاں ایک الاؤ دہکا ہُوا تھا۔ اُس کی گرمی سے وہاں کی فضا بڑی خوشگوار ہو گئی تھی۔ شبانہ تو وہاں پہنچتے ہی اس طرح ڈھیر ہو گئی جیسے اب کئی گھنٹے تک نہیں اُٹھ سکے گی۔ میں نے اپنے دستانے اُتار کر ہاتھ، الاؤ کی طرف پھیلا دیئے اور یوں محسوس کرنے لگی جیسے میری انگلیوں پر برف جمی ہوئی تھی جو گرمی سے آہستہ آہستہ پگھلنے لگی۔

اہلِ خانہ ہمیں چھوڑ کر باہر چلا گیا تھا۔

میں نارنجی شعلوں پر نظریں جمائے ہوئے اپنی اس مہم کے بارے میں سوچتی رہی تھی جس میں مجھے سخت مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ موجودہ صورتِ حال تو میرے بعید ترین اندیشوں کی زد میں بھی نہیں آتی تھی اور اسی لیے میرا اضطراب دو چند ہو گیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ خچروں پر بیٹھ کر تھیاگلی پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا۔ وقت، جو بہت قیمتی تھا۔ اُس کے ایک ایک لمحے کی قیمت کوئی مجھ سے پوچھتا! وہ میرے وطن کی تاریخ کے اہم ترین لمحات تھے اور میں انہیں ضائع ہوتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ مجھے جلد از جلد صدرِ مملکت تک پہنچنا تھا اور انہیں بھارتی یلغار کے بارے میں اطلاع دینی تھی۔ اب تو وہ یلغار ہونے میں بہت کم وقت رہ گیا تھا۔ مشکل سے بیس گھنٹے باقی تھے۔

میں ان خیالات سے اُس وقت چونکی جب شبانہ نے مجھے پکارا۔ میں نے دیکھا کہ اب اہلِ خانہ بھی وہیں موجود تھا۔ وہ ہمارے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے کر آیا تھا، گویا ناشتہ!

"اس بھاگ دوڑ میں میری بھوک تو خاصی کھل گئی ہے۔" شبانہ بولی۔

"کام کا کیا رہا؟" میں نے اُس سے پوچھا۔

"کس کام کا؟"

"تھیاگلی پہنچنے کا۔"

"اچھا وہ۔" شبانہ یہ کہہ کر اہلِ خانہ سے مخاطب ہو گئی اور دو ایک باتیں کرنے کے بعد مجھ سے بولی۔ "وہ آتا ہی ہو گا۔"

"بڑا قیمتی وقت گزرا جا رہا ہے۔" میں اپنی گھڑی پر نظر ڈالتی ہوئی بولی۔

"مجبوری ہے۔" شبانہ نے کہا۔ "کم از کم آپ کے ذہن پر یہ بوجھ تو نہیں ہو گا کہ آپ نے کوئی غفلت برتی۔ حالات کی ستم ظریفی کا مقابلہ تو کوئی نہیں کر سکتا۔"

میں سر ہلا کر رہ گئی۔ اہلِ خانہ نے شبانہ سے کچھ کہا اور باہر چلا گیا۔

"آئیے!" شبانہ نے کھانے کے تھال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "گو کہ یہ سب کچھ، شہری کھانوں سے بالکل مختلف ہو گا لیکن اس وقت یہی غنیمت ہے۔"

میرا جی تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن شبانہ کا ساتھ دینے کے خیال سے بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد اہلِ خانہ پھر اندر آیا۔ اس مرتبہ اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ میری نظریں اس کے سراپا سے الجھ کر رہ گئیں۔ وہ پہاڑی لڑکی ایسی تھی کہ بس دیکھا کیجیے! صورت شکل تو واجبی سی تھی لیکن جسم بڑے غضب کا تھا۔ وائلن کے تاروں کی طرح کسا ہوا لیکن اس کساؤ کے ساتھ ہی ساتھ شاخِ گل کی سی لچک بھی تھی۔ مجھے اپنے دل و دماغ کے آنگن میں نوشگفتہ کلیوں کی مہکار محسوس ہونے لگی۔

اہلِ خانہ اور شبانہ میں کچھ گفتگو ہونے لگی تھی لیکن
لڑکی ہی کی طرف تھا۔ وہ پچیس سال کے لگ بھگ
مجھے معلوم تھا کہ پہاڑوں پر بسنے والی جوان نسل کی عمر
نظر آتی ہے۔ تیرہ چودہ سال ہی کی عمر میں لڑکیاں بھرپور
لگتی ہیں اس لیے میرے اندازے کے مطابق اس
سترہ سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کا جسم کسی
کی طرح تھا جو ٹوٹ کر کسی کی آغوش میں گر جانا چاہتا

"شاذو۔" وہ اچانک بول پڑی۔

میں نے چونک کر دیکھا کہ وہ شبانہ سے مخا
اس سے دو چار باتیں کیں اور پھر مجھ سے بولی۔ "اس لڑکی
اور یہ گل پاٹے کی بیٹی ہے۔ گل پاٹے کی طبیعت خراب
اب یہی ہمیں اپنے خچروں پر تھیاگلی لے جائے گی۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے شبانہ نے میرے
خوش چہرہ یا خوش بدن لڑکیوں کی صرف رفاقت بھی
کسی حد تک ضرور لذت انگیز ثابت ہوتی ہے۔ خاص
کی رفاقت جن کے بدن کے قوسین پر میری نگاہوں
کی ہو۔

"لیکن۔" مجھے کچھ خیال آیا تو میں نے کہا۔ "یہ کیسے
"کیوں!" شبانہ کی نگاہوں کا سوال بھی یہی
"تم ہی نے تو بتایا تھا کہ گل پاٹے کے پاس دو
"تو کیا ہوا؟۔۔۔ اچھا! میں سمجھ گئی آپ کیا سوچ
کا مطلب ہے کہ دو خچروں پر تین افراد کیسے جا
"کیا میں غلط سوچ رہی ہوں؟"
"جی ہاں۔" شبانہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
کو آپ کیا سمجھتی ہیں؟ یہ میلوں تک پیدل چل سکتی
"پیدل چلنے اور پہاڑ پر چڑھنے میں فرق ہے۔"
"مگر ان لوگوں کے لیے پیدل چلنے کا مطلب
ہی ہوتا ہے۔ ان کی ساری زندگی پہاڑوں ہی پر گزر
جب شہر سے آنے والوں کو خچر مہیا کرتے ہیں تو ان
پیدل ہی چلتے ہیں۔"

میری نگاہیں شاذو کے پیروں کی طرف گئیں
کی ایسی ڈول چپلیں پہنے ہوئے تھی کہ اس کے پیر
جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر میری جمالیاتی حِس کو دھچکا سا
پیر کتنی بدنما چپلوں میں چھپے ہوئے تھے۔ بڑی غیر شاعرانہ
لیکن اب یہی اپنے اس وقت کے احساسات کے
تو مجھے اپنی اس احمقانہ سوچ پر ہنسی آنے لگتی ہے۔ آخر
چپلیں نہ پہنتی تو کیا فرغل پہنتی!

شبانہ، شاذو اور اہلِ خانہ سے باتیں کرنے لگی تھی

ہا' شاذو کی گل بدنی کا طواف کرتی رہی تھیں۔
باہر چلے گئے۔ جب وہ جا رہے تھے تو میں شاذو
ہی ہو گئی تھی اور ذرا دیر کے لیے یہ بھی بھول
ناک مہم درپیش ہے۔
شبانہ کی آواز نے مجھے خوابناک حالت سے
سانس لی اور مسکرا کر شبانہ سے کہا۔ "اس لڑکی کو دیکھ
کہتی ہیں!" شبانہ نے تلخی سے کہا۔
کہ معاملے میں محبت کا جذبہ کارفرما نہیں ہے۔"
نظریے کو غلط رنگ دے رہی ہو شبانہ!۔۔۔
لازمی جزو جنس ہے، یہ نہیں کہا تھا کہ جنس کا
ل سے سوچو تو اس لطیف فرق کو آسانی سے
ن کو محسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتی۔"
ل۔
سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں۔ تم اپنی ہی مثال
دیکھا تھا تو میرے دل میں تمہاری محبت پیدا
ہی جنس کا وحشی جذبہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس
سے مجھے نظر نہیں آئیں لیکن میرے تصورات
چھا تھا، میں تمہارے خیال سے غافل نہیں
ن اس لڑکی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس سے
نہیں رکھ سکوں گی، خواہ میں اس سے آسودہ
مطلب یہ ہوا کہ یہاں محض جنسی تحریک
کسی اور موضوع پر گفتگو کریں!" شبانہ
سانس لے کر چپ ہو گئی۔ شبانہ کا یہ انداز
مجھے اس بات کا افسوس تھا کہ میں اس کے
لی تھی۔
پھر اندر آیا اور اس نے شبانہ سے کچھ کہا۔
ہستے بولی۔ "چلیے! شاذو خچر لے آئی ہے
ول کر کھڑے نکالے اور صاحبِ خانہ کی
ہوئے اس نے دوسرا ہاتھ اٹھا کر سلام کیا
فار پہنے اور شبانہ کے ساتھ دروازے کی
ہی لڑکی مردوں میں ہمارے استقبال کے لیے

تیار تھیں۔ باہر نکلتے ہی میرا جسم یکبارگی کپکپا اٹھا اور پے در پے کئی چھینکیں آگئیں۔ گو کہ ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی گرمی کسی نے نچوڑ لی ہو۔

شاذو دو تندرست و توانا خچروں کے پاس کھڑی ہوئی ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ جب ہم قریب پہنچے تو اُس نے شبانہ سے کچھ کہا۔ شبانہ نے سر ہلایا اور پھر مجھ سے بولی۔ "یہ کہہ رہی ہے کہ ہم ایک بجے تک تھیاگلی پہنچ جائیں گے۔"

"فائن!۔۔۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اتنی دیر نہیں ہو گی جو ناقابلِ تلافی نقصان سے دوچار کر دے۔"

شبانہ نے میرے اس خیال پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور خچر پر سوار ہونے لگی۔ شاذو نے اس کی مدد کی لیکن میں اس کی مدد کے بغیر ہی دوسرے خچر پر سوار ہو گئی۔ دونوں خچروں کی لگامیں شاذو کے ہاتھ میں تھیں۔ دوسرے ہاتھ میں وہ ایک قمچی بھی سنبھالے ہوئے تھی۔ اس قمچی کا ہلکا سا اشارہ ملتے ہی دونوں خچروں نے قدم بڑھا دیے۔

"یہ لڑکی تھک تو نہیں جائے گی!" میں نے شبانہ سے کہا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں بانو! یہ ان پہاڑوں کے چپے چپے سے واقف ہو گی۔"

"اور اسے تنِ تنہا واپس جانا ہے۔ ممکن ہے کہ اس وقت تک اندھیرا پھیل جائے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ پہاڑی لڑکیاں بڑی نڈر ہوتی ہیں۔" شبانہ نے کہا۔ "لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ جب یہ واپس ہو تو اندھیرا پھیل جائے؟"

"میری مراد رات کے اندھیرے سے ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے اپنی تھکن اتارنے کے لیے تھیاگلی میں رکنا تو پڑے گا۔"

شبانہ نے ایسا منہ بنا لیا جیسے میرے دل کا چور پکڑ لیا ہو۔ میں اُس کا منہ بنتے دیکھ کر ہنس پڑی۔

"بانو!" شبانہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔ "میں آپ کو خبردار کرنے کے لیے تیار ہی ہوں کہ یہ پہاڑی لڑکیاں بعض اوقات بڑی خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔"

میں لاپروائی سے شانے جھٹک کر رہ گئی۔ لڑکیوں کو مسخر کرنا مجھے خوب آتا ہے۔ میری آغوش میں ہر لڑکی پگھل کر رہ جاتی ہے۔ بس صرف ایک شرط ہے کہ وہ شبانہ کی طرح نرگسیت کا شکار نہ ہو۔

خچر آگے بڑھتے رہے اور شاذو ان کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ ہمارا سفر بلندی کی طرف جاری تھا۔ شاذو ایسے راستوں پر چل رہی تھی کہ ہمیں کسی عمودی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

پھر کوئی ایک گھنٹے تک سفر اس طرح جاری رہا کہ میری اور شبانہ کی بہت کم گفتگو ہوئی۔ اس دوران میں میرا ذہن دو حصوں میں منقسم رہا۔ ایک حصے میں صرف یہ خیال جاگزیں تھا کہ مجھے جلد از

جلد نھیا گل پہنچ کر صدرِ مملکت سے ملاقات کرنا ہے اور دُوسرے حصّے میں صرف ایسے لذت انگیز خیالات تھے جن کو شاذو کے سراپا سے عبارت سمجھا جا سکتا تھا۔ میں اپنے تصوّر کے پردے پر شاذو کو دینس کے مجسّمے کی طرح دیکھ رہی تھی اور وہ مجسّمہ میرے جذبات کی ہلچل میں مسلسل اضافہ کر رہا تھا۔

دفعتاً میں نے شاذو میں ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کی۔ وہ خچروں کے آگے آگے چل رہی تھی اور اب اس نے اچانک پلٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے چہرے سے کسی قدر پریشانی بھی ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس کی یہ کیفیت غالباً شبانہ نے بھی محسوس کر لی اور اچانک پلٹ کر دیکھا۔

"اوہ!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

اب میں نے بھی پلٹ کر دیکھا اور شاذو کی پریشانی کا سبب میری سمجھ میں آ گیا۔ ہماری عقبی سمت میں بڑے زور کی گھٹا اُٹھ رہی تھی اور اُس گھٹا کا رُخ ہماری ہی طرف تھا۔

"شاذو!" شبانہ بلند آواز میں بولی اور پھر اُس نے جو کچھ بھی کہا، وہ میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔

میں متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ قرب وجوار میں کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی جہاں بارش سے بچاؤ ہو سکتا۔ درخت تو جگہ جگہ موجود تھے لیکن گھٹا اتنی زوردار تھی کہ جب وہ خوفناک انداز میں برستی تو درختوں کے سائے میں اس سے پناہ نہیں مل سکتی تھی۔

"نئی مصیبت۔" میں بڑبڑائی۔

"بہت دھواں دھار بارش ہو گی۔" شبانہ نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

شاذو نے خچروں کے قمچیاں رسید کرنا شروع کر دی تھیں جن کی وجہ سے خچروں کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ ایسی حالت میں اگر میں یا شبانہ شاذو کی جگہ ہوتے تو خچروں کی اس رفتار کا ساتھ دینا ہمارے لئے بہت مشکل ثابت ہوتا لیکن شاذو اونچے نیچے راستے پر اس طرح قلانچیں بھر رہی تھی جیسے یہ اُس کے معمولات میں شامل ہو۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ اس نے خچروں کے رُخ میں قدرے تبدیلی پیدا کی تھی اور اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ہم نھیا گل کی سمت میں جانے کی بجائے کسی اور طرف بڑھ رہے تھے۔

میں شبانہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی "میرا خیال ہے کہ شاذو نے راستہ بدلا ہے۔"

"ہاں" شبانہ نے جواب دیا۔ "ان اطراف میں کوئی غار نما کھوہ ہے۔ شاذو اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ ہم اس بارش سے بچ سکیں۔"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ گھٹا اب سورج پر چھا گئی تھی اور پھیلتا ہوا اندھیرا بڑی تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ ہوا بھی کچھ تیز ہو

گئی تھی اور اس کی ٹھنڈک سے مجھے اپنی ہڈیوں
لگی تھی۔ میرا جسم بار بار کپکپا اٹھتا تھا۔ کم سے کم
شاید شاذو پر موسم کی یہ تبدیلی بالکل اثر انداز
بنیادی سبب تو یہ تھا کہ وہ اپنی پہاڑوں
ٹھنڈک کی عادی تھی، دُوسرے یہ کہ پیدل
جسم کچھ گرم ہو گا۔

ہوا کی تیزی میں برابر اضافہ ہو رہا تھا
اِدھر میری پریشانی میں غیر معمولی اضا
بھیگنے کے خوف سے زیادہ اس خیال سے
پر نھیا گل پہنچ بھی سکوں گی یا نہیں؟....
غور کرتے ہوئے میرا دل ڈوبنے سا لگا تھا۔ اگر
ہو جاتی تو اس ساری ٹمک و دَو پر پانی پھر جاتا۔

گھٹا اب ہمارے سروں پر چھا چکی تھی۔ ما
گیا تھا۔ ایسی فضا ہو گئی تھی جیسے شام کا وقت
میرے چہرے سے ٹکرائیں اور بادل اس طرح
غول بیابانی چنگھاڑنے لگا ہو۔ موسلا دھار
اس سے پہلے کہ وہ آفت نازل ہوتی
گئی جس کا خیال شاذو کو بڑا بروقت آیا تھا۔

غار خاصا کشادہ تھا۔ اس میں نہ صرف
مل گئی تھی۔ کُھلی فضا میں چونکہ شام کی سی کیفیت
غار میں رات کا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میں
اُتر کر غار کے دہانے پر کھڑے ہو گئے۔ بُو
کی واحد صورت یہی تھی۔

"بہت بُرے پھنسے۔" شبانہ بولی
میں نے زبان سے تو اس تبصرے
میں بہرحال یہی بات تھی اور یہ سوال میری
تھا کہ میری اس مہم کا انجام کیا ہو گا۔

بجلی اب بار بار چمکنے لگی تھی اور بادل
چنگھاڑ چنگھاڑ کر برس رہے تھے۔ ایسا معلوم
باد و باراں بہت دیر تک جاری رہے گا
دفعتاً مجھے اپنے عقب میں ہلکی سی
میرے ساتھ ہی شبانہ بھی تیزی سے مُڑی
ایک موٹی سی موم بتی جلا دی تھی۔ اس کی
لئے ناکافی ہی مگر اس پُردہشت اندھیر
گئی تھی اور ہمیں ایک دُوسرے کی شکلیں
"موم بتی کہاں سے آ گئی؟" میرے
غالباً یہی بات شبانہ نے شاذو
کر جواب دیا اور پھر شبانہ مجھ سے بولی۔

اس قسم کی کتنی چیزیں اپنے ساتھ رکھتے
ہیں کام میں لایا جا سکے۔"

ی دو موم بتیاں اور ہیں۔"
یہ!" میں آہستہ سے ہنس پڑی۔ ذرا دیر
ن خیالات میرے ذہن سے نکل گئے
ا کو دیکھ کر بے خود ہونے لگی تھی۔
باتیں کرنے لگیں اور پھر اچانک میں نے
کے آثار پھیلتے دیکھے۔ اس کی متفکر نظریں
نے مضطرب ہو کر پوچھا۔ "کیا بات؟"
آتے ہوئے شاذو نے کچھ فاصلے پر دو

منہ سے نکلا۔
شاذو کا کہنا ہے کہ وہ مقامی آدمی نہیں تھے
ن کا سا لباس پہن رکھا تھا۔"
شبانہ کی طرف دیکھتی رہی اور پھر قدرے
آدمیوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا تھا؟"
ہے کہ انہوں نے ہمیں نہیں دیکھا۔ اُمنڈتی
پریشان کر دیا تھا اور وہ کسی پناہ گاہ کی تلاش
اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔" شبانہ نے
لوں آپ کے دشمنوں میں سے ہو سکتے

کہا جا سکتا۔" میں آہستہ سے بولی۔
وہ کوئی اور ہی لوگ ہوں گے۔ یہ تو
آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔
سمجھ لیا ہو گا کہ آپ ختم ہو گئیں۔"
میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "یہ
کہی جا سکتی۔ فوکس بڑا عیار اور شاطر
اس پر ضرور غور کیا ہو گا کہ میں دھماکے
کار چھوڑ سکتی ہوں۔"
رہ گئی۔ کچھ بولی نہیں۔
اپنے خچروں کے پاس جا کر ان کے جسم کی
ہمارا یہ خیال ہی نہیں ہو گا کہ ان دو آدمیوں
کو پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔
پرس میں ریوالور کو ٹٹول کر۔ اطمینان
اور ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کر سکتی
اپنا سر جھٹکا۔ دراصل اب میں ذہنی منتشر
پُرسکون ہو جانا چاہتی تھی۔ میں نے اس

انداز میں سوچنا شروع کر دیا تھا کہ ناموافق حالات سے مقابلہ کرنے کے لئے پُرسکون رہنا بہت ضروری ہے۔ خطرات کے نزول سے پہلے ہی، پریشانی کو اپنے دامن سے باندھ لینا حماقت ہے کیونکہ اس امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ خطرے کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ ہو، سب کچھ اندیشے اور وسوسے ثابت ہوں۔

"ٹھنڈک بڑھتی ہی جا رہی ہے۔" میں بڑبڑائی۔

شبانہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی۔ شاید وہ یہ سوچ رہی تھی کہ میں متوقع خطرے کے بارے میں کوئی اظہارِ خیال کروں گی۔

"کیوں نہ کچھ دیر آرام ہی کر لیا جائے۔" میں پھر بولی۔

شبانہ کا استعجاب کچھ اور بڑھ گیا لیکن اس نے اپنی قلبی کیفیت کا اظہار کرنے کے بجائے لاپروایانہ انداز میں شانے جھٹکے اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر شاذو کی طرف دیکھنے لگی۔

شاذو موم بتی کے قریب جا کر زمین پر لیٹ گئی تھی اور خالی خالی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے بھی زمین پر لیٹ جانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ زمین پتھریلی تھی لیکن میں نے کوٹ پہن رکھا تھا اس لئے امکان نہیں تھا کہ زمین کی سختی، جسم کو تکلیف پہنچاتی۔ میں شاذو سے صرف گز بھر دُور، اس کے برابر ہی میں جا لیٹی۔ شبانہ نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر غار کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا رُخ غار کے دہانے کی طرف کر لیا تھا۔

غار کے باہر طوفان گرجتا برستا رہا اور آہستہ آہستہ میرے دل میں بھی خاصی ہلچل پیدا ہو گئی کیونکہ اب میرا دھیان صرف شاذو کی طرف تھا، کسی سرکش ندی کی طرح بل کھاتی ہوئی جوانی میرے حواس پر چھائی چلی جا رہی تھی۔ میں نے شاذو کی طرف کروٹ لی اور اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر مسکرا دی۔ جواباً وہ بھی مسکرائی۔

بے اختیار مسکراہٹ بھی ایک عجیب زبان ہے۔ بین الاقوامی زبان! اسے دُنیا کے ہر گوشے میں بولا اور سمجھا جاتا ہے۔ افریقہ کے تاریک گوشوں میں رہنے والے بھی اس زبان کو بولتے ہیں اور ایشیا کے مہذب لوگوں میں بھی یہ خوب سمجھی جاتی ہے۔ اس کا کوئی بھید، بھاؤ نہیں ہوتا۔ یہ ایک صاف ستھرا مذہب ہے، ایک بے لاگ تہذیب ہے۔ سب سے الگ، سب سے جدا، سب سے منفرد!

میں نے شاذو کو یوں مسکراتے دیکھا تو اپنا دایاں ہاتھ اُس کی طرف پھیلا دیا۔ وہ میری اس حرکت کا مطلب سمجھی ہو یا نہ سمجھی ہو لیکن اپنا ہاتھ اس نے بھی پھیلا دیا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما تو سارے جسم میں سنسناہٹ پھیلتی چلی گئی اور وجود کی گہرائی میں کسی جگہ کوئی ساغر چھلک کر بہہ گیا۔

"شاذو!" میری سرگوشی، جذبات سے بوجھل تھی۔

وہ پھر مسکرا دی۔ وہ مجھ سے بس یہی زبان بول سکتی تھی۔

میں نے کنکھیوں سے شبانہ کی طرف دیکھا جس نے ہماری طرف
باقاعدہ پیٹھ کر لی تھی۔ شاید اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ رُخ بدل لینا
ہی مناسب ہوگا۔ وہ اُن رنگین لمحوں کو اپنی آنکھوں میں نہیں سمیٹنا چاہتی
تھی جو حاصلِ بہاراں ہوتے ہیں۔
میں نے شاذو کا ہاتھ دبایا تو اُس کی مُسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔
اس کے ساتھ ہی وہ جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگی۔ شاید وہ سمجھنے
کی کوشش کر رہی تھی کہ میرے دل میں کیا ہے۔ میں نے اُس کا ہاتھ
چھوڑ کر اس کی طرف کروٹ لی اور گز بھر کا فاصلہ قُربت میں مدغم ہوگیا
شاذو کے ہونٹوں سے مسکراہٹ یکلخت غائب ہوگئی کیونکہ اب میرا ہاتھ
اُس کی جوانی سے کچھ کہہ رہا تھا، اُسے کوئی ایسی اچھوتی کہانی سُنا رہا تھا
جو شاید اُس نے کبھی نہیں سُنی تھی۔ اُس کا چندن مکھڑا اب میرے چہرے
سے بہت قریب ہوگیا تھا۔ اس کی رنگت ایسی تھی جیسے چاندنی میں شفق
گھول دی گئی ہو اور اس کی آنکھوں میں آسمانی بجلیوں کا ذخیرہ تھا۔
اس ذخیرے سے بجلیاں کڑک کڑک کر میرے خرمنِ ہوش و حواس پر گر رہی
تھیں اور میرا وُجود آگ کا گولہ بنتا چلا جا رہا تھا۔
دفعتاً ہوا کا ایک اتنا شدید جھونکا غار میں آیا کہ پتھر کی آڑ ہونے
کے باوُجود موم بتی اپنی بقا کی جنگ ہار گئی۔ غار میں گھُپ اندھیرا چھا گیا۔
شاذو نے ایک دم اُٹھنے کی کوشش کی کہ موم بتی کو پھر جلا دے لیکن میں
نے اُسے اُٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ اُس کی گُداز بدنی میرے بازوؤں کے
حصار میں پھڑپھڑا کر رہ گئی اور کسی متوقع احتجاج کو روکنے کے لئے
میں نے اپنے ہونٹوں کی مہر ثبت کر دی۔ سکوت، مکمل سکوت! شاذو کا جسم
میرے ہونٹوں کی گرمی سے اس طرح پگھلا کہ نڈھال ہو کر رہ گیا، بالکل
ڈھیلا پڑ گیا، جیسے اس میں بالکل جان نہ رہی ہو۔
سردی کا احساس اب بالکل مٹ چکا تھا۔ گرمی بڑھتی جا رہی
تھی، مسلسل بڑھ رہی تھی۔ وہ اتنی بڑھی، اتنی بڑھی کہ لباس بھی بارِ
گراں بن گیا۔ مجھے راہِ نجات ڈھونڈنا پڑی اور یہی راستہ میں نے
شاذو کو بھی دکھایا۔ اندھیرے میں سرسراہٹیں گونجیں اور پھر میں نے
اندھیرے میں ایسی جگمگاہٹ دیکھی جیسے کسی مرمر کے تراشے پر ستاروں
کی چھوٹ پڑ رہی ہو۔
شاذو کی جوانی اب متموج لہروں کی طرح بَل کھا کھا کر میرے
جذبات کی سرکش چٹانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ میں نے اسے اتنا شدید پایا
کہ چند ابتدائی لمحوں کے لئے تو گھبرا کر رہ گئی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی
کہ صرف لبوں کے اتصال سے ایک جوالا مُکھی پھٹ پڑے گا۔ میں اس
عالم میں بھی یہ سوچنے لگی کہ جب ربط کے تاروں کو چھیڑوں گی تو کیسا نغمہ
پھُوٹے گا؟
جلد ہی اس تجربے کے ہوشربا نتائج بھی سامنے آگئے۔ میرے
ہونٹوں نے جب اس کے عارض سے اپنا سفر شروع کیا اور گردن، سینے
اور کمر سے ہوتے ہوئے اس کے ٹخنے تک پہنچے تو شاذو کی سسکاریوں سے

غار گونجنے لگا تھا۔ پھر جب میرے ہونٹوں
اور درمیان میں کہیں کچھ دیر کے لئے قیام
پاگلوں کی طرح جھنجھوڑنے لگی۔ اس نے
طرح دانت گاڑے کہ میں تڑپ کر رہ گئی۔
بڑی شدید تھی۔ میرے ہونٹ اُبھرے
چلے گئے، ہونٹوں کو مسلتے چلے گئے، عالم
کا بھی یہ عالم تھا جیسے میرے جسم کا ایک
کھا چکی ہو۔
ایک طوفان غار کے باہر گرج رہا
چنگھاڑ رہا تھا۔ دونوں ہی طوفان منہ زور
دونوں ہی کا دامن بجلیوں سے بھرا ہوا تھا
لیکن غار کے طوفان کی تخلیق
زیادہ پائیدار ثابت نہیں ہوا۔ جتنی
تیزی سے ڈوب بھی گیا اور اس کی زد میں
اُجڑے سے تھکے تھکے سے، ہانپتے
بجلیوں کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا
نے بڑی تیزی سے یلغار کر دی تھی۔ سر
بڑی تیزی سے سب کچھ اوڑھ لپیٹ لیا
تھا، وہ بسا غنیمت معلوم ہونے لگا۔
دہشت محسوس ہونے لگی تھی پہلے تو ایسا
وقفے سے بجلی چمکتی تھی تو غار جگمگا اُٹھتا تھا
ایک بار بھی بجلی کا جھپاکہ نہیں ہوا تھا۔
"شبانہ!" مجھے اندھیرے میں
"فرمائیے!" شبانہ کے لہجے
"اس لڑکی سے کہو کہ موم بتی جلا
"ایسی بھی کیا جلدی ہے!" شبانہ کا
ابھی جاری ہے۔ ہم باہر نہیں نکل سکتے"
"یہاں تو مطلع بالکل صاف ہو
کے ساتھ کہا لیکن اندھیرے کی وجہ
سکتی تھی۔
"مطلع صاف ہونے سے کیا ہوتا
اُمنڈ سکتے ہیں۔"
اب مجھے اس کی بحث کا یہ انداز گراں
چُپ ہوگئی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ شاذو
سانسیں لے رہی ہے۔ شاید یہ اس کی زندگی
میں ملنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی۔
پھر کچھ دیر خاموشی رہی۔ شبانہ
کہ اس نے میرے کہنے کے باوُجود شاذو کو

ایک ایک کر کے حوش لیا جیسے شاذو اپنی جگہ سے اُٹھی ہو۔ پھر
ماچس کی تیلی رگڑنے کی آواز سُنائی دی۔ غار کی تاریک فضا میں
ایک ننھا سا زرد شعلہ چمکا۔ میں نے بڑی تیزی سے ریوالور کا رُخ
غار کے دہانے کی طرف کر دیا۔ میرے اندازے کے مطابق نووارد
دہانے کے قریب ہی زمین پر گرے تھے۔
ننھے سے زرد شعلے نے موم بتی جلا دی اور غار میں دھیمی دھیمی سی
روشنی پھیل گئی۔ شبانہ غار کی دیوار سے ٹیک لگائے اس طرح کھڑی
ہوئی تھی جیسے سانس بھی روک رکھی ہو۔
دہانے کے قریب پڑے ہوئے دونوں آدمیوں نے چونک کر
سر اُٹھائے کہ یہ روشنی کہاں سے ہوگئی؟
ان میں سے ایک کو میں نے فوراً پہچان لیا۔ میں نے اُسے کار میں
فوکس کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ دوسرا آدمی
ان میں سے ہوگا جو پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے اور جن کی شکلیں مجھے
صاف طور پر نظر نہیں آئی تھیں۔
"خبردار!" میں غراتی ہوئی بولی۔ "اپنے ہاتھ اپنی جیبوں سے
دُور ہی رکھنا!"
خوف سے اُن دونوں کے مُنہ کھُل گئے اور آنکھیں پھیل گئیں۔
وہ پانی میں شرابور تھے اور سردی سے کانپ رہے تھے۔ اگر اُن میں
کچھ سکت ہوتی تو وہ غار میں آتے ہی اپنے شرابور لباس کو نچوڑنے
کی کوشش کرتے۔ چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا اس لئے میں
مطمئن تھی کہ وہ میرے خلاف کوئی جارحانہ قدم نہیں اُٹھا سکیں گے۔
انہیں سردی اور بارش نے اس بُری طرح مارا تھا کہ چہروں پر نیلاہٹ
سی دوڑ گئی تھی۔ میں اُن کے قریب گئی اور بڑے اطمینان سے اُن کی
تلاشی لے کر جیبوں سے دو ریوالور برآمد کر لئے۔ ان دونوں ہی
کو میں نے غار کے باہر اُچھال دیا۔ وہ نہ جانے کتنی گہرائی میں جا کر
گرے ہوں گے۔
"اب بتاؤ!" میں بڑے اطمینان سے اُن دونوں کے قریب
ہی بیٹھتی ہوئی بولی۔ "آخر یہاں کیوں نظر آ رہے ہو تم دونوں؟"
وہ اس طرح میری شکل دیکھنے لگے جیسے میرا سوال اُن کی سمجھ
میں نہ آسکا ہو۔ ان کے دانت بج رہے تھے اور وہ کسی ہانپتے ہوئے
جانور کی طرح لمبی لمبی سانسیں لے رہے تھے۔
شاذو اس صورتِ حال سے بہت گھبرا گئی تھی۔ وہ آہستہ
آہستہ کھسکتی ہوئی شبانہ کے قریب پہنچ گئی اور اس سے سرگوشیوں
میں کچھ کہنے لگی۔ وہ شبانہ سے معلوم کرنا چاہتی ہوگی کہ یہ ماجرا کیا ہے۔
میری توجہ فوکس کے دونوں آدمیوں کی طرف مرتکز رہی
لیکن جب وہ دونوں خاموش ہی رہے تو میں نے ریوالور کو ایک
مخصوص انداز میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "اگر تم لوگوں کو میری
بات کا جواب دینا پسند نہیں ہے تو پھر میں تم دونوں کو ہمیشہ ہمیشہ

[illegible] دوبارہ چھیڑ نہیں لیا۔
[illegible] بار کیا جاتا تھا۔ میں نے بڑی سختی سے
وہ بجنے لگے۔ کسبِ لذت کے وہ گزرے
ہوتے۔ مجھ پر نزلے کا بڑا شدید حملہ ہوا
[illegible] محسوس کرنے لگی تھی ویسے یہ بھی غنیمت
[illegible] دور رہی تھی ممکن تھا کہ نمونیے کا حملہ
[illegible] جاری تھا لیکن بادلوں کی گرج اور بجلی
[illegible] کے مسلسل اور یکساں شور کے عادی
[illegible] معمول تھا کہ جب ایک دوسری قسم کی آواز
[illegible] دی۔ وہ آواز ایک سے زیادہ آدمیوں
[illegible] جسم یکلخت پتھر کے بُت کی طرح بے جان
[illegible] دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا تھا
[illegible] آئی تھی۔ اس نے قرب و جوار میں
[illegible] میں اس نتیجے پر پہنچنے سے قاصر رہی تھی کہ
[illegible] غیر متعلق آدمی ہوں گے!
[illegible] غار کے اندر تک چلی آئی اور پھر ایسی آواز
[illegible] زمین پر ڈھیر ہوگئے ہوں۔
[illegible] کپکپاتی ہوئی غیر ملکی آواز سنائی دی۔
[illegible] سنائی دی لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آسکے
[illegible] بارش سے بھیگ کر نیم جان سے ہوگئے تھے
[illegible] ہو گیا تھا۔
[illegible] بے حس و حرکت رہی۔ یہی حالت شبانہ
[illegible] میں مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ اُس
[illegible] عمل ہوا ہوگا۔ اندھیرے میں ہمیں ایک
[illegible] رہی تھی۔
[illegible] میرا ذہن بھی شل رہا، جیسے دماغ پر
[illegible] نے حرکت کی تو وہ برف بھی پگھلنے لگی اور
[illegible] ہونا اس بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا
[illegible] ان دونوں میں سے فوکس کوئی نہیں تھا
[illegible] میں بھی فوکس کی آواز کی جھلک تک
[illegible] میں نے اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول
[illegible] اسے کھول رہی تھی تاکہ اپنا ریوالور
[illegible] نہ جانے کب مجھے اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

"نہیں ... نہیں ..." اُن میں سے ایک تقریباً چیخ اُٹھا۔

"تو پھر میرے سوال کا جواب دو۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں پہچانتی نہیں ہوں۔ تمہارا تعلق فوکس سے ہے۔ تم لوگوں نے کار میں میرا تعاقب کیا تھا۔"

وہ دونوں جلدی جلدی اثبات میں سر ہلانے لگے۔

"سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ!" میں پھر بولی۔ "دیوار سے ٹیک لگا لو اور اپنے پراگندہ حواس کو دُرست کرنے کی کوشش کرو۔"

اُن دونوں نے اُٹھنے کی کوشش کی اور قدرے دقت سے اُٹھنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے غار کی دیوار سے ٹیک لگا لی اور ہانپنے لگے۔ سردی سے ان کا سارا جسم تھر تھرا رہا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ ان پر کسی بھی لمحے نمونیے کا حملہ ہو سکتا ہے۔ اگر اس بلا کی سردی ہو اور آدمی بارش میں بھیگ جائے تو یہ عمل، قیامت کی عمل پذیری سے کم نہیں ہوتا۔

"اب بتاؤ!" میں انہیں گھورتی ہوئی بولی۔ "فوکس کہاں ہے؟"

اُن دونوں نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ اُن کے سر جھکتے چلے گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان پر غشی طاری ہونے والی ہے۔ میں جلدی سے اُن کے قریب گئی اور ایک کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

"جواب دو ورنہ میں ریوالور کا نصف چیمبر تمہارے سینے میں خالی کر دوں گی۔"

وہ چونکا اور خوفزدہ نظروں سے میرے ریوالور کی طرف دیکھنے لگا۔ میری دھمکی نے اُسے بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ گو کہ سردی سے اُس کے دانت بج رہے تھے اور حالت غیر ہوتی جا رہی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح اُس نے وہ سب کچھ بتا دیا جو میں جاننا چاہتی تھی۔

میرا یہ خیال درست ثابت ہو گیا کہ فوکس، کار کی تباہی سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے سامنے بڑے وثوق سے یہ بات کہی تھی کہ میں بم پھٹنے سے پہلے ہی کار سے اُتر گئی ہوں گی۔ کچھ آگے جا کر اس نے کار روک دی تھی اور ایک آدمی کو کار میں چھوڑ کر باقی آدمیوں کے ساتھ کار سے اُتر گیا تھا۔ پھر اس آدمی کو ہدایت کی تھی کہ وہ ایک موڑ آگے جا کر رُکے اور انتظار کرے۔ اس ہدایت کے بموجب کار آگے چلی گئی تھی اور فوکس تین آدمیوں کے ساتھ وہیں چھپ گیا تھا۔

میرے مشاہدے کے مطابق اُس وقت فوکس کے ساتھ صرف دو آدمی ہونے چاہیے تھے لیکن پتہ یہ چلا کہ راستے میں وہ شخص بھی ان کی کار میں بیٹھ گیا تھا جس نے مجھے فوکس کا خط پہنچایا تھا۔ دراصل اس شخص نے اپنی گاڑی پچھلی بستی میں چھوڑ رکھی تھی۔

فوکس ان تین آدمیوں کے ساتھ چھپ گیا اور سڑک پر

نظر رکھے رہا۔ اس کا خیال تھا کہ اب میں پیدا ۱
منزل کی طرف بڑھوں گی لیکن جب آدھا
اُسے دکھائی نہیں دی تو اُسے پریشانی لاحق ہو
ایبٹ آباد سے آنے والی بس بھی اُدھر سے گز
کے ذرا دیر بعد فوکس پھر جائے حادثہ پر پہنچا
کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر جب اس کی نظر نشیب میں
سوچنے لگا کہ میں کہیں اُسی بستی کی طرف تو نہیں
مجھے ایک بار پھر فوکس کے تیز ذہن کا قا
سوچ لیا تھا کہ مجھے بستی سے خچر حاصل ہو سکتے
ساتھیوں کے ہمراہ نشیب میں اُترنا شروع کر
دور بین ہوتی تو وہ مجھے اور شبانہ کو ضرور
اس وقت تک میں نے بس تین چوتھائی نا
بستی میں پہنچ کر فوکس نے ان لوگوں
بارے میں پوچھ گچھ کی۔ اس پوچھ گچھ کا سارا
کیونکہ دونوں فریق ایک دوسرے کی زبان نہ
ایک بار پھر فوکس کی ذہانت کام آئی اور وہ
میں یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ دو عور
نتھیا گلی کی طرف روانہ ہوئی ہیں۔
بس پھر فوکس بڑی تیزی سے مہم
میں چل پڑا۔ یہ سفر اس نے محض اندازے
اُسے پہاڑی راستوں کے بارے میں قطعی
اس کمزوری کا احساس اسے خود بھی تھا لہٰذا
کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم کا
ایک گروپ غلط راہ پر نکلے تو دوسرا شاید
انہی میں سے ایک گروپ وہ تھا جو
ان دونوں کو بہت دیر تک بارش میں بھیگنا
کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکی تھی۔
جس وقت مجھے یہ ساری باتیں بتائی
آدمی پر غشی طاری ہو چکی تھی۔ شبانہ اور شا
خاموشی سے ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔
فوکس کے ساتھی کی گفتگو سمجھ رہی ہو گی
سامنا کرنا پڑ رہا ہو گا۔
مطلوبہ معلومات حاصل کر لینے
کے دہانے پر گئی اور باہر کا جائزہ لینے
ٹوٹ چکا تھا لیکن وہ ختم نہیں ہوئی
پلٹی تو میں نے دیکھا کہ فوکس کے اس سا
ہو چکی تھی جس نے مجھے مطلوبہ معلومات
میں شبانہ کے قریب جا کر بولی۔

ہیں گے کیونکہ یہاں انہیں کوئی طبی امداد
انہیں ان کی موت سے کوئی تکلیف نہیں پہنچ
نے ہمیں ختم کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی
لہجے میں کہا۔ "آپ تو یہ سوچیے کہ ہمیں اب
طواب رُکنے ہی والی ہے۔"
کے بعد بھی کم از کم ایک گھنٹے تک رُکنا ہو گا۔"
اس کے ساتھی ابھی قرب و جوار ہی میں کہیں
گزر جائے تو یہ اطمینان حاصل ہو جائے گا
"
نے سر ہلا کر چُپ ہو گئی۔
شاذو پر نظر ڈالی جو مجھے بہت غور سے دیکھ رہی
اب میں وہ بھی مسکرا دی۔ اس کے چہرے پر
ہٹ نہیں تھی۔
اچانک بولی۔ "اس لڑکی کو تم نے کیا بتایا؟"
"شبانہ نے پوچھا۔
آدمیوں کے متعلق۔"
دونوں بھٹک کر اس طرف نکل آئے ہیں۔"
ان دونوں پر ریوالور نکالا تھا۔ یہ تو ممکن نہیں
کوئی نتیجہ اخذ نہ کیا ہو۔"
مطمئن کر دیا تھا کہ وہ دونوں لٹیرے بھی
شبانہ ریوالور نکالنا پڑا تھا۔"
کی طرف دیکھا جو غار کے دہانے پر جا کھڑی
پلٹ کر شبانہ سے کچھ کہا۔ شبانہ نے اسے جواب
ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔
"میں نے پوچھا۔
"بارش رُک گئی ہے۔" شبانہ نے جواب دیا۔
پر نظر ڈالی اور بڑبڑا کر رہ گئی مجھے اس بات
مزید ایک گھنٹہ ضائع ہو گا لیکن احتیاط
ضائع کیا جائے۔
کو بتا دیا تھا کہ ہم ایک گھنٹے بعد روانہ ہوں
قریب گئی جو ختم ہونے والی تھی۔ اس نے
ماری اور پھر وہیں لیٹ کر عجیب سی نظروں سے
انداز میں خود سپردگی کی تمام کیفیات
اس کی خواہشمند تھی کہ میں پھر اس کے
التفات دیکھ کر مجھے جھرجھری سی آگئی اور میں
کہ بے قابو نہ ہو جاؤں۔

ایک گھنٹہ اس طرح گزرا کہ میں کبھی ٹہلنے لگتی تھی، کبھی بیٹھ جاتی تھی اور کبھی غار کے دہانے پر جا کر باہر کا جائزہ لینے لگتی تھی۔ آخر میں نے بہ آوازِ بلند، شبانہ سے کہا کہ اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے۔ شبانہ نے یہ بات شاذو سے کہی تو وہ زمین سے اُٹھ کر اپنے خچروں کی طرف بڑھی۔

میں نے فوکس کے دونوں ساتھیوں کے قریب جا کر یکے بعد دیگرے اُن کی کلائیاں چھو کر دیکھیں۔ میرا اندیشہ درست ثابت ہوا تھا۔ ان دونوں کے جسم بخار سے پُھنک رہے تھے اور سانس رُک رُک کر آ رہی تھی۔ اُن پر نمونیے کا حملہ ہو چکا تھا۔

وہ دونوں میرے وطن کے دشمنوں میں سے تھے مگر انہیں اس حالت میں یہاں چھوڑ کر جاتے ہوئے میں بڑا عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ مجھے ان پر رحم آ رہا تھا۔ میں جانتی تھی کہ وہ اسی حالت میں یہاں پڑے رہے تو موت کی آغوش میں پہنچ جائیں گے لیکن مشکل یہ تھی کہ ان کے لئے کچھ کرنا میرے اختیار میں نہیں تھا۔ نہ تو میں انہیں طبی امداد بہم پہنچا سکتی تھی اور نہ انہیں اپنے ساتھ نتھیا گلی لے جایا جا سکتا تھا۔ ایسی صورتِ حال کے پیشِ نظر مجھے اپنے انسانی ہمدردی کے جذبات کچلنے پڑے۔

جب ہم اس غار سے نکل کر دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہوئے تو فضا بالکل بدل چکی تھی۔ آسمان پر بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تیرتے پھر رہے تھے۔ وہ ٹکڑے جب سُورج پر آتے تو دُھوپ غائب ہو جاتی۔ ان ٹکڑوں کی وجہ سے دُھوپ چھاؤں کا کھیل جاری تھا۔

کچھ دیر تک یہ سفر خاموشی سے جاری رہا، پھر شبانہ بولی۔

"شاذو مجھ سے ان آدمیوں کے بارے میں استفسار کر رہی تھی جنہیں ہم غار میں چھوڑ آئے ہیں۔"

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟"

"یہی کہ ہم نتھیا گلی سے کسی کو اِدھر بھیجیں گے تاکہ ان دونوں کیلئے کچھ کیا جا سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سر ہلا دیا۔

"میں نے صحیح جواب دیا نا؟" شبانہ نے پُوچھا۔

"ظاہر ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔"

پھر ہماری گفتگو آگے نہیں بڑھی اور سفر جاری رہا۔ میں چوکنا نظروں سے چاروں طرف دیکھتی جا رہی تھی۔ گو، امکان یہی تھا کہ فوکس بہت آگے نکل گیا ہو گا، تاہم ہوشیار رہنا ضروری تھا۔

چار بجے کے قریب شاذو نے شبانہ کو بتایا کہ ہم نتھیا گلی کے علاقے میں داخل ہو چکے ہیں۔

اب ہمارے گرد بڑے حسین مناظر بکھرے ہوئے تھے۔ برف سے ڈھکی ہوئی دُور دراز کی پہاڑیاں بالکل سفید نظر آ رہی تھیں اور ان کے پیشِ منظر میں صنوبر کے درخت ایک عجیب بہار دے رہے

سے ... پر ... ہوں کا ... ریسٹ ہاؤس نظر آجاتا تھا۔ اگر وہ موسم بہار ہوتا تو ان مناظر کی دل کشی کئی گنا بڑھ جاتی۔

ہمارے خچر اب سڑک پر پہنچ گئے تھے کیونکہ شاذو کے بیان کے مطابق اب آگے بڑھنے کے لیے کوئی اور راستہ نہیں تھا۔

میں نے شاذو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شبانہ سے کہا۔ "اس سے کہو کہ یہ ہمیں کسی ہوٹل تک پہنچا دے۔"

"یہ پہنچائے یا نہ پہنچائے، یہ راستہ ہی ہمیں ایک ہوٹل تک پہنچا دے گا۔" شبانہ نے جواب دیا اور پھر پوچھا۔ "کیا قیام کرنے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر آپ کو ہوٹل کی فکر کیوں ہوئی؟"

"وہیں پر کسی سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ پریسیڈنٹ ریسٹ ہاؤس کہاں ہے؟"

"اس موسم میں یہاں کسی شہری آدمی کے ملنے کا امکان تو نہ ہونے کے برابر ہے۔"

"ہمیں کسی شہری آدمی سے ملنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ پریسیڈنٹ کے ریسٹ ہاؤس کا پتہ ہمیں صرف مقامی آدمیوں سے چل سکتا ہے۔"

"ٹھہریں! میں شاذو سے پوچھتی ہوں۔ شاید اسے معلوم ہو۔"

"پوچھو!"

شبانہ نے شاذو کو پکارا جو آگے آگے چل رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو شبانہ نے اس سے سوال کیا۔ شاذو نے جواب دیا جو ظاہر ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آسکا ہوگا لیکن اس کے سر کو منفی انداز میں ہلتے ہوئے دیکھ کر میں سمجھ گئی کہ اس نے کیا کہا ہوگا۔

"یہ نہیں جانتی۔" شبانہ نے مجھے بتایا۔

"پرواہ مت کرو۔ ہوٹل کے کسی آدمی سے ضرور پتہ چل جائے گا۔"

"ہوٹل میں تو ہمیں کوئی گائیڈ بھی مل سکتا ہے۔"

"ہاں۔"

ہمارے خچر آگے بڑھتے رہے۔ اس وقت میرے جسم میں ہلکی ہلکی سی سنسنی پھیل گئی تھی۔ نتھیا گلی پہنچ کر مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے میں نے کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے ڈالا ہو۔ اب میں گھنٹے آدھے گھنٹے میں پریسیڈنٹ ہاؤس تک پہنچنے والی تھی اور اس طرح میرے ہاتھوں سی۔ آئی۔ اے کو شکستِ فاش ہو جاتی۔

فوکس اس وقت کہاں ہوگا؟ یہ سوال میرے ذہن میں کئی مرتبہ ابھرا اور ڈوب گیا۔

"وہ دیکھیے!" شبانہ اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ راستے میں کچھ آگے جا کر دائیں ہاتھ پر ا... نظر آرہی تھی جسے شبانہ نے ہوٹل کہا تھا۔

اچانک میں خچر سے اتر پڑی۔

"کیوں؟" شبانہ نے سوالیہ نظروں سے میری...

"خچر پر بیٹھ کر ہوٹل کے لوگوں کے سامنے ما... محسوس ہو رہا ہے۔"

"ہوں!" شبانہ کے ہونٹوں پر خفیف سی م... پھر وہ بھی خچر سے اتر پڑی۔

گزشتہ رات سے اب تک میں نے ... ہنستے دیکھا تھا۔ یہ مجھے ایک نیک شگون معلوم ہوا۔ شبانہ لاشعوری طور پر اب اپنے معمول کی طرف ... اس کا شعور یہ بھلا دینے کی طرف راغب ہو گیا تھا ... شبانہ پر کیا گزر رہی تھی۔ ہر چند وہ سب میرے لئے ... عبارت تھا لیکن شبانہ کی انا کے لئے وہ بڑی ... اس کا شعور ذرا مشکل ہی سے بھولتا۔

جیسے ہی ہم لوگ ہوٹل کے سامنے پہنچے ... لپکتا ہوا ہماری طرف آیا۔ وہ شلوار قمیض میں ملبوس ... کے لئے وہ صرف ایک کمبل کا روادار ہوا تھا۔ ... زیادہ نہ رہی ہوگی لیکن مقامی آب و ہوا کے ا... پچیس چھبیس سال کا بھرپور نوجوان معلوم ہو رہا تھا۔

"آپ کھانا کھاؤ گی میم صاحب؟" وہ ... ہوا۔ اس نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں عمر میں شبانہ ... لئے وہ مجھی سے مخاطب ہوا تھا۔

"آں؟ ہاں! کھانا بھی کھائیں گے۔" میں ... اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کو یہاں بہترین مرغ روسٹ ... آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔ اندر تشریف لا...

"ہاں ہاں، چلو۔"

وہ نوجوان تو ہمیں دیکھ کر خوش ہوا ہی تھ... کچھ کم خوش نہیں ہوتے تھے۔ دراصل اس سیز... ہی کوئی گاہک پھنستا ہے۔

جب ہم اندر پہنچے تو ایک آدمی نے ... اور کرسیاں جھاڑ پونچھ ڈالی تھیں۔ باقی میزوں ... تھی۔ میں اور شبانہ اس میز پر جا بیٹھے جو ما... باہر ہی رک گئی تھی۔ شبانہ نے اس سے کہا ... بھجوا دیا جائے گا۔

ہوٹل کے چار پانچ آدمی بے حد سرگرمی

الاؤ سے بھری انگیٹھی ہماری میز کے پاس لا کر رکھ ... نے کی تیاری میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ ... ان لوگوں کو شاید کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ ... اتار کر آگ کی طرف ہاتھ پھیلاتے اور پھر ... خیال ہے، کھانے کی تیاری میں ایک گھنٹہ تو

... اتنی دیر میں ہم پریسیڈنٹ ریسٹ ہاؤس کے ... کریں۔"

...

... ہی دال تھی کہ میں نے شاذو کو اندر آتے ہوئے ... میز کی طرف آرہی تھی۔ میں متجسس نظروں سے ... آکر وہ شبانہ سے کچھ کہنے لگی۔ شبانہ نے ... اور پھر مجھ سے بولی۔ "یہ پوچھ رہی ہے ... ضرورت نہ ہو تو یہ واپس چلی جائے۔"

... میں نے کہا۔

... ہی بات اس سے کہہ دی اور پھر اس کا جواب ... بولی۔ "یہ کہہ رہی ہے کہ اگر ابھی روانہ ہو گئی ... بستی کے قریب پہنچ جائے گی لیکن اگر ... اسے بہت زیادہ وقت اندھیرے ہی میں

... اس نے بھی سارا دن کچھ نہیں کھایا۔" ... کے لئے یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ... جفاکش قوم ہے۔"

... رخصت کر دو!" میں نے اپنا پرس کھولتے ... سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر شاذو کی ... دیکھ کر شاذو کی آنکھیں اس طرح چمکنے لگیں ... خزانہ دیکھ لیا ہو۔

... ہوٹل سے باہر نکل کر ہمارا استقبال کیا ... لے کر ہماری میز پر آیا اور شاذو سے ... مطالبہ دیا اور پھر شبانہ سے کچھ کہہ کر ... ہلا گئی۔ میری نظریں اس کا تعاقب کر رہی ... لانے کے لئے رکی، پلٹ کر عجیب سی ... ہوا اور باہر نکل گئی۔

... اس ہوٹل کے کھانے کی تعریف ... اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ میں ... میں نے شاذو کو ایک خچر پر سوار ... خچر کی لگام اس نے اپنے بائیں بازو

سے باندھ لی تھی۔ پھر اس نے اپنی چھپی آزمائی اور خچر نے قدم بڑھا دیے۔ میں بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔ میں اس پہاڑن کو آخری بار دیکھ رہی تھی جس نے مجھے جوانی کی سرکشی کا مفہوم سمجھایا تھا۔

جب خچر میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں شبانہ اور اس نوجوان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میرا نام غفار ہے میم صاحب!" نوجوان نے شبانہ کے سوال کے جواب میں کہا تھا۔

"سنو غفار!" میں یکلخت اس سے مخاطب ہوئی۔ "ہمیں یہاں ایک گائیڈ کی ضرورت پڑے گی۔"

"میں گائیڈ بھی ہوں میم صاحب!" وہ بڑی مستعدی سے بولا۔ "میں آپ کو ساری نتھیا گلی گھما سکتا ہوں لیکن اب تو شام ہو رہی ہے۔ کل صبح میں آپ کے ریسٹ ہاؤس پر آجاؤں گا۔ آپ کون سے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہری ہو؟"

میں اس کے سوال کو گول کرتی ہوئی بولی۔ "میں پریسیڈنٹ کا ریسٹ ہاؤس دیکھنا چاہتی تھی۔"

"وہ تو میں ابھی دکھا دوں گا۔ کھانے کے بعد چلنا۔ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے لیکن ابھی تو ادھر سناٹا ہوگا۔ جب صدر صاحب آتا ہے تو بڑی رونق رہتی ہے۔"

"کیا مطلب!" میں نے تیزی سے کہا۔ "میں نے تو سنا ہے کہ صدر صاحب آجکل یہیں ہیں!"

غفار اس طرح مسکرایا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو، پھر وہ بولا۔ "صدر صاحب تو بہت دن سے ادھر نہیں آیا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔

شبانہ بھی منہ پھاڑ کر غفار کی شکل تکنے لگی تھی۔

"یہ کیسے ممکن ہے!" یہ الفاظ میرے منہ سے تیز سرگوشی بن کر نکلے۔

غفار حیرت سے ہماری طرف دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آسکا ہوگا کہ صدرِ مملکت کی عدم موجودگی کی اطلاع نے ہمیں اتنا حواس باختہ کیوں کر دیا ہے۔

"تمہیں یقین ہے غفار؟" میں ایک ایک لفظ پر زور دیتی ہوئی بولی۔

"میم صاحب!" غفار نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "ہمیں نتھیا گلی کے ایک ایک کونے کی خبر رہتی ہے۔"

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اس سے کیا کہوں۔ میں بس اس کا منہ تکتی رہی۔ اتنے میں کسی نے اسے آواز دے لی اور وہ لپکتا ہوا اس دروازے کی طرف چلا گیا جہاں سے دھواں نکلتا نظر آرہا تھا۔ غالباً وہ باورچی

خانہ تھا۔

"اب؟" شبانہ مجھے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اس لڑکے کی بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہی ہے۔" میں نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

"لیکن اس کی اطلاع غلط نہیں ہوسکتی۔ یہ لوگ واقعی نتھیا گلی کے ایک ایک کونے کی خبر رکھتے ہیں۔"

"میں اس کی تصدیق ضرور کروں گی۔"

"تصدیق کا ذریعہ؟"

"پریسیڈنٹ ریسٹ ہاؤس۔"

"یعنی آپ وہیں جاکر معلومات حاصل کریں گی؟"

"قطعی۔"

شبانہ چپ ہوگئی اور میں اپنے پرس میں سے سگریٹ نکالنے لگی۔ دماغ اتنا پراگندہ ہوگیا تھا کہ سگریٹ کی خواہش بڑی شدید ہوگئی تھی۔ سگریٹ جلاکر میں گہرے گہرے کش لینے لگی۔

غفار کے بیان کی درستی کا مطلب یہ ہوتا کہ میں بُری طرح بے وقوف بن گئی تھی لیکن شبانہ کے اصرار کے باوجود مجھے غفار کے بیان پر شبہ تھا۔ آخر دارالحکومت میں مجھے یہ بات کیوں بتائی گئی تھی کہ صدر نتھیا گلی گئے ہوتے ہیں! یہ جھوٹ مجھ سے کیوں بولا گیا تھا؟

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا رہا۔ میں نے پے درپے دو سگریٹ پھونک ڈالے۔ میرا حلق کڑوا ہوگیا تو میں نے دو گھونٹ پانی پی لیا۔ پانی پی کر میں نے گلاس میز پر رکھا ہی تھا کہ دروازے کی طرف سے قدموں کی آہٹ سنائی دی جو کسی مقامی آدمی کے جوتوں کی نہیں ہوسکتی تھی۔ میری نظریں اس طرف اٹھ گئیں اور پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا جسم سُن ہوکر رہ گیا ہو۔

وہ فوکس تھا جو ہوٹل میں داخل ہوا تھا۔ اب وہ بڑے اطمینان سے قدم اٹھاتا ہوا میری طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔

دو چار پل تک شل رہنے کے بعد میرے ہاتھوں نے تیزی سے حرکت کی اور میں نے اپنی گود میں رکھے ہوئے پرس میں سے ریوالور نکال لیا۔ میری نظریں فوکس ہی پر جمی ہوئی تھیں اور میرے چہرے کی بدلتی ہوئی کیفیت کو محسوس کرکے شبانہ نے بھی پلٹ کر فوکس کو دیکھ لیا تھا۔

فوکس مسکراتا ہوا میز کے قریب آیا اور دوستانہ انداز میں بولا۔

"ہیلو!..... نتھیا گلی کی سرد فضا میں فوکس تمہیں خوش آمدید کہتا ہے مس صبیحہ بنو!"

میں ہونٹ بھینچے اسے گھورتی رہی۔ میز کے نیچے میرے ہاتھ میں ریوالور بالکل تیار تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ فوکس اتنی دیدہ دلیری سے میرے سامنے کیوں آگیا ہے' اسے تو چھپ کر فیصلہ کن وار کرنا چاہیے تھا۔

"تمہیں صبیحہ بنو!" وہ بیٹھتا ہوا بولا

رہی۔"

"کیا مطلب؟" میں غرائی۔

"یہ میں نے اس بات کا جواب دیا۔
کہی لیکن جو تمہارے ذہن میں موجود تھی۔"
میں اس خیال سے جھنجھلا کر رہ گئی
کو میرے چہرے ہی پر پڑھ لیا تھا۔ اس میں کڑی
ایک مثالی ذہانت تھی۔

شبانہ مضطربانہ انداز میں پہلو بد
کے لئے بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا
"دراصل۔" فوکس پھر بولا۔ "اب اس کا
رہی کہ تمہیں ختم کردیا جائے۔ ذہین لوگوں کو
تو کتنا عظیم ہے۔ تمہیں ختم کرنے کا ذمہ د
عالم میں کرنا پڑا تھا اور اب وہ مجبوری باقی
میں اسے خاموشی سے گھورتی رہی
بولتا رہے اور ہر بات کی وضاحت ہوجائے
فوکس کسی توقف کے بغیر بولتا رہا۔ "یہ میری
کہ میں اس طرح بے وقوف بنا ہوں۔ پہلا
آیا تھا اور مجھے بہت دنوں تک اشتعال او
اس مرتبہ دو باتیں ایسی ہوتی ہیں جو میں
تو یہ کہ بے وقوف بن کر بھی خسارے میں
کہ میرے ساتھ ایک اور ذہین عورت بھ
ہے۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں بالکل
بناکر بولنا ہی پڑا۔

"صرف ایک فقرے سے سب کچھ
کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ "غالباً تمہیں یہ
صدرِ مملکت اس وقت نتھیا گلی میں نہیں
نہیں آئے۔"

یہی بات غفار نے بھی کہی تھی لیکن
بات سُنی تو مجھے اپنے اعصاب ایک بار
ہوتے۔

"اور اس طرح۔" فوکس کہتا رہا۔ "م
بھی بے وقوف بننا پڑا ہے۔ دارالحکومت
اڑائی جارہی تھی کہ صدرِ مملکت نتھیا گلی
"پھر اب؟" میں اُسے تیکھی نظروں
کیا چاہتے ہو؟"
"کچھ نہیں۔" فوکس نے لاپروا

آیا تھا کہ تمہارے لئے میری کار حاضر ہے
لئے کار کی ضرورت تو ہوگی نا!"
میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "مجھے تمہارا احسان
نہیں ہے۔"
کی کوئی بات نہیں۔ دوست ہی دوست کے
...سے جھنگ دو کہ میں کبھی امریکہ کی دوست
کیسے جاؤ گی؟"
...تو میں نتھیا گلی ہی میں گھومنا پھرنا
...معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ "میں سمجھ گیا۔"
؟"
...بات پر یقین نہیں آیا ہے اور یہاں سے
...ٹ کے ریسٹ ہاؤس کا رُخ کرو گی۔ خیر ا
...نہیں ہے۔ تم شوق سے میری بات کی
...بہرحال برقرار ہے۔ میں یہیں ہوٹل کے
...انتظار کروں گا۔"
...دو آدمیوں کی فکر بالکل نہیں ہے۔" میں نے
...ایکدم سنجیدہ ہوکر میری طرف دیکھنے لگا۔
...کی وجہ سے انہیں نمونیہ ہوگیا ہے۔ میں نہیں
...آئی تھی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اب تک
...سے پہلو بدلا اور اس طرح میری طرف
...اس کی وضاحت چاہتا ہو۔
...ت کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے مسٹر فوکس!"
...ہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم اپنے ساتھیوں کو لیکر
...اور بستی سے تمہیں پتہ چلا تھا کہ میں نتھیا گلی
...معلوم ہوتے ہی تم نے دو دو آدمیوں کی ٹولی
...راہ میں بارش ہوگئی، غالباً تمہیں کوئی پناہ گاہ
...ٹولی بہت دیر تک بارش میں بھیگتی رہی
...ہوئے آخرکار اس غار تک پہنچ گئے جہاں
...درجہ خستہ حال تھے اور جلد ہی ان پر
...اندیشہ ہے کہ وہ اب تک مرچکے ہوں گے۔"
...اٹھا اور بڑی تیزی سے چلتا ہوا ہوٹل
...شبانہ استعجابیہ انداز میں بولی۔ "اسے

یہ تو معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ غار کہاں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ شاذو کو پکڑ لے گیا ہے۔ وہی اسے اس غار تک پہنچا سکتی ہے۔ اس نے شاذو کو یہاں سے جاتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا۔"

"ہوں۔"

اب میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو فوکس کی کار کھڑی نظر آئی۔ اس میں دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ فوکس تیزی سے چلتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے کی طرف گیا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور کار حرکت میں آگئی۔ وہ اسی سمت میں جارہی تھی جدھر میں نے شاذو کے خچروں کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

"اب؟" شبانہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"شاید ساری محنت اکارت ہوچکی ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "چونکہ فوکس کے علاوہ یہاں کا ایک مقامی آدمی بھی صدرِ مملکت کی عدم موجودگی پر بضد ہے اس لئے غالباً یہ بات درست ہی ہوگی۔"

"پھر اب ارادہ کیا ہے؟"

"میں پریسیڈنٹ کے ریسٹ ہاؤس تو ضرور جاؤں گی۔"

"یعنی آپ تصدیق ضرور کرنا چاہتی ہیں۔"

"میں نہیں جانتی کہ میں کیا چاہتی ہوں۔" میں نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔ "میرا دل تو جیسے بجھ کر رہ گیا ہے۔"

"آخر وہ اطلاع کیا ہے جو آپ صدرِ مملکت تک پہنچانا چاہتی تھیں!"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ میں اسے وہ خبر سُنا کر حواس باختہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ ہمارے ملک پر دشمن کا حملہ ہونے والا تھا اور اب یہ اطلاع کسی طرح بھی صدرِ مملکت تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اگر میں پنڈی جانے کا قصد کرتی تو سواری کہاں سے لاتی۔ فوکس کی پیش کش پر غور کرنا تو احمقانہ بات تھی۔ اس کی کار میں بیٹھ کر تو میں گویا اس کے شکنجے میں پھنس جاتی۔ وہ کسی قیمت پر بھی مجھے پنڈی میں صدرِ مملکت تک نہ پہنچنے دیتا۔

چونکہ اب شام ہونے کو تھی اس لئے بس ملنے کا بھی امکان نہیں تھا اور اگر کسی طرح میں پنڈی پہنچ بھی جاتی تو شاید اتنی رات گئے صدرِ مملکت تک رسائی حاصل کرنا بھی محال ہی ہوتا۔ شاید اب بھی سرکاری ذرائع یہی کہتے کہ صدرِ مملکت پنڈی میں نہیں ہیں۔

میں بازی ہار چکی تھی اور مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا سا لگ رہا تھا۔ کھانا تیار ہوکر میز پر آیا تو میں نے محسوس کیا کہ میری بھوک بالکل مرچکی تھی۔ بڑی مشکل سے چند لقمے زہر مار کرسکی۔ شبانہ نے بھی کم ہی کھایا لیکن مجھ سے زیادہ کھایا۔ دراصل اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

کھانے کے بعد ہم نے کافی بھی پی کہ ٹھنڈک کا کچھ اندمال ہوسکے

اور چیک پوسٹ سے غفار سے لہا لہ وہ ہمیں پریسیڈنٹ کے ریسٹ ہاؤس کی طرف لے چلے۔

دھوپ اب بالکل غائب ہو چکی تھی۔ سورج پہاڑوں کے پیچھے چلا گیا تھا اور ان پہاڑوں کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں سورج کی شعاعوں سے چمک رہی تھیں۔

"وہ کشمیر کے پہاڑ ہیں۔" غفار نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے، گائیڈ کے فرائض انجام دینا شروع کئے۔ "اور وہ جو ادھر ایک برف پوش پہاڑی نظر آ رہی ہے، اُسے میرن جانی کہا جاتا ہے۔ نتھیا گلی آنے والے وہاں ضرور جاتے ہیں۔"

لیکن مجھے اس وقت میرن جانی سے کوئی دلچسپی تھی، نہ کشمیر کے پہاڑوں سے، میرا دماغ تو صرف اس سوال سے الجھا ہوا تھا کہ پریسیڈنٹ ہاؤس پہنچ کر مقصد برآری کی کوئی سبیل نکل سکتی ہے یا نہیں؟

بظاہر تو کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔

غفار کی رہنمائی میں ہم آگے بڑھتے رہے۔ کبھی ہمیں نشیب میں اُترنا پڑتا اور کبھی کوئی چڑھائی آجاتی۔ جگہ جگہ زمین، گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی لیکن ٹھنڈک نے اس کی ہریالی کو اُجاڑ رکھا تھا۔ کہیں کہیں پر برف بھی جمی ہوئی نظر آجاتی تھی۔

پریسیڈنٹ ریسٹ ہاؤس تک پہنچنے میں ہمیں آدھا گھنٹہ لگ گیا۔

ریسٹ ہاؤس کے سامنے والے حصے میں، زرد گھاس سے ڈھکا ہوا ایک وسیع قطعۂ زمین تھا۔ غالباً پریسیڈنٹ کا ہیلی کوپٹر یہیں اُترتا ہوگا۔ ریسٹ ہاؤس کے دروازے پر دو مسلح محافظ موجود تھے۔ اُن کے علاوہ کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ریسٹ ہاؤس پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دروازے اور بیشتر کھڑکیاں بند تھیں۔ ایک چمنی سے دھواں نکلتا نظر آ رہا تھا۔ وہ چمنی یا تو باورچی خانے کی ہوگی یا کسی کمرے کے آتشدان کی! .... بہرحال اُس سے نکلتے ہوئے دھوئیں کا مطلب یہ تھا کہ ریسٹ ہاؤس میں کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہے۔

غفار ریسٹ ہاؤس سے کچھ فاصلے ہی پر رُک گیا اور بولا "بس یہاں سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔"

"لیکن میں تو دروازے تک جانا چاہتی ہوں۔"

"آپ چلی جائیں۔ اگر میں آگے بڑھا تو یہ سنتری مجھے گالیاں بکنے لگیں گے۔ صدر صاحب آج کل یہاں نہیں ہیں اس لئے یہ لوگ آپ سے شاید کچھ نہ کہیں۔"

میں شبانہ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتی چلی گئی۔ سنتریوں کی نظر ہم پر پڑ چکی تھی اور انہوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

جب ہم نے گھاس کا قطعۂ زمین نصف کے قریب طے کر لیا تو ایک سنتری نے اپنی رائفل شانے سے اُتار لی۔ وہ کچھ زیادہ ہی محتاط

فطرت کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ یہی سی
میرے ساتھ شبانہ کو بھی بڑھنا پڑ رہا تھا
ہچکچاہٹ صاف ظاہر ہو رہی تھی۔
گھاس کے قطعۂ زمین کو عبور کر کے
پر پہنچ گئے۔ میں سنتریوں کی طرف دیکھ کر
لیکن وہ دونوں بالکل ٹھس رہے۔ شاید اُن
بھی نہیں ہوتی۔
"کیا یہ پریسیڈنٹ ریسٹ ہاؤس
کر بیٹھی۔ گفتگو کا آغاز کرنے کے لئے مجھے کُ
ان دونوں نے بیک وقت اثبات
کچھ نہ بولے۔
"کیا پریسیڈنٹ آئے ہوئے ہیں؟" می
"نہیں۔" ایک سنتری کے منہ سے نک
فوراً ہی دوسرا سنتری ذرا سخت لہجے م
سے کیا غرض؟ بہتر ہوگا کہ آپ یہاں سے لَ
"کیا ریسٹ ہاؤس میں کوئی نہیں ہے؟"
"میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی
ذرا تیز لہجے میں کہا۔ "کیا آپ کے گائیڈ نے آ
کو ریسٹ ہاؤس کے قریب جانے کی اجا
"اُس نے تو بتایا تھا لیکن..." مـ
پڑا کیونکہ اُسی وقت ریسٹ ہاؤس کا دروازہ
عمر آدمی کی شکل نظر آئی تھی۔ فوجی وردی میں ملبو
جب اُس کی نظر مجھ پر اور شبانہ پر پڑی تو
سنتریوں کی طرف دیکھنے لگا۔
"سر!" اسی تیز طرار سنتری نے جلد
ہاؤس میں موجود لوگوں کے بارے میں پو
ان سے کہا بھی ہے کہ یہ فوراً یہاں سے چلی ج
آتا ہے۔"
ادھیڑ عمر کیپٹن متجسس نظروں سے میری طر
پر بہت زیادہ گھبراہٹ ظاہر ہونے لگی تھی
"کیپٹن!" میں نے بڑے سکون سے کہا
پُر امن شہری ہوں۔ اگر میں نے محبت اور عقید
صدرِ مملکت کے بارے میں پوچھ لیا تو آخر اس
ہے؟ کیا لوگوں کو اپنے ملک کے سربرا
"میں آپ کے اس جذبے کی قدر کرتا
سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن عام لوگوں کو ریسٹ ہاؤ
نہیں دی جاتی۔"

ہم چلے جاتے ہیں۔" میں نے سر جھٹک کر کہا۔
کیپٹن جلدی سے ہاتھ اٹھا کر بولا اور پھر بڑے
یا۔ "آئیے! اندر تشریف لے چلیے!"
میں تقریباً اچھل پڑی تھی۔
ے چلیے!" وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ "صدرِ محترم کا
اہل عقیدت مند یہاں پر اُن سے ملنے آئے تو
موجود ہیں۔" اُس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔
ایک لہر میرے دماغ سے اٹھی اور پورے
میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا۔
انہیں پھر بولا۔ "صدرِ محترم چونکہ صرف آرام کرنے
اُن کی آمد کو خفیہ رکھا گیا تھا۔"
شبانہ کی طرف دیکھا جو کیپٹن کا منہ تک رہی تھی۔
یں!" کیپٹن نے کھلے ہوئے دروازے کی طرف
اشارہ کیا۔
غفار کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور اسی طرح کھڑا
اشارہ کیا کہ وہ وہیں رُکے اور پھر میں شبانہ
ریسٹ ہاؤس میں داخل ہو گئی۔ کیپٹن ہمارے
دروازہ بند کر لیا۔ اس کمرے میں کئی بلب روشن
شام کی مدھم روشنی اندر نہیں پہنچ سکتی تھی۔
"آگے چلیے!" کیپٹن نے اندرونی دروازے
ے کے بغیر قدم بڑھاتی چلی گئی لیکن شبانہ کچھ
گزرنے کے بعد جب ہم تیسرے کمرے میں
ت کیپٹن کی آواز سنائی دی۔ "بس یہیں رُک
گئی اور جب ہم نے پلٹ کر دیکھا تو شبانہ
کی چیخ نکل گئی۔
کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کی نال ہماری
ہے؟" میں بڑے تیز لہجے میں بولی۔
صاف بات ہے محترمہ!" کیپٹن نے کہا۔ "میں اس
ہوں اور مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر ریسٹ ہاؤس
مشکوک شخصیت نظر آئے تو اُسے حراست میں
نہ چھوڑوں جب تک وہ مجھے اپنی طرف

سے مطمئن نہ کر دے۔"

"اس کا مطلب ہے آپ نے جھوٹ بولا تھا کہ پریسیڈنٹ یہاں موجود ہیں؟"

"قطعی جھوٹ! سفید جھوٹ! پریسیڈنٹ تو بہت دن سے یہاں نہیں آئے۔" کیپٹن نے کہا اور پھر بولا۔ "اب آپ اپنے بارے میں بتائیے! آپ کون ہیں اور آپ کو صدرِ مملکت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟"

میرا ذہن اب بڑی تیزی سے ایک خاص لائن پر کام کرنے لگا تھا۔ مجھے یہ بات اچانک ہی سوجھی تھی کہ اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

قدرے وقفے سے کیپٹن پھر بولا۔ "میں آپ کی اس بات پر مشکل ہی سے یقین کر سکوں گا کہ صدرِ مملکت کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کی تحریک صرف محبت اور عقیدت نے کی تھی۔"

"آپ اس پر بالکل یقین نہ کیجئے کیپٹن!" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "کیونکہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔"

ادھیڑ عمر کیپٹن کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہو گئے۔ دراصل اس کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگا کہ میں اتنی جلدی اپنا بیان بدل دوں گی۔

"کیپٹن!" میں نے اپنے لہجے میں وقار پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے ایک اہم ترین اطلاع صدرِ مملکت تک پہنچانی ہے۔ میں وہ اطلاع لے کر پنڈی پہنچی تھی لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر، سرکاری ذرائع نے مجھے مِس گائیڈ کیا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ صدرِ مملکت نتھیا گلی گئے ہوئے ہیں۔ میں وہاں سے فوراً ادھر روانہ ہو گئی اور بہ ہزار دقت یہاں پہنچی ہوں۔ راستے میں کچھ لوگوں نے مجھے ختم کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو اس اطلاع کو صدرِ مملکت تک پہنچنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ اُن لوگوں کا تعلق سی۔ آئی۔ اے سے ہے۔"

"سی۔ آئی۔ اے" کے نام پر کیپٹن اُچھل پڑا۔

میں بدستور بولتی رہی۔ "اگر وہ اطلاع رات تک بھی صدرِ مملکت تک پہنچ جائے تو اس سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔"

"وہ اطلاع کیا ہے؟"

"مجھے افسوس ہے کیپٹن کہ میں آپ کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتاسکوں گی۔ یہ قومی نوعیت کا معاملہ ہے جس میں رازداری بے حد ضروری ہے۔ میں وہ اطلاع صدرِ مملکت کے علاوہ کسی کو بھی نہیں دے سکتی۔"

"ہوں!" کیپٹن غور سے میرے چہرے کا جائزہ لینے لگا اور پھر بولا۔ "میں کیوں یقین کروں کہ یہ ساری باتیں درست ہیں؟"

"اگر آپ یقین کریں گے تو اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور اگر آپ یقین نہیں کریں گے تو

یہ ملک کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہو گا۔"

ادھیڑ عمر کیپٹن بڑے غور سے میری طرف دیکھنے لگا۔ وہ میری باتوں کے وزن کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔

"آپ نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا!" وہ کچھ سوچ کر بولا۔

"میں پاکستان کی ایک عام شہری ہوں لیکن صدرِ مملکت میرے نام سے خوب واقف ہیں۔ اگر آپ صدرِ مملکت تک یہ پیغام ہی پہنچا دیں کہ صبیحہ بانو اُن سے ملنے کے لئے پریشان و سرگرداں ہے تو وہ فوراً یہ حکم جاری کر دیں گے کہ مجھے بلا تاخیر اُن تک پہنچا دیا جائے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کسی صبیحہ بانو سے واقف ہوں لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ وہ صبیحہ بانو آپ ہی ہیں۔"

اس حجت پر میں جھنجلا سی گئی لیکن میں نے اپنے جذبات کو بے قابو نہیں ہونے دیا۔ اشتعال انگیز گفتگو سے تو بات بننے کی بجائے اور بگڑ جاتی۔ میں نے بڑے تحمل سے کہا "میرے پاس واقعی اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ میں صبیحہ بانو ہوں۔"

"پھر میں آپ کی باتوں پر کیوں یقین کروں۔"

"اس لئے کہ اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے۔" میں نے بدستور تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے کہا "آپ اپنے دو یا چار سنتریوں کی حراست میں مجھے پنڈی بھجوا دیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں آپ کے پاس گاڑیاں تو ہوں گی۔ میں جتنی جلدی صدرِ مملکت تک پہنچ جاؤں گی، ملک کے حق میں اتنا ہی بہتر ہو گا۔ اگر زیادہ وقت گزر گیا تو اس کی تلافی نہیں ہو سکے گی۔ میں اپنی اس اطلاع کی اہمیت کا اندازہ دلانے کے لئے آپ کو صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ وہ بات کشمیر میں ہونے والی جنگ سے تعلق رکھتی ہے۔"

"کیا!" کیپٹن اچھل پڑا۔

"جی ہاں۔" میں نے اپنے لہجے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا "وہ ایک ایسی اطلاع ہے جو کشمیر کی جنگی صورتِ حال میں ایک نمایاں تبدیلی کا باعث ہو گی۔"

کیپٹن بہت زیادہ مضطرب نظر آنے لگا۔ میں نے تُرپ ہی ایسا پھینکا تھا جو ایک فوجی کی نظر میں صد درجہ اہمیت کا حامل ہو سکتا تھا۔

"اب دیر نہ کیجیے کیپٹن!" میں پھر بولی "گزرنے والا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔"

کیپٹن چند لمحے متفکرانہ نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر شبانہ کی طرف دیکھتا ہُوا بولا "یہ کون ہیں؟"

"ان معاملات سے اس لڑکی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بس میرے ساتھ ہے۔"

کیپٹن پھر کچھ سوچنے لگا تو میں اسے ٹوکنے پر مجبور ہو گئی "آپ بہت ہی قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں کیپٹن!"

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جوا
عجیب سی گونج پیدا ہوئی اور پھر وہ شور بڑ
چلا گیا۔

"یہ کیا!" شبانہ کے مُنہ سے استفہا

"گھبرانے کی ضرورت نہیں" یہ ہیلی کا
گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "وہ ریسٹ ہا
لے کر آیا ہو گا۔"

"فائن باس" پُرمسرت لہجے میں بولی
ہیلی کاپٹر میں بھیج دیں تو بہت بہتر ہو
جلد از جلد صدرِ مملکت تک پہنچ جا
کیپٹن میری آنکھوں میں دیکھتا ہُوا
لگا۔

ہیلی کاپٹر اب ریسٹ ہاؤس کے ا
ایسا معلوم ہُوا جیسے وہ ریسٹ ہاؤس کے
گیا ہو۔

"کیا آپ کے پاس کوئی ہتھیار ہے؟"
"کیوں!" میں اسے گھورنے لگی۔
"اگر آپ کے پاس کوئی ہتھیار ہے تو
کر دیجیے!"

"ہتھیار نہ ہو تو؟"

"میں آپ کے بیان پر یقین کرنے ل
لوں گا۔" کیپٹن نے فیصلہ کن انداز میں
آپ کو ہیلی کاپٹر میں نہیں بھیج سکتا۔"

"اچھی بات ہے۔" میں نے ایک
پرس کھولنے لگی۔ اس میں سے ریوالور نکا
طرف بڑھا دیا۔

"اور یہ؟" کیپٹن نے شبانہ کی طر
"یہ غیر مسلح ہیں۔" میں نے اپنے
ہوئے کہا۔ مجھے اپنا غیر مسلح ہو جانا بہت کھل
ضرورت بھی نہیں تھی۔

ہیلی کاپٹر کا شور یکلخت بند ہو گیا
گیا تھا۔

کیپٹن نے بلند آواز میں کسی کو پکارا
اور ایک فوجی سپاہی اندر آیا۔ وہ غیر مسلح تھا۔
"اپنی اسٹین گن لے کر آؤ!" کیپٹن
وہ فوراً واپس چلا گیا۔ میری سمجھ میں نہیں
اس سے اسٹین گن کیوں منگوائی تھی۔
جب وہ سپاہی اسٹین گن لے کر آ گیا اور کیپٹن

ہم نہیں۔ میں ہیلی کاپٹر کے پائلٹ سے
ملنے کے بعد ہی میں یہ فیصلہ کر سکوں
بھیجا جا سکتا ہے یا نہیں۔"
ہی کو کچھ اشارہ کیا اور اپنا ریوالور ہولسٹر میں
باہر کمرے سے نکل گیا۔ میرا ریوالور اس
لیا تھا۔
اس طرح اسٹین گن سنبھال لی تھی جیسے ہمیں
اس کمرے سے قدم باہر نہیں نکالنے
م اطمینان پر غصہ آنے لگا لیکن میں خون
کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔
ے سے صاف ظاہر ہونے لگا تھا کہ وہ
بھی ہو گئی تھی۔ ایسے واقعات اس کی
آئے ہوں گے۔
منٹ بعد واپس آیا اور آتے ہی بولا "آپ
پنڈی جا سکتی ہیں۔ وہ آپ کو ہیڈ کوارٹر
کر ایک خط دے دیا ہے وہ خط
ار افسر کو دے دیا جائے گا اور پھر وہی آفیسر
ملنے کا بندوبست کرے گا۔"
ہم ہے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔
دروازے کی طرف اشارہ کیا
وہ شبانہ کی تلاشی لے کر کسی ہتھیار کی
لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ اس نے میری بات

سے نکلے تو پتہ چلا کہ رات ہو چکی تھی۔
ہُوا تھا۔ دُور دراز کہیں کہیں کوئی روشنی
یہ ریسٹ ہاؤس کی تھی۔
ہیلی کاپٹر کھڑا ہُوا تھا اور اس قطعۂ زمین
میں سے صرف ایک لیمپ روشن
ل اور پہ ہی وہ سارے لیمپ جلاتے جاتے ہوں

دو آدمی کھڑے ہوئے تھے جن میں سے
اور دوسرا ایک فوجی سپاہی تھا۔
گنڈا سنگھ کا خیال آیا۔ میں نے چونک کر اُس
دیکھا تھا۔ اُدھر مکمل تاریکی تھی۔ واپڈا الیکٹرک
نہیں جا رہی تھی کیونکہ بیچ میں ہیلی کاپٹر

کھڑا ہُوا ہو گا!" میں نے کیپٹن سے کہا۔
یقیناً تھا مگر اب نہیں ہے۔" کیپٹن
نے جواب دیا "میں نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔"

"اوہ! میں نے تو اس بے چارے کو ابھی ایک پیسہ بھی نہیں دیا تھا۔"

کیپٹن نے میری اس بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور ہم لوگ ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ گئے۔ پائلٹ ہماری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ لیفٹیننٹ شاد ہے۔" کیپٹن نے پائلٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے بتایا اور پھر پائلٹ سے کہا "یہ دونوں وہ خواتین ہیں جن کو تم ہیڈ کوارٹر لے جاؤ گے۔"

پائلٹ نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ اس نے مجھے اور شبانہ کو بڑی گہری نظر سے دیکھا تھا۔

کیپٹن پھر مجھ سے مخاطب ہُوا "آپ دونوں ہیلی کاپٹر کے پچھلے حصے میں بیٹھیں گی۔ آپ کا ریوالور میں نے لیفٹیننٹ شاد کو دے دیا ہے، وقت آنے پر آپ کو واپس مل جائے گا۔"

"میں اس کے لئے کچھ زیادہ پریشان نہیں ہوں۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

وہ سپاہی جو پائلٹ کے قریب کھڑا ہُوا تھا، آگے بڑھ کر ہیلی کاپٹر کے پچھلے حصے کا دروازہ کھولنے لگا۔

"غالباً اب مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔" میں نے مسکرا کر کیپٹن سے کہا۔

"اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔" کیپٹن نے سنجیدگی سے کہا "میں نے جو کچھ بھی کیا ہے، آپ کی خاطر ہرگز نہیں کیا ہے۔"

سپاہی نے ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھول دیا تھا۔ کیپٹن نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اب آپ دونوں بیٹھ جائیں۔"

میں شبانہ کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے کے بعد میں نے شبانہ کو بھی اوپر چڑھا لیا۔ باہر سے اُن لوگوں نے دروازہ بند کر دیا۔ میں کھڑکی سے باہر کا جائزہ لینے لگی۔ پائلٹ اب ہیلی کاپٹر کے اگلے حصے کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے سات بج چکے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ اب میں نصف شب سے پہلے پہلے صدرِ مملکت تک پہنچ جاؤں گی۔ گویا مایوسی کے آخری اسٹیج پر پہنچ کر ایک بار پھر کامیابی کی اُمید بندھ گئی تھی۔ جلد ہی ہیلی کاپٹر کا انجن اسٹارٹ ہو گیا اور اوپر لگا ہُوا پنکھا تیزی سے گھومنے لگا۔

"باز!" شبانہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی "اب مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے میں کوئی بھیانک اور طویل خواب دیکھ رہی ہوں۔"

"بس چاند!" میں نے اس کا گال تھپتھپا کر کہا "اب یہ بھیانک اور طویل خواب اپنے خاتمے کے قریب ہے۔ میں یہ کبھی نہیں بھول سکوں گی کہ تم نے ایک نازک وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔"

شبانہ کچھ نہیں بولی اور میں پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

اُسی وقت وہ عجیب و غریب واقعہ ہوا جس نے مجھے حواس باختہ کر دیا۔

بائیں جانب نشیب تھا اور اُس طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے اس تاریکی میں شعلے چمکتے ہوئے دیکھے اور میری تجربہ کار نگاہوں نے مجھے بتا دیا کہ اس طرف سے فائرنگ کی جا رہی تھی۔ فائرنگ کی تصدیق اس بات سے بھی ہو گئی کہ میں نے اس سپاہی کو سینہ تھام کر گرتے ہوئے دیکھا جس نے ہمارے لئے ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھولا تھا۔ اس کے سینے پر پھیلتی ہوئی خون کی سُرخی اس کے ہاتھوں کو بھی لپیٹ میں لے چکی تھی۔

شبانہ کا دہنی اچھل پڑی۔

اُسی وقت ادھیڑ عمر کیپٹن بھی کسی گولی کا نشانہ بن گیا۔ وہ گولی اس کے سر میں لگی تھی اور وہ کٹتے ہوئے شہتیر کی طرح ڈھیر ہو گیا تھا۔

”یہ... یہ کیا ہو رہا ہے؟“ شبانہ چیخ اُٹھی۔ اس نے بھی دُوسری کھڑکی سے باہر کا یہ خونیں منظر دیکھ لیا تھا۔

ریسٹ ہاؤس کے دروازے پر کھڑے ہوئے سنتری اپنی رائفلوں سے گولیاں برساتے ہوئے تیزی کے ساتھ آگے بڑھے مگر فوراً ہی ان میں سے بھی ایک کو داعیٔ اجل کی آواز پر لبیک کہنا پڑا۔ دُوسرے نے خود کو اوندھا گرا کر جان بچانے کی کوشش کی۔

میں اٹھی اور تیزی سے دروازے کی طرف جھپٹی۔ میں اسے کھولنا چاہتی تھی مگر اُسی وقت ہیلی کاپٹر کو ایسا جھٹکا لگا کہ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور شبانہ پر گری۔ شبانہ کے مُنہ سے چیخ نکل گئی۔ ہیلی کاپٹر کے ہچکولوں نے مجھے فوری طور پر سنبھلنے بھی نہیں دیا۔ میں اور شبانہ کئی مرتبہ ادھر سے اُدھر لڑھکے۔ کوئی آدھے منٹ بعد جب ہمیں سنبھلنے اور کھڑے ہونے کا موقع ملا تو میں یہ اندازہ لگا چکی تھی کہ ہیلی کاپٹر اس وقت محوِ پرواز ہے۔ میں جھپٹ کر ایک کھڑکی تک گئی اور باہر دیکھنے لگی لیکن اندھیرے میں مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ سکا۔

ہیلی کوپٹر تاریک فضا کو چیرتا ہُوا ایک طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

جس طرح صحراؤں میں ریت کے بھنور اُٹھتے ہیں اسی طرح میرے ذہن میں یہ سوال چکرا رہے تھے کہ ہیلی کوپٹر کے باہر جس ہنگامے نے جنم لیا تھا، اس کی ہیئت کیا تھی؟ اس کا خاکہ کیا تھا؟ وہ گولیاں کس نے چلائی تھیں اور کیوں چلائی تھیں؟ میں نے اپنی آنکھوں سے پریسیڈنٹ ریسٹ ہاؤس کے محافظین کو گولیاں کھا کر گرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن یہ نہیں دیکھ سکی تھی کہ ان لوگوں نے کس پر گولیاں چلائی تھیں۔ وہ کون تھا جو ریسٹ ہاؤس پر حملہ آور ہوا؟ کیا وہ فوکس تھا؟

اس سوال کے جواب میں میرے لا
اشارہ دینے کی کوشش کی۔ اس حملے کا مقصد
فوکس ہر قیمت پر مجھے پریسیڈنٹ تک پہنچنے
نے جب یہ دیکھا ہوگا کہ میں پریسیڈنٹ تک
گی تو اس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے حملہ
لیکن یہ حملہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ کر
کہ ہیلی کوپٹر کے پائلٹ نے بڑی ہوشیاری کا
جب قتل و خون کی یہ گرم بازاری دیکھی تو ہا
ہے اس نے اپنے ہیڈ کوارٹر کو ریڈیو پیغا
سے آگاہ کر دیا ہو۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا، کم سے کم
رہی تھی کیونکہ میری آنکھوں اور حقائق پر
پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں ان معاملات سے آ
کے باہر وقوع پذیر ہو چکے تھے۔ میں تو یہی ہم
پنڈی کی طرف محوِ پرواز ہے اور میں کا میاب
ہوتی جا رہی ہوں۔

میرے وطن کی سرحدوں پر دشمن ا
ڈالا تھا اور میں اب خود کو ایسی پوزیشن میں محسو
سات گھنٹے پہلے ہی صدرِ مملکت کو اس کی اطلا

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میں نے ا
اپنی ساتھی کی طرف دیکھا۔

شبانہ اب دم بخود سی بیٹھی ہوئی
گیا تھا۔ ہر چند وہ بڑے تحمل اور دلیری سے
تھی لیکن اب ایسا معلوم ہونے لگا تھا
جواب دے گئی ہو۔ موجودہ صورتِ حال ا
منفی اثرات مرتب کر رہی تھی اور یہ اس کے ا
وہ اپنے اعصاب کو ان اثرات سے بچائے ر

میں اس کے قریب جا بیٹھی اور ہم
کے لئے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ میں
گالوں پر رکھ دیے اور سرگوشی کرنے لگی
اچھی گل شبنو! تو نے میرا بہت ساتھ دیا۔ میں
اب ذرا دیر میں ہم پنڈی پہنچ جائیں گے اور
پہنچ جائے گا۔“

”آپ ایک عجیب و غریب عورت ہیں
آواز میں کہا۔

”اور نفرت انگیز بھی!“ میں نے ہلکے
شبانہ چُپ رہی۔

”جواب دو شبنو!“ میں نے جذباتی

بھی ہوں نا؟“

ت نفرت ہو گئی تھی لیکن اب... نہ جانے
لمحات آپ کے ساتھ گزارنے کے بعد... وہ نفرت

ہلاکت نے لے لی ہے“ میں نے جلدی سے کہا۔
”... ہولناک انداز میں بولی ”نفرت ختم ہونے کا یہ مطلب
جائے“
ت ہنس پڑی اور پھر کہا ”یہ میرا دل رکھنے کے

ہلاکت نہیں ہو سکتی“
شبانہ نے اپنے دانتوں سے اس کے ہونٹوں پر
اس کے مُنہ سے سسکاری نکل گئی۔
... اپنی آغوش میں محض اس لئے سمیٹا تھا کہ اس
... چاہتی تھی لیکن چند ہی لمحوں بعد مجھے اچانک
شبانہ کے جسم کی حرارت سے میرے وجود کی
پگھلنے لگی تھی۔ پگھلتی ہوئی اس شے کا خمیر شاید
وہ ایک ایسی کیفیت تھی جو پابندِ تقاضائے خرد
... انسان دُنیا و مافیہا کو تج کر اس فضائے بسیط
... ایک لاہوتی نغمے کی گونج، مساموں میں اترتی
... حال اُس وقت میرا ہوا تھا۔ میں، میں نہ رہی
... نہیں رہی تھی۔ ہم بس کائنات کے دو ایسے عنصر
... کے لئے لابدی تھے۔ وہ عنصر اگر اُن لمحات میں
... ہو جاتے تو شاید کائنات کا شیرازہ بکھر جاتا۔
... اس لئے نظامِ دوامِ کائنات محسوس ہو رہا تھا۔
... من پر پھیلتی ہوئی شفق کو میں نے اپنے ہونٹوں
... اور میری انگلیوں کی مضراب سے اس کے بدن
... نے لگے۔ اس کا جوبن کھد بدانے لگا اور اس
... دھلت سے مجھے اندازہ ہوا کہ اب شبانہ کی سانسوں
... ہیں۔ وہ فتنۂ دوراں میرے ان اشتعال انگیز حربوں
... تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ ضبط و تحمل کی حدود کو
... بغلوں کے نیچے سے گزر کر میری پیٹھ پر آئیں
... اتنے پُر وحشت انداز میں اپنی طاقت کو آزما لیا
... چاہتی ہو، مجھے پیس ڈالنا چاہتی ہو۔ مجھے یوں محسوس
... سیلاب اس کی جوانی کے بھنور میں پھنس گیا ہو۔
... نے بھنور میں ایک فسانۂ طرب کی داغ بیل پڑ رہی
... اور یہ ہیلی کوپٹر کے لینڈ کرنے کی وجہ سے وہ فسانہ

رنگین، شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکا۔ ہیلی کوپٹر کا انجن بند ہو چکا تھا اور میں سکوت ہی کی وجہ سے چونکی تھی۔ بے اختیار میری نظر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر گئی اور مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ہیلی کوپٹر کو پرواز کرتے ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ کم سے کم اتنی دیر میں پنڈی نہیں پہنچا جا سکتا تھا۔

ہیلی کوپٹر کے لینڈ کرنے کا احساس شبانہ کو بھی ہو چکا تھا۔ اس کے بدن کے تنے ہوئے تار جیسے یکلخت ڈھیلے پڑ گئے اور مجھے اس کے بازوؤں کے مہکتے ہوئے حصار سے آزادی مل گئی۔ میں نے جلدی سے اُٹھ کر کھڑکی سے جھانکا لیکن مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ جس جگہ ہیلی کوپٹر اترا تھا، وہاں گھور تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

ہیلی کوپٹر کا پچھلا دروازہ کھلنے کی آواز نے مجھے اس طرف متوجہ کیا اور پھر میں ذرا دیر کے لئے شاید سانس لینا ہی بھول گئی۔ یہ میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں یہاں فوکس کو اپنے سامنے پاؤں گی۔ ہیلی کوپٹر کی اندرونی روشنی اس پر پڑ رہی تھی اور وہ اپنے پس منظر میں پھیلی ہوئی تاریکی کے باعث اس وقت کسی دوسری دُنیا کی مخلوق نظر آ رہا تھا۔

”ہیلو!“ وہ اپنے ہونٹوں پر طنزیہ مُسکراہٹ سجائے ہوئے، ہیلی کوپٹر کے اندر آ گیا۔

اسے یوں سامنے پا کر شبانہ کو بھی سکتہ سا ہو گیا تھا۔

”تم!“ میں جیسے خواب میں بولی تھی۔

”میں ہی ہوں بینو!“ وہ میرے سامنے بیٹھتا ہوا بولا ”آج تم نے دیکھ لیا کہ غیر متوقع صورتِ حال سے نپٹنا بھی فوکس کو خوب آتا ہے۔ میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم ریسٹ ہاؤس کے نگراں کو رام کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گی اور تمہیں پنڈی جانے کے لئے ہیلی کوپٹر بھی مل جائے گا۔ بہرحال جب یہ بات میرے سامنے آئی تو میں نے نپٹنے میں وقت ضائع نہیں کیا اور راست اقدام ہی میں بہتری جانی۔“

”لیکن... تم... کیا...؟“ میں اتنی اُلجھ گئی تھی کہ اپنی بات بھی پُوری نہیں کر سکی۔

فوکس کچھ اس انداز سے مُسکرایا جیسے میرے اضطراب و پریشانی سے لطف اندوز ہو رہا ہو ”شاید تم یہ جاننے کے لئے بے چین ہو کہ ہیلی کوپٹر پر میرا قبضہ کیسے ہو گیا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ہیلی کوپٹر کے پائلٹ کے کیبن میں پائلٹ کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ میرے ریوالور کی گولی نے اس کی کنپٹی کو نشانہ بنایا تھا اور اس کے بعد میں دوڑ کر ہیلی کوپٹر میں چڑھ گیا تھا۔ میرے ساتھیوں کے ریوالوروں سے نکلی ہوئی گولیاں محافظوں کو قریب آنے سے روکے رہیں اور مجھے ہیلی کوپٹر کو اُڑانے کا موقع مل گیا۔ ہیلی کوپٹر کا انجن تو مجھے اسٹارٹ ہی ملا تھا۔“

دفعتاً ایک سیار کی آواز سنائی دی اور شبانہ اُچھل پڑی۔ اس نے

"کوئی سیار بولا تھا" میں نے جواباً کہا اور پھر سوالیہ نظروں سے فوکس کی طرف دیکھا۔

"ہاں" فوکس نے سر ہلاتے ہوئے کہا "ہم اس وقت ایک جنگل میں ہیں۔ غالباً یہ مری کے قریب ہی کوئی وادی ہے۔ میں اس کے لئے مجبور تھا کہ یہیں کہیں اتر پڑوں۔ اگر آبادی کا رُخ کرتا تو پکڑے جانے کا خدشہ تھا۔ میں نے سوچا، ایک ایڈونچر ہی سہی یہاں سے پیدل چل کر آبادی تک پہنچنا ایک ایڈونچر ہوگا۔"

شبانہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی "اگر ہم نتھیا گلی کے قرب و جوار میں ہی کسی جگہ ہیں تو ہماری مڈ بھیڑ کسی درندے سے بھی ہو سکتی ہے۔ یہاں چیتے پائے جاتے ہیں۔"

"میں نے بتایا نا کہ ہم اس وقت نتھیا گلی کے نہیں بلکہ مری کے قرب و جوار میں ہیں" فوکس بولا۔

میں نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے اپنی اس شکست پر تلملا رہی تھی۔ فوکس نے مجھے بالآخر صدرِ مملکت تک پہنچنے سے روک ہی دیا تھا۔ میں اگر مسلح ہوتی تو اس وقت فوکس کے سینے میں نصف درجن گولیاں اتار دیتی لیکن پریذیڈنٹ ریسٹ ہاؤس کے محافظ نے میرا ریوالور لے کر ہیلی کوپٹر کے پائلٹ کو دے دیا تھا۔ مجھ سے یہ بات کہی گئی تھی کہ منزل پر پہنچنے کے بعد میری طرف سے اطمینان حاصل کر کے ریوالور مجھے واپس کر دیا جائے گا۔ میں سوچ رہی تھی کہ وہ ریوالور اب بھی پائلٹ کی جیب میں ہوگا۔ فوکس نے بتایا تھا پائلٹ کی لاش کیبن میں پڑی ہوئی ہے۔ اگر میں کیبن میں پہنچ کر ریوالور پر قبضہ کر لیتی تو صورتِ حال کو ایک بار پھر اپنی موافقت میں لایا جا سکتا تھا لیکن یہ بات قابلِ غور تھی کہ فوکس مجھے کیبن تک جانے دے گا یا نہیں؟

"کیا بات ہے ضیبیہ بینو!" فوکس تمسخرانہ انداز میں بولا "اتنی خاموشی تو کوئی اچھی چیز نہیں۔"

"کچھ ایسی بری بھی نہیں۔"

"میرا خیال ہے تمہیں خندہ پیشانی سے یہ شکست قبول کر لینا چاہیے۔"

"اس لئے کہ یہ تمہاری خواہش ہے!"

فوکس نے نفی میں سر ہلایا اور پھر بولا "محض اس لئے کہ یہ وقت کا تقاضہ ہے۔"

"میں وقت کے تقاضوں کی پابند رہ کر زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ وقت کو میرے تقاضے سمجھنا پڑیں گے۔"

"سوچنے کا یہ انداز، مثالی ہے لیکن ہوا کے رُخ کو نہ پہچاننا حماقت ہے۔" فوکس نے بڑی سنجیدگی سے کہا "ویسے اب مجھے یقین ہو چکا ہے کہ تم کبھی بھی ہماری تنظیم کا پرزہ نہیں بن سکو گی۔

اس یقین کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں ...ہیں
شائد میری فطرت کا ایک کمزور پہلو ہے کہ ...
نہیں دیکھ سکتا۔ میں ذہانت کو خدا سمجھتا ہوں۔"

"تم اب چاہتے کیا ہو؟" میں غرائی "...
جنگل میں گزارنا ہے؟"

"اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟ ظا...
دن کی روشنی ہی میں طے کر سکیں گے۔"

"ہیلی کوپٹر......"

"اس کے استعمال کرنے کا سوال ہی پیدا...
نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "میں پکڑے جا...
لے سکتا۔"

میں چند لمحے فوکس کی آنکھوں میں دیکھ...
سے بولی "میں پائلٹ کے کیبن میں جانا چاہتی...

"کیوں؟"

"کیا واقعی وہاں پائلٹ کی لاش پڑی...

"ہاں، کیوں!" فوکس کے لہجے میں ا...

"میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

فوکس ایک دم ہنس پڑا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" میں...

"صاف صاف کہو ضیبیہ بینو! فوکس...
دراصل پائلٹ کی جیب سے اپنا ریوالور نکالنا...
ریسٹ ہاؤس کے محافظ نے ہیلی کوپٹر کے قر...
ریوالور کے بارے میں جو بات کہی تھی، وہ میں...
یہاں پہنچتے ہی میں نے اس کی جیب سے ریوالور...
سے ایک طرف پھینک دیا تھا۔ شائد اب وہ ...
میں پڑا رہے گا۔ اسے ڈھونڈنا محال ہے۔"

"میں ریوالور کے بغیر بھی تمہاری گردن ...
نے جھنجلا کر کہا۔

فوکس کچھ اس انداز میں مسکرایا جیسے میں...
کہہ دی ہو، پھر وہ بولا "تمہیں اپنی جوڈو اور کرا...
بڑا ناز ہے لیکن شائد تمہیں علم نہیں کہ میں جوڈو...
کنگ فو کا بھی ماہر ہوں۔ اس طرح مجھے تم پر فو...
ہے۔ ویسے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوگی کہ ہم تم ل...
ہاتھا پائی پر اتر آئیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے...
ہیں ضیبیہ بینو!"

میں فوکس کے لہجے سے اندازہ نہیں کر...
کہتے ہوئے سنجیدہ تھا یا میرا تمسخر اڑا رہا تھا۔

...گفتگو کے دوران میں خاموش رہی تھی لیکن اس
...بازو پر جما ہوا تھا۔ اس کے چہرے کی بدلی ہوئی
...صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ حد درجہ پریشان ہونے
...سراسیمہ بھی ہے۔
...کا دروازہ کھلا ہونے کی وجہ سے اب اندرونی
...ہو چکی تھی۔
...کی آواز ایک بار پھر سنائی دی اور میرے بازو پر
...گرفت ہو گئی۔
...کی طرف دیکھتی ہوئی بولی "تم نے ابھی کہا تھا کہ ہمیں
...کے لئے پیدل چلنا ہوگا!"

...رہے ہو کہ میرے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے
...لئے نہیں کر سکتی۔"
...فوکس نے شبانہ کی طرف دیکھا اور پھر متفکرانہ انداز
..." میں نے اس نکتے پر غور ہی نہیں کیا تھا۔"
...ہیلی کوپٹر کا استعمال ضروری ہے۔" میں بولی۔
...رہی ہو۔" فوکس نے آہستہ سے کہا "لیکن میں
...گرفتار ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"
...اس کی طرف دیکھتی رہی جیسے اس مسئلے کو سی
...رہی ہوں۔ ویسے اس کا سامنے کا حل یہی تھا کہ فوکس
...جائے اور میں شبانہ کے ساتھ ہیلی کوپٹر میں پرواز

...ہیلی کوپٹر اڑانا جانتی ہو؟" فوکس نے قدرے توقف

...اڑا سکتی ہوں۔"
...کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ میں پیدل نکل جاؤں گا اور
...یہاں سے نکل جاتا۔" فوکس نے کہا "میرے لئے بس
...جائے گی کہ مجھے اس یخ بستہ رات کو بھی برداشت

"...
...بالکل صاف ہے۔" فوکس نے مسکرا کر کہا "اگر صبح
...ہوئے تو تم جلد از جلد کسی آبادی تک پہنچ کر
...سے رابطہ قائم کر لو گی اور تمہاری ہی نشاندہی پر اس
...چھان لیا جائے گا جہاں میں سرگرم سفر ہوں گا
...حل ہے، وہ یہ کہ میں تم سے پہلے اس علاقے
...نکلنے کے لئے مجھے اسی وقت، فوراً یہاں سے
...صبح جب تم یہاں سے پرواز کرو گی تو میں اس

ویرانے سے نکل کر کسی آبادی تک پہنچ چکا ہوں گا۔"

میرے دل کی دھڑکنوں میں خفیف سی تیزی آ گئی۔ میں اس بات پر حیران بھی تھی کہ فوکس اتنے بے وقوفانہ انداز میں کیوں سوچ رہا ہے۔ آخر اس کے ذہن میں یہ بات کیوں نہیں آ رہی تھی کہ اس کی روانگی کے بعد میں صبح کا انتظار کیوں کروں گی؟ میں تو بلا تاخیر یہاں سے پرواز کر جاتی اور آبادی میں پہنچ کر سرکاری مشینری سے رابطہ قائم کر کے اس علاقے کا محاصرہ کروا لیتی۔

"کیا تم اس سردی کو برداشت کر سکو گے؟" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"تمہاری خاطر کر ہی لوں گا۔" فوکس نے ہنس کر کہا "اور یہ محض عشق کا شاخسانہ ہوگا۔"

"کیا مطلب!" میں چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

"تم غلط سمجھیں۔ مجھے تمہارے جسم سے نہیں، تمہارے ذہن سے عشق ہو گیا ہے۔ ذہین لوگ مجھے بہت پیارے ہوتے ہیں۔ اچھا تو اب میں چلتا ہوں۔" فوکس کھڑا ہو گیا۔ "تم ہیلی کوپٹر کا دروازہ اندر سے بند کر لینا تاکہ یہاں ٹھنڈک نہ بڑھ سکے۔"

میرے دل کی دھڑکنیں کچھ اور تیز ہو گئیں۔ فوکس جا رہا تھا اور اس طرح ایک بار پھر یہ امکان پیدا ہو گیا تھا کہ میں صدرِ مملکت تک پہنچ سکوں گی۔ ویسے فوکس کی اس حماقت پر میری حیرت کا بھی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں ابھی تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ میں اس وقت بھی پرواز کر سکتی ہوں۔

فوکس کے پیچھے پیچھے میں بھی ہیلی کوپٹر کے دروازے تک گئی۔ دروازے پر پہنچ کر فوکس نے پلٹ کر مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا دل اچھل کر حلق کی طرف آ رہا ہو۔

"گڈ بائی ضیبیہ بینو!" وہ بولا۔

"بائے!" میں نے دھیرے سے کہا۔

فوکس ہیلی کوپٹر سے اتر گیا۔ اب میں نے پہلی مرتبہ وہاں کے ماحول پر نظر ڈالی۔ مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے تاریکی اتنی گہری تھی کہ کچھ بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس اونچے اونچے درختوں کے ہیولے، دیوؤں کی طرح دکھائی دے رہے تھے پہاڑوں کی بلندیاں، اندھیرے کی چادر میں مستور تھیں۔ اس تاریک وادی میں ہیلی کوپٹر کو اڑانا حد درجہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن میں یہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

ماحول اتنا سرد تھا کہ ہیلی کوپٹر کے دروازے پر آتے ہی سردی کا احساس دو چند ہو گیا تھا۔ میرا جسم کپکپا اٹھا۔

ہیلی کوپٹر سے اتر کر فوکس نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔ مجھے یہ سب کچھ بڑا غیر فطری معلوم ہو رہا تھا لیکن ہاتھ میں نے بھی

ہلا دیا۔ یہ کتنی عجیب اور شاید مضحکہ خیز بات تھی کہ دو دشمن ایک دوسرے کو الوداع کہہ رہے تھے۔

"بانو!" مجھے اپنی پُشت سے شبانہ کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ہوں!" میں نے مڑ کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ میری نظریں نوکس پر جمی ہوئی تھیں جو اب مجھے ایک دھندلے سے سائے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ جلد ہی وہ تاریکی میں مدغم ہو گیا اور تب میں ایک طویل سانس لے کر شبانہ کی طرف مڑی جو میرے بالکل پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔

"بانو!" شبانہ پھر بولی۔ "جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، آپ نے بتایا تھا کہ یہ شخص بہت چالاک ہے۔"

"ہاں، تو؟"

"مجھے تو یہ بہت ہی بے وقوف معلوم ہو رہا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"کیا ہم اسی وقت یہاں سے پرواز نہیں کر سکتے؟"

میں نے ایک طویل سانس لیکر دونوں ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیے اور مسکراتی ہوئی بولی۔ "تم نے بالکل وہی بات سوچی جو میں سوچ رہی تھی لیکن اب تم نے یہ بات کہی ہے تو میرے ذہن میں دفعتاً ایک اور خیال آیا ہے۔"

"یعنی؟"

"نوکس اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر؟"

"شاید اس میں بھی اس کی کوئی چال ہے۔"

"چال؟"

"ہاں۔" میں نے شبانہ کے کندھے پر کچھ دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ "مگر فی الحال اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ چال کیا ہو سکتی ہے۔"

"تو اب آپ کیا کریں گی؟ کیا یہاں سے فوری روانگی کا ارادہ نہیں ہے؟"

میں ذہنی طور پر اتنی اُلجھ گئی تھی کہ میں نے اس سوال کے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا اور دروازے کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔ "آؤ ذرا پائلٹ کے کیبن کا جائزہ لے لیں۔"

شبانہ میرے ساتھ ہیلی کوپٹر کے پچھلے حصے سے اُتر آئی اور پہاڑوں کی ٹھنڈک نے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہم دونوں کپکپانے لگے۔

پائلٹ کے کیبن میں لیفٹیننٹ شاد کی لاش موجود تھی اور اس کا چہرہ، خون میں ڈوب کر بڑا بھیانک نظر آنے لگا تھا۔ اس کے کپڑے بھی خون میں تر بہ تر تھے اور سرخ چھینٹوں سے کیبن کی دیواریں بھی منقش ہو گئی تھیں۔

شبانہ نے لاش پر بس ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر

دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس میں اتنی ہمت
منظر کو دیر تک دیکھتی رہتی۔
میں نے لاش کو گھسیٹ کر ہیلی کوپٹر
کو پائلٹ کی نشست کے برابر میں بٹھاتی ہو ل
لئے تیار ہو جاؤ۔"
"اوہ!" شبانہ کے مُنہ سے اتنا ہی نکل
میں نے پائلٹ کی نشست سنبھال ا
لگی۔
"اب جو کچھ بھی ہو، دیکھا جائے گا۔" میں
"جی؟" شبانہ سوالیہ نظروں سے م
"اگر نوکس نے کوئی چال ہی چلی ہے تو
سوچ سوچ کر وقت ضائع کرنا حماقت ہو گ
"اس میں کوئی شبہ نہیں۔"
ہیلی کوپٹر تاریک فضا میں بلند ہو ا
پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ دفعتاً میں بوکھلا گئی ا
سے ہیلی کوپٹر کو واپس زمین پر اُتار دیا۔ یہ وا
میں آیا تھا کہ ہیلی کوپٹر کو خاصا جھٹکا لگا۔ ایسے
ہیلی کوپٹر کو زمین پر پٹخ دیا گیا ہو۔ شبانہ ک
چیخ نکل گئی تھی۔
"مائی گاڈ!" میں نے ایک طویل
"کیا کوئی خرابی ہے انجن میں؟"
"نہیں۔" میں نے ہونٹ بھینچے۔
"تو پھر؟"
"بس سمت بتلانے والی سُوئی ٹوٹ
سمجھ میں آیا کہ نوکس اتنے اطمینان سے یہیں
خرابی کی وجہ سے رات میں پرواز کرنا ممکن
"دن میں پرواز کرنا کیسے ممکن ہے؟"
"سورج سے سمت کا اندازہ کیا جا سکے"
"ہوں۔" شبانہ نے اثبات میں سر
میں بولی۔ "تو اب کیا ہمیں رات بھر یہیں رُکنا
"کم سے کم نوکس تو یہی چاہتا ہے۔" میں
"صحیح سمت کا انتخاب کئے بغیر پرواز کرنے میں
نہ پہنچ سکیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم کشمیر کے برف
اور یہ بھی ممکن ہے کہ۔۔۔ بس سمجھی کچھ ممکن ہے۔
ہیلی کوپٹر کا انجن بدستور شور مچا رہا تھا
بند نہیں کیا تھا کیونکہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر
سے آنا نے کا سبب تو بس ایک لمحاتی گھبرا

میرے اعصاب پر زناٹا سا ہوا تھا۔
لگتا ہے تو انجن بند کیجئے!" شبانہ گھبرائی آواز میں
وقفے میں ایک خطرناک فیصلہ کر چکی تھی۔ میں
ار پھر فضا میں بلند کرتی چلی گئی۔
ا" شبانہ بوکھلا کر بولی۔
س وقت اتنے بڑے خطرے سے دوچار ہے
ے بڑا خطرہ مول لینے سے دریغ نہیں کرنا چاہئے
ل منزل تک پہنچ ہی جائیں۔"
ک گئے؟"
نہ کہ تم ایک محبِ وطن لڑکی ہو۔"
مطلب نہیں سمجھی۔"
اپنے وطن پر قربان نہیں کر سکتیں؟"
لئے شبانہ کے ہونٹوں پر سکوت چھا گیا۔
پرواز جاری تھی۔ میری نظریں سامنے جمی ہوئی
۔ ہو جاتی تو حادثہ پیش آ سکتا تھا۔ دائیں بائیں
ہیلی کوپٹر ایک وادی میں پرواز کر رہا تھا۔
ائیں جانب گھوم گئی تھی۔ سامنے ایک پہاڑ آ رہا
ی غیر معمولی نہیں تھی۔ میں ہیلی کوپٹر کو اس کے
اب ہم پھر ایک وادی میں پرواز کر رہے تھے۔
گھر!" میں نے شبانہ سے کہا۔ "اگر کہیں روشنیاں
ا لے بہت آہستہ سے کہا تھا۔
کی نامعلوم منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ تیز رفتار
آواز سے گونجتی رہیں۔ پرواز کرتے ہوئے
گیا میں نے یہ دیکھ کر اطمینان کی سانس لی کہ ہم
ل آئے تھے اور ہیلی کوپٹر اب میدانی علاقے
ر شبانہ کو ابھی تک نیچے کسی جگہ روشنیاں دکھائی
ہو گزر گیا تو میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور
کلے میں۔ مری سے پنڈی کا فاصلہ اتنا زیادہ
گی! میں تو یہ بڑے اطمینان کی بات ہے کہ پہاڑی
ہیں!" شبانہ نے کہا۔
لے سر ہلایا۔ "صورتِ حال زیادہ تشویشناک
عجیب سی ہے کہ ابھی تک کسی جگہ روشنیاں دکھائی

نہیں دیں۔"

"غالباً ہم ابھی تک کسی آبادی کے اوپر سے نہیں گزرے۔"

ذرا دیر خاموشی رہی، پھر شبانہ بولی۔ "یہاں کی فضا خاصی گرم ہے۔ میں اپنا کوٹ اُتارے دیتی ہوں۔"

"اُتار دو۔"

شبانہ نے کوٹ اُتار کر اپنی گود میں رکھ لیا۔

کچھ دیر بعد میں نے شبانہ سے کہا۔ "اب ہم زیادہ دیر تک پرواز جاری نہیں رکھ سکتے۔"

"کیوں؟"

"ایندھن ختم ہو رہا ہے ہیلی کوپٹر کا۔" میں نے جواب دیا۔

"ہمیں پانچ منٹ کے اندر لینڈ کرنا ہے۔" میں نے جواب دیتے ہوئے نیچے نظر دوڑائی۔ تاکہ لینڈ کرنے کے لئے جگہ کا انتخاب کر لوں۔

وہ قطعہ زمین کچھ سنگلاخ سا تھا جہاں میں نے ہیلی کوپٹر اُتارا۔ یہاں بھی ہر سمت گھور تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے انجن بند کیا اور بڑی سُرعت کے ساتھ ہیلی کوپٹر سے اُتر گئی۔ میرے پیچھے شبانہ بھی اُتری اور اسی وقت ہمارے اِرد گرد کی زمین وزنی بوٹوں کی دھمک سے گونج اُٹھی۔ "خبردار، خبردار" کی آوازیں گونجیں اور بہت سے فوجیوں نے نہ صرف مجھے اور شبانہ کو بلکہ ہیلی کوپٹر کو بھی نرغے میں لے لیا۔ ان لوگوں کی للکار سنتے ہی میں نے اپنے ہاتھ سر کے اوپر اٹھا دیئے تھے اور شبانہ سے بھی ایسا ہی کرنے کے لئے کہا تھا۔ اس کے برخلاف کرنے کی صورت میں یہ عین ممکن تھا کہ ہم دونوں کے جسم گولیوں سے چھلنی کر دیے جاتے۔

"آپ دونوں کون ہیں؟" ایک تحیّر زدہ سی آواز سنائی دی۔ لہجے سے اندازہ ہوتا تھا کہ بولنے والا کوئی رنگروٹ نہیں بلکہ آفیسر رینک کا آدمی تھا۔

آتنی رات گئے ہم دو عورتوں کو ایک ہیلی کوپٹر سے اُترتے دیکھ کر ان لوگوں کو حیرت تو ہونا ہی چاہیے تھی۔

"کیا میں پاک فوج کے کسی افسر سے مخاطب ہوں؟" میں بولی۔

"یقیناً۔" وہ جواب دیتا ہوا میرے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا لیکن اندھیرا اتنا تھا کہ اب بھی مجھے اس کی شکل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"کیا آپ بتائیں گے کہ یہ کون سی جگہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیا مطلب!" لہجے کی حیرت دو چند ہو گئی۔ "آپ یہاں خود ہی آئی ہیں اور آپ کو نہیں معلوم کہ یہ کون سی جگہ ہے!"

"ہاں، مجھے نہیں معلوم، لیکن میری اس عدم واقفیت کی تشریح میں خاصا وقت ضائع ہو جائے گا جبکہ۔۔۔"

"خاتون!" وہ میری بات کاٹتا ہوا سخت انداز میں بولا۔ "بہتر ہوگا کہ آپ وقت ضائع ہونے کی پرواہ کئے بغیر میرے سوالوں کا جواب دیں اور اپنی مشتبہ پوزیشن کو صاف کریں ورنہ میں کوئی سخت قدم اُٹھانے

پر مجبور ہو جاؤں گا۔ پاک فوج کا یہ ہیلی کوپٹر آپ نے کہاں سے حاصل کیا ہے؟"

"آفیسر!" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "مجھے آپ کے فرائض کی نزاکتوں کا پورا پورا احساس ہے کیونکہ آپ کی طرح میں بھی سرکارِ پاکستان کی ملازم ہوں۔ میرا تعلق محکمۂ سراغرسانی کے ایک ایسے شعبے سے ہے جس کی تشکیل خود صدرِ مملکت نے کی ہے اور اسی لئے اس شعبے کے ارکان صرف صدرِ مملکت ہی کو جوابدہ ہیں۔" میں بے دریغ جھوٹ بولتی چلی گئی کیونکہ اُس وقت یہی قرینِ مصلحت تھا۔ "میں دُشمن کا ایک ایسا راز پا لینے میں کامیاب ہو گئی ہوں جس پر پاکستان کی بقا کا انحصار ہے۔ وہ ایک ایسی اطلاع ہے جو آپ ہی کے لئے یعنی افواجِ پاکستان کے لئے ہے لیکن آپ لوگوں کو میری بات پر شاید اعتبار نہیں آئے گا۔ اسی لئے میں جلد از جلد صدرِ مملکت تک پہونچنا چاہتی ہوں تاکہ انہیں وہ اطلاع دے سکوں۔ سی، آئی، اے مجھے روکنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہے اور اس وقت بھی اُس بدنام زمانہ تنظیم کا ایک ایجنٹ میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

آفیسر جو یقیناً میری باتوں سے متاثر ہو گیا تھا، چونک کر بولا۔ "اس وقت؟" اور پھر اُس کی نظریں شبانہ کی طرف اُٹھیں۔

"نہیں۔" میں فوراً بول اُٹھی۔ "یہ تو میری ساتھی ہے۔ سی آئی اے کا ایجنٹ تو ہیلی کوپٹر کے پچھلے حصّے میں موجود ہے۔"

میرے اس انکشاف پر شبانہ تو اُچھل ہی پڑی تھی۔

ہیلی کوپٹر کے پچھلے حصّے کا دروازہ یکلخت کھلا اور فوکس نے باہر چھلانگ لگاتے ہوئے پہلا فائر مجھ پر ہی جھونک مارا۔ آخر کار اُسے یہ فیصلہ کرنا پڑا تھا کہ مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دے لیکن اُس نے یہ فیصلہ بڑے غلط موقعے پر کیا تھا۔ میں پوری طرح ہوشیار تھی۔ میں نے بڑی تیزی سے خود کو زمین پر گراتے ہوئے شبانہ کی بھی ٹانگ کھینچ لی تھی۔ وہ میرے قریب ہی گری اور اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اسی وقت میں نے کئی رائفلوں کے دھماکے سُنے اور فوکس کو گرتے دیکھا۔

"اوہ... فوکس!" میرے مُنہ سے نکلا اور میں جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

فوکس نے مجھ پر فائر کرتے ہوئے بھاگ نکلنے ہی کی سوچی ہو گی لیکن پاک فوج کے سپاہیوں نے اُس کی خواہش کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ اُس کے جسم میں بیک وقت پانچ گولیاں پیوست ہوئی تھیں اور موت نے اُسے ایک لمحے کی بھی مہلت نہ دی تھی۔ اُسے یہ بھی سوچنے کا موقع نہیں مل سکا تھا کہ "شبیبہ بکنو" ہی کی وجہ سے اُس کو موت کی دہلیز پار کرنا پڑی تھی۔

پاک فوج کے آفیسر نے فوکس کی لاش پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور پھر جھک کر اُس کی نبض دیکھی۔

فوکس کی موت پر مجھے نہ جانے کیوں
شاید اس لئے کہ وہ ایک ذہین اور شریف
معرکے میں میرے ہاتھوں مارا جاتا تو وہ
ہوتی لیکن مقدر کی خرابی سے وہ حقیر موت کی
بھی بعض اوقات بڑے عجیب مذاق کر
تحقیر آمیز انجام سے دوچار ہو جاتی ہیں اور
زندگی کی آخری سانس کے ساتھ کوئی تمغہ
سینے میں پیوست ہو جاتے ہیں۔
جب میرے دماغ میں ان خیالات کا
میرے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑی ہوئی تھی۔
اُس نے اپنی زندگی میں کبھی لاشیں نہیں دیکھی
پے در پے دو لاشیں دیکھنا پڑی تھیں۔
پاک فوج کے آفیسر نے ٹارچ بجھا دی
ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "یہ ختم ہو چکا
"صورتِ حال ایسی ہے کہ آپ کو
اُس وقت تک برقرار رہے گی جب تک میں
گی لیکن مشکل یہ ہے کہ مجھے صدرِ مملکت سے
ہے۔ آپ نے مجھے ابھی تک نہیں بتایا کہ یہ
"آپ بہاولپور کے علاقے میں ہیں۔
"کیا؟" میں اُچھل پڑی۔ "لاہور
"جی ہاں، دُشمن کی سرحد سے بہت کم
میں چکرا کر رہ گئی۔ مجھ میں نہیں آ
پہونچ گیا؟ میرے اندازے کے مطابق
ڈھائی سو میل ضرور تھا۔ میں نہ جانے کن
پہونچی تھی کہ راستے میں کسی جگہ بھی روشنیاں
میں اس اُدھیڑ بُن میں گرفتار تھی اور وہ
کو ہدایت دے رہا تھا کہ وہ ہیلی کوپٹر کے قریب
حکم کا انتظار کریں پھر اُس نے تین سپاہیوں کو
باتیں کرتا ہوا اپنے کیمپ ہیڈکوارٹر کی طرف بڑ
ہوئے تھی لیکن اُس نے اپنی زبان پر تالا ڈال
میں یہ جان کر خاصی مطمئن ہو گئی تھی کہ
کی طرف سے غافل نہیں تھیں۔ دسواں ڈویژن
پوری طرح مستعد تھا اور اس ڈویژن کے جی او
تھے۔
کیمپ ہیڈکوارٹر کی طرف بڑھتے ہوئے
نام بھی بتایا۔ کیپٹن انوار جو ۳۰ بلوچ رجمنٹ
اُسے اپنی باتوں سے متاثر کرنے میں کامیاب

کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ اُسے اُس راز سے
مملکت تک پہونچانا چاہتی تھی۔
نے آہستہ سے کہا۔ "میں جو اطلاع صدرِ مملکت تک
اس کا تعلق چونکہ پاک افواج سے ہے اس لئے میں آپ
رکھنا چاہتی۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین آ گیا
مرتب ہو سکتے ہیں جبکہ صدرِ مملکت تک یہ اطلاع
تک جائے گا۔"
اس انداز میں میری طرف دیکھا جس سے پتہ
نہیں نے اُس کے ذہن میں تجسس کے شعلے کو پوری
میں نے مزید وقت ضائع کئے بغیر کہا۔ "کیپٹن! اب
اور چار اور پانچ بجے کے درمیان بھارتی فوجیں
کرنے والی ہیں۔"
جھٹکے سے اس طرح رُکا جیسے چند قدم آگے کوئی
... آپ... یقین سے کہہ رہی ہیں؟"
صرف اسی ایک بات سے ہوتی ہے کہ سی آئی اے
مملکت تک پہونچنے سے روکنا چاہتے تھے۔"
اب دوبارہ چلنا شروع کیا تو اُس کی رفتار پہلے سے
میں جوش نظر آنے لگا تھا۔ بھارتی حملے کی اطلاع
لاری نہیں کی تھی۔ جب وہ بولا تو اُس کی آواز
"غالباً آپ کی اطلاع درست ہی ہو گی۔ ابھی
میں نے اپنی رجمنٹ کے قائد کرنل تجمل حسین اور
انیس الدین انصاری کی گفتگو سُنی تھی۔ میجر انصاری
سے خبریں سُنی تھیں۔ ان خبروں میں یہ الزام
نے امرتسر پر راکٹ پھینکے ہیں۔ اس الزام
ہو گیا تھا کہ اب بھارت کسی بھی لمحے بین الاقوامی
کر سکتا ہے۔ اس خدشے کے جواب میں کرنل صاحب
بھارت کی کسی متوقع جارحیت ہی کی طرف اشارہ
بتایا سے پوچھا۔ "ان قیاسات کی روشنی میں
کس میں۔ بھارت نے حملہ کیا تو انشاء اللہ اُسے
ہم کیمپ ہیڈکوارٹر پہونچ گئے اور تب میں نے
چاہتی ہوں کہ میرے معاملے کو زیادہ شہرت نہ
داری سے نپٹ جائے، اتنا ہی بہتر ہے۔ آپ میرے
گے نا؟"

"بٹالین ہیڈکوارٹر کو۔" کیپٹن انوار نے جواب دیا۔

"گویا کرنل تجمل حسین کو۔"

"جی ہاں۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اُن کی بجائے اپنی بٹالین کے انٹیلی جینس آفیسر کو رپورٹ دیں!"

کیپٹن انوار نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اُس کے انداز سے ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہ اُلجھن میں پڑ گیا ہو۔ میں فوراً بول اُٹھی۔ "تذبذب میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کیپٹن! ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ اسے ضائع بھی کیا جائے۔ آپ جسے بھی رپورٹ کرنا چاہیں، کر دیں۔"

"بہتر ہے، لیکن مجھے پیغام میں کہنا کیا ہے؟"

"یہی کہ آپ نے ایک عورت کو پکڑا ہے جو جلد از جلد صدرِ مملکت تک پہونچنا چاہتی ہے۔ میں نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، وہ آپ دُہرا دیجئے۔ چاہیں تو بھارتی یلغار کی اطلاع دے دیجئے!"

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"اوہ! اتنی اہم بات بتانا تو میں بھول ہی گئی۔ میرا نام صبیحہ ہے۔ صبیحہ بانو۔"

کیپٹن انوار نے مجھے اور شبانہ کو برگد کے ایک درخت کے نیچے چھوڑا اور خود پیغام بھیجنے کیلئے وائرلس کی طرف چلا گیا۔ کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے دو سپاہی ہماری نگرانی کر رہے تھے۔

"بانو!" شبانہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اب تو مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے میرے اعصاب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گے۔"

میں نے اُس کا شانہ تھپکا اور اطراف و جوانب کا جائزہ لینے لگی۔ ہر سمت تاریکی چھائی ہوئی تھی اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ قرب و جوار میں کسی قسم کی فوجی نقل و حرکت نہیں تھی لیکن کبھی کبھی کسی گاڑی کے انجن کی آواز سُنائی دے جاتی تھی۔

میرا جسم پسینے میں تر بتر ہو چکا تھا کیونکہ میں ابھی تک کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ شبانہ نے تو اپنا کوٹ ہیلی کوپٹر ہی میں اُتار دیا تھا۔ اب میں نے بھی اس سے نجات حاصل کر لی۔

"بانو!" شبانہ پھر بولی۔ "فوکس کا معاملہ میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ وہ ہیلی کوپٹر میں کہاں سے آ گیا۔ اگر آ بھی گیا تھا تو آپ کو اس کا علم کیسے ہوا؟"

"وہ" میں مسکرائی۔ "اس سارے معاملے کا احاطہ صرف منطق سے ہوتا ہے۔" میں نے ایک لمحے توقف کیا، پھر بولی۔ "مجھے اس وقت ذہنی یکسوئی حاصل نہیں ہے اس لئے شاید میں تمہیں اس انداز میں نہ بتا سکوں جس طرح میں نے سوچا تھا اور ایک نتیجے تک پہونچی تھی۔ بہرحال میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ پریسیڈنٹ ریسٹ ہاؤس پر جو ہنگامہ ہوا تھا، اس کی اطلاع کسی نہ کسی طرح ہیڈکوارٹر

کو ضرور ہو گئی ہو گی۔ اس کا نتیجہ یہی نکل سکتا تھا کہ ہیڈ کوارٹر سے کئی ہیلی کوپٹرز کو اس ہیلی کوپٹر کی تلاش میں روانہ کر دیا جائے۔ یہ بات فوکس نے بھی سوچی ہو گی اور اسے اپنی گرفتاری کا خدشہ لاحق ہو گیا ہو گا اس لئے کوئی آدھ گھنٹے کی پرواز کے بعد ہی اُس نے ہیلی کوپٹر کو ایک وادی میں اتار دیا تھا۔ وہاں اُس نے ہمارے ساتھ جو انداز اختیار کیا، وہ محض ایک ڈرامہ تھا۔ اُس نے ایک ایسی چال چلی تھی کہ ہیلی کوپٹر مجھے اُڑانا پڑے اور وہ خود پچھلے حصے میں چھپ جائے تاکہ اگر تلاش کرنے والے ہیلی کوپٹرز ہمیں پالیں تو وہ محفوظ رہے اور موقع دیکھ کر چپکے سے نکل بھاگے۔ تم میری باتیں سمجھ رہی ہو نا؟"

"سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ آپ کہتی رہئے۔"

"فوکس کا اس سنسان ویرانے میں رہ جانا مجھے بڑا غیر فطری معلوم ہوا تھا۔ اگر کوئی شخص مجبور ہو جائے تو قطب شمالی کے ویرانوں میں بھی رات بھر بھٹک سکتا ہے لیکن اگر مجبوری نہ ہو تو مری کی کسی وادی میں بھی بھٹکنا حماقت ہے۔ میں نے اس انداز میں سوچا تھا کہ اگر اس موقع پر فوکس کی جگہ میں خود ہوتی تو کیا کرتی؟ میرے ذہن نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ میں ہیلی کوپٹر کے پچھلے حصے میں چھپ جاتی چنانچہ مجھے یقین ہو گیا کہ فوکس نے بھی ایسا ہی کیا ہو گا۔"

"لیکن...... ہیلی کوپٹر کا دوم آخر کیوں ٹوٹا ہوا تھا جو سمت بتاتا ہے؟"

"ممکن ہے کہ وہ اسی وقت ٹوٹا ہو جب فوکس نے ہیلی کوپٹر کو وادی میں اُتارا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُسے فوکس نے توڑا ہو۔ وہ نہیں چاہتا ہو گا کہ میں رات میں پرواز کروں۔ اس آلے کے بغیر رات کے وقت پرواز نہیں کی جا سکتی، جبکہ دن میں سورج کو دیکھ کر سمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔"

"ان سب باتوں کے باوجود یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ فوکس ہیلی کوپٹر کے پچھلے حصے میں موجود ہو گا۔" شبانہ نے بحث جاری رکھی۔ "آپ نے کیپٹن انوار کو یہ بات اس طرح بتائی تھی جیسے آپ فوکس کو وہاں دیکھ چکی ہوں۔"

"ایک طرح سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ میں نے اُسے دیکھ لیا تھا۔"

"کب؟" شبانہ نے چونک کر پوچھا۔

"شاید تم نے دھیان نہ دیا ہو کہ ہیلی کوپٹر کو زمین پر اتارتے ہی میں بڑی تیزی سے نیچے اتر گئی تھی۔ میں فوکس کو یہ موقع نہیں دینا چاہتی تھی کہ وہ چپکے سے اتر کر کسی طرف نکل جائے۔ اگر میں نے یہ پھرتی نہ دکھائی ہوتی تو وہ واقعی نکل جاتا۔ جب میں نیچے کودی تھی تو ہیلی کوپٹر کا پچھلا دروازہ ذرا سا کھل چکا تھا۔ فوکس نے وہ درز باہر کا جائزہ لینے کے لئے بنائی ہو گی۔ مجھے دیکھ کر اُس نے جلدی سے دروازے کو پوری طرح بند کر لیا۔ میں نے کنکھیوں سے یہ صورتحال دیکھ لی تھی۔ گو کہ مجھے فوکس نظر نہیں آیا تھا لیکن اس طرح دروازے کو کھولنے اور بند کرنے والا فوکس کے سوا کون ہو سکتا تھا؟"

اس سے پہلے کہ شبانہ پھر کوئی سوال داغ دیتی، کیپٹن انوار ہماری

طرف آتا دکھائی دیا۔ اُس نے قریب آتے ہی کر
دی ہے۔ وہاں سے مجھے ہدایت ملی ہے کہ میں آ
کا انتظار کروں جو مجھے تھوڑی دیر بعد ملیں تھے
گئی ہے کہ میں اتنی دیر میں آپ سے تفصیلات
تفصیلات بتانے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟
"قطعاً نہیں۔"
میں نے کیپٹن انوار کو اپنی کہانی سنا دی
ساتھ سنائی۔ میں نے اُسے بتایا کہ بھارتی محلہ
تھا اور جب میں پریسیڈنٹ ریسٹ ہاؤس کی طرف
اے کے ایجنٹ میرے پیچھے لگ چکے تھے۔ اس
نے من و عن بیان کر دیے۔
کیپٹن انوار کے انداز سے صاف ظاہر
ایک ایک لفظ پر یقین کر رہا تھا۔ اس نے میری
زبان کھولی ہی تھی کہ ایک سپاہی نے قریب آکر
"بٹالین ہیڈ کوارٹر سے کال آئی ہے"
کیپٹن انوار فوراً کال سننے چلا گیا۔
"میرا دل بہت گھبرا رہا ہے باجی!" شبا
سے رخصت ہو جانا چاہئے۔"
"شاید تمہیں جنگ سے خوف محسوس ہو ر
"کیا جنگ ایسی چیز نہیں ہے کہ اس
"تمہارے لئے تو وہ یقیناً خوف ناک ہو گی
کہ کیپٹن انوار کتنا پُر جوش ہو گیا ہے!"
"وہ ایک فوجی ہے اور میں ایک ایم
صرف نام سنا ہے۔"
"اطمینان رکھو!" میں نے اس کا شانہ تھ
رخصت ہو جائیں گے لیکن اتنی دیر تو انتظار کر
ہماری روانگی کا بندوبست کر دیں۔"
شبانہ چپ ہو گئی اور میں کیپٹن انوار کا
تھا کہ میرے بارے میں جو اطلاع بٹالین ہیڈ کو
سے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کو دے دی گئی ہو گی، او
ہیڈ کوارٹر تک پہنچ چکی ہو۔ لیکن میرے
وہ اطلاع صدرِ مملکت تک پہنچے گی بھی یا نہیں
مجھے علم نہیں تھا کہ صدرِ مملکت کہاں ہی
ریڈیو سے اتنی دور رہی تھی کہ مجھے کسی بات کا علم
پر کشمیر کی صورتِ حال معلوم کرنے کے لئے بہت
وہاں کیا کامیابیاں حاصل کی تھیں؟ میں اس
کیپٹن انوار نے کچھ دیر بعد واپس آ کر

ہمیں کوئی واضح حکم نہیں ملا ہے۔
میں نے تشویش آمیز لہجے میں پوچھا۔
ملا ہے کہ آپ کے بارے میں رپورٹ راولپنڈی بھیج دی
وہیں سے احکامات ملنے کا انتظار ہے۔"
میں نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ بہت اچھا ہوا۔ میں بھی یہی چاہتی
جلد از جلد صدرِ مملکت تک پہنچنے کی سبیل پیدا ہو جائے۔"
خیال ہے کہ وہیں سے کوئی آپ کو لینے کے لئے آئے گا۔"
خیال ظاہر کیا۔
درخت سے ٹیک لگا کر زمین پر ہی بیٹھ گئی اور اپنا سر پیچھے لٹکا
لیا۔ متوقع جنگ سے خائف ہونے کے باوجود اُس کا نیند سے
انوار اس کی یہ حالت دیکھ کر بولا۔ "کیا آپ لوگوں کے آرام کا
جائے؟"
شبانہ پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور پھر کہا۔ "میرے لئے
ساتھی کے لئے کچھ بندوبست ہو جائے تو اچھا ہے۔"
انوار نے دو سپاہیوں سے کہا کہ وہ ایک اسٹریچر اٹھا لائیں۔
اسٹریچر لا کر ایک درخت کے نیچے ڈال دیا گیا اور کیپٹن انوار
ملا ایک بندوبست ہو سکتا تھا۔"
بہت مناسب ہے۔" میں نے کہا اور شبانہ کو سہارا دے کر
"چلو اسٹریچر پر لیٹ جاؤ!"
کہے بغیر اسٹریچر پر لیٹ گئی۔
اجازت چاہوں گا۔" کیپٹن انوار نے مجھ سے کہا۔ "مجھے اب
کا جائزہ لینا ہے۔"
کے ساتھ چل سکتی ہوں؟ مجھے یہ سب کچھ دیکھنے کا بڑا
ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر بولا۔ "آئیے!"
نیند طاری تھی کہ اُس نے مجھے نہیں روکا۔ اگر وہ نیند
پاس سے نہیں ہٹنے دیتی۔
کے مورچوں کی طرف بڑھ رہے تھے جب میں نے کیپٹن
حیرانی ہو رہی ہے کہ آپ حملے کی خبر سے قطعی ہراساں
رہی ہیں۔"
کبھی ہراساں نہیں ہوتا۔" کیپٹن انوار نے مسکرا کر
فلسفہ حیات کی روشنی میں خوف ایک بے معنی لفظ ہے۔
"میں نے اس کی تائید کی اور پھر اُس سے کشمیر کے
معائنہ کرنے کے دوران میں کیپٹن انوار نے مجھے بتایا کہ
گیا ہے۔

"کیا جوڑیاں کوئی بہت اہم جگہ ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"اہم ترین۔" کیپٹن انوار نے جواب دیا۔ "فائر بندی لائن سے اٹھارہ میل آگے وہ بھارت کی بے حد اہم جنگی گزرگاہ تھی۔ بھارت کو یقین تھا کہ وہاں پر وہ ہماری یلغار کو نہ صرف روک دے گا بلکہ پسپا بھی کر دے گا لیکن اس خواب کا شیرازہ بکھر گیا۔ دوپہر کی خبروں میں بتایا گیا تھا کہ اب ہم اکھنور سے صرف تین میل دور رہ گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ اب تک وہاں بھی قبضہ ہو چکا ہو۔"
"ہندوستانی ریڈیو کیا کہتا ہے؟"
"وہاں سے آج بڑے پُراسرار اعلان نشر ہوئے۔"
"پُراسرار کیا مطلب؟"
"ساڑھے چار بجے پروگرام روک کر یہ اعلان کیا گیا تھا کہ دو دن کے اندر اندر علاقہ نمبر ایک میں دو جگہوں پر سخت بارش ہو گی پھر تھوڑی دیر بعد یہ اعلان ہوا تھا کہ علاقہ نمبر ایک کے لئے آج کوئی وارننگ نہیں ہے۔"
"عجیب پیغام ہیں۔" میں بڑبڑائی۔ "غالباً... کوڈ ورڈ ہوں گے؟"
"ظاہر ہے۔"
ان باتوں کے دوران میں کیپٹن انوار نے مورچوں کا معائنہ مکمل کر لیا۔ اُس نے اپنے جوانوں کو کچھ ہدایات بھی دیں اور پھر میرے ساتھ اپنے ہیڈ کوارٹر میں لوٹ آیا۔ اسی وقت وائرلیس پر اس کے لئے پیغام بھی آ گیا۔ پیغام یہ تھا کہ پنڈی سے دو افسروں کو بھیجا جا رہا ہے جو وہاں پہنچ کر صبیحہ بانو کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔
"اس میں تو شاید خاصا وقت لگ جائے گا۔" میں بڑبڑائی۔
"ضروری نہیں ہے۔" کیپٹن انوار نے کہا۔ "اگر دونوں افسروں کو فوراً روانہ کر دیا جائے اور وہ ہیلی کوپٹر سے روانہ ہوں تو بہت جلد یہاں پہنچ جائیں گے۔"
میں سوچ میں ڈوبی، سر ہلاتی ہوئی، شبانہ کے پاس چلی گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ ہوا کے جھونکوں سے بال اس کے چہرے پر آ گئے تھے۔ میں نے بڑے پیار سے اُس کے بالوں کو ہٹایا اور اس کی پیشانی چوم لی۔ وہ اتنی بے خبر سو رہی تھی کہ میرے ہونٹوں کا لمس بھی اُسے بیدار نہ کر سکا۔
"کیوں نہ آپ بھی کچھ دیر آرام کر لیں۔" کیپٹن انوار کی آواز سنائی دی۔ میں چونک کر مڑی۔ وہ میرے بالکل پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔
"نہیں کیپٹن! شکریہ!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے اس عالم میں نیند نہیں آ سکتی۔"
"میں نے تو سنا ہے کہ نیند سُولی پر بھی آ جاتی ہے۔"
"میری آنکھوں کے خواب ابھی اتنے بے چین نہیں ہوئے ہیں۔"
"آپ کی ساتھی تو بڑی غفلت کی نیند سو رہی ہیں۔"
"نوجوانی میں ایسی ہی نیند آتی ہے۔" میں نے پیار بھری نظروں سے شبانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
کیپٹن انوار اِرد گرد کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بظاہر تو بالکل پُرسکون

نظر آرہا تھا اور بڑے مطمئن انداز میں مجھ سے باتیں کر رہا تھا لیکن میں دعوے سے کہہ سکتی تھی کہ اس کے سینے میں اضطراب کا ایک سمندر کروٹیں بدل رہا ہوگا۔ میں بھی ظاہری طور پہ ماحول سے متاثر نہیں تھی لیکن میرے دل و دماغ ان دھماکوں کی طرف لگے ہوئے تھے جو کسی وقت بھی سنائی دے سکتے تھے۔ میں جانتی تھی کہ ڈھلتی ہوئی رات کا یہ سکوت کسی بھی لمحے تڑپ کر چیخنے لگے گا اور پاک فوج کے ایک ایک سپاہی کے سر پہ امتحان کی گھڑی آ پہنچے گی۔

میں اس بات سے بہت خوش اور مطمئن تھی کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ پاک فوج کی ہائی کمان کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ بھارتی یلغار کا وقت آ پہنچا ہے۔ ناممکن تھا کہ اس اطلاع کو نظر انداز کیا گیا ہو۔ شاید اس وقت میجر جنرل سرفراز خان لاہور کے دفاعی پلان پر مزید غور و فکر کر رہے ہوں گے۔

میں ان خیالات میں کھوئی رہی اور وقت گزرتا رہا۔ رات ڈھلتی رہی۔ صبح قریب آتی جا رہی تھی۔ وہ صبح جسے پاکستان کی تاریخ میں امر ہو جانا تھا۔

دفعتاً کمپنی ہیڈ کوارٹر میں سنسنی پھیل گئی۔ بٹالین ہیڈ کوارٹر سے وائرلیس پہ یہ اطلاع دی گئی تھی کہ بھارتی سینا واہگہ اور گھونڈی سے پاکستان کے علاقے میں داخل ہو چکی ہے۔

یہ خبر بڑی تیزی سے کمپنی کے ایک ایک سپاہی تک پہنچ گئی اور مورچے "نعرۂ تکبیر" سے گونج اٹھے۔ سپاہیوں میں بلا کا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا تھا۔

میں نے اپنے دورانِ خون میں تیزی محسوس کی اور کیپٹن انوار سے پوچھا۔ "وہ محاذ یہاں سے کتنی دور ہے؟ کس طرف ہے؟"

"یہاں سے چھ سات میل دور... اس طرف!" کیپٹن انوار نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے جوشیلی آواز میں کہا۔ "خدا کی قسم دشمن کو خاک میں بنا ہوگا۔"

"وہاں بھی ہمارے جوان تو ہوں گے نا؟"

"کیوں نہیں؟ وہ علاقہ بریگیڈیئر محمد اصغر کی تحویل میں دیا گیا ہے اور ان کی ایڈوانس کمپنی کی قیادت شاید میجر شفقت بلوچ کر رہے ہیں، لیکن اگر سرحد کے کسی حصے میں ہمارے نوجوان نہیں ہوں گے تو کیا ہے؟ ہمارا خدا تو وہاں ہوگا۔ کیا وہ ہماری حفاظت نہیں کرے گا؟ کیا وہ ہمارے پاکستان کی حفاظت نہیں کرے گا؟"

میں نے محسوس کیا کہ کیپٹن انوار جذباتی ہوتا چلا جا رہا تھا اور غالباً میری حالت بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔

ہمارے محاذ پر ابھی مکمل سناٹا تھا لیکن کسی بھی لمحے اس سناٹے میں شگاف پڑ سکتا تھا۔ ناممکن تھا کہ بھارتی یلغار کسی ایک ہی سمت سے ہوتی۔

دفعتاً کیپٹن انوار زمین ہی پر سجدے میں گر گیا اور بڑبڑانے لگا لیکن اس کی بڑبڑاہٹ اتنی صاف اور واضح تھی کہ میں نے اس کا ایک ایک لفظ سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میرے مالک! میرے معبود! شاہِ دو جہاں کے صدقے میں مجھے شہادت کی توفیق عطا فرما!"

"آمین!" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

کیپٹن انوار سجدے سے اٹھا اور دوڑتا ہوا اپنے مورچوں کی طرف چلا گیا۔ یہ آخری موقع تھا جب میں نے اُسے دیکھا۔ پاک فوج کے اس جوشیلے سپاہی کا شوقِ شہادت آٹھ ستمبر کی صبح جب یہ سپاہی جسین پل کی حفاظت کے لئے جا رہا تھا تو دشمن کے ٹینک کا ایک گولا اس کے جسم سے ... شہادت کی عروس کے ہاتھوں میں سرخ مہندی رنگ گئی

بنا کردند خوش رسمے، بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

●○●

کیپٹن انوار تو اپنے مورچوں کی طرف بھاگ گیا تھا ... یہ حالت تھی جیسے فضا میں اڑی چلی جا رہی ہوں۔ میرے ... جوش و ولولے کا جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔ دشمن کے ناپاک ... مجھے اپنے دل پہ محسوس ہو رہی تھی اور یہ جذبہ بڑی ... رہا تھا کہ میں بھی اپنے سپاہیوں کے دوش بدوش لڑوں ... طوفان کا زور توڑنے کے لئے اس آہنی دیوار کی ایک ... پاک فوج کے جوانوں نے سرحدوں پر کھڑی کی ہوئی ...

میں جذبات کے دھارے میں اس طرح بہہ ... اختیار نہ رہا۔ مجھے کچھ احساس نہ رہا کہ میں کیا کر رہی ہوں ... اُڑ رہی تھی، شاید میں کسی صحرا میں بھٹک رہی تھی یا شا... تھی اور ہر جگہ تھی۔ میں اپنی اس کیفیت کو بیان کرنے ... اور لفظوں نے میری اس کیفیت سے بغاوت کر دی ...

میری ٹانگیں اتنے مشینی انداز میں حرکت کر ... میں اڑتی چلی جا رہی ہوں مجھے قطعاً احساس نہیں ... تاریک فضا میں زہریلے سانپ سرسرا رہے ہیں اور ... سے اذان ہو چکی ہے۔ وہاں گولیاں چل رہی تھیں ا... برسائے جا رہے تھے۔ جنگ ابھی ابتدائی مرحلے میں تھی ... اسرافیل نہیں پھونکا گیا تھا۔

جب وہ صور پھونکا گیا تو اس کی خوفناک آ... میں اوندھے منہ گر پڑی اور میری کہنیاں بری ط... دھماکہ بے شمار دھماکوں کا ایک مرکب تھا۔ متعدد تو... تھیں۔ اس دھماکے نے میرے ہوش و حواس کو کم... احساس ہوا کہ میں جوشِ دیوانگی میں محاذ کے قریب... سے اٹھی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اب صحیح طور پر ... تھا کہ میں کس سمت سے آئی تھی۔

میرے قدم ایک طرف اٹھنے لگے۔ میں ا... آگئی تھی لیکن میرے جوش اور ولولے میں کوئی کمی ...

...نائی دے رہے تھے خود میرے سینے میں بھی ایک نعرۂ حیدری ... آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑنا چاہتا تھا۔ میں ... خواہش پوری نہ ہو سکے گی کہ اپنے سپاہیوں کے دوش بدوش ... تو ہو سکتا تھا کہ میں اپنے سپاہیوں کو لڑتے ہوئے ... خون میں تڑپتا ہوا دیکھ سکوں۔

...مسلسل گرج رہی تھیں اور گولوں کے شعلے صاف نظر آنے ...

...سفیدی پھوٹ رہی تھی جب میں نے خود کو ایک بستی ... بستی کے سارے مکانوں پہ ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ یہاں ... سب کچھ چھوڑ کر پیچھے جا چکے تھے اور اس گاؤں ... شاید کوئی بھی نہیں رہا تھا۔

...کی دیوار سے ٹیک کر ہانپنے لگی۔ مجھے بڑی شدت ... تھی اور جسم پسینے میں شرابور تھا۔

...کسی مکان کی چھت پہ چڑھ کر محاذ پر لڑتے ... کو دیکھ سکتی تھی لیکن اس سے پہلے میں اپنے حلق کو تر ... کانٹے پڑنے لگے تھے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے کسی ... ل جائے گا۔

...آگے بڑھ کر ایک گلی میں مڑی اور پھر ٹھٹھک کر ... گھر کے کھلے ہوئے دروازے پر ایک بوڑھی عورت ... سے سر لگائے ایک سمت میں تکے جا رہی تھی ... وانده کے سائے پھیلے ہوئے تھے۔ میں ٹھٹھک ... بڑھی اور اس کے بالکل قریب پہنچ گئی لیکن ... فرق نہ آیا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر معلوم ہو...

...سے آہستہ سے پکارا۔

...پڑی جیسے کسی بحر کی اتھاہ گہرائی سے ابھری ... زندگی کی ایک لہری اٹھی اور دھندلائی ... جل اٹھے لیکن جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو ... گئے اور وہ لہر بھی معدوم ہو گئی۔

...ں: "تم یہاں اکیلی کیا کر رہی ہو؟"

...دیکھتی رہی۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ ... پنجاب کے ایک گاؤں میں ہوں چنانچہ میں نے ... "تسی ایتھے کلے ای او؟"

...سر ہلانے لگی۔

...ہو گیا اے؟" میں نے پوچھا۔

...نے آہستہ سے جواب دیا۔

..."وہ کوئی نئیں؟"

"نئیں۔"

"تسی ایتھے کلے کی کر رہے پئے او؟ تہانوں وی ٹُر جانا چاہی دا سی۔ ایتھے تباہی، بربادی دی اک خوف ناک کھیڈ شروع ہون والی اے جہڑی پتہ نئیں کدوں ختم ہووے۔"

"میں ایتھوں نئیں جا سکدی کڑیے!" بوڑھی اپنی آنکھوں میں آنسو لاتی ہوئی بولی۔ "پتہ نئیں کہیڑے ویلے میرا جامو آ جاوے۔"

"جامو کون اے؟"

"میرا پُتر!"

میں بوڑھی کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ وہ بڑی دکھی معلوم ہو رہی تھی۔ مجھے اس کے بارے میں سب کچھ جاننے کا شوق ہوا لیکن شوق کی پیاس بجھانے سے پہلے حلق کی پیاس بجھانا ضروری تھا۔ میرا حلق اور ہونٹ اس حد تک خشک ہو گئے تھے کہ میرا بولنا مشکل ہو گیا تھا۔ میں نے بوڑھی سے پوچھا۔ "مینوں پانی مل جاوے گا؟ میں بڑی تریائی آں۔"

"اندر ٹُر جا کڑیے! میں ایتھے ای آں۔ تُو آپے ای پانی پی لے۔"

میں گھر میں داخل ہوئی۔ صحن میں مجھے پانی کی مٹکی نظر آ گئی۔ مٹکی پر مٹی کا پیالہ بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے جی بھر کر پانی پیا تو نڈھال سی ہو گئی۔ اس وقت مجھے شبانہ کا خیال آیا۔ میں اسے کئی میل دور چھوڑ آئی تھی۔ اب تک وہ یقیناً جاگ چکی ہو گی۔ راولپنڈی سے وہ افسر بھی مجھے لینے کے لئے پہنچ چکے ہوں گے اور سب کو میرے لاپتہ ہونے کا علم ہو چکا ہو گا۔ نہ جانے اُن لوگوں نے کیا سوچا ہو، وہ پریشان تو ضرور ہوئے ہوں گے۔ مجھے اُن کی پریشانی سے زیادہ شبانہ کی فکر تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اسے بہ حفاظت اس کے گھر پہنچا دیا جائے گا۔

میں اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ بوڑھی بدستور وہیں کھڑی ہوئی تھی اور میں اس کا غم جاننا چاہتی تھی۔ شاید میں اس کے کسی کام آ سکوں۔ یہی سوچ کر میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ سے بولی۔

"ماں جی! تہاڈا پُتر کتھے گیا ہویا اے؟"

"ہڈیارے!" بوڑھی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اوتھے اوہدا چاچا رہندا اے۔ او کل سویرے اوتھے گیا سی اور اج اوہنوں واپس آنا اے۔"

"ہڈیارہ پنڈ تے شاید سرحد دے قریب اے!"

"ہاں!" بوڑھی نے جواب دیا۔ "اوتھے بڑے زور دی لڑائی ہو رہی پئی اے۔"

"تہانوں کس طرح پتہ اے؟"

جواب میں بڑھیا نے جو کچھ بتایا، اس کا لبِ لباب یہ تھا کہ تھوڑی دیر قبل پاکستانی فوجی وہاں پہنچے تھے اور انہوں نے گاؤں کے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ فوراً اپنے گھروں کو خیرباد کہہ کر سرحد سے دُور چلے جائیں۔ خدشہ یہ تھا کہ کسی وقت بھی یہ گاؤں جنگ کی لپیٹ میں آ سکتا ہے۔ سپاہیوں نے بتایا تھا کہ ہڈیارے کے علاقے میں شدید جنگ ہو رہی ہے۔

گاؤں کے لوگ کسی تاخیر کے بغیر اپنے گھروں کو جوں کا توں چھوڑ کر پیچھے چلے گئے تھے لیکن وہ بوڑھی اُن لوگوں کی نظریں بچا کر وہیں رُک گئی تھی۔ اُسے اپنے بیٹے کا انتظار کرنا تھا۔ ایک ماں اپنے جگر گوشے کی منتظر تھی۔ اُسے یہ باور کرانا بہت مشکل ہوتا کہ اب کسی آدمی کا بڈیالے سے زندہ سلامت نکل آنا امرِ محال ہے۔

"تہاڈے پنڈ دا کی ناں اے ماں جی!" میں نے پوچھا۔

"بمکی"، بوڑھی نے جواب دیا۔ اُس نے ابھی تک مجھ سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آئی ہوں۔

"ماں جی" میں ذرا آہستہ سے بولی۔ "تسی دروازے وِچ کدوں تک کھلوتے رہو گے؟"

"جدوں تک جاموں نہ آجاوے"، بوڑھی کی آنکھوں میں اب آنسو آ گئے تھے۔

"اگر تُسی دروازے وِچ ای کھڑے رہو تے کوئی پاکستانی فوجی تہانوں ویکھے گا اور فیر تہانوں دھکے نال پھڑ کے تے پچھے بھیج دِتا جاوے گا۔"

بوڑھی کے چہرے پر زلزلہ آگیا اور وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"نئیں.... نئیں.... میں ایتھوں کدے نئیں جاواں گی۔"

"تے فیر گھر دے اندر چل کے بیٹھو جے تہانوں دیکھ لیا گیا تے ایتھے بالکل نئیں رہن دِتا جاوے گا۔"

میری بات بوڑھی کی سمجھ میں آگئی اور میں اُسے سہارا دے کر اندر لے آئی۔ میں نے اُسے کھاٹ پر بٹھا دیا اور بولی۔ "میں چھت اُتے جا کے چھپ کے ایدھر اُدھر دیکھ دی آں۔ اگر تہاڈا پتر ایدھر آندا ہویا نظر آیا تے میں تھلے آ کے تہانوں دس داں گی۔"

"خدا تینوں خوش رکھے دِھیئے!" بوڑھی نے گلوگرفتہ سی آواز میں کہا۔

میں اُسے چھوڑ کر صحن میں آئی کیونکہ مجھے بھی پیاس لگنے لگی تھی۔

دھماکوں کا سلسلہ برابر جاری تھا اور صبح کی روشنی ہر طرف پھیلنے لگی تھی۔ میں چھت پر چڑھ کر اطراف و جوانب کا جائزہ لینے لگی۔ میری دائیں طرف یعنی جنوب میں ایک سڑک نظر آ رہی تھی جو مشرق کی طرف بہت دُور تک چلی گئی تھی اور اُس سڑک کی بائیں طرف یعنی شمال میں پاکستانی توپ خانے نے تباہی مچا رکھی تھی۔ یقیناً وہاں دُشمن موجود ہوگا۔ میں اس کی سرگرمیاں اور نقل و حرکت اس لئے نہیں دیکھ سکتی تھی کہ درمیانی فاصلہ تین چار میل سے کم نہیں تھا۔ کاش اس وقت میرے پاس دوربین ہوتی اور میں بھارتی سینا کے پیچھے اُڑتے ہوئے دیکھ سکتی۔

دفعتاً فضا میں گھن گرج پیدا ہوئی اور میری نظریں اُوپر اُٹھ گئیں۔ میں نے تین پاکستانی سیبر دیکھے جو دُشمن کی طرف جھپٹ رہے تھے۔ بے اختیار میرے دل سے ایک آواز اُٹھی۔ "خدا میرے ان شاہینوں کی حفاظت کرے۔"

دُشمن کی طیارہ شکن توپوں کے دہانے کھل گئے لیکن انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ تینوں شاہین وہاں زبردست تباہی پھیلا کر واپس چلے گئے۔

میں بہت دیر تک اُس محاذ کی طرف دیکھتی رہی اور میرے حُبِّ وطن کا طوفان مچلتا رہا۔ کاش میں بھی ایک فوجی ہوتی۔

کوئی دو گھنٹے بعد میں چھت سے اتری۔ میرے پیٹ میں اب ... کُود رہے تھے۔ گزشتہ روز تیسرے پہر کو میں نے تھیالی میں کھانا کھا... سے اب تک ایک کھیل بھی اُڑ کر میرے مُنہ میں نہیں گئی تھی۔ مجھے یقین ... کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے گا۔

بوڑھی نے مجھے دیکھتے ہی بڑی بے تابی سے پوچھا۔ "کوئی ..."

"نئیں ماں جی!" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

بوڑھی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اُس کی آنکھوں میں ... طویل ہوتے چلے گئے۔

"ماں جی!" میں پھر بولی۔ "تُساں اَج کجھ کھادا ای ..."

"مینوں بھُکھ نئیں دِھیئے!" بوڑھی نے کہا۔ "اگر ت... اے تے تو کجھ پکا کے کھالے۔ باورچی خانے وِچ سارا سامان ..."

میں نے باورچی خانے کا رُخ کیا اور وہاں رکھے خورد و نوش کا جائزہ لیا۔ آج سالہا سال کے بعد ... کچھ پکانا پڑا۔

بوڑھی کچھ کھانے پر آمادہ نہیں تھی لیکن میں نے جبر سے کام لے کر اُسے دو چار لقمے کھلا ہی دیے۔ اس ... پر لٹا کر ایک بار پھر چھت پر جا چڑھی۔

اصولی طور پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں فوری ط... ہو جاتی اور اپنے ساتھ اس بوڑھی کو بھی وہاں سے آ... کرتی لیکن ایسا کوئی خیال ایک پل کے لئے بھی میرے ذ... انجانا سا جذبہ مجھے وہاں رکے رہنے پر مجبور کر رہا تھا ... جنگ میری آنکھوں ہی کے سامنے ہوتی رہے اور میں ... محظوظ ہوتی رہوں۔ میں پاکستان کے اس تاریخ سا... بننا چاہتی تھی۔

غالباً وہ بڈیالے ہی کا علاقہ تھا جہاں پاکستا... پھٹ رہے تھے۔ شعلوں کی لمبی لمبی زبانوں سے اور گولوں کے دہکتے ہوئے سرخ انگارہ ٹکڑے ... آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے نظر آ رہے تھے۔ یہ بات تو ... آگے بڑھنے کی سر توڑ کوشش کر رہی ہوگی لیکن ... دیوانے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے ہوں گے ... سے ٹکرا ٹکرا کر لہولہان ہوتی جا رہی ہوگی۔

دفعتاً میری نظر بائیں جانب اُٹھی اور میں ... برکی کی طرف آتے دیکھا۔ میں سنبھل کر کچھ اور سا... پر جمی ہوئی تھیں۔ جب وہ خاصی قریب آگئی تو میں ... وہ بھارتی جیپ نہیں تھی۔ میں نے اُسے ایک ...

[illegible] جیپ ... گی۔

...کستانی سپاہی اس مکان کے اندر کیا کر رہے ہیں؟ میرے ذہن ... ابھرا۔ میرے خیال میں یہ امکان تو تھا کہ پاک فوج کی دو تین پلاٹونیں ... میں موجود ہوں لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی ... ایک مکان کے اندر گھس کر کیا کر رہے ہیں۔

... میں چھت پر ہی رہی۔ گولوں کے دھماکوں سے میرے ... شائیں ہو رہے تھے لیکن میں محاذ کی طرف بھی دیکھتی رہی ... گاؤں کے اس مکان پر بھی نظر رکھی۔ پاک فوج کے سپاہیوں ... کچھ پُراسرار سی معلوم ہو رہی تھیں۔ میرا جی چاہا کہ اُس مکان ... دیکھوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ بس ڈر یہ تھا کہ اگر انہوں نے ... گرفتار کر لیں گے۔ میری وضع قطع ایسی تھی کہ شاید وہ ... سمجھتے۔ میرا لباس ایسا نہیں تھا کہ مجھے کوئی دیہاتی عورت ... اس گرفتاری کے بعد جب مجھے ہیڈ کوارٹر بھیجا جاتا تو ... کا بندوبست کر لیتی لیکن پھر یہ ممکن نہ ہوتا کہ میں دوبارہ یہاں ... یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتی تھی۔

... پھیل رہا تھا جب میں چھت سے اُتری اور میں نے چراغ ... اس طرح بنا ہوا تھا کہ اس کی روشنی باہر نہیں جا سکتی تھی۔ پھر میں ... میں جا کر کھانا تیار کیا، خود بھی کھایا اور بوڑھی کو بھی تھوڑا ... کیا۔

... کو اب حرارت ہو گئی تھی لیکن اس کا علاج کرنا میرے اختیار ... نے اُسے بستر پر لٹا کر چادر اُڑھا دی۔ اس وقت پہلی مرتبہ ... پوچھا کہ میں کون ہوں۔

... میرے متعلق پچھ کے!" میں نے آہستہ سے کہا۔ "بس ایہہ ... مینوں تہاڈی دیکھ بھال لئی ایتھے بھیج دِتا اے۔"

... نے مزید کچھ کہے بغیر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ مجھ سے بس ... پوچھ بیٹھی تھی کہ میں کون ہوں ورنہ اُسے اس بات سے کوئی ... تھی۔ اس کا دل اور دماغ تو بس اپنے بیٹے میں اُلجھا ہوا تھا۔

... یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ رات کے اندھیرے کی آڑ لے کر اس مکان ... فوج کے سپاہیوں کی پُراسرار سرگرمیاں دیکھ چکی تھی۔ ... نیند آ گئی تو میں نے کمرے میں رکھا ہوا ایک صندوق کھولا۔ ... مطابق اس میں کپڑے ہی بھرے ہوئے تھے۔ میں نے اس ... کا ایک جوڑا نکال لیا۔ اپنے کپڑے اُتار کر میں نے وہیں ... لباس پہن کر مکان سے نکل آئی۔ اب اگر کسی سپاہی ... اور مجھے پکڑ لیا جاتا تو وہ مجھے دیہاتی سمجھ کر چھوڑ دیتے۔ ... پیچھے چلے جانے کی تاکید کر دی جاتی۔

... کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی اُس مکان کی طرف بڑھنے ... ماحول سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کہیں سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ گولوں کے دھماکوں نے ان جانوروں کو بھی اتنا دہشت زدہ کر دیا تھا کہ وہ دم سادھے ہوئے تھے۔

میں اُس مکان کے قریب پہنچ گئی۔ اس وقت وہاں کوئی جیپ کھڑی ہوئی نہیں دکھائی دی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور اوپری منزل سے باتیں کرنے کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ وہ دو منزلہ مکان تھا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوگئی اور گربہ قدمی سے زینے طے کرنے لگی۔ گھُپ اندھیرے میں مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

دفعتاً میں نے کسی گاڑی کے انجن کی آواز سُنی۔ غالباً کوئی جیپ آ کر مکان کے دروازے پر رُکی تھی۔ میری جان ہی تو نکل گئی۔ نہ جائے رفتن، نہ پائے ماندن والا مسئلہ تھا۔ مجھے زینے ہی پر پکڑ لیا جاتا۔ میں یوں محسوس کرنے لگی جیسے دُشمنوں کے نرغے میں پھنس گئی ہوں، حالانکہ وہ سب میرے ہی وطن کے محافظ تھے۔

اگر میں رُکتی تو یقیناً پکڑی جاتی اس لئے میں نے اوپر چڑھنے کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ میرے اس اقدام میں میری اس سوچ کو دخل تھا کہ ممکن ہے، اوپر وہ لوگ کسی ایسی جگہ پر نہ ہوں جہاں ان سے میری فوری مڈبھیڑ ہو سکے۔

میرا یہ بروقت فیصلہ بالکل درست ثابت ہوا۔ زینے کے اختتام پر مجھے نہ تو روشنی دکھائی دی اور نہ قریب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں بائیں طرف مڑی تو میں نے خود کو ایک تنگ سی جگہ پر پایا۔ میں نے ٹٹول کر دیکھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہاں اناج کی بوریاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے خود کو ایک بوری کی آڑ میں کر لیا حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہاں اندھیرا اتنا تھا کہ میں کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔

وزنی جوتوں کی دھمک سے زینہ گونجنے لگا تھا۔ وہ دو آدمی تھے۔ وہ سایوں کی طرح میرے سامنے سے گزر گئے۔ میں دم سادھے بیٹھی رہی۔ کئی آدمیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ کبھی کبھی کوئی انگریزی بھی بولنے لگتا تھا لیکن الفاظ میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔

پندرہ بیس منٹ بعد میں بہ آہستگی و احتیاط اپنی جگہ سے اُٹھی لیکن ابھی میرا قدم اس اناج گھر سے باہر نکلا نہیں تھا کہ قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ مجھے ایک بار پھر رُک جانا پڑا۔ شاید وہ لوگ واپس جا رہے تھے جن کی آمد پر مجھے یہاں چھپنا پڑا تھا۔

وہ سائے میرے سامنے سے نکل گئے۔ زینے پر ان کے قدموں کی آوازیں گونجیں اور پھر سناٹے میں معدوم ہوگئیں۔ بیس پچیس منٹ کے بعد جیپ کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ میرے خیال کے مطابق وہ دونوں رُخصت ہو رہے تھے مگر اچانک مجھے پھر آہٹیں سنائی دیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے نیچے کے دروازے کی کنڈی لگائی ہو۔ پھر کوئی تیزی سے اُوپر چڑھتا چلا آیا۔ اس مرتبہ وہ اکیلا ہی تھا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ آنے والوں میں سے صرف ایک آدمی رُخصت ہوا تھا اور دوسرا اُسے رُخصت کرنے کے بعد مکان کا دروازہ اندر سے بند کر کے اُوپر آ رہا تھا۔

میری حیثیت ایک قیدی کی سی ہے۔ میں اس مکان سے نکل کر نہیں جا سکتی۔ گو کہ یہ میرے اختیار میں ہے کہ میں کنڈی کھول کر باہر نکل جاؤں لیکن میرے اس اقدام سے وہ لوگ ہوشیار ہو جائیں گے جو اس مکان میں موجود ہیں۔ وہ مکان کا دروازہ کھول کر باہر نکل جانے والی ہستی کی تلاش میں ساری بستی کو تلپٹ کر سکتے تھے۔

کچھ وقت گزر لینے کے بعد میں پھر اُس اناج گھر سے نکلی۔ میں اس جگہ تک پہنچنا چاہتی تھی جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں لیکن اندھیرے کی وجہ سے مجھے کامیابی نہیں ہو سکی۔ تاریکی اتنی گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور میں اس گھر کے اندرونی جغرافیے سے بھی ناواقف تھی۔ عین ممکن تھا کہ میں کسی چیز سے ٹکرا کر آواز کر بیٹھتی اور وہ لوگ جھپٹ کر میرے سر پر آ پہنچتے میں نے یہ سب کچھ سوچ کر مناسب یہی سمجھا کہ صبح کا انتظار کروں۔ دن کی روشنی میں اُن لوگوں کو دیکھا اور اُن کی سرگرمیوں کو سمجھا جا سکتا تھا۔ میں اُسی اناج گھر میں بوریوں کے پیچھے لیٹ گئی۔ ہر چند وہاں بہت گرمی تھی لیکن چالیس پچاس گھنٹے کی بیداری کے بعد اب نیند کی ٹھنڈک کو میری جلتی ہوئی آنکھوں میں بس جانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

جب میری آنکھ کھلی تو سورج یقیناً خاصا چڑھ چکا ہو گا کیونکہ اُس اناج گھر میں بھی خاصی روشنی پھیل چکی تھی۔ بیدار ہوتے ہی مجھے وہ آوازیں پھر سنائی دینے لگی تھیں۔ وہ لوگ مسلسل بول رہے تھے اور توپوں کے دھماکوں کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔

میں اُٹھ کر بیٹھ گئی اور میں نے اپنی آستین سرکا کر گھڑی میں وقت دیکھا۔ ...دس بج چکے تھے۔ میں چند لمحے ان لوگوں کی آوازیں سنتی رہی اور پھر اُٹھ کر دبے قدموں اناج گھر سے نکل آئی۔ دن کی روشنی میں نقل و حرکت کرنا بہت آسان تھا اس لئے جلد ہی میں ان لوگوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

وہ صرف دو آدمی تھے جن کے گلوں میں دوربینیں لٹکی ہوئی تھیں اور ...اپنے اپنے وائرلیس سیٹ پر کسی سے باتیں کر رہے تھے کبھی کبھی وہ وائرلیس ...کر کے آپس میں بھی باتیں کرنے لگتے تھے۔ میں آڑ میں چھپی ہوئی اُن کی باتیں ...رہی اور جلد ہی وہ سرگرمیاں میری سمجھ میں آ گئیں جن کو میں "پُراسرار" سمجھتی ...تھی۔

دراصل پاک فوج نے اس مکان کے چوبارے پر آبزرویشن پوسٹ قائم ...رکھی تھی اور وہ دونوں آدمی "او، پی" کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ...دوربینیں اُن کی معاون تھیں۔ وہ اُن کے ذریعے محاذ پر کڑی نظر رکھے ہوئے ...دشمن کی نقل و حرکت اور دوسری سرگرمیاں اُن کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ...تھیں، چنانچہ وہ وائرلیس پر اپنے توپ خانے کو بتاتے رہتے تھے کہ گولے ...کس جگہ پھینکے جائیں اور کتنے پھینکے جائیں کہ دشمن نیست و نابود ہو جائے۔

ان دونوں جیالے سپاہیوں کی آپس کی بات چیت اور وائرلیس پر ہونے والی باتوں سے مجھے یہ بھی علم ہو گیا کہ ان دونوں میں سے ایک شخص ...شیر دل تھا اور دوسرا شخص میجر راجہ عزیز بھٹی!

اُس وقت ... میں اِن دونوں ... ... میں بھی نہ تھا کہ میجر راجہ عزیز بھٹی وہ شخص ہے جو پاکستان ...جانے گا۔ مجھے یہ فخر ہے کہ پاکستان کی دھرتی کے اس ...پر دشمن کے خلاف سرگرم دیکھا تھا۔ اُس وقت اس ...ایک مسکراہٹ کھیل رہی تھی جیسے وہ دشمن پر ٹھیک ٹھیک نشا... طمانیت حاصل کر رہا ہو۔

برکی گاؤں کے اس چوبارے میں پاک فوج کی ... دیکھ لینے کے بعد مجھے اپنے اس تجسس پر ہنسی آنے لگی جس ... اس مکان میں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔

رات گزرنے کے بعد اب مجھے خیال آیا کہ دن ... گا۔ اگر میں دن کی روشنی میں یہاں سے نکلتی تو عین ممکن تھا ... دیکھ لیا جاتا۔ گویا مجھے شام تک بھوکا پیاسا رہنا تھا۔

لیکن اگر رات کو پھر اندر سے کنڈی لگا لی گئی تو ... پریشان کر دیا۔ پریشانی کی بات بھی تھی۔ آخر میں کب تک ... رہتی۔ دوسرے مجھے اس بدنصیب بوڑھی کا بھی خیال آ ر... کی منتظر تھی۔ جامو جسے اب میرے خیال کے مطابق کبھی نہیں ...

بہرکیف وہ دن تو مجھے اسی مکان میں گزارنا پڑا ... ہر مرتبہ مجھے جیپ کے آنے جانے کی آواز بھی سنائی دی۔ کبھی ... کی آوازیں بھی سنائی دے جاتی تھیں۔ جنگ کی شدت میں ... آئی تھی لیکن مجھے یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ دشمن کی پیش قد... اگر ایسا نہ ہوتا تو اب تک برکی میں بھی دوبدو جنگ ...

جب اندھیرا پھیل گیا تو میں اناج گھر سے نکل کر ... اُترنے لگی۔ آخری مرتبہ جب جیپ آ گئی تھی تو کوئی آدمی ... آیا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے ڈھارس بندھ گئی تھی۔ جب ک... ہی نہیں تھا تو دروازہ کون بند کرتا؟

میں اُس مکان سے نکل کر جامو کے مکان میں پہنچ... سے میرا حال تباہ تھا۔ میں نے صحن میں رُک کر تھوڑا سا پا... میں داخل ہوئی۔ وہاں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ چراغ کی شا...

"ماں جی!" میں نے آہستہ سے آواز دی۔

"کون؟ ... جامو؟" کانپتی ہوئی آواز میں ...

"نئیں ماں جی! ... میں آں۔"

اس کے بعد مجھے بس ایک کراہ سنائی دی۔

میں نے اندھیرے میں ٹٹول کر چراغ تلاش کیا ا... میں لے گئی۔ وہاں میں نے اس میں تیل ڈالا، اُس کی بتی ... اُسے کمرے میں لا کر جلا دیا۔ دھیمی دھیمی زرد روشنی پھیل... بوڑھی آنکھیں بند کئے چارپائی پر لیٹی ہوئی ہے۔ مجھے یقین ... اُس نے بھی کچھ نہیں کھایا ہو گا۔ میں اُس سے مخاطب ہو... میں چلی گئی۔ جو کچھ وہاں موجود تھا، اُسے "کھانے" کی ڈش...

...میں ایک تھالی میں رکھ کر کمرے میں لے گئی تا...

"...ماں جی!" یہ کہتے ہوئے میں نے اُس کی کلائی پر ہاتھ رکھا ...بخار میں بھن رہی تھی۔ میرے ہاتھ کا لمس پا کر اُس نے ...منہ سے نکلا۔ "تہاتوں تے بڑا تیز بخار ہو گیا اے!"

...وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "تو میرے جامو نوں نئیں ...ہمیشہ سکھی رکھے، مینوں میرا جامو لیا دے!"

...میں ایسی حسرت اور اتنی شدید التجا تھی کہ میں کانپ ...ٹھیں بھی نم ہو گئیں۔

"...سب کچھ ختم ہو گیا ہووے گا ماں جی!" میں نے ...میں کہا۔

...وہ جلدی سے بولی۔ "میرا دل کہندا اے کہ جامو زندہ ...کرلی آنت ہی پئی ہووے گی کہ اُو نئیں آ سکیا۔"

...کچھ میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ کیا جواب دوں۔

..."میرے گھوٹیاں دے وچ پیڑ رہندی اے۔ ...میں چل سکدی نئیں تے میں آپ اُنوں لین ...دی ایں، تو تے چل سکدی ایں۔ مینوں میرا جامو ...خدا دا واسطہ!" بوڑھی نے اپنے کانپتے ہوئے ... "تینوں خدا دے پیارے نبی دا واسطہ، مینوں میرے ...لا دے!"

...اتنا حسرت زدہ اور انداز اتنا کربناک تھا کہ میں کانپ ...بخار میں پھنک رہی تھی لیکن اس کے دل و دماغ اپنے ...ہوئے تھے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میرے دل میں ان ...کا خیال اُٹھا جن کے لعل، جن کے جگر گوشے آج سرحدوں ...پر لڑ رہے تھے۔ ان میں ہندو مائیں بھی تھیں اور مسلمان ...مائیں بھی تھیں اور عیسائی مائیں بھی! ماں تو بس ماں ہوتی ...ہے۔ ممتا کی جو تڑپ ہوتی ہے، اس پر مذہب کا کوئی ...ایک الگ مذہب ہے۔ اگر زیادہ محتاط رہنا مقصود ...ہو تو مذہب کہا جا سکتا ہے اور اس ذیلی مذہب پر دنیا ...قائل ہے۔

...ساری مائیں ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں تو دنیا ...مبارک سکے۔ میں نے بڑے جذباتی انداز میں سوچا کہ ...مائیں ہی بن سکتی ہیں۔ یہی ایک ایسی قوم ہے جو ...عمل تو اس میں نیت کا پورا خلوص شامل ہوگا کوئی ...کی جو طاقت ور قوموں کا طرۂ امتیاز ہے۔

...محبت ایک تڑپا دینے والی التجا کرنے کے بعد تھکے ...آنکھیں بند کر لیں اور میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں

اس کے لئے کیا کروں۔ اُسے تیز بخار نے دبوچ رکھا تھا لیکن میں اس کا علاج کرنے سے قاصر تھی۔ میرے ذہن میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ شاید دن بھر کی بھوک پیاس نے ہی اُسے بیمار کر دیا ہو۔ اگر وہ کچھ کھا پی لیتی تو ممکن تھا کہ اس کی طبیعت کچھ سنبھل جاتی اور پھر سنبھلتی ہی چلی جاتی۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میں نے ایک بار پھر کہا۔ "بوہن گوں بہلاں کھا لو ماں جی!"

بوڑھی نے آنکھیں کھولے بغیر نفی میں سر ہلایا اور بولی۔ "میں کُجھ نئیں کھاواں گی۔ ہُن میں اوس ویلے تک کُجھ نئیں کھاواں گی جدوں تک میرا جامو نئیں آ جاوے گا۔"

"ایسے نال تیری طبیعت ہور خراب ہو جاوے گی۔"

"تے فیر کی ہویا؟ بس ایہے ہو گا نا کہ میں مر جاواں گی!"

"تینوں لئے زندہ رہنا اے ماں جی!" میں سوچے سمجھے بغیر، بلا ارادہ بولے چلی جا رہی تھی۔

"تو مینوں زندہ ویکھنا چاہندی ایں؟" بوڑھی نے اچانک آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔

"ہاں" میرے منہ سے نکلا۔

"تے فیر میں کھانا کھا لیواں گی۔"

"میں ایہی چاہنی آں۔"

"لیکن تینوں میرے نال اک وعدہ کرنا پئے گا۔"

"کس طرح دا وعدہ؟"

"تو میرے جامو نوں لبھ کے لے آویں گی۔"

"لیکن..."

"جے تو اے وعدہ نئیں کر دی تے فیر میں کُجھ نئیں کھاواں گی۔" بوڑھی نے کچھ اس انداز میں کہا جیسے اُسے مجھ پر کچھ مان ہو گیا ہو۔ میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی اور میں نے دھیرے سے کہا۔ "اچھا ماں جی! جیکر تیرا جامو زندہ اے تے فیر میں وعدہ کردی آں کہ اُنوں لبھ کے لے آواں گی۔"

بوڑھی کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں جیسے چمک لوٹ آئی۔ "سدا سکھی رَویں بیٹی! ہمیشہ سکھی رویں!" وہ جیسے بے اختیار بولی۔ میں نے اُسے سہارا دے کر بستر سے اُٹھایا اور اُسے کھانا کھلانے لگی۔ کھانے کے دوران میں وہ مجھے یہ یاد کرانے کی کوشش کرتی رہی کہ جامو زندہ ہے اس کا کہنا تھا کہ ماں کا دل کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

ماں کا دل جھوٹ بولتا ہو یا نہ بولتا ہو لیکن میں بہرحال اس کے جامو کو ڈھونڈنے کا وعدہ کر چکی تھی۔

میں نے اُسی وقت نہریالے کی طرف روانہ ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ رات کے اندھیرے کی آڑ ہی میں وہاں تک پہنچا جا سکتا تھا۔ دن میں تو کوئی نہ کوئی فریق میری نقل و حرکت دیکھ لیتا۔ ویسے رات کے اندھیرے کا بھی یہ مطلب نہیں تھا کہ میں اس وقت بالکل محفوظ ہوتی۔ توپ کے

گولے اور مختلف گنوں کی گولیاں، عادل ماریتی تک ادارہ و پاش روور کی طرح منڈلاتی ہوئی ملتیں اور میں ان میں سے کسی کی بھی زد میں آسکتی تھی لیکن مجھے اب یہ خطرہ مول لینا ہی تھا۔

میں نے بوڑھی کو بستر پر لٹا کر اسے ٹھیک سے چادر اوڑھا دی اور پھر یہ کہہ کر وہاں سے روانہ ہوئی کہ صبح تک واپس آجاؤں گی۔

انسان بعض اوقات بڑے اعتماد سے کوئی بات کہہ دیتا ہے اور اس وقت قدرت اس کی بچکانہ خوش فہمی پر بے اختیار مسکرا دیتی ہوگی۔

جب میں بلکہ سے روانہ ہوئی تو رات کے دس بجے تھے۔ میں دیہاتی طرز کے لباس میں تھی اور میں نے اپنا پرس وہیں چھوڑ دیا تھا۔ میں ایسی کوئی چیز اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتی تھی جو میرے دیہاتی ہونے کی نفی کرسکتی۔ صرف گھڑی میں نے اب بھی باندھ رکھی تھی تاکہ گزرتے ہوئے وقت کی آہٹیں مجھے سنائی دیتی رہیں۔ میں نے بس اتنی احتیاط کی تھی کہ گھڑی کو آستین سے جھانکنے کا موقع نہ مل سکے۔

جنگ چھڑے ہوئے چالیس گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے لیکن میں ابھی تک اس بات سے بے خبر تھی کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھ رہا ہے۔ میں اسی صورت میں واقف حال ہوسکتی تھی کہ مجھے ریڈیو سننے کا موقع مل جاتا۔ میں تو اس سے بھی بے خبر تھی کہ جنگ کتنے محاذوں پر ہو رہی ہے۔ ویسے مجھے یقین ضرور تھا کہ کئی محاذوں پر معرکہ ہو رہا ہوگا۔

ٹڈ بارہ گاؤں کی طرف بڑھنے کے لئے میں نے سیدھے راستے کا انتخاب نہیں کیا تھا کیونکہ ادھر سے جانے میں مجھے یقینی طور پر جنگ کا ایندھن بننا پڑتا۔ میں نے پہلے تو بائیں طرف چل کر سڑک پار کی اور اس کے بعد مشرق کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ مجھے ایک گاؤں کے قریب سے گزرنا پڑا جس کی آبادی وہاں سے منتقل ہو چکی تھی۔ تین چار میل آگے جا کر میں بائیں جانب گھومتی اور اس طرح ٹڈ بارے کے قریب پہنچ جاتی۔ میں پسینے میں شرابور تھی اور محاذ کی قربت کے ساتھ ساتھ میرے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

جب بھی میں نے اپنے قرب و جوار میں فوجی نقل و حرکت کو محسوس کیا، زمین پر رینگتی ہوئی بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے آگے بڑھنے لگی۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ٹڈ بارے تک پہنچنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ راستے میں خاصی رکاوٹیں اور دشواریاں موجود تھیں۔ ایک نالہ بھی تھا جسے عبور کرنے میں مجھے مشکلات پیش آئیں۔

اب مشین گنوں کا شور بھی صاف سنائی دینے لگا تھا لیکن اس شور میں رائفلوں کے دھماکوں کی تمیز آسانی سے کی جا سکتی تھی۔

اب ایک گاؤں کے آثار نظر آنے لگے تھے اور میں بس قیاس کرسکتی تھی کہ یہی ٹڈ بارہ گاؤں ہوگا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس گاؤں کے باسی زندہ سلامت ہوں گے لیکن ایک بوڑھی ماں سے کیا ہوا وعدہ مجھے مجبور کر رہا تھا کہ میں گاؤں میں داخل ہو کر اپنے خیال کی تصدیق کروں۔

یہاں ہندو فوج کی نقل و حرکت میں خاصی تیزی نظر آ رہی تھی۔ سڑک کی طرف سے ٹرک اور جیپیں آ جا رہی تھیں۔ یہ گاڑیاں جو نہ جانے کیوں نالے کے جنوب کی طرف جا رہے تھے۔

میں رینگتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ یہ میرے اس حصہ تھا کسی وقت بھی دشمن کی نظر مجھ پر پڑ سکتی تھی۔ اب کی دھڑکنوں کا یہ عالم تھا کہ میری پسلیاں پناہ مانگ رہی کے بہت قریب پہنچ چکی تھی اس لئے مجھے اندازہ ہوا سارے مکانات بالکل صحیح حالت میں نہ تھے۔ تباہی و بربادی نظر نہیں آ رہا تھا اور اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ پاک نے اس طرف گولہ باری کرنے سے احتراز کیا تھا۔

دفعتاً مجھے اپنے بالکل سر پر ایک آواز سنائی دی میں اچھل پڑی اور چند لمحے کے لئے میرا دل بھول گیا۔ میں نے ایک سکھ سپاہی کو دیکھا جو میرے سر کھڑا تھا۔

”توں پنڈ دچوں کسراں نکل آئیں ایں؟“ سکھ

ظاہر ہے کہ میں اس سوال کا کوئی جواب نہیں اس سوال سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ گاؤں کے لوگ

”جواب کیوں نئیں دیندی؟ کی توں گونگی ایں!“

اس کی آوازیں سن کر تین سپاہی اور آ گئے۔ میں بہروپ بھرا تھا، وہ اس وقت میرے کام آ گیا۔ وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ میں گاؤں سے نکل آئی ہوں مجھ پر فحش قسم کے فقرے کسنے لگے اور میرا خون کھول رہا ہے کہ میں اپنے غصے کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔

”توں نس جان دی فکر وچ سی نا؟“ سکھ

”چل فیر میں تینوں ایس دنیا ای وچوں نسا دیناں۔“

میرا جسم سن ہو کر رہ گیا۔ خود کو موت سے آشنا آسان بات نہیں ہے۔ یہ لمحات ایسے ہوتے ہیں کہ آ کے لیے سبھی کچھ گزرتا ہے لیکن اس سے پہلے کہ میں کل نووارد سپاہیوں میں سے ایک نے چیخ کر کہا: ساتھ ہی اس نے سکھ سپاہی کی رائفل کے نیچے ہاتھ اٹھا دیا۔

رائفل کا دھماکہ ہوا اور مجھے یوں محسوس ہوا سر کے بالوں کو جھلساتی ہوئی نکل گئی ہو۔ مینہ سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔

”کیا پاگل ہو گئے ہو؟“ وہی سپاہی پھر بولا کے اس حکم کا علم نہیں کہ فی الحال گاؤں کے کسی جلائے گا۔ خاص طور سے عورتوں کی ضرورت تو آخر ہم فتح کا جشن کس طرح منائیں گے؟“

جواب کیوں نئیں دیندی؟“ سکھ سپاہی نے انداز میں کہا۔

یہاں سے“ نووارد سپاہیوں میں سے ایک نے کا دیتے ہوئے کہا ”اگر دوسری بار یہاں سے سائی تو ضرور مار ڈالی جائے گی۔“

اس کے ایک گلیارے میں گھستی چلی گئی۔ میری پنڈلیوں رہی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ مجھے اتنی آسانی سے تھی۔ اس روز مجھے پہلی مرتبہ یقین آیا کہ ”سردار جی“ ہے ہیں۔ مجھے گاؤں کی طرف بڑھتے ہوئے پکڑا سمجھا تھا کہ میں گاؤں سے بھاگ رہی ہوں۔ اچھا ہی بعد میں آئے تھے ورنہ وہ ضرور حقیقت کو تاڑ لیتے۔ ایک مکان کے دروازے پر رک گئی اور زور نے لگی۔ کچھ دیر بعد اندر سے ایک کانپتی ہوئی ہڑا اے!“

دی ماری“ میں نے جواب دیا۔ پھر سرگوشی سنائی دینے لگی جیسے آپس میں صلاح و

بہتی دروازہ کھولو!“ میں نے کنڈی کھڑکھڑاتے

کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ ہو گئی اور بولی ”ہن دروازہ بند کر دو!“ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ وہ تھی جو غالباً اس آدمی کی بیوی ہوگی۔ ہمے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

ا؟“ میں نے عورت سے پوچھا۔ سر ہلانے لگی تو میں نے اطمینان کی سانس لی۔ ای“ میں نے کہا ”مینوں اک گلاس بہت ہو رہیا اے۔“ لینے چلی گئی۔

کون او؟“ ادھیڑ عمر مرد نے مجھ سے پوچھا۔ دشمن دے سپاہی کھلرے ہوئے نیں۔“ اں اکھ بچا کے آ ای گئی آں۔ مینوں اک اپنے چاچا نوں ملن واسطے بڑی تڑپ

ہا اے او؟“ اں ساڈے پنڈ وچ۔“ ٹھہر یا ہویا اے نا؟“

اتنے میں وہ عورت پانی کا پیالہ لے آئی۔ میں نے اس سے پیالہ لے کر ایک ہی سانس میں خالی کر دیا اور پھر دیہاتیوں کے سے انداز میں آستین سے اپنے ہونٹ خشک کر کے بولی ”جیکر تسی چل کے مینوں جامو دے چاچا دا گھر وکھا دیو تے میں تہاڈا احسان مناں گی۔“

”ایس ویلے تے ایسراں نئیں ہو سکدا۔“

”کیوں؟“

”اساں لوکاں نوں گھراں چوں نکلنے دی اجازت نئیں اے۔ بس دوپہر نوں اک گھنٹے دے واسطے بار کڈیا جاندا اے۔ پنڈ دیاں ہٹیاں وی اوسے ویلے کھل دیاں نئیں۔“

”اوہ!“ میرے منہ سے نکلا اور پھر میں کچھ سوچ کر بولی۔ ”تیرے وچ ساتوں کیہڑا ویکھے دا؟ چپ کر کے نکل چلنے آں۔“

”نئیں۔“ عورت نے جلدی سے اپنے شوہر کا بازو پکڑ لیا ”ایہ نئیں ہو سکدا۔“

پھر مرد بھی بول پڑا ”ا دلوک پنڈ وچ گشت کردے رہندے نے۔ اوناں دی نظر وچوں بچ جانا بڑا اوکھا اے۔“

میں پریشان ہو گئی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہئے۔ ویسے اگر جامو فوری طور پر مل جاتا تو بھی میری پریشانی تو برقرار ہی رہتی۔ جامو کو یہاں سے نکال لے جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ میں جوش میں یہاں تک آ تو گئی تھی مگر دانشمندوں کی نظر میں میرا یہ اقدام شاید درست نہیں ہو سکتا تھا۔

”بہن!“ عورت نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”توں اج رات ایتھے ای گزار لے۔ کل دوپہر ویلے میرا میاں تینوں جامو دے چاچے دے گھر پہنچا دیوے گا۔“

میرے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ عورت کے مشورے پر عمل کروں۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا ”تسی لوکاں نوں میری وجہ نال کوئی تکلیف تے نئیں ہووے گی؟“

”اج کل اسی نال کدوں گزر رہی اے۔“ عورت نے بھی ایک ٹھنڈی سانس لی۔

غرضیکہ وہ رات مجھے اسی گھر میں گزارنا پڑی۔ سونے سے پہلے وہ عورت مجھ سے کچھ دیر تک باتیں کرتی رہی۔ اس نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ میں محض جامو کی ماں کی خاطر دشمنوں کے نرغے میں آ پھنسی تھی۔

یہ باتیں کر کے جب وہ سو گئی تو بھی نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ یہاں توپوں کے دھماکے تو سنائی دے رہے تھے لیکن گولیاں چلنے کی آوازیں نہیں آ رہی تھیں۔ غالباً مورچے اس گاؤں سے خاصی دور تھے۔

صبح جب میں اٹھی تو میری آنکھوں کی جلن یہ بتا رہی تھی کہ میری نیند پوری نہیں ہو سکی تھی۔

اس گھر میں ایک مہمان کی حیثیت سے میری جتنی پذیرائی ممکن تھی، وہ ہوئی اور دوپہر تک کا وقت بھی باتوں میں کٹ گیا۔ اب میرا میزبان مجھے اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکلا۔ گاؤں کی گلیوں میں کچھ آمد و رفت شروع ہوگئی تھی لیکن اسے چہل پہل ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا۔ لوگ بے حد پریشان اور سہمے ہوئے تھے۔ آپس میں باتیں کرتے تو بہت دھیمی آواز میں لیکن چلنے کے انداز میں بڑی عجلت نظر آ رہی تھی۔ ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ اپنا کام کر کے جلد از جلد اپنے گھر لوٹ جائے۔

ایسی ہی عجلت کا ثبوت میرے میزبان نے بھی دیا۔ اس نے مجھے ایک گھر کے دروازے پر چھوڑا اور واپس چلا گیا۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ میں اس گھر کے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹانے لگی اور جلد ہی اندر سے دروازہ کھول دیا گیا۔ مجھے دس بارہ سال کے ایک لڑکے کی صورت نظر آئی جو مجھے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس چھوٹے سے گاؤں میں وہ سبھی کو پہچانتا ہوگا اس لئے ایک اجنبی عورت کو دیکھ کر اسے حیرت ہونا ہی چاہئے تھی۔

"جاموٹے چاچا دا گھر ایہے اے؟" میں نے لڑکے سے پوچھا۔

لڑکے نے جلدی جلدی اثبات میں سر ہلایا اور پھر "باپو، باپو" چیختا ہوا اندر چلا گیا۔ میں وہیں کھڑی انتظار کرتی رہی لیکن وہ انتظار ایک منٹ سے زیادہ طویل نہیں ہو سکا۔

"توں کون ایں؟" دروازے پر آنے والے مرد نے مجھ سے پوچھا۔

"مینوں جاموٹے چاچا نوں ملنا اے۔"

"میں ای جامو دا چاچا آں۔"

"میں برکی توں آئی آں۔"

"برکی توں!" وہ اس انداز میں بولا جیسے اسے میری بات پر بالکل یقین نہ آیا ہو۔

"ہاں۔" میں نے اپنے لہجے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "مینوں جامو دی ماں نے بھیجیا اے۔"

جامو کے چاچا کے چہرے سے بے یقینی کی کیفیت تو ختم نہیں ہوئی لیکن اس نے مجھے گھر کے اندر بلا لیا۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔ جامو کے چاچا نے اپنے گھر والوں کو بتایا کہ میں برکی سے آئی ہوں۔ وہ سب مجھے گھیر کر بیٹھ گئے تھے اور انہیں بھی اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ میں برکی سے آئی ہوں، تاہم وہ متذبذب تھے کیونکہ انہوں نے اپنے گاؤں میں مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"مینوں جامو نال ملنا اے۔" میں نے ان سب پر ایک طائرانہ نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "جامو دی ماں دا حال بہت خراب اے۔ جیکر جامو اوہدے کول نہ پہنچیا تے اوہ صدمے دے نال مر جائے گی۔ عقل اودی خاطر ای میں اپنی جان نال کھیل کے ایتھوں تک پہنچی آں۔"

"پر جامو تے ایتھے نئیں اے۔" جواب دیا گیا۔

"لیکن مینوں تے اے ای دسیا گیا اے۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"اوہ ایتھے آیا اے سی لیکن اوہ ایتھوں تمام لوں...

"گھونڈی؟ کیوں؟"

"اوتھے اودی ماسی رہندی اے جدی کڑ...
سی۔ جامو نوں بیٹھے بیٹھے گھبراہٹ جیہی لگ پیا...
تے اودی کڑی سلطانہ دا خیال آ گیا سی۔ سے تے فیر او...
گیا سی کہ اگلے دن دوپہر تک واپس آ جاواں گا۔"

"اوہ!" مجھے اپنا دل بیٹھتا ہوا سا لگا۔...
تھی۔ جان جوکھم میں ڈالنا بے سود ہی رہا تھا۔ جم...
ایتھوں کنی دور اے۔"

"ودڈھائی میل ہوئے گا سادا بالکل سرحد...
فوجاں اودھر ای آندیاں نے۔"

"ہن مینوں اودھر ای دا رخ کرنا ہو...

"جیکر توں اودھر گئی تے ضرور ماری جا...
ڈڈی گل اے کر توں ایتھے آ گئیں۔ شاید میں تو...

مجھے جامو کے چچا کے اس خیال سے اتفا...
یہاں آ گئی تھی تو یہاں سے نکل بھی سکتی تھی۔ بس...
پڑتا۔ دن کی روشنی میں دشمن کی نظر سے نہیں بچا...
میں نے کیونکہ جامو کی ماں کی خاطر اپنی...
تھی اس لئے اس گھر کے لوگ مجھ سے کچھ...
اور انہیں مجھ سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ وہ سہم...
میں گھونڈی کا رخ کر کے خود کو ہلاکت میں...

لیکن میں جب کوئی فیصلہ کر لیتی...
نہیں ہو سکتی۔

اب مجھے رات کے اندھیرے کا...
ایک خوفناک واقعہ ظہور میں آ گیا۔ اچانک...
سے شور و غل اور آہ و بکا کی آوازیں آنے لگیں...
فوجیوں کے شیطانی قہقہے بھی شامل تھے۔

جامو کے چاچا کا گھر بھی اس ہنگا...
بہت سے فوجی دروازہ توڑ کر اندر گھسنے...
چیخ چیخ کر کہا تھا کہ سب لوگ باہر نکل...
بچے رونے لگے، عورتیں چیخنے لگیں...
درویش" کے مصداق بس دانت پیستے رہ...
سامنے کسی کی ایک نہیں چل سکتی تھی اور...
وہ لوگ چاہتے کیا تھے؟

پاکستانی توپ خانہ اس محاذ پر بالکل...
مجھے اندیشوں اور وسوسوں نے گھیر لیا...
کی طرف دھیان ہی نہیں رہا تھا جس کی...

...لب سے خاموش تھا۔ بہرحال یہ خاموشی میرے...
...ہن دے چکی تھی کہ شاید اس محاذ پر دشمن نے...
...ال حاصل کر لی ہے اور اب وہ نہتوں کے خون...
...انا چاہتا ہے۔

...ی آبادی کو قریب کے ایک میدان میں جمع کر...
...م زدگان میں شامل تھی اور ان انسانیت سوز...
...ت دیکھ رہی تھی جن کے بارے میں لوگوں...

...ہیوں کے قہقہے میرے کانوں میں زہر گھول...
...لوش مذاق اور بے ہودہ قسم کی آوازیں دیکھ...
رہی تھیں لیکن میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتی...
کہ دیکھتی رہوں۔

...وں کو ان کی پشت پر باندھا جا رہا تھا اور ایک...
...نہ لاتے۔ اگر کوئی شخص معمولی سی بھی مزاحمت...
...ل سے کچوکے دیے جاتے تھے۔ سپاہیوں کے...
...ں گھیرا کر کے ان کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا اور...
...ل نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی حرکات...
...ان ظاہر ہو رہی تھی اور میں نے محسوس کر لیا...
...مانہ ناکھیل کھیلا جائے گا۔

...مردوں کے ہاتھ باندھے جا چکے تھے جب...
...مہ یارے کے مستو! میرے سپاہی مجھ...
...وں کے ہاتھ باندھنے کے بعد کیا کرنا ہے۔ میں...
...بھی سن لو۔ ابھی یہاں تم سب کی آنکھوں کے...
...بربی کی جائے گی۔ بوڑھی اور جوان کی کوئی قید...
...ے سپاہیوں کے ہاتھ لگ جائے اس کے...
...ہلاک کر ڈالا جائے گا۔ مردوں کو بھی اپنی...
...لیکن جوان عورتوں کی زندگی ابھی باقی ہے۔
...نہ مت کریں گی۔"

...ن کر مردوں کے چہرے زرد پڑ گئے اور...

...کر بولا "سور دے بچو! کتو! جیکر توں نے..."
...ا ہوتی، ایک سنگین اس کے سینے میں

...ا۔ دشمن کی آوازیں تیز ہو گئیں۔ بہت...
...ا ہینچ کر اپنے خدا کو پکارنے لگیں۔...
...ل مریم کی دہائی دی جانے لگی۔ کچھ...
...یں بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ یہ سب کچھ...
...ذرے بھی لرز اٹھے ہوں گے۔

یہ غروبِ آفتاب کا وقت تھا اور ان ستم زدگان پر آسمان بھی خون کے آنسو بہا رہا تھا۔ ہر طرف گہری سرخی پھیلتی جا رہی تھی۔

مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میری زندگی کی آخری شام آ پہنچی ہو۔ میں نے اپنے دل میں کہا "صبیحہ! تو نے زندگی میں کبھی بھی مرد کی برتری کو تسلیم نہیں کیا لہٰذا اب مرتے وقت بھی تجھے اپنے اس اصول پر کاربند رہنا ہے۔"

میں لڑنے مرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہو گئی۔ مجھے اعتماد تھا کہ مرنے سے پہلے میں دو چار سپاہیوں کی گردنیں تو توڑ ہی دوں گی۔

جب تمام مردوں کے ہاتھ باندھے جا چکے تو سپاہیوں نے اپنے افسر کا اشارہ پاتے ہی عورتوں پر یلغار کر دی۔ وہ بھوکے کتوں کی طرح لوٹ پڑے تھے۔ دو سپاہیوں نے مجھ پر جھپٹا مارا تھا مگر ان میں سے ایک اپنا پیٹ پکڑ کر دور جا گرا۔ میں نے اس کے پیٹ پر لات رسید کی تھی۔ دوسرے نے مجھے دبوچ لیا۔ میں نے فوراً ہی اپنی انگلیاں اس کی آنکھوں میں گھسیڑ دیں۔ وہ بلبلا گیا اور پھر جیسے ہی اس کی گرفت ڈھیلی پڑی، میں نے جوڈو کا ایک داؤ آزما لیا۔

دوسری عورتوں کی حالت بہت خستہ تھی۔ بہت سوں کے کپڑے تار تار ہو چکے تھے اور ہندو "شانِ سپاہی" کی تکذیب کرنے کے لئے درندہ بن چکا تھا۔ مزاحمت کرنے والی عورتیں اٹھا اٹھا کر پٹخی جا رہی تھیں۔

لیکن اس سے پہلے کہ دشمن اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہو جاتا، خوفناک دھماکوں سے زمین لرز اٹھی۔ پاکستانی توپوں کے دہانے کھل گئے تھے۔ توپوں کی وہ پہلی باڑھ اسی میدان میں آ کر گری تھی لیکن اس طرح کہ خاص اس حصے میں کوئی تباہی نہیں پھیلی جہاں علاقے کے بدنصیب جمع تھے۔

دشمن بدک گیا۔ عورتوں کو ناپاک بازوؤں سے نجات ملی اور اسی وقت گولوں کی دوسری باڑھ آ کر پھٹی۔ اب تو ان "جیالے سپاہیوں" کی بدحواسی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بہت سے سپاہی چیخنے لگے۔ "پاکستانی آ رہے ہیں... پاکستانی آ رہے ہیں!"

اور پھر وہ سب تتر بتر ہو کر بھاگنے لگے لیکن گولے تو جیسے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ جدھر بھی جاتے، دھماکے ان کا خیر مقدم کرتے۔ وہ اپنی سرحد کی طرف بھاگنے لگے لیکن موت بھی ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ گولے ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

عورتوں نے مردوں کے ہاتھ کھول دیے۔ جس میدان میں آہ و بکا کی گونج پھیلی ہوئی تھی، وہاں اب مسرت بھرے قہقہے ابل رہے تھے۔ بعض دیہاتی تو کچھ دور تک، بھاگتے ہوئے دشمن کے پیچھے دوڑے چلے گئے۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔

"کتھے جا رہے او مہاراج!... ذرا گل تے سنو بہادرو!"

لیکن "بہادروں" کو اب کسی بات کا ہوش نہیں رہا تھا۔ گولوں کی ہر باڑھ ان کے سروں پر پھٹ رہی تھی۔ زمین سے شعلے اٹھنے لگے تھے

میں نے چیخ کر ہڈیارے کے مردوں سے کہا کہ وہ جذباتی انداز میں اپنی مسرت کا اظہار کرنے کی بجائے اپنی عورتوں کو لے کر پی آر بی کی طرف چل پڑیں اور جلد از جلد پاک فوج کی حفاظت میں پہنچنے کی کوشش کریں۔

مردوں کو عقل آ گئی اور انہوں نے میرے مشورے پر دھیان دیا۔

پاکستانی توپ خانے نے معجزانہ طور پر اپنی ماؤں بیٹیوں اور بہنوں کی عزت بچالی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیونکر ہوا۔ یہ تو ناممکن تھا کہ میلوں دُور بیٹھے ہوئے توپچیوں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہو۔ ہرچند معلوم یہی ہو رہا تھا کہ سب کچھ دیکھا جا رہا تھا اور اسی حساب سے گولہ باری کی جا رہی تھی۔ جیسے جیسے دشمن اپنی سرحد کی طرف بھاگتا رہا تھا' ویسے ویسے گولوں کی رینج بھی بڑھتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ ان گولوں نے سرحد پار کر کے بھی دشمن کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ دشمن کی سرحد میں پاکستانی گولوں کی تباہ کاری مجھے صاف نظر آ رہی تھی۔

یہ معجزہ میرے لئے ہمیشہ ایک معمہ ہی بنا رہتا لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد جب ایک فوجی افسر سے اس موضوع پر میری گفتگو ہوئی تو مجھ پر اس گولہ باری کا بھید کھلا۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ اس شام پاکستانی توپ خانے کے کمانڈر کرنل سیال محاذ کا نقشہ سامنے رکھ کر دشمن کی ان کارروائیوں کا جائزہ لے رہے تھے جو وہ گزشتہ دو روز میں کر چکا تھا۔ ان کارروائیوں کے تجزیے سے کرنل سیال نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ دشمن آج رات کو ہڈیارہ ڈرین پار کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دے گا۔ سر دھڑ کی بازی لگانے کے لئے ضروری تھا کہ دشمن ہڈیارہ کے قریب فوجی ساز و سامان جمع کرے چنانچہ اس قیاس کی روشنی میں کرنل سیال نے اپنے توپ خانے کو ریفرنس اور فائر آرڈر دے کر دو باڑیں فائر کروا دیں جو اسی میدان میں جا کر پھٹیں۔ پھر کرنل سیال توپوں کا رینج بڑھا بڑھا کر فائر کرواتے چلے گئے۔ مقصد یہی تھا کہ دشمن نے ہڈیارے سے لے کر سرحد تک' جہاں جہاں بھی رات کے معرکے کی تیاریاں کی ہوں' وہ خاک میں مل جائیں۔ گولہ باری کے اس انداز نے دشمن کو انتہائی دہشت زدہ کر دیا تھا اور اس میدان میں مجھ سمیت جتنے بھی لوگ تھے' انہوں نے یہی محسوس کیا تھا کہ پاکستانی گولے دشمن کا تعاقب کر کے ان کے ناپاک ارادوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا انتقام تھا جو نادانستہ طور پر لیا گیا تھا۔ کرنل سیال کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس طرح انہوں نے اپنی بے شمار ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں کی آبرو بچالی تھی۔

**

وہ قافلہ پی آر بی کی طرف چل پڑا۔ اب اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں دشمن کے علاقے میں آ کر ایک خوفناک تجربے سے دوچار

سے ایک مکان میں اپنے بیٹے کی منتظر تھی۔ میں کر اس کے سامنے نہیں جا سکتی تھی۔ مجھے اب ... مل سکا تھا کہ جامو مر چکا ہے۔ اس لئے میں کوشاں رہنے پر مجبور تھی۔ میں ان لوگوں کی نظر ... گھونڈی کی طرف چل پڑی۔ جامو کے بتا... کر گھونڈی کس سمت میں ہے۔

وہ ایک جنون ہی تھا جو مجھے میدان ... مجبور کر رہا تھا۔ میں ایک دکھیاری ماں کے ... یہ سکون بھی حاصل ہو رہا تھا کہ میں محاذ پر ... ہوں' مادرِ وطن کی مٹی میں اپنا خون ... اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی' گرتی ... کے سائے میں آگے بڑھتی ہوئی میں بالآخر ایک ... میری دانست میں وہ گھونڈی ہی ہونا چاہئے۔ گاؤں سے کچھ دور رُک کر میں زمین ... کے حالات کا جائزہ لیتی رہی۔ وہاں دشمن ... تھا۔ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کی نقل و حرکت ... یہاں پر دشمن کسی بڑے حملے کی تیاریوں میں ... کا ایک قافلہ مغرب کی طرف جا رہا تھا ... ہوشیاری سے پار کی تھی۔

پندرہ بیس منٹ تک جائزہ لینے ... گاؤں کے جنوب میں دشمن کی نقل و حرکت ... سمت سے گاؤں میں داخل ہونے کا فیصلہ ... لیٹے لیٹے کھسکنا شروع کیا۔ اس محفوظ سمت ... کتنا بڑا چکر کاٹنا پڑا؟ میں اس کا کوئی اندازہ ... کی سوئیوں نے مجھے اتنا بتایا کہ وہ چکر کا ... منٹ لگے تھے۔

تقریباً پونے دو گھنٹے تک رینگتے رہنا ... کوئی آسان عمل نہیں ہے۔ میرے کپڑے ... پسینے میں شرابور ہو گیا تھا اور ہتھیلیوں میں ... میں گاؤں کے جنوب میں پہنچ گئی اور ... گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے میں ... چاہتی تھی تاکہ گاؤں میں داخل ہوتے ہی ... جائے تو اس کا مقابلہ کر سکوں۔

میرے پھیپھڑوں کو معمول پر آنے ... پندرہ بیس منٹ لگ گئے۔ اب میں ... تیار تھی گو کہ پیاس نے میرا حلق خشک کر ...

... مت میں کوئی نقل و حرکت نظر نہیں آ رہی تھی ... ہو کر لیٹنا مناسب نہیں سمجھا اور بدستور زمین پر لیٹی ...

... ہر طرف اندھیرے اور سناٹے کا راج نظر آ رہا تھا۔ میں اتنے فاصلے ... تھی کہ گاؤں کے لوگوں کو ختم کیا جا چکا ہے یا وہ ... علم مجھے گاؤں میں داخل ہونے کے بعد ہی ہو ...

... گاؤں کی حدود میں پہنچ گئی۔ ایک گلی میں داخل ہو کر ... چلنا شروع کیا۔ آس پاس کے سارے مکانوں میں ... میں اس الجھن میں گرفتار تھی کہ جامو کی ماں کا گھر ... غالباً وہی ایک صورت ممکن تھی جس پر میں ہڈیارے ... گاؤں کے کسی بھی گھر پہ دستک دے کر اس ... کی ماں کا گھر پوچھ لیا جاتا۔

... کے انجن کی آواز سنائی دی اور میں ٹھٹھک ... معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی جیپ اسی گلی کی طرف آ رہی ... ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو مجھے ایک مکان کا ... دروازہ کھلا نظر آیا۔ میں لپک کر اسی مکان میں داخل ہو ... دروازہ بند کر لیا۔

انجن کی آواز اب گلی ہی میں گونج رہی تھی۔ میرا اندازہ ... گاڑی اسی گلی میں آئے گی۔

... جس میں داخل ہوئی تھی' اس میں مکمل سناٹا چھایا ... سناٹا ہونا بھی اس بات کی دلیل تھی کہ اس گھر کے ... منتقل ہو چکے تھے یا ... یا ان کا جو کچھ بھی حشر ... والا تھا۔

... محسوس ہوا جیسے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا ہو ... خیال میں آیا' وہ یہ تھا کہ شاید ان لوگوں نے مجھے ... اب ذہنی تناؤ پیدا ہو گیا اور میں نے دروازے ... جھانکا تاکہ اپنے اندیشے کی تصدیق کر سکوں۔ ... اجالوں میں مجھے وہ جیپ صاف نظر آ گئی۔ ... قہقہے لگاتے ہوئے اتر رہے تھے لیکن یہ دیکھ ... کر کہ وہ لوگ سامنے والے مکان میں داخل ... جیپ کے قریب ہی رُک گئے اور آپس میں ...

... ان میں ان وحشیوں کی آمد ایک نہ سمجھ میں آنے ... والا معاملہ میری سمجھ میں آ گیا۔ اس مکان سے ... اٹھ رہی تھیں اور ان چیخوں کو سن کر جیپ کے ...

ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تو میرا خون کھول اٹھا لیکن ظاہر ہے کہ میں اپنے لہو کی اس کھولن کا مداوا نہیں کر سکتی تھی۔

جب میں دروازے کے قریب کھڑے کھڑے تھک گئی تو وہیں بیٹھ کر اپنے جوش و خروش پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ مجھے اس گاؤں کے مردوں پر غصہ آ رہا تھا جو ان چیخوں کو سن کر بھی اپنے اپنے گھروں میں دُبکے ہوئے تھے۔

جب مکان میں سے کچھ سپاہی باہر نکل آتے تھے تو باہر کھڑے ہوئے سپاہی اندر چلے جاتے تھے۔ وہ لوگ درندگی اور بہیمیت کا یہ کھیل صبح تک کھیلتے رہے۔ میں نے وہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی تھی اور مجھے کرب کی اتنی منزلوں سے گزرنا پڑا تھا جو میری زندگی میں کبھی نہیں آئی تھیں۔

صبحِ کاذب کے وقت میں نے جیپ کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ اب سامنے والے مکان سے چیخوں کی آوازیں بھی نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

جیپ کے انجن کی آواز دُور ہوتے ہوتے سناٹے میں مدغم ہو گئی تو میں اپنی جگہ سے اٹھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ ان چیخوں نے میرے اعصاب کو جیسے ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا تھا۔

میں نے پانی تلاش کر کے اپنی پیاس بجھائی اور پھر دروازے کا رُخ کیا۔ آہستگی سے دروازے کی کنڈی ہٹائی اور دروازے کو تھوڑا سا کھول کر باہر جھانکا۔ صبح کے ہلکے ہلکے سے اجالے میں مجھے دُور تک سناٹا نظر آیا۔ میں جلدی سے باہر نکل کر دوڑتی ہوئی سامنے والے مکان میں گھس گئی۔ میں نے سوچا تھا' شاید میں ان بدنصیب لڑکیوں کے کچھ کام آ سکوں ... نے قیامت ... جھیلی تھی۔

لیکن اس مکان میں پہنچ کر مجھے پتہ چلا کہ ان بدنصیبوں کو اب کسی کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے پانچ برہنہ لاشیں دیکھیں اور کانپ کر رہ گئی۔ سنگینوں سے ان کے پیٹ پھاڑ دیئے گئے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ درندگی انہی سپاہیوں کی تھی جو رات بھر ان کے جسموں سے کھیلتے رہے تھے۔

ان لاشوں کو دیکھ کر مجھے سکتہ سا ہو گیا تھا اور جب سکتے کی یہ کیفیت ختم ہوئی تھی تو میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ سُرخ آندھیاں جن سے آنچ نکل رہی تھی۔ میرے اشتعال کا یہ عالم تھا کہ میرا جسم خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔ میری ٹانگوں میں اتنی لرزش پیدا ہو گئی تھی کہ میں نے خود کو ایک اُجڑے ہوئے بستر پہ گرا دیا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو زمین پر گر پڑتی۔ کھڑا رہنا میرے لئے محال ہو گیا تھا۔ میرے جسم میں دوڑتی ہوئی غم و غصے کی لہر نے مجھے بے جان کر دیا تھا۔ غالباً شدید غم و غصے کو دبانے کا نتیجہ ناتوانی ...

مجھے معمول پر آنے میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ اب اجالا پوری طرح پھیل چکا تھا۔ مجھے ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے فوجی نقل و حرکت میں کچھ اضافہ ہو گیا ہو۔ گاڑیاں گاؤں کے بیچ میں سے گزر گزر کر کسی طرف جا رہی تھیں اور یہ ایک ایسی صورتِ حال تھی کہ اگر میں مکان سے باہر نکلتی تو مجھے ضرور دیکھ لیا جاتا۔

مجھے دو دن اسی مکان میں گزارنا پڑا۔ میں دن بھر بھوکی ہی رہی۔ اس گھر میں کھانے پینے کی اشیاء موجود تھیں لیکن میرا دل ہی نہیں چاہا کہ کچھ کھاتی۔

تیسرے پہر کے قریب دشمن کی سرگرمیاں موقوف ہو گئی تھیں لیکن میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اندھیرا پھیلنے کے بعد باہر نکلوں۔ دن بھر میں کئی مرتبہ مجھے اس بوڑھی کا بھی خیال آیا تھا جو برکی میں میری منتظر تھی۔ خدا جانے اس نے دو دن میں کچھ کھایا پیا بھی ہوگا یا نہیں؟ میں اُسے بیمار چھوڑ کر آئی تھی۔

اندھیرا پھیلنے کے بعد میں اس مکان سے نکلی اور کچھ ہی دور چلنے کے بعد ایک مکان کے دروازے پر رک گئی۔ میں دیوار سے بالکل چپکی ہوئی تھی کہ اگر اچانک گلی میں کوئی آ جائے تو اس کی نظر فوری طور سے مجھ پر نہ پڑ سکے۔ میں نے دروازے کو آہستہ سے تھپتھپایا تو مجھے محسوس ہوا کہ دروازہ اندر کی طرف کھلنے لگا ہے۔ میں نے ایک دم دروازے پر دباؤ ڈال دیا اور وہ کھل گیا۔ میں حیرت زدہ سی اندر داخل ہو گئی۔

"ایتھے کوئی ہے؟" میں نے آہستہ سے پکارا۔ "اگر کوئی ہے تے جواب دیوے۔"

لیکن وہاں کوئی نہیں تھا جو مجھے جواب دیتا۔

میں یہ سوچتی ہوئی اس مکان سے نکل آئی کہ شاید سارا گاؤں خالی ہو چکا ہے۔

کچھ دور چلنے کے بعد میں مزید تصدیق کے لئے پھر ایک گھر کے دروازے پر رکی اور میں نے دیکھا کہ اس گھر کا دروازہ بھی اندر سے بند نہیں تھا۔ میں ہونٹ بھینچ کر آگے بڑھ گئی۔ یہ بات مشکوک پائی جا رہی تھی کہ گاؤں خالی ہو چکا ہے۔ اپنے دبے سے شک کو دور کرنے کے لئے میں پھر ایک مکان میں داخل ہوئی جس کا دروازہ کشادہ ہی ملا تھا۔

"ایتھے کوئی ہے؟ جے کوئی ہے تے جواب دیوے!" میں نے وہی جملے دہرائے جو اس سے پہلے ایک مکان میں کہہ چکی تھی۔

میری دانست میں جواب ملنے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا لیکن اس وقت میں اچھل پڑی جب مجھے ایک مدھم سی مردانہ آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟ اندر آ جاؤ!" یہ بات اردو میں کہی گئی تھی اور لہجہ بھی اہلِ پنجاب کا سا نہیں تھا۔

میں نے جلدی سے دروازے کی اندرونی کنڈی لگائی اور اس طرف لپکی جدھر سے مجھے جواب ملا تھا۔ میں اس کمرے میں داخل ہو کر

[illegible]

تاریکی میں زرد رنگ کا ایک ننھا سا شعلہ چمکا۔ میں ایک آدمی کو بستر پر لیٹا ہوا دیکھا۔ وہ کمبل اوڑھے دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں شعلہ دینی ہوئی [illegible] نے اس تیلی سے وہ چھوٹی سی موم بتی جلا دی جو [illegible] پر جمی ہوئی تھی۔

میں جلدی سے بڑھ کر پلنگ کے قریب [illegible] کی عمر تیس چالیس سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ [illegible] گاؤں کا رہنے والا نہیں تھا۔ میں نے اس کے [illegible] محسوس کی تھی اور پھر غور کرنے پر پتہ چلا تھا کہ بل بھی اس طرح کپکپا رہا تھا جیسے اُسے سردی لگ رہی ہو۔ تمتمائے ہوئے چہرے اور آنکھوں کی سرخی سے [illegible] تھا کہ وہ بخار میں مبتلا تھا۔

"تم... تم..." وہ کسی قدر کانپتی ہوئی [illegible] درندوں سے کس طرح بچ گئیں؟"

"میرا تعلق اس گاؤں سے نہیں ہے۔"

میں اپنی وضع قطع سے دیہاتی معلوم ہو [illegible] صاف و شستہ اردو سن کر اس اجنبی کی آنکھ [illegible] نظر آئی۔ ویسے میں خود بھی اسے یہ بتا چکی تھی کہ [illegible] تعلق نہیں رکھتی۔

"میں ایک ایسے آدمی کی تلاش میں یہاں آئی [illegible] برکی گاؤں میں اس کے لئے تڑپ رہی ہے۔"

یہ جواب سن کر وہ بس میرا منہ تکتا رہا۔ [illegible] بخار ہے؟"

"ہاں... غالباً ایک سو چار سے... کم نہیں [illegible] سانسیں لے رہا تھا۔ "غالباً ملیریا ہے۔" وہ [illegible] زبان پھیرنے لگا۔

"کیا میں تمہارے لئے کچھ کر سکتی ہوں؟" میں [illegible]

"مجھے... مجھے بہت دیر سے... پیاس لگ [illegible] سکت نہیں تھی... کہ... صحن میں... پانی کے گھڑوں [illegible]

"میں تمہارے لئے پانی لاتی ہوں۔" یہ کہہ کر [illegible] پانی تلاش کرنے لگی۔ میں یہ جاننے کے لئے [illegible] شخص کون تھا اور اس گاؤں میں کیا کر رہا تھا۔ [illegible] طرح وہ بھی ان دیہاتی علاقوں سے تعلق نہیں رکھتا [illegible] میں پیالہ بھر کر اس کے لئے پانی لے گئی مگر اس [illegible] پیئے اور پھر آہستہ سے بولا۔ "تم نے اپنے بارے [illegible]

"یہ بات تو میں تم سے کہہ سکتی ہوں۔ میں [illegible]

[illegible] بوڑھی ملی جو اپنے بیٹے کے لئے تڑپ رہی تھی۔ اس [illegible] ہوا تھا۔ جب میں اُسے تلاش کرتی ہوئی یہاں پہنچی تو [illegible] کی شام کو گھونڈی چلا گیا تھا۔ اب میں اس کی تلاش [illegible] چلا کہ سارا گاؤں خالی پڑا ہوا ہے۔"

[illegible] گاؤں آباد تھا۔" اجنبی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ [illegible] درندوں نے اس بستی کو اجاڑ دیا۔ عورتیں سرحد پار [illegible] وں کو گاؤں کے باہر ایک جگہ جمع کر کے ہلاک کر دیا [illegible] ان میں بھی روک لی گئی تھیں تاکہ سپاہی اپنی ہوس [illegible] ہیں!" یہ سب کچھ بتاتے ہوئے وہ اجنبی اتنا مشتعل [illegible] بولتا چلا گیا لیکن جب وہ خاموش ہوا تو اس کی [illegible] پھول چکی تھی۔

[illegible] چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر [illegible] نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا!"

[illegible] ہاری طرح بھٹک کر ادھر آ نکلا تھا... پھر یہیں پھنس [illegible] نے جواب دیا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "کیا میں یہ [illegible] "یہ تھوڑی سی... رہ گئی ہے... اگر یہ ختم ہو [illegible] ملنے کے وقت پر بھی... روشنی کا... کوئی بندوبست

[illegible] دینے کی بجائے خود ہی پھونک مار کر وہ موم بتی [illegible] میں ہم ایک دوسرے کے وجود کو صرف محسوس [illegible] مابین جو گفتگو ہوئی تھی، وہ مجھے بڑی غیر فطری [illegible] غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے [illegible] حالت سے بے خبر رکھ رہے تھے۔ جس طرح میرے [illegible] طرح اجنبی کے دل میں بھی چور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ [illegible] دل اور کھوکھلی سی تھیں۔

[illegible] "میں یونہی پوچھ بیٹھی۔

[illegible] اس نے جواب دیا۔ "اور تمہارا نام؟"

[illegible]

[illegible] باری تھی۔ "تمہیں میرا پورا نام کیسے معلوم [illegible]

[illegible] کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا [illegible] اب گیا ہو۔ اس وقت مجھے موم بتی بجھانے [illegible] تو مجھے اس کے چہرے کے تاثرات سے

[illegible] بدل کر بولی۔ "تم نے جواب نہیں دیا۔" [illegible] سے... تعلق رکھتا ہوں۔" ابرار نے

میں نے بے اختیار ایک طویل سانس لی۔

ابرار بولتا رہا۔ اس نے بتایا کہ پانچ اور چھ ستمبر کی درمیانی رات کو اسے صبیحہ بانو نامی ایک عورت کے بارے میں پتہ چلا تھا جس نے بھارتی حملے کی اطلاع دی تھی۔ ایک کمپنی کمانڈر کیپٹن انوار نے اپنے بٹالین ہیڈ کوارٹر کو اس کے بارے میں بتایا تھا۔ بٹالین ہیڈ کوارٹر میں اس وقت تین انٹیلی جینس آفیسر موجود تھے۔ ان میں سے ایک ابرار بھی تھا۔

"اور پھر" ابرار نے کہا۔ "مجھے پتہ چلا تھا کہ آپ پراسرار طور پر لاپتہ ہو گئی تھیں۔ آپ کے ساتھ جو لڑکی تھی، وہ کمپنی کمانڈر کے پاس موجود تھی لیکن آپ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ اس کے بعد آپ کی تلاش کے لئے کیا اقدامات کئے گئے؟ مجھے اس کا علم نہیں کیونکہ بھارتی یلغار کے فوراً بعد مجھے حکم ملا تھا کہ میں آگے بڑھ کر ایر باری دوآب نہر تک چلا جاؤں اور دشمن کے بارے میں جاسوسی کروں۔ تب سے اب تک میں اسی علاقے میں ہوں۔"

"خوب!" میں مسکرائی۔ "آپ مجھ سے یہ سب باتیں چھپا کیوں رہے تھے؟"

"میں آپ پر اعتبار کیسے کر لیتا؟" ابرار نے جواباً سوال کیا۔ "یہ بھی تو ممکن تھا کہ آپ دشمن کی جاسوس ہوتیں!"

میں ایک بار پھر بے اختیار مسکرا پڑی لیکن اس لئے نہیں کہ میں ابرار کی دانست میں دشمن کی جاسوس ہو سکتی تھی بلکہ اس لئے کہ اب ہم دونوں کی گفتگو "تم" کے مرحلے سے "آپ" کی طرف لوٹ آئی تھی۔

"دراصل ہوا یہ تھا۔" میں بولی۔ "کہ جب حملہ ہو گیا تو میں جوش کے عالم میں اس محاذ کی طرف بڑھتی چلی گئی جہاں سے جنگ کا آغاز ہوا تھا۔ اس طرح میں برکی تک پہنچ گئی۔ پھر وہاں سے بڈیارہ اور وہاں سے گھونڈی! میں یہاں کل رات ہی پہنچ گئی تھی لیکن ایک مکان میں پھنس کر رہ گئی۔" میں نے گزشتہ رات کا وہ واقعہ بھی دہرایا۔

"میں بھی یہاں کل صبح سے ہوں۔" ابرار نے بتایا۔ "مجھے اچانک بخار [illegible] تھا۔ میں نے اس گھر میں پناہ لی [illegible] اس گھر کے مکین یہاں موجود تھے۔ ان بے چاروں نے میرا ہر طرح خیال رکھا اور جب دیہ [illegible] کو دشمن نے یہاں دھاوا بولا تو ان لوگوں نے مجھے چھپا دیا۔ وہ تو اپنی جان سے گئے مگر انہوں نے مجھے بچا لیا۔" ابرار نے یہ ساری باتیں رک رک کر ہی بتائی تھیں۔

"آپ جس مقصد سے یہاں آئے تھے، وہ پورا ہو گیا؟" میں نے پوچھا۔

"پورا تو ہو گیا لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے ان معلومات سمیت کل شام ہی کو اپنے ہیڈ کوارٹر پہنچ جانا چاہئے تھا لیکن نہ تو میں پہنچ سکا، نہ وہ معلومات! میری حالت اب بھی ایسی نہیں ہے کہ میں یہاں سے روانہ ہو سکوں۔ کیا آپ میرے لئے... بلکہ اپنے

"میں سمجھی نہیں۔"

"میں نے دشمن کی فوجی طاقت کے بارے میں جو اعداد و شمار جمع کئے ہیں، وہ کاغذات کی صورت میں ہیں۔ کیا آپ ان کاغذات کو ڈویژن ہیڈ کوارٹر تک نہیں پہنچا سکتیں؟"

"اور آپ؟"

"میں نے کہا نا کہ میں چل نہیں سکتا۔ جب تک میری طبیعت ٹھیک نہیں ہو جاتی، مجھے یہیں چھپا رہنا پڑے گا۔"

"کیا یہ جگہ محفوظ ہے؟"

"میرے خیال میں تو محفوظ ہے۔ دشمن کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس مکان میں آئے۔ یہ بات ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئے گی کہ یہاں کوئی پاکستانی جاسوس چھپا ہوا ہوگا۔ ہاں اگر میری بدقسمتی رنگ لے ہی آئی اور وہ لوگ بلاوجہ اس مکان میں گھستے چلے آئے تو میں مرنے یا گرفتار ہونے سے پہلے ان میں سے دو چار کو تو ختم کر ہی دوں گا۔"

"ہوں!" میں اندھیرے میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا!" وہ بولا۔

"کاغذات کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "میں یہ کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"ان کاغذات کے لئے آپ کو اس گاؤں کے ایک اور مکان تک جانا پڑے گا۔"

"کیوں!" میں نے استعجابیہ انداز میں پوچھا۔

"کل شام جب میں نے محسوس کیا تھا کہ میری طبیعت زیادہ خراب بھی ہو سکتی ہے تو میں وہ کاغذات ایک اور مکان میں چھپا آیا تھا۔ یہ حرکت مجھے یہ سوچ کر کرنا پڑی تھی کہ اگر میں کسی وجہ سے گرفتار ہو ہی جاؤں تو وہ کاغذات میرے پاس سے برآمد نہ ہو سکیں۔ وہ کاغذات اس بات کا ثبوت ... کہ میں پاکستانی جاسوس ہوں اور پھر تو آپ بھی جانتی ہوں گی کہ جاسوس کو دشمن کتنی اذیت پہنچاتا ہے۔ اس اذیت سے بچنے کی واحد صورت یہی تھی کہ میں ان کاغذات کو خود سے دور رکھوں۔ ان کی عدم موجودگی میں دشمن کو یہ باور کرایا جا سکتا تھا کہ میں بھی ایک دیہاتی ہی ہوں۔"

"وہ مکان یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"یہ گاؤں بڑا ہی کتنا ہے کہ وہ مکان دور ہو۔"

"میرا مطلب ہے، وہ کہاں ہے؟"

"میں آپ کو باقاعدہ نقشہ بنا کر سمجھائے دیتا ہوں تاکہ آپ آسانی سے وہاں پہنچ سکیں۔ وہ ایک بڑھئی کا مکان ہے۔ میرا خیال ہے کہ موم بتی ایک بار پھر جلانا پڑے گی۔"

"ماچس دے دیں، میں جلا دیتی ہوں۔"

چند لمحے بعد میں نے اندھیرے میں ماچس کی رگڑ سنی اور پھر وہی ننھا سا زرد شعلہ چمکا۔ ابرار نے خود ہی موم بتی جلا دی۔ میں نے دیکھا کہ

اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کی طبیعت بتدریج خراب ہو ...
وہ محض اپنی ہمت اور قوت ارادی کے بل پر ...
اس نے ایک چھوٹی سی پنسل نکالی اور پھر ...
کاغذ کا ٹکڑا تلاش کر لیجئے!"

میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن کوئی کا...

"میرا خیال ہے کہ میری ہتھیلی سے کام چلا... مسکرا کر کہا۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں!" وہ سنجیدہ ...

میں نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا اور ... لکیریں کھینچ کھینچ کر مجھے سمجھانے لگا کہ بڑھئی کا م...

"ٹھیک ہے، اب میں اسے ڈھونڈ لوں...

"خدا کرے آپ ان کاغذات کو ڈویژن... میں کامیاب ہو جائیں۔" ابرار نے بھرائی ہوئی آ...

"آپ نے کل سے اب تک کچھ کھایا بھی ہے..."

"کل رات تو کھایا تھا لیکن آج بستر سے اٹھ... ہو سکی۔ باورچی خانے میں کھانے پینے کا سامان ہو... اشتہا محسوس کر رہی ہوں تو..."

"ہاں۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ... محسوس ہو رہی ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی ...

"اگر آپ زحمت کر سکیں تو..."

"مجھے ماچس دے دیجئے!"

اس نے مجھے ماچس دے دی اور کہا، وہ ...

میں نے پھونک مار کر موم بتی بجھا دی اور ... میں پہنچی۔ میں نے سارے سامان کا جائزہ لیا تو مجھے ... آٹے کا خشک حلوہ رکھا ہوا ملا۔

بس یہی کافی ہے، میں نے خوش ہو کر ... کر لیا۔ ایک پتیلی میں دودھ موجود تھا لیکن پھٹ ... کوئی بات نہیں، میں نے سوچا، ایک ... دودھ کی بجائے لیموں کی چائے سہی۔

میں نے اور ابرار بیگ نے تھوڑا سا حلوہ ... حلوہ میں نے ایک پلیٹ میں نکال کر اس کے ... جب بھی اسے بھوک لگے، وہ کھا لے۔

میں اس مکان سے نکلی تو دس بج ... مغربی حصے سے ایک کتے کے بھونکنے کی آوا... اور بہت دور سے توپوں کے دھماکے بدستو...

میں بڑی احتیاط سے ایک سمت میں ... یہی ایک کام کرنا تھا کہ وہ کاغذات حاصل کر...

... میں اس کے زندہ ملنے کا امکان ختم ہو چکا تھا۔
... مار ڈالے گئے تھے تو وہ کیسے زندہ بچ ...

... ہوتی بالآخر اس طرف مڑی جدھر اس بڑھئی ... لیکن ادھر مڑتے ہی میرے پیروں تلے سے زمین ... سامنے ایک جیپ کھڑی ہوئی تھی اور جیپ ... ہوا تھا۔ جیپ میں بمشکل پانچ سات فٹ کے ... ستارے ہی اچھے تھے کہ سپاہی کا رخ دوسری ... میری طرف ہوتا تو وہ یقیناً مجھے دیکھ لیتا۔

... طرف مڑ ہی گیا لیکن میں ان دو تین لمحوں کی ... اتنی تیزی سے زمین پر اوندھی لیٹ گئی تھی کہ ... حیرت ہوئی۔ اس طرح لیٹ جانے سے مجھے ... تھی۔ اب وہ سپاہی مجھے اس وقت تک نہیں ... جب تک اس طرف نہ آ جاتا اور وہ ٹہلتا ہوا اسی ... پوزیشن تھی۔ اگر میں اسی طرف لوٹنے کی ... تو سپاہی کی نظریں یقیناً مجھ پر پڑ جاتیں۔

... فیصلہ کرنا پڑا۔ میں تیزی سے رینگتی ہوئی جیپ ... میرا دل اتنی شدت سے اچھل رہا تھا جیسے ... دھکمنی نکال رہا ہو۔

... کی دھمک مجھے بالکل سر پر محسوس ہو ... گزر کر اس کے عقب میں جا کر مجھے اس ... تھیں۔

... کے نیچے پڑی رہی۔ میں بہت بڑی پھنسی تھی ... منزل تک پہنچ سکتی تھی اور وہ کم بخت سپاہی ... وہیں ٹہلے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ جیپ ... میری نظر سے اوجھل ہو گئیں۔ میں خوش ہوئی ... لیکن یہ میری خام خیالی تھی۔ ... وہ ٹہلتے ٹہلتے تھک کر جیپ میں بیٹھ ...

... مار رہا ہے؟ یہ سوال میرے ذہن ... بس یہی ایک بات ذہن میں آتی تھی ... سپاہی قریب کے کسی مکان میں ... گئے۔

ایک گھنٹہ...... دو گھنٹے...... تین گھنٹے!

... میں نے آہستگی سے کروٹ بدلی۔ مجھے ... یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ وقت ضائع ہو رہا تھا۔ کل ... آج رات اس منحوس جیپ کے

پوری رات اسی طرح گزر گئی۔ صبح پانچ بجے کے قریب کسی مکان کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر وزنی جوتوں کی دھمک قریب آتی چلی گئی۔ میں نے متحرک ٹانگیں دیکھیں جو جیپ ہی کی طرف آ رہی تھیں۔

"چلو جگدیو!" ایک تحکمانہ آواز سنائی دی۔

"یس سر!" جواباً کہا گیا۔

ٹانگیں میری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ آنے والا جیپ پر چڑھ گیا تھا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور جیپ حرکت میں آ گئی۔ وہ میرے اوپر سے گزر کر فراٹے بھرتی ہوئی دور ہوتی چلی گئی۔

جب میں زمین سے اٹھی تو مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا جسم اکڑ کر رہ گیا ہو۔ میں تیزی سے قدم بڑھا کر اس مکان میں داخل ہوئی جو میرے اندازے کے مطابق وہی مکان ہونا چاہیے تھا، جس کی ابرار بیگ نے نشاندہی کی تھی۔

صحن میں مجھے کچھ ایسا کاٹھ کباڑ نظر آ گیا جس سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ یہ کسی بڑھئی ہی کا مکان تھا۔ میں تیزی سے قدم بڑھا کر باورچی خانے میں داخل ہو گئی اور یہاں آ کر مجھے اپنی ایک غلطی کا احساس ہوا۔ میں ابرار بیگ سے ماچس لے کر نہیں آئی تھی اور یہاں اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

ابرار بیگ نے مجھے بتایا تھا کہ باورچی خانے میں جو مٹی کا چولہا ہے، اس کے اوپر رکھے ہوئے توے کے نیچے وہ کاغذات رکھے ہوئے ہیں۔ اب اس اندھیرے میں انہیں ٹٹول کر ہی تلاش کیا جا سکتا تھا۔

باورچی خانہ چھوٹا سا تھا اس لئے میری مہم جلد ہی عروسِ کامیابی سے ہمکنار ہو گئی۔ مجھے چولہا ملا، پھر توا ملا اور پھر کاغذات مل گئے۔ کاپی سائز کے چار کاغذ تھے اور ابرار بیگ نے یہی تعداد بتائی تھی۔ میں نے وہ کاغذات تہہ کر کے اپنے گریبان میں رکھے اور باورچی خانے سے نکل آئی۔

جب میں مکان سے نکلی تو میں یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ آج کا دن بھی اسی گاؤں میں گزاروں گی۔ اب اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ میں اس گاؤں سے نکل سکتی۔ کچھ ہی دیر میں مشرقی افق سے اجالا پھوٹ پڑتا جبکہ مجھے اس علاقے سے نکلنے کے لئے اندھیرے کی ضرورت تھی۔

میں نے اسی مکان میں جانے کا فیصلہ کیا تھا جہاں ابرار موجود تھا لیکن چلتے چلتے میں نے اس مکان میں جھانک لینے میں کوئی قباحت نہ سمجھی جہاں ایک دشمن فوجی نے یہ رات گزاری تھی اور مجھے اس کی جیپ کے نیچے گزارا کرنا پڑا تھا۔

میرا خیال تھا کہ مجھے اس مکان میں دو ایک لڑکیوں کی لاشیں ہی ملیں گی لیکن اندر قدم رکھتے ہی مجھے سسکیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی لڑکی رو رہی تھی۔ میرے قدم کمرے کے دروازے کی طرف

پر نظر پڑی۔ لالٹین کے بعد میں نے وہ بستر دیکھا جس پر کوئی لڑکی اوندھی لیٹی ہوئی سسک سسک کر رو رہی تھی۔

میں نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا تو اس کی مدھم سی چرچراہٹ نے لڑکی کو چونکا دیا۔ اس نے سر گھما کر پیچھے دیکھا اور پھر مجھ پر نظر پڑتے ہی جلدی سے سیدھی ہو بیٹھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اس طرح چونکی اور حیران ہوئی تھی کہ رونا ہی بھول گئی تھی۔

میں نے اسے دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ دیہات کے روایتی حُسن کی ناقابلِ تردید مثال تھی۔ اگر میں نے اسے عام حالات میں دیکھا ہوتا تو اس کے جگ مگ جگ مگ نقش و نگار کے بارے میں اَن گنت استعارے اور تشبیہات میرے ذہن میں جھلملا اٹھتیں مگر اس ماحول میں وہ حُسنِ مغموم میرے دل کے صرف اُن حصّوں کو چھو سکا جہاں صرف ہمدردانہ جذبات تڑپتے ہیں۔ اس کے عارضوں پر آنسوؤں کی لکیریں اتنی تیز دھار تھیں کہ میرے دل پر گھاؤ سے لگتے چلے گئے اور میں اس احساس سے تلملا کر رہ گئی کہ یہ نرم و گداز لڑکی بہیمیت کے پہاڑ تلے پس چکی ہے۔

"تم یہاں اکیلی ہو؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں!" وہ رُندھی ہوئی سی آواز میں بولی۔ "تم کون ہو؟" وہ اُردو ہی بول رہی تھی مگر اس کے لہجے میں اہلِ پنجاب کا رنگ بھرپور انداز میں محسوس ہوتا تھا۔

"میں ہرکی سے آئی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے کسی کی تلاش تھی مگر یہاں آکر پتہ چلا کہ سارا گاؤں ختم ہو چکا ہے۔"

"تم ہمارے علاقے کی تو نہیں معلوم ہوتیں!"

"تمہارا خیال درست ہے۔ میں نے یہ لباس محض اس لیے پہن رکھا ہے کہ اگر دشمن مجھے دیکھ لے تو یہیں کا باشندہ سمجھے۔"

"تم نے یہاں آکر غلطی کی ہے۔ تم ایک جہنم میں آگئی ہو۔" لڑکی نے بڑی یاسیت سے کہا۔ اس کے لہجے میں درد پگھل رہا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے اچھی لڑکی!" میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"سلطانہ!"

"کیا؟" میں چونک پڑی۔ "تم ..... تم وہی سُلطانہ ہو جس کی شادی جامو سے ہونا تھی؟"

وہ مجھے استعجابیہ نظروں سے دیکھنے لگی اور پھر بولی۔ "تم جامو کو کیسے جانتی ہو؟"

"میں اسی کی تلاش میں یہاں آئی ہوں۔ اس کی ماں اس کے لیے تڑپ رہی ہے۔"

"اب اسے زندگی بھر تڑپنا پڑے گا۔" سلطانہ کی آنکھوں میں رُکے ہوئے آنسوؤں کو پھر راستہ مل گیا۔ "جامو مارا جا چکا ہے۔ اس گاؤں کے

جا چکی ہیں جو جوان نہیں تھیں۔ بس ہم ..
ہماری جوانیاں ہمارے لیے روگ بن گئ..

"میں جانتی ہوں کہ اس گاؤں کی ..
میں نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میں نے ابھی ا..
دیکھا تھا۔"

"وہ ..... وہ کپتان ہے۔" سلطا..
"کل بھی وہ ساری رات یہیں رہا تھا۔ اس..
ہے کہ مجھے کوئی اور نہ چھوئے۔ وہ ..
پھر آئے گا۔ وہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ جنگ ..
لے جائے گا اور ساری زندگی اپنے ساتھ ..
آخر میں اس جہنم میں کب تک جلتی رہوں گی..

"بس آج رات تک۔" میں ..
سلطانہ میری بات نہیں سمجھ سکی ا..
میری طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں۔" میں نے دو ٹوک انداز میں..
اس جہنم سے نکال لے جاؤں گی۔"

"یہ ناممکن ہے۔ یہاں سے کوئی..
بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

میں اسے جواب دینے کی بجا..
ذہن میں اچانک جو خیال آیا تھا میں اس..
غور کر رہی تھی۔ وہ خیال یہ تھا کہ رات کو..
تو میں اسے خاموشی سے ہلاک کر دوں..
نپٹ جاتے جو جیپ کے پاس پہرہ دے رہا ہوگا..
میں بیٹھ کر یہاں سے فرار ہو سکتی تھیں۔ ..
پہنا دیتی اور خود اس سپاہی کی وردی پہن..
میں دشمن کے سپاہی یہ نہ دیکھ پاتے کہ اُن..
جیپ میں عورتیں جا رہی ہیں۔ وہ یہی س..
طرف جا رہا ہے۔

غور کرنے کے بعد جب میں..
سے آگاہ کیا تو وہ میرا مُنہ تکتی رہ گئی۔ ا..
سب کچھ کر سکوں گی۔ اس نے اپنی اس..

"تم ان کو مار سکو گی؟"

"ہاں، کیوں نہیں۔" میں نے..
لیکن سُلطانہ کے چہرے پر..
نے اسے یقین دلانے کی کوشش بھی نہ..
دیکھ لیتی کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔

..لہٰذا میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔
..مجبوری نہ ہوتی تو بھی میں یہیں رُکتی
..کیا اس کا تقاضا یہی تھا کہ میں اب یہاں
..انتظار کروں۔

میری آنکھیں جلنے لگی تھیں اور میرے
..سونے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں
..نیند ضرور پوری کر لینی چاہیے تاکہ رات کو
..جسمانی تکان کا احساس نہ ہو۔
..دروازے بند کر لیا اور سلطانہ کے ساتھ
..کے باعث میرے جسم میں جُھرجُھری سی
..کروٹ بدل لی اور اپنے جذبات
..نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔
..چار بج رہے تھے۔ سلطانہ مجھ سے پہلے
..ڈوبی ہوئی خلا میں گھور رہی تھی۔
..آہستہ سے پکارا تو وہ چونک پڑی۔
..تمہاری مہمان ہوں۔" میں مُسکرائی۔
..ور ہونا چاہیے کہ میرے پیٹ میں چوہے
..اپنے لہجے میں یہ شوخی محض اس لیے پیدا
..کی افسردگی میں دراڑ پڑ سکے۔
..اس ردِّعمل نہیں ہوا۔ میں نے اس کے
..اٹھایا گیا اور دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔
..مجبور ہو سلطانہ!" میں کھانے کے بعد بولی۔
"..وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اگر میں
..کہاں جاؤں گی، کس کے سہارے جیوں گی۔"
..بھی موجود ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے کا
..تمہارے وہ عزیز بھی زندہ ہیں جو بڈیارے

..سانس لے کر چُپ ہو گئی۔
..میں نے اس سے پوچھا۔ "وہ فوجی افسر کس

..میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ وہ کسی وقت بھی آسکتا
..ہے۔"
..کر سوچ کر اُٹھی اور صحن میں پڑا ہوا ایک موٹا
..دن میں ہی دیکھ لیا تھا۔
..اپنی حکمرانی قائم کر لی تھی۔
..بار بار اپنی گھڑی پر نظر ڈالتی رہی۔ بارہ بج

"ممکن ہے وہ آج نہ آسکے!" سلطانہ کے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔ میں پُرتشویش نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

جب دو بجے تو سلطانہ اونگھنے لگی لیکن میری آنکھوں میں نیند کا بہت دُور تک پتہ نہ تھا۔

جب تین بج گئے تو میں بے چین ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگی اور جب چار بجے تو مجھ پر مایوسی نے یلغار کر دی۔ میں نے سلطانہ کی طرف دیکھا جو اونگھتے اونگھتے بستر پر لڑھک کر سو چکی تھی۔

پانچ بجے دروازے پر دستک ہوئی اور میں اُچھل پڑی۔ میرا دورانِ خون تیز ہو گیا۔ میں نے جلدی سے سلطانہ کو جھنجھوڑ ڈالا اور سرگوشی میں بولی۔ "وہ آگیا ہے۔"

سُلطانہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی اور اس طرح میری طرف دیکھنے لگی جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ بیدار ہو جانے کے باوجود ذہنی طور سے پُوری طرح بیدار نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس کے گال تھپتھپاتے اور بولی۔ "وہ آگیا ہے سُلطانہ! وہ درندہ! اس کی موت اسے کھینچ لائی ہے۔"

سُلطانہ بستر سے اتر آئی لیکن اس کے چہرے سے گھبراہٹ ظاہر ہونے لگی تھی۔

دستک پھر ہوئی۔

"جاؤ!" میں نے سُلطانہ کو دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے سرگوشی کی۔ "جب وہ تمہارے ساتھ اس کمرے میں آئے گا تو موت اس کا استقبال کرے گی۔"

سلطانہ کو صحن میں دھکیل کر میں نے ڈنڈا اُٹھایا اور کمرے کے دروازے کے قریب دیوار سے چپک کر کھڑی ہو گئی۔ میرے دونوں ہاتھ ڈنڈے پر تھے اور گرفت بہت مضبوط تھی۔ میرے کان باہر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ میں نے بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز سُنی اور پھر وزنی جوتوں کی دھمک صحن میں آگئی۔

"بہت گہری نیند سو رہی تھیں جانِ من!" ایک کرخت آواز آئی۔

ظاہر ہے کہ سُلطانہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا ہوگا۔

"آج میں نہ آپاتا لیکن اتفاق سے موقع مل ہی گیا۔" اس کرخت آواز کے ساتھ قدموں کی چاپ دروازے کی طرف آ رہی تھی۔

میں نے دانت پر دانت جما لیے اور پوری طرح تیار ہو گئی۔

دروازہ کُھلا اور وہ دیوقامت فوجی اندر آگیا۔ میری طرف اس کی پُشت تھی اور سُلطانہ کو اس نے اپنے ہاتھوں پر اُٹھا رکھا تھا۔

میں نے پوری قوت سے اس کی کھوپڑی پر وار کیا۔ اس ضرب سے وہ چکر کھا گیا اور سُلطانہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گری۔ اس کے مُنہ سے ایک مدھم سی چیخ نکل گئی تھی۔

دیوقامت فوجی بھی زمین پر گرا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔ میں نے

جو کپڑے جھاڑتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اب تمہیں اس سپاہی کو بھی اندر لانا ہے۔" میں نے سلطانہ سے کہا۔

"وہ کیسے!" سلطانہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"دروازے پر جا کر کہو کہ اسے کپتان صاحب اندر بُلا رہے ہیں۔"

میں نے سلطانہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور اسے لیے ہوئے صحن میں نکل چلی گئی۔ میرے دُوسرے ہاتھ میں ڈنڈا تھا۔ سلطانہ بہت گھبرا رہی تھی لیکن میں نے اُسے لے جا کر دروازے پر کھڑا کر دیا۔ میں خود سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ سلطانہ نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا اور جب اس نے باہر کھڑے ہوئے فوجی کو مخاطب کیا تو اس کی آواز میں بھی لرزش تھی۔

"تمہیں کپتان صاحب بُلا رہے ہیں۔" اس نے کہا تھا۔

"کیوں ہے" باہر سے آواز آئی۔

سلطانہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ میں سپاہی کے وزنی جوتوں کی دھمک کو قریب آتا ہُوا محسوس کر رہی تھی۔ سلطانہ اس طرح ایک طرف ہٹ گئی جیسے سپاہی کو اندر آنے کے لیے راستہ دینا چاہتی ہو۔

اور جب سپاہی نے اندر قدم رکھ دیا تو اس کا بھی وہی حشر ہُوا جو اس کے افسر کا ہو چکا تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے لیے بھی ڈنڈے کی ایک ہی ضرب کافی ہوئی تھی۔ اب میں نے ڈنڈا ایک طرف پھینک کر جلدی سے دروازہ اندر سے بند کیا۔ ... بے ہوش سپاہی کو گھسیٹتی ہوئی کمرے میں لے آئی۔

"اب ہمیں جلدی جلدی اُن کا لباس اُتار کر خود پہننا ہے۔" میں نے سلطانہ سے کہا۔

ان دونوں فوجیوں کی بے ہوشی، سلطانہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی تھی۔ غالباً اسی لیے اب اس کے انداز سے جوش و خروش ظاہر ہونے لگا تھا۔ وہ میرے ساتھ سرگرم ہو گئی۔ ہم نے دونوں فوجیوں کے کپڑے اُتارے اور خود پہن لیے۔

دونوں فوجی صرف بے ہوش تھے اور کسی وقت بھی ہوش میں آ کر کوئی ہنگامہ کھڑا کر سکتے تھے، اس لیے میں نے سپاہی کی رائفل میں لگے ہوئے بیونٹ سے ان دونوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے۔ سلطانہ یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھی تھی اور اس نے گھبرا کر دوسری طرف مُنہ پھیر لیا تھا۔

"بس اب آؤ!" میں نے کہا اور سلطانہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل چلی گئی۔

جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ، میں نے سنبھالی اور سلطانہ کو اپنے برابر میں بٹھا لیا۔ انجن اسٹارٹ کر کے میں جیپ کو حرکت میں لے آئی۔ میں اسی طرف جا رہی تھی جہاں ایک گھر میں میری ملاقات ابرار سے

تھا۔ جیپ کی موجودگی کے باعث یہ بات ...

جب میں نے اس گھر کے سامنے جیپ

کر لی۔ "کیا ہُوا ہے"

"کچھ نہیں، تم بیٹھو، میں ابھی آتی ہوں۔"

ہوئی اس مکان میں گئی۔

ابرار بستر پر پڑا ہُوا بخار میں بُری طرح ... غشی سی طاری تھی۔ میں نے اسے پکارا تھا تو اس ... سی آوازیں نکل کر رہ گئی تھیں اور مجھے مرم ... پڑا تھا۔

انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھ ... پھر بند ہو گئیں۔

"مس ... مس ... صبیحہ ... وہ ..."

"چلیے مسٹر ابرار! میں جیپ لے کر آ ...

بغلوں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر اسے اُٹھا ... یہ میرے لیے بڑا مشکل مرحلہ تھا

زار بھی اور اس کے لیے ایک قدم اٹھانا بھی ... بہ ہزار دقت باہر لے جا سکی اور اسے جیپ ... دیا۔ سلطانہ یہ سب کچھ دیکھ کر خاصی اُلجھن ... کر بیٹھی۔ "یہ کون ہے؟"

میں نے جیپ کا انجن اسٹارٹ کر ... پاکستانی فوجی۔"

"یہ ...." سلطانہ کوئی اور سوال کرنے ... کیونکہ میں نے جیپ کی رفتار میں بڑی تیزی ... شاید اس رفتار سے گھبرا گئی ہو گی، دُھر اس ... طرف چلا گیا ہو گا جن کے سامنے سے اب ہمیں ...

اندھیرے کی وجہ سے مجھے اپنے برابر ... فوجی ہی معلوم ہو رہی تھی، اس لیے مجھے ... پہچان سکے گا اور پچھلی نشست پر پڑے ہ ... قریب آئے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

دو منٹ میں جیپ، گاؤں کی ...

ایک طرف کچھ ٹرک کھڑے ہوئے دیکھے۔ سپاہی ... سوار ہو رہے تھے۔ غالباً انہیں محاذ کی کسی ... کچھ گاڑیاں بھی اِدھر سے اُدھر دوڑتی نظر آ ...

میں دھڑکتے دل کے ساتھ جیپ کو ... چلی گئی۔ ظاہر ہے کہ بہت سوں نے ہمیں ... ہم اُن کی نظروں میں مشتبہ نہیں ہو سکتے تھے

... مغرب کی طرف بڑھتی رہی میرے دائیں ہاتھ ... بی آر بی نہر تک چلی گئی تھی اور مشرق میں بھارتی ... اب نہر سے آگے تک تھی۔

... راستے میں قدرے شمال کی طرف ہٹ کر تھا اس ... بائیں جانب سے دائیں جانب نہ چلی جاتی، برکی تک میں ... پانچ فرلانگ چلنے کے بعد میں نے جیپ کو کچی سڑک پر ڈال دیا اور رفتار بڑھا دی۔ میرے ... جا رہا تھا۔ میں اس کے برابر میں سے آگے ... نظر آتے۔ ان کے برابر سے آگے نکلنے میں ... اس لیے مجھے رفتار کم کر دینا پڑی۔ دراصل ... ٹرکوں کے برابر میں سے گزرنے کی تو ممکن ... کی نظر جیپ کی پچھلی نشست پر لیٹے ہوئے ابرار ... میں مبتلا ہو جاتے۔

... میں جیسے سانس روکے ہوئے بیٹھی تھی اور صد درجہ ... اس کا خوف بے جا بھی نہیں تھا۔ جنگ میں کسی ... موت سے کھیلنے کے مترادف ہوتا ہے۔

... دوسری سمتوں میں تھے لیکن ٹارگٹ تبدیل ہوتے ... اس علاقے میں دھماکے شروع کر سکتی تھیں ... وہاں تھے۔

... گاڑی کے انجن کی آواز سُنائی دی تو میں نے ... تیز رفتاری سے بڑھی چلی آ رہی تھی۔ جلد ہی ... غالباً اس جیپ کو ان ٹرکوں سے آگے نکلنا ... رفتار کم کرنا پڑی تھی۔

... کیا کروں۔ وہی خطرہ میرے سر پر منڈلانے لگا ... میں ٹرکوں کے برابر سے نہیں گزری تھی جیپ ... میں بھی وہی خدشہ تھا کہ ابرار کو دیکھا جا سکتا

... سوچا، بہت تیزی سے فیصلہ کیا اور بہت ... ہی ایک صورت مناسب معلوم ہوئی تھی کہ جیپ ... کچے میں اُتار دوں۔ مجھے بالآخر جانا بھی اسی طرف ... اللہ کو اس بوڑھی کے سپرد کر دینا چاہتی تھی۔

... گزرتی ہوئی آگے بڑھی اور میں نے پلٹ ... والی جیپ سڑک پر اُسی جگہ رُک گئی تھی جہاں ... کچے میں اُتارا تھا۔

... اُمیدیں ٹوٹنے لگی تھی۔

... وہ جیپ اچانک کچے میں اُتر آئی اور تیزی سے ... کچے میں اُترتے دیکھ کر ان لوگوں کو جانے

کیا خیال آیا تھا کہ وہ میرے تعاقب میں دوڑ پڑے تھے۔ اب مجھے رفتار میں اضافہ کرنا پڑا تاکہ وہ لوگ میرے قریب نہ پہنچ سکیں۔

ناہموار زمین پر اس تیز رفتاری کے نتیجے میں زبردست جھٹکے کھانا پڑے اور ایک جھٹکا تو ایسا لگا کہ پچھلی نشست پر پڑا ہُوا ابرار بیک پائیدان کی جگہ گر پڑا۔ میں اس وقت اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی کیونکہ دشمن میرے تعاقب میں لگ چکا تھا۔ میری تمام تر توجہ ڈرائیونگ کی طرف تھی۔

جیپ کے پہیوں کی گردش کے ساتھ توپوں کے دھماکے قریب آتے جا رہے تھے۔ دفعتاً میرے عقب میں بھی دو دھماکے ہوئے لیکن وہ توپوں کے نہیں، رائفلوں کے تھے۔ تعاقب میں آنے والی جیپ کی طرف سے گولیاں چلائی گئی تھیں لیکن اس ناہموار راستے پر دونوں ہی جیپوں کو اتنے جھٹکے لگ رہے تھے کہ صحیح نشانہ لگانا بہت مشکل تھا۔

سلطانہ زیر لب بڑبڑانے لگی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھی۔

دفعتاً ایک نسبتاً زوردار دھماکہ ہُوا۔ وہ گولہ ہماری جیپ کی دائیں جانب کوئی دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلے پر پھٹا تھا۔ فوراً ہی دوسرا ... کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے ... گرچھا جہاں سے میری جیپ کو گزرے ہوئے شاید ایک منٹ ہُوا ہو گا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ دھوئیں اور آگ میں مجھے وہ جیپ نظر نہیں آئی جو تعاقب کر رہی تھی۔

دھماکے بائیں جانب بڑھتے چلے گئے۔

اب ہماری جیپ میدانِ کارزار کے ایک ایسے حصے سے گزر رہی تھی جہاں جگہ جگہ بھارت کے فوجیوں کی لاشیں بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ بعض جلی ہوئی گاڑیوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ ایک ٹینک بھی بے حرکت کھڑا ہُوا نظر آیا۔ غالباً وہ بے کار ہو چکا تھا۔

صبح کے دھیمے دھیمے سے اجالے میں برکی گاؤں کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اب میں نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا تو بے اختیار ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ وہ جیپ اب بھی تعاقب میں لگی ہوئی تھی میرے عقب میں پھٹنے والے گولے کی تباہ کاری نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا لیکن دونوں جیپوں کا درمیانی فاصلہ نسبتاً بڑھ گیا تھا۔

برکی گاؤں جب بہت قریب آ گیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں بے شمار لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور گولہ باری نے زمین بالکل سیاہ کر دی تھی۔ بہت بڑے بڑے گڑھے بن گئے تھے۔ ان میں سے ایک گڑھے میں دشمن کے دو ٹینک لڑھکے ہوئے نظر آتے تھے۔ کئی بکتر بند گاڑیوں سے دُھواں اُٹھ رہا تھا اور ایک آدھ گاڑی ابھی تک شعلوں میں گھری ہوئی تھی۔ فضا میں سڑتی ہوئی لاشوں کا تعفن پھیلا ہُوا تھا۔ گِدھ اور کتے ان لاشوں کو بھنبھوڑ رہے تھے۔

یہ ساری چیزیں ایسی تھیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ گزشتہ دو ایک روز میں یہاں بہت بڑی جنگ لڑی گئی تھی۔ بھارت نے برکی پر قبضہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔

اس خوفناک منظر نے سلطانہ کے دماغ پر اتنا بُرا اثر ڈالا کہ وہ پاگلوں کی طرح چیخ اٹھی "بند کرو یہ جنگ! بند کرو یہ جنگ!" اور پھر وہ مسلسل یہی فقرہ دُہراتی رہی۔ اس پر ہسٹیریا کا دورہ پڑ گیا تھا۔

میں نے دیکھا کہ تعاقب میں آنے والی جیپ اب واپس جا رہی تھی۔ اس نے آگے آنے میں خطرہ محسوس کیا ہوگا اور اسی بات سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ برکی پر بھارتی قبضہ نہیں ہو سکا تھا۔

میں نے بریک لگاتے ہی اپنی منزل پر پہنچ چکی تھی لیکن ایسی منزل پر جہاں خاک اڑ رہی تھی۔ جامو کا گھر ملبے کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔ برکی کے لوکئی مکان بھی گولہ باری کی زد میں آکر تباہ ہو چکے تھے۔

"بند کرو یہ جنگ! بند کرو یہ جنگ!" سلطانہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخے جا رہی تھی۔

میں نے پاکستانی فوج کی ایک بکتر بند گاڑی اور ایک جیپ کو دیکھا وہ دونوں بہت تیزی سے چلتی ہوئی قریب آ گئی تھیں اور ان میں سے اترنے والے سپاہیوں نے ہمیں نرغے میں لے لیا تھا۔

اچانک میں اپنے آپ کو بے حد تھکا ہوا محسوس کرنے لگی میرے اعصاب جیسے پگھلتے ہی چلے جا رہے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ بس اب سو جاؤں۔ اس وقت جو باتیں ہوئیں اور جو صورتِ احوال پیش آئی وہ مجھے ایک خواب سا محسوس ہو رہی تھی۔ اسی خواب میں میں نے خود کو انٹیلی جینس افسروں سے محوِ کلام دیکھا۔ وہ لوگ چھ تاریخ کی صبح سے لے کر اب تک میری تلاش میں سرگرداں تھے۔ انہیں صدرِ مملکت کے سیکرٹری کے توسط سے یہ ہدایت ملی تھی کہ صبیحہ بانو کی تلاش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے۔ اب انہوں نے مجھے پا لیا تھا تو کرید کرید کر ساری باتیں معلوم کر لینا چاہتے تھے۔ ان کے سوالات کا سلسلہ اس وقت بھی جاری رہا تھا جب وہ مجھے ایک ہیلی کوپٹر میں بٹھا کر پنڈی لے جا رہے تھے۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ میں نے ان کے کس سوال کا صحیح جواب دیا تھا اور کس سوال کو مصلحتاً ٹال گئی تھی۔

میں نے اپنے ذہن پر چھاتی ہوئی دُھند کے باوجود، ہرار بیگ اور سلطانہ کو فراموش نہیں کیا تھا۔ ایک فرض شناس افسر اور ایک بدنصیب لڑکی جو لاشیں دیکھ کر شاید پاگل ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ہی طبی امداد کے حاجت مند تھے چنانچہ میڈیکل کور کے آدمیوں نے انہیں اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

ہرار بیگ کے "کاغذات" میں نے ایک فوجی افسر کے حوالے کر دیے تھے اور اس حوالگی کے ساتھ ہی میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

جب ہیلی کوپٹر نے پنڈی پہنچ کر لینڈ کیا اور میں انٹیلی جینس کے افسروں کے ساتھ ہیلی کوپٹر سے باہر نکلی تو تیز دھوپ سے میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ جب یہ لمحاتی کیفیت ختم ہوئی
نظر آیا جو میرے استقبال کے لیے آیا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ رؤف اوہی انٹیلی جینس
نے میری مدد کرنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اس
دا... سے نہیں ہوئی تھی اور آج جب مل
کا مظاہرہ نہیں کر سکی جس کی وہ مجھ سے توقع رکھ
رؤف مجھے ایک ہوٹل میں لے گیا۔
افسروں سے نجات مل گئی تھی۔ ہوٹل میں رؤ
منگایا جو میں نے بڑی بے دلی سے کیا۔ میں
تھی کہ وہ مجھے کراچی بھیج دے۔ اب مجھے گھر...
طاری تھی کہ میں نے رؤف کے کئی سوالوں کا
رؤف چاہتا تھا کہ میں ایک دن کے
اور آرام کر لوں۔ اس تجویز کا محرک یہ خیال رہا ہو
ذہنی کیفیت نارمل ہو جائے گی اور اسے مجھ
کا موقع مل جائے گا لیکن میں اس بات پر اَڑی رہی
روانہ ہونا ہے۔

آخر رؤف کو میری روانگی کا بندوبست کر
ایک ٹرین میں کیا گیا کیونکہ جنگ کی وجہ سے
روانگی کے وقت میں نے رؤف سے
دے دے کر میں اس ٹرین سے کراچی پہنچ رہی ہ
"مجھے ایک ضروری کام ہے ورنہ میں
نے مجھ سے کہا تھا "بہرحال میں وہ کام نپٹا کر
آؤں گا۔"

میں "ہوں ہاں" کر کے رہ گئی مجھے کسی
ہی نہیں رہا تھا۔

ٹرین ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ
ہوئی اور میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ نوم کے نرم
وقت اتنا آرام ملا تھا جیسے کسی شیر خوار کو ماں کی
میری جلتی ہوئی آنکھوں میں خوابوں کی
کر میں دس بارہ گھنٹے تک سوتی رہی جب میں جاگی
میرا سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ بستر سے اٹھنے کی
کی خواہش بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی میں
سرہانے سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس رکھی ہوئی تھی
نے کیا ہوگا۔ میں نے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی
ہر کش کے ساتھ میرے سر کا بوجھل پن کم ہوتا چلا گیا
میں اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی۔ کپڑے اتار کر میں
پانی کی دھاروں میں میری ساری اکساہٹ بہہ گئی

...ی پڑے پھر پہننا پڑے۔
میں نے کنگھی کی اور بالوں کو شانوں ہی پر بکھرا
...ل میں نرم و گداز کرچ پر نیم دراز ہو گئی اور دوسری
...نٹ میں گویا "ہُو کا عالم" محسوس ہو رہا تھا
...نہیں مل سکتا تھا اور صبح ہونے میں ابھی کچھ دیر

...ہونا کا تھا اور اب میں اپنی گزشتہ روز کی کیفیت
...ملی تھی۔ مجھے بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا
...م، میدانِ جنگ میں زندگی کی بے وقعتی اور
...بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور برکی
...ل... دیکھ کر میرے قلب پر جو واردات گزر
...ن پر گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔ اس کے
...اچاٹ ہو گیا تھا اور میں بے حد چڑچڑی ہو گئی تھی۔
...ت پر لفتار ہا تھا۔ اسی کیفیت کی وجہ سے
...الی بھی جنہیں جاننے کی مجھے شدید خواہش
...مرحلے میں ہے اور اس کا کیا انجام سامنے آ سکتا
...ماملے میں کیا رول ادا کر رہی ہے اور وہاں بھلا
...رات کر رہا ہے۔ وزارتِ خارجہ کی سرگرمیاں
...ج اور قوم کے حوصلے بلند رکھنے کے لیے

...ایسی خیالات سے الجھتی رہی۔ مجھے کئی مرتبہ
...وہ ان حالات میں کیا کر رہے ہوں گے۔
... مک کار سے ناشتہ منگوایا۔ ناشتے کے ساتھ
...ما میں نے ناشتہ کرنے کے دوران میں اخبار
...امیں اور ان سے مجھے کچھ کچھ اندازہ ہو گیا کہ جو
...ا تھے۔
...میں نے تیسری سگریٹ سلگائی ہی تھی کہ
...میں نے اٹھ کر دروازے کا بولٹ گرا دیا۔ باہر سے
...اور ایک لڑکی اندر گھستی چلی آئی۔ اس لڑکی
...نہیں رہا۔ وہ نومی تھی!
...یٹ نامی ماں کی بیٹی! شیر بہادر کی لاڈلی!
...میں مجھے یقین تھا کہ وہ بھی سی آئی اے
...اس کا تعلق ثابت ہو گیا تھا اور اسی لیے
...ایک کلب میں گئی تھی۔ کلب میں اس سے
...تھا اور وہیں مجھے نومی پہلی مرتبہ نظر آئی تھی۔
...پر گرم میری رگ رگ میں شراب کے فوارے
...بازی ہارتے ہارتے رہ گئی تھی۔
...اس طرح اپنے سامنے پایا تو یہ یقیناً مقام

حیرت تھا۔ میں اس حیرت سے سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ نومی نے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا اور اس کے بعد جب وہ میری طرف مڑی تو اس کے ہاتھ میں اعشاریہ دو پانچ کا سیاہ پستول چمک رہا تھا۔

"کیا مطلب!" میرے چہرے پر پھیلی ہوئی حیرت میرے لہجے میں بھی منتقل ہو گئی۔

"مجھے صرف اتنا معلوم کرنا ہے کہ فوکس کہاں ہے؟" اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔ ہر قسم کے جذبات سے عاری!

"اوہ!" میں بے اختیار مسکرا اٹھی اور یہ بات فوراً میری سمجھ میں آ گئی کہ فوکس کی موت کو چھپا لیا گیا تھا۔ یہ واقعی ایک ایسی صورت تھی کہ فوکس کے ساتھی خلجان میں مبتلا ہو گئے ہوں گے۔

"مسکرانے کی بجائے میرے سوال کا جواب دو!" نومی نے بدستور سپاٹ لہجے میں کہا۔

میری نگاہیں اس کے کشادہ گریبان کی انگنائی میں سرگرداں تھیں جہاں خرابات کے ہالی دَر کشادگی کی طرف مائل نظر آ رہے تھے۔ اس انگنائی میں میری نظروں نے جو سنسناہٹ محسوس کی، وہ میرے رگ و ریشے میں منتقل کر دی میرے وجود کی تاریک گہرائی میں کہیں پو پھٹنے لگی، سویرا طلوع ہونے لگا اور ربِ شباب کی قسم، میں اتنی مست و بے خود ہو گئی کہ نومی کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا خوف میرے دل کے کسی گوشے سے مَس ہو کر بھی نہیں گزر سکا۔

"نومی!" جب میں بولی تو میری آواز میں ایسی لرزش تھی جیسے جذبات کے تاروں پر مضراب گر پڑی ہو "پیاری نومی! یہ پستول پھینک دو۔ تمہارے نرم و نازک ہاتھ میں یہ بھلا نہیں لگ رہا ہے۔ آؤ، میرے قریب آ جاؤ۔ میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دوں گی جو تم جاننا چاہتی ہو۔"

"مجھے تمہارے قریب آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" نومی نے سرد مہری سے کہا "میں تم سے دُور رہ کر بھی وہ سب کچھ معلوم کر سکتی ہوں جو مجھے معلوم کرنا ہے۔"

میری نگاہیں اب بھی مچل مچل کر اس کے غرفۂ شباب سے سر ٹکرا رہی تھیں اور میرے تنفس کا عمل بڑے غیر محسوس انداز میں مائل بہ عروج تھا۔ میرا ذہنی سفر جنون کے صحرا کی طرف جاری تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کئی روز سے میری تشنہ لبی کا مداوا نہیں ہوا تھا۔

"پگلی!" میں نے اس کی طرف ایک قدم بڑھایا۔ "تجھے صبیحہ بانو کے لیے پستول کی کیا ضرورت ہے؟ بس اپنے نینوں ...."

"فضول باتیں مت کرو!" وہ میری بات کاٹتی ہوئی بولی اور ایک قدم پیچھے ہٹ گئی "اگر تم نے میرے قریب آنا چاہا تو یقین کرو کہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔"

میں نے فوری طور پر اس کی طرف قدم نہیں بڑھایا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ڈر گئی تھی۔ میری خمار آسا کیفیت بڑی تیزی سے جنون کی دہلیز تک پہنچ رہی تھی اور یہ وہ عالم ہوتا ہے جہاں جذبا

لوحِ پُر سود و زیاں“ کے الفاظ غلط قرار پا جاتے ہیں۔
لیکن فی الحال میں خرد کے آنگن سے پوری طرح باہر نہیں نکلنے پائی تھی اور اسی لیے مجھے یہ احساس ہو گیا تھا کہ نومی کے لہجے میں استحکامی کیفیت نہیں تھی۔ اس نے جب یہ کہا تھا کہ وہ مجھے گولی مار دے گی تو اس کی آنکھیں اُس کی اس بات کی نفی کر رہی تھیں۔ ان چمکتی ہوئی آنکھوں میں گھبراہٹ صاف نظر آ گئی تھی اور اس سے ثابت ہو گیا تھا کہ وہ محض دھمکا کر معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اسے یہ ہدایت نہیں ملی ہو گی کہ وہ مجھے گولی مار دے۔

دو ایک لمحوں کے لیے رُک کر میں نے پھر اس کی طرف قدم بڑھایا۔
”میں کہتی ہوں، آگے مت بڑھو!“ نومی کی آواز کانپ گئی۔
لیکن میں آگے کیسے نہ بڑھتی؟ میں تو سر سے کھیلنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ میری نظریں اب بھی شباب کے ان جزیروں میں بھٹک رہی تھیں جو نفس کے گردابِ بلاخیز میں ہچکولے کھا رہے تھے۔ میں اس کے قریب پہنچ گئی اور اسے پیچھے ہٹنے کے لیے جگہ نہ مل سکی۔ میں نے اس کا پستول چھیننے کی قطعاً کوشش نہیں کی اور میرے ہاتھ اس کے ترشے ہوئے کولھوں کے دلفریب کٹاؤ پر جم گئے۔ میں ایک جھٹکے کے ساتھ اسے اپنے سینے پر بھینچ لینا چاہتی تھی لیکن اسی لمحے اس نے پستول کا ٹریگر دبا دیا۔ پستول سے گولی کی بجائے برف کا سا سفید غبار نکل کر میرے چہرے سے ٹکرایا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے قطب شمالی و جنوبی کی ساری ٹھنڈک نے میرے چہرے پر یلغار کر دی ہو۔ اس ٹھنڈک سے میرا چہرہ ہی نہیں بلکہ دماغ تک شل ہو گیا اور وہ تاریکیاں میرا مقسوم بن گئیں جہاں احساس کی ہر شمع بجھ جاتی ہے۔

دوسرا حصہ

ا ولپنڈی سے بانو کی آمد کے بارے میں ٹیلیگرام مل
ہی میری جو حالت ہوئی، اُسے کچھ میں ہی جانتا ہوں۔ ا
کی طویل گم شدگی نے مجھے ہلکان کر کے رکھ دیا تھا۔ میں نے دفتر سے چھٹی
لے لی تھی اور انہیں ہر اُس جگہ ڈھونڈتا پھر رہا تھا جہاں اُن کے ملنے کے امکانات تھے، لیکن پے در پے ناکامیوں نے مجھے نڈھال کر دیا تھا۔ اس عالم میں وہ ٹیلیگرام میرے لیے ٹھنڈے میٹھے پانی کے اُس چشمے کی مانند تھا جو ریگزار میں بھٹکتے ہوئے بدو کو اچانک نظر آ جائے۔ میں نے اس ٹیلیگرام کو ان گنت بار پڑھا اور بڑی بے چینی سے اُس وقت کا انتظار کرنے لگا جب بانو کی ٹرین کو کراچی پہنچنا تھا۔ یہ انتظار بھی بڑا جاں گسل ثابت ہوا کیونکہ کئی گھنٹے بعد گھڑی پر نظر جاتی تھی تو پتہ چلتا تھا کہ ابھی صرف آدھا گھنٹہ گزرا ہے۔ وقت کسی طرح کاٹے نہیں کٹ رہا تھا بلکہ شاید وقت ہی مجھے کاٹ کاٹ کھا رہا تھا، جھنجھوڑ جھنجھوڑ ڈال رہا تھا۔ آخر یہ

کمبخت، مردود کسی طرح دفعان ہوا تو میں
کینٹ اسٹیشن کی طرف اڑا چلا گیا۔ جب میں
ٹرین کی آمد میں صرف پندرہ منٹ باقی رہ گئے
دماغ کا جو بعض اوقات دھوکہ دے ہی جاتا
بھول گیا تھا۔ آخر وضعداری بھی تو کوئی چیز ہے!
پاکستان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ ہماری ریل گاڑ
تاخیر کو تو اپنا حق سمجھتی ہیں اور اس سے زا
کے موڈ پر منحصر ہوتی ہے۔
تو صاحبان، قدردان! اگر میں بیک
ہوا تو اس میں ریلوے کا کوئی قصور نہیں ہے
میں نے اپنی کھوپڑی میں انسانی دماغ کیوں
بھول جاتا ہے۔ مجھے اپنی کھوپڑی میں کمپیوٹر
معمولی سے نکتے کو بھی فراموش نہیں کرتا۔
بانو کی ٹرین صرف پچپن منٹ لیٹ
کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ میں پلیٹ فارم
صبر سمیٹوں۔ پلیٹ فارم پر مجھ جیسے کتنے
میں کسی سے بھی کہہ سکتا تھا کہ۔۔۔ آ عندلیب
لیکن میں نے آہ و زاری کرنے کی بجائے
قصیدے کہہ ڈالے جو اگر اشاعت پذیر ہو جا
لبولیس قرار پا جائے گا۔
اس ”شہل قدمی“ کے دوران میں
پڑی جو بالکل الگ تھلگ اِس طرح نار
نابنجار دنیا نے اُن کی مرغی کے انڈے
ہو کر اُس زمانے میں انڈے خاصے مہنگے
چونکہ وہ بہ اعتبارِ وضع قطع تو دس
لیے بیشتر لوگوں کی نظریں اُن کی طرف تھیں
اُن کی طرف کئی بار دیکھا۔ نہ جانے کیوں، وہ
پر بُدھ بھکشوؤں کا انداز مجھے کچھ ”تیمیانہ“ سا
سادے معلوم ہوتے ہیں مگر ان دونوں بھکشو
اس کے برخلاف وہ بہت خرانٹ معلوم ہو
پر اُس قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا جو دنیا تیج
انہیں دیکھ کر مجھے کچھ بے چینی سی محسوس
عجیب سا خیال ابھرا، کہیں یہ ہندوستانی جا
اگر اُس زمانے کے حالات کو پیشِ نظر
کچھ زیادہ عجیب بھی نہیں معلوم ہو گا۔ یہ وہ
بھارت میں ایک خوفناک جنگ چھڑی ہوئی
بھارت نے چھاتہ بردار جاسوسوں کو کراچی

کے سلسلے میں اہلِ کراچی نے جس جوش و خروش
ذیل میں جو دلچسپ واقعات پیش آئے تھے
کہا
ان بھکشوؤں کو اس زاویے سے دیکھا تو کچھ ہی
بات محسوس ہوئی جس کی معنی خیزی میں کوئی کلام
کہ ایک بھکشو نے اپنے دونوں ہاتھوں سے
ایسا تھا جیسے اُس نے جماہی لی ہو۔ پھر فوراً ہی
ہی حرکت کی۔ بیک وقت دونوں کو جماہی آنا کوئی
جب دوبارہ اور سہ بارہ ایسا ہو تو اُسے کیا
کہ بیک وقت جماہی آنا ایک آدھ بار تو ممکن
ہو سکتا۔
ایسا ہوا تو میں اُن کی طرف بہت غور سے دیکھ
کیا کہ وہ دونوں اِس طرح ایک دوسرے سے کچھ
منہ کو چھپانے کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ دوسرے
سکے۔ وہ اپنی گفتگو کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔
میرے کان نہ صرف کھڑے ہو گئے بلکہ شاید

پریس کی آمد کا اعلان ہو رہا تھا۔ اس اعلان کو
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان پُر اسرار
یا بانو کا استقبال کروں۔ بیک وقت دونوں
اِسی ادھیڑ بُن میں اتنا وقت گزر گیا کہ ٹرین پلیٹ
ادھر ادھر دوڑے تو ہجوم میں وہ دونوں بھکشو
ہو گئے۔ اب میرے پاس سوچ بچار کے لیے بالکل
وہاں صرف دو تین منٹ رُکتی ہے۔ اس کا آخری
تیزی سے ایئر کنڈیشنڈ کوپے کی طرف لپکا
کر اندر داخل ہو گیا۔
کی خوشی میں میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو
احتیاطوں کو پسِ پشت دھکیل کر ذرا دیر کے لیے
لیتا لیکن اس وقت میری مایوسی کی کوئی حد
نے کوپے کو خالی دیکھا۔
بعد یہ کوپا ایک ثانیے کے لیے بھی میری نظر سے
یہ بات نہیں سوچی جا سکتی تھی کہ بانو اتر گئی ہو گی۔
ہاں آیا کہ بانو کہیں باتھ روم میں نہ ہوں؟ اِدھر میری
میں باتھ روم کے دروازے پر تھا۔ میرا ہاتھ
لے گھما کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔
ہی یہ نکتہ موجود تھا کہ اگر دروازہ اندر سے بند
ہو گا کہ بانو باتھ روم میں ہیں۔

لیکن دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ میں بے تحاشا اندر داخل ہو گیا اور لوکھلاہٹ میں اُس چھوٹی سی جگہ کا جائزہ اس طرح لینے لگا، جیسے بانو اس بات پر قادر ہوں کہ جادو کے زور سے واش بیسن کے پائپ میں گھس کر چھپ جائیں۔
باتھ روم کے باہر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی شخص کوپے میں داخل ہوا ہو۔ میں فوراً باتھ روم سے نکل آیا اور جب کوپے میں داخل ہونے والی ہستی پر نظر پڑی تو مبہوت ہو کر رہ گیا۔
وہ ایک لڑکی تھی!
لیکن اگر صرف لڑکی ہوتی تو کوئی مضائقہ نہ ہوتا: وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس کے نقش و نگار میں بانو کے نقش و نگار گھل مل گئے تھے۔ فوری طور پر تو مجھے کچھ یوں گمان ہوا جیسے بانو نقرئی گولیوں کے کئی پیکٹ نگل کر اپنے عہدِ نوجوانی میں پہنچ گئی ہوں۔ نہ آنکھوں میں فرق تھا، نہ ہونٹوں میں۔ بس ناک میں بہت خفیف سا تضاد تھا اور عمر میں بانو سے دس پندرہ سال کم معلوم ہو رہی تھی۔ اُس نے چست شلوار سوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر سُرخ رنگ کا اسکارف باندھے ہوئے تھی۔
وہ مجھے دیکھ کر جھجکی لیکن پھر نظر انداز کر کے کوپے کا جائزہ لینے لگی۔ میں دم بخود کھڑا رہا اور میری نظر اس کے سراپا میں بھٹکتی رہی۔ اس کا جسم ایسا ہی تھا کہ نگاہیں بے اختیار اس کے بھید تلاش کرنے لگیں۔ مجھے اپنے کردار پر ناز ہے اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، نسوانی جسموں سے کھیلنا جن کا مشغلہ ہوتا ہے لیکن خوبصورت چیزوں سے اثر پذیر نہ ہونا ایک غیر فطری بات ہے اور یہ غیر فطری بات مجھ میں کبھی نہیں رہی۔ حُسن کہیں بھی ہو، کسی رنگ میں بھی ہو، مجھے متاثر ضرور کرتا ہے۔ گلاب کے پھول مجھے بہت پسند ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے کوئی گلاب توڑ کر اپنے کالر میں سجا لیا ہو۔ مجھے لوگوں کے اس عمل میں درندگی کی جھلک آتی ہے۔ شاید میں اس معاملے میں انتہا پسند ہوں۔
ہاں! تو ذکر اس لڑکی کا تھا جس نے بانو کے نقش و نگار چرا لیے تھے۔ کوپے کا جائزہ لینے کے بعد اس کی نظر پھر مجھ پر آ رکی۔
”وہ کہاں ہیں؟“ اس نے پوچھا۔ ”کیا باتھ روم میں ہیں؟“
میں اس کے سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ میں اس کی کھنکتی ہوئی آواز کے زیر و بم میں ہچکولے کھانے لگا تھا۔ اِس معاملے میں وہ لڑکی بانو کو مات کر گئی تھی۔ بانو کی آواز میں ایسی جھنکار، ایسا ترنم، ایسی دلکشی اور ایسا خمار نہیں ہے۔
جب اُسے میرا جواب نہیں ملا تو وہ خود ہی باتھ روم کے دروازے کی طرف جھپٹی اور اسی وقت گاڑی کے انجن نے سیٹی دی۔
وہ باتھ روم میں داخل ہوئی اور اندر کا جائزہ لے کر بہت جلد باہر نکل آئی۔ وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ سوالیہ نشان بنا ہوا تھا اور وہ کچھ پریشان بھی نظر آنے لگی تھی۔

انجن نے دوسری سیٹی دی اور گاڑی ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ حرکت میں آگئی لیکن نہ تو مجھے کوپے سے اترنے کا خیال آیا اور نہ اس لڑکی کے انداز سے یہ معلوم ہوا کہ وہ اترنا چاہتی ہے۔

ہم دونوں خاموش کھڑے تھے اور ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ مجھے یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ اس لڑکی کو بھی بانو کی تلاش ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ لڑکی کون ہے اور اُسے بانو کی تلاش کیوں ہے۔ اُس کے نقش و نگار کی بنا پر یہ سوچا تو جا سکتا تھا کہ وہ بانو کی چھوٹی بہن ہوگی لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ سوچنا کچھ عجیب سا معلوم ہو رہا تھا۔ ماضی میں کبھی کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی جس سے بانو کی کسی بہن کا سُراغ ملتا لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ میں بانو کے ماضی سے بے خبر تھا۔ بانو کی شخصیت میرے لیے ہمیشہ ہی ایک راز بنی رہی تھی۔

آہستہ آہستہ ٹرین کی رفتار بڑھنے لگی لیکن ابھی وہ پلیٹ فارم سے نکلنے نہیں پائی تھی کہ میں کچھ آہٹیں سُن کر چونکا اور دروازے کی طرف متوجہ ہوا۔ نہ صرف متوجہ ہوا بلکہ ان دونوں بھکشوؤں کو دیکھ کر اُچھل بھی پڑا جو کوپے میں آگئے تھے اور ٹرین اب پلیٹ فارم سے نکل چکی تھی۔

کوپے میں آکر دونوں بھکشو بہ یک وقت کچھ بولے لیکن کیا بولے، یہ میری سمجھ میں نہیں آسکا۔ غالباً وہ تبتی زبان تھی جسے سمجھنے کی کوشش میں شاید میرے فرشتے بھی حواس باختہ ہو جاتے۔

ان دونوں نے جو کچھ بھی کہا تھا، اس لڑکی ہی سے کہا تھا کیونکہ دونوں کی نظریں لڑکی ہی کی طرف تھیں۔ پھر اس لڑکی نے انہیں جواب بھی دیا اور جواب اُسی زبان میں دیا گیا تھا جو وہ بھکشو بولے تھے انہیں جواب دینے کے بعد لڑکی پھر میری طرف متوجہ ہوئی اور بولی۔

"تمہیں ٹیلیگرام کے علاوہ بھی کسی ذریعے سے بانو کی آمد کے بارے میں معلوم ہوا تھا؟"

میں نے مناسب سمجھا کہ فوری طور پر اس سوال کا جواب نہ دوں۔ سوچے سمجھے بغیر اب ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ گو کہ بانو کی شباہت کے باعث مجھے اس لڑکی سے کچھ یگانگت سی محسوس ہونے لگی تھی جس کی وجہ سے میں اس پر بھروسہ بھی کر بیٹھتا لیکن کوپے میں بھکشوؤں کی آمد اور لڑکی سے ان کی بات چیت نے میرے ذہن سے اس تاثر کو ختم کر دیا تھا۔

لڑکی نے ذرا دیر تو میرے جواب کا انتظار کیا اور پھر جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولی "کیا تم گونگے ہو؟"

"ہاں!" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ کر میں گونگا ہو جاتا ہوں۔"

"اور میں ایسے گونگوں کو دیکھ کر چابک سنبھال لیتی ہوں" لڑکی نے غراتے ہوئے کہا۔

"ہوں!" میں سر جھکا کر اپنی کھوپڑی کھجانے لگا۔ پھر میں نے محسوس

کیا کہ لڑکی جھپٹ کر میرے سر پر پہنچ چکی ہے۔ اس کا ... کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دے گی۔ اس ... بھی میں نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی، بدستور سر ... رویے سے لڑکی شاید کھسیا گئی۔ وہ ایک قدم پیچھے ... چیخی "ارے! تم میری طرف کیوں نہیں دیکھ رہے؟" ...

اب میں نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا او...

"شاید مجھے تمہارے چابک سے ڈر لگ رہا ہے" ...

لڑکی نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا او... پھر اچانک مُڑی اور اسی مخصوص زبان میں بھکشوؤں ... مجھے اس لڑکی کی شخصیت نے بہت بُری ... اس بات سے بھی واقف تھی کہ مجھے ٹیلیگرام کے ذریعے ... تھا۔ ممکن ہے کہ وہ اس بارے میں اور بھی بہت کچھ جا... بھکشوؤں سے مختصر سی بات چیت کے بعد ... اور متجسس نظروں سے وہاں کا جائزہ لینے لگی۔ دو... لہجے سے اُن کا انداز کچھ مودبانہ سا تھا۔ میری نظر لڑکی کے ... تھی۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے ... سی تبدیلی آئی اور پھر اس نے جھپٹ کر نشست کے ... وہ گلابی رنگ کا ایک چھوٹا سا رومال تھا۔ شاید اس ... کے باعث اس کے چہرے کے تاثرات میں وہ ... رومال کے ایک کونے پر کچھ کڑھا ہوا تھا ... کی وجہ سے ٹھیک طرح نہیں دیکھ سکا۔

"این" وہ لڑکی بڑبڑائی ...

اس سے میں نے یہ سمجھ کر رومال کے کونے ... لڑکی، رومال کو اپنی ناک کے قریب لے گئی ... نے ایک بار پھر اُس کی بڑبڑاہٹ سنی "یہ خوشبو سرد... میں پسند کی جاتی ہے۔"

میں نے فوری طور سے اس بات پر دھیان ... اِس سوال میں اُلجھنے لگا تھا کہ بانو کہاں گئیں؟ رومال ... انہیں اسی کوپے میں ملنا چاہیے تھا۔ اُن کی بکلس ... ملا تھا۔ اس رومال کے کونے پر انگریزی کا حرف ... اس میں جو خوشبو تھی، وہ صرف مشرق بعید کی عورتوں میں ... آخر ان کڑیوں کو کس ترتیب سے جوڑا جائے کہ زنجیر کی ... بانو سے حیرت انگیز حد تک مشابہہ ہونے کی ... انہی بے ترتیب کڑیوں میں سے ایک کڑی سمجھا جا سکتا ... کی وجہ سے اس لڑکی کی شخصیت بے حد پُراسرار ...

"اے مسٹر!" دفعتاً اس لڑکی نے مجھے پکا... اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ بولی "تم نے ابھی تک میر...

... "میں نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ... کی آمد کا علم اس ٹیلیگرام کے علاوہ بھی کسی ذریعے سے ...

... میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "پتہ نہیں تم کس کی بات ...

... میں کسے تلاش کر رہے تھے؟" لڑکی نے مجھے گھور کر کہا۔

"... بدالقدوس سنڈ والا یار دی کو"

"... اس نے بڑے تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

... "میں اُسی کے سے انداز میں بولا۔

... اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو پاتے میں کامیاب رہی اور ... ایسی بے تکی باتوں کو برداشت نہیں کر پاتی لیکن ... اپنے اوپر جبر کرنا پڑ رہا ہے۔ تم بانو کے بہت ... لیے میں تمہارے ساتھ سختی سے پیش نہیں آسکتی"

... گفتگو ایسا تھا کہ مجھے اس پر تاؤ آنے لگا۔ آخر ... ہے؟ اس طرح گفتگو کر رہی ہے جیسے بڑی بارسوخ ... طاقتور ہو اور جس کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہے ...

... جذباتی اتار چڑھاؤ سے بے خبر بولتی رہی "چنانچہ ... ہمدردیاں اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ میں بانو کی دشمن ... دو روز سے اُن کی تلاش ہے۔ اسی جستجو میں مجھے ... کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اُن ...

... اور میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ ایک ... کر اس ٹیلیگرام کا علم تھا جو مجھے راولپنڈی سے ... اس نے کوپے میں داخل ہو کر ایسی اداکاری کی جیسے ... اُسے یہ خیال بھی ہوگا کہ بانو سے اس کی شباہت ... کر لوں گا اور اُسے وہ ساری معلومات فراہم کر ... جانتی ہے۔

"..." لڑکی جھنجھلا کر بولی۔

... پڑا۔

"... تم ... کے خیال میں کھو گئے تھے؟"

... ایک دلدوز آہ بھر کر کہا "یہ میری زندگی کا سب ... آگیا تھا کہ منے کا جوتا ٹوٹ گیا ہے اور منی ... ہے۔ میں ساڑھے گیارہ بچوں کا باپ ہوں ساڑھے ... ایک ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ......"

... پھر تنک کر کھڑی ہوگئی اور اس کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ ... سر ہلاتے ہوئے کہا "ماں کے پیٹ میں ہوتا ... ہے۔ اگر بچے باپ کے پیٹ میں ہوا کرتے

تو بہت سے دردِ سر کم ہو جاتے۔"

ٹرین کی رفتار اب خاصی حد تک کم ہوگئی تھی۔ غالباً سٹی اسٹیشن قریب آگیا تھا۔

وہ لڑکی ان دونوں بھکشوؤں سے مخاطب ہو کر اُسی اجنبی زبان میں گفتگو کرنے لگی جو میری سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ میں الوؤں کی طرح اُن کے منہ تکتا رہا۔ اس کے علاوہ کوئی مشغلہ اُس وقت میری دسترس میں نہیں تھا۔

ٹرین پلیٹ فارم میں داخل ہوگئی اور شور و غل سُنائی دینے لگا۔

"تم کو میرے سوالوں کا جواب تو دینا ہی پڑے گا" لڑکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا "اس وقت نہیں، تو پھر کبھی سہی۔"

ٹرین ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ رک گئی اور لڑکی دروازے کی طرف لپکی۔ اس کے بعد وہ دونوں بھکشو بھی اتر گئے اور ان کے پیچھے میں بھی پلیٹ فارم پر آگیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ دونوں بھکشو تو باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھ گئے لیکن وہ لڑکی پلیٹ فارم ہی پر کسی کو تلاش کرنے لگی۔ میں سائے کی طرح اس کے پیچھے لگ گیا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ کسے تلاش کر رہی ہے۔ جلد ہی مجھے اس کا پتہ چل گیا۔ میں نے اُسے ٹرین کے گارڈ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ میں جلدی سے اُن کے بہت قریب ہوگیا تاکہ ان کی باتیں سُن سکوں۔

"محترمہ!" گارڈ کہہ رہا تھا "میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ کینٹ اسٹیشن ہی پر اُتر گئی ہوں گی۔ اُن کے اترنے کے بعد آپ کوپے میں پہنچی ہوں گی۔ شاید وہ اب تک گھر پہنچ چکی ہوں۔ آپ فون کر کے معلوم کر... اگر وہ نہ پہنچی ہوں تو آپ مجھے بتائیں، اس سلسلے میں ریلوے پولیس سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔"

لڑکی نے کچھ سوچا، پھر سر ہلا کر گارڈ کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد ایک طرف بڑھتی چلی گئی۔ گارڈ دوسری طرف مُڑ گیا۔

میں سوچنے لگا کہ مجھے اس لڑکی کا تعاقب جاری رکھنا چاہیے یا نہیں... اس سوال پر غور کرتا ہوا، میں اس لڑکی کے پیچھے پیچھے اسٹیشن کی عمارت سے نکل آیا۔ دونوں بھکشوؤں نے ایک ٹیکسی انگیج کر لی تھی۔ لڑکی کو دیکھتے ہی ان میں سے ایک ٹیکسی کا دروازہ کھول کر کھڑا ہوگیا۔ لڑکی ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ اس کے بعد دونوں بھکشو بھی بیٹھے۔ دروازہ بند ہوا اور ٹیکسی حرکت میں آگئی۔

میں دوسری ٹیکسی کی طرف لپکا اور جلدی سے دروازہ کھول کر بیٹھتا ہوا بولا "اس ٹیکسی کے پیچھے پیچھے چلو!"

"جانا کہاں ہے صاحب!" ڈرائیور نے پوچھا۔

"بس اس کے پیچھے پیچھے چلنا ہے۔ جلدی کرو۔"

ڈرائیور نے اپنے سامنے لگے ہوئے آئینے میں معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر بولا "میٹر سے دس روپے اوپر ہوں گے۔"

"اُوپر ہی اُوپر رہو" میں نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا "بس اب جلدی کرو ورنہ وہ نکل جائے گی۔"

"ہم سے نکل کر کہاں جائے گی صاب! دانہ واقعی زوردار ہے۔" ڈرائیور مجھے ایک عیاش طبع نوجوان سمجھ رہا تھا جسے وہ لڑکی بھا گئی تھی اور وہ اس کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔

میں نے بھی ضروری نہیں سمجھا کہ اس کے خیال کی تردید کروں۔ اگر میں اس کی کوشش کرتا بھی تو شاید وہ دل سے میری اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ میں ایک جوان صالح ہوں۔

میری ٹیکسی اس پُراسرار لڑکی کی ٹیکسی کا تعاقب کرتی رہی میں سوچ رہا تھا کہ ادھر سے فارغ ہونے کے بعد میں سب سے پہلے بانو کے گھر فون کروں گا۔

پہنچ کر وہ لڑکی اور دونوں بھکشو ٹیکسی سے اُتر گئے تھے۔ میں نے انہیں اس طرف بڑھتے دیکھا جہاں کئی کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ اُن میں ایک سفید نئی کار بھی تھی۔ وہ تینوں اسی میں جا بیٹھے۔ ڈرائیونگ سیٹ خود اس لڑکی نے سنبھالی تھی۔ دونوں بھکشو پچھلی نشست پر بیٹھے تھے۔

اب مجھے یاد آیا کہ میری موٹر سائیکل بھی تو یہیں کھڑی ہوئی ہے! میں نے جلدی سے ٹیکسی ڈرائیور کے ہاتھ میں پندرہ روپے ٹکائے اور اُتر کر اس طرف جھپٹا جہاں میری موٹر سائیکل کھڑی ہوئی تھی۔

یہ گویا تعاقب کا دوسرا مرحلہ تھا۔ میری موٹر سائیکل اس سفید کار کے پیچھے لگی ہوئی تھی اور اس کی ڈرائیونگ کے تیور دیکھ کر میں پریشان ہوا جا رہا تھا۔ برق رفتاری سی برق رفتاری! معلوم ہوتا تھا جیسے آندھی چل رہی ہو۔ میں نے کئی بار محسوس کیا کہ بس اب ہوا ایکسیڈنٹ! اگر راہ میں کسی ٹریفک سارجنٹ سے مڈبھیڑ ہو جاتی تو اس لڑکی کا چالان ضرور ہوتا۔

تعاقب کا اختتام پی ای سی ایچ ایس کے ایک بنگلے پر ہوا۔ کار اس کے احاطے میں چلی گئی اور میں اس کے محل وقوع کو ذہن نشین کرتا ہوا آگے نکلا چلا گیا۔ میری خواہش تو یہی تھی کہ وہاں رُک کر آس پاس کے لوگوں سے اس لڑکی اور اس کے ساتھی بھکشوؤں کے بارے میں معلومات حاصل کروں لیکن مجھے بانو کی طرف سے شدید فکر لاحق تھی۔ میں کسی تاخیر کے بغیر اُن کے گھر ٹیلیفون کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی موٹر سائیکل نرسری کی مارکیٹ پر جا کر روکی اور ایک شناسا کے میڈیکل اسٹور سے بانو کے گھر فون کیا۔

"جی نہیں، وہ تو ابھی تک گھر نہیں پہنچیں!" بانو کی ملازمہ نے میرے سوال کے جواب میں کہا۔ پھر شاید وہ خود بھی کوئی سوال کر بیٹھتی اس لیے میں نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا اور اپنے شناسا کا شکریہ ادا کر کے میڈیکل اسٹور سے نکل آیا۔

الجھن سی الجھن!

میں طارق روڈ کے ایک ریسٹورنٹ میں جا بیٹھا اور گرم گرم کافی کی چسکیوں کے ساتھ سگریٹ کا دھواں اڑانے لگا۔ میرے دماغ میں خیالات کا ایک طوفان سا موجود تھا۔ ایسی بھرمار تھی خیالات کی کہ پر جم کر سوچ ہی نہیں پا رہا تھا۔ بہ ہزار دقت میں اس حاصل کر سکا کہ بانو کہاں گئیں؟

سپرنٹنڈنٹ رؤف کے ٹیلیگرام کو میں بوگس:

رؤف یا کوئی اور شخص مجھے ایسا بوگس ٹیلیگرام کیوں،

گارڈ کی باتوں سے بھی اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی عورت نے سفر کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ عورت بانو آخر وہ کراچی اسٹیشن تک پہنچتے پہنچتے کہاں غائب کوپے میں ایک رومال ملا تھا جس پر حرف "ا

گویا اس رومال کی مالک کوئی ایسی عورت تھی جس کے تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ عورت بانو نہیں ہو سکتی تھیں اس کوپے میں بانو کے ساتھ کوئی اور عورت بھی وہ اس کوپے میں کچھ دیر کے لیے گئی ضرور تھی۔

مجھے بانو کی ہم شکل لڑکی کی ایک بات یا موگمو کر بڑبڑائی تھی کہ یہ خوشبو صرف مشرق بعید کی ہیں۔ جب مجھے یہ بات یاد آئی تو اچانک میرے گئی۔ میرے تصور میں لومی کا سراپا اُبھر آیا تھا۔ میں اُس وقت نظر آئی تھی جب میں بانو کے ساتھ نے لومی کے باپ شیر بہادر کے ساتھ شطرنج کی!

شیر بہادر ویت نام کا شہری تھا اور لومی ہی تھی۔ شیر بہادر کے بارے میں بانو کا خیال تھا کہ ایجنٹ ہے۔ اس کی بیٹی لومی کے نام کا پہلا ویت نام مشرق بعید ہی میں شمار کیا جاتا ہے

میرا جسم سنسنا اٹھا۔ کیا بانو دشمنوں کے

میں بے اختیار کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ مجھے

ویٹر لپکتا ہوا قریب آ گیا اور بڑے ادب سے بولا:

"آں... ہاں... بل" میں نے چونک کر کہا

کرسی سے کھڑا ہونا میری اضطراری حرکت تھی۔

ویٹر بل لے آیا۔ میں نے اس کی ادائیگی

اٹھا نہیں۔ دراصل میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ

بانو کی ہم شکل ایک بار پھر میرے ذہن میں

تھی بھی نہیں کہ اُسے آسانی سے فراموش کیا جا سکے

میں سامنے آئی تھی، وہ انداز میرے ذہن پر

اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا میرے

لیکن میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اگر

بانو کا پتہ چلانے کے لیے مجھے نہ جانے کیا کیا

میں نے اس ریسٹورنٹ میں آدھا گھنٹہ

ہے لہٰذا مجھے لومی تک پہنچنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ تک پہنچنے سے قبل میں ایک بار پھر اس بنگلے کے سامنے اس لڑکی ہم شکل کو جاتے دیکھا تھا۔ اس مرتبہ میں نے پہلے اس بنگلے کا نمبر بھی ذہن نشین کر لیا۔

موٹر سائیکل برنس روڈ کی طرف فراٹے بھر رہی تھی۔ اپنے فون سنبھالا۔ میں راولپنڈی سے رابطہ قائم کر کے گفتگو کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے اپنی اس کوشش میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ میں نے اس کام کو تھوڑی دیر کے لیے ملتوی کیا اور غزالہ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ بہن دو لڑکیوں میں سے ایک تھی اور جب سے بانو لاپتہ ہوئی تھی بے حد پریشان تھی۔ اس نے بانو کا پتہ چلانے کے لیے تھا لیکن اِدھر مجھے خود بھی پریشانی لاحق تھی کہ بانو جب میں نے اس سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کر کے ملا ہے تو وہ شاید اچھل ہی پڑی۔

"وہ مل گئیں" میں اتنی زور سے چیخی تھی کہ میرا

وہاں تو تفصیل سے گفتگو ہو۔"

بڑی بے تابی سے پوچھا۔

کس ریسٹورنٹ میں بلاؤں۔ گھر بلانا تو مناسب

ہے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

ہاں، آپ پتہ بتائیے!"

میں نے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں"

"کہاں ہیں گے؟"

مانس لی اور پھر کہا "اچھی بات ہے آ جاؤ"

جانے لگا۔

"پتی رہی ہوں" اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ کھوپڑی سہلانے لگا۔ ایسی تیز و طرار لڑکیوں کو شوہروں کے تاریک مستقبل کا خیال ضرور

منظر و پیش تھا۔ اس کے لیے ایسی ہی اس کے ذریعے سے لومی کو چیک کرنا چاہتا بٹیرے کی طرح مسلسل کلبلا رہا تھا کہ اگر لومی تو پھر لومی ہی کو ذریعہ بنا کر بانو کا سراغ لگایا جا سکے گا۔ یہ میں ابھی نہیں سوچ سکا تھا کہ لومی کو کس طرح ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

غزالہ کو آدھے گھنٹے بعد میرے گھر پہنچنا تھا لہٰذا میں نے اس وقت کو صرف انتظار میں ضائع کر دینا مناسب نہیں سمجھا اور ایک بار پھر ٹیلیفون سنبھال لیا۔ عجب کہ وہ واقعی اپنے گھر پہنچ چکی ہوں اور ان کے دشمن اگر انہیں چھلاوا کہتے ہیں تو کچھ غلط نہیں کہتے۔ وہ پل میں یہاں ہوتی ہیں تو پل میں وہاں!

سوچتے سوچتے میں چونک پڑا کیونکہ اس لڑکی کی ٹیکسی کینٹ اسٹیشن کی طرف جانے والے راستے پر مڑ گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ سکا کہ وہ دوبارہ کینٹ اسٹیشن کا رُخ کیوں کر رہی ہے۔ کیا اس کے دماغ میں یہ خیال جاگزیں ہے کہ وہاں وہ بانو کو پانے میں کامیاب ہو جائے گی؟

لیکن بات کچھ اور تھی جس کا علم مجھے کچھ دیر بعد ہوا۔ کینٹ اسٹیشن لیا۔ اب میں بیگم پرتاب گڑھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بیرون ملک سے قبل از جنگ ہی واپس آ گئی تھیں اور اُن کا شمار بھی اُن ہی لوگوں میں ہوتا تھا جو بانو کے لاپتہ ہو جانے سے پریشان تھے۔

بیگم پرتاب گڑھ سے میں شروع شروع میں تو بہت بدظن رہا تھا لیکن بعد میں مطمئن ہو گیا تھا۔

دوسری طرف سے بیگم پرتاب گڑھ کے سیکریٹری نے ریسیور اُٹھایا۔ میں نے اُسے اپنا نام بتایا اور بیگم پرتاب گڑھ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

"بیگم صاحبہ اس وقت بہت مصروف ہیں۔" سیکریٹری نے اسی لہجے میں کہا جو بڑے آدمیوں کے سکریٹریوں کا خاصہ ہوتا ہے۔

"میں بھی کچھ کم عدیم الفرصت نہیں ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "آپ براہِ کرم بیگم صاحبہ کو یہ اطلاع دے دیجئے گا کہ مجھے بانو کے بارے میں کچھ اہم اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔" پھر میں نے سکریٹری کے جواب کا انتظار کیے بغیر جھنجھلائے ہوئے انداز میں ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔

بڑے آدمیوں کے سلسلے میں جن رسمیات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، وہ مجھے ہمیشہ ہی کوفت میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ سلسلہ منقطع کرتے وقت میں نے سوچا یہ تھا کہ اگر بیگم پرتاب گڑھ کو اس معاملے سے دلچسپی ہو گی تو وہ خود ہی مجھ سے رابطہ قائم کرے گی۔

میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ دس منٹ بعد ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اُٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا "رضوان اسپیکنگ۔"

"ہولڈ کیجیے! بیگم صاحبہ آپ سے بات کریں گی۔" دوسری طرف سے بیگم پرتاب گڑھ کا سکریٹری بول رہا تھا۔

میں ایک بار پھر برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ اگر خود بیگم صاحبہ ہی ڈائل کر لیتیں تو کیا اُن کی انگلی ٹوٹ جاتی؟

"ہیلو! مسٹر رضوان!" ریسیور میں بیگم پرتاب گڑھ کی آواز سنائی دی۔

"جی بیگم صاحبہ!" میں نے اپنے لہجے میں تلخی کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اگر آپ کو کچھ فرصت ہو تو میں آپ کو بتاؤں کہ نو

کا کچھ سُراغ ملا ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" بیگم پرتاب گڑھ نے بے تابی سے پوچھا۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ اب وہ کہاں ہیں لیکن میں اندازہ ضرور لگا سکتا ہوں کہ وہ کہاں ہوں گی۔ دراصل وہ پنڈی سے کراچی کے لیے روانہ ہوئی تھیں لیکن ٹرین کے کراچی اسٹیشن پہنچنے سے قبل ہی کسی نے اُن کو اغوا کر لیا۔"

"کیا!" بیگم پرتاب گڑھ تقریباً چیخ اُٹھی۔ "کس نے... کس نے اغوا کیا ہے اُسے؟"

"انھی لوگوں نے جن کے خلاف وہ سرگرمِ کار رہی ہیں۔"

"اوہ! اوہ! مسٹر رضوان! یہ گفتگو فون پر نہیں ہو سکتی۔ آپ میرے گھر آجائیے!" اس کے لہجے میں خفیف سا تحکم تھا۔ یہ اس کی عادت ہی کا خاصہ ہوگا لیکن مجھے وہ بہت بُری طرح کَھل گیا۔ اگر بانو کا معاملہ نہ ہوتا تو میں اپنا ردِعمل ظاہر کیے بغیر نہیں رہتا۔ میں جانتا تھا کہ بانو کی تلاش میں بیگم پرتاب گڑھ کا اثر و رسوخ بہت کام آسکتا ہے، اس لیے میں نے اپنے موڈ کی خرابی کو "بَرجانِ درویش" کر لیا۔

"میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ پھر بولی۔

"لیکن میں فوراً نہیں آسکوں گا۔ میں کسی کا انتظار کر رہا ہوں غالباً مجھے آدھا گھنٹہ تو لگ ہی جائے گا۔" میں نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اتنی دیر؟ آپ کو فوراً آنا چاہیے مسٹر رضوان!"

"میں جلد از جلد آنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے مُنہ بنا کر کہا اور پھر جواب سُنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کے دس منٹ بعد غزالہ میرے گھر پہنچ گئی۔ میں نے اُسے نشست کے کمرے میں بٹھایا۔ وہ خاصی پریشان نظر آرہی تھی۔ اس نے آتے ہی بانو کے بارے میں سوالات کی بوچھار کر دی۔

"صبر! صبر!" میں نے جواباً دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "تم جتنی فکرمند ہو، اس سے زیادہ پریشان میں خود ہوں۔ ذرا پُرسکون رہنے کی کوشش کرو۔ میں تمہیں سب کچھ تفصیل سے بتا دوں گا۔"

غزالہ کے چہرے سے اضطراب تو کم نہیں ہو سکا لیکن وہ بظاہر اس طرح بیٹھ گئی جیسے سکون سے میری باتیں سُننے کے لئے آمادہ ہو گئی ہو۔ میں نے اُسے بتایا کہ میرے اندازے کے مطابق بانو کو اغوا کر لیا گیا ہے۔

"وہ راولپنڈی سے کراچی آرہی تھیں۔" میں نے کہا۔ "کراچی اور حیدرآباد کے بیچ میں کسی جگہ انہیں غائب کر دیا گیا۔ مجھے اُن کے ڈبے میں صرف ایک رومال پڑا ہوا ملا تھا۔ اس رومال کے ایک کونے پر ایک کڑھا ہوا تھا اور اس میں جو خوشبو تھی، وہ صرف مشرقِ بعید کی عورتوں میں پسند کی جاتی ہے۔"

میں نے مصلحتاً بانو کی ہمشکل لڑکی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ دراصل اس سے غزالہ بُری طرح اُلجھ جاتی اور میں ا...
چاہتا تھا۔

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے
لڑکی زیرِ نظر ہے جس کے نام کا پہلا حر...
پرشہ اس لئے ہے کہ بانو اس کے باپ...
نی اقبال تم اس چکر میں نہ پڑو کہ وہ نامت...
تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم اس لڑکی کو...

"میں اپنے دانتوں سے اُس کی بوٹیا...
مشتعل ہوتے ہوئے کہا۔

"اس کا گوشت بے حد نمکین ہوگا...
میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ تم اسے چیک کرو..."

"چیک کرنے سے آپ کی کیا مُراد...
میں فوری طور پر اس سوال کا کوئی جو...
بات ابھی تک میرے ذہن میں بھی صاف...
قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس سے دوس...
سکا۔ ممکن ہے کہ اس طرح کوئی کام کی با...

غزالہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر قدرے ت...

"وہ لڑکی رہتی کہاں ہے اور اس کا نام کیا...

"اس کا نام نومی ہے اور وہ شیر بہاد...

"لیکن ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ...

"میں غلط نہیں کہہ رہا تھا۔" میں نے ا...
اور پھر اُسے تفصیل سے شیر بہادر کے با...
سب کچھ جان لینے کے بعد غزالہ...
میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی تو وہ بولی "آپ...
ہیں؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "ایک...
ہستی سے ملنے کے لیے جانا ہے۔"

"تو پھر آپ بالکل دیر نہ کیجئے۔" غزالہ...
میں کسی کام میں بھی دیر نہیں ہونا چاہئے۔ پتہ...
کس طرح پیش آئیں!"

وہ میرے ساتھ ہی ساتھ باہر نکلی۔ پھ...
کر وہاں سے روانہ ہوئی اور میں موٹر سائیک...
کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوا۔

بیگم پرتاب گڑھ بڑی بے چینی...
نے اپنے عالی شان ڈرائنگ روم میں میرا است...
نہیں ہوئی اور میں اُسے تفصیل سے بانو کے...

...ابھی پوشیدہ نہیں رکھیں جو غزالہ سے
...لڑکی کے تذکرے پر وہ بہت حیران ہوئی
...ساتھ اس کی آنکھوں سے اُلجھن بھی جھانکنے لگی

...ر جانتی ہیں؟" میں پوچھ بیٹھا۔
...مگر..." وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔
...سے پوچھا۔
...بتا دوں گی۔"
...س کر لیا کہ بیگم پرتاب گڑھ نے بات بنا دی
...سی جو اس کی زبان پر آتے آتے رہ گئی۔
...مگر وہ رومال نومی کا ہوگا!" وہ پھر بولی۔

...تو امکان یہی ہے۔"
...کہ مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔"
...اری مشینری کو حرکت میں آنا چاہیے۔ لیے
...یہ کام کرتے ہوئے اس چکر میں پھنسی

...کرسید ملکت نے ذاتی طور سے بانو کو

...طرف ہی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کیجیے۔"
...ٹ یہ آسان تو نہیں ہوگا لیکن بہرحال میں
...اس آفیسر کا کیا نام بتایا جس نے آپ کو

...ہے۔"
...نہ مل سکی تو سپرنٹنڈنٹ رؤف ہی سے رابطہ
...لیکن آپ بھی اس دوران میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر
...کوں نہ۔ ورنہ ہے تو آپ کو اپنی سی کوشش
...میں پہلا نہیں بیٹھوں گا۔ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو

...مکن ہے کہ آپ کے چند ملازمین کچھ دن پہلے
...ل کیا کرتے تھے۔"
...ا کمانڈر حق اور اس کے ماتحتوں کی طرف ہے۔
...ر کی تھوڑی میں رکھتا تھا پچھلے دنوں نواب
...یں آکر کمانڈر حق کو بانو کے کام آنے سے
...بعد سے ناراض ہوگی۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں
...ان بتا دوں؟"

"اگر ممکن ہو!"

"بالکل ممکن ہے۔ میں خود بھی بانو کی تلاش کے سلسلے میں کمانڈر حق سے ہی کام لینے والی تھی۔ اب یہ ہے کہ آپ دونوں مل کر بانو کا پتہ لگائیے۔ میں نے آپ سے فون پر بات کرنے کے فوراً بعد کمانڈر حق کو طلب کر لیا تھا۔ وہ موجود ہے۔"

بیگم پرتاب گڑھ نے کمانڈر حق کو ڈرائنگ روم میں بلوا لیا اور اسے صورتِ حال سے آگاہ کر کے بولی "تم مسٹر رضوان کے ساتھ جاؤ اور آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کرو کہ بانو کو کس طرح ڈھونڈا جا سکتا ہے۔"

"بہت بہتر!" کمانڈر حق نے ادب سے کہا۔

میں فوراً کھڑا ہو گیا اور بیگم پرتاب گڑھ سے اجازت چاہی۔

کوٹھی سے نکل کر میں نے کمانڈر حق کو موٹر سائیکل پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

ذرا دیر بعد میں نے موٹر سائیکل طارق روڈ کے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے روکی اور کمانڈر حق کے ساتھ ریسٹورنٹ میں داخل ہوا۔ ہم دونوں ایک کونے کی میز پر جا بیٹھے۔ فوراً ہی ایک ویٹر ہمارے سر پر آ مسلط ہوا۔

"کافی لے آؤ!" میں نے اُس سے کہا۔

جب وہ چلا گیا تو میں اور کمانڈر حق دھیمی آواز میں گفتگو کرنے لگے۔

میں نے اس سے کہا "آپ بانو کی اس ہمشکل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔"

"میرا خیال ہے کہ فوری طور پر تو شیر بہادر کی خبر لینی چاہئے۔ رہ گیا بانو کی ہمشکل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا مسئلہ تو اس کا بھی کچھ نہ کچھ بندوبست ہو ہی جائے گا۔ آپ اس بنگلے کا نمبر تو بتا دیجے!"

میں نے اُسے پورا پتہ سمجھا دیا۔

"ٹھیک ہے۔" کمانڈر حق کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "میں اپنے ایک آدمی کو ٹیلیفون کیے دیتا ہوں۔ وہ اس لڑکی کے بارے میں ساری معلومات جمع کرنے لگے گا۔"

"کہاں سے فون کیجئے گا؟"

"یہیں، کاؤنٹر سے۔"

"کاؤنٹر کلرک یہ باتیں سُن کر کیا سوچے گا؟"

"اوہ! اس کی آپ فکر نہ کریں۔" کمانڈر حق نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں خوب جانتا ہوں کہ ایسے موقعوں پر کس قسم کے اشاروں میں گفتگو کی جاتی ہے۔"

میں نے کمانڈر حق کو کاؤنٹر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالنے لگا۔ کمانڈر کوئی پانچ منٹ بعد لوٹا۔ اس دوران میں بیگم پرتاب گڑھ کا ایک نامکمل فقرہ میرے ذہن میں گونجتا رہا۔

وہ بالو کی ہشکل کے بارے میں کوئی اظہارِ خیال کرتے کرتے چپ ہو گئی تھی اور اب میں اِس خلفشار میں مبتلا تھا کہ آخر وہ کیا بات ہو سکتی ہے جو بیگم پرتاب گڑھ نے چھپالی۔ یقیناً وہ کوئی بہت ہی اہم بات ہوگی۔

کمانڈر حق واپس آکر کرسی پر بیٹھا اور اسی وقت ویٹر کافی لے آیا۔ کافی پینے کے دوران میں کمانڈر حق نے کہا "بالو کی ہشکل کے بارے میں ساری معلومات دو گھنٹے کے اندر اندر حاصل ہو جائیں گی۔"

"بڑا قیمتی وقت گزرا جا رہا ہے۔ نہ جانے بالو کس عالم میں ہو۔ اُن کی ذات سے ان لوگوں کو اتنے چرکے لگے ہیں کہ وہ بھول نہیں سکتے۔ ڈاکٹر فونگ تو اُن لوگوں کا بہت اہم آدمی تھا۔"

"ہمیں اُس آدمی کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنا ہوں گی جو ڈاکٹر فونگ کی جگہ پر آیا تھا۔"

"فوکس!" میں نے کہا "وہ کراچی میں نہیں ہے۔ جب بالو غائب ہوئی تھیں یعنی اب سے بارہ پندرہ دن پہلے، تو میں نے اُسے چیک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہیں مل سکا۔ وہ نہ تو اپنے دفتر جاتا ہے اور نہ اپنے گھر پر ہے۔"

"گویا بالو کی تلاش میں ہم کو شیر بہادر ہی کی طرف رُخ کرنا ہوگا۔"

"بظاہر تو کوئی اور صورت سامنے نہیں ہے۔"

کمانڈر حق نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا اور پھر بولا "اگر بالو کو شیر بہادر ہی کے گھر میں قید کیا گیا ہے تو میں آج ہی رات کو پتہ چلا لوں گا۔"

"کیسے؟"

"میں چپکے چپکے شیر بہادر کے گھر میں داخل ہوں گا اور وہاں کے ایک ایک گوشے کی تلاشی لے ڈالوں گا۔"

"میں اور آپ ساتھ ہی چلیں گے۔"

"نہیں!" کمانڈر حق نے میری تجویز کو بڑی سختی سے رد کر دیا اور بولا "ایسے کاموں میں بھیڑ بھاڑ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اس قسم کی مہمات تو بڑی خاموشی سے سر کی جاتی ہیں۔"

"اگر آپ بھی وہاں پھنس گئے تو؟"

"بنگلے کے باہر میرے آدمی موجود ہوں گے۔ اگر میں ایک گھنٹے کے اندر اندر بنگلے سے نہ نکلا تو وہ شیر بہادر کے خلاف ڈائرکٹ ایکشن لیں گے۔"

"ہوں!" میں نے سر ہلایا "تب پھر ٹھیک ہے۔"

"آپ نے نومی کے سلسلے میں جو قدم اٹھایا ہے اُسے کسی اعتبار سے بھی مناسب نہیں کہا جا سکتا۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے اس لڑکی کا؟ غزالہ؟ وہ ان خطرناک لوگوں سے کیونکر الجھ سکے گی!"

"وہ بہت تیز و طرار لڑکی ہے۔"

"عام قسم کی تیز و طرار لڑکیاں جب اس قسم کے لوگوں سے ٹکراتی ہیں تو ... ساری تیزی و طراری رخصت ہو جاتی ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ مجھے کمانڈر حق
لیکن میں یہ بات اپنی زبان پر نہیں لایا اور
"مجھے اس لڑکی کے بارے میں بھی کچھ
حق نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا "کہیں،
جانے۔ نہ جانے وہ اس وقت کہاں ہوگی۔"
"اگر میں شیر بہادر کی طرف گیا تو ڈر ہے
گا۔ وہ مجھے جانتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ وہ ہماری
ہم اُسے چھاپ لیں۔"
"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مسٹر رضوان
لینا بہتر ہوتا ہے۔ میں خود جا کر اس لڑکی کی
نام میں پھر بھول گیا۔"
"غزالہ" میں نے اُسے بتایا اور پھر
لانے کے لئے کہا۔
جب ہم ریسٹورنٹ سے نکلے تو میں
آپ کو کہاں ڈراپ کر دوں؟"
"اس کی ضرورت نہیں۔ آپ جا
ضرورت محسوس کروں تو ٹیلیفون کر سکتا ہوں!"
"اچھی بات ہے۔ میں اب سیدھا گھر
بات معلوم ہو تو مجھے فون پر بتا دیجئے گا"
"ٹھیک ہے۔"
میں کمانڈر حق سے جدا ہو کر ...
مجھے خاصی حد تک اطمینان ہو گیا تھا۔ ...
ہو چکے تھے جنہیں اس قسم کے کاموں کا
راستے بھر مجھے کمانڈر حق کی ...
غزالہ کو اس چکر میں ڈال کر غلطی کی ہے۔ ...
اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ غلطی تو
اس میں دماغ کو الجھاتا۔
گھر جاتے ہی میں بستر پر گر گیا۔ ...
بند کر لیں مگر اپنے دماغ کو آرام نہیں
دماغ میں مسلسل بجتی رہی۔ بالو کا ...
ذہن سے جھٹک سکتا۔
دو گھنٹے میں نے بستر ہی پر گزا...
ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔
"ہیلو!" میں نے ریسیور اُٹھا کر ...
"میں حق بول رہا ہوں مسٹر رضوان ...
آئی ہے بالو کی ہشکل کے بارے میں کچھ ...
نے سوچا۔ آپ کو بتا دوں۔"

... مہ تو گرش ہوں۔"
... کا نام رضیہ ہے۔ جنگ چھڑنے سے ایک روز قبل وہ
... وہ برازیل سے یہاں آئی ہے۔ پی، ای، سی، ایچ
... اس نے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ فی الحال یہ نہیں معلوم جو
... لوگ کون ہیں اور اُن کا اس لڑکی کے ساتھ ہونا کیا معنی

... "میں بڑبڑایا "آخر جنوبی امریکہ سے اس لڑکی کا
... نسلاً تو وہ ہماری ہی طرف کی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ
... امریکہ گئی ہوا اور وہاں سے اب واپس آئی ہو۔"
... ہے" کمانڈر حق نے جواب دیا "وہ برازیل کے پاسپورٹ
... "
... ہے۔"
... بارے میں مزید تفصیلات کل تک معلوم ہو جائیں گی۔"
... کی پیچیدگی تو بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔"
... کوئی اور خاص بات معلوم ہوگی میں آپ کو اطلاع دوں گا۔"
... نے ایک طویل سانس لی پھر میں جلدی سے غزالہ کے
... منہ ہی ڈالا تھا کہ دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔
... پھیلنے لگا تھا۔ میں نے لائٹ آن کرنے سے قبل بالکونی
... بند کر دیے تاکہ روشنی کی ایک کرن بھی باہر نہ جا سکے۔
... بلیک آؤٹ کے تقاضے تو پورے کرنے ہی پڑتے تھے۔
... اگر کوئی بھی غفلت برتتا تھا تو محلے کے بچے گھر پر پتھراؤ
... اب وہ دن یاد آتے ہیں تو میں بڑا عجیب سا محسوس کرتا ہوں۔
... پُر جوش تھی! کیسا ولولہ تھا ہر شخص کے دل میں!
... کے بعد میں نے باورچی خانے کا رُخ کیا۔ آج دن
... کھایا تھا اور اب آنتوں کے مطالبات میں خاصی شدت
... فریجریٹر سے انڈے نکال کر فرائی کیے اور ڈبل روٹی

... نے کی صورت میں بس یہی ایک پریشانی ہوتی ہے کہ
... ہی تلنا پڑتے ہیں مگر جن لوگوں کو انڈے نہیں تلنا
... تے عاجز آتے ہوئے خود میں نے دیکھا ہے۔ اللہ
... ہائے ویسے ابھی تک یہ بات طے نہیں پا سکی
... بس اپنی اپنی پسند اپنا اپنا خیال اپنا اپنا! میں اپنا
... ہوں۔
... اور انڈوں کی پلیٹیں اٹھاتے ہوئے اپنے کمرے
... گھنٹی بج رہی تھی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس

... بول رہی ہوں رضوان صاحب!" ریسیور میں آواز آئی۔

میں نے ایک لمبی سانس لی اور کوئی سوال کرنے ہی والا تھا کہ غز...
پھر بولی "میں سیدھی اس کے گھر ہی پہنچ گئی تھی لیکن ملازم نے بتایا کہ و...
موجود نہیں ہے اور میں کل صبح ہی اس سے ملاقات کر سکوں گی۔ اس ...
بعد میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اپنے گھر لوٹ جاؤں ...
اب میں اس سے کل ہی مل سکوں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس معاملے کو بھول ہی جاؤ تو بہتر ہے۔ مجھ ...
غلطی ہوئی کہ میں نے تمہیں اس چکر میں ڈال دیا۔ ان خطرناک لوگوں سے ...
نپٹنے کے لئے میں اب دوسرے ذرائع استعمال کر رہا ہوں۔"

"میں بالو کی خاطر بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتی ہوں رضوان ...
غزالہ نے بڑے جوش میں کہا۔

"لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں دوسرے بہتر ذرائع استعمال کر ...
رہا ہوں۔"

"تو پھر کچھ پتا چلا؟"

"اس سلسلے میں آج کی رات بے حد اہم ہے۔"

"تو میں کل صبح آپ کو فون کر لوں گی۔"

"ہاں تم فون کر لینا۔ خود کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے ...

"اچھا شب بخیر۔"

"شب بخیر۔"

میں ریسیور رکھ کر انڈے ڈبل روٹی سے مصروف گفتگو ہو گیا ...
جتنی دیر میں یہ گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی میں ایک اہم فیصلے پر پہنچ گیا۔ میرا وہ فیصلہ ...
یہ تھا کہ جس طرح آج رات کمانڈر حق نے شیر بہادر کے گھر میں گھسنے کا فیصلہ کیا ...
تھا، اُسی طرح میں اس لڑکی رضیہ کے بنگلے میں جا گھسوں۔ یہ ناممکن نہیں ...
تھا کہ مجھے وہاں سے کوئی اہم سُراغ مل جاتا۔

ویسے اس دلکش لڑکی کو سوتے ہوئے دیکھنا بھی کوئی کم خوشگوار ...
فعل نہیں ہوتا۔ دروغ بر گردنِ شاعر، حُسنِ خوابیدہ کو دیکھ کر ایک عجیب ...
نشہ چھا جاتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر مجھ پر وہ نشہ نہ چھایا تو میں کم از ...
وہ سارے دیوان تو آگ میں ڈال دوں گا جو میری کتابوں کی الماری میں جلوہ ...
افروز رہتے ہیں۔

آٹھ بجے میں اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جو مہم مجھے درپیش تھی ...
کے لیے آدھی رات گزرنے کا انتظار بالکل فضول تھا۔ بلیک آؤٹ کے ...
باعث ابھی سے آدھی رات معلوم ہونے لگی تھی، بلکہ یہ شہر کراچی تو آدھی ...
رات کو بھی اتنا تاریک اور ویران نہیں ہوتا جتنا اُن دنوں ابتدائے شب ...
ہی میں ہو جاتا تھا۔

سڑک پر نظر آنے والی برائے نام گاڑیوں کی طرح میری موٹر سائیکل ...
کی ہیڈ لائٹ پر بھی کالا رنگ چڑھا ہوا تھا جس کی وجہ سے روشنی دو ...
تک نہیں پھیل سکتی تھی۔

پی، ای، سی، ایچ، ایس کے علاقے میں پہنچ کر میں نے اپ ...

موٹر سائیکل رضیہ کے بنگلے سے کچھ دُور ایک ایسی جگہ کھڑی کر دی کہ کسی کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔ وہاں سے میں پیدل روانہ ہوا۔ درمیانی فاصلہ زیادہ نہیں تھا اس لیے میں پانچ منٹ میں بنگلے کے قریب پہنچ گیا۔ ارد گرد کے ماحول پر ویرانی مسلط تھی۔ کبھی کبھی کوئی کتا بھونک اٹھتا تھا یا اُن سیٹیوں کی آواز سُنائی دے جاتی تھی جو اسکاؤٹس بجا رہے تھے۔

میں کوئی پانچ منٹ تک بنگلے کے قریب کھڑا رہا۔ دراصل میں اندر داخل ہونے کے لیے ہمت پیدا کر رہا تھا۔ آخر جب میں نے ہمت کر لی تو اچھل کر اپنے ہاتھ چار دیواری پر جما دیے۔ اس کی بلندی کوئی آٹھ فٹ کے لگ بھگ تھی۔ اس پر چڑھ کر میں اسی پر لیٹ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر احاطے کا جائزہ لینے لگا جو اندھیرے میں لپٹا ہوا تھا۔ میرے کان کسی متوقع آہٹ کو سُننے کے لیے تیار تھے۔ آخر جب مجھے یقین ہو گیا کہ احاطے میں کوئی نہیں ہے تو میں دوسری طرف لٹک کر آہستگی سے کود گیا۔ کُودنے کے بعد میں ذرا دیر کے لیے پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔ دو تین منٹ تک اسی طرح رہا۔ اب بھی کوئی آہٹ نہیں سُنائی دی تو میں مطمئن ہو گیا اور دبے قدموں بنگلے کے برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت تک مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میں کس طرح اندر داخل ہو سکوں گا۔ یہ تو ناممکن ہی تھا کہ مجھے کوئی دروازہ کُھلا ہوا مل جاتا۔ اس قسم کے اتفاقات صرف جاسوسی ناولوں ہی میں پیش آ سکتے ہیں۔

برآمدے کے سامنے پورچ بنا ہوا تھا۔ میں نے اس کی چھت پر چڑھنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر چڑھنے کے بعد بنگلے کی چھت پر پہنچنا بہت آسان ہو جاتا۔ دراصل میرے ذہن میں یہ خیال پرورش پا رہا تھا کہ چھت پر آنے جانے کے لیے بنگلے میں زینہ ضرور بنا ہوا ہو گا اور اکثر یہ اتفاق ہو جاتا ہے کہ زینے کا دروازہ بند کرنے کا خیال مکینوں کے ذہن سے نکل جاتا ہے۔ میں اسی اتفاق کی تلاش میں طالع آزمائی کرنا چاہتا تھا۔

بنگلے کے اندر روشنی تھی یا اندھیرا؟ میں اس سے بے خبر تھا۔ دوسرے مکانات کی طرح وہاں بھی اس قسم کے انتظامات کیے گئے تھے کہ روشنی کی ایک کرن بھی باہر نہ نکل سکے۔ روشندانوں تک پر ہارڈ بورڈ یا اسی قسم کی چیزیں لگا دی گئی تھیں۔

میں نے چھت پر پہنچ کر زینہ تلاش کیا۔ وہ عقبی دیوار کے قریب ایک گوشے میں بنا ہوا تھا اور اس میں دروازہ لگانے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ نیچے، زینے کے اختتام پر دروازہ ضرور ہو گا۔

سیڑھیاں طے کر کے میں دروازے پر پہنچ گیا۔ میں نے اس پر آہستگی سے ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دروازے کا پاٹ دوسری طرف دبنے لگا تو میں ایک دم رُک گیا اور دروازے سے کان لگا کر آہٹ لینے کی کوشش کرنے لگا۔ جب مجھے ایک حد تک اطمینان ہو گیا کہ دوسری طرف کوئی نہیں ہے تو میں نے دروازے پر پھر دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔

دروازے پر پڑا ہوا پردہ اُس کے کُھلنے میں قدرت
نے اُسے بس اتنا ہی کھولا کر دوسری طرف نکل سکو
یہ ایک چھوٹی سی راہداری تھی جس میں ایک ا
میں نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور پھر
بڑھا ہی تھا کہ میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی

راہداری میں دائیں جانب دو دروازے
ہوا تھا۔ اُسی کُھلے ہوئے دروازے میں سے ایک آ
وہ بالکل سامنے تھا اور میرے قریب کوئی ایسی جگہ نہ
کر سکتا۔ بس قسمت ہی اچھی تھی کہ اس شخص کی نظر مجھ
دراصل دروازے سے نکلتے ہوئے اس کا رُخ میری
تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں چائے کی ایک پیالی سنبھا
آگے بڑھ کر بائیں طرف نظر آنے والے ایک در
اس وقت میرے دل کی دھڑکنوں کا یہ عا
میں دھمک سی ہونے لگی تھی۔ اگر میرے ستارے
اس پہلے ہی مرحلے میں سارا کھیل بگڑ جاتا۔ میں نے ا
سے حرکت میں آ جانا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ پھر کو
مجھے کسی بہتر پوزیشن میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔
میری دائیں جانب کُھلا ہوا وہ دروازہ
کے آگے اسی دیوار میں ایک اور دروازہ تھا جو
میں نے اُسے کھول کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔
پاؤں اُس دروازے پر پہنچ گیا جہاں سے وہ آ
دروازے پر بھی پردے پڑے ہوئے تھے اور
تھی۔ مجھے وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ لاؤنج تھا
میں لاؤنج چیئرز پڑی ہوئی تھیں۔
لاؤنج بہت بڑا تھا اور اس میں کئی کمر
ایک دروازہ کُھلا ہوا تھا اور وہاں سے کچھ آوازیں
پہنچ رہی تھیں۔ میں لپکتا ہوا اس دروازے کے
میں قالین بچھا ہوا تھا اس لیے میرے قدموں کی
دروازے کے قریب پہنچتے ہی میں نے
آواز سنی۔ وہ بڑے برہم انداز میں کسی سے کہہ رہی ہو
نہیں کھولو تو میں تمہارے جسم کے ایک ایک انچ
دوں گی۔"
میں نے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔
وینتامی پر پڑی جو دیوار سے لگا ہوا کھڑا تھا اور اس
سراسیمگی نظر آ رہی تھی۔ اس کی نظر رضیہ ہی کی طرف
انداز میں ایک گوشے کی میز سے ٹکی ہوئی تھی۔ اس کا
ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں چائے کی پیالی تھی

میں موجود تھا اور جن دو مجھ کو میں نے اسٹیشن
پر دیکھا تھا ان لوگوں کے کھڑے ہونے کا انداز کچھ
کہ کسی کی نظر بھی دروازے کی طرف نہیں اُٹھ سکتی تھی۔
مجھے جھانکتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے جب

دیکھ کر مجھے خاصا تعجب ہوا۔ یقیناً وہ آدمی شیر بہادر
کا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رضیہ نو مری کا سُراغ لگانے
تھی اور پھر اس نے کسی طرح شیر بہادر کے ایک آدمی
تھا۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا کہ اسٹیشن پر بانو
کی پریشان کوئی ڈرامہ نہیں تھی۔ وہ واقعی بانو کی تلاش

گئے!" رضیہ پھر بولی۔ وہ انگریزی میں بات کر رہی
نہیں سمجھ سکتا ہو گا۔
رضیہ نے غرا کر چائے کی پیالی میز پر رکھ دی
اپنا دایاں ہاتھ اپنے جمپر کے نیچے ڈالا۔
میں اس کے اس انداز سے نہ جانے کیا سمجھ بیٹھا تھا
کہ رضیہ نے اپنی کمر کے گرد ایک چابک باندھ رکھا
نکال لیا تھا۔
کی آواز کے ساتھ کمرے کی فضا میں گھوما اور پھر
ویتنامی کے قریب پہنچ گئی۔
میں ہندوستان کی اسٹنٹ فلموں کا تصور اُبھر آیا۔
ہوتی نہیں!
پر چابک برسانا شروع کر دیے اور ویتنامی، ذبح
کی طرح چیخنے لگا۔
نے محسوس کیا کہ میرے پیچھے کوئی موجود ہے۔ میں تیزی
مجھے اس کی مہلت نہیں مل سکی۔ کسی نے مجھے بوجھ
کپڑے کی اتنی محسوس کرنے لگی تھی۔ ایک عجیب
کو پراگندہ کر دیا اور میرے حواس زائل ہو گئے۔
آیا تو میں ایک سجے سجائے کمرے میں ایک نرم و
تھا۔ سرہانے کی کُھلی ہوئی کھڑکی سے دن کی روشنی اندر
سات بجے کا وقت تھا۔
ہوش میں آنے کے بعد انسان کے ذہن میں پہلا
کہاں ہے؟ میرے ذہن میں بھی یہی خیال اُبھرا۔ میری
وہ کُھلا ہوا تھا لیکن اس پر پردے پڑے ہوئے
دوسری طرف کا منظر دیکھنے سے قاصر تھا۔ میں نے
بڑھنا چاہا مگر اسی وقت دروازے کی طرف سے
"کھٹ کھٹ" سُنائی دی۔ میری نظر اس طرف

گئی۔ ایک خوبصورت ہاتھ نے پردہ سرکایا اور پھر جو ہستی کمرے میں داخل ہوئی، وہ بانو کی ہمشکل رضیہ کی تھی۔

میرے منہ سے بے اختیار سیٹی کی آواز نکل گئی اور میں نے سمجھ لیا کہ میں بدستور اسی بنگلے میں ہوں جہاں پچھلی رات چوروں کی طرح داخل ہوا تھا۔

"ہیلو!" وہ میری طرف دیکھتی ہوئی بڑے سپاٹ لہجے میں بولی۔

میرے منہ سے جواباً ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ میں اس کا منہ تکتا رہ گیا تھا۔ وہ سفید لباس میں بیلے کی کلی کی طرح مہک رہی تھی۔

"اگر تم ناشتہ کرنے سے پہلے غسل کرنا چاہو تو یہ باتھ روم موجود ہے" اس نے ایک گوشے میں بنے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ!" میں مسکرایا۔ "تم تو میرے لئے بڑا تکلف کر رہی ہو رضو!" میں نے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی "خوب! تو تم میرا نام بھی معلوم کر چکے ہو؟"

"دل کی لگی بہت بُری ہوتی ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"دل کی لگی، کسے کہتے ہیں؟" اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"غالباً یہ عشق کے معنوں میں مستعمل ہے۔"

"تو تمہیں مجھ سے عشق ہو گیا ہے؟"

"ہاں۔" میں نے ایک دلدوز آہ بھری۔ "اگر تم میرے دو چار بچوں کی ماں بننا پسند کرو تو میں......"

"فضول باتیں مت کرو!" اس نے منہ بنا کر کہا۔ "ایسی باتوں پر میں نہ تو شرما سکتی ہوں، نہ مجھے غصہ آ سکتا ہے۔"

میں نے یہ بکواس محض اس لیے شروع کر دی تھی کہ سنجیدگی سے بات شروع ہونے سے قبل میں کچھ سوچ سمجھ لوں۔ یہ فیصلہ کرنا ضروری تھا کہ آج اس لڑکی سے گفتگو کرتے ہوئے مجھے کس پہلو سے احتیاط برتنا چاہیے۔

سوچنے سمجھنے کی مزید مہلت حاصل کرنے کے خیال سے میں بعجلت باتھ روم میں جا گُھسا۔ غسل کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ میرے پاس تبدیل کرنے کے لیے کپڑے ہی نہیں تھے اور جب تک کپڑے تبدیل نہ کیے جائیں، مجھے نہانا بے سود معلوم ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر میں صرف منہ دھونے پر اکتفا کرتا ہوں چنانچہ اس وقت بھی میں نے ایسا ہی کیا۔

منہ دھونے، تولیے سے منہ ہاتھ خشک کرنے اور واش بیسن کے اوپر لگے ہوئے آئینے میں دیکھ کر بال درست کرنے میں، میں نے پندرہ منٹ صرف کر دیے اور اسی دوران میں صورتِ حال کا تجزیہ کر کے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ اب مجھے اس لڑکی سے کس انداز میں گفتگو کرنا چاہیے۔

جب میں باتھ روم سے نکلا تو وہ رائٹنگ چیئر پر بیٹھی کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میری آہٹ سُن کر وہ خیالات کی دنیا سے باہر آئی اور مجھ سے بولی "بیٹھ جاؤ۔ ناشتہ آنے ہی والا ہے۔"

میں اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں اپنے طور طریقے سے ایسا اطمینان ظاہر کر رہا تھا جیسے وہ لڑکی میری میزبان تھی اور میں نے بزور

تکلف اس کا مہمان بننا قبول فرمایا تھا۔

وہ چند لمحے تک خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر آہستہ سے بولی۔ "اگر کل رات میں پولیس کو فون کر کے تمہیں بحیثیت چور گرفتار کرا دیتی تو کیسا رہتا؟"

"بڑا مزہ آتا۔" میں نے جھک کر کہا۔ "میں پولیس کو بتاتا کہ میں اس ویٹنامی کو چھڑانے آیا تھا جسے اغوا کر کے اس بنگلے میں قید کیا گیا ہے۔"

"پولیس کو اس ویٹنامی کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی۔ میرے کام نامکمل کبھی نہیں ہوتے۔ میں بہت تیز حرکت کی قائل ہوں۔ اسی لیے برازیل کے لوگ مجھے سابیری کہتے ہیں۔"

"سابیری؟ یہ کیا چیز ہوتی ہے؟" میں نے شاید پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا تھا۔ ممکن ہے کہ بغیر پلکیں جھپکائے ہوئے پوچھ لیا ہو۔ دراصل اب اتنے دن بعد مجھے ٹھیک سے یاد نہیں رہا۔

"سابیری۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ برازیل کی علاقائی کہانیوں کا ایک روائتی پرندہ ہے جسے صحیح معنوں میں پرندہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اس جانور کا سر عقاب کا سا ہوتا ہے اور پر بھی مگر جسم کسی خونخوار چوپائے کا سا ہوتا ہے۔ فضا میں اڑنے اور زمین پر دوڑنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہوتا۔"

"گویا تم بھی لاثانی ہو؟"

"اوہ! ہماری گفتگو تو ایک غیر متعلق سی راہ پر نکل گئی۔" وہ جیسے چونک کر بولی۔ "بات کل رات کی ہو رہی تھی۔ آخر تم کس ارادے سے یہاں گھسے تھے، تم مجھے کیا سمجھ رہے ہو؟"

"نہیں سمجھنے ہی کے لیے میں یہاں گھسا تھا۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ویسے تم مجھے کیا سمجھتی ہو؟"

"تم ایک سیدھے لیکن کھلنڈرے انسان ہو اور اپنی بے تکی باتوں سے باجی کو تنگ کرتے رہے ہو۔"

"باجی؟"

"میرا اشارہ بانو کی طرف ہے۔ میں ان کی چھوٹی بہن ہوں۔"

"سگی بہن؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔ "ایسی مشابہت بہنوں ہی میں مل سکتی ہے۔ میرا پورا نام رضیہ بانو ہے۔"

میرا جی چاہا کہ اس کی بات پر یقین کر لوں۔

وہ بولتی رہی۔ "میں نے انہیں چار سال سے نہیں دیکھا۔ شاید ابھی کچھ اور مدت بھی گزر جاتی لیکن ایک ایسا معاملہ پیش آگیا ہے کہ ان سے میری ملاقات ناگزیر ہو چکی ہے۔ جب میں کراچی پہنچی تو پتہ چلا کہ وہ پراسرار طور پر لاپتہ ہو چکی ہیں۔ میں پوری تن دہی سے ان کی تلاش میں مصروف ہو گئی اور اس طرح ان کے بہت سے شناسا میری نظر میں آگئے۔ انہی میں سے ایک تم بھی ہو۔ یہ بات بھی میرے علم میں آگئی تھی کہ غیر معمولی حالات میں باجی تم پر زیادہ بھروسہ کرتی ہیں اس لیے میں نے تم پر ہست کڑی نظر رکھی۔

تمہاری بلڈنگ کے پوسٹ مین اور ٹیلیگرام لانے والا ساتھ ملا لیا تھا۔ تمہاری ڈاک تم سے پہلے میری نظر ... دراصل میں نے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا تھا کہ ... بھی رابطہ قائم کر سکتی ہیں۔ خیر ڈاک سے تو مجھے کچھ ... اس ٹیلیگرام نے مجھے بہت آسودہ کیا جو تمہیں پنڈی ... میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ بانو بذریعہ ٹرین کراچی پہنچ ...

میں نے محسوس کیا کہ اب بانو سے اپنی بے تعلق ... کوئی فائدہ نہیں، بلکہ ایسا کرنا حماقت ہی ہوتی۔ رضیہ ... کچھ جان چکی تھی۔

"خوب!" جب وہ خاموش ہو گئی تو میں نے کہا ... کی چھوٹی بہن ہو!"

"میرا خیال ہے کہ اب اس سلسلے میں تمہار ... چاہئیں۔"

"چلو ہو گئے!" میں نے ہاتھ جھاڑ کر کہا۔ "اب یہ کہ باجی کی تلاش کے سلسلے میں ...

"بندہ بسر و چشم حاضر ہے۔" میں نے سینے پر ...

"مسخرہ پن نہیں چلے گا۔" وہ منہ بنا کر بولی ...

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، ایک آدمی ... کمرے میں لایا۔ یہ وہی آدمی تھا جو کل رات ابا ... کر میرے سامنے آگیا تھا لیکن اس کی نظر ...

جب وہ کمرے سے چلا گیا تو رضیہ ... میں نے بھی ناشتہ نہیں کیا ہے۔"

میری ذہنی رو اب بکنا مزرحق کی جان ... رہا تھا کہ پتہ نہیں کل رات اس کے ساتھ کیا بیتی ... کے گھر میں کسی جگہ باز کو تلاش کر لیا ہوگا؟

"کہاں کھو گئے؟" رضیہ نے مجھے ٹو ...

"آں!" میں چونک گیا اور پھر مسکرا کر ... تھا کہ تم بانو سے بھی دو چار ہاتھ آگے معلوم ... جلدی نوری کا سراغ کیسے لگا لیا۔ تم اس ویٹ ... میں تو پوچھ گچھ کر رہی ہوگی!"

"کمبخت بڑا ہی سخت جان ہے۔ میں ... ڈالی تو بھی اس نے بس اتنا ہی بتایا کہ نوری نو ... شام ہونے کے بعد واپس نہیں آئی تھی۔"

"ممکن ہے، وہ اس سے زیادہ جا ...

"شاید... شاید۔" وہ بڑبڑا کر رہ ...

میں ان باتوں کے دوران میں لمبے ... جبکہ رضیہ نے صرف دو ابلے ہوئے انڈ ...

... دے کو نفرت سے کہا۔ "تم سے میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں اور باجی کے کیا معاملات رہے ہیں!"

اب ہر بات بتانے پر تیار ہوں لیکن ایک شرط ہے۔"

... ہے؟"

... بارے میں بتاؤں گی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ... شخصیت بڑی پُراسرار ہے جس نے مجھے بہت بُری ... تم ہر اعتبار سے برصغیر کی باشندہ معلوم ہوتی ہو لیکن ... زیل کے پاسپورٹ پر ہوئی ہے۔ تمہاری باتوں سے ... ہوتا ہے کہ تم عرصۂ دراز سے برازیل میں رہ رہی ہو۔ ... سابیری کہتے ہیں لیکن یہاں جو لوگ تمہارے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب ملاپ کیا معنی؟ ... ہوا در میں اس معمے کو سمجھنا چاہتا ہوں۔"

... ہلکی سنجیدگی سے متفکرانہ انداز میں میری طرف دیکھتی ... مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری یہ شرط پوری نہیں کر ...

... میں کیا قباحت ہے؟"

... ماضی سے باخبر ہو؟ یقیناً نہیں۔ اگر تمہیں اس کا ... بھی تمہارے لیے اتنی پُراسرار نہ رہ جاتی۔ میں ...

...؟"

... تمہیں اپنے بارے میں کیسے بتا دوں؟"

... بتانے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے باجی کے بارے میں ... ہم لوگ باجی اپنے ماضی کو پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں ... مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔"

... تو تم نے مجھے اور الجھا دیا۔ آخر بانو کے ماضی ... جو وہ سب سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں؟"

... بات کرنا۔ مجھ سے یہ توقع کرنا عبث ہے کہ ... خواہ تم مجھ سے تعاون کرو یا نہ کرو۔"

... انتظار کروں گا، خواہ تم مجھے بتاؤ یا نہ بتاؤ۔" میں ... لہجے میں کہا۔

... میں نے اسے پہلی بار مسکراتے ہوئے دیکھا اور یہ ... کر مونا لیزا بھی اسی طرح مسکرائی ہوگی۔ اگر ... اس مسکراہٹ کا نقشہ کھینچنے بیٹھتے تو کم از کم جلد ... الہٰ۔

... شخص پھر اندر آیا جو ناشتہ لے کر آیا تھا۔ اس ... پلیٹ بڑھائی جس میں کسی کا وزیٹنگ کارڈ رکھا ... ہوا تھا۔ رضیہ نے کارڈ اٹھا کر دیکھا اور اس کی خوبصورت پیشانی پر باریک باریک سی شکنیں پڑ گئیں۔ اتنی باریک شکنیں میں نے کبھی کسی کی پیشانی پر نہیں دیکھیں۔

رضیہ نے کسی اجنبی زبان میں اس آدمی سے کچھ کہا اور پھر کھڑی ہوتی ہوئی مجھ سے بولی۔ "تم ناشتہ کرو۔ میں ابھی پانچ دس منٹ میں آتی ہوں۔"

"کون آیا ہے؟" میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"واپس آکر بتاؤں گی۔" اس نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گئی۔ جو آدمی کارڈ لے کر آیا تھا وہ اس سے پہلے ہی رخصت ہو چکا تھا۔

مجھے کُرید ہو گئی تھی، میں ناشتہ چھوڑ کر دروازے کی طرف لپکا۔ میں نے جھانک کر باہر دیکھا اور مجھے پتہ چل گیا کہ رضیہ کدھر گئی تھی۔ میں بھی کمرے سے نکل کر اسی طرف جھپٹا۔ ڈر یہ تھا کہ ان ہٹے کٹوں میں سے کوئی مجھے روک نہ لے مگر خوش قسمتی سے کوئی میرے سامنے نہیں آیا اور میں ڈرائنگ روم کے دروازے تک پہنچ گیا جہاں رضیہ اپنے ملاقاتی سے کہہ رہی تھی۔ "فرمائیے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

"مجھے علم ہوا تھا کہ آپ ایک ایسی خاتون کی تلاش میں ہیں جن کو صبیحہ بانو کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔" ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

میں نے وہ آواز بہت دن بعد سنی تھی لیکن اسے پہچاننے میں مجھے لمحوں کی بھی دیر نہیں لگی۔ وہ سپرنٹنڈنٹ رؤف تھا۔ میں بے اختیار اپنا سر اثبات میں ہلانے لگا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ بیگم پرتاب گڑھ نے رؤف سے رابطہ قائم کر کے اسے صورتِ حال سے آگاہ کر دیا ہوگا لہٰذا وہ صبح ہی کی فلائٹ سے کراچی پہنچ کر یہاں آدھمکا تھا۔

"میں تو کسی صبیحہ بانو کو نہیں جانتی!" رضیہ نے استعجابیہ انداز میں کہا۔ "آخر آپ کو یہ بے بنیاد اطلاع کس نے پہنچا دی؟"

"یہ اطلاع بے بنیاد نہیں ہے۔" رؤف نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

"نہ صرف بے بنیاد بلکہ لغو ہے۔" رضیہ کے لہجے میں بھی سختی آگئی۔

ادھر میں بے چین ہو گیا۔ میری خواہش تو یہی تھی کہ اندر داخل ہو جاؤں لیکن رضیہ کا یہ رویّہ ایسا تھا کہ مجھے اپنے اس اقدام سے باز رہنا پڑا۔ اگر میں اندر داخل ہو جاتا تو رضیہ کے جھوٹ کا پول کھل جاتا جبکہ اب میں کلی طور پر رضیہ کی موافقت میں ہو چکا تھا۔ مجھے یقین آچکا تھا کہ رضیہ واقعی بانو کی چھوٹی بہن ہے چنانچہ میں دروازے ہی پر کھڑا ہوا ان دونوں کی باتیں سنتا رہا۔

"آپ غلط بیانی سے کام لے کر صورتِ حال کو پیچیدہ کر دیں گی۔"

رؤف کہہ رہا تھا۔" اور غالباً اس پہیلی سے آپ کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔"

"آخر آپ کو یہ اطلاع دی کس نے ہے؟"

"یہ آپ کو نہیں بتایا جا سکتا۔"

"تو پھر بہتر ہوگا کہ آپ میرا اور اپنا وقت ضائع نہ کریں۔" رضیہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"آپ قانون سے کھیلنے کی کوشش کر رہی ہیں۔" رؤف بولا۔

"آپ میرے حقوق کو پامال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" رضیہ نے رؤف سے بھی زیادہ جارحانہ انداز میں کہا۔ "اور اگر آپ کے محکمے نے بیہودہ کوششیں جاری رکھیں تو میں اپنے سفارت خانے سے رابطہ قائم کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔"

"بہتر ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ آئندہ بھی میرے محکمے کا کوئی فرد آپ سے رابطہ قائم نہیں کرے گا لیکن جاتے جاتے میں یہ ضرور کہہ دینا چاہتا ہوں کہ قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں اور کوئی بات بھی زیادہ عرصے تک قانون کی آنکھوں سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔ خدا حافظ!"

میں نے ڈرائینگ روم میں جھانکا۔ رؤف لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

اب مجھے وہاں رکنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں تیزی سے مڑا اور دبے پاؤں دوڑتا ہوا اسی کمرے میں لوٹ گیا۔ میں نے ٹی پاٹ اٹھایا اور اپنے سامنے رکھی ہوئی پیالی میں چائے انڈیلنے لگا۔

کوئی تین منٹ بعد جب رضیہ کمرے میں آئی تو میں کرسی کی پشت سے ٹیکا ہوا چائے کے گھونٹ لے رہا تھا۔ رضیہ سوچ میں ڈوبی ہوئی میرے سامنے آ بیٹھی اور میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"کیا یہ اطلاع تمہارے ذریعے سے اس تک پہنچی تھی؟"

"کون سی اطلاع؟ کس کی بات کر رہی ہو؟"

"بے وقوف بننے کی کوشش مت کرو۔" رضیہ نے منہ بنا کر کہا۔ "تم دروازے پر کھڑے ہو کر ساری باتیں سن چکے ہو۔"

میں جھینپ گیا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "کیا تمہارے سر کے پچھلے حصے میں بھی آنکھیں ہیں؟"

"میرے سر میں صرف دماغ ہے جو سوچا جاتا ہے۔ میں نے تمہاری فطرت کو جس حد تک سمجھا ہے، اس کی روشنی میں، میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس وقت تم نچلے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ یہ میرا اندازہ ہی تھا کہ تم میرے پیچھے پیچھے ڈرائینگ روم تک پہنچے ہو گے اور تمہارے اس سوال سے میرے اندازے کو سند مل چکی ہے۔"

"خدا کی پناہ!" میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "کیا برازیل کا وہ پرندہ سا بیری، ذہین بھی ہوتا ہے؟"

"بلا کا ذہین۔" وہ میرے انداز پر مسکرا اٹھی۔

"مجھے یقین آ گیا ہے۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔

"لیکن تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"رؤف کو تمہارے بارے میں بیگم پرتاب گڑھ ... گا کیونکہ میں نے تمہارا ذکر صرف بیگم پرتاب گڑھ سے ...

"ہوں۔" رضیہ اس طرح سر ہلانے لگی جیسے ... واقف ہو۔

"لیکن رؤف کے ساتھ تمہارا رویہ میری سمجھ میں ..."

"کیوں؟"

"ظاہر ہے کہ تم رؤف کو بانو کا دشمن تو نہیں سمجھ ... تم اسے اپنا حلیف بنا لیتیں تو بانو کی تلاش میں کچھ آسانی ..."

"میں سرکاری آدمیوں سے دور ہی رہنا چاہ..."

"وجہ؟"

"وہ لوگ مجھ سے بعض ایسی باتیں معلوم کر... گے جو میں کسی قیمت پر بھی نہیں بتانا چاہتی اور نہ بتا... کے سوا کچھ نہیں ہے کہ باجی ان باتوں کو پوشیدہ..."

"تم سے یہ گفتگو کر کے تو میرے ذہن میں بانو ... تشکیل پا گیا ہے۔"

"اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ باجی نے اپنے ... اپنی شخصیت کو بے حد پراسرار بنا لیا ہے۔"

میں نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر خا... میں رکھ دی، پھر گھڑی پر نظر ڈال کر بڑبڑایا۔ "مجھے ... پر ہونا چاہیے تھا۔"

"کیوں؟"

"میں نے بانو کی تلاش کے سلسلے میں کچھ ... ممکن ہے اب تک ان کا کچھ نتیجہ نکل آیا ہو۔"

ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ رات کو کمانڈر حق ... داخل ہوا ہوگا اور عین ممکن ہے کہ اس نے کو... کر لی ہو۔

"میں تم سے باجی ہی کے سلسلے میں گفتگو ... تمہیں اسی سلسلے میں کسی نتیجے کا پتہ چلنے وال... تم نے کیا قدم اٹھایا تھا؟"

"یہ میں بعد میں اطمینان سے بتاؤں گا۔" ... ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تو پھر کب مل رہے ہو؟"

"کیا اس گھر میں ٹیلیفون ہے؟" میں نے ...

"ہاں، ہے۔"

"مجھے اس کا نمبر دے دو۔ میں موقع ملتے ...

...ات سے پہلے جلد دیرہ سے کرنی جانے کی ...
نے ٹیلیفون نمبر بتایا جو میں نے جیب سے نوٹ بک نکال ...

...وہ مجھے بیرونی دروازے کی طرف لے جا رہی تھی تو میں ...مڑ اٹھتے ہوئے سرسری سے انداز میں کہا۔" وہ جھکتو نظر ...آیا!"

...بہت مصروف ہوں گے۔" رضیہ نے جواب دیا۔
...نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ سنجیدہ ہی نظر آ رہی تھی۔
...ل وینٹائی کا کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔
...کہ اسی وقت پوچھ ڈالو گے۔"
...کا یہ انداز ٹالنے والا تھا لہٰذا میں چپ ہو گیا۔
...سے نکل کر میں اس طرف چل پڑا جہاں کل رات میں نے اپنی ...چھوڑی تھی۔ وہ بدستور اسی جگہ کھڑی ہوئی تھی۔

...وہ منٹ میں اپنے گھر پہنچ گیا۔ مجھ سے کل ایک غلطی ہو ...ڈر حق سے یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ اگر میں اس سے رابطہ ...تو کس ٹیلیفون نمبر پر کوشش کروں۔ اپنی اس غلطی کی ...اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ کمانڈر حق کے فون ...اس انتظار کی کوفت سے کسی حد تک چھٹکارا حاصل ...میں اخبار پڑھ کر جنگی صورت حال سے آگاہی حاصل کرنے لگا۔ ...سال بعد مجھے یاد نہیں آ رہا ہے کہ اس روز کیا خبریں تھیں ...حال کیا تھی۔

...منٹ گھنٹے کے بعد ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ میں نے جلدی سے ...لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

...وان اسپیکنگ۔" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔
...حق بول رہا ہوں۔"
...گھنٹے سے آپ کے فون کا منتظر تھا۔"
...میری کال ہے جو میں نے آپ کو کی ہے۔ دو مرتبہ بس ...لیکن ریسیور نہیں اٹھایا گیا۔"
...گھر پر نہیں تھا۔ کیا صورت حال ہے؟ کیا آپ کو کل ...موقع مل گیا تھا؟"

...ایسا سوال ہی نہیں۔" کمانڈر حق نے بڑے اعتماد سے کہا۔
...!" میں نے بے تابی سے پوچھا۔
...بہادر کے گھر میں تو نہیں ہیں۔ میں نے بلا مبالغہ وہاں ...ایک دیکھ ڈالا ہے۔"
...کے لہجے میں مایوسی تھی۔ "کوئی سراغ بھی نہیں ملا؟"
...
...میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ...تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔

"بیگم صاحبہ بھی اس معاملے میں بہت دلچسپی لے رہی ہیں۔" کمانڈر حق نے بتایا۔ "ان کا حکم ہے کہ میں انہیں ایک ایک پل کی رپورٹ دیتا رہوں۔"

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" میرا ذہن بانو ہی میں الجھا ہوا تھا۔

"فی الحال کچھ ایسے خطوط ہمارے سامنے نہیں ہیں جن پر کام کیا جا سکے۔ ہم بس اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ شیر بہادر، نومی اور ان کے حواریوں پر نظر رکھیں۔"

"تو پھر آپ یہ کام منظم طور پر شروع کر دیجیے!"

"وہ تو میں شروع کر چکا ہوں مسٹر رضوان!... اگر ایک پرندہ بھی شیر بہادر کے گھر میں داخل ہو کر باہر نکلے گا تو اس کی نگرانی کی جائے گی۔ اگر میں نے یہ بندوبست نہ کیا ہوتا تو ایک اہم بات میری نظر سے پوشیدہ ہی رہ جاتی۔"

"کون سی بات؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"اس لڑکی غزالہ کو ابھی شیر بہادر کے گھر میں جاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔"

"ارے!" میں چونک گیا۔

"کیا آپ نے اسے منع کیا تھا کہ وہ...؟"

"بالکل منع کر دیا تھا۔" میں نے کمانڈر حق کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن وہ لڑکی بہت سرکش ہے۔ اسے بانو سے اتنی محبت ہے کہ شاید اب وہ باز نہیں آ سکتی۔"

"مجھے ڈر ہے کہ اسے اپنی سرکشی کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑ جائے۔"

"اس پر گہری نظر رکھیے کمانڈر!" میں نے مضطربانہ پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "وہ بے وقوف جذبات کی رو میں بہہ کر ضرور کوئی نقصان اٹھائے گی۔"

"میں اس کی طرف سے بے خبر نہیں ہوں مسٹر رضوان! میں پوری کوشش کروں گا کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہونے پائے لیکن یہ تو میرے اختیار میں بھی نہیں ہے کہ میں دن دہاڑے شیر بہادر کے گھر میں گھس پڑوں۔"

"مجھے... مجھے اس کے بارے میں... باخبر کرتے رہیے۔" میں نے غالباً ایک بار پھر پہلو بدلا تھا۔

"میں یقیناً آپ سے رابطہ قائم کرتا رہوں گا۔ اب مجھے اجازت دیں۔"

"خدا حافظ۔" میں نے آہستہ سے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

بانو کا سراغ نہ ملنا تو مایوس کن تھا ہی لیکن غزالہ کی اس حرکت نے مجھے پریشان بھی کر دیا۔ کل بھی وہ بے دھڑک شیر بہادر کے گھر میں جا گھسی تھی اور آج بھی اس نے یہی حرکت کی تھی۔ نہ جانے اس کا پلان کیا تھا؟

ان پریشانی کے ساتھ ساتھ میرے ذہن میں یہ خیال بھی موجود تھا کہ مجھے رضیہ سے رابطہ قائم کرنا ہے لیکن میں چاہتا تھا کہ اس سے پہلے مجھے غزالہ کے بارے میں کوئی اطمینان بخش رپورٹ مل جائے تو اچھا ہے۔
وہ رپورٹ مجھے ایک گھنٹے بعد ملی۔
کمانڈر حق نے ٹیلیفون پر بتایا: "وہ کوئی دس منٹ قبل شیر بہادر کے گھر سے نکلی ہے۔ میں نے اس کے چہرے پر ایسا اطمینان دیکھا تھا جیسے اس کی مہم کامیابی سے جاری ہو۔"
"اوہ!" میں نے سکون کی ایک طویل سانس لی۔ "اس اطلاع کا شکریہ کمانڈر! کوئی اور خاص بات؟"
"میں نے بس یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا کیونکہ آپ اس لڑکی کی اس حرکت سے بہت پریشان ہو گئے تھے۔"
"مزید شکریہ کمانڈر!" میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔
فوراً ہی ٹیلیفون کی گھنٹی پھر بج اٹھی۔ کوئی شخص غالباً اس دوران میں بھی رنگ کرتا رہا ہوگا جب میں کمانڈر حق سے محوِ گفتگو تھا۔
"رضوان اسپیکنگ۔" میں نے ریسیور اٹھا کر کہا۔
"غزالہ۔" دوسری طرف سے چہکتی ہوئی آواز آئی۔
"تم!" میں غرایا۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ اب چپکی بیٹھ جاؤ!"
"اوہ! مسٹر رضوان! کیا آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں نومی سے ملنے گئی تھی؟"
"ہاں! مجھے علم ہو چکا ہے۔"
"میں نے نومی سے دوستی کر لی ہے۔" غزالہ پھر چہکی۔ "میں نے اسے باور کرا دیا ہے کہ مجھے عظیم دیٹ نامی قوم سے بڑی محبت اور ...عیت ہے۔"
"تم سمجھتی ہو کہ اس نے تمہاری باتوں پر یقین کر لیا ہوگا!" میں نے منہ بنا کر کہا۔
"بالکل کر لیا ہوگا۔" غزالہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "آپ تو میری اس صلاحیت سے خوب واقف ہیں۔ میں غضب کی اداکارہ ہوں۔ [illegible] میں ہوتی تو آسکر ایوارڈ حاصل کر چکی ہوتی ...د چار دن میں حاصل کرنے ہی والی ہوتی۔"
"اچھا اب کان کھول کر سن لیجیے الزبتھ ٹیلر صاحبہ!" میں نے ...ک لہجے میں کہا۔ "آپ کو اب ہر قیمت پر نومی سے دور رہنا ہے۔"
"لیکن میں تو پورا پلان بنا چکی ہوں۔"
"کیا پلان؟"
"میں دھوکے سے نومی کو بھنگ پلا کر اس سے حقیقت اگلوا ...گی۔" غزالہ کے لہجے میں ایسی چہکار تھی جیسے اس کو اپنی کامیابی کا ...ن ہو۔
بھنگ کے ذکر پر مجھے ہنسی آتے آتے رہ گئی۔
"فضول باتیں مت سوچو!" میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کیے بغیر کہا۔ "اب تم خود کو اس معاملے سے با...
"دیکھا جائے گا۔" غزالہ نے لاپرواہی...
"میں کہتا ہوں ..." مجھے اپنی بات پوری... مل سکا کیونکہ دوسری طرف سے غزالہ نے سلسلہ... میں بھی اب اس کے سوا کیا کرتا کہ بڑبڑا کر... مجھے یقین سا ہو چلا تھا کہ اس لڑکی کی سرکشی کوئی...
میں کچھ دیر تک غزالہ کے بارے میں سوچتا... فون کرنے کے ارادے سے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھا... بجنے لگی لیکن وہ فون کی گھنٹی نہیں تھی۔ کوئی کال بیل...
میں دروازہ کھولنے کے لیے بڑھا۔ مجھے ا... تھا۔ شاید وہی اب مجھ سے بھی پوچھ گچھ کرنے آیا...
لیکن دروازہ کھولتے ہی میں بُری طرح بوکھلا... آندھی طوفان کی طرح اندر گھستے چلے آئے تھے اندر... گرتے گرتے بچا تھا۔ ان میں سے ایک نے بڑی پھر... کر کے بولٹ چڑھا دیا۔ دوسرے کے ہاتھ میں ر... نال میرے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ وہ تینوں... معلوم ہوتے تھے مگر ان کے لباس مغربی تھے۔ یعنی م... رکھے تھے۔ ان میں سے ایک، جو میری طرف ریوا... ادھیڑ عمر کا تھا جبکہ باقی دونوں تیس پینتیس کے لگ بھگ...
چند لمحوں کے لیے تو میں حواس باختہ ہو گیا... غیر متوقع تھی کہ صورتِ حال کو سمجھنا مشکل ہو گیا۔
"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو!" ادھیڑ عمر جبتی نے... وہ انگریزی بولا تھا مگر یہ بات صاف ظاہر ہو گئی تھی... بولنے پر قدرت حاصل نہیں ہے۔
میں نے غیر ارادی طور پر اس حکم کی تعمیل کی۔
"[illegible] کی تلاشی لو!" ادھیڑ عمر جبتی نے یہ بات... ساتھیوں سے کہی ہوگی۔
وہ دونوں میرے پیچھے آ کھڑے ہوئے اور میرا... ذرا دیر بعد انہوں نے اپنے ساتھی کو بتایا کہ میں غیر مسلح ہوں۔
"اب تم اپنے ہاتھ نیچے گرا سکتے ہو۔" ادھیڑ عمر...
میں نے ہاتھ گرا دیے۔ اتنی دیر میں میرے حواس... تھے اور میں اس قابل ہو گیا تھا کہ صورتِ حال کو سمجھ سکوں... جبتی ہونے کی وجہ سے مجھے رضیہ یاد آ گئی تھی جس کے... جنگجوؤں کو دیکھ چکا تھا۔ میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر... ان جبتیوں میں کوئی قدرِ مشترک ہوگی یا نہیں؛ لیکن مع... خود ہی میرے سامنے آ گئی۔
"تم آج صبح رضیہ کے بنگلے پر تھے۔" ادھیڑ... ہو سکتا ہے تم دونوں کو صبیحہ بانو کے بارے میں کچھ نہ کچھ م...

...لم کو نہیں کیا پتہ چلا ہے۔ صبیحہ بانو کہاں ہے؟"
...کر اپنی کھوپڑی سہلانے لگوں۔ رضیہ ...انو کی تلاش تھی۔
...ادو کی بات کر رہے ہو؟" میں نے استعجابیہ... ...یک ہی صبیحہ کو جانتا ہوں لیکن وہ بانو نہیں ...فلم انڈسٹری کی خوبصورت ترین اداکاراؤں...

...ت بنانے کی کوشش نہ کرو تو یہ تمہارے حق... ...منہ اشتعال میں آئے بغیر کہا۔
...وچنے میں مصروف تھا کہ مجھے کیا رویہ ...مری گفتگو مناسب رہے گی۔
...منتظر ہوں۔" وہ پھر بولا۔
...ہوں۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔ "اب تک میری ...علوم کرنا چاہتے ہو؟"
...اس سوال کا جواب چاہتا ہوں۔"
...بہانا۔"
...لے گئے تھے؟"
...گیا ہے۔ اگلے بیساکھ میں ہماری شادی ہو...
...ی ہی بات کر رہا تھا لیکن "بیساکھ" مجھے... تمہارے منہ سے کہ جس لفظ [illegible] ...کا نہیں بلکہ ہندی کا ہوتا ہے۔
...ت بنانے کی کوشش کر رہے ہو!" وہ ...ے تشدد پر آمادہ ہونا پڑے گا۔"
...اس کے سینے کی طرف انگلی اٹھاتے ...تمہارے ریوالور سے یا تمہاری تعداد سے ...سمجھ رہا ہوں کہ تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ...کہ تمہاری اس غلط فہمی کو رفع کر دوں ...ہو اور یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"
...تم اب میں کچھ کہنے کی بجائے اپنے ساتھیو... ...لوٹ پڑے۔ میں نے اچھل کر ان کی... ...اب نہیں ہو سکا تو آمادۂ پیکار ہو گیا۔ میں... ...ہاتھ چلا دیے لیکن جب اُدھر سے... ...کھانے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ وہ تنور کے... ...دار بھینسوں کی طرح طاقتور تھے تھے۔
...رو!" ادھیڑ عمر جبتی گرجا۔
...کا کھایا۔ "اب آپ سے کیا پردہ؟ میں صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ اس کا وار خالی ہی جاتا لیکن میں نے خود ہی اپنا جبڑا اس کے مکے پر مار دیا۔ بس اندازے کی غلطی کی بنا پر ذرا زور سے مارا تھا اس لیے آنکھوں میں دو چار ستارے آ گھسے۔ اس کے بعد میں نے اپنا پیٹ ان میں سے کسی کے گھٹنے پر رسید کیا اور وہ لوگ شاید یہ سمجھے کہ میں دوہرا ہو گیا' حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ میں رکوع کی مشق کر رہا تھا۔ پھر فوراً ہی میں نے اخلاقاً اپنی کمر پر ان میں سے ایک کے دوہتھڑ کا استقبال کیا اور مارے انکسار کے فرش سے جا لگا۔ بس پھر اس کے بعد تو اللہ دے اور بندہ لے والا مسئلہ ہو گیا۔ میں نے اپنے جسم کے مختلف حصوں سے ان کی لاتوں اور گھونسوں کو بُری طرح تھکا ڈالا اور میزبانی کے اصولوں کی بجا آوری کرتے کرتے، میری یہ حالت ہو گئی کہ کپڑے کئی جگہ سے پھٹ گئے اور شاید ہونٹوں سے خون بھی بہہ نکلا۔ آخر ان شریف مہمانوں نے مجھے اٹھا کر صوفے پر ڈال دیا اور میرا جی چاہا کہ آنکھیں بند کر کے سو جاؤں۔ دماغ پر دھند سی چھا رہی تھی۔
"یہ صرف ٹریلر تھا۔" ادھیڑ عمر جبتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر اب بھی تم اپنی ضد پر قائم رہے تو پوری فلم دکھا دی جائے گی۔"
"فلم شروع کرو .... دوستو!" میں نے جھومتے ہوئے کہا اور پھر غالباً مجھ پر بے ہوشی کا غلبہ ہو گیا۔
میرا خیال ہے کہ مجھے ہوش آنے میں دیر نہیں لگی تھی اور وہ تینوں بدستور قضائے مبرم کی طرح میرے سر پر موجود تھے۔ میرا چہرہ پانی میں بھیگا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں پانی کا گلاس موجود تھا۔ مجھے ہوش میں آیا ہوا دیکھ کر وہ گلاس تپائی پر رکھ دیا گیا۔
"کیا واقعی فلم شروع کی جائے؟" ادھیڑ عمر جبتی درشت لہجے میں بولا۔
میں اس کا منہ تکتا رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس بلائے بے درماں سے کس طرح نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔
اچانک اندرونی کمرے سے ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔
میں نے بے اختیار سر گھما کر اندرونی دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اس بدبخت جبتی پر نظر ڈالی جس کے ہاتھ میں ریوالور بدستور موجود تھا۔
"نہیں۔" وہ میری اجازت طلب نظروں کے جواب میں بولا۔ "تمہیں فون ریسیو کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ دوسری طرف سے رنگ کرنے والا خود ہی تھک کر ریسیور رکھ دے گا۔ وہ سمجھ جائے گا کہ تم گھر میں موجود نہیں ہو۔"
اس کا خیال درست ثابت ہوا۔ گھنٹی چھ سات مرتبہ بج کر بند ہو گئی۔ آخری مرتبہ کے بعد جب طویل وقفہ ہو گیا تو جبتی نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "یہ اندازہ تو تمہیں ہو چکا ہوگا کہ میرے ان دونوں شاگردوں کا مقابلہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں اور اب اگر فلم شروع ہوئی تو وہ میں خود شروع کروں گا۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میرے

یہ دونوں شاگرد اگر میرا مقابلہ کریں تو ایک منٹ بھی اپنے پیروں پر کھڑے نہ رہ سکیں۔"

"مائی گاڈ!" میں نے اپنے دل میں کہا۔ "کیا آج میری ہڈیوں پسلیوں کا سارا جغرافیہ تہہ و بالا ہو کر رہے گا!"

تبتی نے کمرے میں لگے ہوئے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی اور پھر مجھ سے بولا۔ "میں تمہیں سوچنے کے لیے پانچ منٹ دیتا ہوں۔ چھٹے منٹ پر تم نے اگر میرے سوالوں کے جواب دینے پر آمادگی نہ ظاہر کی تو میں فلم شروع کر دوں گا۔"

اب دیوار گیر کلاک کی "ٹک ٹک" میرے اعصاب پر مسلط ہو گئی۔ دراصل میں محسوس کر رہا تھا کہ اب مجھ سے میزبانی کے تقاضے نہ نبھائے جاتے! اور اگر میں نباہتا تو شاید مجھے بعد میں اپنے فالتو پرزہ جات کی تلاش بھی کرنا پڑتی۔ گو مجھے نہیں معلوم تھا کہ بانو اس وقت کہاں ہیں لیکن مسئلہ یہ تھا کہ میں جو کچھ بانو کے بارے میں جانتا ہوں، وہ بھی ان تبتیوں کو بتانا مناسب ہوگا یا نہیں؟

ایک منٹ گزرا... دوسرا منٹ گزرا... تیسرا منٹ گزرا۔

میرے اعصاب پر دباؤ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

چوتھا منٹ گزرا...

...ب تک کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا تھا

"اب بیس سیکنڈ رہ گئے ہیں۔" ادھیڑ عمر تبتی کی آواز کمرے میں گونجی۔

میری نظر دیوار گیر کلاک کی سیکنڈ بتانے والی سوئی پر جم گئی۔ وہ سوئی جب نو کے ہندسے پر پہنچنے کو تھی تو اچانک کال بیل بجنے لگی۔

اس کے شور سے یکلخت میرا دل اچھل پڑا۔

جوان العمر تبتیوں کے چہروں سے گھبراہٹ ظاہر ہوئی لیکن ادھیڑ عمر تبتی پر سکون نظر آ رہا۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا میرے قریب آیا اور سرگوشی میں بولا۔ "آنے والے کو دروازہ کھولے بغیر ہی ٹالنے کی کوشش کرو۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔"

کال بیل پھر بجی۔

"کون ہے؟" میں نے بلند آواز میں پوچھا۔

جواب نہیں ملا۔

"کون ہے؟" میں نے اور زیادہ بلند آواز میں پوچھا۔

"دودھ والا۔" باہر سے آواز آئی۔

مجھے اس جواب پر حیرت ہوئی کیونکہ میرا دودھ والا تو صبح ہی آتا ہے۔ دن میں تو میں گھر پر بہت کم رہتا ہوں۔ پھر یہ آواز بھی اس کی نہیں تھی۔

ادھیڑ عمر تبتی نے سرگوشی میں مجھ سے کہا۔ "اس سے کہہ دو کہ آج تمہیں دودھ نہیں لینا ہے۔"

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ
والا اس وقت ٹپک پڑا ہے۔ بہرحال میں
دہرا دی جس کا حکم مجھے تبتی سے ملا تھا۔
باہر چند لمحے تو خاموشی رہی، پھر
پہ ہاتھ مارا اور ایک آواز آئی۔ "دروازہ
میں یہاں ایک ہنگامہ کھڑا کر دوں گی!"
رہ گیا۔

"سابیری!" ادھیڑ عمر تبتی کے منہ
رنگت بدل گئی۔ یوں معلوم ہوا تھا جیسے وہ
میں نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ
ہو گئے تھے کہ ان پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

"دروازہ کھولو!" رضیہ کی تحکمانہ آ
ادھیڑ عمر تبتی نے جلدی سے
زبان میں جوان العمر تبتیوں سے کچھ کہا
میں نے موقع غنیمت جانا اور
ان میں سے کسی نے بھی مجھے روکنے کی
دروازہ کھولا اور رضیہ تیزی سے اندر
اس کا وہ خصوصی ملازم بھی موجود تھا جس
اندر آتے ہی رضیہ اس ادھیڑ
بول رہی تھی، اس کا ایک ہی لفظ میرے
رمپا!

یہ لفظ رضیہ نے بار بار استعمال کیا
سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ شاید یہ
دونوں جوان العمر تبتی بدستور
ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ان میں
طرف دیکھ سکتے لیکن میں ضرور دیکھ
رہا تھا۔ مجھے اس لڑکی میں کوئی ایسی
جو لوگوں کو لرزہ براندام کر سکے۔

جب رضیہ خوب گرج برس چکی
کچھ کہا۔ اس جواب نے شاید رضیہ کو
کی طرف ہاتھ اٹھا کر اتنی زور سے
انداز ایسا تھا جیسے تبتیوں کو باہر نکل
ادھیڑ عمر تبتی نے اپنے ساتھ
کی طرف قدم بڑھا دیے۔ دروازے
طرف ہٹ گیا۔ ادھیڑ عمر تبتی دروا
اس کے دونوں ساتھی بھی تھے اور
عجلت ظاہر ہو رہی تھی جیسے انہیں

ضیہ کے ملازم نے دروازہ بند کرنا چاہا لیکن
کو کہا۔ اس مرتبہ رضیہ نے کوئی دوسری
ی سمجھ میں وہ بھی نہیں آ سکی۔ شاید وہ زبان

میں نے اپنے سر کو مؤدبانہ جنبش دی اور
اہر نکل گیا۔
کھوئے سے انداز میں دروازے کی طرف دیکھتی
میری طرف سر گھمایا۔ میری ہیئت کذائی دیکھ
مسکراہٹ جیسے لرزنے لگی۔ پھر وہ دھیرے
کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ وہ ہنستی ہوئی
منہ بناتا رہا۔
حالت!" وہ میری طرف انگلی اٹھا کر
لوگوں نے تو تمہاری بہت بری گت بنا ڈالی!"
کے چکر میں مارا گیا۔" میں نے منہ بناتے

لیے آگے زانوئے ادب..."
نہ پھیر کو!" میں نے بھی اس کی بات
انداز میں کہا۔
ہمت کرو تو اطمینان سے بیٹھ کر

میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
ان گنت سوال میرے ذہن میں
تھا کہ گفتگو سے قبل میں اپنا حلیہ درست
شروع کیا اور کپڑوں کی الماری سے
روم میں جا گھسا
حقیقت ایک سوالیہ نشان بن کر میرے
ئی تھی۔ ان تبتیوں والے معاملے کے
پر اسرار ہو گیا تھا۔ وہ تینوں تبتی بڑے
رضیہ کی آواز سن کر ان کی یہ حالت ہو
موت کے قدموں کی آہٹ سن لی ہو۔
ی لائسنس تھی۔

لا!
تبدیل کر کے اپنے بالوں میں کنگھا
جہاں رضیہ صوفے کی پشت سے
شاید کچھ سوچ رہی تھی۔ میری آہٹ
سن کر بیٹھتی ہوئی مسکرائی۔
اب حال ہوتا؟" وہ بولی۔

"لیکن تم آ کیسے گئیں؟"

"جب تم میرے گھر سے رخصت ہوئے تھے تو میرے آدمیوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ رمپا کا ایک آدمی جو میرے گھر کی نگرانی کر رہا تھا، تمہارے تعاقب میں چلا گیا ہے۔ بس پھر میں نے اپنے ایک آدمی کو اس کے تعاقب میں دوڑا دیا۔ بعد میں میرے اس آدمی نے اطلاع دی کہ رمپا کے آدمی نے تمہارے گھر تک تمہارا تعاقب کیا تھا اور پھر ایک دکان سے غالباً رمپا کو فون کیا تھا۔ فوراً ہی رمپا اپنے ایک اور آدمی کو لے کر پہنچ گیا اور وہ تینوں تمہارے فلیٹ میں داخل ہو گئے۔ مجھے جب یہ اطلاع ملی تو میں نے تمہیں رنگ کیا لیکن گھنٹی بجنے کے باوجود ریسیور نہیں اٹھایا گیا۔ اس کے بعد میں یہی کر سکتی تھی کہ خود ہی ادھر دوڑ پڑوں۔ میں اپنے اس ملازم کو بھی ساتھ لیتی آئی تھی۔ وہ نہ صرف اردو جانتا ہے بلکہ دنیا کی کئی اور زبانیں بھی اہل زبان ہی کی طرح بول سکتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ دودھ والے کا پارٹ ادا کرے۔ میں یہ ڈرامہ کھیل کر دروازہ کھلوانا چاہتی تھی لیکن جب اس طرح بات نہیں بنی تو مجھے خود ہی کھل کر سامنے آ جانا پڑا۔"

رضیہ نے اتنی تفصیل سے ساری کہانی سنا دی تھی کہ مجھے کسی بات کی تشریح چاہنے کی ضرورت نہیں رہی۔

"آخر یہ رمپا ہے کیا بلا؟" میں نے پوچھا۔

"دوسروں کے لیے تو وہ بلا ہی ہے لیکن تم نے دیکھ ہی لیا کہ میرے سامنے وہ کیسی بھیگی بلی بن گیا تھا!"

"لہٰذا اب یہ سوال پیدا ہو گیا کہ تم کیا بلا ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہی بات میرے سلسلے میں بھی ہے کہ میں دوسروں کے لیے تو بلا ہوں مگر تمہارے لیے؟" وہ ہنسی۔ "تمہارے لیے بلا نہیں ہوں۔"

"میرے لیے بلا کیوں نہیں ہو؟"

"تم مجھے بہت پیارے پیارے الو معلوم ہوتے ہو!"

"میں خود کو بالکل الو کا پٹھا محسوس کرنے لگا ہوں۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"یہ تمہاری ناخلفی ہے کہ تم اپنے والد کی شان میں گستاخی کر رہے ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں چند لمحے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتا رہا اور اس کے بعد غالباً دوسری بار ٹھنڈی سانس لے کر اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "ان الجھنوں میں مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ دوپہر کا کھانا ابھی تک مقدر نہیں بنا ہے۔"

"بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔ کیا کچھ بندوبست نہیں ہو سکتا؟"

"صدر چلنا پڑے گا۔"

"میرا تو کہیں جانے کا موڈ بالکل نہیں ہے۔"

"تو پھر زندے تلے جا سکتے ہیں۔"

"کھانے میں انڈے مجھے سخت ناپسند ہیں۔ کیا قرب و جوار میں کوئی ایسا ہوٹل نہیں ہے جہاں سے کھانا آ سکے؟"

"یہ علاقہ تو صرف نہاری اور کباب کے لیے مشہور ہے۔"

"کباب کھائے جا سکتے ہیں۔"

"اس کے لیے مجھے خود جانا پڑے گا۔"

"زولا سے منگوا لیتے ہیں۔"

"زولا کون؟"

"میرا ملازم۔"

"وہ کہاں ہے؟ اُسے تو تم نے شاید واپس بھیج دیا!"

"نہیں، وہ بلڈنگ کے نیچے کھڑا ہوا میرا انتظار کر رہا ہوگا۔"

غرض یہ کہ زولا سے کباب اور روٹیاں منگوائی گئیں جن سے ہم نے اپنے پیٹ کا خانہ پُر کیا۔ رضیہ تیز مرچوں کی عادی نہیں تھی اس لیے کھانے کے دوران میں اس کے آنسو بھی بہتے رہے اور پسینہ بھی مگر اس کے باوجود اس نے خوب ڈٹ کر کھایا۔

کھانے کے بعد ہم نے چائے بھی پی جو میں نے خود بنائی تھی اور چائے پیتے وقت مجھے خیال آیا کہ میں اور رضیہ ایک دوسرے سے اس طرح گھل مل گئے ہیں جیسے برسوں کی یاد اللہ ہو۔

"خاصی دیر ہو چکی ہے۔" میں بڑبڑایا۔

"کیا مطلب؟"

"اب تو بتا دو کہ یہ رمیا ۔ ۔ ۔ ۔"

"مجھے افسوس ہے رضوان!" اُس نے میری بات کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر میں کچھ بتاؤں گی تو باجی کا راز افشا ہو جائے گا۔ تمہیں جو کچھ معلوم کرنا ہے، وہ باجی سے معلوم کرنا۔ میں بس اتنا ہی بتا سکتی ہوں کہ رُمیا کو بھی باجی کی تلاش ہے اور میں رُمیا سے پہلے، باجی تک پہنچنا چاہتی ہوں۔ اگر وہ مجھ پر سبقت لے گیا تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔ تم میرے گھر سے یہ کہہ کر چلے تھے کہ تم نے باجی کی تلاش کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھایا ہے اور تمہیں اپنے گھر پہنچ کر اس کا نتیجہ معلوم ہوگا۔ پھر کیا نتیجہ معلوم ہوا؟"

"ٹائیں ٹائیں فش۔"

"یعنی؟"

"کل رات میرا ایک ساتھی شیر بہادر کے گھر میں گھسا تھا۔ وہ وہاں کا ایک ایک کونا دیکھ چکا ہے۔ بانو وہاں قید نہیں ہیں۔"

"تم مجھے باجی کی ان تمام سرگرمیوں کے بارے میں بتاؤ جو انہوں نے گزشتہ دنوں جاری رکھی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میں اُن کی تلاش میں کوئی بہتر قدم اُٹھا سکوں۔"

"ٹھیک ہے۔" رضیہ نے سر ہلایا۔

میں نے بانو کی سرگرمیوں کی کہانی کا آغاز فرخ کے واقعے سے کیا اور بڑی تفصیل سے ایک ایک بات بتاتا چلا گیا۔ بیچ بیچ میں رضیہ
کوئی نہ کوئی سوال کرتی رہی اور بے ...
اس طرح ہر معاملے کی مکمل تشریح ہوتی چلی ...
جب یہ ساری کہانی ختم ہوئی تو چار ...
رضیہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی ...
ہی لگا تھا۔

"کمانڈر حق!" رضیہ بڑبڑائی۔ "ما ...
سکتا ہے!"

"بانو اس پر ہمیشہ اعتماد کرتی رہی ہ ...

"گویا شیر بہادر کے مکان کی مکمل ...

"یقیناً۔"

"یہ بیگم پرتاب گڈھ کیا چیز ہیں ...

"بانو سے ان کی بہت گہری ...
اپنے ماضی کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ...
وہ چونک سی گئی تھیں۔ غالباً وہ تنہا ...
رضیہ نے لاپروائی سے شا ...
بعد بولی۔ "میں ان سے ایک ملاقات ک ...
میرے بارے میں کیا کچھ جانتی ہیں۔"

بات چیت یہیں تک پہنچی تھی ...

"کون آ گیا!" میں نے بڑبڑا ...
تو نہیں؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ ...
جب تک میں اُسے نہیں بلاؤں گی ...

"تو پھر میرا ہی کوئی واقف ہ ...
چلی جاؤ۔ وہ جو بھی ہے، میں اُسے ...
کروں گا۔"

رضیہ نے سر ہلایا اور اُٹھ کر ...
میں دروازے کی طرف بڑھا ...
کھول دیا۔

مجھے توقع تو تھی کہ سپرنٹنڈنٹ ...
اُسے دروازے پر دیکھ کر مجھے ذہنی ...
بھی بوکھلا گیا تھا کہ فلیٹ میں رضیہ ...
ایک پل میں بہت سی باتیں ...
تدبیر بھی سوجھ گئی۔

"آہا! سپرنٹنڈنٹ رؤف ...
مسرت کا اظہار کیا کہ اندرونی ک ...
کہ نازک صورت حال کا سامنا ...

"ہیلو!" رؤف مسکرایا۔

... کب آئے؟" میں نے دروازہ بند کرتے ہوئے
... لائیں!" میں جلدی سے ایک طرف ہٹتا
... ماشاء اللہ! خدا کی قدرت ہے۔"
... آپ صبح ہی دیکھ لیتے لیکن میں بعض معاملات
... رؤف نے اندر داخل ہوتے ہوئے

... ہو گیا تھا۔"
... گڈھ ۔ ۔ ۔"
... میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "کل رات ان
... ہوئی تھی۔"
... میں نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
... نے اُس کے سامنے والے صوفے کا انتخاب کیا اور
... طرف دیکھنے لگا جیسے اب اُسی کے بولتے رہنے کا موقع

... کی اطلاع صدرِ مملکت کو بھی ہو چکی ہے۔" رؤف
... ہدایت کی ہے کہ بانو کو تلاش کرنے میں کوئی
... کراچی پہنچ کر سب سے پہلے بیگم پرتاب گڈھ
... نے اس لڑکی رضیہ سے ملاقات کی تھی جس کے
... پرتاب گڈھ کو بتایا تھا۔ میں اُسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔
... ہے کہ بانو اپنی جوانی کے زمانے میں بالکل ایسی

... کمال ہے!" میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور پھر پڑی
اس سے کچھ معلوم ہوا؟"
... نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "وہ بڑی فسادی قسم
"

فسادی کا لفظ مجھے بہت پسند آیا لیکن میں رؤف
... کا۔

"... میں ابھی فیصلہ نہیں کر سکا ہوں کہ اس لڑکی کے
اُٹھاؤں یا نہ اُٹھاؤں۔"

... کیا ہوئی؟" میں اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کو آزما

... ہماری گفتگو دہرانے لگا جو صبح میں چھپ کر سن چکا تھا۔
... بڑی توجہ سے ایک ایک لفظ سن رہا ہوں۔ وہ
... دہرانے میں رؤف کو زیادہ وقت نہیں لگا اور پھر
... کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکی کو قابو میں
... خاص تدبیر سوچنا پڑے گی۔ وہ آسانی سے سیدھی راہ
پر آنے والی نہیں معلوم ہوتی۔"

"اگر میں اس سلسلے میں آپ کے کسی کام آ سکوں تو حاضر ہوں۔"

"آپ سے ملاقات کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ آپ کچھ کام آئیں۔" رؤف نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن فی الحال میں آپ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کراچی میں بانو کی سرگرمیاں کیا تھیں۔"

"میں آپ کو تفصیل سے بتائے دیتا ہوں۔"

"یہی میری خواہش ہے۔"

جو کچھ میں نے رضیہ کو بتایا تھا، وہی رؤف کے سامنے بھی دُہرا دیا۔ اس کہانی میں غزالہ اور کمانڈر حق کا ذکر بھی آ گیا تھا۔ جب میں سب کچھ بیان کر چکا تو رؤف اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا، غالباً ان سب باتوں کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ چائے پینا ضرور پسند کریں گے!" میں نے کہا۔

"اگر آسانی سے مل جائے تو کیا بات ہے۔ مجھے بہت دیر سے چائے نہیں ملی۔"

چائے کے جو برتن پہلے سے ڈرائنگ روم میں موجود تھے، وہ اٹھا کر میں باورچی خانے کی طرف جانے لگا۔

"کیا آپ تنہا رہتے ہیں؟" رؤف نے پوچھا۔

"بالکل تنہا!" میں نے سر گھما کر مسکراتے ہوئے کہا اور ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

جب میں باورچی خانے میں چائے بنا رہا تھا تو ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ میں نے جلدی سے شکر کا ڈبہ ہاتھ سے رکھا اور باورچی خانے سے نکلا۔ جب میں نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو یہ دیکھ کر میری جان نکل گئی کہ رؤف اندرونی کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔

میری آہٹ پر اس نے صرف سر موڑ کر پیچھے دیکھا اور بولا۔ "معاف کیجیے گا۔ میں نے سوچا کہ آپ باورچی خانے میں مصروف ہیں، اس لیے میں ہی فون وصول کر لوں۔"

"ک ... کوئی بات نہیں!" میں ہکلا گیا اور لپک کر کمرے میں داخل ہوتا ہوا رؤف سے آگے نکل گیا۔

رضیہ کمرے میں موجود نہیں تھی۔ میں نے اطمینان کی سانس لی۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ باتھ روم میں جا گھسی ہوگی۔

فون مسلسل چیخ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے اس کا ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "رضوان اسپیکنگ!"

"کمانڈر حق!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں آپ کو اس وقت ایک تشویشناک خبر سنا رہا ہوں۔"

"کیا ہوا؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"غزالہ کو اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"ارے! کیسے!" میں تقریباً چیخ اٹھا تھا۔

"ابھی کوئی ایک گھنٹے قبل غزالہ اور نومی کی ملاقات نیو لگژری میں ہوئی تھی۔ میں اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ ملاقات ایک طے شدہ پروگرام کے تحت ہوئی تھی۔ وہاں انہوں نے کسی قسم کے مشروب پیے تھے اور مشروب کا گلاس ختم کرتے ہی غزالہ کا سر چکرانے لگا تھا۔ اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے اس نے بہت زیادہ شراب پی لی ہو۔ نومی نے سپروائزر سے کہا کہ اس کی دوست کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے۔ پھر وہ سپروائزر کی مدد سے غزالہ کو سہارا دے کر باہر لائی اور اپنی گاڑی کی پچھلی نشست پر لٹا دیا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تک غزالہ مکمل طور پر بے ہوش ہو چکی تھی۔ نومی نے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور وہاں سے روانہ ہو گئی۔ میں اس کا تعاقب کرتا ہوا فردوس کالونی کے ایک مکان تک پہنچا ہوں اور اب آپ کو اطلاع دے رہا ہوں۔ مجھے نہ جانے کیوں یہ شبہ ہوا ہے کہ بانو بھی اسی مکان میں قید ہوں گی۔"

"اوہ! اوہ!" میں نے بے چینی اور پریشانی میں پہلو بدلا۔

"کیا میں اب خود کوئی قدم اٹھاؤں یا آپ کوئی مشورہ دے سکتے ہیں؟" کمانڈر حق نے پوچھا۔

"میں خود وہاں آ رہا ہوں۔ مجھے کس جگہ پہنچنا چاہیے؟"

"آپ... میرا خیال ہے..." وہ رک رک کر بولا۔ "آپ گولیمار کی سڑک پر ٹھیک اس جگہ آ جائیے جہاں سے رضویہ امام بارگاہ کی طرف راستہ جاتا ہے۔ میں آپ کو منتظر ملوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آ رہا ہوں۔" میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

رؤف، ڈرائنگ روم اور بیڈ روم کے درمیانی دروازے پر کھڑا ہوا بہت غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"نومی نے غزالہ کو اغوا کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے غزالہ کے مشروب میں کوئی چیز ملا دی ہو گی۔"

"مشروب کیسا!" وہ استعجابیہ انداز میں بولا۔

"اوہ! میں آپ کو راستے میں تفصیلات بتا دوں گا۔ جلدی چلیے۔ عین ممکن ہے کہ وہاں بانو بھی مل جائیں۔ ہمیں فردوس کالونی پہنچنا ہے۔ کمانڈر حق نے وہیں سے فون کیا تھا۔"

اچانک میں خود کو نروس محسوس کرنے لگا۔ مجھے یہ خیال آ گیا تھا کہ اب رضیہ کا کیا ہو گا؟ اگر میں فلیٹ کو باہر سے مقفل نہ کرتا تو رؤف کو حیرت ہوتی۔ نہ صرف حیرت ہوتی بلکہ وہ مجھ سے سوال بھی کر بیٹھتا کہ میں فلیٹ کو کھلا ہوا چھوڑ کر کیوں جا رہا ہوں۔

اتفاق سے مجھے جلد ہی ایک تدبیر سوجھ گئی اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میں اور رؤف باہر نکلے۔ میں نے دروازے میں تالا لگایا اور رؤف کے ساتھ جلدی جلدی زینے اترنے لگا۔ نیچے فٹ پاتھ پر پہنچ کر

میں یکلخت رک گیا اور اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر... خانے میں چولہا تو کھلا چھوڑ آیا ہوں۔ کہیں آگ... لگ جائے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

پھر میں اس کے کچھ بولنے کا انتظار کیے... اوپر چڑھتا چلا گیا۔ میں نے قفل کھولا اور... کر اندر داخل ہوا۔ رضیہ سے ٹکر ہو گئی۔ وہ... تھی۔

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔ "میں سمجھ... قفل کھولا ہو گا۔"

"بس اب جلدی سے باہر نکلو لیکن..." نے کہا اور پھر لپکتا ہوا باورچی خانے میں پہنچا۔ چولہا کھلا چھوڑ گیا تھا۔ میں اسے بند کر کے... کے باہر کھڑی ہوئی تھی اور اس کے انداز سے... ظاہر ہو رہا تھا۔

"تم نے میری اور رؤف کی گفتگو تو سن... دروازے کو قفل لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں! میں نے پوری صورت حال سمجھ... میں زینوں کو پھلانگتا ہوا نیچے اترا۔... ہوئی تھی۔ رؤف اس کی کھڑکی سے سر باہر... میں اس کی طرف لپکا۔ اس نے دروازہ کھول... کر دروازہ بند کر لیا۔ رؤف انجن اسٹارٹ... حرکت میں لے آیا اور بہت جلد ہم طوفانی رفتا... اڑے چلے جا رہے تھے۔

میں نے راستے میں رؤف کو... کیا جو مجھے ٹیلیفون پر کمانڈر حق... وہ سب کچھ سننے کے بعد... انداز میں اپنے سر کو جنبش دی تھی۔ میں "غالباً"... کر رہا ہوں کہ اس جگہ "یقیناً" کی کوئی گنجائش نہیں... چھوٹی چھوٹی باتیں یقین سے کیسے کہی جا سکتی... سرگزشت کو کہانی کے سے انداز میں لکھنے کا م... فقرے لکھنا پڑتے ہیں ورنہ اتنے عرصے بعد... سی بات سر کھجاتے ہوئے کہی تھی اور کون سا جملہ... بولا گیا۔ کس بات پر متحیرانہ انداز میں سر کو جنبش... غیر متحیرانہ انداز میں پاؤں ہلایا گیا اور ہلایا گیا تو

...ئی ایسی بات لکھوں گا تو اس کے ساتھ "غالباً"... اگر کسی وقت میں ایسا نہ کروں تو یہ سوچ کر معاف... میں لکھتا چلا گیا ہوں۔

...تھا، رؤف کے متفکرانہ انداز میں سر ہلانے کا! ...کئی مرتبہ سر ہلایا تھا۔ بہرحال اس شغل سے... اس نے کہا۔ "یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ غزالہ کو... رہا ہے۔"

...یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ اسے نومی کے...

...مانے سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا کون کر سکتا ہے۔" ...میں بدلنے کی خواہش، انسانی فطرت ہے۔"

...ف ایک بار پھر سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کے سر ہلانے ...میں سمجھ سکا کہ وہ میرے خیال سے متفق ہوا تھا۔

...ت کم وقت صرف کر کے گولی مارے گزر کر رضویہ ...وال کمانڈر حق میرا منتظر تھا۔ میں نے اس کے ...ال۔ میرے اضطراب کا یہ عالم تھا کہ گاڑی کے ...اپنی طرف کا دروازہ کھول چکا تھا۔ گاڑی کے ...کمانڈر حق چند قدم کے فاصلے سے لپک کر میرے ...بڑی عجلت میں انجن بند کر کے گاڑی سے ...کے گرد گھوم کر میرے قریب آ کھڑا ہوا۔ کمانڈر حق ...اس پر نظر ڈالی اور پھر سوالیہ انداز میں میری طرف

...منٹ رؤف ہیں۔ فرام انٹیلی جنس۔" میں نے ...بے چینی سے پوچھا۔ "وہ عمارت کہاں ہے؟" ...آدھ فرلانگ دور ہے۔ پیدل چلنا پڑے گا۔"

..."رؤف نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں نے کچھ لوگوں ...نچ رہے ہوں گے۔ ہم اس عمارت کو چاروں طرف ...اندر داخل ہوں گے۔"

...بلایا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ ...کے آدمیوں کو جو ریوالوروں سے مسلح ہوں گے۔" ...انہیں بلایا کیسے؟" میری حیرت کم نہیں ہوئی تھی۔ ...ٹرانسمیٹر لگا ہوا ہے۔ جب آپ مجھے نیچے چھوڑ ...گئے تھے تو میں نے ٹرانسمیٹر پر ہیڈ کوارٹر سے ...نے دی تھیں۔"

اس جواب نے میری حیرت رفع کی اور میں مطمئن ہو گیا۔

"غالباً وہ لوگ آ ہی گئے۔" رؤف بولا۔ اس کی نظر تیزی سے قریب آتی ہوئی ایک اسٹیشن ویگن پر جمی ہوئی تھی۔

اس دوران میں کمانڈر حق مضطربانہ انداز میں پہلو بدل بدل کر میری طرف دیکھتا رہا یا شاید میری طرف دیکھ دیکھ کر پہلو بدلتا رہا، مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔

ویگن قریب آ کر رکی اور اس میں سے دس آدمی اتر آئے۔ رؤف انہیں ہدایات دینے لگا۔ کمانڈر حق نے میری طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔ "کیا یہ درست اقدام مناسب ہے گا؟"

"نامناسب بھی نہیں ہے۔"

اس جواب کے بعد اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ کمانڈر حق مزید کچھ کہتا۔

ہم نے سڑک پار کی اور فردوس کالونی کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ کمانڈر حق، رؤف اور میں تو ساتھ ہی تھے لیکن رؤف کے آدمی ہمارے پیچھے اس طرح منتشر ہو گئے تھے کہ جتھا نہ بن سکے۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں۔ یہ میری زندگی کا پہلا موقع تھا کہ میں اس قسم کے ایک آپریشن میں شریک ہوا تھا۔ اس سنسنی خیز شرکت کے ساتھ ہی ساتھ مجھے بانو کی بھی فکر تھی۔ انہیں اس عمارت کی قید سے نکال لانا میرے لیے خاصا پُرمسرت ثابت ہوتا۔

ہم نے تیزی سے چل کر وہ دو فرلانگ کا فاصلہ گویا پلک جھپکتے میں طے کر لیا۔ کمانڈر حق ایک جگہ رکا تو ہمارے قدم بھی رک گئے۔

"یہ عمارت ہے۔" کمانڈر حق نے اشارے سے بتایا۔ وہ دوسری عمارتوں کی طرح وہ عمارت بھی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ کبھی کبھی کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

اندھیرے میں سے ایک سایہ نکل کر ہماری طرف بڑھا تو میں اور رؤف چوکنا ہو گئے لیکن کمانڈر حق فوراً ہی بول پڑا۔ "یہ میرا آدمی ہے۔"

"اوہ!" رؤف کے منہ سے نکلا تھا اور شاید اس نے ایک طویل سانس بھی لی تھی۔

وہ آدمی کمانڈر حق سے باتیں کرنے لگا۔ ان باتوں سے اندازہ ہوا کہ کمانڈر حق اسے وہاں چھوڑ کر ہمیں لینے کے لیے رضویہ کے موڑ پر گیا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں یہاں کوئی خاص بات رونما نہیں ہوئی تھی۔ نہ تو کوئی اس بنگلے میں گیا تھا اور نہ کوئی باہر نکلا تھا۔

رؤف کے اشارے پر اس کے دس آدمی اس بنگلے کے گرد پھیل گئے۔ اب یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ کوئی اس بنگلے سے نکل کر فرار ہو سکتا۔ کمانڈر حق نے بھی اپنے آدمی کو ایک جگہ متعین کر دیا۔ اس

کے بعد رؤف مجھے اور کمانڈر حق کو اپنے ساتھ لے کر بنگلے کی طرف بڑھا۔ اب میرے دل کی دھڑکنیں کچھ اور تیز ہو گئیں۔ میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ آنے والے لمحات کیا فیصلہ صادر کریں گے۔

دروازے پر پہنچ کر رؤف نے کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ بنگلے کے کسی دُور اُفتادہ حصّے سے گھنٹی بجنے کی آواز سُنائی دی۔ رؤف نے بٹن سے انگلی ہٹالی۔ اُسی وقت کہیں قریب ہی سے سیٹی بجنے کی آواز سُنائی دی۔ غالباً کسی گھر سے روشنی کی ایک آدھ کرن باہر نکل پڑی ہوگی اور بلیک آوٹ کی پابندی کرانے والا کوئی اسکاؤٹ گروپ اُس مکان پر چڑھ دوڑا ہوگا۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ ۶۵ء کی جنگ میں سرکاری کارندوں کی بجائے خود عوام ہی بلیک آوٹ کی پابندیاں کرانے کی فرّے داری سے عہدہ برآ ہوتے تھے۔

رؤف کو دُوسری مرتبہ کال بیل بجانے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ جلد ہی دروازے کی دُوسری طرف قدموں کی چاپ سُنائی دے گئی تھی۔ وہ چاپ دروازے کے قریب آ رُکی اور پھر کسی بوڑھے مرد نے کھرکھراتی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔ ”کون ہے؟“

”آپ کے گھر سے روشنی باہر آرہی ہے۔“ رؤف برجستہ بولا۔

”ارے!“ آواز سے حیرت ظاہر ہوئی تھی اور پھر دروازے کا بولٹ گرنے کی آواز سُنائی دی۔

میں نے اندھیرے کے باوجود دیکھ لیا کہ رؤف نے اپنی جیب سے کوئی چیز نکال کر ہاتھ میں لے لی تھی اور وہ چیز ریوالور ہی ہو سکتی تھی۔

دروازہ کھلا تو کھولنے والے کے پس منظر میں بھی تاریکی ہی نظر آئی۔ اسی تاریکی کے باعث اس آدمی کی وضع قطع اور حُلیہ بھی دکھائی نہیں دے سکا۔ وہ اندھیرے ہی کا ایک حصّہ معلوم ہو رہا تھا۔

رؤف اس آدمی کو دھکا دیتا ہُوا اندر داخل ہوگیا۔ ”خبردار!“ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ”اگر چیخنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔“

رؤف کے پیچھے پیچھے میں اور کمانڈر حق بھی جھپٹ کر اندر داخل ہوگئے تھے۔ کمانڈر حق نے جلدی سے دروازہ بھی بند کر دیا۔ ... ہاں روشنی پھیل گئی۔ میں نے چونک کر دیکھا کہ کمانڈر حق کے ہاتھ میں ٹارچ دبی ہوئی تھی اور اس کا رُخ، دروازہ کھولنے والے آدمی کی طرف تھا۔

بوڑھے کی وضع قطع اُسے مُلازم ثابت کر رہی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی سی آنکھوں سے رؤف کے ریوالور کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اس گھر کے مکیں کہاں ہیں؟“ رؤف نے بوڑھے سے

اتنی مدّھم سرگوشی میں پوچھا کہ اس کی زبان
الفاظ میرے کانوں تک بھی بمشکل ہی پ
جواب میں بوڑھے کے لب ت
سکی تھی۔ وہ حد درجہ خوفزدہ ہوگیا تھا۔
میں نے اس قلیل سے وقت میں
وہ ایک وسیع و عریض ڈرائنگ اینڈ ڈا
سامنے والی اور دائیں طرف کی دیواروں
ان میں سے ایک بھی کھُلا ہُوا نہیں تھا۔
رؤف بوڑھے ملازم کے سر
بوڑھے کی کھوپڑی سے لگادی، پھر بڑ
جواب نہیں دوگے؟“
بوڑھے کے مُنہ سے آواز تو اب بھی
اِس طرح اُٹھ گیا کہ شہادت کی اُنگلی سامنے
کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔
رؤف نے پہلے میری طرف دیکھا
متوجہ ہو کر بہت دھیمی آواز میں بولا۔ ”آپ
پاس رُکیے!“
میں اس وقت اتنا پُرجوش ہوگیا تھا کہ
دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا جس کی طرف
کیا تھا۔ دروازے کے قریب جا کر میں نے
اور دُوسری طرف کی کوئی متوقع آواز سُن
میری یہ کوشش ناکام نہیں ہوئی۔ مجھے آوا
لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آسکے۔ اتنے میں
پہنچ گیا۔ اس نے ریوالور اب بھی اپنے ہاتھ میں
نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بغیر دروازے کو دھکا دیا
آواز کے ساتھ کھُل گئے۔
دُوسری طرف تیز روشنی موجود تھی اور
موجود تھا جیسے وہ کسی ڈاکٹر کی معائنہ گاہ
جو لوگ اس کمرے میں موجود تھے
آواز نے چونکا دیا۔ وہاں صرف تین افراد تھے
ادھیڑ عمر کا مرد جس نے اپنے گلے میں اسٹ
”آپ... آپ لوگ... کون ہیں؟“
رُک کر پوچھا۔ اس کی آواز میں ہلکا سا ارتعا
کی وجہ، رؤف کا ریوالور ہی ہو سکتی تھی۔
”پولیس!“ رؤف نے اُسے گھورتے
کی طرف دیکھتا ہُوا انگریزی میں بولا۔ ”تم نے
ایک سنگین جرم کیا ہے!“

... سے بولی۔ ”آپ کس لڑکی کی بات

... کر رہی ہوتی ہے۔“
... لڑالہ نے چونک کر کہا۔ ”یہ آپ سے کس نے
... گیا ہے۔“
... مُنہ سے یہ بات سُن کر رؤف صاحب
... کم از کم دو چار اِنچ ضرور سرک گئی ہوگی۔
... کی اداکاری پر کئی مرتبہ عش عش کر چکا
... میری نظروں سے مل چکی تھیں۔ میں نے
... ہی محسوس کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے
... پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔ اس کے برخلاف
... دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں مجھے ایسی
... پہچاننے کے لیے اپنی یادداشت
... مجھے صرف ایک مرتبہ کلب میں اس
... اس کے باپ شیر بہادر نے شطرنج

... ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا اور غزالہ

... دیکھتا ہُوا تیز لہجے میں بولا۔ ”کیا تمہیں ...

... مضبوط لہجے میں کہا۔ ”آپ لوگ
... سنگین الزام عائد کر رہے ہیں۔ بات صرف
... اچانک میری طبیعت خراب ہوگئی تھی اور
... غائب ہوگئے تھے لہٰذا میری دوست نومی
... کے پاس لے آئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے
... بحال ہوگئے۔ اب میں اور نومی یہاں
...؟
... نے پہلے تو ایک طویل سانس لی پھر ایک
... شاید کسی اور قسم کی سانس بھی لینے کے
... ”یہ کس بات کی ہے!“
... سے پہلے ہی اُدھیڑ عمر ڈاکٹر بول پڑا۔ ”اگر
... تعلق رکھتے ہیں تو آپ کو اس کا خمیازہ
... کے خلاف قانونی طور پر احتجاج کروں
... زبردستی گھس پڑنا ہنسی کھیل نہیں

... صاف ظاہر ہونے لگا تھا کہ صورتِ حال
... کر دیا ہے۔ اُدھر نومی کے ہونٹوں میں
... جیسے اس کی باطنی خوشی، مسکراہٹ کا

روپ دھارنا چاہتی ہو مگر نومی اسے کوشش سے روکے ہوئے ہو۔ اِدھر میں یہ سوچ رہا تھا کہ نومی نے بڑی چالاکی سے ”اُن لوگوں“ کا پتہ چلا لیا جنہوں نے غزالہ کو اس کے پیچھے لگایا تھا۔

”میں معافی چاہتا ہوں ڈاکٹر!“ رؤف نے آہستہ سے کہا۔ ”غالباً مجھے غلط اِطلاع دی گئی تھی، یا یوں کہہ لیجیے کہ خود میرے آدمیوں کو غلط فہمی ہوگئی تھی۔“

”یقیناً آپ کو غلط اِطلاع سے نوازا گیا تھا۔“ غزالہ نے مُنہ بنا کر کہا اور پھر نومی کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ”غالباً ہمیں تو اب یہاں سے چل دینا چاہیے!“

”اگر اعلیٰ حکّام اجازت دیں!“ نومی نے رؤف کی طرف دیکھتے ہوئے، خفیف سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”آپ جا سکتی ہیں۔“ رؤف نے آہستہ سے کہا۔ وہ بے حد شکست خوردہ نظر آنے لگا تھا۔ اچانک وہ میرا ہاتھ پکڑ کر خود ہی دروازے کی طرف مُڑ گیا۔

ادھر میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ غزالہ واقعی آفت کی پرکالہ ہے لیکن کیا وہ نومی کو اپنے اعتماد میں لے کر بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جائے گی؟ اس کا اندازہ لگانا فی الحال تو مشکل ہی تھا۔

میں اور رؤف بیرونی کمرے میں داخل ہوئے تو وہ مُلازم ایک طرف بے حس و حرکت پڑا نظر آیا۔ کمانڈر حق وہاں موجود نہیں تھا جبکہ ہم اسے وہیں چھوڑ کر گئے تھے۔ میں نے اور رؤف نے چونک کر ایک دُوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر اس سے پہلے کہ ہم دونوں میں سے کوئی اس صُورت حال پر تبصرہ کرتا، دُوسرا دروازہ کھُلا اور کمانڈر حق باہر نکل آیا۔ غالباً ایسے موقعوں پر اطمینان کی سانس لی جاتی ہے، سو میں نے اور رؤف نے بھی اس پر عمل کیا۔ پھر جتنی دیر میں ہم اطمینان کی سانس لے کر فارغ ہوئے، کمانڈر حق تیزی سے ہمارے قریب آگیا۔

”بالو اِس مکان میں نہیں ہو سکتیں۔“ اُس نے مدّھم سی سرگوشی کی اور مجھے وہ ایک شخص یاد آگیا جس کے خیال میں ”سرگوشی“ کے ساتھ ”مدّھم“ کا استعمال ناجائز ہے۔ پتہ نہیں اس شریف آدمی کو یہ بات کس ”عالمِ مطلق“ نے بتائی ہے۔

تو جب کمانڈر حق مدّھم سی سرگوشی کر چکا تو رؤف نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا اور ہم تینوں اس مکان سے نکل آئے۔ کمانڈر حق مجھ سے غزالہ کے بارے میں استفسار کر رہا تھا لیکن میں نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے چُپ کرا دیا۔

انٹیلی جنس کے جو آدمی مکان کے گرد پھیلے ہوئے تھے، انہیں رؤف نے منتشر ہو جانے کا اشارہ کیا۔ وہیں کمانڈر حق کا آدمی بھی موجود تھا۔ کمانڈر نے اُس سے کہا کہ وہ کار لے کر چلا جائے۔ خود کمانڈر، میرے اور رؤف کے ساتھ رہا۔ ہم تینوں، رمنو بیہ کے موڑ پر پہنچے جہاں رؤف کی کار موجود تھی۔ اب واپسی کا

سفر شروع ہوا۔ ناکامی و نامُرادی کے باعث ہمارے منہ لٹکے ہوئے تھے۔

"مجھے اپنی زندگی میں کبھی اِس طرح شرمندہ نہیں ہونا پڑا۔" رؤف نے کہا۔ مجھے یاد نہیں کہ رؤف نے یہ بات کہتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی تھی یا طویل سانس لی تھی یا سرے سے سانس ہی نہیں لی تھی۔

کمانڈر حق سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا تو میں نے اسے بتایا کہ وہاں کیا صورتِ حال پیش آئی تھی۔

"یہ غزالہ" کمانڈر حق بڑبڑایا "بڑی عجیب و غریب لڑکی ہے۔"

"اور نوسی کی عیاری میں بھی کوئی کلام نہیں۔ اسے شبہ تھا کہ غزالہ کو اُس کے پیچھے لگایا گیا ہے لہٰذا اس نے یہ ڈرامہ کھیلا۔"

"کیا وہ ڈاکٹر بھی اس ڈرامے میں اس کا شریک ہوگا!"

"اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، تاہم اس پر نظر تو رکھنا پڑے گی۔"

"اس کا نام نظامی ہے، ڈاکٹر نظامی۔"

"یہ کیسے معلوم؟" یہ پوچھتے ہوئے میرے لہجے میں استعجابی کیفیت ضرور رہی ہوگی۔

"پھاٹک پر اُبھرے ہوئے حروف کی نیم پلیٹ لگی ہوئی ہے میں نے اس پر ہاتھ پھیر کر دیکھ لیا تھا۔" کمانڈر حق نے جواب دیا۔

"بریل؟"

"جی ہاں، مجھے کسی زمانے میں اس کا شوق چرّایا تھا اور میں نے کچھ دن تک اس کی تربیت حاصل کی تھی۔"

میں اور کمانڈر حق باتوں میں مصروف تھے لیکن رؤف کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُسے ان باتوں سے قطعاً دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کسی اور ہی دُنیا میں گم معلوم ہو رہا تھا۔ غالباً اُسے صرف بانو کی فکر لاحق تھی۔ ویسے میرے بارے میں بھی یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ میں بانو کی طرف سے بے فکر تھا۔ یہ پریشانی تو مجھے بھی تھی کہ بانو کو کہاں ڈھونڈا جائے؟ اور اس مرض میں گرفتار ہونے والوں کی تعداد اب خاصی بڑھ چکی تھی۔ رضیہ کو بھی اپنی بڑی بہن کی تلاش میں دھکے کھانا پڑ رہے تھے اور کچھ پُراسرار ہستیوں کو بھی بانو کی تلاش تھی۔ اِن ہستیوں میں سے اُدھیڑ عمر ہستی کا نام رُمپا تھا اور وہ ایک خطرناک آدمی تھا، لیکن کیا واقعی اسے خطرناک سمجھا جا سکتا تھا؟ رضیہ کی آواز سُن کر تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں لیکن میرا دل یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ رضیہ جیسی دلکش عورت اتنی خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ ایسے چہرے اور ایسے بدن تو پھولوں کے کنج سے مشابہ ہوتے ہیں۔

میں اپنے خیالات کے ان جھُولوں سے اُس وقت باہر نکلا جب گاڑی ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ رُکی۔ میں نے خود کو اپنی بلڈنگ کے سامنے پایا۔

"اچھا مسٹر رضوان!" رؤف بولا "ا
ملوں گا۔" پھر اُس نے کمانڈر حق سے پ
ہے؟"

کمانڈر حق نے سوالیہ انداز میں میر
مجھ سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ مجھے اُس
ہے؟

"کل ہی آپ سے بھی مُلاقات ہوگی
سمجھ کر کہا۔

پھر وہ تو رؤف کے ساتھ چلا گیا ا
کر اپنی بلڈنگ میں قدم رکھا۔

جب میں بستر پر لیٹا تو مجھے غزالہ
نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی رات تک گھرسے ا
میں اپنے باپ سے کیا بہانہ کرے گی۔

اُس کے بارے میں سوچتے ہوئے
میں پہنچ گیا۔ دُوسری صبح میری آنکھ ٹیلیفو
کھلی۔ میں نے اُٹھ کر کال ریسیو کی۔ وُہ
رہی تھی۔ اُس نے میری بھرّائی ہوئی آواز سُ
سو ہی رہے ہیں؟"

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ دس
باقی تھے۔

"ہاں!" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔
میرے خوابوں پر قدغن لگانا چاہتی ہو؟"

"رات کا ایڈونچر کیسا رہا؟" وہ
"یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمہاری
"کیا بات ہوئی؟"

"اتنی عمر تک پہنچنے کے بعد بھی
ہو سکتی ہے۔"

"اوہ!" وہ پھر ہنسنے لگی۔

"اگر تم میرے گھر آ جاؤ تو اطمینان
ہو؟"

"آ تو سکتی ہوں مگر دو گھنٹے بعد۔" غزالہ
میں اس وقت ہاسپٹل سے بول رہی ہوں
ایڈمِٹ ہیں۔ پرسوں ان کی آنکھوں کا آپ

"ٹھیک ہے۔" میں نے پُرخیال اند
"دو گھنٹے بعد سہی۔ میں انتظار کروں گا۔"

دُوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر
میں باتھ رُوم میں جا گھسا اور غسل
اس کے بعد باورچی خانے میں جا گھسا اور نا

۔۔۔ میں کیا کیا کرتا رہا تھا کہ کال بیل بجنے لگی میری
۔۔۔ کی طرف گئی۔ غزالہ کا فون آئے ہوئے ابھی
۔۔۔ تھے اور اس نے دو گھنٹے بعد آنے کے
۔۔۔ قت کون آ گیا؟
۔۔۔ کمانڈر حق؟
۔۔۔ میں صرف یہی تین نام اُبھر سکے تھے۔ میں ان
سوچتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر اچانک
۔۔۔ آیا جنہوں نے کل ہی میرے گھر میں گھس کر
۔۔۔ رُمپا اور اُس کے وہ خطرناک ساتھی
۔۔۔ حرکت کر سکتے تھے لہٰذا احتیاطاً میں نے یہ
دروازے پر کون ہے۔ میں نے بولٹ گرانے
۔۔۔ کہا۔ "فرمایئے!"
۔۔۔ آواز آئی "پہلے دروازہ کھولو!" باہر سے رضیہ

۔۔۔ گرا کر دروازہ کھول دیا اور رضیہ اندر آ گئی۔
۔۔۔ واقعے سے بہت ڈرے ہوئے ہو!" وہ ہنس

۔۔۔ کی بجائے اس کے سراپا میں اُلجھ گیا۔ وہ
۔۔۔ میں ملبوس تھی اور وہ اتنا چُست تھا کہ
۔۔۔ میں آ سکتی تھی۔ وہ آرنج کلر سُوٹ تھا
۔۔۔ اس پر اس رنگ کی چھوٹ اس طرح پڑ رہی
دہکتے ہوئے انگاروں پر راکھ کی بہت خفیف
۔۔۔ وہ ایسے انگارے تھے کہ بے اختیار
۔۔۔ کو جی چاہے۔
۔۔۔ "وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔
۔۔۔ تماشا۔"
۔۔۔ لطف لیتے ہو؟" وہ ہنسی۔
۔۔۔ سے زیادہ کی توفیق نہیں دی۔" میں نے
۔۔۔ کر کہا۔
۔۔۔ ین ہے؟"
۔۔۔ کر اُسے گھورنے لگا "کیوں نہیں ہوگا

۔۔۔ سنجیدگی سے بولی "یہ باتیں میری سمجھ
۔۔۔ چھوڑو اس ذکر کو! میں بھی کہاں کی باتیں

۔۔۔ گھورتا رہا اور پھر بڑبڑایا "نہ جانے دہریے

۔۔۔!"
۔۔۔ ہنس پڑی اور پھر فوراً ہی سنجیدہ ہو کر بولی۔

"ہاں تو میں اس لیے آئی تھی کہ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ مصروف تو نہیں ہو؟"

"ناشتہ کرنے جا رہا تھا۔"

"ایک کپ چائے میں بھی پی لوں گی۔ اس کے بعد ہم روانہ ہو جائیں گے۔"

"جانا کہاں ہے؟"

"جہنّم میں۔" وہ مُسکرائی۔

"تمہارے ساتھ تو میں ہر جگہ جا سکتا ہوں۔ آؤ تو پھر ناشتہ کر لیں۔"

وہ میرے ساتھ صوفوں کی طرف بڑھی۔ چُست لباس میں اس کے بدن کی جنبشیں ایسی تھیں کہ میں جھُرجھُری سی لے کر رہ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم کل رات کی تفصیل جاننے کے لیے بے چین ہوگی۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری مُراد فردوس کالونی کے مکان والے معاملے کی طرف ہے؟"

"ظاہر ہے۔"

"غلط خیالی ہے تمہاری۔" رضیہ نے کہا۔ "میں اس کے بارے میں تم سے کوئی بات نہیں معلوم کرنا چاہتی۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔"

"کیسے؟" مجھے حیرت ہوئی تھی۔

"جب تم لوگ اس مکان میں داخل ہوئے تھے تو میں بھی تم لوگوں کے قریب ہی تھی۔"

"ناممکن۔"

"سابیری کے لیے سب کچھ ممکن ہے مائی ڈیئر مسٹر رضوان!" رضیہ نے اپنے لہجے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی تم نے مجھے پہچانا نہیں ہے۔"

"کیا تم کوئی جنّ ہو!" میں نے مُنہ بنا کر کہا۔

"ٹھیک ٹھیک۔" وہ مُسکرائی۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے پہلے ناشتہ کر لینا چاہیے۔" میں نے انڈوں کی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ڈر ہے کہ تم سے مرعُوب ہو کر میں ناشتہ کرنا نہ بھُول جاؤں!"

رضیہ ہنسنے لگی۔ وہی کھنکھناتی ہوئی ہنسی جو میرے دل میں گُدگُدی کر دیتی تھی۔ میں سر جُھکا کر ناشتے میں مصروف ہو گیا۔ رضیہ نے اپنے لیے خود ہی چائے بنائی اور صوفے کی پُشت سے ٹیک کر چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔

ناشتہ کرنے کے بعد میں نے سگریٹ سُلگائی اور پھر کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ وہ بول پڑی۔ "بس اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے۔"

"لیکن . . . !" مجھے غزالہ کا خیال آ گیا۔

"غزالہ نے مجھے فون کیا تھا' وہ آنے والی ہے۔"
"تم اس لڑکی کے چکر میں مت پڑو۔ وہ جو کچھ کر رہی ہے' اُسے کرنے دو۔"
"تم کہتی ہو تو کرنے دوں گا لیکن اِس وقت تو اُس سے مل لوں۔ میں نے اُس سے وعدہ کر لیا ہے کہ میں اُس کا انتظار کروں گا۔"
"اچھا!" رضیہ نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی نازک سی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ "تو میں بھی اتنی دیر یہیں رُکی جاتی ہوں لیکن جب وہ آئے گی تو میں اندرونی کمرے میں چلی جاؤں گی۔"
"کیوں! کیا تم لڑکیوں کو پسند نہیں کرتیں؟" میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "بانو تو لڑکیوں کو بے حد پسند کرتی ہیں۔"
"بانو" رضیہ ایکدم بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ اُن کا سُراغ کب لگے گا۔"
"نہ جانے کیوں' مجھے تو یہ یقین اور اطمینان ہے کہ بانو کسی ناگفتہ بہ حالت میں نہیں ہوں گی۔"
"تاہم ان کا پتہ تو چلنا چاہیے۔"
"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اُن کا پتہ چلانے کے لیے نومی ہی ایک واحد ذریعہ ہے۔"
"غزالہ اس معاملے میں سرگرم ہو چکی ہے لہٰذا ہمیں اس سلسلے میں دوسرے ذریعے ڈھونڈنا ہوں گے۔"
"دوسرا ذریعہ نومی کا باپ شیر بہادر ہے۔"
"میں اُسی سے نپٹنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"
"یعنی' کس طرح؟"
"یہ ابھی نہیں سوچا۔"
"تو پھر مجھے اِس وقت کہاں لے جانا چاہتی ہو؟"
"دُور' بہت دُور' اُفق کے اُس پار۔" رضیہ نے ٹالنے والے انداز میں پُرمزاح طور پر کہا۔
"اُفق کے اُس پار۔" میں مُنہ بنا کر بولا۔ "اگر ہم نے وہاں جانے کی کوشش کی تو خلاء میں گر پڑیں گے۔"
"کیا فرق پڑتا ہے!"
"ہاں فرق تو کوئی نہیں پڑتا' بس ذرا سی جان نکل جاتی ہے۔"
رضیہ پھر ہنسنے لگی۔ وہی مخصوص ہنسی! اچانک اس نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "اچھا سُنو! ایک بات تو بتاؤ! میں یونہی وقت گزاری کے لیے ایک سوال کر رہی ہوں۔ تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟"
"محبت؟" میں نے اُلجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "پہلے تو یہ طے ہونا چاہیے کہ تم محبت کسے کہہ رہی ہو؟"
"فلسفیانہ گہرائی میں مت جاؤ۔ میں نے تم سے ایک سیدھا سادہ سوال کیا ہے۔"

"محبت ایک ایسا جذبہ ہے کہ للہ
اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" میں
مجھے یہ اُلجھن ضرور لاحق ہو گئی تھی کہ رضیہ
موضوع کو کیوں چھیڑ دیا۔
"تم پھر کر ایک سادہ سے سوال پر
وہ بولی۔
"ہاں!" میں ہنس پڑا۔ "شاید میں لا
کے جواب سے پہلو بچانا چاہتا تھا۔"
"کیوں!"
"دراصل اس سلسلے میں میرے خیالا
تفاک ہیں کہ لوگ مجھے گردن زدنی قرار
تاب نہیں ہے کہ میری بات سُن سکے۔"
"لیکن یہاں تو صرف میں ہوں۔"
"دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔
کے غیر ضروری اظہار سے بچتے ہوئے اتنا کہوں گا
تین لڑکیوں سے محبت ہوئی۔ دو سے تو میں
کیا لیکن تیسری سے کچھ نہیں کہہ سکا۔"
"کیوں!"
"بعض محبتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو
ہیں' دہیں پرورش پاتی ہیں اور تڑپ تڑ
تی. سماج کا خوف انہیں زبان پر نہیں آنے
"کیوں! تمہاری بات وضاحت طلب
"بس وضاحت ہی کرنے سے تو نل
"تم مجھے اُلجھاتے رہے ہو۔"
"بہتر ہو گا کہ اُلجھی رہو۔ بعض سامعا
اُلجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ تم نے ایک بات پوچھ
کا سیدھا سادا جواب دے دیا۔ اب اگر
زندہ ہو جائیں گی۔"
اُسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی ا
کے جواب میں کچھ کہنے کا موقع نہیں مل
کی۔ دوسری طرف سے غزالہ بول رہی تھی
"مسٹر رضوان! میں اس وقت نہیں آ
میں رُکنا پڑ رہا ہے۔ اب شام ہی کو مُلاقات
"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "مگر شام
فون ضرور کر لینا۔ ممکن ہے' میں گھر پر نہ ملوں
"میں فون کر لوں گی۔ اچھا' خدا حافظ!"
میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔
رضیہ نے جب غزالہ کے پروگرام کی

اچھا اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے۔"
ٹ کو مقفل کیا اور اپنی نکیل رضیہ کے ہاتھ میں
نہیں تھا کہ وہ مجھے کہاں لے جانا چاہتی تھی لیکن
اہمیت کی پروا نہیں کی۔ میں رضیہ پر اعتماد
ا بن میری دشمن نہیں ہو سکتی تھی۔ ویسے
ن ہوں تو بھی انہیں دشمن سمجھنے کو جی نہیں
اس کار موجود تھی اس لیے مجھے اپنی موٹر سائیکل
ڈرائیونگ بھی رضیہ ہی نے سنبھالی تھی۔
ا" میں نے کھنکار کر رضیہ کے لہجے کی نقل
اس وقت گزاری کے لیے ایک سوال کر رہا
کبھی کسی سے محبت کی ہے؟"
وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی۔ "میری تو ساری عُمر
گزری ہے۔"
میں نے مُنہ بنا کر کہا۔ "کیا آپ اپنی عُمر بتائیں
ہے' وہ میں نے محبت کرتے ہوئے گزاری
چند نصیبوں کے نام پتے بھی بتاتی چلیے۔"
صرف نام یاد رہ گیا ہے۔"
ب اسی پر قناعت کر لوں گا۔"
؟"
"" میں نے چونک کر کہا۔
ہا تھا نا تم نے!"
ما دیا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔
"یہ کیا مقدار؟"
ا' کیا تم اس قابل نہیں ہو کہ تم سے محبت کی
اس کی طرف دیکھا لیکن اس کے چہرے
اسا کہ وہ مجھے گھِس رہی تھی اور نہ یہ اندازہ
تھی۔
بی بہت کا نام تو سُنا ہو گا!" وہ پھر بولی
طلب کہا۔ "تم نے ضرور سُنا ہو گا۔ مجھے بس
ہے۔"
اس چھت کی طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ
اور تیری پناہ چاہتا ہے۔"

"شاید تمہیں میری بات پر یقین نہیں آیا۔ سچ کہتی ہوں' جب میں نے تمہیں پہلی مرتبہ' یعنی ٹرین کے ڈبے میں دیکھا تھا تو بس کھٹ سے اپنا دل ہار بیٹھی تھی۔"
"دیکھیے خاتون!" میں نے کچھ جھنجھلا کر اور کچھ جھینپ کر کہا۔ "یقین کیجیے کہ میں بہت تھوڑا سا بے وقوف ہوں۔"
"یہ اندازہ تو مجھے تمہاری شکل دیکھتے ہی ہو گیا تھا۔" وہ بدستور سنجیدگی سے بولتی رہی۔ "اگر یہ اندازہ نہ ہوتا تو میں اپنے دل کو صاف بچا لے جاتی۔ دراصل زیادہ بے وقوف تو محبت سے اس طرح بدکتے ہیں' جیسے گھوڑا اپنے سائے سے اور جو بے وقوف نہیں ہوتے' ان کی سمجھ میں محبت کا مطلب ہی نہیں آتا لہٰذا عالمی پیمانے پر صرف اُنہی لوگوں کو محبت کے قابل قرار دیا گیا ہے جو تھوڑے سے بے وقوف ہوں۔"
میں مُنہ بنا کر کار کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ مجھے اس میں کوئی شُبہ نہیں رہا تھا کہ رضیہ سنجیدہ نظر آنے کے باوجود سنجیدہ نہیں تھی۔
"بائی دی وے!" وہ اچانک ہنس پڑی۔ "شاید تمہیں یہ جان کر خوشی ہو گی کہ ایک کار ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔"
"کیا!" میں چونک پڑا۔
"نا نا!" وہ جلدی سے بولی۔ "پلٹ کر مت دیکھنا۔ میں اسے بیک مرر میں دیکھ رہی ہوں۔"
"کیسی کار ہے؟" میں تشویش میں مُبتلا ہو گیا۔
"سفید فیاٹ۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس میں چار آدمی ہیں۔"
"اُن کی وضع قطع؟"
"درمیانی فاصلہ اتنا کم نہیں ہے کہ میں اُن کی وضع قطع بھی جانچ لوں۔"
"ہوں۔" میں سوچ میں پڑ گیا۔
تعاقب کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ رمپا اور اُس کے ساتھی تو خارج از بحث تھے۔ اُن میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ ساہیری کا تعاقب کریں۔ تو پھر؟ شیر بہادر؟ شاید!
"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" رضیہ بولی۔ "ہم ابھی اُن سے نپٹ لیں گے۔"
کار اُس وقت لسبیلہ کے پُل پر چڑھ رہی تھی۔
"کس طرح نپٹنے کا ارادہ ہے؟"
"یہ تو موقع کی مناسبت سے دیکھا جائے گا اور میں نے اسی موقع کی تلاش میں اِدھر کا رُخ کیا ہے۔"
"اِدھر کیا بات ہے؟"
"میں کسی سنسان علاقے میں [illegible] چاہتی ہوں۔ یہ راستہ بل ایریا کی طرف جاتا ہے نا؟"

"مائی گاڈ! تمہیں کراچی کے مقامات اور راستے بھی معلوم ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم پہلے بھی کراچی آچکی ہو۔"

"قطعی نہیں۔"

"پھر تمہیں یہاں کے راستے کیسے معلوم ہیں؟"

"میں نے کراچی کا نقشہ دیکھ کر سب کچھ ذہن نشین کرلیا ہے۔ میری یادداشت بہت تیز ہے۔"

"ویری خوب!" میں نے ایک طویل سانس لے کر ... شاید کسی طویل سانس ... لے کر کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم بانو کی بھی بچی ہو۔"

"چھوٹی بہن۔" رضیہ نے تصحیح کرنے والے انداز میں کہا۔

"لیکن حرکتیں تو چھوٹی بہن کی سی نہیں ہیں۔"

"ابھی تم نے میری وہ حرکتیں تو دیکھی ہی نہیں جو تمہیں انگشت بدنداں کردیں گی۔"

"وہ بھی دکھادو!"

"دھیرج، دھیرج، تم بہت کچھ دیکھو گے۔"

"میری آخری آرزو تو بس یہ ہے کہ بانو کے سہرے کی لڑیاں دیکھ لوں۔ ویسے کیا وہ فیاٹ اب بھی تعاقب میں ہے؟" میں نے سنجیدہ ہوکر پوچھا۔

"اگر وہ نہ ہوتی تو میں نے کار کا رُخ بدل دیا ہوتا۔ مجھے اس وقت صدر جانا تھا۔"

کار اب پہلی چورنگی سے گزر چکی تھی۔ یہاں سے رضیہ نے کار کی رفتار میں خاصا اضافہ کردیا۔

"ایک بات واضح کردوں۔" میں بولا۔ "میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

"وہ تو میرے پاس بھی نہیں ہے۔"

"پھر تو ہمیں سنسان جگہ کی طرف رُخ نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیوں!"

"اگر وہاں ہم خطرے میں پڑ گئے تو کیا کریں گے؟"

"تم ناچنا، میں گاؤں گی۔" وہ ہنس پڑی۔

"اور وہ لوگ ہم دونوں کے سروں پر طبلہ بجا کر رکھ د... گے۔" میں نے غرّا کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اپنے آپ کو اوور اسٹی میٹ کر رہی ہو!"

"وقت آنے پر دیکھ ہی لوگے!" اس نے لاپروائی سے کہا

کار جیسے جیسے مل ایریا کے قریب ہوتی جارہی تھی، میری پریشانی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ رضیہ کے چہرے پر نظر آنے والی خود اعتمادی بھی میری اس پریشانی کو کم نہیں کرسکی۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ فیاٹ میں چار آدمی تھے اور ہمارے مقابلے پر یہ کوئی کم

تعداد نہیں تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ر...
نپٹنے کی کوشش کرے گی۔

کچھ ہی دیر بعد کار مل ایریا میں داخل
ساتھ ہی میری بے چینی میں اضافہ ہوگیا۔ جو کچھ
ہونے میں اب دیر نہیں تھی۔ میرا اندیشہ د...
نے انجن بھی فوراً ہی بند کردیا تھا۔

"کیا ارادہ ہے؟" میں بڑبڑایا۔

رضیہ نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اس کی
پر تھی۔ وہ آہستہ سے بولی "کار قریب آرہی
"پھر کیا ارادہ ہے؟" میں نے پوچھا

رضیہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور ...
لیے دروازہ کھولنے لگی۔ اب مجھے بھی اس
کہ دروازہ کھول کر اتر پڑوں۔

یہ ایک اتنا ہی سنسان مقام تھا
کو بھی۔ اِدھر سے نہ تو گاڑیاں گزر رہی تھیں
خاصے فاصلے پر ایک مل کے سامنے پان ...
دو تین مزدور نظر آرہے تھے۔

فیاٹ بہت تیزی سے قریب آ...
نداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ
تھے مگر انہیں رُکنا پڑا۔ رضیہ ہی نے انہیں
اشارہ کیا تھا۔ فیاٹ کے بریک بہت ...
وہ رضیہ کی گاڑی سے چند گز آگے نکل ...

میں نے ایک ہی نظر میں ان چاروں ...
کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی شکل و ...
بدمعاش ظاہر کررہی تھی۔ ان میں سے ایک
وہ سعید منزل کے علاقے کا دادا سمجھا جاتا تھا

رضیہ فیاٹ کی طرف بڑھی جس
کر وہ چاروں باہر نکل رہے تھے۔

"معاف کیجیے گا!" رضیہ بلند آواز ...
کچھ خرابی ہوگئی ہے۔ کیا آپ لوگ ...

ان چاروں نے ایک دوسرے ...
ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہوتے اور ...
جھپٹے جیسے اس کو دبوچ کر اٹھالے جانا ...

"خبردار! خبردار!" میں انھیں ...
لیے لپکا لیکن وہاں تو میرے قریب ...
شروع ہوچکا تھا۔

رضیہ برق رفتاری سے ...

اس طرح ٹانگ چلائی کہ ان میں سے دو ...
... رضیہ اُن کی زد سے نکل کر تیزی سے ...
... کا جڑتے ہوئے دوسرے کی کمر پہ لات

... تنیں اتنی تیز تھیں جیسے بجلی چمک رہی ہو۔
... گزارہ گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی
... لڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ چاروں
... تھے اور اب اُن کے مُنہ سے گندی گندی

...

... رضیہ اس طرح ہنسے جارہی تھی جیسے

... دُور سے وہ مزدور ہماری طرف
... فروش کے کیبن پر کھڑے ہوتے ہے
... چاروں کی دُرگت اتنی تیزی سے بنائی
... انہیں بھاگ نکلنے کے سوا کچھ نہیں سُوجھا۔
... مزاج پُرسی میں مصروف تھی، اِس
... کر فیاٹ میں جا بیٹھے۔ پٹنے والے نے
... بھاگنا چاہا تھا لیکن رضیہ نے اس کی ٹانگ
... ال۔
... تم کو تو میں اپنے کلیجے سے لگا کر رکھوں

... اسٹارٹ ہوچکا تھا۔ وہ حرکت میں آتی
... رفتار میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ قریب
... اُس کا راستہ روکنے کی کوشش کی
... انہیں خود ہی اُچھل کر الگ ہٹ جانا
... ہاتی ہوئی گزر جاتی۔
... کا گریبان پکڑ کر اُٹھایا اور اُسے
... اس بدنصیب میں اب مزاحمت
... تھی۔ اُس کے ہونٹ پھٹ گئے
... رہا تھا اور بائیں آنکھ بھی سُوج گئی تھی۔
... آگئے اور صورتِ حال کے بارے میں۔

... نہیں ہے۔" رضیہ نے انھیں جواب
... غنڈوں کا شوق ہے لیکن مجھے اِن
... سلیقہ ہے۔"

... اس کا گریبان پکڑے ہوئے تھی۔ اُس نے
... پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور
... کر مزدوروں سے بولی "میں اسے

پولیس اسٹیشن لے جاؤں گی۔ پولیس والے اسے مار مار کر اِس کے ساتھیوں کا نام پتہ معلوم کرلیں گے۔"

مزدور بس سر ہلا کر رہ گئے۔ وہ مجسّم حیرت بنے ہوتے تھے۔ میری طرح اُنہوں نے بھی ایسی "طوفانی لڑکی" کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔

"کھڑے مُنہ کیا تک رہے ہو!" رضیہ مجھ سے بولی۔ "تم پیچھے ہی بیٹھ جاؤ تاکہ یہ اُلّو کا پٹھا پَر پُرزے نہ نکال سکے۔"

"آں! ... ہاں۔" میں نے چونک کر کہا۔

رضیہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولنے لگی۔ میں نے پچھلی نشست پر بیٹھ کر دروازہ بند کرلیا۔ وہ غنڈہ اب بھی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کے کس بَل اِس طرح نکلے تھے کہ شاید اب وہ پَر پُرزے نکالنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

رضیہ کار کو حرکت میں لائی اور اُسے گھما کر اس کا رُخ واپس شہر کی طرف کردیا۔

"رضوان!" رضیہ مجھ سے بولی "اگر یہ اُلّو کا پٹھا گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو تم اپنا ریوالور نکال لینا۔"

میں نے بس سر ہلادیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ رضیہ اِس غنڈے کو دھمکانا چاہتی تھی ورنہ اُسے معلوم ہی تھا کہ میرے پاس ریوالور نہیں ہے۔

"کیوں بے!" میں نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا حرکت تھی؟ تم لوگ اِسی طرح سارے شہر کی عورتوں کو پریشان کرتے ہو؟"

"غلط سوال مت کرو رضوان!" رضیہ نے مجھے ٹوکا۔ "تمہیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ان لوگوں کو ہمارے پیچھے کس نے لگایا تھا۔"

میں نے دیکھا کہ رضیہ کی اس بات پر غنڈے کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔ گویا رضیہ کا خیال ٹھیک ہی تھا۔

"کک ... کسی نے ... نہیں۔" وہ ہکلا گیا۔

"دیکھو!" میں نے اُسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ جھوٹ نہ بولو۔ یہ خاتون بڑی خطرناک ہیں۔ ان کا شجرۂ نسب براہِ راست نادِر ڈیلے سے جاملتا ہے۔ اگر تم حقیقت اُگل دو تو میں ان کی طرف سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے رضوان!" رضیہ بھی بول پڑی "میں تمہارے الفاظ کا پاس کروں گی۔"

"کیا واقعی تم لوگ مجھے چھوڑ دو گے؟" غنڈے نے آستین سے اپنے خون آلود ہونٹ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں میرے الفاظ پر یقین کرنا چاہیے!" رضیہ پھر بول پڑی۔

"میں نے اپنے ساتھی کے الفاظ کا پاس کرنے کا عہد کیا ہے۔"
"تو پھر..." غنڈے نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "جتنا مجھے معلوم ہے، وہ تو میں تم لوگوں کو بتا ہی دوں گا۔"
"اب بتا بھی چکو۔" رضیہ نے شاید منہ بنا کر کہا تھا۔
"ہمیں اس کام کے لیے کوبرا نے تیار کیا تھا۔"
"کوبرا؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔
"ہاں۔" غنڈے نے سر ہلایا۔ "میرے ان تین ساتھیوں میں سے ایک کوبرا تھا۔ بغدادی کے علاقے میں تو بچہ بچہ کوبرا کے نام سے واقف ہے۔ کراچی پولیس کی بلیک لسٹ میں بھی اس کا یہی نام درج ہے۔"
"ٹھیک ہے۔" میں سر ہلا کر بولا۔ "میں نے بھی یہ نام سن رکھا ہے۔"
"کوبرا کو اس کام کے لیے بارہ ہزار روپے ملے تھے۔"
"کس کام کے لیے؟"
"ان کے اغوا کے لیے۔" غنڈے نے رضیہ کی طرف اشارہ کیا۔
"مجھے اغوا کر کے تم لوگ کہاں لے جاتے؟" رضیہ نے پوچھا۔
"کوبرا کے گھر۔"
"وہاں لے جانے کا مقصد؟"
"ایک ہفتے تک قید رکھنا۔"
"بس؟"
"کوبرا نے ہمیں اتنا ہی بتایا تھا۔"
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غنڈہ کوئی بات کہتے کہتے رک گیا ہو۔
"تم کوئی بات چھپا بھی رہے ہو!" میں اسے گھورتا ہوا بولا۔
"نن... نہیں تو۔"
"جھوٹ مت بولو!" میں نے ایک بار پھر اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔
"دراصل..." وہ ہچکچاتا ہوا بولا۔ "وہ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس کا بتانا ضروری ہو۔"
"غیر ضروری باتیں سننا ہماری ہابی ہے، تم اس کی پروا مت کرو۔"
"وہ... وہ... دراصل..."
"ہاں، ہاں! کہو! شاباش!" میں نے اسے بچوں کی طرح پچکارا۔
"ہم لوگوں کو تو کوبرا نے صرف دو دو ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بات بھی صاف صاف بتا دی تھی کہ وہ خود چھ ہزار رکھے گا۔ ہم لوگ دو دو ہزار کی خاطر یہ کام کرنے پر ہرگز آمادہ
نہ ہوتے لیکن..." وہ پھر خاموش ہو گیا۔
"بولتے رہو۔" میں غرایا۔
"دراصل... دراصل... ہم لوگوں کو
کہ... یہ ایک ہفتے تک ہمارے رحم و کرم پر ر
کیا تھا کہ وہ ان پر اکیلا قابض نہیں رہے گا۔"
"ویری گڈ!" میں نے چہک کر رضیہ
نے؟"
"سن لیا۔" وہ منہ بنا کر بولی۔
"لیکن تم نے ایک اہم بات تو بتائی
غنڈے کی طرف متوجہ ہو گیا اور وہ سوالیہ اندا
دیکھنے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "کوبرا کو اس
ہزار روپے کس سے ملے تھے؟"
"ابھی تو صرف چھ ہزار ملے تھے۔
بعد آج رات کو ملنا تھے۔"
"مگر کس سے؟"
"یہ بات کوبرا نے ہمیں نہیں بتائی تھی"
"یہی تو اہم ترین بات ہے۔"
"مجھے جو کچھ معلوم تھا، وہ میں نے بتا
"کیا خیال ہے!" میں نے رضیہ کی
رضیہ مجھ سے کچھ کہنے کی بجائے
"کوبرا کو باقی چھ ہزار آج رات کو کس وقت ا
"جس آدمی نے کوبرا کو اس کام کے
وہ خود ہی آج رات کو ساڑھے آٹھ بجے کر
"تمہیں یقین ہے؟"
"کوبرا نے ہم کو یہی بتایا تھا۔"
"کوبرا۔" میں منہ بنا کر بولا۔ "ساری
کے سر ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ اتنی معلومات بھی
نے مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
کچھ دیر بعد کار سوسائٹی کے اس
رضیہ کا قیام تھا۔ کار جب برآمدے کے سام
بھکشو نکل آئے۔ غنڈے نے پریشان نظر
اور پھر بولے بغیر نہ رہ سکا۔
"یہ تم لوگ مجھے کہاں لے آئے؟"
"اپنے گھر۔" رضیہ نے انجن بند کر
"تمہیں اب گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تمہا
اختیار نہیں کیا جائے گا۔"
میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر

سے بولا۔ "چلو اب تم بھی اتر آؤ میری جان!"
ہار رہا تھا لیکن اسے کار سے تو نکلنا ہی پڑا۔ میں نے اس
اس کی کلائی تھام لی کہ وہ کہیں بھاگ نہ نکلے۔ میں
ز ہلکی ہی رکھی تھی لیکن اس کے لیے پوری طرح تیار
سے کلائی چھڑا کر بھاگ نکلنے کی کوشش کرے
ال۔
بنگلے میں داخل ہوئے۔ غنڈہ بہت پریشان نظر
بھاگ نکلنے کی راہ نہیں مل سکی۔ دونوں بھکشو بھی
نظر آ رہے تھے۔ شاید رضیہ نے انہیں کچھ اشارہ

ر رضیہ نے تبتی زبان میں بھکشوؤں سے کچھ کہا اور
ولی۔ "یہ دونوں تم کو ایک کمرے میں پہنچا دیں گے۔
کہہ دیا ہے کہ تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔
تم یہاں مہمان رہو گے۔ اس کے بعد تم کو
جائے گا۔"
"
کوئی گنجائش نہیں ہے۔" رضیہ اس کی بات کاٹتی
بھکشوؤں سے کچھ کہا۔
بھکشو غنڈے کے دائیں بائیں پہنچ گئے۔
سے کہا "بہتری اسی میں ہے کہ تم مزاحمت
قسم کے بھکشو نہیں ہیں جو لڑائی بھڑائی سے
بہت سفاک پاؤ گے۔ ہاں اگر تم سکون سے رہے
ثابت ہوں گے۔"

بات سمجھ ہو یا نہ سمجھ ہو لیکن میری ہنسی کے جواب
ور سمجھا اور پھر ڈرائنگ روم سے چلا گیا۔
لے اور پینے میں دس پندرہ منٹ صرف کر
گھونٹ لے کر پیالی رکھ رہا تھا تو رضیہ مسکراتی
اس وقت ایک خوبصورت فراک اور شلوار
رہی تھی میری نظر اس کے سراپا کی
گئی۔
نے غنڈے کے بازو پکڑ لیے لیکن گرفت
ل تھی۔ وہ دونوں اسے لے کر اندر چلے

بیٹھو!" رضیہ نے مجھ سے کہا "میں کپڑے
بدل کر آؤں۔"
پر ڈھیر ہو گیا اور وہ اندر چلی گئی۔

اس غنڈے کو یہاں لانے کا سبب سمجھنا میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ رضیہ نے کیا سوچا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ آج رات کوبرا کے گھر جا کر اس شخص کا پتہ چلائے جس نے ان چاروں کو اس کے اغوا کے لیے مقرر کیا تھا۔ اب اگر اس غنڈے کو چھوڑ دیا جاتا تو وہ جا کر کوبرا کو ہوشیار کر دیتا۔
میں سوچ بچار میں ڈوبا ہوا تھا کہ رضیہ کا ملازم خصوصی زولا اندر آیا۔ وہ میرے لیے چائے لایا تھا۔
"تم چائے بنانے کے اسپیشلسٹ معلوم ہوتے ہو!" میں نے
"کیا دیکھ رہے ہو!" وہ ہنس کر بولی۔
"کچھ نہیں۔" میں نے جیسے چونک کر کہا۔ "لیکن اس وقت میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں گود میں لے کر ناچنا شروع کر دوں۔"
"بس؟ صرف اتنا ہی؟" اس نے عجیب سی نظروں سے
ری طرف دیکھا۔
"کیا مطلب!" میں الجھ کر اسے گھورنے لگا۔
"مطلب یہ کہ صرف اتنی سی بات کے لیے اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر بولی۔ "خیر چھوڑو اس ذکر کو۔ آؤ اب چلیں۔" وہ بیرونی دروازے کی طرف مڑی۔
میرا ذہن بدستور الجھا رہا۔ رضیہ کی وہ عجیب سی نظریں میرے لیے ایک خلش بن کر رہ گئی تھیں۔ مجھے ایک پل کے لیے یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کی نگاہوں نے مجھے بہت کچھ کر گزرنے کی دعوت دی ہو۔ نہ جانے وہ میرا وہم تھا یا حقیقت؟ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔
کار میں رضیہ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے بھی میں الجھا ہی رہا۔
"کہاں کھوئے ہوئے ہو؟" رضیہ بولی۔
میں اپنے خیالات سے چونکا اور پھر جلدی سے کہا۔ "آخر اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"
"جہاں جانے کے لیے تمہارے گھر سے روانہ ہوئے تھے لیکن بیچ میں گڑبڑ ہو گئی۔"
"یعنی صدر؟"
"ہاں۔"
"کیا آج رات کو تم کوبرا کے گھر پر دھاوا نہیں بولو گی؟"
"یقیناً بولوں گی۔"
"تو پھر تمہیں اس وقت یہ معلوم کرنے کی فکر ہونا چاہیے تھی کہ کوبرا کا گھر کہاں ہے۔"
"وہ مجھے معلوم ہو جائے گا۔"
"کیسے!"
"میں نے یہ کام اپنے آدمیوں کے سپرد کر دیا ہے۔ جب میں

اپنے گھر لوٹوں گی تو مجھے کوبرا کا پتہ مل جائے گا۔"

"اوہ!" میں نے شاید ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میں اِس غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا کہ تمہیں اِس سلسلے میں میرا تعاون درکار ہو گا۔"

"چھوٹے چھوٹے معاملات میں کسی کا تعاون حاصل کرنا مجھے کبھی بھی گوارا نہیں ہُوا۔ اِس وقت بھی میں تمہیں کسی جگہ لے جا رہی ہوں تو محض اِس خیال سے کہ تمہاری رفاقت مجھے اچھی لگنے لگی ہے۔"

"زہے نصیب!"

"کیا تمہیں میری رفاقت اچھی نہیں لگتی؟"

مجھے ایک بار پھر چونکنا پڑا۔ میں نے غور سے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن اُس کی قلبی کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکا۔ اُس کا صرف نصف چہرہ میرے سامنے تھا کیونکہ اُس کی نظر سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھی۔

"جواب نہیں دیا تم نے؟" رضیہ قدرے توقف سے بولی۔ اُس نے یہ سوال بھی میری طرف دیکھے بغیر کیا تھا۔

"رضیہ!" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے خلفشار میں مُبتلا کیے دے رہی ہو۔"

"کیوں!" شاید وہ مُسکرائی تھی۔

"بظاہر تو تمہاری باتیں بڑی سرسری سی ہیں لیکن تمہارا لہجہ انہیں بڑے عجیب معنی پہنا رہا ہے۔"

"تو تم اِن معانی کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟"

"رضی... رضو!" میرے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی۔

"تمہارے مُنہ سے... رضو بہت اچھا لگا۔" اُس نے اب بھی میری طرف نہیں دیکھا تھا۔

میں گُنگ ہو کر رہ گیا۔ رضیہ کی باتوں کے معانی بڑی وضاحت سے سامنے آگئے تھے مگر نہ جانے کیوں، میرا ذہن اُس وضاحت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ یہ بات مجھے بڑی عجیب معلوم ہو رہی تھی کہ رضیہ مجھے پسند کرنے لگی تھی۔ ویسے یہ احساس تھا بڑا خوشگوار! دل و دماغ پر نشہ طاری کر دینے کی قوت تھی اس میں! رضیہ کا شمار دُنیا کی حسین ترین لڑکیوں میں کیا جا سکتا تھا اور جب کوئی ایسی لڑکی مائل ہونے لگے تو قلب پر کیا گزرتی ہے؟ یہ کچھ اہلِ دل ہی جان سکتے ہیں۔

کار جب تک چلتی رہی، میں دُنیا و مافیہا سے بے خبر رہا۔ شاید اس دوران میں میرا ذہنی سفر ایک ایسے شبستاں کی طرف جاری تھا جہاں رنگ و نکہت کی عملداری تھی۔

کار جب رُکی تو میں خیالات کے بگولوں سے نکلا اور میں نے دیکھا کہ یہ صدر کا وہ اندرونی علاقہ تھا جہاں اینگلو انڈین لوگوں کی رہائش ہے۔

"آؤ!" رضیہ نے گاڑی سے اترتے

میں سحر زدگی کے سے عالم میں کار سے

ہی کھڑکیوں کے شیشے چڑھاتے اور دروا

پھر وہ مجھے لیے ہوئے ایک گلی میں داخل ہو گئ

تھام لیا تھا۔ اس کے لمس میں ایسی تپش تھی

ہُوا محسوس ہونے لگا۔

"ارے!" اچانک رضیہ ہنس کر بولی۔ "ب

سونگھ گیا؟"

"کیوں سونگھ گیا! اس کا تو میرے پا

لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اتنے زہریلے سا

سونگھا۔"

رضیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، پھر اس

تمہاری بذلہ سنجی اتنی فطری ہوتی ہے کہ جی چا

وں۔"

"اتنا غضب مت ڈھانا۔ میں پہلے

میری آواز شاید جذبات سے بوجھل تھی۔

سامنے سے ایک اینگلو انڈین جوڑا چلا

رضیہ سنجیدہ ہو گئی۔

"آخر ہم کہاں جا رہے ہیں، اب تو بتا

"منزل قریب آگئی ہے۔" رضیہ نے مخ

میں چُپ ہو گیا۔ ہمارا یہ پیدل سفر ک

جاری رہا۔ مختلف گلیوں سے گزر کر بالآخر

داخل ہوئی۔ بظاہر تو وہ عمارت رہائشی ہی

جب ایک طویل راہداری سے گزر کر میں نے

دروازے کے اندر قدم رکھا تو حیران رہ گیا

وہ کسی ریسٹورنٹ کا ایک دلکش ہال

قرینے سے لگی ہوئی تھیں اور سفید میز پوش

بڑے بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ دیواروں پر

تھیں۔ لوگ میزوں پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا

پی رہے تھے۔ میں نے یہ بات ایک ہی نظر

وہاں بیٹھی ہوئی عورتیں اور مرد، سبھی اینگلو

وہاں "غیر اینگلو انڈین" آتے ہی نہ ہوں اور

بیٹھے ہوئے لوگوں نے ہمیں بڑی عجیب سی نگا

ہمیں دیکھا بلکہ آپس میں بھی نہایت معنی خیز

"آؤ، دوسری طرف نکل چلیں۔" رضیہ ا

کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ اس کا انداز ا

اکثر آتی جاتی رہتی ہو جبکہ ظاہر ہے، ایسا

ابھی کراچی آئے دن ہی کتنے ہوئے تھے

نے تو اپنی نکیل اس کے ہاتھ میں دے ہی دی تھی لہٰذا

دم بڑھاتا رہا۔ ویسے یہ میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا

اُسے رضیہ کی مُراد کیا تھی۔ یہ مجھے اسی وقت معلوم

اُٹھا کر دُوسری طرف پہنچے۔

عمارت کی ٹیرس تھی۔ یہاں بھی میزیں لگی ہوئی تھیں

بیشتر غیر آباد تھیں۔ اِکا دُکا میزوں پر نوجوان جوڑے

اور اُن کے سامنے شراب کے جام رکھے ہوئے تھے۔

انہوں نے بھی ہماری طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

تھے اپنی ذات میں گُم!

پس منظر میں چند قدیم عمارتوں کے اوپری حصے

اس وقت شاید سُورج پر ابر چھا گیا تھا کیونکہ

دھندلی سی ہو گئی تھی۔

کر ایک ایسی میز پر جا بیٹھی جو ٹیرس کے سرے

جیسے ہی ہم بیٹھے، کوٹ پہنے اور "بو" لگائے

ہمارے قریب آگیا۔

"آؤ!" رضیہ نے ویٹر سے کہا۔

چاہا کچھ کہنا چاہا لیکن رضیہ نے ہاتھ اُٹھا کر

دیا۔ پھر جب ویٹر چلا گیا تو مجھ سے بولی۔ "کیا تم

؟"

عادی نہیں ہوں۔"

"کچھ ہرج؟"

اتفاق ہُوا ہے لیکن میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ

ل کی جائے۔"

خاطر سہی۔" وہ مُسکرائی۔

نے ہتھیار ڈال دیے۔

"ہے؟" رضیہ نے اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے

ان ہوں میرا خیال تھا کہ میں شہر کے سارے اچھے

واقف ہوں۔ عجیب بات ہے کہ اتنا اچھا بار

نے کی جگہ پر بنانے کی بجائے اتنا اندر بنایا گیا

ابھی نہیں لگ سکتی۔"

چاہتے ہیں۔ یہاں صرف اینگلو انڈین آتے ہیں

کہ مقامی لوگ اِدھر کا رُخ نہ کریں۔ اِسی لیے

غیرہ بھی نہیں رکھا گیا ہے، تاہم کبھی کبھار کوئی

اس بھی آ ہی جاتا ہے۔"

ایسا کیوں چاہتے ہیں کہ یہاں مقامی لوگ نہ

اصل وجہ ہے تو مجھے اس کا علم نہیں۔ بظاہر

تو اس کا سبب تنگ نظری اور تعصب ہے۔ اگر یہ لوگ کھُل کر مقامی لوگوں پر پابندی عاید کر دیں تو ان کے خلاف محاذ قائم ہو جائے گا اور یہ لوگ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر نہیں رکھنا چاہتے ہوں گے۔ ویسے مجھے یہ شبہ ضرور ہے کہ شاید اینگلو انڈین لوگوں کے کسی خاص گروہ نے کوئی تنظیم قائم کر رکھی ہو اور اس جگہ کو انہوں نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا ہو۔"

"فری میسن؟" میرے مُنہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اِس کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بس ایک شبہ ہے مجھے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"لیکن ہم لوگ یہاں کیوں آئے ہیں؟ اب تو بتا دو!"

"دوپہر کو ایک خاص وقت پر ایک شخص یہاں آیا کرتا ہے اور لنچ یہیں کرتا ہے۔ وہ ایک ڈاکٹر ہے اور نسلاً اینگلو انڈین ہی ہے۔ اُس کی آمد میں ابھی پون گھنٹہ باقی ہے۔ اتنی دیر میں ہم شیمپین کا ایک ایک گلاس پی لیں گے اور پھر ڈائننگ ہال میں جا کر کھانے کا آرڈر دیں گے۔ اِسی اثنا میں وہ بھی یہاں پہنچ جائے گا۔"

"اِس کے بعد؟"

"اِس کے بعد میں یہ دیکھوں گی کہ مجھے یہاں دیکھ کر اُس کے چہرے پر کِس قسم کے تاثرات پیدا ہوتے ہیں۔"

"حُسن کو دیکھ کر تو ایک خاص ہی تاثر پیدا ہوتا ہے۔"

"میں اس تاثر کے علاوہ کچھ دیکھنا چاہتی ہوں۔"

ذرا دیر کے لیے ہماری گفتگو کا سلسلہ رُک گیا کیونکہ ویٹر ایک خوبصورت ٹرے میں شیمپین کے گلاس رکھے ہوئے ہمارے پاس آگیا تھا۔ اُس نے بڑے سلیقے سے گلاس ہمارے سامنے رکھے اور چلا گیا۔

شیمپین بڑی عُمدہ تھی۔ دو ہی گھونٹ لے کر میں اپنے بدن میں چستی محسوس کرنے لگا اور تین چوتھائی گلاس پینے کے بعد میرا جی چاہنے لگا کہ دُنیا کی ساری کثیف باتوں کو بھُول کر صرف رضیہ کے اسرار و رموز یاد کرنے لگوں۔ میں نے بہت عرصے بعد شراب کو مُنہ لگایا تھا، اِس لیے شیمپین کی اِس قلیل مقدار نے بھی مجھے مخمور کر دیا۔ مجھے یُوں محسوس ہونے لگا جیسے میرے سامنے رضیہ نہیں تھی بلکہ آسمان سے کوئی اپسرا اُتر آئی تھی۔

"رضو!" میں نے کانپتا ہُوا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

اُس نے اپنی گھنیری پلکیں اُٹھا کر کچھ ایسی تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھا کہ میں بے قابو ہو گیا۔ میں نے جذبات کی رَو میں بہہ کر اُس کے ہاتھ کو اتنی زور سے دبایا کہ اُس کے مُنہ سے سِسکاری نکل گئی لیکن اُس کے ہونٹوں سے کوئی ایسا لفظ نہیں چھوٹا جو احتجاج کی غمازی کرتا۔ سِسکاری لینے کے بعد وہ مُسکرا کر رہ گئی تھی۔

"رفو!" میری آواز شاید بھرائی ہوئی تھی "میرا خیال ہے کہ تمہیں دیکھنے کے بعد میں اپنے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔"

"میں اپنے آپ کو یہ دھوکا دے رہا تھا کہ تم مجھے اتنی اچھی نہیں لگی ہو کہ میں تم سے محبت کرنے لگوں۔"

"اب کیا خیال ہے؟" وہ مُسکرا رہی تھی۔

"اب... اب..." میں بڑبڑایا۔ شاید میرے جذبات کی شدت سے الفاظ ٹوٹ جاتے گئے اس لیے زبان سے کچھ نہ کہلوا دیتا۔ میں نے گلاس اُٹھایا اور شیمپین کی باقی ایک چوتھائی مقدار بھی حلق سے اُتار گیا۔

رفیہ نے اپنا گلاس اُٹھا کر بس ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور پھر سنجیدگی سے کہا۔ "اس ڈاکٹر کے آنے میں اب آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے۔"

"جہنم میں جھونکو اس ڈاکٹر کو!"

"یہ کیسے ممکن ہے؟ مت بھولو کہ ہمیں بانو کی تلاش ہے۔"

"کیا مطلب!" میں نے چونک کر کہا۔ "بانو سے اِس ڈاکٹر کا کیا تعلق؟"

"مجھے ایک شبہ ہے اور میں اِس کی تصدیق کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیسا شبہ؟"

رفیہ نے جواب دینے کی بجائے اپنی شیمپین کا گلاس اُٹھایا اور اسے ہونٹوں سے لگا کر خالی کر دیا، پھر کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "آؤ، اب ڈائننگ ہال میں چلیں۔"

بانو کا حوالہ ملنے سے میرا خمار کچھ کم ہو گیا تھا۔ میں سوچتا ہُوا اُٹھا اور رفیہ کے ساتھ ڈائننگ ہال میں پہنچ گیا۔

بار روم کی نسبت یہاں زیادہ لوگ تھے اور اس مرتبہ بھی انہوں نے ہمیں گھور گھور کر دیکھا تھا۔ رفیہ اُن لوگوں کی طرف سے بالکل لاپروا رہی اور اس نے ایک ایسی میز کا انتخاب کیا جو بیرونی دروازے کے بالکل سامنے تھی۔ ہر آنے والے کی نظر سب سے پہلے ہم ہی پر پڑتی۔

رفیہ نے ویٹر کو کھانے کا آرڈر دیا اور پھر مُسکرا کر دھیمی آواز میں مجھ سے بولی۔ "اب ہم صرف پیار و محبت کی باتیں کریں گے، ... وقتیکہ وہ نہ آجاتے۔"

"رفیہ!" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ "کہیں تم مجھے ... بے وقوف تو نہیں بنا رہی ہو؟"

"کس معاملے میں؟" وہ ہنس پڑی۔

"تجاہل نہ برتو! تم خوب سمجھ رہی ہو کہ میں ..."

"رضوان!" وہ سنجیدہ ہو گئی۔ "میں ... اس جذبے کو محبت کا نام دیا جا سکتا ہے ... کہوں گی کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ میں نے تمہیں ..."

"محبت اور کسے کہتے ہیں!"

"ہاں ہاں، ایک لحاظ سے اس کو محبت ... ویسے ایک محبت وہ بھی ہوتی ہے جسے طوفانی ... میرے خیال میں وہ محبت صرف اسی طرح ... جب محبوب، جُدا ہے۔ مِلاپ کے بعد وہ شدت ..."

رفیہ اتنی کم عُمری میں اتنی پکی، کھری ... باتیں کر رہی تھی کہ میں اس کا مُنہ تکتا رہ گیا ... خیالات پر تبصرہ کرنے کی بجائے خاموش رہنا ... کچھ دیر میں ویٹر ہمارے لیے کھانا لے ... بجتے ذہن کے ساتھ کھانے سے بھی الجھن ... مکمل کر رنگ آتی تھی۔ مجھے الجھن یہ تھی کہ میں ... کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں کوئی ایسی غلطی کر ... جو میرے مستقبل پر اثر انداز ہو سکے۔ میرا خیال ہے ... زندگی میں ذہنی طور پر اتنا سنجیدہ کبھی نہیں ... بہت قلیل وقت میں رفیہ نے مجھ پر جو دیا ... میں اپنے مستقبل پر اس کے اثرات کا جائزہ لے ...

رفیہ کھانے کے دوران میں بار بار ... دیکھ رہی تھی۔ اس کی وجہ سے میری توجہ بھی ... وقتاً فوقتاً دروازے کی طرف دیکھ لیتا تھا۔

"وہ آگیا!" اچانک رفیہ آہستہ سے بو...

میں نے بے اختیار دروازے کی طر... اُس طرف براہِ راست دیکھنے کی بجائے شاید ... رہی تھی۔

جو آدمی ڈائننگ ہال میں داخل ہُوا تھا ... خاصی بارُعب تھی۔ اُس کا رنگ بھی کسی عام ... زیادہ کالا نہیں تھا۔ کریم کلر سُوٹ میں اُس کی شخصیت ... قابلِ توجہ بن گئی تھی۔

وہ اندر آیا تو قدرتی طور پر اُس کی نظر ... پر پڑی اور میں نے اس کے چہرے کے تاثرات ... پیدا ہوتے ہوئے دیکھے۔ رفیہ کو دیکھ کر وہ جیسے ... جیسے ہی اُس کو یہ محسوس ہُوا کہ میں اس کی طرف ... نے جلدی سے اپنی نظر دُوسری طرف پھیر لی۔ اُس ... کر ساکت ہو گئے تھے، پھر حرکت میں آگئے ... طرف بڑھ رہا تھا لیکن اُس کی چال میں خود اعتماد...

... احساس ہُوا کہ مجھے براہِ راست اُس کی طرف ... میں نے جلدی سے اپنا سر جُھکا لیا اور کھانے ... میں سے بڑبڑایا۔ "وہ تو تمہیں دیکھ کر بہت ... تھا۔"

"... ہوں۔"

"... کے چونکنے سے کوئی نتیجہ اخذ کر لیا ہے؟"

"... شبہے کی تصدیق ہو گئی ہے۔"

"...؟"

"... یہ کہہ سکتی ہوں کہ باجی کو شیر بہادر ہی کے ... ہے۔"

... رفیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر کے چونکنے ... میں نہیں آسکا تھا۔

... نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کمانڈر حق تو ... رہا ہے۔"

"... ایسی جگہ پر رکھا گیا ہے جہاں کمانڈر حق ... ہو گی۔"

"... کی وجہ؟"

"... دیکھ کر اسی صُورت میں چونک سکتا ہے ... رہا ہو۔"

"... ہے لیکن وہ بانو کو کسی اور جگہ بھی دیکھ ... کا عِلم کیوں؟"

"... آتے جاتے دیکھا گیا ہے۔"

"... تم کس انداز میں سوچ رہی ہو؟"

"... واقف ہیں اس لیے عین ممکن ہے کہ باجی ... جا رہا ہو اور کسی کو مسلسل بے ہوش رکھنے ... تعاون ضروری ہے۔"

"... مان سکتا ہوں مگر ان پر سو فیصد ..."

"... یقین ہو گیا ہے کہ بانو وہیں ہیں۔"

... آواز میں کر رہے تھے کہ قریب ترین میز پر ... باتیں نہیں سُن سکتا تھا۔ ڈاکٹر ویلس کی ... میں نے دیکھا تھا کہ وہ ویٹر کو کھانے ... سے اپنا چہرہ صاف کر رہا تھا۔

... سے اپنے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پُوچھا۔ "اب ...؟"

... اس کے عقب میں تھا اس لیے وہ اُسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کے برخلاف میں ایسے زاویے سے بیٹھا تھا کہ ویلس کی نشست میرے سامنے تھی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے۔" میں نے ویلس پر ایک اُچٹتی سی نظر ڈال کر رفیہ کو جواب دیا اور پھر میں بھی نیپکن سے اپنے ہاتھ صاف کرنے لگا۔ میں نے اور رفیہ نے تقریباً ساتھ ہی ساتھ کھانا ختم کیا تھا۔

شیمپین کے اثرات اب میرے دماغ سے بالکل ختم ہو چکے تھے۔ میں اِس قابل ہو گیا تھا کہ غمِ جاناں کے علاوہ غمِ دوراں کی گردش سے بھی عُہدہ برآ ہو سکتا تھا۔

اچانک میں نے ڈاکٹر ویلس کو کُرسی سے اُٹھتے ہوئے دیکھا۔ رفیہ کے اشارے پر ویٹر بل لے آیا تھا۔ رفیہ اُس کی ادائیگی کر رہی تھی۔ اِس دوران میں میری نظر ویلس کی پُشت پر جمی رہی۔ ویلس کاؤنٹر پر کھڑا ہُوا تھا اور فون پر کسی کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

جب ویٹر چلا گیا تو میں نے رفیہ سے کہا۔ "ویلس کاؤنٹر کے فون پر کسی سے بات کر رہا ہے۔"

"اوہ!" رفیہ کسی سوچ میں پڑ گئی اور پھر اچانک کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "آؤ اب یہاں سے نکل چلیں۔"

"ایکدم سے کیا گھبراہٹ ہو گئی!" میں نے کہا لیکن کُرسی میں نے بھی چھوڑ دی تھی۔

"اب یہاں رُکنے سے کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔ جو مقصد تھا وہ حاصل ہو چکا۔" رفیہ نے جواب دیا۔

میں اس بات سے مطمئن نہیں ہو سکا تھا لیکن میں نے وہیں پر اس بحث کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

وہاں سے نکل کر گلی میں پہنچنے کے بعد رفیہ نے اپنی رفتار کو معمول سے کچھ زیادہ ہی تیز رکھا۔

"تم کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہی ہو!" میں اُسے گھورتا ہُوا بولا۔

"دراصل اُس کے فون کرنے سے میں اُلجھن میں پڑ گئی تھی۔ مجھے خدشہ ہو گیا تھا کہ شاید وہ کچھ خاص لوگوں کو بُلا کر اس بات کی کوشش کرے کہ ہم اس چہار دیواری سے نکلنے ہی نہ پائیں۔ میں کسی سے ڈرتی تو نہیں ہوں لیکن اِس وقت کسی ہنگامے میں نہیں اُلجھنا چاہتی تھی۔"

"اگر جلد ہی بانو نہ مل گئیں تو شاید تم پاگل ہو جاؤ گی۔" میں بڑبڑایا۔

"کیا مطلب! کیوں؟"

"جو باتیں قیاسات کی حد تک رہنا چاہئیں، اُن پر تمہیں اتنا یقین ہو گیا ہے جیسے کوئی خدا پر یقین رکھتا ہے۔"

"بہت جلد ثابت بھی ہو جائے گا کہ میرا یقین غلط نہیں تھا۔"

یہ باتیں کرتے ہوئے ہم دونوں کار تک پہنچ گئے۔ حسبِ سابق رضیہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور میں اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ انجن اسٹارٹ ہوا، کار حرکت میں آئی اور اس کی رفتار میں تیزی سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔

"آج کی رات بڑی اہم ہو گئی ہے۔" رضیہ نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

"وہ کیسے؟"

"کوبرا کے گھر پر بھی دھاوا بولنا ہے اور شیر بہادر کے گھر پر بھی!"

مجھے یہ بات بڑی مضحکہ خیز معلوم ہو رہی تھی کہ محض ڈاکر ڈویلس کے چونکنے سے رضیہ نے شیر بہادر کے گھر میں بانو کی موجودگی کا یقین کر لیا تھا لیکن میں نے رضیہ کے اس اندازِ فکر پر مزید کوئی تبصرہ کرنے سے گریز ہی کیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی، پھر رضیہ نے کہا۔ "میں اب گھر جا کر آرام کروں گی تاکہ رات کی دونوں مہمیں سر کرنے کے لیے تازہ دم ہو جاؤں اور ممکن ہو تو ابھی سے کوئی لائحہ عمل مرتب کر لوں۔"

"تو پھر مجھے یہیں اتار دو۔ میں ٹیکسی کر کے گھر چلا جاؤں گا۔ ممکن ہے کسی سلسلے میں رؤف یا کمانڈر حق مجھ سے رابطہ قائم کریں۔ وہ لوگ بھی تو بانو ہی کی تلاش میں ہیں۔ شاید انہیں کوئی خاص بات معلوم ہو گئی ہو۔"

"ہاں، ہو تو سکتا ہے لیکن ٹیکسی کی کیا ضرورت ہے! میں تمہارے گھر پر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رضیہ مجھے برنس روڈ پر چھوڑ کر چلی گئی۔

میں نے اپنے فلیٹ کا قفل کھولنے سے پہلے لیٹر بکس دیکھا لیکن آج کوئی خط نہیں آیا تھا۔ میں کپڑے تبدیل کر کے اپنے بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ مجھے کچھ تھکن سی ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی چاہتا تھا کہ آرام سے لیٹ کر آج کے تمام حالات کا جائزہ لوں۔ آج کے حالات دو قسم کے تھے۔ غمِ جاناں و غمِ دوراں!

رضیہ کے اظہارِ محبت نے مجھے کسی حد تک نروس کر رکھا تھا۔ مجھے یہ یقین کرنے میں تامل ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگی تھی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرے جذبات پوری طرح شعلے دینے لگے تھے۔ رضیہ میرے حواس پر چھا چکی تھی اور میں حیران تھا کہ اچانک یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟

رضیہ! رضیہ! رضیہ!

میرے تصور میں اس کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ میں کوشش کے باوجود اس کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک کر دوسری باتوں پر غور نہیں کر سکا۔

رضیہ کا تصور اتنا خوابناک تھا کہ میرا وجود رنگا رنگ سپنوں میں ڈوبتا ابھرتا ر

گھنٹی کی آواز سے میری آنکھ کھل

کی طرف بڑھا لیکن ریسیور اٹھانے سے کہ وہ ٹیلیفون کی گھنٹی نہیں تھی بلکہ کوئی کا

میں غنودگی کے سے عالم میں اٹھا دروازہ کھول دیا۔ میرے سامنے رضیہ کھڑی تھ

"تم!" میرے منہ سے بے ساختہ

"کیوں!" وہ مسکراتی ہوئی اندر آ گ ناگوار گزری ہے؟"

"نہیں، دراصل اس وقت تمہاری آ تھی۔ تم نے کہا تھا کہ شام تک اپنے گھر ہو

"میں آرام کر ہی نہیں سکی۔"

"کیوں!"

رضیہ نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا صوفے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب وہ صوفے پر جا بیٹھا اور استفہامیہ نظروں سے اس کی

"رضوان!" وہ بڑے جذباتی سے ا ہوئی بولی۔ "اب میں تمہارے بغیر ایک منٹ بھ

میں گم ہو کر اس کی طرف دیکھتا میں فخر و انبساط کی لہریں دوڑنے لگی تھیں لڑکیوں میں سے ایک لڑکی مجھ سے یہ کہہ بغیر ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتی۔

"رضو!" میں نے بھرائی ہوئی آواز کے تم مجھے پاگل کر دو گی۔"

"پاگل کر دینے والی حقیقت کو تم رضوان!" اس نے مغموم سے لہجے میں کہا۔ نہیں ہے۔"

"کس کا علم نہیں ہے؟"

"اس کرب کا جس سے میں گزر رہ

"مجھے بتاؤ رضو!" میں نے بڑے ا کا ہاتھ تھام لیا۔ "میں تمہارے دکھ بانٹنے

"رضوان!" وہ بولی۔ "مجھے باجی کی تلا میں کراچی سے نہیں جا سکتی لیکن تم تو جا

"کیا مطلب!"

"تم کچھ عرصے کے لیے کراچی سے چ ملک ہی چھوڑ دو۔"

"ا
طرح ہم دونوں ایک دوسرے کو بھول جائیں۔"
ل جائیں!" میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ
الا۔

ہمارے حق میں یہی بہتر ہے۔"

یں باتیں نہ کرو۔"

ہ ہے رضوان! ہمارا ملاپ ممکن نہیں۔"

بات ناممکن نہیں۔"

بدل گئے ہو۔ یہ دنیا تو ناممکنات سے

ملاپ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ تم ایک انسان

ایک... میں..."

میں نے جنون کے عالم میں اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

ن نہیں ہوں۔"

میں اسے گھورنے لگا۔

م ں۔ برازیل کا روایتی پرندہ سابیری جو کبھی

آ جاتا ہے۔"

میں غصیلی آواز میں بولا۔ "میں خواہ مخواہ ہی

گیا۔ تم مجھے بے وقوف بنانے آئی ہو۔"

وقوف بنانے نہیں آئی ہوں رضوان! میں

کرو۔ اچھا خاصا رومانی موڈ چوپٹ کر

ل رہو رضوان!" وہ اضطراب میں پہلو بدل کر

ابھی سابیری ہیں۔ اسی لیے وہ مردوں کی

ری طرح وہ بھی شادی نہیں کر سکتیں۔"

زیادہ بور مت کرو!" میں نے چڑ کر

کی کوشش کرو رضوان! میں جو کچھ بھی کہہ

حقیقت پر مبنی ہے۔ میں صرف

پردہ اٹھا رہی ہوں جسے باجی نے

رکھا ہے۔"

ت سر تھام کر بیٹھ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں

ل باتوں کا بھوت کیوں سوار ہو گیا تھا۔

م، وہ سنجیدہ ہونے پر آمادہ نہیں تھی۔

سننا ہی پڑے گی رضوان!" رضیہ

سارا معاملہ کیا ہے۔ میرے ساتھ جو

ال۔ تبت کے بعض حصوں میں بسنے

والے لوگ بھی سابیری کو ایک عظیم دیوی کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں لیکن دنیا کے دوسرے علاقوں میں بسنے والے بعض بڑے لوگوں کی طرح تبت میں بھی ایسے بڑے لوگ مل جاتے ہیں جو عظیم دیویوں کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے چلے کھینچتے ہیں یا جادو جگاتے ہیں۔ رمپا کا شمار بھی انہی بڑے لوگوں میں کیا جا سکتا ہے۔ اس نے باجی کو قابو میں کرنے کا منتر کیا ہے۔"

میں سر تھامے ہوئے تو بیٹھا ہی تھا، اب میں نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ اس طرح میں رضیہ کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ وہ مجھے ان باتوں سے بے وقوف نہیں بنا سکتی۔

"تمہیں میری کہانی تو سننا ہی پڑے گی رضوان!" رضیہ نے اتنی زور زور سے بولنا شروع کر دیا کہ کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے کے باوجود اس کی آواز مجھے صاف سنائی دیتی رہی۔

"رمپا اپنا منتر پورا کر چکا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اب بس اتنی کسر رہ گئی ہے کہ باجی اس کے سامنے ہوں تو وہ ان پر پھونک مار دے۔ یہ اس کے منتر کا آخری مرحلہ ہو گا۔ اس کے طے ہوتے ہی باجی اس کے قابو میں چلی جائیں گی اور وہ جب تک زندہ رہے گا، اس کی کنیز بنی رہیں گی۔"

"بس اب تو چپ ہو جاؤ رضو!" میں اپنے کانوں سے انگلیاں نکال کر بھیک مانگنے والے انداز میں گھگھیایا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مرغ کی طرح بانگ دینے لگوں۔ اگر میرا تعلق فیری دز سنز سے ہوتا تو تمہاری یہ کہانی ضرور شائع کروا دیتا لیکن..."

"کیا تم کسی طرح بھی میری بات کا یقین نہیں کر سکتے؟"

رضیہ نے ایسے انداز میں کہا جیسے بڑی بے بسی محسوس کر رہی ہو۔ "اگر تم یقین کر لیتے تو ہمارے بہت کام آ سکتے تھے۔ بانو شدید خطرے میں ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہمیں قابو میں کرنے کے لیے منتر شروع کر دے تو اسے ہماری وہ طاقت بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی جسے تم مافوق الفطرت کہتے ہو۔ اب اس سے نمٹنے کا واحد ذریعہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ کوئی انسان ہماری مدد کرے اور رمپا کو ختم کر دے۔"

"اب اس کا وقت گزر چکا ہے سابیری!" ایک گونجیلی آواز سن کر میں اور رضیہ اچھل پڑے۔

رمپا دروازے پر کھڑا ہوا تھا اور اس کے ہونٹوں پر بڑی خوفناک مسکراہٹ رقصاں تھی۔ مجھے فوراً یاد آ گیا کہ رضیہ کی آمد کے بعد میں دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔

"رمپا!" رضیہ گرجی۔

"مجھ سے اتنی بلند آواز میں بات کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔"

رُمپانے اسے گھورتے ہوئے کہا "میں تمہیں بھی اپنے قابو میں کرنے کا منتر مکمل کر چکا ہوں۔ اب صرف تم پر پھونکنے کی دیر ہے۔ تمہیں قابو میں کرنے کے بعد میں دُوسری کا بھی پتہ چلالوں گا۔" رُمپانے اپنی بات ختم کر کے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

میں نے دیکھا کہ رضیہ کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔ ایک لمحے میں ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے اُس کے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ نچڑ گیا ہو۔ وہ بالکل سفید پڑ گئی تھی اور اس کا جسم ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔

رُمپانے ایک قدم بڑھایا۔

"رضوان! مجھے بچاؤ رضوان!" رضیہ کی آواز مجھے بہت دُور سے آتی محسوس ہوئی۔

"اب تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔" رُمپانے بڑی نخوت سے کہا۔

میں حیران و پریشان کھڑا تھا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ کیا وہ ساری باتیں دُرست تھیں جو رضیہ نے مجھے بتائی تھیں؟

میں دیکھ رہا تھا کہ رضیہ سر سے پیر تک کانپ رہی تھی، کسی خشک پتے کی طرح لرز رہی تھی۔

رُمپا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں جلدی جلدی کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ پھر اس نے ایسا مُنہ بنایا جیسے رضیہ پر پھونک مارنے والا ہو۔

"نہیں!" رضیہ بڑی زور سے چیخی اور دہشت سے اس کی آنکھیں پھیلتی ہی چلی گئیں۔

رُمپا پھونک مار چکا تھا۔

میں نے ایک ناقابلِ یقین منظر دیکھا۔

رضیہ اس طرح غائب ہو گئی تھی جیسے فضا میں تحلیل ہو گئی ہو اور اس کی جگہ ایک عجیب و غریب قسم کا پرندہ نظر آنے لگا تھا۔ وہ پر پھڑپھڑاتا ہُوا رُمپا کے کندھے پر جا بیٹھا۔

"سابیری!" رُمپانے بڑے پیار سے کہتے ہوئے اس کی پُشت پر ہاتھ پھیرا۔ وہ اتنا خوش اور پُرجوش نظر آ رہا تھا جیسے اُسے سارے جہاں کی دولت مِل گئی ہو۔

اِدھر میری یہ حالت تھی کہ کھڑا نہیں رہا جا رہا تھا۔ ٹانگوں سے جیسے جان ہی نکل گئی تھی۔

"ہوں!" رُمپا مجھے گھورتا ہُوا غرّایا "تو تم سابیری کے عاشق ہو؟ تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی اور وہ سزا میں تمہیں سابیری ہی سے دلواؤں گا۔"

میں اس صدمے سے نڈھال ہو چکا تھا کہ رضیہ کوئی فانی عورت نہیں تھی اور وہ جو بھی تھی، اب شیطان کے قبضے میں جا چکی تھی۔

"سابیری!" رُمپانے تحکمانہ لہجے میں کہا "اِس شخص کی دونوں آنکھیں نکال دے۔"

پرندے نے اپنے سَر کو عجیب سے اندا
طرف دیکھا اور اس کے پَر کھل گئے۔ وہ
تیر کی طرح میری طرف آیا۔ میں گھبرا کر پیچھے
چہرے کے سامنے کر لیے۔ میں اپنے ہاتھوں
دینا چاہتا تھا لیکن مجھے اپنی اس کوشش
پرندے کی تیز چونچ میری دائیں آنکھ میں
سے میری چیخ نکل گئی۔

چیخ کے ساتھ ہی میری آنکھ بھی کُھل
اپنے بستر پر پڑا ہُوا تھا۔

خواب تھا، جو کچھ بھی دیکھا
قارئین! میں نے ننگے ہاتھوں
ہے۔ اگر آپ بور ہوتے ہوں تو میں معذر
لیکن یہ مذاق، محض ایک مذاق نہیں
واقعی دیکھا تھا اور بالکل اسی طرح دیکھا
ہے۔ دراصل وہ سب میرے اپنے خیالا
کی صورت، میری آنکھوں میں در آئے
شخصیتوں نے مجھے اِس بُری طرح اُلجھا
خیالات میرے ذہن میں چکراتے رہتے
ایک مافوق الفطرت دُنیا تشکیل پانے
ہوتا رہتا تھا کہ عنقریب کوئی ماورائی
میری ذہنی سوچ بالآخر ایک خواب میں
خواب کا آغاز کال بیل سے ہُوا تھا۔
خواب نہیں ہیں۔

رضیہ کو اسی شام میرے پاس آنا
مُہمیں سَر کرنا تھیں۔ کوبرا کے گھر پر
گھر میں بانو کی تلاش کرنا تھی۔

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ پانچ
دیر سو لیا تھا۔ میں بستر سے اُٹھا اور
بارے میں سوچتا ہُوا غسل خانے میں جا گھسا
جب میں غسل کر کے نکلا تو
"کیا آپ اپنے گھر پر ہی ہیں؟"
"تو کیا تمہارے خیال کے مطابق
ہوں؟"

"میرا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ کہیں
ہوں تو میں آ جاؤں!"

"آ جاؤ۔ میں ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹہ
لگا۔"

"میں فوراً آ رہی ہوں۔" دُوسری

آواز سُنائی دی۔
کرنے میں بیس منٹ لگے تھے اور میں اس دوران
ے دُرست ہو کر چائے بھی بنا چکا تھا۔ جب غزالہ
ڑا ہی ایک پیالی اسے پیش کر دی اور دوسری خود

" غزالہ نے مسکرا کر کہا اور ایک چھوٹی سی چُسکی لی۔
سرگرمیاں کہاں تک پہنچیں؟" میں نے پوچھا۔
ہی ٹھپ ہو گئی ہیں۔"

"
حال تھا کہ میں نومی کو آہستہ آہستہ اپنے جال میں پھنسا
ب وہ نہ جانے کب تک میری دسترس سے دُور ہی

"
میں اُس کے گھر گئی تو پتہ چلا کہ اچانک اس کی طبیعت
ب ہو گئی ہے۔ اتنی خراب کہ اُسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ
ا لیکن شیر بہادر نے اسے پسند نہیں کیا۔ اب سارے
انتظام بست گھر ہی پر کیا گیا ہے۔"
اچانک ہو کیا گیا؟"
الک ختم ہو گیا ہے۔ اسے آج صبح کئی بار تے ہوئی
سانس اکھڑنے لگی۔ اب اسے گلوکوز اور آکسیجن
۔ اس کے جسم میں نمک کا توازن برقرار رکھنے کی
ا جا رہی ہیں۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔"
ا تمہیں کس سے معلوم ہوئی تھیں؟"
بہادر سے۔"
ا تو نہیں کہ کسی مصلحت سے یہ ڈرامہ کھیلا جا رہا ہو!"
ڈرامہ ہے تو بہت جاندار ہے کیونکہ میں نے نومی کے
دیکھا بھی تھا۔ اسے واقعی گلوکوز اور آکسیجن
اور اس کی سانس بہت اُکھڑی ہوئی تھی۔ دو نرسیں
موجود تھیں۔"
نے والا ڈاکٹر کون ہے؟"
اکٹر نظامی ہی ہے۔ وہی جس کے پاس نومی مجھے لے

اکٹر نظامی ہی ہے۔" میں نے غزالہ کا جملہ دُہرایا۔
اکوئی دُوسرا بھی ہے!"
ا ایک اینگلو انڈین ہے، ڈاکٹر ویلس۔"
" میرے مُنہ سے بے ساختہ نکلا۔
ہونے کی کیا بات ہے؟" غزالہ نے مجھے گھور کر

"ایک ڈاکٹر ویلس تو میرا دوست بھی ہے!" میں اپنے چونکنے کا سبب چھپانے کے لیے بولا "کیا اُس کے بائیں گال پر بڑا مسّا ہے؟ مگر تم نے اسے دیکھا ہی کب ہو گا۔"

"میں نے اُسے دیکھا تھا۔ جب میں وہاں سے لوٹ رہی تھی تو وہ وہاں پہنچا تھا۔ اس کے گال پر کوئی مسّا نہیں ہے۔"

"تو پھر وہ کوئی اور ہو گا۔"

"بانو کی تلاش میں تو تم لوگ بھی خاصے سرگرم ہو! تمہیں کوئی سُراغ مِلا؟"

"نہیں۔"

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ہے؟" میں نے صوفے سے اُٹھے بغیر بُلند آواز میں پوچھا۔

"ذرا سُنیے انکل!" باہر سے ایک بچے کی آواز سُنائی دی۔

میں نے اُس کی آواز پہچان لی۔ وہ اُوپر کی منزل کے ایک فلیٹ میں رہتا تھا اور بلڈنگ کا سب سے شرارتی بچّہ سمجھا جاتا تھا۔

میں پیالی رکھ کر جلدی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا، بچے نے ایک لفافہ میری طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے بیٹے!" میں نے استعجاب کے عالم میں پوچھا۔

جواب میں بچے نے جو کچھ بتایا وہ خاصا سنسنی خیز تھا۔ اس کے بیان کے مطابق وہ نیچے فٹ پاتھ پر کھڑا ہُوا تھا کہ ایک کار اُس کے قریب آ کر رُکی۔ اُسے ایک عورت چلا رہی تھی۔ اس نے بچّے کو پانچ روپے کا ایک نوٹ دیا اور پھر وہ لفافہ دے کر بولی کہ یہ دُوسری منزل پر رہنے والے رضوان صاحب کو پہنچا دو۔

مجھے فوراً رضیہ کا خیال آیا۔ غالباً اسے غزالہ کی موجودگی کا علم ہو گیا ہو گا اس لیے اُس نے بذریعۂ خط کوئی اہم پیغام مجھے بھیجا تھا۔

"اچھّا بیٹے! بہت بہت شکریہ!" میں نے بچّے کا گال تھپتھپا کر اسے رُخصت کر دیا۔ جب میں مُڑا تو میں نے دیکھا کہ غزالہ دبے قدموں میرے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا ہے؟" وہ پوچھ بیٹھی۔

"میرا ایک پرائیویٹ خط ہے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا اور دروازہ بند کرنے لگا۔

"پرائیویٹ خط!" غزالہ نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"تم یہیں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔" میں نے اس سے کہا اور لفافے کو چاک کرتا ہُوا اندرونی کمرے میں چلا آیا۔

میں رضیہ کا خط غزالہ کے سامنے نہیں پڑھنا چاہتا تھا لیکن جب میں نے خط کھول کر دیکھا تو میرے اعصاب پر جیسے ایک بم پھٹ گیا۔ وہ خط رضیہ کا نہیں بلکہ بانو کا تھا۔

صبیحہ بانو کا خط، رضوان کے نام! اس میں لکھا تھا۔

"رضوان! بہتر ہوگا کہ تم لوگ میری تلاش میں سرگرداں نہ رہو۔ میں جہاں بھی ہوں، خیریت سے ہوں۔ بعض خطرات کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں روپوش ہو جاؤں۔ غالباً ایک ہفتے کے اندر اندر میں حالات کو اس حد تک اپنے قابو میں کر لوں گی کہ پھر روپوش رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اچھا، خدا حافظ! رضیہ کو پیار!

صبیحہ بانو

میں ہرگز یہ نہیں کہوں گا کہ بانو کا خط دیکھ کر میری جو کیفیت ہوئی، اُسے بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں! اس کے برعکس میرے پاس بہت سے الفاظ ہیں جو میں ابھی لکھوں گا۔

جب بھی میں افسانوں اور کہانیوں میں مُصنّفین کی بے بسی کا یہ اظہار پڑھتا ہوں تو مجھے بے حد غُصّہ آتا ہے۔ ارے بھئی اگر ایک کیفیت کو بیان کرنے کے لیے بھی تمہارے پاس الفاظ نہیں ہیں تو جا کر دہی بڑے کی دوکان لگاؤ، ہمیں بور کرنے کے لیے قلمکار کیوں بن بیٹھے ہو۔ ہر چند کہ میں قلمکار نہیں ہوں لیکن میں اپنی ہر کیفیت کو بیان کرنے پر نہایت تسلی بخش طور پر قادر ہوں۔

بانو کا وہ خط دیکھ کر ذرا دیر کے لیے مجھے سکتہ ہو گیا تھا۔ پھر سکتے کی اس کیفیت میں بتدریج کمی کے ساتھ میرے دل کی دھڑکنوں میں بتدریج اضافہ ہُوا۔ وہ اضافی دھڑکنیں، خوشی کا ردِعمل تھیں۔ بانو کسی کی قید میں نہیں ہیں اور ہمیشہ کی طرح فعال ہیں، یہ احساس میرے لیے اتنا "طاقت بخش" تھا کہ کسی حکیم کی نقرئی گولیاں بھی اتنی مقوی نہیں ہوں گی۔ میرے بدن میں شرارے سے لپکنے لگے تھے اور... اور... قارئین! مجھے اجازت دیجیے کہ ذرا سی شاعری کروں۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے شفق کے رنگ کچھ اور گہرے ہو گئے ہوں اور بہاریں کبڈی کھیلتی ہوئی میرے گھر کے آنگن میں در آئی ہوں۔ الّا ماشا اللہ!

میں بانو کے خط کو اپنی جیب میں ڈالتا ہُوا تیزی سے بیرونی کمرے میں آیا جہاں غزالہ صوفے پر بیٹھی ہوئی اپنے اچھے بھلے مُنہ کو بگاڑ رہی تھی۔

"پرائیویٹ خط پڑھ لیا آپ نے؟" اس نے پوچھا اور یہ اب مجھے یاد نہیں کہ وہ خشک لہجے میں بولی تھی یا تر لہجے میں۔ ویسے موقع محل کی مناسبت سے اس کو خشک ہی لہجے میں بولنا چاہیے تھا۔

"ہاں، پڑھ لیا۔" میں نے جواب دیا "ا ر ا بانو کو تلاش کرنے کی مُہم ترک کر دو۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ بانو نہ صرف خود خیریت سے ہ کی خیریت بھی نیک مطلوب ہے۔ رہ گیا دیدار ا ایک ہفتے بعد ہو سکے گا۔"

"کیا ان باتوں کا کوئی سر پیر بھی ہے؟" ا

"سر ہی سر، پیر ہی پیر۔" میں بہت مگن تھا میں اتنا خوش ہوں کہ اگر سر کے بل کھڑے ہونے ک میرے پیروں کو اس بات کی جسارت ہرگز نہ ہ

"یا اللہ!" غزالہ دونوں ہاتھوں سے ا

اُس خط میں کوئی طلسمی تحریر تھی جو آپ کے دماغ

میں نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ دراصل میں

دکھانا چاہتا تھا۔ میں وہ خط غزالہ کو ضرور دکھا ا کا تذکرہ نہ ہوتا۔ رضیہ کی شخصیت ابھی تک ہوئی تھی اور میں رضیہ کے انداز سے سمجھ چکا راز ہی میں رکھنا چاہتی تھی۔

اِدھر میں رضیہ سے ملنے کے لیے ا غزالہ کی موجودگی کھلنے لگی تھی۔ رضیہ نے ر آتے گی لیکن میں اسے بانو کا خط دکھانے اُس تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اگر میں غزالہ کو ا کرتا تو یہ بداخلاقی ہوتی۔ خوش قسمتی سے الہ "اوٹ پٹانگ" باتوں سے بور ہو کر خود ہی جاتے ہی میں اپنی موٹر سائیکل سنبھال کر

رضیہ کے بارے میں سوچتے ہوئے یاد آیا تو میں موٹر سائیکل چلاتے ہوئے ا کر جب میں وہ خواب رضیہ کو سناؤں گا تو بہر حال اب ایک مخمور سا جذبہ

لے چکا تھا، بلکہ خم ٹھونک کر میدان میں آ گیا۔

ہم تو محبت کرنے
دُنیا سے نہیں ڈرنے

رضیہ جیسی لڑکی سے محبت نہ کرنا عشق اختیار کرنے ہی میں اب مجھے اپنی ن تو میں بانو سے بھی کرتا تھا اور اب بھی کرتا از قسم عقیدت ہے۔ اِسی قسم کی محبت سے جلتے ملتے ہیں لیکن رضیہ سے محبت کی ہے کہ اگر شدت اختیار کر لے تو اس

لیں سے جا ملتے ہیں۔

رضیہ کے گھر پہنچا تو وہ مجھے دیکھ کر حیرت سے

"!

بے حد حساب۔"

"!

نارہ آ گیا ہے۔"

ساری پہیلیاں ایک کاغذ پر لکھ کر دے دو تو میں لانے کی کوشش کروں گی۔"

یہ جواب اتنا چڑ کر دیا تھا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔

کی باتیں کر کے رضیہ کا اشتیاق بڑھانا چاہتا باتوں کا ردِعمل ذرا دوسرے انداز میں ہوا تو یا سمجھا کہ بانو کا خط جیب سے نکال کر رضیہ کے

کر رضیہ پر وہ ردِعمل نہیں ہُوا جس کی مجھے پیشانی پر ایک دلکش سی سلوٹ پڑ گئی اور پھر ہوتے سوالیہ انداز میں کہا "یہ خط ڈاک سے

جواب دیا۔

"وہ اچھل پڑی "یہ باجی نے خود تمہیں دیا ہے؟"

کے ایک بچے کے ہاتھ بھجوایا تھا۔"

زادہ سب کچھ بتا دیا جو میرے علم میں تھا۔

" وہ بڑبڑائی۔

ہوں کہ تمہیں بالکل خوشی نہیں ہوتی!" میں ہو گی۔

کا کیا پہلو ہے؟" وہ بولی۔

اب میں چڑ گیا "اس میں تو غم کا پہلو ہے بلکہ ہے۔ آؤ ہم دونوں مل کر ماتم کریں اور ارم کی طرف نکل جائیں۔"

تھا کہ رضیہ کو ہنسی آ گئی۔ ہنستی ہوئی بولی۔

ش نہیں کر رہے ہو۔"

سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں؟"

کی طرف ہے۔" رضیہ نے سنجیدگی سے

ر تمہاری بلڈنگ تک پہنچی تھیں تو

سکتی تھیں۔"

"!" میں تعجب سے بولا "کیا تمہارے خیال

"؟

جواب دینے کی بجائے خط پر نظریں گاڑ

دیں اور پھر آہستہ سے بولی "تحریر تو سو فیصد انہی کی ہے۔"

"پھر تم اس میں الجھاؤ کیوں پیدا کر رہی ہو؟"

"الجھاؤ تو پہلے ہی سے موجود ہے۔"

"مجھے تو نظر نہیں آتا۔"

"میں کہتی ہوں کہ جب باجی کو روپوش ہی رہنا تھا تو پھر انہوں نے یہ خط ڈاک سے کیوں نہیں بھیجا؟"

"وہ چاہتی ہوں گی کہ ان کی یہ ہدایت جلد از جلد ہم تک پہنچ جائے۔"

"لیکن جب وہ تمہاری بلڈنگ تک پہنچ گئیں تو روپوشی کہاں برقرار رہی؟"

"آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ مجھے اس خط پر شُبہ ہے۔"

اب میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ ڈالا اور بولا "ارے یہ تو بتاؤ کہ شُبہ کیا ہے؟"

"مجھے اس خط سے فریب کی بُو آ رہی ہے۔"

"یعنی اب بانو بھی ہم سے فریب کریں گی!"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

"یہ بھی نہیں کہا، وہ بھی نہیں کہا، تو پھر آخر کہا کیا ہے؟"

"یہ میں خود بھی نہیں جانتی کہ مجھے کیا محسوس ہو رہا ہے!" رضیہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اب میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا کہ تمہاری دماغی حالت پر شبہ کروں۔"

"مجھے سکون کی ضرورت ہے۔" رضیہ بڑبڑائی "اس خط نے میرے ذہن میں انتشار پیدا کر دیا ہے اور یہ انتشار فوری طور پر صرف شراب ہی سے ختم ہو سکتا ہے۔" وہ اچانک کھڑی ہو گئی۔ "آؤ!"

"کہاں آؤ؟" یہ پوچھتے ہوتے میں بھی کھڑا تو ہو ہی گیا تھا۔

"میرے کمرے میں۔" وہ بولی۔

"ک... کمرے... میں..." میری آواز حلق میں اٹکنے لگی۔

اس نے بڑی بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑا اور اندرونی دروازے کی طرف مُڑ گئی۔ اس کے گداز ہاتھ کا لمس پا کر میرا جسم اس طرح سنسنا اُٹھا جیسے انگاروں پر پانی کا چھینٹا پڑ گیا ہو۔ میں بالکل بے جان ہو کر رہ گیا اور اس کے ساتھ کھنچا چلا گیا۔

خوابگاہ میں پہنچ کر رضیہ نے مجھے ایک راکنگ چیئر پر بٹھایا اور خود کپ بورڈ کھول کر اس میں سے شراب کی بوتل نکالنے لگی۔ جب میں نے اُسے دو گلاس نکالتے دیکھا تو بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"رفقو!"
"ہوں" اس نے سر گھما کر میری طرف دیکھا۔
"مجھے مت پلاؤ!" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"کیوں؟"
"ڈر لگتا ہے"
"شراب سے؟"
"اپنے آپ سے"
"ارے!" اس کی ہنسی کھنک اٹھی۔ "بھلا کوئی اپنے آپ سے بھی ڈرتا ہے؟"
"بُرے بھلے کی تمیز جاتی رہے تو اپنے آپ سے بھی ڈرنا چاہیے۔"
"بکواس!" اس نے ایک ادا سے اپنا سر جھٹکا اور گلاسوں میں شراب انڈیلنے لگی۔
میں چُپ رہ گیا۔ رضیہ کی کسی بات کو سختی سے رد کرنا میرے اختیار سے باہر تھا۔ وہ شراب میں سوڈا ملا کر دونوں گلاس اٹھا لائی اور میرے قریب ہی دُوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ جب اس نے ایک گلاس میری طرف بڑھایا تو اس کے انداز میں ایسا حکم تھا کہ میں سرتابی کی جرأت نہیں کر سکا۔ میں نے گلاس لے لیا لیکن لیتے وقت میرے ہاتھ میں خفیف سی لرزش تھی۔
"تمہاری محبت کے نام" اس نے اپنا گلاس میرے گلاس سے ٹکراتے ہوئے کہا اور اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔
اس ماحول میں بانو کے خط کا خیال میرے ذہن سے نکل گیا کیونکہ اب میرے اعصاب و حواس پر رضیہ چھا چکی تھی۔
پہلے گلاس کے بعد دُوسرے گلاس کی باری بھی آئی۔ اس وقت مجھے اپنا وہ عجیب و غریب خواب یاد آیا اور میں ہنس پڑا۔
"خیریت؟" رضیہ بولی۔
"سابیری!" میں اس کی طرف شرارت سے دیکھتا ہُوا بولا۔ "تمہیں رمپا نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے"
"کیا دو ہی پیگ میں بہکنے لگے ہو؟" وہ مسکرائی۔
"مجھے اپنا ایک خواب یاد آ رہا ہے"
"کیا مجھے ہی دیکھ بیٹھے خواب میں؟"
"اب تمہارے علاوہ کسی کو اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ میرے خوابوں میں قدم رکھے" میں نے رضیہ کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"کیا خواب دیکھا تھا؟" اس نے پوچھا۔
میں نے اسے خواب سُنایا تو وہ بہت ہنسی "لیکن میں نے تمہاری ایک آنکھ بھی نکال لی!"
"آہ! کانا رضوان" میں نے ایک دلدوز آہ بھری۔

رضیہ کو اتنی زور سے ہنسی آئی کہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بڑی مشکل سے وہ خود پر قابو پا سکی پھر اپنی آنکھیں پونچھنے لگی۔
"معلوم ہوتا ہے تم نے یہ خواب گھڑ لیا ہے"
"نہیں رفقو! میں نے سچ مچ یہ خواب دیکھا ... رہا ہوتا تو تمہیں قسم کھا کر یقین دِلا دیتا"
"اس کا مطلب یہ ہُوا کہ تم نے ... کھا لیا تھا۔ ایسے بے ہنگم خواب بدہضمی ... مُسکراتی ہوئی بولی اور دونوں خالی گلاس اٹھا کر چلی گئی۔
وہ کے بعد اب تیسرا گلاس؟ ... چونکہ عادی نہیں تھا اس لیے دو ہی پیگ ... بہکنے لگا تھا۔ تیسرے پیگ کے بعد تو شاید ... سے میں خائف تھا۔
لیکن "حکمِ جاناں" کو رَد کرنے کی ... نے وہ تیسرا گلاس بھی خالی کر دیا اور اس ... تھا۔ میری سیدھی سچی سوچ کے قدم ڈگمگا ... کی دُنیا میں رضیہ اس طرح بے نقاب ہو ... میں ہلچل مچ گئی۔ میری نظروں میں اس کے ... جوش ملیح آبادی کے ایک گیت کے مصرعے ... ہونے لگے۔

.... جیسے ترکوں کی فوج
.... جیسے گدرے انار
جیسے ....

اور نہ جانے کیا کیا! میرے تنفس ... اتنا جوش بھر گیا کہ گلاس پر میری ... گئی۔ اگر وہ گلاس معمولی شیشے کا ہوتا تو ...
رضیہ نے مسکرا کر میری طرف ... کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی جو بنگلے کے ...
دِن اب ختم ہو رہا تھا۔ تاریکی ... میں دھندلکا پھیل چکا تھا لیکن میرے ... طلوع ہو رہے تھے۔ میری آنکھیں ... گئی تھیں۔
"رض... ضو!" میں نے لڑکھڑا ...
اس نے اپنے مخصوص انداز میں ... دیکھا، مسکرائی اور کوئی جواب دیے بغیر ...
میں نے گلاس تپائی پر پٹخا ...

... تھا۔ اس نے میرے قدموں کی آہٹیں ضرور سُنی ہوں ... وہ میری طرف نہیں مُڑی۔ میں اس کی پُشت ... میرے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر جم گئے۔
میں نے پھر اسے پکارا۔
... بدستور باہر دیکھتی رہی۔
تاہم مر جانے والے انداز میں اپنے ہونٹ اس ... اس کے بدن کی مہک میری مشامِ جاں ... پھر اس نے بھی اپنا سر اس طرح پیچھے ہٹایا جیسے ... میری یہ حالت ہو چکی تھی جیسے آفتابِ خرد ... میرا جی چاہ رہا تھا کہ جو کچھ بھی میری دسترس میں ہو ... ڈالوں، پھر نیچے اڑا دوں۔
... اچانک مجھے یوں محسوس ہُوا جیسے میرے ذہن ... "بس اتنا ہی ظرف ہے تیرا؟ شراب کے ... قعرِ مذلت میں گرنے پر آمادہ ہو گیا؟"
... سا پڑا۔
"... تجھے تو اپنے کردار پر بڑا ناز تھا لیکن آج ... جا رہا ہے"
"... یہ نہیں ہو سکتا"
"... رضوان!" رضیہ کی آواز سُنائی دی۔
... چونکا جیسے اب تک کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ ... کے شانوں سے ہاتھ ہٹا لیا اور مُڑ کر تیزی ... چلا گیا۔ میں نے دونوں کلائیاں دیوار ... پر ٹِکا دیا۔ میری سانسیں بہت تیزی ...

... مجھے قریب ہی سے رضیہ کی آواز سنائی ... شانے پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ ... بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میں تم سے درخواست ... کچھ دیر کے لیے تنہا چھوڑ دو .... پلیز!"

... میں چیخ پڑا۔
... اس کا ہاتھ ہٹ گیا اور قلیل سے وقفے ... کی آہٹیں سُنائی دیں جو دروازے کی طرف ... کھلنے اور بند ہونے کی آواز سُنائی دی۔ میں ... بھا رہا تھا۔ میں ڈگمگاتے قدموں سے اس ... اس پر اوندھا گر پڑا۔ میرا سر چکرا رہا تھا۔ ... مجھے بستر کسی ہنڈولے کی طرح متحرک ... آنے لگی اور پھر مجھے کچھ بھی یاد نہیں رہا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں تیز روشنی سے چندھیا گیا۔ آنکھیں پھر بند ہو گئیں۔ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ صبح ہو چکی ہے۔ اچانک جس طرح کوندا لپکتا ہے، مجھے ساری باتیں بھی یاد آ گئیں اور میں بوکھلا کر بستر سے اُٹھ گیا۔
کھلی ہوئی کھڑکی سے سُورج کی تیز روشنی اندر آ رہی تھی۔ دیوار گیر کلاک میں آٹھ بج کر کچھ منٹ ہو چکے تھے۔ کمرے میں میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ رضیہ غالباً کسی اور کمرے میں جا کر سو رہی تھی۔
میں بستر سے اٹھ کر راکنگ چیئر پر جا بیٹھا اور پشت گاہ سے سر ٹِکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ میرے مُنہ کا ذائقہ کچھ کسیلا سا ہو رہا تھا اور سر پر بوجھ کی سی کیفیت تھی۔ میں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا جو سونے میں بالکل پچک گیا تھا۔ میں نے اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور تین چار کش لینے کے بعد میرا دماغ کچھ ہلکا ہُوا۔ مجھے یاد آیا کہ رضیہ نے دو پروگرام بنائے تھے جن پر اُسے رات ہی کو عمل کرنا تھا۔ ایک تو کوبرا کے گھر پر یلغار کرنا تھی اور دوم شیر بہادر کے گھر پر دھاوا بولنا تھا۔
میں نے آنکھیں کھول دیں اور اُس وقت میری نظر تپائی پر پڑی جہاں شراب کے خالی گلاس رکھے ہوئے تھے۔ ایک گلاس کے نیچے ایک لفافہ دبا ہوا تھا لیکن اُسے اِس طرح دبایا گیا تھا کہ اس پر لکھا ہوا میرا نام نظر آ رہا ہے۔
اُس وقت استعجاب سے میری پیشانی ضرور شکن آلود ہوئی ہوگی۔ میں نے مضطربانہ انداز میں آگے جھک کر گلاس کے نیچے سے لفافہ نکالا اور اسے چاک کرنے لگا۔ رات کی ساری باتیں میرے ذہن میں چکرانے لگی تھیں۔
لفافے میں سے جو کاغذ نکلا، وہ میرے نام رضیہ کا خط تھا۔

جانِ رضوان!
میں آج بہت خوش ہوں۔ اتنی خوش ہوں کہ اپنی اس کیفیت کو چند لفظوں میں یا چند جملوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ میں نے تمہیں دیکھا اور پسند کر لیا لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہتی تھی کہ تم اندر سے کیسے ہو۔ تم سے مزید قریب ہونے کے لیے میں تمہارے اندر کے آدمی کو جاننا چاہتی تھی، سو میں نے ایسی حرکتیں کیں کہ تمہارے اندر کا آدمی کھل کر میرے سامنے آ جائے۔ شراب سے زیادہ مؤثر "نقاب کشا" چیز شاید اب تک نہیں بنی للذا میں نے بھی اسی کو آزمایا۔ تم ذرا دیر کے لیے بہکے تو ضرور لیکن سنبھل گئے۔ اس حد تک بہکنا ایک فطری بات تھی لیکن اگر تم بالکل ہی بے قابو ہو جاتے تو مجھے تم سے نفرت ہو جاتی۔ صد شکر کہ

ایسا نہیں ہوا اور میرا خزانۂ محبت محفوظ رہا۔ شاید میں تھوڑی سی شاعری کر گئی ہوں لیکن محبت میں اتنی شاعری تو غیر ارادی طور پر ہو جاتی ہے — ہے نا؟

جان!... رات کا ایک بج رہا ہے۔ تم اب تک سوئے ہوئے ہو اور میں کوبرا والے معاملے سے نپٹ کر آ چکی ہوں۔ اب مجھے شیر بہادر کے گھر پر دھاوا بولنا ہے۔ میں وہاں باجی کو تلاش کروں گی۔ میرے خیال کے مطابق باجی کو وہیں ہونا چاہیے — مجھے اس خط پر یقین نہیں جو تمہیں ملا تھا۔ شاید وہ خط باجی پر جبر کر کے لکھوایا گیا ہے۔

جان! میرا خیال ہے کہ میں صبح کا اُجالا پھیلنے سے پہلے پہلے شیر بہادر کے گھر سے نکل آؤں گی، خواہ مجھے کامیابی ہو یا ناکامی! اگر میں وقتِ مقررہ تک نہ لوٹ سکوں تو سمجھ لینا کہ میں کسی خطرے میں پھنس گئی۔

میں یہ خط اسی لیے لکھ رہی ہوں کہ اگر میں کسی مقام پر بے بس ہو جاؤں تو تم حرکت میں آ سکو اور تمہیں کوئی فیصلہ کرنے میں دقت نہ ہو۔

تمہاری، رضیہ

یہ خط میں نے بڑی تیزی سے پڑھ ڈالا۔ خط کے ابتدائی حصے نے مجھے مخمور کر دیا تھا لیکن بعد کے حصے نے بے چین کر دیا۔ نہ جانے رضیہ اب تک لوٹی تھی یا نہیں؟ میں کرسی سے کھڑا ہو گیا اور زور سے بولا۔

"ارے کوئی ہے؟"

مجھے فوری طور پر کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ میں بے چینی میں دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ راہداری میں نکل کر میں پھر چیخا۔ "کوئی ہے؟"

اب سامنے سے زولا آتا نظر آیا۔ رضیہ کا ملازم خصوصی!

"تمہاری مالکہ کہاں ہیں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"جناب! مجھے اردو نہیں آتی۔" وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بولا۔

"تمہاری مالکہ کہاں ہیں؟" میں نے اپنا سوال انگریزی میں دہرایا۔

"وہ تو رات سے نہیں ہیں۔"

"ابھی تک نہیں لوٹیں؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"جی نہیں۔" جواب ملا۔

میرا جسم سنسنا اٹھا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ رضیہ کا خدشہ رنگ لا کر رہا تھا اور وہ کسی چکر میں پھنس گئی تھی۔

"کیا آپ کے لیے ناشتہ لاؤں جناب!" زولا نے پوچھا۔

میں نے اپنے خیالات سے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "صرف چائے لا دو۔"

اس کے بعد میں کمرے میں لوٹ آیا۔ میں جس ہیجان میں مبتلا ہو گیا تھا، اس پر اب قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ضرورت ہی اِس امر کی تھی کہ نہایت غیر جذباتی انداز میں حالات کا سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھایا جائے۔ جذباتی اقدام کے بگڑنے کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔

میں نے منہ ہاتھ دھو کر تازگی حاصل کی، رضیہ کی بابت غور کرنے لگا۔ اس نے اپنے خط میں کل والے معاملے سے نپٹ آئی تھی۔ اس کا پُرسکون ا ثبوت تھا کہ اس نے کوبرا والے معاملے کو تسلی بخش ا اس کے بارے میں سوچتے ہوئے کوبرا کے اس ساتھی ا میں اور رضیہ پکڑ لائے تھے اور جسے رضیہ نے حوالے کر دیا تھا۔

"زولا!" میں نے آواز دی۔

جلد ہی زولا کمرے میں آگیا اور میں نے اس میں پوچھا۔

زولا نے جواب دیا۔ "مالکہ نے رات کو کو یہاں سے بھگا دیا تھا۔"

"ہوں! ٹھیک ہے، جاؤ!" میں نے معلوم کرنا تھا۔"

زولا کمرے سے چلا گیا۔

اب مجھے اس میں بالکل شبہ نہیں رہا کہ کو بہ حسن و خوبی نپٹا رہا تھا لیکن شیر بہادر کے گھر پھنس گئی تھی۔

چائے پی کر میں نے سگریٹ سلگائی سپرنٹنڈنٹ رؤف کو اس معاملے سے الگ منزل پر وہی میرے کام آسکتا تھا۔ کیا خوشگوار توقع نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ آپ نہیں تھے۔

فیصلہ کرنے کے بعد میں رؤف کی نے ہی والا تھا کہ زولا کمرے میں آیا اور بڑھاتا ہوا بولا۔ "یہ صاحب مالکہ سے ملنے"

کارڈ پر چھپے ہوئے نام کو دیکھ کر میں اچھلا رؤف کا وزیٹنگ کارڈ تھا۔

"اوہ!..." میرے منہ سے نکلا اور انہیں ٹال دیا:...

"میں نے انہیں بتایا تھا کہ مالکہ گھر نہ بات پر یقین نہیں آیا۔ انہوں نے میرے کہا کہ اگر مالکہ گھر پر نہیں ہیں تو یہ کارڈ دو۔"

"کیا!..." میں ایک بار پھر اچھل پڑا۔

"جی ہاں۔"

ذہن پریشان سا ہوتا محسوس ہوا۔ یہ بات کسی طرح بھی سمجھ کہ یہاں پر میری موجودگی کا علم رؤف کو کیسے ہو گیا؟

"بات کیا کہہ دوں؟" زولا نے پوچھا۔

نے توقف سے جواب دیا۔ "انہیں ڈرائنگ روم ہوں۔"

گیا۔

کے باوجود مجھے اس وقت یہ بڑا عجیب سا لگا کہ ایسی ہو گئی تھی جیسے میں ہی اس گھر کا مالک ہوں۔

حیثیت ایک بہت بڑے سوالیہ نشان کی طرح میرے تھی۔ جب ڈرائنگ روم میں پہنچنے کے لیے کمرے ہی پر رک گیا۔ میں ابھی تک یہ فیصلہ تو کر ہی نہیں سے کس انداز میں گفتگو کرنا چاہیے؟ جب میں گیا تو یہ نکتہ ذہن میں ابھرا کہ اس کا فیصلہ قبل از وقت سے گفتگو کے دوران ہی ہو۔ مجھے یہ فیصلہ کرنے بات کے جواب میں کیا کہوں اور کیا نہ کہوں!

ذہن کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا بات بھی دوچار ہونا پڑا کہ رؤف تنہا نہیں تھا اور شخصیت بھی موجود تھی۔ وہ کوئی سفید فام چالیس بیالیس سال کے لگ بھگ معلوم ہو

میرا خیال ہے کہ اس وقت میں کچھ چھپا رؤف نے مجھے رضیہ کے گھر پر پکڑا تھا۔

ان۔" رؤف نے غیر ملکی سے کہا اور پھر مجھ گلاسفورڈ ہیں، برطانیہ سے آئے ہیں۔" کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور بولا۔ "گلیڈ ٹو میٹ

نے کہا اور پھر سوالیہ نظروں سے رؤف کی طرف

اس بات کا بے حد افسوس ہے۔" رؤف نے چاہتا تھا کہ ہماری گفتگو گلاسفورڈ کی سمجھ

میں نے پوچھا۔

نے بانو کی تلاش کے سلسلے میں مجھ سے باتوں کو مجھ سے چھپاتے رہے۔"

کہہ کر چپ ہو گیا۔ مجھے ہمت نہیں ہو کر سکتا۔ اس نے جو کچھ کہا تھا، وہ درست

کہ میرا تعلق انٹیلی جنس سے ہے۔"

رؤف نے کہا۔ "اور انٹیلی جنس کے آدمی بے وقوف نہیں ہوتے۔"

"لاحول ولاقوۃ!" میں نے جھینپ کر کہا۔ "میں نے ہرگز آپ کو بے وقوف نہیں سمجھا تھا!"

"تو پھر آپ نے مجھ سے رازداری کیوں برتی؟ آپ کو سوچنا چاہیے تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح ان باتوں سے واقف ہو ہی جاؤں گا۔"

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کہوں!

رؤف بولتا رہا۔ "آپ کی اور مس رضیہ کی تمام سرگرمیاں میرے علم میں آتی رہی ہیں۔ ان سرگرمیوں کے بعض حصے غیر قانونی بھی تھے۔ مثال کے طور پر کوبرا کے ایک ساتھی کو قید کرنا۔ آپ کے رازداری برتنے کی وجہ سے میں جھلایا ہوا تھا اور اسی لیے میں نے سوچا تھا کہ اس جرم میں آپ لوگوں کو قانون کے شکنجے میں کس لوں لیکن مسٹر گلاسفورڈ نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا۔"

میں الجھی ہوئی نظروں سے گلاسفورڈ کی طرف دیکھنے لگا۔ ابھی تک رؤف نے اس برطانوی کا حدود اربعہ نہیں بتایا تھا۔

رؤف نے میری نظروں کا انداز سمجھ لیا اور بولا۔ "یہ تو میں بتا ہی چکا ہوں کہ مسٹر گلاسفورڈ برطانیہ سے آئے ہیں۔ اب یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ ان کی آمد سرکاری طور پر ہوئی ہے اور یہ اسی لیے آئے ہیں کہ بانو کو تلاش کر سکیں۔ مجھے وزارتِ خارجہ سے ہدایت ملی ہے کہ میں مسٹر گلاسفورڈ سے مکمل تعاون کروں۔"

میں نے حیرت سے منہ پھاڑ دیا۔ یہ بات تھی ہی حیرت انگیز۔ گلاسفورڈ سرکاری سطح پر صرف بانو کی تلاش کے سلسلے میں یہاں آیا تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ برطانوی حکومت کو بھی بانو سے دلچسپی تھی۔

بانو کی شخصیت کے گرد بنا ہوا پُراسرار جال آئے دن بڑا ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔ پہلے تو رضیہ اُن کی تلاش میں پاکستان آئی تھی۔ اس کے بعد رمپا اور اُس کا گروہ سامنے آیا تھا۔ اب ایک برطانوی بھی!

"مسٹر گلاسفورڈ!" میں حیرت سے بولا۔ "آپ کو بانو کی تلاش سے کیا دلچسپی ہے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکوں گا۔ یہ راز میرے اور آپ کے ملک کی وزارت ہائے خارجہ تک محدود ہے۔"

میں گلاسفورڈ کا منہ تکتا رہ گیا۔

"اور اب مسٹر رضوان!" رؤف بولا۔ "آپ مس رضیہ کو سمجھائیں کہ وہ مجھ سے چھپنے کی بجائے مجھ سے تعاون کریں۔"

"اگر چھپنے سے آپ کی مراد یہ ہے کہ وہ اس وقت بھی گھر میں موجود ہے اور آپ سے نہیں مل رہی ہے تو میں یہ کہوں گا کہ آپ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ رضیہ واقعی گھر میں نہیں ہے۔"

"رات کو نو بجے وہ کوبرا کے گھر سے نکلی تھیں اور اس کے بعد چونکہ گھر سے اُن کے نکلنے کا امکان نہیں تھا لہٰذا نگراں کو چھٹی دے دی گئی تھی۔ پھر آج صبح ساڑھے چھ بجے سے پھر اس گھر کی نگرانی کی جا رہی ہے اور اس وقت سے اب تک مس رضیہ کو یہاں سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔"

"رضیہ رات کو ایک بجے ہی گھر سے چلی گئی تھی اور اس کے بعد سے اب تک نہیں لوٹی۔" میں نے جواب دیا۔

رؤف مجھے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اُسے میری بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔" میں پھر بولا۔ "رضیہ رات ہی سے غائب ہے اور ابھی میں آپ ہی کے پاس آنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اس منزل پر آپ سے کوئی بات پوشیدہ رکھنا مناسب نہیں ہو سکتی۔"

"کون سی منزل؟" رؤف نے بے تابی سے پوچھا۔

ہم دونوں کی یہ گفتگو انگریزی ہی میں ہو رہی تھی لیکن گلاسفورڈ نے دخل اندازی نہیں کی، خاموشی سے ہماری باتیں سنتا رہا۔

"دراصل۔" میں نے رؤف کو بتانا شروع کیا۔ "بعض وجوہات کی بناء پر رضیہ کو یقین ہو گیا تھا کہ بانو کو شیر بہادر نے اپنے گھر میں قید کر رکھا ہے اس لیے کل رات اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ چوروں کی طرح شیر بہادر کے گھر میں داخل ہو گی اور وہاں کی تلاشی لے گی۔ میں خود بھی اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا اور کل شام اسی لیے یہاں آیا تھا کہ اُس کے ساتھ میں بھی اس مہم میں شریک رہوں گا لیکن صوفے پر لیٹے لیٹے مجھے نیند آ گئی اور پھر جب میری آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔"

آخری ٹکڑا میں نے گھڑ کر سنا دیا تھا کیونکہ شراب والی بات کسی قیمت پر بھی نہیں بتائی جا سکتی تھی۔ سانس لے کر میں دوبارہ بولا۔

"رضیہ مجھے اس مہم میں اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اسی لیے جب میں سو گیا تو اس نے موقع غنیمت جانا اور چپکے سے نکل گئی۔"

"شیر بہادر کے گھر!" رؤف کے لہجے میں تشویش تھی۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "اور ایک بار پھر یقین دلاتا ہوں کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

رؤف متفکرانہ انداز میں گلاسفورڈ کی طرف دیکھنے لگا۔

گلاسفورڈ بولا۔ "اب مزید ڈھیل نہیں دی جا سکتی مسٹر رؤف!"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" رؤف نے کہا۔

"شیر بہادر کے گھر پر ریڈ کیجیے!"

"کیا ابھی؟"

"بلا تاخیر!" گلاسفورڈ نے زور دے کر کہا اور پھر پوچھا۔ "سرچ وارنٹ حاصل کرنے میں کتنی دیر لگے گی؟"

"یہ تو پندرہ منٹ کا کام ہے لیکن تلاشی کا

"یہ سوچنا آپ کا کام ہے۔"

"سوچنا تو پڑے گا۔" رؤف بڑبڑایا۔ "

ہے اور غیر ملکیوں کے معاملے میں محتاط رہنا ضروری

سطح پر بحران پیدا ہو سکتا ہے۔"

"آپ کوئی متوازن راہ سوچ لیں اور

خود ہی کھڑا ہو گیا۔

مجبوراً رؤف کو بھی کھڑا ہونا پڑا اور

اُٹھ گیا۔

"مجھے آپ سے کچھ اور سوالات بھی کرنا

ان سوالوں کو پھر کسی وقت کے لیے اُٹھا رکھتا ہوں

"میں اب آپ سے مکمل تعاون کروں گا"

سے کہا۔

رؤف کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ

بات کا تھا کہ اب اُس سے تعاون کرنا میری مجبوری

میں ان دونوں کو چھوڑنے کے لیے

رؤف نے اپنی گاڑی میں بیٹھنے

دو گھنٹے بعد کہاں ہوں گے؟"

"میں اپنے گھر ہی پر ملوں گا۔"

میں نے رؤف کو یہ جواب دے تو دیا

ارادہ گھر پر رہنے کا نہیں تھا۔ میں فیصلہ کر چکا تھا

کے گھر پر ریڈ کیا جائے گا تو میں بھی وہیں موجود

کا پتہ چلنے کی فکر تو تھی ہی لیکن اب اس میں

گلاسفورڈ اور رؤف کے جانے کے

اس سے کہا۔ "میں جا رہا ہوں۔ وہ بدھ

"وہ عموماً اپنے کمرے ہی میں رہتے ہیں

میں نے سوچا کہ چلتے چلتے اُن سے مل لوں

کسی قسم کی بہتری نظر نہیں آئی لہٰذا میں بغیر

موٹر سائیکل کو تیزی سے برنس روڈ کی طرف

کے گھر کا رُخ کرنے سے پہلے اپنے گھر جا کر

تھا۔ رات کو سوتے میں میرے کپڑے

کام میں جتنا وقت لگتا، اتنا ہی وقت رؤف کو

کرنے میں لگتا۔

موٹر سائیکل چلاتے ہوئے بھی

ایک طرف رضیہ کی فکر لاحق تھی اور دوسری

سے بانو کا ہیولیٰ مزید پُر اسرار ہو چکا تھا۔

ذہن سے نکل چکا تھا کہ بانو کسی خطرے

...صرف روپوش ہیں۔ رضیہ بلاوجہ

...ت میں پھنسا بیٹھی تھی۔

...ت تبدیل کیے اور اسی دوران میں یہ

...کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں، رؤف

...کے بعد ریڈ کی تیاری بھی تو کرنا ہو گی!

...لے کے بعد میں تیزی سے شیر بہادر کے

...وہاں پہنچا تو سناٹا ہی نظر آیا۔ ابھی

...آگے ایک موڑ پر جا کر موٹر سائیکل

...ہو گیا جیسے کسی کا انتظار ہو۔

...انتظار کرنا پڑا اور پھر میں نے دیکھا

...گاڑیاں آ کر شیر بہادر کے گھر کے سامنے

...موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور آگے سے مڑ کر

...گھر کی طرف بڑھا۔

...نے بڑی تیزی سے شیر بہادر کے گھر

...پولیس کار پھاٹک میں داخل ہو رہی

...موٹر سائیکل کو کار کے پیچھے پیچھے بھگا

...تھا کہ رؤف کو میری آمد پر کوئی

...کے ملازمین میں افراتفری سی مچ گئی

...کے سامنے جا کر رُکی تو خود شیر بہادر

...چہرے پر الجھن کے آثار تھے لیکن

...ہوا تھا۔

...اور پولیس کے چند آدمی اُترے۔

...جب میں نے موٹر سائیکل روکی تو

...نظر ڈالی اور تیزی سے برآمدے

...نے فاصلے کے باوجود رؤف کو

..."آپ ہماری آمد سے پریشان تو ہوئے

...ایک اچھے شہری کی حیثیت سے

...سمجھا!" شیر بہادر بولا۔

...کھڑا کر کے برآمدے کی طرف بڑھ

...ایک خطرناک قاتل کی تلاش ہے جو

...بہادر حیرت سے بولا۔

...وقت دیوار سے اندر کودتے

...تعاقب میں تھی۔"

"یہ کیسے ممکن ہے!"

"پلیز! ہمیں اندر داخل ہونے کی اجازت دیجیے!" اس کو صرف اُس کے اظہارِ استعجاب کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ رضیہ نے قاتل کی گھر میں موجودگی آپ کے گھر کے کسی فرد کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔"

میں دل ہی دل میں بڈھے کی ذہانت کو داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اُس نے شیر بہادر کے گھر کی تلاشی لینے کے لیے بڑا اچھا بہانہ تراشا تھا۔ اب اگر مقصد کے حصول میں ناکامی ہو جاتی تو شیر بہادر کو پولیس کے خلاف کوئی ایکشن لینے کا جواز نہیں ملتا۔

یہ صورتِ حال ایسی تھی کہ شیر بہادر پولیس کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دینے پر مجبور ہو گیا۔

"کیا چکر ہے آفیسر!" میں قریب پہنچ کر رؤف سے بولا۔ "میں نے پولیس کی گاڑیوں کو یہاں رُکتے دیکھا...."

"تو خود بھی رک گیا۔" رؤف نے منہ بنا کر میری بات پوری کر دی اور پھر ترش لہجے میں بولا۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ اخباری نمائندے ہر وقت پولیس کے پیچھے پیچھے لگے رہیں؟"

"بالکل ضروری ہے جناب!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "یہ تو ہمارے فرائض میں داخل ہے۔"

ان مکالموں... سے میں نے اور رؤف نے شیر بہادر کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میں یہاں اتفاقاً پہنچ گیا ہوں۔

"میں آپ سے ایک درخواست کروں گا۔" شیر بہادر نے رؤف سے کہا۔ "زیادہ شور و غل نہ ہونے پائے۔ میری بچی کی طبیعت بہت خراب ہے۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔" رؤف نے کہا اور پھر اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے لگا۔

میں مضطرب تھا کہ دیکھیں اب پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے... ایسے شیر بہادر کے پریشان نہ ہونے سے مجھے یہ دھڑکا ہو گیا تھا کہ ریڈ ناکام رہے گا لیکن ایک امکان یہ بھی تھا کہ شیر بہادر ایک اچھا اداکار ہو اور اُس نے اپنی پریشانی کو چھپا لیا ہو۔

شیر بہادر کے گھر کی تلاشی شروع ہو گئی۔

جس کمرے میں لومی کو ٹریٹمنٹ دیا جا رہا تھا، پولیس والے وہاں بھی گئے۔ میں بھی شیر بہادر کی نظر بچا کر اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لومی کی حالت واقعی بہت ابتر تھی۔ اُسے آکسیجن اور گلوکوز دیا جا رہا تھا۔ کمرے میں اُس وقت صرف دو نرسیں تھیں، ڈاکٹر کوئی نہیں تھا۔

تلاشی لینے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا گیا لیکن ہوا وہی جس کا مجھے اندیشہ ہو گیا تھا۔ تلاشی ناکام رہی تھی۔

"حیرت ہے۔" رؤف شیر بہادر کے سامنے بڑبڑایا۔ "وہ قاتل

"رات کو ٹیں کے کئی آدمیوں نے دیوار پھلانگتے ہوئے دیکھا تھا"

بعد چونکہ گھر سے اُن ہمال آپ نے میرا خاصا وقت برباد کیا ہے"۔ شبیر بہادر
لی گئی تھی۔ پھر آج ہوئے انداز میں کہا "پریشانی الگ ہوئی۔ اُمید ہے کہ
جاری ہے اور آپ ہمیں مزید پریشان نہیں کریں گے۔"

شکست خوردگی کے احساس سے رؤف کا چہرہ مرجھا گیا
تھا پھر اُس نے جھلائے ہوئے انداز میں مجھ سے کہا "آخر آپ
ہمارے سر پر کیوں سوار ہیں؟"

میں سمجھ گیا کہ رؤف اب مجھے رخصت ہو جانے کا اشارہ
کر رہا ہے۔ میں نے اپنی موٹر سائیکل سنبھالی اور تیزی سے اپنے
گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ رؤف وہیں آ کر مجھ سے مل لیتا۔

مجھے شبیر بہادر کے گھر میں بانو کے ملنے کی اُمید تو نہیں تھی
لیکن میں اِس امکان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا کہ رضیہ وہیں
قید ہو گی۔ وہ شبیر بہادر ہی کے جال میں پھنس سکتی تھی کیونکہ اس
نے اِدھر ہی کا رُخ کیا تھا۔ کوبرا کے معاملے سے تو وہ پہلے
ہی نپٹ آئی تھی اور کوبرا والے معاملے کا علم رؤف کو
بھی تھا۔

میں اپنے فلیٹ میں پہنچ کر بے چینی سے رؤف کا انتظار
کرنے لگا۔ اُس سے صلاح مشورہ کر کے ہی یہ بات ممکن تھی کہ
رضیہ کو تلاش کرنے کے لیے کوئی راہ سوجھ سکتی۔ فی الحال تو مجھے اپنی
آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا اور دل میں ایک ایسی
کسک تھی جسے میں نے پہلے کبھی نہیں محسوس کیا تھا۔ یہ کسک اُس پیار
کی تھی جس کا اظہار رضیہ نے اپنے خط میں کیا تھا۔ شاید مرد پاگل
ہونے لگتا ہے اگر اُسے یہ احساس ہو جائے کہ کوئی خوبصورت
لڑکی اُسے چاہنے لگی ہے۔ یہ مرد کی کمزوری ہی سہی لیکن میرا خیال
ہے کہ یہ کمزوری لڑکیوں میں بھی ہوتی ہو گی۔ ایسی مخمور کن اور
دلکش کمزوری کو، کون بدبخت اپنے سینے سے لگانا پسند نہیں
کرے گا؟

مجھے ایک گھنٹے تک رؤف کا انتظار کرنا پڑا۔

جب وہ آیا تو اُسے دیکھ کر میں نے یوں محسوس کیا جیسے
اُس کے چہرے پر تفکرات کا دھندلکا پھیلا ہوا ہو۔

میں نے چائے دَم کر رکھی تھی۔ وہ آ گیا تو میں نے دو پیالیاں
بنائیں اور اُن میں سے ایک اُسے دی۔

"گلاسفورڈ اِس ریڈ کی ناکامی سے بہت مایوس ہوا ہے۔"
رؤف بولا۔

"آخر یہ گلاسفورڈ ہے کیا بلا؟"

"یہ تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ سکا۔ بس ایک شبہ سا ہے کہ
شاید اس کا تعلق برطانوی سیکرٹ سروس سے ہو۔"

میں غور سے اُس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوا اُس کی بات
کی گہرائی میں اترنے کی کوشش کرتا رہا۔

"اور اب مسٹر رضوان!" وہ مضبوط لہ
ہوں کہ آپ مجھے ان تمام باتوں سے آگاہ
میں ہیں۔"

"میں ابھی آپ کو سب کچھ بتا دے
پہلے آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ کل رات جب
تھی تو وہ وہاں کیا واقعات پیش آئے

"میں بھی آپ کو یہ بتا دوں گا لیکن
سے ہونی چاہیے۔" رؤف نے کسی قدر
"بہتر ہے۔" میں شاید اُس کا وہ
پھر ایک گھنٹے تک ہم دونوں میں
رہیں جن کا تعلق بانو یا رضیہ سے تھا۔
سمجھنے کی کوشش کرتا رہا اور میں نے
پوری ایمانداری برتی۔

آخر رؤف سگریٹ کے کش
میں ڈوب گیا۔ اب ساری باتیں اس کے
تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میں
جاننے کے لیے بے چین ہوں مسٹر
"وہ واقعہ آپ سے باتیں کرتے
"کیا مطلب!"
"کل میں نے جو کچھ دیکھا تھا
دکھا تھا لیکن اب ساری بات صاف
"یعنی؟"
"میں نے کوبرا کے گھر میں جن
سمجھ میں اس لیے نہیں آ سکی تھیں کہ
"اوہ!" میں نے چونک کر کہا۔
"ہاں، لیکن کل رات میں اس کا
گھر میں رضیہ اُس پر بہت گرجی برسی
اپنے گھر چلی گئی تھیں اور میرے وہ
گئے تھے۔ اس طرح مجھے پتہ چل گیا
اور بھی ہیں، نیز مجھے اُن کا ٹھکانہ
الجھن میں ڈالے رہی کہ تیتی سے
کیا تھی۔"

"ہوں!" میں نے ایک لمبی
سبب ہے کہ اُن غنڈوں کو رمیا ہی نے
"ماضی کی روشنی میں تو یہی

۔۔۔امڑانے لگا۔
پھر کو لالہ "آپ سے یہ مفصل گفتگو کرنے
۔۔۔ گئی۔"

"۔۔۔کا مثلث بڑا پُر اسرار بن گیا ہے۔"
۔۔۔ہو گیا!" میں نے کہا "آپ چوتھا
۔۔۔ہیں!"

۔۔۔ہیں۔ نہ سمجھ میں آنے والے اِس معمے
۔۔۔شامل ہے۔"
۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔

۔۔۔بارے میں بھی کچھ سوچا تھا؟"
۔۔۔ہاں!"

۔۔۔کر رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ
۔۔۔میں کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہیں

۔۔۔اِدھر اُدھر کی باتیں سوچنا بھی نہیں چاہئیں۔

۔۔۔لمبی دیر تک ہوتی رہی لیکن اس
۔۔۔نہیں پہنچا، ہم کوئی ایسی راہ منتخب نہ
۔۔۔آخر رؤف یہ کہہ کر اُٹھ گیا کہ اگر
۔۔۔ذہن میں کوئی خیال آیا تو وہ مجھ سے

۔۔۔ہونے لگی تھی لہٰذا میں نے رؤف کے
۔۔۔اُرخ کیا۔ ہر چند کہ میں رضیہ کے لیے
۔۔۔پریشان تو دُور ہو نہیں سکتی تھی۔
۔۔۔اچھا نہیں کر پائے رضیہ کا نعرہ
۔۔۔ہا تا۔
۔۔۔ایک چائے بھی پی اور ریسٹوران
۔۔۔بیٹھا رہا۔ گزشتہ رات کی وہ باتیں
۔۔۔تھیں جن کا علم مجھے رؤف سے ہوا
۔۔۔اُدھر رمیا سے جا ٹکرائی تھی۔ رمیا
۔۔۔اپنی مہم میں کامیاب ہوا یا نہیں؟
۔۔۔الی رقم بھی ادا کرتا لیکن وہاں رضیہ
۔۔۔یقیناً اس نے رمیا کو بہت بڑی

طرح لتا ڑا ہو گا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رضیہ اس کینہ پرور شخص کو صرف
لتاڑنے ہی پر کیوں اکتفا کر رہی ہے؟ میرے گھر پر بھی رضیہ نے
اُسے صرف وارننگ دے کر چھوڑ دیا تھا۔ آخر کیا وجہ تھی کہ رضیہ کو
اُس کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے گریز کرنا پڑ رہا تھا۔ رمیا
نے تو کوئی بھی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اُس نے رضیہ کو اغوا کرانے
کے لیے غنڈوں کا بھی تعاون حاصل کر لیا تھا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک خیال اُبھرا۔ کہیں ایسا تو نہیں
کہ رضیہ کی موجودہ گمشدگی میں رمیا ہی کا ہاتھ ہو۔ کوبرا کی ناکامی کے
بعد رمیا کوئی اور قدم بھی تو اٹھا سکتا تھا!

یہ خیالات میرے ذہن میں آئے تو میں نے موٹر سائیکل سنبھالی
اور نہایت تیزی سے میٹروپول ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں اس
حد تک جوش میں بھر گیا تھا کہ براہِ راست رمیا سے ٹکرا جانے کا
فیصلہ کرنے میں مجھے کوئی قباحت نہیں پیش آئی تھی۔ گو کہ میں ایک
مرتبہ رمیا کے آدمیوں سے بہت بُری طرح پٹ چکا تھا لیکن اب میں
کہوں گا کہ وہ ایک اتفاقی امر تھا۔ مجھے سنبھلنے کی مہلت ہی نہیں مل سکی
تھی اور وہ لوگ مجھ پر چھا گئے تھے ورنہ میں اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہوں۔
اگر میں ابتدا ہی سے دھول دھپے کے لیے آمادہ ہوتا تو وہ مجھے اتنی
آسانی سے نہ مار پاتے۔

میں نے ہوٹل پہنچ کر اُن جتنیوں کے بارے میں معلومات حاصل
کیں تو پتہ چلا کہ اُن لوگوں نے دو کمرے لے رکھے تھے۔ مجھے ان کمروں
کے نمبر بھی معلوم ہو گئے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی علم میں آیا کہ وہ سب
دوپہر کا کھانا کھا کر ہوٹل سے گئے تھے اور ابھی تک واپس نہیں
آئے تھے۔

مجھے یہ جان کر بڑی مایوسی ہوئی اور میں ڈائننگ ہال میں جا
بیٹھا۔ میں ان لوگوں کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔

دو گھنٹے انتظار میں گزر گئے لیکن وہ لوگ نہیں آئے۔ آخر میں
اُکتا کر وہاں سے اُٹھ گیا۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ رات کو پھر آؤں گا۔
روانہ ہونے سے قبل میں نے کاؤنٹر ہی سے رضیہ کی قیامگاہ فون کیا
اور زولا سے بات چیت کی۔ ایک موہوم سی اُمید تھی کہ شاید رضیہ
واپس پہنچ چکی ہو۔ زولا سے گفتگو کر کے جب یہ اُمید شکست ہو گئی
تو میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب میں رات تک اپنے گھر ہی
پر رہنا چاہتا تھا۔ ممکن تھا کہ رؤف کسی وقت مجھ سے رابطہ قائم کرتا۔

گھر پہنچ کر میں نے کپڑے تبدیل کیے اور بستر پر لیٹ کر ایک
بار پھر رضیہ کا خط پڑھنے لگا۔ خاص طور سے ابتدائی حصّہ!

پھر کسی لمحے میری پلکیں جھپک گئیں نہ صرف جھپک گئیں بلکہ بند
ہی ہو گئیں۔ جب میں بیدار ہوا تو کمرے میں اندھیرا تھا۔ میں نے
ٹٹول کر بیڈ سوئچ آن کیا اور گھڑی پر نظر ڈالی۔ آٹھ بج چکے تھے۔

میں نے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی تاکہ ذہن پر چھائی ہوئی دھند چھٹ جائے۔ اب میں جاگا تھا تو پھر وہی خیالات ذہن میں چکرانے لگے تھے۔ رؤف نے اب تک مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر وہ فون کرتا تو گھنٹی کی آواز مجھے ضرور جگا دیتی۔

غزالہ کا بھی فون نہیں آیا تھا حالانکہ وہ تیز و طرار لڑکی نچلی نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ اس کے علاوہ کمانڈر حق نے بھی مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ گویا سبھی لوگ مجھے بھولے بیٹھے تھے۔

نو بجے میں گھر سے نکلا اور ایک بار پھر مٹیر ولیول کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ ان بتیوں کا اب تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ ان کے اس طرح لاپتہ ہو جانے سے مجھے تشویش ہونے لگی۔ میں اس انداز میں سوچنے لگا کہ وہ کہیں رضیہ کو اپنے قابو میں کرنے کے بعد اسے لے کر کراچی سے چلے تو نہیں گئے؟

میں نے مٹیر ولیول ہی میں کھانا کھایا اور ساڑھے گیارہ بجے تک ان لوگوں کا انتظار کرتا رہا۔ آخر بالکل مایوس ہو کر وہاں سے اٹھا۔

اب میں پھر اپنے گھر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ جاتا بھی کہاں؟ مجھے کوئی راہ نہیں سوجھ رہی تھی۔ ذہن بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا اور اب قلب پر بھی گھبراہٹ طاری ہونے لگی تھی۔ رضیہ نہ جانے کس حال میں ہوگی؟ یہ سوال سوہان روح بنتا جا رہا تھا۔

میں خیالات میں ڈوبا ہوا زینے طے کر کے اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچا اور پھر یکایک میرا جسم سنسنا اٹھا۔ دروازے کی کنڈی میں سے قفل غائب تھا اور قفل کی عدم موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ میری عدم موجودگی میں کوئی میرے گھر میں داخل ہوا تھا۔ اب یہ بات تصدیق طلب تھی کہ وہ نامعلوم شخص ابھی تک اندر ہی موجود تھا یا جا چکا تھا؟

میں نے آہستہ سے دروازے پر دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اندر روشنی بھی تھی اور دروازہ کھلتے ہی مجھے کسی کے گنگنانے کی آواز سنائی دی تھی۔

میں تیزی سے اندر داخل ہو گیا کیونکہ میں نے گنگنانے والی ہستی کی آواز پہچان لی تھی۔ میری آنکھوں نے اس کی تصدیق بھی کر دی۔ ایک صوفے پر رضیہ بیٹھی ہوئی کسی رسالے کی ورق گردانی کرتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔

"جانے کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک"

"رضو!" میں تقریباً چیخ کر اس کی طرف جھپٹا۔

وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی اور میں بے تحاشہ اس سے لپٹ گیا۔ اس وقت میری حالت شاید کسی فلمی ہیرو کی سی تھی جو ظالم سماج کی دیوار کو توڑتا پھوڑتا ہوا اپنی محبوبۂ گم گشتہ تک پہنچ گیا ہو۔

"ارے ارے! کیا وحشت ہے!" وہ میرے بازوؤں میں کسمسائی۔

"تم... تم یہاں... یہاں... کیسے...؟"

"دروازے سے۔" اس نے...

"لیکن تالہ...؟"

"تالے کھولنا میرے بائیں ہاتھ کا...

"لیکن تم تھیں کہاں؟"

"اب تم نے ایک قاعدے کا...

ٹینے کے لیے مجھے اطمینان سے بیٹھنے کی...

دبوچے ہوئے کب تک کھڑے رہو گے...

"اوہ!" اب مجھے پوزیشن کا خیال...

چھوڑ دیا۔ اتنی دیر بعد مجھے یہ احساس ہوا...

کیا صورت نکالی تھی۔

"مم... معاف کرنا رضو! تمہیں...

نہیں رہ گیا تھا۔"

"اچھا اب دروازہ تو بند کر دو۔"

"لیکن تم دروازہ کھولے...

"نہیں! میں نے تمہاری آہٹ سن...

کے بعد پھر صوفے پر آ بیٹھی تھی۔"

میں نے لپک کر دروازہ بند کیا...

قریب پہنچ گیا۔ اس کے قریب ہی بیٹھ...

تو میرا دل ہلا رکھا تھا۔ آخر کہاں تھیں...

"کیا تم نے میرا خط نہیں پڑھا...

"اس میں تو یہ لکھا تھا کہ تم شہر...

"میں وہیں گئی تھی۔"

"اور اس کے بعد؟"

"اس کے بعد میں سیدھی یہاں...

"کیا مطلب!" میں حیرت...

"میں رات سے اب تک...

"کیا کہہ رہی ہو!" میں تیز...

"یقین کرو! میں غلط نہیں...

"تو کیا تم اب تک اس کی...

"رہن بلائی۔" وہ ہنس...

"خدا کے لیے پوری بات...

"تم ذرا سکون کا مظاہرہ کرو...

پر تو وحشت سوار ہے۔"

"وحشت تو اس لیے ہو...

نہیں بولوں گا۔ تم جلدی سے شروع...

"میں رات کو دو بجے..."

...ناشتی کر لی۔ ایک گھنٹے بعد وہاں کسی نے میری...

...سے لینا پکڑنا کا شور ہوا اور ایک ایک جگہ کی...

...میں نے اپنے قریب ہی قدموں کی آہٹیں سنیں...

...سے اندر داخل ہو گئی۔ میری وہ حرکت قطعی...

...ذہن میں یہی خیال ہوگا کہ دوسری طرف سے نکل...

...داخل ہونے کے بعد پتہ چلا کہ وہاں سے نکاسی کا...

...ہے۔ دراصل وہ اسٹور تھا اور اسٹور میں دو...

...میں وہیں پھنس گئی کیونکہ راہداری میں روشنی...

...ادھر سے ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ اگر میں...

...پکڑی جاتی۔"

...کی طرف دیکھتا ہوا اس کی آپ بیتی سنتا رہا۔

...علاوہ کچھ نہیں سوجھ سکا کہ اسٹور ہی میں کہیں چھپ...

...تف کے بعد پھر بولنا شروع کیا۔ وہ اسٹور...

...مقول جگہ نہیں تھی۔ مجھے وہاں گتے کا ایک...

...نظر آیا تو میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس...

...کپڑے بھرے ہوئے تھے۔ میں اس میں سے...

...میں گھس گئی اور وہ کپڑے اپنے اوپر...

...مجھے سانس لینا دوبھر ہو گیا تھا لیکن مرتا...

...بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد اسٹور کا...

...کی آواز سنائی دی۔ غالباً کسی نے اندر...

...ہی پھاٹک کیا تھا۔ گویا میرے ستارے...

...نے بھاگنے کی آوازیں سنتی رہی اور اسی...

...ہونے کے بعد ہی ان لوگوں نے مجھے تلاش...

...منہ سے نکلا۔ "تم اتنی دیر تک اس ڈبے...

...سے تمہارا دماغ نہیں پھٹ گیا؟"

...ہاتھ میں اس کرب کی عادی ہوتی چلی گئی تھی۔"

...کے بعد کیا ہوا؟"

"...کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ روشنی میں...

...ہو سکی۔ مجھے ایک بات پر تعجب ہے کہ...

...ایک بار پھر مجھے ڈھونڈنا شروع...

...نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "تمہاری...

...رہ گیا تھا۔"

...لہجے میں بولی۔

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم اپنی کہانی مکمل کر لو۔"

"میری کہانی تو ختم ہی سمجھو۔ میں دن بھر وہیں چھپی رہی تھی۔ آج گیارہ بجے رات کو مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل سکا اور وہاں سے میں سیدھی یہیں چلی آ رہی ہوں۔ اب بتاؤ کہ یہ پولیس ریڈ کا کیا قصہ ہے؟"

"وہ ریڈ، رؤف نے کروایا تھا اور مقصد تمہیں تلاش کرنا تھا۔"

"کیا تم نے رؤف کو میرے بارے میں بتا دیا؟" رضیہ چونک کر بولی۔

"اگر نہ بتاتا تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ رؤف کو ہر بات معلوم تھی۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

میں نے جواباً وہ ساری گفتگو دہرا دی جو رؤف سے ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی گلاسفورڈ کا ذکر بھی کر دیا۔ اس کے ذکر پر رضیہ کے چہرے سے کوئی خاص ردِ عمل ظاہر نہیں ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گلاسفورڈ کی آمد اس کے لیے غیر متوقع نہ رہی ہو۔ وہ صرف اس بات سے پریشان معلوم ہو رہی تھی کہ رؤف کو نہ صرف اس کے متعلق بلکہ رمپا کے بارے میں بھی واقفیت ہو چکی ہے۔

"اور رمپا آج صبح ہی سے اپنے ہوٹل سے غائب ہے۔" میں نے آخر میں بتایا۔

"اسے غائب ہونا ہی چاہیے۔"

"کل رات تمہاری اور اس کی کیا جھڑپ ہوئی تھی؟"

"میں نے اسے وارننگ دی تھی کہ اب اگر وہ مجھے کراچی کی سڑکوں پر نظر آگیا تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔"

"لیکن ہوٹل والوں کو یہ نہیں معلوم کہ رمپا اور اس کے ساتھی کمرے چھوڑ چکے ہیں۔"

"اس سے رمپا کی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے!"

"تو وہ اب کراچی سے کہاں گیا ہوگا؟"

"کہیں بھی نہیں۔"

"کیا مطلب!"

"وہ اتنی آسانی سے کراچی نہیں چھوڑ سکتا، بس میرے خوف سے روپوش ہو گیا ہوگا۔"

"تمہارے خوف سے!" میرا منہ بن گیا۔

"ہاں، کیوں؟"

"کیا تم کوئی ایسی شے ہو کہ تم سے ڈرا جائے؟"

"ابھی تم نے میرا ایک روپ نہیں دیکھا ہے لیکن رمپا اس روپ سے خوب واقف ہے۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔ "اگر تم نے کبھی میرا وہ روپ دیکھ لیا تو تم بھی ڈرنے لگو گے۔"

"تم سے ڈرنے لگوں گا؟" میں نے اسے پیار بھری نظروں

سے دیکھا۔

"ہاں، یقین کرو۔"

"خیر چھوڑو اس ذکر کو۔ آئندہ کے لیے کیا پروگرام ہے؟"

"باجی کی تلاش کے سوا کچھ بھی نہیں۔"

"آخر تمہیں یہ شبہہ کیوں ہے کہ وہ خط بانو نے اپنی خوشی سے نہیں لکھا ہوگا؟"

"وقت آنے پر یہ بات ثابت بھی ہو جائے گی کہ میرا شبہہ غلط نہیں تھا۔" رضیہ نے کہا اور پھر اپنی گھڑی پر نظر ڈالتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

"کیا اب جاؤ گی؟" میں بولا۔

"ہاں۔" رضیہ نے جواب دیا اور پھر کہا۔ "تم اپنے باورچی خانے میں کھانے پینے کی چیزیں تلاش نہ کرنا۔ وہ سب میں صاف کر چکی ہوں۔ چوبیس گھنٹے سے بھوکی تھی۔"

"جاؤ گی کیسے؟ کیا تمہارے پاس گاڑی ہے؟"

"نہیں، ٹیکسی کر لوں گی۔"

"چلو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

"نوازش۔" رضیہ مسکرائی۔

میں اسے اپنی موٹر سائیکل پر بٹھا کر اس کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں میں نے اُسے بتایا کہ اس کے لاپتہ ہو جانے سے میرے دل پر کیا گزر گئی تھی۔ وہ میری باتیں سُن کر ہنستی رہی۔

"نہ ہنسو پیارے، ناداں زمانے والو!" میں نے شرارت سے ایک دلدوز آہ بھر کر کہا۔

اِس پر وہ اور زیادہ ہنسی۔

اُسے چھوڑ کر میں اپنے گھر لوٹا تو آنکھوں پر نیند کا دباؤ بہت شدید ہو چکا تھا۔ میں بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔

دوسری صبح میں اپنے آپ کو اتنا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا کہ ناشتے کے بعد بہت دیر تک اخبار بینی کرتا رہا۔ اس زمانے میں اخبار کا بیشتر حصّہ جنگی خبروں سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔

آئندہ ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا اور پھر ایک صبح پتہ چلا کہ جنگ بندی ہو گئی ہے۔

اِس ایک ہفتے میں رضیہ سے میری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ رؤف بھی اُس سے دو مرتبہ مل چکا تھا اور رضیہ اُسے بھی اپنی "گمشدگی" کی حقیقت بتا چکی تھی۔

میں تو بانو کی طرف سے بڑی حد تک مطمئن ہو گیا تھا لیکن رضیہ پریشان ہی رہتی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ بانو کی تلاش میں کہاں جائے، کیا کرے؟

زیبا اور اس کے ساتھی بدستور غائب تھے۔

اس عرصے میں غزالہ بھی دو مرتبہ مجھ سے مل چکی تھی۔ جس روز

جنگ بندی ہوئی، اُس روز وہ مجھ سے ... [illegible]
گھر پر آئی تھی اور آتے ہی اُس نے ایک ... [illegible]

"نومی مر گئی۔"

"کیا!" میں اچھل پڑا۔

"میں ابھی اُسی کے گھر سے آ رہی ہ[illegible]

"ڈاکٹروں نے اتنے دن تک جدوجہد کی [illegible]
شیر بہادر دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا!"

میں غزالہ کا مُنہ تکتا رہ گیا۔

ایک طویل عرصہ گزر جانے کی وجہ [illegible]
کی موت کی خبر نے میرے قلب و ذہن پر کو[illegible]
غزالہ کے رخصت ہوتے ہی میں [illegible]
رابطہ قائم کیا اور اسے نومی کی [illegible]
خبر میرے ذہن میں کچھ جم نہیں [illegible]

"کیوں؟ وہ بیمار تو تھی!"

"لیکن اتنے دن تک علاج کے ا[illegible]
بچا سکے؟"

"بعض مریض اس سے کہیں زیا[illegible]
پریشان کرتے ہیں اور پھر دنیا سے چ[illegible]

"تم بھی ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن [illegible]
مجھے نومی کی موت کے بارے میں کچھ [illegible]

"کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہتے کہ [illegible]

"شاید!"

"اس کی تصدیق تو آسانی سے کی [illegible]

"میں بس اب اسی مہم پر ہوں [illegible]
کوئی خاص پروگرام تو نہیں؟"

"نہیں، کیوں؟"

"اس لیے پوچھ لیا کہ اگر مجھے [illegible]
سیدھا تمہاری ہی طرف آؤں گا۔"

"میں گھر پر ہی ہوں۔ اگر کہیں [illegible]
کہاں جا رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے [illegible]
سلسلہ منقطع کر دیا۔

اُس روز میں بے حد [illegible]
آدمیوں سے ملاقات کی جو شیر بہا[illegible]
ان لوگوں سے گفتگو کی روشنی میں [illegible]
مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ نومی کی [illegible]
ڈاکٹر ویلس نے جاری کیا ہے [illegible]
خاصی بھاگ دوڑ کے [illegible]

[illegible] کی شرارت پر کوئی روشنی ڈال سکتی۔
[illegible] پہنچا۔ پہنچتے ہی میں نے کھانے کی فرمائش
[illegible] بھوک لگ رہی تھی۔ رضیہ نے ابھی کھانا
[illegible] نے بھی میرا ساتھ دیا۔ اِسی دوران میں [illegible]
[illegible] کے سلسلے میں مجھے کوئی خاص بات نہیں

[illegible] کے بعد میں نے بھی اس پر غور کیا تھا۔"
[illegible] اور اس کے بعد میرے دل میں بھی
[illegible] گئے ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں رؤف
[illegible] لیکن اس سے گفتگو بھی کسی نتیجے تک

جب ہم دونوں چائے پی رہے تھے تو رضیہ
[illegible] اب اس خط کے بارے میں تمہارا کیا

[illegible] میں؟"
[illegible] میں!"
[illegible] اب نہیں دے سکا۔
[illegible] کہ وہ ایک ہفتے میں اپنی روپوشی
[illegible]

[illegible] ہے۔ باجی کو اب سامنے آ جانا چاہیے

[illegible] ہماری ہی چھٹی حس حق بجانب تھی۔"

[illegible] ہم دونوں ہی خاموش رہے۔ اپنی
[illegible] مجھے زیبا کا خیال آیا تو میں نے رضیہ
[illegible]
[illegible] شیر دل پول چھوڑ چکے ہیں اور
[illegible] ہیں لیکن اتنا میں پورے وثوق
[illegible] ہوں گے۔"
[illegible]
[illegible] سے ملنے کی کیا ضرورت؟"
شاید تم اس سے ملی ہو؟" میں نے

[illegible] میں سمجھ سکا ہوں، تم اس
[illegible] بانو کی ذات سے کیا دلچسپی ہے۔"
[illegible] تم نے ٹھیک سمجھا ہے۔ باجی سے
[illegible] نہیں ہے۔"

"... جب ماضی اتم مجھے اس معمّے سے آگاہ نہیں کرو گی!"
میں نے مُنہ بنا کر کہا۔

"ظاہر ہے۔" وہ ہنس پڑی۔ "میں باجی کا کوئی راز بھی تمہیں ہرگز نہیں بتا سکتی۔"

"اور...."

میری بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ زولا نے ڈرائنگ روم میں آ کر بتایا کہ رضیہ کا فون آیا ہے۔ رضیہ مجھ سے معذرت کر کے اندر چلی گئی اور میں بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے بے چینی یوں ہوئی تھی کہ رضیہ کے لیے آنے والی فون کال یقیناً کسی اہمیت کی حامل ہونی چاہیے تھی۔ یہاں رضیہ کا حلقۂ احباب اتنا وسیع نہیں تھا کہ کوئی بے تکلف، محض خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کر بیٹھتا۔

جب رضیہ واپس آئی تو اس کا چہرہ میرے شبہے کی تصدیق کر رہا تھا۔ وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی سی تھی۔ میں اس کے بولنے کا انتظار نہ کر سکا اور بے تابی سے پوچھ بیٹھا۔ "کون تھا؟"

"رؤف۔"

"اوہ! خیریت؟"

"اس نے ایک عجیب اطلاع دی ہے۔"

"یعنی؟"

"شیر بہادر اپنی بیٹی کی آخری رسومات کراچی میں ادا نہیں کرنا چاہتا۔"

"پھر؟"

"وہ نومی کی لاش کو ویتنام لے جائے گا۔"

اِس اطلاع پر میں رضیہ کا مُنہ تکتا رہ گیا۔ میں فوری طور پر کوئی تبصرہ کرنے سے قاصر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے پوچھا۔ "رؤف اس سلسلے میں کیا اظہارِ خیال کر رہا تھا؟"

"اس نے کوئی اظہارِ خیال نہیں کیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ میرا خیال جاننا چاہتا ہو۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ لوگ نومی کی آڑ میں بانو کو یہاں سے نکال لے جانا چاہتے ہوں!"

"نومی کی آڑ میں، کیا مطلب!"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نومی کی جگہ بانو کو نہ دے دی گئی ہو!"

"یہ کیسے ممکن ہے؟ باجی اور نومی جسامت کے اعتبار سے بہت مختلف ہیں۔ رہ گیا چہرہ تو اُسے نومی کے چہرے سے مماثل کیا جا سکتا ہے لیکن اس قسم کے میک اپ کا بھرم صرف پردۂ فلم پر قائم رہ سکتا ہے۔ حقیقت کی دنیا میں یہ ممکن نہیں۔ چند فٹ کے فاصلے سے دیکھنے والے بھی جان لیں گے کہ میک اپ کیا گیا ہے۔"

"لیکن میں کئی جاسوسی ناولوں میں پڑھ چکا ہوں کہ ...."
"کیا تم کسی جاسوسی ناول کا کردار ہو؟" رضیہ ہنس پڑی۔
میں شہادت کی انگلی سے اپنا دایاں گال کھجانے لگا۔
کچھ دیر خاموشی رہی پھر رضیہ بولی "اب کیا سوچنے لگے؟"
"یہی کہ ڈاکٹر ڈیس سے نپٹنا چاہیے۔ نومی کی موت کا سرٹیفکیٹ اُسی نے دیا ہے نا؟"
"تم اس سے کس طرح نپٹنا چاہتے ہو؟"
"یہ تو ابھی نہیں سوچا۔"
"جب سوچ لو تو مجھ سے مشورہ ضرور کر لینا۔"
میں سر ہلا کر رہ گیا۔
پھر تین دن گزر گئے۔ شیر بہادر ابھی تک کراچی سے روانہ نہیں ہو سکا تھا۔ نومی کی لاش لے جانے کے سلسلے میں کاغذی کارروائی مکمل نہیں ہو سکی تھی۔ تیسرے دن شام کو میں اپنے گھر سے نکلنے ہی والا تھا کہ غزالہ ٹپک پڑی۔ وہ بہت پژمردہ نظر آ رہی تھی۔
"خیریت تو ہے؟" میں نے پوچھا۔
"بازو کا کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے۔" اس نے جواب دیا اور تھکے تھکے سے انداز میں صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔
میں غور سے اس لڑکی کو دیکھنے لگا جسے بازو سے عشق تھا۔
"کہاں سے چلی آ رہی ہو؟" میں نے برسبیلِ تذکرہ پوچھ لیا۔
"نومی کے گھر سے۔"
"کیوں! اب وہاں کیوں گئی تھیں؟" میں نے چونک کر کہا۔
"شیر بہادر سے تو میں نے یہی کہا تھا کہ نومی کا آخری دیدار کرنے آئی ہوں۔"
"اوہ!" میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ "پھر تمہیں دیدار کرنے کا موقع ملا؟"
"ہاں۔" غزالہ نے جواب دیا۔ "کمرے میں تابوت رکھا ہوا تھا اور اس میں نومی ابدی نیند سو رہی تھی۔ کل وہ تابوت کراچی سے روانہ ہو جائے گا۔"
"کل؟" میں پھر چونکا۔
"ہاں۔" غزالہ نے جواب دیا۔ "تمام کاغذی تیاریاں مکمل ہو گئی ہیں۔ کل صبح ساڑھے چھ بجے طیارہ روانہ ہو گا۔ وہ کسی اور ملک کا طیارہ ہے جو شیر بہادر نے چارٹر کیا ہے۔"
اچانک اندرونی کمرے سے ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ میں غزالہ کو ڈرائنگ روم میں بیٹھا چھوڑ کر اندر پہنچا اور ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا۔ "رضوان اسپیکنگ۔" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔
"میں رؤف بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور میں نے اس کے لہجے سے اندازہ لگایا کہ وہ بہت خوش تھا۔
رسمی سلام دعا کے بعد میں نے پوچھا۔ "اس وقت کیسے یاد

کر لیا خاکسار کو؟"
"صرف ایک اطلاع دینا تھی۔ ...
کے گھر پر ایک دلچسپ تماشہ ہو گا۔ اگر ...
ہوں تو اس وقت شیر بہادر کی قیام گاہ ...
"تماشہ کیسا؟" میں نے تعجب ...
"یہ میں ابھی نہیں بتا سکتا۔ ہاں ...
کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں ...
"رضیہ کو بھی نہیں؟"
"صرف اُن کو بتایا جا سکتا ہے ...
"آخر بات کیا ہے؟ کچھ تو بتا ...
"آخری قسط کل صبح کے اندھ ...
نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا اور سلسلہ ...
میں نے ریسیور رکھا تو میر ...
ہوئی تھی۔ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ ر ...
اور اب اُن اسرار سے پردہ اٹھا کر ...
میں نے دو چار باتیں کر کے ...
سنبھال کر تیزی سے رضیہ کے گھر گیا ...
اُس وقت مجھے بڑی جھنجھلا ...
مجھے بتایا کہ رضیہ گھر پر موجود نہیں تھی ...
"کب سے غائب ہے؟" ...
"تیسرے پہر گئی تھیں۔"
"جاتے ہوئے یہ نہیں بتایا تھا ...
"جی نہیں۔"
مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن ...
میں ڈرائنگ روم ہی میں جم گیا۔ اس ...
رضیہ کا انتظار کروں۔
یہ انتظار اتنا طویل ہوا کہ رات ...
گیارہ بجے رات کو جب میری ...
تھی تو رضیہ آ گئی۔ وہ تھکی تھکی سی ...
پھول کی طرح کھل گئی اور بولی ...
"مجھے یہاں جھک مارتے ...
میں نے مشتعل انداز میں کہا۔
"اوہ! تو مجھے کیا معلوم تھا ...
"کچھ بتا کر تو جاتیں! آخر گئی کہاں ...
"کوئی خاص منزل نہیں تھی ...
میں گھومتی پھر رہی تھی۔ باجی کا کوئی ...
صوفے پر میرے برابر میں بیٹھ گئی۔
"میرا خیال ہے کہ رؤف ...

... جو بتانے ہی کے لیے دوڑا دوڑا
... جان کر کسی خیال میں کھو گئی۔
... پھر بولا "رؤف ہمیں کیا تماشہ دکھانا
... ذہن میں رکھنا کہ شیر بہادر کا طیارہ ساڑھے
... اس نے ہمیں اس کی رہائش گاہ پر
... وقت ہو گا جب شیر بہادر ہوائی
... کے لیے اپنے گھر سے چلے گا۔"
... رہے ہو؟"
... کو نے جایا جا رہا ہے۔"
... کہ باجی پر نومی کا میک اپ ہو گا۔"
... ہے کہ کچھ اسی قسم کی گڑبڑ ہے۔"
... نے سر ہلا کر کہا۔ "کل صبح موقع پر چل کر
... تماشا دکھانا چاہتا ہے۔ نہایت ہی
... مخلص۔"
... ؟" مجھے اچانک خیال آیا تو پوچھ بیٹھا
... کھا لیا تھا؟ اور تم نے؟"
... لی ہے۔"
... اس طرح لیٹ گئی کہ اس کا سر میری گود
... سنسنا اٹھا۔
... کان لے رہی ہو؟" میں بھرائی ہوئی
... رضیہ نے مسکرا کر کہا اور آنکھیں بند
... سے بھرپور تھا۔
... وعدہ فرما!" میں چھت کی طرف
... اس طرح کانپنے جیسے اس نے اپنی
... میں پھر بولا "یہی سوچ لو کہ تمہارا
...
... اجازت کے بغیر اس کمرے میں قدم نہیں
... " رضیہ نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔
... دو"
... اس کے خوبصورت چہرے پر ایک
... ادھر اُدھر کی باتوں میں الجھانے لگا۔
... سے محسوس کرتا رہتا تو یقیناً
... اس حد تک ادھر اُدھر بھٹکایا
... مجھے جھنجھوڑا گیا تو میں بوکھلا
... رہی تھی۔

"چلو اب مُنہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر لو۔" وہ بولی۔ "ساڑھے تین بج رہے ہیں۔"
میں نے دیکھا کہ رضیہ کپڑے بھی تبدیل کر چکی تھی اور پوری طرح تر و تازہ نظر آ رہی تھی۔
میں باتھ روم میں جا گھسا اور دس منٹ بعد جب وہاں سے نکلا تو نوکر ناشتے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا ڈرائنگ روم میں لا رہا تھا۔
ناشتہ کرنے کے بعد میں اور رضیہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔
"میں اپنے گھر سے اپنا کیمرہ بھی لوں گا۔" میں نے کہا۔
"کیوں؟"
"اگر مجھے موقع ملا تو میں اخباری نمائندے کی حیثیت سے شیر بہادر کے گھر میں گھس پڑوں گا لیکن تمہارا مسئلہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"
"میرا مسئلہ؟"
"ہاں۔" میں نے کہا۔ "کیا تم لوگوں کے سامنے آ سکو گی؟"
"اگر کوئی ایسا موقع پیش آ گیا تو سامنے بھی آ جاؤں گی۔"
"اور ایسا موقع پیش نہ آیا تو؟"
"اس صورت میں میرا پسِ پردہ رہنا ہی مناسب ہو گا۔"
"تو پھر وہاں پہنچ کر ہم ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے؟"
"کوئی حرج نہیں۔"
پرنس روڈ پہنچ کر میں نے اپنے گھر سے کیمرہ لیا اور اس کے بعد پھر روانگی!
پانچ بجے سے کچھ پہلے ہی میری موٹر سائیکل اس سڑک پر پہنچ گئی جہاں شیر بہادر کا گھر تھا۔ سڑک کے موڑ پر رضیہ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اُسے اتار دوں چنانچہ میں نے اُسے اتارنے کے لیے ایک منٹ کو موٹر سائیکل روکی تھی۔ دُور دُور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ آدم نہ آدم زاد!
میں اپنی موٹر سائیکل پر شیر بہادر کے گھر کے سامنے سے گزرا تو وہاں مجھے رونق سی نظر آئی۔ پورچ میں کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔
کچھ آگے جا کر میں نے موٹر سائیکل روک دی اور سوچنے لگا کہ شیر بہادر کے گھر میں داخل ہونے کا موقع تو بڑا اچھا ہے۔ وہاں کھڑی ہوئی کاریوں کے باعث میں اس کے علاوہ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ شیر بہادر کے واقف کار اُسے الوداع کہنے کے لیے اس کے گھر پر جمع ہوتے ہیں لہٰذا مجھے بھی ایک اخباری نمائندے کی حیثیت سے یہ رعایت حاصل تھی کہ وہاں پہنچ جاؤں۔
میں نے بہت تیزی سے سوچا اور فیصلہ کر کے موٹر سائیکل کو واپسی کے لیے موڑا۔ وہاں پھیلے ہوتے سناٹے میں الیکٹرک پولز کی روشنی بھی کچھ ویران ویران سی محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے بے دھڑک موٹر سائیکل کو کھلے ہوئے پھاٹک میں داخل کیا اور پورچ میں لے جا کر روک دیا۔ یہاں دو کاریں اور دو اسٹیشن ویگنیں کھڑی ہوئی تھیں۔ برآمدے میں کئی آدمی کھڑے تھے اور انہی میں شیر بہادر بھی موجود تھا۔ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور جب میں موٹر سائیکل کھڑی کر کے برآمدے میں پہنچا تو میرا خیال تھا کہ مجھ سے اس کا رویہ بہت سخت ہو گا۔

"معاف کیجیے گا!" میں نے اس سے کہا۔ "دراصل مجھے دفتری سطح پر یہ ہدایت ملی تھی کہ آپ کی روانگی کے منظر کو کیمرے میں قید کروں۔ آپ کی روانگی کے بارے میں جو خبر شائع ہو گی، اس کے ساتھ تصویریں بھی چھاپی جائیں گی۔"

میری توقع کے خلاف شیر بہادر نے ذرا بھی سرد مہری کا مظاہرہ نہیں کیا، بس اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ بہت مغموم نظر آ رہا تھا۔

اسی لمحے میں کھلے ہوئے اندرونی دروازے سے کچھ آدمی نکلے جو ایک تابوت اٹھائے ہوئے تھے۔ میں نے جلدی سے اپنا کیمرہ سنبھالا اور اس منظر کی تصویریں لینے لگا۔

شیر بہادر اب عورتوں کی طرح آنسو بہا رہا تھا اور اس کے واقف کار اسے تسلی دلاسے دے رہے تھے۔

تابوت آگے کھڑی ہوئی ویگن میں رکھ دیا گیا۔ پچھلی ویگن میں شاید سامان رکھا گیا ہو گا۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ میں اس تماشے کا منتظر تھا جس کی "بشارت" رؤف نے دی تھی۔ میری بے چین نگاہیں ہر جانب گردش کر رہی تھیں کہ نہ جانے کدھر سے کیا ہو جاتا ہے!

مکان کے دروازے میں قفل لگا کر چابی ایک آدمی کو دے دی گئی اور اس کے بعد شیر بہادر اسی ویگن میں سوار ہونے لگا جس میں تابوت رکھا ہوا تھا۔ میرے کیمرے کی آنکھ نے اس منظر کو بھی جذب کر لیا۔

شیر بہادر کے دیگر ملازمین دوسری ویگن میں سوار ہوتے اور واقف کاروں نے اپنی اپنی کار کی طرف رخ کیا۔

پے در پے کئی گاڑیوں کے انجن اسٹارٹ ہوتے تو ایک شور سا مچ گیا اور پھر وہ گاڑیاں حرکت میں آ گئیں۔ اب تک کوئی تماشا نہیں ہوا تھا۔ میں مایوس سا ہو کر اپنی موٹر سائیکل پر جا بیٹھا اور انجن اسٹارٹ کرنے کے لیے کک لگائی۔

ویگنوں اور کاروں کا وہ چھوٹا سا قافلہ اب پھاٹک سے باہر نکل رہا تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے میری موٹر سائیکل بھی نکلی اور اُسی وقت وہ واقعہ ہوا جو غالباً اس تماشے کی ابتدا تھی جس کا میں منتظر تھا۔

پولیس کی گاڑیاں دو سمتوں …
اور آ کر اس طرح رکیں کہ قافلے کو اپنے …
وجہ سے قافلے کی سرکاری کو رک جا …
میں سے مسلح سپاہی کود کود کر اترے۔ ا…
پوزیشن لے لی جیسے میدانِ جنگ میں …
میں بھی اُن لوگوں کے نرغے …
اطراف و جوانب میں نظر دوڑائی کہ شا…
ہو۔ وہ مجھے دکھائی تو نہیں دی لیکن مجھے …
ہی موجود ہو گی۔

"خبردار!" رؤف کی گرجتی ہوئی آ…
بھی کار سے اترا تو اُسے بھون ڈالا جا…
کاروں کے دروازے کھلتے …
اگلی اسٹیشن ویگن کا پچھلا …
کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی "یہ سب …

"یہ وہی ہو رہا ہے جو ہونا چا…
لہجے میں کہا۔ "… اسٹیشن ویگن …"

شیر بہادر اسٹیشن ویگن سے …
تھا۔ میں نے دیکھا کہ رؤف کے ساتھ …
سنبھالے ہوئے اگلی اسٹیشن ویگن کی …
شیر بہادر … بگڑ جا…
کو اس طرح بے عزت کیا جاتا ہے؟"

رؤف نے اسے بڑے سرد …
انہی غیر ملکیوں کو بے عزت کرتے ہیں …
پر حرف آتا ہو۔"

"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟" …
جس کا اسے جواب نہیں مل رہا تھا۔

"ہمیں اسٹیشن ویگن کی تلاشی …

"کیوں؟ آخر کیوں؟" شیر …
کے ساتھ ساتھ بے چینی بھی ظاہر ہو…

"تم ہماری یہاں کی معزز خاتون …
ہو" رؤف نے کہا۔

"کیا بکواس ہے! میں اس انجن …
جا رہا ہوں۔"

"ہم تابوت دیکھنا چاہتے ہیں …
کی طرف قدم بڑھایا۔

"نہیں!" شیر بہادر اس کا راستہ …
بات کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا …
بے حرمتی کرو۔"

… اُن نے بڑے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر تم
… کی کوشش کرو گے تو قانون اپنے اس
… ادھر کر ایک طرف ڈال دے۔"
… خانے سے تم لوگوں کی … یت کرتی

… وہ کرنا لیکن اس وقت ہمیں وہ کرنے

… طرف بڑھا۔ اس مرتبہ شیر بہادر نے
… کی کوشش نہیں کی تھی۔
… اپنی موٹر سائیکل کھڑی کر دی اور پھر
… ہا ہی تھا کہ ایک سپاہی نے مجھے تنبیہ
… آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔"
… اُن نے پیچھے دیکھا اور پھر سپاہی

… رؤف کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ رؤف
… اسٹیشن ویگن میں داخل ہو رہا تھا۔ اس
… اپنا کیمرہ سنبھال لیا۔ میں ہر پہلو کا منظر
… ر لینا چاہتا تھا۔
… ن ویگن میں گھسنا چاہتا تھا لیکن اس
… ا تھی۔ غالباً رؤف ہی نے اشارہ کیا
… کے سر پر مسلط ہو گئے تھے۔
… ائے گا۔" گلاسفورڈ اس طرح بڑبڑایا

… ن ویگن میں داخل ہونے کا تو موقع نہیں مل
… اندر کا جائزہ لے رہا تھا اور زور
… ہلا کر رہا تھا۔
… کر اس تابوت کا ڈھکنا کھولنے لگے۔
… بڑی خاصی دقت ہوئی تھی۔ میں کیمرہ
… ساتھ، اس تابوت میں بانو کو دیکھنے

… نے کیمرے کا بٹن دبا دیا۔ فلیش گن

… "ہاں" نوری کی لاش ہی تھی۔ تابوت
… کی سماعت کو دیکھتے ہوئے یہ قیاس
… ہی اور اُن پر نوری کا میک اپ کیا

… اسٹیشن ویگن میں ان کیمیائی اجزا کی بو
… ارسنگ کے لیے استعمال کیے جاتے۔"

"اوہ!" رؤف کی آواز میں شدید مایوسی تھی۔

"دیکھ لیا؟ دیکھ لیا؟" باہر سے شیر بہادر چیخا۔ "یہ میری بیٹی کی لاش ہے یا کوئی ممّی؟"

"شور مت مچاؤ!" رؤف پلٹ کر غرایا۔

گلاسفورڈ اس تابوت کو اِدھر اُدھر سے ٹٹول رہا تھا۔ آخر وہ پھر بڑبڑایا۔ "یہ دُہرا تابوت معلوم ہوتا ہے۔"

"دُہرا؟" رؤف نے چونک کر کہا۔

"ہاں!" گلاسفورڈ نے کہا۔ "اب ہم اس تختے کو الگ کریں گے جس پر نوری کی لاش رکھی ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس تختے کے نیچے ایک اور خلا ہو گی۔"

"یہ کام تو آسان نہیں ہو گا۔" رؤف نے کہا۔

"دو ایک سپاہیوں کی مدد لینا ہو گی۔"

یہ باتیں شیر بہادر نے بھی سنی تھیں اور میں نے اس کا رنگ متغیر ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اچانک اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال لیا لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ دونوں سپاہی بہت ہوشیار تھے جنہیں رؤف نے اس کے سر پر مسلط کیا تھا۔

ان میں سے ایک نے اپنی رائفل کی بٹ شیر بہادر کے ہاتھ پر ماری اور دوسرے نے سر ہی پر رسید کر دی۔ شیر بہادر ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔

رؤف نے آسودہ نظروں سے یہ سب کچھ دیکھا اور پھر گلاسفورڈ سے بولا۔ "آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے ورنہ یہ اس موقع پر اس حد تک آپے سے باہر نہیں ہوتا!"

میں اس ڈرامے میں ایک خاموش تماشائی بنا ہوا تھا اور بے چینی میرے اعصاب پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ جو کچھ بھی ہے، وہ جلد از جلد آشکارا ہو جائے۔

اب چھ بجنے والے تھے لیکن اندھیرا کم نہیں ہوا تھا۔

رؤف نے دو سپاہیوں کو اسٹیشن ویگن میں بلا لیا تاکہ ان کی مدد سے تابوت کے دُہرے ہونے کا پتہ چلایا جا سکے۔

شیر بہادر کے تمام ساتھی اپنی اپنی گاڑیوں میں دم بخود بیٹھے تھے۔ پولیس کی وارننگ کے بعد اُن میں سے کوئی بھی باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔

جفاکش سپاہیوں نے بہت جلد اس تابوت کے دُہرے ہونے کا بھرم کھول دیا۔ لاش کا تختہ ہٹتے ہی وہ خلا نظر آ گئی جو اس کے نیچے تھی۔

شیر بہادر کی بوکھلاہٹ مجھے یقین دلا چکی تھی کہ اس خلا میں بانو ہی ہوں گی لیکن جب وہ خلا سامنے آئی تو گلاسفورڈ کے چہرے کا بھی رنگ پھیکا پڑ گیا اور یہ دیکھ کر میرا دل بھی ڈوب گیا کہ بانو اس خلا میں بھی نہیں تھیں۔

"یہ کیا ہے!" رؤف متحیرانہ انداز میں بولا اور اُن کالے کالے ٹکڑوں کو اٹھا کر سونگھنے لگا جو اس خلا میں بھرے ہوئے تھے۔

"چرس!" میرے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"چوٹ ہوگئی!" گلاسفورڈ اپنا نچلا ہونٹ کاٹتا ہُوا بولا۔

پھر شاید ایک منٹ تک کوئی بھی کچھ نہیں بولا۔ سبھی سناٹے میں آگئے تھے۔ آخر رؤف جھرائی ہوئی آواز میں بولا "اب ہمیں کیا کرنا چاہیے!"

"آپ چرس کی اسمگلنگ کے جُرم میں شیر بہادر کو گرفتار تو کر ہی سکتے ہیں!" گلاسفورڈ بولا۔

رؤف نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "مسٹر رضوان! آپ سمجھ تو گئے ہوں گے کہ ہمیں کیا توقع تھی لیکن بہرحال ہم ناکام ہو چکے ہیں۔ اب آپ جائیں۔ میں جلد ہی آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا اور بتاؤں گا کہ ہم نے یہ آپریشن کس بنیاد پر کیا تھا۔"

میں نے پژمردگی سے سر ہلایا اور اسٹیشن ویگن سے نکل آیا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں نے کوئی بہت بڑی بازی ہار دی ہو، حالانکہ یہ بازی رؤف نے لگائی تھی۔

میں جب موٹر سائیکل پر بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہونے لگا تو مجھے رضیہ کا خیال آیا۔ وہ آس پاس تو کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں جب موڑ پر پہنچا تو وہ اچانک ایک گلی سے نکل کر سامنے آگئی اور میں نے بریک لگا دیا۔

"کیا رہا؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں!" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "چلو پیچھے بیٹھو، راستے میں تفصیل سے بتاؤں گا۔"

جب وہ بیٹھ گئی تو میں موٹر سائیکل کو حرکت میں لے آیا اور اسے بتانے لگا کہ کیا ہُوا تھا اور کیا نہیں ہُوا تھا۔

جب میں سب کچھ بتا چکا تو وہ بولی "آخر رؤف کو یہ اندازہ کیونکر ہُوا تھا کہ ...."

"کیونکر والی کوئی بات مجھے نہیں معلوم" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "اب رؤف سے ملاقات ہوگی تو کچھ پتہ چلے گا۔"

"ہوں!" رضیہ نے مزید کچھ نہیں کہا۔

میں پھر بولا "اب تو ایسا لگنے لگا ہے جیسے ہم بانو کی تلاش میں زندگی بھر یونہی بھٹکتے رہیں گے اور بانو ہمیں کبھی نہیں مل سکیں گی۔"

"خیر ایسا تو ہرگز نہیں ہوگا!" رضیہ نے جیسے تڑپ کر کہا۔

میں خاموش رہا اور موٹر سائیکل فراٹے بھرتی رہی۔

رضیہ کے گھر پہنچ کر میں نے موٹر سائیکل روکی۔ رضیہ اُتر گئی۔ میں نے انجن بند نہیں کیا تھا۔ رضیہ بولی "کیا ارادہ ہے؟ رکو گے نہیں؟"

"بس اب چلوں گا!"

"ایک کپ چائے تو پیتے جاؤ!

کہا تھا کہ میں انکار نہیں کر سکا۔ انجن بند

اور رضیہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوگیا

"زدلا!" رضیہ نے اپنے ملا

چائے بھیج دو!"

زدلا سر ہلا کر چلا گیا اور رضیہ میرا

بڑھی۔

"چائے تو ڈرائنگ رُوم میں بیٹھ کر

"بیڈ رُوم میں کیا حرج ہے!"

"مجھے اب تمہارے بیڈ رُوم ت

رضیہ سے نظریں چُراتے ہوئے کہا۔

رضیہ نے ایک کھلکھلاتا ہُوا قہ

کھولتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔

اس کے پیچھے میں داخل ہُوا

لگا جیسے دھماکے سے کوئی دیوار

میرے لیے حد درجہ بعید از قیاس تھا

بانو! ہاں، صبیحہ بانو!

میں نے آنکھیں پھاڑ کر کہا

"ان حضرت کو بھی پکڑ لائیں

"ہاں باجی!" رضیہ نے

ہم زندگی بھر آپ کی تلاش میں

میں بوکھلا کر اتنی تیزی

دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ بانو ہی ہیں

میں رضوا

تکلف اد

طرف بڑھا

شکرہ ہوتا تو اُس وقت مجھے

"ارے ارے!" رضیہ نے

نہیں ہے، اگر تم انہیں گود میں

کو پھر کسی وقت پر اُٹھا رکھو

رضوان نے ہنسی آن لی

اُس کا چہرہ سُرخ اور پلکیں نمناک

مغلوب ہوگیا تھا کہ اُس کے

مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔ وہ لبریز

ابھرا بناؤ گے؟" میں ہنستی ہوئی بولی۔

محبت بھرے انداز میں مسکراتی ہوئی رضوان کی

ان کے مُنہ سے نکلا۔

میں نے کہا "مجھے تو اب ایسا معلوم ہونے

گونگے ہوگئے ہو۔"

لمبی سانس لے کر میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ غالباً اب

محسوس وجود ہوں، کوئی سایہ نہیں ہوں۔ اس

سر کو دو تین بار جھٹکا۔ وہ اس طرح اپنی

ہونا چاہتا تھا۔ اُس کے چہرے کی سُرخی کم

مسرور کر بڑی تیکھی نظروں سے رضیہ کی

مکرا کر بولا "تم نے جو سرپرائز دی ہے اُس

میرا دماغ پلٹ جاتا۔"

ہوتا!" رضیہ نے بڑی مضحکہ سنجیدگی کے

دماغ پلٹ جاتا تو گویا سیدھا ہو جاتا!"

کچھ ایسا تھا کہ میں کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

دیکھا اور بولا "آپ بھی ہنس رہی ہیں؟

نہیں کہ اس شرارت میں اب لڑکی کو ڈانٹیں!"

منظور، لیکن پھر کسی وقت!" میں رضیہ کی

جھینپتی ہوئی بولی اور پھر کہا "تم نے اب

ان کے بارے میں تو بتایا ہی نہیں؟"

تھا کیونکہ آپ یہاں ہیں!" رضیہ نے

ہتی ہیں تو حضرت سے پوچھیے!"

کہا "جانے واقعہ پر تو یہی تھے!"

دیکھا اور پھر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ وہ

پکارنے والے انداز میں کہا "میں

ان نے رضیہ کو گھورتے ہوئے کہا "تم

ماشاء اللہ کتنی ہوا!"

ہم سے نظر بچا کر رضوان کو آنکھ ماری

میں نے اس کی حرکت دیکھ لی ہے۔

میں ذرا.... زدلا سے کافی کے لیے

سی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

لے ہلتے ہوئے کہا۔

کے لہجے میں تو ایسا پیار جھلک رہا ہے جیسے بس آپ ہی رضیہ سے پیار کرتی ہیں۔"

"اچھا اب اِدھر اُدھر کی باتیں چھوڑو اور یہ بتاؤ...."

"میں کچھ نہیں بتاؤں گا!" رضوان نے میری بات کاٹتے ہوئے زور زور سے نفی میں ہاتھ ہلا کر کہا "پہلے تو مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ آپ یہاں کیسے؟ اب تک کہاں تھیں؟ نیز یہ کہ دیگر احوال کیا ہے؟"

"تو پہلے مجھ سے ہی سُنو گے؟"

"قطعی!" رضوان نے سر ہلا کر کہا۔

"تو سُنو!" میں مُسکرائی۔

"سُنائیے!" وہ دونوں ہاتھ باندھ کر مؤدب ہوگیا۔

میں سنجیدہ ہوگئی اور میرے دماغ کی سطح پر ماضی کے سائے اُبھرنے لگے۔ اُنہی میں سے ایک سایہ لوسی کا تھا۔ وہ خوش بدن و خوش صورت لڑکی جو مجھے ٹرین کے ایئرکنڈیشنڈ کوپے میں ملی تھی اور اُسے دیکھ کر مجھے اپنے اوپر اختیار نہیں رہا تھا۔ میری نگاہیں اُس کے کشادہ گریباں میں اُلجھ گئی تھیں اور میری بصارت نے غزنۂ شباب سے سَر ٹکرا ٹکرا کر مجھے اتنا مخمور و بے خود کر دیا تھا کہ میں بے اختیار اُس کی طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور اِدھر میں اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ کم از کم کوئی لڑکی تو مجھ پر گولی نہیں چلا سکتی۔ اِسی یقین نے مجھے قدم بہ قدم اُس کے قریب پہنچا دیا اور میرے مشتاق ہاتھ اُس کے ترشے ہوئے کولھوں کے دلآویز کٹاؤ پر جم گئے۔ میں اُسے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے سینے سے لگا کر اُس کے ہونٹوں پر اپنے جذبات کی شدت نقش کر دینا چاہتی تھی کہ اُس نے پستول کا ٹریگر دبا دیا۔ پستول کی نال سے گولی کی بجائے برف کا سا سفید غبار نکل کر میرے چہرے سے ٹکرایا۔ اِس برفیلے غبار کی غیر معمولی ٹھنڈک میری سانسوں کے دوش پر میرے دماغ تک پہنچی اور اس نے میرے حواسِ خمسہ کو منجمد کر دیا۔

بے ہوشی! ایک طویل بے ہوشی!

مجھے ٹرین کے اس ڈبے سے کس طرح نکالا گیا؟ کہاں لے جایا گیا اور لے جانے والے کون تھے؟ مجھے کچھ یاد نہیں۔ اب مجھے ہوش آیا تھا تو میں کچھ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے ایک طویل نیند کے بعد بیدار ہوئی تھی۔ اُس عالمِ خواب یا عالمِ نیم خوابی میں مجھے جو کچھ پیش آتا رہا، وہ ایک دُھندلے دُھندلے سے خواب کی طرح یاد رہ گیا تھا۔ کچھ سائے، کچھ چہرے اور غالباً کچھ باتیں بھی جو مجھے بالکل یاد نہیں رہی تھیں۔ مجھے کچھ یوں بھی یاد پڑ رہا تھا کہ میں نے اس عالمِ خواب میں رضوان کو ایک خط لکھا تھا۔ عالمِ خواب میں بھی وہ خط لکھتے ہوئے میں کچھ مدہوش سی تھی۔

اور جب میرے حواسِ خمسہ پوری طرح بیدار ہوئے تھے تو میں نے خود کو اپنی چھوٹی سی، پیاری سی بہن رضیہ کی گود میں لیٹا ہوا پایا تھا۔

جب میں یہ ساری باتیں رضوان کو بتا چکی تو وہ پہلو بدل کر بولا "یہ تو بتائیے کہ رضیہ نے آپ کو کہاں پایا اور آپ کو یہاں کیسے

آئی؟"

"میں شیر بہادر کے گھر میں قید تھی۔"

"کس جگہ؟" رضوان حیرت سے بولا۔ "کمانڈر حق تو وہاں کی تلاشی بھی لے چکا تھا!"

"کمانڈر حق اور رضیہ میں بڑا فرق ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "رضیہ کی کم عمری اور اُس کے کھلنڈرے پن پر نہ جاؤ۔ کمانڈر حق اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔"

رضوان کے چہرے پر ہلکی سی سُرخی اُبھری اور معدوم ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اُسے میرا تبصرہ سُن کر ایک انجانی سی مسرت ہوئی ہو۔
"لیکن۔" رضوان بولا۔ "رضیہ نے آپ کو وہاں سے نکالا کیسے؟"

"مجھے وہاں سے نکالنے کا فرض رضیہ نے خود نہیں انجام دیا۔ اس کے لیے اُسے اپنے آدمیوں سے کام لینا پڑا تھا۔"

"یعنی اُن بھکشوؤں سے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے اُس تابوت کے نچلے حصے میں اور اوپری حصے میں لوسی کی لاش رکھ کر تابوت ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ رضیہ کے بھکشو مجھے وہیں سے نکال کر لائے ہیں۔ میری جگہ انھوں نے چرس بھر دی تھی اور چرس کا خیال رضیہ کے ذہن کی پیداوار تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ شیر بہادر اور اُس کے آدمیوں کو چرس کی اسمگلنگ کے جرم میں گرفتار کیا جا سکے۔" میں قدرے توقف سے بولی۔ "میں تمھیں وہ باتیں بتا رہی ہوں جو مجھے رضیہ سے معلوم ہوئی ہیں ورنہ میں نے تو وہ عرصہ بے ہوشی ہی کے عالم میں گزارا تھا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ مجھ پر اس دوران میں کیا کچھ گزرتی رہی تھی۔"

"اگر رضیہ نے آپ کو وہاں سے نہ نکالا ہوتا تو اُس سے کوئی فرق تو نہ پڑتا! رُوف اور گلاسفورڈ آپ کو برآمد کر ہی لیتے۔ کیا اُس صورت میں آپ کے لیے کوئی مشکل کھڑی ہو سکتی تھی؟"

"قطعی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "بہتر صورت وہی ہوتی کہ شیر بہادر کو چرس کی اسمگلنگ کی بجائے میرے اغوا کے جرم میں گرفتار کیا جاتا۔"

"تو گویا رضیہ نے حماقت ہی کی!"

"بعض اوقات احتیاط پسندی، حماقت پر بھی منتج ہو جاتی ہے۔ رضیہ کو خدشہ تھا کہ شاید میرا اُس طرح برآمد ہونا میرے لیے کسی پریشانی کا سبب بن جائے۔"

گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ زولا، ٹرالی دھکیلتا ہوا کمرے میں لایا۔ رضیہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ رضوان نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "آپ ہی کی حماقت مآبیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔"

"کیسی حماقت مآبی؟" رضیہ نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"اگر تم حالات کو میرے علم میں لے آتیں تو میں تمھیں یہ مشورہ ہرگز نہ دیتا کہ بانو کو وہاں سے نکال لیا جائے۔"

"خیر آپ کے مشوروں کی حاجت ا...
ہو سکتی۔"

"میں اس کا جواب تو دے سکتا ہو...
کوئی فائدہ نہیں۔"

"مصلح پسندی کا شکریہ۔" رضیہ نے...
طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "باجی! آپ اب م...
ہیں یا عادت میں کوئی تبدیلی آ چکی ہے؟"

"نہیں چندا! میری کوئی عادت نہیں..."

"کم سے کم ایک عادت تو بدل ہی ...
گھگھیانے والے انداز میں کہا۔

"بکو مت!" میں نے اُسے گھور کر...
کر وہ کیا ذکر چھیڑنا چاہتا ہے لیکن میں رضیہ...
بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ہر چند، رضیہ میری نس نس سے...
کو ہمیشہ ملحوظ رکھا تھا۔ وہ اُس وقت بھی...
ہو۔ وہ کافی کی ٹرالی کو اپنے قریب کر کے...
تھی۔ زولا کمرے سے جا چکا تھا۔

رضوان نے بھی اِس وقت اپنی ...
یعنی مجھے تنگ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ا...
کیا شے ہیں؟"

"وہ برطانیہ کی ایک اہم شخصیت ہے...
ملاقات کرنی ہو گی!"

"برطانیہ کو آپ سے کیا دلچسپی؟"

"مجھ سے تو نہ جانے کس کس کو دلچ...
مت پیدا کرو۔"

"گلاسفورڈ...."

"میں نے کہا نا کہ تم اپنے دماغ کو ...

"یعنی آپ بتانا نہیں چاہتیں؟"

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔"

رضیہ نے کافی بنا کر ایک پیالی مجھے...
پیالی اُس نے خود سنبھالی اور صوفے پر...

"کہاں چلیں؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی آتی ہوں باجی! دوپہر کے کھا...
ہدایات دے آؤں۔"

جب رضیہ چلی گئی تو رضوان نے ...
کمزور نظر آ رہی ہیں!"

...زلہا! ظاہر ہے کہ اتنے عرصے تک مجھے صرف
...ذا پہنچائی جاتی رہی ہو گی اور نلکیوں کے ذریعے
...ا جانے والی غذا اتنی طاقتور نہیں ہوتی کہ صحت کو
...ے۔"

...مسئلہ بڑا پُر اسرار ہے۔"

...کو موت کے مُنہ میں دھکیلا گیا تھا کہ اُس کی آڑ
...غائب کیا جا سکے؟"

...آ کر ایک باپ اپنی بیٹی کو اِس طرح مار ڈالے۔"
...کہ لوسی جب قدرتی طور پر موت کی آغوش میں
...دیا کہ اس کی آڑ میں آپ کو نکال لے جائے؟"
...ڑا اہم بات کہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ یہ
...منظر میں لوسی کا سراپا کسی چراغ کی لو کی طرح
...ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "مجھے لوسی کی موت
...دیا: اُسی کی وجہ سے میں ایک خطرناک صورتِ حال

...نے مُنہ بنا کر سر ہلایا۔ "میں خوب سمجھتا ہوں کہ
...ہے!"

...پر نظر ڈالی اور کہا۔ "ڈاکٹر نے مجھے بتایا تھا کہ
...وں گی تو تکان محسوس کرنے لگوں گی لہٰذا کیا یہ
...گپ شپ کر دو اور میں کچھ دیر آرام کر لوں؟"

...ال دیکھیے!" رضوان نے چڑ کر مُنہ بنایا۔ "اتنے دن
...کو قربتِ دیدار کا ایک آدھ گیلن پی لینے دیں!...
...ا! اچھا۔ شام کو آؤں گا۔"
...کے بعد میں تکیے کے سہارے نیم دراز ہو گئی۔
...کہ ڈاکٹر نے مجھے زیادہ بات چیت کرنے سے
...کر آرام کرنے کی بھی تاکید کی تھی لیکن رضوان
...الانعا کہ بہت سی اُلجھنیں مجھے گھیرے ہوئے
...اُنھیں اِس طرح سلجھا دینا چاہتی تھی کہ ایک
..."آرام کرنا" ایک ایسا فعل ہے جو میری فطرت
...ظر ہے کہ کم جیو لیکن اپنی مرضی سے جیو! اُس
...اُس میں پابندِ رسوم و قیود ہو۔
...اہم حالات کا علم ہو چکا تھا اور میں اُنھی پر غور
...ہی تھی۔
...کے لیے سو جائیں۔" وہ چھوٹتے ہی بولی۔
...آنکھوں میں نیند کا خمار نظر آ رہا ہے؟"
...آرام کرنا چاہیے!"

"میں اُن لوگوں کی قید میں بہت دن سے آرام ہی تو کر رہی تھی۔"
میں نے ہنس کر کہا۔

"وہ دوسری بات تھی۔ اگر آپ کو نیند نہیں آ رہی ہے تو بھی آپ آنکھیں بند کر کے لیٹ جائیے!"

"اِس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ یہ بڑی غیر فطری بات ہو گی، اگر میرا دماغ ان حالات سے قطع تعلق کر لے۔ میں خالی الذہن نہیں ہو سکتی اور اُس کے بغیر آرام کا تصور ہی عبث ہے۔"

رضیہ نے شکست مان لینے والے انداز میں ایک طویل سانس لی اور رائٹنگ چیئر پر بیٹھ گئی، پھر بولی۔ "آخر آپ کیا سوچ رہی ہیں؟ کیا آپ رمپا کی وجہ سے فکر مند ہیں؟"

"رمپا؟" میں نے بڑی حقارت سے کہا۔ "کیا اُس کی وجہ سے مجھے فکر مند ہوا جا سکتا ہے؟ کیا اُس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ میرا سامنا کر سکے؟"

"سامنا تو خیر وہ میرا ابھی نہیں کر سکتا لیکن وہ چھپ کر وار ضرور کرے گا۔ اسے یہاں بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ وہ آپ کو ہر قیمت پر صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔"

"اور میں مٹ جاؤں گی؟" میں ہنس پڑی۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" رضیہ جلدی سے بولی۔ "اگر کبھی۔"

"میں صرف اِس لیے فکر مند ہوں کہ ہمیں جلد از جلد تبت پہنچنا ہے۔" میں نے رضیہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اور پاک و ہند جنگ کی وجہ سے صورتِ حال ایسی ہو گئی ہے کہ ہم ہندوستان کے راستے سے تبت نہیں جا سکتے۔ ہمیں یہاں سے چین جانا ہو گا اور وہاں سے...."

"کیا ہمیں چین میں داخلے کی اجازت مل جائے گی؟"

"کیوں نہیں ملے گی؟"

"عام لوگوں میں یہ خیال پایا جا رہا ہے کہ پاک و ہند جنگ بندی سے چین خوش نہیں ہوا ہے۔ ان حالات میں...."

"تم اِن سب باتوں کی فکر نہ کرو۔ میں آج ہی چینی سفیر سے بھی مل لوں گی اور پاکستانی حکام سے بھی۔ ہم زیادہ سے زیادہ پرسوں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ تم سفر کی تیاریاں شروع کر دو۔"

"لیکن آپ کو آرام...."

"فضول باتیں نہ کرو!" میں چڑ گئی۔ "زولا سے کہو کہ گاڑی نکالے اور میرے ساتھ چلے۔ میں ڈرائیونگ نہیں کروں گی۔"

میرے اس موڈ کو دیکھ کر رضیہ میں اتنی ہمت نہیں رہ گئی کہ وہ بحث جاری رکھے۔ وہ چپ چاپ، کمرے سے چلی گئی اور میں بستر سے اُٹھ کر کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ اس وقت مجھے گلاسفورڈ کا خیال آیا۔ اُس سے بھی ملاقات کرنا ضروری تھا۔ میں نے رضیہ کو بلا کر اس سے پوچھا۔

"رُوف سے کس طرح رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے؟"

"شاید رضوان کے پاس کوئی ٹیلیفون نمبر ہے۔"

"اس سے معلوم کر دو۔"

رضیہ نے رضوان کو فون کر کے رؤف کا نمبر پوچھا اور مجھے بتا دیا۔

"زولا نے گاڑی نکال لی؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں، نکال لی ہو گی۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا۔" رضیہ نے جواب دیا اور پھر بولی۔ "آپ کب تک واپس آئیں گی؟"

"میرا خیال ہے کہ مجھے دو گھنٹے میں واپس آجانا چاہیے۔" میں یہ جواب دیتے ہوئے ٹیلیفون پر رؤف کے نمبر ڈائل کرنے لگی تھی۔

دوسری طرف گھنٹی بجی، ریسیور اٹھایا گیا اور میں نے رؤف کی جانی پہچانی آواز سنی۔ "ہیلو! رؤف اسپیکنگ۔"

"بانو دِس اینڈ۔" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

ریسیور میں ایسا سکوت چھا گیا جیسے میری آواز سن کر رؤف سناٹے میں آگیا ہو۔ میں اس کی کیفیت کا تصور کر کے لطف اندوز ہوتی ہوئی بولی۔ "یقین کریں کہ میں بانو کی روح نہیں ہوں، بانو ہی ہوں۔"

"آپ... آپ کہاں سے بول رہی ہیں؟" رؤف نے تیزی سے پوچھا۔

"عالمِ بالا سے نہیں، عالمِ زیریں سے بول رہی ہوں۔ آپ سے میں آج ہی کسی وقت ملاقات کروں گی لیکن فی الحال صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ مسٹر گلاسفورڈ سے میری ملاقات کہاں ہو سکتی ہے؟"

"وہ میٹروپول میں قیام پذیر ہیں لیکن..."

"فی الحال کوئی سوال نہ کیجیے، ملاقات ہو گی تو اطمینان سے گفتگو کریں گے۔"

"کیا آپ ابھی میٹروپول جائیں گی؟"

"ہاں۔"

"کیوں نہ میں وہیں آجاؤں؟"

"جی نہیں۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "مجھے مسٹر گلاسفورڈ سے جو گفتگو کرنا ہے، اس کے لیے تنہائی ضروری ہے۔"

"اوہ! تو پھر..."

"آپ اب سے تین گھنٹے بعد مجھ سے رضیہ کے گھر پر ملاقات کر لیں۔"

"اوہ!" رؤف نے چونک کر کہا۔ "تو وہ آپ کی..."

"جی ہاں، وہ میری [illegible] ہی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور پھر بولی۔ "مسٹر گلاسفورڈ ہوٹل ہی میں ہوں گے؟"

"ہونا تو چاہیے۔ غالباً وہ سو رہے ہوں گے۔ دراصل میں اور وہ رات بھر جاگتے رہے ہیں کیونکہ..."

"مجھے آپ لوگوں کی سرگرمیوں کی تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں۔" میں نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔ "اچھا، خدا حافظ! میں اب سیدھی میٹروپول ہی جا رہی ہوں۔"

مجھے اندازہ تھا کہ رؤف اس وقت حد درجہ مضطرب ہو گا۔

لیے پھر کوئی سوال داغ دے گا لہٰذا میں
رضیہ ایک طرف خاموش کھڑی ہو
بلکہ جیسے تفکر کی دھول اڑ رہی تھی۔ وہ میری
پریشان ہو رہی تھی کیونکہ اس کی دانست
آرام کی متقاضی تھی۔
"پگلی!" میں نے اس کا گال تھپتھپا کر
ناتواں کب سے سمجھنے لگی ہے؟ ڈاکٹروں
وہ اپنے مریضوں کو آرام کرنے کا مشورہ دی
رضیہ کچھ نہیں بولی اور مجھے چھوڑ
زولا نے جلدی سے کار کی پچھلی نش
اور جب میں بیٹھ گئی تو اس نے ڈرائیو
"زولا!" میں نے کہا۔ "پہلے میٹروپو
زولا نے اثبات میں سر ہلا
میں نے پشت گاہ سے ٹیک لگا کر
حد تک آرام کر سکتی تھی، اس حد تک آرام کر
میٹروپول پہنچ کر مجھے استقبالیہ کا
کا نمبر نہیں معلوم کرنا پڑا۔ گلاسفورڈ
کے لیے موجود تھا۔ اس نے مجھ سے بڑی گر
ہوئے کہا۔ "مجھے مسٹر رؤف نے اطلاع دے
"مجھے یقین تھا کہ وہ آپ کو اطلاع دے
ہوئے کہا۔
"کیا ڈائننگ ہال میں بیٹھیں؟"
"نہیں۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "ہم
کے لیے آپ کا کمرہ ہی مناسب رہے گا۔"
"ایسے تشریف لائیے!" اس نے ہاتھ
اس کے کمرے میں پہنچ کر جب ہم آ
بولا۔ "سب سے پہلے یہ بتائیے کہ آپ کو لنڈن
"میں ابھی ابھی کافی پی کر چلی ہوں۔ آپ اس
میں نہ پڑیے۔ آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے ی
"مرکز کو آپ کے لاپتہ ہونے کے بارے
تھیں اس کی وجہ سے بڑی تشویش ہو گئی تھی۔"
"ہونا تو نہیں چاہیے!" میں نے سرد
دے چکی ہوں تو اب میرے لیے فکرمند ہونے کی
"آپ کا استعفیٰ ابھی منظور نہیں ہوا ہے۔"
"انٹرپول جیسی تنظیم کو اتنے سے کام میں
چاہیے!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جبکہ م
استعفیٰ دیے ہوئے چار ماہ گزر چکے ہیں۔"

نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے اس لیے بھیجا گیا
ں اور آپ کو سمجھاؤں۔"
ا مجھ پر طنز کر چکا ہے!" میرے لہجے میں طنز
ا
نے بے چینی سے پہلو بدلا اور پھر کہا۔ "دراصل مرکز
ایک بار پھر اپنے فیصلے پر ٹھنڈے دل سے غور
غور کرنے کے بعد ہی استعفیٰ دیا تھا مسٹر
ں شرط پر اپنا استعفیٰ واپس لے سکتی ہوں اور
اس اجلاس میں بتا دی تھی جس میں میں نے
نظرِ ثانی کے لیے تیار نہیں ہیں؟"
ہیں استعفیٰ واپس لینے کے لیے بھی تیار
نے۔ میں یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ انٹرپول جیسی
کسی بڑے ملک کا دباؤ برداشت کرنے پر
ہتا ہے تو اس دباؤ کو ختم کرنا پڑے گا۔"
نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اگر آپ اپنی
ہیت پر بھی مرکز کی مجبوریوں کو نہیں سمجھنا
ایک آخری درخواست کروں گا۔"
فیٰ واپس لینے کے علاوہ سب کچھ مان لوں گی۔"
ا ہیں؟"
ق کر کہا۔ "ہاں۔"
ے ایک ہنگامی اجلاس میں آخری مرتبہ شرکت
ی مسکرائی۔ "تاکہ سب لوگ مل کر مجھے
مسٹر گلاسفورڈ! میں نے آپ سے ابھی وعدہ
اجلاس میں شرکت کے لیے تیار ہوں۔"
ں کی آنکھیں چمک اٹھیں۔
ول۔ "اس کے لیے آپ لوگوں کو انتظار کرنا پڑے
پھنسی ہوئی ہوں کہ فی الحال کچھ عرصے تک ایشیا
بے چینی سے کہا۔ "یہ معاملہ جتنی جلدی طے
میں نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ "میں ایک
ایسا بھی ہوئی ہوں جسے ادھورا نہیں چھوڑا
لامت خوردہ انداز میں بولا۔ "اس کام میں

آپ کو کتنا وقت لگ جائے گا؟"

"کم از کم ایک ماہ۔"

"اور زیادہ سے زیادہ؟"

"مسٹر گلاسفورڈ!" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اگر آپ مجھ پر زیادہ بندشیں لگائیں گے تو یہ کچھ بہتر نہیں ہو گا۔ میں بس اتنا ہی وعدہ کر سکتی ہوں کہ اپنی پہلی فرصت میں مرکز کو اس سے آگاہ کر دوں گی اور اس کے بعد آپ لوگ اجلاس کے لیے جو تاریخ بھی مقرر کریں گے، اس تاریخ کو میں وہاں پہنچ جاؤں گی۔" یہ جواب دے کر میں فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔ میں اس طرح گلاسفورڈ کو یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ اب کسی بحث و مباحثے کی گنجائش نہیں ہے۔

"اچھا بانو!" گلاسفورڈ بھی ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں تو بڑی امیدیں لے کر آیا تھا لیکن.... خیر!"

"مجھے افسوس ہے، اگر میں مصروف نہ ہوتی تو ایک دن کی بھی تاخیر کیے بغیر اجلاس میں شرکت کر لیتی۔" میں نے دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

وہ میرے ساتھ چلتا ہوا بولا۔ "آپ نے ابھی تک یہ بھی نہیں بتایا کہ آپ غائب کہاں ہو گئی تھیں؟ ہم لوگ تو سمجھ رہے تھے کہ آپ کو اغوا کیا جا چکا ہے۔"

"میں اس سوال کا جواب دینے سے معذور ہوں۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسے میں راز ہی رکھنا پسند کروں گی۔" میں نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

گلاسفورڈ نے جلدی سے آگے بڑھ کر خود دروازہ کھولا اور پھر جیسے ہی ہم دونوں باہر نکلے، میری نظر رؤف پر پڑی جو بڑی بے چینی سے راہداری میں ٹہل رہا تھا۔

"معاف کیجیے گا بانو!" وہ میری طرف بڑھتا ہوا کچھ شرمندہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میں آپ سے ملنے کے لیے اتنا بے چین تھا کہ انتظار کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی، اسی لیے میں یہاں چلا آیا لیکن میں نے دخل اندازی مناسب نہیں سمجھی۔"

"میں اب فارغ ہو چکی ہوں۔ چلیے!" میں نے ہنس کر کہا اور پھر گلاسفورڈ سے بولی۔ "ہمیں اجازت دیجیے۔" میں نے مصافحے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

گلاسفورڈ اس وقت رؤف سے مصافحہ کر رہا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ "میں آج شام ہی کو پاکستان سے چلا جاؤں گا لیکن اگر میں جانے سے پہلے آپ سے کچھ بات کرنا چاہوں تو؟"

میری دانست میں گلاسفورڈ وقت ضائع کر رہا تھا۔ اسے دوبارہ مجھ سے کوئی گفتگو کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن میں نے رؤف کے سامنے اس سے کسی سرد مہری کا رویہ اختیار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور رضیہ

جب میں اور رؤف ہوٹل سے نکلے تو میں نے اُس سے کہا "وہ آپ یہاں اپنی کار ڈن ہی پر آتے ہوں گے؟"

"ہاں، کیوں نہ کچھ دیر کے لیے اسنیک بار میں چل کر بیٹھ جائیں!" رؤف نے تجویز پیش کی۔

میں نے ایک لمحے کچھ سوچا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر مسکراتی ہوئی بولی "چلیے! ویسے مجھے خود بھی اندیشہ تھا کہ آپ سے تعارف نہیں ہوسکے گا اور آپ مجھے نہیں پہچان سکیں گے۔"

"بات ہی ایسی ہے بانو! آپ اتنے پُراسرار انداز میں گویا ٹپک پڑی ہیں کہ دماغ چکرا کر رہ گیا ہے۔"

ہم دونوں اسنیک بار میں جا بیٹھے اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔

"تو آپ تھیں کہاں؟" رؤف نے پوچھا۔

"... آپ لوگ سمجھ رہے تھے کہ اگر تابوت میں سے چرس نہ نکلتی تو اُس جگہ سے میں ہی برآمد ہوتی۔"

"اوہ!" رؤف کے منہ سے نکلا اور وہ پھر اُس کا منہ تکتا رہ گیا۔

"میں آپ کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیے دیتی ہوں۔" میں نے کہا "اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے نومی ہی کے ذریعے سے اغوا کیا گیا تھا اور میں شیر بہادر کے گھر میں قید تھی۔ وہاں سے مجھے تابوت میں رکھ کر لے جایا جانے والا تھا لیکن میری چھوٹی بہن رضیہ نے یہ ہوشیاری کی کہ مجھے وہاں سے نکال لائی اور میری جگہ چرس رکھوا دی۔ چرس کا مقصد بس یہی تھا کہ شیر بہادر گرفتاری سے نہ بچ سکے۔"

"کمال ہے!" رؤف نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "دراصل مس رضیہ نے ہم سے کوآپریٹ ہی نہیں کیا اور مخالفت کا انداز اختیار کیے رہیں، اگر وہ سب مجھے حالات سے آگاہ کر دیتیں تو انھیں خود کسی پریشانی میں نہیں پڑنا پڑتا۔"

"جو کچھ ہو گیا اُس پر خاک ڈالیے۔ آپ یہ بتائیں کہ شیر بہادر کا کیا ہوگا؟"

"وہ بھی سزا سے نہیں بچ سکتا لیکن ہم اُس پر چرس کی اسمگلنگ کے سوا کوئی چارج نہیں لگا سکتے۔"

"بس اُسے بچنا نہیں چاہیے۔"

"بچے گا تو وہ ہرگز نہیں۔" رؤف نے کہا، پھر بولا "آخر وہ آپ کو تبت... نام کیوں لے جانا چاہتا تھا؟"

"دراصل وہ لوگ صرف یہ چاہتے تھے کہ مجھے پاکستان سے باہر نکال لے جائیں۔ اُن کا خیال ہوگا کہ پاکستان کی حدود سے نکلنے کے بعد میں اُن کے رحم و کرم پر ہوں گی۔ خیر چھوڑیے اس ذکر کو! اب مجھے ایک معاملے میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔"

"فرمائیے!"

"مجھے چین جانا ہے۔"

"چین؟ کیوں؟" وہ حیرت سے بو...

"وہاں پہنچ کر میں تبت کے علاقے ... ہیں کہ میں ہندوستان کے راستے سے تو ... چین ہی جانا ہوگا۔"

"میں ضروری سوال کروں گا کہ کیوں ... کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"میرا ایک نجی کام ہے اور میں اُس ... نہیں بتا سکتی۔" میں نے کہا "اگر آپ ... کر سکتے ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ میں کر ... دراصل جب آپ جیسے کرم فرما موجود ہوں ... کہ اونچی سطح کی طرف ... کروں لیکن اگر ... بے لیں نہ جائیں تو مجھے ہی کچھ کر گزرنا پڑے گا۔"

رؤف ذرا دیر تو متفکر نظر آتا رہا ... بولا "مسئلے صرف دو ہوں گے۔ ایک تو یہ ... ملتی ہے یا نہیں! دوسرے یہ کہ آج کل ...

"فلائٹ کی بات تو یہ ہے کہ ایک ... جا سکتا ہے۔ رہ گئی چینی حکومت کی بات تو ... دیجیے! میں آج ہی چینی سفیر سے ملاقات کر سکتا ... اب صرف پاکستانی حکام کی بات رہ جاتی ...

"اُسے تو میں حل کر لوں گا۔"

"بس میں یہی چاہتی ہوں۔ اس کے ...

"آپ تنہا جائیں گی؟"

"میرے ساتھ رضیہ اور اُس کے ملازم ... یہاں برازیلین پاسپورٹ پھنسے ہوئے ہیں۔"

"آپ مجھے اُن کے ڈاکومنٹس ... توسط کرا دوں گا۔"

"بس تو پھر اب اٹھیے! زیادہ وقت نہیں ... ہوئے کہا "آپ میرے ساتھ رضیہ کے گھر ... اور اپنا پاسپورٹ بھی دے دوں گی۔ اس کے ... کرنے کے لیے جانا ہے۔"

وہاں سے ہم دونوں اپنی اپنی کار میں ... جب ہم بنگلے پہنچے تو میں یہ دیکھ کر ... کی موٹر سائیکل کھڑی ہوئی تھی۔ وہ تو یہ کہہ گیا ... پھر اب اچانک کیوں ٹپک پڑا؟ اس سوال ... شہمت کو تو ابھی میسر آنے لگی جرأت ... پکے تھے۔ رضوان اور رضیہ میرے سفر ...

... کا دروازہ ... بجائے ... والی تھی۔

... جلدی سے اتر کر میں نے کار کا دروازہ کھولنا چاہا ... نے پہلے ہی دروازہ کھول چکی تھی اور میرا ایک قدم کار ... تھا۔ مجھے یہ پورٹر ... چہچہانا بڑا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ... دروازہ نہ کھولے، صاحب کار سے نہیں اترتے۔ یہ ... مجھے کسی مرض کی علامت معلوم ہوتی ہے۔ ... اپنی ... سے آتر آیا تھا۔ میں اسے لیے ہوئے بڑھے ... ذہن رضیہ اور رضوان میں الجھا ہوا تھا۔ ... میں ایک بدھ بھکشو نظر آیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"... ہیں؟" بھکشو نے جواب دیا۔

... ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ!" میں نے رؤف کی طرف اشارہ ... کہا اور پھر رؤف سے بولی "آپ ڈرائنگ روم ... میں آتی ہوں۔"

... داخل ہوئی اور دبے قدموں رضیہ کے کمرے کی طرف ...

... بُری بات ہے کہ چھپ کر کسی کی گفتگو سنی جائے ... یہی تھا کہ میں اپنی چھوٹی بہن کی حرکات و سکنات پر نظر ... رکھنا چاہیے تھا کہ وہ کس فضا میں سانس لے رہی ہے اور ... جاننے کی ... تھی کہ اس کی چاہت کس منزل میں ہے۔ ... دروازے سے کان لگا دیے۔ ان دونوں کی آوازیں ... رہی تھیں۔

"... رضیہ کہہ رہی تھی "یہ تو میں تمہیں ہرگز نہیں بتاؤں ... کہاں جا رہے ہیں لیکن میں یہ ضرور چاہتی ہوں کہ ... پیچھے پیچھے وہاں آ جاؤ۔ جب تم وہاں آ جاؤ گے ... کے باوجود کچھ نہیں کر سکیں گی۔ اب یہ تو ہونے ... کہ تبت کی حدود سے نکال باہر کریں ... ہم نے دینا چاہتی کہ تم کو تبت بلانے والی میں ہوں۔ ... کہ تم نے اپنے طور پر ہمارے سفر کی منزل کا پتہ چلا ... سمجھنے کے لیے ہمارے تعاقب میں تبت ...

"... بڑی پریشان کن صورتِ حال ہے۔" رضوان نے ... کہا "گو کہ جنگ ختم ہو چکی ہے لیکن ملک ابھی ہنگامی ... اور میں اتنا با رسوخ نہیں ہوں کہ اتنی کم مدت ... اپنے کاغذات مکمل کرا لوں۔ اس کے علاوہ ایک ... کہ..."

بچکانہ انداز میں کہا "تم بس کسی طرح بھی تبت آ جاؤ۔"

میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور دبے قدموں اُس کمرے سے دُور ہوتی چلی گئی۔ مزید گفتگو سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ اتنی ہی گفتگو نے ثابت کر دیا تھا کہ میرے شبہات غلط نہیں تھے۔

اگر یہ انکشاف اچانک ہوا ہوتا تو یقیناً مجھے بڑا شدید دھچکا لگتا مگر چونکہ یہ دراصل میرے شبہات کی تصدیق تھا اس لیے یوں نہیں ہوا کہ میں ہل کر رہ جاتی۔ بہرحال وقتی طور پر مجھے اس کے نتائج و عواقب پر غور کرنے کی مہلت حاصل نہیں تھی لہٰذا میں نے اس موضوع بچار کو پھر کسی وقت پر اٹھا رکھا اور راہداری کے سرے تک لوٹنے کے بعد دوبارہ رضیہ کے کمرے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اس مرتبہ میری رفتار تیز تھی اور مجھے اس بات کا بھی کوئی اہتمام نہیں کرنا تھا کہ میرے قدموں کی آواز نہ ہو۔

"رضیہ!... رضیہ!" میں نے اُسے پکارنا بھی شروع کر دیا۔ یقیناً میری آواز نے ان دونوں کے اعصاب پر دھماکہ سا کیا ہوگا۔ میں ان دونوں کی اس وقت کی حالت سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی لیکن ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں تھا۔

رضیہ کے کمرے کا دروازہ بڑی تیزی سے کھلا اور وہ تو اس ... سی باہر نکلی "جی!" وہ اس طرح میری طرف بڑھی جیسے مجھے کمرے میں داخل ہونے سے روک دینا چاہتی ہو۔

"کیا رضوان آیا ہوا ہے؟" میں نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے پوچھا "میں نے پورچ میں اُس کی موٹر سائیکل کھڑی دیکھی ہے۔"

"جی... جی ہاں۔" رضیہ کچھ سٹپٹائی ہوئی تھی۔ "وہ... دراصل... جی ہاں... وہ دراصل..."

"کیا دراصل اور جی ہاں لگا رکھی ہے!" میں نے اپنے استعج... کو برقرار رکھا اور یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اُن کی اس پوشیدہ ملا... کا پردۂ راز انہی کی ہوائے استغنا سے اُڑ چکا ہے۔ دراصل ان... اس امکان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے تھا کہ میں کسی وجہ سے قبل ... بھی واپس آ سکتی ہوں۔

"دراصل باجی..." رضیہ کے چہرے کی رنگت کا ... ایسا تھا جیسے سمندر میں جوار بھاٹا آیا ہوا ہو۔

"بتا دو نا تم اپنی باجی کو!" رضوان گرجتا ہوا کمرے سے ...

"میں ان سے ڈرتا نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب!" میں اُسے گھورنے لگی۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔" رضوان نے منہ بنا کر کہا "... سوچ کر آیا تھا کہ آپ کی عدم موجودگی میں انہیں بہلا پھسلا کر ... حاصل کر لوں گا۔"

بولی "خیر! اس پر بعد میں گفتگو ہوگی۔ تم یہیں بیٹھو، رضیہ ابھی آتی ہے۔"
میں نے رضیہ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اپنے ساتھ تقریباً گھسیٹتے لیے چلی گئی۔ میں دانستہ اُن دونوں کو اتنا موقع دینا چاہتی تھی کہ وہ کوئی معقول بہانہ گڑھ لیں۔

رضیہ اتنی نروس ہوگئی تھی کہ مجھ سے کوئی استفسار بھی نہیں کرسکی۔ میں نے اُسے ڈرائنگ روم میں لے جاکر رؤف کے سامنے کھڑا کردیا اور بولی "یہ میری چھوٹی بہن ہے، رضیہ۔"

رؤف کھڑا ہوتا ہوا مسکرایا اور رضیہ کی طرف دیکھ کر اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور بولا۔ "میں آپ کو بتا چکا ہوں باتو کہ ان سے میری ملاقات تو ہوچکی ہے۔"

"رضیہ!" میں بولی "رؤف صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ یہ ہمارے سفر کی ابتدائی کاغذی تیاریاں مکمل کروادیں گے۔ تم اپنے پاسپورٹ وغیرہ انہیں دے دو۔"

"بہت بہتر باجی! لیکن وہ سب تو میرے کمرے میں ہیں۔" رضیہ اپنی حواس باختگی پر کسی حد تک قابو پاچکی تھی۔
"تو جاکر لے آؤ۔"
"بہتر۔"

جب وہ چلی گئی تو رؤف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یقین نہیں آتا یہ وہی رضیہ ہیں جن سے میں مل چکا ہوں۔"
"کیوں؟" میں نے پوچھا۔
"غالباً آپ کی موجودگی میں یہ اپنے آپ کو بہت دبا ہوا محسوس کرنے لگتی ہیں۔ جب میں ان سے پہلی بار ملا تھا تو یہ حد درجہ پُراعتماد رہی تھیں اور میرے ساتھ ان کا رویّہ بڑا شدید بلکہ انتہائی جارحانہ تھا۔"

میں ہنسنے لگی۔ رضیہ کے بارے میں رؤف کا یہ تبصرہ سُن کر میں نے مسرت محسوس کی تھی۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دراصل وہ میرا بہت کرتی ہے ورنہ اچھے اچھوں کے کان کتر دیتا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ میں کسی وقت کوئی خطرناک پوزیشن دیکھ کر گھبرا جاؤں لیکن اُسے لوگوں نے ہمیشہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط پایا ہے۔"

"اتنی کم عمری میں اُن کے یہ تیور ہیں تو آپ کی عمر میں پہنچ کر کیا ہوگا!"

"اس وقت وہ میرا سہارا ہوگی۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "میں تو تب تک بوڑھی ہوچکی ہوں گی نا! وہ کیا کہتے ہیں اُسے کہ مُنہ میں نہ پیٹ میں آنت! اپنی زندگی کا وہ دَور میں اسی کے سہارے گزاروں گی۔"

"ان کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے لہجے میں بلا کا پیار اُمنڈ آتا ہے۔" رؤف نے مسکرا کر کہا۔ "اور اگر آپ مجھے بے تکلفی کی اجازت دیں تو میں پیار کی بجائے ممتا کا لفظ استعمال کروں گا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ دراصل اس کی پرورش میں نے ہی کی ہے۔ وہ صرف دو سال کی تھی جب ہماری ماں کا انتقال ہوگیا تھا۔" میں یہ کہتے کہتے شاید کچھ اداس ہوگئی کیونکہ ماضی کی پرچھائیوں نے میرے دماغ پر غلبہ پالیا تھا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میں نے اسے تقریباً ماں بن کر پالا تھا اور اسی لیے وہ میرا اتنا ادب کرتی ہے۔"

قدموں کی آہٹ سنائی دی تو میں نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ رضیہ ہی تھی اور پاسپورٹ وغیرہ لے آئی تھی۔ میں نے وہ سب کچھ اس سے لے کر رؤف کے حوالے کیا اور بولی۔ "اگر میرا پاسپورٹ آپ چند گھنٹے بعد لے لیں تو کوئی حرج ہے؟"
"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ میں اس سلسلے میں کارروائی تو ابھی شروع کیے دیتا ہوں۔"
میں نے رضیہ سے پوچھا۔ "رضوان ابھی گیا تو نہیں؟"
"جی نہیں۔"
"اسے روکنا مجھے کچھ کام ہے۔"
"بہتر۔" رضیہ جانے لگی۔
"دراصل۔" میں نے رؤف کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔ "میرا پاسپورٹ میرے گھر ہے۔ اب میں وہاں جاؤں گی، تبھی تو لاؤں گی۔"
"کوئی حرج نہیں۔ تو میں دو گھنٹے بعد آپ سے کہاں ملوں؟"
"دو گھنٹے نہیں بلکہ تین گھنٹے بعد۔" میں نے جواب دیا۔ "یہیں آجائیے گا۔ دوپہر کو کھانا آپ میرے ساتھ ہی کھائیے۔"
"اس تکلف کی کوئی ضرورت تو نہیں تھی۔"
"کوئی حرج بھی نہیں ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "میں آپ کو تبت کی ایک مخصوص ڈش کھلواؤں گی۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ پسند کریں گے۔"

"بہتر ہے۔ تو اب میں اجازت چاہوں گا۔"
میں اُسے چھوڑنے کے لیے برآمدے تک گئی اور اُسے رخصت کرنے کے بعد پھر ڈرائنگ روم میں آبیٹھی۔ اس وقت رضوان، رضیہ ہی کے کمرے میں ہوگا اور اُن دونوں میں بڑے زور شور سے کھچڑی پک رہی ہوگی کہ اب مجھے سُنانے کے لیے کس قسم کی داستان گھڑی جائے۔
میں سگریٹ سُلگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر ان لڑکیوں کو ہو کیا جاتا ہے؟ کسی خوبصورت مرد کی قربت ملتے ہی شمع کی مانند پگھلتی چلی جاتی ہیں اور اس کے بعد یہ تو گویا لازم ہے کہ زندگی بھر کے لیے اس کی کنیز بننے کی کوشش کریں!

مرد کی برتری کو میں نے کبھی تسلیم نہیں کیا لیکن دوسری لڑکیوں کو اس ڈگر پر لانے کی کوشش میں مجھے ہمیشہ بے بسی کا شکار ہونا پڑا ہے۔ یہ کم فہم لڑکیاں میری باتوں کو سمجھتی ہی نہیں یا شاید سمجھنے کی کوشش نہیں کرتیں کیونکہ انہیں افزائشِ نسل کی مشین بننے ہی میں لطف حاصل ہوتا ہے۔

پے در پے ناکامیوں کے بعد اب میں فیصلہ کرچکی تھی کہ آئندہ کبھی کسی لڑکی کے خیالات کو اپنے نظریات سے ہم آہنگ کرنے کی سعی نہیں کروں گی۔ پھر رضیہ تو میری چھوٹی بہن تھی۔ اُس سے تو میں اس موضوع پر بات کر ہی نہیں سکتی تھی۔
سگریٹ ختم کرنے کے بعد میں نے رضیہ اور رضوان کو ڈرائنگ روم میں بُلایا اور رضوان کو گھورتی ہوئی بولی۔ "ہاں، اب بتاؤ! تم اس وقت نہ جانے کیا کہہ رہے تھے۔"
"یہ آپ کی چھوٹی بہن صاحبہ آپ سے بھی چار ہاتھ آگے ہیں۔" رضوان نے مُنہ بنا کر کہا۔
"کیا مطلب؟"
"آپ کی شخصیت میرے لیے ہمیشہ ایک راز بنی رہی ہے۔" رضوان نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "اور میں اس راز پر سے پردہ اُٹھانا چاہتا ہوں۔"
"تم بات پوری کیے بغیر خاموش نہ ہو۔"
"میں نے اس وقت آپ کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی تھی۔ یہاں سے اپنے گھر جاکر مجھے خیال آیا کہ آپ سے ایک بات پوچھنا بھول گیا۔ میں نے ٹیلیفون کیا تو پتہ چلا کہ آپ کہیں گئی ہوئی ہیں۔ میں نے سوچا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں چنانچہ پھر یہاں دوڑا چلا آیا۔ یہاں آکر میں نے آپ کی خواہرِ خورد سال کو اپنی باتوں کے جال میں پھنسانے اور آپ کے بارے میں اُن کی زبان سے کچھ کہلوانے کی کوشش کی لیکن یہ آپ سے بھی زیادہ ترقی کی بنی ہوئی ہیں۔ بہرحال میں اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے تھا کہ آپ ٹپک پڑیں۔"
"خوب!" میں نے قدرے توقف کیا اور پھر کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "اچھا اب ذرا میرے ساتھ چلو۔"
"کہاں؟" رضوان نے حیرت سے پوچھا۔
رضیہ نے اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدلا۔
"بس چلو، راستے میں بتاؤں گی۔" میں نے کہا پھر رضیہ سے بولی۔ "میں نے دوپہر کے کھانے پر رؤف کو بھی مدعو کرلیا ہے۔ خیال رکھنا۔ کوئی تبتی ڈش ضرور تیار کرالینا۔"
"بہت اچھا۔" رضیہ نے آہستہ سے کہا۔ اُس کے چہرے کی رنگت بدلی ہوئی تھی۔
ہرچند، یہ کوئی پریشان کُن بات نہیں تھی کہ میں رضوان کو اپنے ساتھ لے جارہی تھی لیکن [illegible] گھبرائے ہوئے تھے۔
میں دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ "آؤ رضوان!"
میں اپنے عقب میں نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اس وقت رضیہ اور رضوان نے بڑی بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ہوگا، آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہوئے ہوں گے کہ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوگئی؟
جب میں برآمدے کی سیڑھیاں اُتر رہی تھی تو میں نے پلٹ کر دیکھا۔ رضیہ اور رضوان آپس میں کچھ کھسر پھسر کرتے ہوئے باہر آرہے تھے۔ انہوں نے مجھے پلٹتے دیکھا تو یکلخت خاموش ہوگئے۔ میں ایسی بن گئی جیسے کوئی خاص بات نہ ہو۔
"رضوان! ڈرائیونگ تم ہی کروگے۔" میں نے کہا۔
[illegible] ذرا سی دیر تک میں نے رضیہ کو مضطرب پایا۔
"کہاں چلنا ہے خاتون؟" رضوان نے بھرائی ہوئی آواز میں اُس وقت پوچھا جب وہ کار کو سڑک پر لے آیا تھا۔
"میرے گھر چلو۔" میں نے کہا۔
"ڈیفنس؟"
"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے! کیا میرا گھر ڈیفنس کے علاوہ بھی کہیں ہے؟"
"آپ کی شخصیت اسرار کی پوٹلی سے کم نہیں۔ میں نے سوچا شاید آپ کا کوئی اور گھر بھی ہو جس سے میں بے خبر ہوں۔"
میں دھیرے سے ہنس کر چُپ ہوگئی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر رضوان بولا۔ "آپ اس وقت اپنے گھر کیوں لے جارہی ہیں؟"
"اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ میں اس وقت ڈرائیونگ نہیں کرنا چاہتی تھی اور دوسرے یہ کہ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"ضروری باتیں؟" رضوان نے اُلجھ کر کہا۔
"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "شاید تمہیں یہ جان کر تعجب ہو کہ میں دو ایک روز میں تبت جارہی ہوں۔"
"اچھا!" رضوان نے اس طرح حیرت ظاہر کی جیسے اس کے لیے ایک نئی اطلاع ہو۔
"اب باقی باتیں گھر چل کر ہوں گی۔" میں نے کہا۔
"آخر آپ تبت کیوں جارہی ہیں؟"
"میں نے کہا نا کہ باقی باتیں گھر چل کر ہوں گی۔"
رضوان ایک ٹھنڈی سانس لے کر چُپ ہوگیا۔
کچھ دیر بعد گاڑی میرے گھر کے احاطے میں داخل ہوئی۔ میں خاصے عرصے کے بعد لوٹی تھی اس لیے تمام ملازمین

۔۔۔ بیٹیوں نے ۔۔۔ کی ای بچھ میں اسی کے گال تھپتھپائے اور ہنس ہنس کر سب کی خیریت پوچھتی ہوئی رضوان کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔ آتے آتے میں اپنی ایک ملازمہ سے کافی کے لیے کہہ آئی تھی۔

"بیٹھو!" میں نے کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رضوان سے کہا۔ "جب تک کافی آئے، میں ذرا اپنی ڈاک دیکھ لوں۔"

میں رائیٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی جہاں ڈاک کے کئی پلندے رکھے ہوئے تھے۔ میں ان خطوط پر سرسری نظر ڈال کر ایسے خطوط الگ کرتی رہی جن کے جواب دینا ضروری تھے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے الماری میں سے اپنا پاسپورٹ نکال کر پرس میں رکھ لیا۔ اتنے میں ملازمہ کافی لے کر آ گئی۔

"رکھ دو!" میں نے تپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔ "اور تم جاؤ!"

ملازمہ کافی کی ٹرے رکھ کر چلی گئی تو میں رضوان کے سامنے جا بیٹھی اور ٹرے اپنی طرف کھسکا کر پیالیوں میں شکر ڈالنے لگی۔ رضوان ۔۔۔ ست بے چین نظر آ رہا تھا۔

"اب کچھ ارشاد تو فرمائیے!" وہ منہ بنا کر بولا۔

"ہمت کر رہی ہوں کہنے کی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں آسانی سے تو میری بات پر یقین بھی نہیں آئے گا۔"

"ایسی کیا بات ہے؟" رضوان کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"دراصل۔" میں نے ایک پیالی میں کافی انڈیلتے ہوئے کہا۔ "۔۔۔ میں نے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کیا!" رضوان کرسی سے بلامبالغہ اچھل پڑا اور اس طرح آنکھیں ۔۔۔ پھاڑ کر میری طرف دیکھنے لگا جیسے چڑیا گھر میں کسی نئے اور عجیب ۔۔۔ ب جانور کو دیکھتے ہیں۔

"میں نے کہا تھا نا کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔" میں نے اس سے ۔۔۔ بیں ملائے بغیر کہا۔ "دراصل انسان کو کبھی نہ کبھی ہوش ضرور آتا ہے۔ ۔۔۔ بھی اب ہوش آیا ہے کہ میں اب تک نہایت غلط راہوں پر ۔۔۔ گی کا سفر طے کرتی رہی ہوں۔ عورت کو سچا پیار کسی مرد سے ہی ۔۔۔ ہے۔ مرد کے بغیر عورت کی تکمیل ممکن نہیں۔"

"اللہ اللہ!" رضوان نے جھوم کر کہا۔ "آج آپ ایسی باتیں کر رہی ۔۔۔ بے اختیار قوالی کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔"

"ابھی تو تمہیں حال بھی آئے گا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا! ایسی بھی کوئی بات ہے؟"

"یقیناً۔" میں نے کہا۔ "خوش ہو جاؤ کہ میں تم سے ہی شادی ۔۔۔ ہ گی۔"

رضوان اس طرح ہنسنے لگا جیسے میں نے اسے کوئی لطیفہ ۔۔۔ ہو۔

"اب میرا مذاق نہ اڑاؤ۔" میں سنجیدہ ہو گئی۔

رضوان کی ہنسی اور تیز ہو گئی۔

"رضوان!" میں اس طرح بولی جیسے روہانسی ہو گئی ہوں۔ یہ اداکاری اتنی جاندار تھی کہ رضوان کی ہنسی یکلخت رک گئی۔ ۔۔۔ بھرائی ہوئی آواز میں کہتی رہی۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے ۔۔۔ کرتے ہو اور اسی لیے جب میں نے شادی کا فیصلہ کیا تو یہ انتخاب تم ہی پر پڑی۔ مجھے کچھ یہ احساس بھی ہوا ہے کہ ۔۔۔ تک اپنے آپ کو فریب دیتی رہی ہوں ورنہ حقیقتاً مجھے بھی ۔۔۔ محبت ہے۔"

"یہ۔۔۔ یہ آپ۔۔۔ کیا کہہ رہی ہیں بانو!" رضوان کی ۔۔۔ اس کے حلق میں اٹکنے لگی۔

"میں جو کچھ بھی کہہ رہی ہوں، سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ تم اتنے پریشان کیوں ہو گئے؟ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کر۔۔۔"

"میں یقیناً آپ سے محبت کرتا ہوں۔" رضوان ۔۔۔ ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن وہ محبت از قسم عقیدت و احترام ۔۔۔"

"اچھا اب مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو!" ۔۔۔ اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کچھ غصیلے سے انداز میں کہا۔

"خدا کی قسم میں آپ کو بے وقوف نہیں بنا رہا ہوں" ۔۔۔ نے بڑے پُرجوش انداز میں کہا۔

"میں نہیں مان سکتی۔"

"آخر کیوں!" رضوان اب کچھ بوکھلایا ہوا سا ۔۔۔

"اس لیے کہ مجھے تمہاری محبت کا یقین ہے۔" میں ۔۔۔ اسے نیم باز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

رضوان اتنا بوکھلایا ہوا سا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے سر کے بل کھڑا ہو جائے گا۔ وہ جلدی سے ۔۔۔ "آپ کے یقین کی کوئی وجہ بھی تو ہو!"

"وجہ تو ہے۔" میں نے کہا۔ "تم ماضی میں ۔۔۔ بار مجھے پا لینے کی خواہش کا اظہار کرتے رہے ہو۔"

"آپ نے میری اس بکواس پر یقین بھی کر لیا؟"

"کیوں نہ کروں؟"

"آپ بھی کمال کر رہی ہیں۔" رضوان نے ۔۔۔ انداز میں کہا۔ "میری اس بکواس کو بھول جائیے۔ ۔۔۔ چھیڑ چھاڑ کے لیے ہوتی تھی۔"

اس موقع پر میں نے اپنے پیٹ کے مروڑ کو کم کر ۔۔۔ ہنسنا شروع کر دیا اور ہنستی ہوئی بولی۔ "تم مجھے ہمیشہ ب۔۔۔ ۔۔۔ ھلا رہتے ہو۔ اب تم نے دیکھا کہ میں پگھل گئی ہوں تو ۔۔۔ پہلو بدل باتیں شروع کر دیں۔"

۔۔۔ مگر میں اس وقت آپ کو بے وقوف نہیں بنا رہا ہوں۔" ۔۔۔ نے والے انداز میں کہا۔ "یقین کیجیے میں اس وقت ۔۔۔

۔۔۔ میں مان سکتی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

۔۔۔ ں نہیں مان سکتیں؟"

۔۔۔ اگر یہ میرا دل کہہ رہا ہے۔"

۔۔۔ ول آپ ہانک رہا ہے۔"

۔۔۔ کھلا کر ہنس پڑی۔ رضوان کی بوکھلاہٹ مجھے خاصا ۔۔۔ ۔۔۔ میں نے پیالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا ۔۔۔

۔۔۔ وں کافی پینے کی بجائے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر ۔۔۔

۔۔۔ میں نے چمکارتے ہوئے کہا۔ "اب زیادہ اداکاری ۔۔۔

۔۔۔ سر اٹھا کر مجھے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر اس طرح چپ ۔۔۔ کی انتہائی منزل پر پہنچ چکا ہو۔ اس نے پیالی اٹھائی ۔۔۔ گھونٹ لینے لگا جیسے اپنے کسی دشمن کا خون پی رہا ۔۔۔ دیکھتے ہوئے صرف مسکرائی اور کافی کی چسکیاں لیتی رہی ۔۔۔ اپنے اس سنگین مذاق سے رضوان کی جان ۔۔۔ اس نے میری چھوٹی بہن سے محبت کی تھی لہٰذا اسے ۔۔۔ تھی۔

۔۔۔ کے بعد میں کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "اچھا اب چلو۔"

۔۔۔ رہے ہو؟"

۔۔۔ میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "کیا تم میری خاطر۔۔۔"

۔۔۔ اس نے میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "خدا کے لیے ۔۔۔

۔۔۔ میں تیوریاں چڑھا کر بولی۔ "رضوان! تم برابر میرے ۔۔۔ رہتے ہو۔"

۔۔۔ میں ایک جھٹکے سے دروازے کی طرف مڑ گئی۔

۔۔۔ ان کی بے بسی دیدنی تھی۔ وہ اب اس طرح قدم ۔۔۔ مقتل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

۔۔۔ میں بیٹھ گئے تو رضوان نے انجن اسٹارٹ کرتے ۔۔۔ پوچھا۔ "کہاں چلوں؟"

۔۔۔ چلوں گی۔ پھاٹک سے نکل کر بائیں جانب مڑنا۔"

رضوان کار کو حرکت میں لے آیا۔ میں اسے "دائیں۔۔۔ بائیں" کے کاشن دیتی رہی۔ جب کار برنس روڈ پہنچی تو رضوان کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ اس کے ذہن میں جو خیال ابھر رہا تھا، وہ درست ہی تھا۔ میں نے کار اس بلڈنگ کے سامنے رکوائی تھی جس میں رضوان کا فلیٹ تھا۔ کار روک کر وہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"اب اترو بھی!" میں نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

وہ اتر آیا اور میں اس کے ساتھ اس کے فلیٹ میں پہنچی۔

"تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟" میں صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"کیوں؟" وہ چونکا۔

"نکال کر لاؤ۔"

"مگر۔۔۔"

"میں کہہ رہی ہوں، پاسپورٹ لاؤ۔ اگر مگر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

رضوان بے بسی سے قدم اٹھاتا ہوا اندرونی کمرے میں چلا گیا اور جلد ہی اپنا پاسپورٹ لے کر واپس آیا۔ وہ اس نے مجھے دیا۔ میں نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور اپنے پرس میں رکھ لیا، پھر اٹھتی ہوئی بولی۔ "آؤ چلیں۔"

"لیکن پاسپورٹ۔۔۔"

"میں تمہیں بھی اپنے ساتھ تبت لے جانا چاہتی ہوں۔ اب جبکہ میں ایک قطعی فیصلے پر پہنچ چکی ہوں تو پھر اب تمہیں مجھ سے جدا نہیں ہونا چاہیے۔ اس وقت مجھے چینی سفیر سے ملنے جانا ہے۔ ڈرائیونگ اب بھی تمہیں ہی کرنا ہو گی۔ میں نے کار چلائی تو بہت تھک جاؤں گی۔"

رضوان ایک بے بس معمول کی طرح میری ہدایات پر عمل کرتا رہا۔ میں نے چینی سفیر سے کوئی نصف گھنٹے تک ملاقات کی۔ گفتگو کے دوران میں کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا۔ رضوان کو میں نے بیرونی کمرے میں چھوڑ دیا تھا۔

سفیر سے ملاقات کرنے کے بعد میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اب رضیہ کے گھر چلو۔"

رضوان نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی کو حرکت میں لے آیا۔

"آخر تمہیں چپ کیوں لگ گئی ہے؟" میں نے اسے کہنی سے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔

"بانو!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر یہ مذاق ہے تو اب خدا کے لیے اسے ختم کر دیجیے!"

"کیا تم اپنی یہ اداکاری ختم نہیں کر سکتے؟" میں نے غصیلی آواز میں کہا۔

"لیکن یہ اداکاری نہیں ہے۔" رضوان نے بڑی بے بسی ۔۔۔

سے کہا۔
"بکتے ہو!"
"آپ یقین کریں . . . ."
"میں کچھ نہیں سُننا چاہتی"، میں نے کہا اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ بس یہی ایک طریقہ تھا اُس سے اپنی ہنسی چھپانے کا۔
واپس رضیہ کے گھر پہنچ کر میں نے اُس سے کہا۔ "رکو گے اب یا جاؤ گے؟"
"بس اب جاؤں گا۔ نیند سے میری آنکھیں جل رہی ہیں"۔ رضوان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"اب دوپہر کا کھانا کھا کر ہی جاتے۔ میں نے رؤف کو بھی مدعو کیا ہے"۔
"نہیں بس اب میں جاکر سو جانا چاہتا ہوں"، رضوان نے موٹر سائیکل سنبھالتے ہوئے کہا۔
"کیا رضیہ سے مل کر نہیں جاؤ گے؟" میں نے بڑی سادگی سے پوچھا۔
"اب میں بس سونے کے علاوہ کچھ نہیں کرنا چاہتا"۔ رضوان نے کِک لگاتے ہوئے کہا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو گئی۔
"اچھا! خدا حافظ"، میں نے ہاتھ ہلایا۔
جواب میں شاید رضوان نے بھی "خدا حافظ" کہا تو تھا لیکن اُس کی آواز موٹر سائیکل کے شور میں دب گئی تھی۔ وہ فرّاٹے بھرتی ہوئی نکل گئی اور میں نے برآمدے کا رُخ کیا۔ میں اپنی ہنسی کو دبا کر اُس سطح پر لے آئی تھی جہاں وہ صرف مسکراہٹ رہ جاتی ہے۔
رضیہ کو میرا انتظار ہی تھا۔ وہ فوراً سامنے آئی۔ اُس نے مجھے تنہا دیکھا لیکن رضوان کے بارے میں کوئی سوال کرنے کی ہمت نہ کر سکی۔ بس اتنا کہا۔ "آپ آگئیں باجی!"
"ہاں، اب میں کچھ آرام کروں گی۔ تھکن ہو گئی ہے"۔
"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ . . . ."
"کام اتنے ضروری تھے کہ جائے بغیر بات نہیں بن سکتی تھی۔ اچھا سنو! جب رؤف آئے تو مجھے اُٹھا لینا"۔
"بہتر ہے"۔
اُس وقت بارہ بجے تھے۔ میں نے کوئی ایک گھنٹے آرام کیا۔ مجھے یقین تھا کہ اِس دوران میں رضیہ نے رضوان سے ٹیلیفون پر بات کر لی ہو گی اور "صورتِ حال" سے واقف ہو کر اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے ہوں گے۔
رؤف ایک بج کر دس منٹ پر آیا۔ رضیہ ہی نے آکر مجھے اطلاع دی تو میں بستر سے اُٹھی۔
کھانے کی میز فوراً لگا دی گئی اور ہم تینوں، کھانا کھانے بیٹھے۔ کھانے کے دوران میں رؤف نے بتایا کہ سب کام اطمینان

بخش طور پر ہو جائے گا۔ کھانے کے بعد میں
کا پاسپورٹ بھی اُس کے حوالے کر دیا۔ رضو
دیکھ کر رؤف کو حیرت ہوئی تھی۔ اُس نے
کر ڈالے لیکن میرے کسی جواب سے اُس کی تشـ
میرے جواب اتنے مبہم تھے کہ اُن سے کسی کی
تھی۔ آخر رؤف اِس موضوع سے ہٹ کر
لگا۔ وہ کوئی ایک گھنٹے تک رُکا اور پھر یہ کہہ کر
آئے گا۔
اس کے جانے کے بعد میں بستر پر جا لیٹی،
جس حد تک بھی ممکن تھا، میں آرام کر لینا چاہتی
دنوں کے بارے میں مجھے علم تھا کہ وہ بڑے
شام کو گلاسفورڈ کا ٹیلیفون آیا۔
"میں گیارہ بجے کی فلائٹ سے جا رہا
دی۔
"خدا آپ کا سفر بخیر کرے"۔ میں نے
"آپ نے کچھ سوچا؟"
"کس بارے میں؟"
میری اِس بات پر گلاسفورڈ تھوڑی دیر کے
لیے اُس کے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل
"ہیلو!" میں بولی۔
"جی!" گلاسفورڈ کی آواز بھرائی ہوئی
اِس درخواست کی طرف ہے جو میں آج صبح آ
"میرا فیصلہ اٹل ہے مسٹر گلاسفورڈ!
میرا کام اشد ضروری ہے جسے چھوڑ کر میں
کر سکتی، اور ہاں! مجھے آپ سے ایک بات
ہی نہیں رہا تھا"۔
"فرمائیے!"
"دراصل مجھے ایک شُبہ ہے جس کی
ہوں"۔
"ہاں ہاں، پوچھیے!"
"میرا استعفیٰ ملنے کے بعد مرکز نے
تھی؟"
میرا یہ سوال سُن کر گلاسفورڈ کو جیسے
"جواب دیجیے مسٹر گلاسفورڈ!" میں
پھر بولی "پچھلے دنوں مجھے ایک اہم کام سے
علاقوں میں جانا پڑا تھا۔ ایک بوڑھے نے
شروع کی تھی اور بعد میں اُس کے ساتھ
"بانو!" گلاسفورڈ نے طویل سانس لے

مقصد آپ کی نگرانی نہیں بلکہ حفاظت کرنا تھا۔ مرکز
ل تھیں کہ بعض خطرناک لوگوں سے تصادم کی وجہ سے
طرے میں ہے۔ مرکز آپ کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا لہٰذا
کے لیے اُن مقامی آدمیوں کو مقرر کیا گیا تھا۔ بعد
دوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ کیا آپ
"دونوں . . . ."
دشمنوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے"۔ میں نے
سوال پُورا ہونے سے پہلے ہی جواب دے دیا۔ "اِس میں
انہوں نے مجھے بچانے ہی کے لیے جان کی بازی
اس بات کو یاد رکھیے مسٹر گلاسفورڈ! میں یہ پسند نہیں
آئندہ کبھی میرے سلسلے میں اِس قسم کا کوئی اقدام

کر اُس کے بارے میں بتا دوں گا"۔
اور کوئی بات؟"
بس، میں نے بس یہی بتانے کے لیے آپ کو فون کیا تھا
کی فلائٹ سے واپس جا رہا ہوں"۔
ادھوری جُملے کے بعد میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔
کے کھانے کی میز پر میں نے رضیہ سے پوچھا۔ "رضوان

ہیں"۔ رضیہ نے جواب دیا۔
لے کھانا کھاتی رہی۔ رضیہ یوں ظاہر کرنے کی کوشش
کے بعد سے اب تک رضوان سے اُس کا رابطہ
ملی میں ہو رہے سے کہہ سکتی تھی کہ ٹیلیفون پر اُن دونوں
ہو چکی ہے۔ رضیہ کھانا کھاتے کھاتے اِس طرح
لگتی جیسے اچانک میرے سر پر کوئی فاختہ آ بیٹھی ہو۔
طرف متوجہ ہوتی تھی تو اُس کی نظریں فوراً جُھک

کے بعد میں نے رضیہ سے کہا۔ "کافی میں کمرے میں بستر

میں زولا سے کہہ دیتی ہوں کہ وہ کافی وہاں سے

ڈرائنگ رُوم سے نکلی اور اُس کمرے میں آگئی جو
ہو کر دیا تھا۔ چند منٹ بعد رضیہ بھی وہیں
پیچھے زولا، کافی کی ٹرالی دھکیلتا ہوا لے آیا۔
کے دوران میں، میں نے رضیہ کی طرف دیکھے بغیر آہستہ

ارے وہ جیسے چونک پڑی۔
وں کو بھی اپنے ساتھ تبت لے جانے کا فیصلہ

کیا ہے"۔
"کسی خاص وجہ سے؟" رضیہ نے بے اختیاری میں بڑا چُبھتا ہوا سوال کیا۔
"ہاں، اس کی ایک خاص وجہ ہے"۔ میں نے اب بھی اُس کی طرف نہیں دیکھا۔ میں اُسے یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ دل میں چور ہونے کی وجہ سے میں اُس سے نظریں نہیں ملا رہی ہوں۔
"وہ وجہ کیا ہے باجی؟" رضیہ نے پوچھا۔
"وہ . . . . دراصل . . . ."۔ میں اِس طرح چُپ ہو گئی جیسے الفاظ میرے حلق میں اٹک گئے ہوں۔ مجھے اپنی اِس اداکاری پر ہنسی آنے لگی تھی، جسے میں نے خفیف سی مسکراہٹ کا سہارا دے کر ٹالا اور بولی۔ "وہ ایک ایسی وجہ ہے جو میں تمہیں تبت کی مہم کے خاتمے پر بتاؤں گی"۔
"جیسا آپ مناسب سمجھیں"۔ رضیہ نے آہستہ سے کہا اور کافی کی پیالی ہونٹوں سے لگا لی۔
"میں نے رضوان کا پاسپورٹ بھی رؤف کو دے دیا ہے۔ چینی سفیر سے بھی ملاقات کر چکی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں کسی رُکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور ہم پرسوں روانہ ہو جائیں گے"۔
"ضرورت کے تحت یہ عجلت غلط تو نہیں لیکن میں آپ کی صحت کی طرف سے فکر مند ہوں"۔
"ارے نہیں پگلی! میں اتنی کمزور نہیں ہوں۔ پرسوں تک یہ کمزوری بھی باقی نہیں رہے گی"۔ میں نے کافی کا آخری گھونٹ لے کر پیالی رکھ دی۔
رضیہ بھی اپنی کافی ختم کر چکی تھی۔ اُس نے زولا کو آواز دے کر بُلایا اور اُس سے ٹرالی لے جانے کے لیے کہا، پھر مجھ سے بولی۔ "اچھا باجی! اب آپ آرام کریں"۔
"ہاں، اب تم بھی جا کر لیٹ رہو"۔
رضیہ میرے قریب آئی۔ اُس نے جُھک کر میری پیشانی کو بوسہ دیا اور "شب بخیر" کہہ کر چلی گئی۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ اندر سے بولٹ کیا اور کمرے کی وہ کھڑکی کھول دی جو بیرونی رُخ پر تھی۔
وہ اکتوبر کا مہینہ تھا لیکن گرمی اتنی تھی جیسے جون کا مہینہ ختم ہوئے چند دن گزرے ہوں۔ پنکھا پوری رفتار سے چل رہا تھا لیکن اگر میں کھڑکی نہ کھولتی تو گھٹن ہو جاتی، پھر میں نے کمرے کی ساری بتیاں بُجھا کر صرف سائڈ لیمپ جلتے رہنے دیا اور بستر پر لیٹ کر ایک کتاب اُٹھا لی۔ اُٹھائی تو ظاہر ہے کہ اِسی ارادے سے تھی کہ پڑھوں گی لیکن پڑھ نہ سکی۔ رہ رہ کر مجھے خیال آ رہا تھا کہ میری یہ ایکٹنگ رضوان اور رضیہ پر کس حد تک شدید اثرات مرتب کر سکتی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ رضیہ کے دل میں حسد کی آگ دہک اُٹھے اور وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے؟ اگر

ایسا ہوا تو یہ میری شرارت کا انتہائی خوف ناک نتیجہ ہوگا۔ ویسے مجھے یہ احساس تو خوب تھا کہ رضیہ مجھ سے شدید محبت کرتی ہے لیکن مجھے رقابت کے جذبے کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ یہ جذبہ عورت کو کس حد تک اندھا کر سکتا ہے۔ میں نے اس جذبے کے بارے میں صرف کتابوں میں ہی پڑھا تھا لیکن کتابوں میں دونوں ہی طرح کی مثالیں سامنے آئی تھیں۔ حسد کی آگ میں جل کر عورت اپنی مدِ مقابل کو ہلاک بھی کر ڈالتی ہے اور اس کی خاطر خود اپنے آپ کو بھی قربان کر دیتی ہے۔

انہی خیالات سے اُلجھتے اُلجھتے مجھے نیند آ گئی اور اس طرح اچانک آئی کہ مجھے سائڈ لیمپ بجھانے کا بھی موقع نہیں مل سکا۔

نیند ایک عجیب و غریب قسم کا نشہ ہے۔

میرا وہ نشہ کسی قسم کی آواز سے ٹوٹا۔ میری آنکھیں کھلیں اور میں نے جو منظر دیکھا، وہ ایسا تھا کہ میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔

رضیہ کے ہاتھ میں کوڑا تھا اور وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں زیبا پر جمی ہوئی تھیں جو میرے بستر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے اور وہ اس ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ سے دبائے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے ساتھ خوف کے تاثرات بھی تھے۔

فرش پر ایک خنجر پڑا ہوا تھا۔

"رضو! میں حیرت سے بولی۔ "یہ کیا معاملہ ہے؟"

"یہ آپ کو قتل کرنے آیا تھا باجی!" رضیہ نے میری طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ اس کی شعلے برساتی ہوئی آنکھیں زیبا ہی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے کہا۔ "یہ آپ پر خنجر سے حملہ کرنے والا تھا کہ میں نے کوڑا مار کر اس کے ہاتھ سے خنجر گرا دیا۔"

"لیکن کمرے میں ۔۔۔" میری نظریں کھڑکی کی طرف اُٹھیں اور میرے سوال کے باقی الفاظ میرے حلق میں ہی ٹوٹ پھوٹ کر اس طرح بکھر گئے کہ زبان تک نہیں آ سکے۔

کھڑکی کی پوری گرل غائب تھی۔

"زیبا!" رضیہ نے خونخوار لہجے میں کہا۔ "میں نے تجھے تنبیہ کی تھی اگر اب تو مجھے شہر میں کہیں دکھائی دیا تو تیرا انجام اچھا نہیں ہوگا لیکن تو نہ صرف نظر آیا بلکہ اس جسارت کے ساتھ نظر آیا کہ باجی کا خون بہانا چاہتا تھا۔ کیا تو بھول گیا تھا کہ سابیری ابھی زندہ ہے؟ اب تو خود ہی بتا کہ سابیری تجھے اس گستاخی کی کیا سزا دے؟"

میں بستر پر خاموش بیٹھی ہوئی اُن دونوں کی طرف دیکھتی رہی۔ میں نے ایک نظر دیوار گیر کلاک پر ڈال لی تھی جو تین بج کر دس منٹ کا اعلان کر رہا تھا۔ میں ابھی اُٹھی تھی تو مجھے یوں لگا تھا جیسے مجھے سوئے ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے لیکن کلاک نے میری یہ

غلط فہمی دور کر دی۔ مجھے سوئے ہوئے پانچ گھنٹے

"جواب دے زیبا!" رضیہ دانت پیستی ہ

زیبا اپنے چوٹ کھائے ہوئے ہاتھ کی کلا

تھا۔ اس نے دفعتہً بڑی پھرتی سے اپنی جیب میں ا

نکال لیا۔

میں دل ہی دل میں اُسے "بے وقوف" کہہ ا

اس نے یہ حماقت کر کے رضیہ کے نزدیک سہے فہ ار

تھا۔

اُدھر اس کی جیب سے ریوالور نکلا ا ر

ہاتھ میں دبے ہوئے کوڑے نے جنبش کی۔ رضیہ کی

تھی جیسے بجلی کوند گئی ہو۔ شائیں کی آواز سے کوڑا

حسرت رہ گئی ہوگی کہ وہ ریوالور کے ٹرائیگر پر ہاتھ

ہوتا۔ کوڑا اس کے ہاتھ پر اس طرح پڑا تھا

نے اچانک حملہ کر کے اپنے شکار کو ڈس لیا ہو۔ ا

چیخ نما کراہ نکل گئی اور ریوالور کا وہی حشر ہوا

ہو چکا تھا۔

"زیبا!" رضیہ کا پورا جسم غصے سے کا

یہاں تک بھی پہنچ سکتی ہے کہ تو سابیری پر ا

زیبا کے چہرے پر ایسی سفیدی چھا

شخص کا چہرہ ہو۔

"اب میں تجھے سزا دیے بغیر نہیں چھوڑ ا

دانت پیستے ہوئے اُس کی طرف ایک قدم ب

"رحم سابیری! رحم!" زیبا گڑگڑاتا ہ

"رحم کی گنجائش تو نے خود ہی ختم کر دی

یہ کہتے ہوئے کوڑا گھمایا جو زیبا کی پیٹھ پر پڑا

چیخ نکل گئی اور وہ تڑپ کر سیدھا ہوا۔ کوڑا

ضرب اُس کے سینے پر پڑی اور وہ ڈکراتا ہ

"کتے! خبیث!" رضیہ دانت پیستی ہ

نے انتہائی وحشیانہ انداز میں زیبا پر کوڑ

"سابیری! میں مر جاؤں گا۔" زیبا

"تجھے مر ہی جانا چاہیے۔" رضیہ غرائی

زیبا کی آہ و بکا سن کر زوالا اور بدرو

گئی تھی اور وہ دروازے پر جمع ہو چکے تھے

"بانو! بانو!" زوالا دروازہ پیٹنے لگا

"ابھی باہر ہی ٹھہرو!" رضیہ نے ب

کو حکم دیا۔

اس کی آواز سنتے ہی باہر سناٹا چھا

قیامت آئی ہوئی تھی۔ کوڑے کی شائیں

گم ہو رہی تھیں۔

ں خاموش بیٹھی یہ سارا تماشا دیکھتی رہی۔ اس وقت مجھے رضوان کا بھی خیال آیا، اگر وہ یہاں ہوتا اور ک روپ دیکھ لیتا تو اس پر کیا گزرتی؟

زیبا کی یہ حالت ہو گئی کہ اب کوڑے کی ضرب کھا ابھی نہیں جا رہا تھا۔ کوڑے کی ضربوں سے اس مے پھٹ گئے تھے اور وہ سر سے پیر تک ا تھا۔

ں کر رضو! میں آہستہ سے بولی۔ "جان سے مار ہیں ہوتی۔ سزا تو یہ ہے کہ آدمی سسکتا رہے اور ۔"

کوڑا ایک طرف پھینک کر زیبا پر تھوک دیا اور پیشانی کا پسینہ خشک کرتی ہوئی دروازے کی طرف دروازہ کھول کر اُن لوگوں کو اندر بلا لیا اور زیبا ہوئے حکم دیا۔

ے جاؤ اور کسی کمرے میں ڈال دو۔"

ور بھکشو کوئی استفسار کیے بغیر زیبا کو وہاں اور رضیہ میرے بستر پر آ کر ڈھیر ہو گئی۔ اس کا سانس ا ہوا تھا اور تنفس کی رفتار ایسی تھی جیسے کوئی ۔

میں اس کے قریب بیٹھ کر رومال سے اس کے چہرے لگی۔ "تو بعض اوقات اتنی جذباتی کیوں ہو

میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "کیا یہ کوئی معمولی کو قتل کرنے آیا تھا۔"

ے کر تو آیا تھا، کامیاب تو نہیں ہو گیا تھا۔"

رضیہ جیسے تڑپ کر اُٹھ بیٹھی اور بولی۔ "اگر وہ اس وقت زمین و آسمان میں اتنی طاقت نہ ہوتی ار کر سکے۔"

ں کر اُسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس وقت ں۔ میں سونے سے پہلے کتنے بے تکے انداز بھلا اتنی پیاری سی بہن، حسد کی آگ میں ان پہنچا سکتی ہے؟ یہ تو گویا ایسا ہوتا جیسے ل کی بجائے لہو ٹپکنے لگے۔

آہستگی کے ساتھ اپنے سینے سے الگ کیا اور مسکرا کر بولی۔ "اب تو باتھ روم میں جا کر اپنا ۔"

"اچھا باجی!" رضیہ نے آہستہ سے کہا اور اُٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی۔

میں کھڑکی کی طرف گئی اور چوکھٹ پر دونوں ہاتھ رکھ کر آگے جھکی۔ کھڑکی کے نیچے مجھے پوری گرل پڑی ہوئی نظر آ گئی۔ میں ایک طویل سانس لے کر سیدھی کھڑی ہوئی اور کھڑکی کے فریم کے وہ حصے دیکھنے لگی جہاں گرل لگی ہوئی تھی۔

"یہ نارلیفہ کے سفوف کی کارگزاری ہے باجی!" رضیہ باتھ روم سے نکلتی ہوئی بولی۔

"ہاں، میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔" میں نے سر ہلاتے ہوئے ک

'نارلیفہ' ایک بوٹی کا نام ہے جو غالباً صرف تبت میں پائی جاتی ہے۔ یہ بوٹی برف پگھلنے کے فوراً بعد پیدا ہوتی ہے اور چند دن کے اندر اندر مرجھا کر ختم ہو جاتی ہے۔ تبت کے لاما برف پگھلتے ہی اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں اور جہاں بھی ملتی ہے، اُسے اکھاڑ لیتے ہیں۔ اس بوٹی کو پیس کر سفوف بنا لیا جاتا ہے۔ بعض دوسری چیزوں کی آمیزش کے بعد یہ سفوف مختلف بیماریوں کے علاج میں کام آتا ہے۔ خالص سفوف میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ اگر اُسے کسی دھات پر چھڑک کر اوپر سے پانی کا چھینٹا دے دیا جائے تو ذرا سی دیر میں دھات پگھل جاتی ہے۔

کھڑکی کی گرل پر زیبا نے وہی سفوف آزمایا تھا۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کھڑکی بند کی اور بولٹ چڑھا دیے، پھر رضیہ سے کہا۔ "زوالا سے کہو کر چائے بنائے۔ مجھے اب نیند تو نہیں آئے گی۔ ساڑھے تین بج رہے ہیں۔"

رضیہ سر ہلا کر کمرے سے چلی گئی اور تین چار منٹ بعد لوٹ آئی۔

"تم نے اُسے یہاں آتے ہوئے کیسے دیکھ لیا؟" میں نے اُس سے

"یہ کوئی اتفاق نہیں تھا باجی! میں تو اس کی تاک میں تھی۔"

"کیوں!" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"مجھے یقین تو تھا ہی کہ زیبا نے یہ شہر ہرگز نہیں چھوڑا ہوگا۔ بس اتنا ہوا تھا کہ اس نے میرے خوف سے روپوشی اختیار کر لی تھی۔ دن میں آپ کئی مرتبہ گھر سے نکل کر آئیں گئیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ زیبا نے آپ کو دیکھ لیا ہوگا۔ وہ یہاں آیا ہی اس لیے تھا کہ آپ کو ختم کر دے لہٰذا اب اس کی طرف سے کوئی خطرناک قدم ضرور اُٹھنا چاہیے تھا۔ ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، میں آپ کی طرف سے مطمئن کیسے ہو جاتی؟ آپ کو شب بخیر کہنے کے بعد میں اپنے کمرے سے یہ کوڑا لے کر چھت پر چلی گئی تھی کہ وہاں سے ارد گرد نظر رکھ سکوں۔ میں چھت کے کنارے پر ٹہلتی ہوئی مسلسل چکر لگا رہی تھی۔ ایک مرتبہ میں جب اس کھڑکی کے اوپر پہنچی تو میں نے زیبا کو دیکھا۔ وہ گرل الگ کر کے زمین پر رکھ چکا تھا اور کھڑکی میں داخل ہو رہا تھا۔ میں بڑی تیزی سے پائپ کے سہارے نیچے آئی اور کھڑکی میں

پہنچ گئی۔ وہ اُس وقت اپنا خنجر والا ہاتھ بلند کیے ہوئے آپ کی طرف
بڑھ رہا تھا للذا میں ایک پل کی بھی تاخیر کیے بغیر جست لگا کر کمرے میں
آئی اور کورٹے کی ضرب لگا کر اُس کے ہاتھ سے خنجر گرا دیا۔"
"تو کیا یہ اکیلا ہی تھا؟"
[illegible] یہ [illegible] اپنا [illegible]
احاطے [illegible] جب [illegible] والے نے اس کی چیخیں سُنی ہوں
گی تو دُم دبا کر بھاگ لیے ہوں گے۔"
"وہ چیخیں تو آس پاس کے رہنے والوں نے بھی سُنی ہوں گی!" میں
نے تشویش ظاہر کی۔
"اگر سُنی بھی ہوں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" رضیہ بے پروائی
سے شانے جھٹک کر بولی۔ "چیخیں سُن کر بھی وہ لوگ اپنے بستروں میں دبکے
لیٹے رہے ہوں گے۔ اس علاقے میں رہنے والے بڑی احتیاط سے زندگی گزارنے
کے عادی ہیں۔ خود کو ہنگاموں سے بالکل الگ تھلگ رکھتے ہیں۔ ہاں اگر
یہی واقعہ کسی متوسط طبقے کے محلّے میں ہوا ہوتا تو اب تک یہاں بھیڑ
لگ جاتی۔"
"بہر حال اب یہ بات طے پا چکی ہے کہ تمہارا یہ بنگلہ ہمارے لیے کچھ
محفوظ نہیں ہے۔ میں تو تمہیں اس خیال سے اپنے گھر نہیں لے گئی تھی کہ
مشابہت کی وجہ سے تمہارا وجود آس پاس کے لوگوں کے تجسس کا باعث
بن جائے گا اور وہ لوگ جوق در جوق ملنے کے لیے آنے لگیں گے لیکن اب
یہ مصیبت مول لیے بغیر چارہ کار نہیں۔ صبح ناشتے کے بعد تم میرے ساتھ
[illegible] چلو۔ زولا وغیرہ کو یہیں رہنے دو۔"
"جیسا آپ کہیں!" رضیہ بولی۔ "میں تو خود سوچ رہی تھی کہ آپ
مجھے اپنے گھر کیوں نہیں لے گئیں!"
"بس یہی سوچ کر نہیں لے گئی تھی کہ آس پاس کے لوگوں کا ہجوم
لگ جائے گا۔"
اتنے میں زولا چائے لے کر آ گیا۔
چائے پینے کے دوران میں ہم دونوں بہنیں اُس مہم کے بارے
میں باتیں کرتے رہے جو تبت سے تعلق رکھتی تھی۔
صبح ناشتے کے بعد رضیہ نے زولا اور بدھو بھکشوؤں کو کچھ ہدایات
دیں اور میرے ساتھ ڈیفنس کی طرف روانہ ہو گئی۔
"زمپا کا کیا کرو گی؟" میں نے راستے میں اُس سے پوچھا۔
"اُسے یہیں بند کمرے میں چھوڑ جائیں گے۔ یہاں اُس کا جو بھی
حشر ہو۔" رضیہ نے سفاکانہ بے پروائی سے کہا۔
جب ہم گھر پہنچے تو وہی ہوا جو میں پہلے ہی سوچ چکی تھی۔ ساری
ملازماؤں نے ہمیں نرغے میں لے لیا۔ وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ
کر رضیہ کو دیکھ رہی تھیں جیسے وہ دوسری دُنیا کی مخلوق ہو۔ میں نے ہنس
کر انھیں بتایا کہ یہ میری چھوٹی بہن ہے۔
"یہ اب تک کہاں تھیں؟" میری ملازمۂ خاص نے پوچھا۔

"یہ برازیل میں رہتی تھیں۔"
"اب تو یہ یہیں [illegible]؟"
"[illegible] دیا۔" یہ کل [illegible]
[illegible] پھر غصے سے [illegible]
میرا یہ جواب سُن کر میری ملازماؤں کو [illegible]
"فریدہ!" میں نے اپنی ملازمۂ خاص سے کہا
"برابر والا کمرہ رضیہ کے لیے ٹھیک کر دو۔"
"وہ ٹھیک ہی ہے بانو! ہمارے گھر کا کوئی
خراب حالت میں نہیں رہتا۔"
"رضیہ! تم اب جا کر سو جاؤ!" میں نے کہا
ہوئی ہو۔"
"ہاں باجی! اب میری آنکھوں میں جلن [illegible]
میں خود رضیہ کو اس کمرے تک چھوڑ [illegible]
"یہاں ٹیلیفون بھی ہے۔" میں نے [illegible]
ہوئے کہا۔ "تم کو جب بھی ضرورت محسوس ہو
قائم کر سکتی [illegible]"
رضیہ کو بستر پر لٹا کر میں اپنی خوابگاہ میں آئی [illegible]
جنرل منیجر سے رابطہ قائم کیا۔ میں اس سے [illegible]
کرتی رہی اور پھر یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا کہ میں [illegible]
اس کے بعد میں اپنی ڈاک دیکھنے بیٹھی [illegible]
خطوط پڑھتی رہی اور قابلِ جواب خطوط پر چند سطر [illegible]
بعد میں میری پرائیویٹ سکریٹری ان کے جواب لکھ سکے
اس کام سے فارغ ہو کر میں کرسی سے [illegible]
لے کر غزالہ کی آمد کے بارے میں بتایا۔
"ارے!" میرے منہ سے نکلا۔ "اتنے [illegible]
"معلوم نہیں بانو!"
"اچھا اُسے یہیں بھیج دو! میرا خیال
ہو گا!"
ملازمہ کے جانے کے بعد میں آرام کرسی [illegible]
مجھے اور بھی بہت سی لڑکیاں یاد آ گئی تھیں۔ خاص [illegible]
آیا تھا میں تبت جانے سے قبل اُس سے [illegible]
غزالہ آندھی طوفان کی طرح کمرے میں آئی [illegible]
کے لیے کھڑی ہو گئی۔
"بانو!" اُس کی پکار میں پیار کی شدت
تیزی سے آگے آئی اور مجھ سے کہربا کی مانند [illegible]
میرا منہ چومنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی [illegible]
[illegible] سے پوچھ رہی تھی۔ "آپ کہاں چلی گئی تھیں [illegible]
"ارے پگلی!" میں نے ہنس کر [illegible]

[illegible] زندگی تو اب ہنگاموں ہی سے عبارت ہو کر رہ گئی ہے۔
[illegible] ایک نام صبیحہ بانو ہے۔ میں اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔
[illegible] ذات میں ہنگاموں کے بیچ پلتی رہتی ہوں۔"
[illegible] اپنی اس بے ہودہ عادت سے پیچھا چھڑائیے!" غزالہ نے
[illegible] میں ہاہا کر ہنسنے لگی۔
[illegible] سمت بھی کچھ گری گری سی معلوم ہو رہی ہے۔" وہ پھر بولی۔
[illegible] گری گری تو ہے لیکن میں دو چار دن میں اسے اُٹھا لوں گی۔"
[illegible] کہا۔ پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے بستر تک لے
[illegible] بٹھایا اور خود اس طرح لیٹ گئی کہ اپنا سر اس کی گود میں

[illegible] آپ تھیں کہاں؟" غزالہ نے پوچھا۔
[illegible] اب مجھ سے اپنا حساب چکانے کی فکر میں تھے۔"

[illegible] مطلب!"
[illegible] نے کہا کہ تو ان چکروں میں پڑ کر خود کو ہلکان نہ کر!"
[illegible] ہار دوں؟" وہ مجھے تیکھی نظروں سے دیکھنے لگی۔
[illegible] کچھ نفع ہے کہ میں صرف آج بھر کی مہمان ہوں۔"
[illegible] بھر کی مہمان؟" وہ چونکی۔
[illegible] کل میں چلی جاؤں گی۔"
[illegible] وہ مضطرب ہو گئی۔
[illegible] ستان سے باہر۔"
[illegible]؟"
[illegible] ضروری کام ہے۔"
[illegible] بھی کیجیے ان ضروری کاموں کو۔"
[illegible] جان!" میں اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "یہ تو
[illegible] ہم ہے۔"
[illegible] ہو گئی۔ میں نے اس کا سر اپنے چہرے پر جھکا لیا اور
[illegible] دیکھتی ہوئی مسکرا کر بولی۔ "چندا! تو مجھ سے اتنی زیادہ
[illegible] میری زندگی تو ایسی ہی ہے کہ اگر مجھے خانہ بدوش کہا
[illegible] غلط نہیں ہو گا۔"
[illegible] واپس آئیں گی؟" غزالہ نے پوچھا۔
[illegible] کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بہت عرصہ ہو گیا کہ میں ملک سے باہر
[illegible] کے ہوئے ہیں۔ سبھی کو نمٹا کر آؤں گی۔ ممکن ہے،
[illegible] جائے کہ جب میں واپس آؤں تو تیری گود میں ایک
[illegible] بھی موجود ہو۔" میں نے اُسے چھیڑا۔
[illegible] دروازے پر دستک ہوئی۔ میں جلدی سے غزالہ کی گود
[illegible] اور بستر سے اُٹھ کر کرسی پر جا بیٹھی۔
[illegible]!" میں نے بلند آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا اور میری ایک ملازمہ اندر آئی۔ وہ کسی کا وزیٹنگ
کارڈ لائی تھی۔
"کون آ گیا!" میں نے بڑبڑاتے ہوئے کارڈ پر نظر ڈالی۔ "اوہ!
رؤف!"
"میں نے انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔" ملازمہ نے بتایا۔
"اچھا جاؤ!" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "میں آتی ہوں۔"
ملازمہ کے جانے کے بعد میں نے غزالہ سے کہا۔ "تم بیٹھو! میں ان
صاحب سے ملاقات کر لوں۔"
"کتنی دیر لگے گی؟"
"بس زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ لگے گا۔"
"میں بیٹھی ہوں، آپ جلدی سے آئیے!"
"بس ابھی آئی۔" میں نے چٹکی بجا کر کہا اور دروازے کی طرف بڑھ [illegible]
رؤف ڈرائنگ روم میں میرا منتظر تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ پہلے
رضیہ کے بنگلے پر گیا تھا۔ وہاں سے اس کو یہ اطلاع ملی تھی کہ میں رضیہ [illegible]
لے کر اپنے گھر چلی گئی ہوں۔
"اور سنائیے!" میں نے پوچھا۔ "کام ہو گیا؟"
"جی ہاں، تھوڑا ہی سمجھیے! کچھ کاغذات پر آپ لوگوں کے دستخط ہو [illegible]
ہیں۔ وہ کاغذات میں لے آیا ہوں۔" رؤف نے تپائی پر رکھی ہوئی [illegible]
کی طرف اشارہ کیا۔
"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "میں دستخط کروا کے آپ کو بھجوا دوں [illegible]
"لیکن یہ کاغذات مجھے ابھی لے جانا ہیں۔"
"ابھی؟" میں نے زور دے کر پوچھا۔
"جی ہاں!"
مجھے بڑی کوفت ہوئی کیونکہ میری خوابگاہ میں غزالہ میرا انتظار کر [illegible]
رہی تھی لیکن یہ کام بھی اتنا ضروری تھا کہ میں اسے ٹال نہیں سکتی تھی۔ میں [illegible]
نے ٹیلیفون کر کے رضوان سے کہا کہ وہ فوراً میرے گھر آ جائے۔ پھر میں [illegible]
نے رضیہ کے کمرے میں جا کر اُسے جگایا۔
"کیا ہوا باجی!" وہ گھبرا کر بولی۔
"کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ بس کچھ کاغذات پر تم لوگوں [illegible]
دستخط ہونا ہیں۔ رؤف ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا ہے۔ تم اس کے سا[illegible]
چلی جاؤ تاکہ زولا وغیرہ کے کاغذات بھی مکمل ہو سکیں۔ میں نے رضوا[illegible]
بھی بلا لیا ہے۔"
"کیا میرا جانا ضروری ہے؟"
"زولا وغیرہ کے دستخط کیسے ہوں گے؟"
"میں زولا کو فون کیے دیتی ہوں۔ رضوان کو رؤف کے س[illegible]
[illegible]

"ٹھیک ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا "اچھا تو
ٹپ کر دو۔ میں ڈیڑھ دو گھنٹے میں لوٹوں گی۔ مجھے بھی
چکر لگا لینا چاہیے لیکن میرے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ
نا نہیں دے سکتی۔" میں ہنس پڑی "اچھا......"
اتھ ملاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

صرف ایک گھنٹے رُکنا چاہتی تھی لیکن وہاں مجھے چھ
ت یہ فائدہ ضرور ہوا کہ میری فرم کی جنرل منیجر کو مستقبل
ل کا ایک خاکہ سا مل گیا۔ اب اگر میں سال بھر تک
ی کاروباری معاملات میں کوئی رخنہ پڑنے کا احتمال نہیں

بج چکے تھے جب میں واپس گھر پہنچی۔ یہاں رؤف
ا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ کل صبح دس بجے تک
دوائی مکمل ہو جائے گی۔

علاوہ" اس نے مزید بتایا "میں نے آپ کے لیے ایک
البت بھی کر دیا ہے۔"

میں نے چٹکی بجائی "میں آپ کی شکر گزار ہوں مسٹر رؤف!"
امات کا بندہ ہوں بانو!" رؤف نے مسکرا کر کہا "مجھے
صدرِ مملکت نے مامور کیا تھا۔"

ت کا نام آیا تو سیاسی باتیں چھڑ گئیں۔ پاک و ہند جنگ بندی
الاقوامی اثرات پر تبصرے ہوتے رہے۔ بات سے بات
نگ اور اس کی تنظیم بھی زیرِ بحث آئی اور جاگیردار شوکت
کے پاس ایک مرتبہ ڈاکٹر ژونگ نے پناہ لی تھی۔ رؤف
جل جاگیردار شوکت کے مقدمے کا فیصلہ ہونے والا
ہے کہ اُسے عمر قید کی سزا سنائی جائے گی۔

نے مجھے ریشماں کی یاد دلا دی۔ وہ جو اپنے لالچ میں
اس کے سر پر موت کا سایہ لہرایا تھا اور وہ ژونگ کی
م۔

یاد آئی تو ماضی کی اَن گنت یادیں قطار اندر قطار آتی
اس طرح کھوئی کہ بالآخر رؤف نے مجھے ٹوک بیٹھا۔
سوچ رہی ہیں بانو!" وہ خاصی بلند آواز سے بولا تھا۔
اور پھر خفیف سی ہو کر بولی "معاف کیجیے گا۔
نئی تھی۔"

ل مارد ق اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں کیا

جنگ بندی کے بعد اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔
اب سنگین رُخ اختیار نہیں کر سکیں گی۔ اگر ڈاکٹر ژونگ
مضبوطی سے جمے رہتے تو صورتِ حال دوسری
زیادہ تشویش کی بات نہیں ہے۔ اس تنظیم کا آخری

مضبوط مُہرہ شیر بہادر بھی گرفتار ہو چکا ہے۔ صدرِ مملکت سے میرا سلام کہیے گا اور یہ بھی بتا دیجیے گا کہ مجھے ایک اشد ضروری کام کے تحت پاکستان سے باہر جانا پڑ گیا ہے۔ میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہے کہ اُن سے ملاقات کرتی جاؤں۔"

"بہتر ہے۔ اچھا تو آپ کل کس وقت روانہ ہو رہی ہیں؟"

"میں دوپہر کے بعد جا سکوں گی۔ کل صبح مجھے بیگم پرتاب گڑھ سے بھی ملنا ہے۔ میں ابھی تک اُن سے ملاقات نہیں کر سکی۔"

"کیا میں آپ کو لینے کے لیے ایک بجے یہاں آ جاؤں؟"

"آ جائیے گا۔" میں نے جواب دیا اور پھر کچھ خیال آیا تو پوچھا۔

"آپ نے جس طیارے کا بندوبست کیا ہے، اس کا پائلٹ کون ہے؟"

"کیپٹن آصف۔"

"اعتماد کا آدمی ہے نا؟"

"اعتماد سے آپ کی کیا مراد ہے؟" وہ تعجب سے بولا۔

"کہیں بھٹک کر ہم سب کو طیارے سمیت، برف میں دفن نہ کر دے" میں ہنس کر بولی۔

"ارے نہیں!" وہ بھی ہنسنے لگا۔ "وہ بہت ماہر پائلٹ ہے۔ پیکنگ کے رُوٹ پر جاتا رہا ہے۔"

"لیکن میں پیکنگ تو نہیں جاؤں گی۔"

"پھر؟"

"مجھے اتنے آگے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں لان چو میں اتر جاؤں گی۔ وہاں سے ریلوے لائن تبت تک گئی ہے۔"

"تبت میں آپ کو کس جگہ جانا ہے؟"

"لہاسہ۔"

"تو آپ لان چو میں اتریں گی؟" رؤف بڑبڑایا۔ "میں نے اس شہر کا نام آج پہلی مرتبہ سنا ہے۔ کیا وہاں ایئرپورٹ ہے؟"

"اگر نہ ہوتا تو میں وہاں اُترنے کا ارادہ کیسے کرتی؟"

"میں ابھی آصف کو فون کر کے اس سلسلے میں بات کیے لیتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں؟"

"آپ نے بتایا تھا کہ وہ پیکنگ کے رُوٹ پر جاتا رہا ہے۔"

"جی، لیکن آپ تو لان چو..."

"وہ پیکنگ سے پہلے راستے ہی میں پڑتا ہے۔"

"اوہ! تب تو پھر کیپٹن آصف اس سے بھی واقف ہو گا۔"

میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ ر
سے گفتگو میں خاصا وقت گزر گیا تھا۔

میں نے گھڑی دیکھی تو رؤف سمجھا کہ میں اُسے ٹالنا چاہتی ہوں۔ فوراً کھڑا ہوتا ہوا بولا "اب میں اجازت چاہوں گا۔"

"کیا جلدی ہے، اب کھانا کھا کر ہی جائیے گا۔"

"اچھا اچھا۔" میں نے اس کا گال تھپتھپا کر کہا "ایسا ہی کیے لیتے ہیں۔"

لیکن ایسا کرنے میں بھی تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا۔

رضیہ کو سلا کر اور رضوان کو رؤف کے ساتھ روانہ کرنے کے بعد جب میں اپنی خوابگاہ میں داخل ہوئی تو غزالہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"جان! معاف کرنا، مجھے کچھ دیر ہو گئی۔"

"ظاہر ہے، آپ کو کسی کی کیا پروا ہو سکتی ہے!" غزالہ نے محبوبانہ ادا سے بڑے تیکھے انداز میں کہا اور پھر کھڑی ہوتی ہوئی بولی "میں بھی اب جاؤں گی۔ گھر سے صرف ڈیڑھ گھنٹے کی اجازت لے کر آئی تھی۔"

اس نے قدم بڑھائے۔ میں اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ دروازے تک جانے کے لیے غزالہ کو لازمی طور پر میرے برابر سے گزرنا پڑتا۔ میں پیار بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی جبکہ وہ میری طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

اس کے بپھرے ہوئے تیور اتنے جنوں افزا تھے کہ جب وہ میرے قریب سے گزرنے لگی تو میں نے اسے کھینچ کر اپنی آغوش میں بسا لیا۔

"بس جانے دیجیے..." وہ بات پوری نہیں کر سکی۔ میرے ہونٹوں نے اس کے ہونٹوں سے وہ سارے حروف اُچک لیے جو لفظوں میں متشکل ہو کر اس کی زبان سے ادا ہونے والے تھے۔ وہ اظہارِ ناراضگی کے طور پر بہت کسمسائی، بہت مچلی لیکن اس کی کوششیں بارآور نہیں ہو سکیں۔ اس کے برعکس میری آغوش کی تنگ دامانی اتنی بڑھی کہ اس کی رُکتی ہوئی سانسوں نے اس کا گلہ کیا۔ میرے جذبات اتنے برانگیختہ ہو چکے تھے کہ اُسے پیس کر رکھ دینا چاہتی تھی۔ میری وحشت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ میں ایک ہی گھونٹ میں ساغر کی تلچھٹ تک پی جانا چاہتی تھی۔

یہ غزالہ کے حوصلے کا امتحان تھا جس میں وہ پوری اتری۔ اس کی آنکھوں میں شفق اتر آئی اور گالوں پر انگاروں کی چھوٹ پڑنے لگی۔ سارے لوسے مٹ گئے، سارا گلہ جاتا رہا۔ بیگانگی سے یگانگت کی طرف سفر شروع ہوا اور سفر سے حضر تک کے لمحے اس طرح گزرے کہ ہم نے ان ل کے انگ انگ سے کسبِ انبساط کیا۔

دیوانگی اور فرزانگی کے بین بین وہ ایک عجیب ہی دنیا ہوتی ہے۔ ل انگارے بھی چٹختے ہیں اور شبنمی ٹھنڈک بھی نارسا نہیں ہوتی۔ احساس تو بدن کا انگ انگ، شعلہ بنتا ہے اور پھر وہ سب شعلے، برف کی طرح منجمد بھی ہو جاتے ہیں۔ وہ دنیا ایک ایسی خوابناک وادی ہے۔ ل انجانی، اچھوتی خوشبوئیں چکراتی ہیں اور نفس کے انتشار سے ب درس کی تفسیر مکمل ہوتی ہے۔

میں اور غزالہ جب اس وادی سے نکلے تو دنیا بڑی اُجلی اُجلی ری نکھری سی نظر آئی جیسے چھم چھم کرتی ہوئی بارش برسے کچھ ڈالا ہو۔ اب چمکیلی دھوپ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

"بانو!" غزالہ دھیرے سے بولی "جب آپ چلی جائیں گی تو کتنی یاد آئیں گی!"

"ذرا بھی نہیں!" میں نے ہنس کر کہا "کچھ جائے گی اور پھر تجھے بانو کا نام بھی یاد نہیں رہے گا۔"

"بانو! آپ کتنی کٹھور ہیں!" اس نے طرف دیکھا "ایسی باتیں کرتی ہیں کہ کلیجا کٹ کر رہ"

"تو کیا تو مجھے ہمیشہ یاد رکھے گی؟" میری اُس کے چہرے کا طواف کیا۔

"میں اپنی اس ایک سانس کو بھی کو فراموش کر کے میرے سینے سے نکلے گی۔" غز میں کہا۔ اس کی آنکھوں کے کٹوروں میں ایس وہ اب چھلک جانا چاہتے ہوں۔

"پگلی!" میں نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا چلی جا رہی ہے۔"

غزالہ میرے سینے میں منہ چھپا کر سسک زندگی میں شاید ہزاروں مرتبہ سوچا کہ آخر یہ لڑکیاں کیوں چاہنے لگتی ہیں؟ کیا اسی کو لوگ عشق کہتے ہیں؟ تجربہ کبھی نہیں ہوا۔ میں نے محبت تو بہت کی ہے میں "شدید محبت" کی بھی شکار ہو چکی ہوں لیکن کی تعریف لکھی ہے، اس سے میں کبھی بھی آشنا

غزالہ کے جانے کے بعد میں نے گھڑی دیکھی حیرت زدہ ہو گئی کہ دو بجنے والے تھے۔ غزالہ کی رفا وقت گزر گیا تھا۔ میں نے جا کر رضیہ کو جگایا۔

"بس اب اٹھو، کھانا کھا کر پھر سو جانا۔"

"کیا بج گیا؟" رضیہ جماہی لے کر بولی۔

"دو بج رہے ہیں۔ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر کچھ دیر کے لیے اپنے دفتر جانا ہے۔ حساب کتاب پھر نہ جانے کب کراچی واپس آنا ہو۔"

رضیہ ہلبلا کر باتھ روم میں جا گھسی۔

مجھے رضوان کا خیال آیا جو رؤف کے ساتھ ہی نہیں تھا۔

کھانے کے بعد جب میں روانگی کے لیے کی شکل نظر آئی اور میں نے چھوٹتے ہی کہا "تم تو ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔"

"میں اپنے دفتر چلا گیا تھا۔" رضوان نے جواب دیا۔

"طویل چھٹی کی درخواست دینے؟"

"میں استعفیٰ ہی دے آیا ہوں۔"

نعمت نے معذرت چاہی لیکن میں نے اسے بہ اصرار روک ہی لیا۔

جب وہ چلا گیا تو میں نے رضیہ سے رضوان کے بارے میں پوچھا۔

رضیہ نے جواب دیا۔ "وہ تو تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے۔"

"انہیں ٹیلیفون کر دو کہ وہ کل دوپہر کو روانگی کے لیے بالکل تیار رہیں۔"

"بہتر ہے۔"

"یا پھر تم رہنے دو، میں خود ہی فون کر دوں گی۔"

"جیسا آپ چاہیں۔"

کھانے کے بعد میں نے اور رضیہ نے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چائے پی اور کوئی نصف گھنٹے بعد میں نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ رضیہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے ٹیلیفون اٹھا کر رضوان سے رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے رضوان نے میری آواز پہچان کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "فرمائیے!"

"ہم کل ایک بجے روانہ ہو رہے ہیں۔ تیار رہنا۔"

"تیار ہی سمجھیے!"

"آخر تم اتنے بجھے بجھے سے کیوں ہو رضوان!"

"نہیں تو، میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"شاید تمہیں یہ یقین کرنے میں تامل ہے کہ تم میری محبت کو جیت لینے میں کامیاب ہو گئے ہو۔" میں نے یہ کہتے ہوئے ریسیور ہی کو چومو ماردی۔

"باتو!" رضوان کے لہجے سے شدید بے بسی جھانک رہی تھی۔

"ہاں ڈارلنگ!" میں نے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ ..."

"ہاں ہاں، کہو! رک کیوں گئے؟"

"کچھ نہیں۔" رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے مسکرا کر ریسیور رکھا اور لباس اتار کر شب خوابی کا گاؤن پہننے لگی۔ اچانک اس ٹیلیفون کا بزر بجنے لگا جو میرے بستر کی سائڈ ٹیبل پر بائیں جانب رکھا ہوا تھا۔ اس ٹیلیفون کا تعلق دراصل اس ٹیلیفون سے تھا جو رضیہ کے کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ جب رضیہ کے کمرے کے ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی تھی تو اس ٹیلیفون میں لگا ہوا بزر بج اٹھتا تھا۔ میں خود اس ٹیلیفون کو کبھی نہیں استعمال کرتی تھی اور نہ کسی کو اس کا نمبر بتاتی تھی۔ نمبر رضیہ کے ٹیلیفون پر لکھا ہوا تھا، وہ نمبر بھی میں نے اس ٹیلیفون پر رہنے دیا تھا۔ اس کے برعکس ایک فرضی نمبر ڈلوا دیا تھا۔ یہ حرکت میں نے محض اس لیے کر رکھی تھی کہ اگر میں کبھی کسی کو اپنے گھر میں ٹھہراؤں اور وہ شخص ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو کرے تو میں ضرورت کے تحت اس کی گفتگو سن سکوں۔

جب بزر بجنے لگا تو میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ رضوان نے رضیہ سے رابطہ قائم کیا ہوگا۔ بزر اب خاموش ہو چکا تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ رضیہ اپنے کمرے میں ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا چکی تھی۔

میں اپنے گاؤن کی ڈوری کو کمر پر کس کر جلدی سے ٹیلیفون کے قریب گئی اور اس کا ریسیور آہستگی سے اٹھا لیا تاکہ اٹھنے کا کھٹکا رضوان یا رضیہ کو سنائی نہ دے سکے۔

میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر ریسیور کان سے لگایا تو مجھے رضوان کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ابھی ابھی باجی کا فون آیا تھا، وہ بتا رہی تھیں کہ کل دوپہر کو روانگی ہے۔"

"ہاں۔" رضیہ کی آواز آئی۔ "پہلے تو انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں فون کر دوں لیکن پھر انھوں نے کچھ سوچ کر کہا۔"

"رضیہ!" رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تمہاری باجی مجھے پاگل کر دے گی۔"

"میں تو نہیں سمجھتی کہ ایسی کوئی بات ہو۔" رضیہ نے کہا۔ "ٹھیک ہے کہ میں تم سے اور تم مجھ سے محبت کرتے ہو لیکن ہماری محبت ختم تو نہیں ہو جائے گی اگر تم باجی سے شادی کر لو۔"

"رضیہ!" رضوان اتنی زور سے چیخا تھا کہ رضیہ ریسیور میں منہ بنانے لگی۔

"آہستہ بولو!" رضیہ نے کہا۔ "کیا ٹیلیفون کی لائن..."

"تم کیا بک رہی ہو رضیہ!" رضوان نے بڑے دکھ سے کہا۔ "محبت تم سے ہے اور شادی باتو سے کر لوں؟"

"کیا فرق پڑتا ہے!" رضیہ نے آہستہ سے کہا۔ "اگر ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو یہ کیا ضروری ہے کہ شادی بھی ہو؟ محبت کی معراج جسمانی ملاپ تو نہیں ہے! تمہارے باجی سے شادی کرنے کے بعد ہم اخلاقی طور پر اس کے پابند ہوں گے کہ ایک دوسرے سے محبت بھری باتیں نہ کریں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر ہم زبان سے اظہار کریں تو بھی دل تو شاد ہی رہتا ہے۔ ایک تکلیف تو ہے گی لیکن اس کے بعد یہ تکلیف بھی..."

"اب بند کرو یہ بکواس!" رضوان دانت پیستے ہوئے بولا۔ "تم نے کچھ سوچا ہی نہیں، سنگدل ہو۔"

"رضوان! رضوان!" رضیہ پکارتی ہی رہ گئی لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

مجھے ریسیور میں رضیہ کے ٹھنڈی سانس لینے کی آواز سنائی دی اور پھر اس نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ اب میں بھی ریسیور رکھ کر بستر پر لیٹ کر ہنسنے لگی۔ مجھے اپنے رمیا کے مزار پر جانے کا خیال آ رہا تھا۔ میں سوچنے لگی کہ آئندہ اس کھیل میں رنگ کس طرح بھرا جا سکتا ہے؟

یہی سوچتے سوچتے میں نیند کی آغوش میں...

ایک میری نیند اس آواز سے ٹوٹی جو ٹیلیفون کے بزر ... میں نے وقت دیکھا۔ دو بج چکے تھے۔ میں نے مسکرا کر ... ہاتھ بڑھایا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ آج رات رضوان کو ... اور اب بے چین ہو کر اس نے ایک بار پھر رضیہ سے ...

میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو مجھے زدلا ... کی اور وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، اسے سنتے ہی میں اچھل کر ... نیند کا خمار میری آنکھوں سے کافور ہو گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "سابیری! سابیری!... مدد!... کسی نے بنگلے ... میں آگ لگا دی ہے۔ آگ اتنی شدید ہے کہ ہم ..."

... میری آنکھوں میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ میں نے نہ تو زدلا کی بات کا اور نہ رضیہ کے جواب کا انتظار کیا، بلکہ ریسیور رکھ کر ... کا ریسیور اٹھا لیا۔ میں فائر بریگیڈ کا فون نمبر ڈائل ... میں رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ میں ... میں آگ لگنے کی اطلاع دی تو ادھر سے بتایا گیا ... پہلے ہی مل چکی ہے اور فائر بریگیڈ کی گاڑیاں ... کے احاطے سے نکل رہی ہیں۔ مجھے ریسیور میں ... کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

... ریسیور رکھا ہی تھا کہ میرے کمرے کا دروازہ زور زور ... اس کے ساتھ ہی رضیہ کی آواز بھی سنائی دی۔ وہ مجھے ...

... کر دروازہ کھول دیا۔

... ہوئے ہی بولی۔ "کسی نے میرے بنگلے میں آگ ... ابھی فون کیا تھا۔ پھر اچانک اس کی آواز آنا بند ... ٹیلیفون کے تار جلا دیے ہوں گے۔"

... کرو۔ ہمیں فوراً وہاں پہنچنا چاہیے۔"

... حتی الامکان عجلت سے روانہ ہو گئے۔ ڈرائیونگ ... تھی۔ رفتار کا یہ عالم تھا کہ راہ میں پڑنے والی ... بکائی جا سکتی تھی۔ ہر موڑ پر ایسا معلوم ہوتا تھا ... بریک لگنے کی آواز سنائے میں بہت دور ... پر ایک جنون سا طاری تھا۔ کبھی کبھی وہ دانت ... لگتی تھی۔ اسے غالباً رمیا کے ساتھیوں پر ... کہ وہ آگ خود بخود نہیں لگی ہوگی۔ قرائن سے پتہ ... کے ساتھیوں ہی نے لگائی تھی۔ یہ یقین کرنے ... تھا کہ خود رمیا پر کیا گزر گئی ہوگی؟ کیا ان ... سے پہلے رمیا کو وہاں سے نکال لیا ہوگا؟

بہت جلد ہماری کار منزل مقصود پر پہنچ گئی لیکن بنگلے کے قریب پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ ہجوم نے راہ روک رکھی تھی۔ رضیہ نے کار ایک طرف کھڑی کر کے انجن بند کیا۔ اس سے پہلے میں کار سے اتر چکی تھی۔ بنگلے سے اٹھتے ہوئے شعلے یہاں سے بھی نظر آ رہے تھے۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں ان شعلوں کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ ہر طرف شور برپا تھا۔

میں اور رضیہ یہاں پہنچ تو گئے تھے لیکن اب ہم پر بے بسی طاری تھی۔ ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ ہم بس تماشائی بنے رہیں۔ ہمارے قدم بھی اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکے جہاں فائر بریگیڈ نے عام لوگوں کو روک رکھا تھا۔

"اوہ، باجی!" رضیہ نے اضطراب میں پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "مشکل ہے کہ ان میں سے کوئی بچے۔"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے بے بسی کے عالم میں کہا اور پھر اچانک اس کا ہاتھ پکڑ کر مڑتی ہوئی بولی۔ "آؤ!"

"کہاں؟"

"ردت کو ٹیلیفون کر کے بلانا ہوگا ورنہ آگ بجھنے کے بعد بھی ہمیں آگے بڑھنے کا موقع نہیں ملے گا اور اس آتشزدگی کے نتائج فوری طور پر ہمارے سامنے نہیں آ سکیں گے۔"

"مگر... فون کریں گی کہاں سے؟"

"کسی کے گھر پر ہی سوالی بننا پڑے گا۔"

اور یہ کام دشوار نہیں ثابت ہوا۔ بیشتر لوگ گھروں سے باہر ہی نکلے ہوئے تھے۔ ایک معقول سی عورت کو دیکھ کر میں نے اس سے درخواست کی جو اس نے قبول کر لی۔ ہمیں اپنے ساتھ اندر لے گئی اور میں نے ردت کو رنگ کیا۔

ردت کو نیند سے بیدار ہو کر کال ریسیو کرنی پڑی تھی۔ جب میں نے اسے حالات سے آگاہ کیا تو وہ فوراً وہاں پہنچنے پر آمادہ ہو گیا۔ میں نے اسے ایک مخصوص جگہ کے بارے میں بتا دیا کہ وہاں ملوں گی ورنہ وہ اس ہجوم میں ہمیں کہاں ڈھونڈتا پھرتا؟

بیس منٹ میں وہ ہم سے آ ملا۔

لیکن فی الحال اس کی حیثیت بھی ایک تماشائی سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ آگ پر قابو تو پا لیا گیا تھا لیکن وہ بجھائی نہیں جا سکی تھی۔

آگ بجھنے میں ایک گھنٹہ صرف ہوا۔

لیکن صحیح نتائج سامنے آتے آتے صبح ہو گئی۔ بنگلے کے ملبے میں سے کوئی زندہ آدمی نہیں نکلا تھا، صرف لاشیں برآمد ہوئی تھیں اور لاشوں کی حالت ایسی تھی کہ کسی کو شناخت کرنا ممکن نہیں تھا۔ لاشوں کی تعداد سے پتہ چلا کہ ان میں رمیا بھی تھا۔ اس

... اور رضیہ ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے۔ رؤف بھی
ساتھ تھا اس لیے ہم نے کوئی تبصرہ کرنے سے احتراز کیا۔ خود رؤف ہی ہم سے سوال کر بیٹھا۔

"یہ ایک زائد لاش کس کی ہو سکتی ہے؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے!" رضیہ بڑبڑائی۔

لاعلمی کا یہ اظہار کرنے کے بعد اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ رؤف پھر کوئی سوال کرتا۔

"آؤ اب گھر لوٹ چلیں۔" میں نے رضیہ سے کہا۔

رؤف بھی ہمارے ساتھ ہی چلا آیا تھا۔ صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ گھر پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ میں بہت تھک گئی تھی۔ میں نڈھال سے انداز میں صوفے پر گر پڑی۔

"باجی۔" رضیہ بولی "اب آپ ... کریں۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ میں چائے پی کر تازہ دم ہو جاؤں گی۔"

رؤف بولا۔ "اب آپ کا کیا پروگرام رہے گا؟"

"پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔" میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "میں اور رضوان اور رضیہ آج ہی روانہ ہوں گے۔"

"بانو!" رؤف میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا یہ آگ کسی خاص شخص نے لگائی ہے؟"

"میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں مسٹر رؤف؟"

"مجھے شبہ ہے کہ آپ کوئی بات چھپا رہی ہیں۔"

میں کسی خوبصورت پیرائے میں رؤف کے سوال کو ٹال جانا چاہتی تھی۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اگر یہ آگ کسی نے لگائی ہے تو یہ آپ کا فرض ہے کہ اس کی تفتیش کریں اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دلوائیں۔"

رؤف چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر ایک طویل سانس لے کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "بہتر ہے۔ مجھے اجازت دیجیے۔ میں جا کر دیکھتا ہوں کہ پولیس کے ماہرین نے اس کے بارے میں کیا اندازے لگائے ہیں۔"

"دوپہر کو آپ ہمیں لینے آئیں گے؟"

"یقیناً۔" رؤف نے جواب دیا۔ "جب آپ نے پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے تو میں کیسے کر سکتا ہوں؟"

"ٹھیک ہے۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

رؤف چلا گیا۔ میرا اور رضیہ کا ذہن اتنا منتشر تھا کہ ہم نے تکلفاً بھی اسے ناشتے کے لیے نہیں روکا۔ اس کے جانے کے بعد میں اور رضیہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ دونوں ہی کے ذہن میں سوال مچل رہے تھے لیکن جواب دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں تھا۔

اس سکوت کو رضیہ نے توڑا۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ رمیا کو وہاں سے نکالے بغیر آگ کیوں لگائی گئی!"

"اس کا جواب شاید ہمیں مستقبل ہی میں ... اندھیرے ہی میں رہنا ہے۔" میں نے جواباً کہا اور ... سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

"بانو! ناشتہ میز پر لگا دیا گیا ہے۔" ذرا دیر بعد ... خاص کی آواز سنائی دی تو میں نے آنکھیں کھولیں۔

جب ہم دونوں ناشتہ کر رہے تھے تو ملا... آمد کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ وہ ایک سر... ہولڈال لے کر آیا ہے۔

"ابھی سے آ گیا۔" میں بڑبڑائی اور پھر ملا... یہیں لے آؤ۔ سامان وہیں رکھا رہنے دو۔"

جلد ہی ملازمہ نے رضوان کو ڈائننگ ...

"آؤ!" میں نے رضوان سے کہا۔ "ابھی نا...

"میں ناشتہ کیے بغیر گھر سے نہیں نکلتا۔"

"تو کیا چائے بھی نہیں پیو گے؟"

"ایک کپ چائے پی لینے میں کوئی مضائقہ ... نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

رضیہ سر جھکائے ناشتہ کرتی رہی۔ نہ ... اسے افسردہ کر رکھا تھا۔ ادھر میرے چہرے ... خاص بات ضرور تھی کیونکہ رضوان یہ سوال کر... آپ دونوں کے چہروں سے ایسا معلوم ہو ... ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس ... کہ وہ خبر اخبارات میں آئی تو ہو گی۔ میں ابھی ... ہوں۔"

"اخبار تو آج میں نے بھی نہیں پڑھا ... تیزی سے پوچھا۔

"رضیہ کے تمام ساتھی جل کر ہلاک ہو ... کو بنگلے میں آگ لگا دی تھی۔"

اس خبر نے رضوان کو ایسا ذہنی جھٹکا ... کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا ... اس کی پیشانی پر شکنیں قائم ہو گئیں۔ آخر ... بولا۔ "کیا آگ لگنے والا رمیا ہو سکتا ہے ...

رضوان اس بات سے بے خبر تھا کہ ... قاتلانہ حملہ کیا تھا اور اس کی یادداشت میں قید ...

"فی الحال وثوق سے کچھ نہیں کہا جا ...

"پھر اب روانگی کے پروگرام کا کیا ...

"اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔" ... جواب دیا جو رؤف کو دے چکی تھی۔

... مستحکم تھا کہ جب دوپہر کو رؤف ہمیں لینے آیا ... کے لیے تیار تھے۔ رؤف نے آتے ہی سب سے ... کا غذات میرے حوالے کیے۔

... میں نے اپنی ملازمہ خاص کو اپنے کمرے میں ... اور اخراجات کے لیے ایک معقول رقم دی۔ ... اخراجات ہیں۔" میں نے اس سے کہا۔ "لیکن ... واپس نہ آئی تو تمہیں فرم کی جنرل منیجر سے ہر ماہ ... گی۔ میں نے اسے ہدایت کر دی ہے۔"

... ملازماؤں کو گلے لگا کر تھپکا اور اپنے رفیقوں ... کی طرف روانہ ہو گئی۔

... مجھے صرف اس بات کا افسوس تھا کہ میں ... نہیں مل سکی تھی اور شبانہ کے بارے میں بھی نہیں ... کہاں تھی۔

... قریب بیٹھی ہوئی میں کراچی کی شاہراہوں پر ... اس مرتبہ مجھے بہت عرصے کے بعد پاکستان ... میں ایک عجیب سی کسک محسوس کر رہی تھی۔

... آتشزدگی کے بارے میں گفتگو کرتے رہے ... اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔

... رہیں خانہ پری کی جن کارروائیوں سے گزرنا ... رؤف نے اپنے سر لے لی۔ میں اس دوران ... کیپٹن آصف سے گفتگو کرتی رہی۔ رؤف ... عارف کرا گیا تھا۔

... طیارے میں سوار ہونا تھا۔ رؤف نے بڑی گرمجوشی ... کیا اور ہمیں الوداع کہا۔

... منٹ باقی تھے جب طیارے نے رن وے ... اپنی آغوش میں سمیٹے ہوئے

... عقب ایک وقت میں اتنی خوراک ... کر لمبی پرواز کر سکے۔ راستے میں ایندھن حاصل کرنا پڑا اور اب ہم لان چو کی ... کا سفر باقی رہ گیا تھا۔

... اس کا تقاضہ تھا کہ میں تر و تازہ اور چاق و چوبند ... اس لیے سفر کے آغاز ہی سے میں نے ... شروع کر دی تھیں۔ یہاں تک کہ اب ... اور میں نے آتش زنی کے اس واقعے ... کے ساتھ ... کا سبب ... کرنے لگی۔ میں نے اس سے کہا۔ "تمہاری نازک طبعی سے مجھے اندیشہ ہے کہ تبت کی سرد فضا تمہیں تلفی نہ بنا دے!"

"تلفی تو میں ویسے ہی بنا ہوا ہوں۔" رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "مجھے اپنا ذہن بالکل ٹھٹھرا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔"

"کس کا نتیجہ کیا ہو گا؟"

"اس کھیل کا جس کا آپ آغاز کر چکی ہیں۔"

میں رضوان کا اشارہ سمجھ تو گئی لیکن تجاہل سے کام لے کر بولی۔ "تم معموں میں باتیں کر رہے ہو۔ کون سا کھیل؟"

"ہم کتنی دیر میں لان چو پہنچیں گے؟" رضوان نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"میرے خیال میں تو اب ایک گھنٹے سے زیادہ کا سفر باقی نہیں ہے۔"

رضیہ اس انداز میں بیٹھی ہوئی تھی جیسے ہم دونوں کی گفتگو سے کوئی سروکار نہ رکھنا چاہتی ہو لیکن میں شرط لگا کر کہہ سکتی تھی کہ وہ ہماری باتوں کا ایک ایک لفظ نہیں بلکہ ایک ایک حرف سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

... الگ الگ نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے لیکن درمیانی فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ رضیہ نے اس سفر کے دوران میں بہت کم بات چیت کی تھی۔ وہ اس ادھیڑ بن میں مصروف ہو گی کہ وہ اپنے محبوب کو اپنی باجی سے شادی کرنے پر کس طرح آمادہ کرے۔ خود اس کا انداز فکر تو یہ تھا کہ محبت کا مطلب جسمانی قرب ہرگز نہیں ہے اور یہ کہ اگر رضوان اس کی باجی سے شادی کرے گا تو اس سے اس کی اور رضوان کی محبت متاثر نہیں ہو گی اور وہ دونوں صرف نگاہوں کے وصل سے روحانی آسودگی حاصل کرتے رہیں گے لیکن مشکل یہ تھی کہ رضیہ اپنے اس انداز فکر کو رضوان پر مسلط نہیں کر سکتی تھی۔ اسے اندیشہ ہو گا کہ رضوان اس کی بات نہیں مانے گا جبکہ وہ دل سے یہ چاہتی ہو گی کہ رضوان اس کی باجی سے شادی کر لے کیونکہ اسے اپنی باجی سے بے پناہ پیار تھا۔

اور میں؟ اس کی باجی؟ اس بات سے پوری طرح آگاہ تھی کہ اسے میرے اس اقدام سے کوئی صدمہ نہیں پہنچا ہو گا۔ اگر مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ وہ اس صورت حال سے دوچار ہو کر رنج و الم کا شکار ہو جائے گی۔ تو میں اس تماشے کو فوراً ختم کر دیتی۔ چونکہ مجھے اس قسم کا کوئی اندیشہ نہیں تھا لہٰذا میں رضوان کو پریشان کرنے کے لیے اس تماشے کو جاری رکھنا چاہتی تھی۔ ماضی میں فیولق نے مجھے اکثر پریشان کیا تھا اور اب میں اس کا سارا حساب کتاب چکا دینا چاہتی تھی۔

جب ہمارا طیارہ لان چو کے ہوائی اڈے پر اترا اور ہم طیارے سے باہر نکلے تو ہمارے جسم ٹھنڈک کی اچانک یلغار سے کپکپا اٹھے۔ فضا بے حد سرد تھی۔ ہوائی اڈے پر موجود چینی افسروں نے ہمارے کاغذات کی جانچ پڑتال کی اور مطمئن ہو گئے۔ وہاں سے ہم نے لان چو کے سب سے بڑے ہوٹل کا رخ کیا۔ وہ بہت بڑا ہوٹل کسی جدید شہر کے معمولی درجے کے ہوٹل سے زیادہ بہتر نہیں تھا لیکن وہاں سردی سے بچاؤ کا خاصا معقول انتظام تھا۔ ہمارے پہنچتے ہی کمروں کے آتشدانوں میں آگ دہکا دی گئی۔ ہم نے چار کمرے

"اس لیے کہ یہ تم تمہارے ساتھ طیارے کا کپتان بھی تھا۔ وہ کل تک آرام کرنے کے بعد ہی واپسی کا سفر کرنا چاہتا تھا۔

ہم لوگ کھانا طیارے ہی میں کھا چکے تھے اس لیے ہوٹل پہنچ کر ہمیں اس کے سوا کوئی فکر لاحق نہیں تھی کہ پڑ کر سو جائیں۔ گرم بستر مجھے کسی مدہوش کی آغوش کی طرح پُرلذت محسوس ہوا اور میں لیٹتے ہی سو گئی۔

اگلی صبح ناشتے کے لیے ہم چاروں ایک ہی کمرے میں جمع ہوئے۔ ناشتے کے سلسلے میں ہدایات مجھے یا رضیہ ہی کو دینا پڑی تھیں کیونکہ ہمارے باقی دونوں ساتھی چینی زبان سے نابلد تھے۔ ناشتہ کرنے کے بعد ہمارے طیارے کا کپتان ہم سے اجازت لے کر ہوائی اڈے چلا گیا۔ وہاں سے وہ طیارے میں بیٹھ کر پاکستان کی طرف پرواز کر جاتا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے رضیہ سے کہا، "تم سفر کے انتظامات کرو گی یا میں جاؤں؟"

"نہیں باجی!" رضیہ کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "آپ بیٹھیں رہیے۔ میں سب کاموں سے نپٹ لوں گی۔"

رضوان کے تیور ایسے تھے جیسے وہ رضیہ کے ساتھ کمرے سے چلا جانا چاہتا ہو لیکن میں نے اُسے یہ کہہ کر روک لیا، "تم سے مجھے کچھ اہم گفتگو کرنا ہے۔"

رضوان نے بڑی بے بسی سے میری طرف دیکھا اور رضیہ اُس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

"جی! فرمائیے!" رضوان نے بڑی سنجیدگی سے میری طرف دیکھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "بس جی چاہا تھا کہ تم میرے ہی پاس رُکے رہو۔"

رضوان مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہا، پھر بولا، "باتو!"

"ہاں ہاں کہو! رُک کیوں گئے؟"

"شاید آپ مجھے پاگل کر دینا چاہتی ہیں!" رضوان نے ٹھنڈی سانس لی۔

"وہ کیسے؟" میں بڑے نشیلے انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ میری بات پر یقین جو نہیں کر رہی ہیں۔"

"کس بات پر یقین نہیں کر رہی ہوں؟"

"اس بات پر کہ میں آپ سے ماضی میں جو کچھ کہا کرتا تھا، اس کی حیثیت چھیڑ چھاڑ سے زیادہ نہیں تھی۔ میں آپ کا اتنا احترام کرتا ہوں کہ آپ کو بیوی کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکتا۔"

"فکر نہ کرو!" میں نے شوخی سے کہا۔ "تم مجھے بیوی کی حیثیت سے قبول نہ کرنا۔ میں تو دہی تمھیں شوہر کی حیثیت سے قبول کر کے تمھیں ہر درد سر سے بچا لوں گی۔"

"آپ سنجیدگی سے بات نہیں کر رہی ہیں۔"

"تم بھی تو سنجیدہ نہیں ہو۔"

"کیوں؟ میری کس بات سے غیر سنجیدگی ظاہر ہو رہی ہے؟"

"ہر بات سے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم مجھے ستانے کے لیے یہ ڈرامہ کھیل رہے ہو کہ تمھیں مجھ سے محبت نہیں، حالانکہ تم مجھے جی جان سے چاہتے ہو۔"

"یہ بلوائس ہے۔" رضوان ہیر ترچ کر ہوا

میں اِس طرح ہنسنے لگی جیسے اُس کی جھنجھلا

کر رہی ہوں۔ میرا یہ ردِعمل دیکھ کر رضوان کے چہرے

وہ تقریباً بلبلا کر بولا، "بانو! آپ مجھ سے جیسی چا

"میں تمھاری اِن باتوں سے بے وقوف

ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا اور اُٹھ کر کھڑکی کی طر

رضوان چھت کی طرف دیکھتا ہوا گڑگڑایا

میں نے کچھ نہیں کہا اور کھڑکی کا بولٹ گرا دیا

ٹھنڈی ہوا کا جھونکا میرے چہرے کو برف بناتا سا

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ!" رضوان جھنجھلا کر

"یہ پیچر ٹمپریچر بن جانے گا۔"

میں نے کھڑکی بند نہیں کی اور بہت دُور دُور تک

کی طرف دیکھتی ہوئی بولی، "کیا تم سردی سے بالکل لطف ا

"آئسکریم کھانے میں تو مزا آ سکتا ہے لیکن سردی

لطف نہیں آ سکتا۔"

میں نے ہنس کر کھڑکی بند کر دی اور اس کا

کمرہ واقعی کچھ سرد ہو گیا تھا۔ رضوان اُٹھ کر آتشدان کی

آگ ٹھیک کرنے لگا۔

"میری بانہوں میں آ جاؤ، ذرا سی دیر میں گرم ہو جا

آمیز لہجے میں کہا۔ "تم تو میری بانہوں کی تمنا کیا کرتے

"شکریہ۔" رضوان سپاٹ لہجے میں بولا۔ "بہا

کر دے گا۔"

"اگر تم سردی سے اتنا گھبراتے ہو تو لہاسہ تک ا

"بس جہاں بھی قیام ہوگا، وہاں کمرے ہو

"یہ نوبت تو لہاسہ پہنچنے کے بعد آئے گی

لہاسہ تک کے سفر میں کیا کرو گے؟"

"ٹرین کے ڈبے کی کھڑکیوں کو ایک منٹ

دوں گا۔"

"کن ہواؤں میں ہو؟" میں ہنس کر بولی

تک ٹرین میں سفر کریں گے، اس کے بعد ہمیں

لہاسہ تک سفر کرنا پڑے گا۔"

"کیا مطلب!" رضوان بوکھلا کر بولا۔ "رو

کہا تھا کہ لان چو سے ہم بذریعہ ٹرین لہاسہ جائیں

"مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے ایسا کہا ہو!

میں کہا ہوگا میرے مُنہ سے چنگ تو کی بجائے

"ارے تو ٹرین سے سیدھی لہاسہ کیوں نہیں

"کیا تم نے بالکل جغرافیہ نہیں پڑھا؟"

"کیا مطلب؟"

...ستہ لہاسہ تک ریلوے لائن بچھوا دو تو میں ٹرین کا

...تیار ہوں۔"

...لہاسہ کے لیے ریلوے لائن ہی نہیں ہے؟"

...دگی برفپوش بلندیوں پر ریلوے لائن بچھانے کا ٹھیکہ

"تمہاری کسی اور کے بس کی بات نہیں۔"

... رضوان نے مُردہ سی آواز میں کہا اور کرسی پر اس

...جیسے تمھاری جان نکل گئی ہو۔

...اس کی کرسی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی اور پھر میں

...بانہیں ڈال کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ وہ اِس

...بیک وقت ایک درجن بچھوؤں نے ڈنک مارے

...انداز میں دوسری کرسی پر جا بیٹھا اور تیزی سے

"...نا! کھڑی کیوں ہیں؟"

...گئی اور بولی، "کیا تمھیں میری مہکتی ہوئی قربت اچھی

...ات اُڑا کر کہا، "چنگ تو سے لہاسہ تک کا سفر کتنے دن

...اِس رُوٹ سے سفر نہیں کیا لیکن میرا اندازہ ہے کہ ایک

...

...موت ہی مار گیا!"

...اس حد تک بھی موسم کے نئے ہوتے نہیں ہو!"

...اندر سے پردستک ہوئی۔ میرے ساتھ ہی رضوان کی نظر بھی

...رضیہ کے جانے کے بعد دروازے کو اندر سے لوٹ نہیں

...میں بولی، "کون ہے؟ آ جاؤ!" یہ بات میں نے چینی

...ہوٹل کے ملازمین کوئی اور زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔

...اور ایک چینی شخصیت اندر آئی۔

...لی تانگ!" میرے مُنہ سے نکلا اور میں کھڑی ہو گئی۔

...چین کی ایک خاص سرکاری تنظیم کا افسر تھا۔

...تانگ مسکرا کر مخصوص انداز میں خم ہوا اور پھر آگے

...ہونے کی وجہ سے رضوان بھی کھڑا ہو گیا تھا اور

...ترود چینی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

...کامریڈ لی تانگ نے چین کے روائتی انداز میں اِس

...بہت گرمجوشی کا اظہار کیا۔

...کو چار سال بعد دیکھا ہے۔" کامریڈ لی تانگ بولا۔ "لیکن

...ویسی ہی ترو تازہ ہیں۔"

...کہاں کی بلکی ہوں!" میں نے ہنس کر کہا۔

...زیادہ دلکش!" کامریڈ لی تانگ نے مجھے تحسین آمیز

...اسے کہا۔

"تشریف رکھیے!... اور ہاں، اِن سے ملیے!" میں نے رضوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے ساتھی ہیں، مسٹر رضوان، لیکن یہ چینی زبان نہیں بول سکتے۔" پھر میں نے اردو میں رضوان سے کہا، "یہ کامریڈ لی تانگ ہیں۔ ایک اعلیٰ افسر۔"

اُن دونوں نے مسکرا کر مصافحہ کیا اور رسمی انداز میں سر ہلائے۔ کچھ کہنے کی گنجائش اِس لیے نہیں تھی کہ دونوں ہی ایک دوسرے کی زبان سے نابلد تھے۔

"مجھے توقع تھی کہ آپ ہوائی اڈے ہی پر مجھ سے ملیں گے۔" میں بولی۔

"میں ضرور وہاں آتا لیکن مجھے حکم ملا تھا کہ میں آپ سے اُس وقت ملوں جب آپ آرام کر کے سفر کی تکان دُور کر چکی ہوں۔" کامریڈ نے جواب دیا۔

"اِس تکلف کی ضرورت تو نہ تھی۔ میری آمد کا علم آپ لوگوں کو کب ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"عزت مآب سفیر[1] نے اِس کی اطلاع پرسوں شام کو دی تھی۔"

یہ باتیں چینی زبان میں ہو رہی تھیں اِس لیے رضوان کے چہرے سے اُلجھن کا اظہار ہونے لگا تھا۔ اُسے یہ تجسس بھی پریشان کر رہا ہوگا کہ یہ چینی افسر کون ہے اور مجھ سے ملنے کیوں آیا ہے۔

کامریڈ لی تانگ پھر بولا، "ہائی کمان نے میرے توسط سے آپ کا شکریہ ادا کیا ہے کہ آپ نے یہاں آنے کی زحمت گوارہ کی۔ یہ کام آپ ہی کر سکتی ہیں، ورنہ آپ کو زحمت نہ دی جاتی۔ تفصیلات تو آپ کو معلوم ہو چکی ہوں گی؟"

"ہاں، رضیہ مجھے سب کچھ بتا چکی ہے لیکن صحیح اندازہ مجھے لہاسہ پہنچنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔"

"کس بات کا اندازہ؟"

"یہی کہ میں اِس معاملے کو کس حد تک سنبھال سکتی ہوں۔"

"اگر آپ اِس معاملے کو نہ سنبھال سکیں تو دُنیا کی کوئی طاقت نہیں سنبھال سکے گی لیکن ہائی کمان کا خیال ہے کہ جس ہستی کا نام صبیحہ بانو ہے، وہ ناکامی کا مُنہ کبھی نہیں دیکھ سکتی۔" لی تانگ مسکرایا۔

"یہ ہائی کمان کا حسنِ ظن ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے کبھی کبھی ناکامیوں سے بھی دوچار ہونا پڑا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "خیر چھوڑیے اِن باتوں کو اور یہ بتائیے کہ مومو کہاں ہے۔"

"میں جانتا تھا۔" لی تانگ نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"کیا جانتے تھے؟"

"یہی کہ آپ مومو کے بارے میں ضرور پوچھیں گی۔"

"تو پھر اب بتا بھی چکیے!"

"وہ پیکنگ میں تھی لیکن کل صبح یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ فوراً چنگ تو

---

[1] پاکستان میں مقیم چینی سفیر سے مراد ہے۔ — صبیحہ بانو

پہنچے۔"

"لیکن اُسے تو یہاں بھیجا جانا چاہیے تھا۔"

"اُسے اِس لیے چنگ تو بھیجا گیا ہے کہ جب آپ وہاں پہنچیں تو وہ لہاسہ تک کے سفر کی تمام تیاریاں مکمل کر چکی ہو۔"

"میں نے مومو کو بہت عرصے سے نہیں دیکھا۔ چار سال میں تو وہ خاصی تبدیل ہو چکی ہوگی!"

"آپ اُسے پہلے سے زیادہ بھرپور پائیں گی۔" ٹی تانگ کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ پھر اس نے کہا۔ "وہ بھی آپ کو اکثر یاد کرتی رہتی ہے۔ اُسے آپ کا دیا ہوا نام اتنا پسند آیا تھا کہ اب وہ اپنے آپ کو اسی نام سے مخاطب کروانا پسند کرتی ہے۔ ابتدا میں لوگ جو اُسے اس کے اصل نام سے پکارتے تھے تو وہ بگڑ جاتی تھی۔ نتیجہ یہ کہ اب سبھی اُسے مومو کے نام سے پکارتے ہیں اور اس کے نئے جاننے والے تو اس کے اصل نام سے بے خبر ہی ہیں۔"

میں ہنسنے لگی۔

ٹی تانگ پھر بولا۔ "اسی بات سے اندازہ کر لیجیے کہ وہ آپ سے کتنی محبت کرتی ہے۔ آپ کے عطا کردہ نام کو اس نے اپنی شخصیت پر پوری طرح حاوی کر لیا ہے۔"

"وہ بہت جذباتی لڑکی ہے۔"

میں اور ٹی تانگ باتوں میں مصروف تھے کہ رضیہ آگئی۔ وہ ٹی تانگ کو دیکھ کر چونکی، مسکرائی اور پھر بولی۔ "کامریڈ! میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں باجی کو لے کر ہی آؤں گی۔"

"آخر آپ سیکرٹ ایجنٹ ہی کی تو بہن ہیں۔" ٹی تانگ مسکرایا۔

میں نے رضیہ سے پوچھا۔ "ٹکٹ لے آئیں؟"

"جی ہاں۔ دوپہر کا کھانا کھا کر ہمیں اسٹیشن پہنچنا ہے۔"

"مجھے آپ اجازت دیجیے!" ٹی تانگ کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "میں اسٹیشن پر آپ سے ملنے آؤں گا۔"

"رضیہ! کامریڈ کو ہوٹل کے دروازے تک چھوڑ آؤ۔" میں نے کہا۔

"اچھا باجی!" رضیہ نے کہا اور ٹی تانگ کو لے کر کمرے سے چلی گئی۔

"میں اس سرزمین پر رہ کر ضرور پاگل ہو جاؤں گا۔" رضوان دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولا۔

"یہ خیال کہاں سے وارد ہو گیا؟" میں تعجب سے بولی۔

"یہ چینی زبان کسی شیطانی زبان سے کم نہیں جس کا ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ایسی صورت میں اگر میں پاگل نہ ہوا تو یہ ایک معجزہ ہوگا۔ یہ شخص جو ابھی یہاں سے دفع ہوا ہے، کیا واقعی کوئی بڑا افسر ہے؟"

"یقیناً۔"

"پھر بھی یہ انگریزی نہیں جانتا؟"

"انگریزی تو یہ خوب جانتا ہے۔"

"کیا!" رضوان نے احمقوں کی طرح منہ پھاڑا۔

"ہاں۔" میں اُس کی حالت سے لطف اندوز ہوئی۔ "[illegible] بولتا اُس وقت تک نہیں ہے جب تک ناگزیر نہ ہو۔ [illegible] ہوا ہے تو یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔ ہمارے [illegible] بے خبر کیسے رہ سکتے ہیں؟ ہمیں بہت چوکنا رہنا ہے۔ [illegible] مجھے لہاسہ پہنچنے سے روکنے کے لیے ایڑی چوٹی [illegible]"

"اور مجھے ایڑی چوٹی کی بجائے کچھ بھی یاد نہیں۔" [illegible] نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "خدارا مجھے اب [illegible] فضا میں کون سا فساد برپا ہونے والا ہے۔"

"ابھی نہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

رات اپنے ابتدائی مرحلے میں تھی جب ہم اسٹیشن پر اُترے۔ یہ ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ [illegible] روشنی میں سارا ماحول اونگھتا ہوا سا محسوس ہو [illegible] ٹھنڈک کے باوجود پلیٹ فارم پر کچھ نہ کچھ [illegible] کی تعداد اُن کی تعداد سے بھی کم تھی۔

مومو پلیٹ فارم پر موجود تھی۔ وہ مجھے [illegible] آگے آئی اور بے محابہ مجھ سے لپٹ گئی۔ ایسا [illegible] وہ میرے وجود میں پیوست ہو جانا چاہتی ہو۔ [illegible] لپٹی تو کامریڈ ٹی تانگ کے بیان کی تصدیق ہو [illegible] بہت زیادہ بھرپور ہو گئی تھی۔ اُس کے بدن [illegible] وجود پر چھلکنے کے لیے بے قرار معلوم ہو رہی [illegible]

"مومو!" میں نے اس کے کان میں [illegible] اور لوگ بھی ہیں۔"

مومو جلدی سے مجھ سے الگ ہو گئی [illegible] متوجہ ہونے کی بجائے مجھ سے ہی بولی۔ "آپ [illegible] کا فرد ہے۔ ہم لوگ غلامانہ ذہنیت رکھتے ہیں [illegible] لیے تو باعثِ فخر ہو سکتا ہے لیکن زندہ قومیں [illegible] باعثِ ننگ و عار سمجھتی ہیں۔"

"ارے تو کیا اس وقت انگریزی بولنا [illegible]"

"کیوں؟ اس وقت ناگزیر کیوں تھا؟"

"چینی زبان میری سمجھ میں نہیں آسکتی تھی [illegible] مو مگر ٹی تانگ کی سمت پر اس کا کیا اثر [illegible] وہ کوئی ضروری بات کرنا چاہتا تو ضرور انگریزی [illegible]"

اتنے میں رضیہ واپس آگئی اور بولی۔ "باجی [illegible] ہوٹل کی بات آ رہی تھی تو مجھے کچھ ایسا [illegible] کی جا رہی ہو۔"

[illegible] ناپسندیدہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اگر ایسا [illegible] ناراض تھی۔ سو چاہتی تھی کہ اب آپ آئیں گی تو آپ [illegible] جلد ملیں گی لیکن اب آپ سامنے آئی ہیں تو میرا فیصلہ ہوا [illegible]

[illegible] کراس کا شانہ تھپکا اور بولی۔ "میں تمہارے سارے [illegible] مان گئی۔"

[illegible] بنا ہوا تھا کیونکہ مومو بھی چینی زبان بول رہی تھی۔

"مومو!" رضیہ بولی۔

[illegible] کراس کی طرف دیکھا اور پھر بڑی گرم جوشی کے [illegible]

[illegible] نے انگریزی میں کہا۔ "مومو! یہ میرے ساتھی مسٹر رضوان [illegible] نہیں سمجھ سکتے۔ میں تم سے درخواست کروں گی کہ جب [illegible] انگریزی میں بات کرنا۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گی تو [illegible] یہ خودکشی کر ڈالیں گے۔"

[illegible] خوشی ہوئی مسٹر رضوان!" مومو نے ہنس کر انگریزی [illegible] انگریزی بولنا پسند نہیں کرتے لیکن بانو کو قتل ہونے [illegible] میں انگریزی بولنے کے لیے تیار ہوں۔ بانو مجھے [illegible]

"[illegible]" رضوان نے سر ہلا کر کہا۔ "آپ کی صنف میں [illegible] تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔"

[illegible] رضیہ نے رضوان کو ٹہوکا دیا۔

[illegible] پھر بولا۔ "کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم جلد از جلد [illegible] چلے جائیں؟ دراصل مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ہم اس [illegible] کھڑے رہے تو مجھے ڈبل نمونیہ ہو جائے گا۔"

[illegible] دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" مومو نے ہنس کر کہا۔ [illegible] لہاسہ میں زندہ بچ گیا تو آپ کے سامنے دلچسپیوں [illegible] لگا دوں گا۔ خدا کے لیے یہاں سے چلیے۔" رضوان [illegible] کوئی فاقہ زدہ ایک روٹی کی بھیک مانگ رہا ہو۔

[illegible] ان میں لے گئی جو اسٹیشن کے قریب ہی تھا۔ [illegible] تیسرے درجے کا مکان تھا لیکن اس میں کمرے [illegible] کے فرنیچر سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ہر کمرے میں [illegible] وہاں پہنچتے ہی ایک آتشدان پر جھک کر بیٹھ گیا۔ [illegible] ہی کو گرم کر لوں۔" رضوان ناک میں ہی بولا تھا۔ [illegible] ہوا ہے جیسے میرے چہرے پر برف کی [illegible]

[illegible] نے کہنے والے انداز میں ہنس کر بولی۔ "تمہاری [illegible] تو نہیں ہے کہ اُسے ڈبل کہا جا سکے۔"

مومو ہنسنے لگی اور پھر بولی۔ "اچھا آپ لوگ باتیں کریں، میں کچن میں جا کر کھانا گرم کرواؤں۔"

"چلو میں بھی چلتی ہوں۔" میں نے کہا۔

مومو مجھے باورچی خانے میں لے گئی اور ہم دونوں نے مل کر کھانا گرم کیا۔ اسی دوران میں مومو نے مجھے بتایا کہ اُس نے سفر کی تیاریاں مکمل کر لی ہیں اور ہم کل صبح ہی یہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مومو نے سب کو ایک ایک کمرے میں پہنچا دیا اور وہ خود میرے ساتھ کمرے میں مقید ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں شرارے ناچ رہے تھے۔

اگلی صبح ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ ہم خچروں پر سوار تھے اور ہمارا سامان [illegible] تھا۔

یاک تبت کا خاص جانور ہے۔ اس مُلک کے لوگ کہتے ہیں کہ اگر یاک نہ ہوتا تو تبت بھی نہ ہوتا۔ اس قول میں مبالغہ سہی لیکن اس میں شک نہیں کہ تبت کی زندگی میں اس جانور کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یاک کے بغیر اہلِ تبت کو دودھ نہیں مل سکتا اور دودھ کے بغیر مکھن ناممکن، چائے ناممکن۔ کھیتی باڑی میں بھی یہی جانور کام آتا ہے۔ اس کے بغیر بار برداری نہیں ہو سکتی اور بار برداری کے بغیر نہ تجارت ہو سکتی ہے نہ زرِ مبادلہ کمایا جا سکتا ہے۔ یاک ہی سے اُون حاصل ہوتا ہے۔ غرضیکہ یاک تبت کی زندگی کا جزوِ لاینفک ہے۔

بھینس کی طرح موٹا یہ وزنی جانور بہت آہستہ آہستہ چلتا ہے اور اس کے بال اتنے لمبے ہوتے ہیں کہ زمین کو چھوتے ہیں۔ یاک سب کچھ کر سکتا ہے مگر جلدی نہیں کر سکتا۔

رضوان نے یہ جانور اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور وہ اسے بڑا مضحکہ خیز معلوم ہوا تھا۔ اتنا مضحکہ خیز کہ اُسے ہنسی آگئی تھی لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ ہنسی ہی تھی یا سردی کے باعث رضوان کے منہ سے کچھ بے ہنگم سی آوازیں نکل کر رہ گئی تھیں۔

ہم سب نہایت گرم کپڑوں میں ملبوس تھے لیکن سردی مزاج پوچھے لے رہی تھی۔ میں نے رضوان کی ہمت بندھانے کے لیے کہا۔ "دو ایک روز میں تم اس فضا کے عادی ہو جاؤ گے۔"

"اِس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میں اس سے پہلے ہی منجمد ہو کر اس دارِ فانی سے کوچ نہیں کر جاؤں گا؟" رضوان نے دانت کٹکٹاتے ہوئے کہا۔

"[illegible] جو تمہاری زندگی کی ضمانت بنے گا۔" میں اُسے پیار بھری [illegible] سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "جب میں دیکھوں گی کہ اس سردی سے واقعی تمہاری جان پر بنی جا رہی ہے تو میں تمہیں اپنی گرم آغوش میں چھپا لوں گی۔"

[illegible] نے یہ سب کچھ کہا تو رضوان کو سانپ سونگھ گیا۔ جب بھی میں اس سے کوئی پیار بھری بات کرتی تھی تو اس پر سکوتِ مرگ کی سی

کیفیت چھا جاتی تھی اور مجھے ہنسی روکنا دوبھر ہو جاتا تھا۔

اس وقت میرے اور اُس کے خچر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ہمارے آگے ایک اور مزدور تھے اور اُن کے آگے رضیہ اور مومو چلی جا رہی تھیں۔ وہ دونوں ہنس ہنس کر آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔

"تم چپ کیوں ہو جاتے ہو اچانک؟" میں نے رضوان کو ٹوکا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ اس چینی لڑکی سے کچھ باتیں کی جائیں۔" رضوان نے اپنے خچر کو قمچی رسید کرتے ہوئے کہا تاکہ اُس کی رفتار بڑھ جائے۔

میں سمجھ گئی کہ وہ دراصل مجھ سے پہلو بچا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ میں زیرِ لب مسکرائی اور اس کا خچر مجھ سے آگے نکل گیا۔ میں نے اپنے خچر کی رفتار میں اضافہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ میں رضوان کو بہت زیادہ زچ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

دوپہر کو ہم نے کھانا کھانے کے لیے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور ایک گھنٹے بعد پھر چل پڑے۔ ہم سطحِ زمین سے لگ بھگ دس ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور ہمارا سفر ہمیں مزید بلندی کی طرف لے جا رہا تھا۔ لہاسہ سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔

سفر کرتے کرتے شام ہو گئی۔ راہ میں ہم کو دو چھوٹے چھوٹے گاؤں ملے تھے لیکن ہم نے وہاں رُکنا قطعی غیر ضروری سمجھا تھا۔ جب شام ہو گئی تو ہم نے پڑاؤ ڈال دیا۔ مزدوروں نے چھوٹی چھوٹی چھولداریاں نصب کر دیں اور آگ دہکا دی۔ ہم لوگوں نے کھانا کھایا اور کچھ دیر گپ شپ کرنے کے بعد اپنی اپنی چھولداریوں میں چلے گئے۔

رات، دن سے زیادہ سرد تھی۔ برفستان کے پُرہول سناٹے میں ہوا کی سیٹیاں گونج رہی تھیں اور ان سیٹیوں کے علاوہ گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ گرم بستر میں مجھے فوراً ہی نیند آ جاتی لیکن میں کوشش کر کے جاگتی رہی۔ دراصل مجھے یہ اطمینان حاصل نہیں تھا کہ ہمیں کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا۔ اس کے برعکس مجھے یقین تھا کہ ہم کسی وقت بھی کسی خطرے سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ رضیہ نے لان چو ہی میں مجھے بتا دیا تھا کہ شاید اس کی نگرانی کی گئی تھی۔ اگر نگرانی نہ کی جاتی تو بھی یہ خیال میرے ذہن سے دُور نہیں رہ سکتا تھا کہ دشمن ہم پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہو گا۔ جب اُن لوگوں نے زمبا کو رضیہ کے پیچھے پیچھے کراچی بھیج دیا تھا تو یہ بات کیسے ممکن تھی کہ وہ لوگ تبت میں میری آمد سے غافل رہ جاتے؟ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ وہ میری اور میرے ساتھیوں کی نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر ہوں گے اور اُن کی طرف سے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش کسی وقت بھی ممکن تھی۔

بستر میں پڑے پڑے جاگتے ہوئے مجھے ایک گھنٹہ گزر گیا لیکن میرے کانوں نے ہوا کی سیٹیوں کے علاوہ کوئی آواز نہیں سنی۔ پھر ایک گھنٹہ اور گزر گیا تو میں نے محسوس کیا کہ اگر میں گرم بستر میں گھسی رہی تو اب زیادہ دیر تک نیند کو اپنی آنکھوں سے جدا نہ رکھ سکوں گی۔ میری پلکوں پر

نیند کا وزن اتنا بڑھ چکا تھا کہ وہ جھکی جا رہی تھیں۔
اپنے جسم کو بے آرام کر لینا چاہیے تاکہ نیند کی گرفت
فیصلہ کر کے میں اپنے بستر سے نکل آئی اور دروازے
کے دَر کا پردہ کھولنے لگی جس کی ڈوریوں کو میں
فقط پردہ کھول کر میں نے باہر جھانکا۔ الاؤ کی
تھی کہ چھولداریوں کے نزدیک روشنی کا وجود تھا
میں اب بس اتنی روشنی تھی کہ اس کے ارد گرد
طرح نظر آ رہے تھے جیسے وہاں گٹھڑیاں پڑی
تبت کا مزدور چھولداریوں اور خیموں کا
اور فر کی ٹوپی پہنے، کھلے آسمان کے نیچے اتنے اطمینان
جیسے وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں ہو۔ ان مزدوروں
آسودگی ہوتی ہے جو مجھے امیر ترین آدمیوں سے
آئی۔ دولت سے سکون و طمانیت نہیں خریدی جا
قناعت کی گہرائیوں میں دفن ملتا ہے لیکن
میں اتنی دُور نکل چکی ہے کہ شاید اب اس خزانے
سکے گی۔

میں ذرا دیر اُن بے فکر مزدوروں کو سوتا
بیٹھ کر اپنی چھولداری سے نکلی اور رینگتی ہوئی
چلی گئی۔ وہاں مکمل تاریکی تھی۔ ناہموار زمین پر
رینگتی ہوئی میں چالیس پچاس فٹ دور
پھر پلٹ کر دیکھا۔ یہاں سے میں اپنے
اردگرد کے ماحول کا بھی جائزہ لیا جا سکتا تھا
کھلے آسمان کے نیچے سرد فضا میں
تھا جیسے میری ہڈیوں کا گودا بھی برف بنتا جا رہا
یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ مجھے نیند آ جاتی اور میں
ہر قیمت پر ساری رات جاگنا تھا۔
سانپوں کی طرح کلبلا رہے تھے اور یہ کلبلا
ہوئے تھی۔ میری دانست میں اس بات کا
ضائع کیے بغیر کوئی کاری وار کرنے کی فکر میں
اس لیے زیادہ تھا کہ میرے باز دشمن
وہ کھل کر میرے اور رضیہ کے مقابل آنے کی
کی کوشش یہی ہوتی کہ وہ ہمیں بے خبری
بے خبر نہیں رہنا چاہتی تھی۔

ٹیلے پر لیٹے لیٹے میں اردگرد کے ماحول
نے رائفل اپنے شانوں سے اتار کر ہاتھ میں
پیش آئے تو میں فوری اقدام کر سکوں۔
اچانک میری نظر دو انسانی سایوں پر
وہ سائے میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

تے ہی میں نے غیر ارادی طور پر سانس روک لی اور
کا دیا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ جس طرح میں نے
طرح وہ بھی مجھے دیکھ لیں۔
سا میرے دماغ میں بہہ نکلا۔ وہ دونوں
اور کون ہو گا؟ ان لوگوں میں اتنی جرأت
اس لیے انھوں نے دو جاسوس بھیجے
گئے ہوں گے کہ میں بے خبر ہوں یا چوکنا!
ان دونوں جاسوسوں کو یہاں سے بچ کر نہیں
کرتے ہی میں ایک پل کی تاخیر کیے بغیر حرکت
سانپ کی سی تیز رفتاری سے رینگ رہی تھی۔
برازیل کے ایک قبیلے کے لوگوں سے سیکھا تھا۔
اور رضیہ کے علاوہ کوئی بھی یہ فن نہ جانتا ہو
لیے جسم کو ایک خاص انداز میں حرکت دینا پڑتی
باتی ہوئی اس ٹیلے کی دوسری طرف پہنچ گئی جہاں
ان کو غائب ہوتے دیکھا تھا۔ یہاں پہنچ کر میں نے
لوا تھا۔ میں یکلخت ٹھٹک گئی اور اپنی
کے اندھیرے کے سینے میں پیوست
مجھے دھندلے دھندلے سایوں کی طرح نظر
آگے بڑھی۔ وہ دونوں اوندھے لیٹے ہوئے
تھے۔

رہے ہیں، میں نے سوچا اور بست احتیاط
اب میں اُن کے اتنے قریب پہنچ گئی تھی
کا نشانہ بنایا جا سکتا تھا لیکن جب میں نے
سارا جوش صابن کے جھاگ کی طرح

رضوان تھے!
کو پہچان لیا تو بُری طرح جھنجھلا گئی کیونکہ مجھے
اعصابی تناؤ کا شکار ہونا پڑا تھا۔
منہ!" رضوان دانت کٹکٹاتے ہوئے کہہ

جھوٹ بولتی ہوں لیکن سنجیدگی سے جھوٹ

دماغ کس حد تک کریک ہیں؟"
یہ سوال کر کے تو تم نے اس بات کا
کریک ہو چکا ہے۔"
لیکن اس وقت میں تم دونوں

کے دماغ پر بحث کرنا چاہتا ہوں لہٰذا موضوع کے دائرے کو زیادہ نہ بڑھاؤ۔"

"آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"اس سرد رات میں تم نہ صرف خود اپنی چھولداری سے نکل آئی ہو بلکہ مجھے بھی گھسیٹ لائی ہو۔ کیا یہ حرکت اس بات کا ثبوت نہیں کہ تمھارے دماغ میں دراڑ پڑ چکی ہے، بلکہ دراڑیں پڑ چکی ہیں۔"

"باہر آنے کا ایک خاص مقصد ہے۔" رضیہ نے جواباً کہا۔ "مجھے اندیشہ ہے کہ آج کی رات ہمارے لیے خطرناک ہو سکتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ دشمن ہم پر بے خبری میں حملہ کر دے لہٰذا ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔"

رضیہ کے ذہن میں بالکل وہی خیال آیا تھا جس کے پریشان کن اثرات مجھے چھولداری سے باہر نکلنے پر مجبور کر چکے تھے۔ اس نے بالکل میرے انداز میں سوچا تھا اور کیوں نہ سوچتی؟ وہ میری بہن تھی۔ میری اور اُس کی رگوں میں ایک ہی باپ کا خون دوڑ رہا تھا اور وہ باپ جس کی ساری زندگی خطرات سے کھیلتے ہوئے گزری تھی۔

رضیہ کہتی رہی۔ "اور تم کو میں اس لیے گھسیٹ لائی کہ باتوں سے ذرا دل بہلا رہے گا۔"

"اور اگر تمھاری باجی صاحبہ نے دیکھ لیا تو رقابت کے جذبۂ آتش سے جل بھن کر یا تو خود کباب ہو جائیں گی یا تم کو گولی مار دیں گی۔"

"وہ تو وہ خود کباب ہوں گی، نہ مجھے گولی ماریں گی۔" رضیہ نے بڑے یقین اور اطمینان سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے رضوان کہ تم نے اب تک ہم دونوں کو پہچانا ہی نہیں۔"

"پہچانوں کیسے؟" رضوان نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "تم دونوں ہی نے اپنے چہروں پر خول چڑھا رکھے ہیں۔"

"تم غلط کہہ رہے ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہمارے چہرے اصلی چہرے نہیں ہیں۔ ایک ذرا چشمِ بینا چاہیے اِن کو پہچاننے کے لیے۔" رضیہ نے کہا، پھر بولی۔ "اگر باجی کو میری اور تمھاری محبت کا علم ہو جائے تو وہ کسی پل کی تاخیر کے بغیر ہماری راہ سے ہٹ جائیں گی۔"

"تو پھر میں چلا انھیں بتانے تاکہ . . ."

"فضول ہے۔" رضیہ نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں اِس بات کا اقرار کبھی نہیں کروں گی۔"

"کیوں؟" رضوان غرایا۔

"اس لیے کہ میں اپنی باجی کا دل نہیں توڑنا چاہتی۔"

"خواہ میرے دل کے سترہ ہزار ٹکڑے ہو جائیں۔" رضوان دانت پر دانت جما کر بولا۔

"کیوں؟ تمھارے دل کے ٹکڑے کیوں ہو جائیں گے؟"

"تم سے دُور ہو کر اور کیا ہو گا؟"

"لیکن تم مجھ سے دُور کب ہو گے؟"

"اسے تو بانو سے شادی کرکے اور کیا ہوگا؟"

"میں جسمانی فاصلے کو فاصلہ نہیں سمجھتی۔ ہمارے دل جب تک ایک دُوسرے کے لیے دھڑکتے رہیں اور ہماری نگاہیں جب تک ایک دُوسرے پر اپنا پیار نچھاور کرتی رہیں، سمجھ لو کہ اس وقت تک کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ محبت کی دُنیا میں فاصلے کی تعریف بدل جاتی ہے رضوان! مجھے وہ لوگ بڑے مسخرے معلوم ہوتے ہیں جو اپنے محبوب کا وصل نہیں حاصل کر پاتے تو آنسو بہانے لگتے ہیں۔ وصال تو یہ ہے کہ محبوب دل میں بیٹھا ہے۔"

"میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ تم...... دُنیا کی...... سب سے بڑی...... کریک ہو۔" رضوان دانت پیس کر بولا۔

"ذرا مختلف انداز میں سوچنا بھی قیامت ہے۔ لوگ کریک سمجھنے لگتے ہیں۔" رضیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو پھر سمجھ لو کہ میں بھی بہت بڑا کریک ہوں۔"

"مجھے یقین ہے۔" رضیہ نے بڑے خلوص سے کہا۔

"پوری بات سنو!" رضوان غرّایا۔

"کہو!" رضیہ ہنسی۔

"میں بانو کی شادی کسی تبتی ریچھ سے کرا دوں گا تاکہ انہیں میرا جسمانی قرب حاصل نہ ہو سکے اور وہ مجھ سے محبت کرتی رہیں۔"

"اب تم پاگلوں کی سی باتیں کرنے لگے ہو۔"

"اگر تم دونوں بہنوں کا یہ ڈرامہ جاری رہا تو ایک نہ ایک روز پاگل خانے بھی پہنچ جاؤں گا۔"

"لیکن میں باجی سے تمہاری شادی ضرور کراؤں گی، خواہ مجھے تمہارا علاج کرانے کے لیے پاگل خانے کے بہترین ڈاکٹروں کا تعاون حاصل کرنا پڑے۔" رضیہ نے شوخی سے کہا۔

"تم ایک ... سنجیدہ معاملے کو مذاق میں ... کوشش کرتی ... ہو۔"

"دراصل میں یہ چاہتی ہوں کہ زندگی مجھ سے کوئی مذاق نہ کر سکے۔"

"اب اس جملے میں بڑا کرب معلوم ہو رہا ہے۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ تم دونوں نے اپنے چہروں پر خول چڑھا رکھے ہیں کبھی کچھ کبھی کچھ۔"

"دیکھو اب تم بڑی رَوانی سے باتیں کر رہے ہو۔ میں نے کہا تھا ناکہ آہستہ آہستہ اس سردی کے عادی ہو جاؤ گے۔"

"اس وقت تو تمہاری بے تکی باتوں نے میرے جسم میں گرمی بھر دی ہے۔"

"شش ... چپ!" اچانک رضیہ نے رضوان کو خاموش کر دیا۔

ادھر میرے کان بھی کھڑے ہو چکے تھے۔ مجھے زمین پر ہلکی سی دھمک محسوس ہو رہی تھی۔ اگر میں لیٹی ہوئی نہ ہوتی تو اس دھمک کا احساس نہیں ہوتا۔ رضیہ نے بھی وہ دھمک اسی لیے فوراً محسوس کر لی تھی کہ وہ زمین پر لیٹی ہوئی تھی۔ وہ دھمک ایسی تھی جیسے زمین پر بے شمار تھوڑے برس رہے ہوں۔

میں سر اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ مجھے ... ہو گئی تھی۔ میں زمین پر رینگتی ہوئی تیزی ت... میں نے رضیہ اور رضوان کے سانے دیکھے ... آئی تھی کہ پڑاؤ کی ایک سمت میں رضیہ نظر ... پر میں نظر رکھ سکوں۔

جلد ہی دھمک کا راز کھل کر ہمارے ... گھڑسواروں کو دیکھ لیا جو تعداد میں پندرہ ... میں رائفلیں تھیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کا شور ... کی وجہ میری سمجھ میں فوراً آ گئی تھی۔ گھوڑوں ... گیا تھا۔ اردنگ قبیلے کے یہ رہزن اسی طرح ... خاص جگہ ان لوگوں کا وطن نہیں ہے۔ یہ ... میں خانہ بدوشوں کی سی زندگی گزارتے ہیں ... ان کا قلع قمع کرنے میں اب تک ناکام ...

میں نے اپنی رائفل سیدھی کی لیکن ...

تھی۔ سناٹے میں رائفل کا دھماکا کسی بم کے ... رائفل داغ دی۔ یکے بعد دیگرے ... سے گرے اور مرنے والوں کے ساتھیوں ... شروع کر دی۔ سرد ویرانے میں قیامت کا ... فائر پر فائر کیے جا رہی تھی اور اُدھر رضیہ ... بھی شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ سوتے ہوئے ... چکے تھے اور جانوروں نے بھی اُچھلنا کودنا ... کھونٹوں سے بندھے ہوئے تھے لیکن ایک ... بھاگ نکلا۔

میں نے محسوس کیا کہ اب ایک ... ہو ... اس کا مطلب یہ تھا کہ موموسنے ... اردنگ قبیلے کے رہزن اس ... کر بھاگ نکلے اور اپنے تعاقب میں چھ ساتھیوں ... رائفلوں کی گولیاں اُن کا تعاقب کر رہی تھیں ... میں گم ہو گئے اور ہمیں فائرنگ بند کرنا پڑی۔

اب سناٹے میں صرف تبتی مزدوروں ... تھیں جو بلند آواز سے اردنگ قبیلے کے ...

میں اب سیدھی کھڑی ہو کر چھولداری ...

میں دو مزدوروں نے الاؤ میں لکڑیاں ڈال کر ... شروع کر دی تھی۔ جب میں چھولداریوں کے ... رضیہ اور رضوان بھی قریب آ گئے۔ چھولداری ... مطابق چینی زبان میں چیخی۔

"بانو! آپ لوگ باہر ہی تھے ... ہو رہا تھا۔

اُسے جواب دیا اور پھر رضیہ سے پوچھا "تم ... نکلے ہوئے تھے۔"

... گھنٹہ ہو چکا ہے۔" رضیہ نے جواب دیا "مجھے اندیشہ ... دیر ہو سکتی ہے۔"

... تو مجھے بھی باہر نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

... ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ ... گل کھلاتی رہیں گی!"

... پر ایک نظر ڈال لیں۔" میں نے رضیہ سے کہا ... کر میں ایسی بن گئی تھی جیسے اُن کی یکجائی کو ذرا بھی ...

... چینی زبان میں موموسے کہا "تم ... ان مزدوروں ... ابھی آتے ہیں۔"

... ہیں؟" موموسنے پوچھا۔

... دیدار تو کر لیں۔"

... ہی کے آدمی ہوں گے۔ ہمارے دشمن سے اُن کا ...

... کے ساتھ اُس طرف بڑھی جہاں تھوڑے تھوڑے ... میں پڑی ہوئی تھیں۔ ہمارے پیچھے پیچھے رضوان بھی ... ٹھنڈک سے بہت پریشان تھا لیکن تجسس کی لہر ... مجبور کر چکی تھی۔

... نکال کر جلالی تھی اور اُس کی روشنی میں لاشوں ... شروع کیا تھا۔ چوتھی لاش کا چہرہ دیکھ کر نہ صرف ... یہ چوتھی لاش کسی تبتی کی نہیں بلکہ چینی کی تھی۔ میری ... کرائیں، پھر ہم دونوں کے منہ سے بیک وقت ... قبیلے میں چینی تو نہیں ہوتے!" پھر ہم دونوں کو ... گئی۔

... لہجے میں بولا۔ "آپ دونوں کو ہنستا ہوا دیکھ کر میں ... لگ رہی ہے۔"

... لاشیں بھی دیکھ لیں۔" رضیہ بولی۔

... لاشیں بھی دیکھیں لیکن وہ دونوں گروہ ... تبتی ہی تھے۔ ... کی طرف لوٹے جو کسی چینی کی تھی۔ میں نے رضیہ ...

... تھا ملی۔

... مل جائے۔" رضوان بڑبڑایا۔

... سردی لگ رہی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

... ہی میں جا کر سو جاؤ۔"

... انہیں سونے کب دیں گی؟ اگر آپ لوگوں ... اسی طرح ان ... بیرے میں رکھا تو میں ضرور پاگل ہو جاؤں گا۔ آخر مجھے بتانے میں آپ لوگوں کا کیا حرج ہے؟ مجھے اس فساد کا سبب معلوم ہونا چاہیے اور میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ ان تبتی لاشوں میں ایک چینی کی لاش دیکھ کر آپ دونوں بہنوں نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

رضوان نے اردنگ قبیلے کے ان رہزنوں کے بارے میں کوئی استفسار نہیں کیا تھا لہٰذا میں سمجھ گئی کہ رضیہ اسے اُن کے بارے میں بتا چکی تھی۔

رضوان نے جو سوالات کیے تھے، میں انہیں بھی ٹال گئی اور رضیہ سے بولی "کچھ برآمد ہوا؟"

"ایک کاغذ ہے جو کچھ اہم معلوم ... ہے۔ اس پر چینی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہے۔" رضیہ سیدھی کھڑی ہوتی ہوئی بولی "ٹارچ ذرا قریب لائیے تو اسے پڑھیں۔"

میں رضیہ کے قریب ہو گئی اور ٹارچ کی روشنی اُس کے ہاتھ میں دبے ہوئے کاغذ پر ڈالتی ہوئی اُسے پڑھنے کے لیے خود بھی جھکی۔ چینی زبان میں ایک مختصر سی عبارت لکھی ہوئی تھی۔ خط کا سا انداز تھا۔

"تم اردنگ قبیلے کے رہزنوں کو اپنی مٹھی میں لینے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ یہ خط لے کر چن ژی کے پاس چلے جانا۔ وہ تمہیں اتنی رقم دے گا کہ تم ان رہزنوں کی لالچی فطرت سے اچھی طرح کام لے سکو۔"

خط کے شروع یا آخر میں کوئی نام نہیں لکھا تھا لیکن میری نظر کے سامنے جو تحریر تھی، اُس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس سے کم از کم یہ بات صاف ہو گئی تھی کہ ہمارے مقابل جو دشمن ہے، وہ چین ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اب سے پہلے ہمیں اِس بات کا بھی علم نہیں تھا۔ دُوسری بات یہ کہ ہمیں دُشمنوں کے ایک آدمی کا نام معلوم ہو گیا تھا۔ چن ژی جسے اُن لوگوں میں یہ اہمیت حاصل تھی کہ اخراجات اُسی کے ہاتھ سے ہوتے تھے۔

میں نے اور رضیہ نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا لیکن زبان سے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

رضوان نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا "یعنی اب میرے سامنے گفتگو سے بھی احتراز کیا جائے گا!"

رضیہ کو ہنسی آ گئی اور میں بولی "یہ بات نہیں ہے رضوان! دراصل میری طرح رضیہ کو بھی یہ اُلجھن لاحق ہو گئی ہو گی کہ وہ اِس خط پر کیا تبصرہ کرے۔"

"آخر اِس میں لکھا کیا ہے؟"

میں نے ٹارچ بجھا دی اور واپس چھولداریوں کی طرف بڑھتی ہوئی بولی "غالباً یہ خط مرنے والے ہی کے نام ہو گا۔ اِس میں اُسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ چن ژی نامی کسی آدمی سے مل کر حسبِ دل خواہ رقم حاصل کرے اور ان رہزنوں کو اپنی مٹھی میں لینے کی کوشش کرے۔"

"کیوں؟"

"یہ اس خط میں نہیں لکھا۔"
"کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان رہزنوں کو ہمارے پڑاؤ پر حملہ کرنے کے لیے اسی چینی نے اکسایا تھا؟"
"اس میں تو کوئی شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔"
"مگر کیوں؟"
"اس کا علم لہاسہ پہنچ کر ہو گا۔"
رضوان نے کرید کرید کر سوالات کیے لیکن مجھ سے کسی قسم کی معلومات حاصل کرنے میں اُسے ناکامی ہی ہوئی۔ یہ باتیں کرتے ہوئے ہم چھولداریوں کے قریب پہنچ گئے جہاں مومو الاؤ کے پاس بیٹھی ہوئی خود کو گرم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مزدور اِدھر اُدھر لیٹے ہوئے دھیمی آواز میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ الاؤ کی گرمی مجھے اتنی اچھی لگی کہ میں وہیں مومو کے پاس بیٹھ گئی اور مجھے بیٹھتے دیکھ کر رضیہ اور رضوان بھی بیٹھ گئے۔
"دیکھ آئیں لاشوں کو؟" مومو نے چینی زبان میں پوچھا۔
"ہاں، لیکن بہتر ہو گا کہ انگریزی بولو۔" میں نے ہنس کر انگریزی میں کہا۔ "ورنہ میرا یہ پیارا سا دوست رضوان تم سے ناراض ہو جائے گا۔"
"آئی ایم سوری۔" مومو رضوان کی طرف دیکھ کر جلدی سے بولی۔ "مسٹر رضوان! دراصل میں بھول جاتی ہوں کہ بالو نے مجھے انگریزی بولنے کی تاکید کی ہے۔"
"کوئی بات نہیں۔" رضوان ناک میں بولا۔
"مومو!" میں نے کہا۔ "تمھیں شاید یہ جان کر خوشی ہو گی کہ وہ چھ کی چھ لاشیں یارذنگ قبیلے کے آدمیوں کی نہیں ہیں بلکہ ان میں ایک چینی بھی ہے۔"
"واقعی؟" مومو حیرت سے بولی۔
"اور اُس کے پاس سے ایک خط بھی برآمد ہوا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے رضیہ کو اشارہ کیا کہ خط مومو کو دے دے۔
مومو نے رضیہ سے خط لے کر پڑھا اور اُس کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ قدرے توقف سے بولی۔ "اس سے تو ثابت ہوا کہ یہ چین ہی کے لوگوں کا پھیلایا ہوا فساد ہے۔"
"ہاں، یہ تو ثابت ہو گیا۔"
"لیکن یہ لوگ میرے وطن کے نہیں ہو سکتے۔"
"کیا مطلب!" رضیہ بول پڑی۔
"یہ چیانگ کائی شیک کے آدمی ہوں گے۔ سرخ چین کے کتے۔" مومو نے بڑی نفرت سے کہا۔
"اتنی جلدی کسی نتیجے پر جست نہ لگاؤ!" میں نے کہا۔ "جلد یا بدیر یہ صورتِ حال کھل کر سامنے آ ہی جائے گی۔"
"میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ عظیم ماؤ کے زیرِ سایہ رہنے والا کوئی شخص غدار نہیں ہو سکتا۔" مومو نے بڑے ...
"یہ میں بھی جانتی ہوں کہ عظیم ماؤ کی تعلیمات ... بنا دیا ہے۔" میں نے کہا۔ "اور عین ممکن ہے کہ تبت ... والے سرخ چین ہی سے تعلق رکھتے ہوں لیکن کسی ... شیک کا نام کیوں لیا جائے؟ سرخ چین کے رہنے ... بھی آلۂ کار بن سکتے ہیں۔"
مومو نے میری طرف دیکھتے ہوئے پھر ... خیال ...
"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ..."
"لیکن کیا سونے کا پروگرام نہیں بن رہا ..."
"ہاں اب سونا چاہیے۔" میں نے کہا۔ "یکے ... وقفے وقفے سے جاگ کر پہرہ دیں۔"
"تو کیا اردنگ پھر حملہ کر سکتے ہیں؟" رضو...
"یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ..."
چنانچہ وہ رات ہم نے باری باری پہرہ ...
میں مزدور ہمارے ساتھ نہیں تھے۔
صبح ہوتے ہی ہمارا سفر پھر شروع ہو گیا ...
چھوٹی سی بستی میں پہنچے۔ یہاں سے ہمیں ...
جو مزدور یہاں تک ہمارے ساتھ آئے تھے ...
"یہ تبدیلی کیوں؟" رضوان نے تعجب ...
ساتھ چلتے رہتے تو کیا حرج تھا؟"
"ہمارے لیے تو کوئی حرج نہیں تھا ...
یہاں کے مزدوروں کا عام رواج ہے کہ یہ ایک ... زیادہ ساتھ نہیں دیتے اور واپس چلے جاتے ... ہو تا کہ اپنے گھروں سے دُور نکل ... ہے کہ دوسری بستیوں کے مزدوروں کو بھی ...
"گویا اب جو مزدور ہمارے ساتھ ہیں ..."
"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اگلی ... ہمیں مزدوروں کا تیسرا گروپ مل جائے گا۔"
"پھر تو اب خطرہ بڑھ گیا ہے۔" ...
"کیوں؟" میں نے اُسے ٹٹولنا ... چاہتی تھی کہ مجھے جس خطرے کا احساس ہے ... سوچا ہے یا اس کے ذہن میں کوئی اور ...
"مزدوروں کا پہلا گروپ۔" رضوان ... سے مومو نے حاصل کیا تھا اور یقیناً اپنا ... ہو گا لیکن اب ہمیں جو مزدور ملیں گے ... ممکن ہے کہ ہمارا دشمن اُنھیں آلۂ کار ...
"تم نے ٹھیک سوچا ہے۔" میں ... بھی اس امکان پر غور کر چکی ہوں۔"

ہمیں اب پہلے سے بھی زیادہ محتاط رہنا ہو گا۔ اردگرد کے ... مزدوروں پر بھی نظر رکھنا پڑے گی۔"

... تک سفر جاری رہا لیکن کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ ایک ... کے لیے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے کہ برفباری کا طوفان ... لداریوں میں پناہ لینا پڑی کہ اس کے سوا کوئی پناہ گاہ ... ہی دیر کے بعد ہمیں بندوق کے کندے سے چھولداری ... پڑتا تھا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو برف کے بوجھ سے ... اور ہم برف میں دفن ہو جاتے۔
... ٹھنڈک میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ رضوان اور مومو ... نے لگے۔ سردی تو مجھے بھی لگ رہی تھی اور یقیناً ... ہو گی لیکن چونکہ ہم دونوں نے اپنی زندگی کا خاصا بڑا ... ن میں گزارا تھا للذا اس ٹھنڈک کی اثر پذیری ہمارے ... کم تھی۔ رضوان کا تو یہ عالم تھا کہ جب وہ کوئی بات ... جیسے کوئی راگ سنا رہا ہو۔ اُس نے میری اور رضیہ ... مومو سے کہا۔ "یہ یہ یہ ... دونوں ... لوں۔ ... پھر کی ... کی کی ... با ... با ... لی ... نی ... ہو ... ہو ... ... رم ... ہو ... ہو ... تی ... تی ... میں ... ایں ...

... ہے رضوان!" رضیہ ہنس کر بولی۔
... میں سوچتا ہی رہ گیا کہ اُس نے کون سا راگ ...

... میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ رہ گیا ہے۔" میں نے مومو ... بیکار ہے۔ اب کل صبح ہی روانہ ہوں گے۔" ... برف سہلانا کافی سمجھا۔ اُسے ڈر ہو گا کہ اگر ... کوئی ٹانگ نکل جائے گا اور رضوان کی ... جائے گی۔
... یوں اسی حسرت گزاری کہ چاروں نے بارش ... ہوئے۔ شدید برفباری کے باعث اب ... ہو گیا تھا۔ ہم پگڈنڈیوں سے برف کی گہرائی ناپ ... ہمارے مزدوروں میں سے ایک ذرا سی ... میں دھنس گیا۔ وہ اتنی تیزی سے دھنسا ... ہی ہو جائے گا لیکن سینے تک دھنسنے کے ... اور اس کے منہ سے جو ڈری ڈری سی ... اُس کے ساتھی اُس کی طرف لپکے اور ... کوشش کرنے لگے۔ یہ کوشش کرتے ہوئے ... تھے۔

"یہ یہ سب ... ہیں؟" ... بھلا ... کو سنانے والے انداز میں کہا۔
"کیوں!" میں بولی۔
"ان کا ایک ساتھی مصیبت میں گرفتار ہے اور یہ قہقہے لگا کر اُس کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔"
"یہ بات نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "دراصل تم یہاں کے رسم و رواج سے واقف نہیں ہو۔ مصیبت کے وقت قہقہے لگانا ان بستیوں کی زندگی کا لازمہ ہے۔ اس طرح یہ مصیبت دینے والے دیوتاؤں کو یہ باور کراتے ہیں کہ اُن کی خوش مزاجی کو شکست نہیں دی جا سکتی۔"
"عجیب بے ہودہ رواج ہے۔"
"اگر یہ لوگ ہماری دنیا میں آئیں تو انھیں بھی ہمارے یہاں کے رسم و رواج بے ہودہ معلوم ہوں گے۔"
رضوان نے پھر کچھ نہیں کہا۔
اتنی دیر میں اس مزدور کو گڑھے سے نکال لیا گیا اور ہمارا سفر پھر شروع ہو گیا۔ اس واقعے کی بنا پر کوئی مزدور دہشت زدہ نہیں ہوا تھا اور وہ سب دوبارہ اتنے اطمینان سے چل پڑے تھے جیسے کوئی خاص واقعہ نہ ہوا ہو۔
اسی دن شام کو ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں کسی نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ اُن لوگوں کو اپنے مزدوروں سے ہمارے بارے میں پتہ چلا تو وہ اپنی چھولداریوں سے نکل آئے۔ اُن کی وضع قطع تبت کے لاماؤں کی سی تھی۔ وہ تین تھے اور تیسری ہستی ایک لڑکی کی تھی جسے دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔
"بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔" رضیہ بڑبڑائی۔
"مزدوروں سے کہو کہ چھولداریاں نصب کریں۔ میں ان لوگوں کے قریب جا کر دیکھتی ہوں کہ یہ کون ہیں۔"
"میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" رضوان بولا۔
"نہیں، تم کیا کرو گے جا کر؟ تم ان کی زبان ہی نہیں سمجھ سکو گے۔"
میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ لوگ کوئی پچاس فٹ دُور تھے۔ وہ مجھے بڑی دلچسپی سے دیکھتے رہے۔ میں نے اُن کے قریب پہنچ کر کہا۔ "آردکس۔"
تبتی زبان میں دوست کو "آردکس" کہتے ہیں۔
ایک لامہ بولا۔ "باڈگے یاک گولین لوڈ، ڈرود۔" یعنی "غالباً آپ تبتی زبان اچھی طرح جانتی ہیں!"
"ہاں۔" میں نے کہا اور پھر پوچھا۔ "آپ لوگ کدھر جا رہے ہیں؟"
"لہاسہ۔"
"اوہ!" میرے منہ سے نکلا۔
"اور آپ؟" اُس نے پوچھا۔
"ہماری منزل بھی لہاسہ ہے۔"
"کیا آپ لوگ مسلح ہیں؟"
"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "ہمارے ساتھیوں میں جو مرد ہیں وہ

ایک مصنف ہے۔ وہ تبت کے معاشرے پر ایک کتاب لکھنا چاہتا ہے لیکن اُسے یہاں کی زبان نہیں آتی اس لیے وہ مجھے اور میری بہن کو بھی لے آیا ہے۔ ہم میں جو تیسری لڑکی ہے، وہ ایک چینی ہے اور محض سیاحت کے شوق میں ہمارے ساتھ آگئی ہے!"

"ہم آپ سب کو اپنی چھولداریوں میں خوش آمدید کہتے ہیں" لڑکی نے کہا۔ وہ پہلی مرتبہ بولی تھی اور اس کی کھنکتی ہوئی آواز میں میں نے بڑی سیکس اپیل محسوس کی تھی۔ میں نے اُس کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کے نقش و نگار میں تبت کی جھلکیاں موجود تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے خون میں غیر تبتی خون شامل ہو۔ اسی آمیزش کی وجہ سے اس کے نقش و نگار بڑے تیکھے اور دلآویز ہو گئے تھے۔ میں نے اُسے تقریباً ویسا ہی پایا جیسی لومی تھی، شیرو سیادر کی بیٹی!

"تو بے چے" میں نے مسکرا کر اُس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں رات کے کھانے کے بعد پھر اُن سے ملنے آؤں گی۔

"یہ پڑاؤ بھی آپ ہی کا ہے" ایک لامہ نے کہا۔

میں نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا اور اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آئی۔ رضوان، رضیہ اور موموبڑی بے چینی سے میرے منتظر تھے لیکن میں انھیں راہ میں ملنے والے ان اجنبیوں کے بارے میں کوئی تشفی بخش جواب نہیں دے سکی۔ ابھی مجھے خود ہی کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا اور نہ اتنے کم وقت میں اندازے لگائے جا سکتے تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا" وہ لامہ ہیں اور لہاسہ ہی جا رہے ہیں مگر اُن کے ساتھ ایک لڑکی کی موجودگی میرے لیے حیرت انگیز ہے"

"لڑکیوں سے آپ کا ٹکراؤ ضرور ہوتا ہے" رضوان مُنہ بنا کر بولا۔

میں ہنس کر رہ گئی۔

مزدوروں نے الاؤ دہکا دیا تھا۔ ہم چاروں اُس کے قریب جا بیٹھے۔ اس برفستان میں الاؤ سے بڑی عیاشی کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔

جب ہم لوگ کھانا کھانے بیٹھے تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ قریب کے دوسرے پڑاؤ میں بھی ایک الاؤ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور وہ دونوں لامہ اُس لڑکی کے سامنے الاؤ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

"باجی!" رضیہ نے کھانے کے دوران میں مجھ سے کہا" اب آپ کی بجائے میں چلی جاؤں اُن سے ملنے؟"

"تم چلی جاؤ کیا فرق پڑتا ہے!"

"ہمیں بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے" موموڈر کر بولی" مجھے تو یہ نقلی لامہ معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے ایسے لامہ نہیں دیکھے جو اپنے ساتھ لڑکیوں کو لیے گھومتے رہتے ہوں"

"ہاں یہ تو میں بھی کہہ چکی ہوں کہ ان لاماؤں کے ساتھ ایک لڑکی کی موجودگی میرے لیے حیرت انگیز ہے"

"یہ لڑکی دوغلی نسل کی معلوم ہوتی ہے" رضیہ نے تبصرہ کیا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک ضرور

غیر تبتی ہوگا" میں نے کہا۔

کھانے کے بعد جب رضیہ اُن لو

رضوان بھی کھڑا ہو گیا۔

"تم کہاں چلے؟" میں نے اُسے لو

"میں چھولداری میں جا رہا ہوں۔ میر

ڈیوٹی صبح چار بجے سے سات بجے تک ہے

"ہاں اور ایک بجے سے چار بجے

جگا کر سوؤں گی"

مجھے اور رضوان کو باتیں کرتا چھوڑ کر

چلی گئی تھی۔ اُس کے بعد رضوان چھولداری میں

پاس بیٹھے رہے۔ میں نے موموسے کہا

"تم بھی کچھ دیر آرام کر لو! دل

"میں ایک بجے ہی سوؤں گی" مومو

نے جواب دیا اور پھر شرارت آمیز لہجے میں

ہے، وہ آپ کو پسند آئی یا نہیں؟"

"چہرہ تو اچھا ہے" میں نے

"تو پھر کیا خیال ہے اس ت

"اپنے لیے؟"

"آپ کے لیے" موموہنسی۔

"میری فکر نہ کرو۔ مجھے تو دو پ

نگاہیں پہچانتی ہوں"

"یہ تو خیر مجھے بھی معلوم ہے کہ آ

نظروں سے نہیں دیکھ سکتی"

"یہ نہ کہو۔ کراچی میں ایک لڑکی

ہو سکا" میں نے شبانہ کو یاد کرتے ہو

"تو پھر وہ لڑکی جمالیاتی حس

سے کہا۔

"یہ بات نہیں۔ دراصل وہ نرگسیت

پسند نہیں آتا"

"کیا وہ اتنی ہی خوبصورت ہے؟"

"اگر میں کچھ کہوں گی تو تم حسد کرو گی

پھر کنکھیوں سے لاماؤں کے پڑاؤ کی طرف

ساتھ الاؤ کے قریب بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھی

رضیہ کی واپسی کوئی آدھے گھنٹے بعد

ان لوگوں کے بارے میں خاصی معلومات ما

"وہ معلومات تم نے ابھی اگر

"ظاہر ہے"

گر وہ معلومات درست بھی ہوں۔ خیر بتاؤ! کیا

"

ن کا تعلق چکپوری کی درسگاہ سے ہے۔ درسگاہ

ہمک کو بھیجا تھا کہ یہ سارہ کو وہاں سے لے آئیں۔

ہے گر وہ عیسائی ہے لیکن اس کا باپ تبتی ہی تھا

ت حاصل تھی لیکن ادھیڑ عمری میں اُسے شیطان

لامہ کا ایک اہم پیغام لے کر بیرون ملک گیا ہوا تھا تو

ل کر بیٹھا۔ امریکن عورت بھی اُس کی روحانی طاقت

گی اور ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ اسی شادی

گے سال بھر بعد جب سر سے عشق کا بھوت اترا تو

ا احساس ہوا۔ ایک عورت کے حسن و جمال نے

ریاضت پر پانی پھیر دیا تھا لیکن اب مداوا

تھی۔ وہ اس غم میں بیمار رہنے لگا لیکن اُس سے

ا کو چھوڑ کر دنیا سے چل بسی۔ اُس کے مرنے

واپس آ سکتا تھا لیکن شرمندگی نے ہمیشہ اُس کے

اس کی بوڑھی نانی نے کی تھی۔ اس لیے سارہ فطری

رہی۔ جب سارہ جوان ہو گئی تو اُس کی بوڑھی

کی موت کے بعد سارہ کے باپ نے اپنی بیٹی کو

کی کوشش کی۔ وہ اپنی ان کوششوں میں

اتنا ضرور ہوا کہ سارہ کے دل میں اپنے باپ کا

اس نے اپنے باپ کو مجبور کیا کہ وہ لہاسہ چلے۔

نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن بیٹی کے اصرار سے

ں ینگ ڈو پہنچے تو باپ کی طبیعت بہت زیادہ

تک کا دشوار گزار سفر طے نہیں کر سکتا تھا اور

ہو چکا تھا کہ یہ بیماری اس کی جان لے کر ہی

بیٹی کو اپنے وطن میں اپنے عزیزوں کے

اس نے اپنے ایک قدیم اور وفادار ملازم کو خط

لامہ کے پاس بھیجا"

ہوئے موموکے چہرے پر کچھ عجیب سے

یک بول اُٹھی" یہ تو کسی دلچسپ ناول کا

نقل کر رہی ہوں۔ اب یہ کسی ناول کا پلاٹ

پوری کہانی سُن لو!" مجھے بولنا پڑا۔

لمبی سانس لے کر کہا" لیکن مجھے اس پر

نے پر دھیان نہیں دیا اور بولی" سارہ کے

باپ نے اُس خط میں اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی اور بڑے لامہ سے معافی کا خواستگار ہوا تھا۔ اُس نے خط میں اپنی شادی کے بعد سے اب تک کے حالات بھی رقم کر دیے تھے اور درخواست کی تھی کہ دو آدمی ینگ ڈو بھیج دیے جائیں تاکہ وہ اس کی بیٹی کو لہاسہ لے جا سکیں۔ چکپوری کی درسگاہ کا بڑا لامہ اس خط میں لکھے ہوئے فقروں کے گداز سے بہت متاثر ہوا اور اُس نے درسگاہ کے دو لاماؤں کو ینگ ڈو بھیج دیا"

موموپھر بول پڑی" اور جب وہ دونوں لامہ ینگ ڈو پہنچے تو سارہ کا باپ مر چکا تھا"

"نہیں" رضیہ نے کہا" خود سارہ کا بیان یہ ہے کہ اس کا باپ لاماؤں کی آمد کے دو دن بعد مرا تھا اور مرنے سے دو دن قبل اس نے سارہ کو تاکید کر دی تھی کہ وہ ان لاماؤں کے ساتھ لہاسہ چلی جائے۔ خود سارہ بھی اپنے باپ کے عزیزوں میں پہنچنے کی خواہشمند تھی کیونکہ اس کے ننھیالی اعزا میں سے کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔ اگر وہ لہاسہ نہ جانا چاہتی تو اُسے دنیا میں بالکل تن تنہا زندگی گزارنا پڑتی۔ باپ کی موت کے بعد اُس نے ایک ہفتہ تو سوگ میں گزارا اور پھر دونوں لاماؤں کے ساتھ لہاسہ کی طرف چل پڑی"

"اور بدستور چل رہی ہے" موموں نے لقمہ دیا۔

"اور چلتی رہے گی" رضیہ نے جیسے چڑ کر کہا" آخر تم اس طرح مذاق کیوں اُڑا رہی ہو جیسے یہ کہانی خود میں نے گڑھ کر سنائی ہو"

"مجھے تمھارا انداز بڑا مضحکہ خیز معلوم ہو رہا ہے۔ تم نے یہ کہانی اتنی سنجیدگی سے سنائی ہے جیسے تمھیں اس کے ایک ایک لفظ پر یقین ہو"

"نہ یقین کرنے کا بھی کوئی جواز نہیں ہے" رضیہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"رضیہ ٹھیک کہہ رہی ہے موموں!" مجھے دخل اندازی کرنا پڑی" جب تک کوئی ثبوت نہ ہو کسی بات کو کیسے رد کیا جا سکتا ہے؟"

"یعنی آپ بھی اس خرافات پر یقین کر رہی ہیں؟"

"مجھے تو یہ کوئی بہت زیادہ عجیب کہانی نہیں معلوم ہوئی۔ میں نے دنیا میں اس سے کہیں زیادہ عجیب و غریب واقعات دیکھے ہیں"

"اچھی بات ہے، آپ دیکھ لیجیے گا کہ میرا ہی اندازہ درست ثابت ہوگا"

"میں کب کہہ رہی ہوں کہ تمھارا اندازہ درست نہیں ثابت ہو سکتا۔ میرا کہنا تو یہ ہے کہ ثبوت کے بغیر کسی بات کو رد کیا جا سکتا ہے نہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ صورتِ حال کی وضاحت سے پہلے ہمیں کسی ایک جانب نہیں ہونا چاہیے"

موموچپ ہو گئی۔

رضیہ نے مجھ سے پوچھا" کیا رضوان سو گیا؟"

"سو ہی گیا ہوگا۔ جب تم اُن لوگوں کی طرف گئی تھیں تو وہ اپنی چھولداری میں چلا گیا تھا"

"اس وقت جاگنے کی ڈیوٹی تو میری ہے نا؟"

"ہاں لیکن بہتر ہوگا کہ تم اور موموُ دونوں ہی جا کر سو جاؤ۔ مجھے ایک بجے سے پہلے نیند نہیں آسکتی اور ایک بجے میری ڈیوٹی کا وقت ہو جائے گا لہٰذا میں آج چار بجے تک جاگتی ہی رہوں گی۔"

"کیا واقعی؟" رضیہ نے جماہی لے کر کہا۔ "مجھے نیند تو آرہی ہے۔"

"بس تو جا کر اطمینان سے سو جاؤ۔"

"اب تو مجھے بھی نیند آنے لگی ہے۔" موموُ بولی۔

"تم بھی سو جاؤ!" میں نے ہنس کر کہا۔ "فی الحال میں بھی اپنی چھولداری میں چلی جاتی ہوں۔ جب الاؤ ٹھنڈا پڑ جائے گا، تبھی باہر نکلوں گی تاکہ ہمارا پڑوسی گروپ مجھے پہرہ دیتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔"

موموُ، رضیہ اور میں، چھولداریوں کی طرف بڑھے۔ تھکے ماندے مزدور اُس وقت تک سو چکے تھے۔ میں نے اپنی چھولداری میں داخل ہو کر اپنا بستر دَر کے قریب گھسیٹ لیا اور اس پر لیٹ کر باہر کا جائزہ لیتی رہی۔ کوئی ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد جب الاؤ سرد پڑ گیا تو میں اٹھی اور اپنی رائفل سنبھال کر رینگتی ہوئی چھولداری سے نکل آئی۔

لاماؤں کے پڑاؤ کی آگ بھی ٹھنڈی ہو چکی تھی اور اب ہر طرف گھرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ دونوں پڑاؤں کے مزدور کھلے آسمان کے نیچے سفید ذرات کے بستر پر بڑے اطمینان سے سو رہے تھے۔ میں رینگتی ہوئی کچھ دُور ایک بلند ٹیلے تک گئی اور وہیں گویا چار بجے تک کے لیے ڈیرا ڈال دیا۔ اس جگہ سے اطراف و جوانب پر نظر رکھنا بہت آسان تھا۔

وقت گزاری کے لیے میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی کہ سارہ کی اس کہانی پر غور کروں جو اُس نے رضیہ کو سنائی تھی۔ وہ واقعات بقول موموُ تھے تو ڈرامائی لیکن اتنے غیر فطری ہرگز نہیں تھے کہ انھیں بلا توقف رَد کر دیا جاتا۔

اُن واقعات پر غور کرتے ہوئے سارہ کا چہرہ میرے تصور میں موجود تھا اور میں اپنے دل میں اک میٹھی میٹھی سی چبھن محسوس کرنے لگی تھی۔ پھر جب اپنے تخیل کی مدد سے مجھے چہرے کے بعد کی منزلوں تک رسائی حاصل ہوئی تو میری رگ رگ میں تناؤ پیدا ہونے لگا۔ ایک جذبہ بیکسر وجود کی گہرائی میں انگارہ بن کر دہک اٹھا اور اُس شعلہ بدن کی آرزو سے انگارے کی تپش اتنی بڑھی کہ میرے دل کو جلانے لگی۔ میں اب سب کچھ بھول کر صرف یہ سوچ رہی تھی کہ اس برفستان میں میرے تڑپتے ہوئے بازو سارہ کو کس طرح محصور کر سکتے ہیں؟

اِس سوال کی مسلسل گردش سے میرا بدن اتنا گرم ہو گیا کہ فضا کی ٹھنڈک بھی اس کے آگے سپر ڈالنے لگی۔ میں اندر ہی اندر سلگتی رہی اور وقت گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ بارہ بج گئے لیکن ان خیالوں میں محو رہنے کے باوجود میں لاشعوری طور پر اطراف و جوانب کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ یہی سبب تھا کہ جب میری بصارت پر ایک انسانی سائے کا عکس پڑا تو خبر میرے دماغ تک پہنچی اور پھر جیسے خطرے کا الارم بج اٹھا۔ میں چونک پڑی۔ تمام خیالات میرے دماغ سے نکل گئے اور میں اس سائے کی طرف دیکھنے لگی جو بہت احتیاط

سے چلتا ہوا میری چھولداری کے دَر تک پہنچ ...
میں یہ اندازہ کر چکی تھی کہ وہ لاماؤں کے پڑاؤ ...
اُسے اپنی چھولداری میں داخل ہوتے دیکھا تو ...
تیزی سے رینگتی ہوئی چھولداری تک پہنچی ...
تو وہ اپنی آنکھوں کی بے اعتباری پر اعتبا... سانپ کی سی تھی۔ میں بلا توقف چھولداری میں ...
کرتے ہوئے اپنی رائفل کا رُخ اس ہستی کی ...
ارادے سے میری چھولداری میں داخل ہوئی تھی ...
"ٹارچ کی روشنی کا اِدراک ہوتے ہی ...
اور اس کا چہرہ دیکھ کر میں نے ایک لمبا سانس ...
وہ سارہ تھی!

"ٹارچ بجھا دیجیے!" اس کی آواز میں ...

"کیوں؟" میں نے بے اختیار پوچھا ...

"میں خطرہ مول لے کر آپ کی پہرہ ...
چاہتی کہ کسی کو ہماری اس ملاقات کا حال ...
گفتگو کر سکتے ہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ تم کس ارادے ...
میں تمھاری طرف سے خطرہ محسوس کر ...
اچانک وار کر دیا تو مجھے تیز ... پڑ ...

"میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ...

"میں کیسے یقین کر لوں؟"

"آپ جلدی سے میری تلاشی لے ...
کیا جا سکے۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

میں نے بہت غور سے اُس کے ...
ہوا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی ہے ...
پر اعتبار کر لوں۔ میری واحد کمزوری شاید ...
اعتبار کر لیتی ہوں اور کبھی کبھی مجھے اپنی ...

میں نے ٹارچ بجھا دی لیکن ...
کے بھی تمھاری تلاشی لے سکتی ہوں۔"

دراصل بات صرف یہ تھی کہ ...
چھولداری کی تنہائی میں اُسے اپنے سامنے ...
تھی۔ میں تلاشی لینے کے بہانے ...
طلسم اپنے اوپر آشکارا کرنا چاہتی تھی۔

میری بات سن کر وہ ...

"کیا جانتی ہو؟" میں چونک کر بولی ...

"یہی کہ آپ میری تلاشی کیوں لینا چا...
نہیں ہے تو آپ مجھے اتنی اچھی لگی ہیں کہ ...
سکتی ہوں۔"

... باتوں نے ظاہر کر دیا کہ وہ میرے جذبات و احساسات
... میں کچھ خجل ہو گئی کہ اُس نے میری حیلہ جوئی پکڑ لی تھی۔

"... بولی۔ "میری تلاشی لے لیجیے!"

"... ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا اور آگے بڑھ کر اُس کے
... اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ "اب بتاؤ کہ تم
... چھپ کر مجھ سے ملنے کیوں آئی ہو؟"

"... کو ایک خطرے سے آگاہ کرنے آئی ہوں۔"

"...!"

... آپ لوگوں کی رعوت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس سلسلے
... لیکن آپ ان کی بات ہرگز نہ مانیے گا۔ وہ لوگ آپ کو
... بنانا چاہتے ہیں۔"

"میں نے حیرت ظاہر کی۔

"... زیادہ تفصیلات میں نہیں جانا چاہتی۔ مجھے جلد از جلد
... جانا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میری عدم موجودگی سے
... پہلے تفصیلی گفتگو کے لیے میں کوئی مناسب موقع تلاش
... حال ہوں۔"

"... مخالف کیوں ہو گئی ہو؟"

"... حامی نہیں ہیں۔"

"...!"

"... آپ کو پھر کبھی مناسب موقع پر سناؤں گی۔ اب آپ
... اس کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔
... اچھی لگی ہوں کہ تم مجھے خطرے سے آگاہ کرنے چلی
... بات سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا اور اُس کے
... مطمئن ہو گئی۔

... آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔"

... آواز سرگوشی میں تبدیل ہو گئی۔

... اپنے قریب کر لیا اور اپنے ہونٹوں کی جلن اس کے
...

"... ہیں۔" وہ مجھ سے جدا ہوتی ہوئی بولی۔ "کل صبح روانگی
... کہ دونوں قافلے ایک دوسرے سے گھل مل
... ہم سے تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع مل سکے گا۔"

... جواب دینے کی بجائے اُس کے گال پر
... چھولداری سے نکل گئی۔ میں دَر پر کھڑی اسے جاتے
... تک اپنے ہونٹوں
... بدن پہلے سے زیادہ گرم ہو چکا تھا۔
... اچھی لگنے لگی تھی لیکن اُس کی شخصیت
... گرفتار کر دیا تھا۔ وہ جو باتیں کر کے گئی تھی اُن

کا پس منظر سمجھنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مجھے لاماؤں کے خطرناک ارادے سے باخبر کر گئی تھی اور اُس نے یہ عجیب و غریب انکشاف کیا تھا کہ وہ لاما اس کے ساتھی نہیں تھے۔ وہ اُن کے ساتھ سرگرم سفر تھی مگر انھیں اپنا ساتھی تسلیم نہیں کر رہی تھی۔ آخر اس کا مطلب کیا تھا۔

چار بجے تک میرا ذہن الجھا رہا اور پھر میں رضوان کو پہرہ داری کے لیے جگا کر سو گئی۔ صبح جب سب لوگ اٹھ گئے اور ناشتہ کرنے بیٹھے تو میں نے اُن پر یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ رات کو سارہ اپنے ساتھیوں سے چھپ کر مجھ سے ملنے آئی تھی۔

"یہ کس وقت کی بات ہے؟" رضوان میرے مزید بولنے کا انتظار نہ کر سکا اور سوال کر بیٹھا۔

میں نے رات کی ساری باتیں بیان کر ڈالیں مگر اُس لطیف پہلو کو چھپا گئی جس کا تعلق صرف میری اور سارہ کی ذات سے تھا۔

رضیہ، رضوان اور موموُ نے اس واقعے کو تبصروں کا نشانہ بنا لیا لیکن میں قیاس کے گھوڑے دوڑا کر اپنے ذہن کو تھکانے کی بجائے یہ سوچ رہی تھی کہ آج کسی نہ کسی طرح سارہ سے تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع ڈھونڈنا ضروری ہے اور اسی گفتگو سے یہ الجھاوے ختم ہو سکیں گے۔

جب ہمارے مزدور چھولداریاں اکھاڑ اکھاڑ کر یاکوں پر بار کر رہے تھے تو میں نے ایک لامہ کو اپنی طرف آتے دیکھا اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ قریب آیا اور دو ایک رسمی جملوں کے بعد بولا۔ "جب ہماری منزل ایک ہے تو کیوں نہ ساتھ ساتھ چلیں۔"

"ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

میں دل میں بھی خوش تھی کہ گھلنے ملنے کا موقع خود دشمن ہی نے فراہم کر دیا تھا۔

جب دونوں قافلے روانہ ہوئے تو ایک قافلہ بن گئے۔ جب اس طرح روانگی عمل میں آئی تو ایک دوسرے سے گفتگو کرنے کا موقع مل گیا۔ رضیہ اور موموُ دونوں لاماؤں سے بدعت پر گفتگو کرنے لگیں۔ انھیں ایسا کرنے کی ہدایت میں نے ہی دی تھی تاکہ مجھے سارہ سے گفتگو کرنے کا موقع مل سکے۔ میں اپنے خچر کی رفتار کو بتدریج کم کرتی چلی گئی تاکہ ان سب سے پیچھے رہ جاؤں۔ میری اس حرکت کو سارہ نے بھی تاڑ لیا اور وہ بھی اپنے خچر کی رفتار کو کم کرتی رہی۔ آخر ہم دونوں، دوسرے لوگوں سے اتنے پیچھے ہو گئے کہ اب اُن کی آوازیں ہمارے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

"آپ مجھ سے باتیں کرنے کے لیے بہت بے چین ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں، رات کو تم مجھے ایک شدید الجھن میں مبتلا کر گئی تھیں۔" میں نے کہا۔ "تمھاری باتوں سے میں اب تک کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکی ہوں۔"

"لیکن آپ کے چہرے سے مجھے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ نے مجھ پر اعتبار کر لیا ہے!"

... میں تو خوبصورت لڑکیوں پر اعتبار کرنے
کی عادی ہوں۔ اب تم جلدی سے میری ساری اُلجھنیں رفع کر دو۔ تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ یہ لامہ تمھارے ساتھی نہیں ہیں؟"

"یہ میں نے اس لیے کہا تھا کہ یہ واقعی میرے ساتھی نہیں ہیں۔"

"اس عجیب و غریب بات کی وضاحت ضروری ہے۔"

"یہ وہ دونوں لامہ نہیں ہیں جو مجھے لینے کے لیے چکپوری کی درسگاہ سے چنگ ڈ پہنچے تھے۔"

"پھر؟" میں حیرت سے بولی۔

"وہ بیچارے تو اب اس دُنیا میں نہیں۔" سارہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "پرسوں رات کو ہمارے پڑاؤ پر رہزنوں نے حملہ کیا تھا اور وہ دونوں اُن رہزنوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تھے۔ وہ ہمارے پڑاؤ کو لوٹ کر چلتے بنے لیکن میں نے ایک جگہ چُھپ کر اُن سے جان بچالی تھی۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے خود کو اس سرد ویرانے میں تنہا پایا۔ بے کسی کے شدید احساس سے میں رو پڑی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ اُس وقت ان دونوں لاماؤں کو میں نے اپنی طرف آتے دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے خدا نے میری مدد کے لیے فرشتوں کو بھیج دیا ہو لیکن جب وہ بالکل قریب آ گئے تو میں نے اُن کے وجود میں چھپے ہوئے شیطانوں کو پہچان لیا۔"

"کیسے پہچان لیا؟" میں تعجب سے بولی۔

"یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی، پہلے اس بات کی وضاحت کر دوں کہ یہ دونوں لامہ میرے ساتھی کیوں نہیں ہیں۔" سارہ نے کہا۔ "تو میں بتا رہی تھی کہ وہ دونوں میرے قریب آئے۔ اُنھوں نے مجھ سے ہمدردانہ باتیں کیں اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ مجھ پر کیا بپتا پڑی ہے۔ میں نے اُن پر یہ ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ میں ان کی شیطنت سے آگاہ ہو چکی ہوں۔ میں نے بے کم و کاست اپنی رُوداد اُنھیں سُنا دی۔ سب کچھ سُن لینے کے بعد اُنھوں نے مجھ سے اور زیادہ ہمدردانہ باتیں کیں اور کہا کہ اتفاق سے وہ لہاسہ ہی جا رہے ہیں اس لیے مجھے میرے عزیزوں تک پہنچا دیں گے۔ میں نے ظاہر کیا کہ مجھے ان کے خلوص پر یقین آ گیا ہے۔ حالات ایسے تھے کہ میں اُن سے برگشتگی کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ اُن سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجھے کسی مناسب موقع کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی جاننا چاہتی تھی کہ وہ لوگ مجھے آلۂ کار بنا کر جس عورت کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، وہ عورت کون ہے۔"

"تم بڑی عجیب و غریب باتیں کر رہی ہو۔" میں نے اُلجھ کر کہا۔ "آخر تمھیں اُن کے دل کی باتیں کیسے معلوم ہو گئیں؟"

"میں آپ کے دل کی ہر بات بھی بتا سکتی ہوں۔" وہ مُسکرائی۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟" میں حیرت سے بولی۔

"میری حد تک تو یہ ممکن ہے۔" وہ بولی۔ "... سکتی ہوں جو ایک عام انسانی آنکھ نہیں دیکھ ... طاقت ور دُوربین سے بھی اُن چیزوں کو ... میں اپنے ہاتھ کی لکیروں کی طرح وضاحت ... مجھے بتائیے، کیا آپ انسان کا پر تو دیکھ سکتی ..."

"نہیں۔" میرے مُنہ سے بے اختیار ...

"... آپ کو بے وقوف محسوس کرے گی۔"

سارہ مسکرائی اور بولی۔ "میں دوسروں کا باطن میں اِس طرح دیکھ سکتی ہوں ... چیز دیکھ سکتی ہیں۔"

"مگر کیسے؟" میں اُلجھی ہوئی نظروں ... دیکھتی رہی۔

اب سارہ کچھ سنجیدہ نظر آنے لگی۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ "میرے والد بُدھ مت ... تھے۔ اُنھوں نے مجھے عیسائی مذہب سے ... نہیں کی لیکن میری ماں کے مرنے کے بعد ... مل گیا کہ وہ بذاتِ خود مجھے تعلیم دے سکیں ... اُنھوں نے مجھے بُدھ مت سے پوری طرح ... تک مجھے روحانی درس دیتے رہے۔ وہ ... ایسی تھیں کہ میں نے ان میں بہت زیادہ ... بعد میرے والد نے بڑی سرخوشی کے عالم ... اُن سے جو کچھ حاصل کیا ہے، اسے حاصل ... سال لگ گئے تھے۔ اُنھوں نے مجھے ... میری روحانی آنکھ کھولی جا سکتی تھی اور ... تھا کہ میں اپنی اس طاقت کے نشے ... پہنچانے لگوں گی۔"

سارہ کی زبان پر "روحانی آنکھ" ... یاد آ گئی جو میں نے چند سال پہلے اس زمانے ... نے اپنے والد کے ساتھ ایک طویل عرصہ ... اس روایت کے مطابق تبت کی سب ... کے بڑے لامہ نے کچھ ایسی جڑی بوٹیاں ... تیار کردہ محلول انسان کی روحانی آنکھیں ... عملی صورت یہ بتائی جاتی تھی کہ لکڑی کی ... محلول میں دو دن تک بھگونے کے بعد ... سے دماغ کے اگلے حصّے کے غدود ... انسان وہ سب کچھ دیکھنے پر قادر ہو جاتا ... نہیں دیکھ سکتی لیکن یہ عمل کسی ایسے ...

... تعلیم مکمل ہو جائے اور یہ اندیشہ نہ تھا کہ وہ ... سے لوگوں کو نقصان پہنچائے گا۔ ... نے یہ روایت سُنی تھی تو اسے اسی قسم کی روایات ... تھا جو اکثر مذاہب میں شہرت پا جاتی ہیں مگر ان ... ہوتی اور لوگ محض عقیدے کے جوش میں اس ... ہیں لیکن آج میرے سامنے کھڑی ہوئی ایک لڑکی یہ ... کہ وہ اس حیرت انگیز عمل سے گزر چکی ہے اور سب ... ہے۔

سارہ نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کو اِس وقت جو روایت ... وہ لا بعد حقیقت پر مبنی ہے۔"

... رہ گئی۔ سارہ نے میرے دل کی بات بتا کر ثابت ... کہ انسان کا باطن دیکھ سکتی ہے۔

"میرے والد خود بہت بڑے عالم تھے۔" سارہ بولی۔ "... کہیں سے چُرایا نہیں تھا بلکہ اُنھوں نے بھی ... دریافت کرلی تھیں جو انسانی دماغ کے ایک ... سکتی ہیں۔ اُنھوں نے اس محلول کا تجربہ ... پر کیا اور کامیابی سے اتنے خوش ہوئے کہ ... اس انسان کو اتنا خوش نہیں دیکھا۔ آپ میرے ... سا سیاہ نشان دیکھ رہی ہیں؟ یہ اُسی چوبی کیل ... والد نے اپنے ہاتھ سے ٹھونکی تھی۔"

... نے اس کی پیشانی کی طرف دیکھا اور سر ہلا ... کی پیشانی پر موجود وہ سیاہ نشان ایک پُراسرار ... رہا تھا۔

... "تو یہ وجہ ہے کہ میں ان جعلی لاماؤں کی ... ہو گئی۔ میں یہ بھی جان چکی ہوں کہ وہ ایک ... کے آلۂ کار بنے ہوتے ہیں۔ تبت میں اس طاقت ... کیا ہے؟ یہ وہ دونوں بھی نہیں جانتے ... جان سکی۔ مجھے صرف وہ سب کچھ معلوم ہو گیا ... میں موجود تھا۔ میں یہ بھی جان چکی ہوں کہ ... قبیلے کے لوگوں کو اپنا ساتھی بنا لیا ہے۔ انہی ... قبیلے کے رہزنوں نے میرے پڑاؤ پر حملہ ... ان ساتھی لاماؤں کو ہلاک کر دیا تھا اور مجھے ... ہو گئے تھے۔ یہ تو میری خوش فہمی تھی کہ میں ... رہ گئی ہوں۔ وہ لوگ تو چاہتے ہی تھے ... وہ مجھے اپنا آلۂ کار بنائیں۔"

"... کس طرح آلۂ کار بنانا چاہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "... میری موجودگی ہی ان کے لیے کافی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"وہ آپ کی فطرت سے بہ خوبی واقف ہیں۔" سارہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ان کا خیال تھا کہ میری وجہ سے آپ ان سے گھلنے ملنے کی کوشش کریں گی اور انہیں آپ کو ہلاک کرنے کا موقع مل جائے گا۔ وہ لوگ آپ سے کچھ خائف بھی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ آپ کو دھوکے سے تو مارا جا سکتا ہے لیکن ہیں چرپے حملہ کر کے نہیں مارا جا سکتا۔ غالباً پچھلے دنوں انھوں نے اس لڑکی کے لوگوں سے آپ پر حملہ بھی کروایا تھا اور ناکام ہو گئے۔"

"ہاں۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ہم نے تکلا ... آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا تھا اور وہ بھاگ نکلے تھے۔ ... والوں میں پانچ تو ارونگ ہی تھے لیکن چھٹا کوئی چینی تھا۔" لعد

"ٹھیک ہے۔" سارہ نے سر ہلا کر کہا۔ "یہ تبتی ان چینیوں ہی کے آلۂ کار ہیں مگر خود ان کا یہ خیال ہے کہ چینی بھی کسی اور کا آلۂ کار ہیں۔"

"کیا یہ دونوں کسی چن ژی نام کے چینی کو جانتے ہیں؟"

"ابھی تک تو میں نے ان لوگوں کے باطن میں یہ نام نہیں پڑھا۔" سارہ نے جواب دیا اور پھر بولی۔ "یہ چن ژی کون ہے؟"

"جو چینی شخص ہمارے ہاتھوں ہلاک ہُوا تھا اس کی ..."

"بس اب مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔" سارہ نے میری بات کاٹ دی۔

"کیوں؟" میں تعجب سے بولی۔

"جب آپ نے اُس کی ہلاکت کا ذکر شروع کیا تو اُس سے متعلق سارے واقعات آپ کے ذہن میں اُبھر آئے اور وہ ابھار میری باطنی آنکھوں نے پڑھ لیا ہے۔" سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں اُس وقت یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ مہذب دُنیا کے لیے تو یہ لڑکی ایک عجوبہ ہی ثابت ہو گی۔

"ہاں یہ تو ہے۔" سارہ ہنس کر بولی۔ "لیکن میں دنیا کو بتاؤں گی ہی کیوں کہ مجھ میں یہ وصف ہے۔ آپ پر تو نہ جانے کیوں اعتماد کرنے کو جی چاہا تھا اس لیے بتا بیٹھی۔"

"تم بہت خطرناک ہو۔" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "اب تو تمھارے بارے میں کچھ سوچتے ہوئے محتاط ہی رہنا پڑے گا۔"

"آپ میرے بارے میں کبھی کوئی غلط بات سوچ ہی نہیں سکتیں۔"

"کم سے کم ایک بات تو ضرور سوچوں گی۔"

"تو وہ کوئی غلط بات کب ہے؟" سارہ نے اتنی بے باکی سے کہا کہ میں اُس کا مُنہ تکتی رہ گئی۔

سارہ مُنہ پھیر کر مسکرا دی۔

میں دیکھ رہی تھی کہ رضوان تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پلٹ کر ہماری طرف ضرور دیکھتا تھا۔ میں اچانک اس کے بارے میں سارہ

"آپ کا سوال وضاحت طلب ہے۔"
"کیا تمہاری رُوحانی آنکھ نے اُس کا باطن نہیں دیکھا؟"
"میں آپ تینوں کا بہت گہرا جائزہ لے چکی ہوں۔ وہ دل
بت صاف ہے۔ اُسے آپ سے محبت بھی ہے لیکن وہ اُس قسم
نہیں ہے جیسے ہم... جیسے ہم..." سارہ اس طرح چُپ
تا اسے کوئی مناسب لفظ نہ مل رہا ہو۔
"میں سمجھ گئی تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" میں نے کہا "وہ واقعی مجھ سے
محبت نہیں کرتا۔ وہ محبت تو اسے رضیہ سے ہے۔"
"ہاں' وہ رضیہ کو بہت ٹوٹ کر چاہتا ہے لیکن آپ سے
... اُس کے ساتھ بڑی زبردست ایکٹنگ شروع کر رکھی ہے۔"
سارہ تبتی زبان میں بات کرتے کرتے ایک انگریزی لفظ بھی
بول گئی۔
"تو تم اُس ایکٹنگ سے بھی واقف ہو چکی ہو!" میں مسکرائی۔
"میں نے کہا نا کہ میں آپ لوگوں کے باطن کو پوری طرح
ٹٹول چکی ہوں۔"
"رضوان کے بارے میں کچھ اور بتاؤ!"
"یہ شخص صرف ایک معاملے میں دُوسروں کو دھوکا دیتا
رہتا ہے۔"
"کس معاملے میں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"یہ اپنی اصل شخصیت کو چُھپاتا ہے۔"
"ذرا کھل کر بات کرو!"
"یہ بہت مضبوط اعصاب اور قوی دل و دماغ کا آدمی ہے
لیکن ظاہر کرتا ہے کہ خطرناک معاملات سے نمٹنا اس کے بس کی
بات نہیں ہے۔ اِس وقت بھی اس کے چہرے پر ایسے تاثرات
ہیں جیسے وہ اس سفر سے پریشان اور اُکتایا ہوا ہے لیکن حقیقتاً
ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ اس خطرناک سفر کی غایت سمجھنے کے
لیے بے قرار ہے اور تمام حالات کا بڑے انہماک سے جائزہ
لے رہا ہے۔ کسی بھی معاملے میں عدم دلچسپی کا شکار نہیں ہے۔
آپ دونوں کے لیے وہ بہت چوکنا ہے۔ میرا مطلب ہے وہ
آپ دونوں کو آپ کے دشمنوں سے نقصان پہنچتے ہوئے نہیں
دیکھ سکتا۔ اگر کبھی کوئی ایسا امکان نظر آنے لگا تو وہ آپ دونوں
کو بچانے کے لیے اپنی جان پر کھیل جائے گا۔"
رضوان کے بارے میں یہ سب کچھ جان کر مجھے اُس پر
بے تحاشا پیار آنے لگا۔ اس کی شخصیت کے بارے میں مجھے کچھ کچھ
اندازہ تو تھا لیکن سارہ نے ان اندازوں کی نہ صرف توثیق کر دی
تھی بلکہ رضوان کو میرے سامنے بالکل عریاں کر دیا تھا۔
"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں زیادہ دیر تک باقی لوگوں سے

الگ تھلگ نہیں رہنا چاہیے۔ ...
جعلی لاماؤں کو شُبہ ہو جائے۔"
"تم نے ان لاماؤں کے سامنے رضیہ کو ا
سُنائی تھی یعنی یہ چُھپا گئی تھیں کہ تمہارے اصل
ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہیں۔ آخر تم نے ایسا کیو
نے پوچھا۔
"لاماؤں ہی نے مجھے تاکید کی تھی کہ اس
"انھوں نے اس کا سبب کیا بتایا تھا
"بس اتنا کہا تھا کہ اجنبیوں پر بھروسہ
وہ کِس قسم کے لوگ ہوں۔"
"یہ کوئی اتنی مضبوط بات نہیں تھی کہ ا
واقعہ بتاتے ہوئے ڈرنے لگتیں! انھیں
تم اُن کا راز افشا کر سکتی ہو۔"
"دراصل انھوں نے یہ منصوبہ بہت ا
انھیں اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ وہ تمام پہلو
سکتے۔"
"لیکن اب تو انھیں خدشہ ہونا چاہیے
"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ ہمیں ا
نہیں رہنا چاہیے۔ انھیں کوئی شبہ نہ ہو۔"
"ٹھیک ہے' تم اپنا خچر آگے بڑھا
سارہ نے اپنے خچر کو تھپکی رسید کی اور
لے گئی۔ اس کے بعد میں نے بھی اپنے
بڑھایا۔ اُدھر سے رضوان نے اپنی رفتار کم ا
برابر برابر چلنے لگے۔
"ہو چکے راز و نیاز؟" رضوان نے
"ہوں۔" میں مسکراتی رہی۔
"میرا خیال ہے کہ یہ چڑیا آسانی سے
کے لہجے کا کٹیلا انداز قائم رہا۔
"وہ تمہاری بہت تعریف کر رہی تھی
"مجھے چھپے چہرے بالکل پسند نہیں!"
"میرا چہرہ تو تمھیں پسند ہے نا؟"
"غنیمت ہے۔" رضوان نے مُنہ
"بعض مردوں کی عادت بڑی مضحکہ خیز
کہا "پہلے تو عورت کے پیچھے دُم ہلاتے رہ
عورت پسیج جاتی ہے تو نخرے دکھانے لگ
"میں بہرحال اُن لوگوں میں سے نہیں
"یعنی ہمیشہ ہی دُم ہلاتے رہتے ہو
"آپ بات گول مت کیجیے!" میں ...

ہم اُن کے ساتھ تھا ...
... تھے؟"
رضوان نے جھنجھلا کر کہا۔
خیریت سے ہے اور تمہاری خیریت خداوندِ کریم
ہے۔ دیگر احوال وہ تمہیں کسی وقت تنہائی میں
کی طرف سے اجازت ہے؟" رضوان چہکا۔
... ہی؟"
سے تنہائی میں..." رضوان نے باتیں
... کوئی حرج نہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا "لیکن
تو میں تم دونوں ہی کو قتل کر دوں گی۔ تمہارے
محفوظ ہو چکے ہیں۔"
... سکتی ہے!" رضوان اپنا سر پیٹ کر بولا۔
... نخرے دکھاتے رہو گے تو پھر زبردستی بھی کرنا
... مجھے گھورتا رہا اور پھر عجیب سے انداز میں مسکرا
... گرمی آتا جا رہا ہے۔"
... میں نے جلدی سے کہا۔
... جیسے بہت مایوس ہو کر کہا۔
... آپ نے مجھے پریشان کرنے کے لیے یہ ڈرار
... آگے سے رضیہ نے پکارا اور جب میں اس
... وہ بولی "برفباری کے آثار نظر آ رہے ہیں۔"
... ہیں۔" میں نے آسمان کا جائزہ لیتے ہوئے
... کر اس کے قریب پہنچ گئی مومو بھی اس
... لاما سب سے آگے جا رہے تھے۔
... دُور نہیں رہا ہے۔" مومو بولی "اگر ہم برفباری
... پہنچ جائیں تو اچھا ہے۔"
... میں ایک مصیبت ہے کہ یاکوں کی رفتار
... نہیں کیا جا سکتا۔"
... ہے کہ ہمیں چلتے رہنا چاہیے۔" رضیہ نے بتایا۔
... نہیں ہے۔ اگر گاؤں تک پہنچ گئے تو کسی مکان
... مل جائے گا۔" میں نے کہا اور پھر بولی "تم دونوں
... آئی ہو؟"
... ہی گفتگو کرنے کا جنون تو ہوتا ہی ہے' بس
... رہی تھی۔ آخر میں وہ کہنے لگے کہ رات کا کھانا

ہم اُن کے ساتھ کھائیں۔
"اوہ!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا "آخر سارہ کی بات
کی تصدیق ہو ہی گئی!... پھر تم لوگوں نے کیا جواب دیا؟"
"میں یہ کہہ کر ٹال گئی کہ اس تکلف کی ضرورت نہیں' لہاسہ
پہنچ کر دیکھا جائے گا۔ پھر اُن لوگوں نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔"
"اصرار تو اس لیے نہیں کر سکتے تھے کہ اُن کے دل میں چور ہے۔"
"خوب!" رضوان خشک لہجے میں بولا "تو آپ کو اس لڑکی
کی باتوں پر پوری طرح یقین بھی آ چکا ہے؟"
"رات تک تو پوری طرح نہیں آیا تھا لیکن اب آ چکا ہے۔"
"کیوں' اب کیا بات ہو گئی؟"
"ابھی میں اس سے تفصیلی گفتگو کر چکی ہوں اور اس کے بعد
اِس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ میں اُس پر اعتبار نہ کروں۔"
"کیا اُس سے کوئی خاص گفتگو ہوئی ہے؟" رضیہ نے بڑے
اشتیاق سے پوچھا۔
"ہاں۔" میں نے کہا اور پھر مسکرا کر مومو کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔
"لیکن مومو تو اس کہانی کو سَو فیصد کسی پُراسرار ناول کا پلاٹ سمجھے گی۔"
"ایسی کیا کہانی ہے؟" رضیہ کا اشتیاق بڑھا۔
"ابھی نہیں' ان باتوں پر گفتگو کرنے کے لیے اطمینان سے
کہیں بیٹھنا ضروری ہے۔" میں نے کہا "گاؤں کے آثار تو نظر آنے
لگے ہیں۔" پھر میں سر اٹھا کر آسمان کا جائزہ لینے لگی۔
کچھ دیر بعد جب فضا میں برف کے سفید ذرات نمودار ہوئے
تو ہم گاؤں میں پہنچ چکے تھے۔ وہاں کے لوگوں نے ہمیں فوراً ہاتھوں ہاتھ
لیا۔ ان کی وضع قطع سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ مشی قوم کے لوگوں کا
گاؤں تھا۔ یہ لوگ بڑے مختصر قد کے ہوتے ہیں اور سر پر چوٹی باندھتے
ہیں جس میں ایک موٹی سی گرہ لگائی جاتی ہے۔ بانس کے خول میں
ایک خنجر ہر مرد کی کمر سے لٹکا رہتا ہے اور یہ صرف لنگوٹی باندھتے
ہیں۔ اوپری جسم برہنہ رہتا ہے' البتہ عورتیں ایک مختصر سا سینہ بند
باندھتی ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ تبت کی برف پوش وادیوں میں کوئی
اس طرح بھی رہ سکتا ہے۔
تبت کے دُوسرے قبائل کی طرح یہ لوگ بھی نہایت
مہمان نواز ثابت ہوئے اور گاؤں کے مُکھیا نے ہماری شب بسری
کے لیے اُس مکان میں بندوبست کر دیا جو صرف مہمانوں ہی کے لیے
خالی رہتا تھا۔
تبت کے عام مکانوں کی طرح وہ مکان بھی دو منزلہ تھا
جس کے نچلے حصے میں مُکھیا کے خاندانی مویشی رہتے تھے اور
اوپری منزل پر ہم لوگوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ منزل چار کمروں پر مشتمل
تھی اور ہر کمرے میں چار چار آتش دان تھے۔ مُکھیا کے دو ملازموں
نے وہ آتش دان دہکا دیے اور ذرا سی دیر میں کمرے اتنے گرم ہو گئے

"یہاں بیت الخلا نظر نہیں آرہا ہے۔" رضوان تعجب سے بولا۔
"تبت کے مکانوں میں بیت الخلا نہیں ہوتے۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"یہاں کے لوگ کھیتوں، پہاڑوں اور جھاڑیوں کا رُخ کرتے ہیں۔"
"صبر ... تبت ... اب کوئی اس برفباری میں کیا کرے؟"

رضوان منہ بنا کر رہ گیا۔ اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا!
رضیہ شوخ لہجے میں بولی "کیا بہت زیادہ بے قراری ہے؟"
"نہیں۔" رضوان نے خشک لہجے میں کہا "لیکن میں یہی سوچ رہا تھا کہ جب بے قراری ہوگی تو کیا ہوگا!"

اتنے میں مکھیا کا ملازم اندر آیا اور پوچھنے لگا کہ ہم لوگ کتنی دیر میں کھانا کھانا پسند کریں گے۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ ہم بھوکے ہیں، تکلفاً بھی انکار کرنا اس لیے بیکار تھا کہ میں تبتیوں کی جبری کی مہمان نوازی سے واقف تھی۔

کچھ دیر بعد ہم لوگ کھانا کھانے بیٹھے۔ رضوان یہ دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ کھانا چاندی کے برتنوں میں آیا تھا۔ میں نے اس کی حیرت دُور کرنے کے لیے کہا "گاؤں کے مکھیا عموماً امیر آدمی ہوتے ہیں اور اپنے مہمانوں کو ہمیشہ چاندی کے برتنوں میں کھانا کھلاتے ہیں۔"
"میں تو سمجھتا تھا کہ یہاں غربت ہی غربت ہوگی!"
"تناسب تو غربت ہی کا زیادہ ہے۔"
"یہ ہے کیا؟" رضوان نے کھانے کے برتنوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔
"مچھلی، آلو اور دلیا۔" میں نے بتایا "یہ یہاں کا خاص کھانا ہے۔ عام طور پر تو لوگ سمپا اور سُوکھا گوشت کھاتے ہیں۔"
"سمپا کیا ہے؟"
"یہاں کے لوگ جَو کے آٹے کو سمپا کہتے ہیں۔"
رضوان نے اُس روز پہلی مرتبہ تبت کے مخصوص کھانے کھائے جو اُسے بالکل پسند نہیں آتے لیکن پیٹ کا جہنم تو پُر کرنا ہی تھا۔

"ہاں تو آپ نے وہ پُراسرار ناول نہیں سُنایا۔" موموسکرا کر بولی۔
"کون سا ناول؟"
"جو آپ سارہ سے سُن چکی ہیں۔"
"اوہ!" میں مُسکرائی اور پھر دھیمی آواز میں بولی "یہاں وہ گفتگو مناسب نہیں ہوگی کیونکہ وہ سُنی بھی جاسکتی ہے۔"
اُس کمرے میں ہم چاروں کے علاوہ کوئی نہیں تھا لیکن اگر کوئی دروازے کے قریب کھڑا ہوتا تو اسے ہماری آوازیں سنائی دے جاتیں... ... خدشے کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ لامہ چُھپ

کر ہماری باتیں سے ... ... ل ...
"کیوں نہ ہم سندھی میں باتیں ...
سندھی ہی میں کہا۔
"لیکن مومو اور رضیہ نہ سمجھ سکیں ...
"اُنھیں آپ بعد میں سمجھا دی ...
ناول سُن ہی لوں۔"
"مسٹر رضوان!" اچانک مومو ...
کس زبان میں باتیں شروع کردیں؟ ...
کروں تو احتجاج نہ کیجیے گا۔"
"دیکھا!" میں ہنس کر انگریز ...
یہ مناسب نہیں ہوگا۔ یہ دونوں ...
لوگوں کو اس وقت سُناؤں گی جب ہم ...
"آج تو روانگی کا امکان نظر ...
"ہاں، آج کی رات تو یہیں گزا ...
میرا خیال درست ثابت ہُوا ...
تھی۔ اب اگر ہم سفر کی تیاری شروع ...
ہوجاتی۔

رات کو بھی ہمیں مکھیا ہی کی ...
بعد ہم لوگ سونے کے لیے لیٹ گئے ...
میں سے ایک میں ہم تینوں عورتیں تھیں ...
رضوان تھا۔ اسی طرح باقی دونوں ...
کے حصّے میں آیا تھا اور دوسرا سارہ کو ملا تھا ...
کمرے اتنے گرم تھے کہ فوراً ...
نیند آگئی تھی۔ کم سے کم اپنے بارے ...
گھوڑے بیچ کر سوئی لیکن نیند آنے ...
بارے میں سوچتی رہی۔
صبح طبیعت بہت ہشاش بشاش ...
تیاریاں شروع کیں۔ ہمارے مزدور ...
اور اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ گاؤں ...
اور ہم نے اپنا سفر شروع کیا۔
اب حدِ نظر تک سفید سفید برف ...
تھا۔ رضوان نے سمور کی ایسی ٹوپی پہن لی ...
لیتی ہے اور صرف آنکھیں کھلی رہ جاتی ...
"تم نے تو ہم عورتوں کو بھی مات کر ...
سے بولی۔
"عورتوں کو تو خود نمائی کا شوق ...
کہا "امریکہ اور یورپ کی عورتیں بھی سردیوں ...

... اپنی خوبصورت پنڈلیاں دکھاتی پھرتی ...

... اب دیا ہے تم نے!" میں ہنس کر بولی۔
... نہیں کہ تمہاری بات خاصی وزنی ہے۔"
... آؤ پاؤ بھر کا سمجھیے!" رضوان نے سر ہلا ...
... ابھی کبھی نہیں کرتا۔"
... مجھے مخاطب کیا "آپ نے وہ پُراسرار ناول ...

... مذاق بھی اُڑا رہی ہو اور سُننے کے لیے ...

... شوق کیسے نہیں ہوتا ہے؟"
... " جب میں نے یہ کہا تو مومو کے علاوہ رضیہ ...
... ان متوجہ ہوگئے "ٹھہر جاؤ!" میں دھیرے ...
... کی طرف دیکھنے لگی جو اپنے خچر کی رفتار ...
بہت قریب ہوگیا تھا۔ خلد ہی ہمارے ...
... برابر چلنے لگے۔
... پُرتحسین لہجے میں بولا "میں اور میرا ساتھی ...
... رہے تھے کہ آپ تینوں بڑی باہمت ہیں۔
... ہمیں معلوم ہو رہا ہے کہ آپ یہاں کی سردی ...

... ب کے ساتھی کے چہرے سے بھی ظاہر نہیں ...
... مُسکرا کر کہا۔
... اور ہے۔" لامہ نے آگے جاتی ہوئی سارہ پر ...
... دیا۔
... اس کی بات اور کیوں ہے؟" رضیہ بھی بول پڑی۔
... اب دیا "اس کی رگوں میں ایک ایسے باپ ...
... انہی برف پوش وادیوں کا بیٹا تھا۔"
... " میں نے اچانک کہا "کیا سارہ کے باپ کا ...
... کرے گا؟"
... تاں کرے گا؟"
... ایسے باپ کی بیٹی ہے جس نے بدھ مت کی ...
... تھی۔"
... "ایک سنگین جُرم تھا۔" لامہ نے سر ہلا کر کہا "لیکن ...
... گاہ کے بڑے لامہ نے اسے معاف کردیا تو پھر ...
... ہمت کہاں کہ وہ اسے معاف نہ کرے۔"
... ہی کہہ رہے ہوں گے۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔
... سوال محض رفعِ تجسس کے لیے کیا تھا۔ دراصل میں ...
... اگر اسے اس کے ددھیال نے قبول نہ کیا تو یہ

کہاں جاتے گی؟"
وہ کوئی جواب دینے کے لیے مُنہ کھول چکا تھا کہ عقب سے کچھ مزدوروں کی چیخ ویکار سُنائی دی۔ ہم نے ایک دم پلٹ کر دیکھا اور پھر جلدی سے اپنے خچر روک دیے۔
ہمارا ایک یاک ایک برف سے پُر گڑھے میں پھنس گیا تھا اور دھنستا ہی چلا جارہا تھا۔ اس کے مُنہ سے غرّاہٹیں نکل رہی تھیں لیکن وہ لاکھ جتن کرکے بھی اس مصیبت سے نجات حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ مزدور اسے نکالنے کی سرتوڑ کوشش کررہے تھے مگر انھیں بھی کامیابی ہوتی نظر نہیں آرہی تھی۔ بھاری بھرکم جسم کے باعث وہ یاک بڑی تیزی سے دھنستا چلا جارہا تھا۔ ہمارے ساتھ جو یاک تھے، وہ ان سب سے زیادہ بھاری بھرکم تھا۔
"ارے اس پر ہماری چھولداریاں ہیں۔" اچانک رضیہ چیخی۔
"اور اب انھیں دفن ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" میں ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔
ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ یاک گڑھے میں غائب ہوگیا اور اِدھر اُدھر سے برف کے ذرات کا ڈھیر اُس پر اس طرح گرا کہ اس کی قبر بن گئی۔ اُس کے ساتھ ہی ہماری چھولداریاں بھی دفن ہوگئی تھیں۔
مومو مزدوروں پر برس پڑی کیونکہ یہ حادثہ محض اُن کی غفلت سے ہُوا تھا۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ یاکوں پر کڑی نظر رکھتے مگر وہ آپس میں گپ شپ کرنے لگے تھے۔
میں نے اس موقع پر لامہ کی آنکھوں میں چمک دیکھی اور سمجھ گئی کہ وہ چھولداریوں کے ضیاع سے خوش ہورہا تھا۔
"ہم اب کہاں سر چھپائیں گے؟" رضیہ ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔
"آپ اتنی پریشان کیوں ہیں خاتون!" لامہ بول پڑا "آخر ہمارے پاس بھی تو چھولداریاں ہیں۔ ضروری تو نہیں کہ ایک چھولداری میں ایک ہی آدمی سوئے۔ ہم سب مِل جُل کر گزارا کرلیں گے۔"
اتنے میں لامہ کا ساتھی اور سارہ بھی ہمارے قریب آگئے۔ اُنھوں نے یاک کو گڑھے میں دفن ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ قافلے کے باقی سب جانور اور مزدور بھی رُک گئے تھے۔
پہلے لامہ نے دوسرے لامہ سے کہا "اُس یاک کے ساتھ اِن لوگوں کی چھولداریاں بھی دفن ہوگئیں لیکن میں انھیں سمجھا رہا ہوں کہ اس میں زیادہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آخر ہمارے ساتھ بھی تو چھولداریاں ہیں۔ ایک چھولداری میں دو فرد بھی سوسکتے ہیں۔ ہمارے پاس چار چھولداریاں ہیں نا؟"
"ہاں۔" دوسرے لامہ نے سر ہلا کر کہا۔
اور اس حادثے کے باعث یہ بات طے ہوگئی ... ب ہمیں

ان کے ساتھ ہی قیام کرنا ہوگا۔ ان کے ساتھ قیام کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اب کھانا پینا بھی انہی کے ساتھ ہوتا اور یہی وہ عیار لامہ چاہتے بھی تھے۔

دوپہر کو جب پڑاؤ کیا گیا اور کھانے کی تیاری شروع ہوئی تو میں نے اپنے ساتھیوں کو کچھ مضطرب پایا۔ ان تینوں ہی کے ذہن میں یہ بات ہوگی کہ کھانے میں لامہ کوئی خطرناک چیز ملا دیں گے۔ خود میرے ذہن میں بھی یہ بات موجود تھی اور میں نے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اب ان لاماؤں سے نپٹ ہی لیا جائے تو بہتر ہے۔ اب تک میں نے کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے سے اس لیے گریز کیا تھا کہ شاید ان لاماؤں کی نقل و حرکت سے کوئی خاص بات معلوم ہو جائے لیکن اب اس بات کا انتظار اس لیے نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ہماری زندگیاں ایک خطرے میں پڑ گئی تھیں۔ اگر اب بھی کوئی قدم نہ اُٹھایا جاتا تو پھر شاید ہم اس قابل ہی نہیں رہ جاتے کہ کوئی قدم اُٹھا سکیں۔

میں ابھی اس سلسلے میں کوئی لائحہ عمل طے نہیں کر سکی تھی کہ سارہ کو اُن لاماؤں سے بچ کر مجھ سے کچھ کہنے کا موقع مل گیا۔ اس نے کہا "پریشان نہ ہوں۔ اس وقت کچھ نہیں ہوگا۔ جو گڑبڑ ہونا ہے، وہ رات کے کھانے میں ہوگی' البتہ اگر ان شیطانوں کا پروگرام کچھ بدل گیا تو میں آپ کو اشارہ کر دوں گی۔" اتنا کہہ کر وہ میرے پاس سے ہٹ گئی اور مجھے کچھ کہنے کا موقع نہیں مل سکا۔ جو کچھ اس نے کہا تھا' وہ میرے ساتھیوں نے بھی سن لیا اور سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے انھیں اشارہ کیا کہ وہ پُرسکون رہیں۔

جب ہم سب کھانا کھانے بیٹھے تو دونوں لامہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ اُن میں سے ایک نے رضوان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ ہم تبتیوں کی خوش قسمتی ہوتی ہے کہ کوئی ہمارے ساتھ کھانا کھائے۔" یہ بات تبت کی زبان میں کہی گئی تھی جسے رضوان کے فرشتے بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔

"یہ کیا بک رہا ہے؟" رضوان میری طرف دیکھتا ہوا انگریزی میں بڑبڑایا۔

میں ہنس پڑی اور وہ لامہ سٹپٹا کر مجھ سے بولا "معاف کیجیے گا' میں بھول ہی گیا تھا' حالانکہ آپ بتا چکی ہیں کہ آپ کے ساتھی ہماری زبان نہیں جانتے۔"

"ہاں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "یہ آپ کی زبان کا ایک لفظ نہیں سمجھ سکتے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر یہ ہم لوگوں کے مُعاشرے پر کتاب کیسے لکھ سکیں گے!"

"میں انھیں سب کچھ بتاتی رہتی ہوں۔"

"تو پھر انہیں بتا دیجیے کہ میں نے ان
میں رضوان کی طرف دیکھ کر انگریز
پوچھ رہا تھا کہ جناب آپ کے چہرے پر
"اس سے کہہ دیجیے کہ میں ایرا غیرا
نہیں کرتا۔"

میں نے مسکرا کر لامہ سے کہا۔ "یہ
لوگوں کی میزبانی نے انھیں بہت متا
مورو اور رضیہ مُنہ پھیر کر مسکرانے
لامہ نے کہا۔ "میزبانی کے فرا
پڑے ہیں۔"

"بے شک۔" میں نے سر ہلایا۔
"اب آپ لوگ کھانا تو شروع کر
بولا۔

میں نے سارہ کی طرف دیکھا جو
اسے کوئی اشارہ کرنا ہوتا تو میری طرف مڑ
یہ تھا کہ کھانے میں کم از کم اس وقت کوئی
گئی تھی۔

ہم لوگوں نے کھانا کھایا اور گپ شپ
خلاف کوئی قدم اُٹھانے کا ارادہ میں نے
کھانے کے بعد ہمارا قافلہ پھر چل
کہ رات کو ایک چھولداری میں تو وہ دونوں
تین چھولداریاں ہمیں دے دیں گے جن میں
کا بھی اشتراک ہوگا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے مُسکرا کر سارہ
ساتھ رہوں گی۔ دُوسری چھولداری میں رضیہ
چھولداری کا مالک رضوان کو بنا دیا جائے گا۔
سارہ نے میری مُسکراہٹ کا جواب نہیں
تھی۔ ہم دونوں کے خچر اس وقت سب سے
"کیا بات ہے؟" میں قدرے تو
نظر آ رہی ہو۔"

"مجھے اب اُلجھن سی ہونے لگی ہے۔
قسم کے حالات سے دوچار نہیں ہوئی۔" سارہ
"تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میر
میں نہیں پڑھ سکتیں۔" میں نے محبت بھرے لہجے
"اس کا تو مجھے بھی یقین ہے۔" وہ بولی
آتی میں تو خلجان سا ہونے لگتا ہے۔"
"کوئی خاص بات؟" میں نے اس کی
"ان لاماؤں کے پاس ایک ٹرانسمیٹر

لگتے رہتے ہیں۔"
اوہ!" میرے مُنہ سے نکلا۔
ٹرانسمیٹر پر چین آدمی سے انہیں ہدایات ملتی ہیں' وہ وہی چن تزی
آپ ذکر کر چکی ہیں۔"
"اب!" میں نے آہستہ سے کہا۔ "کیا تم نے اُن کی گفتگو سُنی تھی؟
باتوں سے ہے جو ٹرانسمیٹر پر چن تزی سے ہوئی ہیں۔"
"نہیں۔" سارہ نے جواب دیا۔ "میں نے اُن دونوں کے خیالات
اس بات کا پتہ چلایا ہے۔ ٹرانسمیٹر کا استعمال تو یہ لوگ مجھ
کر کرتے ہیں۔"
"اندازہ لگا سکی ہو کہ چن تزی ہے کہاں؟"
"بات تو ان دونوں کو بھی نہیں معلوم' لیکن اتنا ضرور طے ہے
بہت زیادہ دُور نہیں ہے۔"
"تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"
اس لیے کہ وہ ٹرانسمیٹر دس مربع میل کے حیطۂ عمل سے زیادہ کا
اس کی آواز دُوسرے سیٹ پر اُسی وقت سُنی جا سکتی ہے
سیٹ صرف تین ساڑھے تین میل سے زیادہ دُور نہ ہو۔"
"اب اِن لاماؤں کا پروگرام کیا ہے؟"
آج رات آپ کو کھانے میں زہر دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"
"انہیں چن تزی سے حکم ملا ہے کہ یہ کام جلد از جلد کر ڈالا

"آج رات اِن دونوں کی شامت انھیں دھکا دے جائے
بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔
"کیا کریں گی؟" سارہ نے مضطرب ہو کر پوچھا۔
"میں نے ابھی نہیں سوچا۔ اگر سوچ لیا ہوتا تو تم خود ہی میرے
لیتیں۔"
وہ چپ ہو گئی۔ وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔
ذرا دیر بعد پھر بولی۔ "اِن لاماؤں کو شُبہ تو نہیں ہوا کہ تم
ہوا ہے۔"
"شُبہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔"
"ہے تو سہی۔"
"وہ کیا؟"
"مردوں سے الگ تھلگ رہ کر تم سے باتیں کرتی رہتی

"لوگ آپ کی فطرت کا تقاضا سمجھ رہے ہیں۔" سارہ نے
میں کہا۔
"پھر تو ٹھیک ہے۔" میں نے مُسکرا کر کہا۔
میں نے محسوس کیا کہ عقب میں کوئی خچر ہمارے قریب آ گیا
آنکھوں سے سارہ کو اشارہ کیا اور بولی۔ "جب تم امریکہ

میں زیرِ تعلیم تھیں' تو تمہاری زندگی کیسی گزرتی تھی؟"
"بہت دلچسپ۔" سارہ نے مُسکرا کر کہا۔
"میرا خیال ہے کہ آپ اپنا موضوعِ گفتگو بدلنے کی کوشش نہ کریں۔"
عقب سے رضوان کی آواز سُنائی دی۔ وہ سندھی میں بولا تھا۔
میں نے سَر گھما کر اُس کی طرف دیکھا تو وہ ۔۔۔ "میں ۔۔۔
مُدی بننے کی معذرت چاہتا ہوں۔" وہ اپنے خچر کو میرے برابر میں لے آیا۔
"معذرت قبول کی جا سکتی ہے۔" میں نے مُسکرا کر سندھی ہی میں کہا
سارہ صرف دو زبانیں جانتی تھی۔ انگریزی اور تبتی' لیکن مجھے
یقین تھا کہ وہ میرے اور رضوان کے خیالات پڑھ رہی ہوگی' کیونکہ
خیالات کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔
"کہیے!" رضوان بڑی بے تکلفی سے بولا۔ "چڑیا کے گرد آپ
نے ۔۔۔ جال ۔۔۔ یا کہ ۔۔۔ یا نہیں؟"
"مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ چڑیاں خود ہی مجھے پیار کرنے
لگتی ہیں۔" میں نے کنکھیوں سے سارہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر
ہلکی سی سُرخی پھیل گئی تھی۔
"میں عنقریب کوئی ایسا قدم اُٹھانے والا ہوں کہ یہ چڑیا آپ
کی طرف سے بھڑک جائے۔" رضوان نے کہا۔
"شرط لگا لو' تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔"
"یہ بات ہے؟" رضوان نے چیلنج قبول کرنے والے انداز میں کہا
"ہاں۔"
"تو پھر ہو گئی شرط۔"
"شرط کی تفصیل بھی تو طے کر لو۔"
"وہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔ جو آپ کہیں گی ۔۔۔ مجھے منظور ہوگا
۔۔۔ فیصلہ ہو جائے گا تو بتا دوں گی۔"
"ٹھیک ہے۔"
"لیکن وقت تو طے کر لو!"
"وقت، کیا مطلب؟"
"شرط کی ہار جیت کا فیصلہ کب تک ہوگا؟"
رضوان نے کچھ سوچ کر کہا۔ "بس اڑتالیس گھنٹے سمجھ لیجیے۔"
"اگر چاہو تو یہ وقت اور بڑھا لو!" میں نے ہنس کر کہا۔
"نہیں' بس ہمیں اڑتالیس گھنٹے میں کامیابی حاصل کر لوں گا
میں ہنس کر چُپ ہو گئی اور پھر سارہ کی طرف بہت غور سے
دیکھا۔ میں اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ اُس پر اِن باتوں کا کیا اثر ہوا ہے
لیکن اُس کا چہرہ بالکل سپاٹ نظر آ رہا تھا۔
پھر شام تک کوئی واقعہ ایسا نہیں ہوا جو قابلِ ذکر ہو۔ اند
سے پہلے پڑاؤ ڈال دیا گیا اور مزدوروں نے چار الاؤ دہکا دیے
آج سردی خاصی بڑھی ہوئی تھی۔
جب کھانے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں تو میں فیصلہ کر چکی

مجھے کیا کرنا ہے۔ اب راست اقدام کا وقت آگیا تھا۔

چار میں سے تین الاؤ ایسے تھے جن کے قریب مزدوروں نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ چوتھے الاؤ کے قریب ہم سات افراد جمع تھے۔ کھانا خود ان لاماؤں نے نکالا اور ہمارے سامنے رکھا۔ میں یہ نہ دیکھ سکی کہ انہوں نے کھانے میں کچھ ملایا تھا یا نہیں لیکن جب میں نے سارہ پر نظر ڈالی تو اس نے اپنے سر کو بہت خفیف سی جنبش دی۔ گویا لاماؤں نے وہ کام بڑی صفائی سے کیا تھا اور انہیں ایسا کرنا بھی چاہیے تھا۔

کھانا شروع کرنے سے پہلے میں اچانک بولی: "محترم لامہ!... ہمارے دیس کی ایک روایت ہے کہ اگر ہم کسی سے اپنی دوستی کو استوار رکھنا چاہیں تو کھانے کے وقت پلیٹیں بدل لیتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہماری اس حرکت کو ناپسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھیں گے۔"

لاماؤں کا جواب ملنے سے پہلے ہی میں نے پلیٹوں کی تبدیلی کا عمل شروع کر دیا تھا اور لاماؤں کے چہروں کی رنگت بدل گئی تھی۔ رضیہ اور دونوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور رضوان اتنا مستعد نظر آنے لگا جیسے پلک جھپکتے میں ان لاماؤں پر ٹوٹ پڑے گا۔

پلیٹیں تبدیل کر کے میں نے بڑے اطمینان سے ایک لقمہ لیا اور پھر لاماؤں کی طرف دیکھ کر بولی: "آپ لوگ بھی کھائیں نا!"

"نہیں!" ایک لامہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "ہم یہ نہیں کھا سکتے۔"

"کیوں؟" میں نے تعجب ظاہر کیا۔

"ہمارے یہاں اسے بدشگونی سمجھا جاتا ہے۔"

"خوب!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا: "اور زہر دینا کوئی اچھا شگون ہے؟"

دونوں لامہ اچھل پڑے اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ وہاں سے بھاگ نکلنا چاہتے ہوں۔

"نہیں!" رضیہ غراتی ہوئی کھڑی ہو گئی: "بھاگنے کی کوشش بے سود ہوگی۔ ساہیری سے بچ کر کوئی نہیں بھاگ سکتا۔"

"اور" میں نے لقمہ دیا: "اس بات کا بھی خیال رکھنا کہ اگر تم لوگوں کی طرف سے کوئی غلط حرکت ہوئی تو تمہیں اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔ اگر تمہارے پاس کسی قسم کے ہتھیار ہوں تو وہ ہمارے حوالے کر دو۔"

"نہیں" سارہ بولی: "ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

لاماؤں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں شیطانو!" سارہ نے کٹیلے لہجے میں کہا: "تمہارا راز میں نے ہی فاش کیا ہے۔ میں خوب جانتی ہوں کہ تم دونوں کیا ہو؟"

لامہ اب دہشت زدہ نظر آنے لگے تھے اور ان کے ہونٹوں میں ایسی جنبش نظر آ رہی تھی جیسے وہ کچھ کہنا چاہتے ہوں مگر آواز نہ نکل رہی ہو۔

"یہ زہریلا کھانا پھینک دو!" میں نے ان کے آگے رکھی ہوئی پلیٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا: "اپنے لیے ... اور کھاؤ۔ کھانے کے بعد تم سے تفصیلی بات ہوگی۔"

مگر لامہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکے۔ معلوم ہوتا تھا کہ بت بن گئے ہوں۔

"کیا تم نے حکم نہیں سنا؟" رضیہ بولی: "تعمیل کرو ... ہاتھ سے تعمیل کراؤں گی۔" رضیہ کے لہجے میں کوڑے کی ... تھی جس نے لاماؤں کو حرکت میں آنے پر مجبور کر دیا ... کانپتے ہاتھوں سے زہریلا کھانا پھینکا اور اپنے لیے ...

مزدور ہم سے اتنی دور بیٹھے تھے کہ انہیں اس ... ہی نہیں ہو سکی اور میں چاہتی بھی یہی تھی کہ انہیں کسی گڑ... ہونے پائے۔

رضوان نے رضیہ کو گھورتے ہوئے انگریزی میں کہا ... بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ دونوں الو کے پٹھے اتنے ... گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہاں والوں کے ... کا نام ہو۔"

"ہاں!" رضیہ نے ہنس کر جواب دیا: "مگر ان ... طاری ہے، وہ صرف میرا ہی نہیں بلکہ باجی کا بھی ہے۔"

"حیرت ہے!" رضوان سر جھٹک کر بولا: "... زہر دینے کی بھی ہمت کیسے کر لی؟"

رضیہ نے جواب میں کیا کہا تھا؟ میں نہیں سن ... اپنے ساتھ لے کر ان لاماؤں کی جھولداری کی طرف چ...

"میں وہ ٹرانسمیٹر تلاش کرنا چاہتی ہوں۔"

"ان کے پاس ایک چرمی تھیلا ہے جس میں ... ہیں۔"

... اس نشاندہی کے بعد ٹرانسمیٹر کی ت... گے۔ وہ چرمی تھیلا ہمیں فوراً ہی نظر آگیا تھا۔ ... اس کا جائزہ لیا۔ میں اس کی ساخت سے اندازہ ... ملک کا بنا ہوا ہے۔ میں اسے دیکھ رہی تھی کہ سارہ ... ساتھ آپ کیا سلوک کریں گی؟"

"ابھی تک میں نے اس کے بارے میں ... سے معلومات ہی حاصل کرنے کی کوشش کروں گی"

"میں نے جہاں تک ان کے باطن کو پڑھا ... ہے کہ یہ دونوں کچھ زیادہ نہیں جانتے۔ ... کسی طاقت کے احکام کی تعمیل کرنے پر مجبور کرتی ... معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں [illegible]

"پروا نہیں" میں نے سر ہلا کر کہا ... نہیں ہو تمہیں تو نہ ہوں۔ یہ بھی کافی ہے کہ ان کو ... گیا۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی کام

سارہ نے سر ہلا دیا لیکن وہ ان حالات سے بہت الجھی ہوئی ... ہی تھی۔ ان چیزوں کا عادی ہونے میں اسے کچھ وقت تو لگتا۔

میں نے ٹرانسمیٹر کو واپس تھیلے میں رکھا اور تھیلے کو ہاتھوں میں لٹکائے ... سے نکل آئی۔ سارہ میرے ساتھ ساتھ تھی۔

... حالات میں لاماؤں سے جو کچھ زہر مار کیا جا سکتا تھا ... ان کے قریب جا کر بولی: "تو تمہیں چن ژی سے ہدایات ...؟"

... دونوں چونک پڑے۔ ان کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں ... سے واقف ہو سکتی ہوں۔ انہوں نے ایک دوسرے ... دیکھا اور تھوک نگل کر رہ گئے۔ ان کے منہ سے کوئی آواز ... اٹھی۔

"...وا" رضیہ غرائی: "کیا تم میرے ہاتھوں سے پٹنا چاہتے ہو؟"

ایک لامہ نے مردہ سی آواز میں کہا: "ہمیں چن ژی ہی ... اتھی۔"

"... کے بارے میں بھی؟" میں نے پوچھا۔

"... سے تم کس وقت رابطہ قائم کرتے ہو؟"

"رابطہ قائم نہیں کرتے، وہ خود ہی ہمیں مخاطب کرتا ہے"

"... بھی مخاطب کر لیتا ہے یا کوئی خاص وقت مقرر ہے؟"

"... کے ایک دو گھنٹے بعد کا وقت طے ہے لیکن ایک ... غیر متوقع طور پر بھی رابطہ قائم کیا ہے۔"

... گھڑی پر نظر ڈالی اور کہا: "گویا کچھ ہی دیر میں ٹرانسمیٹر ... ال ہے؟"

... کے لیے بہت بے چین ہوگا کہ تم لوگوں نے ہمیں ..." میں نے سر ہلا کر کہا: "چنانچہ جب اس کی کال ... کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو چکی ہے اور اس ... پڑاؤ میں موجود ہیں سمجھ گئے؟"

... ان نے اثبات میں سر ہلائے۔

... سوال کیا: "چن ژی ہم لوگوں کی لاشیں لینے ..."

... لامہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

[illegible]

... ہمیں خاص معلومات حاصل ہو ...

..." میں نے کہا۔

... پھنسنے کا امکان تو خاصا قوی ہے۔"

ہم بیٹھے ہوئے چن ژی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ چرمی تھیلے سے "میں آپ ... میں آپ" کی مدھم آوازیں سنائی دیں۔ ان آوازوں کو سنتے ہی لاماؤں کے چہروں کا رنگ کئی بار بدلا۔ میں نے چرمی تھیلا ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "بات کرو۔ تمہیں وہی کچھ کہنا ہے جو میں تم کو بتا چکی ہوں۔ اگر اس کے خلاف ہوا تو تمہارے جسم کم از کم چار چار حصوں میں منقسم ہونے کے بعد ہی اس برف میں دفن ہوں گے۔"

لاماؤں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر ان کے چہروں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سرتابی کی ہمت نہیں کریں گے۔

ایک لامہ نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کیا اور اس سے ایک آواز ابھر رہی تھی: "جواب دو! میں چن ژی بول رہا ہوں... جواب دو!"

"ہم کامیاب ہو چکے ہیں!" لامہ نے ٹرانسمیٹر میں کہا۔

"واقعی؟" چن ژی خوش ہو کر بولا۔

"ہاں!" لامہ نے جواب دیا: "ان چاروں کی لاشیں ایک جھولداری میں پڑی ہوئی ہیں۔"

"میں انہیں دیکھنے کے لیے آ رہا ہوں!" چن ژی نے پُرجوش ہو کر کہا۔

"آ جاؤ!"

"تمہاری آواز میں اتنی مُردنی کیوں ہے؟" چن ژی نے اچانک پوچھا۔

حقیقت تھی کہ نروس ہونے کی وجہ سے لامہ کی آواز میں زور نہیں تھا۔

"میری... میری طبیعت... کچھ خراب ہے!" لامہ ہکلا گیا۔

میں نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ اب یہ خدشہ پیدا ہو چلا تھا کہ چن ژی بھڑک نہ جائے۔ میرے ساتھی بھی دم سادھے بیٹھے تھے اور ان کی نگاہیں اسی لامہ پر جمی ہوئی تھیں جو ٹرانسمیٹر پر گفتگو کر رہا تھا۔

"طبیعت کیسے خراب ہو گئی؟" چن ژی نے پوچھا۔

"[illegible] ... گیا ہے!" لامہ نے [illegible] جواب دیا۔

[illegible] جیسے چن ژی کچھ سوچنے لگا: "[illegible] ... کیا ... واقعی مر چکے ہیں؟"

"ہاں... ہاں..." لامہ نے جیسے سٹپٹا کر کہا۔

دوسری طرف سے پھر تھوڑی خاموشی کے بعد کہا گیا: "اچھا تو ایسا ہے کہ فی الحال میں وہاں نہ پہنچ سکوں گا۔ مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔"

چن ژی کا یہ جواب سن کر میں جھنجھلا سی گئی۔ کمبخت بھڑک گیا تھا۔ اب مجھے جال کی ڈوری کھینچنے کی حسرت ہی رہ جاتی۔

ٹرانسمیٹر پر اس کی آواز سنائی دیتی رہی: "آج رات تو تم لوگ آرام کرو۔ کل صبح تم ایک میل پیچھے آ جانا۔ گھاٹی کے شمال میں جو میدا...

حصہ ہے' میں وہاں تم دونوں کا انتظار کروں گا۔ تم اپنے ساتھ کسی کو مت لانا۔ میرا مطلب ہے' مزدوروں وغیرہ کو لانے کی ضرورت نہیں۔"

"اچھا!" لامہ نے کہا۔

"بس!" دوسری طرف سے چن ژی نے کہا اور رابطہ منقطع ہونے کی "کلک" سنائی دی۔

"بلا کا عیار معلوم ہوتا ہے!" رضیہ نے دانت پیس کر تبصرہ کیا۔ "ذرا سی بات سے چوکنا ہو گیا۔"

لامہ ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کرنے کے بعد گھبرائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ شاید اسے گمان ہوا کہ چن ژی کے بھڑک جانے کی ذمے داری میں اسی پر ڈال دوں گی لیکن میں اسے ذمے دار نہیں سمجھ رہی تھی۔ اگر نروس ہونے کی وجہ سے اس کی آواز پر مُردنی چھا گئی تھی تو یہ ایک فطری امر تھا۔

"فی الحال تم دونوں ہماری قید میں رہو گے!" میں نے لاماؤں سے کہا۔ "تمہارے مستقبل کا فیصلہ لہاسہ کے پوتالا محل میں ہو گا۔"

لامہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ میرے کسی بھی فیصلے پر احتجاج کر سکتے۔ انھوں نے سر جھکا دیے اور میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "انھیں باندھ کر ایک چھولداری میں ڈال دیا جائے تو بہتر ہے۔ آج رات ہمیں گزشتہ راتوں سے زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے' بلکہ ہمیں آئندہ راتیں بھی پہلے سے زیادہ ہوشیار رہ کر گزارنا ہوں گی۔ سانپ کی دُم کچل جائے تو وہ بہت تیزی سے پلٹ کر ڈسنے کی کوشش کرتا ہے اور چن ژی کی مثال اس وقت اُس سانپ ہی کی سی ہے۔"

"انھیں چھولداری کے اندر لے جا کر باندھا جانا چاہیے۔" رضیہ بولی۔ "ان مزدوروں کے سامنے ایسا کرنا مناسب نہیں ہو گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ان دونوں کو چھولداری میں لے جاؤ۔" میں نے کہا اور پھر سارہ سے بولی۔ "آؤ ذرا ان کی چھولداری کی تلاشی لے ڈالیں۔ اُس وقت تو صرف ٹرانسمیٹر ہی ڈھونڈا تھا۔ ممکن ہے وہاں کوئی کام کی چیز مل جائے۔"

[illegible] کے ساتھ لاماؤں کی چھولداری میں گئی' بڑی توجہ سے ان کے سامان کی تلاشی لی مگر کوئی خاص چیز ہاتھ نہیں لگ سکی اور مجھے مایوس ہو جانا پڑا۔

"ایک بات آ رہی ہے میرے ذہن میں۔" سارہ بولی۔

"کیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"کل ان دونوں لاماؤں کو پیچھے بھیجا جائے اور ہم چھپ کر ان کے پیچھے لگے رہیں۔"

"بیکار ہے۔" میں نے کہا۔ "کیا تمھیں یاد نہیں' چن ژی نے ان کو ایک میدانی قطعۂ زمین کی طرف بلایا ہے۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ کوئی چھپ کر وہاں نہ پہنچ سکے۔ ویسے بھی اب وہ چوکنا ہو گیا ہے لہٰذا اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہو گا۔"

"ہوں!" سارہ پُرخیال انداز میں سر ہلا کر رہ گ
پھر ہم دونوں اس چھولداری سے نکلے۔ رضیہ
نے دونوں لاماؤں کو باندھ کر ایک چھولداری میں ڈ
مومو' سارہ سے بولی۔ "تمھیں رات کے اند
ہوتے ہوئے ڈر تو لگتا ہو گا! خیر' اب فکر نہ کرو۔ تم
چھولداری میں سویا کریں گے۔"
میں نے چونک کر مومو کی طرف دیکھا جس کی آ
ناچ رہی تھی۔ وہ مسکرا کر بولی۔ "سارہ! تمھیں کوئی اع
"مجھے اس میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے!" سارہ
نے کہا۔
مجھے مومو کی اس حرکت پر جھنجلاہٹ تو ہوئی
موجودگی کے باعث کچھ کہہ نہیں سکی۔
اُس رات بھی ہم نے حسبِ معمول باری با
تو ناشتہ کرنے کے بعد مزدوروں کو چھولداریاں اکھا
لاماؤں کے ہاتھ پیر کھول دیے گئے تھے تاکہ وہ
"تم اپنا خنجر ان دونوں کے خنجروں کے
رضوان کو تاکید کی۔ "یہ ذمے داری میں صرف تم
نہ سکیں۔"
"ان کے فرشتے بھی نہیں بھاگ سکتے۔"
"فرشتوں کو بھاگنے سے کوئی د
ہنس کر کہا۔ "لہٰذا تم صرف ان کا خیال رکھنا۔"
اس کے بعد ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ مزد
ہو سکا تھا کہ دونوں لاماؤں کی حیثیت اب
ٹرانسمیٹر کا تھیلا میں نے اپنے ساتھ رکھ
ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ میں نے فوراً
سمجھ گئی تھی کہ دوسری طرف سے بولنے والا چن
سے پوچھنا چاہتا ہو گا کہ وہ اس مقام کی طرف
بلایا گیا تھا۔
ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن ہوتے ہی چن ژ
نے جواب میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تم ا
بات نہیں کر سکو گے۔"
دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آ
میری آواز سے سکوتِ مرگ چھا گیا ہو۔
"ہیلو... چن ژی! چن ژی!" میں
لیکن دوسری طرف خاموشی ہی رہی
کی آواز نہیں سُنی تھی اس لیے مجھے یقین سا
ہو گا۔ وہ بس خاموش ہو گیا تھا لیکن سے ہے کہ
بولنا مناسب نہیں سمجھ رہا ہو گا۔

میں ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "اگر تم نہیں بولنا چاہتے
تو سن لو۔ میں تمھیں بتانا چاہتی ہوں کہ تمھارے دونوں آدمی
ملے۔ تم بہت چالاک ہو۔ تمھیں ٹھیک ہی شبہ ہوا تھا۔ کل
آدمی ہمیں زہر دینے میں ناکام رہے تھے اور ہم نے انھیں
تمھیں بھی پھانسنا چاہتی تھی لیکن تم بچ گئے۔ خیر' پھر کبھی
ہے کہ جب تک میں تبت میں موجود ہوں' تم بچے
رہو گے اور کبھی نہ کبھی مجھے اس کا موقع مل ہی جائے
کی برف میں دفن کر دوں۔ میں نے ایسے لوگوں کو زیادہ
نہیں دیکھا جو میری موت کی خواہش رکھتے ہوں۔"
جانب سے چن ژی نے اب بھی کچھ نہیں کہا تو میں نے
آف کیا اور اسے تھیلے میں رکھنے لگی۔
ساتھی مجھے ٹرانسمیٹر پر باتیں کرتے دیکھ کر میرے قریب
رضوان نے بڑی ذمے داری سے اپنے خنجر کو اُن
کے پیچھے لگائے رکھا۔
ساتھیوں کو بتانے لگی کہ چن ژی اب پوری صورتِ حال
اس لیے کسی وقت بھی اب کوئی بہت خطرناک قدم

ہم نے کھانے کے لیے پڑاؤ کیا تو میں نے رضوان سے
ہوئے چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔"
!" رضوان چہکا۔ "جیت میری ہی ہو گی!"
!" مومو پوچھ بیٹھی۔
رضوان کی ایک نجی بات ہے جس میں کسی کو شریک
میں نے ہنس کر کہا۔
شرط لگی ہے؟" رضیہ بھی پوچھ بیٹھی۔
ایسی بھی نہیں۔" میں نے جواب دیتے ہوئے سارہ
جو کھانا کھانے میں مصروف تھی۔
بعد جب ہم روانہ ہوئے تو میں نے ذرا دیر بعد دی
کا خچر رضوان کے خچر کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا
جوش و خروش سے کوئی گفتگو چھیڑ رکھی تھی۔ میں

تو ہم لوگوں نے پھر پڑاؤ ڈال دیا۔ ہم آج کسی ایسی
جگہ تھے جہاں سے مزدور تبدیل کیے جا سکتے ہیں
ساتھ رہے جو تھے۔ ان کی واپسی دوسرے دن دوپہر
اُن کی جگہ دوسرے مزدوروں نے لے لی۔
دوپہر کے مختصر سے قیام کے بعد روانہ ہوئے
ان سے کہا۔ "اڑتالیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔"
بہت چکا ہوں۔" رضوان چہکا۔
ل!"

"میں اُسے آپ کی طرف سے ورغلا چکا ہوں۔"

"لیکن وہ اب بھی مجھ سے اسی طرح باتیں کرتی ہے جیسے...."

"باتیں کرنے سے کیا ہوتا ہے۔" رضوان میری بات کاٹ کر بولا۔ "جب آپ کچھ حدود سے تجاوز کریں گی تو اس کی سرد مہری سے ہی آپ کو پتہ چل سکے گا کہ آپ شرط ہار چکی ہیں۔"

"یعنی یوں فیصلہ ہو گا؟"

"ظاہر ہے' اور کیسے ہو سکتا ہے؟"

"تم بہت چالبازی سے کام لے گئے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "خیر' یونہی سہی' لیکن اس میں کچھ وقت لگ جائے گا۔ فی الحال تو مومو میرے ساتھ ایکٹنگ کر گئی ہے۔"

"مجھے اس کی حرکت پر بڑا پیار آ رہا ہے۔" رضوان نے شوخی سے کہا۔ "لیکن جب ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے تو مومو کچھ نہیں کر سکے گی۔"

"بس اسی وقت آپ آزما لیجیے گا کہ شرط میں نے جیتی ہے یا آپ نے!"

"تم نے بڑی چالاکی سے ایک لمبا وقت حاصل کر لیا ہے۔ خیر' دیکھا جائے گا۔" میں مسکرا کر چپ ہو گئی کیونکہ رضیہ اپنے خچر کو ہمارے قریب لے آئی تھی۔

ہمارا سفر جاری رہا۔ میں نے اب تک اپنے ساتھیوں کو سارہ کی مافوق الفطرت طاقت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ سبھی بار بار مجھے ٹوکتے رہتے کہ میں سارہ کے بارے میں کوئی عجیب و غریب کہانی سنانے والی تھی لیکن میں نے اس ٹلے ہوئے مسئلے کو ٹالے ہی رکھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اب وہ راز کسی مناسب موقع ہی پر کھولوں گی۔

چن ژی کی طرف سے ہمیں اب تک کوئی خطرہ پیش نہیں آیا تھا حالانکہ ہم ہر وقت اس کے متوقع رہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا' جیسے چن ژی نے صبر کر لیا ہو اور اب وہ ہمیں لہاسہ پہنچنے سے نہ روکنا چاہتا ہو۔

دن پر دن گزرتے رہے اور آخر ہماری منزل قریب آ گئی۔ اب ہمارے اکتا دینے اور تھکا دینے والے سفر کا خاتمہ ہونے کو تھا۔ ہم لہاسہ کی حدود میں داخل ہو چکے تھے اور دُور سے پوتالا لامٹھ کی دیواریں نظر آنے لگی تھیں۔

پوتالا لامٹھ کو ایک قسم کا شہر ہی سمجھنا چاہیے۔ ان اونچی اونچی دیواروں کے اندر محل اور مندر' باغ اور قید خانے' سبھی کچھ ہیں۔ اُن میں سب سے شاندار عمارت دلائی لامہ کے محل کی ہے۔ اسے بعض لوگ سُرخ محل کہتے ہیں اور بعض پوتالا محل! اس کا کلس سنہری ہے۔ اب یہاں دلائی لامہ نہیں رہتا لیکن میں اُس زمانے میں اِس محل کی مہمان رہ چکی ہوں جب یہاں دلائی لامہ ہی رہا کرتا تھا۔ تبت کا حکمراں اور یہاں کے لوگوں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا جو تبت پر چینی تسلط کے بعد فرار ہو کر ہندوستان چلا گیا تھا اور اب کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا!

میں نے اس محل میں تین سال گزارے تھے اور اسی زمانے میں وہاں
کے عجائبات بھی دیکھے تھے۔ محل کے نیچے کی چٹانیں کاٹ کر تہ خانے
بنائے گئے تھے جہاں مقدس بدھ کے نوادر محفوظ ہیں۔ وہیں دلائی لامہ
گوتم بدھ سے ہم کلام ہوا کرتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب!

اب میں تیرہ سال بعد دوبارہ اس محل میں داخل ہونے والی تھی
جہاں دلائی لامہ کی جگہ پنچن لامہ رہتا ہے جو چینی حکومت کا وفادار ہے۔
کہنے کو تو اب وہی تبت کا حکمراں ہے لیکن اصل فیصلے چین کی کمیونسٹ
پارٹی کرتی ہے اور جب سے چین نے یہاں کی باگ ڈور سنبھالی ہے،
یہاں کے لوگ بہت آسودہ اور آرام دہ زندگی گزارنے لگے ہیں۔

جب ہمارا قافلہ پوتالا محل کے قریب پہنچا تو بہت سے لوگ
تیزی سے ہماری طرف آئے۔ وہ ہمارا استقبال کرنے آئے تھے اور
میں غور سے یہ دیکھنے لگی تھی کہ اُن میں میرا کوئی شناسا چہرہ بھی ہے
یا نہیں؟

مجھے اُن میں ایک بھی شناسا چہرہ نظر نہیں آیا۔ میں اپنے چہرے
کو اجنبی نگاہوں کا ہدف پا رہی تھی۔ اُن آنکھوں میں ایسے
سوال چمک رہے تھے جن کا تعلق میری ذات سے معلوم ہوتا تھا۔ وہ مجھے
ا... ... ... رہے تھے جیسے میں کسی دوسری دنیا ... ... ں۔ وہ میرے
صورت آشنا نہیں تھے لیکن شاید انھیں میرے بارے میں کچھ زیادہ ہی بڑھا
چڑھا کر بتایا گیا تھا اور وہ اس وقت گویا ایک ایسی عورت کو دیکھ رہے تھے
جس کی تخلیق کے لیے ماورائی عنصر کا خمیر تیار کیا گیا تھا۔

انھوں نے پُرجوش انداز میں ہمارا استقبال کیا اور جس طرح وہ رضیہ
سے پیش آئے، اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ رضیہ اُن کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ وہ
ہم سب کو اپنے حصار میں لے کر پوتالا محل میں داخل ہوئے۔ رضیہ نے انھیں
اُن دونوں لاماؤں کے بارے میں بتا دیا جو ہماری قید میں تھے چنانچہ
لاماؤں کو انہی لوگوں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔

پوتالا محل کی چار دیواری میں داخل ہونے کے بعد رضوان آنکھیں
پھاڑ پھاڑ کر وہاں کے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ سارہ کے لیے بھی وہ سب
چیزیں اجنبی تھیں، اس لیے اُس کی آنکھیں بھی دلچسپی کے تاثر سے عاری
نہیں تھیں۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ وہاں کے
مندروں اور باغات کو دیکھ کر ایک خوشگوار تاثر سے ہمکنار ہوئی ہے اور
بچے ... سے قلبی تعلق محسوس کرنے لگی ہے۔

میں نے وہاں کے ماحول میں بہت خفیف سی تبدیلی محسوس کی۔ سب
کچھ تقریباً ویسا ہی تھا جیسا میں چھوڑ کر گئی تھی۔

"موموا تم تو کبھی یہاں نہیں آئی ہو گی؟" میں بولی۔

"میں آ چکی ہوں بانو! صرف ایک مرتبہ اتفاق ہوا تھا لیکن آج پوتالا
محل میں پہلی بار جاؤں گی۔"

پوتالا محل کے دروازے پر جو لوگ ہمارا استقبال کرنے کے لیے
موجود تھے، اُن میں مجھے اپنے جانے پہچانے چہرے دکھائی دیے۔ انہی میں

پنچن لامہ بھی تھا۔ کسی کے استقبال کے لیے محل کے ...
آنا ایک اعزاز تھا جو چینی حکومت کے نمائندوں کے ...
ہوتا تھا۔ اُس نے تبت کے روایتی انداز میں مجھے خوش ...
"بانو! فی الحال تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو آرام ...
کو یارات کے کھانے کے بعد کا وقت تفصیلی گفتگو کے ...
گا۔ کیا خیال ہے؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔
اس کے بعد محل کے چند خاص آدمیوں نے ہم ...
جو ہمارے لیے مخصوص کیے جا چکے تھے اور جہاں آرام ... ا
گئی تھی۔ ہمیں وہاں پہنچا کر محل کے آدمی واپس چلے گئے ...
کمی ... ...
آتشدان میں دہکتی ہوئی آگ کمرے کو گرم ...
پہنچتے ہی ہم نے اپنے وزنی کپڑوں سے نجات ...
لباس میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔

"اب تو بتا دیجیے!" رضوان نے ٹھنڈی سانس ...
"کیا؟"

"یہی کہ ہم اس وقت تبت میں کیوں جھک ...
"جھک مارنے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں، ...
"میں تو یہاں ایک اہم مشن پر آئی ہوں۔"
"آپ اس مشن کی تفصیل بتائیں تو میں اس ...
"میرا خیال ہے کہ تم اسے آپریشن دلائی لامہ ...
"کیوں؟" رضوان پلک جھپکائے بغیر ...
اُسی وقت موموکھڑی ہو گئی اور بولی: "...
تو کچھ دیر آرام کروں گی۔"
رضیہ بولی: "یہ خیال اتنا مناسب ہے کہ میں ...
کروں گی۔"

"تو پھر" میں نے مسکرا کر سارہ سے کہا ...
کیوں رہتی ہو؟"

رضیہ اور مومو دروازے کی طرف بڑھیں ...
سارہ نے مجھ سے کہا: "میں اپنے باپ ...
چاہتی ہوں۔ کیا آپ اس کا بندوبست نہیں کر ...
"کر کیوں نہیں سکتی۔" میں نے کہا۔ " ...
میٹنگ ہو گی تو میں اُس سے تمھارے بارے میں ...
تمھارے گھر والوں سے تمھارا رابطہ قائم کروا ...
سے آرام کرو۔"

میں اُس وقت تنہائی چاہتی تھی۔ مقصد ...
کا موقع مل سکے۔ اسی لیے میں سارہ کو بھی وہاں ...
معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ غالباً وہ اپنی ماں کی ...

... ادگئی ہو گی۔ وہ کھڑی ہوتی ہوئی بولی: "اچھی بات ہے،
... ہوں۔ جب آپ فارغ ہو جائیں تو میرے پاس آ جائیے
... "فارغ" پر کچھ زور دیا تھا۔
... نے اس دوران میں ایک سگریٹ سلگا لی تھی اور کرسی کی
... لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
... کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔
... چلی گئی تو میں نے اُسے پکارا: "کیا سو گئے؟"
... نے آنکھیں کھول دیں اور سیدھا بیٹھ گیا۔ "ہاں تو آپ
... اسے آپریشن دلائی لامہ کا نام دوں گا۔"
... رہی ہے کیونکہ اس سے زیادہ بہتر نام تمھارے دماغ
...

... کیا ہے؟"
... بارے میں کیا جانتے ہو؟"
... ایک قدیم اور پُراسرار تہذیب ہے جس پر جدید
... نہیں پڑ سکا۔"
... معلومات فرسودہ ہیں۔"
...!"

... نے تبت کو اپنے حلقۂ اثر میں لیا ہے، یہاں کی زندگی
... معنوں کا اثر مرتب ہونے لگا ہے۔ تکنیکی اعتبار سے بھی یہ
... چین سے لوہا آتا ہے جس سے چند چیزیں بنائی
... یہاں ایسی سڑکیں نہیں تھیں جن پر کار کا سفر کیا جا سکتا لیکن
... گئی ہیں اور پُل بھی بنا دیے گئے ہیں۔"
... جانے کیا موضوع لے بیٹھیں! میں نے کچھ اور سوال کیا تھا۔"
... سوال کا جواب یہ ہے کہ چینی حکومت یہاں کے لوگوں سے
... نہیں آئی اور اسی وجہ سے اکثر پریشانیاں کھڑی ہوتی
... کے لوگوں نے دلائی لامہ کی جگہ پنچن لامہ کو ابھی
... لیا ہے اور یہ ایک فطری بات ہے۔ صدیوں
... کوئی ذہن بھی اتنی جلدی قبول نہیں کر سکتا۔ چینی
... کے اس پہلو کو پوری طرح سمجھ رہی ہے اور اسی
... اجتناب برتا جا رہا ہے لیکن اب یہ اجتناب کچھ زیادہ
... گیا ہے۔"
...!"

... ہے جس کا نام کھام ہے۔ اس صوبے کا مرکز
... کے رہنے والے کھمبا کہلاتے ہیں۔ چینی حکومت کے
... اس قبیلے نے دکھائی ہے اور اب سننے میں آ رہا
... بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ ایک افواہ یہ بھی ہے کہ
... تبت واپس آ گیا ہے اور بغاوت کی تیاریاں اسی کی
... لا

"کیا اس افواہ کی تصدیق نہیں ہو سکی؟"
"اگر تصدیق ہو جاتی تو میں اسے افواہ کیوں کہتی؟"
"لیکن آپ اس سلسلے میں کیا تیر مار سکتی ہیں؟"
"مجھے حقیقت کا پتا لگانا ہے۔"
"یہ کام کوئی اور بھی کر سکتا ہے۔"
"نہیں کر سکتا۔"
"کیوں؟"

"حقیقت کی تہ تک پہنچنے کے لیے کھمبا قبیلے کے علاقوں میں جانے
کی ضرورت ہے اور یہ کام صرف میں ہی کر سکتی ہوں۔ اس سے پہلے کئی چینی
جاسوسوں کو وہاں بھیجا جا چکا ہے لیکن پھر وہ لوٹ کر نہیں آ سکے۔ انہیں
یا تو مار ڈالا گیا ہو گا یا وہ قید میں ہوں گے۔ زیادہ امکان اسی کا ہے کہ مار
ڈالا گیا ہو گا۔ دراصل دشواری یہ ہے کہ چینی جاسوس خود کو پوشیدہ نہیں
رکھ سکتے۔ انہیں فوراً پہچان لیا جاتا ہے کہ وہ چینی ہیں۔"

"تو پھر کسی تبتی ہی کو وہاں جاسوسی کے لیے بھیجا جا سکتا ہے!"

"نہیں، عام تبتی بھی وہاں پہچان لیے جائیں گے۔ دراصل کھمبا
قبیلے کے لوگ عام تبتیوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ سُرخ و سفید،
لمبے چوڑے اور خوبصورت۔" میں نے بتایا۔ "یہ لوگ قدیم منگول یا ترک
نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے تبتی اُن میں گھل مل نہیں سکتے۔"

"بات پھر وہیں آتی ہے کہ آپ کیا کر سکیں گی؟ اگر آپ وہاں گئیں
تو کیا وہ لوگ آپ کو نہیں پہچان سکیں گے کہ آپ اُن میں سے نہیں ہیں؟"

"یقیناً وہ پہچان لیں گے اور اسی میں میری جیت ہو گی۔ اگر انھوں نے
مجھے نہ پہچانا تو وہ مجھے مار ڈالیں گے لیکن پہچان لیا تو مجھے اپنے سروں پر
بٹھائیں گے۔"

"آپ اُن کے سروں پر بیٹھی ہوئی بہت اچھی لگیں گی۔" رضوان نے
جل کر کہا۔ غالباً وہ اس بات پر کھسیا گیا تھا کہ میرے منہ سے نکلے ہوئے
الفاظ ابھی تک اس کے لیے چیستاں بنے ہوئے تھے اور وہ کچھ بھی نہیں
سمجھ سکا تھا۔

میں نے ہنس کر کہا: "دراصل ابھی تم کو علم نہیں ہے کہ تبت کے
مختلف علاقوں میں میری حیثیت کیا ہے۔"

"ارے تو کچھ بتائیے گا بھی!" رضوان دونوں ہاتھوں سے سر پیٹ
کر بولا۔

"جب جھنجھلاتے ہو تو بہت پیارے لگتے ہو۔" میں نے اُسے
محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "رضوان! جب ہماری شادی ہو
جائے تو بھی تم ایسے ہی رہنا۔ اگر تم نے اپنی فطرت بدل لی تو مجھے بڑی کوفت
ہو گی۔"

"شادی؟" رضوان مجھے گھورنے لگا۔

"ہاں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اس مہم کے خاتمے پر ہم شادی کر
لیں گے۔"

"اب آپ کے ارادے خطرناک ہوتے جا رہے ہیں۔" رضوان نے کچھ گھبرا کر کہا اور جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"کہاں چلے!" میں بولی۔

"چھوڑیے سائیں۔ عین وقت پر نہ ملے تو دشواری ہو گی۔"

"فکر مت کرو۔ ہم پھیرے بڑھوا دیں گے۔" میں نے ہنس کر کہا اور لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ بھاگ نکلے۔

"ہائے اللہ! ہاتھ تو چھوڑیے! کوئی دیکھ لے گا۔" رضوان نے کسی نوخیز لڑکی کی طرح لچک کر کہا۔

"آخر تم اس معاملے میں سنجیدہ کیوں نہیں رہتے؟" میں نے گویا جھنجھلا کر کہا۔ "تمہیں اس طرح میرے جذبات کی توہین نہیں کرنا چاہیے۔"

"پھر مجھے کیا کرنا چاہیے بانو؟" رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"جوابی محبت۔"

"لیکن میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہیں صرف مجھ سے محبت ہے۔"

"غلط خیال ہے آپ کا۔" رضوان نے کہا۔ "میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں اور یہ آپ بھی جانتی ہوں گی کہ محبت کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے اور محبت ہو جانے کا احساس بھی اچانک ہی ہوتا ہے۔ مجھے بھی یہ احساس اچانک ہی ہوا تھا ورنہ میں اُسے جانتا تو پہلے سے تھا۔ اب میں اُسے فراموش نہیں کر سکتا، اگر وہ مجھے فراموش کر دے گی تو بھی میں اُسے نہیں بھول سکوں گا۔ یہ جذبہ اختیاری نہیں ہوتا کہ ہم جب چاہیں اِسے ختم کر دیں۔ اگر وہ کسی اور کو چاہنے لگے گی تو بھی میں اُسے چاہتا رہوں گا۔ اسی طرح آپ بھی مجھ سے محبت کرتی رہیے لیکن مجھ سے محبت کی طلبگار نہ بنیے کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ ویسے مجھے بڑی حد تک یقین ہے کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں۔ آپ مجھے محض پریشان کرنے کے لیے یہ ڈرامہ کھیل رہی ہیں۔" رضوان بہت زیادہ جذباتی ہو گیا تھا۔

میں نے مسکرا کر کہا۔ "اور مجھے یقین ہے کہ تم محض مجھے تڑپانے کے لیے پہلو بچا رہے ہو ورنہ درحقیقت تمہیں مجھ سے ہی محبت ہے۔ بہتر ہو گا کہ اب تم اپنا کھیل ختم کر دو اور مجھ سے پیمانِ وفا باندھ لو!"

"آپ سے؟" رضوان ہونٹ بھینچ کر مجھے گھورنے لگا۔

"ہوں!" میں نے مسکرا کر نشیلی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کا ہاتھ ابھی تک میرے ہاتھ میں تھا کیونکہ میں اُسے بھاگنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

"اچھی طرح سوچ لیجیے!" رضوان نے مجھے عجیب سی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں آپ کو پچھتانا پڑے۔"

"پچھتانے کا کیا سوال؟ یہاں تو یہ عالم ہے کہ... بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق۔"

"تب تو پھر میں بھی کود ہی پڑتا ہوں۔" رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور اچانک مجھے اپنی آغوش میں گھسیٹ لیا۔

"ارے ارے!" میں بوکھلا گئی۔ رضوان کی یہ حرکت [illegible] متوقع تھی۔

"آیئے! عشق کریں!" رضوان نے اپنا چہرہ جھکاتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "آپ قیامت واقعی آپ کو ستا رہا تھا۔ اب مجھے اپنا یہ کھیل ختم کر[illegible] میں اس وقت بے حد پشیمان ہو رہی تھی۔ رضو[ان] بُری طرح جکڑا تھا کہ نجات مشکل نظر آ رہی تھی۔ اُس کا [illegible] تھا اور میں اپنے سر کو پیچھے جھکاتی چلی جا رہی تھی۔

"تت... تم... سُنو تو... رِض... رضوان!" م[illegible]

"اب کچھ سننے سنانے کی گنجائش نہیں بانو!" [illegible] جذباتی انداز میں کہا۔ "ضبط کے بندھن ٹوٹ چکے ہیں۔ [illegible] دُور نہیں رہ سکتا۔ فاصلوں کو مِٹ جانا چاہیے۔"

"لیکن... لیکن تم... کسی اور سے محبت کرتے [illegible] کر کہا۔

رضوان کا جھکتا ہوا سر جہاں تھا وہیں رُک گیا [illegible] میں جھانکتا ہوا بولا۔ "لیکن آپ تو اِس بات پر یقین کر[تی] ہی نہیں تھیں کہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں!"

"میں مذاق کر رہی تھی۔" میں نے جلدی سے کہ[ا]

"خیر، اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" رضوا[ن] فرق نہیں آیا اور وہ کہتا رہا۔ "میں جس سے محبت کرتا [ہوں] ہی آنکھوں میں محبت کرنے کی قائل ہے۔ اُس [illegible] کی کوئی وقعت نہیں ہے اور اب میں بھی اُس کے [illegible] ہوں۔ اب میری شادی آپ سے ہو گی اور..." رضو[ان] میں اپنے سر کو انتہائی حد تک پیچھے تو کا[illegible] جھکانے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ میری سمجھ میں [نہیں آ رہا تھا] کہ کس طرح نجات حاصل کروں! اُس کے باز[و] سخت تھی۔ خود کو بے بس محسوس کر کے مجھے غص[ہ آ گیا]

"مجھے چھوڑ دو رضوان!" میں چیخ اٹھی۔

"یہ کیسے ممکن ہے بانو! خدا مجھے اُس د[ن] دن میں آپ کو چھوڑ دوں۔" رضوان نے جذباتی [illegible] اُس کے ہونٹ میرے ہونٹوں سے مَس ہو[نے] [illegible]

میں نے تڑپ کر اُس کی گرفت سے نکلنا [چاہا] اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں کوئی [illegible] رضوان کو کوئی جسمانی ضرب لگانے کے حق میں [illegible] سامنے کوئی دُوسرا راستہ نہیں تھا۔ میں نے [illegible] مرتبہ کہا۔ "رضوان! میں تمہاری اِس حرکت کو [illegible] "کوئی بات نہیں۔ اب تو عشق آتش[illegible]

[illegible] چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

[illegible] اپنی دائیں ٹانگ کا گھٹنا اُوپر اٹھاتے ہوئے [illegible] اور نتیجے میں رضوان کی گرفت نہ صرف ختم ہو گئی [illegible] ساتھ فرش پر جا گرا۔ اِدھر میں لمبی لمبی سانسیں [illegible] پر ڈھیر ہو گئی۔ میری پنڈلیاں بُری طرح سنسنا [illegible] میں شاید پہلی مرتبہ اتنی نروس ہوئی تھی۔

[illegible] کراہتا ہوا فوراً ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور بڑی سنجیدگی سے [illegible] کا یہ انداز پسند نہیں آیا۔ آپ شدت پسند [illegible] ناسب رہے گا۔ کیا خیال ہے؟" وہ پھر میری

[illegible] قریب آئے تو میں بہت سختی سے پیش آؤں

[illegible] حیرت سے بولا۔ "آپ اچانک کیسی غیر رومانی [illegible] مجھ سے شادی کرنے کی حامی بھر چکی ہیں اور کسی [illegible] اپنے شوہر سے اس طرح پیش نہیں آنا چاہیے۔"

[illegible] میرا بانو کا شوہر پیدا ہوا ہے اور نہ پیدا ہو گا۔" [illegible] ہوئے پچیس سال گزر چکے ہیں۔" رضوان نے

[illegible] بلکہ رضیہ کے ہونے والے شوہر ہو۔" میں نے

[illegible] بھی مسکرایا۔ "تو آپ کو اس کا علم ہو چکا ہے۔"

[illegible] مجھے پریشان کرنے پر تلی ہوئی تھیں؟" [illegible] اعتراف کر لیا۔ اب کھیل ختم ہو چکا تھا لہٰذا کھل [illegible] بات نہیں تھی۔

[illegible] ہم گیا تھا۔" رضوان قہقہہ لگا کر بولا۔ "اور اِسی [illegible] میں نے اس وقت یہ حرکت کی تھی۔"

[illegible] میں ہنس پڑی۔

[illegible] نے مجھے جھک کر آداب کیا اور پھر فراری لہجے [illegible] وا گیا۔ میں آپ کے ہونٹوں کی خوشبو کبھی نہیں

[illegible] جھینپ کر کہا۔

[illegible] خاموش رہو!"

[illegible] میں چلا، رضیہ کو خوش خبری سُنانے۔"

[illegible] اگر مجھے اُن کا انتخاب پسند آیا ہے۔" میں نے

[illegible] رضوان شرارت آمیز لہجے میں بولا۔ "اگر پسند آ جاتا تو یہ نوبت آنے سے پہلے ہی دو بول پڑھوا چکی ہوتیں۔"

"میں اس قسم کی عورت ہی نہیں ہوں۔"

"کبھی نہ کبھی یہ کفر ضرور ٹوٹے گا، مجھے یقین ہے۔"

"تو پھر تمہیں اس کا بھی یقین کر لینا چاہیے کہ سورج ایک نہ ایک روز مغرب سے بھی طلوع ہو گا۔"

"میرا خیال ہے یہ بحث خاصی لمبی ہے اور مجھے رضیہ سے ملنے کی جلدی ہے، لہٰذا پھر کسی وقت!"

میں ہنس کر چپ ہو گئی اور رضوان کمرے سے چلا گیا۔ میں کمرے میں تنہا رہ گئی۔

تنہائی ملتے ہی میرے صفحۂ ذہن پر، کچھ دیر پہلے گزرے ہوئے لمحوں کے نقوش اُبھرنے لگے۔ کچھ دیر پہلے جب میں رضوان کی بانہوں میں تھی تو مجھے یوں لگا تھا جیسے میرے وجود کی گہرائی میں کہیں کوئی چنگاری دہک اُٹھی ہو۔ رضوان نے مجھے کچھ اِس طرح اپنے بازوؤں میں سمیٹا تھا کہ میرے جذبات کا بحر متموّج ہو گیا تھا۔ جوان لہریں بڑی سرکشی دکھانے لگی تھیں مگر انھیں سر ٹکرانے کے لیے کوئی ساحل نہیں مل رہا تھا۔ مجھے اُس وقت کسی کومل بدن کی احتیاج تھی، ایک نرم و نازک اور زندہ سیج کی ضرورت تھی۔ مجھے سارہ کا خیال آیا اور میرے ارد گرد کی فضا میں جوہی کی کلیاں مہکنے لگیں، اُن چھوئی کلیاں جنھیں بہار کا جھونکا گدگداتا ہے تو وہ کھِل اٹھتی ہیں۔ میں سارہ کے لیے بہار کا جھونکا بن جانا چاہتی تھی۔ میں بے قرار ہو گئی اور اِسی بے قراری نے مجھے کشاں کشاں سارہ کے دَر تک پہنچا دیا۔

شگفتہ پھولوں کے چمن میں پہنچ کر میں کسی بے چین تتلی کی طرح آوارہ ہو گئی۔ کبھی اِس پھول پر، کبھی اُس پھول پر، کبھی اِس شاخ پر کبھی اُس شاخ پر۔ باغباں بھی مطمئن تھا کہ یہ کوئی بھونرا نہیں جو رَس چُوس کر اُڑ جائے۔

رضوان نے سارہ کو میری طرف سے خوب بھرا تھا لیکن وہ شرط ہار گیا۔ پھول کبھی بھی مجھ سے بدظن نہیں ہوتے۔

شام کو میری ملاقات چینن لامہ سے ہوئی۔ اُس وقت کمرے میں ہم دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ گفتگو کا آغاز اُسی نے کیا۔

"بانو! مجھے تمہاری یہاں آمد سے پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا۔"

"اور اس آمد کے مقصد سے؟" میں نے اُسے ٹٹولنے کے لیے سوال کیا۔ میں جاننا چاہتی تھی کہ کس حد تک چینی حکومت نے کس حد تک معلومات فراہم کی ہیں، اور وہ خود حالات سے کس قدر آگاہ ہے!

"میں تمہاری یہاں آمد کے مقصد سے پوری طرح واقف ہوں۔" ادھیڑ عمر چینن لامہ کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی اور اُس نے ایک طویل سانس لیا۔

[illegible] کے حصول میں آپ کس حد تک میری مدد کر سکتے ہیں؟" میں اصل موضوع پر آ گئی۔

"ہر ممکن مدد!" اُس نے مبہم سا جواب دیا جس سے میری تشفی نہ ہوئی۔

میں نے اپنے سوال کی وضاحت میں کہا۔ "میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ کیا تبت میں کچھ ایسے بااثر افراد ہیں جو اس مقصد کے حصول میں ذریعہ بن سکیں اور کیا وہ آپ کے ایما پر حرکت میں آ سکتے ہیں؟"

میرا سوال سُن کر پنچن لامہ کے چہرے پر الجھن کے تاثرات اُبھرے پھر وہ بولا۔ "مسئلہ یہ ہے بانو کہ میں بھی حالات سے مکمل طور پر آگاہ نہیں۔ شاید مجھے اتنا ہی معلوم ہے جتنا تم خود جانتی ہو۔ مجھے صرف اتنا علم ہے کہ اِس بارے میں اگر کچھ معلوم ہو سکتا ہے تو وہ چام ڈُو جا کر ہی معلوم ہو سکتا ہے، اِسی لیے تمھارا انتخاب کیا گیا ہے۔ ہر چند کہ تم ایک بہادر باپ کی بیٹی ہو پھر بھی نہ جانے کیوں میرا دل ڈرتا ہے کہ تمھیں جو کام سونپا گیا ہے، وہ...." وہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"وہ کام خطرناک ہے۔" میں نے اُس کا جملہ پورا کر دیا، پھر بولی۔ "آپ یہی کہنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں!" اُس نے اعتراف کیا۔ "دراصل ہم تبتیوں پر تمھارے والد شمشیر جنگ کے بہت احسانات ہیں، اِسی لیے میں... میں یہ نہیں چاہتا کہ تمھیں کوئی گزند پہنچے۔ اگر... اگر ایسا ہوا تو... تو یہ احسان فراموشی ہوگی۔"

میں نے محسوس کیا کہ پنچن لامہ شاید خطرات کی بو سونگھ کر کچھ گھبرایا ہوا ہے۔ مجھے اُس کی بات سُن کر یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں وہ تعاون سے گریز نہ کرے، یہی سوچ کر میں نے اُس سے براہِ راست سوال کیا۔ "کہیں آپ دشمنوں کی طرف سے اتنے فکرمند تو نہیں کہ کوئی مثبت قدم اُٹھاتے ہوئے ہچکچا رہے ہوں؟"

"میں فکرمند تو ہوں مگر اپنے لیے نہیں تمھارے لیے!" اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اُس نے میرے دل کا چور پکڑ لیا ہو۔ وہ یقیناً جہاں دیدہ آدمی تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تم شاید یہ سمجھ رہی ہو کہ میں دشمنوں کی طرف سے خوفزدہ ہوں اور تمھاری اُن توقعات پر پورا نہیں اُتر سکوں گا جو تمھیں مجھ سے ہیں، تو ایسا نہیں ہے۔ میں ہر طرح تمھارے ساتھ ہوں۔ تم اِس سلسلے میں جو بھی قدم اُٹھاؤ! میں بھی حتی الامکان تمھاری مدد کروں گا۔ ہاں! تم نے ابھی کچھ دیر قبل ایک سوال کیا تھا، غالباً بااثر افراد کے متعلق!" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور کچھ سوچنے لگا۔

میں نہیں چاہتی تھی کہ درمیان میں کچھ بول کر اُس کے خیالات کا شیرازہ منتشر کر دوں۔ وہ یقیناً کوئی اہم بات سوچ رہا تھا۔ میں خاموشی سے اُس کے کچھ بولنے کی منتظر رہی۔

کچھ دیر بعد وہ خود ہی بولا۔ "جب تم نے بااثر افراد سے متعلق سوال کیا تھا تو میرے ذہن میں ایک شخصیت اُبھری تھی لیکن پھر کوئی اور بات چھڑ گئی۔ اُس بااثر و اہم شخصیت کے بارے میں قبل از وقت کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ کس حد تک معاون ثابت ہو سکتی ہے۔"

اور اِس بار میں اپنے تجسس کو نہ دبا سکی۔

"آپ اِس شخصیت کے بارے میں بتا ... کرنے سے کوئی واضح صورت سامنے آ سکے!"

... پر اُکسایا۔

"اُس شخصیت کا نام شہزادہ توشو ہے۔"

میں چونک پڑی۔

"شہزادہ توشو؟ لیکن جہاں تک میرے ... تعلق کھمبا قبیلے ہی سے ہے اور وہ چام ڈُو ... ممکن ہے کہ وہ اپنے قبیلے والوں کے مفاد ...

"اِں یہ مسئلہ ضرور غور طلب ہے۔" پنچن ... چند لمحے توقف کے بعد کہا۔ "بات یہ ہے ... اپنے قبیلے والوں سے بہت سی باتیں چھپا ... میں سے کچھ باتیں میرے علم میں آ گئی ہیں ... میرے ذہن میں آیا تھا۔ کہ توشو صوبہ کھام ... وہ چام ڈُو میں رہ کر اپنے خیالات کا ... بارے میں جو اہم بات میرے علم میں آئی ... سیاسی مستقبل کے بارے میں اُس کے ... مختلف ہیں۔ وہ فرسودہ خیالات کے ... سے زیادہ قریب ہے۔" پنچن لامہ ... توشو کے بارے میں اُن باتوں سے آگاہ ...

شہزادہ توشو سے یقیناً اہم کام ... کے خاموش ہوتے ہی کہا۔ "اِس کا ... سے ملا جا سکتا ہے؟"

"قطعی!" پنچن لامہ نے جوا... کہ وہ موجودہ حالات کے پیش ...

"وجہ؟" میں نے سوال کیا ...

"وہ بہت محتاط اور دُور اندیش ... کے علم میں یہ بات آئے گی کہ تم ... سے چام ڈُو آئی ہو تو شاید وہ ... قبیلے والوں کی نظر میں مشکوک ... خیال کا اظہار کیا۔

"خیر اِس بارے میں تو ... کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے! ... ہو سکتا ہے۔ آپ سے گفتگو کر کے ...

... نے پنچن لامہ کے فکرمند ...

میری بات سن کر ...

"جو خود حوصلہ مند ہوتے ہیں! ...

... ں سے ہو ورنہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر ہماری ... پھر یہ بتاؤ کہ تم یہاں سے کب روانہ ہونا چاہتی ہو؟ ... میں کیا مناسب ہے؟ کب روانہ ہونا چاہیے؟"

"... تم کافی لمبا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچی ہو، میرا ... آرام کر لیتیں، اُس کے بعد چام ڈُو روانہ ہوتیں۔" ... اظہار کیا۔

... اتفاق ہے۔" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ اُس وقت ... کا خیال اُبھر آیا تھا جو اس بات سے آگاہ تھا کہ ... اِس دوران میں، چام ڈُو روانگی سے قبل اُس ... ہو ہی جاتا تو بہتر تھا۔ وہ شخص جو مجھے قتل ... بہرحال خاموش نہیں بیٹھنا چاہیے تھا۔ اگر ... کا پیش خیمہ ہوتا۔ چن ژی کا خیال آتے ... سوالات اُبھرنے لگے۔ وہ اِس وقت کہاں ہو ... میں مصروف ہوگا اور کب مجھ سے نبرد آزما ...

"...؟" پنچن لامہ نے مجھے خاموش دیکھ کر سوال کیا ... کر کہا، پھر سنبھل کر بولی۔ "دراصل میں ... رہی تھی جو اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے ... آتے سارہ کے بارے میں تفصیل سے ...

... نہیں۔ میں اُسے اپنے خادموں کے ہمراہ ... تھا، تم کو تو کل ہی! درسگاہ کا بڑا لامہ ... گا۔" پنچن لامہ نے مجھے اطمینان دلایا ... شکریہ ادا کیا اور رخصت کی اجازت ... تک پہنچنا چاہتی تھی۔ میں پنچن لامہ ... تھی۔ اب میرا وہاں مزید ٹھہرنا فضول تھا۔ ... اُسے تک چھوڑنے آیا۔ میں باہر ... کی طرف روانہ ہو گئی۔

... کہا تھا اُس سے پہلے وہ کمرہ تھا جو ... کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں ... کی آواز بھی سنیں۔ میں دبے پاؤں ... مسرتوں میں مخل ہونا نہیں چاہتی تھی۔ ... ہی تھا۔ بہت طویل عرصے بعد

... جھک دینے ہی والی تھی کہ سا...

... کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

وہ مجھے دیکھ کر کھل اُٹھی۔

"تم میرے بارے میں سوچ رہی تھیں؟" میں نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "اِس کا مطلب یہ ہے تم جان چکی ہو کہ میں کیوں آئی ہوں؟" یہ کہہ کر میں نے اُس کی طرف معنی خیز نگاہ سے دیکھا۔

"ہاں بانو! میں جان چکی ہوں اور آپ کی شکر گزار ہوں۔" اُس نے جذباتی لہجے میں کہا اور میری جانب ایسی نظر سے دیکھا کہ میں نے اُسے سینے سے لگا لیا۔

"تم بہت خطرناک اور شریر ہو!" میں نے اُس کے ماتھے پر جھولتی ہوئی ایک آوارہ لٹ سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"خطرناک نہیں صرف شریر!" یہ کہہ کر وہ زور سے ہنس پڑی، پھر بولی۔ "یقین کریں بانو! میں بلاضرورت لوگوں کے باطن نہیں ٹٹولتی۔ اِس وقت آپ... آپ مجھے یاد آ رہی تھیں اِس لیے... اِس لیے۔" اُس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر گردن جھکا لی۔ اُس کے گالوں پر شفق کی چھوٹ پڑنے لگی تھی۔ عجب اندازِ دلبری تھا! اُس لمحے وہ مجھے بڑی بھولی اور معصوم نظر آئی۔ شاید اُس نے مغرب کی بے حجابی اور بے راہروی سے اپنی روح کو آلودہ ہونے سے بچا لیا تھا۔ وہ قطعی ایک مشرقی لڑکی لگ رہی تھی۔ غالباً یہ اُس کے باپ کی دی ہوئی تعلیم و تربیت کا اثر تھا۔ جی تو نہیں چاہتا تھا کہ میں اُسے اپنے سینے سے جدا کروں مگر دروازہ کھلا ہوا تھا اور کوئی بھی اندر آ سکتا تھا۔

"آؤ کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کریں! تم کل چلی جاؤ گی پھر نہ جانے کب ملاقات ہو!" میں نے اُسے خود سے جدا کرتے ہوئے کہا۔ "دروازہ بند کر دو!"

وہ میری بات سُن کر چونکی مگر بولی کچھ نہیں اور دروازہ بند کرنے بڑھی۔ میں مسہری کے قریب بچھی ہوئی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ دروازہ بند کر کے، وہ بھی برابر والی کرسی پر آ بیٹھی اور کسی سوچ میں گم ہو گئی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" میں نے اُسے محبت بھری نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ... آپ میرے ساتھ وہاں تک نہیں چل سکتیں؟" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"کہاں؟"

"چکپوری کی درسگاہ!"

"مگر وہ تو تمھاری منزل نہیں ہے۔ تمھیں تو وہاں سے آگے جانا ہے، اپنے عزیزوں کے پاس! پھر یہ کہ میں بھلا کب تک تمھارے ساتھ رہ سکتی ہوں!"

"جب تک ممکن ہو!"

میں ہنس پڑی۔ "عجیب خواہش ہے!" میں نے کہا۔ "مگر میں تمھاری خواہش کا احترام ضرور کروں گی۔"

"آپ بہت اچھی ہیں بانو!" وہ خوش ہو گئی، بالکل بچوں کی طرح! "لیکن میں صرف چکپوری تک تمھارے ساتھ چلوں گی۔" اُس کے بعد

لَوٹ آؤں گی، منظور ہے؟"
"منظور!"
اچانک دروازے پر دستک سُنائی دی۔ "دیکھو کون ہے؟" میں نے اُس سے کہا۔
وہ اُٹھ کر دروازہ کھولنے گئی۔ آنے والی مومو تھی۔ وہ آتے ہی چہکی۔
"میرا اندازہ قطعی درست ثابت ہوا۔"
"کیسے؟" میں اُس کی طرف دیکھ کر مُسکرائی۔
"میں نے سوچا تھا کہ آپ سارہ کے کمرے ہی میں ہوں گی۔" اُس نے مجھے شریر نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔
میں نے خاموش رہنا ہی مناسب جانا ورنہ وہ مزید چھیڑ چھاڑ کرنے لگتی۔ وہ قریب آ کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی اور سارہ سامنے مسہری پر جا بیٹھی۔ جب میں نے مومو کو بتایا کہ میں اگلے روز سارہ کے ساتھ چکپوری جا رہی ہوں تو وہ چونک پڑی۔
"مگر بانو! ہمیں تو چار ریڈلو جانا ہے۔" اُس نے کہا۔
"یقیناً جانا ہے لیکن دو تین روز بعد! اِس دوران میں، چکپوری جا کر لوٹا جا سکتا ہے۔"
"تو پھر میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔" مومو کچھ سوچ کر بولی۔
"وہ کس خوشی میں؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔
"آپ مطمئن رہیں، میں کباب میں ہڈی نہیں بنوں گی۔"
"تو پھر کس لیے ساتھ چل رہی ہو؟" میں نے اُسے چھیڑا۔ پھر چند لمحے توقف کے بعد سنجیدگی سے بولی: "تمھیں رہو! تمھارا یہاں رہنا ضروری ہے۔"
مومو کو نہ ماننا تھا، نہ مانی۔ شاید اُس نے مجھے تنہا نہ چھوڑنے کی قسم کھائی تھی۔ وہ میرے بار بار منع کرنے کے باوجود ساتھ چلنے پر مُصر رہی۔ مجبوراً میں نے اُسے ساتھ لے چلنے کا وعدہ کر ہی لیا۔
کچھ تو سارہ کی دلجوئی کے سبب میں نے چکپوری چلنے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی اور کچھ یہ کہ میں خود بھی تبت کی اُس قدیم اور مشہور درسگاہ کو دیکھنے کا شوق پورا کرنا چاہتی تھی۔ رضوان اور رضیہ کو میرے ارادے کا علم دوسرے دن صبح ہی ہو سکا کیونکہ جب میں سارہ کے کمرے سے نکل کر، مومو کے ہمراہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی تو میں نے رضوان کے کمرے کو باہر سے بند دیکھا تھا۔ ایک خادم سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ دونوں پوتالا محل کی سیر کرنے گئے ہیں۔ ابھی طویل سفر کی تھکن برقرار تھی، اِس لیے میں نے خادموں کو ہدایت دی تھی کہ جب وہ دونوں لوٹیں تو اُن سے کہہ دیا جائے، میں سو چکی ہوں۔ یہ حقیقت بھی تھی کہ میں سونا چاہتی تھی۔ میں جلدی ہی سو گئی تاکہ تازہ دم اُٹھ سکوں۔
دوسرے دن صبح جب میں سفر کی تیاریوں میں مصروف تھی تو رضوان اور رضیہ کمرے میں داخل ہوئے۔ اُن دونوں ہی کے چہرے سے سکون اور طمانیت کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں اُس وقت ایک سفری تھیلے میں

کچھ ضروری سامان رکھ رہی تھی۔
"کیا ہم بھی بستر باندھ لیں؟"
آتے ہوئے خوش مزاجی سے بولا
"نہیں! ابھی تمھارے بستر...
مُسکرا کر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا
"تو کیا تم تنہا سفر کرنے...
"میں فی الحال کوئی سفر کرنے...
جا رہی ہوں۔"
"حضور کی تشریف...
"نہیں اِس تشریف کا...
ان دونوں کو پہلے مختصراً وہ...
درمیان ہوئی تھی پھر چکپوری جانے...
گئی کہ میں سارہ کے اصرار پر جا رہی...
"کوئی حرج نہیں! آپ...
اِس دوران میں جن تری کی نقل...
تو ہے ہی کہ ہم لہاسہ پہنچ چکے ہیں...
وہ بھی لہاسہ پہنچ چکا ہو!"
"ہاں ممکن تو ہے!"...
"مومو تو یہیں رہے گی؟"...
"نہیں! وہ بھی میرے ساتھ...
"وہ بھلا کب میری جان چھوڑنے...

لہاسہ سے چکپوری تک...
پنچن لامہ کے چار خادم ہمارا...
آگے آگے دوڑ رہے تھے۔ یعنی...
جانب مومو کا" میں اُن دونوں کے...
فاصلہ زیادہ نہیں تھا، اِس...
چکپوری پہنچ گئے۔ درسگاہ کی...
راستے بھر میں پوری...
کی طرف سے غفلت...
بہرحال ایک خطرناک دشمن تھا...
بخیر و خوبی تمام ہونے کے بعد...
قطعی خاموشی میری نظر میں...
کو ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ...

چکپوری کی درسگاہ کا...
منتظر تھا۔ اُس کے ساتھ...
دیکھ کر حیرت ہوئی۔ کیا اُن لوگوں...
مگر انھیں یہ علم کیسے ہوا؟

...اُترے تو بڑے لامہ اور اُس کے ساتھیوں نے
...استقبال کیا۔ اُسی وقت میری نظر ایک شخص پر
...پڑی۔ وہ شخص اُنھی لاماؤں کے ساتھ تھا۔ کھڑے
...والا وہ دراز قد شخص بلاشبہ خوبصورت اور وجیہہ تھا
...نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے اُس شخص کو دیکھ کر
...کا باشندہ ہے اور اُس کا تعلق یقیناً کھم

...اُس سے نظر ہٹا کر بڑے لامہ کی طرف دیکھا،
...ہی منتظر تھے یا کوئی اور آنے والا ہے جس
...آپ یہاں کھڑے ہیں؟"
...ہمیں کسی کا انتظار نہیں۔ ہم آپ لوگوں کے ہی
...بھاری اور گونجیلی آواز میں بولا۔
...آمد کے بارے میں علم کیسے ہوا؟" میں نے پھر
...بے چین ہو گئی تھی کہ معاملہ کیا ہے!
...پنچن لامہ کا پیغام مل گیا تھا۔ وہ خادم آج ہی صبح
...لے کر آیا تھا۔" بڑے لامہ نے جواب دیا، پھر
...گھوڑوں کی پشت سے آپ کا سامان اُتار لیا

...رہنمائی میں درسگاہ کے اندر داخل ہوئے۔ وہ
...پیچھے آ رہا تھا۔
..."معلوم ہوتا ہے۔" مومو میرے قریب چلتے ہوئے

..."خیال درست ہوا! مجھے بھی یہ شخص کچھ بھلا نہیں لگا۔"
...کیونکہ وہ شخص ہم سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ سارہ
...وہ شخص سارہ سے چند قدم پیچھے ہی تھا اگر ہم
...وہ بھی سُن سکتا تھا۔
...سامنے سے ہال نما کمرے میں لے آیا۔ اُس کمرے
...قالین بچھا ہوا تھا جس کے نیچے سفید چاندنی تھی۔
...نفیس تھا کیونکہ اُس کی زیب و زینت سے

...ہم بیٹھ گئے۔ سارہ میرے پاس ہی بیٹھی تھی۔ میں نے
...سارہ کی جانب عجیب سی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔
...معلوم نہ ہے پائی تھی کہ بڑے لامہ کی بھاری آواز

..."میں تو تم آنکومہ کی بیٹی سارہ ہو!" وہ سارہ سے

...سے یہ الفاظ سُن کر میں چونک پڑی۔ بڑا لامہ،
...سارہ نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ پہلی بار تبت آئی

ہے؟
"ہاں میں ہی سارہ ہوں محترم لامہ!" سارہ کی آواز اُبھری۔ "میں وہی ہوں جسے ساتھ لانے کے لیے آپ نے کچھ عرصے قبل دو لاماؤں کو یہاں سے چنگ ٹو بھیجا تھا مگر آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا؟"
"صرف قیاس اور اندازے سے!" بڑے لامہ نے جواب دیا۔ "جب تمھارے والد نے مجھے خط لکھا تھا تو اُس میں تمھارا حلیہ بھی لکھا تھا تاکہ جب تم میرے بھیجے ہوئے آدمیوں کے ہمراہ یہاں پہنچو تو میں تمھیں پہچان سکوں کہ تم ہی آنکومہ کی بیٹی ہو۔ گزشتہ رات میں نے جب پنچن لامہ کا پیغام پڑھا تو مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ لڑکی تم ہی ہو سکتی ہو جو اپنے عزیزوں سے ملنے آ رہی ہے۔"
بڑے لامہ کے جواب نے مجھے بڑی حد تک مطمئن کر دیا تھا مگر پھر بھی مجھے کرید تھی کہ اُس نے اِتنے یقین کے ساتھ سارہ کو اُس کا نام لے کر کیسے مخاطب کیا۔ اِسی خیال کے پیشِ نظر میں اُس کے خاموش ہوتے ہی بول پڑی۔ "محترم لامہ! مجھے آپ کے قیاس اور صحیح اندازے نے متاثر کیا۔ تین اجنبی چہروں میں سے کسی ایک کو اُس کا نام لے کر مخاطب کرنا میرے لیے دلچسپ اور حیرت انگیز بات ہے۔"
بڑا لامہ میری بات سُن کر مسکرایا۔ "جہاں تک اجنبیت کا سوال ہے تو بانو! تم کم از کم میرے لیے ہرگز اجنبی نہیں ہو۔ تم ایک ایسے باپ کی بیٹی ہو جسے میں ہی کیا، تبت کا کوئی بھی باشندہ نہیں بھلا سکتا۔ رہی اِن دونوں کی بات تو اِن میں سے صرف ایک لڑکی کے چہرے سے مشرق و مغرب کا اِمتزاج جھلکتا تھا، اِس لیے سارہ کو پہچان لینا کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ یوں بھی ذاتی طور پر مجھے اِس کا باپ آنکومہ پسند تھا۔" یہ کہہ کر اُسے نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ ایک دم چپ ہو گیا، پھر میری بجائے سارہ سے مخاطب ہو گیا۔ "مگر تم پوتالا مٹھ کیسے جا پہنچیں؟ اور میرے آدمی کہاں گئے؟"
"راستے میں قزاقوں نے حملہ کر دیا تھا۔ میں تو کسی طرح نکل بھاگی مگر وہ دونوں ہلاک کر دیے گئے۔" یہ کہہ کر سارہ میری جانب دیکھتی ہوئی بولی۔ "اگر مجھے بانو نہ مل جاتیں تو شاید میں یہاں تک نہ پہنچ پاتی۔ میں اِنھی کے ہمراہ پوتالا مٹھ پہنچی تھی۔"
میں یہ سوچ کر خوش ہو گئی کہ سارہ نے بڑے لامہ کو تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا۔ میری اِس خوشی کا ایک سبب وہ دراز قد اجنبی بھی تھا جو اَب تک ہونے والی تمام گفتگو پوری توجہ اور انہماک سے سُن رہا تھا اور میں اُس کی طرف سے فکرمند تھی کیونکہ وہ کوئی اچھا آدمی معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ اِس کے علاوہ اُس کے چہرے کے نقوش ہی سے پتا چل رہا تھا کہ وہ تبت کے کس علاقے کا باشندہ ہے اور یہ بات میری نظر میں خطرناک تھی۔ بڑا لامہ بھی اب پہلی بار اُس شخص کی طرف متوجہ نظر آ رہا تھا۔
سارہ کی بات ختم ہوتے ہی بڑے لامہ نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "وہ دونوں جو مارے گئے، مجھے بہت عزیز تھے۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ کم از کم تم یہاں پہنچ گئیں!" یہ کہہ کر اُس نے اجنبی دراز قد شخص کو مخاطب کیا۔

"انہیں منتی! خوش ہو جا کہ تیرے انتظار کے دن پورے ہو گئے۔"

دراز قد شخص نے احتراماً سر جھکایا اور بولا۔ "بڑے لامہ! میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اب آپ میری بہن کو بھی بتا دیں کہ میں کتنے دن سے یہاں اس کا انتظار کر رہا ہوں اور مجھے چام ڈیو سے یہاں آئے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں!"

گویا میرا اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔ وہ چام ڈیو ہی سے آیا تھا اور اس کا تعلق کھمبا قبیلے سے تھا۔ وہ اُس علاقے اور اُس قبیلے کا ہی ایک فرد تھا جو دلائی لامہ کا طرفدار تھا اور چینی حکومت کے خلاف کام کر رہا تھا۔ یہ سوچ کر میرا ذہن کچھ اُلجھ سا گیا۔ سارہ کے بارے میں میرا ذہن نہ جانے کیوں یہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ اس کا کوئی تعلق صفِ دشمناں سے ہو گا۔ سارہ کو دراز قد شخص نے اپنی بہن کہا تھا اور اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اس کا باپ بھی کھمبا قبیلے سے تھا۔ مجھے اپنے اضطراب پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا، اِس لیے میرا بولنا ناگزیر ہو گیا۔

اِس سے پہلے کہ بات مزید آگے بڑھتی، میں درمیان میں بول اُٹھی۔ میں نے بڑے لامہ کو مخاطب کیا تھا۔ "محترم لامہ! بہتر تو یہ تھا کہ آپ خود تعارف کی رسم پوری کر دیتے تاکہ اجنبیت کی فضا ختم ہو جاتی مگر خیر، اب سہی!" یہ کہہ کر میں نے دراز قد شخص کی طرف دیکھا اور بولی۔ "میں نے اِن کی اور آپ کی گفتگو سے اندازہ لگایا ہے کہ یہ سارہ کے بھائی ہیں اور سارہ کی خاطر چام ڈیو سے آئے ہیں لیکن مجھے سارہ نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، وہ ذرا مختلف ہے۔ کیا سارہ کے والد نے دو شادیاں کی تھیں؟ کیا یہ سارہ کے سوتیلے بھائی ہیں؟"

"نہیں!" بڑے لامہ نے جواب دیا پھر وضاحت کی۔ "سارہ کے باپ انگومہ نے تبت میں کوئی شادی نہیں کی تھی۔ منتی، انگومہ کے چھوٹے بھائی کا بیٹا ہے۔ میں ذاتی طور پر انگومہ اور اس کے اہلِ خاندان سے اچھی طرح واقف ہوں، اسی لیے انگومہ نے مجھے خط لکھا تھا۔ جب مجھے انگومہ کا خط ملا تھا تو میں نے اسی وقت چام ڈیو سے منتی کو بلوا لیا تھا تاکہ یہ سارہ کو یہاں سے اپنے ساتھ چام ڈیو لے جائے۔ منتی اُسی وقت سے یہاں سارہ کا انتظار کر رہا تھا۔"

جب بڑا لامہ یہ وضاحت کر رہا تھا تو میں نے باری باری سارہ اور منتی کے چہروں کا جائزہ لیا تھا۔ اُن دونوں ہی کے چہروں سے مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ تو گویا سارہ کے باپ کا تعلق کھمبا قبیلے سے تھا!

بڑا لامہ اپنی بات ختم کر چکا تھا اور اب اس کے انداز و اطوار سے پتا چل رہا تھا جیسے وہ جانا چاہتا ہو۔ مجھے اُس کی شخصیت نے اُلجھا دیا تھا۔ کھمبا قبیلے کے افراد سے اُس کی رسم و راہ میرے لیے معنی خیز تھی۔ میں اُس سے خلوت میں گفتگو کر کے، اُس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا چاہتی تھی، اِس لیے اُس کے جانے سے قبل ہی میں نے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ اِس درسگاہ میں کچھ نوادر ہیں، کیا آپ مجھے اُن کی زیارت نہیں کرائیں گے محترم لامہ؟"

"کیوں نہیں! میں تم لوگوں کو وہ نوادر ضرور دکھاؤں گا مگر فی الحال تم لوگ کچھ دیر آرام کر لو تو بہتر ہے۔" بڑا لامہ بولا۔ "خادموں نے مہمان خانے کے کمروں میں اب تک تم لوگوں کا سامان پہنچا دیا ہو گا۔ میں جا کر دیکھتا ہوں اور انھیں تمھارے پاس بھیجتا ہوں کہ وہ مہمان خانے تک تمھاری رہنمائی کریں!" وہ اُٹھتا ہوا بولا۔

میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ ... گیا۔ میں نے چکپوری کی درسگاہ کے نوادر کا ذکر ... دیکھنے کا کوئی اشتیاق نہیں تھا۔ مجھے کبھی نوادر ... رہی۔ میں نے تو محض بڑے لامہ سے خلوت میں گفتگو ... وہ سبھی کو مدعو کر بیٹھا تھا اور میرا مقصد فوت ہو گیا ...

بڑے لامہ کے جاتے ہی سارہ اور منتی ... لگے تھے۔ وہ دونوں تبتی زبان ہی میں بات کر رہے ... انداز و اطوار سے مہذب دکھائی دیتا تھا لیکن ... میل نہیں کھاتا تھا۔ وہ چہرہ ایک مہذب شخص کا نہیں ... غور سے اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اُس ... بات کو محسوس کر لیا اور وہ سارہ سے گفتگو کرتے ...

"میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے ... میں مدد کی۔" اُس کے لہجے میں شائستگی تھی۔

"یہ میرا انسانی فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔ ... بات نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے یہ دیکھ کر ... سارہ یہاں پہنچ کر خوش ہے اور بڑی دلچسپی سے ... گفتگو کر رہی ہے۔ تبت، جو اس کے باپ کا وطن ... پہنچنے کی اس نے آرزو کی تھی۔"

میری بات ختم ہوتے ہی دو دو ... اور انھوں نے آ کر بتایا کہ ہمارا سامان کمروں میں پہنچا دیا گیا ... ہوئے۔ میں نے موموکی طرف دیکھا۔ وہ خاموش تھا ... چہرے سے بے نیازی کا اظہار ہو رہا تھا۔ ہم سب خادم ... کی طرف چل دیے۔ راستے میں منتی نے سارہ کو بتایا ... ایک کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے اور اُس کی خواہش ہے کہ ... سارہ نے اُس کی بات مان لی تھی۔ سارہ کا منتی کے ... میری سمجھ میں نہ آسکا۔ اُس نے میرے وجود کو ... بات میرے لیے تعجب خیز تھی۔

خادموں نے سب کا سامان الگ الگ کمر... کہنے پر اُس کا سامان، منتی کے کمرے میں منتقل کر ... اجازت لے کر منتی کے ساتھ چلی گئی۔ میں اُس کم... میرا سامان رکھا گیا تھا۔ مومو ابھی اپنے کمرے میں نہیں ... ساتھ تھی۔ کمرہ آرام دہ اور عمدہ تھا۔ مسہری صاف ... میں مسہری کی طرف بڑھی تو مومو نے کہا۔ "... دیکھوں گی۔"

"تو پھر انتظار کیا ہے؟ دروازہ بند کر دو۔" ... دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور مسہری پر دراز ہو گئی ... مومو نے دروازہ بند کر دیا اور ...

... ہی آیا۔" مومو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "... میں نہیں آیا مگر اُسے سمجھنے کی کوشش ممکن ہے۔" میں ... مگر یہ وقت اِن باتوں کا نہیں، جسم ٹوٹ رہا ہے۔" ... معنی خیز لہجے میں کہا۔

... شگفتہ کا قرب میسر ہو تو پھر اور کیا چاہیے! جب ... ساتھ ہو تو پھر پائے شوق میں لغزش کیسی! جب ... کِشتِ بے آب کو سیراب کر دینا چاہتے ہیں ... خوشبو کی اُن آشنا جھول بھلیوں میں کھو گئی جن میں ... اپنا ہے اور اس سفر میں مومو بھی میرے ہمراہ تھی۔ ... دور تک نکل گئے تھے۔ اتنی دور کہ جہاں سے واپسی ... تھا کہ پہلے تو مجھے کمرے کے دروازے پر ... اس وقت کوئی خود میرے دل پر دستکیں دے ... خواب اور حقیقت کا فرق ظاہر ہوا تو مجھے سخت غصہ ... ہوا اور ساغر و مینا بھی تو محتسب کا وجود گراں ہی گزرتا ... ٹوٹنے والے کی حیثیت بھی میری نظروں میں اُس وقت ... گنے والے لمحوں کا حساب لینے آیا ہو کہ کیف و نشاط ... اُن کا حساب دو! جو لمحے تمھارا مقسوم تھے، وہ ... حساب میں ایک لمحہ بھی باقی نہیں۔ دستکیں اب ... تھیں۔ رہِ شوق کے مسافر، قربِ منزل سے ...

... کمرا تو آنے والا ٹھٹھک کر رُک گیا۔ وہ بڑا لامہ ... خلافِ توقع تھی۔

"... تشریف لائیے!" میں نے بمشکل خود پر قابو پاتے ... میں کہا۔ وہ بہرحال چکپوری کی درسگاہ کا بڑا لامہ تھا۔ "... تمھارے آرام میں خلل انداز ہوا۔" وہ آگے بڑھتا ... وقت یوں چلا آیا کہ ... تمھیں ... وہ ... وہ ... دکھا دوں جنھیں دیکھنے کا تم نے اشتیاق ظاہر ...

... صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ... کہنا نہیں چاہتا تھا اور اُس نے یوں ہی بات ... اُس سے خلوت میں گفتگو کا موقع مل سکتا تھا۔ ... شکر گزار ہوں محترم لامہ کہ آپ نے میری ... تشریف لائے۔ میں آپ کے ساتھ چل رہی ہوں۔" ... مخاطب اور مومو کو مخاطب کیا۔ "مومو! تم کافی تھکی ہوئی ... اور دیکھ لینا۔ میں محترم لامہ کے ساتھ جا ...

... باز! میں بھی کچھ تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ ... ہی چلی جاؤں!" مومو نے میری تائید کی۔ وہ

غالباً میرا مدعا سمجھ گئی تھی۔

میں بڑے لامہ کے ہمراہ مختلف راہداریوں سے گزرتی رہی، پھر وہ ایک کمرے کے سامنے رُک گیا جو مقفل تھا۔ اُس نے قفل کھولا اور کمرے میں داخل ہو کر مجھے بھی اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ ایک چھوٹا سا صاف ستھرا کمرہ تھا جس میں دیواروں کے ساتھ ساتھ کچھ شوکیس رکھے تھے۔ اُن شوکیسوں میں قلمی نسخے، ظروف اور زیورات رکھے ہوئے تھے۔ یقیناً وہ چیزیں کافی قیمتی اور اہمیت کی حامل تھیں مگر میرے لیے اُس وقت بڑا لامہ زیادہ اہم تھا جس سے خلوت میں گفتگو کا موقع مل گیا تھا۔ میں یوں ہی ایک شوکیس میں رکھی چمکیلے موتیوں کی مالا کو جھک کر دیکھنے لگی۔ میں سوچ رہی تھی، کس طرح گفتگو کا آغاز کروں کہ بڑے لامہ نے میری مشکل حل کر دی۔ اُس نے بڑے عجیب سے لہجے میں مجھے بیٹی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

میں نے اُس کی طرف مُڑ کر دیکھا تو وہ بولا۔ "ہر چند کہ یہ سب نوادر واقعی قابلِ دید ہیں مگر... مگر بیٹی... میں اِس وقت تمھیں یہ سب کچھ دکھانے نہیں لایا۔"

"مجھے معلوم ہے!"

میری بات سُن کر اُس کے چہرے پر حیرت کا تاثر اُبھرا اور اُس نے کہا۔ "کیا تمھیں پہلے سے علم ہے کہ میں تمھیں یہاں کس غرض سے لایا ہوں؟"

"نہیں!" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن آپ کے لہجے سے اُس وقت میں نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ اصل بات وہ نہیں جو آپ نے کہی تھی۔"

"مجھے تم سے تنہائی میں ایک اہم بات کرنا تھی۔ میں اِسی لیے تمھیں یہاں لے آیا۔ میں یہ سوچ کر گیا تھا کہ تم اپنے کمرے میں تنہا ہو گی اور وہیں بات ہو جائے گی۔"

"میں اِسی لیے اُس لڑکی کو اپنے ساتھ نہیں لائی تاکہ آپ خلوت میں کھل کر بات کر سکیں۔" میں نے دانستہ ایسا جملہ کہا جس سے بڑے لامہ کو گفتگو کے لیے تحریک مِل سکے۔

"ہاں میں کھل کر ہی بات کروں گا بیٹی!" وہ مزید میرے قریب آ گیا، پھر بولا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم تبت سے واپس چلی جاؤ!"

"مگر کیوں اور کس لیے؟" میں نے بڑے لامہ کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آخر آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟"

"یہاں تمھاری زندگی خطرے میں ہے۔ مجھے علم ہے کہ تم تبت کس غرض سے اور کس کے ایما پر آئی ہو!"

تو یہ بھی میری آمد کے مقصد سے واقف ہے! میں نے سوچا۔ اُس کا لہجہ ہمدردانہ تھا لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ وہ ہمدردی کی آڑ میں کوئی کھیل کھیل رہا ہو، اِس لیے میں نے بہت محتاط اور مبہم انداز میں بات شروع کی۔ "مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے میری یہاں آمد سے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے اور آپ کے علم میں کیا ہے کیا نہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں تبت میں اُس وقت تک بہرحال رہوں گی جب تک رہنا چاہوں گی۔"

"میں نے تمہاری گفتگو سے اندازہ لگایا ہے کہ شاید تمھیں علم نہیں تبت اب کتنا بدل چکا ہے!" یہ کہہ کر وہ لمحے بھر کو رُکا پھر بولا: "اگر تمہارے والد کے مجھ پر کچھ ذاتی احسانات نہ ہوتے تو شاید میں تمھیں تبت سے واپس چلے جانے کا مشورہ نہ دیتا۔"

"میں آپ کی بات پوری طرح سمجھ نہیں پائی محترم لامہ! ذرا وضاحت کر دیجیے!" میں بولی۔

"میں تمھیں بتاتا ہوں!" بڑا لامہ اِتھاً اٹھا کر بولا: "بیٹی! یہ حقیقت ہے کہ تمہارے والد کے احسانات ہی کے طفیل آج میں چکپوری کی درسگاہ کا بڑا لامہ ہوں ورنہ میری حیثیت بھی ایک معمولی لامہ جیسی ہوتی۔ یہ سب میں تمھیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ تمہارے ذہن میں کوئی ابہام یا شک نہ رہے اور تم سمجھ سکو کہ میں تمھیں یہاں سے واپس جانے کا مشورہ کیوں دے رہا ہوں! ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے والد میرے محسن تھے۔ میں اُن سے محبت کرتا تھا! ہاں محبت! وہ تھے ہی ایسے کہ لوگ اُن سے محبت کریں اور اُن کے پرستار بن جائیں۔ اُن کے پرستاروں میں سے ایک میں بھی ہوں۔ تو اب سمجھیں کہ میرے اور اُن کے درمیان کیا رشتہ تھا! اسی رشتے کے ناطے میں نے اپنی دانست میں تمھیں بہتر مشورہ دیا ہے۔"

مجھے اُس بوڑھے کی باتوں سے سچائی کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے پہلے اُسے غلط سمجھا تھا اور اب میرا ذہن صحیح خطوط پر کام کر رہا تھا۔

"آپ نے یہ نہیں بتایا محترم لامہ کہ وہ کیا حالات ہیں جن کے پیشِ نظر آپ مجھے واپسی کا مشورہ دے رہے ہیں؟" میں نے کہا۔

"اگر تمھیں اِس بوڑھے کی بات میں خلوص اور سچائی کی جھلک نظر آئے تو بیٹی! تم واپس چلی جانا کہ اسی میں سلامتی ہے۔ میں نے ابھی کچھ دیر پہلے کہا تھا کہ تمھیں علم نہیں، تبت اب کتنا بدل چکا ہے! یہ حقیقت ہے کہ تبت بدل رہا ہے، یہاں کے رنگ بدل رہے ہیں، لوگوں کے عادات و اطوار بدل رہے ہیں۔ اب وہ بات نہیں جو تمہارے والد کے زمانے میں کبھی تھی۔ اب احسان فراموشی شروع ہو گئی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم بھی اِس احسان فراموشی کا شکار نہ ہو جاؤ!"

"ممکن ہے آپ کے خدشات درست ہوں محترم لامہ! لیکن سب کے ساتھ ایک سے حالات پیش نہیں آتے۔" میں نے تاویل پیش کی۔

بوڑھا لامہ شاید فیصلہ کر چکا تھا کہ ہر قیمت پر مجھ سے اپنی بات منوا کے رہے گا۔ اب وہ کہہ رہا تھا: "اب کوئی تخصیص نہیں رہی بیٹی! اب تبت میں جو بھی باہر سے آتا ہے اُس سے یکساں سلوک کیا جاتا ہے۔ یا تو اُسے ڈرا دھمکا کر لوٹا دیا جاتا ہے یا..... یا..... قتل کر دیا جاتا ہے۔"

"مگر میں باہر سے آنے والوں میں کب ہوں! میرے تو والد کی خاک یہاں دفن ہے۔ میں اِس سرزمین کے لیے کس طرح اجنبی ہو سکتی ہوں!" میں نے بڑے لامہ کو سمجھایا۔

"تم شاید مسئلے کی اہمیت اور نوعیت کو نظر انداز کر رہی ہو بیٹی! تم نے جو کچھ کہا، وہ ٹھیک ہے مگر تم ایک خاص مقصد سے یہاں آئی ہو اور اس مقصد سے یہاں آنے والے ہلاک کر دیے جاتے!"

بوڑھے لامہ کا فقرہ ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ کسی کی چاپ گونجی۔ میں نے اور لامہ نے ایک ساتھ مُڑ کر دیکھا۔ آنے والے میرے اور لامہ کے لیے اجنبی نہیں سارہ داخل ہوئے تھے۔ میں سارہ کی طرف دیکھ کر پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی مگر منتی، بڑے لامہ کی محسوس کیا کہ منتی کو وہاں دیکھ کر بوڑھے لامہ گیا ہے۔

"آؤ، آؤ! تم لوگ اچھے وقت آ گئے! میں لایا تھا۔" بڑے لامہ نے منتی اور سارہ کی طرف، ایک شوکیس کی جانب بڑھا اور مجھ سے بولا: "یہ، وہ قلمی نسخہ ہے جس سے تبت کی قدیم تاریخ کا پتا چلتا سارہ اور منتی بھی اب قریب آ کر گم ہو

"اے بڑے لامہ!" منتی، بڑے لامہ ایک ساتھ بہت سی آوازوں کا ملا جلا شور سنائی رُک گیا۔

"اوم مانی پدمے ہم، اوم مانی پدمے ہم!" رہا تھا اور ہم سب نے احتراماً خاموشی اختیار کر لی تھی۔ میں ترانہ گا رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ ترانے کے میں شمار ہوتا ہے۔ منتی بھی غالباً اسی لیے خاموش کہیں قریب ہی سے آ رہی تھیں۔ شاید اُس تھے جو نوادر وغیرہ کے کمرے سے متصل تھا۔

بڑا لامہ اور منتی سر جھکائے ساکت کھڑے قریب کھڑی سارہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا میں نے آہستگی سے اُس کا ہاتھ دبایا۔ اُس نے اُسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ سارہ پھر ہم دونوں ایک شوکیس کے قریب جا کر تھے۔ میں شوکیس پر اس طرح جھک گئی جیسے سارہ نے بھی میری تقلید کی۔

مجھے علم تھا کہ سارہ نے میرا ذہن پڑھ لیا میں کیا چاہتی ہوں! اِس بات کا ثبوت یہ تھا کہ کر رہی تھی۔

سارہ! تم منتی سے مل کر خوش ہو؟ زیورات کو دیکھتے ہوئے اپنے ذہن میں سوچا۔ میں نے دیکھا کہ سارہ کا چہرہ کھل اٹھا پسند آیا تھا۔ ایک سوال نے ذہن سے ذہن مل گیا۔ سارہ نے اثباتی انداز میں ایک بار خوش تھی۔

ادہی پڑھ سکتی ہو؟ میں نے اپنے ذہن میں

مثبت اشارہ کیا۔ میرا سکوت ہی میرا اندازِ گفتگو جاننا چاہتی تھی کہ منتی کو دیکھ کر بڑا لامہ کیوں علاوہ میں منتی کی طرف سے بھی مطمئن ہونا ت تو اُس کا کوئی تعلق نہیں! میرے خیال بڑے لامہ کو اس بات پر مجبور کیا گیا ہو کہ بھائی کی حیثیت سے متعارف کرائے میں ان سوالات کے جواب پانے کے لیے میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اُن دونوں کو باتوں سارہ اُن کے باطن کو عریاں دیکھ لے میری اپنی سوچ میں تبدیل کر دیا تا کہ سارہ میرے موقع ملنے پر مجھے ان دونوں کے بارے

اثبات میں پلکیں جھپکائیں۔ گویا وہ آمادہ ہو گیا۔

در و بام کو سورج کی کرنیں آخری بوسہ کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ڈوبتے سورج کا مہو کھڑی تھی۔ چند لمحے بعد ہی اُس کی اُکرائی۔ وہ کہہ رہی تھی: "بانو! لوگ تو چڑھتے ہیں، آپ ڈوبتے سورج کو کیوں دیکھ رہی ہیں؟" دلچسپ لگا اور میں اُس کی طرف مُڑ کر بولی: "اری ہے۔ ڈوبتے سورج میں بھی ایک حُسن دیکھیں!"

"آپ بڑی عجیب باتیں کرتی ہیں بانو!" موموبیر

کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ہوئی نہ تھی، اِس لیے میں نے بآوازِ بلند بلا رہا ہے۔"

کھول کر اندر داخل ہوا اور اُس نے بڑے کھڑا ہو گیا۔ بڑے لامہ نے مجھے اور مومو ہیں اُس خادم کی رہنمائی میں وہاں تک

اور میں طعام گاہ میں پہنچ گئے۔ وہ ایک یہاں ایک بڑی سی میز پڑی تھی جس پر بیک کھانا کھا سکتے تھے۔ میز کی دونوں جانب کرسیاں اور منتی وہاں پہلے سے موجود تھے۔

ہمارے پہنچتے ہی کھانا چنا جانے لگا۔ میں سارہ کو دیکھ کر مُسکرائی اور اُسی کے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔ خادم کھانا لا لا کر رکھ رہے تھے۔

"بانو! یہ تبت کی روایتی تقریبوں والا کھانا ہے۔" بڑے لامہ نے میز پر رکھے ایک طشت کی طرف انگلی اُٹھاتے ہوئے کہا: "اور یہ کھانا صرف تمہاری آمد کی خوشی کے اظہار میں پیش کیا گیا ہے ورنہ یہ کھانا عموماً سال کے پہلے دن، خوشی کی تقریبات کے لیے مخصوص ہے۔"

"میں آپ کی شکر گزار ہوں اے محترم لامہ کہ آپ نے میری عزت افزائی کی۔" میں نے رسماً کہا اور طشت کی طرف دیکھا۔ اُس طشت میں چاول اور سمپا (جَو کا آٹا) مکھن کی رنگ برنگی ٹکیوں کے ساتھ رکھا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے میز پر چینی کھانے بھی نظر آئے جو اب غالباً آہستہ آہستہ تبت میں رواج پاتے جا رہے تھے۔

کھانے کے دوران میں رسمی گفتگو ہوتی رہی جس میں منتی بھی حصہ لے رہا تھا لیکن میں نے اِس رسمی گفتگو کے دوران میں بھی ایک خاص بات محسوس کی۔ مجھے منتی بڑی مسحور کُن شخصیت کا مالک نظر آیا۔ اُسے بات کرنے کا ہُنر آتا تھا۔ سارہ اُس سے کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آ رہی تھی۔

کھانے کے بعد مشروبات کا دَور چلا۔ پہلے چائے پیش کی گئی۔ گرم گرم چائے پر مکھن کی ڈلیاں تیر رہی تھیں۔ جب وہ چائے میں حل ہو گئیں تو میں نے پیالی اُٹھا کر ہونٹوں سے لگائی۔ مجھے علم تھا کہ چائے میں چینی کی بجائے مصالحے استعمال کیے گئے ہوں گے، اس لیے چائے کا گھونٹ بھر کے مجھے کوئی حیرت نہ ہوئی۔

چائے کے بعد خادموں نے میز پر ساغر و مینا سجا دیے۔ چانگ اور ارا دونوں تبتی شرابیں تھیں جنھیں صرف اُمراء استعمال کرتے تھے۔ دَورِ ساغر چلا تو میں نے سارہ کو مخاطب کیا: "اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ چام ڈیو کب جا رہی ہو؟"

"فی الحال ارادہ بدل گیا ہے بانو! اب میں چام ڈیو نہیں جا رہی بلکہ چند دن یہیں رہوں گی۔" سارہ نے جواب دیا۔

"کیوں، ارادہ کیوں بدل گیا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"اِس کا سبب یہ ہیں۔" اُس نے منتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "انھوں نے بتایا ہے کہ کل میرے کچھ اور عزیز یہاں پہنچنے والے ہیں۔ میں اُن سب سے یہیں مل لوں گی۔"

"اُس کے بعد؟" میں نے اُسے معنی خیز نگاہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ مُسکرائی۔ شاید اُس نے میرا ذہن پڑھ لیا تھا۔ اُس نے کہا: "اس کے بعد جو آپ کہیں بانو!"

"تو پھر میرا خیال ہے کہ تم کچھ دن میرے ساتھ بھی رہو! میں بھی اب تمہارے لیے کوئی غیر تو نہیں ہوں۔" میں نے کہا اور دیکھا کہ منتی ہماری باتیں بڑے غور سے سُن رہا تھا مگر اُس نے گفتگو میں کوئی مداخلت نہیں کی۔

"ٹھیک ہے بانو!" سارہ بولی: "میں یہاں دو ایک دن اپنے عزیزوں کے ساتھ رہ کر لہاسہ آ جاؤں گی، آپ یہاں سے پوتالا مٹھ ہی جائیں

گی؟"

"بالکل!" میں نے جواب دیا۔ "میرا ارادہ کل ہی روانگی کا ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" بڑے لامہ نے اپنا گلاس میز پر رکھتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "تم اتنی جلدی نہیں جا سکتیں۔ کچھ دن تو ٹھہرو یہاں!"

"اے لامہ محترم! اگر یہ میرے بس میں ہوتا تو ضرور ٹھہرتی! میں آپ سے درخواست کروں گی کہ مجھے واپسی کی اجازت دے دیں۔" میں نے کہا۔

"تمھیں فی الحال ایک شرط پر اجازت مل سکتی ہے کہ تم فرصت نکال کر جلد ہی اِدھر آؤ گی۔" بڑا لامہ پُرشفقت انداز میں مُسکرا کر بولا۔

"منظور ہے!" میں نے بھی اُسے مُسکرا کر جواب دیا، پھر سارہ سے ہمکلام ہوئی۔ "تو پھر یہ طے ہے سارہ کہ تم لہاسہ آ رہی ہو!"

سارہ نے حامی بھر لی اور اُسی وقت مجھے ایک اور خیال آیا اور اِس کا سبب سارہ سے میرا قلبی لگاؤ تھا۔ سارہ کو میں چکپوری میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں سارہ کے ساتھ موموکو بھی چکپوری میں چھوڑ جاؤں گی۔ اِس فیصلے کی وجہ چن ژی تھا۔ چن ژی جس نے مجھے پھانسنے کے لیے سارہ کو استعمال کیا تھا اور ناکام رہا تھا۔ وہ یقیناً میری طرف سے غافل نہیں رہا ہوگا اور جان چکا ہوگا کہ سارہ اب میری دوست بن چکی ہے۔ اِس صورت میں سارہ بھی میری وجہ سے خطرے میں پڑ سکتی تھی اور اُس کی حفاظت بہرحال میرا فرض تھا۔ ایک تو اِس لیے کہ سارہ نے مجھے چن ژی کے قاتلانہ حملے سے بچا لیا تھا، دُوسرے اِس لیے کہ وہ میری محبوبِ نظر تھی۔

میں ابھی تک چن ژی کو فراموش نہ کر سکی تھی۔ اُس طرف سے مجھے اور میرے ساتھیوں کو مستقل طور پر خطرے کا سامنا تھا، اِس لیے اور بھی کہ میں نے اُسے دیکھا تک نہیں تھا۔ وہ اندھیرے کا تیر تھا جو کہیں بھی اچانک نمودار ہو کر وار کر سکتا تھا۔

دَورِ ساغر بھی چلتا رہا اور باتیں بھی ہوتی رہیں۔ اِس کے علاوہ میرا ذہن بھی سوچنے کے عمل میں مصروف رہا۔ ابھی تک مجھے یہ موقع نہیں مل سکا تھا کہ میں سارہ سے تنہائی میں بات کر کے، بڑے لامہ اور مہنتی کے بارے میں کچھ دریافت کر سکتی۔ سارہ یقیناً اُن کے ذہن پڑھ چکی تھی۔ لہاسہ واپس جانے سے پہلے میں بہرحال یہ موقع حاصل کر لینا چاہتی تھی اور اس وقت میرا ذہن یہی سوچنے میں مصروف تھا۔

معاً میں نے سارہ کی آواز سُنی۔ وہ مجھ سے مخاطب تھی۔ "بانو! میرے پاس موتیوں کا ایک ہار تھا جو میری ماں کی نشانی ہے، سامان میں مجھے وہ ہار نہیں مل رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ شاید وہ آپ کے سامان میں ہو کیونکہ سفر کے دوران میں ہمارا سامان ایک ساتھ تھا۔"

سارہ نے میری مشکل حل کر دی تھی۔ میں اُس کا اشارہ سمجھ گئی اور فوراً بولی۔ "ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ تم یہاں سے اُٹھ کر میرے ساتھ چلنا! بلکہ ابھی چلو! دیکھ لیتے ہیں۔ وہ ہار اِس لیے بھی قیمتی ہے کہ تمھاری والدہ کی نشانی ہے۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

میری بات سُن کر سارہ ایک دم اُٹھ کر
بالو! ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ دراصل مجھے بھی اِس
بسلم ہوا۔" یہ کہہ کر اُس نے مہنتی کی طرف
میں نے فوراً اُٹھنے کا ارادہ اِس لیے کیا
کے۔ موموکی موجودگی میں ایسا ممکن نہیں تھا
کر، سارہ کے ساتھ طعام گاہ سے نکل گئی۔
مجھے احساس تھا کہ سارہ سے گفتگو کے
نے طعام گاہ سے نکلتے ہی اِدھر اُدھر دیکھا۔
غلام مؤدب کھڑے تھے۔ اُن کے علاوہ وہاں
نے کچھ فاصلہ طے کرتے ہی گفتگو شروع کر
"ہاں سارہ! تم نے مہنتی کو کیسا پایا؟
ہوتے بیتابی سے سوال کیا۔
"بہت اچھا!" سارہ نے جواب دیا۔
کہیں زیادہ اچھا ہے۔ وہ بچوں کی طرح معصوم
کو اپنے بہت چاہتا تھا اور مجھے بھی اُس نے
"چینیوں کے بارے میں اُس کے کیا
دُوسرا سوال کر دیا کہ یہ تفصیل اور بحث
"چینیوں سے اُسے کوئی تعصب نہیں
کے اثرات کو تبت کے حق میں بہتر تصور کرتا
"پنچن لامہ اور دلائی لامہ کے بارے میں
میں نے دریافت کیا۔
"اُس کے دل میں پنچن لامہ کے
کے ساتھ وہ دلائی لامہ کا بھی معتقد ہے لیکن
ہونے کو صحیح نہیں سمجھتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ
ہے جب تبت خون میں ڈوب جائے اور
تشدد کا قائل ہے۔"
"کیا تمھیں یقین ہے کہ تم نے مہنتی
ہے؟" میں نے ایک دُوسری راہداری میں
"ہاں بالکل اچھی طرح بانو! میں نے
کی طرح پڑھا ہے۔" سارہ نے جواب دیا۔
"بڑے لامہ کے بارے میں بتاؤ!" میں
میرے سوال کا جواب سارہ نے
چہرے کی طرف دیکھا تو چہرے پر اُلجھن کے آثار
پر کچھ ایسی اُلجھن تھی جیسے وہ خود بھی کچھ نہ پا رہی
اُس راہداری میں داخل ہو چکے تھے جس میں
وہ کمرے مہمانوں کے لیے مخصوص تھے۔ میں
میں پہنچ رہی ہو تو بہتر ہے کیونکہ کمرہ زیادہ
سارہ میرے ہمراہ کمرے میں داخل۔

کے بارے میں کچھ بتاتے ہوئے ہچکچائی کیوں

" وہ آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔
کا ذہن اُلجھا ہوا ہے۔ وہ واقعی پریشان
کے لیے! اُسے ڈر ہے کہ اگر آپ جلد سے
ہیں تو ... تو آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔"
سارہ کچھ ہچکچائی تھی۔ شاید میرے قتل ہونے
وہ ثابت ہوا ہوگا۔
ہے؟" یہ سوال کرتے ہوئے میرے ذہن
اُس کا نام نہیں لیا۔
کے خیالات خود بھی اُس کے ذہن میں واضح
میں ایک نام کئی بار اُبھرا تھا اور وہ پہلے ہی
سامنے آ چکا ہے۔"
میں خیال آیا۔
سارہ نے فوراً کہا اور اِس کا مطلب یہ تھا کہ سارہ
ذہن پر مرکوز تھی۔
بارے میں بڑے لامہ کو کیسے معلوم ہوا؟ اُس کے
آیا؟" میں نے حیرت کے ساتھ معلوم کیا۔
میں مزید کوئی تفصیل، میں نے اُس کے ذہن میں

محل میں جانے کا نہیں تھا۔ سارہ نے میرے
کہا تھا، اُس کا وقت تقریباً پورا ہو چکا تھا۔ ایک
زیادہ وقت نہیں لگنا چاہیے تھا۔ یہ سوچ
الی۔ "سارہ! اب چلو، اِتنا کافی ہے۔ اگر
مہنتی اور بڑا لامہ دونوں ہی ہماری طرف سے
تم نے جو بہانہ کیا تھا، اُس کے بارے

فکر نہ کریں بانو!" سارہ ہنستی ہوئی اُٹھی اور اپنا
کہا۔ "بہانہ بناتے ہوئے، میں نے یہ بات
ماں کی نشانی ہے مگر میں اِسے گلے میں
ہوں تاکہ زیادہ محفوظ رہے۔"
میں نے اُسے محبت پاش نظروں سے دیکھا۔ پھر
کی طرف بڑھتے ہوئے مجھے ایک خیال آیا۔
کہ میں، موموکو بھی یہیں چھوڑ جاؤں تاکہ تم
تنہا ہو جاؤ۔"
آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں!" وہ مُسکرا کر بولی اور
کمرے کے راہداری میں آ گئی۔
اندازہ لگایا اور اُس کے ہمراہ طعام گاہ کی

جانب چلتی ہوئی بولی۔ "کیا سمجھ گئیں؟"

"آپ کو چن ژی کی طرف سے خطرہ ہے کہ کہیں وہ مجھے آپ کی ساتھی سمجھ کر کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ آپ موموکو میری حفاظت کے لیے چھوڑ جانا چاہتی ہیں۔"

"تمھیں اِس پر کوئی اعتراض ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں بالکل نہیں! موموتو مجھے بہت پسند ہے۔" سارہ نے جلدی سے کہا۔

"کس اعتبار سے؟" میں نے شرارتاً سوال کیا۔

"اُس اعتبار سے نہیں، جس اعتبار سے آپ سمجھ رہی ہیں۔" وہ میری شرارت بھانپ گئی اور اُس کا چہرہ گُلنار ہو گیا۔

میں نے تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے، اُسے بھی جلدی چلنے کے لیے کہا۔ پھر طعام گاہ تک پہنچنے سے کچھ پہلے بولی۔ "اب گفتگو ختم! طعام گاہ کے دروازے پر خادم کھڑے ہوئے نظر آنے لگے ہیں اور وہ ہماری آواز سُن سکتے ہیں۔"

پنچن لامہ کے جو خادم لوپا لاٹھ سے ساتھ آئے تھے، میں اب اُنہی کے ہمراہ واپس جا رہی تھی۔ میں نے رات ہی کو موموسے کہہ دیا تھا کہ اُسے سارہ کے ساتھ رُکنا ہے اور دو ایک دن بعد اُسے لے کر لہاسہ آنا ہے۔ مومو نے میرے خیال سے اتفاق کیا تھا کہ سارہ کو کوئی بھی خطرہ پیش آ سکتا ہے اور اُس کی حفاظت ضروری ہے۔ مومو بھی میری طرح مہنتی کی طرف سے مطمئن نہیں تھی۔ ہر چند کہ سارہ کے بیان کی روشنی میں مہنتی کے کردار پر شُبہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا مگر پھر بھی میرے دل میں ایک کھٹک سی تھی۔ میں نے سارہ سے گفتگو کے بعد وقتی طور پر مہنتی کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا کیونکہ اصل مسئلہ چن ژی کا تھا۔ چن ژی، جس کا نام بڑے لامہ کے ذہن میں بھی محفوظ تھا۔ چن ژی آئندہ مجھ پر کس طور حملہ آور ہونے والا تھا، اِس سے میں لاعلم تھی۔ اِس متوقع حملے کا مقام، وقت اور نوعیت، مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اُس کے حملے کا انتظار کرنے کے سوا، میں اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ سو میں نے یہی کیا۔

میں لوپا لاٹھ پہنچی تو سورج اپنا نصف سفر طے کر چکا تھا اور فضا میں سکون بخش تمازت تھی۔ محل میں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ رضیہ اور رضوان اپنے اپنے کمروں میں نہیں ہیں۔ خادموں نے میرا مختصر سا سفری سامان لا کر میرے کمرے میں رکھ دیا۔ محل میں میری حیثیت پنچن لامہ کے مہمان کی تھی۔ وہ پنچن لامہ، جو تبت میں چینی حکومت کی نیابت کے فرائض انجام دے رہا تھا اور جس نے ایک اعتبار سے دلائی لامہ کی جگہ سنبھال لی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں محل میں داخل ہوئی تو خدام مُستعد نظر آنے لگے۔

میں نے سہری پرواز ہونے سے قبل خادموں کو حکم دیا کہ وہ رضیہ اور رضوان کو تلاش کر کے، اُنھیں میری آمد سے مطلع کریں۔ مجھے معلوم

تھا کہ وہ دونوں پوتالا محل سے باہر نہیں گئے ہوں گے۔ میں اب کچھ دیر سونا چاہتی تھی کیونکہ گزشتہ رات چکپوری میں 'موموکے قریب سے تو میری آنکھوں سے نیند چھین لی تھی اور پھر مجھے سفر کی تکان بھی تھی۔ رضیہ اور رضوان کو تلاش کرانے کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہیں تھا کہ میں اُن سے کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد آرام سے سو سکوں، ورنہ میں جانتی تھی کہ وہ دونوں باغ کے کسی کنج میں، ایک دُوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رومانی مکالمے بول رہے ہوں گے۔ میں رضوان کے عشق سے دستبردار ہو چکی تھی اور اب اُن دونوں کے درمیان کوئی دیوار حائل نہیں تھی۔

میں کھانا کھا کر لیٹی تو میری آنکھوں میں نیند کروٹیں لینے لگی۔ معاً دروازہ کھلا۔ میں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ رضیہ اور رضوان، دونوں دروازہ کھول کر بے دھڑک کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے دروازے پر دستک دے کر اندر آنے تک کا تکلف نہیں کیا تھا۔ غالباً خدام سے اُنھیں معلوم ہو گیا تھا کہ میں کمرے میں تنہا ہوں اور اُنہی کی منتظر ہوں۔ میں کُہنی کے بل اُٹھی اور سرہانے تکیہ لگا کر نیم دراز ہو گئی۔ وہ دونوں مسہری کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"باجی! کب آئیں آپ؟" رضیہ قریب آتے ہوئے بولی۔ اُس کے لہجے سے مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"ابھی کچھ دیر قبل!" میں نے جواب دیا۔ "کیا خادموں نے نہیں بتایا؟"

"بس ہم نے اُن سے کچھ پوچھا ہی نہیں! آپ کی آمد کے بارے میں سُنتے ہی ہم باغ سے اُٹھ گئے۔" رضیہ جلدی سے بولی اور قریبی صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔ اُس کے برابر میں رضوان بیٹھ گیا۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت جھلک رہی تھی۔

رضوان میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی بولا۔ "آپ تنہا کیسے نظر آرہی ہیں بانو؟ وہ آپ کی مو... اور مو کہاں ہے؟" رضوان کے سوال پر رضیہ کی آنکھوں سے بھی تجسس جھلکنے لگا۔

"بہت چہک رہے ہو! مگر خیال رہے کہ اب تم باغ میں نہیں محل میں ہو۔" میں نے اُس پر چوٹ کی اور اپنے فقرے کا ردِ عمل اُس کے چہرے پر تلاش کرنے لگی۔ اُس کے چہرے سے تو کسی ردِ عمل کا اظہار نہ ہوا مگر رضیہ کچھ خجل خجل سی نظر آنے لگی جو ظاہر ہے کہ میرا مقصد نہیں تھا۔ میں نے موضوعِ گفتگو بدل دیا اور اُنھیں موموکے بارے میں بتا دیا۔

"بائی دی وے یہ سالہ کس خوشی میں دوبارہ لہاسہ آرہی ہے؟" رضوان بولا۔ وہ پھر چہری سے آنے لگا۔

"وہ بے چاری ایک یتیم لڑکی ہے۔ جب تک ہم پوتالا محل میں قیام پذیر ہیں، وہ ہمارے ساتھ وقت گزارے تو کیا مضائقہ ہے!" میں نے سنجیدگی سے کہا تاکہ رضوان، رضیہ کی موجودگی سے مزید فائدہ اُٹھا کر غیر سنجیدہ گفتگو سے گریز کرے۔

"یتیم لڑکیوں سے واقعی ہمدردی کرنی چاہیے!" رضوان نے بظاہر سنجیدگی سے کہا مگر اُس کے لہجے سے شرارت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اب میں سونا چاہتی ہوں، تم لوگ جا
میں نے مزید گفتگو سے اجتناب کی خاطر کہا۔
"بہتر سرکار!" رضوان طویل سانس
لیے ہم نے کچھ اور پروگرام بنایا تھا۔"
"کیا؟" میں نے پوچھا۔
میرے استفسار پر رضوان کی بجائے رضیہ
میں نے بنایا تھا۔ میں شہر کے اندر بنا ہوا مند
"مگر وہ لوگ تمھیں مندر میں کیسے داخل
نے اعتراض کیا۔
"میں نے ایک لامہ سے بات کر لی ہے
نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ مندر کے دروازے تک
دے گا۔"
"ہاں یہ ہو سکتا ہے۔" میں بولی۔ "ٹھیک
دیکھو! میں شام کو پنچن لامہ سے ملاقات کروں گی
"لیکن یہیں تو پچھلی ملاقاتوں میں ہو
رکھا گیا ہے۔" رضوان بولا۔ "کب تک یہ ما
"پنچن لامہ سے اب تک کوئی ایسی ب
جا سکے۔" میں نے جماہی لے کر کہا، پھر بولی۔ "ا
مجھے نیند آرہی ہے۔"
میری پلکوں پر اب نیند کا بوجھ سوا
دونوں کے جاتے ہی میں سو گئی۔
شام کو میں سو کر اُٹھی تو میں نے
کو پیغام بھجوایا کہ میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں
بڑے لامہ سے ملاقات کے بعد میرے ذہن
تھے اور میں پنچن لامہ سے گفتگو کر کے ان
چاہتی تھی۔ یہ بات میرے لیے بہرحال تشو
میں میری آمد کے مقصد سے آگاہ ہیں، خواہ وہ
لوگ کیوں نہ ہوں! میں جان چکی تھی، میرے
وہ نہیں چاہتے کہ میں تبت کے معاملات
نے اسی لیے مجھے لہاسہ پہنچنے سے پہلے ہی
مطلب یہی تھا کہ وہ تبت میں میری آمد کے
لیکن پھر بھی میرے حق میں یہی بہتر تھا کہ کم
ہو سکیں۔
خادم کی واپسی تک میں کپڑے بدل کر
کر بتایا کہ پنچن لامہ اپنی نشست گاہ میں میرا
وہ مجھے فوراً بُلوائے گا۔
محل کے راستوں سے میں بخوبی آشنا
کو ساتھ نہ لیا اور محل کے اُس حصّے میں پہنچ

اُنھیں شاید میری آمد سے مطلع کیا جا چکا تھا،
قریب پہنچتے ہی دروازہ کھول دیا اور میں
نشست گاہ تھی جہاں میں ایک بار پہلے بھی
کر چکی تھی۔
صوفے پر بیٹھا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر اخلاقاً مُسکرایا
کا اظہار کیا۔
ہی ہو رہی ہے؟" میں صوفے پر بیٹھ گئی تو وہ بولا۔
ان لگا؟"
"بہت اچھا!" میں نے مسکرا کر جواب دیا اور دل ہی
جس مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں اُس
لگا۔
ہے اور اسی لیے مجھے عزیز ہے۔" پنچن لامہ بولا۔
آمد کے مقصد سے بڑا لامہ بھی آگاہ ہے۔ غالباً
معلوم ہوتی ہو گی!" میں نے اندھیرے میں تیر
بیٹھا۔
میں نے اُسے بُلا کر مشورہ کیا تھا۔" پنچن لامہ
سلسلے میں تمھارا ذکر سُن کر کچھ پریشان ہو گیا تھا۔
بھی بہت احسانات ہیں اور وہ بہرحال
نہیں ہے۔" یہ کہہ کر پنچن لامہ نے توقف
ہے کہ اُس کی حیثیت میرے مشیر کی سی
جو ہدایات واضح نہیں ہوتیں، میں عموماً اُن
سے مشورہ کرتا ہوں اور اُس کے مشورے
ہوں۔"
گو، کے، مجھے اُن سوالوں کے جواب مل گئے
میرے ذہن میں پیدا ہوتے تھے۔ میں اُس
ٹھہری اور چائے پی کر رخصت کی اجازت چاہی۔
دو دن بخیریت مگر بور گزرے۔ رضیہ اور
جذب سے سرشار تھے اور میں تنہائی کا شکار
کے نیچے، چٹائیں کاٹ کر بنائے گئے خانوں
جہاں مقدس بُدھ کے نوادر موجود ہیں اور
اُن معروف خانوں کو دیکھنے چلے جاتے جن کے
مشہور تھیں۔ آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل
جب موموچکپوری سے لوٹ آتی۔
پروگرام کے مطابق تیسرے دن پوتالا محل پہنچ
تھا اور میں اُن دونوں کی منتظر تھی۔ صبح سے
دونوں نہ آئیں میری اکتاہٹ دو چند ہو گئی۔
لگی۔

میں کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سُنی۔ میں نے مُڑ کر دیکھا تو رضیہ کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ میں اُسے دیکھ کر چونک پڑی کیونکہ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"کیا ہوا رضیہ؟" میں نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"باجی! وہ... وہ مومو..." وہ قریب پہنچ کر ہکلائی۔

"کیا ہوا موموکو؟ جلدی بتاؤ!" میں نے اُس کی بات کاٹ کر بیتابی سے سوال کیا۔

"وہ... وہ شدید زخمی حالت میں یہاں تک پہنچی ہے۔" اُس نے بمشکل بتایا۔

"مگر وہ ہے کہاں؟ اور... اور سارہ..."

"موموا کیلی آئی ہے اور وہ اِس قابل نہیں کہ سارہ کے بارے میں کچھ بتا سکے۔ اُس کا اتنی شدید زخمی حالت میں پوتالا محل تک پہنچ جانا ہی حیرت انگیز ہے۔ وہ فی الحال گارڈ روم میں ہے کیونکہ اُس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ اُسے یہاں مہمان خانے تک لانے میں وقت ضائع کیا جاتا۔ رضوان بھی وہیں ہے اور..."

"چلو!" رضیہ کا جملہ پُورا ہونے سے پہلے ہی میں بول اُٹھی اور تیز تیز قدم اُٹھاتی دروازے کی جانب بڑھی۔ رضیہ میرے پیچھے پیچھے آرہی تھی۔ گارڈ روم تک پہنچنے سے قبل رضیہ نے مجھے بتایا کہ وہ اور رضوان محل میں داخل ہی ہونے والے تھے کہ موموزخمی حالت میں محل کے دروازے تک پہنچی۔ رضوان اور رضیہ دونوں اُس کی طرف لپکے اور اُسے گھوڑے کی پُشت سے نیچے گرنے دیا جب اُسے گھوڑے سے اتارا گیا تو اُس کا جسم لہولہان تھا اور وہ نیم بیہوشی کے عالم میں تھی۔ رضیہ تفصیلات بتاتی رہی اور میرا خون کھولتا رہا۔ میرے پھول کو کس نے مسل دیا؟ کن بے رحم ہاتھوں نے اُس پیاری پیاری صورت والی گڑیا سی لڑکی کو خون میں نہلا دیا؟ میرے ذہن پر سوالوں کی یلغار ہوتی رہی اور اسی عالم میں، میں گارڈ روم تک پہنچ گئی۔

گارڈ روم میں کافی افراد جمع تھے اور اُن میں پنچن لامہ کا طبی مشیر بھی تھا۔ ہنگامی حالات میں 'موموکو زمین پر ایک گدّا بچھا کر لٹا دیا گیا تھا۔ میں نے دُور ہی سے دیکھ لیا کہ گدّے پر بچھی ہوئی سفید چادر بھی خون آلود ہے اور یہ دیکھ کر میرے دل پر ایک گھونسہ سا لگا۔ کیا وہ چینی کی گڑیا ٹوٹ جائے گی! میں نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے موموکو قریب جا کر دیکھا۔ رضیہ اور رضوان بھی میرے ساتھ ہی آگے بڑھ کر کھڑے ہو گئے۔ طبی مشیر کے ہمراہ اُس کے دو نائب اور تھے۔ وہ تینوں فی الحال موموکے جسم پر موجود زخموں کو تلاش کر رہے تھے تاکہ فوری طور پر اخراجِ خون کو روک دیں۔ موموکے چہرے کی رنگت مزید زرد ہوتی جا رہی تھی۔

طبی مشیر کو بھی اپنے انتہائی قریب ہماری موجودگی کا احساس ہو گیا۔ اُس

کم سے کم افراد ہوں تو ہمیں اپنا فرض ادا کرنے میں آسانی ہو گی۔"
میں نے اُس کی تائید کی۔ اور پھر کمرے سے سب کو نکال دیا گیا۔ رضوان اور رضیہ کو بھی میں نے وہاں سے رخصت کر دیا مگر ظاہر ہے کہ میں موموکو چھوڑ کر کیسے جا سکتی تھی!

کچھ دیر بعد طبی مشیر نے مجھے بتایا کہ موموکے جسم میں چار گولیاں پیوست ہیں جن میں سے تین گولیاں تو نکالی جا سکتی ہیں مگر چوتھی گولی نکالنے کے لیے بڑے آپریشن کی ضرورت پیش آئے گی۔ طبی مشیر نے اندازہ لگایا تھا کہ چوتھی گولی جسم کے اندر کہیں دل کے قریب پیوست ہوئی ہے اور شاید اُس نے پتے کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ موموکو جس نوع کے آپریشن کی ضرورت تھی، وہ پیکنگ ہی میں ممکن تھا۔ یہ آپریشن تبت میں ممکن نہیں تھا۔ معاملہ کیونکہ دل کو امکانی گزند پہنچنے کا تھا، اس لیے طبی مشیر اس نازک آپریشن کی ذمے داری لینے پر آمادہ نہ تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ اِس آپریشن کے لیے اُس کے پاس مکمل انتظام نہیں۔ حالانکہ اِس حالت میں موموکے لیے طویل سفر کم خطرناک نہیں تھا مگر اِس صورت میں زندگی بچ جانے کے زیادہ امکانات تھے۔ موموکی حالت ٹھیک نہیں تھی مگر فی الحال اُس کی زندگی کو خطرہ لاحق نہیں تھا۔ طبی مشیر سے یہ جان کر میرے دل کو کچھ سکون ہوا۔

کئی گھنٹے کی مسلسل کوششوں کے بعد آخر موموکو ہوش آ ہی گیا۔ میں نے طبی مشیر سے کہا تھا کہ موموکا ہوش میں آنا بہت ضروری ہے تاکہ وہ اُن لوگوں کی نشان دہی کر سکے جنھوں نے اُسے قتل کرنا چاہا تھا۔ پہلے موموکے پپوٹوں کو حرکت ہوئی پھر اُس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ میں اُس پر جھک گئی اور اُسے آہستہ سے پکارا۔

تقریباً آدھے گھنٹے میں مومو نے رُک رُک کر بمشکل وہ واقعہ بتایا جسے سُننے کے لیے میں بے چین تھی۔ اُس کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ پھر بیہوش ہو گئی تھی۔

"آپ اب آرام کیجیے! تمام انتظامات ہو جائیں گے۔" موموکے بیہوش ہوتے ہی طبی مشیر نے مجھے مخاطب کیا۔ میں نے اُسے سوالیہ نگاہ سے دیکھا تو وہ بولا "ہم اِسے ایئر فورس کے ایک جہاز میں پیکنگ لے جائیں گے بشرطیکہ اگلے چند گھنٹوں میں موسم خوشگوار رہے۔"

"میں اپنی بہن کو بھی اِس کے ساتھ بھیجنا چاہتی ہوں تاکہ وہ پیکنگ میں اِس کی نگہداشت کر سکے۔" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ہم روانگی سے قبل آپ کو مطلع کر دیں گے۔" طبی مشیر نے جواب دیا۔

میں طبی مشیر کی بات سے مطمئن ہو گئی۔ یوں بھی اب میرا وہاں رُکنا فضول ہی تھا۔ جو کچھ کرنا تھا، اُنھی لوگوں کو کرنا تھا اور مجھے رضیہ کو جا کر یہ بھی بتانا تھا کہ وہ پیکنگ جانے کے لیے تیار ہو جائے۔ میں طبی مشیر کو ایک بار پھر موموکی طرف متوجہ پا کر وہاں سے چل دی۔

میں مہمان خانے میں واپس پہنچی تو رضوان اور رضیہ کو بے چینی

سے اپنا منتظر پایا۔ وہ موموکی طرف
ہوئی کہ رضوان اِس موقع پر خلافِ معمول
اُن دونوں کو موموکی کیفیت سے آگاہ کیا؟
"موموں نے ہوش میں آنے کے بعد جو کچھ بتایا،
اُسی کی روشنی میں، میں نے فیصلہ کیا ہے
یہ کہہ کر میں نے مختصراً وہ واقعہ بیان کر دیا
واقعہ یہ تھا کہ موموں اور سارہ پیالگا
کے ہمراہ چیکوری سے چلی تھیں لیکن ابھی
تھا کہ اُنھیں کچھ مسلّح لوگوں نے اپنے
سے قزاق دکھائی دیتے تھے۔ وہ دراز قد
چہرے ریشمی رومالوں سے چھپاتے ہو
ایک دراز قد نہیں تھا اور وہی اُن کا سربراہ
پر دو قزاقوں نے سارہ کو قابو میں کر لیا
پر ڈال کر فرار ہو گئے۔ موموں نے بتایا تھا
وہ دونوں سارہ کو لے کر لہاسہ کی سمت
کہیں اور ہی تھی۔ سارہ کی روانگی کے بعد
شروع کر دی تھی۔ اُس کے ہاتھوں میں
خادموں اور موموپر خالی کر دیے تھے۔
وہاں پہنچے، اُنھوں نے ایک خادم اور موموں
وہاں پڑا دیکھا۔ اُن دونوں کے علاوہ
یہ لاشیں اُن چاروں میں سے تین خادموں کی
اور سارہ کے ساتھ چلے تھے۔

میں نے تمام واقعہ بیان کرنے کے
کوئی اندازہ لگا سکتی ہو کہ وہ پستہ قد شخص
"چن ڈی!" رضیہ اور رضوان
"میرا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے
کے باشندے طبعاً شریف ہوتے ہیں۔ اگر
یقیناً وہ قتل کر گزرتے ہیں لیکن کسی کی
کر سکتا ہو انھیں چھوڑتے اور اتنی شدید
کرتے۔"

"مگر سارہ کے اغوا اور موموکو قتل کرنے کی
کیا مقصد ہو سکتا ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔
"مجھے مرعوب کرنے کے سوا کچھ
جھنجلاہٹ کے عالم میں کوئی غلط قدم اٹھا
"اِس کا مطلب تو یہ ہے باجو کہ چن ڈی
واقف نہیں۔" اِس بار رضوان بولا۔ "شاید وہ
اور جھنجلاہٹ عام آدمیوں کی طرح اثر انداز نہیں
خطرناک بنا دیتے ہیں۔"

سر انداز کرتے ہوتے کہا اور سوچ میں گم

میں نے سارہ کی ضمیر شناسی کے بارے میں
ہمارے میرے علاوہ، اِس کا کسی کو بھی علم نہیں
نہیں! اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے اُن دونوں
سے ہوشیار کر دیتا جن کے ذریعے اُس نے مجھے
دونوں جواب پوتالا محل کے قید خانے میں
اہمیت کیوں دی گئی کہ اُسے موموکی طرح قتل
گیا؟ میں نے سوچا۔ کیا کسی کو سارہ کی زندگی
ہی ایک بار پھر منتی کا خیال آیا مگر سارہ نے
جامع الفاظ استعمال کیے تھے۔ اُس پر شبہ کرنے

لامہ سے ایک بار پھر ملاقات کرنا ہو گی۔"
کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
ہے باجی! لیکن میں ایک بات سوچ رہی
سوچ کر کہا۔
ہاں۔
ہوں کہ اگر میں موموکے ساتھ پیکنگ چلی گئی
گی۔"
جاؤں گی، رضوان بھی تو میرے ساتھ ہو گا، کیوں
کی جانب سوالیہ نگاہ سے دیکھا۔
کا موموکے ساتھ جانا ضروری ہے۔" رضوان

یہ بھی ہے کہ مجھے خطرہ ہے، چن ڈی یا اس
کر یقیناً اُسے ہلاک کرنا چاہیں گے۔
مجھے کوئی فکر نہیں رہے گی۔" میں نے اپنی
کہا۔ رضیہ نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے اُسے
ہاں بھی تمھارا کام مجھے یہاں تک لانا تھا
الستہ چکی ہو۔ اگر تم چاہو تو رضوان کو بھی اپنے
یہاں کے معاملات میں تنہا سنبھال لوں گی۔"
دونوں میں سے کوئی مجھے تنہا چھوڑنے پر آمادہ نہ
ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور رضیہ بھی اُس کے ساتھ
وہ دونوں اِس وقت میرے کمرے میں تھے۔ رضیہ
جانے کی تیاری کرنی تھی، اِس لیے وہ اپنے کمرے
میں اکیلے میں تنہا رہ گئے۔
میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ سب کیا تماشا ہے!" رضوان
کھیل، میری دانست میں خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔

"میرا خیال ہے، میں تمھیں بتا چکی ہوں کہ ہماری یہاں آمد کا مقصد کیا ہے!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن اب تک یہ نہیں بتایا کہ اِس سلسلے میں آپ نے کس حد تک ذمّے داری قبول کی ہے؟" رضوان نے وضاحت چاہی۔

کوئی اور وقت ہوتا تو شاید میں رضوان کو ٹال دیتی مگر اُس وقت میں ایسا نہ کر سکی۔ اِس کی وجہ یہ کہ رضوان بھی سنجیدہ تھا اور میں بھی! ہم دونوں ہی پر موموکو پیش آنے والے واقعے کا اثر تھا، اِس لیے میں نے تبت میں اپنی آمد کی پوری وضاحت کر دی۔

"میرا اصل مقصد تبت میں سر اُٹھانے والے کھمبا قبیلے کو سمجھنا ہے۔" میں بولی۔ "اِس کے علاوہ مجھے یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ دلائی لامہ تبت واپس آ چکا ہے یا نہیں! اور اگر وہ نہیں آیا تو کیا ایسے امکانات ہیں کہ وہ واپس آ جائے! اِس کے سوا میرا اور کوئی مقصد نہیں۔ کھمبا قبیلے یا دیگر باغی قبیلوں کی سرکوبی کرنا میرے مقصد میں شامل نہیں۔ مختصراً یوں سمجھو کہ مجھے صرف یہ پتا چلانا ہے کہ یہاں بغاوت کے آثار ہیں یا نہیں! اِس کے بعد میرا کام ختم ہو جائے گا۔ میری فراہم کردہ معلومات ہی کی روشنی میں چینی حکومت کوئی قدم اٹھانا چاہتی ہے۔"

میری بات ختم ہی ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ رضوان نے صوفے سے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ آنے والے کو میں نے فوراً پہچان لیا۔ وہ پنچن لامہ کے خاص خادموں میں سے ایک تھا۔ اُس نے مجھے پنچن لامہ کا زبانی پیغام دیا اور رخصت ہو گیا۔ موموکے بارے میں پنچن لامہ کو بھی علم ہو گیا تھا۔ اُس نے مجھ سے کہلوایا تھا کہ میں قطعی بے فکر رہوں، وہ تمام انتظامات کرا دے گا۔ میں سمجھ گئی کہ موموکے سلسلے میں پنچن لامہ نے ذاتی دلچسپی کیوں لی ہے! وہ ذہین اور دُور بیں شخص تھا۔ اُسے موموکی حیثیت کا اندازہ لگانے میں زیادہ دیر نہیں لگی ہو گی۔ موموکا میرے ساتھ ہونا اِس بات کی دلیل تھا کہ وہ چینی حکومت کے ایما پر ہی تبت آئی ہے۔

پنچن لامہ کا خادم رخصت ہو گیا تو میں نے، اپنے کمرے کے دروازے پر موجود دو خادموں میں سے ایک کو گارڈ روم جا کر موموکی خیریت معلوم کرنے بھیج دیا اور دوبارہ رضوان کے سامنے والے صوفے پر آ بیٹھی۔

میرے بیٹھتے ہی رضوان اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ "میں یہ دیکھ کر آتا ہوں کہ رضیہ کو تیار ہونے میں کتنی دیر ہے! کیونکہ کسی بھی وقت روانگی ممکن ہے۔ اُسے پہلے سے تیار رہنا چاہیے!"

"ہاں جاؤ! اور اُس سے کہو کہ جلدی تیار ہو جائے!" میں نے اُسے اپنے کمرے سے جانے کی اجازت دے دی۔

میں رضوان کا مقصد اچھی طرح سمجھتی تھی اور یہ نہیں چاہتی تھی کہ دو چاہنے والے، وقتِ رخصت خلوت میں ایک دوسرے سے نہ مل سکیں۔ رضوان کے جاتے ہی میرا ذہن پھر حالات کے پیچ و خم میں اُلجھ گیا۔ میں جس مقصد سے تبت آئی تھی، اُس کے حصول میں کچھ نامعلوم قوتیں حائل ہو رہی تھیں۔ قدم

رہے تھے اور خود مجھے بھی ختم کرنے کی کوشش جاری تھی۔ فی الحال ان نامعلوم قوتوں کا ایک مظہر چن ژی کی صورت میں سامنے آیا تھا جس نے اب تک ذہانت اور سفاکی کا ثبوت دیا تھا۔ اصل مقصد کے حصول سے پہلے اگر اس سے نمٹ لیا جائے تو کام آسان ہو جائے گا۔ میں نے سوچا' اور اس سے نمٹنے کی یہی صورت ممکن ہے کہ اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔ اس نکتے پر پہنچ کر میرے ذہن میں بڑے لامہ کی شخصیت اُبھری۔ سارہ کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق بڑے لامہ کے ذہن میں چن ژی کا نام محفوظ تھا۔ وہی ایک ایسا شخص تھا جس سے چن ژی کے بارے میں کوئی سراغ لگ سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ رضیہ اور موموکی روانگی کے بعد' میں رضوان کو ساتھ لے کر جکھوری جاؤں گی۔ جکھوری جا کر میں دہرا فائدہ حاصل کر سکتی تھی۔ میں اس بار اپنے ہمراہ' پنچن لامہ کے کسی خادم کو نہیں لے جانا چاہتی تھی۔

میں اس وقت تک اپنے انہی خیالوں میں کھوئی رہی جب تک رضوان اور رضیہ نہ آ گئے۔ اسی دوران میں مجھے اس خادم سے موموکی خیریت مل گئی تھی جسے میں نے گارڈ روم کی طرف بھیجا تھا۔ خادم نے آ کر بتایا کہ موموکی حالت اب نسبتاً بہتر ہے لیکن پنچن لامہ کے طبی مشیر کا کہنا ہے کہ وہ کسی وقت بھی خطرے کی حدود میں داخل ہو سکتی ہے۔

رضوان اور رضیہ دونوں ہی کچھ اُداس اُداس سے لگ رہے تھے۔ میں اس اُداسی کا سبب جانتی تھی لیکن میں رضوان کو رضیہ کے ساتھ اس لیے نہیں بھیج رہی تھی کہ رضیہ کہیں موموکی طرف سے غافل نہ ہو جائے۔

اُن دونوں کو آئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ بلاوا آ گیا۔ خادم کی اطلاع کے مطابق محل کے دروازے پر ایمبولینس آ چکی تھی اور فوجی گاڑیاں بھی جن میں مسلح فوجی سوار تھے۔ میں یہ اطلاع پا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پنچن لامہ نے واقعی خصوصی حفاظتی انتظامات کیے تھے۔

خادموں نے رضیہ کے کمرے سے اُس کا سوٹ کیس اور ڈوائر بیگ اُٹھا لیے اور ہمارے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

ہم محل کے دروازے پر پہنچے تو موموکو ایک اسٹریچر پر ڈال کر ایمبولینس کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ میں تیزی سے آگے بڑھی اور اسٹریچر کے قریب پہنچ گئی۔ میں نے اُس پھول سے کملائے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ مومو بیہوش تھی۔ پھر جب اسٹریچر اُٹھانے والے رُکے اور ایمبولینس کا پچھلا حصہ کھلا تو میں جذبات سے بے قابو ہو کر جھکی اور اپنے گرم ہونٹ موموکی ٹھنڈی پیشانی پر رکھ دیے۔ وہاں موجود افراد کے لیے یہ منظر یقیناً متاثر کن اور عجیب ہی رہا ہوگا۔ بھلا ایک چینی لڑکی سے ایک پاکستانی خاتون کا کیا رشتہ؟ مگر انھیں کیا خبر کہ دل کا رشتہ بڑا رشتہ ہے۔ رنگ' نسل اور قوم سے بھی بلند' ہر رشتے سے افضل!

اسٹریچر ایمبولینس کے پچھلے حصے میں رکھ دیا گیا' رضیہ بھی پنچن لامہ کے طبی مشیر کے ہمراہ ایمبولینس کے اگلے حصے میں بیٹھ گئی اور ایمبولینس کے اسٹارٹ ہوتے ہی فوجی گاڑیاں بھی حرکت میں آ گئیں مگر میں اُسی جگہ کھڑی رہی۔ رضیہ نے ایمبولینس سے ہاتھ نکال کر مجھے اور رضوان کو خدا حافظ کہا۔

رضوان کا ہاتھ ہلا اور میرے دل سے ...

جاؤ اے قرارِ جاں جاؤ! جاؤ اے سک...
گئیں۔ میں رضوان کے ہمراہ تھکے تھکے قدموں سے ...
میری اور رضوان کی حالت میں کچھ زیادہ فرق نہ...
کہاں رخصت ہو گئی تھی! ہم دونوں خاموش تھ...
الوداع کہہ کر اپنے کمروں میں چلے گئے۔

ذہنی تھکن جسم پر بھی اثرانداز ہوتی ہے...
تھا۔ بستر پر دراز ہوتے ہی میری آنکھ لگ گئی۔...

دوسرے دن صبح ہی سے میرے ذہن...
دوران میں' میں نے رضوان کو اپنے منصوبے...

"مگر یا نوا ان حالات میں جکھوری جانا م...
اعتراض کیا۔

"اور تم اسی لیے جکھوری جانا چاہتی ہ...
ہے۔" میں نے کہا "تم غالباً یہ سوچ رہے ہو...
سے فائدہ اُٹھا کر ہمارے لیے خطرہ بن جائے گ...
سُن کر اثبات میں سر ہلایا تو میں نے اپنی بات ...
رضوان! پوتالا مٹھ کی محفوظ چار دیواری میں ...
ڈالا جا سکتا اور نہ ہی اس طرح تبت آنے کا...

اُس کے بعد رضوان نے زیادہ بحث...
میں وزن تھا۔ کسے قائل ہونا ہی پڑا اور پھ...
ہی ہم پوتالا مٹھ سے نکل کر جکھوری کی طرف ...
مطابق میں نے کسی خادم کو ساتھ نہیں لیا تھا...

میں دانستہ خطرے سے کھیل رہی تھی کی...
مشغلہ ہے صرف رضوان کو ساتھ لے کر سفر...
کچھ اور نہیں تھا کہ چن ژی بے جھجک مجھ ...
کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ بڑے لامہ سے مل کر...
اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ چن ژی اپنے بل سے ...
میرے مفاد میں تھا۔

میں اور رضوان گھوڑوں پر سوار تیز رفتا...
رہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا' اس لیے کہ فضا میں...
رہے تھے اور ہوا بھی' جسم میں تیروں کی طرح ...
گھوڑے بھی تازہ دم تھے' اس لیے ہمیں سفر...
آ رہی تھی۔

تیز رفتاری کے سبب ہم دوپہر سے کچھ ...
داخل ہو گئے۔ خلافِ توقع راستے میں کوئی ...
سے خوش نہ ہوئی' کیونکہ میں تو خطرے ہی کی تلاش...
دم توڑ دیا تھا اور اب دوسری اُمید مجھے کھینچ...
لیے جا رہی تھی۔

... پہنچ گئے کہ اس کے معزز مہمانوں کی حیثیت رکھتے تھے اور
... خادم پہچاننے بھی لگے تھے' اس لیے میری خواہش پر مجھے
... لانے کی بجائے براہِ راست اُس کے کمرے میں پہنچا

... ساتھ لیے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو بڑے
... کے مخصوص لباس میں ایک چوکی پر بیٹھے دیکھا۔ اُس کی
... اور ہونٹ ہل رہے تھے۔ اُس کے سامنے گوتم بدھ کی
... رکھی تھی۔ ہمارے قدموں کی چاپ سُن کر بھی وہ اپنے
... دا۔

... ت سے فارغ ہو کر جلد ہی ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔
... اس کے کرو دیکھ رہا تھا۔ شاید اُس نے زندگی میں پہلی بار
... دیکھی تھی۔ ہم دونوں ابھی تک کھڑے ہوئے تھے۔
... بے ادبی کو معاف کرنا محترم لامہ!" میں نے اُسے متوجہ
... میں نے سُنا کہ آپ محوِ عبادت ہیں تو مجھے آپ کو عبادت
... کا اشتیاق پیدا ہوا اور میں یہاں تک چلی آئی۔"
... م لوگ کھڑے کیوں ہو!" اُس نے اپنی چوکی کے قریب
... ف ہاتھ سے اشارہ کیا اور میری معذرت کو نظرانداز

... ان سے اُس کا تعارف کرایا پھر مومو اور سارہ کے ساتھ
... سُنایا جس کا اُسے علم ہو چکا تھا۔
... اس کی فہرست میں ایک نام چن ژی کا بھی ہے۔" میں نے
... چہرے پر ظاہر ہونے والے ردِعمل کو دیکھنے لگی۔ اس کے
... چہرے سے الجھن کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایک لمحے رُک کر بولا
... نے یہ نام کہیں سُنا ہے؟"
اس نے بلاجھجک جواب دیا۔ "میں نے صرف اُس کا نام ہی
... دیکھا بھی ہے۔" پھر اُس نے بغیر رُکے تفصیل بتانا شروع
... تھا ایک شخص مجھ سے ملا تھا۔ اُس نے خود کو مسافر
... کا باشندہ بتایا تھا۔ اُس نے اپنا نام بھی کچھ اور ہی لیا تھا
... میں ٹھہرنے کا خواہش مند تھا۔ اُس کا حلیہ تبتیوں سے ملتا جلتا
... میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ وہ تبتی نہیں چینی
... الاصل جنھیں سُرخ چین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ
... مند تھا کیونکہ محترم پنچن لامہ نے مجھے تمھاری آمد
... آگاہ کر دیا تھا۔ اس لیے میں کسی اجنبی کو یہاں دیکھنا نہیں
... معذرت کر لی اسے میں اپنے ایک عزیز کے پاس بھیج دیا تھا۔"
... لامہ کی باتیں بڑی توجہ سے سُن رہی تھی اور دانستہ' درمیان
... سے گریز کر رہی تھی تاکہ وہ چن ژی کے بارے میں کسی
... جائے حالانکہ اس کی گفتگو سے میرے ذہن میں مختلف

"یہ بات بعد میں معلوم ہوئی کہ اُس کا نام چن ژی تھا۔ یہ مجھے اُس دن معلوم ہوا جس دن تم اور سارہ یہاں آئی تھیں۔ ہوا یہ کہ درسگاہ کے ایک خادم کو ایک جگہ اُس کی تصویر پڑی ملی۔ اُس تصویر کے پیچھے 'چن ژی' لکھا ہوا تھا۔ میرے لیے الجھن کا سبب یہ تھا کہ اس کی تصویر ایک ایسی جگہ پڑی ملی تھی جہاں اُس کا گزر نہیں ہوا تھا' یعنی مہمان خانے کے ایک کمرے سے۔ مہمان خانے میں تم لوگوں سے پہلے صرف منتی ٹھہرا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید منتی' اُس کا واقف کار رہا ہو اور اُسی کی جیب سے وہ تصویر گر گئی ہو۔ میں نے اپنے خیال کی تصدیق کے لیے وہ تصویر منتی کے پاس بھیجی مگر اُس نے چن ژی سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور کہا کہ چن ژی کی تصویر اُس کی جیب سے نہیں گری۔ پھر ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ تصویر پُراسرار طور پر میرے پاس سے غائب ہو گئی۔ اِس سلسلے میں مجھے منتی پر شبہ ہوا مگر اِس شبے کی تصدیق نہ ہو سکی۔ میں مزید پریشان ہو گیا اور میری پریشانی کا سبب وہی تصویر تھی۔ اُس تصویر میں کوئی اسرار ضرور تھا ورنہ اِس طرح غائب نہ کی جاتی۔ اِس مسئلے پر کافی غور و خوض کرنے کے بعد مجھے یاد آ سکا کہ وہ کیا اسرار تھا۔ مجھے یاد آیا کہ اُس تصویر کے پیچھے نام کے علاوہ کچھ ہندسے بھی لکھے ہوئے تھے۔ شاید وہ ہندسے کسی خاص اہمیت کے حامل رہے ہوں گے' اِسی لیے وہ تصویر غائب کر دی گئی ہے۔"

بڑا لامہ تفصیل بتا چکا تو میں نے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے چند سوالات کے جواب چاہے۔ میں نے کہا "محترم لامہ! گستاخی معاف' آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ میری آمد کے سبب آپ یہاں کسی اجنبی کو دیکھنا نہیں چاہتے تھے تو پھر منتی یہاں کیوں تھا؟"

"اِس لیے کہ وہ میری نظر میں اجنبی نہیں تھا۔ میں اُس کے باپ کو بھی عرصۂ دراز سے جانتا ہوں پھر یہ کہ سارہ تمھارے ساتھ یہاں آ رہی تھی اور منتی کا اُس سے ملنا ضروری تھا۔" بڑے لامہ نے برجستہ جواب دیا جس سے میں نے جانا کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔

"ابھی آپ نے تصویر کے سلسلے میں منتی پر شبہے کا اظہار کیا تھا' اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دل میں اُس کی طرف سے کوئی کھٹک موجود ہے۔" میں نے اُس کے چپ ہوتے ہی کہا۔

بڑا لامہ میری بات سُن کر مسکرایا اور بولا "تم اپنے والد کی طرح ذہین ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ منتی کی شخصیت کا کوئی پہلو ایسا ضرور ہے جسے میں ٹھیک طرح نہیں سمجھ سکا اور میں اس کی وضاحت کرنے سے بھی قاصر ہوں۔ ممکن ہے کہ تصویر اُسی نے غائب کی ہو اور وہ یہ نہ چاہتا ہو کہ چن ژی سے اُس کا کوئی تعلق ظاہر ہو۔ شاید اِسی لیے اُس نے تصویر سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہو۔"

کچھ دیر بڑے لامہ سے مزید گفت و شنید کے بعد میں نے اُس سے اجازت چاہی۔ میں یوں بھی جکھوری کی درسگاہ میں' قیام کی غرض سے نہیں آئی تھی۔ بڑے لامہ نے مجھے روکنے کے لیے اصرار کیا مگر جب میں نے

اسے وعدہ کر لیا تھا۔

بڑے لامہ سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ کئی نکتوں کو سلجھانے کا باعث ہوئیں لیکن منتی کی شخصیت اب بھی تاریکی ہی میں تھی، اس کے گرد اسرار کے جال اب بھی گہرے تھے۔ نہ یہی بات یقین سے کہی جا سکتی تھی کہ وہ تبت میں ابھرتی ہوئی بغاوت کی لہر کا ایک حصہ تھا، نہ ہی اس خیال کی مکمل تردید ہوئی تھی۔ اگر اس بات کا کوئی واضح ثبوت ہوتا کہ چن ژی کی تصویر اسی نے غائب کی تھی تو یقیناً اس کی شخصیت مشکوک ہو جاتی تھی۔

بڑے لامہ سے رخصت ہو کر رضوان اور میں گھوڑوں پر بیٹھے، پھر ہم درگاہ سے نکل گئے۔ رضوان کی حیثیت میرے ساتھ ایک تماشائی کی سی ہو گئی تھی، اس لیے اس کے چہرے سے پتا چل رہا تھا کہ وہ بور ہو رہا ہے۔

"یہ تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" میں نے اسے چھیڑا تاکہ اس کی خوش مزاجی واپس آ جائے۔

رضوان مجھے کوئی جواب دینے والا تھا کہ میں چونک پڑی۔ عقب سے ایک گھڑ سوار تیز رفتاری کے ساتھ ہمارے قریب آ رہا تھا۔ پھر وہ قریب آ کر ہمارے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں نے سوالیہ نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔ جواب میں اس نے مجھے میرا نام لے کر مخاطب کیا اور رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے تبتی زبان میں بتایا کہ وہ میرے والد کا شاگرد ہے۔ رضوان بھی میرے ساتھ ہی رکا تھا اور گھوڑا موڑ کر اس طرح میرے اور اجنبی کے درمیان میں سے آیا تھا جیسے اسے اجنبی کی طرف سے مجھ پر اچانک حملے کا خطرہ ہو۔

"اردکش[1]!" اجنبی نے رضوان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا پھر اس نے بتایا کہ میرے والد نے اسے جانوروں کی دیکھ بھال اور ان کے امراض کا علاج کرنا سکھایا تھا۔ اسے پہلے ہی چکپوری کی درسگاہ میں میرے آنے کا علم ہوا تھا مگر اس دن وہ چکپوری سے باہر گیا ہوا تھا اس لیے مجھ سے نہ مل سکا تھا۔ اب بھی وہ درسگاہ سے آ رہا تھا۔ میرے والد اس کے محسن تھے، اس لیے اس کی خواہش تھی کہ میں اسے مہمان نوازی کا شرف بخشوں۔ اس نے اپنا نام جردکا بتایا تھا۔

میں نے جردکا کو غور سے دیکھا۔ وہ عام تبتی باشندوں کے لباس میں تھا لیکن ان تبتیوں میں سے جن کے قد پستہ ہوتے ہیں اور رنگ چینیوں کی طرح زرد ہوتا ہے۔ میرے ذہن میں خطرے کا الارم بجا۔ پستہ قد اور چینیوں جیسا! اس حلیے کا شخص پہلے بھی دو بار سامنے آ چکا تھا۔ پہلی بار مومو پر حملے کے سلسلے میں اور دوسری بار بڑے لامہ سے گفتگو کے دوران میں! یہ سوچ کر اجنبی میں میری دلچسپی بڑھ گئی۔

"اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے اردو میں رضوان

"مجھے تو یہ شخص مشکوک نظر آتا ہے۔" رضوان

"اسی لیے میں اس کی دعوت قبول کر لینا چا...

جردکا سے بولی "میرا ساتھی بھی تمہاری دعوت قبول کر... چلتے ہی پی کر رخصت ہو جائیں گے کیونکہ ہمیں را... پہنچنا ہے۔"

"میری خواہش تو یہ تھی کہ آپ کچھ دن مجھے مہ... بانو! مگر میرے لیے یہ بھی بڑی عزت کی بات ہے کہ آ... نوش فرمالیں۔" جردکا بولا۔

پھر ہم جردکا کے ہمراہ چل دیے۔ اس کا گھر... وہاں تک پہنچنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے... باشندوں کی طرح تھا۔ ایک طرف یاک بندھا ہوا تھا... کونے میں گھاس کا بڑا سا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ جردکا نے... اور خود ایک کونے میں جا کر ہمارے لیے چائے بنانے... جردکا کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے... تبتی چائے کیسے بناتے ہیں!

میں ان دونوں کو مکان میں چھوڑ کر باہر نکل... اور ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔ مجھے دو افراد قریب آ... حل ہو گیا۔ میں نے ان سے جردکا کا پتہ دریافت کیا... اسی مکان کی طرف اشارہ کیا جس سے میں کچھ دیر قبل ا...

"کیا جردکا یاک کی بیماریوں کا معقول علاج...

"بہت اچھی طرح!" جواب ملا۔

"تو جے چھے[1]!" میں ان سے تبتی زبان میں کہا...

میں مطمئن ہو کر جردکا کے گھر کی طرف بڑھ گئی... جب میں اندر پہنچی تو دیکھا جردکا میرا منتظر تھا...

"محترم بانو! آپ کہاں چلی گئی تھیں؟" جملہ... فہمائش کا نہیں، شکایت کا سا تھا۔

"گرد و نواح کا جائزہ لینے گئی تھی تاکہ دوبارہ... گھر تک آسانی سے پہنچ سکوں۔" میں نے مسکرا کر...

"میں آپ کو ایک یادگار چیز دکھاؤں۔"... چوکنا ہو گئی کیونکہ وہ دیوار کے قریب رکھے... کے لیے جھکا تھا اور اس کی پشت میری جانب تھی... کھڑا ہو کر میری طرف مڑا تو میں نے ایک ڈبل سا... ایک فریم تھا اور اس فریم میں کوئی تصویر تھی۔

جردکا نے مجھے فریم میں لگی تصویر دکھائی تو... دھڑک اٹھا۔ وہ میرے والد کی تصویر تھی۔ تصویر... ا

له دوست

له شکریہ

پر کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑے تھے مگر اس مبنی کا حلیہ جردکا...

"یہ کون ہے؟" میں نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے...

...ساتھی ہے۔ یہ بھی میری طرح آپ کے عظیم المرتبت... وہ ادھر ہی میں رہتا ہے۔ آپ چائے نوش فرمالیں تو... ...لا کر... وہ بھی آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوگا۔" یہ کہہ کر... تے اٹھنے لگا۔

...جردکا کے ہاتھ سے چائے کا پیالہ لے لیا اور رضوان مجھے... ...میں سمجھ گئی کہ رضوان، جردکا کی طرف سے مطمئن نہیں۔ ...اردو میں مخاطب کیا "میں نے اطمینان کر لیا ہے کہ اس ...نہیں جو کچھ بتایا ہے، وہ درست ہے۔"

...اور جب میں نے رضوان کے چہرے پر بے اطمینانی ...وہی پرانی ترکیب آزماؤں جو پہلے بھی ایک بار کامیاب...

...ابھی اپنا چائے کا پیالہ نہیں اٹھایا تھا۔ میں نے اس کا پیالہ اٹھا... ...وہ پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا جو اس نے مجھے دیا تھا۔ میں ...کہتے ہوئے بولی "ہمارے یہاں رسم ہے کہ دوستوں سے پیالہ بدل...

...بڑی عقیدت سے پیالہ اٹھایا اور خاموشی کے ساتھ منہ...

...ہی برتن سے نکالی گئی ہے، اس لیے اب شک کی ...میں نے رضوان سے کہا۔ یہ جملہ بھی میں نے اردو میں ...کچھ نہ سمجھ پاتے۔

...ہی شکی مزاج تھا۔ اس نے اپنا پیالہ میری طرف ...میرا پیالہ تھام لیا۔ میں نے مسکرا کر پیالے بدل لیے۔ ...ان، میری بلا اپنے سر لے رہا تھا۔ یہ مجھ سے اس کی ...اظہار تھا۔

...نے اپنے پیالے خالی کر دیے اور اسی وقت جردکا کو کھانسی ...وہ کھانسنے کے بعد تیز تیز سانسیں لینے لگا۔ اس نے ...اپنے لباس میں کچھ تلاش کیا، پھر ایک بھدی سی شیشی ...کھولا۔ شیشی میں قوام جیسی کوئی تیز بدبودار چیز بھری ...شیشی میں انگلی ڈال کر اس کی کچھ مقدار نکالی اور پھر اسے ...لیا۔ کچھ دیر اس نے لمبے لمبے سانس لیے پھر اس کی حالت

..."میں سانس کے عارضے میں مبتلا ہوں۔ آپ کو ...کھانسنے سے ذہنی کوفت ہوئی ہوگی؟" یہ کہتے ہوئے اس نے

...جیبی کا ڈھکنا بند کیا اور اسے چغے کی جیب میں رکھ دیا... وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا "جس کی تصویر آپ نے دیکھی تھی، میں اسے بلا کر لاتا ہوں۔"

میں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا مگر وہ یہ کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا کہ بس وہ ابھی آیا۔ میں نے رضوان سے کہا کہ ہم پانچ منٹ سے زیادہ جردکا کا انتظار نہیں کریں گے کیونکہ وہ اکتاہٹ کا شکار نظر آ رہا تھا۔

پانچ منٹ گزر گئے مگر جردکا نہ آیا۔ رضوان بور ہو کر اٹھا اور ٹہلنے لگا۔ وہ ٹہلتا ہوا یاک کے پاس جا کھڑا ہوا تھا۔

میں خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور رضوان کو مخاطب کر کے بولی۔

"آؤ اب چلتے ہیں! جردکا تو پتہ نہیں کب لوٹے گا!"

"غالباً کبھی نہیں!" رضوان کی آواز میں لرزش سی تھی۔

رضوان یاک کے قریب کونے میں پڑے ہوئے گھاس کے ڈھیر کو تک رہا تھا۔ میں نے بھی قریب جا کر گھاس کے ڈھیر کو غور سے دیکھا اور سناٹے میں رہ گئی۔ سوکھی ہوئی گھاس کے نیچے سے کسی شخص کے پاؤں کی ایڑی نظر آ رہی تھی۔ میں تیزی سے آگے بڑھ کر جھکی اور گھاس کو ادھر ادھر ہٹا دیا۔ گھاس کے ڈھیر سے ایک انسانی جسم برآمد ہوا۔ وہ شخص بیہوش تھا اور چہرے کے نقوش سے تبتی لگتا تھا۔ اس کا چہرہ اس شخص کی تصویر سے ملتا جلتا تھا جو جردکا نے مجھے دکھائی تھی۔

مجھے حقیقت تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ یہ گھر یقیناً بیہوش شخص ہی کا تھا اور اسی کا نام جردکا تھا۔ وہ کوئی اور ہی تھا جس نے خود کو جردکا ظاہر کیا تھا، کوئی اور یعنی چن ژی! لیکن اگر وہ چن ژی ہی تھا تو اس حرکت کا مقصد کیا تھا؟ معاً میرے ذہن میں ایک بھیانک خیال آیا۔

"رضوان! ذرا اپنا رومال دینا!" میں نے کچھ سوچ کر چائے کے برتنوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

کیتلی کے پیندے میں تھوڑی سی چائے باقی تھی۔ میں نے رومال کا کچھ حصہ اس میں بھگو لیا۔

"آپ کیا کر رہی ہیں بانو؟" رضوان حیرت سے بولا۔

"میں اپنے ایک خیال کی تائید یا تردید چاہتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں سیدھی کھڑی ہو گئی اور اس سے بولی "ہمیں اب ایک بار پھر درگاہ چلنا ہے۔"

"کیوں؟" رضوان نے سوال کیا۔

"یہ تمہیں وہیں چل کر معلوم ہوگا۔ میں پہلے سے کچھ نہیں کہنا چاہتی کیونکہ ممکن ہے میرا خیال غلط ہو۔" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ ان امکانات پر غور کر رہی ہیں کہ چائے میں اس نے کسی قسم کا زہر ملا دیا ہوگا تو یہ سوچنا غلط ہے، کیونکہ اس نے بھی ہمارے ساتھ چائے پی تھی اور پیالے بھی بدل لیے گئے تھے۔" رضوان میرے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

کیا وہ زہر کا تریاق نہیں ہو سکتا؟" میں نے اُس کی طرف مُڑ کر سنجیدگی سے کہا اور میری بات سُن کر رضوان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"تو... تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ... کہ ہم کچھ دیر کے مہمان ہیں... کچھ دیر کے؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا! ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو اور ایسا ہو بھی سکتا ہے۔" میں نے گھر سے نکل کر گھوڑے کی پُشت پر بیٹھتے ہوتے کہا۔ "بعض زہر ایسے بھی ہوتے ہیں جو دیر سے اثر کرتے ہیں، اور یہ بھی نہ بھولو کہ اُن کا توڑ بھی ہوتا ہے۔"

رضوان بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ مسئلہ زندگی اور موت کا تھا۔ ہمارا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا، اِس لیے درسگاہ تک پہنچنے میں ہم نے بہت کم وقت لگایا۔

بڑے لامہ نے مجھے دیکھتے ہی خطرے کی بُو سونگھ لی کیونکہ میری واپسی خلافِ توقع تھی۔ میں نے مختصراً اُسے اپنی روداد سُنا دی۔ وہ دُکھ بھرے لہجے میں بولا۔ "مجھے یہی ڈر تھا میری بیٹی!"

"میں اِس رومال کو چائے میں بھگو لائی ہوں۔" میں نے رومال بڑے لامہ کو دے دیا۔

وہ ایک دَم اُٹھ کھڑا ہُوا اور بولا۔ "میرے ساتھ آؤ!"

بڑا لامہ ہمیں درسگاہ ہی کی ایک کوٹھری میں لے گیا۔ اُس کوٹھری میں موجود ایک لکڑی کی الماری کھول کر اُس نے کوئی ڈبّہ نکالا۔ ڈبہ لے کر وہ ہمارے قریب آ بیٹھا۔ اُس نے ڈبّہ کھولا جس میں لکڑی کی نقشین ڈبیاں رکھی تھیں۔ ڈبیوں کو اُس نے اپنے سامنے چُن لیا، پھر اُن ڈبیوں کو بھی کھول کر اُس نے، اُن میں رکھی کاغذ کی پُڑیاں نکالیں۔ ہر پُڑیا میں باریک پسا ہُوا سفوف تھا جس میں سے اُس نے کچھ سفوف ڈبے کے کُھلے ڈھکنے پر الگ الگ ڈال دیے۔

اُس کے بعد بڑے لامہ نے چائے میں بھیگے ہوئے رومال کا ایک حصّہ سفوف کی پہلی ڈھیری سے مَس کیا پھر اُسے انگلی سے آہستہ آہستہ رگڑا۔ یہی عمل اُس نے سفوف کی دُوسری ڈھیری کے ساتھ کیا پھر تیسری ڈھیری کو آزمایا۔

کچھ دیر بعد ہی سفوف کی آخری ڈھیری سے رومال کا ایک نیا حصّہ مَس ہُوا اور اس بار بڑے لامہ کو رومال پر انگلی پھیرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ رومال کا وہ حصّہ جہاں سفوف لگا تھا، تیزی سے سیاہ پڑتا جا رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ رومال سے سفید سفید دُھواں سا اُٹھنے لگا۔ بڑے لامہ نے رومال ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اُس پُڑیا کو اُٹھا لیا، جس میں سے سفوف کی آخری ڈھیری بنائی تھی۔ اُس پُڑیا کا کاغذ پرانا بوسیدہ تھا اور بوسیدہ کاغذ پر لکھے ہوئے حروف اُڑے سے گئے تھے۔ بڑے لامہ نے کوٹھری میں روشن، لیمپ کے پاس جا کر وہ تحریر پڑھی، پھر ڈبے میں سے ایک کاغذ نکال لیا۔ جیسے جیسے وہ کاغذ پڑھتا گیا، اُس کے چہرے کا رنگ اُڑتا گیا۔

پوری تحریر پڑھ کر اُس نے ایک گہرا سانس ... آواز میں بولا۔ "بیٹی! تم بُری طرح پھنس چکی ہو ... کی آمیزش ہے، اور یہ زہر ایسا ہے جس کا تریاق ... نہیں ہو سکتا۔ میرا یہ ڈبّہ تبّت میں پائے جانے والے ... تریاق سے بھرا ہُوا ہے مگر جو زہر تمھیں دیا گیا ہے ... پاس بھی نہیں۔"

"کیا اِس سلسلے میں محترم چن لامہ کوئی ... نہیں ..." ... نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں! اُن کا ذخیرہ میرے ذخیرے ... تھا کہ تمھارے دشمن نے زہر آلود چائے پی کر کچھ ... اِس زہر کا تریاق ہو گا۔ تمھارا علاج صرف تمھارے ... ہے۔ تمھیں کسی نہ کسی طرح سے وہ تریاق حاصل ... اِس کے لیے تمھارے پاس بہت تھوڑا وقت رہ ... ادا کرتے ہوتے بڑے لامہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

"کتنا وقت رہ گیا ہے؟" یہ سوال کرتے ہ...

"زہر کا اثر دو تین گھنٹے میں ظاہر ہونے ... کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ تمھیں کس طرح کی تکلیف ... دیر رہے گی! اندازاً تین چار گھنٹے مزید لگ... نے گویا میری موت کا وقت مقرّر کیا۔

"گویا ہمارے پاس کُل چار یا پانچ گھنٹے باقی ..." قدرے مایوسی کے ساتھ کہا۔

چن ژی کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں ... تھی! نہ ہی اس سلسلے میں کوئی اندازہ لگایا جا سکتا ... رہائش گاہ کا عِلم بھی ہو جاتا پھر بھی یہ ضروری ... کم وقت میں وہاں تک پہنچا جا سکتا۔ یہ سوچ رہی ... وقت بڑے لامہ کی آواز سُنائی دی۔

"وقت میں، تھوڑا سا اضافہ ممکن ہے۔" ... دوبارہ ڈبے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اُس نے ایک ... نکالیں، کچھ دیر اُنھیں غور سے دیکھا پھر ایک پُڑیا ... میں موجود سفوف کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا ... کر دیں اور کہا۔ "تم دونوں ایک ایک پُڑیا کا سفوف ... پی لو! یہ زہر کا تریاق تو نہیں مگر ... پینے سے ... سے ظاہر ہوں گے مجھے یقین ہے کہ تمھیں اپنی ... دُگنا وقت مِل جائے گا!"

زیادہ سے زیادہ دَس گھنٹے! موت ا...

... نے سوچا۔ گویا زندگی کے لیے آخری جدوجہد

... بیٹھے ہوتے بیٹھا تھا اور میں اس کے چہرے ... کی کیفیت کا اندازہ لگانے سے قاصر تھی۔

... انسان کی زندگی میں کبھی نہ کبھی کوئی کمزور لمحہ ... میرے اور رضوان کے ساتھ بھی کچھ یہی ہوا ... سامنے دیکھ کر گھبرا جانا نہ صبیحہ بانو نے سیکھا ... بانو تو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال ... رضوان تو زندگی کی شوخ و شنگ حقیقتوں کی ... لوں کو کیا ہو گیا تھا؟ یقیناً یہ سب اُسی ... اب وہ کمزور لمحہ گزر چکا تھا۔

... مُسکراہٹ عَود کر آئی تھی اور میں نے جیسے ... ل ہوئی دیوار گرتے گرتے ایک دَم سنبھل ... شروع کر دیا۔ میں نے مُسکراتے ہوئے ... رضوان کی آنکھوں میں حیرت کے سائے ... کے ہونٹوں پر بھی مُسکراہٹ پھیل گئی۔ ... زندگی سے بھرپور مسکراہٹ دیکھ کر انتہائی ... سوچا کہ رضوان بھی اب اُس کمزور لمحے کی ...

... بڑے لامہ کا دیا ہوا سفوف پانی میں گھول ... تھا کہ موت سے بچنے اور زندگی ... لیے ہمارے پاس پورے دَس گھنٹے ... کے ساتھ گزر رہے ہوتے اور موجودہ ... میں بڑے لامہ کی طرف متوجہ ہو گئی جو ... رہا تھا۔

... کی آپ سے ملا تھا اور اُس نے درسگاہ ... تو یقیناً آپ کے اور اُس کے درمیان ... ذرا یاد کیجیے، کیا اُس دوران میں کوئی ... سے اندازہ لگایا جا سکتا کہ وہ مستقل طور پر ... بڑے لامہ سے سوال کیا۔

... بڑے لامہ نے جواب دیا اور اُس کی ... یاد کر رہا تھا۔ وہ چند لمحے خاموش ... میل دُور ایک بہت چھوٹی سی ... کہ اُس بستی کا ذکر آیا تھا۔" بڑا لامہ یہ ... کر وہ دوبارہ بولا۔ "یقیناً اُس بستی کا ذکر اِسی سلسلے میں آیا تھا۔ اِس کے علاوہ ایک اور دلچسپ بات یہ کہ جب منتی یہاں سے رخصت ہوا تھا تو اُس نے بھی وہاں جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ اُس کا کوئی دوست وہاں رہتا ہے۔"

"پھر تو مجھے یقین ہے کہ چن ژی وہیں ملے گا۔" میں نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"اور اتنی چھوٹی جگہ میں ہمیں چن ژی کو تلاش کرنا بھی زیادہ دشوار نہیں ہو گا۔" رضوان نے بھی تائید کی۔ اُس کی آواز میں اب سکون اور ٹھہراؤ تھا۔

"محترم لامہ! کیا آپ ہمیں اُس بستی تک جانے والے راستے کی تفصیلات سے آگاہ کر سکتے ہیں؟" میں نے بڑے لامہ سے کہا۔

بڑے لامہ نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ "تمھیں تھوڑی دُور تک چام ڈیو جانے والی شاہراہ پر سفر کرنا ہو گا۔ اُس کے بعد پہاڑی علاقہ شروع ہو جائے گا۔ پہاڑی علاقہ شروع ہوتے ہی تمھیں شاہراہ کو چھوڑ کر دائیں جانب نشیب میں اُترنا ہو گا۔ کچھ دُور چل کر تمھیں چند ٹیلے نظر آئیں گے۔ اُن ٹیلوں کے عقب میں پہنچ کر تمھیں ایک پگڈنڈی نظر آئے گی۔ تمھیں اُس پگڈنڈی پر اُس وقت تک سفر جاری رکھنا ہے جب تک کسی آبادی تک نہ پہنچ جاؤ۔ اِس طرح تم اُس بستی تک پہنچ جاؤ گے جس کا ذکر چن ژی نے کیا تھا۔ یہ چھوٹی سی پہاڑی بستی صرف چند گھروں پر مشتمل ہے۔ ویسے میں تمھارے ساتھ اپنے ایک خادم کو بھی بھیج دوں گا جو گرد و نواح سے بخوبی واقف ہے۔" بڑا لامہ اُس بستی کے متعلق تمام تفصیلات بتا کر خاموش ہو گیا۔

ہم نے درسگاہ سے روانہ ہونے میں عجلت سے کام لیا کیونکہ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ بڑے لامہ نے ہمیں اپنے خادم کے ہمراہ روانہ کرتے ہوئے دُعا دی، اور پھر چکپوری کی درسگاہ سے تین گھوڑسوار تیزی سے اپنے گھوڑے دوڑاتے نکلے۔ اُن میں سے ایک گھوڑے پر میں سوار تھی، دوسرے پر رضوان اور تیسرے گھوڑے پر درسگاہ کا ایک خادم جسے ہماری رہنمائی کرنی تھی۔

ابھی ہم نے کچھ فاصلہ ہی طے کیا ہو گا کہ درسگاہ کے خادم نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور ہمیں بھی رُکنے کا اشارہ کیا۔ رضوان نے اور میں نے اپنے گھوڑے روک لیے۔

"کیوں کیا بات ہے؟" مجھ سے پہلے رضوان نے خادم سے بلند آواز میں سوال کیا اور یہ بھول گیا کہ خادم صرف تبّتی زبان ہی جانتا ہے۔ میں نے اُس کا سوال دُہرا دیا۔

"فضا میں طوفان آنے کے آثار ہیں، برف کا طوفان!" خادم نے ادب سے جواب دیا۔ "اگر ہم طوفان میں گِھر گئے تو بڑی مشکل

"نہیں!" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ہمارا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ ہم کسی صورت نہیں رُک سکتے۔ اگر تم طوفان سے خوفزدہ ہو تو لوٹ جاؤ۔ ہمیں راستے کی تمام تفصیلات کا علم ہے، ہم اُس بستی تک خود پہنچ جائیں گے۔"

"مجھے اپنا نہیں آپ کا خیال تھا۔" خادم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کا حکم ہے کہ سفر جاری رکھا جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" خادم نے یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ میں اور رضوان دوبارہ اُس کے پیچھے چل دیے۔

پتا نہیں یہ میرا وہم تھا یا حقیقت کہ مجھے معاً اپنے جسم میں شدید گرمی کا احساس ہوا اور ہاتھوں میں خارش سی محسوس ہوئی۔

شام کا دھندلکا رات کی سیاہی میں تبدیل ہو رہا تھا اور دن کی روشنی تیزی سے معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے گھوڑے کی باگیں اپنے دانتوں کے درمیان دبا کر دستانے اُتار دیے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو تیزی سے کھجانے لگی۔ میں نے اپنے ہاتھوں کی جلد کو غور سے دیکھا تو چونک اُٹھی۔ ہاتھوں کی جلد پر چھوٹے چھوٹے دانے اُبھر آئے تھے جو دھندلکے کے باوجود نظر آ رہے تھے۔ میں نے دوبارہ دستانے پہن کر گھوڑے کی باگیں تھام لیں۔ رضوان کا گھوڑا میرے برابر دوڑ رہا تھا۔ میں نے باگیں تھام کر اُس کی طرف دیکھا تو پتا چلا کہ وہ میری ہی جانب متوجہ تھا۔

"رضوان!" میں نے اُسے مخاطب کیا۔ "میں شدید گرمی محسوس کر رہی ہوں۔ کیا تمہاری بھی یہی کیفیت ہے؟"

"مجھے بھی گرمی کا احساس ہو رہا ہے۔" رضوان نے تائید کی۔

"شاید زہر نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا ہے۔" میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"ممکن ہے کہ یہ اُس سفوف کا اثر ہو جو بڑے لامہ نے ہمیں پلایا تھا۔" رضوان بولا۔

"کچھ بھی ہو رضوان مگر یوں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہنے میں کتنا مزا ہے؟" یہ کہہ کر میں نے موت کے خوف کو ایک قہقہے میں اُڑا دیا اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ رضوان نے بھی میرا ساتھ دیا۔

ہمارا سفر جاری تھا لیکن اب موسم کے تیور بدلنے لگے تھے۔ طوفان کے آثار واضح طور پر ظاہر ہو رہے تھے۔ ہوا میں پہلے کی نسبت تیزی آ گئی تھی۔ فضا، برف کے چھوٹے چھوٹے ذرات سے بھر سی گئی تھی اور ایک لامحدود سفیدی نے ہمیں چاروں سمتوں سے گھیر لیا تھا۔ ہمارے گھوڑے بھی اب بدکنے لگے تھے۔ ہمیں مجبوراً گھوڑوں سے اُتر کر اُن کی باگیں تھامنا پڑیں، لیکن اِس کے باوجود ہمارے آگے

بڑھتے ہوئے قدم نہ رُکے کیونکہ یہ قدم ... اُٹھ رہے تھے۔

بالآخر ہم اُس مقام تک پہنچ ہی گئے ... چھوڑ کر دائیں جانب نشیب میں اُترنا تھا ... ہر شئے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ ... تک دیکھنا بھی ناممکن تھا، مگر راستے کا ... ہی کرنا تھا۔

"اب صرف اندازے ہی سے ..." صورتِ حال کا اندازہ لگا کر بولا۔

"ہر چند کہ یہ اندازہ غلط بھی ہو ... اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔" میں نے ... ہوئے نشیب میں اُتر کر کہا۔ رضوان ... بھی میری تقلید کی۔

"اگر ہم کچھ دیر یہیں رُک جائیں تو ..." خادم میرے قریب چلتے ہوئے بولا۔

"نہیں!" میرا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ "... نہیں آتا۔"

طوفانی ہواؤں کے تھپیڑے ... تھے اور گھوڑوں کو سنبھالنا مشکل ... ہو گئے تھے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں ... چل رہے تھے مگر واضح طور پر ایک ... تھے۔ رضوان میری دائیں جانب تھا ... دونوں کے درمیان چل رہی تھی۔

معاً مجھے خادم کی آواز سنائی دی ... میں احتیاطی تدابیر لا رہی ہیں۔"

میں ابھی وضاحت طلب نگاہ ... طرف بڑھا ہوا نظر آیا۔ خادم کے ہاتھ میں ... رہا تھا۔ میں اُس کا مطلب سمجھ گئی ... اُسے رضوان کی طرف بڑھا دیا۔ رضوان ... نے بھی اُس کا ایک سرا مضبوطی سے ... تھی کہ طوفان میں کچھ نظر نہ آنے کے ... بچھڑ سکیں۔

لمحہ بہ لمحہ طوفان کی شدت میں ... لیے ہماری آگے بڑھنے کی رفتار ... کی بجائے رینگ رہے تھے۔ ہم ... ڈیڑھ دو میل کا سفر باقی تھا، مگر اُس ... یخ بستہ ہواؤں نے جکڑ لیا ...

... رہے کیونکہ اب ہمیں وقت کا کوئی احساس ... تمام تر توجہ طوفان سے نبرد آزما ہونے کی طرف ... مرکوز ہو گئی تھی، لیکن اُسے دیکھنا ... دونوں ہی ہاتھ گھیرے ہوئے تھے۔ ایک ... کی باگیں پکڑ رکھی تھیں اور دوسرے ہاتھ ... خادم سے رابطے کا ذریعہ تھی۔ یوں بھی ... دیکھنے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ اِس طرح ... سکتا تھا۔ مجھ پر تو صرف ایک دُھن سوار تھی ... قدم نہ رُکیں کیونکہ رُکنے کا مطلب یقینی موت ... فتح پائی تھی۔

... افتاد پڑی۔ ہمارے گھوڑے رُک گئے ... ہنہنانے لگے۔ میں نے پوری طاقت سے ... ہلانا چاہا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ رضوان ... انکاری تھے۔

"... اِن کو کیا ہوا؟" میں نے بلند آواز اور تشویش آمیز ... کہا۔

... کا جواب نہ دے پایا تھا کہ فضا میں ایک ... گی۔ یہ دھمک مجھے اپنے قدموں کے ... محسوس ہو رہی تھی۔ دھمک کے ساتھ ہی ... محسوس کیا جیسے زمین ہل رہی ہو۔ ... محسوس کر رہی ہیں؟" رضوان نے پوچھا۔

"... شاید زلزلہ آنے والا ہے۔ جانوروں ... انسانوں سے پہلے ہو جاتا ہے۔ شاید ... رُک گئے۔"

"..." رضوان کا فقرہ ادھورا رہ گیا، ... آواز میں قہقہے لگانا شروع کر دیے۔ ... کی آواز سنائی دی۔

"... نے بتایا تھا، جب کوئی بلا نازل ہوتی ... لگاتے ہیں۔" میں نے رضوان کو ... ظاہر کرتے ہیں کہ وہ گھبرانے والے نہیں ... گرفتار کر کے اُن کا امتحان نہ لے۔"

... اضطراب میں اضافہ ہو چکا تھا۔ اب ایک ... تھا جہاں دھمک کا مرکز ہو سکتا تھا ... حرکت کر رہا تھا۔

... شباب پر پہنچ گئی تھی۔ اب وہ ... رسیاں تڑانے کی کوشش کر رہے تھے ... ورنہ یہ ہمیں بھی گھسیٹ لے

جا رہے تھے۔ خادم نے ہمیں ہدایت کی اور اُن کے ساتھ اپنے گھوڑے کی رسّی چھوڑ دی۔

"مگر کیوں، یہ ایک دم اِتنے کیوں بھڑک گئے؟" میں نے خادم سے سوال کیا اور اپنے گھوڑے کو آزاد کر دیا۔ رضوان نے بھی میری تقلید کی۔

خادم نے میرے سوال کا جو جواب دیا، وہ حیرت انگیز تھا۔ رضوان کیونکہ تبتی زبان سے ناآشنا تھا اِس لیے کچھ نہ سمجھ سکا۔

"بانو! مجھے بھی بتائیں کہ اِس نے کیا کہا ہے!" رضوان کے لہجے میں تجسس تھا۔

"خادم آنکھیں بند کر کے زمین پر اوندھا لیٹ جانے کا مشورہ دے رہا ہے۔" میں نے رضوان کو بتایا۔ "وہ کہہ رہا ہے کہ اِس راستے سے تبت کی پُراسرار مخلوق گزرنے والی ہے۔"

"کیسی مخلوق؟" رضوان نے وضاحت چاہی۔

"اِس مخلوق کے بارے میں کوئی بھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں بولی۔ "میں نے بھی اِس مخلوق کے بارے میں صرف کچھ روایات ہی سُنی ہیں۔ اِن روایات سے صرف یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ مخلوق پہاڑی علاقوں میں کبھی کبھی نمودار ہوتی ہے۔ اِس مخلوق کو دیکھنے والا کوئی انسان زندہ نہیں بچتا، اُس کی گردن ٹوٹی ہوئی ملتی ہے اور اُس کی لاش کے پاس بڑے بڑے پیروں کے نشان نظر آتے ہیں۔ وہ پیروں کے انتہائی بڑے نشان، انسانوں کے پیروں سے مشابہ ہوتے ہیں۔"

معاً دھمک کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں جیسے کوئی بہت بڑا جانور آہستہ آہستہ حرکت کر رہا ہو۔ میں نے آوازوں کی سمت دیکھنا چاہا مگر برف کے ذرات دیوار بن گئے۔

اچانک رضوان نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک طرف گھسیٹنے لگا تو میں جھنجھلا گئی۔ "کیا کر رہے ہو یہ؟" میں نے چیخ کر کہا۔ "دیکھنے تو دو اُس بلا کو!"

"مجھے بلاؤں کو دیکھنے کا اِتنا شوق نہیں۔ مجھے تو آپ کی اور اپنی گردن بچانے کی فکر ہے۔" رضوان نے جواب دیا۔

چند قدم دُور برف کے سفید دھندلکے میں اچانک کچھ زیادہ دبازت آ گئی تھی۔ اب کسی کے سانس لینے کی بھاری آواز بھی سُنی جا سکتی تھی۔ میں نے رضوان کا ساتھ دینا ہی مناسب سمجھا۔

ہم دونوں ایک دُوسرے کے ہاتھ تھامے مخالف سمت میں بھاگنے لگے۔ وہ رسّی ہم نے بھاگنے سے پہلے ہی چھوڑ دی تھی جس کا ایک سرا خادم کے ہاتھ میں تھا۔ مجھے اپنی اور رضوان کی فکر تھی۔ خادم کے بارے میں کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہ مل سکی تھی۔

ہم ابھی کچھ دُور ہی ہوں گے کہ ایک تیز انسانی چیخ سُنائی دی،

اور اُن کے ساتھ ہی سے ہڈیاں چٹخنے کی آواز سنی۔ یہی تھے قدم اُٹھی
اور غیر ارادی طور پر میرے قدم رُک گئے۔ رضوان کو بھی میرے ساتھ ہی رُکنا پڑا مگر دُوسرے ہی لمحے وہ پھر مجھے گھسیٹنے لگا۔

"وہ چیخ یقیناً خادم ہی کی تھی۔ اُسے ہماری مدد کی ضرورت تھی۔" میں نے رضوان کے ساتھ دوبارہ دوڑتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"وہ اب ہر قسم کی مدد سے بے نیاز ہو چکا ہے۔" رضوان نے بھی چیخ کر کہا۔ "اگر ہم رُکے تو ہمارا بھی یہی حشر ہو سکتا ہے۔" دھمک کی آواز کچھ دیر رُک کر پھر سُنائی دینے لگی تھی۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ اس مرتبہ اس پُراسرار مخلوق کا رُخ ہم سے مخالف سمت میں تھا۔

رضوان اب بھی میرا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے دوڑے جا رہا تھا۔ میں نے اُس کے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ "اب بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ وہ بَلا ہماری طرف نہیں آ رہی۔ تم ٹارچ نکالو!"

غالباً رضوان بھی اب محسوس کر چکا تھا کہ یتی کی وہ پُراسرار مخلوق مخالف سمت میں تھی۔ وہ پُراسرار روایتی مخلوق جسے برفانی آدمی یا اسنومین کا نام بھی دیا گیا ہے، اب ہر لمحے ہم سے دُور ہوتی جا رہی تھی۔ شاید یہی محسوس کر کے رضوان نے ٹارچ روشن کر دی۔ ٹارچ چھوٹی سی تھی، اِس لیے اُس کی روشنی بھی کم تھی۔ ہم نے کم روشنی کے باوجود درسگاہ کے خادم کی تلاش شروع کر دی۔ کچھ دُور چل کر ہی وہ ہمیں نظر آ گیا۔ رضوان نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ اب وہ خادم ہر ضرورت سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ اُس کی گردن ٹوٹی ہوئی تھی اور شاید اُس کی موت بھی گردن کی ہڈی ٹوٹنے ہی سے واقع ہوئی تھی۔

"کیا اِس نے پُراسرار مخلوق کو دیکھا ہو گا؟" رضوان نے دبی زبان سے پوچھا۔

"شاید!" میں نے جواب دیا۔ مجھے خادم کی موت کا افسوس تھا۔ نہ وہ ہمارے ساتھ آتا نہ مارا جاتا۔ میں نے دھیمے لہجے میں رضوان سے کہا۔ "اِسے دفن کرنا ہو گا۔"

رضوان نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ شاید اُسے میرے جذبات کا اندازہ ہو گیا تھا۔

زمین کھودنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ ہم نے برف ہٹا کر گڑھا سا بنایا پھر اُس میں خادم کو لِٹا کر برف کو برابر کر دیا۔

"اب سفر کا آغاز کس سمت کیا جائے؟" رضوان اُٹھتے ہوئے بولا۔

"اُس پُراسرار مخلوق کی آمد سے قبل ہم جس سمت چل رہے تھے، مجھے اُس کا کچھ اندازہ ہے۔" میں نے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر چلیے!" رضوان نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ "کبھی نہ کبھی

تیل نہ تیس کوئی نہ کوئی کوئی بستی
شوخی تھی۔

میرے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آگئی۔ سو
دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ اب وہ موت
"میرے اندازے کے مطابق وہ
سے کچھ زیادہ فاصلے پر ہوگی۔ بس
"گویا راستہ بھٹک جانے کے امکا
"خیر اِس میں بھی کیا مضائقہ ہے! اگر
پہنچ گئے تو کوئی افسوس نہیں ہو گا۔
ہاتھ میں تھا۔"
"لیکن فی الحال میرا ایسا ارا
طرف گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر کبھی ایسی
تسکین ہاتھ میرے ہاتھ میں ہو گا
نہیں ہو سکتا۔"

رضوان چُپ ہو گیا۔ ہم ایک
سے قدم اُٹھا رہے تھے کیونکہ وہ
بھی گر سکتے تھے۔ اِس کے علاوہ برف
امکانات تھے۔

ہم اپنی موت کے خطرے اور
رہے۔ میرا جسم اب ٹھنڈ اور تھکن
ہوا کی تندی کا اِحساس رہا تھا۔
ذرّات کا یہ احساس یکسر ختم ہو گیا تھا
قدم مشینی انداز میں اُٹھے جا رہے
رضوان کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف
نہ جانے کب ہوا کا زور ٹوٹا
ختم ہوئی۔ مجھے بس اچانک ہی احساس
ہوئے برف کے ذرّات اب نہیں
اب معدوم ہو چکا تھا اور اب ہر طرف
طاری تھا۔ اِردگرد پھیلی ہوئی سفید
مل کر کچھ عجیب سا تاثر دے رہا تھا
لیکن لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں
"ہم شاید واقعی راستہ بھول
اچانک کہا۔
میں جیسے کسی خواب سے بیدا
وقت کا حساب لگایا۔ ہمیں اب تک
چاہیے تھا۔ موت اور زندگی کا درمیان
اب مجھے ایک بار پھر اپنے جسم میں

حرارت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ زہر ہی کا اثر ہو سکتا
گزرنے کے ساتھ ساتھ جسم میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔
"تمہیں کچھ محسوس تو نہیں ہو رہا؟" میں نے مبہم سا
اپنی کیفیت نہیں بتانا چاہتی تھی۔
نے جواب دیا۔ "جسم میں آگ سی لگ رہی ہے،
چلتے رہنا چاہیے۔" اُس نے اپنے ہاتھ میں تھامی
اُسے کو اِدھر اُدھر حرکت دی۔ پھر نہ جانے کیسے
چہرے کی طرف ہو گیا۔ ٹارچ کی روشنی براہِ راست
میں نے آنکھیں بند کر لیں۔
ہو؟" میں نے جھنجھلا کر کہا اور رُک گئی۔
روشنی کا دائرہ میرے چہرے سے ہٹا لیا اور میں
رضوان نے ٹارچ میرے ہاتھ میں دے دی
روشنی میرے چہرے پر ڈالیے!" وہ میرے مقابل

بات عجیب سی لگی مگر میں نے اُس کے کہنے پر عمل
کہ وہ اِس وقت کوئی شرارت نہیں کر سکتا۔ میں
اُس کا چہرہ دیکھا اور چونک پڑی۔ برف کے
جانا چاہیے تھا۔ اُس کے چہرے کی کھال کئی جگہ سے
اعلا حصہ برف کی طرح سفید ہو رہا تھا جو یقیناً
جلد کسی ایسی جگہ پہنچ جانا چاہیے تھا جہاں ہمارے
لیکن یہ سب تو برفانی طوفان کا اثر تھا۔ رضوان
چہرے پر بھی دیکھا ہو گا مگر میرے چونک اُٹھنے کا
لیے رضوان کے چہرے پر بے شمار چھوٹے
تھے اور یہ دانے یقیناً میرے چہرے پر بھی
سکے لیے مجھے اپنے چہرے پر روشنی
کا چہرہ اُن زرد رنگ کے دانوں سے
تقریباً بگڑ ہی گیا تھا۔ اُس کا چہرہ اُن
خوفناک لگ رہا تھا۔ کیا خود میرا چہرہ بھی اتنا
میں نے سوچا۔ اگر یہ دانے چیچک کی طرح
لگے تو کیا ہو گا؟
کا اثر ہے۔" میں نے اپنے جذبات پر قابو
جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ چلو!" میں نے اپنی آواز

چل دیے۔ لیکن اب ہماری رفتار میں پہلے جیسی
مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ سفر
یوں چلتے چلتے ہم زندگی کی سرحدوں کو عبور کر

"اب قدم اُٹھاتے ہوئے بے حد تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔" رضوان بولا مگر اُس کی آواز میں ہلکی سی لرزش بھی نہیں تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "بانو! کہیں یہ بھی زہر کا اثر تو نہیں؟"

"نہیں!" میں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا، کیونکہ میں اپنی اور رضوان کی ہمت قائم رکھنا چاہتی تھی ورنہ مجھے بھی اپنے جسم میں اکڑن کا احساس ہو رہا تھا۔ اُسی وقت مجھے دُور کہیں روشنی سی نظر آئی جو مجھے پہلی بار فریبِ نظر معلوم ہوئی۔ میں نے اُس سمت غور سے دیکھا۔ روشنی واقعی تھی۔ میرے اعصاب تن گئے اور میں نے رضوان کو مخاطب کیا۔ "وہ دیکھو روشنی نظر آ رہی ہے، زندگی کی روشنی! یقیناً یہ روشنی بستی ہی میں ہو گی۔" میں نے روشنی کی سمت ہاتھ اُٹھایا۔

"ہاں روشنی نظر تو آ رہی ہے لیکن یہ روشنی کچھ عجیب سی ہے۔" رضوان نے بھی روشنی کی سمت دیکھا، پھر بولا۔ "یہ روشنی کسی دیے یا لیمپ کی نہیں ہو سکتی۔"

رضوان نے غلط اندازہ نہیں لگایا تھا۔ لیمپ یا چراغ کی روشنی تاریکی میں کسی نقطے کی طرح نظر آتی ہے۔ کھڑکی سے آنے والی روشنی میں بھی اِتنا پھیلاؤ نہیں ہوتا۔ یوں لگتا تھا جیسے بادلوں کی اوٹ سے اچانک چاند نکل آئے۔ اُس وقت چاند کے گِرد ایک ہالہ سا نظر آتا ہے۔ یہ روشنی بھی ایسے ہی چاند کی مانند تھی۔

"یہ روشنی بستی کی ہی ہو سکتی ہے۔" میں نے رضوان کو مخاطب کیا۔ "بھلا یہاں ویرانے میں چراغاں کرنے کون آئے گا!"

رضوان کچھ نہ بولا اور میرے ہمراہ اُس روشنی کی طرف بڑھتا رہا۔ روشنی دیکھ کر زندگی کی اُمید بندھ گئی تھی۔ اب جسم میں اکڑن کے باوجود میری رفتار میں بھی تیزی آ گئی تھی اور رضوان بھی میرے قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔

ہم تیز تیز چلتے ہوئے روشنی تک پہنچے تو ہماری تمام اُمیدوں پر اوس پڑ گئی۔ وہ روشنی بستی کی نہیں تھی۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے درمیان ایک مسطح جگہ تین اطراف سے گھری ہوئی تھی۔ وہی جگہ چاندنی سے مشابہ روشنی سے منوّر تھی لیکن اس روشنی کا مخزن کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

"یہ روشنی کس چیز کی ہے؟" رضوان نے حیرت زدہ آواز میں کہا اور چند قدم آگے بڑھا۔

روشنی کے وسط میں کسی شے پر برف کا ڈھیر تھا۔ میرے دل میں بھی تجسس پیدا ہوا اور میں نے رضوان کی بات کا جواب دیے بغیر برف کو ہٹانا شروع کر دیا۔ رضوان بھی میرے قریب آ گیا تھا۔

"یہ تو کوئی بُت معلوم ہوتا ہے۔" رضوان بولا۔

رضوان کا خیال درست ثابت نہ ہوا۔ جب برف ہٹ گئی

وان سے پہلے ایک انسان برآمد ہوا۔ جسم سے زیادہ اسے پنجر کہنا مناسب ہوگا۔ اگر ہڈیوں پر کھال منڈھی نہ ہوتی تو وہ ڈھانچہ نظر آتا۔

"یہ شاید برفانی موسم کا شکار ہونے والا کوئی بدنصیب انسان ہے۔" میں نے اُس پنجر کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور اس کے بیٹھنے کا انداز تو دیکھیے بانو! یوں لگتا ہے جیسے کوئی بھکشو آسن مارے گیان دھیان میں مصروف ہو۔" رضوان حیرت زدہ آواز میں بولا۔

مجھے بھی اُس کے یوں بیٹھنے پر حیرت ہوئی۔ اگر وہ واقعی برف کے طوفان میں گھِر کر مر گیا تھا تو اُس کی لاش کو نشست کی حالت میں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے لاش کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو اور بھی حیران ہوئی۔ اُس کے چہرے سے اطمینان جھلک رہا تھا اور موت کا کرب نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گہری نیند میں ہو اور اُس نے آنکھیں بند کرلی ہوں۔

اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اُس کے ہونٹوں میں حرکت ہوئی اور بڑی بڑی روشن آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ میں اُچھل پڑی اور رضوان نے بھی میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

معاً اُس کے ہونٹ ہلے اور ہمیں اُس کی آواز سُنائی دی۔

"تم نے مجھے گہری اور پُرسکون نیند سے بیدار کردیا۔ میں گہری نیند میں عظیم گوتم سے ہمکلام تھا۔ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" اُس کی آواز کُچھ کرالیسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی گہرے کنوئیں سے بول رہا ہو۔

"عظیم گوتم کے عظیم پیرو! ہم اجنبی ہیں اور راستہ بھٹک گئے ہیں۔" میں نے اُسے مخاطب کیا۔ "ہم تمہیں گہری نیند سے بیدار کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ہم تمہارے گیان دھیان میں مخل ہونے پر معذرت خواہ ہیں۔"

کچھ دیر وہ بھکشو خاموش رہا پھر اُس کی آواز اُبھری۔ "وہ دِل جو دُوسروں کے دُکھ پر تڑپ اُٹھیں، وہ دِل بہت عظیم ہیں اور تم دونوں کے سینوں میں بھی ایسے ہی دل دھڑک رہے ہیں۔ ابھی یہ دل دھڑکنا نہیں بھول سکتے۔ جاؤ کہ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا اور تمہاری منزل بھی اب دُور نہیں۔ اُمید کی روشنی تمہاری رہنمائی کرے گی۔"

لبوں کی حرکت رُک گئی، پپوٹے پھر روشن آنکھوں پر پردوں کی طرح گِر گئے اور بھکشو کا جسم کسی پتھر کے بُت کی مانند ہوگیا۔ اِس کے ساتھ ہی ہمارے اِرد گرد پھیلی ہوئی روشنی معدوم ہوگئی۔ میں اپنے دِل میں ایک غیر معمولی جوش محسوس کر رہی تھی۔ بھکشو کے الفاظ میری سماعت میں اب تک گونج رہے تھے۔ اُس نے مجھے اور رضوان کو زندگی کی نوید دی تھی اور وہ بھی اُن ساعتوں میں،

جب ہم اپنی ...

میں نے بھکشو کی طرف سے نگاہ ہٹا ...

لیا۔ مجھے ایک سمت روشنی دکھائی دی اور وہ ...

مانند نہیں تھی۔ وہ روشنی کسی آبادی ہی کی ...

ہم ایک بار پھر چل پڑے۔ اب ہمارا ...

تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہی روشنی ہماری منزل ...

"بانو! کیا آپ کو وہ روشنی متحرک نظ...

نے میرے قدم سے قدم ملاتے ہوئے سوال ...

"نہیں تو!" میں نے جواب دیا۔ "لیکن ...

"دراصل مجھے کچھ ایسا خیال ہوا تھا ...

نہیں جارہے جس سمت ہم نے سفر کا آغاز ...

خیال آرائی کی۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے ...

قدم اُٹھانے لگی حالانکہ تیز چلنے میں مجھے ...

وقت کی تال سے ہمارے قدموں ...

رہی۔ ہمارے قدم اُٹھتے رہے اور جسم اکڑ ...

میں تشنجی کیفیت بڑھتی جارہی تھی۔ میرا ...

اُدھیڑ ڈالوں۔ خارش اپنی انتہا کو پہنچ ...

رضوان کا۔ ہم ایک دُوسرے کی طرف ...

ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھر آتی۔ شاید اس ...

ایک دُوسرے کی ہمت بندھاتے ...

لبوں پر مسکراہٹ باقی ہے۔ ابھی دل ...

ابھی یونہی مسکراتے رہنا کہ موت کو شک...

طرح چلتے رہنا کہ میں تمہارے ساتھ ...

والی مسکراہٹیں ایک دُوسرے سے ...

ہمیں اُس روشنی تک پہنچنے کے ...

پڑا۔ اب وہ بہت قریب آگئی تھی ...

تھی کہ وہ روشنی ایک چھوٹی سی کُٹیا کی ...

کر باہر آرہی تھی اور یہی روشنی ہمیں ...

ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا رہنا ...

وہ زہر کا اثر تھا یا تھکن کا کہ مجھے ...

روح میرے جسم کا ساتھ چھوڑ دینا چا...

جارہا تھا اور جسم تشنج کا شکار تھا ...

اُٹھاتا ہوا رضوان معاً لڑکھڑایا اور ...

کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اُٹھانا چاہا۔ اُس ...

ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ ...

کی کوشش کر رہا ہو۔

... رضوان! ہم ... ہم منزل تک پہنچ گئے ہیں۔

... بس ذرا سی ہمت اور کرلو!" میں نے اُسے

... کہا۔

... اُٹھنے کے لیے جدوجہد کی۔ خود میرا جسم اکڑا جا

... ان کو زمین سے اُٹھانے کے لیے پوری طاقت

... کار وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

... کی خاطر اپنا وقت برباد نہ کریں۔ آپ ...

... کو تلاش کریں اور اُس سے زہر کا تریاق

... مجھے یہیں چھوڑ جائیں! اگر میں گھسٹتا

... تو ٹھیک ورنہ ......" رضوان نے اپنا

...

... ہرگز نہیں ہوسکتا۔" میں نے سخت لہجے میں

... خود غرض سمجھتے ہو؟ اور کیا تم نے اُس

... ہے؟"

... یاد ہیں بانو! اُس نے کہا تھا کہ ہمیں کوئی گزند

... مگر اب میں ... میں یہ چاہتا تھا کہ میری

... شکست نہ پڑے۔ کم سے کم آپ ... آپ

... " رضوان کے لہجے میں جذباتی شدت تھی۔

... وقت ضائع نہ کرو! چلو!" یہ کہتے ہوئے

... تھام لیا۔

... قدم اُٹھایا اور پھر قدم قدم میرا ساتھ

... کی وجہ سے میری رفتار میں کمی آگئی

... اُسے پیچھے چھوڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔

... بستی میں داخل ہوئے اور ہم نے بمشکل

... جائزہ لیا۔ چند چھوٹی چھوٹی سی کُٹیا ...

... عمارت نظر آرہی تھی۔ ہم عمارت کے

... میں کھڑے ہوئے تھے۔

... منزل ہوسکتی ہے۔" میں نے رضوان

... پایا تھا کہ ایک آہٹ سی سُنائی دی۔

... اُبھری تھی۔ رضوان تیزی سے اُس آہٹ

... لپکی پڑی۔ وہ اپنے جسم کا توازن برقرار

... گر پڑا۔

... ٹھٹک کر رُک گیا۔ رضوان نے

... نکالی۔ میں اُس وقت چونکی جب

... پڑا۔

... اور زرد رو لڑکی تھی۔ چہرے کے

نقوش سے وہ چینی دکھائی دیتی تھی۔ میں یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ چیئرمین ماؤ کے چین کی ایک فرد تھی۔ میں نے اُس لڑکی کے گلے میں سُرخ جلد والی ایک کتاب لٹکتی ہوئی دیکھ لی تھی۔ چیئرمین ماؤ کی سُرخ کتاب کے علاوہ، لڑکی کے دائیں شانے سے ایک پٹی میں بندھی ہوئی رائفل لٹک رہی تھی جس کا رُخ اُس نے تیزی سے ہماری طرف کرلیا تھا۔ اُس کی اُنگلی رائفل کی لبلبی پر تھی اور وہ کسی بھی لمحے ہم پر فائر کرسکتی تھی۔

"دوست!" میں نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے چینی زبان میں کہا، پھر اُس کی طرف بڑھنے کے لیے قدم اُٹھایا۔ جسمانی تشنج کے سبب میں قدم اُٹھاتے ہی لڑکھڑا گئی۔ میں نے کوشش کرکے سنبھلنا چاہا مگر ناکام رہی۔ رضوان قریب ہی زمین پر پڑا تھا۔ میں اُس پر ڈھیر ہوگئی۔

مجھے خود پر ڈھیر ہوتے دیکھ کر رضوان کے جسم نے کوئی حرکت نہیں کی۔ شاید وہ حرکت کرنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ خود مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے جسم میں جان ہی نہ ہو۔

معاً لڑکی جھکی اور اُس نے رضوان کے ہاتھ سے ٹارچ لے لی۔ رضوان کوئی مزاحمت نہ کرسکا۔ دُوسرے ہی لمحے ٹارچ کی روشنی میرے چہرے پر پڑی اور اسی کے ساتھ لڑکی کے مُنہ سے حیرت زدہ سی آواز نکلی۔ یقیناً اُس نے میرے چہرے پر اُبھرے ہوئے دانوں کو دیکھ لیا ہوگا۔

"مدد!" میں نے بمشکل کہا۔ مجھے اپنے پپوٹے بھاری محسوس ہورہے تھے۔ میرا جسم نڈھال ہورہا تھا اور آنکھیں خود بخود بند ہوتی جارہی تھیں۔ میں نے آنکھیں کھلی رکھنے کے لیے آخری لمحے تک جدوجہد کی مگر کامیاب نہ ہوسکی۔ میری آنکھیں بند ہوگئیں۔ ذہن پر ایک غبار سا چھاتا چلا گیا اور پھر میں جیسے کسی اور ہی دُنیا میں پہنچ گئی۔

وہ دُنیا میرے لیے نئی نہیں تھی، خوشگوار، سکون بخش اور مہکتی ہوئی دُنیا! میں جیسے نرم نرم روئی کے گالوں پر دراز تھی اور کوئی میرے سرہانے کھڑا ہوا آہستہ آہستہ میرا سر دبا رہا تھا ... آنکھیں بند کیے گنگنا رہی تھی۔ میرے اِرد گرد رنگوں کی برسات تھی۔ پھر یوں ہوا کہ کسی نرم و نازک ہاتھ نے، صاف شفاف کٹ گلاس شیشے کے جام میں، انگوروں کی مہک سے بھرپور شیمپین کی طرح نکھرا نکھرا شراب کا جام میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ مجھ سے وہ جام پینے کی درخواست ہوئی اور میں نے ہونٹ کھول دیے۔ گرم گرم سیّال آگ سی میرے وجود میں اُترتی چلی گئی، اور پھر میں نے اپنے انگ انگ میں بجلیاں سی دوڑتی محسوس کیں۔ کیف و بے خودی کی حدود میں داخل ہوتے ہی میں نے ساقی کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ مجھے وہ

کھنکتی ہوئی ہنسی مانوس محسوس ہوئی۔ میں نے اُسے غور سے دیکھا اور پہچان لیا۔ وہ شبانہ تھی، لذت ہی لذت، خواب ہی خواب، رنگ ہی رنگ شبانہ! وہ گریزپا شبانہ، وہ ادائے ناز شبانہ کہ جس کے تصور ہی سے انفاس میں خوشبو بس جائے، آنکھوں میں رنگ لہرانے لگیں۔ ہاں وہی شبانہ جس کی آرزو کی جائے اور اِس آرزو میں ساری عمر بِتا دی جائے۔ ہاں وہی شبانہ زینہ زینہ میرے وجود میں اُترتی چلی جارہی تھی۔ نہ جانے ہم کب تک ایک دُوسرے میں گم رہے اور پھر نہ جانے کب ایک دُوسرے سے لپٹ کر سو گئے۔

کسی بچّے کے رونے کی آواز سے میری آنکھ کُھلی اور میں نے حیرت سے اِردگرد کا جائزہ لیا کہ میں کہاں ہوں؟ نہ اب وہ رنگ تھے نہ خوشبو، نہ شبانہ۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا۔ میں نے خود کو ایک قالین پر پڑے پایا۔

سامنے ہی چھوٹے سے آتشدان میں آگ جل رہی تھی۔ آتشدان کے پاس ہی میری طرف رُخ کیے وہ پستہ قد چینی لڑکی بیٹھی تھی۔ اُس کا بچہ گود میں لیٹا ہوا دُودھ پی رہا تھا اور وہ سُرخ کتاب کو بڑے غور سے پڑھ رہی تھی۔ اُس کی رائفل اِس وقت بھی اُس کے شانے سے لٹک رہی تھی۔ عام سی شکل وصورت کی وہ چینی لڑکی، اپنے بچّے کو سینے سے چمٹائے مجھے بہت بھلی لگی۔

"پانی!" میں نے مدھم سی آواز میں کہا۔ مجھے اپنا گلا خشک محسوس ہو رہا تھا۔

لڑکی میری آواز سُن کر چونک پڑی۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور عجیب سے انداز میں مُسکرائی۔ اُس کی مُسکراہٹ معنی خیز تھی مگر اُس وقت میں اُسے کوئی معنی نہ دے سکی۔ وہ مجھ سے بغیر کچھ کہے، اپنے ننھے بچّے کو سینے سے لگائے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔

میں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ بیٹھتے ہی میری نظر رضوان پر پڑی۔ وہ مجھ سے ذرا دُور اُسی قالین پر سو رہا تھا۔ رضوان کے چہرے پر اُبھرے ہوئے دانے اب موجود نہیں تھے البتہ اُن کے کچھ نشانات سے باقی تھے۔ میں نے رضوان کا چہرہ دیکھ کر خود اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ مجھے اپنے چہرے پر بھی دانوں کے اُبھار محسوس نہ ہوئے۔ ہاتھ اور جسم کے دُوسرے کُھلے ہوئے حصّوں کا جائزہ لینے سے پتا چلا کہ دانے تمام جسم پر نکلے ہوں گے۔

"فکر نہ کریں، یہ نشانات بھی جاتے رہیں گے۔" لڑکی کی آواز سُنائی دی اور میں چونک پڑی۔

میں اپنے جسم کا جائزہ لینے میں اِتنی منہمک تھی کہ مجھے لڑکی کے کمرے میں داخل ہونے کی خبر ہی نہ ہو سکی تھی۔ اُس نے پانی سے بھرا ہوا پیالا میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے پیالا لیتے ہوئے اُس کے بھولے اور معصوم سے چہرے کو دیکھا، پھر میری نگاہ نے

ایک ہی لمحے میں اُس کے سَراپا کا جائزہ لے لیا
ہوئی سُرخ کتاب اُس کے عقیدے کی پختگی کا اعلا
سینے سے چمٹا ہوا بچہ اُس کی بھرپور محبت کا مظ
سے لٹکتی ہوئی خود کار رائفل میری سمجھ سے با
کو کس جذبے کی علامت سمجھا جاتا! مَوَدّت کا،
کی شخصیت سے میل نہیں کھاتا تھا۔ مجھے یا
مجھے اور رضوان کو دیکھتے ہی کتنی پھرتی دُستے ا
سنبھالی تھی! وہ یقیناً ہتھیاروں کے استعمال
اور تربیت یافتہ تھی۔ میں نے ایک نتیجہ اخذ کیا
ہتھیار کو شانے سے لٹکائے رکھنا اِس ! ...
کے کچھ دشمن ضرور ہیں جن سے نبرد آزما ہونے
لیے پاس رائفل رکھتی ہے۔

اُس لڑکی کے متعلق میرے ذہن میں متعد
رہے تھے مگر میں نے سب سے پہلے زہر کے ا
"تم نے مجھے کس طرح بچا لیا؟" میں نے اُس
میں نہیں تبتی زبان میں کیا تھا" اور تبتی زبان
مقصد تھا۔ میں جاننا چاہتی تھی کہ وہ تبتی زبا
نہیں! اور اگر واقف نہیں تو پھر اِس کا ...
میں تو وارد ہے۔

"...بڑی خوش قسمت خاتون ہیں۔"
...نے میں جواب دیا۔ جواب دینے کے لیے اُس
کی تھی۔ چند لمحے توقف کے بعد وہ پھر بولی: "
وقت رہتا ہے جس کا شکار آپ اور آپ کا ما...
"لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ مجھے ا... م...
میں نے پوچھا۔

"آپ دونوں کے چہروں پر اُس مخصوص
بہت کم لوگوں کے پاس ہے اور اُنھی کے ا
میں نے آپ کے چہرے پر اُبھرے ...
آپ کو زہر دیا گیا ہے اور کون سا زہر دیا گیا
"اوہ!" میں نے اپنے چہرے پر ا
"اب آپ کے چہرے پر کوئی دانہ
بہت نشانات رہ گئے ہیں وہ بھی ختم ہو جا
"تو وہ تریاق مجھے تم نے پلایا تھا؟
لیتے ہوئے کہا۔
"جی ہاں! آپ اُس وقت ہوش او
نہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔
میں لڑکی کا جواب سُن کر سنّا...

...تھی؟ اور اِس خواب و حقیقت میں صرف اِتنا فرق تھا
... اُس چینی لڑکی میں! میں نے سوچا کہ یادیں بھی کتنی ظالم
...کسی کے بدن میں جوڑ دیتی ہیں۔ یہ سب کچھ یاد آنے
...معنی خیز مسکراہٹ کا مطلب بھی سمجھ گئی۔ گویا وہ لڑکی
...کھڑی ہوئی تھی۔ چاہے نادانستگی ہی میں سہی مگر
...لمحوں میں شامل ہو گئی تھی جن کے جسم میرے لیے راز

...دیر چُپ رہ کر اُسے پھر مخاطب کیا۔ "یہ بتاؤ کہ تمھارے
...زہر کا تریاق کیوں رہتا ہے؟ کیا تم اپنے کسی دشمن کی
...ہو کہ وہ کبھی دھوکا دے کر تمھیں یہ زہر کھلا دے گا؟"
...ہمارے یہ تریاق اپنے لیے نہیں رکھا بلکہ اِسے اپنے
...گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے لڑکی کی آواز میں ہلکی سی لرزش
...کی آنکھوں میں نمی کا احساس ہوا۔
...بڑی عجیب اور ناقابلِ فہم بات کہی تھی۔ دشمن کے لیے
...ہوا تریاق کیوں لیے پھر رہی تھی؟ میں نے سوچا اور
...نے الفاظ کا روپ دھار لیا۔ میں بولی۔
...نہیں، دوستوں کے لیے رکھا جاتا ہے۔ کیا تم دوست
...کر استعمال نہیں کر سکتیں؟"
...دوست ہرگز نہیں۔ وہ میرا دشمن ہے۔" لڑکی نے

...اندازہ ہو گیا۔ میں نے الجھے ہوئے سے لہجے میں اُس
...تمھیں شاید اندازہ نہیں ہو رہا کہ تم کتنی عجیب بات
...ہے جو تم نے بتائی ہے تو میں وضاحت چاہوں
...اپنی رکھنے کا مطلب کیا ہے؟"
...بہت جلد میں پھر کبھی سناؤں گی۔" وہ ٹھنڈا سانس لے
...اِتنا سمجھ لیں کہ میرا اور آپ کا دشمن ایک ہے۔ یہ
...کھ کر لگایا ہے۔ مجھے علم ہے کہ وہ تبت آیا ہوا
...اُس کے سوا کسی کے پاس وہ زہر نہیں جس کا شکار

...منہ سے بے اختیار نکلا۔ "کیا تم اُسی کا ذکر کر

...ہاں!" لڑکی نے یہ کہتے ہوئے دانت پیسے۔ "پھر
...میں نے اُس کی تلاش میں دَر دَر کی ٹھوکریں کھائی
...اور اب میں نے اُسے ڈھونڈ لیا ہے۔ اگر آپ کی
...آڑے نہ آتی تو اب تک میں اُس کے پاس پہنچ چکی ہوتی،
...اندازہ نہ لگا سکیں کہ جتنے عرصے آپ کو
...میں نے کیسے صبر کیا، کیسے اپنے دل کو سمجھایا

کہ بحیثیت انسان مجھ پر آپ دونوں کی زندگی بچانا فرض ہے! میں نے اپنا فرض انجام دیا کیونکہ آپ دونوں کو میری فوری توجہ کی ضرورت تھی۔" لڑکی نے جذبات سے پُر لہجے میں اپنی بات ختم کی۔

"میں... میں تمھاری شکرگزار ہوں۔" میں نے متاثر لہجے میں کہا۔ "اگر تم ہمیں نہ ملی ہوتیں تو نہ جانے ہم پر کیا گزرتی۔ شاید ہم ختم ہو جاتے۔ کبھی کبھی اتفاقات زندگی بچا لیتے ہیں۔ یہ اتفاق ہی تو ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی!"

"یہ محض آپ کا خیال ہے کہ میری اور آپ کی ملاقات اتّفاق سے ہو گئی۔ ایسا نہیں ہے بانو صاحبہ!"

میں اُس لڑکی سے اپنا نام سُن کر حیران رہ گئی۔ وہ مجھ سے واقف تھی، مگر کس طرح؟

لڑکی نے مجھے حیرت زدہ دیکھا تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی، پھر وہ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول اُٹھی: "آپ سے میری ملاقات اُسی دن طے ہو گئی تھی جس دن میں نے سُرخ چین کے محکمۂ جاسوسی کا ایک خط پڑھا تھا۔ اُس خط میں چن ژی کو واضح احکامات دیے گئے تھے کہ وہ آپ کو قتل کر دے۔ میں نے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو اندازہ ہوا کہ آپ بڑے دل گردے کی خاتون ہیں۔ میں نے اُسی دن ارادہ کر لیا تھا کہ آپ سے ضرور ملوں گی۔ مجھے یقین تھا کہ جہاں آپ ہوں گی وہیں چن ژی بھی ہو گا تاکہ وہ آپ پر حملہ آور ہو سکے۔ میں آپ کو چن ژی کے ارادوں سے آگاہ کرنا چاہتی تھی اور اِسی کے ساتھ مجھے یہ اُمید بھی تھی کہ آپ کے توسط سے میں چن ژی تک بھی پہنچ جاؤں گی۔"

"اور میں تمھیں ملی بھی تو کس حال میں!" میں اُس کے خاموش ہوتے ہی بولی۔

"ہاں مجھے آپ سے ملنے میں تھوڑی دیر ہو گئی۔" اُس نے کہا۔ "میں کل صبح لہاسہ پہنچی تھی۔ مجھے وہاں آپ کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ چکپوری گئی ہوئی ہیں۔ میں چکپوری کی درسگاہ پہنچی اور بڑے لامہ سے ملی۔ بڑے لامہ نے مجھے آپ کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔ یہ سُن کر کہ چن ژی آپ کو زہر دے چکا ہے اور آپ اُس کی تلاش میں روانہ ہوئی ہیں، میں فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں طوفان ہی کے دوران میں وہاں سے روانہ ہو گئی۔ بڑے لامہ نے میرے ہمراہ ایک خادم بھی بھیج دیا تھا تاکہ میں بآسانی اِس بستی تک پہنچ سکوں اور راہ نہ بھٹکوں، مگر شاید آپ راستہ بھٹک گئی تھیں! میں اِسی لیے آپ سے پہلے یہاں پہنچ گئی۔"

"مگر تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم بستی تک نہیں پہنچ سکی اور یہ کہ جب تم تبت کے لیے اجنبی ہو تو تبتی زبان کیسے جانتی ہو؟" میں نے ایک ساتھ دو سوال کر دیے۔

"آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ بستی میں گنتی کے صرف چند مکانات ہیں۔ میں نے اور بڑے لامہ کے خادم نے اُن مکانوں کے اردگرد

گھوم کر پورا جائزہ لیا۔ ہمیں ہر طرف سکون کے آثار نظر آئے۔ پھر ہم اِس چھوٹے سے گھر میں چلے آئے۔ یہ گھر ایک مقامی باشندے کا ہے جو بڑے لامہ کے خادم کا واقف کار ہے۔" لڑکی نے وضاحت کی، پھر میرے دوسرے سوال کا جواب دیا۔ "میں نے چین ہی میں ایک عرصے قبل تبتی زبان سیکھ لی تھی اور مجھے یہ زبان سکھانے والا خود چن ژی تھا۔"

"بڑے لامہ کا خادم اور وہ مقامی باشندہ ہیں کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"وہ دونوں باہر ہیں۔" لڑکی نے بتایا۔ "چن ژی جس عمارت میں ٹھہرا ہوا ہے، وہ دونوں اُس عمارت کی نگرانی کر رہے ہیں۔ آپ اب مجھے بھی اجازت دیجیے، میں چلوں گی۔"

"کہاں؟" میں نے چونک کر کہا۔

"مجھے اُسی عمارت تک جانا ہے۔" لڑکی نے اپنے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا جو اب سو چکا تھا۔ "اب صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ میں صبح ہونے سے پہلے پہلے چن ژی پر قابو پا لینا چاہتی ہوں۔ بانو! آپ نہیں جانتیں کہ چن ژی پر قابو پا لینا میری زندگی کا حاصل ہے۔ میں نہ جانے کب سے خواب دیکھ رہی ہوں، اُس کی موت کا خواب! میری آنکھیں اب یہ خواب دیکھتے دیکھتے تھک چکی ہیں کہ وہ میرے سامنے زمین پر پڑا ہوا ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اُس کے چہرے پر بے شمار چھوٹے چھوٹے دانے اُبھر رہے ہیں۔ زہر کا تریاق اُس کے سامنے ہے۔ وہ شیشی کی طرف کھسکتا ہے اور میں تریاق کی شیشی کو مزید آگے بڑھا کر رکھ دیتی ہوں۔ اُس کی زندگی جیسے تریاق کی شیشی میں بند ہے مگر وہ تریاق حاصل نہیں کر پاتا۔ اُس کے اردگرد موت کے سائے رقص کر رہے ہیں۔ وہ موت کے قدموں کی چاپ سن رہا ہے اور لمحہ بہ لمحہ موت سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ میں اُسے زبردستی زہر کھلانے کے بعد تریاق نہیں دیتی اور وہ سسک سسک کر دم توڑ دیتا ہے۔ یہ ہے وہ خواب جسے میں حقیقت بنا دینا چاہتی ہوں۔"

وہ بھولی بھالی معصوم سی چینی لڑکی اِس طرح آنکھیں بند کیے بولے جا رہی تھی جیسے وہ واقعی خواب دیکھ رہی ہو اور ساتھ ساتھ مجھے خواب کی تفصیلات بتاتی جا رہی ہو۔ اُس لڑکی کا خواب بڑا بھیانک تھا مگر اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی طمانیت اور خوشگواری تھی جیسے وہ خواب اُس کے لیے بہت حسین خواب ہو۔ میرے دل میں بھی یہی خواہش پیدا ہوئی کہ اُس لڑکی کا خواب حقیقت بن جائے۔ اُس کا دل جس آگ میں جل رہا ہے، وہ آگ بجھ جائے۔ اُس کے دلِ بے قرار کو قرار آ جائے۔

"سنو! میں بھی اُس عمارت تک تمھارے ساتھ چلوں گی۔" میں نے اُسے خواب کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں کھینچ لیا اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

"آپ واقعی ویسی ہی ہیں جیسا میں نے آپ کے بارے میں سنا تھا۔" لڑکی نے مجھے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو ساتھ لے جانے میں قطعی اجتناب نہ کرتی مگر زہر نے آپ کو کمزور کر دیا ہو گا۔ دوبارہ

پوری جسمانی طاقت بحال ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔ میرا خیا
وقت شاید اپنے پیروں پر بھی نہ کھڑی ہو سکیں۔"
مجھے اپنے جسم میں ہلکی ہلکی سنسناہٹ کا احساس ہو
بھاری سا تھا لیکن اُس لڑکی سے میری حالت کا اندا
خیال تھا کہ میں یقیناً کھڑی ہو سکتی ہوں۔ یہ سوچ کر میں
کھڑا ہونا چاہا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا۔
وہ چینی لڑکی یقیناً اُس زہر کے اثرات سے پوری
"صرف چند گھنٹوں تک آپ یہ کمزوری محسوس
بولی پھر مجھے مشورہ دیا۔ "ابھی کچھ دیر میں آپ کی حا
گی اور آپ چل پھر سکیں گی۔ جب آپ چلنے پھرنے لگ
دیر مزید آرام کر لیں۔ اِس طرح آپ کی توانائی مکمل
باورچی خانے میں موجود ہے، آپ وہاں سے لے لیں
گرم کر کے پلا جاتی مگر مجھے خطرہ ہے کہ کہیں چن ژی
نکل نہ جائے۔ یہ میرے لیے ایک سنہری مو
چاہتی۔ آپ کے ساتھی کو بھی اب ہوش آتا جا رہا ہے
چاہیے اِس لیے آپ کا یہیں رُکنا زیادہ مناسب
"میرا خیال ہے کہ تم چند گھنٹے مزید صبر کر لو تو بہتر
کے خاموش ہوتے ہی کہا۔ "چن ژی سے میرا واسطہ
سانپ کی طرح تیز اور زہریلا ہے۔ مجھے خطرہ ہے
پہنچا کر فرار نہ ہو جائے۔"
"یہ مجھے بھی معلوم ہے کہ اُس پر قابو پانا مشکل
ہوں لیکن یہ ناممکن کام بھی نہیں۔" لڑکی کی آواز میں
ہوئی۔
میں اُس کی گود میں سوتے ہوئے بچے
یہ علم نہیں تھا کہ وہ اپنے ہمراہ بچے کو بھی لے جا
"سنو! تم اپنے بچے کو تو یہاں چھوڑ جاؤ۔ کیا
موت اور زندگی کا کھیل کھیلنے جا رہی ہو!"
وہ جاتے جاتے پلٹی اور مسکرا کر بولی۔ "با
اپنے بچے کو جان بوجھ کر ساتھ لے جا رہی ہوں
مرتے وقت مجھے یہ دکھ تو نہ ہو گا کہ میں
آخری بوسہ نہ لے سکی۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے
میں اُسے حیرت سے جاتے ہوئے
جری لڑکی تھی۔ پتا نہیں چن ژی نے اُسے
ایسی ہی بات ہو گی جس کے سبب وہ لڑکی
چن ژی کو ختم کرنے آئی تھی۔ وہ اپنے
میں رائفل لیے ہوئے اور اپنے گلے میں
ہوئے کتنی دور نکل آئی تھی! اُس کا بھی

ی ہو۔ اُس نے گھر کا سکھ چین کیوں تج دیا؟ اُس کا شوہر کہاں
ذہن میں لڑکی سے متعلق مختلف سوالات اُبھرتے رہے
ہو گئی کہ اُس معصوم سی لڑکی کو چن ژی نے کیا دکھ پہنچایا ہو
اُس کی جان کا درپے نہیں ہو جاتا!
کو اب ہوش آ گیا تھا اور اُس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ
طرف دیکھ رہا تھا جیسے اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ ہو رہا
ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا اور وہ مجھے پہچاننے
تھا۔ میں اُس کے سرہانے جا کر بیٹھ گئی اور اُس کے پوری
کا انتظار کرنے لگی۔
کہاں ہیں؟" کچھ دیر بعد رضوان نے مجھے پکارا۔
با! خیریت ہیں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا پھر میں
ت سے آگاہ کرنے لگی۔
تمام بات سن کر اطمینان کا لمبا سانس لیا پھر بولا۔ "تو گویا
بالکل ہی بیچ میں! میں تو سمجھا تھا کہ ہم پرلوک سدھار گئے۔"
اری تخلیق کا مقصد پورا نہیں ہوا۔" میں خوش دلی کے

ظاہر ہے۔" رضوان چہک اُٹھا۔ "ابھی تو مجھے اور آپ کو
نمونے دنیا کے سامنے پیش کرنے ہیں۔ ہر سال سے
نمونوں سے تو ہو گی اور پھر ہم اُن نمونوں کے بڑے
کہیں گے کسی کا نام تاراج تو کوئی ماہ جبین، کوئی گلشن

لمحہ میں نہ آؤ نمونے برا مان جائیں گے۔" میں اُس
ئی۔
گھنٹوں میں گزرا، پھر مجھے دودھ پینے کا خیال آیا۔
سارے گھر کے صحن میں پہنچی۔ بائیں جانب ہی باورچی خانہ
دودھ مل گیا۔ میں دو گلاسوں میں دودھ
لائی۔ میں نے دودھ گرم کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔
دودھ پیا، پھر لیٹ گئے۔ گزرتے لمحوں کے ساتھ
ہوتی جا رہی تھی۔ میرا ذہن اب پوری طرح بیدار
کمرے سے باہر نکلنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔
وہ چھوٹی سی بستی بارود کے دھماکوں سے
پھٹنے کے دھماکے تھے جن کی آواز کہیں قریب

چلنے کی آوازیں تھیں۔" رضوان چونک کر بولا۔
میں باہر جا کر دیکھتی ہوں، تم یہیں ٹھہرو۔"
کیونکہ میں اُس چینی لڑکی کی طرف سے متفکر

میں دوبارہ کھڑی ہوئی تو بھی میرا سر چکرایا مگر آنکھوں کے سامنے اندھیرا نہیں آیا۔ سر اُس وقت بھی چکرایا تھا جب میں باورچی خانے سے دودھ لینے گئی تھی لیکن چند لمحے بعد ہی میری حالت اعتدال پر آ گئی تھی۔ یہی سوچ کر میں کچھ دیر کھڑی رہی اور پھر میں نے خود کو چاق و چوبند محسوس کیا۔ رضوان بھی میرے ساتھ چلنے کے لیے اُٹھا تھا حالانکہ میں نے اُسے منع کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ میرے ساتھ زیادہ دیر کھڑا نہ رہ سکا اور اُسے مجبوراً بیٹھ جانا پڑا۔

"یہ سر کیوں چکرا رہا ہے؟" وہ بیٹھتے ہی بڑبڑایا تھا۔ "کیا زہر کے اثرات اب بھی باقی ہیں؟"

"نہیں، یہ عارضی کیفیت ہے جو ختم ہو جائے گی۔" میں نے اُسے بتایا۔ "کچھ دیر آرام کر لو تو تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں ذرا اپنی محسن کو دیکھ آؤں کہ وہ کس حال میں ہے!" یہ کہہ کر میں کمرے کے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ رضوان نے دوبارہ میرے ساتھ جانے کے لیے ضد نہیں کی تھی۔

باہر نکل کر میں نے خود کو اُس چھوٹی سی بستی کے کنارے پر پایا۔ پتھر سے بنی ہوئی وہ بڑی سی عمارت مجھے بستی کے مرکز میں واقع نظر آئی۔ وہ عمارت دھندلکے میں بھی اپنی بلندی کے سبب دوسرے چھوٹے چھوٹے مکانوں کے سایوں سے الگ دکھائی دے رہی تھی۔ اُس عمارت کے کناڈ دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ بڑے بڑے پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی ہے جیسی کہ تبت کی اکثر عمارتیں ہوتی ہیں۔

صبح کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا لیکن اِس کے باوجود تھوڑے فاصلے کی چیزیں بھی واضح طور پر نظر نہیں آ رہی تھیں۔ ہر چیز ایک سائے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ پھر اُسی دھندلکے میں مجھے دو تین سائے حرکت کرتے نظر آئے۔ اُن کا رُخ پتھر کی عمارت ہی کی جانب تھا۔ میں بھی اُسی عمارت کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ سائے اپنی اندازِ رفتار سے مجھے تبتی لگے۔ تبتی باشندوں کی حرکات میں ٹھہراؤ ہوتا ہے۔ وہ ہر کام کو بہت آہستہ آہستہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں جیسے سخت کاہل ہوں۔ غالباً یہی سبب تھا کہ بستی کے باشندوں نے گولی چلنے کی آوازیں سن کر کوئی فوری ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ گولیاں چلنے سے یقیناً اُن کے دل میں تجسس پیدا ہوا ہو گا مگر اُنھیں حقیقتِ حال جاننے کی زیادہ جلدی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ غالباً اِسی لیے میں نے اُنھیں بھاگتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ بڑے اطمینان سے اُس عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن میں اُس عمارت کی طرف دوڑ لگا رہی تھی۔

دوڑتے ہوئے ایک بار پھر میں نے کمزوری محسوس کی تھی۔ مجھے اپنا جسم ٹوٹتا محسوس ہوا تھا مگر میں دوڑتی ہی رہی تھی۔ مجھے یقین سا تھا کہ میری محسن وہ چینی لڑکی کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو چکی ہے۔ میرے دل میں ایک اُمیدِ موہوم یہ بھی تھی کہ شاید میں بروقت پہنچ کر اُس کی کچھ مدد کر سکوں۔

میں ایک چھوٹے سے کٹیا نما مکان کے قریب سے گزرتی ہوئی

ایک طرف مٹری تو کسی سے ٹکرا گئی اور ہم دونوں ہی زمین پر گر پڑے۔ ٹکرانے والا مجھے چینی زبان میں گالیاں دیتا ہوا زمین سے اُٹھا تو میرے اعصاب ایک دم تن گئے۔ دھندلی روشنی میں قریب ہونے کے سبب میں اُسے صاف دیکھ سکتی تھی۔ وہ شخص پستہ قد تھا اور چینی خدوخال کا مالک تھا۔ وہ شخص تبتیوں کا روایتی لباس پہنے ہوئے تھا۔

"چن ژی!" میں نے اُس کے مقابل کھڑے ہوتے ہی کہا۔

"تم... تم صبیحہ بانو؟" چن ژی پھنکارا۔ "تم ابھی تک زندہ ہو!"

"ہاں میں زندہ ہوں چن ژی! اور اُس وقت تک ضرور زندہ رہوں گی جب تک تمھیں ٹھکانے نہ لگا دوں۔" میں نے نفرت و حقارت سے کہا۔ "تم اب تک میرا سامنا کرنے سے ڈرتے رہے ہو لیکن اب تم نہیں بھاگ سکو گے۔"

"تب مجھے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسے مواقع روز روز کب ملتے ہیں؟" چن ژی کے لہجے میں کامیابی کی کھنک تھی۔

مجھے گولیاں چلنے کے دھماکے یاد آئے۔ چن ژی کے پاس یقیناً کوئی ہتھیار رہا ہو گا جو کسی بھی لمحے اُس کے ہاتھ میں نظر آ سکتا تھا۔ خطرے کا احساس ہوتے ہی میرے جسم میں بجلی سی کوند گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں نے تڑپ کر جست لگائی اور پوری تیزی سے چن ژی پر حملہ آور ہوئی۔

چن ژی کا ایک ہاتھ اُس کی جیب میں تھا اور میں نے اُسی ہاتھ کو نشانہ بنا کر حملہ کیا تھا۔ عام حالات میں میری فلائنگ کِک دشمن کے ہاتھ کی ہڈی توڑ دیتی تھی مگر اُس وقت شاید میری جسمانی قوت نصف سے بھی کم رہی ہو، کیونکہ میری ضرب سے چن ژی کی کراہ نہیں نکلی بلکہ میں نے اُس کی جھلاہٹ آمیز آواز میں سڑی ہوئی چینی گالیاں سنیں۔

میں دوبارہ کھڑی ہوئی تو میں نے چن ژی کو زمین کی طرف جھکتے ہوئے دیکھا۔ اُس کی حرکت کا مطلب، فوراً ہی میری سمجھ میں آ گیا۔

میری ضرب نشانے پر پڑی تھی۔ ضرب اتنی شدید نہیں تھی کہ چن ژی کا ہاتھ بیکار ہو جاتا لیکن اُس ضرب سے یہ ضرور ہوا کہ وہ جو ہتھیار اپنی جیب سے نکال رہا تھا، وہ جھٹکے سے زمین پر جا رہا تھا۔ چن ژی اُسی ہتھیار کو برف کے ڈھیر سے اٹھانے کے لیے جھکا تھا، مگر یہ اُس کی حماقت ہی تھی۔ اگر وہ ہتھیار کا خیال چھوڑ کر مجھ سے اُلجھ پڑتا تو شاید میں اپنی جسمانی کمزوری کے سبب اُس کا مقابلہ نہ کر سکتی۔ بہت ممکن تھا کہ اُس صورت میں چن ژی مجھ پر چھا جاتا۔ اُس نے زمین پر پڑا ہوا ہتھیار اُٹھانے کی کوشش میں خود کو میرے دوسرے حملے کا نشانہ بننے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

میں بھلا اُس سنہری موقع سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتی! میں دوسری بار اپنی جگہ سے اُچھلی اور پہلے کی طرح اُس پر حملہ کیا۔ اِس مرتبہ میری کِک میں اتنا زور ضرور تھا کہ چن ژی ضرب کھا کر دوسری طرف اُلٹ گیا اور اسی کے ساتھ اُس کے مُنہ سے کراہ بلند ہوئی جس کا مطلب یہ تھا کہ میری ضرب بھرپور اور کامیاب رہی تھی۔

میں نے دوبارہ اُٹھنے میں جلدی نہیں کی،
چن ژی کا ہاتھ برف کے ایک ڈھیر کی طرف
برف کے ڈھیر کی جانب غور سے دیکھا اور
تیزی سے آگے بڑھا اور ایک سرد دھات
چن ژی سے پہلے اُس کے ہتھیار پر قبضہ کر لیا۔ وہ
امریکی ساخت کا تھا۔

میں نے ریوالور کا رُخ فوراً ہی چن ژی کی
سے اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے اُس
نہیں تھی لیکن میں اُسے آسان موت بھی مارنا نہیں
میری آنکھوں میں موموکا خون آلود حسین چہرہ گھوم
سے تقاضا کر رہا تھا کہ میں اُس کا بھرپور انتقام لوں
کیا اور چن ژی کے نچلے دھڑ کا نشانہ لے کر گولی چلا
سے گونج اُٹھی اور اِسی دھماکے کے ساتھ چن ژی کی
میرا دِل ایک انجانی مسرت سے معمور
چن ژی کا نشانہ لیا۔ اِس بار میں اُس کے پیر پر گولی
ایسا نہ کر سکی۔ میں گولی چلانے سے پہلے
ہی فضا گھوڑے کی ٹاپوں سے گونج اُٹھی تھی۔ میں نے
طرف دیکھا۔ وہ گھوڑ سوار میرے سر پر پہنچ چکا تھا
ہو رہا تھا جیسے وہ مجھے اپنے گھوڑے کے
مجھے اُس کی زد سے بچنے کے لیے فوراً ایک
"چن ژی!" کسی نے دھیمے لہجے میں
"اِدھر!" چن ژی کی لرزتی ہوئی آواز
میری نظر گھوڑا رُکتے ہی گھوڑ سوار
رہا تھا۔ اُس کا بلند قد و قامت دیکھ کر
دھیمے لہجے میں چن ژی کو پکارنے والی آواز
گھوڑے کی زد سے بچنے کے لیے میں
اُدھر گئی تھی، مکان کی دیوار تھی اور میں اُسی سے
سبب میرے بائیں ہاتھ پر شدید
تکلیف کو نظر انداز کر کے اپنی
کرنے کے لیے نہیں تھا۔ میں نے ریوالور
نشانہ لیا اور فائر کر دیا لیکن اُسی وقت
میری چلائی ہوئی گولی اُس کے سر کو نشانہ بنا
غالباً گھوڑ سوار نے چن ژی کو
کر گھوڑے پر بیٹھنے میں مدد دینا چاہی
ہو گیا تھا۔ اِس بار اُس کے سامنے کے
آیا تھا۔

میں نے ایک فائر اور کیا لیکن

آچکا تھا اور تیزی سے ایک جانب دوڑنے
باہر جانے والے راستے کی طرف تھا۔ میں
نشانہ لیا مگر فائر کرنے کی نوبت نہیں آئی
کرا کا ہوا تھا اور میں اُس کی طرف متوجہ ہو
میں نے دیکھا کہ میرے قریب ہی ایک تبتی
کی درسگاہ کا کوئی خادم دکھائی دے رہا تھا۔
دھڑکتے دِل کے ساتھ سوال کیا۔ مجھے
آگیا تھا۔
گئی ہے۔ اُسے گولی لگی ہے۔" خادم نے

انکار ہو گئی "نہیں!" میں تقریباً چیخ پڑی۔
اور اُس عمارت کی طرف دوڑنے لگی۔
اُس پتھروں سے بنی ہوئی عمارت میں ہو گی۔
میں نے کبھی نہیں کی تھی۔ میرے قدم

میں اندر داخل ہوئی۔ مجھے راستہ
عمارت کے جو دروازے کھلے
کار میں اُس کمرے تک پہنچنے میں
حالت میں موجود تھی۔ اُس کمرے کے
میں دو تین لیمپ روشن تھے۔
گرم رہا تھا۔ وہ قالین پر ایک

اُس بچے کی بہادر ماں اپنے ہی لہو میں
اور چمکتے ہوئے پھل کا بڑا سا
گرم کر رہی تھی۔ لڑکی کے چہرے پر
آہٹ پا کر میری طرف دیکھا تو اُس
گھبراہٹ شاید میں کبھی نہ بھول سکوں۔
اور پتلے پتلے نازک سے
کیفیت کا اظہار ہو رہا تھا
رہی تھی۔
پھولا ہوا تھا۔ میں قالین پر بیٹھ گئی
جسم کے کسی حصے میں پیوست
نکالنا چاہتی تھی۔ لیمپ کی تیز لَو پر
تھا!
تھی۔ میں نے جسمانی کمزوری
بیجانی لمحے گزر جانے کے بعد
رہا تھا۔ میرا دِل چاہ رہا تھا کہ میں
آنکھیں کھلی رکھنے پر مجبور کر رہا

تھا۔ میں لمبے لمبے سانس لیتی رہی اور نیم باز آنکھوں سے اُس چینی لڑکی کو تکتی رہی۔

اُس نے کئی بار مجھے مسکرا کر دیکھا مگر زبان سے کچھ نہ بولی۔ شاید اُس نے میری حالت دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ میرے سانس قابو میں نہیں اور میں شاید اُس کی بات کا جواب نہ دے سکوں۔ وہ غالباً سمجھ چکی تھی کہ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔

میں نے دیکھا کہ اُس لڑکی نے اپنے لبادے نما لباس کو اُس جگہ سے پھاڑ دیا جہاں خون ہی خون نظر آ رہا تھا۔ گولی شاید اُس کی ران میں لگی تھی اور ران ہی میں پیوست تھی۔ جسم کے اُس حصے کا وہ خود آپریشن کر سکتی تھی، لیکن ایسا کرنے کے لیے جس ہمت اور دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہر ایک کے پاس تو نہیں ہوتا۔

لڑکی نے ایک بار پھر مجھے مسکرا کر دیکھا اور اپنے پتلے پتلے ہونٹ بھینچ لیے۔ پھر معاً اُس نے چاقو کا تپتا ہوا پھل اپنے زخم میں اُتار لیا۔ دوسرے ہی لمحے مجھے گوشت جلنے کی بُو محسوس ہوئی اور اِسی کے ساتھ چاقو کا پھل زخم سے باہر آ گیا۔

اُس کے مُنہ سے دبی دبی سی سسکیاں نکلیں اور شدید تکلیف سے چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا، مگر اُس کی ہمت نے جواب نہیں دیا۔ اُس نے چاقو کا پھل دوبارہ زخم میں اُتارا اور اُس کی نوک سے گولی تلاش کی۔ پھر چند لمحے بعد ہی گولی زخم سے باہر آ گئی۔ گولی باہر نکلتے ہی جیسے اُس کی ہمت جواب دے گئی۔ اُس نے آنکھیں بند کیں اور سسکیاں بھرتے بھرتے بیہوش ہو گئی۔

میں اب اپنے سانسوں پر قابو پا چکی تھی۔ میں جلدی سے اُٹھی اور قریب جا کر اُس کے زخم کا جائزہ لیا۔ گولی نے شاید ران کی ہڈی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا، لیکن خون کافی بہا تھا اور اب بھی بہہ رہا تھا۔ لڑکی شاید میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی آپریشن کی پوری تیاریاں کر چکی تھی۔ میں نے لیمپ کے قریب ہی جلتے ہوئے کپڑے کی راکھ رکھی ہوئی دیکھی۔ اُسی کے قریب کپڑے کی کئی لمبی لمبی پٹیاں موجود تھیں۔ میں نے زخم میں راکھ بھر کر پٹیاں باندھ دیں۔ جب خون بہنا بند ہو گیا تو مجھے کسی قدر اطمینان ہوا۔

میں جب اُس کمرے میں پہنچی تھی تو کچھ دیر بعد ہی وہاں دو افراد اور داخل ہوئے تھے مگر میں نے اُنھیں دیکھنے کے بعد اُن سے کچھ نہیں کہا تھا۔ میں پوری طرح لڑکی کی طرف متوجہ رہی تھی۔ وہ دونوں بھی خاموشی سے سب کچھ دیکھتے رہے تھے اور اُنھوں نے درمیان میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ اُن میں سے ایک درسگاہ کا خادم تھا اور دوسرا ایک مقامی باشندہ جو غالباً اُس خادم کا واقف کار تھا۔ چینی لڑکی مجھے اُن دونوں کے بارے میں پہلے ہی بتا چکی تھی۔ وہ دونوں اب دبی دبی زبان میں ایک دوسرے سے بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے اور موضوع گفتگو

چینی لڑکی ہی تھی۔ وہ اُس کی بہادری کے تذکرے کر رہے تھے۔

میں نے خادم کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ قریب آگیا تو میں بولی۔

"تم اِس کے پاس رہو۔" میں نے بیہوش چینی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ "اگر اسے ہوش آجائے اور یہ پانی وغیرہ مانگے تو دے دینا۔"

میرے الفاظ ختم ہی ہوئے تھے کہ چینی لڑکی کا بچہ ایک مرتبہ پھر زور زور سے رونے لگا۔ درمیان میں وہ چپ ہو گیا تھا۔ میرے کہنے سے پہلے ہی اُس مقامی تبتی نے بچے کو گود میں اٹھا لیا اور بہلانے لگا۔

میں نے کمرے میں موجود لیمپوں میں سے ایک لیمپ اٹھایا اور دروازے کی جانب بڑھی۔ میں اُس پوری عمارت کا جائزہ لینا چاہتی تھی جہاں کچھ دیر پہلے لازماً چن ژی ٹھہرا ہوا تھا۔ امکان تھا کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو جاتی۔

وہ کافی بڑی عمارت تھی اور اپنے طرزِ تعمیر سے کوئی قدیم مسافر گاہ معلوم ہوتی تھی۔ عمارت کے بیشتر کمرے بند تھے، جیسے انھیں مدتوں سے استعمال نہ کیا گیا ہو۔ صرف دو تین کمروں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُن میں کوئی رہ چکا ہو، مگر اُن میں بھی مجھے کوئی ایسی شے نظر نہیں آئی جس سے مکینوں کی شخصیت پر کوئی روشنی پڑ سکتی ہو یا کوئی خاص بات پتا چل سکتی ہو۔ میں نے صرف ایک بات ضرور محسوس کی کہ اُن کمروں کو چھوڑ کر جانے والوں کو وہاں سے جانے کی زیادہ جلدی نہیں تھی۔ یہ اندازہ میں نے اُن کمروں میں موجود کچھ سامان سے لگایا۔ بے ترتیبی ضرور تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ جلد بازی کا اندازہ لگایا جا سکتا۔ یقیناً سامان باندھنے کا کام سکون و اطمینان سے کیا گیا ہوگا۔

تو کیا چن ژی اور اُس کے ساتھیوں کو چینی لڑکی کے حملے کی پہلے سے خبر تھی؟ میں نے سوچا۔ اور یہ کہ چن ژی کے ہمراہ صرف ایک شخص تھا یا کئی؟ کیا وہ حملہ ہونے ہی کے منتظر تھے کہ حملہ ہو اور وہ حملہ آور سے نمٹ کر فرار ہو جائیں؟

میں اِن سوالوں کے جوابات کی تلاش میں سوچ کی اُس منزل پر پہنچ گئی جہاں میں نے واضح طور پر ایک نتیجہ اخذ کر لیا۔ چن ژی یا اُس کے ساتھی کسی طور بھی چینی لڑکی کے حملے سے باخبر نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ ایک دن قبل ہی تو لہاسہ پہنچی تھی، اور اُس کے وہاں پہنچنے کی اطلاع غالباً کسی کو نہیں تھی۔ پھر اُس کے بارے میں چن ژی کا باخبر ہو جانا ممکن نہیں تھا کہ وہ لہاسہ اور چیکپوری کو چھوڑ کر چن ژی کی تلاش میں اُس بستی تک پہنچ جائے گی۔

میں اُس عمارت کے آخری کمرے کا جائزہ لے کر لوٹ رہی تھی کہ اچانک میری نظر کمرے کے ایک کونے میں پڑے ہوئے جوتے پر پڑی اور میں چونک اٹھی۔

میں نے کونے میں پہنچ کر وہ جوتا اٹھا لیا اور اُسے غور سے دیکھا۔ وہ تبتیوں کے بھونڈے جوتوں سے مختلف تھا اور اُس جوتے کو میں

پہلے بھی دیکھ چکی تھی، اُس جوتے کو بھی اور
نے وہ جوتا سارہ کے سڈول پاؤں میں دیکھا
اُس نے ایک بار پوتالا محل میں بھی میرے ما
کردہ چیکپوری بھی آئی تھی۔

یہ گویا میرے اُس شبہے کی تصدیق
میں چن ژی کا ہاتھ تھا اور یہ کہ سارہ چن
میرا ذہن ایک بار پھر الجھ کر رہ گیا
کے ایک کمرے میں موجودگی اِس بات
آئی تھی اور نہ صرف بستی ہی میں آئی تھی بلکہ
گیا تھا۔ اگر ایسا ہی تھا جیسا میں سوچ رہی
تشنۂ جواب تھا۔ تو پھر سارہ کہاں گئی؟
ساتھ خود میرے سامنے فرار ہوا تھا۔ کیا
سے فرار کرا دیا گیا تھا؟ اگر یہی بات
تھی؟ میرے ذہن میں سوال
میں نے جلدی جلدی بند
اُن میں سے کسی کمرے میں موجود
کنڈی چڑھے دیکھ کر چھوڑ دیا تھا
واقعی طویل عرصے سے بند پڑے
میں واپس بڑے کمرے میں
ایک تکیے کے سہارے نیم دراز
میں نے عمارت کے کمروں
تھا۔ اِس دوران میں در
پکڑ لیا تھا۔ وہ میری غیر موجودگی میں
اور دھر لیا گیا تھا۔ خادم کا ساتھی
آدمی کی ملکیت تھی۔

میں نے اُسے غور سے
عام تبتیوں کی طرح اُس کی آنکھ
صورت ہی سے کاہل دکھائی

"تم نے اِس لڑکی کو دھم
اٹھا کر دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ یہ

"نہیں! میں نے کچھ
میں قطعی بے قصور ہوں!"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے
ساتھیوں نے اسے گولی چلا کر
ہیں، اب تمھیں اُن کے

"وہ... وہ مجھے
بولا۔ "میرا اگر کوئی قصور

نے کی اجازت دے دی تھی۔ انھوں نے
ساری چائے اور خشک میوہ دیا تھا۔"
رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ وہ یقیناً
ایسا ہوتا تو دوبارہ اِس عمارت میں داخل ہونے
کے بارے میں بھی جو صورت بتائی تھی وہ غلط
تو رائج ہے مگر اُس کا استعمال کم ہے۔
ل کر لیتے ہیں۔ تجارت اور لین دین کا یہ قدیم
خاص طور پر عام تھا۔

کوئی شبہ نہیں تھا مگر تفصیلات اگلوانے کے
تھا اور میری یہ ترکیب خاطر خواہ کامیاب
کچھ بتایا۔ وہ باتیں جن سے میرا ذہن الجھا

میں جو افراد ٹھہرے ہوئے تھے، اُن سب
سے وہاں تھے۔ انھوں نے پوری عمارت
پر حملہ کر کے چن ژی
اس عمارت میں بھیجا تھا۔ وہ لوگ صرف چند
اپنے ہمراہ لے کر وہاں سے کسی نامعلوم
اُن کے درمیان ہونے والی گفتگو سے
تھا، وہ کسی حد تک چام ڈیو کی طرف
کے ہمراہ عمارت ہی میں رک گیا تھا۔
رات گئے طوفان کے دوران
اُس کے ساتھ طوفان سے قبل ہی روانہ
پہنچنے والے ساتھی کے آتے ہی چن ژی
تھا۔ لوزار کہیں سے گھوڑے لینے
ہی اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا۔
سوالات کر کے مجھے پتا چلا کہ چن ژی کے
معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے جو حلیہ
تھا لیکن عمارت کے مالک نے جو
ساتھی باقی لوگوں سے الگ رہتا
وہ پہلی بار بھی چن ژی کے ساتھیوں
تھے۔ وہ بعد میں وہاں پہنچا تھا۔
ساتھی ہنستی کے سوا کوئی اور
اُسے پہچان نہ لے۔ چن ژی کے
مطلب اور کیا ہو سکتا تھا! اگر
کے ذہن پڑھ کر اُس کے بارے
ہی تھا تو اُس کا کردار میرے
تھا اور کیا چاہتا تھا! اور پھر

یہ کہ اگر وہ چینی حکومت کے خلاف کوئی سازش کر رہا تھا تو پھر سارہ اُس کے ذہن کو پڑھ کر، اُس کے بارے میں کوئی واضح بات کیوں نہیں بتا سکی تھی؟ کیا وہ خود بھی کسی غیر معمولی وصف کا حامل تھا؟ میں سوچتی رہی۔ سارہ جیسی غیر معمولی شخصیت رکھنے والی لڑکی سے اپنے باطن کو چھپا لے جانے والا کوئی معمولی انسان تو نہیں ہو سکتا تھا!

اگر یہ فرض بھی کر لیا جاتا کہ ہنستی واقعی غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا تو پھر سارہ کے ساتھ اُس کا رویّہ کیا معنی رکھتا تھا؟ اگر سارہ اُسے اپنی سازش میں ایک رکاوٹ نظر آ رہی تھی تو وہ بآسانی سارہ کو راستے سے ہٹا سکتا تھا۔ اگر ایسا نہیں تھا اور وہ سارہ کو اپنا حلیف بنانا چاہتا تھا تو اُسے سارہ سے قریب ہونا چاہیے تھا۔ سارہ کو ڈاکوؤں کے ذریعے اغوا کرانے کی کوشش، پھر اُس کا سارہ کے سامنے آنے سے گریز، ان سب باتوں کا کیا مقصد تھا؟

سوالات نے ایک بار پھر میرے ذہن پر یلغار سی کر دی لیکن میرے پاس اِن سوالوں کے جواب نہیں تھے۔ میں نے ان سوالوں سے پریشان ہو کر اپنی توجہ چینی لڑکی کی طرف مبذول کر لی۔ میں اِسی طرح اِن سوالوں کو اپنے ذہن سے جھٹک سکتی تھی۔ اُس کا بچہ سو رہا تھا اور وہ دلچسپی سے میری اور عمارت کے مالک کی باتیں سُن رہی تھی۔

"میں نے چن ژی کے بارے میں جو کہا تھا وہ ٹھیک ثابت ہوا نا! وہ آخر کار تمھیں چوٹ دے کر نکل ہی گیا۔" میں نے چینی لڑکی سے کہا اور مسکرائی۔

"اُس پر تو میں نے قابو پا لیا تھا۔" چینی عورت نے جواب دیا۔ "میں نے اُسے رائفل کے نشانے پر رکھ لیا تھا اور وہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ میں اُس وقت جو بھی کہتی وہ اُس پر عمل کرنے پر مجبور ہو جاتا مگر اُس کا ساتھی بہت ہوشیار نکلا۔"

"اُس کا ساتھی؟" میں حیرت سے بولی۔ میرا ذہن اُس وقت ہنستی کو فراموش کر چکا تھا۔

"جی ہاں وہی جس کے بارے میں ابھی آپ پوچھ گچھ کر رہی تھیں۔" چینی لڑکی نے مجھے یاد دلایا۔ "میں نے چن ژی کو جس کمرے میں گھیر لیا تھا، وہاں اُس کے اور میرے علاوہ اُس وقت کوئی اور نہیں تھا لیکن اِس کے باوجود میں نے پوری احتیاط برتی تھی۔ میں نے اپنی پشت کمرے کی دیوار سے لگا لی تھی اور میرا رُخ کمرے کے دروازے کی جانب تھا تاکہ عقب سے مجھ پر حملہ نہ کیا جا سکے۔ اِس کے علاوہ یہ کہ اگر چن ژی کا کوئی ساتھی کمرے میں داخل ہو تو فوراً میری نظر میں آ جائے اور میں اُس سے نمٹ سکوں۔ معاً کھلے دروازے سے کوئی چیز اندر پھینکی گئی جو لڑھکتی ہوئی کمرے کے ایک کونے میں چلی گئی۔ صرف چند لمحے کے لیے میری توجہ اُس شے کی طرف مبذول ہو گئی اور چن ژی کے ساتھی نے اُنہی چند لمحوں سے فائدہ اٹھا لیا۔ وہ لڑھکتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اِسی کے ساتھ اُس نے مجھ پر گولی چلا دی۔ میرے ہاتھ سے رائفل چھوٹ گئی اور میں بچے کو سنبھالتی ہوئی ڈھیر ہو گئی۔ اُس کی چلائی ہوئی گولی میری ران میں گھس گئی تھی۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

میں نے اُسے ترحم آمیز نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا دنیا میں تمھارا

کوئی نہیں ہے جو تم اپنے بچے کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتی ہو؟"

"جی نہیں! قریبی عزیز کوئی نہیں ہے۔ ہاں ہمدرد بہت ہیں مگر میں اپنے بچے کو اُن کے پاس نہیں چھوڑنا چاہتی۔" چینی لڑکی نے جواب دیا' پھر پُرجوش سے لہجے میں بولی۔ "میری نانی' میری ماں کو اسی طرح سینے سے چمٹائے عظیم ماؤزے تنگ کے ساتھ برسوں انقلاب کی جدوجہد میں شریک رہی تھیں۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھیں اور مجھے یقین ہے کہ میں بھی ناکام نہیں رہوں گی۔ اُن کا مقصد عظیم تھا' سو اُنھیں عظمت ملی۔ مجھے علم ہے کہ میں کسی عظیم مقصد کے لیے جدوجہد نہیں کر رہی لیکن بانو کیا صرف عظیم مقاصد ہی کے لیے جدوجہد کی جاتی ہے! کیا انسان اپنے سینے میں دہکتے الاؤ بجھانے کے لیے جدوجہد نہیں کر سکتا؟"

"کیوں نہیں!" میں نے اُسے دلاسا دیا۔ "تم یوں کیوں نہیں سوچتیں کہ ایک سانپ کو مار دینا بھی اجتماعی مفاد ہے تاکہ وہ سانپ دوسروں کو نہ ڈس سکے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ شاید تم چن ژی سے اپنے شوہر کا انتقام لینا چاہتی ہو!"

"آپ کا اندازہ قطعی درست ہے بانو! چن ژی نے میرے شوہر کو زہر دے دیا تھا۔ ممکن تھا کہ میں صرف اس بنا پر اُس کا پیچھا نہ کرتی اور اپنے بچے کا خیال کر کے خاموش بیٹھ جاتی' مگر اُس نے بڑی سفاکی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ اُس سے انتقام لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گی۔"

"چاہے خود تمھاری اور تمھارے بچے کی زندگی ہی خطرے میں کیوں نہ پڑ جائے!" میں نے اُسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"جو انجام میرا ہوگا' وہ میرے بچے کا ہوگا۔" چینی لڑکی کے لہجے سے عزم کا اظہار ہو رہا تھا۔ "چن ژی بدی کی علامت ہے بلکہ مجسم بدی ہے۔ اگر میں اُسے ختم کرنے کی کوشش میں ہلاک بھی ہو جاؤں تو یہ نیکی ہوگی' اور اگر میں نے بدی پر فتح پالی تو میں سمجھوں گی کہ میں نے سب کچھ پالیا۔"

میری خواہش تھی کہ وہ چینی لڑکی اپنے اور چن ژی کے بارے میں مزید کچھ بتائے مگر اب تفصیلی گفتگو کے لیے میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے اسی لیے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔

"بانو! چن ژی کا وہ ساتھی یقیناً کوئی شریف النفس آدمی تھا۔" معاً چینی لڑکی نے ایک ایسی بات کہہ دی کہ میں چونک اٹھی۔ سارہ کے بعد یہ دُوسری لڑکی تھی جو منتی کے حق میں بول رہی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہو تم! اُس نے تم پر گولی چلائی تھی۔" میں نے چند لمحے توقف کے بعد کہا۔

"محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے بانو!" وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "میرا بس چلتا تو شاید میں اُسے زندہ نہ چھوڑتی مگر میں گولی لگنے اور گر جانے کے بعد قطعی طور پر اُن کے بس میں تھی۔ میرے گرتے ہی چن ژی نے اپنا ریوالور نکال کر مجھے نشانہ بنانا چاہا تھا مگر اُس کے ساتھی نے اُسے ایسا کرنے سے روک دیا' اور چن ژی کو فوراً فرار ہو جانے کا مشورہ دیا۔"

"تو کیا چن ژی نے اُس کی بات ما...
بے ساختہ نکلا۔

"جی ہاں! پہلے چن ژی مجھے گولی ما...
اُس کے ساتھی نے اُسے سختی سے منع کیا...
مجبور ہو گیا۔" چینی لڑکی نے بتایا۔

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آ...
میں کہا۔ "میں جب اِدھر آ رہی تھی تو مجھ...
ہوا تھا۔ اُس کا ساتھی بعد میں گھو...
بیان کی روشنی میں یہ کیسے ممکن ہے؟"

"میں نے احتیاطاً چن ژی کو...
میرے کچھ ساتھیوں نے بھی عمارت...
حد تک درست تھی کہ درسگاہ کا...
کی دونوں جانب موجود تھے تاکہ...
باخبر کر سکیں۔" چینی لڑکی اپنے...
توجہ سے اُس کی بات سنتی رہی...
میں میرے ساتھیوں سے نمٹنے...
کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔...
ٹکراؤ ہوا اور وہ آپ کو...
مجھے چینی لڑکی کی...
نے بھی یہی بتایا تھا کہ...
چن ژی اور منتی اُس کا...
گئی۔ اس وقت عمارت میں...
میں نہیں ہوگا جس میں چن...
ٹوٹی ہوئی کڑیاں خود بخود...
رہا تھا۔ میں واقعات کو...
جب چن ژی کو قابو میں...
لڑکی زخمی ہو گئی تھی۔ منتی...
لیے وہ خود گھوڑوں کی...
ساتھی کو گھوڑے لینے...
کا بندوبست کر کے...
ساتھی کو بستی کے باہر...
اور پھر چن ژی' منتی...
میں سوچ...
سازشوں کا مرکز تھا...
پہنچ کر ایک شخصیت...
سیاسی شخصیت...

...کیا کہ وہ عمارت نسبتاً زیادہ محفوظ اور آرام دہ ہے۔
...قیام کرنا چاہیے۔ فی الحال ہمیں آرام کرنے کی
...میں نے رضوان کو بھی اُسی عمارت میں بُلانے کے
...کو روانہ کر دیا۔
...وہاں پہنچا تو اچھی خاصی روشنی پھیل چکی تھی۔ ایک
...تھا اور ہنگاموں بھری رات گزر چکی تھی۔ رضوان
...کی نسبت بہت بہتر تھی لیکن اِس کے باوجود
...آرام کی ضرورت تھی۔ میں نے پنچن لامہ اور بڑے
...خادم کو اُن کی طرف روانہ کر دیا۔ اُس کے بعد
...رضوان سونے کے لیے لیٹ گئے۔
...بڑا حصہ سو کر گزارا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں
...لامہ آیا۔ میرے ساتھ ہی رضوان اور چینی لڑکی
...تھے۔ میں بڑے لامہ کی محبت سے بہت متاثر
...خود ہی ہماری تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا۔ راستے
...ہماری خیریت سے مطلع کر دیا تھا لیکن مطمئن ہو
...نا گوارا نہیں کیا اور ہمارے پاس پہنچ گیا۔
...بیدار بھی نہیں کیا اور ہمارے خود ہی اُٹھ...
...اُس کی محبت کا ثبوت تھا۔
...سے تمام واقعات کی تفصیل سُنی۔ اِس دوران
...رنگ آتے جاتے رہے۔ اُس نے تفصیل
...ٹٹولا کر بھی دیکھا' پھر خود اپنے ہاتھ سے
...بڑے لامہ نے میری اور رضوان کی جان
...شکریہ ادا کیا اور لڑکی کو دُعا دی کہ وہ اپنے

...بڑے لامہ کی آمد سے سمجھ گیا تھا کہ اُس کی
...افراد کس حیثیت کے ہیں! وہ اب ہماری
...خشک میوہ اور مصالحے دار چائے لے
...بولا۔ "یہ میرے لیے بڑی عزت کی
...مہمان ہیں۔ آپ جب تک بھی چاہیں اِس
...رہیے۔"
...کر ممنونیت آمیز انداز میں مسکرایا اور نرم
...کی قدر کرتا ہوں' مگر یہ تمھارے نہیں
...اپنے ساتھ چکپوری لے جاؤں گا۔"
...لڑکی کی طرف دیکھا اور ذہین چینی لڑکی

...اب ہونے تک یہیں رہوں تو بہتر ہے۔

...کر سکوں۔" چینی لڑکی نے کہا۔

درسگاہ کے خادم کا مقامی واقف کار بھی وہیں موجود تھا۔ وہ بولا۔ "اِس صورت میں اِن کی اور اِن کے بچے کی دیکھ بھال میں کروں گا۔"

"اور میں بھی اِن کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔" عمارت کے مالک نے بھی کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔" بڑے لامہ نے فیصلہ سُنا دیا' پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "لیکن تم اور تمھارا ساتھی چکپوری چلیں گے۔"

چن ژی وہاں سے فرار ہو چکا تھا اور اب میرا وہاں رہنا فضول ہی تھا' اِس لیے میں نے بڑے لامہ کی بات مان لی۔

روانگی سے قبل بڑے لامہ نے اپنے اُس خادم کو بھی وہیں چھوڑ دیا جو اُس کے ہمراہ چکپوری سے آیا تھا۔ رضوان کو اُس نے اپنے گھوڑے پر سوار کر لیا اور خادم کا گھوڑا میرے حوالے کیا۔ یوں ہم اُس بستی سے رخصت ہوئے۔ ہم شام ہونے سے پہلے ہی بستی سے روانہ ہو گئے تھے۔

موسم خوشگوار تھا' اِس لیے ہمیں چکپوری پہنچنے میں کسی دقت و دشواری کا سامنا نہیں ہوا۔ چکپوری پہنچتے پہنچتے رات ہو چکی تھی۔ ہمارے گھوڑے چکپوری کی درسگاہ سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔

ہم درسگاہ کے بڑے دروازے پر پہنچ کر گھوڑوں سے اُترے۔ میں نے رضوان کو دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ سفر کے سبب نڈھال سا دکھائی دے رہا ہے۔ زہر نے شاید اُس پر کچھ زیادہ ہی اثر کیا تھا کہ وہ چند میل کے سفر میں تھک گیا تھا۔

درسگاہ کے دروازے ہی پر ایک خادم' بڑے لامہ کا منتظر تھا۔ وہ بڑے لامہ کو دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھا اور دھیمے لہجے میں اُسے کچھ بتایا۔ بڑا لامہ اُس کی بات سُن کر ہماری طرف مُڑا تو اُس کا چہرہ خوشی سے کِھلا ہوا تھا۔

"بانو بیٹی! سارہ خیریت سے واپس آ گئی ہے۔" بڑے لامہ نے کھنکتی ہوئی آواز میں کہا۔

میں چونک پڑی۔ "کیا؟ کیا سارہ ڈاکوؤں کے چنگل سے نکل کر درسگاہ پہنچ گئی؟" میری آواز میں حیرت تھی۔

"ہاں بانو بیٹی!" بڑے لامہ نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا اور آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "آؤ!"

میں اور رضوان اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ رضوان کے چہرے سے بھی حیرت کا اظہار ہو رہا تھا مگر وہ خاموش تھا اور میرا ذہن یہ سوچ رہا تھا کہ ایسا کیسے ممکن ہوا؟ مجھے بستی کی عمارت کے مالک نے جو کچھ بتایا تھا' یاد تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ سارہ کو' ہمارے وہاں پہنچنے سے چند گھنٹے قبل چن ژی کے ساتھی کسی نامعلوم منزل کی طرف لے کر روانہ ہو گئے تھے۔

تو کیا وہ کنزل چکپوری کی درسگاہ تھی؟ مگر یہ کیسے ممکن تھا؟ چن ژی نے بغیر کسی مقصد کے تو سارہ کو اغوا نہیں کیا ہوگا، پھر وہ اپنا مقصد حاصل کیے بغیر سارہ کو کس طرح چکپوری کی درسگاہ پہنچوا سکتا تھا؟

چن ژی نے سارہ کو کس لیے اغوا کیا تھا، اِس سے میں ناواقف تھی۔ پہلی بار اُس نے مجھے پھانسنے کے لیے سارہ کو استعمال کیا تھا۔ اُسے بتایا گیا ہوگا یا اُس نے خود میرے بارے میں یہ معلومات حاصل کی ہوں گی کہ خوبصورت لڑکیاں میری کمزوری ہیں۔ میں اِس لیے چن ژی کے حملے سے بچ گئی تھی کہ سارہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ اُس نے اُن لاماؤں کے ذہن پڑھ لیے تھے جو مجھے زہر دینا چاہتے تھے اور جو چن ژی کے آدمی تھے۔ اگر اُس وقت سارہ مجھے چوکنا نہ کر دیتی تو شاید چن ژی مجھے اپنی پہلی ہی چال میں شکست دے چکا ہوتا۔ اگر سارہ غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک نہ ہوتی تو بھی میرا بچنا محال ہی تھا۔ چن ژی کا سارہ کو اغوا کرنا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ سارہ سے کوئی اور مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تو کیا وہ مقصد سارہ کو چند دن قید میں رکھ کر حاصل ہوگیا؟ میں نے سوچا۔ آخر وہ مقصد کیا تھا؟ اور یہیں آ کر میرا ذہن جواب دے گیا۔ میرے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

مجھے سارہ کے بخیریت واپس آجانے پر بہرحال خوشی ہوئی اور میں اُس سے فوری ملاقات کے لیے بے چین ہوگئی۔

بڑے لامہ کے نائب نے درسگاہ کے مہمانوں کو مہمان خانے میں ٹھہرا دیا تھا۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ سارہ مہمان خانے میں تنہا نہیں ہے۔ میرے دل میں یہ جاننے کا بھی اشتیاق تھا کہ آخر اُس کے ساتھ اور کون آیا ہے!

رضوان کے چہرے سے نمایاں تھکن کا اظہار ہو رہا تھا، اِس لیے میں نے پہلے اُسے مہمان خانے کے ایک کمرے میں چھوڑا، پھر ایک خادم کی رہنمائی میں اُس کمرے کی جانب چل دی جہاں سارہ ٹھہری ہوئی تھی۔ رضوان نے سارہ سے ملنے کی بجائے آرام کو ترجیح دی تھی۔

خادم مجھے اُس کمرے تک پہنچا کر لوٹ گیا، اور پھر جیسے ہی میں اُس کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی، ٹھٹک کر رُک گئی۔ میں منتی کو اچانک اپنے سامنے پا کر بھونچکا رہ گئی تھی۔ ایک لمحے کو میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ چن ژی کو گھوڑے پر بٹھا کر لے جانے والا منتی نہیں کوئی اور تھا، مگر جیسے ہی میری نظر اُس کے بازو پر بندھی ہوئی پٹی پر پڑی، میں نے اِس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ گولی جو میں نے اُس پر چلائی تھی، خالی نہیں گئی تھی۔

"آیئے، آیئے بانو! آپ رُک کیوں گئیں!" سارہ کی آواز سُن کر میں چونکی اور آگے بڑھی۔ سارہ میری طرف دیکھتے ہوئے پھر بولی: "میرے کزن کے بازو پر یہ زخم اُس وقت لگا تھا جب یہ مجھے بچانے کے لیے ڈاکوؤں سے بھڑ گئے تھے!"

سارہ کی معنی خیز آواز سے میں نے سمجھا
بھنے والے خیالات کو پڑھ رہی ہے اور مجھ پر
کر رہی ہوں، اُس نے یقیناً اسی شک کو دور
کی تھی۔

چند لمحے توقف کے بعد وہ پھر بولی: "اسے
چنگل سے نکالنے کے لیے گولیوں کی بھی پروا
کرتے تو شاید میں اب بھی انہی ڈاکوؤں کے
منتی کی جانب دیکھتے ہوئے بات ختم کی۔

میں اُن دونوں کے سامنے پڑے ہوئے
والے صوفے پر وہ دونوں بیٹھے تھے۔ منتی
"تم تو خیریت سے ہو؟" میں نے مسکرا کر
"ہاں!" اُس نے جواب دیا، پھر بولی
سارہ کے اِس سوال پر میری آنکھوں
گیا اور چن ژی کے خلاف میرا غصہ تازہ ہو کر
"مجھے افسوس ہے کہ موموکو میری وجہ
سے بول نہیں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ موموکو
طرح زخمی کر سکتا ہے۔"

"موموکو پر جو کچھ گزری، اُس سے جو زخم
یقین کرو سارہ کہ میں یہ قرض ضرور وصول کر
کو دباتے ہوئے کہا۔

سارہ نے میری طرف غور سے دیکھا
پہلے سے کمزور نظر آ رہی تھی اور کچھ بدلی بدلی
طور پر نہ سمجھ سکی۔

"آخر یہ چن ژی آپ کا دشمن کیوں
لہجے میں سوال کیا۔

اِس سے پہلے کہ میں سارہ کے سوال
اٹھا: "سارہ! میں ذرا بڑے لامہ سے مل
چلا جاؤں گا۔ صبح ملاقات ہوگی۔" یہ کہہ کر
دیکھ کر اخلاقاً مسکرایا اور بولا: "آپ تو
آپ نے بات ہی نہیں کی۔" اُس کے لہجے
میں بھی اخلاقاً مسکرائی اور کہا: "تو
ہو کر جا رہے ہیں؟"

"نہیں نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔"
گی۔ فی الحال تو آپ سارہ سے گفتگو کیجیے
بعد ملی ہیں۔"

منتی کے وہاں سے چلے جانے پر
میں سارہ سے کھل کر بات کر سکتی تھی۔

کھل کر بات کریں بانو!" سارہ نے مجھے مخاطب
... قابل نہیں تھی۔" میں نے آپ سے چن ژی کی

ہے سے یہ خوف ہے کہ میں اُس کے مقصد کی
تی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔
کیا ہے؟" سارہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
سے دیکھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر سارہ
... اگر اِس سلسلے میں وہ صرف اپنا تجسس دُور
حاصل کرنا چاہتی تھی تو وہ کسی اور مناسب
رتی۔ یہ موقع تو ایک دُوسرے کی خیریت پوچھنے
بیتی ہوئی سننے کا تھا اور ایک دُوسرے کی دلجوئی
کے لہجے سے تو کچھ اور ہی پتا چل رہا تھا۔ اُس
کی جھلک تھی جیسے وہ مجھ سے کشیدہ خاطر ہو۔ سارہ
کرنے والا صرف ایک ہی شخص ہو سکتا تھا،

لمات بے بنیاد ہیں بانو!" معاً سارہ کی آواز اُبھری۔
الات کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور میں چونک پڑی۔
حقیقت کھُل کہ وہ ذہن پڑھ سکتی ہے اور مجھے
اگر سارہ میرے خلاف ہو جائے تو انتہائی خطرناک

رہی ہیں؟" سارہ بولی۔ اُس کے لہجے میں چبھن
ہے کہ جس پر آپ کے اور میرے درمیان

کہا: "اگر آپس میں غلط فہمی پیدا ہو جائے تو دو عزیز
جانی دشمن بن جاتے ہیں۔"
ان کو ہو سکتی ہے۔ وہ جو دُوسرے کے باطن میں
کوئی غلط فہمی ہو سکتی ہے! میں تو ظاہر و باطن

ذہ ہوتی تو شاید میں سارہ کی بات کو صحیح مان
سارہ کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
... کے تابع رکھنے پر قادر تھا۔ میں نے سوچا۔
... نے کہا: "آپ خود بہت ذہین ہیں،
چھپانے کی کوشش کریں۔ جو بات آپ چھپا
آپ کے ذہن میں آئے گی اور میں اُسے

تھی۔ میں نے بے بسی سے اُس کی طرف دیکھا۔
نہیں ہوں۔" سارہ کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

"میں صرف آپ کو سمجھنا چاہتی ہوں۔ آخر آپ کیوں اتنی مصیبتیں اُٹھا کر تبت آئی ہیں؟ آپ کی یہاں آمد کا مقصد کیا ہے؟"

سارہ کے سوال کا کوئی معقول جواب دینے کے لیے میں نے اپنے ذہن کو ٹٹولا، اور اِسی کے ساتھ تبت آنے کا مقصد میرے ذہن میں ذرد آیا۔ میں نے بہت سوچ کر سارہ کو مخاطب کیا: "میں تبت والوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

"غلط!" سارہ فوراً بولی: "آپ چینی حکومت کے ایما پر یہاں آئی ہیں اور آپ کا مشن، تبت میں چینی حکومت کے خلاف اُبھرتی ہوئی بغاوت کا پتا لگانا ہے۔ آپ تبتی عوام کے دلوں سے دلائی لامہ کی محبت نہیں کھُرچ سکتیں۔ تبتی عوام کو بھلا یہ کیسے سمجھایا جا سکتا ہے کہ چینی حکومت اُن کی دوست ہے!"

چینی حکومت، تبت کے لیے بہت کچھ کر رہی ہے۔ وہ اگر دوست نہ ہوتی تو ایسا کیوں کرتی! میں نے سوچا۔

"بانو! آپ بہت بھولی ہیں۔" سارہ نے کہا: "کسی قوم کے جذبات کو دبانے کی غرض سے بظاہر اُس کی بھلائی کے لیے بھی کچھ کام کیے جاتے ہیں۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ دلائی لامہ کے بارے میں کیا جانتی ہیں؟"

مجھے دلائی لامہ کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ مجھے بس اتنا معلوم تھا کہ دلائی لامہ، بھارت میں کسی جگہ جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔ میں سارہ سے مل کر مہمان خانے کے اُس کمرے میں پہنچ گئی جو میرے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد مجھے سونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔

دوسرے دن سارہ اور منتی سے پھر ملاقات ہوئی۔ میں نے سارہ کی سرد مہری بطورِ خاص محسوس کی۔ میں اب پنچن لامہ سے ملنا چاہتی تھی اور اس کے لیے میرا پوتالا مٹھ جانا ضروری تھا۔ میں اُس سے مل کر چام ڈیو جانے کے لیے تیاریاں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ اب چام ڈیو جائے بغیر بات آگے بڑھنا ممکن نہیں تھی۔

میں نے لہاسہ روانگی سے قبل سارہ سے بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئی، کیونکہ اُسے منتی کے ہمراہ چکپوری میں موجود اپنے کچھ عزیزوں سے ملنا تھا۔

رضوان اب بالکل چاق و چوبند ہو چکا تھا اور حسبِ معمول چہکنے لگا تھا۔ چکپوری سے لہاسہ تک کا سفر خوشگوار گزرا۔

پوتالا مٹھ پہنچ کر میں پنچن لامہ سے ملی۔ پہلی ملاقات سرسری سی رہی۔ وہ میری خیریت پوچھتا رہا اور اِس دوران میں مجھ پر جو گزری تھی سنتا رہا۔ میں چام ڈیو روانہ ہونے سے قبل تر و تازہ ہونا چاہتی تھی، اِس لیے پورے دو ... تھا اور اُس کے حامی اُسے تبت واپس لانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

"آپ کو دلائی لامہ کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔" سارہ میرے جواب دینے سے پہلے ہی بولی: "دلائی لامہ کے بارے میں خود میری

معلومات بھی واجبی ہیں، مگر میں جلد ہی اُن کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کر لوں گی۔ میرے والد اُن کا نام بڑی عقیدت سے لیا کرتے تھے۔ انھیں دلائی لامہ کا ساتھ چھوڑنے پر ندامت بھی تھی اور افسوس بھی۔ دلائی لامہ اگر تبت لوٹ آئیں تو کیسا ہے؟ آپ کا کیا خیال ہے، کیا یہ اہلِ تبت کے لیے بہتر ہوگا؟"

دلائی لامہ کا تبت لوٹ آنا، اُس صورت میں تو بہتر تھا جب چینی حکومت سے گفت و شنید اور مذاکرات کے بعد یہ طے ہو جاتا کہ وہ چینی حکومت سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے، لیکن دوسری صورت میں خود دلائی لامہ کے لیے بھی اُس کی تبت واپسی نقصان کا باعث تھی۔

میں نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد سارہ کی بات کا جواب دیا "میرے خیال میں دلائی لامہ کا تبت آنا مناسب نہیں ہے۔"

میرا جواب سُن کر سارہ نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ اُسی وقت مہنتی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور آتے ہی بولا "بڑا لامہ تم سے بھی ملنے کا خواہشمند ہے سارہ! اگر تم بھی اُس سے مل آؤ تو بہتر ہے۔ وہ اپنے کمرے میں تمھارا منتظر ہے۔"

"اچھا تم بڑے لامہ سے ملو سارہ! میں چلتی ہوں۔" میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ مجھے اِس وقت مہنتی کی آمد گراں گزری تھی۔

دن میں نے اور رضوان نے آرام کیا۔ میں اِس دوران میں دوبارہ پنچن لامہ سے ملی۔ چام ڈیو کا سفر واقعی ناگزیر تھا۔ پنچن لامہ نے بھی خیال ظاہر کیا کہ اب مجھے دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اِسی دو دن کے دوران میں مجھے چینی حکومت کی طرف سے بھی ایک پیغام ملا۔ اُس پیغام میں مجھے آگاہ کیا گیا تھا کہ اِس بات کی تصدیق ہو چکی کہ دلائی لامہ ابھی تک بھارت ہی میں ہے۔ یہ اطلاع چینی جاسوسوں نے بھارت سے فراہم کی تھی۔ اِسی پیغام میں چینی حکومت نے مجھے باخبر کیا تھا کہ دلائی لامہ کو تبت واپس لانے کی کوششیں تیز کر دی گئی ہیں۔ اِس پیغام سے کم از کم ایک بات تو واضح ہو چکی تھی کہ دلائی لامہ ابھی تبت نہیں پہنچا اور بھارت ہی میں ہے۔

یہ مسئلہ اپنی جگہ تھا مگر اسی سے متعلق ایک اور مسئلہ میرا ذہن الجھائے ہوئے تھا اور وہ مسئلہ سارہ تھی۔ مہنتی کا باغی کھمبا قبیلے سے متعلق ہونا، پھر سارہ کا اُس کی طرف جھکنا، ان دونوں باتوں میں کیا رشتہ تھا؟ کیا سارہ کو میری طرف سے ورغلایا گیا ہے؟ لیکن کس طرح؟ میں مہنتی پر شک کر رہی تھی اور سارہ اُسے معصوم ثابت کرنے پر تُلی ہوئی تھی۔

یہ ممکن تھا کہ واقعی سارہ کا بیان درست ہو اور مہنتی ہی نے اُسے ڈاکوؤں سے بچا لیا ہو لیکن میں اِس طرح کے اتفاقات کو شک و شبہے کی نظر سے دیکھنے کی عادی تھی۔ اگر یہ اتفاق ہی تھا تو بڑا عجیب اتفاق تھا کہ جس راستے سے ڈاکو سارہ کو لے جا رہے تھے مہنتی بھی اُسی راستے پر جا نکلا اور ڈاکوؤں سے بھڑ گیا۔ مہنتی نے دوسرے دن یہی کہانی سنائی تھی۔ مجھے بہرحال سارہ کی طرف سے فکر لاحق تھی کہ کہیں وہ مہنتی کی کسی

سازش کا شکار نہ ہو جائے۔ میں بھلا اُن حسین ... جو میں نے سارہ کے ساتھ بسر کیے تھے، لیکن سا... دوسرے ہی دن دُور ہو گئی۔ سارہ پوتالا مٹھ ... سارہ تھی جو مجھے چکپوری میں کچھ بدلی بدلی سی ل... رویے میں نمایاں تبدیلی محسوس کی سرد مہری کی ... لی تھی۔

مجھے یہ دیکھ کر اور بھی خوشی ہو رہی تھی ... لگا کر نہیں لائی تھی۔ وہ تنہا آئی تھی۔ میں نے ... میں ٹھہرا لیا تھا۔ اُس وقت رضوان بھی میرے ...

"یہ قربتیں کسے نصیب ہوتی ہیں سارہ ... صحبت کا شرف تو بڑے بڑوں کو حاصل نہیں ...

"تو جناب مجھے انکار کب ہے!" سا... رضوان چہکتے چہکتے بہکنے لگے ... بدل دیا اور بولی "رضوان! میرا خیال ہے ... روانہ ہو جائیں۔"

"نیک خیال ہے۔" رضوان شوخی سے ... چلیں تو آپ کا وقت اچھا گزرے گا۔"

"ہاں کیوں نہیں، کیوں نہیں!" میں ...

"ویسے کیا یہ ممکن نہیں کہ اِس بندۂ حقیر ... سُنا ہے کہ چام ڈیو بڑا خطرناک علاقہ ہے ... ہے۔" رضوان ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

مجھے علم تھا کہ وہ محض اداکاری ک... میں تنہا چھوڑ دے! یہ تو ممکن ہی نہیں تھا، ... بولی "ہاں یہ ٹھیک ہے، تم یہاں مفت کی ... چام ڈیو ہو آتی ہوں۔"

کچھ وقت ایسی ہی خوش گپیوں میں گزر... کھایا، باتیں کیں اور رضوان کچھ دیر بعد اپنے ... سارہ کمرے میں تنہا رہ گئے۔

سارہ بہت دن بعد تنہا ملی تھی۔ مجھ... میں ہزاروں آرزوئیں کروٹیں لینے لگیں۔ ... اور ایسی خواہشیں کہ ہر خواہش پہ دم نکلے ... نگاہ سے دیکھا اور وہ میری نگاہ کا مفہوم سمجھ... جھکا لی اور میں اُس کی ادا پر قربان ہو گئی ... بیٹھی تھی۔ میں نے اُس کی طرف مُڑ کر اُس کا ... لے لیا۔

"سارہ!" میں جیسے خواب کے ...

"بانو!" اُس کے یاقوتی لب ...

...ان کہہ دی۔

...ہو کر اُس کا ہاتھ پکڑا۔

...لیتے ہوئے مدھم لہجے میں بولی۔

...ہے، رنگ ہیں، کیف ہے، بے خودی ...ہے۔ وہاں سارہ، جہاں دُوئی نہیں، فاصلے ...، رُکاوٹیں نہیں اور جہاں مرد کی برتری ...ثانے چلی آؤ!" میں نے سارہ کا ہاتھ تھامے ...زیرِ لب کہا۔

...ہی گئی۔ رنگوں نے رنگوں سے باتیں کیں، ...بہار کی صدا گونجی اور نکہتوں کا کارواں رواں ...اگلی منزلوں کی نوید دی اور نفس نفس فاصلے ...سراب میں شراب تحلیل ہوئی اور نشہ بڑھتا ...گیا، اور پھر نشۂ جاں کے سوا کچھ نہ رہا۔ میں ...سارہ وہاں تھی ہی کب جو میری صدا کا جواب ...آگے نشانِ منزل کے قریب کھڑی تھی، ...حال تھا۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ مجھے ...مجھے شاید یہی احساس ہوا تھا اور ...بھول گئی تھی کہ میرے سانس بے قابو ہوتے ...رہا کہ میں نے قریبِ منزل پہنچ کر سارہ ...کہنا چاہا تھا کہ دیکھو سارہ! میں تم سے ...لیا، مگر میں کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔ بے قابو ...ہو گئیں!

...سے میرے دل کا سارا غبار ڈھل چکا تھا۔ ...ہمارا پوتالا مٹھ سے باہر نکلے۔ رضوان نے ...کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا اور وہ محل ہی میں ...کر ہنس کر ٹال دیا تھا۔ ناشتے کے دوران ...ایک عزیز کا ذکر کیا تھا۔ وہ میرے والد ...اُسی سے ملنے جا رہی تھی اور اُن سے مجھے

...ساتھ دو تربیت یافتہ فوجی گارڈ کے طور ...آدمیوں کو اپنے ساتھ لے جانا تو نہیں چاہتی ...ہم کر دیا۔

...لاسہ کی اُس آبادی میں پہنچے جہاں سارہ ...پتھر سے بنی ہوئی ایک مضبوط عمارت میں ...اپنے باڈی گارڈز کو عمارت کے باہر ہی ...تھے مگر پھر یہ اطمینان کر کے کہ

عمارت میں داخل ہونے کا ایک ہی راستہ ہے، وہ دروازے پر جم گئے۔

وہ عمارت کئی کمروں پر مشتمل تھی اور اُس کا کچھ حصّہ کسی چٹان کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ کھڑکیاں، روشندانوں کی طرح تنگ تھیں۔ سارہ شاید پہلے بھی وہاں آ چکی تھی کیونکہ وہ سیدھی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں ہوتی ہوئی عمارت کے اندرونی حصّے کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ سارہ نے مجھے بتایا تھا کہ اُس عمارت میں اُس کا عزیز صرف ایک ملازم کے ساتھ تنہا رہتا ہے، اِس لیے عمارت میں کسی کو نہ پا کر مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ میں نے اِس بات کا بھی کوئی خیال نہیں کیا کہ ہمیں عمارت کا دروازہ کھلا ملا تھا، کیونکہ تبت میں یہ کوئی عجیب بات نہیں۔

آخری دروازہ ہمیں بند ملا، لیکن وہ بھی صرف بھڑا ہوا تھا۔ سارہ نے دروازہ کھول کر مجھے آنے کا اشارہ کیا۔ میں کمرے میں داخل ہوئی۔ میرے ساتھ ہی ساتھ سارہ نے بھی کمرے میں قدم رکھا۔

عمارت کے دُوسرے حصّوں کی نسبت وہ کمرہ کافی روشن تھا۔ سامنے ہی ایک مسہری کے گدّے پر ایک بوڑھا آدمی تکیے کے سہارے نیم دراز تھا اور دروازے ہی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اُس کے جسم میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ یہ بات مجھے کچھ غیر فطری سی لگی۔

اُسی لمحے مجھے اپنے پیچھے کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی۔ میں چونک کر مُڑی اور جھجک کر اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔ دروازے کی دونوں جانب دو دو آدمی رائفلیں تانے کھڑے تھے اور اُن رائفلوں کا رُخ میرے سینے کی طرف تھا۔ اُن میں سے ایک آگے بڑھا اور وہ مہنتی تھا۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"بانو! ہاتھ اوپر اٹھا لیں۔" اُس نے بڑے ادب سے کہا۔

"میں یہاں تنہا نہیں آئی ہوں۔" میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"ہمارے ساتھ دو دو بلیک کمانڈو بھی ہیں۔" سارہ نے مہنتی کو مخاطب کیا۔

"ابھی اُن کا انتظام بھی ہوا جاتا ہے۔" مہنتی پُرسکون آواز میں بولا، پھر اُس نے رائفل بغل میں دبا کر تالی بجائی۔

دوسرے کمرے میں آہٹ سُنائی دی۔ چند لمحے بعد ہی اُس کمرے میں چار پانچ آدمی گھس آئے۔ وہ بھی رائفلوں سے مسلح تھے۔

"باہر اِن کے دو ساتھی موجود ہیں، ذرا اُن کی خیریت دریافت کر دو!" مہنتی نے تمسخرانہ لہجے میں اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

آنے والے خاموشی کے ساتھ کمرے سے نکل گئے۔ کچھ دیر بعد ہی اُن میں سے ایک نے آ کر اطلاع دی کہ ہمارے باڈی گارڈز بھی مفلوج

سکیے جا چکے ہیں۔

"اب آپ پوری طرح ہمارے قبضے میں ہیں بانو!" مہنتی نے مسکرا کر کہا۔

میں نے سارہ کی طرف دیکھا جو نظر چُرائے کھڑی تھی۔

"تو تم میرے دشمنوں سے مل گئیں!" میں نے سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

سارہ نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور مجھے اُس کی آنکھیں پہلے ہی کی طرح معصوم دکھائی دیں۔ نہ اُن آنکھوں میں ندامت تھی نہ غصہ! مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ سارہ میری دشمن ہو گئی ہے۔ سارہ جو غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک تھی، دشمن کی حیثیت سے بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ آخر اُس پر کیا جادو کیا گیا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے دشمنوں سے مل گئی تھی!

"آپ غلط سوچ رہی ہیں بانو!" میری سماعت سے سارہ کی آواز ٹکرائی "مجھ پر کوئی جادو نہیں کیا گیا۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں، پھر قدرے توقف کے بعد بولی "بانو! آپ یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دیں کہ میں آپ کی دشمن ہو گئی ہوں۔ دشمنی میری سرشت میں داخل نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے اپنے آبائی وطن کے باشندوں سے ہمدردی ہے۔ میں اُن کے دُکھ میں برابر کی شریک ہوں۔ تبتی باشندے میرے خیال میں مظلوم ہیں، اور مظلوموں کی حمایت انسانیت ہے۔ اِس دوران میں مجھے بہت کچھ معلوم ہوا ہے اور میں اِس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ محترم دلائی لامہ کی تبت واپسی ضروری ہے۔ اِسی میں تبت اور اہلِ تبت کی بھلائی ہے۔ محترم دلائی لامہ کی شخصیت نے مجھے اِتنا متاثر کیا ہے کہ اب تبت کے باشندوں کی طرح میری بھی یہی دِلی آرزو ہے، محترم دلائی لامہ تبت واپس آ کر اپنے چاہنے والوں کے دلوں پر حکومت کریں۔ اُسی طرح جس طرح وہ پہلے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے، امن و سکون کے ساتھ، محبت و خلوص کی فضا میں اور بیرونی مداخلت سے آزاد رہتے ہوئے۔"

"مگر سارہ چند دن پہلے تو تمھارے یہ خیالات نہیں تھے!" میں نے اپنی طرف تنی ہوئی رائفلوں کو نظرانداز کرتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"بانو! چند دن پہلے میں تبت میں ایک اجنبی لڑکی تھی جسے تبت اور اہلِ تبت کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا۔" سارہ ایک طویل سانس لے کر بولی "چند دن پہلے تک میرے صرف یہ احساسات تھے کہ تبت میرے والد کا وطن ہے، لیکن اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرا خمیر بھی

اِسی مٹی سے اُٹھا ہے۔ تبت جسے چھوڑ کر
رہے، اب مجھے اُس پچھتاوے کی اہمیت
والد کو اپنے آقا محترم دلائی لامہ سے
میں اُنھوں نے اپنے بھائی کو ایک خط لکھا
کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ خط میرے بھائی
والد کا خط پڑھ کر میں نے یہ جانا کہ محترم
طرح ہیں جیسے مچھلی بغیر پانی کے! اُن
خواہش کا صاف صاف اظہار کیا تھا کہ
کو کام میں لاتے ہوئے محترم دلائی لامہ
پوری کوشش کروں۔ یہ میرے والد
احترام مجھ پر فرض ہے۔" آخری جملہ
شدتِ جذبات سے بھرا سی گئی۔

"کیا تمھیں یقین ہے سارہ کہ وہ
تھا؟" میں نے مہنتی کو شک و شبہے کی
"میں اپنے والد کا طرزِ تحریر پہچانتی
ہیں تلخی تھی۔

"کسی کے طرزِ تحریر میں جعلی تحریر
سارہ!" میں نے تیزی سے کہا "میں تم
سکتی ہوں جسے دیکھ کر تم حیران رہ جاؤ
ہے نقلی نہیں۔ تم ایک نظر مجھے اپنے
پھر میں ہوبہو ویسی ہی تحریر تمھیں لکھ
نہیں، حقیقت ہے۔"

سارہ میری بات سُن کر خلاف
بانو جب آپ وہ جعلی تحریر میری طرف
میں کیا ہو گا؟ آپ یہ کیوں بھول جاتی
کو پرکھنے کے کچھ اور معیار بھی رکھتی
اُس کا اشارہ ذہن پڑھنے کی
اور چُبھتی ہوئی نگاہ سے مہنتی کو گھورنے
کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی مسکراہٹ
سارہ کے سامنے میری بے بسی کا تماشا۔

"مہنتی!" میں نے اُسے درشت
میں تمھارے سحر سے سارہ کو نکال لوں گی
لڑکی کو دھوکا دے رہے ہو۔"
مہنتی کی بجائے سارہ بول اُٹھی

بھائی معصوم ہے۔" سارہ کے لہجے میں

وہ سارہ کو محض ایک جعلی تحریر سے دھوکا کھا
کی جواب دیا۔
اُسی تحریر کی نہیں، کچھ اور بھی ہے۔"
گزشتہ چند دن میں نے جن لوگوں
ں نے مجھے بہت اہم معلومات فراہم

چونک پڑی۔
ڈاکو، تبت کے وہ معمولی باشندے
مت سے بھٹک جاتے ہیں۔ وہ تھوڑی
کھلونا بن سکتے ہیں۔ حصولِ زر کے لالچ
سرکردہ گناہ کا رہے ہیں یا ثواب! اُن
حکم پر اغوا کیا تھا، اور چن ژی چینی حکومت

بولی "وہ سُرخ چین سے تعلق رکھتا ہے
اور بدامنی پھیلاتا ہے۔ وہ بغاوت
تا ہے۔ بغاوت جس میں تبت کے بھولے
بغاوت جو تبت کا مستقبل تاریک کر دے۔"
اور اُس نے کہا "بانو! شاید آپ بھول
یقین نہیں کرتی، کیونکہ میں جانتی ہوں
میں نے اُن ڈاکوؤں کے ذہن کھلی کتاب
کو چینی حکومت کے ایجنٹ ہی کی حیثیت

حکومت کا ایجنٹ سمجھتی ہو؟" میں نے برجستہ
ی میرا ساتھی ہوا۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر

اِس لیے یہاں بھیجا تھا کہ آپ معلوم کریں
یا بھارت ہی میں ہیں!" سارہ نے
پہنچے ہوں تو آپ کے لیے ہدایت
آپ ایسے حالات پیدا کریں کہ محترم
چھوڑ دیں، مگر شاید آپ کو یہ نہ معلوم
سائن بورڈ کی طرح ہے، اور اصل آدمی

چن ژی ہے۔"

"اور مجھ پر چن ژی کے قاتلانہ حملے؟ اُنھیں تم کس خانے میں رکھو گی؟"

"وہ حملے محض آپ کو اُلجھائے رکھنے کا ایک بہانہ ہیں۔" سارہ نے جواب دیا۔

"مومو پر حملہ محض کوئی بہانہ نہیں ہو سکتا جبکہ وہ چینی حکومت ہی کی نمائندہ تھی۔" میں نے دلیل سے سارہ کی تردید کرتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا، تاکہ اُس کا ردِعمل جان سکوں۔

سارہ کے چہرے سے کسی قسم کی اُلجھن کا اظہار نہ ہوا۔ وہ پُرسکون آواز میں بولی "بانو! کسی بڑے مقصد کے حصول کی خاطر مومو جیسی کئی لڑکیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔"

"تو تمھارے کہنے کا مقصد یہ ہے سارہ کہ چینی حکومت کا بھیجا ہوا اصل آدمی چن ژی ہے اور میری حیثیت ثانوی ہے تاکہ وہ لوگ میرے پیچھے لگ جائیں جو چینی حکومت کے خلاف ہیں۔ اِس طرح چن ژی بآسانی حصولِ مقصد کے لیے کوشش کر سکے؟" میں نے وضاحت چاہی۔

"ہاں بانو! حقیقت یہی ہے جس کا علم غالباً آپ کو نہیں تھا۔" سارہ نے تائید کی۔

چند لمحے کو میں سناٹے میں آ گئی۔ یہ بات میرے ذہن میں صاف ہو چکی تھی کہ سارہ کو کیوں اغوا کیا گیا تھا! اُسے اغوا کرا کے یہ یقین دلا دیا گیا تھا کہ چن ژی، چینی حکومت کا ایجنٹ ہے۔ اغوا کرنے والوں کے ذہن پڑھ کر سارہ کا چینی حکومت کے خلاف ہو جانا سمجھ میں آتا تھا۔ اُن کا پورا منصوبہ میرے ذہن میں واضح ہو گیا۔ مہنتی نے سارہ کو اِسی لیے اُن ڈاکوؤں سے چھڑایا تھا کہ اُسے وہ جعلی خط پڑھوا دے جسے اُس کے باپ کا خط بتایا گیا تھا۔ اِس طرح وہ سارہ کو دھوکا دے کر میرا مخالف بنانا چاہتا تھا، اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سارہ میرے مخالفوں کی دوست بن چکی تھی۔

"میں دھوکا نہیں کھا سکتی بانو! آپ پھر غلط خطوط پر سوچ رہی ہیں۔" سارہ کی آواز سے میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا، اور میں کچھ جھنجھلا سی گئی۔ وہ کہہ رہی تھی "آپ چن ژی کو سُرخ چین کا باشندہ سمجھ کر خود دھوکا کھا رہی ہیں۔"

سارہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ میں نے دانستہ ایک غلط بات سوچی، مگر زبان سے کچھ اور ہی کہا۔ میں بولی "میں تمھارے خیالات سے

مشتعق نہیں ہوں سارہ!"

"جب کہ آپ کا ذہن میرے خیالات کو تسلیم کر رہا ہے بالز!" اُس نے مُسکرا کر میری آنکھوں میں دیکھا۔

میں نے اُس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔ "سارہ! کیا چن ژی تمھارے سامنے آیا تھا؟"

"نہیں!" اُس نے جواب دیا۔ "وہ محض اُس وقت چند لمحوں کے لیے میرے سامنے آیا تھا جب مجھے اغوا کیا جا رہا تھا۔ اُس کے بعد میں نے اُسے نہیں دیکھا۔ ہاں اُس کے ساتھیوں کے ذہن پڑھ کر مجھے ضرور پتا چل جاتا تھا کہ وہ آس پاس ہی منڈلا رہا ہے۔"

اِس کا مطلب یہی تھا کہ چن ژی کو کسی طرح سارہ کی غیر معمولی صلاحیتوں کا عِلم ہو گیا تھا، اِسی لیے وہ سارہ سے دُور دُور رہتا تھا۔ میں نے مہنی کی جانب دیکھا، جس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ میرے خیال میں یہ سارا کھیل وہی کھیل رہا تھا۔

"آخر آپ میرے بھائی کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہیں؟ یقین کیجیے کہ وہ بالکل بے قصور اور معصوم ہے۔" سارہ نے اِس بار انگریزی میں کہا۔

"معصوم تم ہو سارہ جو ذہین ہو کر بھی دھوکا کھا رہی ہو۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ چن ژی نے تمھیں کس لیے اغوا کرایا تھا؟" میں نے بھی انگریزی زبان کا سہارا لیا۔

مجھے پہلی بار سارہ کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آئے، پھر اُس نے کہا۔ "چن ژی شاید مجھے اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا تھا، تاکہ کسی مرحلے پر میں اُس کے منصوبے کی راہ میں حائل نہ ہو سکوں۔"

سارہ کا خیال درست ہے۔ میں نے ایک بار پھر دانستہ غلط سوچا، اور زبان سے اپنے خیال کی تردید کی۔ مجھے اِس کھیل میں لطف آنے لگا تھا۔ میں نے کہا۔ "سارہ! یہ محض تمھارا مفروضہ ہے۔"

"بالز! آپ یہ جان کر بھی کہ میں ذہن پڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہوں، مجھ سے کیوں غلط بات کرتی ہیں؟ آپ کا ذہن میری بات کی تائید کرتا ہے، مگر زبان سے آپ اختلاف کرتی ہیں!"

"خیر اِس ذکر کو چھوڑو، اور یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے یہاں لا کر کیوں پھنسایا ہے؟" میں نے اُس کی بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے دوسری بات چھیڑ دی، اور اپنے ذہن کو دوسرے مسئلے میں اُلجھا لیا، تاکہ سارہ اُس کھیل کو نہ سمجھ سکے جو میں اُس سے کھیل رہی تھی۔ وہ کھیل جو ذہانت اور قوّتِ ارادی کا کھیل تھا۔

"آپ کا خیال غلط ہے بالز!" میں اُس کی آواز سُن کر چونک پڑی۔

کہیں وہ یہ حقیقت تو نہیں جان گئی کہ میں
مگر ایسا نہیں تھا۔ اُس کا مقصد کچھ اور
اُس کے اگلے جملوں سے ہو گئی وہ کہہ رہی تھی
لا کر پھنسایا نہیں بالز بلکہ میں آپ کو اِس جال
شاید آپ کو میری اِس بات پر یقین آ سکے کہ
آپ کی اُتنی ہی عزت و محبت ہے جتنی
تجارتی سامان لے کر چین کی طرف روانہ ہو
چند ساتھیوں کی رہنمائی میں، اُس قافلے کے
ہو جائیں گی۔"

"اور رضوان؟" میرے مُنہ سے بے سا
"وہ آپ کی طرف سے مایوس ہو کر اپنا
چاہیں تو اُسے کسی طرح آپ کے بارے میں
بخیریت چین پہنچ چکی ہیں۔" سارہ نے
"اگر بقول تمھارے تم میری ہمدرد ہو تو
کیوں اُٹھی ہوئی ہیں؟" میں نے پُوچھا
"اِس لیے بالز کہ میں بھی آپ کو اچھی طرح
بھائی مہنی بھی جان چکا ہے کہ آپ کو راہ
پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔" اُس نے مُسکرا
"لیکن یہ نہ بھولو سارہ کہ مجھے دوبارہ
لگے گی۔" میں نے مضبوط اور پُر اعتماد لہجے
"مجھے معلوم ہے بالز، مگر میں یہ بھی
لگ جائے گی کہ تبّت پر سے چینی اقتدار
لامہ کو اُن کا جائز مقام مِل جائے۔" اِسلام
ممکن تھا کہ میں سارہ سے کچھ اور
گولی چلنے کی آواز سُنائی دی۔ میں
ہوئے قدموں کی قریب ہوتی آواز گونجی
میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے؟" مہنی نے اُس
"پیچن لامہ کے آدمیوں نے
پھُولے ہوئے سانسوں کے درمیان بتایا
مامور تھا، اُنھوں نے اُسے بھی ختم کر دیا
مہنی کے چہرے سے بدحواسی
"میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسے

۔۔۔ اِتنی جلدی یہاں پہنچ جائیں؟" سارہ مہنی

۔۔۔ بھول گئیں!" میں نے سارہ کی طرف دیکھتے
۔۔۔ کا نام رضوان ہے، اُسے تم نہیں سمجھ سکتیں
۔۔۔ میں دھوکا کھا گئی، مگر رضوان مطمئن نہیں
۔۔۔ میرا تعاقب کیا ہو گا، اور دیکھ لو کہ وہ بروقت

۔۔۔ باہر رضوان کی آواز گونجی۔ "سارہ اپنے
۔۔۔ پھینک دیں۔ اُن کے فرار ہونے کا صرف
۔۔۔ ہمارے قبضے میں ہے۔"
۔۔۔ میں بات کی تھی، تاکہ سارہ اُس کی بات سمجھ
۔۔۔ کوئی جواب دینے کی بجائے مہنی سے بولی۔
۔۔۔ کیا جائے؟"
۔۔۔ تیز نگاہ سے مجھے دیکھا، اور بولا۔ "ہم بڑی
تمھاری اور بالز کی سلامتی کا خیال نہ ہوتا تو
۔۔۔ میں سوچا جا سکتا تھا۔ اِس کوشش میں
۔۔۔ مگر ہتھیار ہرگز نہ پھینکتے۔"
۔۔۔ کر بھی ہو گی۔" سارہ نے کہا، پھر اچانک
۔۔۔ پُرجوش لہجے میں بولی۔ "کیوں نہ ہم بالز کو
۔۔۔ میں کوئی ہم پر حملہ نہ کر سکے گا۔"
۔۔۔ ہے سارہ!" یہ کہتے ہی مہنی نے اپنی
۔۔۔ کی، پھر اِس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتی
۔۔۔ میری پشت سے لگا دی۔
۔۔۔ سارہ نے چیخ کر کہا۔ "سُنو رضوان! کوئی غلط
۔۔۔ مار دی جائے گی۔"
۔۔۔ انگریزی میں ادا کیا تھا، پھر اُس نے تقریباً
۔۔۔ دُہرائے۔ اِس بار سارہ کے مخاطب پیچن لامہ
۔۔۔ صورتِ حال کی نزاکت سے آگاہ ہو جائیں۔
۔۔۔ کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا مجھے مہنی کے
۔۔۔ طرف سے گھیرے میں لیا ہوا تھا، اور اُن
۔۔۔ اُٹھی ہوئی تھیں۔ سارہ بھی اِسی حلقے

۔۔۔ جاؤ!" سارہ پھر چیخی، اور اِس بار بھی اُس

نے اپنے الفاظ انگریزی اور تبّتی زبانوں میں دُہرائے۔

میں اُن لوگوں کے گھیرے میں کمرے سے نکلی تو دوسرا کمرہ خالی ملا۔ رضوان یقیناً سارہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے عمارت سے باہر نکل گیا تھا، اور اپنے ہمراہ پیچن لامہ کے آدمیوں کو بھی لے گیا تھا۔ وہ غالباً اچھی طرح جانتا تھا کہ ایسے خطرناک حالات میں دھمکیاں بے معنی نہیں ہوتیں۔ اُس نے عمارت سے باہر نکل کر سمجھداری ہی کا ثبوت دیا تھا۔

میں آہستہ آہستہ رائفلوں کے گھیرے میں مختلف کمروں سے گزرتی ہوئی عمارت کے مضبوط دروازے تک پہنچ گئی۔

عمارت کے دروازے پر رضوان موجود تھا، اور پیچن لامہ کے مسلّح فوجیوں کا ایک دستہ جما ہوا تھا۔ فوجیوں کی رائفلیں دروازے کی جانب اُٹھی ہوئی تھیں، اور قریب ہی اُن کے گھوڑے کھڑے تھے۔

"تم لوگ دروازے سے ایک طرف ہٹ جاؤ!" سارہ نے تبّتی زبان میں فوجیوں کو مخاطب کیا، پھر انگریزی میں رضوان سے مخاطب ہوئی۔ "رضوان! تم یقیناً یہ نہیں چاہو گے کہ وطن سے سینکڑوں میل دُور بالز کا خون بہے، اِس لیے پیچھے ہٹ جاؤ! تم دروازے سے الگ، ایک طرف ہو جاؤ۔"

مجھے رضوان کے چہرے پر اُلجھن اور بے بسی کے آثار نظر آئے اور اُسی وقت اُن مسلّح فوجیوں کے سالار نے رضوان سے کچھ کہا۔ وہ غالباً انگریزی بولنا اور سمجھنا جانتا تھا۔ رضوان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

فوجیوں کے افسر نے اُنھیں حکم دیا کہ وہ دروازے کی دائیں جانب ہو جائیں، پھر وہ خود بھی رضوان کو ساتھ لیے پیچھے ہٹ گیا۔ فوجیوں نے اپنے گھوڑوں کو بھی ایک طرف کر لیا تھا۔

فوجیوں کے دروازے سے ہٹتے ہی مجھ سے آگے بڑھنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے قدم اُٹھایا۔ مہنی اور سارہ میرے پیچھے پیچھے تھے اور اب حلقے نے نیم دائرے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اب میرے آگے مہنی کا کوئی مسلّح آدمی نہیں چل رہا تھا بلکہ وہ میرے دائیں بائیں ہو گئے تھے۔ مہنی اب بھی میری پشت پر رائفل کی نال رکھے ہوئے تھا، اور اُس کے مسلّح ساتھی بھی میری ہی جانب رائفلیں تانے ہوئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ ضرورت پڑنے پر مہنی مجھے بے دریغ گولی مار سکتا تھا، اِس لیے میں غیر ضروری بہادری سے اجتناب کر رہی تھی۔ مجھے کسی ایسے موقع کی تلاش تھی کہ رضوان اور پیچن لامہ کے ساتھیوں کو کچھ کرنے کا وقت مِل جائے، مگر ابھی تک مجھے کوئی ایسا موقع

نہیں مِلا تھا۔

مہنتی اور سارہ اپنے مسلح ساتھیوں کے ہمراہ مجھے لیے عمارت سے باہر نکل آئے، اور ٹھہر گئے۔

"سارہ! اُن کے پاس گھوڑے بھی ہیں اور وہ ہمارا تعاقب بھی کرسکتے ہیں۔" میں نے مہنتی کی آواز سُنی۔

چند لمحے کی خاموشی کے بعد سارہ کی آواز اُبھری "اور ہمیں بھی یہاں سے فرار ہونے کے لیے گھوڑے چاہئیں۔ میرے خیال میں ایک تیر سے دو شکار کیے جاسکتے ہیں۔"

"میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔" مہنتی کے لہجے میں حیرت شامل تھی۔

"میں اِسی لیے تو کہتی ہوں کہ تم بہت بھولے اور معصوم ہو، مگر بالو یقین ہی نہیں کرتیں۔" سارہ کی آواز میں شوخی تھی "تمھاری سمجھ میں اتنی سامنے کی بات نہیں آئی کہ ہم فوجیوں سے گھوڑوں کا مطالبہ بھی کرسکتے ہیں؟"

اور پھر سارہ نے وہی کیا جو کہا تھا۔ مجبوراً رضوان کو اُس کا یہ مطالبہ بھی پورا کر دینا پڑا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مطالبہ پورا کرنے کے باوجود بھی فوجیوں کے پاس گھوڑے بچ رہے تھے، کیونکہ اُن کی تعداد مہنتی اور اُس کے ساتھیوں سے زیادہ تھی۔ رضوان نے بھی شاید یہی سوچ کر سارہ کا مطالبہ مان لیا تھا۔

مہنتی اور اُس کے ساتھیوں نے ہوشیاری کے ساتھ گھوڑوں کی لگامیں تھام لی تھیں، اور اِس دوران میں بھی مجھے یا رضوان کو کچھ کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

"سارہ! آخر تم کیا چاہتی ہو؟" معاً رضوان کی بلند آواز سنائی دی۔ وہ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم اور بالو تبّت سے چلے جاؤ، اور ہمیں اپنے جھگڑے خود نمٹنے دو۔" سارہ نے بھی بلند آواز میں جواب دیا۔

"تو پھر بالو کو چھوڑ دو، ہم واپس چلے جائیں گے۔" رضوان کی آواز پھر سنائی دی۔

سارہ ایک قدم آگے بڑھ کر میری دائیں جانب آگئی۔ اب میں اُس کے چہرے پر اُبھرنے والے تاثرات کا جائزہ لے سکتی تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، اور وہ رضوان کی جانب دیکھ کر کہہ رہی تھی "رضوان! تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ میں تمھیں اور بالو کو اچھّی طرح سمجھ چکی ہوں۔ تم سے بخوشی کوئی ایسی بات نہیں

سنوائی جا سکتی جو تم دونوں کی مرضی کے
رخصت کرنے کا انتظام خود ہم نے کیا ہے
جائیں گی جس طرح ہم چاہیں گے۔"

رضوان، سارہ کی جانب سے مایوس

"بالو! آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"ابھی تک تو ٹھیک ہی ہوں!" میں
جواب دیا۔

"اور آئندہ بھی ٹھیک ہی رہیں گی۔"
تم اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دو کہ تمھیں
موقع مِل سکے گا۔"

اُسی وقت مہنتی نے اپنے ساتھیوں کو
اور میں نے دیکھا کہ وہ چشمِ زدن میں اپنے
سوار ہو گئے۔ سارہ، مہنتی اور میں ابھی
مہنتی کے گھوڑسوار ساتھیوں کی رائفلوں
"بالو اب آپ بھی گھوڑے پر بیٹھ
ہاتھ سے گھوڑے کی لگام آگے بڑھاتے،
میں نے لگام تھام لی۔ مہنتی ایک
اور اُس نے اپنی رائفل میرے سینے کی
سوار ساتھیوں نے ایک بار پھر نیم دا
اور وہ سب میری ہی جانب نگراں تھ
تھی کہ اُن پر فوجیوں کی طرف سے حملہ ہ
کی طرف سے قطعی لاپروا نظر آرہے تھے
سارہ متوجّہ تھی۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے مہنتی او
ہو گئے۔ میں پہلے ہی اُس گھوڑے پر سوا
مہنتی نے تھمائی تھی۔ میرے گھوڑے پ
مکمّل دائرے میں تبدیل ہو گیا تھا۔
نے آگے بڑھ کر وہ راہ مسدود کر دی تھی
سکتا۔ اب میرے دائیں بائیں مہنتی او
چاروں طرف مہنتی کے مسلح ساتھیوں کے گھ
مہنتی اور اُس کے ساتھیوں کی
ایک لمحے کو بھی اُن کی توجّہ میری طرف
مجھے اگر کوئی اطمینان تھا تو صرف

مارنا چاہتے تو اب تک میں زندہ نہ ہوتی۔
نشانے پر تھی۔ میرا خیال تھا کہ شاید سارہ نے
سمجھایا تھا کہ مجھے ہلاک نہ کیا جائے اور زبردستی
لے جایا جائے۔

مگر اِس وقت وہ لوگ رضوان اور فوجیوں
سے ہوسکتا ہیں، لیکن جب وہ رضوان اور فوجیوں
سے تو یقیناً مطمئن ہو جائیں گے۔ اِس کے بعد غالباً
فرار ہونے کا موقع مِل جائے گا۔ مجھے علم تھا کہ
ہمارا رضوان اور فوجیوں کے ذہن پڑھنے میں
پوری آزادی کے ساتھ سوچ سکتی تھی۔

چلو!" مہنتی نے سارہ کو مخاطب کیا۔

سارہ نے جواب دیا "رضوان سوچ رہا ہے
تعاقب کرے گا، کیونکہ ابھی کچھ مزید گھوڑے
موجود ہیں۔"

مطالبہ کیوں نہ کیا جائے کہ وہ اپنے اپنے
ہمارے حوالے کر دیں؟" مہنتی معنی خیز لہجے میں بولا۔

"ہم... میں سمجھ گئی کہ تم کیا سوچ رہے ہو!" سارہ
اپنا مطالبہ دُہرایا۔

بھی مان لیا گیا، اور اِسی کے ساتھ بیک وقت
گولیوں کی آوازوں سے گونج اُٹھے۔ فائرنگ
کے ساتھیوں نے کی تھی، مگر اُن کی رائفلوں
تھے۔ اُنھوں نے ہوائی فائر کیے تھے۔ مجھے
کہ وہ ہوائی فائر کیوں کیے گئے تھے! فوجیوں
کے ہوتے ہی بھڑک کر بھاگ اُٹھے تھے۔

جائے۔" فائرنگ ختم ہوتے ہی مہنتی زور
ورنہ بالو کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"
ساتھیوں کو ہاتھ کے اشارے سے آگے بڑھنے
مسکراہٹ لگاتے ہوئے مجھ سے بولا "بالو!
چلیں!"

ایک نظر رضوان اور مسلح فوجیوں کی جانب
جو سہمے کھڑے ہوئے تھے، پھر گھوڑے کو آگے

تھے، شاید پیدل ہی تعاقب میں آرہے تھے،

مگر مہنتی کے ساتھیوں نے پھر ہوائی فائرنگ کر کے اُنھیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔

وہ چوڑی گلی زیادہ لمبی نہیں تھی۔ بہت جلد اُس گلی سے نکل کر گھوڑے ایک چھوٹی سی سڑک پر آگئے۔ اب اُن کی رفتار تیز ہو چکی تھی۔

ایک دوراہے پر پہنچ کر تمام گھوڑے رُک گئے۔ پھر وہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ مہنتی ایک گروہ کا سربراہ بن گیا اور سارہ دوسرے گروہ کے ساتھ ہو گئی۔

"تم لہاسہ میں رُکے بغیر جام ڈیلو کی طرف روانہ ہو جاؤ!" مہنتی نے سارہ کو مخاطب کیا۔ "میں بالو کو قافلے والوں کے حوالے کر کے تم سے آملوں گا۔"

سارہ نے اثبات میں سر ہلایا، پھر مجھ سے بولی "بالو آپ کے خلوص اور نیک نیتی نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ آپ یقین کریں کہ میں آپ کی دشمن نہیں۔ آپ اپنی دانست میں تبت کی بھلائی کے لیے جو کچھ کر رہی ہیں، وہ تبت اور اہلِ تبت کے حق میں نہیں، مگر پھر بھی میں آپ کے خلوص پر شبہہ نہیں کرتی۔ کاش آپ اہلِ تبت کے مسائل کو سمجھ سکتیں، اور چینی حکومت کا ساتھ چھوڑ کر ہماری صفوں میں آجاتیں۔" یہ کہہ کر وہ لمحے بھر کو رُکی پھر بولی "بالو! کیا خبر اب زندگی کے کسی موڑ پر آپ سے ملاقات ہو یا نہ ہو، اِس لیے اگر میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معاف کر دیجیے گا۔"

سارہ کے لہجے میں دوستی، اخلاص اور چاہت کی مٹھاس تھی۔ میں خود بھی اُس کے لیے کوئی بُرا جذبہ نہیں رکھتی تھی، اس لیے جواباً میں نے بھی رخصتی انداز میں ہاتھ ہلایا اور کہا "مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں سارہ کہ تم حالات کے جبر کا شکار ہو۔ تمھیں فریب دیا گیا ہے، اور ایک دن میں یہ بات ثابت کر دوں گی۔"

میری بات کے جواب میں اُس نے کچھ نہیں کہا، اور مسکرا کر ہاتھ ہلاتی ہوئی اپنا گھوڑا آگے بڑھا لے گئی۔ اُس کے پیچھے مہنتی کے نصف ساتھی بھی چل دیے۔ وہ دو دل جو کئی بار خلوتوں میں ایک ساتھ دھڑکے تھے، جُدا ہو گئے۔ اُنھیں جدا ہونا ہی تھا کہ اُن کی راہیں مختلف تھیں۔

کچھ دیر بعد سفر دوبارہ شروع ہوا۔ اب لہاسہ کی آبادی پیچھے رہ گئی تھی۔ مہنتی کے نصف مسلح ساتھی جا چکے تھے، اور سب سے اہم بات یہ کہ سارہ بھی چلی گئی تھی۔ وہ سارہ جس نے میری سوچ تک

پر پہرے بٹھا دیے تھے۔ اب میں آزادی سے سوچ سکتی تھی، اور اپنی سوچ پر عمل بھی کر سکتی تھی۔

ہر چند کہ منتی اور اُس کے ساتھی اب بھی چوکنّا تھے، لیکن اب کم تعداد رہ جانے کے سبب وہ حلقہ نہیں بنا سکتے تھے۔ منتی میرے بالکل ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ شاید اُسے ڈر ہو کہ میں گھوڑا بھگا کر نہ نکل جاؤں۔

میں نے صورتِ حال کا اندازہ لگایا۔ فرار میں خطرہ تو تھا، مگر اب میرا فرار ہونا، ناممکن نہیں رہا تھا۔ منتی سمیت اُن کی تعداد پانچ تھی۔ میں اِس امکان پر غور کر رہی تھی کہ مجھے اپنے گھوڑے سے اُچھل کر منتی کے گھوڑے کی پُشت پر پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی۔ اب میں اُن کی چال خود اُنھی پر آزمانا چاہتی تھی۔ منتی یقیناً اِس اچانک حملے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ اُس کے گھوڑے پر پہنچ کر، اُس کی بدحواسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُس سے رائفل چھین لینا خطرناک کھیل تھا، مگر میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ میں اُسے یرغمال بنا کر اُس کے ساتھیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتی تھی جو اُس نے اور سارہ نے، رضوان اور پنچن لامہ کے مسلح فوجیوں سے روا رکھا تھا۔ مجھے بس منتی کے برابر چلتے ہوئے ایک دم گھوڑے کی باگیں کھینچنا تھیں، تاکہ منتی کا گھوڑا کسی قدر آگے بڑھ جائے، اور پھر فوراً ہی اُس کی پُشت پر چھلانگ لگا دینی تھی۔ میں جانتی تھی کہ اندازے کی ذرا سی بھی غلطی میری موت کا سبب بن سکتی تھی، لیکن موت سے میں کبھی نہیں ڈری تو اُس دن کیسے ڈر جاتی!

جس وقت میں یہ سوچ رہی تھی، اُس وقت اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ یہ خلش میرے ذہن میں بہت دن سے تھی اور اِس وقت یہ خلش دُور ہو سکتی تھی۔

مجھے اِس بات پر پورا یقین تھا کہ منتی، سارہ کو دھوکا دے رہا ہے، اور یہ بھی میں اچھی طرح جانتی تھی کہ سارہ غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک ہے۔ میرے ذہن میں خلش یہ تھی کہ سارہ، منتی کے باطن سے آگاہ کیوں نہ ہو سکی! کیا منتی بھی کچھ ایسی غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے کہ اُس نے سارہ سے اپنا باطن چھپا لیا! میں منتی پر حملہ آور ہونے سے پہلے اپنی یہ ذہنی خلش دور کر لینا چاہتی تھی، اور اِس کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ میں منتی کی زبان کھلوا سکوں۔ کسی کی زبان کھلوانے کا صرف ایک یہی طریقہ نہیں کہ اُس پر تشدد کیا جائے۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ طریقہ ناکام ہو جاتا ہے۔ زبان کھلوانے کے اور بھی بہت

سے طریقے ہیں، اور میں وہ طریقے جانتی
گھوڑوں کی رفتار اب زیادہ تیز
سے بات کرنا دشوار نہیں تھا۔

"منتی! تم نے مجھے سارہ سے بھی زیا...
اُس کی طرف پُرستائش نگاہ سے دیکھتے ہو...
منتی کے چہرے پر حیرت کے آثا...
جیسے وہ میری بات کا اصل مقصد سمجھ...
میں دوبارہ بولی "اِس میں شک...
صلاحیتوں کی مالک ہے، مگر تمھار...
کر ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا بانو!...
لہجے میں بولا۔

"میں نے جو کچھ کہا ہے منتی، اُسے...
میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہو...
مجھے حقیقت بتانے میں کوئی حرج نہیں...
زبردستی نکالے دے رہے ہو۔"

وہ میری بات سُن کر ہنس پڑا، ...
بانو! میں تے سارہ جیسی لڑکی کو بھی...
کو مطمئن نہ کر سکا۔"

"ہاں، اطمینان کا تعلق ذہن سے...
کہ خلوص اور دھوکے کو الگ الگ سمجھ...
ہے منتی!" میں نے بھی اُس کی ہنسی کا سا...

"آپ کا یہ خیال ٹھیک ہی ہے بانو...
کوئی حرج نہیں ہوگا۔ آپ بہرحال...
آپ کی اور سارہ کی ملاقات کا کوئی اِم...
جائے تو مجھے یقین ہے کہ آپ اُسے...
میری طرف سے برگشتہ نہ کر پائیں گی...
کرے گی، کیونکہ منتی کبھی کچی گولیاں نہیں...
آخرکار میں اُس کی زبان کھلوا...
سوچ کر مجھے خوشی ہوئی، اور میں نے...
بھی تمھاری ذہانت کی معترف ہوں؟"

"بانو! آپ جیسے دھوکے کا نام...
نہیں سمجھتا۔" منتی نے بات شروع کی۔

...صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا، اور اِس
...کہ میں اپنی بہن کو اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا
...اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو اِسے
...جا سکتا ہے بانو؟"

...میں اپنے خیالات کا اظہار بعد میں کروں گی۔
...ہے خیالات سے اتفاق کروں!" میں نے اُسے
...اِس میں یہ جاننے کے لیے مضطرب ہوں کہ کیا تم
...صلاحیت کے مالک ہو؟"

...میں بھی آگ میں تپے ہوئے لوہے کی مانند
...کہ میں دوسروں کے خیالات پڑھ نہیں سکتا،
...پر مکمل اختیار ہے۔ میں چاہوں تو اپنے
...کی ہر لکیر مٹا دوں، اور چاہوں تو اِس پر کچھ

...کہ یہ سارا کھیل قوتِ ارادی کا ہے۔" میں نے
...کیونکہ میں سارہ کے روبرو اپنی قوتِ ارادی کا

...میں نے تائید کی۔ "لیکن بانو! اِس درجے کی
...ہیں کہ آدمی وہی سوچے جو سوچنا چاہتا ہے، اور
...کوئی دوسرا خیال نہ آئے۔ وہ جس خیال کو ذہن میں
...لے آئے، اور جس خیال کو ذہن سے جھٹک دے،
...اِس کے لیے بڑے ذہنی ریاض کی ضرورت
...اِس کا اہل بھی نہیں ہو سکتا۔"

...ہو منتی! یہ واقعی ناممکن سی بات ہے۔" میں نے
...جاننے کی غرض سے ایک ممکن بات کو ناممکن کہہ دیا،
...لیے ہے منتی کہ چن ژی تم سے ملا ہوا ہے،
...منع ہے، چن ژی سُرخ چین کا ایجنٹ ہے،
...ماؤزے تنگ کے چین کا مخالف ہے۔ اُس سے
...سمجھ میں آتی ہے۔ مجھے صرف یہ پوچھنا ہے کہ کیا
...ہی ایما پر سارہ کو اغوا کرایا تھا؟"

...سارہ کو اپنا ہمنوا بنانے کی یہ سہل ترکیب تھی۔" منتی
...اِس طرح میرے اُن خیالات کی تائید ہو گئی جو
...ذہن میں آ چکے تھے۔ منتی کہہ رہا تھا۔ "اغوا کرنے
...بنائی گئی تھیں جو سارہ کے ذہن پر مطلوبہ اثر کر سکیں۔

اغوا کے بہانے سارہ کو اُن لوگوں کے ساتھ کچھ عرصے رہنے کا موقع دیا گیا تھا، تاکہ سارہ اُن کے ذہن پڑھ لے اور چن ژی کو سُرخ چین کی بجائے ماؤزے تنگ کے چین کا ایجنٹ سمجھے۔ اِس کے بعد میں سارہ کو جان پر کھیل کر ڈاکوؤں کے چنگل سے نکال لایا۔ مجھے سارہ سے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں پڑی، اور وہ میری ہم خیال ہو گئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سارہ یہ سمجھتی ہے کہ اُس نے مجھے اپنا ہم خیال بنا لیا ہے، اور میں جو کچھ کر رہا ہوں، اُسی کی ایما پر کر رہا ہوں۔"

منتی خوش نظر آ رہا تھا، اور بات بھی واقعی خوشی کی تھی۔ اُس نے ایک کٹھن کام اِتنی آسانی سے انجام دے لیا تھا۔ مجھے اُس کی ذہانت کا اعتراف کرنا پڑا۔

"تم واقعی بہت ذہین ہو منتی!" میں نے کہا، پھر قدرے تیز لہجے میں سوال کیا۔ "کیا مومو پر حملے کی تجویز بھی تمھاری ہی تھی؟"

میری بات سُن کر اُس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ مجھ سے نظر چُرانے لگا، پھر چند لمحے بعد بولا۔ "چن ژی نے یہ حرکت میری مرضی کے خلاف کی تھی اور میں نے اُسے ڈانٹا بھی تھا۔"

"چن ژی تمھیں کب اور کہاں ملا؟" میں نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔

منتی نے میرے سوال کا فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ شاید وہ یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے اِس سلسلے میں کچھ بتائے یا نہیں! پھر غالباً اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ مجھے کچھ بتانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

"ہم چینی حکومت کے خلاف، ایک عرصے سے بغاوت پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" منتی بولا۔ "ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہمارے محترم رہنما دلائی لامہ دوبارہ تبت آ جائیں۔ یہ ایک بڑا کام ہے۔ اِس سلسلے میں ہمیں جہاں سے بھی مدد ملتی ہے، حاصل کر لیتے ہیں۔ سُرخ چین نے پہلے ہمیں مالی امداد دی، پھر تھوڑے بہت ہتھیار بھی مہیا کیے۔ چینی حکومت کے جاسوس ہمیں قدم قدم پر نقصان پہنچا رہے تھے۔ ہمارے پاس اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے تربیت یافتہ لوگوں کی کمی تھی۔ ہم نے اِس ضمن میں سُرخ چین سے درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ سُرخ چین نے ہمیں چن ژی اور اُس کے کچھ ساتھیوں کی خدمات مہیا کر دیں۔ اِس کے علاوہ سُرخ چین نے ہمیں ایک اور اہم سہولت فراہم کی۔ اب ہمیں چینی حکومت کے جاسوسوں سے، پہلے ہی خبردار کر دیا جاتا ہے۔ ہمیں اُن کے بارے میں پہلے ہی اطلاعات

مِل جاتی ہیں۔ اِن اطلاعات سے ہمیں زبردست فائدہ ہوا ہے۔ ہم نے بہت تھوڑے عرصے میں اپنے علاقے کو چینی جاسوسوں اور چین کے حلیف مقامی باشندوں سے صاف کر دیا ہے۔"

منتی تفصیلات سے آگاہ کرتا رہا اور میں یہ سوچتی رہی کہ اگر اُس کی زبان کھلوانے کا فیصلہ کرنے کی بجائے، پہلے ہی میں اُس پر حملہ کر دیتی تو کتنے گھاٹے میں رہتی! ایسی صورت میں مجھے بہت سی اہم باتیں معلوم نہ ہو پاتیں۔

منتی نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا: "چن ژی سے میری پہلی ملاقات لہاسہ میں ہوئی تھی۔"

"سُرخ چین والوں نے تمھارے پاس چن ژی کی ایک تصویر بھی تو بھیجی تھی تاکہ تم اُسے شناخت کر سکو۔" میں نے اپنے ذہن میں واقعات کا تسلسل جوڑتے ہوئے محض قیاس سے کہا۔ "وہی تصویر جو تم سے چکپوری کی درگاہ میں گر گئی تھی، اور بعد میں تم نے اُس تصویر کو حاصل بھی کر لیا تھا!"

"ہاں وہ تصویر چن ژی ہی کی تھی، اور آپ کا یہ خیال بھی درست ہے کہ وہ تصویر مجھے سُرخ چین ہی کے ایک ایجنٹ سے ملی تھی۔" منتی نے میرے خیال کی تائید میں کہا، پھر بولا: "جب بڑے لامہ نے مجھ سے اُس تصویر کے بارے میں استفسار کیا تو میں نے اِس لیے وہ تصویر اسے نہیں ظاہر ہونے دی کہ چن ژی سے براہِ راست میرا کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے۔"

"جب تم وہ تصویر دیکھ ہی چکے تھے تو اُسے دوبارہ حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" یہ سوال میں نے اِس لیے کیا کہ اُس تصویر کے پیچھے درج ہندسوں کی معنویت سمجھ سکوں۔

"اُس تصویر کی پُشت پر ایک اہم تاریخ درج تھی، اِس لیے اُسے حاصل کرنا ضروری تھا۔"

منتی کے جواب نے مجھے چونکا دیا۔ کیا دلائی لامہ کے تبت لوٹنے کی تاریخ بھی مقرر کی جا چکی تھی؟ کیا صوبہ کھام میں کھلم کھلا بغاوت کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں؟ میرے ذہن پر پے در پے مختلف سوالوں نے یورش کر دی۔

"بڑے لامہ نے وہ تصویر بھی دیکھی تھی، اور اُس کی پُشت پر درج تحریر بھی، مگر وہ کوئی تاریخ نہیں پڑھ سکا تھا!" میں نے مزید وضاحت چاہی۔

"وہ تاریخ کوڈ ورڈز میں تھی۔" منتی نے بتایا۔

"تو دلائی لامہ کو واپس لانے کی تمام
"ابھی نہیں، لیکن ہم بہت جلد تیار
اب صرف آخری مرحلہ رہ گیا، لیکن بانو،
کی وضاحت نہیں کروں گا۔" وہ میری
مُسکرا کر بولا۔
"منتی! یہ اچھا نہیں ہوگا۔ تبت ا
سما جائے گا۔" میں نے تشویش آمیز
"آزادی حاصل کرنے کے لیے تر
ہیں بانو!" منتی کے لہجے میں عزم تھا۔
"تبت اب بھی غلام نہیں ہے۔ یہ
ہیں۔" میں نے پُرجوش آواز میں کہا۔ "
پر برقرار رہنا مشکل امر ہے۔ کیا تمھیں یہ ا
ترقی کی دوڑ میں کتنا پیچھے رہ گیا ہے؟
ہے کہ وہ چین کے حلقۂ اثر میں رہے۔ اگر
آنکھیں پھیر لیں تو اُس کا نتیجہ یقیناً غلامی کا
خواہ وہ غلامی سُرخ چین کی ہو یا کسی
ملک کی! تبت کے ساتھ چین کا رویّہ
ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی دوسرا ملک اِتنا
"ہم اپنے دوست ملکوں کی مدد سے
ڈال دیں گے۔" منتی نے اپنی دانست میں
"منتی! کوئی بھی ملک بغیر غرض
کے لیے بہتر یہی ہے کہ چین سے مخالفت
سے مِل کر رہو۔ تبت چاہے تو چین سے بہت
"کچھ بھی ہو تبت میں محترم دلائی لامہ
ہم اپنے عظیم رہنما کو جلاوطنی کی تکلیف
دیں گے۔" منتی جذباتی ہو گیا۔
جہاں معاملہ جذبات کا ہو، وہاں
ہیں، اِس لیے میں نے مزید کچھ کہنا مناسب
"اچھا تو اب یہ بھی صاف صاف بتا دو کہ
بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟" میں نے اُس
اب مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ واقعی مجھے چین
میرے سوال پر منتی نے مجھے مُسکرا کر
اِس کے سوا کچھ نہیں کہ واقعی آپ کو چین روانہ

کے حق میں نہیں، اور میں بھی ذاتی طور پر یہی
لیے صرف اِتنا کافی ہے کہ آپ کو یہاں سے
ژی نے کسی قافلے کے ساتھ آپ کو چین بھیجے
ہیں۔ اُس کے دو ساتھی آپ کے ہمراہ جائیں
سے لوٹ کر نہ آ جائیں۔ چین سے آپ اپنے
اب تبت واپس آنا بیکار ہوگا، کیونکہ اُس
یا، کر چکے ہوں گے۔"
ن کے حوالے کر دیا جائے گا؟" میں نے

منتی نے جواب دیا، پھر بولا: "چن ژی نے
کہ وہ آپ سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہیں
لینے کی کوشش کرے گا۔"
اور وہ!" میں نے ہنس کر طنزیہ لہجے میں کہا۔
نہیں دے سکتا بانو!" منتی بڑے اعتماد سے بولا۔
چن ژی کو سمجھ پائی تھی، وہ بہت عیار اور
یہ بات دعوے سے کہہ سکتی تھی، کیونکہ میں
پڑھنا جانتی ہوں، مگر اس سلسلے میں منتی سے
منتی کو چن ژی پر اعتماد تھا، اور اِس اعتماد کے
وہ چن ژی کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔
معلومات حاصل کرنی تھیں، وہ حاصل ہو چکی تھیں۔ اب وہ
اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق منتی
پر میں نے پہلے اطراف کا جائزہ لیا جس
رہے تھے، وہ سڑک کچھ فاصلے پر ایک
ساتھ ساتھ دائیں جانب مُڑ گئی تھی۔ میں نے
جانب مُڑتے ہی میں منتی پر حملہ کر دوں گی۔
قریب آتا جا رہا تھا، میرے اعصاب کشیدہ
تھے۔ پھر موڑ کے قریب پہنچ کر میں نے جیسے ہی
باگیں کھینچنا چاہیں، میرے ذہن کو ایک

چٹان کی آڑ میں تقریباً ایک درجن مسلح گھوڑسوار
اُن کی رائفلوں کے رُخ میری ہی طرف اُٹھے ہوئے
ایک گھوڑسوار سب سے آگے تھا جسے میں نے
اُس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرا خون کھول اُٹھا۔

وہ چن ژی تھا۔ میرے اور اُس کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ تھا۔ چن ژی کی دسترس میں چلے جانے کا مطلب ایک یقینی موت تھا جسے شاید کوئی نہیں ٹال سکتا تھا۔

مصلحت اور احتیاط کے لمحے گزر چکے تھے۔ میری رگوں میں بجلیاں سی کوندا رہی تھیں۔ موت اور زندگی کا کھیل میرے لیے نیا نہیں تھا۔ یہ کھیل میں نے بارہا کھیلا تھا۔

میں نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی اور اِسی کے ساتھ میرا جسم ہوا میں اُچھلا۔ منتی کا گھوڑا ایک قدم آگے بڑھا، اور پھر فضا ایک گولی کے دھماکے سے گونج اُٹھی۔ چن ژی کی چلائی ہوئی گولی میرے سر کے اُوپر سے گزری اور میں منتی کی پُشت پر پہنچ گئی۔

"گولی نہ چلاؤ احمق آدمی!" منتی چیخا، اور اُسی لمحے میں نے اُس کے گھوڑے کی پُشت پر پہنچ کر اُس کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا۔ منتی نے اپنا گھوڑا روک لیا اور اُس کے ساتھی آگے نکل گئے۔

منتی کا گھوڑا میرے بوجھ سے بِدکا اور اُس نے زور سے ہنہنا کر اپنے دونوں اگلے پاؤں اُٹھا دیے۔ منتی نے گھوڑے کی پُشت سے نیچے گر جانے کے خطرے کو فوراً محسوس کر لیا، اور گھوڑے کو ایک ہاتھ سے قابو میں کرنے لگا۔

میرا ایک ہاتھ منتی کی رائفل چھیننے میں مصروف تھا، اور اپنا دوسرا ہاتھ میں نے اُس کی کمر میں ڈال دیا تھا، تاکہ میں گھوڑے کی پُشت سے نیچے نہ گر جاؤں۔

منتی کی توجہ دو طرف بٹ گئی تھی۔ ایک طرف وہ بِدکے ہوئے گھوڑے کو سنبھال رہا تھا، اور دوسری طرف وہ جدّوجہد کر رہا تھا کہ میں اُس سے رائفل نہ چھین سکوں۔

گھوڑا تو اُس کے قابو میں آ گیا مگر رائفل میرے قبضے میں آ گئی۔ میں نے رائفل کی نال اُس کے سر پر رکھ دی، اور پھنکاری۔ "منتی! اپنے ساتھیوں اور چن ژی سے کہو کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں ورنہ میں تمھاری کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گی۔"

"بانو!" منتی کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"میں تم سے جو کہہ رہی ہوں کرو، ورنہ اگر تم مارے گئے تو تمھاری تحریک ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔" میں نے سفاک لہجے میں کہا۔ "سوچو کہ اگر تم ہلاک ہو گئے تو دلائی لامہ کس طرح تبت واپس آئے گا؟"

"پیچھے ہٹ جاؤ، پیچھے!" منتی مشینی انداز میں چیخ پڑا۔ میری

دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی۔
منتی کے چاروں ساتھی اپنے گھوڑے دوڑاتے دُور چلے گئے، اور کچھ فاصلے پر جا کر رُک گئے۔ چند ہی لمحوں میں صورتِ حال میرے قابو میں آ گئی تھی، لیکن چن ژی ابھی تک اپنے مسلح ساتھیوں سمیت وہیں موجود تھا۔ وہ پیچھے نہیں ہٹا تھا۔
"چن ژی!" میں نے اُسے براہِ راست مخاطب کیا۔ "تم بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ میں . . . ."
میرا جملہ ادھورا ہی رہ گیا، کیونکہ چن ژی نے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا تھا، پھر اُس نے منتی کو مخاطب کیا۔ "منتی! تمھاری زندگی یقیناً قیمتی ہے مگر اِس سے بھی زیادہ قیمتی اِس عورت کی لاش ہوگی۔ تمھیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم مارے بھی گئے تو تمھاری تحریک ختم نہیں ہوگی۔ دلائی لامہ پر تم جیسے افراد کو اپنی جان قربان کر دینی چاہیے۔ میرا مشورہ ہے کہ . . ."
"خاموش!" چن ژی کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا، اور منتی چیخ اُٹھا۔ "میں ہرگز تمھیں اِس کی اجازت نہیں دوں گا کہ تم بانو کو ہلاک کر دو!"
"جب کہ اِس عورت نے تمھارے سر پر رائفل رکھ دی ہے، اور یہ تمھیں قتل بھی کر سکتی ہے، تم ایسا کر رہے ہو؟" چن ژی کے لہجے میں چبھن تھی۔
"ہاں، اگر بانو کو قتل کر دیا گیا تو سارہ ہم سے برگشتہ ہو جائے گی۔" منتی نے برہم لہجے میں جواب دیا۔
"سارہ کے بغیر بھی تو تحریک چل ہی رہی تھی!" چن ژی نے دلیل پیش کی۔
"لیکن اب سارہ کی غیر معمولی صلاحیتوں نے تحریک میں جان ڈال دی ہے، اور ہماری منزل بہت قریب آ گئی ہے۔" منتی نے کہا۔
منتی کا جملہ پورا ہوا ہی تھا کہ میں نے اچانک اُس کے سر سے رائفل ہٹا کر چن ژی کے سینے کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا، لیکن اُسی لمحے منتی بجلی کی طرح تڑپ کر مُڑا اور اُس نے رائفل کی نال پر ہاتھ ڈال دیا۔ رائفل کی نال کا رُخ بائیں طرف ہو گیا۔
میری چلائی ہوئی گولی چن ژی کے سینے میں اُترنے کی بجائے اُس کے ساتھی کے سینے میں اُتر گئی اور اُس کے گھوڑے کی پُشت خالی ہو گئی۔
اپنے ساتھی کی چیخ اور گولی چلنے کی آواز نے چن ژی کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی ورنہ منتی سے جدّوجہد کے دوران میں

وہ مجھ تک پہنچ سکتا تھا۔
ایک لمحے کے ہزارویں حصّے میں میرا
کھڑی ہتھیلی منتی کے بازو پر پڑی میں
بچا کر دار کیا تھا ورنہ میری ضرب اُس کی گر
زندہ نہ رہتا۔
نتیجہ میری توقع کے عین مطابق نکلا
کی گرفت ختم ہو گئی، اور میں نے ایک جھٹکے
ہی لمحے رائفل کی نال پھر منتی کے سر سے
غرّائی "منتی! میں تمھاری گردن کی ہڈی بھی
میں نے ایسا صرف اِس لیے نہیں کیا کہ تم
حق میں نہیں ہو۔ اب اگر تم نے کوئی حرکت
نہیں برتوں گی۔"
منتی آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا۔ اُس
ضرب یقیناً معمولی نہیں تھی، مگر مجھے علم تھا کہ
نہیں ٹوٹی، کیونکہ میں نے ضرب لگاتے ہوئے
رکھا تھا۔
چن ژی اب سنبھل چکا تھا، اور میری
سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے غالباً یہ سمجھنے میں
نے اُسی کا نشانہ لیا تھا، اور اگر درمیان میں
نہ ڈال دیتا تو وہ جہنم رسید ہو جاتا۔
"چن ژی سے کہو کہ وہ اور اُس کے
اُتر جائیں اور گھوڑوں کی باگیں چھوڑ دیں!"
مخاطب کیا، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ چن ژی میر
"آپ اپنے حق میں اچھا نہیں کر رہیں
ہوئے بولا۔ "یہ کچھ اچھا نہیں ہوگا کہ تبت
کی لاش جائے۔"
میں دانستہ گھوڑا موڑ کر فرار ہو
تھی ورنہ یہ ممکن تھا کہ میں ایک ہاتھ سے
لیتی اور دوسرے ہاتھ سے رائفل کی نال
وہاں سے فرار ہو جاتی۔ کچھ فاصلہ طے کر
سے اُتارا جا سکتا تھا، لیکن مجھے اصل خطرہ
وہ منتی کی پروا کیے بغیر پیچھے سے مجھے اپنی
باتوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا

رہی تھی۔
دھمکی کا اُلٹا ہی اثر ہوا تھا۔ اب وہ میری بات
تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "بانو! میں چن ژی سے
دوں گا جو آپ کہلوانا چاہتی ہیں۔ یہ معاملہ
ہے، میں درمیان میں نہیں آنا چاہتا۔"
الفاظ بلند آواز میں کہے تھے جنھیں غالباً چن ژی
الفاظ گویا چن ژی کے لیے ایک اشارہ تھے
جو چاہے کرے۔ شاید منتی یہ سمجھ چکا تھا کہ
کر دوں گی، کیونکہ اُسے ہلاک کرنے کا مطلب
پر آمادہ ہوں۔ ورنہ چن ژی سے زیادہ مسلح
کے اور کیا معنی ہو سکتے تھے!
میری نگاہ چن ژی کی طرف اُٹھی اور
اُس کے ہاتھ میں ایک رسّی کا پھندا نظر آ رہا
میری طرف پھینکنے والا تھا۔ مجھے اُس کا مقصد
وہ مجھے اور منتی کو گھوڑے سے گرا کر موقع سے
تھا۔ میں گھوڑے کی پُشت سے گر کر سنبھل بھی
دیتا۔
ایک خطرناک فیصلہ کیا اور دوسرے ہی
منتی کے گھوڑے کی پُشت پر سوار
تھا۔
اُچھل کر گھوڑے کی پُشت پر کھڑی ہوئی تھی پھر
سنبھال کر اُس اُبھری ہوئی چٹان پر جست لگائی
اور اُس کے مسلح ساتھی گھوڑوں پر سوار کھڑے

پھندا پھینک چکا تھا، اور اُس پھندے میں
سے نیچے گر پڑا تھا۔ منتی کا گھوڑا مُڑ کر مخالف
تھا۔ پھر منتی کا گھوڑا جیسے ہی سڑک کے موڑ
نکلا میں نے چٹان کے اُوپر سے چھلانگ لگائی۔
وہ گھوڑا چن ژی اور اُس کے ساتھیوں کی
تھا۔
سے گھوڑے کی پُشت پر کودی تھی، اِس
تھا، پھر وہ سرپٹ لہاسہ جانے والی سڑک

میں نے گھوڑے کی پُشت پر کودتے ہوئے چن ژی کے آخری الفاظ سُنے تھے۔ اُس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔ "وہ چٹان پر چڑھ گئی ہے، چٹان پر چڑھو!"
میں تقریباً گھوڑے کی پشت سے چمٹی ہوئی تھی، کیونکہ گھوڑا انتہائی تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ میں نے کچھ دیر کے بعد مُڑ کر دیکھا تو کافی فاصلے پر کچھ گھوڑوں کو اپنے تعاقب میں آتے دیکھا۔ وہ اِتنی دُور تھے کہ نقطوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ چن ژی کو یقیناً میرے فرار کا علم ہو گیا تھا، اور اب غالباً وہ میرا تعاقب کر رہا تھا۔ میں چاہتی تو گھوڑے کو قابو میں کر سکتی تھی، مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں گھوڑے کی وحشت سے فائدہ اُٹھانا چاہتی تھی۔
معاً مجھ پر پیچھے سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ رائفل کی گولی کے لیے وہ فاصلہ کچھ بھی نہیں تھا جو میرے اور چن ژی کے درمیان تھا۔ رائفل کی گولیاں میرے اردگرد سنسنانے لگیں۔ فاصلہ زیادہ ہونے کے سبب صحیح نشانہ لینا بہر حال ممکن نہیں تھا، لیکن کوئی بھی بھولی بھٹکی گولی میرے جسم میں اُتر سکتی تھی۔ اندھادھند فائرنگ سے فضا گونج رہی تھی، اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ شیطان کی آنت کی طرح وہ لمبی سڑک کب اور کہاں مُڑے گی!
آخر کسی طرح میں اُس دوراہے تک پہنچ ہی گئی جہاں سے سارہ جدا ہوئی تھی۔ میں نے گھوڑے کو قابو میں کر کے ایک جانب موڑنا چاہا، مگر ناکام رہی۔ گھوڑا دوراہے کی اُس سڑک پر نہ مُڑا بلکہ دوسری طرف بھاگتا چلا گیا۔ میں اِس لیے فکرمند ہو گئی کہ وہ سڑک لہاسہ کی طرف نہیں جاتی تھی، لیکن اُس سڑک پر مُڑنے سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ میں پیچھے سے کی جانے والی فائرنگ کی زد سے باہر ہو گئی۔ اب فائرنگ بھی رُک گئی تھی۔
اب وحشت زدہ گھوڑے کو قابو میں کرنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے پوری قوت سے اُس کی باگیں کھینچ لیں اور وہ بھاگتے بھاگتے رُک کر الف ہو گیا۔ کچھ دیر کی جدّوجہد کے بعد میں نے گھوڑے پر قابو پا لیا۔
پھر جب میں گھوڑے کو موڑ کر لہاسہ جانے والی سڑک کی طرف پلٹی تو ایک بار پھر فضا دھماکوں سے گونج اُٹھی۔ یہ دھماکے گولیاں چلنے ہی کے تھے۔ میں نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ گولیاں چلنے کی آوازیں اُسی سمت سے آ رہی تھیں جدھ

میں جارہی تھی۔ میں نے بہت جلد یہ بات محسوس کرلی کہ فائرنگ دُو طرف سے کی جارہی ہے۔ دھماکوں کی آوازیں بھی پہلے کی نسبت زیادہ تھیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے دو مسلح گروہ ایک دوسرے پر فائرنگ کررہے تھے۔ پھر معاً خاموشی چھاگئی۔

کچھ دیر میں وہیں کھڑی ہوئی دوبارہ فائرنگ شروع ہونے کی منتظر رہی مگر اب مکمل خاموشی تھی۔ میں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اب آگے بڑھنے میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔

میں نے دوراہے پر پہنچ کر دیکھا کہ کچھ گھوڑ سوار اُسی سمت تیزی سے دوڑے چلے جارہے ہیں جدھر سے میں آئی تھی۔ وہ گھوڑ سوار کافی دُور نکل گئے تھے، لیکن اتنی دُور بھی نہیں کہ میں اُن کے جسموں پر موجود فوجی وردیاں بھی نہ دیکھ سکتی۔

میرا ذہن بہت جلد حقیقت تک پہنچ گیا۔ رضوان کو بہرحال خاموش نہیں بیٹھنا چاہیے تھا، اور نہ ہی پنچن لامہ کو میری طرف سے بے فکر ہوجانا چاہیے تھا۔ میں نے سوچا کہ یقیناً پنچن لامہ کے سپاہی مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر مجھے لہاسہ میں اور لہاسہ سے باہر جانے والی شاہراہوں پر ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ غالباً اُنہی ٹکڑیوں میں سے کوئی ٹکڑی اِدھر آنکلی ہوگی، اور اُس نے فائرنگ کی آواز سن کر ہی اِدھر کا رُخ کیا ہوگا، پھر اُس ٹکڑی کا چن ژی سے ٹکراؤ ہوگیا ہوگا۔ چن ژی اپنے مقابلے پر فوجیوں کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا ہوگا، اور اب فوجی اُس کے تعاقب میں گئے تھے۔

میں چن ژی کی طرف سے مطمئن ہوکر لہاسہ جانے والی شاہراہ پر تیز رفتاری سے گھوڑا دوڑانے لگی۔ میں اب جلد سے جلد پوتالا محل پہنچ جانا چاہتی تھی، تاکہ رضوان اور پنچن لامہ میری طرف سے مزید فکر مند نہ ہوں۔

ہنگامے ہی ہنگامے میں صبح سے دوپہر ہوگئی تھی۔ میں پوتالا محل پہنچ گئی، اور اپنا گھوڑا میں نے سُرخ محل کے دروازے ہی پر جاکر روکا جہاں ایک فوجی دستہ روانگی کے لیے تیار کھڑا تھا، اور خود پنچن لامہ اُس دستے کے فوجی افسر کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔

مجھے آتے دیکھ کر پنچن لامہ اُچھل پڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر انتہائی حیرت اور فکرمندی کے آثار تھے۔ وہ میرے سلسلے میں اِس قدر پریشان اور بدحواس ہوگیا تھا کہ خود اپنی نگرانی اور ہدایات

میں، فوجی دستوں کو میری تلاش میں بھیج ا
حیرت کی زیادتی کے سبب کچھ دیر
گھوڑے سے اُتر کر اُس کے قریب گئی اور
مخاطب ہوئی "محترم پنچن لامہ! میں بخ
ہوں۔ اب اپنے فوجی دستوں کو حکم جار
ختم کردی جائے۔"

"مگر... مگر تمھیں... تمھیں تو وہ
"آئیے اندر چلیے!" میں نے اُس کی با
آپ کو تفصیلات سے آگاہ کردوں گی۔"

پنچن لامہ میرے ہمراہ محل میں داخل
پر اَب بھی حیرت کے آثار تھے۔ اِس حیرت کا
ہوں گی جو اُسے میرے اغوا کے بارے میں
"کیا رضوان بھی میری تلاش میں...
"ہاں، میں نے انھیں روکنا چاہا تھا مگر
پنچن لامہ نے میری بات پوری ہونے سے
ایک فوجی دستے کے ہمراہ جام ڈیو جانے وال
پنچن لامہ میرے ہمراہ مہمان خانے
ساتھ اُس کمرے میں داخل ہوا جو میرے
میں نے اُسے تفصیلات سے آگاہ کر
بارے میں یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ با
مگر میں نے اُسے سارہ کی غیر معمولی صلاحیتوں
میرے اغوا اور فرار کی تفصیلات
کے بعد پنچن لامہ بولا "میں دراصل اِس
فکرمند تھا کہ ابھی چند گھنٹے قبل پیکنگ سے ا
ہوئی ہے۔"

"وہ کیا؟" میں درمیان ہی میں بول
"پیکنگ سے یہ اطلاع ملی ہے کہ لال
کے ارادے سے دہلی پہنچ چکا ہے۔ دہلی میں
سے مل کر جلد ہی تبت کے لیے روانہ ہو جا
تبت میں بغاوت کی آگ بھڑکانے کے لیے
مدد کررہی ہے۔" پنچن لامہ نے مجھے موصول
باخبر کیا۔

"محترم پنچن لامہ! اب میرا جام ڈیو جا

کے تبت پہنچنے سے پہلے ہی کچھ کیا جاسکے۔ آپ
لات کردیجیے! میں کل صبح ہی جام ڈیو روانہ
لے مستحکم لہجے میں کہا، پھر مجھے شہزادہ توشو
پن لامہ سے کہا "آپ مجھے شہزادہ توشو کے نام
دیجیے!"
مل جائے گا، اور بقیہ انتظامات بھی کردیے
لامہ نے کہا۔
رضوان بھی جائیں گے۔" میں بولی، اور اُسی
دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اُس نے
اپنا نام سُن لیا تھا۔
ئے میں کیا گُل افشانی فرمائی جارہی ہے؟" وہ
لہجے میں بولا "ہم تو محترمہ کو ڈھونڈتے
گئے، اور محترمہ یہاں بیٹھی چین کی بنسری بجا
وہ قریبی صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔
اب چلوں گا۔" پنچن لامہ اُٹھ کھڑا ہوا۔
انھی اور رضوان بھی! اُس کے چہرے پر تو
سے جو الفاظ ادا ہورہے تھے، انھیں سُن کر
رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ٹلو، ٹلو بڑے میاں!
رمہ سے خلوت میں ملنے دو!" یہ الفاظ وہ
رہا تھا، ادائیگی کا انداز ایسا تھا جیسے
گنگنا رہا ہو۔
میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی "اگر
لینا ہو تم نے اُس کے لیے ادا کیے تھے تو تمھیں
نکلوا دیتا۔"
بیٹھے یا لیٹے لیٹے نہیں کرسکتا تھا؟" وہ شوخ
دم سنجیدہ ہوگیا۔
تمھاری صورت پر بارہ کیوں بجنے لگے؟" میں

اور میں جُدا جُدا نہیں جو آپ کے چہرے پر
وہی تاثر اپنے چہرے پر فکس کرنا پڑے گا۔"
میں بولا، پھر کہا "ویسے بائی دی وے کیا آپ
گی کہ مہتی اور آپ کی محبوب سارہ نے آپ کو
ہے؟"

"بکومت!" میں اُس کی بات سُن کر جھنجھلا گئی، کیونکہ اُس کا لہجہ طنزیہ تھا خصوصاً سارہ کا نام لیتے ہوئے اُس کی آنکھوں سے شرارت جھلک رہی تھی۔

پھر رضوان نے تفصیلات جان کر ہی دَم لیا۔ میں کیونکہ کچھ دیر قبل ہی پنچن لامہ کو ساری باتیں تفصیل سے بتا چکی تھی، اِس لیے دوبارہ وہی تفصیلات بتاتے ہوئے بور ہورہی تھی۔

تفصیلات سننے کے بعد رضوان بولا "میں نے چن ژی اور اُس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا تھا، لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ اُن کا رُخ جام ڈیو ہی کی طرف تھا، اور غالباً مہتی بھی وہیں گیا ہوگا۔"

"اور اب ہمیں بھی وہیں چلنا ہے۔" میں نے مسکرا کر رضوان کی طرف دیکھا "اور تمھیں بھی میرے ساتھ چلنا ہے۔"

"نہیں بالکل! میں تو وہاں نہیں جاؤں گا۔" رضوان نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "آپ کا کیا ہے، آپ تو خود جان بُوجھ کر موت کے منہ میں کود جاتی ہیں، مگر ظاہر ہے کہ میں ایسا نہیں کرسکتا۔"

"کیوں؟" میں نے مصنوعی غصّے کے ساتھ پوچھا۔

"اِس لیے کہ مجھے آپ کی بہن اور اپنی کچھ ہونے والی کا مستقبل عزیز ہے۔" رضوان نے جواب دیا۔

"اور تمھیں میرے مستقبل سے کوئی دلچسپی نہیں؟"

"کبھی تھی، مگر آپ نے خود وہ دلچسپی ختم کردی۔" وہ ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔

"کیوں کیا ابھی دل میں کچھ ارمان باقی ہیں؟" میں نے اُسے چھیڑا۔

اُس نے پھر ایک لمبا سانس لیا، اور بولا "وہ دل ہی کیا جس میں کوئی ارمان نہ ہو۔"

"خیر اِن فضول باتوں کو چھوڑو، اور جاکر اپنے کمرے میں آرام کرو! ہمیں کل ایک طویل سفر پر جانا ہے۔ بہتر ہے کہ ہم تازہ دم ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کہتی ہیں تو چلا جاتا ہوں۔" وہ اُٹھتا ہوا بولا "ویسے ایک بار پھر سوچ لیجیے کہ چن ژی کسی چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح بَل کھا رہا ہوگا اور یقیناً جام ڈیو میں ہمارا شاندار استقبال کرنے کے لیے تیار ہوگا۔"

"یہ مجھے بھی معلوم ہے، لیکن اب معاملہ آخری مرحلے میں داخل ہوچکا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے اُسے اُس اطلاع سے بھی باخبر کردیا جو پیکنگ سے پنچن لامہ کو موصول ہوئی تھی۔ رضوان دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر رضوان اُس اطلاع کی روشنی میں گفتگو کرتا رہا پھر اُٹھ کر چلا گیا۔ مجھے اُس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ معاملات میں پوری دلچسپی لے رہا تھا، لیکن مہنتی، سارہ اور چن ژی کی طرف سے فکرمند تھا۔ میں نے اُس کی تسلّی کے لیے شہزادہ توشو کا ذکر بھی کردیا تھا کہ چام ڈلو میں وہ ہمارے لیے مددگار ثابت ہوسکتا تھا۔ شہزادہ توشو کے بارے میں جان کر رضوان کسی قدر مطمئن نظر آنے لگا تھا۔ گویا چام ڈلو میں قدم جمانے کی گنجائش تھی۔

میں اپنے کمرے میں تنہا رہ گئی تو حالات کا ازسرِنو جائزہ لینے لگی۔ تمام اُلجھی ہوئی گتھیاں ایک ایک کرکے سلجھ گئی تھیں، اور اب میں کوئی صحیح فیصلہ کرسکتی تھی۔

مہنتی اور اُس کے گروہ کا واضح مقصد دلائی لامہ کو تبّت واپس لانا تھا، اور سُرخ چین اِس سلسلے میں مدد کر رہا تھا۔ سُرخ چین کا ایجنٹ چن ژی اور اُس کے ساتھی تبت میں تھے جو بظاہر مہنتی کے ہمدرد دکھائی دیتے تھے، لیکن میں اِس ہمدردی کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ میری نظر میں سُرخ چین کا مقصد محض یہی نہیں تھا کہ دلائی لامہ تبت واپس آجائے بلکہ وہ اِن حالات سے فائدہ اُٹھا کر چینی حکومت کے خلاف تبّت میں عام بغاوت چاہتا تھا۔ میرے خیال میں چن ژی مہنتی کو بھی ہمدردی کی آڑ میں دھوکا دے رہا تھا۔ چن ژی شاید کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ تبّت میں بغاوت کی آگ بھڑکا سکے۔

میرے سامنے دو اہم مسئلے تھے۔ پہلا مسئلہ تو یہ کہ کسی طرح سارہ کو یہ یقین دلا سکوں کہ مہنتی نے اُسے کس طرح دھوکا دیا ہے! اور سارہ کو یہ علم ہوجائے کہ چن ژی سُرخ چین کا ایجنٹ ہے۔ اِس طرح میں سارہ کو اپنے حق میں ہموار کرکے فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ سارہ کو میرا ذہن اب تک دشمن کی حیثیت سے قبول نہ کرسکا تھا، اور وہ میری دشمن تھی بھی نہیں۔

دوسرا اہم مسئلہ چن ژی کا تھا۔ اگر کسی طرح سارہ اُس کا ذہن پڑھ لے تو تمام مسئلہ حل ہوسکتا تھا۔ اِس طرح چن ژی اور مہنتی کا گٹھ جوڑ ختم ہوسکتا تھا۔ اگر میرا یہ شبہ درست تھا کہ درپردہ چن ژی

کے کچھ اور مقاصد ہیں تو وہ مقاصد سا تبّت میں بے سہارا رہ جاتا۔ مہنتی اُس کی اُسی وقت تک چن ژی کی ڈھال بنا رہ سکتا کے عزائم کا علم نہیں ہوجاتا۔

میرے چام ڈلو کے سفر اور کامیابی کا تھا۔ مجھے سارہ کو اُن باتوں کا یقین دلانا تھیں، لیکن ایسا اُسی صورت میں ممکن تھا کرایا جاسکے کہ وہ جن غیر معمولی صلاحیتوں کی دھوکا دیا جاسکتا ہے۔ اِس عملی تجربے کی میں اپنے اندر موجود قوّتِ ارادی کا بھرپ میں نے سارہ سے گفتگو کرتے ہوئے سوچی تھیں جن پر مجھے یقین نہیں تھا، تھا اُس وقت میرے ذہن میں، اُس خیا سارہ دھوکا کھا گئی تھی۔ وہ میری قوّت تھا، لیکن اگر میں اپنی تمام تر ذہنی صلاحیت قوّتِ ارادی سے کام لے سکوں تو شاید سا وہی خیال پڑھ سکے جو میں چاہوں۔

میں اِنھی خطوط پر دیر تک سوچتی تھا کہ یہ سارہ کھیل قوّتِ ارادی کا ہے۔ تھا کہ میں مضبوط قوّتِ ارادی کی مالک میری زندگی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید میں آنکھیں ڈال کر بھی زندہ نہ بچتی۔

سوچتے سوچتے میرے ذہن میں ا اگر شعور پر ارادے کی گرفت کمزور پڑ جائے خیالات پر قابو نہیں رہ سکتا۔ میں نے سوچا مجھے ایک نئی راہ دکھائی۔ نشے کے عالم آدمی کے شعور پر لاشعور حاوی ہوجاتا وہ اپنی قوّتِ ارادی سے شعور کی سطح پر نہیں آجاتے ہیں۔ اِس خیال نے ایک بڑا مسئلہ میں اُٹھ کر بیٹھ گئی، پھر کمرے میں طور پر پنچن لامہ سے ملنے کا فیصلہ کیا۔

میں کمرے سے باہر نکلی، اور ایک خا پر معلوم ہوا کہ پنچن لامہ اُس وقت محل کے

چکی تھی، اور فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ میں ٹہلتی ہوئی پ بڑھ گئی۔

لامہ، محل کے باغ میں اپنے کچھ مشیروں کے ہمراہ موجود لامہ نے اپنے خادموں اور محافظوں کو میرے بارے میں تھا کہ میں جس وقت اُس سے ملنا چاہوں ملنے دیا جائے۔ تھا کہ اُس کے محافظوں نے مجھے باغ میں جانے کی اجازت کے باہر مستعد و چوکنا کھڑے ہوئے تھے۔

اں کے ایک قطعے پر آرام دہ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ سی پر پنچن لامہ بیٹھا تھا۔ مجھے یہ خیال ہی نہیں رہا تھا کہ وہ مجھے تنہا نہ ملے۔

دیکھ کر وہ کچھ بات کرتے کرتے رُک گیا۔ اُس کے حیرت نظر آئی، پھر وہ مسکرا دیا۔

اُس کے قریب ہی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی پھر اُس ن ہوئی مدھم لہجے میں بولی "مجھے علم نہیں تھا کہ آپ یہاں وں گے۔ مجھے آپ سے خلوت میں کچھ بات کرنی تھی۔"

لمحے خاموش رہا، پھر اپنے مشیروں سے مخاطب ہوا۔ بیٹھیں، میں ابھی آیا۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کے ہمراہ محل کے ایک کمرے میں آگئی۔

اب کہو کیا بات ہے؟" وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ بھی اُس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی، اور بولی "مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ کے پاس بھی مختلف زہروں کا بہت ہے۔"

"تمھیں کوئی زہر چاہیے؟" وہ حیرت سے بولا۔

"زہر تو نہیں، لیکن کوئی ایسا سفوف یا ایسی دوا ضرور شراب کا نعم البدل کہا جاسکے۔" میں نے کہا، پھر وضاحت ئی ایسی دوا یا سفوف جس کا استعمال ذہن پر گہرے نشے طاری کردے۔ ایسی کیفیت جو کثرتِ شراب نوشی ہوتی ہے۔"

ے پاس ایک ایسا سفوف ہے تو مگر اُس کا اثر عارضی پنچن لامہ کچھ سوچ کر بولا۔

کم گھنٹے بھر تو اثر رہتا ہی ہوگا؟" میں نے معلوم کیا۔

کم ایک گھنٹے اور زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے، تم اُس سفوف کا کیا کروگی؟" پنچن لامہ نے پوچھا۔

"آپ کو علم ہے کہ میں کل صبح چام ڈلو روانہ ہورہی ہوں۔ میں وہاں جتنی زیادہ سے زیادہ تیاریوں کے ساتھ جاؤں تو بہتر ہے۔ ممکن ہے کہ کسی مرحلے پر مجھے اِس سفوف کی ضرورت بھی پڑ جائے۔" میں نے اُسے تفصیل نہ بتا کر گول مول جواب دیا۔

"ہاں، ہاں بالکل!" پنچن لامہ نے تائید کی۔ "اگر چاہو تو میں تمھیں کوئی زود اثر زہر بھی دے دوں!"

"نہیں محترم لامہ! اِس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے، تم اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو! میں ابھی جاکر اپنے ذخیرے میں وہ سفوف تلاش کرکے تمھیں بھیج دیتا ہوں۔" پنچن لامہ بولا۔

مجھے اُس کا یہ غیر محتاط انداز پسند نہ آیا، اور بولی "محترم لامہ! میں نہیں چاہتی کہ میرے اور آپ کے علاوہ یہ بات کسی کے علم میں آئے۔ اگر آپ کو ناگوارِ خاطر نہ ہو تو میں خود آپ کے ساتھ چلوں؟"

وہ میری بات سُن کر مسکرایا، اور بولا "بالو! تم واقعی بہت محتاط اور ذہین ہو۔ میں اپنے خاص خادم سے یہ کام لیتا، لیکن بہتر یہی ہے کہ تم ہی ساتھ چلو۔"

پھر وہ مجھے اپنے ساتھ اپنی خوابگاہ میں لے گیا، اور جب میں وہاں سے لوٹی تو میرے پاس وہ سفوف کی پڑیا موجود تھی جو اُس منصوبے میں ایک اہم کردار ادا کرنے والی تھی جسے میرے ذہن نے تشکیل دیا تھا۔

میں اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔ رات کا کھانا میں نے اور رضوان نے ساتھ ساتھ کھایا، اور کھانے کے دوران میں گفتگو تو میں رضوان سے کرتی رہی، مگر میرا ذہن چن ژی، سارہ اور مہنتی ہی میں اُلجھا رہا۔ رضوان نے بھی بہت جلد اِس بات کو محسوس کرلیا کہ میرا ذہن کچھ سوچنے میں مصروف ہے۔ وہ جلد ہی مجھے تنہا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اُس شب کا بڑا حصّہ میں نے ایک طرح کی ذہنی مشق کرتے ہوئے گزارا۔ مجھے یہ جان کر عجیب سی خوشی ہوئی کہ میں بڑی حد تک اپنے ذہن کو اپنے خیالات کا طابع رکھنے پر قادر ہوں۔ اب تک مجھے خود اپنی اِس ذہنی قوّت و صلاحیت کا علم نہیں تھا۔ مختلف خیالات کو ذہن سے جھٹک کر صرف کسی ایک خیال پر ساری توجّہ صرف کردیتی، اور پھر محض وہی خیال میرے صفحۂ ذ

پر رہ جاتا۔ کئی بار میں نے یہ مشق بھی کی کہ میرے ذہن میں حیرت سے کوئی خیال ہی نہ ہو، اور میں اس کوشش میں بھی کامیاب رہی۔

مجھے اس ذہنی مشق میں عجیب سا لطف محسوس ہو۔ ارتکازِ توجہ اور قوتِ ارادی کا یہ کھیل مجھے بڑا دلچسپ محسوس ہوا۔ میں نے سوچا کہ شاید منی کو بھی اس کھیل سے ایسا ہی لطف آتا ہوگا۔ ذہن پر نیند کا غلبہ ہونے سے پہلے میں یہ سمجھ چکی تھی کہ مجھے اپنی کوشش میں کامیابی ہو چکی ہے۔

میں رات کو دیر تک جاگتی رہی تھی، اس لیے صبح خود بیدار نہ ہو سکی۔ مجھے رضوان نے بیدار کیا۔ وہ دروازے پر دستکیں دے رہا تھا۔

میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ سفر کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

رضوان نے مجھے بتایا کہ پنچن لامہ نے سفر کی تمام تیاریاں مکمل کرا دی ہیں، اور تجربے کار فوجیوں کا ایک دستہ محل کے باہر ہمارا منتظر ہے جو چام ڈو تک ساتھ جائے گا۔

روانگی سے قبل میرا پنچن لامہ سے ملنا بھی ضروری تھا، تاکہ میں اُس سے شہزادہ توشو کے نام تعارفی خط حاصل کر لوں۔ میں جلدی جلدی تیار ہوئی، اور رضوان کو وہیں چھوڑ کر پنچن لامہ سے ملنے روانہ ہو گئی۔

وہ اپنی نشست گاہ میں میرا ہی منتظر تھا۔ اُس نے شہزادہ توشو کے نام لکھا ہوا خط میرے حوالے کر دیا اور بولا، "جو فوجی دستہ تمھارے ساتھ جا رہا ہے، اُس میں موجود فوجیوں کو کچھ علم نہیں کہ تمھارے سفر کا کیا مقصد ہے! اُن کے سپرد صرف تمھاری اور تمھارے ساتھی کی حفاظت ہے۔ محض اُس دستے کے فوجی افسر کو حالات سے آگاہ کیا گیا ہے۔" پھر اُس نے مجھے بتایا کہ فوجی دستہ، ایک تجارتی قافلے کی صورت میں میرے ہمراہ چام ڈو تک جائے گا۔

مجھے یہ بات بھی غیر محتاط اور غیر ضروری معلوم ہوئی کہ اُس فوجی دستے کے افسر کو میرے مقصدِ سفر سے آگاہ کیا گیا، لیکن میں نے اس سلسلے میں پنچن لامہ سے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا، کیونکہ اب کچھ کہنا لاحاصل ہی تھا۔

میں پنچن لامہ سے رخصت ہو کر دوبارہ اپنے کمرے میں پہنچی۔ اس وقت رضوان خادموں کے ذریعے میرا اور اپنا تمام سامان باہر بھجوا چکا تھا۔

میں رضوان کے ہمراہ محل سے باہر نکلی۔ میں
جائزہ لیا اور فوجی افسر سے بھی ملی جو انگریزی بھی
افسر نے مجھے اپنا نام چانگ بتایا تھا۔ فوجی افسر چینی
بھی چینی ہی تھے جنھیں تبت میں رہتے ہوئے اِتنا
وہ تبتی زبان بھی روانی سے بول سکتے تھے۔ وہ
باشندوں میں مل کر تبتی ہی نظر آتے۔ اُن
در دیاں نہیں تھیں، مگر وہ پوری طرح مسلح تھے

کچھ دیر بعد ہی رضوان اور میں گھوڑوں
دستے کے ہمراہ پوتالا محل سے روانہ ہو گئے۔

اُس وقت تک لہاسہ سے چام ڈو تک
سڑک بن چکی تھی۔ یہ سڑک چینی فوج نے بنائی تھی
میں آسانی ہو گئی تھی۔ چینی فوج اِس قسم کی سڑ
چھوٹے بڑے شہروں کو ایک دوسرے سے ملا
رہی تھی۔ یہ ترقی کی طرف پہلا قدم تھا، کیونکہ اس کا
کی زیادہ سے زیادہ ترسیل کی صورت میں نکلا

لہاسہ سے براہِ راست چام ڈو جانے
سے ہمیں سفر میں بہت آسانی رہی۔ مشکلات
کے سبب پیش آئیں۔ ہمیں کئی بار برف کے
واسطہ پڑا جس کی وجہ سے ہمیں کئی جگہ ٹھہرنا پڑا

ہم نے اپنا سفر پوری تیز رفتاری سے
اِس کے باوجود ہم اُسی دن رات ہونے تک
رات نو بجے تک ہم چام ڈو کے قریب
نے فیصلہ کیا کہ ہمیں رات کے وقت چام ڈو
کو خود پر شک کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے

وہ شب ہم نے چام ڈو سے تقریباً
میدان میں بسر کی۔ فوجی افسر نے یہ امکان
تھا، اِس لیے تمام ضروری سامان موجود تھا
فوجیوں نے میدان میں کئی چھوٹے
اُسی شب منصوبے کے مطابق میں نے فوجی
کارواں کی شکل دے دی۔

صبح ہوئی تو اسلحے کو بھی کامیابی کے ساتھ
چھپا دیا گیا۔ ہمارے پاس کافی ایسا سامان
مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

ہم علی الصبح ہی چام ڈو کے لیے روانہ ہو گئے۔ اب ہمیں
تجارتی قافلے سے زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی تھی۔
ہی دور ہی سے چام ڈو شہر کی قدیم عمارتیں نظر آنے لگیں،
لیکن کلس بھی جو اُن قدیم عمارتوں سے بھی زیادہ قدیم
دکھائی دے رہے تھے۔ یہی وہ شہر تھا جہاں سے اب تک
جاسوس بچ کر نہیں گیا تھا اور یہی وہ جگہ تھی جو بغاوت
یہیں سے پورے تبت میں بغاوت کے شعلے بھڑک
اور یہیں منی بھی تھا، سارہ بھی اور میرا دشمنِ جاں
یہ سوچتے ہوئے میرے اعصاب تن گئے کہ میں بھی
طرح سے چینی حکومت کی ایجنٹ بن کر ہی جا رہی۔
یہ حقیقت کس حد تک تھی یہ تو صرف مجھے علم تھا لیکن
صرف یہی معلوم تھا۔

چام ڈو شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی علم تھا کہ چام ڈو
کی تعمیر کے بعد تجارتی قافلے وہاں کے باشندوں کی نظر
دوسری اہمیت کے حامل نہیں ہوتے تھے۔ مقامی
ان قافلوں سے گرم مسالحہ اور چائے وغیرہ خریدتے
نے اُس فوجی دستے کو میرے ہمراہ بھیجنے کا اچھا بہانہ
تھا

چام ڈو کا مرکزی علاقہ تھا جہاں ہم نے قیام کیا۔ یہ وہ جگہ
تھا قافلے ٹھہرا کرتے تھے۔ وہ ایک بڑا سا کچا میدان
کی طرف چار دیواری کھینچی ہوئی تھی۔ اِس چار دیواری
پھاٹک لگے ہوئے تھے جو عموماً کھلے رہتے تھے۔ اِس
آبادی تھی، اور قریب ہی ایک مٹھ بھی دکھائی

پہلے بھی وہاں ایک قافلہ خیمے ڈالے ہوئے تھا۔
ہفتہ بھر پہلے لہاسہ آیا تھا۔ یہ معلومات ہمیں کچھ دیر بعد
ملیں۔

ان میں خیمے لگانے کی کسی سے باقاعدہ اجازت
نہ تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ وہاں خیمے ڈالنے کے بعد
لامہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ رقم بطور چندہ دینی

اُس مجھے راستے ہی میں فوجی افسر چانگ نے بتا دی
مجھے یہ بات سن کر تعجب ہوا تھا کہ وہ ایک بار پہلے
بھی ایک قافلے کے ساتھ چام ڈو پہنچ کر وہاں کا پورا جائزہ لے چکا
تھا، پھر وہ لہاسہ لوٹ گیا تھا۔ کسی چینی فوجی افسر کا اِس طرح چام ڈو
آ کر زندہ سلامت لوٹ جانا میرے لیے واقعی عجیب بات ہی تھی،
چاہے وہ سادہ لباس ہی میں کیوں نہ آیا ہو۔ چام ڈو کے بارے
میں میری معلومات تو یہ تھیں کہ وہاں پہنچ کر کوئی چینی جاسوس
زندہ نہیں لوٹا۔ پھر چانگ اپنے مقصد میں کیسے کامیاب ہو گیا تھا؟
میں نے سوچا ضرور لیکن اِس بارے میں چانگ سے کوئی پوچھ گچھ
نہیں کی۔

چانگ کے ساتھ ہونے سے مجھے فائدہ ہی ہوا تھا۔ وہ شہزادہ
توشو کی رہائش گاہ سے بھی واقف تھا۔ میں نے سوچا کہ پنچن لامہ نے
سوچ سمجھ کر ہی چانگ کو ہمارے ساتھ بھیجا تھا۔

میدان میں خیمے نصب ہو گئے تو میں رضوان کو اپنے ساتھ لے
کر قریبی مٹھ کی طرف روانہ ہو گئی تاکہ اُس مٹھ کے لامہ سے مل کر اُسے
مٹھ کے لیے چندہ دے سکوں جسے نذرانے کا نام دیا گیا تھا۔ راستے
میں مجھے کئی مقامی باشندے ملے جو میدان کی طرف جا رہے تھے۔
غالباً انھیں وہاں کسی نئے قافلے کی آمد کا علم ہو گیا تھا، اور وہ اُس
قافلے سے ضروری سامان خریدنا چاہتے تھے۔

مٹھ ایک بلند سے چبوترے پر بنا ہوا تھا جس تک پہنچنے کے
لیے چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ میں نے اُن سیڑھیوں
سے لوگوں کو اُترتے چڑھتے دیکھا۔ اِن میں عورتیں بھی تھیں اور
مرد بھی، لیکن میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی کہ اُن کے چہروں پر
ایک عجیب سا کھنچاؤ تھا۔ اُن کے چہرے پڑھ کر بآسانی اندازہ
لگایا جا سکتا تھا کہ وہ جو زندگی بسر کر رہے ہیں، اُس سے مطمئن نہیں
اور یہ بھی کہ اُن کے اندر کوئی لاوا سا پک رہا ہے جو کسی بھی لمحے خود
اُن کے وجود کو جلا کر خاک میں تبدیل کر سکتا ہے۔

میں نے مٹھ کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا اور اُسی وقت میری
نظر ایک نوخیز شباب پر پڑی۔ وہ سیڑھیوں سے اُتر کر نیچے
رہی تھی۔ اُس کے ہمراہ ایک مرد بھی تھا جس نے مجھے ترچھی نگاہ
دیکھا اور لڑکی کے ساتھ قریب سے گزر گیا۔

مجھے اور رضوان کو ایک بھکشو نے مٹھ کے دروازے ہی پر
روک دیا۔ وہ بھکشو لمبا سا گیروا لبادہ زیبِ تن کیے ہوئے تھا۔
"ہم نذرانہ پیش کرنے آئے ہیں۔" میں نے بھکشو سے تبتی زبان
میں کہا۔

"تم لوگ عظیم بدھ کے پیرو نظر نہیں آتے، اِس لیے محترم لامہ تم سے یہیں نذرانہ وصول کرے گا۔ تم منڈھ کے اندر داخل نہیں ہو سکتے" بھکشو نے اپنی تیز دچمکیلی آنکھوں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا، پھر بولا "تم لوگ یہیں رکو! میں محترم لامہ کو خبر کرتا ہوں۔"

میں اور رضوان، منڈھ کے دروازے ہی پر رُک گئے، اور بھکشو اندر چلا گیا۔ منڈھ کے اندر سے بھجن گانے کی صدائیں سنائی دے رہی تھیں۔ عظیم گوتم بدھ کے پیرو اُس کی حمد و ثنا میں مصروف تھے۔

لوگ منڈھ کے دروازے سے آتے جاتے ہمیں دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔ میں نے اُن کی آنکھوں میں پسندیدگی کے تاثرات نہیں دیکھے۔ شاید وہ اجنبیوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ لوگ اپنے خول میں بند رہنا چاہتے ہوں، اور خول سے باہر نکلنے کی اُن میں ہمت نہ ہو۔ یہ اثر شاید اُس تحریک کا تھا جو دلائی لامہ کو دوبارہ تبت واپس لانے کے لیے کام کر رہی تھی، اور جس تحریک کو منتی چلا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی منڈھ کا لامہ دروازے پر نمودار ہوا۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی شفیق و مہربان مسکراہٹ تھی۔

"میرے بچو! مجھے دُکھ ہے کہ تمھیں یہاں رُک کر میرا انتظار کرنا پڑا۔" اُس کی آواز میں نرمی اور محبت تھی۔

"کوئی بات نہیں محترم لامہ!" میں نے بھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا، پھر کچھ رقم جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "یہ حقیر نذرانہ قبول کیجیے!"

اُس نے ہاتھ بڑھا کر رقم لے لی، پھر پُرخلوص لہجے میں پوچھا "تم لوگ تبت کے باشندے نہیں لگتے۔ کیا تمھارا تعلق بھارت سے ہے؟"

"نہیں محترم لامہ! ہم پاکستانی ہیں۔" میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ نہ جانے کیوں اُس مہربان و شفیق بوڑھے سے میں جھوٹ نہ بول سکی۔

"تو پھر تم پاکستانی سامانِ تجارت لے کر یہاں آئے ہو گے؟" بوڑھے لامہ نے کہا۔

میں اب اُس کی پوچھ گچھ سے کچھ اُلجھن میں پڑ گئی تھی، اور جلدی سے جان چھڑا لینا چاہتی تھی۔ میں نے اِسی لیے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا اور بولی "اچھا اب ہمیں اجازت دیں!" پھر اِس سے پہلے کہ بوڑھا لامہ کچھ اور کہتا، میں رضوان کا ہاتھ تھامے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"بانو! مجھے یہ لامہ کچھ گڑبڑ معلوم ہوا۔" رضوا
سے اُتر کر مجھے مخاطب کیا۔ "اتنے میٹھے لوگ اندر
ہوتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کی اور اُس کی
اُس کے لہجے اور انداز و اطوار سے میں نے یہی اندا
"تم بھی تو بڑے میٹھے ہو۔" میں نے رضوا
اُڑا دی۔

ہم میدان میں پہنچ کر اُن خیموں کی طرف
جانب نصب کیے گئے تھے۔ بائیں جانب دوسر
خیمے تھے۔

اب اُس میدان میں کافی مقامی باشند
میں نے اپنے خیموں کے قریب بھی کئی افراد کو دیکھا
گفتگو کر رہا تھا۔

"وہ لوگ نذرانہ دے کر آ ہی گئے۔" سپاہ
دیکھتے ہوئے مقامی باشندوں سے تبتی زبان میں
قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ مقامی باشند
خریدنا چاہتے تھے، کیونکہ دوسرے قافلے والوں
ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔

میں نے دانستہ چائے کے بہت زیادہ
اُن لوگوں سے جان چھڑانا تھا۔ اُن میں سے
اتنے مہنگے داموں چائے خریدی۔

چند گھنٹے بہت بور گزرے، کیونکہ مقامی
کرتے رہے۔ اِس وقت کے زیاں سے صرف
جلد یہ بات مشہور ہو گئی کہ ہم اپنا مال بہت او
ہیں اور یہ بھی کہ ہم بہت بد دماغ ہیں۔ جل
نجات مِل گئی۔

میں چانگ اور رضوان کو ساتھ لے کر
ملنے کے لیے جانا چاہتی تھی۔ میں ابھی یہ
میری نظر خیمے کے در کی طرف اُٹھ گئی۔ یقیناً
سے گزر رہا تھا۔ میں چونک کر ایک دم اُٹھی اور
لپکی۔ شاید کوئی شخص چھُپ کر ہماری باتیں
تھا۔ مجھے پہلے بھی ایک بار شبہ سا ہوا تھا، او
ہو گئی تھی۔

میں نے خیمے کے در پر پہنچ کر باہر جھانکا،

مت لگا کھڑا تھا جسے میں نے منڈھ کے دروازے

م کیا کر رہے ہو؟" میں نے اُس سے تبتی زبان میں سوال
است تھا۔

لامہ نے بھیجا ہے۔" وہ بغیر گھبرائے بولا۔
م؟" میرے لہجے کی سختی برقرار تھی۔
ان میں رضوان اور چانگ بھی خیمے سے باہر

لامہ نے مجھے تمھارے پاس چائے لینے بھیجا ہے۔"
اب دیا۔
لامہ کی خدمت میں نذرانہ پیش کر چکی ہوں۔" میں نے
میں یہاں تجارت کرنے آئی ہوں، مفت چائے

محترم لامہ کے حضور گستاخی کر رہی ہو۔" بھکشو
لیے، پھر اپنے لبادے میں ہاتھ ڈال کر کئی بڑے
"لو چائے کس بھاؤ دو گی؟"
رویے نے مجھے چکرا دیا۔ میں نے اُس سے سخت
کی غلطی کی تھی، اور مجھے اِس غلطی کا فوراً احساس
نرم لہجے میں بھکشو سے کہا "اے عظیم بدھ کے محترم
ں ہے کہ میں نے تمھیں غلط سمجھا۔ مجھے رقم نہیں
لامہ کی خدمت میں چائے کا حقیر نذرانہ ضرور پیش

بدلے ہوئے رویے پر حیرت زدہ رہ گیا۔ میں
بی میں مخاطب کیا "اِس سے جان چھڑانے کا یہی
کر اسے چائے دے کر یہاں سے روانہ کر دیا جائے۔"
س جا کے لے کر آیا۔" چانگ نے جواب دیا اور اُس خیمے
ں میں سامان کا ذخیرہ تھا۔
معاملہ ہے؟ یہ بھکشو کیا واقعی چائے لینے آیا ہے؟"
پوچھا۔
برابر نہیں بات ہے۔" میں نے جواب دیا، پھر مختصراً
درمیان ہونے والی گفتگو سے اُسے آگاہ کیا۔
اور رضوان کو آپس میں گفتگو کرتے دیکھتا رہا۔
ال اُس کی آنکھوں سے نمایاں طور پر نفرت کا اظہار ہو

رہا تھا۔

چانگ ایک چائے کی تھیلی لے کر لوٹا جو میں نے اپنے ہاتھ سے بھکشو کو پیش کی۔

بھکشو نے چائے کی تھیلی لے کر اُسے کھولا اور اُس میں سے چائے نکال کر سونگھی۔ مجھے اُس کی یہ حرکت عجیب سی معلوم ہوئی۔

معاً بھکشو کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی، اور وہ بڑبڑایا "یہ چائے تو چین کی معلوم ہوتی ہے۔ یہ پاکستانی چائے تو نہیں۔"

میں اُس کی بڑبڑاہٹ سُن کر چونک پڑی، اور پھر مجھے اپنی فاش غلطی کا احساس ہو گیا، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا! کمان سے تیر نکل چکا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے منڈھ کے لامہ سے کہا تھا کہ میں پاکستانی ہوں، اور جب اُس نے یہ پوچھا تھا کہ کیا پاکستانی سامانِ تجارت لے کر آئی ہوں تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

میں ابھی بھکشو کی بڑبڑاہٹ کا کوئی جواب نہ دے پائی تھی کہ اُس نے چائے کی تھیلی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ چائے نہیں چاہیے۔ محترم لامہ کو پاکستانی چائے پسند ہے۔"

میں نے اُس سے تھیلی واپس لے لی، اور تھیلی دیتے ہی بھکشو بغیر کچھ کہے سُنے وہاں سے چل دیا۔ میں خیمے میں داخل ہونے کے لیے مُڑی۔

"کیا بات ہے، وہ چائے کیوں واپس کر گیا؟" رضوان نے سوال کیا۔

خیمے کے اندر داخل ہو کر میں نے مختصراً رضوان کو اُس بھکشو اور منڈھ کے لامہ سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔

"مجھے تو وہ پہلے ہی فراڈ نظر آیا تھا۔" رضوان بولا۔ "بانو! یہ کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔ آپ سے اُس کی پوچھ گچھ، پھر پاکستانی چائے منگوانا بے باتیں خالی از علت نہیں۔ وہ لامہ کہیں اِس طرح آنے جانے والے قافلوں کی جاسوسی تو نہیں کرتا؟"

رضوان کی بات میں وزن تھا۔ میں نے تائید کی "میرا بھی کچھ ایسا ہی خیال ہے۔" پھر طویل سانس لے کر بولی "خیر اِس مسئلے پر پھر کبھی سوچیں گے، فی الحال میں تمھیں اور چانگ کو ساتھ لے کر شہزادہ توشو سے ملنے جانا چاہتی ہوں۔ چانگ کو شہزادہ توشو کی رہائش گاہ کا علم ہے۔"

"یہ شہزادہ توشو صاحب کیا شے ہیں؟" رضوان نے اپنے مخصوص لہجے میں سوال کیا۔

مجھے یہ بات یاد ہی نہیں رہی تھی کہ میں نے رضوان کو شہزادہ توشو کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

"فی الحال تمھارے لیے صرف اِتنا جان لینا کافی ہے کہ چام ڈیو میں

صرف ایک اُسی کی شخصیت ایسی ہے، جو ہماری مددگار و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔" میں نے رضوان کے سوال کا جواب دیا۔" باقی تفصیلی باتیں بشرطِ فرصت!" یہ کہہ کر میں چانگ سے مخاطب ہوئی "شہزادہ توشو کی رہائش گاہ یہاں سے کتنی دُور ہو گی؟"

"نصف میل سے بھی کم!" چانگ نے جواب دیا۔

"کیوں نہ پھر پیدل ہی وہاں تک چلا جائے؟" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"جیسی آپ کی مرضی! ویسے میں بھی یہی مشورہ دیتا۔" چانگ بولا۔

"کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"اِس طرح ہم گلیوں گلیوں بآسانی وہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔ میرے ذہن میں جو راستہ ہے، اُس پر چلتے ہوئے ہم شہزادہ توشو کی محل نما حویلی کے عقب میں نکلیں گے۔ یوں کسی کو ہم پر شک بھی نہیں ہوگا کہ ہم شہزادہ توشو سے ملنے جا رہے ہیں!" چانگ نے کہا۔

اُس کی تجویز مناسب تھی۔ خود میں نے بھی یہی سوچ کر پیدل چلنے کو ترجیح دی تھی کہ کوئی ہم پر زیادہ شک نہ کر سکے اور ہم عام راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے سے شہزادہ توشو کی رہائش گاہ تک پہنچیں۔ میں نے چانگ کی تجویز سے اتفاق کیا۔

کچھ دیر بعد ہی میں، رضوان اور چانگ کے ہمراہ شہزادہ توشو سے ملنے روانہ ہوگئی۔ روانگی سے قبل میں نے وہ خط بھی ساتھ لے لینا تھا جو چِنگ لامہ نے شہزادے کے نام لکھا تھا۔

میں اور رضوان قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے۔ چانگ ہم سے چند قدم آگے چلا جا رہا تھا۔ میں نے چانگ کو روانہ ہوتے وقت ہی سمجھا دیا تھا کہ اُسے راستے میں ہم سے کوئی بات نہیں کرنی، اور ہم سے الگ الگ چلنا ہے۔ اُسے یہ ظاہر نہیں ہونے دینا کہ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ میں نے یہ قدم بطورِ احتیاط اُٹھایا تھا۔ میں بہرحال ایک ایسے شہر میں تھی جہاں قدم قدم پر میری زندگی کو خطرہ پیش آسکتا تھا، اور مجھ سی قسم کا ذرا سا بھی شبہہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میرے ہمراہ کسی چینی کا ہونا کم خطرے کی بات نہیں تھی، خواہ وہ چینی، اپنے لباس اور وضع قطع سے ایک تبتی باشندہ ہی کیوں نہ نظر آتا ہو۔

رضوان مجھ سے شہزادہ توشو کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر رہا تھا۔ ہم دونوں احتیاطاً سندھی زبان میں بات کر رہے تھے۔

ایک پتلی سی لمبی گلی میں مُڑتے ہوئے میں نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ مجھے اچانک ہی تعاقب کا احساس ہوا تھا۔ کافی فاصلے پر مجھے ایک مقامی باشندہ نظر آیا جو تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا اُسی طرف آ رہا تھا۔ میں ہی رضوان کو رُکنے کا اشارہ کیا، پھر اپنے دائیں پاؤں اُتار کر میں جھک گئی۔ میرا انداز ایسا تھا جیسے چلتے چلتے نکل گیا ہو اور میں اُس کا تسمہ باندھ رہی ہوں۔

مقامی باشندہ گلی میں داخل ہوا اور مجھے جھکے، بڑھ گیا۔ چانگ اب کافی دُور نکل چکا تھا، مگر ابھی تک میں تھا۔

میں دوبارہ سینڈل پہن کر سیدھی کھڑی ہوگئی ٹھٹکنے سے میرا شبہہ یقین میں تبدیل ہوگیا تھا کہ واقعی تھا۔ میں اور رضوان پھر آگے بڑھنے لگے۔ وہ قدم آگے چل رہا تھا، لیکن اب اُس کی رفتار میں کچھ فاصلہ طے کرتے ہی میں نے دیکھا کہ مقامی سے مکان کے دروازے پر رُک گیا، اور دستک اُس کے قریب پہنچے مکان کا دروازہ کھُل چکا تھا دروازہ کھولنے والا ایک ادھیڑ عمر تبتی مقامی باشندے کی آواز بہت دھیمی تھی، مگر میں ہی لیے کیونکہ میرے کان اُدھر ہی لگے ہوئے تھے اُس نے کسی شخص کے بارے میں پوچھا تھا، اور وہ شخص اُس مکان میں نہیں رہتا۔

میں تلخی سے مُسکرائی، اور سمجھ گئی کہ اُس کیا ہے! وہ اِس طرح ایک بار پھر ہمارے پیچھے مجھے کوئی شک نہیں رہا تھا کہ وہ ہمارا ہی تعاقب کر تو گویا کھیل شروع ہو چکا ہے! میں واپس بھی ہو جاتی تو اب یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ ملنے جاتے ہوئے میرا تعاقب نہ کیا جاتا۔ جب میں آچکی تھی، اور وہ میری نگرانی کر رہے تھے تو بہتر شہزادہ توشو سے مل لوں۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ آتے کہ میں شہزادہ توشو سے مل ہی نہ پاتی۔ اِن میں نے یہی فیصلہ کیا کہ تعاقب کے باوجود رضوان کو بھی صورتِ حال کا اندازہ ہو چلتے ہوئے آہستہ سے بولا۔ "بانو! گلی میں خیال ہے، پیچھے آنے والے سے نمٹ لیا جا کوئی اور شہر یا کوئی اور موقع ہوتا تو

مگر اُس کی تجویز بُری نہیں تھی۔ اِس طرح تعاقب کرنے والے اُن سے چھٹکارا پایا جا سکتا تھا، لیکن وہ تو سارا شہر ہی دشمن تھا۔

"میں نے رضوان کی بات کا جواب دیا۔" ممکن ہے یہ شخص اِنکار میں ہو، اور اسے بطورِ چارہ استعمال کیا جا رہا ہو، تاکہ ہاتھ ڈالا جا سکے۔"

خاموش ہوگیا۔ ہم اُس گلی کو عبور کر کے ایک چھوٹی سی سڑک سڑک ویران نہیں تھی، اور اُس پر لوگ آ جا رہے تھے۔ دیکھا کہ چانگ سڑک پار کر کے سامنے والی ایک اور گلی میں ابھی سڑک کی دوسری جانب ہی تھے۔ وہ گلی غالباً کسی طرف لیے کہ اب چانگ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اور رضوان نے میں چانگ کو بہرحال نظر میں رکھنا چاہتی تھی۔ گلی میں داخل ہوتے ہی میں نے ذرا سا مُڑ کر دیکھا کہ اب بھی تعاقب میں ہے یا نہیں! لیکن مجھے یہ دیکھ کر اُس کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔ میں رضوان کے ہمراہ فاصلہ طے کرتے ہی میں چونک اُٹھی۔ کوئی پھر کچھ فاصلے پیچھا آ رہا تھا۔

دون کو ایک مخصوص اشارہ کیا۔ معاً چلتے چلتے اُسے ٹھوکر زمین پر گر گیا۔ میں اُسے اُٹھانے کے بہانے مُڑی، اور اُن دو افراد کو دیکھ لیا جو ہم سے صرف چند قدم پیچھے مقامی تھے مگر اِن میں وہ مقامی باشندہ نہیں تھا جو آ رہا تھا۔

کھیل سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ اُن کا مقصد لازماً یہی تعاقب کا احساس نہ ہو۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے سے متعین ہیں۔

جب تک رضوان کو سہارا دے کر کھڑا کیا، وہ قریب آ گئے، ساتھ قریب سے گزر گئے۔ اُن دونوں کا اِس طرح سے گزر جانا قطعی غیر فطری تھا جو مجھے اُن کی طرف سے اُٹھا کر گیا۔ اُن دونوں نے یقیناً رضوان کو ٹھوکر کھا کے حالی ہمدردی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ رُک کر اخلاقاً کچھ پوچھتے نہیں کیا تھا۔ غالباً اِس طرح وہ یہ ثابت کرنا چاہتے متوجہ نہیں ہیں۔ یہ الگ بات، اُن کی لاتعلقی اِس کہ اُن کے دلوں میں چور ہے۔ بائیں جانب مُڑ گئی تھی، اِسی لیے چانگ نگاہ سے

اوجھل ہوگیا تھا۔ تعاقب سے بے نیاز ہو کر میں نے تیز تیز قدم اُٹھانا شروع کیے۔ رضوان بھی میرا ساتھ دے رہا تھا۔

تعاقب کرنے والوں کی رفتار کم تھی۔ رضوان کے لڑکھڑا کر گر جانے کے سبب وہ آگے نکل گئے تھے۔ شاید اِسی لیے وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہے تھے کہ وہ دوبارہ ہمارے پیچھے پیچھے ہی چل سکیں، اور ہم اُن سے آگے نکل جائیں۔ تعاقب کرنے والوں کی نظر سے بچ کر شہزادہ توشو کی رہائش گاہ تک پہنچنا اب ممکن نہیں رہا تھا، اِسی لیے یہی بہتر تھا کہ میں اُن کا خیال ذہن سے نکال دیتی۔ میں اور رضوان، اُن دونوں کے قریب سے گزرتے ہوئے آگے بڑھے، پھر بائیں جانب مُڑ گئے۔

چانگ مجھے اُس گلی کے نکڑ پر نظر آیا۔ میں نے اپنی رفتار مزید بڑھا دی، لیکن کچھ دُور چلتے ہی وہ پھر نگاہ سے اوجھل ہوگیا۔ میں نے اُسے گلی سے نکل کر دائیں جانب مُڑتے دیکھا تھا۔

اُس گلی سے نکلتے ہی دائیں جانب چند گز کے فاصلے پر مجھے ایک بلند و بالا قدیم عمارت نظر آئی۔ چانگ اُسی عمارت کے قریب جا کر کھڑا ہوگیا تھا۔

میں سمجھ گئی کہ وہی محل نما عمارت شہزادہ توشو کی رہائش گاہ ہو سکتی ہے۔ میں اور رضوان، چانگ کے قریب پہنچ گئے۔

"یہ عمارت کا عقبی حصہ ہے!" چانگ نے سرگوشی کی۔ "ہمیں اِس طرف سے چکر کاٹ کر سامنے پہنچنا ہوگا۔" چانگ نے دائیں جانب ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"چلو!" میں نے چانگ سے کہا اور اُس گلی کی جانب دیکھا جس سے نکل کر ہم وہاں تک پہنچے تھے۔ وہ دونوں مقامی باشندے اب گلی سے نکل کر ہماری جانب آنے کی بجائے بائیں سمت چلے گئے تھے۔ شاید اِس لیے کہ اُنھیں اب ہماری منزل کا علم ہو چکا تھا۔ اُنھوں نے ہم تینوں کو شہزادہ توشو کی رہائش کے قریب مُڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ کسی اور سمت سے چکر کاٹ کر عمارت کے گرد منڈلانے لگتے کہ ہم اُسی عمارت میں داخل ہوتے ہیں یا نہیں، مگر اب مجھے اُن کی پروا نہیں تھی کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کیا نہیں! مجھے تو اب جلد سے جلد شہزادہ توشو سے ملنے کی خواہش تھی۔

ہم عمارت کے بڑے سے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا اور اُس کی دونوں جانب دو پہرے دار کھڑے تھے جن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ پھاٹک سے متصل ہی ایک چھوٹی سی کوٹھری بنی ہوئی تھی جس میں غالباً وہ دونوں پہرے دار رہتے تھے۔

ہمیں پہرے داروں نے پھاٹک ہی پر روک دیا۔

"ہمیں شہزادہ توشو سے ملنا ہے۔" میں نے تبتی زبان میں کہا۔

”وہ اندر نہیں ہیں“ ایک پہرے دار نے مجھے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ اُس کے لہجے سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

”مجھے خود اُنھوں نے ہی ملنے کے لیے بُلایا تھا۔ تم کہتے ہو تو میں واپس چلی جاتی ہوں“ میں نے شائستگی کے ساتھ کہا۔

”تم جھوٹ بول رہی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ہمیں ضرور بتاتے کہ کوئی اُن سے ملنے .....“ پھر وہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ شاید اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کہ اُسے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جس سے اُس کا جھوٹ کھل جائے۔ وہ دوبارہ جلدی سے بولا ”وہ اجنبیوں سے نہیں ملتے۔“

”تم صرف اِس بات کا جواب دو کہ وہ اندر موجود ہیں یا نہیں؟“ اِس بار میرے لہجے میں کسی قدر سختی آگئی۔

”معزز خاتون! اُن کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب اندر ہوتے ہیں اور کب نہیں!“ دوسرا پہرے دار میرے سخت لہجے سے متاثر ہو کر نرمی سے بولا۔

”تو کیا تم معلوم نہیں کر سکتے؟ ہم بہت طویل سفر طے کر کے اُن سے ملنے آئے ہیں“ میں نے دوسرے پہرے دار سے کہا۔ اِس بار میرا لہجہ بھی نرم تھا۔

”نہیں! ہمیں یہ معلوم کرنے کی اجازت نہیں“ اُس نے جواب دیا۔ ”ہاں ایک صورت ممکن ہے کہ میں اُن کے ذاتی خادم کو یہاں بُلا لاؤں۔ آپ اُس سے پوچھ لیں۔“

مجبوراً مجھے پہرے دار کی بات ماننی پڑی۔ وہ اپنے دوسرے ساتھی کو ہمارے پاس چھوڑ کر عمارت کی طرف بڑھ گیا، اور میں مُڑ کر پیچھے دیکھنے لگی۔

میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ عمارت سے کچھ فاصلے پر مجھے وہ دونوں مقامی باشندے کھڑے ہوئے نظر آگئے جنھوں نے تعاقب کیا تھا۔ شاید اب وہ اِس فکر میں تھے کہ ہم عمارت میں داخل ہوتے ہیں یا نہیں!

مُڑتے ہوئے ہی میری نگاہ رضوان کے چہرے پر بھی پڑی تھی جس سے اُلجھن کا اظہار ہو رہا تھا اور میں اِس اُلجھن کا سبب سمجھتی تھی۔ تبتی زبان سے ناواقفیت کے سبب وہ میرے اور پہرے داروں کے درمیان ہونے والی گفتگو نہ سمجھ پایا تھا۔

کچھ دیر بعد پہرے دار ایک ادھیڑ عمر شخص کو ساتھ لیے لوٹا۔ اُس شخص کے جسم پر تمام تبتی باشندوں جیسا لباس نہیں تھا بلکہ وہ بہترین تراش کا سوٹ پہنے ہوئے تھا، اور اُس کی چال میں بھی ایک وقار تھا۔

”محترم خاتون! آپ ہز ایکسیلینسی سے کیوں ملنا چاہتی ہیں؟“ ادھیڑ عمر شخص نے قریب پہنچتے ہی مجھ سے سوال کیا۔ اُس نے ... میں ادا کیا تھا لیکن اُس کے چہرے سے پتا چل رہا تھا کہ ...

”یہ میں محترم شہزادے ہی کو بتاسکتی ہوں“ میں ... زبان استعمال کی۔

”مگر... مگر خاتون! .... وہ تو تشریف نہیں ...“ شخص کچھ رُک رُک کر بولا، پھر کہا ”ویسے آپ مجھ پر ... میں اُن کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں۔“

میں سمجھ گئی کہ بغیر چیخن لامہ کا تعارفی خط دکھا... میں نے وہ لفافہ جیب سے نکال لیا جس پر تبتی زبان ... لکھا ہوا تھا، پھر بولی ”مجھے پرنس تک یہ خط پہنچانا تھا ...“

”آپ یہ خط مجھے دے دیں۔ میں اُن تک پہنچا ...“ کے سیکریٹری نے کہا۔ اُس کے لہجے میں شائستگی تھی۔

میں نے ایک لمحے کو سوچا، پھر لفافہ اُس کی ... کہا ”بہتر تھا کہ میں خود اپنے ہاتھ سے یہ اہم خط اُنھیں ... ہے کہ پرنس موجود نہیں ہیں۔ آپ فوراً یہ خط اُنھیں ...“

ادھیڑ عمر شخص نے مجھ سے لفافہ لے لیا اور بولا ”... لے جاسکتی ہیں۔“

”اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو چند گلاس پانی پینے ...“ میں نے جلدی سے کہا ”دراصل میں اور میرے ساتھی ... چل کر آرہے ہیں اور ہمیں پیاس لگ رہی ہے۔“

”بہتر ہے“ ادھیڑ عمر سیکریٹری نے میری طرف ... شاید وہ میرا مقصد سمجھ گیا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ شہزادہ توشو عمارت میں موجود ... کچھ دیر اِس بہانے ٹھہرنا چاہتی تھی۔ میں صرف ... تھی کہ وہ لفافہ شہزادہ توشو تک پہنچ جائے اور وہ ... پڑھ کر مجھے اندر بُلا لے۔

مجھے اِس وقت وہ تمام باتیں یاد آرہی تھیں ... توشو کے بارے میں بتائی تھیں۔ چیخن لامہ نے مجھے بتا... کے پیشِ نظر شہزادہ ملاقات سے اجتناب کرے ... کی نظر میں مشکوک ہونا نہیں چاہے گا۔ پہرے دار ... یہی اندازہ لگایا تھا کہ شہزادہ توشو اجنبیوں سے ... کے تعارفی خط سے مجھے کچھ اُمید بندھ چلی تھی۔ ... ایک بار مجھ سے ضرور ملے گا۔ پھر ملاقات ہونے ...

... خادم پانی سے بھرا جگ اور گلاس لیے باہر نکلا۔ ... کے باوجود چانگ اور رضوان نے پانی پیا، اور میں ... پلا گیا۔

... ادھیڑ عمر سیکریٹری کو عمارت میں گئے کافی دیر ہو چکی ... نہیں ہوئی تھی۔ اب وہاں میرے مزید رُکنے ... شہزادہ توشو کو مجھ سے ملاقات کرنی ہوتی تو اب تک ... اب ہمیں گھورنے لگے تھے۔

... نے مُڑتے ہوئے چانگ سے کہا۔ ... توشو پر غصہ آنے لگا تھا۔ اُس کے خوش اخلاق ... ہم سے عمارت کے اندر چل کر بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔ ... فتہ تھوک دیا کہ شاید اِس میں بھی کوئی مصلحت ... شہزادہ توشو اجنبیوں سے یہی سلوک روا رکھتا ... کو بھی قطعی نظرانداز نہیں کیا تھا کہ ممکن ہے ... موجود نہ رہا ہو۔

... ہمارا تعاقب کیا گیا، مگر اب تعاقب کرنے ...

... تک پہنچے تو دوپہر ہو چکی تھی، اور اب مجھے ... لگی تھی۔

... میں نے ساتھ ساتھ کھانا کھایا، اور چانگ ... کھانے چلا گیا جہاں بقیہ افراد بھی تھے۔

... دوران میں، رضوان اور میں شہزادہ توشو ہی ... رہے تھے۔ کھانے سے فراغت پاکر میں ہاتھ ... تو سامنے سے ایک شخص کو خیمے کی طرف ...

... اُٹھا کر دیکھا تو وہ میری طرف دیکھتے ہوئے ... مسکرایا۔ وہ قریبی مٹھ کا وہی بھکشو تھا جسے صبح ... لینے کے لیے بھیجا تھا۔

... میں نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اُس نے ... میں ہاتھ ڈالا اور ایک لفافہ میری طرف ... کردیا جس پر میرا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے وہ لفافہ ... لفافہ دیتے ہی وہ واپسی کے لیے مڑ گیا، اور ... مناسب نہیں سمجھا، کیونکہ میں خیمے میں جاکر وہ ... وہ خط لکھنے والا کون ہو سکتا تھا؟ میں نے سوچا، اور میرے ذہن میں ایک نام گونجا۔ وہ خط مجھے سارہ بھی لکھ سکتی تھی، لیکن کیوں، اُسے خط لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اُسے علم ہو گیا کہ میں چام ڈیو پہنچ چکی ہوں، اور وہ چاہتی ہے کہ میں چام ڈیو سے لوٹ جاؤں؟

میں یہی سوچتی ہوئی خیمے میں داخل ہوئی اور لفافہ کھول لیا۔ رضوان بھی میرے ہاتھ میں وہ لفافہ دیکھ کر قریب آگیا۔ پھر جیسے ہی میں نے لفافہ کھولا، چونک پڑی۔ وہ خط مجھے سارہ نے نہیں شہزادہ توشو نے لکھا تھا۔ رسم الخط انگریزی تھا۔ ایک سفید کاغذ پر صرف چند جملے تحریر تھے اور عبارت کے آخر میں اُس کا نام بھی نہیں لکھا تھا۔

”مصلحتاً میں اُس وقت تم سے ملاقات نہ کر سکا۔ اگر ممکن ہو تو مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرو، لیکن اگر ملاقات ناگزیر ہے تو آج رات ٹھیک آٹھ بجے بیرونی پھاٹک کی بجائے عقبی دروازے پر پہنچ جاؤ!“

”بظاہر یہ خط شہزادہ توشو ہی کا معلوم ہوتا ہے“ دفعتاً رضوان کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ بھی خط پڑھ چکا تھا۔

”ہاں!“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور خط کو پھاڑ دیا۔

”بانو! غالباً یہ خط ابھی کوئی آپ کو دے کر گیا ہے“ رضوان نے کہا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ پھر بولا ”کیا شہزادہ توشو کا سیکریٹری آیا تھا؟“

”نہیں!“ میں نے جواب دیا ”یہ خط وہ بھکشو دے کر گیا ہے جو صبح لامہ کے لیے چائے لینے آیا تھا۔“

”کیا؟“ رضوان حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ میں نے پوچھا۔

”بانو! یہ کوئی فراڈ بھی ہو سکتا ہے“ رضوان نے کہا ”شہزادہ توشو کی رہائش گاہ تک ہمارا تعاقب کیا گیا تھا، اور تعاقب کرنے والے شاید ہمارے دوست نہیں تھے۔“

”اِس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا“ میں نے تائید کی پھر بولی ”یہ بات تو طے ہے کہ وہ بھکشو کسی نہ کسی کا آلۂ کار ہے۔ خواہ ہمارے دشمنوں کا، خواہ شہزادہ توشو کا!“

”قطعی!“ رضوان نے بھی میری بات کی تائید میں کہا ”ہمیں اپنا اگلا قدم اُٹھانے سے پہلے سوچ سمجھ لینا چاہیے۔“

”مجھے تمھاری رائے سے اتفاق ہے، لیکن میں دونوں صورتوں میں آج رات وقتِ مقررہ پر وہاں پہنچنا چاہتی ہوں، تاکہ جو بھی صورتِ حال ہو وہ کھل کر سامنے آجائے“ میں فیصلہ کُن لہجے میں بولی۔

ٹھیک آٹھ بجے میں، رضوان اور چانگ کے ہمراہ شہزادہ توشو کی رہائش گاہ کے عقبی دروازے تک پہنچ چکی تھی۔ اِس بار بھی ہمارا تعاقب کیا گیا تھا' اور تعاقب کرنے والے بدلتے رہے تھے۔ میں کسی بھی قسم کے ہنگامے سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھی، لیکن کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔

عمارت کا عقبی حصہ نیم تاریک تھا۔ ہم جیسے ہی آگے بڑھے، عقبی دروازے سے ایک سایہ باہر نکلا' پھر ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی "خوش آمدید! شہزادہ توشو کے مہمانو!"

وہ سایہ ہمارے قریب آکر رک گیا۔ میں نے اُسے پہچان لیا۔ وہ شہزادے کا اَدھیڑ عمر سیکرٹری تھا' اور اِس وقت بھی وہ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔

وہ ہمیں عمارت کے عقبی دروازے سے لے کر اندر داخل ہوا' اور اندر داخل ہوتے ہی اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ ایک طرف ہلکی سی روشنی نظر آرہی تھی۔ وہ ہمیں ساتھ لیے اُس طرف بڑھا۔

وہ ایک زینہ تھا جس میں کم طاقت کا بلب روشن تھا اور اُسی کی روشنی باہر تک آرہی تھی۔ ہم اُس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

اَدھیڑ عمر سیکرٹری زینہ چڑھ کر ایک راہداری میں مُڑا جس کی دونوں اطراف کمروں کے دروازے نظر آرہے تھے۔ وہ ہمیں لے کر ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرہ خالی تھا اور نشست فرشی! کمرے میں دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور جگہ جگہ ٹیک لگانے کے لیے تکیے رکھے ہوئے تھے۔

ہم نے کمرے کے دروازے پر جوتے اتارے' اور اَدھیڑ عمر شخص ہمیں وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔

ہمیں کمرے میں بیٹھے بمشکل ایک دو منٹ ہوئے ہوں گے کہ کمرے کے دروازے سے ایک سُرخ و سفید رنگت والا دراز قد شخص اندر داخل ہوا۔ میں احتراماً اُٹھ کھڑی ہوئی۔ چانگ اور رضوان نے بھی میرا ساتھ دیا۔

وہ جوتے اتار کر اندر داخل ہوا اور شستہ انگریزی میں بولا "بیٹھیے بیٹھیے!"

میں نے اُس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اُس کی آنکھوں سے ذہانت اور بُرد باری جھلک رہی تھی۔ اُس کے جسم پر تھری پیس کا بہترین

سوٹ تھا' اور ہونٹوں میں موٹا سا سگا

لیے میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی ر

ایک معزز تبتی سے ملنے آئی ہوں' کیو

یورپین مفکر کی طرح نظر آرہا تھا۔

وہ ایک تکیے سے ٹیک لگا کر،

پھر میں نے ہی گفتگو کا آغاز کیا "ما

ملنا ناگزیر نہ ہوتا تو میں آپ کو کبھی زد

"میں سمجھتا ہوں' سمجھتا ہوں" و

اپنی بھاری آواز میں بولا "محترم پنچن ا

تفصیل سے بتایا ہے۔ یہی سبب ہے کہ

ہو گیا ورنہ میں اجنبیوں سے نہیں ملتا

"لیکن ہز ایکسیلینسی اجنبیوں

ضرور رہتے ہیں" میں نے مسکرا کر معنی

میری بات سُن کر اُس کے ہونٹوں

بولا "آج کل تبت کے حالات بہ

رہنا پڑتا ہے" پھر وہ بولتے بولتے ر

کی طرف سوالیہ نگاہ سے دیکھنے لگا تھا

اِس سے پہلے کہ وہ اُن دونوں

بول اُٹھی "ہز ایکسیلینسی! یہ دونوں

پاکستانی ساتھی رضوان ہیں" میں نے

چانگ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی "او

فوج کے ایک ذمّے دار افسر ہیں۔ آپ

کو پہلے ہی بہت کچھ بتا چکی ہوں"

چانگ کے تعارف پر شہزادہ تو

رہ کر بولا "تمھیں میرے بارے میں شا

کے لہجے میں شائستگی تھی۔ وہ انگریزی ل

کچھ عرصے تبت سے باہر بھی رہا ہوں

دیکھی ہے' اِس لیے مجھے تبت کی

بھی اپنے اہلِ وطن کی طرح محترم دالا

کی تبت واپسی کا خواہشمند ہوں' ل

احساس ہے کہ اُن کی تبت واپسی خطا

کا زم ردِّ عمل مجھے دوستی کا جذبہ بخشا

ہے کہ وہ چینی حکومت سے تعاون

کی:

م کر جو کہا تھا اُس میں خلوص اور سچائی کی

منے انداز فکر اور صاف گوئی نے مجھے

حام ڈیو میں رہتے ہوئے مجھے اُس

ا شی کی۔

گہرے کش لینے کے بعد وہ پھر بولا۔

ہو کہ میں تمھارے والد نواب شمشیر جنگ

تمد کے لیے اُن کے خیالات بھی یہی تھے

ہ"

کے خیالات یقیناً قابلِ قدر ہیں' لیکن

کھام میں آباد مختلف قبائل کے کیا خیالات

اُن ڈال سکیں گے؟" میں نے کہا۔

اپنے عوام کے سامنے اِن خیالات کا

جانتا ہوں کہ وہ میرے نقطۂ نظر کو نہیں۔

نے جواب دیا "وہ محترم دلائی لامہ سے

ہیں کہ اُن کی واپسی کے سوا کوئی اور بات

مہنتی اُن کا لیڈر ہے۔ اُن لوگوں کا اتنا

اُن کی مخالفت کرتا ہے تو وہ بے دریغ

ہاتھ۔ اُن کی انٹیلی جنیس اِتنی تیز ہے کہ

یا قدم رکھنے کے بعد چوبیس گھنٹے سے

ہیں تنگ و تاریک کوٹھری میں ڈال دیا

ہات ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ مجھے تمھاری

ہے۔ یہی سوچ کر میں نے تمھیں یہاں

شیر جنگ کی بیٹی ہو' اِس لیے مجھے تم سے

حام ڈیو سے چلی جاؤ' کیونکہ فی الحال

ہیں۔ تم روانہ ہونے تک میں میرے

بعد یہاں سے نکلنے کی پوری کوشش

ہیں باتیں سُن کر مجھے تعجب ہو رہا ہے

بامستقلی سے کہا۔

ابت نہیں!" وہ بولا۔ "مجھے صرف تمھاری

یں ذاتی طور پر ہر خطرہ مول لینے پر آمادہ

ہوں کہ نتیجہ چاہے کچھ بھی نکلے میں

اب عوام کے درمیان اپنے خیالات کا اظہار ضرور کروں گا کہ اِسی میں تبت کی فلاح و بہتری ہے۔"

"نہیں ہز ایکسیلینسی! میرا خیال ہے کہ آپ درپردہ رہ کر بہت کچھ کر سکیں گے۔ میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی یہاں آئی ہوں۔ اگر میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئی تو بغیر کسی جھگڑے فساد کے ہی سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

میری بات سُن کر شہزادہ توشو نے انکار میں سر ہلایا' پھر بولا "بانو! غالباً تمھیں حالات کا صحیح اندازہ نہیں۔ محترم دلائی لامہ کی تبت واپسی خون خرابے کا باعث ثابت ہو گی اور اُنھیں تبت آنے سے روکنا بھی خون خرابے کے بغیر ممکن نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میں پورے صوبۂ کھام میں تنہا شخص نہیں جو یہ خیالات رکھتا ہوں۔ میرے ہمنوا اور بھی ہیں' مگر اکثریت اُنہی لوگوں کی ہے جو سوچے سمجھے بغیر مہنتی اور اُس کی پارٹی کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔ اِن لوگوں کو بغیر خون خرابے کے روکنا ناممکن ہے۔"

"مجھے بھی اِس بات کا علم ہے ہز ایکسیلینسی! لیکن میں یہی سمجھتی ہوں کہ اگر میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئی تو خون خرابے کی نوبت نہیں آئے گی۔ مجھے کسی طرح مہنتی اور اُس کے ساتھیوں کو یہ سمجھانا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں' خود اُن کے حق میں بہتر نہیں۔" میں نے پُرزور الفاظ میں کہا۔

"ناممکن!" شہزادہ توشو بھی پُرجوش لہجے میں بولا "آسمان سے تارے توڑ کر لانا ممکن ہے لیکن مہنتی کو یہ سمجھانا کہ وہ غلطی پر ہے ممکن نہیں۔ پھر بھی اگر تم ایسا سمجھتی ہو تو میں اِس سلسلے میں تمھاری ہر مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

"مجھے آپ سے صرف اِتنی مدد درکار ہے کہ آپ حالات کے پیشِ نظر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے یہاں پناہ دیں' اور مہنتی سے میری ملاقات کا بندوبست کر دیں یا معلوم کرا کے بتا دیں کہ وہ مجھے کہاں مل سکے گا۔" میں نے اُسے اپنے مقصد سے قریب آتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"تم اِس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھ سکتی ہو" شہزادہ توشو کے لہجے میں اپنائیت تھی۔ "مجھے تمھارے اور تمھارے ساتھیوں کے یہاں قیام پر کوئی اعتراض نہیں' لیکن میرے خیال میں تمھارا مہنتی سے ملنا قطعی مناسب نہیں' وہ تمھیں زندہ نہ لوٹنے دے گا۔"

میں ابھی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ معاً میری سماعت سے کچھ ایسی

آوازیں ٹکرائیں کہ میں خاموش ہو گئی۔ شہزادہ توشو بھی چونک اُٹھا تھا۔ اُس نے بھی غالباً شور اور ہنگامے کی آوازیں سُن لی تھیں جو لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

اُسی وقت شہزادہ توشو کا اَدھیڑ عمر سیکریٹری کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں بتایا "ہز ایکسیلینسی! محل کو بلوائیوں نے گھیرے میں لے لیا ہے، اور وہ اندر گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں!"

لمحے بھر کو شہزادہ توشو کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا، لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پُرجوش انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اسلحہ خانے سے رائفلیں نکال کر تمام خادموں کو تقسیم کر دو!" اُس نے اَدھیڑ عمر سیکریٹری کو حکم دیا "بلوائیوں کو محل میں گھسنے سے ہر قیمت پر روکنا ہے!" سیکریٹری چلا گیا تو وہ مجھ سے مخاطب ہوا "میں نے کہا تھا نا کہ چام ڈیو میں قدم رکھنے والا تحریک کا کوئی مخالف چھپا نہیں رہ سکتا۔ تمھیں آئے ہوئے ابھی چوبیس گھنٹے نہیں گزرے کہ یہ ہنگامہ کھڑا ہو گیا!"

"میرا خیال ہے کہ وہ آپ سے مطالبہ کریں گے کہ چینی جاسوسوں کو اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اُن کا مطالبہ تسلیم کر لیں!" میں نے کہا۔

"نہیں! میرے بھتیجی! ایسا نہیں ہو سکتا۔ تمھیں نہیں معلوم کہ وہ تمھیں فوراً ختم کر دیں گے!" شہزادہ توشو نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"کیا ہمارے لیے فرار کا کوئی راستہ نہیں؟" میں بھی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میرے ساتھ ہی رضوان اور چانگ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"نہیں! میرا خیال ہے، اُنھوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیرا ہو گا۔ چلو ابھی چل کر دیکھ لیتے ہیں!" شہزادہ توشو آگے بڑھتا ہوا بولا۔

رضوان اور چانگ بھی میرے ساتھ آگے بڑھے۔ معاً مجھے خیال آیا کہ چانگ کو ہمارے ساتھ نہیں چلنا چاہیے۔ میں نے اُسے مخاطب کیا "میری اور رضوان کی زندگی سے زیادہ تمھاری زندگی خطرے میں ہے۔ تمھیں بلوائیوں کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔ تم یہیں رُک جاؤ!"

شہزادہ توشو نے بھی میرے خیال کی تائید میں کہا "ہاں یہ بہتر ہے۔ اِنھیں یہیں چھوڑ دو!"

شہزادہ توشو مجھے اور رضوان کو محل کے ایک ایسے حصے میں لے گیا جہاں سے چُھپ کر ہم بلوائیوں کو دیکھ سکتے تھے۔ یہ محل کا سامنے والا حصہ تھا۔

میں نے سینکڑوں افراد کو محل کے بند ... کھڑا ہوا دیکھا۔ دونوں پہریدار بھاٹک بند کیے ... آنے ہوئے تھے۔ مجمعے میں اکثر افراد نہتے تھے ... تلوار نما لمبے پھل والے چاقو، لاٹھیاں ا... سے کچھ کے پاس بندوقیں اور رائفلیں بھی تھیں ... میں نعرے لگا رہے تھے جن کا مفہوم یہی تھا ... اور ہمیں کتوں کی موت مارنے کے لیے اُن ... کچھ افراد شہزادہ توشو کے خلاف بھی نعرے ... چینی کُتا کہا جا رہا تھا۔

میں نے دیکھا کہ یہ نعرے سُن کر شہزا... سُرخ ہو گیا۔ وہ دانت پیستا ہوا بولا "... دوں گا!" یہ جملہ بھی اُس نے انگریزی ... "اگر آپ نے یا آپ کے ساتھیوں ... بلوائی پر گولی چلائی تو پھر کچھ بھی نہیں ... شہزادہ توشو کو مخاطب کیا۔

"اور لڑائی شروع ہونے سے پہلے ... میں نے رضوان کی تائید کرتے ہوئے کہا ... کا صحیح اندازہ لگایا تھا۔

"تو پھر کیا کیا جائے؟" شہزادہ تو... بے بسی بھی تھی۔

اور میرا ذہن یہی سوچنے میں ... سے کس طرح نمٹا جائے؟ ... میں پڑ چکی تھی بلکہ شہزادہ توشو بھی ...

اِتنا وقت نہیں تھا کہ میں ... صورتِ حال مزید بگڑ سکتی تھی ... گھسنے کی کوشش بھی کر سکتے تھے ... سکتا تھا۔

"ہز ایکسیلینسی! کیا محل ... مشتعل ہجوم ہمیں دیکھ سکے؟"

...گیا۔

...ایں!" شہزادہ توشو نے جواب دیا "ہم محل کی چھت ... تک اِس سے تمھارا مقصد کیا ہے؟ تم یہ کیوں بھول ... ہمارے بہت سے مسلح ہیں!"

...ایک دَم اپنے سامنے دیکھ کر گولی نہیں چلائیں گے!" ...خیال ہے کہ اُنھیں آپ سمجھا سکتے ہیں!"

..." شہزادہ توشو بولا۔

...کہ ہم نہ چینی ہیں اور نہ چین کے لیے جاسوسی کر رہے ہیں!"

...یا۔

...ال ہے کہ وہ لوگ میری بات مان جائیں گے؟"

...ے پر تو خیر قبل اَز وقت کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن یہ ضرور ...ے کوئی نہ کوئی راہ یقیناً نکل آئے گی!" میں نے کہا ... تائیدی نگاہ سے دیکھا۔

...کے خیال سے متفق ہوں ہز ایکسیلینسی!" رضوان

...ایسا ہی سمجھتے ہو تو چلو!" شہزادہ توشو نے کہا اور ہمیں ... اشارہ کیا۔

...شہزادہ توشو تھا اور اُس کے پیچھے میں پھر رضوان۔ ...کر کے اُس زینے تک پہنچے جو محل کی چھت تک

...ہم چھت پر پہنچ گئے۔ چھت پر تین اطراف میں ...سامنے کی جانب لوہے کے ریلنگ لگے ہوئے تھے۔ ...کام بھی تھا۔ ریلنگ کے قریب ہی کچھ فاصلے سے

...شہزادہ توشو کے خادم رائفلیں سنبھالے ریلنگ سے ...اپنی رائفلیں محل کے نیچے موجود مشتعل ہجوم کی ...تھے۔ شہزادہ توشو کو ریلنگ کی طرف بڑھتے دیکھ ...آئے۔

...اطمینان ہوا کہ شہزادہ توشو کے خادم جلد باز ثابت ...ضوں نے ابھی تک مشتعل ہجوم پر فائرنگ شروع

...ہم شہزادہ توشو کے لیے سخت نازیبا الفاظ استعمال

...شو میرے اور رضوان کے ہمراہ ریلنگ تک پہنچا ...اُس کا جوش شباب پر پہنچ گیا۔ مشتعل ہجوم ...نعرے لگائے۔

...قریب کھڑے ہوئے ایک خادم سے رائفل ...یا رضوان اُسے روک سکتے، اُس نے فائر کر دیا۔

یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ اُس نے مجمعے پر فائر نہیں کیا تھا۔ فائر ہوائی تھا۔ نعرے لگاتا ہوا مجمع ایک دَم خاموش ہو گیا۔ اُنھیں چیخنے سے روکنے اور اُن سے بات کرنے کی اِس سے بہتر ترکیب نہیں ہو سکتی تھی۔ شہزادہ توشو یقیناً ذہین شخص تھا۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" شہزادہ توشو نے بلند اور پُروقار آواز میں مجمعے کو مخاطب کیا۔

"چینی جاسوسوں کو ہمارے حوالے کر دو! ہمارے حوالے کر دو!" مجمعے میں سے بیک وقت کئی آوازیں بلند ہوئیں "وہ جو تمھارے قریب کھڑے ہیں، اُنھیں ہمارے سپرد کر دو! تم ہم میں سے ہو اس لیے ہم تمھارا قصور معاف کر دیں گے!"

اِس سے پہلے کہ شہزادہ توشو کوئی جواب دیتا، میں بول اُٹھی۔ "تمھیں ہمارے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم ہرگز چینی جاسوس نہیں ہیں اور نہ خود چینی ہیں!" میں نے تبتی زبان ہی استعمال کی تھی۔

"تم چینی حکومت ہی کے ایما پر ہماری سرگرمیوں پر نظر رکھنے آئی ہو۔ یہ جاسوسی نہیں تو اور کیا ہے؟" مجمعے میں سے کوئی چیخا۔

"یہ بالکل غلط ہے!" میں نے بھی چیخ کر جواب دیا "کیا تم سمجھتے ہو کہ چینی حکومت کے پاس جاسوسوں کی کمی ہے جو وہ مجھے یہاں بھیجتی؟"

میرا سوال ایسا نہیں تھا جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتا۔ میرا سوال یقیناً اہم اور کچھ سوچنے پر مجبور کر دینے والا تھا۔ کچھ دیر تک مجمعے میں سے کوئی کچھ نہ بولا، پھر ایک آواز سنائی دی "پھر تم یہاں کیوں آئی ہو؟" سوال کے جواب میں مجھ سے سوال کیا گیا۔

"اِس لیے کہ مجھے تبت سے محبت ہے!" میں کسی قدر جذباتی لہجے میں اُن سے مخاطب ہوئی "میں اُس شخص کی بیٹی ہوں جس نے مرتے دم تک تمھاری خدمت کی ہے۔ کیا تم نواب شمشیر جنگ کو بھول گئے؟ بولو کیا وہ تمھارے محسن نہیں تھے؟"

مجھے یقین تھا کہ اُس مجمعے میں بھی کچھ لوگ ایسے ضرور ہوں گے جو میرے والد کو جانتے ہوں گے۔ اور یہ جان کر کہ میں نواب شمشیر جنگ کی بیٹی ہوں، اُن کے دل میں میرے لیے احترام کا جذبہ اُبھر آیا ہو گا۔

کافی دیر تک لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرتے رہے اور کسی نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

"ہمیں کیسے پتا چلے کہ نواب شمشیر جنگ کا نام لے کر ہمیں دھوکا نہیں دیا جا رہا؟" آخر کار مجمعے میں سے کسی نے چلا کر پوچھا۔

"کیا تم دیکھ نہیں سکتے کہ مجھ میں نواب شمشیر جنگ کی کتنی نشانیاں ہیں؟ کیا میں تمھیں چینی نظر آ رہی ہوں؟ کیا میں تمھاری زبان روانی سے نہیں بول رہی؟" میں پُرجوش اور بلند آواز میں کہے جا رہی تھی۔ کیا تمھیں یہ اندازہ لگانے میں دِقت ہو رہی ہے کہ میں خود تمھارے ساتھ رہ چکی ہوں؟

"ہم یہ مانے لیتے ہیں کہ تم نواب شمشیر جنگ کی بیٹی ہو لیکن ہماری اطلاعات غلط نہیں ہو سکتیں۔ اُن اطلاعات کے مطابق تم چینی حکومت کے ایما پر ہی یہاں آئی ہو۔" میری بات کے جواب میں پیچھے سے کہا گیا۔ "ہم تم پر بھروسہ نہیں کر سکتے!"

میں نے اندازہ لگا لیا کہ انھیں یہ باور کرانا ممکن نہیں کہ میں چینی حکومت کے ایما پر تبت نہیں آئی لیکن میں اِس بات کو اُن کے روبرو تسلیم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اِسی لیے بات کا رُخ بدل دیا اور بولی "میں کب کہتی ہوں کہ تم مجھ پر بھروسہ کرو! اگر تمھارا مطالبہ یہی ہے کہ میں اور میرا ساتھی تمھارے درمیان آ جائیں تو میں اِس پر آمادہ ہوں۔ تم مجھے اور میرے ساتھی کو اپنے رہنما کے پاس لے چلو، پھر جو وہ کہے اُس پر عمل کرو!"

مجمعے پر خاموشی طاری ہو گئی اور میرے چُپ ہوتے ہی شہزادہ توشو فکرمند لہجے میں بولا "بالز! یہ۔۔۔ یہ تم نے کیا کہہ دیا؟ اِن بلوائیوں پر کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"

"اعتبار کرنا ہی پڑے گا ہز ایکسیلینسی!" میں نے جواب دیا۔ "اِن حالات میں اِس کے سوا کوئی اور بہتر صورت نہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے مجمعے کی طرف نگاہ ڈالی۔ اُن کی خاموشی ختم ہو چکی تھی اور وہ ایک دوسرے سے ایک بار پھر چہ میگوئیاں کرنے لگے تھے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ آپس میں صلاح مشورہ کر رہے ہوں۔

"ایک تو یہی بات طے نہیں کہ یہ لوگ تمھیں مہنتی تک لے بھی جائیں گے یا نہیں، پھر اِس بات کی کیا ضمانت ہے کہ مہنتی تمھاری بات سننے اور ملنے پر آمادہ ہو جائے گا؟" شہزادہ توشو بولا "میں تو سمجھتا ہوں کہ اِس طرح تم سخت خطرے میں گھر جاؤ گی!"

"بغیر خطرہ مول لیے تو کچھ نہیں ہو سکتا ہز ایکسیلینسی!" میں نے جواب دیا۔

شہزادہ توشو نے اُس وقت مجھ سے تبتی زبان میں گفتگو کا آغاز کیا تھا اِس لیے میں بھی تبتی زبان بول رہی تھی لیکن جب آخری جملہ ادا ۔۔۔ میری نظر رضوان کے اُلجھن زدہ چہرے پر پڑی تو میں اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

"کیوں تم اِتنے پریشان کس لیے نظر آ رہے ہو؟" میں نے اُسے ۔۔۔ کیا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے!" وہ چڑچڑا کر اردو میں بولا ۔۔۔ "مجھ بدنصیب کو بھی تو خبر لگے کہ حضور کیا گل کِھلا رہی ہیں!"

میں نے بہت مختصر الفاظ میں اُسے صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تو اُس کے چہرے سے اُلجھن کے اثرات ختم ہوئے اور وہ شہزادہ توشو سے مخاطب ہوا "دراصل بالز کی ایک دوست بھی اُن باغیوں کے درمیان موجود ہیں اِس لیے بالز زیادہ فکرمند نہیں ہیں۔" رضوان کا اشارہ سارہ کی طرف تھا اور لہجے میں شرارت ۔۔۔

پرنس توشو نے میری طرف سوالیہ نگاہ ۔۔۔ تائید کی "وہ دشمنوں کی صف میں واقعی میری ۔۔۔ اور وہ کچھ ایسی غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک ۔۔۔ ثابت ہو سکتی ہے۔" اِس بار میں نے رضوان کی انگریزی زبان کا سہارا لیا۔

"غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک!" شہزا(دہ) ۔۔۔ اُسے کچھ یاد آ گیا ہو "تم مہنتی کی کزن کا ذکر تو نہیں ۔۔۔" توشو بھی اب انگریزی زبان میں بات کرنے لگا۔

"جی ہاں ہز ایکسیلینسی! آپ واقعی ۔۔۔" میں بولی۔

"میں نے اُس کی غیر معمولی صلاحیتوں ۔۔۔ مجھے اُس کے سامنے جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ۔۔۔" نے کہا۔

شہزادہ توشو کی بات سُن کر رضوان ۔۔۔ پھر اُس سے نہ رہا گیا۔ اُس نے مجھے مخاطب ۔۔۔ غیر معمولی صلاحیت کے بارے میں آپ نے ۔۔۔

"اِسی میں بھلائی تھی کہ تمھیں ۔۔۔ طرح تم بھی اُس کے سامنے آنے سے گھبرا ۔۔۔" کر جواب دیا۔

"آخر کچھ پتا تو چلے کہ لوگ اُس کے ۔۔۔ ہیں؟" رضوان اُلجھن آمیز لہجے میں بولا۔

میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ۔۔۔ مخاطب میں ہی کی گئی تھی "تم اور تمھارا ساتھی ۔۔۔ کو مہنتی کے پاس لے چلیں گے، پھر وہ جو ۔۔۔"

میں نے نیچے کا جائزہ لیا۔ مجمعے کا ماحول پُرسکون تھا۔

"ہم نیچے آ رہے ہیں!" میں نے بلند آ(واز) ۔۔۔

"کیا ہوا، کیا وہ لوگ مان گئے؟" ۔۔۔

"ہاں، چلو!" میں نے جواب دیا ۔۔۔

"اب بھی وقت ہے بالز! سوچ لو" ۔۔۔ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"اچھی طرح سوچ لیا ہز ایکسیلینسی!" ۔۔۔ مسکرا کر پُرسکون لہجے میں کہا۔

نیچے جانے والے زینے ۔۔۔

"بالز! میں تمھیں مہنتی کے یہاں ۔۔۔ ساتھی کے ساتھ اُس نے کوئی زیادتی کی ۔۔۔

۔۔۔ رہا ہوں مہنتی سے نمٹوں!"

۔۔۔ ایکسیلینسی! مجھے مہنتی کو راہِ راست پر لانے اور ۔۔۔ بھی لگ سکتا ہے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

۔۔۔ چاہتی ہو؟" اُس کے لہجے میں اُلجھن تھی۔

۔۔۔ کی رات!" میں نے جواب دیا "آپ کل صبح وہاں ۔۔۔

۔۔۔ کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو؟" اُس نے پوچھا۔

۔۔۔ کہ ایسا نہیں ہو گا اور میں اپنے مقصد میں کامیاب ۔۔۔ نے کہا "اگر بالفرض میں کامیاب نہ بھی ہوئی تو ۔۔۔ میں کم اپنی زندگی کی حفاظت نہ کر سکوں!"

۔۔۔ دیکھ کر رشک آتا ہے۔" شہزادہ توشو کے لہجے میں ۔۔۔

۔۔۔ میاں عاشق ہونے کے موڈ میں تو نہیں!" رضوان ۔۔۔ آہستہ سے سندھی میں بڑبڑایا۔

۔۔۔ آگے تھا اِس لیے رضوان کی بڑبڑاہٹ پر اُس نے ۔۔۔ میں نے بمشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے رضوان سے ۔۔۔ "جو شخص تمھاری طرح ہتھیلی پر دل رکھے نہیں پھرتا۔"

۔۔۔ اب زینے سے اُتر کر صدر دروازے کی طرف بڑھ ۔۔۔ نے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔ بلوائیوں پر بہرحال ۔۔۔ نہیں کیا جا سکتا تھا اِس لیے میرے ساتھ ہی ۔۔۔ گیا تھا۔

۔۔۔ پہنچتے ہوئے میں نے دیکھ لیا کہ اُس وقت ۔۔۔ چکے تھے۔ یہ دیکھ کر مجھے کچھ اطمینان ہوا اب ۔۔۔ افراد نظر آ رہے تھے جنھیں غالباً مجمعے نے اِس ۔۔۔ تھا کہ وہ مجھے اور رضوان کو مہنتی کے پاس لے ۔۔۔ علامت تھی کہ میری بات پر عمل کر لیا گیا ہے۔

۔۔۔ دل میں اِس بات پر خدا کا شکر ادا کیا کہ مجمعے کو ۔۔۔ تھا۔ جن کے ایما پر وہ مشتعل ہجوم وہاں پہنچا ۔۔۔ بھول گئے تھے کہ ہماری تعداد کتنی ہے! ۔۔۔ موجودگی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی کیونکہ وہ ۔۔۔

۔۔۔ اثنا میں پہرے داروں نے صدر دروازہ کھول ۔۔۔ زیادہ چوکنا نظر آ رہے تھے۔

۔۔۔ اور رضوان کو لیے باہر نکلا۔ میں نے محسوس ۔۔۔ جانب آتے دیکھ کر بہت سے لوگوں کی نگاہیں ۔۔۔ شہزادے کے خلاف انتہا پسندانہ نعرے لگاتے ۔۔۔

شہزادہ توشو اُن لوگوں کے سامنے جا کر رُک گیا، اور پھر بلند آواز میں بولا "تم لوگ اِنھیں لے جاؤ مگر یہ نہ بھولنا کہ یہ لوگ میرے مہمان تھے اور میرا نام شہزادہ توشو ہے۔ اگر تم لوگوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تو اِس کے ذمّے دار تم خود ہو گے!"

"ہم آپ کے مہمانوں کو عزت و احترام سے مہنتی کے پاس لے جائیں گے لیکن اُس کے بعد ہم ذمّے دار نہیں ہوں گے۔" ایک بوڑھے نے شہزادہ توشو کی بات سُن کر کہا۔

"ہاں بس میں تم سے یہی چاہتا ہوں۔" شہزادہ توشو بولا۔

میں اور رضوان شہزادہ توشو کے پیچھے کھڑے تھے۔ میں نے آگے قدم بڑھائے اور شہزادے کے ۔۔۔ "اب ہمیں اجازت دیجیے!" ۔۔۔ ہز ایکسیلینسی!

اُس نے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے انگریزی میں کہا۔ "اپنا خیال رکھنا بالز!"

"اور میرا بھی ہز ایکسیلینسی!" پیچھے سے رضوان بولا۔

شہزادہ توشو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی "تمھارا ساتھی خوش مزاج اور تمھاری طرح مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔" اُس نے میری طرف دیکھ کر کہا، پھر بولا "اچھا تم لوگ جاؤ!"

میں اور رضوان آگے بڑھ کر اُن لوگوں کے درمیان پہنچ گئے۔ اُنھوں نے ہمیں اپنے جلو میں لے لیا اور ایک جلوس کی سی شکل اختیار کر لی۔ میری بائیں جانب ایک تبتی بوڑھا چل رہا تھا جو چہرے سے سنجیدہ اور بُردبار معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے اُسے مخاطب کیا "کیا ہم پیدل ہی چلیں گے؟"

"ہاں بیٹی!" ۔۔۔ کی آواز میں خلوص تھا "یہاں سے مہنتی کی رہائش گاہ زیادہ ۔۔۔ میں ہے۔"

جلوس آگے بڑھا تو رضوان نے بھی مجھ سے وہی سوال کیا جو ۔۔۔ سے میں نے کیا تھا۔ میں نے بھی اُسے وہی جواب دے دیا جو بوڑھے نے مجھے بتایا تھا۔ میں نے مُڑ کر دیکھا۔ شہزادہ توشو اپنے محل میں جا چکا تھا۔

"ویسے بالز ہم اِس وقت لیڈر معلوم ہو رہے ہیں۔" رضوان شوخ لہجے میں بولا "مجھ پر اب یہ انکشاف ہوا ہے بالز کہ آپ میں لیڈر بننے کے بھی بڑے جراثیم پائے جاتے ہیں۔"

"ابھی تم نے بالز کو سمجھا ہی کیا ہے!" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"میں نے تو کئی بار تفصیل کے ساتھ سمجھنے کی کوشش میں آگے بڑھنا چاہا تھا مگر آپ ہی نے ۔۔۔"

"اچھا کان نہ کھاؤ۔" میں نے اُس کی بات کاٹ دی "مجھے اِس بوڑھے سے کچھ اگلوانے دو جو ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔"

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آج کل آپ بوڑھوں میں بڑی دلچسپی لے رہی ہیں۔" رضوان نے چوٹ کی۔

"تم چُپ نہیں رہو گے!" میں نے اُس کی طرف دیکھ کر آنکھیں نکالیں۔
"صرف ایک شرط پر!" وہ شرارت سے بولا۔
"وہ کیا؟" میں نے جھنجھلا کر کہا۔
"سارہ کی غیر معمولی صلاحیتوں کے بارے میں بتا دیجیے!" اُس نے مدّھم لہجے میں کہا۔ مجھے یہ احساس ضرور تھا کہ سارہ کا نام اُن لوگوں کے لیے اجنبی نہیں تھا جو ہمیں اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔
"یہ وقت اِن باتوں کا نہیں!" میں نے اِس بار نرم لہجے میں کہا۔
"اِس طرح خوشامدانہ لہجے میں بات کیا کرو، تو بھلا میں کیوں ضد کیا کروں!"
"تم پھر بکواس کرنے لگے!" میں نے دوبارہ سخت لہجہ اختیار کر لیا۔ "اب تم کچھ بھی بکتے رہو گے، میں تمھاری بات کا کوئی جواب نہیں دوں گی۔"
اُس کے بعد رضوان کچھ نہیں بولا۔ وہ شاید سمجھ چکا تھا کہ اب میں واقعی اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گی۔ میں اب اپنے ہمراہ چلنے والے بوڑھے کے مزید قریب ہو گئی تھی۔
"کیا آپ نے بھی میرے والد کا نام سُنا ہے؟" میں نے بوڑھے کو مخاطب کیا۔
"میں نے اُن کا صرف نام ہی نہیں سُنا بلکہ اُنھیں قریب سے دیکھا بھی ہے۔" بوڑھا اِس طرح بولا جیسے اُسے اپنی بات پر فخر ہو۔
"کب؟" میں نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔
"میں نے اُنھیں کئی بار محترم دلائی لامہ کے ساتھ دیکھا تھا۔ ایک بار عظیم گوتم کے جنم دن پر جب محترم دلائی لامہ یہاں چام ڈیلو آئے تھے اور دوسری بار لہاسہ میں جب میں اپنے ایک دوست ... پوتالا محل دیکھنے گیا تھا۔ میرے دوست کا ایک واقف کار محترم دلائی لامہ کے خاص خادموں میں سے تھا۔ اُسی نے ہمیں پوتالا محل کی سیر کرائی تھی۔" بوڑھے نے بتایا، پھر چند لمحے توقف کے بعد بولا: "مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب چکپوری کی درس گاہ کے سامنے والے میدان میں ایک بڑا جلسہ ہوا تھا۔ میں بھی اُس جلسے میں شرکت کرنے کے لیے گیا تھا۔ اُس جلسے میں محترم دلائی لامہ نے اپنی تقریر کے دوران میں تمھارے والد کی خدمات کا اعتراف کیا تھا۔ اُنھوں نے بتایا تھا کہ بیرونی دنیا سے ہمیں جو مالی امداد مل رہی ہے، اُس میں تمھارے والد کا بڑا ہاتھ ہے۔" یہ کہہ کر بوڑھا خاموش ہو گیا۔
"کیا آپ کے علاوہ اِس جلوس میں موجود دوسرے افراد بھی میرے والد کی خدمات سے آگاہ ہیں؟" میں نے بوڑھے سے دریافت کیا۔
"ہاں مگر زیادہ لوگ نہیں۔ نوجوانوں کو بھلا کیا خبر!" بوڑھے نے جواب دیا۔
"شہزادہ توشو کے یہاں ہماری موجودگی کے بارے میں آپ لوگوں کو کیسے علم ہوا تھا؟" میں نے سوال کیا۔
"پتا نہیں مجھے کس نے اطلاع دی تھی!" ... بولا: "ہاں یاد آیا۔ میرے پاس شریتا آیا تھا ..."
"شریتا کون؟" میں نے پوچھا۔
"میرا ایک پڑوسی ہے۔" بوڑھے نے کہا ...
"آپ نے شریتا سے نہیں پوچھا کہ اُسے کہا ..."
"میں نے اِس کی ضرورت ہی محسوس ...
بھی ہمارے ساتھ ہے۔ تم کہو تو اُسے بلاؤں ...
ہے۔" بوڑھا بولا۔
میرے کہنے پر بوڑھا تیز تیز قدموں ...
بوڑھے کو میرے قریب لے آیا۔ وہ بھی پہلے بوڑھے ...
"مجھے گھمنڈی نے اطلاع دی تھی ...
بتایا، پھر بولا: "گھمنڈی اکثر مہنتی کے ساتھ دیکھا ...
اُس کی بات کا فوراً یقین کر لیا۔ یوں بھی ہمیں ...
شک تھا کہ وہ ہمارے دشمنوں سے ملا ہوا ہے ...
شریتا سے گفتگو کرنے کے بعد بھی میں ...
پہنچ سکی۔ ہاں یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ اُس ...
مہنتی تک ضرور جاتا تھا۔ دراصل مجھے اِس ...
چن ژی پر شبہہ تھا۔ چن ژی نے ہماری آ...
رکھتے ہوئے اپنے کچھ ساتھیوں کو چام ڈیلو آ...
نے کے لیے مقرّر کر دیا ہو گا۔ چن ژی نے ...
موقع دیکھ کر بلوا کرا دیا جائے۔ چینی جاسوس ...
کے بھیس میں ... کو جمع کیا جانا کوئی مشکل کام ...
میں اِنھی خیالوں میں خاموشی سے آگے ...
قریب آ گیا اور بولا: "بالو! اب تو آپ بوڑھوں ...
اِدھر بھی نظرِ کرم ہو جائے۔"
"تم یہ جاننے کے لیے تڑپ رہے ہو ...
کیا گفتگو ہوئی؟" میں نے مسکرا کر اُس کی طرف ...
"جی ہاں! لیکن مجھے وہ گفتگو جاننے کا ...
کی ہو۔" وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا۔ "مجھے ...
جن کا تعلق موجودہ حالات سے ہے۔"
"اور اگر میں تمھیں کچھ بھی نہ بتاؤں تو؟"
"تو صبر کروں گا۔" وہ ٹھنڈا سانس لے کر ...
بنائی کہ مجھے ہنسی آ گئی۔
میں نے مختصراً اُسے اپنی اور بوڑھوں ...
گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ اُسی وقت میں نے محسوس ...
چلنے والا بوڑھا مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ میں ...
"ہم مہنتی کی رہائش گاہ تک پہنچ گئے ...

... بمشکل پچاس گز دُور تھی۔ میری آنکھوں ...
... گھومنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ سارہ اُسی عمارت ...
... اِس کے ساتھ میرے ذہن میں اپنا تمام ...
ارادی کا کھیل شروع ہونے والا تھا۔ مجھے ...
... قوتِ ارادی کا مظاہرہ کرنا تھا تاکہ میں اُسے ...
... سے بھی کچھ باتوں کا چھپایا جانا ممکن ہے۔
... نے میں کامیاب ہو جاتی تو اُسی وقت اُس سے ...
... جو کچھ بتایا ہے یا اُس نے خود مہنتی کے باطن ...
... معلوم کیا ہے، وہ غلط ہے۔ اِس کے بعد ہی بات ...
... کر اعتماد میں لیے بغیر میں آگے قدم نہیں بڑھا ...
اِس سے پہلے کبھی میری ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں ...
... نہیں ہوئی تھی۔
... گاہ کے صدر دروازے پر دو مسلّح افراد موجود ...
... رائفلیں تھیں۔ اُنھوں نے مجھے کو اپنے قریب ...
... می کریں۔ مجمع رُک گیا اور دو بوڑھے مجھے ...
... گئے۔
... وں نے اُن مسلّح افراد سے کچھ کہا جسے میں فاصلہ ...
... ائی۔ میں نے صرف اِتنا دیکھا کہ مسلّح افراد ...
... جانب دیکھا تھا، پھر اُن میں سے ایک عمارت ...

... بر واپس لوٹا تو وہ تنہا نہیں تھا۔ میں نے اُس کے ...
... کہا۔ اُس نے بھی مجھے اور رضوان کو دُور ہی سے ...
... چہرے پر مجھے حیرت نظر آ رہی تھی۔ اِس کا مطلب ...
... سمجھ رہا تھا، اُس سے مہنتی کا کوئی تعلق نہیں ...

... قدم اُٹھاتا میرے قریب آ گیا، پھر بولا: "میرے ...
... آپ چام ڈیلو آ چکی ہیں لیکن ... لیکن مجھے یہ علم ...
... توشو کو بھی جانتی ہوں گی۔ وہ ہماری مخالف ...
... حال اب آپ آ ہی گئی ہیں تو تشریف لے چلیے!"
... اور میرے کچھ کہنے سے پہلے بلند آواز میں وہاں ...
... کہا: "تم لوگ جاؤ! باقی معاملات سے میں خود ...

... رخصتی نگاہ سے دیکھا جو شہزادہ توشو کے محل ...
... سے میرے ساتھ ساتھ رہا تھا۔
... بہت شکریہ! زندگی رہی تو پھر کبھی ملاقات ...
... کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور قدم آگے بڑھا لیا۔
لوگ رخصت ہونے لگے اور مہنتی مجھے لے کر عمارت کے اندر داخل ہوا۔ ہم دونوں کے پیچھے پیچھے رضوان تھا اور اُس کے پیچھے دو مسلّح افراد رائفلیں سنبھالے آ رہے تھے۔
چند قدم چل کر ہی مہنتی پلٹا اور رائفل برداروں سے مخاطب ہوا۔ "اِن لوگوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تم باہر پہرہ دو!"
رائفل بردار واپس ہو گئے۔ عمارت خاصی بڑی تھی۔ مہنتی ہمیں مختلف راہداریوں سے گزار کر ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں لے آیا جس میں ایک جانب فرشی نشست تھی۔ وہاں زمین پر قالین بچھا ہوا تھا اور دوسری جانب صوفے پڑے تھے۔ مہنتی نے نشست کے لیے صوفوں کا انتخاب کیا۔ وہ غالباً اُس کی نشست گاہ تھی۔
"تمھاری نشست گاہ بہت عمدہ ہے۔ قالین بھی بچھا ہوا ہے اور صوفے بھی موجود ہیں!" میں نے ایک صوفے پر مہنتی کے مقابل بیٹھتے ہوئے کہا۔
"جی ہاں بالو! یہاں ہر طرح کے لوگ آتے ہیں۔ کچھ صوفوں پر بیٹھنا ہی پسند کرتے ہیں اور کچھ صرف قالین پر! میں نے اِسی لیے دُہرا انتظام کیا ہے۔" مہنتی شائستگی سے بولا۔
"مقامی باشندے تو خیر قالین پر بیٹھنا پسند کرتے ہوں گے البتہ غیر ملکیوں کے لیے صوفے...!"
"آپ بہت ذہین ہیں بالو!" وہ ہنس کر بولا۔ "لیکن ... آپ کو ... میں بتاؤں گا کہ یہاں غیر ملکی بھی آتے ہیں یا نہیں!"
میں نے بھی اُس کی ہنسی کا ساتھ دیا۔ پھر ہنستے ہنستے مہنتی ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔
"بالو!" مہنتی نے مجھے مخاطب کیا۔ "آپ نے چام ڈیلو آ کر اچھا نہیں کیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ تبت اور اہلِ تبت کا بُرا نہیں چاہتیں مگر ہم آپ کے نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ میرے دوسرے ساتھی شاید آپ کی نیت پر بھی شبہہ کریں۔ اُس صورت میں میرے لیے آپ کی حفاظت کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔"
مہنتی کیونکہ تبتی زبان میں گفتگو کر رہا تھا اِس لیے رضوان کے چہرے پر اُلجھن کے آثار تھے لیکن میں ہر وقت تو مترجم کے فرائض ادا نہیں کر سکتی تھی اِس لیے میں نے رضوان کو نظرانداز کر دیا اور مہنتی کی طرف متوجہ ہوئی۔ میرا لہجہ نرم اور خوشگوار تھا کیونکہ متعدد بار یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ مہنتی دل کا بُرا نہیں تھا۔ اُس نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا، خلوص اور سچائی سے کہا تھا اِس لیے میں نے اُس کی بات کا بُرا نہیں مانی اور مسکرا کر بولی: "میرا یہاں آنا ضروری تھا مہنتی! تم بہادر اور ذہین ضرور ہو مگر سانپ کی طرح تیز نہیں ہو۔ وہ جسے تم اپنا ساتھی گردانتے ہو سانپ کی طرح تیز ہے اور وہ سانپ ہی کی طرح ڈستے وقت دوست دشمن کی تمیز نہیں کرتا۔"

"آپ شاید چن ژی کی طرف اشارہ کر رہی ہیں!" مہنتی بولا۔
"ہاں!" میں نے کہا، پھر بولی۔ "اب اِسی تازہ واقع کو لے لو! مجھے یقین ہے کہ میرے اور میرے ساتھی کے ساتھ جو کچھ ہوا، اُس میں تمھارا ہاتھ نہیں تھا۔ یقیناً یہ چن ژی ہی کی چال تھی۔ اُس کے آدمیوں نے لوگوں کو بھڑکا کر شہزادہ توشو کے محل تک بھیجا ہو گا۔"
"ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو۔" مہنتی نے میرے خیال کی تائید میں کہا۔ "کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ چام ڈلو میں آپ کی آمد کے بارے میں جان کر میں نے صرف اِتنا تو کیا تھا کہ آپ کی نگرانی شروع کرا دی تھی مگر اس کے علاوہ میں نے کچھ اور نہیں کیا۔"
"تو کیا تمھاری نظر میں یہ خطرناک بات نہیں کہ چن ژی نے میری اور رضوان کی زندگی کے علاوہ شہزادہ توشو کی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال دیا تھا؟" میں نے کہا۔
"جہاں تک شہزادہ توشو کا سوال ہے تو مجھے اُس سے کوئی ہمدردی نہیں!" مہنتی خشک لہجے میں بولا۔ "رہا آپ کا مسئلہ تو بہر حال چن ژی بھی یہ جانتا ہے کہ میں یہاں چام ڈلو میں آپ کی موجودگی پسند نہیں کرتا۔ اگر اُس نے اپنے طور پر آپ کو یہاں سے نکال دینے کے سامان کیے تو کوئی زیادہ بے جا نہیں کیا۔"
"یہ کیا کہہ رہے ہو! اُس نے ہمیں یہاں سے نکالنے کے سامان نہیں کیے بلکہ ہلاک کرنے کے سامان کیے تھے۔" یہ کہہ کر میں نے اُسے مشتعل ہجوم کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔
"اگر آپ کی باتوں کو درست مان لیا جائے کہ واقعی سب کچھ چن ژی ہی کے اشارے پر ہوا تھا تو اُس نے یقیناً ایسے انتظامات بھی کیے ہوں گے کہ آپ لوگوں کی زندگی بچ سکے۔ میں بذاتِ خود چن ژی سے واضح طور پر یہ کہہ چکا ہوں کہ ہمارا مقصد آپ کو ہلاک کرنا نہیں صرف تبت سے نکال دینا ہے۔" مہنتی نے میری بات کے جواب میں کہا۔
"میری سمجھ میں نہیں آتا مہنتی کہ تم اُس پر اِتنا اعتماد کیوں کرتے ہو! مجھے یقین ہے کہ وہ تمھارا بھی دوست نہیں اور وقت یہ ثابت کر دے گا۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔
"لیکن وہ ہمارا دشمن بن کر ہم سے کیا فائدہ اُٹھا سکتا ہے بانو؟" مہنتی نے سوال کیا۔
"وہ چین کا دشمن ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو چین کو زک پہنچائے۔" میں بولی۔ "زک پہنچانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ دشمن کو پریشان کیا جائے، اُس کے لیے نئے نئے مسئلے کھڑے کیے جائیں تاکہ وہ اُن میں اُلجھا رہے اور وہ اپنی ترقی کے لیے جدوجہد نہ کر سکے۔ اِس طرح بھی دشمن کی قوتِ مدافعت کو کمزور کیا جا سکتا ہے۔"
"آپ شاید یہ کہنا چاہتی ہیں کہ چن ژی ہماری مدد اس لیے کر رہا ہے کہ ہم چین کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے ہیں!" مہنتی نے طویل سانس

لے کر کہا۔ "ہماری بغاوت سے چین کے …
گا۔ میں ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں نا بانو؟"
"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔" میں نے
کہا۔ "مگر تمھارے اور میرے اندازِ فکر میں …
ابھی خود مجھ پر بھی پوری طرح واضح نہیں …
سے ہونے والی اپنی آخری گفتگو یاد کرو …
مہنتی مجھے اِس طرح خاموشی سے …
سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔
"چن ژی نے مجھے کہا تھا کہ جس دن …
رکھے گا اُس دن تبت میں ایسی آگ بھڑکے گی …
کی بات بھی نہیں ہو گی۔" مجھے چن ژی کی کہی …
تم بتا سکتے ہو کہ ایسا کس طرح ممکن ہے؟"
"ایسا صرف ایک صورت میں ممکن …
"اگر چینی حکومت محترم دلائی لامہ پر حملہ کرنے …
کی کوشش کرے تو زبردست ہنگامہ کھڑا ہو …
"جہاں تک میرے علم میں ہے، چینی …
کوئی قدم اُٹھانے کا ارادہ نہیں رکھتی۔" میں …
نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ چن ژی کے ذہن …
جنم لے چکا ہو۔"
"چینی حکومت کی دخل اندازی …
اگر آپ کے مفروضے کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو …
کامیاب نہیں ہو سکے گا۔" مہنتی فیصلہ کن …
نہیں، آپ یہ باتیں اِس … کر … رہی ہوں کہ …
سے برگشتہ ہو جاؤں؟"
"ممکن ہے تمھارا خیال ہی درست ہو، …
میری باتوں پر قطعی یقین نہ کرو، سارہ …
حقیقت خود تمھارے سامنے آ جائے گی …
خطرناک منصوبے جنم لے رہے ہوں گے۔ …
مہنتی نے ایک لمحے مجھے گھور کر کہا، …
سارا چکر اِسی لیے چلایا ہے کہ کسی طرح سارہ …
سارہ چن ژی کا ذہن پڑھ لے! پھر …
بارے میں بھی ساری حقیقت کا علم ہو جائے! …
میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے چن ژی …
کہا ہے، اُس کا مقصد محض میرے دل میں …
کرنا ہے۔"
"میں نے چن ژی کے بارے میں …
نہیں ہے۔ تم آخر میری بات سمجھنے کی کوشش …

… کے ساتھ کہا، پھر چند لمحے کے توقف سے بولی۔
… نہیں ملنے دو گے؟"
… مہنتی نے جواب دیا۔ "سارہ کیونکہ آپ کی طرف
… اس لیے آپ کچھ بھی سوچیں، آپ کی سوچ اُس پر
… بہر حال چن ژی کو دشمن گردانتے ہیں اور سارہ کو بھی
… اور آپ کے درمیان دلائی لامہ کے مسئلے پر

… محسوس کر کے میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ مجھے اُس کی باتوں
… مجھے سارہ سے بھی نہیں ملنے دے گا۔ اگر ایسا
… تمام منصوبہ ہی چوپٹ ہو جاتا لیکن میرا شبہ بے بنیاد

… عمارت میں موجود ہے؟" کچھ دیر بعد ہی میں نے

… عمارت میں ہے۔" مہنتی نے بتایا۔ "آپ کے
… وہ خود یہاں دوڑی چلی آتی۔ بانو آپ نے اُسے

… میں جلدی سے بولی۔
… ابھی آیا۔" یہ کہہ کر مہنتی اُٹھ کھڑا ہوا۔
… میں سوچنے لگی کہ نہ جانے کیوں اِس گھر میں کوئی
… مسلح پہرے داروں کے مجھے اب تک
… تھا اور پہرے دار بھی عمارت کے باہر رہتے تھے۔
… البتہ گھر کو ملازم نہیں رکھے گئے۔ اِس کا مقصد
… تاکہ وہاں جو بھی گفتگو ہو اُس سے کوئی غیر متعلق

… معلوم ہوں کہ یہ خادم بھی ساتھ ہے۔" رضوان کی
… گئی۔
… ناواقفیت رضوان کے لیے مستقل طور پر دردِ سر
… تمام گفتگو کا ماحصل رضوان سے بیان کر دیا۔
… ابھی جنگ جیت لی۔" رضوان میرے خاموش ہوتے
… کم تاثر دکھائی نہیں دیتا۔ ہاں وہ آپ نے
… اروں کے بارے میں تو اب تک کچھ نہیں…"
… ابھی ادھورا ہی تھا کہ میں نے قریب ہوتے قدموں
… اُٹھا کر دروازے کی جانب دیکھا۔ سارہ اور مہنتی کمرے
… داخل ہو رہے تھے۔
… میری نگاہ ملی۔ وہ اب میرے بالکل قریب آ گئی
… پر پہلی نظر ڈالتے ہی محسوس کر لیا تھا کہ وہ
… تھی۔ وہ میرے قریب آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اب

میری ایک جانب رضوان تھا اور دوسری جانب سارہ! مہنتی سامنے والے صوفے ہی پر دوبارہ آ کر بیٹھ گیا تھا۔
"بانو!" سارہ نے مجھے مخاطب کیا۔ "کاش آپ مہنتی اُس کے آدمیوں کو دھوکا دے کر یہاں نہ آتیں!" سارہ کے لہجے میں تشویش تھی۔
سارہ نے یہ جملہ انگریزی میں ادا کیا تھا اِس لیے رضوان بھی اُس کی بات سمجھ گیا اور میرے کچھ کہنے سے پہلے بولا۔ "تمھیں معلوم بھی ہے سارہ کہ تم سے رخصت ہونے کے بعد بانو پر کیا بیتی؟"
"یہ باتیں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں رضوان!" میں نے رضوان سے کہا، پھر سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "سارہ میری کسی بات پر یقین نہیں کرے گی۔"
سارہ نے غور سے رضوان کو دیکھا، پھر ہنس پڑی۔ "یہ تم کس الجھن میں پڑ گئے؟" اُس نے رضوان سے کہا۔ "میں قطعی ایک معمولی لڑکی ہوں۔ مجھ میں کوئی غیر معمولی صلاحیت نہیں۔ بس ذرا مجھے دھوکا دینا مشکل ہے۔"
رضوان نے الجھی الجھی نظر سے میری طرف دیکھا، پھر سارہ کو دیکھتے ہوئے اُس نے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ سارہ نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے بولنے سے روک دیا۔
"مجھ سے کچھ کہنے کے لیے تمھیں اپنی زبان کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں۔" سارہ نے صوفے پر ذرا آگے کی طرف کھسکتے ہوئے کہا کیونکہ رضوان اور اُس کے درمیان میں بیٹھی تھی۔ سارہ کہہ رہی تھی۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو!"
رضوان کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار نظر آ رہے تھے۔
"تم سوچ رہے ہو کہ مجھے کیسے پتا چل جائے گا کہ تم نے کیا سوچا ہے؟" سارہ نے دوبارہ رضوان کو مخاطب کیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں صرف انسان کے ظاہری کو نہیں بلکہ اُس کے باطن کو بھی دیکھنے کی اہل ہوں۔ مجھے تمھارے باطن کے بارے میں بھی علم رہا ہے اور علم ہے۔ تمھارے خیالات کبھی مجھ سے چھپے نہیں رہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم ضیہ کے بارے میں کیا کیا سوچتے رہے ہو!"
رضوان کے چہرے پر خجالت کے تاثرات نظر آنے لگے۔ وہ سارہ سے نظر چُرانے لگا۔
"کیوں! میں نے ٹھیک ہی کہا تھا نا کہ کچھ باتوں کا معلوم نہ ہونا ہی بہتر ہوتا ہے۔" میں نے رضوان کو چھیڑا۔ وہ مجھے عجیب سی نگاہ سے دیکھنے لگا مگر زبان سے کچھ نہ بولا۔ اِس وقت اُس کی شرارت ہوا ہو گئی تھی۔
میں سارہ سے مطلب کی بات چھیڑنے کے لیے بیتاب تھی۔ میں نے زبان سے کچھ کہنے کی بجائے اپنے ذہن میں سوچا۔ "سارہ! کیا کچھ دیر کے لیے مہنتی سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکتا؟"
سارہ نے جواب میں مجھے تنبیہ کی نظر سے گھورا، پھر مہنتی سے مخاطب ہوئی۔ "کیا تم مہمانوں کے لیے کھانے کا بندوبست نہیں کرو گے؟"

منتی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اُدھر منتی صوفے سے اٹھا اور اِدھر میں نے اپنے ذہن کو قابو میں کر لیا۔ آزمائش کا وقت آگیا تھا اور مجھے سارہ پر اپنی ذہنی برتری ثابت کرنی تھی۔

منتی کمرے سے چلا گیا تو سارہ مجھ سے مخاطب ہوئی "بانو! آپ تنہائی میں مجھ سے کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

سارہ کی بات کا جواب دینے سے پہلے میں اپنی جگہ سے اٹھی اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے تک پہنچ کر میں نے باہر جھانکا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ منتی کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔ میں دراصل یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کہیں منتی دروازے کے باہر رُک کر ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو تو نہیں سن رہا ہو۔ میں مطمئن ہو کر اپنی جگہ آ بیٹھی پھر سارہ سے مخاطب ہوئی "بات یہ ہے سارہ کہ میں تمھیں یقین دلانا چاہتی ہوں کہ منتی تمھیں دھوکا دے رہا ہے۔ وہ چن ژی کا دوست ہے۔"

سارہ نے میری بات سن کر اس طرح منہ بنایا جیسے اُسے میری بات ناگوار گزری ہو۔ اُس نے کسی قدر تلخی آمیز لہجے میں کہا "اس مسئلے پر ہم پہلے بھی کافی گفتگو کر چکے ہیں بانو! وہ مجھے ہرگز دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ بچوں کی طرح معصوم ہے۔"

"میں بھی اُسے معصوم سمجھنے کے لیے تیار ہوں مگر اتنا معصوم نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ تم اگر میرا ساتھ دو تو میں یہ ثابت کر سکتی ہوں کہ حقیقت وہی ہے جو میں کہتی رہی ہوں اور اب بھی کہہ رہی ہوں۔"

"بانو! یہ آپ بھی جانتی ہیں کہ مجھے دھوکا دینا ممکن نہیں ہے۔" سارہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"اچھا تو پھر یہ بتاؤ کہ چن ژی کے بارے میں میرے کیا تاثرات ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"چن ژی کے بارے میں آپ کا خیال ہے کہ وہ سانپ کی طرح تیز ہے۔" سارہ بولی "آپ سمجھتی ہیں کہ وہ تبت میں چین کے خلاف بغاوت کرانا چاہتا ہے۔ آپ اِس بغاوت کے حق میں نہیں ہیں اِس لیے چن ژی آپ کا دشمن ہو رہا ہے اور آپ کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔" سارہ نے کسی کھلی کتاب کی طرح میرا ذہن پڑھ دیا کیونکہ اُس وقت میں نے چن ژی کے بارے میں یہی سوچا تھا۔

"میں اگر چاہوں بھی تو چن ژی کے بارے میں اپنے خیالات تم سے نہیں چھپا سکتی؟" میں نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

"ظاہر ہے۔" اُس نے پُرسکون آواز میں جواب دیا پھر اُس کے چہرے پر اُلجھن سی نظر آنے لگی۔ شاید وہ میری بات کا مقصد سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اِن باتوں سے میں چاہتی کیا ہوں!

"اچھا تو ایک بار پھر بتاؤ کہ چن ژی کے بارے میں میرے کیا خیالات ہیں؟"

سارہ نے مجھ پر نگاہ گاڑ دی۔ وہ غالباً میرا ذہن پڑھ رہی تھی۔

چند لمحے بعد ہی اُس کے چہرے پر حیرت ... لہجے میں بڑبڑائی "نہیں! یہ ممکن نہیں۔"

"کیا ناممکن ہے سارہ؟" میں نے ...

"وہی جو آپ کے ذہن میں ہے" سارہ ...

"تم بتاؤ تو سہی کہ میرے ذہن میں کیا ...

"چن ژی بہت شریف اور ...

پڑھ کر بتانے لگی "وہ تبت کا ہمدرد ہے ... بغاوت کرانا نہیں چاہتا۔ چن ژی قابل اعتماد ...

رضوان کو غالباً صورتِ حال کا کچھ ... سے کیا کھیل کھیل رہی تھی! اُس کے ہونٹوں پر ... کر رہی تھی مگر میں سنجیدہ تھی۔ منتی کسی بھی ... سے ابھی مزید گفتگو کرنی تھی۔

میں نے وقت ضائع کیے بغیر سارہ ... وہی خیال ہے کہ تمھیں دھوکا نہیں دیا جا سکتا ...

"مجھے ... مجھے کچھ یقین سا نہیں آ رہا ...

"... وہ ..." سارہ نے کھوئے کھوئے ... چھوڑ دیا۔

"یقین کرو کہ یہ حقیقت ہے سارہ! اگر ... بندوبست کر سکتی ہوں کہ تم منتی کے اصل خیال ...

"کس طرح؟" سارہ نے سوال کیا۔

"انسان ہوش و حواس میں تو اپنی ... ذہن کو قابو میں رکھ سکتا ہے لیکن نشے کے عالم ... بتایا ہو نشے میں شعور کی گرفت ڈھیلی پڑ ... دانستہ اپنے لاشعور میں دبانے کی کوشش ... سطح پر آجاتی ہیں۔ تم غالباً میری بات کا مطلب ...

"ہاں بانو! مگر منتی شراب نہیں پیتا ... ہے۔" سارہ نے تیزی سے کہا۔

"سارہ! میرے پاس ایک ایسی ... کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ... ملا دو۔ اور پھر جب وہ کچھ دیر بعد بہکنے لگے ... وقت یقیناً اُس کے اصل خیالات جاننے ... ہوئے میں نے اپنے لباس کی جیب سے ... نکالی اور سارہ کی طرف بڑھائی۔

میں نے محسوس کر لیا کہ سارہ ... رہی تھی۔

"مجھ پر بھروسا کرو سارہ!" میں نے ... منتی کو زہر نہیں دلوا رہی!"

سارہ نے ایک نظر میری جانب دیکھا ...

... ادہ تھیں۔ غالباً اِس کا سبب شکستِ اعتماد تھا۔ ... تھا وہ ختم ہو چکا تھا یا ختم ہونے والا تھا۔ یہی دکھ ... اُن کے چہرے پر نظر آ رہے تھے۔

... کو شکار بنانے کے لیے رضوان کو تختۂ مشق بنایا ... ہوئے بولی "ہاں رضوان! تم رضیہ کے بارے ... رہے ہو جن کے بارے میں سارہ کو بھی علم ہو ... تھا۔ جب یہ بات ہو رہی تھی تمھارے چہرے پر ... رہے تھے۔"

... کے بارے میں بھی تو کبھی بہت کچھ سوچا تھا بانو ... امرِ مجبوری ہے۔" رضوان ڈھٹائی سے بولا "پھر سارہ ... لہٰذا آپ کو زحمتِ توجہ تو ہوگی۔ میرا ذہن پڑھ کر ... خیالات سے آگاہ کر دیں۔"

... سارہ کی کیا ضرورت ہے! تم میں خود اتنی اخلاقی ... اسی لیے تو میں کہتی ہوں کہ تم سخت بزدل ہو۔" ... کی کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں لیکن عشق وہ ... بہادری سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ مدِ مقابل ... نے مجھ پر بھرپور چوٹ کی اور میں جھنجلا اٹھی۔ ... تمھاری بہادری جب تم رضیہ کے ذکر پر بھیگی بلی ... بنے۔

... ہاتھ اٹھا کر بولا "آپ میری جنس نہیں بدل ... آپ کی صنف ہی بن سکتی ہے۔ میں بھیگا بِلا ...

... ہنس پڑی اور سارہ نے بھی میرا ساتھ دیا۔ میری ... انداز بیاں نے ماحول سے کشیدگی کو دور کر دیا تھا۔ ... بھیگا بِلا کہا جائے گا منظور ہے؟" میں نے رضوان ...

... اگر آپ خود کو بھیگی بلی کہلوانا پسند فرمائیں۔" رضوان ... میں ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ محاورہ صرف ... بنایا گیا ہوگا۔"

... بات سے ہیں۔ اگر تمھاری دلیل تسلیم کر لی جائے ... محاورے لیے ہی تخلیق کیے گئے ہوں گے مثلاً ...

... کر ہنس پڑی اور میں نے بھی اُس کے ساتھ قہقہہ لگایا۔ ... تھے کہ رضوان کو بھی مجبوراً ہمارا ساتھ دینا پڑا تھا۔ ... سے میں داخل ہوا۔ اُس نے ہم تینوں کو ہنستے پایا۔ ... اور دیکھا کہ وہ ہمیں اس طرح ہنستے دیکھ کر ... گیا۔

"ہاں!" منتی نے جواب دیا پھر بولا "آج میں نے دوسرے لوگوں کے کھانے کا الگ بندوبست کرا دیا ہے۔"

"دوسرے لوگ کون؟" میں نے منتی سے پوچھا۔

"اِس عمارت میں ہر وقت کم سے کم پندرہ بیس مسلح افراد رہتے ہیں۔ اُنھی میں سے دو کو آپ نے عمارت کے دروازے پر دیکھا تھا۔ اِن تمام افراد کا تعلق میری پلٹن سے ہے۔ یوں سمجھیں کہ وہ ایسے مخلص کارکن ہیں جو پارٹی کے لیے جان بھی دے سکتے ہیں اِسی لیے ہم سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔" منتی نے بتایا۔

"لیکن عمارت میں بیک وقت اتنے مسلح افراد رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا تمھیں کسی کی طرف سے خطرہ ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"بظاہر تو فی الحال کوئی خطرہ نہیں لیکن خطرہ کسی بھی وقت پیش آسکتا ہے۔" منتی سنجیدگی سے بولا "کسی بھی قوم میں ضمیر فروشوں کی کمی نہیں ہوتی۔ ہم ایک بڑے اور اعلیٰ مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں اِس لیے ہماری زندگی قیمتی ہے۔ اگر اُن لوگوں کو ہلاک کر دیا جائے جو تحریکوں کی رہنمائی کرتے ہیں تو کوئی بھی تحریک صحیح خطوط پر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ آپ غالباً میرا مقصد سمجھ رہی ہوں گی۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا تو پھر پہلے کھانا کھا لیا جائے۔ باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔" سارہ صوفے سے اٹھتی ہوئی بولی۔

میں اور رضوان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

منتی کی رہنمائی میں ہم ایک اور کمرے میں پہنچے۔ وہ کمرہ پہلے کمرے سے نسبتاً چھوٹا تھا۔ وہاں ڈائننگ ٹیبل اور کرسیاں بھی موجود تھیں۔ میز پر کھانا چنا ہوا تھا۔ سارہ اور منتی، میرے اور رضوان کے مقابل بیٹھ گئے پھر سارہ نے ڈونگوں سے پلیٹوں میں سالن نکالنا شروع کیا۔

مجھے پتا ہی نہ چلا کہ سارہ نے کس وقت منتی کی پلیٹ میں میرا دیا ہوا سفوف ڈال دیا لیکن کھانا ختم ہونے سے پہلے ہی منتی پر اُس سفوف کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ وہ کھانا کھانے کے دوران ہی میں بہکنے لگا تھا۔

"سارہ! ... بانو تمھیں بہکانے کی کوشش ... کریں گی مگر ... مگر تم نہ بہکنا! ... ہاں! چن ژی ہمارا ... ہمارا دوست ہے مگر تم ... تم اُس سے نہ ملنا ... ہاں ..." منتی نشے کے عالم میں کہے جا رہا تھا۔

"منتی! ایک بات بتاؤ!" میں نے ... "چن ژی نے سارہ کو کیوں اغوا کرایا تھا؟ تم ایک سچے اور نیک انسان ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم جھوٹ نہیں بولو گے۔"

میں نے محسوس کیا کہ سارہ، منتی کی طرف متوجہ ہے۔ وہ غالباً منتی کا ... رہی تھی۔

"میں کیوں بتاؤں ... میں تو نہیں بتاتا ... یہ تو راز کی بات ہے ... ہاں ..." وہ بڑبڑایا۔

"اِس کا مطلب یہ کہ تمھیں یہ تو تسلیم ہے کہ تم نے ہی سارہ کو اغوا کرایا ...

"ہاں میں... بالکل نہیں بتاؤں گا... بالکل!" وہ شرابیوں کی طرح انگلی نچاکر بولا۔

نشے کی کیفیت نے مہنتی کو بے بس کر دیا تھا۔ اُسے اتنا بھی ہوش نہیں رہا کہ اپنی زبان پر قابو رکھ سکتا، پھر اپنے ذہن پر کس طرح پردہ ڈال سکتا! میں محسوس کر رہی تھی کہ سارہ کسی کھلی کتاب کی طرح اُس کا ذہن پڑھ رہی تھی۔ میں نے مہنتی سے کرید کرید کر چن ژی کے بارے میں سوالات کیے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ نشے کی ترنگ میں زبانی طور پر صحیح جواب نہ دے سکے تو کم از کم اُس کے ذہن میں چن ژی سے متعلق اصل خیالات اُبھر آئیں

... خیالات پڑھ لے۔

کچھ دیر بعد شاید دوا ہی کے اثر سے مہنتی اونگھنے لگا، پھر اُس کا جسم ایک طرف ڈھلک گیا۔ سارہ نے اُسے سنبھالا۔ میں نے اور رضوان نے اُسے کرسی سے اُٹھایا اور میز سے ذرا فاصلے پر بچھے ہوئے قالین پر ڈال دیا۔

"یہ کیا ہوا؟" سارہ میری طرف دیکھتے ہوئے گھبرا کر بولی۔

"کچھ نہیں!" میں نے کہا۔ "یہ سفوف کا اثر ہوگا، تم فکر نہ کرو۔ یہ سفوف مجھے وانچن لامہ سے ملا تھا۔ جب مہنتی کو ہوش آئے گا تو میرا خیال ہے کہ وہ نارمل ہوگا۔"

سارہ تشویش آمیز نگاہ سے مہنتی کو دیکھتی رہی، پھر میری طرف مڑ کر بولی۔ "میرا بھائی بہت بہادر اور سیدھا آدمی ہے۔"

میں نے سر ہلا کر تصدیق کی۔

"ہو سکتا ہے کہ چن ژی بُرا آدمی ہو مگر مجھے یقین ہے کہ وہ تبت کے لیے دوستی کے جذبات لے کر مہنتی کے پاس آیا ہوگا اور اسی لیے مہنتی نے اُس پر بھروسہ کیا ہوگا۔" سارہ نے کہا۔ اُس کے لہجے میں سنجیدگی تھی اور وہ کہہ رہی تھی۔ "ہم محترم دلائی لامہ کو اُن کا جائز مقام دلانے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم اِس سلسلے میں کسی کی بھی مدد لینے سے انکار نہیں کر سکتے۔"

"میں بھی تم لوگوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔" میں بولی۔ "کیا تم میرے ساتھ بھی تعاون کرو گی؟"

"آپ کی مدد مشکوک ہے بانو!" اُس نے بغیر جھجک کہا۔ "اِس صاف گوئی کے لیے معذرت خواہ ہوں لیکن میں نے وہی کہا ہے جو میرے دل میں ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ خواہ مخواہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں اِس لیے میں واضح طور پر آپ کو ایک بات بتا دینا چاہتی ہوں۔ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ مہنتی مجھے دھوکا دے رہا تھا، میں اب بھی پوری طرح اُس کے ساتھ ہوں۔"

مہنتی نیچے قالین پر دراز تھا اور ہم تینوں کھڑے ہوئے تھے۔ سارہ نے اپنی بات پوری کر کے مجھے اور رضوان کو قالین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر وہ مہنتی کے برابر بیٹھ گئی۔ رضوان اور میں بھی سارہ کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ میں نے بیٹھنے کے بعد سارہ کے چہرے کو غور سے دیکھا تاکہ اُس

کی ذہنی کیفیات کا اندازہ لگا سکوں۔ میں نے
تھا، وہ خلوص پر ہی مبنی تھا۔ میں نے ایک
کیا۔ "سارہ! تم دونوں بہن بھائی واقعی بہت
کہوں گی کہ میں واقعی یہاں چین کی نا...
تبتیوں سے وابستہ ہیں۔ اگر دلائی لامہ کی...
ہوتے تو میں خود تمہاری تحریک میں ایک...
ہو جاتی اور اِس پر فخر بھی محسوس کرتی مگر...
میں کبھی چن ژی جیسے دوست نما دشمنوں...
تم یہ سمجھتی ہو کہ میری وجہ سے تمہاری تحریک
...ہے تو میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں...
نہیں اُٹھاؤں گی۔ میں دلائی لامہ کی یہاں...
وطن لوٹ جاؤں گی۔ اگر اِس دوران میں...
گفت و شنید کی ضرورت بھی پیش آئی تو...
لیے اپنی خدمات پیش کروں گی۔"

"وعدہ؟" میرے خاموش ہونے...
دیکھتے ہوئے کہا۔

"وعدہ!" میں جواباً بولی۔

سارہ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا...
یہ گویا دوستی کی تجدید تھی۔ وہ دوستی جو غلط...
وقت نئے خطوط پر استوار ہوئی تھی۔ اِس...
مضبوط تھی۔ معمولی غلط فہمیوں کی بنیاد پر اِس...
نہیں تھا۔

سارہ کا ہاتھ ابھی تک میرے ہاتھ...
حسین ہاتھ کا لمس میرے وجود میں نشے...
ہاتھ کو آہستہ آہستہ سہلانے لگی اور احساس...
میں نے جذبات کی رَو میں اِس بات کو...
موجود ہے۔ میں نے چونک کر اُس کی...
ہاتھ چھوڑ دیا۔

"کیا بات میں ہڈی!" رضوان نے...
"بکو مت!" میں اُس پر بگڑ گئی
"کیا ہوا بانو! آپ اِن پر کیوں...
مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

اِس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی رضوان...
کہ میں کیا غلط کہتا ہوں! بانو تو خواہ مخواہ...
تھا کہ عمر زیادہ ہو گئی تو پھر کوئی رشتہ نہیں...
سارہ اُس کی بات سُن کر ہنس پڑی...
کافی ہو گئی ہے۔"

...ملل گھل کر رہا تھی ہو رہے ہو۔" میں نے دانت

...یوں ہی کہہ دیا بانو! ورنہ میں آپ کو اچھی طرح
...شادی کرنے لگیں۔" رضوان نے سندھی
...اور سارہ جیسی دوسری حسین لڑکیاں موجود ہیں،
...اشت ہے!"

"...تمہارا ذہن بھی پڑھ سکتی ہے۔" میں نے بھی

...ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اُس کے
...وں گیا تو سمجھ گئی کہ اُس نے یقیناً رضوان کے ذہن
...مطلب آمیز چہرہ اُس لمحے مجھے بہت اچھا لگا
...ہے کے ذکر پر شرما جائے۔ اب اُس کی نگاہ جھکی
...بھی زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔
...کر کچھ کہتا، میری نگاہ معاً مہنتی پر پڑی
...رہا تھا۔ مجھے مہنتی کی طرف متوجہ دیکھ کر
...ملا لی۔

...کر بیٹھ گیا اور بولا۔ "مجھے... مجھے کھانا کھاتے
...تھا؟" وہ سارہ سے مخاطب تھا۔
"...کھانے میں ایک نشہ آور دوا ملا دی تھی۔"
وہ چونک اُٹھا۔
...سارہ کو دیکھ رہا تھا۔ سارہ نے مسکرا کر کہا۔
...لیکن اُنھوں نے پوری بات نہیں بتائی۔ کیوں

...ا جائے؟" سارہ میری طرف مڑی۔
...کوئی مضائقہ نہیں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔
...بات ہے؟" مہنتی اُلجھے ہوئے لہجے میں بولا۔
"...کھانے میں نشہ آور دوا کیوں ملائی تھی؟"

...سارہ نے مسکرا کر کہا۔

...محبت لہجے میں بولا۔
"...صحیح خیالات جان سکوں۔" سارہ نے
"...تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"
...جانب تیز آلود نگاہ سے دیکھا۔
"...کی ضرورت نہیں۔" معاً سارہ نے سنجیدگی کے
"...سب کچھ جاننے کے باوجود تمہارے ساتھ ہوں۔"
...سے سارہ کی طرف دیکھا۔
"...ہے مہنتی!" میں نے کہا۔
"...بانو! آپ نے... آپ نے مجھے میری بہن کی نظر

...کر رہا ہوں۔" مہنتی کی آواز شدتِ جذبات سے کانپ رہی تھی۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" سارہ نے اُسے یقین دلایا۔ "اب بھی میرے دل میں تمہارے اور تمہاری تحریک کے لیے وہی جذبات ہیں جو پہلے تھے۔ تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ بعض اوقات حالات انسان کو جھوٹ بولنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔"

"میں... مجھے... مجھے معاف کر دو سارہ!... معاف کر دو سارہ کہ میں نے تمہیں دھوکا دیا۔" مہنتی نے سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے رقت آمیز لہجے میں کہا۔

یہ مہنتی کی فراخ دلی کا ثبوت تھا کہ اُس نے سارہ سے معافی مانگ لی تھی۔ میں اُس کی شرافتِ نفس سے پہلے ہی آگاہ تھی۔

"اپنی بہن کو دھوکا دینے پر مجبور تھا، میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہتا تھا۔ میری بہن یقیناً فراخ دل ہے۔ وہ مجھے معاف کر دے گی۔" مہنتی دوبارہ بولا۔ اُس کے لہجے میں اب بھی رقت تھی۔

"میں تو تمہیں پہلے ہی معاف کر چکی ہوں۔" یہ کہہ کر سارہ نے مجھ سے ہونے والی گفتگو دہرائی اور مہنتی کو میرے وعدے کے بارے میں بتایا۔

"اب بتاؤ مہنتی کہ تم سارہ کو چن ژی سے کب ملوا رہے ہو؟" میں نے مہنتی سے پوچھا۔

"میں اب خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ سارہ چن ژی سے مل لے۔" مہنتی نے جواب دیا۔ "ممکن ہے کہ واقعی وہ ہمیں دھوکا دے رہا ہو۔ وہ ہمیں تو دھوکا دے سکتا ہے مگر سارہ کو دھوکا دینا اُس کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ اب تو مجھے بھی اُس کی نیت پر شبہ ہونے لگا ہے۔"

"تمہیں اُس کے ٹھکانے کا تو علم ہی ہوگا!" میں بولی۔

"ہاں!" مہنتی نے کہا۔ "یہاں چام ڈو میں اُس کے کچھ جاننے والے ہیں، وہ اُنہی کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے۔ میں یہاں بھی اُسے ٹھہرا سکتا تھا مگر میں نے سارہ کی وجہ سے ایسا نہیں کیا تھا۔"

"اگر میرا حساب غلط نہیں ہے تو پرسوں کسی وقت دلائی لامہ تبت پہنچ رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "چن ژی سے سارہ کی ملاقات، دلائی لامہ کے یہاں آنے سے پہلے ہونی چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ چن ژی کے ذہن میں کوئی خطرناک منصوبہ ضرور ہوگا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ سارہ کے ذریعے ہم اُس کے منصوبے سے قبل از وقت آگاہ ہو جائیں اور اُس کا کوئی تدارک کر سکیں۔"

"اِن حالات میں وقت ضائع کرنا انتہائی غیر دانشمندانہ فعل ہوگا۔" سارہ نے کہا۔

"قطعی!" میں نے اُس کی تائید میں کہا۔

"تو پھر آج ہی رات چن ژی سے کیوں نہ مل لیا جائے؟" سارہ

"آج رات!" مہتی سوچ میں پڑ گیا۔
"کیوں کیا حرج ہے؟" میں نے بھی کہا۔
"حرج تو خیر کوئی نہیں۔" مہتی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "رات کافی ہو گئی ہے۔ وہ بے وقت آمد پر کھٹک بھی سکتا ہے۔"
"تم اُس سے کوئی بھی بہانہ کر سکتے ہو۔" سارہ نے کہا۔
"وہی بہانہ تو ذہن میں نہیں آ رہا۔" مہتی بولا۔
"کوئی نہ کوئی بہانہ بھی سمجھ میں آ ہی جائے گا۔ فی الحال تو چلنے کی تیاری کرو!" میں بولی۔
"کیا آپ بھی ساتھ چلیں گی بالو؟" سارہ نے مجھ سے پوچھا۔
"ہاں! میں اور رضوان بھی تمہارے ساتھ چلیں گے لیکن ہم اُس جگہ سے کچھ فاصلے پر ہی ٹھہر جائیں گے جہاں وہ ٹھہرا ہوا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں سمجھا نہیں بالو کہ آپ کس لیے ساتھ چلنا چاہتی ہیں؟" مہتی نے شائستگی سے کہا۔

"تم پوری طرح اُسے نہیں سمجھ پائے۔ وہ بہت چالاک اور عیار ہے۔" میں نے کہا۔ "ابھی تم نے جس خدشے کا اظہار کیا ہے، وہ خدشہ بہرحال موجود ہے۔ وہ بے وقت آمد پر کھٹک سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ کیا قدم اٹھائے گا، اِس کے بارے میں پہلے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اِن باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تم لوگوں کے ساتھ ہمارا جانا ضروری ہے۔"

"اگر آپ کو یہی خدشہ ہے تو اِس ملاقات کو صبح تک کے لیے موقوف کیا جا سکتا ہے۔" مہتی نے تجویز پیش کی۔
"نہیں مجھے اُس کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ آج ہی رات کہیں اپنا ٹھکانہ نہ بدل دے۔" میں نے اپنے دل میں پیدا ہونے والی خلش کا اظہار کر دیا۔

"آپ کے اِن خطوط پر سوچنے کی کوئی وجہ تو یقیناً ہو گی۔" مہتی نے کہا۔

"ہاں!" میں بولی۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ میری طرف سے قطعی غافل ہو گا اور کیا اُسے یہ علم نہیں ہو گا کہ میں تم لوگوں تک پہنچ چکی ہوں؟"
"یہ تو آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں۔" مہتی بولا۔ "پھر ٹھیک ہے۔ میں ابھی روانگی کے انتظامات کرتا ہوں۔"
"کیا زیادہ دور جانا ہو گا؟" میں نے پوچھا۔
"ہاں بغیر گھوڑوں کے سفر ممکن نہیں ہے۔ ہم وہاں تک پیدل نہیں چل سکتے۔" مہتی نے جواب دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
مہتی کے جاتے ہی میں نے رضوان کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ وہ پوری بات سن کر کسی قدر پُرجوش نظر آنے لگا۔

"اِس کا مطلب یہ کہ اب فیصلہ کل ...
نے خیال آرائی کی۔
"وہاں ممکن ہے کہ آج ہی رات سامان ...
نے جواب دیا۔ "لیکن اِس بات کا انحصار سارہ ...
ہے۔ اِس امکان کو بھی بہرحال نظر انداز ...
وہاں سے راہِ فرار اختیار کر چکا ہو۔"
"لیکن بالو اگر واقعی آپ کے انداز ...
اُس وقت تک یہیں رہنا چاہیے جب تک ...
تشریف نہیں لے آتے۔" سارہ نے بھی ...
"فرار سے میری مراد یہ نہیں تھی کہ وہ ...
فرار ہو جائے گا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ وہ جا ...
میں نے اپنی بات کی وضاحت میں کہا۔

میں، سارہ اور رضوان کچھ دیر مو...
کرتے رہے۔ رضوان کا خیال یہ ...
اپنا ٹھکانہ نہیں چھوڑا ہو گا۔ میں تذبذب ...
تھا کہ حالات کے پیشِ نظر چن زی کو ...
ہونا چاہیے۔
ہماری گفتگو کسی نتیجے پر نہیں ...
"گھوڑے تیار ہیں۔" اُس نے ...
کھڑے ہوئے۔
"مہتی! میرا خیال ہے کہ احتیاطاً ...
آگے بڑھتے ہوئے کہا۔
"مجھے اِس بات کا احساس تھا ...
پاس ریوالور موجود ہے۔"
"اور سارہ کے پاس؟" میں ...
"میں بھی خالی نہیں رہتی بالو!" ...
پہلے سارہ نے بتایا۔
"مگر کب سے؟" میں نے مسکرا ...
نہیں تھیں۔"
"خیر خطرناک تو اب بھی نہیں ہوں ...
"جب سے چام ڈیو آئی ہوں ریوالور ساتھ ...
"کیوں؟" میں نے مہتی کے ...
"اپنے بھائی کے اصرار پر!" ...
مہتی کی طرف تھا۔ معاً اُسے کچھ خیال آیا ...
ہیں یا نہیں؟"
"ظاہر ہے کہ اگر مسلح نہ ہوتے ...
مسکرا کر بولی۔ "سارہ! پہلے تو تم کبھی اِن ...

... ذہن پڑھ کر سب کچھ معلوم کر لیا کرتی تھیں!
... سن کر وہ بے دلی سے ہنسی، پھر بولی۔ "بالو! جب ...
... یہ احساس دلایا ہے کہ میری ذہنی صلاحیتیں ...
... نہیں، میں نے آپ کا ذہن پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔"
... سی اداسی تھی۔
... کوئی بات نہیں!" میں نے فوراً کہا۔ "میں اب بھی ...
... کی معترف ہوں۔"
... بالو کہ یہ بات محض آپ میرا دل رکھنے کے ...
سارہ بولی۔
... میں گفتگو کرتے ہوئے عمارت سے باہر ...
... مزید گفتگو کا نہیں تھا، اِس لیے میں نے سارہ کی ...

... دیا۔
... صدر دروازے پر مہتی کے ساتھی چار گھوڑے لیے ...
... گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔
... کے گھوڑے آگے آگے تھے۔ میرے اور رضوان ...
... پیچھے چل رہے تھے۔
... قریب گزر چکی تھی اِس لیے راستے ویران ہی ...
... ہمارے گھوڑوں کی ٹاپیں یقیناً دور دور تک سنائی ...
... سوچ کر میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور اسی ...
... مخاطب کیا۔
... بالو کہ ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے سے قبل ہی ...
... نیچے اتر جانا چاہیے تاکہ چن زی پہلے ہی چوکنا ...
... نے اپنا خیال پیش کیا۔
... ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا۔ تم ٹھیک ہی ...
... رضوان کے خیال سے اتفاق کیا۔
... کر کچھ تیز دوڑا کر مہتی کے قریب پہنچ گئی اور ...
... کہا۔ مہتی نے بھی میرے اور رضوان کے خیال ...
... بولا۔ "ٹھیک ہے، میں کچھ دور پہلے ہی گھوڑے ...

... پھر اپنا گھوڑا روک کر رضوان کے قریب آ گئی۔
... اور اپنے درمیان کچھ فاصلہ رکھا تھا۔
... خاموش اور تنہا شب ہمارے گھوڑوں کی ٹاپوں سے ...
... گونجتی رہی۔ تقریباً نصف گھنٹے سفر کے بعد میں ...
... اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ میں نے ...
... کیا اور گھوڑوں سے اتر کر اُن کی لگامیں تھام ...
... ملاقہ تھا۔
... ہوئے بمشکل چند منٹ گزرے ہوں گے کہ فضا

ایک دم دھماکوں سے گونج اٹھی ...
میرے اعصاب جھنجنا اٹھے اور آگے بڑھتے ہوئے قدم ایک دم رُک گئے۔ وہ دھماکے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوئے تھے۔
"اب احتیاط بیکار ہے۔" میں نے کہا اور تیزی سے گھوڑے کی پشت پر بیٹھ گئی۔
رضوان بھی صورتِ حال کو سمجھ چکا تھا۔ اُس نے بھی گھوڑے پر بیٹھنے میں دیر نہیں کی تھی۔
کچھ فاصلے ہی پر مجھے مہتی اور سارہ کے ہیولے نظر آ رہے تھے۔ جواب غیر متحرک تھے۔ میں اور رضوان بہت جلد اپنے گھوڑے دوڑاتے اُن کے قریب پہنچ گئے۔
"تم نے دھماکوں کی سمت کا کچھ اندازہ لگایا؟" میں نے قریب پہنچتے ہی گھوڑا روک کر مہتی سے پوچھا۔
"میرا اندازہ ہے کہ دھماکے اُسی طرف سے سنائی دیے تھے جہاں چن زی ٹھہرا ہوا ہے۔" مہتی نے جواب دیا اور ابھی اُس کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ ایک دھماکا اور ہوا۔
"جلدی کرو مہتی!" میں نے تیزی کے ساتھ کہا۔ "کہیں وہ نکل نہ جائے!"
مہتی اور سارہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے کہ میری سماعت سے ایسی آوازیں ٹکرائیں جیسے کہیں دور دو گھوڑے ایک دوسرے کے آگے پیچھے دوڑ رہے ہوں۔
میں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُن آوازوں کی سمت لپکی۔ میرے ساتھ ہی رضوان نے اپنا گھوڑا بڑھایا تھا۔ سارہ اور مہتی کے گھوڑے اب پیچھے آ رہے تھے۔
میں جس سڑک پر گھوڑا دوڑا رہی تھی، اُس کی بائیں جانب چٹانی سلسلہ تھا اور کچھ فاصلے پر وہ سڑک بائیں جانب ہی مڑ جاتی تھی۔ موڑ سے گھومتے ہی میں نے دور دور تک نگاہ دوڑائی مگر مجھے کچھ نظر نہ آ سکا۔ چند گز دور دائیں جانب مجھے ایک کچی سڑک ضرور دکھائی دے رہی تھی۔ اُسی وقت پھر ایک دھماکا ہوا۔ اِس بار میں نے واضح طور پر محسوس کر لیا کہ دھماکے کی آواز کس سمت سے آئی تھی! میں نے اپنا گھوڑا کچی سڑک پر موڑ دیا۔ دھماکے کی آواز اُسی سمت سے آئی تھی۔ اب میں یہ بھی سمجھ چکی تھی کہ وہ دھماکا کسی رائفل کے فائر ہی کا تھا۔
میرے گھوڑے کی رفتار اب اِتنی تیز تھی کہ رضوان کا گھوڑا بھی پیچھے رہ گیا تھا۔
کچھ فاصلہ عبور کرتے ہی میں نے اُس کچی سڑک پر دور کہیں غبار سا اڑتا محسوس کیا۔ کوئی یقیناً مجھ سے آگے آگے گھوڑا دوڑاتا چلا جا رہا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ سے گھوڑے کی باگیں سنبھالتے ہوئے دوسرا ہاتھ جیب میں ڈالا اور ریوالور نکال لیا۔ میرے آگے آگے

میں کچھ دیر ہی میں اُس گھڑسوار کے اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ اُس کا نشانہ لے سکوں۔ مجھے اب اُس کا ہیولا واضح طور پر نظر آنے لگا تھا۔ اُسے بھی شاید اپنے تعاقب کا احساس ہو چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اُس نے گھوڑا دوڑاتے ہوئے ہی اپنے ہاتھ میں موجود رائفل کا رخ پیچھے کی جانب کیا۔ اب کسی بھی لمحے میری جانب گولی آ سکتی تھی۔

"ٹھہر جاؤ!" میں زور سے چیخی۔ "تم میری زد پر ہو۔ رُک جاؤ ورنہ میں گولی مار دوں گی۔" یہ الفاظ میں نے تبتی زبان میں ادا کیے تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ رائفل کا رُخ میری طرف سے پھیر لیا گیا اور اُسی لمحے میں نے ایک تیز آواز سُنی۔ "مجھے نہ روکیں بالو! ورنہ وہ نکل جائے گا۔"

وہ آواز تھی کہ ایک سحر جس میں کچھ دیر کے لیے میں گُم ہو کے رہ گئی۔ وہ آواز، وہ آشنا آواز یقیناً اُسی چینی لڑکی کی تھی جو چن ژی سے انتقام لینے کی خاطر تبت آئی تھی۔ وہ لڑکی وہاں کیسے پہنچ گئی؟ اُسے تو میں چام ڈلو سے میلوں پیچھے چھوڑ کر آئی تھی، چکیوری کی ایک چھوٹی سی مضافاتی آبادی میں! کیا اُس کی ران کا زخم بھر گیا؟ وہ سفر کے قابل ہو گئی؟ مختلف سوالات نے میرے ذہن پر یورش کر دی اور اِسی دوران میں میرا گھوڑا تیزی سے دوڑتا ہوا اُس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کا بچہ اُس کے سینے سے چمٹا ہوا تھا۔

"میں دُور سے تمھیں پہچان نہ سکی تھی اِسی لیے میں نے تمھیں روکنا چاہا تھا۔" میں نے اُس سے کہا، پھر جلدی سے بولی۔ "کیا چن ژی اِسی راستے پر آگے گیا ہے؟"

"ہاں!" اُس نے جواب دیا۔ "میں نے اُس کے ہیولے کو بائیں جانب کچھ فاصلے پر موجود چٹانی سلسلے کی طرف مڑتے دیکھا تھا۔"

ہمارے گھوڑے کیونکہ کافی تیز دوڑ رہے تھے اِس لیے ہمیں بات کرنے میں قباحت محسوس ہو رہی تھی اور ہم زور زور سے بول رہے تھے۔

جب تک میں اور وہ چینی لڑکی چٹانی سلسلے تک پہنچے رضوان بھی تیزی سے اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا ہمارے قریب پہنچ چکا تھا۔

میں، رضوان اور وہ چینی لڑکی کافی دیر تک اُس چٹانی سلسلے کی بھول بھلیوں میں چکراتے رہے مگر سانپ نکل چکا تھا اور اب لکیر پیٹنا لاحاصل تھا۔ اِس کا احساس ہمیں جلد ہی ہو گیا۔

پہلے رضوان بولا۔ "بالو! میرا خیال ہے کہ ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اب ہمیں چن ژی کی پرچھائیں بھی نہ مل سکے گی۔"

"تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" میں نے تھکے تھکے سے لہجے میں کہا، پھر مجھے سارہ اور مہنتی کا خیال آیا اور بولی۔ "نہ جانے سارہ اور مہنتی ہماری تلاش میں کہاں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے!"

اب تک میں نے چینی لڑکی سے کچھ نہیں پوچھا تھا کہ وہ چام

نے اِس بات کو ترجیح دی کہ ہم اُس چٹانی س... سے باہر نکل جائیں۔ ہم نے اُس طرف جانے... تھا کہ راستہ یاد رکھیں، کیونکہ ہماری تمام تر توجہ... ہمیں کچھ دیر بعد ہی احساس ہو گیا کہ ہم راستہ... تینوں ہی کے لیے وہ علاقہ نیا اور اجنبی تھا... کافی دیر بھٹک بھٹکا کر ہم ایک پگڈ... تعین ممکن نہیں تھا اِس لیے ہم اندیشہ...

"کہیں ہم چام ڈلو جانے کی بجائے ... جا رہے ہیں!" سب سے پہلے رضوان نے خد...

"ممکن ہے کہ ایسا ہو اور ممکن ہے ... بھی کیا جا سکتا ہے!" میں نے رضوان کی!

"بالو! آپ نے اِس لڑکی سے ... پہنچ گئی؟" رضوان نے کہا۔ "میرا خیال ... چن ژی تک نہ پہنچ جاتی تو شاید وہ فرار..."

"خیر اب جو ہونا تھا، وہ تو ہو ہی گیا..." چینی لڑکی کی طرف متوجہ ہو گئی جس کا ... بہلا رہی تھی۔

میری دائیں جانب رضوان کا گھو... چینی لڑکی کا گھوڑا! میرا گھوڑا درمیان میں...

"کتنی عجیب بات ہے کہ میں نے ... پوچھا حالانکہ ہم پہلے بھی مل چکے ہیں۔" میں... میرا مقصد سلسلۂ گفتگو شروع کرنا تھا۔

"آپ نے پوچھا ہی نہیں بالو!" اُس... سے تھکتے ہوئے کہا۔

"اور تم نے بتایا نہیں۔" میں بولی...

"میرا نام تنگ چی ہے۔" اُس...

ہمارے گھوڑے ٹھیک خرامی سے... ہمیں گفتگو کرنے میں کوئی دقت پیش...

"پہلے تو یہ بتاؤ تنگ چی کہ تم یہاں ... پہنچ گئیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں یہاں پرسوں ایک تجارتی قا... تجارتی قافلہ چکیوری سے چام ڈلو ک... نے بتایا۔

"تمھاری ران کا زخم ٹھیک ہو گیا..."

"نہیں بالو!" اُس نے جواب دیا... بالکل ٹھیک نہیں ہوا۔"

"تو پھر تمھیں اِس حالت میں ..."

...ہمارے زخم کے ساتھ جی سکتے ہیں۔ ...

...ظاہری ہیں بالو! اِن کے بھرنے نہ بھرنے سے کوئی ... لیکن جو زخم میرے سینے کے اندر ہیں، وہ میرے ... رسے ہیں اور میں اُنھی زخموں کا مداوا کرنے یہاں آئی ... بات سے بوجھل آواز میں بولی۔

"لیکن یہ کیسے ہوا کہ چن ژی، چام ڈلو میں ملے گا؟ اِس کے ... گھر کے ٹھکانے کا کیسے پتا چلا؟" میں نے ایک ہی سانس ... لیا۔

"... یاد نہیں رہا کہ میں نے گزشتہ ملاقات میں بھی آپ ... ممکن ہے کہ میں نے تفصیل کو اُس وقت نظرانداز ... کو یاد ہوگا کہ میں نے سرخ چین کے محکمۂ جاسوسی ... بھی بتایا تھا کہ میں سرخ چین کے محکمۂ جاسوسی کا ایک ... آب ہو گئی تھی۔ یہ خط ہی تھا جس میں چن ژی کو ... آپ کو ہلاک کر دے۔ اُسی خط سے مجھے کچھ اور باتوں ... تنگ چی مجھے تفصیلات سے آگاہ کر رہی تھی۔ "اُنھی ... بات یہ بھی تھی کہ چن ژی کو چام ڈلو میں موجود سُرخ ... ہوں سے بھی رابطہ قائم کرنا ہے۔ اُس خط میں اُن ... پتے اور دیگر کوائف بھی درج تھے۔ میں نے وہ نام اور ... محفوظ کر لیے تھے۔ وہ صرف تین افراد کے نام ... دو کو میں نے گزشتہ شب تلاش کر لیا لیکن مجھے ... ملا تھا۔ تبت آنے سے قبل میں نے یہاں کے سیاسی ... میں بہت آگہی حاصل کر لی تھی۔ مجھے علم تھا کہ چام ... خلاف بغاوت کے بیج بوئے جا چکے ہیں۔ چن ژی ... یہ کام کر رہا تھا اِس لیے میرا قیاس تھا کہ متوقع ... اُن کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوگا۔ موجودہ حالات کے ... چام ڈلو میں ہونا ضروری تھا۔ میں یہی سوچ کر ... یہاں ضرور ملے گا۔ گزشتہ شب میں نے اُن دو ... چن ژی کا پتا لگانا چاہا جن کے نام اور پتے میرے ... آج آخرکار میں نے تیسرے شخص کے پتے پر ... گھیر ہی لیا مگر افسوس کہ وہ بچ کر نکل گیا حالانکہ میں ... سنبھلنے کی مہلت نہیں دی تھی۔" یہ کہہ کر تنگ چی ... اور خاموش ہو گئی۔

"... رات کے وقت اُس کا گھر کیسے تلاش کر لیا؟" میں ...

"... دن ہی میں کر چکی تھی۔" اُس نے جواب دیا۔ "رات ... مقصد تو یہ تھا کہ میں اُسے بے خبری میں جا لوں۔"

یہ کہہ کر وہ چند لمحے رکی، پھر خود ہی مزید تفصیلات بتانے لگی۔ "وہ جس کمرے میں ... رہا تھا، میں اُس کی کھڑکی سے کود کر اندر آ گئی تھی۔

اِسے میری بدقسمتی کہیں یا کچھ اور کہ اُسی وقت میرا بچہ رونے لگا۔ وہ بچے کی آواز سُن کر بیدار ہو گیا تھا اور ایک دم اُچھل کر بھاگا تھا۔ کمرے میں کیونکہ اندھیرا تھا اِس لیے میں نے اندازے سے ایک سمت فائر کر دیا۔ جواب میں میری توقع کے مطابق اُس کی چیخ سنائی نہ دی تو میں نے سوچا کہ میرا مقصد پورا ہو گیا ہے مگر اُسی وقت میں نے کمرے کی کنڈی کھلنے، اور پھر کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سُنی۔ میں نے دوسرا فائر کیا مگر بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز نہ رُکی۔ میں کھڑکی سے کود کر دوبارہ باہر نکلی تو دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے پر بیٹھ کر فرار ہو چکا تھا۔ مجھے صرف گھوڑے کی دُور ہوتی ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اُس کے اِس طرح فرار ہوتے سے میں نے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا کہ اچانک اُٹھ کر بھاگنے کے سبب وہ خود کو مسلح نہیں کر پایا ہوگا ورنہ وہ مجھ پر حملہ ضرور کرتا۔ میں دن ہی کے وقت یہ دیکھ چکی تھی کہ اُس مکان میں ایک بوڑھے شخص کے سوا اور کوئی نہیں رہتا۔ فائروں کی آواز سُن کر شاید وہ بوڑھا کہیں چھپ گیا تھا، کیونکہ اُس نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ میں نے بغیر وقت ضائع کیے چن ژی کا تعاقب شروع کر دیا۔ سڑک تک آنے کے بعد مجھے بہت دُور اُس کا ہیولا نظر آیا مگر میں اتنی دُور سے اُس پر فائر کرنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اِس طرح وہ ہلاک بھی ہو سکتا تھا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو میرا وہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکتا جس کے بارے میں آپ کو بھی میں نے بتایا تھا۔ میں اُسے زہر کھلا کر اور ترسا ترسا کر مارنا چاہتی تھی اِسی لیے وہ بچ کر نکل گیا۔"

تنگ چی خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔ "مگر تنگ چی تم نے اُن دو فائروں کے علاوہ بھی اُس پر ایک فائر کیا تھا۔ اُسی کی آواز سُن کر تو میں اُس کچی سڑک پر مڑی تھی۔"

"ہاں! مگر میں نے وہ فائر اُس پر نہیں، اُس کے گھوڑے پر کیا تھا۔" اُس نے جواب دیا۔

"پھر؟" میں بولی۔

"اِس سے پہلے کہ اُس کا گھوڑا گولی کا شکار ہوتا، وہ چٹانی سلسلے کی طرف مڑ گیا تھا۔" اُس نے بتایا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی تنگ چی! تم نے ابھی کہا کہ تم اُسے گولی مارنا نہیں چاہتی تھیں، تو پھر اُس وقت تم نے اُس پر فائر کیوں کیے جب تم اُس کے کمرے میں کودی تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے دانستہ اُس طرف فائر نہیں کیے تھے جدھر آہٹ سنی تھی تاکہ اندھیرے میں گولی اُس کا کام تمام نہ کر دے۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ خوفزدہ ہو کر جہاں ہے وہیں رُک جائے، اور کچھ

تنگ چی کی وضاحت میری سمجھ میں آگئی۔ وہ یقیناً ذہین اور بہادر لڑکی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم میرے ساتھ ہی رہو کیونکہ تمھارا اور میرا دشمن ایک ہے۔ ہم دونوں ہی اُس کی تلاش میں ہیں، اس لیے ہمیں الگ الگ نہیں رہنا چاہیے۔"

"میں کل صبح قافلے والوں سے اپنا سامان لے آؤں گی۔" وہ بولی، پھر پوچھا۔ "آپ کہاں ٹھہری ہوئی ہیں؟"

"یہاں کے ایک مقامی لیڈر منتی کے گھر۔" میں نے جواب دیا، کیونکہ اب میرا ارادہ سارہ کے ساتھ ہی بسنے کا تھا۔ "تمھیں شاید وہ گھر ڈھونڈنے میں دقت ہو، اِس لیے ساتھ ہی رہو۔ کل صبح اپنا سامان لے آنا۔"

اُس نے میری بات مان لی۔

کچھ مزید فاصلہ طے کرنے کے بعد جب آبادی کے آثار نظر آنے لگے تو ہمارا یہ خدشہ غلط ثابت ہوا کہ کہیں ہم راستہ بھول نہ جائیں! وہ چام ڈلو ہی ہو سکتا تھا کیونکہ میری معلومات کے مطابق آس پاس کوئی شہر اتنے قریب نہیں تھا کہ ہم اِس قدر کم وقت میں وہاں تک پہنچ سکتے۔

ہمیں شہر میں داخل ہو کر منتی کی رہائش گاہ تک پہنچنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی کیونکہ میں نے روانگی کے وقت راستے کی نشانیوں کو ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔

وہاں پہنچ کر عمارت کے محافظوں سے معلوم ہوا کہ منتی اور سارہ اُس وقت تک نہیں لوٹے تھے۔ محافظوں نے ہمیں عمارت کے اندر جانے دیا۔ ہم نے اپنے گھوڑے محافظوں کے حوالے کر دیے تھے۔

میں رضوان اور تنگ چی کو لے کر اُس نشست گاہ میں پہنچ گئی جہاں مجھے پہلی بار منتی نے بٹھایا تھا۔ بیٹھتے ہی رضوان شروع ہو گیا۔ اُسے میرے اور تنگ چی کے درمیان ہونے والی گفتگو جاننے کا تجسس تھا مگر میں نے دانستہ اُس وقت رضوان کو ٹال دیا کیونکہ میں تنگ چی سے یہ دریافت کرنا چاہتی تھی کہ چن ژی نے اُس کے شوہر کو کیوں ہلاک کر دیا تھا!

جب میں نے تنگ چی سے یہ سوال کیا تو وہ چند لمحے خاموش رہی۔ شاید وہ اپنے ماضی میں اُن گمشدہ حسین لمحات کو تلاش کر رہی تھی جو کبھی اُس کی زندگی کا سرمایہ رہے ہوں گے۔ میں نے اُس کے چہرے پر غم کے سائے پھیلتے ہوئے دیکھے جو لمحہ لمحہ گہرے ہوتے چلے گئے۔ اُس نے مجھے اپنے شوہر اور چن ژی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

تنگ چی کا شوہر چینی انٹیلی جینس میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ وہ کئی مرتبہ سُرخ چین میں اہم مہمات سر کرنے جا چکا تھا۔

سُرخ چین نے ... جب ...
نام خطرناک آدمیوں کی فہرست میں شامل ...
سے اُس کی ملاقات سُرخ چین میں نہیں ہو ...
کے وطن ہی میں ملا تھا۔ چن ژی کسی مہم ...
ہو گیا تھا۔ تنگ چی کے شوہر کو وہ اسی حا...
کے ناطے وہ چن ژی کو اپنے گھر لے آیا۔ چن ژ...
رہا۔ چن ژی نے اپنے بارے میں اُنھیں بر...
کا تعلق سُرخ چین سے ہے، کیونکہ ابتدا...
حالت میں ملا تھا کہ وہ اُس پر شک نہ کر سکیں...
سے اپنی حقیقت چھپانے میں کامیاب رہا...
اِس نیکی کا صلہ چن ژی نے ...
کام پر گئی ہوئی تھی اور اُس کا شوہر گھ...
زہر دے دیا۔ چن ژی فطری طور پر سفاک ...
پھر بھی اُس نے اپنی بے رحمی کا مظاہرہ کیا ...
کر وہ تنگ چی کے پاس پہنچا۔ چن ژی ...
نے اُس کے شوہر کو زہر دے دیا ہے۔ چن...
کے شوہر کو کون سا زہر دیا گیا ہے۔ جب ...
پوچھا کہ اُسے زہر کا نام کیسے معلوم ہوا تو ...
علامات کا ذکر کیا جو زہر دیے جانے کے ...

چن ژی کے پاس اُس زہر کا توڑ ...
کے حوالے کر دیا اور اُس سے کہا کہ بمشکل اُس ...
ہے۔ چن ژی نے اُسے زہر کا تریاق دے ...
شوہر کے پاس بھاگتی ہوئی پہنچ جائے تو ...
سے یہ خبر سُن کر تنگ چی کے حواس اُڑ گئے ...
کہ چن ژی خود ہی زہر کا تریاق لے کر اُس کے ...
ہو گیا!

تنگ چی کی حالت خود اِس قابل نہیں ...
سفر کر سکتی کیونکہ وہ حاملہ تھی مگر محبت بڑی بلا ...
اُٹھا کر گھر کی جانب دوڑی لیکن تھوڑی دور ...
پیٹ میں پتھر ہو گیا۔ تنگ چی نے سائیکل ...
نے دوڑ کر پورا کیا۔

تنگ چی دوڑتی ہوئی اپنے گھر پہنچی ...
ہی اُسے احساس ہو گیا کہ دیر ہو چکی تھی۔ اُس ...
اِس بات سے بے خبر تھی کہ چن ژی نے اُس ...
چھوڑا تھا کہ وہ کسی بھی صورت اپنے شوہر تک ...
تریاق لے کر پہنچ سکتی۔ اِس بات کی تصدیق ...
سے بھی ہو گئی جو تنگ چی کو اپنے شوہر کی لاش کے ...

... اُس نے تنگ چی نے ...
... قسم کھائی تھی کہ وہ چن ژی سے اپنے شوہر کی ...
... وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گی جب تک ...

... سنا کر تنگ چی نے مجھ سے پوچھا تھا۔ "بتائیے بانو ...
... ہو گیا یا آپ کے ہاتھوں مارا گیا تو میری روح ...
... کیا میری تمام کوششیں رائیگاں نہ چلی جائیں گی؟"
... ملت سے سخت سزا دی جائے کم ہے۔" میں نے ...
... دیا تھا۔ مجھے تنگ چی کی المناک داستان نے ...
... میں چن ژی پر ہاتھ ڈالوں گی تو تم میرے ساتھ ...

... ہو سکتا ہے کہ ہم کبھی کسی مرحلے پر جُدا ہو جائیں!"

... ہو گا لیکن اگر تمھیں اِس بات کا خطرہ ہے تو ایسا ... مجھے دے دو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ... زہر ہی کا شکار ہو گا۔ میں اُسے مرنے سے پہلے ... کہاں اُسے کس کے پاس مل سکتا ہے!"

... وقت میں اُس کی پہنچ سے باہر ہو گئی اور وہ ...

... تو بھی میرے دل کو قرار نہ آ سکے گا۔ ایسی صورت میں ... اُس بدحواسی سے کہاں بھاگ سکے گا جس ... جان بچانے کے لیے بھاگی تھی! ممکن تھا کہ وہ اگر ... وقت تو میں اتنا بڑا عہد نہ کرتی جو میری زندگی کا ... اور چن ژی ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اگر ... کو ہلاک کر دیا تو یہ کوئی بہت بڑی بات ... اتنا اور ہوتا ہے کا مگر میں نے اور میرے ... پہنچایا تھا! اُس نے محض اپنے سفاکانہ جذبات ... ڈالا، اِس طرح کہ میرے بچے کا وجود بھی خطرے ...

... کو اِس بات پر حیرت تھی کہ اِتنی سخت بے احتیاطی ... ضائع ہونے سے کس طرح بچ گیا! جانتی ہیں اُس ... تھا! اُس نے لکھا تھا کہ وہ سانپ کے ساتھ ساتھ ... کے بیٹے کا قاتل ہے۔" آخری جملہ ادا کرتے ہوئے ... شروع ہو گیا تھا۔

... تسلی دی اور یقین دلایا کہ اُس کا خواب ضرور پورا ... اُس کے انجام تک پہنچائے گی۔ چن ژی کی سفاکی دہری ... کا ردِ عمل بے جا نہیں تھا۔

... جمائیاں لے رہا تھا اور باقاعدہ اُونگھنے لگا تھا۔ ... ہی دے رہی تھی کہ سارہ اور منتی کمرے کے ...

... ہی کے چہروں پر حیرت کے آثار نظر آئے تھے۔ اُنھیں آتے دیکھ کر رضوان بھی اُونگھتے اُونگھتے سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔

"آپ... آپ کدھر نکل گئی تھیں بانو! ہم تو آپ کو تلاش کر کر کے تھک گئے!" سارہ کے لہجے میں محبت آمیز شکایت تھی۔

میں نے مختصراً پیش آنے والے واقعات سے منتی اور سارہ کو آگاہ کیا اور آخر میں اُنھیں تنگ چی کے بارے میں خود ہی بتا دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ تنگ چی کی بیان کردہ داستان سے دونوں ہی متاثر ہوئے تھے۔

"کاش مجھے یہ پہلے علم ہوتا کہ چن ژی تناد رہندہ ہے!" منتی نے میری پوری بات سننے کے بعد کہا تھا۔ اُس کے لہجے سے دُکھ کا اظہار ہو رہا تھا۔

رات کافی بیت چکی تھی اِس لیے فوری طور پر ہمارے سونے کا انتظام کر دیا گیا۔ عمارت خاصی بڑی تھی اور اُس میں متعدد کمرے تھے۔ ہمارے سونے کا انتظام الگ الگ آراستہ کمروں میں کیا گیا تاکہ ہم آرام و سکون سے سو سکیں۔

رضوان نے اُس وقت میری جان چھوڑی تھی جب اُس نے تمام تفصیلات جان لی تھیں۔ میں بھی اُسے حالات سے ... باخبر رکھنا چاہتی تھی اِس لیے میں نے اُسے زیادہ نہیں ستایا تھا۔ اُس کا تمام حالات سے باخبر ہونا یوں بھی ضروری تھا کہ کیا جانے کب حالات کوئی ایسا نیا رُخ اختیار کر لیں کہ رضوان کو اپنے طور پر کوئی قدم اُٹھانا پڑے۔

تنگ چی اور رضوان کو اُن کے کمروں میں چھوڑ کر آنے کے ... سارہ میرے کمرے تک مجھے چھوڑنے آئی تھی۔ منتی پہلے ہی اجازت لے کر سونے جا چکا تھا، کیونکہ سارہ نے اُس سے کہا تھا کہ بقیہ انتظامات وہ خود کر لے گی۔

میں بستر پر بیٹھ گئی تو سارہ نے مجھ پر رخصتی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اچھا بانو اب اجازت؟"

سارہ نے یہ الفاظ کچھ اِس طرح ادا کیے تھے کہ جیسے اُس کی خواہش کچھ اور ہو یعنی اُسے رخصت ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور میں نے اُس کی خواہش کا احترام کیا۔

وہ میرے قریب ہی کھڑی تھی۔ میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "رات بھی ہے اور تنہائی بھی! تم ایسے میں کہاں جاؤ گی سارہ!"

سارہ کو میری نگاہ کا مفہوم سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ اُس شب میں نے سارہ کو ایک نئے ہی روپ میں دیکھا۔ اُس کی شدتیں اور جوش مجھ سے کہیں سوا تھا۔ کرمِ عام میں تخصیصِ من و تو کا گزر کہاں! محبوب و محب کا امتیاز بھی اُٹھ گیا۔ پہلا مشہد میں وہ ذہن پر ایک بوجھ لیے میرے قرب سے گریزپا سی رہی تھی مگر اب ایسا نہیں تھا۔ دوستی کی تجدید ہو چکی تھی۔

آمادہ تھی۔

جسم و جاں کی تمام تر صداقتوں کے ساتھ ہم نے اپنے وجود ایک دوسرے کے سپرد کر دیے۔ خاموشیٔ لب سے بندِ قبا تک نہ جانے کتنی اَن کہی حکایتیں تھیں جو ایک وجود نے دوسرے وجود سے کہیں! شوریدہ سر جذبوں کے کتنے رنگ تھے کہ ہماری آنکھوں میں سما گئے! کتنے خواب تھے جنھوں نے اپنی تکمیل کی! کانپتے ہونٹوں اور لرزتی انگلیوں نے کچھ نہ کہہ کر بھی ایک دوسرے سے کیا کیا کہا! جسم نے جسم سے سرگوشیاں کیں اور سنیں۔ دو دھڑکتے ہوئے دل ایک دوسرے کے اتنے قریب دھڑکے کہ فاصلوں کی دیوار گر گئی۔ سرخیٔ لب و رخسار دہنِ لذت شناس میں یوں گھلی کہ سارا وجود گویا لبوں میں منتقل ہو گیا۔ گیسوؤں کی گھٹائیں یوں کھلیں کہ روح تک میں اُن کی ٹھنڈک اور سائے پھیل گئے۔ عشقِ خانہ خراب کی وحشتیں لمحہ بہ لمحہ یوں بڑھتی گئیں کہ نہ گریباں کا ہوش رہا نہ دامن کا، گویا زمین و آسماں ایک ہو گئے۔ ہر تمنا کھل کر برسنے کے لیے جسموں کی فصیل پر منڈلانے لگا۔ قیدِ لباس سے قیدِ جسم تک ایک صحرائے تشنگی تھا جو گلشنِ سیرابی سے ہمکنار ہونا چاہتا تھا۔ جذبات کے سیلِ رواں میں بندشیں ٹوٹتی چلی گئیں کہ یہی بندشوں کا مقدر تھا۔ نگاہِ جلوہ آشنا نے ایک ایک کر کے سارے پردے اُٹھانا شروع کر دیے۔ حجاب اور بے حجابی کا فرق مٹ گیا۔ دیدۂ بیباک کی دسترس میں وہ خزینے تھے جن کی ایک جھلک پاگل بنا دے۔ نا آسودہ خواہشوں کی پناہ میں وہ درِ نایاب تھے جن کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر دے۔ نگاہِ شوق کبھی بلندیوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتی اور کبھی گہرائیوں میں چھپے ہوئے خزینوں کی تلاش میں بھٹکتی۔ زباں پر وہ ذائقے تھے جنھیں وصلِ محبوب کا حاصل کہا جائے۔ جلتی آنکھوں، جلتے لبوں، جلتے سانسوں اور جلتے جسموں پر دھیرے دھیرے لمحہ لمحہ آسودگی کی پھوار برس رہی تھی۔ آنکھوں میں سُرخ ڈورے تیرنے لگے تھے جیسے شیمپین کی بوتل میں بند نشہ اپنا اظہار کر رہا ہو۔ سرور، گہرا سرور، نشاط انگیز سرور ایک لہر کی طرح جسموں میں دوڑ رہا تھا۔ ہم اسی لہر میں بہتے رہے اور اس خوابوں کی سرزمین تک پہنچ گئے جہاں پہنچنے کے لیے جسموں کو تج دینا پڑتا ہے۔ سو ہم نے اپنے جسم تج دیے۔ وہاں کہیں ساون کی دھوپ جھولا جھول رہی تھی اور کہیں رنگ پس رنگ کیف و بے خودی کی وہ دنیائیں آباد تھیں جن میں پہلا قدم رکھ کر ہی روح انبساط کی بلندیوں کو چھونے لگتی ہے۔ ہمارے جسم بہت پیچھے رہ گئے اور ہماری روحیں اُن بلندیوں کو چھونے کے لیے مائلِ پرواز رہیں۔ پرواز کی حدِ آخر نے ہمیں اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تو ہم بے سدھ ہو گئے۔ ہماری انفاس کی خوشبو آسودگی سے بغلگیر ہو گئی اور ہم نے آنکھیں موند لیں۔ تمام شب سفرِ شوق میں بیت گئی۔ ہم اُس وقت بھی سفر میں تھے جب پے در پے دھماکے سنائی دیے لیکن اس کے باوجود فوری طور پر سفر سے لوٹنا ہمارے لیے ممکن نہ ہوا۔ خاموش فضا

ہ گولیاں چلنے کی تڑتڑاہٹ اور دل
منزل پہ پہنچ کر سانس لینے کی بھی مہلت
جیسے وجود سمٹے اور عالمِ ہوش میں آئے
”یہ کیا ہوا؟ یہ آوازیں کیسی تھیں
”باہر نکل کر دیکھنا پڑے گا۔“
ہوئے کہا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔
سارہ اور میں کمرے کا دروازہ کھ
میری نظر مہنتی پر پڑی جس کے ہاتھ میں
اُس کے قریب ہی موجود تھا اور اُس کے
وہ مہنتی سے نہ کچھ پوچھ سکتا تھا نہ اُس
چند قدم پیچھے مجھے تنگ جی دکھائی دی
بچہ سینے سے لپٹا ہوا تھا۔
اِس سے پہلے کہ میں مہنتی سے ک
پُرجوش آواز میں بولا۔ ”پرنس توشو اب
اُسے مزہ چکھاؤں گا۔“ مہنتی کے چہرے
احمق!“ یہ کہہ کر مہنتی آگے بڑھنے لگا
معاملے کی تہہ تک پہنچنے ک
”ٹھہرو!“ میں نے مہنتی سے ک
کسی بُری نیت سے نہیں آیا ہوگا۔“
اور میرے درمیان کیا بات طے ہوئی تھی!
دن صبح تک میں اُس کے پاس نہ پہنچی
کوشش کرے گا۔
میری بات کے جواب میں مہنتی
”پرنس توشو چینی حکومت کا ایجنٹ ہے
”یہ قطعی غلط بات ہے۔“ میں
”شہزادہ توشو ایک جہاں دیدہ آدمی ہے
وہ صرف انتہا پسند نہیں ہے ورنہ
سے کم نہیں ہے۔“
”تو پھر ہم پر اِس طرح حملہ کیوں
سارہ نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔
”کیا کوئی بھی شریف اور خود دار
درمیان چھوڑ کر آرام سے بیٹھ سکتا ہے
شہزادہ توشو کی مہمان تھی اور مجھے
پُرسکون آواز میں سارہ کی بات کا جواب
سارہ اور مہنتی کی سمجھ میں
کہا۔ ”جواب کیا کیا جا سکتا ہے بانو؟ وہ
چلا رہے ہیں۔“

لی۔“ میں یہ کہہ کر آگے بڑھی۔ مہنتی، سارہ، رضوان
لیے۔
پہنچ کر مجھے صورتِ حال کا اندازہ ہوا۔ مہنتی
کی نالیے گولیوں کا جواب دے رہے تھے
وہ سڑک کی دوسری جانب سے اُن پر فائرنگ
توشو اور اُس کے آدمی سڑک کی دوسری جانب
فائرنگ میں مصروف تھے۔
“ میں نے مہنتی سے کہا۔
باہر گولیاں چلائی جا رہی ہیں۔“ مہنتی نے الجھن
حال رکنی ہی ہے۔ چاہے پہل اِدھر سے ہو کر اُدھر
نہ دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر شہزادہ توشو کو یہ یقین دلا
تھی خیریت میں ہیں تو وہ بھی فائرنگ روک دے گا۔“
مان میں یہ کس طرح ممکن ہے؟“ سارہ بولی۔
فائرنگ رکوانے کے لیے کہہ رہی ہوں۔“ میں نے
کی بات مان لی۔ اب گولیوں کا جواب گولیوں
دیر یکطرفہ فائرنگ ہوتی رہی پھر دوسری جانب
شہزادہ توشو کی تیز آواز سنائی دی۔ ”مہنتی! تم مجھے
معلوم ہے کہ اگر دو دن تک مسلسل فائرنگ بھی
اس اسلحہ موجود ہے۔ میں اتنا بیوقوف نہیں
آ جاؤں۔ جیسے بانو اور اُس کے ساتھی کو چھوڑ
کے تمہارے گھر کو کھنڈر بنا دوں گا۔“
آخری الفاظ ختم ہوتے ہی میں چیخ پڑی۔ ”ہز ایکسیلینسی
باخیریت ہیں۔“
سینے پر رائفل رکھ کر بھی تم سے کہلوائی جا سکتی
اب میں چیخا۔
انے کی خاطر میں اور میرا ساتھی باہر آ رہے ہیں۔“
رضوان کا ہاتھ تھام کر دروازے سے باہر نکلی جو
معطل ہو چکا تھا۔
ان نے تیز تیز قدم اُٹھائے۔ پھر ہم سڑک عبور
نزدیک پہنچتے ہی ہمیں شہزادہ توشو
رے میں لے لیا۔ میں نے اُن لوگوں میں اپنے
لوگوں کو جو میرے ہمراہ قافلے کی شکل میں لہاسہ
نے شاید انھیں بھی میرے بارے میں

آسے اپنی بصارت پر یقین نہ آ رہا ہو۔

مجھے شہزادہ توشو کو یہ سمجھانے میں زیادہ وقت نہ ہوئی کہ مہنتی سے میری دوستی ہو چکی ہے۔

اِس دوران میں مہنتی اور سلمہ بھی عمارت سے باہر آ چکے تھے۔ انھیں غالباً اندازہ ہو چکا تھا کہ میں نے صورتِ حال کو سنبھال لیا ہے۔ میں نے شہزادہ توشو سے بات کرتے کرتے مڑ کر دیکھا تھا تو میری نظر اُن دونوں پر پڑی تھی۔ میں نے اُن دونوں کو ہاتھ کا اشارہ کر کے قریب آنے کو کہا۔

سارہ اور مہنتی قریب پہنچ گئے اور پھر میری ذرا سی ترغیب پر شہزادہ توشو اور مہنتی نے ہاتھ ملا لیے۔

”محترم دلائی لامہ کب آ رہے ہیں؟“ شہزادہ توشو نے احترام و عقیدت سے پوچھا۔ اُس کا مخاطب مہنتی تھا۔

”کل شام وہ ہمارے ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔“ مہنتی نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

اسی دوران میں مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صرف غلط فہمی کی بنا پر فائرنگ کی نوبت آ گئی تھی۔ ہوا یوں تھا کہ مہنتی کے مسلح آدمیوں نے شہزادہ توشو اور اُس کے مسلح آدمیوں کو دور سے آتے دیکھ کر ہی رُک جانے کے لیے کہا تھا مگر شہزادہ توشو اور اُس کے آدمی نہیں رُکے تھے۔ مہنتی کے آدمیوں نے انھیں خوفزدہ کرنے اور روک دینے کے لیے ہوائی فائر کیے تھے۔ بس اُسی کے بعد باقاعدہ جھڑپ ٹھن گئی تھی کیونکہ دونوں طرف سے [illegible] کر فائرنگ کی گئی تھی اِس لیے جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد جب شہزادہ توشو اپنے آدمیوں کے ساتھ لوٹنے لگا تو میں نے رضوان کو بھی اُس کے ساتھ کر دیا۔ میں مصلحتاً رضوان کو قافلے والوں کے ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ رضوان نے میرے ساتھ رہنے پر اصرار کیا تھا مگر جب میں نے آنکھیں نکالی تھیں تو اُسے میری بات ماننی ہی پڑی تھی۔ چانگ کے بارے میں مجھے شہزادے نے بتایا تھا کہ وہ خیریت کے ساتھ قافلے میں جا ملا تھا۔

”رضوان!“ میں نے روانگی سے قبل تنہائی میں رضوان سے سرگوشی کی تھی۔ ”اپنی آنکھیں کھلی رکھنا اور چین تری کی طرف سے محتاط رہنا۔“

”لیکن اگر نیند آ جائے تو؟“ اُس نے حسبِ معمول شرارت کی تھی۔ رضوان کو مزید شرارت سے باز رکھنے کا یہی طریقہ تھا کہ میں خاموش ہو جاتی اور اُس وقت میں نے یہی کیا۔ مجھے علم تھا کہ رضوان ہمیشہ اِس قسم کی باتوں کو ہنسی میں اُڑانے کا قائل ہے۔

شہزادہ توشو کی روانگی کے بعد میں مہنتی اور سلمہ کے ہمراہ عمارت میں واپس آ گئی۔ رات بھر جاگنے کے سبب میرے ذہن پر نیند کا شدید غلبہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ سارہ کی آنکھیں بھی بوجھل بوجھل سی تھیں۔

میں چلے گئے۔
"آؤ سارہ! اب ہم بھی سو جائیں!" میں نے سارہ کا ہاتھ پکڑ کر خمار آلود لہجے میں کہا۔
"کیا ہم ایک ساتھ اور ایک ہی کمرے میں سو سکیں گے؟" سارہ مسکرا کر معنی خیز لہجے میں بولی۔
میں اُس کی بات کا مطلب سمجھ کر ہنس دی، پھر بولی۔ "اچھا ٹھیک ہے تم اپنے کمرے میں سو جاؤ۔"
سارہ مجھے میرے کمرے کے دروازے پر چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ اُس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ بھلا اُس کی موجودگی میں مجھے نیند کیسے آسکتی تھی؟ محبوب پہلو میں ہو تو پھر نیند کیسی! میں اتنی بد ذوق تو بہرحال نہیں تھی کہ سو جاتی۔
میں نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کیا اور مسہری پر دراز ہو گئی، پھر مجھے نہیں معلوم کہ میں کب سو گئی۔ آنکھ اُس وقت کھلی جب دروازے پر کوئی دستک دے رہا تھا۔
دستک دینے والا مہنتی تھا۔ وہ دوپہر کے کھانے کا بندوبست کر کے آیا تھا۔
"کیا سارہ اب تک سو رہی ہے؟" میں نے اُس سے پوچھا۔
"نہیں وہ بیدار ہو چکی ہے اور غسل کرنے گئی ہے۔" مہنتی نے بتایا، پھر بولا۔ "آپ بھی نہا لیں، تھکن اُتر جائے گی۔"
"ہاں ضرور!" میں نے کہا۔
"غسل خانے اُدھر بنے ہوئے ہیں۔" مہنتی نے ایک جانب انگلی اُٹھائی۔ "آپ غسل سے فارغ ہو کر کھانے کے کمرے میں آ جائیے گا۔" مہنتی یہ کہہ کر لوٹ گیا۔
کچھ دیر بعد ہی میں غسل کر کے اُس کمرے میں پہنچ گئی جہاں گزشتہ شب کھانا کھایا تھا۔ کمرے میں سارہ کے علاوہ تنگ چی بھی تھی۔ سارہ بڑی نکھری نکھری اور حسین لگ رہی تھی۔ شب وصال نے اُس کے جمال کی دوشیزگی کو کچھ اور نکھار دیا تھا۔
کھانے کے دوران میں مجھے ایک خیال آیا اور میں نے مہنتی سے سوال کیا۔ "کیا چن ژی کو دلائی لامہ کی آمد کے بارے میں پورا علم ہے کہ وہ کب آ رہے ہیں؟"
"اچھی طرح!" مہنتی نے جواب دیا۔
میں چونک پڑی اور بولی۔ "مہنتی! تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی تھی؟ یہ تو انتہائی خطرناک بات ہے۔ ہمیں فوری طور پر دلائی لامہ کی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہیے۔"
"کیوں؟" اُس نے پوچھا۔
"میرا خیال ہے کہ یہاں چام ڈو میں چن ژی تنہا نہیں ہے۔ اُس کے کچھ اور ہم وطن بھی اُس کے ساتھ ہیں۔ دوران ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ یہ چن ژی اور اُس کے ساتھیوں نے چینی فوج کی وردیاں پہن کر دلائی لامہ اور ۔۔۔

اُن کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور ۔۔۔
کیا تبت میں چینی حکومت کے خلاف ۔۔۔ گی؟ کیا وہ آگ نہیں بھڑک اُٹھے گی جس کا ۔۔۔ تھا؟" میری آواز شدتِ جذبات سے ۔۔۔
مہنتی اور سارہ دونوں نے میری ۔۔۔ کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اُس نے ۔۔۔ دن مجھے دوست بن کر دھوکا دیتا رہا۔ ۔۔۔ کو کوئی گزند پہنچا تو میں چن ژی کا خون ۔۔۔
ابھی ہم دلائی لامہ کی حفاظت کے ۔۔۔ نہ کر سکے تھے کہ رضوان کمرے کے دروازے ۔۔۔ ہمراہ مہنتی کا ایک مسلح ساتھی تھا جس نے ۔۔۔ کی رہنمائی کی تھی۔
میں نے رضوان کے چہرے پر غور ۔۔۔ پہنچ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا تو میں نے ۔۔۔ لوٹ آئے؟" میں نے پوچھا۔
"ایک بُری خبر ہے!" اُس نے ۔۔۔
"میرے خیال میں چانگ شاید غدار ہے۔"
"مگر کیسے؟ آخر ہوا کیا؟ تفصیل تو ۔۔۔"
"ابھی کچھ دیر پہلے جب ہم سب کو ۔۔۔ ایک تبتی باشندہ چانگ سے ملنے آیا تھا ۔۔۔ باتیں کیں یہ تو میں نہ سمجھ سکا لیکن جب ۔۔۔ اُس کے ساتھی اپنی فوجی وردیاں نکال کر ۔۔۔ نے اُنھیں ایسا کرنے سے باز رکھنا چاہا ۔۔۔ کو اپنے ہمراہ لے کر چلا گیا۔ میں تنہا رہ گیا ۔۔۔ سلسلے میں یہاں آ گیا۔ یوں بھی مجھے اب ۔۔۔ شاید غلط نہیں کہ چانگ غدار ہے۔" ۔۔۔
تفصیل سُن کر میں لرز اُٹھی۔ میں نے کچھ ۔۔۔ سا تھا۔
"تمھارا خیال قطعی درست ہے۔" ۔۔۔ رضوان کی تائید میں کہا، پھر کسے بھی ا۔۔۔ آگاہ کر دیا۔
میں نے اس سلسلے میں مہنتی ا۔۔۔
"میرا خیال ہے کہ چن ژی کا ارادہ ۔۔۔ فوجیوں کی وردی سے فائدہ اُٹھانا ۔۔۔
چینی فوجیوں کی وردیوں میں ملبوس ہو ۔۔۔ گے اور اس طرح یہ ظاہر ہو گا کہ وہ حملہ ۔۔۔ ن کے بعد یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ۔۔۔

۔۔۔ حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں۔" مہنتی نے کہا۔ "البتہ محترم ۔۔۔ لت میرا فرض ہے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوں ۔۔۔ م دلائی لامہ کو تبت آنے کی دعوت دی تھی۔"
۔۔۔ کچھ کرنا چاہیے۔" سارہ نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔
۔۔۔ لامہ کی پارٹی کو اس متوقع حملے سے باخبر کرنے کے لیے ۔۔۔ ڈار سوار کو روانہ کر دو!" میں نے مہنتی کو مشورہ دیا۔ "اس ۔۔۔ چن ژی اور غدار چانگ کی تلاش میں روانہ ہو جانا چاہیے۔"
۔۔۔ ہے۔" مہنتی یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ "میں روانگی کے ۔۔۔ ا ہوں۔"
۔۔۔ مہنتی ایک تیز رفتار پارٹی کو دلائی لامہ کے استقبال ۔۔۔ انہ کر چکا تھا۔ اُس پارٹی کو پوری صورتِ حال سے آگاہ ۔۔۔ دلائی لامہ کی پارٹی کو خطرے سے آگاہ کر دے۔ اُس کے ۔۔۔ اسلحہ سے لیس مہنتی کی سربراہی میں روانہ ہوئی۔ اُس ۔۔۔ اور رضوان کے علاوہ تنگ چی بھی تھی۔ وہ بھلا کیسے وہاں ۔۔۔ چن ژی سے ٹکراؤ ہونے کی سو فیصد توقع تھی! مہنتی نے ۔۔۔ چلنے پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ سارہ بھی ہمارے ساتھ تھی۔
۔۔۔ اں گھوڑوں پر سوار تیز رفتاری کے ساتھ اُس سڑک پر ۔۔۔ جا رہے تھے جو چام ڈو سے لداخ کی طرف جاتی تھی۔ مہنتی ۔۔۔ دلائی لامہ بھارت سے لداخ، اور پھر لداخ سے چام ڈو ۔۔۔
۔۔۔ مہنتی کے مطابق چن ژی کو بھی اُسی راستے سے دلائی لامہ کی ۔۔۔ تھا۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ ہم چن ژی کو دلائی لامہ تک پہنچنے ۔۔۔ لیں۔ اگر چن ژی اپنی کوشش اور ناپاک ارادوں میں ۔۔۔ تو اس بات کے قوی امکانات تھے کہ دلائی لامہ اور اُس ۔۔۔ میں مارے جاتے۔
۔۔۔ ہم سے کافی پہلے روانہ ہوا تھا اس لیے مجھے اُمید نہیں تھی ۔۔۔ لامہ پر حملہ کرنے سے روکا جا سکے گا۔ صرف اُس تیز ۔۔۔ اُمید بندھتی تھی جو ہم سے پہلے مہنتی نے روانہ کی تھی۔ ۔۔۔ سے پہلے دلائی لامہ تک پہنچ سکے۔ وہ پارٹی صرف ۔۔۔ افراد کو اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا کہ اگر راستے میں اُنھیں ۔۔۔ کے ساتھی ملیں تو وہ چن ژی سے اُلجھے بغیر آگے بڑھ جائیں۔
۔۔۔ تیز رفتاری سے جاری تھا۔ میرے گھوڑے کے ساتھ ساتھ ۔۔۔ گھوڑا اور دوسری جانب تنگ چی کا گھوڑا تھا۔ رضوان ۔۔۔ ہمارے پیچھے تھے۔ تنگ چی پوری طرح چوکنا اور محتاط ۔۔۔ رہنا چاہتی تھی تاکہ اگر چن ژی سے ٹکراؤ ہو تو وہ ۔۔۔
۔۔۔ ہی تھا کہ ہمیں بہت دور سے دھماکوں کی گونج سنائی

دی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ دھماکے سیکڑوں دور ہوئے تھے۔
"ہمیں دیر ہو گئی۔" مہنتی نے مضطرب ہو کر کہا۔
"ہو سکتا ہے۔" میں بولی اور اپنے گھوڑے کو کچھ اور تیز دوڑانے لگی۔
ہم بہت جلد اپنے گھوڑے دوڑاتے اُس جگہ پہنچ گئے جہاں دلائی لامہ اور چن ژی کی پارٹیوں میں جھڑپ ہوئی تھی۔ وہاں ہر طرف خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔
ہم سب گھوڑوں سے جست لگا کر نیچے کودے۔ ہمیں کئی لاشیں نظر آئیں۔ لاشوں کے علاوہ تین چار افراد ایسے بھی تھے جو شدید زخمی تھے۔ اُنھی زخمیوں میں سے ایک اُس تیز رفتار پارٹی کا فرد بھی تھا جسے مہنتی نے پہلے روانہ کیا تھا۔ اُس کی دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں۔
میں اور مہنتی گھٹنوں کے بل اُس زخمی کے قریب بیٹھ گئے۔
"کیا تم لوگ محترم دلائی لامہ کو خطرے سے آگاہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے؟" مہنتی نے اُس شخص سے سوال کیا۔
اُس شخص نے کراہتے ہوئے جواب میں سر ہلایا، پھر بولا۔ "ہم نے آپ کی ہدایت کے مطابق اُن سے اُلجھنے کی کوشش نہیں کی تھی مگر اُنھوں نے خود ہی ہم پر فائرنگ کر دی تھی۔ میرے دو تین ساتھی مارے گئے مگر میں بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور میں نے محترم دلائی لامہ کو متوقع خطرے سے باخبر کر دیا۔" یہ کہہ کر وہ پھر کراہنے لگا۔
"محترم دلائی لامہ کہاں گئے؟" مہنتی نے بے چینی سے سوال کیا۔ جواب میں اُس شخص نے رُک رُک کر اور کراہتے ہوئے تمام واقعات بیان کر دیے۔
ہمارا یہ خیال کہ دلائی لامہ بے خبری کے عالم میں نہ مارا جائے محض خدشہ ثابت ہوا تھا۔ اُس شخص سے بروقت خطرے کی اطلاع پا کر دلائی لامہ اور اُس کے ساتھی ممکنہ خطرے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ جب اُن پر حملہ کیا گیا تو اسی لیے اُنھوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ منظم فوجی حملے کے سامنے دلائی لامہ اور اُس کے ساتھی زیادہ دیر نہ ٹِک سکے تھے۔ اُس زخمی شخص نے بتایا کہ دلائی لامہ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو چکا ہے مگر چن ژی اور اُس کے ساتھی دلائی لامہ کے تعاقب میں گئے ہیں۔ اُس کے بعد زخمی شخص نے مزید تفصیلات بتائیں۔ اُس نے وہ سمت بھی بتائی تھی جدھر دلائی لامہ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ فرار ہوا تھا۔ اُس شخص نے ایک اور اہم بات بتائی کہ دلائی لامہ، چن ژی یا اُس کے ساتھیوں میں سے کسی کو اتنی مہلت نہیں مل پائی تھی کہ وہ گھوڑوں پر بیٹھ کر فرار ہو سکتے۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ وہ زیادہ دُور نہیں گئے ہوں ۔۔۔
جو افراد زندہ بچ گئے تھے اور شدید زخمی حالت میں تھے اُنھیں اُسی حالت میں وہاں پڑا ہوا چھوڑ دینا غیر انسانی فعل تھا۔ اِس لیے اُنھیں طبی امداد پہنچانا ضروری تھا۔ جلدی جلدی جس قدر ممکن ہو ۔۔۔ اُنھیں فرسٹ ایڈ دی گئی، اور پھر ہم گھوڑوں پر سوار ہونے لگے۔

معاً میں [illegible] تنگ چی [illegible] نہ جانے کب وہاں سے روانہ ہوگئی تھی۔ میں سمجھ گئی کہ وہ کہاں اور کدھر گئی ہوگی!

ہمارے گھوڑے تیز رفتاری سے اُس سمت روانہ ہوگئے جس کی نشاندہی زخمی شخص نے کی تھی۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اُس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا کہ کسی بھی طرح دلائی لامہ کی زندگی بچانا ہے۔

کچھ سفر طے کرتے ہی اچانک ہمیں گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ ایک ساتھ کئی راؤنڈ چلے تھے۔

"یہ کیا ہوا؟" رضوان نے مجھ سے کہا۔ "مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے دو گروہ آپس میں بھڑ گئے ہوں۔"

میں نے رضوان کے خیال کی تائید میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ مجھے اُس کے خیال سے اتفاق تھا مگر اس کے ساتھ ہی مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ دونوں گروہ ہم پلہ ہیں جبکہ ایک جانب صرف دو افراد کو ہونا چاہیے تھا۔ گولیاں چلنے کی آوازیں برابر سنائی دے رہی تھیں۔

ہم بہت جلد اُس جگہ پہنچ گئے جہاں اندازے کے مطابق معرکہ کارزار گرم ہو رہا ہوگا۔

ایک گروہ مغلوب ہو چکا تھا مگر وہ منظر بھی عجیب تھا۔

دلائی لامہ سفید لمبی کھال اوڑھے ہمیں دور ہی سے نظر آ گیا۔ وہ ایک مسطح جگہ پر کھڑا تھا۔ اُس کے سامنے تین چینی فوجی سینہ سپر تھے۔ تینوں فوجیوں کے ہاتھوں میں ہتھیار نہیں تھے۔ اُنہی فوجیوں کے قریب تنگ چی اپنے بچے کو سینے سے چپٹائے کھڑی ہوئی تھی۔ وہ لال کتاب کھولے، بلند آواز میں عظیم ماؤزے تنگ کے اقوال پڑھ رہی تھی۔

سامنے نسبتاً ایک اونچی جگہ پر چن ژی اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ رائفل تانے ہوئے کھڑا تھا۔ اُس کے قریب ہی چند لاشیں پڑی تھیں جن میں مجھے جانگ کا چہرہ بھی نظر آیا تھا۔

"ہٹ جاؤ سامنے سے ورنہ میں سب کو بھون کر رکھ دوں گا۔" چن ژی نے چیخ کر کہا۔

جواب میں چینی فوجیوں نے تنگ چی کی آواز میں آواز ملا کر زور زور سے ماؤزے تنگ کے اقوال دہرانے شروع کر دیے۔

چن ژی نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا، پھر خود بھی نشانہ لینے لگا لیکن اسی دوران میں، مہتنی، رضوان اور میں اپنی رائفلیں اُس کی طرف سیدھی کر چکے تھے۔

پہلا فائر مہتنی نے کیا اور چن ژی کا ایک ساتھی ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے چن ژی پر گولی چلائی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میرا نشانہ خطا نہیں گیا ہوگا مگر میں نے دیکھا کہ چن ژی ایک دم اُچھلا۔ اُچھلتے ہوئے ہی اُس نے میری طرف مڑ کر دیکھا تھا۔ اِس سے پہلے کہ دوبارہ اُس کے

پڑوس [illegible] میں نے دو [illegible] کی غلطی ہوگئی تھی ورنہ میری چلائی ہوئی گولی اس [illegible] سینے میں لگتی۔ میں نے اُسے چیخ کر گرتے دیکھا تھا گولی چلانے سے پہلے وہ اُس چھوٹے سے ٹیلے [illegible] چلا گیا تھا۔ اسی دوران میں رضوان کی چلائی ہوئی گو[illegible] دوسرے ساتھی کو بھی ڈھیر کر دیا تھا۔

وہ چھوٹا سا ٹیلہ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا [illegible] ہی میں نے تڑپ کر اپنے گھوڑے سے چھلانگ [illegible] جانب دوڑنے لگی تھی۔

دوڑتے ہوئے ہی میں نے دیکھا تھا کہ تنگ [illegible] تھی۔ میں ٹیلے کی بائیں جانب سے اور تنگ چی دائیں [illegible] دوسری طرف پہنچے تھے مگر وہاں چن ژی نہیں تھا [illegible] ساخون بہتا ہوا ضرور دکھائی دیا تھا۔ اُس خون کے [illegible] تپلی سی خون کی لکیر ایک سمت چلی گئی تھی۔

"آپ کی چلائی ہوئی گولیوں نے یقیناً [illegible] تنگ چی نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ شدید [illegible] زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ آپ یہ خون کی لکیر [illegible] نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"ہاں میں پہلے ہی دیکھ چکی ہوں۔" میں [illegible] خیال ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر میں نے اِرد گرد نظ[illegible] وہاں کچھ کچھ فاصلے سے چھوٹے چھوٹے [illegible] کی لکیر اُنہی ٹیلوں میں سے ایک کی طرف گئی تھی [illegible] کچھ خیال آیا۔

"تنگ چی! یہ نہ بھولنا کہ وہ مسلح ہے [illegible] سے خون کی لکیر کے متوازی آگے بڑھی۔

میں اُس ٹیلے کے قریب پہنچ کر رُک گ[illegible] ٹیلے کی دوسری جانب چلی گئی تھی لیکن تنگ چی [illegible]

"تنگ چی!" میں نے اُسے آواز دی [illegible] دیکھا اور میری نگاہ سے اوجھل ہو گئی۔ اب [illegible] طرح مناسب نہیں تھا۔ میں بھی تیزی سے اُس

ٹیلے کی دوسری جانب پہنچتے ہی میں [illegible] پڑا تھا اور اُس کے جسم سے خون بہہ رہا [illegible] اُس کی رائفل قریب ہی پڑی ہوئی تھی۔

تنگ چی تیزی سے دوڑتی ہوئی [illegible] اُس نے رائفل ایک طرف پھینک کر لپٹ [illegible] اُس کے بعد میں نے لباس ہی سے [illegible] دیکھا۔ میں بھی اسی دوران میں اُس کے قریب

[illegible] کی بائیں ہنسلی کے قریب سے خون بہہ رہا تھا۔ یقیناً [illegible] پہلی گولی کا نتیجہ تھا۔

[illegible] ایک ہاتھ میں خنجر تھامے اور دوسرے میں شیشی لیے [illegible] اُس نے چن ژی کی گردن پر خنجر کی نوک رکھ دی۔

"[illegible] زہر ہے جو تو نے میرے شوہر کو پلایا تھا اور آج تجھے بھی یہ زہر پینا پڑے گا۔" تنگ چی کی آواز سنائی دی۔

[illegible] تماشائی بنی سب کچھ اطمینان سے دیکھ رہی تھی کیونکہ [illegible] چن ژی سے انتقام لینے کا پورا موقع دینا چاہتی تھی۔ میں [illegible] ہوئی چن ژی کی رائفل اُٹھانے جھکی۔

[illegible] کی بات کے جواب میں چن ژی کا بھیانک اور کریہہ قہقہہ [illegible] رائفل اُٹھانے کی بجائے اُس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ میری [illegible] کے چہرے پر جم گئی اور میں چونک پڑی۔ اُس کے چہرے پر [illegible] کا اُبھار نظر آ رہا تھا اور اُس کی آنکھیں گہری سُرخ ہو رہی [illegible] میں وہ منظر گھوم گیا جب میں اور رضوان زہر کا شکار [illegible] میں نکلے تھے۔ میں نے رضوان کے چہرے پر بھی ایسے [illegible] تھے لیکن وہ دانے ذرا بڑے تھے۔ شاید اس کا سبب یہ [illegible] کافی دیر ہو چکی تھی اور اس دوران میں دانے بڑے ہو

[illegible] پینا پڑے گا چن ژی، پینا پڑے گا!" تنگ چی کی بھری [illegible] مجھے دوبارہ چونکا دیا۔

"[illegible] بیکار کوشش مت کرو!" میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ [illegible]

[illegible] نے مجھے پلٹ کر دیکھا۔ اُس کی آنکھوں سے بیک وقت [illegible] کا اظہار ہو رہا تھا۔

"[illegible] آخر کیوں؟" تنگ چی نے فریادی لہجے میں کہا۔

"[illegible] یہ خود زہر کھا چکا ہے۔ کیا تمہیں اِس کے چہرے پر [illegible] اُبھار نظر نہیں آ رہے! یاد کرو اپنے شوہر کا چہرہ یاد [illegible] کے چہرے پر بھی مرتے وقت ایسے ہی دانے نہیں تھے؟"

[illegible] بات سن کر تنگ چی کو شاید اتنا شدید ذہنی جھٹکا لگا کہ وہ [illegible]

"[illegible] بانو نہیں! میں... میں اِسے اِس طرح نہیں مرنے [illegible] تقریباً چیخ کر کہا، پھر اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی زہر [illegible] اپنے لباس کی جیب سے ایک اور شیشی نکالتے ہوئے [illegible] میں اب اِسے تریاق پینے پر مجبور کر دوں گی۔"

[illegible] قہقہہ پھر بلند ہوا، پھر اُس کی تیز آواز سنائی دی۔ [illegible] تریاق پینے پر بھی مجبور نہیں کر سکتی، کبھی نہیں! میں [illegible] ہوں اور یہ فیصلہ کوئی نہیں بدل سکتا۔"

جواب میں تنگ چی پھر اُس پر جھپٹی اور اسی وقت میری نظر [illegible] چن ژی کی رائفل پر پڑی۔ میرے ذہن میں ایک سوال اُبھرا۔ اگر چن ژی کو خودکشی ہی کرنی تھی تو اُس نے زہر کھا کر اور تڑپ تڑپ کر مرنا کیوں قبول کیا؟ کیا وہ خودکشی کے لیے رائفل استعمال نہیں کر سکتا تھا؟ اِس خیال کے ذہن میں آتے ہی میں نے جھک کر رائفل اُٹھائی، پھر دوسرے ہی لمحے مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا۔ رائفل خالی تھی۔

"پی، تریاق پی!" میں نے تنگ چی کی مجنونانہ آواز سنی اور اُس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"نہیں، نہیں پیوں گا، ہرگز نہیں! تو چن ژی کو مجبور نہیں کر سکتی اور...."

چن ژی کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ میں نے دیکھا کہ خنجر کی نوک کا کچھ حصہ اُس کی گردن میں اُتر گیا ہے اور گردن سے بھی خون بہنے لگا ہے۔ تنگ چی اُس کے سینے پر چڑھی بیٹھی تھی۔

"تمہاری کوشش فضول ہے تنگ چی!" مجھے آخرکار بولنا ہی پڑا۔ "جو خود زہر کھا چکا تھا وہ بھلا تریاق کیوں پیتا! چن ژی نے اپنی زندگی سے مایوس ہو کر ہی تو زہر کھایا ہوگا۔ وہ یقیناً سمجھ چکا ہوگا کہ اب وہ نہیں بچ سکتا۔" تنگ چی میری بات سننے کے باوجود چن ژی سے تریاق پینے کے لیے ضد کیے جا رہی تھی۔

تنگ چی اُس کے سینے پر سے نہ اُٹھی تو میں نے اُسے دوبارہ مخاطب کیا۔ "تنگ چی! تمہارا مقصد یہی تو تھا کہ یہ زہر پی لے اور سسک سسک کر مرے تو اِسے مرنے دو۔ جب اِس نے خود ہی زہر کھایا ہے تو پھر یہ تریاق نہیں پیے گا۔"

تنگ چی نے اِس بار میری بات پر توجہ دی، پھر میری طرف مڑ کر دیکھا اور میں نے اُس کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو دیکھے۔ میں اُس کا دُکھ سمجھ گئی۔ اُسے رنج تھا کہ وہ اپنے شوہر کا انتقام نہ لے سکی تھی۔ وہ خود چن ژی کو زہر کھلا کر تریاق کے لیے گڑگڑاتا ہوا نہ دیکھ سکی تھی۔ اُس کا خواب [illegible] نہ ہو سکا لیکن اگر وہ چن ژی جیسی فطرت رکھنے والے افراد کی نفسیات سے آگاہ ہوتی تو کبھی یہ خواب نہ دیکھتی۔

"تو... تو یہ تریاق نہیں پیے گا بانو؟" تنگ چی نے عجیب سے لہجے میں کہا اور اُسی وقت چن ژی کا قہقہہ بلند ہوا۔

"نہیں!" میں نے چن ژی کے قہقہے کو نظرانداز کرتے ہوئے تنگ چی کی بات کا جواب دیا۔ "تم اِسے سسک سسک کر مرنے دو!"

"یعنی اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اِس نے جس طرح مرنا چاہا مر گیا۔" تنگ چی نے کہا۔

"ہاں تنگ چی! تم اب اِسے مزید جینے پر مجبور نہیں کر سکتیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر یوں ہے تو پھر میں اِسے اِس کی مرضی سے نہیں مرنے دوں گی۔" تنگ چی بولی اور پھر اُس کا وہ ہاتھ بلند ہوا جس میں خنجر تھا۔

مجھے یوں لگا جیسے کرچی پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا ہو۔ وہ چن ژی کے جسم پر خنجر سے پے در پے وار کیے جا رہی تھی۔ تنگ چی نے خنجر بھونک بھونک کر چن ژی کا سینہ چھلنی کر دیا۔

چن ژی نہ جانے کب کا جہنم رسید ہو چکا تھا لیکن تنگ چی اس کے جسم کو چھیدے جا رہی تھی۔

میں نے جھک کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولی "تنگ چی بس کرو! تمھارا دشمن مر چکا ہے۔"

جب میں نے دو تین بار یہی جملہ دہرایا تو تنگ چی چن ژی کی لاش چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر اس نے چن ژی کی لاش پر نفرت اور حقارت سے تھوک دیا۔

ہم نے چن ژی کی لاش کو وہیں پڑا رہنے دیا اور واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ ہم جیسے ہی ٹیلے کی آڑ سے نکل کر دوسری جانب پہنچے، میری نظر رضوان پر پڑی۔ وہ اسی طرف آ رہا تھا۔

جب میں اور تنگ چی کافی دیر تک لوٹ کر نہیں آئے تھے تو رضوان کو ہماری طرف سے فکر لاحق ہو گئی تھی اور وہ ہماری تلاش میں چل دیا تھا۔

میں، تنگ چی اور رضوان کے ہمراہ اس جگہ لوٹ کر گئی جہاں دلائی لامہ اور دوسرے افراد موجود تھے۔ دلائی لامہ کے ارد گرد تمام افراد جمع تھے اور وہ ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔

میں منتی کے قریب پہنچ کر گئی تو دلائی لامہ کچھ کہتے کہتے رک گیا اور اسی وقت منتی نے ایک عجیب انکشاف کیا۔ وہ اپنے قریب مجھے دیکھتے ہی بولا "یہ بانو! یہ محترم دلائی لامہ نہیں ہیں بلکہ ان کے ایک قریبی ساتھی ہیں۔"

سفید کھال والے بوڑھے ہوئے جو شخص کھڑا تھا اس نے مجھے غور سے دیکھا پھر بڑے شفقت آمیز لہجے میں بولا "محترم دلائی لامہ بہت زیرک اور معاملہ فہم آدمی ہیں۔ ان کا دل تبت لوٹ آنے کے لیے بیتاب ہے مگر ان کا خیال ہے کہ ابھی مناسب وقت نہیں آیا۔ یہاں سے بہت تقاضوں اور اصرار ... تبت آنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ جب پہلے دہلی پہنچے تو وہاں سے روانہ ہونے کے لیے تیار ہوئے مگر عین وقت پر محترم دلائی لامہ نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ میں نے اصرار کیا تو انھوں نے کہا کہ پہلے میں تبت جا کر حالات کا جائزہ لوں پھر میرے اطمینان کر لینے کے بعد وہ خود بھی تبت پہنچ جائیں گے۔ اب یہاں آکر احساس ہو رہا ہے کہ انھوں نے غلط نہیں سوچا تھا۔ ابھی ان کی تبت واپسی مناسب نہیں۔"

"واقعی دلائی لامہ فہیم آدمی ہیں۔" میں نے بوڑھے لامہ کی تائید کی۔

کچھ دیر بعد ہی ہمارا قافلہ چام ڈیو کی جانب روانہ ہو گیا۔ راستے میں مجھے یہ بھی پتا چل گیا کہ چینی فوجی اچانک چن ژی کے خلاف کیوں ہو گئے تھے! واقعہ یہ تھا کہ جب چینی فوجیوں نے بوڑھے لامہ، اس کے ساتھی اور تنگ چی کو گھیرے میں لے لیا تھا تو تنگ چی نے بڑے جوشیلے انداز میں عظیم ماؤزے تنگ کے اقوال دہرانے شروع کر دیے تھے۔ اس وقت چن ژی غصے میں ماؤزے تنگ کو برا بھلا کہنے لگا تھا۔ یہ بات چینی فوجی برداشت نہ کر سکے تھے۔ انھوں نے اچانک چن ... کا ارادہ کیا تو چن ژی نے انھی پر گولیاں چلا دیں۔ ... چھوڑ کر باقی تمام چینی فوجی چن ژی کے مقابلے ... چن ژی کے اپنے ساتھی اس کے ساتھ رہ ... کے گروہ بن گئے لیکن پہل کیونکہ چن ژی کی طرف ... چینی فوجی فوری طور پر بکھر کر پڑ گئے۔ جب انھوں ... دیر چن ژی اور اس کے ساتھیوں کا مقابلہ کر سکے، ... بوڑھے لامہ کو دلائی لامہ سمجھتے ہوئے اس پر اپنی ... کے لیے خود کو ڈھال بنا لیا۔ مقابلے میں ان کا اہل ... لیے انھوں نے اپنی رائفلیں بھی پھینک دی تھیں ... گویا زندگی کے آخری لمحوں میں عظیم ماؤزے تنگ ...

بوڑھے لامہ کو منتی کے گھر میں ٹھہرا دیا گیا ... کے ہمراہ وہیں پہنچی تھی۔ ابھی ہمیں وہاں پہنچے ... منتی کا ایک آدمی تقریباً دوڑتا ہوا اس کمرے میں داخل ہوا ... تمام افراد بھی موجود تھے۔ وہ سیدھا میری طرف آ ... نگاہ سے دیکھا۔

"شہزادہ تو شو فوراً آپ سے ملنا چاہ... خبر کرایا ہے کہ لہاسہ سے آپ کا ایک اہم پیغا... کے آدمی نے بتایا۔

میں نے فوراً منتی اور سارہ سے اجازت لی ... کو بھی ساتھ لے کر کمرے سے نکل گئی۔

عمارت کے باہر شہزادہ تو شو کا مصا... بگ تھامے کھڑا تھا۔ وہ مجھے اور رضوان کو ... گھوڑے پر بیٹھ کر چلی جائیں۔ میں پیدل آجا...

میں نے فوراً اس کی پیشکش قبول ... گئی۔ رضوان میرے ساتھ ہی پیچھے بیٹھ گیا ... یقیناً وہ کسی اہم نوعیت ہی کا تھا ... تو شو نے مجھے فوراً بلوایا تھا۔

محل کے دروازے ہی پر شہزادہ ... اپنا منتظر ملا۔ وہ مجھے اور رضوان کو ... شہزادہ تو شو کی نشست گاہ میں ... کے ہاتھ میں ایک بند لفافہ تھا۔

"محترم پنچن لامہ کا ایک خاص ... قبل یہاں پہنچا ہے۔" شہزادہ تو شو نے ... میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ "مجھے ... ایک خط بھجوایا ہے۔ اس خط میں اطلا... خود اپنے ہاتھ سے تمھیں پہنچا دوں ... انھوں نے اس پیغام کے بارے میں بتا...

... بیجنگ سے موصول ہوا ہے۔"

... لفافہ لے کر کھول لیا اور پیغام پڑھتے ہی میری آنکھوں ... تلے اندھیرا چھا گیا۔ پیغام بہت مختصر اور انگریزی زبان میں تھا ... جو چینی حکومت کی مہمان تھیں ہم کے ایک ... ہو کر انتقال کر گئیں۔

... نہیں ہو سکتا!" میں نے بے خیالی کے عالم میں کہا ... ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

... نے جھک کر وہ پیغام اٹھایا، پڑھا، اور پھر جیسے اس پر ... ہو گیا۔

*

... کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق وہ ہولناک پیغام ... سے لہاسہ لا ... بھیجا گیا تھا۔ اس کا واضح مطلب یہ ... میں چینی حکومت کا ایما شامل تھا۔ وہ پیغام بغیر چینی حکومت ... بھیجا جانا ممکن ہی نہیں تھا۔ بیجنگ سے ٹرانسمیٹر پر پیغام ... کرنے کے مجاز صرف اعلیٰ چینی حکام ہی تھے۔ یہ ... علم میں تھیں اس لیے یہ امکان ہی نہیں تھا کہ وہ پیغام ... ہو یا غلط ہو۔

... رضیہ کا چہرہ گھوم گیا۔ کیا وہ اتنی ہی آسانی سے ...! میرے ذہن میں معاً ایک سوال گونجا۔ نہیں! میرے ... نے جواب دیا۔ رضیہ میرا ہی تو دوسرا نام ہے، وہ میری ... یوں قتل کیا جانا ممکن نہیں!

... رضوان کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک بے حس و حرکت اپنی ... میں نے اسے مخاطب کیا "رضوان!" وہ چونک پڑا۔

... مجھے یقین نہیں آتا کہ رضیہ کو کوئی حادثہ پیش آچکا ہے ... اچانک حادثے کی صورت میں متعلقین کے یہی ... رضوان کی آواز جیسے کہیں بہت دور سے سنائی ... کے سے عالم میں بولا تھا۔

... بات نہیں بلکہ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ رضیہ ... جھک بولی لو، میں نے جو کچھ کہا وہ غلط نہیں ... دیتی تھی۔

... ٹھیک ہے مگر بانو..." رضوان کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ ... گواہی دے رہا ہے رضوان تو پھر گھبرانے کی کوئی ... اچھی طرح جانتے ہو اور میں بھی! وہ اتنا آسان ... ہے کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گئی ہو اور ... حالات پیدا ہو گئی ہوں کہ اسے مردہ تصور کر لیا

گیا ہو۔"

میں نے اپنی بات کا ردِعمل رضوان کے چہرے پر تلاش کیا تو مجھے یہ دیکھ کر خوشی سی ہوئی کہ اس کے چہرے کی اُڑی ہوئی رنگت واپس آتی جا رہی تھی۔ شاید اس کے دل میں رضیہ کو زندہ پانے کی موہوم سی امید پیدا ہو گئی تھی۔

"پھر۔ پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے بانو؟" وہ بولا لیکن اس کی آواز میں اب تک اُداسی کا تاثر برقرار تھا۔

"ہمیں یہاں سے فوری طور پر لہاسہ پہنچنے کی تیاری کرنی چاہیے تاکہ ہم جلد سے جلد وہاں سے بیجنگ پہنچنے کا بندوبست کر سکیں۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

میں اور رضوان کیونکہ اردو میں گفتگو کر رہے تھے اس لیے شہزادہ تو شو میرے اور رضوان کے درمیان ہونے والی باتیں سمجھنے سے قاصر تھا لیکن اس کے چہرے سے یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ ہمیں پریشان دیکھ کر وہ بھی فکرمند ہو گیا تھا۔ پیغام میں کیا لکھا تھا اس سے ظاہر ہے کہ وہ بے خبر تھا۔ اس نے کافی دیر صبر کا مظاہرہ کیا کیونکہ وہ ایک شائستہ اور مہذب شخص تھا لیکن جب میں نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تو اس نے حقیقتِ حال پوچھ ہی لی۔

میں نے اسے مختصراً رضیہ کے بارے میں بتا دیا۔

"یہ تو بڑی تشویشناک اور..." شہزادہ تو شو ایک دم اتنی بڑی خبر سن کر غالباً اظہارِ افسوس کے لیے الفاظ کا انتخاب نہ کر پایا اسی لیے اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔

"مجھے اس اطلاع پر یقین نہیں ہے یور ایکسیلینسی!" میں اسے فکرمند دیکھ کر بولی "لیکن کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی ہے۔ مجھے فوراً بیجنگ پہنچنا ہوگا۔"

"لیکن تمھیں اس کے لیے لہاسہ جانا ہوگا۔ وہیں سے بیجنگ جانے کا انتظام ممکن ہے۔" شہزادہ تو شو نے کہا۔

"جی ہاں!" میں نے تائید کی۔ "اس لیے آپ فوری طور پر ہماری یہاں سے روانگی کا بندوبست کر دیں تو بہت بہتر ہوگا۔"

"دل تو نہیں چاہتا کہ تمھیں یوں اچانک رخصت کر دیا جائے۔ ابھی تو میں ٹھیک طرح میزبانی کے فرائض بھی ادا نہیں کر پایا لیکن معاملہ ایسا ہے کہ میں تمھیں نہیں روک سکتا۔" شہزادہ تو شو بولا۔

"اگر آپ اپنے کسی آدمی کو بھیج کر منتی اور سارہ کو بھی یہیں بلوا لیں تو مزید عنایت ہوگی۔ میں تبت چھوڑنے سے پہلے ان سے بھی مل لینا چاہتی ہوں۔ مجھے شاید خود جا کر ان سے ملنے کا وقت نہ مل سکے۔ آپ ان سے صرف اتنا کہلوا دیں کہ میں چام ڈیو سے جا رہی ہوں۔ وہ مجھ سے فوراً

مل لیں۔" میں نے مؤدبانہ لہجے میں شہزادہ توشو سے کہا۔

"میں ابھی انھیں اطلاع کراتا ہوں اور بقیہ انتظامات بھی کرتا ہوں۔" شہزادہ توشو اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔

شہزادہ توشو چلا گیا اور اُس کے جاتے ہی رضوان فکرمند سے لہجے میں بولا "بانو! اگر یہ مان لیا جائے کہ رضیہ کے بارے میں ملنے والی اطلاع کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیکنگ میں کوئی ۔۔۔ کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ میرا ذہن یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ۔۔۔ یہ ہو سکتا ہے جس کے لیے رضیہ کو اپنی موت کا ۔۔۔ ڈرامہ رچانا پڑا!"

"یہاں بیٹھ کر کیا کہا جا سکتا ہے کہ رضیہ کو کیا حالات پیش آئے ہوں گے!" میں نے کہا۔ "یہ بھی کیا خبر کہ اُس نے ایسا خود کیا ہوگا یا اُسے ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا ہوگا!"

میں اور رضوان کافی دیر گفتگو کرتے رہے مگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ ہماری گفتگو جاری ہی تھی کہ شہزادہ توشو لوٹ آیا۔ اِس بار اُس کے ساتھ ادھیڑ عمر سیکرٹری بھی تھا۔

"بانو! کچھ دیر بعد ہی ایک گھڑ سوار پارٹی تیار ہو جائے گی جو تم لوگوں کے ساتھ لہاسہ تک جائے گی۔" شہزادہ توشو نے آتے ہی بتایا۔

"میرا خیال ہے ایکسیلینسی کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ صرف ہم دونوں کی روانگی کا انتظام کر دیں۔ زیادہ زحمت کی ضرورت نہیں۔" میں نے کہا۔

شہزادہ اور اُس کا سیکرٹری میرے قریب آ کر بیٹھ گئے، پھر شہزادہ توشو بولا "بانو! یہ زحمت نہیں ضرورت ہے۔ تم خود بھی لہاسہ سے یہاں تک سفر کر چکی ہو، تمھیں راستے کی دشواریوں کا بخوبی علم ہوگا۔ راستے میں رہزن بھی مل سکتے ہیں اور برفانی طوفان کا خطرہ بھی پیش آ سکتا ہے۔ میں ہرگز تم دونوں کو تنہا سفر کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔" شہزادہ توشو کے لہجے میں محبت آمیز حکم تھا اور وہ کچھ زیادہ غلط بھی نہیں کہہ رہا تھا۔

"مجھے بہر حال آپ کے حکم سے انکار کی مجال نہیں۔" میں نے اُس کی بات مان لی۔

"تم ایسا کرو کہ میرے اصطبل سے دو گھوڑے نکلوا دو!" شہزادہ توشو اپنے ادھیڑ عمر سیکرٹری سے مخاطب ہوا "اُنھی گھوڑوں میں سے جو میری سواری میں رہتے ہیں۔"

"یس سر!" ادھیڑ عمر سیکرٹری اٹھ کھڑا ہوا۔ غالباً شہزادہ توشو اُسے اِسی لیے ساتھ لایا تھا کہ کوئی بات بتانا بھول گیا ہو تو بتا سکے۔

ابھی سیکرٹری کمرے سے نکلا ہی تھا کہ شہزادہ توشو کا ایک اور خادم کمرے میں داخل ہوا۔ اُس نے منتی اور سارہ کے آنے کی اطلاع دی۔ منتی اور سارہ اُسی خادم کے ساتھ جس حالت میں تھے، اُسی حالت میں اٹھ کر چلے آئے تھے۔ اُن کے لیے یہ حال یہ اطلاع ۔۔۔ سے روانہ ہو رہی ہوں۔

"انھیں یہیں لے آؤ!" شہزادہ توشو نے خادم ۔۔۔ اُلٹے پاؤں ۔۔۔ گیا۔

خادم نے بتایا تھا کہ منتی اور سارہ کے ساتھ ۔۔۔ ظاہر ہے کہ وہ تنگ چی ہی ہو سکتی تھی اور کچھ دیر بعد ہی ۔۔۔ ہو گئی۔

سارہ اور منتی کے پیچھے پیچھے تنگ چی بھی کمرے ۔۔۔ دی۔ اُن سبھی کے چہروں سے حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"بانو! آخر ایک دم یہ کیا پروگرام بن گیا؟" کہاں ۔۔۔ نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"مجھے یہاں سے لہاسہ اور وہاں سے فوراً ۔۔۔ کر" میں نے اُسے تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔ میں نے ۔۔۔ استعمال کی تھی تاکہ منتی اور تنگ چی بھی ساری ۔۔۔!

میری بات سن کر وہ سبھی فکرمند نظر آنے لگے۔

"پھر تو واقعی آپ کی فوری روانگی ضروری ۔۔۔ کے سے انداز میں بولی۔

"ہاں!" میں نے کہا اور اثبات میں سر ہلایا۔ کمرے میں ایک بوجھل سی خاموشی طاری ہو گئی۔ ۔۔۔ کا دکھ تھا جو اُن کے چہروں پر نظر آ رہا تھا۔ پھر ۔۔۔ طرح طرح سے میری دلجوئی کرنے لگے۔ وہ بھی ۔۔۔ کر رہے تھے کہ رضیہ میرے خیال کے مطابق ۔۔۔ میں منتی نے تجویز پیش کی کہ اُن چینی سپاہیوں ۔۔۔ جائے جو لہاسہ سے آئے تھے۔ میں نے اُس کی ۔۔۔ سپاہی منتی کی قیام گاہ پر تھے اس لیے اُنھیں ۔۔۔ کے ایک خادم کو روانہ کر دیا گیا۔

اُس وقت میری دلی کیفیت عجیب سی تھی ۔۔۔ فکر تھی، دوسری جانب سارہ اور تنگ چی ۔۔۔ ہی کے ساتھ میں نے کچھ خوشگوار لمحات گزارے ۔۔۔ کا حاصل کہا جائے تو غلط نہیں۔ وہ دونوں ہی ۔۔۔ جس کے بعد کوئی فصل نہیں ہوتا۔ مجھے اُن ۔۔۔ کوئی اُمید نہیں تھی۔

پھر فراق یار کا لمحہ آ ہی گیا۔ شہزادہ توشو ۔۔۔ انتظامات مکمل ہونے کی اطلاع دی۔

میں اور رضوان اٹھ کھڑے ہوئے ۔۔۔

۔۔۔ سب کے بعد دیگرے کمرے سے نکلے۔ ۔۔۔ کے لیے سیڑھیاں اُترتے ہوئے سارہ نے مجھے عجیب سے ۔۔۔ "بانو! آپ ۔۔۔ آپ مجھے بھول تو نہیں جائیں گی؟"

میں نے جذبات سے بوجھل آواز میں کہا "تو بھولنے کی ۔۔۔" مگر میں نے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ۔۔۔ اتر کر ہم محل کے احاطے میں پہنچ گئے۔ وہاں وہ چینی سپاہی ۔۔۔ جو لہاسہ سے قافلے کی صورت میں میرے ساتھ آئے تھے۔ ۔۔۔ ہی تھے جنھوں نے چن ژی کے خلاف ہو کر دلائی لامہ ۔۔۔ کی خاطر اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کر دی تھیں۔ ۔۔۔ علاوہ دس تھے اور سفر کی ضروریات بھی گھوڑوں پر لاد دی ۔۔۔ رفتاری سے جاری رکھا جا سکے۔ یاک اور خچر بار برداری ۔۔۔ ہیں لیکن بہت سست رفتار جانور تھے اسی لیے انھیں ۔۔۔ نہیں کیا گیا تھا۔

رضوان اُن دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے جو شہزادہ توشو نے بطور خاص نکلوائے تھے۔ گھوڑے صحت مند اور خوبصورت تھے۔

۔۔۔ کو میں نے وہیں الوداع کہہ دیا مگر منتی، سارہ اور ۔۔۔ رخصت نہ ہوئے۔ وہ قافلے کے ساتھ ساتھ چل دیں ۔۔۔ تا شہر کی آخری حدود تک چھوڑنے کا تھا۔ ۔۔۔ حدیں بھی آ گئیں۔ قافلہ رُک گیا۔ میں گھوڑے سے ۔۔۔ سارہ نے کیا۔ میں نے اُسے اور اُس نے مجھے اپنے ۔۔۔ لیا۔ اُس کی گرمجوشی کے سبب میری آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ ۔۔۔ مل کر جدا ہوئی تو دونوں بانہوں کو اپنی طرف اور اٹھا ۔۔۔ تھی۔ وہ تنگ چی جس نے ایک موقع پر میری اور رضوان ۔۔۔

اُس نے مجھے گلے لگا لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں کبھی نہیں بھولوں گی، کیونکہ تم میری محسن ہو۔"

"۔۔۔ آپ یہ کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں!" وہ بھی بھاری ۔۔۔

۔۔۔ مل کر الگ ہوئی تو منتی نے مجھے مخاطب کیا "بانو! ۔۔۔ یہاں آپ کے ساتھ غلط فہمیوں کے سبب جو برتاؤ ۔۔۔ دیجیے گا۔" اُس کی آواز بھی شدت جذبات ۔۔۔

"مجھے اِن باتوں سے کوئی شکایت نہیں!" میں نے اُس ۔۔۔ کہا "جو کچھ ہوا اُسے میں بھول چکی ہوں اور تم بھی ۔۔۔ ہاں کوئی ناروا سلوک نہیں ہوا بلکہ میں تم لوگوں کی شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے اپنا سمجھا۔ زندگی رہی تو پھر کبھی یہاں آؤں گی۔"

"ہم اُس دن کا بے چینی سے انتظار کریں گے بانو!" منتی نے خلوص سے کہا۔

اُس کے بعد میں اور رضوان دوبارہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ قافلہ روانہ ہو گیا اور ہم اُس وقت تک ایک دوسرے کو دیکھ کر ہاتھ ہلاتے رہے جب تک ایک دوسرے کو نظر آتے رہے۔

چام ڈیو سے نکلتے ہی ہم نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی اور برق رفتاری سے لہاسہ کی طرف دوڑنے لگے۔

راستے میں میرا دل کہیں بھی رُکنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن مجھے گھوڑوں کی تھکن کا بھی خیال تھا۔ گھوڑوں کو آرام دینا ضروری تھا اس لیے مناسب وقفوں سے ہم نے پڑاؤ ڈالے لیکن چند گھنٹوں سے زیادہ کہیں قیام نہیں کیا۔ کئی جگہ برف باری کے سبب ہم راستے سے بھٹک گئے مگر ہمارے ساتھی ہوشیار تھے۔ اُنھوں نے ہمیں رُک جانے کا مشورہ دیا۔ ہم نے اُن کا مشورہ قبول کر لیا۔ جب برف کا طوفان گزر گیا تو اُنھوں نے بآسانی راستہ تلاش کر لیا۔

مجھے یقین ہے کہ چام ڈیو اور لہاسہ کے درمیان کسی قافلے نے اتنی تیز رفتاری سے کبھی سفر نہیں کیا ہوگا جتنی تیز رفتاری ہم نے دکھائی۔ ہم توقع سے پہلے لہاسہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ اب ہم اُس چٹان کے قریب سے گزر رہے تھے جہاں ایک بار چن ژی اور میرے درمیان زبردست معرکہ ہوا تھا۔

لہاسہ کے آشنا گلی کوچوں سے گزر کر قافلہ آخر پوتالا محل پہنچ گیا۔ اُس وقت دوپہر ڈھل رہی تھی۔

مجھے اور رضوان کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ پوتالا محل کے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا۔ میں نے ایک خادم سے کہا کہ میں فوراً پنچن لامہ سے ملنا چاہتی ہوں۔ خادم نے بتایا کہ خود پنچن لامہ کی یہ ہدایات تھیں کہ ہم جیسے ہی پوتالا محل پہنچیں، اُسے ہماری آمد سے مطلع کر دیا جائے اور اگر میں اُس سے ملنا چاہوں تو فوراً ملوا دیا جائے۔

میں رضوان کو مہمان خانے ہی میں چھوڑ جانا چاہتی تھی تاکہ وہ کچھ دیر سفر کی تھکن اُتار لے مگر وہ بھی میرے ساتھ چلنے پر ضد کرنے لگا۔ اُسے علم تھا کہ اب پنچن لامہ سے رضیہ ہی کے بارے میں گفتگو کرنے جا رہی ہوں اس لیے اُس کی بے چینی اور ضد بے جا نہیں تھی حالانکہ تبتی زبان نہ جاننے کے سبب وہ کچھ بھی نہ سمجھ پاتا مگر میں نے اُس کا دل رکھ لیا۔

میں ایک خادم کی رہنمائی میں رضوان کو ساتھ لیے پنچن لامہ سے ملنے ۔۔۔ ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ پنچن لامہ دوپہر کا کھانا کھا کر حسب معمول کچھ دیر آرام کے لیے اپنی خوابگاہ میں جا چکا ہے کیونکہ یہ احکامات خود اُسی کے تھے

میری آمد سے اُسے فوراً مطلع کیا جائے اِس لیے خادم نے بے جھجک خوابگاہ کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔

پنچن لامہ نے ہمیں اپنی خوابگاہ ہی میں بلوا لیا۔ ہمیں اندر آتے دیکھ کر وہ اُٹھ بیٹھا۔ اُس کی مسہری کے قریب ہی صوفے پڑے تھے۔ میں اور رضوان اُن صوفوں پر بیٹھ گئے۔

"محترم پنچن لامہ! میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے پیکنگ سے موصول ہونے والا پیغام فوراً بھجوا دیا۔" میں نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"یہ تو میرا فرض تھا بانو!" وہ بولا۔ "مجھے تمھاری بہن کی اچانک موت کا بہت رنج ہے اور میں تمھارے دکھ میں برابر کا شریک ہوں۔"

میں نے اُس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا: "محترم پنچن لامہ! کیا اُس پیغام کے بعد پیکنگ سے کوئی اور اطلاع موصول نہیں ہوئی؟"

"نہیں بانو!" پنچن لامہ نے جواب دیا۔ "اُس کے بعد کوئی اطلاع نہیں ملی۔ میں نے اِس سلسلے میں تفصیلات جاننا چاہی تھیں لیکن کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔"

"میں فوراً پیکنگ جانا چاہتی ہوں۔ آپ کتنی دیر میں انتظام کر سکتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم یہی خواہش کرو گی اسی لیے میں نے پہلے ہی سے تمام انتظامات کر لیے تھے۔ ایک فوجی طیارہ موسم ٹھیک ہونے کا منتظر ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ چند گھنٹوں کے اندر اندر تم پیکنگ کے لیے روانہ ہو جاؤ گی۔"

"شکریہ محترم پنچن لامہ!" میں نے کہا۔

اُس کے بعد پنچن لامہ نے مجھ سے چام ڈیو میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں پوچھا۔ میں نے مختصر الفاظ میں اُسے تمام واقعات سے آگاہ کیا۔ جہاں اُسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ کھام قبائل کی متوقع بغاوت احسن طریقے پر ختم ہو گئی وہیں اُسے اِس بات سے دکھ پہنچا کہ چینی فوج کا ایک فتنے دار افسر دشمنوں کے ہاتھ بِک چکا تھا۔

"ہمیں سُرخ چین کی جاسوسی سرگرمیوں کو سختی سے کچلنا ہو گا۔" پنچن لامہ پُرجوش لہجے میں بولا۔ اُس کے لہجے سے غصّے کا اظہار بھی ہو رہا تھا۔

"چانگ جیسے آستین کے سانپوں کو بھی چُن چُن کر ختم کیا جانا ضروری ہے۔" میں نے پنچن لامہ کی تائید میں کہا۔

کچھ دیر گفتگو کے بعد میں اور رضوان اُس کے پاس سے اُٹھ کر چلے آئے۔ رضوان [illegible] سب کچھ پوچھ لیا کہ میرے اور پنچن لامہ کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی!

ابھی مجھے اور رضوان کو مہمان خانے میں پہنچے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ پنچن لامہ کے ایک خادم نے آ کر اطلاع دی کہ ہمارے اعزاز میں الوداعی تقریب منعقد ہو رہی ہے جس میں ہمیں جلد سے جلد پہنچنا ہے اور ہم تیار

ہو جائیں۔

وہ الوداعی تقریب محل کے ایک بڑے [illegible]

اُس تقریب میں پنچن لامہ کے تمام ہی مشیر وزیر اور [illegible]
تھے۔ میری اور رضوان کی نشستیں بطورِ خاص پنچن
برابر لگائی گئی تھیں، کیونکہ ہم دونوں ہی اُس تقر
جب میں اور رضوان لباس تبدیل کر کے [illegible]
وہاں پہنچے تو سبھی افراد وہاں موجود تھے۔ ہمارے لیے
آتے دیکھ کر پنچن لامہ اپنی نشست سے اُٹھ کھڑا
بقیہ افراد نے بھی اُس کی تقلید میں ایسا ہی کیا تھا
مجھے اور رضوان کو بہت احترام و عقیدت
بٹھایا گیا، پھر پنچن لامہ نے اپنی نشست سے
کی جس میں اُس نے تبت کے دوران قیام میں ہما
خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اُس کے بعد
کا سیٹ بطورِ تحفہ مجھے پیش کیا۔
میں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کا شکریہ
"ہر چند کہ قیمتاً اِس سیٹ کی حیثیت زیادہ
میری خاندانی یادگاروں میں سے ایک ہے اور میں
ہوئے انتہائی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔" پنچن لا
میں نے ایک بار پھر اُس کی محبت و عنایت
خیال سے وہ سیٹ انتہائی قیمتی تھا۔ اُس کی قیم
ہزار سے کم نہیں تھی۔ پنچن لامہ محض اخلاقاً
رہا تھا۔ اِسی سیٹ کے ساتھ مجھے عظیم گوتم بدھ کا
گیا جو چھوٹا سا اور خوبصورت تھا۔ یہ مجسمہ خالص
پنچن لامہ کے مشیروں کی جانب سے مجھے تحفہ
وزن تقریباً ایک چھٹانک ضرور رہا ہو گا۔ پنچن لا
بھی چاندی کی ایک تلوار پیش کی۔ اُس تلوار کی
لگایا جا سکتا ہے کہ اُس کے بارے میں یہ روایت مش
گوتم بدھ کے ایک پیرو کی تھی جو ہر وقت
[illegible] کے ساتھ رہتا تھا۔
الوداعی تقریب اپنے اختتام کو پہنچنے وال
ایک خادم نے آ کر اُس سے سرگوشی میں کچھ کہا۔ جو
سر ہلایا اور خادم رخصت ہو گیا۔ میں نے پنچن لا
نگاہ سے دیکھا تو وہ میری طرف جھک کر بولا: "[illegible]
لیے پرواز کرنے والا ہے، اُس کے پائلٹ کا [illegible]
پرواز کے لیے موسم سازگار ہے ورنہ ممکن ہے [illegible]

ختم کی جائے۔"
[illegible] تائید کی۔
[illegible] جب ختم ہونے کا اعلان کر دیا گیا اور وہاں موجود

[illegible] بڑے رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور اُسی کی حدود میں
بھی تھا۔ غالباً یہ ایئرپورٹ بہت سی مصلحتوں
تھا۔ پوتالا محل، تبت کے حکمرانوں کی قیام گاہ
[illegible] لمحہ آ سکتا تھا کہ محل کے مکینوں کو مجبوراً

اور رضوان کو ساتھ لیے اُسی ایئرپورٹ کی جانب
ہی ہدایت دی جا چکی تھی کہ وہ مہمان خانے
[illegible] ایئرپورٹ پہنچیں۔
[illegible] گوتم بدھ کا مجسمہ اور چاندی کی تلوار، یہ
[illegible] دوں نے سنبھال رکھے تھے جو ادب
[illegible] پیچھے چل رہے تھے۔
ایئرپورٹ پر رخصت کرنے والوں میں کافی
[illegible] کے وہ آدمی بھی شامل تھے جو مجھے لہاسہ
لیکن مجھے وہ چینی سپاہی کہیں دکھائی
[illegible] کی صورت میں میرے ہمراہ چام ڈیو گئے
[illegible] ہی چام ڈیو سے لوٹے تھے۔ میں نے سوچا
[illegible] کے لیے حراست میں لے لیا گیا ہو۔ رخصت
[illegible] میں پنچن لامہ سے پوچھ
[illegible] تھا۔ واقعی وہ سپاہی زیرِ حراست تھے۔ میں نے
[illegible] سفارش کی۔ غدّاری صرف چانگ کی تھی۔
[illegible] بے گناہ تھے۔ اُنھوں نے بہرحال چین ژی
[illegible] سینہ سپر ہو کر روایتی بہادری کا ثبوت دیا تھا۔
[illegible] تھی۔
[illegible] سفارش کے جواب میں کہا: "یہ چینی
[illegible] اُن کے لیے تمھاری سفارش سے
[illegible] گا۔ یقین رکھو کہ اُن کے ساتھ انصاف
[illegible] اگر وہ انعام کے حقدار ہوئے تو اُنھیں
[illegible] گا۔"
[illegible] طیارے میں سوار ہو گئے اور طیارہ چھوٹے
[illegible] لگا۔ میں اپنی جھولی میں تبت سے بہت

سی یادیں اور خوشگوار لمحے سمیٹ کر لے جا رہی تھی۔ تبت جو مجھے پہلے بھی عزیز تھا اور اب بھی عزیز ہے کبھی میرے لیے اجنبی نہیں رہا۔

طیارہ پرواز کرتا ہوا تبت کی سرزمین کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا اور ہمیں طیارے میں بیٹھ کر اِس بات کا احساس ہی نہ ہوا۔ رضوان اور میں خاموش خاموش سے تھے۔ سفر کے دوران میں ہم دونوں نے بہت کم گفتگو کی۔ میری ہی طرح غالباً رضوان کا ذہن بھی آنے والے لمحات میں چھپے ہوئے وسوسوں اور خوفناک اندیشوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ اگر میری بہن رضیہ کا ذرا بھی بال بیکا ہوا تو میں دشمنوں کی زندگی جہنم بنا دوں گی۔

فوجی طیارہ چین کے ایک فوجی مستقر پر ہی اُترا۔ ہوائی اڈے پر اُترنے سے پہلے پائلٹ نے ہوائی اڈے کے حکام کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ کن مسافروں کو لے کر آ رہا ہے اور کہاں سے چلا ہے؟

ہمارا استقبال کرنے والوں میں چینی فضائیہ کے دو بڑے فوجی افسر تھے۔ اُنھوں نے غالباً چینی حکام سے ہمارے بارے میں ہدایات حاصل کر لی تھیں، کیونکہ میں نے اُن کے رویّے میں گرمجوشی اور خلوص دیکھا۔

ہمیں ایک بند فوجی وین میں ہوائی اڈے سے سرکاری گیسٹ ہاؤس میں پہنچا دیا گیا۔ مہمان خانے کے دروازے ہی پر ایک سرکاری افسر نے ہمارا استقبال کیا۔ وہ شاید افسرِ مہمان داری تھا۔ اُس کے ہمراہ دو نائب بھی تھے۔

ہمیں گیسٹ ہاؤس کے دو کمروں میں ٹھہرا دیا گیا۔ وہ کمرے جدید سامانِ آرائش سے سجے ہوئے تھے لیکن میں نے ایک بات بطورِ خاص محسوس کی کہ آرائش میں ایک طرح کی سادگی اور حُسن تھا۔ مجھے افسرِ مہمان داری اور اُس کے دونوں نائبوں سے مل کر بھی خوشی ہوئی۔ وہ لوگ بڑے بااخلاق اور خوش مزاج تھے۔ اُن تینوں کے جسم پر تقریباً ایک جیسا لباس تھا۔ مجھے افسر اور ماتحتوں میں کوئی زیادہ فرق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ دونوں کمروں میں ٹیلیفون بھی لگے ہوئے تھے اور دو دو مؤدّب ملازمین بھی موجود تھے۔

رضوان میرے ساتھ ہی میرے کمرے میں موجود تھا اور میں افسرِ مہمان داری سے گفتگو کر رہی تھی جو سامنے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے دونوں نائب قریب ہی ایک دوسرے صوفے پر خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

"محترم وزیرِ خارجہ کو آپ کی آمد سے مطلع کیا جا چکا ہے۔"

افسرِ مہمان داری تب . . تھا۔
"اُن سے میری ملاقات کب ہو سکے گی" میں نے سوال کیا۔
"جب آپ فرمائیں ملاقات کا بندوبست کر دیا جائے گا۔" اُس نے جواب دیا۔
"میں اُن سے آج ہی اور جلد از جلد ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔" میں بولی۔
"میں ابھی ٹیلیفون پر اُن کے سیکرٹری سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔" افسرِ مہمان داری صوفے سے اُٹھتے ہوئے بولا۔ "اُن کے احکامات بھی یہی ہیں کہ آپ جب بھی اُن سے ملنا چاہیں فوری طور پر انھیں مطلع کیا جائے۔" یہ کہہ کر وہ اُس تپائی کی طرف بڑھا جس پر ٹیلیفون رکھا تھا۔

کچھ دیر ہی میں وہ رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس کی گفتگو . . . مجھے پتا چلا کہ وزیرِ خارجہ اپنے دفتر سے اُٹھ چکے ہیں اور اب اُن کی قیام گاہ . . . ہی پر . . . رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔
افسرِ مہمان داری نے دوسرا نمبر ملایا اور سلسلہ مل جانے پر مؤدب لہجے میں بات کرنے لگا۔ غالباً وہ وزیرِ خارجہ سے بات کر رہا تھا۔

میں دراصل فوری طور پر وزیرِ خارجہ سے اِس لیے ملنا چاہتی تھی کہ رضیہ کو تلاش کر سکوں اور اُس ضمن میں جو واقعہ گزرا ہے اُس کی پوری تفصیل سے آگاہ ہو سکوں۔ یہ اُسی وقت ممکن تھا کہ چینی حکومت کے متعلقہ افسران مجھ سے بھرپور تعاون کرتے۔ اِس سلسلے میں وزیرِ خارجہ کا ایک . . . دکھائی . . . مجھے چین میں . . . چینی حکومت کا تعاون حاصل تھا اور میں اِس تعاون کو کام میں لانا چاہتی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میرے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا جائے گا۔

افسرِ مہمان داری نے ٹیلیفون پر مختصر سی گفتگو کی، پھر ریسیور کو کریڈل پر رکھ کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "محترم وزیرِ خارجہ اپنی قیام گاہ پر آپ سے ملنے کے منتظر ہیں۔ آپ کتنی دیر بعد تشریف لے چلیں گی؟"
"بالکل ابھی!" میں نے جلدی سے کہا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔
میں نے لباس تبدیل کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔
افسرِ مہمان داری نے اپنے نائبوں میں سے ایک کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔
اُسی وقت رضوان نے مجھے سوالیہ نگاہ سے دیکھا جو اَب تک خاموش بیٹھا رہا تھا۔
"میں محترم وزیرِ خارجہ سے ملاقات کرنے اُن کی قیام گاہ پر جا رہی ہوں۔ تم چاہو تو چلو لیکن میرا خیال ہے کہ چینی زبان سے

ناواقفیت کے سبب تمھیں کوفت ہو . . .
جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
رضوان کو اِس فوری ملاقات کا . . .
تھی۔ وہ اِتنا تو سمجھ ہی سکتا تھا کہ میں کیا چا . . .
"ٹھیک ہے، میں یہیں رہتا ہوں . . .
گزشت کیجیے گا۔" رضوان بولا۔ غالباً . . .
ساتھ جانا بے سود ہی ہے۔
گیسٹ ہاؤس کے پارکنگ میں . . .
منتظر تھی۔ غالباً افسرِ مہمان داری کے . . .
جا کر ڈرائیور کو بتا دیا تھا کہ ہم . . .
گیسٹ ہاؤس میں رُک گئے اور صرف . . .
ہمراہ کار میں بیٹھا۔
پیکنگ کی جگمگاتی جاگتی شا . . .
اپنے خیالوں میں گم خاموش بیٹھی ر . . .
کار مختلف شاہراہوں سے گ . . .
مجھے وزیرِ خارجہ کی قیام گاہ دیکھ کر . . .
سا مکان تھا۔ نہ کوئی زیب و زیبائش . . .
وہاں میں نے گیٹ پر پہرے دار . . .
عمارت کے صدر دروازے پر . . .
کار دروازے پر پہنچ کر رک گئی . . .
افسرِ مہمان داری نے کار کے دروا . . .
کیا اور اُس سے پہلے کہ کھولنے کے . . .
کھول دیا اور ایک طرف ہٹ کر . . .
محترم وزیرِ خارجہ عمارت کے . . .
لیے موجود تھے۔ وہ نہایت گرمجوشی . . .
ہمراہ اندر لے گئے۔ افسرِ مہمان دار . . .
وہ ایک سادہ سی نشست . . .
پہلے سے ایک اُدھیڑ عمر شخص . . .
ہوتے دیکھ کر احتراماً اُٹھ کھڑا ہو . . .
چینی وزیرِ خارجہ سے یہ میری . . .
پہلے بھی اُن سے مل چکی تھی۔ . . .
کی فضا نہیں تھی۔ وہ ایک . . .
"اِن سے ملیے بانو! یہ لی ش . . .
ایک ذہین، تجربے کار اور . . .
شخص سے میرا تعارف کرا . . .

. . . ن دیکھ کر اخلاقاً مسکرایا اور احتراماً ذرا سا
. . . کے باوجود چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔
. . . پیش آنے والے حادثے کی تحقیقات اِنھی
. . . نے مجھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے
. . . انھیں فوراً یہاں بلا لیا ہے تاکہ آپ حالات
. . . سکیں۔" یہ کہہ کر وزیرِ خارجہ صوفے پر بیٹھ گئے۔
. . . نے اور ایک بار پھر لی شینگ کی جانب دیکھا۔
. . . کی چمک اور مشاہدے کی روشنی تھی، اِس
. . . ت بھی جو طویل تجربے سے حاصل ہوتی ہے۔
. . . ل کر خوشی ہوئی مسٹر لی شینگ!" میں نے

. . . بانو!" لی شینگ نے مسکرا کر کہا۔ "میں
. . . کا نام سنا تھا۔ یہ میرے لیے بڑی خوشی
. . . سے گفتگو کا شرف بھی حاصل کر رہا ہوں۔"
. . . شتگی اور احترام تھا۔
. . . ایک ہی صوفے پر بیٹھے تھے اور . . . سامنے
. . . علاوہ افسرِ مہمان داری بھی بیٹھا ہوا تھا۔
. . . خارجہ مجھ سے مخاطب ہوئے اور میں اُن کی
. . . ت۔ "مجھے افسوس . . . ہے کہ اِس
. . . ملک کے لیے ایک بڑا کارنامہ انجام دے
. . . ل اچھی خبر نہیں ملی۔ چینی حکومت اپنی
. . . حفاظت نہ کر سکی۔ اِس کوتاہی کے ترکب
. . . ل۔ آپ سے میں صرف اپنے انتہائی

. . . یقین نہیں آ سکا کہ میری بہن مر چکی
. . . وہ یہیں زندہ ہے اور میں اُسے تلاش
. . . تماد سے کہا۔
. . . غور سے دیکھا، پھر مسکرا کر بولے۔ "آپ
. . . پھر آپ کو اپنی بات پر مکمل یقین ہے۔
. . . ال ایسا ہی ہوا اور میں شرمندگی سے بچ
. . . اس سلسلے میں اب تک کوئی حتمی رائے

. . . امکان کی گنجائش موجود ہے؟" میں

. . . ہی وزیرِ خارجہ نے لی شینگ کی

طرف دیکھا۔ غالباً اُن کا مقصد یہ تھا کہ میرے سوال کا جواب لی شینگ کو دینا چاہیے۔
"جی ہاں بانو!" لی شینگ فوراً بولا۔ "آپ محترم وزیرِ خارجہ سے ضروری گفتگو کر لیں، اُس کے بعد آپ فرمائیں گی تو میں یہیں اور اگر حکم دیں گی تو آپ کے ہمراہ گیسٹ ہاؤس چل کر آپ کو تمام تفصیلی واقعات سے آگاہ کر دوں گا۔"
میں نے سوچا کہ دہاں گفتگو کر کے وزیرِ خارجہ کا وقت برباد کرنے سے کچھ حاصل نہیں اِس لیے یہی بہتر ہے کہ میں لی شینگ کو اپنے ہمراہ گیسٹ ہاؤس لے جاؤں اور وہیں تفصیل کے ساتھ گفتگو کروں۔ یوں بھی وزیرِ خارجہ سے ملاقات کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ یہی سوچ کر میں بولی۔ "بہتر یہی ہے کہ آپ میرے ہمراہ چلیں۔"
"میں نے لی شینگ کو حکم دے دیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔" وزیرِ خارجہ نے کہا۔
اِسی دوران میں ایک ملازم چائے کی ٹرالی لے آیا۔ افسرِ مہمان داری نے چائے بنائی اور سب کو پیش کی۔
چائے پینے کے بعد میں نے وزیرِ خارجہ سے رخصت کی اجازت چاہی۔
"آپ جس وقت چاہیں مجھ سے دفتر یا گھر پر رابطہ قائم کر سکتی ہیں۔" وزیرِ خارجہ نے مجھے رخصت کرتے ہوئے کہا۔
میں افسرِ مہمان داری اور لی شینگ کے ہمراہ دوبارہ کار میں آ کر بیٹھ گئی۔ اُس وقت رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ کار دوبارہ گیسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئی۔
گیسٹ ہاؤس پہنچ کر میں نے اور رضوان نے افسرِ مہمان داری کے . . . پہلے کھانا کھایا، پھر چائے پینے کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ میں کھانے کے دوران ہی میں رضوان کو حالات سے آگاہ کر چکی تھی اور اب وہ تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھا۔
افسرِ مہمان داری گفتگو شروع ہونے سے قبل ہی اجازت لے کر رخصت ہو چکا تھا اور اب میرے اور رضوان کے علاوہ کمرے میں صرف لی شینگ ہی تھا۔
"اُس حادثے کی نوعیت کیا تھی جو رضیہ کو پیش آیا؟" میں نے لی شینگ سے پہلا سوال کیا۔
لی شینگ نے چند لمحے غور کیا، پھر جواب دیا۔ "اُن کی تحویل میں ایک سرکاری کار تھی۔ وہ اکثر گرد و نواح کی سیر کرنے اُسی کار میں جایا کرتی تھیں۔ عام طور سے کوئی نہ کوئی اُن کے ساتھ ہوتا تھا لیکن کبھی کبھی وہ تنہا بھی ہوتی تھیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر اُن کی کار کو مہ . . .

سے اُڑا دیا گیا۔ غالباً اُن کی عدم موجودگی میں کوئی شخص کار کے انجن میں ٹائم بم رکھ گیا تھا جس کے پھٹنے سے ڈرائیور کی سیٹ اڑ گئی اور خاتون ڈرائیور کے پرخچے اُڑ گئے۔"

"خاتون ڈرائیور؟" میں نے چونک کر کہا۔ "کیا وہ رضیہ نہیں تھی؟"

"غالباً وہ آپ کی بہن ہی تھیں۔" لی شینگ بولا۔ "کیونکہ لاش مسخ ہو چکی تھی اِس لیے اُس کی شناخت بچے کھچے لباس اور جسم پر موجود دوسری آرائشی چیزوں کی مدد سے ہو سکی۔ مومو نے تصدیق کی کہ لاش کی انگلی میں وہی انگوٹھی تھی جو محترمہ رضیہ بانو پہنا کرتی تھیں۔ گھڑی کا میک بھی صحیح تھا اور کپڑے بھی وہی تھے جو اُنھیں پہنے ہوئے پہلے بھی دیکھا گیا تھا۔ یہ تمام اشیا آپ بھی دیکھ سکتی ہیں۔"

"عام حالات میں یہ اشیا شناخت کے لیے کافی ہوتی ہیں۔" میں نے قدرے مایوسی سے کہا۔ "لیکن جہاں سازش کا امکان ہو وہاں ہر بات پر دھیان دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ بتائیں کہ لاش کس حد تک مسخ ہو چکی ہے؟ کیا جسم کا کوئی حصہ جلنے سے نہیں بچ سکا؟"

"کچھ حصے بچے ہیں۔" لی شینگ نے جواب دیا۔ "دھماکا شدید تھا اور کار کے ساتھ ہی لاش کے بھی پرخچے اُڑ گئے تھے۔ لاش کے اڑنے والے حصے جلنے سے بچ گئے تھے۔ انھی میں بایاں ہاتھ ہے۔ اُسی ہاتھ کی ایک انگلی میں انگوٹھی تھی اور ہاتھ پر قمیص کا کچھ حصہ بھی چپٹا رہ گیا تھا۔"

"میں اُن چیزوں کو ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔" میں نے لی شینگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور!" وہ بولا۔ "جب آپ چاہیں یہ ممکن ہے۔ اگر سفر کی تھکن نہ ہو تو آپ ابھی چل سکتی ہیں۔"

اِس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے واقعی سفر کی تھکن تھی۔ چانگ ڈیو سے پیکنگ آنے تک مجھے کمر تک سیدھی کرنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن رضیہ کی سلامتی مجھے بے حد عزیز تھی۔ اُس کی طرف سے مطمئن ہوئے بغیر میں بھلا کیسے سکون کا سانس لے سکتی تھی! میں نے رضوان کی جانب دیکھا۔ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی اور چہرے سے اظہار ہو رہا تھا کہ وہ سب کچھ جاننے کے لیے مضطرب ہے۔ میرے اور لی شینگ کے درمیان چینی زبان میں گفتگو ہو رہی تھی۔ مجھے علم نہیں کہ لی شینگ کوئی اور زبان بھی جانتا تھا یا نہیں! لیکن میں نے اُس سے یہ پوچھنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ چینی زبان بھی رضوان کے لیے اجنبی تھی اِس لیے اُسے حالات سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔

میں نے یہی سوچ کر لی شینگ سے معذ...
ساتھی کو بھی حالات سے باخبر کر دوں کیونکہ...
جانتے۔ یہ بھی رضیہ کے لیے اُتنے ہی فکر مند...
میں نے اب تک رضوان سے لی شینگ کا...
"کہیں اِن کا نام مسٹر رضوان تو نہیں...
انگریزی لہجے میں کہا اور میں چونک پڑی...
"لیکن آپ انھیں کیسے جانتے ہیں...
انگریزی زبان میں پوچھا کہ وہ انگریزی بول...
"چینی انٹیلی جینس کو آپ کے اور...
تمام ضروری معلومات حاصل ہیں۔" لی شی...
دیا۔ "ابھی حال ہی میں آپ کے سفر...
رضوان کا نام آیا تھا کیونکہ یہ بھی وہاں...
معلومات صحیح ہیں تو یہ محترمہ رضیہ بانو...
لی شینگ واقعی ایک...
بھری نگاہ سے دیکھا اور بولی۔ "اگر...
انگریزی بھی جانتے ہیں تو میں آپ...
تاکہ میرے ساتھی کو کوفت نہ ہو...
"چینی زبان کے علاوہ ہمارے...
لازمی ہے کہ وہ دنیا کی کم از کم...
...اُردو میں...
طویل عرصے کے بعد کسی غیر ملکی...
سی ہوئی۔
رضوان بھی یہ جان کر کہ...
کی دیواریں اب ہمارے درمیان...
ہے جس زبان میں چاہیے گفتگو کر...
سب کچھ بتا دیا اور آخر میں بولی...
کے ساتھ حاصل کردہ تمام چیزیں...
ہے؟"
رضوان کو بھلا کیا اعتراض...
تو لگی ہوئی تھی اور دل کی لگی...
میں اور رضوان دونوں...
پر تیار ہو گئے حالانکہ اُس...
ہم گیسٹ ہاؤس...
ہمارے لیے ہی مخصوص کر دی گئی...
دیکھ کر مستعد ہو گیا اور اُس...

...مان کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور لی شینگ
...والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لی شینگ بیٹھتے ہی ڈرائیور
...کار روانہ ہو گئی۔
...بیس منٹ بعد کار ایک عمارت کے احاطے
...وہ عمارت تھی جہاں چینی پولیس حادثوں کا شکار
...ہلاک ہونے والوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے محفوظ رکھتی تھی۔
...اتر کر مُردہ خانے کی طرف بڑھے۔ عمارت صاف ستھری
...تھی اور ہمارے ملک کے مُردہ خانوں سے مختلف
...لی شینگ آگے آگے تھا، میں اور رضوان اُس کے
...
...نگران ایک چھوٹے سے صاف ستھرے کمرے
...
...ہم مُردہ خانے کے نگراں کی رہنمائی میں ایک
...میں پہنچ گئے۔ نگراں ہمیں اُس جگہ تک لے گیا جہاں
...رکھے ہوئے تھے جنھیں میری بہن کی لاش کا نام
...
...کوئی بھی حصہ اِس حالت میں نہیں تھا جس سے
...ممکن ہوتی۔ نہ میں یہ تسلیم کر سکتی تھی کہ وہ رضیہ کی
...بد کر سکتی تھی کہ حادثے کا شکار ہونے والی میری
...ہاتھ صحیح سلامت تھا۔
...دیکھنے کے لیے ایک قدم آگے بڑھی اور
...دھڑکنے لگا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر
...کیونکہ میں یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ
...نہیں کسی اور ہی بدنصیب کی تھی۔
...نہیں کہ اُس ہاتھ کی ایک انگلی میں وہی
...تھی۔ بازو سے چمٹی ہوئی کپڑے کی کچھ دھجیاں
...تھی لیکن وہ ہاتھ میرے لیے قطعی اجنبی تھا۔
...آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ غالباً اُس
...محسوس کر لیا تھا۔
...بہن کی لاش نہیں ہو سکتی۔" میں نے مڑ کر لی شینگ
...آواز ابھی تک کانپ رہی تھی۔
...نے ایک طویل سانس لیا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔
...میرے شبہے کی تصدیق کر دی۔ اگر رضیہ بانو زندہ
...امید کرتا ہوں کہ اُنھیں بہت جلد ڈھونڈ لیا جائے گا

اور مجرموں کو سخت سزا دی جائے گی۔ ویسے کیا آپ مجھے اپنے یقین کا سبب بتانا پسند کریں گی؟"

"دو باتیں ہیں۔" میں نے جواباً کہا۔ "ہاتھ پر چوٹ کا نشان ہے یہ اِس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ہاتھ کسی چیز کے نیچے دب کر ٹوٹا ہے۔ ایسا اُسی صورت میں ممکن تھا کہ گرتے وقت ہاتھ جسم سے جڑا ہوتا، کیونکہ اُسی صورت میں ہاتھ مڑ کر جسم کے نیچے آ سکتا تھا اور جسم کے بوجھ سے ٹوٹ کر اِس طرح مڑ سکتا تھا جیسا نظر آ رہا ہے۔"

لی شینگ نے غور سے لاش کے بائیں ہاتھ کو دیکھا، پھر سر ہلاتا ہوا بولا۔ "آپ کا مشاہدہ درست معلوم ہوتا ہے۔ ضرب کتنی بھی شدید ہو لیکن ہاتھ اِس طرح صرف دب کر ہی مڑ سکتا ہے۔ غالباً آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ بم کا دھماکا ہونے سے قبل ہی یہ ہاتھ ٹوٹ چکا تھا۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے تو اور بہت سے نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بم کے دھماکے سے اُڑنے والی شخصیت پہلے ہی شدید زخمی تھی یا..." لی شینگ کچھ کہتے کہتے رُک کر سوچنے لگا۔

"یا مُردہ تھی۔" میں نے اُس کا جملہ پورا کر دیا۔

"لیکن اِس سے یہ بات تو ظاہر نہیں ہوتی کہ یہ ہاتھ آپ کی بہن کا نہیں۔" لی شینگ بولا۔

"میں نے ابھی دو باتوں میں سے ایک کا اظہار کیا تھا۔" میں مسکرا کر بولی۔ "دوسری اہم بات یہ ہے کہ میری بہن کے جسم پر سنہری بال نہیں تھے بلکہ اُن میں واضح طور پر سیاہی جھلکتی تھی۔ اِس ہاتھ پر سنہری رُواں ہے اور اِس میں سیاہی قطعی نہیں جھلک رہی۔"

"آپ کو یقین ہے؟" لی شینگ نے مزید تصدیق چاہی۔

"یہ بات تو مجھے بھی فوراً محسوس ہوئی تھی۔" میری بجائے رضوان بول اُٹھا۔ میں اور لی شینگ کیونکہ انگریزی زبان ہی میں گفتگو کر رہے تھے اِس لیے رضوان ہماری باتیں اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"مومو کو میں نے لباس کا ٹکڑا اور انگوٹھی ہی لے جا کر دکھائی تھی ورنہ ممکن ہے وہ بھی یہ بات محسوس کر لیتی کہ مرنے والی آپ کی بہن نہیں ہے اور آپ کو غلط خبر سے جو صدمہ پہنچا ہوگا، وہ نہ پہنچتا۔" لی شینگ معذرت آمیز لہجے میں بولا۔

"مومو کی اب کیسی حالت ہے؟" مومو کا ذکر چھڑا تو میں نے پوچھا۔

"وہ تیزی سے صحت یاب ہو رہی ہے۔" لی شینگ نے بتایا۔ "اب تو اُس نے چلنا پھرنا بھی شروع کر دیا ہے لیکن چند ٹانکے ابھی نہیں کاٹے گئے۔ آپریشن کے نتیجے میں جو زخم آیا تھا، شاید وہ پک گیا تھا۔" اُس کے بعد لی شینگ نے تفصیل سے مومو کا حال

ہے کہ اب یہاں سے چلنا چاہیے۔"
میں نے بھی اُس کی تائید میں کہا۔"ہاں اب یہاں ٹھہرنا فضول ہے۔"

ہم عمارت سے باہر آگئے۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا تو معلوم ہوا نصف شب گزر چکی ہے۔ یہ جاننے کے بعد کہ وہ لاش رضیہ کی نہیں تھی مجھے بڑی حد تک اطمینان ہو گیا تھا مگر اس کے باوجود مجھے رضیہ کی طرف سے فکر تھی کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے!
ہم سب کار میں آکر بیٹھ گئے اور کار گیسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئی۔ رضوان اور میں پچھلی نشستوں ہی پر بیٹھے تھے۔ لی شینگ ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر آگے بیٹھا تھا۔
"دراصل بنیادی غلطی مقامی پولیس سے ہوئی۔" لی شینگ اپنی نشست سے مڑتے ہوئے میری طرف دیکھ کر بولا۔"جب پولیس نے یہ اعلان کیا کہ حادثے کا شکار ہونے والی رضیہ بانو ہیں تو حکومت کو اس معاملے میں دخل دینا پڑا، کیونکہ وہ چینی حکومت کی مہمان تھیں اسی لیے حادثے کی اطلاع فوری طور پر آپ کو دے دی گئی۔ میں اس سلسلے میں اپنی حکومت کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔"
لی شینگ کچھ زیادہ ہی شرمندہ ہو رہا تھا۔ میں نے اُس کی تسلی کے لیے کہا۔"کوئی بات نہیں! مجھے تو ایک لمحے کو بھی یقین نہیں آیا تھا کہ میری بہن یوں ہلاک کی جا سکتی ہے۔ اب مجھے اپنے اندازے اور یقین پر خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں اب تک آپ نے جو معلومات حاصل کی ہوں، اُن سے مجھے آگاہ کر دیں۔"

لی شینگ نے ایک طویل سانس لیا، پھر بولا۔"بانو! آپ بہت مہربان خاتون ہیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ آپ تفصیلات جاننا چاہیں گی اسی لیے میں نے اب تک حاصل ہونے والی تمام معلومات ایک رپورٹ کی صورت میں مرتب کر کے رکھ لی تھیں۔ میں آپ کو اور رضوان صاحب کو اُس رپورٹ کی ایک ایک نقل دے دیتا ہوں۔ اگر اِس کے مطالعے سے بھی کچھ تشنگی باقی رہے گی تو میں آپ کے سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ کل صبح میں دوبارہ آپ سے ملنے آؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اُس وقت میں آپ کو کوئی اچھی خبر سنا سکوں۔ اگر آپ کو فوری طور پر میری ضرورت ہو تو اُس نمبر پر رنگ کر لیجیے گا جو رپورٹ کے پہلے صفحے پر تحریر ہے۔"
اسی دوران میں کار گیسٹ ہاؤس کے احاطے میں ... ہو گئی۔ لی شینگ میرے اور رضوان کے ہمراہ کار سے اُتر کر گیسٹ ہاؤس کی عمارت کے دروا... رخصت ہونے سے قبل اپنا بریف کیس کھ... ایک ایک فائل تھما دی۔ اُن فائلوں میں ... نقل تھی جو اُس نے رضیہ کے بارے میں مر...
رضوان اور میں، لی شینگ کی روا... داخل ہوئے جب ہم اپنے کمروں کے سا... اور مستعد پایا۔ میں نے ایک ملازم کو چائے با... رضوان کو ساتھ لیے اُس کمرے میں داخل... تھا۔

رضوان اور میں صوفوں پر نیم درا... پڑھنے کی جتنی بے چینی مجھے تھی غالباً رضو... پر نیم دراز ہوتے ہی اُس نے بھی میری طرح ... پڑھنا شروع کر دیا تھا۔
رپورٹ کے پہلے ہی صفحے پر لی شینگ... نمبر درج کیا تھا جس پر اُس سے رابطہ قائم کیا... رپورٹ کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ رپورٹ ... پیکنگ میں وارد ہونے کے بعد کئی... طرف سے فکر مند رہی۔ اُس نے اپنا زیادہ تر ... گزارا۔ مومو کی حالت سنبھلنے لگی تو رضیہ نے ... پیکنگ کی سیر شروع کر دی۔ اُس کی وزا... اُس کے لیے ایک چھوٹی کار کا انتظام کر دیا... کوئی حصہ مومو کے پاس گزارتی تھی اور شام کو ... دیکھنے چلی جاتی تھی۔ حفاظت کے خیال ... پوش پولیس افسر رضیہ کی نگرانی پر لگا دیئے... تھی ورنہ رضیہ کو پیکنگ میں کوئی خطرہ نہیں تھا... باری رضیہ کی نگرانی کرتے تھے۔ جب کم... کمرے میں نہیں چلی جاتی تھی، اِن پولیس افسرا... کی طرح اُس کے ساتھ لگا رہتا تھا۔ کیونکہ ... تھی اِس لیے پولیس افسر کسی قسم کی رپورٹ ...
رضیہ کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا اُن کا مقصد نہیں... نہیں کہہ سکتے تھے کہ رضیہ نے کس خاص دن کس کس... کس طرح وقت گزارا! جب حادثے کے بعد... کرید کرید کر تفصیلات پوچھی گئیں تو وہ صرف... دنوں میں رضیہ، یوگوسلاویہ کے ایک ثقافتی ...

اُس نے طائفے کی ایک رکن ... طائفے کی اُس لڑکی کو اپنے ساتھ گیسٹ ہاؤس ... اُن گھنٹے اُس لڑکی کے ساتھ گزارے۔
... یوگوسلاویہ سے وارد ہونے والے اُس طائفے ... پتا چلا کہ ایک دن پہلے رضیہ کی وہ سہیلی ... اُس لڑکی نے اپنے ہوٹل کی کھڑکی سے کود کر ... کشی کی وجہ یوائے فرینڈ سے کشیدگی ظاہر کی گئی ... کمرے میں ایک میز پر وہ خط ملا تھا جس میں ... کیا تھا اور خودکشی کا سبب لکھا تھا۔ مرنے ... اور طائفے کے سربراہ نے تصدیق کی تھی کہ وہ ... کی تھی۔
... آخر میں حادثے کی تفصیل تھی۔
... مطابق اُس دن رضیہ نے مومو سے ملاقات ... ایک اور ہوٹل میں گئی تھی۔ ہوٹل کے استقبالیہ ... کے دوران میں بتایا کہ رضیہ نے اُس ہوٹل میں ... وفد کے بارے میں پوچھا تھا۔ اُس دن ... سیر و تفریح کی غرض سے گئے ہوئے تھے اِس ... سے مایوس لوٹنا پڑا تھا۔
... اُس وفد کے بارے میں صرف اِتنا پتا چلا تھا ... روں کی تنظیم آزادی سے متعلق تھا۔
... وفد کے بارے میں یہ مختصر سا حوالہ ہی میرے ... ہرا دینے کے لیے کافی تھا۔ اگر معاملہ فلسطینی ... تھا تو یقیناً میری بہن کسی بلیے چکر میں پڑ گئی ... اچھی طرح جانتی تھی کہ عرب اسرائیل جنگ اب ... عرب علاقوں تک محدود نہیں رہی تھی بلکہ ... کی صورت میں دور دراز ممالک تک پھیل چکی ... کے محدود وسائل کو وسیع کرنے کا تھا اور اِس ... طرح سے عربوں پر ... اسرائیل کو بیشتر ... اور بلاواسطہ حمایت حاصل تھی۔ اُسے جس چیز کی ضرورت ... فراہم کر دی جاتی تھی مگر عربوں کے پاس ... کے باوجود اسلحہ اور گولہ بارود حاصل کرنے کے ... امکانات تھے۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اسرائیل ... تھی۔ عرب آپس کے تفرقوں کو فرو کرنے ... وہ عملاً کیسے منظم ہوتے! اگر کبھی کہیں ایسی کوئی کوشش کی بھی جاتی تھی تو اسرائیلی کسی نہ کسی طرح کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ کھڑا کر دیتے تھے اور عرب اتحاد کمزور پڑ جاتا تھا۔ اسرائیل سے نبرد آزما ہونے کے لیے جو کچھ تھوڑی بہت جدوجہد تھی وہ جیالے فلسطینیوں کے دم سے تھی مگر وہ تنظیم بین الاقوامی صیہونی تنظیم کے مقابلے میں بہت کمزور تھی اسی لیے اُسے قدم قدم پر زک اُٹھانی پڑتی تھی۔
میں نے رپورٹ کا بقیہ حصہ پڑھا۔
رپورٹ میں لکھا تھا کہ رضیہ فلسطینی وفد سے ملاقات نہ ہونے پر گیسٹ ہاؤس لوٹی تھی۔ گیسٹ ہاؤس پہنچ کر اُس نے یوگوسلاوی ثقافتی طائفے سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا تھا۔ نمبر کیونکہ گیسٹ ہاؤس کے ٹیلیفون آپریٹر نے دیا تھا اِس لیے اِس بات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ رضیہ نے غالباً ٹیلیفون پر طائفے کے کسی رکن سے بات کی تھی اور اُسی سے رضیہ کو اپنی سہیلی کے انتقال کی اطلاع ملی تھی۔ یہ محض اندازہ تھا، کیونکہ ٹیلیفون پر گفتگو کرنے کے بعد رضیہ گیسٹ ہاؤس سے نکلی تھی اور اپنی کار میں بیٹھ کر اُس ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی تھی جہاں یوگوسلاوی طائفہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اُس نے طائفے کے سربراہ سے مل کر کوشش کی تھی کہ وہ اپنی سہیلی کی لاش دیکھ سکے لیکن لاش پوسٹ مارٹم کے بعد طائفے میں موجود ڈاکٹر کے حوالے کر دی گئی تھی۔ ڈاکٹر کے ذمے یہ کام تھا کہ لاش کو حنوط کرے تاکہ وہ ہوائی سفر کے لائق بنائی جا سکے۔ مرنے والی کی لاش یوگوسلاویہ میں اُس کے رشتے داروں تک پہنچائی جانے والی تھی۔
اُسی ہوٹل سے واپسی میں رضیہ کو حادثہ پیش آگیا تھا۔
رپورٹ کے ساتھ اُس پولیس افسر کا بیان منسلک تھا جو اُس وقت رضیہ کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے وہ بیان پڑھنا شروع کر دیا۔
"میں محترمہ رضیہ بانو کا انتظار کر رہا تھا جو کسی سے ملنے ہوٹل میں گئی تھیں۔ میں نے اطمینان کر لیا تھا کہ اُن کی کار ہوٹل کے احاطے میں ایک جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ میں خود ہوٹل سے باہر رہا تھا اور اپنی موٹر سائیکل کو صاف کر رہا تھا جو گرد آلود ہو گئی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد میں ہوٹل کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ مجھے بس اچانک ہی محترمہ رضیہ بانو کی کار حرکت میں نظر آئی جو آندھی طوفان کی طرح ہوٹل کے گیٹ سے نکلی تھی۔ میں نے گھبرا کر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور تیزی سے کار کا پیچھا کیا۔ کار طوفانی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ رفتار

تیز کر کے میں نے کار کے قریب پہنچنا چاہا۔ فاصلہ کم ہونے لگا لیکن میں کار کے قریب نہیں پہنچ سکا۔ سڑکیں سنسان تھیں۔ کار کا رُخ شہر سے باہر کی طرف تھا اور وہ بڑی شاہراہوں کو چھوڑتی ہوئی چھوٹی سڑکوں سے گزر رہی تھی۔ ایک موڑ پر آن کی کار میری نظر سے اوجھل ہو گئی۔ چند لمحوں بعد میں موڑ پر پہنچا تو مجھے کار نظر آ گئی۔ اب اُس کی رفتار کم ہو چکی تھی۔ معاً ایک زبردست دھماکا ہوا اور کار کے پرخچے اُڑ گئے۔ میں کار کے قریب پہنچ چکا تھا اِس لیے دھماکا مجھ پر بھی اثر انداز ہوا اور میں موٹر سائیکل سے گر پڑا۔ پھر میں بیہوش ہو گیا تھا۔"

رپورٹ سے معلوم ہوا کہ اُس پولیس افسر کو کافی چوٹیں آئی تھیں اور وہ کئی دن اسپتال میں رہا تھا۔ اُس کا بیان تھا کہ اُس نے کار سے کسی کو کودتے نہیں دیکھا تھا۔ ڈرائیور کی اُس نے محض ایک جھلک دیکھی تھی۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ کار ڈرائیو کرنے والی رضیہ ہی تھی یا کوئی اور تھا!

رپورٹ کے آخر میں ایک مختصر سی تحریر تھی جس میں یہ اطلاع تھی کہ حادثے والے دن ہی کسی نے گیسٹ ہاؤس کے اُس کمرے کی تلاشی بھی لی تھی جہاں رضیہ کا قیام تھا۔ یہ بات رضیہ کا سامان دیکھ کر پتا چلی تھی۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ تلاشی لینے والا یا لینے والے کوئی چیز اپنے ساتھ لے بھی گئے تھے یا نہیں!

رپورٹ کے ساتھ ہی کچھ اور تفصیلات بھی تھیں۔ اُن میں یوگوسلاوی طائفے کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کی گئی تھیں۔ طائفے کے تمام ارکان کے نام، مختصر سوانح اور طائفے کے آئندہ تمام پروگرامز کی پوری تفصیل موجود تھی۔ اِسی قسم کی تفصیلات فلسطینی وفد کے بارے میں بھی تھیں۔

جب میں رپورٹ کا جائزہ لے چکی تو رضوان کی جانب دیکھا۔ وہ مجھ سے پہلے ہی رپورٹ پڑھ چکا تھا اور اب یوں ہی رپورٹ کے صفحات اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ شاید اِس لیے کہ میں بھی رپورٹ پڑھ لوں تو کوئی بات کرے۔ میں نے اُس کی جانب سوالیہ نگاہ سے دیکھا۔

"کیا خیال ہے تمھارا؟" میں نے کہا۔

"رضیہ نے شاید بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔" اُس کے لہجے میں تشویش تھی۔

"سوچنا تو یہ ہے کہ اِس وقت وہ کہاں ہو گی!" میں بولی۔

"اور یہ بھی سوچنا ہے کہ اُسے اغوا کرنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے!" رضوان نے بات آگے بڑھائی۔

"میرا خیال ہے کہ رضیہ نے یوگوسلاوی طائفے میں بلاسبب دلچسپی نہیں لی ہو گی۔ یا تو مرنے والی یوگوسلاوی لڑکی نے اُسے دوست بنایا ہو گا یا وہ پہلے سے دوست ہوں گی۔"

"کیا رضیہ بھی یوگوسلاویہ گئی ہے؟" ...

"شاید نہیں!" میں نے جواب دیا۔ "لیکن ... گزارا ہے۔ ممکن ہے وہاں اُسے وہ لڑکی ملی ہو ... ایک بین الاقوامی شہر ہے۔ وہاں ہر قوم کے ... وہاں آتے جاتے بھی رہتے ہیں۔"

واقعات کا سلسلہ کچھ یوں ملتا ہے ... وفد سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے رضیہ کو ... آرائی کی۔

"غالباً وہ لڑکی فلسطینیوں کے ... ذریعے کوئی اہم پیغام فلسطینی وفد تک پہنچانا ... کے سپرد کرنا چاہتی تھی مگر اُسے شبہ رہا ہو گا ... وہ شاید اُن افراد کی نظر میں آ گئی تھی جن ... اُس نے محسوس کیا ہو گا کہ فلسطینی وفد کے کسی ... صورت میں اُسے ختم کر دیا جائے گا اِس ... چاہا۔" میں نے رضوان کے خیال کی روشنی میں ...

"اِسی لیے پہلے اُس لڑکی کو ختم کر ... مطلوبہ شے برآمد نہیں ہوئی تو وہ لوگ ..." میری بات مکمل کر دی۔

"مجھے یقین ہے کہ ایسی صورت میں ... کیا ہو گا بلکہ صرف اغوا کیا ہو گا۔ وہ لوگ ... کے بارے میں معلوم کریں گے جو اُنھیں مطلوب ... سمجھ رہے ہو؟" میں نے رضوان کی جانب ... میں سر ہلایا تو میں پھر بولی۔ "میں سمجھتی ہوں کہ ... رضیہ کو زیادہ دن نہیں چھپا سکیں گے اِس ... میں ایک امکان یہ بھی ہے کہ وہ رضیہ کو ... اُن افراد کی نشاندہی نہ کر سکے۔ اِن حالات ... تلاش کرنا چاہیے۔"

"لیکن یہ کام صبح سے پہلے ممکن نہیں ... کے دو بج رہے ہیں۔"

"ہاں یہ مجبوری بہرحال ہے۔" میں نے کہا ... "تو پھر ہم اپنے کام کا آغاز صبح ہی ..." اُٹھ کھڑا ہوا۔

رضوان تو چلا گیا مگر میں کافی دیر تک ... میں جاگ ہی رہا ہو! میں نے سوچا اور ...

... کروٹیں بدلنے لگی۔

... بیدار ہو گئی۔ میں نے اور رضوان نے ناشتہ کر کے ... میں لگائی تھی۔

... احساس تھا کہ لی شینگ مجھ سے ملنے آئے گا ... کے لیے کہا تھا مگر میں اُس کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ ... کی تلاش کا کام شروع کر دینا تھا۔

... رات سونے سے قبل ہی کر لیا تھا کہ مجھے سب سے ... کے سربراہ اور ڈاکٹر سے ملاقات کرنی ہے۔ لی شینگ ... ہوٹل کا نام موجود تھا جہاں وہ طائفہ ٹھہرا ہوا تھا۔

... احاطے میں وہ کار موجود تھی جو چینی حکومت نے ... مخصوص کر دی تھی۔ میں نے ناشتے کے دوران ہی ... دیا تھا کہ مجھے باہر جانا ہے تاکہ ڈرائیور تیار ملے۔ ... کے قریب مؤدب موجود تھا۔ میں نے اُسے ہوٹل کا ... کہہ کر رضوان کے ہمراہ کار کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی۔ ... اُس ہوٹل کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ہم آدھے گھنٹے ...

... ہوٹل میں داخل ہوئی۔ میرا رُخ استقبالیہ کی ... سے لی شینگ نظر آ گیا اور میں چونک پڑی۔ وہ ... کر رہا تھا۔

... میں نے اُس کے قریب پہنچ کر اُسے مخاطب کیا۔ ... اُس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات تھے۔ وہ ... رپورٹ پڑھتے ہی اِدھر دوڑ پڑیں! ... آنے کا وعدہ کیا تھا اور یہاں نظر آ رہے ہیں!"

... گیسٹ ہاؤس ہی پہنچتا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ...۔ لی شینگ بولا۔ "آپ غالباً طائفے کے ڈاکٹر ..."

... کی بات کے جواب میں سر ہلایا۔ ... پتا ہے لیکن یقین کیجیے کہ وہ زیادہ دیر چھپانہ ...

... میں تھی۔ یہ میرا خیال ہے کہ ساری شرارت اُسی ... ہال میں بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں۔" لی شینگ استقبالیہ ... اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ غالباً وہ وہاں کھڑا ... تا اور یہ ٹھیک بھی تھا۔

ہوٹل کے ہال میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی کیونکہ ابھی دن کی گہما گہمی شروع نہیں ہوئی تھی۔ لی شینگ ہمیں ایک میز تک لے گیا جو ایک طرف دیوار سے لگی ہوئی تھی۔ اُس میز کی اطراف میں دوسری میزیں خالی تھیں۔ وہ جگہ گفتگو کرنے کے لیے مناسب تھی۔

"میرا خیال ہے کہ اُسی ڈاکٹر نے مرنے والی لڑکی سے زبردستی خودکشی کی جھوٹی تحریر لکھوا کر اُسے کھڑکی سے دھکا دے دیا تھا۔" لی شینگ بیٹھتے ہی بولا۔ "بعد میں اُسی لڑکی کی لاش کو رضیہ بانو کی کار میں رکھ کر کار کو بم سے اُڑا دیا گیا تاکہ ہم سمجھیں رضیہ بانو ہلاک ہو گئیں۔"

اُسی وقت ویٹر آ گیا اور لی شینگ نے اُسے چائے لانے کا آرڈر دیا۔

میں لی شینگ کی بات سن کر چونک پڑی۔ اُس نے جو نتیجہ نکالا تھا وہ قرینِ قیاس تھا۔ میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ رضیہ کہاں ہو سکتی ہے! یہ تو طے ہو چکا تھا کہ حادثے کا شکار ہونے والی رضیہ ہرگز نہیں تھی۔ لی شینگ نے جو خیال ظاہر کیا تھا اُس کی روشنی میں حادثے کا شکار وہی لڑکی ہوئی تھی جس کے بارے میں ظاہر کیا گیا تھا کہ اُس نے کھڑکی سے کود کر خودکشی کر لی۔ ایسی صورت میں اُس لڑکی کی جگہ وہ کون ہو سکتی تھی جسے طائفے کے ڈاکٹر نے حنوط کیا ہو گا؟ مجھے اِسی سوال تک پہنچ کر یہ علم ہوا تھا کہ وہ رضیہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنے اِن خیالات کا اظہار لی شینگ سے بھی کر دیا۔

"مگر وہ حنوط شدہ لاش تو یوگوسلاویہ روانہ کی جا چکی ہے۔" لی شینگ فکرمند لہجے میں بولا۔ "اِس سلسلے میں ہم سے یقیناً چُوک ہو گئی۔" اُس کے لہجے میں تاسف تھا۔ "پولیس نے یوگوسلاوی لڑکی کی لاش واپس بھیجنے کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ اُسی رات ایک تابوت یوگوسلاویہ کے لیے روانہ کر دیا گیا تھا۔"

لی شینگ کی بات سن کر میں چکرا گئی اور میں نے اپنا سر تھام لیا۔

"یہ بہت بُرا ہوا، بہت بُرا!" میں بڑبڑائی۔

رضوان بھی غالباً اِنہی خطوط پر سوچ رہا تھا اِس لیے اُس کے چہرے سے بھی فکرمندی اور تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔ اِسی دوران میں چائے آ گئی تھی اور لی شینگ نے سب کے لیے چائے بنا دی تھی۔

"مجھے افسوس ہے محترمہ بانو!" لی شینگ نے اُداس اور معذرت طلب لہجے میں کہا۔ "یقیناً حنوط شدہ لاش کی صورت میں رضیہ بانو ہی کو یوگوسلاویہ روانہ کیا گیا ہے۔ یہ بات میں اِس یقین سے یوں کہہ رہا ہوں کہ آج صبح ہی پوچھ گچھ اور تفتیش سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کار میں بم سے اُڑنے والی لاش مردہ یوگوسلاوی لڑکی ہی کی تھی۔ اُس لڑکی کے بوائے فرینڈ نے جائے حادثہ سے ملنے والے ہاتھ کو اپنی گرل فرینڈ کا ہاتھ تسلیم کر لیا ہے۔"

"پھر تو یہ بات یقینی ہے کہ رضیہ ہی کو حنوط شدہ لاش کی صورت میں

... رضوان نے ... لہجے میں کہا اور میں نے تائید کی۔
"کیا آپ نے طائفے کے سربراہ سے بات کی تھی؟" میں نے لی شینگ کی طرف مڑ کر کہا۔

"میں نے اُس سے گفتگو کی تھی مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔" لی شینگ نے جواب دیا۔ "اُس نے اپنے انداز سے یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ پیش آنے والے واقعات پر خود حیرت زدہ ہے۔ یہ اداکاری بھی ہو سکتی ہے اور حقیقت بھی! میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اب یوں ہے کہ طائفے کے ایک ایک رُکن کو نظر میں رکھا جائے گا۔ ڈاکٹر کو میں نے مفرور قرار دے کر اُس کا حُلیہ ریڈیو اور ٹی وی پر نشر کرنے کے لیے دے دیا ہے۔ اس کے علاوہ اخباروں میں بھی اُس کے حُلیے کی اشاعت کا بندوبست کر دیا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو گا زیادہ عرصے نہ چھپ سکے گا۔ یہ چین ہے یورپ نہیں جہاں چند سکوں کے لیے بڑے بڑے مجرموں کو پناہ دے دی جاتی ہے۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ مجرم ایک سے زیادہ ہوں۔" میں نے خیال آرائی کی۔ "اگر ڈاکٹر ہمیں زندہ ملنے کی بجائے مُردہ ملا تو کیا اسی طرح اُس کے دوسرے ساتھی محفوظ نہیں ہو جائیں گے؟"

لی شینگ نے چند لمحے میری بات پر غور کیا، پھر سر ہلاتا ہوا بولا۔ "عین ممکن ہے۔ جرم چھپانے کے لیے ایک اور قتل کوئی نئی بات نہیں ہو گی۔"

"اب ڈاکٹر کا ملنا نہ ملنا میری نظر میں بے معنی ... ہے۔" میں کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "کیا ایسا بندوبست ہو سکتا ہے کہ میں اور رضوان فوری طور پر یوگوسلاویہ پہنچ سکیں؟"

لی شینگ نے مجھے غور سے دیکھا، پھر بولا۔ "کیوں نہیں! آپ مجھے اپنا اور مسٹر رضوان کا پاسپورٹ دے دیں۔ میں تمام انتظامات کر کے آپ کو مطلع کر دوں گا۔ میرا خیال ہے کہ شاید یوگوسلاویہ کے لیے فوراً کوئی جہاز نہ مل سکے ... اپنے افسران اعلیٰ سے بات کروں گا۔ شاید وہ حکومت کے کسی مخصوص طیارے سے آپ کو یوگوسلاویہ بھیجنے کا انتظام کر دیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو آج یا زیادہ سے زیادہ کل تک آپ یوگوسلاویہ روانہ ہو جائیں گی۔"

"تو پھر آپ انتظامات کر لیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ڈاکٹر مل بھی گیا تو اُس سے صرف اتنا ہی معلوم ہو سکے گا کہ وہ تابوت یوگوسلاویہ میں کس شہر کے لیے روانہ کیا گیا تھا!"

"یہ معلومات بغیر ڈاکٹر کے بھی حاصل ہو جائیں گی۔" لی شینگ نے کہا۔ "کہیں نہ کہیں اُس تابوت کا رجسٹریشن ضرور ہوا ہو گا اور یہ رجسٹریشن وصول پانے والے کے نام اور پتے کے بغیر ہرگز مکمل نہیں ہو سکتا۔"

"... بگانہ ... نے برجستہ کہا۔

"آپ کا خیال درست ہو سکتا ہے۔" لی شینگ نے میری تائید کی۔

"کیا خبر یہاں سے کب روانگی ہو جائے اس لیے میں مومو سے بھی

ل لینا چاہتی ہوں۔" میں نے لی شینگ
ہو کر گیسٹ ہاؤس پہنچوں گی۔ آپ تعزیہ ...
تا کہ ... رضوان کا اور اپنا پاسپورٹ ...
کا ہوتا ...

لی شینگ نے پتہ بتایا، پھر کہا۔ "...
ہو چکی ہے۔" یہ کہتے ہی شاید اُسے ...
"میں اور چائے منگواتا ہوں ..."
"نہیں! اب میں چلوں گی۔" میں بولی ...
بھی میری تقلید کی۔
لی شینگ کو ہم وہیں چھوڑ کر ...
میں نے کار میں بیٹھ کر ڈرائیور کو ...
اسٹارٹ کر دی۔

پندرہ منٹ بعد کار ایک اسپتال ...
استقبالیہ سے ہم نے مومو کے کمرے ...
سو رہی ہے یا بیدار ہو چکی ہے! کمرہ ...
معلوم ہوا کہ مومو بیدار ہو چکی ہے۔
ہم زینے طے کر کے پہلی منزل پر ...
زیادہ دِقت نہ ہوئی کیونکہ کمروں پر نمبر ...
مومو مجھے اور رضوان کو دیکھ کر ...
سے اُترنا چاہا مگر میں نے اُسے اس کا موقع ...
کے قریب پہنچ گئی۔ اُس نے مجھے اپنے ...
دیے۔ میں نے ... سینے سے لگا لیا ...
قریب رکھی ہوئی دو کرسیوں میں سے ایک ...
جب مومو کے دل کا غبار نکل گیا تو ...
ہو چکی! رضیہ زندہ ہے۔" یہ کہہ کر میں بھی پلنگ ...
پر رضوان کے برابر بیٹھ گئی۔
"کیا؟" وہ چونک پڑی۔ "آپ ... آپ ...
ہیں بانو!" اُس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔
"نہیں میں سچ کہہ رہی ہوں۔" میں نے ...
... شاید میری بات پر ابھی تک ...
اُس نے رضوان کی جانب سوالیہ نگاہ سے ...
تصدیق چاہتی ہو۔
"اُمید تو یہی ہے کہ وہ زندہ ہے۔" ...
مفہوم سمجھ کر جواب دیا۔
میں نے اُسے مختصراً تمام حالات سے آگاہ ...

... پہل آیا تھا، اُس نے گیسٹ ہاؤس کے ایک
... بھیجا گیا تھا اور اُس گلدستے کے ساتھ
... میں اُسے پڑھ کر رو پڑی تھی۔" مومو نے میری

... میں نے چونک کر پوچھا کیونکہ میں جانتی تھی
... پسند نہیں کرتی تھی۔ میرے خیال میں وہ مومو
... تھی لیکن گلدستہ بھیجنا میری سمجھ میں نہیں

... کے نیچے سے ٹٹول کر اپنا پرس نکالا، پھر اُس
... کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے مومو سے وہ
... لی۔ تحریر رضیہ ہی کی تھی۔ اُس نے لکھا تھا۔
... رکھنا! ... بڑھاؤں تو شاید قبر کی نشانی نہیں۔"
... پڑھ کر کچھ نہیں ..." میں نے مومو کو تیز

... تو نہیں ہوں۔" ... فوراً بولی۔ "میں نے
... افسر کو فون کر کے رضیہ کی فوری حفاظت کے
... تھے لیکن جب تک یہ انتظامات ہوتے رضیہ
... مجھے کچھ دیر بعد ہی اُس کے انتقال کی خبر

... ہے؟ کیا تم نے اُسے پھینک دیا؟" میں نے کہا۔
... کے ساتھ آنے والے گلدستے کو پھینک سکتی
... اُس نے ایک جانب رکھی ہوئی اٹیچی کی طرف
... اُس اٹیچی میں محفوظ ہے۔"
... بیٹھ کر اٹیچی کھولی۔ اُس میں کپڑوں کے نیچے کاغذ
... ان کا ایک گلدستہ رکھا ہوا تھا۔ میں نے احتیاط سے
پھولوں کے نیچے میری توقع کے عین مطابق کچھ
... ہوئے تھے۔ میں نے وہ کاغذ باہر نکال لیے۔ کاغذ ...
... تھا۔ ... میں اُنہیں
... اور اس نتیجے پر پہنچی کہ اُس عبارت کو لکھتے وقت
... استعمال کیا گیا ہے۔
... ات جن کے لیے ایک قتل ہوا ہے اور میری بہن
... میں نے رضوان اور مومو کی طرف مڑ کر کہا۔
... تحریر بھی ہے؟" رضوان دُور بیٹھا تھا اس لیے اُن
... تحریر نہ دیکھ سکا تھا، اسی وجہ سے اُس نے یہ سوال

"ہاں تحریر تو ہے مگر کسی خفیہ کوڈ میں لکھی گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں کوشش کروں تو شاید اس کوڈ کو سمجھنے میں کامیاب ہو جاؤں مگر اس سے فائدہ بھی کیا ہے! یہ جس کے کاغذات ہیں اُسی کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"پھر کیا ارادہ ہے؟ کیا آپ فلسطینی وفد سے ملاقات کے بارے میں سوچ رہی ہیں؟" رضوان نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور میں اٹیچی بند کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ کاغذات فلسطینیوں کے حوالے کرنے سے رضیہ کو اغوا کرنے والے بھڑک اُٹھیں اور وہ رضیہ کو قتل کر دیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کاغذات کے بدلے رضیہ کو واپس لینے کی کوشش کامیاب رہے۔"

"یعنی آپ یہ کاغذات اُن لوگوں کے سپرد کر دینے پر آمادہ ہیں جنھوں نے رضیہ کو اغوا کیا ہے؟" رضوان نے کہا۔ اُس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اگر اس طرح رضیہ کی بازیابی ممکن ہو تو میں یقیناً ایسا ہی کروں گی۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن ... لیکن بانو! ... یہ تو کوئی مناسب بات نہیں ہے۔" رضوان میری بات سُن کر کچھ گڑبڑا سا گیا۔ غالباً اُسے مجھ سے ایسی اُمید نہیں تھی۔ "وہ کہہ رہا تھا۔" رضیہ کو اغوا کرنے والے یا تو خود اسرائیلی ایجنٹ ہیں یا اُن کے آلۂ کار ہیں۔ دونوں صورتوں میں یہ کاغذات اسرائیل سے متعلق ہوں گے اور پتا نہیں یہ کتنے اہم کاغذات ہیں جن کے لیے ایک قتل ہو چکا ہے ..."

"اور مزید ایک قتل کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔" میں نے رضوان کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ طائفے کا ڈاکٹر یا تو اس وقت تک مارا جا چکا ہو گا یا مارا جانے والا ہو گا۔"

"کیوں؟ ڈاکٹر کو وہ لوگ کیوں ختم کرنے لگے؟ وہ تو خود اُن کا ساتھی ہے۔" رضوان بولا۔

"ڈاکٹر کو چھپا کر یوگوسلاویہ لے جانا ممکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر کے سامنے آنے کی صورت میں باقی لوگوں کو اپنی جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ تمام ساتھیوں کو خطرے میں ڈالنے کی بجائے ایک ساتھی کی قربانی کوئی نئی بات نہیں ہے۔" میں نے رضوان کو سمجھایا۔

"بہرحال ان باتوں سے کاغذات کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ یہ کاغذات فلسطینیوں کے لیے یقیناً بہت اہم اور سُودمند ہوں گے۔ انھیں فلسطینیوں کے حوالے کرنا ہمارا قومی اور مذہبی فریضہ ہے۔" رضوان نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

کیا تمہارا خیال ہے کہ میں یہ کاغذات فوراً فلسطینی وفد کے حوالے کر دوں، چاہے ایسا کرنے سے رضیہ کی زندگی ہی ایک یقینی خطرے سے دوچار ہو جائے؟" میں نے بھی اُسی طرح کہا جیسے رضوان بولا تھا۔ رضوان ایک بے بسی کے سے عالم میں میرا منہ تکنے لگا۔ اُس کے پاس میرے سوال کا جواب نہیں تھا۔

"بانو! آپ یہ کاغذات لوٹا کر رضیہ کی زندگی بچا لیں۔" معاً موموں درمیان میں بول اُٹھی۔ اُس کے لہجے میں گداز تھا جس نے مجھے متاثر کیا۔

میں نے رضوان کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر تذبذب نظر آ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کاغذات لازمی طور پر فلسطینیوں کے حوالے کر دیے جائیں۔ اگر خود اُس کی زندگی اور موت کا معاملہ ہوتا تو یقیناً اُس کے چہرے پر تذبذب نہ ہوتا مگر معاملہ رضیہ کا تھا۔

"بولو نا کیا کیا جائے؟" میں نے رضوان کو چھیڑنے کے خیال سے کہا۔ میں نے اِس بات کا خیال رکھا تھا کہ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی رمق بھی نہ آنے پائے ورنہ وہ سمجھ جاتا کہ میں اُس سے لطف لے رہی ہوں۔

"کیا کوئی ایسی راہ نہیں نکل سکتی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے؟" رضوان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یعنی؟" میں نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کہ رضیہ بھی خطرے میں نہ پڑے اور کاغذات بھی فلسطینیوں تک پہنچ جائیں۔"

میں اُس کی بات سُن کر مسکرا دی۔ وہ رفتہ رفتہ اُنہی خطوط پر سوچنے لگا تھا جن پر میں پہلے ہی سوچ چکی تھی اور ایک فیصلہ کر چکی تھی۔ میں نے باسی پھول کوڑے کی ٹوکری میں پھینک دیے، پھر موموں سے بولی۔ "رضیہ نے جس وجہ سے پھول محفوظ رکھنے کے لیے لکھا تھا، وہ مقصد حاصل ہو چکا ہے۔ اب اِن پھولوں کو محفوظ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

موموں نے کچھ نہیں کہا۔ وہ کوڑے کی ٹوکری کو دیکھ رہی تھی۔ شاید اُسے میری حرکت پسند نہیں آئی تھی کیونکہ مجھے علم تھا کہ وہ ایک جذباتی لڑکی ہے۔

میں نے موموں سے رخصت کی اجازت لی اور رضوان کے ہمراہ کمرے سے نکل گئی۔ وہ کاغذات میرے پاس تھے جو میں نے گلدستے سے نکالے تھے۔

میں نے گیسٹ ہاؤس کا رُخ کیا کیونکہ لی شینگ کو وقت دے چکی تھی۔ موموں کے پاس مجھے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا۔

گیسٹ ہاؤس پہنچ کر میں نے ایک ملازم کو بُلا کر وہ کاغذات اُس کے سپرد کیے کہ وہ اُن کی فوٹو اسٹیٹ ...

ملازم کاغذات لے کر چلا گیا تو رضوان ...

آپ نقل فلسطینیوں کے حوالے کر دیں گی او ...

سمجھ گیا تھا۔

"اصل کاغذات رضیہ کے عوض اُسے ...

دوں گی۔ کوئی وجہ نہیں کہ وہ مجھ پر کاغذات ...

سکیں۔" میں نے جواب دیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ خود میری سمجھ میں ...

مجل سا ہو کر بولا۔

"اِس لیے کہ تم کچھ ضرورت سے زیا...

نے مسکرا کر کہا۔

"واقعی یہ ترکیب کارگر ہو سکتی ہے۔ لیکن ...

فلسطینیوں سے ملاقات کی اطلاع اُن لوگوں کو ...

ہو کر بولا۔

"فلسطینیوں سے ملاقات کرنے کا ...

رضوان کو بتایا۔ "کاغذات کی نقل اُن تک ...

نہیں ہے۔ چینی حکومت کی پوری ...

بلا کسی خدشے کے کاغذات کی ترسیل کر ...

سکتے ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" رضوان ...

ہماری نگرانی بھی کی جا رہی ہو۔"

"لیکن میں فوری طور پر لی شینگ کو ...

چاہتی۔" میں نے کہا۔ "میں اپنی روانگی ...

حوالے کر دوں گی۔ میں ایسا محض احتیاطاً ...

رضوان نے بھی میری تائید کی۔ ...

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ لی شینگ ...

پہنچا تھا۔

"مجھے دیر تو نہیں ہوئی بانو؟" ...

"نہیں آپ ٹھیک وقت پر آئے ...

ابھی پاسپورٹ دیتی ہوں۔"

لی شینگ زیادہ دیر نہیں بیٹھا ...

روانگی کے انتظامات کا وعدہ کر کے چلا گیا ...

نہیں آ سکے تو میں سمجھوں کہ ابھی ...

صبح اُس نے بہر صورت آنے کے ...

اُس دن کا بقیہ وقت گیسٹ ہا...

... ہم نے اِس دوران میں آرام کیا۔ کاغذات کی ... میں نے اصل اور نقل کاغذات دو بڑے لفافوں ... تھے۔

... نے رضوان کے کمرے میں کھایا۔ لی شینگ نہیں ... تھا کہ ابھی روانگی کا بندوبست نہیں ہوا تھا۔ کھانا ... اپنے کمرے میں سونے کے لیے چل دی۔ ... ہی میں ٹھٹک کر رُک گئی۔ میری چھٹی حس ... تاریک کمرے میں اپنے علاوہ کسی اجنبی وجود کی ... رہا تھا۔ ایک لمحے بے حس و حرکت رہ کر میں نے ...

... "دروازہ بند کر کے لائٹ جلا دیجیے!" معاً ... سنائی دی اور میں چونک اُٹھی۔ وہ آواز دھیمی تھی۔ ... مخاطب کیا گیا تھا لیکن مجھے سمجھنے میں دیر ... گریز نہیں ہے۔ اُس کے لہجے میں انگریزوں کی سی ...

... میری دشمن نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اگر وہ دشمن ... سے فائدہ اُٹھا کر میرا کام تمام کر چکی ہوتی۔ یہ ... آگے بڑھی اور سوئچ آن کر دیا۔ کمرے میں ... مڑ کر فوراً دروازہ بند کر دیا۔ ... کے مُڑی اور میری آنکھوں میں چکا چوند سی ہو ... نظر آ رہی تھی۔ شعاعِ حُسن نے میری آنکھوں ... چکا کر رہ گئی۔ ایک سراپا حُسن، مجسم قیامت ... سامنے صوفے پر بیٹھی تھی۔ میں ایک قدم ... و فراز اور واضح ہو گئے۔ میرا تنفس تیز ہو ... گئیں۔ میں اُس سیم تن کے جلوۂ حُسن میں جیسے ... سے بات کروں! میں نے سوچا، اور پھر میں ... جا کر بیٹھ گئی۔ اُس کے جسم سے جیسے کوئی برقی ... اپنے حصار میں لیے لے رہی تھی۔ اگر اُس کے ... اور وہ مجھے مخاطب نہ کرتی تو نہ جانے میں ... رہتی۔

... اور میرے دل کی دُنیا جیسے زیر و زبر ہو ... آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے کمرے میں آ گئی ... آپ سے ملنا ضروری تھا۔ میں کافی دیر سے یہاں ...

... سے عربی نژاد معلوم ہوتی ہو۔ کیا تمہارا تعلق پیکنگ میں موجود فلسطینی وفد سے ہے؟" میں نے اُس کی بڑی بڑی حسین آنکھوں میں تقریباً جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ میں نے عربی زبان استعمال کی تھی۔

لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا، پھر بولی۔ "میرا نام لیلیٰ کمال ہے۔"

اِس مرتبہ اُس نے عربی ہی بولی تھی۔

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اُس کا نام سُنتے ہی مجھے فلسطینی وفد کے بارے میں لی شینگ کی فراہم کردہ معلومات یاد آ گئی تھیں۔ اُس رپورٹ میں لی شینگ نے لیلیٰ کمال کا نام بھی لکھا تھا اور اُس کے بارے میں پوری تفصیل بھی! میرے ذہن میں ایک ایک بات تازہ ہو گئی۔

لی شینگ نے اپنی رپورٹ میں لیلیٰ کمال کے بارے میں لکھا تھا کہ اُس نے مصر میں تعلیم پائی تھی۔ اُس کے والدین جلا وطن فلسطینی تھے اور فلسطین کو یہودی قبضے سے آزادی دلانے کی کوشش میں شہید ہو گئے تھے۔ لیلیٰ کمال قاہرہ یونیورسٹی سے کیمسٹری میں ایم۔ ایس سی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آزادیٔ فلسطین کی تنظیم پی۔ ایل۔ او سے منسلک ہو گئی تھی۔ لیلیٰ کمال نے کمانڈوز کی مکمل تربیت حاصل کرنے کے باوجود بہت کم مہموں میں حصہ لیا تھا۔ اِس کا سبب یہ تھا کہ اُسے زیادہ تر ایسے وفود کا ممبر بنا دیا جاتا تھا جن کا کام بیرونی قوتوں سے گفت و شنید کر کے زیادہ سے زیادہ فوجی امداد حاصل کرنا ہوتا تھا۔ فلسطینی تنظیم آزادی کی انٹیلی جینس میں بھی اُس کا ایک اہم مقام تھا اور وہ اِس سلسلے میں کئی بار صیہونی انٹیلی جینس سے ٹکرا چکی تھی۔

لیلیٰ کمال کے بارے میں سوچتے ہوئے میں نے اُس کے کسے کسے بدن کو ندیدوں کی طرح دیکھا۔ میری بیباک نگاہی کو غالباً اُس نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ شاید اِسی لیے اُس کے چہرے پر حیا کی سُرخی سی دوڑ گئی تھی اور وہ مزید حسین نظر آنے لگی تھی۔

جھکی جھکی حیا بار آنکھیں جیسے میرے پورے وجود پر چھا گئی تھیں۔ وہ نیچی نگاہ کر کے کہہ رہی تھی۔ "مجھے آپ کی بہن کے انتقال پر شدید دکھ ہوا۔ وہ مجھ سے ہی ملنے ہوٹل آئی تھیں لیکن میری بدقسمتی کہ میں اُن سے نہ مل سکی۔ اِس طرح میری جو امانت اُن کے پاس تھی، وہ بھی میں اُن سے نہ لے سکی۔ مجھے اپنے زیاں کے ساتھ اُن کی موت کا بھی دکھ ہے۔"

اُس کی آواز میں خلوص تھا۔

"رضیہ زندہ ہے۔" میں نے اُسے تسلی دی۔

وہ میری بات سُن کر واضح طور پر چونک اُٹھی، پھر مسرت آمیز لہجے میں بولی۔ "یہ تو آپ نے بہت اچھی خبر سُنائی۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے پاس میری امانت بھی محفوظ ہو گی۔"

"لیکن وہ تمھارے دشمنوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے" میں نے بتایا۔
لیلیٰ کا چہرہ ایک بار پھر اُداس اُداس سا نظر آنے لگا۔ وہ بولی۔ "پھر تو میری امانت بھی اُن کے ساتھ گئی" اُس کے لہجے میں مایوسی تھی۔
"رضیہ کو اغوا کرنے کے بعد دشمنوں نے اُس کے کمرے کی تلاشی بھی لی تھی لیکن وہ جو چیز تلاش کر رہے تھے انھیں نہیں مل سکی" میں نے اُسے پھر اُمید دلائی۔
لیلیٰ نے اُلجھن آمیز نگاہ سے میری طرف دیکھا ... "آپ یہ بات بے یقین سے کس طرح کہہ سکتی ہیں کہ دشمن اپنے مقصد میں ناکام رہے تھے اور وہ جو چیز تلاش کر رہے تھے انھیں نہیں ملی؟ کیا خبر وہ چیز انھیں مل ہی گئی ہو!"
"میری بہن جب کوئی چیز کسی کی نظر سے چھپانا چاہتی ہے تو وہ آسانی سے نہیں ملتی ... چیز صرف اسی کو مل سکتی ہے جسے رضیہ چاہے" میری آواز میں کھنک آگئی تھی۔
لیلیٰ نے اپنی غزالی آنکھوں سے ایک بار پھر مجھے دیکھا۔ اُس کا چہرہ دوبارہ چمک اُٹھا تھا۔ وہ مسرّت آمیز لہجے میں بولی "تو رضیہ نے میری امانت آپ کے لیے محفوظ کر دی تھی اور آپ نے وہ چیز حاصل کر لی؟"
اُس کے چہرے پر خوشی کے سبب ہلکی سی سُرخی آگئی تھی جس کے سبب اُس کا حُسن کچھ اور نکھر گیا تھا۔ میں نے آہستہ سے اُس کے رخسار کو تھپتھپایا اور کہا "یوگوسلاوی لڑکی کے دیے ہوئے کاغذات اگر میرے توسط سے تمھیں مل جائیں تو مجھے کیا انعام ملے گا؟"
"جو آپ مانگیں!" لیلیٰ بے ساختہ بولی "وہ کاغذات اِتنے اہم اور قیمتی ہیں کہ میں اُن کے لیے اپنی جان بھی دے سکتی ہوں" اُس کے لہجے میں جوش تھا۔
"تو پھر طے رہا۔ اگر میں نے تمھارا کام کر دیا تو تم میری بات مان لو گی" میں نے شوخ نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔
"بالکل!" اُس نے بے سوچے سمجھے حامی بھر لی اور اُمید بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔
"ویسے کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ اُن کاغذات میں ہے کیا؟" میں نے پوچھا۔
میرا سوال سُن کر اُس کے چہرے پر تذبذب سا نظر آنے لگا۔ شاید وہ مجھے بتاتے ہوئے ہچکچا رہی تھی مگر غالباً اُس نے فیصلہ میرے حق ہی میں کیا۔
"آپ کو کچھ بتانا غالباً ہمارے لیے نقصان دہ نہیں ہوگا کیونکہ آپ جس ملک سے تعلق رکھتی ہیں، اُس کے عوام اور حکومت دونوں ہی ہمارے حق میں ہیں" لیلیٰ کمال نے ... کے لیے مجھ سے کہا، پھر چند لمحے توقف ... انتہا پسند زیرِ زمین یہودی نواز جماعت ... نوعیت کے ہتھیار تیار کر رہی ہے۔ ہمیں معلوم ... اہم چیز اسرائیل کے حوالے کرنے والی ... کے بارے میں ہیں۔ ... وہ کاغذات اُس جماعت کے عزائم اور منصوبوں ...
میں نے لیلیٰ کی تائید میں کہا ...
لیلیٰ مجھے مزید تفصیلات ... میں ایک لڑکی ہماری ہمدرد تھی۔ وہ ... دشمنوں کی نظر میں آگئی تھی اور ... چکا تھا۔ اُس نے بمشکل ہم تک یہ ... جماعت کے بارے میں تفصیلی رپورٹ ... نے ہم سے رابطہ قائم کیا تو ... میں ہیں۔ وہ لڑکی بہت اچھی گلوکارہ ... طائفے میں اُس کا نام بھی بآسانی شامل ... دی کہ چین میں وہ ہر طرح محفوظ ...
چین ہمارا ہمدرد ہے اور ہر طرح ... ایک وفد کی صورت میں آنا مشکل ... ثابت ہوا کہ چین میں ہم دشمنوں ...
لیلیٰ خاموش ہوگئی تو میں اپنی ... بولی "میں ابھی وہ کاغذات تمھارے ... کہہ کر میں نے قریب رکھی ہوئی ... لیے، پھر میں نے وہ لفافے ...
لیلیٰ نے بڑی بیتابی سے ... اُس نے لفافے کھول کر اندر رکھے ہوئے ... ایک نظر دیکھ کر بولی "کاغذات کی ...
"میرا ارادہ تھا کہ میں کاغذات ... نے جواب دیا "اُس کے بعد اصل ... کو رہا کرالوں گی مگر تم نے یہاں ...
"کیوں؟ میرے آنے سے ...
"پتا نہیں تمھیں یہاں آتے ... آج نہیں تو کل دشمنوں کو پتا چل جائے ... اِس صورتِ حال میں انھیں کسی طرح ... میں نے تمھیں نہیں دکھائے۔ ان ...

... کہ تم باخبر ہو جلی ہو کہ اِن کاغذات میں ... میں اِن کی واپسی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے"
... سمجھائی۔
"آپ تو کسی نے بھی نہیں دیکھا" لیلیٰ میری بات ... بولی "آپ شاید بھول گئیں کہ جب آپ ... تھا"
... تھی۔ بند کمرے میں اُس کی موجودگی میرے ... تھی مگر پھر اُس کے حسین چہرے پر نظر پڑتے ہی میں ... رہی۔
"کیسے آئیں؟" میں نے لیلیٰ سے وہ سوال کیا ... تھا۔
"... روشندان بہت بڑا ہے" اُس نے مسکرا کر ... جالی بہت آرام سے کھل جاتی ہے میں ... اُوپر آئی، پھر جالی کی درز میں ایک تار ... کھول کر اندر آگئی۔ پہلے میں نے کھڑکی ... تھا مگر وہ مضبوطی سے بند تھی۔ میں نے کھڑکی ... کوئی جواب نہیں ملا کیونکہ آپ کمرے میں نہیں ... داخل ہونے کے لیے دوسرا راستہ اختیار ...
... روشندان سے اندر آنا کوئی معمولی کام نہیں ... ثابت ہو سکتی تھی۔ میں نے لیلیٰ کو ستائش بھری ... تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں؟ ظاہر ہے ... نہیں ہوگی کہ کاغذات میرے پاس ہیں"
... کی موت نے ہمیں بہت مایوس کر دیا تھا۔ ... اور چین آنا فضول ثابت ہوا مگر ... بہن حادثے کا شکار ہونے سے پہلے ہمارے ... میرا ایک ساتھی یہاں گیسٹ ہاؤس میں ... ہاتھ ... کی تلاش ... کر رہی تھیں ... ہوئے ہیں۔ ایک اُمید موہوم یہ تھی کہ ... کاغذات کہیں محفوظ کر دیے ہوں اور آپ کو ... آمد کا مقصد آپ سے تعزیت کرنا بھی تھا ... کام کرتے ہوئے حادثے کا شکار ہوئی تھیں"
"... آنے کا کیا مقصد تھا؟" میں نے سوال کیا۔ ... کاغذات دشمنوں کے ہاتھ نہ لگے ہوں اور آپ کے پاس ہوں۔ اِس صورت میں آپ سے علم ہوا تھا اب کے لیے خطرے کا باعث ہو سکتا تھا۔ ممکن ہے کہ دشمن آپ کی نگرانی کر رہے ہوں لیکن ہم محسوس کر چکے ہیں کہ ہمارے وفد کے تمام ارکان کو دشمن اپنی نظر میں رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے اِس لیے پہلے اِس بات کا اطمینان کیا کہ کوئی میرا پیچھا تو نہیں کر رہا، پھر میں خاموشی سے یہاں تک پہنچ گئی"
لیلیٰ کی بات سُن کر میں نے اطمینان کا لمبا سانس لیا، پھر اُس سے بولی "ایسی صورت میں پہلے میں نے جو ترکیب سوچی تھی اُس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ تم سوچ لو کہ کاغذات کی نقل سے تمھارا کام چل جائے گا یا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اِس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں اصل کاغذات کے ذریعے رضیہ کو دشمنوں کے نرغے سے نکالنے کی کوشش کر رہی ہوں"
لیلیٰ نے ایک بار پھر دونوں لفافوں سے کاغذات نکال کر اُن کا موازنہ کیا، پھر انھیں لفافوں میں واپس رکھتے ہوئے مجھ سے کہا "ٹھیک ہے، نقل اور اصل میں کوئی فرق نہیں۔ یہ دستاویزات تو ہیں نہیں کہ انھیں محفوظ کر لیا جائے۔ عام طور سے اِس قسم کی رپورٹ پڑھ کر جلا دی جاتی ہے تاکہ دشمن کے ہاتھوں میں پڑ کر رپورٹ دینے والے ایجنٹ کے لیے خطرناک ثابت نہ ہو سکے۔ اِس کی ... عبارت بنے گی اُسے البتہ محفوظ کر لیا جائے گا مگر آپ اصل کاغذات کیسے دیں گی؟ کیا آپ کی نظر میں دشمن کا کوئی آدمی ہے؟ ویسے میں آپ کو اِس بات کا یقین دلا دوں کہ چینی حکومت آپ کی بہن کو بہت جلد تلاش کر لے گی"
"ممکن ہے ایسا ہوتا مگر اب رضیہ چین میں نہیں ہے" میں نے لیلیٰ سے کہا، پھر اُسے میں نے اب تک کی تمام صورتِ حال سے آگاہ کر دیا اور آخر میں بولی "طائفے کا ڈاکٹر ہی تنہا سب کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اُس کے اور ساتھی بھی ہیں۔ مجھے ایک شخص پر شبہ ہے اور میں براہِ راست اُس سے گفتگو کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں"
"یہ خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے" لیلیٰ نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔
"خطرات سے کھیلنا ہی میری زندگی ہے" میں ہنس کر بولی۔
لیلیٰ نے مجھے حیرت سے دیکھا، پھر کہا "بہرحال آپ ہر طرح سے مجھے اپنا سمجھیں اور مجھ سے آپ کے لیے جو کچھ ہو سکتا ہے بلا جھجک کہیں۔ آپ کی بہن نے فلسطین کے مظلوموں کی خاطر خود کو خطرے میں ڈال کر جو کارنامہ انجام دیا ہے، ہم کسی طرح اُس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے" لیلیٰ کے لہجے سے محبت اور خلوص کا اظہار ہو رہا تھا۔
میں نے اُس کے حسین چہرے کی طرف نگاہ اُٹھائی اور معنی خیز

لہجے میں کہا۔" دیکھو لیلیٰ تمھیں کاغذات مل گئے، اب مجھے میرا انعام دلواؤ!" میری آواز میں جذبات کی لرزش تھی۔

" آپ جو کہیں گی، وہ میں مہیا کر دوں گی۔ ہمارے پاس فنڈ کی کمی نہیں۔ آپ نے ہمیں جو چیز دی ہے وہ انمول ہے۔" لیلیٰ نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

" مجھے روپے پیسے کی ضرورت نہیں بلکہ مجھے بھی ایک انمول چیز چاہیے۔" میری آواز شدتِ جذبات سے بھاری ہو گئی۔

" انمول چیز؟" وہ حیرت سے بولی۔" وہ کیا انمول چیز ہے؟"

" وہ ... وہ تم ہو لیلیٰ جانی تم!" مجھے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔" مجھے تمھاری ضرورت ہے۔"

" میری ضرورت؟" اُس کے لہجے کی حیرانی برقرار تھی۔ وہ اب بھی میرا مدعا نہ سمجھ سکی تھی۔" آپ .... آپ میرا کیا کریں گی بانو؟" اُس نے معصومیت سے پوچھا۔

" میں تم پر اپنی زندگی وار دوں گی۔" میں اُس کے قریب ہو گئی اور اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور مجھے یوں لگا جیسے میں نے دہکتا ہوا انگارا چھو لیا ہو۔ میرے سارے بدن میں اُس کے جسمانی لمس سے بجلی سی دوڑ گئی۔ میری بے قرار انگلیاں اب اُس کی پشت اور شانوں کو سہلا رہی تھیں۔ جو زبان نہ کہہ سکی میری انگلیوں کے لمس نے کہہ دیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس نے شرما کر نظر نیچی کر لی اور اُس کا چہرہ حیا سے سُرخ ہو گیا۔ مجھے یقین آ گیا کہ اُس نے میرا مدعا سمجھ لیا ہے۔ میں نے اُس کی ٹھوڑی اُوپر اُٹھاتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔" کیوں لیلیٰ جانی! کیا تمھیں میری طلب پوری کرنے سے انکار ہے؟"

لیلیٰ نے نگاہ اُٹھائی، میخانے وا ہوئے، اور پھر وہ شرمیلے لہجے میں بولی۔" میں... میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

" میرے قریب تو آؤ! سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور لیلیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

بہاریں میری آغوش میں آ گئیں جن کی خوشبو سے میرے جسم و جاں مہک اُٹھے۔ میں پھولوں سے قریب ہو گئی، کنوارے پھول جن کی خوشبو شاید مجھ سے پہلے کسی نے نہیں سونگھی تھی۔ میں اُس خوشبو کی لہر میں آگے بڑھی۔ پھول کھلے تھے، پات ہرے تھے۔ میں نے کم کم باد و باراں کی سی کیفیت محسوس کی۔ آتشِ شوق کو شعلۂ حسن کے قریب آنے اور بھڑکا دیا۔ ایک، نجانے خوشبو رموزِ رنگ و آہنگ سے ہمکنار ہونے کے لیے مچل اُٹھی۔ ایک پیاربدن ہمارے پہلی بار نازکی احساس کے آبگینوں میں لذت دہر فشانی کے جامِ کیف آگیں سے سیراب ہونے کی خاطر لب وا کیے، پھر اُن لبوں میں قطرہ قطرہ جذبات کی شبنم برسی۔ کسی مُنہ بند کلی کے کھلنے کی صدا

سُنائی دی۔ کلی اپنے روبرو ایک مہکتا ہوا پھول سے بغلگیر ہو گئی، خود بھی پھول بن جا ہو جانے کے لیے! فضا میں جیسے جلترنگ بج اُ اُس میں دو وجود بہتے چلے گئے۔ ایک لہ تواتر کے ساتھ لمحہ بہ لمحہ تے بڑھتی گئی۔ پھر اُس کی تال اتنی بلند تھی کہ ساری کائنات میں جیسے کوئی صدا نہیں تھی۔ صدا کہ آؤ حوا ہو جا چلو منزلِ شوق سے ہمکنار ہوں۔ صدا کہ کریں۔ صدا کہ جسموں کی فصیل گرا دیں۔ صدا ڈوب جائیں اور پھر کبھی نہ اُبھریں۔ صدا کہ سے بھر لیں۔ صدا کہ وہ راگ الاپیں کہ نغمے کے آخری بول گنگنا رہے تھے اور دم بن گئے تھے۔ ایک آخری صدا بلند ہوئی اور خاموش ہو گئے اور نغمہ ختم ہو گیا۔ کلی کھِل کر نڈھال ہوئی تھی کہ اُس پھول سے لپٹ کر جیسا بنا دیا تھا۔

میں ایک حسین خواب سے بیدار ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی میں دن کا اُجالا پھیلنے سے قبل یہاں

" مگر تم کیسے جاؤ گی؟" میں پوچھا۔ ابھی میرے پورے حواس ایسا احمقانہ سوال نہ کرتی۔

" جس طرح آئی تھی اُسی طرح چلی

" اچھا جاؤ! شاید پھر کبھی ملاقا ہوئے کہا۔" ہم نے جو لمحے ساتھ گز

میری بات پر اُس نے شرما کر کہیں کچھ کہتی وہ کھڑکی کی طرف بڑھ گئی کھولی اور میری طرف دیکھ کر بولی

" خدا حافظ!" میں نے کہنا چاہتا تھا مگر میں اپنے اطمینان کی نما دیکھنا چاہتی تھی۔

وہ چشمِ زدن میں کھڑکی کے قریب پہنچی۔ میں نے نیم دھندلکے میں کی دوسری جانب لٹکا رکھا ہے۔ وہ تھوڑا سا کھسک کر

ی سے نیچے اُتر گئی۔ چند لمحے بعد ہی وہ نیچے گلی میں ی طرف دیکھ کر رخصتی انداز میں ہاتھ ہلا رہی تھی۔ اتھ کے اشارے سے اُسے رخصت کیا۔ وہ مُڑ کر ے کی طرف چل دی۔

ے سے اوجھل ہو گئی تو میں نے کھڑکی بند کی، کمرے گاہ ڈال پھر بستر پر دراز ہو گئی۔ دوبارہ سونے نہیں لگی تھی۔

فون کی گھنٹی بجی تو آنکھ کھُل گئی۔ ٹیلیفون مسہری کی چھوٹی سی تپائی پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے لیٹے سیور اُٹھا لیا۔

ب لی شینگ تھا۔ اُس نے بتایا کہ یوگوسلاویہ کے ابندوبست ہو گیا ہے، صرف کچھ مسئلہ باقی ہے۔ لون کرے گا۔ مجھے تیار ہو جانا چاہیے۔

ی ہوئی۔ اپنے کمرے سے نکل کر میں نے رضوان کھٹکھٹایا۔ وہ جاگ چکا تھا۔ میں نے اُسے لی شینگ گاہ کیا اور بولی۔" تم اِتنے سامان باندھو، میں

جا رہی ہیں بانو؟" اُس نے پوچھا۔

یال کی تصدیق کرنے۔" میں نے جواب دیا۔

کر لیجیے!"

نہیں ہے۔ تم ناشتہ کر لو، میں آ کر ناشتے سے

؟"

تو ہو کر آپ کہاں جا رہی ہیں، وہ بھی اِتنی

دن بولا۔

ل تک جانا چاہتی ہوں جہاں یوگوسلاوی طائفہ نے بتایا۔" اب اِس سے آگے کچھ نہ پوچھنا، ل!"

مگر جلدی آئیے گا! کہیں لی شینگ آ جائے۔" کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی اور ڈرائیور کو بتا دے، میں آ رہی ہوں۔ اُس لی گھس گئی۔

ہو کر میں نے کپڑے پہنے اور باہر نکلتے ہیں

ل کا نام بتا کر میں نے تیزی سے چلنے کے لیے نے مجھے بہت جلد اُس ہوٹل تک پہنچا دیا جہاں

یوگوسلاوی طائفہ ٹھہرا ہوا تھا۔

میں نے استقبالیہ سے یوگوسلاوی طائفے کے منیجر کا کمرہ نمبر معلوم کیا۔ پہلی منزل پر مجھے مطلوبہ کمرہ مل گیا۔

میں نے کمرے کے دروازے پر کئی دستکیں دیں تو دروازہ کھُلا۔ دروازہ کھولنے والا طائفے کا منیجر تھا اور مجھے اُسی سے ملنا بھی تھا۔ وہ ایک اَدھیڑ عمر شخص تھا مگر اُس کی صحت اچھی تھی۔ اُس کے چہرے سے مزاج کی کرختگی کا اظہار ہوتا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے۔

" میں رضیہ کی بہن ہوں۔" میں نے جرمن زبان میں کہا۔ یوگوسلاوی زبان، جرمن زبان سے ملتی جلتی ہے اِس لیے وہاں کے باشندے جرمن زبان سمجھ لیتے ہیں۔ میں نے اِسی لیے جرمن زبان کا سہارا لیا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔" میں اُس لڑکی کی بہن ہوں جسے تم نے اغوا کر کے یوگوسلاویہ بھیج دیا ہے۔"

اَدھیڑ عمر منیجر کے چہرے پر حیرت کے آثار گہرے ہو گئے، پھر چند لمحے بعد وہ بولا۔" میں آپ کی بات سمجھنے سے قاصر ہوں۔ آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔"

" میرا نام صبیحہ بانو ہے اور مجھے آسانی سے غلط فہمی نہیں ہوتی، سمجھے!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

" اگر آپ اندر تشریف لے آئیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔" منیجر نے نہایت شائستگی سے کہا۔ وہ اچھا اداکار معلوم ہوتا تھا۔ لی شینگ نے اپنی رپورٹ میں اُس کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، وہ غلط نہیں تھا۔ وہ مجھے کمرے میں داخل ہونے کے لیے راستہ دینے کی خاطر ایک طرف ہو گیا۔

میں کمرے میں داخل ہو گئی۔ اُسی کمرے سے ملحق ایک اور کمرہ بھی نظر آ رہا تھا جو غالباً بطور خوابگاہ استعمال ہوتا تھا۔ میں جس کمرے میں داخل ہوئی اُس کی حیثیت نشست گاہ کی تھی۔ وہ کمرہ سادہ مگر آرام دہ فرنیچر سے آراستہ تھا۔

منیجر کمرے کا دروازہ بند کر کے میری طرف مُڑا۔ اُسی وقت میں نے اپنا پرس کھول کر رول کیے ہوئے کاغذات نکالے اور اُنھیں منیجر کی طرف لہرایا۔

" یہ کاغذات اِس بات کا ثبوت ہیں کہ مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔" میں نے تیز لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔

منیجر کی نگاہ جیسے کاغذات سے چپک کر رہ گئی تھی۔ وہ اُن کاغذات کو حریصانہ نظر سے دیکھے جا رہا تھا۔

وہ خاموش رہا تو میں پھر بول اٹھی۔ "تمھاری خاموشی سے
پتا چل رہا ہے کہ مجھے واقعی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ٹھیک ہے، میں
آزادیٔ فلسطین کے وفد سے مل کر دیکھتی ہوں، شاید وہ لوگ میری
مدد کر سکیں۔" یہ کہہ کر میں نے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔
منیجر نے میرا راستہ روک لیا اور سرد لہجے میں بولا۔ "غلط فہمی
شاید مجھے ہو گئی تھی، آپ ٹھیک جگہ آئی ہیں۔ کیا آپ نے یہ کاغذات
کسی اور کو بھی دکھائے ہیں یا کسی اور سے اِن کا ذکر کیا ہے؟"
"ابھی تو میں نے کسی سے اِن کاغذات کا ذکر کیا ہے اور نہ کسی
کو کاغذات دکھلائے ہیں لیکن اگر میری بہن کا پتا نہ چلا تو میں یہ کاغذات
مناسب لوگوں کو دکھانے میں دیر بھی نہیں کروں گی۔" میں نے بڑے
اطمینان سے اُس کی بات کا جواب دیا۔
"آپ کی بہن بخیریت ہیں لیکن وہ اب یہاں چین میں نہیں
ہیں جو انھیں فوری طور پر آپ کے حوالے کر دیا جائے۔"
میں نے منیجر کو گھورا، پھر قدرے نرم لہجے میں کہا۔ "مجھے اِن
کاغذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن تم لوگوں کو یہ کاغذات حاصل
کرنے کے لیے میری بہن کو آزاد کرنا پڑے گا۔ کیا تم اُسے واپس
پیکنگ بُلا سکتے ہو؟"
میری بات سُن کر اُس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مُسکراہٹ
آ گئی اور وہ بولا۔ "کیا آپ مجھے اِتنا ہی احمق سمجھتی ہیں؟"
"کیوں اِس میں حماقت کی کیا بات ہے؟" میں نے کہا۔
"اُسے دوبارہ پیکنگ لانے کا مطلب خود کو دلدل میں پھنسانا
ہوگا۔ طائفے کے ڈاکٹر کی عدم موجودگی میں اِس وقت چینی حکومت
کے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ وہ ہم پر ہاتھ ڈال سکے لیکن آپ کی بہن
کے یہاں آنے کے بعد ہم پھنس جائیں گے۔" وہ چالاکی سے بولا۔
"پھر تو وہ ... کسی کے ہاتھ نہیں آ سکے گا کیونکہ تم نے
اُسے بھی میٹھی نیند سُلا دیا ہے۔"
میری بات سُن کر وہ پھر مُسکرایا اور بولا۔ "آپ کا خیال غلط ہے۔
اب تک وہ پولیس کے ہاتھ آ چکا ہوگا۔ اُس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی ہے۔"
میرا یہ اندازہ غلط نہیں نکلا کہ ڈاکٹر کو ٹھکانے لگا دیا گیا ہوگا۔
کچھ توقف کے بعد میں نے دوبارہ مطلب کی بات چھیڑ دی۔ "تمھیں اِن
کاغذات کی ضرورت ہے اور مجھے اپنی بہن کی واپسی سے دلچسپی ہے۔
یہ تبادلہ تم کہاں اور کس طرح چاہتے ہو؟"
"آپ نے بڑی مناسب بات کہی ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "اگر
آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیں تو شاید میں بھی کوئی مُناسب تجویز پیش
کر سکوں۔"

"سُنو! میں گھنٹے بھر بعد لوٹ...
بھیجا گیا ہے۔ اگر تمھیں کاغذات...
اندر مجھے یوگوسلاویہ کا وہ پتہ ...
رضیہ مل سکے۔" میں فیصلہ کُن لہجے...
وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر...
پتہ نہ بتاؤں تو؟"
"تو تمھیں کاغذات سے محروم...
جواب دیا۔
"وہ کیسے؟" اُس نے ...
"وہ اِس طرح کہ میں یہ کاغذ...
نے دروازے کی جانب قدم بڑھا...
"شیر کی کچھار میں گھس کر ...
اُس نے قہقہہ لگایا اور سخت لہجے...
ساتھ اُس نے تیزی سے اپنی جیب...
دوسرے ہی لمحے اُس کے ہاتھ...
میری جانب اُٹھی ہوئی تھی...
میں نے ریوالور کی نال پر لگا ...
رہی تھی کہ کیا میں نے یہاں آ کر غلطی کی...
"کاغذات زمین پر پھینک..."
دیا۔ میں اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی...
ہوں، کاغذات پھینک دو ورنہ میں...
پھر بھی اُس کا حکم نہ مانا تو وہ بولا...
تم نے اِس سے پہلے کاغذات...
...
اُس نے گنتی شروع کر دی...
"دو ..." وہ چیخا اور اُس کی...
میں سمجھ گئی کہ وہ کاغذات حاصل...
سے دریغ نہیں کرے گا۔

اب وقت ضائع کرنا بیکار تھا...
پڑی۔ وہ گنتی گنتے گنتے رُک گیا...
یہ گڑیاں نہیں کھیل رہیں...
پہلے ہی میں اپنے بچاؤ کی تدبیر سوچ چکی...
جو کچھ پیش آیا تھا، وہ غیر متوقع نہیں تھا...

... ہاتھ میں تھامے ہوئے کاغذات میں سے ایک
... کاغذ اُس کی طرف اچھال دیے اور بولی۔ "میں
... میں سے صرف ایک کاغذ لے کر آئی تھی۔ باقی
... اُس کے پاس گیسٹ ہاؤس میں محفوظ ہیں۔ اگر میں
... اندر اُس کے پاس واپس نہیں پہنچی تو وہ
... گا اور اُس کے دس منٹ بعد ہی یہ ہوٹل چینی
... ہوگا۔"
... کینہ توز نگاہ سے دیکھا، ایک نظر کمرے میں پھیلے
... اُن پر ڈالی، پھر مسکراتے ہوئے ریوالور اپنی جیب میں
... کراہٹ خجالت اور اعترافِ شکست کی غماز تھی۔
... مصالحت پر آمادہ ہوں۔" اُس نے مسکرانے کی
... ہوئے کہا۔
... وہ جگہ بتا دو جہاں رضیہ کو بھیجا گیا ہے۔" میں نے اپنا
... اور اُس کے ساتھ کہا۔ "کاغذات اُسی صورت میں واپس
... جب رضیہ مجھے مل جائے۔ کاغذات صرف پتہ بتانے
... لیے جائیں گے۔"
... سمجھتا ہوں۔" وہ ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "آپ
... جائیں۔ میں شاید آپ کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی
... بتا دوں جہاں کاغذات کے عوض آپ کی بہن کو آپ
... ہوگا۔" میں نے پُرسکون آواز میں کہا اور دروازے

... دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تو اُس نے میرے پیچھے زور
... میں نے کیا میں مطمئن انداز میں مسکرا دی۔ دشمن کو غصّہ دلا کر
... ہوتی تھی۔
... اُوس پہنچی تو رضوان بے چینی سے میرا منتظر تھا۔
... اُس نے مجھے دیکھتے ہی سوال کیا۔
... کہ رضیہ خیریت سے ہے۔" میں نے اُسے اطمینان
... کہ کاغذات
... ۔ یہ تبادلہ غالباً یوگوسلاویہ کے دارالحکومت
... ہوگا۔"
... کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔ اُس نے بتایا۔
... فون آیا تھا۔ وہ ہمیں لینے کسی بھی وقت یہاں پہنچ
...
... سے پہلے کہ لی شینگ آتا، یوگوسلاویہ طائفے کے منیجر کا

فون ملا۔ اُس نے فون پر میری آواز پہچاننے کے بعد یوگوسلاویہ
دارالحکومت بلغراد میں موجود ایک عمارت کا پتہ بتایا۔
چند منٹ بعد لی شینگ ہمیں لینے آ گیا۔ میں نے طائفے
منیجر سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں اُس سے سوال کیا۔ "...
طائفے کے ڈاکٹر کا کچھ پتا چلا؟"
"جی ہاں!" اُس نے جواب دیا۔ "اُس کی لاش ایک پارک ...
ملی ہے۔ ابھی لاش کا پوسٹ مارٹم تو نہیں کیا گیا لیکن لاش دیکھ...
اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زہر کھا کر مرا ہے یا اُسے زہر دے کر مارا...
گیا ہے۔ اُس کی جیب سے زہر کے دو کیپسول بھی ملے ہیں۔ اِس...
اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غالباً اُسے کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ اُس...
گرفتاری کے خوف سے خودکشی کر لی ہے۔"
منیجر کے دعوے کی تصدیق ہو گئی تھی۔ میں نے لی شینگ کی
آرائی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اِسی دوران میں گیسٹ ہاؤس کے ...
کمرے میں داخل ہوئے۔ غالباً لی شینگ میرے کمرے کی طرف...
ہوئے اُن سے آنے کے لیے کہہ آیا تھا۔
ملازمین نے میرے اشارے پر سامان اُٹھایا اور باہر نکل...
رضوان کے کمرے کا سامان بھی اُٹھا لیا گیا اور ہم عمارت سے باہر...
آ گئے۔ ملازمین نے کار کی ڈِکی میں ہمارا سامان رکھ...
میں اور رضوان کار کی پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ اِس دوران...
لی شینگ ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔
لی شینگ کے ہمراہ ایئرپورٹ جاتے ہوئے میں نے مومو...
رخصت ہونا ضروری سمجھا۔ اُسے اطلاع بھی نہیں تھی کہ میں ...
جلدی چین چھوڑ کر کہیں اور روانہ ہو جاؤں گی۔ میرے ایما پر ...
کو اسپتال کی جانب موڑ لیا گیا۔
کار اسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو کر رُک گئی تو رضوان ...
بھی موموسے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔
"چلو تم بھی چلو!" میں نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے ...
رضوان بھی کار سے اُتر آیا۔ لی شینگ کار ہی میں بیٹھا رہا...
اور رضوان اسپتال کی عمارت میں داخل ہو گئے۔
مومو مجھ سے یہ سن کر حیرت زدہ رہ گئی کہ میں چین سے...
ہو رہی ہوں۔
"باتو! آخر ایسی بھی کیا جلدی ہے۔" وہ گلوگیر آواز میں بولی۔ "...
میں صحت مند بھی نہیں ہوں کہ میزبانی کا حق ادا کر سکتی۔"
"میرا جانا بہت ضروری ہے میری چینی گڑیا!" میں نے ...
گلے سے لگاتے ہوئے کہا، پھر بولی۔ "تمھیں شاید یہ جان کر خوشی ...

رہ اور بخیریت ہے۔ میں اُسی کی بازیابی کے لیے جا رہی ہوں۔"
"سچ!" وہ کھِل اُٹھی اور اُس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔
"ہاں!" میں نے کہا، پھر اُسے تفصیل بتاتے بتاتے رُک گئی اور
لا "وقت کم ہے، اب اجازت دو!"

اُس کے بعد رضوان نے بھی موموسے چند جملوں کا تبادلہ کیا اور آخر
بولا "اگر زندگی رہی موموتو پھر کبھی زندگی کے کسی موڑ پر ملاقات ہوگی۔
بلہ میں اِس لیے کہہ رہا ہوں کہ عموماً ایسے موقعوں پر لوگ ایسے ہی جذباتی
ے کہتے ہیں۔"

"ورنہ حقیقتاً آپ کے یہ خیالات نہیں؟" مومونے اپنی آنکھوں
آئے ہوئے خوشی کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ رضوان کی موجودگی کے
ب مومونے مجھ سے انگریزی زبان ہی میں گفتگو کی تھی اور رضوان سے
انگریزی ہی میں بات کر رہی تھی۔

مومو کی بات کے جواب میں رضوان نے عجیب سا مُنہ بنایا اور بولا
یرے ذاتی خیالات کیا ہیں، اُنھیں آج تک کوئی نہیں جان سکا
زیز موموا!"

"اور نہ کسی کو جاننے کی ضرورت ہے۔" میں نے درمیان میں مداخلت
اکہ رضوان کی زبان نہ چل نکلے۔ وقت ویسے بھی کم ہی تھا۔ اِس بات
ساس شاید رضوان کو بھی تھا ورنہ وہ جواب میں ضرور کچھ کہتا۔
رخصت ہونے سے قبل ایک بار پھر مومو میرے گلے سے لگ گئی۔
"بانو! ذرا یہ خیال رہے کہ موموکے زخم ابھی تازہ ہیں، کہیں ملکے ہونے
بات کی رَو میں زور سے نہ بھینچ دیجیے گا۔" رضوان نے موقع سے
دہ اُٹھا کر فقرہ چست کیا اور مومو شرما گئی۔

میں نے رضوان کو گھور کر دیکھا اور وہ اِس طرح دوسری طرف دیکھنے
جیسے میرا مخاطب وہ نہیں کوئی اور ہو۔
میں موموسے رخصت ہو کر اسپتال کی عمارت سے رضوان کے ہمراہ
آ گئی۔ اگر رضیہ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں واقعی اِتنی جلدی چین سے روانہ
تی۔

میں اور رضوان کار میں بیٹھ گئے تو کار ایک بار پھر ایئرپورٹ کی جانب
ہ ہوگئی۔ راستے میں مجھے لی شینگ نے یوگوسلاویہ میں اپنے ایک
نے والے کا پتہ بتا دیا۔
"بلغراد میں یہ شخص قابلِ اعتماد ہے۔ میں نے اُسے اطلاع دے
ہے۔ وہ ایئرپورٹ پر آپ کو لینے بھی آئے گا۔" لی شینگ بولا "آپ
ہائش وغیرہ کا بندوبست بھی وہی کرے گا۔ اگر آپ کی بہن رضیہ بانو
د میں ہیں تو شرلے انھیں ڈھونڈنے میں پوری پوری مدد کرے
شرلے اُس شخص کا نام تھا جس کا پتہ لی شینگ نے دیا تھا اور جس

کے بارے میں بتا رہا تھا۔ "میں شرلے سے پہلے بھی اِس قسم
لیتا رہا ہوں۔ اُس نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔ اِسی لیے
پورا اعتماد رکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر لی شینگ نے اپنی جیب
نکال کر میری جانب بڑھایا "یہ اُس کا کارڈ ہے۔"
"شکریہ لی شینگ!" میں نے اُس سے کارڈ لیتے ہوئے
کارڈ کو احتیاط سے اندرونی جیب میں اپنے پاسپورٹ کے ساتھ
ایئرپورٹ پر ایک خصوصی طیارہ ہمارا منتظر تھا۔ لی شینگ
حکومت کی جانب سے میرا اور رضوان کا شکریہ ادا کیا اور
نیک خواہشات کا اظہار کیا، پھر ہماری طرف سے جوابی
کے وہ رخصت ہو گیا۔ میں نے بیکنگ کی کھلی فضا میں آ
لیے اور رضوان کے ساتھ جہاز پر سوار ہو گئی۔
ہماری اگلی منزل زغرات ایئرپورٹ تھا جس کے
پہلے ہی سے علم تھا۔ ہمیں ایئرپورٹ ہی پر چینی سفا
ذمے دار افسر استقبال کے لیے موجود ملا۔ ہم اُس کے
گئے جہاں چند گھنٹے ہم سفارت خانے کے مہمان رہے۔
میں ہمارے پاسپورٹس پر یوگوسلاویہ کا ویزا حاصل کیا
ضروری کارروائیاں مکمل کی گئیں۔ ایک البانوی
جہاز میں بلغراد کے لیے دو فرسٹ کلاس سیٹیں بھی
ٹکٹ حاصل کر لیے گئے۔ چینی سفارت خانے
لیے یہ خانہ پُری کی کارروائیاں مکمل کراتے رہے
غنیمت جانتے ہوئے آرام کرنا مناسب سمجھا۔
چند گھنٹے بعد ہی ہم ایک بار پھر جہاز میں ہوا
سے زیادہ دور نہیں تھا یا کہ ہمیں محسوس ہوا
ابھی ہم سوار ہوئے تھے اور ابھی بلغراد پہنچ گئے۔
بلغراد کے ایئرپورٹ پر ہم کسٹم سے فارغ ہوئے
اَدھیڑ عمر شخص تیزی سے ہماری جانب بڑھا۔
"مجھے شرلے کہتے ہیں۔" اُس نے اپنا ہاتھ
بڑھاتے ہوئے کہا۔
"لیکن تم نے مجھے کیسے پہچانا شرلے؟" میں
"اِس جہاز سے اُترنے والے صرف آپ
ہیں۔" اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔
"مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی۔" میں نے
ہاتھ ملایا، پھر رضوان سے بھی اُس کا تعارف کرا
بات کر رہا تھا اِس لیے رضوان کو کوئی دشواری
"میں نے آپ حضرات کی رہائش کا بندو

ے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے بتایا اور خواہ مخواہ ہنس دیا۔ اُس
ناخوں جیسی تھی جس پر مجھے تعجب ہوا۔
کچھ دیر بعد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ شرلے دلچسپ شخصیت کا
ہے۔ وہ باتیں بہت کرتا تھا، چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر ہنس دیتا
دوسروں کو بھی ہنسانے کی کوشش کرتا تھا۔
میں نے اُسے غور سے دیکھا۔ بظاہر اُس کی شخصیت بھاری بھرکم
ہلی نظر میں وہ ایک بیوقوف سا بڈھا نظر آتا تھا۔ ہاں اُس کی
میں بڑی گہرائی تھی جو اُس کی اصل شخصیت کا اظہار تھیں۔
ایئرپورٹ کی عمارت کے باہر ایک کار موجود تھی جسے خود شرلے
رہا تھا۔ میں اور رضوان پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔
وہ شام کا وقت تھا اور کار بلغراد کے بھرے پُرے بازاروں سے
رہی تھی۔ شرلے کی زبان مسلسل چل رہی تھی۔ وہ ہمیں اپنے ملک
میں ضروری اور غیر ضروری معلومات سے آگاہ کرتا جا رہا تھا۔
تقریباً نصف گھنٹے سفر کے بعد شرلے نے ایک تین منزلہ ہوٹل
کے آگے روک دی۔ کچھ دیر بعد ہی ہم دوسری منزل کے ایک دو کمروں
میں پہنچ چکے تھے۔ کمرے آرام دہ اور جدید سامانِ آرائش
سے آراستہ تھے۔ ہم صوفوں پر بیٹھ گئے۔
اِس سے پہلے کہ شرلے کی زبان پھر قینچی کی طرح چلنے لگتی، میں
نے اُسے مختصراً صورتِ حال سے آگاہ کیا اور جب وہ تمام بات اچھی طرح
سمجھ گیا تو میں نے طائفے کے منیجر سے حاصل کیا ہوا پتہ اُسے بتایا اور
کہا "دو گھنٹے کے اندر اندر تم جو کچھ معلوم کر سکو مجھے بتاؤ۔ میں دو گھنٹے
بعد اِس جگہ جانا چاہتی ہوں۔"
"اگر آپ کی بہن اِس پتے پر موجود ہوئیں تو دو گھنٹے کے اندر اندر
آپ کے پاس پہنچا دی جائیں گی۔ آپ اطمینان سے آرام کریں۔" شرلے
نے اعتماد سے جواب دیا۔
میں نے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ میرا خیال غلط نہیں تھا۔ وہ
ذہانت کا مالک تھا۔ اِس وقت وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا اِس لیے یہ
مشکل نہیں تھا۔
"ہاں!" میں نے سوچ سمجھ کر کہا "ہمارا واسطہ خطرناک لوگوں سے
میں اپنی بہن رضیہ کی زندگی خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کروں گی۔
تم جو چاہیے میں اُن کے سپرد کرنے پر آمادہ ہوں۔"
میری بات سُن کر شرلے کے چہرے پر کسی قدر ناپسندیدگی کے آثار
اُبھرے۔ وہ غالباً اِس طرح دبنے پر خوش نہیں تھا۔ اِس کے باوجود
کہتے ہوئے بولا "جیسے آپ کی مرضی! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"
سلام کر کے کھڑا ہوا۔

"بانو! کیا آپ واقعی دو گھنٹے بعد وہاں جانے کا ارادہ رکھتی ہیں"
شرلے کے جاتے ہی رضوان نے مجھے مخاطب کیا۔
"کیوں تمھارا کیا مشورہ ہے؟ کیا ہمیں وہاں نہیں جانا چاہیے؟" میں
"میرے خیال میں تو آپ یہ دو گھنٹے بھی بیکار ہی ضائع کر رہی
رضوان نے کہا "ہمیں خود فوری طور پر وہاں پہنچنا چاہیے تھا۔"
"بلغراد ہمارے لیے قطعی اجنبی شہر ہے رضوان!" میں نے جواب
دیا "ضروری معلومات کے بغیر کوئی حرکت کرنا ہمارے لیے نقصان دہ
ثابت ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں شرلے دو گھنٹے کے اندر اتنی معلومات
ضرور حاصل کر لے گا کہ مطلوبہ پتے پر ہمارا واسطہ کیسے لوگوں سے پڑے
گا!" میں نے سمجھانے والے انداز میں بات ختم کی۔
میں اور رضوان رات کا کھانا کھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ شرلے
آگیا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا اور چہرے سے پریشانی عیاں تھی۔
"کیا بات ہے؟" میں نے اُس سے پوچھا۔
"معاملہ بڑا پُراسرار ہو گیا ہے۔" اُس نے تشویش آمیز لہجے میں
دیا "دو گھنٹے کے دوران میرے تین بہت تیز آدمی ہاتھ سے
گئے۔ اُن میں سے دو کی تو لاشیں مل چکی ہیں اور تیسرے کی چیخیں
ہیں جیسے کسی نے اُسے ذبح کر دیا ہو۔"
میں اُس کی بات سُن کر چونک اُٹھی، پھر بولی "مگر شرلے
تو تمھیں کوئی قدم اُٹھانے سے منع کیا تھا۔"
شرلے نے میری طرف دیکھا، پھر سر جھکا کر دھیمے لہجے میں بولا
"لی شینگ کی ہدایات تھیں کہ اگر آپ کی بہن یوگوسلاویہ میں ہو
اُنھیں جلد از جلد بدمعاشوں کے چنگل سے نکال کر آپ کے حوالے"
"تمھیں لی شینگ کی نہیں بلکہ میری بات سننی چاہیے تھی۔" میں
کسی قدر تیز لہجے میں کہا "لی شینگ کی بات محض ایک خواہش کا
رکھتی ہے جبکہ میں نے ایک ایسی بات کہی تھی جو حقیقت پر مبنی
اگر میری بات مانتے تو اپنے آدمیوں سے بھی ہاتھ نہ دھوتے اور
یہ بھی مشکلات کھڑی نہ ہوتیں۔"
شرلے نے میری طرف نگاہ اُٹھائی تو میں نے اُس کی آنکھوں
اپنے لیے عزت کا جذبہ پایا۔ وہ بے حد شرمندہ نظر آنے لگا تھا۔
"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔" اُس نے بجھے ہوئے سے لہجے میں
"خیر جو ہو گیا اُس پر خاک ڈالو۔" میں نرم لہجے میں بولی
ذرا تفصیل سے یہ بتاؤ کہ تم نے کیا معلومات حاصل کیں اور تمھارے
کس طرح مارے گئے؟"
میرے سوال کرنے پر رضوان بھی پوری طرح چوکنا ہو گیا۔
وہ بھی شرلے سے تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"آپ نے جو پتہ دیا تھا وہ جگہ بغداد سے تیس میل دور ہے۔ وہ ایک فارم ہے۔" شرلے نے بتانا شروع کیا۔ "فارم کی نئی عمارت بھی بن چکی ہے مگر آپ نے پرانی عمارت کا پتہ دیا تھا جو ویران پڑی ہے اور چند دن بعد اُسے منہدم کر دیا جائے گا۔ فارم کا مالک ایک باعزت اور شریف آدمی ہے جس پر کسی قسم کی بدمعاشی کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ غالباً کوئی فرد یا کوئی گروہ اُس کے علم میں لائے بغیر ویران عمارت ... استعمال کر رہا ہے۔ وہ عمارت پانچ کمروں پر مشتمل ہے۔ ... میں کبھی فارم کا مالک اپنے اہل خاندان کے ساتھ رہا کرتا تھا، پھر اُس عمارت کو مرغی خانہ بنا دیا گیا تھا اور اب وہ عمارت قطعی ویران ہے۔

میں نے پہلے اپنے صرف ایک آدمی کو وہاں بھیجا تھا۔ اُس نے اطلاع دی کہ عمارت میں کوئی ضرور موجود ہے۔ اُسے عمارت کی ایک کھڑکی روشن نظر آئی تھی۔ اُس نے ذرا قریب جا کر اندر جھانکا تو اُسے کوئی ... نظر آئی جو اپنے چہرے کے خدوخال سے ہندوستانی معلوم ہوتی تھی۔ وہ لڑکی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے آدمی نے مجھے بذریعہ فون اطلاع دی اور اُس عمارت میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ میں نے اپنے تین اور آدمی اُس کی مدد کے لیے بھیج دیے۔ ذرا دیر بعد اُن میں سے ایک نے اطلاع دی تھی کہ ... کے دو ساتھی عمارت کے دروازے ہی پر ڈھیر ہو گئے۔ ... کسی نے شاید انھیں گولی مار دی ... تیسرا آدمی اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد ہی اُس کی چیخ بھی سنائی دی۔ اطلاع دینے والے کا کہنا ہے کہ وہ اس طرح چیخ رہا تھا جیسے کوئی اُسے ذبح کر رہا ہو۔" پوری تفصیل بتا کر شرلے خاموش ہو گیا۔

میں نے اُس کے چہرے کا جائزہ لیا تاکہ یہ جان سکوں کہ اُس کے بیان میں کتنی صداقت ہے! میں نے اندازہ لگایا کہ اُس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اُس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ اگر اُس کی بات درست تھی تو اُسے پریشان ہونا ہی چاہیے تھا۔

"تمھارا وہ آدمی کہاں ہے جس نے اطلاع دی ہے؟" میں نے ... سوال کیا۔

"وہ وہیں عمارت کی نگرانی کر رہا ہے۔" شرلے نے جواب دیا۔ "خوفزدہ تو ... مزید ٹھہرنے پر آمادہ نہیں تھا مگر میرے ... پر وہ ٹھہر گیا ہے۔"

"کیا خیال ہے؟" میں نے رضوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں خوفزدہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے لیکن ہم ایسی باتوں سے خوفزدہ ہونے والے نہیں ہیں۔" رضوان بولا۔

شرلے نے رضوان کی بات کا کچھ اور ہی مقصد سمجھا۔ اُس کے چہرے پر غصّے اور دُکھ کے ملے جلے اثرات نظر آئے۔ پھر وہ ... میں بولا۔ "اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ میں جھوٹ بول کر ... چاہتا ہوں تو یہ بات سراسر غلط ہے۔ میں نے جو کچھ ... سچ ہے۔" اُس کا مخاطب رضوان تھا۔

"تم غلط سمجھے شرلے!" میں رضوان کے کچھ ... اُٹھی۔ "میرے ساتھی کا اشارہ دشمنوں کی طرف تھا۔ ... انھوں نے تمھارے تین آدمیوں کو غالباً اسی لیے ہلاک ... تیسری پارٹی کی دخل اندازی نہیں چاہتے۔ میں نے ... الگ رہنے کی ہدایت دی تھی۔"

شرلے کے چہرے سے اندازہ ... اُس نے میرے خاموش ہوتے ہی رضوان سے ... میں کہا۔ "میں معافی چاہتا ہوں کہ مجھے غلط فہمی ...

"کوئی بات نہیں!" رضوان نے مسکرا کر سر ہلا ...

شرلے میری طرف مڑ کر بولا۔ "اب آپ کا ...

"جو پہلے تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تنہا ... ہونے کی کوشش کروں گی اور مجھے اُمید ہے کہ میں ...

"ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا!" رضوان ... شرلے ...

شرلے، رضوان کو بولتے دیکھ کر خاموش ہو گیا ... آگے بڑھ آئی۔ "عمارت میں داخل ہونا دانش مندی ... انجام ... گا۔"

"میری موجودگی میں میرے مہمان اپنی جان خطرے ... مجھے گوارا نہیں۔" شرلے پُرجوش لہجے میں بولا۔

اِس موقع پر میں کچھ اور کہتی تو ایک لمبی بحث ... کا زیاں ثابت ہوتی۔ یہی سوچ کر میں نے تجویز پیش ... عمارت کا جائزہ لیا جائے، پھر جو مناسب ہو کیا جا ... دونوں ہی نے میری تجویز مان لی۔

ہم ہوٹل سے نکلے۔ شرلے کے پاس کار موجود ... تک پہنچنے میں پون گھنٹہ لگا مگر کار پہلے ہی روک ... سڑک چھوڑ کر درختوں کے جھرمٹ میں گھری ہوئی ... پڑی، ایک دراز قد شخص تقریباً دوڑتا ہوا کار کی ... ہو گئی۔ وہ دشمن کا آدمی بھی ہو سکتا تھا لیکن ... کا آدمی ثابت ہوا۔

شرلے کار سے اُتر کر اپنے آدمی سے بات ... کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میں رضوان کا ہاتھ تھامے ... مجھے روک لیا۔

"لو سنو!" شرلے بولا۔

... داخل نہیں ہو رہے بلکہ پہلے باہر سے اُس کا جائزہ ... نے شرلے کو تسلی دی اور ہم آگے بڑھ گئی۔

... ترتیب ... اور ... نے بھی ایسا ہی ... کے ہمراہ ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔

... عمارت تھی۔ ایسی عمارتیں اب اِکا دُکا ہی نظر آتی ... انسانوں کی طرزِ معاشرت بھی بہت بدل گئی ہے۔ آج ... فارم ہیں لیکن اُن کی دیکھ بھال کرنے کے لیے ... کار نہیں ہوتی۔ جدید طور طریقوں نے کام کا زیادہ ... ہے۔ اگرچہ یوگوسلاویہ کئی دوسرے ممالک سے ترقی ... پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کے مقابلے بہت ترقی کر لی ہے۔

... کے علاوہ کئی فرلانگ کے فاصلے پر ... تھی جس کی کئی کھڑکیاں روشن تھیں۔ اِن دو ... دور دور تک کوئی اور عمارت نہیں تھی۔ ہر طرف ... تاریکی کی دبیز چادر پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان پر ... مزید گہری ہو گئی تھی۔

... عمارت کا بھی صرف سایہ سا نظر آ رہا تھا۔ اُس کے ... میں نے اُس کے سامنے کو دیکھ کر ہی لگایا تھا۔ ... دیکھا جا سکا جو روشن بتائی گئی تھی لیکن اُس وقت ... میں روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"... تاریک پڑی ہوئی ہیں!" میں بڑبڑائی۔

"... پہلا فائر ہونے تک کھڑکی روشن رہی تھی لیکن ... روشنی گُل کر دی گئی تھی۔" شرلے نے سرگوشی کی۔ وہ ... اُٹھا۔

... میں بات کرنا ٹھیک ہی تھا کیونکہ سناٹے میں ہماری ... جا سکتی تھی۔ عمارت میں موجود دشمنوں کو ہوشیار ... مفید ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ میں شرلے کی اِس ... وہ ذہین آدمی تھا اور حالات کی نزاکت کو سمجھنے

... کے مزید قریب گئے، پھر ہم نے اُس کے گرد ایک چکر ... داخل ہونے کا ایک ہی دروازہ تھا۔ کھڑکیاں بنی تھیں ... مضبوطی سے بند کر دی گئی تھیں۔ عمارت کی کھنگی کا ... تھا مگر دروازے کے علاوہ داخل ہونے کا کوئی اور ... تھا۔ مجھے عمارت کے ویران ہونے کی وجہ سے یہ بات بڑی عجیب سی لگی۔ عام طور سے ایسی عمارتوں کے شیشے سلامت نہیں رہتے ... کھلے آدھ کھلے نظر آتے ہیں۔

ہم گھوم پھر کے دروازے پر آ کر رک گئے۔ مسئلہ یہ تھا کہ اب کیا کیا جائے!

"میں عمارت میں داخل ہوتی ہوں!" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"نہیں بانو! یہ کام میں کروں گا۔" رضوان بولا۔ اُس کے لہجے میں ... تھی۔

"میرا خیال ہے کہ صبح کا انتظار کر لیا جائے۔" شرلے نے تجویز پیش کی۔

دن کی روشنی، رات کی تاریکی کے مقابلے میں یقیناً مددگار ثابت ہوتی مگر سورج نکلنے میں ابھی کم سے کم چھ گھنٹے باقی تھے۔ اِتنی دیر انتظار کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

مختصر سی بحث کے بعد یہ طے پایا کہ میں اور رضوان اندر جائیں گے۔ اگر ہم آدھے گھنٹے تک باہر نہ آئیں تو شرلے کو اختیار ہے کہ وہ اپنے طور پر جو چاہے کرے۔ شرلے اِس پر تیار نہیں تھا مگر ہمارے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ اُسے ہماری بات ماننا ہی پڑی۔

عمارت کا دروازہ قدرے بلندی پر تھا۔ اُس کے آگے لکڑی کا ایک چبوترا سا بنا کر لکڑی ہی کی ریلنگ لگائی گئی تھی۔ ریلنگ کی دونوں اطراف پانچ پانچ سیڑھیوں کے زینے بنے ہوئے تھے اور یہ زینے بھی لکڑی ہی کے تھے۔

میں نے اور رضوان نے اپنے اپنے ریوالور نکال لیے تھے۔ میرے دائیں ہاتھ میں ریوالور تھا اور بائیں میں ٹارچ! رضوان نے بھی میری تقلید میں اپنی ٹارچ نکال لی تھی۔ ہم پوری تیاریاں کر کے ہی ہوٹل سے چلے تھے تاکہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر سکیں۔ میں اور رضوان ایک ساتھ ہی لکڑی کے چبوترے پر چڑھے۔

"شرلے کے ساتھی سینے پر گولی کھا کر مرے تھے!" میں نے سرگوشی کی۔ مخاطب رضوان ہی تھا۔ "پہلے میں اندر جاتی ہوں، پھر تم آنا مگر یاد رہے کہ گولی ہمیشہ سینے پر مارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔"

چبوترے پر دروازے کی ایک جانب میں کھڑی تھی اور دوسری جانب رضوان تھا۔ ہمیں تاریکی کے سبب ایک دوسرے کے دھندلے سائے ہی نظر آ رہے تھے کیونکہ ہم نے اپنی ٹارچیں روشن نہیں کی تھیں۔

میں ابھی دروازہ کھول کر اندر جانے کا قصد کر رہی تھی کہ رضوان کے سائے کو میں نے تیزی سے حرکت کرتے دیکھا۔ اِس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی، رضوان کے سائے نے چبوترے پر گر کر قلابازی

سی لعالی، پھر دروازے سے ٹکرایا۔ دروازہ اُس کی ٹکر سے کھل گیا اور وہ لڑھکتا ہوا دروازے سے اندر چلا گیا۔

اُسی وقت پہلے ایک گولی چلنے کی آواز سُنائی دی، پھر فوراً دوسری گولی چلی مگر دوسری گولی شاید رضوان نے چلائی تھی کیونکہ دوسرا دھماکا دروازے کے قریب سے سُنائی دیا تھا۔

ایک بار پھر سناٹا چھا گیا لیکن یہ سکوت مجھے اپنے اعصاب پر بوجھ محسوس ہوا۔ میں رضوان کی طرف سے فکرمند تھی۔ میں سانس روکے رضوان کی آواز سننے کا انتظار کر رہی تھی۔ چند لمحے بعد ہی اُس نے مجھے پکارا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ مجھے اندر بلا رہا تھا۔

میرے حرکت کرنے سے پہلے ہی دروازہ کھلا اور اُس میں رضوان کا سایہ نظر آیا۔ اسی وقت میں نے محسوس کیا کہ لکڑی کے چبوترے پر کوئی چڑھ آیا ہے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ شرلے تھا۔

"سب ٹھیک ہے شرلے!" میں نے سرگوشی کی "تم اطمینان سے باہر رہ کر ہمارا انتظار کرو! ہمیں واپسی میں پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے۔"

"ٹھیک ہے، میں انتظار کر رہا ہوں۔" شرلے نے جواب دیا اور مڑ گیا۔

میں رضوان کے ہمراہ عمارت میں داخل ہوئی۔ دروازے میں اسپرنگ لگے ہوئے تھے اِس لیے ہمارے اندر جاتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

"یہ تمہاری کیا حرکت تھی؟" میں نے دھیمے لہجے میں رضوان کو ڈانٹا "تم مجھے باہر چھوڑ کر اور مجھ سے پہلے ہی...."

میرا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی وہ بولا "معافی چاہتا ہوں حضور! مگر حضور نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں پہلے آپ کو اندر جانے دیتا؟"

"حیرت ہے کہ تمہاری پہلی ہی گولی نشانے پر بیٹھی اور دشمن مرنے سے پہلے چیخ بھی نہ سکا۔" میں نے اُس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"میری چلائی ہوئی گولی سے کوئی مرتا تو چیختا بھی!" رضوان کے لہجے میں کھنک تھی۔ اُس نے اپنا جملہ پورا کرتے ہی ٹارچ روشن کی اور ساری بات میری سمجھ میں آ گئی۔

ٹارچ کی روشنی دروازے کے بالکل سامنے والی دیوار پر نصب ایک ریوالور پر پڑی تھی۔ اُس ریوالور کی لبلبی سے نائیلون کی ایک پتلی سی رسی دروازے تک گئی تھی۔ رسی کا دوسرا سرا دروازے کے قریب ایک کیل سے لٹک رہا تھا۔ غالباً یہ سرا دروازے کے پٹ سے منسلک تھا جسے رضوان نے الگ کر دیا تھا۔

یہ ایک پرانی ترکیب تھی جس کا ...عال
پرانی مگر کارآمد ترکیب جس نے شرلے کے ...
نیند سلا دیا تھا۔

میں نے ٹارچ کی روشنی میں اِردگرد ...
تھا جس میں ہر طرف گرد اڑی ہوئی تھی۔ کہ ...
پرانے فرنیچر کے سوا وہاں اور کچھ نہیں تھا۔ ...
دروازہ اندرونی سمت نظر آیا۔ ہم اور ...
بڑھے۔ ایک مرتبہ پھر رضوان نے قلابازی کھا...
کا دھماکا سنائی نہیں دیا تھا۔ رضوان دروازے ...
جب اُس نے مجھے پکارا تو میں بے خوف و خطر ...
دوسرے کمرے میں ہمیں شرلے کے ...
وہ اوندھے منہ فرش پر پڑا ہوا تھا اور ایک ...
جسم میں دستے تک اُترا ہوا تھا مگر نہیں! اُس ...
تھی کہ اُس میں دستہ نہیں تھا۔ مجھے یہ کہنا چا...
تک جسم میں گھسا ہوا تھا۔

میں ابھی رضوان سے کچھ کہنے ہی والی تھی ...
مجھے اچانک عمارت کے اندرونی حصے سے کسی ...
آواز آتی ہوئی سُنائی دی تھی۔ میں نے رضوان ...
"کوئی اِسی طرف آ رہا ہے۔" رضوان ...
میں نے ٹارچ کی روشنی میں تیزی ...
بھی بالکل خالی اور گرد سے اٹا ہوا تھا۔ مجھے ...
ذہن پر تسلط جماتی محسوس ہو رہی تھی۔ کمرے ...
ہوا تھا اور قدموں کی آہٹ اُدھر ہی سے آ ...
کوئی بھاری بھاری قدموں سے چلتا ہوا ...
رہا تھا جیسے آنے والا بے روک ٹوک کمرے ...
رضوان نے مجھے اشارہ کیا۔ میں اِس ...
طرح سمجھتی تھی۔ ہم دونوں ہی نے تیزی سے ...
کی اور ہم دونوں کھلے دروازے کی دونوں جا...
کھڑے ہو گئے۔

ہم دونوں کے حرکت کرنے سے کوئی ...
کیونکہ ہم نے اِس کا خاص طور پر خیال رکھا تھا ...
جانب سے چوکنا ہو سکتا تھا۔ یوں بھی علامت ...
تھا اِس لیے ہمارا محتاط ہونا ضروری تھا۔ ...
میں بآسانی سُنی جا سکتی تھی۔

دروازے کے باہر اب قدموں کی آہٹ

...بہت قریب آ چکا ہو۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ...ہو کہ تم چرمی جوتے پہنے ہوئے پکے فرش پر زور زور... ...ی طرف آ رہا تھا میں نے اُس آواز کو بہت غور سے ...تھا جب میں نے ایک ایسی بات محسوس کی جس پر پہلے ...ی تھی۔ پکا فرش! میرے ذہن میں گونجا۔ اُس عمارت کا فرش ...سا۔ کھلے دروازے سے باہر بھی مجھے لکڑی کا فرش نظر آیا تھا ...کے اندر تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی لکڑی کے فرش پر ...ااز ایسی پیدا ہو جیسے وہ پختہ فرش پر چل رہا ہو؟ میرے ...ہی لمحے کے اندر بار بار یہ سوال گونجا۔

...لیے ایک دم ٹارچ روشن کی۔ سامنے ہی شرلے کے ساتھی کی ...ہوئی تھی۔ میں نے ٹارچ کے دائرے کو حرکت دی۔ اب روشنی ...دیوار پر پڑی تھی۔ سامنے والی دیوار صاف تھی مگر رضوان ...والی دیوار میں ایک بے دستے کا چاقو دھنسا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ...ہی بہت جلد ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔ موت کھلے دروازے کی ...ی قدموں سے چلتی ہوئی ہماری طرف نہیں بڑھ رہی تھی۔ ...دھوکا تھا! ایک صوتی تاثر!

...ان!" میں چیخی۔

..." رضوان نے فوراً جواب دیا۔

...کے ساتھ ہم دونوں فرش پر گر گئے۔ ہمارے پیچھے عجیب سی ...آواز جس کا خاتمہ کھٹکے کی آواز پر ہوا۔ فوری طور پر مجھے خیال آیا ...یہ ہو چکی تھی۔

...بے دستے کے تیز رفتار چاقو کی صو... ...اُڑتی ہوئی ...آ رہی تھی اور کسی بھی لمحے ہم اُس کا شکار ہو سکتے تھے۔ اچانک ...اس میں رضوان کی تیز چیخ گونجی۔ میرا ذہن جھنجھنا اُٹھا اور ...

...چیخ کر رضوان کو پکارا تھا۔ اُس کا ذہن بھی یقیناً اُس نتیجے ...تھا جو میں نے اخذ کیا تھا ورنہ وہ بھی میری تقلید میں فرش پر ...عمارت میں لکڑی کا فرش ہونے کے باوجود کسی کے پختہ ...کی آواز کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ آواز کسی خفیہ ٹیپ ریکارڈ... ...کی جا رہی تھی۔ جب میں اِس نتیجے پر پہنچ گئی تو میرے ...طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ آخر یہ صوتی تاثر دینے کا مقصد ...مقصد صرف ایک ہی ہو سکتا تھا کہ میں اور رضوان آنے ...سہنے اور اُس پر حملہ آور ہونے کے لیے دروازے سے ...جائیں اور ہم نے ایسا ہی کیا تھا یعنی اِس طرح ہم نے ...دشمن کی توقعات پوری کر دی تھیں۔ اُسی وقت میری

آنکھوں میں شرلے کے ساتھی کی لاش گھوم گئی تھی جس کے جسم میں بے دستے کا خنجر پیوست ہو گیا تھا۔ اُس مخصوص جگہ کھڑے ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں اور رضوان بھی خنجر کا شکار ہو جائیں۔ یہ خیال آتے ہی میں نے تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے حرکت کی تھی اور رضوان بھی میری تقلید میں فرش پر لیٹ گیا تھا لیکن شاید میں نے نتیجہ اخذ کرنے میں دیر کر دی تھی۔ رضوان کی چیخ سُن کر میں اِسی لیے بدحواس ہو گئی تھی کہ کہیں وہ بھی اُس بے دستے کے خنجر کا شکار نہ ہو گیا ہو! میں نے اِسی لیے اُسے چیخ کر پکارا تھا۔

میرے پکارنے کے جواب میں رضوان کی ہلکی سی کراہ سُنائی دی تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُس کراہ کا واضح مطلب یہ تھا کہ رضوان بقید حیات تھا۔ وہ شاید صرف زخمی ہو گیا تھا۔ فرش پر ایک دم گرتے ہوئے میرے ہاتھ سے ٹارچ نکل گئی تھی۔ میں نے اُٹھ کر پہلے کپڑے جھاڑے پھر جھک کر فرش کو ٹٹولا تاکہ ٹارچ تلاش کر سکوں۔ جلد ہی مجھے ٹارچ مل گئی۔ میں نے ٹارچ روشن کی اور رضوان کی طرف بڑھی۔

رضوان فرش پر اوندھے منہ پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ میں نے ایک نظر اُس کی پشت پر ڈالی پھر آہستہ سے ہنس کر بولی "اب اُٹھ بھی جاؤ نخرے نہ کرو! خنجر کی نوک نے محض تمہیں چکھا ہے، نوش نہیں کیا۔"

بے دستے کا خنجر وا... رضوان کی پشت سے مس ہو کر اُس کے کپڑوں میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ خنجر اتنی قوت سے پھینکا گیا تھا کہ رضوان کے جسم پر موجود کپڑوں کی تینوں تہیں سیدھی لکیر کی صورت کاٹتا ہوا آخر تک چلا گیا تھا۔ اگر وہ خنجر رضوان کی چرمی جیکٹ میں نہ اُلجھ جاتا تو شاید صاف نکلا چلا جاتا۔

رضوان کراہتا ہوا اُٹھا۔ شاید خنجر کی نوک نے اُس کی پشت پر ... ڈال دی تھی جس میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ رضوان اُس صدمے سے نہ سنبھل سکا ہو جو اُس نے موت کو سامنے دیکھ کر محسوس کیا ہو۔

"آخر یہ تھی کیا بلا؟" رضوان نے کہا۔ اُس کے لہجے سے ابھی تک بدحواسی کا اظہار ہو رہا تھا ورنہ وہ ایسا احمقانہ سوال ہرگز نہ کرتا۔ احمقانہ اِس لیے کہ اگر وہ اتنی تیزی سے حرکت نہ کرتا اور اُس کی سمجھ میں سار... بات نہ آ گئی ہوتی تو موت کا شکار ہو جاتا۔

"قدموں کی وہ آہٹ مصنوعی تھی۔" میں نے رضوان کو وہ بات ... جس کا احساس شاید خود اُسے بھی ہو گیا تھا۔ "اُس صوتی تاثر کا مقصد اِتنا تھا کہ ہم دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جائیں۔ ایسے مو... پر یہی کیا جاتا ہے۔ جب ہم آنے والے کے منتظر ہوتے تو ... ذریعے سے پھینکے ہوئے خنجر ہمارے جسموں میں سما جا...

میں نے ٹارچ کی روشنی دیوار پر ڈالی۔ دیوار سپاٹ اور صاف تھی مگر بظاہر! غور سے دیکھنے پر دیوار میں کھانچے نظر آ گئے جہاں دیوار کا کچھ حصہ چند لمحوں کے لیے خنجر پھینکنے والی مشین کے سامنے سے ہٹ جاتا ہو گا۔ میں نے سوچا کہ فرش کے کسی مخصوص حصّے پر پاؤں کا دباؤ پڑنے سے مشین حرکت میں آتی ہو گی لیکن یہ سب میرے قیاسات تھے۔

مَیں نے اپنے قیاسات کو یقین میں بدلنے کے لیے ایک خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔ میں ایک بار پھر اُسی خطرے سے دوچار ہونا چاہتی تھی۔ میں تجربے کی خاطر دوبارہ دروازے کے پاس گئی۔ میں چند لمحے وہاں کھڑی … اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ میں اُس جگہ اُتنی مدّت سے کم کھڑی رہوں جتنی دیر پہلے کھڑی رہی تھی۔ اس کے بعد میں تیزی سے ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی اور ٹارچ کی روشنی میں غور سے دیوار کے اُس حصّے کو دیکھنے لگی جہاں کھانچے بنے ہوئے تھے۔ معاً دیوار کا وہ حصہ بغیر ذرا سی بھی آواز پیدا کیے ہوئے حرکت میں آگیا۔ میں نے اور رضوان نے خنجر پھینکنے والی مشین کی ایک جھلک دیکھی۔ رضوان کے منہ سے حیرت زدہ سی آواز نکلی۔ اُسی وقت خنجر بالکل اس طرح مشین سے نکلا جیسے کمان سے تیر نکلتا ہے اور تیزی سے فضا میں لہراتا ہوا سامنے والی دیوار میں دھنس گیا۔ اُس کے بعد وہ دیوار تیزی سے برابر ہو گئی جس میں مشین …

"دروازے کے سامنے والی دیوار میں دونوں جانب مشین لگائی گئی ہے تاکہ آدمی دروازے کی کسی جانب بھی پناہ لے، خنجر کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔" میں نے کہا۔

"حیرت انگیز!" یہ کہتے ہوئے رضوان نے ایک گہری سانس لیا، پھر بولا۔ "لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس ویران عمارت میں اِن سارے انتظامات کا کیا مقصد ہے!"

"کیا تم یہ بھول گئے کہ اس عمارت کا پتہ دینے والے کے علم میں یہ بات تھی کہ تم یہاں ضرور آؤ گے۔" میں نے رضوان کی بات کے جواب میں کہا۔

"تو کیا یہ سارے انتظامات ہمیں ختم کرنے ہی کے لیے کیے گئے ہیں؟" رضوان کا لہجہ سوالیہ تھا، پھر اُس نے خود ہی اپنے خیال کی تردید میں کہا۔ "لیکن اِن انتظامات سے تو ایسا پتا چلتا ہے کہ یہاں یہ سب کچھ پہلے سے موجود تھا۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے رضوان کی تائید میں کہا۔ "غالباً اسی لیے مجھے اس عمارت کا پتہ دیا گیا تھا۔" میں یہ کہہ کر چند لمحے خاموش رہی، پھر بولی۔ "کوئی ہم سے بالکل اس طرح کھیل رہا ہے جیسے بلی چوہے کو شکار کرنے سے پہلے اُس سے کھیلتی ہے۔"

"پھر اب کیا کیا جائے؟" رضوان نے پوچھا۔

میں نے چند لمحے سوچا، پھر کہا۔ "تمھاری حا… "میرے لیے کھڑا ہونا دشوار لگ رہا ہے۔" … دیا۔ "مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی نے میری … چھیل کر رکھ دیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ خنجر سے ہڈی پر بھی ضرب … میں تمھیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ محض وقتی کیفیت ہے … پر ضرب نہیں پہنچی ورنہ تکلیف زیادہ ہوتی اور … ابھی کچھ دیر میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ہاں یہ بتائیے کیا رضیہ واقعی اس عمارت کے کسی حصّے میں ہو گی؟"

مجھے اس بارے میں شبہہ تھا حالانکہ … میں ایک لڑکی کو دیکھا تھا مگر میں نے رضوان سے … نہیں کیا اور بولی۔ "عمارت کو اچھی طرح دیکھنا پڑے … رضیہ یہیں ہو۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ عمارت …

"لیکن شیرلے کے ساتھی نے تو عمارت میں … رضوان …

اُس وقت میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ … نہ ہو مگر قبل از وقت کچھ کہنا محال تھا۔ اس خیال کا اظہار رضوان سے نہیں کیا اور … کو تلاش کرنے کے لیے اس عمارت کا چپہ چپہ … پہلے تمھیں باہر پہنچانا ضروری ہے۔"

"کیوں؟" رضوان نے سوال کیا۔

"کیونکہ تم زخمی ہو!" میں نے جواب …

"لیکن میری حالت اب پہلے سے بہت … عمارت سے باہر نہیں جاؤں گا۔" رضوان …

میں جھنجھلا گئی۔ بعض اوقات رضوان … اس وقت بھی وہ کچھ ایسی ہی حرکت کر رہا تھا …

"اچھی بات ہے، تو پھر آؤ!" میں … دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

دروازے سے گزر کر میں چھوٹی سی … اُس راہداری میں مجھے دو کمروں کے دروا… دروازے کے قریب پہنچی۔ وہ دروازہ … کے لیے زور آزمائی کر رہی تھی کہ … میں کوئی عورت چیخ رہی تھی۔ ایسا …

… ہو اور وہ تکلیف و اذیت سے چیخنے لگی ہو۔ میں لپک کر … کمرے کے دروازے پر پہنچی۔ میرا ارادہ دروازہ کھول کر … گھس جانے کا تھا تاکہ اندر موجود بدمعاشوں کو سنبھلنے … نہ دے سکوں مگر اُسی وقت میری چھٹی حس بیدار ہو گئی جس نے … احساس دلایا تھا۔ میں ٹھٹک کر رک گئی۔

… ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ جس طرح قدموں کی چاپ … یہ چیخیں بھی دھوکا ثابت ہو سکتی تھیں۔ صوتی دھوکا! … کمرے میں موجود تھے تو اندر روشنی لازمی تھی اور … کی موجودگی میں قفل کے سوراخ سے اندر کا جائزہ لینا ممکن … پھر میں نے قفل کے سوراخ سے آنکھ لگا دی۔

… کا صرف ایک حصہ زیادہ روشن نظر آیا۔ وہاں تیز روشنی … روشنی میں کوئی فرش پر پڑا ہوا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ … ہوئے جسم کا صرف ایک حصّہ نظر آ رہا تھا، پھر بھی … مشکل نہیں تھا کہ وہ شوخ سرخ رنگ کے اسکرٹ میں … ہی تھی۔

… نے دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ دروازہ بند نہیں تھا … دھیرے دھیرے کھلنے لگا۔ مجھے ایک بار پھر یہ خیال آیا کہ … میں داخل ہو جاؤں مگر میرے قدم رک گئے اور … وہ روشنی ہی تھی جس پر پہلے میں نے اچھی طرح غور … کمرے میں بہت تیز روشنی تھی۔ عام طور پر اتنی تیز روشنی … استعمال نہیں ہوتی۔ گویا وہ تیز روشنی اسی لیے تھی کہ … کا منظر دیکھنے والے کو ایک ہی نظر میں واضح دکھائی دے … اس کا مقصد صرف یہی ہو سکتا تھا کہ میں ایک دم کمرے … اور اس طرح کسی نادیدہ جال میں پھنس جاؤں۔

… آہستہ پورا دروازہ کھول دیا، پھر محتاط انداز میں اندر … محسوس کر لیا کہ کمرے کا وہی حصّہ تیز روشنی کی زد میں … عورت فرش پر پڑی ہوئی ہاتھ پاؤں مار کر چیخ رہی تھی۔ … تاریکی میں تھا۔ میں نے غور سے کمرے کے … جائزہ لیا۔ مجھے کمرے میں اُس عورت کے سوا کسی اور … نہیں ہوئی۔

… کی پشت میری طرف تھی۔ وہ ایک ہی انداز میں اب … رہی تھی۔ اُس کے ہاتھوں اور پیروں کی حرکات تھی … اُس کی حرکات میں غیر فطری یکسانیت تھی۔ مجھے یقین ہو … نہیں بلکہ محض مشینی ڈھانچہ تھی جسے کپڑے پہنا … اُن گڑیوں کی طرح جو مخصوص انداز میں حرکت کر سکتی ہیں اور گنے چنے الفاظ بول سکتی ہیں۔

میں نے ٹارچ روشن کی تو مجھے احساس ہوا کہ رضوان بھی میرے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا ہے مگر میں نے اُس کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔ میں نے ٹارچ کا دائرہ دروازے کے سامنے فرش پر ڈالا۔ چوکھٹ کے پاس سے ڈیڑھ دو گز تک فرش غائب تھا۔ نیچے گہرے گڑھے میں لمبی نوکدار کانٹے نما آہنی کیلیں پڑی ہوئی تھیں۔ چار کانٹوں والی وہ کیلیں اِس خصوصیت کی حامل تھیں کہ اُنھیں کسی طرح بھی پھینکا جاتا، اُن کی ایک نوک اوپر کی طرف رہتی اور باقی تین کانٹے مضبوط روک کا کام دیتے۔ اُن پر گرنے کا مطلب یقینی موت ہی ہوتا۔ تکلیف دہ موت! کیونکہ گرنے والا زخمی ہو کر اُن میں پھنسا رہ جاتا اور بالآخر تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا۔ گڑھے کی سطح کیلوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔

میں نے غصّے سے ہونٹ بھینچ لیے۔ رضوان سے میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ کوئی واقعی ہمارے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہا تھا۔ مجھے چوہا بننا پسند نہیں تھا مگر میں کھیل جاری رکھنے پر مجبور تھی۔ رضیہ کی بازیابی کے لیے مجھے ہر مرحلے سے گزرنا منظور تھا۔

میں نے رضوان کو مخاطب کیے بغیر دوبارہ کمرے کے اندرونی منظر پر توجہ دی جہاں ابھی تک ڈمی عورت مشینی انداز میں ہاتھ پیر پھینک رہی تھی مگر اب اُس کی حرکات میں سستی آ گئی تھی۔ بالکل لگتا تھا جیسے چابی سے چلنے والے کسی کھلونے کی چابی ختم ہو رہی ہو۔ اُس کی آواز بھی کمزور پڑتے پڑتے اب برائے نام رہ گئی تھی۔ ویسے چیخوں کا انداز ایسا ہی تھا جیسے دم نکل رہا ہو اور آخری غرغر سنائی دے رہی ہو۔

میں نے چھلانگ لگا کر فرش کے خلا کو پار کیا اور اُس کھلونے کے پاس پہنچ گئی جس کی حرکات اب پوری طرح رک چکی تھیں … نے …

"یہ سب آخر کیا ہے؟" رضوان میرے قریب آ کر دبی دبی زبان میں بولا۔

"کھیل جسے ہم آخر تک کھیلنے پر مجبور ہیں!" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"لیکن ہمیں یہ کھیل کھیلنے پر مجبور کون کر رہا ہے؟ ہمارا مدّمقابل کون ہے؟"

"کوئی اذیت پسند مفرور شخصیت!" میں نے رضوان کے سوال کا جواب دیا۔ "شاید کھیل کے خاتمے پر اُس سے ملاقات ہو جائے۔" یہ کہہ کر میں نے ایک نظر عورت نما کھلونے پر ڈالی۔

دو دربر کی گڑیا ہی ثابت ہوئی۔ اُس کے پاس ہی ایک ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا تھا جس پر دروازے سے نظر نہیں پڑ سکتی تھی کیونکہ وہ گڑیا کی آڑ میں تھا۔

رضوان نے بھی جھک کر ٹیپ ریکارڈر کا معائنہ کیا پھر بولا۔ "سوال یہ ہے کہ اِس ٹیپ ریکارڈر کو آن کس نے کیا؟ جب اِس کمرے میں کوئی موجود نہیں تھا تو یہ خود بخود کس طرح چل پڑا؟"

"یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" میں کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "ہو سکتا ہے کوئی آدمی یہاں کچھ دیر پہلے موجود رہا ہو یا کسی قسم کا خود کار نظام اِن چیزوں کو آن آف کر رہا ہو۔"

"ایسا ممکن نظر نہیں آتا۔" رضوان نے کہا۔ "ٹیپ ریکارڈر اور اِس عورت کی ڈمی میں بظاہر کوئی رابطہ نہیں ہے۔ پھر بھی دونوں چیزوں کی حرکت ایک ساتھ ختم ہوئی، یہ کیسے ممکن ہے؟"

"آج کی دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں۔ کیا تم بھول گئے کہ ناسا کی لیبارٹری میں بیٹھے ہوئے سائنسداں چاند کی مٹی کھنگال سکتے ہیں۔ اب لاسلکی کنٹرول کا نظام بے حد موثر بنا دیا گیا ہے۔"

"مگر اس طرح کے نظام کا استعمال تو بہت مہنگا ہوتا ہے۔"

"مہنگا تو ضرور ہوتا ہے مگر ایسے بھی تو لوگ ہیں جو ایک بوسیدہ سی پینٹنگ کی خرید پر کروڑوں روپیہ صرف کر دیتے ہیں۔ تو پھر مہنگا اور سستا ہونا کیا معنی!" میں نے کہا۔

رضوان خاموش ہو گیا۔ اُسی وقت اُس کمرے میں موجود دوسرے دروازے کی طرف سے ایسی آوازیں سُنائی دیں جیسے کوئی اُس کے پیچھے آ کر رُکا ہو۔ وہ دروازہ بھی یقیناً کسی کمرے ہی میں کھلتا ہو گا۔ میں نے سوچا۔ اب وہ آوازیں مزید واضح ہو گئی تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی کے قدموں تلے فرش کی لکڑی چرچرا اٹھی ہو۔

رضوان نے میری طرف دیکھا اور میں نے دروازے کی جانب نگاہ اُٹھائی، پھر مدھم لہجے میں بولی۔ "یہ اِس بات کا اشارہ ہے کہ اب ہمیں کھیل کے اگلے موڑ کی طرف حرکت کرنا چاہیے۔"

"جہاں ایک نئے انداز کی موت ہماری منتظر ہو گی۔" رضوان کے لہجے میں شوخی آ گئی۔

شاید تحیر و تجسس سے بھرپور اُس کھیل کی دلچسپی میں رضوان اپنی تکلیف بھول گیا تھا کیونکہ اُس کا چہرہ دبے دبے جوش سے روشن سا ہو گیا تھا۔

"دوسرے کمرے میں قدم رکھنے سے پہلے ہمیں اچھی طرح غور کر لینا چاہیے کہ اِس بار موت کا کون سا طریقہ استعمال کیا گیا ہو گا؟" میں نے رضوان سے کہا۔

خطرات کے باوجود مجھے اُس موت کے
ہو رہی تھی اور یہی کیفیت غالباً رضوان کی تھی۔
میں شریک ہوں اور ہر ممکن طریقے پر اُس مقابلہ
"میرا مشاہدہ کہتا ہے کہ اِس بار موت یا تو
آنے گی یا کمرے میں پہلا قدم رکھنے پر! اور یہ
میں سے کسی کو نہیں کرنے چاہئیں۔" رضوان
میں کہا۔

"تمہارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم
کر دیں؟" میں بولی۔

"نہیں میرا مقصد یہ نہیں تھا بلکہ میں
پہلے کوئی یہ دروازہ کھولے۔" رضوان نے
"مگر ہم دونوں کے علاوہ یہاں اور
رضوان کی بات کو بے معنی جانتے ہوئے
"کیا آپ کو یہ تیسرا وجود نظر نہیں آ رہا؟"
کی ڈمی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کبھی کبھی آدمی بالکل سامنے کی بات
میں، رضوان کی بات کا مقصد سمجھتے ہوئے
پھر ایک طرف سے اُس عورت کی ڈمی
دوسری جانب سے اُسے رضوان نے اُٹھا
کے عین مطابق ڈمی کافی وزنی تھی۔ ہم نے
سے دروازے کی جانب اُچھال دیا۔ تیسرا
دروازہ ڈمی کی ضرب سے فوراً کھل گیا
سے ڈمی دوسرے کمرے کے فرش پر گرا
ڈمی پر گولیوں کی بوچھار ہو گئی اور ڈمی گولیوں
میں نے پوزیشن لی اور اندازے
سے ڈمی پر گولیاں برسائی گئی تھیں۔ فوراً ہی
کوئی دھم سے فرش پر آ رہا۔
رضوان تیزی سے اپنا ریوالور سنبھالا
کر دوسرے کمرے میں داخل ہوا اور داخل
ہو ادروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔
رضوان کی یہ حرکت محض احتیاطاً
اور کسی کے فرش پر گرنے کی آوازیں
والا محفوظ رہتے ہوئے کسی کے
طرح رضوان کی حرکت ممکنہ حملے کا

حال نہیں گیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ میری گولی کا
لی ذی روح نہیں تھا۔ وہ بھی محض ایک مشینی آدمی
الہ صرف مشین گن کے لیور کو دبانے کی حد تک
اور جس کے منہ سے چوٹ کھانے پر کراہ کے علاوہ
ہ نکل سکتی تھی۔
کا شکار ہونے والی مشین گن بردار ڈمی کو چند لمحے
رضوان کی جانب مڑی جو اٹھ کر کپڑے جھاڑ رہا تھا۔
حال تھا۔" رضوان چند لمحے توقف کے بعد بولا۔
پ!" میں نے چونک کر پوچھا۔
نے اپنے پاؤں کے پاس پڑے ہوئے ایک تار کی
جس پر ربڑ چڑھا ہوا تھا۔ وہ تار دروازے تک گیا تھا۔
ے سے قریب مجھے ربڑ چری ہوئی نظر آئی جس سے دو
کے پلاسٹک چڑھے ہوئے تار باہر نظر آ رہے تھے۔ اُن
پر پلاسٹک نہیں تھی اور وہ قفل کے چند ار لٹو سے

ا" میں بے ساختہ بولی۔
رضوان نے کہا۔ "یہ بجلی اِتنی قوت کی ضرور رہی ہو گی کہ
سے دروازہ کھولنے کے لیے لٹو کو ہاتھ لگاتے
سے جانبر نہ ہو سکتے۔"
کب ختم ہو گا؟" میں بڑبڑائی۔ کھیل میں دلچسپی لینے
ہر حال رضیہ کا خیال تھا اور میں اُس کی طرف سے
س کا کوئی پتا نہ چل سکا تھا۔
آخری کمرہ ہے اور شاید آخری کھیل!" رضوان نے
دوڑاتے ہوئے کہا۔ اُس کمرے میں داخلی دروازے
اور دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا البتہ کھڑکیاں ضرور تھیں۔
یہ آخری کمرہ ہی ہو۔" میں نے تائید کی۔
بکی روشنی ہو رہی تھی، بالکل ایسی جس طرح کسی نائٹ
ہوتی ہے۔ زیرو واٹ کے بلب کی روشنی! کمرے کے
بنی ہوئی تھی جس کے ساتھ کرسی بھی تھی۔ اُس
لباس پہنائی ہوئی ایک اور ڈمی رکھی ہوئی تھی۔
کمرہ ہے جس کی کھلی ہوئی کھڑکی سے شرلے کے
لباس پہنے ہوئے ایک عورت کو کسی کرسی پر بیٹھے
روشن کر کے کھڑکی کھول دی جائے تو یقیناً عمارت
معلوم ہو گا جیسے واقعی کوئی مشرقی عورت کرسی پر بیٹھی

ہوئی ہے۔" رضوان نے کہا۔

رضوان کی بات سن کر میں نے صرف سر ہلا دیا کیونکہ بات اِتنی واضح تھی کہ اُس پر مزید کسی تبصرے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ ویسے بھی میری توجہ کمرے کے اُس کونے کی طرف تھی جہاں ایک ٹیلی پرنٹر ٹائپ کی مشین رکھی ہوئی تھی۔

اچانک مشین کا ٹائپ رائٹر کھٹ کھٹ کرنے لگا۔ اُس کی حروف والی کنجیاں یوں حرکت کرنے لگیں جیسے کوئی نادیدہ ہاتھ ٹائپ کرنے لگا ہو۔ ٹائپ رائٹر کے رولر پر چڑھا ہوا کاغذ تیزی سے حرکت کرنے لگا اور کاغذ پر تحریر دکھائی دینے لگی جس میں ہر لمحے اضافہ ہو رہا تھا۔

"یہ تحریر یقیناً ہمارے لیے ہو گی۔" میں نے مشین کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

میرا خیال غلط نہیں تھا۔ وہ تحریر میرے ہی لیے تھی۔ مشین تحریر پوری کر کے رُکی تو میں نے کاغذ رولر سے نکال لیا اور اُس پر لکھی ہوئی تحریر کو بلند آواز سے پڑھنے لگی تاکہ رضوان بھی سن لے۔ تحریر انگریزی میں تھی۔

"یہاں تک خیریت سے پہنچنے کی مبارکباد قبول کیجیے! یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر بجا طور سے فخر کیا جا سکتا ہے۔ اِس سے پہلے دُنیا کے چند ذہین ترین ایجنٹوں کو اِس کسوٹی پر آزمایا گیا لیکن وہ لقمۂ اجل ہار گئے۔ اِس کامیابی پر مسٹر، کے آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔ اب اگر مطلوبہ کاغذات پرنٹر کے ساتھ لگی ہوئی ردی ضائع کرنے والی مشین میں ڈال دیے جائیں تو وہ پتہ بتایا جائے گا جہاں مس رضیہ سے ملاقات ممکن ہے۔ اپنی امانت آپ مسٹر کے ہی کے توسط سے پا سکتی ہیں۔"

میں نے تحریر پڑھ کر رضوان کی طرف دیکھا۔ رضوان پرنٹر کے ساتھ لگی ہوئی اُس مشین کی طرف مڑا جس کا حوالہ تحریر میں تھا۔

"یہ تو شریڈر ہے۔" رضوان نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "تحریر کی دھجیاں بنانے والی مشین!"

وہ مشین میرے لیے نئی نہیں تھی۔ میں نے مغربی ممالک کی اکثر بڑی فرموں میں اُس مشین کا استعمال دیکھا تھا۔ وہ مشین ردی کو اِس طرح ضائع کر دیتی تھی کہ اُس پر درج تحریر کو نہ پڑھا جا سکے۔

میرے لیے اب اِس کے سوا کوئی اور راہ نہیں تھی کہ میں ٹیلی پرنٹر پر موصول ہونے والے حکم کی تعمیل کرتی۔ رضیہ کی بازیابی اسی صورت ممکن بھی تھی۔ یوں بھی وہ کاغذات میرے کس کام کے تھے جن لوگوں کے لیے وہ سود مند ثابت ہو سکتے تھے، اُن تک کاغذات

کی نقل پہنچ ہی چکی تھی۔ لیکن چند ہی لمحوں میں ایک فیصلے تک پہنچ گئی اور میں نے کاغذات نکال لیے تاکہ انھیں مشین میں ڈال سکوں۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ کاغذات مشین میں ڈال لینے کے بعد وہ ہمیں اپنا پتہ بتا ہی دے؟" رضوان بولا۔

"فی الحال ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہم وہی کریں جو اُس نے کہا ہے۔" میں نے جواب دیا اور کاغذات شریڈر میں ڈال کر اُسے آن کرنے کا بٹن دبا دیا۔ مشین چلنے لگی اور اس کے ساتھ ہی کاغذات پتلی پتلی لمبی دھجیوں کی صورت میں مشین سے نکل کر اُس کے نیچے رکھی ہوئی ردّی کی ٹوکری میں گرنے لگے۔

کاغذات مکمل طور پر دھجیوں کی صورت میں تبدیل ہو ... تو ٹیلی پرنٹر دوبارہ کھڑکنے لگا۔ میں اور رضوان کاغذ پر ٹائپ ہونے والی تحریر کو پڑھنے لگے۔

"شکریہ! اُمید کی جاتی ہے کہ کاغذات ٹھیک ہی رہے ہوں گے۔ اب اگر آپ پرنٹر کے پاس رکھی ہوئی ردّی کی ٹوکری کا جائزہ لیں تو شاید آپ سی گے کا پتہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اِس کام کے لیے آپ کے پاس صرف دس منٹ ہیں۔ اِس عرصے میں آپ پتہ بھی ڈھونڈ لیں اور اپنے بچاؤ کی تدبیر بھی کر لیں کیونکہ دس منٹ بعد یہ عمارت مکمل طور پر تباہ ہو جائے گی۔ اِس عمارت سے نکلنے کا راستہ فوری طور پر مسدود کیا جا رہا ہے لیکن اِس کے باوجود بھی بچاؤ کا ایک راستہ موجود ہے۔ اگر آپ وہ راستہ نہ ڈھونڈ سکیں تو آپ کو مجھ سے ملنے کی تمنا ہی رہ جائے گی۔ ویسے مجھے آپ کے انجام پر افسوس نہیں ہوگا کیونکہ امتحان میں ناکام رہنے والے بچے مجھے سخت ناپسند ہیں...."

تحریر ابھی ختم نہ ہو پائی تھی کہ معاً رضوان بوکھلا کر بولا۔ "بانو! آپ نے کچھ محسوس کیا ہے؟"

کمرے کے ایک کونے سے ایسی آواز سُنائی دینے لگی تھی جیسے کسی نل کی ٹونٹی کھلی رہ گئی ہو اور پانی تیز رفتاری سے بہہ رہا ہو مگر فضا میں پھیلی ہوئی بُو سے کچھ اور ہی پتا چل رہا تھا۔

"پیٹرول!" میرے مُنہ سے بے ساختہ نکلا۔ "ہمیں زندہ جلانے کا سامان ہو رہا ہے۔"

"بانو! ہمیں اِس عمارت سے فوراً نکل چلنا چاہیے!" رضوان جلدی سے بولا۔

"نہیں!" میں نے مضبوط و مستحکم لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے پہلے اُس شخص کا پتہ ڈھونڈنا ہے۔ اُس سے پہلے میں باہر نہیں جاؤں گی۔"

"مگر... مگر یہ... یہ تو خودکشی ہوگی اور کسی بھی لمحے...."

"... ضائع نہ کرو رضوان! میں وہ پتہ ڈھونڈ... کمرے میں موجود کھڑکیاں کھولو!" میں نے تیزی سے کہا۔
ایک لمحہ قیمتی تھا۔

رضوان نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے...
سے ایک بند کھڑکی کی طرف لپکا۔ میں نے پرنٹر کے
ردّی کی ٹوکری کو دیکھا اور آگے بڑھی۔ ابھی میں اُٹھا
سکی تھی کہ رضوان کی آواز سُنائی دی۔ میں نے پلٹ
کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ کھڑکی پر آہنی جنگلا...
نے مجھے اُسی کے بارے میں بتایا تھا۔

کمرے میں تین کھڑکیاں تھیں۔ میں نے کہا...
آزماؤ!"

رضوان نے بجلی کی طرح کوند کر دوسری...
دی۔ اُن پر بھی آہنی جنگلے تھے۔

"باہر جاکر دیکھو!" میں نے تقریباً چیختے ہو...
ٹوکری تک پہنچ گئی۔

رضوان بغیر کچھ کہے تیزی سے دروازے کی...
ردّی کی ٹوکری پر جھک گئی۔ یہ ٹوکری تو نہیں...
جس کا مُنہ کھلا ہوا تھا۔ میں اُس میں ہاتھ ڈالتا ہی...
دوڑتا ہوا کمرے میں واپس آگیا۔

"راہداری میں پیٹرول پانی کی طرح بہہ...
چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان تیزی سے کہا...
میں آگ لگ سکتی ہے۔ اُس کے بعد یہاں...
راستہ نہیں رہے گا۔ پتے کا خیال چھوڑ دیں او...

رضوان کہتا رہا اور میں نے ردّی کی ٹوکری...
کاغذوں کو اُلٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔ اِسی کے ...
عمارت سے باہر نکلنا اب ممکن نہیں رہا ہوگا...
اور پریشانی سے کچھ حاصل نہیں۔"

"تو... تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہاں...
بوکھلا سا گیا۔

میں نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہیں...
پڑے ہوئے کاغذات نکال نکال کر دیکھنے لگی...
اُن سب پر تفصیلی نگاہ ڈالنا کسی بھی طرح آ...
تھا۔ میں نے کاغذات کو تیزی سے پلٹنا شروع...
تین ہلکے ہلکے دھماکوں کی آوازیں سُنائی دیں...
ہوا پیٹرول تیزی سے جلنے لگا۔ میں لمحہ بھر کو...

...لو! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیا آپ ہوش کھو بیٹھی ہیں؟" رضوان
...کر مجھے جھنجھوڑ دیا۔
...ہے ہو؟" میں نے پلٹ کر اُسے سخت نگاہ سے دیکھا۔
...کھو بیٹھی ہوں یا تم؟ میں کہہ چکی ہوں کہ اِس عمارت سے نکلنا اب

...نہیں جل کر مرنے کا فیصلہ کر چکی ہیں تو پھر پتہ ڈھونڈنے
...ہے؟" رضوان کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔
...نے صرف یہ کہا ہے کہ اِس عمارت سے نکلنا ممکن نہیں!
...ارادہ مرنے کا ہے۔" میں نے کسی قدر ناگواری سے کہا اور
...سے اُن کاغذات کو الگ کر کے رکھنے لگی جن پر کسی نہ کسی
...پتہ درج تھا۔ ایسے کاغذات کی تعداد اتنی زیادہ نہیں
...اپنے پاس محفوظ نہ رکھا جا سکتا۔
...نے تیزی سے اُن کاغذات کو اپنی جیبوں میں ٹھونسنا...
...گئے تو میں نے وہ کاغذات رضوان کی طرف بڑھا دیے۔
...اپنی جیبوں میں ٹھونس لو!" میں نے رضوان سے کہا۔
...تیزی کے ساتھ میرے حکم کی تعمیل میں وہ کاغذات اپنی
...لیے۔ مجھے رضوان کے چہرے پر پسینے کے قطرات نظر آ
...سبب تیزی سے بڑھتا ہوا درجۂ حرارت تھا۔ کمرے کا
...بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ہماری اطراف شعلے رقصاں تھے
...محسوس کر رہی تھی۔
...نے طرز کی تھی اور اُس میں لکڑی کا کافی استعمال کیا گیا
...ابھی کافی فراخ دلی سے استعمال کی گئی تھی۔ نتیجہ یہ کہ
...تیزی کے ساتھ شعلوں کی لپیٹ میں آگئی۔ عمارت
...والی لکڑی نے بھی فوراً آگ پکڑ لی تھی۔
...میں یہ عمارت منہدم ہو جائے گی۔" رضوان معاً پھر بولا
...کوئی بچاؤ کا راستہ سوچا؟"
...اِس عمارت میں رہتے ہوئے آگ سے کس طرح محفوظ
...میں بھی اِنہی خطوط پر سوچ رہی ہوں۔" میں نے ردّی
...اُٹھتے ہوئے کہا۔
...مگر یہی بات ہے۔" رضوان نے کہا۔ "اگر کسی طرح ہم
...تو اِس کمرے کی چھت گرنے کی صورت میں دب کر

"... ...ت تھی لیکن اس کے باوجود میں مایوس نہیں
...دشمن سی ...کے اور اُس کے کردار کو صحیح طور...
...نے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی تو بچاؤ کی کوئی

نہ کوئی صورت ضرور موجود تھی۔ آگ سے بچنا بھی ممکن تھا اور ملبے میں دب جانے سے بھی بچا جا سکتا تھا۔

کسی منہدم ہونے والی عمارت سے کس طرح بچا جا سکتا ہے؟ میرے ذہن میں بار بار ایک یہی سوال گردش کر رہا تھا۔ اِسی کے ساتھ میری نگاہ تیزی سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ معاً میرے ذہن میں روشنی سی ہو گئی۔ میرے ذہن میں بچاؤ کی ترکیب آگئی تھی۔ کسی ممکنہ خطرے سے بچنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہوش و حواس بحال رکھے جائیں اور بیک وقت اپنی تمام حسوں کو فعال رکھا جائے۔ میں نے اِسی پر عمل کیا تھا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی۔ میری نگاہ اُس آہنی میز پر پڑی تھی جس کے سامنے کرسی پر مشرقی عورت کی ڈمی رکھی ہوئی تھی۔ اُسی میز کو دیکھ کر میرے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ ملبے سے بچنے کی خاطر اُس کے نیچے پناہ لی جا سکتی ہے۔

"رضوان!" میں نے تیزی سے کہا۔ "مشرقی عورت کا لباس پہنے ہوئے ڈمی کی طرف دیکھو! کیا اُس کے سامنے پڑی ہوئی میز غیر معمولی طور پر بڑی اور دھات کی بنی ہوئی نہیں ہے!"

"ہے تو!" رضوان نے جواب دیا۔ "مگر اِتنی بڑی بھی نہیں کہ ہم دونوں اُس کے نیچے لیٹ کر پناہ لے سکیں اور میز اِتنی اونچی بھی نہیں ہے کہ محض بیٹھنے سے کام چل جائے۔ اگر ہم کسی طرح اِس کے نیچے سما بھی جائیں تو یہ سوچیے کہ فرش لکڑی کا ہے۔ ذرا سی دیر میں پورا فرش جل رہا ہوگا۔"

رضوان کی بات میں وزن تھا مگر وہ دوسرے کمرے کے فرش کو فراموش کر بیٹھا تھا جہاں دروازے کے قریب گڑھا تھا اور لکڑی کے فرش کا کچھ حصہ غائب تھا۔ اُس گڑھے میں ہم دونوں بآسانی پناہ لے سکتے تھے۔ ہم دونوں اگر کسی طرح اُس میں اُتر کر بیٹھ جاتے تو فرش کی سطح سے فٹ آدھے فٹ نیچے ہی رہتے۔ مسئلہ صرف اُن آہنی کانٹوں کا تھا جو اُس گڑھے میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کہ وہ آہنی کانٹے وزنی ضرور رہے ہوں گے مگر اُنھیں گڑھے سے اُٹھا کر باہر پھینکا جا سکتا تھا۔

میں نے جو کچھ سوچا تھا اُس سے رضوان کو آگاہ کر دیا۔ میری بات سُن کر اُس کا چہرہ کھل اُٹھا اور وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔ "واقعی بانو! آپ کا خیال قطعی درست ہے۔ اگر اُس گڑھے کے اوپر یہ آہنی میز رکھ دی ... تو آگ سے بھی محفوظ رہا جا سکتا ہے اور ملبے سے بھی!" یہ کہہ کر وہ میز کی جانب بڑھا۔

میں نے میز اُٹھانے میں اُس کی مدد کی تاکہ وقت بچ سکے۔ ہمارے اردگرد شعلوں کی لپک تیز ہوتی جا رہی تھی اور آگ اب دیوار کی طرف سے کمرے کے وسط کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

میز کو دوسرے کمرے میں لے جا کر ہم نے گڑھے کے قریب اُلٹ دیا۔

"رضوان! تم میز کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ میں اِس کا ایک پایہ پکڑ کر گڑھے سے لٹکوں گی۔" میں نے رضوان سے کہا۔

اِس سے پہلے کہ رضوان کوئی جواب دیتا، میں آگے بڑھ کر گڑھے کے کنارے بیٹھ گئی اور نیچے جھانکا۔ گہرائی زیادہ نہیں تھی۔ اگر گڑھے میں آہنی کیلیں نہ ہوتیں تو میں بآسانی اُس میں کود سکتی تھی مگر آہنی کیلوں نے گڑھے کی پوری سطح کو چھپا رکھا تھا اور ایک پاؤں رکھنے تک کی جگہ نہیں تھی۔ یہی سوچ کر میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں میز کا پایہ پکڑ کر گڑھے میں لٹکوں اور اپنا جسم اُوپر اُٹھائے رہوں۔

میں نے میز کا پایہ مضبوطی سے پکڑا اور اپنا جسم گڑھے میں لٹکا دیا۔ میں نے لٹکتے ہوئے اپنے دونوں پاؤں اوپر کی جانب سکوڑ رکھے تھے ورنہ میرے پاؤں کیلوں کی زد سے محفوظ نہ رہ سکتے۔ اُس کے بعد میں نے اپنا دایاں پاؤں آہستہ آہستہ نیچے کیا۔ جب پاؤں ایک کیل سے ٹکرا گیا تو میں نے اُس کیل کو ایک جانب دھکیلا۔ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی تو میں نے دوبارہ کوشش کی۔ اِس بار میں نے محسوس کیا کہ کیل نے اپنی جگہ سے ذرا سی حرکت کی۔ میں نے مزید زور لگایا لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اُس کیل کے برابر غالباً دوسری کیل موجود تھی جو اُسے مزید جنبش نہیں کرنے دے رہی تھی۔ میرے زور صرف کرنے سے صرف یہ ہوا تھا کہ کیلوں کے درمیان موجود خلا پُر ہو گیا تھا۔ میرے پورے جسم کا وزن صرف ایک ہاتھ پر تھا اور میں زیادہ دیر اِس طرح گڑھے میں لٹکی ہوئی نہیں رہ سکتی تھی۔ کسی بھی لمحے میری طاقت جواب دے سکتی تھی اور میں گڑھے میں گر سکتی تھی جس میں گرنے کا مطلب یہ تھا کہ بیک وقت میرے جسم میں متعدد کیلیں پیوست ہو جاتیں۔ اُس کے بعد میرا زندہ بچ جانا شاید ہی ممکن ہوتا۔

"بانو! اگر آپ تھک گئی ہوں تو باہر آ جائیے! میں کوشش کرتا ہوں۔" معاً مجھے رضوان کی آواز سنائی دی۔

"نہیں!" میرے لہجے میں عزم تھا۔ اُسی وقت میرے ذہن میں [illegible] اور ترکیب آ [illegible] تھی۔

اگر کیلوں کا درمیانی فاصلہ یا معمولی سا خلا آہستہ آہستہ بالکل ختم کر دیا جائے تو کم از کم گڑھے میں ایک پاؤں رکھنے کی جگہ تو پیدا ہو ہی جائے گی۔ اِس خیال کے ساتھ ہی میرا دایاں پاؤں تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ کچھ دیر کی کوشش اور زور آزمائی کے بعد میں نے محسوس کیا کہ [illegible] اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی ہوں۔

میں نے بہت آہستہ آہستہ اپنا دایاں پاؤں کیلوں کے درمیان پیدا ہونے والی جگہ پر رکھا اور میز کا پایہ چھوڑ [illegible] ہوا تھا۔ میں نے اُسی طرح بایاں ہاتھ گڑھے [illegible] آہستہ جھکنا شروع کیا اور ایک کیل کو اُٹھا لیا [illegible] مطابق کافی وزنی تھی۔ کیل کے ہٹنے سے [illegible] نے دوسرا پاؤں بھی زمین پر رکھ دیا" اور ہم [illegible] پکارا۔ "رضوان! لو یہ کیل سنبھالو! ذرا احتیاط [illegible]

رضوان نے جھک کر میرے ہاتھ سے [illegible] کر دوبارہ گڑھے میں ہاتھ ڈالا۔ اِس طرح ایک [illegible] کیلیں رضوان کو دے دیں۔ جب گڑھا [illegible] رضوان کو گڑھے میں اُتر آنے کا اشارہ کیا۔

گڑھے سے وہ آہنی کیلیں نکالنے میں [illegible] ہوئے تھے مگر اِس عرصے ہی میں آگ نے [illegible] دکھاتے ہوئے اُس کمرے کی چھت تک کو [illegible] اندازہ تھا کہ اب صرف چند ہی منٹ کی دیر تھی [illegible] پر ڈھیر ہو جاتی اور اُس کمرے میں موجود ہر شے [illegible] کر فنا ہو جاتی۔

رضوان گڑھے میں اُتر آیا تو میں نے [illegible] کے اُوپر کر لی۔

گڑھے میں بس اِتنی ہی گنجائش تھی کہ ہم [illegible] وہ بھی اُس صورت میں جب ہم دونوں ایک [illegible] اور یہ خیال نہ کریں کہ کس کے جسم کا کون سا [illegible] رہا ہے۔

"میرا خیال ہے کہ میز کافی مضبوط ہے [illegible]" میں نے رضوان کو مخاطب کیا۔ "اگر ہمارا [illegible] نہ گیا تو بچ نکلنے کے امکانات ہیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے بانو! [illegible] ہے کہ جلتے ہوئے ملبے سے میز اِتنی گرم بھی ہو [illegible] ہے۔ اِس سلسلے میں کیا خیال ہے؟"

"اگر ایسا ہوا تو ہم دونوں مرغ [illegible]" میں نے شوخ لہجے میں رضوان کی بات کا [illegible]

"بانو! سخت تعجب ہے کہ اِس [illegible] برقرار ہے۔" رضوان نے [illegible] حیرت مصنوعی ہے کیونکہ خود اُس [illegible]

"موت تو بہرحال ایک [illegible] ہوئے زندگی کیوں نہ بسر کی [illegible]

[illegible] محسوس کیا کہ گڑھے کا درجۂ حرارت تیزی [illegible] میں رضوان سے اِس بارے میں کچھ [illegible] دھماکا ہوا جیسے قیامت ٹوٹ پڑی [illegible] میز [illegible] اِس طرح ہلی کہ مجھے ڈر ہوا کہیں وہ اپنی [illegible] اندیشہ تھا کہ چھت گرنے سے میز کے [illegible] کے ساتھ ہمارے سروں پر آ گرتی لیکن اُس نے چھت کے ملبے کو روک لیا۔

[illegible] بھی گئی ہو گی کیونکہ گڑھے کا درجۂ حرارت [illegible] درجۂ حرارت کی یہ حد بھی ناقابلِ برداشت [illegible] ہم کسی نہ کسی طرح اِس گرمی کو جھیل ہی گئے۔ [illegible] کی ٹھنڈک نے جذب کر لیا تھا جو اُس [illegible] رہی تھی۔

[illegible] کا احساس ہونے لگا۔ میں سمجھ گئی کہ گڑھے [illegible] مجھے سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔

[illegible] محسوس ہو رہی ہے؟" رضوان کی آواز سنائی دی [illegible] ختم ہو گئی ہے۔" میں نے پُرسکون آواز میں [illegible]

[illegible] آکسیجن کے زندہ رہنا..."

میں نے رضوان کا فقرہ [illegible] نے سے [illegible]

[illegible] رکھا یا اور میں نے واضح طور پر محسوس [illegible] رہی تھی۔

[illegible] موت کو ہنستے ہوئے قبول کرنا چاہیے [illegible] ہے۔" رضوان یہ کہہ کر [illegible] جشنیانہ انداز [illegible]

[illegible] قریب دیکھ کر شاید اُسے خود پر قابو نہیں [illegible]

[illegible] اُسے سختی سے ڈانٹا۔ "ہوش میں آؤ!"

[illegible] بانو!" اُس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ [illegible] آخری جدوجہد ضرور کروں گا۔"

[illegible] محسوس کیا کہ وہ اُٹھ رہا ہے۔ میں نے [illegible]

[illegible] بانو!" اُس نے کہا۔

[illegible] کیا ہو؟" میں نے اُلجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہم اِس میز کو گڑھے کے اُوپر سے ایک طرف ہٹا دیں گے۔ اگر ہم اِسے گڑھے کے اُوپر سے ذرا سا بھی ہٹانے میں کامیاب ہو گئے تو گڑھے میں تازہ آکسیجن آنے لگے گی اور ہم زندہ بچ جائیں گے۔" رضوان نے بتایا۔

"رضوان! تم موت کو رُوبرو دیکھ کر بوکھلا گئے ہو۔ تم اپنے حواس میں نہیں اور تمہاری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو گئی ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا، پھر بولی۔ "اگر بالفرض تمہاری بات مان بھی لی جائے تو سوچو کہ اُس کا کیا نتیجہ ہو گا! اوّل تو میز کو گڑھے کے اُوپر سے ہٹانا ہی ممکن نہیں کیونکہ اُس پر منوں ملبہ موجود ہے اور اگر میز کو ہٹا بھی دیا گیا تو جلتا ہوا ملبہ گڑھے میں بھر جائے گا۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ گڑھے پر میز اِسی لیے تو رکھی گئی تھی کہ ہم ملبے سے بچ سکیں۔ تمہاری تجویز پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم خود جلتے ہوئے ملبے میں دفن ہو جائیں۔"

رضوان شاید میری بات فوراً سمجھ گیا کیونکہ میں نے اُسے پھر بیٹھتے ہوئے محسوس کیا۔ اُس نے ایک طویل سانس لیا، پھر بولا۔ "بانو! موت ہر دو صورتوں میں ہے تو پھر دوسری صورت کیوں نہ آزمائی جائے۔ دَم گھٹ کر مر جانا بڑا اذیت ناک ہو گا۔"

"دوسری صورت پر اِس لیے عمل کرنا ممکن نہیں کہ وہ ناممکن ہے۔" میں نے جواب دیا اور اپنے دماغ میں سائیں سائیں سی محسوس کی۔ اِسی کے ساتھ اپنا ذہن ڈوبتے محسوس کیا۔

میں نے پورا منہ کھول کر سانس لیا۔ گڑھے میں اب تیز تیز سانسوں کی آواز گونج رہی تھی۔ میں جس کیفیت سے دوچار تھی، رضوان بھی اُسی سے گزر رہا تھا۔

"بانو!" رضوان کی ڈوبتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

"کہو [illegible]" میں بمشکل کہہ سکی۔

"[illegible] مجھے مرنے سے پہلے.... یہ دُکھ ہے کہ میں.... میں نفیسہ کو دشمنوں کے.... چنگل سے نہ نکال...." رضوان کی آواز ڈوب گئی۔

رضوان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید اُس پر غشی کا دورہ پڑا تھا کیونکہ خود مجھ پر بھی غشی کی سی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد شاید پھر میں نے رضوان کو پکارنا چاہا تھا مگر میرے منہ سے آواز نہ نکل سکی تھی۔ میرے ذہن پر رفتہ رفتہ غشی تسلط جماتی جا رہی تھی اور مجھے سانس لینے میں انتہائی دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے علم نہیں کہ میں کب تک اِسی عذاب میں گرفتار رہی اور کب ہوش و حواس کی سرحدیں عبور کر کے بیہوشی کی حدود میں داخل ہو گئی۔

ہاں اپنے ہوش کھوتے ہوتے میں نے وہ دکھ خود بھی محسوس کیا تھا جس کا اظہار رضوان نے کیا تھا۔ میں رضیہ کو دشمنوں کے چنگل سے نہ نکال سکی تھی۔

دوبارہ ہوش آیا تو میں نے خود کو نرم بستر پر پایا۔ مجھے پوری طرح ہوش آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ مجھے ہوش میں آتے ہی یہ اندازہ لگانا زیادہ دشوار ثابت نہ ہوا تھا کہ وہ بستر جس پر میں دراز تھی، ایسے کمرے میں تھا جو غالباً کسی اچھے اسپتال کا ہی ایک حصّہ تھا۔

میں نے آنکھیں کھول دی تھیں اور اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔ میں اُس کمرے میں تنہا ہی تھی۔ ابھی مجھے ہوش میں آئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ میں نے ایک نرس کو اُس کمرے کے دروازے سے داخل ہوتے دیکھا۔

وہ مجھے ہوش میں دیکھ کر تیزی سے قریب آگئی اور بولی "شکر ہے کہ آپ بیدار ہوگئیں۔ اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟"

"ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا، پھر بولی "مجھے یہاں کون لے کر آیا تھا؟"

"مسٹر شیرلے!" نرس نے جواب دیا۔

"کیا میرے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟" میں نے رضوان کا خیال کر کے پوچھا۔

"جی ہاں!" نرس بولی "آپ کے ساتھی برابر والے کمرے میں ہیں مگر ابھی انھیں ہوش نہیں آیا ہے۔"

"رضوان، رضوان!" میں نے [illegible]

"اُس کی زندگی کو کوئی خطرہ تو نہیں؟" میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

"جی نہیں! وہ خطرے کی حدود سے باہر ہیں۔" نرس نے مسکرا کر بتایا، پھر بولی "وہ غالباً آپ کے شوہر ہیں!" یہ کہہ کر وہ نبض دیکھنے لگی۔

میں نرس کی بات سُن کر مسکرا دی۔ میری بے چینی نے اُسے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا۔

"ایسی کوئی بات [illegible] سے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بات کر رہی تھی اسی لیے میں بھی انگریزی ہی میں بات کر رہی تھی۔

"اچھا تو پھر!" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی "وہ آپ کے منگیتر ہوں گے۔"

"میرے نہیں، میری بہن کے منگیتر!" میں نے نرس کی غلط فہمی دور کرنا ضروری سمجھا۔

اس دوران میں نرس نے میری نبض اور بلڈ پریشر وغیرہ دیکھا اور سرہانے رکھے ہوئے پیڈ پر لکھ دیا، پھر وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے

چلی گئی۔ تھی وہ خوبصورت! اگر ذرت [illegible] کچھ عرصے اُس اسپتال میں رہنا فرد [illegible] ابھی میری آنکھوں میں اُسی حسین [illegible] کسی کے قدموں کی چاپ سُن کر [illegible] شیرلے کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اُس مسکراتا ہوا پلنگ کے قریب رکھی ہوئی [illegible]

"ابھی ابھی مجھے نرس سے معلوم ہوا [illegible]" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا "اب آپ کی [illegible]"

"اب میں قطعی ٹھیک ہوں۔" میں [illegible] جاننے کے لیے بے چین ہوں۔ آخر تم نے [illegible] اُس جہنمی گڑھے سے نکالا؟"

"یہ کارنامہ میں نے نہیں بلکہ فائر [illegible]" کہہ کر شیرلے مجھے تفصیلات سے آگاہ ک[illegible] ہوئی گھڑی میں وقت دیکھنے لگی۔ [illegible] سے دن کی روشنی اندر آرہی تھی۔ [illegible] رضوان، سی، کے کی تفریح مع کے لیے [illegible] تفصیلات کے مطابق جب میں [illegible] عمارت سے باہر نہ نکلے تو شیرلے عمارت [illegible] عمارت میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا [illegible] مگر دوسرے کمرے سے آگے نہ جا سکا [illegible] میں داخل ہونے کا دروازہ بند تھا۔ [illegible] کی اور اسی دوران میں اُس نے کمرے [illegible] گوبر دفارم جیسی بُو! شیرلے نے اُس کم[illegible] [illegible] [illegible] بھتا دیکھا۔ اُسے خطرے کا احساس [illegible] عمارت سے نکل گیا۔

شیرلے ابھی عمارت سے باہر [illegible] اس دوران میں شیرلے کا آدمی جو [illegible] فرار ہو چکا تھا۔ شیرلے تقریباً دو [illegible] وہاں سے اُس نے فائر بریگیڈ کی [illegible] جلتی ہوئی عمارت کے سامنے [illegible] فائر بریگیڈ کے عملے نے [illegible] منہدم ہو چکی تھی اور ملبے کے [illegible] عملے کو بتایا کہ اُس کے دو غیر ملکی [illegible]

[illegible] انتہائی تیزی دکھائی اور وہ گڑھا دریافت کر [illegible] ہوش پڑے تھے۔

[illegible] کا تو معاً مجھے اُن کاغذات کا خیال آیا جو [illegible] [illegible] جا سکتے تھے۔ میں نے گھبرا کر اپنے جسم پر [illegible] ڈھیلے ڈھالے کپڑے تھے۔

[illegible] کاغذات کی تلاش ہے۔" شیرلے نے اپنی جیب [illegible] اُس کا ہاتھ جیب سے باہر آیا تو اُس میں وہی [illegible] کامیابی پر بطور انعام ہاتھ آئے تھے۔ [illegible] سلیقے سے ترتیب دے دیا گیا تھا۔

[illegible]" میں نے وہ کاغذات شیرلے سے [illegible]

[illegible] جواب دیا "اِن میں وہ کاغذات بھی شامل [illegible] سے نکلے تھے۔"

[illegible] وہ دوسرا سامان اور کرنسی وغیرہ بھی [illegible] رضوان کی جیبوں سے برآمد ہوئی تھی۔ [illegible] تلاش ہے، وہ میرے خیال سے لندن کا ہونا

[illegible] سکتے ہو؟" میں نے اُسے اُلجھن آمیز نگاہ

[illegible] میں گھسی تھیں میں اُس کے مالک سے [illegible] خیال تھا کہ کوئی اُس کی مرضی کے بغیر اُس [illegible] وہ اِس بات سے ابتدا میں انکار کرتا [illegible] جن سے کسی کی زبان بآسانی کھلوائی [illegible] اُگل دیا۔ وہ پُرانی عمارت جو اُس نے ایک [illegible] تھی، کرائے دار اُس عمارت کو کسی [illegible] کر رہا تھا۔ اُس نے اصل کرائے دار کا نام

[illegible] مراد؟" میں نے سوال کیا۔

[illegible] آدمی، فارم کی نئی عمارت میں قیام پذیر [illegible] رہتے تھے اور اِن کی شناخت سی، آئی، [illegible] کے ورکنگ کارڈ لے کر آتے تھے۔" شیرلے [illegible] کے علاوہ فارم کی نئی عمارت کا ایک کمرہ [illegible] تھا جہاں اُس کا کوئی نہ کوئی آدمی ہمیشہ مقیم [illegible] ہو گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ نئی عمارت کے اُسی کمرے سے پُرانی عمارت میں موجود مشینوں کو کنٹرول کیا جاتا ہوگا۔" میں نے خیال آرائی کی "تم نے اِس سلسلے میں فارم کے مالک سے پوچھا؟"

"جی ہاں!" شیرلے نے پُرجوش لہجے میں جواب دیا "اُس نے بتایا تھا کہ فارم کی نئی عمارت کے [illegible] کمرے میں اُس نے عجیب و غریب مشینیں دیکھی تھیں۔ وہ بس اتفاقیہ طور پر وہاں اُن کی موجودگی سے آگاہ ہو گیا تھا کیونکہ سی، آئی، کے کا نمائندہ اُس وقت تک وہاں سے نہیں جاتا تھا جب تک کہ دوسرا اُس کی جگہ نہ آ جاتا تھا مگر صرف ایک بار ایسا ہوا کہ [illegible] ایک نمائندہ نئے نمائندے کے آنے سے قبل ہی وہاں سے [illegible] نمائندہ دوسرے دن پہنچا تھا۔ اِس دوران میں فارم کے مالک [illegible] کمرہ دیکھ لیا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ اُس کمرے کے بارے میں متجسس رہتا تھا کہ [illegible] ابتدا میں وہاں لکڑی کے بڑے بڑے بند بکس پہنچائے گئے تھے اور اُن بکسوں میں کیا تھا، اُس کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ فارم کا مالک سی، آئی، کے کے مختلف نمائندوں سے ضرور ملا تھا مگر کسی نے اُسے سی، آئی، کے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا کیونکہ کرایہ اُسے ڈرافٹ کی صورت میں براہِ راست کرائے دار سے موصول ہوتا تھا۔ اِسی لیے اُس نے یہ جانا کہ اُس کا کرایہ دار سی، آئی، کے لندن میں رہتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اُس سے ایک بار پھر ملنا پڑے گا۔" میں نے شیرلے کی پوری بات سُن کر کہا "ممکن ہے کہ وہ کوئی اور کام کی بات بتا سکے۔"

"ہاں کام کی بات پر یاد آیا کہ اُس نے ایک بات اور بتائی تھی۔" شیرلے جلدی سے بولا "اُس نے بتایا تھا کہ اِن دنوں سی، آئی، کے کا جو نمائندہ لوگ سلاویہ میں مقیم تھا، اُس کے ہمراہ اُس کی بیوی بھی تھی۔ اُس نمائندے کا نام اُس نے فوکنر اور اُس کی بیوی کا نام ڈیزی بتایا تھا۔ فوکنر اور ڈیزی، فارم کی نئی عمارت کے اُسی کمرے میں رہتے تھے۔ میں فوراً اُن دونوں کی تلاش میں اُس کمرے تک پہنچا۔ وہاں مجھے فوکنر تو نہ مل سکا لیکن ڈیزی مل گئی۔ ڈیزی نے اِس بات سے لاعلمی کا اظہار کیا کہ فوکنر کہاں ہے۔ اُس پر تشدد بھی کیا گیا مگر وہ کچھ نہ بتا سکی۔ میرا خیال ہے کہ شاید اُسے کچھ معلوم نہیں۔"

"وہ لڑکی کہاں ہے؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"میرے آدمیوں کی تحویل میں ہے۔" شیرلے نے جواب دیا۔

"اور فارم کا مالک؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"اُس سے اب آپ نہ مل سکیں گی کیونکہ اُس نے سورج کی پہلی کرن نکلنے سے پہلے خودکشی کر کے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔" شیرلے کسی قدر اُداس سے لہجے میں بولا۔

شیرلے کے لہجے میں کچھ ایسی ہی بات تھی کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

میں نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا "اِس خودکشی میں تمھارا کتنا ہاتھ ہے؟"

"میرا؟" شرلے چونکا۔ "میں نے تو اُسے صرف خودکشی کا مشورہ ہی دیا تھا۔ میرے چند ساتھیوں نے اُس سے مزید اصرار کیا تو اُس بھلے آدمی نے اُن کی بات مان لی۔ صبح اُس کی لاش باورچی خانے سے ملی جو اندر سے بند تھا اور اُس میں چولہے سے نکلتی ہوئی گیس بھری ہوئی تھی۔" شرلے نے بڑی معصومیت سے بتایا۔

گویا شرلے نے اپنے ساتھیوں کی موت کا انتقام لے لیا تھا مگر میرے خیال میں اُس نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ یقیناً فارم کے مالک کو کچھ اور کام کی باتیں بھی معلوم رہی ہوں گی۔ معاً مجھے یاد آیا کہ شرلے نے سی، کے، کے وزیٹنگ کارڈ کا ذکر کیا تھا۔

"تم کم از کم سی، کے کا وزیٹنگ کارڈ تو فارم کے مالک سے لے ہی لیتے۔ اُس پر یقیناً سی، کے کا پتہ درج رہا ہوگا۔" میں نے کہا۔

شرلے نے سر ہلایا، پھر بولا۔ "وہ کارڈ محض ایک طرح کی علامت تھا۔ کارڈ پر چند خاکے بنے ہوئے تھے۔ ویسا ہی ایک کارڈ ان کاغذات میں بھی موجود ہے جو میں نے آپ کو دیے ہیں۔ میں نے فارم کے مالک سے پتے کے بارے میں پوچھا تھا تو اُس نے بتایا تھا کہ اُن کارڈز پر پتہ نہیں ہوتا تھا اور وہ کارڈز دکھا کر واپس بھی لے لیے جاتے تھے۔ اُس نے کارڈ پر موجود خاکوں کے بارے میں جو کچھ حوالہ دیا تھا، ویسا ہی ایک کارڈ اِن کاغذات میں موجود ہے۔"

میں نے جلدی جلدی کاغذات کا جائزہ لیا مگر وزیٹنگ کارڈ نظر نہ آیا۔ ہاں کاغذات میں ایک بھورے رنگ کا لفافہ ضرور موجود تھا جس پر یوگوسلاویہ کا ایک پتہ لکھا ہوا تھا۔ شاید اُس پتے ہی کے سبب میں نے وہ لفافہ کاغذات میں رکھ دیا تھا۔ میں نے لفافہ کھول کر دیکھا تو اُس کے اندر ایک سفید کارڈ نظر آیا۔ میں نے وہ کارڈ نکال لیا۔

میں نے کارڈ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ غالباً شرلے نے اسی کارڈ کا حوالہ دیا تھا کیونکہ اُس کارڈ کے درمیان میں کچھ خاکے سے بنے ہوئے تھے۔ میں نے وہ کارڈ شرلے کی جانب بڑھا دیا تاکہ وہ تصدیق کر سکے۔ اُس نے میرے خیال کی تصدیق کر دی۔

کارڈ پر بنے ہوئے خاکوں کو میں نے غور سے دیکھا۔ شرلے کی بات صحیح ثابت ہو سکتی تھی کہ وہ کارڈ سی، کے کی علامت ہی رہا ہو۔ میرے ذہن میں سی، کے کی شخصیت ایک نیم پاگل یا کسی خبطی پروفیسر کی طرح تھی۔ میرے خیال میں وہ کوئی ایسا شخص تھا جو مریضانہ حد تک احساسِ برتری کا شکار تھا۔ وہ دوسروں کو اُلجھن میں ڈال کر خوش ہوتا تھا۔ میری نظر میں وہ اذیت رساں بھی تھا، سفاک بھی اور بے حد ذہین بھی۔ جل کر خاک ہو جانے والی عمارت میں جس قسم کا سامان نظر آیا تھا، وہ کافی قیمتی تھا۔ کیونکہ اُس سامان کو بہرحال تباہ ہونا ہی تھا، اِس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سی، کے کی اقتصادی

حالت بہت مضبوط و مستحکم ہے۔ سی، کے وہ کاغذات فلسطینیوں کے لیے اہم تھے بین الاقوامی سیاست میں بھی ملوث ہے او میں وہ اسرائیل کی تائید میں ہے۔

میں نے کارڈ کو ایک بار پھر غو میں آ گیا۔ یہ ایک گھنٹہ گھر کا خاکہ تھا۔ بائیں کو میں اچھی طرح پہچانتی تھی، لندن میں واقع ٹاور، جس میں مشہور گھڑی بگ بین لگی ہو کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ بالکل اس علامت ہے۔

ابھی میں کارڈ کا جائزہ ہی لے رہ "آپ کے ساتھی کو ہوش آ گیا۔ کہہ رہے ہیں۔" نرس قریب آتے ہو "کیا اُس کی حالت اِس قابل نہ ہو میں نے پوچھا۔

"میرے خیال میں ابھی انھیں، اور کوئی خاص بات نہیں، صرف و ل کیا یہ ممکن نہیں کہ اُس کا بیڈ بھی کافی بڑا ہے اور یہاں دو بیڈ آسانی تو اتنے بڑے کمرے میں چار چار بیڈ ہ

"بہتر ہے، میں ابھی انتظام کرا جواب دیا اور مسکرانے سے اُس کے گ گڑھا پڑا۔ اُسے دیکھ کر میرے دل ک کاش تم سدا اسی طرح مسکرا نے کہنا چاہا مگر شرلے کی موجودگی۔ کے جھونکے کی طرح کمرے سے چلی گئی

"اسپتالوں میں ایسی ہی نر کی بیماری آدھی رہ جاتی ہے۔ آدھیڑ عمر شرلے میری ا اُسی وقت مجھے اُس لڑکی کا نہ جانے وہ کیسی ہوگی؟ وہ بھی نہ نمائندہ اُسے اپنی وجہ کیوں بنا اگر حماقت کا ثبوت دیا تھا تو اُس کا ثبوت دیا تھا۔ وہ سی، کے کے ذریعے سی، کے، کے مقام تک

تک رسائی ممکن تھی۔ میں سوچنے لگی کہ اگر فوکنر کا پتہ بتا دیا ہوتا تو شاید شرلے اُسے بھی زندہ اُس لڑکی نے بھی سمجھ لی تھی کہ اگر اُس نے زبان کھول جائے گا۔ میرے خیال میں تشدد کے باوجود اسی خوف ورنہ اُسے اپنے محبوب کا پتہ ضرور معلوم ہونا چاہیے۔ پھر میری نگاہ کارڈ پر گڑ گئی۔

ہوئے ایک اور خاکے پر توجہ دی۔ وہ یقیناً ایک تاج میری نظر پہلے اِس لیے نہ پڑ سکی تھی کہ اُس کے بھی لکیروں کا جال سا تھا۔ میں اُس تاج کو بھی سمجھ رہی تھی۔ اُس تاج کو اُن لکیروں کے جال سے لکیروں کے جال پر توجہ دی تو وہ بھی کچھ کچھ سمجھ میں کمرے میں رضوان کا بیڈ آ گیا۔ میری توجہ اُس

نئی زندگی مبارک ہو بانو!"

صرف مسکرا کر رہ گئی۔ اُس کا بیڈ کمرے کی دوسری دیا گیا۔

ٹھیک ہوں۔ یہ اسپتال والے خوامخواہ ہیں۔" رضوان، نرس اور کمپاؤنڈرز کے جاتے لگا۔

"رہو!" میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "یہاں ایک اہم اس وقت تمھاری مداخلت مناسب نہیں ہے، تفصیلات جاننے کے لیے کبھی سوالات نہیں کرو

رضوان اِس طرح کہہ کر بستر پر دھم سے گرا کہ مجھے

ہنستی ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے دُور کسی مندر

تلبیہ ہے اِس لیے فی الحال خاموشی اختیار کرو!" ہوئے کسی قدر سخت لہجے میں کہا اور اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔

شناخت کرنے کے بعد وہ لکیروں کا جال میرے لیے کچھ دیر میں سمجھ گئی کہ وہ ایک جدید کمپیوٹر کا خاکہ تھا۔ کلاک ٹاور، تاج اور کمپیوٹر! میرا ذہن کڑیاں کے مالک کو کرائے کا ڈرافٹ لندن سے ملتا تھا۔ اِس لندن میں ہے۔ کلاک ٹاور شاید اِسی کی طرف

اشارہ کرتا تھا۔

"کمپیوٹر اور تاج!" میں بڑبڑائی، اور پھر چونک پڑی۔ کمپیوٹر کا پہلا انگریزی حرف "سی" ہے۔ کارڈ پر غالباً اِسی لیے کمپیوٹر بنایا گیا تھا مگر تاج؟ اور پھر میری سمجھ میں تاج کا مطلب بھی آ گیا تھا۔ تاج، بادشاہ کی علامت ہے، یعنی انگریزی میں کنگ! اور کنگ کا پہلا انگریزی حرف "کے" ہے، سی، کے!

میں نے ایک طویل سانس لیا۔ میں نے اُلجھی ہوئی گتھی کو سلجھا لیا تھا لیکن جہاں سے گتھی کو سلجھانا شروع کیا تھا، پھر وہیں پہنچ گئی تھی۔ سی، کے اب بھی پردۂ راز میں تھا۔ اُس کے بارے میں یہ بات تو شرلے سے حاصل شدہ معلومات کے بعد ہی معلوم ہو گئی تھی کہ وہ لندن میں ہے۔ کارڈ سے مزید کوئی نئی بات پتا نہ چل سکی تھی، سوائے اِس کے کہ کارڈ سی، کے ہی کا ہے۔

"کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچ گئیں؟" شرلے نے مجھے اُس وقت مخاطب کیا جب میں نے وہ کارڈ اپنے سرہانے رکھ دیا۔

"نہیں!" میں نے جواب دیا۔ "کسی نتیجے تک پہنچنے کے لیے اُس لڑکی سے ملنا بہت ضروری ہے جو تمھاری قید میں ہے۔"

"لیکن وہ تو نہ سی، کے، کے بارے میں کچھ جانتی ہے اور نہ اُسے یہ خبر ہے کہ اُس کا عاشق فوکنر اُسے سوتا ہوا چھوڑ کر اچانک کہاں چلا گیا۔" شرلے بولا۔

"ایک بات بتاؤ شرلے! اگر وہ لڑکی تمھیں فوکنر کا پتہ بتا دیتی تو تم اُس کے ساتھ کیا سلوک کرتے؟" میں نے یہ سوال کر کے اُس کی طرف دیکھا۔

"میں .... میں اُسے .... اُسے آزاد کر دیتا۔" شرلے نظر چُراتا ہوا بولا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو شرلے!" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم اور تمھارے ساتھی اُس لڑکی کو بھی خودکشی کرنے پر مجبور کر دیتے۔"

شرلے نے سر جھکا لیا، پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے اپنے ساتھیوں کی موت کا بہت دُکھ ہے اور ابھی میں نے پورا انتقام نہیں لیا۔ اگر آپ بھی اُس لڑکی سے کچھ معلوم نہ کر سکیں تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اُسے میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔"

"صاف صاف یوں کیوں نہیں کہتے کہ میں تمھیں اُس لڑکی کو قتل کرنے کی اجازت دے دوں!" میں نے کہا اور شرلے خاموش رہا۔ اِس کا مطلب یہی تھا کہ وہ یہی چاہتا تھا۔ میں اُسے خاموش دیکھ کر پھر بولی۔ "مجھے اِس پر اعتراض نہیں کہ تم اپنے ساتھیوں کا انتقام کیوں لے رہے ہو، میرا کہنا یہ ہے کہ اِس طرح کہیں اصل مقصد فوت نہ ہو جائے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" شرلے نے تائیدی انداز میں سر ہلایا اور بولا

"اسی لیے تو ابھی تک اُس لڑکی کو ہلاک نہیں کیا۔"

"میرا خیال ہے اب تو آپ کافی دیر راز و نیاز کر چکی ہیں۔" معاً رضوان کی آواز سنائی دی۔ "اب اگر میری زباں بندی ختم کر دی جائے تو بڑی عنایت ہو گی۔"

رضوان نے کچھ اس انداز میں کہا کہ مجھے اُس پر رحم آ گیا۔ یوں بھی اب کوئی ایسا مسئلہ باقی نہیں رہا تھا جس کے لیے یکسوئی ذہن کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں بولی "یہ زباں بندی صرف ایک شرط پر ختم کی جا سکتی ہے کہ تم میرا زیادہ دماغ نہیں چاٹو گے۔" یہ کہہ کر میں نے خود ہی اُسے مختصراً تمام حالات سے آگاہ کر دیا، پھر آخر میں بولی "تم فی الحال یہیں آرام کرو! میں شرلے کے ساتھ جا کر اُس لڑکی سے مل آتی ہوں۔"

"تاکہ میں کباب میں ہڈی نہ بن سکوں!" رضوان نے برجستہ کہا۔

"تمھیں ابھی آرام کی ضرورت ہے۔" میں اُس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی، پھر شرلے سے کہا۔ "غالباً یہاں سے چھٹی مل سکتی ہے!"

"لیکن جب تک ڈاکٹر نہ آ جائے، کس طرح ممکن ہے!" شرلے بولا، پھر خود ہی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "ویسے وہ وزٹ پر آتا ہی ہو گا، ساڑھے دس بجنے والے ہیں۔"

مجبوراً ڈاکٹر کی آمد تک مجھے اسپتال ہی میں رہنا پڑا۔ وہ گیارہ بجے کے قریب آیا۔ اُس نے مجھے تو ڈسچارج کر دیا مگر رضوان کو مزید شام تک آرام کرنے کے لیے کہا۔

"بس اب تو آپ کو چین آ گیا!" ڈاکٹر کے جاتے ہی رضوان لڑاکا عورتوں کی طرح بولا۔

میں اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بستر سے اُٹھتی ہوئی شرلے سے مخاطب ہوئی۔ "تمھارے پاس کار تو ہو گی ہی!" اُس نے اثبات میں سر ہلایا تو میں نے کہا۔ "یہاں سے کتنی دور کا سفر ہو گا؟"

"بمشکل پندرہ بیس منٹ کا!" شرلے نے جواب دیا۔

اسپتال کے اسٹور میں جا کر میں نے اپنا لباس تبدیل کیا، پھر رضوان کو خدا حافظ کہہ کر شرلے کے ہمراہ روانہ ہو گئی۔

ڈرائیونگ شرلے ہی کر رہا تھا۔ میں اُس کے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی۔

وہ شہر کا مرکزی علاقہ تھا۔ بظاہر وہ عمارت رہائشی معلوم نہیں ہوتی تھی مگر شرلے نے بتایا کہ عمارت کی پانچویں منزل رہائشی ہے۔

وہ مجھے لفٹ کے ذریعے لے کر پانچویں منزل پر پہنچا۔ راہداری میں دکا دکا افراد اِدھر سے اُدھر آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ شرلے فلیٹ کے دروازے تک پہنچ کر رُکا اور مخصوص انداز میں چار دستک دی۔

دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی ایک لڑکی تھی جس کے چہرے پر نسوانیت نام کو نہ تھی۔ وہ دروازہ کھول کر ایک جانب ہٹ گئی اور شرلے اندر داخل ہو گیا۔ لڑکی نے ہمارے داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا۔

وہ دروازہ بند کر کے پلٹی تو شرلے نے پوچھا۔ "اُس نے زبان کھولی؟"

"نہیں!" لڑکی نے جواب دیا۔ اُس کی آواز بھی کرخت تھی۔

وہ لڑکی اور شرلے اپنی مادری زبان میں بات کر رہے تھے جو بڑی حد تک جرمن زبان سے ملتی جلتی تھی۔ اردو اور بنگلہ زبان ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں، میں جرمن اچھی طرح بول اور سمجھ لیتی تھی اس لیے اُن دونوں والی گفتگو کو اگر لفظ بہ لفظ نہیں تو مفہوم کی حد تک سمجھ رہی تھی۔

اُس لڑکی نے بتایا کہ شرلے کا کوئی ساتھی اب تک زبان کھلوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کمرۂ نشست تھا اور ڈیزی اندرونی کمرے میں تھی۔

شرلے مجھے لیے ہوئے اندرونی کمرے کی طرف بڑھا۔ کمرہ عبور کر کے ہم مطلوبہ کمرے میں پہنچ گئے۔

میں کمرے کا منظر دیکھ کر پہلی ہی نظر میں لرز گئی۔ مجھے شرلے سے ایسی درندگی کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ ۔ ۔ وہ لڑکی جس کا نام شرلے نے ڈیزی بتایا تھا، چھت سے اُلٹی لٹکی ہوئی تھی اور بالکل بے لباس تھی۔ لڑکی کے قریب ہی ایک پستہ قد شخص کھڑا ہوا تھا۔ اُس شخص کے ہاتھ میں ایک پلاسٹک چڑھا تار تھا، جس کے اگلے سرے پر پلاسٹک نہیں تھا جس سے تانبے کے تار نکلے ہوئے تھے۔ اُس تار کے دوسرے سرے پر ایک پلگ تھا جو سوئچ بورڈ میں لگا ہوا تھا۔

ہم کمرے میں داخل ہو گئے مگر وہ شخص بدستور اپنے کام میں مصروف رہا۔ جب اُس نے برہنہ تار کا حصہ لڑکی کے جسم سے چھوایا اور لڑکی کے جسم کو جھٹکا لگا تو مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ تار میں کرنٹ دوڑ رہا ہے۔ لڑکی کے جسم کو برقی جھٹکے لگ رہے تھے مگر وہ چیخ نہیں سکتی تھی کیونکہ اُس کے منہ میں غالباً حلق تک کپڑا ٹھنسا ہوا تھا، پھر اوپر سے ٹیپ لگا دیا گیا تھا۔ لڑکی کے چہرے سے انتہائی کرب و اذیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"شرلے! یہ کیا درندگی ہے! بند کراؤ یہ کھیل!" میں نے کہا۔ غصے کے باوجود میری نگاہ لڑکی کے جسم پر جمی ہوئی تھی۔ بڑا متناسب اور سجیلا جسم تھا۔ ایسے جسم کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ جیسے تان پورے کے سارے تار کسے ہوئے ہوں۔

شرلے نے کچھ کہے بغیر اپنے ساتھی کو حکم دیا کہ وہ لڑکی کو نیچے اتار کر لباس دلا دے اور کچھ دیر بعد اُس کے ساتھی نے شرلے کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لڑکی کو قید و بند سے آزاد کیا! میں تو اُس وقت دیکھتی رہ گئی جب اُس کا جسم لباس کی قید میں چلا گیا۔ لڑکی کے منہ سے ٹیپ اور کپڑا نکالا گیا تھا اور اب اُس کی ہلکی ہلکی سسکیاں سی سنائی دے رہی تھیں۔

ایسا لگا کہ جیسے اُس شعلے نے خود کو زبردستی قید کر لیا ہو۔ میں اُس قیامت کو دیکھتی ہی رہ گئی۔

اُس کے علاوہ اُس کمرے میں کرخت چہرے والی لڑکی اور پستہ قد شخص بھی تھا مگر لڑکی اب صرف میری جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس نگاہ میں احساسِ شکر گزاری بھی تھا اور التجا بھی!

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم کچھ دیر کے لیے مجھے اِس فلیٹ میں تنہا چھوڑ دو؟" معاً میں نے شرلے کو مخاطب کیا۔

"کیوں نہیں!" شرلے جلدی سے بولا۔ "لیکن آپ کی واپسی دو گھنٹے سے قبل نہیں ہونی چاہیے!" میں نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنے ساتھی سے مخاطب ہو گیا۔ میں دروازے تک اُن کے ساتھ گئی۔ شرلے نے پلٹ کر آہستہ سے کہا۔ "غالباً آپ دوسرا حربہ استعمال کرنا چاہتی ہیں؟"

"ہاں، یہی حربہ؟" میں نے کہا۔

"میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ اُس سے ہمدردی جتا کر اُس کی زبان کھلوانا چاہتی ہیں لیکن وہ وعدہ یاد رکھیے گا جو آپ نے مجھ سے کیا ہے۔" وہ بولا۔

"مجھے یاد ہے۔" میں نے اُسے جلد سے جلد ٹالنے کی غرض سے کہا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں سمیت فلیٹ سے نکل گیا تو میں نے دروازہ بند کیا اور پلٹ کر اُسی کمرے میں پہنچی جہاں لڑکی کو چھوڑا تھا۔ وہ اُسی کمرے میں بچھی ہوئی مسہری پر بیٹھی ہوئی تھی اور اُس کے چہرے پر اُلجھن کے آثار تھے۔ مجھے دوبارہ کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی اور اپنی بڑی بڑی نیلی آنکھیں اوپر اُٹھائیں۔

میں اُس کے قریب ہی مسہری پر بیٹھ گئی اور بے تکلفی سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔ "ڈیزی ڈارلنگ! مجھے افسوس ہے کہ اِن لوگوں نے تمھارے ساتھ ایسا سلوک کیا۔" میری زبان سے اپنا نام سن کر وہ چونکی مگر بولی کچھ نہیں۔ میں آہستہ آہستہ اُس کا نرم و نازک ہاتھ سہلا رہی تھی۔ چند لمحے توقف کے بعد میں نے اُسے پھر مخاطب کیا۔ "بہرحال جو ہوا سو ہوا لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم نے زبان نہیں کھولی۔ تم ذہین لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ اگر تم اُنھیں فوکنر کا پتہ بتا دیتیں تو شاید وہ تمھیں زندہ نہ چھوڑتے۔"

"تو۔ ۔ ۔ تو کیا آپ اُن کی ساتھی نہیں ہیں؟" اُس نے انتہائی حیرت سے سوال کیا۔ اُس کی آواز بھی اُسی کی طرح حسین تھی۔

"بظاہر تم مجھے اُن کا ساتھی سمجھ سکتی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں تمھیں اُن کے چنگل سے نکالنا چاہتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں اُس سے مزید قریب ہو گئی۔ اب اُس کے جسمانی لمس سے میرے جسم میں سنسناہٹ ہونے لگی تھی۔

"مگر۔ ۔ ۔ آپ کو مجھ سے۔ ۔ ۔ مجھ سے کیا ہمدردی ہے اور آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟" اُس نے کہا۔ اُس کے لہجے میں معصومانہ حیرت تھی۔

"اِن باتوں کو چھوڑو، میں تو تمھیں ہی کیا فوکنر کے باس کو بھی جانتی ہوں جو لندن میں رہتا ہے لیکن اُس کے ہاتھ یوگوسلاویہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ میں دراصل تمھیں ایک اہم بات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی جس سے شاید تم ناواقف رہی ہو۔"

"اہم بات؟"

"تمھاری جیسی عمر کی لڑکیاں خصوصاً محبت کے معاملے میں جذباتی ہوتی ہیں۔ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے محبوب کو کھونا نہیں چاہتی ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ تم بھی اُنھی لڑکیوں میں سے ہو۔ اگر اپنے محبوب، فوکنر کی زندگی بچانے کے لیے تمھیں خود اپنی زندگی داؤ پر لگا دینی پڑے تو شاید تم گریز نہیں کرو گی۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟" یہ کہتے ہوئے میں نے لڑکی کے متغیر ہوتے چہرے کو غور سے دیکھا اور محسوس کیا کہ میرا وار خالی نہیں گیا۔

"تو کیا۔ ۔ ۔ کیا فوکنر کی زندگی خطرے میں ہے؟" وہ ہیجان خیز لہجے میں بولی، پھر خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی۔ "مگر اُسے کس کی طرف سے خطرہ ہو سکتا ہے؟"

میں مسکرائی اور بولی۔ "اِن سوالوں کے جواب تم سے زیادہ فوکنر کے لیے جاننا ضروری ہیں اور اِن کے علاوہ بھی بہت سی اہم باتیں!"

ڈیزی کے چہرے سے اُلجھن کا اظہار ہونے لگا، پھر اُس کا

سوچ میں ڈوب گیا جیسے وہ کسی فیصلے تک پہنچنا چاہتی ہو۔
میں نے لوہا گرم دیکھ کر ایک اور ضرب لگائی "ڈیزی! دنیا میں ہر شے کی قیمت ہے اور میں بھی تمھارے محبوب کی زندگی بچانے کا معاوضہ چاہتی ہوں لیکن یہ معاوضہ فوکنر کو نہیں، تمھیں ادا کرنا ہوگا۔"
"مجھے؟ لیکن میرے پاس تو نقد رقم کی صورت میں کچھ بھی نہیں ہے۔" ڈیزی نے اپنی نیلی آنکھیں میری جانب اُٹھائیں۔
میں نے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اُس کی ٹھوڑی پکڑ کر اُس کی نیلی آنکھوں میں جھانکا، پھر بولی "کون کہتا ہے کہ تم تہی دامن ہو؟ تمھارے پاس تو اتنی دولت ہے کہ زندگی بھر بھی خرچ کرو تو ختم نہ ہو۔" یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے جذبات کی شدت سے میرا لہجہ بھاری ہوتا چلا گیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا سارا وجود اُن نیلی آنکھوں میں ڈوبتا جا رہا ہو۔
مجھے یہ دیکھ کر ایک خوشگوار حیرت سی ہوئی کہ میں نے پسِ الفاظ جو کچھ کہا تھا، اُس نے پوری معنویت کے ساتھ سمجھ لیا۔ ردِ عمل کا اظہار اُس نے فوراً ہی کیا تھا۔ اُس کی شاخِ گل جیسی باہیں میری طرف اُٹھ گئی تھیں۔ میں نے اُن باہوں کو تھام لیا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی کہ ڈیزی اُن راہوں سے آشنا تھی جدھر میں اُسے لے جانا چاہتی تھی۔
میں نے اُس کی فعالی کو ابتدائی مرحلے ہی میں محسوس کر لیا۔ یہ میرے لیے بڑا دلچسپ تجربہ تھا۔ میں بہت دنوں بعد کسی رموزآشنائے کیفِ وصال سے ہمکنار ہوئی تھی۔ مجھے ایئر ہوسٹس مہربانو کے ساتھ گزارے ہوئے خوبصورت لمحے یاد آ گئے۔
نیلی آنکھوں میں پڑے ہوئے سُرخ سُرخ ڈورے آغازِ خود فراموشی کی دلیل بن کر اُبھرے اور اُن کے رنگ مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ دریچۂ دل پر کسی خوشبو نے دستک دی اور میرا وجود چیخ اُٹھا "سارے دروازے کھول دو! ایسے مہمان روز روز کب آتے ہیں!" کوئی میرے اندر زینہ زینہ اُترنے لگا۔ گنگناتے ہوئے آبشاروں کی طرح میں نے اُس کے قدموں کی صدا سُنی اور اُس صدا کے سحر میں کھو گئی۔ بندِ قبا عقدہ کُشائی چاہتے تھے، سو عقدہ کُشائی کی گئی مگر عقدہ کُشائی کرنے والا کون تھا، نہ مجھے خبر تھی نہ اُسے! خبر و ہوش کی منزلیں تو بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ ہاں، اِن بے خبری کے لمحوں میں بھی مجھے اتنی خبر تھی کہ حصولِ مقصد کچھ اور بھی ہے۔
"ڈیزی! تم [illegible] محبوب کے پتے سے تو واقف ہوتا!" مجھے نہیں معلوم میں نے یہ چند الفاظ کس طرح ادا کیے!
"ہاں میں اُس کا پتہ جانتی ہوں۔" اُس نے بے ترتیب سانسوں کے درمیان کہا۔ اُس کی آواز جیسے کہیں [illegible] رہی تھی "میں... میں آپ کو... اُس کا [illegible] آپ...."
شاید اُس کے بعد بھی ڈیزی نے کچھ کہا تھا لیکن مجھے جو سُننے کی آرزو تھی وہ پوری ہو چکی [illegible] تک سُنتا ہے جہاں تک سُننا چاہیے۔
سفرِ نکہت و رنگ جاری تھا اور ڈیزی [illegible] چل رہی تھی۔ کبھی کبھی اُس کی تیز رفتاری بڑھ جاتی [illegible] تھام لیتی۔ سارا حُسن تو سفر میں ہے، منزل پر تو [illegible] جو لذت بھٹکنے میں ہے وہ منزل پر پہنچ جانے میں کہاں! شاید اِس رمز سے آشنا تھی۔ وہ بھی میرے ساتھ [illegible] دو آبلہ پایانِ محبت صحرائے تشنگی میں آگے بڑھتے [illegible] تھا کہ گلزار بھی جس پر رشک کریں۔ کہیں جذبات کی [illegible] احساس کی چھاؤں! کہیں ابرِ تمنا تھا تو کہیں کشتِ روِش خارِ مغیلاں تو کہیں قدم قدم گُل و لالہ! کہیں سُرخ کہیں گلاب ہی گلاب! وہاں بھٹکنے میں بڑی لذت [illegible] صحرا کے ذرّے ذرّے کو ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی نے [illegible] لے لیا۔ صحرا میں کھلتے ہوئے گلابوں پر شبنم کی پھوار [illegible] شبنم میں نہا گئے اور اُن کے چہرے دمکنے لگے۔ اُن کی [illegible] تیز تھی کہ میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور میں نے آنکھیں [illegible] اُن گلابوں کی خوشبو میرے انفاس میں اُتری تو میں [illegible] کی سرحدوں کو چھو لیا۔
رنگ چھٹے، خوابوں کی دُھند کم ہوئی تو مجھے [illegible] نکھرا چہرہ نظر آیا۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی آسودہ مسکراہٹ [illegible] ہم دونوں نے اپنے بکھرے ہوئے وجود سمیٹ لیے۔
میں نے گھڑی میں وقت دیکھا تو شرلے کو گئے [illegible] ایک گھنٹہ گزر چکا تھا اور اُس کی واپسی میں ابھی ایک گھنٹہ [illegible] اِس ایک گھنٹے سے میں پورا فائدہ اُٹھانا چاہتی تھی۔ اُس [illegible] نازک جسم کو ابھی موت سے ہمکنار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ [illegible] واپسی کا مطلب ڈیزی کی موت ہوتا جو بہرحال میں نہیں [illegible]
"آئیے چلیں!" معاً میں نے ڈیزی کا ہاتھ تھامتے ہوئے [illegible] اور وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔
فلیٹ کی چابی ڈھونڈنے میں زیادہ دقت پیش نہیں [illegible] کمرۂ نشست کے ایک کارنس پر رکھی مل گئی تھی۔ میں ڈیزی کو [illegible] فلیٹ سے نکلی، فلیٹ کا تالا لگایا اور چابی جیب میں ڈال کر [illegible]

[illegible] شرلے کی گاڑی [illegible] نہیں تھی۔ [illegible] اِدھر نگاہ دوڑائی۔ کچھ دیر بعد ہی [illegible] ٹیکسی آتی دکھائی دی۔ مجھ سے پہلے ڈیزی [illegible] بلند کیا۔ ٹیکسی ہمارے قریب آ کر رُک [illegible] بیٹھتے ہوئے ڈرائیور کو کسی جگہ کا پتہ بتایا۔

[illegible] زیادہ کا ثابت نہیں ہوا تھا۔ ٹیکسی ایک [illegible] رُکی تھی جس کی پیشانی پر کسی ورآمدی [illegible] میں نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا۔ ٹیکسی سے اُتری [illegible] منزلہ عمارت کی طرف بڑھی۔
[illegible] فوکنر ہے؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے

[illegible] جواب دیا "یہ فرم فوکنر کے ایک مقامی دست [illegible] فوکنر یہیں ہوگا۔ بلغراد میں اِس کے علاوہ [illegible] ہیں۔"
[illegible] ہے کہ فوکنر واقعی اُس رات تمھیں فارم کی [illegible] چھوڑ کر چلا گیا تھا؟" میں نے کہا۔
[illegible] سلسلے میں مجھے اُس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔" ڈیزی بولی [illegible] ہمراہ پہلی منزل پر پہنچی۔ اُس منزل پر بھی دفاتر [illegible] ہی مختلف کمروں کے سامنے سے گزرتی ہوئی [illegible] سامنے پر رُک گئی۔ دروازے پر ایک باوردی ملازم [illegible] کو دیکھ کر وہ استقبالیہ انداز میں مسکرایا اور پھر [illegible] پر اُس نے دروازہ کھول دیا۔ اِس کا مطلب [illegible] اُس ملازم کے لیے اجنبی نہیں تھی۔
[illegible] کے ہمراہ جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا، ایک [illegible] آواز سُنائی دی "آئیے صبیحہ بانو! میں آپ ہی کا [illegible]

[illegible] آواز کی سمت دیکھا۔ اُس بڑے سے کمرے کے آخری [illegible] کے پیچھے ایک تنومند شخص گھومنے والی [illegible] پر بیٹھا [illegible] سے پہلے کہ میں کچھ کہتی وہ پھر بولا "مجھے [illegible] تھی امید [illegible] کے ذریعے مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔" [illegible] لمحے توقف کیا، پھر کہا "یوگوسلاویہ میں سی [illegible] کے [illegible] آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔"
[illegible] کی تشریح نہیں کرو گے؟" میں نے پوچھتے ہوئے لہجے میں کہا "اِس پردے کے پیچھے کون چھپا ہوا ہے؟"
"کیا آپ کو سی [illegible] کے کا وزٹنگ کارڈ نہیں ملا؟"
"کارڈ مل گیا ہے مگر میں اُس کا پتہ جاننا چاہتی ہوں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"ہر چند کہ آپ جیسی ذہین خاتون کے لیے وہ کارڈ ہی کافی تھا لیکن میں آپ کو سی [illegible] کے کا پتہ بھی بتا دوں گا۔ آئیے، تشریف لائیے!" اُس نے میز کی دوسری جانب رکھی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
میں آگے بڑھی مگر ڈیزی اُسی جگہ حیران پریشان سی کھڑی رہی۔ وہ شاید معاملے کی تہ تک نہیں پہنچی تھی۔ اِس سے پہلے کہ میں میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسیوں تک پہنچتی کہ معاً ایک نسوانی چیخ بلند ہوئی۔ پھر میں نے فوکنر کو سینہ پکڑ کر کرسی سے لڑھکتے دیکھا۔ میں تیزی سے پلٹی۔ دروازے کے قریب ہی شرلے ریوالور لیے کھڑا ہوا تھا اور اُس سے چند فٹ کے فاصلے پر ڈیزی کا جسم تڑپ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ شرلے کے ریوالور پر سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ شرلے نہ جانے کب دروازہ کھول کر آہستگی سے کمرے میں داخل ہو گیا تھا اور دروازے کے باہر کھڑے ہوئے باوردی ملازم نے اُسے نہ جانے کیوں نہیں روکا تھا!
حیرت کے چند لمحے گزرنے کے بعد میں کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ شرلے بول اُٹھا "مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اپنا وعدہ وفا نہیں کیا لیکن مجھے اِس کی توقع تھی اِسی لیے میں سائے کی طرح آپ کے پیچھے لگا رہا۔"
"[illegible] شرلے!" میں تقریباً چیخ پڑی "[illegible] نے سارا [illegible] بگاڑ دیا۔"
"[illegible] سے درخواست کروں گا کہ آپ یہاں سے فوراً [illegible] چلیں۔ یہاں کسی بھی لمحے کوئی آ سکتا ہے اور آپ کی حفاظت بہرحال [illegible] فرض ہے۔"
مجھے بھی صورتِ حال کی نزاکت کا فوراً احساس ہو گیا تھا۔ اب وہاں رُکنا بے معنی ہی تھا اور شرلے سے مزید بحث بھی فضول [illegible] جو کچھ کرنا تھا، کر گزرا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کا انتقام لے لیا [illegible] مجھے اگر اُس کے تعاقب کا ذرا بھی احساس ہو جاتا تو شاید یہ صورت پیش نہ آتی۔
ڈیزی کا جسم اب تڑپ تڑپ کر ساکت ہو چکا تھا اور جسم کے ارد گرد خون پھیلا ہوا تھا جو دبیز قالین میں جذب ہوتا جا رہا تھا۔ فوکنر اپنی کرسی سے لڑھک کر غالباً بڑی سی میز کے نیچے دم توڑ چکا تھا۔
"چلو!" میں نے شرلے کی طرف دیکھ کر سپاٹ سے لہجے میں کہا

اور قدم آگے بڑھائے۔
شاید سٹرلے نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ اُس نے ریوالور جیب میں رکھا اور مڑ کر آہستگی سے تھوڑا سا دروازہ کھولا، پھر باہر جھانکتے ہوئے سرگوشی کی "چلی آیئے، راستہ صاف ہے۔"
"کیا تم نے ملازم کو بھی ٹھکانے لگا دیا؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔
"اِس کی ضرورت نہیں تھی۔ اُسے یہاں سے ہٹا دینا ہی کافی تھا۔" اُس نے جواب دیا اور کمرے سے نکل گیا۔
میں نے بھی اُس کی تقلید میں دروازہ عبور کیا اور راہداری میں پہنچ گئی۔ سٹرلے مجھ سے چند قدم آگے تیز تیز چلتا ہوا زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔
عمارت کے نیچے سٹرلے کی کار موجود تھی۔ وہ کار میں بیٹھا اور دوسری سمت کا دروازہ میرے لیے کھول دیا۔ میں کار کے سامنے سے گزر کر دوسری سمت پہنچی اور تیزی سے کار میں بیٹھ گئی۔ میرے بیٹھتے ہی کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھی۔
سٹرلے مجھے لے کر پھر اُسی فلیٹ میں پہنچ گیا جہاں سے میں ڈیزی کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔ میں نے فلیٹ کی چابی اُس کے حوالے کر دی تھی۔
نوکر کی موت نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اب اِس کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں لندن روانہ ہو جاتی۔ جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ اِس سلسلے میں سٹرلے سے مزید بحث و تکرار فضول ہی ثابت ہوتی۔ یہی سوچ کر میں نے اِس مسئلے پر خاموشی اختیار کر لی۔
سٹرلے اور میں کمرۂ نشست میں ایک دوسرے کے مقابل خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ معاً میں نے سٹرلے کو مخاطب کیا "سٹرلے! تم یہاں سے میری لندن روانگی کا بندوبست کتنی دیر میں کر سکتے ہو؟"
"اِس کا انحصار لندن جانے والی فلائٹ پر ہے۔ اِس سلسلے میں معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔" سٹرلے نے جواب دیا۔
"میری مُراد ضروری خانہ پُری سے تھی۔" میں نے کہا۔
"اِس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ ممکن ہے کہ میں آج ہی یہ کام کرا دوں۔"
"تو پھر اُٹھو!" میں نے اُٹھتے ہوئے کہا "مجھے ہوٹل چھوڑ دو اور رضوان کو بھی اسپتال سے ڈسچارج کرا کے ہوٹل پہنچا دو۔ اگر کسی صورت ہم آج ہی لندن کے لیے روانہ ہو جائیں تو بہت بہتر ہے۔ میں

ہوٹل پہنچ کر تمھیں رضوان کا اور اپنا
تم ہمارے لیے لندن کا ویزا حاصل کر
میں نے سٹرلے کے ہمراہ ہوٹل پہنچ
کیے۔ سٹرلے پاسپورٹ لے کر چلا گیا تو میں
کر دیا تاکہ کسی بھی وقت روانگی ممکن ہو
رضوان کی آمد سے قبل ادا کر دیے تھے
رضوان کو ہوٹل پہنچنے میں ایک گھنٹہ
سٹرلے اسے ہوٹل کے دروازے پر
رضوان کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اُسے تمام
باتیں اُس نے بہت غور و توجہ سے سنیں
"بانو! ہی نکے سے کمپیوٹر کنگ بھی تو بنتا
لندن میں کمپیوٹر کنگ کہلاتا ہوا اور
پہنچ کر میرے خیال میں کسی ایسے شخص کی تلاش
نہیں ہوگی۔"
رضوان کی قیاس آرائی نے فکر کی نئی راہ
واقعی ممکن تھا۔ اِس سلسلے میں
معاون ثابت ہو سکتی تھی۔ ڈائریکٹری میں کسی
کرنا زیادہ دشوار نہ ہوگا جو کمپیوٹر بناتی ہو
فرمز یا ادارے گنے چنے ہی ہو سکتے تھے۔ میں نے
خیال سے اتفاق کیا۔
میں اور رضوان اُس وقت تک اِس
جب تک کہ سٹرلے نہ لوٹ آیا۔ مجھے یہ دیکھ کر
کامیاب لوٹا تھا۔ اُس نے نہ صرف ضروری خانہ
اُسی شام لندن جانے والی فلائٹ کے ٹکٹ
اُس وقت شام کے ساڑھے چار بجے تھے
فلائٹ روانہ ہوتی تھی اِس لیے ہم فوراً ہی ہوٹل
کے لیے روانہ ہو گئے
رخصت ہوتے وقت سٹرلے نے ایک بار
اور میں نے فراخدلی سے مسکراتے ہوئے اُس کی معذرت
اُس نے بہرحال اپنی دانست میں مجھ سے بھرپور
جہاز نے پرواز کی تو میری آنکھوں میں
لگا۔ یوگوسلاویہ کی ایک یاد بہرحال میں اپنے ساتھ
لندن ایئرپورٹ پر میں رضوان کے ہمراہ کسٹم
ایئرپورٹ کی عمارت سے نکلی تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی

ن ہا موسم! میں نے ایک ٹیکسی کی اور
کے لیے کہا۔ وہ ایک متوسط درجے
میں نے یہ سوچ کر کیا تھا کہ میرے پاس
۔ یہ ہوٹل آکسفورڈ اسٹریٹ ہائیڈپارک
ہے۔ اِس کے برابر ہی ماربل آرچ اور ٹیوب
حاصل کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں
ایک ڈبل سوئٹ مل گیا تھا۔
سامان رکھنے کے بعد میں نے پہلا کام یہی کیا کہ وہاں
کی ٹیلیفون ڈائریکٹری اُٹھائی اور تیزی سے
رضوان میرے پیچھے ہی کھڑا تھا اور اُس کی نگاہ
ڈال رہی تھی۔
یہ دیکھ کر اُچھل پڑی۔ مجھے اِس قدر جلد کامیابی
جلدی سے پتہ پڑھا، ۴۴، ۴۶ ریجنٹ
میں نے نیچے نظر ڈالی۔ منیجنگ ڈائریکٹر اور
ایک نام لکھا تھا، چارلس کیلی! میں ایک بار
نام کا پہلا انگریزی حرف "سی" تھا اور کیلی کا
کا معمہ حل کر لیا تھا۔ یقیناً یہ چارلس کیلی ہی
نے مڑ کر رضوان کی طرف دیکھا۔ اُس کے
رانی کا اظہار ہو رہا تھا۔
کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔" رضوان نے کہا اور میں
پر نقش ہو چکا تھا اِس لیے میں نے ڈائریکٹری
رضوان سے بولی "اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم
سے مل سکتے ہیں۔"
یہ بات سُن کر اثبات میں سر ہلایا۔
غنیمت جانو اور جی بھر کر آرام کر لو۔ کیا خبر کل
دوچار ہونا پڑے۔"
میرے خیال سے اتفاق کیا۔ اُس کے بعد میں
باری باری غسل کیا، کھانا منگوا کر کھایا اور اپنے
دراز ہو گئے۔
رات کا کون سا پہر تھا کہ میری آنکھ کھُل گئی۔
زور زور سے دستک دے رہا تھا۔ میں نے
جانے سے پہلے اپنا ریوالور ہاتھ میں لے لیا تھا۔
دروازے پر دستک دینے والا دشمن بھی ہو سکتا

تھا۔ میں پنجوں کے بل چلتی ہوئی دروازے تک پہنچی اور دروازہ کھولتے ہی ایک دم دروازے کی آڑ میں ہو گئی۔ اُسی وقت کوئی دھم سے اندر گرا۔ میں آڑ سے نکل کر تیزی سے اُس کے قریب پہنچی۔ نیلے بلب کی ہلکی روشنی میں بھی میں نے اُس خون آلود چہرے کو پہچان لیا۔ میں تقریباً چیخ پڑی "یہ لیلیٰ کمال!"

❀

لیلیٰ کمال کو اُس حالت میں دیکھ کر میں وقتی طور پر گھبرا سی گئی لیکن جب میں نے اُس کے زخموں کا جائزہ لیا تو میری گھبراہٹ دور ہو گئی۔ اُس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ وہ محض خون بہہ جانے اور اُسی حالت میں میرے کمرے تک پہنچنے کے سبب نڈھال ہو کر غش کھا گئی تھی۔ اُس کا سانس اُکھڑا ہوا تھا جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ غالباً دوڑتی ہوئی وہاں تک پہنچی تھی۔ گزرتے لمحوں کے ساتھ ساتھ اُس کا سانس درست ہوتا جا رہا تھا۔
میں نے جھک کر اُسے بازوؤں سے اُٹھایا اور اُس کے جسم کو سنبھال کر اندر لے جانے لگی مگر اِس سے پہلے میں کمرے کا دروازہ بند کرنا نہیں بھولی تھی۔ ابھی میں نے چند قدم کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ رضوان سلیپنگ گاؤن کی بیلٹ باندھتا ہوا تیزی کے ساتھ اپنے کمرے سے نکلا اور میری طرف بڑھا۔ اُس کے چہرے پر انتہائی حیرت کے تاثرات تھے جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔
"بانو!... یہ... یہ لڑکی... زخمی لڑکی کون..."
"کوئی سوال بعد میں کرنا" میں نے رضوان کی بات کاٹتے ہوئے کہا "پہلے اِسے بستر تک پہنچوانے میں مدد کرو!"
رضوان نے میرے کہنے پر لیلیٰ کو ایک طرف سے سنبھال لیا۔ میں نے احتیاطاً اِس بات کا خیال رکھا تھا کہ میرے کپڑوں پر لیلیٰ کا خون نہ لگے۔ جب میں نے رضوان کو بھی یہی احتیاط برتتے دیکھا تو مجھے خوشی ہوئی۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ وہ پوری طرح چوکنا تھا۔
میں رضوان کی مدد سے لیلیٰ کو اپنی خوابگاہ میں لے آئی اور بستر پر لٹا دیا۔ پھر رضوان سے مخاطب ہوئی "دیکھو غسلخانے میں جا کر گرم پانی لے آؤ! اور وہاں دواؤں کا چھوٹا سا کیبنٹ بھی میں نے دیکھا تھا۔ اُس کیبنٹ میں یقیناً کوئی جراثیم کُش دوا ہوگی، وہ بھی لیتے آنا!"
رضوان بغیر کچھ کہے غسلخانے کی طرف بڑھ گیا اور میں لیلیٰ کمال کی طرف متوجہ ہو گئی۔ مجھے اُس کی لندن میں موجودگی حیرت انگیز معلوم ہوئی۔ ابھی ایک روز قبل ہی تو میں اُس سے پیکنگ میں ملی تھی۔ میں نے اُسے اُن کاغذات کی نقل دی تھی جو سی کے نے مجھ سے زبردستی

حاصل کر کے ضائع کرا دیے تھے۔ تنظیم آزادیٔ فلسطین کے افراد کا وہاں لندن میں موجود ہونا میرے لیے باعثِ حیرت نہیں تھا لیکن لیلیٰ کمال کا پیکنگ سے وہاں اتنی جلدی پہنچ جانا ضرور تعجب خیز تھا۔ میں رضوان کی واپسی تک انہی خیالوں میں گھری رہی۔

جس حد تک ممکن تھا میں نے لیلیٰ کمال کے زخموں کی ڈریسنگ کر دی، پھر مجھے اُس کے خون آلود کپڑوں کا خیال آیا۔

"رضوان! تم اپنے کمرے میں جاؤ کیونکہ میں اِس کے کپڑے بدلنا چاہتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں اُس طرف بڑھی جدھر کپڑوں کی الماری تھی مگر رضوان وہیں کھڑا رہا۔ میں نے اُس کی طرف پلٹ کر دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں سوالات مچلتے دیکھے۔

"مجھے فی الحال صرف اِتنا بتا دیجیے کہ کیا آپ اِس لڑکی کو پہلے سے جانتی ہیں؟" رضوان میری سوالیہ نگاہ کے جواب میں جلدی سے بولا۔

"ہاں!" میں نے تیزی سے کہا۔ "لیکن بقیہ باتیں میں بعد میں بتاؤں گی۔ اب تم یہاں سے چلے ہی جاؤ تو بہتر ہے۔"

"کیا میں یہیں پیٹھ موڑ کر نہیں کھڑا ہو سکتا؟" رضوان کے لہجے میں شرارت عود کر آئی۔

"نہیں!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر تم نے مزید ضد کی تو یقین کرو کہ میں تمھیں اِس لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی، سمجھے!"

"دراصل آپ کو کسی خوبصورت لڑکی کے ساتھ تنہا چھوڑتے ہوئے ذرا ڈر ہی لگتا ہے مگر خیر میں کچھ دیر بعد آنے کے لیے چلا جاتا ہوں۔" رضوان نے کہا، پھر اِس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کہتی وہ کمرے سے نکل گیا۔ وہ غالباً سمجھ چکا تھا کہ اگر اُس نے مزید شرارت کی تو واقعی میں اُسے لیلیٰ کے بارے میں کچھ نہ بتا کر ضرور تنگ کروں گی جو ظاہر ہے کہ وہ نہیں چاہتا ہوگا۔

رضوان کے جاتے ہی میں نے کپڑوں کی الماری کھول کر اپنا ایک گاؤن نکالا اور بستر کی طرف بڑھی۔ لیلیٰ کمال اب تک بیہوش تھی۔ میں نے اُس کا خون آلود لباس اُتار کر اُس کے جسم کو گاؤن میں لپیٹ دیا، پھر اُس کے لباس کو غسلخانے میں لے جا کر میلے کپڑوں کے کیبنٹ میں ڈال دیا۔

میں ابھی غسلخانے سے نکلی ہی تھی کہ معاً چونک پڑی۔ مجھے بیرونی دروازے [illegible] دستک سنائی دی تھی۔ لیلیٰ کمال کی وہاں موجودگی میں مجھے بے حد محتاط رہنا تھا۔ ممکن تھا کہ مجھ سے پہلے رضوان اپنے کمرے سے نکل کر بیرونی دروازہ کھول دیتا اِس لیے میرا وہاں فوراً پہنچنا ضروری تھا۔ میں نے لیلیٰ کمال کی طرف دیکھا۔ وہ میرے بستر پر پڑی ہوئی لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اُسے بس ہوش آنے ہی والا تھا۔

اُس ڈبل سوٹ میں دو خوابگاہیں تھیں اور ایک ڈرائنگ روم! داخلے کا راستہ ڈرائنگ روم ہی سے تھا اِس لیے میں تیزی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ توقع کے مطابق [illegible] تھا لیکن اُس نے دروازہ کھولنے [illegible] کر وہ کچھ کہہ پاتا، میں نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا، پھر پنجوں کے بل چلتی ہوئی [illegible] پہنچ گئی۔

"دروازہ کھٹکھٹانے والا کوئی دشمن [illegible] سرگوشی کی۔ "تم اپنے کمرے میں جاؤ! [illegible] صورتِ حال سے نمٹنا آسان ہوگا۔"

رضوان موقع کی نزاکت کو محسوس کر [illegible] میں چلا گیا اور دروازہ بھیڑ لیا۔ [illegible] جا رہا تھا۔

میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے [illegible] چلا کر کہا۔ "کون ہے؟"

دروازہ کھولتے ہوئے بھی میں اِس [illegible] ناوقت اُٹھائے جانے پر میں جھنجھلا اُٹھی ہوں۔

"کیا ہے؟" میں نے دروازہ کھولتے [illegible] راہداری روشن تھی اور میں اُن تین آدمیوں [illegible] اپنے لباس کی وضع قطع سے عام شہری ہی دکھائی [illegible] اُن کے انداز عام شہریوں جیسے نہیں تھے۔ اُن میں [illegible] شخصیت کا مالک تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر نمایاں طور پر [illegible] تھا کہ میں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ میں اُسے [illegible] وہ مجھے یقیناً پہچانتا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس کا چونکنا [illegible] تھا کہ مجھے دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی تھی۔

میرے سوال کے جواب میں اُسی شخص نے کہا۔ [illegible] ایک خطرناک لڑکی اِس ہوٹل میں گھس آئی ہے۔ ہم [illegible] پھر رہے ہیں۔ ہمارا تعلق اسپیشل پولیس سے ہے۔"

لہجہ نرم تھا مگر ایک عجیب سی کھنک [illegible] ہوئے الفاظ کو پُراثر بنا دیا تھا۔ اِس کے علاوہ اُس کے [illegible] جھلک بھی تھی جیسے وہ تمام عمر احکامات ہی دیتا رہا ہو [illegible] کرنے کا عادی نہ ہو۔ اگر وہ واقعی پولیس ہی کے محکمے [illegible] کوئی بڑا افسر ہی رہا ہوگا مگر بڑے افسر یوں رات گئے [illegible] نہیں دیتے پھرتے۔ یہ کام تو اُن کے معمولی ماتحتوں کا ہے۔

میں نے آنکھیں ملتے ہوئے بڑی معصومیت سے [illegible] تو میں بھی ہوں مگر میں نے یہ کمرہ کرائے پر لیا ہے۔ یہاں [illegible] سی سے چھپ کر نہیں گھسی ہوں۔"

[illegible] بھاری بھرکم شخصیت رکھنے والے کو جھنجلا جانا [illegible] ہوا۔ وہ پُرسکون آواز میں بولا۔ "مجھے آپ کی [illegible] اپنے مجرم کو پہچانتے ہیں۔"

اُس سے کہوں کہ وہ پہچانتا تو مجھے بھی ہے [illegible] کہا۔ "یہاں کوئی زخمی لڑکی نہیں آئی۔ [illegible] آنے دیں گی؟"

[illegible] ہوں کہ یہاں کوئی زخمی لڑکی نہیں تو پھر تم کیوں [illegible] میری بات پر یقین نہیں؟" میں نے جھنجلاہٹ [illegible] کہا۔

[illegible] شخصیت والے نے مجھے تشویش آمیز نگاہ سے دیکھا۔ [illegible] نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، پھر غالباً اُس نے [illegible] کر لیا۔ وہ مجھ سے بولا۔ "وہ لڑکی خونی ہے اور [illegible] سے ٹپکنے والے خون ہی نے ہوٹل کے [illegible] نشاندہی کی ہے۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو [illegible] پر آپ کو خون کا دھبا نظر آ جائے گا۔" یہ [illegible] ہوئے دروازے کے سامنے بچھے ہوئے قالین [illegible]

[illegible] دیکھا۔ سبزی مائل قالین کے اُس حصے پر واقعی [illegible] دیکھا جا سکتا تھا۔ اُس دھبے کی رنگت کتھئی ہوتی جا [illegible] ثبوت تھا کہ وہاں خون ہی گرا تھا۔

[illegible] ہمیں ایک نظر اپنے سوٹ کا جائزہ لینے دیں۔" [illegible] والا بولا۔

[illegible] میں نے تیزی سے کہا۔ "میں دروازہ اندر سے بند [illegible] تمہاری دستک پر میں نے خود دروازہ کھولا تھا۔ یہاں [illegible] نہیں آیا۔" میرا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ میں نے اپنی بات پوری [illegible] کرنا چاہا مگر بھاری بھرکم شخصیت والے [illegible] میں آڑا کر مجھے ایسا کرنے سے روک دیا۔

[illegible] راہ میں آڑے نہ آئیں ورنہ نقصان اُٹھائیں گی۔" [illegible] نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔

[illegible] دنیا بھر میں اپنے رکھ رکھاؤ کے لیے مشہور [illegible] گیا کہ وہ لوگ لندن کی پولیس سے ہرگز تعلق نہیں [illegible] اندر آنے کی اجازت دے کر اپنی خوابگاہ تک پہنچ [illegible] چاہتی تھی مگر فوری طور پر اُنھیں روکنے کی کوئی سبیل [illegible] وہاں کے انداز ایسے نہیں تھے کہ میں اُن کی دھمکی کو [illegible] انداز کر دیتی۔ مجبوراً میں نے اُنھیں [illegible] نے کا راستہ دے دیا۔ میرا خیال تھا کہ شاید اندر آتے ہوئے اُن [illegible] ذرا ڈھیلی ہو جائے یا چند لمحوں کے لیے ریوالور کی نال میری طرف سے ہٹ جائے۔ اگر کوئی ایسا موقع ملتا تو میں یقیناً ہنگامہ برپا کر دیتی۔ اِس کے علاوہ میں رضوان کو بھی نہیں بھولی تھی جو اپنے کمرے میں موجود کسی موقع کی تلاش میں ہوگا مگر وہ لوگ اپنے کام میں بہت ہوشیار تھے کیونکہ اُنھوں نے مجھے ایسا کوئی موقع نہیں دیا۔ اب اُن سبھی کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

پہلے ممتاز شخصیت والا اندر داخل ہوا، پھر اُس کے اشارے پر دوسرے اندر آئے۔ اُن سبھی کے ریوالور میری طرف اُٹھے ہوئے تھے۔

"اب دائیں جانب والے کمرے میں موجود اپنے ساتھی سے کہیں کہ وہ باہر آ جائے۔" معاً ممتاز شخصیت والے نے مجھے مخاطب کیا۔ "اُس سے کہیں کہ وہ کوئی حماقت نہ کرے ورنہ آپ کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ اُسے بتائیں کہ اگر اُس کے ہاتھ میں ریوالور بھی ہے تو وہ ایک وقت میں صرف ایک آدمی کو گولی کا نشانہ بنا سکتا ہے لیکن بقیہ دو کے ریوالوروں سے نکلی ہوئی گولیاں آپ کو سفرِ آخرت پر روانہ کر سکتی ہیں۔ غالباً اب آپ میرا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی ہوں گی۔"

اُس شخص نے جو کچھ کہا تھا، غلط نہیں تھا۔ اِس صورتِ حال میں میرے لیے اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں اُس کے کہنے پر عمل کرتی۔ چند لمحے توقف کے بعد میں نے بآوازِ بلند کہا۔ "رضوان! باہر آ جاؤ!"

یہ تو میں سمجھ ہی چکی تھی کہ وہ شخص مجھے پہچانتا ہے۔ اِس صورت میں اُس کا رضوان سے آگاہ ہونا بھی تعجب خیز نہیں تھا اور پھر وہ ڈبل سوٹ تھا۔ وہاں میرے علاوہ کسی اور کو بھی ہونا چاہیے تھا۔ وہ شخص اِتنا احمق تو بہرحال نہیں تھا کہ اِس سامنے کی بات کو نظر انداز کر جاتا۔

چند لمحے بعد ہی رضوان اپنے کمرے سے باہر آ گیا۔ اُس کے جسم پر حسبِ سابق سلیپنگ گاؤن تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ گاؤن کی جیبوں میں تھے۔

"ہاتھ باہر نکال لیجیے جناب!" ممتاز شخصیت والے نے رضوان کو مخاطب کیا۔ "مجھے علم ہے کہ آپ کے گاؤن کی جیب میں ریوالور ہو گا، وہ بھی عنایت فرما دیں۔ ہم کمروں کی تلاشی لینے کے بعد آپ کا ریوالور واپس کر دیں گے۔"

رضوان نے میری جانب سوالیہ نگاہ سے دیکھا اور میں نے اثباتی انداز میں سر ہلا دیا۔ رضوان نے اپنے گاؤن کی جیب سے ریوالور نکال کر

ممتاز شخصیت والے کی طرف اچھال دیا جسے اُس نے بائیں ہاتھ سے لپک لیا۔

ہم دو تھے اور وہ تین مگر کسی بھی لمحے تلاشی کے دوران میں ہم اُن کی کسی غلطی سے فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ یہی سوچ کر میں نے ابھی تک کوئی مزاحمت نہیں کی تھی اور حقیقت تو یہ تھی کہ مجھے ابھی اِس کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔

"جاؤ دونوں کمروں کی تلاشی لو!" ممتاز شخصیت والے نے اپنے دونوں ساتھیوں کو حکم دیا اور اُس کے ساتھی حکم سنتے ہی میرے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

اُس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ وہ مجھے اور رضوان کو کور کیے بہت چوکنا انداز میں کھڑا تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میں خاموشی سے لیلیٰ کو اُن لوگوں کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ شاید میں ریوالوروں کو نظر انداز کر کے اُن سے بھڑ جاتی مگر ایسا میں اُسی وقت کرتی جب کوئی اور چارہ نہ رہتا۔ فی الحال مجھے اُمید تھی کہ لیلیٰ کی موجودگی میں شاید اُن لوگوں کی توجہ چند لمحوں کے لیے میری طرف سے ہٹ جائے گی اور میں اُن لمحوں سے فائدہ اُٹھالوں گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

مجھے اُس وقت اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا جب میری خوابگاہ میں گھسنے والوں نے باہر آکر ممتاز شخصیت والے کو اطلاع دی کہ اندر کوئی نہیں تھا۔ شاید ممتاز شخصیت والے کو بھی حیرت ہوئی تھی کیونکہ اُس نے چند لمحوں کے لیے مجھے اُلجھن آمیز نگاہ سے دیکھا تھا پھر اُس نے اپنے ساتھیوں کو رضوان کی خوابگاہ میں گھسنے کا اشارہ کیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ رضوان کی خوابگاہ سے بھی خالی ہاتھ واپس ہوئے۔ اُن کی اطلاع کے مطابق وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ اب ممتاز شخصیت والے کے چہرے پر مزید حیرت نظر آئی لیکن صرف چند لمحوں کو پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ سچی نکلیں۔" اُس نے مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "دراصل مجھے شبہ تھا کہ آپ مجرم کو پناہ دینے کی غیر قانونی حرکت کر رہی ہیں۔ میں زحمت دینے کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ اُمید ہے کہ آئندہ آپ سے دوستانہ فضا میں ملاقات ہوگی۔"

میری سمجھ میں اُس کی پوری بات نہیں آئی کیونکہ میرا ذہن اِس گتھی کو سلجھانے میں لگا ہوا تھا کہ لیلیٰ کمال کہاں گئی؟ یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ لیلیٰ کے دشمن، خوابگاہ اور غسلخانے کا اچھی طرح جائزہ لیے بغیر چلے آئے ہوں گے۔ مجھے یقین تھا کہ اُنھوں نے ایک ایک کونے کا اچھی طرح جائزہ لیا ہوگا۔ بستر کے نیچے اتنی جگہ نہیں تھی کہ وہاں کوئی چھپ سکتا اور کپڑوں کی الماری کو لا... میں بھاری پردے پڑے ہوئے تھے۔ اِن ... گنجائش تھی مگر اُن چالاک لوگوں سے ... کی جا سکتی تھی کہ اُنھوں نے پردوں کے پیچھے ...

ممتاز شخصیت والے نے اپنا ریوالور ... کار ریوالور اُسے دے دیا، پھر دوبارہ نہایت خاموشی سے اپنے ساتھیوں کو لے کر ... میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ ... دوڑتی ہوئی اپنی خوابگاہ کی طرف بڑھی ... بھی یقیناً لیلیٰ کے غائب ہو جانے پر حیرت ...

میں خوابگاہ میں پہنچی تو دیکھا کہ ... غسلخانے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا اور دیوار ... ایک طرف سمٹے ہوئے تھے۔ یقیناً کمرے کا ... لیلیٰ کمال کا کہیں پتا نہیں تھا۔ مجھے معاً کھڑکی ... کر اُس کی طرف گئی۔ اِس دوران میں رضوان بھی ... کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ میں نے اُس کے ... کھول دیے اور باہر کی طرف جھانکا۔ دونوں طرف ... چلا گیا تھا جن کے نیچے ایک منڈیر نظر آ رہی تھی ... پر دیوار سے باہر نکلے ہوئے ستون تھے۔ منڈیر ... ساتھ مڑتی چلی گئی تھی۔

منڈیر پر چل کر ستون تک جانا ممکن تھا مگر ... تھا اور یوں بھی لیلیٰ زخمی حالت میں تھی۔ کمزوری کی ... کی صورت میں اُس کا منڈیر سے گر جانا عین ممکن تھا ... لیلیٰ کے غائب ہونے کا کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا۔

"لیلیٰ!" میں نے آہستہ سے اُسے پکارا اور ... کی طرف غور سے دیکھا۔ اُسی لمحے دائیں جانب والے ... ہاتھ نکلا جو کانپ رہا تھا اور ستون کو مضبوطی سے ... تھا۔ وہ ستون زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ ستون، رضوان ... سے قریب تھا۔

وہ کانپتا ہوا ہاتھ لیلیٰ کے سوا اور کس کا ہو سکتا تھا ... دشمنوں کی گرفت سے بچنے کے لیے وہی راستہ اختیار کیا ... خطرناک تھا۔ اب ایک لمحہ بھی ضائع کرنا لیلیٰ کی زندگی کے ... ثابت ہو سکتا تھا۔ اُس کا کانپتا ہوا ہاتھ بتا رہا تھا کہ وہ اپنی ... تھی اور کسی بھی لمحے وہ منڈیر سے نیچے گر سکتی تھی۔

مجھے احساس ہی نہ ہو پایا تھا کہ رضوان کب میرے ...

... کی تمام تر توجہ باہر کی طرف تھی۔ اِس سے پہلے ... کی طرف بھاگتی، رضوان پہل کر چکا تھا۔ اُس نے ... کو پوری طرح سمجھ لیا تھا اور مجھ سے ... پڑا تھا کیونکہ لیلیٰ کو اُسی کے کمرے کی ... تھا۔ مجھے اُس کی موجودگی کا احساس اُس ... کے ساتھ کھڑکی سے ہٹا تھا۔

... میں پہنچی تو وہ کھڑکی سے نیچے جھکا ہوا ... اور باہر جھانکا۔ رضوان ستون کی طرف ... ہاتھ پکڑنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور ... اور آہستگی کے ساتھ ستون کی آڑ سے نکل ... کا سانس لیا۔ لیلیٰ کی زندگی بچ گئی تھی۔ ... جسم کو سنبھال کر اُسے بالآخر کمرے میں ... کا سا عالم طاری تھا اور چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا۔

... بستر پر لٹا دیا۔ لیلیٰ نے نحیف سی آواز میں پانی ... کر پانی پلایا، اور پھر اُس نے بستر پر دراز ... کر لیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی ... کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہو چکے ہیں ... ہوش ہو چکی ہے۔

... رضوان طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔ "وہ بھی ... بے ہوش ہو گئی ہے۔ اب ذرا جلدی سے یہ بتا ... میرے بستر پر پاؤں پسار کر اُس نے غفیل ... بستر کے قریب پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر بولا۔ ... پر بیٹھ گئی، اور پھر میں نے رضوان کو لیلیٰ کمال کے ... اپنی بات ختم کرتے ہوئے میں نے کہا۔ "میرا ... اُن لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے سن کر ہوش ... اور تیز لڑکی ہے اس لیے اُس نے فوراً صورت ... سمجھ لیا ہوگا کہ اُسے کسی بھی طرح کمرہ چھوڑ دینا چاہیے۔ ... اِس پر عمل کرنے کے لیے بڑے دل گردے کی ... ایک بہادر لڑکی ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے ... قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھا۔

... ہم کس طرح پہنچ گئی؟" رضوان نے اُلجھن آمیز ... لندن پہنچے ابھی صرف چند گھنٹے ہوئے ہیں اور یہاں ... ہمیں خود بھی علم نہیں تھا کہ لندن آنا پڑے گا۔" ... اُلجھن درست تھی کہ لیلیٰ کو ہمارے لندن پہنچنے کا ... ہم کیسے ہوا!

"تمھارے سوال کا جواب صرف لیلیٰ دے سکتی ہے۔" میں نے کہا۔

"اور وہ فی الحال بے ہوش ہے۔" رضوان طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔

"خیر اِسے ہوش تو آ ہی جائے گا لیکن اصل مسئلہ اِسے فوری طبی امداد پہنچانے کا ہے۔"

"لیکن اِسے تلاش کرنے والے یقینی طور پر ہوٹل کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔" رضوان بولا۔ "وہ اِسے اسپتال تک نہیں پہنچنے دیں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے سوٹ کی بھی نگرانی کرا رہے ہوں۔" میں نے کہا۔ "یہ ممکن ہے کہ اُنھوں نے لیلیٰ کو ہوٹل کے کمروں میں تلاش کرنے کا کام ادھورا چھوڑ دیا ہو۔ اِس وقت تمام ہوٹل کے مکینوں کو اُٹھا اُٹھا کر پوچھنا کہ اُنھوں نے کسی زخمی لڑکی کو تو پناہ نہیں دے رکھی بہت مشکل کام ہے۔ پھر یہ کہ وہ پولیس کے محکمے سے بھی تعلق نہیں رکھتے۔ اُنھیں اپنے پھنسنے کا خیال بھی تو ہوگا۔ پولیس والے بھی ایسی حرکت کرنے سے پہلے دس بار سوچتے۔ یہ لندن ہے۔ یہاں شہری حقوق اِس آسانی کے ساتھ سلب نہیں کیے جا سکتے ٹھوس ثبوت ہونے کی صورت میں ہی سوتے ہوئے شہریوں کو اُٹھا کر اُن کے کمروں کی تلاشی لی جا سکتی ہے۔"

"لیکن وہ یہاں تو گھس ہی آئے تھے۔" رضوان نے کہا۔

"اِس کی ہمت اُنھیں یوں ہوگئی کہ اُنھیں یقین تھا، لیلیٰ اُنھیں یہاں مل جائے گی۔ ہمارے سوٹ کے دروازے پر خون کا دھبا اُن کے اِس یقین کا سبب رہا ہوگا۔"

میرے دلائل میں وزن تھا اِس لیے رضوان خاموش ہو گیا اور اُسی وقت لیلیٰ کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ اُسے ہوش آ گیا تھا۔

میں اُٹھ کر اُس کے قریب پہنچ گئی۔ رضوان صوفے ہی پر بیٹھا رہا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا، پھر اطراف کا جائزہ لیا اور رضوان کی جانب دیکھ کر میری طرف سوالیہ نگاہ اُٹھائی۔

"لیلیٰ! یہ میرا ساتھی ہے تمھیں علم ہی ہوگا۔ اِس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ تم جو کہنا چاہو کہہ سکتی ہو۔" میں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

لیلیٰ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" میں نے کہا۔

"شکریہ! زخم ہرے ہیں اور تکلیف دے رہے ہیں۔ ویسے خطرے کی کوئی بات نہیں، یہ تکلیف میرے لیے ناقابلِ برداشت نہیں ہے۔"

لیلیٰ کمال نے جواب دیا۔
"اگر فوری طور پر تمھیں مناسب طبی امداد نہ ملی تو زخم بگڑ سکتے ہیں۔"
میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔
"یہ شاید ممکن نہ ہو کیونکہ میرے دشمن مجھے اِس ہوٹل سے زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔" لیلیٰ کمال نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔
لیلیٰ کی مسکراہٹ مجھے غیر فطری سی لگی اور ہر غیر فطری حرکت کی کوئی نہ کوئی معقول وجہ ہوتی ہے۔ لیلیٰ بہادر تھی۔ اُسے بے شک اپنے زخمی ہونے پر فکر نہیں ہو گی مگر مسکراہٹ غیر سنجیدگی کی علامت ہوتی ہے یا پھر لطف اندوزی کی! لیلیٰ غیر سنجیدہ نہیں تھی۔ اِس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ دوسری بات درست تھی۔
"تمھاری مسکراہٹ سے پتا چلتا ہے کہ تم نے اپنے ذہن میں کوئی ایسی راہِ عمل متعین کر لی ہے جو تمھارے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دے گی۔"
لمحے بھر کو لیلیٰ کے چہرے پر حیرت کے آثار اُبھرے مگر فوراً ہی اُس کے لبوں پر دوبارہ مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے ابھی کچھ ایسا احساس ہوا جیسے آپ نے میرا ذہن پڑھ لیا ہو بالواقعی حقیقت یہی ہے کہ میں دشمنوں کے دانت کھٹے کرنے کے موڈ میں ہوں، مجھ پر چاقو کے وار کرنے والا جب تک اپنے خون میں نہیں نہائے گا مجھے چین نہیں آئے گا۔"
"تم نے آخر سوچا کیا ہے؟ مجھے بھی تو بتاؤ!" میں نے لیلیٰ کو تشویش آمیز نگاہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"ذرا دیر پہلے جب مجھے ہوش آیا تھا تو میں نے آپ کو کسی سے باتیں کرتے سنا تھا۔ میں نے خوابگاہ کا دروازہ ذرا سا وا کر کے جھانکا تو فوراً اُس بدبخت کو پہچان لیا جو مجھے کچھ دیر پہلے قتل کر دینا چاہتا تھا۔" لیلیٰ نے بتایا۔
"وہ آخر ہے کون؟" میں نے سوال کیا۔
"وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایک اہم رکن بن یعقوب ہے!" لیلیٰ نے طویل سانس لیتے ہوئے جواب دیا، پھر بولی۔ "برطانیہ میں اسرائیلی مفاد کی نگہداشت کرنے کا اہم کام بن یعقوب کے ذمے ہے۔ آپ نے مجھے جو کاغذات دیے تھے، اُن میں بن یعقوب کا نام بھی تھا۔ جس اہم منصوبے پر آج کل اسرائیلی انٹیلی جینس کی تمام تر توجہ ہے، وہ بن یعقوب ہی کی نگرانی میں ہے۔ اُس منصوبے کی تکمیل کا تعلق یہاں کی ایک فرم سے ہے۔ ہمیں اپنے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ منصوبہ بے حد اہم فوجی نوعیت کا ہے لیکن فی الحال کسی سبب اُس منصوبے کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ میں یہاں

اِسی لیے آئی ہوں کہ اِس سلسلے میں م...
منصوبے کی تمام تفصیلات کا علم ہمیں ہو...
ہی مجھے پہچان لیا گیا اور بن یعقوب ن...
پہلے بھی یہاں آ چکی ہوں اور اسرائیلی ا...
بن چکی ہوں۔ اِس بار وہ مجھے ختم ہی کر...
بھی میں اسرائیلی انٹیلی جینس کی آنکھوں م...
"تم لندن کب پہنچیں؟" میں نے پوچھا
"آپ کے یہاں پہنچنے سے ...
نے جواب دیا۔
"گویا تم نے مجھ سے پہلے پیکنگ ...
"جی ہاں! اُسی شب جب میں آپ...
اُسی شب کاغذات دیکھ کر یہ طے پایا گیا تھا کہ
آ کر اسرائیل کے اہم منصوبے کو ناکام بنانا ہے۔
اطلاعات ملی تھیں کہ اگر کامیاب ہو گیا تو اسرائیل ...
میری پیکنگ سے فوری روانگی کا سبب یہی...
میں آمد کو چھپایا گیا تھا مگر موساد بہت با اثر...
نہ صرف میرے بارے میں علم ہو گیا بلکہ اُس...
بھی کر لیا۔ اگر آپ نہ ہوتیں تو شاید میرا بچنا دشوار...
تشکر آمیز نگاہ سے دیکھتے ہوئے اپنی بات ختم کی
"میں تو شاید کچھ بھی نہ کر سکتی۔ تمھا...
آئی۔ زخمی حالت میں کھڑکی کے راستے میری خوابگا...
تم ہی کر سکتی تھیں۔" میں نے اعتراف کیا۔
"کیا کرتی مجبوری تھی۔ کوئی اور صورت...
"مگر تم مجھ تک کس طرح پہنچ گئیں، مجھے ...
گھنٹے ہوئے ہیں؟ تمھاری گفتگو سے مجھ پر یہ...
میری آمد سے واقف تھیں۔"
"میں یہاں اکیلی نہیں ہوں۔" لیلیٰ نے میری...
ہوئے کہا۔ "فلسطینیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت...
یہ کہہ کر وہ چند لمحے کو رک گئی جیسے کچھ سوچنے لگی ہو۔
"ہاں یہ بات میرے علم میں بھی ہے۔" میں...
لیلیٰ بات آگے بڑھائے۔
چند لمحے اُس کے چہرے پر تذبذب سا نظر آ...
سانس لے کر بولی۔ "مجھے یہاں آتے ہی معلوم ہوا کہ ا...
سے متعلق کوئی اہم شخصیت لندن پہنچ رہی ہے۔ میں ...
کے ہمراہ ایئرپورٹ پہنچ گئی۔ میرا ارادہ یہی تھا کہ اُس...

...لے والی شخصیت کو دیکھ کر میرے تمام منصوبے
...ے آدمیوں کو ہاتھ روک لینے کا اشارہ کرنا پڑا کیونکہ
...تیں۔"
...ں۔ ... میں سمجھی کہ لیلیٰ کچھ کہتے کہتے کیوں رک
...ا وہ یہ سوچ رہی تھی کہ مجھے یہ بات بتائے کہ نہ بتائے
بتانے کا ہی فیصلہ کیا ہو گا مگر اسرائیل کے کسی
...بے سے میرا کیا تعلق ہے؟ میں نے سوچا اور پھر یہی سوال

...ں کر لیلیٰ بولی۔ "یہ تو مجھے آپ ہی بتائیں گی کہ اسرائیلیوں
...ہے کیونکہ میرے آدمیوں کی رپورٹ غلط نہیں
...ہیں اطلاع دی تھی کہ اُس اہم شخصیت کو لوگو سلاویہ
...اور یہ سے اُس فلائٹ میں صرف آپ آئی تھیں۔
...ہ گیا ہو کہ ایئرپورٹ ہی سے آپ کی نگرانی ہوئی تھی۔
...بات خلاف توقع تھی کہ یہاں میری نگرانی کی
...میں نے اِس طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ نگرانی کرنے
...ہے ہوں گے ورنہ عام طور پر میں اپنی آنکھیں کھلی
...ے کہا۔
...دوران میں خاموشی سے میرے اور لیلیٰ کمال کے
...گفتگو سن رہا تھا۔ سعد غالباً درمیان میں اِس لیے
...تھا کہ لیلیٰ کوئی بات بتاتے ہوئے بھول نہ جائے ویسے
...خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ میں رضوان کی
...کی طرف متوجہ ہو گئی۔
...تھی۔" بالفرض موساد کے تربیت یافتہ ایجنٹ تیز ہی ہوتے
...ہوٹل تک آپ کا تعاقب کرنے والوں نے کم از کم چھ گاڑیاں
...بہت منظم ہیں۔"
...اب کیوں کیا گیا؟ بقول تمھارے تو میں اُنھی کی

...ل شاید آپ کی حفاظت کے لیے ہو گی۔" لیلیٰ نے جواب
...علامات سے میں یہی نتیجہ اخذ کر سکی ہوں کہ ...
...ا گیا تھا۔ ایئرپورٹ پر اُن کے کافی آدمی موجود تھے
...ہاں بھی اُن کے کئی آدمی موجود ہیں۔ خود بن یعقوب کی
...آپ کی شخصیت کو اہم سے اہم تر بناتی ہے۔"
...؟ میں اُن کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"
...تو آپ ہی بہتر جان سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ نے انجانے
...میں کسی کام کی حامی بھر لی ہو۔" لیلیٰ نے قیاس آرائی کی۔ اِس

بار اُس کے لہجے میں دُکھ سا تھا۔
"میں کسی بھی قیمت پر صیہونی تنظیم کے لیے کام نہیں کر سکتی۔" میں فیصلہ کن لہجے میں بولی۔
"مجھے خود یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ممکن ہے۔" لیلیٰ کے لہجے کا دُکھ ختم ہو گیا۔
"اگر تمھیں یقین آ جاتا تو شاید تم ایئرپورٹ پر اپنے آدمیوں کو مجھے قتل کرنے سے ہرگز نہ روکتیں اور میرا کوئی خیال نہ کرتیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ظاہر ہے۔" لیلیٰ نے سر جھکاتے ہوئے اعتراف کیا۔ "میں آپ سے ملنے اور آپ کے سلسلے میں اگلا قدم اُٹھانے کا تعین کرنے کے لیے اِس ہوٹل میں آئی تھی مگر لفٹ والی لابی میں مجھے بن یعقوب نے اپنے دو آدمیوں کے ساتھ گھیر لیا۔ میری قسمت اچھی تھی کہ میں نے چاقو کے دو ایک وار کھانے کے بعد لفٹ میں چڑھنے اور اُنھیں لفٹ میں داخل ہونے سے روک دیا ورنہ آج خاتمہ یقینی تھا۔"
"مگر بن یعقوب تمھارے پیچھے ہی پیچھے آیا ہو گا۔ اُسے مجھ تک پہنچنے میں دیر کیسے ہو گئی؟" میں نے سوال کیا۔
"یہ کارنامہ میرا ہے کہ میں نے اُسے بھٹکا دیا۔" اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں پہلے لفٹ کو چھٹے فلور تک لے گئی، پھر واپسی پر ہر فلور کے بٹن دبا دیے۔ لفٹ ہر فلور پر رکتی ہوئی نیچے گئی ہو گی اور اُنھیں پتا نہ چل سکا ہو گا کہ میں کس فلور پر لفٹ سے اُتری ہوں!"
میں نے ایک بار پھر لیلیٰ کو تعریفی نگاہ سے دیکھا۔ وہ واقعی بڑی تیز لڑکی تھی۔ اگر فلسطینی سرزمین نے کچھ اور ایسی ہی بیٹیاں پیدا کر دیں تو پھر فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ عارضی ہی ثابت ہو گا۔ میں نے سوچا، پھر بولی۔ "بن یعقوب مجھے دیکھ کر چونکا تھا۔ اگر میرا کمرہ نمبر تمھیں معلوم تھا تو اُسے بھی معلوم ہو گا، پھر اُس کے چونکنے کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟"
چند لمحے لیلیٰ خاموش رہ کر بولی۔ "ظاہر ہے آپ کے کمرے کا نمبر معلوم کیے بغیر میں آپ سے ملنے ہرگز نہ آتی۔ میرے آدمیوں نے مجھے اطلاع دے دی تھی کہ آپ کہاں ٹھہری ہیں اور آپ کا کمرہ نمبر کیا ہے! آپ کے کمرے کا نمبر بن یعقوب کو بھی معلوم ہو گا مگر اُس وقت وہ میری تلاش میں اُلجھا ہوا تھا اِس لیے اُس نے کمرے کے نمبر کو اہمیت نہیں دی ہو گی ورنہ وہ آپ کو دیکھ کر نہ چونکتا۔"
ایک اُلجھن کے سوا اب تمام اُلجھنیں ختم ہو گئی تھیں۔ تمام باتیں صاف ہو چکی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر کہا۔ "اسرائیلیوں کے لیے میں کسی بھی قیمت پر کام نہیں کروں گی۔ اگر وہ مجھ سے واقف ہیں تو اُنھیں اِس بات کا بخوبی علم ہو گا۔"

رضوان نے ہماری گفتگو میں پہلی بار مداخلت کی۔ وہ بولا "ہر
شخص کی کوئی نہ کوئی قیمت ضرور ہوتی ہے بانو! ہر شخص کو خریدا جا سکتا
ہے۔ ہاں قیمتوں میں ضرور کم یا بہت زیادہ کا فرق ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے
کہ انھیں یقین ہو کہ وہ آپ کو ضرور خرید سکیں گے۔"
"مجھے تمھارے خیال سے قطعی اتفاق نہیں۔ ہر شخص نہیں بکتا۔
انھیں یقیناً غلط فہمی ہو گی۔ صبیحہ بانو بکنے کے لیے نہیں ہے۔"
"ہو سکتا ہے بانو کہ آپ بک ہی جائیں۔ وہ یقیناً آپ کی منہ
مانگی قیمت ادا کر سکتے ہیں۔" رضوان نے ایسے لہجے میں کہا جیسے
مجھے چڑا رہا ہو۔
میں نے اُس کی بات پر دھیان دیا تو مجھے سمجھنے میں کوئی دشواری
نہیں ہوئی کہ وہ میری کیا قیمت مقرر کر رہا تھا۔ میں نے تلخی آمیز لہجے
میں کہا "مجھے اپنی بہن جان سے زیادہ عزیز ہے مگر اپنی بہن کی
زندگی بچانے کے لیے میں ایک قوم کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔
فلسطین مجھے رضیہ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اُن کی آزادی اور عزت و
ناموس کا سودا میں کسی قیمت پر نہیں کر سکتی۔"
رضوان سنجیدہ ہو گیا "یہ بات میں سمجھ سکتا ہوں بانو! لیکن وہ
اِس بات کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ وہ تو چند سکّوں کے عوض جسے چاہتے
ہیں خرید لیتے ہیں۔"
"وقت انھیں اِس حقیقت کو سمجھنے پر مجبور کر دے گا۔" میں پُرجوش
لہجے میں بولی۔
"رضیہ کی قربانی اِتنی آسانی سے نہیں دی جائے گی۔" لیلیٰ
نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا "اگر میری تجویز کامیاب رہی تو آج ہی
بن یعقوب کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔"
"تمھاری تجویز کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"میں نے کہا تھا کہ میں یہاں تنہا نہیں ہوں۔" لیلیٰ نے کہا۔
"میں ابھی فون کر کے اپنے آدمیوں کو بلاتی ہوں۔ یہ ہوٹل بن یعقوب
اور اُس کے گرگوں کی خاطر مقبرہ بنا دیا جائے گا۔"
لیلیٰ کمال، بن یعقوب کے ہاتھوں زخمی ہو کر شدید جذباتی ہو
گئی تھی اور یوں بھی بن یعقوب اُس کا دشمن ہی تھا۔ اُس کا اِتنا جذباتی
ہونا غیر فطری نہیں تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسی تجویز کا
اظہار نہ کرتی۔ دونوں پارٹیوں کے درمیان کُھلا جنگ ہوٹل میں
رہائش پذیر افراد کے لیے بھی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اِس
جھگڑے میں بے گناہ افراد کا متاثر ہونا بعید از قیاس نہیں تھا اور
یہ بات فلسطینی جدوجہدِ آزادی میں معاون بننے کی بجائے اُسے
بدنامی بخشنے کا باعث ثابت ہوتی۔ فلسطینیوں پر پہلے ہی دہشت گردی

کا الزام تھا۔ وہ لوگ جو فلسطین کے حق میں
سمجھتے تھے کہ یہ الزام فلسطینیوں کے چند
انتہا پسندوں کو چھوڑ کر سبھی اِس بات کے
کی پالیسی فائدے سے زیادہ نقصان کا
واضح تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی
رکھتے ہوئے لیلیٰ کمال کو مخاطب کیا "بن
میں تمھاری اِس تجویز سے قطعی متفق نہیں
کُن تھا۔
"شاید آپ کو یقین نہیں کہ ہم بن یعقوب
پر حاوی آ سکتے ہیں۔"
"ہاں یقینی طور پر قبل از وقت تو کچھ بھی
فرض بھی کر لیا جائے تو کیا حاصل!" میں بولی
"اور چاہیے بھی کیا!" لیلیٰ نے حیرت کا
"اِس مڈبھیڑ سے دہشت پھیل جائے گی
"اِس دہشت گردی کا سارا الزام فلسطینیوں
گا۔ اِس ملک کا پریس عربوں سے ہمدردانہ جذ
بھی علم ہو گا۔ جو چند دانشمند غیر جانبدار ہیں
سے مخالف نقطۂ نظر کے قائل ہو جائیں گے
حق میں نہیں ہو گا۔ بن یعقوب کی موت ہمارے
ہو گی جتنی نقصان کا باعث بنے گی۔ تمھیں بہر حال
"بن یعقوب کی موت اسرائیلی منصوبے کے خا
یہ منصوبہ اِتنی اہمیت کا حامل معلوم ہوتا ہے کہ
عوض یہ سودا مہنگا نہیں رہے گا۔" لیلیٰ نے اپنی
"یہ محض تمھارا خیال ہے کہ صرف بن یعقوب کی
منصوبہ ختم ہو جائے گا۔ اسرائیلی اہم منصوبوں کی
انفرادی اہمیت پر نہیں رکھتے۔ مجھے یقین ہے کہ بن یعقوب
لیے اسرائیل کے پاس دس افراد اور موجود ہوں گے
میری بات سُن کر لیلیٰ خاموش ہو گئی، پھر
آواز میں بولی "پھر آپ کے خیال میں کیا کیا جائے؟
آدمیوں کی مدد حاصل کرنا ضروری ہے۔ وہ
کی کوشش کریں گے تو بن یعقوب کے گرگے ضرور
اُن سے جھڑپ یقینی ہے۔"
"تمھاری مشکلات کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل
نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا "تم مجھے کچھ سوچنے
میں کوئی حل تلاش کر کے جملہ انتظامات کے بعد تم

! تمھارا اِس حالت میں زیادہ چلنا پھرنا

رضوان معاً بول اُٹھا۔ اُس کے لہجے میں شوخی تھی۔
۔ تم اُس پر باآسانی سو سکتے ہو۔" میں نے
پھر اُٹھ کھڑی ہوئی۔
پنے کمرے میں بھی سلا سکتی تھی لیکن نہ جانے کیوں
ہوئی ایسی بات میرے لاشعور میں تھی ضرور جس
دیا تھا ورنہ اُسے اپنے کمرے تک سہارا دے کر
نہیں تھا۔
خوابگاہ سے نکل کر اپنی خوابگاہ میں آ گئی اور
صورتِ حال پر غور کرنے لگی۔ رات کا پچھلا پہر
آنکھوں سے اُڑ چکی تھی۔ لیلیٰ کمال کو ہوٹل سے نکالنا
اور اِس مسئلے کا حل ڈھونڈنے کی ذمے داری میں
بھی کم تھا۔ لیلیٰ کو جلد سے جلد مناسب طبّی امداد

یاد آیا کہ میں جس ہوٹل میں موجود تھی، وہاں پی آئی اے کا
تھا۔ اگر مجھے پی آئی اے کی کسی ایئر ہوسٹس کا تعاون حاصل
ہوٹل سے نکلنے کا مسئلہ چٹکی بجاتے حل ہو سکتا تھا۔
نے انتہائی تیزی سے ایک منصوبے کے تانے بانے
۔ کچھ دیر بعد ہی میں منصوبے کی تمام جزئیات پر
عمل کرنے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے مجھے
ہوٹل میں اُس وقت کوئی ایئر ہوسٹس قیام پذیر بھی

ہوٹل کے ہر کمرے میں ٹیلیفون کی سہولت موجود تھی۔ میں نے
قریبی میز پر رکھے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
ہی ریسیور اُٹھا کر کان سے لگایا، دوسری جانب سے
آواز سُنائی دی۔
ہیلو آپریٹر! دیکھو میری ایک سہیلی پی آئی اے میں ملازم
کی فلائٹ آج لندن آنے والی تھی۔ کیا تم مجھے معلوم کر کے
ہو کہ وہ آئی یا نہیں! اگر وہ آ گئی ہے تو اُس سے میری بات
اُس کا نام مہربانو ہے۔"
دوسری جانب سے آپریٹر نے یقین دلایا کہ وہ بہت جلد مجھے
مہربانو کے بارے میں بتا کر اُس سے میری بات کرا دے گا
کہ وہ ہوٹل میں موجود ہوئی۔ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔
مہربانو کا نام بےساختہ میری زبان پر آ گیا تھا۔ اُس کے ساتھ

نہ ہونے کے برابر تھے کہ مہربانو مجھے مل ہی جاتی مگر کچھ نہ کچھ معلومات
حاصل ہونے کی اُمید ضرور تھی۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ انتظار
کرنے لگی۔ مجھے انتظار میں کوفت یوں نہ ہوئی کہ مہربانو کی یاد نے مجھے اُن
لمحات کے محسوسات سے ہمکنار کر دیا جو اُس کے قرب میں گزرے تھے۔
میرے ذہن میں نازک احساسات جاگنے لگے۔
میں اُس وقت تک مہربانو کے تصور میں کھوئی رہی جب تک
ٹیلیفون کی گھنٹی نے مجھے نہ چونکا دیا۔ میں فوراً زمانۂ ماضی سے چھلانگ
لگا کر زمانۂ حال میں پہنچ گئی جہاں کرخت حقیقتوں سے واسطہ تھا۔
میں نے ریسیور اُٹھایا تو آپریٹر کی آواز سُنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔
"پی آئی اے کی فلائٹ آج لیٹ ہو گئی تھی۔ اُس کا فلائنگ اسٹاف
ابھی کچھ دیر قبل ہوٹل پہنچا ہے۔ دو ایئر ہوسٹس آئی تو ہیں مگر اُن میں
مہربانو نام کی کوئی نہیں البتہ ایک گلنار نام کی خاتون ضرور ہیں۔ اگر
آپ کہیں تو اُن کا نمبر بتا دوں۔"
"شکریہ آپریٹر!" میں بولی "ہر چند کہ گلنار میری سہیلی نہیں
مگر یہ ضرور بتا سکے گی کہ میری سہیلی اِس فلائٹ پر کیوں نہیں آئی!"
آپریٹر نے مجھے ایک نمبر بتا کر کہا "آپ یہ نمبر ڈائل کریں گی تو
گلنار سے براہِ راست سلسلہ مل جائے گا۔ گڈ نائٹ مادام!"
"گڈ نائٹ!" میں نے جواب دیا اور آپریٹر کے سلسلہ منقطع کر
کی منتظر رہی۔
لائن منقطع ہونے کی ہلکی سی کلک سُنائی دی تو میں
تین نمبر ڈائل کیے جو آپریٹر نے بتائے تھے۔ لندن کے فون نمبر
اعداد پر مشتمل ہوتے ہیں لیکن ہوٹلوں میں ایک کمرے سے دوسرے
میں بات کرنے کے لیے الگ نمبر ہوتے ہیں جو عام طور پر کمرہ نمبر
سے مطابقت رکھتے ہیں۔ سلسلہ ملا تو دوسری طرف گھنٹی بجنے لگی۔
بعد ریسیور اُٹھا لیا گیا۔ شاید گلنار سو چکی تھی۔
"ہیلو!" ایک سُریلی آواز سُنائی دی جیسے جلترنگ
ہوں۔ میں اُس کی آواز سے اُس کے حُسن کا اندازہ لگانے لگی
"بڑی دیر میں ریسیور اُٹھایا۔" میں نے کہا۔
"معاف کیجیے گا، میں ذرا شاور لے رہی تھی۔" گلنار نے
پیش کی۔
"دراصل میری ایک سہیلی مہربانو بھی پی آئی اے میں
ہے۔ مجھے اُس سے ایک ضروری کام تھا لیکن وہ اِس وقت
نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اُس کی غیر موجودگی میں وہ کام آپ
انجام دے سکتی ہیں۔" میں فوراً مطلب کی بات پر آ گئی۔

کام کر رہی ہوں۔ مجھے تازہ شمارے کے لیے
ایک انٹرویو لینا ہے۔ اگر آپ تیار ہوں تو میں آپ کا انٹرویو لے لوں۔"
"اس وقت تو میں تھکی ہوئی ہوں۔" اُس نے کہا۔
"مجھے احساس ہے مگر صبح میں یہ ہوٹل چھوڑ دوں گی۔ میری خاطر
ذرا سی زحمت اُٹھالیں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہاں آپ کو کوئی
بے آرامی نہیں ہوگی۔"
"مگر۔۔۔"
"دیکھیے میرا رسالہ بڑے اچھے پیسے دیتا ہے۔" میں نے اُس کی بات
کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو فوری طور پر سو پونڈ کیش ادا کر دوں گی اور
انٹرویو پسند آنے پر اشاعت کے بعد مزید چار سو پونڈ چیک کی صورت
میں مل سکیں گے۔"
دوسری طرف خاموشی رہی۔ مجھے یقین تھا کہ گلنار آمادہ ہو جائے
گی۔ سو پونڈ کا مطلب تھا ڈھائی ہزار روپے جو نقد مل رہے تھے اور دس
ہزار بعد میں ملنے کی اُمید تھی۔ بھلا ایسا موقع کون چھوڑتا ہے!
"اچھا تو آپ میرے کمرے میں آجائیں۔" کچھ دیر بعد گلنار کی آواز
سنائی دی۔
"مشکل ہے ڈیئر!" میں نے بے تکلفی کے انداز میں کہا۔ "انٹرویو
کے ساتھ مجھے آپ کی تصاویر بھی بنانی ہوں گی۔ میں اپنا تمام ساز و سامان
لے کر آپ کے کمرے میں پہنچوں، کیا اس سے بہتر یہ نہ ہوگا کہ آپ
یونیفارم پہن کر میرے کمرے میں آجائیں!"
"لیکن۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔
"بھئی کیا آپ ڈر رہی ہیں؟ میں بھی آپ کی طرح عورت ہوں۔
بھی جب آپ یہاں آئیں گی تو میں آپ کی تواضع کروں گی
آپ کے تعاون کی بنا پر میرا فرض ہے۔ پلیز! آپ یونیفارم پہن کر
...س۔ میں روم سروس کو فون کر کے کوئی مشروب منگواتی ہوں۔"
میں نے لفظ مشروب پر کافی زور دیا تھا۔ میں کام کے ساتھ
...کی بھی قائل ہوں۔ گلنار نے مشروب پر کوئی احتجاج نہ کیا تو
...ین ہوگیا کہ وہ مزاج میں کچھ نہ کچھ رنگینی ضرور رکھتی ہے۔ اُس نے
کمرے میں پہنچنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ میں نے اُسے کمرہ نمبر بتا

...لنار کے آنے میں پندرہ بیس منٹ ضرور لگتے۔ یہ سوچ کر میں
...سروس کو فون کیا اور شیمپین کی بوتل بھیجنے کے لیے کہا۔ کچھ دیر
...میرا آرڈر لے آیا۔ اُس کے چند منٹ بعد گلنار پہنچ گئی۔ میں
...ران میں اپنا کیمرہ نکال کر میز پر رکھ دیا تھا۔

...کی وردی میں داخل ہوئی مگر مجھے
دیکھ کر مطمئن نظر آنے لگی۔ رہی سہی کسر میری ...
پوری کر دی۔ وہ بے تکلف ہوئی تو میں نے ...
گلنار، مہربانو کی طرح حسین تو نہیں تھی مگر
تھی یا پھر مجھے قیامت معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے ...
اور کرارے نوٹ دیے تو گویا اُسے خرید لیا۔
میں نے انٹرویو لینے کے بعد اُس کی تصاویر ...
چند تصاویر اُتارنے کے بعد میں نے گلنار سے کہا۔ "...
اُتار دو تاکہ میں چند غیر رسمی تصاویر بھی اُتار لوں۔" ...
کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں بول اُٹھی۔ "تم یونیفارم ...
سوٹ پہن لو۔ اُس کے بعد وہ میز پر پڑا ہوا رسالہ ...
پڑھنے لگو جیسے تھک کر ذہنی سکون کے لیے مطالعہ کر ...
میں تمہاری ایسی تصویریں بنانا چاہتی ہوں جو حقیقی ...
ہوں۔"

وہ آمادہ ہوگئی اور میرا سلیپنگ سوٹ لے کر ...
داخل ہوگئی۔ کچھ دیر بعد وہ باہر آئی۔ یونیفارم اُس ...
سے باتھ روم ہی میں چھوڑ دی تھی کہ دوبارہ ...
سکے۔ وہ میرے کہنے کے مطابق کرسی پر بیٹھ کر رسا...
کرنے لگی۔ میں نے اُس کی کئی تصویریں کھینچیں۔ آخر میں ...
کے سامنے بال کھولتے ہوئے ایک تصویر بنا کر میں ...
ختم ہونے کا اعلان کیا۔
"تو پھر میں چلوں؟" وہ اُٹھتی ہوئی بولی۔
"بھئی کام ختم ہوا ہے تفریح تو نہیں۔" میں نے ...
دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔
میں نے دو جام بنالائی مگر اُس کے جام میں خواب آور ...
ملانا نہ بھولی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو میں اپنی تشنہ تمنا ...
کو ضرور سیراب کرتی مگر یہ وقت مختلف تھا۔ مجھے جلد از ...
لیلیٰ کو اُس ہوٹل سے نکالنا تھا۔
میری توقع کے مطابق نصف جام پیتے ہی وہ ...
لگی۔ میں نے اُسے مسہری پر لیٹنے کے لیے کہا اور خود سہارا دے ...
اُٹھایا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے مسہری تک پہنچی اور
بستر پر دراز ہوتے ہی غافل ہوگئی۔
میں فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی خوابگاہ سے نکل کر ...
کی خوابگاہ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ اندر سے بند
نہیں تھا۔ میں کوئی جواب ملنے سے پہلے دروازہ کھول کر اندر ...

...لیلیٰ بحال رہی تھی۔ میں نے ...
...کیا۔ پھر لیلیٰ کو سہارا دے کر اپنی خوابگاہ

...فارم موجود ہے۔ تم جا کر پہن لو!" میں نے

میں سر ہلایا اور غسلخانے کی طرف بڑھ گئی۔
...لغزش نہیں تھی۔ وہ یقیناً بڑی ہمت
...اس دوران میں ریسیپشن سے فون پر رابطہ قائم
...ٹیکسی منگوانے کے لیے کہا۔ میں اپنی ایئر ہوسٹس
...ل کی روشنیاں دیکھنے جا رہی تھی۔ لندن
...ٹیکسی حاصل کی جاسکتی ہے۔ استقبالیہ پر
...کیا کہ چند منٹ کے اندر ٹیکسی آجائے گی۔
...پہن کر غسلخانے سے نکلی تو میں نے پوچھا۔
"تو نہیں جاؤ گی؟"
"...رہے ہیں مگر میں کوشش کروں گی کہ میری چال
...ائے۔"
...ضروری ہے۔ ہم ظاہر کریں گے کہ ہم نے
...بنگلے میں باہنیں ڈالے گنگناتے ہوئے نکلیں گے۔"
...پیش کی۔
...میری بات سے اتفاق کیا۔ میں نے اپنا ایئر بیگ اُٹھایا
...اس میں رکھ کر کندھے پر ڈال لیا۔ بچہ کچھ بنگلے میں ڈالا
...اس کے چہرے پر بکھیر دیے۔ اس کے بعد میں نے
...لگا لیا۔
...آہستہ آہستہ اطمینان سے چلنا۔" میں نے آخری ہدایات
...بن یعقوب یا اُس کے آدمی تمہیں پہچان بھی لیں تو فکر نہ
...موجودگی میں وہ کچھ نہیں کر سکیں گے کیونکہ بقول تمہارے
...کے لیے بہت اہم شخصیت ہوں۔"
...نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور لڑکھڑاتی آواز میں
...کوئی دھن گنگنانے لگی۔ میں نے بھی اُس کی آواز میں آواز
...ہم اپنی خوابگاہ سے نکلی۔
...عنوان ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ اُس نے ہم دونوں کو
...حالت میں دیکھ کر فقرہ چست کیا۔ "بانو آپ اور لیلیٰ اِس وقت
...نظر آرہی ہیں جیسے جنگل کے ڈویاٹ!"
میں اُس کی تشبیہ پر مسکرائی۔ معنویت ...کرتے ہوئے
...یہ وقت فقرہ ٹال جانے کا تھا اور میں نے ایسا ہی کیا۔

دروازہ بند کر لیا۔ بظاہر ہم ہر فکر سے بے نیاز مدہوشی کے عالم میں
لڑکھڑاتے اور گنگناتے ہوئے جا رہے تھے لیکن درحقیقت میں نے اپنی
آنکھیں کھلی رکھی تھیں۔ میری نگاہ اطراف کا جائزہ لیتی رہی تھی اور
میرا جسم ضرورت پڑنے پر لیلیٰ کے آگے سینہ سپر ہونے کو ہمہ وقت
تیار رہا تھا۔
لیلیٰ کا چہرہ بالوں سے کافی چھپ گیا تھا۔ میرے خیال سے اُسے
پہچاننا مشکل تھا۔ ہم اِسی عالم میں نیچے پہنچے۔ نیچے پہنچ کر میں نے
استقبالیہ پر موجود شخص سے ٹیکسی کے بارے میں پوچھا تو اُس نے
اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ڈور مین کو اشارہ کیا۔ ڈور مین ہماری
رہنمائی کے لیے آگے بڑھا۔
ٹیکسی میں سوار ہوتے ہی میں نے مڑ کر دیکھا تھا کہ کوئی ہمارا تعاقب
تو نہیں کر رہا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے بن یعقوب اور اُس کے گرگوں کو
کامیاب دھوکا دے دیا تھا۔ بن یعقوب مجھے کہیں نظر نہیں آیا تھا
ورنہ شاید میں اِتنی آسانی سے لیلیٰ کو نکالنے میں کامیاب نہ ہوتی۔
"پکاڈلی!" میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔
پکاڈلی ہمارے ہوٹل سے زیادہ دور نہیں تھی۔ صرف ایک موڑ
مُڑ کر گاڑی ریجنٹ اسٹریٹ میں داخل ہوگئی۔ ریجنٹ اسٹریٹ ختم
ہوتے ہی ہم پکاڈلی پہنچ گئے۔ لندن کا یہ حصہ رات کے وقت بھی دن
کی طرح روشن رہتا ہے بلکہ رات کو وہاں کچھ زیادہ ہی رونق ہوتی ہے۔
ہم نے ٹیکسی چھوڑ دی اور چند لمحے وہیں رُک کر اطمینان کیا کہ ...
تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔
"بانو! آپ بہت تیز ہیں۔" لیلیٰ نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے
کہا جس سے اُس کے اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا۔
"اب تم جلدی سے ٹیلیفون کر کے اپنے کسی ساتھی کو بلا لو! تمہیں
فوراً طبی امداد کی ضرورت ہے۔" میں اُس کی بات کو نظر انداز کرتے
ہوئے بولی۔
کچھ فاصلے پر ایک ٹیلیفون بوتھ موجود تھا۔ لیلیٰ فون کرنے
کے لیے اُس کی طرف بڑھ گئی اور میں چوراہے کے وسط میں نصب
مجسمے کو دیکھنے لگی جس کی تصویریں دنیا کے ہر گوشے میں دیکھی ...
لیلیٰ فون کر کے بوتھ سے باہر آئی تو مسکراتے ہوئے بولی۔
"...منٹ میں میرے دو ساتھی یہاں پہنچ جائیں گے۔ اُن میں ...
ڈاکٹر ہے۔"
"اب تم ذرا جلدی سے اپنے کپڑے پہن لو کیونکہ مجھے ...
واپس جانا ہے۔"

لپیٹرے لے کر اندر چلی گئی جو اِیر بیگ میں تھے۔ میں باہر ٹھہر کر اُس کا
انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد لیلیٰ باہر آ گئی۔ وہ کپڑے تبدیل کر چکی تھی۔
تقریباً پانچ منٹ بعد لیلیٰ کے ساتھی پہنچ گئے۔ اُن کی کار بالکل ہمارے
قریب آ کر رُکی۔ لیلیٰ کار پہچانتی تھی۔ لیلیٰ کے ساتھی کار سے نکلے اور لیلیٰ
کو اپنے پیروں پر کھڑا ہوا دیکھ کر اُن کے چہروں پر مسرت نظر آنے لگی۔
لیلیٰ نے اُن دونوں سے میرا تعارف کرایا۔ دونوں نے میرا شکریہ ادا کیا۔
پھر میرے کہنے پر لیلیٰ کو لے کر فوراً روانہ ہو گئے۔ میں لیلیٰ سے اُس کا
پتہ اور اپنا بیگ واپس لینا نہیں بھولی تھی جس میں گلنار کی یونیفارم تھی۔
واپسی کے لیے میں نے ٹیکسی نہیں لی بلکہ پیدل ہی ہوٹل کی طرف
چل دی۔

رات کا اندھیرا چھٹنے لگا تھا اور دن کا ملگجا اجالا پھیلنے لگا تھا۔
میں ہوٹل پہنچ کر لفٹ کے ذریعے تیسری منزل پر گئی۔ اپنے
سُوٹ کے دروازے پر پہنچ کر مجھے دستک دینے کے بعد زیادہ دیر
انتظار نہیں کرنا پڑا۔ رضوان نے جلد ہی دروازہ کھول دیا تھا۔
میرا جسم تھک کر چُور ہو رہا تھا۔ میں نے اپنی خوابگاہ میں پہنچ
کر گلنار کو دیکھا۔ وہ اب تک بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے اُس کی
یونیفارم بیگ سے نکالی اور غسلخانے میں پہنچا دی، پھر میں گلنار
ہی کے قریب دراز ہو گئی۔ میں اِتنی تھکی ہوئی تھی کہ مجھے لیٹتے ہی
نیند آ گئی۔
صبح مجھ سے پہلے گلنار کی آنکھ کھلی اور اُسی نے مجھے بیدار
کیا۔

"تم نے شاید رات کو کچھ زیادہ ہی لگائی تھی۔" میں نے اُٹھ
کر بیٹھتے ہوئے کہا میں نے یہ بات دانستہ کی تھی تاکہ وہ یہی سمجھے اور
اُسے کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔
"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اُس نے انگڑائی لیتے ہوئے
... ابدیا "میں پہلے اِس سے زیادہ پیتی رہی ہوں۔ کل رات نہ جانے
... یوں کچھ زیادہ ہی چڑھ گئی تھی۔ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں کہ میری
... سے آپ کو زحمت اُٹھانا پڑی۔"
"کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی خاص بات نہیں۔" میں بولی۔
گلنار کے جسم پر اب تک میرا سلیپنگ سوٹ تھا۔ وہ اپنی
... فارم پہننے غسلخانے میں چلی گئی۔ جب وہ یونیفارم پہن کر باہر
... تو مجھ سے رخصت کی اجازت چاہی۔ میں خود یہ چاہتی تھی کہ وہ
... سے جلد یہاں سے رخصت ہو جائے تاکہ میں رضوان کے ہمراہ
... لیلیٰ سے ملنے جا سکوں۔ یہ سوچ کر میں نے اُسے فوراً جانے

... گلنار کے رخصت ہوتے ہی ...
فارغ ہو چکا تھا۔ وہ آتے ہی بولا
"نیند نہیں آئی۔ رہ رہ کر مجھے رضیہ کا خیال آ ...
اور کس حال میں ہو گی۔"
"رضیہ ہم سے دُور ضرور ہے مگر ...
رضوان کو اطمینان دلایا۔ "میں اب اُسے ...
پاس نہیں چھوڑوں گی۔"
"ہمیں فوری طور پر ہی، کسی نہ کسی ...
رضوان نے کہا۔
"ناشتے کے بعد ہی چلیں گے ...
میں سوچ چکی ہوں۔" یہ کہہ کر میں غسلخانے ...
بولی "تم ٹیلیفون کر کے ناشتہ منگوا لو! میں ابھی ...
میں غسل کر کے نکلی تو ناشتہ آ چکا تھا ...
ناشتہ کیا پھر ہوٹل سے نکلنے میں دیر نہیں کی۔ میں ...
رضیہ جن دشمنوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی وہ ...
نہیں تھے جن کے ہاتھوں میری بہن کی عزت ...
معاملہ انتہائی اونچے درجے کے سیاسی دباؤ ...
کرنے کا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ دشمن یہ بات ...
وہ رضیہ کو تکلیف دے کر یا اُسے ختم کر کے اپنا ...
نہ کر سکے گا۔

ہم ہوٹل سے نکل کر آکسفورڈ اسٹریٹ میں پہنچے ...
دُکانیں اور ڈیپارٹمنٹل اسٹور کھل چکے تھے اور بازار کی ...
پر تھی۔ آکسفورڈ اسٹریٹ کے وسط میں پہنچ کر ہم ریجنٹ ...
کی طرف مُڑ گئے۔ ریجنٹ اسٹریٹ، آکسفورڈ اسٹریٹ ...
سے گزرتی ہے۔ ایک طرف بی بی سی کے اسٹوڈیوز ہیں ...
طرف پکاڈلی! ہم نے پکاڈلی کا رُخ کیا تھا کیونکہ ہمیں جن ...
کی ضرورت تھی وہ اُسی سمت تھے۔
نیچے دُکانیں تھیں اور اُوپر دفاتر! دفتر میں جانے کا ...
سمت سے تھا اِس لیے ہم ایک بڑے محرابی دروازے ...
اندر گئے۔ اُس کے بعد ہمیں کمبوز انگلز کے دفاتر میں داخل ...
کا راستہ جلد ہی مل گیا کیونکہ جلی حروف میں تحریر شدہ ایک بورڈ ...
رہنمائی کے لیے دروازے پر موجود تھا۔
دھڑکتے دل کے ساتھ ہم نے زینے طے کیے۔ اُو ...
ایک کمرے میں ہمارا سابقہ ایک خاتون استقبالیہ کلرک سے ہوا ...

... ل کا مطالعہ کر رہی تھی۔
... کیا خدمت انجام دے سکتی ہوں؟" اُس
... ہوئے ہو کر بڑے شائستہ لہجے میں کہا۔
... ملنا ہے۔" میں نے اُسے غور سے دیکھتے

... کے لیے وقت لے چکی ہیں؟" لڑکی

... لیکن مجھے یقین ہے کہ تم ہمارا نام لو گی تو
... اُنھیں ہمارا انتظار ہو گا۔" میرے لہجے

... وش رہی پھر بولی "آپ تشریف رکھیے۔
... مسٹر کیلی آئے بھی ہیں یا نہیں، وہ عموماً وقت
... لیے بغیر نہیں ملتے۔"
... میں گے۔ تم یہی کہو کہ ہم اُن سے وقت
... کہا۔
... لڑکی نے کہا۔
... تلاش کر کے اپنا ایک ایسا وزٹنگ کارڈ نکالا
... نام کے کچھ اور تحریر نہیں تھا میرے پاس ایسے
... فرم کا پتہ تحریر تھا اور ایسے کارڈ بھی تھے
... تحریر تھے۔ یہ کارڈ بوقت ضرورت کام
... میرے ساتھ رہتے تھے۔ میں نے صرف نام
... ا۔
... من دبیز اور آرام دہ صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ہم
... ۔ وہ کمرہ بڑے نمائشی انداز میں سجایا گیا تھا۔
... کو دیکھ کر اعلیٰ ذوق اور انتہائی امارت کا
... لس کیلی کے بارے میں میرا یہ اندازہ غلط نہیں
... ا۔
... ڈائری کا جائزہ لے رہی تھی پھر اُس نے ڈائری
... فون کا ریسیور اُٹھا لیا اور کسی کے نمبر ڈائل کیے۔
... بعد اُس نے ریسیور رکھ دیا، پھر گھوم کر میز کے
... قریب آ کر بڑے دلآویز انداز میں بولی۔
... پسند کریں گے۔"
... اور رضوان بھی اُٹھا۔ اُسی لمحے ایک دروازہ
... سے ایک ادھیڑ عمر شخص برآمد ہوا۔ اُس نے
... ہاتھ آگے بڑھایا۔ "میں مسٹر کیلی کا پرسنل سیکرٹری

جان اینڈریو ہوں۔" اُس نے اپنا تعارف کرایا، پھر فوراً ہی بولا۔ "میں
آپ دونوں سے واقف ہوں۔ مسٹر کیلی آپ سے بہت متاثر ہیں
جیسا کہ آپ کو اُن سے مل کر محسوس ہو گا۔ میں آپ سے یہ عرض کر دوں
کہ عام طور پر میرے باس عورت کو کسی قابل نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے
کہ اُنھوں نے عام ڈگر سے ہٹ کر مجھے اپنا سیکرٹری بنایا ہے۔" یہ کہہ
کر وہ ہماری رہنمائی کرنے لگا۔ میں اور رضوان اُس کے پیچھے چلنے لگے۔
میرے ذہن میں چارلس کیلی کی شخصیت کا عجیب سا خاکہ بن رہا
تھا۔ وہ یقیناً تیز آدمی رہا ہو گا جس کا ثبوت اُس کی ظاہری شان و شوکت
تھی۔ وہ مریضانہ ذہنیت کا مالک معلوم ہوتا تھا کیونکہ ایسا ہی سر پھرا
آدمی ہی اِس طرح کا کھیل کھیل سکتا ہے جیسا اُس نے میرے ساتھ
یوگوسلاویہ میں کھیلا تھا۔ عورتوں سے ناپسندیدگی کا اظہار عورتوں میں
مقبولیت نہ پانے کے سبب بھی ہوتا ہے۔ ایسا اُسی صورت میں ہو
سکتا تھا کہ اُس کی شکل و صورت اور شخصیت متاثر کُن نہ ہو۔ پستہ قد
گھٹی طبیعت والے آدمی عام طور پر عورتوں میں مقبولیت نہیں پاتے۔
چارلس کیلی کا پرسنل سیکرٹری جان اینڈریو ہمیں لے کر اُس کے
دفتر میں پہنچ گیا۔ دروازہ کھول کر پہلے جان اینڈریو نے اندر قدم
رکھا تھا پھر اُس نے مؤدبانہ انداز میں ہمارے ناموں کا اعلان کیا تھا۔
اُس کے بعد وہ ہماری طرف مُڑ کر ڈرامائی انداز میں بولا۔ "مسٹر
چارلس کیلی!"
ہم دروازے میں داخل ہو گئے۔ جان اینڈریو نے ہمارے اندر
آتے ہی باہر کا رُخ کیا اور اِسی کے ساتھ دروازہ بند ہو گیا۔
کمرے میں مدھم روشنی تھی اور یہ روشنی در و دیوار سے پھوٹتی
محسوس ہو رہی تھی۔ فرش پر دبیز قالین تھے جو ایک دیوار سے دوسری
دیوار تک بچھے ہوئے تھے۔ ایک طرف بڑی سی میز تھی اور اُس میز
کے پیچھے گھومنے والی کرسی پر وہ عجیب شخصیت بیٹھی ہوئی تھی جس
سے فی الحال میرا مقابلہ تھا یا جو شخصیت میری موجودہ مشکلات کا باعث
تھی اور جس کے قبضے میں میری بہن رضیہ تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے
وقت میں نے اُسے دیوار کی طرف منہ کیے دیکھا تھا۔ جان ہمارے
نام پکار کر چلا گیا تو وہ بڑے ڈرامائی انداز میں ہماری طرف مُڑا، پھر ہمیں
دیکھ کر جیسے اُس کا چہرہ مسرت سے کھل اُٹھا۔ وہ بڑی بیتابی کے ساتھ
اپنی کرسی سے اُٹھا اور میز کے پیچھے سے گھوم کر کمرے کے وسط
میں آ گیا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر بڑی گرمجوشی سے ہماری طرف بڑھا۔
اُس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ہمیں گلے سے لگا لے گا مگر اُس
نے محض ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھے مَردوں
سے گلے ملنے کا کوئی شوق نہیں۔

چارلس کیلی کی شخصیت میرے اندازے کے عین مطابق نکلی۔ وہ پستہ قد اور بدشکل آدمی تھا۔ اُس کا رنگ انتہائی سفید تھا اور چہرے پر سُرخ سُرخ دانے سے تھے جو عام طور سے اس قسم کا رنگ رکھنے والوں کے چہروں پر نظر آتے ہیں۔ مجموعی طور پر اُس کی شخصیت کمزور تھی۔ غالباً اُسی کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لیے ہی اُسے اپنے انداز و اطوار میں ڈرامائیت پیدا کرنے کا خبط ہو گیا تھا۔ اِس سے قطع نظر اُس کی شخصیت میں ایک چیز بہت اثرانگیز تھی۔ اُس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی مگر بہت چمکیلی تھیں جن سے انتہائی ذہانت کا احساس ہوتا تھا۔ ایک انجانی سی مگر طاقتور کشش بھی اُن آنکھوں میں تھی۔ میں نے سوچا کہ اُس سے مقابلہ آسان نہیں ہو گا مگر میں اُس سے نبرد آزما ہونے پر مجبور تھی۔ جب تک مجھے رضیہ نہ مل جاتی میں ہر خطرے کا سامنا کرنے پر تیار تھی۔ چاہے مقابلے پر کوئی بھی ہو۔ میں نے اُسے مسٹر کیلی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

"بے تکلفی سے مجھے صرف سی، کے کہو، یہی مجھے اچھا لگتا ہے۔" وہ بولا۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ اُس نے رضوان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کسی گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ بس مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ کمرے میں بوجھل سی خاموشی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے اب تک آپ لوگوں سے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔" خاموشی کو اُسی کی آواز نے توڑا۔ "دراصل میں بانو کی شخصیت سے اتنا مسحور ہو گیا تھا کہ شاید مجھے اپنا بھی خیال نہیں رہا۔ اتنی ذہین اور تیز شخصیت اتنی حسین و خوبصورت ہو گی یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ لوگ کھڑے کیوں ہیں، بیٹھیے، بے تکلفی سے بیٹھیے!"

ہماری میز کے سامنے آرامدہ صوفہ نما کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہم خاموشی سے اُن پر بیٹھ گئے۔ سی کے ایک کونے کی طرف گیا۔ اُس نے پتا نہیں وہاں کیا کیا کہ دیوار کا ایک حصّہ بے آواز انداز میں گھوم کر کھلا اور ایک بار کاؤنٹر سامنے آ گیا جس پر مختلف اقسام کی بوتلیں سجی ہوئی تھیں۔ اُن بوتلوں میں قیمتی شراب تھی۔

"آپ لوگ اِس وقت کس چیز سے شغل کریں گے؟" سی، کے نے ہمیں مخاطب کیا۔

"لیمونیڈ یا آرنج اسکوائش!" میں نے رضوان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میرے بار میں عام طور پر یہ چیزیں نہیں ہوتیں۔" اُس نے جھکتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ خاص موقع ہے۔ میں نے اسی امکان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صبح ہی یہ چیزیں منگوا لی
بڑی شرمندگی محسوس ہوتی۔"

اُس کی ذہانت کا یہ ایک اور ثبو
کو نظر میں رکھتا تھا۔ اُسے یقیناً علم ہو گا کہ
پسند نہیں کرتی۔ وہ ہم سے ملنے کی
اُس نے تین گلاس تیار کیے اور
کر ہمارے پاس لایا۔ اُس نے خود بھی شراب

"عام طور سے یہ کام میں اپنے ملازموں
کاہل آدمی ہوں لیکن ملازموں کی موجودگی
ہوتی جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اِس
خوبصورت عورت میری مہمان ہے۔ میں اُس
چاہتا ہوں۔"

اُس کی باتیں میرے لیے بڑی شرمند
میں اِس طرح کی تعریف ہضم نہیں کر پاتی
میں نے کن انکھیوں سے رضوان کی طرف
محسوس کیا کہ وہ زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔
"آپ میری بہت عزت افزائی کر
نے کہا۔

"پھر وہی مسٹر کیلی، آخر سی، کے کہنے میں کیا
سے بڑی بے تکلفی سے بانو کہہ کر مخاطب ہوا
مجھے سی، کے کہہ کر مخاطب کریں تو مجھے خوشی ہو
دوست مجھے سی، کے ہی کہتے ہیں۔"

مقصد کی بات چھیڑنے کا یہ موقع بھلا میں کیسے
میں نے فوراً چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مسٹر کیلی! میں
دوست کیسے ہو سکتی ہوں؟ بے تکلفی تو بعد کی
آپ کی دوست بھی نہیں۔"

اُس نے لمحے بھر کو مجھے غور سے دیکھا، پھر بولا
"ہے۔ کچھ عوامل ہماری دوستی کی راہ میں حائل ہیں لیکن
یقین دلاتا ہوں کہ تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے گا
بے تکلف دوستوں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں عام
دوست نہیں بناتا۔ اِس کا سبب یہ کہ مجھے عورتوں میں
صلاحیت نظر آتی ہے اور اُن کی اُس صلاحیت سے
دلچسپی نہیں رہی مگر تم یقین کرو کہ میں تم سے بہت
تمھیں عورت ہونے کے باوجود اپنی دوستی کا شرف بخش

"آپ کی عنایت مسٹر کیلی!" میں نے اُس کے نام پر
دکو آپ کی دوستی کے قابل نہیں سمجھتی۔"

ایک دم سُرخ ہو گیا مگر فوراً ہی اُس نے اپنے جذبات
اتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ فی الحال اِس مسئلے
ہے دوستی کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور ہو جائیں گی
ار ہو جائے گی۔"

ت پر شبہ ہے۔" میں نے بےباکی سے کہا۔ "دوستی کی
ں ہے کہ کوئی قدرِ مشترک ہو جبکہ ہمارے درمیان
نہیں جو ہمیں دوستی کے مقدس رشتے میں

...ا لگا کہ میری باتیں اُسے ناگوار گزر رہی تھیں مگر میں
ہی قائل نہیں رہی اور نہ ہی اُس وقت میں نے

...نا بھی ایک قدرِ مشترک ہے۔ اِس سے قطع نظر یہ کہ
...موافقت یا مخالفت کے پہلو نکال سکے!"

سمجھتی ہوں کہ آپ میرے بارے میں سب کچھ ضرور
میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور آپ خود اپنے بارے
ہیں۔ اگر آپ کو کوئی قدرِ مشترک نظر آتی تو خود بیان
ذہین ہونا تو محض یہ قدرِ مشترک دوستی کی بنیاد نہیں بن
باہمی دلچسپی کی باتیں یا مشغلے درمیان میں ہونا ضروری

...پاس شاید دلائل ختم ہو چکے تھے کیونکہ وہ ایک دم برہم
...لا۔ "عورتوں کے بارے میں میرا خیال غلط نہیں تھا۔ ذہین
...ت بھی بعض اوقات انتہائی احمقانہ باتیں کرنے لگتی
...چارلس کیلی تمھاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہوں اور
...رہی ہو۔ تمھیں شاید علم نہیں کہ دنیا کے کتنے ملک میری
...ل حاصل کرنا چاہتے ہیں اور میں انھیں گھاس نہیں ڈالتا۔"
...نتی ہوں مسٹر کیلی کہ آپ کو بہت سے ملکوں کی دوستی کا شرف
...ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا، پھر ذرا توقف سے
...ائیل بھی اُنھی میں سے ایک ہے۔"

...اسرائیل کے علاوہ بھی اور بہت ہیں۔" وہ لاپروائی سے کندھے
...ہوئے بولا۔ "وہ میری دوستی کے محتاج ہیں کہ میں اُن کا محتاج
...ہیں۔"

...پ صرف اُن کی دولت سے واسطہ رکھتے ہیں مسٹر کیلی! پھر
...سے اپنی دوستی کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں؟" میں نے طنزیہ
...لہجے میں کہا۔

اُس نے مجھے ایک بار پھر گھور کر دیکھا اور بولا۔ "مجھ سے میری دوستی بے غرض ہوتی۔"

"مجھے آپ کی اِس بات پر بھی شبہ ہے مسٹر کیلی!" میں نے پھر اُسے چڑایا۔ "آپ ایک کامیاب تاجر ہیں اور ایک تاجر سب سے پہلے تاجر ہوتا ہے بعد میں کچھ اور۔ آپ غالباً مجھ سے کوئی ایسا کام لینا چاہتے ہیں جو بغیر دوستی کے آپ مجھ سے نہیں کرا سکیں گے۔"

چارلس کیلی کا غصّہ ایک دم عروج پر پہنچ گیا۔ اُس کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا تھا لیکن وہ اپنے اوپر قابو پانا جانتا تھا۔ جب وہ بولا تو اُس کا لہجہ سرد تھا۔ "مجھے جب کسی سے کام لینا ہوتا ہے تو ہر قیمت پر اپنا کام لے لیتا ہوں۔ مجھے دوست بنانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

"تو پھر دوستی کو بالائے طاق رکھ کر صاف صاف بات کریں۔ آپ رضیہ کو میرے حوالے کرنے سے پہلے مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

اُس وقت رضوان نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش رہ گیا۔ اُسے یقیناً میرا اندازِ گفتگو پسند نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے گفتگو کے دوران میں مجھے دو ایک بار اشارہ بھی کیا تھا کہ میں موقع کی نزاکت کو سمجھوں۔ وہ شاید مصلحت آمیز گفتگو چاہتا تھا لیکن میں چارلس کیلی کی شخصیت کو اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ اُس کی دوستی ناقابلِ اعتبار تھی اس لیے میں نے کھل کر بات کی تھی۔ مجھے یوں بھی دشمنوں کو زچ کرنے میں لطف آتا تھا۔

"تم بہت ذہین ہو۔" چارلس کیلی کی سرد آواز پھر اُبھری۔ "مگر بھول گئیں کہ تمھارا واسطہ کس سے ہے! میں اگر غصّے میں آ جاؤں تو تمھیں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں مگر میں تمھارے لیے اپنے دل کے گوشے نرم پاتا ہوں۔ میں ذہانت کا قدرداں ہوں اور تم ایک عورت ہونے کے باوجود ذہین ہو اس لیے کم از کم میرے لیے عجوبہ ہو۔ میں عجیب چیزیں جمع کرنا پسند کرتا ہوں۔ آؤ میں تمھیں بھی چند عجیب چیزوں کا تماشا دکھاؤں۔"

میں رضیہ کے بارے میں اُس سے گفتگو کرنا چاہتی تھی مگر وہ اِس سے گریز کر رہا تھا۔ وہ غالباً اِس سلسلے میں پہلے ہی کوئی فیصلہ کر چکا تھا کہ اُسے یہ بات کس موقع پر کرنی ہے۔ میرے پاس صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا مگر رضوان صبر نہ کر سکا۔

"مسٹر کیلی!" رضوان... "لائیے ہم آپ کے عجائب گھر کا نظارہ کرنے نہیں آئے، معاملے کی بات کریں تو بہتر ہے۔"

اُس نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر کہا۔ "اگر آپ کو میرے عجائب گھر سے کوئی دلچسپی نہیں تو پھر آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ آپ...

تو مجھے یوں بھی کوئی بات نہیں کرنی۔"

میں رضوان کی بے عزتی کیسے برداشت کرلیتی اِس لیے میں نے چارلس کیلی پر جوابی حملہ کیا "مسٹر کیلی! آپ بدتمیز بھی ہیں، یہ مجھے علم نہیں تھا۔ اگر آپ معاملے کی بات نہیں کرنا چاہتے تو نہ کریں صبیحہ بانو کبھی کسی کی محتاج نہیں رہی۔ میں بہرحال اپنی بہن کو ڈھونڈ نکالوں گی، چاہے آپ اُسے سات پردوں میں چُھپالیں۔"

میں نے رضوان کا ہاتھ پکڑا اور اُٹھ کھڑی ہوئی، پھر دروازے کی جانب بڑھی۔

ہم دروازے تک پہنچے تھے کہ چارلس کیلی کی آواز سنائی دی۔

"ٹھہرو!"

میں نے مُڑ کر دیکھا۔ اُس کے چہرے پر بے بسی کے آثار تھے غالباً اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے! وہ یقیناً ہمیں روکنا نہیں چاہتا تھا لیکن شاید اُسے جو کام در پیش تھا وہ اِتنا اہم تھا کہ اُسے اپنی اَنا کا خون کرکے ہمیں روکنا پڑا۔

"ناقدر لوگوں کو مجھے اپنا عجائب گھر دکھانے کا کوئی شوق نہیں۔" وہ پژمردہ لہجے میں بولا۔ "اِس بات کو اپنے ذہن سے نکال دو کہ میری کوئی غرض تم سے اٹکی ہوئی ہے۔ آؤ میں تمھیں تمھاری بہن سے ملواؤں۔"

رضوان کا چہرہ کھل اُٹھا لیکن نہ جانے کیوں میرا دل خوشی سے نہیں دھڑکا۔ شاید میری چھٹی حس بیدار ہوگئی تھی۔ شاید رضیہ سے ملنا اِتنا آسان نہیں تھا۔ چارلس کیلی غالباً اِس بہانے ہمیں کسی جال میں پھانسنے لے جارہا تھا مگر اِس کے باوجود ہم اُس کا ساتھ دینے پر مجبور تھے اِس لیے اُس کے پیچھے چل دیے۔

چارلس کیلی نے دیوار کے ایک حصّے کی طرف رُخ کیا اور یوں چلنے لگا جیسے اُس طرف باہر جانے کا راستہ ہو۔ وہ دیوار کے پاس پہنچا ہی تھا کہ واقعی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوگیا۔ ہم اُس کے ہمراہ دیوار کی دوسری جانب پہنچے تو دیوار برابر ہوگئی۔ ہم ایک سجے سجائے کمرے میں تھے۔

"یہ میرا راحت کدہ ہے۔ یہی میری لیبارٹری ہے، یہی لائبریری! تم لوگ اِسے میرا عجائب گھر بھی کہہ سکتے ہو مگر اب میں صرف معاملے کی بات کروں گا۔" یہ کہہ کر چارلس کیلی ایک دیوار کی جانب بڑھا، اور پھر جب وہ قریب پہنچا تو دیوار پر ایک سفید پردہ نمودار ہوگیا جس کے نیچے دو بریکٹ لگے ہوئے تھے اور اُن پر دو اسپیکر رکھے تھے۔ اُس کے بعد وہ مخالف سمت کی دیوار کے قریب گیا۔ اُس دیوار میں بھی خلا پیدا ہوا۔ خلا ایسی شکل کا تھا جیسا سینماؤں میں پچھلی دیوار کی طرف ہوتا ہے جس کے پیچھے مشین ہوتی ہے۔ وہ لوٹ دیوار کے قریب ہی پڑے ہوئے صوفوں کی طرف بیٹھتے ہیں۔"

صوفوں پر بیٹھتے ہی معاً تاریکی ہوگئی ... پر بیٹھ چکا تھا۔ میں نے اُس کے ہیولے کو صوفے کی ... دیکھا۔ پچھلی دیوار میں پیدا ہونے والے خلا سے ... سفید پردے پر پڑی۔ اُسی وقت چارلس کیلی بولا" ... قید کرنے کا شوق بھی ہے، اُسی کا نتیجہ یہ فلم ... کے لیے نہیں بنائی گئی تھی حالانکہ تمھیں اِس ... مشکل ہے۔"

روشن پردے پر ایک منظر دکھائی دیا اور ... کی آواز اُبھری۔ یہ آواز شاید پہلے ہی ریکارڈ کی ... قریب بیٹھا ہوا چارلس کیلی خاموش تھا۔

"پیکنگ سے روانہ کیا ہوا تابوت موصول ہو ... مطابقت سے چارلس کیلی کی آواز سنائی دے رہی تھی ... آنکھوں میں دھول جھونک کر ایک اہم شخصیت کو ... میں بند کرکے لایا گیا ہے۔ میرے آدمی تابوت کھول ... اہم واقعہ ہے۔ میرے بازو پیکنگ تک دراز ہوگئے ..."

پردے پر نظر آرہا تھا کہ دو آدمی تابوت کھول ... اُنھوں نے تابوت سے ایک لاش نکالی۔ وہ لاش ... لپٹی ہوئی تھی۔ اُس لاش کا صرف چہرہ ذرا سا کُھلا ہوا تھا پر بھی کوئی مسالحہ لگا ہوا تھا جس سے چہرے کے ... تھے۔ خود میرے لیے بھی اپنی بہن کو پہچاننا مشکل ہو ... وہ رضیہ ہی تھی۔

آدمیوں نے لاش نما رضیہ کو نکال کر میز پر لِٹا دیا اور اُس کے بعد ایک لیڈی ڈاکٹر دو نرسوں کے ساتھ آئی۔ ام ... کا جائزہ لیا، پٹیاں کاٹیں اور نرسوں کو حکم دیا کہ وہ اُسے ... لے جائیں۔

اگلے منظر میں رضیہ ایک صاف سُتھرے بستر پر لیٹی ہو ... اُس کی آنکھیں کُھلی ہوئی تھیں اور وہ ڈاکٹر سے کچھ کہہ رہی ... کی آواز سنائی نہیں دی کیونکہ چارلس کیلی کی بلند آواز ... دینے لگی تھی۔

"یہ بھی ایک کامیاب تجربہ رہا۔ اڑتالیس گھنٹے لاش کی ... رہنے کے بعد لڑکی کو ہوش آیا تو وہ ہر طرح سے تندرست ... تھی۔ اُس نے ہوش میں آنے کے بعد معمولی سر کا درد بھی ...

... نہ تھی۔ اُسے جو دوا دی گئی تھی، وہ بہت ... اُس دوا کو آئندہ بھی استعمال کیا جائے گا۔"

... منظر بدل گیا۔ رضیہ اُس منظر میں چارلس کیلی کے ساتھ ... کیلی رضیہ کو تسلی دے رہا تھا کہ پیکنگ سے اُسے اِس ... یہ تھا۔ وہ اُس تجربے کی شکار خود ہی بنی کیونکہ اُس ... کے ساتھ ایسا کام شروع کردیا جو چارلس کیلی کے ...

سا

... رضیہ ایک شخص کے ساتھ ہیلی کوپٹر میں بیٹھی ہوئی تھی ... ساتھ ہی چارلس کیلی کی آواز پھر سنائی دینے لگی "لڑکی ... رہی ہے۔ اِس کی بہن دنیا کی چند زیرک ترین ... ہے۔ اُس کا ٹیسٹ لیا جائے گا۔ اگر لوگوسلاویہ ... آئی تو اُس عورت سے ملنا ضروری ہوگا۔ ویسے ... گوسلاویہ سے اچھی رپورٹ آئے۔ ذہین ترین جاسوسوں ... ہے۔ میں نہیں مان سکتا کہ صبیحہ بانو ایک عورت ہونے ... نہیں ہوسکتی ہے مگر اُس کا نام کمپیوٹر نے دیا ہے اور ... کرسکتا۔ لڑکی اب لندن کی ہوائی سیر کررہی ہے اور دو ... آئے گی مگر دو گھنٹے بعد ..." چارلس کیلی کا فقرہ ... کی آواز آنا بند ہوگئی۔

... دیر تک لندن کے مناظر نظر آتے رہے جو فضا سے ... خوبصورت تھے۔ بیک گراؤنڈ میں ہیلی کوپٹر کی ... دے رہی تھی۔ کبھی کبھی رضیہ کی آواز بھی سنائی دے ... ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سیر میں دلچسپی لے رہی ہے۔ وہ ... منظر کے بارے میں پوچھتی تو پائلٹ اُسے بتا دیتا ... کبھی پائلٹ خود ہی کسی اچھے گائیڈ کی طرح بولنے ... بکنگھم پیلس کے بارے میں اُس نے بہت سی باتیں ...

... کے مناظر ختم ہوئے تو ہیلی کوپٹر نے اطراف کی سیر شروع ... ہیلی کوپٹر سمندر پر پرواز کررہا تھا اور نیچے ایک چھوٹا سا ... تھا۔

... پائلٹ سے پوچھا "یہ جزیرہ آباد ہے یا غیر آباد؟"

"آباد ہے۔" پائلٹ نے بتایا اور ہیلی کوپٹر کو جزیرے ... لے گیا۔ اُس کے بعد بولا "یہ جزیرہ ایک بڑے آدمی کی ملکیت ... الگ تھلگ یہاں رہنا پسند کرتا ہے۔ وہ بہت مغرور ... ہے۔"

جزیرہ چند ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا نظر آرہا تھا۔ جزیرے کے وسط میں چند عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ سارا جزیرہ سرسبز و شاداب تھا۔ شمالی حصّہ پہاڑی تھا جس میں کہیں کہیں چشمے بہہ رہے تھے۔ جنوبی حصّہ غالباً دلدلی تھا لیکن یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کیونکہ وہ حصّہ اِتنا سرسبز تھا کہ بس کہیں کہیں ہی زمین کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

"جگہ تو بہت اچھی ہے۔ یہاں رہنے والا کوئی لارڈ ہی ہوگا۔" رضیہ کی آواز آئی۔

"نہیں! وہ کوئی امریکی ہے۔" پائلٹ نے جواب دیا، پھر بولا "لوٹنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کسی مشکل میں پھنس جائیں!"

"کیسی مشکل؟" رضیہ نے پوچھا۔

"وہ بہت عجیب آدمی ہے۔ اُس کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کب اُسے کیا بات ناگوار گزرے!" پائلٹ نے بتایا "جگہ جگہ جزیرے پر گنز لگی ہوئی ہیں۔ کمبخت کو حکومت کی طرف سے چھوٹ ملی ہوئی ہے۔"

"یہ برطانیہ ہے، یہاں دھاندلی تو نہیں چل سکتی!" رضیہ کی آواز آئی۔

"اِس بات کا شمار دھاندلی میں نہیں کیا جاسکتا۔ اُس شخص کو حکومت کی طرف سے مراعات ملی ہوئی ہیں۔ اُسے حق حاصل ہے کہ اپنی حدود میں مداخلت کرنے والے کو مناسب سزا دے سکے۔" پائلٹ نے وضاحت کی۔ ہیلی کوپٹر نے واپسی کے لیے رُخ موڑا اور اُسی لمحے جزیرے کے ایک حصّے سے دھواں سا اُٹھا، پھر ایک شعلہ سا ہیلی کوپٹر کی طرف لپکا۔

"اوہ! کمبخت نے گولہ باری شروع کردی۔" پائلٹ کی تشویش آمیز آواز آئی "وہ شاید ہمیں خوفزدہ کرکے بھگا دینا چاہتا ہے۔"

دو تین گولے خالی گئے، پھر ایک گولہ نشانے پر بیٹھ ہی گیا کم از کم دیکھنے سے یہی محسوس ہوا۔ پورا منظر بڑے زور سے لرزا تھا، پھر چکراتا ہوا جزیرے کا منظر آہستہ آہستہ قریب سے قریب تر ہوتا گیا تھا۔ یہاں تک کہ ایک زبردست دھماکے کی آواز کے ساتھ پورا منظر غائب ہوگیا اور چند لمحوں کے لیے تاریکی چھاگئی، پھر پردہ روشن ہوگیا فلم ختم ہوچکی تھی۔

کمرے کی روشنی واپس آگئی۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ پچھلی دیوار برابر ہوگئی۔ اِسی کے ساتھ اسکرین پیچھے ہٹ کر ایک خلا میں غائب ہوگیا اور چند لمحوں کے بعد خلا بھی برابر ہوگیا۔

میں اور رضوان اِس شعبدہ بازی سے لطف اندوز ہونے کی حالت میں نہیں تھے۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی اور رضوان کے

چہرے سے بھی فکرمندی عیاں تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیا رضیہ ہیلی کوپٹر کے ساتھ ہی ختم ہوگئی؟ معاً چارلس کیلی کی آواز سے میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

"بانو! تمھیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" چارلس کیلی کہہ رہا تھا۔ "ہیلی کوپٹر تباہ ہوگیا تھا مگر پائلٹ اور لڑکی دونوں بچ گئے۔ مس رضیہ کو تو خراش تک نہیں آئی۔"

"آخر وہ ہے کہاں؟" میں نے جھنجلا کر کہا۔

چارلس کیلی میری جھنجلاہٹ پر مسکرایا، پھر بولا۔ "وہ ایسی جگہ ہے جہاں میرا کوئی اختیار نہیں۔"

میں نے اُس کی طرف غور سے دیکھا اور کہا۔ "کیا کوئی ایسی جگہ بھی ہے جہاں سی آئی اے کے ہاتھ سکڑ کر رہ جاتے ہیں؟ وہ ہاتھ جن کی پہنچ پیکنگ تک ہو؟"

"وہ جزیرہ جو تم نے فلم میں دیکھا، ایک اٹل حقیقت ہے۔" چارلس کیلی اِس بار میرے طنز پر برہم نہیں ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اُس جزیرے کا مالک کبھی میرا دوست تھا اور شریکِ کار بھی! لیکن اب مجھے اُس سے کد ہوگئی ہے۔ ایک سودے کے درمیان اُس نے مجھے دھوکا دیا۔ بات تقریباً پکی ہوچکی تھی کہ وہ سنک گیا۔ سودا اُدھورا رہ گیا۔ مجھے نقصان کی اِتنی پروا نہیں جتنی اپنی بات خراب ہونے کا رنج ہے۔ میں شکست کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ ناکامی سہنا میرے بس سے باہر ہے۔ مجھے جب بھی کسی سے زک پہنچی، میں نے اُس کا بدلہ ضرور لیا۔ پیٹر نے جو بغلی گھونسا مارا ہے، میں اُس کی تکلیف آج بھی محسوس کرتا ہوں۔" کچھ توقف کے بعد وہ پھر بولنے لگا۔ "پیٹر مجھے اچھی طرح جانتا تھا اِس لیے اُس نے مجھ سے بچنے کے لیے جزیرہ ایٹال ٹو پر گویا خود کو محصور کر لیا اور اِس طرح وہ اپنی دانست میں میرے انتقام سے بچ گیا۔ وہ بلاشبہ جینئس ہے مگر اِسی کے ساتھ بیوقوف بھی ہے۔ میں جس کے پیچھے پڑ جاؤں اُسے پاتال میں بھی نہیں بخشتا۔ جب تک میں پیٹر کو اپنے قدموں پر نہیں جھکا لوں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

چند لمحوں کے لیے چارلس کیلی پھر خاموش ہوا تو میں ہاتھ اُٹھا کر بولی۔ "تم دونوں کے جھگڑے سے مجھے کیا مطلب؟ تم نے اِس جھگڑے میں مجھے کیوں گھسیٹا؟"

"بیٹی! جزیرے تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ اُس نے ایسے انتظامات کرلیے ہیں کہ وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ میں نے کچھ لوگوں کو بھیجا تھا کہ جزیرے پر پہنچ کر اُسے بے بس کرلیں اور پکڑ کر میرے پاس لے آئیں مگر جزیرے کے خودکار دفاعی نظام کے سامنے اُن کی

ایک نہ چلی۔ وہ ذہین اور بہادر آدمی معمولی موت [illegible] ملک جس سے ہم ایک بڑا سودا کر رہے تھے، وہ [illegible] کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ سودا نہ ہو سکنے [illegible] ہوئی تھی۔ میں نے اُس ملک کو مشورہ دیا کہ اگر پیٹر کو [illegible] نکالا جا سکے تو شاید وہ سودا کرنے پر آمادہ ہو جائے [illegible] ایک محدود قوت کی خفیہ ریڈ ہوئی مگر نتیجہ کچھ نہ [illegible] کمانڈوز یا تو مارے گئے یا شدید زخمی حالت میں لو[illegible] دفاعی نظام اِتنا کامیاب ہے کہ ایسے عمدہ دفاعی [illegible] ملک سے سودا کیا جائے گا، وہ اپنے خزانے کا مُنہ کھو[illegible] پیٹر سنک نہ جاتا۔" کیلی نے اپنی بات ختم کرتے ہو[illegible]

چارلس کیلی کفِ افسوس مل رہا تھا اور میں [illegible] لیلیٰ کمال جس اسرائیلی منصوبے کے لیے فکرمند تھی [illegible] کی تسخیر تو نہیں؟ وہ ملک جس سے کوئی بڑا سودا ہو ر[illegible] ہی ہے؟ یہی سوچتے ہوئے میں نے چارلس کیلی [illegible] "کیا پیٹر کے ساتھ فوج ہے؟"

"[illegible]" اُس نے جواب دیا۔ "برطانیہ بھی [illegible] فوج نہیں رکھ سکتا البتہ سیکیورٹی گارڈز بھرتی کر[illegible] بس دس پندرہ سیکیورٹی گارڈز رکھے ہوئے ہیں [illegible] ذکر کر رہا ہوں، وہ خودکار ہے۔ محض دیکھ بھال [illegible] کی ضرورت پڑتی ہے ورنہ سارا نظام کمپیوٹر کنٹرول[illegible] کے وسط میں ایک چھوٹی سی عمارت ہے جس [illegible] سارے نظام کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اُس کمرے کا [illegible] ہے۔ وہاں بیٹھ کر وہ جزیرے کے ہر حصے پر نظر [illegible] وہ اُس کمرے میں نہیں ہوتا تو سارے نظام کو [illegible]

"حکومت نے پیٹر کی حرکتوں پر کوئی اعترا[illegible] نے دریافت کیا۔

"نہیں! حکومت نے اُسے کھلی چھٹی دے رکھی [illegible] خود اُس سے سودا چاہتی ہے۔" چارلس کیلی نے بتایا۔ [illegible] سے حکومت کا تحفظ حاصل ہے۔"

"اب یہ بتاؤ کہ میرا یا میری بہن کا اِس معاملے [illegible]" میں نے کسی قدر سختی سے کہا۔

"مجھے پے در پے ناکامیوں نے جھنجلا دیا تھا [illegible] ماسٹر کمپیوٹر سے ایسے لوگوں کے نام مانگے جو ذہنی [illegible] [illegible]توں میں دلچسپی لینے والے ہوں۔ ماسٹر کمپیوٹر نے [illegible] ایٹال ٹو کی مہم سر کرنے کی ممکنہ اہلیت رکھتے تھے [illegible]

[illegible]ب اتفاق سے پیکنگ میں تمھاری بہن میرے [illegible] تو میں نے اُسے یہاں لانے کی ہدایات دیں۔ خیال [illegible] سے تم تک رسائی ہو سکے گی، اور دیکھ لو کہ بالخیال [illegible]س وقت میرے سامنے ہو۔"

[illegible]ستہ کھلتا جا رہا تھا۔ میں نے دانت پیستے ہوئے [illegible]س جزیرے پر پہنچنا حادثہ نہیں ہے بلکہ تم نے [illegible]؟"

[illegible] پھر بولا۔ "ماسٹر کمپیوٹر نے بتایا تھا کہ تم کسی بھی قیمت [illegible] کے لیے آمادہ نہ ہوگی لیکن وہ بہرحال ایک مشین [illegible] میرے ذہن نے ایک ترکیب سوچ لی۔ اُس [illegible] منصوبے کا علم نہیں تھا جو رضیہ کو لے گیا تھا۔ مجھے [illegible] کو نیچے گرانے کی کوشش کرے گا اور یہی ہوا۔" [illegible] نظارہ سے اُس شخص کو دیکھ رہا تھا جس نے [illegible] خاطر موت کے مُنہ میں دھکیل دیا تھا۔ وہ سرسراتی [illegible] "وہ ہیلی کوپٹر تباہ ہوگیا تو یہ فلم تم تک کیسے [illegible]

[illegible]ے زوردار قہقہہ لگایا، پھر بولا۔ "تمھارے چھوٹے [illegible]ت نہیں آسکتی تھی کہ جس کیمرے سے فلم لی جا رہی [illegible] تھا اور برابر تصویریں اُتار اُتار کر مجھے بھیج رہا تھا۔ [illegible]یں فلم تیار ہو رہی تھی۔ دنیا نے اب بہت [illegible] کی تصویریں کیا تم گھر بیٹھے نہیں دیکھتے؟"

[illegible]م کہ وہ فلم حقیقت پر مبنی تھی اور اگر فلم حقیقت [illegible] کہ رضیہ زندہ ہوگی۔" رضوان نے کہا۔

[illegible]یقین ہے کہ حادثے کے بعد میں نے رضیہ کو [illegible] تو تمھیں بھی ابھی دِکھا دوں؟"

[illegible]کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر رضیہ واقعی اُس [illegible] کسی کی رسائی ممکن نہیں تو اُس نے رضیہ کو حادثے [illegible]؟

[illegible]ے چہروں پر تذبذب کے آثار دیکھے تو پھر قہقہہ [illegible] سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں نے حادثے کے بعد [illegible] تھا!" یہ کہہ کر وہ صوفے کی بائیں جانب جُھکا، [illegible] میں نے صوفے کے قریب ایک خلا دیکھا۔ اُس خلا [illegible] باہر نکل آئی جس پر ایک چھوٹا سا ٹیلی وژن رکھا [illegible] ریسیور بھی تھا جس کی شکل ٹیلیفون ریسیور سے [illegible]

ٹیلی وژن آن کرکے چارلس کیلی نے ریسیور اُٹھایا، پھر ریسیور ہی میں بنے ہوئے نمبروں میں سے چند کو دبایا۔ ٹیلی وژن کا اسکرین روشن ہوگیا۔ اسکرین پر ایک کمرے کا کچھ حصّہ نظر آرہا تھا۔ کمرے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے کی سی آواز آرہی تھی۔

"یہ ٹیلیفون کی جدید ترین شکل ہے۔" چارلس کیلی نے کہا۔ "جس طرح ہم دوسری طرف کا منظر دیکھ سکتے ہیں اُسی طرح ہمیں بھی دوسری طرف دیکھا جا سکتا ہے۔ میں نے پیٹر کو فون کیا ہے۔ وہ تمھیں خود ابھی نظر آجائے گا۔ ٹی ٹو وژن سے یہ رابطہ پُرانی دوستی کی یادگار ہے جب ہم گھنٹوں ایک دوسرے سے بات کیا کرتے تھے۔ لو وہ دیکھو پیٹر آگیا!"

ہمیں اسکرین پر ایک آدمی نظر آیا جو دُبلا پتلا اور کمزور سا تھا لیکن اُس کے سُتے ہوئے چہرے پر بھی ذہانت کے آثار تھے۔ اُس نے جُھک کر ریسیور اُٹھایا۔ اب ہم اُس کی آواز بھی سُن سکتے تھے۔ اُس نے ہیلو کہا۔

"پیٹر! میں سی کے بول رہا ہوں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں۔" پیٹر نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ ایک پاکستانی لڑکی کو تم نے یہاں کیوں بھیجا ہے! اِس طرح تم کیا فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو؟"

"ضروری تو نہیں کہ ہر کام فائدے کے لیے کیا جائے۔ خیر یہ بتاؤ کہ لڑکی کس حال میں ہے؟"

"ٹھیک ہے مسٹر [illegible] میں اُس وقت تک واپس نہیں ملے گی جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ اُس کی واپسی میرے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں ہوگی۔"

"کیا اُسے ایک نظر دیکھنا ممکن ہے؟" چارلس کیلی نے کہا۔

پیٹر نے ایک لمحے کو کچھ سوچا، پھر بولا۔ "کیوں نہیں! مگر تم اِس طرح کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکو گے۔" یہ کہہ کر اُس نے ریسیور رکھ دیا اور قریب ہی موجود ایک دوسرے ٹیلی وژن کا ریسیور اُٹھایا۔ اُس نے ریسیور پر کسی کو مخاطب کیا اور اُسے رضیہ کو وہاں لانے کی ہدایات دیں، پھر ریسیور رکھ کر اُس نے چارلس کیلی سے رابطہ قائم کرکے کہا۔ "تم اپنی ذلیل حرکتوں سے باز آجاؤ! مجھے زیادہ پریشان نہ کرو ورنہ مجھے غصّہ آجائے گا۔"

"آجائے غصّہ! ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ تم کیا کرسکتے ہو؟" چارلس کیلی چہکا۔

"یہ تمھارے ساتھ کون لوگ ہیں؟" پیٹر نے بات کا رُخ بدلا۔

"لڑکی کے رشتے دار!" چارلس کیلی نے جواب دیا۔ شاید وہ کچھ اور بھی کہتا مگر اُسی وقت اسکرین پر کچھ اور لوگ بھی نظر آئے جن کے جھرمٹ

میں رضیہ بھی تھی۔ اُسے دو آدمی پکڑے ہوئے تھے۔ رضیہ کو اور قریب لایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ رضیہ کا چہرہ اُترا اُترا سا تھا اور وہ کچھ کمزور بھی نظر آ رہی تھی مگر زیادہ تشویش کی کوئی بات نہیں تھی۔ اُسے بخیریت دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا۔

پھر شاید رضیہ کی نظر پیٹر کے فوٹو ویژن پر پڑ گئی۔ وہ فوراً چیخی۔

"رضوان، باجی!"

پیٹر نے فوراً ہی ریسیور پر ہاتھ رکھ دیا اور رضیہ کی آواز معدوم ہو گئی لیکن ہم اُسے دیکھ سکتے تھے۔ وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اُسے پکڑنے والے کافی طاقتور آدمی تھے۔ اُن کی گرفت مضبوط تھی۔ رضیہ کسی چڑیا کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ گئی مگر خود کو چھڑا نہ سکی۔

اُسی وقت چارلس کیلی نے ریسیور کو فوٹو ویژن پر رکھ دیا۔ سلسلہ فوراً منقطع ہو گیا۔ چارلس کیلی نے میری طرف مسکرا کر دیکھا، پھر بولا۔ "تم نے اب تو اپنی بہن کو بخیریت دیکھ لیا! اب تو تمھیں اُس کی طرف سے فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔"

"نہیں!" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ "مجھے اُس کی واپسی کے لیے اپنی شرائط بتاؤ!"

جواب میں اُس نے زوردار قہقہہ لگایا، پھر سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے یقین تھا کہ تم میری کسی شرط کو قبول نہیں کرو گی اِس لیے میں نے معاملے کو اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا۔ رضیہ، ایٹال ٹو میں پیٹر کے پاس ہے۔ تم اُسے حاصل کرنا چاہتی ہو تو جاؤ ایٹال ٹو کو فتح کر دو۔ اگر کامیاب رہیں تو رضیہ کو پا لو گی ورنہ موت تو برحق ہے، کل نہیں تو آج سہی!"

میں خاموش رہی۔ فضا پر ایک بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔ میں اور رضوان کینہ توز نگاہوں سے چارلس کیلی کو دیکھ رہے تھے جو بڑے شیطانی انداز میں مسکرا رہا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیا واقعی مجھے وہی کرنا پڑے گا جو وہ شیطان چاہتا تھا یا کوئی اور راہ بھی ہے؟

رضیہ کو حاصل کرنے کی کوئی اور راہ مجھے نظر نہیں آتی تھی۔ یہ سوچ کر میرا دل ڈوبنے لگا کہ اِس طرح میں درپردہ اسرائیل کی مدد کر دوں گی۔ میں کچھ کچھ اِس کھیل کو سمجھنے لگی تھی۔ اسرائیل کی مدد کا مطلب مظلوم فلسطینیوں کا گلا گھونٹنا تھا۔

"اوہ میرے خدا!" بے ساختہ میرے مُنہ سے نکلا اور میں نے بڑے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

میں نے آنکھیں کھولیں تو میری نظر چارلس کیلی پر پڑی۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی شیطانی مسکراہٹ تھی اور وہ ... ا
اُس کے انداز میں فتح مندی کا احساس جھلک ر... انہا
بے بس دیکھ کر خوشی محسوس کر رہا تھا۔ گر اُس کی ...
میں حقیقت پر مبنی تھی کہ میں دنیا کی ذہین ترین شخ...
ہوں تو پھر اُس کی خوشی عارضی تھی۔ بھلا وہ ذہین تر...
یوں بے بس ہو جائے!

میرا ذہن موجودہ صورتِ حال سے نمٹنے کے ...
سوچنے میں مصروف تھا۔ میں بہت جلد اِس ...
مجھے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مسئلہ یقیناً اہم اور مشکل ...
کوئی نہ کوئی ممکنہ حل ضرور ہوتا ہے۔ بس ذرا اُس ...
پڑتی ہے۔ یقیناً کوئی ایسی راہ ضرور نکل آئے گی ...
اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ مطلب یہ کہ میں رضیہ کو ...
دشمنوں کے چنگل سے بھی چھڑا لوں اور چارلس کیلی ...
تعبیر نہ ہوں۔ اُس کی خوشیاں اَدھوری ہی ثابت ...
یہ تو طے تھا کہ میں کسی بھی قیمت پر رضیہ کو ...
نجات دلانے کے لیے اسرائیل کی آلۂ کار بنتے ...
میں اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر رضیہ کو بچانے کی کوش...
تھی لیکن فلسطینیوں کے مستقبل کو تاریک کرنے ...
نہیں پہنچتا تھا۔

میں جو کچھ سوچ رہی تھی، اُس کا کچھ نہ کچھ اند...
چہرے سے بھی ہو رہا تھا کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ ...
کا انداز اب بدل گیا تھا۔ اُس کے چہرے پر اب ...
آ رہا تھا۔

"مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ تم کوئی فیصلہ کر چکی ہو ...
چارلس کیلی کی آواز اُبھری اور میں اپنے خیالات ...
آ گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تم نے یقیناً کوئی ایسا فیصلہ کیا ...
لیے قابلِ قبول ہے، جسے قبول کرنے میں تمھیں کوئی ...
نے اندازہ لگایا ہے کہ تم رضیہ کو پیٹر کی قید سے ...
کر چکی ہو۔"

"ظاہر ہے!" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں اپنی ...
کے لیے بے چین ہوں۔"

چارلس کیلی کا چہرہ کھل اُٹھا۔ وہ بھی مسکرایا اور ...
لہجے میں بولا۔ "عقلمندی کا تقاضا یہی تھا کہ تم یہی ...
تمھیں اپنی طرف سے پورا یقین دلاتا ہوں کہ میں ...
ہر ممکن مدد کروں گا۔ ذہن تم استعمال کرو گی اور ذرائع ...

...ں کامیابی یقینی ہے۔ تمھیں تمھاری بہن مل جائے
...ا دکھا سکوں گا۔ یقین کرو کہ اِسی میں ہم دونوں کا مشترکہ ...

...ں جانب حیرت بھری نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے
... غلط فہمی ہو گئی تھی کہ میں رضیہ کی خاطر چارلس کیلی
...ال میں دانستہ پھنس گئی ہوں۔ شاید یہی سبب تھا
...ش ہوتے ہی وہ بول اُٹھا۔ "بانو! کیا آپ واقعی
... ماش چاہتا ہے؟" اُس نے یہ سوال اُردو میں کیا
...ں کی بات نہ سمجھ سکے۔
...مل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔" میں نے
...لیے کیا راہ اختیار کرنا ہو گی، اُس کا تو ابھی مجھے خود بھی
...ل خود کو کسی کے سامنے زیادہ دیر بے بس محسوس کرنے
...یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو رضوان!"
...بات سن کر دنگ ہی رہ گیا تھا۔ رضوان نے طویل سانس

...ن کو آپس میں بات کرتے دیکھ کر اور اُسے نہ سمجھ کر
...ہے پر تجسس نظر آ رہا تھا جیسے وہ ہماری طرف سے
...ا ہو۔ وہ رضوان کے چپ ہوتے ہی بولا۔ "تمھارا
...ہ رہا ہے؟"
...کے لیے فکرمند ہے لیکن میرا ہم خیال! تمھیں
...ی ضرورت نہیں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں جواب
...ا۔
...بہن اِس کی منگیتر ہے! خوب، بہت خوب!"
...ہوئے بولا۔
...ش نظر آ رہا تھا۔ وہ پھر ہماری خاطر تواضع کرنے
...اس نے ہمیں زبردستی اپنے ساتھ کھلایا۔ اُس کا انداز
...اپنے عزیز ترین دوستوں کی تواضع کر رہا ہو۔
...مارے لیے خاص طور پر ایک پاکستانی ہوٹل سے
...ن میں اب جگہ جگہ پاکستانی اور ہندوستانی کھانوں
...یں جو تھوڑے سے فرق کے ساتھ برِ صغیر کے مخصوص
...ہیں۔ فرق صرف اِتنا ہوتا ہے کہ مرچ اور گرم مصالحوں
...ی کمی کی جاتی ہے تاکہ انگریز بھی اُن کھانوں سے
...یں۔ یہ ہوٹل عام طور سے مہنگے پڑتے ہیں اِس
...ا ہندوستانیوں سے زیادہ انگریز اِن کی سرپرستی
کرتے ہیں۔

کھانے سے فراغت پا کر میں نے اور رضوان نے چارلس کیلی سے رخصت چاہی۔

رخصت ہوتے وقت چارلس کیلی نے میرے ہاتھ میں ایک فائل تھما دی اور کہا۔ "بانو! ایٹال ٹو کے بارے میں تمام ضروری معلومات اِس فائل سے تمھیں حاصل ہو جائیں گی۔ اگر اِس فائل کا مطالعہ کرنے کے باوجود بھی تم مطمئن نہ ہو سکو اور تمھیں مزید کوئی بات معلوم کرنی ہو تو مجھے فون کر دینا۔ میں اپنے سیکرٹری اینڈر یو کو فوراً تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ وہ بہت تیز آدمی ہے اور معلومات حاصل کرنے میں تو وہ ماہر ہے۔ اگر تم ایٹال ٹو کی تسخیر کے لیے کوئی راہِ عمل طے کر لو اور مناسب سمجھو تو اُس سے مجھے بھی آگاہ کر دینا۔ میں تمھیں ایک بار پھر یقین دلاتا ہوں کہ تمھیں جو شے بھی درکار ہو گی، وہ فوراً مہیا کر دی جائے گی۔ میری مراد اسلحہ اور اُس اسلحے کو استعمال کرنے والے ہاتھوں سے ہے۔"

"شکریہ!" میں نے جواب میں کہا۔ "اگر مجھے کسی چیز کی واقعی ضرورت پیش آئی تو میں تمھیں ضرور مطلع کروں گی۔"

"میری خواہش ہے بانو کہ تم اور تمھارا ساتھی لندن کے بہترین ہوٹل سیوائے میں قیام کریں۔ ہوٹل کے تمام اخراجات میں ادا کروں گا۔" چارلس کیلی نے پیشکش کی۔

"نہیں!" میں بولی۔ "میں دانستہ رائل میں ٹھہری ہوں ورنہ چاہتی تو سیوائے میں بھی ٹھہر سکتی تھی۔"

"تمھاری مرضی!" وہ خوش اخلاقی سے بولا۔ "میں رائل میں قیام کا سبب نہیں پوچھوں گا۔"

چارلس کیلی سے رخصت ہو کر ہم اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔

"اب کیا ارادے ہیں بانو؟" رضوان نے کمرۂ نشست میں موجود ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال تو میں اِس فائل کا مطالعہ کرنا چاہتی ہوں۔" میں نے اپنے ہاتھ میں موجود فائل کو اوپر اُٹھاتے ہوئے جواب دیا۔ "اِس دوران میں تم یہ کوشش کرو کہ کسی طرح ایٹال ٹو پر موجود پیٹر سے بات کی جا سکے۔ میں اُس سے رضیہ کی خیریت معلوم کرنا چاہتی ہوں اور اُس سے یہ بھی پوچھنا چاہتی ہوں کہ وہ کیا چاہتا ہے اور رضیہ کو اپنے ساتھ جزیرے پر کیوں رکھے ہوئے ہے!" یہ کہہ کر میں بھی رضوان کے قریب صوفے پر بیٹھ کر فائل کی ورق گردانی کرنے لگی۔

"ہو سکتا ہے اِس فائل میں پیٹر کا فون نمبر درج ہو!" رضوان نے کہا۔

"ممکن ہے!" میں بولی۔ "مگر مجھے اِس کی اُمید نہیں ہے۔ میرا

خیال ہے کہ چارلس کیلی ہرگز یہ پسند نہیں کرے گا کہ میں براہِ راست پیٹر سے بات کر سکوں۔ چارلس کیلی نے اس بات کو نظرانداز نہیں کیا ہوگا کہ ہو سکتا ہے میں پیٹر کو رضیہ کی رہائی پر آمادہ کرلوں اور اُسے قائل کردوں کہ رضیہ کو رہا کرنے میں اُسے کوئی نقصان نہیں ہے۔ اگر پیٹر رضیہ کو آزاد کرنے پر راضی ہو جاتا ہے تو تمام معاملہ پُرامن طریقے پر طے پا سکتا ہے۔ اُس کے بعد کم از کم ہمارے لیے اس معاملے میں ملوث رہنے کا کوئی جواز نہیں رہتا اور تم سمجھ ہی چکے ہو گے کہ چارلس کیلی کو رضیہ کی رہائی یا قید سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ رضیہ کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

رضوان نے میری بات کی تائید میں سر ہلایا، پھر بولا "اگر اُس جزیرے پر کوئی ٹیلیفون موجود ہے تو یقیناً اُس کا نمبر ٹیلیفون ایکسچینج والوں سے مل جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ نمبر مل جائے۔ تم کوشش کر دیکھو!" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

لندن میں کسی بھی ٹیلیفون آپریٹر سے صحیح صحیح نام پتہ بتا کر مطلوبہ ٹیلیفون نمبر معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہر ٹیلیفون آپریٹر تعاون کرتا ہے اور کوشش کر کے مطلوبہ ٹیلیفون نمبر ڈھونڈ ہی نکالتا ہے مگر ایک امکان اور بھی تھا جس کی طرف رضوان کا خیال ہی نہیں گیا تھا۔ یہ عین ممکن تھا کہ پیٹر نے ایسا ٹیلیفون لے رکھا ہو جس کا نمبر ٹیلیفون ڈائرکٹری میں درج نہ ہو۔ ٹیلیفون والے ایسے لوگوں کو جو تنہائی پسند ہوں یا زیادہ مصروف زندگی بسر کرتے ہوں، ایسے ٹیلیفون دے دیتے ہیں جن کے نمبر عام لوگوں سے مخفی رہتے ہیں۔ اُن نمبروں سے صرف وہی لوگ آگاہ ہوتے ہیں جنھیں خود اُس ٹیلیفون کے مالک نے نمبر بتایا ہو۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر کس و ناکس ٹیلیفون کر کے مصروف شخصیت کی تنہائی میں مخل نہ ہو سکے، صرف وہی لوگ ٹیلیفون کر سکیں جنھیں اُس شخصیت کا اعتماد حاصل ہو۔

اس [illegible] ایک امکان یہ بھی تھا کہ اسٹال ٹور پر کوئی ٹیلیفون موجود ہی [illegible] فونو ویژن پر رابطہ قائم کرنا ممکن ہو جو ظاہر ہے ہر شخص کے بس میں نہیں ہو سکتا، صرف مخصوص لوگ ہی چارلس کیلی کے فونو ویژن تک رسائی حاصل کر سکتے تھے۔ اُس جیسا فونو ویژن شاید ہی کسی اور شخص کے پاس موجود ہو۔

رضوان سے قبل اَز وقت میں نے کچھ نہیں کہا۔ وہ فوری طور پر اپنی کوشش میں مصروف ہو گیا تھا۔ میں اُسے کمرۂ نشست میں ٹیلیفون سے جدوجہد کرتے ہوئے چھوڑ کر اپنی خوابگاہ میں آ گئی۔

میں ڈھیلے ڈھالے آرام دہ کپڑے پہن کر بستر پر [illegible] کی دی ہوئی فائل کا مطالعہ کرنے لگی۔

فائل میں جزیرے سے متعلق تمام تفصیلات [illegible] کے مختلف حصوں کی فضا سے لی ہوئی تصاویر بھی [illegible] کے علاوہ فائل میں ایک نقشہ بھی تھا جس میں جزیرے کی جغرافیائی تفصیل [illegible] درج تھی۔ فائل میں جزیرے [illegible] گارڈز کے بارے میں کافی تفصیلات تھیں اور میڈیکل [illegible] والے عملے کے حجم کو الف بھی درج تھے۔ اُس میں [illegible] حکومت سے ملنے والی آسائشوں کی تفصیل بھی لکھی [illegible] بجلی، گیس اور پانی کی ترسیل کا ذکر تھا۔ ان آسائشوں کے بارے میں جس حد تک معلومات حاصل ہوئی تھیں [illegible] کر دیا گیا تھا۔ جزیرے پر رہنے والے ایک [illegible] سے قطعی کوئی تعلق پیدا کیے بغیر اپنی زندگی بآسانی بسر [illegible] جزیرے پر قیام کرنے والے ملازم یا سکیورٹی گارڈز [illegible] مرتبہ لندن آتے تھے۔ آمد و رفت کے لیے اُن کے پاس لانچیں اور چھوٹی موٹر بوٹس بھی تھیں۔ فائل میں [illegible] لیکن یہ تحریر نہیں تھا کہ پیٹر سے کس طرح رابطہ قائم کیا [illegible] کے علاوہ ڈاک کی ترسیل کے بارے میں بھی کچھ نہیں [illegible]

میں فائل کے مطالعے سے فارغ ہوئی تو فائل [illegible] میں پہنچ گئی۔ وہاں رضوان صوفے پر نیم دراز آنکھیں [illegible] تھا۔ میری قدموں کی چاپ سن کر اُس نے آنکھیں کھولیں۔

"کچھ کامیابی ہوئی؟" میں نے دریافت کیا۔

"نہیں!" رضوان کے لہجے میں مایوسی تھی۔ "وہاں [illegible] موجود ہے مگر اُس کا نمبر ڈائرکٹری میں درج نہیں [illegible] کے ٹیلیفون آپریٹر نے ٹیلیفون کے محکمے سے متعلق ایک [illegible] سے ٹیلیفون پر میری بات کرائی تھی۔ [illegible] کہنا [illegible] کے مالک سے اجازت لیے بغیر کسی کو اُس کا نمبر بتانے کا [illegible] ہے۔" رضوان اُٹھ کر بیٹھ گیا اور میں بھی قریب ہی بیٹھ گئی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ افسر ٹیلیفون پر پیٹر سے [illegible] ہے!" میں کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ میرے ذہن میں [illegible] ایک نیا خیال آیا تھا۔

"یقیناً!" رضوان نے جواب دیا، پھر بتایا "میں نے [illegible] درخواست کی ہے کہ نمبر بے شک نہ بتایا جائے، صرف [illegible] تک پہنچا دیا جائے اور۔۔۔"

[illegible] "میں نے رضوان کی بات کاٹتے [illegible] نمبر بھی اُسے دے دیا ہوگا!"

[illegible] کر میری بات کی تائید میں کہا۔ [illegible] میں نے ایسا ہی کیا ہے۔"

[illegible] ٹھیک کیا۔" میں نے تعریفی انداز میں کہا۔ [illegible] حالات میں خود میں کرتی۔ ان حالات [illegible]

[illegible] پیٹر ہم سے رابطہ قائم کر ہی لے! نہ [illegible] بھی ہو سکتی ہے نہ کوئی مجبوری!" رضوان [illegible]

[illegible] ہے کہ وہ ہم سے بات کرنے [illegible] پیٹر ہم سے ضرور بات کرے [illegible] میں [illegible] اُسے ہم سے ضرور رابطہ قائم کرنا [illegible] کے بارے میں میرے [illegible] گے۔"

[illegible] میں دبے ہوئے فائل کی طرف دیکھتے ہوئے [illegible]

[illegible] الٹی ہی پڑے گی۔" میں بولی "تم ایسا کرو [illegible] اس طرح ہمارے درمیان گفتگو میں [illegible] آسانی رہے گی۔ ممکن ہے کہ اس دوران [illegible]" میں نے فائل رضوان کی طرف بڑھا دیا۔ [illegible] اُس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر [illegible] میں منگوالی۔ ہم دونوں ابھی [illegible] فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ [illegible] تپائی پر رکھا ہوا ٹیلیفون اُٹھا کر گود میں [illegible]

[illegible] سے ایک اجنبی آواز سنائی دی۔ [illegible] رہے ہیں؟" یہ سوال کرتے ہوئے میرے [illegible] ہو گئیں۔ رضوان بھی فائل بند کر کے میری [illegible]

[illegible] تھا کہ مجھ سے کوئی صاحب بات کرنا چاہتے [illegible] قدر جھجکتے ہوئے کہا گیا۔ شاید بولنے والے [illegible] وقت ہو رہی تھی۔ [illegible] ہے ہیں؟" میں نے جلدی سے کہا۔

"ہاں!" جواب ملا "مگر تم کون ہو؟ مجھ سے کہا گیا تھا کہ کوئی مرد بات کرے گا!"

"وہ میرے ساتھی رضوان صاحب تھے لیکن آپ سے گفتگو مجھے ہی کرنا تھی!"

"تم کون ہو؟ کیا تمھارا کوئی نام نہیں؟" پیٹر چڑچڑے انداز میں بولا۔

میں نے پیٹر کی آواز میں ہلکی سی لرزش محسوس کی جو یا تو انتہائی تجسس کی بنا پر ہو سکتی تھی یا تشویش کی علامت تھی۔ چڑچڑاپن اور بولنے کے لیے الفاظ منتخب کرنے کی کوشش بھی انھی باتوں کی غماز ہو سکتی تھی۔

میں نے مہذب اور پُرسکون لہجے میں پیٹر کو مخاطب کیا "آپ غالباً میرا نام جاننا چاہتے ہیں تو سُنیے کہ میرا نام صبیحہ بانو ہے۔ شاید آپ مجھے جانتے ہوں لیکن اگر مجھے نہ بھی جانتے ہوں تو میری بہن رضیہ سے آپ بخوبی واقف ہوں گے جو آپ کے پاس ہے!"

"میں کسی رضیہ وضیہ کو نہیں جانتا!" پیٹر درشت لہجے میں بولا "نہ اس نام کی کوئی لڑکی میرے پاس ہے البتہ تمھارا نام کچھ سنا ہوا سا لگتا ہے۔ ذرا ایک منٹ ٹھہرو، میں معلوم کرتا ہوں کہ تمھارا نام مجھے جانا بوجھا سا کیوں محسوس ہو رہا ہے!"

دوسری جانب خاموشی چھا گئی مگر سلسلہ منقطع نہیں کیا گیا۔ میری سماعت میں ایک نامعلوم سی سنسناہٹ گونج رہی تھی جو کسی بے آواز مشین کے استعمال کا نتیجہ ہو سکتی تھی۔

اسی دوران میں رضوان بیتابی سے بولا "کیا رضیہ کے بارے میں کچھ علم ہوا؟"

میں نے رضوان کی بات کا جواب دینے سے پہلے ریسیور پر ہاتھ رکھ لیا، پھر بولی "نہیں! پیٹر اسٹال ٹور پر رضیہ کی موجودگی سے انکار کر رہا ہے۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے! ہم نے تو اُسے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔" رضوان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"ہم جن حالات سے دوچار ہیں رضوان، اُن میں سب کچھ ممکن ہے۔ پیٹر جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔"

دوسری طرف کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔

میں نے ریسیور کان سے لگا لیا اور جلدی سے بولی "ہیلو!"

"ہیلو!" پیٹر کی آواز آئی "تو تم وہ ایجنٹ ہو جسے چارلس کیلی نے میرے خلاف ہائر کیا ہے! دیکھو لڑکی! تم کتنی ہی تیز کیوں نہ ہو مگر ڈین یعقوب کے کمانڈوز سے بازی نہیں لے جا سکتیں۔ تم شاید اسرائیلی کمانڈوز

سے واقف نہیں ہو۔ تمہیں غالباً چارلس کیلی نے یہ نہیں بتایا کہ ستر بہترین اسرائیلی ایجنٹ ایٹال ٹو کی دلدلوں میں موت کی نیند سو چکے ہیں اور جو دو تین یہاں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوئے ہیں اُن کے حواس آج تک درست نہیں ہوئے۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہیں۔"

"مسٹر پیٹر!" میں اُس کے خاموش ہوتے ہی جلدی سے بولی۔ "مجھے اسرائیلی ایجنٹوں سے کوئی ہمدردی نہیں، نہ میں نے چارلس کیلی کی پیشکش اب تک قبول کی ہے اور یہ بھی درست نہیں کہ میں آپ کے خلاف ہوں۔ میں صرف اپنی بہن کی تلاش میں لندن آئی ہوں۔ آپ رضیہ کو رہا کر دیں، میں اس جھگڑے میں نہیں پڑوں گی اور فوراً اپنے ملک واپس چلی جاؤں گی۔"

"لڑکی! میں جھوٹ نہیں بولتا۔" پیٹر برہم ہو گیا۔ "میں تمہاری بہن سے قطعی واقف نہیں۔ اگر تم اِس بہانے مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو یاد رکھو کہ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں تمہاری چالوں میں نہیں آؤں گا اور تمہیں ایٹال ٹو پر ہرگز قدم نہیں رکھنے دوں گا۔ اگر تم نے ایٹال ٹو تک پہنچنا چاہا تو اپنی موت کی ذمے دار خود ہو گی۔ چارلس کیلی سے کہو کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائے۔"

اِس سے پہلے کہ میں کچھ اور کہہ سکتی، پیٹر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" رضوان نے بیتابی سے پوچھا۔

"پیٹر نے رضیہ کے بارے میں اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ جھوٹ بول رہا ہے۔" رضوان طیش کے عالم میں بولا۔

"لگتا تو ایسا ہی ہے مگر اُس کے جھوٹ بولنے کی کوئی تُک سمجھ میں نہیں آتی۔"

"مگر ہم نے تو خود اپنی آنکھوں سے رضیہ کو پیٹر کے ساتھ دیکھا ہے۔"

"امکان یہ بھی تو ہے کہ چارلس کیلی نے ہمیں کسی طرح دھوکا دینا چاہا ہو۔ یہ نہ بھولو کہ چارلس کیلی ایک شیطان ذہن کا مالک ہے اور اِس بات کو بھی ذہن میں رکھو کہ آج کی دنیا میں صوتی و نظری دھوکے دینا بہت آسان ہو گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"تو پھر دوبارہ چارلس کیلی سے کیوں نہ ملا جائے!" رضوان نے تجویز پیش کی۔

"ایسا کیا جا سکتا ہے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایٹال ٹو پر رضیہ کی موجودگی کا کوئی واضح ثبوت حاصل کیے بغیر میں وہاں جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں چارلس کیلی کا فون نمبر ملاتا ہوں۔" یہ کہہ کر رضوان نے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

چارلس کیلی اُس وقت ...

کا پرسنل سیکریٹری جان اینڈریو ...

نے وہ نمبر ملائے۔ گھر پر چارلس ...

پر ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"دوسری طرف چارلس کیلی ہے!" ...

ہاتھ رکھ کر بتایا۔

میں نے رضوان کے ہاتھ ...

میں بولی۔ "ہیلو!"

"بانو!" دوسری جانب سے ...

میں تجسّس تھا۔

"میں بانو ہی ہوں۔" میں ...

ہو گئی۔

"تم نے مجھے گھر پر فون کیا ...

سکتا ہوں کہ یقیناً کوئی نہ کوئی خاص بات ...

خاموش رہ کر بولا۔

"ظاہر ہے!" میں یہ کہہ کر ...

کہ مجھے لطف آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے تشویش ...

"میں نے تمہارے سابق شریک کار ...

سے کہا۔

"کیا؟" اُس کے لہجے سے شدید ...

"ہاں میں نے پیٹر ہی سے بات کی تھی ...

اپنے الفاظ دُہرائے۔ مجھے علم تھا کہ یہ بات اُس ...

تھی۔ مجھے اسی لیے اُسے ذہنی طور پر اُلجھن ...

ہو رہی تھی۔

"مگر کیسے؟ تم نے اُس سے کہاں ...

"ٹیلیفون پر!" میں نے اُس کے سوال ...

"حیرت ہے کہ تمہیں اُس کا فون نمبر کہاں ...

نمبر ٹیلیفون ڈائریکٹری میں تو موجود نہیں ہے۔" ...

اب تک حیرت موجود تھی۔

"ضروری تو نہیں کہ میں نے اُس کا فون ...

پیٹر مجھے خود بھی تو فون کر سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ...

چارلس کیلی خاموش رہا جیسے اُسے ...

"ہیلو! کیا تم موجود ہو؟" میں نے تیزی ...

... تمہارے بارے میں کیسے علم ہوا؟"

... کہ میری بہن اُس کے قبضے میں ہے۔"

... کیلی فوراً بولا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ پیٹر کو ... بہن کو بھی یہ علم نہیں ہو سکتا کہ تم لندن ...

... پُرسکون لہجے میں بولی۔ "بہرحال پیٹر ہی نے ...

... ہوئی؟" میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ ... جھلاہٹ اُبھر آئی تھی۔ شاید اُس نے اپنے ...

... موجودگی سے انکار کرتا ہے۔" میں نے ... میں دیکھنا چاہتی تھی کہ میرے ... الفاظ ...

...!

... کے بغیر سوال کیا۔ "تم نے یقیناً پیٹر کی ...

... کی جھلک بھی تھی۔" میں نے کہا۔

... وہ تمہیں باتوں ہی باتوں میں بیوقوف بنانے ...

... سے میرے ذہن میں شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔"

... ملتا ہوں؟" اُس نے کہا۔

... جبکہ تم براہِ راست رضیہ سے میری بات ...

... ہی ہو کہ رضیہ میری تحویل میں نہیں بلکہ پیٹر کی ... ہے۔" میں صرف کوشش کر سکتا ہوں لیکن اُمید ... کی جھلک بھی تمہیں دِکھانے پر آمادہ ہو جائے۔

... نہیں ہوئی تو پھر کوئی اور ترکیب سوچنا۔ یہ بات ... ٹو پر رضیہ کی موجودگی کا یقین نہیں ہو جائے ... گی۔"

... چارلس کیلی نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے ... میں پندرہ منٹ کے اندر اندر وہاں ...!

میں نے ریسیور رکھ کر رضوان کو اُٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ میری گفتگو پوری توجہ سے سن رہا تھا اِس لیے فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔

ٹیکسی طلب کرنے میں دیر لگتی اِس لیے میں نے پیدل چلنے کو ترجیح دی۔ ریجنٹ اسٹریٹ تک پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگتا۔

میں نے اپنی خوابگاہ میں جا کر جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ میں خوابگاہ سے باہر آئی تو رضوان میرا منتظر تھا۔

ہم تقریباً پندرہ منٹ ہی میں چارلس کیلی کے دفتر پہنچ گئے مگر وہ ہم سے بھی پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ ہمارا استقبال اُس کے پرسنل سیکریٹری جان اینڈریو نے کیا۔ اینڈریو نے ہمیں فوراً ہی چارلس کیلی تک پہنچا دیا۔ وہ اُسی کمرے میں تھا جہاں اُس نے پہلے فوٹو ویژن پر رضیہ کو ہمیں دِکھایا تھا اور پیٹر سے بات کی تھی۔ وہ اُس وقت فوٹو ویژن پر پیٹر سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔

اُس نے کمرے میں ہماری موجودگی کو محسوس کر کے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور نئے سرے سے فوٹو ویژن کے ڈائل کو گھمانے لگا۔

اِس مرتبہ سلسلہ مل گیا اور روشن اسکرین پر پیٹر کے کمرے کی تصویر اُبھر آئی۔ پیٹر فوٹو ویژن کے پاس ہی کرسی ڈالے بیٹھا ہوا کسی رسالے کا مطالعہ کر رہا تھا۔

"ہیلو پیٹر!" چارلس کیلی نے تیز آواز میں پیٹر کو مخاطب کیا۔

پیٹر نے نظر اُٹھا کر ہماری طرف دیکھا، پھر جواباً ہیلو کہا۔

"یہ تم نے صبیحہ بانو سے کیا کہا تھا کہ رضیہ تمہارے پاس نہیں ہے؟" چارلس کیلی کے لہجے میں غصہ تھا۔

"تو کیا میں نے غلط کہا تھا؟" پیٹر نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"یہ نہ بھولو کہ رضیہ کو تمہارے ساتھ یہ خاتون خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہیں۔"

"تو پھر اِن خاتون نے میری بات کا یقین کیوں کر لیا کہ رضیہ میرے پاس نہیں؟" پیٹر کا انداز چڑاتے کا سا تھا۔

"دیکھو پیٹر! رضیہ کو قید رکھنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔" چارلس کیلی بولا۔

"تمہیں اُسے یہاں بھیج کر کیا فائدہ ہوا؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ مجھے ایسا کرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟"

"اگر یہی بات میری سمجھ میں آ جاتی تو میں اب تک کوئی فیصلہ کر چکا ہوتا۔" پیٹر نے کہا۔

"کیسا فیصلہ؟" چارلس کیلی نے اُسے کُریدنا چاہا۔

"یہی کہ اِس لڑکی کا کیا کیا جائے! اُس کا اچار ڈالا جائے یا مہمان

بنا کر خاطر تواضع کی جائے اور اُسے ایٹال ٹو کی سیر کرا کے تمھارے پاس بھیج دیا جائے!" پیٹر کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔

معاً میں نے چارلس کیلی اور پیٹر کی گفتگو میں مداخلت کی "مسٹر پیٹر! کیا تم رضیہ سے میری بات کرا سکتے ہو؟"

پیٹر چند لمحے خاموش رہ کر غالباً میری بات پر غور کرتا رہا، پھر انکاری انداز میں سر ہلاتا ہوا بولا "ہرگز نہیں! ممکن ہے کہ اس طرح مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے۔"

"کیسا نقصان اور کس طرح؟" میں نے جلدی سے کہا۔

پیٹر کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نمودار ہو گئے۔ وہ کچھ دیر بعد بولا "ابھی میں ایٹال ٹو پر تمھاری بہن کی موجودگی کا سبب نہیں سمجھ سکا لیکن اتنا بہرحال جانتا ہوں کہ اُس کی یہاں موجودگی بے سبب نہیں ہو سکتی۔ کبھی کبھی چارلس کیلی کا شیطانی ذہن بھی گہری چالیں سوچ لیتا ہے۔"

پیٹر کی اس بات پر چارلس کیلی نے بُرا سا مُنہ بنایا مگر وہ کچھ بولا نہیں۔ شاید "کبھی کبھی" اور "شیطانی ذہن" کے الفاظ اُسے ناگوار ہوئے تھے۔

"مسٹر پیٹر!" میں نے ... لہجے میں کہا "مجھے اپنی بہن کے بارے میں انتہائی فکر ہے اور میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ وہ بخیریت بھی ہے یا نہیں!"

"... فکر بے جا ہے کیونکہ فی الحال وہ بالکل بخیریت ہے۔ ٹھہرو! میں تمھیں اُس سے ملواتا ہوں مگر تم اُس کی آواز نہیں سن سکو گی کیونکہ میں فونو ویژن کا آڈیو ٹرانسمیشن بند کر رہا ہوں۔" پیٹر نے اپنی کرسی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

مجھے اُس کا ایک ہاتھ فونو ویژن کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ پہلے آواز معدوم ہوئی، اُس کے بعد منظر بدل گیا۔ شاید پیٹر نے فونو ویژن کو اُٹھا لیا تھا کیونکہ اب کمرے کی ایک دیوار نظر آ رہی تھی جس میں باہر کی طرف کھڑکی کھلتی دکھائی دے رہی تھی۔ منظر کا تحرک، فونو ویژن کی حرکت کا احساس دلا رہا تھا۔ کھڑکی تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ اُس کے بعد کھڑکی سے باہر کا منظر نظر آنے لگا۔ کھڑکی اسکرین سے غائب ہو گئی اور باہر کا منظر مزید واضح ہو گیا۔ منظر میں اب ٹھہراؤ پیدا ہو گیا تھا جیسے فونو ویژن کو کہیں رکھ دیا گیا ہو۔

وہ منظر ایک ہرے بھرے باغ کا تھا۔ اُس منظر کے پس پشت سرمئی پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ دور باغ میں ایک بینچ پر کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ شاید رضیہ ہی تھی۔ پھر وہ اس طرح چونکی اور بینچ سے اُٹھ کھڑی ہوئی جیسے کسی نے اُسے آواز دی ہو۔ اُس نے لمحے بھر جھجک کر ہماری طرف دیکھا، پھر دوڑتی ہوئی قریب آ گئی۔ میں اندازہ لگا سکتی تھی کہ پیٹر نے

اُس سے کیا کہا ہوگا کہ وہ یوں ایک ...
میں نے دھڑکتے ہوئے دل ...
... دور ہو گئی تھی اور اُس کے چہرے پر ...
"کیا تم میری آواز سن سکتی ہو ..."
جواب میں رضیہ کے ہونٹ ...
میں نے اندازہ لگا لیا کہ اُس نے اثبات ...
"رضیہ! میں تمھاری آواز نہیں سن ...
"تم میری بات کا جواب سر ہلا کر اثبات ...
رہی ہوں۔ کیا تم میری آواز سن سکتی ہو؟"
رضیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ...
آواز سن رہی تھی۔
"رضیہ! کیا تم خیریت سے ہو؟" ...
رضیہ نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔
"کیا تم پیٹر کو دیکھ سکتی ہو؟" میں نے ...
رضیہ نے سر ہلا کر اثبات میں جواب ...
"کیا تم ایٹال ٹو پر ہو؟" میں ...
رہی تھی جن کے جواب صرف "ہاں یا نہیں" ...
اس بار میں نے محسوس کیا کہ رضیہ کے ...
میں اُس کی مشکل سمجھ گئی۔ رضیہ کے لیے غالباً ...
وہ صرف اپنے سر کی حرکت سے نہیں دے ...
چاہتی تھی نہ اقرار! وہ یقیناً اُس جگہ سے نا ...
"کیا تم کسی جزیرے پر ہو؟" میں ...
کے لیے کہا۔
رضیہ کا جواب اثبات میں تھا۔
"تمھیں جزیرے کا نام نہیں معلوم؟"
رضیہ نے انکار میں سر ہلایا۔
"کیا تم ہیلی کوپٹر میں لندن کی سیر بھی کر ...
رضیہ نے اثباتی انداز میں سر کو حرکت دی ...
میرا اگلا سوال اہم تھا مگر مجھے وہ سوال کر ...
ہیلی کوپٹر کو پیش آنے والے واقعے کے بارے ...
لیکن اُسی وقت فونو ویژن کا منظر بدل گیا۔ اب
کمرے کا اندرونی حصہ نظر آ رہا تھا اور اب میں ...
تھی جو فونو ویژن کے بالکل قریب کھڑا ہوا تھا ...
جگہ پہنچ چکا تھا۔

... ہاہو! تم بہت تیز ہو۔ تم نے اپنی بہن سے
... لا۔ ظاہر ہے کہ میں تمھیں زیادہ دیر گفتگو
... نا تھا۔ پتا نہیں تمھارا اگلا قدم کیا ہوتا! ویسے
... مطمئن ہو گئیں یا نہیں؟"
... وہ دن اپنی قید میں نہیں رکھ سکو گے" میں نے

... ایٹال ٹو سے نکال لے جاؤ گی؟" پیٹر نے کہا۔
... خواہش کا اظہار کیا ہے اور میری خواہشیں ہمیشہ
... ہیں" میں بولی "میں تم سے بالمشافہ گفتگو

پیٹر مضبوط لہجے میں بولا "میں ایٹال ٹو سے باہر

... آنے دو!"
اُس نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا "اگر تم نے
... کا مطلب سوائے خودکشی کے اور کچھ نہیں ہوگا
... نہیں کرنا چاہتے۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن
... میری اجازت کے بغیر قدم رکھنے والا زندہ نہیں
تم ایک باصلاحیت خاتون ہو، اسی لیے چارلس کیلی
... حاصل کی ہیں مگر تمھاری بہن ایٹال ٹو سے اُسی وقت
... ہیں جا رہا ہوں۔ اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں! اچھا
... کے ساتھ ہی پیٹر نے ہاتھ بڑھا کر فونو ویژن آف

... اُن کی طرف بڑھتا ہوا پیٹر کا ہاتھ نظر آیا تھا، اور پھر
... اُس کے کمرے کا منظر اسکرین پر سے غائب ہو گیا تھا۔
... فونو ویژن کا سلسلہ منقطع کر دیا۔
... تو تمھیں رضیہ کے بارے میں کوئی شک نہیں رہا؟"
... مڑ کر بولا۔
... زبان سے کچھ نہیں کہا اور صرف اپنے سر کو انکار میں ہلا دیا
... رضیہ سے بات کرنے کے باوجود بھی میرا دل پوری
... ہوا تھا۔ اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ میری بے یقینی کا
تھا۔ میں نے خود رضیہ سے بات کی تھی۔ وہ پیٹر کے
... ہی پر تھی۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ پیٹر اُسے یہ بھی بتاتا
... جاتا!
... کیا ارادہ ہے؟" مجھے خاموش دیکھ کر چارلس کیلی نے

"پیٹر سے بالمشافہ گفتگو اب اور بھی ضروری ہو گئی ہے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ایٹال ٹو پر اُس سے ملنے جاؤ گی۔" چارلس کیلی بولا "یہ حقیقت ہے کہ پیٹر کی مرضی کے خلاف ایٹال ٹو کا رُخ کرنا واقعی خطرناک کام ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ تمھیں خطرات سے عشق ہے۔"

"تم نے غلط نہیں سنا!" یہ کہہ کر میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ رضوان نے بھی میری تقلید کی۔

چارلس کیلی ہمارے ہمراہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "تم شاید اپنے ارادے کو مجھ پر ظاہر کرنا نہیں چاہتیں۔ خیر تمھاری مرضی! بس اتنا یاد رکھنا کہ جو بھی کرو، ہاتھ پاؤں بچا کے کرنا۔ اگر کسی بھی طرح کی مدد درکار ہو تو فوراً مجھ سے رابطہ قائم کر کے بتا دینا۔ میں ہر وقت اور ہر ممکن مدد کے لیے حاضر ہوں۔"

میں نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور مسلسل آگے بڑھتی رہی۔ دفتر کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر میں رُکی، پھر میرے اور چارلس کیلی کے درمیان رخصتی کلمات کا تبادلہ ہوا اور میں اُس کے دفتر سے باہر آ گئی۔

ریجنٹ اسٹریٹ پر قدم رکھتے ہوئے رضوان نے مجھے مخاطب کیا۔ "اب کیا خیال ہے؟ کیا تمھیں پیٹر سے ٹکر لینا ہی ہوگی؟"

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔" میں نے رضوان کے ہمراہ آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا "کل ایٹال ٹو کی اطراف کا جائزہ لینا ہوگا۔ اُس کے بعد ہی آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جا سکتا ہے۔"

اپنے ہوٹل کی طرف لوٹتے ہوئے ہم نے کچھ دیر آکسفورڈ اسٹریٹ پر سیر کی۔ شام ہو چکی تھی اور آکسفورڈ اسٹریٹ رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔ دُکانیں دن سے بھی زیادہ بارونق نظر آ رہی تھیں۔ دُکانوں پر گاہکوں کا ہجوم اپنے شباب پر تھا۔

آکسفورڈ اسٹریٹ سے اپنے ہوٹل پہنچ کر ہم نے رات کا کھانا جلدی کھا لیا اور جلد ہی اپنے بستروں پر پہنچ گئے۔

سونے سے پہلے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ صبح سویرے ہی رضوان کو ساتھ لے کر ایٹال ٹو کا رُخ کروں گی۔ میں اُس جزیرے کا جائزہ بھی لینا چاہتی تھی اور اُس پر قدم جمانے کے لیے میرے ذہن میں جو ترکیب آ رہی تھی، اُس کی تفصیلات بھی طے کر لینا چاہتی تھی۔

یہ بات تو طے تھی کہ جزیرے پر جانا ضروری تھا۔ پیٹر کو نقصان پہنچانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں اُس سے مل کر اُسے یہ یقین دلانا چاہتی تھی کہ میرا یا رضیہ کا اُس سے یا اُس کے دشمن چارلس کیلی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ چارلس کیلی نے ہمیں اپنے ذاتی جھگڑے میں خواہ مخواہ

حیثیت لیا تھا سب جھے لیکن تھا اگر میں ایک بار پیٹر کو اپنا نقطۂ نظر سمجھانے میں کامیاب ہوگئی تو وہ رفیہ کو میرے حوالے کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

میرے ذہن میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ پیٹر تک چارلس کیلی یا اُس کے حواریوں کی رسائی اسرائیل کے لیے منفعت بخش اور فلسطینیوں کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوسکتی تھی۔ فلسطینیوں کو نقصان پہنچانا مجھے ہرگز قبول نہیں تھا لیکن یہ بھی یقینی امر تھا کہ خود میرے لیے پیٹر تک رسائی حاصل کرنا بہت ضروری تھا۔ میرے لیے یہ کام کرنا لازمی تھا مگر میں یہ کام اِس طرح انجام دینا چاہتی تھی کہ چارلس کیلی اور اُس کے حواری دیکھتے ہی رہ جائیں اور میں اپنا کام کر جاؤں۔

اگلے دن صبح میں نے رضوان کو ساتھ لیا اور گرین لیس پکڑ کر ساؤتھ انڈ کی طرف روانہ ہوگئی۔ ایٹال ٹو کے قریب واحد وہی تفریح گاہ واقع تھی۔ وہاں سے لانچ کے ذریعے ایٹال ٹو تک پہنچنا ممکن تھا۔ ایٹال ٹو پر موجود ملازمین اور محافظین وہیں سے ضروری سامان خریدتے تھے۔ ضروریاتِ زندگی کی اشیا وہیں سے ایٹال ٹو پر جاتی تھیں۔ سامان کی خریداری کے لیے جو موٹر بوٹس ایٹال ٹو سے وہاں آتی تھیں، اُن کے نام چارلس کیلی کی دی ہوئی فائل سے معلوم ہوگئے تھے۔ ساؤتھ انڈ پر رُک کر مجھے اُس وقت تک انتظار کرنا تھا جب تک کہ ایٹال ٹو سے کوئی موٹر بوٹ یا لانچ نہ پہنچے۔ میرے ذہن میں ایک منصوبے کے دھندلے دھندلے سے خاکے تھے۔ اُس منصوبے پر عمل کر کے میں شاید ایٹال ٹو تک پہنچ سکتی تھی۔ یہ منصوبہ کیونکہ خود میرے ذہن میں پوری طرح واضح نہیں تھا اس لیے ابھی میں نے رضوان کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ میں نے اُس سے فی الحال صرف اِتنا کہا تھا کہ میں ایٹال ٹو سے قریب ترین جگہ تک پہنچنا چاہتی ہوں، پھر اُس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گی۔

ایٹال ٹو پر ملازمت اختیار کرنے والوں میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ میں اُن میں سے کسی ایک عورت کی جگہ لینا چاہتی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ اُن دونوں میں سے جو بھی ہاتھ آجائے اُس پر قابو پا کر ایٹال ٹو تک جا پہنچوں۔ اُس عورت کے ساتھ جو مرد ہوتا اُس کی جگہ رضوان لے سکتا تھا۔ اِس طرح میں اور رضوان جزیرے کے اُس حصّے تک تو کم از کم پہنچ ہی جاتے جہاں اُن دونوں کی ڈیوٹی ہوتی۔ عورتیں کیونکہ پیٹر کی ذاتی خادماؤں کی حیثیت رکھتی تھیں اِس لیے پیٹر تک پہنچنے کا مجھے یہی آسان طریقہ نظر آیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں تھا اور مجھے اِس کا پوری طرح احساس تھا۔ کسی عورت یا مرد پر کہاں اور کس طرح قابو پایا جا سکے گا اور اُس کے بعد مجھے کیا قدم فوری طور پر اُٹھانا پڑے گا، اِس کے بارے میں قبل از وقت کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا اِسی لیے وہ منصوبہ فیصلہ کُن نہیں تھا۔

میرے بنائے ہوئے منصوبے کی طا... تھی۔ پہلی بات تو یہی تھی کہ ایٹال ٹو سے وہاں ... یا لانچ کب وہاں پہنچے گی، اِس کے بارے میں کچھ ... گھنٹے بھی ہوسکتے تھے اور چند دن بھی! اِس کے ... والوں پر قابو پانے کا مسئلہ تھا۔ اُس کے بعد اُن ... تھا جو یقیناً خوشی حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ا... حاصل کرنا بہت اہم تھیں۔ اُنہی معلو... رضوان، ایٹال ٹو پر قدم رکھ سکتے تھے۔

ہم بارہ بجے کے بعد ساؤتھ انڈ پہنچے۔ اُس... آسمان صاف تھا اور سورج چمک رہا تھا۔ ایسا موسم ... کے گرد و نواح میں ہوتا ہے اِس لیے ساؤتھ انڈ پر ... پورا بیچ سمندر میں نہانے والوں سے بھر گیا تھا۔

اگر میرے سر پر رفیہ کو چھڑانے کی دُھن سوار ... گرم دھوپ سے لطف اندوز ہوتی۔ وہاں مجھے ... بھی بآسانی مل سکتے تھے اور میں زندگی سے پو... ہوسکتی تھی مگر اُس وقت وہ موسم اور وہ نظا... تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ غالباً کچھ ایسی ہی ... بھی دوچار تھا۔

اب وقت آگیا تھا کہ میں رضوان کو اپنے منصو... یہ سوچ کر میں نے ایک ریستوران کا رُخ کیا۔ یوں بھی ... کا وقت ہوگیا تھا۔

میں نے ریستوران میں پہنچ کر ایک کونے کی میز ... پھر کھانا کھاتے ہوئے رضوان کو اپنے منصوبے سے آگا...

رضوان نے میرے منصوبے سے پورا اتفاق کیا ... انتظار کرنے کی بجائے اُس نے ایک اور تجویز پیش کی، ... کہ پہلے ایک لانچ کرائے پر حاصل کی جائے اور اُس ... کا ایک چکر لگایا جائے۔ اُس کی تجویز بُری نہیں تھی اِس ... نے مان لیا۔

ساؤتھ انڈ کے یاٹ کلب کی تمام موٹر لانچیں اور ... حاصل کر چکے تھے اِس لیے میں نے پرائیویٹ لانچ والوں ... عام طور پر لانچیں گھنٹے دو گھنٹے کے لیے کرائے پر دی جاتی ... کیونکہ بڑا چکر لگانا تھا اور اِس کے لیے زیادہ وقت درکار تھا ... میں نے غیر محدود وقت ... کے لیے بات کی۔ ایک لانچ والا ... پر آمادہ ہوگیا مگر اُس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ میں غیر م...

...ہے!

...ا تھا: میں نے اُسے اطمینان دلانے کی خاطر ... جزیرہ ہے۔ میں اُسے دیکھنا چاہتی ہوں اِس ... ہے۔ ممکن ہے کہ مجھے اور میرے ساتھی کو ... آفریں تھا!"

... اور رضوان کو شک آمیز نگاہ سے دیکھا، پھر ... کوئی جزیرہ نہیں ہے۔ آپ کسی بھی اٹلس ...

... اور غیر معروف ہے" میں جلدی سے بولی۔ ... میں شاید اُس کا ذکر نہیں ہوگا" میرا انداز سمجھانے ... اُس کے بارے میں علم ہونا چاہیے کیونکہ تم خاصے ... پلنے آدمی دکھائی دیتے ہو۔ تم نے تو گرد و نواح کو ...

... وہ جزیرہ یہاں سے کتنی دُور ہے؟" لانچ والے ... وہ اب کچھ کچھ بے چین نظر آنے لگا تھا جس کا ... مشکل تھا۔

... میں نے جواب دیا" یہاں سے اُس جزیرے ... ہوگا" یہ کہہ کر میں نے اُس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ ... جزیرے سے واقف نہیں" لانچ والے کا لہجہ فیصلہ ... کے لیے اپنی لانچ کسی کو نہیں دیتا"

... تمھارا کیا نقصان ہے؟ لانچ کو چلانے والا تو تمھارا ... لمبا چکر لگا کر دو تین گھنٹے میں لوٹ آئیں گے"

... دو تین گھنٹے کے لیے بھی لانچ نہیں دے سکتا"

"اگر تم اپنی لانچ کرائے پر نہیں دینا چاہتے تو نہ دو، ... کرتی ہوں" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا اور رضوان ... لی ہوئی مُڑی۔

... قدم ہی چلے ہوں گے کہ لانچ والے کی آواز سنائی ...

... گئے، اور پھر اُس کے نزدیک دوبارہ پہنچ گئے۔ ... " لانچ والے نے کہا۔

میں نے فوراً حامی بھرلی۔

... نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا جو قریب ہی موجود تھا۔ ... والا اُس سے مخاطب ہوا" تم انھیں لانچ تک

لے جاؤ!" پھر وہ میری طرف متوجہ ہو کر بولا "میں ایسے شخص کو لانچ پر بھیجتا ہوں جو گرد و نواح سے بخوبی واقف ہے۔ اگر اطراف میں واقعی کوئی جزیرہ ہے تو وہ آپ کو وہاں تک لے جائے گا"

میں کچھ نہ بولی اور خاموشی سے لانچ والے کے ساتھی کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ رضوان میرے ساتھ ساتھ ہی اُس سنہرے بالوں والے نوجوان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا جسے لانچ والے نے ہمارے ساتھ کیا تھا۔

"لانچ والے کا سلوک کچھ مشکوک لگ رہا ہے" رضوان آگے بڑھتے ہوئے مدّھم لہجے میں بولا۔ یہ جملہ اُس نے اردو میں ادا کیا تھا تاکہ سنہرے بالوں والا اُس کی بات نہ سمجھ سکے۔

"یہ بات میں نے بھی محسوس کی تھی" میں نے بھی اردو میں جواب دیا۔ "ایٹال ٹو کے ذکر پر وہ کچھ بے چین سا نظر آنے لگا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ پیٹر نے اپنی حفاظت کے خیال سے کچھ افراد یہاں ساؤتھ انڈ پر بھی چھوڑ دیے ہوں تاکہ وہ لوگوں پر نظر رکھ سکیں۔ لانچ والا اُس کا آدمی بھی ہوسکتا ہے"

"کہیں ہم نے اُس سے لانچ کرائے پر لے کر غلطی تو نہیں کی؟" رضوان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"کیا کہا جاسکتا ہے!" میں لاپروائی سے بولی "خطرہ تو ہر قدم پر پیش آسکتا ہے"

لانچ کے ڈرائیور سے ہمیں کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا کیونکہ ہم دو تھے اور وہ تنہا! وہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔

لانچ نئی اور کافی بڑی تھی۔ ہمیں لانچ تک پہنچے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اُس کا ڈرائیور بھی آگیا۔ اُس کی عمر چالیس سے زیادہ نہیں تھی اور چہرے سے ... ایک آدمی معلوم نہیں ہوتا تھا۔

... جلد ہی ہماری لانچ روانہ ہوگئی اور اُسی وقت میں ... ایک ہیلی کوپٹر کو فضا میں چکر لگاتے ہوئے دیکھا۔ رضوان کی نگاہ بھی آسمان کی طرف اُٹھ گئی۔

"یہ ہیلی کوپٹر کافی دیر سے چکر لگا رہا ہے" رضوان نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا "یہ قریب آئے تو آپ ذرا اِس پر درج حروف پر غور کیجیے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہم اِس سے پہلے بھی ایک ہیلی کوپٹر پر یہی حروف دیکھ چکے ہیں"

میں نے رضوان کی بات سن کر ہیلی کوپٹر کو غور سے دیکھا ... کافی نیچی پرواز کر رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ قریب آیا تو میں نے اُس پر بنے ہوئے سفید حروف اور ہندسے پڑھے۔ وہ مجھے بھی آشنا سے لگے اور پھر مجھے فوراً یاد آگیا کہ میں نے پہلے کہاں ایسے حروف و ہندسے لکھے ہوئے دیکھے تھے۔ یقیناً وہ حروف اور ہندسے وہی تھے جو اُس ہیلی کوپٹر ... تھے جو چارلس کیلی نے ہمیں ایک فلم میں دکھائے تھے۔ اُس فلم میں رفیہ ... ہیلی کوپٹر پر

سوار تھی اور اُس ہیلی کوپٹر کو حادثہ پیش آ گیا تھا۔ فلم میں وہ ہیلی کوپٹر ایٹال ٹو پر گرتا ہوا دکھایا گیا تھا۔ میں نے یہ بات بھی محسوس کی کہ ہندسوں میں تھوڑا سا فرق ضرور تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ جولس کسلی کے پاس ایک سے زیادہ ہیلی کوپٹر ہیں۔" میں نے رضوان سے کہا۔

"کیا یہ ہیلی کوپٹر ہماری نگرانی کر رہا ہے؟" رضوان دبی زبان میں بولا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا کیونکہ بظاہر ایسا ہی نظر آ رہا تھا۔ ہم ساؤتھ انڈ سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو پتا چلا کہ دور ساحل سے ایک لانچ اور روانہ ہوئی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ خیال آیا کہ وہ لانچ ہمارے پیچھے ہی آئے گی لیکن جب وہ لانچ تھوڑی دور ہماری سمت سفر کر کے ایک طرف مڑ گئی تو میرے خیال کی تردید ہو گئی۔

اب ہیلی کوپٹر بھی ہم سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ بظاہر یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ساؤتھ انڈ پر ہی چکر لگاتا رہے گا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی!" رضوان بولا۔

"ہمیں اپنا اندازِ فکر بدلنا پڑے گا۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

جب دشمن کی جانب سے کوئی خلافِ توقع حرکت ہوتی ہے تو مجھے تشویش لاحق ہو جاتی ہے۔ اس کا واضح مطلب یہی ہوتا ہے کہ دشمن توقع سے زیادہ تیز اور چالاک ہے۔ ہم نے یقیناً اُسے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ ایسے دشمن سے کسی بھی لمحے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ میری تشویش کا سبب یہی تھا۔

ہم ساؤتھ انڈ سے کافی دور نکل آئے تھے مگر ایٹال ٹو کے آثار دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں لانچ کے ڈرائیور کی طرف بڑھی اور جب میں نے اُس کے نزدیک جا کر سمت بتانے والے آلے کو دیکھا تو مجھے غصہ آ گیا۔

"تم اُس سمت نہیں جا رہے جو میں نے تمھیں بتائی تھی۔" میں لانچ ڈرائیور پر برس پڑی۔

"اوہ! غلطی ہو گئی۔" لانچ ڈرائیور مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ "میں ابھی رخ بدل لیتا ہوں۔"

اُس کے مؤدبانہ لہجے نے مجھے قطعی متاثر نہیں کیا کیونکہ میں نے اُس کی بھوری آنکھوں میں شرارت ناچتے دیکھ لی تھی۔ اُس نے اسٹیرنگ وھیل گھما کر لانچ کا رخ تبدیل کیا مگر وہ لانچ اب بھی اُس سمت نہیں جا رہی تھی جدھر میں اُسے لے جانا چاہتی تھی۔

"سمت اب بھی درست نہیں ہوئی۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں اب ٹھیک ہے۔" لانچ ڈرائیور نے جواب دیا اور اطمینان سے سامنے کی طرف دیکھتا رہا گویا اُسے کوئی پروا نہ ہو۔

رضوان بھی میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ صورتِ حال کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ میں نے اُسے اشارہ کیا۔ اشارہ ملتے ہی وہ لانچ ڈرائیور کی طرف بڑھا۔ ہم اُس کو قابو میں لینا چاہتے تھے لیکن وہ ہم سے زیادہ ہوشیار ثابت ہو رہا تھا۔ رضوان کی زد میں آنے سے پہلے ہی اُس نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ وھیل سنبھالا اور دوسرے ہاتھ میں ریوالور تھامے ہمیں گھور رہا تھا۔

"یہ برطانیہ ہے۔ یہاں تم ہمیں قتل کر کے بچ نہیں سکتے۔" میں بڑے اطمینان سے بولی۔

"میں تم دونوں کو قتل کرنا بھی نہیں چاہتا۔"

"تو پھر یہ ریوالور فضول ہے۔ تم گولی چلا نے کی ہمت نہیں کر سکتے۔" میں نے کہا۔

"آزما کر دیکھ لو!" اُس نے چیلنج کیا۔ انداز ایسا تھا جیسے ہمیں خوفزدہ کر دینا چاہتا ہو۔ "مانا کہ میں تم دونوں کو قتل بھی کر دوں تو بھی تمھاری لاشیں سمندر میں پھینک کر خود کو اِس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ تم مجھے کوئی نقصان پہنچا سکو۔ میرے پاس ریوالور کا لائسنس موجود ہے جو اِسی لیے ملا ہے جب کسٹمر دست درازی پر آ جائیں۔"

میں نے رضوان کی جانب دیکھا۔ وہ کسی موقع کے لیے میرے ہی اشارے کا منتظر تھا۔

"تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میرا باس سکون کے ساتھ تم سے چند سوالات کرنا چاہتا ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"تو کیا تم ہمیں اپنے باس کے پاس لے جا رہے ہو جو ایٹال ٹو پر رہتا ہے؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا کیونکہ یہ گتھی بخود حل ہو رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اُس نے جس شخص کے لیے باس کا لفظ استعمال کیا تھا، وہ پیٹر کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

"نہیں!" وہ بولا۔ "میرے باس کی اور تمھاری ملاقات ایک ویران ساحل پر ہوگی۔"

"کیا ہمارے بعد ساؤتھ انڈ سے روانہ ہونے والی وہ لانچ تمھارے باس ہی کی تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"غالباً!" اُس نے جواب دیا۔

میں نے کچھ کر گزرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور رضوان کو اشارہ کیا کہ اُس کے باس سے بات کر ہی لی جائے۔ پتا لگانے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ رضوان نے بھی میری رائے سے اتفاق کا اظہار کیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

لانچ اب ایک طرف مڑنے لگی تھی اور اب میں ہیلی کوپٹر کے پیچھے جانے والی لانچ کو بھی پہچان گئی تھی۔ لانچ ڈرائیور نے اُسی لانچ کا پیچھا شروع کر دیا۔ اُس کے تھوڑی دیر بعد ہی ہمیں اندازہ ہو گیا کہ وہ لانچ اب ساحل پر پہنچنے والی تھی۔ ساحل قریب آیا تو ہم نے وہاں کچھ دور کھڑے ہوئے دیکھا۔ لانچ ساحل سے دور رُک گئی کیونکہ وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اُس سے آگے لانچ کیچڑ میں دھنس جاتی۔ وہاں لانچ کو ساحل تک لے جانا ممکن نہیں تھا۔ وہاں دور دور تک ریت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ نگاہ زیادہ دور تک جا بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ علاقہ ہموار نہیں تھا اور اُس پر اُگی ہوئی سرکنڈوں کی جھاڑیاں رکاوٹ کا باعث بن رہی تھیں۔ بظاہر وہ علاقہ ویران تھا لیکن کبھی کبھی کسی موٹر کی آواز سنائی دے جاتی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کہیں قریب ہی کوئی راستہ موجود تھا جس پر گاڑیاں چلتی تھیں۔

ہماری لانچ دوسری لانچ کے قریب جا کر رُک گئی۔ اُس لانچ میں کُل تین افراد تھے۔ وہ تینوں ہی اپنے لباس اور وضع قطع سے خوش پوش نظر آ رہے تھے۔ ہمارے لانچ ڈرائیور نے ہمیں دوسری لانچ پر جانے کا اشارہ کیا۔ ریوالور اب تک اُس کے ہاتھ میں تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ اُس دوسری لانچ میں پیٹر نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ تینوں مجھے اور رضوان کو پیٹر تک لے جائیں گے۔ پیٹر شاید کہیں اور ہوگا۔

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم دوسری لانچ پر چلے جائیں۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے رضوان کو چلنے کا اشارہ کیا۔ فی الحال میں نے خود کو حالات کے دھارے پر بہنے دیا۔ مجھے یقین تھا کہ ہم اب پیٹر کے پاس لے جائے جائیں گے۔

اُس لانچ کا ڈرائیور ہمیں اپنی لانچ میں اُترتے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہم اُس کے قریب پہنچے تو ہمارے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بولا۔ "تم لوگ ایٹال ٹو میں کیوں دلچسپی لے رہے ہو؟"

"میری بہن رضیہ مسٹر پیٹر کی مہمان ہے۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اُس نے سختی سے کہا۔

"کیا تم اپنی بات کو ثابت کر سکتے ہو؟" میں نے کہا۔

"مجھے اِس کی کوئی ضرورت نہیں کہ میں اپنی بات کا ثبوت پیش کروں!" لانچ ڈرائیور نے جواب دیا۔ پھر چند لمحے اپنی نیلی نیلی آنکھوں سے میرے چہرے کا جائزہ لے کر دوبارہ بولا۔ "مسٹر پیٹر بہت نیک دل انسان ہیں۔ اُنھوں نے مجھے یہ ذمے داری سپرد کی ہے کہ میں لوگوں کو ایٹال ٹو سے دور رکھنے کی کوشش کروں لیکن اگر اِس کے باوجود بھی کوئی ایٹال ٹو پر قدم رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ زندہ نہیں بچتا۔ مسٹر پیٹر کو ایسی بے مقصد موت سے دُکھ پہنچتا ہے۔ اُنھوں نے اِسی لیے ہر ممکن احتیاط روا رکھی ہے کہ بے مقصد خون نہ بہے۔"

"اگر تم مسٹر پیٹر سے رابطہ قائم کر سکو تو اُنھیں میری جانب سے یہ پیغام پہنچا دینا کہ مجھے ایٹال ٹو سے دور رکھنے کی صرف ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ کہ میری بہن کو مجھ تک پہنچا دیا جائے۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"مسٹر پیٹر کے پاس تمھاری بہن نہیں ہے۔" لانچ ڈرائیور نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"تم یہ بات اِتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو؟" اِس بار میری بجائے رضوان نے لانچ ڈرائیور کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"تم میں سے کوئی ایک مجھ سے بات کرو!" لانچ ڈرائیور درشت لہجے میں بولا۔

"رضوان! تم کچھ دیر صبر کرو!" میں نے اُس سے اردو میں کہا۔ "ممکن ہے کہ اِس سے کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔" یہ کہہ کر میں لانچ ڈرائیور سے مخاطب ہوئی۔ "میرا ساتھی اب خاموش رہے گا مگر اِس نے جو سوال کیا ہے، اُس کا جواب میں بھی چاہوں گی۔" میرا لہجہ کسی قدر نرم تھا۔

"میں نے جو کچھ کہا تھا، کسی یقین ہی کے سبب کہا تھا۔" لانچ ڈرائیور چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "بہر حال تم لوگ اِس یقین کا سبب جاننا ہی چاہتے ہو تو سنو کہ میرا بھائی ایٹال ٹو پر محافظوں کا نگران ہے۔ اگر جزیرے پر کوئی مہمان آتا ہے تو وہ مجھے اِس کی اطلاع ضرور دیتا ہے حالانکہ ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔ وہ مجھ سے کل ہی مل کر گیا ہے مگر اُس نے کوئی ایسی بات نہیں کی کہ مسٹر پیٹر کے پاس کوئی لڑکی مہمان ہے۔"

لانچ ڈرائیور کی بات میں وزن تھا۔ میں نے اُس کے لہجے سے بھی اندازہ لگایا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ اگر حالات کچھ اور ہوتے تو شاید میں اُس کی بات پر یقین کر لیتی لیکن رضیہ کو تو خود گزشتہ دن میں نے اپنی آنکھوں سے ٹیلی وژن اسکرین پر دیکھا تھا اور اُس سے گفتگو کی تھی۔ میں ایسی صورت میں یہی سوچ سکتی تھی کہ لانچ ڈرائیور ایک اچھا اداکار ہے۔ اُسے جو کردار سونپا گیا ہے، وہ اُس کردار کو بخوبی نبھا رہا ہے۔

میں نے چند لمحے توقف کے بعد اُسے مخاطب کیا۔ "اچھا تو پھر تم اپنے باس

کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ وہ مجھے ملاقات کا موقع ضرور دے۔ میں تنِ تنہا ایٹال ٹو پر جانے کے لیے تیار ہوں۔"

"یہ بھی ممکن نہیں!" اُس نے فوراً جواب دیا۔ "مسٹر پیٹر کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ وہ اپنی بقیہ زندگی سکون سے گزار دینا چاہتے ہیں لیکن اُن کا سابق شریکِ کار چارلس کیلی اُنھیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ تمھارے بارے میں تو میں ہرگز اِس طرح کی سفارش نہیں کر سکتا۔"

"میرے سلسلے میں خاص طور پر ایسا کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"کیونکہ تمھارے اردگرد ایسے لوگ موجود ہیں جو پہلے بھی ایٹال ٹو پر حملہ آور ہو چکے ہیں اور کافی جانی نقصان اُٹھا کر پیچھے ہٹ چکے ہیں۔ میں اِن حالات میں اِس بات کا یقین کیسے کر سکتا ہوں کہ تمھارا اُن لوگوں سے کوئی تعلق نہیں!"

"میں ایٹال ٹو پر جانے کا ارادہ کر چکی ہوں اور مجھے کوئی میرے ارادے سے نہیں روک سکتا!" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اگر تم اپنے ارادے سے باز نہ آئیں تو پھر تمھاری قبر ایٹال ٹو ہی پر بنے گی۔" لانچ ڈرائیور نے پُر یقین اور چبھتے ہوئے لہجے میں میری بات کا جواب دیا۔

"اب بولو کیا ارادہ ہے؟" میں نے لانچ ڈرائیور کو مخاطب کیا اور اسی کے ساتھ کسی بھی قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار ہو گئی۔ میں نے رضوان کو بھی چوکنا رہنے کا اشارہ کر دیا۔

لانچ ڈرائیور نے میری بات کا کوئی جواب دیے بغیر مڑ کر اپنے دونوں ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ میں چوکنا ہو گئی مگر اُس کے ساتھی میری یا رضوان کی طرف نہیں بڑھے۔ اُنھوں نے لانچ ہی میں ایک طرف پڑا ہوا بڑا سا تختہ اُٹھایا۔ تختے کے سرے پر آہنی کھانچا بنا ہوا تھا۔ اُس کھانچے میں ایک اور لمبا تختہ جوڑا گیا، پھر اُن دونوں تختوں کو لانچ سے نیچے لٹکا دیا گیا۔ تختوں پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے لکڑی لگی ہوئی تھی جو اتنی اُبھری ہوئی تھی کہ اُس پر قدم جمائے جا سکتے تھے۔ اِس طرح ایک سیڑھی سی بن گئی تھی جو لانچ سے کافی دُور ریت میں ٹِک گئی تھی۔

"تم دونوں اِن تختوں کے ذریعے نیچے اُتر جاؤ!" معاً لانچ ڈرائیور نے مجھے اور رضوان کو مخاطب کیا۔ "اگر تم دونوں اپنے جوتے اُتار کر ہاتھوں میں لے لو تو صرف تمھارے پاؤں ٹخنوں تک بھیگیں گے۔"

"گویا ہمیں یہاں تنہا چھوڑ دیا جائے گا! اِس سے مسٹر پیٹر کو کیا فائدہ ہو گا؟" رضوان نے دوبارہ لانچ ڈرائیور کو مخاطب کر ہی لیا کیونکہ اب وہ گفتگو ختم ہو چکی تھی جو میرے اور لانچ ڈرائیور کے مابین ہو رہی تھی۔ رضوان کے لہجے میں طنز تھا۔

"اِس معاملے میں مسٹر پیٹر کی خواہش کو کوئی دخل نہیں۔ یہ خود میرا

فیصلہ ہے۔ اِس کا مقصد تمھیں تم ...
لانچ ڈرائیور بولا۔ "ممکن ہے اِسی ...
ایٹال ٹو سے دُور رہنے ہی میں ...
بھی زیادہ دُور نہیں۔ تم لوگوں کو کو ...
اِس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ تمھا ...
کیونکہ ایک ہیلی کوپٹر تے یہاں تک ہمارا ...
لانچ ڈرائیور خاموش ہو گیا۔ آخری جملہ ...
میں چبھن تھی۔

میرے اور رضوان کے پاس اِس ...
بات مان لیں۔ ہم نے ایک دوسرے کی ...
ہی لمحے ہم لانچ سے تختوں پر اُتر رہے تھے۔ ہم ...
بھی نہ سمجھی تھی۔ ہم جہاں تختوں پر سے اُترے ...
جوتوں سے اوپر جا رہا ...

ہم تختوں سے جیسے ہی کنارے ...
دیگرے دونوں لانچیں اسٹارٹ ہوئیں اور ...
گئیں۔ شاید اُن کا رُخ ساؤتھ انڈمنز کی طرف ...
اب یہی ممکن تھا کہ ہم سڑک پر پہنچ کر کسی ...
کرتے لیکن اِس کی ضرورت پیش نہیں آئی کیو ...
خود ہمیں تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے تھے ...

وہ تین آدمی تھے جن میں سے دو کے ...
ایک خالی تھا۔ خالی ہاتھ والے شخص کو میں نے د ...
اُسے وہاں دیکھ کر کوئی تعجب نہیں ہوا نہ مجھے رضوان ...
کے آثار نظر آئے۔ میں ذہنی طور پر اُس کی آمد کے ...
یہی حال رضوان کا تھا ورنہ وہ ضرور چونکتا۔

وہ تیسرا شخص بن یعقوب تھا جو ہر وقت ہمارے ...
میں اُسے اپنے ساتھ پُرخلوص سمجھنے پر آمادہ نہیں تھی ...
نیت کا علم تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اسرائیلی ایجنٹ تھا ...
"عجیب اتفاق ہے کہ ہماری دوسری ملاقات ...
میں ہو رہی ہے۔" بن یعقوب نے میری طرف ہاتھ بڑھا ...
میں نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ اگر دشمن بھی میری ...
بڑھائے تو یہ میری عادت ہے کہ میں اُسے مایوس نہیں کر ...
بن یعقوب بظاہر دوست ہی تھا۔ بن یعقوب نے مجھ ...
طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا لیکن رضوان کے چہرے پر اطمینا ...
"مجھے توقع نہیں تھی کہ یہاں آپ سے ملاقات ہو گی ...
گفتگو کا آغاز کیا۔

... کو شاید اِس کی ضرورت نہ ہوتی۔"

... ی کے مالک کا نام تھا جس کی لانچ میں نے

... ب نے اپنی بات دوبارہ شروع کی۔ "پہری
... وہ پہلے بھی میرے ایک آدمی کو یہیں چھوڑ
... کتے ہیں کہ جزیرے پر موجود ملازموں
... ں ہوئی۔"

"میں نے بن یعقوب کی بات میں دلچسپی ...

... نام؟" بن یعقوب نے طویل سانس لے کر کہا۔
... جزیرے تک پہنچنا ممکن ہو۔ اُسے جزیرے
... یا ہے مگر میں یہ تمام باتیں تفصیل سے بتاتا
... آپ میری باتیں نہ سمجھ سکیں۔ آپ یہاں سے میرے
... کو ایٹال ٹو کی طرف لے جاؤں گا۔ آپ فضا
... ل اُس کے بعد میں آپ کو اپنی رہائش گاہ پر
... ں گا۔"

... ں میں تھی اِس لیے میں نے اُس کی پیشکش قبول کر
... لیا گیا تھا۔ ہمیں اُس جگہ تک پیدل جانا پڑا۔ بن یعقوب
... سنبھالا اور پھر خود پائلٹ کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اُس
... افراد کے بیٹھنے کی جگہ تھی اِس لیے بن یعقوب نے
... موڑ دیا۔ ہیلی کوپٹر فضا میں بلند ہو کر آگے بڑھنے لگا۔
... سلسل پرواز کے بعد مجھے دُور ایک جزیرے کے آثار
... منٹ بعد ہیلی کوپٹر اُس جزیرے کے بالکل اوپر
... ا رہی تھی۔

"... سے مزید قریب ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔
... میں اُوپر ہی اُوپر اِس جزیرے پر چکر لگاؤں گا۔
... ہونے میں خطرہ ہے کہ خودکار دفاعی نظام حرکت میں آ
... جزیرے پر موجود توپوں کی گولہ باری کا نشانہ بن جائے

... جزیرے کے کئی چکر لگائے۔ اُس نے کئی بار ہیلی کوپٹر
... جزیرے کے بعض حصوں کی تفصیل بتائی۔ اُن حصوں
... ی حصہ بھی تھا۔ سمندر کی جانب سے اُس پہاڑی سلسلے
... تی کیونکہ اُس طرف چٹانیں بالکل سیدھی اوپر کی طرف
... ں۔ وہ چٹانیں اتنی بلند تھیں کہ اُن پر کمندیں ڈال کر

جڑھنا بھی ممکن نہیں تھا۔

بن یعقوب نے مجھے پھر مخاطب کیا۔ "ہمارا خیال تھا کہ اِس حصے کی طرف دفاعی نظام بہتر نہیں ہو گا کیونکہ اِس طرف سے جزیرے پر پہنچنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہی سوچ کر میں نے اپنی ایک پارٹی کو ہیلی کاپٹر کی مدد سے پہاڑی پر اُتارنا چاہا لیکن جیسے ہی ہیلی کوپٹر پہاڑیوں کی اوٹ سے نکل کر ذرا بلند ہوا، جزیرے کی طرف سے شدید گولہ باری شروع ہو گئی اور وہ ہیلی کوپٹر چند ہی منٹوں میں میرے آدمیوں سمیت تباہ ہو گیا۔" یہ کہہ کر بن یعقوب خاموش ہو گیا۔ ہیلی کوپٹر مزید آگے بڑھا اور بن یعقوب دوبارہ بولنے لگا۔ اُس نے جزیرے کے وسط میں بنی ہوئی ایک عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ "اگر ہم کسی طرح اِس عمارت تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر تمام جزیرہ ہمارے رحم و کرم پر ہو گا کیونکہ خودکار دفاعی نظام کہیں اور نہیں ہے۔ اِس نظام کا بیشتر حصہ زیرِ زمین ہے تاکہ جزیرے پر گولہ باری کی صورت میں اُسے نقصان نہ پہنچ سکے۔"

"آخر پیٹر کو یہ ساری زحمت اُٹھانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"اُس نے ہماری حکومت سے ایک سودا کیا تھا۔ اپنے دفاعی نظام کا عملی مظاہرہ کرنے اور اُس کی برتری کا اظہار کرنے کی غرض سے اُس نے چھوٹے پیمانے پر اِس جزیرے کو استعمال کیا تھا تاکہ وہ ہم سے معقول رقم لے کر سودے کی تکمیل کے لیے راضی ہو سکے مگر نہ جانے ایک دم اُسے کیا ہوا کہ وہ سودے سے منحرف ہو گیا اور پھر کسی قیمت پر ہم سے بات کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ چارلس کیلی کا کہنا ہے کہ اگر ہم اُس تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ پیٹر کو دوبارہ سودا کرنے پر مجبور کر دے گا۔"

بن یعقوب کی بات سُن کر میں پیٹر کے بارے میں سوچنے لگی۔ اُس کا رویّہ میری سمجھ سے باہر تھا۔ آخر اُس نے اسرائیلیوں سے کیوں نگاہ پھیر لی تھی؟ کیا اُس نے کسی عرب ملک سے سودا کر لیا تھا؟ میں نے سوچا لیکن اگر ایسا ہوتا تو اِس بات کا علم اسرائیلیوں کو ضرور ہو جاتا۔ میں جانتی تھی کہ اسرائیلی ایجنسی کو امریکی اور برطانوی انٹیلی جینس کی حمایت حاصل تھی۔ ایسی صورت میں کسی بھی معاہدے کو راز میں رکھا جانا قطعی ممکن نہیں تھا۔ پھر کیا راز تھا جو پیٹر اچانک اپنے وعدے سے پھر گیا؟

اِن تمام باتوں کے علاوہ میرے لیے یہ بات بھی اُلجھا دینے والی تھی کہ پیٹر ایٹال ٹو پر رقیہ کی موجودگی سے انکار کر رہا تھا جبکہ خود اُسی نے ٹو ڈی ٹی وی پر رقیہ سے میری ملاقات کرائی تھی۔

پیٹر کو سمجھنے کے لیے بھی بہرحال اُس سے ملاقات کرنا ضروری تھا، چاہے ایٹال ٹو پر جانا کتنا ہی خطرناک کیوں نہ ہو!

جزیرے کا جنوبی حصہ دلدلی تھا۔ اُس طرف اشارہ کرتے ہوئے بن یعقوب

ے کہا۔ "اِس طرف سے ہم نے جزیرے پر کمانڈو ریڈ کی تھی جو جزیرے پُراسرار طریقے پر ناکام ہو گئی۔"

"پُراسرار طریقے پر؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں!" بن یعقوب بولا۔ "اُس ریڈ میں حصّہ لینے والے بیشتر کمانڈوز جزیرے ہی پر رہ گئے۔ اُن میں سے صرف دو تین خوش قسمت لوٹے جن کے بیانات بہت حیرت انگیز تھے۔ اُنھوں نے بتایا کہ جزیرے کے اُس حصّے میں بہت سے [illegible] جو اُن کے ساتھیوں سے لپٹ گئے اور انھوں نے منٹوں میں اُن کے ساتھیوں کو گلا گھونٹ کر مار دیا۔"

"بھوتوں نے گلا گھونٹ کر مار دیا؟" رضوان بھی اِس بار بول اُٹھا۔

"غالباً وہ اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہوں گے۔"

"مجھے پہلے خود بھی اُن کے بیانات پر یقین نہیں آیا تھا اور میں بھی یہی سمجھا تھا کہ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں مگر میرے آدمی بہت تجربے کار اور تربیت یافتہ تھے۔ وہ عام فوجیوں سے لڑتے ہوئے کبھی اس طرح ہلاک نہیں ہو سکتے تھے۔ اُن کا واسطہ یقیناً کسی قسم کی غیر معمولی قوت سے ہوا تھا۔ جو تین آدمی جزیرے سے زندہ لوٹے تھے، وہ اپنے ایک ساتھی کی لاش بھی ساتھ لائے تھے۔ اُس لاش کے معائنے سے پتا چلا کہ مرنے والا دم گھٹنے سے ہی مرا تھا مگر اُس کے جسم پر کسی قسم کا نشان نہیں پایا گیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اُس کی گردن پر بھی انگلیوں کے دباؤ سے کوئی نشان نہیں پڑا تھا حالانکہ گلا گھونٹے جانے کی صورت میں ایسا ہونا لازمی تھا۔" بن یعقوب نے تفصیل سے بتایا۔

بن یعقوب کی بات سُن کر رضوان کے چہرے سے شدید حیرت کا اظہار ہونے لگا۔ خود میں بھی ایک عجیب سنسنی خیز کیفیت سے دوچار تھی۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ میں بھی جزیرے کے اُس حصّے کو جا کر دیکھوں۔ میں سمجھ چکی تھی کہ جن سبز بھوتوں کا ذکر بن یعقوب نے کیا ہے، وہ کوئی پُراسرار وجود ہونے کی بجائے جدید سائنس کی کوئی حیرت انگیز ایجاد ہوں گے۔

جزیرے کا فضائی جائزہ لینے کے بعد ہیلی کوپٹر کا رُخ ساؤتھ انڈ کی طرف ہو گیا۔

بن یعقوب نے ساؤتھ انڈ ہی میں ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ وکٹورین طرز کا ایک مینشن اُس نے کرائے پر لے رکھا تھا جو آبادی سے ذرا الگ واقع ہوا تھا۔ اُس مینشن کے اِردگرد سرسبز و شاداب گھاس کے میدان تھے۔ ہیلی کوپٹر ایک ہرے بھرے میدان ہی میں اُترا تھا جو مینشن کے پائیں باغ ہی کا حصّہ معلوم ہوتا تھا۔

اُس عمارت میں داخل ہوتے ہی ایک دردناک چیخ سُن کر میں چونک اُٹھی۔ بالکل یوں معلوم ہوا تھا جیسے کسی شخص کے گلے پر چھری پھیری جا رہی ہو اور وہ شخص دمِ آخر چیخ رہا ہو۔

"یہ چیخ کیسی تھی؟" میرے اور رضوان [illegible] الفاظ نکلے۔ ہم دونوں ہی کا مخاطب بن [illegible]

"ہمارے آدمیوں نے کچھ دشمنوں کو پکڑا [illegible] چاہ رہے ہیں مگر شاید ابھی اپنی کوشش میں کا[illegible] دشمن بڑے سخت جان ثابت ہوتے ہیں [illegible] تاکہ اُن کے دوسرے ساتھی محفوظ رہیں [illegible]

مجھے اِس موقع پر لیلیٰ کمال کا خیال آیا [illegible] کے ساتھیوں میں سے ہو سکتے تھے جو بدقسمتی سے [illegible] ہوں گے۔

"چیخنے والا غالباً کوئی فلسطینی ہے؟" رضوان [illegible] کو مخاطب کیا۔

"ممکن ہے!" بن یعقوب نے لاپروائی سے [illegible] یہ نہیں پوچھا کہ دشمنوں کا تعلق کہاں سے ہے؟ ہم [illegible] ہیں اور اُن کی قومیت کے بارے میں فکرمند نہیں [illegible]

بن یعقوب کے خاموش ہوتے ہی ایک بار پھر [illegible] رضوان جذباتی نظر آنے لگا۔ وہ بولا۔ "اِس [illegible] لینا کم از کم میرے لیے دشوار ہے۔"

"تمھیں یہاں بلانے کی مجھے کوئی ضرورت بھی نہیں [illegible] بولا۔ "مجھے صرف مس بانو سے گفتگو کرنا تھی۔ میرا آدمی تمھیں [illegible] لے جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، اگر تمھیں میرے ساتھی کی موجودگی [illegible] تو پھر میں بھی یہاں رُکنا پسند نہیں کروں گی۔" میں [illegible] سامنے فلسطینیوں پر ظلم ہوتا برداشت نہیں کر سکتے۔"

بن یعقوب نے مجھے اور رضوان کو باری باری گھو[illegible] سرد مہری سے بولا۔ "مجھے خود بھی آپ لوگوں سے دوستی کی [illegible] ہے۔ ہم محض مجبوراً ایک چھت کے نیچے جمع ہو گئے ہیں۔ میں [illegible] ایک خاص مقصد سے لایا تھا۔ میں آپ کو کچھ دکھانا چاہتا [illegible] صرف چند منٹ لگیں گے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھی کی جانب [illegible] زبان میں اُس سے کچھ کہا۔

اُس کے ساتھی نے اثباتی انداز میں سر ہلایا اور خاموشی [illegible] چل دیا۔

"جب تک تم لوگ یہاں ہو، چیخیں سُنائی نہیں دیں [illegible] سرد لہجے میں بولا اور زینے کی طرف بڑھنے لگا جو اُس بڑے [illegible] کے وسط میں واقع تھا۔ زینہ گولائی میں بل کھاتا ہوا اوپر کو [illegible]

[illegible]ون کا ہاتھ تھاما اور بن یعقوب کے پیچھے چل [illegible] میری طبیعت بھی مکدر ہو گئی تھی لیکن [illegible]ت تھی کہ ہم ضرورتاً یکجا ہو گئے تھے۔ [illegible] کوئی مانع نہیں تھی بشرطیکہ اُس میں بھلائی نظر [illegible] اُس کے ساتھیوں کی ناکامی سے بہت

[illegible] ہو کر سب سے پہلے والے کمرے میں گھس [illegible] کے پیچھے تھے اور بن یعقوب کا دوسرا ساتھی [illegible] کمرہ تھا جس کی چاروں دیواروں پر بھاری [illegible]ے۔ اِن پردوں کے سبب کمرے میں مکمل تاریکی [illegible] کے قریب ہی موجود سوئچ آن کر کے بن یعقوب [illegible]یا تھا۔ روشنی ہونے کے بعد مجھے پتا چلا کہ وہ [illegible]ت سے استعمال ہوتا تھا کیونکہ مجھے ایک [illegible] رہا تھا جس کے سامنے کمرے کے وسط میں دو [illegible]تے ہوئے تھے جن میں سے ایک سولہ ایم ایم فلم [illegible]لائڈز کے لیے! مجھے اور رضوان کو بن یعقوب [illegible]وں پر بٹھا دیا۔

[illegible]ہیں پہلے ایک فلم دکھائی۔

[illegible]الے سے ٹیلی اسکوپک لینس کی مدد سے بنائی [illegible]ب نے اپنے ساتھی کو کمرے کی روشنی گل کرنے کا [illegible] فلم چلنے لگی تو بن یعقوب دوبارہ مخاطب ہوا۔ "اِس فلم میں جزیرے کے چند مقامات دکھائے گئے [illegible]ے جہاں سے لانچیں آتی جاتی ہیں۔ یہاں ایک [illegible]کھی جا سکتی ہے جس کا رابطہ ریلوے ٹریک کے [illegible]ے رہتا ہے۔ اِن راستوں پر ایک خاص قسم کی [illegible]گر آپ غور سے دیکھیں تو فلم میں بھی متحرک نظر آ [illegible] سے باندھ کر جزیرے کے باسی اِس [illegible] صرف دو ٹرالیوں پر مشتمل ہے۔ یہ ٹرالیاں [illegible]ت پاتی ہیں جب اِن میں صحیح افراد سوار ہوں۔ [illegible]نے جزیرے کے ایک محافظ کی جگہ لینا چاہی تھی [illegible]میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ گودی تک صحیح سلامت [illegible]ں کے ساتھ ایک ساتھی بھی تھا وہ اپنے ساتھ تصویر کشی [illegible]ت لے کر گیا تھا۔ اب آپ اُس کے بنائے ہوئے سلائڈز [illegible] دیکھیں کہ میرے اُس آدمی کی کیا گت بنی جو ٹرالی میں سوار ہوا تھا!"

آخری جملہ ادا کرتے ہوئے میں نے بن یعقوب کی آواز میں کرب سا محسوس کیا۔ اُسے غالباً اپنے آدمی کی موت کا بہت دُکھ تھا۔ جب میں نے سلائڈز دیکھیں تو اُس کے کرب کی وجہ میری سمجھ میں بھی آ گئی۔ اُس کا آدمی بڑی اذیت ناک موت کا شکار ہوا تھا۔

سلائڈز پروجیکٹر کے ساتھ ٹیپ بھی منسلک تھا جو اِٹالین نمبر ریکارڈ کی ہوئی آوازوں اور بن یعقوب کے تبصرے نشر کر رہا تھا۔ پہلے سلائڈ میں بن یعقوب کے ساتھی کو لانچ سے اُتر کر گودی کی طرف جاتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ دوسرا سلائڈ دکھائی دیا تو اُس کے ساتھ بن یعقوب کی ٹیپ میں موجود آواز بھی اُبھری۔ "میرے ساتھی نے جس محافظ کی جگہ لی تھی، اُس سے ٹرین کے بارے میں پوری معلومات حاصل کی تھیں۔ یہ چند سلائڈز اُسی سلسلے کے ہیں۔"

ایک سلائڈ میں ٹرالی کو دکھایا گیا جو دیوار کے ایک خلا سے نکلی ہوئی تھی۔ دیوار میں صرف اِتنا ہی خلا تھا کہ ٹرالی ہی اُس میں داخل ہو سکتی تھی۔ دوسری سلائڈ میں بن یعقوب کا ساتھی مخصوص جگہ پر اپنی دونوں ہتھیلیوں کا زور لگا کر ٹرالی کا کور کھولتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ ٹرالی کا کور اُبھرا ہوا اور کسی شفاف میٹریل سے بنا ہوا تھا۔ تیسری سلائڈ میں وہ شخص ٹرالی کے اندر بیٹھ کر اُس کے کور کو بند کر رہا تھا۔ شفاف کور کے سبب اُس کی تصویر واضح تھی۔ اِسی کے ساتھ ایک بھرائی ہوئی سی آواز سُنائی دی جو گونجدار تھی اور بن یعقوب کی آواز ہرگز نہیں تھی۔

"اسٹال ٹومرا پرائیویٹ جزیرہ ہے۔ یہاں داخل ہونے والے غیر لوگ کسی صورت میں معاف نہیں کیے جا سکتے۔" گونجدار آواز برابر سُنائی دے رہی تھی۔ "ہر قدم پر وارننگ کے پیغامات دیکھے جانے کے باوجود جزیرے پر قدم رکھنے کی کوشش معاف کی بھی نہیں جانی چاہیے کیونکہ ایسی کوئی بھی کوشش بدنیتی ہی کی مظہر ہو سکتی ہے۔"

میں پوری توجہ سے اُس آواز کو سُننے لگی اور غور سے سلائڈ کو دیکھتی رہی . . . [illegible] بند ہو چکی تھی اور سلائڈ بھی بدل گئی تھی۔

چوتھی سلائڈ میں ٹرالی پر سوار ہونے والا اُس کے کور پر مکّے برساتا ہوا دکھائی دیا۔ اِس کے ساتھ ہی وہی بھرائی ہوئی گونجدار آواز دوبارہ سُنائی دینے لگی۔ "ٹرالی پر صرف وہی لوگ سفر کر سکتے ہیں جو ایسا کرنے کی اجازت حاصل کر چکے ہوں۔ ٹرالی کمپیوٹر سے ملتی ہے اور کمپیوٹر اُن تمام لوگوں کو پہچانتا ہے جنھیں ٹرالی میں سواری کرنے کی اجازت ہے۔ غیر آدمی کے لیے ٹرالی جہنم بن جاتی ہے جس سے مفر ممکن نہیں۔ ٹرالی کا درجۂ

حرارت اب بڑھنے لگا ہے اور اُس وقت تک بڑھتا رہے گا جب تک سواری کرنے والے کا دل دھڑکتا رہے گا۔"

پانچویں اور چھٹے سلائیڈز میں اُس شخص کے کرب و اذیت کو دکھایا گیا تھا جو ٹرالی سے نکلنے کی کوشش میں لمحہ بہ لمحہ موت سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ تکلیف کی شدت سے اُس کا چہرہ بگڑ کر رہ گیا تھا۔ اُس شخص کی چیخیں ریکارڈ نہیں کی گئی تھیں لیکن میں سلائیڈز دیکھ کر محسوس کر سکتی تھی کہ مرنے سے پہلے وہ چیخا ہوگا۔

ساتویں اور آٹھویں سلائیڈز میں ٹرالی کا کور کھلا ہوا دکھایا گیا تھا۔ ٹرالی میں بدقسمت شخص کی لاش پڑی ہوئی تھی جو بُری طرح تُڑ مُڑ گئی تھی۔ مرنے والے کی کھلی ہوئی آنکھوں میں اِتنا کرب تھا کہ اُسے زیادہ دیر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

اِنہی سلائیڈز کے ساتھ بن یعقوب کی کرب آمیز آواز اُبھر رہی تھی۔

"تصویریں لینے والے نے اپنے ساتھی کو بچانا چاہا تھا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ بڑی سے بڑی ضرب بھی ٹرالی کے ڈھکنے کو نہیں توڑ سکتی تھی۔ وہ اِس کے سوا اور کرتا بھی کیا کہ اپنے ساتھی کی آخری تصویر کھینچ لیتا۔ میں بن یعقوب قسم کھاتا ہوں کہ اپنے ساتھی کی موت کا بدلہ، جزیرے کے باسیوں کی اذیت ناک موت سے لوں گا یا اِسی کوشش میں فنا ہو جاؤں گا۔"

اُس کے بعد کمرے میں روشنی کر دی گئی، پروجیکٹر آف کر دیا گیا اور کمرے کے پردے کھینچ دیے گئے۔ بن یعقوب نے اپنے ساتھی سے کافی لانے کے لیے کہا، پھر مجھے مخاطب کر کے بولا "آپ نے یقیناً اندازہ لگا لیا ہوگا کہ دشمن کتنا بے رحم ہے! پھر ہم اپنے دشمنوں سے کس طرح رعایت برت سکتے ہیں!"

"اِس بات کو رہنے دو کیونکہ اِس سے لمبی بحث چھڑ جائے گی۔" میں نے جواباً کہا۔ "پیٹر! اپنے گھر کی حفاظت کے لیے جو قدم بھی اُٹھائے، اُسے یقیناً اِس کا حق ہے۔ خاص کر جب وہ قدم قدم پر وارننگ دیتا ہے کہ اُس کے جزیرے پر قدم نہ رکھا جائے۔"

بن یعقوب مجھے گھور کر رہ گیا۔

میرے کچھ دیر بعد ہی رضوان بولا "یہودیوں پر ہٹلر کے مظالم تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن کیا ہٹلر کی زیادتیوں کا بدلہ عربوں سے لینا مناسب ہے؟ اِس وقت اسرائیلی، عربوں کے ساتھ ہٹلر جیسی حرکتیں کر رہے ہیں۔ وہ عربوں کے گھروں پر زبردستی قبضہ کر کے اُنھیں در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ جو اپنے گھروں کو چھوڑ کر نہیں بھاگے، اُن کے ساتھ انتہائی غیر انسانی سلوک کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ اُن پر بات بے بات تشدد کیا جاتا

ہے۔ یہ سراسر ظلم ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ظلم ہے لیکن ایک حد تک! ہو سکتا ہے کہ بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑے۔"

میں نے دیکھا کہ بن یعقوب پر رضوان کی باتوں کا اثر نہیں ہوا۔ اُس نے مُنہ بنا کر سرد لہجے میں کہا رہے ہیں اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔"

چند لمحوں کے لیے بڑی ناگوار اور بوجھل فضا مسلط ہو گئی۔ اِسی دوران میں بن یعقوب کا آ گیا اور اِس طرح وہ ناگوار سکوت ٹوٹ گیا۔

بن یعقوب نے کافی کی پیالی میری طرف بڑھا تقریباً ہر سمت سے ایٹال ٹو پر یلغار کر چکا ہوں برطانوی حکومت کو اعتراض نہ ہوتا تو ہم بڑے زاویوں سے ایٹال ٹو کے دفاعی نظام کو آزماتے نظام کو درہم برہم کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ پار با کر کیا نیا قدم اُٹھایا جائے! ایٹال ٹو کے ہیں۔ اُنھیں بہت لالچ دیا گیا مگر وہ کسی لالچ میں میں اب بھی کوششیں جاری ہیں۔ شاید ہم کسی ملانے میں کامیاب ہو جائیں مگر بہرحال ہم پُر یقین نے ایک تجویز پیش کی تھی۔ وہ تجویز ہم نے مان لی سلسلے میں دنیا کے ذہین ترین ایجنٹوں سے کام لیا طور پر یقین نہیں تھا کہ اِس طرح کامیابی حاصل ہو سکتی آزمانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ چارلس کیلی کو آپ اِسی لیے میں نے اپنے وسائل سے حاصل کی ہوئی کو ہم پہنچا دی ہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اگر جزیرہ نظام کو ناکام بنانے کا کوئی راستہ ہے تو میں اُسے نکالوں گا۔"

میں نے کافی کی پیالی اُٹھا کر گھونٹ لینا شروع نے کافی پینے سے انکار کر دیا۔ شاید اِس کا سبب یہ تھا پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اُسے اسرائیلیوں سے نفرت پیش کردہ کوئی شے قبول نہیں کر سکتا۔ رضوان کا ردِ عمل ایسا بن یعقوب نے اُس کی توہین کرنا چاہی تھی۔

جب رضوان نے کافی پینے سے انکار کر دیا تو بن یعقوب پر ناگواری کے آثار اُبھرے۔ وہ بولا "آپ کافی پی چکیں تو رخصت کر دوں گا۔ مجھے آپ کو اپنی چھت کے نیچے دیکھ

یہ بھی بتا دوں کہ آئندہ آپ لوگوں کی

اُٹھنے کے لیے جلدی جلدی کافی کے گھونٹ اُس سے روانہ نہیں ہو سکے۔

میں رکھتی ہی تھی کہ بن یعقوب کا ایک کر داخل ہوا۔ اُس کے چہرے سے بوکھلاہٹ قدموں سے چلتا ہوا بن یعقوب کے پاس ان میں کچھ کہنے لگا۔

ہے!" بن یعقوب دانت پیستے ہوئے بولا ساتھی کو جلدی جلدی کچھ ہدایات دینے لگا۔ ہماری طرف پلٹا اور بولا "تمھارے فلسطینی گیا ہے۔ وہ شیر کی کچھار میں گھس آئے ہیں ابھی یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جانے

فکرمندی کا اظہار ہونے لگا مگر میں اطمینان تھا کہ اُس حملے کی کمان لیلیٰ کے ہاتھ میں ہوگی اور یقین تھا۔

ہمیشہ یہ لوگ شور مچانے والے ہتھیاروں سے آج اُنھوں نے مشین گنوں کی بجائے تیر و تفنگ "بن یعقوب آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا۔

کر خاموشی سے کام کر جانے کے فوائد کا علم ہے۔ آدمیوں سے تمھارا اعتماد اُٹھ جائے گا۔" میں نے کہا۔

بت نہیں ہوا۔ تقریباً دس منٹ بعد ہی بن یعقوب نائب بھی تھا، گھبرایا ہوا کمرے میں آیا۔ اِس مرتبہ رہا تھا۔ اُس نے کمرے میں داخل ہوتے یعقوب کو مخاطب کیا۔ زبان اِس بار بھی عبرانی ہی یعقوب سے کچھ کہا جسے سن کر بن یعقوب کے چہرے غصے کے علاوہ اُس کے چہرے سے فکرمندی کا اُس نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے اپنے نائب اور پھر تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

نائب پروجیکٹر اور دوسری اشیا کو جلدی جلدی

اطمینان سے ایک پیالی میں کافی انڈیلی اور اُسے رضوان ہوئے بولی۔ "لو یہ مالِ غنیمت سمجھتے ہوئے پی

لو! یہ لوگ بھاگنے کی جلدی میں ہیں اور یہ [illegible] لے جا سکیں گے۔"

رضوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ میرے جملے سے وہ خوش ہوا تھا۔ اُس نے میرے ہاتھ سے کافی کی پیالی لے لی، اور پھر چسکیاں لینے لگا۔

چند لمحوں کے لیے خود کار اسلحہ چلنے کی آوازیں سنائی دیں، پھر ایک دم خاموشی چھا گئی۔

"چراغ کی آخری لَو!" میں نے لمبا سانس لے کر کہا۔

بن یعقوب کا نائب فلم اور سلائیڈز پیک کر کے کمرے سے چلا گیا۔

میں نے اپنی پیالی میں مزید کافی انڈیلی اور آہستہ آہستہ چسکیاں لینے لگی۔

چند منٹ بعد ہیلی کوپٹر کے اُڑنے کی آواز سنائی دی، اور پھر کچھ دیر بعد ہی کسی نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ چند لمحے کھلے دروازے سے کوئی اندر نہیں آیا۔

"کوئی خطرہ نہیں ہے، اندر آ جاؤ!" میں نے جلدی سے بلند آواز میں کہا۔

اندر آنے والے نے غالباً میری آواز سن کر بھی احتیاط کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ چند لمحے اور گزرے، پھر کوئی انتہائی تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ پہلے اُس نے ایک طرف قلابازی کھائی، پھر لڑھک کر دوسری جانب گیا، اور پھر آہستہ آہستہ فرش سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں چمکدار پھل والا چاقو اور دوسرے ہاتھ میں ایک ریوالور تھا۔

"خبردار!" وہ تیز لہجے میں بولا "حرکت نہ کرنا!" اُس نے الفاظ انگریزی میں کہے تھے۔

یقیناً عرب تھا اور تربیت یافتہ لڑاکا معلوم ہوتا تھا۔

اُس کی طرف دوستانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا "ہم دوست ہیں۔"

"دوستوں کا یہاں اِس عمارت میں کیا کام؟" فلسطینی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"دوست بہرحال دوست ہوتے ہیں چاہے وہ کہیں ملیں۔" مجھ سے پہلے رضوان بول اُٹھا۔

"دشمنوں سے ملنے والے دوستوں پر ہم اعتبار نہیں کرتے۔" فلسطینی بدستور ترش لہجے میں بولا۔

"تمھارا لیڈر کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"تھوڑی دیر میں ہم سب اِسی کمرے میں جمع ہوں گے اور اُن میں ہمارا لیڈر بھی ہوگا۔"

فلسطینی نے غلط نہیں کہا تھا۔ ایک ایک کر کے وہ سب وہیں جمع ہو گئے۔ لیلیٰ کمال سب سے آخر میں آئی۔ اُس نے مجھے دیکھا اور مسکرائی مگر

گلے ملنے کے لیے آگے نہیں بڑھی۔

کمرے میں موجود چار دو کرسیاں ایک جانب رکھ دی گئیں۔ میں، رضوان اور دو فلسطینی اُن کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ باقی تمام افراد ہمارے سامنے قالین پر بیٹھ گئے، اور یوں وہ عدالت لگی جس کے سامنے میری اور رضوان کی حیثیت مجرموں جیسی تھی۔ اِس بات کا اندازہ مجھے کچھ دیر ہی میں ہو گیا تھا۔

سب سے پہلے لیلیٰ نے کھڑے ہو کر مختصر سی تقریر کی جس میں اُس نے میرا اور رضوان کا تعارف کرایا، پھر بولی: "آج ہم نے جو کامیابی حاصل کی ہے اُس میں محترمہ بانو کا بھی ہاتھ ہے۔ اِنھوں نے ہی مجھے یہ بات سمجھائی تھی کہ اگر خاموشی سے کام نکل سکتا ہو تو ہنگامہ برپا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ترکیب دو طرح سے کامیاب رہی۔ آتشی اسلحہ زود اثر ہوتا ہے لیکن اِس سے دشمن چوکنا بھی ہو جاتا ہے اور بروقت اپنے بچاؤ کی تدبیریں کر لیتا ہے۔ آ : ہوا کہ جب تک دشمن کو ہمارے حملے کا علم ہوا، ہم آدھی جنگ جیت چ . . . اِس کے..."

"لیلیٰ!" میرے قریب بیٹھے ہوئے معمر فلسطینی نے لیلیٰ کی بات کاٹ دی: "یہ یقیناً اچھی ترکیب تھی لیکن فی الحال ہمارے زیرِ غور ایک مسئلہ ہے۔"

لیلیٰ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا: "ہمارے جو دوست یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اُن پر دشمن کی اعانت کا الزام ہے۔ میں اُن سے درخواست کروں گی کہ وہ خود اپنی صفائی پیش کریں۔"

اُس کے بعد لیلیٰ اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ مجھے اُس کے چہرے پر شدید بے چینی کے ... نظر آ رہے تھے۔ غالباً وہ میرے اور رضوان کے لیے ہی فکرمند تھی۔ میں ... تک اُس کی تشویش کا سبب سمجھ رہی تھی۔ اُس کے ساتھیوں کی نظر میں رضوان اور میں مجرم تھے۔ وہ رسمی کارروائی یقیناً لیلیٰ کے اصرار ہی پر ترتیب دی گئی تھی۔ اِس بات کا امکان بھی تھا کہ اُن لوگوں میں لیلیٰ کے ہم خیال بھی ہوں مگر اکثریت ہمارے خلاف ہی نظر آ رہی تھی۔ ایسی صورت میں لیلیٰ کا فکرمند ہونا غلط نہیں تھا۔ اُسے یہ خیال ہوگا کہ اگر ہم اپنے موقف کو صحیح طرح پیش کر کے اُس کے ساتھیوں کو مطمئن نہ کر سکے تو فیصلہ ہمارے خلاف ہوگا۔ فیصلہ ہمارے خلاف ہونے کا سیدھا مطلب ہماری موت ہی ہوتا۔

میں لیلیٰ کے بیٹھتے ہی اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھا جن کے چہروں سے اُن کی جرأت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ میں نے سلیس عربی زبان میں اُنھیں مخاطب کیا۔

"میرے ساتھی نے بن یعقوب کی پیش کردہ کافی پینے سے انکار کر دیا تھا۔ اِنھوں نے کافی کی پیالی میرے ہاتھ سے اُس وقت لی جب میں نے اُنھیں یقین دلا دیا کہ یہ مالِ غنیمت ہے۔"

فلسطینیوں کے چہرے خوشی سے دمک اُٹھے۔ میرا عربی بولنا اور

بن یعقوب کی کافی کو مالِ غنیمت کہنا اُنھیں ... اب بھی شکوک و شبہات نظر آ رہے تھے۔

میں نے چند لمحے توقف کے بعد پھر ... دشمنوں کے قبضے میں ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے ... ہے۔ اگر میں اُسے چھڑانا چاہتی ہوں تو پہلے پیٹر پر قابو پانا ہوگا۔ ہمارے دشمنوں کی ... انتہائی موثر خودکار دفاعی نظام کو بیکار کر کے ... مجبور کر دوں۔ دشمن یہ سمجھتا ہے کہ اگر پیٹر ... کے ہاتھوں اہم دفاعی نوعیت کا نظام ... کو دینے سے انکار کر رہا ہے۔"

"پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ کیا آپ ... عین مطابق کام کریں گی یا اپنی بہن کو صبر کر لیں ... سوال کیا۔

"محترم! اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا ... کی طرف مڑ کر پوچھا۔ مجھے علم تھا کہ وہ کیا جواب ... محض اپنی اگلی بات میں زور پیدا کرنے کے ...

"میں اپنے دو جوان بیٹے فلسطین کی آزا... ہوں۔ میں ایک بیٹی کو بھی صبر کر لیتا۔" معمر ...

"لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دشمن کی ... میں پیٹر کے خودکار نظام کو ناکارہ ثابت کر ... پہنچوں گی۔" میں نے کہا۔

میرے سامنے بیٹھے ہوئے چند جوشیلے ... اور اُنھوں نے "غداری، غداری" کے نعرے لگا... اپنی جگہ کھڑی ہوئی اُن کے خاموش ہونے کا ... مجھ سے پہلے معمر فلسطینی لیڈر نے طنزاً ... قوم سے زیادہ عزیز ہے؟"

"نہیں!" میں نے تیزی سے کہا: "میں اپنی ... لیے پیٹر سے ملنا نہیں چاہتی اور یہ کوئی یقینی بات ... بہن اُسی جزیرے پر موجود ہو۔ دشمن میری ... ہے۔ میں اب تک اُس کی تیزی کا شکار ہوتی ... میں اُسے اِس حد تک سمجھ چکی ہوں کہ اُس کے ... نہیں ہوں۔ میں پیٹر سے اپنے عرب بھائیوں کے ... چاہتی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" اِس بار لیلیٰ نے سوال کیا جو سا...

...قت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک وہ اُن ... اگر میں اُس سے نہ ملی تو دشمن اُس تک ... آلۂ کار بنائیں گے۔ آخر کوئی نہ کوئی اُن کی شکل ... خواہش ہے کہ میں ہی اِس کام کو انجام دوں۔ مجھے ... سے ملنے میں کامیاب رہی تو اُسے سمجھا سکوں ... نظام ترتیب دیا ہے اُسے خود ہی تباہ کر دے ... وہ نظام غلط ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔ اگر میں اپنے ... تو وہ پراجیکٹ جو بن یعقوب کے سپرد ہے ... اگر آپ مجھ پر اعتبار کر سکیں تو یقین کریں ... ورنہ آپ کی مرضی! آپ جو فیصلہ کریں گے ... ل ہوگا۔ میں ہر طرح آپ کی خدمت کے لیے ... یا میرے ساتھی کے بارے میں یہ فیصلہ بھی ... کی اعانت کے جرم میں قتل کر دیا جائے تو ... قبول ہوگا۔" یہ کہہ کر میں اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔

... مکمل خاموشی رہی، پھر اُن میں سے ایک نے ... یکے بعد دیگرے وہ سب تالیاں بجانے لگے۔ ... تھا اور وہ مجھے تعریفی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ ...ٹ لینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی اور فیصلہ سُنا ... سے مجھے اور رضوان کو اپنا دوست تسلیم ... پر فخر کا اظہار کیا تھا۔

... کرسی سے اُٹھی اور اُن کا شکریہ ادا کرنے کے ... میرے ساتھی رضوان نے بن یعقوب کو اِتنی ... کہ وہ ہم سے قطع تعلق کر چکا ہے اور وہ تعلق جو ... بہرحال پیٹر کے جزیرے تک پہنچنے کی خاطر ... اُمید ہے کہ آپ لوگ میرے ساتھ بھرپور تعاون ...

... نے اپنی اپنی خدمات پیش کیں، پھر لیلیٰ اپنی ... اُس نے رسمی کارروائی کے ختم ہونے کا اعلان ... کے ساتھ ہیں۔ اُنھیں جس چیز کی ضرورت ہو ... فی الحال ہمیں فوری طور پر یہ جگہ چھوڑ دینی چاہیے۔ ... خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں کسی بھی لمحے پولیس ... علاوہ مُردہ اسرائیلیوں کو دفن کرنا بھی ضروری ... ں کو بھی نہیں بھولنا چاہیے جو اِس معرکے میں ... ہیں۔ ہمارے جو دو مجاہد دشمنوں کی قید ...

تھے، اُنھیں دشمن قرار ہونے سے قبل شہید کر گئے ہیں، اُن کے علاوہ ایک مجاہد مزید معرکے میں شہید ہوا ہے۔ اگر پولیس کو یہاں لاشیں ملیں تو وہ تحقیقات کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اسرائیلیوں کو ہم یہیں دفن کر جائیں گے اور اپنے شہیدوں کی لاشیں ساتھ لے جائیں گے تاکہ اُنھیں عزت و احترام سے اُن کی آخری آرامگاہ تک پہنچایا جا سکے۔ اگر ہم نے اسرائیلیوں کی لاشیں دفن کر دیں تو پھر ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ بن یعقوب خود پولیس کو اِس معاملے میں ہرگز نہیں گھسیٹے گا۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ مرنے والے اسرائیلی کمانڈو تھے اور یہاں اُن ... سے بیشتر غیر قانونی طور پر وارد ہوئے تھے جس طرح ہم میں سے چند یہاں آئے ہیں۔"

اُس کے بعد سبھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں اور رضوان بھی اُن کے ساتھ ہی کمرے سے نکلے۔

اُن لوگوں نے منظم طریقے پر لاشوں کی تدفین شروع کر دی۔ لیلیٰ کمال اور معمر لیڈر، میرے اور رضوان کے ساتھ کھڑے رہے۔

"بن یعقوب کیسے بچ کر نکل گیا؟" میں نے لیلیٰ سے پوچھا۔

"اُس نے اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے بہت سے ساتھیوں کو قربانی کا بکرا بنا دیا۔" لیلیٰ کے لہجے میں نفرت و حقارت تھی: "اگر ہمیں ذرا سا بھی یہ اندیشہ ہوتا کہ وہ ہیلی کوپٹر میں بیٹھ کر فرار ہو جائے گا تو ہم پہلے ہی ہیلی کوپٹر کو ناکارہ بنا دیتے۔"

"خیر وہ تم لوگوں سے کب تک بچے گا!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یقیناً!" لیلیٰ کے لہجے میں عزم تھا، پھر معاً اُسے کچھ خیال آ گیا اور بولی: "بانو! کیا وہ جزیرہ واقعی اِتنا ہی ناقابلِ تسخیر ہے جیسا کہ آپ کی گفتگو سے پتا چلتا ہے؟"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔ اُس کے بعد میں لیلیٰ کو اُس جزیرے کے متعلق اُن معلومات سے آگاہ کرنے لگی جو مجھے حاصل ہوئی تھیں۔

"وہ جزیرہ تو واقعی کوئی ناقابلِ تسخیر قلعہ معلوم ہوتا ہے۔" معمر لیڈر نے میری گفتگو سن کر تبصرہ کیا۔ وہ میری باتوں کو بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔

"مجھے بانو کی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ ہے۔ اِنھیں ضرور کامیابی ہو گی۔" لیلیٰ کمال نے فوراً کہا۔

"ان شاء اللہ!" معمر لیڈر بولا، پھر کہا: "میرا خیال ہے کہ تمھاری بہن کو اسرائیلی ایجنٹوں نے اِسی لیے اُس جزیرے پر پہنچایا ہے تاکہ وہ تمھیں جزیرے تک جانے پر مجبور کر سکیں!"

"آپ کا خیال قطعی درست ہے محترم!" میں بولی: "میں دشمنوں کے اِس کھیل کو اچھی طرح سمجھ چکی ہوں لیکن میری بہن کو خود اسرائیلی ایجنٹوں

نے وہاں تک نہیں پہنچایا بلکہ اِس میں ایک اور شخص ملوث ہے جو واضح طور پر اس حق میں ہے کہ اسرائیلیوں کو وہ موثر دفاعی نظام مل جائے۔"
"اُس شخص کی دلچسپی کا کوئی سبب بھی ہوگا!" معمر لیڈر نے کہا۔
"پہلا سبب مالی منفعت اور دوسرا سبب اُس کی اَنا!" میں نے جواب دیا، پھر اُسے چارلس کیلی کے بارے میں بتانے لگی۔

اُن لوگوں کے درمیان مجھے اپنائیت کا احساس ہو رہا تھا۔ میں اور رضوان کافی دیر لیلیٰ اور اُس معمر لیڈر سے بے تکلفی کی فضا میں گفتگو کرتے رہے۔ ہماری گفتگو اُسی وقت ختم ہوئی جب لیلیٰ کے ایک ساتھی نے آکر بتایا کہ کام مکمل ہو چکا ہے۔ اُس نے یہ بھی اطلاع دی تھی کہ وہ لوگ جو اُس معرکے میں شہید ہو گئے تھے، اُن کی لاشیں بھی روانہ ہو چکی ہیں۔

اُس کے بعد لیلیٰ کی ہدایت پر اُس کے ساتھی دو دو، تین تین کے گروپ بنا کر عمارت سے نکلنے لگے۔ رات کی تاریکی پھیل چکی تھی اِس لیے اُن کا وہاں سے نکلنا کسی قسم کے شک و شبہے سے بالاتر رہا۔ جب لیلیٰ کے تمام ساتھی عمارت سے چلے گئے تو لیلیٰ، معمر لیڈر، رضوان اور مَیں عمارت سے نکلے۔

عمارت سے نکل کر ہمیں چند فرلانگ پیدل چلنا پڑا، پھر ہم ایک کار تک پہنچ گئے۔ ہم سبھی اُس کار میں بیٹھ گئے۔ میں اور رضوان کار کی پچھلی نشست پر بیٹھے تھے۔ معمر لیڈر لیلیٰ کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھا تھا۔ لیلیٰ نے نشست پر بیٹھتے ہی کار اسٹارٹ کر دی۔

"آپ کو کہاں جانا ہے بانو؟" لیلیٰ نے کار آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا
"میرا ارادہ ہے کہ ہمیں ساؤتھ اَنڈ کے کسی ہوٹل میں رات بسر کر دیں" میں نے جواب دیا۔ "کل میں جزیرے کے جنوبی ساحل پر اُترنے کی کوشش کروں گی۔ میرا مقصد فی الحال محض جائزہ لینا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ وہاں کچھ پُراسرار قوتوں کی حکمرانی ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ اُن کی کیا حقیقت ہے!"

"آپ کو یقیناً اُس جزیرے تک پہنچنے کے لیے کسی لانچ یا موٹر بوٹ کی ضرورت ہوگی؟" لیلیٰ بولی۔
"ہاں!" میں نے جواب دیا۔ "لانچ مناسب رہے گی لیکن جز[یرے] کے ساحل تک جانے کے لیے آخری ایک یا دو فرلانگ مَیں تیر کر طے کرنا چاہتی ہوں۔"
رضوان کو اِس لیے اپنی فکر ہوئی کہ مَیں نے اِس ضمن میں اُس کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ ایک دم بول اُٹھا۔ "بانو! آپ مجھے تو نہیں بھول گئیں؟ میں بھی اُن پُراسرار قوتوں کا تماشا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم بھلا کب مجھے تنہا جانے دو گے!"
"تمھارے بغیر وہاں کیا خاک لطف آئے گا!"
"کل صبح آپ لوگوں کے لیے لانچ کا ... گا۔" معمر لیڈر نے ہماری جانب مڑتے ہوئے [کہا]۔
"شکریہ محترم!" مَیں نے کہا اور سوچنے [لگی۔]
میں بھی نہیں تھا کہ ایٹال ٹو کے سلسلے میں مجھے فا[ئدہ] حاصل ہو جائے گی۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی [کہ] کیلی سے میری ایٹال ٹو کی جانب روانگی نہیں [چھپ سکے گی۔ میں] نے رازداری کو ضروری نہیں سمجھا۔
لیلیٰ نے مجھے اور رضوان کو ساؤتھ اَنڈ کے ... دیا۔ پہلے وہ بضد تھی کہ ہم دونوں اُسی کے ساتھ چلیں ... وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ رہ رہی تھی مگر میں [نہیں] مانی تھی۔ دراصل میں مکمل ذہنی اور جسمانی آرام کی ضرورت [محسوس کر رہی] تھی جو لیلیٰ کی قربت میں ممکن نہیں تھا۔ لیلیٰ کا گھر ... جا کر بھی پر بھی رکھا سکتا تھا۔
لیلیٰ چلی گئی تو رضوان نے مجھے ... کہا۔ "بانو! آج آپ نے ... بدپرہیزی کر ڈالی؟"
میں نے ... کے سے انداز میں جواب دیا۔ "تم غلط ... سمجھ گئے۔ میں نے آج بدپرہیزی کا ... سبب؟"
"سبب یہ کہ آج کی رات ہمیں مکمل آرام کرنا ہے تاکہ ... اُٹھ سکیں۔ تمھیں علم ہی ہے کہ ہماری مہم کتنی خطرناک ہے۔"
رضوان اُس کے بعد سنجیدہ ہو گیا۔ ہم ہوٹل میں ... کمرے حاصل کرنا دشوار ثابت نہ ہوا۔ ہم نے مختصر سا کھا[نا کھایا اور] سونے کے لیے اپنے کمروں میں چلے گئے ...
اگلے دن صبح سویرے اُٹھنا ضروری تھا۔ میری آ[نکھ] کھل گئی۔ مَیں تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو رضوان کو اپنا [منتظر پایا۔] ناشتے سے فارغ ہو کر مَیں، رضوان کو ساتھ لے کر [گودی] پہنچی۔ گودی پر ایک لانچ ہماری منتظر تھی۔ لیلیٰ کا ایک ما[تحت] سے ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ ہم لانچ میں سوار ہو گئے تو اُس [نے لانچ کا] وھیل سنبھال لیا۔ مَیں نے اُسے جزیرے کی سمت بتائی اور [وہ میری] ہدایت کے مطابق لانچ دوڑانے لگا۔
تقریباً پون گھنٹے سفر کے بعد ہمیں جزیرے کے آثار ... میں نے لانچ کا رُخ تھوڑا سا تبدیل کرایا۔ جب مجھے جنوبی [ساحل]

... تو میں نے لانچ کو کچھ اور قریب لے ... ساحلِ خشکی سے ایک ڈیڑھ فرلانگ دُور رہ ... گیا۔
... نے اپنے کپڑوں کے نیچے نہانے کے لباس ... اُس نے اپنے کپڑے اُتار کر واٹر پروف بیگ ... ساتھ باندھے اور لانچ کے ڈرائیور کو وہیں ... کر کے پانی میں کود گئے۔
... ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے مجھے پہلی بار شدید تکلیف ... رضوان کا بھی ہو گا لیکن صرف تھوڑی دیر بعد ... عادی ہو گئی۔ اِس کے باوجود خشکی تک پہنچتے ... جان محسوس کی۔
... قدم رکھتے ہوئے مجھے عجیب سا احساس ہوا۔ ... کے بارے میں مشہور تھا کہ وہاں قدم رکھنے والا ... وہاں قدم رکھ چکی تھی۔ کچھ دیر مَیں اور رضوان ... ستانے رہے۔ صبح کی ہلکی ہلکی دھوپ بھی ٹھنڈے ... مت بھلی لگ رہی تھی۔
... دونوں ریت پر سے اُٹھ گئے۔ میں نے ایک جھاڑی ... جھاڑی کی آڑ میں گیلا لباس اُتارا اور تھیلے سے خشک ... نکالیا۔
... وٹ سے نکلی تو رضوان بھی لباس تبدیل کر چکا ... ہے پر موجود پُراسرار سبز بھوتوں سے نمٹنے کے لیے ...

... سنبھل کر چلنا!" میں نے رضوان سے کہا۔ "یہ ریت بس ... تک پھیلی ہوئی ہے، پھر دلدل اور خود رَو بیلوں کی ... گئی ہے۔"
... نے اثبات میں سر ہلایا اور ہم نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ ... اور درختوں اور لمبی لمبی گھنی گھاس سے ڈھکا ہوا ... قدم آ گیا۔ دلدلی علاقوں میں کثرت سے سانپ بھی ... مگر مچھ بھی نظر آ جاتے ہیں مگر کافی دُور چلنے کے باوجود ... سے ہمارا واسطہ نہیں پڑا۔ یہاں گزرتے ہوئے وقت ... پیچیدگی میں ضرور اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور وہ علاقہ ... لگ رہا تھا۔
... نے آئندہ بھی اِسی طرف سے جزیرے پر آنے کا فیصلہ ... پھل والی بڑی چھریاں ضرور ساتھ لائیں گے۔" رضوان

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرا پاؤں ایک بیل میں پھنس گیا تھا۔ میں جھک کر بیل کے زلفوں جیسے دراز حصّوں کو پاؤں کے اِردگرد سے ہٹانے لگی۔ اِس دوران میں رضوان آگے بڑھ گیا۔
میں سیدھی کھڑی ہوئی ہی تھی کہ مجھے رضوان کی چیخ سُنائی دی اور میرے اعصاب جھنجھنا اُٹھے۔ رضوان مجھ سے چند گز دُور یوں جھول رہا تھا جیسے اپنے حواس کھو بیٹھا ہو۔ ایک سبز رنگ کی دُھند آہستہ آہستہ بَل کھاتی ہوئی اُس کے اِردگرد پھیل رہی تھی۔ بالکل ایسا لگتا تھا جیسے کوئی پُراسرار وجود سبز رنگ کی صورت اختیار کر کے رضوان کو اپنے گھیرے میں لے رہا ہو۔
"اوہ میرے خدا!" میرے مُنہ سے بےساختہ نکلا۔
رضوان کی حالت دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے ڈھیر ہو جائے گا۔
سبز پُراسرار وجود! یہ وہی ہو سکتا ہے۔ میں نے سوچا اور میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ رضوان کی جان خطرے میں تھی اور اُسے بچانے کے لیے فوری کارروائی ضروری تھی مگر کیا کیا جا سکتا تھا؟ اُس سبز بلا سے بچاؤ کی کیا صورت ممکن تھی؟ آخر وہ پُراسرار بلا تھی کیا؟ چند لمحوں کے لیے میرا ذہن چکرا کر رہ گیا۔

میں نے زندگی بھر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے گریز نہیں کیا اور شاید اِسی لیے زندگی نے مجھے ہمیشہ خوش آمدید کہا۔ کسی بڑے خطرے کو سامنے دیکھ کر مجھ پر ایک سیمابی کیفیت سی طاری ہونے لگتی ہے، میرے انگ انگ میں بجلیاں سی کوندنے لگتی ہیں اور میں بے قابو ہو جاتی ہوں۔ وہ لمحے بھی ایسے ہی تھے۔ میں ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر انتہائی تیزی کے ساتھ رضوان کی طرف لپکی۔ رضوان ابھی مجھ سے کچھ فاصلے ہی پر تھا کہ میں نے ایک تیز اور ناگوار بُو محسوس کی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب میں نے اُس پُراسرار بلا کا معمّہ حل کیا تھا۔
مَیں نے فوراً اپنا سانس روک لیا اور ایک ہی جست میں رضوان کے قریب پہنچ گئی۔ اُس لمحے رضوان کا جسم زمین پر گرنے ہی والا تھا۔ میں نے اُس کے گرتے ہوئے جسم کو اپنے بازوؤں پر سنبھال لیا، اور پھر دوسرے ہی لمحے اُس کے جسم کا سارا بوجھ میرے کاندھے پر تھا کیونکہ میں نے اُسے کاندھے پر ڈال لیا تھا۔ میں رضوان کو اپنے کاندھے پر ڈالتے ہی اِتنی تیزی سے پلٹی کہ شاید زندگی میں کبھی اِتنی تیز رفتاری کا مظاہرہ نہ کیا ہوگا۔

رضوان کو کاندھے پر اُٹھائے ہوئے اُس خطرناک دلدلی علاقے میں دوڑنا ہنسی کھیل نہیں تھا۔ میرا ایک غلط قدم بھی کسی دلدل میں پھنس کر اذیت ناک موت کا باعث ہو سکتا تھا مگر اُس وقت میں موت سے قطعی خوفزدہ نہیں تھی۔ مجھ میں نہ جانے کہاں سے اِتنی طاقت آگئی تھی کہ مجھے رضوان کے جسم کا بوجھ قطعی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میرا کوئی قدم غلط نہیں پڑا۔ میں سدھیدگی کے اُس جھنڈ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔

اب میرے پیروں کے نیچے نرم ریت تھی۔ میں نے رضوان کو آہستگی سے ریت پر ڈال دیا، پھر خود بھی اُس کے قریب ہی دراز ہو گئی۔ کافی تیز دوڑنے کے سبب میرا سانس بُری طرح پھولا ہوا تھا اور میرا دل بھی تنفس کی ناہمواری کے سبب اِتنا تیز دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔ یہ کیفیت دس منٹ برقرار رہی۔ اُس کے بعد میرے دل کی دھڑکن معمول پر آگئی اور سانس بھی ہموار ہو گیا۔ میرا جسم پسینے میں نہا گیا تھا اِس لیے مجھے سردی کا قطعی احساس نہیں رہا تھا۔

میں نے رضوان کی کراہ سنی تو اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کے جسم میں مجھے حرکت بھی محسوس ہوئی۔ اُس کے جسم کو حرکت کرتے دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی۔ میں اُسے اُٹھا تو لائی تھی مگر مجھے اُمید نہیں تھی کہ وہ اِتنی جلدی حرکت کرنے کے قابل ہو سکے گا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں اُس کی زندگی سے بھی پوری طرح مطمئن نہیں تھی۔ رضوان کے جسم کی حرکت سے مجھے اطمینان ہوا کہ موت کا حملہ ناکام رہا ہے۔ اگر مجھے اُس تک پہنچنے میں چند لمحوں کی تاخیر بھی ہو جاتی تو شاید وہ زندہ نہ بچ پاتا۔ میں نے جیسے ہی وہ ناگوار بُو محسوس کی تھی، انتہائی سرعت کا ثبوت دیا تھا۔ وہ بُو محسوس کرتے ہی میرے ذہن میں سائنسی معلومات تازہ ہو گئی تھیں اور اُس بَلا کی حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی تھی، پھر خطرے کی کیفیت کا اندازہ ہوتے ہی میرے جسم نے چیتے کی سی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔

میں یہ دیکھتے ہی اُٹھ کر بیٹھ گئی کہ رضوان نے اب آنکھیں بھی کھول دی ہیں۔ وہ عجیب سے انداز میں آسمان کو گھورے جا رہا تھا۔ مجھے یہ محسوس کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ اُس کا ذہن اب تک اعتدال پر نہیں آیا۔ اِس سے قطع نظر اُس کے تنفس میں بھی اب تک روانی نہیں آئی تھی۔

"رضوان!" میں نے اُس پر جھکتے ہوئے پکارا۔

دوسری بار پکارنے پر مجھے اُس کی بے جان سی آنکھوں میں زندگی کی چمک نظر آئی۔ اُس کے بعد رضوان کی حالت تیزی سے سنبھلنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی اُٹھ کر بیٹھ گیا

"بانو!... مجھے... مجھے کیا ہو گیا تھا؟

رہا تھا اور اُس کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا

چکرا رہا ہے؟"

"تم سے ایک سبز بَلا لپٹ گئی تھی۔"

"سبز بَلا؟" رضوان مدھم سے لہجے میں ... یادداشت لوٹ آئی اور اُس کے ساتھ ہی اُس ... سی نظر آنے لگی۔ اُس کے بعد وہ کسی قدر ... ہوا۔ "بانو!... وہ... وہ سبز بَلا آخر تھی کیا؟"

میں سنجیدہ ہو گئی اور بولی۔ "رضوان! ... میں داخل ہو کر لوٹ آئے ہو۔ اگر تم مزید ... تو وہ گیس تمھارا کام تمام کر چکی ہوتی۔"

"گیس؟" رضوان میری بات سن کر ... انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہاں وہ گیس ... نے اپنے پاؤں کے نیچے ایسی ہی سنسناہٹ ... گیس خارج ہونے کے سبب ہی پیدا ہو سکتی ... زمین کی طرف دیکھا تھا تو مجھے سبزی مائل دھند اُٹھتی دکھائی دی تھی۔ اِس کے ساتھ ہی مجھے ایسا ... جیسے کوئی میرا گلا گھونٹ رہا ہو۔" رضوان نے ... کی تفصیل بتائی جس سے وہ دوچار ہوا تھا۔

"ہوا سے بھاری، سبزی مائل پیلے رنگ ... دباؤ کے تحت خارج ہو کر اُوپر اُٹھتی ہے اور چند ... کو موت کی نیند سُلا دیتی ہے۔" رضوان خاموش ہوا ... سائنسی معلومات دُہرائیں۔ "اِس خطرناک گیس کا اثر ... کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اِس کا شکار ہونے والے ... محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی اُس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔"

"تو پھر اِس گیس کا نام کلورین ہو سکتا ہے۔" رضوان ... خیال کا اظہار کیا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ اب اُس کا ... طرح بیدار ہو چکا ہے۔

"ہاں!" میں تائید میں بولی۔ "کلورین یا اُس سے ملتی ... رکھنے والی کوئی نئی دریافت! تمھارا اندازہ درست ہے۔"

"حیرت ہے کہ اسرائیلی کمانڈوز اِتنی ذرا سی بات نہیں ..." رضوان نے کہا۔

"ممکن ہے کہ جو کمانڈوز اِس گیس کا شکار ہوئے ... مرنے سے پہلے اِس کی حقیقت سمجھ چکے ہوں لیکن وقت گزر ...

... ہوں۔ رہے وہ افراد جنھوں نے ... اِس کی حقیقت سمجھ ہی نہ سکے ہوں۔ ... ہی لگتا تھا جیسے کوئی سبز بَلا تم سے چمٹ ... " اب میں بولی میں نے جس خیال کا اظہار ... تر تھا۔ رضوان نے بھی میرے خیال ...

... ہونے لگی تھی۔ میں نے سمندر کی جانب ... ایک لانچ نظر آرہی تھی اور وہ لانچ یقیناً ... تک پہنچے تھے۔ اِس یقین کا سبب ... زیادہ دُور نہیں تھی۔

... اور ہاتھ ہلا ہلا کر لانچ کو قریب آنے کا ... وقت تک ہاتھ ہلاتی رہی جب تک لانچ کا ... ہو گیا۔

... نگاہ پہلی بار ایک ہیلی کوپٹر پر پڑی جو فضا ... نہیں وہ ہیلی کوپٹر کب سے وہیں موجود ... ہوش نہیں تھا تو اُس کی طرف کیا دھیان دیتا ... ہیلی کوپٹر کی یوں بھی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اُس ... تھا، یہ اندازہ لگانا میرے لیے زیادہ دشوار ... ہیلی جیسا شخص میری نگرانی میں کس طرح کوتاہی ... کیلی کے اشارے پر بن یعقوب کے آدمی یہ کام ... سکتے تھے بلکہ انجام دے رہے تھے۔ اگر ... چارلس کیلی اور بن یعقوب بھی موجود رہے ... کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ وہ معاملہ ... حامل تھا کہ اُن لوگوں کو میرے قریب ہی ہونا ... کے بارے میں تو مجھے پہلے بھی تجربہ ہو چکا تھا ... ہوا ہے۔ وہ وقتی طور پر فلسطینیوں کے ہاتھوں ... ہو گیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ اِس کے باوجود ... غافل نہیں رہا ہو گا اور مجھ سے زیادہ دُور بھی نہیں ...

... میں ہماری لانچ اِس حد تک قریب آگئی جس حد ... پہنچنے کا خطرہ مول لیے بغیر آسکتی تھی۔ میں اور ... تھے وہاں سے سمندر نزدیک تھا۔ میں نے اپنے ... بڑھا اور ورآل چڑھاتے ہوئے رضوان کو بھی اپنی ... لیا۔ اُس کے بعد میں نے رضوان سے پھر پوچھا۔ ... میں کوئی قباحت تو نہیں ہو گی؟ کیا تم اپنے قدموں پر چل کر لانچ تک پہنچ سکو گے؟"

"سر چکرا رہا ہے مگر میرا خیال ہے کہ میں لانچ تک پہنچ ہی جاؤں گا۔" رضوان نے جواب دیا۔

"تو پھر چلو!" میں نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھی۔

رضوان چند قدم تو ذرا لڑکھڑایا مگر پھر سنبھل گیا اور میرے سہارے کے بغیر چلنے لگا۔ ہم کنارے تک جا کر لانچ میں سوار ہونے کی غرض سے پانی میں اُتر گئے۔ ہمیں کچھ دُور تک تیرنا بھی پڑا تھا۔ اُس کے بعد لانچ کے ڈرائیور نے ہمارے ہاتھ پکڑ کر ہمیں اُوپر کھینچ لیا۔

جب ہم لانچ پر پہنچ گئے تو لانچ ڈرائیور نے ہمیں تشویش آمیز انداز میں دیکھا، پھر سوال کیا۔ "کیا ہوا؟ آپ لوگ اِتنی جلدی کیوں لوٹ آئے ہیں؟"

"میرے ساتھی پر ایک پُراسرار سبز بَلا نے حملہ کر دیا تھا۔ میں بمشکل اِنھیں بچا کر لائی ہوں۔" میں نے لانچ ڈرائیور کو حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری نہ سمجھ کر جواب دیا۔

لانچ ڈرائیور نے میری بات سن کر حیرت کا اظہار کیا۔ اُس کے چہرے سے بے یقینی کا پتا چل رہا تھا مگر میں نے اِس سلسلے میں مزید کچھ نہیں کہا۔ اُس کے یقین کرنے نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"ہمیں سردی لگ رہی ہے۔ لانچ کو تیزی سے ساؤتھ اینڈ لے چلو!" میں نے لانچ ڈرائیور سے کہا۔ یہ حقیقت بھی تھی۔ رضوان کا جسم بھی کانپتا دکھائی دے رہا تھا۔

لانچ ڈرائیور نے بغیر کچھ کہے لانچ کا رُخ موڑا اور پوری رفتار سے ساؤتھ اینڈ کی اُس گودی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں سے ہم روانہ ہوئے تھے۔

راستے میں رضوان اور میں نے دانستہ گفتگو سے اجتناب کیا۔ ہم موجودہ صورتِ حال ہی پر گفتگو کر سکتے تھے اور اِس گفتگو کے دوران میں لانچ ڈرائیور کی مداخلت ہمیں کَھل سکتی تھی۔

لانچ گودی پر رُکی تو میں اور رضوان، لانچ ڈرائیور کو خدا حافظ کہہ کر ساحل پر اُتر گئے۔ لانچ سے اُترتے ہی میں نے اِردگرد کا جائزہ لیا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ میں دیکھ سکوں کہیں کوئی میری نقل و حرکت کی نگرانی تو نہیں کر رہا مگر مجھے آس پاس کوئی ایسا چہرہ نظر نہیں آیا۔ اِس اطمینان کے بعد میں، رضوان کے ہمراہ اُس ہوٹل کی جانب روانہ ہو گئی جہاں گزشتہ دن میں نے عارضی طور پر دو کمرے حاصل کر لیے تھے۔

ہوٹل میں پہنچ کر رضوان میرے ہی کمرے میں آگیا تو میں نے

اُسے سوالیہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا اِتنی زبردست بھاگ دوڑ کے بعد تمھیں آرام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی ہے؟"

"ضرورت تو محسوس ہو رہی ہے لیکن اُس سے پہلے یہ جاننا ضروری تھا کہ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟" رضوان نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں لندن واپس چلنا چاہیے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیوں؟" اُس نے میرا جواب سُن کر حیرت کا اظہار کیا، پھر بولا۔ "اب تو جزیرے پر قدم جمانے کی ایک راہ نظر آئی ہے اور آپ واپسی کی بات کر رہی ہیں۔ ہمیں اِس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔" رضوان کے لہجے میں گرمجوشی تھی۔

"کون سی راہ؟" میں نے دانستہ تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا۔

"یہ بات تو اب ہمیں پتا چل چکی ہے کہ جزیرے کے اُس حصّے پر گیس پھیلانے کے لیے پائپ بچھے ہوئے ہیں۔ کسی ایسے شخص کے لیے تو وہ زہریلی گیس جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے جو وہاں اُس کی موجودگی سے ناواقف ہو لیکن ہم تو اِس راز سے واقف ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمارے لیے اُس مہلک گیس سے بچنا کوئی ایسا مشکل کام تو نہیں!" رضوان بدستور پُرجوش لہجے میں بولا۔

"شاید تمھارا اشارہ گیس ماسک کی طرف ہے۔" میں نے کہا۔ "مگر گیس ماسک بھی ہمیں لندن ہی سے لینے پڑیں گے۔"

"کوشش کرنے میں کیا قباحت ہے! ممکن ہے گیس ماسک ہمیں یہیں ساؤتھ انڈ ہی میں مل جائیں۔" رضوان نے رائے دی۔

"اوّل تو یہاں گیس ماسک ملنا مشکل ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہاں مل بھی جائیں تو میں یہاں سے خرید ناپسند نہیں کروں گی۔" میں بولی۔

"وجہ؟" رضوان نے سوال کیا۔

"کیا تم یہ بھول گئے کہ یہاں ہیٹر کے آدمی بھی موجود ہیں؟"

میری بات سُن کر رضوان کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور اُس نے ایک طویل سانس لیا۔

وہ خاموش رہا تو میں نے مزید کہا۔ "اِس کے علاوہ یہ بھی نہ بھولو کہ جزیرے کے اُس حصّے پر تحفّظ کے لیے صرف گیس ہی استعمال کی گئی ہو گی اور گیس سے بچاؤ کرنے کے بعد ہماری راہ میں کوئی رُکاوٹ نہیں ہو گی۔ ممکن ہے کہ ہم گیس ماسک پہن کر اُس دلدلی حصّے کو عبور کر لیں مگر اُس سے گزر کر جزیرے کے وسط تک پہنچنا اُس سے کہیں زیادہ مشکل ثابت ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ دلدلی حصّے کے بعد بھی قدم قدم پر رُکاوٹیں ہوں گی۔ ایسی رُکاوٹیں جنھیں دُور کرنا شاید کسی انسان کے لیے ممکن نہ ہو خواہ وہ صہیب یا نو ہی کیوں نہ ہو۔"

"اِس کا مطلب تو یہی ہوا کہ ..." ...نے مایوس لہجے میں کہا۔

"نہیں!" میں نے مضبوط ... سے شکست نہیں کھا سکتا کیونکہ مشین ... اُسے بنا سکتا ہے تو بیکار بھی کر سکتا ... گی مگر وہ راہ اِتنی آسان بہرحال نہیں ... یہن کر جزیرے کی تسخیر ہو سکے۔ ... منطقی بنیادوں پر کام کرتا ہے ... سوچنا ہو گا کہ جزیرے پر کس کس راہ سے ... بعد ہمیں وہ راہ تلاش کرنا ہو گی جو اِتنی ... ہو کہ انسانی ذہن اُس کا تصوّر بھی نہ کر سکے۔ ... اُس میں پیش آنے والے تمام ممکنہ خطرات ... ہو گا تاکہ اُن خطرات سے بچنے کی تدبیر ... طرح جیسے ہم نے گیس سے بچنے کے لیے ... بارے میں سوچ لیا۔" میں نے رضوان کو ... آگاہ کر دیا تاکہ وہ بھی صحیح خطوط پر سوچ سکے۔

"بانو! مجھے آپ کی تمام باتوں سے اتفاق ... کیے بغیر پیش آنے والے خطرات کا اندازہ ہم ... میری بات کے جواب میں بولا۔

"ہاں پہلا مرحلہ راستے کا انتخاب ہی ... سانس لیا، پھر چند لمحے بعد بولی۔ "یہ راستے کا ... پھر اُس فائل کا مطالعہ کرنا پڑے گا جو چارلیس ... یہ کہہ کر میں پھر رُک ...

میرے خاموش ہوتے ہی رضوان بول اُٹھا ... ہوٹل میں ہے اِس لیے طے یہ پایا کہ ہمیں فوری ... چاہیے۔ کیوں یہی کہنے والی تھیں آپ؟"

رضوان کے لہجے میں شوخی محسوس کر کے میں ... یہی کہنے والی تھی مگر یہ سوچ کر چپ ہو گئی تھی کہ شاید ... ضرورت محسوس کر رہا ہو۔ میں نے اُس کی طرف مسکرا ... اور بولی۔ "اگر تمھارا پیشہ صحافت نہ ہوتا تو تم اچھے ...

"میں اور آپ کی حق تلفی کروں، یہ بھلا کیسے ... شوخ لہجے میں بولا۔

میرا مقصد بھی یہی تھا کہ اُس کی شوخی لوٹ آئے ... لیے ہی سہی حالات کے اُلجھاوے سے ذہن آزاد ہو ... کافی ... جب ... چکا تو میں نے کہا۔ "اچھا اب یہ بتاؤ ... چلنے کا خیال ہے یا کچھ دیر آرام کرو گے؟"

"... دیجیے! آرام کا خیال تو میں نے اُسی دن ... آپ کے ہمراہ کراچی سے چلا تھا۔" رضوان ... ہا۔

... جس پر میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔"

... رضوان میرے مزید کچھ کہنے سے پہلے

... ہماری طرف سے فکر مند ہو جائے گی۔ ... نہیں آئے گی کہ ہم اِتنی جلدی ہار مان کر ... گے۔" میں نے کہا۔

... رضوان میری تائید میں بولا، پھر ... نے چٹکی بجائی اور کہا۔ "کمال ہے اِتنی ... یا آپ کے ذہن میں کیوں نہیں آئی! ... تمام چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔"

... ہی کی بات تھی جو اُس وقت میرے ذہن ... شاید اِس کی وجہ یہ تھی کہ میری تمام تر ذہنی

... بتانے لیلی کے لیے ایک مختصر سا پیغام ہوٹل ... رضوان کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل گئی۔ ... ساؤتھ انڈ پہنچے تھے اُسی طرح بس کے ذریعے لندن

... پہنچتے پہنچتے ہمیں شام کے چار بج گئے۔ ہوٹل پہنچتے ... کھانا کھایا، پھر کافی پینے کے دوران میں ہی ... وہ فائل نکال لائی جس میں ایٹال ٹو سے ... معلومات کے علاوہ ایٹال ٹو کا نقشہ بھی تھا۔ میں ... حاصل تھی۔ میں نے کافی کا ایک گھونٹ لے کر پیالی ... فائل کھول لی۔

... برابر ہی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ میرے ... سب کھسک آیا۔ میں نے فائل کے ورق اُلٹ ... جو تہ کیا ہوا تھا۔

... خوبی ... جزیرے کے مختلف حصّوں ... کو واضح طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔" میں نے ... ہوئے رضوان کو مخاطب کیا، پھر نقشے پر ایک ... "دیکھو یہ جزیرے کا شمالی حصّہ جو ناہموار ... دشوار گزار ہے لیکن نقشے میں اِس حصّے کو بھی ... گیا۔ یہ وہی حصّہ ہے جس کے بارے میں ہمیں

بن یعقوب نے بھی بتایا تھا، اُس وقت جب وہ ہمیں اپنے ہیلی کاپٹر میں بٹھا کر جزیرے کی طرف لے گیا تھا اور ہم نے جزیرے کا فضا سے جائزہ لیا تھا۔ یاد آیا تمھیں؟"

"ہاں!" رضوان نے سر ہلایا۔ "وہ پہاڑی سلسلہ ... طرف چٹانیں بالکل سیدھی اُوپر کی طرف بلند ہوتی چلی گئی تھیں۔ سمندر کی جانب سے اُس پہاڑی سلسلے کی تسخیر ناممکن ہی نظر آتی تھی کیونکہ چٹانیں اِتنی بلند تھیں کہ اُن پر کمند ڈال کر چڑھنا بھی ممکن نہیں تھا۔"

"اور تمھیں یہ بھی یاد ہو گا کہ بن یعقوب نے اِس سمت سے بھی جزیرے پر حملہ کرنے کے بارے میں بتایا تھا۔" میں نے بات مزید آگے بڑھائی، پھر رضوان کے بولنے سے پہلے ہی اپنی بات جاری رکھی۔ "بن یعقوب نے اِس طرف سے ہیلی کوپٹر کے ذریعے اپنے آدمیوں کو جزیرے پر بھیجنا چاہا تھا مگر طیارہ شکن توپوں کے گولوں نے اُس ہیلی کوپٹر کو مار گرایا۔ اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جیسے ہی کوئی ہیلی کوپٹر یا جہاز پہاڑی سلسلے سے بلند ہوتا ہے، وہ ریڈار پر نظر آجاتا ہے۔ کوئی نہ کوئی ریڈار اُس حصّے کا مستقل طور پر جائزہ لیتا رہتا ہو گا اور وہی ریڈار اُس ہیلی کوپٹر یا جہاز کو سینٹرل کنٹرول کے سامنے پیش کر دیتا ہو گا۔ سینٹرل کنٹرول فوراً ہی طیارہ شکن توپوں کو بروئے کار لاتا ہو گا کیونکہ سارا کام کمپیوٹر کے سپرد ہے اِس لیے طیارہ شکن توپوں کا نشانہ خطا نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ جزیرے تک پہنچنے کے لیے ہمیں یہی راہ اختیار کرنی چاہیے۔" میں نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے رضوان کی جانب دیکھا۔

رضوان نے مجھے اِس طرح دیکھا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ میں اُسے مسکرا کر دیکھتی رہی تو اُس نے زبان کھولی۔ "بانو! کیا آپ سنجیدہ ہیں؟" اُس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، ہاں کیوں؟ کیا میں نے کوئی ناممکن بات کہہ دی ہے؟"

"میرے خیال میں تو یہ ناممکن بات ہی ہے۔" رضوان فوراً بولا۔ "اگر اُس حصّے میں اِتنا موثر دفاعی نظام ہے تو بھلا اِس طرف سے کس طرح جزیرے میں داخل ہوا جا سکتا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اِس طرف سے داخل ہونا ممکن ہے۔" میں نے کہا، پھر سمجھانے والے انداز میں بولی۔ "یہ حصّہ پہاڑی اور دشوار گزار ہے۔ اِس پر قدم رکھنے کے لیے ایک ہی ذریعہ ممکن ہے کہ کسی اُڑنے والی شے کا سہارا لیا جائے۔ اِس کا تدارک طیارہ شکن توپوں کی صورت میں کر دیا گیا ہے۔ غالباً اِس کے سوا اُس سمت سے جزیرے میں داخل ہونے کا کوئی طریقہ استعمال نہیں کیا گیا ہو گا۔ تو اگر طیارہ شکن توپوں سے بچاؤ کا حل سوچ لیا جائے تو یہ حصّہ جزیرے میں داخل ...

رضوان نے کچھ دیر میری بات پر غور کیا، پھر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"آپ کا کہنا درست ہے لیکن طیارہ شکن توپوں سے بچاؤ کا کیا طریقہ ہوگا؟"
"کسی اُڑنے والی مشین کا سہارا لیا جائے تو طیارہ شکن توپیں حرکت میں نہیں آئیں گی۔" میں نے فوراً جواب دیا۔
"لیکن اُن بلند چٹانوں پر کمند ڈال کر چڑھنا بھی تو ناممکن ہے۔" رضوان کچھ سوچ کر بولا۔
"میں نے یہ کب کہا کہ ہم کمند ڈال کر چڑھیں گے! میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ اِن بلند چٹانوں کو عبور کرنے کے لیے کوئی اُڑنے والی مشین ضروری نہیں۔"
"تو کیا پھر پَر لگا کر اُڑیں گی؟" رضوان جھنجلا گیا۔
"یہی سمجھ لو!" میں نے اطمینان سے کہا۔ "سمندر کی قربت کچھ تو کام آئے گی۔"
"اوہ!" رضوان ایک دَم چونک پڑا۔ "آپ شاید گلائیڈر کے بارے میں سوچ رہی ہیں جسے لانچ کھینچ کر اُڑاتی ہے۔"
"ہاں!" میں نے جواب دیا۔ "لیکن ہم جس گلائیڈر کے ذریعے اُڑیں گے، وہ تھوڑا سا مختلف ہوگا۔ ایک بار فضا میں بلند ہو کر اُسے لانچ کی ڈور سے الگ کیا جانا ممکن ہوگا اور وہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ڈولتا ہوا نہیں گرے گا۔ اُس کے اُترنے کی رفتار اور سمت پر بڑی حد تک ہمارا قابو ہوگا۔"
"ترکیب تو اچھی ہے۔" رضوان نے جوشیلے انداز میں کہا۔
"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ ترکیب کامیاب رہی تو ہم جزیرے کے شمالی پہاڑی حصے میں اُتر سکیں گے مگر ہمیں بہر حال جزیرے کے وسط تک پہنچنا ہے جو ظاہر ہے کہ آسان ثابت نہیں ہوگا۔"
میں خاموش ہوئی تو رضوان جُھک کر نقشہ دیکھنے لگا، پھر کچھ دیر بعد نقشے پر ایک جگہ نظر جمائے ہوئے بولا۔ "پہاڑی حصے سے یہ شاید کوئی چشمہ نکلتا ہے۔"
"ہاں یہ چشمہ ہی ہے۔" میں نے تائید کی۔ "تھوڑی دُور چل کر یہ چشمہ ایک مصنوعی جھیل میں تبدیل ہو جاتا ہے جو بَل کھاتی ہوئی جزیرے کے وسط تک جاتی ہے۔ یہ جھیل کافی گہری ہے۔ اگر ہم اِس جھیل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر اِسی کے ذریعے مرکزی عمارت تک پہنچ جائیں گے۔ خشکی کی نسبت پانی میں سفر کرنا غالباً کم خطرناک ثابت ہوگا۔"
"خطرہ تو خیر کیا کم ہوگا، ہاں یہ ممکن ہے کہ اُس کی نوعیت بدل جائے۔" رضوان نے کہا۔
"پانی میں پیش آنے والے خطرات کی نسبت مشین گن اور دُور مار رائفل کی گولیاں بہر حال زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ ... اُن سے بچاؤ بہت مشکل ہے۔ پھر یہ کہ پانی میں سفر کرنے کی ... ممکنہ خطرات ہیں، اُن کا حل ڈھونڈنا آسان رہے گا۔" میں ہمت

بڑھانے والے انداز میں بولی
"چلیے تسلیم کہ حل ڈھونڈ ...
پانی سے نکلنا پڑے گا۔ اُس وقت ...
میں نے نقشے پر ایک جگہ ...
رضوان نے غور سے نقشہ دیکھا ...
ہے۔ کیا آپ گندے پانی کے پائپ ...
میں نے اثبات میں سر ہلا ...
"مگر ضروری تو نہیں کہ یہ ...
گزر سکیں۔" رضوان نے اعتراض کیا
"میرا خیال ہے کہ یہ پائپ کہ ...
کچھ تنگ ہو سکتے ہیں۔" میں نے جوابا کہا ...
راہ اختیار کرنے کی صورت میں کیا کیا ...
اُن کا کیا توڑ ہو سکتا ہے! اگر ہم نے ...
ہی غور و خوض نہ کر لیا اور اُس سے کچھ ...
شاید ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔ یہ بات ...
اور صرف ایک یقینی موت ہے۔"

اگلے دو گھنٹے میں نے اور رضوان ...
میں گزارے۔ دو گھنٹے کے مسلسل سوچ بچار ...
طویل فہرست کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ہم ...
ایک دوسرے سے ملائی۔ اُس کے بعد از سر ...
بحث ہوئی، پھر کم سے کم سامان کی ایک ...
تمام سامان خطرات سے نبرد آزما ہونے ...
اُس فہرست کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ کچھ سا ...
کا فیصلہ کیا۔ فہرست کے دوسرے حصے میں ...
سے حاصل کیا جانا تجویز ہوا۔ فہرست کے تیسر ...
بیشتر اشیا تھیں جو ہم نے لیلیٰ کمال کے ذمے ڈا ...
وہ لا بھی سکتی تھیں۔

سامان کی فہرست کو تین حصوں میں تقسیم ...
یہ تھا کہ چارلس کیلی اور بن یعقوب ہمارے منصو ...
آگاہ نہ ہو سکیں۔ اُن سے مکمل راز داری ممکن نہیں ...
لیے اُن سے اپنی نقل و حرکت کو پوشیدہ رکھنا ...
... کے علاوہ یہ کہ اٹیال ٹو پر ممکنہ حملہ بھی ساؤ ...
سے ... تھا اِس لیے چارلس کیلی یا بن یعقوب حملہ ...
کی نوعیت سے کس طرح بے خبر رہ سکتے تھے! اُن کے ...
ہیلی کوپٹر میں سوار ہو کر ساؤتھ انڈ پر چکراتے رہتے

... بڑا کام کر گزرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔
... رابطہ قائم کرنا تو خیر آسان تھا مگر لیلیٰ کے
... یہ تھا وہ جب تک خود ہی مجھ سے رابطہ قائم
نہیں مل سکتی تھی لیکن جب میں اور رضوان
... ہوئے تو یہ مشکل حل ہو گئی۔
... تو میں نے ریسیور اُٹھا لیا۔
... ہوں، فرمائیے!" میں نے کہا۔
... مری جانب سے لیلیٰ کمال کی آواز سنائی دی۔
... کر رہی تھی کہ آپ بخیریت رائل ہوٹل پہنچ گئیں
... خدا حافظ!"
"سنو تو لیلیٰ!" میں جلدی سے بولی۔
... انتظار کروں گی۔" اُس نے ہنس کر کہا۔
... یہاں آنے کا ارادہ رکھتی ہو؟" میں نے بے چینی

... ارادہ تھا۔" اُس نے جواب دیا۔
... ہے کہ یہ قطعی مناسب نہیں ہوگا۔ تم پہلے کبھی یہاں
... نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا کیونکہ ٹیلیفون
... بات نہیں کہنا چاہتی تھی۔
... فکر رہیں بانو!" اُس نے پُرسکون آواز میں کہا۔ "آج
... بھوری آنکھوں اور سنہرے بالوں والی انگریز لڑکی
... آئے تو آپ اُس سے اجنبیت کا اظہار نہ کریں۔ اب
... آپ سے زیادہ دُور نہیں ہے۔"
... اُس کی بات سُن کر طویل سانس لیا۔ سیدھی سی بات
... ہم سے ملنے کے لیے میک اَپ کا سہارا لینا چاہتی تھی۔
... مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "پھر بھی احتیاط رکھنا!"
... " یہ کہہ کر اُس نے ٹیلیفون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔
... ان میرے قریب ہی تھا اور اُس کے چہرے سے فکرمندی
... رہا تھا۔ میں نے جیسے ہی ریسیور کو کریڈل پر رکھا، وہ
... ہوا۔ "لیلیٰ کا یہاں آنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔
... یہاں آنے کی اجازت کیوں دے دی؟ بن یعقوب
... ہم پر ہر وقت نظر رکھتے ہیں۔ لیلیٰ اُن کی نظروں سے کس
... سکے گی؟"
... تو خود لیلیٰ کی نظر میں بھی ... میں نے ...
... پھر یہ کہ ہمارا اُس سے ملنا بھی تو ضروری ہے تاکہ اُسے
... فہرست دی جا سکے۔"
"لیکن ... لیکن یہ تو دانستہ خطرے کو دعوت دینا ہوا۔"

رضوان بولا۔
"گھبراؤ مت! وہ میک اَپ میں آ رہی ہے اور میک اَپ یقیناً گھٹیا نہیں ہوگا۔" میں نے رضوان کی تسلی کے لیے اُسے بتایا، پھر بولی۔
"تمہیں یاد ہے کہ لیلیٰ کی آنکھوں کا رنگ کیسا ہے؟"
"سیاہ!" اُس نے جواب دیا۔
"اور بالوں کا رنگ؟" میں نے پوچھا۔
"وہ بھی سیاہ!"
"تو سنو کہ جو لڑکی ہم سے ملنے آ رہی ہے، اُس کی آنکھوں کا رنگ بھورا اور بال سنہری ہیں۔"
"سبحان اللہ!" رضوان موڈ میں آ گیا۔ "پھر تو اُس کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں ہوگا۔ وہ واقعی قابلِ دید شے بن کر آئے گی۔"
"کیوں، تمھاری رال کیوں ٹپکنے لگی؟" میں نے بھی اُسے چھیڑا۔
"میری رال اِتنی فالتو نہیں کہ ہر ایک پر ٹپکتی پھرے۔" وہ مُنہ بنا کر بولا۔
"گویا تمھاری رال ابھی ٹپکتی ضرور ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ میری رال کے غم میں خود رال نہ ٹپکانے لگیں"
"تم قاضی جی بن کر شہر کے اندیشے میں دُبلے نہ ہو، تمھاری صحت پہلے ہی خراب ہے۔"
"صحت خراب ہو تو ہو مگر نیت خراب نہ ہو۔" اُس نے پھر چوٹ ...
"جبھی تم اِتنی دیر سے لیلیٰ کے غم میں مبتلا تھے۔"
"وہ تو محض آپ کی وجہ سے فکرمند تھا کہ کہیں آپ لیلیٰ لیلیٰ پکارتی ہوئی سمتِ بیاباں نہ چلی جائیں اور یہ المیہ گیت نہ گانے لگیں، لیلیٰ لیلیٰ پکاروں میں بَن میں!"
جب تک دروازے پر دستک سنائی نہ دی، رضوان ... مجھے چھیڑتا رہا۔ دستک سنتے ہی میں اپنی جگہ سے ... تیزی سے دروازے تک پہنچی۔ یہ یقین ہونے کے باوجود بھی کہ آنے والی لیلیٰ ہی ہوگی، میں نے احتیاط برتی تھی ... میں دروازہ کھولتے ہی تیزی سے ایک طرف ہٹ گئی تھی۔
دروازے سے اندر آنے والی لڑکی بالکل یورپین ہی معلوم ... بکھرے ہوئے تھے۔ اگر لیلیٰ مجھے اپنے میک اَپ سے آگاہ ... شاید میں اُسے نہ پہچان سکتی۔ میک اَپ واقعی قابلِ داد تھا ... بدلنے کے لیے یقیناً کونٹیکٹ لینس استعمال کیے گئے تھے۔ وہ ... میں واقعی قیامت لگ رہی تھی۔
اُس کے اندازِ خرام سے میں نے یقین کر لیا تھا کہ وہ لیلیٰ ہی ...

اِس لیے میں دروازے کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گئی۔ پھر میں نے دروازہ بند کرنے میں دیر نہیں کی تھی۔ میں دروازہ بند کر کے پلٹی تو وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"تمہارا میک اپ واقعی شاندار ہے لیلیٰ!" میں تعریفی انداز میں کہتی ہوئی اُس کی طرف بڑھی۔ میں اُس سے عربی زبان میں بھی گفتگو کر سکتی تھی مگر اب تک کبھی اِس کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی اِس لیے میں نے اُس وقت بھی انگریزی میں ہی بات کی تھی۔

"کون لیلیٰ؟ میرا نام تو ڈوروتھی ہے۔" وہ شستہ انگریزی میں بولی۔

جواب میں ایک اجنبی آواز سن کر لمحے بھر کو میں چونک پڑی۔ وہ آواز لیلیٰ کی نہیں تھی۔ پھر معاً میں زور سے ہنس پڑی، اور ہنستے ہوئے ہی بولی۔ "بہت خوب! تو تم آواز بدلنے پر بھی قادر ہو۔ بس صرف ایک کمی رہ گئی ورنہ کوئی تمھیں لیلیٰ کی حیثیت سے شناخت نہ کر پاتا۔"

"وہ کیا بانو؟" اچانک وہ اپنی اصل آواز میں بول پڑی۔

"پہلی کمی تو یہی کہ تم نے اتنی جلدی ہتھیار ڈال دیے اور دوسری کمی تمہارا اندازِ خرام!"

"مجھے اعتراف ہے کہ میں نے اِس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ بانو کہ آپ نے یہ کمی محسوس کر کے مجھے اِس سے آگاہ کیا۔ رہا پہلی کمی کا مسئلہ تو میں آپ کو زیادہ دیر پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ "اچھا اب دیکھیے! چال میں کوئی فرق پیدا ہوا؟"

"ہاں خفیف سا!" میں نے جواب دیا۔ "اگر تم اپنی دائیں ٹانگ پر ہلکا سا دباؤ دے کر چلو تو تمھاری چال بالکل بدل جائے گی۔" میں نے آگے بڑھتے ہوئے اپنی بات ختم کی۔

اُس نے میری تجویز پر عمل کیا اور آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "واقعی اب میں نمایاں فرق محسوس کر رہی ہوں لیکن اِس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری چال میں لنگڑاہٹ ہے۔"

"اِس سے بڑا فرق پڑتا ہے! ہاں یہ ضرور ہے کہ اِس سے تمھارے میک اپ کا حسن ضرور متاثر ہوتا ہے۔ ویسے ایک بات اور بتاؤں! کبھی ایسا میک اپ نہیں کرنا چاہیے جو لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جائے۔ تمھارے چہرے پر اتنا حسین اور پرکشش میک اپ ہے کہ خواہ مخواہ بھی آدمی تمھاری طرف دیکھنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ میک اپ کی خوبی نہیں خرابی کہلاتی ہے۔"

میری بات سن کر اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں آئندہ اِن باتوں کا خیال رکھوں گی۔ ایک بار پھر میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔"

میں اور لیلیٰ ابھی تک نشست گاہ میں تھے۔ جب لیلیٰ کو اپنے ساتھ لے کر آنے میں مجھے دیر لگی تو رضوان جو میرے کمرے میں تھا باہر آ گیا۔

"کیا مجھے یہ یاد دلانا پڑے گا کہ میں بھی ... مجھ سے مخاطب تھا۔

"آؤ یہیں نشست گاہ ہی میں بیٹھتے ہیں" ... کر صوفوں کی طرف بڑھتی ہوئی رضوان سے ... میں اور لیلیٰ قریب قریب صوفے پر بیٹھ گئے ... والا صوفہ سنبھال لیا۔

"ہاں اب بتائیے بانو! ساؤتھ اینڈ سے ... کیوں آنا پڑ گیا؟" لیلیٰ نے پوچھا۔

میں نے اُسے جواب میں ساری بات بتا ... کے منصوبے سے اُسے مختصراً آگاہ کیا اور آخر میں ... کے متعلق بتایا۔

"بانو! آپ کو ذرا سی دیر بھی ہو جاتی تو ... کام سے! آپ نے واقعی بہت تیزی کا ثبوت دیا۔" ... لہجے میں کہا۔

"مجھے واقعی دیر لگی کہ میں بےہوشی کے باوجود ... کے کندھے پر جا چڑھا!" رضوان شوخ لہجے میں لیلیٰ ... اُس کا انداز شکایتی ہی تھا۔

"ہاں یہ تو ہے" لیلیٰ نے ہنسی کر کہا۔ "آپ ہی ... ورنہ بھلا کون اِس قدر مستعدی کا مظاہرہ کر سکتا ہے!"

"اور کیا!" رضوان ڈھٹائی سے بولا۔

"اپنے مہمان کی خاطر تواضع نہیں کرو گے؟" میں ... رضوان ... بولا۔ "چلنے کا نیا ... دانستہ اپنا جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔

"کچھ بھی نہیں!" لیلیٰ ہاتھ اُٹھا کر بولی۔ "میں اب ... سامان کی فہرست دیکھیے!"

"چلی جانا! ایسی بھی کیا جلدی ہے!" میں نے کہا۔

"خیر جلدی تو کوئی نہیں مگر میں آپ لوگوں کے ... نہیں چاہتی۔ ویسے تو میں اپنے ساتھیوں سے کہہ کر آئی تھی ... رات بھر بھی نہ لوٹوں تو وہ میری طرف ... نہیں ہوں گے۔" لیلیٰ بولی۔

اُس کی بات کا رمز سمجھنے میں مجھے دیر نہیں لگی اور یہ ... میرا دل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ جو کچھ اُس کے دل میں تھا ... آئی تھی، اُس کی زبان پر آ گیا تھا۔ میں بھلا یہ حسین موقع ... سکتی تھی! میں نے اُس کے خاموش ہوتے ہی کہا۔ "تو پھر تم ... آج شب یہیں رک جاؤ! کچھ اور تفصیل باتیں اطمینان سے ...

... وہ رضوان کے چہرے کی طرف اُٹھی۔ اُس کے ... گھبراہٹ تھی۔ اِس سے پہلے کہ لیلیٰ کچھ کہتی، رضوان ... کہ لیلیٰ چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

... فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ... میں طویل سانس لینے کی بیماری ہے۔"

... بی بی کا ذکر چھڑ گیا ہے تو انھیں یہ بھی بتا دیجیے ... لت کو اِس قدر خوف محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں ... ہو سکتا۔" رضوان بولا۔ اُس کے لہجے میں اِس ... کمال کے چہرے پر حیرت نظر آنے لگی۔

... سن کر بھی یقیناً حیرت ہوگی لیلیٰ کہ اِن کا خوف بھی ... ور ہو جاتا ہے۔ بس جب اِنھیں خوف محسوس ... ہے اُلجھتے ہیں اور دو تین بار اپنا سر دیوار سے ... نیا یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ اِس طرح اِن کا خوف ...

"میں بھی پوری سنجیدگی کے ساتھ رضوان کو گھورنے لگی۔ ... ت پر کافی غور کیا تو ایک نتیجے تک پہنچ سکی۔ وہ یہ کہ ... نے کے سبب اِن کا دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے اور ... حالت آ جاتا ہے۔"

... صاحب ... آپ سے ہمدردی ہے۔" لیلیٰ کے لہجے ...

... مجھے کھا جانے والی نگاہ سے دیکھا۔ ... مگر میں نے ... ی برقرار رکھی۔ میں نے ایک طرح سے اُسے اپنی دانست ... دیا تھا مگر وہ اِتنی آسانی سے ہار ماننے والا کب تھا۔ اُس نے ... نے شروع کیے مگر میں اُس سے اچھی طرح واقف ... ن بوجھ کر چھیڑ رہا تھا۔ میں نے اُس سے جان چھڑانے ... کیا اور ... بھی آرام کرنے کا مشورہ دے کر ... ہوئے صوفے سے اُٹھ گئی۔

... بانو! اگر آج دیوار سے سر ٹکرا کر بھی میرے مرض میں افاقہ ... آپ کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دوں گا۔" اُس نے ... لگایا۔

... کی بات سنی اَن سنی کر گئی کیونکہ مجھے علم تھا، وہ ایسا ہرگز ... شرارت کے باوجود وہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھتا تھا۔ ... لیٰ کو ساتھ لیے اپنے کمرے میں داخل ہو گئی اور اندر پہنچتے ... بند کر دیا۔ ایک طویل عرصے بعد وصلِ محبوب کی ساعتیں ... ل تھیں اِس لیے میرے دل کی دھڑکنیں بے قابو تھیں۔

... ہی بستر تھا مگر مجھے لیلیٰ کے لیے دوسرے بستر کی فکر ... مگر وہ شب سونے کے لیے تھی ہی کب! اِک حُسنِ بیدار سامنے ہو تو پھر کسی کافر ہی کو نیند آ سکتی ہے!

وہ لیلیٰ کا دوسرا تجربہ تھا اِس لیے وہ کچھ جھجکی ہوئی سی تھی۔ اُس حجابِ دلآویز نے میری وارفتگی کو کچھ اور سوا کر دیا تھا۔ میں اُسے لیے ہوئے مسہری تک پہنچ گئی۔ میں نے اُس سے ابھی تک عرضِ مدعا نہیں کیا تھا لیکن کبھی کبھی بغیر کچھ کہے بھی سب کچھ سمجھ لیا جاتا ہے اور مجھے پورا یقین تھا کہ لیلیٰ سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ جذبوں کی کوئی زبان نہیں ہوتی، اُنھیں صرف محسوس کیا جا سکتا ہے اور لیلیٰ کے قلبِ حساس سے میں آشنا تھی۔ اُسے حسین میک اپ میں دیکھ کر مجھے احساس ہو رہا تھا جیسے میں پہلی بار کسی نئی بہار کی خوشبو سے ہمکنار ہونے والی ہوں۔

"لیلیٰ! تمھیں دوسری بار خود کو میرے ساتھ تنہا دیکھ کر کیسا محسوس ہو رہا ہے؟" میں نے اُس کے قریب بیٹھ کر اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "تمھیں پیکنگ کی وہ رات تو یاد ہی ہو گی جب تم میرے کمرے میں چوری چھپے آ گئی تھیں اور پھر..." میں نے دانستہ اپنا جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔

"بانو!" اُس کے ہونٹ کانپے اور اُس رات کے ذکر پر وہ شرما سی گئی۔ "آپ... آپ بہت... بہت وہ ہیں!"

اُس کا انداز کچھ ایسا ہی تھا کہ میرے لیے خود پر قابو رکھنا محال ہو گیا اور میں نے اُسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا، پھر میرے لبوں کی تشنگی نے سیرابی کی منزل ڈھونڈ لی۔

وہ کسمسائی اور مدھم لہجے میں بولی۔ "اگر رضوان صاحب نے دروازہ کھٹکھٹا دیا تو؟"

میں نے اور رضوان نے ایسی ہی سنجیدگی سے ایک دوسرے کو گھسا تھا کہ لیلیٰ دھوکا کھا گئی تھی۔ اُس کی بات سن کر مجھے بڑا لطف آیا۔ اُس کا انداز بالکل الھڑ لڑکیوں جیسا تھا۔ میں ہنس پڑی اور اُس کی سنہری زلفوں سے کھیلتی ہوئی بولی۔ "تم میرے ساتھی کو نہیں جانتیں۔ اُسے کوئی خوف ووف نہیں آتا۔ وہ باتیں محض مذاق تھیں۔"

"مگر آپ بھی تو سنجیدہ تھیں۔" وہ بھولپن سے بولی۔

"وہ بھی مذاق تھا۔" میں نے اُسے یقین دلایا۔

"آپ لوگ آپس میں بڑے خوفناک مذاق کرتے ہیں۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"لیلیٰ! تم مجھ سے اُسی آواز میں گفتگو کرو جس میں تم نے آتے ہی بات کی تھی۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تمھیں آواز کے زیر و بم پر کس حد تک قدرت حاصل ہے!" میں نے اُس سے کہا لیکن حقیقت یہ نہیں تھی کہ میں اُس کی آواز کا زیر و بم دیکھنا چاہتی تھی بلکہ میرا ارادہ خود فریبی

کا تھا۔ میں ذہنی طور پر یہ محسوس کرنا چاہتی تھی کہ مجھے ایک نئی لڑکی کا قُرب حاصل ہے۔

"بہت ہے بانو!" لیلیٰ نمایاں طور پر بدلی ہوئی آواز میں بولی۔

"ڈورتھی ڈارلنگ!" میں نے اُسے اسی نام سے مخاطب کیا جو پہلے اُس نے بتایا تھا۔

"جی سوئٹ بانو!" اُس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تم بہت حسین ہو ڈورتھی!" میں نے اُسے بار بار نئے نام سے مخاطب کرکے اپنے ذہن کو دھوکا دینا چاہا۔

"آپ بھی تو کم حسین نہیں ہیں بانو!" یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں۔

"سچ!" میں اُس پر جُھک گئی اور میری انگلیاں اُس کی پشت سہلانے لگیں۔

اوراقِ رنگ و بُو دامن کشِ دل تھے۔ لمس کی زبان نئی لذّتوں کا ذائقہ محسوس کرنے لگی تھی۔ لہو کی حرارت اپنا خراج وصول کرنے پر آمادہ تھی۔ جذبوں کی سرکشی اب صبر کی روادار نہ تھی۔ وصالِ محبوب کی ہمکناری جرأت آزمائی کی طالب تھی۔ نشاطِ روح کی گہرائیوں میں ہلچل تھی، اضطراب تھا، طوفان تھا۔ ایک خوشبو دوسری خوشبو میں اُتر جانے کے لیے بے چین تھی۔ ایک نغمہ دوسرے نغمے کی لَے میں اپنا وجود کھو دینا چاہتا تھا۔ دوئی کھٹکنے لگی تھی۔ ایسے میں شکیب کیسا اور قرار کہاں! سیماب صفت آرزوؤں نے بڑھ کر دو طوفانی لہروں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ لہروں کی شناخت کھوگئی۔ وہ ایک دوسرے سے یوں بغلگیر ہوئیں کہ ایک ہوگئیں۔

فضا گنگنانے لگی۔ رنگ برسنے لگے۔ دردل پر دھنک رنگ خواب دستکیں دے کر اپنی تعبیریں طلب کرنے لگے۔ کیف آگیں لمحے نزدیک سے بھی ہوا نشے کی ترنگ میں بے خودی کی حدِ آخر تک پہنچنے لگے۔ سرورِ منزل آشنا تیز سے تیز تر ہوتا گیا۔ سرشاری بڑھتی گئی۔ آبلہ پایانِ محبت اپنے انفاس کی ناہمواری سے بے خبر منزل کی دُھن میں تیز قدم ہوتے گئے، اور پھر وہ ایک ایسی سرسبز اور شاداب وادی میں پہنچ گئے جہاں ایک جانب سرکش چٹانیں تھیں تو دوسری جانب کشش انگیز گہرائیاں! اُنھوں نے پہلے سرکش چٹانوں کو تسخیر کیا، اور پھر گہرائیوں میں اُتر کر اَن دیکھے خزانے تلاش کرنے لگے۔ اسی وقت ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی اور وہ بھیگ گئے۔ پھوار پڑنے کے سبب دھرتی سے ایسی سوندھی سوندھی خوشبو اُٹھی جس نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ سب کچھ بھول گئے۔ اُس خوشبو میں وہ کھو گئے اور بہت دیر کھوئے رہے۔

میں ایک خوابِ خود فراموش سے ... پایا۔ وہ ابھی تک خوابوں کی دنیا سے نہیں لوٹی ... اور اُس نے آدھ کھلی آنکھوں سے مجھے دیکھا ... محسوس ہوا جیسے اُسی جیسی آنکھوں کی نیم ... سکتا ہو۔

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک جام ... اُس شب بھی یہی ہوا۔ طبیعت خُم پہ خُم لنڈھا لے ... اور پھر وہ تمام شب خُم پہ خُم لنڈھاتے ہی گزری۔

لیلیٰ کو میں نے صبح دَم ہی رخصت کر ... میں میرے لیے سونا ممکن نہیں تھا لیکن میں ... سامان کی فہرست دینا نہیں بھولی تھی۔ اِس کے ... بار پھر اپنے تمام منصوبے سے آگاہ کردیا تھا اور سمجھا ... سلسلے میں کیا کیا کرنا ہے! لیلیٰ صبح دَم کسی نکھرے ... لگ رہی تھی۔ ایک ایسا گلاب جس پر رات بھر قطرہ ... لیلیٰ کو رخصت کرتے ہی میں سو گئی لیکن ... دیر نہیں سو سکی۔ بمشکل دو تین گھنٹے سوپائی ہوں گی ... کے دروازے پر دستک دی۔

... نے بمشکل اُٹھ کر دروازہ کھولا۔

"ارے کیا چڑیا اُڑ گئی؟" وہ کمرے میں داخل ہو ...

"بکواس نہ کرو!" میں جھنجھلا کر بولی۔ "اتنی جلدی کی ضرورت تھی؟" میں مسہری کی طرف بڑھنے لگی۔

"خادم کو تو واقعی ایسی کوئی جلدی نہیں تھی مگر وہ آپ ... اور ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔" رضوان منہ بنا کر بولا۔

"کون چہیتا؟ کہاں کی ہانک رہے ہو؟" میں نے ... ہوئے کہا۔

"وہی چارلس کیلی!" رضوان نے جواب دیا۔ "وہ ... ہوئے ہے۔ بات کرلیجیے۔"

چارلس کیلی کا نام سن کر میں ایک دَم اُٹھ کھڑی ہوئی ... سے نکل کر نشست گاہ میں پہنچ گئی جہاں ٹیلیفون کا ریسیور ... پر رکھا ہوا تھا۔ رضوان بھی میرے پیچھے پیچھے وہیں آگیا تھا ... میں نے صوفے پر بیٹھ کر ریسیور اُٹھا لیا۔ "بانو!"

"معاف کرنا کہ میں نے تمھیں صبح ہی صبح زحمت دی ..." جانب سے چارلس کیلی کی آواز سنائی دی۔ "دراصل میں تمھیں ... اطلاع دینا چاہتا تھا۔ کیا تم مجھ سے فوراً ملاقات کرسکتی ہو ... وہ مجھے کیا اہم اطلاع دینا چاہتا تھا اُس سے ...

... سامان کی فراہمی کے بارے میں بات ... نے ملنے کی حامی بھرلی۔

"... گاڑی بھیج رہا ہوں۔" اُس نے کہا۔

"... کام کے موڈ میں ہوں۔ تم خود ہی یہاں آجاؤ!" ... بولی۔

... کے لہجے میں حیرت اور بے یقینی تھی۔ وہ غالباً ... کے رویّے کا متوقع نہیں ہوسکتا تھا۔

"... آپ لوگ اپنی کمال میں مست رہتے ہیں۔ جب تک ... انگلی ٹیڑھی کا ناچ نہیں نچاتے۔ میرا خیال ہے کہ ... نہیں اُلٹی ہوئی۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر سلسلہ منقطع ہوگیا۔

... والے صوفے پر بیٹھا ہوا میری ہی جانب دیکھ رہا تھا۔ ... پھر وہ مخاطب ہوا۔ "کیا وہ آنے پر راضی ہوگیا؟"

"... مندی کا اظہار تو نہیں کیا مگر ... جتنی ہوں۔" ... نے جواب دیا۔

... بات نہیں ہوا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ہی چارلس کیلی ... موجود تھا۔

"آجائیں!" میں دروازہ کھول کر ایک جانب ہٹتی ...

... اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اُس کا انداز ایسا ہی تھا ... دنیا میں آگیا ہو اور حیران ہو کر اُس جگہ رہنا بھی ممکن تھا ... اسامی ہی تھا اس لیے آگیا۔" اُس نے صوفے پر بیٹھتے ...

... ابن یعقوب نے ایشال ٹو پر کوئی اور ناکام ریڈ کرڈالی ... طنز تھا۔

... میری بات سن کر چونک اُٹھا اور لمحے بھر کو اُس کے ... اُڑ گئی۔ پھر وہ بولا۔ "کیا تمھیں علم تھا کہ ابن یعقوب جزیرے ... والا ہے؟" اُس کے لہجے میں حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔

"...!" میں نے جواب دیا۔ "مجھے کوئی علم نہیں تھا کہ وہ ایسا ... لیکن اِس کے باوجود مجھے یقین تھا کہ وہ بے صبر آدمی ... سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش ضرور کرے گا اور اِس ... منہ کی کھائے گا۔ مجھے علم ہے کہ اُس نے جزیرے پر میری ... کو نظر میں رکھا تھا، اُسے یہ اندازہ لگانے میں دِقّت ... ہوگی کہ میرا اسرار بنز کا کے پردے میں کیا ہے!"

"یعقوب بہت تیز آدمی ہے۔" چارلس کیلی مدھم لہجے میں بولا۔ "مگر ایشال ٹو کے معاملے میں وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوگیا ہے اور جذبات، عقل پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ پے در پے ناکامیاں یوں بھی انسان کی ذہنی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔"

"تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ ابن یعقوب نے گیس ماسک پہنوا کر جو پارٹی روانہ کی تھی، وہ دلدلی علاقے میں آگے نہیں بڑھ سکی!" میں نے اپنے خیال کی تصدیق چاہی۔

"ہاں!" چارلس کیلی نے بتایا۔ "میرا خیال تھا کہ تمھارا اگلا قدم بھی یہی ہوگا اِس لیے فوراً تم سے ملاقات کرنا ضروری سمجھا۔ دراصل میں تمھاری صلاحیتوں کا اِس حد تک معترف ہوچکا ہوں کہ تمھیں کسی گڑھے میں گرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔"

"شکریہ! میں تمھارے خلوص کی قدر کرتی ہوں۔" میں نے رسمی انداز میں کہا۔

"مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ میں ابھی تک تمھاری تیزی اور ذہانت کا پوری طرح اندازہ نہیں لگا پایا۔ کبھی کبھی میرے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ شاید تم ایشال ٹو کی تسخیر میں کامیاب ہوجاؤ گی۔"

اُس لمحے چارلس کیلی کے لہجے میں خلوص تھا جیسے اُس نے وہ بات دل سے کہی ہو۔ رضوان نے بھی شاید اِس بات کو محسوس کرلیا تھا۔ وہ اسی لیے فخریہ لہجے میں بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ بہت جلد ایشال ٹو بانو کے قدموں میں ہوگا۔"

"میری پُرخلوص دعائیں تم لوگوں کے ساتھ ہیں۔" چارلس کیلی نے بظاہر خوش اخلاقی سے کہا مگر اُس کے لہجے میں چھپے ہوئے ہلکے سے طنز کو میں نے محسوس کرلیا۔

چارلس کیلی اپنے خول میں واپس ہوچکا تھا۔ جو خلوص چند لمحوں کے لیے اُس کی گفتگو سے ظاہر ہوا تھا، اب ختم ہوچکا تھا اور اُس کی جگہ روایتی ریاکاری نے لے لی تھی۔ میں نے رضوان سے وہ فہرست لانے کے لیے کہا جو چارلس کیلی کو دینی تھی۔

رضوان سامان کی فہرست لے آیا تو وہ میں نے چارلس کیلی کی طرف بڑھا دی۔ اُس فہرست میں چند ایسی چیزیں بھی تھیں جو مجھے بآسانی دستیاب نہیں ہوسکتی تھیں۔ اگر میں وہ چیزیں خود حاصل کرنا چاہتی تو مجھے اُس میں کافی وقت لگتا جبکہ میرے پاس وقت کم تھا۔

"اِس فہرست میں جو سامان درج ہے، وہ مجھے کل تک مل جانا چاہیے۔" میں نے چارلس کیلی کو مخاطب کیا جو فہرست کا مطالعہ کر رہا تھا۔

"تو کیا تم ایشال ٹو پر حملے کے لیے کوئی راہ منتخب کرچکی ہو؟" چارلس کیلی نے فہرست سے نگاہ اُٹھا کر حیرت سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمھارے آدمی مستقل طور پر میری ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اِس لیے

میرے انکار کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔" میں بولی۔" چاہے مجبوری ہی سے سہی مگر تمہیں اِس سلسلے میں علم ہو ہی جائے گا اِس لیے مجھے یہ بتانے میں کوئی قباحت نہیں کہ میں واقعی ایٹال ٹو پر قدم رکھنے کا پختہ ارادہ کر چکی ہوں۔"

چارلس کیلی نے ایک بار پھر سامان کی فہرست پر نظر ڈالی اور بولا۔ "یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اِس سامان میں چند ڈائنا مائٹ کی اسٹکس بھی درج ہیں۔ تم اِن سے کیا کرلو گی، میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ تم شاید ایٹال ٹو کی تسخیر [illegible] آسان سمجھ رہی ہو۔"

"ایٹال ٹو کی تسخیر میں ذہن کی تیزی کام آئے گی، توپ و تفنگ نہیں!" میں نے منہ بنا کر کہا۔

چارلس کیلی مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ شاید اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں اُس سلسلے میں سنجیدہ بھی ہوں یا نہیں! ایسا تو نہیں کہ میں اُس کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہی ہوں!

بالآخر اُس نے سامان کی فہرست اپنی جیب میں رکھ لی اور اُٹھتے ہوئے بولا۔ "میرا سیکرٹری جان اینڈرلے آج ہی کسی وقت یہ سامان تمہیں پہنچا دے گا۔"

"کیا چائے یا کافی نہیں پیو گے؟" میں نے سماً پوچھا۔

"شکریہ! پھر کبھی سہی!" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

چارلس کیلی چلا گیا تو میں رضوان سے مخاطب ہوئی۔ "میں فی الحال آرام کرنا چاہتی ہوں۔ تم دوپہر کھانے کے وقت مجھے بیدار کر دینا۔"

"ہاں آپ کی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ رات بھر جاگی ہیں۔ آپ سو ہی جائیں تو بہتر ہے۔" رضوان نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں رضوان کی بات سنی اَن سنی کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور چلتے چلتے بولی۔ "تم بھی آرام کر لو تو بہتر ہے۔"

"خیر میں تو بڑی سکھ کی نیند سویا تھا لیکن آپ کہتی ہیں تو آرام کر ہی لوں گا۔" رضوان بولا۔

میں نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور مسہری پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ پورا بدن بُری طرح ٹوٹ رہا تھا۔ مجھے جلد ہی نیند نے اپنی پُرسکون بانہوں میں لے لیا۔

رضوان نے مجھ پر یہ کرم کیا کہ دوپہر کے بعد ہی جگایا۔ اُس نے میری وجہ سے کھانا نہیں کھایا تھا اِس لیے میں جلدی جلدی غسل کر کے فارغ ہو گئی۔ اِس دوران میں وہ کھانا منگوا چکا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے ہی رضوان نے مجھے بتایا کہ چارلس کیلی کا سیکرٹری تمام مطلوبہ سامان پہنچا گیا تھا۔ چارلس کیلی نے سامان بھجوانے میں بڑی تیزی دکھائی تھی۔ سامان دو تین بڑے بڑے پیکٹس میں تھا جو نشست گاہ ہی میں ایک جانب رکھے ہوئے تھے۔

میں نے کھانے سے فارغ ہو [illegible]، باری باری کھول کر اُن کا جائزہ لیا۔ سب چیزیں [illegible] اُس سے کہیں زیادہ تھی جتنی میں نے چالس [illegible] میں نے وہ پیکٹس دوبارہ اچھی طرح بند کر [illegible] ہوئی بولی۔ [illegible] ساتھ رکھ لو جو ہم نے اپنے لیے بنائی تھی۔"

رضوان نے اثبات میں سر ہلایا اور [illegible] تاکہ فہرست لے آئے۔

کچھ دیر بعد ہی ہم ہوٹل سے نکل کر پیدل [illegible] کی طرف جا رہے تھے۔ ہم نے وہاں پہنچ کر [illegible] دوبارہ ہوٹل کی طرف چل دیے۔

اُس شب ہم جلدی ہی سو گئے تھے تاکہ اگلے [illegible] سکیں۔ چارلس کیلی سے جو سامان حاصل کیا تھا [illegible] اُس سے پہلے کچھ ایسے چھوٹے بم بھی بنانے تھے [illegible] پر لگے ہوئے سوئچ سسٹم کو دباتے ہی دھماکے سے [illegible] اندازے کے مطابق وہ دھماکا اتنا شدید ضرور ہوتا کہ [illegible] جلتے، اچھی خاصی تباہی پھیلاتے۔ مجھے اُن بموں کو [illegible] بھی بنانا تھا۔

اگلے دن صبح دَم ہی میں خود بخود بیدار ہو گئی۔ [illegible] محوِ خواب تھا۔ میں نے اُسے بھی جگا دیا۔ غسل اور ناشتہ [illegible]

کچھ دیر بعد میں اُس اہم کام سے فارغ ہو چکی تھی [illegible] کو دو بڑے بڑے تھیلوں میں پیک کیا گیا۔ وہ تھیلے [illegible] جا سکتے تھے۔ یہ تھیلے ایسے تھے جو عموماً خانہ بدوش قسم کے [illegible] کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ اُن تھیلوں کو میری ہدایت [illegible] موم چڑھا کر واٹر پروف بنا دیا گیا تھا۔

ہم لنچ کرنے کے بعد پوری طرح تیار ہو گئے۔ ہم نے [illegible] کاندھوں پر رکھ کر اُن کے فیتے مخصوص انداز میں باندھے تاکہ [illegible] کو ہاتھوں سے نہ اُٹھانا پڑے اور ہمارے ہاتھ آزاد رہیں۔

میں اور رضوان عجیب سے حُلیوں میں ہوٹل سے نکلے۔ [illegible] پر خانہ بدوش سیاحوں جیسے لباس تھے مگر لندن میں ایسے سیاح [illegible] آتے رہتے ہیں جو دُور دراز سفر کے لیے بھی سواری کا انتظام [illegible] پر نکل آتے ہیں۔ ایسے سیاح عام طور سے بسوں میں سفر کرنے [illegible] کار اور ٹرک والوں سے لفٹ لے کر ایک شہر سے دوسرے [illegible] ہیں۔ یہی سبب تھا کہ ہم پر کسی نے بھی توجہ نہیں دی اور نہ کوئی [illegible] ساؤتھ اینڈ پہنچنے کے لیے ہم نے بس کو ہی ذریعہ بنایا۔ [illegible]

[illegible] گیا جہاں پہلے ٹھہرے تھے۔ موسم خراب ہو [illegible] پر ہجوم نہیں تھا۔ ہمیں ہوٹل میں بآسانی کمرے [illegible]

[illegible] وقت دیا تھا، وہ قریب آتا جا رہا تھا لیکن وقت [illegible] نے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کر لیا۔ بیلی نے اور [illegible] باتیں کیں جو اِس بات کا اشارہ تھیں کہ میں، ساؤتھ اینڈ پہنچ چکی ہوں اور جو منصوبہ بنا چکے ہیں [illegible]

[illegible] رہا ہیں۔

[illegible] کے تھوڑی دیر بعد میں نے وقت دیکھا اور رضوان [illegible] اس نے بھی میری ہی طرح اپنا تھیلا ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ [illegible] نکل گئے۔ ہوٹل سے وہ مقررہ جگہ زیادہ دور [illegible] کے بھیجے ہوئے آدمی کو ہم سے ملنا تھا۔

[illegible] کار سمیت مقررہ جگہ پر پہلے ہی سے موجود [illegible] کہے بغیر اپنے تھیلے اُس کے حوالے کر دیے جو [illegible] ہی کار کی ڈکی میں رکھ دیے۔

[illegible]!" میں نے کار ڈرائیور کے قریب پہنچ کر مدھم [illegible]

[illegible] ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلایا۔

[illegible] ہم ہوٹل کی طرف چل دیے۔ ایٹال ٹو پر حملے کی [illegible] ہو چکی تھیں۔ اگلے دن مُنہ اندھیرے ہی ہمیں اپنی مہم [illegible] اُس مہم کی مشکلات کا مجھے پوری طرح اندازہ تھا لیکن [illegible] آنا ہونا ہی تو زندگی ہے۔ وہ زندگی تو نہ ہوئی جو [illegible] کسی جدّ و جہد کے گزر جائے۔ وہ مہم کیونکہ ایک اعلیٰ [illegible] تھی اِس لیے میں اور بھی پُرجوش تھی اور رضوان کی کیفیت [illegible] ہو رہی تھی۔ وہ اعلیٰ مقصد فلسطینیوں کا مفاد تھا جو [illegible] دونوں ہی کو اُسی طرح عزیز تھا جس طرح خود فلسطینیوں [illegible] کا تھا۔

[illegible] پہنچی تو رضوان کو خلافِ توقع کچھ اُداس اُداس سا محسوس کیا۔ [illegible] سوچ میں ہو؟" میں نے رضوان سے پوچھا۔

[illegible] نگاہ اُٹھا کر میری جانب دیکھا، پھر بولا۔ "مجھے رضیہ کا [illegible] اگر ہماری مہم کامیاب رہی تو شاید ہم کل اُس سے مل سکیں۔"

[illegible] میرا خیال ہے کہ رضیہ ایٹال ٹو پر نہیں ہے۔ اُسے کہیں [illegible] ہے۔" میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

[illegible] میری بات سن کر چونک پڑا اور بولا۔ "آپ کے اِس خیال [illegible]

"[illegible] مسلسل انکار!" میں نے جواب دیا۔ "پیٹر کو یا اُس کے آدمیوں کو ہم سے بھلا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی!"

"مگر رضیہ نے تو خود بتایا تھا کہ وہ جزیرے پر ہے۔" رضوان نے کہا۔

"ہاں! لیکن اُس نے ایٹال ٹو پر موجود ہونے کی حامی نہیں بھری تھی۔ وہ بہت تیز لڑکی ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اُس نے جزیرے کے نگراں سے اُس جزیرے کا نام ضرور پوچھا ہوگا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ رضیہ نے جزیرے کا نام پوچھا ہو مگر اُسے نہ بتایا گیا ہو۔" رضوان نے خیال ظاہر کیا۔

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُسے جزیرے کا نام بتایا گیا ہو مگر اُس نے یقین نہ کیا ہو کہ اُسے جو نام بتایا گیا ہے وہ درست ہے۔"

"اگر آپ کا اندازہ درست ہے تو اِس کا سیدھا سادا مطلب یہ ہوا کہ چارلس کیلی ہمیں رضیہ کے بہانے اپنے مقصد سے استعمال کر رہا ہے۔" رضوان تقریباً اُنہی نتائج تک پہنچنے لگا جن پر میں پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔

"اور یہ بھی کہ چارلس کیلی نے جس شخص کو ٹیلی وژن پر ہمیں پیٹر کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا، وہ اُس کا ہی کوئی آدمی ہو سکتا ہے۔" میں نے مزید کہا، پھر بولی۔ "لیکن اِن تمام باتوں کی حیثیت ابھی قیاسات کی ہے، حتمی طور پر اِس وقت تک کچھ نہیں کہا جا سکتا جب تک ہم ایٹال ٹو پر نہ پہنچ جائیں۔ فی الحال چارلس کیلی کو چھیڑنا بھی بے سود ہی رہے گا۔ ہم ایٹال ٹو کی مہم سر کرنے کے بعد ہی چارلس کیلی سے نمٹیں گے۔"

رضوان کچھ دیر کے لیے میری بات سن کر کسی سوچ میں گم ہو گیا، پھر تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "باجی! ایک بات اب تک سمجھ میں نہیں آسکی۔ رضیہ اتنی تیز لڑکی ہونے کے باوجود اب تک چارلس کیلی یا پیٹر کی قید میں کیوں ہے؟ اُس نے اپنی رہائی کے لیے کوشش کیوں نہیں کی؟"

"دشمن بہت تیز ہے۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے رضیہ کو کس طرح رکھا ہوا ہے! تم نے تو خود اُسے دیکھا تھا، وہ کس قدر کمزور دکھائی دے رہی تھی!"

"ہاں بالکل بیمار سی معلوم ہو رہی تھی۔" رضوان نے فکرمند لہجے میں میری تائید کی۔

مجھے آئندہ روز صبح دَم اُٹھنا تھا تاکہ جب میں ایٹال ٹو کی مہم کا آغاز کروں تو تر و تازہ حالت میں ہوں۔ اِس کے لیے آرام ضروری تھا۔ میں نے یہ سوچ کر رضوان کو بھی آرام کا مشورہ دیا اور خود بھی اِسی غرض سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

[illegible] بیدار ہوئی۔ رضوان شاید رضیہ کے خیال میں فوراً نہیں ہو سکا تھا اِس لیے میں نے ہی اُسے بیدار کیا۔ اُس وقت صبح کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔

میں بمشکل پندرہ بیس منٹ میں ناشتے سے فارغ ہو کر رضوان سمیت

ہوٹل سے نکل چکی تھی۔ اُس وقت شدید سردی تھی لیکن اُس سے بچاؤ کا بندوبست میں نے پہلے ہی کر لیا تھا۔

ساڑھے تھانڈے کی گودی تک پہنچنے میں مزید دس پندرہ منٹ لگے۔ وہاں فلسطینی لانچ ڈرائیور اپنی لانچ سمیت پہلے ہی سے موجود تھا اور لیلیٰ بھی اُس کے ساتھ تھی جو چہرے سے فکرمند نظر آ رہی تھی۔

"کیا بات ہے لیلیٰ! تم کچھ پریشان پریشان سی دکھائی دے رہی ہو؟" میں نے لیلیٰ سے کہا۔

"بانو!... آپ... آپ بخیریت تو لوٹ آئیں گی نا؟" اُس نے رُک رُک کر بھاری سی آواز میں اپنا جملہ ادا کیا۔

"ہاں ہاں ضرور! اس میں فکرمند ہونے کی کیا بات ہے!" میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"بانو! کیا میں... میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتی؟" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"نہیں لیلیٰ!" میں نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ یہ کافی ہیں۔" میں نے رضوان کی طرف اشارہ کیا۔

"اگر آپ کا اٹلی جانا انتہائی ضروری نہ ہوتا تو میں وہاں آپ کو ہرگز نہ جانے دیتی۔"

"ظاہر ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں کیوں خواہ مخواہ وہاں جاتی؟"

اُس کے بعد میں نے لیلیٰ کی تسلی کے لیے اُسے مزید سمجھایا مگر اُس کی تشویش کم نہ ہو سکی۔ میں اُسے سمجھانے کے سوا اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ اب مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں تھا اس لیے میں نے اُس سامان کا جائزہ لیا جو لیلیٰ اپنے ہمراہ لائی تھی۔ میں نے تمام سامان فہرست کے مطابق ہی پایا۔

"کیا دوسری لانچ مقررہ جگہ پہنچ گئی ہے؟" میں نے سامان کا جائزہ لینے کے بعد لیلیٰ سے پوچھا۔

"ہاں وہ لانچ مقررہ جگہ پہنچ چکی ہے۔" لیلیٰ نے فوراً جواب دیا۔ "آپ کو ہوا میں اُڑانے والے گلائیڈرز بھی وہیں ملیں گے۔ میرا خیال ہے کہ وہاں اب تک تمام تیاریاں مکمل ہوں گی اور آپ کا انتظار کیا جا رہا ہوگا۔"

"اچھا تو پھر اجازت دو یا وہاں تک تو کم از کم تم بھی ساتھ چلو جہاں دوسری لانچ کھڑی ہے۔" میں نے کہا۔

لیلیٰ نے ساتھ چلنے کے لیے رضامندی کا اظہار کیا۔ میں نے لانچ ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا اور لانچ چل پڑی۔ میں نے ہوا کی رفتار و رُخ کو ذہن میں رکھتے ہوئے پہلے ہی اُس جگہ کا انتخاب کر لیا تھا ...ل سے مہم کا آغاز کیا جانا تھا۔ میں نے لیلیٰ سے اُسی مقررہ جگہ ...وسری لانچ پہنچانے کے لیے کہا تھا۔ وہ جگہ جزیرے کی شمالی سمت میں

جزیرے سے ذرا ہٹ کر تھی۔ میں نے اُس
نقطۂ آغاز پر دوسری لانچ موجود تھی ...
بڑے بڑے تختے ڈال کر ایک عارضی گودی ...
...سے مہم کا آغاز ہونا تھا۔

دوسری لانچ میں وہی معتبر فلسطینی بوڑھا ...
میرا منتظر تھا جو ایک بار پہلے بھی مجھ سے مل ...
فلسطینی مجاہدوں نے بن یعقوب کے ٹھکانے ...
تمام کام اپنی نگرانی میں کرایا تھا۔ بڑے بڑے ...
اُنھیں تار کی مدد سے جوڑنا اور اُس کے بعد ...
لنگر انداز کرنا دقت طلب کام تھا مگر یہ کام ...
بوڑھے فلسطینی نے گرمجوشی سے ہمارا استقبال ...
میں نے اور رضوان نے باری باری انجن کی آڑ ...
کیے۔ مختصر سے زیرجاموں پر ہم نے غوطہ ...
لیا تھا۔ وہ لباس ربڑ جیسے کسی میٹریل سے بنا ہوا تھا ...
اُسی لباس کے ساتھ ربڑ کے جوتے بھی تھے جن کے ...
پنجوں کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ ہم نے آکسیجن کے ...
پشت سے باندھ لیے تھے۔ ہماری آنکھوں پر ...
ربڑ کے چشمے تھے جو اُس لباس کا لازمی حصہ ...
لندن سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔ انھیں بھی ...
... ہماری کمر کی پیٹیوں میں لپٹے ...
تیرکمان اٹکے ہوئے تھے جو پانی میں ...
گہرے پانی میں غوطہ خوری کے یہ لباس میں نے لیلیٰ
لیلیٰ ہی کے سپرد تیز رفتار لانچوں کی فراہمی اور ...
تھی۔ میں نے لیلیٰ کو یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ اُن مخصوص گلائیڈرز ...
کس طرح جوڑنا تھا! لیلیٰ نے میری تمام ہدایات پر ...
... تختوں پر آ موجود۔ لیلیٰ کے ساتھ ...
پیٹیاں کسنے میں میری مدد کی۔ اب پیٹیوں کے ذریعے ...
کمر سے باندھ دیا گیا تھا۔ مجھ پر اب اچھا خاصا بوجھ ہو گیا تھا ...
لیے کھڑا ہونا مشکل تھا مگر وہ تکلیف عارضی تھی۔ میں سمجھتی ...
بار ہوا میں بلند ہونے کے بعد وہ سارا بوجھ گلائیڈر سنبھال ...
گلائیڈر کو کنٹرول کرنے والے حصے ہلا جلا کر چیک کیے ...
رضوان اور لیلیٰ سے رخصت چاہی۔ انھوں نے مجھے خدا حافظ ...
فلسطینیوں نے میرے دونوں پاؤں میں وہ خاص قسم کے ...
پہنا دیے جن کی مدد سے مجھے کچھ دور پانی پر چلنا تھا ...
جوتوں کو اسکی کہا جاتا ہے۔ وہ جوتے چڑھانے میں ...
ہوئی تو مجھے ربڑ کے غوطہ خوری والے جوتے اُتارنے پڑے

... پانی میں اُڑس دیا گیا۔
... کی ڈور کا ہُک ڈال دیا گیا جو میرے
... ہو سکتا تھا۔ یہ ہُک میری ہدایت ہی پر

... پہاڑیوں سے کود کر ہوا میں دُور
... جاتے تھے لیکن میں انھیں جس طرح
... میں اس طرح پہلے کبھی استعمال نہیں

... رہنما، لیلیٰ، رضوان اور دونوں فلسطینی
... کی لانچ کچھ دور چلی گئی تو میں نے اپنی
... دھڑکتے دل کے ساتھ لانچ کے حرکت میں

... رسی تو رسّی تن گئی اور میرے پاؤں تختوں
... کی رفتار تیز کر دی گئی۔ میں پھسلتی ہوئی
... لگا جیسے میں تہ کی طرف جا رہی ہوں مگر
... سے کھینچا، وہ مجھے بہت جلد پوری
... اور پھر میں تیزی سے پھسلنے لگی۔ مجھے یوں
... نہیں بلکہ جمے ہوئے برف کی چادر تھی جس
پھسل رہی تھی۔

... کیونکہ اب گلائیڈر کے پھیلاؤ میں تیزی
... ہوا نے گلائیڈر کو اوپر اُٹھانا شروع
... بھی فضا میں اُٹھا۔ میرے پاؤں پانی سے
... فضا میں بلند ہوتے چلے گئے تھے۔ چند لمحوں کے
... مگر میں نے بہت جلد خود کو سنبھال لیا۔
... دونوں پاؤں ایک دوسرے سے رگڑ کر لمبے
... نجات حاصل کی۔ جوتے میرے پاؤں سے
... ہوئے اور پانی میں گر گئے۔ اب میں اتنی بلند
... چھوٹی سی نظر آ رہی تھی جو جزیرے کی طرف
... فاصلے پر میری دائیں جانب تھا اور تیزی سے

... لطف انگیز محسوس ہو رہی تھی۔ میں ایک
... رہی تھی۔ میرا سارا وزن گلائیڈر نے اُٹھا لیا
... محسوس کر کے عجیب سی خوشی ہو رہی تھی۔
... فضا میں تیرتے رہنے سے میرے اندر وجود
... اب آور سی کیفیت چھا گئی تھی مگر کچھ دیر
... نکلنا پڑا۔ لانچ نے دائیں جانب لہر لی

تھی۔ اس کے ساتھ ہی میں بھی دائیں جانب ہو گئی تھی۔ اب جزیرے کے شمالی پہاڑوں کا سلسلہ میرے بالکل قریب تھا۔ میں بلند سے بلند پہاڑ کی چوٹی سے بھی چند فٹ اونچی ہی تھی۔

لانچ نے ... جانب مڑنے کا عمل جاری رکھا۔ میں پہاڑوں سے چند گز مزید قریب ہو گئی۔ اب پہاڑ میرے بالکل قریب تھے۔ میں اگر چند لمحے یونہی اُڑتی رہتی تو وہ پہاڑ تیزی سے میرے قریب آ کر پیچھے نکل جاتے۔

میں نے فوراً لانچ کی رسی کے ہُک کو جُدا کرنے والے لیور پر ہاتھ مارا۔ لیور کے حرکت کرتے ہی ہُک اپنی جگہ سے کھسک گیا اور تیزی سے نیچے گرنے لگا۔ ہُک کے جُدا ہونے سے میرے جسم کو جو جھٹکا لگا، میں نے اُس سے سنبھل کر دوسرے لیور کو مخصوص حرکت دی۔ یہ لیور گلائیڈر کی اُڑان کو کنٹرول کرنے کے لیے تھا۔ اس سے گلائیڈر کو ایک اور جھٹکا لگا، پھر وہ تیزی سے پہاڑوں کی طرف مُڑ گیا۔

سرمئی پہاڑوں کی چوٹیاں تیزی سے میری طرف بڑھنے لگیں۔ چند لمحوں کے لیے مجھے یوں لگا جیسے میں کسی پہاڑ سے ٹکرا جاؤں گی مگر میں اُن کے اوپر سے گزرتی چلی گئی۔

اب میرے نیچے جزیرہ پھیلا ہوا تھا۔ میں پہاڑوں کے درمیان کسی مناسب جگہ کو تلاش کرنے لگی جہاں میں گلائیڈر سمیت اُتر سکوں۔ چند لمحے بعد ہی میری نگاہ ایک صاف ستھری ہموار چوٹی پر پڑی۔ وہ جگہ مجھے پسند آئی اور میں نے اپنے گلائیڈر کا رُخ اُس طرف موڑ کر نیچے اترنے والا لیور تھوڑا سا دبایا۔ گلائیڈر بل کھا کر تیر کی طرح میرے منتخب کیے ہوئے مقام کی طرف لپکا۔ عین اُس وقت جب میں وہاں اترنے کے لیے اپنے پاؤں سیدھے کر رہی تھی، مجھے جزیرے کے دفاعی نظام کا خیال آ گیا۔ میرا یہ خیال درست ثابت ہوا کہ گلائیڈر پر طیارہ شکن توپیں گولے نہیں برسائیں گی۔ ریڈار سسٹم نے کمپیوٹر کو جو معلومات بہم پہنچائی ہوں گی، وہ کمپیوٹر کے لیے اُلجھن کا سبب بن گئی ہوں گی اور وہ اُلجھ کر گنز کو حرکت میں لانے سے باز رہا ہوگا۔

میں محض اس وجہ سے کامیاب رہی تھی کہ میں نے ایک عجیب طریقے کو آزمایا تھا۔ ایک ایسا طریقہ جو منطقی دلائل کی رُو سے عمدہ نہیں تھا اور جس کے لیے کمپیوٹر کے ذخیرے میں کافی معلومات نہیں رہی ہوں گی۔ اس کے باوجود میں جس جگہ قدم رکھنے جا رہی تھی، وہ جگہ میں نے عقلی دلائل سے منتخب کی تھی، اسی لیے میرے ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح کوندا کہ کمپیوٹر نے یقیناً اُس جگہ کے لیے کچھ نہ کچھ انتظام کر رکھا ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے تیزی سے اپنے پاؤں سکوڑ لیے۔ مجھے ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو میرے پاؤں ہموار سطح سے لگ چکے ہوتے اور جیسا

کہ میں نے بعد میں دیکھا یہ قدم میرے لیے خطرناک ثابت ہوتا۔

میرا رُخ ہموار سطح کی طرف تھا اور میں اُس سے بمشکل دو یا تین فٹ اوپر رہی ہوں گی، اسی لیے مجھے وہاں بچھے ہوئے وہ تار دیکھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی جو ایک جال کی صورت میں ہر اُس جگہ پھیلے ہوئے تھے جہاں قدم رکھنا ممکن تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اُن برہنہ تاروں میں بجلی دوڑ رہی ہوگی۔ ظاہر تھا کہ وہاں اُترنے کی صورت میں میرا کیا انجام ہوتا!

گلائیڈر اب تیزی سے نیچے اُتر رہا تھا۔ میں نے بھی تیزی کے ساتھ اُس علاقے کا جائزہ لیا۔ نیچے وہی پہاڑی چشمہ مصنوعی جھیل میں گر رہا تھا جو میں نے نقشے میں دیکھا تھا۔ اگر میں چکراتی ہوئی اُس جگہ گلائیڈر سا اُترنے میں کامیاب ہو جاتی تو بہت اچھا رہتا مگر براہِ راست پانی میں اترنا خطرناک تھا۔ جو گلائیڈر اب تک میرے لیے فائدے مند ثابت ہوا تھا، پانی میں اُترنے پر وہی میرے لیے موت کا سبب بن جاتا۔ جب تک میں خود کو اُس کی بندشوں سے آزاد کرتی، اُس کا وزن مجھے لے ڈوبتا۔ اِس صورتِ حال میں یہی ضروری تھا کہ پہلے میں کسی خشک جگہ اترتی، جس حد تک ممکن ہوتا اپنا وزن کم کرتی، پھر نیچے پانی تک پہنچنے کی کوشش کرتی۔

میں نے یہ فیصلہ کرنے کے بعد اُترنے کی خاطر ایک مقام منتخب کیا اور گلائیڈر کا رُخ اُس طرف کر دیا۔ اُس جگہ اترنا آسان نہیں تھا اور اسی میں میری جیت تھی۔ کمپیوٹر کا منطقی ذہن ہرگز اُس جگہ کے بارے میں یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہاں کوئی شخص جان بوجھ کر پہنچے گا۔ مجھے اسی لیے یقین تھا کہ وہ مقام اور اُس کے اِردگرد کافی دُور تک پھیلا ہوا حصّہ میرے لیے قطعی محفوظ تھا۔

میں نے گلائیڈر کی تیز رفتاری پر قابو پانا چاہا مگر وقت اِس قدر مختصر تھا اور وہ جگہ بھی اِتنی کم تھی کہ مجھے پوری طرح مہلت نہیں ملی۔ گلائیڈر کا ڈھانچہ بڑی قوت کے ساتھ چٹان سے ٹکرایا۔ وہ جھٹکا اِتنا شدید تھا کہ مجھے سنبھلنے میں چند لمحوں کی دیر ہو گئی۔ میں اِسی لیے منتخب کیے ہوئے مقام پر قدم رکھنے کے باوجود اپنا جسمانی توازن برقرار نہ رکھ سکی اور نیچے گرنے لگی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں اسی طرح لڑھکتی ہوئی نیچے چلی جاؤں گی مگر چند پتھروں سے ٹکرانے کے بعد میرے ہاتھ ایک اُبھرے ہوئے پتھر پر جم گئے۔ وہ پتھر باہر کے رُخ نکلی ہوئی ایک چٹان کا تھا جس سے میں لٹک رہی تھی۔

ذرا سا سنبھل کر میں نے اپنے ہاتھوں پر زور دیا اور اُٹھنا چا... ناکام رہی۔ میری قوت تو صرف ہو رہی تھی مگر جسم نہیں اُٹھ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اس کی وجہ میری سمجھ میں آ گئی۔ میرے جسم سے بندھے ہوئے

گلائیڈر کا کوئی حصّہ اوپر کسی جگہ ا
تھی تو وہ حصّہ مجھے اپنے وزن سے
نیچے کی طرف دیکھا کیونکہ ہاتھوں کے ہا
میرے ہاتھ دُکھنے لگے تھے۔ مجھے یہ ا
وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھوٹ جاتا تو
میرے رُکنے کا امکان ہوتا۔ میں نے گھ
اُوپر نگاہ اُٹھائی تو ذرا بلندی پر مجھے ا
پاؤں سکیڑے اور اُنھیں دراڑ میں رکھنا ا
سے جمے تو میں نے اپنے جسم کا کچھ
میرے ہاتھوں کو کچھ آرام ملا۔ چند لمحے
اپنا ایک ہاتھ پتھر سے ہٹا لیا۔ وہ بندھن
میں گلائیڈر سے منسلک ہوئی تھی مگر یہ ممکن
دے کر اپنی کوشش جاری رکھی۔ میں ا
کر رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے میں پتھر تھا
گئیں۔ آخری بندش ڈھیلی ہوتے ہی گلائیڈ
ہوئی نیچے جانے لگا۔ مجھے خوف محسوس ہوا
بھی نیچے نہ چلی جاؤں۔ میں نے گھبرا کر
پتھر کو پکڑ لیا۔ ایک آخری جھٹکے کے بعد
جسم سے جدا ہو گیا اور وہ پتھروں سے
وہ ایک چھپاکے کے ساتھ پانی میں گر کر
تیرنے لگا۔ یہی انجام میرا بھی ہو سکتا تھا مگر
کے بعد شاید میرے جسم کی ایک ہڈی بھی سلا
کر میرے جسم میں سنسنی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی

میں نے ذرا سا ستانے کے بعد
قوت صرف کی اور اِس مرتبہ میری کوشش کاما
چلا گیا۔ پھر میں نے اپنا جسم سکوڑا اور پاؤں اُٹھا
میں ذرا سی کوشش کرنے کے بعد چٹان
ہو گئی۔ میں چٹان پر چڑھ گئی۔ وہ جگہ ہموار تھی ا
بآسانی کھڑی ہو سکتی تھی۔

اپنی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد مجھے رضوا
ہوئی۔ اُسے بھی میرے پیچھے پیچھے ہی آنا تھا اور
وہاں آئی تھی۔ مجھے [illegible]
احتیاط سے کام نہ لے سکے جو میں نے برتی تھی
وہ اُترنے کے لیے کسی ایسی ہی جگہ کا انتخاب نہ کر
برہنہ تار بچھے ہوئے ہوں!

نی۔ جہاں تک میری نگاہ پہنچ رہی
ں آ رہا تھا۔ میں مزید فکرمند ہو کر
رضوان کا گلائیڈر پہاڑوں سے زیادہ

ہو رہا تھا کیونکہ کچھ دیر بعد ہی مجھے رضوان
وہ کافی بلندی پر تھا اور چکر لگا رہا
نے کے لیے کسی جگہ کا انتخاب کر لیا
نیچے اُترنے لگا تھا۔
تھوڑی دُور موجود ایک وسیع ہموار سطح
کے لیے مناسب محسوس ہوئی تھی اور
ئی تھی۔
سے چیخ اُٹھی تاکہ اُسے ایک یقینی خطرے

ل نہیں کیا۔ شاید اُس تک میری آواز نہیں
ن کے پاؤں چٹان پر ٹکنے کے لیے
بار پھر گھبرا کر چیخ اُٹھی۔
یہ میری چیخ تھی جو اُس کی سماعت سے ٹکرائی
میری طرف مُنہ کیا، صرف لمحے بھر کے لیے!
کی توجہ دوبارہ اُس چٹان کی طرف مبذول
تھا مگر اُسے دیر ہو چکی تھی۔
میری جانب متوجہ ہو کر دوبارہ چٹان کی
اُترنے والا تھا، میرا دورانِ خون انتہائی
وہ ایک یقینی موت کی طرف بڑھ رہا تھا۔
ہی ہوئی تھی اور دل تیزی سے دھڑک
طویل سانس لیا جب رضوان کو اچانک
یقیناً چٹان پر پھیلے ہوئے بجلی کے تاروں
گلائیڈر اب تدریجاً نیچا ہو گیا تھا جسے اونچا
اُٹھانے کی کوشش مشکل ہی ثابت ہوتی۔
سے آگاہ ہو جانے کے بعد رضوان اب

تین چکر لگاتے دیکھا، پھر وہ میرے ہی قریب
ہو گیا۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا کہ شاید وہ
ہوا۔ اب میں اُس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی
اس کے اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ اپنی

کوہ پیمائی کا ضروری سامان میرے ساتھ تھا۔ اُس میں کوہ پیمائی سے متعلق تمام ہی ضروری اشیا تھیں۔ میں نے دو تین لمبی لمبی رسیاں تھیلے سے نکالیں اور اُنھیں مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے سے باندھ دیا، پھر اُن کے ایک سرے پر پھسلنے والی گرہ لگا دی اور اُس گرہ کو چٹان کے اُبھرے ہوئے حصّے میں پھنسا دیا۔ اُس کے بعد میں نے رسّی کا دُوسرا سرا نیچے پھینک دیا۔ رسّی کافی لمبی تھی لیکن پھر بھی اُس کا سِرا جھیل کی سطح سے پچاس ساٹھ فٹ اوپر ہی لٹک رہا تھا۔

میں دانستہ براہِ راست پانی میں ہی کودنا چاہتی تھی کیونکہ جھیل کا کنارہ میری نظر میں محفوظ نہیں تھا۔ چٹانوں کے وہ حصّے جہاں انسانی قدم پہنچنے کے امکان تھے، دفاعی نظام نے نظر انداز نہیں کیے تھے تو پھر میں یہ کیسے سوچ سکتی تھی کہ مصنوعی جھیل کے آس پاس کا علاقہ نظر انداز کر دیا گیا ہوگا! مجھے یقین تھا کہ وہاں بھی یقیناً کوئی نہ کوئی ایسا انتظام کیا گیا ہوگا کہ انسانی قدم پڑتے ہی کمپیوٹر کے علم میں آ جائے اور قدم رکھنے والے کو وہیں روک دیا جائے۔ روکنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے جا سکتے تھے۔ ممکن تھا کہ وہاں بارود بچھا دی گئی ہو جو کسی نظر نہ آنے والے معمولی سے پن کے دبنے پر جھٹکے سے اُڑ جاتی ہو جس کے ساتھ ہی زمین پر قدم رکھنے والے کے پرخچے اُڑ جاتے ہوں۔ یہ بھی امکان تھا کہ وہاں کسی قسم کا خودکار نظام موجود ہو جو کسی کی موجودگی کو محسوس کرتے ہی حرکت میں آ جائے اور کسی مقام سے مسلسل فائر کرنے والی مشین گن جھیل کے کنارے قدم رکھنے والے کو بھون کر رکھ دے۔

ان تمام خطرات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ میں براہِ راست جھیل ہی میں کودوں گی۔ اگر اِس امکان کو بھی کمپیوٹر نے مدِنظر رکھا ہوگا تو پھر کچھ بھی ممکن نہیں تھا کیونکہ میں اِس کا کوئی توڑ نہیں سوچ سکی تھی اور نہ ہی اِس کا کوئی توڑ ممکن تھا۔ اگر جھیل میں جگہ جگہ نوکیلے برچھے لگا دیے گئے ہوں تو بھلا اوپر سے گرنے والا اُن سے کیا بچاؤ کر سکتا ہے! اِس کے علاوہ ایک خطرہ اور بھی تھا کہ جس جگہ میں کودوں، وہاں پانی کی گہرائی کم نہ ہو۔ پانی کم ہونے کی صورت میں بھی میری زندگی کو خطرہ تھا۔ میں اُس صورت میں سیدھی تہ کی طرف جاتی اور میرا سر تہ سے ٹکرا جاتا۔ اِتنی شدید ٹکر موت ہی کا باعث ہو سکتی تھی لیکن پانی کم ہونے کا خطرہ صرف اِسی صورت میں تھا کہ چارلس کیلی کی فراہم کردہ معلومات غلط ثابت ہوتیں۔ میں نے اُن کی دی ہوئی فائل میں پڑھا تھا کہ مصنوعی جھیل کی کم سے کم گہرائی بارہ فٹ تھی۔ بارہ فٹ پانی کودنے کے لیے کم نہیں تھا۔

میں آہستہ آہستہ رسّی کے سہارے چٹان سے اُترنے لگی اور پھر میں رسّی کے دُوسرے سرے تک پہنچ گئی۔ اب میرے سامنے ایک

نیا مسئلہ درپیش تھا۔

اوپر سے مجھے یہی محسوس ہُوا تھا کہ جیسے رسّی کا دُوسرا سِرا معلق جھیل پر لٹک رہا تھا لیکن سِرے کے قریب پہنچ کر پتا چلا کہ جھیل ذرا ہٹ کر تھی۔ اگر میں سِرے تک پہنچتے ہی ایک دم رسّی چھوڑ دیتی اور نیچے نہ دیکھتی تو یقیناً جھیل کے کنارے ہی گرتی جہاں میرے اندازے کے مطابق موت میری منتظر ہوتی۔

اُس صورتِ حال سے نمٹنے کا صرف ایک ہی حل تھا جس پر میں نے فوری طور سے عمل کیا۔ میں نے رسّی کو مضبوطی سے پکڑا، میخ ٹھونکنے والی ہتھوڑی کو ہاتھوں میں دبایا اور پاؤں سکوڑ کر چٹان سے لگا دیئے پھر میں پاؤں کا زور لگا کر چٹان سے اُچھلی۔ میں کچھ دُور جا کر دوبارہ چٹان کی طرف پلٹی اور اپنے جسم کا تمام وزن پاؤں پر ڈال کر پھر اُچھلی۔ اِس بار میں پہلے کی نسبت دو تین فٹ اور آگے تک گئی۔ میں نے چٹان سے انتہائی دُوری پر پہنچ کر ہتھوڑی ہاتھ سے چھوڑ دی۔

اِدھر میں چٹان تک پہنچی اور اُدھر ہتھوڑی کے نیچے گرنے کی آواز سُنائی دی۔ وہ آواز مجھے بڑی بھلی معلوم ہوئی کیونکہ وہ آواز ہتھوڑی کے کسی پتھر سے ٹکرانے کی نہیں تھی بلکہ پانی میں گرنے کی آواز تھی۔ گویا میرا اندازہ قطعی درست ثابت ہوا تھا۔ اب میں نیچے کودنے کے لیے پوری طرح تیار تھی مگر اُس سے پہلے بھی مجھے کچھ کرنا تھا۔

میں نے ایک ہاتھ سے رسّی کو پکڑا اور دُوسرے ہاتھ سے تھیلے میں موجود اُن چیزوں کو پھینکنا شروع کیا جن کا تعلق کوہ پیمائی سے تھا اور جن کی اب ضرورت نہیں تھی۔ میں جہاں تک وزن کم کر سکتی تھی، کیا پھر تھیلے کو زِپ کھینچ کر بند کیا۔

جھیل میں کودنے سے پہلے میں نے پیٹی میں اڑسے ہوئے ربر کے لمبے پنجے نما جوتے ایک ایک کر کے نکالے اور اُنھیں پیروں میں چڑھایا۔ میں نے ایسا کرنے کے لیے باری باری اپنے دونوں ہاتھ استعمال کیے کیونکہ میں اپنے صرف ایک ہاتھ پر پورے جسم کا وزن نہیں سہار سکتی تھی۔ کام آسان نہیں تھا۔ صرف ایک ہاتھ پر پورے جسم کا وزن سہارنا ہی آسان کام نہیں تھا، پھر پاؤں سکوڑ کر جوتے پہننا تو اور بھی مشکل مرحلہ تھا لیکن میں نے یہ مرحلہ کسی نہ کسی طرح طے کر لیا۔ میں جب اِس مشکل کام سے فارغ ہوئی تو مجھے یوں لگا جیسے اب مزید اِس طرح لٹکے رہنا میرے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ میرے دونوں ہاتھوں کی نسیں بُری طرح کھنچ رہی تھیں اور اُن میں شدید تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ کسی بھی لمحے اُس تکلیف کی شدت سے رسّی پر میری گرفت کمزور پڑ سکتی تھی اور پھر انجام ظاہر تھا۔ میں پھسلتی ہوئی چٹانوں سے ٹکرا کر نیچے لڑھکتی چلی جاتی۔

میں نے یہ احساس ہوتے ہی اپنی ساری قوت یکجا کر کے رسّی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور جھٹ سے [illegible] دیا۔ پھر جب دو [illegible] تو اُچھلی پھر جب میں اپنے اندازے کے [illegible] پر تھی، میں نے رسّی کا سِرا چھوڑ دیا۔ میں گرتے ہوئے اُس لمحے کی منتظر تھی جب [illegible] یا ایک چھپاکے سے پانی میں جا گرتا۔

آخر کار میرے پاؤں نے پانی [illegible] کاٹتے ہوئے کافی دُور تک نیچے گئے [illegible] پھر تیر کی سی تیزی سے اُٹھی اور سطحِ آب [illegible] اب میں گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

معاً اُسی وقت مجھے ایک [illegible] کے مرکز کی طرف سے بلند ہو رہی تھی۔ شاید جزیرے کے باسیوں کو میرے جھیل تک پہنچنے [illegible]

میں نے تیزی سے جزیرے [illegible] دیا لیکن کچھ دُور جا کر ہی میں رُک گئی [illegible] میں نے اپنا اوپری جسم پانی سے باہر [illegible] دیکھنے لگی۔

میری نگاہ رضوان کو تلاش کر رہی تھی [illegible] تھا۔ مجھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ [illegible] بیٹھا ہوا نظر آ گیا۔ اُس نے اپنے پیر کسی [illegible] ہوئے تھے۔ وہ چٹان میں میخ ٹھونکنے کی [illegible] اوپر لٹکا ہوا تھا۔ غالباً اُس کا گلائیڈر پھول [illegible] کسی اُبھرے ہوئے پتھر میں پھنس گیا تھا ورنہ وہ [illegible] جاتا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ گلائیڈر کے [illegible] شاید اُس جگہ پاؤں جمانے میں کامیاب ہو [illegible] مشکل نہیں تھا کہ اُس نے بند کھول کر خود کو [illegible]

رضوان کی موجودہ حالت کافی خطرناک [illegible] کے سہارے بُحر دری ڈھلان کا سہارا لیے اُس ہتھوڑی سے میخ پر ضرب لگانے کے [illegible] پڑتا تھا۔ ذرا سا بھی جھٹکا لگنے کی صورت [illegible] سکتا تھا اور وہ چٹان سے لڑھک کر [illegible] سکتا تھا۔

اب میرے لیے رضوان کا انتظار [illegible] ہی مجھے یہ احساس بھی تھا کہ وقت بہت [illegible] نادیدہ و نامعلوم خطرے کو قریب سے [illegible]

[illegible] کا تھا۔ نہ جانے جزیرے کے باسیوں نے ہم [illegible] ما ہو۔ شاید کوئی تیز رفتار موٹر بوٹ یا لانچ [illegible] ہو یا ہمارے اور مرکز کی راہ میں کوئی ایسی [illegible] جسے دُور کرنا ہمارے لیے ممکن نہ ہو۔ ایسی [illegible] پانی میں نہیں ٹھہر سکتے تھے اور پانی سے باہر [illegible] ثابت ہوتا۔

[illegible] وہ بند کھول لیے جو تھیلے کو مجھ سے چپکائے [illegible] سے الگ ہو کر تہ کی طرف بیٹھنے لگا لیکن [illegible] سے پکڑ لیا۔ پانی سے باہر اُس تھیلے کو ایک ہاتھ [illegible] ممکن نہ ہوتا مگر پانی میں ہونے کے سبب [illegible] میں نے دُوسرے ہاتھ سے تھیلے کی زِپ کھولی [illegible] تھیلا نکال لیا جو واٹر پروف تھا۔ اُس تھیلے میں [illegible] میں نے گیس ماسک بھی نکال لیا جو یقیناً [illegible] میں چاقو اور دُوسرا معمولی اسلحہ بھی تھا مگر میں [illegible] وہ تمام سامان تھیلے [illegible] جھیل کی تہ میں [illegible] پھر رضوان کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ اِس دوران میں [illegible] میں رسّی ڈال کر اُس کی مضبوطی کا اندازہ لگا [illegible]

[illegible] رسّی کے سہارے نیچے آنے لگا۔ جھیل سے اُس کا [illegible] دُوسرا سِرا جھیل کی سطح سے بہت بلند تھا جہاں سے [illegible] رضوان کے لیے اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ [illegible] خطرات کا مقابلہ کرے جن کا مجھے خیال آیا تھا اور [illegible] رہی تھی مگر ایسا نہیں ہُوا۔

[illegible] تو رضوان کو ایک ایسی دراڑ مل گئی جس کے سہارے [illegible] جھیل کی طرف چل سکتا تھا۔ میں بے چینی سے اُسے [illegible] رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ دراڑ کے خاتمے پر اُسے نیچے [illegible] کرنا پڑے گی۔ میں نے دیکھا کہ اُس دراڑ کے خاتمے [illegible] اور دراڑ تھی جو رضوان کو ایسی چٹان تک پہنچا سکتی [illegible] وہ بآسانی جھیل میں چھلانگ لگا سکتا تھا۔

[illegible] دراڑ سے چند فٹ کے فاصلے پر پتھریلی سطح سے چپکی [illegible] سے دراڑ کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے [illegible] کا وہ فاصلہ طے کرنے کی ایک ترکیب ہو سکتی تھی [illegible] اُس پر عمل کرنا ممکن تھا۔ جس طرح رضوان نے اوپر [illegible] تھی، اُسی طرح وہ ایک میخ اور ٹھونک سکتا تھا۔ میخ [illegible] ہاتھوں کا سہارا لے کر میخ پر جھولتا ہوا دُوسری دراڑ [illegible] وہ دراڑ کافی کشادہ تھی اور اُس کا نچلا حصّہ باہر کی طرف پھیلا ہُوا تھا اِس لیے اُس پر پاؤں جمانا [illegible] تھا۔ ایسا کرنا بہت خطرناک تھا مگر نیچے آنا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ پھر نیچے آنے کی صورت میں وہ خطرات بھی تھے جو لازماً پیش آتے۔

رضوان بھی شاید میری ہی طرح سوچ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ دراڑ کی طرف جھکنے لگا اور خطرناک حد تک جھک گیا، پھر اُس نے ہاتھ اُٹھائے اور جس حد تک اُنھیں پھیلانا ممکن تھا، وہاں تک ہاتھ لے جا کر میخ ٹھونکنا شروع کر دی۔ مجھے یوں محسوس ہُوا جیسے وہ میخ نہ ٹھونک سکے گا اور نیچے آ رہے گا۔ میرا دل بہت زور سے دھڑکا۔ رضوان میری آنکھوں کے سامنے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا اور میں اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اُس لمحے میری سماعت سے ایک مانوس سی آواز ٹکرائی۔ میں نے [illegible] رُخ بدلا اور اُس سمت دیکھنے لگی جدھر سے آواز سنائی دی تھی۔ وہ آواز قریب سماعت نہیں تھی۔ مجھے کافی فاصلے پر ایک موٹر بوٹ یا لانچ کسی دھبّے کی طرح حرکت کرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ وہ چند ہی منٹ میں سر پر پہنچ جائے گی اور پھر یا تو ہم پکڑے جائیں گے یا موٹر بوٹ سے برسائی جانے والی گولیوں کا شکار ہو جائیں گے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے ایک بار پھر رضوان کی طرف مڑ کر دیکھا۔

رضوان میخ ٹھونکنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور اب اُسے ہاتھ سے پکڑ کر اُس کے سہارے جھولنے ہی والا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ رضوان اپنی پہلی ہی کوشش میں کامیاب ہو جاتا کیونکہ اُسے کوشش کرنے کے لیے دُوسرا موقع ہرگز نہ ملتا۔ وہ جس جگہ کھڑا ہُوا تھا، وہاں دوبارہ پاؤں جمانا میرے خیال سے ممکن نہیں تھا۔

رضوان نے میخ کے گرد حرکت کی اور اُس کے پاؤں دُوسری دراڑ کی طرف بڑھے۔ مجھے ایسا ہی لگا جیسے وہ اپنا جسمانی توازن برقرار نہ رکھ پائے گا اور گر پڑے گا مگر یہ میرا واہمہ ثابت ہُوا۔ رضوان کا ایک پاؤں دراڑ تک پہنچ گیا تھا مگر اب اُس کے لیے یہ مسئلہ تھا کہ وہ اپنے باقی جسم کو ایک پاؤں کے سہارے کس طرح سیدھا کرے! یہ خطرناک مرحلہ تھا۔

رضوان کا کسرتی جسم جمناسٹک کی بہت سی مشقیں دُہرا سکتا تھا مگر شاید کسی جمناسٹ نے ایسی خطرناک حالت میں کرتب نہ دکھائے ہوں گے۔ چند لمحے بعد رضوان اپنے جسم کو سیدھا کرنے لگا اور وہ چند لمحے، چند برسوں کی طرح طویل تھے۔ میں ہر خطرے سے بے نیاز دم سادھے رضوان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بڑے سنسنی خیز لمحات تھے۔ ایسے لمحات جب واقعی دل کی دھڑکن رُکتی محسوس ہو۔ رضوان نے شاید ہاتھوں سے میخ پر زور دے کر جھٹکے کے ساتھ اپنا جسم اُٹھایا۔ اُس کا جسم کسی گھڑی کی سُوئی ہی کی طرح گھوما، اور پھر جیسے گرنے لگا

۔۔۔ اپنا سانس رُکا ہوا محسوس کیا مگر رضوان نیچے نہیں گرا۔ اُس نے دُوسرا پاؤں دراڑ میں جما کر اپنے جسم کو سنبھال لیا اور دوبارہ چٹان کی پتھریلی سطح سے چھپکلی کی طرح چپک گیا۔ اُس کے چند لمحے بعد ہی وہ تیزی سے چٹان کی طرف کھسکنے لگا۔ جیسے جیسے دراڑ کا کٹاؤ بڑھ رہا تھا۔ رضوان کے لیے کھسکنا آسان ہوتا جا رہا تھا۔ دراڑ کا آخری حصّہ تو اُس نے دونوں پیروں سے چل کے طے کیا تھا اور پھر چٹان پر پہنچ گیا تھا۔

"رضوان، جلدی کرو!" میں نے پوری قوت سے چیخ کر کہا۔

رضوان نے میری آواز سُن کر ۔۔۔ اُس نے مجھے ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے اپنے کندھے پر بندھا ہوا تھیلا کھولنے لگا۔

لانچ اب کافی قریب آ چکی تھی اور مجھے صاف نظر آنے لگی تھی۔

رضوان ۔۔۔ اپنے پیروں میں ربر کے جوتے پہن رہا تھا، پھر اُس ۔۔۔ ہی طرح گیس ماسک اور بارود کا تھیلا ہاتھ میں لے لیا۔ اگلے ۔۔۔ اُس نے چٹان سے جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ بڑا تھیلا اور باقی سامان اُس نے وہیں چٹان پر چھوڑ دیا تھا۔

وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر پانی میں گرا تھا۔ وہ پانی ہی میں اندر اندر تیرتا ہوا میرے قریب پہنچا اور پانی سے سر نکالا۔

لانچ کے قریب آنے کے سبب اب مجھے پانی کی لہریں اپنے جسم سے ٹکراتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"رضوان! جلدی سے اپنا آکسیجن ٹینک درست کرو! ہمیں گہرا غوطہ لگانا ہے۔" ۔۔۔ تیزی سے بولی۔

پھر میں نے سانس لینے کی نلکی مُنہ سے لگائی جو آکسیجن ٹینک سے لنک ہی تھی۔ ہاتھ پشت پر لے جا کر میں نے گیس کھولی۔ آنکھوں کا نقاب سر سے نیچے سرکا کر آنکھوں پر درست کیا اور پانی میں ڈُبکی لگا دی۔ اُسی وقت مشین گن چلنے کی مخصوص آواز سُنائی دی۔ مجھے اپنے قریب پانی میں گولیاں گرتی دکھائی دیں جس سے پانی کے چھینٹے اُڑتے محسوس ہوئے۔ پتا نہیں رضوان بھی میری جیسی تیزی کا مظاہرہ کر پایا تھا یا نہیں! میں نے کچھ دیر بعد تہ کی طرف جاتے ہوئے مُڑ کر پیچھے دیکھا اور یہ دیکھ کر مجھے سکون ہوا کہ رضوان کا ہیولا میرے پیچھے پیچھے حرکت کر رہا تھا۔

جھیل کا پانی کافی حد تک صاف تھا۔ میں کئی گز تک صاف دیکھ سکتی تھی۔ اُس کے بعد پانی کی رنگت سبزی مائل ہوتی چلی گئی تھی۔

معاً مجھے احساس ہوا کہ اُوپر لانچ کا ہیولا حرکت کر رہا ہے۔ اِسی کے ساتھ مجھے انجن کی آواز بھی سُنائی دی تھی۔ پانی میں ارتعاش تھا۔ اچانک میرا جسم جھٹکے کھانے لگا اور اُسی وقت میری نگاہ ایک گول انڈے سے مشابہ شے پر پڑی جو لانچ کے گزرتے ہوئے ہیولے سے جُدا ہو کر ہم سے کچھ فاصلے پر تہ کی ۔۔۔ سکتی ہے؟ میں نے ۔۔۔ حملے کا خیال آیا اور میرا جسم جھنجھنا اُٹھا۔ رضوان اِس دوران میں میرے ۔۔۔ ہاتھ ہلا کر اُسے تیزی دکھانے کا اشارہ کیا۔ ۔۔۔ ساتھ تیرنے لگی۔

میرا اندیشہ بے جا نہیں تھا۔ کچھ ۔۔۔ سا آ گیا۔ دھماکے کی آواز تو مجھ تک ۔۔۔ شدید جھٹکا میرے جسم سے اتنی شدت ۔۔۔ ساتھ بہا لے جائے گا۔ غالباً رضوان بھی اسی ۔۔۔ کیونکہ وہ مجھ سے دُور نہیں تھا۔

دشمن ہر طرح سے تیار ہو کر آیا تھا۔ ۔۔۔ یعنی پانی میں پھٹنے والے بم بھی تھے جو کافی گہرائی ۔۔۔ آس پاس تیرتی ہوئی چیزوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ ۔۔۔ وہ بم اِسی جھیل کا خیال کر کے بنائے گئے ہوں ۔۔۔ کے مطابق اُن میں اتنی قوت نہیں تھی جو کسی آبدوز ۔۔۔ ضروری ہوتی ہے مگر کسی آدمی یا چھوٹی موٹی ۔۔۔ وہ قوت بھی کافی تھی۔

میں اور رضوان تیزی کے ساتھ تیرتے ۔۔۔ کنارے کی طرف بڑھ رہے تھے کیونکہ اب پانی ۔۔۔ سا ہو گیا تھا۔ مجھے ایک سمت تاریکی سی نظر آئی اور ۔۔۔ ذہن میں کسی غار کا خیال آیا۔

رضوان میرے پیچھے پیچھے ہی تھا۔ وہ مجھ سے ۔۔۔ نہیں پڑ رہا تھا۔ لانچ شاید دوبارہ ہماری طرف پلٹ آ ۔۔۔ ایک بار پھر پانی میں ارتعاش محسوس ہو رہا تھا اور انجن کی ۔۔۔ سُنائی دے رہی تھی۔ دشمن یقیناً ابھی کچھ اور بم استعمال ۔۔۔

میں نے تاریکی کی سمت تیرنے میں پوری تیزی دکھائی ۔۔۔ مجھے پتھریلی دیوار کی قربت محسوس ہونے لگی۔ میرا خیال غلط ۔۔۔ تھا۔ وہ ایک غار ہی تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ میں ۔۔۔ تو چند لمحے بعد ہی میرا سر پانی سے نکل کر غار کی پتھریلی ۔۔۔ گیا مگر ضرب شدید نہیں تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک غار ۔۔۔ پانی بھرا ہوا تھا، صرف چند انچ کا گول خلا ایسا تھا جو پانی ۔۔۔ سکا تھا۔

معاً میرے قریب ہی رضوان نے پانی سے سر نکالا۔ میں ۔۔۔ گیس کا لیور بند کیا اور مُنہ پر چڑھا ہوا سانس لینے والا حصّہ ۔۔۔ نیچے جھکا دیا۔ پاؤں کی ہلکی سی حرکت میرے جسم کو اوپر ۔۔۔

۔۔۔ نے میں بہت کام دے رہے تھے۔

۔۔۔ اب وہ بھی اپنے مُنہ سے سانس لینے ۔۔۔ اُسے مخاطب کیا: "بُرے پھنسے!"

۔۔۔ ٹھیک" رضوان میری تائید میں بولا۔ ۔۔۔ ہمیں ختم کرنے کے لیے بم استعمال ۔۔۔

۔۔۔ جانور ورنہ بم کے دھماکوں سے بچنا ہمارے لیے ۔۔۔

۔۔۔ اظہار کیا۔

۔۔۔ کا رُخ ایسے کیا تھا جیسے آپ نے دُور ہی سے ۔۔۔ نے حیرت کا اظہار کیا۔

۔۔۔ یقین نہیں تھا کہ اندازہ درست ہی ثابت ہو ۔۔۔ پھر اُسے سمجھانے لگی کہ پانی میں جہاں تاریک دھند ۔۔۔ گہرائی گڑھا یا غار ہی ہوتا ہے جس تک روشنی نہیں ۔۔۔

۔۔۔ بات ہی کر رہی تھی کہ اچانک جیسے غار لرز ۔۔۔ اور بھی زیر کر گیا۔ اسی کے ساتھ دھماکے کی آواز بھی ۔۔۔ بعد دیگرے کئی دھماکوں کی آوازیں آئیں پھر ۔۔۔

۔۔۔ آخر تو میں نے مُنہ کھولا اور بولی: "ہمیں کچھ عرصے اِسی ۔۔۔ کی واپسی کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

۔۔۔ درست ہے۔" رضوان نے میری تائید کی پھر ذرا رُک ۔۔۔ آپ نے اُس چٹان پر پھیلے ہوئے تار کس طرح دیکھ ۔۔۔ میں اُترنے والا تھا؟ کیا آپ کا واسطہ کبھی کسی ایسی ۔۔۔ پڑا تھا؟"

۔۔۔" میں نے جواب دیا۔

۔۔۔ نے ہر امکان کو نظر میں رکھا ہے۔" رضوان بولا۔

۔۔۔ کر نہیں!" میں نے اعتراض کیا۔ "اگر ایسا ہی ہوتا تو ہم ۔۔۔ طرح پہنچتے!"

۔۔۔ ایک ہی امکان کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ شاید کمپیوٹر کو ۔۔۔ میں نہیں بتایا گیا۔" رضوان کے لہجے میں فخر کی جھلک تھی۔ ۔۔۔ وقت ایک بار پھر بموں کے دھماکے سُنائی دیے۔ غار کا ۔۔۔ گیا ۔۔۔ اِس ۔۔۔

۔۔۔ بعد سکوت چھا گیا اور پانی بھی کچھ دیر بعد اُتر گیا۔

۔۔۔ کب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا!" رضوان بڑبڑایا۔

۔۔۔ خیال ہے یہ آخری بم تھے۔ اب تک اُنھیں مرکز سے ہمارے ۔۔۔ اطلاع مل گئی ہوگی۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

۔۔۔ جانے کی اطلاع ۔۔۔" رضوان چونک کر بولا۔

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔ "اُن کے سونر نے کمپیوٹر کو اطلاع دے دی ہوگی کہ ہم جھیل کے پانی میں نہیں ہیں جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہمارے پرخچے اُڑ چکے ہیں۔"

رضوان نے سونر کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ یقیناً وہ اُس سے اچھی طرح واقف ہوگا۔ سونر پانی میں کام کرنے والا ریڈار ہوتا ہے۔ ۔۔۔ مسلسل آواز کی لہریں خارج کرتا رہتا ہے۔ یہ لہریں جب کسی ٹھوس چیز سے ٹکراتی ہیں تو پلٹ کر مخرج تک پہنچتی ہیں۔ کوئی بھی شے آواز ریڈار پر نقطے کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ ریڈار عام طور پر دھات سے بنی ہوئی چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ آبدوز کے لیے بہت کام کا آلہ ہے۔ آبدوز کی راہ میں حائل ہونے والی چٹانوں کو اِس کے ذریعے ۔۔۔ مگر پانی میں انسانی جسم کی موجودگی ظاہر کرنے کے لیے اِنھیں ۔۔۔ کبھی استعمال نہیں کیا گیا تھا کیونکہ انسانی جسم آواز کی لہروں کو واپس نہیں کرتا بلکہ جذب کر لیتا ہے۔

۔۔۔ خیال کو مدِنظر رکھتے ہوئے رضوان نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ "ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو اور سونر ہی سے ملتا جلتا کوئی آلہ استعمال کیا گیا ہو۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لیکن ایسی صورت میں جب ہم دوبارہ اِس غار سے نکل کر جھیل کے پانی میں پہنچیں گے اور جزیرے کی مرکزی عمارت کا رُخ کریں گے تو دشمن کو پھر اطلاع ہو جائے گی۔ لانچ دوبارہ بھی تو بھیجی جا سکتی ہے۔"

رضوان نے متوقع خطرے کا احساس دلایا۔

"یقیناً دشمن دوبارہ بھی ہمارے بارے میں باخبر ہو جائے گا مگر اب لانچ نہیں بھیجی جائے گی۔ ایک حربہ جو ناکام ہو چکا ہے اُسے دُہرائے جانے کی مجھے اُمید نہیں۔ وہ اب ہمارے لیے کوئی اور حربہ استعمال کریں گے۔" میں نے رضوان کی بات کا جواب دیا۔

ہم کیونکہ پہلے ہی تمام ممکنہ خطرات پر بحث کر چکے تھے اِس لیے رضوان نے مزید بحث نہیں کی۔

"۔۔۔ سے نکلتے ہیں۔" میں نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

رضوان نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے مُنہ اور ناک پر سانس لینے والی نلکی چڑھائی اور آکسیجن ٹینک کا والو کھول دیا، پھر پانی میں غوطہ لگایا۔ رضوان نے بھی میری تقلید کی۔

غار سے نکل کر ہم نے جزیرے کی مرکزی عمارت کا رُخ کیا اور تیزی سے تیرنے لگے۔ ہم یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ صحیح سمت میں ۔۔۔ رہے ہیں، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سر کو پانی سے نکال کر دیکھ لیتے ۔۔۔

سے۔ لاپ کا اب دور دور تک پتا نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے گیس کا والو بند کیا اور نلکی منہ سے ہٹا دی۔ اب میں پانی کی سطح پر تیر رہی تھی۔ رضوان نے بھی ایسا ہی کیا۔ آکسیجن کو خواہ مخواہ ضائع کرنا لاحاصل تھا۔ ہمیں کافی دور تک تیرنا تھا اور میرے ہاتھ ابھی سے دکھنے لگے تھے۔ سارا جسم ہی درد کر رہا تھا مگر میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ مسلسل تیرتی رہوں اور یہی حال رضوان کا تھا۔

جزیرے کی مرکزی عمارت اب لمحہ بہ لمحہ ہم سے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ ہمیں تیرتے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی کہ اچانک ہم پر نیا [illegible] ایک دم عجیب قسم کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ ہم فوراً ہی رک گئے اور اس گڑگڑاہٹ کا سبب جاننے کے لیے چاروں طرف دیکھنے لگے لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ وہ گڑگڑاہٹ پانی کی تہ سے ابھرتی محسوس ہو رہی تھی اس لیے حقیقت حال جاننے کے لیے ہم نے آکسیجن کی نلکیاں منہ سے لگا کر پانی میں غوطہ لگایا۔ پہلے تو ہمیں کچھ نظر نہ آیا اور جب پانی میں دیکھنے کے قابل ہوئے تو دیر ہو چکی تھی۔

ہمارے اور عمارت کے درمیان آہنی سلاخوں سے بنی ہوئی ایک دیوار سی حائل ہو چکی تھی جو دونوں طرف دور تک چلی گئی تھی۔ اگر ہم گڑگڑاہٹ کی آواز سنتے ہی تیرنے کی رفتار بڑھا دیتے تو شاید اس سلاخوں دار آہنی دیوار کے اوپر آنے سے پہلے ہی اسے پار کر جاتے۔ کم از کم میرا اندازہ یہی تھا کہ ایسا ممکن تھا مگر ہم نے بہرحال ایسا نہیں کیا تھا اور اب ایسا کرنا ممکن بھی نہیں تھا۔ وہ سلاخوں دار دیوار تہ سے شروع ہو کر پانی کے باہر تک بلند ہو چکی تھی۔

ہم سطح آب پر آ گئے اور آکسیجن کی نلکیاں نکال دیں پھر اُن سلاخوں کو دیکھا جو پانی سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ پانی سے باہر اُن کی لمبائی تقریباً ایک فٹ تھی اور اُن کے سرے نوکیلے تھے۔

"اب کیا کیا جائے؟" رضوان نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "اِن سلاخوں کو تیر کر پار کرنا تو ممکن نہیں۔"

"سلاخوں کا اوپری حصہ نچلے حصے سے جدا نظر آ رہا ہے اور دونوں حصوں کے درمیان لکڑی استعمال کی گئی ہے۔ کیا اس لکڑی کی جگہ لوہا استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا؟" میں سوچتے ہوئے بولی۔

میری بات سن کر رضوان بھی سوچ میں پڑ گیا۔ غالباً وہ میری بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ بات کی تہ تک پہنچ گیا اور بولا "سلاخوں کے اوپری حصے میں غالباً برقی رو دوڑائی گئی ہے۔ درمیان میں لکڑی اس لیے دی گئی ہے کہ نچلے حصے میں بجلی نہ پہنچے۔ پانی کی موجودگی نچلے حصے کو شارٹ سرکٹ کر سکتی ہے۔"

اسی وقت میں نے گھوم کر پچھلی سمت میں دیکھا پھر زیر لب

بولی۔ "ہم چاروں طرف سے گھیرے جا

زیرِ زمین موجود تھا اور ہمارے اِس

رضوان نے بھی مڑ کر دیکھا

گویا ہم گھیر لیے گئے مگر وہ ہمیں پکڑیں

"ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں پکڑنا ہی

سے کہا "ذرا سوچو کہ اِس جنگلے میں اگر

مخلوق بھی چھوڑ دی جائے تو ہمارا کیا حشر ہو

"مثلاً شارک مچھلیاں یا مگرمچھ"

میں خوف نہیں تھا۔

اگر میرا خیال حقیقت بننے والا تھا

اُس کٹہرے کا جائزہ لیا جاتا۔ میں نے

کوئی جواب دیے بغیر تیزی سے منہ پر گیس کی

ٹینک کا لیور کھول دیا پھر پانی میں غوطہ

نے کمر کی پیٹی میں اڑسی ہوئی آبی بندوق بھی

بھی اچھی طرح فٹ کر لیا تھا۔

میں نے تہ کی طرف جاتے ہوئے مڑ کر دیکھا

تقلید کرتے پایا۔ میں بغور چاروں طرف دیکھنے

اپنے سوا پانی میں کوئی اور شے حرکت کرتی نظر

میں مطمئن نہ ہو سکی مجھے یقین تھا کہ کسی نہ کسی

کٹہرے میں چھوڑا جائے گا۔ کہیں نہ کہیں اس کا

راستہ ہوگا یا پھر تہ ہی میں کوئی خانہ کھلے گا جس سے

کر ہم پر جھپٹ پڑے گی۔

اگر ہمارے پاس کچھ وقت تھا تو اُس سے

تھا۔ معاً میرے ذہن میں ایک عمدہ خیال آیا تھا

کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر

نے جنگلے کی طرف بڑھی اور اُسی وقت رضوان نے

میں نے اُسے مڑ کر دیکھا تو اُسے ایک سمت اشارہ کرتے

اُس سمت نظر ڈالی تو موت کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا

طور پر پہلے ہی کوئی ایسا منظر دیکھنے کے لیے تیار تھی اِس

اثر نہ ہوا۔

مجھے بڑی بڑی سفید شارک مچھلیوں کا ایک غول نظر

کھلے ہوئے منہ سے تیز نوکیلے دانت بڑے خوفناک انداز میں

تھے۔ وہ دنیا کی خطرناک آبی مخلوق سفید شارک تھی جو خون کی

پاگل ہو جاتی ہے اور پانی میں حرکت کرنے والی ہر شے پر

ہے۔ میں نے پلٹ کر جنگلے کا رخ کیا۔ رضوان میرے پیچھے

یوں کا غول بھی ہمارے پاس پہنچ

مرے اور رضوان کے اردگرد چکر لگا

ہندق کرتا نے شارک مچھلیوں پر حملہ

نے اُسے اشارے سے روک دیا خون

ہر سکتا تھا پھر وہ ہم پر ٹوٹ پڑتیں اور

مچھلیوں کی اِس عادت سے جزیرے

والے ہیں پاگل کرنے کے لیے خون کی بو ضروری

یقین تھا کہ اُنھوں نے اُس جنگلے میں خون

بابت ضرور کیا ہوگا لیکن شاید اُنھیں

پہلے اپنے شکار کا خون خشک کرنا چاہتے

اور بعد کرنا چاہتے تھے۔

نظر رکھتے ہوئے میرے قریب تیر رہا تھا اور

بنائے ہوئے ہم جنگلے کے ایک حصے سے باندھ

کر تار کھولتی ہوئی جتنی دور ہو سکتی تھی ہو

تقلید کی تھی۔ اب میں اپنی رہائی کے لیے

کے لیے بالکل تیار تھی۔

مجھے ٹہوکا دیا تو میں اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

میں نے مچھلیوں کے درمیان حرکت کرتی ہوئی

ل کسی مچھلی ہی سے مشابہ تھی مگر اُس کا انداز

ظاہر کر رہا تھا۔ اُس کھلونے میں کہیں سوراخ

ل ایک لمبی لکیر سی خارج ہو رہی تھی۔

ذہن میں گونجا۔

پہلے کی نسبت تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ اُن

دیا تھا۔ معاً ایک مچھلی خون خارج کرتے ہوئے

اپنے دانتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا پھر

ہا سرخ خون پھیل گیا۔

وہ لمحہ آ ہی گیا جب میں نے اُس خطرناک آبی

دیکھا۔ اُن کا غول ایک دہشت کے عالم میں پل

رضوان کی طرف جھپٹ پڑا۔

لمحے بھی انتہائی خطرناک تھی۔ مجھے اُس وقت اگر کوئی

کہیں پانی میری بنائی ہوئی تھیلیوں میں داخل ہو کر ہموں یا

بجلی کے تاروں تک نہ پہنچ گیا ہو اور ہمیں تیزی کا اب [illegible]

میں برقی رو نہ گزرتی تو ڈائنامائٹ کام نہ کرتا اور ہم دونوں شارک مچھلیوں کی خوراک بننے کے لیے وہیں اُس آہنی پنجرے میں رہ جاتے۔

میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ فوراً تار کے سروں پر لگے ہوئے سوئچ کو دبا دیا۔ دھماکے کا احساس آواز سے زیادہ پانی کے اُٹھنے سے ہوا۔ میری توقع کے عین مطابق دھماکا ہوتے ہی مچھلیاں گھبرا کر ہم سے دور ہو گئیں لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ دوری محض عارضی تھی۔ چند لمحوں بعد ہی وہ دوبارہ ہمارے قریب آ جاتیں اور اِس بار اُن کا حملہ شدید ہوتا۔

میں نے پانی کے پرسکون ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ رضوان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے میں تیزی سے آہنی پنجرے کے اس حصے کی طرف بڑھی جہاں کچھ دیر قبل میں نے بم باندھے تھے۔

میں تیزی سے تیرتی ہوئی آہنی پنجرے کے اُس حصے تک پہنچ گئی۔ پنجرے کا ایک حصہ دھماکے سے متاثر ہوا تھا۔ دو تین سلاخیں ٹوٹ کر اِدھر اُدھر مڑ گئی تھیں اور اتنا راستہ بن گیا تھا کہ میں اور رضوان باری باری اُس سے گزر سکیں۔

میں وقت ضائع کیے بغیر سوراخ کی طرف بڑھی اور فوراً اُس سے گزر کر آہنی پنجرے سے نکل گئی۔ میں نے ایسا کرتے ہوئے کسی خود غرضی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ میں رضوان کی نسبت اُس سوراخ سے قریب تھی اور رضوان کی اسی طرح مدد کر سکتی تھی کہ تیزی کے ساتھ اُس سوراخ سے گزر کر رضوان کے لیے راستہ صاف کر دوں۔ اگر وقت کا یہ تقاضا نہ ہوتا تو میں یقیناً رضوان ہی کو پہلے اُس پنجرے سے نکلنے کا موقع دیتی۔

رضوان میرے پیچھے پیچھے ہی آ رہا تھا مگر پھر بھی اُسے دیر ہو گئی تھی۔ پاگل اور خونخوار مچھلیوں کا غول منہ کھولے اُس پر جھپٹ پڑا تھا۔ یہ دیکھتے ہی میں نے جلدی سے اپنی آبی بندوق کا رخ اُس مچھلی کی طرف کر دیا جو رضوان کے بہت قریب پہنچ چکی تھی۔ میں نے تیر کو پنجرے کی سلاخوں سے نکال کر لبلبی دبا دی۔ لمبا آہنی تیر ایک جھٹکے کے ساتھ بندوق کی مختصر سی نال سے نکلا اور انتہائی تیزی سے پانی کو کاٹتا ہوا اُس شارک کے کھلے ہوئے منہ میں پیوست ہو گیا۔

تیر لگتے ہی مچھلی بڑے زور سے لرائی۔ اُس نے اپنا کھلا ہوا منہ بند کرنا چاہا مگر وہ اپنی کوشش میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکی کیونکہ آہنی تیر اُس کے جبڑے میں پیوست ہو چکا تھا۔ مچھلی کے آدھے کھلے منہ سے سرخ سرخ خون نکل کر تیزی کے ساتھ اردگرد پھیلنے لگا۔

اُس وقت دوسری مچھلیاں رضوان پر حملہ کر کے بآسانی اُسے اپنی خوراک بنا سکتی تھیں مگر وہ رضوان کی بجائے زخمی مچھلی پر ٹوٹ پڑیں اور اِس طرح رضوان کو موقع مل گیا کہ وہ بھی میری طرح اُس موت کے پنجرے سے باہر آ جائے۔

اگر رضوان اُس خطرناک منظر کو دیکھ لیتا کہ موت اُس کے کتنے قریب آ

پڑتا کی کو شاید اُس کا دن اپنی گرفت میں آجاتا۔ اسے کوئی پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ موت اُس کے نزدیک آکر لوٹ گئی تھی۔ وہ اپنے پیچھے ہونے والے ہنگامے سے بے خبر تیزی کے ساتھ تیرتا ہوا سوراخ سے نکل آیا تھا۔

رضوان میرے قریب آکر اور مجھے پانی میں ایک جگہ ٹھہرے دیکھ کر خود بھی رُک گیا۔ میں اُس وقت جھٹکے کھا کر پڑے ہوئے سُستا رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی زخمی مچھلی کے جسم کی تکا بوٹی ہوتے دیکھ رہی تھی۔ مجھے علم تھا کہ زخمی مچھلی کو اپنی خوراک بنانے کے بعد بقیہ مچھلیاں ہماری طرف متوجہ ہو جائیں گی۔ اس کا قوی امکان تھا کہ اُن میں سے کچھ مچھلیاں سوراخ کے راستے آہنی پنجرے سے نکل آئیں اور ہم پر حملہ کر دیتیں۔ میرا ذہن اُسی ممکنہ خطرے سے بچاؤ کی کوئی تدبیر سوچنے میں مصروف تھا مگر میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے میں آہنی پنجرے کے اُس سوراخ کو بند کر سکتی جو خود میں نے اُس سے نکلنے کے لیے بنایا تھا۔ جب تک کسی طرح اُس سوراخ کو بند نہ کیا جاتا مچھلیوں کو اُس آہنی پنجرے ہی میں قید نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آبی بندوق کے آہنی تیر یقیناً کام آ سکتے تھے لیکن اُنھیں پنجرے کی سلاخوں میں پھنسانے کے لیے تھوڑا سا موڑنا ضروری تھا اور اُن آہنی تیروں کو موڑنا تو درکنار اُن میں معمولی سی لچک بھی پیدا نہیں کی جا سکتی تھی۔

رضوان نے مجھے رُکے ہوئے دیکھ کر آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اُس نے شاید ممکنہ خطرے کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ میں نے اُسے مزید ٹھہرے رہنے کا اشارہ کیا اور اُس کی آبی بندوق لے لی۔

آہنی پنجرے میں اب زخمی مچھلی کا نام و نشان نہیں تھا۔ مچھلیاں اب اُسے اپنی خوراک بنا کر دوبارہ پنجرے میں چکرانے لگی تھیں۔ اُن کے جوش اور بیتابی میں مجھے کوئی کمی نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اب بھی بے قرار اور بپھری ہوئی تھیں۔ اُنھیں اب کسی نئے شکار کی تلاش تھی اور میں اُن کے لیے نیا شکار فراہم بھی کر سکتی تھی۔ میں دوبارہ اُنہی میں سے کسی مچھلی کو زخمی کر کے دوبارہ اُنھیں مصروف کر سکتی تھی لیکن میں ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آخر میں یہ کھیل کب تک کھیل سکتی تھی! مچھلیوں کی تعداد کافی تھی۔ اُنھیں زخمی کر کر کے ایک دوسرے کی خوراک بنانے میں بہت وقت لگتا جب کہ میرا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ زیادہ وقت لگنے کی صورت میں آکسیجن ختم ہونے کا خطرہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ یہ امکان بھی نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اُس آہنی پنجرے میں مزید مچھلیاں چھوڑ دی جائیں۔ اس لیے میں کچھ اور ہی تدبیر سوچ رہی تھی۔

پھر وہ لمحہ آ ہی گیا کہ مچھلیوں نے ہمیں دیکھ لیا۔ اس کا احساس مجھے اس طرح ہوا کہ اُن میں سے ایک مچھلی مُنہ کھول کر ہماری طرف لپکی تھی مگر وہ پنجرے کی آہنی سلاخوں سے ٹکرانے کے سبب ہم تک نہ پہنچ سکی تھی اور لوٹ گئی تھی۔ اُس کے بعد دوسری مچھلی نے بھی کوشش کی اور پھر تو اُن سبھی پر جیسے یہ جنون سوار ہو گیا کہ کسی نہ کسی طرح ہم تک پہنچ جائیں اور ہمارے جسموں کے ٹکڑے کر دیں۔

آخر اُن میں سے ایک مچھلی ہی گیا اور وہ [illegible] میں پنجرے سے ذرا دور ہٹ گئی کے بعد بندوق سیدھی کر لی۔ رضوان کو میں کا اشارہ کیا تھا تاکہ مچھلی کی توجہ اُس طرف کر فوراً پنجرے سے نکل آئے۔

جیسے ہی مچھلی کا نصف جسم [illegible] ترچھا کر کے لبلبی دبا دی۔ تیر بہت [illegible] جسم میں ایک طرف سے داخل ہوا اور [illegible] طرف نہ نکل گیا، نہ رُکا۔

مچھلی بڑے زور سے تڑپی اور [illegible] جسم سے نکل کر بڑی قوت کے ساتھ [illegible] تھوڑا سا مُڑ کر دو سلاخوں کے درمیان پھنس [illegible] تھا کہ کام اتنے عمدہ طریقے پر ہو جائے گا [illegible] پھنس کر کسی نہ کسی طرح اُسے ہم تک [illegible] مچھلیاں اُسے آگے نہیں بڑھنے دیں گی مگر [illegible] کسی طرح تیر سے الگ نہیں ہو سکتی تھی اور تیر نہیں نکل سکتا تھا۔

رضوان بھی یقیناً صورتِ حال کا اندازہ لگا [illegible] اظہار میں اپنے دونوں ہاتھ تالی بجانے کے انداز میں [illegible] بڑھنے لگا لیکن میرا ارادہ ابھی اُس آہنی پنجرے [illegible] ابھی میرا ذہن یہ ماننے پر آمادہ نہیں تھا کہ خطرہ ختم [illegible] اس میں تو اب کوئی شک نہیں تھا کہ [illegible] سے نکل کر اب ہم تک نہیں پہنچ سکتی تھی اور نہ [illegible] بھی ممکن تھا کہ ہمارے اور اُس کے درمیان [illegible] ہی ہٹا دیا جاتا۔ آہنی پنجرے کے درمیان [illegible] باتیں اور اُن کا آزاد ہونا میری اور رضوان کی موت [illegible] اور ہولناک موت!

آہنی پنجرا جس طرح جھیل کی تہ سے نکلا تھا اُس [illegible] سکتا تھا۔ ایسا کسی بھی لمحے ہو سکتا تھا اس لیے ضروری [illegible] پر خوش ہو کر رضوان کی طرح تالیاں بجانے کی بجائے اُس آہنی [illegible] سے روک دیتی۔ اس کے لیے میرے ذہن میں ایک [illegible] لیکن اُس پر اُسی صورت میں عمل کیا جا سکتا تھا کہ سلاخوں [illegible] سے جوڑنے والی کم از کم ایک ایسی آہنی پٹی کو تلاش کر لیا [illegible] متوازی لگی ہوتی۔

ذہن میں یہ خیال آتے ہی میں نے تہ کا رُخ کیا۔ مجھے

[illegible] تھی یا پھر تہ کے قریب مل سکتی تھی۔ [illegible] ہوا تہ سے تقریباً ایک فٹ اوپر [illegible] وہ پٹی اُفقی کھڑی ہوئی سلاخوں کو [illegible] پنجرے کی چاروں طرف چلی گئی تھی۔ [illegible] جھیل کی تہ نظر آ رہی تھی جس پر کاہی [illegible] تہ میں وہ چوڑا خلا بھی نظر آ رہا تھا [illegible] واپس بھی جا سکتا تھا۔

[illegible] میان اپنی آبی بندوق رکھ دی جو اسٹیل [illegible] اب بھی پنجرا واپس ضرور جا سکتا تھا لیکن [illegible] کو جوڑنے والی مضبوط آہنی پٹی اور خلا [illegible] بیچ [illegible] جانے کے بغیر اب پنجرا نہیں جا سکتا تھا۔

[illegible] سے میں اور رضوان یقینی طور پر محفوظ ہو [illegible] اطمینان کا سانس لیا اور سطح کی طرف اُٹھنے لگی۔ [illegible] رہا تھا کیونکہ میں اوپر پہنچی تو اُسے واپس [illegible] کر اشارہ کیا۔ اُس اشارے کا یہی مطلب اخذ [illegible] پیچھے رہ جانے کا سبب جاننا چاہتا تھا۔ میں [illegible] کر دیا تو اُس نے بھی دوبارہ مُڑ کر جزیرے کی

[illegible] ہم اب پر آ گئے اور سر باہر نکال کر تیرنے لگے۔ [illegible] والو بند کر کے چہرے سے نقاب اُتار لیا اور کھلی ہوا [illegible] نے بھی میری تقلید کی تھی تاکہ آکسیجن گیس کو [illegible] کیا جا سکے۔

[illegible] مسلسل عمارت کی طرف تیرتے رہے۔ ہمیں [illegible] دیر ہو گئی تو ہاتھ پاؤں مستقل حرکت کرتے کرتے [illegible] ابھی دُور تھی۔ ابھی دم لینے کا خطرہ مول نہیں لیا جا [illegible] والے خطرات کا سامنا کرنے سے پہلے ہمارے پاس [illegible] سے پورا پورا فائدہ اُٹھا کر عمارت کے قریب پہنچنا تھا۔ [illegible] یہی تھی کہ ہم مسلسل تیرتے رہیں۔ اسی کے ساتھ تیز [illegible] کہ ہم کم سے کم وقت میں عمارت تک پہنچ سکیں اسی [illegible] تیزی سے تیرتے رہے۔

ہم کتنی دیر اسی طرح مسلسل تیرتے رہے کیونکہ ہمیں اس [illegible] ہی نہیں تھی۔ بس [illegible] ہاتھ اور پاؤں مسلسل حرکت [illegible] تھکن کا احساس بڑھتا جا رہا تھا لیکن اسی کے ساتھ منزل [illegible] احساس مزید حرکت جاری رکھنے پر اکسا رہا تھا۔ [illegible] سے کافی آگے تیر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد جب میرے ہاتھوں

نے عمارت کی زیرِ آب بنیادوں کو چھوا تو میرے اعصاب [illegible] حرکت کرتے سے شل ہو چکے تھے۔ میں نے اطراف کا جائزہ لیا۔ بظاہر ارد گرد کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی رضوان بھی میرے قریب پہنچ گیا اور عمارت کی دیوار کا سہارا لے کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ تھوڑا سستانے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوا: ”اب کیا ارادہ ہے؟“

میں نے دیوار سے نکلی ہوئی ایک کاہی لگی منڈیر کا سہارا لے لیا تھا۔ تقریباً سو گز دور گندے پانی کا نالا عمارت کی تمام گندگی کو مصنوعی جھیل میں گرا رہا تھا۔ کیونکہ میں اور رضوان بہاؤ کی دوسری طرف تھے اس لیے وہ گندگی ہم تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ رضوان نے مجھ سے جو سوال کیا تھا میں نے اُس کے جواب میں خاموشی سے نالے کی طرف اشارہ کر دیا۔

”کیا کوئی اور راستہ اختیار نہیں کیا جا سکتا؟“ رضوان کے لہجے میں گھن سی تھی جو فطری تھی۔

”کیوں نہیں!“ میں نے جواب دیا۔ ”کوئی دوسرا راستہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ہم پانی سے نکل کر عمارت کے باہر موجود چبوترے تک بآسانی پہنچ سکتے ہیں مگر اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ چبوترے پر قدم رکھتے ہی ہم کسی تباہ کن حربے کا شکار نہیں ہو جائیں گے۔“

”مگر ... مگر گندگی میں گھسنا تو ناممکن معلوم ہوتا ہے۔“ رضوان بولا۔

”[illegible] ناممکن نہیں لیکن [illegible] ممکن ہو [illegible]۔ ویسے میرا خیال ہے کہ نالے میں کچھ دُور تک چلنا مشکل اور ناگوار ضرور ہوگا، ناممکن نہیں۔“ میں نے کہا۔

وہاں زیادہ دیر رُکنا کسی خطرے کو دعوت دینا تھا۔ اس لیے میں نالے کی طرف تیرنے لگی۔ رضوان کا دل چاہ رہا تھا اُس گندے نالے میں گھسنے کو نہ چاہتا ہو مگر اُس کے پاس میری بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا چنانچہ وہ بھی میرے پیچھے ہو لیا۔

توقع کے عین مطابق نالے کا مُنہ آہنی سلاخوں سے بند تھا۔ میں نے تھیلے سے ایک بم نکالا اور اُسے سلاخوں سے باندھنے لگی۔ اُسے اچھی طرح سلاخوں میں اُلجھا کر میں ممکنہ حد تک دُور ہو گئی۔ اُس کے بعد میں نے بڑے اطمینان سے تار کے سرے پر لگا ہوا بٹن دبا دیا۔

[illegible] پھٹا اور آہنی سلاخیں ٹوٹ گئیں۔ نالے میں داخل ہونے کا راستہ بن چکا تھا۔

مجھے ڈر تھا کہ کہیں دشمن نالے میں داخل ہونے سے پہلے ہی ہم تک نہ پہنچ جائے اس لیے میں تیزی کے ساتھ نالے کی طرف بڑھی۔ رضوان بھی میرے پیچھے پیچھے تھا۔

وہ نالا جھیل کی سطح سے تقریباً ڈھائی تین فٹ بلند تھا۔ میں اور رضوان نالے کی ٹوٹی ہوئی آہنی سلاخوں کا سہارا لے کر جھیل کی سطح سے اُٹھے اور

ٹوٹی ہوئی نوکیلی سلاخوں سے خود کو بچاتے ہوئے گندے بدبودار پانی میں جا پڑے۔ دھماکے کے سبب سلاخوں کا کچھ حصّہ ٹوٹ کر الگ ہو گیا تھا جس کی جگہ سے خلا بن گیا تھا اور کچھ حصّہ چھوٹی چھوٹی نوکیلی کیلوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اُن کیلوں سے بچنا شاید عام حالات میں ہمارے لیے ممکن نہ ہوتا مگر اُس وقت ہمارے جسموں پر مضبوط ربر نما شے کے لباس تھے جو نہ تو اُن نوکیلی کیلوں سے اُلجھے اور نہ ہی پھٹے۔ مجھے کیلوں کی چبھن محسوس ضرور ہوئی تھی مگر کوئی زخم یا خراش نہیں لگی تھی البتّہ گندگی کا احساس انتہائی ناگوار تھا۔ بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

میں نے بُو سے بچنے کے لیے گیس ماسک چڑھا لیا اور گندے پانی سے بچنے کے لیے منہ میں رومال ٹھونس لیا، اُس کے بعد آنکھوں پر شفاف شیشے والے گاگلز لگا لیے۔ رضوان نے بھی فوراً میری تقلید کی تھی۔

وہ پائپ اتنا بڑا تھا کہ میں اور رضوان اُس میں بآسانی رینگتے ہوئے آگے بڑھ سکتے تھے۔ ہم اپنے سروں کو بھی پانی سے باہر رکھ سکتے تھے۔ پانی کا بہاؤ کافی تیز تھا اور ہم بہاؤ کی مخالف سمت میں جا رہے تھے۔ پانی ہمارے جسموں سے ٹکرا کر چھینٹے اُڑا رہا تھا۔

جب تک اُس پائپ کا پہلا موڑ نہیں آ گیا مجھے یہ خوف رہا کہ کہیں کوئی پائپ میں مشین گن ڈال کر ہمیں بھون نہ ڈالے لیکن یہ خطرہ پیش نہیں آیا۔ اِس کی وجہ غالباً یہی رہی ہوگی کہ ہمارے لیے دشمن نے کوئی اور خطرناک حربہ سوچ رکھا ہوگا جس سے ہمیں نبرد آزما ہونا تھا۔ میں ذہنی طور پر ہر متوقع حربے سے نمٹنے کے لیے آمادہ تھی۔

جیسے ہی ہم موڑ سے گزرے سبزی مائل دھند نظر آئی۔ یہ دُھند میرے اور رضوان کے لیے اب کوئی نئی چیز نہیں رہی تھی اور اُس حالت میں ہمارے لیے خطرے کا باعث بھی نہیں تھی کیونکہ ہمارے چہروں پر عمدہ قسم کے گیس ماسک چڑھے ہوئے تھے جو ہمیں اُس زہریلی گیس سے محفوظ رکھنے کے لیے کافی تھے۔

میں اور رضوان آہستہ روی سے آگے بڑھتے رہے۔ کچھ دیر بعد سبزی مائل دُھند چھٹ گئی مگر اب ہم پائپ کے اُس حصّے میں پہنچ گئے تھے جو نسبتاً تنگ و تاریک تھا۔ ہمارے لیے اب مزید آگے بڑھنا بہت دشوار ہو رہا تھا اِسی لیے ہماری رفتار بہت کم ہو گئی تھی۔ تھوڑی دُور مزید چل کر شاید پائپ اور بھی تنگ ہو جاتا۔ مجھے ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس پائپ کی بناوٹ مخروطی ہو اور ہم مخروط کے انتہائی نقطے کی طرف جا رہے ہوں۔

میرا ارادہ یہ تھا کہ اُس پائپ میں جہاں تک آگے بڑھنا ممکن ہو بڑھا جائے پھر عمارت میں داخل ہونے کا راستہ بنایا جائے۔ مجھے بہرحال یہ اندازہ نہیں تھا کہ ہم عمارت کے کس حصّے میں نکلیں گے اور وہاں پہنچ کر کس قسم کے خطرات سے نبرد آزما ہونے پڑے گا! میرے اطمینان کی اگر کوئی بات تھی تو صرف یہ کہ مجھے اُمید تھی جزیرے کا دفاعی نظام عمارت سے باہر ہی

عمل پزیر رہا ہوگا۔ عمارت کے اندر ...
اندازے کے مطابق عمارت پر سیکیورٹی ...
کی مُتقید تھی۔

نادیدہ خطرات سے نمٹنے کی ...
آسان تھا۔ وہ بہرحال انسان تھے مگر ...
خطرناک ترین انسانوں سے نمٹنے کا ...
بروئے کار لایا جا سکتا تھا۔

کچھ مزید فاصلہ طے کرنے کے ...
کسی صورت آگے بڑھنا ممکن نہیں رہا ...
اور جب وہ رُک گیا تو پیچھے ہٹنے کا اشارہ ...
کرنے لگی۔ مجھے اب جو کچھ کرنا تھا اُس کے ...
تھی۔ مجھے اب ڈائنامائٹ استعمال کرنا تھا ...
نہیں تھی۔ ڈائنامائٹ استعمال کرنے کی ...
تھا کہ راستہ نکلنے کی بجائے اور مسدود ہو جاتا ...
کہ اس بند جگہ میں ہونے والا دھماکا میری ...
ہوتا اور ہم منوں ملبے میں دب جاتے۔ میں ...
ہی کافی غور و خوض کر چکی تھی۔ خطرے تو بہرحال ...
ہی سے بھاگنا ہوتا تو پھر میں ایشال تو کار ...
میں نے ابھی ڈائنامائٹ نکال لینے کے ...
تھا کہ معاً ایک عجیب سی گڑگڑاہٹ سُن کر ...
سنائی دے رہی تھی اور اُس میں لحظہ بہ لحظہ اضافہ ...
میں اُس گڑگڑاہٹ کا مطلب سمجھ گئی اور ...
چیخ کر مخاطب کیا۔ ”رضوان! اپنے چہرے ...
ڈھک لو!“ یہ کہہ کر میں نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں ...
آفت کا انتظار کرنے لگی۔

پھر آفت آئی اور گزر گئی۔ وہ کھولتا ہوا پانی تھا۔ ...
قسم کے لباس میں ہوتے تو ہمارے جسم اُس کھولتے ...
رہ جاتے مگر ایک بار پھر ہمارے جسموں پر موجود ربر نما ...
لباس نے ہمیں بچا لیا تھا پھر بھی مجھے چہرے کے ...
سخت سوزش اور جلن محسوس ہوئی تھی اور غالباً یہی کیفیت ...
میں اور وہ بالکل ایک جیسے حالات کا شکار تھے۔ میں ...
کی تھی کہ میرے چہرے کا کوئی حصّہ کھلا نہ رہے مگر اِس کے ...
پانی پہنچ ہی گیا تھا۔ میرے اور رضوان کے ہاتھوں پر دستانے ...
تھے جنھوں نے نہ صرف ہمارے ہاتھوں کو جلنے سے بچا لیا تھا ...
وجہ سے ہمارے چہرے بھی جھلسنے سے بچ گئے تھے ...
چہروں سے کھولتا ہوا پانی براہِ راست نہیں ٹکرا سکا تھا ...

... ہو رہے تھے۔
... اتنا تیز تھا کہ ہم اُس کے ساتھ کچھ دُور
... پانی ذرا ذرا دیر وقفوں کے بعد تین بار
... ہم کسی اذیت میں مبتلا نہ ہو سکے۔ اِن
... پہنچنے کے لیے دوبارہ رینگنا پڑا جہاں تک

... نے کچھ دیر انتظار کرنا ضروری سمجھا مجھے خدشہ
... آگیا ہے مگر جب کچھ نہیں ہوا تو میں نے
... نکال لیں جنھیں میں نے ہی بم کی شکل
... ڈائنامائٹ تھا اِس لیے میں نے خالی
... پائپ کی اُوپری سطح پر ڈائنامائٹ لگانے
... میں نے پلاسٹک استعمال کیا تھا جو میں

... نے پیچھے کھسکنا شروع کیا۔ رضوان میرے
... ممکن تھی میں اُس جگہ سے دُور ہو گئی پھر
... دبا دیا۔
... کی آواز قیامت کا شور محسوس ہوئی۔ پائپ کی
... گئی تھی اور وہ جگہ جہاں بم چپکایا گیا تھا، ریزہ

... دھڑکتے دل کے ساتھ سر اُٹھا کر سامنے کی طرف
... دیکھ بیٹھ سا گیا کہ ملبے سے راستہ بند نظر آ رہا تھا چند
... اُن کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر بعد ہی میں اور
... باہر سے آنے والی روشنی مجھے اُمید کی کرن نظر
... میں زیادہ دِقّت پیش آئی تھی اور بڑا قیمتی وقت
... راستہ بن ہی گیا تھا کہ میں اور رضوان باری باری

... میں آگے بڑھی کیونکہ وہاں سے نکلتے ہی کوئی بھی خطرہ
... ہی خطرے کا سامنا کرنا چاہتی تھی۔ دھماکے سے وہ
... ہو گئی تھی۔ میں نے اُس میں کھڑے ہو کر ہاتھ اُٹھا دیے،
... تھا کہ اُن کے سہارے اپنا جسم اُٹھانے لگی۔
... ہاتھوں نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا اور اِس سے
... گرفت سے آزاد کرانے کے لیے جدوجہد کرتی، مجھے
... لیا گیا۔
... ہی میں نے اپنے جسم کو ایک جھٹکا دیا اور اجنبی گرفت
... ہو گئی۔
... حرکت نہ کرنا!“ ایک بھاری آواز سنائی دی۔ لہجہ تحکمیہ تھا۔

وہ چار افراد تھے اور اُن چاروں کے ہاتھوں میں خودکار رائفلیں تھیں جن کی نالیں میری طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔

”اپنے ساتھی سے کہو کہ وہ گڑھے سے نکل آئے۔ وہ ہم سے بچ کر نہیں بھاگ سکتا۔“ اُن چاروں میں سے پھر وہی بھاری آواز والا مجھ سے مخاطب ہوا۔

”ہم بھاگنے کے لیے یہاں نہیں آئے۔“ میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ حالات بظاہر اچانک قابو سے باہر ہو گئے تھے لیکن میں پریشان نہیں تھی۔ جو کچھ پیش آ رہا تھا وہ میرے اندازوں کے مطابق ہی تھا، پھر گھبرانے سے کیا حاصل تھا!

”ہاں! میں باہر آ رہا ہوں، ذرا سنبھالیں!“ معاً رضوان کی آواز گڑھے کے اندر سے سنائی دی۔

رضوان کا جملہ سُن کر سیکیورٹی گارڈز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی مگر وہ پیش آنے والے حالات سے بے خبر تھے اور اُن کی مسکراہٹ کو بے خبری ہی سے تعبیر کیا جا سکتا تھا۔ غلطی اُن کی بھی نہیں تھی۔ وہ بھلا رضوان سے واقف ہی کب تھے جو اُس کی بات کا اصل مفہوم سمجھ سکتے! اُن حالات میں کوئی عام آدمی ہتھیار ڈالنے ہی کا فیصلہ کرتا مگر رضوان عام آدمی کب تھا کہ ایسی غلطی کا مرتکب ہوتا! اُس نے ایک عام سی بات کہہ کر مجھے ہوشیار رہنے کا اشارہ کر دیا تھا جس کا مطلب میں تو اچھی طرح سمجھ گئی تھی مگر سیکیورٹی گارڈز مکمل طور پر دھوکا کھا گئے تھے۔

گڑھے سے اُچھل کر جو چیز باہر آئی تھی اُسے میں نے فوراً ہی پہچان لیا تھا مگر سیکیورٹی گارڈز اُسے پہچاننے میں ناکام رہے تھے۔ جب اُن میں سے ایک بیوقوف نے جُھک کر اُس کا جائزہ لینا چاہا تو مجھے اُس پر ترس آ گیا۔ میں نے اُس سے بلند اور تیز آواز میں کہا: ”بیوقوف! یہ ڈائنامائٹ ہے جو کسی بھی لمحے پھٹ سکتا ہے۔“

جھکنے والا سیکیورٹی گارڈ میری آواز سنتے ہی جھجک کر رُک گیا، پھر وہ چیختا ہوا پیچھے ہٹا۔ غالباً اُس کے دوسرے ساتھی بھی موقع کی نزاکت کا اندازہ لگا چکے تھے۔ بچاؤ کی صرف یہی صورت ممکن تھی کہ وہ جلد سے جلد زمین پر لیٹ جاتے۔ اِس سلسلے میں میرے سوا سبھی نے بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ میں نے اطمینان سے دُور ہٹتے ہوئے معاً چھلانگ لگائی اور چلا کر رضوان سے کہا: ”ٹھیک ہے!“

رضوان یقیناً میری ہی آواز کا منتظر تھا کیونکہ اُسے جب تک میں یقین دہانی نہ کرا دیتی کہ میں ڈائنامائٹ سے دُور ہوں، وہ سوئچ نہ دباتا۔ میری آواز سن کر ہی اُس نے سوئچ دبایا ہوگا۔ میں زمین پر لیٹی ہی تھی کہ ڈائنامائٹ ایک دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔ فرش کا وہ حصّہ جہاں ڈائنامائٹ پڑا ہوا تھا، ایک اور گڑھے کی صورت میں بدل گیا تھا۔ دھماکے سے اُڑنے والے کنکروں اور پتھروں میں اتنی قوّت تھی کہ وہ جس کے لگے تھے اُسے زخمی

کر گئے تھے۔

زمین سے اُٹھنے والوں میں انتہائی تیزی کا ثبوت میں نے ہی دیا تھا کیونکہ میں پہلے ہی اِس موقع سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ میرے قریب جو سکیورٹی گارڈ اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا، اُس سے رائفل چھیننے میں مجھے کوئی دِقّت پیش نہیں آئی تھی۔

ایک اور محافظ نے جلدی سے کھڑے ہو کر مجھ پر رائفل تاننا چاہی تھی مگر میں نے چھینی ہوئی رائفل کی لبلبی دبا کر اُس کی کوشش ناکام بنا دی تھی۔ رائفل اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی تھی اور وہ اپنے زخمی ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے پکڑے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا تھا۔ چند لمحوں بعد ہی اُس کے ہاتھ پر سُرخ دھبّے نمودار ہونے لگے۔ گولی نے اُس کی کلائی کو شدید زخمی کر دیا تھا۔

"اپنی اپنی رائفلیں زمین پر پھینک دو!" میں نے اُنھیں للکارا۔

وہ محافظ جس کے ہاتھ میں رائفل تھی، اپنی رائفل پھینک کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ محافظوں میں سے دو جو ڈائنامائٹ کے قریب تھے، پہلے ہی زخمی ہو چکے تھے اور تکلیف سے کراہ رہے تھے۔

"سب ٹھیک ہے رضوان! باہر آ جاؤ!" میں نے بُلند آواز میں رضوان کو مخاطب کیا۔

چند لمحے بعد ہی رضوان کے ہاتھ گڑھے سے نکلتے دِکھائی دیے۔ میں نے اُس محافظ کو اشارہ کیا جو زخمی نہیں تھا۔ اُس نے گڑھے کے قریب پہنچ کر رضوان کو سہارا دیا اور گڑھے سے باہر آنے میں مدد دی۔

"اب کیا کرنا ہے؟" رضوان مٹی جھاڑتے ہوئے بولا۔

میں نے رضوان کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا اور محافظوں کی طرف مُڑ کر اُس محافظ سے مخاطب ہوئی جس نے رضوان کو گڑھے سے نکلنے میں مدد دی تھی۔ یہ وہی تھا جس کی آواز بھاری تھی اور جو اپنے ساتھیوں کا افسر معلوم ہوتا تھا۔ "مجھے بتاؤ کہ مسٹر پیٹر سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"وہ کنٹرول روم میں ہیں۔" محافظ نے فوراً جواب دیا، پھر ذرا توقف سے بولا۔ "اگر اُنھوں نے تم سے نہ ملنا چاہا تو اُن سے ملنے کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔"

اُسی لمحے فضا میں ایک بھرّائی ہوئی آواز اُبھری۔ "تم اِنھیں کنٹرول روم میں لے آؤ مسٹر ڈیوڈسن!"

میں نے اَطراف کا جائزہ لیا۔ ہم ایک وسیع راہداری میں کھڑے ہوئے تھے جو دُور تک چلی گئی تھی۔ اُس راہداری میں دونوں طرف متعدد دروازے نظر آ رہے تھے۔ راہداری میں جو روشنی تھی وہ چھت سے لگے ہوئے ٹیوبس کی مرہونِ منّت تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ بھرّائی ہوئی آواز چھت ہی میں پوشیدہ کسی اسپیکر سے اُبھری ہوگی۔ اِسی کے ساتھ مجھے یقین تھا کہ چھت ہی میں کسی جگہ کوئی ٹیلی وژن کیمرہ ہماری تصاویر اُتار رہا ہو گا تاکہ پیٹر ہمیں

دیکھ سکے اور وہیں کوئی مائک بھی …
سن رہا ہو گا یہ سوچ کر میں نے …
میں پیٹر کو مخاطب کیا۔ "مسٹر پیٹر! …
ارادہ نہیں رکھتی۔ میں نے پیٹر سے …
کرنی ہے۔"

"مگر کیوں؟" پیٹر کی آواز سنائی …
نہیں ہے۔ … نے تمھیں …

"میں یہ بات جانتی ہوں مسٹر پیٹر …
خواہشمند ہوں۔"

"ٹھیک ہے! تم مسٹر ڈیوڈسن …
مجھ سے ملنے کا ارادہ کر لیا ہے تو شاید …
ملنے سے نہیں روک سکیں گی۔" میں نے …
آواز میں نہ معلوم سی شکست خوردگی کا احساس …

"آپ بہت ذہین ہیں مسٹر پیٹر! …
کے بارے میں بڑی کھری بات کہی ہے۔ آپ …

چند لمحے کی خاموشی کے بعد پیٹر کی آواز …
نوجوان! میں نے سب کچھ دیکھا اور سُنا ہے …
کے آگے نہیں ٹھہر سکتے۔" یہ کہہ کر اُس نے ڈیو…
تم اِن دونوں کو میرا مہمان سمجھو! اِنھیں عزّت …
آؤ اور اپنے ساتھیوں سے کہو کہ وہ مار کھا گئے …
طبّی امداد کی ضرورت ہے۔"

ڈیوڈسن نے اثبات میں سَر ہلا کر …
طبّی امداد حاصل کرنے کے لیے کہا، پھر ہمارے …
ساتھ آئیے!"

میں نے پیٹر کی آواز میں خلوص کی جھلک …
خود کار رائفل کو بیکار سمجھتے ہوئے اُسے ڈیوڈسن …
نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے رائفل لے لی۔

میں اور رضوان، ڈیوڈسن کے ہمراہ راہداری …
پہنچ گئے۔ وہاں ہم ایک خود کار لفٹ میں سوار …
ڈیوڈسن نے بند کیا تھا جو ہمارے ساتھ …
آ رہا تھا۔ لفٹ چلتے ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا …
جا رہی ہے۔ کنٹرول روم کو ہوائی حملے سے بچا…
گیا تھا اور اُسے اسٹیل کی موٹی چادروں سے …
جو دیواروں، فرش اور چھت سبھی جگہ استعمال کی گئی تھیں …

کنٹرول روم کے خود کار دروازے کو بجلی کے ذریعے …

… دروازے تک پہنچے، دروازہ خود بخود
… اسٹیل کے بنے ہوئے تھے جو کسی
… سمت سرکتے ہوئے دونوں جانب
ہم نرم و دبیز قالین کو روندتے ہوئے کنٹرول

… ہال کی مانند کشادہ اور وسیع تھا جس کی ایک
… دیوار میں متعدد ٹیلی وژن اسکرین لگے
… سے چند اسکرین روشن نظر آ رہے تھے۔
… منظروں کی تعداد پر نظر آ رہی تھیں۔ اُنہی میں
… کا ایک حصّہ نظر آ رہا تھا جہاں کچھ دیر قبل
… اور اسکرین پر ایک روشن کمرے کا منظر تھا
[illegible]
[illegible]
… اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ اُسے دیکھے جاؤں لیکن
… میں گم ہونے کے نہیں تھے
… متوجہ ہو گئی جہاں پیٹر بیٹھا ہوا تھا۔
… وہیں ایک بڑے سے ڈیسک کی طرح
… گھومنے والی کرسی پر براجمان تھا۔ وہ یقیناً
… جسے دو مرتبہ چارلس کیلی نے مجھے اور رضوان
… کرایا تھا۔ پیٹر کمزور اور بوڑھا نظر آ رہا تھا جبکہ
… اور نسبتاً کم عمر کا تھا۔ پیٹر کی آنکھوں میں
… تھی اور چہرے ہی سے اُس کی ذہانت کا اظہار
… ہوئی تھی۔ اُس کے دیکھنے کا انداز ایسا ہی

… دلچسپی سے بے چینی سی محسوس کی تو بول اُٹھی
… مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"
… کہ تم اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر مجھ سے کیوں ملنا
… بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ یہ وہی آواز تھی جو
… سنائی تھی۔
… انسانیت کے نام پر ایک اپیل کرنے حاضر ہوئی
… اُس کے چہرے کا جائزہ لیا تاکہ اُس پر اُبھرنے
… اندازہ لگا سکوں۔
… اپیل؟" پیٹر کے لہجے میں حیرت تھی جیسے میں
… ہو۔
… "میں آپ سے اپیل کرتی ہوں کہ جو دفاعی نظام
… اُسے اسرائیل جیسی ظالم حکومت کے حوالے کرنے

سے بہتر ہو گا کہ اُسے تباہ کر دیں۔"

"کیوں، تمھیں اِس سے کیا فائدہ ہو گا؟" اُس نے میری بات میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"اسرائیل کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ وہ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "اُس کی بقا کے لیے امریکہ جیسی بڑی طاقت کی سرپرستی کافی ہے۔ عرب ممالک امریکہ سے ٹکرانے کی ہمّت نہیں کر سکتے لیکن اسرائیل کا مسئلہ مختلف ہے۔ اسرائیل کو امریکہ کی سرپرستی حاصل ہی ہے، اگر وہ خود بھی بڑی طاقت بن گیا تو یقیناً امریکہ کے قابو سے باہر ہو جائے گا اور من مانی کرنے پر اُتر آئے گا۔ اُس کے بعد اسرائیل کا شکار صرف بے گھر فلسطینی ہی نہیں ہوں گے بلکہ تمام عرب اقوام ہوں گی۔ یہ بات تو خیر آپ بھی اچھی طرح سمجھتے ہوں گے کہ مغربی ممالک نے اسرائیل کو اِتنا مضبوط کر دیا ہے کہ تمام عرب ممالک مل کر بھی شاید اُس کی فوجی قوت کا مقابلہ نہ کر سکیں۔"

"مگر تمھیں عرب اسرائیل جھگڑے سے کیا واسطہ، تمھارا اِس سے کیا تعلق ہے؟ تمھیں تو اپنی بہن کی فکر کرنی چاہیے۔" پیٹر میری بات سُن کر بولا۔

میں نے پیٹر کو غور سے دیکھا، پھر کہا۔ "مجھے اپنی بہن رضیہ کی کوئی فکر نہیں، وہ میری ہی طرح تیز ہے اور اپنی مدد آپ کرنے کی اہل ہے۔ میں آپ سے اِس سلسلے میں ملنے نہیں آئی۔ میں آپ کو انسان دوست سمجھتی ہوں اور ہر انسان دوست مظلوموں کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ آپ کی انسان دوستی ہی ہے کہ آپ چارلس کیلی اور اسرائیلی ایجنٹ بن یعقوب کے مقابلے پر ڈٹے ہوئے ہیں۔"

"جب تم اِس بات سے آگاہ ہو کہ میں اسرائیل کی کوئی مدد نہیں کرنا چاہتا تو پھر اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر تمھارا مجھ تک پہنچنا کیا بے معنی نہیں ہے؟" پیٹر اُلجھن آمیز لہجے میں بولا۔

"اِس کی ایک اہم وجہ ہے مسٹر پیٹر!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں یہاں تک پہنچ کر عملی طور پر یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ آپ نے جو دفاعی نظام ترتیب دیا ہے، وہ بے شک ایک تربیت یافتہ فوج کے حملے کو ناکام بنا سکتا ہے مگر ایک سَر پھرے آدمی یا عورت کو آپ تک پہنچنے سے نہیں روک سکتا بشرط صرف یہ ہے کہ وہ سَر پھرا آدمی یا عورت آپ تک پہنچنے کے لیے اپنی زندگی داؤ پر لگا دے۔ اب آپ ذرا غور فرمائیں کہ جس طرح میں اور میرا ساتھی آپ تک پہنچ گئے اُسی طرح چارلس کیلی کا کوئی گُرگا یا خود بن یعقوب بھی یہاں پہنچ سکتا ہے۔ اگر وہ لوگ آپ پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائیں تو کیا آپ دفاعی نظام اُن کے ہاتھوں میں پہنچنے سے روک سکتے ہیں؟"

پیٹر میری بات سُن کر کچھ دیر خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا، پھر

ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔ "تمھیں شاید یہ علم نہیں کہ میں نے کچھ اور بھی انتظامات کر رکھے ہیں۔ اگر کوئی مجھے قتل بھی کر دے تو بھی دفاعی نظام اُس کے ہاتھ نہیں لگ سکتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابھی کچھ دیر پہلے تک میں اپنے دفاعی نظام سے جس قدر مطمئن تھا اب نہیں ہوں۔ تم نے یہاں تک پہنچ کر میرے مفروضات کو شکست دے دی ہے۔ میں تمھاری کوششوں کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتا ہوں کہ ایک اعلیٰ تر ذہنِ انسانی کیا کچھ کر سکتا ہے! میں سمجھ چکا ہوں کہ مشین انسان پر فتح نہیں پا سکتی۔ وہ بہرحال مشین ہے اور انسانی ذہن کی تخلیق ہے اِس لیے انسانی ذہن اُسے شکست دے سکتا ہے۔"

"اگر آپ اِس نتیجے تک پہنچ چکے ہیں تو پھر اِس نظام کو تباہ کیوں نہیں کر دیتے؟" میں نے کہا۔

"یہ میری زندگی کا حاصل ہے۔ اِس نظام کو ترتیب دینے کی خاطر میں نے اپنی زندگی کے ذہانے کتنے قیمتی روز و شب صَرف کیے ہیں۔ میں نے اِس کی تخلیق میں اپنا لہو صَرف کیا ہے۔ میں۔۔۔ میں اِسے بھلا اپنے ہاتھوں۔۔۔ خود اپنے ہاتھوں سے کس طرح تباہ کر سکتا ہوں!" پیٹر کا لہجہ جذباتی ہو گیا۔

"لیکن انسانیت کی فلاح کے لیے ایسا کرنا ناگزیر ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "اگر یہ نظام ظالموں کے ہاتھ لگ گیا تو ہٹلر کے یہودیوں پر کیے ہوئے مظالم ماند پڑ جائیں گے۔ جو لوگ ہٹلر سے زک اُٹھا چکے ہیں، وہ خود ہٹلر بن جائیں گے اور عربوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیں گے۔"

پیٹر میری بات سُن کر خاموش رہا۔ پھر اُس کا سر جھکتا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب اُس نے اپنا سر اُٹھایا تو مجھے اُس کی آنکھوں میں نمی محسوس ہوئی۔ جب وہ بولا تو اُس کی آواز میں لرزش تھی۔ "تم۔۔۔۔ تم۔۔۔ میرے جذبات سے نہ کھیلو! تمھیں شاید علم نہ ہو کہ میرا دل بہت کمزور ہے، بہت!"

برف پگھل رہی تھی اور اُسے مزید حرارت کی ضرورت تھی۔ یہ محسوس کرتے ہی میں پھر جذباتی لہجے میں بول اُٹھی۔ "بے سروساماں، بے گھر اور بے وطن لوگوں کا قصور کیجیے مسٹر پیٹر! بتائیے کہ اُن معصوم بچّوں کا کیا قصور ہے جو پیدا ہوتے ہی اسرائیلی ظلم و ستم کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں؟ اُن بے گناہ لڑکیوں کے بارے میں سوچیے جن کی عصمتیں محفوظ نہیں۔ اُن صحرانوردوں کا خیال کیجیے جو دَر دَر بھٹکتے پھرتے ہیں اور اپنی زندگی بچانے کی جدوجہد میں بھوک سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں اور اُن ماؤں کی حالت پر غور کیجیے جن کے بیٹے۔۔۔۔"

"چُپ ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ!" پیٹر تقریباً چیخ پڑا۔ "میں۔۔۔ میں اب ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا!" یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

میں خاموش ہو گئی اور اُس کے چہرے کا جائزہ لینے لگی جس پر

پسینے کے قطرات اُبھر آئے تھے۔ اُس

نہیں تھا کہ میں نے اُسے انتہائی ہیجان

کچھ دیر بعد خود اُسی نے سکوت

نے تم سے کہا تھا کہ میرے جذبات

کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر چند لمحے

سے تمھیں وکیل ہونا چاہیے تھا۔ اگر تم

حاصل کرنے میں کامیاب رہتیں تو تمھا

ثابت ہوتا۔"

"تو کیا آپ دفاعی نظام کو تباہ کر

لہجے میں کہا۔

"ہاں!" پیٹر نے طویل سانس لیا۔ "م

سوچ رہا ہوں کہ کل سے اِس سلسلے میں

بات ہے کہ دشمن مجھے کل تک کی مہ

پیٹر نے جس خدشے کا اظہار کیا تھا

تھا کہ بن یعقوب ایٹال ٹو پر ایک اور

بار شاید وہ پوری قوّت سے حملہ کرے اور

"کیا آپ دفاعی نظام کو ایک ساتھ

چاہتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں!" پیٹر نے جواب دیا۔ "میں

دفاعی نظام کی بنیاد ایک کمپیوٹر ہے۔ میں

میں ایسی بنیادی تبدیلیاں کرنا چاہتا ہوں کہ

کاموں میں استعمال ہو سکے اور کسی کے

"آپ کا خیال قطعی درست ہے

کی طرف سے اِتنی مہلت نہ مل سکے۔ میرا

ایٹال ٹو پر حملے کی تیاریاں شروع کر دی ہوں گی

"اگر وہ واقعی مجھ تک پہنچنے میں کامیاب

اِس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا کہ میں اپنی

مطمئن رہو کہ میری زندگی میں بلکہ میری موت

محنت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکے گا۔" پیٹر کے

اور خلوص تھا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر رضوان نے

پیٹر کو مخاطب کر کے کہا۔ "معاف کیجیے گا مسٹر

جب آپ چارلس کیلی کے شریکِ کار تھے اُس کی

اور سپلائی کا کام کرتے تھے تو پھر اچانک کیا ہوا کہ آپ

ہو گئے؟ آپ اسرائیل سے دفاعی نظام کی فروخت

کر رہے تھے، پھر آپ ایک دم اِس کوشش سے کیوں

ہاں! پھر یہ کہ اسرائیل کے ساتھ آپ کا یہ پہلا

بات چھیڑ دی تھی خود میرے ذہن میں بھی یہ

مگر اُس وقت مجھے اُن باتوں کا خیال نہیں آیا تھا۔

شاید راز ہی رہے گا۔" پیٹر نے افسردہ سے لہجے

ساتھ ہی اُس کے چہرے پر حزن و ملال چھا گیا

یہ سوال کر چکا ہے مگر اِس کا تعلق میری

زیرِ بحث لانا نہیں پسند نہیں کرتا۔"

کرنا چاہتا تھا مگر میں نے اُسے اشارے سے

وہ معاملہ دل کے نازک گوشوں سے تعلق

از۔ وہ اور جذباتی ہو گیا تھا۔ پھر یہ کہ جو بات اُس

نے بتائی تھی ہمیں کیسے بتا دیتا! ہم تو اُس سے

اس لیے اصرار کرنا نہ ہمارا حق تھا اور نہ یہ کوئی

وان میرا اشارہ سمجھ کر خاموش ہو گیا تھا اور

ف وہ خاموشی چھا گئی تھی۔

پیٹر کی آواز ہی نے توڑا۔ اُس نے ڈیوڈسن کی

ان کے ساتھی کو مہمان خانے میں ٹھہرا دیا تھا

ال رکھے۔ اِن لوگوں کے لباس، طعام اور رہائش

ہائے۔"

سے قبل رضوان نے ایک بات اور پوچھی۔ "اُس

ی ایسے جزیرے سے واقف ہیں جو چارلس کیلی

؟"

جزیرہ اُس کی جائداد میں شامل تو ہے۔" پیٹر

نام ایٹال وَن ہے۔ چارلس کیلی کبھی کبھار کاروباری

اں آرام کرنے چلا جاتا تھا۔ وہ بڑی پُرسکون

س لیے پوچھ رہے ہو؟"

یہ بی منگیتر کسی جزیرے ہی پر ہے۔ میرا خیال

ن ہی ہو سکتا ہے۔" رضوان نے کہا۔

ایٹال وَن پر بھی چارلس کیلی کے دفتر کی طرح

"میں نے سوال کیا۔

پیٹر چونک پڑا۔ پھر بولا۔ "ایسی تجویز تھی تو میرا

یہ رابطہ قائم کر لیا ہو گا۔ جب میرے اور اُس

ل تھی تو اُس وقت وہ اِسی فکر میں تھا۔ میرا

تمھاری بہن کو ایٹال وَن ہی پر رکھا ہو گا۔"

میرے خیالات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ مجھے

ایٹال وَن ہی پر تھی اور اُس جزیرے کا پتا لگانا

کوئی دشوار بات نہیں تھی۔

اُس کے بعد میں اور رضوان، ڈیوڈسن کے ہمراہ کنٹرول روم سے روانہ ہو گئے۔ اوپر پہنچنے کے لیے ایک بار پھر لفٹ استعمال کی گئی۔ ہم لفٹ سے اُتر کر راہداری میں آ گئے۔

اُسی راہداری میں کھلنے والے ایک دروازے سے گزر کر ہم ایک اور راہداری میں داخل ہوئے جس کے اختتام پر ایک صحن تھا۔ ہم اُس صحن سے گزر کر عمارت کے اُن کمروں تک پہنچ گئے جو رہائش کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔

ڈیوڈسن اب ہمارے ساتھ اِس طرح پیش آ رہا تھا جیسے ہم پیٹر کے دوست ہوں اِسی لیے وہ میرے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا۔ مجھے اُسی سے معلوم ہوا کہ پیٹر کنٹرول روم کے برابر ہی ایک کمرے میں قیام پذیر تھا۔ پیٹر کی دیکھ بھال کے لیے ایک بوڑھی نرس بھی اُسی کمرے کے ایک کمرے میں رہتی تھی۔ پیٹر دل کا مریض تھا اور اُس پر دورے پڑتے رہتے تھے۔ مارتھا، ڈاکٹر تھی جو پیٹر کے ساتھ ساتھ ہی جزیرے پر موجود بقیہ افراد کی صحت و تندرستی کے لیے بھی ذمے دار تھی۔ ڈاکٹر مارتھا کے سوا جزیرے پر موجود تمام افراد پرانے تھے اور جزیرے پر اپنی خوشی سے مقیم تھے۔ اُن کی تنخواہیں عمدہ اور رہائش اعلیٰ درجے کی تھی۔ انھیں جزیرے پر ہر طرح کا عیش و آرام میسر تھا۔ وہ اپنی چھٹیاں لندن یا جہاں اُن کا دل چاہے گزار سکتے تھے۔ اُن پر کوئی پابندی عائد نہیں تھی۔

ڈاکٹر مارتھا کو بھی وہاں رہتے ہوئے کئی مہینے ہو گئے تھے۔ وہ محنتی، فرض شناس اور بڑی خوش مزاج عورت تھی۔ جزیرے کے محافظ اور دوسرے افراد اُس سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔

مجھے ڈیوڈسن سے اور بہت کچھ معلوم کرنا تھا مگر وہ ہمیں ہمارے کمروں میں پہنچا کر مارتھا کو بلانے چلا گیا تھا تاکہ میرے لیے لباس کا بندوبست ہو سکے۔

مجھے اور رضوان کو الگ الگ کمرے دیے گئے تھے جن کے درمیان ایک مشترک دروازہ تھا۔ کمرے کشادہ اور عمدہ طریقے سے سجے ہوئے تھے۔ میرے کمرے کی ایک کھڑکی مصنوعی جھیل کی طرف کھلتی تھی جس کے ذریعے باہر کی خوشگوار فضا کو دیکھا جا سکتا تھا۔ کمرے کے فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف مسہری تھی اور دوسری طرف چار کرسیوں کے درمیان میں ایک خوبصورت گول میز بچھی ہوئی تھی۔ ایک جانب دیوار سے لگا ہوا ٹیلیویژن سیٹ رکھا ہوا تھا جس کے برابر ہی ایک میز پر ٹیلیفون اور اچھی ساخت کا ریڈیو موجود تھا۔ ایک دیوار سے لگا ہوا چھوٹا سا شیلف تھا جس میں انگریزی ادب کے شاہکار سجے ہوئے تھے۔ شیلف کے قریب ہی باتھ روم کا دروازہ کھلتا تھا۔ کمرے کی دیواروں پر اعلیٰ درجے کی پینٹنگز لگی ہوئی تھیں۔ ایک کونے میں الماری تھی جس کے ایک پٹ میں لمبا شیشہ لگا ہوا تھا۔

میں نے الماری کھولی تو اُس کے ایک حصے میں آرائش و زیبائش کا مختصر مگر ضروری سامان رکھا ہوا نظر آیا۔ دوسرے حصے میں دو خوبصورت گاؤن سلیقے سے ٹنگے ہوئے تھے۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دیر نہیں لگی کہ اس کمرے میں [illegible] خواتین ہی کو ٹھہرایا جاتا ہوگا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ایک گاؤن [illegible] لیا اور پھر ہاتھ [illegible] سے جسم [illegible] کا بنا ہی دور سے دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ میں نے پلکیں جھپکا کر دوبارہ اُسے غور سے دیکھا۔

"تم... تم کون ہو؟" میں اُس کا نام جاننے کے باوجود بھی بے خیالی اور خود فراموشی کی سی کیفیت میں بولی۔

"اوہ!" وہ چونک پڑی، پھر سیدھی کھڑی ہو گئی اور مسکرا کر بولی: "میں مارتھا ہوں، ڈاکٹر مارتھا!"

"لیکن تم... تم یہاں باتھ روم میں کیوں... سیدھی باتھ روم میں کیوں چلی آئیں؟" میں نے رک رک کر اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اگر... اگر آپ کو میری یہ بے تکلفی ناگوار گزری ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔" مارتھا بولی۔

"ارے نہیں، ہرگز نہیں!" میں نے جلدی سے کہا اور دل ہی دل میں بولی، جان! میں تو خود تم سے بے تکلف ہونے کے لیے بے چین ہوں۔

"مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ کو فوری طور پر کپڑوں کی ضرورت ہے۔" مارتھا نے دوبارہ گفتگو شروع کی۔ "میں آپ کے لیے اپنا ایک جوڑا لے کر آئی تھی۔ میں نے پہلے بیرونی دروازے پر دستک دی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ میں اندر آئی تو کمرہ خالی نظر آیا۔ میں نے باتھ روم کے دروازے پر اس غرض سے ہاتھ رکھا کہ کھلا ہوا ہے یا بند ہے تو دروازہ اچانک کھل گیا، پھر میری نظر آپ [illegible]

ہوا جو لباس موجود تھا وہ اب میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔ میں جلد سے جلد اُس سے نجات حاصل کر لینا چاہتی تھی۔

[illegible] میں گرم پانی کا انتظام تھا۔ میں نے ٹب کو گرم پانی سے بھرا اور اپنا لباس اتار کر نیم گرم پانی میں اتر گئی۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ اُس وقت گرم پانی میں لیٹنے سے میرے تھکے ہوئے جسم کو کتنا سکون اور آرام ملا! رگ پٹھوں کا تناؤ جیسے پانی کی گرمی سے پگھل گیا تھا۔ میں نے ایک عجیب سا کیف محسوس کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

میں اُس نیم خوابی کی کیفیت سے اُس وقت چونکی جب مجھے اپنے ہاتھ پر کسی اجنبی ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو جیسے میری آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ اُس حسین و دلکش چہرے پر ایسی ہی روشنی تھی جیسے سیاہ بدلیوں کی بجائے چاند سنہری بدلیوں میں ہو۔ اُس کے گیسو سنہری تھے۔ اُس کی بڑی بڑی روشن نیلی آنکھیں مجھے عجیب سے انداز میں تک رہی تھیں۔ اُس پہ ایک عجیب سی محویت کا عالم طاری تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ ٹیلی ویژن اسکرین اُس کے بانکے حسن کو ظاہر کرنے میں قطعی ناکام رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر مارتھا تھی جسے میں نے کنٹرول روم میں ٹیلی ویژن اسکرین [illegible] وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنے قاتل حسن [illegible] دو لڑکی ہی ہے۔

"آپ شاید سو گئی تھیں؟"

"شاید!" میں نے مارتھا کو غور سے [illegible]

میرے ہی قد و قامت کی تھی۔ اُس کا جسم [illegible] دلکش تھی اور مسکراہٹ میں بلا کی جنسی کشش تھی [illegible] قرب کی تمنا کر سکتی لیکن اس سلسلے میں نے [illegible]

وہ دوبارہ میری طرف جھکی اور لرزتے [illegible]

مجھے بھی آپ کی طرح مرد پسند نہیں ہیں۔ میں لے [illegible] نہیں آنے دیا۔ اِن نازک اندام و حسین جسم رکھنے [illegible] رہی ہیں اور آپ... آپ بھی بے حد حسین ہیں [illegible]

میں اُس کے اظہارِ عشق پر چونک پڑی [illegible] نظر آتی ہیں جو خود بہ خود میری طرف مائل ہوں۔ [illegible] میرے شکوک درست ثابت ہوتے ہیں۔

"کیا تم مجھے جانتی ہو؟" میں نے مسکرا کر [illegible]

"آپ کو تو جزیرے کا ہر فرد جانتا ہے! [illegible] ہم سبھی آپ کی جرأت و ہمت کے معترف ہیں۔ [illegible] آپ کے علاوہ صرف میں ہی پوری طرح واقف ہوں۔"

"وہ کیسے؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اِس لیے کہ میں ڈاکٹر ہوں۔" مارتھا بولی۔ "[illegible] کے لیے کمپیوٹر استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ میں [illegible] سے قبل پہلے آپ کے بارے میں کمپیوٹر سے تمام [illegible] جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ کو بھی میری طرح مردوں سے [illegible] مجھے حیرت ہوئی اور ایک عجیب سی خوشی بھی! پھر [illegible] کو دیکھا تو... تو اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکی ہیں... [illegible] کسی... کسی ایسے ہی موقع کی منتظر تھی۔"

مجھے مارتھا کی اِس بات پر یقین نہیں آیا کہ اس [illegible] میرے بارے میں کمپیوٹر سے تمام معلومات حاصل کی [illegible] جیسے میں کسی اور ہی دنیا میں تھی۔ مجھے ایک حسن [illegible] دعوت دے رہا تھا اور بھلا میں اُس دعوت کو کیسے ٹھکرا [illegible] بارے میں جو شکوک و شبہات میرے دل میں پیدا ہوئے [illegible] بھی دور کیا جا سکتا تھا۔

"مارتھا ڈارلنگ! کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر آؤ [illegible] خلوت میں مداخلت نہ ہو۔" میں نے خواب کے سے عالم میں [illegible]

[illegible] روشنی سے کھل اٹھی اور جھک کر میرا ہاتھ چوم لیا۔ [illegible] خوشی کی رو دوڑ گئی۔ اُس کے ہونٹوں کا لمس میرے [illegible] بجلی بن کر دوڑ گیا تھا۔ میرا دل چاہا کہ اُس کا ہاتھ پکڑ [illegible] گھسیٹ لوں مگر احتیاط ضروری تھی اس لیے میں [illegible] پا لیا۔

[illegible] مڑ کر باتھ روم کے دروازے سے نکل گئی۔ میری [illegible] ہو رہی تھی اور اُس کے جسم کی ہر جنبش میرے [illegible] تھی۔

[illegible] دروازہ بند کر کے پھر باتھ روم میں آ گئی اور آتے ہی ایک [illegible] کیا میں کپڑے لے کر آؤں جو میں نے باہر [illegible] ہیں؟"

[illegible] ان تکلفات کی ضرورت ہے؟" میں نے خواب آلود [illegible] قریب، اتنے قریب کہ جسموں کا فاصلہ بھی نہ رہے۔" [illegible] آنکھوں نے حسن و دلکشی کی ایسی بے حجاب روشنی [illegible] گئی۔ وہ روشنی اتنی تیز تھی کہ مجھے اس کی طرف دیکھنا [illegible] بے تاب [illegible] روشنی میری جانب [illegible] میری آغوش میں آ گئی۔ روشنی کو میں نے پہلے بھی [illegible] اُس وقت تو تابِ دید ہی جیسے چھن گئی تھی۔ میں [illegible] محسوس کر سکتی تھی، اپنی رگِ جاں کے قریب!

[illegible] خود فراموشی اور روشنی میں تحلیل ہوتی روشنی! سیماب [illegible] مچلتی ہوئی روشنی، سرگوشیاں کرتی، آغوش میں [illegible] میں روشنی کو اپنے وجود میں تلاشنے لگی۔ میرا اندر اور باہر [illegible] میں نہال ہو گئی۔ میں اس روشنی کی لہروں میں بہتی [illegible] گئی۔ عکس در عکس، ذرہ ذرہ، اُس روشنی میں کتنے رنگ تھے! [illegible] تھے! میں نے ہر رنگ کو چھوا، ہر زاویے پر بکھری اور [illegible] دیکھا۔ کرم [illegible] بھی تخصیص [illegible] تو نہیں تھی، اس لیے میں [illegible] اس میں کیف و نشاط کے لمحوں کو سمیٹنے لگی۔ میرا دامن بھر گیا [illegible] پائی۔ وہ لمحے جو حاصلِ زندگی تھے۔

[illegible] گرم جوشی کی [illegible] مجھ پر چھا گئی۔

[illegible] ہونٹ کانپے۔

[illegible] گئے تھے۔ جب زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں اور جسم گفتگو [illegible] پھر خاموش ہو گئیں۔ وہ تو ایک اضطراری کیفیت تھی کہ [illegible] ہو گیا تھا۔ اُس کے بعد پھر دھنک رنگوں کی برسات شروع [illegible] کشتِ جاں مہک اٹھی اور روشنی اتنی تیز ہو گئی کہ میں [illegible]

[illegible] کی، منہ چھپٹی تو میں نے دیکھا کہ روشنی ماند پڑ چکی تھی، چاند بدلیوں میں چھپ چکا تھا۔ میں اُسی نیم تاریکی میں ٹب سے نکلی۔ وہ میرے لیے لباس لیے کھڑی تھی۔

کچھ دیر بعد جب میں اُسے رخصت کر رہی تھی تو اُس کی نیلی نیلی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے تیر رہے تھے جیسے اس نے پوری بوتل چڑھا لی ہو اور میری کیفیت بھی اُس سے مختلف نہیں تھی۔ میں اُس کے جاتے ہی نڈھال سی ہو کر بستر پر گر گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر ہی میں اُس کی قربت کا نشہ اتر گیا اور میں اِس بات پر غور کرنے لگی کہ کیا واقعی وہ قرب برائے قرب تھا یا برائے مصلحت؟ کیا مارتھا اتفاقاً میرے قریب آ گئی تھی؟ کیا یہ واقعی ایک حسین اتفاق تھا؟ میں نے اِن سوالوں پر کافی دیر غور و خوض کیا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ جو کچھ مجھے پیش آیا تھا اُسے اتفاق ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا۔ تو کیا مارتھا چارلس کیلی یا بن یعقوب کی ایجنٹ ہے؟ میں نے سوچا اور یہ بات مجھے قرینِ قیاس معلوم ہوئی۔ اگر میرا قیاس درست تھا تو پھر بن یعقوب کو پے در پے ناکامیوں [illegible] کیوں پیش آئی تھی؟ مارتھا کے خلاف توقع ردعمل نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا اور کسی صورت میری الجھن ختم نہیں ہو رہی تھی۔ انہی سوالوں پر غور کرتی ہوئی میں سو گئی۔

دو تین گھنٹے کے آرام نے مجھے اور رضوان کو تازہ دم کر دیا تھا۔ دوپہر کا کھانا ہمیں ہمارے کمروں ہی میں مل گیا تھا۔ کھانا کھا کر ہم کچھ دیر مزید آرام کرتے رہے تھے۔

شام ہونے سے کچھ قبل مارتھا پھر میرے پاس آ گئی۔ وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے بڑی بے تکلفی کے ساتھ میرے برابر آ کر لیٹ گئی تھی۔

"اب آپ کی تھکن کچھ کم ہوئی؟" اُس نے مسکرا کر پوچھا۔ "آپ کافی دیر سے آرام کر رہی ہیں۔"

"تھکن تو تم نے اتار ہی دی تھی جان!" میں نے اُس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر آنکھوں میں جھانکا۔

وہ میری بات سن کر ہنس پڑی اور بولی: "آپ بہت فقرے باز ہیں۔ بھلا میں وہ تھکن کیسے اتار سکتی ہوں! یہاں تک پہنچ جانا کسی عام انسان کے بس کا روگ تو نہیں۔ مجھے واقعی سخت حیرت ہے کہ آپ کس طرح اتنی رکاوٹوں کے باوجود یہاں آنے میں کامیاب ہو گئیں!"

"انسان ہمت کرے تو کوئی بات ناممکن نہیں۔" میں نے کہا۔

"پھر بھی میرے دل میں وہ ساری باتیں جاننے کا شدید اشتیاق ہے۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ آپ نے اُن شدید خطرات کا کس طرح مقابلہ کیا! کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گی؟" یہ کہہ کر اُس نے میری طرف کروٹ لی اور میرے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

اُس کا جسمانی لمس مجھے بہکنے پر مجبور کر رہا تھا لیکن میں فوراً ہی

شمعیل تھی۔ میں نے بھی گولیاں نہیں کھیلی تھیں اِسی لیے اُسے باتوں باتوں میں اُڑا دیا اور اپنی خطرناک ترین مہم کے بارے میں تفصیلی گفتگو سے گریز کیا۔

میں نے مارتھا کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ جزیرے پر رہنے والے بھی مکمل طور پر جزیرے کے دفاعی نظام سے آگاہ نہیں ہیں۔ انھیں صرف اپنے لگے بندھے فرائض کا علم تھا اور یہ کہ جزیرے کے کن علاقوں میں اُن کا جانا ممنوع ہے! انھیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ خلاف ورزی کرنے والے اپنے نقصان کے خود ذمّے دار ہوں گے۔ اُن میں صرف ڈیوڈسن ایک ایسا شخص تھا جسے دوسروں کی نسبت کچھ زیادہ معلومات تھیں مگر وہ اپنے بے تکلف ساتھیوں سے بھی غیر ضروری باتیں کرنے سے گریز کرتا تھا۔ اِس سے قطع نظر یہ کہ جزیرے پر رہنے والے بھی اپنے معمولات کے عادی ہو چکے تھے اور اپنے کام سے کام رکھنے ہی میں عافیت سمجھتے تھے۔

اِن حالات میں چارلس کیلی اور بن یعقوب کو مایوسی ہونی ہی چاہیے تھی۔ جب پیٹر کے سوا کسی کو مکمل تفصیلات کا علم ہی نہیں تھا تو انھیں کسی محافظ کو اپنے ساتھ مِلا کر کیا فائدہ ہو سکتا تھا!

مارتھا جیسی شخصیت جزیرے کے بارے میں صرف جغرافیائی معلومات حاصل کر سکی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق چارلس کیلی نے مجھے جو فائل دی تھی، وہ مارتھا ہی کی حاصل کردہ معلومات پر مشتمل تھی۔

شام کے قریب جب میرے کمرے میں موجود ٹیلیفون کی گھنٹی بجی تو میں نے سوچا کہ شاید پیٹر مجھ سے بات کرنا چاہتا ہوگا۔ میں نے ریسیور اُٹھایا تو دوسری جانب پیٹر ہی بول رہا تھا مگر اُس نے بہت مختصر سی بات کی کہ لندن سے چارلس کیلی مجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔

"ہیلو!" میں نے لندن سے رابطہ قائم ہونے کے بعد کہا۔

"ہیلو بانو!" چارلس کیلی کی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ "مبارک ہو! تم نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔"

"جھوٹ نہ بولو!" میں نے فوراً کہا۔ "میں تمھارے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہاں آئی ہوں۔ تم اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئے، اِس پر مجھے کوئی تعجب نہیں کیونکہ بعض اوقات معمولی ذہن کے لوگ بھی اتفاق سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔"

"خیر، خیر میرا ذہن معمولی ہی سہی!" چارلس کیلی خشک لہجے میں بولا۔ "تم اب تک جان چکی ہوگی کہ تمھاری بہن رضیہ اٹیال ٹو پر نہیں ہے۔ میں اِس سلسلے میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔ دراصل میں یہ دھوکا دیے بغیر تمھیں اٹیال ٹو کی تسخیر پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ

اٹیال ٹو پر قدم جمانے کی کوئی راہ نکل آ

"اور مجھ پر نظر رکھ کر تم نے وہ راہ ہ

"ہاں! مجھے معلوم ہے کہ تم وہاں

ابھی مجھ تک نہیں پہنچیں مگر اُن کے لیے بھی

پڑے گا۔ میں ایک خاص رپورٹ کا منتظر

"تمھیں مایوسی ہوگی۔" میرا لہجہ تمسخرانہ تھا

ایجنٹ کچھ زیادہ تفصیلی رپورٹ نہ بھیج سکے

نہیں بتایا!"

"کیسا ایجنٹ؟" چارلس کیلی کے لہجے

بات پر وہ چونکا تھا۔ میں نے اُس کی آواز میں

طور پر محسوس کی تھی۔ وہ اپنی بات جاری رکھ

میں بولا۔ "کیا کمزور ہو تم؟ مانا کہ تم ذہین ہو

ہر طرف میرے ایجنٹ نظر آنے لگیں!"

"خیر! یہ بتاؤ کہ میری بہن کا کیا حال ہے

دیا ہے؟ کیا اب تم رضیہ کو نہیں چھوڑو گے؟"

"تم نے ابھی میرا کوئی کام نہیں کیا۔" چارلس

کہا۔ "تم اگر رضیہ کی خیریت چاہتی ہو تو پیٹر کو آمادہ

نظام کا سودا کرلے۔ اگر تم نے اُسے آمادہ کر لیا تو

کو آزاد کر دوں گا بلکہ تم لوگوں کے مُنہ سونے چاندی

"واقعی؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

مجھے کچھ مہلت دو! مجھے یقین ہے کہ میں پیٹر کو قائل

لوں گی۔" یہ کہہ کر میں لمحے بھر کو رکی، پھر بولی۔ "او

میں سمجھانے کے بعد تمھیں مطلع کر دوں گی۔"

چند لمحے دوسری جانب خاموشی رہی۔ غالباً

ہوئے رویّے پر غور کر رہا تھا۔ معاً اُس کی خشک آواز

"سمجھ لو کہ رضیہ میرے رحم و کرم پر ہے۔ اگر تم نے کوئی

تو تمھیں پچھتانا پڑے گا۔ تم یقیناً یہ نہیں چاہو گی کہ تمھا

کی نیند سُلا دیا جائے۔"

"مجھے دھمکی دے کر تم اپنا مقصد حاصل نہ کر سکو گے"

پُرسکون لہجے میں کہا۔ "سنو! مجھے رضیہ کی اب کوئی فکر

وقت تک فکرمند تھی جب تک میں نے اُسے زندہ نہ

دیکھا تھا۔"

"تو پھر جان ہتھیلی پر رکھ کر اٹیال ٹو کیوں گئی تھیں؟"

"پیٹر سے میری ملاقات ضروری تھی۔"

چارلس کیلی یقیناً میری بات نہیں سمجھ سکا تھا اِس

تھا۔ وہ جب دوبارہ بولا تو اُس کے لہجے سے الجھن کا

چاہتیں؟"

ہنس پڑی، پھر بولی۔ "چارلس کیلی! تم میری

ایسی بات نہ کہتے۔ رضیہ، نسیمہ بانو ہی کا

میں سوچ سمجھ کر عمل کرتی ہوں، وہ بغیر سوچے

اُن پر فون کر کے تو دیکھو کہ وہ ابھی تک

بہت ہو گئی!"

بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ اُس کے فوراً بعد ہی

ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ "مس بانو تم نے

کیا؟ کسی کے محض دھمکیاں نہیں دیتا بلکہ وہ اپنا

امان ہے۔"

میں نے اپنی بہن کے بارے میں غلط نہیں کہا۔

سکتی ہے، دوبارہ نہیں۔ چارلس کیلی نے اُسے جس

دیا ہے، وہ مجھے یوں بھی زیادہ ذہین معلوم

ہے پر کسی ایجنٹ کی موجودگی کا مسئلہ ہے، یہ کس حد

" پیٹر نے سوال کیا۔

"میں نے جواب دیا، پھر بولی۔ "مگر میرے پاس

کے لیے کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ اِس

میں مجھ سے کچھ اور معلوم نہ کیجیے گا۔ میں کچھ نہ بتا

مجھ سے کچھ معلوم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

کہا۔ ڈیوڈسن نے رنگے ہاتھوں مارتھا کو پکڑ لیا۔

اُس وقت ہوا جب میں رضوان کے ہمراہ پیٹر

رات کا کھانا کھانے ہمیں اپنے سوٹ میں بلایا تھا۔

کھانے کے دوران میں مجھے بتایا۔ "تم نے جب جزیرے

کی موجودگی کے بارے میں بتایا تھا تو اُسی وقت ہی مجھے

تھا کیونکہ یہاں رہنے والے بقیہ تمام افراد خاصے پرانے

مارتھا ہی ایک ایسی تھی جسے جزیرے پر آئے ہوئے کم عرصہ

ہوا۔ رات جب ڈیوڈسن، مارتھا سے پوچھ گچھ کرنے گیا تو

روم میں تھی اور ٹرانسمیٹر پر کسی کے سے گفتگو کر رہی تھی۔

اُس حصے میں جہاں رہائشی کمرے ہیں، وہاں میں نے کوئی

کیمرہ یا مائک وغیرہ نہیں لگایا۔ آج سے پہلے مجھے اِس

کی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی۔"

اس جزیرے پر کسی راہ سے بنے پھر وہ آپ کو کوئی نقصان

پہنچا سکی؟" رضوان نے پوچھا۔

احتیاطی تدابیر کو مدِنظر رکھتے ہوئے میں نے اِس بات کا خاص

خیال رکھا تھا کہ جزیرے کے دفاعی نظام کا علم کسی کو بھی نہ ہو سکے۔ ڈیوڈسن مجھ سے بہت قریب ہے مگر اُسے بھی میں نے مکمل معلومات فراہم نہیں کیں۔ مارتھا کی معلومات تو سب سے کم تھیں کیونکہ ڈاکٹر ہونے کے سبب دفاعی نظام سے اُس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔" پیٹر نے تفصیلی جواب دیا۔

پیٹر نے اُن معلومات کی تصدیق کر دی تھی جو میں نے باتوں باتوں میں مارتھا سے حاصل کی تھیں۔ میں نے پیٹر کے خاموش ہوتے ہی اپنا خیال ظاہر کیا۔ "غالباً مارتھا، ٹرانسمیٹر پر چارلس کیلی کو میرے زیرِ آب سفر کے بارے میں بتا رہی ہوگی!"

پیٹر نے مجھے غور سے دیکھا، پھر بولا۔ "ہاں! اسی کے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تمھیں زیرِ آب سفر کے دوران میں کن خطرات کا سامنا کرنا پڑا!"

"میرے خیال میں ٹرانسمیٹر پر چارلس کیلی کو رپورٹ دیتے ہوئے مارتھا کا پکڑا جانا کوئی اتفاقی امر نہیں رہا ہوگا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "کیا آپ نے اِس سلسلے میں کمپیوٹر سے مدد لی تھی؟"

چند لمحوں کے لیے پیٹر کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے، پھر بولا۔ "تمھاری ذہانت اور تیزی میرے لیے مستقل طور پر حیرت کا سبب بنی ہوئی ہے۔ تمھارے قیاسات بڑی حد تک درست ثابت ہوتے ہیں۔ تم نے اِس وقت بھی بالکل درست اندازہ لگایا ہے۔ تمھاری اور چارلس کیلی کی باتیں سن کر میں نے قیاس کیا تھا کہ کوئی یہاں سے رپورٹ دے گا اور وہ رپورٹ ٹرانسمیٹر پر ہی دی جانی ممکن تھی۔ میں نے اِس لیے کمپیوٹر سے رابطہ قائم کر کے یہ بندوبست کیا کہ اگر جزیرے سے کوئی ٹرانسمیٹر پر کہیں گفتگو کرے تو نشر ہونے والی گفتگو کی فریکوئنسی ایک اسکرین پر ظاہر ہو جائے۔ جب یہ فریکوئنسی اسکرین پر ظاہر ہوئی تو میں نے ایک ریسیونگ سیٹ کو ٹیون کر لیا۔ اُس کے بعد بس چند لمحوں ہی میں ظاہر ہو گیا کہ کون بول رہا تھا اور کیا بات کر رہا تھا!"

"اُس کے بعد آپ نے ڈیوڈسن کو مارتھا کی طرف بھیجا اور اُس نے مارتھا کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ بہت خوب!" رضوان نے تعریفی انداز میں کہا۔

ہم جس کمرے میں کھانا کھا رہے تھے، وہاں کرسی کے سامنے ایک تصویر لگی ہوئی تھی۔ اُس عمارت میں مجھے وہ واحد تصویر نظر آئی تھی ورنہ ڈیکوریشن کے لیے ہر جگہ اعلیٰ درجے کی پینٹنگز ہی استعمال کی گئی تھیں۔

وہ تصویر ایک نوجوان کی تھی جس کے خدوخال بڑی حد تک پیٹر سے ملتے تھے۔ میں نے تصویر دیکھ کر پیٹر کے چہرے کا جائزہ لیا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ پیٹر رضوان سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ میں بول اٹھی۔ "مسٹر پیٹر! کیا یہ آپ کے بیٹے کی تصویر ہے؟"

... پیٹر نے ... نے عالم میں جواب دیا پھر
اُس نے اچانک مجھے چونک کر دیکھا اور کسی قدر لرزتی ہوئی سی آواز میں بولا۔ "بیٹے جیسا ہی سمجھو اُسے یہ میرا دُور کا ایک عزیز ہے۔"

"غالباً یہ نوجوان کسی حادثے کا شکار ہُوا تھا؟" میں نے جلدی سے دُوسرا سوال کیا۔

پیٹر کے چہرے سے اُلجھن کا اظہار ہونے لگا۔ وہ یقیناً اِس موضوع پر گفتگو کرنا نہیں چاہتا تھا اِسی لیے میرے سوالوں نے اُسے گڑبڑا دیا تھا۔ چند لمحے بعد وہ رُک رُک کر بولا۔ "تمھیں کیسے پتا چلا کہ اِسے کوئی حادثہ پیش آچکا ہے اور یہ زندہ نہیں؟ کیا خبر زندہ ہو!"

"یہ نوجوان یقیناً اِس دُنیا میں نہیں ہے۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "اگر یہ زندہ ہوتا تو تصویر کے گرد موتیوں کی مالا نہ بنائی گئی ہوتی۔ اِس سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ تصویر والا نوجوان مر چکا ہے اور دوسری بات یہ کہ اِس نوجوان سے آپ کو جذباتی لگاؤ ہے۔ کیا اِسی نوجوان کی موت کے سبب آپ عملی زندگی سے کٹ کر اِس جزیرے تک محدود ہو گئے ہیں؟" میں نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے اندھیرے میں تیر چلایا کیونکہ میں سمجھ چکی تھی کہ پیٹر نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ نوجوان کوئی دُور کا عزیز نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے اپنی بات پوری کرتے ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ تیر صحیح نشانے پر بیٹھا تھا۔ میں حقیقت کے قریب پہنچ چکی تھی کیونکہ بات ختم ہوتے ہی پیٹر نے میری طرف دیکھا تھا اور اُس کے چہرے سے انتہائی ہیجان کا اظہار ہو رہا تھا جو اُس کے باطن کا غماز تھا۔

پھر وہ اچانک بکھر گیا۔ برسوں سے جو بوجھ وہ اپنے سینے میں اُٹھائے پھر رہا تھا، جذبات سے پُر الفاظ اور آنسوؤں کے موتیوں میں ڈھل ڈھل کر بہہ نکلا۔

پیٹر نے اپنے عہدِ جوانی میں ایک لڑکی کو ٹوٹ کر چاہا تھا مگر اُس کے والدین نے اُس لڑکی کو مسترد کر دیا تھا۔ پیٹر اپنے والدین کو چھوڑ کر لڑکی کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا تھا مگر لڑکی نے اِتنی بڑی قربانی لینا منظور نہیں کیا تھا اور وہ خاموشی کے ساتھ پیٹر کی زندگی سے نکل گئی تھی۔ پیٹر واقعی اُس لڑکی کے عشق میں مبتلا تھا اِس لیے کوئی اور لڑکی اُسے متاثر نہ کر سکی۔ پیٹر ایک عمر اپنی محبت کو تلاش کرتا رہا مگر وہ اُس وقت ملی جب اُس کا دم لبوں پر تھا۔ خود اُسی لڑکی نے پیٹر کو فون کر کے بتایا تھا کہ وہ اب اِس دُنیا سے جا رہی ہے اور پیٹر اپنی زندگی کو پُرمسرت بنانے کے لیے کسی اور لڑکی کا ہاتھ تھام لے مگر وقت گزر چکا تھا۔ اب پیٹر ادھیڑ عمر ہو چکا تھا۔ اِس کے علاوہ وہ لڑکی کا مشورہ بھی قبول کرنے پر راضی نہیں تھا۔ لڑکی نے اُسے بتایا تھا کہ اُن کی محبت نے جو یادگار قائم کی تھی وہ اب جوان ہو چکی ہے۔ پیٹر

کا بیٹا جوان ہو چکا تھا مگر ماں کی
بنی ہوئی تھی۔

پیٹر اپنی محبت کا آخری دیدار کرنے
کے پاس پہنچ گیا تھا۔ مرنے والی نے اُس
تھا۔ پیٹر کا جوان بیٹا اپنے باپ سے
اُس کی ماں کے لیے زندگی بھر کا دکھ
بیٹے پر خود کو ایک دُور کا رشتے دار ظاہر
کی بات تھی۔ لڑکا ذہین تھا اور محنتی بھی
اپنی تعلیم مکمل کر لی مگر موت نے جلد ہی اُسے

"کیا تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ اپنے بیٹے کے
پیٹر بھرائی ہوئی آواز میں مجھ سے کہہ رہا تھا۔ "میرے
خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ وہ... وہ میرا بیٹا تھا
اور... اور ہرگز اِس سزا کا مستحق نہیں تھا جو ایک
اُسے ملی۔"

واقعہ یہ تھا کہ اسرائیلی کمانڈوز نے لبنان کے
تھا۔ اُنھیں یقین تھا کہ اُس ہوٹل میں تحریکِ آزادی
ہُوا ہے۔ وہ اُسے قتل کرنا چاہتے تھے اور اِسی لیے
حملہ کیا تھا۔ وہ فلسطینی رہنما تو بچ گیا مگر ہوٹل میں
سے بے گناہ افراد اِس حملے کا شکار ہو گئے جن کا
سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسرائیلی کمانڈوز نے ہوٹل
حملہ کیا تھا۔ اُن بموں کا شکار ہونے والوں میں پیٹر کا بیٹا
سیر و تفریح کی غرض سے گیا ہوا تھا۔ کیونکہ اُنھی دنوں
کی مشترکہ فرم، کمپیوٹرز کے علاوہ اسرائیل کو بھی اسلحہ فراہم
اِس لیے پیٹر خود کو مجرم تصور کر رہا تھا۔

آدمی جب کسی شدید صدمے کا شکار ہوتا ہے تو
کر رونے لگتا ہے یا اُسے چُپ لگ جاتی ہے۔ پیٹر
سے نہیں کہا تھا اور اُس کا دُکھ سُننے والا بھی کون تھا۔
نے کی ہی نہیں تھی۔ ایک سے ایک بہتر کمپیوٹر بنانے اور
مصروفیات میں اُس نے خود کو گم کر دیا تھا۔ اگر اِس دوران
اُس کی طرف بڑھنا بھی چاہا تو اُس کی سرد مہری کے آگے
اُسے جوان بیٹے کے دُکھ نے دل کے عارضے میں مبتلا کر دیا
زندگی سے کٹ کر رہ گیا۔ اُس نے دانستہ خود کو عملی زندگی
کر لیا اور اُس جزیرے میں قید ہو گیا۔ چارلس کیلی سے اُسے
چکی تھی کیونکہ اسلحہ کی تجارت اُسی نے شروع کی تھی۔ ابتدا میں
منافع دیکھ کر خاموش ہو گیا تھا۔ لالچ نے اُس کی آنکھوں پر
گرا دیے تھے۔ ہزاروں لاکھوں افراد اُس کے فراہم کردہ خطرناک

... میں بند ہیں مگر جب خود اُس کا خون
... گئیں۔ اُسے احساس ہوا کہ وہ اب

... ہو گیا تو اُس کی بوڑھی خادمہ اپنی جگہ
... دی کے جذبات تھے۔ خادمہ اُسے
... ڈیوڈسن بھی اِس دوران میں وہاں آ
... کر دیکھا اور وہ بھی بوڑھی خادمہ کی مدد کی غرض

... سے ہاتھ کھینچ لیا تھا اور رضوان نے بھی میری

... ظالم ہیں۔ آپ کو اُسے اِس طرح نہیں کریدنا
... شت آمیز لہجے میں کہا۔
... ہے ہو؟" مجھے بھی اب افسوس ہو رہا تھا۔ تجسس
... ذہن سے یہ سوال چپکا ہُوا تھا کہ پیٹر نے
... اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا تھا! تصویر دیکھ کر اچانک
... خیال آیا تھا جو تقریباً درست ثابت ہُوا۔
... تصویر ...
... مالا مجھے اُس لمحے لرزتی محسوس ہوئی۔ اِس کا سبب
... میرا واہمہ! مگر اُس وقت مجھے ایسا ہی محسوس
... کانپ اُٹھی ہو۔ لڑکے کے چہرے پر یوں بھی
... ات تھے۔

... مریض ہے۔" رضوان نے دبے ہوئے لہجے میں کہا۔
... دورہ نہ پڑ جائے!"
... میں کچھ نہ بولی۔ مجھے بھی یہ خیال آیا تھا۔
... نے جس خدشے کا اظہار کیا تھا اور مجھے جو خیال آیا تھا
... ثابت ہوا تھا۔ اُس شب پیٹر کو دل کا انتہائی سخت
... مجھے اِس کی اطلاع صبح ملی تھی۔ مجھے یہ اطلاع ڈیوڈسن
... نے مجھے گہری نیند سے اُٹھایا تھا۔ جب میں نے
... کے چہرے کا جائزہ لیا تھا تو وہ مجھے بہت گھبرایا ہوا
... کے علاوہ میں نے فضا میں ایک عجیب سی گونج بھی

... ہے؟" میں نے ڈیوڈسن سے پوچھا تھا۔ "مسٹر پیٹر تو

... دل کا دورہ پڑا تھا۔" ڈیوڈسن نے جواب دیا تھا۔ "مجبوراً
... مہلت حاصل کرنا پڑیں۔ مار تھا رات بھر اُن کے پاس ہی رہی۔
... حد تک مسٹر پیٹر کے مرض پر قابو پایا ہے لیکن اِس کے باوجود

اُن کی حالت خطرے سے باہر نہیں کہی جا سکتی۔ اُن کی نبض سست پڑتی جا رہی ہے... شاید ہی بچ سکیں۔" آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے ڈیوڈسن کی آواز بھاری ہو گئی۔ میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی کہ ڈیوڈسن کو اپنے مالک سے محبت تھی۔

"یہ گونج کیسی ہے؟" میں نے ڈیوڈسن سے ایک اور سوال کیا۔

"یہ سائرن کی آواز ہے۔ کچھ نامعلوم افراد نے جزیرے پر حملہ کر دیا ہے شاید اِسی لیے مسٹر پیٹر آپ کو بلا رہے ہیں۔" ڈیوڈسن نے جواب دیا۔

میں بستر سے اُٹھ کر جلدی جلدی لباس تبدیل کرنے لگی۔ اِس دوران میں ڈیوڈسن، رضوان کو بیدار کرنے چلا گیا تھا مگر وہ سائرن کی آواز سُن کر پہلے ہی بیدار ہو چکا تھا اِس لیے فوراً ہی ڈیوڈسن کے ساتھ چلا آیا۔

میں، رضوان اور ڈیوڈسن تقریباً دوڑتے ہوئے کنٹرول روم میں داخل ہوئے۔ میں نے اندر جاتے ہی مارتھا کو دیکھا جو پیٹر کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ پیٹر گھومنے والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کا چہرہ سُتا ہُوا اور زرد نظر آ رہا تھا۔ کمزوری کا اظہار اُس کی آنکھوں تک سے ہو رہا تھا۔ اُس کے لیے ہاتھ تک ہلانا مشکل ہو رہا تھا۔

"میں بہت دیر سے مسٹر پیٹر کو سمجھا رہی ہوں کہ اُنھیں اِس وقت مکمل آرام کی ضرورت ہے مگر یہ میری بات نہیں مانتے۔" مارتھا مجھے دیکھتے ہی جلدی سے بولی۔

"مسٹر پیٹر! مارتھا درست کہہ رہی ہے۔" میں نے اُس کے نزدیک پہنچ کر کہا۔

"میرا آخری وقت آ چکا ہے اور اب میں اکیلا تو... ہم... کروں گا۔" پیٹر کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ "میں تو خیر اُسی دن مر چکا تھا جب میرے ہی بنائے ہوئے بموں نے میرے بیٹے کی زندگی کا چراغ گُل کر دیا تھا۔ اب تو سکون سے سونے کی تیاری ہے مگر آنکھیں بند ہونے سے پہلے میں تمھیں کچھ سمجھانا چاہتا ہوں۔"

"آپ جو کچھ سمجھانا چاہتے ہیں، وہ طبیعت ٹھیک ہونے کے بعد بھی سمجھا سکتے ہیں۔" میں نے اصرار کیا مگر خود مجھے اپنے لہجے میں کھوکھلا پن محسوس ہُوا۔ کیا پیٹر کی طبیعت اب ٹھیک ہو سکتی تھی!

"میری طبیعت اُسی وقت سنبھلے گی جب تم خاموشی سے میری بات سُنو گی اور اِس طرح سُنو گی جس طرح میں سناؤں گا۔ تم درمیان میں کوئی سوال نہیں کرو گی، چاہے میں کوئی بات غلط ہی کہنے جا رہا ہوں۔ وعدہ کرو کہ تم میری بات ختم ہونے سے پہلے ایک لفظ بھی نہیں بولو گی!"

میں نے وعدہ کر لیا اور سوائے اِس کے چارہ بھی نہیں تھا!

"سنو! سی آئی کے اور بن یعقوب کے آدمی جزیرے میں داخل ہو چکے

دونوں آنکھوں سے دیکھو!" یہ کہہ کر پیٹر نے اپنے آگے رکھے ہوئے ایک بٹن کو دبایا۔

سامنے والی دیوار پر ایک اسکرین روشن ہوگیا۔ یہ جزیرے کی شمالی سمت میں پہاڑی سلسلے کا منظر تھا۔ فضا میں متعدد گلائیڈرز لہرا رہے تھے۔ پیٹر نے مزید بٹن دبائے۔ اس کے ساتھ دو تین اسکرین اور روشن ہوگئے۔ ایک اسکرین پر وہ چٹان نظر آرہی تھی جس پر برقی تاروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ایک گلائیڈر اسی چٹان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گلائیڈر پر سوار شخص نے اس چٹان پر پاؤں ٹکا دیے۔ صرف لمحے بھر کو اس شخص کے پاؤں چٹان پر نظر آئے، ادھر دوسرے ہی لمحے وہ غیر فطری انداز میں اچھلا، پھر گلائیڈر سمیت چکراتا ہوا نیچے چلا گیا۔

"یہ انجام کئی حملہ آوروں کا ہوچکا ہے۔" پیٹر کی آواز ابھری۔ "مگر وہ تعداد میں بہت ہیں۔ ان میں سے کچھ نہ کچھ یقیناً جھیل تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔"

"اور کیونکہ شارک مچھلیاں پنجرے میں قید ہیں اس لیے انھیں صرف ڈیتھ چارجز کا سامنا کرنا پڑے گا۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں!" پیٹر بولا۔ "میں نے سیکورٹی گارڈز کو چھٹی دے دی ہے۔ وہ جزیرہ چھوڑنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں اس لیے حملہ آوروں کو روکنے کے لیے لانچ نہیں جائے گی۔ ہاں شارک مچھلیاں واپس زیرزمین تالاب میں جاچکی ہیں جہاں سے وہ مناسب وقت پر باہر لائی جاسکتی ہیں۔"

"میں نے آہنی پنجرے کی راہ میں جو رکاوٹ کھڑی کردی تھی، کیا وہ دور کردی گئی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں رات ہی کو جھیل صاف کردی گئی تھی اور پنجرے کا جو حصہ تم نے اڑا دیا تھا، اسے بھی دوبارہ درست کیا جاچکا ہے۔" پیٹر نے بتایا۔

اسی وقت میری نگاہ اس روشن اسکرین پر پڑی جو پہاڑی سلسلے کا منظر پیش کررہا تھا۔ میں نے ایک گلائیڈر کو اس چٹان کی طرف بڑھتے دیکھا تھا جس پر برقی تار پھیلے ہوئے تھے۔ گلائیڈر پر سوار شخص نے بھی غالباً اترنے کے لیے اسی چٹان کو منتخب کیا تھا کیونکہ وہ لمحہ بلمحہ اس سے قریب ہوتا جارہا تھا مگر اس گلائیڈر کو کنٹرول کرنے والے نے عین اس وقت اپنے دونوں پاؤں سکوڑ لیے جب اس کے پاؤں چٹان کو چھونے والے تھے۔ وہ بالکل رضوان کی طرح بال بال بچا تھا اور اس وقت مجھے اس کی ایک جھلک نظر آگئی تھی مگر اس کے باوجود بھی میں یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ ابن یعقوب ہی تھا۔

"ابن یعقوب خود اس مہم میں شریک ہے۔" میں نے اعلان کیا۔

"اسے ایک نظر دیکھنے کی تمنا مجھے بھی اس کا بہت ذکر سنا ہے۔" پیٹر نے عجیب نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں دیکھ لو جس کی خاطر یہ سارا ہنگامہ ہورہا ہے۔"

میں نے کن انکھیوں سے مارتھا کی طر سے پیٹر کی بات سن رہی تھی۔ میرے خیال میں نظرانداز نہیں کرنی چاہیے تھی کیونکہ اب یہ دشمن کی آلۂ کار ہے۔ یہ سوچ کر میں نے پیٹر کیا مگر وہ یا تو میرے اشارے کو سمجھ نہیں پایا

پیٹر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا سے پچھلی دیوار میں ایک خلا پیدا ہوگا اور جس کے حصول کی خاطر متعدد افراد اپنی زند میں تمھیں ابھی وہ چیز دکھاتا ہوں۔"

میں نے پھر کچھ کہنا چاہا مگر پھر مجھے اپنا ارادہ رہی۔ رضوان نے بھی غالباً صورتِ حال کا اندازہ بھی کچھ کہنے کے لیے بے چین نظر آرہا تھا لیکن دیا اور وہ میرا اشارہ سمجھ کر خاموش رہا۔ میرا خیال تھا مارتھا کی موجودگی کا احساس تھا۔ اس کے باوجود بھی نے غیر محتاط رویہ اختیار کررہا تھا تو اس کا کوئی

معاً پیٹر نے ایک بٹن دبادیا اور میں نے میں واقعی ایک خلا پیدا ہوگیا تھا۔ میں اسی کی طرف تھی کہ دوسرے ہی لمحے اس خلا سے ایک تختہ آہستہ ہوا باہر آگیا۔ اس تختے پر شیشے کے کیس میں محفوظ پلندا رکھا ہوا تھا۔

"میں نے دفاعی نظام کی تفصیلات محفوظ رکھنے انتظام کیا تھا۔" پیٹر نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ یہ انتظام ہوگا لیکن اب میرا یقین متزلزل ہوچکا ہے۔ اب ان حفاظت تم کرنا بانو!" یہ کہہ کر پیٹر نے پھر بٹن دبا دیا۔

تختہ بٹن دبتے ہی دوبارہ خلا میں چلا گیا، پھر دیوا برابر ہوگیا۔ اب اس دیوار کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کوئی خلا ہے اور اس خلا میں کسی چیز کو محفوظ کیا گیا ہے۔ کا ردعمل جاننے کے لیے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پھٹی پھٹی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی اور مضطرب نظر آنے لگی تھی۔

پیٹر نے ایک اور بٹن دبایا۔ اس کے ساتھ ایک لگا جس کی آواز پہلے سائرن سے بھی تیز تھی۔

"میرے دوست! اب تم بھی جاؤ!" معاً پیٹر

مخاطب ہوا۔ "تمھارے ساتھی باس دوسرے لانچ میں پہنچ جائیں گے۔ پندرہ منٹ کے لندن کے لیے روانہ ہوجاؤ!"

ات سن کر ڈیوڈسن کے چہرے پر جھجک کے آثار شاید پیٹر کو اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جانا

بعد پیٹر مارتھا سے مخاطب ہوا۔ "ڈاکٹر! کیا... کی کوئی امید ہے؟ صحیح صحیح بتانا، بغیر کسی جھجک کے! میں ہر بات سننے کے لیے آمادہ ہوں۔"

مضطربانہ انداز میں میری اور رضوان کی جانب دیکھا انداز میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔ "مجھے افسوس ہے مسٹر

ت نہیں ڈاکٹر!" پیٹر اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "میں پہلے سننے کے لیے تیار تھا۔ اب کوئی بھی سانس آخری ثابت اس لیے دیر نہ کرو! دیکھو سی کے اور ابن یعقوب کے پہنچ چکے ہیں۔ ان کے پاس آبدوزیں بھی ہیں ان میں سے چند یقیناً شارک مچھلیوں سے بچ نکلیں ن ہے دیر ہوجائے۔ جاؤ ڈاکٹر! تم بھی جلدی سے لانچ اور دیکھو مسز اسمتھ کا خیال رکھنا! کہیں وہ میری محبت میں ہی پر نہ رہ جائے! اس عورت نے میری بہت خدمت صرف اسی نے کیا تم سبھی نے میری خدمت کی ہے۔ تم لیے بڑے سے بڑا معاوضہ بھی کم تھا مگر جو ہونا تھا ہو مجھ سے جو کچھ ہوسکا ہے تمھیں ہنری سے مل جائے گا۔ ل لینا!" پیٹر کی آواز لمحہ بہ لمحہ کمزور پڑتی جارہی تھی۔

ڈسن نے جانے سے قبل مجھے اور رضوان کو سوالیہ نگاہ دیکھا۔

"دونوں ابھی کچھ دیر میرے پاس رہیں گے۔ تم ڈاکٹر کو اپنے لے جاؤ!" پیٹر نے آخری حکم دیا۔

ڈسن نے مارتھا کی طرف دیکھا۔ مارتھا شاید وہاں مزید رکنا تھی لیکن میری اور رضوان کی چبھتی ہوئی نظروں نے اسے جانے مجبور کردیا۔

ڈسن، مارتھا کو لے کر کنٹرول روم سے نکل گیا۔ کچھ دیر بعد دونوں ایک اسکرین پر نظر آنے لگے۔ وہ اوپر والی راہداری آگے بڑھ رہے تھے۔ ڈیوڈسن آگے آگے تھا اور مارتھا پیچھے چل رہی تھی۔ راہداری کے اختتام تک مارتھا، ڈیوڈسن کے پیچھے چلتی رہی، پھر معاً اس نے ایک دروازے کا رخ کیا اور ڈیوڈسن راہداری

سے نکل گیا۔ چند لمحوں بعد ہی ڈیوڈسن پھر راہداری میں نظر آیا اور غالباً مارتھا کو تلاش کرنے لگا۔ جب اس نے مارتھا کو پکارنا شروع کیا تو مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مارتھا ہی کی تلاش میں تھا۔ مجھے ڈیوڈسن کی آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔

پیٹر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے اور رضوان کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، پھر ایک سوئچ آن کرتے ہوئے بولا۔ "ڈیوڈسن! بیوقوف نہ بنو! تم چلے جاؤ! جلدی کرو، تمھارا آخری ساتھی بھی لانچ میں سوار ہوچکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمھارے ساتھی تمھیں چھوڑ کر چلے جائیں۔"

ڈیوڈسن نے یقیناً پیٹر کی آواز سن لی ہوگی کیونکہ وہ پہلے ایک لمحے کو ٹھٹکا تھا، پھر دوڑتا ہوا راہداری سے نکل گیا تھا۔

ایک اسکرین پر وہ لانچ بھی نظر آرہی تھی جس میں جزیرے کے باسی روانہ ہونے والے تھے۔ ہر سمت صبح کی روشنی پھیل چکی تھی اور موسم بڑا خوشگوار نظر آرہا تھا۔ معاً ڈیوڈسن کسی طرف سے بھاگتا ہوا آیا اور لانچ پر سوار ہوگیا۔ لانچ پر سوار ایک شخص نے لنگر اٹھا دیا، پھر کسی اور شخص نے گودی سے بندھی ہوئی رسّی کھول دی اور پھر لانچ روانہ ہوگئی۔

"خدا حافظ میرے ساتھیو!" پیٹر نے حسرت بھرے لہجے میں اور آنکھیں بند کرلیں۔

ایک اسکرین پر ابن یعقوب اور اس کے ساتھی جھیل میں تیرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ دو روشن اسکرین ان کی نقل وحرکت کو واضح طور پر پیش کررہے تھے۔ ان کے جسموں پر ویسے ہی لباس تھے جیسے میں نے اور رضوان نے استعمال کیے تھے۔ میں نے انھیں گنا، ان کی تعداد سات تھی۔ ایک اسکرین سے آؤٹ ہوکر وہ دوسرے اسکرین پر نظر آنے لگے۔

راہداری میں مارتھا دوبارہ نظر آئی۔ میں اس اسکرین کی طرف متوجہ ہوگئی جس پر راہداری کا منظر نظر آرہا تھا۔ مارتھا دوڑتی ہوئی راہداری کے آخری سرے تک گئی اور اسکرین سے آؤٹ ہوگئی۔

اسی وقت پیٹر نے آنکھیں کھول کر سامنے موجود روشن اسکرین دیکھے، پھر ایک اور سوئچ آن کردیا۔ آخری اسکرین بھی روشن ہوگیا۔ اس روشن اسکرین پر مارتھا نظر آئی جو اس گڑھے کے قریب ہوتی تھی جس کے ذریعے میں اور رضوان راہداری تک پہنچے تھے۔

"مارتھا کو میں نے جان بوجھ کر پچھلی دیوار کا خلا دکھایا تھا۔" سے مخاطب ہوا۔ "ممکن ہے کہ ابن یعقوب کے یہاں پہنچنے سے پہلے میں دم توڑ دوں، پھر یہ سب کچھ جوں کا توں رہ جائے اور ابن یعقوب سی کے کی مدد سے شاید اس نظام کی نقل تیار کرلے جو جزیرے پر قائم ہے۔ اس کے لیے کاغذات قطعی ضروری نہیں ہیں۔ کاغذ

اِس سلسلے میں مددگار ضرور ثابت ہوں کے مگر ماڈل کی موجودگی
میں اُن کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔"
"کیا اُس ماڈل کو تباہ کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"کیوں نہیں!" پیٹر نے جواب دیا۔ "میں نے مارتھا کے ذریعے اُسی کی تباہی کا تو بندوبست کیا ہے۔" چند لمحے توقف کے بعد وہ پھر بولا۔ "اگر کاغذات کے پلندے کو اُس کی جگہ سے اُٹھا لیا جائے تو ایک برگلر الارم عمل میں آجائے گا۔ یہ کنٹرول روم آہنی دیواروں سے بنا ہوا ہے اور ایسی مضبوط دیواروں سے بنا ہوا ہے کہ کافی قوت کے بم بھی اِن دیواروں کو نہ اُڑا سکیں۔ الارم کے آن ہوتے ہی کنٹرول روم کا آہنی دروازہ بند ہو جائے گا۔ اِس میں محض چند لمحے لگیں گے۔ کاغذات چُرانے والے کو یہاں سے نکلنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اُس کے بعد یہ آہنی دروازہ کسی صورت نہیں کُھل سکے گا۔ یہ کنٹرول روم کاغذات حاصل کرنے والے کا مقبرہ ہی ثابت ہو گا۔"
"لیکن ماڈل تو اِس کے باوجود محفوظ ہی رہے گا۔ اگر بن یعقوب مارا بھی گیا تو کوئی اور اُس کی جگہ لے لے گا جس سے چارلس کیلی سودا کر لے گا۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔
"نہیں!" پیٹر نے جواب دیا۔ "الارم کے ساتھ ہی کمپیوٹر کاؤنٹ ڈاؤن شروع کر دے گا۔ پندرہ منٹ کے بعد ہی کمپیوٹر کی گنتی پوری ہو جائے گی اور اُس کا تخریبی عمل شروع ہو جائے گا۔ اُس کے فوراً بعد ہی جزیرے پر جتنا گولہ بارود موجود ہے، اُڑ جائے گا کیونکہ وہ ایک تخریبی صورت میں ہے۔ آخری دھماکا جھیل کی تہ کو لے بیٹھے گا جس کی راہ سے جھیل میں سمندری پانی بھرنے لگے گا۔ فوراً تو شاید نہیں مگر آہستہ آہستہ پورا اٹیال ٹو سمندر کی تہ میں بیٹھ جائے گا۔"
"اگر کاغذات حاصل کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو؟" میں نے سوال کیا۔
"تو پھر سب کچھ یونہی رہ جائے گا۔" پیٹر نے کہا۔ "مجھ میں اِتنی ہمت نہیں کہ میں اُٹھ کر الارم آن کر سکوں۔" یہ کہہ کر پیٹر نے مجھے غور سے دیکھا اور بولا۔ "مگر تم یقین کرو، مارتھا یہاں اِسی لیے رُکی ہے کہ بن یعقوب کو اُن کاغذات کے بارے میں بتا سکے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بیوقوف کاغذات کی اہمیت کے بارے میں جان کر انھیں حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو جائیں گے اور کچھ نہیں سوچیں گے۔"
پیٹر، بن یعقوب کو بیوقوف کہہ رہا تھا۔ شاید اِس کا سبب رہا ہو کہ وہ بن یعقوب سے واقف نہیں تھا لیکن میں اُس سے اچھی طرح واقف تھی اِس لیے اُسے بیوقوف ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ یہ درست تھا کہ اُن حالات میں اگر بن یعقوب کی جگہ میں بھی

ہوتی تو شاید کامیابی کے نشے میں احتیاط کو بالا
کاغذات حاصل کرنے کی غلطی مجھ سے سرزد ہو جاتی
تھا کہ بن یعقوب مجھ سے بھی زیادہ ذہین ثابت ہو
یکسر نہ ہوتا۔
پیٹر نے مجھے تشویش آمیز نگاہ سے دیکھا۔ شاید
سے میری فکرمندی کا اندازہ لگا چکا تھا مگر اُس
کو مخاطب کیا۔ "تم بانو کو لے کر یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔
یہاں موجودگی شاید کھیل بگاڑ دے۔ میرا ذاتی ہیلی کوپٹر
ایک حصّے میں موجود ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم دونوں
اُسے ہینڈل کر سکو گی۔ جس راہداری سے تم لوگ یہاں
پہنچے تھے، اُسی کے سرے پر ایک دروازہ ہے۔ اُس
کر تم عمارت کے باہر چلے جاؤ گے۔ عمارت سے
ہیلی کوپٹر نظر آجائے گا۔ جلدی کرو، دیکھو وہ شارک کام
چکے ہیں۔ اب اُنھیں یہاں تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں
پیٹر کی بات سُن کر میں نے دیوار کی طرف دیکھا
ٹیلیویژن اسکرین روشن تھے۔ اُن میں سے ایک اسکرین
مچھلیاں آہنی پنجرے میں بند تیرتی ہوئی دکھائی دے رہی
کے علاوہ اُس پنجرے میں بن یعقوب کے ساتھی بھی
تھے جو مچھلیوں کا شکار ہو رہے تھے۔ مجھے چند شارک
تیروں میں بھی پیوست نظر آئیں جو یقیناً بن یعقوب
کا ہاتھ تھا۔
پیٹر نے کسی سوئچ کو حرکت دی اور اسی کے ساتھ
گیا۔ تین چار انسانی جسم تیزی سے گندے پانی کے نالے میں
بڑھتے نظر آرہے تھے۔ اُن میں سے ایک پر مجھے بن یعقوب کا
شبہہ ہوا لیکن میں اُسے اچھی طرح نہیں دیکھ سکی تھی اِس لیے
یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ بن یعقوب ہی تھا۔
"جاؤ!" معاً پیٹر کی کمزور آواز بلند ہوئی۔ "میری آخری خواہش
ہے کہ تم لوگ یہاں سے فوراً چلے جاؤ! اگر تمھیں دیر ہو گئی تو
وقت گزر جائے گا، وقت گزر رہا ہے۔۔۔ وقت گزر جائے گا۔"
اُس کی آواز مدھم پڑتی گئی، اور پھر اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔
رضوان نے اجازت طلب نگاہ سے میری جانب دیکھا۔ میں
نے اُسے چلنے کا اشارہ کیا، پھر میں پیٹر سے مخاطب ہوئی۔
"جا رہے ہیں مسٹر پیٹر، خدا حافظ!"
"خدا حافظ!" پیٹر نے آنکھیں کھولے بغیر بہت مدھم آواز میں
جواب دیا مگر میں نے اُس کے چہرے پر اُبھرتے ہوئے خوشی کے
تاثرات دیکھ لیے تھے۔

قدم بڑھائے" اور پھر آخری مرتبہ اُسے پلٹ کر
دیکھا اور رضوان کے ہمراہ تیزی کے ساتھ کنٹرول روم

کیا ہے؟" میں نے باہر آتے ہی رضوان کو مخاطب کیا۔
وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ پیٹر کا خیال
درست ہو گا مگر اِس کے باوجود دل مطمئن نہیں ہے۔"
"مجھے ڈر ہے کہ یہاں پیٹر کو تنہا پاکر بن یعقوب جیسا چالاک
آدمی یہ سوچنے لگے گا کہ تمام افراد کو جزیرے سے کیوں رخصت
کیا گیا ہے۔ اِس معاملے میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہے۔ اگر
اُس نے غور کیا تو اُسے یہاں پیٹر کے علاوہ صرف مارتھا
ہی نظر آئے گی، یہ بات اُسے شبہے میں ڈال دے گی۔"
رضوان نے میری بات سُن کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بھی مجھ سے

میں نے رضوان سے کہا کہ اگر ہم بھی اُسے یہاں نظر آئیں تو کیا اُسے کسی
قسم کا شبہہ ہو سکے گا؟" میں نے بات آگے بڑھائی۔
رضوان کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ وہ فوراً بولا۔ "یقیناً اُسے
کوئی شبہہ نہیں ہو گا۔ ہمیں یہاں رُک کر اُس کا انتظار

مجھے رضوان کے حوصلے کا اعتراف کرنا پڑا۔ وہ سب کچھ جانتے
ہوئے بھی یہ خطرہ مول لینے پر تیار ہو گیا تھا۔ اُس نے بِلا جھجک وہ
بات کہہ دی تھی جو میں اُس کی سلامتی کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہنے سے
گریزاں تھی۔
"کیا تم نے یہ نہیں سوچا رضوان کہ اِس طرح خود ہماری زندگی خطرے
میں پڑ جائے گی؟" میں مسکرا کر بولی۔
"ہم کون سے پھولوں کی سیج پر سوتے رہے ہیں!" اُس نے
جواب دیا۔
"میرا خیال ہے کہ ہمارے بچ نکلنے کے بہت امکان ہیں۔" میں
نے کہا۔ "وہ شاید تین یا چار ہوں گے۔ اُن میں سے ایک
نگرانی کے لیے یہاں رُک جائیں گے، باقی اندر چلے جائیں
گے۔ اگر سب کچھ اندازے کے مطابق ہوا تو ہمیں صرف اُنھی سے
نمٹنا ہو گا جو ہمارے پاس رُک جائیں گے۔"
"وہ بھی اُس لمحے یقیناً چونک جائیں گے جب کنٹرول روم کا دروازہ
بند ہوتے دیکھیں گے۔ اُس وقت اُنھیں چھاپ لینا ہمارے
لیے مشکل کام نہیں ہو گا۔" رضوان نے گویا میری بات پوری کر
دی۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔
مگر حالات اُس طرح پیش نہیں آئے جس طرح ہم نے سوچے

تھے۔ ہم وہاں رُکنے کی بجائے کچھ دیر کے لیے وہاں سے ہٹ گئے
اور ایسا کرنا ہمارے لیے ناگزیر تھا۔ ہمارے پاس صرف چند منٹ تھے۔
اِس دوران میں ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ ہیلی کوپٹر کا جائزہ لے آئیں
جس کے ذریعے ہمیں وہاں سے فرار ہونا تھا تاکہ عین وقت پر ہمیں کوئی
مشکل پیش نہ آئے۔ فرار ہوتے وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا۔ اگر اُس
وقت ہم ہیلی کوپٹر تک پہنچنے کے لیے راستہ تلاش کرتے ہوئے بھٹک
جاتے تو ہماری زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ کیا خبر پیٹر نے کہاں
کہاں گولہ بارود چھپا رکھا تھا جو الارم بجتے ہی پھٹ جاتا!
پیٹر نے بڑا سیدھا راستہ بتایا تھا۔ میں رضوان کے ہمراہ دُوسری
راہداری کے آخری دروازے کو عبور کر کے باہر پہنچی تو سامنے ہی ہیلی پیڈ
تھا جہاں ایک ہیلی کوپٹر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اُس کا دروازہ بھی کھلا
ہوا دیکھا۔ وہ ہر طرح فوری اُڑان کے لیے تیار کھڑا تھا۔ غالباً پیٹر نے
کسی ایسے ہی موقع کے لیے وہ بندوبست کیا تھا مگر اُسے کیا خبر تھی کہ اُس
کی بجائے اُس ہیلی کوپٹر کے ذریعے کوئی اور اُس جزیرے سے فرار ہو گا۔
ہم لوٹ کر لفٹ میں نیچے جانے کے لیے سوار ہی ہوئے تھے کہ
راہداری کے دُوسرے سرے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ہم نیچے
پہنچ کر جیسے ہی لفٹ سے نکلے اور لفٹ کا دروازہ بند ہوا، لفٹ
فوراً اوپر چلی گئی۔ یقیناً کوئی اوپر پہنچ چکا تھا اور اُس نے لفٹ کا بٹن
دبا دیا تھا۔
میں اور رضوان کنٹرول روم کے دروازے ہی پر کھڑے ہوئے تھے۔
کچھ دیر بعد لفٹ نیچے آگئی، پھر اُس کا دروازہ کُھلا۔ لفٹ سے نکلنے
والا پہلا شخص بن یعقوب تھا۔ وہ گیس ماسک اور گاگلز سے
نجات حاصل کر چکا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں لمبی نال کا ریوالور تھا جس کا رُخ
ہماری طرف تھا جسے اُس نے فوراً ہم پر تان لیا تھا۔ اُس کے ساتھ تین آدمی
اور تھے جو اُس کے بعد لفٹ سے باہر آئے مگر اُن تینوں کے علاوہ
لفٹ میں ایک اور ہستی بھی تھی جو سب کے بعد لفٹ سے
نکلی۔ وہ مارتھا تھی۔
"کامیابی مبارک ہو بن یعقوب!" میں نے مسکرا کر کہا۔
بن یعقوب مجھے اور رضوان کو شک بھری نگاہ سے دیکھتے ہوئے
بولا۔ "تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟ میرا خیال تھا کہ تم لوگ بھی جزیرے
پر موجود دوسرے افراد کی طرح یہاں سے جا چکے ہو گے۔"
"بن یعقوب! میں یہاں تم سے پہلے آئی ضرور تھی لیکن یہ ضروری
تو نہیں تھا کہ تم سے پہلے چلی بھی جاتی۔ وہ لوگ تو تم سے خوفزدہ تھے
اِس لیے اپنی جانیں بچا کر فرار ہو گئے مگر مجھے تو تم سے خوفزدہ ہونے
کی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو تمھارے ساتھ ہی واپسی کے بارے میں
سوچ کر یہاں رُکی تھی۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "تمھارے ا

میرے درمیان تو کوئی دشمنی نہیں بلکہ میں تو تمہارے کام ہی آئی ہوں۔ تمہیں بہرحال یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ میں نے یہاں تک پہنچ کر تمہارے لیے راہ استوار کی ہے۔“

میری بات میں خاصا وزن تھا۔ میں نے اپنی اور رضوان کی وہاں موجودگی کا مناسب سبب بیان کیا تھا جس کے بعد بن یعقوب کو میری طرف سے مطمئن ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ بن یعقوب تھا‘ چالاک ترین اسرائیلی! بھلا وہ کس طرح آسانی کے ساتھ میرے جھانسے میں آجاتا! ہاں میں نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ میری بات سن کر اُس کے شکوک کچھ کمزور ضرور پڑ گئے ہوں گے کیونکہ اُس نے اپنے ریوالور کی نال نیچے کر لی تھی۔ یوں بھی اُسے ہماری طرف سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا! ہم اُس کے سامنے نہتے کھڑے تھے۔

اُس نے میری بات کا کوئی جواب دیے بغیر مجھے اور رضوان کو کنٹرول روم میں چلنے کا اشارہ کیا۔ کنٹرول روم میں اُس کے ساتھ جانا انتہائی خطرناک تھا۔ میں نے موقع کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت پُرسکون لہجے میں کہا۔ ”وہاں میرے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ اندر جا کر کیا کروں گی! اندر جو کچھ ہے اُس کے بارے میں تمہیں ڈاکٹر مارتھا بھی سب کچھ بتا سکتی ہے۔“

مجھے یقین ہے کہ رضوان کا دل بھی اُس وقت میری طرح تیزی سے دھڑک رہا ہوگا کیونکہ اگلے چند لمحے فیصلہ کن ثابت ہونے والے تھے۔ میں اور رضوان دونوں ہی بن یعقوب کے انجام سے واقف تھے‘ پھر بھلا کس طرح اُس کے ساتھ اندر جانے پر راضی ہو سکتے تھے!

بن یعقوب نے چند لمحے خاموش رہ کر غالباً میری بات پر غور کیا‘ پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ ”میں تمہیں اپنی نظر کے سامنے رکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ اندر چلنا پڑے گا۔“

”اس میں حرج بھی کیا ہے بانو!“ رضوان نے ہنس کر کہا۔

باہر رُکنے پر مزید اصرار بن یعقوب کو شک میں ڈال سکتا تھا اس لیے مجھے مجبوراً قدم بڑھانے پڑے۔ رضوان میرے ساتھ تھا۔ پہلے بن یعقوب اور اُس کے ساتھی کنٹرول روم میں داخل ہوئے اور آخر میں‘ رضوان اور میں! مارتھا بھی بن یعقوب کے ساتھ آگے آگے تھی۔ میں نے کنٹرول روم میں داخل ہو کر ایک بار پھر پیٹر کو دیکھا مگر اب وہ قیدِ حیات سے آزاد ہو چکا تھا۔ اُس کا سر سینے پر ڈھلکا ہوا تھا۔

مارتھا دوڑ کر پیٹر کے قریب پہنچ گئی۔ اُس نے جلدی سے پیٹر کی نبض دیکھی اور اُس کی موت کا اعلان کر دیا۔

میں اور رضوان دانستہ دروازے سے زیادہ دُور نہیں گئے تھے۔ معاً میں نے بن یعقوب کو اپنے ساتھیوں سے کچھ کہتے دیکھا۔ اُن

میں سے ایک پلٹ کر ہمارے پیچھے آکھڑا ہو

بن یعقوب بھی اب پیٹر کے قریب ... کو ہلا جُلا کر دیکھا اور بلند آواز میں کہا۔ ”یہ تو ...

”مر گیا تو کیا ہوا؟“ مارتھا جلدی سے بول ... تھا کہ کس سوئچ کے آن کرنے سے وہ کاغذا ... نکلتے ہیں اور ...“

”مارتھا!“ معاً میں چیخ پڑی۔ ”تمہیں شا ... گی۔“ میں نے دانت پیستے ہوئے جو کچھ کہا تھا ... یقین تھا کہ ایسا ہوگا بھی!

”یہ سزا کون دے گا بانو؟“ بن یعقوب ...

میں خاموش رہی۔ بن یعقوب مجھے ...

چند لمحے وہ اپنی جگہ کھڑا ہوا مجھے دیکھتا رہا‘ پھر اُس ... بڑھنے لگے۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا کہ کہیں ... نہ پڑ جائے! مگر اُس کے تیور بتا رہے تھے کہ اُس ... پھر تازہ ہو گئے ہیں۔

”دال میں کچھ کالا ضرور ہے!“ وہ میرے قریب ...

میں اُس کی بات سن کر مسکرا پڑی‘ پھر بولی۔ ”... ہے‘ وہاں سفید کا ہونا بھی لازمی ہے کیونکہ دونوں ہم ساتھی ہیں۔“

میں نے محسوس کیا کہ بن یعقوب میری بے معنی ... معنی تلاش کر رہا تھا۔ اُس کے چہرے سے کچھ ایسا ہی ... معاً وہ سر جھٹک کر مارتھا کی طرف مڑا اور بولا۔ ”شاید ... اُلجھن میں ڈال رہا ہے کہ میں اُن کاغذات کو حاصل ... ترک کر دوں مگر نہیں‘ بن یعقوب کو اتنی آسانی سے ... دیا جا سکتا۔“ یہ کہہ کر وہ پھر میری طرف پلٹا۔

بن یعقوب بہت غور سے میرے چہرے کا جائزہ ... تھا تاکہ میرے دل میں جو کچھ ہے اُس کا چہرے سے ... لیکن اگر وہ بن یعقوب تھا تو میں بھی صبیحہ بانو تھی‘ میں ... سے کس طرح شکست کھا سکتی تھی! میں نے اپنے چہرے ... کوئی اندازہ نہیں لگانے دیا۔ اُس نے یقیناً میرے چہرے ... ہوگا۔ وہ لمحے بڑے نازک تھے۔ ایک معمولی سی غلطی بھی ... سکتی تھی اس لیے میں بہت محتاط تھی۔

چند لمحے بعد میں نے بن یعقوب کے ہونٹوں پر مسکرا ... دیکھی اور اُس مسکراہٹ کو کوئی معنی نہیں پہنا سکی مگر جب اُس ... کو مخاطب کیا تو میرا دل خوشی سے دھڑک اُٹھا۔ وہ کہہ رہا تھا ... بٹن دبا دو! فلسطینیوں کے حامی نہیں چاہتے کہ میں اپنے ...

... مالی نظام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں ... حاصل ہو سکے گی۔“

... نے بٹن دبا دیا۔ اسی کے ساتھ کنٹرولنگ پینل والی ... دیوار۔ کاغذوں والا تختہ سرک کر باہر آنے لگا۔

... وہ آگے سے کنٹرول روم کے دروازے کی طرف ... اُس دروازے سے زیادہ دُور نہیں تھے مگر اس کے ... پر مجبور ہو گئی کہ ہمارے اور دروازے کے درمیان ... چند لمحوں میں عبور کیا جا سکتا تھا؟ اس کے علاوہ یہ ... کرتے ہوئے اسرائیلی کو بھی شکست دینا تھا۔ مجھے ... کاغذات اُٹھانے کے بعد دروازہ بند ہونے میں ... لگے! پانچ‘ دس یا پندرہ سیکنڈ! پندرہ سیکنڈ مل جاتے تو ... اگر دروازہ اُس سے پہلے ہی بند ہو گیا تو کیا ہوگا؟ حالات ... دیکھتے ہوئے میرا یہ سوچنا ناگزیر تھا۔

... دیوار سے نکلنے والے تختے پر رکھے ہوئے کاغذات ... لمحے غور سے دیکھتا رہا‘ پھر وہ میری طرف مڑا اور بولا۔ ”نہ ... یقین نہیں آتا کہ میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ اتنی آسانی سے ... حاصل ہو سکتی ہے! یا تو یہ کاغذات درست نہیں ہیں یا ... چال ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے بانو؟“ وہ اپنا جملہ پورا ... نہ کر سکا۔

... لمحے خاموش رہی‘ پھر بولی۔ ”تم کہو تو میں آگے بڑھ کر کاغذات ... شاید کہیں پڑھا تھا کہ ایک مقدس جوتے کو جو بھی اُٹھانا ... جاتا‘ اُس کا ہاتھ کٹ جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ یہاں بھی یہی ... لہجے میں شوخی تھی۔ دراصل میں اِس طرح اُسے یہ ... ممکن کر وہ بزدلی کا ثبوت دے رہا ہے۔ میرا انداز

... کے چہرے سے سنجیدگی کا اظہار ہو رہا تھا مگر میری ... بات غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ غالباً اپنے جذبات پر قابو پانا ... مجھے گھورتا رہا‘ پھر اُس نے رضوان کے چہرے پر نظر ... ڈالی تھی۔ رضوان کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے ... معاملات سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے چہرے سے ... تھا۔

یقیناً اُلجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ میں اُسے سوچنے کا ... نہیں دینا چاہتی تھی اس لیے فوراً میں نے اپنی جگہ سے حرکت ... کرنے کا انتظار کیے بغیر آگے بڑھی۔ میرے اور بن یعقوب ... نفسیاتی جنگ ہو رہی تھی جسے بہرحال میں جیتنا چاہتی ... بڑھنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے میں آگے بڑھ کر فوراً

کاغذات اُٹھا لینا چاہتی ہوں۔

میری توقع کے عین مطابق معاً بن یعقوب کی تیز آواز بلند ہوئی۔ ”رُک جاؤ بانو! میں تمہیں کوئی گڑبڑ کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔“

میں رُک گئی اور پلٹ کر رضوان کی طرف دیکھنے لگی۔ میں نے کوشش کی تھی کہ اپنے چہرے پر پیدا ہونے والے تاثرات سے بن یعقوب کو مایوسی کا تاثر دوں۔

”میرا خیال ہے بانو کہ تم جہاں پہلے کھڑی ہوئی تھیں وہیں چلی جاؤ!“ بن یعقوب چبھتے ہوئے لہجے میں بولا‘ پھر وہ مارتھا سے مخاطب ہوا۔ ”مارتھا! کاغذات تم اُٹھاؤ!“

میں اُس کی بات سنتے ہی پیچھے ہٹ گئی اور اس بار دروازے سے نسبتاً مزید قریب ہو گئی۔ میں نے رضوان کو بھی کھسک کر پیچھے ہٹتے دیکھا تھا۔

میں نے اپنی جگہ کھڑے ہو کر مارتھا کی جانب دیکھا۔ وہ آگے بڑھی‘ پھر جھک کر اُس نے اپنا ایک ہاتھ شیشے کے اُس ڈھکنے کی طرف بڑھایا جس کے نیچے کاغذات کا پلندہ رکھا ہوا تھا۔ اُس نے ایک ہاتھ سے ڈھکنا اُٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے کاغذات کا پلندہ اُٹھا لیا۔

مجھے چند لمحوں کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے وقت ٹھہر گیا ہو۔ میں دم بخود کھڑی رہی۔ میں نے دیکھا کہ کاغذات لینے کے لیے بن یعقوب نے اپنا ہاتھ مارتھا کی جانب بڑھا دیا۔

بن یعقوب کا ہاتھ بڑھانا جیسے ہمارے لیے حرکت کرنے کا اشارہ تھا۔ میں نے اور رضوان نے ایک ساتھ حرکت کی۔ ہم دونوں ہی نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے اسرائیلی پر حملہ کر دیا تھا۔ اسرائیلی اُس اچانک حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھا اس لیے وہ اپنے بچاؤ میں کچھ بھی نہیں کر سکا۔ رضوان نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور میں نے اُس کے پہلو سے ہاتھ مارا۔ وہ اسرائیلی دُگنی رفتار سے حرکت میں آیا اور قلابازی کھاتا ہوا اپنے اگلے ساتھی پر جا پڑا۔

اِس سے پہلے کہ بن یعقوب ہماری طرف مڑتا‘ میں نے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ میں دروازے کے عین سامنے جا کر گری۔ رضوان میرے پیچھے ہی تھا لیکن چھلانگ لگاتے ہوئے اُس سے اندازے کی غلطی ہو گئی تھی۔ وہ دروازے کے باہر گرنے کی بجائے دروازے کے درمیان گرا تھا۔ اُس کے دونوں پاؤں دروازے کی زد میں تھے۔

اُن لمحات میں پیش آنے والے واقعات اِتنی تیزی سے سامنے آئے تھے کہ میں اُنھیں اتنی تیزی سے بیان نہیں کر سکتی۔

میں نے دروازے کے باہر گرتے ہی بھاری آہنی دروازے کے دونوں پٹ کھسک کر تیزی سے ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھے تھے۔ اِسی کے ساتھ میں نے اندر کنٹرول روم میں مارتھا کو ایک طرف

گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اُسے بن یعقوب نے دھکا دے کر اپنے سامنے سے ہٹا دیا تھا۔ معاً بن یعقوب نے انتہائی تیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا تھا۔ میں نے ریوالور کی نال اپنی جانب اُٹھتے دیکھی تھی۔ رضوان دروازے کے درمیان پڑا ہوا خوفزدہ آنکھوں سے میری جانب تک رہا تھا اور کسی بھی لمحے آہنی پٹوں کے درمیان پسنے والا تھا۔

اِتنا وقت بہرحال تھا کہ رضوان اپنے پاؤں دروازے کے باہر کھینچ لیتا مگر اُس پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

اِتنا وقت بھی تھا کہ بن یعقوب گولی چلا کر میرا بھیجا اُڑا دیتا۔

اور اِتنا وقت بھی تھا کہ میں تیزی سے حرکت کر کے رضوان کو یقینی موت سے بچا لیتی۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنی جگہ سے انتہائی تیزی کے ساتھ حرکت کی تھی۔ اُٹھنے کی کوشش میں زیادہ وقت لگتا اور اُس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اِس کے علاوہ یہ کہ اُٹھنے کی صورت میں بن یعقوب کی چلائی ہوئی گولی سے بچنا میرے لیے اور بھی مشکل ہو جاتا۔

میں نے اپنی جگہ سے اُٹھنے کی بجائے کروٹ کے بل لیٹے ہوئے اپنی دونوں ٹانگیں پوری طرح پھیلا دیں اور ہاتھوں کے بل تیزی سے گھومی۔ میرے پَیروں اور سَر نے دائرے کی صورت گھومتے ہوئے دونوں مقاصد پورے کر دیے۔ ایک طرف میں بن یعقوب کی گولی سے بچ گئی اور دوسری جانب رضوان کو بچا لیا۔

میرا سَر اور سینہ بن یعقوب کے ریوالور کی نال کے سامنے سے ہٹ گئے اور دونوں پَیر بڑی قوت کے ساتھ رضوان کی ٹانگوں سے ٹکرائے، اِتنی قوت سے کہ رضوان کا جسم بھی گھوم گیا اور اُس کی ٹانگیں دروازے سے نکل گئیں۔

اُسی لمحے بن یعقوب نے یکے بعد دیگرے دو فائر کیے لیکن دونوں گولیاں خالی گئیں۔ اِسی کے ساتھ آہنی دروازے کے دونوں پٹ بند ہو گئے۔

میرے مُنہ سے ایک سسکی سی نکل گئی۔ مجھے اپنی ایک ہتھیلی میں آگ سی بھری محسوس ہوئی تھی۔ یہ وہی ہتھیلی تھی جس کے بل میں گھومی تھی۔ ہتھیلی بُری طرح چھل گئی تھی اور ہاتھ کلائی پر سے مُڑ گیا تھا مگر وہ [illegible] تکلیف کی حامل تھیں۔

[illegible] لمحے میں اور رضوان بے حس و حرکت زمین پر پڑے رہے۔

ہر چند کہ طویل اعصابی کھنچاؤ سے نکلنے کے بعد اب میرا جسم ڈھیلا پڑ گیا تھا اور اُٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا مگر مجھے فوراً ہی جیسے ہوش آ گیا۔ وقت بہت کم تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اُٹھو!" میں نے رضوان کو بلند آواز میں مخاطب کیا۔

رضوان نے بھی تیزی دکھائی۔ دوسرے [illegible]
کھڑا ہوا تھا۔
"تمہیں کیا ہو گیا تھا؟" میں نے اُس کی [illegible]
"مجھے اِس بات کا احساس کچھ دیر بعد ہوا [illegible]
مجھ سے غلطی ہو چکی ہے اور میں دروازے کے [illegible]
محسوس کر لیا تھا کہ میرے پاؤں دروازے کی زد میں [illegible]
طے نہیں کر سکا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے! آپ کا جسم [illegible]
ٹکراتا تو میں وقت پر اپنی ٹانگیں دروازے کے [illegible]
گھسٹنے کی تو بات تھی۔ ویسے آپ مجھ سے تیز نکلیں [illegible]
رضوان ناشکرا بہرحال نہیں تھا۔ مجھے یقین [illegible]
کہا تھا۔ وہ خود ہی اپنا بچاؤ کر سکتا تھا مگر میں نے [illegible]
نہیں سمجھا تھا۔ میری تیزی سے اُسے کچھ تو [illegible]
"اچھا چلو اب اوپر چلیں۔ وقت کم ہے اور [illegible]
پھیلنے سے پہلے ہیلی کوپٹر تک پہنچنا ہے۔" میں
آگے بڑھ گئی۔

رضوان نے میری تقلید کی۔ کچھ دیر بعد ہی ہم [illegible]
اوپر پہنچ گئے۔

جب میں اور رضوان لفٹ سے نکل کر [illegible]
بعد دوسری راہداری کی طرف بڑھ رہے تھے تو [illegible]
کی آواز گونجی "ٹھہریے بانو!" اُس کے لہجے میں تیزی [illegible]
سے نہیں کھل رہا۔ شاید یہ اندر کی بجائے باہر سے کھلتا [illegible]
کھول دیں تاکہ ہم باہر آ سکیں!"

میں اور رضوان رُک گئے۔ بن یعقوب یقیناً [illegible]
ٹیلیویژن اسکرین پر دیکھ رہا تھا اور وہ ہماری آواز بھی سن [illegible]
"افسوس بن یعقوب کہ میں تمہاری کوئی [illegible]
دھیمے لہجے میں کہا۔ "ویسے مجھے افسوس ضرور [illegible]
ایک حسین جسم بھی موت کی نیند سو جائے گا۔" میرا اشارہ
تھا۔ "[illegible] بے وفاؤں کی یہی سزا ہے۔"

بن یعقوب غالباً میرا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ میں نے اُس [illegible]
آواز سنی۔ وہ شاید مارتھا سے مخاطب تھا اور اُس سے کہ [illegible]
مجھ سے دروازہ کھولنے کی التجا کرے۔

میرا خیال درست ثابت ہوا کیونکہ دوسرے ہی لمحے [illegible]
آواز سنائی دی۔ گھبرائی ہوئی خوفزدہ سی آواز۔ "وہ کہہ رہی [illegible]
بانو پلیز! آپ کو... آپ کو اُن لمحوں کا واسطہ... جو آپ
اور میں نے ایک ساتھ گزارے ہیں... پلیز دروازہ
کھول دیجیے! پلیز بانو!"

[illegible] دینے کا سا تھا۔ میں اُس کی آواز سن کر ہنس
[illegible] کا کوئی جواب دینے کی بجائے میں نے بن یعقوب
[illegible] تمہاری قوم سے میں اچھی طرح واقف ہوں
[illegible] اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے ہمیشہ اپنی عورتوں
[illegible] آئے ہو۔ تم اُس بے غیرت قوم کے فرد ہو جو اپنے
[illegible] کرنے کے لیے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو بھی
[illegible] میں دھکیل دیتی ہے۔ مارتھا تو خیر تمہاری ہم قوم
[illegible] بہن یا بیٹی بھی نہیں، بھلا اُسے چارہ بناتے ہوئے
[illegible] ہے! تم...!"
بن یعقوب چیخ پڑا اور پھر شاید اُسے فوراً ہی اپنی غلطی
[illegible] بانو!" اُس کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔ "یہ اِن باتوں
[illegible] دروازہ کھول دو! میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر یاد

[illegible] نہیں کر سکتی بن یعقوب! یہ جال پیٹر نے تمہارے لیے
[illegible] تم پھنس چکے ہو کسی چوہے کی طرح! کنٹرول روم
[illegible] بنا ہوا ہے۔ اِس کا دروازہ اب ہمیشہ کے لیے
[illegible] دیر بعد ہی جزیرے پر موجود گولہ بارود کے ذخائر بھی
[illegible] پھٹ پڑیں گے۔ ایٹال ٹو کی تباہی مقدر ہو چکی ہے
[illegible] نہیں روکا جا سکتا۔" میں نے اُسے بتایا۔
[illegible] لیے کچھ کرو! کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ہو گا ہمیں
[illegible] مجبور کر نہ جاؤ!" بن یعقوب کبھی آہنی اعصاب کا مالک
اِس وقت اُس کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔
[illegible] اپنی موت سے پہلے جو کچھ بتایا تھا، وہ میں تمہیں
[illegible] اُس نے جو کچھ کہا تھا جھوٹ نہیں ہو سکتا
[illegible] کوشش بے سُود ہی ثابت ہو گی۔ یہ تمہارا آخری
[illegible] تم اپنے پیدا کرنے والے کو یاد کرو اور بہادروں
[illegible]...
[illegible] ہمیں بچا لو بانو! بچا لو! بچا لو!" مارتھا اور دوسرے
[illegible] آوازیں سنائی دیں مگر اُن میں اب بن یعقوب کی آواز

[illegible] رضوان نے میرا ہاتھ پکڑا اور بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اب
[illegible] ضائع کرنا بے سود بھی تھا اور خطرناک بھی! میں رضوان
[illegible] آگے بڑھنے لگی۔
[illegible] رضوان دوسری راہداری میں داخل ہو گئے۔ کچھ دیر بعد
[illegible] کے سرے پر بنے ہوئے دروازے تک پہنچ
[illegible] کھلا ہوا تھا۔ ہم دروازے سے گزر کر عمارت سے باہر

پہنچ گئے۔ کچھ فاصلے ہی پر مجھے ہیلی کوپٹر کھڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔

چند منٹ بعد ہی میں ہیلی کوپٹر کا کنٹرول سنبھالے اُسے بلندی کی طرف لے جا رہی تھی۔ تقریباً پانچ سو فٹ کی بلندی پر پہنچ کر میں نے ہیلی کوپٹر کو زمین کی متوازی پرواز پر ڈال دیا۔

ابھی ہیلی کوپٹر جزیرے کی حدود سے نہیں نکلا تھا کہ میں نے پہلا دھماکا سنا۔ اُس کے بعد مسلسل دھماکے ہونے لگے۔ دھماکوں کی شدّت اُتنی نہیں تھی جتنی میں اُمید کر رہی تھی مگر ایسا سوچنا میری غلطی ہی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ جزیرے پر بے حساب گولہ بارود ہو گا لیکن کمپیوٹر کی موجودگی میں ایسی بات سوچنا حماقت آمیز غلطی تھی۔ دھماکوں کا مقصد دفاعی نظام کی تباہی تھا۔ شاید اِسی لیے اُن کی شدّت ضرورت کے عین مطابق تھی مگر آخری دھماکا ضرور اِتنا شدید تھا کہ میلوں دُور ساؤتھ اینڈ میں بھی سنا گیا ہو گا۔ یہ اور بات ہے کہ زیادہ تر افراد نے اُسے نیوی کی مشقوں سے متعلق سمجھا ہو جو قُرب و جوار میں اکثر ہوتی رہتی تھیں۔

یا تو اُن دھماکوں پر لوگوں نے زیادہ توجّہ نہیں دی یا پھر اِس سلسلے میں حکومت نے اپنے اثر و رسوخ استعمال کیے ہوں گے کیونکہ ایٹال ٹو کی تباہی اور چند دن بعد اُس کے زیرِ آب بیٹھ جانے کے بارے میں مقامی اخبارات نے ایک غیر اہم سی خبر شائع کی تھی۔ بغیر کسی سرخی کے وہ ایک چھوٹی سی خبر تھی جس میں ایک نامعلوم جزیرے کے پُراسرار طور پر سمندر کی تہ میں بیٹھ جانے کی اطلاع دی گئی تھی۔

کچھ دن بعد ہی ایک اسرائیلی اخبار نے بن یعقوب کی موت کو ایک قومی حادثہ قرار دیا تھا جو اسرائیل کے لیے ایک گمنام مہم سر کرتے ہوئے مارا گیا تھا۔

مگر یہ سب بعد کی باتیں تھیں جو میں نے محض اپنی دلچسپی کی خاطر معلوم کی تھیں۔ اُس وقت جب ایٹال ٹو پر دھماکے سنائی دے رہے تھے میری جذباتی کیفیت عجیب سی تھی۔ ایٹال ٹو پر پیش آنے والے واقعات مجھے کسی خواب کی طرح محسوس ہو رہے تھے جن کا تاثر ملا جُلا سا تھا۔ پیٹر کی موت پر مجھے دُکھ تھا مگر اِسی دُکھ کے ساتھ اسرائیلی منصوبے کی ناکامی پر انتہائی خوشی بھی تھی۔

ساؤتھ اینڈ پہنچ کر میں نے ہیلی کوپٹر کو نسبتاً ویران جگہ اُتارا۔ کافی دُور پیدل چلنے کے بعد میں اور رضوان ہوٹل پہنچے۔ ہوٹل پہنچتے ہی میں نے اپنی ہتھیلی پر دوا لگائی، پھر دو تین فون کیے۔ پہلا فون میں نے ہنری کو کیا تھا۔ ہنری وہی شخص تھا جو ساؤتھ اینڈ میں پیٹر کا نمائندہ تھا اور جس سے ایک بار میں نے لانچ کرائے پر لی تھی۔ اُس کا نمبر ٹیلیفون ڈائریکٹری سے آسانی سے مل گیا تھا۔ میں نے ہنری سے کہا تھا کہ وہ پیٹر کی ملکیت یعنی ہیلی کوپٹر کو اپنی تحویل میں لے لے جس کے ذریعہ ہم ایٹال ٹو سے ساؤتھ اینڈ پہنچے تھے۔ اُس نے میرا شکریہ ادا کیا تھا اور میں نے اُسے

وہ جگہ بتادی تھی جہاں ہیلی کوپٹر کو اُتارا تھا۔

دوسرا فون میں نے لیلیٰ کمال کو کیا تھا۔ وہ بڑی بیتابی سے میری کوئی اطلاع ملنے کی منتظر تھی۔ اُس کے ساتھیوں نے جزیرے کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور اُس تباہی سے پہلے ایک لانچ، اور پھر ایک ہیلی کوپٹر کو جزیرے سے نکلتے دیکھا تھا۔ لانچ سے اُترنے والوں میں ہم نہیں تھے اور ہیلی کوپٹر کے بارے میں اُنھیں پتا نہیں چل سکا تھا کہ اُس میں کون سوار تھا۔ اِس لیے لیلیٰ کا فکرمند ہونا بے جا نہیں تھا۔

یہ تمام باتیں مجھے لیلیٰ سے گفتگو کرکے معلوم ہوئی تھیں۔

میں نے لیلیٰ کو مختصراً بتایا کہ ہم بخیریت ہیں اور یہ کہ مزید معلومات کے لیے اُسے ہم سے ملنا چاہیے۔

سب سے آخر میں اور اہم فون میں نے چارلس کیلی کو کیا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ رضیہ کو چارلس کیلی نے اُسی جزیرے پر رکھا تھا جس کا ذکر ہیتھر نے ایٹال ٹون کے نام سے کیا تھا۔ اُس جزیرے کو میرے خیال کے مطابق لندن سے زیادہ دُور نہیں ہونا چاہیے تھا ورنہ وہ ٹرن کام نہیں کرسکتا تھا۔ اُس جزیرے کا پتہ معلوم کرنے کے لیے میں نے سوچا کہ اِس لیے اُس پر موجود ٹیلیفون بھی اُس کے نام ہی سے ٹیلیفون ڈائرکٹری میں درج ہونا چاہیے تھا۔ اِس نتیجے تک پہنچ کر میں نے ٹیلیفون ڈائرکٹری کا سہارا لیا مگر ناکام رہی۔ ڈائرکٹری میں چارلس کیلی کے صرف دفتر اور گھر کے نمبر اور پتے درج تھے۔ مجھے جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ مجھے لندن شہر کی ٹیلیفون ڈائرکٹری نہیں دیکھنی چاہیے تھی۔ اُس کے بعد میں نے ریسپشن سے لندن کی نواحی بستیوں کی ٹیلیفون ڈائرکٹریز منگوائیں۔ آخر مجھے ایرتھ کی ڈائرکٹری میں چارلس کیلی کا نام نظر آگیا۔ پتے کی جگہ "کیلز آئل ایرتھ" لکھا ہوا تھا۔ کیونکہ آئل چھوٹے سے جزیرے کو کہا جاتا ہے اِس لیے مجھے شبہہ ہوا کہ وہی مطلوبہ جزیرہ ہوگا مگر جزیرے کا نام ایٹال ٹون ہونا چاہیے تھا۔ اِس بات نے مجھے اُلجھا دیا۔

کیا چارلس کیلی کئی اور جزیروں کا بھی مالک ہے؟ میں نے سوچا۔

میں نے ایرتھ کے ٹیلیفون ایکسچینج سے رابطہ قائم کرکے کیلز آئل کے بارے میں پوچھا تو پتا چلا کہ وہ ایک مصنوعی جزیرہ ہے جو دریائے ٹیمز کے کنارے کچھ زمین کو نہر کے ذریعے کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ وہ جزیرہ لندن کے ایک امیر کی ذاتی ملکیت میں ہے اور بڑی خوبصورت جگہ ہے۔ کیونکہ وہ جزیرہ ذاتی ملکیت ہے اِس لیے وہاں ہر کس و ناکس نہیں جاسکتا۔ میں نے ایٹال ٹون کے بارے میں پوچھا کہ کہیں اسی جزیرے کو تو ایٹال ٹون بھی نہیں کہا جاتا مگر جو آپریٹر مجھ سے گفتگو کر رہا تھا، اِس سلسلے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اُس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میں آدھے گھنٹے بعد اُسے دوبارہ فون کروں تو وہ مزید معلومات فراہم کرسکے گا یا یہ کہ میں براہِ راست ایرتھ کی

لائبریری کو فون کرکے اِس سلسلے میں ...
جو لائبریرین ہے اور ایرتھ کا قدیم باشن...
آپریٹر سے میں نے جیمس کا نمبر ل...
ہی لمحے جیمس سے رابطہ قائم کرلیا۔ جیمس ...
بیان کردی اور یہ بات طے ہوگئی کہ کبھی و...
جیمس نے بتایا تھا کہ وہ جگہ کبھی قدرتی ٹاپو ...
طریقوں سے بڑھا کر جزیرے کی شکل دے ...
ایرتھ، لندن کی نواحی بستیوں میں تر...
ڈاکس وہاں سے بہت قریب واقع ہونے ...
بھی کہا جاسکتا ہے۔ اُس جگہ دریائے ٹیمز کا ...
اور وہاں اتنی گہرائی تھی کہ بڑے بڑے جہاز ...
یہ معلومات حاصل کرتے ہی میں نے چارلس کیلی کو ...

"ہیلو چارلس کیلی!" میں نے رابطہ قائم ہو...
بے تکلفی سے کہا۔

"ہیلو!" چارلس کیلی کی آواز میں بھاری ...

"تم یقیناً اب تک جان چکے ہوگے کہ ایٹال ٹون ...
چکا ہے۔" میں بولی۔

"مگر... مگر تم... تم وہاں سے کس طرح ...
کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اِس لیے کہ میرا نام صبیحہ بانو ہے اور میں ابن ...
کی طرح احمق واقع نہیں ہوئی۔" میں نے خوش دِ...
میں کہا۔

"تم کیا بکواس کرنے لگیں!" وہ ایک دم گرم ہوگیا۔ "میں ...
کا عادی نہیں ہوں۔"

"لیکن میں تو ایسی باتیں سنانے کی عادی ہوں، ...
لطف لے رہی تھی۔

"فضول باتیں نہ کرو اور یہ بتاؤ کہ بن یعقوب کا کیا ہ...
سے بولا۔

"مجھے سخت افسوس ہے چارلس کیلی کہ بن یعقوب ...
ثابت ہوا۔" یہ کہہ کر میں پھر خاموش ہوگئی۔

"اگر تم سنجیدگی سے بات نہیں کروگی تو میں فون ...
وہ برہم ہوکر بولا۔

"نہیں، نہیں ایسا نہ کرنا!" میں نے جھک کر کہا۔ "...
بچوں کی طرح خفا ہونا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ خیر تو ...
بات سنو کہ بن یعقوب جزیرے ہی پر رہ گیا تھا اور ...
ہیلی کوپٹر میں بیٹھ کر بہت اطمینان سے ساؤتھ اینڈ پہنچ گئی ...

...بن یعقوب کو دفاعی نظام کے بلیو پرنٹ
... کہ وہ بلیو پرنٹ لے کر اب کبھی تم

...دھماکوں میں اُڑ گیا؟"
...کنٹرول روم میں دفاعی نظام کے جملہ
...موجود تھے۔ ہاں تمھیں ایک اہم بات
...ل بتایا تھا کہ اُن کاغذات کو حاصل کرنے
...ا سکے گا اور کنٹرول روم اُس کا مقبرہ ثابت
...ا ہوگا۔"
...رہی اور پھر خاموشی کا وقفہ طویل ہوگیا۔

...ن کا پتہ معلوم کرنا چاہو گی کہ وہ کہاں
...ی طنزیہ آواز سنائی دی۔
...!" میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "میں
...والی ہوں۔"
...آواز سے اندازہ ہوا کہ وہ چونک پڑا تھا۔ "تمھیں
...ملا؟"
...ٹری سے!" میں نے ہنستے ہوئے جواب
...رابطہ منقطع کردیا۔
...م لے پر بیٹھا ہوا تھا اور میری جانب اُلجھی اُلجھی
...نے ریسیور رکھ دیا تو وہ بولا۔ "چارلس کیلی
...تی ہانو کہ ہم ایرتھ جانے والے ہیں؟ کیا
...مشکلات پیدا نہیں ہوجائیں گی؟"
...اُسے مسکرا کر دیکھا اور شوخ لہجے میں بولی۔ "تو
...لے گئے!" یہ کہہ کر میں سنجیدہ ہوگئی۔ "دراصل
...مکمل ہٹ آخری حربہ بے زوردار ہو۔ یہ نہ بھولو
...مجھے کھلونا بنانا چاہا تھا۔ کیا تم اپنی پیٹھ کا زخم
...مندمل ہوئے زیادہ دن بھی نہیں گزرے!"
...آپ نے سوچا کیا ہے؟" رضوان نے

...سوچا۔" میں نے جواب دیا۔ "ایرتھ پہنچ کر ہی
...سکتی ہوں!"
...ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی موجود ہوگا۔"
...کہا۔
...بھی کیا پڑتا ہے!" میں نے کہا۔ "میں یوں بھی
...بتاتی ہوں۔"

اُس کے بعد ہم نے روانگی کی تیاریاں کیں۔ ہم نے جلدی جلدی اپنا سامان باندھا اور لیلیٰ کا انتظار کرنے لگے جسے اب تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔

لیلیٰ آئی تو وہ بہت خوش تھی۔ وہ مجھے زندہ و سلامت دیکھ کر اِس قدر خوش ہوئی کہ اُس نے وہاں رضوان کی موجودگی کو نظرانداز کرتے ہوئے مجھے سینے سے لگالیا۔ رضوان کھانسا اور شرربار نگاہ سے مجھے دیکھا تو میں نے آہستگی کے ساتھ لیلیٰ کی پیٹھ تھپک کر اُسے خود سے جدا کردیا۔ وہ میرے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

لیلیٰ ایٹال ٹون کی مہم کے بارے میں سب کچھ جان لینے کی خاطر سخت مضطرب تھی۔ میں نے مختصراً اُسے ساری روداد سنادی۔ دفاعی نظام کی تباہی اور بن یعقوب کی موت کے بارے میں سن کر وہ بہت خوش ہوئی، پھر اُس نے پوچھا۔ "کیا آپ کی بہن مل گئیں؟" پھر وہ سوال کرکے خود ہی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہاں میرے اور رضوان کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اگر رضیہ مل جاتی تو ہمارے ساتھ ہی ہوتی۔

اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی لیلیٰ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر اُس سے پہلے ہی میں بول اُٹھی تھی۔ "نہیں، رضیہ میرے اندازے کے مطابق ایٹال ٹون پر نہیں تھی۔ ویسے میں اب اُس کی طرف سے فکرمند نہیں ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ وہ کہاں ہے! ہم اِس وقت اُسے ہی لینے جارہے ہیں۔ تم اپنی کار ہمارے حوالے کردو!"

لیلیٰ نے خاموشی سے کار کی چابی آگے بڑھادی، پھر بولی۔

"کوئی مزاحمت کا خطرہ تو نہیں؟"

"اگر مزاحمت نہ ہوئی تو کیا مزہ آئے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اُس شخص کے بارے میں جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے، وہ انتہائی چالاک ہے۔" لیلیٰ نے تشویش آمیز انداز میں کہا۔ "وہ شخص چوہا نہیں ہوسکتا۔"

"تم نے اُس شخص کے بارے میں غلط اندازہ لگایا ہے لیلیٰ!" میں بولی۔ "وہ احساسِ کمتری کا شکار ہے اور دوسروں پر اپنی ذہانت پوز کرنے کے لیے احمقانہ حرکتیں کرتا ہے بلکہ احمقانہ سے زیادہ اُن حرکتوں کو بچکانہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ویسے یہ یاد رہے کہ اگر ہم اِسی وقت یہاں سے رضیہ کو لینے روانہ ہوگئے تو فوری طور پر اُس سے ٹکراؤ کا خطرہ نہیں۔"

"کیا مطلب؟" رضوان میری بات سُن کر چونک پڑا۔

"ہم اِس وقت ساؤتھ اینڈ میں ہیں اور یہاں سے ایرتھ کا فاصلہ بہت کم ہے۔ یوں سمجھو کہ لندن کی نسبت یہ راستہ تقریباً نصف ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم بہرحال چارلس کیلی سے پہلے وہاں پہنچیں گے مگر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک چارلس کیلی وہاں نہیں پہنچ جائے، وہاں سے نہیں لوٹوں گی۔" ابھی لیلیٰ نے کہا

تھا کہ وہ چوہا نہیں ہو سکتا لیکن میں اُس کے ساتھ وہی کھیل کھیلنا چاہتی ہوں جو بلی چوہے سے کھیلتی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اپنی بات ختم کی۔

"لیکن وہ جزیرے پر موجود اپنے آدمیوں کو بھی تو ہماری آمد سے مطلع کر سکتا ہے اور اُس نے یقیناً ایسا کیا بھی ہوگا۔" رضوان نے کہا۔

"مجھے تمہارے خیال سے اتفاق ہے۔" میں بولی۔ "ایرتھ کے لیے روانگی سے قبل وہ اپنے ساتھیوں کو ہمارے بارے میں بتا چکا ہوگا اور وہ ہمارا زبردست استقبال کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں گے مگر جب تک خود چارلس کیلی وہاں پہنچے گا ہم حالات پر قابو پا چکے ہوں گے۔"

"آپ کو اتنا یقین کیوں ہے بانو کہ آپ نے جو کچھ سوچا ہے وہ اُسی طرح پیش آئے گا؟" لیلیٰ نے کہا۔

"اگر یقین ہی نہ ہو تو انھیں صبیحہ بانو کون کہے!" رضوان نے ہنس کر لیلیٰ کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہاں مسلح تصادم ہوگا۔" لیلیٰ سنجیدگی سے بولی۔ "میں اپنے ساتھیوں کو وہاں پہنچنے کے لیے کہہ دیتی ہوں۔" یہ کہہ کر لیلیٰ اٹھی اور ٹیلیفون کی طرف بڑھنے لگی۔

"نہیں لیلیٰ!" میں نے اُسے روک دیا۔ "اس طرح تم سارا مزہ کرکرا کر دو گی۔"

میری بات سُن کر لیلیٰ نے مجھے حیرت سے دیکھا اور اپنی جگہ آکر بیٹھ گئی۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ہم بڑا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔" معاً رضوان سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "چارلس کیلی کو ٹیلیفون کیے ہوئے کم از کم دس منٹ گزر چکے ہیں۔" یہ کہتے ہی رضوان اُٹھ کھڑا ہوا۔

لیلیٰ بھی ہمارے ساتھ جانے پر بضد تھی مگر میں نے اُسے سمجھا بجھا کر رخصت ہونے پر مجبور کر دیا۔

میں اور رضوان پوری تیز رفتاری سے ایرتھ پہنچے۔ میں نے بائی اسٹریٹ کے اختتام پر ہی کار روکی۔ بائی اسٹریٹ سے جزیرے کو جوڑنے والا پل اٹھا ہوا تھا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہر کو تیر کر ہی پار کیا جا سکے گا؟" رضوان کار سے اُترتے ہوئے ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔

میں نے رضوان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور کیلز آئل پر بنی ہوئی وسیع و خوبصورت عمارت کو دیکھنے لگی۔ میں نہر کو تیر کر پار کیے جانے کے خیال سے متفق نہیں تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ خطرہ اُس طرف زیادہ ہو سکتا تھا۔ میرا خیال یہ تھا کہ جزیرے پر دریا کی طرف سے حملہ کیا جائے۔ پہلے میں نے دریا کی طرف سے تیر کر جزیرے

تک پہنچنے کے بارے میں سوچا تھا
دیکھ کر خیال آیا کہ ایرتھ کے بوٹنگ کا
مجھے خاموش دیکھ کر رضوان نے مخاطب
ارادہ کیا ہے!
[illegible]
ہی جب ہم کشتی میں بیٹھے ہوئے تیزی
تھے تو رضوان نے کہا۔ "غالباً دو
گیا ہوگا تاکہ ہم باسانی جزیرے تک
پہنچ کر کس طرح جزیرے تک آئے
"بعض اوقات تم بڑی سائنس کی
میں نے کہا۔ "ہم کس طرح جزیرے تک
اپنی جگہ نہیں آ سکتا؟ چارلس کیلی کے
بھی ہو سکتا ہے اور وہ یہاں پہنچنے کے
مطلع کر سکتا ہے تاکہ وہ پل کو دوبارہ
میرا جواب سُن کر رضوان نے
ٹھیک کہتی ہیں۔ اِس وقت میرا ذہن
وقت رضیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"
میں نے حالات کا جائزہ لینے
کے سامنے سے گزارا۔ مجھے وہاں کوئی نظر
بند تھا۔ وہاں ایسا سناٹا تھا جیسے
کہ اِدھر ہم جزیرے پر قدم رکھیں اُدھر
آخر میں نے ایک چکر کاٹنے کے بعد
دریا کی سمت اُس جزیرے پر ایک گودی بھی
گودی میں نہیں بلکہ ساحل کے ایک کنارے
میں اور رضوان کشتی سے اُتر کر سا
میں خاردار تاروں کے ذریعے بن بلائے
بندوبست کیا گیا تھا۔ تاروں کے قریب
لگا تھا جس پر بڑے بڑے حروف میں خطرہ
پہنچ کر میں نے "خطرہ" کے نیچے لکھی ہوئی
میں لکھا تھا۔ "خاردار تاروں میں برقی
عبارت پڑھ کر میں نے رضوان کی طرف
"اِس صورت میں تو اِدھر سے داخل
آتا ہے۔" رضوان نے جواب دیا۔
"لیکن اِس بورڈ کی یہاں موجودگی کا
کی کیا ضرورت تھی؟ ظاہر ہے کہ عام راستہ
عمارت میں داخل ہوتے والا چوری چھپے ہی

ایسے شخص کی زندگی سے چارلس کیلی
سے کہا۔
سمجھا۔ آپ اس سے کیا نتیجہ نکالنا
[illegible] رضوان بولا۔
کی نفسیات کو سمجھ سکتی ہوں، ایسا
میں کوئی حرج نہیں!" یہ کہتے ہوئے
مال کر ایک تار میں اُلجھایا اور اُس تار
تار تک لے آئی۔ رومال کچھ پھٹ
تار سے مَس ہو گیا۔
ثابت ہوا تھا۔ اُن خاردار تاروں
اسپارک ضرور ہوتا۔
اِن تاروں پر احتیاط کے ساتھ چڑھ کر
خاردار تاروں کو بلندی کے سبب
مل ہی ہوتا۔
میں داخلہ قدرے مشکل ثابت ہوا
باڑھ تھی جس کے سرے نوکیلے اور
رضوان اُن سے رُکنے والے کب تھے!
کا اضافہ ضرور ہوا مگر چند منٹ بعد
پہنچے تھے۔
رضوان، عمارت کے قریب پہنچ گئے۔
دروازہ نظر آرہا تھا۔ اب میں بے چینی
اس حد تک بڑھنے کے لیے مجھے دشمنوں
گر مجھے کوئی دشمن تو کیا، اُس کا سایہ تک
کوئی بات میرے اندازوں کے خلاف
جاتی ہوں کیونکہ اس کا مطلب
توقع سے کہیں زیادہ ہوشیار ہے
کہیں بھی ٹکرا سکتا ہے۔
لباس خطرے کی بو سونگھ لی تھی اس
حنا چاہا، اُس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور
کوئی جال بھی ہو سکتا ہے۔"
ہوں۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب
تاکہ اگر میں کسی خطرے میں گھِر جاؤں

نے "رشوتاً" استعمال کیا تھا تاکہ
مگر اُس نے رشوت قبول کرنے سے انکار
جانا چاہتا تھا یا پھر پہلے خود لیکن

میں نے اُس کی کوئی بات نہیں مانی۔ میں اور رضوان اُس پیڑ کی آڑ میں کھڑے ہوئے تھے جو عمارت کے دروازے سے قریب تھا۔

معاً میں پیڑ کی آڑ سے نکلی اور انتہائی تیزی سے عمارت کے کھلے دروازے میں داخل ہوتے ہی زمین پر لیٹ گئی۔ یہ کسی متوقع نادیدہ حملے سے بچاؤ کی تدبیر تھی۔

وہ ایک نیم تاریک سی راہداری تھی۔ میں کچھ دیر اپنی جگہ پڑی رہی، پھر آہستہ آہستہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ راہداری کی دونوں طرف کچھ کچھ فاصلے سے دروازے نظر آرہے تھے جو بند تھے مگر راہداری کے ابتدائی حصّے کی دونوں دیواریں خاصے فاصلے تک سپاٹ چلی گئی تھیں۔ دروازے اُس سپاٹ حصّے کے بعد تھے۔

میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھ رہی تھی اور گزرتے وقت کے ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

معاً میں نے اپنے قریب ہی پیچھے ایک آہٹ سُنی اور چونک پڑی، پھر اس سے پہلے کہ میں سنبھلتی کسی نے مجھے دبوچ لیا۔ میں تیزی سے پلٹی اور حیران رہ گئی۔ میرا اُٹھا ہوا ہاتھ، اُٹھا کا اُٹھا رہ گیا۔

"رضی.... رضیہ!" میں یہ کہتی ہوئی اُٹھی۔

"باجی!" رضیہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی اور مجھ سے لپٹ گئی۔

"مگر تمھیں مجھ پر اِس طرح جست لگانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے پوچھا۔

"اِس کے سوا آپ کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوئی تدبیر نہیں تھی۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"مگر کیوں؟" میں نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

"اِس لیے کہ خدانخواستہ آپ کا دوسرا قدم موت کی دہلیز پر پڑتا۔" رضیہ نے بتایا، پھر میرا ہاتھ تھام کر بولی۔ "آئیے کنٹرول روم میں چلیں۔ چارلس کیلی یہاں کسی بھی لمحے پہنچ سکتا ہے۔"

میں چونک اُٹھی۔ رضیہ کو چارلس کیلی کی آمد کے بارے میں کیسے پتا چلا؟ میں نے سوچا مگر یہ وقت اُس سے سوالات کرنے کا نہیں تھا۔

"میرے ساتھ رضوان بھی ہے۔" میں نے بتایا۔

"رضوان!" رضیہ توقع کے مطابق چونک پڑی۔ "کہاں... کہاں ہے وہ؟"

"عمارت کے باہر!" میں نے جواب دیا۔ "میں ابھی اُسے لے کر آئی۔"

"جلدی کریں باجی!" رضیہ نے کہا۔ "میں کنٹرول روم سے زیادہ دیر باہر نہیں رہنا چاہتی۔"

میں تقریباً دوڑتی ہوئی عمارت کے دروازے پر پہنچی اور

رضوان کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ رضیہ ایک قریبی دروازہ کھول کر اُس میں داخل ہوگئی تھی۔

رضوان میرا اشارہ پاتے ہی لپکا۔

کچھ دیر بعد ہی میں، رضوان کے ہمراہ اُس کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جا رہی تھی جس میں رضیہ داخل ہوئی تھی۔

وہ کمرہ اندر سے ہیڈ کے کنٹرول روم ہی کی طرح تھا مگر اُس سے چھوٹا اور ٹی وی اسکرین بھی کم تھے۔

کمرے کا دروازہ کھلتے ہی رضیہ نے مڑ کر دیکھا تھا جو ایک گھومنے والی کرسی پر ڈیسک نما میز کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے اُس وقت وہاں اپنی موجودگی پر افسوس ہوا۔ دو بچھڑے ہوئے ایک طویل عرصے کے بعد ملے تھے۔ میری وہاں موجودگی کے سبب وہ ایک دوسرے کو گلے نہیں لگا سکتے تھے۔ وہ دونوں چند لمحے خالی خالی سی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، پھر اُن کے ہونٹ کانپے۔ وہ بس اپنے ہونٹوں پر ایک دوسرے کا نام لا سکے تھے۔

اُسی وقت میری نگاہ ایک روشن اسکرین پر پڑی تھی جو اُس کمرے کے باہر موجود نیم تاریک راہداری کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اسکرین پر ایک متحرک سایہ نظر آ رہا تھا۔ اب میں سمجھ چکی تھی کہ رضیہ کو اِس کمرے میں بیٹھ کر راہداری میں میری موجودگی کا علم کیسے ہوگیا تھا!

”رضیہ!“ میں نے کہا اور اُسے اسکرین کی طرف متوجہ کیا۔

رضیہ نے پلٹ کر اسکرین کی طرف دیکھا۔ اب اُس سائے کے خدوخال کچھ واضح ہوگئے تھے کیونکہ وہ آگے بڑھ آیا تھا۔ وہ سو فیصد چارلس کیلی ہی تھا۔

معاً رضیہ نے یکے بعد دیگرے دو بٹن دبائے۔ اِسی کے ساتھ میں نے راہداری کا دروازہ بند ہوتے دیکھا۔ چارلس کیلی چونک پڑا اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔

”تم خود اپنے ہی جال میں پھنس چکے ہو مسٹر چارلس کیلی!“ معاً رضیہ کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔

چارلس کیلی، رضیہ کی آواز سُن کر ایک بار پھر اُچھل پڑا۔ یقیناً راہداری میں موجود کسی اسپیکر کے ذریعے رضیہ کی آواز اُس تک پہنچ رہی تھی۔

”تم اب تک لوگوں کی ذہانت کے امتحان لیتے رہے ہو مگر آج تمھیں خود یہ امتحان دینا ہے۔ اگر تم اِس امتحان میں کامیاب رہے تو زندہ بچ جاؤ گے ورنہ مارے جاؤ گے۔“ رضیہ کی آواز پھر بلند ہوئی ”مجھے تمھارے گرگوں سے پتا چلا تھا کہ تم نے یوگوسلاویہ میں میری باجی کے ساتھ کوئی ایسا ہی کھیل کھیلا تھا۔ اِس لیے میں نے تمھارے لیے بھی قطعی اُسی طرح کے کھیل کا بندوبست کیا ہے۔“

چارلس کیلی پر جیسے سکتہ طاری ہ
جگہ خاموش کھڑا رہا، پھر بغیر کچھ کہے آ
”رُک جاؤ چارلس کیلی!“ رضیہ
راہداری میں چند قدم کے بعد ایسا ...
چھلنی ہو جائے۔ اگر تمھیں اِس بات ...
اِس سارے گورکھ دھندے کے ا...
حاصل کر چکی ہوں تو یہ دیکھو!“ رضیہ
ایک بٹن دبا دیا۔

رضیہ کی تنبیہ کے بعد چارلس کیل
اُس کے چند قدم آگے اچانک گولیوں ا...
”اب تمھارے لیے صرف ایک ہ...
جانب موجود کمرے کا دروازہ کھول کر
اور اُس کمرے میں موجود خفیہ راستے
جاؤ!“ رضیہ نے چارلس کیلی کو مشو...
”نہیں!“ معاً چارلس کیلی چیخا
میں بھیج کر پھانسنا چاہتی ہو۔ وہ کمرہ
بن جائے گا۔“

”لیکن چارلس کیلی! جب کوئی ا...
کو جو ہے وہاں میں داخل ہونا ہی پڑ...
لب کشائی کی۔

”تو... تو تم بھی... تم بھی یہاں ...
میری آواز سُن کر چونک پڑا۔

”ہاں میں تمھارا آخری دیدار کر...“
نے ہنس کر کہا۔

”تم لوگ شاید یہ بھول رہے ہو کہ
دیا ہوا ہے اور میں اِس سے آسانی سے
چارلس کیلی نے سخت لہجے میں کہا۔

”تو پھر کھڑے کیوں ہو، کوشش کرو ا...
ابھی رضیہ کا جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ میں
سے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا، اور پھر وہ را...
تک پہنچ گیا۔ وہاں رُک کر وہ جھکا۔ وہ
موجود سپاٹ دیوار میں ایک خلا پیدا ہوا
سے اُس خلا میں داخل ہوگیا۔ جیسے ہی
داخل ہوا تھا، خلا دوبارہ برابر ہوگیا تھا۔
رضیہ نے اُسی وقت ہاتھ آگے بڑھا
اور اسی کے ساتھ دیوار پر موجود ایک

... کا منظر نظر آ رہا تھا جس میں چارلس کیلی
... بڑھ رہا تھا۔
... کہ تم نے اپنی زندگی بچانے کا ایک
... نے بظاہر افسردگی سے کہا مگر اُس کی آواز
... کیلی اِس طرح اُچھل پڑا تھا جیسے اُسے کسی
... اُس کے آگے بڑھتے ہوئے قدم رُک
... کر پھر بولی ”تم یقین کرو یا نہ کرو لیکن
... بتائے ہوئے کمرے میں چلے جاتے
... کمرہ جو ہے وہاں نہیں تھا مگر یہ کمرہ ضرور
... ثابت ہوگا۔ یقین نہ آئے تو اِس کمرے
... کوشش کر دیکھو مگر خیر تم بھی کیا یاد کرو گے کہ
... اِس کمرے سے فرار ہونے کے لیے بھی میں
... ہے۔ اب یہ تمھاری ذہانت ہوگی کہ تم وہ

... نے کے باوجود بھی کہ اب کمرے کا دروازہ نہیں
... کیلی نے دروازے تک پہنچ کر اُسے کھولنے
... چاہی تھی۔
... نہیں!“ جب چارلس کیلی دروازے سے ہٹا
... جانب کی دیوار کے پاس دیکھو چارلس کیلی!
... کی لاشیں پڑی نظر آئیں گی۔ یہ لاشیں ہیں
... تمھاری مدد کے لیے پہنچائی ہیں۔ اگر تمھارے
... تم اُس سے کام لے سکو تو اِنہی لاشوں سے فرار
... ایک بات بتا دوں۔ شاید تم بوکھلاہٹ
... بات بھول جاؤ۔ وہ اہم بات یہ ہے کہ اِس کمرے
... خفیہ راستہ موجود ہے لیکن شاید تمھیں یاد ہو کہ
... بھی موت کا جال بنایا جا سکتا ہے۔ غالباً تم میرا
... گے۔ یہ سارا میکنزم تمھارا ہی ترتیب دیا ہوا ہے۔
... کہ ایسا بندوبست کیا جانا بھی ممکن ہے کہ اُس
... اقدام کرنے والے پر گولیوں کی بوچھار ہو جائے
... کے لیے عرض کر دوں کہ میں یہ بندوبست کر

... کیلی کے چہرے پر غصّے اور بے بسی کے ملے جلے
... تھے۔ غصّے سے اُس نے اپنی دونوں مٹھیاں
...
... کرو چارلس کیلی! غصّہ عقل خبط کر دیتا ہے۔ ٹھنڈے

دل سے حالات کا جائزہ لو! اِس کمرے سے فرار کی راہ موجود ہے۔“ رضیہ پھر چہکی۔ وہ چارلس کیلی کے ساتھ وہی کھیل کھیل رہی تھی جو میں چاہتی تھی۔

”اور میں اگر اِسی کمرے میں رہوں اور فی الحال نکلنے کی کوشش نہ کروں تو؟“ چارلس کیلی بولا۔

”تو بھی تم نہ بچ سکو گے۔“ رضیہ نے جواب دیا ”تمھارے پاس محدود وقت ہے، زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ! آدھے گھنٹے کے بعد یہاں پولیس پہنچ چکی ہوگی جو غیر قانونی اسلحے کے بڑے ذخیرے پر قبضہ کرنے کے بعد تمھیں گرفتار کرلے گی، وہ اسلحہ جو تم دنیا بھر کے تخریب پسندوں کو سپلائی کرتے رہے ہو ڈیئر چارلس کیلی!“

میں نے پہلی بار چارلس کیلی کے چہرے پر شدید گھبراہٹ کے آثار دیکھے۔ وہ چند لمحے بعد بھرّائی ہوئی آواز میں بولا ”اگر تم لوگ مجھے یہاں سے نکل جانے کا موقع دے دو تو میں تمھیں مالامال کر دوں گا۔ میں تمھیں لاکھوں پونڈ دوں گا۔ تم لوگ دنیا کے جس ملک میں کہو گے رقم پہنچا دوں گا۔“

”فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کرو چارلس کیلی!“ رضیہ سخت لہجے میں بولی ”تم جیسے بھک منگے ہمیں نہیں خرید سکتے جو خود ہم سے زندگی کی بھیک مانگ رہے ہوں۔ ہم اب یہاں سے جا رہے ہیں اور جیسا کہ میں کہہ چکی ہوں، تمھارے پاس اِس کمرے سے فرار ہونے کے لیے صرف اور صرف ایک راستہ ہے۔ ہاں ایک بار، آخری بار پھر کہہ دوں کہ راستے کا انتخاب خوب سوچ سمجھ کر کرنا کیونکہ اِسی پر تمھاری زندگی اور موت کا انحصار ہے۔“

چارلس کیلی پھر گھگھیانے لگا۔ اِس بار اُس نے مجھے مخاطب کیا تھا ”مس بانو آپ ہی اپنی بہن کو سمجھائیے! پلیز میری مدد کیجیے!“

”میں اِس معاملے میں مداخلت نہیں کرسکتی۔“ میں نے دو ٹوک جواب دیا ”یہ تمھارا اور رضیہ کا معاملہ ہے۔ وہ خود بالغ نظر اور ذہین ہے اِس لیے اپنا حساب خود بے باق کر رہی ہے۔“

”لیکن... لیکن میں یہ کیسے یقین کرلوں کہ واقعی فرار کی کوئی راہ موجود ہے؟“ وہ بولا۔

”میری بہن جھوٹ نہیں بولتی ورنہ تمھیں قتل کرنا مقصود ہوتا تو اُسے کون روک سکتا تھا! وہ تمھیں فرار ہونے کے لیے ایک واضح اشارہ بھی دے چکی ہے۔ اُس اشارے کو سمجھو اور آنکھیں کھول کر کمرے کا جائزہ لو! کیا تمھیں کمرے کے روشندان سے رسّی لٹکتی ہوئی نظر نہیں آ رہی؟“ میں نے کہا۔

”مگر وہ میری دسترس سے بہت دُور ہے۔ میں جست لگا کر

کبھی اُسے نہیں پکڑ سکتا۔"

"تو پھر اُس تک پہنچنے کے لیے سوچو اور ہمیں اجازت دو!"

چارلس کیلی اب سمجھ چکا تھا کہ ہم پر اُس کی التجاؤں کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور ہم بڑے سے بڑے لالچ میں بھی نہیں آئیں گے اس لیے پھر اُس نے ہمیں مخاطب نہیں کیا اور غور سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کمرے میں صرف ایک چھوٹی سی تپائی تھی جس پر دو موٹی موٹی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ اُس کے علاوہ دو لاشیں تھیں۔ چارلس کیلی نے روشندان کے نیچے تپائی رکھ دی، اور پھر اُس پر چڑھ گیا۔ اُس نے تپائی سے کتابیں بھی نہیں اُٹھائی تھیں لیکن اِس کے باوجود بھی رسّی اُس کی دسترس سے دُور تھی۔ وہ تپائی پر کھڑا رہا، اور پھر ایک دم اُچھل کر رسّی کے سرے کو پکڑنا چاہا۔ رسّی کا سرا اُس کے ہاتھ نہ آسکا اور وہ اَوندھے مُنہ فرش پر آرہا۔ گرتے ہوئے اُس کا سَر تپائی کے کونے سے ٹکرایا تھا اور تپائی اُلٹ گئی تھی۔ چارلس کیلی کے ماتھے سے خون بہنے لگا تھا۔

"شاباش! پھر کوشش کرو!" میں چہکی۔

جواب میں چارلس کیلی ایک دَم ہتھے سے اُکھڑ گیا۔ اُس کے مُنہ سے مغلظات کا طوفان اُمنڈ پڑا تھا۔

"بُری بات، بُری بات! اچھے بچے گالیاں نہیں بکتے۔" میں نے کہا!

چند لمحے بعد ہی اُس نے خود پر قابو پالیا [illegible] بڑبڑا رہا تھا "لاشیں.... لاشیں!" پھر وہ ایک دیوار [illegible] پڑی ہوئی لاشوں کی طرف لپکا۔

رضیہ ایک دَم کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی [illegible] "آخر اُس نے راہ ڈھونڈ ہی لی۔ اب چلنا چاہیے!"

چارلس کیلی ایک لاش کی ٹانگ پکڑے اُسے [illegible] کر روشندان کے نیچے لے جا رہا تھا۔

"چارلس کیلی! ایک بار پھر سوچ لو کہ تم نے صحیح راہ کا انتخاب کیا ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "ممکن ہے کہ یہ راہ تمہیں موت [illegible] میں لے جائے۔"

"بکواس مت کرو!" چارلس کیلی پوری قوت سے چیخ پڑا، اور پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

کچھ دیر بعد ہی وہ ایک لاش پر دوسری لاش رکھ چکا تھا اور اب تپائی اُٹھا رہا تھا۔

"خدا حافظ مسٹر چارلس کیلی!" رضیہ نے کہا اور جُھک کر کئی سوئچ آن آف کیے، پھر میری اور رضوان کی جانب مڑتے ہی بولی۔ "اب ہمیں جلد سے جلد اِس عمارت [illegible]

بعد ہی یہ عمارت ایک دھماکے سے [illegible]

یہ خبر میرے اور رضوان کے [illegible]

تھی۔ رضیہ کے ساتھ ہم دونوں بھی تیز [illegible]

راہداری میں پہنچتے ہی رضیہ نے [illegible]

میں اور رضوان بھی اُس کے ساتھ ساتھ [illegible]

کے اختتام پر اب عمارت کا دروازہ کھلا [illegible]

نے چلنے سے قبل یقیناً کسی سوئچ کو آن [illegible]

کھول دیا تھا۔

ہماری واپسی اُسی راستے سے ہوئی [illegible]

رضوان جزیرے پر پہنچے تھے۔ غالباً چارلس [illegible]

ہی کے ذریعے پہنچا تھا کیونکہ بعد میں کہیں [illegible]

نظر آیا تھا۔

ہم کشتی میں بیٹھ کر ابھی زیادہ دُور نہ [illegible]

ایک زبردست دھماکا ہوا جیسے کوئی بم پھٹا [illegible]

دھماکے ہونے لگے۔ میں نے جزیرے پر موجود [illegible]

کے درمیان [illegible] ہو کر فضا میں اُٹھتے [illegible]

دھماکے [illegible] کا سا سناٹا چھا [illegible]

موجود عمارت ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکی [illegible]

سے گاڑھا گاڑھا دھواں اُٹھ رہا تھا۔

"آخر اُس احمق نے وہی کیا جس کی مجھے توقع [illegible] نے کہا۔

"کیا تم نے واقعی اُس کے لیے کوئی فرار کی راہ [illegible]" رضوان نے رضیہ سے پوچھا۔

"ہاں یقیناً! مگر وہ دھوکا کھا گیا اور اُس [illegible] سوچا کہ فرار کی راہ اِتنی آسان نہیں ہوسکتی۔" رضیہ [illegible] دیا۔ "وہ چاہتا تو خفیہ راستے سے فرار ہوسکتا تھا مگر کہیں واقعی اُس صورت میں اُس پر گولیوں کی بوچھا[ڑ] حالانکہ میں نے کوئی ایسا بندوبست نہیں کیا تھا۔ اگر [illegible] اُس کمرے میں دیوار پر موجود ایک سوئچ دبا کر خفیہ را[ستہ] کے بعد اُن لاشوں میں سے ایک لاش کو خلا میں پھینک [illegible] اِس طرح اُسے بآسانی پتا چل سکتا تھا کہ خلا میں اُترنے [پر] بوچھاڑ ہوتی بھی ہے یا نہیں! میں نے لاشوں کا اشارہ دیا تھا مگر اُس نے کچھ اور ہی نتیجہ اخذ کیا اور مارا گیا۔"

پھر رضوان کے استفسار پر رضیہ نے اُن دھماکوں [کے بارے میں] بتایا۔ جس کمرے میں ہم نے چارلس کیلی کو چھوڑا تھا، اُس کے [illegible] ایک بیکر رکھ دیا تھا جو اُسے عمارت [illegible] ذرا سا بھی جھٹکا لگنے سے ایک دھماکے [illegible] اُس بیکر کے قریب ہی اُس نے ڈائنامائٹ [illegible] کے دوسرے سرے اُن بموں سے جوڑ دیے [illegible] میں رکھے تھے۔ گولہ بارود اور اسلحہ کا [illegible] خفیہ کمرے ہی میں تھا جہاں چارلس کیلی

[illegible] کے ذریعے روشندان تک پہنچنے میں یقیناً [illegible] پھیلتی لیکن جب اُس نے روشندان سے [illegible] بیکر اُلٹ گیا ہوگا۔" رضیہ اپنی بات ختم کرتے [illegible] اُس کے بعد جو کچھ ہوا ظاہر ہی ہے۔"

[illegible] ہونے کے دوران میں رضیہ نے بقیہ [illegible] میری بہت سی ذہنی اُلجھنیں دُور ہو گئیں۔ [illegible] ٹائپ کر رہی تھی۔ رضیہ میری برابر والی [illegible] رضوان پیچھے!

[illegible] حیران تھی کہ اتنے دن چارلس کیلی کی قید میں [illegible] کے لیے جدوجہد کیوں نہیں کی! رضیہ نے [illegible] تو میرے اِس سوال کا جواب مل گیا۔ [illegible] اُسے کھانے میں کوئی ایسی دوا ملا کر دی جاتی [illegible] خوابی کی سی کیفیت طاری رہتی تھی۔ جسم شل ہو کر [illegible] سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو جاتی تھیں۔ رضیہ [illegible] احساس کافی دن بعد ہوا تھا۔ جب رضیہ یہ بات [illegible] کھانے میں احتیاط برتنا شروع کر دی۔ وہ دوا [illegible] میں ملائی جاتی تھی۔ رضیہ نے آخر پتا چلا لیا کہ [illegible] ہی میں ملائی جاتی تھی۔ اُس نے سوپ [illegible] میں بہانا شروع کر دی اور رفتہ رفتہ وہ معمول [illegible] بات ظاہر نہیں ہونے دی۔ وہ پہلے ہی کی طرح [illegible] میں نظر آتی اور زیادہ تر وقت سونے میں گزارتی۔ [illegible] چارلس کیلی کی منتظر تھی۔

[illegible] اچانک جب اُسے چارلس کیلی کی غیر متوقع آمد کے بارے [illegible] اُس نے پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے پر عمل کیا۔ جزیرے [illegible] تھے جن میں سے ایک چارلس کیلی کی نیابت کرتا تھا [illegible] بنا ہوا تھا۔ رضیہ کو بھی اُس نے اپنا نام پیٹر [illegible] حالانکہ اُس کا نام کچھ اور ہی رہا ہوگا۔ تین مسلح محافظ [illegible] مزاحمت کرنے کے سبب رضیہ کے ہاتھوں مارے [illegible] کو اُس نے بیہوش کرکے باندھ دیا تھا۔ اُن افراد کے علاوہ ایک [illegible] تھا جو اُس وقت جزیرے پر موجود نہیں تھا اِسی لیے اُس کی جان بچ گئی تھی۔ وہ خوش قسمتی سے اُس دن نقلی پیٹر سے چھٹی لے کر چلا گیا تھا۔

وہ شخص جو نقلی پیٹر کا کردار ادا کر رہا تھا، اُس کی زبان کھُلوا کر رضیہ کو جزیرے کے تمام میکنزم کا پتا چلا تھا۔ اُس نے دھوکا دے کر رضیہ کو ختم کرنا چاہا تھا اِس لیے وہ بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ یہ اُسی یادگار دن کا ذکر ہے جب میں رضوان کے ہمراہ وہاں پہنچی تھی۔

ہم لندن میں اپنے ہوٹل پہنچے تو [illegible] لیلیٰ کا فون ملا۔ آپریٹر نے بتایا تھا کہ وہ پہلے بھی دو مرتبہ فون کر چکی تھی۔ لیلیٰ تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھی اور رضیہ سے ملنے کے لیے بھی! اُس نے اب تک صرف رضیہ کا ذکر ہی ذکر سنا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی لیلیٰ، ہوٹل پہنچ گئی۔ کھانے کے دوران میں ہی میں نے اُسے سارے واقعات بتا دیے۔ تمام واقعات سن کر وہ میری ہی طرح رضیہ سے بھی متاثر نظر آنے لگی تھی۔

دوسرے ہی دن میں نے رضیہ اور رضوان سے کراچی چلنے کے لیے کہا۔ جب رضیہ خاموش رہی اور چور نظر سے رضوان کی طرف دیکھنے لگی تو میں نے رضوان کی طرف دیکھا۔ اُس کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

"دراصل میرا ارادہ یہاں کچھ دن رُک کر سیر سپاٹے کا ہے۔ ویسے رضیہ اپنی مرضی کی خود مالک ہے۔ چاہے آپ کے ساتھ چلی جائے، چاہے بعد میں میرے ساتھ!" رضوان نے کہا۔

میں رضیہ کا ایما جانتی تھی اِس لیے اُس سے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ اور رضوان کافی عرصے کے بعد ملے تھے اِس لیے اُنھیں کچھ وقت ایک ساتھ گزارنے کا حق تھا۔

جس دن وہ دونوں مجھے ایئرپورٹ تک رخصت کرنے آئے تو بہت خوش تھے۔ مجھے خدا حافظ کہنے والوں میں لیلیٰ کمال بھی تھی جو مجھے الوداع کہتے ہوئے کچھ اُداس سی تھی۔

کچھ دیر بعد ہی میں جہاز میں بیٹھی ہوئی کراچی کے لیے پرواز کر رہی تھی اور میری آنکھوں میں کراچی کی گلیاں اور بازار گھوم رہے تھے۔ کراچی جو مجھے اپنے وطن کی طرح عزیز تھا اور جہاں میں نے بڑی ہنگامہ خیز زندگی گزاری تھی۔

جلد دوم

میری زندگی اِتنے ہنگامہ خیز اَدوار سے گزر چکی ہے کہ جس دَور

کو بھی قلم بند کیا جائے، اُس پر افسانے کا گمان ہوگا۔ اُنھی اَدوار میں سے ایک دَوَر کو میں آپ لوگوں کے سامنے پیش بھی کر چکی ہوں۔ اُس دَوَر کے رنگارنگ لمحات نے آپ کے ذہنوں پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے ہیں، اِس کا اندازہ مجھے اُن بے شمار خطوط سے ہوا ہے جو میری سرگزشت کی اشاعت کے دوران میں بڑے تسلسل سے آتے رہے۔ میرا جی چاہ رہا ہے، اِس بات کو ظاہر کر دوں کہ اُن میں سے ستّر فیصد خطوط لڑکیوں کے تھے۔ مَردوں کے خطوط میں تقریباً نصف تعداد ایسی تھی جن میں مجھے "راہِ راست" پر آنے کی تلقین کی گئی تھی۔ نہ جانے یہ لوگ راہِ راست کسے کہتے ہیں! کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ، یہ میں آج تک نہیں سمجھ سکی۔ کیا اچھا ہے اور کیا بُرا، اِس کا فیصلہ تو میرے خیال کے مطابق کبھی نہیں ہو سکا۔ ہر دَور کی اپنی قدریں اور اپنے تقاضے ہوتے ہیں، اُنھی کے مطابق اچھے بُرے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ہر آنے والی نسل اُن فیصلوں میں ترمیم و اضافہ کرتی رہتی ہے۔ گویا کوئی اچھائی مستند نہیں اور کوئی بُرائی متفقہ نہیں۔ بعض اوقات تو آنکھیں بھی جھوٹ دیکھنے لگتی ہیں۔ میری آنکھوں نے بھی بہت سے جھوٹ دیکھے ہیں جو آج سچ بن چکے ہیں اور آج میں جن "سچائیوں" کو دیکھ رہی ہوں، کیا عجب کہ آنے والی کل انھیں جھوٹ ثابت کر دے۔ بس لازم ہے کہ اِس بحث میں نہ اُلجھا جائے۔ مجھے میرے جھوٹ پر قائم رہنے دیجیے کہ میں اِسے سچ سمجھتی ہوں اور آپ اپنے سچ پر جمے رہیے حالانکہ میں اُسے جھوٹ گردانتی ہوں۔

اب کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اِس مختصر سی چھیڑ چھاڑ کے بعد میں اُن واقعات کا آغاز کروں جنھیں پڑھنے کا آپ کو اشتیاق ہوگا اور جنھیں قلم بند کرنے پر مجھے مجبور کیا گیا ہے۔

انگلینڈ سے کراچی واپس آنے کے بعد مَیں کچھ عرصے تو سیاسی سرگرمیوں میں اُلجھی رہی لیکن پھر کچھ ایسے واقعات ہوئے کہ سیاست سے میرا دل اُچاٹ ہو گیا اور میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنی فرم کی طرف متوجہ ہو گئی جسے میں نے بہت عرصے سے اسٹاف ہی پر چھوڑ رکھا تھا۔

جس روز مَیں دفتر میں بیٹھی، اُس سے ایک ہفتے قبل میری اسٹینوگرافر بس کے ایک حادثے میں جاں بحق ہو چکی تھی۔ اُس کی جگہ پُر کرنے کے لیے اخبار میں اشتہار دیا جا سکتا تھا لیکن میں نے بس اِتنا کیا کہ "اسٹینوگرافر کی ضرورت" کی خبر اپنے شناسا حلقے میں پھیلا دی۔

پھر بہت جلد لڑکیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ روزانہ ہی دو تین انٹرویو ہونے لگے لیکن میرا مطمئن ہونا آسان نہیں تھا۔ میں آنے والی لڑکیوں کو بہت خاص نظر سے جانچتی تھی۔ کوئی ایک درجن لڑکیاں میری کسوٹی پر پوری نہ اُتر سکیں لیکن تیرھویں لڑکی

پر پہلی نظر پڑتے ہی میرے وجود میں ایک
تریاق، لمسِ حیوانی کے سوا کسی چیز میں نہیں ملا
وہ اپنے چہرے سے بہت کم عمر معلوم ہوتی
سال کی ہوگی لیکن جسم گلاب کی اُس کلی کی
بس ایک لمحہ رہ گیا ہو۔ آفتابِ جذب کی
بے قراری سے کِھل اُٹھتی کہ جذبات کا آنگن
اُسے اِس طرح دیکھا جیسے اُس شرابِ جسم کا
تھی۔ میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ اُس جیسی کوئی
نہیں آئی تاہم اُس میں کوئی نامعلوم سی
نے ایک انجانی کشش کو محسوس کیا مگر
مخرج و منبع کیا شے تھی!

میں نے اُس کے چہرے پر اُداسی
مجھے ایسی معلوم ہوئی جیسے صاف و شفاف
گہر کرنے لگے۔ وہ لوچے سے قد کی لڑکی
قدم اُٹھاتی ہوئی میری میز کی طرف آئی
میں خُمار دوڑ رہا ہو۔ اُس کے چلنے کا
وہ میرے سامنے میز کی دوسری طرف آ
سے بیٹھنے کے لیے کہا تو وہ اِس طرح چونک
نے محسوس کیا ہو کہ وہ کہاں آئی ہے! جب
کے لبِ لعلیں میں خفیف سی حرکت ہوئی تھی۔
تھا مگر اتنی مدھم آواز میں کہ مَیں نہیں سن سکی
وہ بیٹھ گئی اور میری نگاہ اُس کے
اُس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں چاہتی تھی کہ
کے کنج لب سے ہو۔ ویسے بھی مجھے کوئی سوال
میں نے اُسے اپنے دل میں "اپائنٹ" کر
کارروائی تو وہ کسی وقت بھی پوری ہو سکتی تھی
سودہ ہو چکا تھا۔

دو تین منٹ گزر گئے اور اُن گزرتے
مضطرب کر دیا۔ یقیناً وہ یہ چاہتی تھی کہ میں اُس
کچھ بول کر اُس خمار آسا فضا کو کیسے درہم برہم کر سکتی
لڑکی کی گھنیری پلکوں کی جھالر اُٹھتی
متوقع نظر سے میری طرف دیکھتی اور
پر اُس نے غالباً چھٹی مرتبہ پہلو بدلا اور
کے لیے آئی ہوں۔"

"اچھا!" میں نے ایک طویل سانس

ہی گھُٹتی رہی تھی۔
جہانگیر نے بتایا تھا کہ آپ کو اسٹینوگرافر

ہی بتایا تھا۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ
کی مقناطیسیت میری نگاہ کو جذب

لائی ہوں۔" لڑکی نے بتایا، اور پھر وہ اپنے
کھولنے ہی والی تھی کہ میں نے ہاتھ اُٹھا

ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "اصل
ہے۔ اپائنٹمنٹ لیٹر تمھیں بھی ذرا دیر میں مل

اِس طرح کہا جیسے خوشی کا اظہار کر رہی
کے چہرے پر کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ کہیں
تھی۔ اُس نے بتایا۔ "میرا نام سنگیتا ہے۔"
"تم ہندو ہو؟"
گھُٹی گھُٹی سی تھی اور اُس نے میری طرف اِس
"جرم" پر پشیمان ہو۔ وہ رو ہانسی ہو کر
لڑکیوں کو ملازمت نہیں مل سکتی؟"
"یہ بالکل غلط کیا ہے۔ میری فرم میں تو
کو ملازمت مل سکتی ہے۔ یہ بھارت نہیں
دانے عموماً بندر ہتے ہیں۔" میرے
لوراً ہی سنبھل گئی اور ہنس کر بولی۔ "تم
کر سکتی ہو؟"
سے استعجابیہ لہجے میں بولی۔
اِس وقت کسی کام سے جانا ہے؟"
بات نہیں۔" اُس نے جلدی سے کہا۔
مجھے بڑا عجیب سا معلوم ہوا۔"
سے آگاہ ہو جاؤ گی۔ مجھے جو کام کرنا
میں رکھتی۔" میرا لہجہ شاید کچھ معنی خیز تھا۔
میری طرف دیکھا لیکن میں نے اُس
سے کام لیا اور انٹرکام پر اپنی سیکریٹری
میں ہدایات دینے لگی۔ اُس مختصر سی
سنگیتا کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ آہستہ
آپ سے؟"

"کہو!" میں میز پر جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

اب سنگیتا کے چہرے پر تذبذب تھا۔ وہ کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ بڑی ہمت کر کے اُس نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "اب سے چھ ماہ قبل میں اِس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ مجھے ملازمت کرنا پڑے گی۔ بس زمانے کی گردش نے مجھے اِس موڑ پر لا کھڑا کیا ہے اور میں اِس چھ ماہ کے عرصے میں بے حد پریشان رہی ہوں۔ آج کے دَور میں لڑکیوں کو ملازمت ملنا چنداں دشوار نہیں ہوتا مگر اُسی صورت میں جب وہ ایک شرط پر پوری اُتر سکیں اور میں اپنی فطرت سے مجبور ہونے کے باعث اُس شرط پر پوری نہیں اُتر سکتی۔" سنگیتا کی پلکیں جُھک گئیں۔

"میں نے آج تک شاید کسی مرد کو بھی انسان نہیں پایا، سبھی بھیڑیے نظر آئے ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ اِس زمین پر پائے جانے والے سب مرد بھیڑیے ہیں لیکن یہ شاید میری بدقسمتی ہے کہ مجھے کوئی انسان نہیں ملا۔ صرف ایک شخص تھا جس نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ انسان ہے لیکن بے اعتباری شاید میری فطرت بن چکی ہے۔" سنگیتا کی نظر اب تک جھکی ہوئی تھی۔ یکایک وہ چُپ ہو گئی، پھر اُس نے نظر اُٹھا کر میری طرف دیکھا اور بولی۔ "آپ میری باتوں سے بور تو نہیں ہو رہی ہیں؟"

"تم زندگی بھر بولتی رہو۔ میں کبھی بور نہیں ہوں گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"دراصل اِن سب باتوں سے میرا مقصد آپ کو صرف یہ بتانا ہے کہ میں کسی عورت ہی کی ملازمت کرنا چاہتی تھی، اور جب مجھے بیگم جہانگیر سے آپ کے بارے میں معلوم ہوا تو میں سیدھی یہیں دوڑی چلی آئی۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ مَردوں کے بارے میں تمھارے خیالات سے مجھے پورا پورا اتفاق ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے اپنی زندگی میں ایسے مَردوں سے بھی سابقہ پڑا ہے جو اچھے انسان تھے یا اچھے انسان ہیں۔"

"پھر آپ نے اُن میں سے کسی کے ساتھ شادی کیوں نہیں کر لی؟"

پر پہلی مرتبہ بہت خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"نہیں، تم بحث ضرور کرو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ میں قطعاً بُرا نہیں مانوں گی۔"

"مجھے بیگم جہانگیر نے بتایا تھا کہ اِس بحث میں آپ سے کبھی کوئی نہیں جیت سکا تو پھر میں بیچاری کس شمار و قطار میں ہوں۔"

"تمھیں بیگم جہانگیر نے میرے بارے میں کچھ اور بھی بتایا تھا؟"

بیگم جہانگیر نے مجھے بتایا تھا کہ آپ غیر شادی شدہ ہیں۔"

"مرد خواہ کتنا ہی اچھا انسان کیوں نہ ہو، وہ عورت کے مقابل احساسِ برتری میں ضرور مبتلا ہوتا ہے اور میں اپنے اُوپر کسی کو حاکم

نہیں ۔ کہہ سکتی ۔"

"ایک مشرقی لڑکی ہونے کی حیثیت سے مجھے یہاں آپ سے ۔ لیکن میں کوئی بحث نہیں کروں گی ۔" سنگیتا کے ہونٹوں ے ٹٹولنے والی نظر سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"۔۔۔ بس !" سنگیتا نے پھر پلکیں جھکا لیں۔

"کیا بتایا تھا ؟"

"کچھ عجیب سی باتیں تھیں، میری سمجھ میں تو بالکل نہیں آئیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی عورت کسی عورت سے ۔ ۔ ۔ لیعنی یہ کہ ۔ ۔ ۔ کہ ۔ ۔ ۔"

سنگیتا کی زبان میں لکنت آگئی اور چہرہ کچھ سُرخ ہو گیا۔

میں ہنس پڑی اور بولی "خیر چھوڑو ان باتوں کو ۔ یہ بتاؤ تم چائے پیو گی یا کافی ؟"

"شکریہ، میں کچھ بھی نہیں پیوں گی ۔ آپ تو مجھے یہ بتائیے کہ بحیثیت اسٹینو گرافر میرے فرائض کیا کچھ ہوں گے ؟ صرف خطوط کے جوابات یا کچھ اور بھی ؟"

"ابھی میری سیکریٹری تمھارا اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کرا کے لا رہی ہو گی ۔ وہ تمھیں سب کچھ بتا دے گی ۔ ہاں، دو ایک باتیں ایسی ہوں گی جو تمھیں صرف میں ہی بتاؤں گی ۔ ویسے مجھے ایک بات پر بہت حیرت ہے ۔"

"کس بات پر ؟"

"تم اسٹینو گرافر ہو اور تمھارے پاس کچھ اسناد بھی ہیں ۔ آخر اتنی کم عمری میں تم نے یہ سب کچھ کیسے کر لیا ؟"

"آپ کے خیال میں میری عُمر کیا ہے ؟"

"سولہ سترہ سال سے زائد تو ہرگز نہیں ہو سکتی ۔"

"آپ دس سال کا گھپلا کر رہی ہیں ۔" سنگیتا نے کچھ بے تکلفی سے کہا۔

"لیعنی تم صرف چھ سال کی ہو ؟" میں برجستہ بولی۔

"چھبیس سال کی !" وہ ہنس پڑی۔

"ناممکن !"

"میں اسناد کے ساتھ اپنی پیدائش کا سرٹیفکیٹ بھی لائی ہوں ۔"

"میں اُسے جعلی قرار دے دوں گی ۔"

"یہ تو زبردستی ہوئی ۔"

"میں کبھی کبھی زبردستی بھی کر گزرتی ہوں ۔" میرا لہجہ شاید خیر کچھ معنی خیز تھا جسے سنگیتا نے محسوس نہیں کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی ۔"

"وہ کیا ؟"

"تم نے بتایا تھا کہ چھ ماہ قبل تم ملازمت کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں ۔ آخر ان چھ ماہ میں تمھیں کن حالات سے گزرنا پڑ گیا ؟"

میرے اس سوال سے سنگیتا ۔ ۔ ۔

کی گردن تک جھکتی چلی گئی، پھر قدرے توقف کے بعد کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا "کیا آپ ۔ ۔ ۔

ایک نکھٹو باپ کی بیٹی تھی ؟"

مجھے اس بات پر واقعی تعجب ہوا ۔ ۔ ۔

بولی "کیا تمھارے والد نے تمھاری کسی بات ۔ ۔ ۔

گھر سے الگ کر دیا ہے ؟"

"پتاجی مجھے اپنی جان سے زیادہ ۔ ۔ ۔

جواب دیا "میں ان کی اکلوتی بیٹی ہوں ۔"

"پھر کیا وجہ ہوئی کہ ۔ ۔ ۔" میرا ذہن ۔ ۔ ۔

چھ ماہ میں قلاش ہو جانا صرف اسی صورت ۔ ۔ ۔

غلط صحبتوں میں پڑ گیا ہو ۔ ریس، سٹّا اور ۔ ۔ ۔

کسی نکھٹو شخص کو اتنی جلدی قلاش کر ۔ ۔ ۔

سنگیتا نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر ۔ ۔ ۔

میں بس اتنا ہی جانتی ہوں کہ ایک روز ۔ ۔ ۔

اور آسمان ہم پر ٹوٹ پڑا ۔ ہم ایک خوبصورت ۔ ۔ ۔

لائنز کے ایک چھوٹے سے کوارٹر میں منتقل ہو گئے ۔ ۔ ۔

اُس کا مالک مشتاق چنگیزی بن گیا ۔"

"یہ مشتاق چنگیزی کون ہے ؟"

"ایک تاجر ہے، قالینوں کی تجارت کرتا ۔ ۔ ۔

کے پاس آیا کرتا تھا ۔ مجھے اس کا علم نہیں کہ پتاجی ۔ ۔ ۔

نوعیت کیا تھی !"

سنگیتا کے اُس معاملے میں میری دلچسپی ۔ ۔ ۔

"جب تم اپنے بنگلے سے ایک کوارٹر میں منتقل ہوئی ۔ ۔ ۔

پتاجی سے پوچھا تو ہو گا کہ اس انقلاب کا سبب کیا ۔ ۔ ۔

"ظاہر ہے کہ میں نے پوچھا ہو گا لیکن پتاجی ۔ ۔ ۔

تشفی بخش جواب نہیں دیا ۔ وہ بس اتنا کہہ کر ۔ ۔ ۔

کی یہی مرضی تھی ۔"

"بڑی عجیب بات ہے ۔" میرا تجسس ۔ ۔ ۔

"جی ہاں !" سنگیتا نے پھیکی سی مسکراہٹ ۔ ۔ ۔

یوں لگتا ہے جیسے میں چھبیس سال تک ایک سُندر سپنا ۔ ۔ ۔

اچانک ٹوٹ گیا ۔"

"ایک اذیتناک شکستگی !" میں نے ٹھنڈا سانس ۔ ۔ ۔

"آپ شاید ہی اُس اذیت کا اندازہ کر سکیں جس ۔ ۔ ۔

"کیا میں تمھارے پتاجی سے مل سکتی ہوں ؟"

۔ ۔ ۔ جواب دیا "لیکن مشکل یہ ہے کہ خود پتاجی ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ با ہے ۔"

۔ ۔ ۔ ماں مِلوں گی ۔"

۔ ۔ ۔ مُسکرائی "وہ بس ایک کال کوٹھری ہے مادام !

۔ ۔ ۔ "

۔ ۔ ۔ انسان ایسی ہی کال کوٹھریوں میں زندگی ۔ ۔ ۔ ان کا دم نہیں گھٹتا اور تم بھی ایک خوبصورت ۔ ۔ ۔ ہے جو اب تک زندہ ہو تو پھر میرا دم کیوں ۔ ۔ ۔ دتی ہی ہو کہ میں دب جاتے ہوئے علم ۔ ۔ ۔ خام خیالی ہے ۔ میں گندے نالوں سے گزر کر ۔ ۔ ۔ وں جہاں ایسے لوگ رہتے ہوں جنھیں میں ۔ ۔ ۔ تم مجھے اچھی لگی ہو، بہت پیاری بے بی !"

۔ ۔ ۔ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

۔ ۔ ۔ ل میں ضرور تمھارے گھر چلوں گی ۔"

۔ ۔ ۔ ب نہیں ۔"

۔ ۔ ۔ میری سیکریٹری نے مجھے بتایا کہ سنگیتا کے اپائنٹمنٹ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ میں نے سیکریٹری سے کہا "اپائنٹمنٹ لیٹر ۔ ۔ ۔ اس بات یہ کہ کافی بھجوا دو !"

۔ ۔ ۔ کر چکی تھی کہ سنگیتا بولی "کیا اس میں کوئی حرج ۔ ۔ ۔ ل سے ڈیوٹی جوائن کر دوں ؟"

۔ ۔ ۔ نہیں ہے ۔"

۔ ۔ ۔ میں چونکہ صرف انٹرویو کے لیے آئی تھی اس لیے میری ۔ ۔ ۔ ہو جائیں گے ۔"

۔ ۔ ۔ ٹھیک ہے ۔ تم کل ہی سے جوائن کر دو ۔ کل جب ۔ ۔ ۔ رے ساتھ چلوں گی ۔ اپنے پتاجی کو بتا بھی دینا ۔ ۔ ۔ لاں گی ۔"

۔ ۔ ۔ م ۔ ۔ ۔"

۔ ۔ ۔ میں نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "مجھے صرف ۔ ۔ ۔ جاتا ہے ۔ میرا نام صبیحہ بانو ہے ۔ ویسے اردو میں ۔ ۔ ۔ مترادف ہے ۔"

۔ ۔ ۔ اب میں آپ کو بانو ہی کہوں گی ۔"

۔ ۔ ۔ مجھے یہ بہت دلکش لگتا ہے کہ لوگ مجھے بانو ۔ ۔ ۔

دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے بلند آواز میں کہا "کم اِن !"

میرے اندازے کے مطابق وہ میری سیکریٹری ہی تھی ۔ اُس نے اپائنٹمنٹ لیٹر دیا اور گہری نظر سے سنگیتا کا جائزہ لے کر چلی گئی۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ پتاجی سے کیوں ملنا چاہتی ہیں ؟" سنگیتا بولی۔

"یہی معلوم کرنے کے لیے کہ ان کی زندگی میں یہ انقلاب کیوں کر آیا ! اگر میں اس سلسلے میں اُن کے کام آ سکی تو کوئی گریز نہیں کروں گی ۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ بھی اُن سے اس کا سبب نہیں معلوم کر سکیں گی ۔"

"اگر میں اُن سے نہ معلوم کر سکی تو کسی اور ذریعے سے معلوم کر دوں گی ۔ یہ ناممکن ہے کہ میں کسی کام کا تہیہ کر لوں اور وہ نہ ہو ۔"

گفتگو کا سلسلہ ذرا دیر کے لیے پھر منقطع ہو گیا کیونکہ اُسی وقت کافی آگئی تھی ۔ کافی پینے کے دوران میں بھی میں، سنگیتا سے باتیں کرتی رہی لیکن اُس کے ذہن سے کوئی ایسا نکتہ نہیں کرید سکی جو اُس عجیب و غریب معاملے کو سمجھنے میں میری کوئی مدد کر سکتا ۔ میں گفتگو کے دوران میں یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اس سلسلے میں بیگم جہانگیر سے بھی پوچھ گچھ کروں گی ۔ وہ چونکہ سنگیتا سے واقف تھی اس لیے ممکن تھا کہ سنگیتا کے باپ کو جانتی ہو اور اُس کے بارے میں بھی کچھ معلومات فراہم کر سکے۔

کافی پینے کے بعد سنگیتا میرا شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گئی اور اُس کے جاتے ہی میں نے بیگم جہانگیر کو فون کیا ۔ دوسری طرف سے جواب ملا کہ بیگم صاحبہ گھر پر موجود نہیں ہیں اور غالباً شام سے پہلے واپس نہیں آئیں گی۔

میں نے فون بند کیا اور اپنے سامنے رکھی ہوئی فائلیں ایک طرف سرکا دیں ۔ کام کرنے کا موڈ باقی نہیں رہا تھا ۔ تجسس کی لہریں میرے ذہن کو ہچکولے دینے لگی تھیں ۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہو چکی تھی کہ سنگیتا جیسی پیاری بے بی جس نے بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی، اچانک غربت کی گود میں کیسے جا گری ! ایک خیال جو میرے ذہن میں بار بار اُبھرا وہ یہ تھا کہ سنگیتا کے باپ کو کسی معاملے میں بلیک میل کیا گیا ہے اور بلیک میل کرنے والا شخص مشتاق چنگیزی ہی ہو سکتا ہے ۔ اب دوسرا اہم سوال یہ تھا کہ آخر وہ معاملہ کون سا ہو سکتا ہے جس میں سنگیتا کا باپ سب کچھ دے بیٹھے؟

اس سوال کا جواب از خود ذہن میں نہیں آ سکتا تھا ۔ اِس کے بارے میں چھان پھٹک کی ضرورت تھی اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر سنگیتا کا باپ مظلوم ہے تو میں اُسے اُس کی کھوئی ہوئی جنت واپس دلا کر رہوں گی۔

سنگیتا کا بھولا بھالا چہرہ میرے دل و دماغ پر چھایا رہا اور میں اُس روز بہت کم کام کر سکی۔ اُکتا کر ساڑھے تین بجے میں نے فائلیں بند کر دیں اور پھر اُٹھنے ہی والی تھی کہ ایک عجیب و غریب فون وصول ہوا۔ اِس میں شک نہیں کہ وہ فون کال کئی اعتبار سے عجیب و غریب تھی۔ دوسری طرف سے بولنے والا کوئی مرد تھا اور یہ بات صاف ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ آواز کو بگاڑ کر بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس نے بغیر کسی تمہید کے یہ پھلجھڑی چھوڑی تھی کہ سنگیتا ایک آوارہ مزاج اور پیشہ ور قسم کی لڑکی ہے جو میرے دفتر کی فضا کو بھی خراب کر دے گی۔

"لہٰذا اگر آپ اُسے ملازم نہ رکھیں تو یہ آپ کے حق میں بہتر ہو گا۔"

"بہت خوب!" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن میرے حق میں کیا بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں ہے، اِسے میں دُنیا کے ہر شخص سے زیادہ جانتی ہوں اور کسی مرد کو یہ حق نہیں دے سکتی کہ وہ میرے فیصلوں پر اثر انداز ہو۔"

"یہ میرا انسانی فرض تھا کہ آپ کو حقیقت سے آگاہ کر دوں۔ فیصلہ تو آپ ہی کریں گی اور وہ آپ ہی کے حق میں مفید یا غیر مفید ثابت ہو گا۔ مجھے اِس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔"

"لیکن کوئی فائدہ ضرور پہنچ سکتا ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں فائدہ تو پہنچے گا لیکن صرف میری ذات کو نہیں بلکہ پورے معاشرے کو۔" اجنبی نے جواب دیا۔ "سنگیتا جیسی لڑکیوں کو اُس فضا سے دُور ہی رکھنا چاہیے جہاں شریف لڑکیاں سانس لیتی ہوں۔"

"تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا ذاتِ شریف!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"چلیے یہ بھی ٹھیک ہے۔" اُس نے ہنس کر کہا۔ "اگر آپ مجھے ذاتِ شریف کہہ کر خوش ہو سکتی ہیں تو مجھے اِس پر کوئی اعتراض نہیں۔"

"یعنی تم اپنا نام نہیں بتانا چاہتے؟"

"کیا ضرورت ہے مجھے پردے پر آنے کی؟"

"تو پھر جہنم میں جاؤ۔" میں نے یہ کہہ کر فون بند کر دینا چاہا۔ وہ جلدی سے بولا۔ "سنیے!"

"فرمایئے!" میں نے بڑا بُرا سا مُنہ بنایا اور ریسیور رکھتے رکھتے رُک گئی۔

"غالباً آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آیا!"

"ظاہر ہے۔" میں نے کہا۔ "ابھ[illegible] ہے نہ یہ بتایا ہے کہ تمھیں سنگیتا کے [illegible] معلوم ہوئیں!"

"مجھے یہ باتیں اِس لیے معلوم ہیں کہ [illegible] زیادہ دُور نہیں رہتا اور اُس کے [illegible]"

"کیا مطلب؟"

"کچھ دن پہلے تک مجھے یہ غلط فہمی [illegible] کرتی ہے لیکن جب میرے بینک میں [illegible] ختم ہو گئے تو سنگیتا نے مجھ سے مُنہ موڑ [illegible]"

"اگر سنگیتا اِس قسم کی لڑکی ہے تو [illegible] کیا ضرورت ہے؟"

"اِس قسم کی لڑکیاں ملازمت اِسی [illegible] رہی ہے۔"

"مجھے اب بھی تمھاری باتوں پر یقین نہیں [illegible]"

"اگر آپ ثبوت ہی چاہتی ہیں تو کسی [illegible] سنگیتا کی نقل و حرکت پر نظر رکھ کر دیکھیے!" اُس کے لہجے سے یوں معلوم ہونے لگا تھا جیسے [illegible] جھنجلا گیا ہو۔ اُس نے یہ کہہ کر فون ڈس [illegible] کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

میں بے دھیانی میں کچھ دیر تک ریسیور کو [illegible] بیٹھی رہی اور اجنبی کی باتیں میرے ذہن میں گو[illegible] ذہن میں یہ سوال بھی گونج رہا تھا کہ کیا میں اِن [illegible] پر مبنی سمجھوں؟ میرا دل تو سنگیتا کو آوارہ لڑکی [illegible] لیکن دماغی طور پر میں تذبذب کا شکار ہو گئی تھی [illegible] اپنے دماغ کی تربیت کچھ اِس طرح کی تھی کہ وہ [illegible] کو بھی تسلیم نہ کرے۔

شاید ایک منٹ بعد میں چونکی اور مجھے [illegible] کو کان سے لگائے بیٹھی ہوں۔ میں نے ایک [illegible] کر اُسے کریڈل پر رکھا اور کرسی سے اُٹھ گئی۔

دفتر سے گھر کی طرف کار ڈرائیو کرتے ہوئے [illegible] اور اُس اجنبی کی فون کال میں اُلجھا ہوا تھا [illegible] سنگیتا کے حق میں تھی مگر دماغی طور پر میں نے [illegible] نہیں کیا تھا کہ اجنبی کی باتیں درست بھی ہو سکتی ہیں [illegible] پہلے بھی کئی ایسی لڑکیاں آ چکی تھیں جو صورت سے بھا[illegible] معلوم ہوتی تھیں لیکن بعد میں اُن کا حرافہ ہونا [illegible]

[illegible] سے دوچار تھی کہ شاید سنگیتا بھی اُنہی [illegible] وہ واقعی سنگیتا کا کوئی دل جلا عاشق تھا۔

[illegible] میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بیگم [illegible] آگر پر مجبور تھی چنانچہ گھر پہنچتے ہی میں [illegible] زن پر رابطہ قائم کرنا چاہا مگر ناکام ہو گئی۔ [illegible] ہی تھی اور یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ [illegible] بھی گھر پہنچ سکے گی یا نہیں! وہ بڑی آزاد [illegible] ایک الگ بحث ہے کہ آزاد خیالی کسے [illegible] ہو چکی تھی اور اُس کا شوہر اُس کے لیے [illegible] مر گیا تھا۔ مرحوم کے لواحقین میں سے کوئی [illegible] تھا لہٰذا ساری دولت بیگم جہانگیر کے حصے میں [illegible] وہ گلچھرے اُڑاتی پھرتی تھی۔ اُس کی عمر [illegible] کی تھی لیکن اُسے صرف "ینگ بلڈ" پسند [illegible] ہوئے نوجوان بھی اُس کا شکار بنتے تھے [illegible] کا کوئی نوجوان بھی اُس کے جال میں پھنس ہی [illegible]

[illegible] چائے پیتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا کہ بالفرض [illegible] ایسے ملاقات نہ کر سکی تو بھی رات وس[illegible] گھر کے قریب رہوں گی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ [illegible] حرکت سے ٹیلیفون کرنے والے اجنبی کی باتیں [illegible] ل ہیں یا نہیں!

[illegible] پیتے ہوئے مجھے ایک دم خیال آیا کہ میں نے سنگیتا [illegible] گھر کا پتہ تو پوچھا ہی نہیں تھا! اِس خیال سے [illegible] ر دھکا لگتا محسوس ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے [illegible] آئی کہ میں مطمئن ہو گئی۔ مجھے اُس درخواست [illegible] جو سنگیتا نے ملازمت کے لیے میری فرم کو دی تھی۔ [illegible] تو کہا جا سکتا تھا کہ اُس درخواست میں سنگیتا نے [illegible] درج کیا ہو گا۔ میں نے فوراً ٹیلیفون اُٹھایا اور اپنی سیکریٹری [illegible] ملایا۔ چونکہ دفتر کا وقت ختم ہو چکا تھا اِس لیے وہ اپنے [illegible] تھی۔ دوسری طرف سے مجھے سیکریٹری ہی کی آواز [illegible]

[illegible] تو ہے بانو!"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے بس اُس لڑکی کا پتہ [illegible] نے آج ملازمت کی درخواست دی تھی۔ درخواست میں اُس نے اپنا پتہ تو لکھا ہو گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم پھر دفتر جاؤ اور فائل میں وہ درخواست دیکھ کر مجھے ٹیلیفون پر ہی اُس کے پتے سے مطلع کرو۔"

"مجھے اُس کا پتہ یاد ہے بانو!"

"یاد ہے؟" مجھے قدرے تعجب ہوا۔

"جی ہاں! مختصر سا پتہ تھا، اِس لیے یاد رہ گیا۔" سیکریٹری نے کہا اور پھر مجھے پتہ بتا دیا۔ وہ واقعی اِتنا مختصر تھا کہ آسانی سے یاد رہ سکتا تھا۔

ٹیلیفون بند کر کے میں سوچنے لگی کہ اگر مجھے اُس کوارٹر تک پہنچنے کے لیے اِدھر اُدھر بھٹکنا پڑا تو ممکن ہے کہ وہاں کے لوگ مجھے شک و شبے کی نظر سے دیکھنے لگیں لہٰذا یہ بہتر ہو گا کہ میں پہلے ہی سے اُس کوارٹر کی صحیح لوکیشن معلوم کر لوں۔ میری خاطر یہ کام رضوان بڑی آسانی سے کر سکتا تھا۔

رضوان کو اُن دنوں فرصت ہی فرصت تھی۔ وہ اپنے ملک کی سیاسی فضا اور جمہوریت کی دھاندلیوں سے اِتنا دل برداشتہ ہو چکا تھا کہ اُس نے اپنے اخبار سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اُس کا استعفیٰ بڑی مشکل سے قبول کیا گیا تھا۔ اخبار کے مالک کی شدید خواہش تھی کہ وہ اخبار سے الگ نہ ہو لیکن اِس کے لیے رضوان کی شرط بہت کڑی تھی۔ وہ جیل جانے کے لیے تیار تھا لیکن اِس بات پر آمادہ نہیں تھا کہ اُس کی بعض تحریروں کو اشاعت سے روک دیا جائے۔ یہ بات اخبار کے مفادات کے خلاف تھی۔ اخبار کا مالک صحافی کم اور تاجر زیادہ تھا۔ اُس کی پالیسی یہ تھی کہ حکومتِ وقت کی نظر میں سرخرو رہے لہٰذا اُسے طوعاً و کرہاً رضوان کا استعفیٰ منظور کرنا ہی پڑا تھا۔

رضوان سے ٹیلیفون پر میرا رابطہ فوراً ہی قائم ہو گیا۔ وہ گھر پر موجود تھا۔ وہ میری آواز سنتے ہی چہکا۔ "ہیلو بانو! . . خاصے دن بعد میری یاد آئی ہے ضرور کوئی غرض ہو گی۔"

میں اِس بات پر جھینپ گئی لیکن بڑی ڈھٹائی سے ٹھنڈا سانس لے کر بولی۔ "کیا بتاؤں تمھیں! میرا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جب میں تمھاری یاد سے غافل رہوں مگر اِس خیال سے ٹیلیفون نہیں کرتی کہ تمھارا وقت کیوں برباد کروں! تمھاری یاد بھی میرے لیے سکون بخش ہوتی ہے۔"

"خدا کی پناہ! میرا خیال ہے کہ آپ نے زندگی میں اِس سے بڑا جھوٹ کبھی نہیں بولا ہو گا۔ خیر آپ یہ بتایئے کہ میرے لیے کیا حکم ہے؟ کس کام کے لیے فون کیا ہے مجھے؟"

"ایک... بہت ہی چھوٹا سا کام ہے۔"

"یعنی؟"

میں نے سنگیتا کے کوارٹر کا پتہ بتایا اور بولی "میں چاہتی ہوں کہ تم ابھی جاکر اُسے لوکیٹ کرو اور پھر مجھے اپنے ساتھ لے جاکر دُور سے وہ مکان دکھا دو۔"

"آخر معاملہ کیا ہے؟"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔"

"حسبِ عادت!" رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"ظاہر ہے۔"

"اوکے!"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔

میرے اندازے کے مطابق رضوان نے ایک گھنٹے بعد مجھے فون کیا اور بولا "خادم نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔"

"اب آکر مجھے لے جاؤ اور وہ کوارٹر دکھا دو۔"

"بس اِس حکم کی تعمیل نہیں کروں گا۔"

"کیوں؟"

"معاشرے کو برائیوں سے بچانا ہر اچھے شہری کا فرض ہے۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"میں نے پتا لگایا ہے کہ اُس کوارٹر میں ایک نوجوان لڑکی رہتی ہے۔"

"تو پھر؟"

"معاشرے کی عافیت اِسی میں ہے کہ آپ کو لڑکیوں سے دُور رکھا جائے۔" رضوان نے یہ بات کچھ اِس انداز میں کہی تھی کہ مجھے ہنسی آگئی۔ رضوان پھر بولا "یہ ہنسنے کا نہیں بلکہ رونے کا مقام ہے۔"

"بکواس! میں یہ کہہ رہی ہوں کہ آکر مجھے لے جاؤ۔"

"نہیں لے جاؤں گا۔ اِس کے برخلاف میں اُس لڑکی کے پاس جا رہا ہوں۔ میں اُسے خبردار کردوں گا کہ شکاری دبے پاؤں اُس کی طرف بڑھ رہا ہے۔" رضوان شرارت پر آمادہ تھا۔

"اگر تم نے ایسا کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"چلیے آپ کی خاطر میں اُس سے کچھ نہ کہوں گا لیکن آپ کو بہرحال وہ گھر نہیں دکھاؤں گا۔ اگر کوئی گناہ کی طرف مائل ہو تو اُس کی مدد کرنا بھی گناہ ہے۔"

"تم نے معاشرے کی نام نہاد اصلاح کا ٹھیکا کب سے لے لیا ہے؟" میں چڑ کر بولی۔

"میں ہمیشہ سے اِس کا ٹھیکیدا
میونسپلٹی کے ذریعے ملا کرتا تو رشوت
ہو جاتی۔"

"تم فضول باتوں میں وقت ضائع

"غیر فضول باتوں کی نشاندہی

"میں کہہ رہی ہوں کہ مجھے لے

"میں نے عرض کیا نا کہ میں گناہ میں
بنا چاہتا۔"

"بھاڑ میں جاؤ۔" میں نے جھنجھلا
مجھے توقع تھی کہ ذرا دیر بعد رضوان
کی عادت تھی کہ وہ میرا کوئی کام کر
ستاتا ضرور تھا لیکن جب بیس منٹ
ہوا تو مجھے رضوان پر شدت سے غصہ آنے
ہوگئی۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ خود ہی سنگیتا
مجھے پہلے کبھی بی ہائینڈ جیکب لائنز جانے
تھا لیکن میں اِتنا ضرور جانتی تھی کہ ایمپریس
اُس طرف جاتا تھا۔ میں نے وہاں کھڑے ہوئے
"جٹ لین" اور "بی ہینڈ" کی ہانک لگاتے
تانگے والے فی سواری کے حساب سے چار
کار اُڑاتی ہوئی ایمپریس مارکیٹ پہنچی اور
جدھر تانگے جا رہے تھے۔ اُس راہ میں سینٹ
جب اسکول پیچھے رہ گیا تو ایک راستہ بائیں
ایک تانگے کو اُس طرف مڑتے دیکھا جب کہ ایک
چلا گیا تھا۔ یہ میرے لیے اُلجھن کی بات تھی۔
تھا کہ اِن دونوں میں سے کون سا تانگا بی ہائینڈ
طرف گیا ہے! مجھے رُک کر ایک راہگیر سے دریا
تب مجھے پتا چلا کہ مجھے بائیں جانب مڑنا چاہیے
ان تانگوں کا تعاقب کرتی ہوئی بی ہائینڈ جیکب
علاقے میں پہنچ گئی جہاں غالباً تانگوں کا ٹرمنس
سے آگے بڑھ گئی۔ یہاں مجھے خاصی ڈھلان میں
جاکر وہ راستہ دو شاخوں میں منقسم ہوا تو مجھے ایک
پوچھنا پڑا کہ "ایچ ٹائپ" کوارٹرز کدھر ہیں۔ اِسی طرح
میں ایچ کوارٹرز کے قریب پہنچ گئی۔ اِتنی دیر میں مجھے
محسوس ہو چکا تھا کہ میں اپنی قیمتی کار اور ایک

کے رنگوں کی نظر میں چڑھ چکی ہوں۔
ایسی عورت نہیں دکھائی دی تھی جو
علاوہ ازیں وہ راستے بھی ایسے نہیں تھے
گزر ہوتا ہو۔ ممکن ہے کہ وہاں کبھی پختہ
اُن میں نہ تو پختگی باقی تھی، نہ انھیں
جا سکتا تھا۔ یہ راستے بڑے تنگ تھے۔
اور راہگیروں کے ہجوم نے پوری
مہارت کے بغیر وہاں سے کار نکالنا ایک

یک کار کا پہنچنا بھی امرِ محال تھا اور
گنجائش نہیں تھی کہ میں وہاں کار کھڑی کر
تھا کہ کسی وقت بھی کوئی تانگا یا کشتا گاڑی
بچاتا ہوا گزر جاتا۔ مجھے رضوان پر شدت
کی وجہ سے مجھے اِس پریشانی کا سامنا
حالات میں اِس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکی
جاؤں اور آنے والی کل کا انتظار کروں۔
وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے گھر لے جائے گی۔
ناکام و نامراد لوٹ آئی لیکن میں اُسے سو
کم از کم اِتنا تو ہوا تھا کہ میں اُس علاقے
واقف ہو گئی تھی۔ مجھے ایچ ٹائپ کوارٹرز کے
تھے۔ یہ کوارٹرز اُس علاقے کے دو مختلف
تھے جب کہ ایف ٹائپ اور جی ٹائپ کوارٹرز
دراصل اُس علاقے کو اتنا گنجلک کرنے
تھا جنھوں نے ناجائز طور پر کچے پکے مکانات
لیے تھے۔
کر میں نے اسکاچ کا ایک پیگ لیا تاکہ تکدر
کے بعد میں نے ایک بار پھر بیگم جہانگیر کو فون
ملا کہ وہ ابھی نہیں آئیں۔ میں نے ریسیور رکھا
میں نے دوبارہ ریسیور کان سے لگا لیا۔
اسپیکنگ!" میں نے اداس لہجے میں کہا۔
اسپیکنگ!" رضوان کی آواز سنائی دی۔
آئی۔

اُس علاقے میں؟"
تم وہاں میری نگرانی کر رہے تھے؟"
مجھے بتا دیتیں کہ معاملہ کیا ہے تو آپ کو اتنی پریشانی

نہ ہوتی۔" رضوان نے کہا۔

"بعض اوقات تم بہت زیادہ تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔ بہرحال تم مجھے بے بس مت سمجھو۔ آج نہیں تو کل، میں یہ کام کر ہی لوں گی۔"

"لیکن مجھے نہیں بتائیں گی کہ معاملہ کیا ہے؟"

"نہیں!" مجھے ضد سی ہو گئی تھی۔ میں نے رضوان کی مزید بکواس سُنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے دوبارہ رِنگ کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ دس پندرہ منٹ تک فون کی گھنٹی نہیں بجی تو میں بستر پر لیٹ کر سنگیتا کے خیالوں میں کھو گئی۔ اِن خیالات کے ساتھ ہی وہ ٹیلیفون کال بھی میرے ذہن میں تھی جس کے ذریعے کسی اجنبی نے مجھے بتایا تھا کہ سنگیتا کوئی اچھی لڑکی نہیں ہے۔

اگلی صبح میں نصف گھنٹے کی تاخیر سے دفتر پہنچی۔ مجھے معلوم ہوا کہ سنگیتا بالکل صحیح وقت پر دفتر آچکی ہے اور میری سیکریٹری نے اُسے کچھ کام سونپ دیے ہیں۔

میں نے اپنی میز سنبھالی اور اُن سب فائلوں کو اپنے سامنے ڈھیر کر لیا جو گزشتہ روز میرے دستخطوں سے محروم رہ گئی تھیں۔ کچھ ایسے کاغذات بھی تھے جن کا بغور مطالعہ کرنے میں مجھے خاصا وقت لگا اور میں اِتنی تھک گئی کہ مجھے کافی منگا کر پینا پڑی۔ کافی پیتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ لنچ کے لیے سنگیتا کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔

ساڑھے بارہ بجے تھے جب ریسپشنسٹ نے مجھے انٹرکام پر یہ اطلاع دی کہ ایک لڑکی مجھ سے ملنے آئی ہے۔

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"یہ صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ سبب آپ ہی کو بتائیں گی۔"

"کیا نام ہے؟"

"خورشید!"

میں نے اپنے ذہن پر زور دیا لیکن اُس نام کی کوئی لڑکی مجھے یاد نہیں آسکی۔

"اچھا...!" میں نے قدرے توقف سے کہا "بھیج دو!" اور انٹرکام بند کر دیا۔

ذرا دیر بعد میرے کمرے کے دروازے کو ناک کیا گیا۔

"کم اِن!" میں نے بلند آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا اور قیامت میرے کمرے میں آگئی۔ اُس وقت اُس لڑکی کو دیکھ کر میرے ذہن میں قیامت کے سوا کوئی لفظ نہیں آسکا تھا۔ اِتنے سڈول جسم کی لڑکیاں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ چہرہ اِس طرح دہک رہا تھا جیسے تن... تن آر

کے دانے سورج کی روشنی سے دمکتے ہیں۔ لبِ اشک سے سُلگتے ہوئے ہونٹوں کی تراش ایسی تھی جو اُنھیں پی جانے کی خواہش کو بیدار کر دے۔ جسم کچھ تو تھا ہی کسا ہوا اور باقی کسر کسے ہوئے لباس نے پوری کر دی تھی۔ غرضیکہ اُس میں وہ سب کچھ تھا جسے دیکھ کر میرے جسم کی سنسناہٹ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور سندِ قبولیت حاصل کیے بغیر کم نہیں ہوتی مگر اِن سب باتوں کے ساتھ ساتھ اُس لڑکی کی خوبصورت آنکھوں کی مخصوص چمک کو دیکھ کر میری نگاہ نے بھانپ لیا کہ یہ لڑکی خاصی حد تک سرد و گرم چشیدہ تھی۔ اُن آنکھوں میں حیا نام کی رمق بھی نہیں تھی لیکن ایسی لڑکیوں کے ساتھ بھی کم از کم ایک مرتبہ کچھ دھنک رنگ لمحے گزارے جا سکتے ہیں۔

"تسلیم مادام!" اُس نے ایک ادا سے کہا۔

میں نے سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا اور کرسی کی طرف ہاتھ پھیلا کر بولی۔ "بیٹھو! ویسے تم مجھے مادام کی بجائے صرف بانو کہہ کر مخاطب کر سکتی ہو۔"

"تھینک یو بانو!" اُس نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

میں اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ میری نگاہ میں استفہام کم اور گرسنگی زیادہ تھی جسے شاید اُس نے بھی محسوس کر لیا کم از کم اُس کے ہونٹوں پر کپکپاتی ہوئی مسکراہٹ سے یہی ظاہر ہوا تھا کہ اُس نے میری آنکھوں میں دہکتے ہوئے جذبوں کی تپش محسوس کر لی تھی۔ اُس کی مسکراہٹ میں فتحمندی کا عنصر موجود تھا، جیسے اُس نے کوئی مہم سر کر لی ہو۔

"میں یہاں ملازمت کے لیے آئی ہوں!" اُس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"خوب!" میں مسکرائی۔ "کیا میری فرم نے اِس سلسلے میں کوئی اشتہار دیا تھا؟"

"جی نہیں!"

"پھر؟"

"میں نے کسی جگہ یہ ذکر سُنا تھا کہ آپ کو اسٹینوگرافر کی ضرورت ہے۔"

میں نے فی الحال یہ جواب دینا مناسب نہیں سمجھا کہ وہ جگہ پُر ہو چکی ہے۔

"خوب!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نے سُنا تو ٹھیک تھا۔"

اُس نے کہا۔ "اگر آپ نے اِس جگہ کے لیے کسی لڑکی کا

انتخاب کر لیا ہو تو بھی کوئی فرق نہیں
امتحان لے لیں۔" لفظ "امتحان" پر اُس
بھی آپ کے من پسند امتحان میں پ
ترجیح دیں۔"
مجھے اُس کی یہ باتیں کچھ عجیب ل
ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ان سے
مطلب ہے؟"
میرے اِس سوال پر وہ کچھ سٹپٹا سی
ہوا تھا کہ وہ کچھ زیادہ باتیں کر بیٹھی ہے۔
"میرا مطلب ہے کہ جو بھی کرنے سے گزا
"ایک اسٹینوگرافر کے لیے کرنے ہے۔"
اب وہ بغلیں جھانکنے لگی۔ پھر اپنا
لینا چاہا ہو۔ اُس نے نگاہ اٹھائی میری طرف دی
پھر نظر جھکا کر بولی۔ "شاید میں کچھ ضرورت سے
دراصل کچھ باتونی واقع ہوئی ہوں۔"
"اگر تم باتونی ہو بھی تو تمھیں اِس کا اعتراف
تھا۔ یہ اعتراف کسی بھی ملازمت کے حصول
"جی... جی ہاں... وہ... دراصل..
سٹپٹا گئی اور اُس کی سمجھ میں فوری طور پر کوئی ہوا
ادھر میں اُس کی طرف سے شبہات
رہی تھی۔ جہاں تک میرا مشاہدہ ہے کسی بھی
احساس نہیں ہوتا کہ وہ باتونی ہے لیکن خورشید
کر رہی تھی۔
اچانک میں نے سوال کیا۔ "تمھیں یہ کیسے
سامنا کرنے کے لیے تم آئی ہو وہ جگہ پُر ہو چکی ہے؟"
"وہ مجھے..." خورشید کچھ کہتے کہتے ایک لمحہ
توقف سے بولی۔ "میں نے یہ کب کہا ہے کہ وہ
میں نے تو بس ایک خیال ظاہر کیا تھا۔"
میں نے ایک طویل سانس لیا۔ شکوک و شبہا
میں خاصی حد تک جم چکے تھے۔ اچانک میں نے
اور ہنس کر بولی۔ "خیر! میں تو تم سے وکیلوں کی طرح
لگی۔ تم اتنی بھولی ہو کر میری اِن باتوں سے گھبرا بھی
"دراصل میں..." اُس نے ایک مرتبہ پھر اپنا جملہ
دیا۔ وہ ابھی تک اپنی بوکھلاہٹ پر پوری طرح قابو
اور غالباً ندامت اِس لیے چُپ ہو گئی تھی کہ مبادا اُس

جائے۔
لیے تیار ہو؟" میں اُس کی آنکھوں میں دیکھتی

وہ بھی مسکرائی۔
رکیٹ واچ پر نظر ڈالی۔ لنچ کا وقت ہونے میں
میں نے ٹیلیفون پر اپنی سیکرٹری سے
سے کہا۔ "میں لنچ کے لیے جا رہی ہوں۔"

ہیں ہو گی۔ تم سنگیتا سے کہہ دینا کہ جب تک
میں لوٹ کے۔"

ہ رکھا اور مسکرا کر خورشید سے بولی۔ "تم لنچ

ں؟"
خوش قسمتی ہو گی۔"
کرسی سے اُٹھ گئی۔ "آؤ، چلیں!"
تو دفتر سے نکلی۔
وہ میرے پہلو کی سیٹ پر بیٹھی تو اُس نے
کا نیا ماڈل ہے؟"
سے نیا ہے۔ لوگ اِس کے بعد مرسیڈیز کا کرتی ا...
دوسری کمپنیوں کی طرح مرسیڈیز کا ماڈل ہر سال

اس کا علم نہیں تھا۔"
مرسیڈیز بہت اچھی لگتی ہے؟" میں نے کار کو
ہوئے کہا۔
کہ یہ بہترین کاروں میں شمار کی جاتی ہے لیکن
سے مجھے شیورلیٹ زیادہ اچھی لگتی ہے۔" خورشید
ایک دم پوچھ بیٹھی۔ "ہم لنچ کرنے کہاں جا رہے ہیں؟"
گھر دیکھنا پسند کرو گی؟"
ضرور!" وہ جیسے خوش ہو گئی۔
پھر ہم وہیں چل رہے ہیں۔ میں ضرور یہ کوشش کرتی
گھر ہی کھاؤں۔"
سے گھر پر کون کون ہوتا ہے؟ میری مُراد فیملی ممبرز

گھر میں ملازموں کے ساتھ بالکل تنہا رہا کرتی تھی لیکن کچھ
میری چھوٹی بہن بھی آئی ہوئی ہے۔ اُس کی مستقل

سکونت جنوبی امریکہ میں تھی لیکن اب وہ سال کا بیشتر حصہ میرے ساتھ گزارتی ہے اور دو تین ماہ کے لیے جنوبی امریکہ چلی جاتی ہے آج کل وہ وہیں ہے۔ ڈیڑھ ماہ سے گئی ہوئی ہے۔ ممکن ہے اُس کی واپسی میں ایک آدھ مہینہ اور لگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دو ایک دن میں ہی واپس آ جائے۔"

"جنوبی امریکہ میں وہ کس کے ساتھ رہتی ہیں؟ کیا اُن کے شوہر..."

"وہ غیر شادی شدہ ہے۔"

"تو پھر..." خورشید کے چہرے پر استعجاب تھا۔

"چھوڑو اِن باتوں کو! یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ ہم دونوں بہنوں کی زندگی بڑی افسانوی ہے۔ جن لوگوں نے ہمیں قریب سے نہیں دیکھا، وہ ہماری باتوں کو گپ سمجھتے ہیں۔ تم اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔ تم کہاں رہتی ہو؟"

"پی ای سی ایچ ایس میں!" خورشید نے جواب دیا۔ "خیام سینما کے بالکل سامنے والی گلی میں۔"

میں اُس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی ہوئی گھر پہنچ گئی۔

"اوہ مائی گاڈ!" خورشید کے مُنہ سے نکلا۔ "آپ کی قیامگاہ تو بڑی خوبصورت ہے۔"

"اِس کا نقشہ ایک فرانسیسی آرکیٹیکٹ نے بنایا تھا جو میری بہت پیاری دوست ہے۔"

"یعنی کوئی لڑکی؟"

"ہاں!" میں ہنس پڑی۔

گاڑی کو گیرج میں لے جانے کی بجائے اُسے پورچ ہی میں چھوڑ کر میں خورشید کے ساتھ کار سے اُتر آئی۔ برآمدے میں میری خصوصی ملازمہ موجود تھی۔ میں نے اُس سے کہا۔ "کچھ دیر بعد جب میں کال بیل بجاؤں تو کھانا ملبوس رُوم میں پہنچا دینا۔ اگر کوئی مجھ سے ملنے آئے تو کہہ دینا کہ میں موجود نہیں ہوں۔ گاڑی کو گیراج میں کھڑا کرا دو!"

"بہت بہتر!"

میں خورشید کا ہاتھ تھامے ہوئے ملبوس رُوم کی طرف بڑھ گئی۔ ملبوس رُوم میں نے ابھی حال ہی میں ایک خاص انداز سے مزین کیا تھا۔ اِس انداز کا کمرہ شاید ہی کسی گھر میں ہو۔ اُس کے فرش پر اعلیٰ ترین قسم کا فوم تھا جس پر ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔ اُس قالین کی قیمت بیالیس ہزار روپے تھی۔ قالین پر کئی ریشمی گاؤ تکیے پڑے ہوئے تھے۔ ایک گوشے میں چھوٹا سا کیبنٹ تھا

اس میں دنیا کے مختلف حصوں سے منگائی ہوئی شراب کی بوتلیں بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔ ایک خانے میں باریک شیشے کے صاف و شفاف پیمانے اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ وہ پیمانے دراصل ایرانی فنجان تھے جو میں پیمانوں کے طور پر اُس وقت استعمال کرتی تھی جب نیٹ پینے کا موڈ ہوتا تھا۔ کیبنٹ کے ایک خانے میں خشک میوے رکھے ہوئے تھے۔ اُس کے قریب ہی اسمال سائز کا ایک ریفریجریٹر بھی موجود تھا۔

دیواروں پر میری ہی بنائی ہوئی تصویریں آویزاں تھیں۔ یہ اُن لڑکیوں کی تصویریں تھیں جن کو میں نے بہت زیادہ پسند کیا تھا۔ اُن میں دو تصویروں کے سوا سب کا سائز یکساں تھا۔ وہ دو بڑی تصویریں شبانہ اور فرخ کی تھیں۔ جو لوگ میری سرگزشت کی جلد اوّل پڑھ چکے ہیں، وہ بھی اُن دونوں لڑکیوں کو فراموش نہیں کرسکے ہوں گے۔ اُن تصویروں کی سب سے اہم صفت یہ تھی کہ وہ "فطرت" کے عین مطابق تھیں۔ اگر کوئی عام لڑکی اُن تصویروں کو دیکھتی تو گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیتی لیکن خورشید نے انھیں بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

"فائن!" اُس کے لہجے میں تحسین تھی۔

"بہت پسند آئیں تمھیں یہ تصویریں؟"

"ناپسندیدگی کا تو مجھے اِن میں کوئی پہلو ہی نظر نہیں آتا، مگر یہ بنائی کس نے ہیں؟"

"کبھی کبھی مجھ پر مصوّری کا موڈ بھی طاری ہوجاتا ہے۔"

"اوہ! آپ مصوّر بھی ہیں؟"

"بس یونہی الٹے سیدھے برش چلا لیتی ہوں۔"

"آپ انکسار سے کام لے رہی ہیں۔"

"اِن رسمی باتوں کو پھر کسی وقت کے لیے اُٹھا رکھو اور یہ بتاؤ کہ کھانے سے پہلے تم کچھ پینا پسند کروگی؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔"

"نیٹ پیوگی یا پانی ملاکر؟" میں نے کیبنٹ کی طرف قدم بڑھائے۔

"نیٹ چلے گی۔"

"گڈ!" میں نے کہا اور ساتھ ہی یہ بھی سوچا کہ لڑکی خاصی کھیلی ہوئی ہے۔

میں نے "شی واز ریگل" کا انتخاب کیا۔ دو پیمانے بنائے اور کیبنٹ کے اوپر لگا ہوا ایک بٹن آن کردیا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی تیز نیلی روشنی یکلخت مدھم پڑ گئی۔

"اوہ... واہ!" خورشید کے منہ سے نکلا۔ بڑا خوبصورت اور رومانٹک ماحول بن گیا کہاں سے آنے لگی؟"

"میں نے تیز روشنی ختم کرنے کے کا تعلق ایک میکنزم سے بھی ہے۔ اُس چھوٹے سوراخ کھل گئے جو دیوار پر آویزاں یہ خوشبو انھی سوراخوں سے خارج ہورہی ہے۔"

"مائی گاڈ! آپ تو مجھے ایک طلسم

میں نے ہنس کر ایک پیمانہ اُ

"ہاں تم اِس کمرے کو طلسم خانۂ عشق کہہ اِس کا نام بلیو روم رکھا ہے۔"

"یہ نام بھی خوب ہے۔"

"چیرز!" میں نے اُس کے پیمانے سے ہلکی سی چسکی لی، پھر میں نے اپنی سینڈلیں طرف اُچھال دیں اور قالین پر اوندھی لیٹ گئی خورشید کو دعوت دی۔ "اِس طرح لیٹ کر پینے آتا ہے۔"

"یقیناً ایسا ہوگا۔ شاید اِس قالین کے نیچے

"ہاں۔"

وہ میرے سامنے بالکل اُسی طرح اوندھی لیٹی میں لیٹی ہوئی تھی۔ اُس نے کہا "خوشبو تو بڑی تیز رہی ہے۔ کہیں یہ اِتنی زیادہ نہ ہوجائے کہ گراں گز

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "گراں گزرنے وا سے پہلے وہ سوراخ خودبخود بند ہوجائیں گے۔"

"آٹومیٹک؟"

"ہوں!"

"اِس کمرے پر آپ نے بہت پیسا خرچ کیا

"کچھ ایسا زیادہ بھی نہیں۔" میں نے کہہ کر پیمانے سے چسکی لی۔

اُدھر خورشید کا پیمانہ نصف ہوچکا تھا اور اِدھر بے چینی سے منتظر تھی کہ پیمانہ لبریز ہوجائے۔

یہ نوبت تیسرے پیمانے کے دوران میں آئی۔ نے سر ذرا سا آگے بڑھا کر اپنی نوکِ زبان کو اُس کے ہونٹ سے جلالیا۔ وہ میری اِس حرکت سے اِتنی بے قابو ہوئی

گردن میں حمائل کرکے مجھے اپنی طرف کشش میں وہ خود بھی میری طرف کھسک آئی۔ ہونٹوں پر شراب کی جو نمی تھی، وہ اِدھر سے اُدھر میں نے بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔ "یہ جام تو

اُس نے پیمانے خالی کردیے تو میں اُٹھ کر کیبنٹ پر رکھ آئی۔ واپسی سے پہلے میں نے لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا۔ اِس بٹن کے دبتے نچلے حصّے سے نیلگوں دھواں خارج ہونے لگا۔

خورشید اُچھل پڑی۔

"ہاں! ابھی یہ سب کچھ بہت زیادہ رومانٹک ہو لافنگ گیس کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ یہ دھواں سے ملتی ایک چیز ہے۔ جسم پر اِس کا اثر کچھ یوں کوئی بہت ہی آہستہ آہستہ گدگدا رہا ہو۔ آہستہ بات کچھ بے تکی سی ہے لیکن میں اِس کی تعریف اِس سے بہتر انداز میں نہیں

"آخر اِس کمرے میں کیا کچھ ہے؟"

ہنس کر کہا۔ "تم پہلے ہی اِس کو طلسم خانہ کہہ چکی ہو بات پر بھی تعجب نہ کرو۔"

کے پہلو میں لیٹ گئی۔ خورشید اِتنی وارفتگی کے اُس نے مجھے اپنے مختلف جسمانی اعضا کی لپیٹ مجھ سے اِس طرح چمٹی تھی جیسے آکٹوپس

ت لیتا ہے۔ ہمارے ہونٹوں نے پوشیدہ گروائے اور پھر ہم نے تہذیب کی نقابوں کو اُتار پھر جب کسی پوشش کے مرہونِ منت نہ رہے تو شعلۂ جوّالہ کی طرح ہمیں پھونکنے لگا۔ ہمارے جسم اب بادلوں میں تیر رہے تھے۔ وہ نیلگوں گیس اِتنی بھاری سے ایک ڈیڑھ فٹ اوپر تک رہی، اِس سے زیادہ ہوسکی۔ وہ اِس طرح ہلکورے لے رہی تھی جیسے فضا تیر رہے ہوں۔ اِن بادلوں میں کہیں کہیں ہلکی سی چمک جاتی تھی۔ اِن بادلوں کی اوٹ میں جوانیاں مچل رہی تھیں اُن ذائقوں سے آشنا ہورہی تھی جو اندرونِ جسم انتہائی اثر انداز ہوتے ہیں اور جسم کے ریشے ریشے میں انبساط کا سمندر موجزن ہوجاتا ہے۔

بادلوں میں جوانی کی بجلیاں کڑکتی رہیں اور جذبات کا قافلہ پہاڑوں اور وادیوں سے گزرتا، مسطح ریشمی مقامات سے پھسلتا ہوا اُس منزل تک پہنچ گیا جہاں ایک جھنکار سی ہوئی اور پھر گہرا سکوت چھا گیا۔ اِس سکوت میں اب بس نڈھال نڈھال سے سانسوں کی تلپھٹ باقی رہ گئی تھی۔

دھویں کے بادل اب آہستہ آہستہ کم ہونے جارہے تھے۔ جن سوراخوں سے وہ دھواں خارج ہوا تھا، وہی سوراخ اب اُس دھویں کو واپس کھینچ رہے تھے۔ یہ سارا نظام خودکار تھا۔ بادلوں کی یہ بازیگری صرف نصف گھنٹے کے لیے ہوتی تھی۔ اگر اِس وقفے کو بڑھانا ہو تو بٹن کو دوبارہ دبانا پڑتا تھا۔

دھویں کے پوری طرح صاف ہونے سے پہلے پہلے میں نے اور خورشید نے اپنے جسموں کو تہذیب کی نقابوں سے آراستہ کرلیا۔ بکھری ہوئی زلفیں درست کیں، نم آلود اور خوشبودار ٹشو پیپرز سے اپنے چہرے صاف کیے، لپ اسٹک لگائی اور ہلکا سا میک اپ بھی کرلیا۔

"اوہ باپو!" خورشید نے ایک طویل ترین سانس لیا۔ "اِن پُرلطف لمحوں کو میں زندگی بھر نہیں بھول سکوں گی۔ میرا خیال ہے کہ اِن لمحات کو جاں بخش بنانے میں اِس کمرے کے ماحول کا بھی بہت ہاتھ ہے۔"

میں ہنس کر کیبنٹ کی طرف بڑھ گئی اور وہ بٹن دبا دیا جو کال بیل کا تھا۔

"کھانا ابھی ہم یہیں کھائیں گے۔" میں نے خورشید سے کہا۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

پانچ منٹ بعد ہی کھانا آگیا جو ہم نے قالین پر بیٹھ کر کھایا۔ اُس وقت تین بجنے والے تھے۔ کھانا کھا چکنے کے بعد خورشید بولی۔ "کیا اب دفتر چلا جائے؟ آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ مجھے آپ کی فرم میں ملازمت مل جائے گی یا نہیں؟"

"اِس سے پہلے تمھیں میرے ایک سوال کا جواب دینا ہوگا۔"

"فرمائیے؟"

"تمھیں اِس کام کے لیے کتنے پیسے ملے ہیں اور دینے والا کون ہے؟"

"کیا مطلب!" خورشید چونک گئی اور اُس کے چہرے کی رنگت میں خفیف سا تغیّر بھی پیدا ہوا۔

"مطلب بالکل صاف ہے۔ دفتر میں تم نے مجھ سے جس انداز میں باتیں کی تھیں، اُن سے میں اندازہ لگا چکی ہوں، بلکہ یقین سے

کہہ سکتی ہوں کہ میری فرم میں ملازمت کے لیے تمہاری یہ کوشش محض برائے ملازمت نہیں ہے۔"

"آپ... آپ کو کچھ... غلط فہمی... "

"بکو مت!" میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔ میرا لہجہ بہت سخت تھا۔ میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ "میں بہت روادار پسند ہوں خورشید لیکن میرے مزاج میں سختی بھی ہے۔ اِتنی سختی جس کا تم تصوّر بھی نہیں کر سکتیں۔ یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے اور اِس کمرے کے علاوہ اِس گھر میں ایک عقوبت خانہ بھی ہے۔ وہاں میں اپنے مخالفین کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرتی ہوں۔ اگر تم اُس عقوبت خانے میں نہیں جانا چاہتیں تو بہتر ہوگا کہ میرے سوالوں کے بالکل ٹھیک ٹھیک جواب دو۔"

خورشید کا چہرہ اب بڑی حد تک رنگ بدل چکا تھا۔

میں بولتی رہی۔ "میں تم پر یہ بھی واضح کر دوں کہ میں محض ایک فرم کی مالک نہیں بلکہ کچھ اور بھی ہوں۔ اگر تم نے میرے خلاف قانون کے دروازے پر دستک دی تو اِس سے بھی تمھیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ قانون کے ایوانوں میں کسی ایسی بات پر کان نہیں دھرا جائے گا جو میرے خلاف کہی جائے۔"

یہ سب کچھ میں نے خورشید کو مرعوب کرنے کے لیے کہا تھا اور مجھے اپنے اِس مقصد میں کامیابی بھی حاصل ہو گئی۔

خورشید نے نظر جھکا لی اور شکستہ سی آواز میں بولی۔ "مجھے اِس کام کے لیے دو ہزار روپے دیے گئے تھے اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تو مجھے مزید دو ہزار روپے دیے جائیں گے۔ اِس کے بعد دو ہزار روپے اُس وقت دیے جاتے جب میں آپ کی فرم میں ایک ماہ گزار لیتی۔"

"گڈ!" میں نے سر ہلایا۔ میرا یہ اندازہ درست ہی ثابت ہوا تھا۔ خورشید کو میری فرم میں جگہ دلانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں سنگیتا کو ملازم نہ رکھوں۔ کوئی نامعلوم ہستی سنگیتا کو اِس ملازمت سے دُور رکھنا چاہتی تھی۔ غالباً وہی پُراسرار اجنبی جس نے مجھے ٹیلیفون بھی کیا تھا۔ "اچھا خورشید! اب یہ بتاؤ کہ اُس شخص کا نام کیا ہے؟"

"اُس کا پورا نام تو مجھے نہیں معلوم۔ کھارادر کے علاقے میں وہ تاتاری کے نام سے مشہور ہے۔"

"کس اعتبار سے مشہور ہے؟"

"وہ لڑکیوں کا بردہ فروش ہے۔"

"اُس سے تمہارا تعلق اِسی واسطے سے ہے؟"

"ہاں!" خورشید کی نگاہ جھک گئی۔

"شرمندگی کی ضرورت نہیں۔ میں
تھا کہ تم کس قسم کی لڑکی ہو۔ خیر مجھے تمہارا
کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے
اور بتا دو۔ تاتاری کو اِس بات سے کیا فائدہ
کو میری فرم میں ملازمت مل جائے۔"

"میرے اندازے کے مطابق یہ کام وہ
کر رہا ہے۔"

"ہوں!" میں سوچ میں ڈوب گئی اور
ایک منٹ تک کچھ نہیں بولی۔ آخر اِس سکوت
"اب میرے بارے میں آپ کا رویہ کیا ہوگا؟"
میں اپنے خیالات سے چونکی مگر اُس
دینے کی بجائے اُس سے ایک سوال کر بیٹھی۔ "تم
سکتی ہو؟"

خورشید نے بلاتوقف کھارادر کی ایک
کا نمبر بتا دیا۔

میں نے دوسرا سوال کیا۔ "اُسے تاتاری کیوں
شاید کوئی نام تو نہیں ہوا!"

"اُس کی وضع قطع ہی کچھ ایسی ہے۔ لمبا تڑنگا آدمی
چہرے مہرے سے بھی تاتاریوں کے روایتی حلیے
رکھتا ہے۔ غالباً اِسی لیے وہ اِس نام سے مشہور ہو گیا

"ہوں!" میں پھر اِس سوچ میں ڈوب گئی کہ
اُس پسِ پردہ شخصیت کا پتا کس طرح چلایا جائے!
خورشید بولی۔ "میرے بارے میں اب آپ کا
ہوگا؟"

"کچھ بُرا نہیں ہوگا۔ مطمئن رہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔
عموماً گھر پر کس وقت رہتا ہے؟"

"شام کے بعد عموماً گھر پر رہتا ہے کیونکہ اُس کے کام
اپنی راتیں رنگین بنانے کے لیے اُس وقت اُس کی ادا
"ٹھیک!" میں نے سر ہلایا۔ "میں آج شام کو اُس
سے ملنے جاؤں گی۔ جب تک اُس سے میری ملاقات نہ ہو جا
اِس کمرے میں میری مہمان رہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کی اِس احتیاط کو حق بجانب
ہوں لیکن آپ کو ایک بات بتا دوں باجی! تاتاری بہت
آدمی ہے۔"

پڑی۔ "دراصل ابھی تم باتوں سے واقف
بات کہی۔ اچھا اب میں چلوں گی۔
خیال ہے کہ اب تم آرام کرو۔ اگر کسی چیز
بیل کا بٹن دبا دینا۔ ہاں اگر تم نے یہاں
کی۔ میری ملازمائیں تمہارے ساتھ بہت
گی اور مجھے اِس کا افسوس ہوگا۔"
کچھ وقت گزارنا تو میرے لیے نشاط انگیز
میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
خیال پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور کمرے
میں ملازمہ کو میں نے خورشید کے سلسلے میں
کی طرف روانہ ہو گئی۔ دفتر پہنچ کر میں نے
ٹری سے رابطہ قائم کیا اور پوچھا۔ "کوئی
؟"
سر، ایک فائل آپ کی میز پر رکھ آئی ہوں،
ہوگا۔ برٹین کمپنی سے ہمارا جو ڈھائی کروڑ
کام ہونے والا ہے اُس کے تمام اہم نکات
ہیں۔ جب آپ اِس فائل کو اچھی طرح دیکھ
کے ڈائریکٹر سے میٹنگ کے لیے کوئی وقت

دیکھ لیتی ہوں۔ سنگیتا کیا کر رہی ہے؟"
میں نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ دفتری وقت
سے ملاقات کرے۔"
میں نے یہ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔
کے معاہدے سے متعلق نکات پر غور کرنے میں مجھے
دفتری وقت ختم ہونے تک میں اُس فائل کو پوری
ھر تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے

میں نے بلند آواز میں کہا۔
کے مطابق وہ سنگیتا ہی تھی۔ وہی بھولا بھالا
چہرہ! وہ سادہ لباس اور وہی انجانی سی کشش
کوئی نام نہیں دے سکی تھی۔
میں نے مسکرا کر کہا۔ "آج زیادہ کام تو نہیں کرنا
نہیں زیادہ؟"
جاؤں تو کیا، ملازمت تو کرنا ہی ہے۔" سنگیتا نے
کے ساتھ کہا، پھر بولی۔ "مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں
چھٹی سے پہلے آپ سے ملاقات کروں۔"

"ہاں، بس یونہی کہلوا دیا تھا میں نے! اِس کی ضرورت تو نہیں تھی۔ تمھیں اپنا وعدہ یاد ہی ہوگا۔ آج تم مجھے اپنے گھر لے جاؤ گی نا؟"

"جی... وہ..." سنگیتا کے چہرے پر تذبذب کے آثار پیدا ہو گئے۔

"خیریت؟" میں اُسے ٹٹولنے والی نظر سے دیکھنے لگی۔

"دراصل وہ... پتاجی..."

"کیا ہوا تمھارے پتاجی کو؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"ہوا تو کچھ بھی نہیں۔"

"پھر کیا بات ہے؟ اچھا بیٹھو تو سہی! اطمینان سے بتاؤ، کیا مسئلہ ہے؟"

سنگیتا بیٹھ گئی۔ اُس کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔

"کل پتاجی مجھ پر بہت ناراض ہوئے تھے۔" اُس نے کہا۔

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے اُنھیں بتا دیا تھا کہ آپ اُن سے ملنے آئیں گی۔"

"اِس میں بھی ناراضگی کی کوئی بات ہے؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"جی وہ... دراصل... اُنھوں نے سمجھ لیا تھا کہ میں نے آپ کو اپنے ماضی کے بارے میں بتا دیا ہے۔ اِسی بات پر وہ ناراض ہوئے تھے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے ماضی کو یکسر بھول جاؤں اور کسی سے اُس کا تذکرہ نہ کروں۔ وہ نہیں چاہتے کہ آپ اُن کے ماضی کو کریدیں یا اِس سلسلے میں سوالات کریں۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کوئی بہانہ کر کے آپ کو ٹال جاؤں لیکن میرا دل نہیں چاہا کہ آپ سے جھوٹ بولوں۔"

میں غور سے سنگیتا کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ اُس لمحے بھی کسی معصوم بچی کی طرح لگ رہی تھی۔ میں نے قدرے توقف سے کہا۔ "خیر، تم کہتی ہو تو میں اُن کے ماضی سے متعلق کوئی سوال نہیں کروں گی لیکن صرف ملاقات کر لینے میں کیا حرج ہے؟"

"باجی!" سنگیتا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ اُن سے ملاقات بھی نہ کریں۔"

"اچھا!" میں نے ایک طویل سانس لیا۔ "اگر تمھاری یہی مرضی ہے تو ٹھیک ہے۔"

"آپ نے بُرا تو نہیں مانا باجی؟"

"ارے!" میں ہنس پڑی۔ "بھلا اِس میں بُرا ماننے کی کیا

بات ہے؟"
"یہ بے تہذیبی ہے کہ کسی کو گھر پہ مدعو کرنے کے بعد انکار بھی کر دیا جائے۔"
میں ہنستی ہوئی اپنی کرسی سے اُٹھی اور سنگیتا کی پُشت پر جا کر اُس کا شانہ تھپکتی ہوئی بولی۔ "اِس بات کو اپنے ذہن سے نکال دو بے بی کہ میں نے تمھاری کسی بات کا بُرا مانا ہو گا۔"
"شکریہ بانو!"
"اب تم جا سکتی ہو۔"
اور وہ چلی گئی۔ مجھے سوچ میں ڈوبا ہوا چھوڑ کر! سوچ میں ڈوبنے کی بات ہی تھی۔ آخر سنگیتا نے یہ قلابازی کیوں کھائی؟ کل تو وہ مجھ سے وعدہ کر چکی تھی کہ مجھے اپنے گھر لے جائے گی، پھر آج کیا ہو گیا؟ کیا واقعی اُس کے باپ ہی نے اُسے منع کیا ہو گا؟ مگر کیوں؟ آخر وہ اپنے ماضی کو ... میں کیوں رکھنا چاہتا ہے؟ اُس نے اپنا سب کچھ لُٹا دیا مگر کسی سے فریاد بھی نہیں کرنا چاہتا!
اِس اعتبار سے وہ میری نظر میں ایک پُراسرار شخصیت بنتا جا رہا تھا اور اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ فی الحال اگر میری نظر میں تھا تو وہ صرف بیگم جہانگیر تھی۔ میں نے ایک بار پھر اُس کے گھر فون کیا۔ اِس مرتبہ مجھے ایک چونکا دینے ... جواب سُننا پڑا۔
"وہ پیرس گئی ہوئی ہیں۔"
"کب؟ کب گئی ہیں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"پرسوں گئی تھیں۔"
"لیکن کل جب میں نے فون کیا تھا تو مجھے یہ بات نہیں بتائی گئی تھی۔" میں نے قدرے جھنجلا کر کہا۔
"بیگم صاحبہ کی خاص ہدایت تھی کہ اُن کے دورۂ پیرس کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتایا جائے۔"
"پھر اب کیوں بتا دیا گیا؟" میرا لہجہ بدستور خشک تھا۔
"دراصل آج پیرس سے اُن کا فون آیا تھا۔ یہ ابھی ایک گھنٹے پہلے کی بات ہے۔ جب اُنھیں بتایا گیا کہ آپ اُنھیں کئی مرتبہ فون کر چکی ہیں تو اُنھوں نے کہا کہ صرف آپ کو اُن کے اِس دورے کے بارے میں بتا دیا جائے۔"
میں نے بُرا سا مُنہ بنایا اور بولی۔ "واپسی کا پروگرام کب تک ہے؟"
"دس پندرہ دن لگیں گے۔"
"کیا اُنھیں وہاں کوئی خاص کام ہے؟"
"جی نہیں، تفریحاً گئی ہیں۔"
"اکیلی؟"
"جی ... وہ ..."
"سچ سچ بتانا۔ تمھیں معلوم ہے ... کتنے قریبی ہیں!"
جواب میں مجھے فلمی دنیا کے ... کا نام بتایا گیا۔ وہ بڑا خوبرو اور تھرمن ... کے عین مطابق! ... وہ پڑھا لکھا ... بھی جانتی تھی کہ بیگم جہانگ... بھرے جال سے اُس کا شکار بچ نہیں ...
"پیرس میں وہ کس ہوٹل میں ٹھہ...
"مجھے نمبر بتا دو تا کہ میں اُن سے رابطہ قائم ...
"یہ تو اُنھوں نے بتایا ہی نہیں۔"
میں سمجھ گئی کہ بیگم جہانگیر پیرس میں ... رکھنا چاہتی ہے۔ میں نے ایک طویل سانس ... دیا۔ اب یہ ایک اور اُلجھاوا پیدا ہو گیا تھا کہ میں ... کم از کم بیگم جہانگیر کے ذریعے سنگیتا کے ... بات نہیں معلوم کر سکتی تھی۔
میں دفتر سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ مجھے دو کام کرنا تھے۔ سب سے پہلے تو کھا... معلوم کرنا تھا کہ اُس نے کس کے اشارے پہ ... تھا! اُس کے بعد رات کو دس بجے مجھے سنگیتا ... قرب و جوار میں رہنا تھا۔ میں وہاں کا ماحول دیکھ ... مجھے صرف کوارٹر نمبر معلوم کرنا تھا اور میرا خیال تھا کہ ... کوئی خاص دقت نہیں ہو گی۔ میں نے سوچ رکھا ... وہاں اپنی کار میں نہیں جاؤں گی۔ کار کی وجہ ... نظروں میں چڑھ جاتی۔
میں نے شام تک کا وقت گھر پر گزارا۔ کھیم ... نہیں گئی۔ میں نے بس ملازمہ سے معلوم کر لیا تھا کہ ... کر رہی ہے۔
پھر رات کا آغاز ہوئے پانچ منٹ گزرے ... کھارادر میں تھی۔ بلڈنگ کا نام معلوم تھا اس لیے ... میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ میں تنگ و تاریک ... طے کر کے دوسری منزل پر پہنچی۔ فلیٹوں کے درو... سے نمبر پڑے ہوئے تھے۔ میں نے خورشید کے نمبر...

... دے کئی آدمیوں کے باتیں کرنے کی ... ماں ہوتے ہی بند ہو گئیں۔ پھر کسی کے ... دروازے کی طرف آتی سنائی دیں اور جب ... کی بُو میری ناک سے ٹکرائی۔ میں نے جلدی ... کر لیا۔
... آدمی ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس آدمی ... بتائے ہوئے حُلیے سے مطابقت نہیں ...
... زرافانہ انداز میں مجھے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ ... ملنا ہے؟" میں نے اُس سے کہا۔
... پہنچ آیا تھا۔ اُسے کہ تمھاری جیسی کسی بُلبل ...
... جیسی" کہہ کر مجھے غصہ دلا دیا تھا لیکن میں ضبط ... دوں سے مہذب گفتگو کی توقع حماقت ...
... پھر آؤں گی۔ اُس سے کہہ دینا کہ زینت آئی تھی۔" ... لیے بتا دیا تھا کہ تاتاری اُلجھتا ہی رہے کہ یہ ... طرح اُس کا خیال میری طرف نہیں جاتا۔ ... واپس مڑ رہی تھی تو اندر سے کسی نے پوچھا۔
... نئی بُلبل ہے۔" گبرو نے قہقہہ لگا کر کہا اور ...
... دیکھے بغیر سیڑھیاں اُترتی چلی گئی۔ مجھے اِس ... ہو رہی تھی کہ میں نے جس سے بھی ملنا چاہا! ... بیگم جہانگیر پیرس گئی ہوئی تھی، سنگیتا کے ... سے انکار کر دیا تھا اور تاتاری اپنے کسی کام ... تھا۔
... پھر میں نے بی ہائنڈ جیکب لائنز جانے کی تیاریاں ... یاں ایک خاص نوعیت کی تھیں۔ سب سے ... بہت معمولی قسم کی شلوار قمیص اور دوپٹے کا انتخاب ... ایک عجیب کو ٹٹولنے لگی۔ میرے پاس اِس قسم کی ... اگر زیادہ تعجب خیز نہیں ہے۔ بعض اوقات ... میں مجھے اِس قسم کی چیزوں کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے اور میرے گھر کا ایک کمرہ صرف اِسی قسم کی چیزوں سے پَٹا پڑا ہے۔
اِس کمرے کو میں عموماً بہروپ خانہ کہتی ہوں۔ سو جب میں اِس کمرے سے تیار ہو کر نکلی تو غریب طبقے کی ایک معمولی عورت معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے جس برقعے کا انتخاب کیا تھا، اُس کی نقاب بہت دبیز تھی، چہرہ نظر نہیں آ سکتا تھا اور آنکھوں کی جگہ جالی لگی ہوئی تھی۔ اگر میں نے کمرے سے نکلتے وقت نقاب نہ اُلٹ رکھی ہوتی تو میری ملازمائیں یقیناً مجھے گھیرے میں لے لیتیں۔ اُنھوں نے مجھے دیکھا اور کترا گئیں۔ اُنھیں کوئی تعجب بھی نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ مجھے بہت عجیب عجیب حُلیوں میں دیکھ چکی تھیں۔
میں نے اپنی خصوصی ملازمہ کو ساتھ لیا اور باہر نکل آئی۔
"کار تم ڈرائیو کرو گی۔" میں نے اُس سے کہا۔ "میں پچھلی سیٹ پر بیٹھوں گی۔"
"بہتر!"
کار روانہ ہوئی تو میں پچھلی سیٹ پر اِس طرح نیم دراز تھی کہ سڑکوں پر چلتے پھرتے ہوئے لوگ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔
"کہاں چلوں بانو؟" ملازمہ نے پوچھا۔
"ایمپریس مارکیٹ!" میں نے جواب دیا۔ "میں وہاں اُس موڑ پر اُتر جاؤں گی جہاں سے گورا قبرستان کی طرف راستہ جاتا ہے، بلکہ ... اُس مقام سے کچھ پہلے ہی مجھے اُتار دینا اور کار واپس گھر لے آنا۔"
"بہت بہتر!"
مجھے نہیں معلوم تھا کہ سنگیتا کے معاملے میں کتنی دیر ہو سکتی ہے! اگر مجھے وقت کا اندازہ ہوتا تو میں ملازمہ سے کہہ دیتی کہ وہ فلاں وقت پر وہاں میرا انتظار کرے۔
مقررہ جگہ پر میں ایک نیم تاریک سے مقام پر کار سے اُتری اور تیزی سے اُس طرف چل پڑی جہاں تانگا اسٹینڈ تھا۔ بہت سے تانگے والے مختلف علاقوں کے ناموں کی ہانک لگا رہے تھے۔ دو تانگوں والوں نے "بی ہنڈ" کے نعرے شروع کر رکھے تھے۔ اُن میں سے ایک تانگے میں پانچ مرد بیٹھے ہوئے تھے اور چھٹی یعنی آخری نشست کے پُر ہونے کا انتظار تھا لیکن میں نے دوسرے تانگے کا انتخاب کیا جس کے پچھلے حصے میں دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں اُن دونوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ وہ دونوں بڑھاپے کے قریب تھیں اور ایک دوسری کو بتا رہی تھیں کہ اُن کی بہوؤں میں کتنے کتنے کیڑے ہیں!

کچھ دیر میں ہمارے تانگے کو باقی تین سواریاں بھی میسر آگئیں اور روانگی عمل میں آگئی۔ اِسی قسم کے راستے پر اور اِس قسم کے تانگے پر سفر کرنے کا اتفاق مجھے غالباً دوسری مرتبہ ہوا۔ پہلی مرتبہ میں نے اس قسم کے سفر کا ذائقہ راولپنڈی میں چکھا تھا۔ ہچکولے کھا کھا کر مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ میرا معدہ ہی ہضم ہو جائے گا۔

خدا خدا کر کے بی ایم ڈی جیکب لائنز کی چڑھائی آئی اور تانگا رُک گیا۔ میں نے سُکھ کا سانس لیا اور تانگے والے کو پیسے دے کر اُتر گئی۔ میرے ہاتھ میں ایک میلا سا رومال تھا جس میں کچھ نوٹ اور ریزگاری بندھی ہوئی تھی۔

چڑھائی سے اُتر کر میں دائیں طرف مڑ گئی جہاں ایچ ٹائپ کوارٹرز تھے۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ مطلوبہ نمبر مجھے اُنہی کوارٹروں میں مل جائے۔ غالباً میں پہلے بھی لکھ چکی ہوں کہ ایچ ٹائپ کوارٹرز دو مختلف حصوں میں بنے ہوئے تھے۔ اگر میں وہاں سے ناکام ہو کر دوسرے حصّے کا رُخ کرتی تو دس بجے سے زیادہ وقت گزر جاتا۔ فی الحال تو دس بجنے میں دس ہی منٹ باقی تھے۔ دراصل گھر سے روانگی کے وقت میں یہ اندازہ نہیں لگا سکی تھی کہ تانگے کے سفر میں کتنی دیر لگے گی!

کرخت سی آواز میں "اے بھیا" کہہ کر میں نے ایک لڑکا انداز کو مخاطب کیا اور اُسے سنگیتا کے کوارٹر کا نمبر بتایا۔

"میں آپ کو راستہ بتائے دیتا ہوں۔" میرے عقب سے ایک جانی پہچانی آواز آئی۔

میں ایک جھٹکے سے گھوم گئی۔ رضوان میرے سامنے کھڑا تھا اور اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ وہ یقیناً مجھے پہچان چکا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ گھر ہی سے میرا تعاقب کرتا آ رہا ہو۔ دراصل اُس وقت میں نے اِس بات پر دھیان ہی نہیں دیا تھا کہ کوئی شخص میرا تعاقب کر سکتا ہے۔

"وہ اُدھر!" رضوان نے اشارے سے بتایا۔ "اُس رو میں ہے وہ کوارٹر۔ آپ نمبر دیکھتی ہوئی چلی جائیے گا۔ آپ کو نمبر پڑھنا تو آتے ہی ہوں گے مائی جی!"

"مائی جی" کہتے وقت یوں لگا تھا جیسے رضوان نے بڑی مشکل سے اپنا قہقہہ ضبط کیا ہو۔

رضوان کو اُس وقت وہاں دیکھ کر مجھے نہ جانے کیوں بہت زور کا غصہ آ گیا تھا لیکن میں اتنی بے بس تھی کہ غصّے کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ میں تیزی سے اُس رو کی طرف بڑھتی چلی گئی جدھر رضوان نے اشارہ کیا تھا۔ اُسی وقت مجھے سامنے سے ایک

نسوانی ہیولی آتا نظر آیا۔ میں
کا ماحول نیم تاریک تھا۔ صاف
تھی لیکن اُس ہیولے کی چال
میں نے اپنے رُخ میں ذرا سی تبدیلی
بالکل قریب سے گزروں۔ جب
کراس کیا تو میں نے پہچان لیا کہ وہ
کا جھٹکا محسوس کیا۔ وہ کاسمیٹکس کی
وقت سنگیتا نے میک اَپ کر رکھا تھا
بھولی بھالی سادگی پسند سنگیتا سے
اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ پُراسرار اجنبی نے
بتائی تھیں، وہ درست بھی ثابت ہو
دس پندرہ قدم آگے بڑھنے کے
کے پیچھے چل پڑی۔ بازار کی اِکّا دُکّا
میں میں نے دیکھا کہ سنگیتا سفید شلوار
اُس نے بالوں کا جوڑا باندھ رکھا تھا۔
رہی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر مجھے رضوان بھی
چڑھائی پر کئی تانگے صدر جانے والے
تھے۔ اُن میں سے ایک تانگے میں
اُسی تانگے میں سوار ہو گئی۔ اُس کی نگرانی جاری
ضروری تھا کہ میں بھی اُسی تانگے پر سوار ہو
پہلے رضوان نے دوڑ لگائی اور تانگے پر
کی اِس حرکت پر تلملا کر رہ گئی۔ وہ کمبخت
کر گیا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ آس پاس ہی کہیں
ضرور ہوگی۔ وہ اُس پر بیٹھ کر بھی تانگے کا
اُس نے تانگے کی سواری محض اِس لیے کی
کی نگرانی جاری نہ رکھ سکوں۔ میں نے دل ہی
شاید لاکھوں صلواتیں سنا ڈالیں لیکن ظاہر
مجھے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اِس کے
سکتی تھی کہ دوسرے تانگے میں بیٹھ جاؤں جس
کچھ دیر تھی۔ ابھی اُس میں صرف دو سواریاں بیٹھی
میرے بعد مزید تین سواریوں کا انتظار کیا جاتا۔
بعض اوقات انسان کی رہی سہی عقل بھی
رضوان پر مجھے اِس شدت سے غصّہ آیا تھا کہ
نہیں کر سکی جو مجھے اُن حالات میں کرنا چاہیے تھا
سکتی تھی کہ ایک خالی تانگا لے کر سنگیتا کے

اپنے تانگے والے سے یہ وعدہ کر لیتی کہ میں
کے پیسے ادا کر دوں گی۔ یہ خیال مجھے اُس
میرے تانگے کی سواریاں پوری ہو چکی تھیں
میں آگیا تھا۔
ایمپریس مارکیٹ پہنچی تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ
ہے اور سنگیتا کہاں! اُن کا تانگا میرے تانگے
پہلے چلا تھا۔ ظاہر ہے کہ سنگیتا اتنی دیر میں تانگے
طرف جا چکی تھی اور رضوان یقیناً اُس کے تعاقب
میں رضوان سے اتنی ناراض تھی کہ اب اُس سے
معلومات حاصل کرنے کی روادار نہیں ہوتا

اِس کے سوا اور کیا کر سکتی تھی کہ اپنے گھر کا راستہ
نے ایک رکشا کی اور ڈیفنس کی طرف روانہ ہو گئی۔
اپنی ایک اور حماقت کا احساس ہوا۔ میں یہ بھی
کر بی ایم ڈی جیکب لائنز ہی سے رکشا میں سوار
رکشا کی رفتار تانگے سے تیز ہوتی لیکن اِس سے
لیں پڑتا۔ میں ایمپریس مارکیٹ پر رُک کر سنگیتا کے
فالو کر سکتی تھی۔
حال جو ہونا تھا، سو ہو چکا تھا۔ اب اُس پر افسوس بہانے
حاصل نہیں ہوتا۔ میں نے گھر پہنچ کر پُرانے دُھرانے
پھینکے اور اپنی اصل جون میں آگئی۔ اب گیارہ بج چکے
نے فیصلہ کیا کہ ایک بار پھر تاتاری کے گھر پر دھاوا بول
ممکن تھا کہ اِس وقت وہ مل ہی جاتا۔
میں بیٹھ کر میں تیزی سے کھارادر کی طرف روانہ ہو
کے اُس پہر میں وہ علاقہ ایک حد تک ویران ہو

بجنے میں دس منٹ باقی تھے جب میں نے تاتاری
کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اِس مرتبہ جس شخص نے
دروازہ کھولا، وہ چہرے مہرے سے تاتاری ہی معلوم ہو رہا تھا۔
پینٹ پتلون کی بجائے قدیم لباس میں ہوتا تو صحرائے گوبی
باشندہ معلوم ہوتا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں شراب کا گلاس
تھا۔
"غتّوں!" اُس کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی جسے غرّاہٹ
کہا جا سکتا ہے۔ اُس نے مجھے سر سے پیر تک دیکھا تھا۔
"میں تم سے ملنے کے لیے دوسری مرتبہ آئی ہوں۔"

میں بولی۔

"غتّوں!... تو تمہارا نام زینت ہے؟"

میرا جی چاہا کہ میں بھی "غتّوں" کر دوں لیکن میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں یہی نام بتا کر گئی تھی۔ کیا تم یہیں دروازے میں کھڑے کھڑے باتیں کرو گے؟"

"غتّوں... غتّوں... آجاؤ... آجاؤ!" اُس نے ایک طرف ہٹ کر مجھے راستہ دے دیا اور جب میں اندر پہنچ گئی تو دروازہ بند کر لیا۔

کمرے میں اُس وقت تاتاری کے زیادہ "چیلے" موجود نہیں تھے، صرف ایک مختصر سا آدمی بیٹھا چرس پی رہا تھا۔

"غتّوں... بولو... کیا بات ہے؟" تاتاری نے پوچھا۔

"میں تم سے تنہائی میں بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"بالکل تنہائی ہے یہ بھی! یہ اپنا چھاپرا بھائی ہے نا، یہ بہرا ہے۔ جب تک اس کے کان کے قریب مُنہ لے جا کر نہ چیخو، اسے سُنائی نہیں دیتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تم جس کام کے لیے آئی ہو وہ چھاپرا نے سمجھ لیا ہوگا۔"

"تمہارے خیال کے مطابق میں کس کام کے لیے آئی ہوں؟"

"تم کو گاہک چاہیے اور مجھ سے بڑا سپلائر ساری کراچی میں نہیں ہے۔" تاتاری نے مجھے ایک بار پھر سر سے پیر تک دیکھا اور بولا۔ "تمہارا جسم بڑا زوردار ہے۔ اچھے پیسے مل جایا کریں گے۔ تم کراچی میں شاید نئی نئی آئی ہو۔"

تاتاری سے اِسی قسم کی باتوں کی توقع کی جا سکتی تھی لہٰذا مجھے قطعی غصّہ نہیں آیا، تاہم میں نے یہ ضرور سمجھ لیا کہ تاتاری نے کسی کی ایما پر خورشید کو میرے پاس بھیجا تو تھا لیکن میرا خود سے اُس سے آشنا نہیں تھا۔

تاتاری نے گلاس سے شربت کا ایک لمبا گھونٹ لیا اور بولا۔ "بتاؤ، میں ٹھیک بولتا ہوں نا؟"

میں نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔ "تم خورشید کو تو جانتے ہو گے؟"

"اچھا اچھا، تو خورشید نے بتایا ہے تم کو میرا پتہ!" تاتاری نے سر ہلایا۔

"ہاں، اُسی نے بتایا ہے، اور یہ تم بتاؤ گے کہ اُسے تم نے کس کی ایما پر میرے پاس بھیجا تھا؟"

میرا یہ سوال تاتاری کی سمجھ میں نہ آسکا اور وہ اُلجھی ہوئی نظر سے میری طرف دیکھتا رہا۔

میں بڑے اطمینان سے دیوار کے سہارے ٹک گئی اور بولی۔
"میرا نام زینت نہیں بلکہ صبیحہ بانو ہے۔ اب کیا میں تمہیں اپنی فرم کا نام بھی بتادوں؟"
"اوہ... غٹوں!" تاتاری چونک پڑا۔
"مجھے تم سے صرف یہی ایک بات معلوم کرنا ہے۔" میں نے کہا۔ "اس کے بعد میں ایک منٹ بھی نہیں رُکوں گی۔"
"اگر خورشید تمہارے پاس گئی تھی تو اپنی مرضی سے گئی ہوگی۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" تاتاری نے کہا، پھر ٹھرّے کا ایک طویل گھونٹ لیا۔
میں سمجھ گئی کہ تاتاری اتنی آسانی سے وہ سب کچھ نہیں بتائے گا جتنی آسانی سے خورشید نے بتا دیا تھا۔
"دیکھو تاتاری!" میں مسکراتی ہوئی اُس کی طرف بڑھی "اگر تم ایک مرتبہ مجھے اپنی آغوش میں لینا چاہتے ہو تو سب کچھ سچ سچ بتادو۔"
"تم..." تاتاری کی آواز کھنکھرا گئی۔ اُس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بھوکی نظر سے میری طرف دیکھنے لگا۔
میں نے اُس کے قریب پہنچ کر اپنی دونوں بانہیں اُس کے چوڑے چکلے شانوں پر رکھ دیں اور مسکراتی ہوئی اُس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اندر ہی اندر پگھلتا جارہا ہے۔ اُس نے اپنے "چمچے" کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھوں سے کچھ اشارہ کیا۔ وہ اشارہ ملتے ہی "چمچہ" بے ڈھنگے سے انداز میں ہنستا ہوا اُٹھا اور دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔
تاتاری نے دو گھونٹ لے کر گلاس خالی کر دیا اور اُسے قریبی کارنس پر رکھ کر میرے دونوں ہاتھوں کو اپنے شانوں سے ہٹاتا ہوا بولا۔ "ٹھہرو! میں ذرا دروازہ بند کرلوں۔"
وہ جب دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا تو اُس کے قدموں میں ڈگمگاہٹ تھی۔ نہ جانے وہ ٹھرّے کا اثر تھا یا اُس پر میری قربت کا نشہ چھا گیا تھا۔ میں شرارت آمیز نظر سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ ... دروازہ بند کر ... تو اُس کی آنکھوں میں چھائی ہوئی ... دوچند ہوچکی تھی۔ وہ ... بڑھتا ہوا غرّایا۔ "آؤ... غٹوں... آؤ جانِ من! آؤ... میری آغوش کو گرمادو۔ مجھے یہ سودا منظور ہے۔"
اُس نے مجھے آغوش میں سمیٹ لینا چاہا تو میں نے اُس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ "ٹھہرو! میں ادھر ہوں!" میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "پہلے تم مجھے اُس شخص کا نام پتا بتاؤ گے۔"

"نہیں... پہلے تم اپنا وعدہ پو...
"اُس کے بعد تم اپنی بات سے ...
"غٹوں!" وہی عجیب و غریب آ...
نکلی۔ "تاتاری اپنی بات سے کبھی نہیں ہٹتا!"
حالانکہ وہ صریح جھوٹ بول رہا تھا ...
سے یہی وعدہ کیا ہوگا کہ وہ اُس کے ...
بتائے گا۔ وہ میرے جواب کا انتظار ...
ایسا بھی تو ہے کہ اگر میں نے تمہیں اُس ...
بتادیا اور اُس کے بعد تم اپنے وعدے سے پھر ...
"یہ تو ممکن ہی نہیں کیونکہ میں عورت ...
یہ کہ میں اس وقت تمہارے گھر میں ہوں ...
سے بچ کر کیسے نکل سکتی ہوں!"
"غٹوں!" تاتاری کچھ سوچنے لگا او...
ہونٹوں پر بڑی متکبرانہ سی مسکراہٹ اُبھری۔
بولا۔ "تم اب مجھ سے بچ کر تو نہیں جاسکتیں۔ ...
تو بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آس پاس والے ...
نہیں کہ وہ تاتاری کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا سکیں ...
تو اُس آدمی کا نام پتہ بتائے بغیر بھی تمہارے جسم ...
ہوں لیکن جو لذّت رضامندی میں ہے وہ ...
اگر کوئی مجبوری ہو تو دوسری بات ہے۔"
"تم بڑے اچھے آدمی ہو۔" میں نے بڑے ...
کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیے۔ "تم جیسا شاندار ...
سے نہیں ملا۔ آج میرا بھی دل خوش ہو جائے گا ...
"غٹوں... غٹوں..." تاتاری غرّاتا ہوا ...
نے بھی اپنے چوڑے چکلے مضبوط ہاتھ میرے شا...
"تمہارا جسم بھی بڑا جاندار معلوم ہوتا ہے۔" اب اُس کی ...
رہی تھی۔
"ہاں تو تم اُس کا نام پتہ بتا رہے تھے!" میں ...
"مشتاق چنگیزی!" تاتاری نے بتایا۔
اور یہ نام میرے ذہن میں گرینیڈ کی طرح ایک ...
پھٹا۔ یہی نام مجھے سنگیتا سے معلوم ہوا تھا۔ یہی وہ ...
سنگیتا کے باپ نے اپنا سب کچھ دے دیا تھا۔ اپنی ...
جائیداد، سب کچھ مشتاق چنگیزی کو ... کر دو ...
درجے کے کوارٹر میں جا بسا تھا۔
"اُس کا پتہ کیا ہے؟" میں نے تاتاری سے ...

... اُس نے سوسائٹی کے ایک بنگلے کا نمبر بتایا۔
... میں تو سنگیتا بھی بتا چکی تھی لیکن بنگلے کا نمبر ... رہا تھا۔
... تمہیں اِس کام کے کتنے روپے ملے تھے؟" میں ...

... معلوم کرنے سے پہلے میری کچھ پیاس تو بجھا دو۔"
... ہونے لگا۔ میرے شانوں پر اُس کے ہاتھ جذبات ... اپ رہے تھے۔ اُس نے ایک جھٹکے سے مجھے ... سمیٹ لیا اور اپنے ہونٹ میرے چہرے کی ... اُس کے مُنہ سے ٹھرّے کی بُو کے علاوہ ایسی بُو ... جیسے اُس نے عرصۂ دراز سے اپنے دانت صاف ... مجھے اُبکائی سی آئی اور میں نے اُس کی گرفت ... لیے اپنا گھٹنا بڑی زور سے اُس کے پیٹ ... کے مُنہ سے چیخ نکل گئی اور اِس طرح مجھے اُس ... نکلا نصیب ہوگیا۔ مشتاق چنگیزی کا نام پتہ مجھے ... گیا تھا اور اِس بات کی میرے لیے کوئی اہمیت ... نے تاتاری کو اِس کام کے لیے کتنے روپے ...

... بگڑیے!" میں نے بڑی نفرت سے تاتاری کو گھورتے ... "اگر تم نے میرے جسم کو ہاتھ بھی لگایا تو تمہیں اِس ... سزا ملے گی۔ مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا، وہ میں معلوم ... جارہی ہوں۔"
... غرّاتا ہوا گینڈے کی طرح میری طرف آیا۔ مجھے ... ہی تھا۔ میں اپنے سکون سے کھڑی رہی جیسے اپنی ... کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی لیکن جب تاتاری ... ہاتھ مجھ سے صرف ...
... میں بجلی کی سی تیزی سے اُچھلی ... کو ایسا ہی ... جیسے میرے پیروں میں اسپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ ... بلندی پر میں نے قلابازی کھائی اور جب دوبارہ میرے ... میری پُشت تاتاری کی پُشت پر تھی۔ میں نے ... مڑ کر تاتاری کی کمر پر لات رسید کی۔ اُس کے اوپری ... جسم نے طرف جھٹکا کھایا اور پھر اوندھے مُنہ گرتے ... بچ نکلا مگر ... جاندار ... اور فوراً ہی میری طرف مڑا۔
... اطمینان سے اپنے بازوؤں کی قوت کو آزماؤ ... میں نے بڑے سکون سے کہا۔ "اِس بات کی فکر نہ ... کرو کہ میں دروازے کے قریب ہوں تو بھاگ نکلوں گی۔"

یہ کہتے ہوئے مجھے بعض ایسی فلمیں یاد آئیں جس میں ڈائرکٹر اپنے ہیرو کی بہادری کا سکہ جمانے کے لیے اُسے زبردستی لڑواتا ہے۔ میری پوزیشن بھی اُس وقت تقریباً ایسی ہی تھی۔ مجھے موقع حاصل تھا کہ وہاں سے نکل بھاگتی لیکن جب میں تاتاری سے ملنے آرہی تھی، تبھی میں نے سوچ لیا تھا کہ تاتاری سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع ضرور ملنا چاہیے۔ دراصل بہت دن سے میں نے ورزش نہیں کی تھی اور جوڈو کراٹے کی مشقوں کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔ تاتاری سے دو دو ہاتھ کرکے ذرا ورزش ہی ہوجاتی اور میرا جسم کُھل جاتا۔
تاتاری نے دوسرا حملہ کیا تو میں نے فلائنگ کِک لگائی اور تاتاری ڈکراتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ اِس مرتبہ ... اُس کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے تھے کیونکہ فرش سے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اُس کے انداز میں پھرتی نہیں تھی۔ میں نے اِس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور بلائے بے درماں کی طرح اُس کے سر پر پہنچ گئی۔ سب سے پہلے میں نے اُس کی ہنسلیوں پر فنگر ڈیگر کا استعمال کیا۔ اُس کے مُنہ سے ایک کربناک چیخ نکلی اور وہ تڑپ کر گرا۔ میں اِس طرح اُچھلی کہ میرے دونوں پیر اُس کے سینے پر پڑتے لیکن وہ کروٹ لے کر نہ صرف اُس ضرب سے بچ گیا بلکہ اُس نے میری ایک ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔ میں بہت زور سے گرتی لیکن میں نے اپنا دوسرا پیر اُس کے مُنہ پر رسید کر دیا۔ اِس طرح میری ٹانگ اُس کی گرفت سے نکل گئی۔ میں نے اپنے گرتے ہوئے جسم کو کروٹ دی اور جب میں فرش پر گری تو کروٹ لینے کے باعث میرے گرنے کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ مجھے ذرا بھی چوٹ نہیں آئی۔
اس ... اور تاتاری ایک ساتھ فرش سے اُٹھے تاتاری

ی باچھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ میری لات کھا کر اُس کے کئی دانت ہل گئے ہوں گے۔ اِس مرتبہ اُس نے مجھ پر اندھا دھند حملہ نہیں کیا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ مقابلہ کسی عام قسم کی عورت سے نہیں ہے۔ وہ "غوں غوں" کرتا ہوا دونوں ہاتھ پھیلائے بہت دھیرے دھیرے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

میں چونکہ اِس قسم کے کسی معرکے کی توقعات لے کر آئی تھی اِس لیے میں نے ساڑی کی بجائے شلوار قمیص کا انتخاب کیا تھا۔ اِس اچھل کود میں میرے گلے میں پڑا ہوا دوپٹا گر چکا تھا لیکن اتفاق سے اب میں اُس جگہ کھڑی تھی جہاں میرا دوپٹا گرا تھا۔ میں اپنا دوپٹا اٹھانے کے لیے جھکی تاکہ کمر سے باندھ لوں لیکن بدنصیب تاتاری نے اُسے میری غفلت پر محمول کیا اور مجھ پر جھپٹ پڑا۔ میں نے اُس کی زد سے نکلنے کے لیے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا اور ساتھ ہی اپنے دوپٹے کو اُس کی کمر کے گرد گھما دیا۔ اب پوزیشن کچھ یوں تھی کہ اُس کی پشت میری طرف تھی اور وہ میرے دوپٹے کے حصار میں تھا۔ دوپٹے کے دونوں سرے میرے دونوں ہاتھوں میں تھے۔ میں نے اُس کی کمر پر گھٹنا رسید کیا تو وہ جھٹکا کھا کر آگے گیا۔ میں نے دوپٹے کو پوری قوت سے اپنی طرف کھینچا تو وہ بھی کھنچتا چلا آیا اور اِس مرتبہ میں نے پوری قوت سے لات رسید کرتے ہوئے دوپٹے کا وہ سرا چھوڑ دیا جو میرے بائیں ہاتھ میں تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تاتاری سامنے کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اُسے اتنی مہلت بھی نہیں مل سکی تھی کہ وہ اپنے ہاتھ دیوار پر ٹکا دیتا۔ اُس کا سر ہی دیوار سے ٹکرایا اور جب وہ گرا تو میں نے دیکھا کہ خون کی ایک چادر سی اُس کے چہرے پر پھیلتی چلی جا رہی تھی۔ یقیناً اُس کا سر بہت بُری طرح پھٹا تھا۔ اُس کے ہوش و حواس جواب دے گئے اور وہ فرش پر بے حس و حرکت ہو گیا۔

مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ میں چاہتی تھی کہ ورزش کا یہ سلسلہ ابھی کچھ دیر تو اور چلتا۔

بہرحال اب وہاں رکنا بے سود تھا۔ میں نے اپنے بکھرے ہوئے بال درست کیے۔ کپڑوں کی شکنیں برابر کرنے کی کوشش کی اور دوپٹا گلے میں ڈال کر فلیٹ سے نکل آئی۔

فلیٹ میں جو دھماچوکڑی مچی تھی، اُس کا آس پڑوس کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ مجھے قرب و جوار میں کوئی ایک شخص بھی نظر نہیں آیا۔ میں اپنی کار میں بیٹھی اور وہاں سے روانہ

ہو گئی۔ اب آدھی رات گئے میں اپنے گھر ہی ا... کوئی اور کام تو کیا نہیں جا سکتا تھا۔

گھر پہنچ کر میں نے سب سے پہلے ... میں معلوم کیا۔ توقع کے مطابق وہ بستر ... اُسے رات کا کھانا دیا جا چکا تھا۔ میں نے ... میں اُسے چھٹی دے دینا چاہتی تھی۔ جب ... میں قدم رکھا تو میں نے دیکھا کہ خورشید ... بازوؤں میں لیے ہوئے بے خبر سو رہی تھی۔ ... کہ وہ کسی قسم کی تشویش میں مبتلا نہیں تھی ... اُسے چھوڑ دوں گی۔

میں نے سوچا کہ اُسے سونے ہی دوں ... چلی جائے گی۔ میں وہ رات اُس کے ساتھ ... لیکن اُس وقت ذہن کچھ مائل بہ نشاط نہیں تھا ... ملاقات خاصی دھماکا خیز رہی تھی اور میرا ... مشتاق چنگیزی کی شخصیت پر غور کروں۔ میں ... اپنے کمرے میں آ گئی اور شب خوابی کا لباس ... لیٹ گئی۔

مشتاق چنگیزی اور سنگیتا، دونوں ہی کا ... ہو چکا تھا۔ غالباً وہ ٹیلیفون کال بھی مشتاق ... جب اُس نے دیکھا کہ میں سنگیتا کو ملازم رکھنا ... ہوں تو اُس نے خورشید کو میرے پاس بھیجا جو ... سکتی تھی۔

دوسری بات سنگیتا کی رات دس بجے ... سرگرمیوں سے متعلق جو بات کہی گئی تھی، اُس ... معلوم ہوتا تھا۔ میں خود سنگیتا کو دس بجے اُس کے ... دیکھ چکی تھی اور اُس وقت سنگیتا کا حلیہ وہ نہیں تھا ... میں وہ دفتر آئی تھی۔

رضوان کو یقیناً اِس کا علم ہو گا کہ سنگیتا اُس ... گئی تھی لیکن میں اُس کے بارے میں رضوان سے ... نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بعض اوقات انسان بہت ... سی باتوں کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیتا ہے اور ... کچھ یہی بات میرے ساتھ بھی تھی۔ مجھے جو کچھ معلوم کرنا ... معلوم کرنا تھا۔

سنگیتا اور مشتاق چنگیزی کے پُراسرار کردار ... تک اُلجھائے رہے اور پھر نہ جانے کب میں نیند کی

... کر میں نے اپنی ملازمہ خاص سے خورشید کے ...

... رہی ہیں،" ملازمہ نے جواب دیا۔ ... کہ وہ غسل وغیرہ کر لے۔ اِتنی دیر میں، میں بھی ... ہوں۔ پھر ہم ناشتہ کریں گے۔"

... میں تیار ہو گئی تو میں نے خورشید کو ڈرائنگ روم سے ... میں بلوا لیا۔ وہ بہت ہشاش بشاش تھی۔

... !"

... " میں نے مسکرا کر کہا۔ "معاف کرنا، میں رات کو ... آئی تھی۔ تم اُس وقت سو رہی تھیں۔ میں نے سوچا ... !"

... جگا دیتیں تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، نہیں جگایا تو ... نہیں!"

... ناشتہ کریں!" میں نے ٹرالی کی طرف اشارہ کیا جو ... میں پہنچا چکی تھی۔

... کے دوران میں خورشید نے پوچھا۔ "آپ نے تاتاری ... کر لی؟"

... دلچسپ ملاقات!"

... ؟"

... نے اُسے تاتاری سے اپنی ملاقات کی تفصیل بتائی ... حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ "کیا واقعی آپ نے ... بُری طرح مارا ہے؟"

... اِس میں تعجب کیوں ہے؟"

... کے بہت کم غنڈے ایسے ہیں جو تاتاری سے بھڑائی میں ... ٹکر لے سکیں!"

... اِن سب غنڈوں سے ایک وقت میں ... !"

... ایسی نظر سے میری طرف دیکھنے لگی جس سے بے اعتباری ...

... ایک فکر ہے!" میں نے کہا۔ "کہیں اب وہ تمہارے ... دشمن نہ بن جائے۔ وہ اِس بات پر مشتعل ہو گا کہ اُس ... مجھے تم سے معلوم ہوا تھا!"

... تو آپ بالکل فکر نہ کریں۔ وہ میرا بروکر ہے لیکن ... ایسی کمزوریاں میرے علم میں ہیں کہ وہ میرے خلاف ... نہیں اٹھا سکتا۔ اگر اُس نے مجھے کوئی نقصان پہنچایا

تو میں پولیس کو بعض ایسی باتیں بتا دوں گی جو اُس کے لیے حد درجہ پریشان کن ثابت ہوں گی!"

"وہ یہ بھی تو کر سکتا ہے کہ تمہاری زبان کو ہمیشہ کے لیے بند کر دے!"

"قتل ...؟ نہیں، وہ ایسا نہیں کرے گا۔ میں اُسے خوب جانتی ہوں۔ اُس کا اصول ہے کہ دُنیا کا ہر جرم کرو لیکن پھانسی کے پھندے کا خطرہ کبھی مول نہ لو۔ وہ بس اِس کا قائل ہے کہ اپنے مخالفین کو اپاہج کر دے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کے خلاف بھی کوئی ایسا ہی قدم نہ اُٹھائے۔ آپ نے اپنا ایک خطرناک دشمن بنا لیا ہے!"

"اگر اُس نے پھر مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کی تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے ہی ہاتھ پیر تڑوا بیٹھے گا!"

"بہرحال آپ اُس کی طرف سے چوکنا رہیے گا۔ میں شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں کہ وہ آپ کے خلاف کوئی قدم ضرور اٹھائے گا۔ وہ بہت کینہ پرور ہے!"

"میری فکر تو تم بالکل نہ کرو!"

ناشتہ کرنے کے بعد میں کھڑی ہو گئی، پھر بولی۔ "اب میں دفتر جاؤں گی۔ تم بھی ساتھ چلی چلو! جہاں کہو گی، ڈراپ کر دوں گی!"

"مجھے خیام سینما کے سامنے اُتار دیجیے گا!"

"میں تمہارے گھر پر ہی اُتار دوں گی، کیا فرق پڑتا ہے!"

میں اُسے لے کر روانہ ہو گئی۔ ہم دونوں میں اچھی خاصی دوستی سی ہو چکی تھی۔ میں نے اُسے پسند بھی کیا تھا لیکن اُس میں بُرائی بس ایک تھی کہ وہ پیشہ ور لڑکی تھی۔

"کیا تم اکیلی رہتی ہو؟" یہ سوال میں نے اُس سے اُس وقت کیا جب گاڑی خیام سینما کے سامنے والی گلی میں مُڑ رہی تھی۔

"نہیں، میری ماں اور ایک ملازم بھی ہے گھر میں!"

"تمہاری ماں ...!"

وہ میرے سوال کو سمجھ گئی اور بات کاٹتی ہوئی بولی۔ "وہ بھی میری ہی جیسی ہے۔ وہ مجھے کبھی نہیں بتا سکی کہ میرے باپ کا کیا نام ہے!" خورشید کے لہجے میں خفیف سی تلخی تھی۔ "میں خاندانی طوائف ہوں باجی! ... ہاں ... بس ... اِس مکان کے سامنے گاڑی روک دیجیے!"

میں نے بریک لگا کر گاڑی روک دی۔

"اچھا بانو' خداحافظ!" وہ کار سے اتر کر بولی "نہ جانے کیوں، آپ نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہے! کیا آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں گی کہ میں کبھی کبھی آپ سے ملنے آ جایا کروں؟"

"تم ضرور آنا خورشید! تم جیسی بھی ہو' تمہارے اندر کچھ اچھے جراثیم بھی معلوم ہوتے ہیں۔"

"شکریہ بانو!"

"بائی!" میں نے ہاتھ ہلا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

میں بالکل ٹھیک وقت پر دفتر پہنچ گئی۔ باقی اسٹاف بھی اپنی اپنی سیٹیں سنبھال رہا تھا۔ میں نے برٹین کمپنی کا فائل کے تازہ حصّے کا مطالعہ کیا' اور پھر ٹیلیفون پر اپنی سکریٹری سے کہا "سنگیتا کو میرے کمرے میں بھیج دو۔ مجھے برٹین کمپنی کے سلسلے میں کچھ ڈکٹیشن دینا ہے۔"

"بہتر ہے۔"

ذرا دیر بعد سنگیتا' پنسل اور کاپی سنبھالے ہوئے میرے کمرے میں آئی۔ وہ اُس وقت میک اَپ اور سینٹ کی خوشبوؤں سے بے نیاز تھی۔ اُسے دیکھ کر یہ کہنا مشکل تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے جسے میں نے کل رات بی ہائنڈ جیکب لائنز میں دیکھا تھا۔

"بیٹھو!" میں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ بیٹھ گئی۔ اُس نے کاپی اپنے سامنے کھول لی اور ڈکٹیشن لینے کے لیے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں بہت غور سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن کسی زاویے سے بھی یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ اُس کا دوسرا روپ بھی ہو سکتا ہے۔

"آپ ... آپ کیا دیکھ رہی ہیں بانو!" سنگیتا میری تیز نگاہ کی تاب نہ لا سکی اور نیچے دیکھنے لگی۔

"میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ حالات کے تحت انسان کو کیا کیا روپ بدلنا پڑتے ہیں!"

"جی!" وہ چونک پڑی۔

میں اُسے چونکانا نہیں چاہتی تھی اس لیے بات کو دوسرے رخ پر لے گئی "میرا مطلب ہے کہ کچھ عرصے قبل تم کیا تھیں اور اب کیا بن چکی ہو!"

"مجھے زمانے سے شکایت ہے نہ حالات سے!" سنگیتا نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا "شکایت ہے تو صرف اپنے پتا جی سے کہ انھوں نے مجھے بالکل اندھیرے میں رکھا ہے۔ وہ کم از کم مجھے تو بتا دیتے کہ انھوں نے اپنا سب کچھ مشتاق چنگیزی کو کیوں دے دیا؟"

"یہ مشتاق چنگیزی کس قسم کا آدمی ہے؟" میں نے اُسے ٹٹولنے والی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کبھی اُس سے زیادہ بات نہیں کی۔ جب وہ پتا جی سے ملنے آیا کرتا تھا' تو میں اس کے سامنے نہیں آتی تھی۔ خود پتا جی نے بھی مجھے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ میں اُس کے سامنے نہ ہوا کروں۔"

"یعنی تمہارے پتا جی نے بھی اُسے کبھی اچھا نہیں سمجھا؟"

"غالباً!"

"ہوں! اچھا خیر! اب ذرا تم کچھ ڈکٹیشن لو۔"

"میں تیار ہوں بانو!"

میں نے برٹین کمپنی کے سلسلے میں اُسے کافی ڈکٹیشن دیا اور پھر اُسے رخصت کرنے کے بعد اپنی سکریٹری سے کہا "میں نے سنگیتا کو ڈکٹیشن دے دیا ہے۔ جب وہ ٹائپ ہو جائے تو اُسے برٹین کمپنی کے ڈائریکٹر تک پہنچا دینا۔ اس میں کچھ وضاحتیں ہیں۔ ضروری ہے کہ برٹین کا ڈائرکٹر ملاقات کرنے سے پہلے اس مسودے کو پڑھ لے، ورنہ ملاقات غیر ضروری طور پر طویل ہو جائے گی۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

میں نے سلسلہ منقطع کیا اور رات کا پروگرام ترتیب دے رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میری میز پر کئی ٹیلیفون ہیں۔ ان میں سے جس کی گھنٹی بج رہی تھی' اُس کا نمبر صرف میرے واقفکاروں کے علم میں تھا۔ کاروباری لوگ اُس سے ... کون ہو سکتا ہے؟ میں نے سوچتے ہوئے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولی "ہیلو' بانو اسپیکنگ!"

"آپ کا خادم!" دوسری طرف سے رضوان کی آواز آئی۔

"ہوں!" میری پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"کل رات خاصا مزا رہا!" رضوان جیسے چٹکی لے کر بولا۔

"تمہیں اپنی اس شرارت کا مزا ضرور چکھنا پڑے گا!"

"دیکھیے جناب! آپ مجھے دھمکیاں تو دیں نہیں۔ ابھی رضیہ سے میری شادی نہیں ہوئی ہے لیکن ایک نہ ایک دن ضرور ... اس اعتبار سے آپ میری ہونے والی سالی ہیں اور سالی سے مذاق کرنے کا حق ہر ایک کو حاصل ہوتا ہے۔"

"جواباً عرض کرنے کا حق بھی تو غیر محفوظ نہیں۔"

"دیکھیے سالی جی! یہ بڑی غلط بات ہے کہ آپ برابر ... رہی ہیں۔ میں نے تو اس وقت محض اس لیے ... آپ کو کل رات کی مکمل رپورٹ دے دوں۔"

"... رپورٹ کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔" میں ... کہا "میں اپنے آپ کو کبھی بے بس نہیں سمجھتی۔ مجھے ... ہے' وہ میں خود معلوم کر لوں گی۔"

"...!"

... رضوان کی بات سنے بغیر ہی ریسیور کریڈل پر رکھ ... بعد دفتر سے اُٹھ ہی گئی۔ کوئی اِتنا اہم کام تھا بھی ... کا ضروری ہوتا۔

... دن اِس چکر میں گزارا کہ مشتاق چنگیزی کے بارے ... حاصل ہو جائیں لیکن مجھے خاطر خواہ کامیابی حاصل ...

... کھانے کے بعد میں نے اپنا بھیس بدلا اور بی ہائنڈ ... طرف روانہ ہو گئی۔ میں نے اپنا گزشتہ رات والا حلیہ ... کہ اِس علاقے میں آزادی سے نقل و حرکت کرنے ... صورت نہیں تھی۔

... ہونے میں کچھ دیر تھی جب میں اپنی منزل پر پہنچ گئی۔ ... کے لیے مجھے پرچون کی ایک دکان پر رکنا پڑا۔ ... ہونے ہی والی تھی کہ میں وہاں پہنچ گئی اور دکاندار ... بہت سی چیزوں کے لیے کہہ دیا۔ اُن چیزوں ... اپنا وقت گزر رہی جا تا جتنا میں گزارنا چاہتی تھی۔ دکاندار ... تا اور میں سنگیتا کے کوارٹر پر نظر رکھے رہی۔

دس بجے تھے جب دکاندار نے ساری چیزیں ایک تھیلے میں رکھ کر مجھے دے دیں۔ جب میں اُس کا ... تو میں نے سنگیتا کو کوارٹر سے نکلتے دیکھا۔ آج ... آپ کیے ہوئے تھی۔ جب وہ میرے قریب سے گزری ... اُسے خوشبوؤں میں بسا ہوا محسوس کیا۔ میں نے ... کا حساب ... سامان کا تھیلا سنبھالے ہوئے سنگیتا کے تعاقب میں ... اِدھر اُدھر نظر دوڑاتی جا رہی تھی۔ مجھے رضوان ... دیا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ آس پاس ہی میں ہو گا۔

... بد قسمتی سے آج بھی ایسا اتفاق ہوا کہ میں سنگیتا کا ... نہیں کر سکی تھی۔ آج سنگیتا جس تانگے میں بیٹھی' اُس ... سواری کی گنجائش تھی۔ سنگیتا کے بیٹھتے ہی وہ حرکت ... اُس وقت کوئی خالی تانگا بھی نہیں تھا جسے میں ... اب میں نے رکشا کی تلاش میں نظر دوڑائی اور ٹھیک اُسی وقت ایک موٹر سائیکل میرے قریب آ رکی۔ وہ رضوان ہی تھا۔

"آداب سالی جی!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

میں نے اُس کی طرف توجہ نہیں دی۔

"آئیے' بیٹھیے پیچھے!" رضوان پھر بولا۔

"بہت بہت شکریہ!" میں نے سرد لہجے میں کہا اور قریب آتی ہوئی ایک رکشا کو رکنے کا اشارہ کیا۔

"دیکھیے آپ ..."

رضوان کی پوری بات سُنے بغیر میں رکشا میں بیٹھ گئی اور رکشا والے سے کہا "ایمپریس مارکیٹ چلو!"

رکشا چل پڑی اور میں نے پلٹ کر رضوان کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ جلد ہی میری رکشا سنگیتا کے تانگے کو پیچھے چھوڑ گئی۔ تانگے والے کا چہرہ میں نے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔

ایمپریس مارکیٹ پہنچ کر میں نے رکشا کا کرایہ ادا کیا اور اتر کر کچھ ہی دُور ایک نیم تاریک سے گوشے میں کھڑی ہو گئی۔ وہاں سے میں ہر آنے والے تانگے پر نظر رکھ سکتی تھی۔ میرا یہ انتظار اتنا طویل نہیں تھا کہ صبر آزما ثابت ہونے لگتا۔ کچھ ہی دیر میں میں نے اُس تانگے والے کو پہچان لیا مگر جس کا انتظار تھا' وہ تانگے میں موجود نہیں تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم میں سے جان نکل گئی ہو۔ سنگیتا کی خالی نشست میرا منہ چڑا رہی تھی۔ میں نے تانگے کے عقب میں سڑک پر دُور تک نظر دوڑائی لیکن رضوان کی موٹر سائیکل بھی نہیں دکھائی دی۔

یہ کیا ہوا؟ میرا ذہن اِس سوال کا جواب دینے سے قاصر تھا۔

رضوان بھی غائب اور سنگیتا بھی! کیا یہ بھی رضوان کی کوئی ... تھی؟ کیا اُس نے کسی ترکیب سے راستے ہی میں سنگیتا کو تانگے سے اتار لیا تھا؟ یہ بات ناممکن نہیں تھی کہ اُس نے سنگیتا کو اپنے جال میں پھانس لیا ہو۔ وہ مجھے رکشا میں بیٹھتے دیکھ کر سمجھ گیا ہو گا کہ میں ایمپریس مارکیٹ پر رُک کر سنگیتا کے تانگے کا انتظار کروں گی لہٰذا اُس نے مجھے پریشان کرنے کے لیے سنگیتا کو راستے ہی میں تانگے سے اتار لیا ہو!

دوسرا خیال میرے ذہن میں یہ بھی آیا کہ شاید سنگیتا راستے ہی میں کسی جگہ خود ہی اتر گئی ہو' مگر کیوں؟ راستے ہی میں تانگے سے اتر جانا آخر کیا معنی رکھتا ہے؟

اِن سب باتوں کے معانی کچھ بھی ہوں' میں بہر حال ایک ...

بارِ پھر ناکامی سے دوچار ہو چکی تھی۔ جھنجلاہٹ نے میرے ذہن پر یلغار کر دی اور میں ایک رکشا پکڑ کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ اِس کے سوا میں کر بھی کیا سکتی تھی!

گھر پہنچ کر میں نے پرچون کی دُکان سے خریدا ہوا سودا اپنی ملازمہ کے حوالے کیا تو وہ حیران ہو کر بولی "یہ کیا باٗنو؟"

"کچھ سودا ہے، رکھ لو، کام آئے گا۔" میں جواب دیتی ہوئی اُسے حیران چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ ملازمہ کی حیرت حق بہ جانب بھی تھی کیونکہ میں نے ساری زندگی میں کبھی بھی گھر کے خورد و نوش کا سامان نہیں خریدا تھا۔

میں نے اپنا حلیہ درست کیا اور خوابگاہ میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ مجھے یہ احساس بہت مشتعل کر رہا تھا کہ میں سنگیتا کے معاملے میں ہنوز زیرِو اول کی پوزیشن میں تھی اور میرے خیال کے مطابق اُس میں بہت بڑا ہاتھ رضوان کا تھا۔ اب میں سنگیتا کے معاملے پر غور کرنے کی بجائے اِس بات پر غور کر رہی تھی کہ رضوان کو کیا سزا دی جائے اور کس طرح؟

خوابگاہ کے دروازے پر دستک ہوئی تو میں خیالات سے چونکی۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آ جاؤ!"

میری توقع کے مطابق وہ میری ملازمہ مخصوصی ہی تھی۔ اُس نے بتایا کہ میری واپسی سے ذرا دیر قبل بیگم جہانگیر کا فون آیا تھا۔

"اوہ!" میں جلدی سے اُٹھ بیٹھی اور ٹیلیفون اُٹھا کر بیگم جہانگیر کو رنگ کرنے لگی۔ مجھے تعجب ہوا تھا کہ بیگم جہانگیر اتنی جلدی پیرس سے کیسے واپس آ گئیں؟

دوسری طرف گھنٹی بجی اور جس نے ریسیور اُٹھایا، وہ بیگم جہانگیر ہی تھی۔

"ارے بھئی تم اِتنی جلدی پیرس سے کیسے آ گئیں؟" میں نے پوچھا۔

"یار بس ایک ٹریجڈی ہو گئی۔" بیگم جہانگیر کو مَردوں کی طرح بات کرنے کی عادت تھی۔

"یعنی؟"

"میں ایک خوبصورت پرندے کو اپنے ساتھ لے گئی تھی لیکن پیرس میں وہ ایک اور خوبصورت بلبل کے پیچھے اُڑ گیا۔ میں جھنجلا کے فوراً ہی واپس آ گئی۔ یہاں آ کے پتا چلا کہ تم کئی مرتبہ رِنگ کر چکی ہو۔ ویسے مجھے پیرس میں بھی اِس کا عِلم ہو گیا تھا۔ خیریت ہے؟"

"مجھے تم سے کچھ تفصیل گفتگو کرنا ہے۔ تم ابھی گھر سے کہیں جاؤ گی تو نہیں؟"

"ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"تو پھر میں آ رہی ہوں۔"

اِس خیال سے کہ بیگم جہانگیر استفسار نہ کرے گی، میں نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا اور اُٹھی اور جلدی جلدی کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ جہانگیر سے ملاقات کر کے سنگیتا کے سلسلے میں دُور کر لینا چاہتی تھی۔

تیار ہو کر میں تیزی سے دروازے کی طرف گھنٹی نے میرے قدم روک لیے۔

کون ہو سکتا ہے؟ میں سوچتی ہوئی پلٹی اور کان سے لگا لیا "ہیلو!"

"صبیحہ بانو سے بات کرنا تھی۔" دوسری طرف میں کہا گیا۔ آواز نسوانی اور میرے لیے اجنبی تھی۔

"بانو ہی اِسپیکنگ" میں نے کہا۔

دوسری طرف سے بولنے والی نے ایک بتایا اور کہا "ابھی ابھی یہاں ایک مسٹر رضوان لائے ہیں۔ اُن کی حالت بہت خراب ہے۔ اُنھوں نے نمبر دیا تھا۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ فوراً اُن سے ملیں۔ وہ اسپیشل روم نمبر سات میں ہیں۔"

پھر اِس سے پہلے کہ میں کوئی سوال کرتی، دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ہسپتال والوں میں یہ بڑی ہوتی ہے کہ وہ بہت رسمی طور پر اطلاع دیتے ہیں۔ ویسے بھی رضوان کے سلسلے میں ملنے والی تشویش کُن اطلاع نے مجھے بوکھلا دیا تھا۔

کہیں یہ کوئی مذاق یا دھوکا تو نہیں؟ میرے ذہن میں سوال اُبھرا تو میں نے ڈائریکٹری میں ہاسپٹل کا نمبر دیکھ کر روانگی سے پہلے تصدیق کر لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

"ہیلو!" دوسری طرف سے وہی نسوانی آواز سنائی دی۔

"یہ بتائیں کہ ابھی کچھ دیر قبل روم نمبر سات میں کوئی ایڈمٹ ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں!" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر کھٹ سے رکھنے کی آواز سنائی دی۔

"شور کی بچی!" میرے مُنہ سے جھنجلاہٹ میں نکل گیا اور میں ریسیور پٹخ کر دروازے کی طرف دوڑی۔

میں طوفانی انداز میں گیرج تک پہنچی تھی۔ کار نکال کر میں طرف دوڑا دیا۔ پھر جیسے ہی میری کار ...ن کی سائڈ کا شیشہ ایک چھناکے ...لانے میں آگ سی لگتی محسوس ہوئی۔ ...گے ہوئے ریوالور یا رائفل سے چلائی ...ماتم میں میرا پیر ایکسیلریٹر سے ہٹ کر ...دباؤ پڑنے کی وجہ سے کار ذرا ایک ...ساتھ رُکی۔

...ں ایک جھٹکے سے رُکی اور اُس کے ساتھ ...کوئی کار زناٹے کے ساتھ میری گاڑی ...ں ہو۔ میری یہ حالت تھی کہ محسوس ہو رہا تھا ...انگارے بھر دیے ہوں۔ اُس اذیت ...نے بڑی سختی سے دانت پر دانت جما لیے ...میرے دماغ کو ناکارہ نہیں کر سکی تھی۔ ...لیا تھا کہ مجھ پر اُسی کار سے گولی چلائی گئی ...مجھے کوئی ایک فرلانگ دُور نظر آ رہی تھیں ...ت بڑھ رہا تھا۔ وہ کار برق رفتاری کے ...نکل جانا چاہتی تھی۔

...دماغ میں ایک شعلہ سا بھڑک اُٹھا۔ غیض و ...ل اہانت تھی کہ کوئی میرے گھر کے دروازے ...بنانے کی کوشش کرے اور بچ کر نکل جائے۔ ...جھٹکے سے رُکی تھی اور میرا پیر کلچ پر نہیں رہ سکا ...گویا نیند آ گئی تھی۔ میں نے اُسے اگنیشن کی سے ...اور گاڑی کو حرکت میں لے آئی۔ گولی میرے بائیں ...دما اُسی ہاتھ سے گیئر بدلنا پڑا تھا جس سے میرے ...بہنا اضافہ ہوا ہوگا لیکن مجھ پر ایسا جنون طاری ...طور پر اُس تکلیف کو یکسر فراموش کر بیٹھی تھی۔ ...والی کار کی ٹیل لائیٹس ایک موڑ پر میری نظر ...لیکن ایکسیلریٹر پر میرے پاؤں کا دباؤ اِتنی ...تھا اور گیئر اِتنی تیزی تبدیل ہوئے تھے کہ میں ...موڑ پر پہنچ گئی۔ بریک لگاتے ہوئے میں نے ...کے لگنے کی تیز آواز بہت دُور تک پھیلی۔ رات ...آواز اِتنی تیز تھی کہ قرب و جوار میں رہنے والے بہت سے لوگوں کی نیندیں اچاٹ ہو گئی ہوں گی۔

آگے بھاگتی ہوئی کار کی ٹیل لائیٹس اب پھر میری نظر کی زد میں تھیں۔ میں نے زخمی بازو والے ہاتھ سے اپنا پرس کھولا اور اُس میں سے پستول نکال کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ میرے شانے سے بہتا ہوا گرم گرم خون میرے بازو اور کلائی سے بہتا ہوا میری انگلیوں تک پہنچ چکا ہے۔ یقیناً خون کے دھبّے میرے پرس اور پستول پر بھی آئے ہوں گے۔ خون کا یہ ضیاع میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا اِس لیے مجھے اپنی کار کسی ہاسپٹل کی طرف موڑ لینا چاہیے تھی لیکن میں اپنے اُس جنون کو کیا کرتی جو اُس گولی چلانے والے کو کسی قیمت پر بھی بچ کر نہیں نکلنے دینا چاہتا تھا۔

بھاگنے والی کار کوئی بہت اچھی کار نہیں تھی۔ اُس کی رفتار میری کار کی بلا رفتاری کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ میں بہت جلد اُس کے قریب پہنچ گئی۔ میں نے اپنی ہیڈلائیٹس کی تیز روشنی میں دیکھا کہ اُس کار میں ڈرائیونگ کرنے والے کے سوا کوئی نہیں تھا اور اُس بدبخت ڈرائیور کی کوشش اب یہ تھی کہ وہ میری کار کو آگے نہ نکلنے دے۔ میں اِس حالت میں یہ کر سکتی تھی کہ دایاں ہاتھ کھڑکی سے نکال کر اُس کار پر فائرنگ شروع کر دوں لیکن ایسا کرنے کے لیے مجھے بائیں ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالنا پڑتا اور یہ اِس لیے ممکن نہیں تھا کہ میرا وہ شانہ زخمی تھا۔ میں یہ اندازہ بھی نہیں لگا سکی تھی کہ گولی میرے شانے ہی میں پیوست ہے یا شانے کو چھید کر نکل چکی ہے!

آگے والی کار کا ڈرائیور عقب نما آئینے میں میری کار پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ میں نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر بھی مجھے آگے نہیں نکلنے دے گا لیکن میں بھی فیصلہ کر چکی تھی کہ جہنّم تک اُس کا تعاقب جاری رکھوں گی۔ آخر وہ کب تک نہ رُکتا؟ اِس کے علاوہ مجھے یہ اُمید بھی تھی کہ جب وہ کسی کشادہ سڑک پر پہنچے گا تو میں کوئی موقع نکال کر اُس کی گاڑی سے آگے نکل ہی جاؤں گی۔ اِس بات کا اندازہ شاید اُس بدبخت کو بھی تھا اِس لیے اُس نے ابھی تک شاہراہ کی طرف رُخ کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ ہماری گاڑیاں ابھی تک ڈیفینس ہی کے علاقے میں دوڑ رہی تھیں جہاں کوئی سڑک بھی زیادہ کشادہ نہیں تھی۔

اِس تعاقب کو پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ دفعتہً میری گاڑی نے جھٹکے لینا شروع کیے۔ انجن تے اِس

طرح کھانسنا شروع کیا جیسے بدبخت تپ دق کا شکار ہو گیا ہو۔ میں نے بوکھلا کر پیٹرول بتانے والی سوئی کی طرف دیکھا جو بالکل نیچے گر چکی تھی۔ انجن آخری بار کھانسا اور پھر گویا ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

ایک اور ناکامی! اِس معاملے میں مجھے پے در پے ناکامیاں نصیب ہو رہی تھیں۔ اگر واقعی انسان کا کوئی ستارہ ہوتا ہے تو یقیناً میرا ستارہ اُن دنوں گردش میں آیا ہوا تھا۔ میں اِس کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی کہ بھاگ نکلنے والی کار کے نمبر ذہن نشین کر لوں۔

میں دروازہ کھول کر گاڑی سے اُتری۔ شانے کے زخم کی تکلیف جو میرے جنون کے بوجھ سے دب گئی تھی، اَب پھر عود کر آئی۔ میں نے ڈکی سے پیٹرول کا ٹِن نکالنے اور اُسے ٹنکی میں بھرنے کے لیے اپنا صرف دایاں ہاتھ استعمال کیا۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے میں نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ بھی کر ڈالا تھا کہ میں اپنے زخم کی ڈریسنگ کے لیے کسی ہاسپٹل کا رُخ نہیں کروں گی۔ اگر میں ایسا کرتی تو یقیناً معاملہ پولیس تک پہنچتا اور میری عادت ہے کہ اپنے معاملات کو خود ہی نمٹاتی ہوں۔ پولیس یا سرکاری مشینری کے کسی پُرزے کا استعمال میں اُسی وقت کرتی ہوں جب وہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔

کار کو دوبارہ اسٹارٹ کر کے میں واپس اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔ میں اپنے زخم کی ڈریسنگ خود ہی کرنا چاہتی تھی۔ اگر گولی میرے شانے میں دھنسی ہوئی ہوتی تو بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ میں اُسے بھی نکال ہی لیتی۔

میری ملازمائیں نے مجھے اِس طرح خون میں ڈوبا ہوا دیکھا تو بے حد متفکر ہو گئیں۔ میں نے "متفکر" کا لفظ بہت احتیاط سے استعمال کیا ہے۔ میں یہاں لفظ "پریشان" نہیں لکھ سکتی تھی کیونکہ میری ملازمائیں اِس قسم کے حالات سے بڑی حد تک مانوس ہو چکی تھیں۔ میرے اِس قسم کے معاملات میں پریشان ہونا تو انھوں نے بہت عرصے سے چھوڑ رکھا تھا۔

میں نے اپنی خصوصی ملازمہ کی مدد سے اپنے شانے کی ڈریسنگ کی۔ اُسی وقت مجھے یہ معلوم ہو سکا تھا کہ گولی میرے شانے میں موجود تھی۔

دھنسی ہوئی گولی کو نکالنے کے لیے گوشت کو تھوڑا سا چیرنا پڑا تھا۔ گویا ایک چھوٹا سا آپریشن، لیکن یہ سب کچھ میں نے بڑے اطمینان سے کر ڈالا۔ میں خود اپنی تکلیف کو بھی بڑی سفاکی

سے برداشت کر لیتی ہوں۔ دراصل مجھ
متعلقین میرے چہرے پر تکلیف کے آثار
اپنے متعلقین کی افسردگی میرے لیے اِن
اذیتناک ہوتی ہے۔

ڈریسنگ کے بعد میں نے لباس تبد
خاصی دشواری ہوئی لیکن گھر سے نکلنا
تو ضروری تھی ہی! مجھے رضوان کو دیکھ
جہانگیر سے بھی ملاقات کرنا ضروری تھی
کے باوجود میں اُن دونوں کاموں کو

گرم گرم دودھ کا ایک گلاس پی کر
بیگم جہانگیر سے ملاقات کرنے سے پہلے مجھ
معلوم کرنا تھی۔ ہاسپٹل کی طرف جاتے
کم ہی رکھنا پڑی کیونکہ خفیف سا جھٹکا بھی
میں ٹیسیں اُبھار دیتا تھا۔

راہ میں پہلی مرتبہ میں نے پوری یکسو
کیا کہ مجھ پر گولی چلانے والا کون تھا؟ کوئی
حالات سے متعلق کوئی شخص! اِس شہر
بہت زیادہ نہیں تو بہت کم بھی نہیں
اگر وہ شخص موجودہ حالات سے متعلق
میرے ذہن میں اُبھر سکتے تھے، مشتاق چنگیزی
کے بارے میں خورشید کا کہنا تھا کہ وہ ایک
ہے لیکن کسی کو قتل کر کے پھانسی کے پھندے
اُس کے نظریات اور اصول کے خلاف ہے
تو اس کے بارے میں ابھی مجھے کچھ معلومات

اِنہی خیالات سے اُلجھتی ہوئی میں ہاسپٹل
پانچ منٹ کے اندر اندر میں اُس کمرے میں
ایک بستر پر رضوان لیٹا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر
خفیف سی مسکراہٹ اُبھری۔

"آپ بہت دیر میں آئیں سالی جی!"

"تم تو بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آ رہے ہو"
کے قریب پہنچ کر اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں، اب تو میں بالکل آرام سے ہوں۔"

"تمھیں ہوا کیا تھا؟"

"میں تو سمجھا تھا کہ ہارٹ اٹیک ہوا تھا مگر
ڈاکٹروں کو مجھ سے اتفاق نہیں ہے۔"

ی!"
میں کرسی پر بیٹھ گئی اور استفہامیہ نظر سے

اشروع کیا۔ "میرے سینے میں اچانک
تھا اور میرے جسم سے پسینے کے چشمے اُبل پڑے
ں ... شاید یہ ایک اتفاق ہے کہ اُس
کل اِس ہاسپٹل کے قریب ہی تھی۔ میں فوراً
سے موٹر سائیکل کھڑی کی، اور پھر وہیں
نما اندر لے آئے۔ یہاں مجھ پر دواؤں اور
ی۔ اِس سے میری تکلیف ختم ہو گئی لیکن
مجھ سکے ہیں کہ مجھے ہوا کیا تھا!"
کس جگہ تکلیف ہوئی تھی؟"
ہر!" رضوان نے جواب دیا۔ "بلکہ میں تو
ں تکلیف ہوئی تھی لیکن ڈاکٹر حضرات اِس
شر لگانے کے لیے تیار ہیں کہ مجھے دل کا

ٹھیک ہو جانے کے باوجود یہاں کیوں لیٹے

خیال ہے کہ اب میں یہاں سے چلتا پھرتا نظر

ضوان نے کہا۔ "میں ایک آدھ دن یہاں
ماہوں کہ اِس درد کا حملہ دوبارہ تو نہیں

دل ہے کہ وہ درد پھر ہو گا؟"
نہیں، بس احتیاطاً یہاں رُکنا چاہتا ہوں۔
ابی تو رہوں گا۔ وہاں تنہائی ہو گی جب کہ
نرسیں میری دیکھ بھال کرتی رہیں گی۔" رضوان
الی۔

دل میں آیا کہ رضوان سے سنگیتا کے بارے
کروں لیکن وہ سوال میری زبان میں ہی اُلجھ کر
ہے آگئی تھی۔ میں نے یہ فیصلہ جو کر رکھا تھا
سے میں رضوان سے کوئی تعاون نہیں چاہوں
ا تھا، مجھے خود ہی معلوم کرنا تھا۔

"اچھا!" میں کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ "اب میں چلتی ہوں۔ کل صبح ٹیلیفون پر تمھاری خیریت معلوم کر لوں گی۔"

"اور تو کچھ نہیں معلوم کرنا؟" رضوان کا لہجہ معنی خیز تھا اور ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"نہیں!" میں نے جھٹکے سے کہا اور دروازے کی طرف مُڑ گئی۔

رضوان ہنسنے لگا۔ جب میں دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ چکی تھی تو مجھے اُس کی آواز آئی۔ "شب بخیر تو کہتی جایئے سالی جی!"

"شب بخیر!" میں نے کہا اور دروازہ کھول کر نکل گئی۔

ڈیڑھ بج چکا تھا۔ سڑکیں سنسان ہو گئی تھیں۔ شہر کی آبادی کا بیشتر حصہ نیند کی آغوش میں ہو گا اور اِس بات کا امکان تھا کہ بیگم جہانگیر بھی میرا انتظار کر کے سو چکی ہو لیکن میں اُسے جگا کر اِسی وقت اُس سے سنگیتا کے بارے میں گفتگو کر لینا چاہتی تھی۔ یہ میری فطرت کا خاصہ ہے کہ میں بہت عجلت سے کام لیتی ہوں۔ میری یہ جلد بازی کبھی کبھی میرے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہوتی ہے لیکن اپنی فطرت کے اِس پہلو سے مجھے فائدے زیادہ پہنچتے ہیں اور نقصان کم! یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی اِس فطرت کو بدلنے کی کوشش کبھی نہیں کی!

جب میں بیگم جہانگیر کے گھر پہنچی تو وہ میری توقع کے خلاف جاگ رہی تھی۔ اُس نے میرا استقبال کیا تو پریشان سی تھی۔ جب وہ بولی تو اُس کی پریشانی کا سبب بھی سمجھ میں آ گیا۔

"تم کہاں رہ گئی تھیں؟ میں کئی مرتبہ تمھارے گھر فون کر چکی ہوں۔ ہر مرتبہ یہی جواب ملا کہ تم گھر سے روانہ ہو چکی ہو۔ اب تو مجھے بُرے بُرے سے خیالات آنے لگے تھے۔"

"بُرے بُرے سے خیالات!" میں ہنس پڑی۔ "کیا مطلب؟"

"یعنی یہ کہ خدانخواستہ تمھارا ایکسیڈنٹ نہ ہو گیا ہو۔ تم بہت فاسٹ ڈرائیونگ کرتی ہو۔"

"بہرحال میں خیریت سے ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "لیکن تھکی ہوئی بہت ہوں۔ کیا تم مجھ سے بیٹھنے کے لیے بھی نہ کہو گی؟"

"آؤ!" وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "بیڈ روم میں ہی چلو!" مجھے اپنی خوابگاہ کی طرف لے جاتے ہوئے اُس نے اپنے ایک ملازم سے کافی کے لیے بھی کہہ دیا۔

خوابگاہ میں جب ہم دونوں، آرام دہ کرسیوں پر آمنے

سامنے بیٹھ گئے تو وہ بولی "آخر ایسی کیا بات ہے کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے اتنی بے قرار تھیں؟"

"تم نے کسی لڑکی کو ملازمت کے لیے میرے پاس بھیجا تھا؟" میں نے سوال داغا۔

"ملازمت کے لیے!" بیگم جہانگیر کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ غالباً وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ قدرے توقف کے بعد وہ آہستہ سے بولی "ہاں، میرا خیال ہے کہ میں نے کسی سے اِس کا ذکر تو کیا تھا لیکن اب مجھے یاد نہیں آ . بابے کے جاتے ہی بیگم جہانگیر کافی بنانے لگی لیکن مجھے اُس وقت کافی سے زیادہ، معلومات کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے سوال کیا "تم رام لال کے ماضی پر بھی کچھ روشنی ڈال سکتی ہو؟"

"اِس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ اندرونِ سندھ کا باشندہ ہے لیکن اُس نے اپنی زندگی کا خاصا عرصہ مشرقِ وسطیٰ میں گزارا ہے!"

"مشرقِ وسطیٰ میں کس جگہ؟"

"سنگیتا نے مجھے بتایا تو تھا لیکن مجھے یاد نہیں رہا۔ میرا خیال ہے کہ دوبئی، مسقط یا اِنہی کے آس پاس کی کوئی ریاست تھی۔ حقیقتاً رام لال نے وہیں رہ کر دولت کمائی تھی، اُسے اپنے آباء و اجداد سے ورثے میں کچھ نہیں ملا تھا۔"

"مشتاق چنگیزی سے اُس کا ربط ضبط وہیں سے ہے یا اُن کے تعلقات کا آغاز پاکستان ہی میں ہوا تھا؟"

"میں اِس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ کافی لو!" بیگم جہانگیر نے ایک پیالی میری طرف بڑھائی۔ اُس وقت میرے چہرے پر غور و فکر کے آثار شاید کچھ زیادہ ہی تھے جنھیں بیگم جہانگیر نے بھانپ لیا اور حیرت سے بولی "کیا بات ہے، آخر تم اِس سلسلے میں اتنی پریشان کیوں ہو؟"

"صاف صاف سننا چاہتی ہو تو سنو کہ اگر رام لال کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی ہوئی ہے تو میں اُس کا ازالہ کر کے رہوں گی۔"

"خدائی فوجداری!" بیگم جہانگیر نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"یوں کہہ لو!"

"تو پھر اِس سلسلے میں زیادہ تفصیلات تو تمھیں سنگیتا ہی سے مل سکیں گی۔ میں اُس سے زیادہ تو نہیں جان سکتی۔"

"مشتاق چنگیزی کے بارے میں بھی تمھیں کچھ معلومات نہیں؟"

"ہاں، اِس معاملے میں شاید میں تمھاری کچھ مدد کر سکوں۔"

"یعنی؟"

"وہ ایک آدمی ایسے ہیں جن سے میں مشتاق چنگیزی کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتی ..."

وہ لڑکی کون تھی؟"

"سنگیتا!" میں نے لقمہ دیا۔

"آں، ہاں!" بیگم جہانگیر ...

ہے۔ میں نے سنگیتا ہی سے اِس کا ...

"اور اُسے میرے بارے میں معلو...

میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔

بیگم جہانگیر بے تحاشا ہنسنے لگی ...

تھا۔ اگر بعد میں وہ مجھ سے تمھارے ...

جواب دیتی! مناسب یہی تھا کہ میں اُسے ...

ضرورت مند تو ہے ہی لیکن میں ...

بیگم جہانگیر نے میری مشکل آسا...

موضوع پر لانا چاہتی تھی جہاں بیگم جہانگیر ...

وہ کہتی رہی "تم یقین کرو کہ اُس لڑکی ...

پرورش پائی ہے۔ اُس کا باپ رام لال ...

لیکن اب وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گیا ...

"کیا وہ کسی بڑے خسارے ...

نے اِس طرح کہا جیسے مجھے کسی بات کا ...

"خسارہ تو نہیں لیکن اِسے یہ بھی ...

لُوٹ لیا گیا۔ وہ خود ہی لُٹتا ہے۔"

"تم معموں میں بات کر رہی ...

میری اِس بات کے جواب میں ...

بتا دیا جو مجھے سنگیتا سے معلوم ہو چکا تھا ...

تم یہ سب کچھ کیوں معلوم کر رہی ہو؟ کیا ...

رکھ لیا ہے؟"

"ہاں!" میں نے جواب دیا ...

بارے میں پوچھ گچھ کر رہی ہوں کہ وہ کون ...

"اگر ایسی ویسی بھی ہو تو تمھارے ...

بیگم جہانگیر نے ہنس کر کہا "تم تو بس ...

معیار کے مطابق ہے یا نہیں! تمھیں ...

فعلوں سے؟"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن اِس ...

میں آتی ہیں، وہ بہت عجیب و غریب ...

اپنا سب کچھ مشتاق چنگیزی کے حوالے کیے ...

"اِس کے بارے میں وہ کسی کو کچھ ...

... بلیک میلنگ کا کیس معلوم ہوتا ہے۔"

... تھی کہ ملازم کافی لے کر آ گیا۔ ملازم

... خاطر یہ کام ضرور کرو گی۔"

... میں تمھیں زیادہ سے زیادہ کل شام تک

... میں خاصی معلومات فراہم کر دوں گی۔"

... ق چنگیزی کو کبھی دیکھا ہے؟ میں یہ جاننا

... کا آدمی ہے!"

... میں کل شام تک معلوم ہو جائے گا۔ میں

... کہا لیکن اُس کے چند قصے ضرور سنے ہیں۔"

... نام آدمیوں میں سے ایک ہے۔"

... اش؟" میں نے حیرت سے کہا۔

... کہا جا سکتا ہے لیکن تم شاید اِس لفظ کو

... میں استعمال کر رہی ہو۔"

... ئی کریمنل نہیں ہے۔ کم از کم بظاہر ایسی کوئی

... میں نے اُسے بدنام اِس اعتبار سے کہا کہ

... ان کا اِس حد تک رسیا ہے کہ کھلے عام سب

... اُسے اِس کی پروا نہیں ہے کہ لوگ اُس

... کہیں گے۔ ریس اور دوسرے جوؤں کا بھی

... خصوصاً رام لال کی دولت ہاتھ آ جانے

... کھُل کھیلا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ

... میرا خیال ہے کہ وہ چالیس پینتالیس

... لیکن میں اِس سلسلے میں حتمی طور پر کل ہی

... ہی کچھ کہہ سکوں گی تو اب میں چلتی ہوں۔ رات

... نے یہ کہہ کر کافی کا آخری گھونٹ لیا۔

... بُری خراب ہے کہ تم دوسروں کے معاملات

... اندازی کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھی رہتی ہو۔"

... یہ عادت خراب سہی لیکن مجھے اِس سے

... ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "اور یہ تو تم بھی

... کرنے کے مختلف انداز ہوتے ہیں جو بعض

... ہیں۔ مثلاً جیسے تم کسبِ انبساط حاصل

کرتی ہو، وہ میری نظر میں ٹھیک نہیں۔ ارے ہاں! میں یہ پوچھنا تو بھول ہی گئی کہ تم جسے شکار کر کے اپنے ساتھ بیرونِ ملک لے گئی تھیں، وہ تمھارے ہاتھ سے کیسے نکل گیا؟"

"بس نکل گیا!" بیگم جہانگیر نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "ایک نوخیز کلی اڑا لے گئی اُسے! یار سنو! کوئی ایسی ترکیب دریافت کرو کہ پھر سے نوجوان ہوا جا سکے۔"

میں ہنس کر اُس سے رخصت ہو گئی۔

رات بہت گزر چکی تھی لیکن میری آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہ تھا۔ کچھ تو یہ کہ ذہن پر خیالات و سوالات کی یورش اچھی خاصی تھی اور کچھ شانے کی تکلیف نے بھی ... ستر روک رکھا تھا۔ مجھے اِس کے سوا کچھ نہ سوجھا کہ ویلیم ٹین کی ایک گولی کھا لوں۔

دوسری صبح جب میں دفتر کے لیے روانہ ہوئی تو رات کی طرح اُس وقت بھی ایک ہلکی سی شال اوڑھ لی تاکہ شانے کی ڈریسنگ کا اُبھار کسی کی نظر میں نہ آ سکے۔ ہر چند کہ رات ہی مجھ پر قاتلانہ حملہ ہو چکا تھا لیکن میں خائف نہیں تھی اور میں نے کسی بھی دوسرے حملے کا سامنا کرنے کے لیے خود کو پوری طرح مستعد کر لیا تھا۔

دفتر پہنچ کر میں نے سب سے پہلے ہاسپٹل فون کیا اور رضوان کی خیریت معلوم کی۔ وہ ٹھیک تھا لیکن ہاسپٹل سے ڈسچارج ہونے کے موڈ میں نہیں تھا۔ مجھے اُس کی یہ بات بڑی عجیب سی لگی۔ وہ اِس قسم کا آدمی تو نہیں کہ زندگی کے لیے اتنی احتیاط پسندی کو ناگزیر جانے! تو پھر؟ میں اُس کے بارے میں کوئی اندازہ لگانے سے بھی قاصر تھی۔ آخر میں نے اُس کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور سنگیتا کے بارے میں سوچنے لگی۔

سنگیتا؟

وہ ایک لاینحل سوال بن کر رہ گئی تھی میرے لیے! مجھے کچھ ڈکٹیشن دینا تھا۔ اُسی کے بہانے سے میں نے اُسے طلب کیا، پھر ڈکٹیشن بھی دیا اور اِس کے بعد جب وہ اُٹھ کر جانے لگی تو میں نے اُسے روک لیا۔

"سنو!"

...

"بیٹھ جاؤ ذرا!"

وہ بیٹھ گئی۔ وہ حسبِ معمول بہت معصوم اور کمسن معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے اتنے غور سے اُس کی طرف دیکھا کہ اُس نے گھبرا کر سر جھکا لیا۔ میں سوچنے لگی، آخر یہ لڑکی مجھے اتنی اچھی کیوں معلوم ہوتی ہے؟ اُس کے نقوش غیر معمولی طور پر دلآویز نہیں تھے

لیکن پھر بھی وہ مجھے بہت دلآویز معلوم ہوتی تھی۔ اُس کی حرکات وسکنات نے اُس کے کردار کو مشتبہ بنا دیا تھا لیکن یہ بات میرے دل کو نہیں لگ رہی تھی کہ وہ کوئی ایسی ویسی لڑکی ہے۔

"جی!" وہ کچھ دیر بعد آہستہ سے بولی۔ شاید میرے بولنے کا انتظار کرتے کرتے اُسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

میں نے ایک طویل سانس لیا اور اپنی آرام دہ ریوالونگ چیئر کی پشتگاہ سے ٹیک لگا کر اُسے پیچھے کی طرف جھکا لیا۔ میری نظر سنگیتا کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔ آخر میں نے آہستہ سے کہا۔ "سنگیتا یقین کرو کہ میں تمھارے بارے میں بہت مخلص ہوں۔"

"مجھے یقین ہے بانو!" اُس کی نگاہ جھکی رہی۔

"یقین کے باوجود بھی تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو!"

"میں نے تو آپ سے کچھ بھی نہیں چھپایا بانو!"

"تم نے مجھے اپنے والد سے نہیں ملایا!"

"میں اس سلسلے میں مجبور ہوں۔ پتاجی مجھ سے اب تک ناراض ہیں کہ میں نے آپ کو اپنے بارے میں اتنا کچھ بتا دیا۔ اب بھی اگر میں آپ کو گھر لے گئی تو شاید وہ مجھ سے بات چیت کرنا بھی چھوڑ دیں۔"

"آخر وہ اپنے ماضی کو کیوں چھپانا چاہتے ہیں!"

"وہ تو ایسا نہیں چاہتے، یہ آپ نے کس بات سے سمجھا؟"

"مشتاق چنگیزی!" میں نے اشارتاً کہا۔

"اوہ، ہاں! بس ایک ایسا معاملہ ہے جس پر وہ زبان کھولنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

"پاکستان آنے سے پہلے تمھارے پتاجی کہاں تھے؟"

"ہمارا تعلق پاکستان ہی سے ہے۔ ہم سندھ کے باشندے ہیں لیکن پتاجی نے اپنی کاروباری زندگی کا آغاز دبئی سے کیا تھا۔ مالی استحکام حاصل کرنے کے بعد وہ کراچی میں آکر آباد ہوئے تھے۔"

"مشتاق چنگیزی سے اُن کا ربط وضبط دبئی میں بھی تھا؟"

"کم از کم میں نے تو اُسے وہاں اپنے گھر پر کبھی نہیں دیکھا۔"

"اُس کی عمر کتنی ہے؟"

"تیس پینتیس کے لگ بھگ ہوگی۔" سنگیتا نے جواب دیا، اور پھر ذرا سا رک کر بولی۔ "بانو! بہتر ہوگا کہ آپ ان باتوں کو بھول جائیں۔ میں تو اپنے مستقبل کو صبر کر چکی ہوں۔"

ٹیلیفون کی گھنٹی نے گفتگو کا سلسلہ روک دیا۔ میں نے ریسیور اُٹھایا۔ دوسری طرف سے میری سیکریٹری بول رہی تھی۔ اُس نے بتایا کہ کوئی کاروباری شخص مجھ سے ملنے آیا ہے۔

"اُسے کمرے میں بھیج دو!" میں نے سیکریٹری سے کہا اور

پھر ریسیور رکھ کر سنگیتا سے بولی۔ "اب تم جاؤ
ملنے آرہے ہیں۔"

سنگیتا اُٹھ کر چلی گئی۔

وہ دن میں نے دفتری کاموں میں گز
میں سوچتی رہی، پانچ بجے دفتر سے اُٹھ کر گھر
اپنے زخمی شانے کی ڈریسنگ کرنے بیٹھ گئی۔
وقت اس لیے کرلیا کہ بعد میں شاید مجھے مہلت
سے بھی ملنا تھا اور رات کو بی ہائینڈ جیکب لائنز
ہار ماننے والوں میں سے تو ہوں نہیں۔ سنگیتا
مجھے کب تک ناکامی ہوتی؟

ڈریسنگ کرنے کے بعد میں اپنی آرام دہ کرسی
اور سوچنے لگی کہ مجھے بیگم جہانگیر سے کس وقت
اِدھر میں نے یہ سوچا ہی تھا کہ ایک ملازمہ نے
کی اطلاع دی۔ گویا کنواں خود ہی پیاسے کے پاس
میں نے ڈرائنگ روم میں بیگم جہانگیر کا

"ہلو جانی!" وہ مجھ سے مصافحہ کرتی ہوئی بولی

"ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ، میں ابھی سوچ رہی
ملنے کے لیے کس وقت روانہ ہوا جائے؟"

"دراصل میں تمھیں گھر پر نہ ملتی لہٰذا تمھارے
کرتے ہوئے میں نے یہی سوچا کہ پہلے تم سے ملاقات

"کیا کوئی خاص پروگرام بن گیا ہے؟" میں نے
پوچھا۔

"بہت دلکش!" بیگم جہانگیر نے ہنس کر
باتوں کو! میں تمھیں وہ تھوڑی سی معلومات فراہم
آج میں نے مشتاق چنگیزی کے بارے میں حاصل

"کافی ہوگی یا کچھ اور؟" میں نے اُس وقت
پر بیٹھ چکے تھے۔ "ویسے میں تو ابھی ابھی کافی پی
کچھ نہ پی سکوں گی۔"

"تو پھر ٹالو اس مسئلے کو! کوئی تکلف نہیں
چائے پی کر آرہی ہوں۔ ہاں تو میں تمھیں یہ بتانے
مشتاق چنگیزی کی شخصیت تو بڑی پُراسرار معلوم ہوتی ہے۔
دو سال سے کراچی میں ہے۔ اس سے پہلے وہ کہاں
نہیں جانتا۔ اُس کے قریبی حلقوں میں بھی یہ موضوع
ہے کہ مشتاق چنگیزی نے اپنے ماضی کو کیوں چھپایا،
اُس نے مختلف لوگوں کو اپنے ماضی کے بارے میں
ہیں۔ غالباً اُسے یاد نہیں رہتا کہ وہ پہلے کسی کو کیا

ہے، جب وہ جھوٹ بولتا ہو۔ دروغ گو را
بانات کے تضاد نے اُس کے قریبی حلقوں
ہے کہ وہ اپنے ماضی کو چھپانا چاہتا ہے۔"
ل مفرور مجرم تو نہیں؟"
کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں!"
خود ہی اپنے خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا
مجرم نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگ تو نہایت
ہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔"
پنڈی تو سوسائٹی میں خاصا موو کرتا ہے۔"
تو میں نے کہا نا کہ وہ مفرور نہیں ہو سکتا۔ کوئی اور
وہ اپنے ماضی کو چھپاتا ہے۔" میں نے کہا،
زیادہ تر کہاں اُٹھتا بیٹھتا ہے؟"
بیگم جہانگیر نے ایک کلب کے بارے میں بتایا
ہیں نہیں لکھنا چاہتی۔
شادی شدہ ہے؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔
رہتا ہے!"

بھی معلوم ہے۔"
رام لال کے گھر پر ہی اب اُس کا قبضہ ہے۔"
نے ہنستے کہا، اور پھر بولی۔ "اچھا! اس کے
ت حاصل کیں؟"
میں اتنا ہی معلوم کر سکی ہوں اور میرا خیال ہے
زیادہ معلومات حاصل کرنے کے وسائل میرے

! اتنی معلومات کا بھی شکریہ! باقی میں خود دیکھ

آمر ابھی ہوا نہیں؟" بیگم جہانگیر نے معنی خیز
ساتھ پوچھا۔
میں نے جواب دیا۔ "اور شاید ابھی نہیں۔"
کیوں؟" بیگم جہانگیر حیرت سے بولی۔
جی چاہتا ہے کہ اُس لڑکی سے میرا پیار برقرار ہے۔"
ہوتی؟"
ہماری سمجھ میں نہیں آئے گی۔" میں نے ہنس کر
ل انسان کے اندر جو وحشی جذبہ ہے نا، اسی
کہہ دیا گیا ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ سنگیتا سے
ہا ہے۔"

"تمھارا یہ فلسفہ میری دانست میں بالکل لغو ہے۔ وہ وحشی جذبہ ایک الگ چیز ہے اور محبت ایک دوسری چیز!"

"تمھیں اختلافِ رائے کا حق ہے لیکن میں محبت کو جنس سے ماورا نہیں سمجھتی۔ زیادہ تر لوگ مجھ سے اتفاق نہیں رکھتے لیکن میرے اس سوال کا جواب کبھی کوئی نہیں دے سکا کہ کسی نوجوان کو کسی ساٹھ سالہ بڑھیا سے یا کسی لڑکی کو کسی ساٹھ سالہ بوڑھے سے محبت کیوں نہیں ہوتی؟ پوری انسانی تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ محبت کی بنیاد جنسی محرکات پر قائم ہوتی ہے۔"

میری یہ دلیل سن کر دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح بیگم جہانگیر بھی بغلیں جھانکنے لگی، اور میں نے مناسب یہی سمجھا کہ موضوعِ گفتگو بدل دوں۔

بیگم جہانگیر کچھ دیر بیٹھ کر رخصت ہوگئی اور میں ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھی سوچتی رہی کہ مشتاق چنگیزی کے ماضی سے پردہ اُٹھانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ کسی بنیاد کے بغیر میرے دماغ میں یہ خیال پیدا ہو چکا تھا کہ مشتاق چنگیزی بھی غالباً دبئی ہی سے کراچی آیا ہے۔ اب میرے لیے مسئلہ یہ تھا کہ اپنے اس خیال کی تائید یا تردید کس طرح کروں!

میرا دماغ اُدھیڑبُن میں مبتلا رہا اور وقت گزرتا رہا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد میں نے بی ہائینڈ جیکب لائنز جانے کی تیاری شروع کی۔ جو حلیہ گزشتہ دو راتوں میں بنایا تھا، وہی حلیہ اُس رات بھی بنایا اور میری ملازمہ مجھے کار میں ایمپریس مارکیٹ چھوڑ آئی۔ وہاں سے میں ایک تانگے میں بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ جس رکشا میں بیٹھوں گی، اُس کے ڈرائیور سے کہہ دوں گی کہ وہ اُس تانگے سے کچھ پیچھے ہی رہے جس میں سنگیتا ہوگی۔ میری اس بات سے رکشا ڈرائیور کے دل میں شبہات تو یقیناً پیدا ہوتے لیکن مجھے اس کے سوا کوئی راہ نہیں سوجھ رہی تھی۔

میں معینہ وقت پر بی ہائینڈ جیکب لائنز کے ایک ٹاٹ کوارٹرز کے قریب پہنچ گئی اور سنگیتا بھی شاید اپنے مقررہ وقت سے کبھی لیٹ نہیں ہوتی تھی۔

اُس رات میرے ساتھ دوسری قسم کی صورتِ حال پیش آئی۔ یعنی جب سنگیتا تانگے میں بیٹھی تو قرب و جوار میں کوئی رکشا نظر نہیں آرہا تھا لیکن تانگے میں دو نشستیں خالی تھیں۔ اُن نشستوں کے پُر ہونے میں کچھ وقت بھی لگ سکتا تھا اور اتنی دیر میں کوئی رکشا وہاں آسکتی تھی لیکن میں نے خطرہ مول لینا مناسب

نہیں سمجھا۔ یہ بھی تو ناممکن نہیں تھا کہ اُس وقت تک کوئی رکشا نہ آتی۔ میں لپک کر تانگے ہی میں بیٹھ گئی کہ یہی ایک بہتر صورت تھی۔

دو تین منٹ میں آخری نشست بھی پُر ہو گئی اور تانگا چل پڑا۔ میں سنگیتا کے برابر میں بیٹھی تھی اور میری دائیں جانب ایک بڑھیا کا قبضہ تھا۔ سنگیتا اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی اور میرے دماغ میں صرف ایک خیال تھا کہ جو تضاد رات اور دن میں ہے، وہی تضاد سنگیتا کی شخصیت میں بھی ہے۔ رات میں کچھ اور دن میں کچھ!

سنگیتا کے سان و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ اُس کے برابر میں بیٹھی ہوئی شخصیت صبیحہ بانو کی ہے اگر اُسے اچانک یہ بات معلوم ہو جاتی تو اُس پر کیا گزرتی؟ اِس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ وہ بہت بُری طرح بوکھلا جاتی۔

تانگا ناہموار سڑک پر کھڑکھڑاتا، شور مچاتا چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ ٹیکنیکل ہائی اسکول کے سامنے سے گزرا، اور پھر بیت ... سڑک کی طرف ... تھا کہ سنگیتا نے سر گھما کر تانگے والے سے کہا، ”مجھے یہیں اُتار دو!“

یہ ایک ایسی سچویشن تھی کہ میں بس تلملا ہی سکتی تھی۔ مجھے ایک مرتبہ پھر ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اگر میں بھی وہاں تانگے سے اُتر پڑتی تو سنگیتا کو شبہ ہو جاتا کہ میں اُس کے تعاقب میں ہوں۔

سنگیتا کو اُتار کر تانگا پھر حرکت میں آگیا۔ میں بیٹھی بے بسی سے دیکھتی رہی کہ سنگیتا سڑک پار کر رہی تھی۔ اُس کا رُخ ایک سفید کار کی طرف تھا۔ میں نے سنگیتا کو کار کی اگلی نشست پر ڈرائیونگ کرنے والے کے برابر میں بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ جب اُس نے دروازہ کھولا تھا تو ذرا دیر کے لیے کار کے اندر مدھم سی روشنی ہوئی تھی اور اُس روشنی میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کا چہرہ نظر آگیا تھا۔ وہ ایک جوان اور خوبرو شخص تھا اُس کی ہیئت سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ وہ ڈرائیور نہیں بلکہ اُس کار کا مالک ہی ہو سکتا تھا۔

سنگیتا کے بیٹھتے ہی کار حرکت میں آئی اور تانگے کی مخالف سمت میں، یعنی گورا قبرستان کی طرف، فراٹے بھرتی ہوئی چلی گئی۔ اُس کی سُرخ روشنیاں میرے دیکھتے ہی دیکھتے اندھیرے میں مدغم ہو گئیں اور میں خیالات میں ڈوبی ہوئی ایمپریس مارکیٹ پہنچ گئی۔

اب یہ معما حل ہو چکا تھا کہ گزشتہ رات جب میں ایمپریس مارکیٹ پر سنگیتا کی منتظر تھی تو مجھے اُس کا تانگا خالی کیوں ملا تھا! سنگیتا روزانہ یہی کرتی ہوگی کہ اُس موڑ پر تانگے سے اُتر کر کار میں بیٹھ جاتی ہوگی۔ یہی اُس کا معمول تھا

تعاقب کر کے یقیناً یہ بات معلوم کر لی ہوگی کہ وہ کہاں جاتی ... پر قائم تھی کہ رضوان سے کچھ نہیں معلوم ... گھنٹے کی بات اور تھی۔ میں نے سوچا ... جیکب لائنز کا رُخ کرنے کی بجائے اُسی موڑ ... میں سنگیتا کا انتظار کروں گی اور اُس کار کا ... گی کہ وہ کہاں جاتی ہے!

جب میں اپنے گھر پہنچی تو مجھے ... میں نے سنگیتا کے بارے میں اِتنا غلط ... معصوم لڑکی تو بڑی حرّافہ ثابت ہو رہی تھی۔ ... سوچ ... اُس رات میرے زخمی شانے میں ... مجھے سونے کے لیے سلیپنگ پل لینے کی ... صبح میں نے شانے کی ... کرنے کے بعد میں دفتر روانہ ہو گئی۔ وہیں فون کیا اور رضوان سے بات کی۔

”اِس وقت تو ٹھیک ہوں،“ رضوان نے ... کہا۔ ”لیکن کل رات درد کا حملہ ہوا تھا۔ اُسی وقت ... کو فون بھی کرایا تھا لیکن آپ گھر پر موجود نہیں تھیں، سنگیتا کے چکر میں نکلی ہوں گی؟ کیوں، بالآخر پتا ... نہیں! مجھ سے پوچھ لیجیے، میں آپ کو بتا سکتا ہوں ... گھنٹے کہاں گزارتی ہے!“

”تم سے معلوم کرنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ... میں یقیناً معلوم کر لوں گی کہ وہ کہاں جاتی ہے ... صرف طبیعت پوچھنے کے لیے فون کیا تھا۔ یہ عجیب بات ... کا دوسرا حملہ بھی تم پر رات ہی کے وقت ہوا۔“

”ہاں، ڈاکٹر بھی اُلجھے ہوئے ہیں کہ یہ معاملہ کیا ...“

”آج رات میں وقت نکال کر ہاسپٹل آؤں گی۔“

”اگر آپ آگئیں تو شاید میں ٹھیک ہی ہو جاؤں ...“

”وہ کیسے؟ کیا مطلب؟“

”دل کا معاملہ ہے نا!“ رضوان نے ایک ٹھنڈی ... لے کر کہا۔

”شٹ اپ!“ میں نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا ... نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے رضوان سے کم از کم یہ ... معلوم ہو گئی تھی کہ سنگیتا رات کو صرف دو گھنٹے کے لیے ... جاتی ہے۔

... اچھا خاصا ہوتا ہوگا! میں نے بڑی

... کاموں میں اُلجھی رہی لیکن میرا دماغ ... میں اُلجھا رہا۔ یہ سوال میرے لیے ابھی تک ... کس نے چلائی تھی؟ میں نے اِس امکان ... پر دوسرا حملہ بھی ہو سکتا ہے لیکن ... میں آئی تھی۔

... میں خورشید کا خیال آیا۔ میں ابھی تک ... تھی۔ اگر مل لیتی تو کم از کم یہ ضرور معلوم ... معاملے میں تاتاری پر کیا ردِعمل ہوا ہے! ... کہ اُسی دن کسی وقت خورشید سے بھی

... قبل میں نے سنگیتا کو اپنے کمرے میں ... سادگی اور معصومیت کی تصویر بنی ہوئی ... اُس وقت میرے دل میں اُس کے لیے کچھ ... تھے۔ مجھے ایسی لڑکیوں پر بہت غصہ آتا ... بنی رہتی ہیں۔

... ڈکٹیشن دینا شروع کیا اور یہ کام ابھی مکمل ... گیا۔

... کے بعد!“ میں نے سنگیتا سے کہا۔ ... سنگیتا نے کاپی بند کر دی۔ ... کرتی ہو؟“ میں نے اُس سے پوچھا۔ ... !“ سنگیتا نے جواب دیا۔ ”میں کھانا اپنے ... ہوں۔ ریسٹورنٹ کے کھانے تو بہت مہنگے

... دل ہی دل میں کہا، اور پھر ہنس کر بولی۔ ... ہی کہتی ہو۔ چلو، آج تم میرے ساتھ

... سنگیتا نے چونک کر پوچھا۔ ... کر دوں؟“

... چہرے پر تذبذب کے آثار تھے لیکن وہ انکار ... اُسے اپنے ساتھ کار میں بٹھا کر اپنے گھر کی طرف ... اصل میں نے کچھ یوں سوچا تھا کہ جب سنگیتا ... کی لڑکی تو میں اپنے جذبات کا گلا کیوں

... کی طرف جانے والی سڑک پر مُڑی تو

سنگیتا نے آہستہ سے کہا، ”شاید آپ اپنے گھر چل رہی ہیں؟“

”ہاں!“ میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ”مجھے اُمید ہے کہ تمھیں میرے گھر کا کھانا بہت پسند آئے گا۔“

”کوئی اچھا خانساماں رکھا ہوگا آپ نے!“

”خانساماں!“ میں ہنس پڑی۔ ”میرے گھر میں بھی صرف عورتیں ہی ملازم ہیں، سوائے چوکیدار وغیرہ کے!“

سنگیتا نے اس ... کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اُس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اچانک اُس کا دماغ تفکرات کے گرداب میں پھنس گیا ہو۔ غالباً اُسے اُن تمام باتوں کا خیال آگیا ہوگا جو اُسے میرے بارے میں بیگم جہانگیر سے معلوم ہوئی تھیں۔

میں نے بھی اُس کی غیر معمولی خاموشی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور چُپ چاپ ڈرائیونگ کرتی رہی۔

گھر پہنچ کر میں نے اپنی خصوصی ملازمہ کو ضروری ہدایات دیں اور سنگیتا کو ساتھ لیے ہوئے بلو روم میں داخل ہوئی۔

دیوار پر آویزاں تصاویر دیکھ کر سنگیتا کو جیسے جھٹکا سا لگا۔ اُس نے گھبرا کر سر جھکا لیا۔ یوں معلوم ہوا تھا جیسے اُس کی نگاہ کو الیکٹرک شاک لگا ہو۔

”بب... بانو!“ وہ ہکلا گئی۔

”ہوں!“ میں مسکرائی۔

”کیا ہم کسی ... کمرے میں چل کر نہیں بیٹھ سکتے؟“

”یہاں کیا ...“

”یہ... یہ... تصویریں...“

”کیا تمھیں یہ تصویریں پسند نہیں آئیں؟“ میں نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

”جی... وہ... میرا مطلب ہے،“ لیکن سنگیتا اپنا مطلب بیان نہیں کر سکی۔

میں دل ہی دل میں ہنس رہی تھی کہ یہ کل کی لڑکی اپنی اداکاری سے مجھے دھوکا دینا چاہتی ہے۔ ہونہہ! نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی!

”ارے آپ بیٹھ بھی جاؤ!“ میں نے اُس کا شانہ تھپک کر بڑی بے تکلفی سے کہا۔ ”مجھے یہ کمرہ بہت پسند ہے۔ اِسے اِتنا رومانٹک بنانے کے لیے مجھے بہت پیسا صرف کرنا پڑا تھا۔“

پھر میں اُس کے بیٹھنے کا انتظار کیے بغیر اُس کیبنٹ کی طرف بڑھ گئی جس میں رکھی ہوئی رنگا رنگ بوتلیں بنتِ عنب سے لبریز تھیں میں وہاں سے دو پیگ بنا کر سنگیتا کی طرف

پلٹی اور ایک پیگ سنگیتا کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ... یہ کیا..." وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔ اُس نے گلاس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

"یہ خمار آسا شربت پی کر تمھیں یہ دُنیا بہت حسین نظر آنے لگے گی۔"

"وبانو!" سنگیتا کے لہجے میں قدرے سختی آگئی "میں شراب نہیں پیوں گی۔"

"چلو، نہ پیو!" میں نے بے پروائی سے کہا "میں کسی بھی معاملے میں زیادہ جبر کی قائل نہیں ہوں۔" میں نے اپنے گلاس سے ایک چُسکی لی اور دوسرا گلاس کیبنٹ پر رکھ آئی۔ "اب بیٹھ تو جاؤ۔" میں نے سنگیتا سے کہا۔

سنگیتا بیٹھ گئی۔ اُس کی نگاہ اب بھی جُھکی ہوئی تھی۔

میں نے پہلا پیگ بہت جلد ختم کیا اور خالی گلاس کیبنٹ پر رکھ کر وہ گلاس اُٹھا لائی جو سنگیتا کے لیے بنایا تھا۔ اُس کی ایک چُسکی لے کر میں نے سنگیتا سے کہا "کیا تم فرش پر بیٹھنے میں کچھ زحمت محسوس کر رہی ہو؟"

"جی نہیں، کوئی بات نہیں! میں ٹھیک ہوں۔" سنگیتا نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر سینڈل اُتار کر اطمینان سے بیٹھو۔ کھانا اب آتا ہی ہو گا۔"

سنگیتا نے سینڈل اُتار دیے۔

"ہاں تو..." میں پھر بولی "بیگم جہانگیر نے تمھیں میرے بارے میں کیا کیا بتایا تھا؟"

"وہ بڑی عجیب و غریب باتیں تھیں بانو!" سنگیتا کی نظر جُھکی رہی "کم از کم میرے لیے وہ اِتنی ہی عجیب و غریب تھیں کہ مجھے اُن پر یقین نہیں آیا تھا۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ تمھیں یقین کر لینا چاہیے تھا کیونکہ وہ ساری باتیں تمھارے لیے انجانی سہی مگر ناقابلِ فہم نہیں ہو سکتیں۔"

"میرے لیے وہ باتیں ناقابلِ فہم ہی تھیں بانو!"

"تم جیسی لڑکی کے لیے وہ ناقابلِ فہم نہیں ہو سکتیں۔"

"جی!" سنگیتا نے جیسے چونک کر میری طرف دیکھا "مجھ جیسی لڑکی... اِس سے آپ کی کیا مُراد ہے بانو؟"

"میرا مطلب ہے کہ تم خاصی بالغ لڑکی ہو!" میں تلخی سے ہنسی۔

"نہ جانے آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں!" سنگیتا کی آواز بھرّا گئی۔

میں کوئی جواب دینے کی بجا

گئی۔ دراصل میں نے دوسرا پیگ بھی

کر ڈالا تھا۔ میں پلٹ کر سنگیتا کے

رگ و پے میں اب الکحل تیر رہا تھا

میرے سانس اکھڑنے لگتے ہیں اب

قربت کر بدن، چقماق بن جائیں اور

اُٹھیں۔ وہ آگ جس کی جلن میں آسو

آگ جس کی ٹھنڈک سے شبنم بھی شرما جا

"زندگی کو من چاہے طریقے سے بسر

میں نے کہا "کیا خیال ہے سنگیتا؟" میں

پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جی!" سنگیتا کا شانہ کپکپا گیا "میں

نہیں سمجھی۔"

"تم کسی بات کا مطلب ہی نہیں

مُنہ بنا کر کہا "آؤ! میں تمھیں ہر بات کا

میں نے اُسے اپنی آغوش میں سمیٹ لینا

"بانو!" سنگیتا اُچھل کر مجھ سے کچھ

"زیادہ پارسا بننے کی کوشش نہ کرو

زہر خند کیا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں بانو!"

انداز میں کھڑی ہو گئی۔

میں اپنی جگہ بیٹھی رہی اور مسکرا کر کہا "

تمھاری سمجھ میں نہیں آتی اور اسی لیے میں

میرے بہت قریب ہو جاؤ۔ یہ قربت تمھیں

"بانو!" سنگیتا نے بھرّائی ہوئی آواز میں

جہانگیر کی ساری باتیں درست ہیں تو میں

کم از کم مجھ پر رحم کیجیے!"

"میں تمھیں مار تو نہیں ڈالوں گی!"

"وہ سب کچھ میرے لیے مار ڈالنے ہی

"کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تم سے واقف

نے زہریلے لہجے میں کہا "میں یہ بھی جانتی ہوں

اُسے بتاتے بتاتے رُک گئی کہ میں کئی راتوں سے

نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔

"آپ سب کچھ جانتی ہوں گی لیکن خدا کے

سے جانے دیجیے!" وہ ہذیانی انداز میں چیخ

"رہنے دو..." میں نے سرد لہجے میں کہا "یہ تیری

سر ٹکرا ٹکرا کر دم توڑ دے گی پاگل لڑکی!

...نہ۔"

..." وہ آبدیدہ ہو گئی "میں جا رہی ہوں۔"

اپنے سینڈل پہنے اور دروازے کی طرف

اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ خاموشی سے اُس

۔ وہ دروازے کے ہینڈل سے زور آزمائی

۔ ہلا کر پھر میری طرف مُڑی اور بولی۔

... نے کہا "اور اسے کھولنے کا طریقہ صرف

...ں۔"

... پھر التجا کرتی ہوں کہ مجھے جانے دیجیے!"

بڑی مکدّر ہو گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ سنگیتا

مزاحمت نہیں کرے گی لیکن سنگیتا نے میرے

... اور دے دیا تھا۔ اگر میں چاہتی تو اُس

... اُس کی مزاحمت کو بہت زیادہ طاقت

... مجھے اُس سے کچھ پیار ہو گیا تھا۔ میں اُس

... تھی میں اُٹھ کر اُس کے قریب گئی۔ چند لمحے

... رہی، اور پھر اُس کا بازو پکڑ کر اتنی زور

... کے وسط میں جا گری لیکن مجھے یقین

... کی نرمی کے باعث اُسے ذرا بھی چوٹ

... ایک خاص طریقے سے ہینڈل گھما کر

... باہر چلی گئی۔ میں نے اپنی خصوصی ملازمہ

... لے آئے۔ پھر میں دوبارہ بلور روم میں

... کہ سنگیتا بہت سہمی ہوئی تھی۔ میں نے

... توجہ نہیں دی اور شرابوں کے کیبنٹ کی

موڈ بہت بُری طرح آف ہو گیا تھا۔ جتنی

... دو پیگ بنا کر اِس طرح پی چکی تھی جیسے

... آگیا تو میں نے سنگیتا سے کہا "آؤ....."

... نہیں ہے" سنگیتا نے بھرّائی ہوئی

... آنکھیں نکال کر بولی "میں ہر معاملے

میں بچکانہ ضد برداشت نہیں کر سکتی۔"

سنگیتا مجھ سے اتنی خائف تھی کہ میری ڈانٹ کے بعد ذرا بھی چوں چرا کرنے کے قابل نہیں رہ گئی۔ کھانا کھاتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے لیکن میں نے اُس سے دوبارہ کچھ نہیں کہا۔ کھانے کے اختتام پر میں نے محسوس کیا کہ سنگیتا نے بہت کم کھایا تھا لیکن میں اب بھی کچھ نہیں بولی اور اُسے لے کر گھر سے نکل آئی۔

گھر سے دفتر کی طرف جاتے ہوئے بھی کار میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ دفتر پہنچ کر میں اُسے اپنے کمرے میں لے گئی اور جو کام آدھورا رہ گیا تھا، اُسے مکمل کرانے لگی۔ سنگیتا بھی مشینی انداز میں متحرک تھی۔ ڈکٹیشن کے بعد میں نے اُس سے کہا "ابھی جا کر اِسے ٹائپ کر دو!"

اُس نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور کمرے سے چلی گئی۔

میں دفتر تو اسی خیال سے آئی تھی کہ وقت مقرّرہ تک کام کروں گی لیکن اب وہاں میرا دل نہیں لگ رہا تھا۔ میں بڑی کوفت اور جھنجلاہٹ میں مبتلا تھی۔ جذباتی ہیجان میں مبتلا ہونے کے بعد اگر مجھے آسودگی کا راستہ نہ مل سکے تو پھر صرف شراب ہی مجھے پُرسکون کر سکتی ہے۔ آخر شراب کی خواہش اتنی شدید ہو گئی کہ میں دفتر سے اُٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

ہر چند کہ میں چار پیگ پی چکی تھی لیکن اُسے اتنا وقفہ مل چکا تھا کہ اُس کے اثرات تقریباً زائل ہو چکے تھے۔ اِس کے زائل ہونے کا ایک سبب سنگیتا کے عمل کا ردِّعمل بھی تھا۔ گھر پہنچ کر میں نے اپنی خوابگاہ کا رُخ کیا اور وہاں بیٹھ کر بے تحاشا پی ڈالی میں اتنی پی گئی کہ مجھے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ بس اِتنا یاد ہے کہ میں کرسی سے اُٹھ کر بستر پر جا لیٹی تھی۔

جب میری آنکھ کھُلی تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ ایک لمحے کے لیے تو میں بوکھلا گئی کہ شاید میری بینائی زائل ہو چکی ہے لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ غالباً رات ہو چکی ہے۔ میں نے بیڈ سوئچ دبا کے کمرے میں روشنی کر دی اور مجھے سب کچھ نظر آنے لگا۔ وال گیر کلاک نے مجھے بتایا کہ دس بج رہے ہیں۔

میری طبیعت بڑی کسلمند تھی میں جاگنے کے بعد بھی کچھ دیر تک بستر سے نہیں اُٹھ سکی۔ لیٹے لیٹے میرے ذہن میں

بہت سے خیالات آئے اور گزر گئے۔ اُن میں سے ایک خیال یہ بھی تھا کہ آج کی رات ایک اعتبار سے تو ضائع ہی گئی۔ اب اِتنا وقت نہیں رہا تھا کہ میں سنگیتا کی شبینہ نقل و حرکت پر نظر رکھ سکوں اور جان لوں کہ وہ کہاں جاتی ہے!

کچھ دیر بعد میں بستر سے اُٹھی۔ میں نے اپنی خصوصی ملازمہ کو بُلا کر اُس کی مدد سے اپنے زخمی شانے کی ڈریسنگ کی۔ وہ زخم اب صرف اِس صورت میں تکلیف دہ رہ گیا تھا کہ اُسے ٹھیس لگ جائے۔ ڈریسنگ کرنے کے بعد مَیں باتھ روم میں جا گُھسی۔ غسل کرنے سے میری کسلمندی رفع ہو گئی۔ غسل کرتے ہوئے مجھے اِس بات کا خیال رکھنا پڑا تھا کہ میرے زخمی شانے پر پانی نہ پڑ سکے۔

کپڑے پہن کر میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی اور ملازمہ کو ہدایت کر دی کہ مَیں جتنی دیر میں میک اپ کروں، اُتنی دیر میں کھانا آ جائے۔ کھانے کے بعد میں ہاسپٹل جانا چاہتی تھی۔ میں نے رضوان سے وعدہ کیا تھا کہ رات کو میں اُسے دیکھنے آؤں گی۔

کھانا کھانے کے بعد میں نے گیرج سے اپنی کار نکالی۔ میں اپنے خیالات میں ڈوبی ہوئی، کار کو آہستہ آہستہ چلاتی پھاٹک کی طرف لے جا رہی تھی۔ پھاٹک سے نکل کر میں نے اُسے بائیں جانب موڑا اور پھر جیسے بے اختیار میرا پَیر بریک اور کلچ پر پہنچ گیا۔ میری نظر کچھ دُور کھڑی ہوئی ایک کار پر پڑی تھی اور میرے خیال کے مطابق یہ وہی کار تھی جس سے مجھ پر دو رات قبل گولیاں برسائی گئی تھیں۔

وہاں اِتنا اندھیرا تھا کہ مجھے اُس کار کی نمبر پلیٹ دِکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میری کار کی ہیڈ لائٹس ڈِم تھیں۔ میں نے لیور دبا کر فُل لائٹس جلائیں تو مجھے نہ صرف نمبر پلیٹ نظر آ گئی بلکہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ اُس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے تیزی سے جُھک کر اپنا چہرہ چُھپانے کی کوشش کی تھی۔

خطرے کے احساس نے میرے اعصاب پر چھناکا سا کیا اور دوسرے ہی لمحے میرے ہاتھ پَیروں نے مشینی انداز میں عمل کیا۔ میں نے گاڑی کو بہت پُھرتی سے ریورس گیئر میں ڈالا اور کلچ پر بتدریج دباؤ کم کرتے ہوئے ایکسیلریٹر پر دباؤ بڑھاتی چلی گئی۔ گاڑی تیزی سے پیچھے بھاگی اور واپس پھاٹک میں داخل ہوتی چلی گئی۔ اِس طرح میں نے خود کو کسی متوقع فائر سے بچانے کی کوشش کی تھی۔

سڑک پر کھڑی ہوئی اُس کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی، اور پھر وہ فرّاٹے بھر...
سے گزری۔ میں نے خود کو تیزی...
بھی کسی متوقع فائر سے بچنے ہی کی ...
فائر نہیں ہوا۔ فائر نہ ہونے کا یقین ...
زخمی ہوتی یا نہ ہوتی، کار کی ونڈ شیلڈ ...
چوکیدار اور دو ایک ملازمائیں ...
آ رہی تھیں۔ وہ لوگ جاننا چاہتے ...
ریورس کیوں لیا تھا؟ لیکن میں نے ...
انتظار نہیں کیا اور کار کو فرسٹ گیئر میں لا...
میں لے آئی اور اُسے اُسی طرف دوڑا...
لیتے میں دوسرا گیئر ڈال چکی تھی...
گاڑی ٹاپ گیئر میں فرّاٹے بھر رہی تھی۔
اگلی کار ابھی زیادہ دُور نہیں گئی تھی...
عقبی روشنیاں صاف نظر آ رہی تھیں ...
یقین تھا کہ دو دن قبل مجھ پر اُسی کار سے...
اور آج بھی وہ نہ معلوم شخص وہاں اِسی لیے...
ناکامی کا ازالہ کر سکے۔

لیکن میں اب اُس رات کی طرح ...
تھی میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اُس نہ معلوم حملہ آ...
اب میرے بائیں شانے میں اِتنی تکلیف نہیں تھی...
سے اسٹیئرنگ نہ سنبھال سکوں۔ میں نے دائیں...
کھولا اور اُس میں سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول...

میری کار کی بڑھتی ہوئی رفتار کے ساتھ اگلی ...
بڑھتی جا رہی تھی اور اِس کا یہی مطلب تھا کہ ...
شکار ہے۔

میں نے پستول اِس لیے نکالا تھا کہ فائر کر...
ٹائر پھاڑ دوں لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ گولی چلنے...
کی آواز سن کر آس پاس کے بہت سے لوگ گھروں...
گے جب کہ میں اپنے شکار کو بہت خاموشی سے پکڑنا...
تھی۔ میں نے پستول پھر اپنے پرس میں ڈال لیا۔

میری کار اب فرار ہونے والی کار کے بالکل...
تھی لیکن مجھے اُس کے آگے نکلنے کا موقع نہیں مل...
اُس اجنبی کی نظر عقب نما آئینے پر تھی اور وہ میری ک...
دیکھ کر اپنی کار کو ایسے زاویے پر لے آتا تھا کہ میں آگے ...
"اچھی بات ہے بیٹے!" میں بڑبڑائی۔ "چلتے ر...

...ہو گئے۔ آج میری کار کی ٹنکی پٹرول سے ...
...اُس کار کی ٹنکی اِتنی چھوٹی ہے کہ اگر وہ ...
...میں زیادہ پٹرول نہیں ہو گا۔"
...اِس وقت بھی وہ نہ معلوم شخص ڈیفنس ...
...پر کار دوڑا رہا تھا۔ وہ راستے اِتنے کشادہ ...
...ڈرائیور کی خواہش کے خلاف اُسے آسانی ...
...اگر وہ شاہراہ پر نکل جاتا تو میں اُسے ...
...ضرور کامیاب ہو جاتی اور میرا نہ معلوم دشمن ...
...طرح آگاہ تھا۔ اُسے یہ خوف بھی ہو گا کہ ...
...کوئی پیٹرولنگ کار بھی مل سکتی ہے جو ...
...سے دوڑتی ہوئی کاروں کو روکنے کی کوشش

...نہیں گزر رہی تھی اِس لیے اُن راستوں ...
...دُور سے گاڑی نظر آ جاتی تھی۔ اگر وہ پیچھے سے ...
...نکلنے کا موقع وہ اُس وقت تک نہیں ...
...بالکل قریب نہ آ جائے۔ اِس طرح مجھے ...
...اوورٹیک کرنے کا موقع نہیں مل پا رہا تھا ...
...اِس طرح گزر گیا۔ اب مجھے جھنجھلاہٹ سی ہونے ...
...شاید ساری رات ہی گزر جاتی۔ اُس وقت میں ...
...فیصلہ کر ڈالا۔ جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہونے کے بعد ...
...فیصلے کرتے ہوئے بالکل نہیں گھبراتا۔ میں نے یہ ...
...اب اگر آگے سے کوئی گاڑی آئی اور اجنبی نے ...
...نکلنے کا موقع دیا تو میں اُسی وقت اُسے اوورٹیک ...
...کروں گی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ...
...والی گاڑی کا ڈرائیور بوکھلا جاتا اور حادثے ...
...اپنی گاڑی کو بائیں جانب کاٹتا۔ اِس طرح ...
...اور بھاڑ جھنکاڑ سے دوچار ہونا پڑتا لیکن مجھے ...
...دونوں کاروں کے بیچ میں سے نکلنے کا موقع ...
...میں خطرہ یہ تھا کہ اگر سامنے سے آنے والی کار ...
...ہی حواس باختہ ہو جاتا اور اپنی گاڑی کو کاٹنے ...
...نہ کر پاتا تو میری اور اُس کی کار کا ٹکرا جانا لازمی تھا۔
...میں شاید پہلی مرتبہ میں نے ایک خطرناک فیصلہ ...
...شاید احمقانہ بھی کہا جا سکتا تھا۔

...جب میں نے یہ فیصلہ کیا تو پھر بہت دیر تک سامنے ...
...نہیں آئی۔ وہ نہ معلوم شخص بڑی مستقل مزاجی سے ڈیفنس کے اندرونی راستوں کو اپنی کار لے پھیتوں سے ناپتا رہا۔ اب بارہ بج چکے تھے اور سناٹے کا احساس بہت دبیز ہو گیا تھا۔

میری جھنجھلاہٹ میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا کہ سامنے کچھ دُور کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکیں۔ وہ گاڑی موڑ لے کر اُس سڑک پر آئی تھی۔ اُن ہیڈ لائٹس کو چمکتے دیکھ کر میری آنکھیں بھی چمک اُٹھیں۔ آخر وہ وقت آ ہی گیا تھا کہ میں اپنے فیصلے کو عملی صورت دے سکوں۔

ہیڈ لائٹس تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں لیکن جب میرے متعاقب نے سڑک کے درمیانی حصّے کو بدستور گھیرے رکھا تو آنے والی کار کی رفتار کم ہو گئی اور اُسے آگے نکلنے کا راستہ اُسی وقت ملا جب وہ میرے متعاقب کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ میرے متعاقب نے بڑی تیزی سے اپنی کار کو بائیں جانب کاٹا اور اتنی ہی تیزی سے میں اپنی کار کو دائیں جانب کاٹ کر سامنے سے آنے والی کار کے بالکل سامنے لے آئی۔ میری رفتار خطرناک حد تک تیز تھی لیکن میں نے بریک لگائے تاکہ آنے والی کار کو کٹ کر نکل جانے کی مہلت مل سکے۔

آنے والی کار کا ڈرائیور میری توقع کے مطابق بوکھلا گیا اور اُس نے اپنی کار اتنی تیزی سے کاٹی کہ وہ اُلٹتے اُلٹتے بچی۔ وہ چھوٹی سی مورس تھی اِس لیے وہ بہرحال بچ کر نکل گئی لیکن میں نے اُس کے برابر سے نکلتے وقت گندی گندی گالیوں کی آواز سُنی۔ میں نے اُن گالیوں کا قطعاً بُرا نہیں مانا کیونکہ گالیاں دینے والا حق بجانب تھا۔

میرے متعاقب نے جو عقب نما آئینے میں یہ منظر دیکھا تو گھبرا کر ایک بار پھر اپنی کار کو میرے آگے لانے کی کوشش کی لیکن میں نے ایکسیلریٹر پر بھرپور دباؤ ڈال کر اُس کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔ میں زنّاٹے کے ساتھ اُس کے آگے نکل گئی۔ میری کار کا دایاں حصّہ اُس کی کار سے رگڑ کھاتا ہوا نکلا تھا لیکن اِتنی قربت کے باوجود بھی اندھیرے کے باعث ڈرائیونگ کرنے والے کا چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی۔

آگے نکلتے ہی میں نے ایکسیلریٹر سے پیر ہٹا لیا اور رفتار کو بتدریج کم کرتی چلی گئی۔ اب میری نظر عقب نما آئینے پر تھی اور میں اپنے شکار کو اپنی کار سے آگے نکلنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

اب تُو مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا سُوَر کے بچّے! میں نے دل ہی دل میں کہا۔

اِس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سُور کا بچہ مجھ سے خائف بہت تھا۔ ہر چند کہ اُس نے مجھ پر گولیاں چلانے کی جسارت کی تھی لیکن اُسے یہ بھی یقین تھا کہ اگر وہ میرے ہاتھ لگ گیا تو اُس کی خیریت نہیں!

گاڑی کی رفتار کم کرتے کرتے ایک تنگ سے مقام پر میں نے گاڑی کو یکلخت ترچھا کر کے روک دیا۔ اِس طرح راستہ بالکل مسدود ہو گیا تھا۔ اِس کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ پچھلی کار آگے نکل سکتی۔

"...ب میں تجھ سے نمٹ لوں گی" میں نے ایک بار پھر دل ...ن میں کہا۔

لیکن اُس وقت میرے پیارے دشمن نے ایک ایسی حرکت کی جس کے بارے میں مجھے پہلے ہی سوچ لینا چاہیے تھا لیکن میں نے سوچا نہیں تھا۔ بعض اوقات بالکل سامنے کی بات ذہن میں نہیں آنے پاتی اور وہ سامنے کی بات یہ تھی کہ اُس نامعلوم شخص نے اچانک اپنی گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈال کر پیچھے کی طرف دوڑا دیا تھا۔

"اُلّو کا پٹھا!" جھنجلاہٹ کے عالم میں میرے منہ سے نکلا۔

میں نے گاڑی کا انجن بند کر دیا تھا جسے دوبارہ اسٹارٹ کیا لیکن ریورس گیئر میں ڈالنے کی بجائے موٹر کو اپنے دشمن کی گاڑی کی طرف دوڑا دیا۔ میں نے فل لائیٹس آن کر دی تھیں کیونکہ یہی موقع تھا جب میں اپنے دشمن کا چہرۂ مبارک دیکھ سکتی تھی۔ وہ چونکہ ریورس گیئر میں بھاگ رہا تھا اِس لیے اُس کی رفتار بہت زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ میری گاڑی بہت جلد اُس کے اِتنے قریب پہنچ گئی کہ ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں اُس کا چہرہ نظر آ گیا۔

"اوہ!" میں نے بے اختیار ایک طویل سانس لیا۔

وہ تاتاری تھا!

اُسے دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ خورشید کا بیان تھا کہ تاتاری ایک ایسا آدمی ہے جو دشمن کو ہلاک کرنا، حماقت سمجھتا تھا۔ تو پھر اُس نے ایسی حرکت کیوں کی؟ کیا مجھے ہلاک کرنے کے لیے اُسے کسی بہت بڑی رقم کی پیشکش کی گئی ہو گی؟ کیا وہ اِتنی بڑی رقم ہو سکتی ہے کہ تاتاری جیسا پختہ کار بدمعاش اپنے اصولوں کو بالائے طاق رکھ سکے؟ لیکن اُسے اِتنی بڑی پیشکش کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ یہ سارے سوالات بیک لمحہ میرے ذہن میں چکرا گئے۔

اچانک تاتاری نے اپنی گاڑی کی
اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ اِس طرح مجھ
اُسے رفتار کم کرتے دیکھ کر مجھے بھی اپنی
یہ بھی خیال تھا کہ تاتاری کے پاس سا...
وہ اُس وقت تو میری کار پر گولیاں نہیں
اُس کے تعاقب میں تھی لیکن اب سا
کرنا اُس کے لیے دشوار نہ ہوتا۔
پستول میرے پاس بھی تھا لیکن،
تھی کہ میں فائرنگ کی آواز سے ا...
چونکانا نہیں چاہتی تھی۔ اندیشہ یہ بھی تھا
فائرنگ کی آواز شاہراہ پر گشت کرنے...
پہنچ جاتی اور وہ لوگ اُدھر آ نکلتے جب...
کر پولیس کے جھمیلے میں پھنسوں۔ میری ...
تاتاری کی عافیت ابھی تک خطرے میں ...
تاتاری کی گاڑی رُکی تو میں نے ...
مناسب سمجھا۔ میں اُس کے ریوالور کی زد ...
تھی اور میری یہی احتیاط میرے کام آ گئی۔
دائیں ہاتھ کو کھڑکی سے نکلتے ہوئے دیکھا
بھی تھا۔ میں نے بڑی عجلت میں ریورس گیئر ...
دوڑا دیا کیونکہ اپنے ہی خیال کے مطابق ...
کی رینج میں تھی۔ میں نے گولی سے بچنے کے
اور اپنے سر کو بھی حتی الامکان نیچے جھکا لیا۔
میں سائیلنسر لگا ہونے کی وجہ سے میں ...
کر سکی کہ فائر ہوا تھا یا نہیں؟ تاہم میں نے ...
کوئی چیز میری کار کی چھت سے رگڑ کھاتی ...
معاملہ اب اُلٹا ہو چکا تھا۔ میں اپنی ...
دوڑا رہی تھی اور تاتاری اپنی گاڑی کو آندھی ...
میرے سر پر چڑھانے لیے چلا آ رہا تھا۔ میری ...
تھی کہ گولی سے بچنے کے لیے مجھے سر جھکانے ...
کی وجہ سے میں نہ تو تاتاری کی کار پر ٹھیک ...
اور نہ مجھے اپنے عقب کا کچھ علم تھا حالانکہ کار ...
دوڑ رہی تھی۔
پھر یوں ہوا کہ تاتاری کی کار زنّاٹے کے سا...
بائیں جانب سے نکل گئی۔ اُسے دائیں طرف ...
مل سکا تھا اور یہی بات میرے حق میں ٹھیک ...

...ے کار سے ... جاتا تو وہ مجھ پر گولی چلاتے

...ور سے بریک لگایا جیسے اپنا سارا اشتعال
...پہ ٹھنڈا کر لینا چاہتی ہوں۔
...جھٹکے سے رُکی اور میں نے اُسے واپس
...ت کم جگہ میں یو ٹرن لیا۔ اب ایک بار پھر
...ی کے تعاقب میں تھی۔
...نت بار میں نے لوگوں کا تعاقب کیا ...
...میں ہوئی تھی جتنا زچ مجھے تاتاری نے
...ڈں کے باعث میرے انجر پنجر ڈھیلے
...ہم کو تیزی سے اِدھر اُدھر گھمانے کے باعث
...درد کرنے لگا تھا لیکن میں بھی دل ہی دل میں
...تاتاری کو چھوڑوں گی نہیں۔
...بھی کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ تاتاری مجھ
...بوکھلایا ہوا تھا۔ یہ بوکھلاہٹ ہی تو تھی کہ
...جو اپنے تعاقب میں آنے کا موقع دیا تھا۔
...کے قابل ہوتا تو اُس نے ایک گولی میری
...ٹائر پر تو داغ ہی دی ہوتی ٹائر برسٹ
...ی نہ رہتا کہ میں اُس کا تعاقب جاری

...نے فیصلہ کیا تھا کہ اُس سے آگے نکل کر
...کی کوشش ہرگز نہیں کروں گی۔ بس یہی
...تعاقب کرتی رہوں۔ آخر وہ کب تک اور
...جب وہ رُکتا تو اُس کی شامت آ جاتی اُسے اچھی
...طرح زچ ہو جانے کے بعد اب اشتعال

...ہم میں بڑے صبر و استقامت سے اُس
...اُس سے آگے نکلنے کی کوشش نہیں
...ہی جھنجلاہٹ ہو رہی تھی کہ اُس
...بھی کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔
...اسے ایک اتفاق ہی کہوں گی۔ اِتنی دیر تک
...ک کار سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی لیکن
...ن جانے کدھر سے نکل آئی اور میرے
...مجھے اپنے ہاتھوں سے نکلتا نظر آنے لگا
...اری کی وجہ سے یقیناً پولیس کی نظر میں

...آ چکے ہوں گے۔

آخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ پولیس کار کچھ دیر تک میرے تعاقب میں رہنے کے بعد اپنی رفتار بڑھا کر میری کار کے برابر آ گئی اور اُس میں بیٹھے ہوئے ایک آفیسر نے چیخ کر کہا "گاڑی روکیے خاتون!"

تیز رفتاری کے باعث چیخ کر بولنا لازم تھا۔ مجھے بھی جواب دینے کے لیے چیخنا ہی پڑا تھا۔ "میں نہیں رُک سکتی۔ پہلے آپ آگے والی کار کو روکیے! اُس کار سے مجھ پر گولی چلائی گئی ہے۔"

مجھے اپنی بات کے جواب میں کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ پولیس کار میں بیٹھے ہوئے آدمی شاید آپس میں کچھ مشورہ کرنے لگے تھے۔ پھر اچانک پولیس کار کی رفتار میں اضافہ ہوا اور وہ مجھ سے آگے نکل گئی۔ اب وہ لوگ یقیناً اگلی کار کو روکنے کی کوشش کرتے۔

جب پولیس کار نے ڈیپر دیا تو تاتاری مجبور تھا کہ اپنی گاڑی کو سائڈ میں کر لے۔ پھر میں نے دیکھا کہ پولیس کار تاتاری کی کار کے برابر دوڑ رہی تھی۔ شاید تاتاری سے کچھ کہا بھی گیا ہو لیکن میں کوئی آواز نہیں سن سکی، ہاں میں نے یہ ضرور محسوس کیا کہ تاتاری کی رفتار کم ہونے لگی تھی۔ پولیس کار نے اُس کے آگے نکل کر اپنی رفتار کم کرنا شروع کی تھی۔ اب مجھے بھی اپنی رفتار میں کمی کرنا پڑی اور بالآخر تینوں گاڑیاں آگے پیچھے رُک گئیں۔

پولیس کار سے اُترنے والوں کے انداز میں بڑی پھرتی تھی اور اُنھوں نے تاتاری کی کار کو نرغے میں لے لیا تھا۔ چونکہ میں عورت تھی اِس لیے شاید پولیس والوں کو میری بات پر فوراً یقین آ گیا تھا۔

اِدھر میں سوچ رہی تھی کہ کہیں خود مجھے ہی کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑ جائے۔ میرے پاس اِس بات کا کوئی ثبوت نہیں تھا کہ مجھ پر گولی چلائی گئی تھی۔ مجھے شبہ ضرور تھا کہ ایک گولی میری کار کی چھت سے رگڑ کھاتی ہوئی نکلی تھی لیکن اِس کا یقین نہیں تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ پولیس کار کو دیکھ کر تاتاری نے اپنا سائیلنسر لگا ہوا ریوالور اپنی کار کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا ہو گا جو اندھیرے کی وجہ سے مجھے نظر نہیں آ سکا۔

رہ گئی دو رات پہلے کی فائرنگ جس کا ثبوت میرا زخمی شانہ تھا، تو اُس کا حوالہ اب میں دے نہیں سکتی تھی۔ پولیس مجھ سے یہ سوال ضرور کرتی کہ میں نے اُس کی رپورٹ کیوں نہیں کی تھی اور یہ سوال میرے لیے الجھنیں پیدا کر سکتا تھا۔

جب میں اپنی کار سے اُتری تو دوسری طرف تاتاری بھی

اپنی کار سے اُتر چکا تھا اور پولیس والے شاید اس بات کے منتظر تھے کہ میں قریب پہنچوں تو وہ کچھ بولیں۔

جب میں قریب پہنچ گئی تو ایک پولیس آفیسر نے تاتاری سے کہا: "یہ خاتون کہتی ہیں کہ تم نے اِن پر فائر کیا تھا!" پولیس آفیسر کے لہجے کی سختی اِس بات کی غماز تھی کہ وہ تاتاری سے اچھی طرح واقف تھا۔

"میں نے کسی پر گولی نہیں چلائی، یہ جھوٹ ہے۔" تاتاری نے جواب دیا۔

"تلاشی لو اس کی!" آفیسر نے دو سپاہیوں کو حکم دیا۔

"یہ زیادتی ہے۔" تاتاری نے احتجاج کیا۔

"بکومت!" آفیسر نے اُسے ڈانٹ دیا۔

دونوں سپاہی اُس کی تلاشی لینے لگے۔ مجھے یقین تھا کہ ریوالور برآمد نہیں ہو سکے گا اور میرے اِس یقین کو ٹھیس نہیں پہنچی۔

"کوئی ہتھیار نہیں ہے سر!" سپاہیوں میں سے ایک نے بتایا۔

"کار کی تلاشی لو!"

دونوں سپاہی کار میں گھس پڑے۔

"میرا خیال ہے کہ اِس طرح وقت ضائع ہو رہا ہے۔" میں نے پولیس آفیسر سے کہا۔ "اِس نے آپ لوگوں کی کار دیکھ کر ریوالور راستے ہی میں کہیں پھینک دیا ہوگا۔"

"پھر تو خاصی دشواری ہو جائے گی، اُسے ڈھونڈنے میں بہت وقت لگے گا۔ میں اِسے محض آپ کے بیان کی وجہ سے گرفتار نہیں کر سکتا۔ اگر آپ زخمی ہوتیں تو اور بات تھی۔ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ اِس نے آپ پر گولی چلائی ہے؟"

"میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے تاہم مجھے شبہ ہے کہ اِس نے جو گولی چلائی تھی، وہ میری کار کی چھت سے رگڑ کھاتی ہوئی گزری تھی۔"

"آئیے دیکھ لیتے ہیں۔ اگر وہ نشان مل جائے تو بات بن جائے گی۔" پولیس آفیسر نے میری کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

میں اُس کے ساتھ اپنی کار کے قریب پہنچی۔ پولیس آفیسر نے ٹارچ کی روشنی میں کار کی چھت کا جائزہ لیا تو ایک رگڑ کا نشان صاف نظر آ گیا۔

"گڈ!" پولیس آفیسر نے سر ہلایا۔ "اب میں اُسے گرفتار کر لوں گا۔ اُس کا پھینکا ہوا ریوالور بھی تلاش کر لیا جائے گا۔ وہ چونکہ ایک بدنام شخص ہے اِس لیے اُس کی گرفتاری کے لیے یہ معمولی ثبوت بھی کافی ہے، مگر خاتون! آپ کون ہیں اور تاتاری کو آپ سے کیا دشمنی ہے۔ نیز یہ کہ اتنی رات گئے..."

"دراصل میں کئی گھنٹے سے ا
میرا کارڈ ہے۔" میں نے پرس سے اپنا ا
"اوہ!" وہ چونکا۔ "صبیحہ بانو!"
"کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟"
"ہمارے محکمے میں تو آپ کا نام عا
تھی کہ میں آپ کا صورت آشنا نہیں تھا
"اور یہ غالباً میری خوش قسمتی ہے کہ
نام سے تو واقف ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا
"آپ نے یہ نہیں بتایا کہ تاتاری نے
چلائی ہے؟"
"یہ تو وہی بتا سکتا ہے۔"
پولیس آفیسر نے مجھے ایسی نظر سے
پر یقین نہ آیا ہو۔ غالباً وہ سمجھ رہا تھا کہ میں
بات چھپا رہی ہوں۔ وہ تو خیر ایک پولیس آ
عام آدمی ہوتا تو بھی میری ہنگامہ خیز با
بات پر یقین نہیں کرتا کہ تاتاری نے مجھ پر
ہوگی اور اِس بات پر بھی یقین نہیں کیا جا سکتا
وجہ سے بے خبر ہوں گی۔
جب ہم باتیں کرتے ہوئے واپس تاتار
پہنچے تو پولیس والوں نے بتایا کہ کار میں سے کو
نہیں ہوا ہے۔
"بہرحال اِسے حراست میں لے لیا جا
"آخر یہ کیا اندھیر ہے!" تاتاری چیخا
"ہاں!" پولیس آفیسر ہنس کر بولا۔ "اند
فائدہ اُٹھایا ہے تم نے، لیکن... بہرحال... ہم
تلاش کر لیں گے جو تم نے ہماری گاڑی کو دیکھ کر راہ
دیا ہے۔ پھر ماہرین یہ بھی ثابت کر دیں گے کہ اُس
چلائی ہوئی گولی سے محترمہ صبیحہ بانو کی گاڑی کی چھ
ہے۔ میں ابھی خود اُس نشان کو دیکھ چکا ہوں۔"
دو سپاہیوں نے تاتاری کے دونوں بازو
اُسے پولیس کار کی طرف لے چلے۔
"میری کار..." تاتاری چیخا۔
"فکر مت کرو، ہم اُس کی دیکھ بھال کر لیں گے
آفیسر نے جواب دیا، پھر مجھ سے بولا۔ "آپ کو بھی ہ
لیے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

ں سے الگ رہنا چاہتی تھی لیکن حالات
ے تھے کہ میرے لیے کوئی راہِ مفر نہیں تھی۔ غرض
ن کارروائیوں میں میرا ایک گھنٹہ ضائع ہو گیا،
ھر جانے کے لیے پولیس اسٹیشن سے روانہ ہونے
ا بھی مل گئی کہ تاتاری کا پھینکا ہوا ریوالور
ہ۔
ہم تاتاری کے فرشتوں سے بھی زبان کھلوا لیں
س وقت کہا جب وہ مجھے چھوڑنے کے لیے میری
ھا۔
تاری ہے کون؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔
لسٹڈ ہے۔"
میری کوئی ذاتی دشمنی تو بہرحال نہیں ہے۔ وہ
وگا جس نے مجھے قتل کروانے کے لیے اِسے کچھ روپے
ن ہو سکتا ہے؟" آفیسر نے تیزی سے پوچھا۔
کے بارے میں کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ اِس شہر میں
ر بہت زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہیں۔"
ایسا ٹھنڈا سانس لیا جیسے مجھ سے معلومات
رے سلسلے میں اب وہ بالکل مایوس ہو گیا ہو۔
ے میں سیدھی اپنے گھر ہی کی طرف روانہ ہوئی کیونکہ
یت معلوم کرنے کے لیے اتنی رات گئے ہاسپٹل
مناسب بات ہوتی، البتہ گھر پہنچ کر میں نے ہاسپٹل فون
بتا چلا کہ رضوان سو رہا ہے اور آج رات اُس
ایت بھی نہیں ہوئی تھی۔
کرنے کے بعد میں نے اپنی خصوصی ملازمہ کو بلایا تاکہ
اپنا اوپری لباس اُتار سکوں۔ میں شانے کے زخم کی
بارہ کرنا چاہتی تھی کیونکہ میرے خیال کے مطابق اُس
ہنے لگا تھا۔ آج تاتاری کے تعاقب میں جو ورزش
اُس کا نتیجہ یہی نکلنا چاہیے تھا۔
ہ نے کپڑے اُتارے تو دیکھا کہ خون کی سُرخی پٹی پر
ہی تھی۔
کو احتیاط سے کام لینا چاہیے بانو!" ملازمہ نے ہمدردی
ل!" میں ہنس پڑی۔ "شاید یہ بات میں بھی جانتی ہوں۔"
ب سے میری ملازمہ سٹپٹا گئی۔ ہر چند کہ میں یہ جواب

بہت رواروی میں دے گئی تھی لیکن اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک طنزیہ جواب تھا۔

ڈریسنگ کے بعد میں نے گرم دودھ کا ایک گلاس پیا اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔

صبح میں دیر سے جاگی اور مجھے کسلمندی کا احساس ہوا۔ غسل کرنے سے بھی وہ کیفیت ختم نہیں ہو سکی تو میں نے دفتر فون کیا اور سیکرٹری کو بتایا کہ میں نہیں آ سکوں گی۔

"بہت بہتر!" سیکرٹری نے جواب دیا۔ "اور ہاں بانو!.. آج سنگیتا بھی دفتر نہیں آئی ہے۔"

"اوہ!" میرے مُنہ سے بس اِتنا ہی نکل سکا۔ میرے ذہن میں فوراً یہ خیال آ گیا تھا کہ سنگیتا کا اِس طرح غائب ہو جانا، کل کی باتوں کا ردِعمل ہو سکتا ہے۔ اب کیا میں اُسے منانے کے لیے اُس کے گھر جاؤں؟ کیا وہ واقعی بہت سیدھی سادی لڑکی ہے؟ لیکن پھر اُس کی شبانہ پُراسرار نقل و حرکت کو کیا سمجھا جائے؟ وہ جو ایک قیمتی کار میں بیٹھ کر دو گھنٹے کے لئے کہیں جاتی ہے تو آخر کہاں جاتی ہے؟ میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا کیا وہ ایک جھوٹ ہے؟ اِس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ بعض اوقات آنکھیں بھی جھوٹ دیکھتی ہیں اور حقیقت وہ نہیں ہوتی جو نظر آتی ہے۔

میں جب کچھ دیر تک خاموش رہی تو دوسری طرف سے سیکرٹری نے مجھے پکارا۔ "ہیلو بانو!"

"آں، ہاں!" میں اپنے خیالات سے چونکی۔ "ٹھیک ہے۔"

"کیا چیز بانو! کیا ٹھیک ہے؟"

"سنگیتا کا نہ آنا۔" میرے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے۔" میں جلدی سے بولی۔ "شاید اُس کی طبیعت خراب ہو گئی ہوگی، دو ایک دن میں آ جائے گی۔"

پھر اِس سے پہلے کہ سیکرٹری مزید کچھ کہتی، میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب میں مشتاق چنگیزی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ابھی تک میں نے اُس کے درشن بھی نہیں کیے تھے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آج اُس سے ملاقات کر ہی لی جائے۔ براہِ راست مل لینے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ میں اُس کے لیے اجنبی تو تھی نہیں کہ خود کو پوشیدہ رکھ کر اُس کے خلاف کام کرنے پر مجبور ہوتی۔ مجھے اچانک سامنے پا کر ممکن ہے وہ بوکھلاہٹ میں کوئی ایسی

حرکت کر بیٹھتا جو میرے لیے مفید ثابت ہو جاتی۔
جسمانی کسلمندی کے باعث میں بہت دیر تک بستر ہی پر لیٹی رہی، پھر اُٹھ کر دوبارہ غسل کیا، کھانا کھایا اور تیار ہو کر گھر سے چل پڑی۔

رام لال کے گھر کا پتا مجھے بیگم جہانگیر سے معلوم ہو چکا تھا اور یہ بات بھی میرے علم میں تھی کہ وہی گھر اب مشتاق چنگیزی کی قیامگاہ ہے۔

تین بجنے والے تھے جب میری کار مشتاق چنگیزی کی قیامگاہ کے قریب پہنچی۔ غنیمت یہ ہوا کہ ابھی بنگلے کے پھاٹک سے بیس پچیس گز اِدھر ہی تھی کہ ایک پولیس کار اُس پھاٹک سے نکل کر اُس سمت میں مڑ گئی جدھر میرا رُخ تھا۔ اگر وہ میری طرف مڑتی تو اُس میں بیٹھا ہوا کوئی افسر مجھے دیکھ لیتا۔ میں نے ایک دم بریک لگا کر گاڑی روک دی۔ دراصل پولیس کو وہاں دیکھ کر مجھے ذہنی طور پر جھٹکا سا لگا تھا۔ آخر پولیس کا یہاں کیا کام؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ تاتاری نے پولیس کے تشدد سے گھبرا کر یہ بیان دے دیا ہو کہ مجھ پر گولی چلوانے والا شخص مشتاق چنگیزی ہے؟ میں اِن سوالوں میں ایسی اُلجھی کہ دو تین منٹ تک گاڑی ہی میں بیٹھی رہی۔ میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ اب جب کہ پولیس مشتاق چنگیزی سے مل چکی ہے تو میں اُس سے ملوں یا نہ ملوں؟ لیکن آخر کار میں نے ملنے ہی کا فیصلہ کیا۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر پولیس مشتاق چنگیزی تک پہنچ چکی ہے تو اِس سے میری اور مشتاق کی ملاقات پر کوئی منفی اثر تو بہرحال نہیں پڑ سکتا، البتہ یہ ضرور ممکن ہے کہ کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہو جائے۔

ملاقات کا فیصلہ کرنے کے بعد میں نے کار کو گیئر میں ڈالا ہی تھا کہ مشتاق چنگیزی کے بنگلے سے پھر ایک کار نکلتی دِکھائی دی اور وہ اُسی طرف مُڑی جدھر سے میں آ رہی تھی۔ میں نے اُس کار میں ایک ایسے شخص کو بیٹھے دیکھا کہ چونک گئی۔ وہ ایک ڈپٹی کمشنر تھا۔ اُسے دیکھ کر میں نے اِس مرتبہ کار کو فرسٹ گیئر سے نیوٹرل کرنے کے بعد انجن بھی بند کر دیا۔

پولیس؟

پھر ڈپٹی کمشنر؟

آخر یہ معاملہ کیا ہے؟

یہ سوالات مجھے بُری طرح اُلجھانے لگے اور ابھی اِن اُلجھاووں میں کسی سلجھاؤ کی سبیل پیدا نہیں ہونے پائی تھی کہ ایک تیسری کار اُس پھاٹک سے نکلتی نظر آئی۔ اُس کار کو ایک جوان العمر شخص ڈرائیو کر رہا تھا اور اُس کے

چہرے سے قدرے پریشانی مترشح
میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہی شخص
میں نے بہت تیزی سے سوچا اور
سفید کار کا تعاقب کرنا ہے جیسے ڈرا؟
دانست میں مشتاق چنگیزی ہی تھا۔ میں نے
اُس سفید کار کے تعاقب میں چل پڑی۔
تعاقب کا اختتام ایک ایڈووکیٹ
کار سے اُترنے والا شخص دفتر میں چلا گیا
سوالات کے بھنور میں پھنس گیا۔
کوئی نصف گھنٹے بعد وہ شخص دفتر
میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ میں بڑی عجلت میں
اور دفتر میں داخل ہو گئی۔ میں اِس بات کی
چاہتی تھی کہ جس شخص کے تعاقب میں ہوں، وہ
میں فوری طور پر ایڈووکیٹ کے کیبن میں
ہو سکی۔ مجھے باہر ہی روک لیا گیا۔ روکنے والا شخص
کا ماتحت یا ریسپشنسٹ ٹائپ کی کوئی چیز تھا
"کیا آپ صاحب سے ٹائم لے چکی ہیں؟"
"جی نہیں! دراصل اِس وقت میرے ایک
مسٹر اشتیاق یہاں ہوں گے۔" میں نے کہا۔
"اشتیاق یا مشتاق؟"
"اشتیاق!" میں نے زور دے کر کہا۔
"سوری خاتون! اِس نام کا کوئی آدمی آج
ملنے نہیں آیا۔ ذرا دیر قبل ایک مشتاق چنگیزی صاحب
لیکن وہ بھی جا چکے ہیں اور ..."
مجھے مزید کچھ سننے کی ضرورت ہی نہیں تھی لہٰذا
سے مُڑی اور دفتر سے نکل آئی۔ اِس بات کی تصدیق
میری چھٹی حس نے مجھے گمراہ نہیں کیا تھا۔
میں نے اپنی کار کو بہت تیزی سے دوڑایا
مشتاق چنگیزی کی کار تک نہیں پہنچ سکی۔ غالباً وہ
کی بجائے کسی طرف مڑ گیا تھا۔ میں نے مایوس ہو کر
رفتار کم کر دی۔ مجھے خیال آیا کہ مشتاق چنگیزی
اپنے گھر ہی گیا ہو! اِس خیال کے آتے ہی میں نے کار
بدلا اور مشتاق چنگیزی کے گھر کی طرف چل پڑی۔
مشتاق چنگیزی کا گھر خالی نہیں تھا، ملازمین
اُن میں سے ایک نے مجھے جواب دیا۔ "صاحب تو کوئی
پہلے گھر سے جا چکے ہیں اور بتا کر نہیں گئے کہ کب آئیں

گی! میں پھر کسی وقت مل لوں گی۔" میں یہ کہتے
ہوئے مڑی۔
"اپنا نام تو بتاتی جائیں!" ملازم نے جلدی سے کہا۔
"صاحب مجھ سے واقف نہیں ہیں۔ اپنے صاحب
کو بتا دینا کہ میں ایک اخبار کے دفتر سے آئی تھی۔"
یہ بات میں نے کسی خاص سوچ کے بغیر یوں ہی
لیکن جب وہاں سے روانہ ہوئی تو میں نے اِس پر
کیا۔ کیوں نہ میں اخباری نمائندے ہی کی حیثیت سے
اُس سے ملاقات کر دوں اور دیکھوں کہ اُس پر میرے
کا کیا ردِ عمل ہوتا ہے۔
سوچتی ہوئی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ مشتاق چنگیزی
تک رسائی، ڈپٹی کمشنر کی وہاں موجودگی، اور پھر
کی ایک ایڈووکیٹ سے ملاقات نے میرے ذہن کو
تھا۔
مجھے خیال آیا کہ خورشید سے ملتی چلوں۔ میں نے
کے گھر کی طرف کر دیا۔ گھر پر اُس کی ماں سے
خورشید کہیں گئی ہوئی تھی۔ میں نے اپنا کارڈ
دے دیا اور کہہ دیا کہ خورشید جب گھر آئے تو
ملے۔
پلٹ کر میں اپنے گھر پہنچی تو میرے ذہن پر ایک
مجھے اطلاع دی گئی کہ میری عدم موجودگی میں
تھی۔
انسپکٹر یہ دے گیا ہے۔" میری ملازمہ نے مجھے ایک
دیتے ہوئے کہا۔ "اور کہہ گیا ہے کہ آپ جب
ٹیلیفون کر لیں۔"
میں نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور اپنی خوابگاہ
انسپکٹر خالد کو فون کرنے لگی جو اپنا کارڈ چھوڑ
دوسری طرف گھنٹی بجی، ریسیور اُٹھایا گیا اور پھر
سنائی دی۔ "ہیلو!"
"انسپکٹر خالد پلیز!" میں نے کہا۔
"... بول رہا ہوں۔"
"میں صبیحہ بانو ہوں۔ آپ غالباً میرے گھر پر تشریف
"جی ہاں!" انسپکٹر خالد نے جلدی سے کہا۔ "کیا آپ
گھر ہی سے بول رہی ہیں؟"

"جی!"
"تو پھر میں آپ کو انتظار کی زحمت دوں گا۔ میں ابھی پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔"
میں اُس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ آخر معاملہ کیا ہے لیکن میرے سوال کرنے سے پہلے ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب میں اِس کے سوا کیا کر سکتی تھی کہ ٹھنڈا سانس لے کر ریسیور رکھ دوں اور انسپکٹر خالد کا انتظار کروں۔
انسپکٹر خالد نے اپنے الفاظ کا پورا پورا پاس کیا، یعنی ٹھیک پندرہ منٹ میں میرے گھر پہنچ گیا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں اُس سے ملاقات کی۔ دو ایک رسمی جملوں کے بعد اُس نے بتایا کہ وہ تاتاری والے معاملے کی تفتیش کر رہا ہے۔
"ہمیں اُس کا سائلنسر لگا ہوا ریوالور نہ صرف مل چکا ہے بلکہ ریوالور کے دستے پر اُس کی اُنگلیوں کے نشانات بھی مل گئے ہیں۔" خالد نے مجھے بتایا۔ "اِسی نکتے کو جواز بنا کر ہم نے تاتاری پر تھرڈ ڈگری کا استعمال کیا تو اُس نے بتایا کہ مشتاق چنگیزی نام کے ایک شخص نے آپ پر حملہ کروایا تھا۔ میں فوراً مشتاق چنگیزی کے پاس گیا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ اُسے دھونس میں لا کر اُس کی زبان سے کوئی ایسی بات کہلواؤں گا کہ اُسے حراست میں لینے کا جواز پیدا ہو جائے لیکن مجھے اِس کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ کچھ بارسوخ قسم کا آدمی ہے۔ میں جب اُس کے گھر پہنچا تو وہاں ایک سرکاری افسر بھی موجود تھے اور اُن کی آپس کی باتیں اُن کے دوستانہ مراسم کی نشاندہی کر رہی تھیں۔"
میں سمجھ گئی کہ سرکاری افسر سے خالد کی مراد ڈپٹی کمشنر ہی ہو سکتا ہے۔
خالد کہتا رہا۔ "اُس سرکاری افسر کی موجودگی کے باعث میں مشتاق چنگیزی سے کوئی ٹیڑھی بات نہیں کر سکا اور سیدھے سادے انداز میں تفتیشی سوالات کیے۔ میں نے جب اُسے تاتاری کے بیان کا حوالہ دیا تو وہ برافروختہ ہو گیا اور اُس نے کہا کہ تاتاری نے اُس پر نہایت لغو الزام لگایا ہے۔ جب میں نے اُس سے یہ کہا کہ تاتاری کو اُس سے کیا دشمنی ہے جو وہ اُسے پھنسوانا چاہے گا تو اُس نے جواب دیا کہ تاتاری پیشہ ور لڑکیوں کا سپلائیر ہے اور اُس نے ایک مرتبہ کسی لڑکی کی پیشکش کی تھی جس پر مشتاق چنگیزی نے اُسے بہت بُری طرح لتاڑ دیا تھا۔ مشتاق چنگیزی کا کہنا ہے کہ تاتاری نے کسی اور کو بچانے کے لیے اُس کا نام لے کر اُس سے اپنی توہین کا انتقام لینا چاہا ہے۔ نیز اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ صبیحہ بانو نام کی کسی خاتون کو جانتا بھی نہیں ہے۔"
"ہوں!" میں چُپ بیٹھی رہی۔ میں چاہتی تھی کہ خالد ہی بولتا

رہے۔ اِس طرح مجھے زیادہ سے زیادہ معلومات ہو سکتی تھیں۔

خالد کے انداز سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ مجھ سے مرعوب ہے۔ اُس نے بڑے پُرجوش انداز میں کہا۔ ”لیکن اگر آپ اصل بات کو سامنے لے آئیں تو پھر میں بڑی آسانی سے مشتاق چنگیزی کو حراست میں لے لوں گا۔“

”اصل بات سے آپ کی کیا مُراد ہے؟“

”یہی کہ مشتاق چنگیزی سے آپ کی کیا دشمنی ہے کہ اُس نے آپ پر حملہ کروایا! تاتاری کا بیان ہے کہ اُس فائرنگ کا مقصد آپ کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ صرف دہشت زدہ کرنا تھا۔ آخر مشتاق چنگیزی آپ کو کیوں دہشت زدہ کرنا چاہتا ہے؟“

”یہ تو آپ کو مشتاق چنگیزی ہی بتا سکے گا۔“

”اُس کا تو یہ کہنا ہے کہ وہ صبیحہ بانو نامی کسی خاتون سے واقف ہی نہیں۔“

”شاید اُس کا بیان درست ہی ہو۔“

”کیا مطلب!“ انسپکٹر چونکا۔

”میں خود بھی مشتاق چنگیزی نام کے کسی آدمی سے واقف نہیں ہوں۔“ میرا یہ جواب ایسا تھا کہ انسپکٹر خالد بالکل ہونق نظر آنے لگا۔ کچھ دیر تک اُس کے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔ اُس کی یہ کیفیت میرے لیے خاصی لُطف انگیز ثابت ہوئی۔

”اِس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تاتاری نے ہم لوگوں کو واقعی بیوقوف بنایا ہے!“ انسپکٹر خالد کچھ دیر بعد غرّاتا ہوا بولا۔

”میں اِس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں! آپ ہی اِس کا پتا چلائیے!“

انسپکٹر خالد تلملائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ”میں تاتاری کی کھال اُدھڑوا دوں گا۔“

مجھے اُس کی حالت پر ہنسی تو بہت آ رہی تھی لیکن مجھے ضبط کرنا پڑ رہا تھا۔

جب وہ رُخصت ہو گیا تو میں سوچنے لگی کہ اب حالات کیا رُخ اختیار کر سکتے ہیں! تاتاری کی شامت تو یقیناً آنا تھی۔ جب اُسے یہ معلوم ہوتا کہ مشتاق چنگیزی اور صبیحہ بانو نے ایک دوسرے سے اپنی ناواقفیت کا اعلان کر دیا ہے تو وہ یقیناً بھنّا جاتا۔ اِس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ اِس معاملے میں خورشید کو بھی گھسیٹنے کی کوشش کرتا! اِس لیے ضروری تھا کہ خورشید تک پولیس کی رسائی سے پہلے ہی میری اور خورشید کی ملاقات ہو جائے۔ مجھے یقین تھا کہ خورشید میری مرضی کے خلاف کوئی بیان نہیں دے سکتی۔ جو لڑکیاں ایک مرتبہ مجھ سے ”متعلق“ ہو جاتی ہیں، وہ عموماً میرے خلاف کمربستہ نہیں

ہوتیں۔ اِس کے برخلاف وہ میری خا... سے بھی گریز نہیں کرتیں۔ بس مسئلہ یہ تھا... تک نہ پہنچ جائے۔ میں اُس کے گھر ... لیے مجھے یقین تھا کہ وہ پہلی فرصت میں ...

میرا خیال درست ثابت ہوا۔ ... اُس کا فون وصول کیا۔

”ہیلو بانو!“ خورشید چہک رہی تھی۔ ... مجھے کتنی خوشی ہوئی، اِس کا آپ اندازہ بھی نہیں ... کہ بس اب آپ مجھے بھول گئیں۔“

”یہ شکایت تو میں بھی کر سکتی ہوں نا...“

”ہاں، شکایت تو آپ بھی کر سکتی ہیں! ... کا شکار ہو گئی تھی۔“

”کیسی ہچکچاہٹ؟“

”میں اپنے بارے میں کسی غلط فہمی کا ... مجھے اپنی پستی کا خوب اندازہ ہے اور میں یہ ... بلندیوں کی باسی ہیں۔ میرے اور آپ کے معاملے ... راجا بھوج اور گنگو تیلی والی بات منطبق ہوتی ہے۔“

”پگلی!“ میں نے بڑے پیار سے کہا۔ ”میں ... سمجھتی کیونکہ میں نے تیرے اندر تک جھانک لیا ... کی بات تو یہ کسی بلندی اور پستی کی کسوٹی نہیں ...“

”آپ کے جذبات و خیالات قابلِ قدر ہیں۔ ... دولتمند لوگوں کو عرش پر ہی تیرتے ہوئے دیکھا ... نے کہا۔ ”خیر چھوڑیے اِن باتوں کو!... اور سنا...“

”ایک ایسی صورتِ حال پیش آ گئی ہے کہ تم ... بہت ضروری ہو گئی ہے۔“

”خیریت تو ہے؟“ خورشید کے لہجے میں تشویش ...

”کوئی ایسی گھبرانے کی بات بھی نہیں۔ تم اِس وقت ... بول رہی ہو؟“

”اپنے گھر سے!“

”اوہو! تمہارے یہاں ٹیلیفون ہے؟ تم نے پہلے ... نہیں تھا ورنہ میں تمہیں کم از کم فون تو ضرور کر لیتی۔ خود ... مجھے اِس لیے نہیں ملا تھا کہ میں بعض معاملات میں بہت ... اُلجھی ہوئی تھی اور... خیر تفصیلی گفتگو ملاقات پر ہوگی۔ ... وقت میرے گھر آ سکتی ہو؟“

”اِسی وقت؟ اگر ایک گھنٹے بعد آ جاؤں تو کیا حرج ...“

”حرج تو ہو سکتا ہے۔ آخر تم ایک گھنٹے کی مہلت کیوں ...

... علاقے کے تھانے سے ہو کر آپ کے پاس ...

... لگی۔ ”تھانے کیوں؟“

... نہیں۔ ہم جیسی لڑکیوں کو اکثر تھانے میں ... ابھی دیر قبل ایک سپاہی آ کر امّی سے کہہ ... لاؤں، تھانے پہنچ جاؤں۔“

”ہم ہرگز تھانے نہیں جاؤ گی۔“ میں نے ...

... کے لہجے میں حیرت تھی۔

... جیسی ہی بات! دراصل تمہیں علم نہیں ہے کہ ... معاملات پیش آ چکے ہیں۔ تم فوراً میرے پاس ... اگر کوئی پولیس والا دوبارہ آئے تو وہ اُس ... گھر نہیں لوٹی ہو۔“

”تو میں ایسا ہی کروں گی۔“

”... بولا۔ ”خیر!“

... نہیں ہوتا تو پلک جھپکتے آپ تک پہنچ جاتی ... نے مجھے بے حد پریشان کر دیا ہے اور میں خواہ مخواہ ... بے چین ہو گئی ہوں۔“

... ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس تم فوراً میرے ...

... ہوں۔“

... سنبھل کر گھر سے نکلنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم گھر سے نکلو ... سپاہی دروازے پر کھڑا ہو۔“

”... باہر تو نہیں گی۔“

... ریسیور رکھا اور کمرے میں ٹہل ٹہل کر بے چینی سے ... انتظار کرنے لگی۔ اِس میں تو اب مجھے کوئی شبہ ہی نہیں ... تاتاری نے خورشید کا نام لے لیا ہے اور وہ چونکہ ایک بدنام ... ہے انسپکٹر خالد نے خود اُس کے گھر جانے کی بجائے ... طلب کروایا ہے۔

... ہوئے ابھی بمشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ... بجنے لگی۔ میں نے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اُٹھایا اور ... میں بولی۔ ”ہیلو! بانو اسپیکنگ!“

”خورشید کی ماں بول رہی ہوں!“ دوسری طرف سے آواز ... تھا شغل...

... میرے لہجے میں تشویش تھی۔

”خورشید نوری طور پر اب تک نہیں ... گی۔ وہ بہت دیکھ بھال کر گھر سے نکلی تھی لیکن کچھ فاصلے پر ایک سادہ لباس والا موجود تھا۔ اُس نے فوراً خورشید کو روک لیا اور اپنے ساتھ تھانے لے گیا!“

مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے خورشید کی ماں بہت دور سے بول رہی ہو۔ میرا سارا منصوبہ خاک میں ملتا نظر آ رہا تھا۔ خورشید چونکہ حالات سے بے خبر تھی لہٰذا اعتراف کر لیتی کہ تاتاری نے اُسے میرے پاس بھیجا تھا اور وہ مجھے بتا چکی ہے کہ تاتاری کس قسم کا آدمی ہے۔ اِس بیان کی وجہ سے میں پولیس کی نظر میں جھوٹی ہو جاتی کیونکہ میں نے تاتاری سے اپنی ناواقفیت کا اعلان کیا تھا۔

خورشید کی ماں نے شاید کچھ اور بھی کہا تھا جو میں سن نہیں سکی اور بے خیالی کے عالم میں کوئی جواب دیے بغیر ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں ذہنی طور پر اتنی غیر حاضر تھی کہ کچھ دیر تک میرا ہاتھ ریسیور پر ہی رکھا رہا۔

صورتِ حال کی تبدیلی کے باعث مجھے نئے سرے سے سوچنا پڑتا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے! میں تاتاری کے بیان کو بار بار غلط ثابت کروا دیتی، اُسے پولیس کے ہاتھوں جُوتے پڑواتی رہتی اور اِس طرح گویا تاتاری کو مجھ پر فائرنگ کرنے کی سزا ملتی رہتی لیکن اب پانسا پلٹ چکا تھا۔ اب پولیس میرے ہی پیچھے پڑ جاتی کہ میں نے غلط بیانی کیوں کی؟

نہ جانے کیا چکر ہے؟ میں نے سوچا۔ آج کل میرا ستارہ مستقل طور پر گردش میں آیا ہوا ہے۔

وقت گزرتا رہا۔ میں بے چینی سے کمرے میں ٹہلتی رہی اور سوچتی رہی۔ ... ایک ... مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ اب میں اُس سے کس طرح پیش آؤں، یعنی کس انداز میں گفتگو کروں!

کوئی ایک گھنٹے بعد میری خوابگاہ کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں ٹہلتے ٹہلتے چونک کر رُک گئی۔

”آ جاؤ!“ میں نے بلند آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا اور ملازمہ اندر آئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ انسپکٹر خالد کی آمد کے بارے میں بتائے گی لیکن اُس نے خورشید کی آمد کی اطلاع دی۔

”اوہ!“ میں چونک گئی۔ ”خورشید آئی ہے؟ اُسے فوراً یہاں لے آؤ۔“

ملازمہ چلی گئی۔

خورشید کی آمد سے میرے ذہن کا بوجھ خاصی حد تک کم ہو گیا تھا۔ اُس سے تفصیلات معلوم ہونے کے بعد پولیس سے سامنا کرنا میرے لیے قدرے آسان ہو جاتا۔

بشدید میرے مرے ...

لگا کر اُس کی پیشانی چومتے ہوئے گویا شاکی لہجے میں کہا "آخر مجھ سے پہلے پولیس ہی سے ملاقات کر بیٹھیں نا!"

"میں کیا کرتی بانو! اُن کمبختوں نے وہاں ایک سادہ لباس والے کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی جسے میں پہچانتی ہی نہیں تھی۔"

"اچھا خیر، یہ بتاؤ کہ وہاں کیا گزری؟"

"اُن لوگوں کا پہلا سوال یہ تھا کہ کیا تاتاری نے مجھے صبیحہ بانو نام کی ایک خاتون کی فرم میں ملازمت کے لیے بھیجا تھا!"

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ اثبات ہی میں جواب دیا جا سکتا تھا۔ میری غلط بیانی آپ کے لیے کسی پریشانی کا بھی سبب بن سکتی تھی۔"

میں نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر رہ گئی۔ میرے چہرے کی پریشانی کو تاڑ کر خورشید بولی "کیا مجھ سے غلطی ہو گئی ہے بانو؟"

"ہاں!" میں نے ایک طویل سانس لیا "تمھارا یہ اقرار ہی اب میرے لیے پریشانی کا سبب بنے گا۔"

"اوہ!" خورشید نے تشویش سے کہا "اگر آپ مجھے ٹیلیفون پر بتا دیتیں تو میں احتیاط...."

"ہاں!" میں نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "مجھ سے غلطی ہو گئی۔ دراصل میں نے سوچا یہ تھا کہ جب تم آ جاؤ گی تو تفصیل سے سب کچھ سمجھا دوں گی۔"

"اِس بات کی طرف کم از کم کوئی اشارہ ہی کر دیتیں!"

"بقول شخصے.... اِس مرتبہ میرے ستارے ہی کچھ گردش...؟"

میرا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی خورشید کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ میں چونکی اور اُسے گھورنے لگی۔

"میں بہت کوشش کر رہی تھی کہ زیادہ دیر تک ہنسی ضبط کروں"، خورشید بدستور کھلکھلاتی ہوئی بولی "مجھے آپ کی پریشانی دیکھ کر بڑا لطف آ رہا تھا۔"

"اِس میں لطف انگیزی کی کیا بات ہے؟" میں تلخ لہجے میں بولی۔

"آپ نے میرے بارے میں بڑے غلط اندازے لگائے ہیں بانو!"

"کیا مطلب؟"

"آپ مجھے غبی اور کودن سمجھتی ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے۔"

"خدا جانے تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"محترمہ بانو صاحبہ!" خورشید بڑی ادا سے بولی "اصل بات یہ ہے کہ میں نے پولیس کو اصل بات سے بے خبر رکھا ہے۔

آپ نے ٹیلیفون پر مجھ سے اِتنا ... پہلے آپ سے ملاقات کروں لہٰذا ... اِس قسم کے سوالات کیے گئے تو میں ... سے چھپانا چاہتی ہیں۔ یہ اندازہ کر ... سچائی کا ہیضہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں ... کہہ دیا کہ تاتاری مجھے نہ جانے کس ... تو صبیحہ بانو نام کی کسی عورت سے ..."

"اوہ، گڈ!" میں نے ... اور اُس کے ہونٹ کاٹ ڈالے۔

"ارے ارے!" خورشید نے ... میرے ہونٹوں کو کہیں اور استعمال کرنا ...

"تمھاری اِس شرارت پر جی تو یہی چاہ ... بُری طرح توڑ مروڑ کر رکھ دوں۔" میں ...

"بلوروم میں لے جا کر!" خورشید ... آنکھ دبا کر بولی۔

"ہاں!" میں نے سر ہلایا" اور پھر ... وقت اِس کے لیے مناسب نہیں ہے۔ مجھے تم ... ہیں۔"

"ذہن تو میرا ابھی اُلجھا ہوا ہے۔ میں ... آخر تاتاری کو پولیس نے کیوں چھاپ لیا تھا ... میں آپ کو کس طرح گھسیٹنا چاہتا ہے!"

"تاتاری کو اُس وقت گرفتار کیا گیا تھا ... بر ساکر فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"اوہ!" خورشید کے مُنہ سے نکلا۔

"اور شاید تم یہ جان کر بھی چونکو کہ اُس ... تاتاری نے مجھ پر قاتلانہ حملہ بھی کیا تھا لیکن میں ...

"ارے! کس طرح! کیسے؟" خورشید بولی ...

میں نے اُسے تفصیل سے تاتاری کے حملے ... بتایا اور اپنے شانے کی ڈریسنگ بھی دکھائی ... کے بعد خورشید کے چہرے سے غور و فکر کا اظہار ... میں اِس کے بعد خاموش ہو گئی۔ میں دیکھنا چاہتی ... کیا تبصرہ کرتی ہے!

آخر کچھ دیر بعد خورشید نے کہا "میرا ذاتی خیال ... آپ پر وہ حملہ، تاتاری کا ذاتی فعل بھی ہو سکتا ہے۔ اُ... بیان کی درستی پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اُس نے ... ایما پر آپ کو ہراساں کرنے کی کوشش کی تھی۔"

... کی نہ سمجھا جائے تو پھر ... سے ... کس خانے میں رکھی جائے گی؟"

"..."

"... ری منتقم مزاج تو ہے لیکن وہ اپنے ... دل نہیں ہے۔"

"... مجھے پر اب بھی قائم ہوں۔"

"... جملہ...."

"... ملا نہیں کہوں گی۔"

"... طور پر کام کر رہا ہے؟" میں نے مُنہ ...

"... کہہ رہی ہوں بانو! تاتاری کا مقصد صرف آپ کے جسم کے کسی حصّے کو بیکار کر دے ... یہ لگنا اِس بات کا غماز نہیں ہے کہ تاتاری ... دراصل اُس نے خود ہی یہ کوشش کی ہو ... سہی نہ لگ سکے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں ... سچا ہوتا ہے۔"

"... چپ ہو گئی۔ میرے پاس کوئی ایسی دلیل ... کے خیالات کو مسترد کر سکتی۔

"تاتاری کے سلسلے میں کیا چاہتی ہیں؟" خورشید نے پوچھا۔

"... ری کے بیانات پولیس کی نظر میں غلط ثابت ... اُس کی پٹائی کرتی رہے۔ یہی اُس کی سزا ... نے بھی اُس کے بیان کو غلط قرار دے دیا ... کہتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں ایک خیال کی بھاگ دوڑ کو میں پہلے تو کوئی معنی نہیں پہنا ... اچانک میرے ذہن میں ایک نکتہ اُبھر آیا تھا۔ ... کو یہ اندیشہ ہو گا کہ اگر میں نے مشتاق چنگیزی سے ... بر ظاہر کر دیا تو اُسے حراست میں لینے کے لیے ... جانے کا لہٰذا وہ جو بھاگا کا ایک ایڈوکیٹ کے ... مقصد غالباً یہ ہو گا کہ وہ اپنی ضمانت قبل از گرفتاری ...

... سمجھانے بجھانے کے بعد میں نے اُسے رخصت کر دیا کیونکہ ... مجھے آج ہر قیمت پر سنگیتا کی کشتیِ نقل و حرکت ... معلوم کرنا تھا۔ آج میرا پروگرام یہ تھا کہ میں بی ہائینڈ ... کرنے کی بجائے اُس جگہ رُک کر انتظار کروں گی ... سے اُتر کر ایک کار میں منتقل ہو جاتی ہے۔ آج

... اس کا تعاقب کرنا تھا۔

رات کا کھانا کھا کر جب میں روانگی کے لیے تیار ہونے کا ارادہ کر رہی تھی تو رضوان کے ہاسپٹل سے فون آ گیا۔ مجھے اطلاع دی گئی کہ آج پھر رضوان کے سینے میں شدید درد اُٹھا ہے اور یہ سابقہ دوروں سے زیادہ شدید ہے۔

میں اُن دنوں رضوان کی حرکتوں کے باعث اُس سے چڑی ہوئی تو تھی لیکن ہم میں کوئی قلبی فاصلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ میں اُسے پسند کرتی تھی اور یہ بھی میرے سامنے تھا کہ میری چھوٹی بہن رضیہ اُسے چاہتی تھی۔

رضوان پر شدید درد کے حملے کی اطلاع سُن کر میں بوکھلا گئی اور باہر کی طرف دوڑ پڑی۔ گیرج سے کار نکال کر میں تیزی سے ہاسپٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔

ساڑھے دس بجے تھے جب میں ہاسپٹل پہنچی۔ وہاں پہنچ کر پتا چلا کہ درد کا حملہ وقتی تھا اور اب اُس کی حالت اطمینان بخش ہے۔ میں ... پانچ منٹ بعد اُس کے کمرے میں اُس سے ملاقات کر سکتی ہوں۔

اِن معلومات میں چھ سات منٹ گزر گئے اور اب وقت نہیں رہا تھا کہ میں رضوان کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد سنگیتا کی نگرانی کے لیے روانہ ہو سکتی۔ اب یہ کام اگلی رات تک کے لیے ٹل گیا تھا۔ میں ٹال کردہ پانچ منٹ گزارنے لگی جس کے بعد میں رضوان سے مل سکتی۔ اِنھی پانچ منٹوں میں، میں نے یہ بھی سوچا کہ رضوان کا مرض جب یہاں کے ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے تو پھر بہتر ہو گا کہ میں رضوان کو علاج کے لیے امریکہ بھیج دوں اور رضیہ کو بھی اِس صورتِ حال سے آگاہ کر دوں تاکہ وہ امریکہ پہنچ کر رضوان کی خبر گیری کر سکے۔

پانچ منٹ بعد جب میں رضوان کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ سینے تک چادر اوڑھے ہوئے لیٹا تھا اور مجھے دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ آئی تھی۔

"ہیلو!" جب وہ بولا تو اُس کے لہجے میں کسی بیماری یا تکلیف کا پرتو نہیں تھا۔

"عجیب درد ہے تمھارا!" میں اُس کے قریب بیٹھ کر ٹھنڈا سانس لیتی ہوئی بولی "تمھارے چہرے سے معلوم ہی نہیں ہو رہا ہے کہ تم پر کوئی شدید اٹیک ہو چکا ہے۔"

"دردِ دل ٹھہرا!" رضوان نے ہنس کر کہا "اِسے تو میر تقی میر سے لے کر آج تک کوئی بھی ٹھیک سے نہیں سمجھ سکا۔"

"یہ تمھاری ہمت ہے کہ تم اِس سلسلے میں زیادہ تشویش کا

"لیعنی؟"
"تمھیں علاج کے لیے امریکہ بھیج دوں۔"
"ارے نہیں!" رضوان ہنس پڑا۔ "اب اِس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"
"کیوں؟ اب کیا بات ہے؟"
"اب آپ آج یہاں آگئی ہیں نا! اب میں آپ کے سامنے ہی ڈاکٹر شکیل سے بات کروں گا اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"
"یہ ڈاکٹر شکیل کون ہے؟"
"قلبی امراض ہی کا اسپیشلسٹ ہے۔ حال ہی میں امریکہ سے تعلیم حاصل کر کے آیا ہے۔ ہر چند کہ وہ تجربے کار نہیں ہے لیکن اُس کی رائے کو بڑا مستند خیال کیا جاتا ہے۔ وہ ٹھیک گیارہ بجے ہاسپٹل آتا ہے اور سب سے پہلے مجھے ہی دیکھنے آتا ہے۔"
"تمھارے مرض کے بارے میں اُس کا کیا خیال ہے؟"
"خیال کیا، اُسے تو یقین ہے کہ مجھے کوئی مرض نہیں۔ وہ نہایت بذلہ سنج بھی ہے۔ کمبخت ہنس کر مجھ سے بس یہی پوچھتا ہے کہ یار! سچ سچ بتاؤ، تم آخر ہاسپٹل میں کیوں داخل ہوئے ہو اور بلاوجہ یہاں کے اخراجات کیوں برداشت کر رہے ہو؟"
"کیا بیہودہ بات ہے!" میں نے مُنہ بنایا۔
"قطعی بیہودہ بات نہیں ہے۔" رضوان نے ہنس کر کہا۔
"کیا مطلب!" میں چونک پڑی۔
"اُس کے یقین پر مجھے کوئی شبہہ نہیں ہے۔"
"کیا بکواس کر رہے ہو؟"
"مجھے واقعی کوئی مرض لاحق نہیں ہے۔ میں تو بس اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کو آزما رہا تھا۔" رضوان نے ہنس کر کہا۔
میں اُسے اس طرح گھورنے لگی جیسے اُسے ذہنی عدم توازن کا شکار سمجھ رہی ہوں۔
رضوان بدستور ہنستا ہوا بولا۔ "لیکن پتا یہ چلا کہ ڈاکٹر شکیل جیسے ذہین ڈاکٹروں کو بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا۔"
"تو پھر آخر تمھاری اِس احمقانہ حرکت کا مطلب۔" میں غرائی۔
"جب آپ ڈاکٹر شکیل سے ملاقات کریں گی تو مطلب بھی آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔ لیجیے... میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر شکیل آ ہی گیا۔"
باہر راہداری کے فرش پر جوتوں کی کھٹ کھٹ سُنائی دے رہی تھی۔ وہ آواز کمرے کے سامنے آکر رُکی پھر دروازہ کھُلا اور دو شخصیتیں کمرے میں داخل ہوئیں، ایک مرد اور اُس کے پیچھے ایک

نرس!
"یہی ڈاکٹر شکیل ہیں۔" رضوان
ڈاکٹر شکیل اسم بامسمّیٰ تھا۔ ا
لیکن میری نگاہ تو ڈاکٹر شکیل
گئی تھی اور یہ عین فطری امر تھا۔
وہ نرس سنگیتا تھی!

اُس وقت سنگیتا کو وہاں دیکھ کر م
کیفیت کا بس ہلکا سا عکس میری یادوں
ہے۔ شاید میں اُسے دیکھ کر مبہوت
ہوا تھا۔ میں اس کے بارے میں یقین
کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا تھا
نظر نہیں ملا سکی تھی۔ اُس نے سر جھکا لیا تھا
مجھے دھوکا نہیں دے رہی ہے تو میں
کے جسم میں خفیف سی لرزش بھی پیدا ہوئی
ڈاکٹر شکیل نے شاید میری اور سنگیتا کی
دیا۔ وہ اپنے مریض یعنی رضوان کی طرف متوجہ
"کہیے مسٹر رضوان! آپ کی دانست میں آپ
ہوئی یا نہیں؟"
"میرا خیال ہے کہ آپ لوگ میرے مرض
سکتے۔" رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا
ڈاکٹر شکیل نے اس تبصرے پر قطعی بُرا نہ
"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مسٹر رضوان! میں نے
حاصل کر کے بھاڑ ہی جھونکا ہے۔"
"غیر ممالک میں تو بھاڑ ہوتا ہی نہیں
سکتے۔" رضوان نے شوخ لہجے میں کہا۔ "مگر
سے کہہ سکتا ہوں۔"
"وہ کیا؟" ڈاکٹر شکیل بدستور خوشگوار
"غیر ممالک کے اساتذہ آپ کو ایک نکتہ
"اُس کی تشریح بھی آپ ہی کر دیجیے!"
"بالکل سامنے کی بات ہے۔" رضوان
خوبصورت ہو تو مریض کو پچاس فیصد افاقہ از خود
"میرا خیال ہے کہ میں زیادہ بدصورت

...تو قربان ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔" رضوان نے
...نفی اور حیا کی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن
...ہے کہ اِس اسپتال کی سب سے خوبصورت نرس
...کو لاتے ہیں اور اپنے ساتھ ہی واپس بھی لے جاتے

...ری ہے مسٹر رضوان! سنگیتا پر کچھ گھریلو فرائض داریاں
...باعث یہ ہاسپٹل کو زیادہ وقت نہیں دے سکتیں اور..."
...ل نے کچھ اور بھی کہا تھا جس پر میں دھیان نہیں دے
...عجیب نقل و حرکت کا سبب اب کھُل کر میرے سامنے
...پر غصّہ بھی آیا کہ میں نے سنگیتا کے کردار پر شبہہ کیا
...معزز پیشے کو اپنائے ہوئے تھی۔ ہر چند کہ بعض
...ل نے اس پیشے کو بھی داغدار کر دیا ہے مگر اُن
...سے اِس پیشے پر انگشت نمائی نہیں کی جا سکتی۔
...یقین سے کہہ سکتی تھی کہ سنگیتا کا شمار اُن بُری لڑکیوں
...جا سکتا تھا۔ رہ گئی یہ بات کہ ڈاکٹر شکیل سے اُس کا
...کس بنا پر ہے، تو یہ کوئی ایسا پیچیدہ سوال نہیں تھا
...ان تھی کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں۔
...نے اپنے خیالات کے اِس بھنور سے ڈاکٹر شکیل کی
...سنی۔ "جیسا آپ مناسب سمجھیں مسٹر رضوان! ہمیں
...کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ آپ ہاسپٹل سے چھٹی لینا چاہتے

...پھر پوری طرح اُن دونوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔
...ل..." رضوان نے عجیب سا مُنہ بنا کر کہا۔ "مجھے تو اپنی
...ہے لیکن آپ لوگوں کو اِس سے انکار ہے لہٰذا
...ابھی تک سمجھ نہیں سکتی۔"
...یل ہنسنے لگا اور اُس وقت اُس نے پہلی مرتبہ مجھے
...دیکھا۔ اُس کے بعد وہ پوچھے بغیر بھی نہ رہ سکا۔ اُس
...نے پوچھا۔ "یہ شاید آپ کی وہی عزیزہ ہیں جنھیں
...بلوانا چاہتے تھے!"
...ال، یہ..."
...ن کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ڈاکٹر شکیل معنی خیز
...ٹھیک ہے، اب میں سمجھ گیا۔"
...سمجھ گئے؟" رضوان نے پلکیں جھپکائیں۔
...اسی لیے بیمار بنے تھے کہ یہ آپ کو دیکھنے آئیں۔"
...ن نے ایک دلدوز آہ بھری۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر

شکیل کی بات کا سہارا لے کر رضوان اب مجھے کھینچنے کی کوشش کرے گا لہٰذا میں جلدی سے بول پڑی۔ "ڈاکٹر! دراصل میں رضوان کی سسرال لانے والی ہوں۔"
"اوہ! اب میں سمجھا۔ یہ سارا جھگڑا ہونے والی بیوی کا ہے۔ اب آپ جلدی سے اِن کی سسرال بن جائیے تاکہ انھیں کسی کو بُلانے کے لیے آپ کے واسطے کی ضرورت نہ پڑے۔" ڈاکٹر شکیل نے ہنستے ہوئے کہا۔
"میں تو ایڑی سے چوٹی اور چوٹی سے ایڑی تک کا زور لگا چکا ہوں۔" رضوان نے بڑے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "لیکن اُدھر بڑا سناٹا ہے!"
"سناٹا کیا مطلب؟" ڈاکٹر شکیل کو شاید اِن باتوں میں لُطف آرہا تھا۔
"دراصل..." رضوان نے کہا۔ "شادی اور محبت کے سلسلے میں اِن کی چھوٹی بہن صاحبہ کا فلسفہ بڑا عجیب و غریب ہے اور اس فلسفے میں مجھے ویرانی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اِسی لیے میں نے لفظ سناٹا استعمال کیا تھا۔"
"خیر!" ڈاکٹر شکیل نے اِس طرح کہا جیسے اب رخصت ہو جانا چاہتا ہو۔ "یہ آپ لوگوں کے نجی معاملات ہیں اور غالباً مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اِن معاملات کو زیادہ کریدوں۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ چند اور مریض بھی میرے منتظر ہوں گے۔ آپ جب چاہیں ہاسپٹل سے چھٹی لے سکتے ہیں۔ ایسا اِس وقت بھی ممکن ہے۔"
"شکریہ ڈاکٹر! اب یہاں سے میرا جی بھر چکا ہے۔"
ڈاکٹر شکیل ہنس کر واپس جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ میں بول پڑی۔ "ڈاکٹر!"
"جی فرمائیے!" وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔
"اگر آپ کوئی حرج نہ سمجھیں تو اپنی نرس کو پانچ منٹ کے لیے یہیں چھوڑ جائیے۔ مجھے کچھ باتیں کرنا ہیں اِن سے!"
"اِن سے آپ کو کیا باتیں کرنا ہیں؟" ڈاکٹر شکیل کو حیرت ہوئی تھی اور سنگیتا کے چہرے پر پھر ایک رنگ آکر گزر گیا تھا۔
"جو باتیں مجھے اِن سے کرنا ہیں، وہ میں آپ کو نہیں بتا سکوں گی۔ میں اپنی صاف گوئی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔"
ڈاکٹر شکیل نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کندھے جھٹکے، اور بولا۔ "عجیب بات ہے، خیر! میں انھیں چھوڑے جا رہا ہوں جگو۔ تم پانچ منٹ بعد کمرہ نمبر سات والے مریض کے پاس آجانا۔ میں وہیں جا رہا ہوں۔"

"بہت بہتر!" سنگیتا نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا مسٹر رضوان! میں آپ کی شادی کے سلسلے میں دعاگو رہوں گا۔"

"آپ کے ہونے والے بچے جئیں!" رضوان نے جیسے خوش ہو کر کہا۔

ڈاکٹر شکیل ہنستا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

سنگیتا سر جھکائے کھڑی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے نظر ملاتے ہوئے گھبرا رہی ہے۔ وہ بلاشبہ نروس تھی اور اُسے اس طرح روک لینے پر رضوان معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ بھی کھیل رہی تھی۔

"سنگیتا!" میں نے دھیمی آواز میں پکارا۔

سنگیتا کی نظر ایک پل کے لیے میری طرف اُٹھی اور پھر جھک گئی۔ میں نے اُس کے ہونٹوں کی جنبش سے اندازہ لگایا کہ اُس نے "جی" کہا تھا ورنہ آواز تو اتنی مدھم تھی کہ اُس نے بس خود ہی سنی ہو گی۔

"تم دفتر کیوں نہیں آئیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں... وہ... دراصل..."

"میں ٹھیک ٹھیک جواب سننا پسند کروں گی۔" میرے الفاظ سخت مگر لہجہ نرم تھا۔

سنگیتا چند لمحے خاموش رہی اور پھر ہمت کر کے بولی۔ "آپ اس بارے میں جانتی ہیں تو پوچھنے سے کیا حاصل!"

"میں تو نہیں جانتی۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کو جان لینا چاہیے تھا۔"

"کیوں؟ کیسے جان لینا چاہیے تھا؟ کیا تمھارے خیال میں مجھے الہام ہوتا ہے؟"

"بات بالکل سامنے کی ہے۔" سنگیتا بڑی ہمت سے جواب دیے جا رہی تھی لیکن اُس کا سر بدستور جھکا ہوا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ بالکل سامنے کی بات ہو مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامنے کی چیز نظر نہیں آتی۔"

سنگیتا نے رضوان کی طرف دیکھا، پھر سر جھکا کر بولی۔ "اب میں کیا عرض کروں!"

"میرا خیال ہے۔" رضوان بستر سے اُٹھتا ہوا بولا۔ "آپ دونوں کچھ غرض معروض کر لیں، میں اتنی دیر میں اسپتال کا حساب بیباق کر کے یہاں سے روانگی کی تیاری کر لوں۔"

میں دل ہی دل میں رضوان کی شکرگزار ہوئی کہ اُس نے ہمیں کھل کر گفتگو کر لینے کا موقع دے دیا ورنہ عموماً ایسے مواقع پر اُس

…ی کوئی رک… سی ہو جاتی تھی اور وہ … جاتا تھا۔

اُس کے جاتے ہی میں نے …

"دفتر نہیں … بھی نہیں آؤ گی؟"

"میرا خیال ہے کہ میں آپ کے معیار پر … گی۔" سنگیتا نے مجھ سے نظر ملائے بغیر کہا۔

"کیا تم یہ بات اس لیے کہہ رہی ہو کہ … گئی تھی؟"

سنگیتا جواب دینے کی ہمت نہیں کر سک… رہی۔ اُس کی خاموشی میرے سوال کا اثباتی جواب … ٹھنڈا سانس لیا اور کہا۔ "دراصل میں ایک غلط… تھی۔ اب وہ غلط فہمی دور ہو چکی ہے اِس … مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ کل سے تم دفتر …"

"لیکن...!" سنگیتا نے پہلو بدلا۔

"میں کوئی عذر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں" … کی بات کاٹتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "… آؤ گی۔ اگر نہیں آئیں تو میں تمھیں لینے کے لیے … جاؤں گی۔ اب تم جاؤ۔ ڈاکٹر شکیل کو تمھارا انتظ…"

میں سنگیتا سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی … اور یہ جگہ اُن باتوں کے لیے مناسب نہیں تھی … دیر تک منتظر نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

سنگیتا نے ایک مرتبہ میری طرف دیکھا۔ اُس کی … ایسی چمک تھی جو آنسو اُبل پڑنے سے پہلے پیدا ہوتی ہے … سے مُڑی اور دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میں … سے وعدہ لینا چاہتی تھی کہ وہ کل دفتر ضرور آئے گی … جذباتی تغیر کو دیکھتے ہوئے میں نے اُسے روکنا مناسب … وہ چلی گئی اور میں ایک ٹھنڈا سانس لے کر رضوان … بیٹھ گئی۔ میرے دماغ میں چکراتے ہوئے خیالوں کا … تھی۔ "اتنی "پیچیدہ" لڑکیاں میری زندگی میں بہت …

میرے خیالات کا تسلسل رضوان کی یہ جھنکار … "آپ اتنی جلدی تنہا رہ گئیں۔"

"تو پھر کیا ہونا چاہیے تھا!" میں اُسے گھورتی ہوئی …

"جو کچھ ہونا چاہیے تھا۔ میں اُس سلسلے میں ناتجربہ کا… اس لیے کچھ عرض بھی نہیں کر سکتا۔"

"تم ہاسپٹل میں آخر کیا ڈرامہ کھیل رہے تھے؟"

…طر سب کچھ کر رہا تھا جناب!"

…

"…آپ یہ معلوم کرنا پسند نہیں کریں گی کہ ڈاکٹر شکیل … ریت کیا ہے؟"

"… بتا دیتے کہ تم نے یہ ڈھونگ کیوں رچایا ہے!"

"… کے موڈ میں ہی کب تھیں۔ آپ نے صاف … آپ کو جو کچھ معلوم کرنا ہے، خود ہی معلوم کر…"

…اس جواب نے مجھے لاجواب کر دیا لیکن میں نے … جانے کی بجائے ذرا ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا اور بولی۔ "… چاہیے تھا کہ تمھارے اِس ڈرامے سے مجھے کتنی … !"

"… چلتا ہے۔ آخر آپ میری ہونے والی سالی ہیں۔ … اب میں کوئی کرائے کی سالی تو لانے سے …!"

"… جانے تو میں اِس سلسلے میں تمھاری گوشمالی …"

"… ہاتھوں سے تو میں ہر قسم کی گوشمالی کرا لوں گا لیکن … ؟"

"… ان بھی پہنچنے ہی والی ہے۔"

"…ت یہ ہے کہ اُس سے خط و کتابت بھی نہیں ہو سکتی۔ … برازیل کا وہ علاقہ ہی ایسا ہے جہاں ڈاک کا کوئی … لیں۔" میں نے جواب دیا اور پھر بولی۔ "کیا تم نے … چھٹی لے لی ہے؟"

"…اں!"

"…پھر چلو!"

"… میں ذرا اپنا مختصر سا سامان سمیٹ لوں۔"

…در بعد میں رضوان کو لے کر ہاسپٹل سے روانہ ہو گئی۔

"…اب شروع ہو جاؤ!" میں نے راستے میں رضوان سے …

"…ف سے شروع کروں یا اِلف سے؟ ویسے مجھے دوسری …ں کے حروفِ تہجی بھی یاد ہیں۔"

… نے اُسے گھور کر دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔ "اوہ! … کوئی اور چیز شروع کروانا چاہتی ہیں۔ کیا راگ مالکونس …ل؟ لیکن یہ وقت مالکونس کے لیے مناسب نہیں … کا یہ راگ دراصل...؟"

"…جانِ رضوان!" رضوان اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کچھ خم ہوا۔

"میں تمھیں اُٹھا کر گاڑی سے باہر پھینک دوں گی۔"

"کاش آپ مجھے اُٹھا کر اپنے کلیجے سے لگا سکیں!" رضوان نے ایک دلدوز آہ بھر کر کہا۔ "اللہ میاں سے مجھے یہ شکایت ہمیشہ رہے گی کہ اُنھوں نے مجھے لڑکی نہیں بنایا۔"

میں نے مناسب یہی سمجھا کہ خاموش ہو جاؤں۔ اِس وقت رضوان پر مجھے تنگ کرنے کا دورہ پڑا ہوا تھا اور ایسے موقعوں پر اُسے قابو میں کرنے کی کوشش بے سود ہی ہوتی تھی البتہ کوشش نہ کرنے کی صورت میں وہ کبھی کبھی از خود راہِ راست پر آ جاتا تھا۔

جب گاڑی کا رخ پرنس روڈ کی طرف ہوا تو رضوان جلدی سے بولا۔ "ادھر! کیا آپ مجھے میرے گھر پر چھوڑیں گی؟"

"جہاں تم چاہو، وہاں چھوڑ دوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تو یہ چاہتا تھا کہ آپ مجھے اپنے گھر لے جائیں لیکن ایسے بھاگ کہاں ہیں میرے! چلیں ٹھیک ہے۔ آپ مجھے میرے گھر کی ویرانیوں ہی میں تنہا چھوڑ دیں۔ وہاں میں خود کو کسی لنڈورے مُرغ کی طرح محسوس کرتا ہوں۔ کاش آپ کو مجھ پر ترس آ سکتا۔"

میں پھر خاموش ہو گئی کہ اسی میں بہتری تھی۔

چند لمحے بعد رضوان بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اب میں آپ کو حقیقتِ حال سے آگاہ کر دوں ورنہ آپ کا پارہ اتنا بھی چڑھ سکتا ہے کہ ریٹرن ٹکٹ بھی کینسل کروا دے!"

میں اب بھی کچھ نہیں بولی۔

"ڈاکٹر شکیل اور سنگیتا ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔" رضوان نے جیسے رپورٹ دینا شروع کی۔ "شکیل بہت ذہین ڈاکٹر ہے۔ اِس ہاسپٹل کی انتظامیہ نے بہت کوشش کر کے اُس کی خدمات حاصل کی ہیں اور وہ بڑی مشکل سے دو گھنٹے کا وقت دے سکا ہے۔ اُس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ اپنی پسند کی نرس رکھے گا اور اسی شرط کی منظوری کا نتیجہ، سنگیتا ہے۔ سنگیتا رات کو ایک خاص وقت پر نیشنل ہائی اسکول کے موڑ تک تانگے سے پہنچتی ہے اور وہاں ڈاکٹر شکیل اپنی کار میں اُس کا منتظر ہوتا ہے۔ واپسی میں وہ سنگیتا کو اپنی کار سے اُس کے گھر کے قریب ہی اُتار آتا ہے۔ اُس وقت وہاں اتنی ویرانی ہوتی ہے کہ کوئی سنگیتا کو کار سے اُترتے ہوئے دیکھنے … میں ہاسپٹل میں اسی لیے داخل ہوا تھا کہ وہاں … کر اُن دونوں کے تعلقات کی نوعیت کا اندازہ … رضوان

اچانک … بولا۔ "آپ میری باتیں سُن رہی ہیں یا کسی اور ہی خیال میں گم ہیں؟"

"میں پوری طرح تمھاری طرف متوجہ ہوں۔"

"لیکن آپ نے ایک بار بھی ہنکارا نہیں بھرا!"

"ضروری نہیں ہے، تم بولتے رہو۔"

چنانچہ رضوان نے ایک لمبا سانس لیا اور بولتا رہا۔ "میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت شدت سے چاہتے ہیں۔ اگر اُن کی اور لیلیٰ مجنوں کی محبت میں کوئی فرق ہے تو وہ صرف عہد کا فرق ہے۔ نئے اور پرانے عہد کے تقاضوں کا فرق! مجنوں میاں کے زمانے میں غمِ دوراں نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی لہٰذا وہ صرف غمِ جاناں کے ہو کر رہ گئے تھے لیکن آج کے زمانے میں انسان غمِ دوراں سے دامن نہیں بچا سکتا، سو وہ دونوں بھی اِن دونوں غموں کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں۔ میں نے دو ایک مرتبہ چھپ کر اُن کی باتیں سننے کی بھی کوشش کی لیکن پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا۔ بس اتنا اندازہ کر سکا ہوں کہ سارا پھڈا وہی ہے جو ہماری یہاں کی فلموں میں عموماً دکھایا جاتا ہے۔"

"یعنی؟"

"امیر اور غریب کا فرق! طبقاتی تضاد! سنگیتا ایک معمولی گھرانے کی لڑکی ہے اور تشکیل ایک معزز ڈاکٹر! میرے خیال میں تو بس یہی ایک رُکاوٹ ہو سکتی ہے ورنہ مذہب کا اختلاف تو محبت کے معاملے میں عموماً ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔"

"عموماً تو ثانوی حیثیت رکھتا ہے لیکن خصوصاً ایسا نہیں بھی ہوتا۔"

"یعنی آپ کے خیال میں مذہب ہی وہ رُکاوٹ ہے؟"

"یہ کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ میں ایک امکانی بات کہہ رہی ہوں۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ رُکاوٹ اِن دونوں چیزوں کی بجائے کوئی تیسری ہی چیز ہو۔"

"وہ کیا ہو سکتی ہے؟"

"کوئی ایسی بات جو فی الحال ہمارے سامنے نہیں ہے۔"

رضوان کچھ سوچنے لگا۔ غالباً وہ اپنے ذہن پر زور ڈال رہا تھا کہ وہ تیسری بات کیا ہو سکتی ہے!

میں پھر بولی۔ "دراصل ابھی تم سنگیتا کے ماضی سے واقف نہیں ہو؟"

"میں نے آپ کو حال بتا دیا ہے۔ آپ مجھے ماضی بتا دیجیے!"

جواب میں میں نے اُسے سنگیتا کے ماضی سے باخبر کیا اور وہ سب کچھ بھی بتا دیا جو اس دوران میں مجھ پر گزر چکا تھا۔ یہ ساری باتیں میں نے اس لیے بتائیں کہ میں اس معاملے میں رضوان سے خاصا کام لینا چاہتی تھی۔ اگر میں اُسے اندھیرے میں رکھتی تو ممکن تھا کہ وہ اُلٹی گھتیاں بھرنے لگتا۔

اِنہی باتوں میں رضوان کا گھر آگیا تھا۔ اِلہ... کے سامنے روک دی تھی لیکن رضوان فوری طور پر... اور بولا۔ "یہ تو بڑے گمبھیر معاملات معلوم ہوتے ہیں"

"لیکن میں اِن کا پردہ ضرور چاک کر کے رہوں..."

"آپ کی اِس بات پر میرے ذہن میں بڑا... لیکن میں اُسے پھر کسی وقت کے لیے اُٹھا رکھتا ہوں یہ بتائیے کہ آئندہ کا کیا پروگرام ہے؟"

"مجھے تمھارا خاصا تعاون درکار ہے۔"

"کس طرح؟"

"یہ میں تمھیں کل بتاؤں گی۔ فی الحال میرے... خاص لائحہ عمل نہیں ہے۔"

"کل آپ سے ملاقات کب ہو گی؟"

"میں تمھیں فون کر لوں گی اور اگر تم اپنے گھر... مجھے دفتر میں ٹیلیفون کر لینا۔"

"آج رات ذہن خاصا اُلجھا رہے گا۔"

"سوچنا.... اور اگر کوئی نکتہ ذہن میں آئے تو ا... رضوان نے کہا کہ ... نکتہ لینے کے لیے ... تھا کہ میں پھر بولی۔ "لیکن مجھ سے مشورہ کیے بغیر ... نہ اُٹھانا۔"

رضوان سر ہلا کر کار سے اُتر گیا اور میں نے ... نہ جانے کیوں، آج کچھ زیادہ ہی تھکن محسوس ہو... بستر پر لیٹتے ہی نیند آگئی۔ صبح وقت پر آنکھ کھلی تو ... اخبار پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کے سوا ... تھی لہٰذا میں نے اخبار پھینک دیا اور بستر سے اُٹھ گئی ... کے بڑوں کے پست اور لغو بیانات سے مجھے ازحد ... ناشتہ کرنے کے بعد میں نے اپنے شانے کی ڈریسنگ ... دفتر جانے کے لیے تیار ہوئی لیکن جب میری کار ... رہی تھی تو اچانک میں نے پروگرام بدل دیا اور کار ایک ... ڈال دی کہ مشتاق چنگیزی کے گھر پہنچ سکوں۔

اُس وقت مشتاق چنگیزی اپنے گھر پر موجود تھا ... چونکہ تم میں سمجھ گئی کہ وہ مجھے بحیثیت صبیحہ بانو شناخت کر...

"صاحب!" ایک ملازم نے مشتاق چنگیزی سے کہا ... صاحبہ ... کل بھی آئی تھیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا ... سے ایک خاتون...؟"

"اچھا اچھا!" مشتاق چنگیزی نے ہاتھ اُٹھا کر اُس کی ... کاٹ دی۔ "تم جا کر چائے لے آؤ!" پھر وہ مجھ سے بولا۔

...ا سے تعلق رکھتی ہیں؟"

...ا کہ وہ مجھے شناخت کر لینے کے باوجود یہ ظاہر کرنا
...ں پہچانتا۔ میں نے بھی سوچا کہ اِس ڈرامے کو
...لیا جائے کہ اِس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے!
...سی اخبار سے خصوصی تعلق نہیں رکھتی مسٹر مشتاق!
...پ کے ملازم سے یہ بات میں نے یونہی کہہ دی
...ایک فری لانسر رپورٹر ہوں۔ میں اپنی حاصل کردہ
...ں اخبار کو بھیجتی ہوں جو مجھے زیادہ معاوضہ دیتا

"مشتاق نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "فرمائیے! میں آپ
...کیا کر سکتا ہوں؟"
...میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ
...جواب دیں اور اگر مناسب نہ سمجھیں تو انکار کر دیں۔"
...انکار کرنے کا حق تو میرے پاس ہے ہی نہیں۔"
...اِس وقت تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ یہ آپ کے سوالات پر
...اُن کے جوابات دینا پسند کروں گا یا نہیں!"
...پولیس اسٹیشن سے کچھ معلومات حاصل ہوئی تھیں میں
...اِس سلسلے میں کسی نتیجے تک پہنچ سکوں اِس لیے میں
...صبیحہ بانو سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا؟"
...آپ تاتاری نامی ایک جرائم پیشہ شخص کے بیان کی ت...
...جانتی ہیں!"
...ہاں۔ جی ہاں۔ بالکل! اُس نے صبیحہ بانو پر گولی چلائی
...اُس کا بیان ہے کہ یہ اقدام اُس نے آپ کی ایما پر کیا تھا۔"
...ں!"
...ہاں! مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے اُس کے
...کرنے سے انکار کر دیا ہے لیکن ایک بات میری سمجھ
...ں؟"
...یا؟"
...آپ بہت پریشان تھے اور آپ نے ایک وکیل سے بھی
...کیا تھا۔"
...آپ کو کیسے معلوم؟" مشتاق نے چونک کر پوچھا۔
...رپورٹروں کو ایسی باتیں معلوم ہو ہی جاتی ہیں۔" میں نے
...۔
...مشتاق چنگیزی قدرے خاموش رہا۔ غالباً وہ سوچ رہا تھا کہ
...بتانا چاہیے! آخر اُس نے ایک طویل سانس لے کر کہا
...حقیقت یہ ہے کہ جب پولیس اِس سلسلے میں تحقیقات کرنے

کے لیے میرے پاس آئی تھی تو میں پریشان ہو گیا تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ شاید میرا کوئی مخالف میرے خلاف سازش کر رہا ہے۔ میں نے صبیحہ بانو کے بارے میں بھی کسی سے سنا تھا کہ وہ کراچی کی اُن دو چار عورتوں میں سے ایک ہے جن کی رسائی اعلیٰ حکام تک ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ خاتون بھی اِس سازش میں ملوث ہوئیں اور اُنھوں نے میرے خلاف بیان دے دیا تو شاید پولیس مجھے حراست میں لے لے لہٰذا میں نے کل ہی ایک وکیل سے مل کر ضمانت قبل از گرفتاری کا بندوبست کر لیا تھا۔"

"تو کیا صبیحہ بانو نے آپ کے خلاف بیان دیا؟"

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔"

"خوب! اِس کا مطلب یہ ہوا کہ صبیحہ بانو اِس سازش میں شریک نہیں جو آپ کے خلاف کی جا رہی ہے۔"

"جی ہاں! لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر آخر تاتاری نے صبیحہ بانو پر قاتلانہ حملے کو مجھ سے منسوب کیوں کیا؟"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ دونوں ہی کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہو؟"

"میں اِس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں!"

"آپ کے خلاف یہ سازش کون کر سکتا ہے۔ آپ کو کسی پر شبہ تو ہو گا!"

"جی نہیں، میں اِس سلسلے میں کوئی نام نہیں لے سکتا۔ میرا کوئی بھی کاروباری حریف اِس قسم کی سازش کر سکتا ہے۔"

"کہیں وہ شخص رام لال تو نہیں!" میں نے اچانک ایک شدید حملہ کیا۔

مشتاق چنگیزی اِس طرح اُچھلا تھا جیسے اُسے اچانک سانپ نے ڈس لیا ہو۔

اُسی وقت ملازم چائے لے کر آگیا تھا اِس لیے مشتاق چنگیزی کو جواب دینے سے پہلے کچھ سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کا موقع مل گیا۔ اُس نے پیالیوں میں چائے بنائی اور ایک پیالی مجھے دیتا ہوا بولا۔ "آپ رام لال کو کیسے جانتی ہیں؟"

"میں نے کہا نا کہ ہم رپورٹروں کو ایسی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا.... ہو سکتا ہے یہ غلط ہو کہ اب آپ کے پاس جو کچھ ہے، یہ رام لال ہی کا عطا کردہ ہے۔"

مشتاق چنگیزی کے چہرے پر ایسی سُرخی پھیل گئی جیسے اُسے طیش آگیا ہو۔ میں نے لوہا گرم دیکھ کر ایک اور ضرب لگائی۔ "بعض لوگ آپ کو غاصب قرار دیتے ہیں۔"

"بکواس کرتے ہیں لوگ!" مشتاق نے بپھر کر کہا۔ "مجھے جو کچھ

ملا، یہ میرا حق تھا۔"

"حق؟" میں نے تعجب سے کہا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

مشتاق کا مُنہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ وہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا تھا۔ اُس نے چائے کی پیالی اُٹھائی اور جلدی جلدی گھونٹ لینے لگا۔ غالباً اُسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ جذبات کی رَو میں بہہ گیا ہے اور اِس عالم میں کوئی ایسی بات بھی اُس کے مُنہ سے نکل سکتی ہے جو اُسے کسی قیمت پر بھی زبان پر نہیں لانا چاہیے۔

میں چاہتی تھی کہ اِس موقع پر پھر کوئی حملہ کر کے مشتاق سے کچھ اُگلوا لوں لیکن مجھے فوری طور پر کوئی ایسی بات نہیں سوجھ سکی جس سے مزید مشتعل کر سکتی۔

مشتاق چنگیزی نے بہت جلد چائے کی پیالی خالی کر کے تپائی پر رکھ دی اور بولا۔ "مس رپورٹر! بہتر ہو گا کہ آپ اِس سلسلے میں رام لال ہی سے ملاقات کر کے پوچھیں کہ میں غاصب ہوں یا نہیں! میں اب اجازت چاہوں گا۔ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ مشتاق چنگیزی محض کسی جذباتی بھونچال میں گرفتار ہو جانے کے باعث مجھ سے گفتگو کرنے سے بچنا چاہتا ہے۔ ابھی میرے ذہن میں کئی سوال تھے جو میں اُس سے کرنا چاہتی تھی اور مجھے چاہیے تھا کہ وہ سوالات کرنے کے بعد ہی مشتاق کو اُس اسٹیج پر لاتی جہاں وہ بپھر جاتا لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھ سے غلطی ہو چکی تھی۔

مشتاق چنگیزی کھڑا ہو گیا۔ میں بدستور بیٹھی رہ کر ڈھٹائی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی لہٰذا مجھے بھی اُٹھنا پڑا۔

"خدا حافظ!" مشتاق چنگیزی نے کہا اور اندرونی دروازے کی طرف مڑ گیا۔ وہ اخلاقاً مجھے چھوڑنے کے لیے برآمدے تک بھی نہیں گیا تھا اور یہ بات ظاہر کرتی تھی کہ وہ شدید ہیجان سے دوچار ہو گیا ہے۔

جب میں وہاں سے دفتر کی طرف روانہ ہوئی تو میرے ذہن میں یہ سوال بڑی شدت سے چبھ رہا تھا کہ چنگیزی اتنے جذباتی ہیجان سے کیوں دوچار ہو گیا؟ جن لوگوں کے ضمیر اتنے مجرم ہوتے ہیں، وہ ایسی کیفیت سے شاید ہی گزرتے ہوں۔ تو پھر؟ مشتاق چنگیزی اتنا جذباتی کیسے ہو گیا؟ کیوں ہو گیا؟ یہ سوال میرے لیے بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

اِسی سوال میں اُلجھی ہوئی، میں دفتر پہنچ گئی اور تب مجھے سب سے پہلا خیال یہ آیا کہ سنگیتا آج بھی آئی ہے یا نہیں! میں نے انٹرکام پر سیکریٹری سے اُس کے بارے میں پوچھا

دوسری طرف سے جواب ملا۔ "وہ آئی ہے!"

میں نے یہ جواب سن کر کچھ آسودگی محسوس کی۔ "اُسے میرے پاس بھیج دو!"

"بہت اچھا!"

کچھ ہی دیر بعد سنگیتا بڑے نروس انداز میں کمرے میں داخل ہوئی اور مجھے سلام کر کے نظریں جھکائے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"مجھے سو فیصد یقین تھا کہ تم آؤ گی۔" میں بولی۔ "بیٹھ جاؤ!"

"شکریہ!" وہ آہستہ سے کہہ کر بیٹھ گئی۔

میں چند لمحے تک خاموشی سے اُس کا جائزہ لیتی رہی، اور پھر بولی۔ "یہ ڈاکٹر شکیل.... مجھے معلوم ہوتا ہے۔"

"جی!" سنگیتا نے آہستہ سے کہا۔ "وہ بہت اچھا ہے"

"تم اُسے کب سے جانتی ہو؟"

"بہت عرصے سے!"

"یعنی؟"

"ہم بہت چھوٹے چھوٹے تھے جب ہم نے پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ شاید.... سوا سال پہلے کی بات ہے۔ شکیل کے والد میرے والد کے دوست تھے اور میرا مذہب کی سی تھی۔"

"اُس زمانے میں تمھارا قیام دوبئی میں ہو گا!" میں بول پڑی۔

"جی ہاں! شکیل کے والد تو اب بھی دوبئی ہی میں ہیں لیکن شکیل کو اپنے وطن سے اتنی محبت ہے کہ وہ مستقلاً یہیں رہ گیا ہے۔ ہم دونوں نے ساتھ ساتھ پڑھا تھا۔ لیکن میں کم مارکس حاصل کرنے کی وجہ سے میڈیکل کالج میں داخلہ نہیں ہو سکی لیکن شکیل کو داخلہ مل گیا۔ پھر وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے چلا گیا۔ وہاں سے لَوٹنے کے بعد وہ اپنا ہاسپٹل بھی کھول لیتا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ مختلف ہاسپٹلز کے لیے اپنے تین گھنٹے وقف کر دیے۔ اُس کا کہنا ہے کہ اِس طرح وہ زیادہ مریضوں کی خدمت کر سکتا ہے جب کہ اپنا ہاسپٹل کھولنے کی صورت میں وہ صرف اُسی کا ہو کر رہ جاتا۔" سنگیتا ایک طویل سانس لینے کے لیے رُکی اور اُس کے بعد پھر بولنے لگی۔ "بانو! آج کل یہ فیشن سا بن گیا ہے کہ اگر میڈیکل کے کسی طالب علم سے اُس کا مقصد پوچھا جاتا ہے تو وہ یہی کہتا ہے کہ قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہے لیکن وہ قوم کی کھال اُتارنے کے سوا کچھ نہیں کرتا جب کہ شکیل اُن معدودے چند ڈاکٹروں میں سے ایک ہے جنھوں نے خدمتِ خلق کے جذبے کے تحت ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی۔ میری خواہش تو میری بھی یہی تھی لیکن میں بدقسمتی سے ڈاکٹر نہیں بن سکی۔ تبھی میں نے اپنے اِس جذبے کی تسکین کے لیے نرسنگ کی تربیت حاصل کی۔ جب ڈاکٹر شکیل واپس آیا تو ہمارے حالات بدل چکے تھے۔ معاشی بحران کا اژدہا ہم کو نگلے لے رہا تھا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ ایک پارٹ ٹائم نرس کی حیثیت سے اُس کے ساتھ کام کرنے لگوں۔ شکیل کے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ وہ میرے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہے لیکن میرے والد کسی کے بھی احسان مند نہیں بننا چاہتے۔"

"اچھی بات ہے لیکن تم نے میری فرم میں ملازمت کیوں کی؟ تم ڈاکٹر شکیل کے ساتھ دوسرے ہاسپٹلز میں بھی پارٹ ٹائم فرائض انجام دے کر اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکتی تھیں۔"

"جی، لیکن بعض وجوہات کی بنا پر میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"وہ وجوہات کیا ہیں؟"

"میں آپ کی شکرگزار ہوں گی اگر آپ مجھ سے اِس سوال کا جواب نہ لیں۔"

میں نے ایک طویل سانس لے کر اپنی کرسی کی پشتگاہ سے ٹیک لگا لی۔ "تم بڑی پُراسرار لڑکی ہو سنگیتا!"

"ممکن ہے.... آپ کا خیال.... درست ہو!" سنگیتا نے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ.... کیا تم اور شکیل ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو؟"

سنگیتا کے چہرے پر حیا آلود کیفیت چھا گئی، اور پھر اُس نے توقف کیے بغیر کہا۔ "آپ جہاندیدہ خاتون ہیں لہٰذا آپ کو مجھ سے یہ پوچھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

"پھر تم دونوں شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ اِس طرح....؟"

"بانو!" سنگیتا نے جیسے احتجاجاً میری بات کاٹ دی۔ "کیا یہ مناسب نہیں کہ آپ میری ذاتی زندگی کو موضوعِ گفتگو نہ بنائیں!"

"ممکن نہیں۔" میں نے اٹل لہجے میں کہا۔ "میں ہر قیمت پر تمھاری زندگی کے تمام الجھاؤں کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔"

سنگیتا نے نظر اُٹھا کر بڑی بے بسی سے میری طرف دیکھا۔

"سنگیتا!" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں بڑی صاف گوئی سے کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔"

"میں آپ کا بہت احترام کرتی ہوں بانو!"

"تو میں کب چاہتی ہوں کہ تم احترام نہ کرو!" میں تلخی سے مسکرائی۔ "تم احترام کرتی رہو، میں محبت کرتی رہوں گی۔"

"کیا آپ اپنے اِس جذبے کو ختم نہیں کر سکتیں؟"

"پگلی!" میں نے زیرِ خند کہا۔ "تو واقعی بہت معصوم ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ دل سے کسی کی محبت کو کھرچا جا سکے؟ یہ جذبہ پیدا نہیں کیا جاتا بلکہ پیدا ہو جاتا ہے اور جو چیز ازخود پیدا ہو جائے اُسے ختم کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اگر میں تم پر جبر کروں کہ تم بھی مجھ سے محبت کرو تو یہ بھی ممکن نہیں جس طرح جبر سے محبت کا جذبہ پیدا نہیں کیا جا سکتا، اُسی طرح جبر سے اُس جذبے کو ختم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تمھیں مجھ سے محبت ہو یا نہ ہو، مجھے تم سے بہرحال محبت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ تم شکیل سے محبت کرتی رہو، میں تم سے محبت کرتی رہوں گی۔ تم اگر مجھے بُرا سمجھنے بھی لگو گی تو بھی میری محبت اپنی جگہ قائم و دائم رہے گی۔ ہاں بس اِتنی التجا ضرور ہے کہ تم مجھ سے نفرت نہ کرنے لگنا۔" اچانک میں خاموش ہو گئی کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا... [illegible] اور کسی بھی لمحے میری آواز میرے حلق میں گھٹ کر رہ جائے گی۔

"آپ بہت عجیب ہیں بانو!" سنگیتا نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب تم جاؤ اور کام کرو!" میں نے یہ کہتے ہوئے اپنی ریوالونگ چیئر کو دوسری طرف گھما لیا تاکہ میرے چہرے کے شدید جذباتی تغیر کو سنگیتا نہ دیکھ سکے۔

چند لمحے بعد میں نے سنگیتا کے قدموں کی آہٹ سنی جو دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ پھر دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ میں نے کرسی سیدھی کر لی اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے! ایسے ہیجان سے تو میں کبھی بھی دوچار نہیں ہوئی تھی۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میری زندگی میں آنے والی کوئی لڑکی مجھے اِس طرح پاگل بھی کر دے گی۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ اگر کبھی سنگیتا مجھ سے دُور ہو گئی تو یہ "خلش" میرے لیے "حاصلِ عمرِ رواں" بن جائے گی۔ میں اُسے کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ یہ تو ممکن ہے کہ میں غمِ دوراں میں اُلجھ کر معمول کے مطابق زندگی گزارنے لگوں لیکن ظاہر دیکھنے والی آنکھیں میرے باطن کی اِس خلش کو نہ دیکھ سکیں گی۔

میں نہ جانے کب تک سنگیتا کے بارے میں سوچتی رہتی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے ریسیور اُٹھا کر کان سے لگایا اور ماؤتھ پیس میں بولی۔ "بانو اسپیکنگ!"

"آپ کا غلام!" دوسری طرف سے رضوان کی آواز سنائی دی۔ "میں نے سوچا کہ آپ کے فون کا انتظار کب تک کروں گا، کیوں نہ خود ہی فون کروں۔"

"اچھا کیا تم نے! میں ذہنی طور پر اتنی اُلجھی ہوئی تھی کہ شاید مجھے فون کرنے کا خیال اگر آتا بھی تو بہت دیر سے آتا۔"

"ایسی کیا اُلجھن آپڑی؟ کوئی نئی بات؟"

"نئی؟ نہیں! اِسے نئی تو نہیں کہا جا سکتا۔ دراصل میری اُلجھن کا سبب سنگیتا ہے۔"

"کیا وہ آمادہ نہیں ہو رہی ہے؟" رضوان نے پوچھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم ہر وقت بکواس مت کیا کرو!" میں بھڑک اٹھی۔

"سوری! ایسا تو واقعی کوئی اور بات معلوم ہوتی ہے۔" رضوان نے پر تشویش والے انداز میں کہا۔

"اُس کا کردار بڑا پُراسرار سا لگتا ہے۔" میں نے اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میں نے ایسی لڑکی شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔"

"کیا آج وہ دفتر آئی ہے؟"

"ہاں!"

"کیا باتیں ہوئی تھیں اُس سے؟"

"بس اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ میں اُسے اپنے ڈھب کے موضوع تک نہیں لا سکی۔ مجھے بس اتنا معلوم ہو سکا کہ ڈاکٹر شکیل اور وہ بچپن کے دوست ہیں۔"

"یہ بچپن کی دوستی بھی عجیب عجیب گُل کھلاتی ہے، اگر لڑکی اور لڑکے میں ہو۔ خیر، یہ بتائیے کہ اب آئندہ کا کیا پروگرام ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ خود کو اس جھگڑے سے الگ کر لیں۔ بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانا کوئی اچھی بات نہیں۔"

"لیکن مظلوموں کی حمایت کرنا اچھی بات ہے۔"

"اچھا!" رضوان نے ٹھنڈا سانس لیا۔ "جو مزاجِ یار میں آئے۔"

"میں آج مشتاق چنگیزی سے بھی ملی تھی۔"

"اوہ... واہ... یعنی کیسے؟"

میں نے اُسے مشتاق چنگیزی سے اپنی ملاقات کی پوری تفصیل بتا دی۔ رضوان نے اُسے پوری توجہ سے سُنا اور بیچ میں ایک مرتبہ بھی کچھ نہیں بولا۔ آخر میں، میں نے کہا "مشتاق چنگیزی کا جذباتی ہو جانا میری سمجھ میں نہیں آیا۔ جن لوگوں کے ضمیر مجرم ہوتے ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ جذباتی نہیں ہو سکتے۔"

"بات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اچھا، ... لائحہ عمل مرتب کیا ہے؟"

"سچ پوچھو تو میں ابھی اِس نکتے پر غور ہی نہیں کر ... مجھے بہت جلد نیند آگئی تھی۔ پھر آج مشتاق چنگیزی ... باتیں کرنے کے بعد میری ذہنی یکسوئی بالکل ختم ..."

"ہوں!" رضوان نے شاید کچھ سوچتے ہوئے ... خیال میں تو مشتاق چنگیزی کے ماضی سے پردہ اُٹھا ... وہ پردہ اُٹھ جائے تو بہت سے راز افشا ہو جائیں گے۔"

"لیکن وہ پردہ اُٹھایا کس طرح جائے؟"

"مشتاق چنگیزی کو کسی ایسے معاملے میں پھنسوا ... کی گرفت میں آجائے۔"

"اِس سے کیا ہو گا؟"

"پولیس اُس کے ماضی کو پوری طرح کھنگال ... سے فائدہ اُٹھانا ہمارا کام ہو گا۔"

"یہ طریقۂ کار خاصا وقت طلب ہے۔"

"ہاں، اِس میں وقت تو لگے گا۔"

"اور تم جانتے ہو کہ میری فطرت میں عجلت بہت ..."

"تو پھر ڈائریکٹ ایکشن لیجیے!"

"وہ کیسے؟"

رضوان مجھے سمجھانے لگا کہ "ڈائریکٹ ایکشن" ... مُراد ہے! میں نے اُس کی باتیں بڑے غور سے سُنیں ... فیصلہ ہوا کہ آج ہی رات ڈائریکٹ ایکشن لیا جائے گا ... ہی پر طے ہو گئے اور اِس طویل گفتگو کے بعد جب میں ... تو خود کو اِس غبار سے ہلکا پھلکا محسوس کیا کہ اب ایک ... تو طے پا گیا تھا۔ اُس میں کامیابی ہوتی یا ناکامی ... بات تھی۔

دوپہر کا کھانا میں نے ایک قریبی ریسٹورنٹ ... دفتر ہی میں کھایا اور سنگیتا کو بھی بُلا کر اپنے ساتھ شریک ... سے دفتری کاموں کے علاوہ کسی موضوع پر گفتگو نہیں ... اُسے اپنے سوالات سے اِتنا نروس نہیں کرنا چاہتی تھی ... پھر دفتر آنا چھوڑ دے۔ دراصل میں نے یہ فیصلہ کیا تھا ... حاصل کرنے کے لیے سنگیتا کی بجائے ڈاکٹر شکیل سے ملا ... گی۔ میرا خیال تھا کہ وہ سلجھا ہوا شخص میرے لیے خاصا ... ثابت ہو سکے گا۔ وہ کم از کم سنگیتا سے زیادہ بہتر ... ہو سکتا تھا۔

چار بجے میں دفتر سے اُٹھی اور گھر کی طرف روانہ ...

... کے اشارے پر جب مجھے جنگ بلڈنگ ... پڑی تو میں نے عقب نما آئینے میں اُس ... کار کے پیچھے تھا۔ ٹریفک کے ہجوم میں ... اُس کار دکھائی دی جسے ایک غیر ملکی ... اُسے میں اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ جیمس فریزر ... نندہ جو صرف ایشیائی معاملات کی رپورٹنگ ... خاصی شہرت بھی حاصل تھی۔ وہ عموماً ... افغانستان، ایران اور مشرقِ وسطیٰ کے ... کرتا رہتا تھا۔ عموماً اُس کی موجودگی ... سیاسی حالات کشیدگی کی طرف مائل ہوں۔ ... ہے! میں نے سوچا۔

... بدل کر میکلوڈ روڈ کے ٹریفک کو رواں ہونے ... وقت ... اور جیمس فریزر کا خیال ... آج رات کی مہم کے بارے میں سوچنے لگی ... اُسی کے بارے میں سوچتی ہوئی جب ... جانے والی سڑک پر مڑی تو میں نے عقب نما ... کی کار بھی چلی آرہی ہے۔

... ہے؟ میرے ذہن میں سوال اُبھرا لیکن ... تھی کہ میرے ذہن میں جا رہ سکتا۔ دراصل ... آسکتا تھا کہ جیمس فریزر میری نگرانی کر ...

... سب سے پہلے اُس وقت اُبھرا جب میں ... طرف جانے والے راستے پر موڑ رہی تھی اور ... مڑا تھا۔

... ذہن میں پیدا ہو گیا تو میں نے اپنی کار کو بلاوجہ ... اسپورٹس برابر میرے تعاقب میں لگی رہی۔ ... مس فریزر میری ہی نگرانی کر رہا ہے۔

... کھلا تھا۔ یہ بات کسی طرح بھی میری سمجھ ... فریزر میرے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے! اُس کا ... سرگرمیوں پر نظر رکھنا تھا اور میں سیاست ... رکھتی تھی۔

... بیباکی سے میرا تعاقب کرنا اِس بات کا ثبوت ... تھا۔ اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ میں اُسے ... معلوم ہوتا تو وہ بہت دور دور رہ کر میری ...

... ہے خاصا پیچیدہ تھا۔ آخر جیمس فریزر کو میری نگرانی کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

اُلجھے ہوئے ذہن کے ساتھ میں اب سیدھی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ تعاقب کا یقین ہو جانے کے بعد اب مجھے اِس کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ میں اپنی کار کو بلاوجہ اِدھر اُدھر دوڑاتی رہتی۔ جیمس فریزر کو داغ دے کر نکلنے کی کوشش کرنا میں نے فضول سمجھا تھا۔ میری دانست میں یہ بات قرینِ قیاس نہیں تھی کہ جیمس فریزر محض میرے گھر کا پتا چلانے کے لیے میرے پیچھے لگا ہو۔ یہ تو کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا تھا۔

گھر پہنچ کر میں سب سے پہلے باتھ روم میں جا گھسی تاکہ اپنے تھکے ہوئے جسم و ذہن کو پانی کی دھاروں سے آسودہ کر سکوں۔ غسل کرنے سے لے کر کپڑے تبدیل کرتے تک جیمس فریزر کا خیال میرے ذہن سے نہیں نکل سکا۔ جب میں چائے پینے کے لیے بیٹھی تو ٹیلیفون کی گھنٹی نے جیمس فریزر کے خیال کو میرے ذہن سے دھکیل دیا۔

ٹیلیفون کرنے والی خورشید تھی۔

"کیا حال ہے بانو؟" اُس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں، تم سناؤ!"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ یہ تو آپ کو پتا چل گیا ہو گا کہ تاتاری ضمانت پر رہا ہو گیا ہے۔"

"اچھا! مجھے علم نہیں تھا۔"

"آج دوپہر کو اُس کی ضمانت ہوئی ہے۔ وہ میرے گھر بھی آیا تھا اور اِس بات پر بہت چراغ پا تھا کہ میں نے پولیس کے سامنے آپ کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ وہ چراغ پا ہوا تو میں بھی اُس پر بگڑ گئی۔ میں نے اُس سے کہا کہ میں حالات سے بے خبر تھی اور میں نے پولیس سے جو کچھ بھی کہا، وہ اپنی دانست میں اُس کی بہتری کے لیے کہا۔"

"بہت مناسب جواب تھا تمہارا!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا پھر؟"

"پھر کچھ بھی نہیں۔ وہ بک جھک کر واپس چلا گیا۔" خورشید نے کہا، اور پھر بولی "آپ اب بھی اُس کی طرف سے چوکنا ہی رہیے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ تاتاری جیسے لوگ میرے پرس میں پڑے رہتے ہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اب وہ میری طرف رخ نہیں کرے گا۔ اُسے اندازہ ہو چکا ہو گا کہ میں موم کی بنی ہوئی نہیں ہوں۔"

"وہ ازحد کینہ پرور شخص ہے۔"

"تم فکر نہ کرو ڈارلنگ! یہ بتاؤ کہ اب ملاقات کب

ہو رہی ہے ؟"
"جب آپ حکم دیں"، خورشید چہکی۔
"کل رات کو آجاؤ!"
"او، کے!"
"بائی بائی!" میں نے کہا اور ٹیلیفون بند کر دیا۔
پھر چائے پینے کے دوران میں کچھ دیر تک مَیں خورشید ہی کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ پیشہ ور لڑکی تھی اور اِس قسم کی لڑکیاں مجھے بس ایک حد تک گوارا ہوتی ہیں لیکن خورشید مجھے کچھ زیادہ ہی اچھی لگنے لگی تھی۔ غالباً اِس کا سبب یہ تھا کہ "گندم اگر بہم نہ رسد بُھس غنیمت است"، اُن دنوں کسی لڑکی سے میرا رابطہ ہی نہیں ہو سکا تھا، سوائے سنگیتا کے! اور اُسے میں اپنی آسودگی کا ذریعہ بنانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں ایک خلش کو سینے سے لگائے رکھنے پر آمادہ تھی اور اِس کا کوئی منطقی جواز نہیں تھا۔ منطقی جواز سے میری مُراد ایک ایسا جواز ہے جو لوگوں کو پوری طرح مطمئن کر سکے۔
چائے پی چکنے کے بعد میں کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے اپنی خوابگاہ میں جا لیٹی اور اب میرا ذہن پھر جیمس فریزر میں اُلجھا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد اِس خیال کو بھی میں نے ذہن سے جھٹک دیا۔ دراصل اُس کے بارے میں سوچتے رہنے سے ذہنی تکان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جو بات بھی تھی وہ از خود ہی سامنے آتی۔
اب میں نے سنگیتا کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ میں اُس کی اور ڈاکٹر شکیل کے تعلق کی نوعیت کو سمجھنا چاہتی تھی۔ مَیں نے دفتر میں سوچا تھا کہ اِس سلسلے میں ڈاکٹر شکیل سے ملاقات کرنا ہوگی۔ تو پھر کیوں نہ اُس سے اِسی وقت رابطہ قائم کیا جائے؟
میں نے ٹیلیفون ڈائرکٹری اُٹھائی اور ڈاکٹر شکیل کا نام تلاش کرنے لگی۔ ڈائرکٹری میں مجھے اُس نام کے کئی ڈاکٹر نظر آئے۔ اُن میں سے مطلوبہ ڈاکٹر شکیل کی تلاش مشکل ہو جاتی لیکن آسانی ہو گئی کہ ایک ڈاکٹر شکیل کے نام کے آگے صرف رہائشی فون نمبر لکھا ہوا تھا اور باقی "شکیلوں" کے ساتھ کچھ ہاسپٹلز بھی وابستہ تھے۔ میں نے اُن "شکیلوں" کو نظر انداز کر کے اُس شکیل کو رِنگ کیا جس کا صرف رہائشی فون نمبر ڈائرکٹری میں درج تھا۔
دوسری طرف گھنٹی بجی، اور پھر کسی نے ریسیور اُٹھایا۔
"ہیلو!" ایک آواز سنائی دی۔
"ڈاکٹر شکیل پلیز!"
"صاحب تو اِس وقت اسپتال میں ہوں گے۔" دوسری

طرف سے غالباً کوئی ملازم بول رہا تھا
"کون سے ہاسپٹل میں؟"
جواب میں مجھے جس ہاسپٹل کا نام بتا
نہیں تھا جہاں رضوان نے داخلہ لیا تھا
میں نے ملازم سے پوچھا۔ "ڈاکٹر
وقت ملتے ہیں؟"
"وہ صبح دس بجے گھر سے چلے جا
واپس آتے ہیں۔ تین بجے پھر چلے جاتے ہیں
بجے تک واپس آتے ہیں۔ پھر دس بجے جا
بارہ ایک بجے تک واپس آتے ہیں۔" ملا
بتایا، پھر بولا۔ "آپ اپنا نام اور فون نمبر لکھ
صاحب کو بتا دوں گا۔"
"اِس کی ضرورت نہیں۔ میں خود
نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔
یہ ٹیلیفون کر کے مجھے بس اِتنا معلوم
کن اوقات میں ڈاکٹر شکیل سے اُس کے گھ
میں نے فیصلہ کیا کہ میں آج ہی رات کو نو
سے اُس کے گھر پر ملاقات کروں گی۔ میں
ڈائرکٹری اٹھائی اور اُس کے گھر کا پتا اپنی
منتقل کر لیا۔
میں آٹھ بجے تک بستر ہی پر رہی
دھویا، کپڑے تبدیل کیے، کھانا کھایا اور
گھر جانے کے ارادے سے روانہ ہو گئی
پھاٹک سے کار نکالتے ہوئے میں
تھی کیونکہ خورشید نے مجھے بتایا تھا کہ تا
شخص ہے اور ضمانت پر رہا ہو چکا ہے۔
لیکن مجھے قرب و جوار میں خطرے کی
نہیں آئی۔ گھر سے کچھ دُور نکل آنے کے بعد
طور سے عقب نما آئینے پر نظر رکھی تھی لیکن
میں نظر نہیں آیا تھا۔ حتّٰی کہ جیمس فریزر کی
دی تھی۔ میں نے سوچا، کہیں یہ ایک اتفا
جیمس فریزر کو اُنہی راستوں سے گزرنا ہو
میں گزری تھی؟
میں نے یہ سوچ تو لیا لیکن یہ خیال زیا
نہیں تھا۔
نو بج کر دس منٹ پر میں ڈاکٹر شکیل

صاحب کھانا کھا رہے ہیں۔ اُس نے مجھے
یا اور میرا وزیٹنگ کارڈ لے کر اندر چلا
جلد ہی ہوئی اور اُس نے کہا۔ "آپ
انتظار کرنا ہوگا۔"
ہے۔" میں نے کہا۔
کریں گی یا...."
ڈاکٹر صاحب کو آجانے دو"، اُس کے
میں نے ہنس کر کہا۔
انداز میں سر ہلایا اور ڈرائنگ رُوم
ئی پر پڑا ہوا ایک میگزین اُٹھایا اور
رنے لگی۔
بی اندرونی دروازے پر آہٹ ہوئی۔
تے ہوئے اُس طرف دیکھا۔ وہ ڈاکٹر
نگ روم میں داخل ہوا تھا۔
جگہ سے اُٹھی تو وہ جلدی سے بولا۔
معاف کیجیے گا، میں آپ کا پورا نام نہیں
مس سنگیتا نے مجھے بتایا تھا کہ آپ خود کو صرف
ہیں۔"
نے ایک طویل سانس لیا۔ "تو سنگیتا نے
یہ بہت کچھ بتا دیا ہے!"
ن جب آپ ہاسپٹل میں ملی تھیں تو مَیں
کچھ نہیں جانتا تھا۔ اُس کے بعد ہی سنگیتا
میں معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ فرمایئے
کی؟ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"
سے میں سنگیتا سے معلومات حاصل ہوئیں؟"
سے مَیں سنگیتا کے بارے میں معلومات
ہیں۔"
طلب نہیں سمجھا!" ڈاکٹر شکیل نے متحیر
" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیا میں اُمید
معلوم ہی تک محدود رہے گی؟"
سنگیتا کی طرف سے تو میں اِس قسم کا
ہوگا۔" ڈاکٹر شکیل نے صاف گوئی
جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتا، دوسرے

یہ کہ سنگیتا سے جھوٹ بولنے کا تو میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔"
"جھوٹ بولنے کا سوال تو اِس لیے نہیں پیدا ہوتا کہ سنگیتا کو ہماری ملاقات کا علم ہی نہیں ہوگا اور جب علم نہیں ہوگا تو وہ آپ سے اِس کے بارے میں کچھ پوچھے گی نہیں اور جب وہ پوچھے گی نہیں تو آپ کو جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ ویسے میں آپ سے رازداری کا جو وعدہ لے رہی ہوں، وہ حقیقتاً سنگیتا کے مفاد میں ہے۔"
ڈاکٹر شکیل کی آنکھوں سے اُلجھن جھانکنے لگی، اور پھر اُس نے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں یا کس قسم کی باتیں کرنا چاہتی ہیں۔"
"ابھی آپ پر سب واضح ہو جائے گا۔ خیر میں قبل از وقت کوئی وعدہ نہیں لیتی۔ صورتِ حال کی نزاکت خود ہی آپ کو مجبور کر دے گی کہ آپ اِس سلسلے میں رازداری برتیں۔"
ڈاکٹر شکیل سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھنے لگا۔
میں قدرے رُک کر بولی۔ "یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ سنگیتا کی زندگی میں مالی بحران کا جو موڑ آیا ہے، وہ اچانک اور غیر متوقع ہے۔ نیز یہ کہ اُس کے اسباب بھی نہ معلوم ہیں۔"
"جی ہاں، مجھے اِن باتوں کا علم ہے اور جب بیرونِ ملک سے لوٹنے پر مجھے اِس کا علم ہوا تو میں ہکا بکا رہ گیا تھا۔"
"حیرانی کی بات ہی ہے۔ ایسی کایا پلٹ حقیقی زندگی میں شاید ہی نظر آئے۔ تو اِس بات سے آپ بھی بے خبر ہیں کہ رام لال صاحب نے اپنی ساری زندگی کا حاصل مشتاق چنگیزی کو کیوں دے دیا؟"
"جی ہاں! انکل... میرا مطلب ہے کہ سنگیتا کے والد نے اِس سلسلے میں بالکل چُپ سادھ لی ہے۔ میں نے صرف ایک مرتبہ اُن سے اِس موضوع پر گفتگو کرنا چاہی تھی تو اُنھوں نے مجھے یہ کہہ کر خاموش کر دیا تھا کہ اگر میں اُن سے تعلقات برقرار رکھنا چاہتا ہوں تو آئندہ اِس سلسلے میں کوئی بات نہ کروں۔ سنگیتا نے مجھے بتایا تھا کہ آپ بھی اِس سلسلے میں اُن سے ملنا چاہتی تھیں مگر...."
"جی ہاں، اُنھوں نے ملنے سے انکار کر دیا تھا!"
"تو غالباً آپ اُن اسباب کا پتا لگانا چاہتی ہیں؟"
"جی ہاں!" میں نے کہا۔ "یہ میری فطرت ہے کہ میں کسی پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ شاید آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ کوئی نہ معلوم شخصیت اِس پریشان حال گھر کو مزید پریشان کرنا چاہتی ہے۔"

"وہ کیسے؟" ڈاکٹر شکیل کچھ سنبھل کر بیٹھ گیا۔
"اُس نامعلوم شخص کی کوشش یہ تھی کہ سنگیتا کو میری فرم میں
ملازمت نہ مل سکے۔" میں نے یہ بات اِس لیے ظاہر کر دی کہ
اِس معاملے میں ڈاکٹر شکیل کی دلچسپی بڑھ جائے اور وہ مجھ
سے تعاون کرنے پر آمادہ ہو جائے۔
"عجیب و غریب بات ہے۔" شکیل حیرت سے بولا۔ "آخر
وہ شخص کون ہو سکتا ہے؟"
"میں یہی پتا چلانے کی کوشش کر رہی ہوں اور میں
اِس معاملے سے سنگیتا کو اِس لیے بے خبر رکھنا چاہتی ہوں کہ وہ
دہشت زدہ ہو جائے۔ وہ بہت معصوم لڑکی ہے۔"
شکیل نے اِس طرح سر ہلایا جیسے بات اُس کی سمجھ میں آگئی ہو۔
"اب میں آپ سے ایک عجیب سوال کروں گی۔" میں نے
کہا۔ "آخر اِس کی نوبت کیوں آئی کہ سنگیتا کو میری فرم میں
ملازمت کی ضرورت پیش آئی؟"
"آپ کا سوال وضاحت طلب ہے۔"
"وہ آپ کے ساتھ رات کو ایک پارٹ ٹائم نرس کے
فرائض انجام دیتی ہے نا؟"
"جی ہاں!"
"اور آپ نے اپنی خدمات کچھ دوسرے ہاسپٹل کے لیے
بھی وقف کر رکھی ہیں۔"
"جی ہاں!"
"تو کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ دوسرے ہاسپٹل میں بھی سنگیتا
کو اپنے ساتھ لگائے رکھتے؟"
"آپ نے ایک ایسا سوال کیا ہے جو آپ کو کرنا ہی چاہیے
تھا۔" شکیل نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "دراصل..."
وہ اچانک خاموش ہو گیا کیونکہ ملازم کافی لے کر آگیا تھا۔
کافی پینے کے دوران میں گفتگو کا آغاز پھر ہوا۔ ڈاکٹر
شکیل نے کہا۔ "بانو! سنگیتا ایک عجیب سی لڑکی ہے۔ مزید کچھ
کہنے سے قبل میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم دونوں
ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں اور اِس محبت ہی کی
وجہ سے سنگیتا میرے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزارنا چاہتی۔"
"کیا مطلب؟"
"بعض ذہن بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں بانو!" ڈاکٹر شکیل
نے کہا۔ "اور سنگیتا بھی ایک پیچیدہ ذہن کی لڑکی ہے۔ اُس
کے سوچنے کا انداز دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔
میں نے اُس کے ذہن کو کریدنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب

نہیں ہو سکا۔ وہ بس یہ کہہ کر ا
شادی سے قبل ایک دوسرے کے سا
گزارنا چاہیے۔"
"تو آپ لوگ شادی کیوں
"آپ کا یہ سوال بڑا اہم ہے۔"
نے قدرے توقف سے کہا۔ "آج
بعد لوگ مذہب کو زیادہ اہمیت نہی
سے قطعی مختلف ہوں میں یہ دعویٰ تو
ہوں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ میں ایک
کرتا رہتا ہوں اسی لیے میں چاہتا
ہو جائے۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ
نہیں دے سکتی؟ میرے اِس سوال کا
میں سٹپٹا گیا اور آج تک سٹپٹایا ہوں
کی خاطر میں اُس سے ہی یہ قربانی کیوں
خود یہ قربانی کیوں نہیں دیتا۔"
"اوہ!" میرے منہ سے نکلا۔
موجود...
"ہاں! دراصل وہ بھی اپنے مذہب
"تو آپ دونوں ایسا کیوں نہیں کر
پر قائم رہتے ہوئے شادی کر لیں۔"
"...چونکہ اہل کتاب نہیں
کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ کسی اہل کتاب
تو بھی اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہو
نزدیک بہت بڑی حماقت ہے۔ اِس کے
پر پڑتے ہیں اور آنے والی نسل ذہنی طور
جاتی ہے۔"
میں اِس موضوع پر گفتگو کو آگے بڑھا کر
نہیں کرنا چاہتی تھی اِس لیے ہنس کر کہا۔ "گو
دوسرے کی تبدیلیٔ مذہب کے منتظر ہیں!"
"جی ہاں! اور یہ بات طے ہے کہ اگر میں
سنگیتا سے، ورنہ کسی سے بھی نہیں۔"
"سنگیتا کا کیا خیال ہے؟"
"اُسے بھی شادی کے بغیر بوڑھا ہو جانا گوا
مسکراہٹ میں کرب پنہاں تھا۔
"آپ دونوں قابلِ رحم ہیں!" میں نے
لے کر کہا۔ "مجھے آپ لوگوں کے اِس مسئلے کا بھی کو

...ل مجھ پر صرف یہ معلوم کرنے کی دُھن سوار ہے
اپنا سب کچھ مشتاق چنگیزی کو کیوں سونپ
...ے جواب بھی اِس گھرانے کو مزید پریشان
...ا رہے۔ آپ نے کبھی مشتاق چنگیزی کے
...وگا!"
"...ا ہے اور کچھ نہیں سمجھ سکا۔ میرے والد دبئی
...ں نے انھیں بھی اِس صورتِ حال سے آگاہ
...ل سنگیتا کے گھر سے ہمارے تعلقات بہت
...الد صاحب سنگیتا کے والد کے دوست ہیں۔
"وہ دبئی سے یہاں آکر رام لال صاحب کی مالی
انھیں دوبارہ کاروباری میدان میں لائیں۔
...اپنے طور پر بھی کی تھی لیکن سنگیتا نے اسے بہت
...یا۔ اب میں اِس سلسلے میں اپنے والد کو بُلانا
...وہ آج کل کچھ ایسے کاروباری مسائل سے دوچار
...نہ آسکتے۔"
...والد بھی مشتاق چنگیزی کے مسئلے پر کوئی
...سکتے؟"
"وہ کوئی قیاس آرائی کر سکیں مگر انھیں اِتنا وقت
...کا تفصیلی جواب دے سکیں۔ انھوں نے
...پر اِتنا کہا تھا کہ وہ کچھ کاروباری مسائل کو نمٹا کر
...لے کی کوشش کریں گے۔"
دیر تک اُس گفتگو کا جائزہ لیتی رہی جو میں نے
...ی۔ اُس گفتگو کا نتیجہ صرف یہ نکلا تھا کہ میں شکیل
...مات کی نوعیت سے آگاہ ہو گئی تھی۔ اِس کے
...علوم ہو سکا تھا۔ میں اچانک کھڑی ہو گئی اور
...میں اجازت چاہوں گی۔ غالباً آپ اب خود ہی یہ
...ن گے کہ سنگیتا سے اِن باتوں کو پوشیدہ رکھنا
...ہے! اگر اُسے یہ باتیں معلوم ہو گئیں تو وہ بہت نروس
...حال میں یہاں سے جاتے ہوئے بھی آپ سے
...کوئی وعدہ لینا نہیں چاہتی۔ آپ اگر چاہیں تو
سب کچھ بتا دیں اور نہ چاہیں تو نہ بتائیں۔ ہاں اگر
اِس سلسلے میں کوئی بات معلوم ہو جائے تو مجھ سے رابطہ ضرور
...اگر آپ کے والد صاحب کراچی تشریف لے آئیں تو بھی
...بیجیے گا۔ میں آپ کی ممنون ہوں گی۔"
"آپ یہ ساری پریشانی محض سنگیتا کی وجہ سے مول
اِس لیے میرے مکمل تعاون کا یقین رکھیے!"

ڈاکٹر شکیل مجھے چھوڑنے کے لیے برآمدے تک آیا۔ ہم
دونوں میں "خدا حافظ" کا تبادلہ ہوا اور پھر میں اپنی کار میں بیٹھ
کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ گھر پہنچ کر مجھے آج رات کے اُس
"آپریشن" کی تیاری کرنا تھی جس کا لائحۂ عمل میں نے اور رضوان
نے طے کیا تھا۔
ساڑھے گیارہ بجے میں پوری طرح تیار تھی۔ پتلون اور جیکٹ
میں ملبوس ہونے کے بعد میں نے اپنے بالوں کو سمیٹ کر ٹوپی میں
چھپا لیا تھا اور اب میں ایک نوخیز لڑکا معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے
کریپ سول کے مردانے جوتے بھی پہن لیے اور الماری سے سیاہ
رنگ کی ایک نقاب نکال کر پتلون کی جیب میں رکھ لی۔ پھر ریوالور
کے چیمبر چیک کرنے کے بعد اُسے دوسری جیب میں رکھ لیا۔
احتیاطاً ایک ٹارچ بھی لے لی حالانکہ اِس کی ضرورت پڑنے کا
امکان بہت کم تھا۔
میری کار تیز رفتاری سے بزنس روڈ کی طرف روانہ ہو گئی۔ طے
یہی پایا تھا کہ میں رضوان کو اُس کے گھر سے لے لوں گی۔
رضوان کی بلڈنگ کے نیچے کار روک کر میں نے مخصوص
نیچے آگیا اور کار کا دروازہ کھول کر میرے برابر میں بیٹھ گیا۔
"چلیے زونابِ عالی!" اُس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔
انداز میں دو مرتبہ ہارن دیا۔ اُس کے تین منٹ بعد ہی رضوان
لیکن میں اُس کا یہ مختصر فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کار
کو حرکت میں لا چکی تھی۔
"تم پوری طرح تیار ہو؟" میں نے اُس سے پوچھا۔ "میرا
مطلب ہے، ریوالور وغیرہ سب رکھ لیا ہے؟"
"توپ میری جیب میں نہیں آسکتی تھی لیکن باقی تمام چیزیں
میری جیبوں میں ٹھنسی ہوئی ہیں۔"
"نقاب..."
"میں نے عرض کیا نا... سب کچھ!"
میں سر ہلا کر چپ ہو گئی۔ کار تیز رفتاری سے اُڑی چلی جا
رہی تھی اور ہماری منزلِ مقصود مشتاق چنگیزی کا گھر تھا۔
"آج دن بھر آپ کیا کرتی رہیں؟" رضوان نے پوچھا۔
"دفتری کاموں کے علاوہ میں نے آج صرف ایک کام کیا ہے۔"
"وہ کیا؟"
"ڈاکٹر شکیل سے ملی تھی، اور ہاں، مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ
تاتاری ضمانت پر رہا ہو گیا ہے۔" میں نے دیدہ و دانستہ جیمس فریزر
کا تذکرہ نہیں کیا کیونکہ اُس کے بارے میں ابھی خود میں بھی ذہنی پیچ
کا شکار تھی۔

"ڈاکٹر شکیل سے ملاقات تو خاصی اہم رہی ہوگی!" رضوان نے اندازہ لگایا۔

"کچھ ایسی زیادہ اہم نہیں۔"

"کیوں؟"

میں نے وقت گزاری کے خیال سے رضوان کو اپنی اور ڈاکٹر شکیل کی مفصل گفتگو سنا دی لیکن وہ سب کچھ جان لینے کے بعد رضوان کو اتنی مہلت نہیں ملی کہ وہ اِن باتوں پر کسی قسم کا تبصرہ کر سکتا۔ ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے تھے۔ میں نے کار ایک ایسی گلی میں روکی جہاں سے مشتاق چنگیزی [illegible] تھا۔

"مجھے یہاں کے گشت کرنے والے چوکیدار سے بڑا خوف آتا ہے۔" رضوان بولا۔

"کیوں؟"

"بہت تنو مند ہوتے ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا ضرور ہوتا ہے۔"

"مجھے ڈنڈوں سے خوف محسوس نہیں ہوتا۔"

"کسی ڈنڈے سے آپ کا بھی واسطہ جو نہیں پڑا۔"

میں کوئی جواب نہیں دے سکی کیونکہ ہم دونوں پیدل چلتے ہوئے مشتاق چنگیزی کے بنگلے کے سامنے پہنچ چکے تھے۔

"کال بیل کا بٹن دباؤ!" میں نے رضوان سے کہا اور اطراف کا جائزہ لینے لگی۔

قرب و جوار میں مکمل سناٹا تھا۔ عمارتوں کی اِکا دُکا کھڑکیوں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ سڑک پر لگے ہوئے الیکٹرک پولز ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے اِس لیے پوری سڑک پر ملگجی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

رضوان کو وقفے وقفے سے کال بیل کا بٹن دو مرتبہ دبانا پڑا تب کہیں جا کر پھاٹک کی [illegible] ہٹ ہوئی اور کسی نے کھانستے ہوئے غنودہ سی آواز میں پوچھا۔ "کون ہے؟"

"ام چوکیدار ہے بابا، چوکیدار! پاٹک کو لو!" رضوان نے پختون لہجے میں اردو بولی اور اپنی جیب سے نقاب نکال لی۔ اِدھر میں نے بھی نقاب نکال لی تھی اور میری آنکھیں سڑک کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

پھاٹک کی دوسری جانب سے ایسی آواز آئی جیسے کنڈی کھولی جا رہی ہو۔ ساتھ ہی ساتھ کوئی بڑبڑا بھی رہا تھا۔ جلد ہی ایک ایسا کھٹکا سنائی دیا جیسے کنڈی پوری طرح کھل گئی ہو۔ میں نے اور رضوان نے بڑی پھرتی سے نقابیں اپنے چہرے پر چڑھا لیں۔ پھر جیسے ہی پھاٹک کھلا، سب سے پہلے رضوان نے

اندر جست لگائی۔

سڑک پر کچھ دور ایک کار کی ہیڈلائٹ [illegible] موڑ سے اچانک سامنے آئی تھی۔ اگر اُ[illegible] بیٹھے ہوئے لوگ ہماری مشتبہ کاروائی [illegible] نوبت آنے سے پہلے ہی ہماری کارروائی [illegible]

پھاٹک کھولنے والا کوئی ملازم [illegible] تھا رضوان نے اپنے ریوالور کے دستے کی ضرب [illegible] پر گرنے لگا۔ جب وہ گر رہا تھا تو میں بھی ا[illegible] جلدی سے پھاٹک بند کیا اور کنڈی لگا[illegible] وہ کار اب فراٹے بھرتی ہوئی پھا[illegible] رہی تھی۔

پھاٹک کھولنے والا، زمین پر گر کر [illegible]

"لائٹ کلیئر!" رضوان نے اعلان کیا "لیکن ہم اِسے یہیں چھوڑ کر آگے نہیں [illegible] پر پڑے ہوئے ملازم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے [illegible] ہوش میں آ سکتا ہے۔"

"تو کیا اب اِسے ڈھونا بھی پڑے گا؟"

"ہاں!"

"تو پھر اُٹھائیے اِسے اپنی کمر پر اور لے چلیے"

میں رضوان کو جواب دینے کی بجائے [illegible] کی طرف بڑھنے لگی۔ برآمدے میں پہنچنے تک میں [illegible] دیکھا۔ مجھے یقین تھا کہ رضوان بیہوش ملازم کو اُٹھا[illegible] میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہوگا۔ اُس کے قدموں کی [illegible] لیے نہیں سُن سکتی تھی کہ وہ بھی کریپ سول کے [illegible] تھا۔

یہ بہت اچھا ہوا کہ برآمدے کا کوئی بلب روشن [illegible] تاریکی ہمیں اپنی پناہ میں لیے ہوئے تھی۔ برآمدے [illegible] نے پہلی مرتبہ مڑ کر دیکھا اور توقع کے مطابق رضوا[ن] [illegible] پیچھے پایا۔

برآمدے میں دو دروازے تھے۔ میں نے [illegible] دونوں ہی کو اندر سے بند پایا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ [illegible] والا اندر سے نہیں نکلا تھا بلکہ سرونٹ کوارٹرز سے آیا [illegible] سے یہ بات بھی ثابت ہوتی تھی کہ کال بیل سرونٹ کوارٹر [illegible] بجتی ہوگی۔

رضوان نے بیہوش ملازم کو برآمدے کے فر[ش] [illegible] اور پھر میرے بالکل قریب ہو کر سرگوشی کی "غلام [illegible]

[illegible] جا کر دروازوں کے قریب دیواروں کا جائزہ [illegible] کال بیل کا بٹن نظر نہیں آیا۔ اب یہی ممکن تھا کہ [illegible] میں نے ایک دروازے پر دستک دی۔ [illegible] دستک کا بھی جواب نہ ملا تو میں نے [illegible] آزمایا۔ اُسے بھی دو مرتبہ کھٹکھٹانا پڑا تھا [illegible] آواز آئی "کون ہے؟"

[illegible] چنگیزی کی ہرگز نہیں تھی۔ وہ بھی کوئی ملازم [illegible] ہوئی آواز سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ [illegible] اُٹھا ہے۔

[illegible] نے جواب میں کچھ بولے۔ [illegible] ہے؟" دروازے کی دوسری جانب سے پھر

[illegible] پھاٹک کھولنے والے کی آواز سُنی ہی تھی۔ اُس [illegible] کی آواز کی نقل اُتارتے ہوئے کہا "ارے [illegible] صاحب سے ملنے آیا ہے۔"

[illegible] نقل اُتارنے میں خاصی حد تک کامیاب ہو گیا تھی وہ ملازم محسوس نہیں کر سکا ہوگا جو دروازے [illegible] موجود تھا۔ جب آدمی نیند سے اُٹھا ہو تو اُس کا [illegible] پوری طرح بیدار نہیں ہوتا۔

[illegible] یعنی دوسری جانب سے دروازہ کھول دیا گیا۔ [illegible] میں ایک پلنگ بھی [illegible] ملازم اُسی پر سو رہا ہوگا۔ یہ وہی ملازم تھا [illegible] دیکھ چکی تھی جب پہلی مرتبہ مشتاق چنگیزی سے

[illegible] کہ رضوان اُس غریب کی کھوپڑی پر بھی اپنے [illegible] طبع آزمائی کر ڈالتا، میں نے اُس کے سینے [illegible] اُسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

[illegible] کھولنے والے ملازم نے جو دو نقاب پوشوں کو اچانک [illegible] ہوائیاں اُڑنے لگیں اور دہشت سے [illegible] کھلا ہی رہ گیا۔

[illegible] میں نے سرگوشی کی "اگر چیخے چلّائے تو

[illegible] بولا "اِس عمارت میں اور کتنے ملازم ہیں؟"

"چوکیدار!" ملازم ہکلایا۔

"سرونٹ کوارٹرز میں رہتا ہے؟"

ملازم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم دونوں کے علاوہ کوئی اور ملازم؟"

"خانساماں!"

"وہ کہاں ہے؟"

"وہ ... شش ... شام کو ... چھٹی کر جاتا ہے۔"

"تمھارا صاحب کہاں ہے؟"

"وہ ... وہ ... سو رہے ہیں جی!"

"ہمیں اُن کے کمرے تک لے چلو!"

"ٹھہرو!" میں نے رضوان سے کہا۔ "پہلے چوکیدار کو باندھ کر اِس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونس دو۔ وہ کسی وقت بھی ہوش میں آ سکتا ہے۔"

رضوان سر ہلا کر بیہوش چوکیدار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس نے اپنی جیب سے نائیلون کی ایک ڈوری نکالی اور چوکیدار کے ہاتھ پیر جکڑنے لگا۔

"میں ... وہ ..." ملازم نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"خاموش کھڑے رہو! جب تک تم سے کچھ پوچھا نہ جائے، اپنی زبان بند رکھو!"

ملازم کے ہونٹ جو خوف و گھبراہٹ سے خشک ہو چکے تھے، کپکپا کر رہ گئے۔

رضوان نے اپنے کام سے فارغ ہونے میں بڑی پھرتی دکھائی۔ اُس نے بیہوش چوکیدار کو باندھنے کے علاوہ اُس کے مُنہ پر ٹیپ بھی چپکا دیا تھا کہ وہ کسی قسم کی آواز نہ نکال سکے۔

"اب تم ہمیں اپنے صاحب کے بیڈروم تک لے چلو!" میں نے تحکمانہ انداز میں ملازم سے کہا۔ "دروازہ اندر سے بند ہوگا لہٰذا تم ہی دستک دے کر اُسے کھلواؤ گے۔ اگر تمھارا صاحب دروازہ کھولے بغیر اندر سے پوچھے کہ کیا بات ہے تو تم اُسے بتاؤ گے کہ پولیس کا ایک آفیسر اُس سے ملنے آیا ہے۔" پھر میں نے قدرے توقف سے پوچھا "سمجھ گئے؟"

ملازم زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"تو پھر چلو!"

ملازم مڑا تو میں نے آگے بڑھ کر ریوالور کی نال اُس کی کمر سے لگا دی۔ رضوان نے بیہوش چوکیدار کو برآمدے سے گھسیٹ کر اندر کر لیا اور دروازہ بند کر کے میرے ساتھ چلنے لگا۔

"اچھا ہی ہوا کہ آپ ناڈیلک کے دور میں نہ ہوئیں۔" رضوان

بڑبڑایا۔
"کیوں؟" میرے منہ سے بےساختہ نکل گیا۔
"بیچاری نادیا کی مارکٹ ڈاؤن ہو جاتی۔ فلموں میں اُسے کوئی ٹکے سیر بھی نہ پوچھتا۔"
میں چُپ رہی۔ ظاہر ہے، یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ ایسی بے تکی قسم کی نوک جھونک کی جاتی۔ رہ گیا رضوان، تو وہ کم از کم مجھ سے اِس قسم کی بکواس کسی وقت بھی کر سکتا تھا۔ موقع محل کی قید اُس نے خود پر کبھی لاگو نہیں کی تھی۔
ملازم جب ایک کمرے کے دروازے پر جا رُکا تو ہم بھی رُک گئے۔ ملازم نے میری طرف دیکھا تو میں نے اُسے دستک دینے کا اشارہ کیا۔ ملازم کے چہرے سے تذبذب ہویدا تھا لیکن جب میں نے اُسے آنکھیں دکھائیں تو اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے دروازہ تھپتھپایا۔
کوئی جواب نہیں ملا۔
میرے اشارہ کرنے پر ملازم نے دروازہ پھر تھپتھپایا۔ اِس مرتبہ اندر سے مشتاق چنگیزی کی آواز سُنائی دی "کیا بات ہے؟ کون ہے؟"
"مَیں ہوں صاحب!... ستار..." ملازم نے اپنا نام بتایا۔ "آپ سے ایک پولیس آفیسر ملنے آیا ہے۔"
"اِس وقت؟" مشتاق چنگیزی کے لہجے میں حیرت تھی۔
ایک بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔
"کیا وہ اکیلا ہے؟" مشتاق چنگیزی نے فوراً ہی دوسرا سوال کیا۔
ستار نے میری طرف دیکھا تو مَیں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"جی ہاں صاحب!" ستار نے جواب دیا۔
کمرے میں کچھ نقل و حرکت محسوس ہوئی، اور پھر قدموں کی آوازیں دروازے کی طرف آتی سُنائی دیں۔ دروازے کا بولٹ گرنے کی آواز ہوئی، اور پھر دروازہ کھُل گیا۔ مشتاق چنگیزی نے شب خوابی کے لباس پر گاؤن پہن رکھا تھا لیکن ابھی اُس کی بیلٹ نہیں باندھی تھی۔ دروازہ کھولتے وقت اُسے ظاہر ہے کہ صرف ستار کے نظر آنے کی توقع ہو گی لیکن دو نقاب پوش بھی دِکھائی دیے تو اُس کے جسم نے اِس طرح جھٹکا کھایا جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔
"ہینڈز اَپ!" رضوان گرجا۔
مشتاق چنگیزی نے گھبرا کر ہاتھ اُٹھا دیے۔ اُس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا۔
"دوسری طرف مُنہ کر کے کھڑے ہو جاؤ!" رضوان نے ایک

اور حکم صادر کیا۔
"تم لوگ... تم لوگ کون ہو... کیا چا
کی آواز کانپ رہی تھی۔
"میں مریخ کا ڈکٹیٹر ہوں اور تمھارا ا
کروانا چاہتا ہوں لہٰذا تم صرف وہی کرو جو ا
فضول قسم کی بحث میں اُلجھو گے تو تمھا ر
سے کروا دی جائے گی۔"
"میں...؟"
"مُنہ دوسری طرف کرو!" رضوان غر ا
مشتاق چنگیزی نے اپنا رُخ دوسری طر
"شاباش! تم نے اب اچھے بچے کی ط
نے کہا اور اپنی جیب سے نائیلون کی ایک ا
بڑھا۔ مشتاق کے قریب پہنچ کر وہ بولا "ا
پیچھے لاؤ... اپنی کمر پر!"
مشتاق نے خاموشی سے تعمیل کی۔ و
باندھنے لگا۔
دس منٹ کے اندر اندر مشتاق چ
میں بندھے پڑے تھے۔ اُن کے منہ پر
بولنے سے روک دیا گیا تھا۔ اِن مرحلوں سے گز
رضوان اپنا اصل کام شروع کرنے کے لیے
کام کا آغاز ہمیں مشتاق چنگیزی کے
لہٰذا مشتاق کو اُس کے ملازم ستار کے سا
نکال کر ڈال دیا۔ دراصل میں نہیں چاہتی تھی کہ
وہ مشتاق چنگیزی کی نظر میں بھی آئے۔
وہ کام یہ تھا کہ ہمیں مشتاق کے گھر کی
ممکن تھا اُس تلاشی میں ہمیں کوئی ایسی چیز
کے ماضی کے بارے میں کوئی نشاندہی کر سکے
میں نے رائٹنگ ٹیبل کی تلاشی لینا شروع کی
الماری پر ہلّا بولا۔ وہ الماری کپڑوں کی نہیں
فائلیں اور کاغذات بھرے ہوئے تھے۔ اِدھر
درازوں میں کاغذات ہی کو تلپٹ کرنا تھا۔ میں
ہی فارغ ہو گئی کیونکہ درازوں میں بہت زیادہ
تھے اور مجھے اُن میں کوئی کام کی چیز ہاتھ نہیں لگی
میں نے میز کے بعد بُک شیلف اور دوسری
شروع کیا۔ رضوان بدستور الماری ہی میں اُلجھا
کاغذات سے پٹی پڑی تھی۔

سرہانے مجھے چابیوں کا ایک گُچھا ملا تو
ان متوجہ ہوئی جو بستر کی دائیں جانب
کئی چابیوں کو آزمانے کے بعد ایک چابی
ہ کھول کر میں نے اُسے تلپٹ کرنا شروع
چیزیں نہیں تھیں۔ ایک فائل تھی جس میں
یمنٹ تھے۔ ایک پتلے سے رجسٹر میں کچھ
غالباً یہ بلیک منی سے متعلق تھا۔ چالیس
نوٹ بھی اُس سیف میں موجود تھے اور
ماری بھی تھا جو مشتاق چنگیزی نے

سیف میں بھی نہیں مل سکی جو مشتاق چنگیز کی
اُس بھی نشاندہی کر سکتی۔ میں نے اُن سب
ہنے دیا اور سیف بند کر کے چابیاں
رکھ دیں۔
تو کچھ نہیں ملا۔" میں نے رضوان کے
انداز میں کہا۔ "تم کہاں تک پہنچے؟"
الماری دیکھی ہے یار" رضوان نے ٹھنڈا
مجھے اُمید ہے کہ اِس میں سے کچھ ملے گا

اب؟"
نے کاغذات بھی ہیں الماری میں اور وہ
بس یونہی ڈال دیا گیا ہو، محض اِس خیال
م آ جائیں۔"
اُدھر پکارا!"

دوسرے کمروں کو دیکھتی ہوں۔ تم صبر کو ل
ہو۔"

سے نکلی۔ راہداری میں پڑا ہوا مشتاق چنگیزی
ہو رہا تھا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہو
ٹیپ کی وجہ سے وہ بے بسی کا شکار تھا۔
اُس پر نظر ڈال کر دوسرے کمرے میں جا گھُسی۔
لے جتنی دیر میں سارے مکان کی تلاشی لی،
صرف اُس الماری کو دیکھ سکا۔ جب میں واپس
الماری بند کر رہا تھا۔
نے اُس سے پوچھا۔

"کوئی ایسی چیز تو نہیں مل سکی کہ مشتاق کے ماضی پر روشنی ڈال سکتی لیکن ایک خالی لفافہ ملا ہے جو شاید کسی کام آ سکے!"
"خالی لفافہ...؟"
"ہاں!" رضوان میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔ "یہ ڈاک کا لفافہ ہے مگر اِس میں کوئی خط وغیرہ نہیں ہے۔" رضوان نے ایک بوسیدہ سا لفافہ میری طرف بڑھایا۔
میں لفافے کا بغور جائزہ لینے لگی۔ اُس پر ایک عورت شائستہ حبیب کا نام اور پتا لکھا ہوا تھا۔ وہ پتا دوبئی کا تھا اور اُس پر ٹکٹ بھی وہیں کے لگے ہوئے تھے۔ گویا وہ کوئی لوکل خط رہا ہو گا۔
"اِس پر تیس سال پہلے کی مُہر لگی ہوئی ہے۔" رضوان بولا۔
میں اُس وقت ٹکٹ پر لگی ہوئی مُہر ہی کا جائزہ لے رہی تھی۔ لفافے کی بوسیدگی کے باعث وہ مُہر بھی دھندلی ہو گئی تھی لیکن خاصا غور کرنے کے بعد میں وہ تاریخ پڑھنے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ رضوان کے بیان کے مطابق واقعی تیس سال پہلے کی تاریخ تھی۔
"ہوں!" میں نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ "اِس کا امکان تو ہے کہ یہ لفافہ کام کا ثابت ہو جائے۔ یہ سوال خاصا اہم ہے کہ آخر یہ لفافہ مشتاق چنگیزی کے پاس کیوں ہے؟"
"باقی گھر کا جائزہ لے لیا آپ نے؟"
"ہاں، مجھے کوئی چیز نہیں مل سکی۔"
"تو پھر اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے۔ بحث و مباحثہ اپنے گھر پر بھی ہو سکتا ہے۔"
"ٹھیک ہے، آؤ!" میں نے کہا اور لفافہ اپنی جیب میں رکھ کر دروازے کی طرف مڑ گئی۔
"مشتاق وغیرہ کا کیا کرنا ہے؟"
"اُنھیں ہم یونہی چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ چوکیدار کو اب تک ہوش آ چکا ہو گا۔ اُسے دوبارہ بیہوش کر کے اُس کے ہاتھ پیر آزاد کر دیں گے۔ اُس کے بعد جب اُسے ہوش آئے گا تو وہ خود ہی اپنے مالک اور اپنے ساتھی کی رسیاں کھول دے گا۔"
جب ہم کمرے سے نکلے تو مشتاق چنگیزی نے بڑی بے بسی سے ہمیں جاتے ہوئے دیکھا۔
بیرونی دروازے کے قریب چوکیدار پڑا ہوا تھا اور میری توقع کے مطابق اُسے ہوش آ چکا تھا۔ اُس نے خوفزدہ نظر سے ہماری طرف دیکھا۔ رضوان نے اپنا ریوالور نکال کر اُس کے دستے کو ایک بار پھر چوکیدار کی کنپٹی پر آزمایا۔

"یہ بے چارے خواہ مخواہ سزا بھگت رہے ہیں۔" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

رضوان نے جتنی پھرتی سے چوکیدار کو باندھا تھا، اُتنی ہی پھرتی سے نائلون کی ڈوریاں کھول بھی دیں۔ اُسے آزاد کر کے ہم مشتاق چنگیزی کے گھر سے نکلے۔ گھر سے نکلتے وقت ہم نے نقابیں اپنے چہرے سے اُتار لی تھیں۔

ذرا دیر بعد ہماری کار ویران راستوں پر فراٹے بھر رہی تھی۔

میں نے رضوان کو اُس کے گھر ہی پر اُتارا۔ راہ میں ہم دونوں گفتگو تو کرتے رہے تھے مگر وہ کسی اعتبار سے بھی نتیجہ خیز نہیں تھی۔ یہ الجھاوا صرف باتیں کرنے سے نہیں سلجھ سکتا تھا کہ دوبئی کی ایک عورت شائستہ حبیب کو ملنے والے کسی خط کا لفافہ، مشتاق چنگیزی کے کاغذات میں کہاں سے آگیا؟

رضوان کے گھر سے اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے بھی میرا ذہن اِس سوال میں اُلجھا رہا اور بستر پر لیٹنے کے بعد بھی میں اِس کو ذہن سے نہیں جھٹک سکی۔ یہاں تک کہ مجھے نیند آگئی۔

صبح میں نے حسبِ معمول اپنے زخم کی ڈریسنگ کی اور ناشتے وغیرہ کے بعد دفتر روانہ ہوگئی۔ دفتر پہنچے ہوئے مجھے آدھا گھنٹہ گزرا ہوگا کہ رضوان کا فون آگیا۔

"خیریت؟" میں نے پوچھا۔

"رات ہی سے میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔"

"درد؟"

"یعنی وہ لفافہ...۔"

"اوہ!" میں نے ایک طویل سانس لیا۔ "رضوان! اب تک میں ایک ہی نتیجے پر پہنچ سکی ہوں۔"

"بس، نتیجہ معلوم ہو جائے تو میرے پیٹ کا درد ختم ہو جائے گا۔"

"نہیں، وہ اِس قسم کا نتیجہ نہیں ہے کہ تمھارے پیٹ کا درد بالکل ختم ہو سکے۔ دراصل اب مجھے کچھ یوں محسوس ہونے لگا ہے کہ سنگیتا سے متعلق جو کہانی اب ہماری نگاہوں کے سامنے پھیل ہوئی ہے، اُس کا آغاز شاید برسوں پہلے دوبئی میں ہوا تھا اور اِس آغاز کا پتا دوبئی سے چل سکتا ہے۔ کیا تم میری خاطر ایسا کر سکتے ہو کہ...۔"

"آپ کی خاطر تو بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔" رضوان نے شوخی سے کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم دوبئی کا ایک چکر لگا آؤ!"

"بس چکر لگانے سے کام چل جائے گا
"کسی وقت سنجیدہ بھی ہو جایا کرو!
"میں تو...۔"
"سنو!" میں اُس کی بات کاٹ
ہوں کہ تم دوبئی جا کر اُس عورت شائستہ
معلومات حاصل کرو۔ نہ جانے اب وہ
اگر مر چکی ہو تو بھی تمھیں اُس کی زندگی کے
کرنا ہوگی۔ وہاں تم ایسے لوگوں سے بھی
کا رابطہ رہا ہے۔ اِس سلسلے میں، میرا
شکیل کے والد سے بھی خاصی مدد مل
تمھیں ڈاکٹر شکیل سے معلوم کر کے بتا د
ہو تم دوبئی چلے جاؤ!"
"میں کل ہی چلا جاتا ہوں۔"
"ویزا کا بندوبست میں فوراً کر
"خاتون! مجھے معلوم ہے کہ آپ
لیکن ایسے چھوٹے موٹے کام تو یہ بندہ
رضوان نے شاید مُنہ بنا کر کہا تھا۔
"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ میں ڈاکٹر
والد کا پتا لے کر تمھیں فون پر بتا دوں گی
"اگر آپ بھی ساتھ چلتیں تو ذرا
"میں تمھیں وہاں کام کے لیے بھیج
ہونے کے لیے نہیں۔" میں نے خشک لہجے
"بہت بے درد ہیں آپ!" رضوان
لے کر کہا۔ "اچھا خیر، میں تیاریاں شروع
آج رات تک ڈاکٹر شکیل کے والد کا پتا
"ٹھیک ہے۔" میں نے سلسلہ
سنگیتا دفتر میں موجود تھی لیکن
کمرے میں بھی نہیں بُلایا۔
شام کو جب میں دفتر سے گھر کی
نے دیکھا کہ جیمس فریزر کی کار میرے
یہ تو واقعی شاید ہاتھ دھو کر
نے سوچا، مگر کیوں؟ یہ ایک نئی اُلجھن
کا نمائندہ آخر مجھ میں اتنی دلچسپی کیوں
"اُس نے گھر تک میرا تعاقب کیا
جب اندھیرا پھیل گیا تو میں

...ن کر کے اُس کے والد کا پتا معلوم کر لیا
...کل میں نے خورشید سے وعدہ کر لیا
...اس کا انتظار کروں گی۔
...کوئی نئی لڑکی میری دوست نہیں
...میں آخر میں اپنی بے چینیوں کو کہاں لے
...بھی نہیں لگتی تھی۔
...یہ غالباً اُس کی شرارت تھی کہ آج
لباس پہن رکھا تھا اور بہت ہیجان خیز
...کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے معنی خیز
...ہیں!"
...ں باندھتی ہیں۔ میں نے آپ کو اِس
میں دیکھا!"
ایسا ضروری تو نہیں!" میں نے ہنس کر
...نہیں ڈال کر بیڈ روم کی طرف چل پڑی۔
...م جب جو آفتاب طلوع ہوا، اُس کی
...ئی خاص ضرورت نہیں۔ میں تو اپنے
...تا فعال" ہی رہی لیکن آفتاب کی
...نی کر دی۔ وہ میرے پہلو میں پوری
...بے جلاتا رہا۔ رات گئے عجب میں
...میرے من کی بدلیاں چھا گئیں اور
...اپنا گیا۔
...ے ساتھ ہی ناشتہ کیا اور ناشتے
...بارے میں باتیں کرتے رہے۔ خورشید
...کر رہی تھی کہ میں تاتاری کی طرف سے
...دلی آدمی کو اہمیت دینے کے
...ہی نہیں سکتی تھی۔ جو عورت ڈاکٹر
...چکی ہو، وہ تاتاری جیسے بیدلوں
...ہے؟
...شید کو لے کر گھر سے روانہ ہوئی
...کر اپنے دفتر کا رُخ کیا۔ میں اِس
...لیزر میرے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔
سنگیتا کو اپنے کمرے میں تو بُلایا لیکن
...اُدہ کسی سلسلے میں بات نہیں کی۔
...سے پھر بھڑک جائے اور میں اُس
...جاؤں۔ وہ میری محبوب تھی اور محبوب

کی دید سے بھی محروم ہو جانا کتنا اذیتناک ہوتا ہے؟ اِس کیفیت کو الفاظ کی گرہ میں نہیں باندھا جا سکتا۔

شام کو جب میں دفتر سے گھر گئی تو بھی جیمس فریزر میرے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔

اُس کے بعد یہ معمول ہی بن رہا۔ میں جہاں بھی جاتی جیمس فریزر سائے کی طرح میرے ساتھ لگا رہتا۔

رضوان کو دوبئی گئے ہوئے چار دن گزر گئے لیکن اُس کی طرف سے کوئی اطلاع بھی نہیں ملی۔ اطلاع ملتی بھی کیسے؟ میں نے اُسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ مجھے نہ تو فون پر کچھ بتائے اور نہ خط لکھے بلکہ خود واپس آنے کے بعد ہی مجھے مکمل رپورٹ دے۔

اِس دوران میں میری کوئی خاص مصروفیت بھی نہیں رہی۔ گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر! کبھی کبھی میں شام کو تفریحاً کسی کلب یا ہوٹل میں چلی جاتی تھی اور جیمس فریزر اُس وقت بھی میرا سایہ بنا رہتا تھا۔ میں خود اُس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا چاہتی بلکہ مجھے اُس کی طرف سے کسی اقدام کا انتظار تھا لیکن وہ انتظار تھا کہ محبوب کے انتظار کی طرح طویل ہوتا چلا جا رہا تھا۔

اُن دِنوں میں میرے شانے کا زخم مندمل ہو چکا تھا اور اُس پر کھرنڈ آ جانے کی وجہ سے ڈریسنگ کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی تھی۔

دو دن اور گزر گئے۔ اب مجھے رضوان کی طرف سے فکر لاحق ہوگئی تھی۔ اِتنے دن میں تو اُسے یقیناً لوٹ آنا چاہیے تھا۔

پھر جب آٹھواں دن آیا تو میں بہت پریشان تھی۔ اُس روز میں جیسے ہی دفتر پہنچی، سنگیتا میرے کمرے میں داخل ہوئی اور اُس نے میرے قریب آ کر گلاب کا ایک پھول میری طرف بڑھایا۔

"یہ کیا؟" میں تعجب سے بولی۔

"گلاب ہے بانو! دیکھیے کتنا خوبصورت ہے۔ ہمارے گھر میں گلاب کا ایک گملا ہے۔ آج جب میں گھر سے روانہ ہو رہی تھی تو یہ اُس میں کِھلا ہوا نظر آیا۔ مجھے اِتنا اچھا لگا کہ میں نے اِسے توڑ لیا۔ اُسی وقت میں نے سوچ لیا تھا کہ یہ گلاب میں آپ کو دوں گی۔"

"شکریہ!" میں نے مسکرا کر گلاب اُس کے ہاتھ سے لے لیا لیکن میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا تھا۔

سنگیتا کمرے سے چلی گئی۔ میں اُس سے کچھ کہہ بھی نہیں سکی اور بس اُس گلاب کو دیکھتی رہی جو میری اُنگلیوں میں دبا ہوا تھا۔ لوگ عموماً عقیدت یا محبت کے جذبے کے تحت پھول کسی

کی قدر کرتے ہیں لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تحفے میں ملی ہوئی کوئی چیز ضائع نہیں کی جاسکتی اور پھول ایسی چیز ہے جسے ضائع ہونے سے بچانا بہت مشکل ہے۔ میں نے بھی اُس پھول کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے ایک کتاب میں رکھ دیا تھا لیکن اِس طرح پھول محفوظ ضرور ہوجاتے ہیں لیکن ایک دن آتا ہے جب وہ بالکل خشک ہوجاتے ہیں اور اُن کی یہ حالت دیکھ کر بڑا کرب محسوس ہوتا ہے۔

بعد میں ایک عید کے موقع پر سنگیتا نے مجھے ایک عید کارڈ بھی دیا تھا۔ وہ پھول آج بھی اُس عید کارڈ میں میرے پاس محفوظ ہے اور جب کبھی میں اُس کی خشک پتیوں کو دیکھتی ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے کسی نے میرا دل مسوس کر رکھ دیا ہو۔

اُس روز جب سنگیتا نے مجھے وہ پھول دیا تو میں اِس خیال سے بہت اُداس رہی کہ ایک دن یہ پھول مرجھا جائے گا۔

اگلے دن اتوار تھا اِس لیے میں دفتر نہیں گئی۔ گھر ہی میں پڑی اُس پھول کے بارے میں سوچتی رہی کہ وہ سنگیتا نے مجھے کس جذبے کے تحت دیا تھا؟ عقیدت کی وجہ سے یا محبت کے باعث؟

تیسرے پہر تک میری طبیعت اِن خیالوں سے اِتنی گھبرا گئی کہ میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔

جیمس فریزر اُس روز بھی میرے تعاقب میں لگا ہوا تھا لیکن گزشتہ دنوں کی طرح اُس روز بھی میں نے اُسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ میں شہر کے ایک خوبصورت ہوٹل کی طرف جا نکلی اور اُس حصّے کا رُخ کیا جہاں سوئمنگ پول تھا۔

عورتیں اور مرد، پول میں ڈبکیاں لگا رہے تھے اور تیر رہے تھے۔ عورتوں میں زیادہ تعداد غیر ملکیوں کی تھی۔ پول کے گرد پختہ فرش پر وہ لوگ نیم دراز تھے جو نہا چکے تھے اور اب دوسروں کی خوش فعلیوں سے لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ اِس کے علاوہ کچھ میزیں بھی لگی ہوئی تھیں جن پر بیٹھے ہوئے لوگ مکمل لباس میں تھے۔

اُنھی میں سے ایک میز پر مجھے مشتاق چنگیزی نظر آیا۔ میں اُسے دیکھ کر چونکی اور پھر بے اختیار میرے قدم اُس کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

مشتاق چنگیزی پول میں ڈبکیاں لگانے والوں کی طرف متوجہ تھا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی لیکن جب اُس نے مجھے دیکھا تو چونک پڑا اور اُس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ کافور ہوگئی۔

"ہیلو!" میں مسکرائی۔

"ہیلو!" اُس نے کہا ہوا ... [illegible]

"عجیب اتفاق ہے کہ آپ ...

میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" آپ اکیلے

"فی الحال تو اکیلا ہی ہوں ...

مشتاق چنگیزی کا لفظ "فی الحال"

ہی اُس کے معنی میری سمجھ میں آگئے ...

ہمارے قریب آگئی تھی۔ اُس نے ...

پھر مشتاق سے انگریزی میں کہا "...

وہ یورپین تھی لیکن میں اُس کے ...

اُس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کے لگ بھگ ...

میں اُس کا جسم اِس طرح دمک رہا تھا کہ ...

گئی۔ وہ بلاشبہ ایسی تھی کہ اُسے ... محسوس ہونے لگے۔

جب وہ جانے کے لیے مُڑی تو میری ...

سایہ ہو ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اُس لڑکی کے ...

کر دیا تھا کہ میں مشتاق چنگیزی کی موجودگی کو بھی ...

جیمس فریزر کو بھی بُھلا دیا تھا جس کی نگاہ ...

کو بہت غور سے پڑھ رہی تھی۔ میں نے اُسے اُس ...

لڑکی اُس کے قریب سے گزر کر آگے نکلی۔

جیمس فریزر پر نظر پڑتے ہی میں نے سنبھالا ...

ہوئی نگاہ کو لوٹا کر مشتاق چنگیزی کے چہرے پر ...

"شاید آپ میری دوست کو پہچاننے کی ...

مشتاق چنگیزی نے قدرے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ...

"آں ... ہاں ..." میں نے خود کو بُڈی کی طرح ...

"میرا خیال ہے کہ میں کچھ سال پہلے اِس سے پیرس ...

"میرا خیال ہے کہ سونیا کبھی پیرس میں نہیں ..." اُس نے سرد لہجے میں کہا۔ "وہ اطالوی ہے اور خود اُس کی زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے وطن سے نکل کر ... پر آئی ہے۔"

"تو پھر مجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ملتے جلتے چہرے ... میں پائے جاتے ہیں۔ آپ سے اِس اطالوی لڑکی کی ... کیسے ہوگئی مسٹر مشتاق؟"

"کیا آپ اس کے بارے میں بھی کوئی خبر بنانا چا...

... کہا۔

... ہنس پڑی۔ "یہ تو میں نے برسبیل تذکرہ ... کر رہی تھی۔ اگر آپ اِس کا جواب نہ دینا ... تو میں یہیں سے ہٹ جاتی ہوں۔"

"شکریہ!" مشتاق چنگیزی نے ایک ایک ... کہا۔

"... ناراض معلوم ہوتے ہیں مسٹر مشتاق!" میں ... آپ کا خیال ہے کہ میں کسی طور سے آپ کے لیے ... رہتی ہوں؟"

... سے شاید مشتاق کو احساس ہوا کہ اب تک ... نہیں رہا ہے۔ اب اُس نے سنبھالا لیا اور ... کی، پھر کہا "یہ بات نہیں۔ دراصل مجھے ... محسوس ہوتا ہے۔ کبھی کبھی مُنہ سے کوئی ... جاتی ہے جسے اخبار والے افسانہ بنا دیتے ...

... رہی ہوں کہ آپ کی اجازت کے بغیر کوئی ایسی بات ... کی جس کا تعلق آپ سے ہو۔ میں ایک خاص ... مل بھی چکی ہوں لیکن اُس ملاقات کا کوئی ... اخبار میں نہیں دیکھا ہوگا۔"

... بات کہی ہے۔"

"... آپ کو میری طرف سے بالکل مطمئن ہونا چاہیے۔ ... معاملے کی چھان پھٹک نہ کرلوں، اخبارات کو ... لگنے دیتی۔ اِس کے علاوہ میں یہ خیال بھی ... خبر سے کسی شریف آدمی کی ساکھ کو دھچکا نہ پہنچ ... معاملہ تو ویسے بھی اب تک میرے لیے ایک معمّہ ... میں مسٹر رام لال سے بھی ملی تھی لیکن جیسے ہی ... موضوع کو چھیڑا، وہ اِس طرح بدک گئے جیسے ... مجھے اِس وقت کوئی مثال نہیں سوجھ رہی ہے۔"

"... مس ..." مشتاق چنگیزی یکلخت چُپ ہوگیا۔ وہ ... میرا نام لیتے لیتے رہ گیا تھا۔ اگر وہ میرا نام لے بیٹھتا تو ... ہوجاتی کہ وہ مجھے صبیحہ بانو کی حیثیت سے پہچانتا ... اُس کے چُپ ہوجانے کے باوجود میں بہرحال اِس ... واقف تھی کہ وہ میری شخصیت سے واقف ہے۔ ... کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا تھا لیکن میں نے ... ظاہر ہونے دیا کہ میں اُس کی کیفیت سے آگاہ ہوگئی ...

ہوں۔ میں نے ... شاید آپ پیرس ... والے تھے؟ لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو اپنا نام نہیں بتایا تھا۔"

مشتاق چنگیزی کی پیشانی پر پسینے کی چمک پیدا ہوگئی، تاہم اُس نے سنبھلنے کی کوشش کی اور بولا "اچھا! حیرت ہے! نہ جانے کیوں مجھے یاد آرہا تھا کہ آپ کا نام صوفیہ ہے۔"

اُس وقت میرے ذہن میں بڑی تیزی سے ایک خیال اُبھرا۔ مشتاق کے گھر سے رضوان نے ڈاک کا جو لفافہ برآمد کیا تھا، اُس پر شائستہ حبیب نامی کسی عورت کا پتا لکھا ہوا تھا۔ مجھے اُس کا خیال آیا تو میں نے فوری طور پر فیصلہ کر ڈالا کہ ایک دھماکا کر ہی دیا جائے۔ میں نے بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جی نہیں، میرا نام صوفیہ نہیں، شائستہ ہے، شائستہ حبیب!"

یکلخت مشتاق چنگیزی کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ یوں معلوم ہوا تھا جیسے اُس کے جسم کا سارا خون سمٹ کر اُس کے چہرے پر آگیا ہو۔ اُس کی پیشانی پر پسینے کی جو چمک پیدا ہوئی تھی، وہ پسینے کی ننھی ننھی بوندوں میں تبدیل ہوگئی۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ میں جس معاملے میں دخل اندازی کر بیٹھی ہوں، اُس میں شائستہ حبیب نامی عورت کوئی اہم کردار ادا کرچکی ہے۔

مشتاق چنگیزی ذرا دیر تو کچھ بول ہی نہیں سکا تھا۔ پھر جب وہ بولا تو اُس کی آواز بھرائی ہوئی تھی "شائستہ... حبیب؟"

"جی!"

"حبیب آپ کے شوہر کا نام ہے؟"

"والد کا!" میں نے جواب دیا "مجھے شادی کی توفیق تو اب تک نہیں ہوئی اور غالباً مستقبل میں بھی ... فضول تو نہیں ... گی۔"

"ہوں!" مشتاق پھر چُپ ہوگیا۔ وہ ذہنی طور سے بہت منتشر معلوم ہونے لگا تھا۔

میں اِس طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگی جیسے وقت گزاری کے لیے مجھے کوئی راہ نہ سُوجھ رہی ہو۔

اِتنے میں سونیا کپڑے پہن کر وہاں آگئی۔ وہ آرنج کلر اسکرٹ میں شعلہ جوّالہ بنی ہوئی تھی۔ اُس نے ایک کرسی پر بیٹھ کر میری طرف دیکھتے ہوئے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور "ہیلو" کہا۔

"ہیلو!" میں مسکرائی۔

سونیا ایسی نظروں سے مشتاق کی طرف دیکھنے لگی جیسے چاہتی ہو کہ وہ میرے بارے میں اُسے کچھ بتائے۔

"یہ ایک فری لانسر جرنلسٹ ہیں۔" مشتاق نے اُس سے کہا: "اِن کا خیال تھا کہ یہ تم سے پیرس میں مل چکی ہیں۔"

"نوپ! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں کبھی پیرس نہیں گئی۔" سونیا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بعض اوقات ملتے جلتے چہروں سے دھوکا تو ہو ہی جاتا ہے ڈیئر سوئیٹ گرل!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور محسوس کیا کہ میرے اِس اندازِ تخاطب پر سونیا بہت خوش ہوئی تھی۔ اُس نے ایسی نظر سے میری طرف دیکھا تھا جس میں پذیرائی کی تمام تر کیفیت موجود تھی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ یہ میدان مارنا میرے لیے مشکل نہیں ثابت ہوگا۔ سونیا نے میری افتادِ طبع کو نہ صرف یہ کہ پوری طرح سمجھ لیا تھا بلکہ وہ خوشہ چینی کی اجازت دینے کے لیے بھی تیار تھی۔

اُس وقت میرے ذہن میں میر تقی میر کا ایک شعر گونج اُٹھا:

وصل اُس کا خدا نصیب کرے
میرا جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ

میر صاحب نے اِس شعر میں "کیا کیا کچھ" کہہ کر جو کچھ کہہ دیا ہے اُسے محسوس کر کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگتی ہیں، سو یہی حال اُس وقت میرا تھا۔

مشتاق چنگیزی نے جو میرے اور سونیا کے افہام و تفہیم کو محسوس کیا تو پہلو بدل کر بولا: "سونیا! بعض اوقات چہرے، دھوکا نہیں بھی دیتے ہیں مگر اِس بات کا اظہار کر کے..."

میں سمجھ گئی کہ میرے اور سونیا کے مابین جو معاملات طے ہو رہے تھے، مشتاق اُن میں ٹانگ اڑا دینا چاہتا تھا للٰذا میں نے اُس کی بات پوری نہیں ہونے دی اور سونیا سے کہا: "پیرس میں تو لڑکی مجھ سے ملی تھی، وہ نہ صرف تم سے شکل و صورت میں ملتی جلتی تھی بلکہ تمھاری طرح اُسے بھی سوئمنگ کا بہت شوق تھا... [illegible] کیا کرتی تھی۔"

"گڈ!" سونیا خوش ہو کر بولی: "کیا خیال ہے، آپ مجھ سے بھی مقابلہ کر سکیں گی؟"

"کوشش تو کی جا سکتی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ویری گڈ!" سونیا پُرجوش ہو گئی: "اب تو میں بہت دیر تک سوئمنگ کرتے کرتے تھک گئی ہوں لیکن کل اِسی وقت میرا اور آپ کا مقابلہ ہوگا۔"

"منظور!" میں نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اُس نے بڑی گرم جوشی سے میرا ہاتھ دبا دیا۔ اُس کے نرم و ملائم ہاتھ کے لمس نے میرے رگ و پے میں سرور کی ایک لہر دوڑا دی

اور میں سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ بعد کی منز... اِس طرح غرق کریں گی کہ اُبھرنا ممکن نہ رہے...

مشتاق نے ایک بار پھر بے چینی... پر نظر ڈالتا ہوا بولا: "سونیا! ہمیں دیر ہو ر...!"

"اوہ... ہاں...!" سونیا نے اُس... وقت کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔" پھر وہ مع... خواہ ہوں۔ دراصل اِس وقت ہمارا ایک پروگ...

"کوئی بات نہیں!" میں اُس کا فقرہ مکمل... بول پڑی: "جو پروگرام طے ہو اُس پر عمل ضر... لہجہ معنی خیز تھا۔

سونیا نے ایک سریلا قہقہہ لگایا اور بولی: "جو پروگرام طے ہوا ہے، اُس پر عمل ضرور ہوگا۔"

مشتاق چنگیزی کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت بد... ہوا تو سونیا بھی کھڑی ہو گئی۔

"آپ نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں!" وہ ا...

"شائستہ!" میں نے کہا اور کن انکھیوں... طرف دیکھا جس کے چہرے کا رنگ ایک بار پھر...

"آؤ چلیں!" اُس نے سونیا کا ہاتھ تھام ل... بایاں ہاتھ تھا۔ اُس نے مصافحے کے لیے دایاں ... بڑھا دیا۔

سرور و کیف کی وہ دوسری لہر تھی جس نے... وجود کو بھگو دیا۔

... دونوں چلے گئے لیکن مجھے اُن دونوں ... صرف سونیا کے چلے جانے ... لہر تھی جو گزر گئی لیکن میرا وجود سرور و کیف کے اُس بھنو... دیر تک رہا۔ میں اُس بھنور سے اُس وقت نکلی جب ... اتفاق سے جیمس فریزر پر جا پڑی۔ وہ بدستور میرا نگرا...

"یہ کب تک میرا سایہ بنا رہے گا؟" میں نے سوچا... اُس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے اُس کا ارا... سمجھ میں آ سکتا لیکن میں نے بھی طے کر رکھا تھا کہ خود ا... خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھاؤں گی۔ مجھے انتظار تھا کہ وہ ... ہی کوئی حرکت کرے۔

تو پھر میں اُس کمبخت کے بارے میں سوچوں بھی کیوں... نے سوچا اور اُسے ذہن سے جھٹک کر پھر سونیا کے بارے میں سوچنے لگی۔ میں جاننا چاہتی تھی کہ وہ اُس ہوٹل کے ... میں مقیم ہے! یہ بات معلوم کر لینے میں کوئی حرج نہیں...

... جا سکتا تھا۔

... ہی اور صدر دروازے کی طرف سے ... ریسپشن کاؤنٹر پر پہنچی تو میں نے ... سمجھا کہ جیمس فریزر میرے تعاقب میں ... تھا کہ وہ ہوگا۔

... معلوم ہوا کہ سونیا کمرہ نمبر تین سو چوالیس میں ... اُس کا ایک سیاح ساتھی البرٹو بھی تھا۔ ... اطلاع ملی تھی کہ سونیا کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ ... حاصل کرنے کے بعد میں واپسی کے لیے مڑی اور ... [illegible] برابر میرے پیچھے لگا ... بھی اِس پر بس ایک اُچٹتی سی نظر ڈالی اور ...

... نے گھر ہی کا رُخ کیا۔ دُھوپ ڈھل چکی تھی ... احساس جاگ چکا تھا۔ جب میں گھر پہنچی تو مغرب ... میں نے ملازمہ سے پوچھا کہ کوئی ٹیلیفون تو نہیں ... آب پانے کے بعد میں اپنے بیڈروم میں جا کر ... میرا ذہن کئی شخصیتوں اور مختلف النوع خیالات ... تھا لیکن میں نے بہت جلد سب کچھ جھٹک دیا اور ... میرے ذہن میں سجا کر اپنے اور رنگ تصور پر بٹھایا! ... کبھی کبھی میں اپنے تشنہ جذبات کی برانگیختگی ... رہی ہوں۔

... میں گھر سے نکلی اور میرے خوابوں کے جزیرے ... اُبھرتی رہی۔ اُس قوس قزح میں سب سے گہرا ... تھا، دمکتا چمکتا ہوا رنگ!

... دفتر گئی لیکن کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ رہ رہ کر ... ان کر رہا تھا کہ اب تک رضوان واپس کیوں نہیں آیا؟ ... کہیں کہ وہ دوبئی میں کسی مصیبت کا شکار ہو گیا ہو! ... ہونے لگا تھا جیسے مجھے خود بھی دوبئی جانا پڑے گا۔ ... لگنے کے باوجود میں دوپہر تک دفتر ہی میں رہی۔ لنچ ... میں اپنی کار میں بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ ... وقت میں نے اپنی سیکرٹری سے کہہ دیا تھا۔ ... نہیں آؤں گی۔

... کر میں نے خوابگاہ میں ہی کھانا منگوا لیا۔ کھانے ... ہی ملازمہ ڈاک کے دو لفافے بھی لائی۔ ... آج گیارہ بجے کی ڈاک سے آئے ہیں۔" اُس نے بتایا۔

کوئی ردِعمل نہیں ہو سکتا تھا لیکن دوسرے لفافے پر نظر پڑتے ہی میرے اعصاب میں تناؤ سا پیدا ہو گیا۔ وہ لفافہ دوبئی کا تھا اور جس تحریر میں میرا پتا لکھا تھا وہ میری جانی پہچانی تحریر تھی۔ رضوان کی تحریر!

میں کھانا ورانا سب بھول گئی اور جلدی سے وہ لفافہ چاک کر کے اندر سے خط نکال لیا۔ وہ خط بھی رضوان ہی کا تھا، مختصر لیکن حد درجہ پریشان کُن لکھا تھا۔

بانو!

یہ معاملات بڑے گمبھیر معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی ہدایت کے مطابق میں کوئی تفصیل نہیں لکھ رہا ہوں۔ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اب آپ سے کب ملاقات ہوگی۔ جب یہ خط آپ کو ملے گا تو میں دوبئی سے جا چکا ہوں گا۔ یہ ابھی مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ کہاں جانا ہوگا! یہ خط اِس لیے بھی لکھ رہا ہوں کہ آپ کو ہوشیار کر سکوں۔ دوبئی سے ایک شخص کراچی روانہ ہونے والا ہے اور اُس کا مشن صرف یہ ہے کہ آپ کو قتل کر دے۔ گھنی مونچھوں اور داڑھی کی وجہ سے وہ شخص چہرے ہی سے خوفناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اُس کی طرف سے آپ پوری طرح چوکس رہیں اور میری تلاش میں دوبئی آنے کی بجائے میرا انتظار کریں۔

رضوان

میں نے اس خط کو کئی مرتبہ پڑھ ڈالا۔ کھانا میرے سامنے رکھا ٹھنڈا ہو رہا تھا لیکن میری بھوک اُڑ چکی تھی۔ اُس خط نے مجھے پریشان کر دیا تھا لیکن میری پریشانی اِس لیے نہیں تھی کہ کوئی شخص مجھے قتل کرنے کے لیے دوبئی سے روانہ ہونے والا تھا یا روانہ ہو چکا تھا۔ اِس میں تو پریشانی کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ اب تک نہ جانے کتنے لوگوں کی یہ خواہش ایک خوابِ پریشاں بن چکی تھی کہ وہ مجھے قتل کر دیں۔ ایسے لوگوں سے نمٹنا مجھے خوب آتا تھا۔ میں تو محض اِس لیے پریشان ہو گئی تھی کہ رضوان کس جھمیلے میں پڑ گیا ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر رضوان کو کچھ ہو گیا تو میں رضیہ کو کیا جواب دوں گی!

رضیہ، میری بہن، مجھے دنیا میں کوئی بھی اُس سے زیادہ عزیز نہیں ہو سکتا تھا اور میں اِس بات سے باخبر تھی کہ رضیہ دل کی گہرائی سے رضوان کو چاہتی ہے۔ یہ اُس کا اپنا ایک فلسفہ یا نظریہ تھا کہ وہ رضوان سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ رضوان کو بڑی شدت سے چاہتی

تھی۔ میں نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ اُسے صورتِ حال سے آگاہ کر دوں۔ پھر وہ مجھ سے کم از کم یہ سوال تو نہیں کر سکتی تھی کہ میں نے اُسے حالات سے بے خبر کیوں رکھا؟

میں نے کھانا جوں کا توں چھوڑا اور گھر سے روانہ ہو گئی۔ میں سیدھی ٹیلیگراف آفس پہنچی تھی۔ وہاں سے میں نے برازیل کے ایک شخص کو ٹیلیگرام دیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح جلد از جلد رضیہ تک پہنچے اور اُسے اطلاع دے دے کہ رضوان کسی خطرناک معاملے میں پھنس کر اچانک غائب ہو گیا ہے۔

یہ تار دینے کے بعد میں پھر گھر لوٹی اور تھوڑا بہت کھانا کھایا۔ ذہن اتنا منتشر تھا کہ میں نے کھانے سے پہلے ڈرنک بھی لے لیے تھے۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو ذہنی انتشار مجھے بہت بُری طرح تھکا دیتا۔ کھانے کے بعد میں ایک ہلکی پھلکی نائٹی پہن کر بستر پر لیٹ گئی کہ اس طرح آرام کرنے سے بھی میں خاصی حد تک پُرسکون ہو سکتی تھی۔

جب تین بجے میری نظر دیوارگیر کلاک پر پڑی تو مجھے اچانک سونیا یاد آ گئی۔ مجھے اُس سے ملنے جانا تھا۔ میں اُس سے وعدہ کر چکی تھی اور ایسے وعدوں کا میں بہت احترام کرتی ہوں جو کسی خوش بدن سے کیے گئے ہوں۔ اگر کسی چیز کو میری کمزوری قرار دیا جا سکتا ہے تو بس یہی ایک چیز ہے۔ سونیا جیسی لڑکیوں کی خاطر میں بڑے بڑے مسائل کو فراموش کر سکتی ہوں میں بڑی پھرتی کے ساتھ بستر سے اُٹھ گئی۔ مجھے ابھی تیار بھی ہونا تھا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ تاخیر سے ہوٹل پہنچوں۔

جب میں گھر سے روانہ ہوئی تو میں نے اپنا سوئمنگ ڈریس بھی ایک پیکٹ میں ساتھ لے لیا تھا۔

میں ہوٹل کے سوئمنگ پول پر پہنچی تو میں نے سونیا کو اپنا منتظر پایا۔ اُس کے ساتھ مشتاق چنگیزی کے علاوہ ایک مغربی نوجوان بھی تھا جس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی مجھے سونیا کے سیاح ساتھی البرٹو کا خیال آیا جس کا نام مجھے گزشتہ روز ریسپشن سے معلوم ہوا تھا۔

سونیا پہلے ہی سے سوئمنگ ڈریس پہنے بیٹھی تھی۔ اُس نے اُچھل کر بڑے پُرجوش انداز میں میرا استقبال کیا۔ مشتاق چنگیزی کے چہرے پر کبیدگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ یقیناً اُس نے سونیا کو میری طرف سے بدظن کرنے کی بہت کوششیں کی ہوں گی لیکن وہ بار آور نہیں ہو سکی ہوں گی۔ میرے خیال کے مطابق اُن کے دوستانہ تعلقات حالیہ ہی تھے اور مشتاق کا سونیا کے پیچھے لگنا ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ... جاتا ہے۔

"یہ میرا دوست البرٹو ہے۔" سو...

اِسے پانی سے بہت خوف آتا ہے۔" سو...

البرٹو جھینپ سا گیا۔ اُس نے مجھ...

"سونیا مجھے دکھ دینے سے بہت کم ... ہے کہ مجھے فقرے کسنے کا فن نہیں آتا۔"

"میں اس سلسلے میں آپ سے ... کہا اور سونیا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

مشتاق بالکل چُپ تھا۔

سونیا مجھ سے بولی۔ "تو آپ مقابلے ... آئی ہیں نا؟"

"سو فیصد!"

"آپ کا سوئمنگ ڈریس؟"

"یہ ہے۔" میں نے اُسے پیکٹ دکھایا۔

"گڈ! تو پھر آپ یہ جلدی سے پہن کر آ جا..."

میں اُس طرف چلی گئی جہاں لباس تبدیل... میں سوئمنگ ڈریس پہن کر دوبارہ اُن لوگوں کے... نے بڑی گہری نظر سے میرے سراپا کا جائزہ لیا اور بولی۔ "ہاؤ سوئیٹ! آپ کتنی متناسب الاعضا ہیں..."

میں اُس کی بات کا جواب گول کر گئی...

میں نے کہا۔ "مسٹر البرٹو! ہمارے مقابلے کا فیصلہ آپ ہی بتائیں گے کہ ہم میں سے کون جیتا!"

"لیکن یہ فیصلہ میں کس بنیاد پر کروں گا؟"

"آپ کو اوّل تو یہ بات نوٹ کرنا ہو گی کہ ہم میں... دیر تک پانی کی گہرائی میں رہ سکتا ہے اور دوسرے یہ کہ ہم... کون پہلے تھکتا ہے! کیوں سونیا! ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک!"

"تو پھر آؤ!"

ہم دونوں تقریباً دوڑ کر پول کے کنارے پہنچیں ا... پانی میں چھلانگیں لگا دیں۔ ہمارے علاوہ بھی کچھ لوگ ہاں... تھے۔ میں اور سونیا دو تین منٹ تو پانی کی سطح پر ہی تیرے... کے بعد اچانک میں نے غوطہ لگایا اور سونیا کی ٹانگ پکڑ... بھی گہرائی کی طرف کھینچے چلی گئی۔ چند فٹ کی گہرائی میں... نے سونیا کی ٹانگ چھوڑ دی اور ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ پکڑ...

... یہ اِس بات کا اشارہ تھا کہ مزید گہرائی ... نا وہ سمجھ گئی اور میرے ساتھ ساتھ پانی کی گہرائی ... میں نے سونیا کا ہاتھ چھوڑ دیا اور ایسا کر کے ... گزرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ سونیا نے اچانک ... مقام پر بڑے زور سے جنبش لی اور بڑی تیزی سے ... چلی گئی۔

... دل میں ہنس دی۔ سونیا میں وہ ساری ... ادائیں جو کسی شوخ و چنچل محبوب میں ہوتی ہیں۔ ... سطح آب پر اُبھری تو سونیا چند فٹ کے فاصلے پر ... میں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس ... نے مجھ پر پانی کے چھینٹے اُڑائے۔

... میں حساب ضرور بیباق کروں گی۔" میں نے ... کہا۔

... مجھے چھُو بھی نہیں سکتیں۔" وہ بولی۔

... میں نے چیلنج قبول کرنے والے انداز میں کہا۔

... الت میں نے البرٹو کی آواز سُنی۔ "آپ ایک پوائنٹ ...

... البرٹو کی طرف دیکھا۔ وہ مجھ سے کہہ رہا تھا۔ "سونیا ... ادیا گئی تھی۔"

... ہنس کر اپنے جیتے ہوئے اُس پوائنٹ کو غیر اہم قرار ... مجھے تو کچھ اور ہی جیتنے کی فکر تھی۔ میں تیرتی ہوئی سونیا ... سونیا نے مجھ سے بچنے کے لیے دوسری سمت میں ... لڑا یا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ خاصی تیز پیراک ہے۔ ... کا مظاہرہ میں نے بہت عرصے پہلے صرف اُس وقت ... میں یونہی تفریحاً پیراکی کے ایک عالمی مقابلے میں ... لی تھی اور مجھے اُس میں فرسٹ پرائز ملا تھا۔

... دو تین منٹ تو یہی ظاہر کرتی رہی کہ سونیا کی تیزی کا ... میرے بس سے باہر ہے لیکن پھر اچانک میں نے خود کو ... کرا دیا کہ میں پیراکی کے عالمی مقابلے میں شریک ہوں۔ ... پیروں میں گویا بجلیاں بھر گئیں اور چشم زدن میں ... نے مجھے اپنے بہت قریب پایا۔ مجھے اُس کے چہرے پر ... کے آثار دکھائی دیے تھے۔ میں نے غوطہ لگایا اور سونیا ... پکڑ کر اُسے بھی نیچے گھسیٹ لیا۔ اُس نے تڑپ کر میری ... سے نکلنا چاہا لیکن میری اُنگلیاں اُس کی سڈول و ریشمیں پنڈلی سے اس طرح چپک گئی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا جیسے میری اُنگلیوں یا اُس کی پنڈلی میں کوئی مقناطیسی طاقت ہے۔ ... اُسے نیچے کی طرف کھینچے ہی لیے چلی گئی۔ یہاں تک کہ ہم پول کی انتہائی گہرائی میں اُس کے فرش تک پہنچ گئے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ سونیا اب اپنی ٹانگ چھڑانے کی کوشش بھی نہیں کر رہی تھی۔ میں نے اُسے ایک جھٹکا دے کر کچھ اور نیچے کیا جب کہ خود ذرا سا اُوپر اُٹھی۔ اب میں نے سونیا کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ جواباً سونیا مجھ سے امر بیل کی طرح لپٹ گئی۔

پانی کی گہرائی میں آگ بھڑک رہی تھی۔ شعلوں کی زبانیں ہمیں چاٹ رہی تھیں۔ جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ ہم تادیر اِس آگ سے کھیلتے رہیں لیکن پانی کی گہرائی میں یہ ناممکن تھا۔ آخر ہم کب تک سانس روک سکتے تھے؟ مجھ سے پہلے سونیا نے ہمت ہار دی۔ سانس روکے رکھنا اب اُس کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ وہ اچانک مجھ سے جدا ہو گئی اور تیزی سے سطح آب کی طرف اُٹھنے لگی۔ اب میں نے بھی اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور وہ گیس بھرے ہوئے غبارے کی طرح اُوپر اُٹھتا چلا گیا۔

میں سونیا کے قریب ہی سطح آب پر اُبھری۔ سونیا بہت لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ پانی میں بھیگا ہوا ہونے کے باوجود اُس کا چہرہ انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ یہ تپش اُن جذبات کی تھی جو پانی کی گہرائی میں برانگیختہ ہوئے تھے مگر تشنۂ آسودگی اُن ... نہیں بن سکا تھا۔ غالباً کچھ ایسی ہی کیفیات اُس وقت میرے چہرے پر بھی ہوں گی۔

البرٹو نے چیخ کر بتایا کہ میں نے پھر ایک پوائنٹ جیت لیا ہے۔

سونیا میری طرف دیکھتے ہوئے عجیب سے انداز میں ہنس پڑی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ البرٹو کی حماقت پر ہنسی ہو۔ وہ بیوقوف پیراکی کے پوائنٹس گن رہا تھا اور اِدھر ہم کچھ دوسرے ہی پوائنٹس پر مجادلہ کر رہے تھے۔

میں نے ایک اچٹتی سی نظر مشتاق چنگیزی پر بھی ڈالی تھی اور اندازہ کر لیا تھا کہ وہ حقیقت کو پُوری طرح سمجھ رہا ہے۔

جب میرے اور سونیا کے سانس پُوری طرح قابو میں آ گئے تو ہم ایک بار پھر پانی کی گہرائی میں چلے گئے گویا آج صرف یہی طے پایا تھا کہ گہرائیاں ناپی جائیں، اَن دیکھی گہرائیاں جہاں آبشاروں کا ترنم پھوٹتا ہے اور قلقل کرتے ہوئے چشمے رواں دواں ہوتے ہیں لیکن جہاں پہنچ کر یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے ہم آتش فشاں کے دہانے پر کھڑے ہو گئے ہوں۔ آگ کا کام جلانا ہے مگر ایک

آگ ایسی تیز ہوتی ہے جس کی جلن میں خمار رقص کرتا ہے اور جس کے شعلہ اساکیف ہیں کائنات کی ہر چیز ہیچ نظر آنے لگتی ہے، نس نس میں ایک ایسی کیفیت چیخنے لگتی ہے جو ماورائے ہوش وحواس ہے۔

میں اور سونیا اُس کیفیت کی آخری منزل کی طرف بڑی تیزی سے لپکے مگر اُس منزل کا ایک دُھندلا سا نشان نظر آتے آتے ہمارا دَم گھٹنے لگا اور ہمیں سانس لینے کے لیے سطح آب پر اُبھرنا پڑا۔

[illegible] ....

منزلِ ما دور بود

آخر تھک کر ہم ایک ساتھ ہی پول سے نکل آئے اور البرٹو نے اعلان کیا کہ میں پانچ پوائنٹ سے جیت چکی ہوں۔

میں نے اور سونیا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہمیں ہنسی آگئی۔

[illegible] انداز میں پوچھا۔

"کاش کچھ ہو سکتا۔" سونیا نے کہا اور ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ہاں!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"گویا آپ دونوں پھر مقابلہ کریں گی؟"

"ہاں!" سونیا نے ہنس کر کہا۔ "مگر اب وہ مقابلہ یہاں نہیں ہوگا۔"

"پھر کہاں ہوگا؟" البرٹو بالکل بونق معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ تو کسی کو بھی نہیں بتایا جا سکتا۔" میں بول پڑی۔ "کیوں سونیا؟"

"بالکل ٹھیک!" سونیا [illegible]

"چلو اب کپڑے پہن آئیں!" میں نے اُس سے کہا۔

ذرا دیر بعد ہم دونوں لباس پہن کر آ گئے۔ مجھے کچھ خنکی کا احساس ہوا۔ شاید اِس کا سبب یہ تھا کہ میں بہت دیر تک پانی میں رہی تھی۔

"سونیا! کیا تمھیں کچھ سردی نہیں لگ رہی ہے؟"

"لگ تو رہی ہے۔"

"تو پھر کیوں نہ اندر چل کر بیٹھا جائے!"

سونیا نے میری اِس تجویز سے اتفاق کیا اور ہم چاروں وہاں سے اُٹھ کر ہوٹل کے اسنیک بار میں جا بیٹھے۔ سونیا نے کافی کا آرڈر دیا۔

"سونیا!" مشتاق سپاٹ لہجے میں بولا۔ "کیا آج کا پروگرام مس کرنے کا ارادہ ہے؟"

"اوہ، نہیں! یہ تم نے کیوں سمجھ لیا!

"میں نے سوچا، شاید تمھیں کچھ [illegible]

گئے ہیں!" مشتاق نے طنزیہ انداز [illegible]

یہ اشارہ یقیناً میری طرف تھا جسے [illegible]

میں جسمانی طور پر اب تک سرور [illegible]

[illegible] کس طرح!

یقین تھا کہ سونیا کا اندازِ [illegible]

سکوں گی۔

دفعتاً میری نظر ایک ایسے شخص پر [illegible]

کر میرا جسم جھنجھنا گیا۔ اُس کے چہرے پر گھنی [illegible]

آنکھوں میں ایسی سرخی تھی جو عموماً سفاک [illegible]

نظر آتی ہے اور اُس کے بیٹھنے کا انداز بھی [illegible]

تھا۔

جیسے ہی میری نظر اُس پر پڑی، اُس نے [illegible]

بدل لیا۔ میں اُس کا چہرہ اچھی طرح نہیں دیکھ [illegible]

جھلک نے رضوان کا خط یاد دلا دیا اور میں [illegible]

کیا یہ وہی شخص ہے جو مجھے قتل کرنے کے لیے [illegible]

آیا ہے؟

میں خیالات کے اِس بھنور سے اُس وقت [illegible]

مشتاق کی آواز سُنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں ابھی آیا!"

[illegible]

[illegible]

ایک اور شخص پر بھی پڑی۔ وہ مشتاق کے آگے جا [illegible]

کی شکل نہیں دیکھ سکی لیکن اُس کی چال ڈھال سے [illegible]

کہ وہ جیمس فریزر ہی تھا۔

کسی دلیل کے بغیر میرے ذہن میں خیال اُبھرا [illegible]

نے اشارہ کر کے مشتاق چنگیزی کو اُس طرف بلایا ہے۔

تو کیا جیمس فریزر کو میرے پیچھے لگانے والا مشتاق ہے؟ مگر کیوں؟

ابھی میں اِن سوالوں پر ایک لمحے بھی غور نہیں کر [illegible]

نے داڑھی والے اُس خوفناک آدمی کو بھی اُن دونوں [illegible]

جاتے دیکھا۔ اُس کے چلنے کا انداز یہ ظاہر کر رہا تھا کہ [illegible]

ٹانگ کچھ چھوٹی تھی۔

اب میرا دماغ چکرا گیا۔ کیا میں اِس تگڈم کو کوئی [illegible]

سکتی ہوں؟

اِتنے میں ویٹر کافی لے کر آ گیا۔

"[illegible]!" اچانک سونیا بولی۔ "کیا تم میری خاطر [illegible]

[illegible]؟"

[illegible]

[illegible] سگریٹ کا پیکٹ لا دو! میں اِتنے میں کافی

[illegible] اُٹھ گیا۔ وہ کچھ برخوردار قسم کا آدمی معلوم

میری طرف دیکھ کر آنکھ ماری اور آہستہ سے

[illegible] ہمیں طے کر لینا چاہیے کہ ہماری

[illegible] ہوگی؟"

[illegible] سونیا!" میں بولی۔

[illegible]؟" اُس نے پوچھا۔

[illegible] کہ تم میری ہم ذوق ہو لیکن پھر مشتاق سے

[illegible] کیا سمجھوں؟"

[illegible]!" سونیا نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "اور ایسے لوگوں

[illegible] بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ابھی تک وہ مجھے پیار

[illegible] لیکن میں اُس کے کئی ہزار روپے خرچ کروا

[illegible] ایسے ہی احمقوں سے تو ہم جیسے سیاحوں کے

[illegible]"

[illegible] نام سا سہارا ہے۔ آخر میں تن تنہا اپنے ملک

[illegible]؟ یہ ہے بھی ذرا سعادت مند قسم کا! مجھ سے محبت

[illegible] وہ محبت مشرقی محبت کی روایات سے بالکل

[illegible] وہ اِس بات پر بالکل نہیں کڑھتا کہ میں مشتاق جیسے

[illegible] کیوں رہتی ہوں! وہ جانتا ہے کہ یہ ہماری

[illegible]

[illegible] البرٹو سے بھی تمھارے تعلقات نہیں ہیں؟"

[illegible] تو ہیں مگر اُن کی نوعیت گہری نہیں ہے۔"

[illegible]؟"

[illegible] مہینے میں ایک آدھ بار ہی اُسے نوازنا پڑتا

[illegible] نے صاف گوئی سے کام لیا۔ میں ایک اور سوال کرنے

[illegible] سونیا جلدی سے بولی۔ "مشتاق واپس آ رہا ہے۔ اب

اگلی ملاقات کہاں ہوگی؟"

[illegible] پلٹ کر دیکھا۔ مشتاق خاصا قریب آ چکا تھا۔

[illegible] تمھیں فون کروں گی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

سونیا کافی بنانے لگی کیونکہ مشتاق اب چند قدم کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ خوفناک داڑھی والا بھی لنگڑاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اُس کے پیچھے جیمس فریزر دکھائی نہیں دیا۔ ممکن ہے وہ کسی اور طرف سے باہر چلا گیا ہو۔

سونیا نے چار پیالیوں میں کافی بنا ڈالی اور اِتنے میں البرٹو بھی سونیا کا سگریٹ کا پیکٹ لے آیا۔

کافی پیتے ہوئے میرا ذہن اِس سوال میں اُلجھا ہوا تھا کہ مشتاق نے جیمس فریزر کو میرے پیچھے کیوں لگا رکھا ہے؟ کیا وہ یہ چاہتا ہے کہ فریزر سے میرے خلاف کوئی ایسی رپورٹنگ کروا دے جو میری ساکھ پر ضرب لگا سکے۔

مجھے اِس بات پر تعجب ہو رہا تھا کہ میں جس معاملے کو کوئی غیر معمولی حیثیت نہیں دے رہی تھی، وہ انتہائی غیر معمولی ثابت ہوتا جا رہا تھا۔ بات چلی تھی سنگیتا سے اور میں نے سمجھا تھا کہ اُس کے باپ رام لال کی دولت پر مشتاق چنگیزی کا قبضہ بلیک میلنگ ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اب میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ بلیک میلنگ اسٹنٹ کیا ہے لیکن یہ جاننے کا چکر اِس طرح چلا کہ صورتِ حال گمبھیر سے گمبھیر ہوتی چلی گئی۔ اب تو ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے اِس معاملے کی شاخیں آکٹوپس کی طرح ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ایک شخص کو خاص طور پر دوبئی سے کراچی اِس لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ مجھے قتل کر دے اور میں اِن معاملات کی چھان پھٹک نہ کر سکوں۔

مجھے سنگیتا یاد آئی تو میرے دل میں کسک سی ہوئی۔ یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ کسی لڑکی نے مجھے اِس طرح متاثر کیا تھا۔ میں لاکھ غمِ دوراں سے اُلجھی رہوں لیکن شب و روز کے مختلف لمحات میں وہ مجھے یاد ضرور آتی تھی۔ اِس سلسلے میں میرا المیہ یہ تھا کہ وہ ڈاکٹر شکیل سے محبت کرتی تھی۔ میرے لیے اُس کے دل میں صرف احترام تھا، عقیدت تھی۔ کاش وہ عقیدت محبت میں بدل سکتی، لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ جذبہ جبر و اختیار کے دائرے میں نہیں آتا۔

میں اپنے خیالات سے اِس طرح اُلجھی رہی کہ سونیا، البرٹو اور مشتاق کی باتیں سن ہی نہ سکی۔ میں اُس وقت چونکی تھی جب البرٹو اور مشتاق اُٹھ کر وہاں سے چل دیے تھے۔

"اوہ... یہ کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے چونک کر سونیا سے پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔" سونیا شانے اُچکا کر بولی

کیا بھی نہیں آیا؟"

"مشتاق نے اچانک پروگرام بدل دیا۔ اُسے میرے ساتھ تفریح کرنے جانا تھا لیکن ابھی ابھی اُسے کوئی خاص کام یاد آگیا۔ اُس کا خیال ہے کہ اِس کام میں البرٹو اُس کی کچھ مدد کرسکتا ہے، اِسی لیے وہ البرٹو کو بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے لیکن ابھی جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو آپ کیا ذہنی طور پر یہاں سے غائب تھیں؟"

"ہاں!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمہارے سر میں ڈوبی ہوئی تھی اور جب انسان سرور کی حالت میں ہو تو اُسے اِرد گرد کا ہوش نہیں رہتا۔"

لیکن مجھے اِتنا ہوش ضرور تھا کہ میں نے اُس داڑھی والے لنگڑے کو بھی اسنیک بار سے جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ کم از کم مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ البرٹو اور مشتاق کے پیچھے گیا ہو۔

مگر کیوں؟ یہ ایک اہم سوال تھا۔ وہ تو یہاں اِس لیے آیا تھا کہ مجھے قتل کرنے کی کوئی راہ نکالے لیکن وہ مشتاق کے پیچھے چلا گیا۔ وہ اُس وقت بھی مشتاق کے پیچھے گیا تھا، جب مشتاق، باتھ روم کے بہانے جمیس فریزر کے پیچھے گیا تھا۔ تو کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ سب لوگ مل جُل کر مجھے قتل کرنے کے لیے کوئی لائحۂ عمل مرتب کرنا چاہتے ہوں؟

"آپ پھر کہیں کھو گئیں؟" سونیا نے مجھے ٹوکا۔

"آں... ہاں...!" میں چونکی اور اُس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرانے لگی۔

"کیا خیال ہے؟" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولی۔

"کیسا خیال؟"

"میدان صاف ہو چکا ہے!"

"تو پھر؟" میں نے اُس کی بات سمجھنے کے باوجود استفسار کیا۔

"اوپر کمرے میں چلتے ہیں۔"

"ایک منٹ! میں ذرا پانی پی لوں!" میں نے ویٹر کو اشارہ کیا۔

"لیکن ابھی آپ نے کافی پی ہے۔" سونیا نے یاد دلایا۔

"کوئی حرج نہیں، مجھے اِس سے نقصان نہیں ہونا۔ اِس وقت مجھے نہ جانے کیوں بہت زور کی پیاس لگ رہی ہے۔ حلق خشک ہو رہا ہے۔"

لیکن بات صرف اِتنی تھی کہ میں سونیا کے کمرے کا رُخ کرنے سے پہلے کچھ سوچنے کی مہلت چاہتی تھی۔ پانی پینے کے بہانے مجھے یہ مہلت مل گئی۔ مجھے مشتاق کا اچانک چلا جانا بڑا عجیب سا معلوم ہو رہا تھا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ جان بوجھ کر مجھے اور سونیا کو

تنہائی کا موقع دیا گیا ہے لیکن یہ تنہا
لوگ میری اِس کمزوری سے کس طرح ا
زیادہ سوچنے سمجھنے کا بیرے پاس
نے اِتنی احتیاط کرنے کا فیصلہ کیا کہ ہو
رُخ کرنے کی بجائے اُسے اپنے گھر لے
"آؤ!" میں کھڑی ہو گئی۔ سونیا
لیکن جب میں اُسے لے کر چلی تو
جا رہی ہیں؟ راستہ تو اِدھر ہے۔"
"تم آؤ تو سہی!"
وہ سوالات کی بوچھار کرتی رہی لیکن میں
نہیں دیا اور اُسے لے جا کر اپنی کار میں بٹھا دیا
"کیا آپ کہیں اور چل رہی ہیں؟"
"ہاں!" میں نے اسٹیرنگ سنبھالتے ہو
اپنا گھر دکھانے کے لیے لے چل رہی ہوں"
"اوہ گڈ! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مجھے
دھڑکا لگا رہتا کہ وہ نہ جانے کب آ جائے!"
سونیا کے اِس جواب سے میں نے سمجھ لیا
میرے لیے کوئی جال بچھا بھی رہے ہیں اور اِس
کوئی کام لینا چاہتے ہیں، تو بھی کم از کم سونیا کو اِس
اگر وہ اِن لوگوں کا آلۂ کار بنتی بھی تو نادانستگی میں!
کار تیز رفتاری سے ڈیفینس کی طرف رواں
"یہ... یہ..." سونیا کچھ کہتے ہوئے ہچکچائی
"کیا بات ہے ڈیئر؟" میں نے بائیں ہاتھ سے
دبایا۔ "تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو، وہ بے دھڑک کہہ ڈالو"
"میں یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ... یہ کار...؟"
غالباً اُسے اپنا سوال کچھ نازیبا سا معلوم ہو رہا تھا۔
"ہاں!" میں نے ہنس کر کہا۔ "یہ میری ہی کار ہے
میرا گھر دیکھ کر بھی تعجب کرو گی اور اُس کے بارے میں
کرو گی لہٰذا میں ابھی سے بتا دوں کہ وہ گھر بھی میرا ہی ہے
"تو کیا یہاں کے فری لانسر جرنلسٹ اِتنے ہی آسو
ہیں؟"

"نہیں، ہمارے صحافیوں کو مالی سکون حاصل نہیں
میرا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ میں اِس پیشے میں مالی منفعت
لیے نہیں آئی ہوں۔ میرے پاس اِتنا کچھ ہے کہ اگر صرف
سے اخبار نکل سکتا ہو تو میں پچیس پچاس اخبار بیک

پیشہ میرا شوق ہے۔ وقت گزاری کا ایک
اِس طرح تم جیسی سرپاروں سے دوستی
ل رہیں سے ملتی۔
ا۔
بتانے لگی کہ میں ایک بہت بڑی فرم کی
اروبار دنیا کے کئی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔
لت گزاری کے لیے چھیڑی تھیں لیکن سونیا
نظر آنے لگی۔ اِنہی باتوں میں گھر آگیا اور
چ میں لے جا کر کھڑی کر دی۔
صورت!" سونیا کار سے اُترتی ہوئی بولی۔ اِس
گھر پر تھا۔
، اندرونی حصے تمہیں بہت ہی زیادہ پسند
ں کا ہاتھ تھام کر برآمدے کی طرف بڑھی۔ خاص
کے ایک کمرے کا ماحول تو تمہیں کچھ طلسماتی
ر اُسے کو بلو رُوم کہتی ہوں۔"
، وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔ اُس کی خاموشی کا سبب
تھی جس نے مجھے بھی پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔
ایک ٹیکسی تھی جو برآمدے کے سامنے آ رُکی اور اُس
ں کو دیکھ کر میں چونک گئی۔ وہ سنگیتا تھی، لیکن اِس
وہم ہوتا تھا جیسے اُسے تن بدن کا ہوش نہ ہو۔ وہ
ی تھی اور آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔
ہوئے بہت زیادہ وقت گزر چکا تھا۔
ونیا کا ہاتھ چھوڑ کر بیتابانہ برآمدے سے اُتری لیکن
پہنچنے سے پہلے ہی سنگیتا ٹیکسی سے اُتر آئی تھی۔
اُس نے ایک دلدوز چیخ ماری اور مجھ سے آ ٹکرائی۔
سے اپنے بازوؤں میں مضبوطی سے سنبھال نہ لیا ہوتا
تی۔ اُس کا سارا جسم کسی خزاں رسیدہ پتّے کی طرح
تھا اور وہ پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔
"کیا ہوا جانِ بانو!" میں حقیقتاً بوکھلا گئی تھی۔
پ مجھے زہر دے دیجیے!" سنگیتا چیخ کر بولی۔ "اب
ں میں نہیں رہنا چاہتی۔ میں تنِ تنہا یہ عذابِ زندگی
سکتی۔"
بتاؤ تو جان! آخر ہوا کیا ہے! تم تو مجھے بھی نروس کیے
"
چلا گیا بانو! وہ چلا گیا!" سنگیتا نے اپنا سر میرے شانے

پر پٹخ دیا اور روتی رہی۔

"کون چلا گیا جان؟"

"شکیل... میرا شکیل چلا گیا... بانو میرا شکیل چلا گیا۔"

"تو اِس میں اِتنی پریشانی کی کیا بات ہے! گیا ہے تو واپس بھی آجائے گا۔ اگر ناراض ہو کر گیا ہے تو بھی میں اُسے منا لاؤں گی۔ تم اپنی جان کیوں ہلکان کر رہی ہو۔"

"آپ اُسے نہیں لا سکیں... آپ اُسے نہیں لا سکیں۔" اُس نے پاگلوں کی طرح مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔ "اُسے تو بڑے بڑے ڈاکٹر بھی نہیں لا سکے۔"

"کیا مطلب؟" میرا ماتھا ٹھنکا۔

"وہ دنیا ہی سے چلا گیا ہے بانو! وہ دنیا ہی سے چلا گیا ہے۔"

سنگیتا کا یہ جواب ایسا تھا کہ میں گنگ ہو کر رہ گئی۔ میری پنڈلیاں سنسنانے لگیں اور دل جیسے ڈوبنے لگا۔

شکیل مر گیا! یہ میں آسانی سے کیوں کر مان لیتی۔ وہ خوبرو نوجوان، وہ مہذب شخص جس نے ایک ہی ملاقات میں مجھ پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ آخر وہ اچانک کیسے مر گیا؟

سونیا میرے قریب خاموش کھڑی ہوئی تھی۔ میری اور سنگیتا کی باتیں اُردو میں ہوئی تھیں اِس لیے سونیا نہیں سمجھ سکی ہوگی۔ آخر وہ مجھ سے پوچھ ہی بیٹھی۔ "کیا کوئی ٹریجڈی ہو گئی ہے؟"

سنگیتا میرے سینے میں مُنہ چھپائے روئے جا رہی تھی۔

"ہاں سونیا!" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "بہت بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔ تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں کہ یہ لڑکی مجھے کتنی عزیز ہے اور وہ شخص جو اِس لڑکی کو بہت عزیز تھا، اچانک اِس دنیا سے چلا گیا۔ سونیا! میں اِس وقت تم سے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں واپس ہوٹل چھوڑنے بھی نہیں جا سکوں گی۔"

"کوئی بات نہیں، میں خود چلی جاؤں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اِسی ٹیکسی میں چلی جاؤ!" میں نے اُس ٹیکسی کی طرف اشارہ کیا جس میں سنگیتا یہاں آئی تھی۔

"ہاں ہاں، میں کسی طرح بھی چلی جاؤں گی۔ آپ فکر نہ کریں اور اِس ستم زدہ بے بی کو سنبھالیں۔ میں بعد میں کسی وقت آپ سے مل لوں گی۔"

"موقع ملتے ہی میں تمہیں فون کروں گی۔"

سونیا نے سر ہلایا، ہمدردانہ انداز میں سنگیتا کے شانے پر تھپکی دی اور آگے بڑھ کر ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

سنگیتا زار و قطار روئے جا رہی تھی۔ اُس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں اور وہ نڈھال ہوتی چلی جا رہی تھی۔ میں اُسے سہارا دیے ہوئے ڈرائنگ روم میں لے آئی، اُسے ایک صوفے پر لٹایا اور اُس کا سر اپنی گود میں رکھ کر آہستہ آہستہ اُس کا گال تھپکتی رہی۔ میں اُس سے معلوم کرنا چاہتی تھی کہ شکیل کی موت کب اور کیسے واقع ہوئی لیکن وہ اِس حال میں تھی ہی نہیں کہ تفصیل سے کوئی بات بتا سکتی اِس لیے میں نے اُسے رونے دیا۔ میں نے اُسے چُپ کرانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ میں چاہتی تھی کہ اچھی طرح رو کر اُس کے دل کی بھڑاس نکل جائے۔

مجھے چھ سات منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔ اِس عرصے میں وہ اِتنی نڈھال ہو گئی تھی کہ تقریباً غشی کا سا عالم ہو گیا تھا۔ میں نے ملازم سے پانی منگا کر اُسے پلایا۔ اُس نے بمشکل دو تین گھونٹ لیے اور آنکھیں بند کر کے لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

"سنگیتا!" میں نے بڑے پیار سے اُس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ "اپنے دل کو سنبھالو چندا! ہمت سے کام لو۔ آخر یہ سب کیسے ہو گیا؟ کچھ تو بتاؤ!"

سنگیتا نے بولنے کی کوشش کی مگر اُس کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے اور آنکھوں کے گوشوں سے پھر نمی جھلکنے لگی۔

میں نے پیار بھرے انداز میں اُسے ڈانٹا۔ "اب اگر تم روئیں تو میں بھی تم سے روٹھ جاؤں گی۔"

سنگیتا نے بے اختیار میری کمر میں ہاتھ ڈال دیے اور میری گود میں مُنہ چھپا کر سسکنے لگی۔ میں نے اُس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔ "ہمت... چندا... ہمت!"

آخر میں بمشکل تمام سنگیتا کو بولنے پر آمادہ کر سکی۔ اُس نے اٹک اٹک کر سسکیاں لیتے ہوئے مجھے بتایا کہ ایک ٹرک بہت زور سے شکیل کی کار سے ٹکراتا ہوا گزر گیا تھا۔ اُس ٹکر کے نتیجے میں کار کا اسٹیئرنگ شکیل کے سینے میں دھنس گیا تھا اور اُس کی ساری پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ اُسے جاں کنی کے عالم میں ہاسپٹل پہنچایا گیا تھا جہاں کئی ڈاکٹروں نے اُس پر فوری توجہ دی تھی لیکن وہ کسی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے تھے۔ ہاسپٹل پہنچنے کے بعد پانچ منٹ کے اندر اندر ڈاکٹر شکیل کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔

یہ سب کچھ سُنتے ہی میرے ذہن میں اِس خیال نے سر اُبھارا کہ شکیل کی موت ایک اتفاقی حادثے کا نتیجہ تھی یا اُسے سازش کے

تحت ہلاک کروایا گیا تھا؟ سازش کا امکان ... کرنے کی کوشش اِس سے پہلے بھی ... علیحدہ رکھنے کا سامان کیا گیا تھا اور ڈاکٹر ... ایک سہارا ہی تھا۔ ممکن ہے کہ وہ سہارا بھی ...

میرے استفسار پر سنگیتا نے بتایا ... آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔ وہ شاپنگ کے ... نے شکیل کی کار کو گزرتے دیکھا۔ شکیل کی نظر ... اِس لیے وہ گزرا چلا جاتا لیکن سنگیتا بے انتہا ... بیٹھی۔ شکیل نے چونک کر سنگیتا کی طرف ... سامنے سے ایک ٹرک دندناتا ہوا آیا اور ... ہوا گزر گیا۔ ٹرک ڈرائیور نے وہاں رُکنے ... تھی اور فرار ہو گیا تھا۔

شکیل کی پچکی ہوئی کار سے اُس کو ... ایک کار میں ہاسپٹل پہنچایا گیا تو سنگیتا بھی اُس ... پولیس فوراً ہاسپٹل پہنچ گئی لیکن شکیل کی ... کا بیان نہیں لیا جا سکا اور بیہوشی ہی کی حالت میں ... سے کوچ کر گیا۔

"کیا کسی نے اُس ٹرک کا پیچھا نہیں کیا؟" ... سے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں!" سنگیتا نے جواب دیا۔ ... کے سوتے خشک ہو چکے تھے اور وہ میرے برابر ... اُس کا چہرہ بالکل سفید اور پتھرایا ہوا سا لگ رہا تھا ... خلا میں تک رہی تھیں، جیسے وہ وہاں اپنے کھوئے ... کو ڈھونڈ رہی ہو۔

"کسی نے اُس ٹرک کا نمبر بھی نوٹ نہیں کیا؟" میں ...

"اُس کا نمبر تو نہ جانے کیسے میرے ذہن پر ... تھا لیکن پولیس کو دو شہادتیں اور بھی ملی ہیں۔ اُن ... نے کچھ اور نمبر بتایا ہے۔ پولیس میرے بیان کردہ نمبر ... اُن دونوں کے بتائے ہوئے نمبروں پر اعتبار کر رہی ...

"کیوں؟" میرے ذہن میں کچھ شکوک اُبھرے ...

"پولیس آفیسر کے خیال کے مطابق میں چونکہ ڈاکٹر ... تعلق رکھتی تھی اِس لیے وہ حادثہ دیکھ کر میرے حواس ... ہیں جبکہ اُن دونوں آدمیوں کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ... دوسرے یہ کہ وہ دونوں آدمی چونکہ ایک دوسرے سے کوئی ... رکھتے مگر اُن کا بیان ایک سا ہے لہٰذا میری بات اُن ...

... بل خاصی مضبوط تھی لیکن میرا دل نہیں مانا اور ... پوچھا۔ "تمھارے خیال میں اُس ٹرک کا نمبر ...

... نمبر بتایا جو میں نے اپنی نوٹ بک نکال کر لکھ لیا۔ "اُن دونوں آدمیوں نے کیا نمبر بتایا ہے؟"

"... نہیں!"

... تھی کہ اگر یہ سازش ہے تو پھر اُن دونوں آدمیوں ... ہو گی۔ اِس طریقے سے پولیس کو غلط راستے پر ... ڈالا جا سکتی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اگر یہ سازش ... تو میں بڑی آسانی سے اُدھیڑ دوں گی۔ میں نے ... اُن آدمیوں کا پتا پوچھا مگر اُس نے لاعلمی ظاہر کی۔ ... سے اُن دونوں آدمیوں کے بارے میں معلوم ہو ... مشکل بات نہیں تھی۔

"میں سنگیتا سے ایک سوال کرتے کرتے رُک ... کرنا چاہتی تھی کہ اب شکیل کی لاش کہاں ہے، مگر ... یہ ذبان پر نہ آ سکا۔ میں جانتی تھی کہ یہ حقیقت ... اِس لفظ سے دُکھ پہنچے گا۔

... کہاں ہے؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"... سنگیتا کے ہونٹوں پر مدھم سی غمناک مسکراہٹ ... شکیل کے بارے میں پوچھ رہی ہیں یا اُس کی لاش ...

"... سنگیتا کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں ایک بار پھر ...

... اُس کا شانہ تھپکا اور بولی۔ "ہمت سے کام لو سنگیتا! ... دنیا سے رُوٹھ جانے والوں کو کبھی نہیں منایا جا ... کرنے والے دِلوں میں وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ ... نا سرمایۂ زندگی سمجھو کہ شکیل تمھارے دل میں زندہ ... رہے گا۔"

... سنگیتا نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر اپنی آنکھوں ... ہوئے کہا۔ "اب وہ صرف دو ہی جگہوں پر زندہ ... دل میں یا اپنے باپ کے دل میں!"

... مجھے خیال آیا۔ "اُس کے باپ کو اطلاع دے ...

... اُنھیں فون پر بتا دیا گیا ہے۔ وہ آج رات کسی وقت ... پہنچ جائیں گے۔ ہاسپٹل سے شکیل کی لاش اُنھی کے

حوالے کی جائے گی۔"

"ہوں!" میں سر ہلا کر سوچنے لگی کہ اب مجھے اِس معاملے کی چھان بین کے لیے نکل پڑنا چاہیے۔ میں نے سنگیتا سے کہا۔ "چلو، میں تمھیں تمھارے گھر چھوڑ آؤں۔"

"نہیں بانو! آپ کیوں تکلیف کرنا چاہتی ہیں۔ میں خود ہی چلی جاؤں گی۔ جس طرح یہاں آ گئی، اُسی طرح اپنے گھر بھی جا سکتی ہوں۔ نہ جانے وہ کون سا جذبہ تھا جس کے تحت میں اپنے گھر جانے کی بجائے سیدھی آپ کے پاس آ گئی!"

"وہ جذبہ..." میں خفیف سی مُسکرائی۔ "میں جانتی ہوں، وہ کون سا جذبہ تھا! وہ جذبہ، محبت کا جذبہ ہے سنگیتا جسے تم عقیدت کا نام دیتی ہو۔ تمھارے لاشعور میں سماج کا خوف بسا ہوا ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی محبت کو عقیدت کا نام دے لیا ہے۔"

"آپ غلط کہہ رہی ہیں!" سنگیتا نے احتجاج کیا۔

"نہیں، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، لیکن تم بھی غلط نہیں کہہ رہی ہو۔"

سنگیتا میرا مُنہ تکنے لگی۔ میری بات اُس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔

"میری بات ذرا اُلجھی ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر میں اِسے اور زیادہ اُلجھا کر کہوں تو یہ کہوں گی کہ جب تم یہ کہتی ہو کہ تمھیں مجھ سے محبت نہیں تو تم اپنے تئیں بالکل سچ کہتی ہو۔ سنگیتا چاندا! دراصل یہ ایک نفسیاتی اُلجھاؤ ہے۔ سماج کا جبر اور خوف تمھارے لاشعور میں بسا ہوا ہے اِس لیے تم مجھ سے محبت کا اظہار نہیں کر سکتیں۔ تمھیں خود بھی اِس کا یقین ہے کہ تمھیں مجھ سے محبت نہیں بلکہ صرف عقیدت ہے لیکن اگر کبھی تمھارے لاشعور سے شعور کا تعلق پیدا ہو گیا تو تم جان جاؤ گی کہ تمھیں مجھ سے صرف عقیدت نہیں بلکہ محبت بھی ہے۔"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہی ہیں!" سنگیتا کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"ہاں، میری باتیں تھوڑی سی پیچیدہ ہیں اور ویسے بھی اِس وقت تم ذہنی طور پر اَپ سیٹ ہو لہٰذا چھوڑو اِس موضوع کو، آؤ چلو!" میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ "میں تمھیں تمھارے گھر پر چھوڑنے کے بعد اِس ایکسیڈنٹ کی چھان بین کے لیے جاؤں گی۔"

"آپ کیوں پڑتی ہیں اِس چکر میں! پولیس خود ہی نمٹ لے گی۔"

میں نے سنگیتا کو یہ بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ میرے ذہن میں کیا شبہات پیدا ہو چکے ہیں! میں اُسے لے کر ٹائیڈ جیکب لائنز کی طرف روانہ ہو گئی۔ راہ میں، میں نے عقب نما آئینے پر کڑی نظر رکھی۔ میں جاننا چاہتی تھی کہ جیمس فریزر میرے تعاقب میں ہے یا نہیں! جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ میرے تعاقب میں کوئی بھی نہیں تھا۔

سنگیتا میرے برابر کی نشست پر بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھی اور اُس کے چہرے پر افسردگی کا دبیز بادل چھایا ہوا تھا۔

جب کار اُس کے گھر کے قریب پہنچ گئی تو میں نے اُس سے پوچھا "تمھارے والد کو تو ابھی اِس حادثے کا علم نہیں ہوگا؟"

"میں ہی بتاؤں گی جا کر! وہ پریشان ہوں گے کہ مجھے اِتنی دیر کیوں ہو گئی!"

"اچھا ہاں!" میں نے کار روک کر اُس سے پوچھا "یہ حادثہ کس وقت ہوا تھا؟"

"چھ بجے!"

سنگیتا ہی سے مجھے یہ پتا چلا کہ وہ حادثہ کہاں پیش آیا تھا! میں اُسے چھوڑ کر اپنی نئی مہم پر روانہ ہو گئی۔

رات ہو چکی تھی اِس لیے میں نے پہلے صدر کے ایک ہوٹل کا رُخ کیا۔ سوئمنگ کی ورزش کے باعث بھوک خاصی کھل کر لگ رہی تھی اور فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ گھر جاؤں۔

ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد میں نے اُس علاقے کا رُخ کیا جہاں ڈاکٹر شکیل ایک حادثے میں ہلاک ہوا تھا۔ علاقے کے پولیس اسٹیشن میں ایس، ایچ، او کے کمرے تک پہنچنا میرے لیے دشوار نہیں ہوا۔ پولیس والوں نے مجھے ایک قیمتی کار سے اُترتے ہوئے دیکھ لیا تھا اِس لیے جب میں بے دھڑک ایس، ایچ، او کے کمرے میں داخل ہونے لگی تو کسی کو بھی مجھے روکنے کی ہمت نہیں ہو سکی۔

ایس، ایچ، او مجھے دیکھتے ہی اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ وہ میرے لیے اجنبی تھا لیکن میں نے اکثر دیکھا ہے کہ ایسے لوگ مجھے دیکھ کر تعظیماً ضرور کھڑے ہو جاتے ہیں، نہ جانے کیوں!

میں نے کسی گفتگو کے بغیر اپنا کارڈ اُس کی طرف بڑھا دیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میرا نام دیکھ کر چونک پڑے گا۔ کراچی کے محکمۂ پولیس میں تو میں شیطان کی طرح مشہور ہو چکی تھی۔ کوئی میرا صورت آشنا ہو یا نہ ہو لیکن میرے نام سے ضرور واقف ہوتا تھا۔

ایس، ایچ، او میرا کارڈ پڑھ کر مسکرایا اور کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "تشریف رکھیے! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے یہاں قدم رنجہ فرمایا۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ آپ کیا پینا پسند کریں گی؟"

"کوئی تکلف نہیں آفیسر! میں اِ[م]
کر آ رہی ہوں۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہ[و]
حادثے کی تفصیلات درکار ہیں۔"

اِس سے پہلے کہ ایس، ایچ، او ہ[...]
دی۔ وہ مردانی چیخ تھی اور کسی قریب ہی ک[...]

"یہ کیا؟" میں چونک پڑی۔

"اوہ! وہ کوئی خاص بات نہیں ہ[ے]
ہوتے کہا "تھانوں میں اِس قسم کی آوازیں تو [...]
دراصل ابھی ایک آدمی کو پکڑ کر یہاں لایا [...]
اُس سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔ پوچھ گچھ کر [...]
نے ایک آدھ ہاتھ بھی اُٹھا دیا ہوگا جس پر وہ [...]
آپ کسی حادثے کے بارے میں پوچھ رہی تھیں! [...]
کی مراد کار اور ٹرک کا ایکسیڈنٹ ہے؟"

"جی ہاں!" میں نے جواب دیا "کا [...]
ہے، وہ میری فرم میں کام کرنے والی ایک لڑکی کا [...]

"اوہ! مجھے افسوس ہے کہ یہ حادثہ آپ کے [...]
ہوا ہوگا۔ جانے والے تو لوٹ کر نہیں آتے لیکن ہم [...]
جانے والے کے مجرم کو گرفتار کریں اور انصاف [...]
اُسے قرار واقعی سزا دلوائیں۔ آپ کو یہ سن کر [...]
ہم نے اُس ٹرک ڈرائیور کو گرفتار کر لیا ہے۔ ابھی [...]
سُنی تھی۔ اُس سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے اور اُس [...]
ہم نے اُن دونوں آدمیوں کو بھی بُلایا ہے جنھوں نے [...]
نوٹ کیا تھا۔"

"خوب!" میں نے کہا "کیا یہ ممکن ہے کہ میں [...]
ایک نظر دیکھ سکوں؟"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں، ضرور، آئیے!" وہ کھڑا [...]
میں اُس کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکلی اور [...]
پہنچ گئی۔ سلاخوں کی دوسری جانب بغیر وردی کا [...]
ہی تھا۔ چہرے مہرے اور وضع قطع سے وہ پنجاب کا [...]
ہوتا تھا۔ اُس کی عمر چالیس پینتالیس کے لگ بھگ [...]
لمبا تڑنگا تھا لیکن اُس وقت بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔ اُس [...]
پر خوف زدگی کی تمام علامات موجود تھیں۔

ایس، ایچ، او کو دیکھ کر سب انسپکٹر اندر [...]

"یہ سب انسپکٹر غلام سجاد ہیں۔" ایس، ایچ، او [...]
کرایا "ڈاکٹر شکیل کے کیس کی تحقیقات اِنھی کے سپرد کی [...]
[...] بھیو بانو ہیں۔ تم نے اِن کا نام تو سُنا ہی ہوگا۔"

[...]ی ہاں!" غلام سجاد کی باچھیں کھل گئیں۔
[...] ایچ، او پھر بولا "یہ ڈاکٹر شکیل کی موت میں اِس
[...]ہی ہیں کہ شکیل کی منگیتر اِن کی فرم میں ملازم ہے۔"
[...]چھا!" غلام سجاد نے سر ہلایا "وہ لڑکی... کیا نام ہے
[...]اِں... سنگیتا!"
[...]یور نے اقرارِ جرم کر لیا ہے؟" میرا خیال ہے کہ یہ کہتے
[...] بالکل سپاٹ تھا۔
[...]م تو نہیں کیا لیکن وہ تو اُس کے باپ کو بھی کرنا پڑے گا۔
[...]ونوں آدمیوں کو بُلوایا ہے جنھوں نے اُس کے ٹرک کا
[...]ھا۔ وہ دونوں اب آتے ہی ہوں گے۔ اگر اُنھوں نے اُسے
[...]م کر لیا تو پھر میں اِس کمبخت کی ساری ہڈیاں پسلیاں
[...] مار الحساب اِس کے ہاتھ میں رکھ دوں گا۔"
[...]اں، اِس فن میں تو آپ لوگوں کو خاصی مہارت حاصل ہے۔"
[...] بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا لیکن غلام سجاد میرے
[...]کا اور سینہ پھلا کر بولا "مار کے آگے تو بڑے بڑے
[...]تے ہیں جی!"
"اِس بھوت کا اپنے بارے میں کیا بیان ہے؟" میں نے
[...]ف اشارہ کیا۔
[...]سو، کا رہنے والا ہے۔ وہاں کے کسی بڑے زمیندار کے
[...]پنا سے ملازم تھا۔ دو سال ہوئے اُس زمیندار کا لڑکا
[...] بیماری میں مر گیا۔ اِس ڈرائیور کا نام کرم دین ہے۔ زمیندار
[...] کو اِسی نے پالا تھا۔ اِس نے زمیندار سے کہا کہ اب وہ قصور
[...]ھوٹے بابو کی موت کا غم نہیں بھلا سکے گا لہٰذا قصور سے
[...]رہا جانا چاہتا ہے۔ زمیندار نے پوچھا کہ وہ وہاں سے
[...]ہا کیا کرے گا، تو اِس نے ٹرک چلانے کی خواہش ظاہر کی۔
[...] گھرانے میں اِس کی ملازمت بہت پُرانی تھی اِس لیے
[...]مات کے عوض مالک نے اِسے ایک ٹرک دلا دیا اور یہ
[...] آیا۔ یہاں یہ بجری ڈھونے کا کام کرتا ہے۔"
[...] کیا بتاتا ہے... اُس وقت کہاں تھا جب حادثہ ہوا؟"
[...]کہتا ہے کہ میں اپنے گھر پر تھا لیکن ایسی باتیں تو سبھی مجرم
[...]یں۔"
[...]پ نے اِس کے بیان کی تردید کا مواد حاصل کر لیا؟"
"ابھی حاصل ہو جائے گا۔" غلام سجاد نے بڑی لاپروائی
[...] پھر چونک کر بولا "لیجیے، وہ دونوں آ ہی گئے۔"
[...] سپاہی دو آدمیوں کو ساتھ لیے ہوئے لاک اَپ کی طرف آ
رہا تھا۔ وہ دونوں جوان العمر تھے اور اُن کا تعلق اوسط طبقے سے معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے اُنھیں بہت غور سے دیکھا۔ میں اُن کے بُشرے سے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ کس قسم کے آدمی ہو سکتے ہیں!

غلام سجاد نے اُن دونوں کو سلاخوں کے قریب لے جا کر کھڑا کر دیا اور ایک ہاتھ سلاخوں کے اندر ڈال کر ڈرائیور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہے وہ شخص جس کے ٹرک کا نمبر آپ لوگوں نے بتایا تھا۔ کیا آپ اِسے شناخت کر سکتے ہیں؟"

"ہاں جی، یہ وہی ہے۔" ایک آدمی بولا۔

غلام سجاد نے دوسرے کی طرف دیکھا "آپ کیا کہتے ہیں؟"

"جی ہاں، یہ وہی آدمی ہے۔" دوسرے آدمی نے بھی تصدیق کر دی۔

میرے ہونٹوں پر تلخ سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔ میں بڑے وثوق سے کہہ سکتی تھی کہ وہ دونوں آدمی جھوٹ بول رہے تھے لیکن میں نے اُس بات کو اپنے دماغ ہی میں رکھا، زبان پر نہیں آنے دیا۔

"دیکھا آپ نے!" غلام سجاد نے فاتحانہ انداز میں میری طرف دیکھا، اور پھر اُن دونوں سے بولا "آپ لوگوں کو کچھ دیر رُکنا پڑے گا۔ شناخت کے سلسلے میں کاغذی کارروائی ابھی مکمل کرنا ہوگی۔"

"اچھا... مجھے اب اجازت دیجیے!" میں نے ایس، ایچ، او سے کہا۔

"میرے لائق کوئی اور خدمت؟"

"بس، شکریہ!"

ایس، ایچ، او مجھے چھوڑنے کے لیے باہر تک آیا اور جب میں کار میں بیٹھ گئی تو اُس نے ہاتھ ہلا کر کہا "آپ مطمئن رہیں۔ ڈاکٹر شکیل کا قاتل اپنے انجام سے نہیں بچ سکے گا۔"

"وہ تو صاف ظاہر ہو رہا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا لیکن ایس، ایچ، او میرے جملے کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکا۔

میں کار کو حرکت میں لے آئی اور عقب نما آئینے میں پولیس اسٹیشن کا جائزہ لیتی رہی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب میری کار کی طرف کوئی نہیں دیکھ رہا ہوگا تو میں رُک گئی۔ میں نے انجن بند کر دیا لیکن ہینڈ بریک نہیں لگایا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ بریک لائٹس کے باعث دُور ہی سے کار کی موجودگی کو محسوس کیا جا سکتا۔

میں عقب نما آئینے میں پولیس اسٹیشن کی طرف دیکھتی رہی۔ مجھے تقریباً پون گھنٹے انتظار کرنا پڑا تھا۔ پون گھنٹے بعد میں نے اُن دونوں آدمیوں کو پولیس اسٹیشن سے نکلتے دیکھا جو میرے خیال کے مطابق فراڈ گواہ تھے۔

اُن کا رُخ دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کس اسٹاپ کی طرف جائیں گے۔ میں نے اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور اُسے موڑ کر ... جانے لگی۔ میں اُن دونوں کے قریب پہنچنا چاہتی تھی مگر اُس وقت جب وہ پولیس اسٹیشن سے دُور نکل جاتے۔

جب ایک ایسا موقع آگیا تو میں کار کو تیزی سے حرکت میں لائی اور اُن کے قریب پہنچ کر بریک لگائے۔ وہ دونوں چونک کر گاڑی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میں نے کھڑکی سے سر نکال کر اُن کی طرف دیکھا اور پوچھا "آپ لوگ کہاں جائیں گے؟"

وہ مجھے پولیس اسٹیشن میں دیکھ چکے تھے اس لیے میرا خیال تھا کہ وہ مجھے پولیس ہی سے متعلق سمجھیں گے۔

"ہم ... ہم اپنے ... گھر جائیں گے!" اُن میں سے ایک نے اس طرح کہا جیسے بوکھلا گیا ہو۔

"... یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ آپ اپنے گھر جائیں گے۔ میں نے سوچا شاید آپ لوگوں کے گھر اسی راہ میں پڑتے ہوں جدھر مجھے جانا ہے۔ اس وقت بسوں میں خاصی پریشانی ہوتی ہے اِس لیے میں نے سوچا کہ آپ کو چھوڑتی ہوئی نکل جاؤں گی۔"

"میں تین ہٹی پر رہتا ہوں۔" اُسی پہلے آدمی نے بتایا۔

"اور میں لیاقت آباد میں!" دوسرے نے بتایا۔

"پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ مجھے لیاقت آباد پولیس اسٹیشن جانا ہے۔ میں آپ دونوں کو چھوڑ سکتی ہوں، بیٹھ جائیں!" میں نے کار کی پچھلی نشست کا وہ دروازہ کھولا جدھر وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے۔

"اجی آپ کو تکلیف ہو گی!" ایک آدمی نے دانت نکال کر بے ہنگم سے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"اب بیٹھیے بھی! آپ لوگ تو تکلف کر رہے ہیں!"

وہ دونوں متذبذب تو تھے لیکن بالآخر بیٹھ ہی گئے اور دروازہ اتنی زور سے بند کیا جیسے ٹرک کا دروازہ بند کرتے ہیں۔ اُنھیں اتنی تمیز نہیں تھی کہ قیمتی کاروں کے دروازے کتنی آہستگی سے بند کیے جاتے ہیں۔

میں نے کار کو تیز رفتاری سے دوڑا لیا۔ اتنی ہی تیزی سے میرا ذہن یہ سوچ رہا تھا کہ اُن دونوں سے حقیقت کس طرح اُگلوائی جائے۔ یہ تو مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں عادی قسم کے جرائم پیشہ نہیں تھے۔ اُنھوں نے وقتی طور پر پیسے کے لالچ میں آکر پولیس کو وہ غلط بیان دے ڈالا تھا اور مجھے صرف یہ معلوم کرنے کی فکر تھی کہ اُن سے یہ غلط بیانی کروانے والا کون تھا؟

اِس سوال کا جواب معلوم کرنے کے دو طریقے ممکن تھے۔ اُن میں سے ایک تو یہ تھا کہ ... طریقہ ایسا تھا کہ اُس میں عیارانہ انداز کی گفتگو کرنی ... میں نے وہی دوسرا طریقہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا! ... ناکامی ہو جاتی تو پھر پہلا نسخہ تیر بہدف تھا!

"آپ لوگ جانتے ہیں میں کون ہوں؟" ... سوال کیا۔ میں نے مُڑ کر نہیں دیکھا تھا لیکن ظاہر ہے ... مُنھ سے کیا ہو گا کیونکہ اِس وقت گاڑی میں ...

"آپ ... آپ ..." اُن میں سے ایک ...

"آپ ہمیں پولیس اسٹیشن پر نظر آئی تھیں۔"

"پولیس اسٹیشن میں تو نظر آئی تھی لیکن ..."

وہ خاموش رہے۔ میں نے ذرا دیر اُن کے ...

پھر ہنس کر بولی "نہیں جانتے، ہیں نا؟"

"پولیس اسٹیشن میں کسی نے بھی ہمیں آپ ... نہیں بتایا۔"

"وہ بتا بھی نہیں سکتے تھے۔ اگر وہ بتا دیں تو پورے تھانے کو ناکوں چنے چبوا دوں۔" یہ کہتے ... آئینے کے زاویے کو اِس طرح بدل لیا تھا کہ اُن کے ... دکھائی دینے لگیں۔ میں نے اُن کے چہرے کے تاثرات ... کہ وہ میری اِس بات سے متاثر ہو گئے تھے، بلکہ مرعوب ...

"میرا تعلق ..." میں نے ذرا رُک کر ڈرامائی ... میرا تعلق انٹیلی جینس سے ہے۔ میں نے پرسوں ہی انٹیلی ... کی حیثیت سے چارج سنبھالا ہے۔"

انٹیلی جینس کی ڈائریکٹر کا حوالہ ایسا تھا کہ اُن ... کی رنگت میں خفیف سی تبدیلی آگئی۔

اب میں نے "آپ" کا تکلف ختم کیا اور "تم" ... "تم دونوں نے محسوس تو کیا ہو گا کہ میں بہت نرم ... ہوں!"

"جی ... جی ہاں!" اُن دونوں کے مُنھ سے ...

"لیکن میں بہت سخت بھی ہوں۔" میں نے ذرا اکڑ کر ... کہا اور عقب نما آئینے میں دیکھا کہ وہ دونوں ایک دو ... تکنے لگے تھے۔

"لیکن ..." میں پھر نرم پڑ گئی۔ "میں سختی کے سا... لوگوں سے پیش آتی ہوں جو مجھے اِس کے لیے مجبور کر د..."

وہ دونوں خاموش رہے۔ میں محسوس کر رہی تھی ... آہستہ نروس ہوتے جا رہے ہیں اور میں چاہتی بھی یہی ... قدرے توقف کے بعد پھر بولنا شروع کیا "پولیس کا ... کرمنل کیسز یا حادثات کی تحقیقات کرے لیکن جب ... اُلجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ میرے محکمے کے حوالے ... ہیں۔ میں وہ کام اپنے ذہین ماتحت افسروں سے ... اگر سوئے اتفاق کوئی معاملہ از خود میرے سامنے ... میری رگِ تجسس پھڑکنے لگتی ہے اور میں اپنی فطرت سے ... خود اُس میں دلچسپی لینے لگتی ہوں۔"

... دونوں اب اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہے تھے۔

"... سامنے آیا ہے۔" میں بدستور ...

"... آج میں رُک کر بولی "میں ایک اور کام سے پولیس ... لیکن وہاں ڈاکٹر شکیل نامی کسی شخص کے حادثے اور ... میرے سامنے آئی۔ مجھے اُس ٹرک ڈرائیور کی گرفتاری ... اور پھر میرے سامنے ہی تم دونوں نے اُس ٹرک ڈرائیور ... کیا۔"

... دونوں اب پہلو بدلنے لگے۔

"... میری باتیں سُن رہے ہو نا!" میں قدرے بلند ... تو وہ دونوں جیسے چونک کر سیدھے ہو گئے۔

"ہاں، جی ہاں!" ایک نے کہا۔

"... رہے ہیں!" دوسرا بولا۔

"... سنتے رہو اور مجھے یہ بتاؤ کہ حادثے کے وقت تم ... کیا کر رہے تھے؟"

"ایک دُکان سے رومال خرید رہا تھا۔"

"میں رکشا کے انتظار میں کھڑا تھا۔" دوسرے نے کہا۔

"... کو ٹکر مارنے والا ٹرک، کار کے سامنے سے آیا تھا؟"

"ہاں!"

... نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"... کے وقت تم دونوں کتنی دُور تھے؟" میں نے پوچھا۔

"... ہی تھے۔" دونوں کے مُنھ سے یکساں الفاظ نکلے۔

"... گز کا فاصلہ تو ... گا!" میں نے گویا خیال ظاہر کیا۔

"... اِس سے ... ایک گز زیادہ!" ایک نے کہا۔

"... ہی؟" میں نے دوسرے سے پوچھا۔

"شاید سولہ سترہ گز دُور تھا۔"

"... کے وقت تم دونوں کا رُخ کس طرف تھا؟ اُدھر ... آ رہی تھی یا اُس طرف جدھر سے ٹرک آ رہا تھا؟ میرا ... تمھارا رُخ اُس طرف ہو گا جدھر سے کار آ رہی تھی اِسی ... ٹرک کا نمبر نوٹ کر لیا۔"

"ہاں!" دونوں نے پھر بیک وقت کہا

میں مسکرا دی۔ میں اُن کے لیے جو جال بچھا رہی تھی، وہ اُس میں بڑی آسانی سے پھنس گئے تھے۔

"خوب!" میں نے کہا۔ "تو حادثے کے بعد جیسے ہی ٹرک فرار ہونے لگا، تم دونوں نے اُس کے نمبر نوٹ کر لیے؟"

"جی ہاں!"

"ظاہر ہے کہ اُس وقت تمھاری نگاہیں ٹرک کے عقبی حصّے پر ہوں گی!"

"جی ہاں!"

دوسرے آدمی نے پہلو بدلا۔ وہ میرے اِس سوال پر خاموش بھی رہا تھا۔ غالباً وہ کھٹک گیا تھا کہ یہ کسی قسم کا جال ہے جس میں وہ پھنسنے والا ہے۔

لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ دونوں ہی پھنس چکے تھے۔

"حیرت ہے!" میں جیسے بڑبڑائی۔

"جی!" وہی آدمی چونکا۔

"جب تم دونوں ٹرک کی پُشت پر تھے تو تم نے ٹرک ڈرائیور کا چہرہ کیسے دیکھ لیا؟"

"جی وہ ..."

"ہاں ہاں کہو!" میں نے بدستور نرمی سے کہا۔ "میں ہر دلیل سُننے کے لیے تیار رہتی ہوں۔"

"میں نے اُس کا چہرہ اُس وقت دیکھا تھا جب ٹرک آ رہا تھا۔" اُسی آدمی نے جواب دیا لیکن اُس کے لہجے سے گھبراہٹ مترشح تھی۔

"جدھر سے ٹرک آ رہا تھا، اُدھر سے اور گاڑیاں بھی آ رہی ہوں گی!" میں نے کہا۔

"ج ... جی ہاں!"

"کیا تمھیں اُن تمام گاڑیوں کے ڈرائیوروں کے چہرے یاد ہیں؟"

"ن ... نہیں!"

"پھر تمھیں اُسی بدنصیب ڈرائیور کا چہرہ کیسے یاد رہ گیا؟ کیا تمھیں الہام ہوا تھا کہ وہ ٹرک ایک کار کو ٹکر مارنے والا ہے!" میرے لہجے میں تلخی آگئی۔

وہ دونوں خاموش رہے۔ اُن کے چہرے سُت گئے تھے۔

میں اپنے لہجے کی تلخی پر قابو پا کر حسبِ سابق نرم لہجے میں بولنے لگی۔ "دراصل جھوٹی گواہی دینے کا کام صرف پیشہ ور لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ یہ کام شریف آدمیوں کے بس کا روگ نہیں لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وقتی طور پر حرص و طمع کا شکار ہو کے لوگ ایسے

چکر دں میں پھنس جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں موقع
واردات پر کسی غلط آدمی سے ٹکرا گئے تھے۔ اُس نے تمھیں کچھ رقم
دی ہوگی کہ تم پولیس کو اِس طرح غلط راہ پر ڈال دو۔ بدقسمتی
سے ہمارے ملک کا معاشی بحران کچھ ایسا ہے کہ شریف آدمی بھی
بعض اوقات چھوٹے موٹے جرم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔
عدالت تو ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتی لیکن میں ذاتی
طور پر ایسے لوگوں کو معاف کر دینے کے حق میں ہوں۔ میرا
نظریہ ہے کہ ایسے لوگوں کو صرف تنبیہ کر کے چھوڑ دینا چاہیے
ورنہ یہ امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ سزا یافتہ ہونے کے بعد وہ
عادی مجرم بن جائیں۔ میں اپنے ملک میں عادی مجرموں کی تعداد
میں اضافہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ اِس بارے میں تم دونوں کا
کیا خیال ہے؟"

وہ دونوں مسحور و مبہوت سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا جیسے میری باتوں نے اُن کے دماغ شل کر دیے
ہوں۔

قدرے توقف سے میں پھر بولی "اگر تم دونوں نے مجھ سے
تعاون کیا تو میں کوشش کروں گی کہ متعلقہ پولیس آفیسر کو بھی تمھاری
غلط بیانی کا علم نہ ہونے پائے۔ میں اِس کیس کو دوسرے طریقوں
سے اِس طرح انجام تک پہنچوا دوں گی کہ وہ بے گناہ ڈرائیور اِس
مصیبت سے بچ جائے اور اصل مجرم انصاف کے تقاضوں سے
نہ بچ سکے۔ تو پھر تم دونوں مجھ سے تعاون کے لیے تیار ہو نا؟"

"خدا مجھے معاف کرے۔" اُن میں سے ایک نے بھرائی ہوئی
آواز میں کہا "مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا۔"

"کاش میری بیٹی بیمار نہ ہوتی۔" دوسرا بھی گلوگرفتہ
لہجے میں بولا "محض اُس کے علاج کی وجہ سے میں تین ہزار روپوں
کے لالچ میں آگیا تھا۔"

"تم دونوں ہی کو تین تین ہزار روپے ملے تھے؟" میں نے
پوچھا۔

"ہاں!" جواب دینے کے بعد اُس آدمی نے اپنا جملہ پھر دُہرایا۔
"خدا مجھے معاف کرے۔"

"سچے دل سے تائب ہونے والوں کو خدا ضرور معاف کرتا ہے۔
ہاں تو تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ آدمی کون تھا جس نے تمھیں تین تین
ہزار روپے دے کر غلط بیانی کی راہ پر ڈالا تھا؟"

وہ دونوں مجھ سے مرعوب بھی ہو گئے تھے، نیز اپنے جرم پر
شرمندہ اور خائف بھی تھے۔ اُن کے لہجوں سے اُن کی سچائی ٹپک
رہی تھی۔ اُنھوں نے جو کچھ بتایا، مجھے اُس پر کوئی شبہ نہیں تھا۔

اُن کے مشترکہ بیان کے مطابق اُنھیں ...
ایسا آدمی تھا جسے دیکھ کر فوری طور پر یہ فیصلہ ...
تھا کہ اُس کے اعمال اچھے ہوں گے یا بُرے! اُس ...
پچاس سال کے لگ بھگ تھی۔ اُس نے شلوار قمیص ...
رکھا تھا۔ جب جائے حادثہ پر ہجوم ہوا تو وہ اُن ...
کا ہاتھ پکڑ کر الگ لے گیا۔ وہاں موجود ہر شخص کی ...
پر تھی اِس لیے اُن تینوں کی طرف کسی نے بھی تو ...
اُس آدمی نے اُن دونوں سے پوچھا کہ کیا اُنھوں ...
کا نمبر دیکھا تھا؟ اُن دونوں نے نفی میں جواب ...
آدمی نے بتایا کہ اُس نے ٹرک کا نمبر دیکھ لیا تھا ...
شخص کے ٹرک کا ہے جس سے اُس کی خاندانی ...
شخص جیا بتا ... اُس کے دشمن کو اُس کے کیے کی ...
اُن دونوں آدمیوں کو ٹرک کا نمبر بتایا اور تین ...
دے کر کہا کہ ڈرائیور کی گرفتاری کے بعد وہ دونوں ...
بھی کر ہیں تو اُنھیں دو دو ہزار روپے اور دیے ...
نے اُن دونوں سے اُن کے پتے لے لیے تھے اور ...
اپنی زبان کا بھرم رکھے گا۔ خود اُس نے اُن دونوں ...
کچھ نہیں بتایا تھا۔

یہ بیان دینے کے بعد اُن دونوں میں ...
پُرجوش انداز میں کہا "اب اگر وہ مجھے روپے ...
گھر آیا تو میں اُسے بچ کر نہیں جانے دوں گا۔"

مجھے ہنسی آگئی۔ پھر میں نے کہا "اِس خیال ...
دو کہ وہ تمھارے پاس آئے گا۔ اب تو وہ تم دونوں ...
بھی دُور رہے گا۔ ہاں اگر وہ اتفاق سے تمھیں کہیں دکھا ...
جائے تو اُس سے بھڑنے کی کوشش مت کرنا! ایسے لو...
ہوتے ہیں اور ایسے موقعوں پر قتل کرنے سے بھی نہیں ...
بس اِتنا کرنا کہ اگر وہ تمھیں دکھائی دے جائے تو مجھے ...
دینا۔ میں تمھیں اپنا فون نمبر بتا دیتی ہوں۔"

میں نے اُن دونوں کو اپنا فون نمبر دے دیا اور ...
گھروں پر چھوڑ کر واپس اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ڈاکٹر شکیل کو ...
ہلاک کیا گیا ہو لیکن یہ پلاننگ کسی کمزور یا اناڑی ...
تھی۔ جھوٹے گواہوں کو عین موقع واردات سے ...
کا ثبوت تھا۔ اِس کے علاوہ یہ بھی ممکن تھا کہ وقتی ...
ٹرک پر جعلی نمبر پلیٹ لگا دی جاتی اور اِس طرح ...
راہ پر ڈالنے کے لیے کسی جھوٹے گواہ کی ضرورت ہی نہ ...

... جیسے جیسے اِس معاملے پر غور کیا، ویسے ویسے اُلجھاؤ
... گویا اُن دنوں پے در پے اُلجھنیں ہی میرا مقدر بنی
... لگتا کہ اگر پہلی کڑی مان لیا جائے تو پھر اُس کے بعد
... اُلجھی ہوئی تھیں۔ ابھی تک یہی نہیں سمجھ میں آیا تھا
... مجھے کیوں لگ گیا ہے! آج ہوٹل میں جو واقعہ
... سے یہ اشارہ ملتا تھا کہ اُسے میرے پیچھے لگانے والا
... ہی تھا لیکن بہرحال یہ بات ابھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی

... پُراسرار طور پر لاپتا ہو چکا تھا اِس لیے شائستہ حبیب
... بارے میں بھی کوئی بات نہیں معلوم ہو سکی تھی۔
... کے سامنے جب میں نے شائستہ حبیب کا نام لیا
... حالت متغیر ہو گئی تھی۔ اُس نے یہی سمجھا ہوگا کہ مجھے
... کے بارے میں کچھ معلوم ہو چکا ہے، البتہ یہ وہ ہرگز
... ہوگا کہ میری معلومات کا ذریعہ کیا ہے!
... جو مجھے مشتاق چنگیزی کے گھر سے ملا تھا، اُس کی
... گئی تھی کہ خود مشتاق چنگیزی کو بھی نہیں معلوم ہوگا کہ اُس
... لفافہ اُس کے سامان میں کہیں پڑا ہوا ہے۔ اِسی لیے اُسے
... غائب ہونے کا بھی علم نہیں ہو سکتا تھا اور اِسی سبب
... کے ذہن میں یہ بات بھی نہیں آسکی تھی کہ اُس رات اُس
... لوٹنے والے دو نامعلوم افراد میں سے ایک میں تھی۔
... واقعے کے سلسلے میں مشتاق نے بالکل دم سادھ لیا تھا۔
... تک نہیں کی تھی اور غالباً ملازموں کو بھی تاکید کر دی
... اِس واقعے کا ذکر کسی سے نہ کریں۔ اُس کی یہ احتیاط
... کہ اُس کے دل میں کوئی چور ہے اِس لیے وہ حتی الامکان
... دُور رہنا چاہتا ہے۔
... تمام باتوں کو ذہن میں لیے ہوئے میں گھر پہنچی اور
... کر کے بستر پر لیٹ گئی۔ سونے سے قبل میں یہ فیصلہ کر چکی
... دن میں سب سے پہلے اُس ٹرک کا پتا چلاؤں گی
... مجھے سنگیتا سے معلوم ہوا تھا۔
... میں ایک مخصوص وقت پر اُٹھ جانے کی عادی ہوں مگر
... جانے کیوں میری آنکھ خاصی دیر سے کھلی۔ نو بجنے میں
... باقی تھے جب میں بستر سے اُٹھی۔ تیار ہونے اور ناشتہ
... میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔ آج میں دفتر نہ جانے کا فیصلہ کر
... اِن میں نے فون کر لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ اپنی
... سے میں نے چند ضروری باتیں کیں، اور پھر فون بند کر دیا۔
... بات پر بھی معلوم ہوا تھا کہ میری ہی طرح ابھی سنگیتا بھی

دفتر نہیں پہنچی ہے۔ اِس اطلاع پر مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا۔ تعجب
تو اُس وقت ہوتا جب اُس کے برخلاف اطلاع ملتی۔

میں نے فون بند کیا ہی تھا کہ ملازمہ نے مجھے کسی کی آمد
سے باخبر کیا۔

"کون ہے؟" میں نے پوچھا۔ "اُس نے اپنا کارڈ نہیں دیا؟"

"وہ بس یہ کہہ رہا تھا کہ عدالت سے آیا ہے۔"

"عدالت سے!" میں بڑبڑائی، اور پھر اُس آدمی سے ملنے
کے لیے اپنے کمرے سے نکلی۔

وہ آدمی سٹی کورٹ کا ایک بیلف تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ میرے
نام سمن لے کر آیا ہے۔

"آپ کو چار دن بعد کورٹ میں پیش ہونا ہے۔" اُس نے کہا۔

"وہ کس سلسلے میں؟"

"اُس روز تاتاری کے کیس کے سلسلے میں آپ کا بیان لیا
جائے گا۔"

"اِس اطلاع نے مجھے بور کر دیا۔ میری دانست میں یہ سب کچھ
تضیع اوقات تھا لیکن پولیس بھی بہرحال اپنے فرض سے مجبور تھی۔
تاتاری کو میری کار پر گولیاں چلانے کے الزام میں پکڑا گیا تھا لہٰذا
اُس پر مقدمہ تو چلنا اور اُس مقدمے میں میری حیثیت بہت اہم تھی،
بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میں اُس میں ایک فریق تھی۔

میں نے دستخط کر کے سمن وصول کیا اور بیلف کو رخصت کرنے
کے بعد گھر سے روانہ ہونے ہی والی تھی کہ سنگیتا آگئی۔

لیکن کیا وہ سنگیتا تھی؟ اُس کی حالت دیکھ کر میرے دل کو دھچکا
سا لگا۔ وہ وہی کپڑے پہنے ہوئے تھی جو گزشتہ شام اُس کے جسم پر تھے۔
وہ بالکل اُجڑی اُجڑی سی نظر آرہی تھی۔ آنکھیں اِتنی سُرخ تھیں
جیسے وہ ایک پل بھی نہ سوئی ہو اور روتی رہی ہو۔ اُس کے بال بکھرے
ہوئے اور چہرہ سُتا ہوا تھا۔

"سنگیتا!" میں نے بے اختیار اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔
"یہ تُو نے اپنی کیا حالت بنا لی ہے چندا!"

"میں بالکل ٹھیک ہوں باجی!" سنگیتا نے بھرائی ہوئی آواز
میں کہا "میں آپ کو بتانے آئی ہوں کہ شکیل کے والد آگئے ہیں اور
ہاسپٹل والوں نے مٹی کا ایک ڈھیر اُن کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ لوگ
کہتے تھے کہ ... اُس ڈھیر کا نام ڈاکٹر شکیل ہے۔" سنگیتا نے
ایک سسکی لی۔

آخری فقرہ سنگیتا نے کچھ اِس طرح ادا کیا تھا کہ میرا کلیجہ ہل گیا۔ جو
لوگ محبت کو محسوس کر سکتے ہیں، وہی اِس فقرے کو بھی محسوس
کر سکتے ہیں۔

"کیا آپ مٹی کے اُس ڈھیر کو دیکھنے چلیں گی بانو؟" سنگیتا کی آنکھوں میں کرب بلک رہا تھا۔

مجھے یوں لگا جیسے میں رو پڑوں گی۔ میں نے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے سنگیتا کی پیشانی چوم لی اور اُس کا ہاتھ تھام کر اپنی کار کی طرف بڑھتی ہوئی آہستہ سے بولی۔ "آؤ، چلیں!"

جب کار پھاٹک سے نکل کر سڑک پر رواں ہوئی تو میرے اور سنگیتا کے ہونٹوں پر سکوت منجمد تھا لیکن دل کی گہرائیوں میں جیسے پگھلتے ہوئے لاوے کی لہریں اُمنڈ رہی تھیں۔ سنگیتا کی اُس وقت کی حالت دیکھ کر میں نے دل ہی دل میں قسم کھائی کہ میں شکیل کے قاتل کو ڈھونڈ کر اُسے گھسیٹتی ہوئی اُس منزل تک لے جاؤں گی جہاں انسان کو اپنی زندگی ایک بوجھ معلوم ہونے لگتی ہے اور موت کا بھیانک چہرہ ایک خوبصورت محبوب کا روپ دھار لیتا ہے۔

میں اُس روز ڈاکٹر شکیل کے گھر میں داخل ہوئی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی قبرستان میں داخل ہو گئی ہوں۔ در و بام سے اُداسی ٹپک رہی تھی۔ یہ دوسرا موقع تھا جب میں ڈاکٹر شکیل کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ پہلی مرتبہ جب میں نے یہاں قدم رکھا تھا تو شکیل کی مسکراہٹ میرا استقبال کرنے کے لیے موجود تھی مگر آج؟ وہ مسکرانے والا اندر کسی کمرے میں ابدی نیند سو رہا تھا اور اُس کی کسک میرے سارے بدن میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ کسک اِس لیے تھی کہ وہ میری محبوب کا محبوب تھا۔

گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے جو شکیل کے آخری سفر میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ اُن میں سے میں نے شہر کے بہت سے معززین کو پہچان بھی لیا۔ اُن میں کئی بڑے بڑے ڈاکٹر بھی تھے۔ اُن سب کے چہروں سے حزن و ملال ٹپک رہا تھا اور یہ اِس بات کی دلیل تھی کہ شکیل ایک ہر دلعزیز شخص تھا۔

سنگیتا نے مجھے ایک ادھیڑ عمر شخصیت کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا اور میرے دل نے مجھے بتایا کہ یہی ڈاکٹر شکیل کا باپ ہے۔ جوان اولاد کی موت کا داغ اُس شخص کے چہرے پر بہت نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اُس کی جھکی ہوئی کمر یہ بتا رہی تھی کہ وہ جوان اولاد کی لاش اُٹھائے ہوئے ہے۔

"چاچا جی!" سنگیتا نے اُس شخص سے میرا تعارف کرایا۔ "یہ صبیحہ بانو ہیں۔ میں اِن کی فرم میں ملازم ہوں۔ شکیل بھی اِنھیں جانتے تھے۔ بانو! یہ شکیل کے ... ہیں۔"

"میرا نام کفیل رضا ہے۔" بوڑھے باپ نے مجھے بتایا تو مجھے اُس کے لہجے کے اُتار چڑھاؤ میں کسی صحرا کی ویرانیاں پھیلی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اُس نے آہستہ سے میرے شانے پر تھپکی دی اور کہا۔

"بیٹھ جاؤ بیٹی! میرا شکیل اندر آخری غسل کر رہا ہے! لوگ اُسے الوداع کہنے جائیں گے۔ یہاں اور ... اُن سے تو میں کہہ چکا ہوں، اب تم سے بھی کہہ رہا ہوں! ... واپسی تک سنگیتا کا خیال رکھنا۔ دیکھو تو اِس نے اپنی ... رکھی ہے! اگر شکیل اِسے اِس حال میں دیکھ ... دُکھ پہنچے گا!"

اُس وقت سنگیتا کو دھاڑیں مار کر رو پڑنا چاہیے ... نے دیکھا کہ اُس نے اپنا نچلا ہونٹ بڑی زور سے ... تھا، اِتنی زور سے کہ ہونٹ نیلا پڑ گیا تھا۔

میں سنگیتا کا ہاتھ پکڑ کر ایک صوفے کی طرف ... وہاں بٹھا کر خود بھی بیٹھ گئی۔ سنگیتا کا دھیان ... میں نے دھیمی آواز میں اُس سے پوچھا۔ "کیا تمھا... نہیں ... ؟"

"چاچا جی کے پیچھے جو نشست ہے اُس پر بیٹا ہے،" سنگیتا نے بتایا۔

اب میں نے رام لال کو پہلی مرتبہ دیکھا۔ وہ بھی ... رہا تھا لیکن جب میں نے اُس کی طرف دیکھا تو اُس ... ی۔ سب لوگوں کی طرح وہ بھی حزن و ملال کی تصو... اُس کے چہرے پر زمانے کی ستم گری کے نشانات بھی ... جا سکتے تھے۔

پچھلے دنوں میں میری یہ خواہش رہی تھی کہ رام لال ... ملاقات ہو اور میں اُس سے کچھ باتیں کر سکوں لیکن اب ... ہوا تھا تو حالات ایسے نہیں تھے کہ میں اُس سے اُس موضو... کر سکتی۔

کوئی نصف گھنٹے بعد ایک شخص نے کھڑے ہو کر آہستہ ... "جو حضرات مرحوم کا دیدار کرنا چاہیں وہ اندر چلے جائیں۔"

لوگ ایک ایک کر کے اندر جانے لگے۔ اُس وقت میں ... سنگیتا کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت دیکھی۔ میں منتظر ... اپنی جگہ سے اُٹھے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

"سنگیتا!" میں نے اُسے آہستہ سے پکارا۔

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پلک جھپکائے بغیر ... طرف اِس طرح دیکھ رہی تھی جیسے اپنے خالق سے کوئی ... رہی ہو۔

"سنگیتا!" میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا ... اپنے شکیل کو آخری مرتبہ دیکھنے نہیں جاؤ گی؟"

سنگیتا نے جیسے ایک جھٹکے کے ساتھ میری طرف دیکھا

... نہیں!" اُس کے چہرے پر وحشت ناچنے لگی تھی۔ ... شکیل کو ویسا ہی رہنے دو جیسا وہ تھا۔ میں کفن ... چہرے کو اپنے تصور میں نہیں رکھنا چاہتی۔"

... چپ ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اگر اصرار کیا گیا تو سنگیتا ... چیخ چیخ کر انکار کرنے لگے گی۔ عین ممکن تھا کہ اُس ... پڑ جاتا۔

... کی رسم پوری ہونے کے بعد جب شکیل کا جنازہ ... کسی کی آنکھ ایسی نہیں تھی جس میں آنسو نہ ہوں۔ ... نہیں روئی لیکن اُسے دیکھ کر میں ضرور محسوس ہو رہا تھا کہ ... مجسم بن گئی ہے۔ وہ ایک ایسا آنسو نظر آ رہی تھی

... گیا شکیل چلا گیا۔ اُس کے ساتھ سب مرد چلے گئے۔ ... تیں جو اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں اور سنگیتا کی طرف ... جو کسی بُت کی طرح ساکت تھی۔

... تا!" میں نے اُسے پکارا۔

... انو!" سنگیتا نے میری طرف دیکھے بغیر آہستہ سے کہا۔ "آپ ... مجھے سکتہ نہیں ہوا ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میرا ... ہے۔ میں زندہ ہوں۔"

... تم زندہ لاش نظر آ رہی ہو۔"

... سے کیا فرق پڑتا ہے! دنیا میں زندہ لاشوں کی کمی تو ... کو روئیے گا؟ کس کس سے ہمدردی کیجیے گا؟"

... چپ رہ گئی۔ اِس کے علاوہ کیا کر سکتی تھی!

... دو گھنٹے میں سب مرد واپس آ گئے۔ بوڑھا کفیل رضا ... حال تھا۔ کچھ لوگوں نے اُسے فوراً لٹا دیا۔

... کئی کام کرنا تھے مگر نہیں کر سکی۔ جی نہیں چاہ رہا تھا ... چھوڑ کر کہیں جاؤں۔ شام ہوتے ہوتے سب لوگ رخصت ...

اب صرف چار افراد باقی تھے، میں اور سنگیتا، رام لال اور ... باقی افراد صرف ملازمین تھے۔

... گیتا!" کفیل رضا نے کہا۔ "تو بالکل چپ ہے بیٹی! آخر ... سوچ میں ڈوبی رہے گی؟"

... آپ کے بارے میں سوچ رہی تھی چاچا جی!" سنگیتا ... ڈوبی آواز میں کہا۔

... کے بارے میں؟"

... ہاں!"

... میرے بارے میں کیا سوچ رہی تھی؟"

"یہی کہ اب آپ اِس چہار دیواری میں تنہا رہ جائیں گے۔ میں اب یہاں سے جانا چاہتی ہوں چاچا جی! اِن در و دیوار کو دیکھتے رہنا اب میرے بس سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔ میں بڑی مشکل سے ضبط کر رہی ہوں۔ میں بڑی کوشش سے خود پر قابو پائے ہوئے ہوں۔"

"مجھے تیری حالت کا خوب اندازہ ہے بیٹی! میں تجھے نہیں روکوں گا۔ تنہائی تو اب میرا مقدر ہے۔ ویسے میرے کچھ اعزا جو دوسرے شہروں میں رہتے ہیں، اُنھیں میں نے ٹیلیگرام بھجوا دیے ہیں۔ ممکن ہے کل تک اُن میں سے کچھ لوگ آ جائیں اور میری ظاہری تنہائی دُور ہو جائے لیکن بیٹی! میں تو اندر سے تنہا ہو گیا ہوں۔ اِس تنہائی کو تو کوئی بھی رفع نہیں کر سکتا۔"

سنگیتا کچھ نہیں بولی۔ بولتی بھی کیا! اُس نے اپنے باپ سے کہا۔ "چلیے پتا جی!"

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آپ دونوں کو پہنچا دوں۔" میں بولی۔

"شکریہ!" رام لال نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "ہم ٹیکسی کر لیں گے۔"

"ٹیکسی کی کیا ضرورت ہے!" کفیل رضا بول پڑا۔ "میں ڈرائیور سے کہے دیتا ہوں کہ وہ تمھیں چھوڑ آئے۔" پھر کفیل رضا نے ایک ملازم کو آواز دی اور اُس سے کہا کہ ڈرائیور سے گاڑی نکلوائے۔

مجھے اب یہاں اپنی موجودگی کچھ غیر مناسب سے معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے پہلو بدلا۔ میں اب اُٹھ کر کفیل رضا سے اجازت لینا چاہتی تھی کہ کفیل رضا سے نظر ملی۔ اُس نے مجھے اشارہ کیا کہ میں رُکوں۔

مجھے اُس کا یہ اشارہ بڑا عجیب سا لگا۔ یہ اشارہ اُس نے مجھے رام لال سے نظر بچا کر کیا تھا۔

ملازم نے آ کر بتایا کہ ڈرائیور نے گاڑی گیرج سے نکال لی ہے۔

رام لال اور سنگیتا کھڑے ہو گئے۔

"بانو!" سنگیتا نے کہا۔ "میں ابھی کچھ دن تک دفتر نہیں آ سکوں گی۔"

"اِس کی فکر مت کرو!"

"رام لال!" کفیل رضا بولا۔ "مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔ کیا تم کل کسی وقت آ سکو گے؟ تم کہو تو میں خود آ جاؤں؟"

"میں کل صبح ہی آؤں گا لیکن تم جس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہو، میں اُس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

کفیل رضا نے بحث شروع کرنے کی بجائے پوچھا۔ "تم کس

وقت تک آجاؤ گے؟"

"دس بجے تک!" رام لال نے جواب دیا۔ "میں تمھیں اِس وقت تنہا چھوڑ کر نہ جاتا لیکن سنگیتا کی وجہ سے مجبور ہو گیا ہوں۔"

"باقی!" سنگیتا نے مجھ سے پوچھا۔ "کیا آپ ابھی رُکیں گی؟"

"نہیں، بس اب میں بھی چلوں گی۔" میں کھڑی ہو گئی۔

مناسب یہی تھا کہ میں رام لال اور سنگیتا کے سامنے یہاں نہ رُکوں۔ میں نے رخصت ہوتے وقت کفیل رضا کو اشارہ کر دیا کہ میں پھر آؤں گی۔

رام لال کے سامنے تو میں وہاں سے رخصت ہو گئی لیکن پندرہ بیس منٹ تک کار کو اِدھر اُدھر دوڑانے کے بعد دوبارہ وہاں پہنچ گئی۔

"بیٹھو بیٹی!" کفیل رضا نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "دراصل وہ باتیں رام لال کے سامنے نہیں کی جا سکتی تھیں جو میں تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ تم میرے لیے اجنبی نہیں ہو۔ میرا مطلب ہے کہ میں تمھارے نام سے واقف تھا۔ دوبئی میں مجھ سے ایک نوجوان نے ملاقات کی تھی اور اُسی نے تمھارا حوالہ بھی دیا تھا کہ تم رام لال کے معاملے میں دلچسپی لے رہی ہو۔"

"اوہ! تو رضوان آپ سے ملا تھا؟"

"ہاں! کیا اُس نے تمھیں اِس ملاقات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"وہ ابھی دوبئی سے لوٹا ہی نہیں ہے۔"

"اچھا!" کفیل رضا کے لہجے میں حیرت تھی۔ "تو پھر وہ کہاں گیا؟ وہ اب دوبئی میں تو نہیں ہے!"

"آج کل مجھے اُس کی گمشدگی نے بھی پریشان کر رکھا ہے۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" کفیل رضا جیسے بڑبڑایا۔ "وہ لڑکا بہت ذہین ہے۔ میں نے اُسے بہت پسند کیا تھا۔ آخر وہ کہاں چلا گیا؟"

"میرا خیال ہے کہ آپ اِس سلسلے میں اپنے ذہن کو نہ اُلجھائیں۔ مجھے اُمید ہے کہ دو ایک روز میں اُس کی طرف سے کوئی نہ کوئی اطلاع موصول ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔ دراصل میں جلد از جلد اُسے اُس موضوع کی طرف لے آنا چاہتی تھی جو حقیقتاً بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔

کفیل رضا نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا، اور پھر بولا۔ "تم رام لال کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتی ہو نا! میں بھی اُسی کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔ ہر چند کہ شکیل کا چہرہ اِس وقت بھی میری آنکھوں میں گھوم رہا ہے لیکن میں دوسرے معاملات پر تم سے تفصیلی گفتگو کروں گا۔ دراصل میں خود چاہتا ہوں کہ اپنے اُدھر کی باتوں میں اُلجھانے کی کوشش کروں۔" کفیل توقف کیا، پھر کہا۔ "رام لال کے حالات، مجھے کچھ معلوم ہوئے تھے اور مزید باتیں رضوان سے معلوم ہو لیے بھی ایک حیرت انگیز بات ہے کہ رام لال نے اپنا مشاق چنگیزی نام کے کسی شخص کو سونپ دیا ہے۔ سلسلے میں رام لال سے گفتگو کروں گا۔"

"لیکن وہ کسی سے بھی اِس سلسلے میں گفتگو نہیں کرتا"

"مجھ سے تو اُسے بات کرنا ہی پڑے گی۔" کفیل دے کر کہا۔ "آخر میں اُس کا اِتنا پرانا دوست ہوں۔ ہم ایک دوسرے پر کچھ حقوق حاصل ہیں۔"

"خدا کرے کہ آپ اُن سے کچھ معلوم کرنے کے ہو جائیں لیکن جب تک وہ خود کچھ نہیں بتاتے، ہمیں اِس مسئلہ کو سمجھنے کی کوششیں جاری رکھنا چاہئیں۔"

"ہاں آں، ظاہر ہے کہ صرف اِسی پر اکتفا نہیں کیا رام لال سے کچھ معلوم ہو۔" کفیل رضا نے کہا، اور پھر اچانک کہا "تمھیں شائستہ حبیب کا نام کیسے معلوم ہوا تھا؟"

"رضوان نے آپ سے اُسی کے بارے میں پوچھا تھا"

"ہاں!" کفیل رضا نے جواب دیا۔ "اور میں نے رضو بھی یہی سوال کیا تھا کہ اُسے شائستہ کا نام کیسے معلوم ہوا نے جواب دیا تھا کہ یہ نام اُسے تم سے معلوم ہوا تھا اور اِس بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم!"

"میں آپ کو ضرور بتاؤں گی کہ مجھے شائستہ حبیب کیسے معلوم ہوا لیکن ..... غالباً یہ گستاخی ہو گی اگر میں یہ کہوں آپ میری اُلجھن رفع کر دیں۔ میں بہت عرصے سے معلوم کرنے کے لیے بے چین ہوں کہ یہ شائستہ حبیب کون ہے!"

"ہے نہیں، بلکہ ..... تھی۔" کفیل رضا نے ٹھنڈا سا کر کہا۔ "اور بلاشبہ وہ بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ یہ بر بات ہے۔ شکیل اُن دنوں ایک سال کا تھا۔ دوبئی میں تنہا رہتی تھی اور میرے خیال کے مطابق اُس کی شخصیت تھی۔ میں اکثر رام لال سے کہا کرتا تھا کہ وہ اُس لڑکی سے ختم کر دے۔"

"اوہ!" میں نے چونک کر کہا۔ "وہ رام لال کی دوست"

"بہت گہری دوست!"

"صرف دوست؟" میں نے زور دے کر پوچھا۔

فوراً کچھ نہیں کہا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب وہ ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔ "بیٹی! چونکہ ام لال کی بپتا کا سبب جاننے کی کوشش میں بتائے دیتا ہوں کہ شائستہ سے رام لال ں نہیں تھی۔ اُن کے تعلقات دوستی کی حد سے تھے۔"

انکشاف پر میرے مُنہ سے نکلا۔

"لڑکی محض اِس لیے رام لال کے پیچھے لگی تھی ک۔ رام لال بھی اُس کی خواہشوں کو کبھی نظرانداز صورتِ حال میری نظر میں تشویش کن تھی۔ میں اِس خوبصورت حرّافہ کے جال سے نکالنا پھر میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ رام لال اُس چکا تھا اور اِس چکر میں وہ یقیناً بالکل برباد ل نہ کر دی جاتی۔"

قریباً اُچھل پڑی۔

اُسے قتل کر دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ قاتل، ہوگا لیکن اُسے گرفتار نہیں کیا جا سکا تھا۔"

انکشاف نے میرے دماغ کو نت نئی راہوں کر دیا تھا مگر وہ سب کچھ سوچنے کے لیے سکون تھی۔ فی الحال مجھے سوچ بچار کرنے کی بجائے چاہیے تھی کہ کفیل رضا سے اُس بارے میں زیادہ حاصل کر سکوں۔

پہلے کہ گفتگو مزید آگے بڑھتی، ایک ملازم اور اُس نے براہِ راست مجھ سے کہا۔ "آپ ہی ہیں؟"

میں اُسے تعجب سے دیکھنے لگی۔

ب آپ کو باہر بُلا رہے ہیں۔ میں نے اُن سے آ جائیں مگر وہ تیار نہیں ہوئے۔"

ہے؟" میں سوچتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

بیٹی!" کفیل رضا بول پڑا، اور پھر اُس نے کہا۔ "تم جاؤ اور اُن صاحب کو اصرار بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ایک شریف آدمی ار کرے۔"

ل!" میں نے دخل اندازی کی۔ "میں خود جا کر میرا انتظار کیجیے! میں ابھی آئی۔"

پھر اِس سے پہلے کہ کفیل رضا مزید کچھ کہتا، میں ملازم کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔

"وہ کہاں ہے؟" میں نے ملازم سے پوچھا۔

"پھاٹک پر!" ملازم نے جواب دیا۔

"کیا!" میں نے تعجب سے کہا۔ "پھاٹک پر؟"

"جی ہاں، میں نے تو اُن سے بہت کہا لیکن وہ کسی طرح پھاٹک کے اندر آنے پر بھی آمادہ نہیں تھے۔"

ابھی تک تو میں صرف متعجب ہی تھی کہ وہ کون ہو سکتا ہے لیکن اب اِس سوال کے ساتھ میرے ذہن میں خطرے کا احساس بھی کلبلانے لگا۔ مجھے رضوان کا خط اور خوفناک داڑھی والا یاد آگیا۔ میں بیرونی دروازے سے نکلتے نکلتے رک گئی اور اپنا پرس کھولنے لگی۔ ملازم مجھ سے ایک قدم پیچھے تھا اِس لیے وہ مجھے پستول نکالتے ہوئے نہیں دیکھ سکا۔ اگر دیکھ بھی لیتا تو سمجھ نہیں پاتا کہ میں نے کیا نکالا ہے کیونکہ پستول نکالتے وقت میں نے اُسے رومال سے پوری طرح ڈھک دیا تھا۔

اب میں نے آہستگی سے دروازہ کھولا، چند لمحے رُکی، اور پھر زقند بھرنے کے انداز میں باہر پہنچ کر بڑی تیزی سے بائیں جانب ہٹ گئی۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اگر مجھ پر فائر کیا جائے تو میری اِس تیز حرکت کی وجہ سے نشانہ خطا ہو جائے۔

لیکن کوئی فائر نہیں ہوا۔

میرے پیچھے ملازم بھی باہر آگیا۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی دانست میں میری یہ نقل و حرکت، پاگل پن ہی ہو سکتی تھی۔

برآمدے کا بلب جل رہا تھا اِس لیے میں روشنی میں تھی جب کہ کھلے ہوئے پھاٹک کے باہر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اگر وہاں کوئی تھا بھی تو مجھے برآمدے میں کھڑے اُس کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آئی۔ میں برآمدے سے اتر کر بڑے محتاط انداز میں پھاٹک کی طرف بڑھی۔ میرے پیچھے پیچھے ملازم بھی تھا اور میرا انداز دیکھ دیکھ کر متحیر ہو رہا تھا۔

میں پھاٹک کے بالکل نزدیک پہنچ گئی۔ اگر سامنے کوئی ہوتا تو اب وہ مجھے نظر آجاتا لیکن مجھے وہاں کوئی بھی نہیں دِکھائی دیا بس ایک آوارہ کتا دوڑتا ہوا سامنے سے گزر گیا۔

"وہ کہاں ہے؟" میں نے ملازم سے پوچھا۔

ملازم دو تین لمبے ڈگ بھر کر پھاٹک سے نکل گیا۔ میں یہی چاہتی تھی کہ مجھ سے پہلے، وہی باہر جائے اور مجھے بتائے کہ مجھ

سے ملنے کے لیے آنے والا کہاں کھڑا ہے!

"کہاں ہے!" ملازم میری طرف مڑ کر سر جھٹکتا ہوا بولا۔ "وہ صاحب تو شاید جا چکے ہیں۔"

میں بہت تیزی سے باہر پہنچی لیکن مجھے وہاں کوئی نہیں دکھائی دیا۔ میں سوالیہ انداز میں ملازم کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں کیا عرض کروں بیگم صاحب!" ملازم پریشان سا تھا۔ "میں اُن صاحب کو اِس جگہ کھڑا ہوا چھوڑ کر گیا تھا۔" اُس نے اشارے سے بتایا۔

"اُن صاحب کا حُلیہ کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

ملازم نے حلیہ بتایا تو میرے جسم میں سنسناہٹ سی پھیل گئی۔ وہ وہی خوفناک داڑھی والا تھا۔ میں پھر اِس طرح چوکنا ہو گئی جیسے کوئی ہرنی کسی شکاری کی موجودگی کو محسوس کر لیتی ہے۔ رومال سے ڈھکے ہوئے پستول کے دستے پر میری گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی میری نگاہ ہر سمت میں اندھیرے کا سینہ چاک کرنے لگی اور ملازم کھڑا ہوا میرا منہ تکتا رہا کہ اب میں کیا کہتی ہوں!

مجھے اِس طرح پھاٹک پر بلانا اور پھر غائب ہو جانا کسی وجہ کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا اور جب اِس وجہ کے متعلق میرے ذہن میں ایک شبہے نے سر اُبھارا تو مجھے اپنے پیروں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے میں، مَیں بے تحاشا بھاگتی ہوئی برآمدے کی طرف [illegible]۔ ملازم میرے پیچھے دوڑا چلا آ رہا تھا۔

جس شبہے کے تحت میں [illegible] تھی، وہ شبہہ یہ تھا کہ میری عدم موجودگی میں کفیل رضا کا کام تمام ہو چکا ہو گا۔ وہ مجھے غالباً کچھ اہم معلومات فراہم کرنے والا تھا للٰہذا نہ معلوم دشمن نے یہ سوچا ہو گا کہ مجھے وہاں سے ہٹا کر اُس کا کام تمام کر دیا جائے۔ میری موجودگی میں دشمن کو اپنی ناکامی کا اندیشہ رہا ہو گا۔

میں دوڑتی ہوئی اُس کمرے میں داخل ہوئی جہاں میں کفیل رضا سے باتیں کر رہی تھی۔ میرے ذہن میں شبہہ یہ تھا کہ مجھے وہاں کفیل رضا کی لاش ملے گی لیکن مجھے کمرہ بالکل خالی ملا۔

تو کیا اغوا؟ میرے ذہن میں دوسرا شبہہ اُبھرا۔

اور پھر اگلے دس منٹ میں میرے دوسرے شبہے کی تصدیق ہو گئی میں نے اور ملازموں نے سارا گھر چھان ڈالا تھا لیکن ہمیں کفیل رضا کی صرف ایک چپّل ہی مل سکی تھی۔ وہ چپّل ہمیں گھر کے ایک عقبی کمرے کی کھڑکی کے [illegible] ملی تھی اور اُس کھڑکی کی گرل کو کاٹ کر ایک طرف پھینک دیا گیا تھا۔

میں نے فوراً ٹیلیفون پر علاقے کے پولیس اسٹیشن کو اِس واردات کی اطلاع دی۔ اُس کے بعد مَیں وہاں بمشکل ایک منٹ

رُکی تھی۔ میں نے ملازم سے کہا تھا "پولیس [illegible]
آگاہ کر دینا اور بتا دینا کہ میں ایک ضروری کام [illegible]
بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گی۔"

پھر میں نے ملازم کے جواب کا انتظار [illegible]
[illegible] نکل گئی تھی۔

رات کا آغاز ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں [illegible]
سڑکوں پر ٹریفک کا اژدہام تھا لیکن میں حتی الا[illegible]
کار چلاتی ہوئی مشتاق چنگیزی کے گھر کی طرف [illegible]
طور پر فیصلہ کیا تھا کہ مشتاق کو اِس وقت [illegible]

جب میں مشتاق چنگیزی کے گھر پہنچی تو [illegible]
اُس کے ملازم نے مجھے پہچان لیا اور چھوٹتے ہی بولا
نہیں ہیں۔"

"کب سے نہیں ہیں؟" میں نے تیزی [illegible]

"تیسرے پہر کے گئے ہوئے ہیں۔"

میں بہت غور سے ملازم کے چہرے کا جائزہ [illegible]
نے اُس کے لہجے پر بھی خاص طور سے دھیان دیا تھا [illegible]
پر یقین آ گیا۔ اِس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ مشتا[ق]
موجود ہو اور ملازم مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہا [ہو]

میں جتنی تیزی سے یہاں آئی تھی، اُتنی [illegible]
کے گھر کی طرف لوٹ گئی۔ میرے اندازے کے مطابق [illegible]
تھی اور جملہ کارروائیوں میں مصروف تھی۔

شکیل کے ملازم نے پولیس آفیسر کو میرے [illegible]
یہی صبیحہ بانو ہیں اور انہی نے پولیس اسٹیشن فون [illegible]

پولیس آفیسر نے ایک مرتبہ بڑے غور سے میر[ی]
پھر بولا "کیا آپ وہی صبیحہ بانو ہیں جن کا نام تا[illegible]
ہے؟ تاتاری نے آپ ہی کی کاریہ...."

"میں سو فیصد وہی صبیحہ بانو ہوں۔" میں [illegible]
ہوئے کہا۔

"کیا موجودہ معاملہ بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی [illegible]

"میں نجومی نہیں ہوں آفیسر!"

"اوہ! میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ کوئی [illegible]
آفیسر نے جلدی سے کہا "میں بس آپ کا خیال [illegible]

"اگر صرف خیال کی [illegible] بات ہے تو میں [illegible]
ایسی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔"

"آپ اِس وقت یہاں کیسے موجود تھیں؟ کیا آ[illegible]
کو پہلے سے جانتی ہیں؟"

میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ دراصل ڈاکٹر شکیل
[illegible] اُن کی آخری رسوم میں شرکت کے لیے آئی تھی لیکن
[illegible] حالت دیکھ کر صبح سے اب تک یہیں رُکی رہی۔
[illegible] واقعہ پیش آ گیا۔"

[illegible] بیانات لے چکا ہوں اُن کے بیانات سے ظاہر ہوتا
[illegible] کرنے والوں نے یہ ضروری سمجھا تھا کہ پہلے آپ
[illegible] سے ہٹا دیں۔"

[illegible] تو یہی ظاہر کرتے ہیں۔"

[illegible] آپ سے خائف یا مرعوب تھے!"

[illegible] صورت میں ہو سکتا ہے جب پہلے کبھی وہ آپ سے
[illegible] اور آپ نے انھیں زک پہنچائی ہو۔"

[illegible] مضبوط ہے لیکن میں کہہ نہیں سکتی کہ وہ
[illegible] دراصل مجھ سے زک اُٹھانے والوں کی تعداد
[illegible]

[illegible] آپ کی خاصی شہرت سُن چکا ہوں۔" آفیسر نے
[illegible] طنز کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ "آئیے! ہم ذرا
[illegible] کر بیٹھتے ہیں۔ میں آپ کا باضابطہ بیان لینا
[illegible] آپ کو اِس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

[illegible] سوال نہیں آفیسر! میں قانون کا بہت احترام
[illegible] کے محافظوں سے تعاون کرنے کے لیے ہر وقت

[illegible]!"

[illegible] اُس کمرے میں ہوئی تھی جہاں سے کفیل رضا
جب ہم دروازے کی طرف مڑے تو اُس کمرے میں
[illegible] گھنٹی بجنے لگی۔

"پولیس آفیسر رُک کر بولا "شاید تھانے سے
[illegible]

[illegible] اور پولیس آفیسر نے ٹیلیفون کی طرف
[illegible] "ہیلو!" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا، پھر
[illegible] بات سننے کے بعد ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر
[illegible] آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

[illegible] مجھے تعجب ہوا۔

[illegible] پولیس آفیسر نے کہا، اور پھر ماؤتھ پیس سے ہاتھ
[illegible] صبیحہ بانو سے بات کیجیے۔"

میں نے اُس کے قریب پہنچ کر اُس کے ہاتھ سے ریسور لے لیا اور ماؤتھ پیس میں بولی "ہیلو! بانو اسپیکنگ!"

"میں آپ کا ایک مخلص بول رہا ہوں لیکن آپ کو اپنا نام نہیں بتاؤں گا۔"

میری پیشانی پر کھنچاؤ پیدا ہو گیا۔

"ہیلو!" آواز پھر سنائی دی۔

"ہاں، میں سُن رہی ہوں۔" میں نے کہا لیکن میں سننے کے ساتھ ساتھ، بولنے والے کے لب و لہجے اور آواز پر بھی غور کر رہی تھی۔

"میں جونا مارکیٹ کے علاقے سے بول رہا ہوں۔ کیا آپ اِسی وقت نور محل سینما تک آ سکتی ہیں؟"

"نور محل؟"

"جی ہاں! یہ پکچر ہال کم سینما...."

"اُس علاقے کے سارے سینما میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ میرے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ میں وہاں...."

"کیوں آؤں؟" دوسری طرف سے بولنے والے نے میرا جملہ پورا کر دیا۔

"ہاں، میں یہی کہنا چاہتی تھی۔"

"اور میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یہاں آ جائیں تو اِس سے آپ کو خاصا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"کیسا فائدہ؟"

"یہاں ایک تھرڈ ریٹ قسم کا چائے خانہ ہے۔ یہاں چرس اور چائے کا دَور چلتا رہتا ہے۔ یہاں بیٹھنے والے زیادہ تر افراد یا تو جرائم پیشہ ہوتے ہیں یا اُن کا تعلق مزدور طبقے سے ہوتا ہے۔ ہر وقت ریکارڈنگ ہوتی رہتی ہے اور ہیجڑے اُس موسیقی پر تھرکتے رہتے ہیں۔"

"میں اِن ساری تفصیلات کا مقصد سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"میں اب مقصد ہی کی طرف آ رہا ہوں۔ کیا آپ کو خوشی نہیں ہو گی، اگر آپ ایسے کسی مقام پر مشتاق چنگیزی کو بیٹھا ہوا دیکھیں؟"

"اوہ!" میرے [illegible] سے بیساختہ نکلا۔

"بس مجھے یہی اطلاع دینا تھی۔" دوسری طرف سے کہا گیا، پھر سلسلہ منقطع [ہو] گیا لیکن میں ریسور کو کان سے لگائے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ میں ذرا دیر کے لیے بھول ہی گئی تھی کہ میں کہاں ہوں! فون پر بولنے والے کی آواز اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی تھی اور مجھے کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ آواز جیمس فریزر کی تھی۔ وہ غالباً اپنی آواز کو بگاڑ کر بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مجھے اِس پُراسرار انداز میں ملنے والی وہ اطلاع اگر درست تھی تو یقیناً اُس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا لیکن یہ بات بھی ناممکن

یا بعید از قیاس نہیں تھی کہ مجھے پھانسنے کے لیے کوئی جال بچھایا جا رہا ہے۔

خیر کچھ بھی ہو میں وہاں ضرور جاؤں گی۔ میں نے یہ فیصلہ بالکل اچانک اور بڑی سرعت سے کیا۔ پھر اسی وقت مجھے یہ احساس بھی ہو گیا کہ میں کہاں کھڑی ہوں! پولیس آفیسر بڑے غور سے میرے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

جب میں نے ریسیور کو کریڈل پر رکھا تو میرے ذہن میں ایک لائحۂ عمل کا خاکہ بھی اُبھر آیا تھا۔

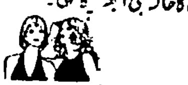

میری کار برق رفتاری سے بندر روڈ پر اُڑی چلی جا رہی تھی۔ غالباً وہ دس اور گیارہ بجے کا درمیانی وقت تھا اس لیے ٹریفک میں اژدہام کی کیفیت باقی نہیں رہی تھی۔ مجھے تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا تھا جب کہ میں ذہنی طور پر بھی پوری طرح ڈرائیونگ کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ خیالات کا ایک بھنور میرے ذہن کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوا تھا۔ ٹیلیفون پر سنائی دینے والی وہ آواز میرے ذہن سے مقناطیس کی طرح چپکی ہوئی تھی۔ اُسی آواز کی دی ہوئی اطلاع کے باعث میں اس وقت جونا مارکیٹ کے علاقے کی طرف جا رہی تھی اور مجھے شبہ تھا کہ وہ آواز جیمز فریزر کی تھی۔

جیمز فریزر ایک غیر ملکی ریڈیو کا نمائندہ جو اُن دنوں میری نگرانی کرتا رہا تھا اور قرائن سے یہ بات پتا چلتی تھی کہ وہ مشتاق کا کارندہ تھا لیکن اِس وقت اُس نے مجھے جو اطلاع دی تھی وہ درست ہونے کی صورت میں مشتاق چنگیزی کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

اُس اطلاع کے مطابق چنگیزی اِس وقت جونا مارکیٹ کے علاقے کے ایک تھرڈ ریٹ چائے خانے میں موجود تھا۔ آخر کیوں؟ ایک اچھا خاصا پڑھا لکھا اور پیسے والا شخص اگر ایسے مشتبہ مقامات پر دیکھا جائے تو یہ کوئی نظر انداز کی جانے والی بات نہیں تھی۔

میں نے جونا مارکیٹ کا قصد اِس فیصلے کے ساتھ کیا تھا کہ اگر وہاں مشتاق چنگیزی موجود ہوا تو میں راست اقدام کروں گی۔ اب صورتِ حال ایسی نہیں تھی کہ محض نگرانی سے کام چلایا جاتا۔ میرے خیال کے مطابق شکیل کے باپ کفیل رضا کے اغوا میں مشتاق ہی کا ہاتھ تھا۔ کفیل رضا کے اغوا کی سازش عین اُس وقت تکمیل پذیر ہوئی تھی جب وہ مجھے شائستہ حبیب اور

رام لال کے ماضی سے متعلق کوئی اہم
جب میری کار راکسی سینما کے سا
کے قرب کا احساس ہوا اور میں نے فلا
جھٹک دیا۔ اب ضرورت اِس بات کی
حاضر دماغ رہوں۔ میں ایک ایسے علا
مجھ جیسی عورت کے وجود کو پوری شدت سے
طبقے اور جرائم پیشہ افراد کا ایک گڑھ ہے۔
عین ممکن تھا کہ وہاں کے راہ
چونک چونک کر میری کار کی طرف دیکھا ہو!
اِس طرح اُلجھی ہوئی تھی کہ میں نے کسی کی
اگر میں نور محل سینما کے سامنے کار
میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی نظریں فوراً مجھ پر
نہیں ہوتا اس لیے میں پیر سینما کے سا
منزل چند قدم کے فاصلے پر تھی۔
جب میں نے کار سے اُتر کر دروازہ
میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو میری طرف
اُن سب کو نظر انداز کرتی ہوئی اُس چائے خا
سے فلمی گانے کی آواز آ رہی تھی۔
چائے خانے کے سامنے ایک جیپ
آدمی اُس سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ اُن
دبی ہوئی تھیں جو یقیناً چرس کی تھیں۔ ہوا کے
نے اُن کی بُو میری ناک تک پہنچا دی تھی۔ اُن
وضع قطع سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جرائم
رکھتے ہیں۔ اُنھوں نے ایک مرتبہ چونک کر میر
معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے
میں چائے خانے کے قریب پہنچی تو وہا
رہا تھا، مجھے صاف سنائی دینے لگا۔ وہ مشہور جا
کی غزل تھی۔

راہِ طلب میں کون کسی کا، اپنے بھی بیگ
چاند سے مکھڑے، رشکِ غزالاں، سب جا
میں اگر عام حالات میں اُس وقت اِس جا
رکھتی تو شاید مجھے ہنسی آ جاتی اور اگر ابنِ صفی اِس
جاتے تو اپنا سر پیٹ لیتے کیونکہ اُن کی اِس غزل کا
پیش کر رہے تھے۔
میں نے اِس قسم کے چائے خانوں کے با
لیکن وہاں قدم رکھنے کا اتفاق مجھے پہلی مرتبہ ہوا

ل تبدیل کیا۔ وہاں بھی میز پر پھٹی ہوئی تھیں
ت بینچوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اِس فرنیچر پر جمی
ل کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہی تھا کہ وہ
ماؤں کا ثمر تھیں۔
و لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اُن میں سے بعض کے
"فورد" ہیجڑے بھی بیٹھے ہوئے تھے اور اُن
اُن کی گردن میں بانہیں ڈال رکھی تھیں۔
ی پر تھرکتے ہوئے دونوں ہیجڑوں میں سے
ورت تھا لیکن دوسرے پر دوسری نظر ڈالنا بھی مجھے

اں قدم رکھا تو ایسا لگا جیسے کسی جادوگر نے پھونک
پتھر کا بنا دیا ہو۔ مجھے دیکھ کر وہ سبھی دم بخود رہ گئے
رقص بند کر دیا تھا اور جن لوگوں نے اپنے ساتھی
ل میں بانہیں ڈال رکھی تھیں، وہ سیدھے ہو کر بیٹھ
اور باتوں کا سلسلہ یکلخت رُک گیا تھا اور اب اُس
چائے خانے میں صرف حبیب ولی محمد کی آواز

اِسی تنہائی ہے، کیسے کہیں کیسے سمجھائیں
لب و رخسار کی تہ میں روحوں کے ویرانے ہیں
جھجک کے بغیر اُس میز کی طرف بڑھتی چلی گئی جس
ایک کرسی پر مشتاق چنگیزی بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے
میں پتلون تھی اور وہ بھی یہاں کے ماحول میں
نظر آ رہا تھا لیکن میری بات اور تھی۔ ایک تو عورت
لوگوں کے خیال کے مطابق ابھی خاصی خوبصورت
نظر آتی ہوں۔ اِس کے علاوہ میری وضع قطع بھی
ل عورتوں جیسی نہیں تھی۔ میرا جسم قیمتی سِلک کی
س تھا اور بائیں ہاتھ کی کلائی ایک خوبصورت پرس
ہوئے تھی۔ یوں سمجھ لیں کہ پرس میں ایک بھرا ہوا
تھا۔
۔ مشتاق چنگیزی کے سامنے ایک کرسی خالی پڑی ہوئی
اطمینان سے اُس پر بیٹھ گئی۔
ب چائے خانے میں داخل ہوئی تھی، اُسی وقت مشتاق
ہ دیا تھا۔ اُس کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی اور جب
سامنے بیٹھی تو وہ بے حد مضطرب ہو چکا تھا۔
"مشتاق!" میں نے زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ
۔ "تم بالکل خیریت سے ہو گے؟"

راہِ طلب میں کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حبیب ولی محمد کی آواز جیسے اُس کے حلق میں اٹک گئی۔ دراصل جو شخص کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا ریکارڈ بجا رہا تھا، اُس نے ریکارڈ سے سوئی اُٹھا دی تھی اور اب چائے خانے میں ایسا سناٹا تھا کہ اگر کوئی سرگوشی بھی کرتا تو سنائی دے جاتی۔

میری بات کے جواب میں مشتاق چنگیزی کے ہونٹ متحرک تو ہوئے تھے مگر کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔

"خیریت!" میں ہنس پڑی۔ "کیا مجھے دیکھ کر تمھاری قوتِ گویائی سلب ہو گئی ہے؟"

"تم۔۔۔۔ تم۔۔۔۔" مشتاق چنگیزی کی آواز میں لرزش تھی۔

"ہاں ہاں، میں، بات پوری کرو۔"

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

"یہ سوال تو میں تم سے بھی کر سکتی ہوں۔"

"تم میرے پیچھے پڑ کر اپنی شامت کو دعوت دے رہی ہو بانو!"

"خوب!" میں نے بڑے تیکھے انداز میں کہا۔ "تو تم نے آخر اعتراف کر ہی لیا کہ تم میرے اصل نام سے واقف ہو۔"

مشتاق نے بڑی سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ اپنی اِس حماقت پر اُس نے خود کو دس بیس گالیاں تو دے ہی ڈالی ہوں گی۔

"خیر!" میں نے شانے جھٹک کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں کھل کر بات کر لینا چاہیے کیونکہ یہ وقت اِدھر اُدھر کی باتوں میں ضائع نہیں کیا جا سکتا۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ کفیل رضا کہاں ہے؟"

"کون کفیل رضا؟"

"ڈاکٹر شکیل کا باپ۔"

"کون ڈاکٹر شکیل!" مشتاق نے منہ بنا کر کہا۔ "پتا نہیں تم کن لوگوں کی باتیں کر رہی ہو!"

"سنو مشتاق!" میں نے بہت سنجیدہ ہو کر کہا۔ "دراصل ابھی تک تم پوری طرح نہیں جان سکے ہو کہ میں کیا ہوں۔ جو لوگ مجھے صرف عورت سمجھتے ہیں، وہ بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ میں تمھیں اِسی وقت، اِسی جگہ، ننگا کر کے تمھاری کھال اُتار سکتی ہوں اور اِس کے لیے مجھے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ کام میرے صرف اِن ہاتھوں سے ہو جائے گا جو بہت نرم و گداز نظر آتے ہیں۔"

"بانو! تم حد سے بڑھ رہی ہو!" مشتاق غرایا۔ وہ اچانک جیسے پوری طرح سنبھل گیا تھا۔ سنبھلنے سے پہلے اُس کی نظر ایک مرتبہ دروازے کی طرف گئی تھی۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ تین لمبے تڑنگے آدمی چائے خانے میں داخل ہو چکے تھے اور تینوں ہی کا حلیہ روایتی

غنڈوں جیسا تھا۔

میں ایسی بن گئی جیسے ان تینوں کی آمد سے قطعی بے خبر ہوں۔ میں نے مشتاق کو گھورتے ہوئے کہا۔ "ابھی میں حد سے نہیں بڑھی۔ جب بڑھوں گی تو اس جگہ تمھاری چیخوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دے گا۔"

چائے خانے میں بدستور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سب کی توجہ ہماری طرف تھی۔ وہ ہمہ تن گوش تھے اور غالباً یہ سمجھنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے کہ میری اور مشتاق کی گفتگو کا پس منظر کیا ہو سکتا ہے۔

"بانو!" مشتاق نے بڑے سخت لہجے میں کہا۔ "تمھیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ تم اس وقت کہاں ہو۔ یہ ایسی جگہ ہے جہاں سے لوگوں کی لاشیں بھی غائب ہو جاتی ہیں۔"

"اگر تمھاری لاش بھی غائب ہو گئی تو مجھے بڑا افسوس ہوگا۔" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا لیکن میں اس بات سے بے خبر نہیں تھی کہ وہ تینوں نووارد غنڈے میرے عقب میں پہنچ کر رک چکے ہیں۔ ان میں سے دو تو وہی تھے جنھیں میں نے چائے خانے کے باہر جیپ کے پاس کھڑے دیکھا تھا۔

"بانو!" مشتاق نے اکڑ کر کہا۔ "بہتر ہوگا کہ تم یہاں سے فوراً چلی جاؤ۔ میں تمھیں آخری وارننگ دے رہا ہوں۔"

"اس کے بعد آخری وارننگ کتنے بجے دو گے؟" میں نے پھر اس کا مذاق اڑایا لیکن میں ہر قسم کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔

مشتاق نے میرے عقب میں کھڑے ہوئے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ وہ مجھے سنبھالیں۔ اُدھر اُس نے اشارہ کیا اور اِدھر میرے دائیں ہاتھ نے بڑی سرعت سے حرکت کی۔ مشتاق کے دائیں گال پر ایسا زناٹے کا طمانچہ پڑا تھا کہ وہ اپنی کرسی سمیت گرتے گرتے بچا لیکن میں نے خود کو کرسی سمیت بائیں جانب گرا دیا۔ دراصل میرا خیال یہ تھا کہ عقب سے مجھے دبوچنے کی کوشش کی جائے گی۔ میرا یہ قیاس سو فیصد درست ثابت ہوا۔ اِدھر میں نے خود کو بائیں جانب گرایا اور اُدھر مجھے دبوچنے کی کوشش کرنے والا اپنے ہی زور میں میز پر اوندھا گرا۔ فوراً ہی میں نے اپنی دائیں ٹانگ کو حرکت دی۔ میز پر اوندھے گرنے والے کی پسلیوں پر ایک بھرپور لات پڑی اور وہ دائیں جانب بیٹھے ہوئے کئی آدمیوں کو گراتا ہوا خود بھی فرش نشیں ہو گیا۔

میں گری بھی تھی اور میں نے لات بھی رسید کی تھی اس لیے میری ساڑی اور پیٹی کوٹ اوپر سرک گئے تھے لیکن ایسے ہی موقعوں پر عریانی کے اندیشے کے تحت میں ایک چست قسم کا زیر جامہ ضرور پہنے رہتی ہوں۔

لات رسید کرنے کے فوراً بعد میں
میرے جسم میں اسپرنگ لگے ہوئے ہوں ا
ساڑی کے ڈھلکے ہوئے آنچل کو پیٹی ا
اس دھینگا مشتی میں میری ساڑی کھل
مجھے دبوچنے کی ناکام کوشش کرنے
ساتھی مجھ پر جھپٹے اور مجھے جوڈو کراٹے کے
مل گئے۔ یہ ہاتھ اتنے خوفناک ہوتے ہیں
مرغِ بسمل کی طرح تڑپ جاتا ہے۔ اُس مد
میں اُن دونوں کی چیخیں اس طرح گونجیں
اچانک بہت سے اسپیکر کھول دیے جائیں
ہاتھ کی ضربیں اُن میں سے ایک کے شا
پر پڑی تھیں۔
جس نے مجھے دبوچنے کی کوشش کی تھی
لپکا۔ میں نے اُس کی زد سے نکلنے کے لیے تیز
اور پھر اچانک میں نے خود کو مشتاق چنگیزی کے
میرے جسم میں غصّے کی مشعل جل اُٹھی۔ یہی شخص
میری دانست میں شکیل کی موت بھی اسی کا
محبوب کے محبوب کا قاتل تھا۔ یہ ثابت ہو جا
اُسے بہت ہی خوفناک سزا دیتی لیکن فی الحال
سینے پر دو ہتھڑ ضرور رسید کر ہی دیا۔
وہ بوکھلایا ہوا سا کھڑا تھا۔ میرے دونوں ا
کھا کر وہ کرسی سمیت دیوار سے جا ٹکرایا۔
چائے خانے میں افراتفری مچ گئی تھی۔ شا
نے کسی عورت کو لڑتے ہوئے دیکھا ہو۔ کوئی بھی
جس کے چہرے پر حیرت منجمد نہ ہو گئی ہو۔
میں نے جس کے شانے پر کراٹے کا ہاتھ ما
خوفناک ارادے سے میری طرف بڑھا۔ اُس نے ا
کوک کی بوتل اُٹھا کر توڑ ڈالی تھی اور اب اُس ٹو
گردن کی طرف سے پکڑے ہوئے میری طرف بڑھ
کی آنکھیں ایسی ہو رہی تھیں جیسے اُن میں خون ا
ٹوٹی ہوئی بوتل کے نوکیلے حصّوں کو میرے سینے
کر دینا چاہتا تھا اور اِدھر میں اُس کے حملے کو نا
کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ مجھے اتنی مہلت نہیں
کہ میں اپنے پرس سے پستول نکال لوں اس لیے
کے بغیر ہی اس صورتِ حال سے نمٹنا تھا۔
جب وہ مجھ سے تین چار فٹ کے فاصلے پر رہ گیا تو

اُس کی ٹانگوں میں اس طرح سلیپ ماری کہ
ا۔ اس کے دوسرے ساتھی نے مجھ پر جست
دو گردنیں سے کر تیسرے غنڈے کی ٹانگوں
س کی ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لیں۔ وہ چیت گرا
مت لگائی تھی، وہ پختہ فرش پر اوندھا گرا تو اُس
لمہ سنی ہو گی۔
قت چائے خانے کے باہر کوئی چیخا۔ "پولیس!"
ے بوکھلا کر اُٹھے۔ وہ خاصے سخت جان تھے ورنہ
نہ پاتے۔ ان تینوں کے علاوہ مشتاق چنگیزی
بھراہٹ سے ترشح تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
نکلنا چاہتے ہوں۔
ی مہلت مل گئی تھی کہ میں اپنے پرس میں سے پستول
میں فرار ہونے سے روکنا چاہتی تھی اور یہ کوئی مشکل
ہاں اچانک تاریکی نہ چھا جاتی۔ غالباً کسی نے فیوز
ضرور اُڑا دیا تھا۔
بڑی تیزی سے ایک کونے میں سمٹ لیا کیونکہ
بچ گئی تھی۔ اگر میں ایک طرف نہ ہو جاتی تو
ال رہتی۔
ہیں اُلٹ رہی تھیں۔ چائے کی پیالیوں اور
کے چھناکے سنائی دے رہے تھے۔ دو چار آدمی
چیخ رہے تھے اور اُن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں
ل تکڑیں نہ ہو۔ وہ کم از کم چرس نوشی کے جرم
سکتے تھے۔
نے کے باہر پولیس جیپ کے رُکنے کی آواز سنائی دی۔
میرے لیے غیر متوقع نہیں تھی۔ کفیل رضا کے گھر
سارا پروگرام طے ہو گیا تھا۔ پولیس کو صرف اسی صورت
ونا تھی جب کوئی ہنگامہ ہو جاتا۔ پروگرام کے
لس جیپ کو کمار سینما کے قریب کھڑا ہونا تھا
لباس والے کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ چائے خانے
ں کی نگرانی کرے۔ ہنگامہ ہوتے ہی اُس نے
پ کو اطلاع دے دی ہو گی چنانچہ وہ برق رفتاری سے

! خبردار!" پولیس والوں کے چیخنے کی آوازیں

پولیس والے اس بھگدڑ پر قابو نہیں پا سکتے تھے۔
میں کہہ سکتی تھی کہ میرے مطلوبہ آدمی بھی گرفتار

ہو سکیں گے یا نہیں!

پولیس والوں نے ٹارچیں جلا لی تھیں۔ انھیں اس افراتفری پر قابو پانے میں کچھ وقت لگا اور اتنی دیر میں خاصے آدمی فرار ہو چکے تھے۔ صرف گیارہ آدمیوں کو گرفتار کیا جا سکا۔

میں اب اطمینان سے ایک بینچ پر بیٹھ گئی تھی، ریوالور اپنے پرس میں رکھ لیا تھا اور ساڑی بھی ٹھیک کر لی تھی۔

جب فیوز جوڑ کر وہاں روشنی کی گئی تو میں نے گرفتار شدگان پر نظر ڈالی۔ اُن میں مشتاق چنگیزی نہیں تھا۔ وہ تین غنڈے جو مجھ پر حملہ آور ہوئے تھے، اُن میں سے بھی ایک غائب تھا اور یہ باقی دونوں غنڈے وہی تھے جنھیں میں نے چائے خانے میں داخل ہوتے وقت ایک جیپ کے قریب کھڑا ہوا دیکھا تھا۔

پولیس آفیسر تیزی سے میری طرف آیا اور بولا۔ "میں نے آپ کے کہنے سے عجلت میں یہ قدم اُٹھا تو لیا لیکن اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ان لوگوں پر کیا چارج لگاؤں۔ آپ کو یقین ہے کہ انھی لوگوں نے مسٹر کفیل رضا کو اغوا کیا ہے؟"

"مجھے سو فیصد یقین ہے مگر ایک گڑبڑ ہو چکی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"دو اہم آدمی فرار ہونے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ جن لوگوں کو آپ نے پکڑا ہے، اُن میں سے صرف دو آدمی ہمارے کام کے ہیں۔" میں نے اشارے سے اُن دونوں آدمیوں کے بارے میں بتایا اور پھر کہا۔ "باقی لوگوں کو آپ چھوڑ دیں۔"

"اور ان دونوں پر کیا چارج لگاؤں؟"

"نقصِ امن کا چارج تو بہرحال لگایا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں کو آپ رہا کریں گے، اُن میں سے کئی آدمیوں کو آپ اس بات کا گواہ بننے پر آمادہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں نے یہاں ہنگامہ برپا کیا تھا۔"

"اور کفیل رضا کا معاملہ؟"

"اب یہ کام آپ کا ہے کہ ان دونوں کو زبان کھولنے پر مجبور کر دیں۔"

"آپ کو یقین کیوں ہے کہ اس اغوا میں ان دونوں کا ہاتھ ہے؟"

"مجھے فون پر کسی نے یہی بتایا تھا۔ افسوس تو اُس آدمی کے فرار ہو جانے کا ہے جس سے میں نے یہاں آ کر بات کی تھی۔ مجھے فون پر اُسی کا حلیہ بتایا گیا تھا۔ جب میں نے اُس سے گفتگو کی تو وہ بھڑک گیا۔ اُسی کے اشارے پر ان لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ مجھ پر حملہ ہی اس بات کی دلیل ہے کہ میں صحیح آدمی تک پہنچی تھی۔"

پولیس آفیسر چند لمحے کچھ سوچتا رہا، اور پھر بولا۔ "اچھا فی الحال تو میں

اِن دونوں کو لے جاتا ہوں لیکن بہتر ہوگا کہ آپ اِن کے خلاف یہ ایف آئی آر تو کٹوا ہی دیں کہ اِنھوں نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اگر اغوا سے اِن کا تعلق ثابت نہ ہوا تو بھی آپ کی ایف آئی آر اِن کی گرفتاری کا ایک مضبوط جواز بن جائے گی۔"

"مضبوط جواز تو یہ بھی ہے کہ اِن لوگوں نے چرس کے نشے میں یہاں مار دھاڑ کی۔ اپنی جان بچانے کے لیے اِس چائے خانے کا مالک بھی دونوں کے خلاف گواہی دینے پر مجبور ہوجائے گا۔ آفیسر! دراصل مَیں اِس معاملے میں ملوّث ہونے سے گریز چاہتی ہوں میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں گی اگر آپ مجھ سے تعاون کریں۔ مَیں تو اغوا کنندگان کو گرفتار کرانے کے بعد بھی اپنا نام پردے میں رکھنا چاہوں گی اور مجھے یقین ہے کہ اِن لوگوں کو گرفتار کرانے میں مجھے زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔ میں نے اُن دونوں مفروروں کو پہچان لیا ہے اور بہت جلد اُنھیں ڈھونڈ نکالوں گی، پھر اُنھیں گرفتار کرنا آپ کا کام ہوگا۔ مَیں تو آخر تک پسِ پردہ ہی رہنا چاہتی ہوں۔"

پولیس آفیسر کچھ سوچ کر مجھ سے تعاون کرنے پر پوری طرح آمادہ ہوگیا اور مَیں اُسے رسمی کارروائی پوری کرتے ہوئے چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہوگئی۔

اب مجھے یہ دیکھنا تھا کہ مشتاق چنگیزی نے اپنے گھر کا رُخ کیا ہے یا نہیں؟ ایک امکان یہ بھی تھا کہ اِس ہنگامہ آرائی کے بعد وہ بوکھلا کر روپوش ہوجاتا۔

لیکن اِس بات کو چیک کرنے سے پہلے میں اپنے گھر کا رُخ کرنا چاہتی تھی۔ مشتاق چنگیزی کے غنڈوں سے مقابلہ کرتے ہوئے میری ساڑھی پر خاصے دھبے آگئے تھے اور میں مشتاق چنگیزی کے گھر جانے سے پہلے اُسے تبدیل کرلینا چاہتی تھی۔

جب میں گھر پہنچی تو ملازمہ نے بتایا کہ بمشکل ایک منٹ پہلے کسی کا فون آیا تھا لیکن میری عدم موجودگی کا علم ہونے کے بعد، فون کرنے والے نے اپنا نام بتائے بغیر ڈِس کنکٹ کردیا تھا۔

کپڑے تبدیل کرتے ہوئے میرا ذہن اِس سوال میں اُلجھا رہا کہ فون کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ کیا جیمز فریزر؟

اُس شخص نے اب میرے ذہن کو بہت بُری طرح اُلجھا دیا تھا۔ میں تو اُسے مشتاق چنگیزی کا ساتھی سمجھتی رہی تھی لیکن آج کا واقعہ کچھ اور ہی ثابت کررہا تھا۔ اُس نے مجھے مشتاق چنگیزی کے بارے میں بالکل درست اطلاع دی تھی اور اِس میں بھی کوئی شبہہ نہیں کہ وہاں میرے لیے پہلے سے کوئی جال نہیں بچھایا گیا تھا۔

کپڑے تبدیل کرکے میں مشتاق چنگیزی کے گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔ اب رات خاصی گزر چکی تھی اور سڑکوں پر برائے نام ٹریفک رہ گیا

تھا۔

کار کی آواز سُن کر مشتاق چنگیزی کا ایک ملا
نکل آیا اور میں نے اُس سے پوچھا "کیا مشتاق صا

"جی ہاں۔"

یہ جواب ایسا تھا کہ مجھے جھٹکا سا لگا اور میرا
بولی "آگئے؟" مجھے جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں
"جی ہاں، میں اُنھیں آپ کی آمد سے آگاہ کرا
بیڈروم میں ہیں۔ آپ ڈرائنگ رُوم میں تشریف رکھیے
مَیں استعجاب کے عالم میں آگے بڑھی۔ ملازم
میں بٹھا کر چلا گیا اور میں سوچتی رہ گئی کہ مشتاق چنگیزی
اپنے گھر واپس آکر بڑی دیدہ دلیری کا ثبوت دیا ہے۔
مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مشتاق چنگیزی
لباس پر گاؤن پہنے، ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔
"خوش آمدید بانو!" اُس کی مسکراہٹ طنزیہ تھی
"خوب!" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا "تو اب
گفتگو کرسکتے ہیں! کیوں؟"
"جیسا آپ مناسب سمجھیں!" مشتاق نے انتہا
اطمینان سے میرے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گیا میں
اِتنا بُرا اعتماد نہیں دیکھا تھا۔
مَیں چند لمحے اُس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی اور
کہاں ہے؟"
"جہاں اُس کی رضا ہوگی وہیں ہوگا۔" مشتاق
پھر اِس طرح قہقہہ لگایا جیسے اپنے فقرے سے بہت لطف
"فی الحال تو وہ جہاں بھی ہے، تمھاری رضا کے
نے اُسے گھورتے ہوئے کہا "لیکن تمھاری یہ رضا تمھا
سکتی ہے۔"
"خوب!" مشتاق مسکرایا "غالباً آپ نے کوئی فقرہ کہا
مجھے اُس کے اِس تمسخرانہ انداز پر غصہ آسکتا تھا لیکن
کو قابو میں رکھا۔ ضرورت اِس امر کی تھی کہ میں ٹھنڈے دل
ساتھ گفتگو کرکے مشتاق کے مُنہ سے کوئی ایسی بات اُگلوا
میری رہنمائی کرسکے۔
"میں نے کوئی فقرہ نہیں کہا" میں مسکرائی "نقرت
تم پولیس کرتی، اگر تم چائے خانے سے بھاگ نہ لیتے
"چائے خانے سے بھاگ نہ لیا ہوتا؟" مشتاق
متحیرانہ انداز میں کہا "آپ کہاں کی باتیں کررہی ہیں؟
کا چائے خانہ اور کیسا بھاگنا؟ میں تو آج سارا دن اپنے گھر

کے گواہ ہیں۔"
ے میں موجود لوگ بھی اِس بات کی گواہی دیں گے
تھے۔"
چنگیزی نے زور دے کر کہا "یعنی آپ نے مجھے
کے لیے کرائے کے کچھ گواہ بھی جمع کرلیے ہیں!
دکھا دی گئی ہوگی تاکہ وہ مجھے شناخت کرسکیں۔
سوا جانے آپ کو آخر مجھ سے کیا دشمنی ہوگئی ہے۔
ے اپنی کار پر گولیاں چلوائیں اور پھر اُس سے
نے آپ پر وہ قاتلانہ حملہ میری ایما پر کیا تھا، پھر اب
ہے لیکن میں اِن حرکتوں سے خوفزدہ نہیں ہوسکتا
ل سکتی ہے کیونکہ میں ضمانت نامۂ قبل از گرفتاری

تم بہت زیادہ مطمئن نظر آرہے ہو!" میں نے ایک
ما "لیکن اِس بات کو یاد رکھو مسٹر چنگیزی کہ صبیحہ بانو
پہل بھول نہیں سکا۔"
ے فکر نہیں لی ہے۔ آپ خود ہی مجھ سے آٹکرائی
میں نہیں سمجھ سکا ہوں کہ اِس کا سبب کیا ہے؟"
وہی ہے جسے چھپانے کے لیے تم نے کفیل رضا

کو اغوا نہیں کروایا۔ عدالت میں اِس قسم کے بے بنیاد
آپ کے لیے بہت مشکل ہوگا۔"
صاحب ہو مشتاق چنگیزی!" میں نے اُسے گھورتے
ناصبوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔"
کا خوشگوار موڈ یکلخت بدل گیا اور اُس کی پیشانی
سرد لہجے میں بولا "یہ مَیں ایک نیا الزام سُن

رام لال کی ہر چیز پر قبضہ کر رکھا ہے۔"
مشتاق چنگیزی غرّایا "رام لال نے از خود یہ سب کچھ
ہے۔"
تم نے اُس پر کیا دباؤ ڈالا تھا؟"
اُس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔" مشتاق چنگیزی بڑبڑاتا ہوا
میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اِس موضوع پر مجھ سے
کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر رام لال کو مجھ سے کوئی شکایت
اپنے ہمدردوں کو سب کچھ بتا دیتا۔"

جاسکتی ہیں۔" مشتاق چنگیزی نے میری بات کاٹتے ہوئے

کہا اور اندرونی دروازے کی طرف مُڑ گیا۔

یہ دوسرا موقع تھا کہ میں نے رام لال کے ذکر پر مشتاق چنگیزی کو مشتعل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اب مجھے اِس میں کوئی شبہہ نہیں رہا تھا کہ مشتاق چنگیزی کو رام لال سے شدید نفرت ہے۔

مگر کیوں؟

یہ ایک اہم سوال تھا۔ مشتاق چنگیزی کو تو رام لال سے نفرت ہونا ہی نہیں چاہیے تھی کیونکہ اُس کے پاس جو کچھ بھی تھا، وہ رام لال ہی کا دیا ہوا تھا۔

مَیں ڈرائنگ رُوم میں بیٹھی یہ سب کچھ سوچتی رہ گئی اور مشتاق چنگیزی اندرونی دروازے سے دوسری طرف چلا گیا۔ اُس نے میرے رخصت ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔

دفعتہً ایک تیز چیخ کی آواز بنگلے میں گونج اُٹھی۔ وہ سَو فیصد مردانہ چیخ تھی، اور پھر وحشیانہ سا قہقہہ سنائی دیا تھا۔

میں صوفے سے اچھل پڑی۔

وحشیانہ انداز میں قہقہے لگاتے ہوئے کوئی شخص چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا "مل گیا، مل گیا، مجھے راستہ مل گیا!"

وہ آواز، وہ چیخ اور وہ قہقہے کسی ایسے ہی شخص کے ہوسکتے تھے جو پچاس پچپن سال کی عمر کا ہو۔

میں اپنے تجسس کو دبا نہ سکی اور بے تحاشا اندرونی دروازے کی طرف جھپٹی۔

لیکن مَیں دروازے کو عبور نہیں کرسکی۔ مشتاق چنگیزی اچانک دروازے میں آکھڑا ہوا تھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر میری راہ روک لی تھی۔ وہ مجھے گھورتا ہوا بڑے غصے سے بولا "میں کہتا ہوں، تم یہاں سے فوراً چلی جاؤ!"

وہ وحشیانہ آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی "مل گیا، مجھے راستہ مل گیا!"

"یہ کون چیخ رہا ہے؟" میں نے مشتاق کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم اپنی حدود سے تجاوز ہی کرتی چلی جارہی ہو صبیحہ بانو! تمھیں میرے گھریلو معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

میں نے اُس کی بکواس پر دھیان نہیں دیا۔ میرا ذہن اب بھی اُسی وحشیانہ آواز کی طرف لگا ہوا تھا اور میں اندازہ لگانے کی کوشش کررہی تھی کہ وہ آواز کفیل رضا کی تو نہیں ہے؟

نہیں! وہ کفیل رضا کی آواز نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ کوئی اور ہی تھا جو اَب چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا "مجھے چھوڑ دو۔ مَیں اب اِس تہ خانے میں نہیں جاؤں گا۔ چھوڑ دو مجھے!"

شاید اُس آدمی کو کسی نے پکڑ لیا تھا۔ مَیں اُس نامعلوم شخص کو

دیکھنے کے لیے اِتنی بے چین ہوگئی تھی کہ میں نے ہر احتیاط کو گویا بالائے طاق رکھ دیا اور مشتاق چنگیزی کو بڑی زور سے دھکا دے کر اندر گھستی چلی گئی۔ مشتاق چنگیزی گرتے گرتے بڑی مشکل سے سنبھلا تھا۔ میں آواز کی سمت دوڑتی چلی گئی۔ مشتاق میرے پیچھے لپکا۔ ساتھ ہی وہ چیخا۔ "تم اچھا نہیں کر رہی ہو بانو! مَیں پولیس میں تمھارے خلاف رپورٹ کروں گا۔"

اگر وہ پولیس کی بجائے سربراہِ مملکت کی دھمکی دیتا تو بھی میں اُس وقت نہ رُکتی۔ مَیں ہر قیمت پر اُس نامعلوم شخص کو دیکھنا چاہتی تھی جسے مشتاق چنگیزی نے غالباً کسی تہ خانے میں قید کر رکھا تھا۔

بنگلے کی وسعت زیادہ نہیں تھی اِس لیے میں جلد ہی اُس کمرے میں پہنچ گئی جہاں ایک دُبلا پتلا بوڑھا مشتاق چنگیزی کے گھریلو ملازمین سے نبرد آزما تھا۔ تینوں ملازمین اُسے بُری طرح جکڑے ہوئے تھے اور اُسے گھسیٹ کر وہاں سے لے جانا چاہتے تھے لیکن اُس دُبلے پتلے بوڑھے میں اِس بَلا کی طاقت تھی کہ تینوں ملازم پسینے پسینے ہو چکے تھے۔

"میں اب وہاں نہیں جاؤں گا۔" بوڑھا چیخ رہا تھا۔ "میں اب..."

وہ یکلخت خاموش ہوگیا اور مجھے گھورنے لگا۔ تینوں ملازمین بھی مجھے دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئے تھے۔

میرے پیچھے پیچھے مشتاق چنگیزی بھی کمرے میں داخل ہوا۔ میں اب پوری طرح چوکنا تھی کہ اگر مشتاق مجھ پر حملہ کرے تو میں اپنا دفاع کرسکوں۔

لیکن مشتاق نے مجھے گھورتے ہوئے صرف اِتنا کہا۔ "میں تم سے قانونی طور پر نمٹوں گا صبیحہ بانو!" اور پھر وہ بوڑھے کی طرف بڑھ گیا۔ اُس نے ملازمین سے کہا۔ "اِنھیں چھوڑ دو!"

ملازمین نے بوڑھے کو چھوڑ دیا۔ بوڑھے نے اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہیں کی۔ وہ بس مجھے گھورے جا رہا تھا اور مجھے اُس کی آنکھوں میں ویسی ہی وحشت نظر آ رہی تھی جیسی کسی پاگل کی آنکھوں میں دکھائی دیتی ہے۔

"آپ باہر کیوں آ گئے انکل!" مشتاق چنگیزی نے بوڑھے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑی نرمی سے کہا۔

"بیوقوف!" بوڑھے نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "آخر چوزہ بھی تو انڈے سے باہر آ جاتا ہے۔"

"لیکن آپ کو راستہ کیسے ملا؟"

"جیسے چوزے کو مل جاتا ہے۔" بوڑھے نے کہا اور پھر وہ ستم ظریف میری طرف ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "یہ چوزی کون ہے؟"

"یہ کوئی نہیں ہے۔ بس آپ اپنی خوابگاہ میں چلیے!"

"خوابگاہ!" بوڑھے نے پیر پٹخ کر کہا۔ "... کوئی کھڑکی ہے، نہ روشندان، نہ..."

"لیکن ڈاکٹر نے یہی تو کہا تھا کہ آپ کو ... جائے۔ آپ بھول گئے کہ کھُلی فضا آپ کی ... ثابت ہوسکتی ہے۔"

"ارے ہاں! یہ تو میں واقعی بھول گیا تھا..."

"بس تو پھر اب چلیے وہیں!"

"چلو!" بوڑھا کچھ خوفزدہ ہوگیا۔ "یہاں کی ... پہنچا رہی ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے ... گا رہی ہو۔ سرود تا کہاں بھول پائے۔"

مشتاق نے بوڑھے کے شانوں پر ہاتھ ... دروازے کی طرف لے جانے لگا۔ پاگل بوڑھے کو ... کرلیا تھا۔ دروازے سے گزرتے وقت اُس ... سے کہا۔ "اِنھیں برآمدے تک چھوڑ آؤ!" اُس ... طرف تھا۔

میں خود ہی باہر جانے کے لیے مُڑ گئی۔ ... ملازمین کے قدموں کی آہٹ سُنائی دے رہی تھی ... طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا تھا۔ مَیں اُس ... میں سوچ رہی تھی جسے مشتاق چنگیزی نے انکل ... آج ہی میرے علم میں یہ بات بھی آئی تھی کہ اِس ... بھی موجود ہے۔ اب یہ بات دریافت طلب تھی ... نے بنوایا تھا یا وہ اِس بنگلے میں پہلے ہی سے موجود تھا ... سنگیتا سے معلوم ہوسکتی تھی کیونکہ پہلے تو اِس بنگلے ... سنگیتا ہی رہتے تھے۔

لیکن بوڑھے کے بارے میں مجھے کون بتاتا؟

مَیں نے برآمدے میں رُک کر ملازمین کی طرف ... "پاگل بوڑھا تمھارے مالک کا چچا ہے؟"

"ہاں۔" ایک ملازم نے جواب دیا۔ "صاحب کو ... کہ اپنے چچا کو پاگل خانے میں داخل کرائیں اِس لیے ... پر رکھ کر اُن کا علاج کرا رہے ہیں۔"

"کس ڈاکٹر سے؟" مَیں نے پوچھا۔

جواب میں اُس نے دماغی امراض کے ایک ماہر ... نے وہ نام ایک آدھ بار سنا تھا۔

"یہ کب سے زیرِ علاج ہیں؟" میں نے پوچھا۔

ملازم کچھ جواب دینے ہی والا تھا کہ اُس کے ساتھی ... ٹھوکا دے کر چُپ کر دیا اور پھر مجھ سے بولا۔ "آپ یہ سا..."

... کو۔"

... نمایاں قسم کا تھا۔ میں نے اُس پر ایک گہری ... دوسری طرف دیکھنے لگا۔ میں برآمدے سے ... طرف بڑھ گئی۔

... میں اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی تو میرے ... کی تعداد بڑھ چکی تھی۔ یہ اضافہ اُس پاگل بوڑھے ... مشتاق چنگیزی کے بیان کے مطابق اُس کا "انکل" ... طلب تھی کہ واقعی کوئی ڈاکٹر اِس پاگل بوڑھے ... چنگیزی نے کسی وجہ سے اِس بیچارے بوڑھے ... کر رکھا تھا۔

... یہی تھی کہ اِن تفتیش طلب نکات کو دوسرے ... کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ میں اِس ... جا سکتی تھی اور نہ اُس ڈاکٹر کے گھر جس کا نام ... نے بتایا تھا۔ سنگیتا سے مجھے یہ بات معلوم ... تہ خانہ پہلے سے تھا؟

... علاوہ مجھے اگلے دن اور بھی کئی باتیں دیکھنا ... کفیل کو ہلاک کرنے والے اصل ٹرک کے ڈرائیور ... مجھے جس ٹرک کا نمبر بتا چکی تھی اُس کا پتا چلانا ... کام نہ سہی مگر اِس میں کچھ وقت تو بہرحال لگتا۔

... ہوئی جب میں گھر پہنچی تو ملازمہ نے بتایا ... وہ گمنام فون کال دُو مرتبہ پھر آئی تھی اور پہلے ... فون کرنے والے نے اپنا نام بتائے بغیر ...

... پر بیٹھی اُس پُراسرار شخص کے بارے میں ... نے کیوں مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بہت ... شاید یہ وہی ہو، جیمز فریزر! خیر، دیکھا جائے ... بات کہنے کے لیے بے چین ہے تو فون ...

... اُن غنڈوں کا خیال آیا جنھیں سُپر سینما کے قریب گرفتار کیا گیا تھا۔ میں جاننا چاہتی تھی کہ پولیس کو ... حاصل ہوسکیں یا نہیں؟

... پولیس آفیسر کو فون کیا جو کفیل رضا کے اغوا کی تحقیقات ... رابطہ قائم ہونے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی ... تو وہ جلدی سے بولا۔ "مجھے یقین تھا کہ آپ کا ..."

"... نے کچھ اُگلا؟"

"دراصل اُنھیں اِس سلسلے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں، تاہم اُنھیں جتنا معلوم تھا، وہ میں معلوم کر چکا ہوں۔"

"یعنی؟"

"وہ دونوں اِس بات سے تو باخبر ہیں کہ آج رات ایک شخص کو اغوا کیا گیا ہے لیکن وہ اغوا ہونے والے کے نام سے بے خبر ہیں، ہرچند کہ اغوا کرنے والے وہی تھے۔"

"کیا بات ہوئی؟"

"جوشی نے اُنھیں یہ نہیں بتایا تھا کہ جسے اغوا کیا جانا ہے، وہ کون ہے؟"

"یہ جوشی کون ہے؟"

"بغدادی کے علاقے کا ایک بدنام شخص ہے۔ بلیک لسٹڈ ہے اور دُو مرتبہ کا سزا یافتہ ہے۔" پولیس آفیسر نے بتایا۔ "اُسی نے اُن کو کفیل رضا کے اغوا میں اپنا معاون بنایا تھا اور معاوضے میں پانچ ... تھیں مگر اُن دونوں نے یہ ضرور بتایا ہے کہ ہنگامے کے وقت چائے خانے میں وہ شخص بھی موجود تھا اور آپ اُسی کے پاس جا کر بیٹھی تھیں۔ آخر وہ کون تھا؟"

"مجھے ٹیلیفون پر اُسی کا حلیہ بتایا گیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ پولیس آفیسر، مشتاق کے بارے میں کوئی سوال ... پانچ سَو روپے دیے تھے۔ یہ دونوں اُس آدمی کے نام سے بے خبر ہیں جس نے کفیل ... کرانے کے لیے جوشی کی خدمات حاصل کی ... کر بیٹھے لہٰذا میں خود ہی اُس سے ایک بات پوچھ بیٹھی۔ "آپ نے اُن دونوں سے یہ بھی پوچھا کہ وہ شخص اُس چائے خانے میں کیوں بیٹھا ہوا تھا؟"

"میں نے اِس بارے میں پوچھا تھا۔ اُن دونوں نے بتایا کہ وہ وہاں جوشی ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ دراصل اغوا کے آپریشن میں اِس شخص نے خود شرکت نہیں کی تھی اور طے یہ پایا تھا کہ جوشی سے وہ اُس چائے خانے میں ملاقات کرے گا اور وہیں سے جوشی اُسے اُس جگہ لے جائے گا جہاں کفیل رضا کو مقید کیا گیا ہے۔ اُس شخص نے یہی طے کیا تھا کہ قید خانے کا مسئلہ بھی خود جوشی ہی کو حل کرنا ہے۔ اغوا میں صرف یہی دونوں آدمی جوشی کے ساتھ تھے۔ اُنھوں نے ایک جیپ استعمال کی تھی جس میں کفیل رضا بیہوش پڑا ہوا تھا۔ جوشی نے سُپر سینما کے قریب اُن دونوں کو اپنی جیپ سے اُتار دیا تھا اور اُن سے کہہ گیا تھا کہ وہ اُسی چائے خانے میں اُس کا انتظار کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن دونوں کو اُس جگہ کا علم نہیں جہاں کفیل رضا کو قید کیا گیا ہے۔"

"پھر اب آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"میں جوشی کے گھر پر چھاپہ مارنے کے لیے اسکواڈ ترتیب دے

رہی ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ جوشی نے یہ حماقت نہیں کی ہوگی۔"

"کیسی حماقت؟"

"اُس نے کفیل رضا کو اپنے گھر پر نہیں رکھا ہوگا اور اگر رکھا بھی ہوگا تو اِس ہنگامے کے بعد اُسے فوری طور پر کہیں اور منتقل کر دیا ہوگا۔"

پولیس آفیسر ایک دو لمحے چُپ رہ کر بولا۔ "ہاں ایسا ممکن تو ہے لیکن جوشی کی تلاش میں ریڈ تو کرنا ہی ہے!"

"وِش یو گڈ لک!" میں نے اچانک یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

دراصل میں نہیں چاہتی تھی کہ پولیس آفیسر مجھ سے سوالات شروع کر دے۔ میں اُسے اپنی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی جبکہ اُس بیچارے نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ اصولاً یہ بات غلط سُن کر مجھ سے مرعوب ہو چکا ہو۔

سلسلہ منقطع کرنے کے بعد میں شب خوابی کا لباس پہننے کے ارادے سے اُٹھی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اُٹھانے سے قبل اُسے گھور کر دیکھا۔ دراصل مجھے شبہ تھا کہ یہ اُسی شخص کا فون ہوگا جو میری عدم موجودگی میں کئی مرتبہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر چکا تھا۔ ... تھی کہ ایک پولیس آفیسر کسی غیر سرکاری شخصیت کو کچھ بتائے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے محکمے کے آدمیوں سے میرے بارے میں سُن چکا تھا۔

بہرحال میں نے ریسیور اُٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بولی۔ "بانو اسپیکنگ۔"

"خدا کا شکر کہ آپ مل گئیں!" مجھے وہی آواز سنائی دی جس نے مجھے مشتاق چنگیزی کے بارے میں اطلاع دی تھی۔

"تو یہ تم ہو!" میں نے کہا۔ "کیا اِس سے پہلے بھی رِنگ کر چکے ہو؟"

"تین مرتبہ۔"

"اب کیا اطلاع دینا ہے؟"

"اگر آپ اُسی جگہ مشتاق چنگیزی کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاتیں تو سارا مسئلہ ختم ہو جاتا۔ وہاں سے نہ صرف مشتاق بھاگا بلکہ وہ شخص بھی جس نے کفیل رضا کو اغوا کیا تھا۔"

"لیکن وہ شخص پولیس کی دسترس سے نہیں نکل سکے گا۔"

"کیا اُس کے گرفتار شدہ ساتھیوں نے اُس کے بارے میں بتا دیا ہے؟"

"ہاں۔"

"لیکن وہ یہ نہیں بتا سکے ہوں گے کہ جوشی نے کفیل رضا کو کہاں قید کیا ہے!"

"تم شاید اِس بات سے بھی واقف ہو گے!"

"شاید نہیں یقیناً واقف ہوں۔"

"اور اب تم مجھے اُس جگہ بلا نا ...
کیا گیا ہے تا کہ میں اُسے آزاد کرا سکوں۔"

"جب میں نے آپ کو پہلی مرتبہ رِنگ ...
کیا تھا لیکن آپ گھر پر موجود ہی نہیں تھیں ...

"اچھا تو اب تم نے کس ارادے ...
کو غیر ضروری طور پر طول دے رہی تھی اور اُس ...
شخص کی آواز پر زیادہ سے زیادہ غور کر سکوں ...

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اب ...
ہاسپٹل کا نام بتانا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"اِس لیے کہ اب کفیل رضا اُسی ہاسپٹل ...
ہی اُسے وہاں سے آزاد کرا لیا ہے جہاں ...
مجھے بیہوشی کی حالت میں ملا تھا۔ چنانچہ میں ...
کہ وہ ہاسپٹل پہنچ جائے۔"

"خوب!" میرے مُنہ سے نکلا۔

دوسری طرف سے مجھے اُس ہاسپٹل کا ...
اچانک میں نے کہا۔ "تم اپنی آواز بگاڑ کر ...
جیمز فریزر!"

یکلخت دوسری طرف سناٹا چھا گیا ...
اداکاری پر میں زیرِ لب مسکرا دی۔

"ہیلو!" میں نے قدرے توقف سے ...

"ایسا معلوم ہوتا ہے... بانو... کہ آپ کسی ...
ہیں۔" دوسری طرف سے بھرائی ہوئی آواز میں ...
جیمز فریزر نہیں ہے۔"

"پھر کیا ہے؟"

"یہ میں فی الحال نہیں بتا سکتا۔"

"فی الحال کی کوئی مدت؟"

"ابھی یہ بتانا بھی مشکل ہے۔"

"جہنم میں جاؤ!" میں نے کہا اور سلسلہ منقطع ...
کا نمبر ڈائل کرنے لگی جس کا نام مجھے بتایا گیا تھا ...
ایک شناسا ڈاکٹر بھی تھا۔ میں نے آپریٹر سے کہا کہ ...
کے فون سے ملا دے۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ ڈا ...
ہوتا لیکن خوش قسمتی سے وہ مل ہی گیا۔

"ڈاکٹر انور! میں بانو بول رہی ہوں۔"

"اوہ! خیریت تو ہے؟"

"میں نے آپ کو ڈاکٹر شکیل کی آخری رسوم ...

... شکیل کے جنازے میں شرکت کی تھی۔ میں ...
... تھا لیکن اِتنی رات گئے آپ کے فون کرنے ...
... بات سے کیا تعلق ہے؟"
... چاہتی تھی کہ آپ نے ڈاکٹر شکیل کے والد ...

... شکیل کے جنازے ہی میں دیکھا تھا۔"
... بات سُنیے! ابھی کچھ دیر قبل ایک شخص کو بیہوشی ...
... ہاسپٹل میں داخل کرایا گیا ہے اور مجھے کسی نے ...
... بتایا کہ باپ کفیل رضا ہے۔ میں آپ کے ...
... کی تصدیق چاہتی تھی۔"
... میں... ڈاکٹر شکیل کے والد کو؟" ڈاکٹر انور ...

... کا پتا چلاتا ہوں۔"
... آپ کے فون کا انتظار کر رہی ہوں۔"
... میں پندرہ منٹ کے اندر اندر آپ کو فون کر دوں گا۔"
... سلسلہ منقطع ہو گیا۔
... اُس کے فون کا انتظار کرتی رہی۔ میں نے کپڑے ...
... تبدیل نہیں کیا تھا اور کچھ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے آج ...
... مقدر میں نہیں ہے۔ مجھے اِسی وقت ہاسپٹل بھی جانا ...
... وہ فیصلہ مکمل کرنا تھی جو اُس کے اغوا کی وجہ سے ...

... ذہن میں نہ تو جیمز فریزر کا خیال تھا اور نہ اُس خوفناک ...
... نے نہایت پُراسرار انداز میں مجھے کفیل رضا کے پاس ...
... میری عدم موجودگی میں جوشی کو کفیل رضا کے اغوا کا ...

... میرے ذہن میں کفیل رضا کے علاوہ اگر کسی شخص کا ...
... اُس پاگل بوڑھے کا جو مشتاق چنگیزی کے گھر میں ...

... منٹ پورے ہونے سے ذرا ہی پہلے فون کی گھنٹی بج اُٹھی ...
... ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر انور ہی تھا۔ اُس ...
... اطلاع ملی تھی بانو! وہ کفیل رضا ہی ہیں۔ اُنہیں ...
... بیہوش پڑا ہوا پایا گیا تھا۔ کسی راہگیر نے ہاسپٹل کے ...
... ہوئے چوکیدار کی توجہ اِس طرف مبذول کروائی تھی۔"
... کون تھا؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔
... کچھ پتا نہیں۔ وہ چوکیدار کی توجہ اُس طرف مبذول کرانے ...

کے بعد غائب ہو گیا تھا۔ عام طور پر لوگ اِس قسم کے معاملات سے ملوث ہوتے ہوئے ڈرتے ہیں۔"

"اچھا خیر! تو کفیل رضا اب ہوش میں ہیں نا!"

"جی نہیں، اُنھیں اب تک ہوش نہیں آیا ہے۔ پولیس بھی اُن کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہی ہے۔"

"پولیس؟" میں چونک پڑی۔

"جی ہاں، آپ کو تو جاننا ہی چاہیے کہ اِس قسم کے کیسز میں ہم ہاسپٹل والے پولیس کو ضرور اطلاع دیتے ہیں۔"

"اوہ، ہاں، مجھے اِس کا خیال نہیں رہا تھا۔" یہ کہتے ہوئے میرا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ پولیس کے سامنے میں کفیل رضا سے وہ باتیں نہیں کر سکتی تھی جو مجھے اُس سے کرنا تھیں لہٰذا اب اِسی وقت ہاسپٹل جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"ہیلو بانو!" دوسری طرف سے ڈاکٹر انور کی آواز آئی۔ "کیا آپ ہاسپٹل آ رہی ہیں؟"

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "میں اب کل صبح آؤں گی۔"

"بہتر ہے۔ میرے لائق کوئی اور خدمت؟"

"بہت بہت شکریہ ڈاکٹر! بس اب میں سونے جا رہی ہوں، شب بخیر۔"

جوابی شب بخیر سُننے کے بعد میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب میں اِتنی تھکی ہوئی تھی کہ ساری باتوں کو اپنے ذہن سے جھٹکا اور کپڑے تبدیل کر کے بستر پر ڈھیر ہو گئی۔

دوسری صبح میں دیر سے جاگی اور جاگنے کے بعد بھی فوراً بستر سے نہیں اُٹھی کیونکہ مجھے کسلمندی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں دس پندرہ منٹ تک لیٹی رہی اور گزشتہ روز کے واقعات آہستہ آہستہ میرے خالی ذہن میں گھر کرتے چلے گئے۔ پھر میں باتھ رُوم کا رُخ کرنے کے لیے بستر سے اُٹھی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

خدا خیر کرے، میں نے ریسیور اُٹھاتے ہوئے سوچا، کہیں کوئی اور خراب صورتِ حال پیدا نہ ہو گئی ہو۔

"ہیلو!" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "بانو اسپیکنگ۔"

"میں سونیا بول رہی ہوں بانو! کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہوں ڈارلنگ!"

"اب آپ کی وہ دوست کیسی ہے جس کا کزن حادثے میں مر گیا؟"

"اُس کی حالت اچھی نہیں ہے سونیا! وہ ڈاکٹر شکیل کو اِسی طرح چاہتی تھی جس طرح رومیو سے جولیٹ کو عشق تھا۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ اب وہ کس طرح زندہ رہ سکے گی۔"

"وقت کے ساتھ سارے زخم بھر جاتے ہیں بانو!"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو ڈارلنگ! لیکن بعض زخم بہت تکلیف دے کر ٹھیک ہوتے ہیں:
... بانہ ہوتا ہے۔"
"میرے احساسات کے مطابق سنگیتا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔ ویسے میں پوری کوشش کروں گی کہ وہ اِس زخم کی تکلیف کو زیادہ شدّت سے محسوس نہ کرے۔"
"وہ بہت پیاری لڑکی ہے۔ مجھے بہت اچھی لگی۔ آپ مجھے بھی اُس سے ملوایئے گا۔"
"اگر تم چاہتی ہو تو ضرور ملواؤں گی۔"
"اور... آج رات کو آپ کا کیا پروگرام ہے؟"
"کیوں؟ خیریت؟"
"میں سوچ رہی تھی کہ رات کو آپ کے گھر آجاؤں۔ یہاں ہوٹل میں اکیلی پڑی پڑی کیا کروں گی۔"
"اکیلی؟"
"ہاں۔" سونیا نے جواب دیا۔ "آج رات کو میں اکیلی ہی ہوں۔ البرٹو ابھی تھوڑی دیر میں حیدرآباد جا رہا ہے۔"
"حیدرآباد؟ کیوں؟"
"بس یوں ہی گھومنے کے لیے۔ مجھ سے بھی کہہ رہا تھا کہ چلو لیکن میں وہ شہر ایک مرتبہ دیکھ چکی ہوں اور اب دوبارہ اُسے دیکھنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ البرٹو کو اُس شہر میں نہ جانے کیا چیز بھا گئی ہے۔"
"وہاں کی صرف ایک ہی چیز کراچی میں رہنے والوں کو بھاتی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"وہ کیا؟"
"یہ پھر کبھی بتاؤں گی۔ اچھا تو پھر کب آ رہی ہو؟"
"نو بجے تک آجاؤں گی۔"
"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ آنے سے قبل مجھے فون ضرور کر لینا۔"
"اچھا۔"
میں نے ریسیور رکھ دیا اور چند لمحوں کے لیے ساری پریشانیاں میرے ذہن سے دُور چلی گئیں۔ میں گنگناتی ہوئی باتھ رُوم کی طرف بڑھی۔ اِدھر چند دن میں جو تکان ہوئی تھی، وہ بس آج رات ہی کو ختم ہو سکے گی، میں نے سوچا اور باتھ رُوم میں داخل ہو کر باتھ ٹب کا نل کھول دیا۔
تیار ہو کر جب میں ناشتہ کرنے بیٹھی تو دس بج چکے تھے۔ چائے کی دوسری پیالی پیتے ہوئے میں نے اپنے دفتر فون کیا اور سیکریٹری سے کہہ دیا کہ میں آج بھی دفتر نہیں آسکوں گی۔

چائے کا وہ دوسرا کپ ختم نہیں ہونے پا
کی آمد سے مطلع کیا اور یہ بھی بتایا کہ سنگیتا ملوم
پریشان بھی ہے۔
"اوہ!" میں چائے کی پیالی کو تقریباً پٹختی ہو
یہیں کیوں نہیں لے آئیں!"
پھر میں نے ملازمہ کا عذر سُننے میں ایک لم
تیر کی طرح اپنی خوابگاہ سے نکل کر ڈرائنگ رُوم کی
سنگیتا مجھے دیکھتے ہی صوفے سے کھڑی ہو
دیکھ کر مجھے دھچکا سا لگا۔ وہ بالکل اُجڑی ہوئی لگ
پروردہ بہار پھُول کو خزاں کا ... ۔ اچھا اُس
نے جو لباس پہن رکھا تھا، اُس پر بھی اَن گِنت ...
تھا جو وہ کل پہنے ہوئے تھی۔ گویا اب تک اُسے
ہوش نہیں آیا تھا۔ یہی لباس وہ سوتے ہوئے بھی
میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ اُس رات کو ایک پل
سوئی تھی۔ اُس کی سُرخ آنکھیں سُوجی سُوجی سی نظر آ
"سنگیتا!" میں بیتابانہ آگے بڑھی اور ...
سے لگا لیا۔ "یہ تُو نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟"
"میں بالکل ٹھیک ہوں بانو!" اُس نے ...
میں کہا۔
آواز کا بھرّا جانا ایک مضحکہ خیز بات ہی کہ
اُس وقت میں نے سنگیتا کی آواز کو سُن کر جو کچھ محسوس
کرنے کے لیے مجھے کوئی اور لفظ نہیں مل رہا
"سنگیتا! دیکھ!" میں نے اُس کا سر اوپر اُٹھا
لی اور کہا۔ "میں تجھے اِس حالت میں نہیں دیکھ سکتی"
ہو گئی تھی کہ شاید میری آنکھوں میں آنسو آ گئے
گئی تھی۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں بانو!" اُس نے مسکرا
کی لیکن مسکراہٹ میں جو کرب پنہاں تھا، اُسے نہ چھپا
آپ میں کیا بات ہے بانو کہ جب مجھ پر کوئی نئی ...
اپنے اِردگرد پھیلی ہوئی تاریکی میں مجھے صرف آپ ہی
ہوا نظر آتا ہے اور میں آپ کے پاس دوڑی چلی آتی ہو
"یہ دل کی بات ہے پگلی! تو اِس کا اعتراف
نہ کر! میں تو جانتی ہوں کہ تیرے دل میں کیا ہے۔ لیکن
واقعہ ہو گیا جس نے تجھے اِتنا پریشان کر دیا؟" یہ سوا
مجھے خیال آ گیا تھا کہ سنگیتا کو کفیل رضا کے اغوا کا پتا چل
"آپ تو اُس بات سے باخبر ہیں!" سنگیتا نے کہا۔

...ا کیا گیا تھا تو آپ وہیں تھیں؟"
...گئی تھیں؟"
...اِتنی ہمت نہیں کہ وہاں جا سکوں۔" سنگیتا نے
...تھے۔ اُنھوں نے واپس گھر آ کر مجھے بتایا۔" اور پھر
...ل بُلائے گئے۔"
...ہیں چونکی۔
...نے کہا۔ "آپ کو اِس بات کا علم نہیں ہو سکا

...علم ہے لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"
...میں کچھ ایسے کاغذات تھے جن سے پولیس کو ان کے
...ہو گیا تھا۔ پولیس شکیل کے ملازمین سے بھی پوچھ گچھ

...سمجھ گئی۔" میں نے سر ہلا کر کہا اور پھر بیتابی سے پوچھا۔
...کی طبیعت کیسی ہے۔ مجھے رات کو جو آخری اطلاع
...وہ بیہوش تھے۔"
...صبح آٹھ بجے ہوش آیا تھا لیکن اُس کے بعد بھی وہ
...

...!" میں نے تعجب سے کہا۔
...کا توازن درست نہیں رہا ہے۔"
میرے مُنہ سے بیساختہ نکلا۔ "یہ کیسے ہو گیا؟"
...سے تو ڈاکٹر بھی قاصر ہیں۔ وہ بس سرسری طور پر اِس
...ہیں کہ بیٹے کی موت کا صدمہ اُن کے پاگل ہو جانے
...

...مجھے ایک بار پھر وہ پاگل بوڑھا یاد آ گیا جسے میں نے
...گھر میں دیکھا تھا۔
...اِن معاملوں میں کوئی قدرِ مشترک ہے؟
...مہلت حاصل نہیں تھی کہ میں اِس سوال پر زیادہ غور
...گیتا کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "چلو ہاسپٹل چلتے ہیں۔ ذرا
...کہ کفیل رضا کی کیا حالت ہے؟"
...میرے ساتھ چلنے لگی لیکن اُس کی سُست رفتاری سے
...کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں چلتے چلتے اچانک رُک گئی اور
...طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "تم نے ناشتہ کر لیا؟"
...ں۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور یہ جواب دیتے ہوئے
...نظر چُرا لی تھی۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو!" میں سخت لہجے میں بولی۔ "اپنے شکیل کی قسم کھا کر جواب دو کہ...."
"بانو!" سنگیتا جیسے تڑپ گئی، اور پھر اپنا سر میرے شانے پر مار کے بلک بلک کر رونے لگی۔
"پگلی!" میں نے اُس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔ "خود کو اِس طرح ہلاکت میں ڈالنے سے فائدہ؟ اِس طرح، جانے والے لَوٹ تو نہیں آتے! چلو پہلے ناشتہ کر لو!" میں نے بلند آواز میں ملازمہ کو پکارا اور اُسے ناشتہ لانے کے لیے کہا۔ پھر میں روتی ہوئی سنگیتا کو سہارا دیے ہوئے صوفے تک لے گئی اور اُس کے ساتھ بیٹھ کر اُس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ وہ اب بھی روئے جا رہی تھی اور میں نے اُسے رونے دیا۔ جب وہ روتے روتے ہلکان ہو گئی تو میں نے اُسے پانی پلایا۔ اُس کا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ دیکھ کر میرا کلیجہ کٹا جا رہا تھا لیکن میں اُس کی ڈھارس بندھانے کے لیے زیادہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ ایسے موقعوں پر لفظ تو جیسے کہیں کھو جاتے ہیں۔ میں یہ بھی کہوں گی کہ جس کی دنیا لُٹ چکی ہو، اُس کی ڈھارس بندھانے کے لیے کوئی لفظ آج تک دریافت نہیں ہو سکا اور شاید کبھی نہیں ہو سکے گا۔
ناشتہ آیا تو سنگیتا نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کچھ کھانے کو بالکل جی نہیں چاہ رہا ہے بانو!"
"مجھے یقین ہے کہ تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن زندگی کے لیے دانۂ گندم ضروری ہے۔ اب تم شاید یہ کہو گی کہ تمھیں زندہ رہنے کی آرزو نہیں۔ اُس کا جواب میرے پاس یہ ہے کہ دو ایک وقت کے نہ کھانے سے تم مر نہیں سکتیں۔ چلو کھاؤ!" میرے لہجے میں پیار بھری سختی تھی۔ میں نے خود ہی ایک سلائس اُٹھایا اور اُس پر مکھن لگانے لگی۔ پھر میں نے اپنے ہاتھ سے وہ سلائس سنگیتا کو کھلایا۔
پھر مکھن لگانے کے لیے دوسرا سلائس اُٹھایا ہی تھا کہ سنگیتا نے کہا۔ "پلیز بانو! اب میں نہیں کھا سکوں گی۔ بس ایک کپ چائے دے دیجیے!"
میں نے سلائس چھوڑ دیا اور پھر بولی۔ "اچھا ایک اُبلا ہوا انڈا اور کھا لو!"
میرے شدید اصرار پر سنگیتا بمشکل تمام آدھا انڈا نگل سکی، اور وہ بھی پانی کے سہارے! پھر میں نے اُسے چائے بنا کر دی اور اُس روز مجھے پہلی مرتبہ یہ تجربہ ہوا کہ محبوب اگر مغموم ہو تو اُسے اپنے ہاتھ سے کچھ کھلا پلا کر کتنی آسودگی، کتنی مسرّت اور کتنی طمانیت حاصل

ہوتی ہے۔
جیسا تیسا ناشتہ کرانے کے بعد میں سنگیتا کو اپنے ساتھ لے کر ہاسپٹل کی طرف روانہ ہوئی۔ راستے میں، میں نے اُس سے پوچھا "تمھارے پتاجی کہاں ہیں؟"
"ہاسپٹل ہی میں ہوں گے۔ میں اُنھیں وہیں چھوڑ کر آپ کے پاس آئی تھی۔"
اِس کے بعد میں نے ہاسپٹل پہنچنے تک سنگیتا سے کوئی بات نہیں کی۔ میں اِس سوال سے اُلجھی ہوئی تھی کہ کفیل رضا کے پاگل ہو جانے میں کوئی راز تو نہیں ہے؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اِس پاگل پن کا سبب بیٹے کی موت کا صدمہ ہے۔ پاگل کر دینے والا ایسا جھٹکا تو دماغ پر فوری طور سے لگتا ہے اور یہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی کہ کفیل رضا نے اِس صدمے کو کسی نہ کسی طرح جھیل ہی لیا تھا۔ اُس نے گزشتہ رات مجھ سے جو باتیں کی تھیں، وہ کوئی ایسا شخص ہرگز نہیں کر سکتا جس کا دماغ کسی صدمے کی زد میں ہو۔
ہاسپٹل پہنچ کر جب میں اور سنگیتا کار سے اُترے تو اچانک مجھے ایک بات یاد آئی۔ میں نے سنگیتا سے کہا "ارے ہاں! ایک بات تو بتاؤ۔ تم جس گھر میں رہا کرتی تھیں، میرا مطلب ہے جہاں اب مشتاق رہتا ہے، کیا اُس گھر میں کوئی تہ خانہ بھی ہے؟"
"جی ہاں" سنگیتا نے جواب دیا "پینسٹھ کی جنگ کے بعد ہی پتاجی نے وہ تہ خانہ بنوایا تھا اور اُن کی یہ احتیاط اکہتّر کی جنگ میں ہمارے کام آئی تھی۔ کئی مرتبہ فضائی حملوں کے وقت ہم اُس تہ خانے میں گھسے تھے۔"
"ہوں" میں سر ہلا کر رہ گئی۔
"آپ نے بڑی عجیب سی بات پوچھی!" سنگیتا بولی۔
"میں تمھیں پھر کسی وقت بتاؤں گی کہ میں نے تم سے یہ کیوں پوچھا تھا۔"
سنگیتا نے اصرار نہیں کیا کہ میں اُسے اُسی وقت بتا دوں۔
ہاسپٹل میں میرا اور رام لال کا آمنا سامنا ہوا لیکن ہم ایک دوسرے سے مخاطب نہیں ہوئے۔ میں اُن دونوں ڈاکٹروں کی باتیں سننے لگی جو کفیل رضا کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ اُن کی باتوں سے مجھے پتا چلا کہ کفیل رضا کو وہاں سے مینٹل ہاسپٹل منتقل کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔
"ذرا سنیے!" میں آگے بڑھ کر ایک ڈاکٹر سے مخاطب ہوئی۔

"میں کفیل صاحب سے ملاقات کرنا چاہ
دونوں ڈاکٹر میری طرف متوجہ ہو
ایک نے مجھ سے کہا "آپ سے اُن
"وہ میرے ایک بزرگ ہیں اور بس
مراسم اُن کے لڑکے ڈاکٹر شکیل سے
"آپ اُن سے کیوں ملنا چاہتی
"بس اُن کی حالت دیکھنا مقصد
ڈاکٹر نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر
میں نے سنگیتا سے کہا کہ وہ وہیں
کے ساتھ ہولی۔ ایک کمرے کے دروازے
"وہ اِسی کمرے میں ہیں۔ آپ اندر چلی جائیے
گا۔ گھبرانے کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ اُن
حد تک نہیں پہنچا ہے۔"
میں سر ہلا کر کمرے کا دروازہ کھولتی ہوئی
بستر بالکل سامنے ہی تھا اور کفیل رضا
لیے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کی نظر دروازے ہی کی
ظاہر ہے کہ اُس نے مجھے دیکھ لیا ہوگا لیکن اُس
تغیّر نہیں پیدا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ
میں چند قدم آگے بڑھی۔ میرے پیچھے خودکار دروازہ
بند ہو گیا۔ میں بستر کے بالکل قریب پہنچ گئی لیکن
سپاٹ ہی رہا۔
"کفیل صاحب!" میں نے اُسے آہستہ سے
اب وہ چونکا۔ اُس کی نظر تو مجھ پر تھی ہی لیکن
کہ اب وہ مجھے دیکھ بھی رہا ہے "تم!" اُس کی
پڑ گئیں "میرا خیال ہے کہ میں تمھیں کہیں دیکھ
"کل رات میں آپ کے گھر پر آپ سے
"ارے نہیں" کفیل رضا ہنس پڑا "یہ نا
شام کو تو میں کوہ قاف میں تھا۔ دراصل میں نے
بوطیقا میں پڑھا تھا کہ روس اور امریکہ کی کشیدگی
ہے لہٰذا میں اِس سلسلے میں مذاکرات کرنے کے لیے
اِمراءُ القیس کے پاس گیا ہوا تھا۔ اُس کا بھی یہی
اور امریکہ کی کشیدگی ہماری فلم انڈسٹری پر بڑے خراب
سکتی ہے۔ بڑے غور و خوض کے بعد ہم نے طے کیا
بڑی طاقتوں کی شادی کر کے اُنھیں خاندانی منصوبہ

لمہ۔ تمھارا اِس بارے میں کیا خیال ہے؟" کفیل رضا
میری طرف دیکھنے لگا جیسے اُس نے انتہائی اہم نکتے
لزم کی ہو۔
ل کھڑی اُس کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی۔
کفیل رضا چند لمحے بعد بڑے بزرگانہ انداز میں مسکرایا
تی ہی ہو۔ اِتنے اہم معاملے پر کوئی رائے نہیں دے سکتیں۔
"امراءُ القیس نے یہی طے کیا ہے کہ گڑیا گاربو
ل اور امریکہ کی شادی کرادی جائے۔ بس پھر یہ
ل منصوبہ بندی کمیشن کے نیچے میں پھڑپھڑاتے رہ
کفیل رضا کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ ایسا معلوم ہوا تھا
اور امریکہ کی متوقع بے بسی کے تصور سے محظوظ ہو

گئی کہ یہاں وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ
رضا کوئی ڈھنگ کی بات کرنے کے قابل نہیں

ل ہوا" کفیل رضا گویا سنجیدہ ہو کر بولا "کہ اُن
ں آدھی رات ہو گئی۔ پھر جب میں نے واپسی کا قصد
مری گھوڑا گاڑی کا پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ اتفاق سے
ن میں بھی پٹرول کی بہت شارٹیج ہے کیونکہ ایران
بنات کے تعلقات کچھ خراب ہو گئے ہیں۔ بہرحال امراءُ القیس
ا نے آج نمازِ فجر کے وقت پٹرول کا بندوبست کروایا
م آیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ کل رات تم سے میری ملاقات
ہے؟"
ٹھیک کہہ رہے ہیں" میں نے آہستہ سے کہا اور واپسی
ے کی طرف مڑ گئی۔
"ارے!" کفیل رضا نے مجھے پکارا "آج میں فلم دیکھنے جاؤں
ریزرویشن کروا دینا۔ بڑی اچھی فلم ہے۔ کیا نام .....
الی"
دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔
میں نے پھر ڈاکٹروں سے ملاقات کی اور اُن سے پوچھا
ی ہے کہ مسٹر کفیل کو مینٹل ہاسپٹل منتقل کیا جائے؟"
ال، ہمارے ہاسپٹل میں اِس کیس پر کام نہیں ہو سکتا۔"
آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ... چاہتی تھی
یض کو اپنے گھر لے جائیں اور نجی طور پر اُن کا علاج
کروائیں۔"
"جی ہاں یہ تو ہو سکتا ہے مگر یہ معاملہ چونکہ پولیس تک پہنچ چکا ہے اِس لیے آپ کو پولیس سے اِس کی اجازت لینا ہو گی۔"
"اُس کی طرف سے آپ فکرمند نہ ہوں۔ وہ میں کر لوں گی کیا اِس وقت کوئی پولیس آفیسر ہاسپٹل میں موجود ہے؟"
"اب تو کوئی نہیں ہے۔ آپ کی آمد سے کوئی پندرہ منٹ پہلے وہ لوگ یہاں سے گئے ہیں۔"
"کیا میں آپ کا فون استعمال کر لوں؟"
"ضرور۔"
میں نے فون اپنی طرف کھسکایا اور ہوم سیکریٹری کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف سے خود ہوم سیکریٹری نے ریسیور اُٹھایا تھا۔ میں نے اُس کی آواز پہچان لی اور کہا "میں بانو بول رہی ہوں۔"
"اوہ! بانو! خیریت تو ہے؟"
"ایک چھوٹا سا کام تھا آپ سے!"
"ہاں ہاں، کہیے!"
میں نے اُسے مختصراً کفیل رضا کے بارے میں بتایا اور پھر کہا "اب میں کفیل رضا کو اپنے گھر لے جانا چاہتی ہوں تاکہ دماغی امراض کے کسی ماہر سے اُن کا علاج کروا سکوں۔ ہاسپٹل والے کہہ رہے ہیں کہ مجھے اِس سلسلے میں پولیس سے اجازت لینا پڑے گی۔"
"اوہ! تو یوں ہے معاملہ! اچھا، ٹھیک ہے۔ میں ابھی اِس سلسلے میں ڈی، آئی، جی کو فون کیے دیتا ہوں لیکن آپ اِس معاملے میں کیوں پھنس گئیں؟ کوئی خاص چکر تو نہیں ہے؟"
"ابھی تو یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ کوئی خاص چکر ہے یا عام چکر!... میں اِس معاملے میں اپنی ایک دوست کی وجہ سے پڑی ہوں۔ اِس سلسلے کی تفصیلات، میں آپ کو پھر کسی وقت بتاؤں گی۔ فی الحال تو آپ میرا یہ کام کروا دیجیے!"
"میں ڈِس کنکٹ کرنے کے بعد سب سے پہلے ڈی، آئی، جی ہی کو فون کروں گا۔"
"شکریہ" میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔
ڈاکٹر بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور شاید جاننے کا خواہشمند تھا کہ میں نے کس سے گفتگو کی تھی۔
"یہ ہوم سیکریٹری تھے" میں نے اسے بتایا۔
"اوہ، اچھا" ڈاکٹر نے سر ہلایا۔ غالباً وہ سوچ رہا ہوگا کہ یہ عورت خاصی بارسوخ معلوم ہوتی ہے۔

"ڈاکٹر انور تو اِس وقت موجود نہ ہوں گے!" میں نے اِس طرح پوچھا جیسے اپنا خیال ظاہر کر رہی ہوں۔

"جی ہاں، اُن کی ڈیوٹی صبح چار بجے ختم ہو جاتی ہے۔ آپ اُنھیں کیسے جانتی ہیں؟"

"وہ بہت عرصے سے میرے کرم فرما ہیں۔ میں اُن سے ایک مشورہ لینا چاہتی تھی۔ خیر، اب آپ ہی سے لیے لیتی ہوں۔ ذرا یہ بتائیے کہ میں کفیل صاحب کے علاج کے سلسلے میں کس ڈاکٹر سے رجوع کروں؟ ایک نام میرے ذہن میں ہے۔ آپ اُن کے بارے میں اپنی رائے بتائیے!" میں نے اُس ڈاکٹر کا نام لیا جو مبینہ طور پر مشتاق چنگیزی کے گھر میں موجود پاگل بوڑھے کا علاج کر رہا تھا۔

"اُن کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ معلومات نہیں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "دراصل وہ ابھی حال ہی میں باہر سے تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں۔"

"گویا زیادہ تجربے کار نہیں؟"

"میں اِس سلسلے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔" ڈاکٹر نے محتاط رہ کر جواب دیا۔

"اُن کا فون نمبر معلوم ہے آپ کو؟"

"ڈائرکٹری میں مل جائے گا۔" ڈاکٹر نے کہا اور خود ہی ڈائرکٹری اُٹھا کر فون نمبر تلاش کرنے لگا۔

میں یہ گفتگو ڈاکٹر سے اُس کے کمرے ہی میں بیٹھ کر کر رہی تھی جبکہ رام لال اور سنگیتا باہر تھے۔

ڈاکٹر نے فون نمبر تلاش کر کے مجھے بتایا اور میں فون پر وہ نمبر رنگ کرنے لگی۔ رابطہ فوراً ہی قائم ہو گیا۔ دوسری طرف سے وہی ڈاکٹر بول رہا تھا۔ میں نے اُسے اپنا نام بتایا اور غرض و غایت بیان کی۔ اِس کے جواب میں وہ بولا۔ "آپ کلینک آ کر مجھ سے مل لیجیے تاکہ میں اِس سلسلے میں ضروری کوائف معلوم کر سکوں۔"

"آپ کلینک میں کب تک ہوتے ہیں؟"

"آپ شام کو پانچ اور سات بجے کے درمیان مجھ سے مل لیجیے۔"

"بہتر ہے۔ اچھا ہاں! ایک بات یونہی بر سبیل تذکرہ پوچھ رہی ہوں۔ جن صاحب نے مجھے آپ کا نام بتایا تھا اُنھی سے مجھے یہ بات بھی معلوم ہوئی تھی کہ آپ مشتاق چنگیزی صاحب کے چچا کا بھی علاج کر رہے ہیں!"

"پچا نہیں، وہ مشتاق صاحب کے ما

"اچھا اچھا، مجھے یہ بات آج ہی معلو

کا سبب کیا ہے ڈاکٹر!"

"وہ سر کے بل گر پڑے تھے جس سے اُن

خاص حصّے پر بڑی شدید ضرب آئی تھی۔"

"اوہ، اچھا! خیر، تو میں شام کو پانچ

آؤں گی۔"

"ضرور تشریف لائیے!" دوسری طرف

منقطع ہونے کی آواز آئی۔

"اچھا ڈاکٹر! شکریہ۔" میں کھڑی ہوتی ہوئی

کر ڈی آئی جی نے متعلقہ پولیس افسران کو اِس

دی ہوں گی۔ آپ اُن سے رابطہ قائم کر کے اِس

لیجیے گا۔ میں ایک گھنٹے بعد پھر آؤں گی تاکہ کفیل

سے اپنے گھر منتقل کروا سکوں۔ ویسے منتقل

کی نگرانی اور انتظام میں ہو سکے گا۔ میں تو جانتی

قسم کے ذہنی مریضوں کو کس طرح قابو میں رکھا

"آپ فکر نہ کریں۔ میں سب بندوبست کر

میں نے چونکہ ڈاکٹر کے سامنے ہی ہوم ہیکر

کی تھی اِس لیے وہ ہر طرح سے کوآپریٹ کرنے پر آما

باہر آ کر میں نے سنگیتا کو بتایا کہ میں نے

سلسلے میں کیا انتظامات کیے ہیں، پھر میں نے رام

"کیا میں آپ کو آپ کے گھر تک چھوڑ آؤں؟ "

ساری کارروائیوں کے دوران میں میرے ساتھ ہی رہا

رام لال نے سنگیتا کی طرف دیکھا۔ سنگیتا اُس کو

بولی۔ "جی ہاں پتاجی! مجھے تو اِن حالات میں بانو کے

رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" رام لال کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "میں

گھر چلا جاؤں گا۔"

"لیکن جب میری گاڑی موجود ہے تو آپ رکشا

پیچھے کیوں دھکّے کھانا چاہتے ہیں۔ اِس وقت یہا

کنوینس ملنا آسان نہیں ہو گا۔" دراصل میں یوں بھی

تھی کہ اِس طرح مجھے راستے میں رام لال سے کچھ باتیں

مل جاتا۔

لیکن رام لال آمادہ نہیں ہوا، کہنے لگا۔ "خود تھوڑی

یں کوئی حرج نہیں، بہ نسبت اِس کے کہ دوسرل

ہا گے۔"

وئی تکلیف نہیں ہو گی۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"میری بات کو درخورِ اعتنا نہیں جانا اور سنگیتا

تو رکھ کر بولا۔ "اچھا تو اب میں چلتا ہوں۔ جیسے

سے فارغ ہو، گھر آ جانا۔"

، نے سنگیتا کے جواب کا بھی انتظار نہیں کیا اور

ن مڑ گیا۔

۔ نگیتا کی طرف دیکھا تو اُس نے نظر جھکا لی۔ اُس

شرمندگی ہویدا تھی۔ وہ دھیرے سے بولی۔ "بانو!

جی کے رویّے کے باعث آپ سے معافی کی

ں۔"

لا رگیٹ اِٹ!" میں نے اُس کا شانہ تھپکا۔ "پرائی

اپنے ذہن پر اِن باتوں کا بوجھ نہ ڈالو۔ میں سب ٹھیک

ا ذرا میرے ساتھ چلو!"

سے لے کر ہاسپٹل سے باہر آ گئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ

گیتا کی موجودگی قطعاً ضروری نہیں تھی لیکن میں نے

ل لیے اپنے ساتھ رکھا تھا کہ اُسے تنہائی کا زیادہ موقع

مار ہتی تو یادوں کے تپتے ہوئے سائے اُس کو

بتے۔

ے اپنے ساتھ رجسٹریشن آفس لے گئی لیکن جب میں

مل ہوئی تو تنہا تھی۔ سنگیتا کو میں نے باہر کار ہی میں

یا تھا۔ میں نے وہاں صرف پندرہ منٹ صرف کیے

ں۔ جب میں نے کار اسٹارٹ کی تو سنگیتا نے پوچھا۔

ام تھا آپ کو؟"

اُس ٹرک کے بارے میں معلوم کرنا تھا جس کا نمبر تم

ھا۔"

پولیس کو تو ڈوا در گواہوں نے کوئی دوسرا نمبر بتلایا تھا!"

گراہ جھوٹے ہیں۔ جھوٹی گواہی اصل قاتل کو بچانے

لوائی گئی ہے لیکن وہ بدبخت لوگ یہ بھول گئے ہیں کہ

ہ جسے ہلاک کیا ہے، وہ صبیحہ بانو کی محبوب کا محبوب تھا۔

مجھے اُس وقت تک سکون نہیں مل سکتا جب تک

ہام نہ لے لوں۔"

پ خود کو اِتنے خطروں میں نہ ڈالیے بانو!" سنگیتا نے بھرائی

ہوئی آواز میں کہا۔ "وہ تو اب آ نہیں سکے گا جو چلا گیا۔ یہ حالات جیسے دماغ کو پراگندہ کیے دے رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے! انکل کفیل اغوا کیے گئے اور جب ملے تو پاگل ہو چکے تھے۔ بھگوان نہ کرے اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میں خودکشی کر بیٹھوں گی۔ مجھے نہ جانے کیوں یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ اب دنیا میں شکیل کے بعد صرف آپ ہی میری ہیں۔ مجھے تو اپنے پتاجی بھی اب اپنے پتاجی نہیں محسوس ہوتے۔"

"جذباتی نہ ہو! تمھارے پتاجی اب بھی تمھارے پتاجی ہیں اور ہمیشہ تمھارے رہیں گے۔ یہ اُن کی کوئی مجبوری ہے جس نے اُنھیں ایسا بنا دیا ہے۔ اُن کے لیے بھی اب دنیا میں صرف تم ہی ہو!"

"ہاں۔" سنگیتا نے بڑی تلخی سے کہا۔ "صرف میں ہی ہوں جسے وہ زمانے کی ٹھوکروں میں ڈال سکتے ہیں۔"

"تم اِس کی پروا مت کرو۔ میں بہت جلد زمانے کو تمھاری ٹھوکروں میں لا ڈالوں گی۔ اب تم ذرا ہمت سے کام لو۔ مجھے تمھارے تعاون کی ضرورت ہے۔"

"میرے تعاون کی؟"

"ہاں۔" میں تمھیں ہاسپٹل پہنچا کر ایک کام سے چلی جاؤں گی۔ تمھیں ہاسپٹل والوں کے تعاون سے انکل کفیل کو میرے گھر منتقل کروانا ہے۔ میں اِس سلسلے میں فون پر اپنی ملازماؤں کو بھی ہدایت کر دوں گی۔ تم گھر پر اُس وقت تک رُکنا جب تک میں نہ آ جاؤں۔ اور ہاں! شکیل کے گھر کا کیا ہو گا؟ وہاں اب صرف ملازمین رہ گئے ہیں۔

"وہ سب ملازمین اعتماد کے آدمی ہیں لیکن اب اُنھیں رکھنے سے فائدہ بھی کیا! اگر ممکن ہوتا تو اُن کا حساب کر کے گھر کو مقفل کر دیا جاتا۔"

"تو یہ ممکن کیوں نہیں ہے؟"

"اُن لوگوں کی تنخواہیں کہاں سے دی جائیں گی؟ انکل کفیل تو اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔"

"وہ سب تو خیر ہو جائے گا لیکن اِس کام کو فی الحال دو ایک روز کے لیے ملتوی رکھو۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

میں نے سنگیتا کو ہاسپٹل پہنچایا اور وہیں سے ٹیلیفون پر اپنی ملازماؤں کو ضروری ہدایات دے دیں۔ اِس کے بعد میں سنگیتا کو چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔ میری منزل ایک ریسٹورنٹ تھی

جس کے مالک کے بارے میں مجھے پتا چلا تھا کہ اُس کے کئی ٹرک چلتے ہیں۔ اِنہی ٹرکوں میں سے ایک ٹرک کا نمبر وہ تھا جس کا نمبر مجھے سنگیتا سے معلوم ہوا تھا۔

ریسٹورنٹ کے مالک کا نام آئی، ایچ، صابری تھا اور اب مجھے یہ بات معلوم کرنا تھی کہ مشتاق چنگیزی سے اُس کا کیا تعلق ہے کہ وہ مشتاق کا آلۂ کار بن گیا۔ اُس وقت میرے ذہن میں پہلی مرتبہ یہ خیال بھی آیا کہ میرا پہلا شبہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اِس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ تشکیل کی موت میں مشتاق چنگیزی کا ہاتھ نہ ہو۔ پہلے تو میں نے بس جذباتی طور پر سوچ لیا تھا کہ تشکیل کو ہلاک کرنے والا مشتاق چنگیزی ہوگا کیونکہ وہ ہاتھ دھو کر سنگیتا کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ میری یہ سوچ کسی مضبوط جواز کے بغیر تھی لیکن اب میرا ذہن دونوں ہی پہلوؤں پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا۔

سوسائٹی کے علاقے میں وہ ایک چھوٹا سا صاف ستھرا ریسٹورنٹ تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اب بھی وہ ریسٹورنٹ ہے یا نہیں لیکن اُس زمانے میں اُس ریسٹورنٹ کی زیادہ تر آمدنی اُن نوجوان جوڑوں کی وجہ سے ہوتی تھی جو ملاقات کے لیے ٹھکانے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اُن کے علاوہ وہاں ایسی لڑکیاں بھی نظر آتی تھیں جنھیں گاہک کی تلاش ہوتی تھی۔ میں نے سنا ہے کہ اِس علاقے کے بعض ریسٹورنٹ اِس قسم کی لڑکیوں کو اپنے عقبی کمرے بھی کرائے پر دے دیتے ہیں تاکہ "طلب و رسد" کے مراحل طے ہونے میں وقت کا "زیاں" نہ ہو۔

میں اِس ریسٹورنٹ میں دو ایک مرتبہ جا چکی تھی لیکن آج وہاں جانے کا ایک خاص مقصد تھا۔ میں نے گاڑی ریسٹورنٹ کے سامنے روکی اور دروازہ لاک کر کے ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی۔ اُس وقت وہاں اِتنی بھیڑ بھاڑ نہیں تھی جتنی اِس علاقے کے ہر ریسٹورنٹ میں شام کے وقت ہوتی ہے۔

میں کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے آدمی پر ایک گہری نظر ڈالتی ہوئی بائیں گوشے کی ایک خالی میز پر جا بیٹھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا یہی شخص اِس ریسٹورنٹ کا مالک ہے یا یہ کوئی ملازم ہے؟

ویٹر آیا تو میں نے اُسے چائے کا آرڈر دیا اور اردگرد کے ماحول کا جائزہ لینے لگی۔ وہاں دو ایک لڑکیاں بھی تھیں لیکن اُن کے چہرے اِتنے دلکش نہیں تھے کہ میری زیادہ توجہ حاصل کر سکتے۔

ویٹر چائے کے ساتھ کچھ اسنیکس بھی لایا

میں نے اچانک اُس سے کہا "سنو!"

"جی!" وہ میری طرف مڑ کر مؤدبانہ لہجے

"اشرف صاحب کہاں ہیں؟" میں نے

"کون اشرف صاحب؟"

"اِس ریسٹورنٹ کے مالک۔"

"اِس کے مالک تو صابری صاحب ہیں"۔ وہ کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ "وہ بیٹھے ہیں۔"

"اچھا! میں سمجھی تھی کہ یہ کوئی ملازم ہیں۔ کیا اِس ریسٹورنٹ کے مالک؟"

"جی نہیں۔"

"اوہ! تو مجھے کسی نے غلط بتایا تھا۔ چاؤ تمہارا شکریہ۔" میں نے ویٹر کو متاثر کرنے کے لیے ا مسکراہٹ سے نوازا۔

"کوئی بات نہیں میڈم! ہم تو آپ کے خادم دانت نکال دیے۔

مَیں سر ہلا کر چائے کی طرف متوجہ ہو گئی تاکہ وہ کی اُمید میں وہاں مزید کھڑا نہ ہو سکے۔

اُس کے جانے کے بعد میں نے ایک چکن پیٹیس بنانے لگی۔ میں نے اِس بات کی تصدیق تو کر ہی لی تھی کہ جو شخص ہی صابری ہے۔ اب میں نے ایک مرتبہ پھر اُسے دیکھا۔ وہ پینتالیس پچاس سال کا ایک گٹھے ہوئے جسم کا سُرخ و سفید تھی اور وہ قمیص پتلون پہنے ہوئے، خاصا معلوم ہو رہا تھا۔

چائے پیتے ہوئے میں سوچنے لگی کہ مشتاق چنگیزی کے تعلق یا عدم تعلق کا سراغ کیسے لگایا جائے۔ یہ سوچتے ہوئے میری نظر ایک شخص پر پڑی جو ریسٹورنٹ میں داخل ہونے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا تھا۔ اُس کی وضع قطع ایسی تھی کہ مجھے توجہ دینے کے لیے مجبور ہو گئی۔ وہ شلوار قمیص پر کوٹ پہنے اُسے دیکھ کر مجھے اُن دونوں جھوٹے گواہوں کا خیال آ گیا جنھوں نے پولیس کو غلط راہ پر ڈالنے کے لیے ٹرک کا نمبر غلط بتایا تھا اور مطابق اُن سے یہ غلط بیان دلوانے والے کی وضع قطع بالکل تھی جیسی وضع قطع میں یہ نووارد تھا۔

وہ کاؤنٹر پر جا کر رُکا اور کاؤنٹر پر کہنیاں ٹیک کر آگے جھکا

ہی صابری سے کچھ کہہ رہا تھا اور صابری کے چہرے ... رہی تھی۔ اُس وقت میری چھٹی حس نے یقین ... ہے جس نے اُن دونوں آدمیوں سے جھوٹی گواہی ... فوری طور پر فیصلہ کیا کہ اِس آدمی کی نگرانی کروں گی۔ ... ویٹر کو اشارے سے بلایا اور اُس سے کہا "لو یہ بل ... لے" اُسے دس کا ایک نوٹ دیا۔ "مجھے اچانک ایک ... میں ذرا جا رہی ہوں۔" میں چائے کی نصف پیالی ... مل میں اُس شخص سے پہلے ہی ریسٹورنٹ سے ... اور مجھے یقین تھا کہ وہ بھی جلد ہی ریسٹورنٹ سے ... انداز صاف بتا رہا تھا کہ وہ صابری کو بس کوئی اطلاع آیا ہے۔

... میں جا بیٹھی اور اُس ٹھیکیدار نما آدمی کے باہر آنے ... گی۔ میں چاہتی تھی کہ اُس شخص کے ٹھکانے کا پتا ... میں اُن جھوٹے گواہوں سے اُس کی شناخت بھی ... خیال تھا کہ وہ دونوں جھوٹے گواہ پوری طرح میرے ... کسی وقت بھی میرے خلاف جانے کی ہمت نہیں

... بعد ہی میں نے اُس مشتبہ شخص کو ریسٹورنٹ سے ... وہاں ایک ٹیکسی میں آیا تھا اور ٹیکسی وہیں رُکی ہوئی تھی۔ ... کر روانہ ہوا تو میں نے اپنی کار اُس کے تعاقب میں

... کا اختتام دستگیر کالونی پہنچ کر ہوا۔ ٹیکسی کو ایک مکان کے ... دیکھ کر میں نے اپنی رفتار بہت کم کر دی تھی۔ مشتبہ شخص ... کر مکان کے پھاٹک میں چلا گیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ ... نے ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے کرایہ ادا کر دیا تھا۔

... نے کار کو بدستور کم رفتار سے اُس مکان کے سامنے سے گزارا۔ ... مکان کا نمبر دیکھنا چاہتی تھی۔ نمبر کے ساتھ ہی مجھے نیم پلیٹ بھی ... بڑے بھدے خط میں "ٹھیکیدار جامو خاں" لکھا ہوا ... ہو کر مجھے ہنسی آتے آتے رہ گئی۔ اُس شخص کو دیکھ کر ... میں ٹھیکیدار کا تصور اُبھرا تھا اور وہ واقعی ٹھیکیدار ثابت

... راستے سے میں نے کار واپس موڑی اور جب میں لیاقت آباد ... اَنڈر پاس سے گزر رہی تھی تو مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ ... اُن دونوں جھوٹے گواہوں سے مل کر ٹھیکیدار جامو خاں

کی شناخت کا وقت طے کر لوں۔ اُن میں سے ایک لیاقت آباد میں اور دوسرا تین ہٹی کے قریب رہتا تھا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ وہ دونوں تو شاید ملازمت پیشہ ہیں لہٰذا اِس وقت اپنے گھروں پر نہیں ہوں گے۔

میں سیدھی ہاسپٹل پہنچی۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ تھوڑی دیر قبل کفیل رضا کو میرے گھر کی طرف روانہ کیا جا چکا ہے اور سنگیتا بھی ہاسپٹل کے اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو کفیل رضا کو لے کر گئے ہیں۔

اب میں نے اپنے گھر کا رُخ کیا۔

سنگیتا برآمدے میں ٹہل ٹہل کر میرا انتظار کر رہی تھی۔ ہاسپٹل والے شاید واپس جا چکے تھے ورنہ اُن میں سے کوئی تو نظر آتا۔ اِس کے علاوہ وہاں ہاسپٹل کی کوئی گاڑی بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"آپ بہت جلدی آ گئیں!" سنگیتا نے کہا۔ "نہ جانے کیوں میرا خیال تھا کہ شاید آپ تین چار گھنٹے میں لوٹیں۔ ہمیں بھی یہاں آئے ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا، مشکل سے پندرہ منٹ گزرے ہوں گے۔"

"تمہارے انکل کس کمرے میں ہیں؟"

"آپ کی خوابگاہ کے برابر والے کمرے میں۔" سنگیتا نے جواب دیا۔ "ملازمہ نے بتایا تھا کہ اُس کمرے میں آپ کبھی کبھی اپنے کسی مہمان کو ٹھہراتی ہیں اور آپ نے انکل کے سلسلے میں بھی اپنی ملازمہ کو فون پر یہی ہدایت کی تھی۔"

"ہاں۔" میں سنگیتا کا ہاتھ تھامے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ صوفے پر بیٹھ کر میں نے ملازمہ کو پکارا اور اُس سے کہا کہ کھانا میز پر لگا دیا جائے، پھر میں نے سنگیتا سے پوچھا "تمہارے انکل نے یہاں آتے ہوئے کوئی مزاحمت تو نہیں کی؟"

"اِس کے برخلاف وہ بہت خوش ہیں۔" سنگیتا نے بتایا۔ "ہاسپٹل کو بھی وہ ہوٹل سمجھ رہے تھے۔ نہ جانے کیسے اُن کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ اُن کے گھر میں روس اور امریکہ کی ریشہ دوانیاں بہت بڑھ گئی ہیں اِس لیے وہ اپنے گھر کی بجائے کسی ہوٹل میں رہنے پر مجبور ہیں۔ ہاسپٹل والوں نے بھی اُن کے اِس اندازِ فکر کو دیکھتے ہوئے اُنھیں یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ ہوٹل اُن کے شایانِ شان نہیں لہٰذا اُنھیں ایک شاندار ہوٹل میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ پھر یہاں آ کر وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ ہوٹل تو واقعی شاندار ہے۔"

میں نے آہستہ سے سر ہلایا اور پھر کہا "میں آج شام اُن کے علاج کے سلسلے میں دماغی امراض کے ایک ماہر سے ملوں گی۔"

ذرا دیر بعد ملازمہ نے اطلاع دی کہ کھانا لگایا جا چکا ہے۔

"آؤ!" میں نے سنگیتا سے کہا اور کھڑی ہو گئی۔ "کھانے کے بعد میں تمھیں تمھارے گھر چھوڑ آؤں گی۔"

سنگیتا کے چہرے سے یوں معلوم ہوا جیسے وہ کھانے سے انکار کرنا چاہتی ہے لیکن میں نے اُسے اپنی تیکھی نظر سے دیکھا کہ وہ خاموشی سے اُٹھ کر میرے ساتھ ڈائننگ روم میں آ گئی۔

میں نے ابھی ذرا ہی دیر قبل ریسٹورنٹ میں ایک پیٹیس کھا کر چائے پی تھی اِس لیے مجھے زیادہ بھوک نہیں لگ رہی تھی لیکن میں نے محض اِس لیے کھانا ضروری سمجھا تھا کہ میرے ساتھ سنگیتا بھی تھوڑا بہت کھا لیتی۔

کھانے کے بعد میں اُسے لے کر لی ہائنڈ جیکب لائینز کی طرف روانہ ہوئی۔ راستے میں، میں نے سنگیتا سے پوچھا۔ "کیا ہاسپٹل میں کوئی پولیس آفیسر آیا تھا؟"

"جی ہاں، وہ تو ہمارے ساتھ گھر تک آیا تھا اور آپ سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ ممکن ہے، وہ پھر آئے۔"

"اچھا، اب تم کب آؤ گی؟"

"میں بہت تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ شاید آج نہ آسکوں لیکن کل صبح ضرور آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم گھر جا کے سو جانا۔ میں شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں کہ گزشتہ رات تم ایک پل بھی نہیں سوئیں۔"

سنگیتا چُپ رہی۔ اُس میں اِتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ میرے بالکل صحیح اندازے کی تردید کر سکتی۔

میں نے اُسے اُس کے گھر چھوڑا اور رام لال کا سامنا کیے بغیر لوٹ آئی۔ میں اب اُس شخص سے ملنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اُس کے خشک رویّے کے جواب میں میرے منہ سے کوئی سخت بات نکل گئی تو سنگیتا کو تھوڑی بہت تکلیف ضرور پہنچے گی۔ رام لال بہرکیف اُس کا باپ تھا۔

وہاں سے واپسی پر میں نے اُس پولیس آفیسر سے ملاقات کی جس نے کفیل رضا کے اغوا کی تفتیش کا آغاز کیا تھا۔ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ سبک سر ہو کر مجھ سے ملا۔ غالباً اُسے علم ہو چکا ہوگا کہ ہوم سیکرٹری بھی میرے طرفداروں میں سے ہے۔

"جوشی رُوپوش ہو گیا۔" اُس نے مجھے بتایا۔

"میں یہی توقع کر رہی تھی۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔

"لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسٹر کفیل رضا ہاسپٹل کے قریب پڑے ہوئے کیسے ملے؟ ... اور پھر یہ کہ وہ پاگل بھی ہو گئے۔"

"میرا اندازہ ہے کہ اُنھیں کوئی ایسی زہریلی چیز دی گئی ہے جس نے اُن کے دماغ کو متاثر کیا ہے۔"

"لیکن اِس حرکت کا مقصد؟"

"یہی تو آپ کو معلوم کرنا ہوگا۔"

"لیکن ..." پولیس آفیسر کچھ کہتے کہتے ...

"لیکن کیا؟"

"میرا خیال ہے کہ آپ اِس معاملے کو ... رہی ہیں۔ اگر آپ مجھے وہ سب کچھ بتا دیں جو ... شاید میری تفتیش زیادہ تیزی سے آگے بڑھ سکے ..."

"فی الحال آپ جوشی کو ڈھونڈیے۔ اگر وہ مل ... سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔ اچھا، میں اب چلتی ہوں ..."

پولیس آفیسر بڑی بے بسی سے میری طرف ... اُس کے اِس انداز پر ہنسی آتے آتے رہ گئی۔

دوسری ملاقات میں نے اُس پولیس آفیسر ... حادثے کی تحقیقات کر رہا تھا۔ وہ بھی بڑے ... ملا۔ چونکہ شکیل اور کفیل رضا میں ایک تعلق ... ہر دو معاملات کی تمام خبریں، دونوں کیسز ... افسران کو معلوم تھیں۔ شکیل کے حادثے کی ... افسر کو بھی یہ علم ہو چکا تھا کہ مجھے ہوم سیکرٹری ... حاصل ہے۔

اُس پولیس آفیسر نے مجھے بتایا کہ جس ٹرک ... گرفتار کیا گیا ہے، وہ کسی طرح بھی اقرارِ جرم کرنے پر آ...

"اُسے آمادہ ہونا بھی نہیں چاہیے۔" میں نے ...

"آپ نے ایک ایسے شخص کو پکڑ لیا ہے جو بے قصور ..."

"جی!" پولیس افسر چونک پڑا۔ "لیکن وہ ..."

"اگر آپ میری ایک خواہش پوری کرنے کا ... آپ کو بہت اہم معلومات فراہم کر سکتی ہوں۔"

"مجھے بھلا کس بات سے انکار ہو سکتا ہے ..."

"تو پھر سنیے! وہ دونوں جھوٹے گواہ ہیں۔ اُنھ... کر یہ جھوٹی گواہی دلوائی گئی تھی۔"

"واقعی؟" پولیس افسر اُچھل پڑا۔

"اِس میں شمّہ برابر جھوٹ نہیں ہے۔"

"تو پھر میں اُن دونوں کی کھال اُدھیڑ ڈالوں گا ..." آفیسر نے بپھر کر کہا۔

"بس یہی تو میں آپ کو نہیں کرنے دوں گی!

مجھے حقیقت بھی اُنھی دونوں سے معلوم ہوئی ... یہ ہیں اُن دونوں کو وعدہ معاف گواہ بنائیں ... بہت زور دے کر کہا۔

... چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر ایک طویل ...

"اگر آپ یہی ایسا چاہتی ہیں تو پھر ایسا ہی ہوگا۔"

"... آپ کو تفصیلات بتائے دیتی ہوں۔"

... ہمہ تن گوش ہو گیا اور میں نے اُسے بتانا شروع ... دونوں آدمیوں سے حقیقت کس طرح اُگلوائی ... کچھ بیان کرنے کے بعد میں نے کہا۔ "اور اب ... اُس کو بھی تلاش کر چکی ہوں جس نے اِن دونوں ... دے کر جھوٹی گواہی دلوائی تھی۔"

"... کون!" پولیس آفیسر پُرجوش نظر آنے لگا۔

... نے صابری اور حامو خاں کے بارے میں بھی ... اگر آپ اِن دونوں شخصیتوں کے بارے میں ... تو ممکن ہے کوئی راز افشا ہو سکے۔"

... متفکرانہ انداز میں سر ہلانے لگا، پھر بولا۔ "اُن ... ایک شخص پہلے ہی سے ہماری نظر میں مشتبہ ہے۔"

...

... "پولیس افسر نے جواب دیا۔ "ہمارے ریکارڈ ایک ... سال میں اِس شخص کی نقل و حرکت کچھ پُراسرار سی ... کوئی ایسا اشارہ نہیں ملا ہے جس سے صابری ... شخصیت کچھ روشنی میں آتی۔"

"... آپ اپنا سارا زور اُنھی دونوں پر صَرف کر دیں۔"

"... کرنا ہی پڑے گا۔"

... گفتگو کے بعد جب میں وہاں سے روانہ ہوئی تو پانچ ... میں تھکن محسوس کر رہی تھی لیکن میں نے فیصلہ کیا ... کرنے سے پہلے ڈاکٹر ریحان سے ملاقات کرتی چلوں۔ ... ریحان دماغی امراض کا ماہر تھا جس سے میں نے ... فون پر گفتگو کی تھی اور طے ہوا تھا کہ میں پانچ سے ... کے درمیان اُس سے ملوں گی۔

... نے اُس سے ملاقات کی اور اُسے نہایت مستعلیق ... پایا۔ اُس نے مجھے تقریباً نصف گھنٹہ دیا اور کفیل رضا ... میں تفصیلات معلوم کرتا رہا۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا، وہ میں نے اُسے بتا دیا لیکن بعض سوال ایسے بھی تھے جن کا جواب میں نہیں دے سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ مجھے کفیل رضا کے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

آخر یہ طے پایا کہ کل دوپہر کو ڈاکٹر ریحان میرے گھر آ کر کفیل رضا کا معائنہ کرے گا۔

اِس ملاقات کے بعد میں اِتنی تھک گئی تھی کہ سیدھی اپنے گھر ہی پہنچی اور ایک ہلکا پھلکا لباس پہن کر بستر پر ڈھیر ہو گئی۔

ساڑھے سات بجے سونیا کا فون آیا اور اُس نے مجھے بتایا کہ وہ ساڑھے آٹھ بجے تک آ رہی ہے۔

"آ جاؤ جان!" میں نے کہہ کر ماؤتھ پیس چوم لیا۔

سوا آٹھ بجے تک میں بستر پر ہی لیٹی رہی۔ اِس دوران میں صرف ایک مرتبہ میں نے ملازمہ کو بُلا کر کفیل رضا کے بارے میں پوچھا تھا۔

"وہ بالکل مطمئن اور خوش ہیں۔" ملازمہ نے بتایا تھا۔

سوا آٹھ بجے میں بستر سے اُٹھی تاکہ سونیا کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہو جاؤں۔ کئی روزہ تھکن کو میں آج رات نچوڑ کر پھینک دینا چاہتی تھی۔

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ کہیں سونیا نے میرے پاس آنے کا ارادہ ملتوی تو نہیں کر دیا؟

بہرحال میں نے ریسیور اُٹھایا اور ماؤتھ پیس میں کہا۔

"بانو اسپیکنگ۔"

"میں تمھارا ہمدرد بول رہا ہوں۔" وہی نامعلوم آواز سنائی دی۔

میں نے بُرا سا منہ بنایا اور کہا۔ "اِس وقت تم مجھے کتنی ہی سنسنی خیز اطلاع کیوں نہ دو، میں گھر سے کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"کیونکہ سونیا نے آنے کا وعدہ کر لیا ہے!" دوسری طرف سے طنزیہ انداز میں کہا گیا اور پھر وہ بڑے سخت لہجے میں بولا۔ "اگر تم نے آج کی رات سونیا کے ساتھ گزاری تو اپنی موت کی ذمّے دار تم خود ہو گی۔"

اِس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی، دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور میں ریسیور کو گھورنے لگی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے وہی سنا ہے جو کہا گیا تھا۔ بھلا سونیا کے ساتھ رات گزار کر میں موت کا شکار کیسے ہو سکتی تھی؟

مجھے اِس سوال پر غور کرنے کی زیادہ مہلت نہیں مل سکی۔ میری ایک ملازمہ نے آ کر اطلاع دی کہ سونیا آئی ہے۔
مجھے یوں لگا جیسے ٹیلیفون والی آواز میرے کانوں میں گونجنے لگی ہو۔ "تمھاری موت آئی ہے یا تو! تمھاری موت آئی ہے۔"

میں نے ذہنی خلفشار کے باوجود' اپنے چہرے سے فکر و تردّد کا غبار اُڑایا اور اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر سونیا کا استقبال کرنے کے لیے اپنے خوبصورت ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔
سونیا خاصے کشادہ گریبان کی جیکٹ نما قمیص اور جین میں ملبوس تھی۔ وہ صوفے سے اُٹھ کر والہانہ میری طرف بڑھی اور مجھ سے لپٹ گئی۔

اگر چٹانیں آپس میں ٹکرا جائیں تو شعلہ یقیناً بھڑکے گا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت اُس وقت میری ہوئی۔ میرے وجود میں جو شعلہ لپکا تھا' اس نے سارے ذہنی خلفشار کو خاکستر کر دیا۔
"سونیا ڈارلنگ!" میری سرگوشی جذبات سے بوجھل تھی' پھر مجھے پتا بھی نہ چلا کہ میری تشنہ لبی تک سونیا کے ہونٹوں کی رسد کب ہوئی اور وہ دریائے لطافت کتنی دیر تک صحرائے طلب کو سیراب کرتا رہا۔ ان سنسناتے ہوئے لمحوں میں میری اور سونیا کی آنکھیں بند تھیں لیکن ہاتھوں کی انگلیاں اپنی پوری توانائی کے ساتھ اپنی بیداری کا ثبوت دے رہی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کرۂ جمال سے ماسوا کو بھی مسخر کرنے کی معتدبہ صلاحیت رکھتی ہوں۔

ہم دونوں کو ایک آواز نے چونکایا۔ میں نے آنکھیں کھول کر آواز کی سمت دیکھا تو مجھے اپنی ملازمہ کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آئی۔ وہ غالباً ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی لیکن داخل ہوتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ (میں اپنی غلطی تسلیم نہیں کروں گی کیونکہ یہ آج کے انسان کا شیوہ نہیں۔) بس پھر وہ پلٹ کر بھاگی تھی تو غالباً اُس کا سر دروازے سے ٹکرا گیا تھا۔ اسی ٹکراؤ کی آواز میں نے اور سونیا نے سنی تھی۔
ملازمہ کی بوکھلاہٹ پر مجھے ہنسی آ گئی اور میں نے سونیا کی طرف دیکھا۔ مجھے ہنستے دیکھ کر وہ بھی مسکرا دی۔ اس کے چہرے پر ایسی سُرخی تھی جیسے وہ تپ رہی ہو اور اس تپش کے باعث اس کے چہرے پر پسینے کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔
"آؤ!" میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور بِلور روم کی طرف چل پڑی۔

بِلور روم جمال میں بے خوف ذ[illegible]
اپنے مشامِ جاں کو معطر کر سکتی تھی۔ اس ک[illegible]
موجود تھا اور میں اس کمرے کی فضا کو سا[illegible]
بنا لیتی تھی۔

جب بھی کوئی نئی لڑکی پہلی مرتبہ اس کم[illegible]
مبہوت سی ہو کر رہ جاتی تھی۔ آرائش و[illegible]
ہی کہیں دیکھا جا سکے۔ کچھ یہی حال سونیا کا [illegible]
پر آویزاں میری پینٹنگز دیکھیں تو بس دیکھتی [illegible]
اس کے جذبات میں جوار بھاٹا کی جو کیفیت پ[illegible]
اس کو بخوبی محسوس کر سکتی تھی۔
میں نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا ا[illegible]
بڑھی جس میں کھی ہوئی خوبصورت بوتلوں میں [illegible]
سیّال مقید تھے۔
"تم کیا پسند کرو گی سونیا؟" میں نے [illegible]
سونیا چونکی اور اس کی توجہ پینٹنگز [illegible]
کیبنٹ پر مرکوز ہو گئی۔ اس نے مختلف النو[illegible]
معنی خیز اور مسرور انداز میں اپنے سر کو خفیف [illegible]
پھر بولی "شیمپین۔"
"گڈ!" میں نے سونیا کے انتخاب پر خوش[illegible]
دو گلاسوں میں شیمپین بنانے کے بعد میں [illegible]
نرم و گداز فوم پر بیٹھ گئی جو سارے کمرے میں بچھا [illegible]
نام کی کوئی چیز اس کمرے میں نہیں تھی۔
"پہلا جام" میں نے سونیا کے گلاس سے اپنا [illegible]
ہوئے کہا "تمھارے پارہ صفت بدن کے نام!"
"آپ کی مقناطیسی شخصیت کے نام!" سو[illegible]
"گویا اختلافِ رائے کے نام!" میں نے ہنس کر [illegible]
مُنہ سے لگا لیا۔
سونیا ایک لمبا گھونٹ لے کر بولی "مجھے یوں [illegible]
اس کمرے میں مختلف قسم کی خوشبوئیں چکراتی پھر رہی ہ[illegible]
"ہاں' تمھارا خیال بالکل درست ہے مگر [illegible]
ایسی بھی ہے جو تمھیں محسوس نہیں ہوئی ہو گی۔"
"وہ کون سی خوشبو ہے؟"
"خوش بدنوں اور رنگین صفتوں کی مہکار!"
"تو گویا مجھ سے پہلے...!"

[illegible] سونیا!" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "یہ کمرہ
[illegible]ں کے رازوں کا امین ہے۔ میں حُسن پرست ہوں اور
[illegible] کا قرب حاصل کرنا میرا واحد شوق ہے۔ بعض اوقات
[illegible] مجھے خطرات میں بھی ڈال دیتا ہے۔" میں نے یہ کہتے ہوئے
[illegible]ونیا کی طرف دیکھا لیکن وہ معصومیت کا پیکر بنی ہوئی تھی۔
"[illegible] خطرات؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔
"[illegible] لڑکیاں میرے دشمنوں کی آلۂ کار بن کر مجھے موت کے مُنہ
[illegible] کی کوشش کر چکی ہیں۔"
[illegible]ونیا پر میری اس بات کا بھی کوئی ردِ عمل نہیں ہوا اور میں
[illegible] کہ مجھے فون پر غلط اطلاع دی گئی تھی یا سونیا میں اپنے
[illegible] چھپا پانے کی غیر معمولی صلاحیت ہے؟
"[illegible] آپ کے بھی دشمن ہیں؟" وہ بڑے تعجب سے بولی۔
"[illegible] خیال ہے کہ آج کی دنیا میں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ضرور
[illegible] اور میرے دشمنوں کی تعداد تو کچھ زیادہ ہی ہے۔"
"[illegible] یقین نہیں کر سکتی۔"
"کیوں؟"

"[illegible]پ اتنی اچھی ہیں کہ آپ کا دشمن تو کسی کو بھی نہیں ہونا چاہیے۔"
"[illegible] تمھارا حسنِ ظن ہے کہ تم مجھے بہت اچھا سمجھ رہی ہو۔ ویسے
[illegible] بتاؤں کہ آج کی دنیا میں اچھے انسانوں ہی کے دشمن زیادہ
[illegible] ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بُرے آدمیوں کا دشمن
[illegible] مشکل ہوتا ہے۔ بُرے آدمیوں کی طرف سے جوابی کارروائی
[illegible] ہوتی ہے جبکہ بیچارہ اچھا آدمی ظلم و ستم کا شکار ہونے
[illegible] خود ناموش رہتا ہے۔"
[illegible]ونیا میری باتوں میں دلچسپی لینے لگی اور بولی "تو ایسی
[illegible] کتنی ہوں گی جنھوں نے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی؟"
"[illegible] کبھی گننے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔" میں ہنس کر بولی "ویسے
[illegible] تو ہوں گی۔ ان میں سے چند ایسی بھی تھیں جو نادانستہ طور
[illegible] دشمنوں کا آلۂ کار بنیں۔"
"نادانستہ طور پر کیسے؟" سونیا نے پوچھا۔
[illegible] گفتگو کو آہستہ آہستہ اُس موڑ تک لانے کی کوشش کر رہی
[illegible] اگر سونیا میرے دشمنوں کی آلۂ کار بنی ہے تو میں کسی طرح یہ جان
[illegible] دشمن نے کس قسم کا جال بچھایا ہے؟
لیکن ابھی میں سونیا کے سوال کا جواب نہیں دینے پائی تھی کہ
[illegible] پر دستک ہوئی۔ دستک کیا ہوئی' دروازے کو بُری طرح

پیٹ ڈالا گیا۔ میرے خیال کے مطابق یہ کسی ملازمہ ہی کی حرکت ہو سکتی تھی۔ میں اس بدتمیزی پر پل بھر کے لیے تو جھنجلا گئی لیکن دوسرے ہی لمحے میں میں نے سوچ لیا کہ ضرور کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے ورنہ کوئی بھی ملازمہ اس بدتمیزی کی جسارت نہیں کر سکتی تھی۔
اس وقت میں شیمپین کا آدھا گلاس خالی کر چکی تھی' وہ میں نے ایک طرف رکھا اور دروازہ کھولنے کے لیے اُٹھی۔

"آپ کی ملازمہ بڑی بدتمیز معلوم ہوتی ہے۔" سونیا نے تبصرہ کیا۔
میں نے اس تبصرے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھولتے وقت میرے ذہن میں اس کے سوا کوئی خیال نہیں تھا کہ ملازمہ مجھے کوئی غیر معمولی اطلاع دینا چاہتی ہے لیکن جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا' مجھے اپنے اعصاب پر زنّاٹا سا محسوس ہوا۔ دروازے کے باہر کوئی ملازمہ نہیں بلکہ وہی "خطرناک داڑھی والا" کھڑا تھا۔ اس کی پُشت دروازے کی طرف تھی اور اس نے اپنے سر کو بائیں جانب ذرا سا گھما رکھا تھا۔ میری نظر اُس کے چہرے کا بہت کم حصّہ دیکھ سکتی تھی۔
"ابھی تک آپ خیریت سے ہیں؟" اس کا لہجہ بہت چبھتا ہوا سا تھا۔

میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ بند کیا اور تیزی سے سونیا کی طرف مُڑی۔ میں نے اس سے کہا "تم پیو! میں ابھی آتی ہوں۔"
اُسی وقت دروازے کو پھر بہت زور سے پیٹا گیا۔
"یہ کون بدتمیز ہے!" سونیا نے مُنہ بنا کر کہا۔
"میں ابھی اسے اس کی بدتمیزی کا مزہ چکھا کر آتی ہوں۔" میں نے کہا اور دروازے کی طرف مُڑی۔
سونیا نے پوچھا "کیا آپ کو دیر لگے گی؟"
"بس زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ۔"
سونیا نے سر ہلا کر شیمپین کا گلاس مُنہ سے لگا لیا۔
میں دروازہ کھول کر تیزی سے باہر پہنچی اور پھر اتنی ہی تیزی سے دروازہ بند بھی کر دیا۔
داڑھی والا اب پھر اُسی پوزیشن میں کھڑا ہوا تھا۔
"میری طرف رخ کرو!" میں نے مُنہ بنا کر کہا "اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دو کہ اگر میں نے اتنے قریب سے تمھارا چہرہ دیکھ لیا تو تمھیں پہچان لوں گی۔ میں تمھیں پہلے ہی پہچان چکی ہوں۔ میری نظر زیادہ عرصے تک دھوکا نہیں کھا سکتی۔"
"آپ کی نظر بازی کا تو میں تہِ دل سے قائل ہوں۔" وہ میری طرف

مڑتا ہوا ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔ اس مرتبہ وہ اپنی اصل آواز میں بولا تھا اور وہ آواز رضوان کی تھی۔

"ڈرائنگ روم میں آؤ!" میں نے کہا اور بائیں جانب مڑ گئی۔

میں اپنے عقب میں قدموں کی آواز سن رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر میں ایک صوفے پر بیٹھ گئی اور پھر رضوان کو گھورتی ہوئی بولی "تم میرے اس کمرے تک پہنچے کیسے؟ کسی ملازمہ نے تمھیں روکا نہیں؟"

"روکتیں کیسے؟ میں ان سے اپنی اصل آواز میں بولا تھا اور وہ سب جانتی ہیں کہ آپ سے میرے تعلقات کچھ ایسے زیادہ جائز بھی نہیں ہیں۔ رہ گیا میک اپ تو اس معاملے میں آپ کی سبھی ملازمائیں نے اب حیران ہونا چھوڑ دیا ہے، عادی ہو چکی ہیں ان باتوں کی!"

"میرا ابھی یہی خیال تھا کہ تم نے ملازماؤں پر اپنی شخصیت کو بے نقاب کر دیا ہوگا۔"

"آپ تو خاصی سمجھدار نکلیں!" رضوان تمسخرانہ انداز میں ہنسا۔

"آخر اس سارے ڈرامے کا مقصد کیا تھا؟" میں اچانک ہ اٹھی۔

"دیکھیے محترمہ!" رضوان انگلی اٹھا کر بولا "دھونس دھڑلے سے کام نہیں چلے گا۔ ذرا پیار محبت سے کام لیجیے۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھے اپنی گود میں بٹھا کر پیار کرنا شروع کر دیں بلکہ۔۔"

"کیا تمھیں وقت ضائع کرنے کی عادت پڑ گئی ہے!" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"ارے ہم تو خود اپنے آپ کو ضائع کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ بڈھے ہونے کو آئے لیکن اب تک باپ بننا تو کجا، کسی کے خصم بھی نہیں بن سکے!"

"اچھا تو۔۔۔" میں غصے میں آکر ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔

"ارررر۔۔۔ بیٹھیے! بیٹھیے!" رضوان نے جلدی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے صوفے پر بٹھا کر خود بھی میرے برابر میں بیٹھتا ہوا بولا۔ "بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ غصہ حرام ہوتا ہے، مذہباً بھی، اخلاقاً بھی اور۔۔۔ خیر چھوڑیے! ہاں تو وہ۔۔۔ کیا نام اس کا؟ سونیا۔۔۔ ماشاء اللہ بڑی پیاری بچی ہے۔ خدا اس کی عمر دراز کرے۔ فی الحال آپ نے اس سے کس حد تک ملاقات کی ہے؟"

"حد سے تمھاری کیا مراد ہے؟"

"ہائے اللہ!" رضوان اپنی انگلی دانتوں میں دبا کر بولا "ہمیں شرم آتی ہے بتاتے ہوئے۔ آپ خود ہی سمجھ جائیے نا!"

"تم بعض اوقات زنخوں کی طرح لچکنے کیوں لگتے ہو!" میں چڑ گئی۔

"میں اکثر اوقات بھی زنخوں کی طرح لچک سکتا اس لیے نہیں لچکتا کہ پھر آپ کی چینک مٹک مانا پڑ مرتبہ تو میں نے یہ تک سوچ ڈالا تھا کہ اپنے جسم زن کر کے عالمی مقابلۂ حسن میں شریک ہو جاؤں۔"

"اوہ!" میں نے دانت پیسے "رضوان! اگر منہ سے ایک بھی غیر سنجیدہ جملہ نکلا تو میں ضرور جاؤں گی۔"

"اچھا!" رضوان نے مایوسانہ انداز میں کہا "اگر حد تک بڑھ سکتی ہے تو میں سنجیدہ ہوا جاتا ہوں۔"

میں اسے گھورتی رہی۔

"سنجیدگی سے دیگر احوال یہ ہے" رضوان بولا "نے اس لڑکی کو اپنے نکاح میں لیا تو آپ کو ہلاکت ہونا پڑے گا۔ یہ میں نے دو چار کا ڈبل عرض کیا ہے۔"

میں نے اس کے تمسخرانہ انداز بیان کو نظر انداز کہا "یہ بات تم نے ٹیلیفون پر بھی کہی تھی!"

"لاؤڈ اسپیکر پر بھی عرض کر سکتا ہوں۔"

"تم یہ کیسے جانتے ہو کہ وہ میری ہلاکت کا سب ہے؟"

"یہ جاننے کے لیے مجھے یوگا کی مشقیں کرنا پڑی"

"تم پھر بہکنے لگے!"

"میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ مجھے یہ جاننے کے بل کھڑا ہونا پڑا تھا اور یوگا کی مشقیں اسی طرح کی جا سونیا نے ہوٹل میں جو کمرہ کرائے پر لے رکھا ہے، اس والے کمرے پر میں قابض ہوں۔ ان دونوں کمروں کی میں فرش کے قریب ایک چھوٹا سا سوراخ ہے۔ میرا خیا کبھی اس سوراخ سے کوئی وائر وغیرہ دوسرے میں پہنچایا گیا ہوگا۔ بعد میں انتظامیہ کو وہ سوراخ کا خیال نہیں رہا۔ خیال کیا نہیں رہا، بس مجھ سے دشمنی ہے ان کمبختوں نے! نہ وہ سوراخ ہوتا، نہ مجھے سر ہونا پڑتا!"

"یعنی تم سوراخ سے کمرے میں جھانکتے رہتے ہو؟"

"الحمدللہ!"

"لیکن یہ بات اب بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ سو ہلاکت کا سبب کیسے بن سکتی ہے!"

اس کا سبب یہ ہے کہ گردن سے نیچے نیچے اس کے سارے ایک خاص قسم کے محلول کی مالش کی گئی ہے جو بہت تیزی سے جذب ہو جاتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی بو بھی نہیں ہوتی اور وہ ل کے ذریعے جسم میں داخل ہو کر کوئی نقصان نہیں پہنچاتا وہ زبان یا ہونٹوں سے مس ہو جائے تو اس کے مہلک سامنے آ جائیں گے۔"

یعنی وہ معدے میں پہنچنے کے بعد اثر پذیر ہوتا ہے؟"

مالباً۔"

یقیناً کیوں نہیں؟"

"وہ اس لیے نہیں کہ میں ان لوگوں کی مبہم باتوں سے کسی پر نہیں پہنچ سکا۔"

"ان لوگوں کی باتوں سے؟"

"یعنی مشتاق اور جمیس فریزر کی باتوں سے؟"

"ہاں۔" میں کچھ سوچنے لگی۔

"میں ایک بات واضح کر دوں!" رضوان پھر بولا "سونیا ش میں شریک نہیں ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"اس طرح ہو سکتا ہے کہ سونیا تیسرے پہر غسل کرنے کی ہے۔ اگر سوئمنگ پول میسر نہ ہو تو باتھ روم کو غنیمت جانتی پھر اگر اسے کہیں گھومنے پھرنے نہ جانا ہو تو دو تین گھنٹے کے جاتی ہے۔ آج البرٹو نہیں تھا اس لیے وہ سو گئی۔ البرٹو گیا تھا کہ حیدرآباد جا رہا ہے لیکن دراصل وہ کراچی ہی میں جب ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ سونیا اب سو گئی ہوگی تو ں کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے کی ایک چابی کے پاس بھی رہتی ہے۔ جمیس فریزر نے اپنی جیب سے مال نکال کر چند سیکنڈ تک خوابیدہ سونیا کی ناک کے رکھا اور پھر اعلان کیا کہ اب سونیا آدھے گھنٹے تک میں نہیں آ سکے گی۔ اس کے بعد البرٹو نے سونیا کے کپڑے اور اس کے جسم پر اس محلول کی مالش کی جس کی شیشی اسے ملی تھی۔"

"لیکن یہ البرٹو ان لوگوں کا آلۂ کار کیسے بن گیا؟"

"دیکھنے میں تو بیوقوف سا آدمی ہے لیکن جب کسی بات کرتا ہے تو بڑی شدت سے کرتا ہے۔ آج کل وہ حسد کی جل رہا ہے اور یہ آگ اس کے دل میں مشتاق چنگیزی نے بھڑکائی ہے۔"

"لیکن حسد کس سے؟"

"آپ سے۔"

"مجھ سے؟"

"جناب!" رضوان نے بھنویں اچکا کر کہا "البرٹو آج کل اس آگ میں جل رہا ہے کہ آپ اس کی محبوبۂ دل نواز و جگر نواز کو اپنے نکاح میں لینے پر تلی ہوئی ہیں۔"

"تو گویا۔۔۔۔"

"ٹھہریے!" رضوان نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "آپ مجھ سے بڑی قیمتی معلومات حاصل کر چکی ہیں۔ اب میرے ایک سوال کا جواب دیجیے۔ آخر آپ نے مجھے کب اور کیسے پہچانا؟"

"اب ان سوال و جواب کو تھوڑی دیر بعد تک کے لیے ملتوی کر دو۔ مجھے بھی تم سے ابھی بہت کچھ معلوم کرنا ہے لیکن پہلے میں ذرا سونیا کے مسئلے سے نمٹ لوں۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "میں اس محلول کا تجزیہ کرواؤں گی جس کی مالش سونیا کے جسم پر کی گئی ہے۔"

"یہ کام آپ کیسے کریں گی؟"

"تم یہاں صبر سے بیٹھو اور میرا انتظار کرو!"

"غالباً اس موقع کے لیے کوئی آیت بھی ہے۔" رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"یقیناً ہے، اور تم یہاں بیٹھے ہوئے اس کا ورد کرتے رہو۔" میں یہ کہتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل آئی۔

رضوان نے جو معلومات فراہم کی تھیں ان کا ایک خوشگوار پہلو یہ تھا کہ سونیا اس سازش میں دانستہ ملوث نہیں تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو میرے ہاتھوں اس کی درگت ضرور بنتی۔ خوبصورت لڑکیوں کو سزا دیتے ہوئے مجھے دکھ تو ہوتا ہے لیکن میں انھیں معاف ہرگز نہیں کرتی۔

جب میں بلو روم میں داخل ہوئی تو سونیا اپنا گلاس خالی کرنے کے بعد میری شیمپین پر بھی دھاوا بول چکی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگی۔ "آپ کی جھوٹی شراب زیادہ نشہ آور ہے۔" وہ ہنسی بھی اور اس کا چہرہ مزید تمتما اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں خمار آسا شفق پھول رہی تھی۔

"سونی ڈارلنگ! اب ذرا یہ گلاس رکھ دو!" میں نے کہا۔

"کیوں؟" وہ شکایت آمیز انداز میں میری طرف دیکھنے لگی۔

"مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

"شراب باتیں کرنے میں حارج تو نہیں ہوتی!"

"اگر گفتگو بہت زیادہ سنجیدہ ہو تو شراب کے اثرات کچھ نہ کچھ حارج ضرور ہوتے ہیں۔"

"لیکن اس ماحول میں سنجیدہ باتیں کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" سونیا نے مُنہ بنا کر کہا۔

"اس ماحول میں زیادہ سنجیدہ باتیں کرنا واقعی کور ذوقی ہے لیکن صورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ ہمیں کور ذوقی کا ثبوت دینا ہی پڑے گا۔"

میرے چہرے پر چھائی ہوئی گہری سنجیدگی کو دیکھ کر سونیا کو کچھ تعجب ہوا اور پھر وہ شیمپین کا گلاس ایک طرف رکھ کر بولی "آخر ایسی کیا قیامت ٹوٹ پڑی کہ آپ اس خوبصورت رات کو غارت کرنے پر تلی ہوئی ہیں!"

"مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ اگر میں نے اس رات کو زیادہ خوبصورت بنانے کی کوشش کی تو یہ رات میرے لیے اجل صورت بن جائے گی۔"

"وہ کیسے!" سونیا کے چہرے پر استعجاب کا تاثر گہرا ہو گیا۔

میں بہت غور سے اس کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ اب مجھے مکمل یقین ہو گیا کہ سونیا کو اس خوفناک حقیقت کا بالکل احساس نہیں۔

"وہ ایسے میری جان!" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "کہ میرے کچھ دشمن تمہارے ذریعے سے میری موت کا سامان کر چکے ہیں۔"

"میرے ذریعے سے!" سونیا اُچھل پڑی۔

"ہاں!" میں نے زور دے کر کہا "تم اس وقت میرے لیے ایک زہریلی لڑکی ہو!"

"کیا یہ کوئی معمّا ہے!" سونیا نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔

"فی الحال یہ تمہارے لیے ایک معمّا ہی ہے لیکن میں اسے ابھی سلجھائے دیتی ہوں۔" اور پھر میں نے اُسے وہ سب کچھ بتا دیا جو مجھے رضوان سے معلوم ہوا تھا۔

سونیا نے وہ سب کچھ بالکل خاموشی اور بڑی حیرت سے سنا۔ اس کے چہرے سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے میری باتوں پر پوری طرح یقین نہ آیا ہو۔ میرے خاموش ہو جانے پر وہ بڑبڑانے والے انداز میں بولی "اگر یہ سب کچھ آپ کے علاوہ کسی نے کہا ہوتا تو میں اس پر ہرگز اعتبار نہ کرتی۔"

"تمہیں اب بھی پوری طرح اعتبار نہیں آیا ہے لیکن ہمیں کوئی ایسا بندوبست کرنا پڑے گا کہ اس حادثے کی [illegible]

"بندوبست ... کیسا؟"

"باتھ روم میں چلو!"

"اوہ!" سونیا نے سر ہلایا۔

"کیا سمجھیں؟"

"آپ چاہتی ہیں کہ میں پانی سے اپنا جسم دھو [illegible] اس پانی کا تجزیہ کرا لیں!"

"تم ذہین بھی ہو! فوراً سمجھ گئیں۔" میں نے اس [illegible] ہوئے ہنس کر کہا۔

باتھ روم میں داخل ہو کر میں نے اس سے کپڑے [illegible] لیے کہا اور باتھ ٹب کا نل کھولنے لگی۔ جب ایک تہائی [illegible] پانی بھر گیا تو میں نے نل بند کر دیا۔

"اب تم ٹب میں لیٹ جاؤ!" میں نے سونیا سے [illegible] پندرہ منٹ تک اپنے جسم کو اچھی طرح رگڑتی رہو۔ صابن [illegible] استعمال بالکل نہیں کرنا!"

سونیا نے میری ہدایت پر عمل شروع کیا۔ ادھر [illegible] کر رہی تھی کہ اس کی طرف نہ دیکھوں۔ جذبات کے تار [illegible] کا سبب بصیرت ہی کی مضراب بنتی ہے۔

جتنی دیر میں سونیا نے اپنا جسم دھویا، اتنی ہی دیر [illegible] نے شیمپو کی ایک بڑی شیشی خالی کر کے گرم پانی [illegible] دھو ڈالی تھی۔ جب سونیا ٹب سے نکل آئی تو میں نے [illegible] ٹب کے پانی سے بھر لی اور باقی پانی ضائع کر دیا۔

"اب تم اچھی طرح غسل کر ڈالو!" میں نے سونیا [illegible] "میرا مطلب ہے کہ صابن وغیرہ استعمال کر لو۔ اس کے علاوہ [illegible] ایک کیمیکل بھی پانی میں ڈالے دیتی ہوں۔ وہ کیمیکل تمہا[رے] ہر قسم کے اثرات کو ختم کر دے گا۔ اس کے بعد تم کرنے [illegible] یا جی چاہے تو پیتی پلاتی رہنا۔ میں اب کچھ دیر بعد ہی [illegible] سکوں گی۔"

"آپ جب بھی لوٹیں گی، مجھے جاگتا ہوا پائیں گی۔" [illegible] کہا اور کچھ سوچتی رہی۔ ظاہر ہے، یہ صورتِ حال ایسی نہ [تھی] کہ وہ اس پر غور نہ کرتی۔

میں اس کے باقاعدہ غسل کا بندوبست کر کے باتھ [روم سے] نکل آئی۔ شیمپو کی وہ شیشی میرے ہاتھ میں تھی جس میں [میں] نے پانی لے لیا تھا جس کے بارے میں تجزیاتی رپورٹ مجھے [ملی] نہ تھی۔

[باتھ] روم میں رضوان بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا [تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ] ہنا کر بولا "کیا کسی محتاط طریقے سے نکاح کر کے لوٹی [illegible]

[ایسی فضو]ل باتیں نہ کرو!" میں نے شیمپو کی شیشی، سینٹر ٹیبل پر [رکھتے ہوئے] کہا۔ "اس میں وہ پانی ہے جس میں سونیا کا جسم دھویا گیا [ہے۔ اس پ]انی کی تجزیاتی رپورٹ سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ [illegible] زہر کا تھا!"

[اس ک]ام آپ اپنے اس خادم کے سپرد کر دیجیے! میں کل صبح ہی [اسے کس]ی کی لیبارٹری میں پہنچا دوں گا۔ زیادہ سے زیادہ [چوبیس] گھنٹے [بعد اس] کی رپورٹ مل جائے گی۔"

[ٹھ]یک ہے۔" میں نے صوفے پر ذرا اطمینان سے بیٹھتے ہوئے [کہا۔ "اب تم] مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ تم نے دوبئی جا کر کیا تیر مارے [اور وہ]اں سے لوٹنے کے بعد یہ ڈراما کھیلنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ڈراما!" رضوان ہنسنے لگا۔ "خیر وہ تو ایک لمبی کہانی ہے [جس کے سن]انے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس سے پہلے آپ میرے ایک [سوال کا ج]واب دیجیے۔ میں یہ جاننے کے لیے بہت بے چین ہوں کہ [آپ نے م]جھے پہچانا کیسے؟ ... اور کب پہچانا؟"

"[ج]ب تم نے فون کر کے مجھے یہ بات بتائی تھی کہ تم نے کفیل رضا [کو ہ]سپتال تک پہنچا دیا ہے تو میں نے گفتگو کو زیادہ سے زیادہ [طول دیا تاک]ہ تمہاری آواز پر غور کیا تھا۔ دراصل پہلے تو میرے ذہن [میں یہ خ]یال تھا کہ جیمس فریزر اپنی آواز بگاڑ کر بولنے کی کوشش کرتا [ہے۔ لیکن] اس وقت مجھے پہلی مرتبہ ایک اور خیال آیا، یعنی یہ کہ کوئی [اور] جیمس فریزر کی آواز کی نقل بھی تو کر سکتا ہے! جب اس [و]قت میں نے تمہاری آواز پر غور کیا تو مجھے تمہارے لہجے [کی] جھلکیاں محسوس ہو گئیں۔ دراصل یہ مجھے بڑا غیر منطقی سا [محسو]س ہوتا رہا تھا کہ جیمس فریزر میری موافقت میں کام کرے۔ [کل] شام جب تم نے مجھے پھر فون کیا اور سونیا سے ہوشیار [رہنے کی] تاکید کی تو میرا ردِعمل محسوس کر کے جھنجھلا گئے اور تم نے [مجھے] آپ کی بجائے تم کہہ کر مخاطب کیا۔ یہ تمہاری عجیب غریب [عادت] ہے کہ جب تم مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے کسی موقع پر تلملا[تے] ہو تو اندازِ تخاطب بدل دیتے ہو۔ بس پھر میرا رہا سہا شبہ [بھی ختم] ہو گیا لیکن یہ بات مجھے ابھی تک الجھن میں ڈالے ہوئے [ہے کہ تم] نے یہ سارا ڈراما کیوں کھیلا تھا۔"

"اس کے دو مقصد تھے۔" رضوان نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایک تو یہ کہ میں اپنے طور پر مشتاق کے خلاف کوئی ثبوت حاصل کرنے کے چکر میں تھا اور دوسرے یہ کہ آپ میری گمشدگی سے پریشان ہو کر رضیہ کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیں۔ آخر میں کب تک تارے گن گن کر راتیں گزاروں۔ ایسی سنگدل محبوبہ تو شاید مریخ پر بھی نہ رہتی ہوگی۔"

"اگر تمہارے صرف یہی دو مقاصد تھے تو ان میں سے ایک تو یقیناً پورا ہو گیا۔ رضیہ کو میں ایک طویل ٹیلیگرام دے چکی ہوں، مگر جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا، رضیہ ایسے علاقوں میں ہے جہاں ڈاک وغیرہ کا کوئی بندوبست نہیں۔ میرا وہ ٹیلیگرام ایک اور شخص کو ملے گا تو وہ اسے رضیہ تک پہنچائے گا۔"

"رضیہ اُن ویرانوں میں آخر کیا جھک مارتی رہتی ہے!" رضوان نے کچھ جھنجھلا کر کہا۔

"اسے ان ویرانوں سے پیار ہے اور وہاں اس پر فرض کی ذمہ داریاں بھی بہت سی ہیں جن سے اسے ہر قیمت پر عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے۔"

"یعنی سابیری کی حیثیت سے؟"

"ہاں۔"

"تو پھر اب کی میں بھی اس کے ساتھ وہیں چلا جاؤں گا۔"

"مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں تمہیں روکوں لیکن شاید تم وہاں کی خطرناک اور کٹھن زندگی کو برداشت نہیں کر سکو گے۔ خیر، یہ بعد کی بات ہے۔ تم اور رضیہ خود ہی کوئی فیصلہ کر لینا۔ مجھے تو تم یہ بتاؤ کہ تم نے دوبئی میں کیا تیر مارے تھے؟"

"آپ کو کفیل رضا سے کچھ نہ کچھ معلومات تو حاصل ہوئی ہوں گی۔"

"ہاں، اس نے بتایا تھا کہ تم اس سے ملے تھے۔"

"اس نے شائستہ حبیب کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"اس کے بارے میں بھی بتایا تھا۔"

"کہاں تک؟"

"وہ اپنے اغوا سے پہلے مجھے یہاں تک کہانی سنا چکا تھا کہ شائستہ حبیب کچھ پراسرار سے حالات میں قتل کر دی گئی تھی۔"

"ہوں!" رضوان نے سر ہلایا۔ "قتل کے بعد کی اہم باتیں شاید کفیل رضا کو معلوم بھی نہیں ہوئی ہوں گی۔ وہ باتیں مجھے وہاں کے ایک معتبر صحافی سے معلوم ہوئی تھیں۔ وہ ایک ہندو ہے اور بمبئی کے ایک روزنامے کا نمائندہ ہے۔ اس نے شائستہ حبیب کے قتل میں خاص طور سے دلچسپی لی تھی۔"

میں آگے جھک کر بیٹھ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ رضوان اب کوئی سنسنی خیز انکشاف کرنے والا ہے۔

رضوان نے کہا: "جب شائستہ حبیب کو قتل کیا گیا تو وہ حاملہ تھی۔ جب اس کی لاش ہاسپٹل لے جائی گئی تو اچانک ڈاکٹروں کو احساس ہوا کہ بچہ اس کے پیٹ میں زندہ ہے۔ انھوں نے فوری طور پر آپریشن کر کے بچے کو مقتولہ کے پیٹ سے نکال لیا اور سرکاری کارروائیاں پوری ہونے کے بعد بچے کو اس کے وارث کے حوالے کر دیا گیا۔"

"وارث؟"

"ہاں۔" رضوان نے جواب دیا۔ "شائستہ حبیب کا ایک بھائی تھا جس نے وہ بچہ اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور اس کی پرورش کی تھی۔"

میرے ذہن میں ایک شبہہ کسی بڑے سے کیڑے کی طرح کلبلایا اور میں رضوان کے بولنے کا انتظار نہ کر سکی۔ میں نے بڑی بے صبری سے پوچھا: "کیا وہی بچہ مشتاق چنگیزی ہے؟"

"ہاں۔" رضوان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "مشتاق چنگیزی ہی شائستہ حبیب کا لڑکا ہے۔"

اس سنسنی خیز انکشاف کا ردِ عمل یہ ہوا کہ مجھے اپنے اردگرد ایک مہیب سناٹا پھیلا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس سناٹے میں مجھے ایک بچے کے رونے کی آواز سنائی دی جو پیدا ہونے سے پہلے ہی ماں کے سائے سے محروم ہو گیا تھا۔ مجھے اس سے ہمدردی محسوس ہوئی لیکن جب وہ جوان ہو کر میرے تصور کے پردے پر اُبھرا تو میں کشمکش کا شکار ہو گئی۔ میری ہمدردی کوئی دوسرا روپ دھارنے کی کوشش کرنے لگی لیکن میں اندازہ نہ لگا سکی کہ وہ دوسرا روپ کیا ہے؟

"واپس آجائیے!" رضوان خاصی بلند آواز میں بولا۔

"آں!" میں چونک پڑی۔

"شاید آپ سُندر آرم چلی گئی تھیں!" رضوان نے مُنہ بنا کر کہا۔

"نہیں۔" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "میرے خیالوں میں کسی بچے کے رونے کی آواز گونجنے لگی تھی۔"

"یہ ایک خوش آئند بات ہے۔" رضوان نے سر ہلا کر کہا۔ "جب کسی عورت کے کانوں میں بچے کے رونے کی آواز گونجنے لگے تو سمجھ لو ...."

"تم نے پھر خرافات شروع کر دیں!"

"جب آپ بیٹھے بیٹھے غائب ہونے لگیں تو پھر میں اور کیا ...دل گا۔"

"اچھا تم آگے چلو! تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا...کہ وہ بچہ مشتاق چنگیزی ہے؟"

"ابتدا میں تو مجھے بس اتنا ہی معلوم ہوا تھا کہ ...کے بچے کی پرورش اس کے ماموں صادق حبیب...لی تھی۔ پھر میں کسی نہ کسی طرح ڈھونڈتا ڈھونڈتا...تک پہنچا جہاں صادق حبیب کی رہائش تھی۔ وہاں...چلا کہ وہ دونوں ماموں بھانجے، خاصا عرصہ ہوا...غائب ہو گئے ہیں۔ وہ دونوں وہاں بڑی تنہائی...گزار رہے تھے۔ بھانجے کا نام جاوید تھا۔ میں بڑی...بعد اس کی ایک تصویر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا...جاوید کے ایک دوست کے پاس تھی۔ جب میں نے...دیکھی تو اسے پہچان گیا۔ وہی جاوید ہمارے ملک میں...بنا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں اس...قانونی نہیں ہے، وہ یہاں اسمگل ہوا ہے لیکن اس...کے بارے میں نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں ہے!"

"وہ بھی مشتاق چنگیزی کے گھر میں موجود ہے..." ...نے سر ہلا کر کہا۔ "اور پاگل ہو گیا ہے۔ مشتاق چنگیزی اس...بھی کروا رہا ہے لیکن میں اس سلسلے میں الجھن کا...گئی ہوں۔"

"آپ کو اس کے ماموں کا علم کیسے ہوا؟" رضوان...سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ اتفاق ہی تھا۔"

"یعنی؟"

میں نے رضوان کو اس رات کا واقعہ سنایا جب میں نے...گھر کے میں اس پاگل بوڑھے کو دیکھا تھا۔ وہ واقعہ سنانے...بعد میں نے رضوان سے سوال کیا: "تم مجھے یہ بتاؤ کہ جب کفیل رضا کے گھر میں اس سے گفتگو کر رہی تھی تو تم نے ملازم...ذریعے مجھے باہر کیوں بلایا تھا؟"

"بس شرارت ہی سمجھیے۔ میں آپ سے ملنے کا کوئی ا...نہیں رکھتا تھا۔ سوچا یہ تھا کہ جب آپ کو ملازم سے میرا علم...معلوم ہو گا تو آپ مزید الجھن کا شکار ہو جائیں گی لیکن میری...شرارت بڑا کام کر گئی۔ میں نے ایک جیپ کو عمارت کے...میں جاتے دیکھا تو اس طرف لپکا۔ اس طرح میں ان لوگوں کے...پیچھے لگ سکا جو کفیل رضا کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ اگر...

...پشیان کرنے کے لیے وہ شرارت نہ کی ہوتی تو غالباً...بات سے بے خبر ہوتے کہ کفیل رضا کہاں ہے۔"

...اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہو کر رہ گیا ہے۔" ...مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ پاگل ہو گیا ہے اور آپ...سے اپنے گھر لے آئی ہیں۔"

...اس کے علاج کے لیے میں نے اسی ڈاکٹر سے رجوع...مشتاق چنگیزی کے ماموں کا علاج کر رہا ہے۔"

...ان حالات سے آپ کسی نتیجے پر پہنچیں یا نہیں؟"

...خیال ہے کہ جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے، وہی نتیجہ تم بھی...ہو گے!"

...میرا خیال تو یہی ہے کہ مشتاق چنگیزی، رام لال کی ناجائز...شائستہ حبیب سے رام لال کے ناجائز تعلقات تو یقیناً...بھی قرینِ قیاس ہے کہ اس حمل کا ذمے دار بھی رام لال...بات صادق حبیب کے علم میں بھی ہو گی لہٰذا جب...ان ہو گیا تو اس نے اپنے بھانجے کو اس حقیقت سے...با۔ پھر کسی طرح وہ دونوں، رام لال کا سراغ لگا کر یہاں...مشتاق چنگیزی نے رام لال سے مل کر اسے بتا دیا ہو گا...کا ناجائز بیٹا ہے اور یہ کہ اگر رام لال نے اپنی تمام...جائیداد اس کے حوالے نہ کر دی تو وہ اس راز کو افشا کر کے...ساری عزت خاک میں ملا دے گا۔"

"ہاں!" میں نے سر ہلایا۔ "بات کچھ ایسی ہی ہے لیکن اس...میں ہے جس طرح تم کہہ رہے ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مشتاق چنگیزی کے پاس اس بات کا کوئی ٹھوس...ثبوت موجود ہو گا۔ محض کہہ دینے سے کام نہیں چلتا کہ وہ اس کا...ہے۔ اس کے علاوہ میرے ذہن میں ایک شبہہ اور بھی پیدا...ہے۔"

...یعنی یہ کہ شائستہ حبیب کے قتل میں بھی رام لال کا ہاتھ...

...ہاں۔" میں نے کہا۔ "اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا...ممکن ہے کہ مشتاق چنگیزی کے پاس رام لال کے قاتل...کا بھی کوئی ثبوت موجود ہو۔ رام لال نے اب تک ذرا بھی...نہیں کیا کہ مشتاق چنگیزی، اس کی زندگی کے سارے سرمائے...بن کر بیٹھ گیا ہے۔ رام لال کی یہ خاموشی ظاہر کرتی ہے کہ...خائف ہے اور اس راز کو ہر قیمت پر چھپانا چاہتا ہے...جو مع ثبوت، مشتاق چنگیزی کے پاس ہے۔"

"تو اب یہ عقدہ کس طرح کھلے گا؟"

"تم نے جو یہ بھیس بدل کر ڈراما پیدا کیا تھا، تو اس سے تم کیا تیر مار سکے؟"

"یہ اسی ڈرامے کا تو نتیجہ ہے کہ میں اس وقت آپ کو سونیا کے جسم کی ہلاکت خیزی سے آگاہ کر سکا۔ مشتاق کی نگرانی کر کے میں 'سونیا' البرٹو اور جیمس فریزر کا کولمبس بنا۔ اس کے علاوہ بھی ایک بات میرے علم میں آئی ہے جو میں نے ابھی آپ کو نہیں بتائی۔"

"یعنی؟"

"بظاہر تو جیمس فریزر، مشتاق چنگیزی کا دوست بنا ہوا ہے لیکن دراصل وہ اپنا ہی الو سیدھا کرنے کی فکر میں ہے۔"

"لیکن تم ہو کہ کسی طرح سیدھے ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔" میں بے اختیار ایک فقرہ کس گئی۔

"ہوں!" رضوان نے آنکھیں نکالیں۔ "تو پھر اسی طرح گفتگو کی جائے؟"

"آئی ایم سوری۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "زبان پھسل گئی تھی۔"

"کسی دن آپ بھی پھسل جائیے خاتون!" رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "بقول شاعر، ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں!"

"ہاں تو تم جیمس فریزر کے کسی مقصد کی طرف اشارہ کر رہے تھے؟"

"جی نہیں، اب میں صرف آپ سے اشارے بازی کے موڈ میں ہوں۔"

"مجھ سے اشارے بازی کر کے تمھیں کیا ملے گا؟"

"آپ چاہیں گی تو بہت کچھ ملے گا۔" رضوان نے کہا اور بچوں کی طرح انگوٹھا چوسنے لگا۔

میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا: "تو اب تم سنجیدہ نہیں ہو گے؟"

"میں بہت سنجیدہ ہوں۔ پہلے بھی سنجیدہ تھا لیکن بیچ میں رضیہ بھانڈ پڑی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو میں آپ ہی کو شریکِ وفات بنانے کی قسم کھائے رہتا۔"

میں ایک ٹھنڈا سانس لے کر رہ گئی۔ غلطی میری ہی تھی۔ اچھی خاصی سنجیدہ گفتگو کرتے کرتے میں نے رضوان پر فقرہ کس دیا تھا اور اب رضوان کے "سُدھرنے" کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔

اب وہ کم از کم آج تو ہرگز اس بات کا اظہار نہ کرتا کہ جیمس فریزر کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

"اچھا تو اب تم پانی کی یہ شیشی لے کر دفع ہو جاؤ!" میں کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "مجھے کل دس بجے تک اس کی رپورٹ مل جانا چاہیے!"

"ذرا اپنا لہجہ سنبھالیے خاتون!" رضوان نے کھنکارتے ہوئے کہا۔ "آپ اس طرح مخاطب کر رہی ہیں جیسے مجھے نہ صرف آپ کے شوہر ہونے کا شرف حاصل ہو گیا ہو بلکہ میری پیشانی زن مرید کے الفاظ سے بھی جگمگا اٹھی ہو!"

میں نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور بڑی لجاجت سے کہا۔ "محترم رضوان صاحب قبلہ! میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ مجھے اگر کل صبح دس بجے تک اس پانی کے بارے میں رپورٹ مل جائے تو میں آپ کی سات پشتوں کی احسانمندی کا بوجھ اپنے اوپر لاد لوں گی!"

"ہائے!" رضوان نے ٹھنڈا سانس لیا۔ "کاش آپ میری سات پشتوں کی بجائے صرف میری واحد پشت کا بوجھ اپنے اوپر لاد سکیں!"

"اب کیا میں تمہاری خاطر مدارات شروع کروں!" میں نے بر کتے ہوئے اپنی دائیں ٹانگ پیچھے کی طرف موڑ کر اپنے سینڈل کے اسٹریپ پر ہاتھ رکھا۔

"آپ کے پیر بہت خوبصورت ہیں!" رضوان نے جلدی سے پلکیں جھپکائیں۔

اور تب میں نے سچ مچ سینڈل اتار لیا۔

"بہتر ہے۔ کل آپ کو پانی کے بارے میں رپورٹ مل جائے گی!" رضوان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ اس نے اٹھ کر پانی کی بوتل اٹھائی اور بڑے نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلنے لگی تھی۔ اس نے دروازے پر رک کر پلٹ کے میری طرف دیکھا، نیم فوجی انداز میں سنجیدگی سے سلام کیا اور باہر چلا گیا۔

میں چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑی رہی اور پھر مڑ کر بلو روم کی طرف چل دی۔ اب آج کے لیے میری مصروفیات کی دو ہی صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ ان حالات پر غور کروں جو مجھے رضوان سے معلوم ہوئے تھے اور دوسرے یہ کہ سونیا کے ساتھ کچھ وقت گزاروں۔ ترتیب کے اعتبار سے یہ دوسرا کام اولیت حاصل کر سکتا تھا۔

جب میں بلو روم میں داخل ہوئی تو میں ... نشے میں وحشت تھی۔ اتنے کم وقت میں اس نے ... ڈالی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی اٹھی اور دونوں بازو پھیلا کر ... قدموں سے میری طرف بڑھی۔

"بہت دیر ... کر دی ... آپ نے!" اس کے لہجے ... آ گئی تھی۔

اس وقت عالم یہ تھا کہ میں تو اسے اپنی آغوش میں ... اسی نے مجھے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا لیکن ... اس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ مجھے سنبھال سکتی ... کہ ہم دونوں ہی نرم و گداز فوم پر ڈھک گئیں۔ اگر میں ... کوئی احتجاج کرنا بھی چاہتی تو مجھے اس کی مہلت نہیں ... سونیا کے ہونٹوں نے میری گویائی پر مہرِ سکوت ... کر دی تھی۔

جذبات کا آنگن رِم جھم کرتی ہوئی پھوار سے بھیگ ... اور پھر جس طرح موسم کی پہلی پھوار پڑنے پر زمین سے ... لگتے ہیں، اسی طرح ہمارے جسم بھی تپنے لگے۔ تپش اور ... کے اس امتزاج نے ہم دونوں کو بے لگام کر دیا اور میری ... حسرت ہمارے لیے حسرت نہ بن سکی کہ ؏

کون کھولے گا ترے بندِ قبا میرے بعد

ہم دونوں ماضی میں اتنی دور چلے گئے جہاں ... تہذیب و ارتقا کے مفہوم سے بھی آشنا نہیں تھا، جب ... میں کوئی حجاب نہیں تھا، جب حیوانی جذبوں کی تسکین میں ... رکاوٹ نہیں تھی اور جذبات کا ریلا جدھر چاہتا تھا، بہا ... جاتا تھا۔ سو میں اور سونیا بھی اسی عہد میں چلے گئے ... وقت تک اپنے عہد میں نہیں لوٹے جب تک جذبات کے ... کا دم نہیں اکھڑ گیا۔

سونیا تو ایسی تھی کہ نیند کی وادیوں میں جا بسی لیکن ... آنکھوں سے نیند ابھی بہت دور تھی۔ میرے جذبات ... تھک چکے تھے لیکن میرے ذہن میں نئے خیالات ... نے اب گویا آنکھ کھولی تھی۔ مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ مشتاق چنگیزی اور رام لال میں سے ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟

مشتاق چنگیزی اگر خون کے ایک ناجائز قطرے کا ثمر تھا تو ... سلسلے میں خود اس پر تو کوئی تعزیر عائد نہیں کی جا سکتی تھی! ... کیا تھا، اس کی ماں نے یا رام لال نے! اب سوچنا یہ تھا کہ شا...

... کچھ کیا، وہ کہاں تک درست سمجھا جا ...

... کو اس کا حق ملنا چاہیے تھا۔ اس نے کوئی ... کہ باپ (ناجائز ہی سہی) کی دولتمندی کے باوجود ... لیکن اس کے حقوق کی ایک حد ضرور تھی۔ یہ ... اپنے باپ کا سب کچھ اپنے قبضے میں کر لیا، ... سنگیتا کی زندگی بھی اجیرن کر دی۔ یہ تو سراسر ایک ... تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حقائق کا علم ہونے ... سے نفرت ہو گئی ہو، اتنی شدید نفرت ... کیڑے کی طرح مسل ڈالنا چاہتا تھا۔ اب یہ ... آ گئی کہ رام لال کے ذکر پر مشتاق چنگیزی اتنا ... جاتا تھا؟ وہی نفرت کی بات تھی اور اس ... مزاجی کا غماز تھا۔

... کُھل کر سامنے آ چکا تھا مگر چند نکتے اب بھی ... مثلاً یہ کہ شائستہ حبیب کا قاتل کون تھا؟ ... کے ماموں کا پاگل پن کسی قدرِ مشترک کا حامل ... شکیل کے قتل میں مشتاق چنگیزی ہی کا ہاتھ ... یہ بات بھی حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی تھی کہ ... ایک اتفاقی حادثہ؟

... ہلاک کرنے والے اصل ٹرک ڈرائیور کو بچانے ... تھیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ شکیل ... حادثے کی صورت میں بھی ٹرک ڈرائیور کے ہمدرد ... نے کی کوشش کر سکتے تھے۔

... کوشش کرنے والی دو شخصیتیں میرے سامنے بھی ... میں سے ایک تو ٹھیکیدار جامو خاں تھا اور دوسرا شخص ... ملک صابری!

... معاملے کی تحقیقات کرنے والے پولیس آفیسر کو میں ... کے بارے میں بتا دیا تھا اس لیے مجھے امید تھی کہ ... کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہو جائیں ... امکان تھا کہ وہ ٹرک ڈرائیور بھی روشنی میں ... کی ٹکر نے شکیل کو ہلاک کیا تھا۔

... رات کے بھنور میں چکراتے چکراتے میرا ذہن اندھیرے ...

میں بیدار ہوئی تو سونیا ابھی سو رہی تھی۔ میں نے اسے جگایا تو اس کی آنکھوں میں پھیلی ہوئی سرخی مجھے بتا گئی کہ رات کا خمار کم تو ہو گیا ہے لیکن ختم نہیں ہوا۔ اس نے ایک بار پھر میری گردن میں بانہیں حمائل کر دینا چاہیں لیکن میں نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔

"صبح ہو چکی ہے جانِ من! غسل کر لو تو تمہارا یہ خمار ختم ہو!"

میں اسے باتھ روم میں دھکیل کر بلو روم سے نکلی اور اپنی خوابگاہ میں پہنچ کر خود بھی باتھ روم میں جا گھسی۔ تیار ہونے کے بعد میں نے ملازمہ سے ناشتے کے لیے کہا اور اس سے کفیل رضا کے بارے میں بھی پوچھا۔

"وہ ناشتہ کر چکے ہیں اور اخبار پڑھ رہے ہیں!" ملازمہ نے کہا اور مسکرا دی۔

"کیوں!" میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ "اس میں مسکراہٹ کی کیا بات ہے؟"

"وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ آج اخبار میں برطانیہ کی وزیراعظم الزبتھ ٹیلر کی تصویر کیوں نہیں چھپی؟"

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں نے کہا تھا کہ اخبار والوں سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے، اور یہ جواب سن کر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے اس طرح مسکرائے تھے جیسے میرے بالکل صحیح اندازے کی داد دے رہے ہوں!"

"ہوں، اچھا جاؤ!"

ملازمہ کے جانے کے بعد میں نے پھر بلو روم کا رخ کیا اور سونیا کو اپنے ساتھ خوابگاہ میں لے آئی۔ نہا دھو کر سونیا معمول کے مطابق ہو گئی تھی یعنی اس پر شراب کا کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا لیکن وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔

"میں نے ناشتہ منگوایا ہے۔ یہیں بیٹھ کر ناشتہ کر لیں گے!" میں نے کہا۔

وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

میں اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "تم کیا سوچ رہی ہو؟"

"البرٹو!" سونیا نے دانت پر دانت جما کر کہا۔ "میں اسے مزا چکھا کر رہوں گی!"

"کس بات کا مزا؟"

"اس نے آپ کے دشمنوں کا آلۂ کار بن کر مجھے بھی اس میں ملوث کر دیا تھا لہٰذا میں اسے اس کی سزا ضرور دوں گی!"

"میری خاطر تمہیں ایک کام ضرور کرنا ہو گا!"

"وہ کیا؟"

"جب تک میں اجازت نہ دوں، تم اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی! میں اپنے دشمنوں کو دھوکے میں رکھ کر مارنا نہیں چاہتی ہوں۔"

سونیا اس طرح میری طرف دیکھنے لگی جیسے میری بات اس کی سمجھ میں نہ آسکی ہو۔

"یہ معاملہ بہت پیچیدہ ہے۔" میں پھر بولی۔ "تم سمجھ نہیں سکو گی، اس لیے بس ویسا ہی کرتی رہو جیسا میں کہوں۔ تم ابھی اپنے ہوٹل بھی واپس نہیں جاؤ گی۔ تمھیں دس بجے تک یہاں رکنا ہے۔"

"دس بجے تک کیا ہو جائے گا؟"

"مجھے اس پانی کی تجزیاتی رپورٹ مل جائے گی جس سے کل رات تم نے اپنا جسم دھویا تھا۔ اسی رپورٹ سے یہ بات معلوم ہو سکے گی کہ وہ محلول مجھ پر کیا اثر ڈال سکتا تھا۔"

ملازم ناشتہ لے آئی۔ ناشتے کے دوران میں سونیا مجھے کریدنے کی کوشش کرتی رہی لیکن میں نے کوئی ایسا جواب نہیں دیا جس سے سونیا پر شتاق چنگیزی کی شخصیت آشکارا ہو جاتی یا اسے ان معاملات کا کچھ اندازہ ہوتا جن سے میں دوچار تھی۔

دس بج کر دس منٹ پر رضوان میرے گھر پہنچا۔ وہ اس وقت اپنی اصل شکل و صورت میں تھا۔ میک اپ وغیرہ ختم کر چکا تھا کیونکہ اب اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے عجیب سی نظر سے سونیا کی طرف دیکھا اور پھر سندھی زبان میں بولا۔ "غالباً آپ دونوں شبِ عروسی منا چکی ہیں!"

"مطلب کی بات کرو!" میں نے بھی سندھی ہی میں کہا۔ "رپورٹ لے کر آئے ہو یا نہیں؟"

"بالکل لے کر آیا ہوں جناب!" رضوان نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ وہ محلول چکھ چکی ہوتیں تو اس وقت کفیل رضا کے پیش کردہ مسائل پر مکمل سنجیدگی سے غور کر رہی ہوتیں!"

"کیا مطلب!" میں نے چونک کر کہا۔ "یعنی میں پاگل ہو جاتی؟"

"جی جناب!"

"وہ کوئی ایسا زہر نہیں تھا جو مجھے ہلاک کر سکتا؟"

"جی نہیں۔"

میں نے رضوان کے ہاتھ سے رپورٹ لے کر اس پر نظر ڈالی۔ وہ ٹیکنیکل ٹرمز میں تھی لیکن اس کے ... بھی ٹائپ کر دیا گیا تھا۔ اس کے مطابق اس ... میں کچھ ایسی جڑی بوٹیوں سے مدد لی گئی تھی ... ابھی تک دریافت نہیں ہو سکی تھیں۔ ان کی ... زبان کے ذریعے معدے تک پہنچنے کے بعد ... ہوتی تھیں مگر ان کا یہ اثر دائمی نہیں ہو سکتا تھا ... میں دماغی صحت کا بحال ہو جانا یقینی بات تھی۔

رپورٹ پڑھ کر میں نے اس نکتے کو خاص ... رکھا کہ اس محلول کا اثر دائمی نہیں ہو سکتا تھا۔

سونیا خاموش بیٹھی ہوئی پہلو بدلتی رہی ...

سندھی زبان میں گفتگو کرتے رہے تھے اس ... ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکی ہوگی۔

رپورٹ میں نے اپنے پرس میں رکھ لی ...

"ذرا میرے ساتھ آؤ!"

"اجی کہاں؟" رضوان نے ہانک لگائی۔

"ابھی آتی ہوں۔ تم یہیں بیٹھو!"

میں سونیا کو دوسرے کمرے میں لے آئی ... سامنے اس سے گفتگو نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ اس پانی کی رپورٹ ... ہوگا!" میں نے سونیا سے کہا۔

"زہر؟" سونیا نے کچھ خوفزدہ سے انداز میں ...

"ایک قسم کا زہر ہی سمجھو جو صرف دماغ پر ..." میں نے اسے بتایا۔ "اگر میرے ہونٹ یا زبان اس ... چکھ لیتے تو میں پاگل ہو جاتی۔"

"میں البرٹو کو ہرگز معاف نہیں کروں گی۔" سونیا ... دانت جما کر کہا۔

"لیکن فوری طور پر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی ... دوسری بار کہہ رہی ہوں۔" میں نے اسے گھورتے ... پھر پوچھا۔ "کیا البرٹو اس وقت ہوٹل میں موجود ...؟"

"اس نے کہا تھا کہ دوپہر تک لوٹ آئے ..."

"بس تو اب تم اپنے ہوٹل جاؤ اور اگر وہ ... [illegible] کر دو گی کہ تم نے یہ رات ... میں گزاری تھی لیکن تم ایک کمرے میں اکیلی پڑی ... جبکہ میں کسی ضروری کام سے اچانک کہیں چلی گئی تھی ...

... مقصد؟"

... کی بات ہے، مجھے حیرت ہے کہ تم نہیں سمجھ ... کہ مجھے اپنے گھر سے نکلنا تو ہوگا اور دشمن ... لیں گے۔ اگر تم نے یہ بیان نہیں دیا تو وہ مجھے ... حالت میں دیکھ کر اچنبھے میں پڑ جائیں گے۔"

... سونیا نے سر ہلایا۔

"... تم روانہ ہو جاؤ!" میں اسے لے کر بیرونی دروازے ...

"... سے کب ملاقات ہوگی؟"

"... ملنے کے بعد تم کوئی موقع ملنے پر مجھے فون کر ..."

...

... سے جانے کے لیے ٹیکسی کرنا ہوگی۔ مجھے ... ورنہ تمھیں ہوٹل تک چھوڑ آتی۔"

"... ہیں۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ میں ٹیکسی کر لوں گی۔" ... پوچھا۔ "یہ صاحب کون ہیں؟"

... سونیا کا اشارہ رضوان کی طرف ہے۔ میں نے ... ایک بہی خواہ ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل ... لی۔"

... رضوان کے بارے میں جاننے کے لیے فوری طور پر ...

... رخصت کرنے کے بعد میں واپس اندر آ چکی ... آواز سنی جیسے باہر کوئی ٹیکسی آ کر رکی ہو۔ میں ... میں آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ سنگیتا ٹیکسی کا ... کرایہ ادا کرنے کے بعد وہ مڑی اور برآمدے ... حسبِ معمول وہ حزن و ملال کی تصویر بنی ہوئی ... اشارے سے سلام کیا اور پھر پوچھا۔ "انکل کی ... ہے؟"

"... طبیعت خراب ہی کب تھی!"

"... کہ دماغی حالت؟"

"... ہے۔" میں سنگیتا کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنی ... "اچھا ہوا کہ تم آ گئیں۔ دماغی امراض کا ماہر ... پہر کو تمھارے انکل کا معائنہ کرنے آئے گا۔ اس ... کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے وہ کفیل صاحب کے بارے میں کچھ ایسے سوالات کرے جن کا جواب میں نہیں دے سکتی۔ ظاہر ہے کہ مجھے کفیل صاحب کے ماضی کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم۔"

سنگیتا نے اس طرح سر ہلایا جیسے بات سمجھ گئی ہو۔

میں نے اسے خوابگاہ میں چھوڑا اور بولی۔ "تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ایک صاحب سے مل کر ابھی آتی ہوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔"

سنگیتا نے استفسار نہیں کیا کہ میرا منتظر کون ہے۔ وہ مغموم بھی تھی اور الجھی ہوئی بھی! اس کیفیت میں انسان کو غیر متعلق باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ جاتی۔

میں ڈرائنگ روم میں پہنچی تو رضوان نے منہ بنا کر کہا۔ "اگر اتنی ہی دیر لگانا تھی تو بتا کر جاتیں۔ میں حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہو لیتا۔"

"بس اب سنجیدہ ہو جاؤ۔ مجھے ابھی ڈاکٹر ریحان کو لینے جانا ہے۔ اس نے کفیل رضا کا معائنہ کرنے کے لیے دوپہر کا وقت دیا تھا۔ تم آج کوئی ایسا منصوبہ بناؤ کہ ہم آج رات مشتاق چنگیزی کے ماموں کو اس کے گھر سے اغوا کر لیں۔ مجھے شبہ ہے کہ اسے پاگل کرنے میں بھی مشتاق ہی کا ہاتھ ہوگا۔ شبہ کیا، یقین ہی ہے۔"

میں اور رضوان کچھ دیر تک اس موضوع پر بات کرتے رہے۔ میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ مشتاق چنگیزی ایک طرف تو اپنے ماموں کا علاج کرا رہا ہے اور دوسری طرف وہ محلول بھی اپنے ماموں کو پلاتا رہتا ہے تاکہ اس کی دماغی حالت اعتدال پر نہ آنے پائے۔"

رضوان بولا۔ "اگر وہی محلول کفیل رضا پر بھی آزمایا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دو ایک روز میں وہ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا!"

"ہاں، امکان تو یہی ہے۔"

"تو پھر آپ ڈاکٹر ریحان کو کیوں بلا رہی ہیں؟"

"میں اس سے باتیں کر کے کچھ اندازے لگانا چاہتی ہوں۔"

"کیسے اندازے؟"

"میں اس سے ایک بات تو یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اتنے دن علاج کرنے کے بعد وہ مشتاق چنگیزی کے ماموں کو معمول پر لانے میں کسی حد تک کامیاب ہوا ہے یا نہیں، اور اگر نہیں، تو کیوں؟ دوسرے یہ کہ مشتاق کے ماموں اور کفیل رضا کے کیس میں

کس حد تک مماثلت ہے؟"
"اور مشتاق کے ماموں کو اغوا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اسے وہ محلول نہیں دیا جائے گا تو اس کی دماغی حالت ٹھیک ہو جائے گی اور اس سے یہ معلوم کیا جا سکے گا کہ حقائق کیا ہیں، یعنی اس بوڑھے کو مشتاق کے خلاف استعمال کیا جا سکے گا؟"
"ہاں۔"
"کیا یہ ممکن ہوگا؟"
"اس سوال کا جواب تو بعد کے حالات ہی دے سکیں گے؟"
"میرا خیال ہے کہ مشتاق کے ماموں کو اغوا کرنے کی منصوبہ بندی مجھ سے بہتر آپ کر سکتی ہیں۔"
"وہ کیسے؟"
"آپ سنگیتا سے اس تہ خانے کا نقشہ بھی معلوم کر سکتی ہیں اور اگر اس تہ خانے کو کھولنے کا کوئی خفیہ طریقہ ہے تو وہ بھی۔"
میں سوچ میں پڑ گئی۔ رضوان ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ ان معلومات کی روشنی ہی میں مشتاق کے ماموں کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنایا جا سکتا تھا۔
"ٹھیک ہے۔" میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "میں ہی کوئی منصوبہ بناتی ہوں۔ تو پھر تم آج ایک اور کام کر ڈالو!"
"وہ کیا؟"
میں نے اسے آئی، ایچ، مابری اور ٹھیکیدار جامو کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور پھر بولی۔ "میں نے پولیس کو بھی ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ اب تم یہ معلوم کرو کہ میری فراہم کردہ معلومات سے پولیس نے کیا فائدہ اٹھایا؟"
یہ معلومات کرنے کے بعد میں آپ سے کب ملوں؟"
"مجھے فون کر لینا۔" میں یہ کہتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ "مجھے ڈاکٹر ریحان کو لینے جانا ہے۔ تمہیں کہاں ڈراپ کر دوں؟"
"میرے پاس موٹر سائیکل ہے۔ میں خود چلا جاؤں گا۔"
"ٹھیک ہے... مگر... اوہ!" مجھے ایک ایسا خیال آیا کہ میں ایک لمحے کے لیے جھنجھنا سی گئی۔
"کیا بات ہے؟" رضوان نے میری پیشانی پر پڑی ہوئی سلوٹوں کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"میں نے ایک پہلو پر تو سوچا ہی نہیں تھا۔" میں آہستہ سے بولی۔
"کس پہلو پر؟"

"کفیل رضا اس وقت میرے گھر ہے کو معلوم ہو چکی ہے۔ وہ یقیناً اس صورت ہوگا لہٰذا جیسے ہم اس کے ماموں کو اغوا کر سکتے ہیں، اسی طرح وہ بھی کفیل رضا کو یہاں بندی کر سکتا ہے۔"
"آپ نے بہت بروقت اور بہت صحیح
"لہٰذا میری عدم موجودگی میں تمہیں بہت چوکس رہنا ہوگا۔"
"میں آٹھ کس رہوں گا۔"
"ریوالور ہے تمھارے پاس؟"
"بھرا ہوا۔"
"گڈ!... آداب میں تمہیں وہ کمرہ دکھا کور کھا گیا ہے۔ اگر تم اس سلسلے میں کوئی تو وہ بھی کر لینا۔"
رضوان کو صورتِ حال سے پوری طرح بعد میں پھر اپنی خوابگاہ میں پہنچی۔ سنگیتا ہو گئی۔
"میں انکل کو دیکھنا چاہتی ہوں بانو!"
"دیکھ لینا، جلدی کیا ہے۔ میں ڈاکٹر ہوں۔ تم یہیں میرا انتظار کرو، بلکہ..." میں کہ "تم میرے ساتھ ہی چلو۔ راستے میں ڈاکٹر گفتگو کرے گا۔ میرا اشارہ ان باتوں کی طرف نہیں دے سکی تھی۔"
"چلیے!" سنگیتا فوراً تیار ہو گئی۔
ہم جب ڈاکٹر ریحان کے پاس پہنچے تو اس دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ بالکل شارپ"
"میں لمحوں کو بھی قیمتی سمجھتی ہوں ڈاکٹر!"
"ہر چند کہ فی زمانہ یہ جملہ مضحکہ خیز سا لگتا ہے قیمتی جملہ ہے۔ خیر، آئیے! اب چلا جائے کیونکہ ہے۔"
سنگیتا بدستور بجھی بجھی سی رہی لیکن میں آج ڈاکٹر ریحان خاصی بذلہ سنجی کا ثبوت دے رہا تھا
باہر چلتے ہوئے میں نے کہا۔ "مناسب سمجھیں ہی کار میں آ جائیں۔ میں آپ کو واپس بھی چھوڑ جاؤں!"

پاس گاڑی موجود ہے تو پھر اس سے کیا حاصل
واپس چھوڑنے کی زحمت میں پڑیں۔"
اس لیے بھی کہہ رہی ہوں کہ راہ میں آپ ان سے کچھ
سکیں گا۔" میں نے سنگیتا کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ آپ
کے بارے میں وہ باتیں بھی بتا سکیں گی جو میں نہیں

کی تعریف؟" ڈاکٹر ریحان نے پہلی مرتبہ سنگیتا کی طرف
دیکھا۔
"نام سنگیتا ہے۔ یہ چھوٹی سی بچی تھیں تب سے کفیل صاحب
کفیل صاحب کا لڑکا جو حادثے میں انتقال کر گیا، وہاں
بلکہ میں صاف صاف بتاؤں، یہ دونوں ایک دوسرے
تھے۔"
نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ شاید اس کی آنکھیں بھر
ریحان نے اس کی طرف دیکھا، کچھ سوچ کر سر ہلایا اور
ہے، تو پھر میں آپ ہی کی گاڑی میں چلتا ہوں۔"
"میں نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔
آپ دونوں پیچھے بیٹھ جائیں تاکہ گفتگو کرنے میں

سب خیال ہے۔"
دونوں پیچھے بیٹھ گئے اور میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر
اسٹارٹ کر دیا۔ ڈاکٹر ریحان نے فوراً ہی سنگیتا سے باتیں
وہ اسے کفیل رضا کے ماضی کے سلسلے میں کریدتا رہا اور
مچھے تکے انداز میں جواب دیتی رہی۔
کے فاصلے کا ایک چوتھائی حصہ ابھی باقی تھا کہ ڈاکٹر
سنگیتا سے گفتگو ختم کر دی اور کسی گہری سوچ میں ڈوب
عقب نما آئینے سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔
کی شکنوں نے مجھے باور کرایا کہ وہ کسی خاص نکتے پر
میں نے چاہا کہ اس سے استفسار کروں لیکن پھر یہ
ش ہی رہی کہ اسے یکسوئی سے غور کر لینے دیا جائے۔
کسی نتیجے پر پہنچنے کے بعد کوئی چونکا دینے والا انکشاف

پہنچنے تک ڈاکٹر ریحان کچھ نہیں بولا۔ گھر پہنچ کر میں نے
سے رضوان کی طرف دیکھا۔ اس نے اشارے سے بتایا
معمول کے مطابق ہے۔ اس کے بعد ہم چاروں کفیل رضا

کے کمرے کی طرف بڑھے۔ راہ میں اچانک ڈاکٹر ریحان نے رک کر کہا۔ "اگر کوئی برا نہ مانے تو میں عرض کروں گا کہ میرے ساتھ ان کے کمرے میں صرف ایک شخص جائے۔ زیادہ بھیڑ مناسب نہیں ہوگی۔"
"ٹھیک ہے ڈاکٹر!" میں نے کہا، پھر رضوان اور سنگیتا سے بولی۔ "تم دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔"
رضوان اور سنگیتا سر ہلا کر وہیں... ت گئے۔
میں اور ڈاکٹر پھر بڑھے۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "میں ان سے بحیثیت ڈاکٹر ملاقات نہیں کروں گا۔ آپ نے ان کی جو ذہنی کیفیت بتائی تھی، اس کے پیشِ نظر یہ مناسب ہوگا کہ آپ میرا تعارف شاہِ جنات امراء القیس کے نمائندے کی حیثیت سے... میں ان سے کہوں گا کہ مجھے امراء القیس نے اس لیے بھیجا ہے... ان سے امریکہ اور روس کی کشیدگی کے مسئلے پر مزید گفتگو کر سکوں۔"
"ٹھیک ہے۔"
"وہ باہر جانے کے لیے تو اصرار نہیں کرتے؟"
"ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔"
"تو پھر میں ایسا بندوبست بھی کر دوں گا کہ وہ آئندہ بھی اس کے لیے اصرار نہ کریں۔"
"وہ کس طرح؟"
"میں انھیں باور کرا دوں گا کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے۔ کے، جی، بی اور سی، آئی، اے کے ایجنٹ انھیں قتل کرنے کی فکر میں ہیں۔"
"یہ ٹھیک ہے۔" میں نے دل ہی دل میں ڈاکٹر کے ذہنِ رسا کی داد دی۔ وہ تمام حالات کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت صحیح فیصلے کر رہا تھا۔
آخر میں اسے لیے ہوئے کفیل رضا کے کمرے میں داخل ہوئی۔
کفیل رضا بستر پر نیم دراز کسی خیال میں کھویا ہوا تھا۔ ہماری آہٹ پر اس نے بڑی آہستگی سے سر گھما کر ہماری طرف دیکھا اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ اس نے بڑی ناگواری سے کہا۔ "میں اس مخل اندازی پر ہوٹل کی انتظامیہ سے تم لوگوں کی شکایت بھی کر سکتا ہوں۔"
"سر!" میں نے بڑے ادب سے کہا۔ "یہ آپ سے ملنے کوہِ قاف سے آئے ہیں۔" میں نے ڈاکٹر ریحان کی طرف اشارہ کیا۔
"کوہِ قاف سے؟" کفیل رضا نے چونک کر ڈاکٹر ریحان کی طرف ایسی نظر سے دیکھا جیسے تعارف چاہتا ہو۔

ڈاکٹر ریحان نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولا "مجھے ہز ہائی نس امراء القیس نے بھیجا ہے۔ میں ان کا نمائندہ ہوں اور آپ سے اسی مسئلے پر گفتگو کرنے آیا ہوں ..."

"شش!" کفیل رضا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے بولنے سے روک دیا اور پھر کہا "وہ باتیں صرف تخلیے میں کی جاسکتی ہیں" اس کے بعد وہ میری طرف دیکھ کر بڑے سخت لہجے میں بولا "اب تم جاسکتی ہو" وہ مجھے گویا ہوٹل کی انتظامیہ سے متعلق سمجھ رہا تھا۔

میں نے مؤدبانہ سر ہلایا اور دروازے کی طرف مڑ گئی۔

"اور ہاں!" کفیل رضا نے اٹک لگائی "چائے ضرور بھجوا دینا"

میں باہر آگئی۔ میں نے ایک ملازمہ سے اس کمرے میں چائے لے جانے کے لیے کہا اور پھر ڈرائنگ روم میں پہنچی جہاں رضوان اور سنگیتا چپ چاپ بیٹھے اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے۔ میری آہٹ پر انھوں نے بیک وقت نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

"تمھیں ابھی یہاں اور رکنا پڑے گا رضوان!" میں نے کہا۔

"میں ڈاکٹر ریحان کو واپس چھوڑنے بھی جاؤں گی"

رضوان سر ہلا کر رہ گیا۔ غالباً وہ سنگیتا کے سامنے کسی قسم کی نوک جھونک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر ریحان کوئی پون گھنٹے بعد کفیل رضا کے کمرے سے نکلا۔

"کیا چلیں ڈاکٹر؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں، چلیے"

"تم بھی چلو سنگیتا!" میں نے کہا "تم کو میں تمھارے گھر پر ڈراپ کر دوں گی"

"لیکن ... میں انکل کو دیکھنا چاہتی تھی" سنگیتا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ان کی حالت میں کوئی تغیر نہیں آیا ہے۔ کیا کرو گی دیکھ کر؟" میں بولی لیکن جب سنگیتا کے چہرے پر شرمندگی پھیلتے دیکھی تو کہا۔ "اچھا چلو دیکھ آؤ۔ میں تمھاری منتظر ہوں۔ جلدی آنا"

"میں بس پانچ منٹ میں آجاؤں گی"

سنگیتا اٹھ کر اندر چلی گئی تو میں نے ڈاکٹر ریحان سے کہا "تشریف رکھیے ڈاکٹر! اگر ہم پانچ منٹ بعد چلیں تو کوئی حرج تو نہ ہوگا؟"

"نہیں نہیں، حرج کی کیا بات ہے!" ڈاکٹر بیٹھ گیا۔

"اس کیس کے بارے میں آپ نے کوئی رائے قائم کی؟" میں نے پوچھا۔

"دو باتیں میرے لیے الجھن کا باعث بن گئی ہیں"

"یعنی؟" میں سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"مشتاق چنگیزی صاحب کے ماموں اور کفیل صاحب کے پاگل پن میں بے حد مماثلت ہے۔ اس کے علاوہ ایک قدرِ مشترک بھی ہے۔ کفیل صاحب کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ یہ دبئی سے آئے ہیں لیکن مشتاق چنگیزی صاحب نے بھی گفتگو کے دوران میں کسی نہ کسی موقع پر دبئی کا ذکر کیا ہے"

میں نے اس موقع پر ڈاکٹر ریحان کو یہ نہیں بتایا کہ مشتاق چنگیزی کا بوڑھا ماموں بھی دبئی سے آیا تھا۔ رضوان بھی بڑی دلچسپی سے میری اور ڈاکٹر کی گفتگو سن رہا تھا اور اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

ڈاکٹر ریحان نے میرے بولنے کا انتظار کیے بغیر کہا "میں معلوم کروں گا کہ اس قدرِ مشترک کا پس منظر کیا ہے۔ ہاں، اگر میں یہاں ایک نرس تعینات کر دوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے ڈاکٹر! ظاہر ہے کہ علاج کے سلسلے میں جو بھی قدم اٹھائیں گے وہ اس کی بہتری کے لیے ہی اٹھائیں گے"

"دراصل یہ سوال میں اس لیے کر بیٹھا کہ مشتاق صاحب نے پسند نہیں کیا تھا"

"کیوں؟"

"وجہ نہ تو انھوں نے بتائی اور نہ میں سمجھ سکا۔ وہ اس پر مصر تھے کہ وہ اپنے ماموں کی دیکھ بھال خود ہی کریں گے"

میں سمجھ گئی کہ مشتاق چنگیزی نے نرس کی موجودگی کو کیوں ناپسند کیا ہوگا۔ نرس کی موجودگی میں اسے اس کا موقع نہیں ملتا کہ وہ بوقتِ ضرورت اپنے ماموں کو وہ محلول پلا سکتا۔

"خیر" ڈاکٹر ریحان بولا "تو آپ کو اعتراض نہیں ہے"

"قطعی نہیں"

"تو پھر میں آج ہی ایک نرس کو یہاں بھیج دوں گا"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں"

گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ سنگیتا آگئی اور ہم تینوں روانہ ہو گئے۔ پروگرام کے مطابق میں نے رضوان کو دہیں رہنے دیا۔ راہ میں ڈاکٹر ریحان نے سنگیتا سے پوچھا "مسٹر کفیل نے آپ کو پہچان لیا تھا؟"

سنگیتا نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا "جیسے ہی میں کمرے میں داخل ہوئی انھوں نے ڈانٹ کر پوچھا۔ تم کون ہو؟ میں نے اس سبب سمجھا کہ میں ہوٹل کی ملازمہ ہوں۔ میرا یہ جواب سن کر انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے کمرے کی جھاڑ پونچھ کر دوں۔ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور کمرے سے نکل آئی" یہ سب کہتے ہوئے سنگیتا کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

ڈاکٹر نے اس طرح سر ہلایا جیسے سنگیتا کا جواب اس کے اندازے کے مطابق ہو۔

ڈاکٹر کو اتارنے کے بعد میں نے کار کا رخ سنگیتا کے گھر کی طرف موڑ دیا۔ راستے میں میں نے اس سے ڈاکٹر شکیل کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی اور کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مجھے خوب احساس تھا کہ بچھڑ جانے والوں کا ذکر چھیڑ دیا جائے تو دلِ بیتاب کی تڑپ بڑھ جاتی ہے۔ آنسو پلکوں کی دیواریں توڑ کر بے خانماں ہو جاتے ہیں۔ سنگیتا کی حالت بھی یہی بتا رہی تھی کہ آنسوؤں سے بوجھل اس کے بدن کی ساری فضا میں تیرتے پھر رہے ہیں اور اگر وہ لفظوں سے ٹکرا گئے تو برس پڑیں گے۔

میں نے اس سے اس کے گھر کا ذکر چھیڑ دیا جہاں اب مشتاق چنگیزی رہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "وہاں جو تہ خانہ ہے، میں اس کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہتی ہوں"

"تفصیل سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"یہی کہ اگر میں اس گھر میں قدم رکھوں تو مجھے اس تہ خانے تک جانے کے لیے کہاں کہاں سے گزرنا اور کیا کیا کرنا پڑے گا؟ میں نے سنا ہے، اس تہ خانے کا راستہ خفیہ طور پر تو نہیں ہے"

"زیادہ خفیہ طور پر بھی نہیں۔ پتاجی کی خوابگاہ میں سوئچ بورڈ کے پاس ایک نیلے رنگ کا ایک پُش بٹن بھی ہے۔ اس کے دباتے ہی تہ خانے کا راستہ کھل جاتا ہے"

"وہ کون سا کمرہ ہے جسے تمھارے پتاجی خوابگاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے؟"

سنگیتا نے اب اپنے گھر کا نقشہ سمجھانے کی کوشش کی جو میری سمجھ میں بہت آسانی سے آگیا کیونکہ میں ایک مرتبہ وہاں جا چکی تھی۔

"ٹھیک ہے، میں سمجھ گئی" میں نے سر ہلا کر کہا۔

"بانو!" سنگیتا دھیرے سے بولی "آپ نے مجھے خاصی الجھن میں ڈال دیا ہے۔ آپ نے ایک بار پہلے بھی اس تہ خانے کے بارے میں پوچھا تھا۔ آج آپ نے پورے گھر کا نقشہ پوچھ ڈالا"

"تم یقیناً الجھن میں پڑ گئی ہوگی لیکن ... بہتر ہوگا کہ فی الحال تم ان باتوں کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرو۔ میں جانتی ہوں کہ اس قسم کا مشورہ دینا بہت آسان اور اس مشورے پر عمل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، تاہم اس کی کوشش ضرور کی جاسکتی ہے۔ میں تمھارے گھریلو معاملات کے سلسلے میں اب تک بہت کچھ جان چکی ہوں لیکن تمھیں اندھیرے میں اس لیے رکھا ہے کہ تمھارے ذہن پر ایک بے وجہ دباؤ کا اضافہ نہ ہوسکے۔ بے وجہ دباؤ، میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ تم خود اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کرسکتیں۔ جو کچھ کرنا ہے، مجھے ہی کرنا ہے اس لیے تم حالات کے اس علم کو فی الحال میری ذات تک محدود رہنے دو۔ میرا خیال ہے کہ اب بس دو تین روز میں سارے معاملات صاف ہو جائیں گے اور اس کے بعد میں تمھیں بھی سب کچھ بتا دوں گی"

"بانو! مجھے اب ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے آپ میری خاطر بے شمار الجھنوں میں پھنس گئی ہیں"

"پگلی!" میں دھیرے سے ہنس پڑی "تو یہ بات اس طرح کہہ رہی ہے جیسے یہ الجھنیں میرے لیے کوئی مصیبت ہوں۔ جب میں ان الجھنوں کو ختم کر دوں گی تو مجھے کتنی راحت ہوگی، اس کا تو ذرا بھی اندازہ نہیں کرسکتی۔ اگر کسی سے محبت ہو تو اس کی خاطر اپنے پورے وجود کو آگ میں جلا کر بھی لذت حاصل ہوتی ہے"

"اس کا تو میں اندازہ کرسکتی ہوں بانو!" سنگیتا نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا "اگر شکیل کی خاطر مجھے کسی آتش فشاں میں چھلانگ لگانا پڑتی تو وہ یقیناً میرے لیے ایک مقامِ راحت ہوتا" سنگیتا کی آواز بھرا گئی۔

"بس تو پھر یہی بات میرے ساتھ بھی ہے۔ میں بھی اسی مقامِ راحت تک رسائی چاہتی ہوں"

"میری سمجھ میں نہیں آتا بانو کہ آپ کو مجھ سے اتنی محبت کیوں ہوگئی ہے!"

"تمھاری سمجھ میں یہ بات اس لیے آجانا چاہیے تھی کہ تم شکیل کو اتنی ہی شدت سے چاہتی تھیں"

"چاہتی تھی نہیں بانو، بلکہ اب بھی چاہتی ہوں لیکن وہ بات اور ہے۔ عورت سے عورت کی اتنی محبت سمجھ میں نہیں آتی"

"فکر اور نظریے کے فرق کی بات ہے۔ ویسے یہ تو بتاؤ کہ ماں کو بیٹی سے اور بیٹی کو ماں سے محبت کیوں ہوتی ہے؟"

"وہ جذبہ دوسرا ہوتا ہے۔"

"ہاں، محبت میں جذبوں کا فرق تو ہوتا ہے۔ باپ کو بھی بیٹی سے محبت ہوتی ہے، لیکن جب کوئی مرد کسی عورت سے محبت کرتا ہے تو وہ باپ اور بیٹی کی محبت سے جدا ہوتی ہے۔ کیا یہاں تمھیں جذبوں کا فرق نظر نہیں آتا؟"

سنگیتا لاجواب ہوگئی اور پھر اس بحث کو مزید بڑھانے کا وقت بھی نہیں رہا۔ سنگیتا کا گھر قریب آگیا تھا۔ میں نے اسے چڑھائی کے نیچے چھوڑا اور اس تنگ راستے پر بڑی مشکل سے گاڑی کو بیک کر کے اپنے گھر کی طرف واپس روانہ ہوئی۔

جب میں گھر پہنچی تو رضوان نے بتایا کہ سونیا کا فون آیا تھا۔

"کیا کہہ رہی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"بس آپ کو پوچھ رہی تھی۔ میں نے بتایا کہ آپ موجود نہیں ہیں تو اس نے فوراً فون بند کر دیا۔ مجھے اس نے بالکل گھاس نہیں ڈالی۔"

"اس کے پاس ہوگی نہیں۔" میں مسکرائی۔

"ظاہر ہے۔" رضوان نے کہا۔ "وہ تو کل رات آپ ساری کی ساری ہضم کر چکی ہیں۔"

مجھے خدشہ ہوا کہ اس نوک جھونک میں خاصا وقت ضائع ہو جائے گا لہٰذا میں نے جلدی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تم اس کام کے لیے روانہ ہو جاؤ!"

"کس کام کے لیے؟"

"بھول گئے! میں جاننا چاہتی ہوں کہ شکیل کے معاملے میں پولیس کہاں تک پہنچی ہے!"

"او کے! میں چلا۔" رضوان ہاتھ جھلاتا ہوا اُٹھا اور رخصت ہوگیا۔

کچھ دیر بعد میں نے کھانا کھایا اور چائے پی۔ میں اس دوران میں برابر یہ سوچتی رہی تھی کہ سونیا نے مجھے یونہی ٹیلیفون کیا تھا یا وہ کوئی خاص بات بتانا چاہتی تھی؟ آخر اس نے دوبارہ فون کیوں نہیں کیا؟ اس الجھن سے نجات پانے کے لیے مجھے فیصلہ کرنا پڑا کہ میں خود اسے فون کروں لیکن ابھی میں اس فیصلے پر عمل نہیں کر پائی تھی کہ ایک ملازمہ نے مجھے کسی لڑکی کی آمد سے باخبر کیا۔

"لڑکی؟" میں نے پوچھا۔ "اس نے نام کیا بتایا ہے؟"

"ساجدہ۔" ملازمہ نے جواب دیا۔ "وہ کہہ رہی ہے کہ اسے ڈاکٹر ریحان نے بھیجا ہے۔"

"اوہ، اچھا!" میں اٹھی اور ڈرائنگ روم ...
ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی وہ لڑکی ...
معلوم ہوتی تھی۔ صورت شکل اور جسمانی اعتبار ...
قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس نے اٹھ کر مجھے ...
سے جواب دیتے ہوئے اس کے سراپا کا جائزہ ...

"مجھے ڈاکٹر ریحان نے بھیجا ہے۔" وہ بولی ...
کے مطابق مجھے ہر وقت کفیل صاحب کے کمرے ...

"ہوں!" میں نے کچھ غور کرتے ہوئے سر ...
"مگر تم اس کمرے میں اپنی ہمہ وقت موجودگی کے ...
سے کیا کہو گی؟"

"میں انھیں بتاؤں گی کہ مجھے ان کی حفاظت ...
پاس رہنا ہے کیونکہ انھیں سی آئی اے وغیرہ کے ...
سے شدید خطرہ ہے۔ اس کے علاوہ میں ان ...
مجھے ان کے پاس بحیثیت نرس رہنا ہے تاکہ سی آئی ...
مجھ پر شبہ نہ کر سکیں۔ یہ بہانہ کرنے سے مجھے اس ...
جائے گا کہ میں ڈاکٹر ریحان کی مجوزہ دوائیں ان کے ...
سکوں۔"

"لیکن وہ اس بات پر حیران ہوں گے کہ انھیں ...
دینے کی کیا ضرورت ہے!"

"میں انھیں بتاؤں گی کہ وہ صرف طاقت کی دوائیں ...
انھیں اس لیے دی جا رہی ہیں کہ نرس کی حیثیت ...
مشتبہ نہ ہونے پائے۔"

"گڈ!" میں ہنس پڑی۔ "ڈاکٹر ریحان بہت ذہین ...
اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ پاگلوں کے معالجوں کو کیا کیا ...
آتی ہوں گی اور انھیں کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کرنا ...
ہوں گے۔"

ساجدہ بس مسکرا کر رہ گئی اور اس کی مسکراہٹ بھی ...
میں نے سوچا فرصت ملنے پر کچھ وقت اس لڑکی کے سا...
جا سکتا ہے۔

"چلو، میں تمھیں کفیل صاحب کے کمرے تک پہنچا ...
نے اس سے کہا اور وہ میرے ساتھ ہولی۔ مجھے ایک خیال ...
نے اس سے سوال کیا۔ "تم چوبیس گھنٹے یہیں رہو گی؟"

"جی نہیں، رات کو جب کفیل صاحب سو جایا کریں گے تو ...
اپنے گھر چلی جایا کروں گی۔"

... نے پر اکتفا کیا اور اسے کفیل رضا کے کمرے میں
... ہیں آئی۔ میں نے ٹیلیفون پر ڈاکٹر ریحان سے
... بات کی تصدیق کی کہ ساجدہ نامی نرس کو انھوں
... نہ صرف اس بات کی تصدیق کی بلکہ ساجدہ کا حلیہ
... در اصل میں پوری طرح چوکنا رہنا چاہتی تھی۔ مجھے
... کہ مشتاق چنگیزی، کفیل رضا کی فکر میں ہوگا۔
... سے گفتگو کرنے کے بعد میں ایک حد تک مطمئن ہو
... ان کو میں نے اپنے ذہن میں رکھا کہ مشتاق چنگیزی
... بنانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ بہرحال یہ کوئی فوری
... کہ آلۂ کار بنانے میں مشتاق چنگیزی کو کچھ نہ کچھ

... سے گفتگو ختم ہوئے ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا
... میں نے فوراً ریسیور اٹھا لیا۔
ہیلو۔"
... ہاں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔
... مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم ایک بار فون کر چکی ہو!"
... معلوم ہوا تھا کہ آپ گھر پر نہیں ہیں۔"
... خاص بات؟ البرٹو سے ملاقات ہوگئی؟"
"... اس وقت کہیں گیا ہوا ہے۔ میں نے اسے وہی
... لیے سمجھایا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہ سب کچھ جان کر
... تھا۔ غالباً اب وہ اپنے انھی آقاؤں کو اس ناکامی
... ہوگا۔"
... سکتا ہے۔"
... ت بتائیں گی آپ مجھے؟"

... معاملے میں مشتاق چنگیزی کا ہاتھ تو نہیں ہے؟"

... بے اختیار ایک طویل سانس لیا۔ فوری طور پر میرے
... نہیں نکل سکا تھا۔
... سونیا نے مجھے پکارا۔
... میں بولی۔ "یہ شبہ تمھارے ذہن میں کیوں پیدا ہوا؟"
... چنگیزی ہی ایک ایسا شخص ہے جو ان دنوں میرے
... ت قریب رہا ہے اس لیے میرے خیال میں تو امکان
... اسی کا آلۂ کار بنا ہوگا۔"
... سے جھوٹ نہیں بولوں گی سونی! ہاں، وہ آدمی مشتاق

ہی ہے لیکن وہی بات میں پھر کہوں گی کہ تم اپنے طور پر یعنی میری اجازت کے بغیر ان لوگوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا۔ تم ان لوگوں کی نظر میں انجان ہی بنی رہو۔ ممکن ہے اس طرح کسی موقع پر تم میرے کام آسکو!"

"اچھا!" سونیا نے ٹھنڈا سانس لیا اور پھر جلدی سے بولی۔ "اوہ! شاید البرٹو آگیا۔ دستک ہو رہی ہے۔" پھر فوراً دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

میں چند لمحے ریسیور کو دیکھتی رہی اور پھر اسے آہستگی سے کریڈل پر رکھ دیا۔ میں اپنے تصور میں البرٹو اور سونیا کو باتیں کرتے ہوئے دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی تصور میں نہ جانے کب میں بستر پر لیٹ گئی اور تکان کے باعث غیر شعوری طور پر آنکھیں بند کرلیں۔

چار بجے تھے جب میں عالم غنودگی سے چونکی۔ میرے چونکنے کا سبب دستک کی آواز تھی۔ غالباً کوئی ملازمہ ہی ہوگی، میں نے یہ سوچتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ "کون ہے؟"

"خادم... بلکہ خادم حسین۔" رضوان کی آواز سنائی دی۔

"اوہ!" میں جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ "اندر آجاؤ!"

میری ملازمائیں اب رضوان سے اتنی مانوس ہو چکی تھیں کہ اسے براہ راست میرے کمرے تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔ وہ دروازہ کھولتا ہوا اندر آگیا۔ میں نے ایک راکنگ چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹھو!"

"آپ کی خوابگاہ کی اداسی مجھے ڈیڑھ آنکھ نہیں بھاتی۔" رضوان نے منہ بنا کر کہا۔

میں اس کا مطلب نہیں سمجھی تھی اس لیے بیساختہ پوچھ بیٹھی۔ "کیسی اداسی؟"

"یہاں کبھی کوئی مردانہ سرگوشی بھی سنائی دینا چاہیے۔"

"بکواس شروع کر دی تم نے!" میں نے اسے گھورا۔ "میرا خیال تھا کہ تم فوراً کام کی باتیں شروع کر دو گے!"

"کام کی باتیں کیا خاک کروں۔ وہاں تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی دوسرا ہی گُل کھِل گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"متعلقہ پولیس افسر کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کچھ پریشان، بلکہ نروس ہو۔ آپ کے بیان کی روشنی میں تو ... نہیں کیا گیا، اور اگر کیا بھی گیا ہے تو غالباً اس کے نتائج کو روشنی میں نہیں لایا جائے گا۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو؟" میں متعجب تھی۔

"میں بالکل ٹھیک عرض کر رہا ہوں خاتون! میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کیس کو ناقابلِ دست اندازی پولیس قرار دے کر فائل بند کر دی جائے گی یا پھر اسی بے قصور ڈرائیور کو سزا دلوا دی جائے گی جو فی الحال گرفتار ہے۔"

"آخر یہ انقلاب کیسا!" میں بڑبڑائی۔

"بعض انقلاب ایسے ہی ہوتے ہیں جو فوری طور پر سمجھ میں نہیں آتے۔" رضوان نے کہا۔ "خیر، ان باتوں پر تو آپ غور کرتی رہیے گا۔ پہلے آپ مجھے رات کے پروگرام سے آگاہ کر دیں۔"

"وہ تو طے ہے۔"

"کتنے بجے؟"

"ہم ٹھیک بارہ بجے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"تو پھر اب میں چلتا ہوں، بہت تھک گیا ہوں، آرام کروں گا۔"

میں نے رضوان کو نہیں روکا۔ روکنے کی ضرورت بھی نہیں تھی اور میرا ذہن بھی بہت بُری طرح الجھ گیا تھا۔ صورتِ حال کی یہ عجیب و غریب کروٹ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ یہ مسئلہ کسی معمّے سے کم نہیں تھا۔ آخر پولیس پر ایسا کیا دباؤ پڑ گیا کہ وہ اس معاملے کو دبا دینے پر تل گئی۔ میرے خیال کے مطابق مشتاق چنگیزی اتنا بارسوخ نہیں تھا کہ کسی معاملے کو اس طرح دبوا سکتا۔ تو پھر کیا میرا یہی خیال درست ثابت ہو گا کہ ڈاکٹر شکیل کی ہلاکت میں مشتاق کا ہاتھ نہیں ہے؟

بہت دیر تک میں اس مسئلے پر غور کرتی رہی۔ یہاں تک کہ میرے سر میں شدید درد ہونے لگا۔ میں نے ملازمہ سے کافی بنوا کر پی تو کچھ سکون ملا۔ اسی وقت ملازمہ نے مجھے ایک ملاقاتی کارڈ لا کر دیا۔

کارڈ دیکھ کر میں حیران رہ گئی۔ یہ ملک کی ایک مشہور و معروف شخصیت کا کارڈ تھا، خان آف کالاگوٹ!

لیکن میں ذاتی طور پر خان آف کالاگوٹ سے واقف نہیں تھی۔ کبھی کسی بڑی سرکاری تقریب میں ایک آدھ بار دیکھنے کا اتفاق تو ہوا تھا لیکن تعارف یا بات چیت کی نوبت کبھی نہیں آئی تھی۔ میں بےخیالی میں کارڈ کو گھورے جا رہی تھی کہ ملازمہ نے مجھے چونکایا۔

"میں انھیں ڈرائنگ رُوم میں بٹھا آئی ہوں۔ وہ آپ کے منتظر ہیں۔"

میں خیالات سے چونکی اور اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی ڈرائنگ رُوم کی طرف بڑھی۔ بہت جلد میں ڈرائنگ رُوم میں تھی۔ خان آف کالاگوٹ ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھے

دیکھا لیکن کھڑا نہیں ہوا۔ اس کی یہ حرکت نا
لیکن میں نے چہرے سے اپنی ناگواری کا اظہار
اس کے قریب پہنچ کر سپاٹ لہجے میں بولی: "
"تم ہی صبیحہ بانو ہو؟" اس کا لہجہ بھی
ہتک محسوس کی۔
"جی!" میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔
"میں تم سے صرف دو ایک باتیں کرنے
اس کے اندازِ تخاطب میں کوئی تبدیلی
چڑھ گیا۔ میں اس کی طرف سے مُنہ پھیر کر
پر آویزاں ایک پینٹنگ پر نظر جما کر بولی: "کہو!
الفاظ میں کہو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"
"بہت خوب!" خان آف کالاگوٹ نے
کہا۔ "شاید تمھیں علم نہیں کہ تم کس سے ہم کلام
کر رہی ہو۔"
میں نے اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا
بات سے خوب اچھی طرح واقف ہوں کہ اس
شخص سے گفتگو کرنے پر محض اس لیے مجبو
گھر آیا ہے۔"
"اچھا!" وہ غرّایا اور میں نے محسوس کیا
سے کھڑا ہو گیا ہو لیکن میں نے اب بھی اس کی
وہ بدستور غرّاتا ہوا بولا: "تم واقعی خاصی اکڑی ہو
بارے میں مجھے معلوم بھی یہی ہوا تھا لیکن مجھے
میری معلومات کے عین مطابق ہی ثابت ہو گی
"اب تو اندازہ ہو گیا؟ بس اب جلدی سے
"تو سنو!" خان آف کالاگوٹ نے غرّاتے
بہتری چاہتی ہو تو خود کو ڈاکٹر شکیل کے معاملے
یہ بات ایسی تھی کہ میرے جسم میں جیسے کرنٹ
سے خان آف کالاگوٹ کی طرف گھومی جو کہہ رہا تھا
بتاؤ کہ تم نے پولیس کے علاوہ کس کس کو وہ سارا
"خوب!" میں غرّائی۔ "تو یہ تم ہو جس نے
کرنے کے لیے پولیس پر دباؤ ڈالا ہے؟"
"پولیس پر دباؤ ڈالنے کے لیے مجھے براہِ راست
کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے لیے میرے
تم سے براہِ راست گفتگو کرنے تو میں اس لیے

تھی۔"
یہ ششدر کر دیا ہے خان!" میں اسے گھورتی ہوئی
ی نہیں کر سکتی تھی کہ ملک کی تم جیسی معزز شخصیت
میں بھی ملوث ہو سکتی ہے جو قانونی نہیں معلوم

یے میں تم سے یہ بھی کہوں گا کہ ہماری اس گفتگو کا علم
د ہونے پائے۔ کوئی بھی اس پر یقین نہیں کرے
دہ ہو سکتا ہے کہ تمھیں پاگل قرار دے کر
ئے۔"
ل کی ہلاکت میں تمھارا ہاتھ ہے؟"
مالی حادثہ تھا لیکن میں اس ڈرائیور کو بچانا چاہتا ہوں
ڈاکٹر شکیل ہلاک ہوا۔"
گوٹ کو ایک معمولی ٹرک ڈرائیور سے کیا دلچسپی

لجھن میں پڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"
م پتہ نا میری ہابی ہے۔"
فرید کر تم گھاٹے کا سودا کرو گی۔"
کے حساب سے مجھے چڑ ہے۔"
ے مکالمے بول رہی ہو لیکن مجھے اپنے سوال کا جواب

شکیل کے بارے میں؟"

ا میرے قدموں نے پیچھے ہٹنا نہیں سیکھا۔"
اگر جب میرے قدم آگے بڑھتے ہیں تو میں چٹانوں
کا ہوا آگے بڑھ جاتا ہوں۔"
خان نہیں ہوں، صبیحہ بانو ہوں۔" میں نے اس طرح
بل تسخیر ہونے کا دعویٰ کر رہی ہوں۔
ملنے میں تم سے ایک سودا بھی کر سکتا ہوں۔"

ی کا مسئلہ تمھارے لیے ایک مستقل عذاب بنا
ی بجاتے میں حل کر دوں گا۔"
ڈاکٹر شکیل کی موت کو بھول جاؤں؟"

ہے۔"

"میں تم سے بحث کرنے نہیں، ایک سیدھا سادہ سودا کرنے آیا ہوں۔ تم اس بات پر اچھی طرح غور کر لو کہ تمھارا اثر و رسوخ میرے اثر و رسوخ سے ٹکر نہیں لے سکے گا۔ میں تمھیں سوچنے سمجھنے کے لیے ایک گھنٹہ دیتا ہوں۔ ایک گھنٹے بعد میں تم کو فون کروں گا۔ اس وقت تم مجھے جو جواب دو گی، اسی کو میں تمھارا آخری جواب سمجھوں گا اور اس کے بعد اپنا فیصلہ سناؤں گا۔"

"خوب!" میں نے زہریلے انداز میں کہا۔ "تم اس طرح بول رہے ہو جیسے قادرِ مطلق ہو!"

خان آف کالاگوٹ نے بڑی حقارت سے میری طرف دیکھا، پھر نہایت اطمینان سے بیرونی دروازے کی طرف مڑا اور بڑے پُروقار انداز میں قدم اٹھاتا ہوا باہر چلا گیا۔

میں ذرا دیر تو گم صم کھڑی رہی، پھر اچانک کچھ خیال آیا تو بڑی تیزی سے باہر کی طرف لپکی۔ جب میں نے برآمدے کا دروازہ کھولا تو خان آف کالاگوٹ، سیاہ رنگ کی مرسڈیز کی پچھلی نشست پر بیٹھ رہا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی باوردی شوفر نے دروازہ بند کیا اور تیزی سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ کار حرکت میں آئی اور میں نے اس کے بونٹ پر کالاگوٹ کا چھوٹا سا فلیگ لہراتے ہوئے دیکھا۔

میں خاصی دیر تک برآمدے کے دروازے ہی میں کھڑی رہی۔ حالات کی اس کروٹ نے مجھے وقتی طور پر تو ہلا ہی ڈالا تھا۔ خان آف کالاگوٹ کے اس دعوے میں کوئی غلو نہیں تھا کہ اثر و رسوخ استعمال کرنے کے سلسلے میں، میں اس سے بآسانی ٹکر نہیں لے سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اگر میں کسی سے یہ ذکر بھی کرتی کہ خان آف کالاگوٹ، غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہے تو بھی کوئی اس پر یقین نہیں کرتا۔

صورتِ حال انتہائی پیچیدہ اور خطرناک ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں یہ بھی طے پا گیا تھا کہ ڈاکٹر شکیل کی ہلاکت میں مشتاق چنگیزی کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ مجھے اپنی زندگی میں خان آف کالاگوٹ سے زیادہ مضبوط مدِمقابل کبھی نہیں ملا تھا۔

خان آف کالاگوٹ سے اپنی محاذ آرائی کے بارے میں سوچتے سوچتے، میرے ذہن کے تاریک گوشے سے گویا ایک

کوندا لپکا اور شعور کی سطح تک آگیا۔ وہ خیال مجھے نہایت برونت سوجھا تھا۔ اگر اس میں دیر ہو جاتی تو پھر اس پر عمل درآمد ممکن نہ ہوتا۔ خان آف کالا گوٹ یہ کہہ کر گیا تھا کہ وہ مجھے ایک گھنٹے بعد فون کرے گا اور ابھی اسے گئے ہوئے صرف پانچ منٹ گزرے تھے۔

باقی پچپن منٹ میں میں بڑی آسانی سے ایسا بندوبست کر سکتی تھی کہ جب خان آف کالا گوٹ مجھے فون کرے تو میری اور اس کی گفتگو کا ایک ایک لفظ ٹیپ ہو جائے۔ میں بعد میں اس ٹیپ کو کسی موقع پر خان آف کالا گوٹ کے خلاف استعمال کر سکتی تھی۔ ہر چند کہ اس ٹیپ کو عدالت میں کسی ٹھوس ثبوت کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے ذریعے سے عام لوگوں کی نظر میں خان آف کالا گوٹ کی شخصیت مشتبہ بنائی جا سکتی تھی۔

عجلت کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن میں نے بڑی تیزی سے ساری تیاری مکمل کر لی۔ میں نے ایک خاص قسم کا ٹیپ ریکارڈر اپنے ٹیلیفون سے منسلک کر دیا۔ یہ ٹیپ ریکارڈر میرے پاس اس وقت سے ہے جب میں انٹرپول میں تھی۔ اس کی خصوصیت یہ ہے اسے ٹیلیفون کے تار سے براہِ راست منسلک کیا جا سکتا ہے اور اس کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ اس کا مائکروفون، ماؤتھ پیس کے قریب رکھا جائے۔ براہِ راست منسلک ہونے کی وجہ سے آوازیں بہت صاف ریکارڈ ہو جاتی ہیں۔

یہ تیاری کرنے کے بعد میں اطمینان سے خان آف کالا گوٹ کے فون کا انتظار کرنے لگی۔ گویا جال پھیلایا جا چکا تھا اور صیاد کو اپنے صید کی آمد کا انتظار تھا۔

یہ انتظار اپنے وقت پر ختم ہوا۔ یعنی خان آف کالا گوٹ کی رخصت کے ٹھیک ایک گھنٹے بعد! فون کی گھنٹی بجی تو میں نے اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے مجھے جال کی طرف آتے ہوئے پرندے کے پروں کی آواز سنائی دی ہو۔ پھر جب دوسری بار گھنٹی بجی تو میں نے اتنی احتیاط سے ریسیور اٹھایا جیسے جال کی ڈوری کھینچنے کے لیے تیار ہو گئی ہوں۔

ریسیور اٹھاتے ہی ٹیپ ریکارڈر کی ایک لائٹ جل اٹھی تھی اور اس میں لگا ہوا ٹیپ گردش کرنے لگا تھا۔

"ہیلو!" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا اور دیکھا ٹیپ ریکارڈر کی نیڈل نے حرکت کی۔ گویا اس نے میری آواز کو کیچ کر لیا تھا۔

"کون بول رہا ہے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا اور ٹیپ ریکارڈر کی نیڈل نے پھر حرکت کی۔

میں نے دوسری طرف سے بولنے والے ا
وہ خان آف کالا گوٹ ہی تھا۔
"صبیحہ بانو اسپیکنگ۔" میں نے ماؤتھ
"گڈ ایوننگ بانو! میں خان آف کالا گو
اس کا لہجہ بے حد مہذبانہ تھا۔ اس کھردرے پن ا
بھی نہیں تھی جو میں ایک گھنٹے قبل سُن چکی تھی
"فرمائیے!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا
"آپ نے کیا فیصلہ کیا؟" اس نے پوچھا
"کس بارے میں؟"
"اسی سودے کے بارے میں۔" خان آف کا
"میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ صرف ہاں یا
دے دیجیے!"
"میں اس سودے کے بارے میں ایک ا
کرنا چاہتی ہوں۔" میں نے کہا۔
"مجھے افسوس ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکوں گا
کالا گوٹ نے بدستور بڑے خلیق لہجے میں کہا۔ "میں
میں ٹیلیفون پر کوئی بات کھل کر نہیں کر سکتا۔ بزنس
ہر بات راز میں رہنا چاہیے اور اسی لیے میں نے ا
سلسلے میں آپ سے خود ملاقات کی تھی۔ ساری تفصیل
ہو چکی ہے۔ اب تو مجھے صرف جواب کا انتظار ہے۔"
"لیکن میں بعض نکات پر مزید گفتگو کرنا چاہتی
بدل کر بولی۔ خان آف کالا گوٹ کے اس محتاط اندا
قدر جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ مجھے اپنی ساری
خاک میں ملتی نظر آ رہی تھی۔
خان آف کالا گوٹ بولا۔ "معاف کیجیے گا۔ میں
نکتے پر بحث کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آپ تو بس
جواب دیں۔"
میں نے تنگ آ کر سوچا کہ خود ہی اصل مسئلے کو چھ
یہ سوچتے ہی میں نے اس پر عمل بھی کر ڈالا۔ "میں یہ بتانا چاہ
شکیل کو ہلاک کرنے والے اس ٹرک ڈرائیور..."
خان آف کالا گوٹ نے میری بات کاٹ دی۔ وہ
سے لہجے میں بولا۔ "یہ آپ نے کیا باتیں چھیڑ دی ہیں؟ کون ش
اور کیسا ٹرک ڈرائیور؟ میں تو آپ سے اس سودے
میں بات کرنا چاہتا تھا جو آپ کی فرم سے ہو سکتا ہے

ے جس سودے کی بات کی تھی، اس کا مرکزی
ل بلک ہے۔" میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔
ل میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔" خان آف کالا گوٹ
ں نے کہا۔ "شاید آپ وہ سودا کرنے کے موڈ میں
ہا ہیے تھا کہ نفی میں جواب دے کر ریسیور رکھ
یجیے گا۔ آپ نے کچھ بے تکی سی باتیں شروع کر دیں۔"
ں یہ بات کرتے ہوئے کیوں گھبرا رہے ہو؟"
آمیز تلخی سے کہا۔
ہ، ہم ایک دوسرے سے اتنے بے تکلف نہیں
فاطب کر سکیں۔ غالباً آپ وہ سودا کرنے کے موڈ
ں مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ آپ منفی جواب دینے
ے کی باتیں شروع کر بیٹھی ہیں۔"
یں غرائی۔ "تم مجھ سے ٹکرا کر پچھتاؤ گے!"
نے اس وقت بہت زیادہ پی رکھی ہے اور اپنے
ھو بیٹھی ہیں لہٰذا اب میں آپ سے مزید کوئی بات نہیں

پہلے کہ میں پھر کچھ کہتی، دوسری طرف سے سلسلہ منقطع

کھتے وقت مجھ پر جو ردِ عمل ہوا وہ عجیب و غریب
ہے۔ میں آہستہ سے ہنس پڑی تھی۔ فون پر گفتگو
و خان آف کالا گوٹ کی احتیاط پسندی نے مجھے قدرے
کا شکار کیا تھا لیکن گفتگو کے اختتام پر میری جھنجلاہٹ
تھی۔ خان آف کالا گوٹ سے مقابلے کا یہ انداز مجھے
معلوم ہوا تھا۔ یہ میری ایک بچکانہ حرکت تھی کہ میں نے
گوٹ کو ایک معمولی مجرم کی طرح ٹریٹ کرنا چاہا تھا۔ وہ
لے کب سے ناپسندیدہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے
ملک کا ایک معزز ترین شخص سمجھا جاتا تھا۔ اسے یقیناً بے حد
ا ہونا چاہیے تھا۔ میں اسے اتنی آسانی سے اپنے جال میں
سکتی تھی چنانچہ اپنے اس پہلے ناکام اقدام کے بعد مجھے
ساس ہو رہا تھا کہ بہت دن بعد اچھی خاصی ذہنی ورزش
ثار پیدا ہو گئے تھے۔
ایک نیا میدان میرے سامنے تھا جس میں مجھے اپنی
آ زمانا تھیں۔ مشتاق چنگیزی والے معاملے کو تو میں اب
سمجھ رہی تھی۔ رازہائے سربستہ تو کھل ہی چکے تھے۔ اب ان

کے بارے میں صرف ثبوت حاصل کرنا تھا اور میرے خیال کے مطابق، مشتاق کے ماموں کو اغوا کرنے کے بعد ثبوت بھی مل جاتا۔

آج رات مشتاق چنگیزی کے ماموں کو اغوا کرنا تھا اور میرے خیال کے مطابق یہ کوئی بہت بڑی مہم نہیں تھی۔ اس کے بعد مشتاق چنگیزی کے ماموں صادق حبیب اور کفیل رضا کا دماغی توازن درست ہونے میں چند دن لگتے۔

ان چند دنوں میں مجھے کیا کرنا تھا؟ فی الحال میں اس کے بارے میں کوئی حتمی اندازہ نہیں لگا سکتی تھی۔ اس کا تمام تر انحصار حالات پر تھا۔ ایک امکان یہ ضرور تھا کہ مجھے اس عرصے میں خان آف کالا گوٹ سے برسرِ پیکار رہنا پڑتا۔

میں ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گئی اور رات کی مہم کی منصوبہ بندی کرنے لگی۔ اس منصوبہ بندی کے ساتھ ہی مجھے کوئی ایسا انتظام بھی کرنا تھا کہ کفیل رضا محفوظ رہ سکے۔ مجھے یقین تھا کہ مشتاق چنگیزی، کفیل رضا پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے شدید مضطرب ہو گا۔ میری عدم موجودگی میں یہ کام اس کے لیے آسان ہو جاتا کیونکہ میں رضوان کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔

ساڑھے نو بجے تک میں اپنے کمرے میں تیار رہی اور میں نے اپنے ذہن میں ساری منصوبہ بندی کر لی۔ ساڑھے نو بجے ایک ملازمہ میرے کمرے میں آئی اور اس نے بتایا کہ ساجدہ نامی وہ نرس جو کفیل رضا کی دیکھ بھال کے لیے آئی ہوئی تھی، اب جانے کی اجازت چاہتی ہے۔

"کیا اسے کھانا کھلا دیا گیا؟" میں نے پوچھا۔

"نرس کو؟"

"ہاں۔"

"جب کفیل صاحب کو کھانا بھیجا گیا تھا تو اس سے بھی پوچھا گیا تھا مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ اپنے گھر جا کر کھائے گی۔"

میں نے دو ایک لمحے سوچا اور پھر بولی۔ "اسے میرے کمرے میں بھیج دو اور تم ڈائننگ ٹیبل پر دو آدمیوں کے لیے کھانا لگواؤ۔ خاصا وقت گزر گیا لیکن مجھے خیال ہی نہیں آیا کہ میں نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔"

ملازمہ سر ہلا کر چلی گئی اور میں سوچنے لگی کہ ساجدہ کو کھانے کے لیے بہ اصرار روک لوں گی۔ میں نے اس پر پہلی نظر ڈالتے ہی سوچ لیا تھا کہ فرصت کا کچھ وقت اس کے ساتھ گزارا جا سکتا ہے اور اس وقت مجھے فرصت تھی بلکہ میں ذہنی طور پر بے حد تھکی ہوئی بھی تھی۔

اس تکان کو دور کرنے کی میرے پاس صرف دو ہی صورتیں ہوتی ہیں؟ خمار و کیف یا حُسن و جمال! ساجدہ زیادہ خوبصورت تو نہیں تھی لیکن ایک آدھ بار اس کے ساتھ کچھ مخمور لمحے گزارے جاسکتے تھے۔

دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے بلند آواز میں کہا "آجاؤ!" دروازہ کھلا اور ساجدہ اندر آئی۔ اس نے آتے ہی سلام کیا اور بولی "اب میں اجازت چاہوں گی بانو!"

"میں نے سنا ہے کہ تم نے کھانا نہیں کھایا؟"

"کیا فرق پڑتا ہے، گھر جا کر کھالوں گی۔"

"کیا گھر پر کوئی تمھارے انتظار میں بھوکا بیٹھا ہوگا؟" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں بانو!" ساجدہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میرا انتظار کرنے والا شاید ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔"

"اوہ! کیا تم کنواری ہو؟"

ساجدہ کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی اور وہ نظر جھکا کر بولی "میرا باپ سوتیلا ہے بانو! وہ یہ ہرگز گوارہ نہیں کرسکتا کہ میری شادی ہوجائے۔ میری ملازمت سے ہی گھر کے اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ اگر میری شادی ہوگئی تو پھر وہ اخراجات کون پورے کرے گا۔"

"تمھارا باپ کچھ نہیں کرتا؟"

"اسے صرف دو ہی کام آتے ہیں۔ چرس پینا اور میری ماں کو مارنا پیٹنا۔ کبھی کبھی تو وہ مجھ پر بھی ہاتھ چھوڑ بیٹھتا ہے۔"

"اوہ!" میں ساجدہ کا منہ تکتی رہ گئی۔

یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ غریب گھرانوں کی لڑکیاں عموماً دکھی ہوتی ہیں۔ کم از کم میں جتنی بھی غریب لڑکیوں سے ملی ہوں، وہ گھریلو طور پر کسی نہ کسی روگ میں مبتلا ملی ہیں۔ ساجدہ بھی انہی میں سے ایک تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر ستّیس سال ضرور ہوگی لیکن اس وقت تک اس کی شادی نہیں ہوسکی تھی۔ ہر چند کہ شادی نہ ہونا، میرے نزدیک تو ایک اچھی بات ہے لیکن ہمارے معاشرے کی لڑکیاں اس پہلو کو اپنی زندگی کا ایک خوشگوار پہلو سمجھتی ہیں۔

"تو پھر مجھے اجازت ہے بانو!" ساجدہ پھر بولی۔

"جب گھر پر کوئی تمھارا منتظر نہیں ہوگا تو تمھیں اتنی جلدی کیوں ہے؟ کیا تمھارے باپ کو اس پر بھی کوئی اعتراض ہوگا کہ تم دیر سے گھر لوٹیں؟"

"جی نہیں!" ساجدہ تلخی سے بولی "وہ تو خود ایک مرتبہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ مجھ سے کہہ چکا ہے کہ میں رات کو دیر سے گھر آیا

کروں کیونکہ اس طرح آمدنی میں اضافہ ہو

بات پر اس کا منہ نوچ لیتی اگر وہ میری ماں ...

میں ایک بار پھر ساجدہ کا منہ تکتی رہ گئی

ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔ اسی قسم کی ...

میں مرد کی برتر حیثیت کو مسترد کرتی ہوں۔

"تو اب میں چلتی ہوں!" ساجدہ پھر بولی

شاید وہ اپنے گھریلو مسائل پر زیادہ ...

تھی۔

"نہیں!" میں کھڑی ہوئی اور میں نے اس ...

"تم میرے ساتھ کھانا کھاؤگی اور اس کے بعد ...

ساجدہ کا ہاتھ بڑا گداز تھا۔ میں نے اس ...

محسوس کیا۔ ساجدہ کچھ نہیں بولی۔ اسے کھانے کی ...

کے سلسلے میں مجھے زیادہ اصرار بھی نہیں کرنا پڑا تھا

جب ہم کھانے کی میز پر پہنچے تو میری ملازمہ ...

"ایک پیگ بناؤں یا دو؟"

"کیا تم پینا پسند کروگی؟" میں نے ساجدہ ...

"میں کھانے سے قبل ایک دو پیگ پی لیتی ہوں۔"

"نہیں بانو! شکریہ!" ساجدہ جلدی سے ...

سلسلے میں معذرت چاہوں گی۔ میں نے کبھی نہیں ...

کہ اس کی عادت ڈالوں! میں اس خرچ کی متحمل ...

"بس ایک پیگ لاؤ!" میں نے ملازمہ سے کہا

ساجدہ نے اس طرح اطمینان کا سانس لیا

نہ کرنا اس کے لیے باعثِ تسکین ثابت ہوا ہو۔ میں ...

برابر کی کرسی پر بٹھالیا اور اس کے ہاتھ کو اپنی آنکھ ...

پھیلا کر اس کی لکیروں کا جائزہ لینے لگی۔

"کیا دیکھ رہی ہیں؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"لکیروں کے فیصلے۔"

"کیا آپ پامسٹری جانتی ہیں؟"

"بس یوں ہی کچھ شوق ہے۔ فرصت کے لمحوں میں ...

موضوع کی کتابیں بھی دیکھتی رہتی ہوں۔"

اتنے میں ملازمہ میرے لیے پیگ بنا لائی۔ میں ...

لمبے گھونٹ لے کر گلاس میز پر رکھ دیا اور ساجدہ ...

دیکھتی رہی۔

"کچھ بتائیے نا!" ساجدہ نے پُراشتیاق لہجے میں کہا

ایک بات دیکھ رہی ہوں۔"

اپنے جذبات کی تسکین کے لیے کچھ دوسری راہیں

میں نے یہ کہتے ہوئے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

... چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی۔ دراصل میں نے

... تیر پھینکا تھا اور غالباً مجھ سے اندازے کی غلطی

... ہونے کا سبب یہ ہے کہ میں عورت کے جذبوں

... واقف ہوں اور معاشرے کا یہ پہلو بھی میری نظر

... بعض مسائل کے باعث ہمارے یہاں کی بیشتر

... نہیں ہو پاتی اور ان کے جذبات آتش فشاں بنتے

... نتیجے میں وہ لڑکیاں جنھیں خاندان کی بدنامی کا

... اس روش پر چل پڑتی ہیں جو میری پسندیدہ روش

... یہ روش ان لڑکیوں کے لیے ایک مجبوری ہوتی

... انھیں بدنامی کا خوف نہیں ہوتا۔ شادی کے

یہاں جو مسائل اور پیچیدگیاں ہیں، ان کا ردِعمل

... پر ہوچکا ہے مگر لوگوں نے اس کی طرف سے

... ہیں۔ اگر کوئی اس کی نشاندہی کرتا ہے تو طعن و تشنیع

... ہے۔

ساجدہ کے چہرے کی سرخی نے مجھے بتایا کہ اس کے

... اندازہ ٹھیک ہی نکلا۔

میں آپ کا.... مطلب نہیں سمجھی۔" وہ ہکلا گئی۔

... کو اس طرح برتنے لگی ہو کہ بدنامی کا سامان نہ

میں نے مسکرا کر کہا اور گلاس اٹھا کر پھر دو

... نے جلدی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے کھینچ لیا

... نظر آنے لگی تھی۔

... نہیں۔" میں نے ہنس کر کہا "میں اس معاملے کو اس

... لیتی جس نظر سے ہمارا اندھا معاشرہ دیکھنے کی کوشش

... بتاؤ، تم نے کتنی لڑکیوں سے گہری دوستی کی ہے؟"

... بس ایک سے۔" ساجدہ نے نظر جھکا لی۔

... کی یہ باتیں انگریزی میں ہوئی تھیں تاکہ ملازمائیں

... کھانا لگا رہی تھیں۔

... پہلا پیگ ختم کیا تو کھانا لگایا جاچکا تھا۔

... لو۔" میں نے ساجدہ سے کہا اور ملازمہ کو دوسرا

پیگ بنانے کی ہدایت کی۔

کھانے کے دوران میں میں دوسرے پیگ سے ہلکی ہلکی چسکیاں لیتی رہی۔ ساجدہ خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔ وہ کوشش کررہی تھی کہ مجھ سے نظریں ملنے پائے۔ میں اس کی اس کیفیت سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ میں فیصلہ کرچکی تھی کہ کھانے کے بعد اسے بلور رُوم میں لے جاؤں گی۔ مجھے رات کی جس مہم پر روانہ ہونا تھا، اس میں ابھی دیر تھی۔

لیکن بُرا ہو اس کمبخت رضوان کا جو وقت سے پہلے ہی ٹپک پڑا۔ ہم کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ وہ آگیا۔

"ابھی سے کیسے آگئے؟" میرا منہ بن گیا۔ حقیقتاً اس کی آمد سے مجھے بڑی کوفت ہوئی تھی۔

"کیوں!" اس نے کنکھیوں سے ساجدہ کی طرف دیکھ کر کہا "میرے آنے سے آپ کے کسی خاص پروگرام میں خلل پڑا ہے؟ میں تو اس لیے جلدی آگیا تھا کہ آپ کے مرتب کردہ لائحہ عمل سے مجھے بھی کچھ واقفیت ہوجائے۔"

"اچھا بانو!" ساجدہ جلدی سے کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "میں اب چلوں گی۔"

اسے روکنا اب بیکار تھا لہٰذا میں نے پوچھا "کل کس وقت آؤگی؟"

"صبح ہی آجاؤں گی، آٹھ بجے تک!"

"ٹھیک ہے۔"

ساجدہ چلی گئی اور میں رضوان کو گھورنے لگی جس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ رات کا پروگرام آپ کو صرف میرے ہی ساتھ بنانا ہوگا۔" وہ بولا۔

میں نے مناسب یہی سمجھا کہ جھنجلاہٹ کا اظہار کرنے کی بجائے سنجیدگی سے باتیں شروع کردوں ورنہ رضوان مجھے زچ کردیتا۔

"سنو!" میں نے کہنا شروع کیا "رات کے اصل پروگرام پر عمل کرنے سے پہلے ہمیں ایک اور کام بھی کرنا ہے۔ جب ہم دونوں ہی یہاں نہیں ہوں گے تو کفیل رضا کی حفاظت کرنے والا کون ہوگا؟"

"وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔" رضوان نے بشانِ قلندرانہ جھومتے ہوئے کہا۔

"ہم جیسے لوگوں کو تصوّف کی باتیں زیب نہیں دیتیں" میں

نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ!"

"کہاں؟" رضوان بھی کھڑا ہو گیا۔

"پہلے تو میری خوابگاہ میں چلو!"

"زہے نصیب!" رضوان چہکا۔ "ارے ہم تو کب سے اس آرزو میں مر رہے ہیں۔"

میں خاموشی سے چلتی رہی۔ میں اس وقت ایسے موڈ میں قطعاً نہیں تھی کہ رضوان سے چونچیں لڑاؤں لہٰذا خاموشی ہی مناسب تھی۔ اگر میں بولتی تو گویا یوں ہوتا کہ چونچیں ہوں دو بدو کی!

جب میں خوابگاہ میں داخل ہو کر الماری کی طرف بڑھی تو میں نے ایسی آواز سنی جیسے رضوان نے اندر آنے کے بعد دروازہ بولٹ کر لیا ہو۔ میں نے اب بھی اس کی اس شرارتی حرکت کو لفٹ نہیں دی اور الماری کھول کر اس میں سے اپنے کچھ کپڑے نکالنے لگی۔

"ہائے!" رضوان نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "جب آپ کپڑے تبدیل کریں گی تو کتنا جاں فزا منظر ہوگا۔"

میں نے وہ سارے کپڑے رضوان کی طرف اچھال دیے۔ رضوان نے بے اختیاری میں دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کپڑوں کو دبوچ لیا۔ ان میں سے دو ایک کپڑے گر بھی گئے۔

"ہائیں!" رضوان آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "تو کیا آپ یہ لباس مجھے پہنا کر فرض کرنا چاہتی ہیں کہ آپ کسی لڑکی ہی سے محو راز و نیاز ہیں!"

"تم ان کپڑوں میں بہت اچھے لگو گے!" میں نے ہنس کر کہا اور الماری کا ایک اندرونی خانہ کھولنے لگی۔ اس خانے کو کھولنے کے لیے نمبر سسٹم تھا تاکہ اسے ہر شخص نہ کھول سکے۔ میں نے اس خانے میں رکھی ہوئی کئی اہم چیزوں میں سے صرف ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور پھر جب میں خانہ بند کر کے پلٹی تو مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ رضوان نے اپنی قمیص اتار کر میرا ایک بلاؤز پہن لیا تھا۔

رضوان نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "میں نے یہ پہن تو لیا مگر اس میں دو مقامات پر کچھ کمی محسوس ہو رہی ہے۔"

"تم بعض اوقات، بذلہ سنج بننے کی کوشش میں ایک احمق جوکر بن کر رہ جاتے ہو۔" میں سنجیدہ ہو گئی۔ "جلدی سے اپنی قمیص پہنو اور یہ سارے کپڑے اٹھا کر میرے ساتھ آؤ!"

"ارے تو کیا لانڈری لے جانا ہیں
"بس دیکھتے رہو، کہاں لے جانا ہے
اپنی۔" میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہو
"لاحول ولاقوۃ! میں تو سمجھا تھا کہ آ
کچھ لائٹ مارنے لگے ہیں۔" رضوان نے بلا
اتارنے لگا۔
میں نے دروازے کے بولٹ گرائے
دروازہ نہیں کھولا جب تک رضوان نے "میں
اکھاڑ پچھاڑ میں رضوان کے بال بالکل بکھر گئے
نے کنگھی کرنے میں بھی کچھ وقت ضائع کیا۔
"اب یہ سب کپڑے اٹھا کر میرے سامنے
کہا اور دروازہ کھولا۔
"چلیے!" رضوان نے منہ پھلا کر کہا۔ اس
روٹھے ہوئے بچے کا سا تھا جسے چاکلیٹ دکھا کر
لیکن میں جانتی تھی کہ اس کا وہ انداز ایکٹنگ
وہ میرے پیچھے چلتا رہا اور میں کفیل رضا کے
دروازے پر جا رکی۔ وہ بھی میرے پیچھے رک گیا
لگا کر اندر کی کوئی آواز سننے کی کوشش کی لیکن اند
چھایا ہوا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ کفیل رضا گہری
ہے۔ اب میں نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ
آہستگی سے گھماتے ہوئے دباؤ ڈالا۔
دروازے میں جھری پیدا ہوتے ہی اندر
نائٹ بلب کی مدھم روشنی میری آنکھوں پر
نے آہستہ آہستہ دروازے کو نصف کے قریب کھولا اور
داخل ہوئی۔
کفیل رضا کا بستر بالکل سامنے تھا۔ میں نے ا
کروٹ سے لیٹے ہوئے دیکھا۔ اس نے شانوں تک
تھی اور چادر کی حرکت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ لمبی لمبی
رہا ہے۔
میں نے رضوان کو اندر آنے کا اشارہ کیا اور جب
گیا تو میں نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔
رضوان کے چہرے سے اب الجھن مترشح تھی۔ اس
نہیں آ رہا ہوگا کہ آخر میں کرنا کیا چاہتی ہوں۔
اس کی حیرت رفع کرنے کے لیے کچھ کہنا قطعی غیر

ی بات اس کی سمجھ میں آ ہی جاتی۔ میں دبے قدموں
ے بستر کی طرف بڑھی۔ میرا رخ کفیل رضا کی پشت کی طرف
ے قریب رک کر میں نے وہ شیشی کھولی جو میں اپنی
ے نکال کر لائی تھی۔ اس میں ایک بے رنگ سیال
ا۔ میں نے بہت کم مقدار میں اپنے رومال پر ڈالا اور
حد کردہ رومال کفیل رضا کی ناک کے قریب لہرانے
میں نے کوئی نصف منٹ تک جاری رکھا اور پھر
ا طرف پھینک کر رضوان سے بولی۔ "اب یہ صبح تک
نہیں آ سکتا۔"
"مگر اب میں بھی بیہوش ہونے کا منصوبہ بنا رہا ہوں۔"
نے اسی طرح آنکھیں چڑھائیں اور اس طرح ڈگمگایا
ش ہو کر گرنے والا ہو لیکن ظاہر ہے کہ وہ بھی ایکٹنگ ہی تھی۔
"ارے! میں ایک چیز تو بھول ہی آئی۔" میں اچانک بولی۔
رکو! میں ابھی آتی ہوں۔"
ں تیزی سے باہر آئی اور اسٹور روم میں پہنچی۔ وہاں سے
ایک توشک نکالی اور دوبارہ کفیل رضا کے کمرے میں پہنچ
ا توشک میں نے بیڈ کے نیچے فرش پر بچھائی اور پھر
ہ رضوان سے بولی۔ "اب تم میری کچھ مدد کرو۔ فی الحال
ہ کرسی پر ڈال دو اور کفیل رضا کو اٹھانے میں میری مدد
ا سے بیڈ کے نیچے توشک پر لٹانا چاہتی ہوں۔"
س کے بعد آپ سر کے بل کھڑی ہو جائیں گی!" رضوان
لدی پلکیں جھپکا کر بولا۔
شاید تمہیں ہی سر کے بل کھڑا ہونا پڑے۔" میں نے کہا۔
ذہنی طور پر تو میں اب بھی سر کے بل کھڑا ہوں۔ آخر آپ کر
ا ہیں؟ اب تک کچھ بھی میرے پلے نہیں پڑا۔"
جائے گا، ابھی پڑ جائے گا۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "تم
ام تو کرو۔"
ضوان نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کپڑوں کا ڈھیر کرسی
ا اور پھر بستر کے قریب آ گیا۔ میں نے کفیل رضا کی چادر
ی اور پھر اسے رضوان کی مدد سے بستر سے اٹھا کر فرش پر
ی توشک پر لٹا دیا۔ اس کے بعد میں نے بیڈ کے گرد ایک
ا اور مطمئن انداز میں سر ہلا کر بولی۔ "گڈ! اب ناممکن ہے
ر دیکھے بغیر کفیل رضا کو تلاش کیا جا سکے۔"
رضوان کے چہرے پر اب ایسا تاثر تھا جیسے میرے مقصد کو

کچھ کچھ سمجھ گیا ہو۔

میں نے خود ہی بڑھ کر سارے کپڑے اٹھائے جو رضوان نے کرسی پر ڈال دیے تھے۔ تہ کیے ہوئے ان کپڑوں کو کھول کر میں نے جھٹک دیا اور پھر انہیں بستر پر اس طرح سیٹ کیا کہ ایک انسانی مجسمہ سا بن جائے۔ پھر اس "مجسمے" کو میں نے چادر اوڑھا دی۔ اب دیکھنے والے کو یہی محسوس ہوتا کہ بستر پر کوئی شخص چادر اوڑھے لیٹا ہوا ہے۔

"کیا خیال ہے!" میں نے بائیں آنکھ دبا کر رضوان کی طرف دیکھا۔

"بچکانہ سی حرکت ہے!" رضوان نے منہ بنا کر کہا۔

"مشتاق چنگیزی جیسے اناڑیوں کے لیے یہ بہت کافی ہے۔ تھوڑی سی کسر میں اور پوری کیے دیتی ہوں۔"

میں رائٹنگ ٹیبل کی طرف گئی اور چھوٹا سا پیڈ اٹھا کر اس پر لکھنے لگی۔

مائی ڈیئر چنگیزی! مجھے یقین ہے کہ میری عدم موجودگی میں تم یہاں آؤ گے لیکن تمہیں نہایت مایوسی کا شکار ہونا پڑے گا۔ اب اگر تم چاہو تو کپڑوں کا یہ ڈھیر اپنے ساتھ لے جاؤ۔ کفیل رضا کو تو میں کہیں اور منتقل کر چکی ہوں۔ وہاں تک تمہاری رسائی ممکن نہیں۔ جسے میں اپنی تحویل میں لے لوں، اسے کوئی بھی مجھ سے نہیں چھین سکتا۔

تمہاری خیر اندیش
صبیحہ بانو

پیڈ میں سے وہ کاغذ پھاڑ کر میں پھر بستر کے قریب پہنچی اور اپنے اس دلچسپ خط کو تکیے سے پن کر دیا۔

"کیا سمجھے!" میں ہنس کر رضوان سے بولی۔ "یہ خط پڑھنے کے بعد مشتاق چنگیزی کے فرشتے بھی نہیں سوچ سکیں گے کہ کفیل رضا بستر کے نیچے موجود ہے۔"

رضوان نے جھک کر میرا خط پڑھا اور پھر سر ہلا کر بولا۔ "مشتاق جیسے اناڑی تو واقعی غچہ کھا جائیں گے۔"

"بس تو پھر، اب ہم اپنی مہم پر بڑے آرام سے روانہ ہو سکتے ہیں۔"

"کیا اتنا وقت ہو چکا ہے؟" رضوان اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

"ہاں اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے۔" میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "تم کھانا وغیرہ تو کھا کر آئے تھے نا!"

"الحمد للہ!" رضوان نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "چالیس فیصد تو ہضم بھی ہو چکا۔"

"یہ اچھی بات ہے۔ تیز نقل و حرکت کے لیے ضروری ہے کہ پیٹ کچھ خالی ہو۔" میں نے اپنی خوابگاہ کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

وہاں سے میں نے کچھ ضروری چیزیں لیں اور پھر رضوان کے ساتھ باہر آ گئی۔

"تمہاری موٹر سائیکل کہاں ہے؟" میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں ٹیکسی سے آیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ کی کار کام میں آئے گی اور واپسی پر آپ مجھے ڈراپ بھی کر دیں گی لہٰذا موٹر سائیکل لانا بقول شخصے بے فضول تھا۔"

"خاصے عقلمند ہوتے جا رہے ہو!"

"دراصل اِن دنوں آب و ہوا کچھ خوشگوار ہے۔"

جب ہم کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے تو میں نے رضوان سے کہا۔ "یہ بات اب طے پا چکی ہے کہ ڈاکٹر شکیل کی ہلاکت میں کم از کم مشتاق چنگیزی کا ہاتھ ہرگز نہیں تھا۔"

"اس کا ثبوت کہاں سے ملا؟"

"خان آف کالاگوٹ کا نام تو تم نے سنا ہی ہوگا!"

"ظاہر ہے۔ کیوں!" رضوان الجھی ہوئی نظر سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"وہ آج میرے پاس آیا تھا۔" میں نے کہا اور پھر وہ ساری باتیں دُہرا دیں جو خان آف کالاگوٹ سے ہوئی تھیں۔ رضوان نے وہ سب کچھ بڑی بے یقینی کی حالت میں سنا۔ اگر میری بجائے کوئی اور شخص یہ باتیں بتاتا تو رضوان کو ہرگز یقین نہیں آتا۔

جب میں چپ ہو گئی تو بھی رضوان خاموش رہا۔

"کوئی تبصرہ نہیں کیا تم نے!" میں بولی۔

"کیا تبصرہ کروں۔" رضوان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میری کھوپڑی تو گویا بھق سے اُڑ گئی ہے۔"

"کچھ یہی حال میرا بھی ہوا تھا جب وہ ا` روپ میں میرے سامنے آیا۔"

"تو وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ آپ نے اس ٹرک ڈرائیور کے بارے میں کس کس کو بتایا ہے؟"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "اس نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر پولیس میں تو اس کیس کو دبوا ہی دیا ہے سدِباب کرنا چاہتا ہے کہ کسی اور جانب سے ایسا وہ اسی صورت میں کر سکتا ہے جب اسے میں اس بات کو کہاں تک ہوا دے چکی ہوں؟"

"اور آپ اسے یہ بات بتانے سے انکار ظاہر ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے اس بارے میں کو بھی کچھ نہیں بتایا!"

"نہیں تمہاری اس بات کے جواب میں کہ"

"کیوں؟"

"موجودہ حالات میں بہتر یہی ہے کہ تم کم از کم واقف رہو۔"

"گویا میں جا کر اس خان کے بچے کو بتا دوں"

"فضول باتیں نہ کرو۔ تم جانتے ہو میں تم ہوں جتنا اپنے آپ پر۔ موجودہ حالات میں تمہاری تمہارے حق میں بہتر ہو گی۔ میں تمہیں خطرات میں چاہتی۔"

"بڑا کرم ہے آپ کا!" رضوان نے مُنہ بنا کر

"فی الحال میری ساری توجہ مشتاق چنگیزی کی طرف ہے۔ اس سے نمٹنے کے بعد میں پوری خان آف کالاگوٹ کے بارے میں سوچ سکوں گی کہ اس مرتبہ مجھے خاصے پاپڑ بیلنا پڑیں گے۔"

"باورچی خانے کا کام بھی آتا ہے آپ کو!"

"میں دنیا کا ہر کام جانتی ہوں۔"

"سوائے ایک کام کے۔" رضوان نے جلدی سے مزید "گل افشانی" کی ہمت نہیں کر سکا۔

ساڑھے بارہ بجے تھے جب میں نے اپنی کار مشتاق کے بنگلے کے قریب ایک گلی میں کھڑی کی۔ میں اور رضوان سائیڈ کے دروازے لاک کر کے اُتر آئے اور مشتاق کے طرف بڑھے۔

"کیا ڈائریکٹ ایکشن ہے؟" رضوان نے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "بالکل اسی طرح جیسے ایک پہلے کیا تھا۔"

"کیا اس واقعے کے بعد اب مشتاق چنگیزی محتاط نہیں ہو گا" "اگر ایسا ہوا تو پھر سوچ لیں گے کہ دوسری صورت کیا ہے۔"

ں کرتے ہوئے پھاٹک تک پہنچے اور یہ دیکھ کر ہمیں ہوئی کہ پھاٹک تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ میں نے اور ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

ں ات گئے... پھاٹک کھلا ہوا ہے۔" رضوان بڑبڑایا "معلوم ہوتی ہے۔"

دیکھا جائے گا۔"

دونوں پھاٹک سے گزر گئے۔ ہم نے اب اپنے چہروں پوشیدہ کر لیا تھا اور ہاتھوں میں ریوالور سنبھال

بنگلا تاریکی میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کہیں کسی کھڑکی میں کی کوئی کرن نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس اندھیرے میں برآمدے تک پہنچ گئے۔ میں نے محدود روشنی والی ٹارچ یک بار پھر حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔ سامنے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر مکمل تاریکی تھی۔

یہاں ڈکیتی وغیرہ کی کوئی واردات ہو چکی ہے۔" رضوان نے ماز میں سرگوشی کی۔

بھی معلوم ہوا جاتا ہے۔" میں نے دروازے پر دباؤ ڈال اتنا کھول لیا کہ ایک آدمی بآسانی داخل ہو سکے۔ پھر رضوان میں ہی اندر پہنچ گئی۔ میں نے ٹارچ کی روشنی میں ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا۔ ایک جگہ مجھے مشتاق چنگیزی م اوندھا پڑا ہوا نظر آیا۔ میں تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ پیچھے رضوان بھی اندر آ چکا تھا۔ میں چنگیزی کے ملازم پر سے سیدھا کیا۔ میرے خیال کے مطابق وہ مردہ نہیں بےہوش تھا۔

سیدھی کھڑی ہو گئی۔ رضوان میرے قریب آ گیا تھا۔ بہت دھیمی آواز میں اس سے کہا۔ "یہاں کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔"

اندازہ ہوئے خاصی دیر بھی ہو چکی ہے۔"

ہاں۔" میں نے کہا۔ "بنگلے پر چھائے ہوئے سناٹے سے یہی اندازہ ہو رہا ہے۔ آؤ اب باقی کمرے بھی دیکھ لیں۔ خیال ہے کہ اگر یہاں کوئی اور شخص موجود ہے تو وہ بھی بےہوش ہوگا۔"

میرا شبہہ بالکل درست ثابت ہوا۔ ہم نے بہت تیزی سے سارا مکان مارا۔ مشتاق چنگیزی کے باقی ملازم اور خود چنگیزی بھی اپنی خوابگاہ میں بےہوش پڑا تھا۔

رضوان آہستہ سے بولا۔ "شاید مرزا غالب نے ایسی ہی کسی سچویشن میں پڑ کر کہا تھا کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔"

میں اب بے حد متفکر ہو گئی تھی اس لیے میں نے رضوان کی بذلہ سنجی پر قطعی دھیان نہیں دیا اور بولی۔ "آؤ اب اس تہ خانے کو بھی دیکھ لیں۔ نہ جانے وہاں کیا ہوا ہوگا۔"

میں اور رضوان اس کمرے میں پہنچے جسے کبھی رام لال اپنی خوابگاہ کے طور پر استعمال کیا کرتا تھا۔ تہ خانہ کھولنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی کیونکہ مجھے اس کا طریقہ سنگیتا سے معلوم ہو چکا تھا۔

تہ خانے میں بھی تاریکی تھی۔ میں اور رضوان اس کی سیڑھیاں اترنے لگے۔ میں ٹارچ کی روشنی نیچے پھینک رہی تھی۔ وہاں مجھے صادق حبیب تو دکھائی نہیں دیا لیکن ایک اجنبی صورت ضرور نظر آئی۔ وہ شخص تہ خانے کے فرش پر وسط میں کھڑا ہمیں گھور رہا تھا۔

"صادق حبیب کی جگہ کوئی نیا قیدی۔" میں بڑبڑائی اور میں نے اپنا ریوالور پرس میں رکھ لیا۔

رضوان نے مجھے مطمئن دیکھا تو اس نے بھی اپنا ریوالور جیب میں ڈال لیا اور یہی ہم دونوں کی غلطی تھی۔ جیسے ہی ہمارے پیروں نے تہ خانے کے فرش کو چھوا، اس اجنبی نے وحشیانہ انداز میں ہم پر حملہ کر دیا۔ اس کا پہلا نشانہ میں تھی لیکن میں نے تیزی سے جھکائی دے کر خود کو اس کی زد سے بچا لیا۔ پھر میں جوابی کارروائی بھی کرتی لیکن مجھے اس کا موقع نہیں مل سکا۔ رضوان نے اس اجنبی کو اتنے تسلسل کے ساتھ اپنے گھونسوں کا ٹارگٹ بنایا کہ وہ شاید اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا ہو۔ آخر وہ ڈھیر ہو کر رہا۔ اس کے چہرے پر متعدد نیل پڑ گئے تھے اور ہونٹوں سے خون رسنے لگا تھا۔

"بلاوجہ اتنی ورزش کر ڈالی۔ آخر ریوالور پرس میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کی تقلید میں میں نے بھی ریوالور جیب میں ڈال لیا تھا۔" رضوان بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ تنہا شخص اتنی جارحیت پر اتر آئے گا جبکہ ہم دو تھے۔"

بعض لوگ عورتوں کی گنتی نہیں کرتے۔ اس کا خیال ہوگا کہ اسے صرف مجھ سے ہی نمٹنا ہوگا۔"

"اب اس سے پوچھو کہ صادق حبیب کہاں ہے؟"

مدہوشی کے سے عالم میں وہ اجنبی، فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری ٹارچ کی روشنی اس کو زد میں لیے ہوئے تھی۔ رضوان نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑا اور ایک جھٹکے سے کھڑا کر دیا، پھر اسے گھورتا ہوا بولا۔ "وہ کہاں ہے جو اس تہ خانے میں تھا؟"

"میں... میں کچھ نہیں... جانتا۔" اجنبی نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"جب میں تمھارے چہرے کا بھرتا بناؤں گا تو تم سب کچھ جان جاؤ گے۔" رضوان نے دائیں ہاتھ کا گھونسا تان کر کہا۔

"ٹھہرو! ٹھہرو! خدا کے لیے!" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر گھگھیایا۔ "شاید مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"تم... شاید... ان لوگوں میں سے نہیں ہو... جنھوں نے مجھے یہاں قید کیا تھا... بلکہ... تم لوگ... شاید وہ ہو... جن کے لیے میرے پاس ایک پیغام ہے۔"

"کیا گھونسے کھا کھا کر اس کا دماغ پلٹ گیا ہے؟" رضوان نے میری طرف دیکھتے ہوئے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"اس کی پوری بات تو سنو! دیکھو یہ کہتا کیا ہے!"

"کہو بیٹے!" رضوان نے اس کا گریبان جھنجھوڑا۔ "جو کچھ بکنا ہے، جلدی سے بک ڈالو۔"

"ان لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ جلد یا بدیر یہاں ایک عورت آئے گی۔ اس عورت کو مجھے یہ پیغام دینا تھا کہ ٹیلیفون پر سودے بازی نہ ہونے کی سزا یہ ہے کہ وہ عورت ایک گھنٹے کی قید بھگتے۔"

"کیا بات ہوئی!"

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔"

دفعتاً ایک خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ میں نے بڑی تیزی سے ٹارچ کا رُخ چھت کی طرف کر دیا۔ میری اس حرکت کے ساتھ ہی رضوان اور اس اجنبی کی نظر بھی چھت کی طرف گئی۔

"ارے!" رضوان تقریباً اچھل پڑا۔

چھت کا وہ شگاف بند تھا جس سے ہم تہ خانے میں آئے تھے۔

"خوب!" میں ہنس پڑی۔ "گویا وہ مجھے پھر چوٹ دے گیا!"

"کون؟" رضوان کے منہ سے نکلا۔

"وہی، جس کا ذکر راستے میں ہو تا رہا تھا۔ ملک کا وہی معزز جس نے ٹیلیفون پر مجھ سے ہاں یا نا میں جواب مانگا تھا۔"

"اوہ! خان..."

"پورا نام لینے کی ضرورت نہیں۔" میں ا

دی۔ "اس نے سودا نہ ہونے کی وجہ سے مجھے

"یعنی ہم یہاں ایک گھنٹے تک قید رہیں گے،

"قطعی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "غالبا،

میں اندر سے بھی تہ خانے کا راستہ کھولنا جانتی ہوں

"وہ لوگ اس بات سے بھی واقف ہیں؟" ا

"انھوں نے کہا تھا کہ اگر تہ خانے کا راستہ کھولا گیا تو

سے دوچار ہونا پڑے گا جو اُن لوگوں نے تہ خانے

اوپر والے کمرے میں بھر دی ہو گی۔ ان کا کہنا تھا کہ ا

گھنٹے میں اس کمرے سے خارج ہو جائے گی اور

تہ خانے سے نکلنا ممکن ہو گا۔"

"اوہ!" اب میں الجھ گئی۔

"لیکن یہ ایک گھنٹے کی قید کیا بکواس ہے؟"

جھنجلا کر کہا۔

"شاید وہ مجھے یہ احساس دلانا چاہتا ہے کہ میں ا

سامنے بالکل بے بس ہوں اور وہ اس پر قادر ہے کہ

جو سلوک بھی کرنا چاہے، کر گزرے۔"

"کاش وہ آپ کے ساتھ کوئی مبارک سلوک کر گز

رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا اور آلتی پالتی مار کر

سے بیٹھ گیا۔ "آپ بھی تشریف رکھیں۔ یہاں ایک گھنٹہ تو

میں نے ٹارچ کے روشن دائرے کو ادھر اُدھر گردش

وہ سوئچ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی جو لائٹ کا تھا۔ میں

دبا کر تہ خانے کو روشنی سے آشنا کیا اور ٹارچ بجھا دی۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں یہ ایک گھنٹہ بور ہونے کی بجائے

کرنے میں گزارنا چاہیے۔" رضوان نے کہا اور پھر اجنبی سے

"تم بھی بیٹھو دوست!... اور ذرا بتاؤ تو کہ تمھارا

گیا ہے؟ تم کون ہو اور اس تہ خانے میں تمھاری موجودگی کا

منظر کیا ہے؟"

"میں ایک فرم میں اکاؤنٹنٹ ہوں۔" اجنبی نے اپنے منہ

سے رسنے والے خون کو صاف کرتے ہوئے کہا۔ "ایک ویران سڑک

سے ان لوگوں نے مجھے اغوا کیا اور یہاں لے آئے۔ میری کہانی

اتنی ہی ہے۔"

"وہ کتنے تھے؟"

گوں کو پھر کہیں دیکھو تو پہچان لو گے؟"

"نہیں۔" اجنبی نے جواب دیا۔ "وہ ایک تاریک

سے مجھے اغوا کیا گیا تھا۔"

ں اس عمارت میں لایا گیا ہو گا، تب تو یہاں

ان لوگوں نے اپنے چہرے نقابوں میں چھپا

لوگوں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں ایک عورت

یہ تمھیں ایک پیغام دیا گیا تھا؟"

ہم پر حملہ کیوں کیا؟"

عالی وہ عورت تنہا ہو گی لیکن جب تم بھی ان کے

دمیں سمجھا کہ تم دونوں بھی انھی لوگوں میں سے

جب ریوالور بھی رکھ لیے تو میں نے سوچا کہ بھڑ

مل جاؤں۔"

ہ! بائی دی وے، تمھارا نام کیا ہے؟"

"

ں میں یہ گفتگو ہوتی رہی اور میرے کان اس

لل نہیں رہے لیکن میرا ذہن بھی برابر کام کرتا رہا۔

حالا میں خان آف کالا گوٹ کے بارے میں سنجیدگی سے

خلاف باقاعدہ صف آرا ہو چکا تھا۔ صادق حبیب

ب کر کے اس نے مجھے بہت گہری چوٹ دی تھی۔

بغیر میں مشتاق چنگیزی کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتی

یا ثبوت صادق حبیب ہی کا بیان ہوتا۔

لہار خان آف کالا گوٹ مجھے اس بات پر مجبور کرنا

س سے سودے بازی کر لوں، یعنی اسے بتا دوں کہ

ابا تیمور کے بارے میں پولیس کے علاوہ کس کس کو کیا

ے لیے خان آف کالا گوٹ کا اضطراب ظاہر کرتا تھا

می اہمیت کا حامل ہے۔ بات صرف اتنی نہیں ہو سکتی تھی

ور کو بچانا مقصود تھا۔ پس پردہ کوئی بہت ہی

وتی تھی اور اب خان آف کالا گوٹ نے مجھ سے

لیے اس کے لیے مجبور کر دیا تھا کہ میں اس کے بخیے

دوں۔

خان کی باتوں اور اقدام سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی تھی کہ مشتاق کا معاملہ پورے سیاق و سباق کے ساتھ اس کے علم میں آ چکا تھا اور یہ بات اس کا ثبوت تھی کہ اس کے وسائل بڑے وسیع و مضبوط تھے۔

فریدوں، رضوان سے پوچھ رہا تھا۔ "تم نے اپنے بارے کچھ نہیں بتایا۔ تم دونوں کون ہو اور ان نامعلوم لوگوں سے تمھاری کیا دشمنی ہے؟ یہ بات بھی بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے تم دونوں کو یہاں صرف ایک گھنٹے کے لیے قید کیا ہے۔ اِدھر مجھے بھی محض اس لیے اغوا کیا گیا کہ میں ان کا ایک پیغام رساں بن جاؤں۔ ایک گھنٹے بعد تو مجھے بھی تم لوگوں کے ساتھ رہائی مل ہی جائے گی۔"

رضوان اس کی ان باتوں کے جواب میں آئیں بائیں شائیں اُڑانے لگا لیکن میں سمجھ چکی تھی کہ محض پیغام رسانی کا فرض انجام دلوانے کے لیے فریدوں کا اغوا دراصل کیا معنی رکھتا تھا۔ یہ پیغام مجھ تک ایک مختصر خط کے ذریعے بھی پہنچ سکتا تھا جبکہ اس کام کے سلسلے میں فریدوں کو اغوا کر کے یہاں رکھنا قصّہ کہانیوں کی سی بات معلوم ہوتی تھی۔ دراصل اس طرح خان آف کالا گوٹ نے اس معاملے کو ڈرامائی رنگ دینے کی کوشش کی تھی تاکہ میں اس سے مرعوب ہو جاؤں۔

اور بس اس مقام پر خان سے اندازے کی غلطی ہوئی تھی۔ جب اس کے وسائل لامحدود تھے تو اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے تھا کہ صبیحہ بانو ایک ایسی عورت کا نام ہے جس نے مرعوب ہونا نہیں سیکھا۔

"ایک گھنٹہ پورا ہو چکا ہے خاتون!" اچانک رضوان نے بانک لگائی۔

"اوہ!" میں اپنے خیالات سے چونکی اور پھر میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

"کھولیے اب تہ خانے کا راستہ!" رضوان پھر بولا۔

اس کے ساتھ ہی فریدوں بھی کھڑا ہو گیا۔ میں نے تہ خانے کا راستہ کھولا اور ہم تینوں اوپر پہنچ گئے۔ مشتاق چنگیزی اور اس کے ملازمین اب تک بیہوش پڑے تھے۔

"آخر یہ گھر کس کا ہے؟" فریدوں بولا۔

"کم از کم میری سسرال والوں کا نہیں ہے۔" رضوان نے لاپروائی سے شانے جھٹک کر کہا۔

فریدوں کچھ کھسیائے ہوئے سے انداز میں چُپ ہو گیا۔ وہ ہم دونوں کے بارے میں جاننے کے لیے خاصا مضطرب تھا لیکن اسے ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ ہم سے استفسارات کر سکتا۔

میں نے بنگلے سے نکل کر فریدوں سے کہا۔ "میرے پاس گاڑی

ہے اور ہم لوگ بزنس روڈ کی طرف جائیں گے۔ کیا تمھیں اسی طرف کہیں جانا ہے؟"

"آپ کی نوازش ہو گی، اگر آپ مجھے آرام باغ تک چھوڑ دیں۔ وہاں سے میں پیدل چلا جاؤں گا۔ میں ڈینسو ہال پر رہتا ہوں، لیکن کیا آپ لوگ پولیس کو اس معاملے کی رپورٹ نہیں کریں گے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ہمیں خواہ مخواہ کسی الجھن میں پڑنے کا شوق نہیں ہے۔ ہاں اگر تم چاہو تو اپنے طور پر ایسا کر لو، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"مجھ جیسے غریب لوگ تو اس قسم کے معاملات میں پولیس سے دور ہی رہتے ہیں۔ مجھے بہرحال کوئی بڑا نقصان تو پہنچا نہیں۔"

"تمھاری مرضی۔" میں نے بھی لاپروائی سے کہا۔

جب ہم اس گلی کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں میں نے اپنی کار کھڑی کی تھی، تو میں نے بلوچی زبان میں رضوان سے کہا۔ "جب ہم کار کے قریب پہنچیں تو تم کار اور اس شخص کے درمیان اس طرح حائل رہنا کہ یہ ہماری گاڑی کے نمبر پلیٹ نہ دیکھ سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" رضوان نے سر ہلا کر بلوچی ہی میں کہا۔ "میں نے بھی اس کے بارے میں سوچ لیا تھا۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ فریدوں جب تک کار کے دروازے تک نہیں پہنچا، رضوان نے بڑی چابکدستی کے ساتھ اسے نمبر پلیٹ پر نظر ڈالنے سے محروم رکھا۔ میں نے بلوچی میں رضوان سے کہا کہ وہ فریدوں کے ساتھ پچھلی ہی نشست پر بیٹھے۔ فریدوں کی طرف سے کسی خطرے کا امکان تو نہیں تھا لیکن میں اس کی طرف سے غافل نہیں رہنا چاہتی تھی۔

میں کار کو حرکت میں لائی اور اسے گلی سے نکال کر شاہراہ پر ڈال دیا۔ ٹھیک اسی وقت میرے عقب میں کسی گاڑی کی ہیڈلائٹس چمکیں۔ پھر وہ گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی مجھ سے آگے نکلی اور پھر اس نے اس طرح میری سائڈ دبائی کہ مجھے فل بریک لگانا پڑے۔ رضوان اور فریدوں اس دھچکے سے بمشکل سنبھل سکے۔

"خدا غارت کرے!" رضوان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

پیچھے سے آنے والی وہ کار بھی ذرا آگے نکل کر ایک دھچکے سے رکی اور پھر بڑی تیزی سے پیچھے آ کر میری کار کے بالکل برابر میں رک گئی۔ اس گاڑی کو پیچھے آتے دیکھ کر میرے ذہن میں خطرے کا احساس جاگ چکا تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اپنا ریوالور نکال لیا۔

"ہیلو بانو!" دوسری کار سے ایک آواز آئی۔

میں نے بے اختیار ایک لمبا سانس ...
کی تھی۔
"امید ہے، تم مع الخیر ہو گی!" خان کے لہجے ...
سا طنز تھا۔
"اور میں ہمیشہ مع الخیر رہوں گی۔" میں ...
سے کہا۔
"اب اس موضوع کے بارے میں کیا ...
"جو تم سمجھ چکے ہو۔"
"یعنی اب بھی اپنی ضد پر قائم ہو؟"
"اگر تم اسے ضد کا نام دینا چاہتے ہو تو ...
نہیں۔"
"میں تم پر واضح کر دوں کہ اس وقت میں ...
معمولی سا دوزدیا ہے۔"
"اس وقت کا انتظار کرو جب میں تمھیں ...
وہ وقت بہت زیادہ دور نہ سمجھو!"
"میں تمھیں سوچنے کے لیے مزید مہلت بھی ...
"اگر تمھیں وقت ضائع کرنے کا شوق ہے ...
دوسری کار کا انجن بدستور اسٹارٹ تھا اور ...
کیونکہ میرے اس جواب کے ساتھ ہی وہ حرکت ...
سے اپنی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔
"آپ اسے یوں ہی نکل جانے دیں گی؟" ...
کر کہا تھا۔
"پھر کیا کروں؟" میں سکون سے بولی۔ "کیا ...
شروع کر دوں اور قانون کی گرفت میں پھنس جاؤں ...
"لیکن ..." رضوان اپنی بات پوری نہیں ...
نہیں آ سکا ہو گا کہ وہ کیا کہے!
اب میں بھی اپنی کار کو حرکت میں لے آئی۔
"میں نے اس کار کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔" ...
"بیکار ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس نے ...
نمبر پلیٹ استعمال کی ہو گی۔"
"وہ جعلی نمبر پلیٹ کیوں استعمال کرے گا؟" ...
وہ جانتا ہے کہ آپ اس سے واقف ہیں؟"
"جعلی نمبر پلیٹ کا استعمال ان کی وجہ سے ...
پیچھے بیٹھے ہوئے فریدوں کی طرف انگوٹھے ...

... چپ ہو گیا۔
... نہیں آ رہا کہ آپ لوگوں کا جھگڑا کیا ہے؟" فریدوں
... تھی۔
... بارنس معاملہ ہے۔" میں نے کہا۔ "کیا تم نے سنا
... وے کی بات کر رہا تھا۔ میری فرم اس کی فرم سے
... ہاتی اور وہ بضد ہے کہ سودا کیا جائے۔"
... غیر قانونی حرکات ایک بزنس کے سلسلے میں
... حیرت سے کہا۔
... اس کے سوا کیا جواب دے سکتی تھی۔
... فریدوں بڑبڑایا۔ "ایسا بزنس تو شاید دنیا کے پردے
... نا ہو گا!"
... کے خیال پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کی تسلی کے
... کو سامنے نہیں لا سکتی تھی جو میرے ذہن

... ہائے رضوان بول پڑا۔ "اگر کاروباری دنیا میں
... ل ہو جائیں تو ایسا بھی ہوتا ہے۔"
... اس بدمعاش کے خلاف قانون کی مدد کیوں

... کے خلاف کوئی ثبوت ہمارے ہاتھ لگ گیا، ہم
... فی الحال اس سے کوئی فائدہ نہیں۔" رضوان اسے
... میں معروف تھا۔
... گزر کر میں نے گاڑی اس موڑ پر روکی جہاں
... ہے۔ وہاں سے میں آرام باغ کی طرف مڑ سکتی
... کے میں نے ایک بار پھر بلوچی زبان میں رضوان
... گاڑی کا نمبر اب بھی اس کی نظر میں نہیں

... جواب میں تو کچھ نہیں کہا لیکن فریدوں کے ساتھ وہ
... گیا تھا۔
... خدا حافظ!" رضوان نے اس سے کہا۔
... تو بیٹھے نا!"
... سیٹ پر بیٹھوں گا۔ اس کے علاوہ مجھے ذرا اگلے
... کرنا ہے۔" رضوان اس کے ساتھ چند قدم
... کا رخ بندر روڈ کی طرف تھا۔
... ریڈوان اس طرح جھکا کہ اس کے جسم نے نمبر پلیٹ
... آگے نکل گیا۔ وہ بیچارہ خاصا پریشان تھا۔

اس نے کئی مرتبہ مڑ کر دیکھا لیکن رضوان بدستور پہیوں کی ہوا "چیک" کرتا رہا۔

"بس اب آ جاؤ!" میں نے کھڑکی سے سر نکال کر رضوان سے کہا۔ "اب وہ اتنی دور نکل گیا ہے کہ نمبر نہیں پڑھ سکتا۔"

رضوان سیدھا کھڑا ہوا۔ اس نے دور جاتے ہوئے فریدوں پر ایک نظر ڈالی اور پھر آ کر میرے برابر کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں کار کو حرکت میں لے آئی اور اسے آرام باغ کی طرف موڑ دیا۔ چکر کاٹ کر میں مرکزی سڑک پر آ گئی اور پھر میں نے رضوان سے کہا۔ "صبح تم گھر آنا۔ شاید کوئی کام پڑ جائے۔"

"آج کے واقعات مجھے آسانی سے نہیں سونے دیں گے۔ یقیناً دیر سے نیند آئے گی للٰہذا آنکھ بھی دیر سے کھلے گی۔"

"جب بھی جاگو، سیدھے چلے آنا۔ ناشتہ بھی وہیں آ کے کر لینا۔"

"ٹھیک ہے۔"

رضوان کو اس کی بلڈنگ کے سامنے اتار کر میں ڈیفنس کی طرف روانہ ہو گئی۔ اب میرے ذہن میں سب سے اہم سوال صادق حبیب کی بازیافت کا تھا اور یہ معلوم کرنا آسان بات نہیں تھی کہ خان آف کالا گوٹ نے اسے کن پردوں میں چھپا کر رکھا ہو گا۔

جب میری گاڑی اپنے گھر کے وسیع و عریض احاطے میں داخل ہوئی تو میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ برآمدے کے سامنے پولیس کی دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ کچھ پولیس والے بھی نظر آ رہے تھے۔ میرے ذہن میں مختلف اندیشوں کے ناگ پھنکارنے لگے۔

میری گاڑی کو دیکھتے ہی ایک پولیس والا بہت تیزی سے اندر چلا گیا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ کسی کو میری آمد کی اطلاع دینے گیا ہو۔

میں نے پولیس کاروں کے پیچھے اپنی گاڑی روکی اور انجن بند کر کے ہونٹ بھینچے ہوئے نیچے اتر آئی۔ میرے قدم برآمدے کی طرف بڑھ رہے تھے اور ذہن گویا ہوا میں اڑ رہا تھا۔ میں خود کو اس کے لیے بھی آمادہ کر رہی تھی کہ سنگین ترین صورتِ حال کا سامنا بھی آسانی سے کر جاؤں۔

جیسے ہی میں نے برآمدے میں قدم رکھا، وہاں کھڑے ہوئے پولیس والے اِدھر اُدھر ہٹ گئے لیکن اندر سے برآمد ہونے والے ایک ایس پی نے مجھے دروازے کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔ وہ میرے اور دروازے کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔

میں رک گئی اور اسے گھورنے لگی۔ میں نے اب بھی ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔

"مس صبیحہ بانو ؟" ایس پی کا لہجہ سوالیہ تھا۔

میں نے اسے جواب دینے کی بجائے بلند آواز میں اپنی ایک ملازمہ کو پکارا۔ اس کے جواب میں میری دو تین ملازمائیں باہر آگئیں۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں لیکن میں اندازہ نہیں لگا سکی کہ کیا واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے۔

میں نے ملازماؤں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مسٹر ایس پی کو بتاؤ کہ میرا نام ہی صبیحہ بانو ہے۔"

میں نے یہ انداز ایس پی کو یہ باور کرانے کے لیے اختیار کیا تھا کہ میں اس سے یا اس کے فوج فرّے سے مرعوب نہیں ہوئی ہوں۔

ایس پی میرے اس انداز پر جھنجلا گیا اور غرّایا "کیا آپ یہ جواب براہِ راست مجھے نہیں دے سکتی تھیں ؟"

"کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے لاپروائی سے شانے جھٹکے اور پھر بولی "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ میرے گھر پر یہ دھاوا کس سلسلے میں بولا گیا ہے اور پولیس میری اجازت کے بغیر اس چار دیواری میں داخل کیسے ہوئی ؟"

اب ایس پی نے گویا جوابی کارروائی کی اور مجھے جواب دینے کی بجائے ایک "اے ایس آئی" سے بولا "انھیں بتاؤ کہ ہمارے پاس سرچ وارنٹ موجود ہے اور انھیں یہ بھی بتاؤ کہ یہ خود کو زیرِ حراست سمجھیں۔"

"وہ کس خوشی میں !" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"اس خوشی میں محترمہ !" ایس پی نے لفظوں کو چبا چبا کر ادا کرتے ہوئے کہا "کہ آپ نے کفیل رضا نامی ایک شخصیت کو غائب کر دیا ہے اور آپ کے خلاف رپورٹ کی گئی ہے کہ آپ کفیل رضا کو ہلاک کروا سکتی ہیں۔"

میں نے بے اختیار سر گھما کر اپنی ملازماؤں کی طرف دیکھا۔

"وہ اپنے بستر سے غائب ہیں۔" ایک ملازمہ میرا مطلب سمجھ کر جلدی سے بولی۔

"لیکن وہ اب بھی اسی کمرے میں ہیں۔" میں نے ایس پی کی طرف دیکھتے ہوئے زور دے کر کہا۔

"کیا آپ نے کوئی عمل پڑھ کر انھیں دوسروں کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے ؟" ایس پی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میرے ساتھ آیئے !" میں نے کہتے ہوئے بڑے پُر وقار انداز میں دروازے کی طرف قدم بڑھائے اور ایس پی اس طرح ایک طرف ہٹ گیا جیسے میری اس حرکت کو مسخرے پن سے تعبیر کر رہا ہو۔

ویسے اب مجھے خود بھی امید نہیں ... نیچے موجود ہوگا اور مجھے اس سیٹ اپ ... کا ہاتھ محسوس ہو رہا تھا۔

میرے ساتھ ساتھ ایس پی بھی اس ... میں نے بستر کے قریب جا کے جھانک کر ... تھا نہ وہ تو شک جو میں نے اس کے نیچے ...

"کیا آپ کوئی چوہا دیکھ رہی ہیں ؟" ایس ... میں ہونٹ بھینچ کر سیدھی کھڑی ہو گئی ...

وہ ڈھیر بھی نظر نہیں آیا جس سے میں انسان ...

"کسی نے مسٹر کفیل رضا کو اغوا کیا ہے۔" ... گھورتے ہوئے کہا۔

"کسی نے نہیں بلکہ آپ نے انھیں کہیں ... آپ خود اس کا اعتراف کر چکی ہیں۔ آپ نے ... وہ اس کا ٹھوس ثبوت ہے۔"

میرا سارا جسم سنسنا گیا۔ یہ تو گویا میں اپنے ... میں پھنس گئی ہوں۔

"میرے خلاف رپورٹ کس نے کی تھی ؟" ... کر پوچھا۔

"مسٹر چنگیزی نے، جن کو آپ نے خط لکھا تھا ..."

"کیا !" میں حیران رہ گئی "چنگیزی نے پولیس ..."

"جی ہاں۔"

"وہ کہاں ہے ؟"

"آپ سوال کرنے کی مجاز نہیں ہیں۔ میرے ساتھ چلیے !" ایس پی کے لہجے میں سختی آگئی۔

میں نے ذرا توقف کیا تاکہ اپنے اندرونی انتشار پر قابو پا لوں۔ آخر میں نے پُر سکون انداز میں کہا "میں ... چلنے سے قبل ایک فون کرنا چاہتی ہوں۔"

"پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ کر آپ درجن بھر فون کر ... فی الحال آپ کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

میں نے محسوس کیا کہ ایس پی کے لہجے میں ذرا ... نہیں تھی۔ وہ کسی قیمت پر مجھے فون نہیں کرنے دینا ... تھا کہ اپنے کسی ایسے شناسا کو فون کر دوں جو سرکاری ... کو میرے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے روک ... صورتِ حال میرے لیے نامساعد ہو چکی تھی۔ مجھے ...

... خان آف کالاکوٹ کے دباؤ میں ہے اور مجھے ہرگز ... نہیں کرنے دے گا۔

"... بات ہے۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

... دروازے کی طرف مڑی۔ ایس پی میرے پیچھے پیچھے ... نکلا۔ غالباً اس نے اپنے ماتحتوں کو کچھ اشارہ کیا تھا کیونکہ ... والے ایس آئی میرے دائیں بائیں چلنے لگے۔ مجھے اس ... نہیں ہو سکا کہ میں چپکے سے کسی ملازمہ سے ... فون کرنے کے لیے کہہ دیتی۔ ویسے مجھے یہ اطمینان تھا ... ہدایت نہ ملنے کے باوجود بھی میری ملازمۂ خاص ایسا ... گی۔

جب وہ لوگ مجھے پولیس کار میں بٹھانے لگے تو میں نے ... کی چابی ایک ملازمہ کی طرف پھینکتے ہوئے کہا "گاڑی کو ... بند کروا دینا۔ زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ... لوٹ آؤں گی۔"

اس وقت میں نے ایس پی کے ہونٹوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ ... غالباً اسے میرے اثر و رسوخ کا کچھ زیادہ اندازہ نہیں تھا جبکہ ... تھا کہ جب میں پولیس ہیڈ کوارٹر میں قدم رکھوں گی تو وہاں ... بات گی اور میرے زیرِ حراست ہونے کی خبر از خود ان لوگوں ... جانے گی جو میرے لیے بہت کچھ کر سکتے تھے۔

پولیس کار میں دونوں اے ایس آئی میرے دائیں بائیں بیٹھے۔ ... آگے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا اور باقی پولیس والوں نے ... جگہ بنائی۔

... یقین تھا کہ اس وقت میری ملازمۂ خاص رنوں کا فون نمبر ... ہی ہوگی۔

دونوں پولیس کاریں آگے پیچھے روانہ ہو گئیں۔ وہ کار آگے ... جس میں مجھے لے جایا جا رہا تھا۔ میں اس وقت صرف یہ ... سوچ رہی تھی کہ خان آف کالاکوٹ مجھ پر پے در پے حملے کر کے ... دکھلا دینا چاہتا ہے لیکن اسے اندازہ نہیں کہ وہ اس طرح ... میرا اشتعال بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔ اس نے ابتدائی طور پر ... جارحانہ چالیں چل کر بظاہر اپنی برتری کا سکّہ جما لیا تھا لیکن ... مجھے ایک مرتبہ قدم جمانے کی مہلت ملتی، ویسے ہی اس ... کی جارحانہ چالوں کا شیرازہ بکھر جاتا۔ پھر وہ نہ صرف میرے ... کرنے میں ناکام رہتا بلکہ مجھے مزید بڑھنے سے روکنا بھی اس کے بس کی بات نہ ہوتی، جیسا کہ مستقبل نے ثابت بھی کیا۔

دفعتاً کار کے ڈرائیور نے بریک لگائے۔

"کیا بات ہے ؟" ایس پی نے فوراً پوچھا۔

"ہماری دوسری گاڑی رک گئی ہے سر !" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"اوہ !" ایس پی نے مڑ کر دیکھا۔

میں بھی مڑ کر دیکھنے لگی۔ دوسری پولیس کار کی ہیڈ لائٹس تقریباً ایک فرلانگ دور رکی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

"ریورس گیئر میں چلو۔ وہ زیادہ دور نہیں ہے۔" ایس پی نے ڈرائیور سے کہا۔

ڈرائیور نے تعمیل کی اور ہماری کار پچھلی کار کے برابر جا رکی۔

"کیا بات ہے ؟" ایس پی نے کار میں بیٹھے بیٹھے، دوسری کار کے پولیس والوں سے پوچھا۔

اس کار میں بیٹھے ہوئے انسپکٹر نے جواب دیا "بائیں طرف کا پچھلا پہیا بدلنا پڑے گا سر ! اس کی ہوا نکل گئی ہے۔ شاید کوئی کیل وغیرہ گھس گئی ہے۔"

ایس پی نے صرف دو تین لمحے کے توقف سے کہا "اچھا تو پھر تم لوگ پہیا بدل کر آؤ۔ ہم چلتے ہیں۔"

"او کے سر !" انسپکٹر نے کہا۔

ایس پی کے اشارے پر ہماری کار کے ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی اور بتدریج رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

ابھی ہم ڈیفنس کے علاقے سے نہیں نکلے تھے۔ وہ تقریباً تین بجے کا عمل تھا۔ سڑکیں ویران پڑی تھیں اور اس سناٹے میں الیکٹرک پولز بھی اونگھتے ہوئے سے محسوس ہو رہے تھے۔

ہماری کار ابھی شاہراہ پر نہیں پہنچی تھی کہ ایک ٹرک نے ہمارا راستہ روک لیا۔ وہ بیچ سڑک پر کھڑا تھا۔ اس کے دائیں بائیں جگہ چھوٹی ہوئی تھی مگر وہ اتنی نہیں تھی کہ پولیس کار گزر سکتی۔ اگر ٹرک کو ایک طرف کر کے کھڑا کیا گیا ہوتا تو کار بڑی آسانی سے گزر جاتی۔

وہ کوئی آئل ٹینکر ٹرک تھا۔ دو پٹھان اس کے ایک پہیے کو جیک لگا رہے تھے۔

"شاید اس کی بھی ہوا نکل گئی ہے۔" ہمارا ڈرائیور بے ساختہ ہنس پڑا لیکن پھر شاید فوراً ہی اسے ایس پی کی موجودگی کا خیال آ گیا اور اس نے اپنی ہنسی میں بریک لگا دیا۔

ایس پی کھڑکی سے سر باہر نکال کر دھاڑا۔

ایس پی کھڑکی سے سر نکال کر دھاڑا۔ "الو کے پٹھو! کیا تم ٹرک کو کنارے کر کے کھڑا نہیں کر سکتے تھے؟"

جیک لگانے والوں میں سے ایک دوڑتا ہوا ہماری کار کے قریب آیا اور گھگھیاتا ہوا بولا۔ "ام معافی چاہتا ہے صاب!"

"معافی کے بچے! ٹرک ہٹاؤ راستے سے!" ایس پی دھاڑا۔

اچانک اس شخص نے کوئی چیز کار کے اندر پھینکی۔ وہ ایک چھوٹا سا غبارہ تھا۔ اس غبارے کا منہ شاید چٹکی میں دبا کر بند رکھا گیا تھا۔ کار میں آتے ہی وہ کھل گیا اور ایک تیز بو کار میں پھیل گئی۔ ایس پی نے بڑی تیزی سے اپنی کار کا دروازہ کھولنا چاہا، بلکہ شاید کھول بھی لیا لیکن اس کی نوبت نہیں آسکی کہ وہ اتر بھی سکتا۔ ادھر میں بھی اپنے ہوش و حواس کھو چکی تھی۔ میرے ذہن میں آخری خیال یہ آیا تھا کہ یہ اقدام میرے کسی ایسے ہمدرد کا ہو سکتا ہے جو مجھے پولیس کے شکنجے سے نکال لے جانا چاہتا ہے۔

مگر کون؟ وہ کون ہو سکتا ہے؟

مجھے اس سوال پر غور کرنے کی مہلت نہیں مل سکی۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک آراستہ پیراستہ اور نہایت پُرتکلف کمرے میں نرم و گداز بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ آرام و آسائش کا وہ تمام سامان وہاں موجود تھا جو کسی عیش پسند انسان کی خوابگاہ میں ہو سکتا ہے۔ کمرے میں ایک بھینی بھینی، مدھم مدھم سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی جو غالباً اس کمرے کی فضا میں اسپرے کی گئی ہوگی۔

میں ہوش میں آنے کے بعد فوری طور پر بستر سے نہیں اٹھی تھی۔ بیہوشی سے پہلے کے واقعات میرے ذہن میں چکرا رہے تھے اور میری نظر اس کمرے میں چکرا رہی تھی۔ دفعتہً مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کمرہ بہت ہی آہستہ آہستہ ڈگمگا رہا ہو۔ ڈگمگاہٹ کا احساس ویسا ہی تھا جیسے کسی کشتی میں بیٹھ کر ہوتا ہے۔ میں یکلخت اٹھ بیٹھی اور اپنی ساری توجہ اس ڈگمگاہٹ پر مرکوز کر دی۔ جلد ہی مجھے یقین ہو گیا کہ میرا وہ احساس کوئی وہم نہیں تھا۔

میں نے بستر سے اترنے کے لیے پیر نیچے لٹکائے تو قالین پر سلیپر بھی رکھے ہوئے تھے اور میرے ہی پیروں کے سائز کے تھے۔ میں وہ سلیپر پہن کر کھڑی ہو گئی اور اب میں اس دیوار کو بھی دیکھ سکتی تھی جو میرے سرہانے تھی۔

اس دیوار میں مجھے تین بڑے بڑے سوراخ نظر آئے جن میں شیشے لگے ہوئے تھے۔ ان شیشوں کی دوسری طرف مجھے پانی لہریں لیتا ہوا نظر آیا۔ اس نیلگوں پانی میں کبھی کبھی کوئی مچھلی بھی ہوئی سوراخ کے سامنے سے گزر جاتی تھی۔

اب مجھے خیال آیا کہ میں کسی بحری جہاز کے نچلے حصے ا قسم کی آبدوز میں ہوں۔ میں ایک جھٹکے سے پھر بستر پر بیٹھ سے بیٹھنے کا سبب یہ ذہنی جھٹکا تھا کہ مجھے کسی بحری جہاز یا لانے والا شخص کون ہو سکتا ہے؟ جب میں بیہوش ہو رہی یہ خیال ذہن میں پیدا ہوا تھا کہ مجھے پولیس کے شکنجے سے نکا شخص میرا کوئی ہمدرد ہی ہو سکتا ہے لیکن اب میں اس خیال ذہن سے جھٹکنے پر مجبور تھی۔ میرے ہمدردوں میں کوئی بھی تھا جس کے پاس اس کا کوئی ذاتی جہاز ہو اور آبدوز کا سوال ہی نہیں تھا۔ تو پھر کیا اب میں کسی بین الاقوامی گئی ہوں؟ کیا میری ذات سے کسی غیر ملکی طاقت کو دلچسپ ہے؟ وہ آبدوز یا جہاز کسی حکومت ہی کا ہو سکتا تھا!

دفعتہً میں نے دائیں جانب کی دیوار میں ایک خلا ہوتے دیکھا۔ میری نظر اسی طرف جم گئی۔ میں نے ایک شخص آتے ہوئے دیکھا۔ وہ سفید رنگ کے ایسے لباس میں عموماً بڑے گھرانوں کے بٹلر پہنتے ہیں۔ اس نے میرے قر ادب سے پوچھا۔ "معزز خاتون ناشتے سے پہلے غسل فرما یا بیڈ ٹی پینا پسند کریں گی؟"

میں نے اسے جواب دینے کی بجائے سوال دا کون ہو؟"

"آپ کا خادم۔"

"تمھیں یہ فرض کس نے سونپا ہے؟"

"میرے آقا نے۔"

"تمھارا آقا کون ہے؟"

"مجھے اس سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں خاتون!" بٹلر نظر جھکائے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

"تمھارا آقا کہاں ہے؟"

"وہ آپ سے رات کو ملاقات کر سکیں گے۔ اس بجے ہیں۔ رات کے آٹھ بجے تک آپ کو اسی کمرے میں ہے۔ یہ گھنٹے گزارنے کے لیے آپ جو چاہیں مشغلہ ا ہم حتی الامکان کوشش کریں گے کہ آپ کی طلب کر مہیا کر دیں۔"

"مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے منہ

یں اپنا وہی سوال دُہرانے کی جسارت کروں گا کہ آپ ما پسند کریں گی یا غسل کرنا؟"

ں کہاں ہوں؟" میں نے پھر ایک سوال دُہرا دیا۔

"نہیں ہیں۔" بٹلر نے بڑی معصومیت سے کہا۔

جھنجلا کر رہ گئی، پھر میں نے کہا۔ "کیا یہ کوئی جہاز ہے؟"

ی نہیں۔"

"بوز؟"

ی نہیں۔"

پھر یہ کیا ہے؟"

میرے آقا کا مہمان خانہ۔"

ی جھنجلاہٹ میں اضافہ تو ہوا لیکن میں نے اس پر قابو یہی تھا کہ میں اس بٹلر سے جھک جھک نہ کروں۔ مجھے سی بھی قسم کی معلومات حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

ے نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں پہلے غسل کروں ل کے بعد ناشتہ۔"

ہتر ہے۔ دوسرے کمرے میں تشریف لے چلیے!" بٹلر ے اس خلا کی طرف اشارہ کیا جس سے گزر کر وہ اس م آیا تھا۔

میرے قدم اس طرف اٹھ گئے۔ بٹلر مجھ سے دو قدم ں۔

دوسرا کمرہ بھی پہلے کمرے کی طرح خاصا کشادہ تھا۔ اسے ے روم کے طور پر استعمال کیا جاتا ہوگا کیونکہ وہاں ڈائننگ ار کرسیوں کے علاوہ صرف آرائشی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ مرے میں مجھے صرف ایک دروازہ نظر آیا۔ میں نے اِدھر اُدھر پھر بٹلر سے بولی۔ "کہاں ہے باتھ روم؟"

بٹلر نے اسی دروازے کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔ "یہ م ہی کا دروازہ ہے معزز خاتون!"

ں اس کمرے سے باہر جانے کا دروازہ کہاں ہے؟"

بٹلر نے نظر جھکا لی اور خاموش کھڑا رہا۔ غالباً وہ میرے سوال کا بھی جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔

میں ایک ٹھنڈا سانس لے کر باتھ روم کے دروازے ں ہو گئی۔

غسل کرنے کے بعد مجھے اپنا وہی لباس پھر پہننا پڑا جو ے پہنے ہوئے تھی۔ جب میں باتھ روم سے نکلی تو میں نے دیکھا کہ ڈائننگ ٹیبل پر نہایت پُرتکلف ناشتہ موجو تھا۔

جب تک میں نے ناشتہ کیا، بٹلر بڑے ادب سے ایک طرف کھڑا رہا اور جب میں ناشتہ کر چکی تو وہ بولا۔ "اب آپ اپ آرامگاہ میں تشریف لے جائیے!... اور ہاں! یہ بھی بتا دیجی کہ آپ کھانا کھانے کے لیے کس وقت کا انتخاب کریں گی؟"

"بارہ بجے ناشتہ کیا ہے، اب کھانا کیا کھاؤں گی۔ اگر ممکن ہو تو شام کی چائے کے ساتھ کچھ اسنیکس لے آنا۔ کھانا تو ا میں رات ہی کو کھاؤں گی۔ اس وقت تک تمھارے آقائے نام بھی آجائیں گے۔" میرے لہجے میں خفیف سا طنز تھا۔

"جی ہاں!" بٹلر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "رات کا کھانا آپ ا ہی کے ساتھ کھائیں گی۔"

میں واپس اسی کمرے کی طرف بڑھی جہاں مجھے ہوش آیا تھا۔ جب میں بستر پر بیٹھ گئی تو میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھنا چاہا لیکن اب وہ خلا بند ہو چکا تھا۔

رات سے پہلے میری اس الجھن کا خاتمہ نہیں ہو سکتا تھا کہ میں کس کی قید میں ہوں۔ ہر چند کہ میں ایک پُرآسائش کمرے میں تھی لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ میری حیثیت ایک قیدی کی سی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کس کی قیدی ہوں۔ میرے خیال کے مطابق وہ خان آف کالا گوٹ تو نہیں ہو سکتا تھا۔ خان نے تو مجھے پولیس کے جال میں پھنسانے کے لیے پاپڑ بیلے تھے، پھر وہ مجھے پولیس کے شکنجے سے کیوں نکالتا؟

میں بستر پر لیٹ گئی اور صورتِ حال پر غور کرتی رہی لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آ سکا۔ پھر میں رضوان کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ یقیناً میری تلاش میں سرگرداں ہوگا لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ وہ مجھے ڈھونڈتا ہوا یہاں پہنچ جائے۔

میں ایسے ہی مختلف النوع خیالات میں الجھی رہی اور تین بج گئے۔ اس وقت ایک بار پھر دیوار میں خلا پیدا ہوا۔ میں اس طرف دیکھنے لگی۔ ایک شخص ایک بہت بڑے فریم کی ٹرالی کو دھکیلتا ہوا اندر لایا۔ اس فریم میں ایک سفید پردہ لگا ہوا تھا، جیسے فلم اسکرین!

اسکرین لانے والا شخص بٹلر نہیں کوئی اور تھا۔ اس نے اسکرین کو ایک جانب کی دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا اور پھر مجھ سے مخاطب ہوئے بغیر واپس چلا گیا۔ دیوار کا خلا پھر برابر ہو گیا۔

اچانک وہ اسکرین روشن ہوگئی۔ میری نظر اس طرف اٹھی جدھر سے اسکرین پر روشنی پڑ رہی تھی۔ میں نے اسکرین کی سامنے والی دیوار میں ایک سوراخ دیکھا۔ اسی سوراخ سے وہ روشنی اسکرین پر ڈالی جا رہی تھی۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ سوراخ وہاں پہلے سے نہیں تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ دیوار کے خلا کی طرح وہ بھی کسی میکنزم کی کارکردگی کا نتیجہ ہوگا۔

پھر کئی رنگوں کی آمیزش نے مجھے دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ کر دیا۔ ایک رنگین فلم شروع ہو چکی تھی۔ ایک سجی ہوئی خوابگاہ میں ایک خوبصورت لڑکی لیٹی ہوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ دروازہ کھلا اور ایک مرد اس کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی لڑکی نے رسالہ رکھ دیا اور اس طرح مسکراتی ہوئی بستر سے اٹھی جیسے آنے والے مرد کا استقبال کر رہی ہو۔

میرا منہ بن گیا۔ یہ فلم گویا میری دل بستگی کے لیے دکھائی جا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ مرد اور وہ لڑکی ہم آغوش ہو گئے تھے اور اپنی اپنی تشنہ لبی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس قسم کے مناظر تقریباً سبھی انگریزی فلموں میں نظر آتے ہیں۔

لیکن اس بوس و کنار کے بعد وہ مرد کچھ زیادہ ہی "جارح" ہوتا چلا گیا۔ لڑکی کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ قطعی خود سپردگی کے عالم میں نظر آ رہی تھی۔

پھر جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک بلیو فلم تھی۔ لڑکی کا سراپا دیکھ کر میرا جسم جھنجھنا اٹھا اور میرے جذبات برانگیختہ ہونے لگے۔ وہ مرد اور وہ لڑکی اب بستر پر تھے۔ میں جو کچھ دیکھ رہی تھی وہ ایسا ہی تھا کہ میرے جذبات مشتعل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

دس منٹ میں فلم ختم ہو گئی۔ اسکرین اب سفید ہو چکی تھی اور اس کی مخالف سمت کا سوراخ بھی بند ہو چکا تھا لیکن میرے جسم میں ایک آگ بھڑک اٹھی تھی۔

اسی وقت دیوار کا خلا پھر نمودار ہوا اور اس مرتبہ اندر آنے والی ہستی ایک حسین و جمیل لڑکی تھی۔ اس نے ایک حریری سا گاؤن پہن رکھا تھا اور اس کے جسمانی خطوط اس طرح جھلملا رہے تھے جیسے بادلوں کی کسی ہلکی پرت سے چاند جھانکتا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں ایک کشتی تھی جس میں شراب کی ایک بوتل اور ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنی مسکراہٹ کی بجلیاں گراتی ہوئی آگے آئی۔ اس نے وہ ٹرے ایک چھوٹی سی تپائی پر رکھی اور پھر اس تپائی کو اٹھا کر میرے بستر کے قریب لا رکھا۔

"کیا آپ بینٹ پینا پسند کریں گی؟" وہ [illegible]
میں بولی۔

اس وقت میرا دماغ سنسنا رہا تھا۔ میری نگاہ [illegible] جسمانی خطوط میں الجھی ہوئی تھی۔

"آپ نے جواب نہیں دیا؟" وہ اٹھلا کر پھر بولی "[illegible] پئیں گی یا...؟"

میں اس وقت جذباتی طور پر طوفان کی طرح امڈ [illegible] ایسے موقعوں پر عموماً چھٹی حس کام نہیں کرتی لیکن یہ [illegible] کر گئی۔ مجھے حیرت انگیز طور پر ایک خطرے کا احساس [illegible] سارے سیٹ اپ کی وجہ میری سمجھ میں آنے لگی۔ [illegible] کر کے میرے جذبات برانگیختہ کیے گئے اور فوراً ہی [illegible] شراب کی بوتل لے کر میرے پاس آ گئی۔ جن لوگوں [illegible] رکھا تھا، وہ میری افتادِ طبع سے بخوبی واقف ہوں [illegible] ضرور یہ اندازہ ہوگا کہ میں حسن و شراب کی اس لہر [illegible] اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے مگر ان کے بارے میں میرے ذہن میں شبہ جاگ اٹھا۔ یہ میں کمرے کے کسی حصے میں کوئی خودکار مووی کیمرہ پوشیدہ [illegible] "آنکھ" بستر کی طرف ہو۔ اگر میں اس لڑکی کو اپنے جذبات [illegible] سونپ دیتی تو وہ خفیہ کیمرہ ایک اور بلیو فلم تیار کر لیتا جو کسی وقت [illegible] استعمال کی جا سکتی تھی۔

یہ سارے خیالات پل بھر میں میرے ذہن میں [illegible] اور مجھے یہ ناخوشگوار فیصلہ کرنا پڑا کہ میں ہر قیمت پر [illegible] قابو میں رکھوں گی۔

"میں بینٹ ہی پیوں گی۔" میں نے سپاٹ [illegible] کہا۔ "لیکن تم زحمت نہ کرو۔"

"اس میں زحمت کی کیا بات ہے معزز خاتون! [illegible] خدمت ہی پر مامور کیا گیا ہے۔"

"شکریہ! میں اس سلسلے میں اپنی خدمت خود کر [illegible] سکتی ہوں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

لڑکی کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

قدرے توقف کے بعد میں نے سخت لہجے میں [illegible] نے سنا نہیں؟ تم جا سکتی ہو!"

"لیکن..."

"جاؤ!" میں اب غصیلے انداز میں بولی۔ "کیا تم [illegible]

[illegible] پر میں اپنے میزبان سے تمہاری شکایت کر دوں۔"

اس کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔ پتا نہیں وہ ندامت کی [illegible] بے بسی اور احساس کی، میں کوئی اندازہ نہیں کر سکی۔ بہرحال [illegible] دیوار کی طرف بڑھ گئی جس کا خلا بند ہو چکا تھا لیکن جب [illegible] دیوار کے قریب پہنچی تو وہ خلا پھر نمودار ہو گیا۔ لڑکی اس [illegible] میں نے خلا کو پھر برابر ہوتے دیکھا۔ اب مجھے اس کا بھی [illegible] گیا کہ اس کمرے میں کوئی مائکروفون اور ٹیلیویژن آئی بھی پوشیدہ [illegible] ہے۔ بیٹھا ہوا کوئی شخص اس کمرے میں ہونے والی ہر بات [illegible] تھا اور اس کمرے کے ہر منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اسی نے اس [illegible] حرکت دی ہوگی جس سے دیوار میں خلا پیدا ہوا اور اس [illegible] کے بعد بند ہو گیا۔

[illegible] نے گلاس میں شراب انڈیلی اور پے در پے کئی ہلکی ہلکی [illegible] میرے سینے میں جیتی سی دہک اٹھی۔ بینٹ شراب [illegible] سے پینا مناسب نہیں ہوتا لیکن میں جلد از جلد زیادہ سے [illegible] اپنے معدے میں پہنچا لینا چاہتی تھی۔ جب میرے [illegible] امنڈتے ہیں تو ان کو ٹھنڈا کرنے کی صرف دو ہی صورتیں [illegible] ممکن ہوتی ہیں، حسن یا شراب! لوگ کہتے ہیں کہ [illegible] بات اور بھڑکتے ہیں لیکن میرا معاملہ مختلف ہے۔ میں شراب [illegible] کر اپنے جذبات کے منہ زور عفریتوں کو قابو میں کر [illegible]

[illegible] میں نے اتنی پی کہ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

جب مجھے کچھ ہوش آیا تو میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی ساڑھے [illegible] بجنے تھے۔ گویا شام ہو چکی تھی لیکن کمرہ اسی طرح منور تھا [illegible] میں اسے دن میں دیکھ چکی تھی۔ وہاں کچھ ایسی روشنی کا انتظام تھا کہ دن کی روشنی محسوس ہوتی تھی اور یہ اندازہ بھی نہیں ہو پاتا [illegible] مصنوعی روشنی ہے۔

[illegible] بستر سے اٹھی۔ شراب کا خمار ابھی باقی تھا لیکن امنڈتے جذبات کے عفریت سو چکے تھے۔ میں نے بوتل پر نظر ڈالی تو مجھے [illegible] میں آدھی سے کچھ زیادہ پی گئی تھی۔

کچھ سوچ کر میں نے بلند آواز میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ میری [illegible] شخص تک ضرور پہنچ رہی ہوگی۔ میں اسی شخص سے [illegible] ہوں اور اس سے کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے غسل کرنا ہے۔"

میرا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ بمشکل پندرہ سیکنڈ بعد [illegible] میں خلا پیدا ہو گیا۔ میں اس سے گزر کر دوسرے کمرے میں پہنچی جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ میں نے باتھ روم کا رُخ کیا اور غسل کرنے کے بعد پھر اسی کمرے میں آ گئی۔ میرے آنے کے بعد دیوار کا خلا برابر ہو گیا اور میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے بال درست کرنے لگی۔

اب آٹھ بجے تھے اور بٹلر نے دن میں مجھے بتایا تھا کہ میں اس وقت کھانے کی میز پر اپنے میزبان سے ملاقات کر سکوں گی۔ اب یہ سوال بڑی شدت سے میرے ذہن میں ہلچل مچانے لگا کہ میرا [illegible] میزبان کون ہوگا؟

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے دیوار میں وہ خلا پھر پیدا ہوا اور میں نے اسی بٹلر کی شکل دیکھی۔

"معزز خاتون!" وہ بولا۔ "کھانا میز پر لگایا جا چکا ہے اور میرے آقا آپ کے منتظر ہیں۔"

میں اٹھی اور دھڑکتے دل سے دیوار کے خلا کی طرف بڑھی۔ بٹلر میرے سامنے سے ہٹ گیا۔ میں دوسری طرف پہنچی اور اس طرف پہنچتے ہی میرے قدم ذرا دیر کے لیے فرش سے جم کر رہ گئے۔ ڈائننگ ٹیبل کے سرے کی کرسی پر خان آف کالاگوٹ براجمان تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی متکبرانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور آنکھوں سے تمسخر جھانک رہا تھا۔

"تشریف... لائیے... معزز... خاتون!" وہ لفظوں کو چبا چبا کر بولا۔

میں نے خود کو ابتدائی جھٹکے سے سنبھالا اور آگے پہنچی۔ اب میں خود کو بالکل مطمئن ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے خان کے سامنے والی کرسی سنبھالی اور بیٹھ گئی۔ میں نے اپنے چہرے پر اطمینان و سکون پھیلا لیا تھا لیکن ذہنی طور پر شدید انتشار میں مبتلا تھی۔ میرے خیال کے مطابق میرا میزبان "خان آف کالاگوٹ" کو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آخر اسے اس کی کیا ضرورت تھی کہ مجھے پولیس کے شکنجے سے بچاتا جبکہ میرے یقین کے مطابق مجھے پولیس کے شکنجے میں پھنسانے والا بھی وہی تھا۔

لیکن اب جب میں نے حالات کو ایک اور زاویے سے دیکھنا شروع کیا تو بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آنے لگی۔

"شروع کیجیے خاتون!" خان آف کالاگوٹ سپاٹ لہجے میں بولا۔

میں نے اپنی پلیٹیں سیدھی کیں اور ایک قاب اٹھا کر اس میں سے بھنی ہوئی بٹریں نکالنے لگی۔

واقعات کا سلسلہ اب میرے ذہن میں کچھ اس طرح آرہا تھا کہ خان نے سب سے پہلا چرکا تو مجھے یہ دیا کہ صادق حبیب کو غائب کر دیا۔ پھر مجھے وہاں ایک گھنٹے کے لیے قید کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت میں کفیل رضا کو بھی غائب کر دے۔ جب اس کا یہ منصوبہ عمل پزیر ہوا تو اسے وہاں میرا ایک خط بھی ملا جو چنگیزی کے نام تھا۔ اس خط کے بہانے اسے موقع مل گیا کہ وہ صورتِ حال کو میرے لیے اور زیادہ گمبھیر بنا دے۔ اس نے مجھے پولیس کے جال میں پھنسانے کا سامان کر دیا اور جب میں اس جال میں پھنس گئی تو اس نے مجھے وہاں سے نکال بھی لیا۔ اس آخری حرکت کے دو مقصد ہوسکتے تھے۔ ایک تو یہ کہ میں اس سے مرعوب ہوتی چلی جاؤں اور اس کی شخصیت کو اپنے اوپر چھایا ہوا محسوس کرنے لگوں۔ دوسرے یہ کہ قانون کی نظر میں میری پوزیشن اور زیادہ خراب ہو جائے۔ مجھے یقیناً ایک مفرور مجرم قرار دیا جا چکا ہوگا۔ اب اگر خان آف کالا گوٹ مجھے آزاد کر دیتا تو میں خود کو خاصی مشکلات میں گھرا ہوا پاتی۔

یہ بات میری سمجھ میں اب بھی نہیں آسکی تھی کہ خان آف کالا گوٹ نے چنگیزی کو کس طرح استعمال کیا تھا؟ ایس پی نے مجھے یہی بتایا تھا کہ اس کے قانونی اقدامات چنگیزی کی رپورٹ کا نتیجہ ہیں۔

کھانے کے دوران میں مکمل خاموشی رہی۔ نہ تو خان نے مجھے مخاطب کیا اور نہ میں نے اس سے کوئی بات کی۔ اس دوران میں ایک طرف کھڑا ملازم صرف دو مرتبہ اس وقت آگے بڑھا جب خان کے لیے پانی کا گلاس بھرنا تھا۔ میں تو کھانے کے اختتام ہی پر پانی پیتی ہوں۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا اور اس وقت خان بولا۔ ”میں کھانے کے دوران میں گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا اس لیے خاموش رہا لیکن اب ہم باتیں کرسکتے ہیں۔“

”کرو!“ میں نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

”تم نے یہ تو دیکھ لیا ہے کہ میں حالات کو اپنی انگلی پر نچا سکتا ہوں۔“

”ہاں، میں سب کچھ دیکھ چکی ہوں۔“ میں نے اطمینان سے کہا۔ ”بلاشبہ تم نے مجھے پے در پے شکستیں دی ہیں لیکن اس کا سبب میرے سامنے ہے اس لیے میں کسی احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں ہوسکی ہوں۔“

”سبب؟“ خان سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھنے لگا۔

”ہاں، سبب۔“ میں نے کہا۔ ”اور وہ سبب یہ ہے کہ تم نے میرے متعلق مکمل تحقیقات کر لی تھیں جبکہ مجھے تمہارے شیطانی پہلوؤں سے واقفیت نہیں تھی۔ میں تمہاری طرف سے بے پروا رہی اور تم وار پر وار کرتے چلے گئے مجھ سے کیسے مقابلہ ہوسکے گا؟“

”کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمھیں چھوڑ دوں گا؟“

”ہاں، مجھے یقین ہے۔“

”اس یقین کا سبب؟“

”اس کا سبب یہ ہے کہ میں اب بھی تم سے ... کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں تمھیں ہرگز نہیں بتاؤں گی کہ ... کے ڈرائیور کے بارے میں مجھے کیا کیا معلوم ہے اور میں ... کو کس سطح تک پہنچا چکی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں یہ بتا دیا تو پھر تم مجھے ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہنے ... میری لاش کا بھی پتا نہ چل سکے کیونکہ اس وقت میں تمہاری ... میں بھی ہوں۔“

”لیکن میں تمھیں چھوڑ دوں گا کیوں؟“

”اس لیے کہ باہر کے حالات اب میرے لیے ساز گار ... گے۔ مجھے شدید مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ نیز تم ... میں اضافے کی مہم بھی جاری رکھو گے تاکہ میں تھک ہار کر تمہارے آگے گھٹنے ٹیک دوں۔“

”تم واقعی ذہین عورت ہو۔ مجھے اعتراف ہے کہ تم نے حالات کا بالکل صحیح تجزیہ کیا ہے لیکن تم نے جو ایک اندازہ ... ہے، اس میں تم غلطی پر ہو۔“

”کون سا اندازہ؟“

”وہ اندازہ جو ابھی تمہارے ذہن میں ہے۔ جس کا تم نے اظہار نہیں کیا ہے۔“

”یعنی؟“

”یعنی تم یہ سمجھ رہی ہو کہ یہاں سے نکلنے کے بعد تم ان حالات سے کسی نہ کسی طرح نمٹ ہی لوگی۔“

”ہاں، اس کا تو مجھے یقین ہے۔“

”تم غلطی پر ہو۔“

”اس کا فیصلہ تو وقت ہی کرے گا۔“

”گویا تم اب بھی اپنی ضد پر قائم ہو؟“

”میں نے کہا نا کہ اسی پر میری زندگی کا دار و مدار ہے۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں ...“

”تم جیسے لوگوں کے وعدوں کا وزن خوب جانتی ...“

... کالا گوٹ مجھے گھورنے لگا۔

”... گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔“ وہ قدرے توقف ... میں بولا۔

”اس لمحے کا انتظار کرنا چاہتی ہوں۔ ویسے آج تم نے جو ... آنا چاہا تھا وہ مجھے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتا لیکن میں سنبھل گئی۔“

”... ن سا حربہ؟“

”شراب اور وہ لڑکی۔“ میں نے جواب دیا۔ ”تم میری فلم ... چاہتے تھے۔“

خان مجھے گھورنے لگا اور پھر اچانک کھڑا ہوگیا اور بولا۔ ”اب ... میں جاسکتی ہو۔“

میں کھڑی تو ہوگئی لیکن میں نے دیوار کے خلا کا رخ نہیں ... دیکھنا چاہتی تھی کہ خان اس بند جگہ سے باہر کس طرح ...!

”کیا تم نے سنا نہیں؟“ خان غرایا۔

میں سمجھ گئی کہ خان میرے سامنے یہاں سے رخصت ہونا چاہتا۔ میں خلا کی طرف مڑ گئی۔ اس کے قریب پہنچ کر میں ... کے پیچھے دیکھا اور بولی۔ ”مجھے یہاں کب تک قید ... ہے؟“

”جب تک میں چاہوں گا۔“

”تم کب تک چاہو گے؟“ میرا انداز غصہ دلانے والا تھا۔

”جاؤ!“ خان نے میز پر گھونسا مارا۔

میں آہستہ سے ہنسی اور خلا میں داخل ہو کر بستر کی طرف ... چلی گئی۔ ویسے خود میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہاں یہ آخری ہی رات ہوگی۔ مجھے مزید قید رکھنے کا اب کوئی ... نہیں تھا۔

میں نے ابھی کھانا کھایا تھا اس لیے فوراً ہی بستر کی بجائے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ ٹہلتے ہوئے میں یہ اندازہ ... کی کوشش کر رہی تھی کہ میری عدم موجودگی میں حالات ... تک خراب ہوچکے ہوں گے اور ان سے نبرد آزما ہونے ... لیے مجھے کیا کچھ کرنا ہوگا۔

ٹہلتے ٹہلتے مجھے دفعتاً ایک عجیب سی بو محسوس ہوئی۔

یہ بو اس کمرے میں پہلے نہیں تھی۔ میں نے اس بو کو پوری طرح محسوس کرنے کے لیے ایک لمبا سانس لیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے دماغ پر غبار سا چھاتا چلا جا رہا ہو۔ میرے قدم بھی لڑکھڑا گئے اور میں سمجھ گئی کہ کیا ہونے والا ہے۔ مجھے بیہوش کرنے کے لیے کمرے میں کسی قسم کی گیس چھوڑی گئی تھی۔ میں نے اس وقت صرف یہ سوچا کہ دیکھو اب آنکھ کہاں کھلتی ہے!

میں بیہوش ہونے سے پہلے پہلے بستر تک پہنچ گئی تاکہ ادھر ادھر کہیں گر کر کوئی چوٹ نہ کھا جاؤں۔ جیسے ہی میں بستر پر ڈھیر ہوئی، میرے ہوش و حواس معطل ہوگئے۔

پھر جب میری آنکھ کھلی تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ میں اپنے گھر میں، اپنی خوابگاہ میں تھی۔ میری ملازمۂ خاص میرے سرہانے کھڑی تھی اور قریب ہی ایک کرسی ڈالے رضوان بیٹھا ہوا تھا۔ میری کلائی اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ میری نبض دیکھ رہا تھا۔ اس نے میری آنکھیں کھلتی دیکھیں تو نبض چھوڑ دی اور ملازمہ سے کہا۔ ”اب تم جاؤ!“

ملازمہ چلی گئی اور میں بستر سے اٹھ بیٹھی۔ دیوار گیر کلاک بارہ بجنے کا اعلان کر رہا تھا۔ گویا میں صرف ڈھائی گھنٹے بیہوش رہی تھی۔ یہ ایک حیرت انگیز امر تھا کہ مجھے اتنی ہی دیر میں میرے گھر بھی پہنچا دیا گیا۔

رضوان تشویش کی نظر سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

”میں یہاں کیسے پہنچی؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”کسی نے فون پر آپ کی ملازمہ کو بتایا تھا کہ آپ بیہوشی کی حالت میں پھاٹک پر پڑی ہوئی ہیں۔ یہ اطلاع درست ثابت ہوئی اور یہ سب مل کر آپ کو یہاں اٹھا لائیں۔ فوراً ہی انھوں نے مجھے بھی فون کیا۔ اتفاق سے میں اس وقت گھر میں داخل ہوا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ بہرحال یہ اطلاع ملتے ہی میں موٹر سائیکل اڑاتا ہوا یہاں پہنچ گیا۔“

”اور کل رات؟“

”کل رات بھی یہی ہوا تھا۔ آپ کی ملازمہ کا فون ملتے ہی میں یہاں پہنچا اور مجھے آپ کی گرفتاری کی تفصیلات بتائی گئیں۔ میں فوراً ہی پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر پتا چلا کہ ابھی تک وہ لوگ آپ کو لے کر وہاں نہیں پہنچے۔ اس کے چند ہی لمحے بعد یہ اطلاع ملی کہ کچھ نامعلوم لوگ آپ کو

پولیس کی گرفت سے نکال لے گئے۔"

"ہوں!" میں استفہامیہ نظر سے رضوان کی طرف دیکھتی رہی میں چاہتی تھی کہ رضوان مجھے اب تک کے مکمل کوائف سے آگاہ کر دے۔

رضوان غیر معمولی طور پر سنجیدہ بھی نظر آ رہا تھا اس نے فضول باتوں کو نہیں چھیڑا اور مجھے بتانے لگا "یہ واقعہ محکمۂ پولیس کے لیے ایک ہنگامہ خیز واقعہ تھا۔ ہیڈ کوارٹر میں ایک ہلچل مچ گئی تھی اور ایس، پی جعفر تو کسی زہریلے ناگ کی طرح بل کھا رہا تھا۔"

"اُس ایس، پی کا نام جعفر ہے جس نے مجھے گرفتار کیا تھا؟"

"ہاں۔"

"اچھا، پھر تم نے کیا کیا؟"

"مجھے سب سے پہلے یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ یہ خبر اخبارات میں نہ آنے پائے۔ یہ بڑی بدنامی کی بات تھی کہ آپ کو ایک مفرور ملزم گردانا جائے۔ مجھے اس خبر کو رکوانے کے سلسلے میں بہت بھاگ دوڑ کرنا پڑی۔ جہاں تک میں اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر سکتا تھا، وہ میں نے کیے اور جہاں مجھے بے بسی کا احساس ہوا وہاں میں نے ان بڑے لوگوں کی مدد حاصل کی جو آپ کے دوست ہیں۔ بہرحال اس تگ و دو کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج کے کسی اخبار میں بھی وہ خبر نہ آ سکی۔"

"تم نے ایک شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" میں نے رضوان کو تحسین آمیز نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ سب چکر کیا ہے؟"

"خان آف کالاگوٹ۔" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا۔" رضوان نے سر ہلا کر کہا۔ "اور مجھے یہ بھی یقین تھا کہ وہ دو ایک دن میں آپ کو چھوڑ بھی دے گا تاکہ آپ حالات سے پریشان ہو کر اس کی بات مان لیں۔"

"کیا حالات بہت بگڑ چکے ہیں؟"

"دراصل آپ کی وہ تحریر آپ کے لیے پھندا بن کر رہ گئی ہے۔ وزارتی سطح پر بھی اس معاملے میں دلچسپی لی جا رہی ہے اور آئی جی کو براہِ راست یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو جلد از جلد گرفتار کیا جائے۔ کیس بدستور ایس، پی جعفر کے ہاتھ میں ہے۔ وہ غالباً خان آف کالاگوٹ کا خاص مہرہ ہے۔"

"لیکن چنگیزی نے میرے خلاف رپورٹ کیسے کر دی ہے؟"

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ رپورٹ کرنے والا نہیں ہے۔"

"پھر؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"وہ ارباب چنگیزی نامی ایک شخص ہے۔"

"وہ کہاں سے نکل پڑا؟" میری حیرت برقرار [illegible]

"میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ وہ خان آف کالاگو[illegible] ہے۔ چونکہ آپ نے مشتاق چنگیزی کو جو خط لکھا تھا اُسے صرف چنگیزی کے نام سے مخاطب کیا تھا لہٰذا اسے [illegible] کسی بھی چنگیزی سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔"

"اوہ!" میرے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔

"سو اب آپ کا ایک حریف ارباب چنگیزی ہے۔"

"نہیں۔" وہ بس ایک مہرہ ہے، لیکن اس نے اس [illegible] بارے میں پولیس کو کیا بتایا کہ میں نے کفیل رضا کو کہا [illegible] کیا ہے؟"

"اس کا کہنا ہے کہ آپ کفیل رضا سے کچھ کاغذات [illegible] لینا چاہتی ہیں اور اگر ان کاغذات پر دستخط ہو گئے تو کفیل [illegible] ودبئی کے کاروبار کا ایک بہت بڑا حصہ آپ کی ملکیت [illegible]"

"کیا بچکانہ کہانی ہے۔" میرا منہ بن گیا۔

"دراصل اس سلسلے میں خان آف کالاگوٹ کو [illegible] سوچنے کا موقع نہیں مل سکا ہوگا نا!" رضوان نے کہا۔ "[illegible] اچانک اس کے سامنے آیا اور اس نے اس خط کو آپ کے [illegible] استعمال کرنے کے لیے ارباب چنگیزی کو سامنے کر دیا۔ [illegible] اسے مل نہیں سکا کہ وہ سوچ سمجھ کر ارباب چنگیزی سے [illegible] مضبوط بیان دلوا سکتا۔"

دفعتہً میں نے چونک کر گھڑی دیکھی ہمیں گفتگو کر[illegible] دس منٹ گزر گئے تھے اور اس سے پہلے بھی میرا کچھ وقت [illegible] گزر چکا تھا۔

"مجھے یہاں سے فوراً رخصت ہو جانا چاہیے!" میں [illegible] کہا اور تیزی سے کپڑوں کی الماری کا رخ کیا۔

"یا وحشت! آخر فوری رخصت کی کیا ضرورت پیش آ [illegible]" رضوان بولا۔

"خان آف کالاگوٹ کا مقصد مجھے پریشان کرنا ہی تو [illegible]"

"تو پھر؟"

"اب تک ایس، پی جعفر کو اس بات کی اطلاع دی جا [illegible]

[illegible] نی ہوں۔ وہ کسی وقت بھی یہاں پہنچ سکتا [illegible] الماری سے اپنے کچھ کپڑے نکالتے ہوئے کہا۔

[illegible] پس ہیڈ کوارٹر میں اپنے کچھ آدمیوں کو صرف [illegible] مامور کر رکھا ہے کہ اگر آپ کے بارے میں وہاں [illegible] تو وہ لوگ مجھے فوراً فون پر اطلاع دیں میں [illegible] گھر کے علاوہ یہاں کا فون نمبر بھی دے دیا ہے۔"

[illegible] نہیں کہ جب ایس، پی جعفر کو میرے بارے [illegible] جائے تو وہ پولیس ہیڈ کوارٹر ہی میں ہو۔ [illegible] ہے۔ اس وقت جعفر کو اپنے گھر پر ہی ہونا

[illegible] ریڈ کرنے سے قبل اسے پولیس ہیڈ کوارٹر [illegible] ہی پڑے گی۔"

"[illegible] ٹھیک کر رہے ہو۔" میں نے کہا لیکن اپنا کام [illegible] کپڑے اور کچھ ضروری سامان اٹیچی کیس میں بھر [illegible] سے پوچھا۔ "پولیس ہیڈ کوارٹر میں تم نے کس [illegible] ور کر رکھا ہے؟"

"[illegible] کم آدمی ہیں۔ بہ حیثیت کرائم رپورٹر ان سبھی سے میرا [illegible] اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایس، پی جعفر سے بہت نالاں [illegible] وہ شخص بڑا بدتمیز اور نہایت سخت گیر ہے۔ اپنے [illegible] الجھنے میں اس کا ثانی نہیں اور اپنے ماتحتوں کو ذرا ذرا سی [illegible] بھی وہ پیچھے نہیں رہتا۔"

[illegible] نے ایسی بند کی۔ "بہرحال بہتر یہی ہے کہ میں جلد از جلد [illegible] ؤں۔"

[illegible] اپنی ملازمہ کو آواز دے کر بلایا اور اس سے پوچھا۔ "[illegible] میں کسی کا فون تو نہیں آیا تھا؟"

"[illegible] افسر سے بھی کئی مرتبہ فون آیا اور سنگیتا اور سونیا بھی کئی [illegible]"

"[illegible] کسی کا فون آئے تو کہہ دینا کہ میں اس وقت تھوڑی [illegible] اور پھر کچھ کہے بغیر دوبارہ چلی گئی ہوں۔"

"[illegible] کر یہ بتانے کی کیا ضرورت ہے؟" رضوان بول[illegible]

"[illegible] کو تو یہ بتانا زیادہ ضروری ہے۔ ملازم نے اگر یہ [illegible] جھوٹ بولا تو ارباب چنگیزی ان کی جان کو آ جائے گا۔ [illegible] اس کا بیان اس کی نظر میں اس اطلاع سے زیادہ معتبر نہیں ہوگا جو اُسے خان آف کالاگوٹ کی طرف سے ملے گی۔"

"ہوں۔" رضوان نے سر ہلایا۔ "یہ بات تو ٹھیک ہے۔"

"اچھا اب اٹھو!" میں نے رضوان سے چلنے کے لیے کہا۔

رضوان اٹھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے جلدی سے آگے جا کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بولی۔ "ہیلو!"

"رضوان صاحب ہیں؟" ایک اجنبی آواز سنائی دی۔

"جی ہاں... ایک سیکنڈ۔" میں نے کہا اور پھر ریسیور رضوان کی طرف بڑھا دیا۔ "تمہارا فون ہے۔"

"ہیلو!" رضوان نے گفتگو شروع کی۔ "ہوں... ہوں..."

اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ میں غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ میرے خیال کے مطابق وہ کال پولیس ہیڈ کوارٹر ہی سے آئی تھی اور یقیناً وہ یہی اطلاع ہوگی کہ ایس، پی جعفر پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ چکا ہے۔

میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ رضوان نے جلد ہی ریسیور رکھ دیا اور مجھ سے بولا۔ "ایس، پی جعفر یہاں ریڈ کرنے کے لیے ایک منٹ قبل پولیس ہیڈ کوارٹر سے روانہ ہو چکا ہے۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا، بس اب نکل چلو!"

ہم دونوں بہت تیزی سے باہر آئے۔

"میں تمہاری موٹر سائیکل ہی پر چلوں گی۔" میں نے کہا۔

"چلنا کہاں ہے؟" رضوان نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے کے لیے کک لگاتے ہوئے پوچھا۔

"میں اس سلسلے میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکی ہوں۔ تم بس جلدی سے نکل چلو اور کوئی ایسا راستہ اختیار کرو کہ پولیس ہیڈ کوارٹر سے آنے والی پولیس کار سے مڈبھیڑ نہ ہو سکے۔"

"اتنا میں بھی سمجھ سکتا ہوں۔" رضوان نے منہ بنا کر کہا۔

موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اٹیچی کیس بھی میں نے ہی سنبھال رکھا تھا۔ موٹر سائیکل پھاٹک سے نکلی اور ایک سمت میں فراٹے بھرنے لگی۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف یہ سوال گونج رہا تھا کہ مجھے کہاں روپوش ہونا چاہیے۔ میں نے ماضی کے اوراق الٹنا شروع کیے اور گویا اُن لڑکیوں کو یاد کرنا شروع کیا جو کبھی مجھ سے بہت قریب رہی تھیں۔

مجھے ایک لڑکی یاد آئی اور میرے ذہن میں ٹرین کی "چھک

چھنک،، گو بجنے لگی۔ میں ٹرین میں پنڈی یا پشاور جا رہی تھی جب میری پہلی ملاقات غزالہ سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ تھی۔ کمپارٹمنٹ میں ہم تینوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ شوخ و چنچل غزالہ کے باپ کی بصارت زائل ہو چکی تھی اس لیے ہم دونوں نے خود کو اکیلا ہی محسوس کیا تھا اور ہماری تنہائی مہک مہک اٹھی تھی۔

پھر کراچی میں بھی غزالہ سے کئی سہانی ملاقاتیں ہوئی تھیں اور اس آفت لڑکی نے میرے دو ایک اہم کام بھی انجام دیے تھے لیکن جب میں تبت چلی گئی تو ملاقاتوں کا سلسلہ ایک طویل عرصے کے لیے ٹوٹ گیا۔ اسی عرصے میں غزالہ کی شادی بھی ہو گئی۔ آخری مرتبہ میں اس سے کوئی چھ ماہ قبل ملی تھی جب وہ اپنے دو بچوں اور اکلوتے شوہر کے ساتھ الفی پر شاپنگ کرتی پھر رہی تھی۔

غزالہ کو دو بچوں کی ماں کے رُوپ میں دیکھ کر مجھے بڑا عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ وہ ملاقات بہت سرسری سی تھی۔ کھڑے کھڑے چند باتیں ہوئی تھیں۔ غزالہ نے اپنے شوہر سے میرا تعارف بھی کرایا تھا اور اپنے گھر کا پتا بھی بتایا تھا کہ میں کبھی اس سے ملنے اس کے گھر آؤں۔ میں ایک مرتبہ گئی بھی لیکن گھر میں تالا لگا ہوا تھا اور میں تالے میں اپنا کارڈ اڑس کر چلی آئی تھی۔

میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے غزالہ ہی کے گھر میں روپوش ہونا چاہیے۔ میرے خیال کے مطابق موجودہ حالات میں غزالہ ہی کا گھر میرے لیے محفوظ ترین ثابت ہو سکتا تھا۔

میں نے رضوان سے نیو ٹاؤن چلنے کو کہا۔ غزالہ وہیں ایک چھوٹے سے خوبصورت بنگلے میں رہتی تھی۔ اس کا شوہر ایک غیر ملکی فرم میں چیف اکاؤنٹنٹ کے عہدے پر فائز تھا۔

"تم مجھے گھر کے دروازے پر چھوڑ کر چلے جانا۔" میں نے رضوان سے کہا۔

"کیا کسی بہت ہی خوبصورت لڑکی کا گھر ہے؟" رضوان نے چبھتے ہوئے سے لہجے میں کہا۔

"ہاں خوبصورت تو وہ اب بھی ہے لیکن اب وہ لڑکی نہیں، عورت بن چکی ہے۔ دو بچوں کی ماں بن چکی ہے۔"

"لاحول ولا قوت! پھر بھی آپ نے اس کے گھر کا انتخاب کیا ہے؟"

"وہ دو چھوڑ چار بچوں کی ماں بن جائے، تو بھی اس سے میرا لگاؤ ختم نہیں ہو سکتا۔"

"آپ کا لگاؤ ہے یا سرلیش؟"

"اگر دوسری طرف خود غرضی کا عنصر شامل

ہمیشہ قائم رہتا ہے۔"

"کیا موجودہ حالات میں آپ کو یہی سہ

"کیا مطلب؟"

"یہ ایس، پی جعفر کے پھندے سے کب تک

"یہی سب کچھ سوچنے کے لیے میں نے ایک

کیا ہے۔"

"غزالہ کا ٹیلیفون نمبر مجھے یاد نہیں رہا...

جانب موڑ لو... میں تمھیں فون کر کے غزالہ کا نمبر

تم بھی ضرورت پڑنے پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکو

والے بنگلے کے سامنے موٹر سائیکل روک لینا۔"

رضوان نے رفتار کم کرنا شروع کی اور

روک دی۔ وہ عین پھاٹک کے سامنے رُکا تھا۔

کی حکمرانی تھی۔ میں موٹر سائیکل سے اتر گئی اور

کر دو۔ میں دیکھ تو لوں کہ وہ ہے بھی یا نہیں

میں نے کال بیل کا بٹن دبایا اور انتظار کر

گزر جانے کے بعد میں نے پھر بٹن دبایا اور پھر

جانب قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ آہٹ سے

معلوم ہوتا تھا۔

"کون ہے؟" اس نے پھاٹک کھولنے سے

"پھاٹک تو کھولو! میں غزالہ سے ملنے آئی

یقین تھا کہ عورت کی آواز سُن کر وہ شخص کسی

گا کہ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔

پھاٹک کھُل گیا اور میں نے ایک لمبے تڑنگے

جو ایک ہاتھ میں لاٹھی لیے ہوئے تھا۔ غالباً وہ چوکیدار

نے استعجابیہ اور سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔ اس

نے رضوان کی طرف بھی ڈالی تھی۔

"غزالہ ہے؟" میں چوکیدار سے مخاطب ہوئی

"بیگم صاحبہ ہیں تو لیکن..."

"ظاہر ہے کہ سو رہی ہوں گی۔" میں نے اس کی

ہوئے کہا۔ "تم انھیں جگا دو۔ میں دوسرے شہر سے آئی

بتا دو کہ صبیحہ آئی ہے۔"

اب چوکیدار نے ایک مرتبہ میرے اٹیچی کیس کی طرف

اسے یقین آ گیا ہو گا کہ میں بیرونِ شہر سے آ رہی ہوں۔

گر رضوان سے کہا "اب تم جاؤ!"

کے بعد چوکیدار بالکل ہی مطمئن ہو گیا اور اس

"میں جا کر بیگم صاحبہ کو جگاتا ہوں۔"

داخل ہوئی۔ پورچ میں ایک کار کھڑی تھی۔

ہم برآمدے میں پہنچے۔

س وقت مجھے دیکھ کر غزالہ حیران تو ہوئی لیکن

س کے چہرے سے ٹپکی پڑ رہی تھی۔ وہ بے تحاشہ مجھ

اور دیر تک اسے یہ پوچھنے کا بھی خیال نہیں آیا کہ

اس کے گھر کیوں آئی ہوں جبکہ اسی شہر میں میرا

ہے۔

ساتھ ہی اس کا شوہر بھی بیدار ہو گیا تھا اور

کہہ رہا تھا کہ غزالہ کیسے والہانہ انداز میں مجھ

وہ افراتفری کی سی کیفیت ختم ہوئی۔ میں اور

م میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ غزالہ کا شوہر

کر اور چند باتیں کر کے اپنی خوابگاہ میں چلا گیا

ل کو بتایا تھا کہ میں حیدر آباد سے آ رہی ہوں

باری وجوہات کی بنا پر دو چار دن تک

میں رکھنا چاہتی ہوں کہ میں کراچی آ گئی ہوں۔

زندگی بھر اس بات کو چھپائیں اور زندگی بھر

ہیں" غزالہ نے کہا تھا۔

کر رہ گئی، پھر میں نے پوچھا "تمھارے بچے

ہیں؟"

ہیں یا تعداد کچھ اور بڑھ گئی ہے؟" میں نے ہنس

بڑھی لیکن بڑھنے کا شبہہ ہو گیا ہے۔" اس

خوشی سے جواب دیا۔

عجیب سا لگتا ہے کہ تم امی جان بن گئی ہو!"

"عجیب لگتا ہے کہ آپ بالکل نہیں بدلیں!"

نہیں بدلوں گی!"

شادی کر کے تو دیکھیے!" غزالہ بائیں آنکھ دبا کر بولی

"اس نہ کرو!" میں نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ

میرا جی چاہ رہا تھا کہ وہ میرے سونے کا بندوبست کر دے لیکن وہ مستقل باتیں کیے جا رہی تھی۔ ماضی کی نہ جانے کتنی باتیں اس نے دہرا ڈالیں۔ بعض باتیں ایسی بھی تھیں جو میرے جذبات میں کوئی اتار چڑھاؤ پیدا کر دیتیں لیکن اس رات میں اتنی پریشان تھی کہ صحیح طور پر غزالہ کی باتیں سن بھی نہیں رہی تھی۔ آخر اس نے بھی میری اس کیفیت کو محسوس کر لیا اور بولی "کیا بات ہے بانو! آپ کچھ پریشان ہیں؟"

"پریشان؟ نہیں تو! دراصل اب میں سونا چاہتی ہوں بہت تھکی ہوئی ہوں۔"

"اچھا آپ ایک پانچ منٹ بیٹھیے! میں آپ کے سونے کا بندوبست کر کے ابھی آتی ہوں۔" اس نے چٹکی بجائی اور اٹھ کر چلی گئی۔

پانچ منٹ بعد آ کر جب وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس نے وہ پانچ منٹ کیوں لیے تھے۔ اس دوران میں اس نے ضروریات کی تمام چیزیں اس کمرے میں رکھ دی تھیں، حتیٰ کہ شراب کی ایک بوتل اور گلاس بھی سرہانے موجود تھا۔

"یہ تمھارے گھر میں کہاں سے آئی!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کے رقیب صاحب پیتے ہیں۔" وہ ہنسی۔

میں سمجھ گئی کہ اس نے رقیب کا لفظ کس کے لیے اور کیوں استعمال کیا تھا۔ مجھے بھی اس کے ساتھ ہنسی آ گئی اور میں نے اس کے گال پر بڑے زور سے چٹکی لی۔

"ہائے مر گئی۔" اس نے سسکاری سی لے کر کہا۔

"اچھا اب دفع ہو جاؤ۔"

"شب بخیر!" اس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ اور کمرے سے چلی گئی۔

میں نے دروازہ بند کیا اور بستر پر جا کر ڈھیر ہو گئی۔ نیند کا تو ابھی میری آنکھوں میں شائبہ تک نہ تھا۔ میں تو دراصل اس بات کی مہلت چاہتی تھی کہ کچھ سوچ سکوں اور آئندہ کے لیے کوئی لائحۂ عمل مرتب کر لوں۔ اِس مرتبہ میں ایک ایسے آدمی سے ٹکرائی تھی جس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے احتیاط سے قدم اٹھانا ضروری تھا۔ ہر چند کہ میں ڈاکٹر فو نگ اور اس جیسے بہتیرے خطرناک لوگوں سے ٹکرا چکی ہوں لیکن خان آف کالا گوٹ کی بات بہت مختلف تھی۔ وہ میرے ملک کا ایک معزز شہری سمجھا جاتا تھا۔ اسے مجرم قرار دے کر پولیس اس کے لیے سرگرداں نہیں تھی۔ اس کے برخلاف اس نے ایسے حالات پیدا کر دیے

تھے کہ میں خود پولیس سے جان بچائے پھر رہی تھی۔

دس پندرہ منٹ بعد میں بستر سے اٹھی اور میں نے ایک پیگ بنا کر پیا۔ یہ کام تو غزالہ نے بہت ہی عمدہ کیا تھا۔ ایک پیگ پی کر میں خاصی حد تک پُرسکون ہو گئی اور سوچتی رہی کہ مجھے آئندہ کیا کرنا ہوگا۔ سوچتے سوچتے مجھے چار بج گئے لیکن بالآخر میں ایک لائحۂ عمل بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ اب نیند بھی میری آنکھوں میں آ بسی تھی۔ میں نے نصف پیگ اور پیا جس کے بعد مجھے فوراً نیند آ گئی۔

جب میں جاگی تو میں نے دیکھا کہ کھڑکی کے راستے سے کمرے میں خاصی دھوپ پھیل گئی تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ دن خاصا چڑھ چکا ہے۔ میں نے گھڑی دیکھی تو اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ بارہ بج رہے تھے۔ میں جلدی سے اٹھی اور غزالہ کو پکارنے لگی۔

جب غزالہ کمرے میں آئی تو میں آنکھیں نکال کر بولی "غضب خدا کا! بارہ بج رہے ہیں۔ تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟"

"رات آپ بہت تھکی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ آپ کو پوری نیند لے لینے دوں۔ بس آپ جلدی سے غسل کر لیں اور یہ بتا دیں کہ ناشتے میں کیا پسند کریں گی؟"

"اب ناشتے کا وقت کہاں ہے؟ بس کچھ ایسا بندوبست کر دو کہ ناشتہ بھی ہو جائے اور کھانا بھی۔"

"ایسا ہی ہو جائے گا۔"

اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب میں غسل کر کے، کپڑے تبدیل کر کے ڈائننگ ٹیبل پر پہنچی تو حلوہ پوری اور آلو کی ترکاری دیکھ کر میرے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ یہ چیزیں میں نے عرصے سے نہیں کھائی تھیں۔

غزالہ میرے دائیں ہاتھ کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اپنے ڈیڑھ سالہ بیٹے کو اپنی گود میں لیے ہوئے تھی۔ میں بچے کو اس کی گود سے لے کر پیار کرنے لگی تو غزالہ نے کہا۔ "آپ کو بچے اچھے لگتے ہیں؟"

"صرف دوسروں کے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "اور وہ بھی صرف اُن کے جن سے کوئی گہرا لگاؤ ہو۔ تمہارا دوسرا بچہ کہاں ہے؟"

"وہ بچہ نہیں بچی ہے۔ صبح اسکول بس آ کر اسے لے جاتی ہے اور ڈیڑھ بجے تک واپس چھوڑ جاتی ہے۔"

"اور تمہارے شوہر نامدار؟"

"وہ دفتر گئے۔ ان کی واپسی شام کو ہو گی"

"گھر میں کوئی ملازم نہیں؟"

"بس ایک چوکیدار ہے جو دن میں گھر کی ... مطلب یہ کہ جب تک میرے شوہر نامدار نہ آ جائیں ... رکھتے ہوئے بڑا ڈر لگتا ہے۔ عجیب خوفناک ... ہیں ان ملازمین کی وجہ سے! حالانکہ ملازم کی ... باعث گھر کا سارا کام مجھے خود ہی کرنا پڑتا ہے۔"

"تم کھانا واقعی مزے کا پکانے لگی ہو۔" میں ... ترکاری کا مزا لیتے ہوئے کہا۔

غرض کہ ایسی ہی اِدھر اُدھر کی باتوں میں ... بھی پی لی اور پھر غزالہ مجھے لے کر ڈرائنگ روم میں ... موجود تھا۔ میں نے رضوان کو رِنگ کیا لیکن ... رہی۔ رضوان شاید کھانا کھانے گیا تھا۔ میں نے کچھ ... کرنے کا فیصلہ کر کے ریسیور رکھ دیا۔ اُس سے ... امر تھا۔ اُس سے بات کر کے مجھے اب تک کی صو... تھی اور کچھ پروگرام طے کرنا تھے۔

وقت گزاری کے لیے میں نے غزالہ سے اس ... بارے میں باتیں شروع کر دیں اور غزالہ نے اپنے ... تجربات بیان کرنا شروع کیے کہ وقت کا پتا ہی نہیں ... کا سلسلہ اس وقت رُکا جب باہر کسی گاڑی کے ... دی۔ انجن کی آواز سے پتا چل رہا تھا کہ وہ وین ... اس آواز کو سنتے ہی غزالہ جلدی سے اٹھی اور ... کی طرف لپکی "پوشانو آ گئی۔"

اس کی لڑکی کا نام شاہینہ تھا جسے وہ پیار ... وہ دروازہ کھول کر باہر گئی تو میں ریسیور ... نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف گھنٹی بجی میں ... کا انتظار کرتی رہی لیکن دوسری طرف بس گھنٹی ... ابھی تک اپنے فلیٹ نہیں پہنچا تھا۔ میں نے سوچا کہ ... ملازمہ سے استفسار کروں ممکن ہے رضوان نے ... کوئی پیغام چھوڑا ہو۔

میں ابھی اپنے اس خیال کو عملی جامہ نہیں ... غزالہ ایک پیاری سی بچی کو لیے ہوئے ڈرائنگ ر... نے اس کی اُنگلی پکڑ رکھی تھی۔

"بانو! یہ ہے میری بچی!" غزالہ نے کچھ ... انو! یہ ہے میرا خزانہ!"

... بغیر نہ رہ سکی کہ ماں کے جذبات کتنے عجیب ...

... میں نے پہچان لیا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "ابھی چھ ... پہلے ہی تو اسے دیکھا تھا، جب تم الفی پر شاپنگ ...

"... ہاں! وہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا۔"

... انھیں سلام کرو!" غزالہ نے اپنی بچی سے کہا۔ "قریب ... انٹی سلام!"

... قریب آئی اور میں نے اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔ ... معصومیت سے مسکرا رہی تھی۔ میں نے اسے ... اور پھر نظر ... بولی "یہ بڑی پیاری بچی ہے... تت ... میرے ... ٹ کر رہ گئے۔

... کی پشت پر، دروازہ اندر سے بند کیے خان آف کالاگوٹ ... اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کی نال ظاہر ہے کہ ... طرف اٹھی ہوئی نہیں ہو گی۔

... نے میری بدلتی ہوئی کیفیت کو محسوس کیا اور یہ بھی سمجھ ... اس کے عقب میں دیکھ رہی ہوں۔ اس نے جلدی سے ... دیکھا اور پھر اس کے مُنہ سے ایک مدھم سی چیخ نکل گئی۔

... انو!" خان آف کالاگوٹ غرایا۔ اس نے غزالہ کی طرف ... نہیں دی تھی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ تم کہیں بھی مجھ سے ... سکتیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بڑی مشکل ... تک پہنچ سکا ہوں۔ یہاں پولیس بھی آ سکتی تھی لیکن میں ... لیے آیا ہوں کہ تم سے اپنے آدمیوں کے بارے میں پوچھ ... ٹھیکیدار جامو اور صابری کہاں ہیں؟"

"مجھے کیا معلوم!" میں اس کے سوال پر متحیر تھی۔

"... اداکاری سے کام نہیں چلے گا بانو!" خان آف کالاگوٹ ... لہجے میں کہا۔ "میں اپنے آدمیوں کو اتنی آسانی سے صبر ... سکتا۔ تم نے آج صبح پانچ بجے ان دونوں کو اُن کے ... سے اغوا کیا ہے۔"

میں خان کے ریوالور سے قطعاً خوفزدہ نہیں تھی لیکن وہ ... الزام لگا رہا تھا میں اس پر حیران ضرور تھی۔

دوسری طرف غزالہ کا حال بہت خراب تھا۔ وہ ایک صوفے ... طرح ڈھیر ہو گئی تھی جیسے اس میں کھڑے ہونے کی سکت ... ہی نہ ہو۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔

"جواب دو بانو!" خان آف کالاگوٹ پھر غرایا۔ "میرے دونوں آدمی کہاں ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میں یقین کے بغیر کوئی بات زبان پر نہیں لاتا۔" خان کا موڈ بہت خراب معلوم ہو رہا تھا۔ "میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہے کہ میں اس سلسلے میں تم سے بحث کروں۔ میرا فیصلہ ہے کہ اگر تم نے میری بات کا ٹھیک جواب نہیں دیا تو میں صرف تمھیں اس گھر سے نکال لے جاؤں گا اور اس کے فوراً بعد میرے آدمی اس گھر پر گرینیڈز کی بارش کر دیں گے۔ یہ مکان ملبے کا ڈھیر بن جائے گا۔ یہ عورت..." اس نے غزالہ کی طرف اشارہ کیا۔ "اور اس کے دونوں بچے اس ملبے میں دب جائیں گے۔"

"نہیں۔" غزالہ کی آواز کانپ گئی۔

خان نے اس کی طرف توجہ نہیں دی، بدستور مجھے گھورتا ہوا بولا۔ "اگر تمھیں اس عورت اور اس کے بچوں سے ذرا بھی ہمدردی ہے تو مجھے بتا دو کہ میرے دونوں آدمی کہاں ہیں؟"

یہ صورتِ حال ایسی تھی کہ میں چکرا کر رہ گئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ صابری اور ٹھیکیدار جامو کہاں غائب ہو گئے ہیں اور خان یہ کیوں سمجھ رہا ہے کہ انھیں میں نے اغوا کیا ہے؟

خان کا موڈ بھی بے حد خراب معلوم ہو رہا تھا اور اس کے تیور بتا رہے تھے کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے، اس پر عمل بھی کر گزرے گا۔ میں خود تو خیر ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار رہتی تھی لیکن یہ سنگین موقع ایسا تھا کہ غزالہ اور اس کے معصوم بچوں کی جان پر آ بنی تھی۔ میں اِس موقع پر اپنی زندگی تو داؤ پر لگا سکتی تھی مگر ان معصوم زندگیوں سے کھیل جانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ انھیں بچانے کی خاطر میں خان کو اس کے دونوں آدمیوں کے بارے میں بتا تو دیتی لیکن مشکل یہ تھی کہ مجھے خود بھی ان دونوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

غزالہ کے چہرے پر خوف کی زردی پھیل گئی تھی لیکن اس کے دونوں معصوم بچے اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی زندگیاں کتنے بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔

خان آف کالاگوٹ کے گمشدہ آدمیوں کے بارے میں، میں سنجیدگی سے سوچنا چاہتی تھی کہ انھیں کون غائب کر سکتا ہے لیکن مجھے اتنی مہلت ہی حاصل نہیں تھی کہ میں اس پر غور کر سکتی۔ خان آف کالاگوٹ، بلائے بے درماں کی طرح مجھ پر چھا جانے کی کوشش کر رہا تھا اور نتیجے میں میرے ذہن پر صرف یہ پریشانی مسلط تھی کہ میں ان خطرناک حالات میں غزالہ اور اس کے بچّوں کے لیے کیا کر سکتی ہوں۔

خان آف کالاگوٹ نے اپنی گھڑی پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور بولا۔ "جواب دینے کے لیے تم کتنی مہلت چاہتی ہو؟"

"اگر تمھارے وہ دونوں آدمی غائب ہو گئے ہیں تو تم یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ انھیں میں نے غائب کیا ہے؟"

"یہ تمھاری منتقمانہ کارروائی ہے۔" خان نے کہا۔ "میں نے تمھیں قانون کے جال میں پھنسوایا ہے لہٰذا تم نے یہ جوابی کارروائی کی ہے۔"

"تم غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو۔ مجھے تو اتنی مہلت ہی نہیں۔"

"میرے پاس ضائع کرنے کے لیے بالکل وقت نہیں ہے۔" خان نے غرّا کر میری بات کاٹ دی۔ "میں تمھیں ایک منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر تم نے جواب دے دیا تو ٹھیک، ورنہ میں وہی کروں گا جو کہہ چکا ہوں۔ میں تمھیں اس مکان سے نکال کر لے جاؤں گا اور اس کے فوراً بعد یہ مکان گرینیڈز سے اُڑا دیا جائے گا۔ ان تینوں افراد کی موت کی ذمّے دار تم ہو گی۔" خان کا اشارہ غزالہ اور اُس کے بچّوں کی طرف تھا۔

"تم مجھے یہاں سے جبراً نہیں لے جا سکتے۔" میں نے بڑے سکون سے کہا۔ "تم زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہو کہ مجھے گولی مار دو لیکن میں اس کے لیے تیار ہوں۔ میری موت کے بعد ہی یہ ہو سکے گا کہ تم اس مکان کو ملبے کا ڈھیر بنا دو۔" پھر میں نے رک کر کہا۔ "لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم مجھے گولی نہیں مارو گے۔ فی الحال کچھ ایسا ہے کہ تم مجھے زندہ ہی دیکھنا چاہو گے۔"

"تم نے ٹھیک سمجھا۔" خان آف کالاگوٹ نے زہرخند کیا۔ "میں تمھیں گولی نہیں مار سکتا۔"

"لہٰذا تم مجھے یہاں سے لے جا بھی نہیں سکتے!"

"تمھارا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ تمھیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ اگر تم اس کے لیے آمادہ نہ ہوئیں تو میں تمھیں تو نہیں مگر ان تینوں کو تمھاری آنکھوں کے سامنے گولی مار سکتا ہوں۔"

میرے اعصاب کو ایک جھٹکا سا لگا۔ میں نے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا تھا!

غزالہ دم بخود بیٹھی ہوئی تھی۔ اب تک اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا۔ وہ کبھی مجھے اور کبھی خان آف کالاگوٹ کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس نے دونوں بچّوں کو اپنی آغوش میں یوں چھپا رکھا تھا جیسے انھیں دُنیا کی تمام آفات سے بچا لینا چاہتی ہو۔

"خان!" میں دانت پر دانت جما کر بولی۔ "اگر انھیں کوئی نقصان پہنچا تو یقین جانو کہ تم بھی ایک بڑے عذاب سے دوچار ہو گے۔"

"خدائی عذاب؟" خان تمسخرانہ انداز میں بولا۔

"ہاں۔" میں نے بڑے یقین سے کہا۔ "سب کچھ خدا ہی کرتا ہے لیکن اس کے ظاہری وسائل کچھ اور ہوتے ہیں۔ تمھیں جس عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، اُس کا وسیلہ میں بنوں گی۔ میرے ہی ہاتھوں سے اسی دنیا میں نارِ جہنم کا کندن بننا ہے۔"

"تو چلو میں ایسا نہیں کروں گا۔" خان غرّایا۔ "میں نہ تو تمھیں گولی ماروں گا، نہ ان تینوں کو، لیکن تمھیں ضرور لے جاؤں گا۔"

"تو لے چلو!" میں نے بظاہر بڑے سکون سے کہا لیکن اندر سے میں بے سکونی کا شکار تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنے اعتماد کے ساتھ مجھے یہاں سے لے جانے کا دعویٰ کیسے کر رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کیا تدبیر ہے؟ کیا وہ اپنے آدمیوں کی مدد سے مجھے جبراً اُٹھا لے جانے کی کوشش کرے گا؟

"میں تمھیں سوچنے کے لیے آخری دس سیکنڈ دیتا ہوں۔" خان نے ایک بار پھر اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ اس نے اپنے ریوالور کو بالکل سیدھا کر دیا تھا۔

اب مجھے پھر الجھن درپیش تھی۔ خان نے کہا تھا کہ وہ مجھے گولی نہیں مارے گا لیکن ریوالور کو سیدھا کرنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اسے استعمال کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔

"پانچ سیکنڈ گزر چکے ہیں۔" خان بولا۔

اُس وقت غزالہ نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "بانو آپا... آپ چلی جائیے!"

میں نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ موقع ایسا آ گیا تھا کہ میں خطرناک ترین قدم اٹھانے کا فیصلہ کر چکی تھی اور وہ لمحہ آ گیا تھا کہ میں دسواں سیکنڈ ختم ہونے سے پہلے، خان پر جھپٹ پڑوں، خواہ نتیجہ کچھ بھی نکلے!

"آٹھ سیکنڈ۔" خان بولا۔

اب سوچنے میں مزید تاخیر کی گنجائش نہیں تھی لیکن اس سے پہلے کہ میں کوئی قدم اٹھاتی، میں نے خان کے عقب میں دروازے پر... ہاں مجھے ایک ایسی شکل نظر آئی کہ میں وہ سب کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

خان نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ٹریگر دبا دیا۔

میرے منہ سے چیخ نکلی اور ادھر مجھے یوں لگا جیسے کسی دیوار... قطب شمالی کی انتہائی یخ بستہ ہوا کا جھونکا آ کر میری پیشانی سے ٹکرایا ہو۔

ریوالور کی نال سے گولی کی بجائے سُرمئی رنگ کی ایک دھند سی نکلی اور میری پیشانی سے ٹکرا گئی تھی۔

پیشانی پر ٹھنڈک کا جو احساس ہوا تھا، وہ برق کی سرعت سے تمام جسم میں پھیلتا چلا گیا۔ میں ہاتھ پیر ہلانے اور سوچنے کے قابل بھی نہیں رہ گئی۔ اس ٹھنڈک سے میرا دماغ بھی جیسے منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ میری ٹانگوں میں اتنی جان بھی نہیں رہی کہ میں کھڑی رہ سکتی۔ میں گر پڑی۔ میری آنکھیں اس وقت کھلی تھیں اور میں سب کچھ دیکھ رہی تھی لیکن دماغ شل ہونے کے باعث میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔ کان آوازیں بھی سن رہے تھے لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ یہ میرے لیے ایک عجیب تجربہ تھا۔ وہ بیہوشی نہیں تھی لیکن بیہوشی سی ضرور تھی۔ اس بات میں تضاد سہی لیکن میں اپنی اُس کیفیت کو کسی اور طرح نہیں لکھ سکتی۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جو قارئین کو اس کیفیت کا احساس دلا سکیں۔

وہ حال کب تک رہا؟ اس کا اندازہ بھی مجھے اس وقت ہوا جب میری وہ کیفیت ختم ہوئی۔ اُس وقت میں ایک آرام دہ بستر پر تھی لیکن خوابگاہ کی فضا ہرگز آرام دہ نہیں تھی۔ شدید گرمی سے میرا جسم پسینے پسینے ہو رہا تھا۔

رضوان کو میں نے اپنے قریب ہی بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس نے میری کیفیت میں تبدیلی محسوس کی تو فوراً پوچھا۔ "اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟"

"اب بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ جگہ ہے یا کوئی گوشۂ جہنم ہے؟"

"آپ کو جلد از جلد معمول پر لانے کے لیے اس کمرے کو ہیٹڈ کیا گیا ہے۔" رضوان نے جواب دیا۔ "میری حالت بھی تو دیکھیے!"

پسینے کے باعث رضوان کی قمیص بھی اس کے جسم سے چپکی ہوئی تھی اور چہرہ بھی پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "آیئے! اس کمرے سے نکل چلیے! ادھر ہیں آپ کے سینڈل۔"

میں بستر سے اتری اور سینڈل پہن کر رضوان کے ساتھ ساتھ اس کمرے سے نکل آئی۔ یہ عمارت میرے لیے قطعی اجنبی تھی۔ اگر میں نے کبھی ایک بار بھی یہاں قدم رکھا ہوتا تو میں اسے نہ بھولتی۔

اُس جہنمی کمرے سے نکل کر مجھے سکون کا احساس ہوا۔ رضوان مجھے ایک بڑے کمرے میں لے گیا جو ڈرائنگ رُوم کی طرز پر سجا ہوا تھا۔

"رضیہ کہاں ہے؟" میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ رضیہ ہی تھی جسے خان آف کالاگوٹ کے عقب میں دیکھ کر میں حیران رہ گئی تھی اور خان کے اس عجیب و غریب ریوالور سے نکلی ہوئی سرد لہر نے مجھے شل کر کے رکھ دیا تھا۔

"وہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر یہاں پہنچ جائے گی۔" رضوان نے کہا اور ایک کارنس پر رکھا ہوا ٹیلیفون اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میری نظر اُس پر جمی ہوئی تھی۔ میں نے اسے کہتے سنا۔ "ہلو رضیہ!... ہاں... بانو کی حالت بالکل ٹھیک ہو گئی ہے۔" پھر وہ چند لمحے تک دوسری طرف سے کی جانے والی بات سنتا رہا۔ آخر میں اُس نے "اچھا" کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور میری طرف مڑ کر مسکرایا۔

"یہ ایک عجیب و غریب اتفاق ہے۔" میں نے ٹھنڈا سانس لیا۔

"کون سا اتفاق؟"

"یہ دوسرا موقع ہے جب رضیہ برازیل سے یہاں اس وقت آئی ہے جب میں ایک مصیبت میں گرفتار تھی۔" میں نے کہا اور پھر بولی۔ "اس وقت وہ کہاں ہے؟"

"اب تو اس نے... میرا مطلب ہے، میرا فون ملنے کے بعد اس نے خان آف کالاگوٹ کو چھوڑ دیا ہو گا لیکن اس سے پہلے وہ خان کے سر پر مسلط رہی ہو گی۔ خان نے بتایا تھا کہ اگر آپ کو گرم فضا میں رکھا جائے تو آپ آدھے گھنٹے کے اندر اندر معمول پر آ جائیں گی ورنہ ڈھائی تین گھنٹے بھی لگ سکتے ہیں لہٰذا میں آپ کو لے کر یہاں آ گیا تھا۔ آخر آپ اُس وقت کیا محسوس کر رہی تھیں؟ آپ کو بیہوش تو نہیں کہا جا سکتا لیکن آپ کا جسم بالکل بےحس و حرکت ہو گیا تھا۔"

"نہ صرف جسم بلکہ میری حسیات بھی منجمد ہو گئی تھیں۔ میرے دماغ نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ کوئی جدید ترین ہتھیار

ہے جو خان آف کالاگوٹ نے مجھ پر استعمال کیا اور اسی یار کی وجہ سے اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی ہوں کہ خان کے پس پشت کوئی غیر ملکی طاقت کام کر رہی ہے۔ ہمارے ملک کی ٹیکنالوجی تو ابھی اتنی آگے نہیں بڑھی کہ اس قسم کی کوئی دریافت کر سکے۔" میں نے جواب دیا اور پھر دفعتہً مجھے ایک بات یاد آئی۔ میں نے کہا "غزالہ کے گھر کے باہر خان کے آدمی بھی موجود تھے؟"

"ہاں۔" رضوان نے سر ہلا کر کہا "انھیں رضیہ کے آدمیوں نے قابو میں کر لیا تھا۔"

"اوہ! کیا رضیہ اکیلی نہیں ہے؟"

"نہیں۔" رضوان نے جواب دیا "کئی برازیلین اس کے ساتھ آئے ہیں مجھے تو وہ ریڈ انڈین معلوم ہوتے ہیں۔"

"وہ کراچی کب پہنچی؟"

"کل جب میں آپ کو غزالہ کے گھر پہنچا کر اپنے فلیٹ پہنچا تو مجھے اس کی ٹیلیفون کال ملی۔ وہ مجھ سے آپ کے بارے میں دریافت کر رہی تھی۔ مجھے سخت غصہ آیا۔ کتنی بیہودہ بات ہے کہ محبوبہ اتنے دن بعد ملے اور محبوب کے بارے میں بات کرنے کی بجائے محبوب کی ہونے والی سالی کا ذکر لے بیٹھے۔ بہرحال میں نے ضبط سے کام لیا اور اس سے کہا کہ وہ میرے فلیٹ پہنچ جائے تو تفصیل سے بات ہو چنانچہ وہ فوراً میرے فلیٹ پہنچ گئی۔ طویل جدائی کے بعد میں اس ملاقات میں ایک ڈوئٹ گانے کے موڈ میں تھا لیکن ہیہات! خدا ایسی محبوبہ دشمن کو بھی نہ دے۔ وہ آپ کے علاوہ کوئی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ مجھے بتانا ہی پڑا کہ آپ کہاں ہیں۔ اس کے بعد مجھے سارا پس منظر بھی بیان کرنا پڑا۔ سب کچھ سننے کے بعد وہ دانت پیس کر بولی، 'میں اس خان کے بچے کو تگنی کا ناچ نچا دوں گی۔'"

"چنانچہ اس نے سب سے پہلے ٹھیکیدار جامو اور صابری پر چھاپا مارا؟"

"ہاں، مگر آپ کو کیسے معلوم؟" رضوان نے حیرت سے کہا۔

"خان آف کالاگوٹ مجھ سے انھی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ انھیں میں نے غائب کروایا ہے۔" میں نے بتایا اور پھر پوچھا "یہ عمارت کس کی ہے؟"

"میرے ایک دوست کی ہے جو سیاحت کا بہت شوقین ہے، اور جب بھی سیاحت پر روانہ ہوتا ہے تو اپنے گھر کی چابی مجھے ہی دے جاتا ہے۔ دو ماہ سے یہ چابی میرے پاس پڑی ہوئی تھی۔ اب رضیہ آئی تو اس کی رہائش کے لیے میں نے اسی جگہ کو مناسب جانا۔

موجودہ حالات میں اس کا آپ کے گھر میں رہنا مناسب
"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن تم نے مجھے
فوری طور پر باخبر کیوں نہیں کیا؟"

"یہ آپ اپنی لاڈلی ہی سے پوچھیے گا!" ر
بناتے ہوئے کہا "انھوں نے ہی فرمایا
ڈرامائی موقع ہی پر باجی کے سامنے جانا چاہتی ہیں!"

"اچھا!" میں ہنس پڑی "اس کا بچپنا
"جی ہاں۔" رضوان منہ بنا کر بولا "وہ ا
کی ہیں۔ باقی کل پرزے ایمیٹیشن ہیں۔"

"فضول گوئی سے اجتناب کرنا سیکھو! اچھا
ٹھیکیدار جامو کہاں ہیں؟"

"اسی عمارت کے ایک کمرے میں قید ہیں۔"

"ان سے کچھ معلومات بھی حاصل کیں؟"

"کچھ خاص تو نہیں۔"

"عام ہی بتاؤ!"

"ٹھیکیدار جامو نے اس بات کا اعتراف کیا
اس کے ٹرکوں کی نقل و حرکت بڑی پُراسرار ہوتی
کہ خود اسے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے ٹرکوں میں
پہنچایا جانے والا مال کس قسم کا ہے۔ اسے صا
ملا کرتی ہیں کہ فلاں جگہ سے لکڑی کے اتنے بکس اٹھا
فلاں جگہ پہنچانا ہیں۔"

"یہ بات اس نے صابری کے سامنے بتائی تھی!
"نہیں۔" رضوان نے جواب دیا "ہم نے انھیں
سے الگ رکھ کر پوچھ گچھ کی تھی۔"

"گڈ!"

"پھر جب صابری سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے
کیا کہ وہ ٹھیکیدار جامو سے کام لیا کرتا تھا۔ پھر جب
کر صابری سے کہا کہ وہ اسمگلنگ کرتا ہے تو اس نے
بھی کر لیا کہ اس کی لانچیں چلتی ہیں۔ اس نے یہ بھی بتا
ہے وہ خود اسمگلنگ نہیں کر رہا ہے بلکہ اس نے اپنی لا
اسمگلر کو کرائے پر دے رکھی ہیں۔"

"وہ بڑا اسمگلر کون ہے؟"

"یہ صابری بھی نہیں جانتا۔ کم از کم اس کا کہنا ہے
کو فون پر ہدایات ملتی ہیں کہ فلاں وقت پر اتنی لانچیں

ت اپنے آدمیوں کو دے دیتا ہے۔ پھر جب
نچتی ہیں تو کچھ نامعلوم افراد لکڑی کے بڑے
س لانچوں پر بار کر دیتے ہیں۔ لانچیں وہ باکس
ساحل پر اتار دیتی ہیں۔ اس وقت صابری کو یہ
وہ تمام باکس ساحل سے اٹھوا کر فلاں جگہ پہنچا
اس کام کے لیے صابری، ٹھیکیدار جامو سے کام

کے پاس کوئی جہاز بھی ہے؟" یہ سوال کرتے
ہ وہ کمرہ تھا جہاں میں ایک رات قید رہی تھی
پتا چلتا تھا کہ میں کسی جہاز میں رہی تھی۔
اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن میرا خیال
جہاز کا مالک نہیں ہو سکتا۔ خفیہ طور پر لانچیں
ہے اور ایک بحری جہاز کا مالک ہونا دوسری بات!
حکومت کی نظر میں ضرور آجاتی۔"

ی کی ان باتوں کے جواب میں فوری طور پر کچھ نہیں
پھر وہ جہاز خان آف کالاگوٹ ہی کا ہو سکتا
ے میں معلومات حاصل کرنا پڑیں گی۔
نے میں صابری نے کیا بتایا؟"
میں ٹھیکیدار جامو کا بیان ہے کہ وہ محض ایک
لی ہلاکت کسی سازش کا نتیجہ نہیں تھی اور ٹھیکیدار
ڈرائیور کی جان بچانے کے لیے مجمعے میں شامل
کی تھیں۔"
س وقت پر وہاں کیسے پہنچ گیا؟"
س ٹرک میں موجود تھا جس سے شکیل کی کار ٹکرائی
وہ ٹرک سے اتر کر واپس آیا تھا اور واپس آتے
کہ غلط گواہیاں تیار کر سکے۔"
ہاں درست ہی ثابت ہوا!"
ل؟"
یل کی ہلاکت میں چنگیزی کا ہاتھ نہیں ہے۔"
ار جامو کے بیان سے تو اس خیال کی تصدیق ہی
نے کہا "لیکن کیا ان دونوں کے بیان کے ایک
جا سکتا ہے؟"
کے معاملے میں مجھے ٹھیکیدار جامو کا بیان
م ہوتا ہے لیکن باقی باتوں میں کوئی گڑبڑ ہو سکتی

ہے۔ اس کے بارے میں چھان پھٹک کرنا پڑے گی۔"

دفعتہً لیڈیز سینڈل کی کھٹ کھٹ سنائی دی اور رضوان بول پڑا "لیجیے! آپ کی لاڈلی آگئیں!"

اسی وقت دروازہ کھلا اور رضیہ اندر آئی۔

"باجی!" وہ جذباتی انداز میں تقریباً چیختی ہوئی میری طرف آئی اور قریب آ کر میرے گلے میں جھول گئی۔

میں نے اس کی پیشانی چومی اور پیٹھ تھپکنے لگی۔

رضوان ٹھنڈا سانس لے کر بولا "کاش کوئی اس طرح ہمارے گلے میں بھی جھول سکتا۔"

میں نے اس کی "بکواس" کی طرف دھیان نہیں دیا اور کچھ دیر تک رضیہ سے صرف ایسی باتیں کرتی رہی جن کا موجودہ معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس دوران میں رضوان منہ بنائے بیٹھا رہا۔

کچھ دیر بعد میں اصل معاملے کی طرف آئی اور میں نے اس سے پوچھا "کیا تمھیں میرا ٹیلیگرام مل گیا تھا؟"

"جی ہاں۔" رضیہ نے جواب دیا "اسی لیے تو میں اپنے ساتھ کئی آدمی بھی لے کر آئی ہوں۔"

"حضرتِ داغ کی خاطر!" میں نے مسکرا کر رضوان کی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں۔ آپ کے ٹیلیگرام سے کچھ ایسا اندازہ ہوا تھا جیسے کسی نے ان کو گیارھویں آسمان پر الٹا لٹکا دیا ہے۔" رضیہ نے شرارت آمیز نگاہ سے رضوان کی طرف دیکھا۔

"آپ کی بلا سے!" رضوان نے منہ بنا کر کہا "میں گیارھویں آسمان پر لٹکتا یا تحت الثریٰ کی گیارھویں پرت میں، آپ تو بس برازیل کی پہاڑیوں پر کودتی پھریے۔"

"اعتراض کودنے پر ہے یا برازیل پر!" رضیہ ہنس کر بولی۔

"اعتراض ایک تیسری بات پر ہے۔"

"یعنی؟"

"تم نے ان پہاڑیوں پر کودتے ہوئے وہ گانا نہیں گایا ہو گا کہ آئے موسم رنگیلے سہانے، تو چھٹی لے کر آجا بالما!"

"میں یہ کیسے گا سکتی تھی؟ وہاں کا موسم ہرگز سہانا یا رنگیلا نہیں تھا۔"

اُن دونوں میں چونچیں لڑنے کا یہ سلسلہ دراز بھی ہو سکتا تھا مگر اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ رضیہ نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا اور ماؤتھ پیس میں بولی "ہیلو!... ہاں

میں ہی بول رہی ہوں... گڈ! تم نے ایک عاقبت اندیشانہ فیصلہ کیا ہے خان!"

میں غور سے رضیہ کی طرف دیکھتی رہی۔ میرے اندازے کے مطابق وہ خان آف کالا گوٹ سے گفتگو کر رہی تھی۔ ذرا دیر بعد اس نے گفتگو ختم کی اور مسکراتی ہوئی میری طرف مڑی۔

"سودا طے ہو گیا باجی!" وہ بولی۔

"کیسا سودا؟"

"وہ کفیل رضا اور مشتاق چنگیزی کے ماموں کو ہمارے حوالے کر دے گا جس کے بدلے میں ہم اس کے دونوں آدمیوں کو چھوڑ دیں گے۔"

"یعنی ٹھیکیدار جامو اور صابری کو؟"

"ہاں۔"

"کیا اُن سے مزید پوچھ گچھ نہیں ہو سکتی ہے؟"

"اُن سے جو کچھ معلوم ہو سکا ہے، وہ آپ کو رضوان نے بتا دیا ہو گا!"

"ہاں وہ تو بتا دیا لیکن میرا خیال ہے کہ انھوں نے کچھ باتیں ضرور چھپائی ہوں گی۔"

"اگر ایسا ہے تو پھر تشدد ہی کے ذریعے اُن کو مزید بولنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے لیکن میں خان آف کالا گوٹ سے وعدہ کر چکی ہوں کہ اگر وہ ہمارے مطلوبہ آدمیوں کو چھوڑ دے تو اس کے آدمیوں پر بالکل تشدد نہیں کیا جائے گا۔"

"اگر تم وعدہ کر چکی ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ میں اب خان سے نمٹنے کے لیے دوسرا انداز اختیار کروں گی۔"

"لیکن اب اس سے الجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے باجی! کفیل رضا اور مشتاق چنگیزی کے ماموں کے بعد وہ مسئلہ تو ختم ہو ہی جائے گا جس سے آپ کو دلچسپی ہے۔"

"ہاں۔" میں نے کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا۔ "سنگیتا کا مسئلہ تو نمٹ ہی جائے گا۔"

"تو پھر اب کیا باقی رہا؟"

"میں اس موضوع پر پھر بات کروں گی۔ فی الحال تم یہ بتاؤ کہ خان سے آدمیوں کے تبادلے کا عمل کس طرح ہو گا؟"

"میرے دو آدمی کرائے کی ایک وین لیے ہوئے صدر میں کیفے جارج کے سامنے کھڑے ہیں۔ خان کا کوئی آدمی انھیں وہاں اپنے ساتھ لے جائے گا اور کسی جگہ سے ہمارے

مطلوبہ آدمیوں کو اس وین میں منتقل ... انھیں لے کر جب یہاں پہنچ جائے گی تو ... آدمیوں کو آزاد کر دیں گے۔"

"ہوں۔" میں سوچ میں پڑ گئی۔

خان آف کالا گوٹ کو اس مرحلے ... تھی کہ میرے اندازے کے مطابق وہ ... بل کھا رہا ہو گا۔ اپنے آدمیوں کو ... خلاف ضرور کوئی خوفناک قدم اٹھاتا لہٰذا ... تیار رہنا چاہتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ خان ... لیے ایک خطرناک ترین مدِمقابل ثابت ... ایک بارسوخ شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ ... کا بھی پروردہ تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں ... وجہ سے آئی تھی جس کا عمل ایک غیر معمولی ... نال سے گولی کی بجائے ایک سرد لہر امنڈتی ... نشانے پر آنے والا شخص شل ہو کر رہ جاتا تھا ... تجسس کی یہ لہر بھی میرے دماغ میں ... چکی تھی کہ خان آف کالا گوٹ کیا چیز پاکستان ... ہے۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ کوئی ایسی چیز ہرگز نہیں ... سے صرف مالی منفعت حاصل کی جا سکے۔ خان ... اتنا امیر و کبیر شخص تھا کہ اسے کسی معمولی چیز کی کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔

ان باتوں پر غور کرتے کرتے مجھے سنگیتا کا ... وہ میری گمشدگی سے خاصی پریشان ہو گئی ہو گی! ... ہی مجھے غزالہ بھی یاد آئی جس کے گھر میں وہ سارا ڈراما ... یقیناً اس کے اعصاب ابھی تک اس واقعے سے ... میں نے ضروری سمجھا کہ ٹیلیفون کر کے اسے مطمئن کر ... وہ زیادہ نہ گھبرائے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ ... سے اس واقعے کا ذکر کرے۔ لوگوں سے تو کیا، ... شوہر کو بھی بے خبر ہی رکھنا چاہتی تھی۔

میں نے رضیہ سے کچھ کہے بغیر ریسیور اٹھایا ... کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ رابطہ قائم ہوتے ہی جب ... سنائی دی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ واقعی ابھی تک ... نروس تھی۔ میں کوئی پانچ منٹ تک اسے سمجھاتی ... کہ اب وہ خود کو کسی خطرے میں محسوس نہ کرے۔ میں ...

... اس واقعے کا ذکر اپنے شوہر سے بھی ...

... لمبے کی سی رنگت کا ایک شخص کمرے میں ... رضیہ کے ساتھ ہی میری اور رضوان کی توجہ بھی ... اف ہو گئی۔ نووارد نے رضیہ سے کہا۔ "ان دونوں ... گیا ہے۔" وہ جس زبان میں بولا تھا، اسے ... ممبی نہیں سمجھ سکتے تھے، لیکن میں اس زبان ... جانتی بلکہ اتنی ہی روانی سے بول بھی سکتی تھی جتنی ... وارد بولا تھا۔

... اس سے پوچھا۔ "ان دونوں کی ذہنی حالت ...

... خاموش ہیں، راستے بھر کچھ نہیں بولے۔"

... نے میری طرف دیکھا تو میں سر ہلا کر بولی۔ "یہ ... مت ہے۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اب ... معمول پر آ رہے ہیں۔ ایک آدھ دن میں ان کے ... بالکل درست ہو جائیں گے۔"

... ہے۔" رضیہ نے نووارد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ... کو اسی کمرے میں پہنچا دو جہاں ہمارے قیدی ہیں ... وین میں بٹھا کر کسی علاقے میں لے جا کے چھوڑ دو۔" ... نے مودبانہ انداز میں سر جھکایا اور پھر واپسی کے ... کی طرف مڑنا ہی چاہتا تھا کہ میں ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ... سے چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان دونوں کو بس ... عمارت سے نکال دو۔ انھیں جہاں جانا ہو گا، خود ہی چلے ...

... طرح یہ عمارت بھی اُن کی نظر میں آ جائے گی۔"

... یسے بھی خان آف کالا گوٹ کے علم میں آ چکی ہو گی۔ کیا ... یہاں کا ٹیلیفون نمبر نہیں بتایا تھا؟"

... ہوتا تو اس کی کال کیسے آتی؟ اوہ! آپ کا مطلب ... یہ معلوم کر لیا ہو گا کہ اس نمبر کا ٹیلیفون کس عمارت ... ہے۔"

... نے کی بات ہے۔"

ٹھیک کہہ رہی ہیں باجی! میں نے اس طرف دھیان ... یا تھا۔" رضیہ نے کہا اور پھر نووارد سے بولی۔ "جوناتھن! ... ان قیدیوں کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو!"

وہ نووارد جس کا نام جوناتھن تھا، مودبانہ انداز میں سر ہلا کر کمرے سے چلا گیا۔

اس دوران میں رضوان خاموش بیٹھا ہوا بُرے بُرے سے منہ بناتا رہا اور جوناتھن کے جاتے ہی رضیہ سے بولا۔ "تم جب بھی آتی ہو، ایسے جانوروں کو پکڑ لاتی ہو جن کی زبان میرے فرشتے بھی نہیں سمجھ سکتے۔"

"اسی لیے تو میں تمھیں اپنے ساتھ نہیں لے جاتی میرے ساتھ رہو گے تو تمھیں متعدد اجنبی زبانوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"لیکن اس مرتبہ میں تمھارے ساتھ ہی جاؤں گا۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میری ہونے والی بیوی یوں تنہا ماری ماری پھرتی رہے۔"

"تم نے منہ دھو رکھا ہے!"

"الحمدللہ! کیوں!"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمھاری ہونے والی بیوی ہوں۔"

"ہر جوڑے کا نام خدا کے گھر میں لکھا ہوا ہے نادان لڑکی!" رضوان نے درویشانہ انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں یہ بک بک ختم کر دو!" میں بول پڑی۔

"چلیے ختم کر دی۔" رضوان نے کہا۔ "اب فرمائیے!"

"کیا تم دونوں یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ اس شکست کے بعد خان آف کالا گوٹ نچلا بیٹھ جائے گا!"

"باجی!" رضیہ بولی۔ "اگر اس کے آدمیوں نے اِدھر کا رُخ کیا تو میرے خادم ان کی تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔"

"فی الحال وہ اپنے ذاتی مہرے سامنے نہیں لائے گا۔"

"پھر!" رضوان بولا۔

"تم بھول رہے ہو کہ پولیس اب بھی میری تلاش میں ہو گی۔ جیسے ہی ایس پی جعفر کو میرے بارے میں اطلاع ملے گی کہ میں اس عمارت میں موجود ہوں، وہ یہاں چڑھائی کر بیٹھے گا۔"

"اوہ! تو کیا اب آپ پھر یہاں سے بھاگنے کی فکر میں ہیں؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "طاہر حبیب اور کفیل رضا

کے دستیاب ہونے کے بعد مجھے اب کہیں بھاگنے کی ضرورت نہیں لیکن ایس، پی جعفر کی بدتمیزیوں سے نمٹنے کے لیے تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔“

”یعنی ؟“

”میں ایک اہم شخصیت کو یہاں بلا لیتی ہوں۔ اس شخصیت کی موجودگی میں پولیس کا بڑے سے بڑا افسر بھی کوئی بدتمیزی نہیں کر سکے گا۔“

”وہ شخصیت ....“

میں رضوان کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔ ”میرا اشارہ جسٹس بشیر احمد کی طرف ہے۔“

”اوہ!“ رضوان کے منہ سے نکلا۔ ”کیا جسٹس بشیر سے آپ کے مراسم ہیں ؟“

”جسٹس بشیر کی مرحوم بیوی میری بہت اچھی دوست تھی اور اسی کی وجہ سے جسٹس بشیر مجھے جانتے ہیں۔ انھیں اس وقت اپنے گھر پر ہی ہونا چاہیے۔ میں نے سنا ہے کہ رعنا کی موت کے بعد وہ بہت ہی گوشہ نشین قسم کے آدمی ہو گئے ہیں۔“

”رعنا کون ؟“ رضیہ نے پوچھا۔

”ان کی مرحوم بیوی۔“ میں نے جواب دیا۔ رضیہ ٹیلیفون کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ”ذرا ڈائل کرو۔“

”نمبر بتائیے!“ رضیہ نے ریسیور اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

میں نے اسے نمبر بتایا اور وہ ڈائل کرنے لگی۔ اسی وقت جوناتھن نے آکر اطلاع دی کہ دونوں قیدیوں کو گھر سے نکال دیا گیا ہے۔

”ٹھیک ہے۔“ رضیہ نے اس سے کہا۔ ”تم جاؤ اور پوری طرح چوکس رہو۔“

جوناتھن چلا گیا اور رضیہ ماؤتھ پیس میں بولی۔ ”ہیلو!... کیا جسٹس صاحب گھر پر تشریف رکھتے ہیں؟... ان سے محترمہ صبیحہ بانو کو بات کرنا ہے۔ میں ان کی سیکریٹری بول رہی ہوں۔“ پھر وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے بولی۔ ”ہولڈ آن رکھنے کے لیے کہا گیا ہے۔“

”ریسیور مجھے دے دو!“ میں نے ہاتھ بڑھایا۔

رضیہ نے ریسیور مجھے دے دیا اور میں اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ ذرا دیر بعد دوسری طرف سے ایک بارعب آواز سنائی دی۔ ”ہیلو البشیر اسپیکنگ۔“

”جناب والا! میں صبیحہ بانو بول رہ[ی ہوں]“

”اوہ! بانو! میں آپ کی آواز بھی پہچان گیا... اور ملاقات ہوئے تو اس سے بھی زیادہ [عرصہ ہو گیا]“

”جی ہاں، دراصل میں نے کچھ عرصہ تو ... یہاں رہی تو کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ر[ہی] ... سے دوچار ہوں اور اسی سلسلے میں آپ کی مدد [چاہتی ہوں]“

”یعنی ؟ ایسی کیا الجھن پیش آگئی ؟“

”گستاخی ہوگی اگر میں یہ کہوں کہ میں آپ ... بلکہ آپ کو میرے پاس آنا ہوگا۔“

”وہ تو کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے لیکن ...“

”جب آپ آجائیں گے تو آپ کو تفصیل ... صاحب کو آپ کے پاس بھیج رہی ہوں۔ ان کا نام ... ان کے ساتھ آجائیں۔ کیا آپ فوراً آسکتے ہیں ؟“

”میں آسکتا ہوں لیکن اسٹارٹ تو بتائیں کہ ما[جرا کیا ہے]“

”یہ ایک قانونی مسئلہ ہے جسے میں آپ کے سامنے ... ہوں۔ شاید آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ پولیس ... کے لیے میری تلاش میں ہے۔“

”ارے! وہ کیوں! اچھا خیر، میں آیا جاتا ہوں ... آدمی کو کیوں بھیج رہی ہیں ؟ میں خود آجاؤں گا۔“

”وہ آدمی آپ کی رہنمائی کے لیے ہوگا جناب والا! ... اپنے گھر پر نہیں ہوں۔ اگر وہاں ہوتی تو گرفتار ہو چکی ہو[تی]“

”بڑا سنگین معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ اُن صا[حب کو] بھیجیں میں تیار رہوں گا۔“

”شکریہ جناب والا!“

گفتگو ختم کر کے میں نے ریسیور رکھا اور رضوان ...

”میں جا رہا ہوں جناب والا... والی!“ رضوان مُنہ ... ہو گیا۔

”جسٹس صاحب کا پتا میں تمھیں سمجھائے دیتی ہوں ...“

”اس کی زحمت بھی نہ کیجیے! مجھے علم ہے۔“ رضوان ...

”آپ صرف یہ بتائیے کہ میں ان کے لیے گاڑی لے کر جاؤں ... کار میں آئیں گے ؟“

”وہ اپنی ہی کار میں آئیں تو بہتر ہے۔ تم ٹیکسی لے کر جا[ؤ]“

رضوان روانہ ہو گیا تو میں رضیہ سے بولی۔ ”اب میں ذرا ... بھنا چاہتی ہوں۔“

”اور کفیل رضا کو ؟“

... اس کمرے میں لے گئی جہاں ان دونوں کو رکھا گیا ... دوسرے سے کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان ... لن مترشح تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر انھوں ... کھا لیکن اس طرح جیسے کوئی اجنبیوں کو دیکھتا ہے۔ ... تو مجھے پہچانتا تھا لیکن اس کے چہرے پر بھی اجنبیت ...

ایک منٹ تک وہاں کھڑی اُن کی طرف دیکھتی رہی ... وہ کچھ بولیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آخر میں نے رضیہ ... دکیا اور پھر خود بھی مُڑی لیکن پھر ہمیں یکلخت ... ہمیں مخاطب کر بیٹھا تھا۔

”... بن!“ وہ بولا تھا۔ ”کیا آپ بتائیں گی کہ آپ لوگ کون ... میں کون ہوں ؟“

... ترحم آمیز نگاہ سے ان دونوں ہی کو دیکھا اور پھر ... ہونے کی ضرورت نہیں۔ دراصل ایک حادثے نے ... دماغوں پر اثر ڈالا ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ آپ ... ہو جائیں گے۔“ یہ فقرہ میں نے اپنی طرف سے جڑ دیا اور ... آپ یہاں ہیں، آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔“

”... بیٹھے بیٹھے تھک گیا ہوں اور ...“

... بندوبست ہو جائے گا۔“ میں نے اس کی بات کاٹتے ... پھر رضیہ سے بولی۔ ”یہاں دو بستر لگوا دو۔“

... بھی ہوا جاتا ہے۔“

... کمرے سے نکل کر رضیہ نے جوناتھن کو بستر لگوانے کی ... اور پھر ہم دونوں، ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے۔

”... سچ بتلائیے باجی کہ آپ کا پروگرام کیا ہے ؟“ رضیہ ... کہا۔

”... الحال میں نے کوئی پروگرام مرتب نہیں کیا ہے رضو! میرے ... صرف اتنا ہی ہے کہ مجھے خان آف کالا گوٹ سے نمٹنا پڑے ... جانے کیوں ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے یہ شخص ... ان کے لیے ایک موذی سانپ ہو۔ اس کا وہ عجیب و غریب ... میرے ذہن پر بہت بُری طرح مسلط ہے۔“

میں اور رضیہ، خان آف کالا گوٹ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ میں نے رضیہ کو بہت کچھ بتایا اور اس میں اتنا وقت گزر گیا کہ باہر ایک کار کے رکنے کی آواز سنائی دی۔

”میرا خیال ہے کہ جسٹس بشیر آگئے۔“ میں کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ ”مجھے باہر جا کر ان کا استقبال کرنا چاہیے۔“

میرے ساتھ ہی رضیہ بھی باہر آئی۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ وہ جسٹس بشیر اور رضوان ہی تھے۔ رضوان شاید احتراماً ایک قدم پیچھے چل رہا تھا۔

میں نے برآمدے سے اتر کر جسٹس بشیر کا استقبال کیا۔ جسٹس بشیر کی نظر رضیہ پر پڑی تو وہ چونکا اور اُس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ میری اور رضیہ کی مشابہت سے لوگ متحیر ہوتے ہی رہتے ہیں۔

”یہ میری چھوٹی بہن ہے جناب والا!“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”اس کا نام رضیہ ہے۔“

رضیہ نے جسٹس بشیر کو سلام کیا تو انھوں نے نہایت مشفقانہ انداز میں جواب دیا، پھر مجھ سے کہا۔ ”پہلے کبھی ان کا ذکر بھی نہیں سُنا!“

”بس ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا کہ ذکر آتا۔“

میں جسٹس بشیر کو ڈرائنگ روم میں لائی اور میں نے رضیہ سے کہا۔ ”جسٹس صاحب کے لیے بلیک کافی بنواؤ!“

”خوب!“ جسٹس بشیر مسکرائے۔ ”آپ کو یاد ہے کہ میں بلیک کافی پیتا ہوں!“

رضیہ نے جوناتھن کو بلا کر اس سے کافی کے لیے کہا۔

”ہاں تو!“ جسٹس بشیر مجھ سے بولے۔ ”میں یہ جاننے کے لیے مضطرب ہوں کہ آپ کس قانونی چکر میں پھنس گئی ہیں!“

”میں آپ کو بالکل شروع سے بتاؤں گی تاکہ آپ آسانی سے سب کچھ سمجھ لیں۔“

”ٹھیک ہے۔“

چنانچہ میں نے جسٹس بشیر کو آپ بیتی سنانا شروع کی۔ ابتدا ہی اتنی دلچسپ تھی کہ جسٹس بشیر پوری طرح متوجہ ہو گئے۔ اسی دوران میں کافی بھی آگئی، رضیہ نے پیالیوں میں بنا بنا کر دی۔ اس گفتگو کے دوران میں رضیہ اور رضوان بالکل خاموش بیٹھے رہے۔

میں نے ساری کہانی تو من و عن بیان کر ڈالی لیکن

خان آف کالا گوٹ کا نام زبان پر نہیں لائی۔ اس کا ذکر میں نے ایک پُراسرار شخصیت کی حیثیت سے کیا جو "جہاز" کے کمرے میں اور پھر غزالہ کے گھر میں بھی میرے سامنے نقاب پہن کر آئی تھی۔

سب کچھ سننے کے بعد جسٹس بشیر کے چہرے پر تفکّر کے آثار پیدا ہو گئے مگر انھوں نے فوری طور پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ایک جسٹس کی حیثیت سے وہ کوئی فیصلہ بھی عجلت سے نہیں کر سکتے تھے۔

قدرے توقف کے بعد میں پھر بولی "میں چاہتی ہوں کہ آپ اس معاملے کو اپنی نگرانی میں نپٹوا دیں۔ ایک آدھ دن میں کفیل رضا اور صادق حبیب بالکل ہوش و حواس میں ہوں گے۔ ان کے بیانات کی روشنی میں یہ معاملہ آسانی سے اختتام پذیر ہو جائے گا۔"

"لیکن اس سے زیادہ سنگین مسئلہ تو مجھے اس شخصیت کا معلوم ہو رہا ہے جو ابھی تک سامنے نہیں آئی۔" جسٹس بشیر نے کہا۔

"اس مسئلے کو آپ بھول جائیں۔ وہ میرا ہیڈک ہے۔"

"یہ آسان نظر نہیں آتا کہ آپ تن تنہا اس خطرناک شخص سے نپٹ سکیں۔"

"آسان تو نہیں ہے لیکن میں اسے ناممکن نہیں سمجھتی۔"

جسٹس بشیر ذرا دیر کچھ سوچتے رہے، پھر بولے "کیا میں کفیل رضا اور صادق حبیب کو دیکھ سکتا ہوں؟"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔" میں نے کہا۔

اسی وقت باہر کسی گاڑی کے رُکنے کی آواز سنائی دی۔

"کون آ گیا! دیکھو تو!" میں نے چونک کر رضیہ سے کہا۔

رضیہ اٹھ کر دروازے کی طرف لپکی لیکن اس کے فوراً بعد ہی ہمیں بھی اپنی جگہ سے اٹھ جانا پڑا۔ دراصل باہر سے ایسی ہی آوازیں سنائی دی تھیں کہ ہم میں سے کوئی بھی بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ آوازیں ایسی تھیں جیسے کچھ لوگ آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ پھر ایک آواز گالیاں بکتی ہوئی سنائی دی اور میں نے اس آواز کو پہچان لیا۔ وہ ایس، پی، جعفر تھا۔

جسٹس بشیر کی موجودگی کے باعث مجھے ایس، پی، جعفر کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا اس لیے میں بے دھڑک برآمدے میں پہنچ گئی۔

وہاں جو حالات نظر آئے اُن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ کیا ہوا ہو گا۔ ایس، پی، جعفر نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ بے دریغ اندر گھسنے کی کوشش کی تھی لیکن جونا تھن کے ساتھیوں نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ اسی پر بات بڑھ گئی اور ایس، پی،

جعفر جو نظرتاً اکھڑ تھا، ہاتھ چھوڑ بیٹھا۔ پھر [illegible]
جنگجو! وہ بھی بھڑ گئے اور وہاں میدانِ کارزار [illegible]

اچانک ایس، پی، جعفر نے ریوالور نکال [illegible]
انگریزی میں لِلکارا "تم سب لوگ ہاتھ اٹھا دو [illegible]

ریڈ انڈینز پر اس دھمکی کا [illegible]

جب رضیہ نے بھی چیخ کر [illegible] لڑائی روکنے [illegible]
روک کر تیزی سے ایک طرف ہو گئے۔

اتنی سی جھڑپ میں دو سپاہی [illegible]

ایک سپاہی کے چہرے پر نیل پڑ گئے تھے اور [illegible]
ہونٹوں سے رِستا ہوا خون تھوک رہا تھا۔

ایس، پی، جعفر نے میری طرف دیکھا اور [illegible]
بشیر پر پڑی۔ یکلخت اس کے چہرے کا رنگ متغیر [illegible]
جلدی سے ریوالور اپنے ہولسٹر میں رکھ کر ایک [illegible]

"بہت خوب!" جسٹس بشیر نے بھاری [illegible]
کے محافظ بھی اب قانون شکنی کرنے لگے ہیں!"

"نن... نو سر!" ایس، پی، نے بوکھلا کر کہا۔ " [illegible]
نے ہم پر حملہ کر دیا تھا اس لیے ہمیں جوابی کارروائی [illegible]

رضیہ اس وقت مدھم آواز میں اپنے آدمیوں [illegible]
تھی۔ اس نے ایک دم مڑ کر کہا "حملہ کرنے میں پہل ان [illegible]
نہیں کی آفیسر! ان لوگوں نے صرف راستہ روکا تھا [illegible]
نے جبراً اندر گھسنے کی کوشش کی اور نتیجے میں انھیں [illegible]
اختیار کرنا پڑا۔"

اسی وقت جسٹس بشیر پھر بول پڑے "مسٹر [illegible]
تمھیں کیا حق ہے کہ کسی کے گھر میں زبردستی گھسنے [illegible]

"سر! میرے پاس ان کی گرفتاری کا وارنٹ ہے [illegible]
جعفر نے میری طرف اشارہ کیا۔

"تمھیں چاہیے تھا کہ یہ بات ان غیر ملکیوں کو سمجھا [illegible]
ان پر ہاتھ چھوڑ بیٹھے۔ تمھاری اس ناشائستہ حرکت [illegible]
یہ بھی ممکن ہے کہ ان غیر ملکیوں کا سفارت خانہ ہماری حکو[مت] [illegible]
احتجاج کرے۔ کیوں! کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟"

"یس... یس سر!" ایس، پی، جعفر بُری طرح بوکھلا [illegible]

جسٹس بشیر نے ایک طائرانہ نظر تمام لوگوں پر ڈا[لی] [illegible]
ایس، پی، جعفر سے کہا "آپ میرے ساتھ اندر آئیے! [illegible]
سے کہیے کہ یہیں رُک کر آپ کا انتظار کریں۔"

[illegible] سر!"

[illegible] کے ساتھ ہی رضیہ، رضوان اور میں بھی ڈرائنگ [روم کی طرف] مڑ گئے۔ مڑتے مڑتے رضیہ نے اپنے آدمیوں [کو اشارہ کیا] کہ وہ بدستور چوکس رہیں۔ ہمارے پیچھے پیچھے ایس، [پی، جعفر بھی ڈرائنگ] روم میں آ گیا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا [تھا، ایک جا رہا تھ]ا۔ میں اس کی یہ حالت دیکھ کر خاصی محظوظ ہو رہی [تھی۔ شاید وہ سمجھ گیا] کہ رضیہ کو دیکھ کر بھی ایس، پی، جعفر خاصی [illegible] ہا تھا۔

[illegible] بانو کو گرفتار کرنے آئے ہیں؟" جسٹس بشیر [نے صوفے پر] بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اور ان کے خلاف رپورٹ [illegible] ارباب چنگیزی ہے؟"

[illegible] ہاں... جی ہاں۔"

"[چ]نگیزی کوئی معزز شخص ہے؟"

[illegible]

[illegible] لا آدمی ہے؟"

[illegible]

[illegible] معزز ہے؟"

"... نن... نو سر!... میرا مطلب ہے..."

"[میں تمھار]ا مطلب اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" جسٹس بشیر نے [illegible] کل صرف دھاٹ کا لر کو معزز سمجھا جاتا ہے، خواہ [وہ کیسا ہی] کیوں نہ ہو۔ ویسے... کیا آپ بتائیں گے... آپ [کو کیسے معلوم ہو]ا کہ صبیحہ بانو اس وقت یہاں ہیں؟"

"[ج]... مجھے کسی نے ٹیلیفون پر اطلاع دی تھی۔"

"[آپ] نے اس پہلو پر غور نہیں کیا کہ یہ صبیحہ بانو کے [خلاف س]ازش بھی ہو سکتی ہے۔ آخر کسی کو کیا ضرورت ہے [illegible] وہ کی ٹوہ میں لگا رہے اور ان کا پتا لگا کر آپ کو اطلاع [دے]"

"[ج]ی ہاں... جی ہاں... یہ پہلو واقعی قابلِ غور ہے۔" [illegible] کی سمجھ میں نہیں آ سکا ہو گا کہ اس کے علاوہ کیا کہے۔

"[ا]س پہلو پر بھی غور کیجیے کہ صبیحہ بانو ہمارے ملک کی [illegible] ہیں۔ آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی عرض کر دوں کہ کفیل رضا [illegible] حراست میں موجود ہے۔ خود صبیحہ بانو نے مجھے یہاں بُلا [کر صور]تِ حال سے آگاہ کیا ہے۔ اب یہ آپ کا فرض ہے کہ اپنے [ار]باب چنگیزی کو یہاں لائیں اور سب کے سامنے یہ واضح ہو جائے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔"

"بہت بہتر... سر!"

"میں یہیں ہوں اور آپ کا منتظر ہوں۔"

ایس، پی، جعفر نے سیلیوٹ کیا اور جانے کے لیے مڑ گیا۔

اِدھر میں سوچ رہی تھی کہ کیا ایس، پی، جعفر، ارباب چنگیزی کو یہاں لا سکے گا؟ غالباً یہ ناممکن تھا۔

جعفر کے جانے کے بعد میں نے جسٹس بشیر سے کہا "لیکن آپ یہاں کب تک رُکیں گے جنابِ والا! یہ تو آپ کے لیے خاصی زحمت ہو جائے گی۔"

"زحمت کی کوئی بات نہیں۔ میں یہاں رات بھی گزار سکتا ہوں۔ میرے گھر پر ہے ہی کون جسے میرا انتظار ہو۔" جسٹس بشیر کے لہجے میں جو کرب تھا، وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں رہا۔ میں اس بات سے واقف تھی کہ وہ اپنی بیوی کو عشق کی حد تک چاہتا تھا۔

"لیکن مجھے ایک بندوبست کرنا ہو گا۔" جسٹس بشیر پھر بولے۔

"کیا؟"

"مجھے اس نامعلوم پُراسرار شخصیت کی طرف سے بہت خطرہ محسوس ہو رہا ہے اس لیے میں کفیل رضا اور صادق حبیب کی حفاظت کا کوئی معقول بندوبست کرنا چاہتا ہوں۔ ذرا مجھے فون دیجیے!" جسٹس بشیر نے رضیہ سے کہا جو ٹیلیفون کے قریب بیٹھی تھی۔

ٹیلیفون کا تار اتنا بڑا تھا کہ رضیہ نے اسے اٹھا کر جسٹس بشیر کے سامنے تپائی پر رکھ دیا۔

جسٹس بشیر نے علاقائی تھانے کو فون کیا اور وہاں سے مسلح سنتری بلوا لیے۔

میں اس دوران میں کچھ اور لوگوں کے بارے میں سوچتی رہی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ مشتاق چنگیزی اور سونیا کیا کر رہے ہوں گے۔ نیز اب میں سنگیتا کے باپ رام لال سے بھی مل ہی لینا چاہتی تھی۔ حالات اس موڑ پر آ گئے تھے کہ میں رام لال کو زبان کھولنے پر مجبور کر سکتی تھی۔

جسٹس بشیر فون کر چکے تو میں نے اُن سے کہا "تو کیا آپ واقعی یہاں رُکیں گے؟"

"اس وقت تک جب تک یہ مسئلہ نپٹ نہ جائے۔" جسٹس بشیر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"کیا آپ مجھے کچھ دیر کے لیے اجازت دیں گے؟"

"کہاں جانا ہے آپ کو؟"

"چند ضروری کام ہیں۔ دو ایک افراد سے ملنا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ فی الحال آپ اس چار دیواری ہی میں محفوظ ہیں۔ باہر جانا آپ کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں جنابِ والا! میں خطرات سے نپٹنا خوب جانتی ہوں۔" میں نے کہا اور پھر رضیہ سے بولی۔ "تمھارے پاس کوئی کار تو نہ ہوگی؟"

"ہے۔"

"کہاں سے آئی؟"

"رضوان کے توسط سے میں نے ایک وین اور ایک کار کرائے پر حاصل کر لی تھیں۔"

"گڈ!" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "کار کی چابی کہاں ہے؟"

رضیہ نے اپنے پرس سے چابی نکال کر مجھے دی۔

رضوان بولا۔ "کیوں نہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟"

"نہیں۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "جہاں مجھے جانا ہے، وہاں مجھے اکیلے ہی جانا چاہیے۔"

رضیہ کھڑی ہو گئی اور اس نے جسٹس بشیر سے کہا۔ "ایکسکیوز می سر! میں باجی کو کار تک چھوڑ کے ابھی آتی ہوں۔"

جسٹس بشیر نے اثبات میں سر ہلا دیا مگر ان کے چہرے سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میرے تنہا جانے سے متفکر ہوں۔

رضیہ نے باہر پہنچ کر مجھے جس کار تک پہنچایا وہ آف وھائٹ واکس ہال تھی۔ میں نے اس کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جب میں نے انجن اسٹارٹ کیا تو بھی رضیہ قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے انجن بند کر کے رضیہ سے کہا۔ "ذرا سنو!"

رضیہ کار کی کھڑکی پر جھک آئی۔

میں پھر بولی۔ "اب جبکہ ہمیں جسٹس بشیر کا تعاون حاصل ہو چکا ہے، یہ ضروری نہیں رہا کہ تم لوگ اس عمارت میں رہو۔ بہتر ہوگا کہ تم لوگ ڈیفنس منتقل ہو جاؤ۔ وہاں ملازمائیں موجود ہیں لہٰذا تمھارے آدمیوں کو کچن وغیرہ کا کام نہیں کرنا پڑے گا۔"

"جیسا آپ کہیں۔" رضیہ بولی۔ "کفیل رضا اور صادق حبیب کو بھی اپنے ساتھ منتقل کرنا ہوگا۔"

"ظاہر ہے۔"

"اور جسٹس صاحب نے تھانے سے جو سنتری بلوائے ہیں؟"

"انھیں واپس کر کے ڈیفنس کے تھانے سے بھی سنتری بلوائے جا سکتے ہیں۔ تم جسٹس صاحب سے کہہ دینا کہ یہ منتقلی
میری ایما پر ہو رہی ہے۔"

"بہتر ہے۔"

"اچھا تو میں اب چلتی ہوں۔" میں نے
کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنا کام کر کے سیدھی
ظاہر ہے تم لوگوں کو یہاں سے منتقل ہو
نہیں لگے گا۔"

"ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ڈیفنس
نے کہا اور پھر بولی۔ "آپ سنگیتا کی طرف جا ر

"ہاں۔" میں گاڑی کو آہستگی سے حرکت

"میں آج اس کے باپ سے کھل کر گفتگو کر

پھر میں نے رضیہ کے کچھ بولنے کا انتظار
رفتار بڑھا دی۔ میں اب تیزی سے بی ایم
جا رہی تھی اور میرا ذہن اس فکر میں غلطاں
سے کس انداز میں گفتگو کرنا ہے۔

اس سوچ بچار کے باوجود میں عادت
اردگرد کے ماحول سے بے خبر نہیں تھی۔
آیا تو میں چونکی اور میری پوری توجہ اس
مبذول ہو گئی جس کا عکس میں عقب نما آئ

تیسرے پہر کی روشنی میں ابھی شام کا
ہوا تھا لہٰذا میں اسپورٹس چلانے والے نو
تھی۔ میری اور اس کی کار کے بیچ میں کوئی اور
تھی۔ جب مجھے ایک سگنل پر رکنا پڑا تو سرخ اسپ
پیچھے بالکل قریب آ کر رکی اور میں عقب نما آئ
کا چہرہ بالکل صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کی عمر
سال ہوگی۔ وہ اتنا خوبصورت تھا کہ اسے دیکھ
سوچے بغیر نہ رہ سکی، کاش وہ لڑکی ہوتا!

سگنل کی سرخ بتی بجھی، زرد جلی اور ایکسیل
پاؤں کا دباؤ بتدریج بڑھا۔ سبز بتی جلی تو میری
آ چکی تھی۔ جیسے ہی میں نے چوراہا عبور کیا، ایک
اور سرخ اسپورٹس کے بیچ میں حائل ہو گئی۔

نوجوان کا چہرہ میرے ذہن پر پوری طر
چکا تھا۔ یقیناً وہ ایک ایسی شکل تھی جو بے شمار
سکتی۔ میں الجھن میں پڑ گئی کہ یہ معصوم صورت اور
میرے پیچھے کیوں لگ گیا ہے؟

جب میں اس سڑک پر پہنچی جو صرف بی ایم

جاتی تھی، اس وقت بھی میں نے سرخ اسپورٹس کو اپنے
لیا۔ اب اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں رہا تھا کہ سرخ
تعاقب کر رہی تھی۔ میرے لیے اب یہ الجھن آ رہی تھی
صورت میں سنگیتا کے گھر کا رخ کرنا چاہیے یا نہیں؟
جوان کون تھا اور اسے میرے پیچھے کس نے لگایا تھا۔
رے وثوق سے کہہ سکتی تھی کہ وہ نوجوان کسی جرم پیشہ
اق نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بشرے سے یہ بات صاف
ہا تھی کہ وہ کسی شریف اور متمول گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔

سوچا اور بہت تیزی سے اس فیصلے پر پہنچ گئی کہ خواہ
اس وقت رام لال سے ملاقات کرنا ہی ہے۔ میں
جگہ روک دی جہاں سے آگے جانے کے لیے مجھے اپنی ٹانگوں
لینا تھا۔ گاڑی اس پتلی سی گلی میں نہیں جا سکتی تھی جس
سنگیتا کے گھر تک نہیں پہنچا جا سکتا تھا۔

عقب نما آئینے میں دیکھا کہ وہ سرخ اسپورٹس بھی کچھ
رکی تھی۔ میں نے انجن بند کیا۔ گاڑی کے شیشے چڑھائے
لاک کر کے گاڑی سے اتر آئی۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ
ترنے کے بعد ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھوں گی۔ یہ بات
جوان سنگیتا کے گھر تک میرے پیچھے پیچھے آئے گا۔ اب اس
!

ا کے گھر کے دروازے پر پہنچ گئی اور دستک دے کر
انتظار کرنے لگی۔ اُس وقت میں گویا انتظار کرتے ہوئے
دیکھ سکتی تھی، سو میں نے ایسا ہی کیا۔ میں نے دیکھا کہ
میری نظر سے بچنے کے لیے ایک کیبن کی آڑ لینے کی
میں اسے یہ تاثر دیتی رہی جیسے اب تک اپنے تعاقب
ل۔

ے کے اندر سے کنڈی کھلنے کی آواز سنائی دی تو میں
توجہ ہو گئی۔ دروازہ کھولنے والی سنگیتا تھی۔ اس نے مجھے
کی لیکن چونکنے کی کیفیت نے زیادہ طوالت اختیار نہیں
نے چیخ مارنے کے انداز میں "بانو" کہا اور مجھ سے
سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔

"پگلی! کیا ہو گیا تجھے!" میں اس کی پیٹھ تھپکنے لگی۔

"...آپ... کہاں غائب... ہو گئی تھیں!" وہ
تی ہوئی بولی۔

سے پہلے کہ میں جواب میں کچھ کہتی، سنگیتا کے پیچھے رام لال
آ کھڑا ہوا۔ معمول کے مطابق اس کے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی لیکن آنکھوں میں الجھن کے آثار بھی موجود تھے۔ کفیل رضا کے سلسلے میں متفکر تو وہ بھی رہا ہوگا۔

میں نے آہستگی سے سنگیتا کو خود سے جدا کیا اور براہِ راست رام لال کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

"کس سلسلے میں؟" رام لال کا لہجہ بہت کھردرا تھا۔

"اسی سلسلے میں جس سے آپ اب تک بچتے رہے ہیں۔ میں مشتاق چنگیزی کے بارے میں...."

"مجھے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا۔" رام لال نے گویا جھٹکے سے کہا۔ "آخر لوگوں کو اس سے کیا تعلق کہ میں نے اپنا سب کچھ ایک اجنبی شخص کو کیوں دے دیا؟ میری مرضی، میں اپنے گھر میں آگ بھی لگا سکتا ہوں۔"

"نہیں لگا سکتے۔" میں قدم بڑھاتے ہوئے بولی۔ "کیونکہ وہ آگ آس پاس کے لوگوں کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

میرا اشارہ سنگیتا کی طرف تھا جسے رام لال نے بھی سمجھ لیا اور چڑ جانے والے انداز میں کہا۔ "تمھیں میرے آس پاس کے لوگوں سے دلچسپی نہیں ہونا چاہیے۔"

"دلچسپی ہونا چاہیے یا نہیں ہونا چاہیے سے قطع نظر جب دلچسپی ہو چکی ہو تو پھر کچھ نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیا جا سکتا ہے۔" رام لال نے تیز لہجے میں کہا۔

سنگیتا اس ناخوشگوار صورتِ حال سے گھبرا گئی اور بولی۔ "مگر پتا جی...."

"تم خاموش رہو۔" رام لال نے اسے جھڑک دیا۔

"رام لال!" میں نے سخت انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "تم اس معصوم لڑکی کو تو خاموش کر سکتے ہو مگر آستین کے لہو پر کوئی جبر نہیں کر سکتے۔ وہ تو پکارتا رہے گا کہ...."

رام لال کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا لیکن وہ گرج کر بولا۔ "چلی جاؤ یہاں سے!"

سنگیتا سہمی ہوئی ایک طرف کھڑی تھی۔ میں نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر رام لال سے کہا۔ "آج میں تم سے فیصلہ کن گفتگو کیے بغیر نہیں جاؤں گی رام لال! اگر تم مشتاق چنگیزی کے سلسلے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتے تو میں شائستہ حبیب کے سلسلے میں بھی گفتگو کر سکتی ہوں۔"

شائستہ حبیب کا نام سن کر رام لال لڑکھڑا سا گیا۔ اگر وہ دیوار کا سہارا نہ لے لیتا تو شاید گر ہی پڑتا۔ سنگیتا گھبرا کر اس کے قریب پہنچی اور اسے سہارا دینے کی کوشش کرتی ہوئی گلوگیر لہجے میں بولی "کیا ہوا پتاجی!"

رام لال کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ وہ خالی خالی نگاہ سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی رہی مجھے یقین تھا کہ اب رام لال کھل کر گفتگو کرنے پر آمادہ ہو جائے گا لیکن میرے دیکھتے ہی دیکھتے رام لال کی حالت میں ایک غیر متوقع تبدیلی واقع ہوئی۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی زردی بڑی تیزی سے معدوم ہو گئی اور اس کی جگہ سرخی نے لے لی۔ آنکھوں سے گویا شرارے پھوٹنے لگے۔ وہ گرج کر بولا "اس سؤر کے بچے نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا، پھر بھی میرا راز افشا کر دیا؟"

میں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ میں چاہتی تھی کہ وہ غصے میں دبی سب کچھ بولتا چلا جائے جو میں اس کی زبان سے کہلوانا چاہتی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ اچانک خاموش ہو گیا۔ اس نے اب اتنی سختی سے ہونٹ بھینچے تھے کہ ہونٹوں کی بجائے اب بس ایک گہری سی لکیر دکھائی دے رہی تھی۔

"پتاجی!" سنگیتا کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے "آخر آپ اپنے سینے میں وہ جوالا مکھی کیوں چھپائے ہوئے ہیں جو آپ ہی کے وجود کو پھونکے ڈال رہا ہے" پھر سنگیتا مجھ سے بولی "آپ چلی جائیے بانو! آپ کو بھگوان کا واسطہ... آپ چلی جائیے!"

"آج میں گفتگو مکمل کیے بغیر نہیں جاؤں گی" میں نے کہا۔

"تمھیں جانا پڑے گا" رام لال حلق پھاڑ کر چیخا "اگر تم نہیں جاؤ گی تو میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا۔ حرام زادی، کتیا! چلی جاؤ یہاں سے! دفع ہو جاؤ" رام لال مجھے گالیاں بکتا ہی چلا گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر ہذیان کا دورہ پڑ گیا ہو۔

اگر وہ گالیاں مجھے کسی اور شخص نے دی ہوتیں تو شاید میں مشتعل ہو جاتی لیکن سنگیتا کی وجہ سے مجھے ضبط کرنا پڑا۔

"چلی جاؤ! چلی جاؤ! دفع ہو جاؤ!" رام لال حلق پھاڑتا رہا۔ اس کے منہ سے کف جاری ہو گیا تھا۔

سنگیتا روئے جا رہی تھی۔ اس نے ملتجی نظر سے میری طرف دیکھا۔ وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ میں وہاں سے لوٹ جاؤں۔

میں جھنجلائی بھی اور تلملائی بھی گئی۔ محض سنگیتا کی وجہ سے مجھے پسپا ہونا پڑ رہا تھا ورنہ میں رام لال کے غیظ و غضب سے تو ذرا بھی متاثر یا مرعوب نہیں ہو[ئی]۔ [میں] [وہاں] سے مڑی اور دروازے سے نکل کر تیزی [سے] [باہر] [نکل] گئی۔ اس وقت میں ذرا دیر کے لیے اس لو[گ] [کو] [بھول] [گئی] تھی جو میرے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔ اس [کا] [خیال] [اس وقت] آیا جب میں اپنی کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ [کر] [چکی] [تھی]۔ [کار] کو حرکت میں لانے سے قبل میں نے عقب [نما] [آئینے] [میں] اُدھر سے آنے والے ٹریفک کا جائزہ لیا تھا [اور] [اس] پر نگاہ پڑتے ہی مجھے وہ نوجوان یاد آگیا تھا [لیکن] اس کی شکل نہیں دکھائی دی۔ غالباً وہ [...] کہیں، خود کو میری نظر سے پوشیدہ رکھنے [...]

میں نے کار موڑی اور واپس روانہ ہو[ئی]۔ [...] نے دیکھ لیا کہ سرخ اسپورٹس اب پھر میرے [پیچھے] آ [رہی] [تھی]۔

لعنت ہے اس پر! میں نے دل ہی دل میں [...] سے بعد میں ہی نپٹوں گی کہ یہ کون ہے۔ فی الحال [مجھے] [اس] پر عمل کرنا ہے جو میں نے سنگیتا کے گھر سے نکلتے ہو[ئے] [طے] [کیا] [تھا]! وہ فیصلہ یہ تھا کہ اب لگے ہاتھوں مشتاق چنگیزی [سے] [بھی] دو دو ہاتھ کر ڈالے جائیں۔

میری کار تیز رفتاری سے فاصلہ طے کرتی رہی۔ اسپورٹس نے میرا تعاقب جاری رکھا۔

میں نے مشتاق چنگیزی کے بنگلے کے احاطے میں [کار] [روکی] اور پھر اتر کر برآمدے میں پہنچی۔ اسی وقت دروازہ [کھلا] [اور] ایک ملازم باہر نظر آیا۔ غالباً اس نے میری گاڑی کی آواز سن لی ہوگی۔

"تمھارا صاحب گھر پر ہے؟" میں نے اُسے گھور[تے] ہوئے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں" ملازم نے بڑی معصومیت سے جوا[ب] [دیا] "میں دیکھ کر آتا ہوں۔ آپ یہیں رکیں!"

"سنو!" میں منہ بنا کر بولی "تمھارے اس [...] مجھے یقین دلا دیا ہے کہ وہ گھر میں ہی موجود ہے۔ تم اس [سے] [کہو] کہ میں اس سے ایک سودا کرنے آئی ہوں۔ اگر وہ چاہتا [ہے] [کہ] اس کا ماموں اسے واپس مل جائے تو وہ مجھ سے ضرور ملے"

ملازم کوئی جواب دیے بغیر لوٹ گیا لیکن وہ اند[ر] [سے] دروازہ بولٹ کرنا نہیں بھولا تھا۔ میں منہ بنا کر رہ گئی اور برآمدے میں ٹہلنے لگی۔ اس کا تو مجھے یقین تھا کہ وہ مجھ سے مل[ے] [گا]۔

[...] میں نے صادق حبیب کا حوالہ دے کر اُس کی [...] [د]ُکھتی رگ پر ہا[تھ] تو رکھ دیا تھا۔

[تھوڑی] [دیر] [بع]د وہ ملازم واپس آیا اور بولا "تشریف لائیے!"

[میں] [ڈرائ]نگ روم میں پہنچی جہاں مشتاق چنگیزی میرا [...]

[...]!" وہ مجھے گھورتا ہوا بولا "تو میرے ماموں کو [...] [و]الی تم ہو؟"

"[...] نہیں ہے" میں نے بڑے سکون سے کہا "تاہم اگر تم [میری] [...] [ب]ات پر یقین نہ کرو تو میری صحت پر کوئی اثر [نہیں] [پڑے] [گا]"

"[تم] [ک]یا چاہتی ہو؟"

"[حق]ائق کا علم"

"[کون] [سے] [حق]ائق؟"

"[ت]م [...] [...]ک غاصب کیسے بن سکے؟"

"[میں] [...] غاصب نہیں ہوں" مشتاق چنگیزی بپھرنے لگا۔ "[میرے] پاس جو کچھ ہے..."

"[...] میرا حق ہے" مشتاق چنگیزی نے میری بات کاٹتے [ہوئے] [کہا] "[...] اور ہر شخص کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اگر اس کا حق نہ [ملے] [تو] اسے چھیننے کی کوشش کرے۔ اگر میں اپنا حق چھیننے [میں] [کامیا]ب ہو گیا ہوں تو یہ کوئی جرم نہیں ہے"

"[...] [ا]تنا بپھرنے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر مشتاق چنگیزی!" [میں] [...] [...]کر بولی "ٹھنڈے دل و دماغ سے بات چیت کرو۔ [اگر] [تم] [اپنے] ماموں کی واپسی چاہتے ہو تو تمھیں بتانا پڑے گا [کہ] [...] [...]ں دولت پر تمھارا حق کیسے ہو گیا؟"

[اس] [س]ے پہلے کہ مشتاق چنگیزی کوئی جواب دیتا برآمدے [سے] ایک دہاڑتی ہوئی آواز سنائی دی "ہٹ جاؤ [میرے] [ر]استے سے!"

[می]ں اور مشتاق چنگیزی چونک پڑے۔ وہ آواز رام لال [کی] [تھی]۔ [...] [...]سے غالباً مشتاق چنگیزی کے ملازم نے روکنے کی [کوشش] [...]کی ہوگی لیکن وہ اسے روکنے میں ناکام رہا۔ دروازہ ایک [جھٹک]ے کے ساتھ کھلا اور رام لال دندناتا ہوا اس شان سے [اندر] [آیا] [...]کہ اس کے دائیں ہاتھ میں پستول تھا۔

"[...] [...]" [و]ہ اندر آتے ہی گرجا "تم دونوں میں سے [کوئی] [ب]ھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے"

مشتاق چنگیزی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

"مجھے تم سے کوئی خاص شکایت نہیں ہے" رام لال نے مجھ سے کہا "اس لیے میں تم سے کچھ نہیں کہنا چاہتا لیکن اس کمبخت سے آج مجھے فیصلہ کرنا ہی ہوگا" رام لال کی خون اگلتی ہوئی آنکھیں مشتاق چنگیزی پر جم گئیں۔

"تم...." مشتاق چنگیزی نے کہا "تم شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر میرے پاس آئے ہو!"

"حرام زادے!" رام لال نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "آخر آج مجھے یقین آ ہی گیا کہ ناجائز خون کا لوتھڑا ہمیشہ نیچ ثابت ہوتا ہے۔ میں نے اپنی ساری زندگی کی کمائی تجھے سونپ دی لیکن تو نے میری زندگی کے اس داغ کو لوگوں پر آشکارا کر ہی دیا"

"نن... نہیں... تم..." مشتاق چنگیزی کی زبان میں لکنت تھی۔

"میں یہاں کچھ سننے نہیں، فیصلہ کرنے آیا ہوں۔ کھیل ختم کرنے آیا ہوں" رام لال نے کہا اور پستول کا ٹریگر دبا دیا۔

کمرے میں دھماکے کی آواز گونجی اور مشتاق چنگیزی کی پیشانی سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ رام لال کا نشانہ بہت سچا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"تمھیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اے عورت!" رام لال نے بڑے سکون سے کہا "مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے، بلکہ مجھے اُمید ہے کہ میرے بعد تم میری بچی کا خیال رکھ سکو گی۔ میں نہیں چاہتا کہ اس حرام زادے کے قتل کے سلسلے میں تم کسی پریشانی کا شکار ہو اس لیے میں تمھیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری جیب میں اعتراف نامہ موجود ہے"

رام لال کے آخری فقرے سے میں سمجھ گئی کہ اب وہ کیا کرنے والا ہے لیکن میں اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ اسے اس کے اقدام سے باز رکھ سکتی۔ رام لال نے پستول کی نال اپنی پیشانی پر رکھی اور ٹریگر دبا دیا۔

اِدھر صوفے پر مشتاق چنگیزی کی لاش لڑھکی اور اُدھر رام لال فرش پر ڈھیر ہوا۔

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہو گیا تھا کہ میں ایک بے بس تماشائی بنی رہ گئی تھی لیکن جب یہ خوفناک کھیل اپنے انجام کو پہنچ گیا تو میں بڑی تیزی سے حرکت میں آگئی۔ میں نے آگے پہنچ کر دروازہ اندر سے

بند کرلیا۔ گولیوں کی آوازوں نے مشتاق چنگیزی کے ملازموں کو شاید خوف زدہ کردیا تھا اور وہ فوراً اِدھر نہیں آئے مگر اُن کے آنے کا احتمال تھا اور اسی لیے میں اُن کی آمد سے قبل کچھ کام کرلینا چاہتی تھی۔ میں نے رام لال کی جیبوں کی تلاشی لی اور مجھے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی۔ وہ رام لال کا اعتراف نامہ تھا۔

اِس اعتراف نامے کے مطابق دوبئی میں شائستہ حبیب نامی ایک لڑکی سے رام لال کے ناجائز تعلقات تھے۔ رام لال اس سے شادی بھی کرلیتا مگر اچانک اسے شبہ ہوا کہ شائستہ حبیب کسی جرائم پیشہ گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ پھر رام لال کو یہ اندازہ بھی ہوا کہ شائستہ کا تعلق بین الاقوامی تنظیم مافیا سے ہے۔ یہ بات معلوم ہونے کے بعد رام لال، شائستہ حبیب سے قطع تعلق کرلینا چاہتا تھا لیکن اِس دوران میں شائستہ حاملہ ہوچکی تھی۔ رام لال نے چاہا کہ اسقاط ہوجائے لیکن شائستہ اس کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ پھر اُسی دوران میں کسی نے شائستہ کو قتل کردیا۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ شبہ رام لال کی طرف جارہا تھا۔ رام لال کسی نہ کسی طرح خود کو قانون کی گرفت سے بچاتا رہا لیکن بالآخر اسے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ دوبئی سے فرار ہوجائے۔ اس نے اپنے اس فیصلے پر عمل بھی کیا اور کراچی آکر ایک خوشگوار زندگی گزارنے لگا لیکن برسہا برس کے بعد اس کی زندگی کا سکون اُس وقت تہ و بالا ہوگیا جب اُس کا گناہ مشتاق چنگیزی کی صورت میں اس کے سامنے آیا۔

مشتاق چنگیزی کے پاس رام لال کا ایک خط تھا جو شائستہ حبیب کو لکھا گیا تھا۔ اگر اس خط کی تشہیر کردی جاتی تو رام لال کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاتا۔ اس کے علاوہ رام لال پر قتل کا الزام بھی آتا تھا۔ اِس صورتِ حال نے رام لال کو بوکھلا دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ مشتاق اسے بلیک میل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے رام لال سے اس کا سب کچھ چھین لیا اور رام لال دَم سادھ کر رہ گیا۔ وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا۔ اسے یہ بات تو منظور تھی کہ وہ فاقے کر کر کے مرجائے لیکن وہ کسی قسم کی بدنامی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ مشتاق چنگیزی نے اس کا راز فاش کردیا ہے، تو وہ مشتعل ہوگیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ مشتاق کو قتل کردے گا۔

اپنے اعتراف نامے کے آخر میں رام لال نے پولیس سے درخواست کی تھی کہ اس کے اِس معاملے کی تشہیر نہ کی جائے تاکہ لوگ اس کی معصوم بیٹی کو ایک بڑے آدمی کی بیٹی کی حیثیت سے شناخت نہ کریں۔

اس کے علاوہ رام لال نے یہ درخواست بھی ا
کاروبار اور روپیا پیسا قانونی طور پر اس کی ا
ہے اور پولیس کا فرض ہے کہ وہ ایک بے سہا
حق واپس دلائے۔

یہ اعتراف نامہ پڑھنے کے بعد میں نے اسے ا
جیب میں رکھا اور تیزی سے ٹیلیفون کی طرف بڑھی،
کہ اب تک رضیہ وغیرہ ڈیفنس پہنچ چکے ہوں گے
اٹھایا اور اپنے گھر کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف
لمحے بعد ریسیور اٹھایا گیا اور آواز سنائی دی "ہیلو،
"رضیہ!" میں اس کی آواز شناخت کرکے بولی
لوگ خیریت سے منتقل ہوگئے ہو؟"

"جی ہاں، اور یہاں سنگیتا آپ کا انتظار کر رہی
ابھی ابھی یہاں پہنچی ہے اور آپ سے ملنے کے لیے بے
"تم سنگیتا کو کیسے جانتی ہو؟"
"مجھے اس کے بارے میں رضوان نے بتایا ہے"
"اس نے بتایا کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟"
"وہ رضوان کو بتا رہی تھی کہ آپ اس سے ... تا ہی
نہیں لیکن آپ دونوں میں تیز کلامی ہوگئی اور آپ اس
چلی گئیں لیکن آپ کی رخصت کے ذرا دیر بعد رام لال
سے کہا کہ وہ غلطی کر بیٹھا ہے، اسے بانو سے گفتگو کرلینا چا
پھر اس نے سنگیتا سے کہا کہ وہ جا کر بانو کو بلا لائے چنا
آپ کو لینے کے لیے آئی ہوئی ہے۔"

رضیہ کے اس جواب سے میں سمجھ گئی کہ اصل بات کیا
دراصل میری رخصت کے بعد رام لال نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ
چنگیزی کو قتل کردے گا لیکن اسے یہ احساس بھی تھا کہ
اشتعال کے عالم میں ہے اس لیے سنگیتا اسے کہیں نہ
دے گی۔ اسے گھر سے ٹالنے کے لیے رام لال نے یہ چال چلی
میرے گھر بھیج دیا۔

"ہیلو باجی!" رضیہ نے مجھے پکارا۔

"آں... ہاں!" میں اپنے خیالات سے چونکی اور پھر
کہا "سنو رضو! جسٹس صاحب بھی تم لوگوں کے ساتھ
"جی ہاں"
"اچھا تو ایسا کرو کہ انھیں رضوان کے ساتھ مشتاق چنگیزی
کے گھر بھیج دو۔ میں یہیں ان کی منتظر ہوں"

ہاں وہاں کیا کر رہی ہیں؟" رضیہ نے چونک کر پوچھا۔
ماں کھیل ختم ہوچکا ہے"
یا مطلب؟"
ر تفصیل سے بتاؤں گی۔ فی الحال تم نہیں کرو جو میں
سنگیتا کو روکے رکھو۔ اس سے کہنا کہ میں ایک گھنٹے میں
ا رہی ہوں۔ وہ میرا انتظار کرے"
ا ن دیر تک اُلجھن کا شکار رہوں گی"
اطمینان سے بیٹھو" میں نے کہا اور سلسلہ منقطع کردیا۔
وقت کوئی زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا۔
ہے؟" میں نے چونک کر بلند آواز میں پوچھا لیکن
تھی کہ وہ پولیس ہوگی کیونکہ میں نے وزنی جوتوں کی دھمک
۔

لے اُٹھ کر دروازہ کھولا اور ایک انسپکٹر کئی سپاہیوں کے
گھستا چلا آیا۔ ان سپاہیوں کے علاوہ ایک سب انسپکٹر بھی
لوں نے مشتاق چنگیزی اور رام لال کی لاشوں پر نظریں ڈالیں
لیے گھورتا ہوا بولا "آپ ان دو لاشوں کے ساتھ کمرے
بیٹھی ہوئے کیا کر رہی تھیں؟"
لوگوں کا انتظار" میں نے بڑے سکون سے کہا اور ایک
بیٹھی۔
اپ کا نام؟"
صبیحہ بانو"
سُن کر سارے ہی پولیس والے اُچھل پڑے اور اس سے
ہوا کہ میں سارے محکمۂ پولیس میں مشہور ہوتی جارہی تھی۔
لپ... آپ صبیحہ بانو ہیں؟" انسپکٹر کے مُنہ سے نکلا۔
پ کو اس میں تعجب کیوں ہے؟"
آپ وہی ہیں جو پولیس کو مطلوب ہیں"
سوسا ایس پی جعفر کو!" میں نے زہر خند کیا "اگر آپ
میں اطلاع کردیں"
وہ تو کرنا ہی پڑے گی" انسپکٹر نے کہا اور پھر سب انسپکٹر
اب ہوا "تم ایس پی صاحب سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرو"
س کے بعد انسپکٹر اپنے سپاہیوں کو ہدایات دینے لگا کہ ان لاشوں
میں کیا کچھ کرنا ہے۔
میں خاموشی سے ان کی تفتیش کا انداز دیکھتی رہی۔ مجھے صرف
لوا بشیر کی آمد کا انتظار تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ان کے آنے کے بعد

یہ پولیس والے مجھے روکنے کی ہمت نہیں کرسکیں گے۔ میں چاہتی تھی کہ اب جلد از جلد اپنے گھر پہنچ کر سنگیتا سے ملاقات کرلوں۔ اسے رام لال کی موت کی اطلاع میں خود دینا چاہتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ یہ صدمہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگا اور اس عالم میں اُس کو صرف میں ہی سنبھال سکتی تھی۔

رضوان، جسٹس بشیر کو لے کر بہت جلد وہاں پہنچ گیا، میری توقع سے بھی زیادہ جلدی!... اور جسٹس بشیر کو دیکھ کر پولیس والے بوکھلا گئے۔ پھر ان کی بوکھلاہٹ میں گھبراہٹ بھی شامل ہوگئی جب جسٹس صاحب کسی اور سے مخاطب ہونے کی بجائے سیدھے میری طرف آئے اور پوچھنے لگے "یہ کیا معاملہ ہے؟"

دوسری طرف رضوان کسی قدر سکتے کی سی حالت میں رام لال اور مشتاق چنگیزی کی لاشوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ سب کچھ اس کے لیے بھی انتہائی غیر متوقع اور دھچکا پہنچانے والا ثابت ہوا ہوگا۔

میں جسٹس بشیر کی بات کے جواب میں کھڑی ہوگئی اور بولی "ہم کسی دوسرے کمرے میں چل کر گفتگو کریں گے"

"چلیے!" جسٹس بشیر نے کہا اور پھر ایک دَم مُڑ کر انسپکٹر سے کہا۔ "آفیسر! آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

"نو سر!" انسپکٹر الرٹ ہوگیا۔

"شکریہ" جسٹس بشیر نے کہا اور پھر وہ میرے ساتھ برابر والے کمرے میں آگئے۔

میں نے دھیمی آواز میں انھیں ساری بات بتائی اور اس اعتراف نامے کا لبِ لباب بھی سنا دیا جو میں رام لال کی جیب سے نکال کر پڑھ چکی تھی۔

"تو یہ معاملہ ہے!" جسٹس بشیر کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"جنابِ والا!" میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ آپ نے سارے معاملے کو سمجھ لیا ہوگا۔ اب میرے ذہن میں صرف یہ ایک اُلجھن باقی رہ گئی ہے کہ مشتاق چنگیزی نے صادق حبیب کو پاگل کیوں بنا رکھا تھا۔ غالباً یہ عقدہ اسی وقت کھل سکے گا جب صادق حبیب ذہنی طور پر درست ہوجائے"

جسٹس بشیر متفکرانہ انداز میں سر ہلا کر رہ گئے۔

"دوسری بات یہ کہ آپ نے سنگیتا کو تو دیکھ ہی لیا ہوگا!" میں بولی۔

"ہاں، وہ گھر پر آپ کی منتظر ہے"

"باپ کی خودکشی کی خبر اس کے لیے انتہائی ہولناک ہوگی۔ میں چاہتی ہوں کہ جاکر خود اسے بتاؤں اور اسے سنبھالوں۔ کیا یہ پولیس والے

مجھے جانے دیں گے؟"

"کیا یہ لوگ آپ کا بیان لے چکے ہیں؟"

"ابھی تو نہیں لیا!"

"خیر کوئی بات نہیں! وہ بعد میں بھی لیا جا سکتا ہے۔ آئیے!"

ہم واپس ڈرائنگ روم میں آئے اور جسٹس بشیر نے انسپکٹر سے کہا۔ "یہ ذرا اپنے گھر جا رہی ہیں۔ آپ ان کا بیان بعد میں لے لیجیے گا۔"

"لیکن... سر...!" انسپکٹر کچھ کہتے ہوئے ہچکچا گیا۔

"دراصل۔" میں نے جسٹس بشیر سے کہا۔ "ان کو معلوم ہے کہ ایس پی جعفر صاحب میری تلاش میں ہیں۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں آفیسر!" جسٹس بشیر نے انسپکٹر سے کہا۔ "میں اس سلسلے میں آپ کے ایس پی صاحب سے گفتگو کر چکا ہوں۔ وہ ان صاحب کو لینے گئے ہوئے ہیں جنھوں نے بانو صاحبہ کے خلاف رپورٹ کرائی تھی۔ میں خود اس معاملے پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے سر!" انسپکٹر نے سعادت مندی سے کہا۔ "جیسا آپ مناسب سمجھیں، ویسا کریں۔"

"آپ جائیے!" جسٹس بشیر نے مجھ سے کہا۔

میں بہت تیزی کے ساتھ وہاں سے نکلی اور کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی۔ پھر جیسے ہی میں نے عقب نما آئینے میں ٹریفک کا جائزہ لیا، میری نظر اس سرخ اسپورٹس پر پڑی۔

اوہ! میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ یہ کمبخت تو میرے لیے ایک مستقل خلش بن کر رہ گیا ہے۔ آخر یہ ہے کون؟ کیوں نہ پہلے اسی سے نپٹ لیا جائے!

میں نے فیصلہ کیا اور فوراً بریک لگا کر گاڑی روک دی۔

میری گاڑی کے رکتے ہی سرخ اسپورٹس بھی کچھ فاصلے پر رک گئی تھی۔ میں نے اپنی گاڑی کے شیشے چڑھاتے ہوئے عقب نما آئینے پر نظر رکھی۔ مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ نوجوان اپنی کار سے اترنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ میں اپنی گاڑی کو لاک کر کے چابی کے چھلے کو اپنی انگلی پر گھماتی ہوئی، سرخ اسپورٹس کی طرف بڑھی۔ میں اس وقت ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح چوکس تھی لیکن ... ہوں کہ میرے چہرے سے اطمینان ہی کا اظہار ہو ... قدم اٹھا رہی تھی جیسے اچانک کسی واقف کار کو دیکھ کر رہی ہوں۔

اس وقت اس سڑک پر ٹریفک برائے نام ... ا ... دکا ہی نظر آ رہے تھے۔

سرخ اسپورٹس میں بیٹھے ہوئے نوجوان نے ...

... ہی ہوں تو وہ کچھ مضطرب ہو گیا۔ اس کے ...

... نی ظاہر ہونے لگی۔ وہ غالباً اتنا گھبرا گیا ...

... ہی نکلتا لیکن میں نے اسے انجن اسٹارٹ کرنے ...

... میں اب اس کی کھڑکی پر جھکی، اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہو ...

... سے پوچھ رہی تھی۔ "کیا بات ہے پیارے لڑکے! کیا تمہیں ...

کا ... یا تم کسی اور کی ہدایت پر میرے پیچھے لگے ہو؟"

"جی... جی نہیں تو...!" وہ گھبرا کر بولا۔ "میں تو ...

... لگا... آپ کو... آپ کو غلط فہمی... ہو ...

"ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔" میں نے بڑے اطمینان ... ہوئے کہا۔ "تو پھر شاید یوں ہو گا کہ میں ہی تمہارے آگے آگے ... ... خیال ہے؟"

"جی... جی میں... کیا عرض کر سکتا ہوں۔" نوجوان ... اب پسینے کی چمک نظر آنے لگی تھی۔ حالانکہ موسم گرم نہیں تھا۔

"بہتر ہو گا کہ تم اپنی گاڑی سے اتر آؤ۔" میں نے ... میں سختی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "تاکہ ہم اطمینان سے گفتگو کر سکیں۔"

نوجوان کے انداز سے ہچکچاہٹ صاف ظاہر تھی مگر اس ... لیا ہو گا کہ میری بات ماننے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ ... کھولنے لگا تو مجھے ذرا سا پیچھے ہٹنا پڑا۔ وہ کار سے اتر آیا۔ قریب ... سے دو ایک راہگیروں نے معنی خیز نظروں سے ہماری طرف دیکھا ... اور آگے نکلتے چلے گئے۔

نوجوان جب کار سے اتر آیا تو میں نے گہری نظر سے اس کا ... لیا۔ وہ کسرتی جسم اور چھ فٹ سے کم قد کا مالک تھا۔ اس کے بشرے سے ذہانت مترشح تھی اور وہ کسی شریف گھرانے کا فرد معلوم ہوتا تھا۔ میرے سامنے کھڑا مجھ سے نظر چرانے کی کوشش کرتا رہا۔

"تو تم میرا تعاقب نہیں کر رہے تھے؟" میں نے اسے گھور ... سرد لہجے میں سوال کیا۔

"کر رہا تھا۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

... رک گئی۔ اس کا یہ جواب میرے لیے غیر متوقع تھا۔ نوجوان ... سامنے کھڑا تھا جیسے "اعترافِ جرم" کے بعد شرمندہ ہو۔

"..." میں نہ جانے کیا کہتے کہتے رک گئی۔ وہ اس لمحے مجھے کچھ ... نظر آنے لگا۔

"... آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔" نوجوان نظر جھکائے، بھرائی ... آواز میں بولا۔ "غالباً مجھے یہ ناشائستہ حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ کیا ... کر دیں گی؟"

"... تم نے ایسا کیا ہی کیوں؟"

"... بد تھا۔"

"..." میں چونک پڑی۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر یہ خیال ... کسی اور نے میرے پیچھے لگایا ہے۔

"..." وہ بدستور دھیمے لہجے میں بولا۔

"... کس نے مجبور کیا تھا؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"... دل نے۔"

... میں حیرت سے منہ پھاڑ کر اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

... وہ نظر جھکائے کھڑا رہا۔

... چند لمحے بعد غرائی۔ "اپنی بات کی وضاحت کرو۔"

"... یا وضاحت کروں!" نوجوان نے ٹھنڈا سانس لیا اور سر اٹھا ... کر گھورتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی تک خود بھی اپنے جذبے کو ... نہیں سمجھ سکا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو دیکھ کر مجھے ... بس ایک آگ سی لگی ہوئی ہے دل میں! میں اس آگ کی ... طور پر نہیں سمجھ سکا ہوں لیکن شاید یہ وہی بات ہو جو شیفتہ ... کہ کر اس نے شعر پڑھا۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ

اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

میں اس طرح بوکھلا کر ایک قدم پیچھے ہٹی جیسے نوجوان نے ... کہ میرے ماتھے پر دُم نکل آئی ہے۔

... اس نے میری بوکھلاہٹ پر توجہ نہیں دی یا شاید اسے محسوس ... وہ خلا میں گھورتا ہوا بھرائی ہوئی سی آواز میں بولتا رہا۔

"... آپ کو اپنے گھر کے سامنے والے گھر میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ ... آپ کی چھوٹی بہن نے کرائے پر لیا ہو گا۔ میں نے آپ کو ایک کھڑکی ... میں تھا اور آپ کو دیکھتے ہی... میرا وجود... میرا وجود... جیسے... ایک بے تاب شعلہ بن کر رہ گیا تھا... اگر واقعی محبت ہو گئی ہے تو اس پر حیران ضرور ہوں۔ آپ عمر میں مجھ سے بڑی ہیں۔ اگر مجھے محبت ہونا ہی تھی تو آپ کی چھوٹی بہن سے ہونا چاہیے تھی جو آپ کی تقریباً ہم شکل ہیں۔ آخر آپ ہی کو دیکھ کر میرے دل سے دھواں کیوں اٹھا؟"

مجھے یوں لگا جیسے وہ نوجوان مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں اسے گھورتی ہوئی بولی۔ "تم ایک اچھے اداکار معلوم ہوتے ہو۔"

اس وقت میں نے نوجوان کے چہرے پر کرب کے آثار دیکھے اور پھر وہ گلوگیر سی آواز میں بولا۔ "میں آپ سے درخواست کروں گا کہ میرے جذبے کی پزیرائی کیجیے یا نہ کیجیے لیکن خدا کے لیے اسے جھوٹا قرار دے کر مجھے اذیت نہ پہنچائیے!"

میں عجیب سی نظر سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ مجھے اس پر حیرت بھی ہو رہی تھی اور غصہ بھی آ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے۔" نوجوان پھر بولا۔ "مجھے اپنے دل سے شک دُور کر لینا چاہیے۔"

"کیسا شک؟" میں بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"یہی کہ میرے جذبے کی نوعیت کیا ہے۔" نوجوان نے کہا۔ "اس کے سوا یہ کچھ نہیں ہو سکتا کہ مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔"

"ہوں!" میں ہونٹ بھینچ کر اسے گھورنے لگی۔ "تم اب بھی فیڈر سے دودھ پیتے ہو یا تمھارے دودھ کے دانت ٹوٹ چکے ہیں؟"

"آپ جس طرح چاہیں میرا مذاق اڑائیں، میرے جذبے میں اب کوئی فرق نہیں آ سکتا۔" نوجوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "یہ بات تو ابھی میں خود ہی کہہ چکا ہوں کہ میری اور آپ کی عمر میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔ آپ مجھ سے بڑی ہیں لیکن دنیا میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔"

اس سے پہلے کہ وہ میرا وقت برباد کرنے کے لیے مثالیں بھی بیان کرنا شروع کرتا، میں ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "سنو! تمھارا نام کیا ہے؟"

"ابریز۔"

"ابریز؟ بڑا عجیب نام ہے!"

"میری ماں ایک عرب خاتون تھیں۔ میرا نام انھی نے رکھا تھا اور وہ میری بہت کم عمری میں انتقال کر گئیں۔"

"اور تمھارے والد؟"

"وہ فیڈرل گورنمنٹ میں سیکریٹری ہیں۔"

میں اس سے یہ بھی پوچھنا چاہتی تھی کہ "کس محکمے کے سیکریٹری ہیں؟" لیکن پھر اچانک مجھے وقت کے ضیاع کا خیال آیا۔ مجھے جلد از جلد اپنے گھر پہنچنا تھا جہاں سنگیتا میری منتظر تھی۔

ابریز کی شخصیت ابھی مجھ پر واضح نہیں ہو سکی تھی لیکن اس مسئلے کو میں

نے پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھنا مناسب سمجھا۔ میں نے واپسی کا قصد کیا اور بولی: "تمھاری احمقانہ باتوں نے میرے دماغ کو خاصا پراگندہ کر دیا ہے۔ بہرحال اب میں جا رہی ہوں۔ یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے میرے تعاقب کا سلسلہ جاری رکھا تو میں تمھیں تمھاری محبت سمیت جہنم رسید کر دوں گی!"

ابریز مجھے خالی خالی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے چہرے پر یاسیت محسوس کی اور جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔ کیا واقعی یہ نوعمر لڑکا مجھ سے محبت کرنے لگا ہے؟

میں اپنے ذہن میں اس سوال کو لیے ہوئے ایک جھٹکے سے مڑی اور اپنی کار کی طرف بڑھی۔ میں نے چابی سے دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اتنی زور سے دروازہ بند کیا جیسے ٹرک کا دروازہ بند کرتے ہیں۔ میں اس وقت کچھ ایسی ہی ذہنی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ یوں تو بہت سے مردوں نے مجھے بعض اوقات بیوقوف بنانے کی کوشش کی تھی لیکن اس نوجوان کا اظہارِ محبت میرے لیے ایک سنسنی خیز تجربہ تھا۔

کار اسٹارٹ کر کے میں نے اسے تیزی سے دوڑا دیا اور عقب نما آئینے پر نظر رکھی۔ کچھ دیر بعد مجھے یقین ہو گیا کہ وہ نوجوان میرے تعاقب میں نہیں ہے جس نے اپنا نام ابریز بتایا تھا۔

جب میں گھر پہنچی تو رضیہ اور سنگیتا، ڈرائنگ روم میں میری منتظر تھیں۔ سنگیتا مجھے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔ رضیہ مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ پر سوالات کی بوچھار کر رہی ہو لیکن میری لب کشائی سے پہلے ہی سنگیتا بول پڑی۔ "بانو! میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ آپ فوراً میرے ساتھ چلیں!"

"کہاں؟" میں نے اس سے پوچھا اور رضیہ کو اشارہ کیا کہ ڈرائنگ روم سے چلی جائے۔

"میرے گھر!" سنگیتا نے مجھ سے کہا۔ "مجھے خوب احساس ہے کہ پتاجی کا رویہ آپ کے لیے بہت اہانت آمیز تھا جس کے بعد آپ دوبارہ وہاں جانا پسند نہیں کر سکتیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اب ایسا نہیں ہو گا۔ پتاجی بہت شرمندہ ہیں۔ اب صورتِ حال بدل چکی ہے۔"

صورتِ حال واقعی بہت بدل چکی تھی لیکن سنگیتا کو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ رام لال نے خودکشی کر لی تھی اور خودکشی کرنے سے پہلے وہ مشتاق چنگیزی کو قتل کر چکا تھا۔ سنگیتا ان باتوں سے بے خبر تھی اور مجھے اپنے گھر لے جانا چاہتی تھی۔

"بیٹھ جاؤ!" میں نے آہستگی سے سنگیتا کے شانوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

رضیہ ڈرائنگ روم سے جا چکی تھی۔

"بانو! میں۔۔۔!" سنگیتا نے کہنا چاہا۔

"بیٹھو تو!" میں نے اس کی بات کاٹ دی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ سنگیتا بدستور کھڑی رہی تھی۔ [میں نے اس] کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور اسے اپنے برابر میں بٹھا لیا۔

"بانو!" سنگیتا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "[میں آپ کو یقین] دلاتی ہوں کہ اب آپ پتاجی کے رویّے کو بُرا [محسوس نہیں کریں گی]۔ وہ آپ کے بارے میں بہت شرمندہ ہوئے تھے۔"

"انھوں نے تم سے کیا کہا تھا کہ تم یہاں دو[ڑی چلی آئیں]؟"

"وہ کچھ دیر تو سوچ میں ڈوبے رہے تھے اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ وہ اپنی اس غلطی پر پشیمان [ہیں۔ انھوں نے] مجھے ہدایت کی تھی کہ میں فوراً آپ کو لے کر آؤں اور ان[کی معذرت پیش] کرتے ہوئے آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ اب وہ آپ کے [ہر کام کے] لیے تیار ہیں۔"

"ہوں!" میں نے سر ہلایا۔ "میرا بھی یہی خیال تھا کہ انھوں نے کچھ اسی قسم کی باتیں کہی ہوں گی!"

"آپ کو یہ خیال کیسے آ گیا؟" سنگیتا حیرت سے بولی۔

"حالات کی بنا پر!"

"کیسے حالات؟"

میں فوراً کچھ نہ کہہ سکی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ [میں سنگیتا] کو اس کے باپ کی موت کے بارے میں کیسے بتاؤں۔ میرا [خیال تھا کہ] وہ خبر سن کر پچھاڑیں کھانے لگے گی۔ میں نے ٹھنڈا سانس [لے کر کہا:] "مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت تمھیں ایک ناخوشگوار اطلا[ع دینے پر] مجبور ہوں!"

"ناخوشگوار!" سنگیتا کے منہ سے نکلا اور اس کے چہرے [کی رنگت] بدل گئی۔ اس نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ میرے شانو[ں پر رکھ دیے] اور کانپتی ہوئی آواز میں بولی: "کیا ہوا بانو! کیا اطلاع ہے آپ [کے پاس؟]"

"ایک ایسی اطلاع جس سے تمھیں صدمہ پہنچے گا!" میں نے [ٹھنڈا سانس] لیا۔

"آپ تمہید کیوں باندھ رہی ہیں!" سنگیتا نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"اگر سوچو تو یہ ساری زندگی ایک تمہید ہی تو ہے!" [میں نے دیوار] پر آویزاں ایک پینٹنگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "اس تمہید [کے بعد] اصل کہانی شروع ہوتی ہے۔ صرف موت ہی ایک اٹل حقیقت [ہے۔] کائنات کی ہر ذی روح شے اس کی تمہید جو قدرت نے باندھ[ی ہے۔]"

"بانو!" سنگیتا نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "[میرے] دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی ہیں۔ آپ جو ناخوشگوار اطلاع [دینے آ]ئی ہیں وہ مجھے جلد از جلد سنا دیجیے!"

"تم بڑی سے بڑی اطلاع ہمت سے سن سکو گی؟" میں نے اس کی آنکھوں [میں] دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں کوشش کروں گی!" سنگیتا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"وعدہ کرو کہ تم خود کو سنبھالنے کی پوری کوشش کرو گی!"

"میں وعدہ کرتی ہوں!" سنگیتا کی آواز کانپنے لگی۔

میں اتنی باتیں محض اس لیے کر رہی تھی کہ سنگیتا وہ بُری خبر سننے کے [لیے ذ]ہنی طور پر کچھ آمادہ ہو جائے۔ ویسے یہ بات بھی طے ہے کہ اس قسم کی [اطلاع کو] کوئی شخص بھی پورے صبر و تحمل سے نہیں سن سکتا۔ ایسے غیر متوقع [حادث]ات انسان کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں پھر بھی یہ ضروری ہے کہ ایسی [اطلاع] سنانے سے پہلے خبر سننے والے کو کسی حد تک آمادہ کر لیا جائے۔

میں نے اپنا ایک بازو سنگیتا کی گردن میں حمائل کر دیا اور اس کی [آنکھو]ں میں دیکھتی ہوئی بولی: "جان! میں اس وقت ایک لاش دیکھ کر آ[رہی] ہوں۔ ایک مقتول شخص جو تمھارا ناجائز بھائی تھا!"

سنگیتا پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

میں نے وضاحت کی: "مشتاق چنگیزی تمھارا ناجائز بھائی تھا سنگیتا! [تمھ]ارے باپ نے اس راز کو چھپانے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا [تھ]ا مگر جب انھوں نے محسوس کیا کہ ان کے سارے کیے کرائے پر پانی پھر [گیا]ہے اور بدنامی ان کا مقدر بن گئی ہے تو انھوں نے مشتاق چنگیزی کے [گھر جا]کر اُسے گولی مار دی!"

"نہیں!" سنگیتا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"ہاں جان!" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا: "انھوں نے تم کو گھر [سے ہٹ]انے کے لیے میری طرف بھیج دیا۔ وہ آخری وقت تک اس بات کے [حق میں] نہیں تھے کہ اس موضوع پر مجھ سے بات کریں۔ ان کا اشتعال اس [حد تک] پہنچ گیا تھا کہ انھوں نے مشتاق چنگیزی کو قتل کر دیا۔ اب تم خود سوچو [یہ]قدم اٹھا کر انھوں نے کتنی بڑی حماقت کی ہے۔ تم کو اس دنیا میں [بے]آسرا چھوڑ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قاتل کو اس کے کیے کی سزا ملتی ہی ہے۔ [تمھ]ارے والد بھی اس بات کو سمجھتے تھے لہٰذا وہ اس سزا سے بچنے کے لیے [ایک] اور قدم اٹھا بیٹھے!"

"ک۔۔۔ کیا!" سنگیتا ہکلائی۔

"انھوں نے۔۔۔ انھوں نے!" میں رک رک گئی۔

"کیا کیا انھوں نے؟" سنگیتا نے میرا ایک شانہ پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"انھوں نے!" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا: "خودکشی [کر لی!]"

"بانو!" سنگیتا ایک بار پھر چیخ پڑی۔

میں نے اُسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا ورنہ وہ مچل کر اٹھ [کھڑی] ہوتی اور عین ممکن تھا کہ دیوار سے سر ٹکرانے لگتی۔

"چندا!" میں اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھتی ہوئی بولی: "تم [نے] مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہمت سے کام لو گی۔ زندگی تو حادثات ہی [سے] عبارت ہے جان! یہ حادثات انسان کو برداشت کرنے ہی پڑتے [ہیں۔] کسی کے ماں باپ بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہتے!"

سنگیتا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ کانپتی ہوئی گلوگیر آواز میں بولی: "نہیں بانو! نہیں! آپ کو بھگوان کی سوگند! کہہ دیجیے [کہ] آپ نے جھوٹ کہا ہے!"

"نہیں جان! میں تم سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی!"

سنگیتا بلک بلک کر رونے اور اپنا سر اِدھر اُدھر پٹخنے لگی۔ اگر [میں] نے اُسے اپنی گرفت میں نہ لے رکھا ہوتا تو وہ اپنا نہ جانے کیا حشر [کر لیتی۔] اس کی چیخ پکار سن کر رضیہ اور کئی ملازمائیں ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔

"تم سب جاؤ!" رضیہ نے ملازماؤں کو حکم دیا۔

ملازمائیں الجھی ہوئی نظروں سے میری اور سنگیتا کی طرف دیکھتی [ہوئی] ڈرائنگ روم سے چلی گئیں۔ میں نے رضیہ کے چہرے کے تاثرات سے اندا[زہ] لگایا تھا کہ وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑی ہو کر میری اور سنگیتا کی ساری باتیں سن چکی ہے۔ اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا اور [آ]گر سنگیتا کا شانہ تھپکنے لگی۔ سنگیتا تھی کہ مچلی جا رہی تھی اور میں نے اسے بڑی مشکل سے اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔

"چندا۔۔۔ چندا۔۔۔!" میرے منہ سے اب اس کے سوا کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ میں سنگیتا کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے ہونٹوں [سے] جذب کر رہی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے سنبھالنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے؟

اچانک سنگیتا پر غشی سی طاری ہونے لگی اور رضیہ بوکھلا کر بولی:

"کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں باجی؟"

"نہیں، بس ایک گلاس میں پانی منگوا دو!" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور سنگیتا کے جسم کو صوفے پر سیدھا لٹانے لگی کیونکہ وہ بیہوش ہو چکی تھی۔ میں خود قالین ہی پر بیٹھ گئی۔

رضیہ نے آواز دے کر پانی لانے کے لیے کہا اور ایک ملازمہ جلد[ی] سے ایک گلاس اور جگ میں پانی لے آئی۔ اس نے گلاس میں پانی انڈیل [کر] جگ ایک طرف رکھا اور میں نے اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے لیا

میں نے سنگیتا کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور اس کے منہ میں بھی پانی ڈالنا چاہا۔ اس کے دانت بہت سختی سے ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے اس لیے بہت کم پانی اس کے حلق سے اتر سکا اور باقی اس کی باچھوں سے بہہ گیا لیکن وہ ہوش میں آگئی۔ ہوش میں آتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اُٹھی اور چیخ کر بولی: "مجھے پتاجی کے پاس لے چلو!"

میں نے ایک بار پھر اُسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا اور کہا۔ "خود کو سنبھالو سنگیتا جان!"

"میں اپنے پتاجی کے پاس جاؤں گی، بانو!" سنگیتا نے روتے ہوئے کہا۔

"میں تمھیں لے چلوں گی لیکن پہلے تم خود کو سنبھالو!"

"میں ... میں ... ٹھیک ہوں ... بالکل ٹھیک ہوں۔"

لیکن وہ بالکل غلط کہہ رہی تھی۔ اُس کا انداز قطعی مجنونانہ تھا۔ میں اس سے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ رضیہ نے جلدی سے فون کے قریب جا کر کال ریسیو کی اور پھر پلٹ کر مجھ سے کہا: "رضوان آپ سے بات کرنا چاہتا ہے باجی!"

میں نے رضیہ کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور وہ ریسیور کو کریڈل سے الگ رکھ کر میرے پاس آگئی۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اُس سے کہا کہ وہ سنگیتا کو سنبھالے۔

رضوان کی وہ کال قطعی غیر متوقع تھی لہٰذا میرا خیال تھا کہ وہ ضرور کوئی اہم اطلاع دینا چاہتا ہوگا۔ میں سنگیتا کو رضیہ کے حوالے کر کے فون کے قریب گئی اور ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولی: "ہیلو! بانو اسپیکنگ۔"

"میں مشتاق چنگیزی ہی کے گھر سے بول رہا ہوں۔ ابھی ابھی ظہور پذیر ہونے والے واقعے کی بنا پر میں نے محسوس کیا ہے کہ حالات ایک بار پھر ہمارے لیے ناموافق ہو چکے ہیں۔"

"کیسے؟"

"جسٹس بشیر کے لیے ابھی ابھی ایک فون کال آئی تھی ..."

"وہاں؟" میں رضوان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی تعجب سے بول اُٹھی۔

"ہاں۔" رضوان نے کہا: "یہ واقعی ایک حیرت انگیز بات ہے۔ آخر کسی کو کیسے معلوم ہوا کہ جسٹس بشیر وہاں ہیں اور ... خیر! وہ کال ایسی تھی جس نے جسٹس بشیر کا موڈ بہت خراب کر دیا ہے۔ وہ مجھے بتا رہے تھے کہ انھیں اِس معاملے میں دخل اندازی کرنے سے روکا گیا ہے۔"

"اوہ!" میرے منہ سے نکلا: "کس نے روکا ہے؟"

"یہ تو جسٹس صاحب نے نہیں بتایا لیکن وہ غصّے میں بڑبڑا رہے تھے کہ وہ کل ہی مستعفی ہو جائیں گے۔"

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی ایک ملازمہ ڈرائنگ روم میں آئی اور اس نے بلند آواز میں بتایا کہ پولیس آئی ہے۔

میں نے جلدی سے ماؤتھ پیس میں کہا: "رضوان! انتظار کرو، مجھے پھر فون کرنا۔"

میں نے جواب سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا اور ملازمہ سے پوچھا: "ایس پی جعفر ہے؟"

"جی ہاں۔" ملازمہ نے جواب دیا۔

میرا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ رضوان نے مجھے جو اطلاع دی تھی، اس کا پس منظر کسی حد تک میری سمجھ میں آچکا تھا۔ جسٹس بشیر پر بہت ہی اعلیٰ سطح سے دباؤ ڈالا گیا تھا کہ وہ خود کو اس معاملے سے الگ کر لیں اور وہ دباؤ ڈلوانے والی شخصیت خان آف کالاگوٹ کے سوا اور کون ہو سکتی تھی۔ مجھے اس کا اندازہ شروع ہی سے تھا کہ وہ ایک بارسوخ آدمی ہے اور اس سے ٹکراؤ مجھے ناکوں چنے چبوا سکتا ہے۔ میں نے یہ بات نہیں سوچی تھی کہ وہ اتنی تیزی سے بھی سرگرم ہو سکتا ہے۔

اتنے میں ایک اور ملازمہ ڈرائنگ روم میں آئی۔ اس نے کہا: "پولیس افیسر پوچھ رہا ہے کہ جسٹس صاحب کہاں ہیں؟"

"جسٹس صاحب کو پوچھ رہا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں۔"

اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ ایس پی جعفر ابھی اس صورتِ حال سے باخبر نہیں ہو سکا تھا کہ جسٹس بشیر کو دبا دیا گیا ہے۔

میں نے سنگیتا اور رضیہ کی طرف دیکھا۔ سنگیتا کی آنکھوں سے اشک رواں تھے اور وہ ابھی خود کو پوری طرح نہیں سنبھال سکی تھی۔ اتنی جلدی یہ ممکن بھی نہیں تھا۔

میں ڈرائنگ روم سے نکل کر برآمدے میں پہنچی جہاں ایس پی جعفر اور دوسرے پولیس والے موجود تھے۔ مجھے اُن کے ساتھ ارباب ملک نظر نہیں آیا حالانکہ جسٹس بشیر کی ہدایت پر ایس پی جعفر اُسی کو لینے گیا تھا۔

"فرمائیے!" میں نے ایس پی جعفر کی طرف دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"جسٹس صاحب کہاں ہیں؟" ایس پی جعفر کی آواز بالکل سپاٹ تھی۔

"وہ ذرا آرام کر رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ کیا آپ چنگیزی کو لے آئے؟"

"وہ اس وقت اپنے گھر پر نہیں ہے۔ کہیں گیا ہوا ہے۔"

"ہمیں اسی بات کی توقع تھی۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس صورت میں جسٹس صاحب کا کہنا یہ ہے کہ آپ بھی اپنے گھر تشریف لے جا کر آرام کریں۔ غالباً کل تک سارا معاملہ صاف اور واضح ہو جائے گا۔"

ایس پی جعفر نے مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ اپنے ماتحتوں اور باقی پولیس والوں کو لے کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

ان لوگوں کے جاتے ہی میں تیزی سے ڈرائنگ روم میں لوٹی اور کہا: "رضیہ! مجھے ایک بار پھر روپوش ہونا پڑے گا۔"

"کیوں؟" رضیہ نے چونک کر پوچھا۔

"حالات کچھ ایسے ہی ہو گئے ہیں۔ اعلیٰ سطح سے دباؤ ڈال کر جسٹس بشیر کو بے دست و پا کر دیا گیا ہے۔ ایس پی جعفر کو ابھی اس صورتِ حال کا علم نہیں لیکن جلد ہی ہو جائے گا اور وہ ایک بار پھر مجھ پر چڑھ دوڑے گا۔ یہ سب کچھ ہونے سے پہلے مجھے ایک بار پھر روپوش ہو جانا پڑے گا۔ جب تک صادق حبیب اور کفیل رضا کی دماغی حالت پوری طرح درست نہیں ہو جاتی، میری پوزیشن صاف نہیں ہو سکتی۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنے ساتھ اُن دونوں کو بھی یہاں سے نکال لے جاؤں۔ تم اپنے دو آدمیوں کو بھی میرے ساتھ کر دو۔ میں تمھاری وہ وین بھی لے جاؤں گی جو تم نے کرائے پر لے رکھی ہے۔"

"میں ابھی بندوبست کیے دیتی ہوں۔" رضیہ کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "آپ جائیں گی کہاں؟"

"میں تمھیں جلد از جلد اس بارے میں اطلاع دے دوں گی۔"

رضیہ ڈرائنگ روم سے چلی گئی تو میں نے سنگیتا کی طرف توجہ دی۔ وہ گھٹنوں میں منہ دیے سسکیاں لے رہی تھی۔

"اب صبر کرو جان!" میں نے آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

سنگیتا اُٹھ کر مجھ سے لپٹ گئی اور بدستور روتی ہوئی بولی۔ "اتنی جلدی صبر آسکتا ہے بانو؟"

میں اس بات کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکی۔

سنگیتا پھر بولی: "بانو! میں اتنی منحوس ہوں کہ میری وجہ سے تم نہ جانے کن کن مصیبتوں میں پھنس گئی ہو۔"

"میں کسی مصیبت میں نہیں پھنسی۔" میں نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا: "تم اس سلسلے میں اپنے ذہن پر بالکل دباؤ نہ ڈالو!"

"آخر یہ سب ... ہو کیا رہا ہے؟" اس نے سسکیاں لیتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے اُمید ہے کہ ایک آدھ دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"آپ کہیں ... جا رہی ہیں؟"

"ہاں، لیکن تم فکرمند نہ ہو۔ رضیہ تمھارا خیال اسی طرح رکھے گی جس طرح میں رکھ رہی ہوں۔ میں بھی تمھاری طرف سے بے خبر نہیں رہوں گی۔ ویسے بھی اب تم میری ذمّے داری بن چکی ہو۔ تمھارے پتاجی نے بھی خودکشی کرنے سے پہلے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ اب میں ہی تمھارا آخری سہارا ہوں۔"

"میں ... میں ... پتاجی کی لاش ... اب کس طرح دیکھ سکوں گی؟" سنگیتا کے آنسو جو رُکنے لگے تھے، یہ بات کہتے ہوئے پھر تیز ہو گئے۔

"رضیہ تمھیں وہاں لے جائے گی۔ میں اس سے کہہ دوں گی۔"

ٹھیک اسی وقت رضیہ وہاں آگئی اور بولی: "پورچ میں وین آپ کی منتظر ہے۔ وہ آپ کے بیٹھتے ہی حرکت میں آجائے گی۔"

رضیہ نے حیرت انگیز تیزی سے سارا کام مکمل کر دیا تھا۔

"اچھا، اب میں چلتی ہوں۔" میں نے سنگیتا کی پیشانی چومتے ہوئے کہا اور پھر رضیہ سے بولی: "تم سنگیتا کو مشتاق کے گھر لے جا کر اسے اس کے پتاجی کا چہرہ دکھا دینا۔"

"بہتر ہے۔"

پھر میں نے اُن دونوں کو ڈرائنگ روم میں چھوڑا اور تیزی سے باہر آگئی۔

پورچ میں کھڑی ہوئی وین کی ڈرائیونگ سیٹ پر میں نے جوناتھن کو بیٹھے دیکھا۔ میں اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"بس نکل چلو!" میں نے کہا۔ میں نے اس سے کفیل رضا اور صادق حبیب کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ وین کے پچھلے حصّے میں ہوں گے اور اُن کے ساتھ جوناتھن کا کوئی ساتھی بھی ہوگا۔

وین حرکت میں آئی اور جب وہ پھاٹک سے نکل رہی تھی تو جوناتھن کو اچانک بریک لگانا پڑا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو حادثہ یقینی تھا۔ ایک کار اچانک وین کے سامنے آگئی تھی۔ وین کی ہیڈ لائٹس اس کار کو پوری طرح نمایاں کر رہی تھیں۔ میں نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ وہ کار مشتاق چنگیزی کی تھی لیکن اس کا دروازہ کھول کر اُترنے والا رضوان تھا۔ وہ تیزی سے وین کی طرف آیا اور میری طرف کی کھڑکی کے قریب پہنچ کر بولا: "پولیس کہاں ہے؟"

"کیسی پولیس؟"

"میں نے ٹیلیفون پر آپ کی کسی ملازمہ کی آواز سنی تھی جس نے بتایا تھا کہ پولیس آگئی ہے۔"

"ہاں۔ ایس پی جعفر آیا تھا اور جسٹس بشیر سے ملنا چاہتا تھا لیکن میں نے اُسے ٹال دیا۔"

"اور وہ ٹل گیا؟" رضوان حیرت سے بولا۔

"ہاں۔ تمھیں اس پر حیرت کیوں ہے؟"

"دراصل جب میں نے جسٹس بشیر کو یہ بات بتائی تھی تو انھوں نے خیال ظاہر کیا تھا کہ اب ایس پی جعفر آپ کو ضرور گرفتار کرے گا۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ ابھی اسے اس بات کا علم نہیں ہوا ہوگا کہ اس معاملے پر جسٹس بشیر کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے لیکن جلد ہی اُسے اس بات کا پتا چل جائے گا اور وہ ایک بار پھر مجھ پر چڑھ دوڑے گا۔ اسی اندیشے کے تحت میں نے مناسب یہی سمجھا کہ فوراً یہاں سے غائب ہو جاؤں۔"

"اب آپ کو غائب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جسٹس بشیر نے مجھے فوری طور پر اس لیے بھیجا تھا کہ میں کسی طرح ایس پی جعفر کو کچھ دیر کے لیے اُلجھالوں اور وہ آپ کو گرفتار کر کے نہ لے جاسکے۔"

"اس سے کیا ہونا؟"

"جسٹس بشیر نے کہا تھا کہ وہ اب بھی کسی کیچوے کی طرح بے بس تو نہیں ہوئے ہیں۔ وہ دوسرے ذرائع سے آپ کا ضمانت نامہ قبل از گرفتاری حاصل کرلیں گے۔"

"مگر کب؟"

"وہ خود ہی ضمانت نامہ قبل از گرفتاری لے کر بہت جلد یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"اوہ! تو پھر مجھے روپوش ہونے کی ضرورت نہیں؟"

"قطعی نہیں۔"

میں نے جوناتھن سے کہا کہ وہ وین کو ریورس کرے۔

وین ایک بار پھر پورچ میں جارکی اور میں نے جوناتھن سے کہا کہ وہ کفیل رضا اور صادق حبیب کو اُن کے کمرے میں پہنچا دے پھر میں وین سے اُتر پڑی۔ رضوان تیزی سے چلتا ہوا میرے قریب آیا اور بولا: "میں جارہا ہوں۔ کچھ دیر میں آؤں گا۔"

"کہاں جارہے ہو؟"

"میں عجلت میں مشتاق چنگیزی کی کار لے بھاگا تھا۔ اب اسے واپس چھوڑ کر ٹیکسی میں آؤں گا۔"

"اچھا، ٹھیک ہے۔"

"اگر دوبارہ پولیس کی یلغار ہو تو آپ انھیں کسی طرح اُلجھا کر کچھ وقت گزار دیجیے گا۔ اتنی دیر میں جسٹس بشیر یہاں پہنچ ہی جائیں گے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ پولیس آئی تو میں ایک گھنٹہ ... گی۔" یہ کہتے ہوئے میں مسکرا دی تھی۔ رضوان چونکہ ... پلٹ گیا تھا اس لیے وہ مسکراہٹ نہ دیکھ سکا ورنہ ... کرتا۔ وہ مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر اس خیال سے آگئی تھی ... باتھ روم میں جا گھسوں تو پولیس اس کے سوا کیا کر سکتی ... روم سے میرے نکلنے کا انتظار کرے۔

میں نے رضوان کو پھاٹک سے نکلتے دیکھا اور ... ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔

رضیہ ابھی تک سنگیتا کو تسلی تشفی دے رہی تھی ... کر تعجب سے بولی: "آپ گئی نہیں!"

"اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔"

"کیوں؟"

میں نے اسے مختصراً وہ ساری باتیں بتا دیں جو مجھے ... معلوم ہوئی تھیں۔

"اچھا تو اب آپ یہاں رُکیں!" رضیہ اٹھتی ہوئی بولی ... ذرا جا کر دیکھ لوں کہ صادق حبیب اور کفیل رضا کو مناسب کمرے میں پہنچا دیا گیا یا نہیں!"

"ٹھیک ہے۔ دیکھ آؤ!"

رضیہ چلی گئی اور میں سنگیتا کے پاس بیٹھ گئی جس کی ... ہو رہی تھیں اور چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بڑی ... اپنے آنسوؤں کو روکے ہوئے ہے۔

"مجھے لے کر نہیں چلیے گا بانو!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں ...

"تم رضیہ ہی کے ساتھ جانا۔ مجھے یہاں رُکنا ہے۔"

"آپ کو پولیس سے بچنا ہے نا؟"

"ہاں۔"

"تو پھر بہتر نہ ہوگا کہ آپ گھر پر ہی نہ رہیں؟"

"ہاں یہ ایک صورت ہو سکتی ہے لیکن مجھے جسٹس بشیر کا ... کرنا ہے۔ وہ میرا ضمانت نامہ قبل از گرفتاری لے کر یہیں پہنچیں گے۔"

سنگیتا آہستہ سے سر ہلا کر چپ ہو گئی۔ اُس کی نگاہ ... ہوئی تھی۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اب تسلی تشفی کا کوئی ... قسم کے الفاظ بھی انسان کو رُلا دیتے ہیں۔

کچھ دیر میں رضیہ لوٹ آئی اور بولی: "سب ٹھیک ہو...

"اب تم سنگیتا کو مشتاق چنگیزی کے گھر لے جاؤ!"

میرے یہ کہتے ہی سنگیتا بڑی بے تابی سے کھڑی ہو گئی۔ میں اسے ...ضیہ کو چھوڑنے کے لیے برآمدے تک گئی۔ اُن کو رخصت کر کے واپس ...گ روم میں آئی اور ملازمہ سے کافی بنانے کے لیے کہا۔ میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا مگر کھانے کی خواہش بھی نہیں تھی۔ تکان دُور ...کے لیے کافی ہی کی ضرورت کا احساس ہوا تھا۔

دوسری ملازمہ کو میں نے یہ ہدایت کی کہ وہ برآمدے میں کھڑی ...ے اور جیسے ہی پولیس کی گاڑی کو پھاٹک میں داخل ہوتے ہوئے ...ویسے ہی اندر آکر مجھے اس کی اطلاع دے۔

لیکن اس قسم کی کوئی ہنگامی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ میں کافی پی رہی ...جسٹس بشیر آگئے۔ ان کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بہت ...ھک گئے ہیں اور غصے میں بھی ہیں۔ وہ میرا ضمانت نامہ لے کر آئے تھے۔ میں نے ...لیے بھی کافی بنائی اور بولی: "میں بے حد شرمندہ ہوں کہ آپ میری ... پریشانیوں میں پڑ گئے!"

"مجھے ان سب باتوں کی پرواہ نہیں ہے۔"

"یہ بات ظاہر تو ہو جائے گی کہ آپ ہی نے میرا ضمانت نامہ قبل از ...ی..."

"ہو جائے ظاہر!" جسٹس بشیر نے جھلائے ہوئے انداز میں میری بات ...ے کہا۔ "میں تو خود ہی یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ کل استعفا دے ..."

...ت یہیں تک پہنچی تھی کہ رضوان آگیا۔

"ابھی پولیس نہیں آئی؟" اُس نے پوچھا۔

"...ہیں۔"

"...یہ اور سنگیتا کہاں ہیں؟" وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔

"رضیہ، سنگیتا کو اُس کے باپ کی لاش دکھانے لے گئی ہے۔"

"...شتاق کے گھر؟"

"...ں۔"

"لیکن اب تو لاشیں وہاں نہیں ملیں گی۔ میں جب وہاں سے چلا ...پولیس دونوں لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے ہاسپٹل لے جانے کی ...ی تھی۔"

"تو پھر وہاں سے ہو کے ہاسپٹل ہی چلی جائیں گی۔"

...ری اور رضوان کی باتوں کے دوران میں جسٹس بشیر کسی گہری ...میں ڈوبے رہے تھے۔

...ک ملازمہ بڑی تیزی سے ڈرائنگ روم میں آئی اور گھبرائے ہوئے انداز میں بولی: "پولیس والے آرہے ہیں۔"

"آنے دو!" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "تم خود انھیں یہاں ..."

ملازمہ دروازہ کھول کر نکل گئی تو پولیس کار کے رُکنے کی آوا... دی۔ میں نے جسٹس بشیر سے کہا: "کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ اندر کسی کمرے میں چلے جائیں!"

"نہیں میں یہیں بیٹھا رہوں گا۔ اِس سے کوئی فرق نہیں پڑ..." جسٹس بشیر نے کہا۔

ملازمہ کے پیچھے پیچھے پولیس ڈرائنگ روم میں آئی۔ جسٹس بشیر کو وہاں موجود پاکر ایس پی جعفر کے چہرے پر تذبذب کے آثار پیدا... لیکن جلد ہی اُس نے خود اعتمادی بحال کر لی اور جسٹس بشیر ہی سے مخا... ہو کر بولا: "سر! مجھے بے حد افسوس ہے۔"

"ارباب چنگیزی کو نہ لانے کا؟" جسٹس بشیر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ایس پی جعفر ایک بار پھر گڑبڑایا لیکن اس مرتبہ بھی جلد ہی سنبھل گیا اور بولا: "مجھے بہت اوپر سے یہ احکامات ملے ہیں کہ اِس اسٹیج پر ارباب چنگیزی کو بالکل نہ چھیڑیں۔ دوسرے مجھے بہت سختی سے یہ حکم بھی ملا ہے کہ صبیحہ بانو کو گرفتار کر لوں۔"

"تم کل صبح اپنا کیس عدالت میں پیش کر دو۔ یہ حاضر ہو جائیں گی۔ گرفتاری کی کیا ضرورت ہے؟"

"مجھے گرفتاری ہی کا حکم ملا ہے۔"

"اچھا تو پھر کر لو گرفتار۔" جسٹس بشیر نے لاپروائی سے کہا۔

اب ایس پی جعفر نے فاتحانہ انداز میں میری طرف دیکھا اور بڑے طمطراق سے بولا: "آپ خود کو زیرِ حراست سمجھیں۔"

"کچھ لے دے کر کام نہیں چل سکتا؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"جنابِ والا!" ایس پی جعفر نے احتجاج کرنے والے انداز میں جسٹس بشیر کی طرف دیکھا۔ "یہ آپ کے سامنے ہی مجھے رشوت کی پیشکش کر رہی ہیں اور یہ جرم ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو!" جسٹس بشیر نے کہا اور مجھ سے بولے: "بانو! آپ کو اپنے الفاظ واپس لینا ہوں گے۔" وہ بہت سنجیدہ تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے اندر کا جسٹس بیدار ہو گیا ہوگا۔

"آئی ایم سوری۔" میں نے انگریزی میں کہا اور پھر ایس پی جعفر سے بولی: "میں معافی چاہتی ہوں ایس پی صاحب!"

"آپ میرے ساتھ چلیں۔" ایس پی جعفر کا انداز تحکمانہ تھا۔

"میں ضرور چلتی لیکن میرے ساتھ ایک مجبوری آپڑی ہے۔" میں

ایس پی سے تفریح لے رہی تھی۔
"قانون کسی مجبوری کو نہیں دیکھتا۔" ایس پی نے سختی سے کہا۔
"میں قانونی مجبوری ہی کا ذکر کر رہی ہوں۔"
"کیا مطلب!"
"قانون نے مجھے پابند کیا ہے کہ میں گرفتار نہ ہوں۔"
"کیا آپ صرف معمّوں میں بات کرنے کی عادی ہیں؟" ایس پی غرّایا۔
"میرے پاس فضول وقت بالکل نہیں ہے۔"
"تو پھر میری سننے کی بجائے صرف یہ ملاحظہ فرما لیجیے!" میں نے ضمانت نامہ قبل از گرفتاری اس کی طرف بڑھا دیا۔

اسی وقت رضوان اٹھا اور اندرونی دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارہ بھی کیا جسے میں سمجھ نہیں سکی اور الجھن کا شکار ہو گئی۔

ضمانت نامہ قبل از گرفتاری دیکھ کر ایس پی جعفر کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ میں مسکراتی ہوئی اس کی طرف دیکھتی رہی۔
"یہ... یہ کیسے!" جعفر کے منہ سے نکلا۔
"یہ جعلی نہیں ہے۔ آپ اچھی طرح اپنا اطمینان کر لیں۔"
"میرا مطلب ہے...؟"
"میرا خیال ہے کہ آپ اپنا مطلب بیان نہ کریں۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ورنہ پھر آپ کو شکایت ہو گی کہ میں معمّوں میں باتیں کرتی ہوں۔"

ایس پی جعفر کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس نے ایک بار پھر شکست کھائی تھی لہٰذا اس کے کا کچھ ردِّعمل ہونا ہی چاہیے تھا۔ اس نے ضمانت نامہ مجھے لوٹایا اور پھر قدرے سخت لہجے میں بولا۔ "کفیل رضا کہاں ہے؟"

اس سے پہلے کہ میں جواب میں کچھ کہتی، رضوان ڈرائنگ روم میں لوٹ آیا اور جب اس نے میرے قریب آ کر میرے کان میں کچھ کہا، تب یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ وہ اچانک اٹھ کر ڈرائنگ روم سے کیوں چلا گیا تھا۔
"کیا فرمایا آپ نے!" میں نے ایس پی جعفر کی طرف دیکھا۔
"کفیل رضا کہاں ہے؟"
"آپ چاہتے کیا ہیں؟"
"میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ وہ پولیس کی حفاظت میں رہے گا اور کل صبح اس کا کیس عدالت میں پیش کر دیا جائے گا۔ ارباب چنگیزی بھی وہاں موجود ہو گا اور پھر اگر عدالت مناسب سمجھے گی تو آپ کے نام سمن جاری کر دے گی تاکہ آپ اگلی پیشی پر عدالت میں حاضر ہو سکیں۔" ایس پی جعفر نے کہا۔
"لیکن..."
"میں اس سلسلے میں کوئی عذر سننے کے موڈ میں نہیں ہو
حاصل ہے کہ میں کفیل رضا کو دستیاب کرنے کے لیے اس گھر کی
سکتا ہوں۔"
"ارے صاحب آپ تو سب کچھ کر سکتے ہیں!" میں نے ط
کہا۔ "لیکن میں کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔"
"کہیے!"
"کفیل رضا یہاں نہیں ہے۔"
"وہ یہیں ہے۔" ایس پی جعفر نے زور دے کر کہا۔
"آپ غلط فہمی کا شکار ہیں۔" میں نے بہت سنجیدگی سے کہا
اس موقع پر جسٹس بشیر نے عجیب سی نگاہ سے میری طرف
بولے نہیں۔ وہ اس بات پر حیران ہوں گے کہ میں جھوٹ بول کیوں

ایس پی جعفر یہاں کی تلاشی لے کر کفیل رضا کو دستیاب کر سکتا
لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ کفیل رضا
حبیب دونوں ہی اب میرے گھر میں نہیں تھے۔ رضوان نے اس
ہوشیاری کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ میر
میں ناکام ہونے کے بعد ایس پی جعفر کفیل رضا ہی پر دھاوا بولے
آتے ہی رضوان ڈرائنگ روم سے اٹھ کر اندر گیا تھا اور اس نے
کی تھی کہ وہ فوراً کفیل رضا اور صادق حبیب کو لے کر وہاں سے چلا جا
آ کر رضوان نے میرے کان میں یہ بات بتا دی تھی اور کہا تھا کہ میں
ایس پی جعفر کو باتوں میں الجھائے رکھوں تاکہ جوناتھن اتنی دیر میں
دور نکل جائے۔
ایس پی جعفر نے بڑے غصّے سے کہا۔ "میں کسی غلط فہمی کا شکا
ہوں۔ آپ فوراً کفیل رضا کو میرے حوالے کر دیں۔"
"میرا خیال ہے کہ تلاشی لے کر ہی آپ کا اطمینان ہو سکے گا
کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "چلیے! تلاشی لے لیجیے۔"
پھر آدھے گھنٹے کے اندر اندر ایس پی جعفر کی حالت د
تھی۔ گھر کا چپا چپا دیکھنے کے بعد بھی جب کفیل رضا کا کوئی سُر
مل سکا تھا تو غصّے سے اس کی گردن کی نسیں پھول گئی تھیں ا
سُرخ ہو گیا تھا۔
"تم نے اسے پھر غائب کر دیا!" ایس پی جعفر دہاڑا۔
یہ اندازِ تخاطب ایسا تھا کہ میرے تن بدن میں آگ لگ گ

کر کہا۔ "مسٹر ایس پی! اگر تہذیب کے بچے بھی تمھیں نہیں
م تو فوراً اس گھر سے نکل جاؤ اور آئندہ کبھی یہاں قدم نہ رکھنا۔
اب یہاں سے فوراً رخصت نہ ہو گئے تو میں تمھیں دھکے دے کر
نکلوا دوں گی۔"
"صبیحہ بانو!" ایس پی غرّایا۔ "تم جسٹس صاحب کے سامنے قانون
محافظوں کی بے عزتی کر رہی ہو۔"
"ہاں۔" جسٹس بشیر نے بہت ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ "انھوں نے
ی قانون کے محافظوں کی بے عزتی کی ہے لیکن اگر انھوں نے پولیس
لہ عزت کا دعویٰ کیا تو میں گواہی دوں گا کہ پہل کرنے والا خود
ان کا محافظ تھا۔"
جسٹس کی اس بات کے بعد ایس پی جعفر جھاگ کی طرح بیٹھتا

میں ابھی تک غصّے میں تھی۔ میں نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا
دے کہا۔ "جاؤ! تم اب تک یہاں کیوں موجود ہو!"
شدید توہین کے احساس سے ایس پی جعفر کا چہرہ سفید پڑ گیا۔
نے ماتحتوں کے سامنے ذلیل ہونا پڑا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے دروازے
مڑا اور تیزی سے نکلا چلا گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کے
ی رخصت ہو گئے۔
میں دھم سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ میرا غصّہ ابھی تک فرو نہیں
ھا اور میں اس لمحے یہ فیصلہ کر رہی تھی کہ ایس پی جعفر کو کچھ سزا ادر
ہیے۔
"آخر صادق حبیب اور کفیل رضا گئے کہاں؟" جسٹس بشیر حیرت
ولے۔
واب میں میں نے تو کچھ نہیں کہا لیکن رضوان نے انھیں ساری
ادی اور وہ سر ہلا کر بولے۔ "ٹھیک ہے، یہ اچھا ہے۔ اب
لوگوں کو مشورہ دوں گا کہ آپ خود ہی ان دونوں کو عدالت
کر دیں۔ مشتاق چنگیزی کے قتل ہی کے سلسلے میں ان دونوں کو
الت کیا جا سکتا ہے۔"
"میں انھیں اس وقت عدالت میں پیش کرنا چاہتی ہوں جب وہ
طور پر بالکل درست ہو جائیں اور ابھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا
ہ اب تک کس حالت میں ہوں گے!"
"ہاں... ہاں... یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" جسٹس بشیر نے سر ہلا
"لیکن کیا آپ انھیں اس وقت تک پوشیدہ رکھ سکیں گی؟"
"میرا خیال ہے۔" رضوان بول پڑا۔ "دو تین روز تک پولیس کے
ی ان تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔" جسٹس بشیر کھڑے
میں اور رضوان بھی ان کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ میں نے ان
ساتھ ساتھ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "ایک درخواست
آپ سے؟"
"ہاں ہاں، شوق سے کہیے!"
"آپ محض میری وجہ سے ان پریشانیوں میں پڑے ہیں اور آپ
نے استعفیٰ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ ایسا نہ کریں
میری بھی اب یہی کوشش ہے کہ میں اپنے سلسلے میں آپ سے کسی قسم کا تعا
نہ چاہوں۔ اس طرح آئندہ آپ پر اوپر والوں کا دباؤ نہیں پڑ سکے گا۔
"نہیں بانو!" جسٹس بشیر نے گمبھیر آواز میں کہا۔ "میں یہ فیصلہ ہرگز
نہیں بدل سکتا۔ میں نے آپ کے سلسلے میں کوئی غیر منصفانہ رویہ نہیں اختیا
کیا تھا۔ آئندہ بھی میں کسی کے سلسلے میں اس قسم کی دخل اندازی کر سکت
ہوں لہٰذا اس سے پہلے کہ دوبارہ مجھ پر اس قسم کا کوئی دباؤ پڑے اور میری
انا مجروح ہو، میں اپنے عہدے سے دستبردار ہو جانا چاہتا ہوں۔ میرا فی
کسی قیمت پر نہیں بدل سکتا۔ جسٹس کوئی فیصلہ اس لیے نہیں کرتا کہ اسے
بدل بھی سکے۔" جسٹس بشیر کے انداز میں اتنا استحکام تھا کہ پھر میں نے
مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔
"رضوان! تم جسٹس صاحب کو چھوڑ آؤ!" میں نے برآمدے میں پہنچ
کر کہا اور پھر پورچ میں کھڑی ہوئی ایک کار دیکھ کر بولی۔ "اوہ! یہ کس
کی گاڑی ہے؟"
"یہ اسی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی ہے جس سے میں ضمانت نامہ لے کر آیا
ہوں۔ ڈرائیور بھی موجود ہے اس لیے رضوان صاحب کو زحمت میں نہیں
پڑنا پڑے گا۔ میں چلا جاؤں گا۔"
"میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ آپ نے میری وجہ
سے بہت زحمت اٹھائی۔"
"مجھے قطعاً زحمت نہیں ہوئی ہے۔ آپ بار بار یہ الفاظ زبان پر
لا کر مجھے شرمندہ نہ کیجیے!"
اس کے بعد جسٹس بشیر رخصت ہو گئے۔ میں اور رضوان ڈرائنگ
روم میں لوٹے۔ رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "جسٹس بشیر ایک عظیم
انسان ہیں۔"
میں نے اس خیال پر کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے پوچھا۔
"کفیل رضا اور صادق حبیب کو تم نے کہاں منتقل کروایا ہے؟"
"وہ واقعی ایسی جگہ پہنچ چکے ہیں جہاں پولیس کے فرشتے بھی
نہیں پہنچ سکتے۔ وہ ایک بہت بڑے آدمی کے گھر میں مہمان بنے
ہوں گے۔"

"اس بڑے آدمی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"جب میں کرائم رپورٹر تھا تو اس بڑے آدمی کی کئی دکھتی رگیں میرے ہاتھ آگئی تھیں۔ اگر میں وہ راز افشا کردوں تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے؟"

"تم اسے بلیک میل کرتے ہو؟" میں نے رضوان کو گھورا۔

"میں نے اس سے کبھی ایک پیسا بھی نہیں لیا۔" رضوان نے منہ بنا کر کہا۔ "میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں صرف راشی اور بدعنوان افسروں کو بلیک میل کیا کرتا تھا اور اب بھی انہی کو بلیک میل کرتا ہوں ورنہ ملازمت چھوڑنے کے بعد تو بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر چکا ہوتا۔"

"تو پھر اس بڑے آدمی کے راز تم نے اپنے پاس کیوں رکھ چھوڑے ہیں؟"

"محض اس لیے کہ اگر ضرورت پڑے تو اس سے کوئی ایسا کام لے سکوں جس سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔ جیسا کہ آج بہ صادق حبیب اور کفیل رضا کے لیے اس آدمی کی کوٹھی سے بہتر گوشۂ عافیت اس وقت کہیں نہیں مل سکتا تھا۔"

"ہوں۔"

میں اور رضوان صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے کچھ خیال آیا تو میں بڑبڑائی۔ "رضیہ اور سنگیتا ابھی تک نہیں لوٹیں۔"

رضوان اچانک کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اس نے شاید میری بڑبڑاہٹ نہیں سنی اور پھر اچانک مسکرا کر بولا۔ "آپ کے لیے ایک تحفہ ہے میرے پاس!"

"کیسا تحفہ؟"

"ایک ایسا تحفہ کہ مشتاق چنگیزی، رام لال اور صادق حبیب کا معما اس سے مکمل طور پر حل ہوگیا ہے۔"

"یعنی؟"

"مشتاق چنگیزی کی ڈائری۔" رضوان نے کہا اور اپنے لباس کے اندر پوشیدہ ڈائری نکال کر میری طرف بڑھا دی۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملی؟" میں نے جلدی سے ڈائری کھولتے ہوئے پوچھا۔

"مشتاق چنگیزی کی خوابگاہ سے!" رضوان نے جواب دیا۔ "جس وقت پولیس وہاں اپنی کارروائی میں مصروف تھی، مجھے مشتاق کی خوابگاہ میں گھسنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہ ڈائری اس کی سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی۔ اس کے پاس ہی قلم بھی رکھا ہوا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس

وقت آپ وہاں پہنچی تھیں، وہ ڈائری ہی لکھ رہا تھا۔ اس
آج تک کے اندراجات موجود ہیں۔ اب صادق
توازن ٹھیک ہو یا نہ ہو، اس ڈائری سے سب کچھ
ہے۔ مجھے اتنا موقع نہیں ملا کہ ڈائری کو پوری طرح
جستہ جستہ نظر ڈالی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس
ساری باتیں موجود ہیں جو آپ جاننا چاہتی تھیں۔ مثلاً
بوٹیوں سے تیار کردہ وہ دوا خود صادق حبیب ہی کی
جس سے دماغ کو وقتی طور پر غیر متوازن کیا جا سکتا ہے۔
کو مشتاق چنگیزی نے اپنی مطلب براری کے لیے استعمال
جب صادق حبیب کو اس بات کا اندازہ ہوا تھا کہ مشتاق
رام لال کو بلیک میل کر کے اس کا سب کچھ ہتھیا لینا چاہتا
اس شریف آدمی نے اس خیال کی مخالفت کی تھی۔ وہ چاہتا
مشتاق چنگیزی، رام لال سے صرف اتنا ہی مطالبہ کرے
حق بنتا ہے لیکن مشتاق چنگیزی پر انتقام کا بھوت سوار
کی خواہش تھی کہ وہ رام لال کو سڑکوں پر بھیک مانگتا
جب اس نے محسوس کیا کہ صادق حبیب اس کی راہ میں مزاحم
سکتا ہے تو اس نے صادق حبیب کی دریافت کردہ دوا کو خود صا
پر ہی آزما ڈالا۔ اس طرح اس نے اپنی من مانی کرنے کی راہ ہم
بعد میں کفیل رضا پر بھی یہ دوا آزمائی گئی اور..."

رضوان بولتا رہا اور میں ڈائری کی ورق گردانی کرتی رہ
دھیان رضوان کی طرف بھی تھا اور میں ڈائری کے اندراجات
نظر دوڑاتی جا رہی تھی۔ مجھے اطمینان ہو گیا کہ رضوان نے ٹھیک
کہا تھا۔ یہ ڈائری ملنے کے بعد اب صرف ایک بات پوشیدہ رہ
تھی اور وہ بات یہ کہ شائستہ حبیب کو حقیقتاً کس نے قتل کیا
رام لال نے یا کسی اور نے؟

میں اور رضوان اس ڈائری کے اندراجات پر گفتگو کر
تھے کہ رضیہ اور سنگیتا واپس آگئیں۔ سنگیتا بہت نڈھال تھی ا
اس کی سرخ سرخ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

"وہ لوگ لاش کو ہاسپٹل لے جا چکے تھے۔" رضیہ بولی۔ "ا
لیے ہمیں وہاں جانا پڑا۔ پوسٹ مارٹم کے بعد لاش ہمیں کل"
میں نے سر ہلانے پر اکتفا کیا اور سنگیتا کا ہاتھ پکڑ کر اسے ا
قریب بٹھا لیا۔ وہ نڈھال سی حالت میں میرے شانے سے سر ٹکا
گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

میں رضیہ کو صادق حبیب اور کفیل رضا کے بارے میں بتا

گھنٹی بج اٹھی۔ فون میرے قریب ہی تھا۔ میں نے
ا ذہن میں بولی۔ "ہیلو! بانو اسپیکنگ۔"
ف سے وہ پولیس آفیسر بول رہا تھا جو مشتاق چنگیزی
اتوں لیے ہوئے تھا۔ اس نے کہا۔ "بانو صاحبہ! میں نے
ہ کے کہنے پر آپ کو جانے کی اجازت دے دی تھی لیکن
ا ضابطہ بیان لینا چاہتا ہوں۔"
فیسر! میں پولیس اسٹیشن آجاتی ہوں۔"
! آپ زحمت نہ کریں۔ میں خود آپ کے دولت کدے
وں۔"
مت ہوگی!"
میں! آپ بس یہ بتائیے کہ گھر ہی پر ہیں نا؟"
میں جا بھی ہوتا تو میں آپ کا انتظار کرتی۔ ویسے
جا، آپ تشریف لائیے!"
ں حاضر ہو رہا ہوں۔"
ف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور میں ریسیور رکھ
بولی۔ "یہ بہت شریف آدمی ہے۔"
"
سن آفیسر جو مشتاق کے کیس کی تفتیش کر رہا ہے۔"
مشتاق کی ڈائری رضوان کو واپس کرتی ہوئی
اسے احتیاط سے رکھو، بلکہ بہتر ہوگا کہ تم اندر
کر اس کا تفصیلی مطالعہ کر ڈالو۔ میں اتنے
فیسر سے نمٹ لوں جو میرا بیان لینے آرہا ہے۔"
ے۔" رضوان فوراً ہی اٹھ کر اندر چلا گیا۔ جاتے
ر رضیہ کو بھی اشارہ کر گیا تھا کیونکہ چند سیکنڈ بعد
چلی گئی۔

کچھ دیر آرام کر لو!" میں نے سنگیتا سے کہتے
ے کر اٹھایا اور اسے اپنی خوابگاہ کی طرف لے

ب بالکل خاموش تھی، نہ کچھ بول رہی تھی، نہ
بہہ رہے تھے۔ میں نے اسے اپنی خوابگاہ میں لے جا
اور اس کی پیشانی چوم کر بولی۔ "تم آرام کرو۔
پس آفیسر سے ملتی ہوں۔ اس کے بعد ہم سب
!"
تھا کہ سنگیتا "بھوک نہ لگنے" کا عذر کرے گی

لیکن وہ اب بھی خاموش ہی رہی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اسے تھوڑا بہت کھانا کھلانے کے لیے مجھے خاصا اصرار کرنا پڑے گا۔

⊗

وہ رات اور اگلا دن اس طرح گزرا کہ حد درجہ تکان ہو گئی۔ وہ پولیس آفیسر تو بیان لے کر چلتا بنا لیکن اس کے بعد سنگیتا کو کھانا کھلانے میں بڑا وقت صرف ہوا۔ پھر یہ کہ وہ سو بھی نہیں سکی اور اس کی وجہ سے مجھے بھی جاگنا پڑا۔ اسی رتجگے میں میں نے مشتاق چنگیزی کی ڈائری پڑھ ڈالی۔

اگلے دن ہاسپٹل سے رام لعل کی لاش مل گئی اور اس کی آخری رسومات پوری کرنے میں خاصا دن گزر گیا۔

اس کے اگلے دن کیس عدالت میں پیش ہوا۔ اس وقت تک صادق حبیب اور کفیل رضا دماغی طور پر بالکل نارمل ہو گئے تھے۔ میں نے نہ صرف انہیں عدالت میں پیش کیا بلکہ مشتاق چنگیزی کی ڈائری بھی عدالت کی تحویل میں دے دی۔ عدالت نے کیس کی باقاعدہ سماعت کے لیے آٹھ دن بعد کی تاریخ دے دی۔

گویا ایک معاملہ اب پوری طرح نپٹ چکا تھا لیکن میں سنگیتا سے کیے ہوئے اپنے اس وعدے کو نہیں بھولی تھی کہ میں اس کے محبوب ڈاکٹر شکیل کے قاتلوں کو ہرگز معاف نہیں کروں گی۔

ڈاکٹر شکیل کو ہلاک کرنے والا ایک ٹرک ڈرائیور تھا لیکن میں اب اس معاملے کو دوسرے زاویے سے دیکھ رہی تھی۔ اس سارے خونی ڈرامے کی بڑی شخصیت خان آف کالا گوٹ تھی اور اب مجھے دراصل اسی سے نپٹنا تھا لیکن یہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔ خان آف کالا گوٹ اتنا بااثر ثابت ہو چکا تھا کہ اب مجھے بہت ہی محتاط رہ کر کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔ اس نے پولیس کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ ڈاکٹر شکیل کے کیس کی فائل بند کر دے لہٰذا اب اس فائل کو دوبارہ کھلوانے کے لیے ضروری تھا کہ میں سب سے پہلے خان آف کالا گوٹ کی شخصیت کو اعلیٰ حکام کی نظر میں مشتبہ بنا دوں۔

میں نے رضیہ کو ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیا اور اسے تاکید کی کہ وہ خاص طور سے اس جہاز کا پتا چلانے کی کوشش کرے جہاں مجھے قید کیا گیا تھا۔

میں اس دوران میں سنگیتا کی افسردگی ختم کرنے کے لیے اسے

اپنے ساتھ لیے ہوئے شہر بھر کی تفریح گاہوں میں گھومتی پھری۔ اس کا بجھا بجھا سا چہرہ دیکھ کر مجھے دکھ ہوتا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ وہ جلد از جلد معمول پر آجائے لیکن آثار بتا رہے تھے کہ ایسا جلدی نہیں ہو سکے گا۔

ایک دن میں سنگیتا کو فلم کی شوٹنگ دکھانے کے لیے ایسٹرن اسٹوڈیو لے گئی۔ اس روز رضوان بھی ہمارے ساتھ ہو لیا تھا کیونکہ رضیہ گھر میں موجود نہیں تھی۔ مجھے اپنی کار اسٹوڈیو کے باہر پارکنگ کے پاس ہی کھڑی کرنا پڑی۔ وہیں اور بھی کئی گاڑیاں پارک کی گئی تھیں۔ دراصل اس رات اسٹوڈیو کے احاطے میں کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی اس لیے وہاں گاڑیاں پارک نہیں کی جا سکتی تھیں۔

اسٹوڈیو کے کئی سرکردہ افراد مجھے جانتے تھے۔ انھوں نے ہماری پذیرائی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا اور مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات سے ہوئی کہ میں نے کئی روز بعد سنگیتا کے چہرے پر کچھ بحالی دیکھی۔ غالباً اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی فلم کی شوٹنگ دیکھی تھی اور یہ ایک اتفاق تھا کہ اس فلم میں کئی بڑے بڑے اداکارائیں اور اداکار حصہ لے رہے تھے جنھیں دیکھنے کی خواہش بے شمار لوگوں کو ہوتی ہے۔

رات کو دو بجے شوٹنگ پیک اپ ہوئی تو میں، رضوان اور سنگیتا اسٹوڈیو سے نکلے باہر آنے والوں میں سب سے پہلے ہم ہی تھے۔ ہم اپنی کار کی طرف بڑھے۔ کار کے قریب پہنچ کر میں چابی سے کار کے دروازے کا لاک کھول رہی تھی کہ بائیں جانب سے کراہ کی آواز سنائی دی۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر آواز کی سمت دیکھا اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ ابریز تھا۔ ایک چاقو اس کے بائیں بازو میں آر پار حالت میں تھا اور خون کی سرخی اس کے لباس پر پھیلتی جا رہی تھی۔ چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ یہ وہی نوجوان تھا جس نے ایک مرتبہ سرِ راہ مجھ سے اظہارِ عشق کیا تھا۔

دفعتاً کھڑی ہوئی کاروں میں سے ایک کار نکلی اور فراٹے بھرتی چلی گئی۔

"ے... اسے پکڑیے بانو!" ابریز بڑی مشکل سے چیخا۔ "اس نے آپ پر چاقو پھینکا تھا۔ اگر میں جلدی سے بیچ میں نہ آجاتا تو...!"

میرا جسم سنسنا اٹھا۔ یہ مجھ پر قاتلانہ حملہ تھا۔

"رضوان! تم اس لڑکے کو دیکھو!" میں نے ابریز کی طرف اشارہ کیا۔

"سنگیتا! تم رضوان کے ساتھ ٹھہرو!"

پھر میں بڑی تیزی سے اپنی کار میں بیٹھی ا

اسٹوڈیو کا چوکیدار اور کئی دوسرے آدمی اب " آرہے تھے لیکن میری توجہ اس مفرور کار کی طرف ت روشنیاں ابھی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی تھیں سے اس کے تعاقب میں چل پڑی۔

جو کچھ ہوا تھا اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ مجھے مہلت نہیں مل سکی تھی لیکن اب میرے ذہن نے نتیجہ میں نے ابریز کے بازو میں چاقو پیوست دیکھا تھا وہ چاقو دراصل مجھ پر پھینکا گیا تھا۔ گویا مجھے قتل ک تھی لیکن اس کوشش کو ناکام دیکھ کر وہ حملہ آور و تھا۔

ظاہری حالات یہ بتا رہے تھے کہ مجھے ہلاک کر ابریز کی وجہ سے ناکام ہوئی تھی۔ اس کے بیچ میں آجا کا کھیل بگڑ گیا۔

میں سب سے زیادہ اس بات پر حیران تھی کہ آگیا؟ محض مجھے بچانے کے لیے وہ اپنی جان پر کیوں کھ اس کے بازو کے بجائے اس کے سینے میں بھی پیوست ہو نے مجھے بچانے کے لیے اپنی زندگی کا خطرہ بھی مول لے کیا اس کا سبب صرف وہی ہے جس کا اظہار ابریز نے تھا؟

عشق!

کیا واقعی یہ لڑکا مجھے اتنی شدت سے چاہنے لگا ہ اپنے آپ سے یہ سوال کیا اور نہ جانے کیوں کچھ خجالت س کچھ ایسا لگا تھا جیسے ابریز نے میرا تمسخر اڑانے کی کوشش لیے بڑی مضحکہ خیز سی بات تھی کہ ایک کم عمر نوجوان محبت میں یہ سب کچھ سوچتی رہی اور اس کار کا تعاقب جا مجھے محسوس ہوا کہ متعاقب کو خطرے کا احساس ہو گیا ہے کیونکہ غیر معمولی تیزی اختیار کر لی تھی۔ نتیجے میں مجھے اس سے بھ اختیار کرنا پڑی کیونکہ ایسا کیے بغیر میں اس کے قریب نہیں اس کار کا رخ شہر کی طرف ہونے کی بجائے ویر ہم دونوں کی کاریں ایریا سے گزر چکی تھیں اور اب ہما دوڑ کا اختتام پہاڑوں کے قریب پہنچ کر ہی ۔ میں کمبخت اس طرف کیوں بھاگ رہا ہے؟ کیا اسے وا یا وہ محض بوکھلاہٹ میں ادھر نکل آیا؟

جاری رہا اور متعدد خیال میرے دماغ میں چکراتے رہے۔ تو میرے ذہن میں خاص طور سے چبھ رہی تھی۔ یہ دوسرا میرے سامنے آیا تھا اور ان دونوں موقعوں کے درمیان ل تھے۔

ب ابریز میرے سامنے اس دن آیا تھا جب ں کو ہلاک کرنے کے بعد رام لال نے خودکشی کی تھی۔ نے ابریز کو تقریباً فراموش ہی کر دیا تھا کہ آج دوسری سامنے آیا اور وہ بھی حد درجہ ڈرامائی صورتحال ظاہر تھی کہ وہ پہلے ہی سے اسٹوڈیو کے باہر موجود اس نے کسی نامعلوم شخص کو مجھ پر چاقو پھینکتے

نامعلوم شخص پہاڑوں کی طرف بھاگ رہا تھا اور تعاقب میں تھی۔ ہم سڑک کو چھوڑ چکے تھے اور ہمارا راستے پر جاری تھا۔ اس ناہمواری کے باعث کم ہو گئی تھی اور جیسے جیسے ناہمواری میں اضافہ ویسے ویسے ہماری رفتار میں مزید کمی ہوتی جا رہی گرد میلوں تک سناٹا پھیلا ہوا تھا اور تاریکی چھائی اندھیرے میں حملہ آور کی کار کو ہرگز نہ دیکھ سکتی اگر روشن نہ ہوتیں۔ اس بدنصیب کے ساتھ یہ مجبوری بجھا نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اس کی ہیڈ اور وہ اس گھور تاریکی میں اپنی کار کو کسی حادثے

یوں کی رفتار بتدریج کم ہوتی گئی اور پھر شاید سامنے آئی کہ اگلی کار کو رکنا پڑ گیا۔ اسے ڈرائیو کرنے ٹس بجھا دیں۔ ہیڈ لائٹس کے ساتھ ہی ٹیل غالباً وہ چاہتا ہو گا کہ اس کی کار میری نظر سے اس کی بدنصیبی کہ اب میں اس سے زیادہ دور کی ہیڈ لائٹس میں اس کی کار صاف نظر آ رہی تھی۔ دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا۔ اس میں سے ایک آدمی باہر بھاگا۔

اس کی کار کے بالکل پیچھے لے جا کر روکی اور انجن بند ائی۔ اترتے اترتے میں نے اپنے پرس میں سے پستول مفرور کے پیچھے دوڑ پڑی اور میں نے چیخ کر کہا "رک جاؤ..."

لیکن وہ نہیں رکا۔ وہ بالکل خبط الحواس کی طرح اوپر چڑھتا چلا جا رہا تھا۔ شاید اس نے میرے بارے میں اتنا کچھ سن رکھا تھا کہ اس پر میری دہشت طاری تھی۔

اونچی ایڑی کے سینڈلوں کی وجہ سے مجھے اوپر چڑھنے میں دشواری ہو رہی تھی اس لیے میں نے چند سیکنڈ کے لیے رک کر اپنے سینڈل اتار پھینکے اور پھر دوڑ پڑی۔

اب ہم اندھیرے میں تھے مگر وہ چونکہ بلندی کی طرف جا رہا تھا اس لیے آسمان پر بکھرے ہوئے تاروں کے پس منظر میں وہ مجھے ایک ہیولے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ میں بڑی آسانی سے اس کا تعاقب جاری رکھ سکتی تھی لیکن پہاڑ پر اتنی تیزی سے چڑھنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ میں جلد ہی پسینے پسینے ہو گئی اور میرا سانس پھولنے لگا۔ ظاہر ہے کہ یہی حالت اس شخص کی بھی رہی ہو گی جو آگے آگے بھاگ رہا تھا۔

اگر میں چاہتی تو بڑی آسانی سے اسے گولی مار سکتی تھی لیکن ظاہر ہے کہ میں ایک قاتلہ بننے کی خواہش کبھی بھی نہیں کر سکتی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری تھا کہ میں اس شخص کو زندہ سلامت پکڑ لوں۔ وہی مجھے بتا سکتا تھا کہ اس نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کیوں کی تھی...؟ وہ میرا کوئی پرانا دشمن تھا یا میرے نئے دشمنوں نے اسے مجھے ہلاک کرنے پر "ہائر" کیا تھا۔

پہاڑ کی تین چوتھائی بلندی طے کرنے کے بعد میری یہ حالت ہو گئی کہ سینہ کسی دھونکنی کی طرح پھولنے پچکنے لگا اور پسینے کی یہ حالت ہو گئی کہ پنڈلیوں پر قطرے رینگنے لگے۔ یہی حالت چہرے کی تھی کہ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ میری رفتار میں خاصی حد تک کمی واقع ہو چکی ہے لیکن دوسری طرف میرے متعاقب کا بھی یہی حال تھا۔ اس کی برق رفتاری بھی دم توڑ چکی تھی۔

میں نے چیخ کر کہنا چاہا۔ "میں تمھیں پکڑے بغیر واپس نہیں جاؤں گی" لیکن الفاظ میرے حلق میں ہی اٹک کر رہ گئے۔ سانس اتنا پھول گیا تھا کہ چیخنا تو درکنار بولنا بھی مشکل تھا۔

ہم دونوں کی رفتار بتدریج کم ہوتی رہی لیکن اس کے باوجود ہمارا درمیانی فاصلہ بھی کم ہوتا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نڈھال ہو کر بھی میں اپنے مفرور سے زیادہ تیزی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

آخر وہ لمحہ بھی آگیا جب میں نے بھاگتے ہوئے اس شخص کو پہاڑ کے عین اوپر دیکھا۔ مجھے وہاں تک پہنچنے میں ابھی دو تین منٹ اور لگتے۔ اچانک میں نے اس شخص کو ڈگمگا کر گرتے دیکھا۔ خدا جانے وہ کسی پتھر سے ٹھوکر کھا گیا تھا یا تکان کے باعث اپنا توازن

برقرار نہیں رکھ سکا تھا۔ بہرحال وہ گرا لیکن میری طرف نہیں بلکہ دوسری طرف گرا۔ مجھے اس کی چیخ سنائی دی اور میرا سارا جسم سنسنا اٹھا۔

"بچاؤ!" حلق پھاڑ کر چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

اس وقت میرے جسم میں طاقت جیسے نئے سرے سے عود کر آئی۔ میں مشکل سے آدھے منٹ میں اوپر پہنچ گئی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی لیکن وہ مجھے نظر نہیں آیا۔

"بچاؤ!" وہی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔

میں نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا اور ڈگمگاتے قدموں سے کچھ مزید بڑھی۔ چاند تاروں کی ہلکی سی روشنی میں مجھے دو ہاتھوں کی صرف انگلیاں نظر آئیں جو ایک چٹان کی لگر پر جمنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اس شخص کا جسم دوسری طرف لٹکا ہوا تھا۔

"اوہ... خدایا!" میرے منہ سے نکلا۔

میں نے چاہا کہ جھپٹ کر ان دونوں ہاتھوں کو پکڑ لوں لیکن مجھ میں اب اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ میں تیزی سے حرکت میں آ سکتی۔ اس کے علاوہ شاید یہ بھی میرے لیے ممکن نہیں رہا تھا کہ میں اس شخص کا وزن سنبھال سکتی اور اسے اوپر کھینچ سکتی۔

میں نے اپنی سی کوشش تو کی مگر کامیاب نہیں ہو سکی۔ بس اتنا ہوا کہ میری انگلیاں اس بدنصیب کی انگلیوں سے مَس ہوئیں اور پھر کھیل ختم ہو گیا۔ چٹان کی لگر پر ان انگلیوں کی گرفت ختم ہو گئی اور ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔

میں چٹان پر اوندھی لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔ اندھیرے کے باعث مجھے اس شخص کا جسم تو نظر نہیں آیا لیکن دور ہونے والی چیخ سے مجھے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ کتنی گہرائی میں جا کر گرا ہو گا۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس کے جسم کی کوئی ہڈی بھی سلامت نہیں بچی ہو گی اور اس کا دَم بھی فوراً ہی نکل گیا ہو گا۔ ناممکن تھا کہ وہ اتنی بلندی سے گر کر زندہ بچ سکتا۔

میں وہیں چٹان پر چت لیٹ گئی اور میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ میرا اندازہ تھا کہ میرے پھولے ہوئے سانسوں کو معمول پر آنے میں دس پندرہ منٹ ضرور لگ جائیں گے۔ اس کے علاوہ اُس شخص کی ہولناک موت نے بھی میرے اعصاب پر ناخوشگوار اثرات مرتب کیے تھے اور نہ جانے کیوں مجھے اس کی موت پر کچھ افسوس ہو رہا تھا حالانکہ اسی شخص نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس تاریک ویرانے میں چٹان پر لیٹے لیٹے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دنیا کا ہر ذی روح ختم ہو ... ہوں۔ میں نے کچھ دیر بعد آنکھیں کھول کر ... ستاروں کو دیکھا۔ شاید وہ ستارے بھی ... حیرت سے مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔ میرے ... سانس تو قابو میں آ چکے تھے لیکن پنڈلیوں ... تھی۔ میں نے اپنا پستول پرس میں رکھ لیا ... بیٹھے بیٹھے گزار دیے۔ اب مجھے ایک بار ... تھا کہ اب تک اسے ہاسپٹل پہنچایا جا چکا ہو ... زخمی بازو کی ڈریسنگ بھی ہو چکی ہو۔

بہرحال اب میں جلد از جلد وہاں سے ... چاہتی تھی اس لیے کھڑی ہوئی اور پھر میں نے ... طرف سے اترنا شروع کیا جدھر سے چڑھی تھی۔ میری پنڈلیاں اتنی تھک گئی تھیں کہ ... وقت پیش آ رہی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح میں ... سے نیچے پہنچ ہی گئی اور اس طرف قدم بڑھا ... کھڑی ہوئی تھیں۔

لیکن میں ابھی اپنی کار سے چند گز کے فاصلے ... سے ایک آواز ابھری۔ "ہیلو بانو!"

میں نے چونک کر دیکھا۔ آواز میری ... تھی۔ پھر میں نے اس انسانی ہیولے کو بھی دیکھ لیا ... چند قدم آگے آ گیا تھا۔ میں نے چاہا کہ پھرتی سے ... پستول نکال لوں مگر اسی وقت میری بائیں جانب ...

"خبردار! میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔"

"اور میرے ہاتھ میں بھی ہے۔" میری دائیں جا...

"اور میں بھی خالی ہاتھ نہیں ہوں۔" میں نے ... کسی کو کہتے ہوئے سنا۔

پھر اس شخص نے قہقہہ لگایا جو میرے سامنے ... ہوا بولا۔ "بانو! شاید تمھیں اندھیرے میں دکھائی ... ریوالور تو میرے ہاتھ میں بھی ہے۔"

میں بے اختیار ایک طویل سانس لے کر رہ گئی ... وقت چار مسلح آدمیوں کے نرغے میں تھی۔ میں اس ... علاوہ کچھ نہیں سوچ سکی کہ یہ ایک جال تھا جو مجھے ... لیے بچھایا گیا تھا۔ مجھ پر قاتلانہ حملہ محض دکھاوے ... لوگ مجھے ختم نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا مقصد ... میں حملہ آور کا تعاقب کرتی ہوئی اس ویرانے میں ...

... بھی یہی تاکید کی گئی ہو گی کہ وہ اس ویرانے کی طرف ... لیکن اس کہانی میں ایک جھول تھا۔ آخر ان چاروں نے مجھے گھیرنے میں اتنی دیر کیوں کی کہ حملہ آور کو مجھ ... کے لیے پہاڑ پر چڑھنا پڑا اور نتیجے میں ایک خوفناک ... کا مقدر بنی۔

"آپ کس گہری سوچ میں ڈوب گئیں بانو صاحبہ!" میرے ... لہجہ استہزائیہ تھا۔

"میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ تم لوگ یہاں پہلے سے ... تھے؟ تمھارا ایک آدمی بلاوجہ ہلاکت میں پڑا۔" میں ... اطمینان سے کہا۔

"ہاں۔" وہ بولا۔ "پروگرام یہی تھا کہ ہم پیچھے پیچھے آئیں گے ... سے راہ میں ہماری گاڑی کا ایک ٹائر پنکچر ہو گیا۔ ... میں ہمیں کچھ دیر لگ گئی۔ جب یہاں پہنچے تو دونوں ... خالی نظر آئیں۔ اب ہم اس کے سوا کیا کر سکتے تھے کہ یہیں ... تمھارا انتظار کریں۔ ہم یہاں کھڑے ہی تھے کہ ہمیں ایک ... سنائی دی۔ غالباً تم نے ہمارے آدمی کو اٹھا کر پہاڑ کے ... پھینک دیا تھا؟"

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "اس کی موت خود اس کی حماقت سے ... اپنا توازن کھو بیٹھا اور گر پڑا۔"

"چلو ہم تمھاری بات کا اعتبار کیے لیتے ہیں۔" وہ ہنسا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں یہ دوستانہ گفتگو ختم کر کے اصل ... طرف آ جانا چاہیے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "... چاہتے کیا ہو؟"

"ہم نے سنا ہے کہ تم مَردوں کی برتری تسلیم نہیں کرتیں!" ... جتانے والے انداز میں کہا گیا۔

"ٹھیک سنا ہے تم نے!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"تو بس یوں سمجھ لو کہ آج تم سے برتری ہی تسلیم کروائی جائے ..."

"اچھا!" میں تلخی سے ہنسی۔ "آخر کس طرح؟"

"بالکل اسی طرح جیسے کوئی بھی مرد کسی عورت سے اپنی ... تسلیم کرواتا ہے۔" بہت معنی خیز لہجہ تھا۔

میں اس خبیث کا مطلب سمجھ گئی اور غرّا کر بولی۔ "کیا تم ... کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے؟"

"اگر ہمیں یقین نہ ہوتا تو ہم اطمینان سے کھڑے ہوئے یہ باتیں کیوں کر رہے ہوتے؟ آج کی رات ہماری رات ہے۔ اس ویرانے میں ہم چاروں ہوں گے اور تم ہو گی۔ یہاں کوئی تمھاری دادرسی کے لیے نہیں آ سکتا۔"

"تم کو اس کام پر مامور کس نے کیا ہے؟"

"یہ تو ہم کو بھی نہیں معلوم کہ تمھارا وہ دشمن کون ہے۔ ہمیں تو اس کام پر مامور کرتے ہوئے بس تمھاری تصویر دکھائی گئی تھی اور ہمارے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ ہمیں اس کام کی رقم ایڈوانس مل چکی تھی اور تم گویا بونس میں مل رہی ہو۔" اس نے قہقہہ لگایا اور باقی تینوں آدمی بھی اس کا ساتھ دینے لگے۔

"تم نے ایک ناممکن کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔" میں نے قطعی خوفزدہ ہوئے بغیر کہا۔ "یہ تو ہو سکتا ہے کہ تم چاروں اپنے اپنے ریوالوروں کی گولیاں میرے جسم پر برسا دو لیکن وہ ناممکن ہے جو تم چاہتے ہو۔ میں مر تو سکتی ہوں لیکن وہ نہیں ہو سکتا جو تم لوگ چاہتے ہو!"

"وہ تو ہو کر رہے گا۔" اس نے بڑے یقین سے کہا اور مزید ... کے ساتھی بھی بڑھے اور میرے گرد ان کا حلقہ تنگ ہونے لگا۔

میں اپنے جسم کو تولنے لگی۔ اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں ان سے بھڑ جاؤں۔ میرا اندازہ تھا اور ان کی باتوں سے بھی یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ ریوالوروں کا استعمال نہیں کریں گے۔ ان کی کوشش بس یہی ہوتی کہ مجھے کسی طرح بے دست و پا کر دیں کیونکہ ان کا مقصد صرف اسی صورت میں پورا ہو سکتا تھا۔

وہ ڈرامائی انداز میں آہستہ آہستہ اپنا حلقہ تنگ کرتے رہے۔ میں اپنی جگہ سے ذرا بھی نہیں ہلی۔ میں اس موقع کی منتظر تھی، جب وہ میرے بالکل قریب آ جاتے۔ آخر وہ موقع آ ہی گیا۔ اب وہ مجھ سے بالکل قریب تھے۔ سامنے والے آدمی نے میرا پرس جھپٹ لینا چاہا لیکن میں نے وہی پرس پوری قوت سے اس کے ریوالور والے ہاتھ پر دے مارا۔ چونکہ میرے پرس میں پستول تھا لہٰذا اُس کی ضرب کھا کر اس شخص کے ہاتھ سے ریوالور گر گیا۔ باقی تینوں ایک دَم مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ غالباً انھوں نے اپنے ریوالور اپنی جیبوں میں رکھ لیے تھے۔ ان کے دھکّے سے میں زمین پر گر پڑی لیکن گرتے گرتے میں نے سامنے والے آدمی کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔ وہ چت گرا اور باقی تینوں آدمی میرے

اوپر لد گئے۔ انھوں نے مجھے بے قابو کرنے کی کوشش کی لیکن میں نے دو کے پیٹ میں بہت زور سے کہنیاں ماریں اور وہ کراہ کر الٹ گئے۔ تیسرے پر میں نے جوڈو کا ایک داؤ آزمایا اور وہ فضا میں خاصا اوپر اچھل کر کچھ دور جا گرا۔ میں اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب میں اپنے ہاتھ پیر ہلانے کے لیے پوری طرح آزاد تھی۔ میں برقی سرعت سے حرکت میں آگئی۔ وہ چاروں لڑائی بھڑائی میں خاصے تیز واقع ہوئے تھے مگر انھیں شاید اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ میں جوڈو اور کراٹے کی ماہر ہوں۔ ان کی یہ لاعلمی ان کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی۔ میں نے پانچ منٹ میں ان کی یہ حالت کردی کہ ان میں ہلنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی۔ یہی وہ موقع تھا جب میں نے ان چاروں کے ریوالور اپنے قبضے میں کرلیے اور ایک پتھر پر بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ وہ چاروں قریب قریب ہی بے سدھ پڑے تھے۔

"کیا حال ہے دوستو!" میں نے تمسخر اڑانے والے انداز میں کہا۔

اُن میں کوئی کچھ نہ بولا۔ یا تو ان میں بولنے کی سکت نہیں رہی تھی یا وہ میرے ہاتھوں سے اتنی مرمت ہونے کے بعد اتنے خجل تھے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا بولیں؟

میں نے بھی سستانے میں کچھ وقت گزارا اور پھر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "اچھا دوستو! اب کیا ارادہ ہے؟ کیا اپنی برتری مزید تسلیم کروانا ہے؟"

وہ کسمسائے لیکن بولے اب بھی نہیں!

"کچھ تو کہو دوستو!" میں نے نہایت خوشگوار لہجے میں کہا۔ "اگر تم لوگ یونہی خاموش پڑے رہے تو میں تمھیں یہیں چھوڑ کر چل دوں گی اور جاتے ہوئے اس گاڑی کے چاروں ٹائر بھی کاٹ جاؤں گی، اور ہاں، تم لوگ کس کار میں آئے تھے؟" میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی مگر وہاں مجھے کوئی اور کار نہیں دکھائی دی۔

کچھ فاصلے پر ایک ٹیلا تھا۔ میں نے افہامی انداز میں سر ہلایا اور پھر بولی "ٹھیک ہے۔ تم لوگوں نے اپنی کار اس ٹیلے کے پیچھے کھڑی کی ہے؟ مناسب! میں جاتے وقت اس ٹیلے کے پیچھے بھی ہوتی جاؤں گی۔"

میں اس کار کی طرف بڑھی جس میں وہ ... تھے۔ میں نے اپنا پستول نکالتے ہوئے بلند آ... خیال ہے کہ چار ٹائروں کے لیے چار گولیاں ... اب وہ چاروں یکایک بوکھلا کر اٹھ بیٹھ...

"ہوش آگیا!" میں ہنس کر بولی۔

"تم ... تم ایک ... حیرت انگیز عورت ہو!" ایک نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اب وہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ جو" میں نے تحکمانہ انداز اختیار کیا۔ "میں تم چاروں ... اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔ یہ کام بھی تم ... کرنا ہوگا۔ تم ایک دوسرے کو باندھو گے۔ تم ... آدمی ہوگا، اس کو میں باندھوں گی اور ..."

"ہم نے تمھاری برتری کو تسلیم کرلیا ہے۔" وہی آدمی ... یقیناً کسی بڑے گینگ کی سربراہ ہو اور تمھارے مخالف گر... خلاف ایک کام پر مامور کیا تھا۔ اب ہم اس کے لیے تیار ہیں کہ ... میں شامل ہو جائیں اور تمھارے مخالف گینگ کے خلاف کام کریں۔

"میں اتنی جلدی تم لوگوں پر اعتبار نہیں کرسکتی۔" میں ... کہا۔ "فی الحال تم لوگوں کو وہی کرنا ہے جو میں ابھی کہہ چکی ہوں ... کو باندھ کر لے جاؤں گی۔"

"تمھیں ہماری نیت پر بھروسا نہیں؟"

"کسی پر بھی اتنی جلدی بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔"

"تم جس طرح کہو، ہم اپنی وفاداری کی ضمانت دینے کے ... ہیں۔" وہ پہلو بدل کر بولا۔

"ہوں!" میں نے کچھ سوچا اور پھر بولی۔ "تو صرف ایک صور... ہے۔"

"کیا؟" اُس نے بیتابی سے پوچھا۔

"تم میں سے دو تو ان دونوں گاڑیوں میں یہاں سے روانہ ... اور باقی دونوں میری گاڑی میں چلیں۔ ان دونوں کو آگے بیٹھنا ... میں پیچھے بیٹھوں گی اور میرے ہاتھ میں پستول ہوگا۔ اگر دونوں ... میں سے کسی نے کوئی غلط حرکت کی تو ..."

"ہمیں منظور ہے لیکن ہمیں کہاں چلنا ہوگا؟"

"میرے گھر۔"

"اس کے بعد؟"

"... اس کے بعد ہی سوچوں گی۔"

... دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اسی پہلے ... جواب دیا۔ "ہم تیار ہیں۔"

"... وہ دونوں آدمی آگے آئیں جن کو میری کار میں چلنا ہے۔"

... دونوں نے مدھم آواز میں ایک دوسرے سے کچھ باتیں کیں اور دو آدمی آگے آگئے۔

... ان دونوں آدمیوں کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "تم دونوں میری ... پیچھے آؤ!"

"... اچھے ہیں۔"

... نے آگے آنے والے دونوں آدمیوں کو اپنی کار کی اگلی نشستوں ... خود پیچھے بیٹھ گئی۔ میں نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ میرے ... پستول موجود ہے۔

... کار چل پڑی تو میں نے اپنے بائیں ہاتھ کو بڑھا کر عقب نما آئینے ... کر دیا کہ میں عقب میں آنے والی کاروں پر نظر رکھ سکوں۔ میں ... آور کی گاڑی اس ٹیلے کی طرف جا رہی تھی جو میں نے وہاں ... ٹیلے کے پیچھے جا کر میری نظر سے اوجھل ہوگئی لیکن ذرا دیر ... ٹیلے کے عقب سے ایک کی بجائے دو گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس سامنے ... اندازہ درست ہی ثابت ہوا تھا کہ ان لوگوں نے اپنی کار اس ... کھڑی کی تھی۔

... کاریں ناہموار راستے کے دھچکے برداشت کرتی ہوئی بڑھتی ... بالآخر ایک سڑک پر پہنچ گئیں پھر ہم بل ایریا سے گزر کر شہری حدود ... ہوگئے۔ میں ڈرائیونگ کرنے والے کو راستوں کے بارے میں بھی ... دیتی جا رہی تھی۔ اب میں نے یہ بھی سوچنا شروع کیا کہ آخر میں ... کو اپنے ساتھ کیوں لے جا رہی ہوں؟ آخر ان سے کیا کام لیا ... ہے؟

... عقب نما آئینے میں دیکھ رہی تھی کہ وہ دونوں کاریں میرے ... پیچھے چلی آرہی ہیں۔

... ہم ڈیفنس کے علاقے میں داخل ہوئے اور اس کے بعد میری ... گھر کے پھاٹک میں داخل ہوئی۔ اب میرے ذہن میں یہ سوال ... رضوان اور سنگیتا گھر پہنچ چکے ہوں گے یا نہیں؟

... ارینہ کے بارے میں تو یہ اندازہ لگانا مشکل ہی تھا کہ وہ کہاں ... لیکن سنگیتا اور رضوان کے بارے میں یہ سوچا جاسکتا تھا کہ ... وہ اب تک گھر پہنچ چکے ہوں گے۔ رام لال کی موت کے بعد سے سنگیتا ... ہی گھر میں مقیم تھی۔

تینوں گاڑیاں آگے پیچھے پورچ میں جا رکیں۔ میرا یہ اندازہ درست ہی تھا کہ رضوان اور سنگیتا گھر پہنچ چکے ہوں گے۔ گاڑیوں کی آواز سنتے ہی وہ دونوں باہر آگئے تھے۔ مجھے اس بات پر تعجب ہوا کہ رضیہ دکھائی نہیں دی تھی۔ کیا وہ ابھی تک گھر نہیں پہنچی؟ یہ سوال میرے ذہن میں اُبھرا تو میں کچھ پریشان ہوگئی۔

"چلو اترو!" میں نے آگے بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو حکم دیا اور ڈرائیونگ کرنے والے کے شانے پر ٹہوکا بھی لگایا۔

ان دونوں کے ساتھ اُن کے دونوں ساتھی بھی پچھلی گاڑیوں سے اُتر آئے اور اب پہلی مرتبہ میں نے اُن کو روشنی میں دیکھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے ان کا حلیہ بہت بری طرح بگاڑ کے رکھ دیا تھا۔ شاید وہ چاروں خود بھی ایک دوسرے کو پہچاننے میں دشواری محسوس کر رہے ہوں۔ اُن کے چہروں پر اَن گنت نیل پڑے ہوئے تھے اور یقیناً اُن کے جسم کے اُن حصوں پر بھی چوٹیں ہوں گی جو لباس میں پوشیدہ تھے۔ ویسے ان کا لباس بھی جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور لباس کے بعض حصوں پر خون کے معمولی معمولی سے دھبے بھی تھے۔ غالباً میرے کھڑے ہاتھ کی ضربوں سے بعض بعض مقامات پر اُن کی کھال پھٹ گئی تھی۔

سنگیتا اور رضوان نے بھی اُن چاروں کو بڑی حیرت سے دیکھا۔

"چلو!" میں نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُنھیں حکم دیا۔

ان چاروں کے ریوالور میرے قبضے میں تھے اس لیے اُن کی طرف سے کسی شرارت کا احتمال نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی ان کے چہروں پر میں شکست خوردگی کی تمام علامات دیکھ رہی تھی۔ انھوں نے غالباً اپنے اپنے دل میں تسلیم کرلیا تھا کہ وہ مجھ پر اپنی برتری کسی طرح بھی ثابت نہیں کرسکتے۔

میں ان چاروں کو ڈرائنگ روم میں لے آئی اور اس وقت رضوان نے زبان کھولی۔ اُس نے تعجب سے پوچھا تھا۔ "کیا اُس کار میں یہ چاروں تھے؟ میں نے تو شاید ایک ہی آدمی کی جھلک دیکھی تھی۔"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن تم نے جس آدمی کی جھلک دیکھی تھی، وہ اب زندہ نہیں۔"

"کیا مطلب؟" رضوان چونکا۔

"زندہ نہ ہونے کا مطلب مرجانا ہوتا ہے۔"

"اچھا!" رضوان نے برا سا منہ بنا کر تعجب کا اظہار کیا۔ "میں تو اب تک یہ سمجھتا رہا ہوں کہ زندہ نہ ہونے کا مطلب زندہ ہونا ہوتا ہے۔"

اس وقت رضوان سے چونچیں لڑانا مناسب نہ ہوتا اس لیے میں

ان چاروں سے بولی: "تم لوگ بیٹھ جاؤ! میں ابھی تم لوگوں سے بات کروں گی لیکن پہلے کچھ اور معاملات دیکھ لوں۔"

وہ چاروں سر ہلا کر بڑے صوفے پر ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے اور میں رضوان سے مخاطب ہو گئی: "میں تو اس کار کے تعاقب میں روانہ ہو گئی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بعد وہی ہوا تھا جو ہونا چاہیے۔ پولیس آئی تھی اور اس زخمی نوجوان کو ہاسپٹل پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے پولیس آپ کو بھی ڈھونڈتی پھر رہی ہے اور اس نامعلوم حملہ آور کو بھی!"

"اس نوجوان کا بیان کیا ہے؟"

"اس کا نام ابریز ہے اور اتفاق سے وہ اس گھر کے سامنے رہتا ہے جہاں میں نے رضیہ کے قیام کا بندوبست کیا تھا۔"

"میں اس کا بیان پوچھ رہی ہوں!"

"ارے تو کیا اب کچھ تمہید بھی نہ باندھوں؟"

"یہ تمہید باندھنے کا وقت نہیں ہے۔"

"پھر کیا باندھنے کا وقت ہے؟ جو آپ کہیں، وہ باندھ دوں!"

رضوان کی اس بے وقت راگنی سے میں جھنجلا گئی اور میں نے سنگیتا سے مخاطب ہو کر کہا: "تم بتاؤ سنگیتا! ابریز کا بیان کیا ہے؟"

"ایک فلم ایکٹر ابریز کا دوست ہے۔" سنگیتا نے آہستہ سے کہا۔

"ابریز کا بیان ہے کہ وہ اپنے اسی دوست سے ملنے اسٹوڈیو پہنچا تھا۔ اس نے اپنی کار کھڑی کی اور پھاٹک کی طرف بڑھا۔ اس وقت ہم لوگ پھاٹک سے نکل کر اپنی کار کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن ہماری نظر شاید اس پر نہیں پڑی تھی لیکن اتفاق سے اس کی نظر ایک کار پر پڑ گئی جس کی کھڑکی سے ایک ہاتھ باہر نکلا ہوا تھا۔ ابریز کو اس ہاتھ میں چاقو کی چمک نظر آئی تھی اور اس نے محسوس کیا تھا کہ چاقو کا نشانہ آپ ہیں لہٰذا وہ جھپٹ کر آپ کے سامنے ہو گیا۔ اس طرح اس نے آپ کو چاقو سے بچانے کی کوشش کی تھی اور نتیجے میں خود زخمی ہو گیا۔"

"لیکن اس نے مجھے بچانے کی کوشش کیوں کی تھی؟" میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ محض انسانی ہمدردی کے ناتے۔" سنگیتا نے جواب دیا۔

"بس صرف یہی وجہ بتائی ہے اس نے؟"

"اسے اور کیا بتانا چاہیے تھا؟" رضوان بول پڑا۔ اس کی آواز میں استعجاب کی لہریں تھیں۔

"کچھ نہیں، ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور پھر ان چاروں بدمعاشوں سے مخاطب ہو کر بولی: "اس نوجوان کے بارے میں …"

"ہمیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔" …

"اگر وہ نوجوان بیچ میں نہ آتا تو کیا ہمیں …"

"نہیں۔ کم از کم ہمیں یہی بتایا گیا تھا کہ چاقو … وہ آپ کو نہ لگے لیکن محسوس یہی ہو کہ وہ حملہ آپ ہی پر … یہی تھی کہ اس کے بعد چاقو پھینکنے والا بھاگ جائے گا … تعاقب میں دوڑیں تو ہم بھی آپ کے پیچھے چل پڑیں۔"

اب میں پھر رضوان کی طرف متوجہ ہوئی: "… ہے؟"

"کسی ہاسپٹل میں بھی نہیں۔" رضوان نے جواب دیا: "… کے اپنے گھر چلا گیا تھا۔"

"ارے ہاں!" میں نے چونک کر پوچھا: "رضیہ کہاں …"

"پولیس کے علاوہ وہ بھی نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتی … کیا اسے آپ کی تلاش نہیں ہونا چاہیے؟ ہم تو اس لیے گھر … کہ شاید آپ کہیں سے فون کریں۔"

"ہوں!" میں نے سر ہلا کر کہا: "اب پولیس کو اطلاع … گھر پہنچ چکی ہوں۔"

میرا یہ کہنا تھا کہ وہ چاروں بیتابانہ انداز میں … ہو گئے۔ میں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو فوراً سمجھ گئی کہ ان کی … سبب کیا ہے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر رضوان سے کہا: "ٹھہرو! … ان چاروں سے بات کر لوں۔"

رضوان رُک گیا اور ان چاروں کو گھورنے لگا۔

میں نے ان چاروں سے کہا: "بیٹھ جاؤ اور مجھے یہ بتاؤ … میرے پیچھے کس نے لگایا تھا؟"

"ہم بتا چکے ہیں کہ ہمیں اس اصل شخصیت کے بارے میں … معلوم۔"

"تو تمہیں کوئی غیبی آواز سنائی دی تھی؟" میں نے …

"ہمیں اس کام کے لیے گڈو نے پیسے دیے تھے لیکن ہم … کہہ سکتے ہیں کہ گڈو سے اس کام کے لیے کسی اور نے کہا تھا۔ خود گڈو … باتوں سے یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ ہم سے یہ کام کسی اور کے … پر کروانا چاہتا ہے۔"

"یہ گڈو کون ہے؟"

اس سے پہلے کہ ان چاروں میں سے کوئی کچھ کہتا، رضوان بول پڑا: "میں گڈو کو جانتا ہوں۔ وہ لی مارکیٹ کے علاقے میں ایک …

… میں ان چاروں کو بھی وہاں دیکھ چکا ہوں۔ یہ گڈو … ہیں؟"

… نے رضوان کی طرف دیکھا لیکن کچھ کہے بغیر سر جھکا لیے … گویا رضوان کی باتوں کی تائید کر دی۔

میں ان چاروں کو گھورتے ہوئے فوری طور پر یہ فیصلہ کرنا … کے ساتھ کس طرح پیش آؤں۔ مجھے ذرا دیر سوچنا پڑا … نتیجہ پر پہنچی کہ مجھے ان چاروں سے کوئی فیض نہیں … تو میری دانست میں یقینی تھی کہ اس معاملے میں … کا ہاتھ تھا لیکن یہ چاروں 'خان آف کالاگوٹ' … سکتے تھے۔ اگر اس سے ان لوگوں کا کوئی تعلق … کسی طرح استعمال کر سکتی تھی لیکن ایسا نہ ہونے کے … لیے بیکار ہی تھے۔

… کی گھنٹی کی آواز سے میرے خیالات کا سلسلہ منقطع ہو … فون کے قریب تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر بات کی … رکھ دیا۔ میں اس کی باتوں سے سمجھ گئی تھی کہ وہ رضیہ … نے میرے اس خیال کی تصدیق بھی کر دی۔ "اس … تھی؟ آپ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ اب وہ … کے اندر یہاں پہنچ جائے گی۔"

"… پولیس کو بھی فون کر دو کہ وہ یہاں پہنچ جائے۔"

پھر وہ چاروں بے تابی سے کھڑے ہو گئے اور اس مرتبہ میں … پستول نکال لیا۔ اس کا رُخ ان چاروں کی طرف کرتے ہوئے میں … کہا: "بھاگنے کی کوشش فضول ہو گی۔"

"لیکن…"

"لیکن کچھ نہیں۔" میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا: "تم لوگوں نے … اس کا خمیازہ تو بھگتنا ہی پڑے گا۔ تم اس غلط فہمی کا شکار … کہ میں کوئی گینگسٹر ہوں۔ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ میں … نہیں بلکہ قانون کا احترام کرنے والے افراد میں سے …"

چاروں کے چہرے سفید پڑ گئے۔ رضوان ٹیلیفون کا ریسیور … پولیس اسٹیشن ہی کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

… سنگیتا گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

… میں بدستور ان چاروں کی طرف متوجہ رہی۔

"… سونے جا رہی ہوں۔" سنگیتا نے کہا: "یہ خوفناک باتیں مجھ سے … نہیں دیکھی جاتیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جا کر سو جاؤ۔ مجھے تو ابھی خاصی دیر لگے گی۔ مجھے پولیس کا انتظار کرنا ہے۔"

سنگیتا مزید کچھ کہے سنے بغیر اندر چلی گئی۔

رضوان نے پولیس کو فون کر کے ریسیور رکھ دیا۔

پولیس کی آمد تک مجھے ان چاروں پر پستول تان کر بیٹھے رہنا پڑا۔ جب پولیس والے آ گئے تو میں نے انھیں سارا واقعہ بتایا اور پولیس نے ان چاروں کے ہتھکڑیاں لگا دیں۔ اسی دوران میں رضیہ بھی آ گئی اور رضوان نے چپکے چپکے اسے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

پولیس افسر نے مجھ سے کہا: "آپ کو ہمارے ساتھ اس مقام تک چلنا ہو گا جہاں وہ حملہ آور پہاڑ سے گر کر ہلاک ہوا ہے۔"

"چلیے!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا: "ضابطے کی تمام کارروائی تو مکمل کرنا ہی پڑے گی۔"

رضوان اور رضیہ بھی میرے ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن میں نے انھیں روک دیا اور پولیس کے ساتھ روانہ ہو گئی۔

جب میں واپس گھر آئی تو صبح ہو چکی تھی۔ نیند سے میری پلکیں بوجھل تھیں اس لیے میں سیدھی اپنی خوابگاہ میں جا کر لیٹ رہی۔ رضیہ، رضوان اور سنگیتا بھی اس وقت سو رہے تھے۔ اگر انھیں اطمینان نہ ہوتا تو وہ ضرور میرے انتظار میں جاگ رہے ہوتے۔

جب میری آنکھ کھلی تو ایک بج چکا تھا۔ تیز دھوپ کھڑکی کے شیشوں سے چھن کر کمرے میں آ رہی تھی۔ میں اٹھ کر سیدھی باتھ روم میں جا گھسی اور کافی دیر تک شاور کے نیچے لیٹ کر اپنی جسمانی کسلمندی کو دھوتی رہی۔

رضوان، رضیہ اور سنگیتا نے میرے انتظار میں اب تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ ہم چاروں ساتھ ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھے۔ کھانے کے دوران میں گزشتہ رات کی باتیں چھڑ گئیں۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ سب کچھ خان آف کالاگوٹ نے کروایا تھا۔" میں نے کہا۔

"پھر تو ہمیں بھی اس کے خلاف کوئی ایسی ہی سخت کارروائی کرنا چاہیے۔" رضیہ کے لہجے میں اشتعال تھا۔

"جوش میں نہ آؤ!" میں نے کہا: "اس کے خلاف ہنگامی اقدامات کرنے سے پہلے میں ایک کام ضرور کر لینا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"خان آف کالاگوٹ کے اثر و رسوخ کا زور توڑنا ضروری ہے۔"

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"ایک صورت تو وہی ہے جس کا اظہار میں پہلے بھی کر چکی ہوں۔ یعنی یہ کہ خان آف کالاگوٹ کے گھناؤنے کردار کے بارے میں کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے کہ اعلیٰ حکام اس کی طرف سے مشتبہ ہو جائیں۔"

"میں اتنے دن سے اس کے چکر میں ہوں لیکن مجھے کوئی بات نہیں معلوم ہو سکی۔" رضیہ نے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ خود عام طور پر فعال نہیں رہتا اور پس پردہ ہی رہ کر اپنے کام کرواتا رہتا ہے۔ میں نے اب تک جو چھان پھٹک کی ہے، اس سے میں یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکی ہوں کہ وہ کسی بحری جہاز کا مالک نہیں ہے جبکہ آپ کہتی ہیں کہ اس نے آپ کو ایک بحری جہاز میں قید کیا تھا۔"

"ہاں۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "وہ بحری جہاز ہی تھا۔ میں ضرور اس کا پتا چلا کر رہوں گی۔ دراصل ابھی تک میں خان آف کالاگوٹ پر پوری توجہ نہیں دے سکی ہوں۔ میرا ذہن سنگیتا میں الجھا رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب یہ خاصی حد تک معمول پر آ چکی ہیں لہٰذا اب میں...."

سنگیتا نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے بانو کہ آپ میری وجہ سے برابر پریشان ہوتی رہی ہیں۔"

"اس قسم کی پریشانیاں تو میری زندگی ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اگر میری ذات سے اس قسم کے ہنگامے وابستہ نہ ہوں تو میری زندگی نہایت بوجھل ہو کر رہ جائے۔"

گفتگو کے موضوع کو بدلتا ہوا محسوس کر کے رضیہ جلدی سے بول پڑی۔ "باجی! اگر آپ خان آف کالاگوٹ کی شخصیت کو مشتبہ بنانے میں ناکام رہیں تو پھر دوسری صورت کیا ہو گی؟ ابھی آپ نے اس کی طرف کچھ اشارہ کیا تھا۔"

"فی الحال اسے اشارہ ہی رہنے دو۔ تفصیل پھر کسی وقت بتاؤں گی۔"

کھانے کے بعد جب ہم چائے پی رہے تھے تو میں نے کہا۔ "رضیہ! تم ذرا سنگیتا کا خیال رکھنا۔"

"کیا آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

"ہاں۔"

"کہاں؟" رضوان پوچھ بیٹھا۔

"دو ایک کام ہیں۔"

رضوان منہ بنا کر چپ ہو گیا۔ اس... عموماً کھل جاتا تھا جبکہ رضیہ اس کی عادی...

"بانو!" سنگیتا آہستہ سے بولی۔ "م... تو انکل کفیل کا فون آیا تھا۔ وہ آج شام... دراصل وہ چند دن کے لیے اپنے کاروبار کے سلسلے میں... جانا چاہتے ہیں جبکہ مقدمے کی وجہ سے اُن کا یہاں... وہ اس سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اُن سے مل لوں گی۔"

"یہ بات میں نے آپ کو اس لیے بتا دی ہے کہ... لوٹ آئیں۔"

"میں آ جاؤں گی۔ اگر مجھے کچھ دیر ہو جائے تو... کے کھانے پر روک لینا۔"

"بہتر۔"

چائے پینے کے بعد میں اٹھ گئی۔ گیرج سے کار... سے روانہ ہوئی۔ میرا رخ ابریز کے گھر کی طرف تھا۔... صورت نوجوان سے مل کر اس کا شکریہ ادا کرنا... نے گزشتہ رات محض میری وجہ سے زخمی ہونا گوارا... مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس چاقو سے میں زخمی ہو... ابریز کو تو بہرحال اس بات کا علم نہیں تھا۔ اس... تو اپنی دانست میں میری جان ہی بچانے کے لیے خود کو... ڈالا تھا۔

معصوم صورت ابریز کی شخصیت میرے لیے... بن گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اسے... میرا دل اب تک اس بات پر یقین کرنے کے لیے آمادہ... تھا کہ ابریز واقعی مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔

اس کے گھر پہنچ کر جب میں نے اپنا کارڈ اندر... ادھیڑ عمر آدمی نے باہر نکل کر میرا استقبال کیا۔ وہ... تھا۔ اس نے مسکرا کر مجھ سے پوچھا۔ "آپ وہی خاتون... جن پر کل رات قاتلانہ حملہ ہوا تھا؟"

"جی ہاں۔" میں نے کہا۔

ابریز کا باپ مجھے نہایت خلیقانہ انداز میں اپنے... ڈرائنگ روم میں بٹھاتا ہوا بولا۔ "فرمائیے! آپ نے کیسے...؟"

"میں رات ہی کو آتی لیکن صرف اسی لیے نہیں آئی کہ... آرام میں خلل پڑتا۔ اب میں اسی کو دیکھنے آئی ہوں۔ اس کے..."

"...تو نہیں ہو گئی؟"

"...وہ تو نہیں لیکن تکلیف بہرحال ہے۔"

"...وہ ہوں کہ میری وجہ سے...."

"...نہ۔" ابریز کے باپ نے جلدی سے کہا۔ "میرے بیٹے... اس کا انسانی فرض تھا۔ میں اس کے اس اقدام سے... اور مجھے اس پر فخر ہے۔"

"...ابریز سے مل سکتی ہوں؟"

"...کیوں نہیں! چلیے، میں آپ کو اس کی خوابگاہ میں..."

...ایک اندرونی کمرے میں لے گیا۔ وہاں ابریز آرام دہ بستر... لیٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر زردی... غالباً اس زردی کا سبب یہ تھا کہ رات کو اس کا بہت... خون بہہ گیا ہوگا۔

ابریز کے باپ نے آہستہ سے پکارا۔ "دیکھو تو کون آیا..."

...آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر... گئی، میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی... تھی۔ "آپ!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اس... بے پناہ مسرت کا اظہار ہوا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش... جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔... ہو!" میں نے کہا۔ "اٹھو گے تو بازو میں تکلیف بڑھ جائے..."

...ابریز کے باپ نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور پھر مجھ سے... لیف رکھیں۔ میں ذرا اپنے کمرے سے اپنا پائپ اور... اٹھا لاؤں۔" وہ جلدی جلدی چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔... نگاہیں میرے چہرے پر اس طرح جم گئی تھیں جیسے میرا... محسوس ہو۔

"...کیوں رہے ہو؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"...کیسے کہوں؟ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔" ابریز نے سنجیدگی سے...

"...تم نے کیا حماقت کی تھی؟"

"...سی حماقت؟"

"...چاقو تمہارے سینے میں اتر جاتا؟"

"...اتر ہی جاتا!" ابریز نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو!"

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں!" ابریز عجیب سے انداز میں ہنس پڑا۔

"آخر تم نے اپنی زندگی داؤ پر کیوں لگائی تھی؟"

"میرے والد کا خیال ہے کہ میں نے انسانی فرض پورا کیا تھا۔"

"لیکن میں تمہارا خیال پوچھ رہی ہوں۔"

"میں اب اس سلسلے میں خاموش ہی رہنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میرا سچ آپ کو جھوٹ معلوم ہوگا۔ پھر میں کیوں اپنے سچ کی ذلت کرواؤں۔" ابریز عجیب سے لہجے میں بولا۔ "بانو! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں اپنے سچ کو دل کی گہرائی میں ہی دفن رکھوں گا۔"

میں نے اس وقت عجیب سی بے چینی محسوس کی لیکن بالآخر کہا۔ "ابریز! تمہارا شعور ابھی پختہ نہیں ہو سکا ہے۔"

"تو آپ نے میرے سچ کو جھوٹ سمجھا تھا لیکن میں آپ کے جھوٹ کو سچ مانے لیتا ہوں!" ابریز نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اسی وقت ابریز کا باپ واپس آ گیا اور اس کی وجہ سے وہ گفتگو آگے نہ بڑھ سکی جو اس کی عدم موجودگی میں شاید بہت دیر تک جاری رہتی۔

ابریز کے والد نے میری خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور مجھے تقریباً پون گھنٹے تک وہاں رکنا پڑا۔ پھر میں یہ کہہ کر وہاں سے رخصت ہوئی کہ ابریز کو دیکھنے کے لیے کل پھر آؤں گی۔

راستے میں میرا ذہن بہت الجھا رہا۔ ابریز کے انداز گفتگو سے اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگا ہے اور یہ میرے لیے حد درجہ پریشان کن بات تھی۔

کچھ دیر بعد میں نے اپنی کار اس ہوٹل کے پارکنگ شیڈ میں روکی جہاں سونیا کا قیام تھا۔ میں سونیا سے مل کر اس سے ایک کام لینا چاہتی تھی۔ وہی کام جس کی تفصیل سے میں نے رضیہ اور رضوان کو بھی بے خبر رکھا تھا۔

اس کام کے علاوہ میں سونیا کے ساتھ اتنا وقت بھی گزارنا چاہتی تھی کہ میری گزشتہ دنوں کی تھکان دور ہو جائے لیکن اس ملاقات کا اصل مقصد ایک اہم کام تھا۔

میری خوش قسمتی سے اس وقت سونیا اپنے کمرے میں موجود تھی۔

سونیا اتنے والہانہ اور بیتابانہ انداز میں مجھ سے ملی جیسے برسوں بعد ملاقات ہوئی ہو۔ اس کے ہونٹوں نے اس کی بے قراری کو میرے عارضوں پر تحریر کیا اور اس کے بدن کی تپش نے مجھے اس کے اُبلتے ہوئے جذبات کی تفسیر سے آگاہ کیا۔ اس کے سانسوں کے تموج نے مجھے سمندری تلاطم کے معنی سمجھائے اور اس کے بازوؤں کے حصار نے مجھے گرداب آشنا کیا۔ وہ چند لمحے اس طرح سنسنا اُٹھے جیسے آفتاب کی تمازت سے سمندر گرم ہو گیا ہو۔ پھر اس سے پہلے کہ جذبوں کا سمندر متلاطم ہو جاتا، میں نے دوری اختیار کر لی۔ میں نے آہستگی سے سونیا کو خود سے جُدا کیا اور سرگوشی کے انداز میں بولی۔ "سونی! میں تم سے کچھ باتیں کرنے آئی ہوں۔"

"اتنے دن بعد آئی ہیں اور صرف باتیں کرنے آئی ہیں!" سونیا نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں۔" میں نے ہنس کر اس کے شانوں پر دباؤ ڈالا اور اسے صوفے پر بٹھا دیا۔ پھر میں خود بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ میں نے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اسے پیار سے سہلاتی ہوئی بولی۔ "سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"

"اسے میں نے دھکے دے کر یہاں سے نکال دیا ہے۔" سونیا نے مُنہ بنا کر کہا۔ "میں اسے کیسے برداشت کر سکتی تھی؟ اس بدبخت نے آپ کے خلاف مجھے ہی استعمال کروا دیا تھا!"

"یہ تم نے بُرا کیا۔" میں سنجیدگی سے بولی۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے مشورے کے بغیر تم کوئی اقدام نہیں کرو گی۔"

"ارے تو آپ ملی جو نہیں اتنے دن سے! آخر میں اسے کب تک برداشت کرتی؟ مجھے اس کی صورت دیکھ کر غصہ آتا تھا۔"

"اتنے غصے کی بات تو نہ تھی۔ وہ بیچارا محض لالچ کا شکار ہو کر کچھ لوگوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس نے تمہیں تو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی تھی! وہ بہرحال تم سے محبت کرتا تھا۔"

"ہونہہ!" سونیا نے سر جھٹکا۔ "میں اس کی محبت کو خوب جانتی ہوں۔ اس کی محبت بس اتنی تھی کہ وہ اپنے جسم اور اپنے پیٹ کی بھوک مٹا رہا ہے۔ اس کے سارے اخراجات میں ہی برداشت کرتی تھی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ... ا...
بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔"

"میں خود بھی چاہتی ہوں کہ آپ ا...
کسی بحث میں نہ پڑیں بلکہ ..." اس نے ا...
میں حائل کر دیا۔

"نہیں۔" میں نے ہنس کر اس کا ازا...
ہوئے کہا۔ "بحث ختم کرنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم...

"ہائے!" سونیا نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "ا...
کو اس طرح گزار دینا چاہتی ہیں جیسے ہم کسی رہگزار...
ہوں۔"

"ہاں۔" میں اس کے انداز پر ہنس پڑی۔ "ل...
ہوں۔ مجھے تم سے ایک کام لینا ہے۔"

"گویا آپ اپنی غرض سے میرے پاس آئی ہیں!...
بنایا۔

"دوسری صورت میں بھی تو میری ہی غرض ہو...
معنی خیز لہجے میں کہا۔

"لیکن اس غرض میں میرا اشتراک بھی تو ہوتا!" مو...
کر ہنس پڑی۔

"فی الحال تم ایک غیر مشترک کام میں دلچسپی لو!" میں...

"خیر وہ تو مذاق کی بات تھی۔" سونیا نے سنجیدگی...
"آپ کا ہر کام میرا اپنا کام ہے۔ بتائیے آپ مجھ سے کیا...

"فی الحال صرف اتنا کہ ایک لڑکی سے دوستی گانٹھ لو...

"کس لڑکی سے؟"

"اس کا نام زرین ہے اور وہ سینٹ پال میں پڑھتی ...

"کیا بہت کانٹے کی چیز ہے؟" سونیا نے بائیں آنکھ ...

"میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔"

"پھر کیا بات بنی!" سونیا نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ وہ معاملہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"پھر کیا معاملہ ہے؟"

"یہ میں تم کو پھر کسی وقت بتاؤں گی۔ کل سے تم اس مشن...
کام شروع کر دو!"

"مجھے اس کے بارے میں کچھ اور تو بتائیے!"

میں نے اسے زرین کے بارے میں ضروری معلومات فراہم...
اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ ملک کی ایک نامور شخصیت خان آف کا...

... یہ معلومات میں نے گزشتہ رات ٹیلیفون [illegible]
[illegible] سے حاصل کی تھیں اور معلومات [illegible]
[illegible] اتفاقیہ [illegible] باعث زرین کی [illegible]
[illegible] سمجھیں۔

[illegible] دوستی [illegible] میں کامیاب ہو جاؤ تو مجھے [illegible]
[illegible] ہوں۔"

[illegible] سونیا نے [illegible]

[illegible] کا تجسس [illegible] اور روانگی کے لیے [illegible]

[illegible] سونیا [illegible] ہاتھ پکڑ لیا۔ "ٹھیک ٹھیک [illegible]

[illegible] تو ..." میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "جب بھی تم زرین سے [illegible] کامیاب ہو گئیں اسی رات کو [illegible]
[illegible] میرا انتظار ہو گا۔"
[illegible] میں نے ہنس کر کہا۔

[illegible] مجھے چھوڑنے کے لیے ہوٹل کے باہر تک آئی۔ جس وقت [illegible] رہی تھی تو سونیا نے کھڑکی سے سر اندر ڈال کر [illegible] میں بس مسکرا کر رہ گئی اور میں نے کار بڑھا دی۔

میں واپس اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی اور ذہن میں صرف یہ [illegible] رہا تھا کہ میں زرین کو خان آف [illegible] کے خلاف کس طرح [illegible] سکوں گی؟

جب میں گھر پہنچی تو میں نے رضوان کو اپنا منتظر پایا۔ [illegible] نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں [illegible] جانا چاہتا ہے لیکن [illegible] کی وجہ سے [illegible] کہیں جانے کی اجازت نہیں دے رہی ہے۔

میں نے اس سے پوچھا۔ "آپ زیادہ سے زیادہ کتنے دن میں [illegible]؟"

"چار دن سے زیادہ نہیں لگیں گے۔"

"اچھا دیکھیے میں کوشش کرتی ہوں کہ آپ کو اجازت مل جائے۔"

میں نے ٹیلیفون پر دو ایک سرکاری افسروں سے بات چیت کی [illegible] رضا سے کہا۔ "آپ کا کسی فلائٹ میں اپنی سیٹ کنفرم کرا [illegible] کو اجازت مل جائے گی۔"

[illegible] کے لیے [illegible] اس [illegible] کھیل [illegible]
اس نے اتنی بار میرا شکریہ ادا کیا کہ میں شرمندہ ہونے لگی۔

رات کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے رضا کو کھانے کے لیے روکنا چاہا لیکن اس نے معذرت کر لی۔

"مجھے اب جا کر روانگی کی تیاری کرنا ہو گی۔" اس نے کہا تھا۔

اس کی رخصت کے بعد ہم لوگ کھانے کے لیے بیٹھے۔ [illegible] تو اب میرے گھر میں [illegible] تھی لیکن رضیہ کی وجہ سے رضوان کا زیادہ تر وقت بھی وہیں گزرتا تھا۔

کھانے کے بعد [illegible] کا دور چلا لیکن [illegible] اس میں شامل نہیں ہوئی۔ وہ اٹھ کر اپنی خوابگاہ میں چلی گئی تھی۔

"یہ لڑکی بہت ہی دکھی ہے۔" رضیہ نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"ہونا بھی چاہیے۔" رضوان منہ بنا کر بولا۔ "ابھی محبوب کی موت کا غم تازہ ہی تھا کہ باپ کی موت کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑ گیا۔"

میں نے ان باتوں میں دلچسپی نہیں لی اور کہا۔ "رضیہ! تمہیں کل صبح صبح ہی کچھ کام کرنے ہیں۔"

"کیا؟" وہ ہمہ تن متوجہ ہو گئی۔

"ایک تیز رفتار لانچ کا بندوبست کرو۔ زیر آب تیراکی کے لباس بھی لینا ہوں گے۔ ویسے ہمیں ظاہر یہ کرنا ہے کہ ہم مچھلی کے شکار کے لیے کھلے سمندر میں نکلے ہیں۔"

"اوہ!" رضوان کے منہ سے نکلا۔ پھر وہ اور رضیہ ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

"ہم لوگ دوپہر کو کھانے کے بعد روانہ ہوں گے۔" میں نے کہا۔ "اس لیے سارا بندوبست اس سے پہلے ہی مکمل ہو جانا چاہیے۔ ایک کام اور بھی کرنا ہے۔ ہمیں اپنے ساتھ ایک بہت لمبی رسی بھی لینی ہو گی۔ اس رسی کی لمبائی ڈھائی تین سو گز ہونا چاہیے۔ اگر مجھے سمندر میں اترنا پڑا تو میں وہ رسی اپنی کمر سے باندھ کر اتروں گی تاکہ لانچ سے بچھڑ جانے کا خطرہ نہ رہے۔"

"آپ اس جہاز کو تلاش کرنا چاہتی ہیں باجی؟" رضیہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"ہاں۔"

"لیکن یہ بات اچھی طرح تصدیق پا چکی ہے کہ نواب آف [illegible] گڑھ کا کوئی ذاتی جہاز نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہ جہاز کسی اور کے نام ہو مگر [illegible]

کالاگوٹ کے استعمال میں رہتا ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے اپنا کوئی زیرِ آب ٹھکانا بنا رکھا ہو۔"

رضوان اور رضیہ مجھے اس طرح دیکھنے لگے جیسے میں انھیں کسی سنسنی خیز انگریزی ناول کا ترجمہ سنا رہی ہوں۔

آخر رضوان بُرا سا مُنہ بنا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اپ 'جی' ویلز کا نام آپ ہی روشن کریں گی۔"

"بکومت!" میں کھڑی ہو گئی۔ "میں اس کمرے کو فراموش نہیں کر سکتی جہاں خان آف کالاگوٹ نے مجھے قید کیا تھا۔"

"لیکن اس کمرے کو فراموش نہ کرنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ کو ڈاکٹر جمعہ سے رجوع کرنا پڑے۔"

"تم بیٹھے بکواس کرتے رہو۔ میں اب سونے جا رہی ہوں رضیہ! تمھیں کل دوپہر سے پہلے پہلے یہ سارا بندوبست کر لینا ہے۔"

پھر میں رضیہ اور رضوان کو ڈرائنگ روم میں بیٹھا چھوڑ کر اپنی خوابگاہ میں آ گئی۔ شب خوابی کا لباس پہن کر جب میں بستر پر لیٹی تو ساڑھے دس بجے تھے۔ نیند ابھی میری آنکھوں سے بہت دُور تھی لیکن میں نے تنہائی محض اس لیے اختیار کی تھی کہ کچھ سوچ سکوں۔

مشتاق چنگیزی کا معاملہ نپٹ جانے کے بعد اب میرے ذہن پر صرف یہ بوجھ باقی رہ گیا تھا کہ ڈاکٹر شکیل کی موت کے ذمّے دار افراد کو دار پر لٹکتے یا آہنی سلاخوں کے پیچھے سڑتے ہوئے دیکھ لوں۔ ڈاکٹر شکیل سے میرا کوئی جذباتی تعلق نہ سہی لیکن سنگیتا سے تو تھا جس کے من مندر میں شکیل کی مورتی اب بھی سجی ہوئی تھی۔ یہ تو میرے اختیار میں نہ تھا کہ سنگیتا کو اس کا محبوب لوٹا سکوں لیکن اس کی دلجوئی اور اشک شوئی کے لیے میں اتنا تو کر ہی سکتی تھی کہ اس کے محبوب کے قاتلوں کو قرار واقعی سزا دلوانے کی تگ و دو کر سکوں۔

شکیل کا قاتل ایک ٹرک ڈرائیور تھا لیکن میں منطقی طور پر اس کی ذمّے داری خان آف کالاگوٹ پر ڈال رہی تھی کیونکہ وہ اس ٹرک ڈرائیور کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس کی شخصیت میرے لیے ایک چیلنج بھی بن گئی تھی۔ مجھے ہر قیمت پر اس کی 'پارسائی' اور 'عزت مآبی' کا پردہ چاک کرنا تھا۔ اس طرح سنگیتا سے کیا ہوا میرا وعدہ بھی پورا ہو جاتا اور معاشرے کو اس ناسور سے بھی نجات مل جاتی جو خان آف کالاگوٹ کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔

خان آف کالاگوٹ سے نپٹنے کے لیے میں نے دو سمتوں میں کام کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ ایک طرف تو میں سونیا کے واسطے سے زرین کو آلۂ کار بنا کر خان آف کالاگوٹ کے خلاف کچھ مواد حاصل کرنا چاہتی

تھی اور دوسری طرف مجھے وہ جہاز تلاش کرنا تھا
میں قید رہ چکی تھی۔ ان دونوں سمتوں میں
اپنی کامیابی کا یقین تھا لیکن میں اس پہلو پر
ہر دو سمتوں میں ناکامی ہوئی اور خان آف کالاگو
لیے آہنی دیوار بننے لگا تو مجھے ایک تیسرا راستہ اپنا
وہ تیسرا راستہ یہ تھا کہ میں ایک بار پھر انٹرپو
کر لیتی۔ بہت عرصے پہلے میں ایک اصولی بات کی بنا
ہو گئی تھی اور میں غالباً اپنی سرگزشت میں پہلے
کہ انٹرپول کے 'بڑے' اب بھی یہی چاہتے تھے
انٹرپول میں شامل ہو جاؤں۔

میں اپنے بستر پر لیٹی آنکھیں بند کیے ہوئے
غور کر رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی
بیٹھی اور میں نے بیساختہ بلند آواز میں پوچھا
"میں ہوں بانو! سنگیتا!" باہر سے آواز آئی
میں حیرت کے عالم میں بستر سے اٹھی اور سلیپر
کی طرف بڑھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سنگیتا کو
پاس آنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ دیوار گیر گھڑی
کہ بارہ بجنے ہی والے ہیں۔

میں نے دروازہ کھولا۔ سنگیتا میرے سامنے کھڑی
اس نے شب خوابی کے لباس پر گاؤن پہن رکھا تھا۔
چہرے پر حسبِ معمول رنجیدگی ہی دکھی لیکن میں کوئی
نہیں کر سکی جس سے میری سمجھ میں آ سکتا کہ سنگیتا آدھی
پاس کیوں آئی ہے!

"خیریت تو ہے؟" میں نے تعجب سے کہا اور ایک
کر اُسے اندر آنے کے لیے راستہ دے دیا۔

"جی ہاں! خیریت ہے۔" وہ آہستہ سے بولی اور
"آپ ابھی سوئی تو نہیں تھیں؟"

"نہیں! مجھے ابھی نیند نہیں آئی تھی۔" میں نے
دیا لیکن اُسے بولٹ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

"میں نے دستک اس لیے آہستہ سے دی تھی کہ اگر
چکی ہوں گی تو مجھے جواب نہیں ملے گا۔ اس صورت میں
سنگیتا نے کہا۔

"لیکن اس وقت . . . ."

"آپ کو میری آمد پر تعجب ہے!" وہ میری بات کا

ں پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔
ایک فطری امر ہے۔" میں نے کہا۔
ک کہہ رہی ہیں۔" سنگیتا نے آہستہ سے کہا۔ "آج
مہار رہا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میں وحشت میں گھر سے
لوں پر نہ نکل جاؤں اسی لیے میں فوراً ہی آپ کے
آ آئی۔"

آئی ہو تو بیٹھو بھی!" میں نے مسکرا کر کہا پھر اس
بستر پر لے جا کر بٹھا دیا۔ اس کے گداز ہاتھ کے لمس
ہاری سنسنا اٹھا تھا۔ میں نے اسے بستر پر بٹھانے کے
کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے
ل انھیں اور لمس کا وہ جادو سر چڑھ کر بولنے لگے۔
گیتا بدستور دھیمے لہجے میں بولتی رہی۔ "آج مجھے بڑی شدت
ہے کہ میری وجہ سے آپ بے شمار الجھنوں کا شکار
میرا وجود ہی منحوس ہے۔ میری ماں کا سایہ بچپن ہی میں
ٹھ گیا تھا پھر میرا محبوب بھی ہمیشہ کے لیے مجھ سے جُدا
بعد میرے پتا جی نے خودکشی کر لی اور اب میں آپ
ہوں تو آپ بھی پریشانیوں کا شکار ہو گئی ہیں تو پھر کیوں
میرے وجود سے ہی پاک ہو جائے اور میں وہی کر گزروں
. . ."

ست!" میں نے اُسے ایک جھٹکے سے اپنی آغوش میں سمیٹ
ہوئے ہونٹوں سے اس کی سرد پیشانی کو چومتی ہوئی بولی۔
نے اپنی زبان سے ایسا کوئی لفظ ادا کیا تو میں تیری زبان
دوں گی، پگلی کہیں کی۔"
گیتا کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔ وہ آبدیدہ ہو گئی تھی لیکن اس
ٹے ڈھلکنے سے پہلے ہی اپنے جذبات پر قابو پا لیا اور بولی۔
وں بانو! آپ مجھے شدت سے چاہتی ہیں۔"
سے لیے یہ بھی باعثِ مسرت ہے کہ تمھیں اس کا احساس ہے
ا میں ایسے بدنصیب بھی موجود ہیں جن کی محبت پر کسی کو
ا۔" یہ کہتے ہوئے میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ دراصل
یاد آ گیا تھا۔ اسے بھی اس کے مطابق مجھ سے محبت
خاطر وہ اپنی جان پر بھی کھیل ین میں اب بھی یہ باور
یہ پوری طرح تیار نہیں تھی کہ وہ واقعی مجھ سے محبت کرتا

ا سوچنے لگیں؟" سنگیتا نے مجھے کھویا ہوا محسوس کر لیا تھا۔

"آں!" میں چونک پڑی۔

اب مجھے پھر بڑی شدت سے احساس ہوا کہ سنگیتا میری آغوش میں ہے۔ کسی وقت بھی میرے جذبات کا لاوا اُبل سکتا تھا۔ میں نے اُسے باآہستگی خود سے جُدا کیا اور بولی۔ "تم اپنے ذہن کو بے ہنگم خیالات سے پاک کرنے کی کوشش کرو اور جاؤ اب جا کر سو جاؤ!"

"آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کی خوابگاہ سے چلی جاؤں؟"

"ہاں۔" میں نے محسوس کیا کہ میری آواز مرتعش تھی۔

"آپ مجھ سے خوفزدہ ہیں یا اس تنہائی سے؟"

"سنگیتا!" میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ ان دونوں باتوں کی یکجائی سے خائف ہیں۔"

"تم فضول باتیں چھوڑو اور جا کر سو جاؤ!"

"بانو!" سنگیتا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "آپ نے میری خاطر بہت کچھ کیا ہے اور بہت کچھ کر رہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔ مجھ سے بس یہی ہو سکتا ہے کہ آپ کے جذبات کو مسترد نہ کروں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر کہا۔

"اب میں آپ کی خواہشات کے خلاف کوئی مزاحمت نہیں کروں گی۔"

مجھے یوں لگا جیسے سنگیتا نے میرے مُنہ پر تھوک دیا ہو۔ میرا جسم یکلخت غصے سے پھنک اٹھا۔ میں بے اختیار ہاتھ چھوڑ بیٹھی۔ میرا طمانچہ سنگیتا کے گال پر پڑا۔ وہ ہکا بکا ہو کر میری طرف دیکھنے لگی۔ میں جھٹکے سے کھڑی ہو گئی اور غصے سے بولی۔ "تو میری محبت کی اتنی حقیر قیمت لگا رہی ہے۔ کیا میں یہ سب کچھ اس لیے کر رہی ہوں کہ اس طرح کسی روز تجھے متاثر کر کے تجھے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ تو نے میری شدید توہین کی ہے۔ تو نے میرے جذبے کو ذلیل کیا ہے۔ تو نے ... تو نے ....." میں غصے کی شدت میں کچھ اور نہ کہہ سکی۔

"بانو!" سنگیتا یکلخت اٹھی اور مجھ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ "مجھے معاف کر دیجیے بانو! پتا نہیں میں کیا بک گئی تھی۔"

میرا اشتعال اتنا بڑھا ہوا تھا کہ سنگیتا کے آنسو بھی اسے فوری طور پر ٹھنڈا نہ کر سکے۔ میں بت بنی ہوئی کھڑی رہی۔ میں سامنے کی دیوار میں لگے ہوئے لائٹ گلوب کو گھورے جا رہی تھی۔

"بانو!" سنگیتا نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔

اب میں نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا جو آنسوؤں سے بھیگا

ہوا تھا۔ سنگیتا نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے اور اس کے الفاظ اس کے اشکوں سے دُھل دُھل کر اُس کے ہونٹوں سے ادا ہونے لگے۔ ”مجھے معاف کر دیجیے بانو! آپ کو آپ کے پیار کی قسم، مجھے معاف کر دیجیے! میں جو کچھ بک گئی، وہ میری بہت بڑی بھول تھی۔ اب اس کا اعادہ کبھی نہیں ہوگا۔“ سنگیتا کے لہجے کی التجا اپنی معراج پر تھی۔

اچانک میرا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ میں نے سنگیتا کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور بولی۔ ”آخر کو ہے نا پگلی!“

سنگیتا کے ہونٹ کانپتے رہے اور آنکھیں اشک برساتی رہیں۔

”بس اب چپ ہو جاؤ!“ میں نے اُس کے گال تھپتھپائے۔ ”اب آئندہ کبھی ایسی کوئی بات زبان پر مت لانا!“

سنگیتا نے آہستہ آہستہ دو مرتبہ نفی میں سر ہلایا۔ میں اپنی آستین سے اُس کے بہتے ہوئے آنسو پونچھنے لگی اور پھر اس کے بازو میں بازو ڈال کر بولی۔ ”چلو میں تمھیں تمھارے کمرے میں چھوڑ آؤں۔“

”آپ آرام کیجیے! میں چلی جاؤں گی۔“

”میرے آرام کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے جناب کو!“ میں نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

سنگیتا مسکرا دی۔ اب اُس کے آنسو نہیں بہہ رہے تھے لیکن اس کی مسکراہٹ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی محسوس ہوئی۔

میں اُسے اس کے کمرے میں لے گئی، اپنی گود میں اٹھا کے اُسے بستر پر لٹایا، اُسے اونی چادر اوڑھائی، پھر جھک کر اُس کی پیشانی کو چوما اور ”شب بخیر“ کہہ کے اس کے کمرے سے نکل آئی۔

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور میں سوچ رہی تھی کہ یہ محبت کا جذبہ بھی کتنا عجیب ہوتا ہے! کیسی کیسی باتیں ہو جاتی ہیں اس میں! کبھی میرے سان وگمان میں بھی نہیں آیا تھا کہ میں کسی روز سنگیتا کے منہ پر طمانچہ مار بیٹھوں گی۔

اپنی خوابگاہ میں پہنچ کر میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو ساڑھے بارہ بجے تھے۔ میں بستر پر لیٹی اور سنگیتا کے بارے میں سوچتے سوچتے کسی لمحے نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

صبح ناشتے کی میز پر رضیہ اور سنگیتا میرے ساتھ تھیں۔ ناشتے کے بعد رضیہ اُن انتظامات کے لیے چلی گئی جن کے بارے میں، میں نے اُسے ہدایات دی تھیں۔ اُس کی روانگی کے بعد میں اور سنگیتا اسٹڈی میں جا بیٹھے۔

”سنگیتا!“ میں بولی۔

سنگیتا جو کسی خیال میں ڈوبی ہوئی تھی، چونک کر میری طرف دیکھنے لگی۔ ”جی بانو!“

”کل رات میں نے تمھارے بارے میں اہم

”وہ کیا بانو؟“

”یہاں کا ماحول تمھارے لیے بڑا وحشتناک ہے۔

تم کچھ عرصے کے لیے امریکہ چلی جاؤ۔ اس طرح تمھیں

مل جائے گا۔ وہاں میری ایک بہت پیاری

تمھارا اسی طرح خیال رکھے گی جیسے میرا خیال رکھ

”لیکن اس سے کیا فائدہ ہوگا بانو؟“

”ماحول کی تبدیلی ذہن پر ضرور اثر انداز ہو

”لیکن میں ایک نئے ماحول میں خود کو کس طرح

گی۔“

”اس سلسلے میں تمھیں فرخ سے بہت مدد ملے

”یہ فرخ ہے کون؟“

”میری بہت پیاری دوست ہے۔ میں نے

نہیں دیکھا لیکن لگتا ہے جیسے صدیاں گزر گئی ہوں لیکن

اپنے وجود میں محسوس کرتی ہوں۔ اُسے میرا ایک خیال

وہ خود بھی میرے اس قول سے واقف ہے کہ محبت

توانائی کے ساتھ زندہ رہتی ہے لیکن ایسا ضرور ہے کہ

رکھتی ہے۔ اُس سے کہنا کہ وہ کبھی کبھی مجھے فون کر لیا کرے

آواز سن کر بھی مجھے اتنا ہی سکون مل سکتا ہے جتنا اُس

کرکے۔“

”بانو!“ سنگیتا مجھے بڑے غور سے دیکھتی ہوئی بول

آپ کو بہت عزیز ہے؟“

”ہاں، وہ مجھے اتنی عزیز ہے کہ خود اس کو بھی اس کا

”اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ کا چہرہ ابھی اس طرح

آپ دنیا کے کسی بہت بڑے خزانے کا ذکر کر رہی ہوں۔“

”جو لوگ پیارے ہوں، وہ کسی خزانے سے کم تو نہیں

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔“ سنگیتا نے ٹھنڈا سانس لیا

میں ڈوب گئی۔ شاید اسے شکیل یاد آ گیا تھا۔

ادھر میں اُن مہکتے ہوئے لمحات میں کھو گئی جو

ساتھ گزارے تھے۔ مجھے اس سے اپنی پہلی ملاقات بھی یاد آ

بس میں ہوئی تھی۔

کچھ دیر اسٹڈی میں بیٹھ کر میں اور سنگیتا اپنے

اپنے کمروں میں جا لیٹے۔ اب وقت میں نے فیصلہ کیا کہ سنگیتا کو

مارے انتظامات رضوان کے سپرد کر دوں گی۔ میں چاہتی تھی کہ

ان میں ہی امریکہ چلی جائے۔ نئے ماحول میں وہ خود کو

سے سنبھال لیتی لیکن میرا یہ فیصلہ ایک نہایت غلط فیصلہ تھا

ساس مجھے اُس وقت ہوا جب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

سہ دوپہر سے پہلے پہلے لوٹ آئی۔ اس کے ساتھ رضوان بھی تھا۔

ہمارے انتظامات کر کے آئے تھے۔ رضیہ نے بتایا کہ ہم لوگ

ے کے بعد اپنے مشن پر روانہ ہو سکتے ہیں۔

❀

آب پر تیز دھوپ چمک رہی تھی اور ہم لانچ میں کھلے سمندر

رہے تھے۔ رضوان اسے اسٹیئر کر رہا تھا کیونکہ اس کے خیال

س کے مضبوط بازو، ہمارے ”ناتواں“ بازوؤں سے زیادہ

مظاہرہ کر سکتے تھے۔

اہم نے منوڑے کے گرد نصف دائرے میں گردش لی اور آگے

میں اور رضیہ اطراف واکناف کا جائزہ لینے میں مصروف تھے۔

میری ہدایت کے بغیر ہی دو عدد دوربینوں کا بھی بندوبست کر

وہ دوربینیں اُس وقت ہمارے بہت کام آ رہی تھیں۔ ان کی

ہم دور ہی سے ان جہازوں کا جائزہ لے لیتے تھے جو ساحل

انداز ہونے کی جگہ نہ ملنے کے باعث کھلے سمندر میں اِدھر اُدھر

ہوئے تھے۔ اُن میں زیادہ تر غیر ملکی کمپنیوں کے کارگو تھے جو

انواع تجارتی سامان لے کر آئے تھے۔ اس قسم کے جہازوں کو

نی ہفتے تک ساحل پر لنگر انداز ہونے کی جگہ نہیں ملتی ہے اور

سمندر میں کھڑے رہتے ہیں۔ ان جہازوں کا عملہ لانچوں کے

ساحل پر آتا جاتا رہتا ہے۔ ہم نے ایسی بہت سی لانچیں دیکھیں جو

ان کے کارندوں کو ساحل کی طرف سے جا رہی تھیں یا ساحل سے

کی طرف لا رہی تھیں۔

دوربینوں کی وجہ سے ہمیں کسی جہاز کے قریب جا کر اس کا جائزہ

لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ہمیں دور ہی سے اُن کے نام وغیرہ دکھائی دے

رہے تھے۔

آخر ہماری لانچ ان جہازوں سے بھی آگے نکل گئی اور تب رضوان

اس کی کھلبلی برداشت نہیں کر سکا۔ اُس نے مجھ سے کہا۔ ”ایک بات

بتائیے خاتون!“

”فرمائیے!“ میں نے اسی کے سے لہجے میں کہا۔

”کیا ہم اسی لانچ میں یورپ تک کی دوڑ لگا ڈالیں گے؟“

”کیا مضائقہ ہے!“ رضیہ ہنس کر بولی۔ ”خاصا دلچسپ ایڈونچر

رہے گا۔“

”اُس وقت کیا ہوگا جب لانچ کا ایندھن ختم ہو جائے گا؟“

”اسی وقت تو ایڈونچر شروع ہوگا۔“

”تو پھر آپ لوگ مجھے تو یہیں ڈراپ کر دیجیے! میں تیرتا ہوا ساحل کی طرف لوٹ جاؤں گا۔“

”تمھارے فرشتے بھی اتنا فاصلہ تیر کر طے نہیں کر سکتے۔“

”یہ نہ کہو۔ میں ایک مرتبہ بحرالکاہل سے بحراوقیانوس تک چلا گیا تھا۔“

”شش!“ رضیہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سرگوشی کرنے والے انداز میں کہا۔ ”اگر کسی اور نے سن لیا تو تمھیں گدھا بندر پہنچا دے گا۔“

”بندرگاہ سے تو ہم گذر ہی آئے ہیں۔ اب گدھا و بندر بھی سہی۔“ رضوان نے بے پروائی سے شانے جھٹک کر کہا۔ ”لیکن تمھیں بھی میرے ساتھ وہاں چلنا ہوگا۔ تنہائی میں تو میرا جی کہیں بھی نہیں لگے گا۔“

”وہاں ضرور لگ جائے گا۔“ رضیہ نے تمسخرانہ وثوق سے کہا۔ ”وہاں تمھارے بھائی بند ضرور ہوں گے۔ ویسے بھی وہاں کی انتظامیہ کے پاس اتنے خوبصورت ہنٹر ہوتے ہیں کہ آدمی وہاں اپنا دل تو کیا پھیپھڑے اور جگر وغیرہ تک لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔“

رضیہ اور رضوان کی نوک جھونک میں بہت سرسری طور پر سنتی رہی۔ میری آنکھیں تو اطراف واکناف کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں، دوربین میری آنکھوں سے لگی ہوئی تھی اور میرے تصور میں وہ جہاز تھا جس کے ایک کیبن میں، میں قید رہ چکی تھی۔

لیکن اب مجھے دُور دُور تک کوئی جہاز دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جن جہازوں کو ہم پیچھے چھوڑ کر آئے تھے، وہ بھی اب دوربین کے باوجود بہت ننھے ننھے سے نظر آ رہے تھے۔ دوربین کے بغیر تو انھیں دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

آخر جب چار بج گئے تو رضوان پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”خاتون! اگر اب واپسی کا قصد کرنے میں دیر کی تو ساحل تک پہنچتے پہنچتے رات ہو جائے گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”موڑ لو لانچ کو۔ کل ہم دائیں سمت میں چلیں گے۔“

”اور پرسوں بائیں سمت میں!“ رضوان نے منہ بنایا۔

”بے شک۔“ میں نے مستحکم انداز میں کہا۔ ”میں جب تک مطمئن نہ ہو جاؤں، اس جہاز کی تلاش جاری رکھوں گی۔“

”اور یہ جو غوطہ خوری کا سامان ساتھ لیا تھا؟“

”فی الحال میں نے وہ پروگرام ملتوی کر دیا ہے۔ ہاں اگر پرسوں تک

ہم اس جہاز کو تلاش نہ کرسکے تو پھر میں منوٹسے کے آس پاس، زیرِ آب تلاش کی مہم شروع کروں گی۔"

"یعنی تین روز کی ناکامی کے بعد پانی پانی ہوجائیں گی۔"

"یہ کوئی اچھا فقرہ نہیں ہوا۔"

"میں بہت اچھا فقرہ کہہ سکتا تھا سالی جی!" رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "لیکن مشکل یہ ہے کہ اس وقت میری ہونے والی بیوی بھی ساتھ ہے۔" رضوان نے کن انکھیوں سے رضیہ کی طرف دیکھا۔

"کیا!" رضیہ نے آنکھیں نکالیں۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میری عدم موجودگی میں باجی کے ساتھ بہت زیادہ گستاخی کے ساتھ پیش آتے ہو!"

"ارے کچھ نہ پوچھو رضیہ!" میں شرارت سے مسکرائی۔ "ایک مرتبہ تو یہ حضرت فرما رہے تھے کہ رضیہ تو شادی کے لیے تیار نہیں ہو رہی ہے، لہٰذا آپ ہی تیار ہو جائیے!"

"کیوں!" رضیہ نے رضوان کا کان پکڑا۔

"ارے یہ بکواس ہے۔" رضوان بولا۔ "بھلا میں ایک بڑھی ٹھڈی سی عورت سے شادی کروں گا!"

"کیا!" رضیہ نے آنکھیں نکالیں۔ "باجی، بڈھی ہیں؟"

اُس نے اتنے زور سے رضوان کا کان کھینچا تھا کہ وہ چیخ پڑا۔ "ارے اکھڑ جائے گا۔"

"کیا!" رضیہ نے بوکھلا کر اُس کا کان چھوڑ دیا۔

"کان۔" رضوان نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "اور کیا؟"

"ہائیں! تو کیا تمہارا کان مصنوعی ہے؟"

"اصلی ہے!" رضوان نے پہلے سے زیادہ آنکھیں نکالیں۔

"پھر تو اتنی آسانی سے نہیں اکھڑ سکتا۔" رضیہ نے کہا اور بڑے اطمینان سے دوبارہ رضوان کے دونوں کانوں پر ہاتھ ڈال دیے۔

"ارے کیا برازیل میں رہ کر بالکل ہی وحشی ہو گئی ہو!" رضوان نے جھنجلا کر کہا اور سر کو جھٹکا دے کر اپنے کان چھڑانے کی کوشش کی۔

"ارے سنو!" میں اچانک بولی۔ "ایک لانچ ہمارے پیچھے آ رہی ہے۔"

"کیا!" رضیہ نے جلدی سے رضوان کے کان چھوڑ دیے۔

ہماری لانچ اب واپس ساحل کی طرف جا رہی تھی لیکن اس وقت ہم منوٹسے سے بھی اتنی دُور تھے کہ وہاں تک پہنچنے میں ڈیڑھ دو گھنٹے لگتے۔

رضوان نے پلٹ کر دیکھا اور پھر بولا۔ "مجھے تو کوئی لانچ نظر نہیں آ رہی ہے!"

"ابھی بہت دُور ہے۔ دُوربین ہی سے نظر آ سکے گا"

"اوہ!"

اب رضیہ نے بھی دوربین آنکھوں سے لگالی تھی۔

"ہاں، ہے تو سہی!"

"اور میں بڑے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ خطرہ ہما... چکا ہے۔" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"کیوں!" رضوان بولا۔

"آخر یہ لانچ ہمارے پیچھے کس طرح آ گئی۔"

"آپ کی طرح کوئی اور سنکی بھی کسی جہاز کی تلاش میں ... جہاز کی تلاش میں نہ ہوگا تو وھیل کا شکار کھیل رہا ہوگا!"

"کیا بالکل ہی گھامڑ ہو گئے ہو؟ ہمارے سمندر میں وھیل ... جاتی!"

"تو وھیل کی اولادوں میں سے کوئی چیز پائی جاتی ...

"ذرا چپ رہو، مجھے سوچنے دو!" میں نے جھنجلا کر کہ...

"ارے تو کیا میری زبان کو سوچنے کے کام میں لائیں گی ... دیجیے اور اپنے دماغ کو سوچنے کے کام میں لائیے!"

"رضو!" میں نے تشویش سے کہا۔ "وہ ہماری لانچ سے ... تیز رفتار معلوم ہوتی ہے۔"

"جی ہاں۔" رضیہ نے کہا۔ "بڑی تیزی سے قریب آ ...

"میرا خیال ہے کہ وہ لوگ ایک لمبا چکر کاٹ کر ہمارے سامنے آ گئے ہیں۔"

"اور یہ بھی طے ہے کہ ان کے پاس ہماری دوربینوں سے طاقتور دوربین ہوگی۔" رضیہ نے کہا۔ "اسی لیے وہ لوگ تو ہم پر ... لیکن ہمیں اُن کی لانچ دکھائی نہیں دی۔"

"ارے وہ بحری پولیس کی لانچ بھی ہو سکتی ہے۔" رضوان ... اظہارِ خیال کیا۔ "وہ لوگ اسمگلروں کی تلاش میں سارے سمندر کو گھ... پھرتے ہیں۔"

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "بحری پولیس کے پاس جس قسم کی لا... میں اُن کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ یہ لانچ اُن سے قطعی مختلف ہے... کے علاوہ اب مجھے اس لانچ پر ایسے آدمی بھی نظر آنے لگے ہیں جو... میں نہیں ہیں۔"

"باجی!" رضیہ پُرجوش انداز میں بولی۔ "اس لانچ پر ... مشین ... بھی فٹ ہے۔"

...ہمارے پاس صرف ریوالور ہیں۔"

"تب تو پھر اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون!" رضوان بڑبڑایا اور اُس ... نے پھر پلٹ کر دیکھا۔

اس لانچ کو دوربین کے بغیر بھی دیکھا جا سکتا تھا لیکن اس ... وقت ننھی سی نظر آ رہی تھی۔

...رفتار بڑھاؤ!" میں نے مضطربانہ انداز میں رضوان سے کہا۔

"ممکن!" رضوان سنجیدہ ہو گیا۔ "یہ لانچ اس سے زیادہ تیز رفتاری نہیں رکھتی۔ جتنی رفتار بڑھائی جا سکتی تھی، اتنی رفتار میں نے بڑھا دی تھی جب رضیہ سے مشین گن کا نام سُنا تھا۔"

"اب کیا ہوگا؟" میں نے پُرتشویش انداز میں رضیہ کی طرف دیکھا ... میں بس بے خیالی ہی میں کر گئی تھی۔ خود میرا دماغ پوری ... کے ساتھ یہ سوچنے میں مصروف تھا کہ اس خطرناک صورتِ حال ... طرح نپٹا جا سکتا ہے؟

اچانک رضیہ نے جھک کر غوطہ خوری کا لباس اٹھایا اور پہننے لگی۔

"کیا کر رہی ہو؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"...! کبھی کبھی آپ مجھ سے کہا کرتی ہیں کہ بس دیکھتی رہو۔"

...! میں بے اختیار مسکرا پڑی۔

"...سمندر میں کُود کُود کر جان بچانا ہوگی!" رضوان نے بوکھلائے ... انداز میں پوچھا۔

میں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا اور رضیہ سے بولی۔ "شاید ... گئی ہوں کہ تم کیا کرنے جا رہی ہو!"

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ آپ سمجھ جائیں گی۔"

"اے تو مجھ کوڑھ مغز کو بھی تو کچھ سمجھاؤ!" رضوان دہاڑا۔

رضیہ ہنس پڑی۔ اُس نے غوطہ خوری کا لباس پہن لیا تھا اور اب ... کے ایک سرے کو اپنی کمر سے باندھ رہی تھی۔ یہ کئی سو فٹ لمبا رسّا ... ہدایت کے مطابق ہی لانچ میں موجود تھا لیکن اس کا وہ مصرف ... میں نہیں تھا جو اب اچانک سامنے آ گیا تھا۔

... دوسرا سِرا میں خود لانچ کے ایک ... سے باندھنے لگی۔

"آپ واقعی سمجھ گئی ہیں!" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"تو کیا پہلی مرتبہ تم نے میری بات کو مذاق سمجھا تھا؟"

اس سے پہلے کہ رضیہ کچھ کہتی، گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے فضا گونج اٹھی۔ ... آنے والی لانچ کی مشین گن سے پہلا برسٹ مارا گیا تھا لیکن ... لانچ اُس کی زد سے کچھ دُور تھی۔

میں نے ریوالور نکال کر یونہی ایک فائر جھونک مارا۔ مقصد اُن لوگوں کو یہ باور کرانا تھا کہ ہم غیر مسلح نہیں ہیں۔ اگر انہیں یہ احساس دلایا جاتا تو وہ زیادہ ہی دیدہ دلیری کا ثبوت دینے لگتے۔

"رضوان!" رضیہ تیزی سے بولی۔ "تم لانچ کو تیزی سے پینتالیس ڈگری کے زاویے پر موڑو۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ لوگ مجھے سمندر میں اترتے ہوئے دیکھ سکیں۔"

"ارے تو کیا مچھلیوں سے کوئی گفت و شنید کرنے جا رہی ہو!" رضوان نے جیسے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا لیکن اس نے کیا وہی تھا جس کی رضیہ نے تاکید کی تھی۔

لانچ پینتالیس ڈگری کے زاویے پر مُڑی ہی تھی کہ رضیہ زقند لگا کر سمندر کی گہرائی میں اترتی چلی گئی۔

"ہائے اگئی ہاتھ سے!" رضوان نے مایوسانہ انداز میں ٹھنڈا سانس لیا۔ نہ جانے وہ ایکٹنگ کر رہا تھا یا سمجھ گیا تھا کہ رضیہ کیا کرنے جا رہی ہے۔

رسّے کا وہ لچھا تیزی سے کھُلنے لگا جس کا ایک سرا رضیہ کمر سے باندھ کر سمندر میں اتری تھی۔ جب رسّا ختم ہونے والا تھا تو میں نے اس پر اپنے ہاتھ کی ہلکی سی گرفت قائم کی اور پھر اس گرفت کو بتدریج سخت کرتی چلی گئی۔ مقصد یہی تھا کہ جب رسّے کا اختتام ہو تو رضیہ کی کمر کو زیادہ زور کا جھٹکا نہ لگے۔

تعاقب کرنے والی لانچ کی طرف سے مشین گن کا دوسرا برسٹ مارا گیا۔ اس مرتبہ گولیوں نے ہماری لانچ کے اِرد گرد پانی کے چھینٹے اُڑا دیے تھے۔ یہ غالباً وارننگ تھی کہ ہم رُک جائیں ورنہ تیسرا برسٹ ہماری لانچ پر بھی پڑ سکتا ہے۔

میں آڑ لیتے ہوئے اوندھی لیٹ گئی اور دوربین آنکھوں سے لگا کر تعاقب کرنے والی لانچ کی طرف دیکھنے لگی۔ اب اس لانچ کے آدمی مجھے صاف نظر آ رہے تھے۔ اُن کی تعداد چار تھی۔ ان میں سے دو نے دھاری دار بنیانیں اور پتلونیں پہن رکھی تھیں۔ ایک نے قمیص پر سوئٹر پہن رکھا تھا اور چوتھے کے جسم پر جیکٹ تھی۔ اُس کے کھڑے ہونے کے انداز میں شانِ استغنا تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے باقی تینوں آدمیوں پر برتری حاصل ہو۔ ایک بنیان والا لانچ کو اسٹیئر کر رہا تھا اور سوئٹر والے کی ڈیوٹی مشین گن پر تھی۔

"گڈ!" میرے منہ سے اچانک نکلا اور میں مسکرا پڑی۔

"کیا گڈ ہو گیا؟" رضوان نے ہانک لگائی۔

"سب گڈ ہو گیا!"

میں دُوربین آنکھوں سے لگائے دیکھ رہی تھی کہ رضیہ اُس

لانچ کے عقب میں سطحِ آب پر اُبھر چکی تھی اور تیرتی ہوئی لانچ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اب میں نے رسّا بھی پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا تھا تاکہ رضیہ جلد از جلد اس لانچ کے قریب ہو جائے۔

اس لانچ کے چاروں آدمیوں کی تمام تر توجہ ہماری طرف تھی۔ اُن کے سان و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ ”خطرہ“ اب اُن کے عقب سے اُن کی طرف بڑھ رہا ہے۔

میں نے جیکٹ والے کو کچھ اشارہ کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ اشارہ اُس نے سوئیٹر والے کو کیا تھا اور اس کے ہونٹ بھی ہلے تھے۔ غالباً اُس نے کچھ کہا تھا۔ فوراً ہی مشین گن نے پھر ایک ہلکا سا برسٹ مارا۔ اِس مرتبہ کچھ گولیاں لانچ سے بھی ٹکرائی تھیں۔

”ہمیں رُک جانا چاہیے۔“ رضوان بوکھلا کر چیخا۔ ”ورنہ ہماری لانچ تباہ بھی ہو سکتی ہے۔“

”ٹھیک ہے، رفتار بتدریج کم کرو!“ میں نے اطمینان سے کہا۔

میں دیکھ چکی تھی کہ رضیہ نے متعاقب لانچ کا کنارہ پکڑ لیا تھا اور اب اُس کے اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”یہ رضیہ کی بچی کہاں گئی!“ رضوان لانچ کی رفتار کم کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

”وہ جہاں بھی ہے، خیریت سے ہے۔“ میں نے کہا۔

رضوان نے ایک مرتبہ پلٹ کر تعاقب کرنے والی لانچ کی طرف دیکھا لیکن دوربین کے بغیر وہ رضیہ کو اُس لانچ پر چڑھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اچانک میں نے متعاقب لانچ پر کھلبلی مچتے دیکھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رضیہ ان چاروں کو للکار چکی تھی اور انھوں نے رضیہ کے ہاتھ میں ریوالور بھی دیکھ لیا تھا۔

تین آدمیوں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیے لیکن چوتھا چونکہ لانچ کو اسٹیئر کر رہا تھا اس لیے وہ ہاتھ نہیں اٹھا سکا۔

اِدھر رضوان نے لانچ روک دی تھی لیکن انجن بند نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گیا تھا اور حیرت سے متعاقب لانچ کی طرف دیکھ رہا تھا جو اَب بہت قریب آ چکی تھی، اتنی قریب کہ اس پر موجود افراد بغیر دوربین کے بھی صاف نظر آ رہے تھے۔

”ہائیں!“ رضوان کے مُنہ سے نکلا۔ ”یہ وہاں کیسے پہنچ گئی۔“

”یہ وہاں اِس لیے پہنچ گئی کہ برازیل کے لوگ اسے سابیری کہتے ہیں۔“ میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

متعاقب لانچ ہماری لانچ کے قریب پہنچ گئی۔

”تم اپنی ہی لانچ میں رکو گے!“ میں نے رضوان سے کہا اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر جست لگا کر دوسری لانچ میں پہنچ گئی۔

”اب ان کا کیا حشر کرنا ہے باجی؟“ رضیہ نے

”ابھی بتاتی ہوں۔“

وہ چاروں ہکا بکا سے کھڑے تھے۔ ان کے ہوگا کہ انھیں اتنی آسانی سے اور اس طرح بے بس کر

میں نے اُن چاروں کی تلاشی لی۔ ان میں سے اور ایک کے پاس چاقو تھا۔ چوتھے کے پاس سے میں نے دونوں ریوالور اور چاقو سمندر میں پھینک کی طرف بڑھی۔ اس میں سے کارتوسوں کی بیلٹ نکال کر پھینکی اور اُس کے بعد لانچ کا مکمل جائزہ لینے کے بعد وہاں کوئی ہتھیار نہیں ہے۔

وہ چاروں بالکل خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ میں سامنے جا رُکی جس نے جیکٹ پہن رکھی تھی۔

”تم!“ میں نے اس کے سینے کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ” تینوں ساتھیوں کے باس ہو؟“

اُس نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”تو پھر تم ہی میرے تمام سوالوں کا جواب دوگے!“ میں انداز میں کہا۔ ”میں تم سے یہ تو نہیں پوچھوں گی کہ تمھیں ہمارے پیچھے کس تھا لیکن یہ ضرور پوچھوں گی کہ تمھارے عزائم کیا تھے؟ یعنی یہ کہ بارے میں تم لوگوں کو کیا ہدایات ملی تھیں؟ کیا تم ہمیں ہلاک کرنا

”نہیں۔“

”پھر؟“

وہ چپ رہا۔ رضیہ اُس وقت جیکٹ والے کے قریب تیزی سے اُس کے گال پر اُلٹے ہاتھ کا طمانچہ رسید کرتی ہوئی غرائی۔ ”اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ کسی سوال کے جواب میں خاموش رہو۔“

طمانچے سے جیکٹ والے کا ہونٹ پھٹ گیا اور بھی خون رِسنے لگا۔ غالباً گال کا اندرونی حصہ بھی زخمی ہو گیا تھا۔

رضیہ طمانچہ لگا کر پیچھے ہٹ آئی اور دوبارہ بولی۔ ”جواب دو کہ بارے میں تم لوگوں کو کیا ہدایات ملی تھیں؟“

”ہمیں... ہمیں اُس کے علاوہ کچھ نہیں کرنا تھا کہ تمھیں پکڑ کر لے جائیں۔“ جیکٹ والے نے ایک طرف خون تھوک کر بھرائی ہوئی میں جواب دیا۔

”فریرہ ہال کیوں؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہم سے بس اتنا ہی کہا گیا تھا کہ وہاں ہمیں کالے رنگ کی ایک

ی اور ہم تم لوگوں کو اس کار ڈرائیور کے حوالے کر دیں گے۔“

ہیں فریرہ ہال کس طرح لے جاتے؟“ میں نے پوچھا۔

بورے کر کیماڑی کے ساحل پر پہنچتے تو کس طرح؟ میرا گر اس وقت تم لوگوں کے ریوالوروں کی نالیں ہماری ہوتیں تو دیکھنے والے ایک ہنگامہ برپا کر دیتے۔“

وں کو بیہوش کر کے لے جاتے۔“

ہوت میں بھی وہاں موجود لوگوں کی توجہ ہماری طرف وتی!“ میں نے جیکٹ والے کو تیز نظر سے گھورتے

ہم تمھیں صندوقوں میں بند کر کے لے جاتے۔“ جیکٹ والے کہا۔

!“ میں غرائی۔ ”تم لوگ یہ حماقت ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ گوں کی گرفتاری یقینی تھی۔ ساحل پر ان صندوقوں کو چیک نکلنے دیا جاتا!“

ٹ والے کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔

کے علاوہ یہ کہ تمھیں جھوٹ بولنے کی بالکل تمیز نہیں ہے۔“ پرسکون لہجے میں کہا۔ ”میں دیکھ رہی ہوں کہ تم لوگوں کی لانچ صندوق نہیں ہے۔“

وہ... دراصل...“ جیکٹ والا ہکلایا۔

ف سچ بولو! سمجھے!“ رضیہ ایک قدم آگے آ کر غرائی۔ ”ورنہ طمانچے ہی مار مار کر تمھارے چہرے کا بھرتا بنا دوں گی۔“

.. دراصل!“ جیکٹ والے نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے کہا۔ ”ہمیں صرف یہ حکم ملا تھا کہ تم تینوں کو ہلاک کر دیا جائے۔“

یں جیکٹ والے کو گھورتی رہی جو مجھ سے نظر چرا رہا تھا۔ اِس ساتھی دم سادھے کھڑے تھے۔ اُن کے مُنہ سے اب تک ایک یں نکلا تھا اور میں بھی اُن سے مخاطب نہیں ہوئی تھی۔

ضیہ!“ میں آہستہ سے بولی۔

یں سمجھ گئی باجی!“ رضیہ نے کہا اور پھر وہ اتنی تیزی سے جیکٹ قریب گئی جیسے کوئی آندھی اٹھتی ہے۔ اِس مرتبہ اُس کا طمانچہ ار تھا کہ جیکٹ والا لڑکھڑا گیا اور گرتے گرتے بچا۔

اب بھی جھوٹ بول رہے ہو حقیر کیچوے!“ رضیہ نے زہریلے جیسے پھنکارتے ہوئے کہا۔ ”اگر تمھیں ہماری ہلاکت کا حکم ملا ہم لوگ اِس وقت زندہ نہ ہوتے۔ تمھاری مشین گن کا پہلا برسٹ رے مارا گیا تھا کہ ہماری لانچ اُس کی زد سے باہر تھی۔“

”اور یہ۔“ میں بول پڑی۔ ”دوسرے برسٹ کی گولیاں ہماری لانچ کے اِردگرد پانی میں گری تھیں۔ پھر تیسرا برسٹ اتنا ہلکا تھا کہ اُس سے لانچ کو بھی بمشکل کوئی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اگر ہمیں ہلاک کرنا تم لوگوں کا مقصد ہوتا تو تمھاری مشین گن کسی توقف کے بغیر گولیاں برسانے چلی جاتی اور ہماری لانچ کے پرخچے اُڑ جاتے۔“

”لہٰذا۔“ رضیہ پھر ایک مرتبہ غرائی۔ ”اگر اب بھی تم سچ نہیں بولے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمھاری شامت تمھیں دھکا دے گئی ہے۔ اسے میری آخری وارننگ سمجھو!“

”آخری نہیں، سیکنڈ لاسٹ!“ رضوان نے اپنی لانچ سے ہانک لگائی۔ ”آخری وارننگ تو ان گدھوں کو میں ہی دوں گا آ کر!“

”نہیں!“ میں نے پلٹ کر رضوان سے کہا۔ ”تم اپنی ہی لانچ میں رُکو!“

”ارے بھئی مجھے بھی تو کچھ موقع ملنا چاہیے اِن لوگوں کی خدمت کرنے کا!“ رضوان نے بُرا مان جانے والے انداز میں کہا۔

”بکو مت!“ میں نے اُسے ڈانٹ دیا اور دوبارہ جیکٹ والے کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ”ہاں، اب جلدی سے اصل بات بتا ڈالو!“

لیکن اس سے پہلے کہ جیکٹ والا کچھ کہتا، رضوان چیخ اٹھا۔ ”خبردار بانو! ایک لانچ اس طرف آ رہی ہے۔“

”کیا!“ میں چونک کر پلٹی۔

رضوان دوربین آنکھوں سے لگائے اُس سمت میں دیکھ رہا تھا جدھر سے ہم آئے تھے۔ میں نے پلٹ کر اُس طرف دیکھا لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ غالباً وہ لانچ ابھی اتنی دُور تھی کہ اُسے دُوربین کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

”تم مذاق تو نہیں کر رہے ہو رضوان!“ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”کیا ایسے موقعوں پر بھی میں اِس قسم کا کوئی مذاق کر سکتا ہوں؟“ رضوان نے جھنجلا کر کہا اور مجھے اس کے لہجے سے یقین ہو گیا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

”رضیہ! اب ہم کسی بڑے خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔“ میں نے برازیلین زبان میں تیزی سے کہا۔ ”بہتر ہوگا کہ ہم لوگ تیزی سے نکل جائیں۔“

”اِن لوگوں کا کیا ہوگا؟“ رضیہ نے جیکٹ والے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”انھیں یہیں لانچ میں چھوڑ دو۔ مجھے توقع بھی نہیں ہے کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو سکے۔“ میں نے برازیلین ہی میں رضیہ سے کہا اور پھر اردو میں جیکٹ والے سے بولی۔ ”ہم تمھیں سمندر میں پھینک کر بھی جا سکتے

ہیں لیکن میری نظر میں تم لوگ زیادہ قصوروار نہیں ہو۔ وہ تو کوئی اور ہی ہے جس نے تمھیں ہمارے پیچھے لگایا ہے اور میں بہت جلد اُس سے بہت اچھی طرح نپٹوں گی۔ اُس سے بس اتنا کہہ دینا کہ صبیحہ بانو کوئی تر لوالہ نہیں ہے۔"

جیکٹ والے کے چہرے پر جو مُردنی سی چھاگئی تھی، وہ ختم ہوگئی اور اُس کے تینوں ساتھی بھی کچھ ہشاش بشاش نظر آنے لگے۔ غالباً اُن لوگوں کو اپنے چھٹکارے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی تھی اور اب وہ قطعی غیر متوقع طور پر "نجات" حاصل کر رہے تھے۔

میں نے ایک بار پھر اُس طرف دیکھا جدھر رضوان دیکھ رہا تھا۔ بہت دُور مجھے ایک سیاہ دھبا سا متحرک نظر آیا۔

"آؤ رضیہ!" میں نے کہا اور چھلانگ لگا کر اپنی لانچ پر پہنچ گئی۔

رضیہ نے اپنے دل کی بقیہ بھڑاس اس طرح نکالی کہ جیکٹ والے کے مُنہ پر تھوک دیا۔ اُس کے بعد وہ بھی جست لگا کر لانچ پر آگئی اور میں نے رضوان سے کہا: "بس اب تیزی سے نکل چلو!... وہ دوسری لانچ ضرور ہمارے لیے کوئی بڑا خطرہ بن سکتی ہے۔"

رضوان فوراً ہی لانچ کو حرکت میں لے آیا۔

میں دُوربین آنکھوں سے لگا کر دوسری لانچ کی طرف دیکھنے لگی جو بہت تیزی سے بڑھتی چلی آ رہی تھی لیکن میں دُوربین کے باوجود یہ نہیں دیکھ سکی کہ اُس لانچ میں کتنے آدمی تھے۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" رضوان بڑبڑایا۔ "ان چاروں میں سے کم از کم ایک آدھ کو ہی پکڑ کر لے چلتیں۔"

"اُس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ میرا اصل شکار کہیں پردوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ اُس کے یہ معمولی کارندے تو یہ بھی نہیں جانتے ہوں گے کہ وہ کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"تو پھر اتنی دیر تک کیوں پوچھ گچھ کرتی رہیں؟ بلاوجہ ہی وقت برباد کیا۔"

"میں صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ ان لوگوں کو ہمارے بارے میں کیا ہدایات ملی تھیں۔"

"لیکن آپ یہ بھی نہیں معلوم کرسکیں!"

"کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ البتہ اب میرے ذہن میں ایک اور شبہ ضرور پیدا ہوگیا ہے۔"

"وہ کیا باجی!" رضیہ جلدی سے پوچھ بیٹھی۔

میں نے فوراً جواب نہیں دیا۔ میں ایک بار پھر دوربین آنکھوں سے لگا کر پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ لانچ ابھی جیکٹ والے کی لانچ تک

ابھی نہیں آئی تھی اور جیکٹ والا اپنی لانچ کو ابھی آ...
لایا تھا۔ غالباً وہ دوسری لانچ کا انتظار کر رہا ہوگا۔

ہماری لانچ اپنی انتہائی رفتار کے ساتھ پالم... تھی۔

"آپ نے بتایا نہیں باجی!" رضیہ پھر بولی۔ "اب آ... کیا نیا شبہ پیدا ہوا ہے؟"

"پہلے تو میں یہی سمجھ رہی تھی نا کہ مجھے کسی جاز میں...!"

"ہاں۔"

"اب میں سوچ رہی ہوں کہ وہ کوئی آبدوز بھی ہو ک...

"بہت شاندار!" رضوان نے قہقہہ لگایا۔

"کیا مطلب!" میں اُس کے انداز پر جھنجلا گئی۔

"مطلب یہ کہ آپ نے شاید حال ہی میں کوئی سنسن...
ناول پڑھا ہے۔" رضوان نے تمسخر اُڑانے والے انداز میں کہا۔

"یہ بیہودہ بات تم دوسری بار کہہ رہے ہو!"

"دوسری بار کیا، میں تیسری اور چوتھی بار بھی کہہ سکتا ہوں... زیادہ مذاق کریں گی تو پانچویں اور چھٹی بار بھی کہہ دوں گا!"

"میں مذاق کر رہی ہوں؟" میری جھنجلاہٹ بڑھ گئی۔

"یہ مذاق نہیں تو کیا ہے۔ اگر کوئی آبدوز ہمارے سم... تو کیا ہماری بحریہ کو اس کا علم نہ ہوتا؟"

"ضروری تو نہیں کہ وہ آبدوز ہمارے ہی سمندری علاق...
پھر رہی ہو!" میں نے بدستور جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا... سمندر میں بھی ہو سکتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب آپ جاسوسی ناول لکھنا شروع کر...

اِس تبصرے پر میری جھنجلاہٹ اتنی بڑھی کہ میں خاموش... رضیہ بالکل سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ اُس نے میری اور ر... نوک جھونک میں قطعی حصّہ نہیں لیا اور دوربین میرے ہا... لے کر عقب کا جائزہ لینے لگی۔ ذرا رُک کر اُس نے کہا: "ایسا... ہے کہ وہ دوسری لانچ جیکٹ والے کی لانچ کے قریب... رُک گئی ہے۔"

"اب وہ لوٹ ہی جائیں گے۔" میں نے کہا۔ "اس کا ا... ہے کہ ہمارا تعاقب کیا جائے کیونکہ اب ہم کچھ ہی دیر میں اُن جہ... کے قریب پہنچ جائیں گے جو ساحل سے دُور لنگر انداز ہیں...
رضیہ سر ہلا کر رہ گئی۔

ہ کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا جب ہم لوگ گھر پہنچے۔ سنگیتا ...ا بار کر سونیا کئی مرتبہ فون کرچکی ہے اور آخری مرتبہ اس نے ...ا جب بھی گھر لوٹوں، اُسے فوراً فون کرلوں۔

...اں گی۔" میں نے سر ہلا کر سنگیتا سے کہا۔ "چلو پہلے چل کر ...۔"

...ہلدں ڈرائنگ روم میں پہنچے جہاں میز پر پلیٹیں لگائی ...ہم کرسیوں پر بیٹھ کر کھانے کی ڈشوں کا انتظار ...۔ اُس وقت میں نے رضوان سے کہا: "میں سنگیتا کو فوراً ...یارک بھیجنا چاہتی ہوں۔ تم فوری طور پر اس کا پاسپورٹ ...کے باقی انتظامات بھی کر ڈالو!"

...ت؟" رضوان کو میری ہدایت پر تعجب ہوا۔

...ا خاص بات نہیں ہے۔ میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ ...ذہن پر ماحول کی تبدیلی کا خوشگوار اثر پڑے گا۔"

...و!" رضوان کے مُنہ سے اتنا ہی نکلا۔

...ی وقت دو ملازماؤں نے کھانے کی ڈشیں لگانا شروع ...وہ ایک ٹرالی میں رکھ کر لائی تھیں۔

...ھانے کے بعد میں نے اپنے کمرے میں جاکر سونیا کو فون کیا۔

...ہ بانو!" سونیا میری آواز سنتے ہی پُرمسرت انداز میں چیخی۔ ...لیا ہے آپ نے؟ کہاں غائب رہیں سارے دن؟"

...ک ضروری کام سے گئی ہوئی تھی۔ ابھی آئی ہوں۔"

...اب فوراً میرے ہوٹل آجائیے!"

...ر بات کیا ہے؟"

...ک آپ آجائیے۔ اپنے گھر پر کہہ کر آئیے گا کہ آج رات آپ ...میں ہوں گی۔ یعنی آج آپ میری مہمان ہوں گی۔" سونیا ...ہیز ہوگیا۔

...ہاں...!"

...ر کچھ نہیں۔ یہ آپ کا وعدہ تھا کہ جب میں اُس ...میں کامیاب ہو جاؤں گی تو...!"

...تو کیا اتنی جلدی دوستی کر ڈالی؟" مجھے واقعی تعجب ہوا تھا۔

...میں چٹکی بجاتے سب کچھ کرلیتی ہوں۔"

...آخر یہ تم نے کس طرح کرلیا؟"

...ب تک آپ میرے پاس نہیں آئیں گی، میں کچھ نہیں بتاؤں...

...چھا میں آ رہی ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا اور سلسلہ منقطع کردیا۔

باتھ روم میں جاکر میں نے کپڑے تبدیل کیے اور روانگی کے لیے نک سک سے درست ہوئی۔ باہر پہنچ کر میں نے ایک ملازم سے سنگیتا کے بارے میں پوچھا تو پتا چلا کہ وہ اپنی خوابگاہ میں چلی گئی ہے۔ رضوان اور رضیہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ میں سیدھی ڈرائنگ روم ہی میں پہنچی۔

"آہا!" رضوان میرے سراپا پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ "کیا کسی خاص جگہ جانے کی تیاری ہے؟ خوشبوؤں سے مہک رہی ہیں آپ تو!"

"ایک کام سے جا رہی ہوں۔" میں نے رضیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "شاید مجھے زیادہ دیر ہو جائے۔ تم سو جانا۔ میرا انتظار مت کرنا۔"

رضیہ نے سر ہلا دیا اور میں رضوان سے کچھ کہے بغیر باہر آگئی۔ میری کار پورچ میں کھڑی تھی۔ میں نے اس میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ کھنکارنے کی آواز سن کر چونکی۔ رضوان کار کی کھڑکی کے قریب کھڑا ہوا معنی خیز انداز میں اپنی کھوپڑی کھجا رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

"میرا خیال ہے آپ نے رضیہ سے بس یونہی کہہ دیا تھا کہ آپ کو دیر ہو جائے گی۔ میرے اندازے کے مطابق آپ رات بھر کے لیے جا رہی ہیں۔"

"تو پھر؟" میں نے تیوری چڑھائی۔

"غالباً آپ سونیا کے پاس جا رہی ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"اگر آپ میرے خیال کی تصدیق کردیں کہ آپ رات بھر کے لیے جا رہی ہیں تو ہم غریبوں کا بھی کچھ بھلا ہو جائے گا۔"

"یعنی؟"

"میں بھی یہ رات آپ کے گھر پر رضیہ کے ساتھ گزار دوں گا۔"

"وہ تمھارے سر پر اتنے جوتے برسائے گی کہ ایک بال بھی نہیں رہے گا۔"

"ویسے تو میں اب بھی فارغ البال ہوں۔" رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "سر پر بال نہیں رہیں گے تو گویا مستند فارغ البال ہو جاؤں گا۔"

میں نے رضوان سے بک بک کرنے میں مزید وقت ضائع نہیں کیا اور کار کو حرکت میں لے آئی۔

"ارے ارے! سنیے تو!" رضوان چیخا۔

جاری

لیکن میں فضول باتیں سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ میری کار ریجانک سے نکل چکی تھی۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ اب رضوان ساری رات میرے گھر پر رہے گا اور رضیہ سے گپ شپ کرتا رہے گا۔ گپ شپ سے زیادہ کسی بات کا قطعی اندیشہ نہیں تھا۔ رضوان مجھ سے باتیں تو اسی طرح کرتا تھا جیسے وہ رضیہ اور باش ہے لیکن وہ فطرتاً ایسا نہیں تھا۔ اس کے علاوہ میں اپنی عزیز از جان بہن رضیہ سے بھی خوب واقف تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ رضوان اور رضیہ ایک دوسرے کو بہت شدت سے چاہتے ہیں اور رضوان واقعی شادی کا خواہشمند ہے لیکن اس سلسلے میں رضیہ کا نظریہ یہ تھا کہ انسان کو جس سے محبت ہو اُس کی قربت حاصل نہ کرے۔ گلاب کا پھول بھی اگر زیادہ دیر تک کالر میں لگا رہے تو پھر اچھا نہیں لگتا۔ رضیہ کا یہ اندازِ فکر رضوان کو سر پٹخنے پر مجبور کرتا رہتا تھا۔

میں ان دونوں کی طرف سے مطمئن تھی اس لیے سونیا کے ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے میں نے ان دونوں کے بارے میں قطعی نہیں سوچا۔ میرے ذہن میں تو وہ ایڈونچر چکرا رہا تھا جس سے آج میں سمندر میں دوچار ہوئی تھی۔ رضیہ کی ہوشیاری سے وہ صورتِ حال بڑی آسانی سے ہمارے قابو میں آگئی تھی لیکن اگر نہ آتی تو کیا ہوتا؟ میں اسی سوال پر غور کر رہی تھی۔ میرے یقین کے مطابق تو وہ خان آف کالاگوٹ ہی کے آدمی تھے اور مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے گرفتار کر کے کہیں لے جاتے۔ خان آف کالاگوٹ مجھے قید کر کے مجھ سے اُن چرکوں کے انتقام لینا چاہتا تھا جو میں نے اُسے لگائے تھے۔

میرے ذہن میں یہ شبہ بھی سر اُبھار چکا تھا کہ خان آف کالاگوٹ کسی جہاز کی بجائے آبدوز کا بھی مالک ہو سکتا ہے۔ اُس نے جب مجھے اس طرح سمندر چھانتے ہوئے دیکھا تو شاید اُسے شبہ گزرا ہو کہ میں اس کی آبدوز کے بارے میں کچھ جان گئی ہوں چنانچہ اس سلسلے میں اُس نے ضروری سمجھا کہ مجھے چھاپ بیٹھے۔

وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو گیا تھا لیکن میں جانتی تھی کہ وہ اب بھی نچلا ہر گز نہیں بیٹھے گا۔ کسی وقت بھی اُس کی طرف سے کوئی دوسرا قدم اٹھ سکتا تھا اور میں اس کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح چوکس تھی۔

جب میں ہوٹل پہنچی تو سونیا بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ وہ چھوٹتے ہی بولی ”میں نے بازی جیت لی!“ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے کسی بچے کو اپنا من پسند کھلونا مل گیا ہو۔

”آخر اتنی جلدی تم کیسے کامیاب ہو گئیں؟“

”محض اس لیے کہ میں ایک غیر ملکی ہوں۔“

”کیا مطلب!“

”معاف کیجیے گا بانو! آپ کی قوم آج تک ا... ہے۔ یہاں کے پڑھے لکھے اور بڑے لوگ بھی سفید ... مل بیٹھ کر فخر محسوس کرتے ہیں، فخر نہیں تو کم از کم خوش ... ہیں۔ نذیں کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ جب ... کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئی تو میں نے لفٹ لینے کے ... سے اشارہ کیا۔ اس نے فوراً گاڑی روک دی۔ میں نے ... انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل جانا ہے لیکن وہ مجھے راہ میں ... جواب میں اس نے مجھے یہ پیشکش کی کہ وہ مجھے ہوٹل تک ... راستے میں اُس سے میری بات چیت ہوتی رہی۔ میں نے ... ایک ناولسٹ ہوں اور مجھے چونکہ مشرقی ماحول میں ایک ... اس لیے میں مشرقی طرزِ معاشرت دیکھنے کے لیے پاکستان آئی ...

”گڈ!“ میں ہنس پڑی ”خوبصورت جھوٹ بولا ...“

”وہ میری اس حیثیت سے کچھ مرعوب بھی ہو گئی۔ ... نے اسے چائے پینے کے لیے روک لیا اور ہم میں خاصی اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس نے بھی خود کو نمایاں کر کے بتایا کہ وہ ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ اس نے وعدہ کیا کہ کل مجھ سے ملنے کے لیے خود آئے گی۔ جب وہ جانے لگی تو میں نے کیمرے سے اس کی تصویر بھی لے لی۔“

”کہاں ہے تصویر؟“ میں نے جلدی سے پوچھا۔

”میرے پاس ہے، اور کہاں ہو گی؟“

”دکھاؤ!“

سونیا نے میری بیتابی محسوس کر لی اور حیرت سے ... ”اس کی تصویر دیکھنے کے لیے اتنی بے چین کیوں ہیں؟“

”بس میں اُسے دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”آپ نے واقعی اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا؟“

”کبھی نہیں۔“

”پھر آخر آپ نے یہ چکر کیوں چلایا ہے؟ میں تو سمجھی ... نے اُسے کہیں دیکھ لیا ہے اور وہ آپ کو پسند آگئی ہے۔ ... بھی واقعی بڑے کانٹے کی چیز!“

”تم تصویر تو دکھاؤ!“

سونیا نے اپنے بستر کی سائڈ ٹیبل کی دراز سے تصویر ... مجھے دکھائی۔ وہ واقعی بہت خوبصورت تھی۔ اس کے نقوش ... خان آف کالاگوٹ کی جھلک موجود تو تھی لیکن برائے نام ... غور کر کے ہی محسوس کیا جا سکتا تھا۔

”گڈ!“ میں نے پسندیدگی کے طور پر سر ہلایا۔

”لیکن وہ اس تصویر سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔“

”تو پھر تم اس سے مجھے کب ملوا رہی ہو؟“

”کل شام کو آ کر مل لیجیے۔ اُس نے چھ بجے آنے کا وعدہ کیا ہے؟“

”لیکن میں اُس سے اپنے اصلی چہرے مہرے کے ساتھ نہیں ملوں گی۔“

”پھر؟“ سونیا نے تعجب سے کہا۔

”میں خود کو خاصا تبدیل کر کے آؤں گی۔ تم کوشش کرنا کہ وہ ہم دونوں کو اپنے گھر پر مدعو کر لے۔“

”وہ خود ہی کہہ رہی تھی کہ مجھے اپنے گھر پر مدعو کرے گی۔“

”ویری گڈ! تم اس سے میرا تعارف یہ کہہ کے کرانا کہ میں ایک پامسٹ ہوں۔ اس طرح وہ بہت جلد مجھ سے قریب ہو جائے گی۔ یوں تو ہر شخص کو اپنے مستقبل کے بارے میں جاننے کی خواہش ہوتی ہے لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ لڑکیوں میں یہ کریز کچھ زیادہ ہی ہے۔“

”آخر یہ چکر کیا ہے بانو؟“ سونیا کے چہرے اور لہجے سے الجھن ظاہر تھی۔

”میں ان لوگوں کی فکر میں ہوں جنھوں نے تمھیں آلۂ کار بنا کر مجھے ... کار کرنا چاہا تھا۔“

”لیکن وہ تو مشتاق چنگیزی کا معاملہ تھا۔“ سونیا نے حیرت سے کہا۔ ”اور مشتاق چنگیزی قتل ہو چکا ہے۔“

”مشتاق چنگیزی کے پس پشت کچھ اور لوگ بھی تھے جو اب ... میری فکر میں ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں، میں اُن کا قلع قمع کر دینا چاہتی ہوں۔“

”وہ لوگ کون ہیں؟“

”مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ ان لوگوں کو خان آف کالاگوٹ کی ... بت حاصل ہے۔“

”مگر خان تو بہت معزز شخصیت ہیں!“

”اس ملک میں ایسی معزز شخصیتیں بہت ہیں جن کے چہروں سے اگر نقاب اتار دیے جائیں تو لوگ انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔“

”آپ کا اندازِ گفتگو بڑا محتاط سا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”کیا آپ یہ نہیں کہنا چاہتیں کہ آپ کے اصل دشمنوں میں خان آف کالاگوٹ سرِ فہرست ہے۔“

”ہاں۔“ میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”حقیقت یہی ہے۔“

”پھر تو اس کے گھر میں جانا آپ کے لیے بہت خطرناک ... ہو گا۔“ سونیا نے پُرتشویش انداز میں کہا۔

”میں ایسا بھیس بدل کر جاؤں گی کہ کسی کے فرشتے بھی مجھے پہچان سکیں گے۔“

”اور اگر پہچان ہی لیا گیا۔“

”دیکھا جائے گا۔ میں خطرات سے کبھی نہیں گھبراتی لیکن یہ باتیں جاننے کے بعد تم تو خوفزدہ نہیں ہو گئی ہو؟“

”میں نے خوفزدہ ہونا نہیں سیکھا اور پھر آپ کے ساتھ تو موت کے منہ میں بھی چھلانگ لگانے کے لیے تیار ہوں۔“ یہ کہتے کہتے ... نے میری گردن میں باہیں حمائل کر دیں۔

ایک مہکتی ہوئی رات کی خوشبوؤں کو اپنے ریشے ریشے میں ... ہو نے بجے جب میں گھر پہنچی تو رضیہ ابھی سو ہی رہی تھی لیکن سنگیتا ... وغیرہ بھی کر چکی تھی۔ وہ ناشتہ بھی کر لیتی لیکن اُسے میرا انتظار تھا۔ وہ بولی ”ملازمہ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ رات ہی کو کہیں چلی گئی تھیں اور ملازمہ ہی نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ اب آپ آتی ہوں گی لہٰذا میں نے سوچا کہ ناشتہ آپ ہی کے ساتھ کروں۔“

”رضیہ ابھی تک سو رہی ہے؟“

”جی ہاں، ملازمہ ہی نے بتایا تھا مجھے کہ وہ اور رضوان صاحب تین چار بجے تک ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔ رضوان صاحب کے جانے کے بعد ہی رضیہ بی بی سوئی ہوں گی اس لیے امکان تو ہے کہ وہ دیر تک سوتی رہیں گی۔“

”آؤ ہم دونوں ناشتہ کر لیں۔“

”رضیہ بی بی کو جگا نہ دیا جائے!“ سنگیتا نے تجویز پیش کی۔

”نہیں! اسے سونے دو۔ اچھا ہے وہ اپنی نیند پوری کرے۔“

اس روز سنگیتا سے بس میری اتنی ہی گفتگو ہو سکی یا ناشتے کی میز پر چند رسمی سی باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد میں تیار ہو کر اپنے دفتر کی طرف چل پڑی تھی۔ میں خاصے دن چڑھے دفتر پہنچی تھی اس لیے بہت سی فائلیں میری میز پر ڈھیر تھیں۔ میں اتنا زیادہ کام کرنے کے موڈ میں نہیں تھی لہٰذا میں نے اپنے منیجر کو ہدایت کر دی کہ وہ خود ہی فائلیں دیکھ کر اپنے طور پر مناسب فیصلے کر دے اور میرے دستخطوں کے لیے فائلیں میرے گھر بھیج دے۔ میں نے صرف ایک آدھ فائل دیکھی جو

مجھے ہی دیکھنا چاہیے تھی۔ اس کے بعد میں نے رضوان کو فون کیا۔ دوسری طرف کئی مرتبہ گھنٹی بجنے کے بعد ریسیور اٹھایا گیا اور رضوان کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔۔۔"

"ابھی تک سو رہے ہو؟"

"آ جچا.... آپ ہیں؟"

"مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم اور رضیہ تین چار بجے تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔ آخر ایسی کون سی بحث چھڑ گئی تھی؟"

"بحث تو کوئی نہیں تھی۔"

"پھر تم دونوں کیا باتیں کرتے رہے؟"

"بس ادھر اُدھر کی!"

"ادھر اُدھر کی باتوں میں اتنا وقت گزر گیا؟"

"اجی آپ کیا جانیں کہ جب دو محبت کرنے والے باتیں کرنے بیٹھتے ہیں تو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہو پاتا۔"

"اچھا خیر، میں نے تمہیں یہ یاد دلانے کے لیے فون کیا تھا کہ سنگیتا کو امریکہ بھیجنے کا بندوبست تمہیں جلد از جلد کرنا ہے۔"

"آپ میری یادداشت کو اتنا خراب سمجھتی ہیں کہ اتنی جلدی یاددہانی کی بھی ضرورت پیش آگئی؟"

"آج کل رضیہ یہیں ہے اس لیے مجھے تم پر اعتماد نہیں رہا۔"

"آپ . . ."

"اچھا بس! مجھے کوئی بحث نہیں کرنا ہے۔" میں نے جلدی سے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

لنچ کے وقت میں دفتر سے اٹھ گئی اور سیدھی گھر پہنچی۔ کھانے کی میز پر رضیہ سے بھی ملاقات ہو گئی۔

تیسرے پہر تک میں نے آرام کیا اور پھر سونیا کے ہوٹل جانے کی تیاری کرنے لگی جہاں مجھے خان آف کالاگوٹ کی بیٹی زریں سے ملاقات کرنا تھی۔ میں نے اپنے حلیے میں اتنی زیادہ تبدیلی کر لی کہ مغربی عورت معلوم ہونے لگی۔ اس کے بعد میں نے ایک ٹیکسی منگوائی اور سونیا کے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔ میں اپنی بدلی ہوئی شخصیت میں اپنی ذاتی کار استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"جب میں ہوٹل پہنچی تو چھ بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ سونیا کے کمرے میں زریں بھی موجود تھی۔ اس کا سراپا دیکھ کر مجھے جھرجھری سی آگئی۔ وہ تھی ہی ایسی قیامت خیز!

"ہیلو میڈم!" سونیا چہکی۔ "میں آپ کا انتظار ہی کر رہی تھی۔"

"شاید مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ مجھے بے حد افسوس ہے۔" میں نے خالصتاً امریکی لہجے میں انگریزی بولی۔

"نہیں نہیں" سونیا نے جلدی سے کہا۔ "کچھ دیر تو نہیں ہوئی۔"

"دس منٹ کی تاخیر بہت بڑی تاخیر ہوتی ہے۔ . . . ستاروں کا رخ بدل جاتا ہے اور زندگی پر گہرے اثرات . . ."

"آپ ہر بات کو اپنے فن کی روشنی میں دیکھتی ہیں" . . . ہنستی ہوئی بولی۔ وہ بہت مناسب ایکٹنگ کر رہی تھی۔

"ہیلو!" میں نے مصافحے کے لیے زریں کی طرف ہاتھ . . .

"ہیلو!" زریں نے مسکرا کر مصافحہ کیا۔

اس کے ہاتھ کا لمس بھی مجھ پر ایک گہرا اثر چھوڑ گیا۔

"یہ میری نئی دوست ہیں مس زریں" سونیا نے . . .

"میرا نام ریٹا ہے۔" میں نے کہا۔

"میڈم ریٹا ڈکسن" سونیا نے لقمہ دیا۔

"ڈکسن!" زریں چونک کر بولی۔ "کیا آپ مشہور . . . ہیئت داں جین ڈکسن کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں؟"

"جینی میری کزن ہے۔"

"او . . . او . . ." زریں نے پُرجوش سے انداز میں . . . ہوئے کہا۔ "آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی میڈم ریٹا ڈکسن! آپ کا سارا خاندان ہی . . ."

"نہیں" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ڈکسن خاندان میں صرف میں اور جینی ہی اس فن پر دسترس رکھتے ہیں۔"

"میری بدنصیبی ہے کہ میں نے پہلے کبھی آپ کا نام نہیں سنا!"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ میں شہرت سے بچتی ہوں اور جینی کو . . . کا شوق ہے اسی لیے وہ عموماً بڑی بڑی شخصیتوں اور بین الاقوامی معاملات پر پیش گوئیاں کرتی رہتی ہے۔ مجھے اس کی ان حرکتوں پر کبھی کبھی غصہ آ جاتا ہے۔ اس کی پیش گوئیاں دنیا بھر میں ہیجان . . . رہتی ہیں اور ہیجان پھیلانا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"لیکن اس سے مس جین ڈکسن کی شخصیت سنسنی خیز حد تک رومانٹک ہو گئی ہے۔" زریں نے کہا۔

"رومانٹک اور سنسنی خیز!" میں نے منہ بنا کر کہا۔ "میرا . . . ہے کہ ان دونوں چیزوں میں کوئی علاقہ نہیں ہے۔"

"دراصل" سونیا نے ہنس کر زریں سے کہا۔ "میڈم ریٹا کا اندازِ فکر اس سلسلے میں بڑا مختلف ہے۔"

"ہاں" میں نے کہا۔ "میں اس بات کی قائل ہوں کہ . . . "مجھے وہ ہنگامہ آرائیاں پسند نہیں ہیں جن سے ہیجان پھیلے۔ سالگرہ کی تقریب میں تو کوئی ہیجان نہیں ہوتا، کوئی سنسنی خیزی نہیں ہوتی۔ ایسے ہنگاموں میں تو صرف مسرت ہی مسرت ہوتی ہے۔ کیوں؟ یا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"نہیں" زریں ہنس پڑی۔ "آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں۔ تو اب کچھ اور بتائیے!" اس نے اپنا ہاتھ ایک بار پھر میرے آگے کر دیا۔

"بس اب آج نہیں" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تمہاری سالگرہ کے دن میں تمہیں تمہارے مستقبل کے بارے میں بہت کچھ بتاؤں گی۔"

"چلیے ٹھیک ہے۔ میں اصرار نہیں کروں گی۔" زریں نے ہنس کر کہا۔ اس کی ہنسی میں بھی بلا کی سیکس اپیل تھی۔

سونیا اس وقت مجھے بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اب رات ہو رہی ہے سونی!" زریں کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "مجھے اجازت دو!"

سونیا بھی کھڑی ہو گئی اور مجھ سے بولی۔ "میڈم! آپ بیٹھیے، میں ان کو چھوڑ کر ابھی آتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سر ہلا دیا۔

"ارے نہیں سونی!" زریں نے جلدی سے کہا۔ "تم بیٹھو! میں چلی جاؤں گی۔"

"چلو لفٹ تک تو چھوڑ آؤں!"

"ہاں ہاں، کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے لقمہ دیا۔

"اچھا تو میڈم! آپ میری سالگرہ میں ضرور آئیں گی نا! میں کل کسی وقت آپ کا کارڈ سونی کو دے جاؤں گی۔"

"میں ضرور آؤں گی۔" میں نے وعدہ کیا۔

زریں نے ایک بار پھر مصافحہ کر کے میرے صبر کا امتحان لیا اور جب وہ دونوں کمرے سے چلی گئیں تو میں اٹھ کر بستر پر جا لیٹی۔

سونیا تین چار منٹ بعد ہی لوٹ آئی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر میری طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ "آپ نے تو کمال کر دیا!"

"کیسا کمال؟"

"آپ نے زریں کے بارے میں اتنی چھان پھٹک بھی کر ڈالی کہ اس کی سالگرہ کا دن بھی معلوم کر لیا!"

"میں نے اس کے بارے میں قطعی کوئی چھان پھٹک نہیں کی۔"

"پھر آپ کو اس کا علم کیسے ہوا کہ پرسوں اس کا یوم پیدائش ہے؟"

میں ہنس پڑی اور پھر میں نے آہستہ سے کہا۔ "جانِ من! میں پامسٹری اور اس قسم کے دوسرے پُراسرار علوم کی باقاعدہ طالب علم رہ چکی ہوں۔"

"واقعی؟" سونیا کو بہت حیرت ہوئی تھی۔

"ہاں، اور جین ڈکسن میری کزن تو نہیں لیکن دوست ضرور ہے۔ میں نے اس سے بھی بہت کچھ سیکھا ہے۔"

"مائی گڈنس!"

"لہٰذا میں زریں کا ہاتھ دیکھ کر اس کے بارے میں اور بھی بہت باتیں معلوم کر چکی ہوں۔"

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ وہ بہت آسانی سے ہمارے دستر سے پر آ جائے گی" میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔

"فائن" سونیا نے چٹکی بجائی۔

"اور اب تمہارے لیے ایک کام ہے۔"

"کیا؟"

"کل زریں تمہارے پاس آئے گی نا!"

"ظاہر ہے۔"

"تمہیں اس سے یہ معلومات حاصل کرنا ہیں کہ اس کی سالگرہ میں کتنے آدمی آئیں گے اور کون کون ہوں گے۔"

"ظاہر ہے کہ وہاں بہت بڑی بڑی شخصیتیں موجود ہوں گی، وزرا تک ہوں گے۔ اس کا باپ تو یہاں کا بہت بڑا آدمی ہے بانو!"

"میں اس کی بڑائی کو خاک میں ملا کر دم لوں گی۔"

"آخر اسے آپ سے دشمنی کیا ہے؟"

"ابھی تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گی۔ وقت آنے پر تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔"

"ایک بات کہوں بانو!"

"کہو!"

سونیا بڑے غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھتی رہی اور پھر بولی۔ "آپ کو اپنے میک اپ پر تھوڑی سی توجہ اور دینا چاہیے تھی۔"

"کیوں؟"

"میرا خیال ہے کہ جو لوگ آپ کو صبیحہ بانو کی حیثیت سے جانتے ہیں وہ آپ کو اس میک اپ میں بھی پہچان لیں گے۔"

"ارے نہیں!" میں نے بے پروائی سے سر جھٹکا۔

لیکن درحقیقت میں جانتی تھی کہ سونیا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اپنے میک اپ میں اتنی کمی رکھی تھی کہ مجھے صبیحہ بانو کی حیثیت سے شناخت کیا جا سکے۔ میں نے ایسا کیوں کیا تھا، یہ سونیا کے فرشتے بھی

۔ سمجھ سکتے تھے اور میں اس کی ضرورت بھی نہیں محسوس کر رہی تھی کہ اس کے فرشتوں کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کروں۔

"یقین کیجیے بانو!" سونیا بہت سنجیدگی سے بولی "یہ آپ کے میک اپ میں کمی ہے"

"وہ کمی تم نے صرف ایک وجہ سے محسوس کی ہے"

"وہ وجہ کیا ہے؟"

"تم جانتی ہو کہ میں صبیحہ بانو ہوں جبکہ اس تقریب میں مجھے لوگ صرف ...م ریٹا ڈکسن کی حیثیت سے دیکھیں گے"

"ہو سکتا ہے آپ کا خیال درست ہو لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ آپ ...اں جا کر کسی خطرے میں نہ پڑ جائیں"

"تم اطمینان رکھو!" میں بستر سے اٹھ گئی "اور اب میں بھی چلوں گی"

"آج رات نہیں رکیے گا؟" سونیا ہنسی۔

"شاید خون منہ لگ گیا ہے تمہارے!" میں بھی ہنس پڑی "یہ کچھ ...صحت کا بھی خیال رکھنا چاہیے"

"کیا آپ مس جین ڈکسن کے علاوہ حکیم جالینوس کی بھی شاگرد رہی ہیں؟"

"شریر!" میں نے کہتے ہوئے اس کا گال تھپتھپایا اور "ٹاٹا" کرتی ...دروازے کی طرف بڑھی۔

"میں بھی چل رہی ہوں۔ آپ کو نیچے تک تو چھوڑنے جاؤں گی"

"آؤ!"

ہم دونوں کمرے سے نکلے اور لفٹ کے ذریعے نیچے اترے۔ لفٹ ...میں سونیا نے مجھ سے کہا "زرین کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اس کے ساتھ ایک اچھی رات ضرور گزاری جائے گی"

"مشترکہ طور پر؟"

"کیا مطلب!"

"میں بھی ساتھ رہوں گی"

"چلو ٹھیک ہے" میں نے ہنس کر کہا "یہ بھی ایک دلچسپ تجربہ ...ہے گا"

میں نے ہوٹل سے نکل کر جب ٹیکسی کے لیے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا تو سونیا بولی "آپ کی کار کہاں ہے؟"

"میں اس بدلی ہوئی شخصیت میں اپنی کار استعمال نہیں کر سکتی تھی"

"تو پھر آپ یہاں سے پرائیویٹ ٹیکسی لے لیں۔ میٹر ٹیکسی ملنا تو اس ...وقت بہت مشکل ہے"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو"

چنانچہ میں نے ایک پرائیویٹ ٹیکسی لی اور وہاں سے روانہ ہو گئی۔

راہ میں اچانک مجھے ابریز کا خیال آیا۔ میں پرسوں کے بعد اس سے نہیں ملی تھی اس لیے مجھے علم نہیں تھا کہ اب اس کے زخم کی حالت کیسی ہو گی! اس وقت میں بھیس بدلے ہوئے تھی لہٰذا اس سے ملنے جا بھی نہیں سکتی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ گھر پہنچ کر فون پر اس کی خیریت معلوم کر لوں گی۔ اس کے مجنونانہ جذبات میرے لیے درخورِ اعتنا نہ سہی لیکن اس کی خیریت دریافت کرنا میرا انسانی فرض تھا۔

گھر پہنچی تو کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے رضیہ سے کہا کہ وہ کھانا لگوائے۔ پھر میں اپنے کمرے میں گئی اور میں نے ابریز کے گھر فون کیا۔ ریسیو کرنے والا کوئی ملازم تھا۔ میں نے اسے اپنا نام بتایا اور کہا کہ میں ابریز سے بات کرنا چاہتی ہوں۔

"ہولڈ آن رکھیے!" میں نے ملازم کی آواز سنی۔

پھر مجھے کوئی ایک منٹ بعد ابریز کی آواز سنائی دی "ہیلو!" بڑا سپاٹ سا لہجہ تھا۔ میں آواز پہچان نہیں سکی۔

"ابریز؟" میں نے پوچھا۔

"بول رہا ہوں"

"بہت پژمردہ معلوم ہو رہے ہو؟ کیا ابھی زخم میں تکلیف باقی ہے؟"

"کون سے زخم کے بارے میں پوچھ رہی ہیں آپ؟" ابریز نے ٹھنڈا سانس لے کر پوچھا۔

"کیا تمہیں دو زخم آئے تھے؟" میں بے اختیار پوچھ بیٹھی۔ دراصل میں فوری طور پر ابریز کے جملے کی معنی خیزی محسوس نہیں کر سکی تھی۔

"ہاں" ابریز نے پھر ٹھنڈا سانس لیا "بہرحال بازو کا زخم تو بڑی حد تک مندمل ہو چکا ہے۔ رہ گیا دوسرا زخم تو شاید وہ کبھی نہ بھر سکے"

"اوہ!" اب میں اس کا مطلب سمجھ گئی اور میرے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔

"بڑی عنایت کہ آپ نے دو دن بعد میری خیریت تو پوچھ لی" ابریز بولا۔

"مجھے افسوس ہے۔ دراصل میں کل بہت زیادہ مصروف رہی"

"لیکن جس نے مجھے ایک نہ دکھائی دینے والا زخم لگایا ہے، اسے میں ایک پل کے لیے بھی اپنے ذہن سے محو نہیں کر سکا۔ یہ اور بات ہے کہ اس سفاک ہستی کو میرے اس جذبے کا احساس ہی نہ ہو"

میں نے اس وقت بڑی بے بسی محسوس کی۔ میری سمجھ میں نہیں آ سکا کہ میں کیا کہوں! پہلے بھی بہت سے مرد مجھ سے اس قسم کی باتیں کرتے رہے ہیں اور میں انھیں آڑے ہاتھوں لیتی رہی ہوں لیکن ابریز کے معاملے میں میری زبان کے آگے جیسے کوئی ٹھوس چٹان حائل ہو جاتی تھی۔

میں خوف و ہراس نہ پھیلایا جائے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ لوگوں کے مستقبل میں صرف خوفناک باتیں تحریر ہوتی ہیں! یقیناً اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ میں اس کی قائل ہوں کہ لوگوں کو صرف ان اچھی باتوں سے خوش کیا جائے"

"خوب!" زرین مجھے ایسی نظر سے دیکھنے لگی جس سے عقیدت مترشح تھی۔

"اور اب..." سونیا کھڑی ہوتی ہوئی بولی "میں اپنی دونوں معزز مہمانوں سے درخواست کروں گی کہ وہ میرے ساتھ نیچے سنیک بار میں چلیں۔ ہم چائے وہیں پئیں گے"

زرین نے کھڑے ہو کر مجھ سے کہا "تشریف لے چلیے میڈم!"

"ہاں ہاں، چلو!"

ہم تینوں کمرے سے نکلے۔ سونیا نے کمرہ مقفل کیا اور ہم تینوں لفٹ کے ذریعے نیچے اتر کر اسنیک بار میں پہنچے۔ سونیا نے چائے کے ساتھ بے شمار لوازمات منگا لیے۔ چائے پینے کے دوران میں زرین نے مجھ سے پوچھا "سونیا نے تو آپ کو اپنا ہاتھ ضرور دکھایا ہو گا!"

"کبھی نہیں" میں نے کہا "سونی نے آج تک یہ خواہش ظاہر نہیں کی"

"واقعی!" زرین نے تعجب سے سونیا کی طرف دیکھا۔

"ہاں" سونیا نے مسکرا کر کہا "دراصل میں اپنی زندگی کے ان واقعات سے آگاہی چاہتی ہوں جو میرے مستقبل پر برے اثرات مرتب کر سکتے ہیں لیکن میڈم مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گی"

"لیکن اچھے واقعات بھی تو جاننے چاہییں! اس سے آدمی کا حوصلہ بڑھتا ہے"

"میرا حوصلہ ویسے ہی بہت بڑھا ہوا ہے" سونیا نے ہنس کر کہا۔

"کم از کم میں تو میڈم کو اپنا ہاتھ ضرور دکھاؤں گی"

میں آہستہ سے ہنس پڑی اور پھر بولی "اسی لیے تو میں شہرت سے بچتی ہوں۔ اس شہرت کے باعث ہر ملاقاتی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ہاتھ دیکھا جائے"

"اگر آپ اس سے بچنا چاہتی ہیں تو میں اصرار کر کے آپ کو پریشان نہیں کروں گی"

"نہیں خیر پریشانی کی تو کوئی بات نہیں ہے" میں نے جلدی سے کہا "میں تمہارا ہاتھ ضرور دیکھوں گی لیکن کمرے میں واپس چل کر! یہاں تو سبھی لوگ ہماری طرف متوجہ ہو جائیں گے"

"ٹھیک ہے" زرین خوش ہو گئی۔

چائے پینے کے بعد ہم تینوں واپس کمرے میں ... پر میرے قریب بیٹھی۔ اس کے قرب کی مہکار مجھ پہ ... طاری کرنے لگی لیکن میں نے خود کو قابو میں رکھا۔

"اب بتائیے!" زرین نے اپنا ہاتھ میری گود میں ... میں جھنجھنا گئی۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنی گود سے اٹھا ... ہاتھوں میں لے لیا۔ بلاشبہ وہ ایک ایسا ہاتھ تھا ... گدگدی ہونے لگے۔ میری نگاہ اس کی لکیروں کی تحریر پڑھ ... جگہ میری پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ میں نے اچانک سونیا ... ایک کاغذ دینا"

سونیا نے جلدی سے ہوٹل کا پیڈ نکال کر مجھے ... اپنا قلم نکال کر اس پیڈ پر کچھ ہندسوں کی جمع تفریق کرنے ... دس منٹ تک میرا یہ کام جاری رہا۔ زرین بڑے اشتیاق ... طرف دیکھ رہی تھی اور سونیا کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ ... سے محظوظ ہو رہی ہو۔

دس منٹ بعد میں نے ایک طویل سانس لے کر زرین کی ... دیکھا اور پھر مسکرا کر بولی "پرسوں تمہارا یوم پیدائش ہے؟"

زرین اس طرح اچھلی جیسے صوفے میں کرنٹ دوڑ گیا ہو۔

"مائی گاڈ!" اس کے منہ سے نکلا "یہ آپ کو کیسے معلوم ... کیا پامسٹری سے یوم پیدائش کا بھی پتا چل جاتا ہے؟"

"میں پامسٹری کے علاوہ اسی قبیل کے دوسرے علوم پر بھی ... رکھتی ہوں اور جب میں کسی کا ہاتھ دیکھتی ہوں تو ان سارے ... بروئے کار لا کر ہی کسی نتیجے پر پہنچتی ہوں"

"اوہ... اوہ... شاندار!" زرین نے پہلو بدلا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں اور اس کے چہرے کی سرخی بڑھ گئی تھی۔

"کیا واقعی پرسوں تمہارا یوم پیدائش ہے؟" سونیا پوچھ ...

"ہاں" زرین نے اپنا پرس کھولتے ہوئے کہا "پرسوں ... سالگرہ ہے۔ میں تمہارے لیے کارڈ لے کر آئی ہوں۔ یہ لو!" اس ... کارڈ سونیا کی طرف بڑھایا "اس پر تمہارا نام لکھا ہوا ہے۔ میڈم کا ... میں نہیں کل دے جاؤں گی۔ تم ان کو پہنچا دینا۔ میڈم! وعدہ کیجیے کہ آپ میری سالگرہ میں ضرور آئیں گی"

"میں ضرور آؤں گی۔ مجھے ہنگامہ آرائی سے بہت دلچسپی ہے"

"لیکن کچھ دیر پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ آپ کو مس جین ڈکسن کی ہنگامہ آرائیاں پسند نہیں ہیں!"

شاید اُس کا سبب یہ ہو کہ ابریز کے جذبات میں بلا کی شدت تھی۔ اُس شدت کا مقابلہ کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

"ابریز!" میں نے رُک رُک کر کہا "بہتر ہو گا کہ... تم... اپنے اُس زخم کو فراموش کرنے کی کوشش کرو! جو زخم دکھائی نہیں دیتے، اُن کا علاج یہی ہے کہ اُنھیں فراموش کر دیا جائے۔"

"یہ صرف آپ ہی کہہ سکتی ہیں کیونکہ آپ نے شاید وہ زخم کبھی نہیں کھایا۔ جو لوگ یہ زخم کھاتے ہیں، اُنھیں خوب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے زخم فراموش نہیں کیے جا سکتے۔"

"ابریز!" میں نے ٹھنڈا سانس لیا۔ "اچھا خیر چھوڑو۔ میں اِس وقت کوئی بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ کل کسی وقت تم سے ملنے آؤں گی۔"

"کس وقت؟"

"یہ بتانا تو مشکل ہے۔"

"در اصل میں کل تک اتنا تندرست ہو جاؤں گا کہ گھر سے نکل سکوں۔ اگر آپ وقت بتا دیں تو میں اِس وقت کہیں نہ جاتا۔"

"اچھا، میں کل دوپہر کو آؤں گی۔"

"میری آنکھیں دروازے ہی کی طرف نگراں رہیں گی۔"

"اچھا۔" میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

جب میں کھانے کی میز پر پہنچی تو شاید میرے چہرے سے الجھن اور تفکر کا اظہار ہو رہا تھا۔ رضیہ مجھ سے پوچھ بیٹھی "کیا بات ہے باجی! آپ کچھ پریشان معلوم ہو رہی ہیں!"

"آں... نہیں تو!" میں نے چونک کر کہا۔

"آپ کے چہرے سے تو ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا۔"

"نہیں، کوئی خاص بات نہیں۔" میں نے کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ میں اُسے ابریز کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی۔

کھانے کی میز پر سنگیتا بھی موجود تھی اور سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"رضوان تو نہیں آیا تھا؟" میں نے کھانے کے دوران میں رضیہ سے پوچھا۔

"وہ خود تو نہیں آیا مگر اس کا فون آیا تھا۔"

"کوئی خاص بات؟"

"وہ بس سنگیتا کو امریکہ بھیجنے کے انتظامات میں لگا ہوا ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ کل تک سارے انتظامات ہو جائیں گے۔ یہ پرسوں صبح کی فلائٹ سے امریکہ جا سکتی ہیں۔"

"گڈ!" میں نے سر ہلایا۔ "تم ایک کام اور کرو!"

"کیا؟"

"سنگیتا کے ساتھ ہی تم اپنے ساتھیوں کو بھی واپس بھیج دو!"

"جوناتھن وغیرہ کو؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"یہاں اب ان کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ تم جنھیں لائی تھیں، اس وقت تو وہ کچھ کام آ گئے لیکن اب وہ بیکار ہیں۔ وہ اپنی وضع قطع اور لب و لہجے سے اتنے نمایاں رہتے ہیں کہ اُن سے کوئی کام نہیں لیا جا سکتا۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" رضیہ نے کہا۔ "میں انھیں ہدایت کر دوں گی کہ وہ بھی پرسوں صبح کی فلائٹ میں اپنی سیٹیں کنفرم کرا لیں۔"

اس کے بعد کھانے کی میز پر کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔

دوسرے دن میں نے سونیا کا فون وصول کیا۔ وہ مجھے بتا رہی تھی کہ زرّیں میرا دعوت نامہ اُسے دے گئی ہے۔

"تم نے اس سے مہمانوں کے بارے میں بھی پوچھا؟" میں بولی۔

"میں آپ کو پوری تفصیل دے سکتی ہوں۔"

"بتاؤ!"

"فون پر ہی؟"

"ہاں، شاید آج میں تمھارے پاس نہ آ سکوں۔"

"اچھا تو سنیے!"

سونیا نے وہ نام بتانا شروع کیے جنھیں زرّیں کی سالگرہ میں آنا تھا۔ اُن میں سے چھ سات نام میں نے اپنے پاس نوٹ کر لیے۔

"بس ٹھیک ہے۔" میں نے آخر میں کہا۔ "اب تم سے کل ہی ملاقات ہو گی۔"

"آپ میرے ہوٹل آ جائیے گا۔ یہاں سے ہم ساتھ ساتھ زرّیں کے گھر چلے چلیں گے۔"

"او کے۔" میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد میں ابریز سے ملنے کے لیے اُس کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس خوبصورت نوجوان نے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کے جذبوں کی شدت نے مجھے کچھ نہ کچھ متاثر ضرور کیا تھا۔

اگلے دن سنگیتا کو امریکہ کے لیے روانہ ہونا تھا۔ جب ایئرپورٹ جانے کا وقت ہوا تو سنگیتا مجھ سے لپٹ کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

نہ جانے کیوں اُس وقت مجھ پر بھی افسردگی سی چھا گئی تھی۔ میں نے اُسے پیار کیا، اُس کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہا "شاید میں جلد ہی امریکہ آؤں۔ ویسے مجھے اُمید ہے کہ فرح تمھیں میری کمی محسوس نہیں ہونے دے گی۔ میں نے اس کے نام جو خط لکھ کر دیا تھا، وہ تم نے احتیاط سے رکھ لیا ہے نا؟"

"جی۔" سنگیتا سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔

"اور اس کا پتا بھی؟"

"جی۔"

"ویسے امکان یہی ہے کہ وہ تمھیں لینے کے لیے خود ایئرپورٹ پہنچ جائے گی۔ میں نے اُسے ایک طویل ٹیلکس بھیج دیا ہے۔ اس کے علاوہ تمھیں یوں بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ جوناتھن وغیرہ بھی تمھارے ساتھ ہوں گے۔ وہ وہاں ایک دن رُکنے کے بعد ساؤتھ امریکہ جائیں گے۔"

"مجھے اِس بات کے سوا کوئی دُکھ نہیں ہے کہ اپنے سب پیاروں سے بچھڑنے کے بعد اب آپ سے بھی بچھڑی جا رہی ہوں۔" سنگیتا کے آنسوؤں کی رفتار بڑھ گئی۔

"تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے تو نہیں بچھڑ رہی ہو۔ میں تو تمھیں کچھ عرصے کے لیے یہاں سے بھیج رہی ہوں تاکہ ماحول کی تبدیلی تم پر خوشگوار اثرات مرتب کر سکے۔ کچھ عرصے بعد تم واپس آ جانا۔ ویسے میں نے کہا نا کہ میں خود بھی بہت جلد امریکہ آؤں گی۔ اندیشہ ہے کہ ایک کام کی وجہ سے مجھے امریکہ کا رُخ کرنا ہی پڑے گا۔"

اسی وقت میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور پھر رضوان کی آواز سنائی دی۔ "سامان گاڑی میں رکھا جا چکا ہے خاتون!"

"آؤ چلیں۔" میں نے سنگیتا کا شانہ تھپک کر کہا اور اسے بازو کے سہارے سے دروازے کی طرف لے چلی۔ سنگیتا رومال سے اپنی آنکھیں خشک کرنے لگی۔

دو کاریں میرے گھر سے روانہ ہوئیں۔ ایک کار میں میرے ساتھ سنگیتا، رضیہ اور رضوان تھے جبکہ دوسری کار میں جوناتھن وغیرہ تھے۔

ان لوگوں کو طیارے میں سوار کرا کے جب ہم لوگ واپس گھر کی طرف روانہ ہوئے تو میرا دل بہت بوجھل بوجھل سا تھا۔ جس کار میں جوناتھن وغیرہ آئے تھے، اسے اب رضیہ ڈرائیو کر رہی تھی۔ رضوان جانے کیوں اس کے ساتھ جانے کی بجائے میری کار میں بیٹھ گیا تھا۔ راستے میں وہ مجھے چھیڑنے لگا۔ "آپ اپنی محبوبہ کی جدائی سے بہت اُداس ہیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو!"

"اس میں کیا فضولیت ہے؟"

"رضوان! میں خاموشی چاہتی ہوں۔" میں جھنجلا گئی۔

"تو پھر ڈرائیونگ سیٹ پر مجھے بیٹھنے دیجیے!"

"کیوں!"

"میں سیدھا قبرستان چلا چلوں گا۔"

"اب اگر تم نے بکواس جاری رکھی تو میں دروازہ کھول کر تمھیں گاڑی کے باہر دھکیل دوں گی۔" میں نے غرّاتے ہوئے کہا۔

"آپ کو تو سچ مچ غصہ آ گیا۔" رضوان نے منہ بنایا۔ "میں تو محض اس لیے آپ کی کار میں آ بیٹھا تھا کہ آپ کا جی بہلا سکوں۔ آپ کی اُداسی دیکھ کر میرا دل کٹا جا رہا تھا۔"

میں کچھ نہیں بولی اور پھر رضوان بھی چپ ہو گیا۔

گھر پہنچ کر میں سیدھی اپنی خوابگاہ میں گئی اور بستر پر دراز ہو گئی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ میرا خیال تھا کہ اگر میں دو ایک گھنٹے سو لوں تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ در اصل مجھے آج جو مہم درپیش تھی، اس کے لیے ضروری تھا کہ میں پوری طرح چاق و چوبند رہوں۔ آج شام مجھے زرّیں کی سالگرہ میں شرکت کرنا تھی اور وہاں بہت کچھ کرنا تھا۔

دو تین گھنٹے کی نیند لے کر جب میں اٹھی تو اپنے اندازے کے مطابق خاصی سنبھل چکی تھی۔ غسل کر کے کپڑے تبدیل کرنے کے بعد میں نے خود کو پوری طرح چاق و چوبند پایا۔

چار بجے میں نے اپنا میک اپ شروع کیا اور پانچ بجے تک میں ایک بار پھر "میڈم ریٹا ڈکسن" بن چکی تھی۔

میں نے ایک ٹیکسی لی اور سونیا کے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔ زرّیں کی دعوت چھ بجے کی تھی اس لیے میں نے سونیا کے ساتھ کچھ وقت اس کے ہوٹل ہی میں گزارا۔ سونیا آج بھی اس بات پر تشویش کا اظہار کر رہی تھی کہ مجھے صبیحہ بانو کی حیثیت سے شناخت کیا جا سکتا ہے لیکن میں نے اس کی تشویش کے جواب میں قطعی پریشانی ظاہر نہیں کی۔

وقتِ مقررہ پر ہم دونوں زرّیں کے گھر "خان وِلا" پہنچ گئے۔

خان وِلا بہت بڑی عمارت تھی اور اس طرح سجی ہوئی تھی جیسے وہاں کسی کی شادی ہو۔ اسی سے خان آف کالاگوٹ کی عظمت اور اس کی روایتی وضعداری کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔

پھاٹک پر زرّیں اور خان آف کالاگوٹ مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ زرّیں نے بہت لہک کر ہم سے مصافحہ کیا۔

"سالگرہ مبارک ہو زرّیں!" سونیا نے کہہ کر پیکٹ زرّیں کی طرف بڑھا دیا۔

"تھینک یو سونی!" زرّیں نے پیکٹ لیتے ہوئے کہا اور پھر وہ پیکٹ اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک سفید پوش خادم کے حوالے کر دیا۔

"اور میری طرف سے یہ لفافہ" میں نے زرّیں کی طرف ایک لفافہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس قسم کا تحفہ تمہیں کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ تحفہ میں نے خود بنایا ہے اور اس میں میری دو راتیں صَرف ہوئی ہیں۔"

"ایسی کیا چیز ہے!" زرّیں نے تعجب سے پوچھا۔

"تمہارا زائچہ۔"

"اوہ... سویٹ!" زرّیں نے آنکھیں بھینچ کر کچھ ایسی ادائے دلبری سے سر جھٹکا کہ میرے لیے اپنے دل کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ "تھائی سویٹ میڈم!" وہ پھر بولی۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے اس سے زیادہ قیمتی تحفہ کبھی بھی کوئی نہیں دے سکتا۔"

میں مسکرا کر رہ گئی۔ زرّیں نے وہ لفافہ، خادم کے حوالے کرنے کی بجائے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا اور میرا ہاتھ تھام کر لپٹتی ہوئی بولی۔ "آئیے! میں آپ کو اپنے ڈیڈی سے ملاؤں۔"

لیکن اس وقت "ڈیڈی" وہاں موجود نہیں تھا۔

"اوہ!" زرّیں کے منہ سے نکلا۔ "ڈیڈی شاید کسی مہمان کے ساتھ اندر چلے گئے۔ آئیے! آپ بھی اندر چلیے! تم بھی آؤ نا سونی!"

وہ ہم دونوں کو اندر لے گئی۔ مہمانوں کی تعداد ڈھائی تین سو کے لگ بھگ تھی۔ میری نظر چہروں پر پھسلتی چلی گئی اور میں نے محسوس کیا کہ وہاں شہر کی "کریم جینٹری" موجود ہے صوبائی وزراء کے علاوہ دو ایک مرکزی وزیر بھی موجود تھے۔

زرّیں نے مجھے اور سونیا کو ایک جگہ بٹھایا اور بولی۔ "میں ابھی آتی ہوں۔ دراصل کچھ مہمان آنا باقی رہ گئے ہیں۔"

لیکن وہ کچھ مہمان آنے میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ اس کے بعد سالگرہ کی تقریب شروع ہوئی۔ سترہ موم بتیوں سے گھرا ہوا خوبصورت کیک کاٹتے ہوئے زرّیں نے مسکرا مسکرا کر دو تین مرتبہ میری طرف دیکھا تھا۔ پھر تالیوں کے شور میں "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو" کی آوازیں گونجیں۔ [illegible] شروع ہوئی۔ [illegible] کالاگوٹ نے مجھے دیکھ لیا تھا لیکن [illegible] چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہیں دیکھا [illegible] اندازہ ہوتا کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہوگا۔

خاطر تواضع کے دوران میں لوگ ٹولیوں [illegible] بٹ گئے تھے۔ میں اور سونیا ایک طرف کھڑی خوش گپیوں کا مزا لے رہی تھیں کہ زرّیں اور خان آف کالاگوٹ [illegible] طرف بڑھتے نظر آئے۔

"اوہ!" سونیا نے نہ جانے کیوں بے چینی سے پہلو [illegible] میں بڑے اطمینان سے کھڑی رہی۔ خان آف [illegible] اور زرّیں ہمارے قریب آ گئے۔

"ڈیڈی!" زرّیں نے اپنے باپ سے کہا۔ "یہ ہیں میڈم ریٹا وکسن جن کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا۔"

"اچھا اچھا!" خان آف کالاگوٹ سر ہلاتا ہوا مسکرایا۔

"اور میڈم! یہ میرے ڈیڈی ہیں۔" زرّیں پھر بولی۔

"گلیڈ ٹو میٹ یو!" میں نے مصافحے کے لیے خان [illegible] طرف ہاتھ بڑھایا۔

"می ٹو، میڈم!" خان نے بڑی نرمی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "بے بی نے بتایا تھا کہ آپ نے ان کا زائچہ تیار کیا۔"

"جی ہاں، لیکن میں نے اس میں کچھ باتوں کے اظہار سے گریز کیا ہے۔"

"ہاں، بے بی نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ ایسی باتیں [illegible] پسند نہیں کرتیں جو ناخوشگوار ہوں۔"

"جی۔"

"اچھا، میں ذرا دوسرے مہمانوں کو دیکھوں۔" خان آف کالاگوٹ نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور دوسری طرف مڑ گیا۔ زرّیں [illegible] پاس ہی رک گئی۔

"میڈم!" وہ مجھ سے بولی۔ "میں نے دوسرے لوگوں سے آپ کا تعارف اس لیے نہیں کرایا کہ پھر آپ ایک چکر میں پھنس جاتیں۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ آپ اس کا ہاتھ دیکھیں۔"

"تم نے بہت اچھا کیا۔ ایسی محفلوں میں تو لوگ عموماً میرے لیے جان کا عذاب بن جاتے ہیں۔ مجبوراً مجھے خشک رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ نتیجے میں لوگ مجھے مغرور اور نہ جانے کیسے کیسے خطابات سے نوازنے لگتے ہیں۔"

زرّیں ہنسنے لگی۔

"مجھے تمہارا گھر بہت پسند آیا۔" میں بولی۔

"واقعی؟"

"میں نے اتنے اچھے گھر بہت کم دیکھے ہیں۔" ویسے میری

[illegible] مبالغہ بھی نہیں تھا۔

[illegible]یں آپ کو گھماؤں!"

[illegible] تیار ہو گئی۔ میں نے گھر کی تعریف کی ہی اس [illegible] موقعوں پر میزبان اخلاقاً پورا گھر دکھانے کی [illegible] ہے۔ زرّیں نے بھی یہی کیا تھا اور میری مراد بر آئی۔

[illegible] سونی!" زرّیں بولی۔ "کیا تمہیں میرا گھر اچھا نہیں لگا؟" [illegible] چھا گھر بھی اگر کسی کو اچھا نہ لگے تو وہ حد درجہ کور ذوق [illegible] ہے۔" سونیا نے ہنس کر کہا۔

[illegible] ؤ نا تم بھی!"

[illegible] نے مجھے اور سونیا کو اپنا گھر دکھانا شروع کیا۔ ہر جگہ [illegible] ڈرن طرز کا فرنیچر دکھائی دیا۔ دیواروں پر آویزاں [illegible] مصوری کے شاہکار تھیں۔ گھر کی ہر ہر چیز سے [illegible] ی بے پناہ امارت کا اظہار ہو رہا تھا۔

[illegible] مگر زرّیں اچانک رک گئی اور مسکرا کر بولی۔ "اس سے [illegible] نا منع ہے۔"

[illegible] جانا منع ہے!" میں نے تعجب سے دہرایا۔

[illegible] ہاں۔"

[illegible] ل سے آگے جانے کا راستہ ہی کہاں ہے؟"

[illegible] وں کی الماری دیکھ رہی ہیں آپ؟"

[illegible] ں، یہ بہت خوبصورت ہے۔"

[illegible] و یہ الماری سلائڈنگ ڈور کی طرح ایک طرف ہو [illegible] اور آگے جانے کا راستہ سامنے آ جاتا ہے۔"

[illegible] چھا!" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔ "لیکن یہ سلائڈنگ ڈور [illegible] طرف کس طرح سرکتی ہے؟"

[illegible] مجھے بھی نہیں معلوم! یہ صرف ڈیڈی جانتے ہیں یا خاص ملازم۔" زرّیں نے بتایا۔ "گھر کے کسی فرد کو [illegible] طرف جانے کی اجازت نہیں ہے۔ دراصل اس طرف [illegible] دفتر خاص ہے اور وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے [illegible] کے دفتر میں قدم رکھے۔"

[illegible] ی وقت مردانہ قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ہم نے [illegible] طرف دیکھا۔ وہ خان آف کالاگوٹ تھا۔

"تم اِدھر کیوں آئی ہو بے بی!" وہ سرد لہجے میں بولا۔

"میں... میں میڈم کو گھر دکھا رہی تھی ڈیڈی!"

"لیکن..." خان آف کالاگوٹ کچھ غصے میں نظر آ رہا تھا۔

اس نے اچانک اپنی بات اُدھوری چھوڑ دی اور مسکرا کر مجھ سے بولا۔ "میڈم! آپ کو ہمارا گھر پسند آیا؟"

"بہت شاندار۔"

"آپ نے میرا ایکویریم دیکھا؟ میں نے بڑی خوبصورت مچھلیاں جمع کی ہیں۔"

زرّیں جواب میں بول پڑی۔ "میں ابھی میڈم کو اس طرف نہیں لے گئی۔"

"تو اس طرف لے جاؤ!" خان آف کالاگوٹ نے بڑے عام سے انداز میں کہا لیکن میں یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکی کہ اس کے لہجے میں تحکم تھا۔

"آئیں میڈم!" زرّیں نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے جلدی سے کہا اور دوسری طرف مُڑ گئی۔

ہم دونوں کے ساتھ ہی سونیا نے بھی قدم بڑھا دیے تھے۔

"دیکھا آپ نے!" کچھ دور آنے کے بعد زرّیں نے سرگوشی کرنے والے انداز میں کہا۔ "ڈیڈی اپنے دفترِ خاص کے قریب کسی کو پھٹکنے بھی نہیں دیتے۔ وہ بعد میں مجھ پر بہت ناراض ہوں گے۔"

"تو پھر تم ہمیں اِدھر لائی ہی کیوں تھیں؟" سونیا بول پڑی۔

"بس بے خیالی میں ادھر آ گئی تھی۔" زرّیں نے ٹھنڈا سانس لیا۔ "میری طبیعت کچھ مکدر ہو گئی ہے اب! میڈم! اگر آپ برا نہ مانیں تو اب ہم واپس مہمانوں میں چلیں۔"

"ہاں ہاں، چلو، کوئی حرج نہیں ہے۔"

ہم واپس مہمانوں میں آ گئے۔ آرکسٹرا مدھم سُروں میں راک این رول بجا رہا تھا۔ لوگوں کے پیر آہستہ آہستہ اس دُھن پر تھرک رہے تھے۔

ذرا دیر بعد زرّیں ہم سے جدا ہو کر کسی طرف نکل گئی۔ [illegible] نے سونیا سے کہا۔ "میں کہیں جا رہی ہوں۔"

"کہاں؟" سونیا نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے خان کا دفترِ خاص ضرور دیکھنا ہے۔"

"کیا آپ کسی خطرے میں کودنے کی قسم کھا چکی ہیں بانو؟"

"اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چلو ورنہ یہیں رکی رہو۔"

"میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔" سونیا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"تو آؤ!"

تمام مہمان اپنی اپنی دھن میں مگن تھے۔ کسی نے ہماری طرف دھیان بھی نہیں دیا۔ ہم عمارت کے اسی حصے میں نکل آئے۔ میں یہ دیکھ کر چونک گئی کہ کتابوں کی الماری کسی قدر سرکی ہوئی تھی اور اتنا راستہ ہو گیا تھا کہ ایک آدمی اس خلا میں سے گزر سکے۔

"اوہ!" میرے منہ سے نکلا۔ "غالباً کوئی ابھی اندر گیا ہے۔"

"وہ خان آف کالا گوٹ ہی ہو گا۔" سونیا نے سرگوشی کی۔

"اس کا ملازم خاص بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "بہرحال، آؤ!" میں سونیا کا ہاتھ پکڑ کر آگے چلی۔

وہ ایک پتلی سی راہداری تھی جس میں چلتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے میں لچکدار تختوں پر چل رہی ہوں۔ ان تختوں کے نیچے خلا محسوس ہو رہی تھی۔ بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ریل کے دو ڈبوں کے درمیانی راستے پر چل رہی ہوں۔

اس راہداری کی طوالت بیس پچیس فٹ کے لگ بھگ تھی۔ آخر میں راستہ مسدود تھا لیکن جیسے ہی ہم اختتام پر پہنچے، ہمارے سامنے خلا پیدا ہو گیا۔ اس کے پیدا ہونے کا سبب ظاہر ہے کہ کوئی خودکار نظام ہو گا۔ میں اور سونیا اس خلا سے بھی گزر گئے۔ جیسے ہی ہم دوسری طرف پہنچے، ہمارے عقب میں خلا بند ہو گیا اور اس جگہ کا ماحول دیکھ کر میں چونک پڑی۔

وہ ایک کشادہ کمرہ تھا جس میں ڈائننگ ٹیبل اور ڈائننگ چیئرز کے علاوہ صرف آرائشی سامان تھا۔ بائیں جانب ایک دروازہ تھا اور سامنے والی دیوار میں خلا نظر آ رہا تھا۔

میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میں سونیا کا ہاتھ پکڑے دبے قدموں اس خلا کی طرف بڑھی۔ میں نے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔ وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ میں سونیا کے ساتھ تیزی سے اندر چلی گئی۔

یہ وہی خوابگاہ تھی جہاں میں ایک مرتبہ قید رہ چکی تھی اور جس کے بارے میں میرا یقین یہ تھا کہ وہ کوئی بحری جہاز تھا۔

"خوش آمدید بانو!" کمرے میں خان آف کالا گوٹ کی آواز گونجی اور میں دھم سے بستر پر ڈھیر ہو گئی۔

سونیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف [illegible] اس کے لیے یہ منظر بڑا حیرت انگیز تھا۔ گول کھڑکیوں [illegible] شیشوں کے اس پار رنگ برنگی مچھلیاں تیرتی پھر رہی [illegible] کی خفیف سی جنبش یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ سمندر کی گہرائی [illegible] کھا رہا ہے۔

میں بستر پر ڈھیر ہو چکی تھی اور مجھے اپنے اوپر [illegible] میں اتنے عرصے تک اس احمقانہ خیال میں غرق رہی تھی کہ [illegible] میں قید کیا گیا تھا۔

"کیا تم دوبارہ یہاں آکر خوش نہیں ہوئیں بانو؟" خان [illegible] کی آواز ایک بار پھر کمرے میں گونجی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے [illegible] اڑا رہا ہو۔

"میں بہت خوش ہوں خان!" میں نے بڑے اطمینان سے کہا اور میرا یہ اطمینان مصنوعی نہیں تھا۔ یہ اور بات [illegible] نے اسے مصنوعی ہی سمجھا ہو۔ وہ کسی کمرے میں بیٹھا ہوا مجھ پر مجھے دیکھ رہا ہو گا کیونکہ میرے اندازے کے مطابق اس [illegible] کوئی ٹیلیویژن آئی کسی خفیہ جگہ موجود تھی۔

"ہم... " سونیا کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "ہم کہاں آ گئے؟"

"ایک بحری جہاز میں۔" خان آف کالا گوٹ کا قہقہہ گونجا۔ "کیوں بانو! تمھیں کسی بحری جہاز ہی کی تلاش تھی نا؟"

"ہاں۔" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "مجھے اعتراف ہے۔ خاصے عرصے تک اس احمقانہ خیال میں مبتلا رہی ہوں۔"

"اچھا!" خان آف کالا گوٹ نے بات ختم کرنے والے انداز میں کہا۔ "اب تم کچھ دیر آرام کرو۔ میں ذرا تقریب سے فارغ ہونے کے بعد تم سے پھر ملاقات کروں گا۔"

"میں تمھارا انتظار کروں گی خان!" میں سکون سے [illegible] گئی اور مسکرا کر سونیا کی طرف دیکھا۔

خان آف کالا گوٹ کی آواز پھر نہیں سنائی دی۔

سونیا بڑی حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور [illegible] چہرے پر خوف کے آثار بھی تھے۔

"آؤ جان!" میں نے اپنے بازو کشادہ کرتے ہوئے [illegible] دعوت دی۔

[illegible] مطمئن..." سونیا نے کہنا چاہا۔

[illegible] کی بات کاٹتی ہوئی بولی۔ "میں ہر حال میں مطمئن رہنے [illegible] جو لمحہ بھی گزر رہا ہے، وہ زندگی کی کمی کا اعلان کرتا [illegible] میں کوشش کرتی ہوں کہ اس گزرتے ہوئے لمحے کو [illegible] جائے۔"

"[illegible] لمحوں کو بھی تو سوچنا چاہیے!" سونیا نے اس طرح [illegible] انداز پر جھنجلاہٹ اور بوکھلاہٹ کا شکار ہو۔

"[illegible] لمحوں کے بارے میں کیا سوچنا چاہیے؟" میں سونیا کی [illegible] لطف اندوز ہو کر بولی۔

"وہ کتنے ناخوشگوار ہو سکتے ہیں!" اس مرتبہ سونیا کی جھنجلاہٹ [illegible] ہو گئی۔ "آپ ایک خطرناک دشمن کی قید میں ہیں۔ میں نے [illegible] تھا کہ آپ کا میک اپ زیادہ کامیاب نہیں ہے اور [illegible] کیا جا سکتا ہے۔"

"[illegible] بدستور سکون سے بولتی رہی۔ "میں جس دشمن کی [illegible] اس کی قید میں ایک بار پہلے بھی رہ چکی ہوں۔ مجھے خوب [illegible] دشمن مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ وہ مجھے ہلاک تو ہرگز نہیں [illegible] اس کی نفسیات کو خوب سمجھ چکی ہوں۔ اسے میری وجہ [illegible] رہے ہیں اور اب وہ مجھے چرکے لگا کر حساب برابر کرنا چاہتا [illegible] تملاہٹ سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ ایسے لوگ [illegible] ہلاک تو اسی وقت کرتے ہیں جب اس کے سوا کوئی چارہ کار [illegible] دشمن ابھی میرے ہاتھوں اتنا زچ نہیں ہوا ہے۔"

"[illegible] آپ کو کچھ سوچنا تو چاہیے۔"

"[illegible] سوچوں؟"

"[illegible] اس قید سے کس طرح نکلا جا سکتا ہے!"

"[illegible] جانتی ہوں کہ نہیں نکلا جا سکتا۔ میں پہلے بھی اس جگہ قید [illegible] ہمیں اسی وقت آزادی ملے گی جب ہمارا دشمن چاہے گا۔ [illegible] اس چرکے کا انتظار کر سکتی ہوں جو میرا دشمن مجھے لگانا [illegible] اس کے بعد ہی سوچوں گی کہ میں اسے کیا جواب دے سکتی [illegible]"

"[illegible] عجیب و غریب عورت ہیں!" سونیا نے جلدی جلدی [illegible] پلکائیں۔

[illegible] نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولی۔ "فرصت کے ان لمحوں [illegible]"

"[illegible] وقت میری ذہنی حالت ایسی نہیں ہے کہ میں کسی چیز سے ذرا بھی لطف اندوز ہو سکوں۔" سونیا نے چڑچڑے انداز میں کہا اور ایک کرسی گھسیٹ کر جھٹکے سے اس پر بیٹھ گئی۔

میں ہنسنے لگی، پھر میں نے کہا۔ "اچھا تو میں ذرا دیر آرام کر لوں۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

کمرہ دھیرے دھیرے ہچکولے لیتا رہا۔ وہ ہچکولے ایسے تھے کہ انھیں، بہت توجہ دینے پر ہی محسوس کیا جا سکتا تھا۔ اگر میں اور سونیا باتوں میں ہی مشغول ہو جاتے تو ہمیں ان ہچکولوں کا احساس نہیں ہوتا۔ شاید ساری دنیا میں اس نوعیت کا کوئی کمرہ کسی عمارت میں نہیں بنایا گیا ہو گا لیکن اب وہ کمرہ میرے لیے کوئی عجوبہ نہیں رہا تھا۔ میں سمجھ چکی تھی کہ اس کمرے کو بنانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہو گا۔

سونیا سے زیادہ دیر تک چپ نہیں رہا گیا اور وہ بول پڑی۔ "بانو! آخر آپ مجھے الجھنوں میں کیوں مبتلا رکھنا چاہتی ہیں؟"

میں نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ "کیوں! میں نے تمھیں کس الجھن میں مبتلا کر رکھا ہے؟"

"آخر آپ بتاتی کیوں نہیں کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ ہم آخر کہاں ہیں؟ ہم ایک عمارت میں تھے لیکن اب میں خود کو کسی جہاز میں محسوس کر رہی ہوں۔ یہ گول کھڑکیوں سے نظر آتا ہوا پانی اور مچھلیاں، آخر یہ سب..."

"یہ سب شعبدے بازی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ کمرہ اور اس سے منسلک کمرہ، یعنی یہ دونوں کمرے ہیں تو خان ولا ہی میں لیکن ان دونوں کمروں کے فرش، چھت اور دیواریں باقی عمارت سے الگ ہیں۔"

سونیا نے میری باتیں سن کر کوئی استفسار تو نہیں کیا لیکن اس کے چہرے کی الجھن سے صاف ظاہر ہو گیا کہ وہ میری بات نہیں سمجھ سکی تھی۔

"اسے یوں سمجھو!" میں نے وضاحت کی۔ "تم ٹین کے ایک ڈبے میں پانی بھرو اور ایک گیند کو معمولی سے وزن کے ساتھ اس ٹین میں ڈال دو۔ اس وزن کی وجہ سے وہ گیند نہ تو پانی کی سطح پر رہ سکے گی، نہ بالکل تہ میں چلی جائے گی بلکہ بیچ میں رہے گی۔ ان دونوں کمروں کی مثال اس گیند کی سی ہے۔ ان کمروں کے گرد خلا ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے اور وہ خلا ایک قسم کا ایکوریم ہے جس میں مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ اس ناٹک کے کرتا دھرتا انجینئر نے توازن کی درستی پر بہت زیادہ توجہ دی ہو گی ورنہ یہ کمرے اس پانی میں بہت زیادہ متحرک رہتے۔"

ابھی تک کوئی بھی اس کمرے میں نہیں آیا تھا جبکہ میں چاہتی تھی کہ جلد از جلد کوئی دخل اندازی کرے اور ہم دونوں زیادہ چوٹیں کھانے سے محفوظ ہو جائیں۔ ویسے اگر دخل اندازی نہ ہوتی تو بھی اس ڈرامے سے کم از کم ایک فائدہ ضرور ہوتا۔ ہمیں یہ یقین ہو جاتا کہ اس کمرے میں خفیہ مائکروفون وغیرہ فٹ نہیں ہیں اور اس یقین کے بعد ہم بے خوف و خطر ہر قسم کی گفتگو کر سکتے تھے۔

رضوان نے میری گردن بڑے زور سے دبائی تھی لیکن جیسے ہی میں نے اپنی دونوں کہنیاں اس کے سینے پر رکھ کر بھرپور دباؤ ڈالا، رضوان کے منہ سے چیخ نکل گئی اور اس طرح مجھے محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً گلو خلاصی ہو گئی۔ میں نے اپنے جسم کو رضوان کے جسم پر اس طرح اچھالا جیسے اسپرنگ والے گدے پر اچھلا جا سکتا ہے۔

اس طرح میں کسی سہارے کے بغیر اپنے پیروں پر سیدھی کھڑی ہوئی اور پھر فوراً ہی دوبارہ اچھلی۔ اس دفعہ میرا ہدف رضوان کا سینہ تھا لیکن وہ بڑی تیزی سے کروٹ لے کر میری زد سے نکل گیا۔ اب میں فوراً ہی اس کی کمر پر کودی اور پھر ایک کھڑا ہاتھ رضوان کے شانے پر مارا۔ یہ ہاتھ میں نے جان بوجھ کر ذرا ڈھیلا رکھا تھا ورنہ رضوان کے شانے کی ہڈی، دوسری مرتبہ فریاد کرنے کے قابل نہیں رہ جاتی، پھر بھی وہ ضرب اتنی شدید تھی کہ رضوان کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

ٹھیک اسی وقت کمرے کا دروازہ ایک پرشور آواز کے ساتھ کھلا اور کئی آدمی اندر گھستے چلے آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

”خبردار!“ وہ گرجا۔ ”تم دونوں فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ!“

میں نے چونکے ہوئے انداز میں مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر فوراً رضوان کو چھوڑ کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

رضوان پھرتی سے اٹھا اور غصے میں بپھرا ہوا میری طرف لپکا لیکن فوراً ہی دو آدمی ہمارے بیچ میں حائل ہو گئے۔ انھوں نے رضوان کے دونوں بازو پکڑ لیے۔

”بس اب جھگڑا ختم!“ ریوالور والے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

رضوان کھا جانے والی نظر سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

”اسے ساتھ لے چلو!“ ریوالور والے نے ان دونوں آدمیوں سے کہا جو رضوان کو پکڑے ہوئے تھے۔

”میں خود بھی تم لوگوں کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔“ رضوان نے کہا۔ ”مجھے جلد از جلد تمھارے باس سے ملنا ہے۔“

”رضوان!“ میں نے للکارنے والے انداز میں کہا ... حماقت کرنے جا رہے ہو اور میں اسے کبھی معاف ...

رضوان نے بڑی حقارت سے میری طرف ... جانے کے لیے دروازے کی طرف مڑا۔

ان لوگوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی ... کر چلے گئے۔ دروازہ باہر سے مقفل کر دیا گیا۔

میں چند لمحے اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی ... طرف دیکھتی رہی اور پھر آگے بڑھ کر تھکے ہوئے ... اوندھی ڈھیر ہو گئی۔ اب میرے ہونٹوں پر خفیف ... کھیل رہی تھی۔ رضوان کی اس پلاننگ نے میرا ... اب میں یہاں تنہا تو رہ گئی تھی لیکن اس بات کا ...

پیدا ہو گیا تھا کہ رضوان یہاں سے نکلنے کے بعد ... سکے گا۔ اب سارا انحصار اس بات پر تھا کہ خان ... رضوان پر کس حد تک اعتماد کر سکتا ہے؟

میں بستر پر اوندھی لیٹی ہوئی اس ڈرامے ... جو ذرا دیر قبل اس کمرے میں کھیلا گیا تھا ... کہہ سکتی تھی کہ رضوان دل ہی دل میں مجھے اس ... برا بھلا کہہ رہا ہوگا۔ دراصل میرے ہاتھوں ... ضربیں بھی پہنچ گئی تھیں لیکن میں ایسا کرنے پر ... ایسا نہ کرتی تو وہ ڈراما جاندار نہ بن پاتا۔ ویسے ... بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس ... گردن اس بری طرح دبوچی تھی کہ اس کی انگلیوں ... میری گردن میں اب تک جلن ہو رہی تھی۔

دوپہر تک میں بستر ہی پر لیٹی رہی۔ اس کے ... بھی کیا سکتی تھی؟ مجھے کسی ایسے ردِعمل کا انتظار ... کے کسی عمل کا نتیجہ ہوتا۔

دوپہر کو کمرے کا دروازہ کھلا تو میں نے غور سے ... کی طرف دیکھا لیکن صورتِ حال کی کسی خاص تبدیلی کا ... لگا سکی۔ وہ شخص میرے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔ کھانا ... تپائی پر رکھ کر وہ مجھ سے بولا۔ ”باس کا پیغام آیا ... وقت کھانے پر آپ کا ساتھ دینے نہیں آ سکیں گے ... اکیلی ہی کھانا کھا لیں۔“

پھر وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر واپس ... میں نے اسے پکارا۔ ”سنو!“

... مسکرائی۔ بلاشبہ اس نے بڑا شاندار میک اپ کیا تھا۔ وہ سیاہ ... کا ایک خوبصورت چشمہ لگائے ہوئے تھی۔ وہ قریب آ کر مجھ سے ... مل جیسے پچیس برسوں بعد ملی ہو۔ بولنے میں بھی اس کا لب و لہجہ ... تھا، بالکل ان بورژوائی لوگوں کی طرح جو اپنی مادری زبان بھی انگریزی لہجے میں بولتے ہیں۔

”ان سے ملو نادرہ!“ میں نے زریں کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ ... ہیں۔ میں نے فون پر تم سے ان کا ہی تذکرہ کیا تھا۔“

”آپ بہت پیاری ہیں۔“ رضیہ نے زریں سے مصافحہ کرتے ... کہا۔ ”آپ کے ساتھ بڑا اچھا وقت گزرنا چاہیے۔“

... میں کوشش کروں گی کہ میرے گھر میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف ...

ایک قلی، رضیہ کا سوٹ کیس اٹھائے اس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔

”اب چلیں۔“ میں نے رضیہ اور زریں سے کہا۔

ہم لوگ اسٹیشن سے نکلے اور زریں نے اس طرف رخ کیا جہاں ... کار پارک کی تھی۔ اس نے کار کی ڈکی کھولی اور قلی نے ... اس میں رکھ دیا۔ قلی کو رخصت کر کے ہم کار میں بیٹھنے لگے۔ ... نے اصرار کر کے رضیہ کو اگلی سیٹ پر زریں کے برابر میں بٹھایا اور ... پچھلی نشست پر بیٹھ گئی۔

... زریں! تم مجھے صدر میں اتار دینا۔ وہاں سے میں ٹیکسی کر لوں گی۔“ ... نے اس وقت کہا جب زریں، کار کو حرکت میں لا چکی تھی۔

... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ زریں نے کہا۔ ”پہلے میں آپ کو ... کے فلیٹ پر اتاروں گی، اس کے بعد نادرہ کو اپنے گھر لے جاؤں گی۔ ... نادرہ! میں بڑی بے تکلفی سے تمھارا نام لے رہی ہوں۔ ... ہم عمروں میں مجھے تکلفات سے بڑی وحشت ہوتی ہے۔“

... کچھ اسی انداز میں، میں بھی سوچتی ہوں۔“ رضیہ نے ہنس کر کہا۔

”نادرہ!“ میں پیچھے سے بولی۔

”جی میڈم!“

... میں فون پر تمھیں اچھی طرح سمجھا چکی ہوں کہ تمھیں زریں کے ... کیا کرنا ہے۔ تاہم کوئی بات تمھاری سمجھ میں نہ آئی ہو تو پھر پوچھ لو۔“

”میں سب کچھ ذہن نشین کر چکی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔“

”یوں سمجھو کہ یہ تمھارا ایک امتحان ہے۔“

”یہ میرے لیے بے حد خوشی کی بات ہے کہ آپ میرا امتحان ... رہی ہیں۔“

”اور زریں!“ میں پھر بولی۔ ”تم نے بھی اپنے گھر والوں کو نادرہ کے بارے میں بتا دیا ہے نا؟“

”جی ہاں۔ وہ سب ان کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ انھیں یہ سن کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ میری مہمان دوست پامسٹری کی طالبہ ہے۔“

”پامسٹری ہر شخص کی کمزوری ہوتی ہے۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

ہم باتیں کرتے رہے۔ کار دوڑتی رہی اور برنس روڈ آ گیا۔ میں وہاں کار سے اتر گئی اور وہ دونوں چلی گئیں۔

جب میں فلیٹ کا قفل کھول رہی تھی تو اندر سے ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں جلدی سے دروازہ کھول کر اندر پہنچی اور پھر عجلت میں اسے بند کیے بغیر فون کی طرف جھپٹی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ رنگ کرنے والا مایوس ہو کر ڈس کنکٹ کر دے۔ نہ جانے کس نے فون کیا ہو۔ بعد میں میرا ذہن ایک خلش کا شکار رہتا۔

میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا۔

”ہیلو!“ میں ماؤتھ پیس میں بولی۔

”تم کہاں تھیں بانو! میں نے تمھیں دوسری مرتبہ رنگ کیا ہے۔“ دوسری طرف سے ایک ایسی آواز سنائی دی تھی کہ میرے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ وہ آواز خان آف کالاگوٹ کی تھی۔

”ہیلو!“ میری خاموشی پر اس نے مجھے پکارا۔

”کیا بات ہے!“ میں نے سرد لہجے میں کہا۔

”ایک معمولی سا سوال کرنا تھا تم سے!“

”کیسا سوال؟“

”تم نے رضوان کے فلیٹ میں کیوں پناہ لے رکھی ہے؟ کیا تم سمجھتی ہو کہ اس طرح میری نظر سے اوجھل ہو جاؤ گی؟“

”میں تم سے ڈرتی نہیں ہوں کہ تمھاری نظر سے اوجھل ہونے کی کوشش کروں۔“ میں نے تیز لہجے میں کہا۔

”پھر آخر رضوان کے فلیٹ میں کیوں مقیم ہو؟“

”ضروری نہیں ہے کہ میں تمھارے ہر سوال کا جواب دوں۔“

”ہاں، ضروری تو نہیں ہے۔“

”پھر تم نے مجھے فون کیوں کیا ہے؟“

”یہ جاننے کے لیے کہ شاید اب تم کمپرومائز پر تیار ہو گئی ہو!“

”کیسا کمپرومائز؟“

”میں نے پہلے بھی ایک مرتبہ تمھیں ایک پیشکش کی تھی۔ اگر تم

میری راہ میں آنے کی کوشش نہ کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم کوئی بڑا جال پھیلانے کی فکر میں ہو اور وہ جال غالباً میرے ہی لیے ہوگا۔"

"غالباً نہیں بلکہ... یقیناً!" میں نے زور دے کر کہا۔ "اس وقت سے ڈرو جب تم اس جال میں کسی پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہے ہوگے۔"

"بہت خوب!" خان آف کالاگوٹ نے قہقہہ لگایا۔ "کیا تم ابھی تک سونیا کی پھڑپھڑاہٹ نہیں بھول سکیں؟"

"میں تمہیں بھی اسی طرح پھڑپھڑانے کا موقع ضرور دوں گی خان!" میں نے کہا اور سختی سے دانت پر دانت جما لیے۔

دوسری طرف سے خان آف کالاگوٹ نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنائی دی۔

میں نے دانت بھینچے بھینچے ریسیور رکھ دیا اور ایک جھٹکے سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ یہ سوال میرے ذہن میں بری طرح چبھنے لگا تھا کہ اس وقت خان آف کالاگوٹ نے مجھے فون کیوں کیا تھا؟ بات صرف اتنی نہیں ہوسکتی تھی جو اس نے فون پر ظاہر کی تھی۔

اس فون کال سے مجھے کم از کم یہ اندازہ ضرور ہوگیا تھا کہ خان آف کالاگوٹ میری طرف سے بے خبر نہیں ہوا ہے۔ اب میرے لیے ایک پریشان کن سوال یہ بھی تھا کہ وہ میری نقل و حرکت پر کس حد تک نظر رکھ سکا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اس ڈرامے سے بھی باخبر ہوگیا ہو جس کا ایک کردار میں نے رضیہ کو بنایا تھا؟ ایسی صورت میں رضیہ کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

میں نے یکلخت اٹھ کر ریسیور اٹھایا اور خان ولا کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف سے انگیج کی ٹون آئی تو میں نے کریڈل دبا دیا اور کوئی نصف منٹ بعد پھر رنگ کیا۔ اس مرتبہ دوسری طرف گھنٹی بجی اور ریسیور اٹھا لیا گیا۔ "ہیلو!" آواز آئی جو زریں کی نہیں تھی۔

"مجھے زریں سے بات کرنا ہے۔"

"آپ کون ہیں؟"

"روزا میکڈانلڈ۔" میں نے وہی فرضی نام بتا دیا جو میرے اور زریں کے مابین طے ہوچکا تھا۔

"ہولڈ آن رکھیے! میں زریں کو بلاتی ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ جلد ہی دوسری طرف سے زریں کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو!"

"بس میں نے یہ جاننے کے لیے فون کیا تھا کہ تم گھر پہنچ گئی ہو۔ نادرہ کہاں ہے؟"

"میرے برابر میں کھڑی ہے۔"

"ذرا فون اسے دو۔"

"اچھا۔"

ایک لمحے بعد ہی میں نے رضیہ کی آواز سنی۔ "ہیلو!"

"رضیہ!" میں نے آواز دھیمی کرتے ہوئے کہا۔ "میں یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ حالات کی ایک نئی کروٹ آئی ہے جس کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ تم وہاں کسی خطرے سے بھی دوچار ہوسکتی ہو۔"

"آپ فکر نہ کیجیے!"

"تمہارے پاس پستول تو ہوگا؟"

"جی ہاں۔"

"پوری طرح ہوشیار رہنا۔"

"اوکے۔"

میں نے کھوئے کھوئے سے انداز میں ریسیور رکھ دیا۔ خطرے سے آگاہ کرنے کے باوجود میں پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکی۔ لیکن اب اس "نامطمئنی" کا کوئی سدباب نہیں ہوسکتا تھا۔ میں شیر کی کچھار میں چھوڑ چکی تھی اور یہ ممکن نہیں تھا کہ میں کسی طرح اس کو ثابت ہوسکتی۔ ویسے یہ ضرور تھا کہ رضیہ بھی کوئی کچی گولیاں کھیلی ہوئی نہیں تھی۔ وہ خان آف کالاگوٹ کے لیے لوہے کا چنا ہی ثابت ہوتی۔ علاوہ اس کے بھی کہ میں نے اسے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔

دوسری صبح میری آنکھ ٹیلیفون کی گھنٹی سن کر کھلی۔ میں نے نیند کے عالم میں ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو!"

"کیا بانو بول رہی ہیں؟" دوسری طرف سے ایک سریلی آواز نے پوچھا۔

دوسرے ہی لمحے میری ساری غنودگی ہوا ہوگئی کیونکہ میں ماہ پارہ کی آواز پہچان لی تھی۔ "ہاں، میں بانو بول رہی ہوں۔ آپ کون ہیں؟" میں جان بوجھ کر انجان بن گئی۔

"آپ نے میری آواز نہیں پہچانی۔ ایسے میں ماہ پارہ ہوں۔" اس نے اس طرح کہا جیسے میرا اور اس کا جنم جنم کا ساتھ رہا ہو۔

"اوہ۔ اچھا!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمہیں میرا نمبر کیسے معلوم ہوا؟"

"رضوان بھائی نے بتایا تھا۔ ذرا دیر پہلے وہ فون کر چکے ہیں۔ مجھ سے سلطان بھائی کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ میں نے بتا دیا کہ بھائی جان ان کی فون کال سے صرف پانچ منٹ قبل روانہ ہوگئے ہیں۔ پھر میں رضوان بھائی سے آپ کی تعریفیں ... تو انھوں نے مجھے یہ نمبر بتایا اور کہا کہ میں آپ کی تعریفیں آپ ... کردوں۔" وہ ہنسنے لگی۔

میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ یہ رضوان نے میرے ساتھ دوسری ... کی تھی کہ اس بینگن نما لڑکی کو میرے پیچھے لگانا چاہا تھا۔

"ہیلو!" وہ پھر بولی۔ "آپ میری بات سن رہی ہیں نا؟"

"سن رہی ہوں۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کیونکہ ... بہ نسبت سننا ہی بہتر ہے۔"

"کیا مطلب!" وہ حیرت سے بولی۔

"پتا نہیں میں کیا کہہ گئی۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں دراصل ... رہی ہوں۔ ابھی ٹیلیفون کی گھنٹی ہی سن کر آنکھ کھلی تھی۔"

"اوہ! تو آپ ناشتہ وغیرہ کر لیجیے۔ میں ذرا دیر بعد پھر فون کرلوں ...

... فون کرنا ضروری ہے؟" غیرارادی طور پر میرا لہجہ خشک ہوگیا۔

... جانے آپ کی شخصیت میں کیا جادو ہے!" اس نے شاید شرمائے ... انداز میں کہا تھا۔ "میں رات بھر آپ کو خواب میں دیکھتی رہی۔ ... چاہ رہا ہے کہ آپ سے باتیں کرتی رہوں۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ... ملیں!"

"... ضرور۔" میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "میں بہت جلد تم سے ... گی۔"

"... کب؟" اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"... میں تمہیں فون پر بتا دوں گی۔ تم مجھے فون مت کرنا۔"

"... بہتر ہے۔ آپ کو میرا فون نمبر تو معلوم ہی ہوگا!"

"... ہاں مجھے علم ہے۔" میں نے کہا اور پھر جلدی سے ریسیور ...

... اس کی آواز لاکھ سریلی سہی لیکن اس آواز کو سن کر جو سراپا ذہن ... آتا تھا اسے میں برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ مجھے رہ رہ کر رضوان ... نے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے محض شرارتاً اس "ماہ پارہ" ... پیچھے لگایا ہے۔ میں سوچنے لگی کہ رضوان کو اس کی سزا ... ملنا چاہیے۔

... غسل کر کے میں نے کپڑے تبدیل کیے اور صدر کے ایک ... سے ناشتہ کر کے واپس فلیٹ آگئی۔ دراصل رضوان کا فون ... تھا۔ اس نے سلطان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی تو ... مقصد ہوسکتا تھا کہ وہ اسے مجھ سے ملانے کے لیے کوئی پروگرام طے کرے۔

لیکن رضوان سے پہلے میں نے رضیہ کا فون وصول کیا۔

"تم کہاں سے بول رہی ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"خان ولا سے۔"

"کوئی خاص بات!"

"ابھی تک تو میں کوئی خاص بات نہیں معلوم کرسکی۔"

"اس وقت تمہارے قریب کون ہے؟"

"کوئی بھی نہیں۔ میں کمرے میں تنہا ہوں۔" رضیہ نے کہا۔ "آپ کو میں نے محض اس لیے فون کردیا کہ آپ میری طرف سے پریشان نہ ہوں۔ میں پوری طرح چوکس ہوں۔"

"خان ولا کے لوگوں کو تم نے کیسا پایا؟"

"خان آف کالاگوٹ کے علاوہ یہ سبھی اچھے لوگ ہیں۔ یہ سب مجھ سے بہت جلد گھل مل گئے ہیں۔ البتہ خان آف کالاگوٹ سے میرا سامنا دو ایک ہی مرتبہ ہوا ہے۔ یہ شخص کسی طرح بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جنسی بھوک چمک اٹھتی ہے۔ اس کمبخت کو یہ بھی خیال نہیں کہ میں اس کی بیٹی کی دوست ہوں۔"

"وہ شاید ہمارے شہر کا کمین ترین انسان ہے۔"

"میں تو اسے انسان کہنے کی بھی روادار نہیں۔"

"اچھا بس! فون پر زیادہ گفتگو نہ کرو۔" میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "بہتر ہوگا کہ احتیاط برتی جائے۔ جب تک کوئی خاص بات نہ ہو، مجھے فون مت کرنا۔"

"میں نے تو محض اس لیے فون کیا تھا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔"

"اگر میں پریشان ہوں گی تو بھی براہ راست تمہیں فون کرنے کی بجائے زریں کو کال کرلیا کروں گی۔ تم بھی فون کرنے کے سلسلے میں محتاط ہی رہو۔"

"بہتر۔"

میں نے سلسلہ منقطع کردیا اور آرام کرسی پر نیم دراز ہوکر آنکھیں بند کرلیں۔ مجھے یقین تھا کہ جلد یا بدیر رضوان کا فون آئے گا اور میں اسی کی منتظر تھی۔

مگر فون کی بجائے خود رضوان آدھمکا۔ کال بیل کی آواز سننے کے بعد میں دروازہ کھولتے وقت پوری طرح چوکس تھی۔ میں نے ایک ہاتھ میں ریوالور بھی سنبھال رکھا تھا۔

"تسلیمات سالی جی!" اس نے شوخی سے کہا لیکن شوخی کے ساتھ اس کے لہجے میں حیرت بھی تھی۔ "یہ آپ نے میرے استقبال

کے لیے ریوالور کیوں سنبھال رکھا ہے؟"

"احتیاطاً۔" میں نے جواب دیا۔ "خان آف کالاگوٹ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میں یہاں مقیم ہوں۔"

"کیسے؟"

"ظاہر ہے کہ اس کے آدمیوں نے میری نقل و حرکت پر نظر رکھی ہوگی۔"

"آپ کو اس کا پتا کیسے چلا؟"

"خود خان نے مجھے فون کیا تھا۔ تم دروازہ تو بند کر دو۔"

رضوان نے دروازہ بند کیا اور پھر ہم دونوں نشست کے کمرے میں بیٹھ گئے۔ میں نے اسے اس گفتگو کے بارے میں تفصیل سے بتایا جو فون پر خان آف کالاگوٹ سے ہوئی تھی۔ وہ سب کچھ سن کر رضوان کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ بولا۔ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ رضیہ..."

میں خود بھی رضیہ کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ متفکر ضرور تھی لیکن رضوان کو پریشانی سے بچانے کے لیے میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "رضیہ اتنا نرم گوشت نہیں جسے خان آف کالاگوٹ آسانی سے چبا سکے۔"

"تاہم... ہمیں اس کی طرف سے بالکل بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔"

"اگر تم اس سلسلے میں کچھ کر سکو تو ضرور کرنا۔"

"میں سوچوں گا۔" رضوان نے کہا۔ "اور ہاں! میں نے سلطان کے گھر فون کیا تھا۔ وہاں سے پتا چلا کہ وہ دفتر جا چکا ہے۔ میں اس کے دفتر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ نواب شاہ جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اب وہ کل نواب شاہ سے آئے گا تو میں آپ سے اس کی ملاقات کرا سکوں گا۔"

"اسے نواب شاہ جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"وہاں ایک ہی گھر کے سات افراد کا بڑا بیمانہ قتل ہوا ہے اور سلطان کو اس کی رپورٹنگ کے لیے نواب شاہ بھیجا گیا ہے۔"

"اور یہ تم نے کیا حرکت کی؟" میں آنکھیں نکال کر بولی۔ "اس سیاہ پارہ کو ٹیلیفون نمبر کیوں دے دیا؟"

دراصل بعد میں میں نے سوچا کہ آپ کا دل کیوں چھوٹا کیا جائے!" رضوان نے مضحکہ خیز سنجیدگی سے کہا۔ "وہ سلطان کی بہن سہی لیکن ہے تو سوتیلی ہی! اگر آپ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے ہیں تو میں کباب میں ہڈی کیوں بنوں؟"

میں دانت پیس کر بولی۔ "رضوان کے بچے..."

"نہ نہ۔" رضوان نے جیسے گھبرا کر میری بات کاٹی۔ "رضیہ سے پوچھے بغیر میرے بچوں کا تذکرہ ہرگز نہ کیجیے۔ وہ اس کا برا بھی مان سکتی ہے۔"

"میں اس سلسلے میں تمہیں سزا دیے بغیر نہیں رہوں گی۔"

"اسے کہتے ہیں نیکی برباد گناہ لازم۔" رضوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "جیسے بائی دی وے! اب ارادہ کیا ہے؟"

"کس سلسلے میں؟"

"صرف رضیہ کی رپورٹنگ کا انتظار کرنا ہے یا کچھ اور بھی کریں گی؟"

"میں اس امکان پر غور کر رہی ہوں کہ گنڈا دراس کے آدمیوں میں کچھ ہراس پھیلایا جائے۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"وہ لوگ بڑی دیدہ دلیری سے ہم لوگوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں تھوڑی سی ہچکچاہٹ پیدا کرا جائے تو بہتر ہے۔"

"یہ کس طرح ہوگا؟"

"کچھ دیر کے لیے ہنٹر والی بن جاؤں گی۔"

"یعنی؟"

"گنڈدے کے قمار خانے میں جا کر ہنگامہ کروں گی۔ کچھ لوگ گھکائی کروں گی، کچھ میزیں توڑ دوں گی اور پھر وہاں سے ملتی نظر آؤں گی۔"

"بچکانہ سی بات ہے۔"

"کبھی کبھی بچکانہ حرکتیں بھی کرنا پڑتی ہیں۔ اس حرکت سے خان آف کالاگوٹ کو یہ اندازہ بھی ہو جائے گا کہ میں اس سے مرعوب نہیں ہوں۔"

"آپ جانیں!" رضوان نے بے پروائی سے شانے جھٹکے۔ "اور اب تم چلتے پھرتے نظر آؤ۔ ممکن ہے گھر پر سنگیتا کا خط آئے میرے نام۔"

"سنگیتا۔" رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "آپ اسے امریکہ بھیج کر بھی ابھی بھولی نہیں ہیں۔"

"وہ بھولنے کی چیز ہی نہیں ہے۔"

"اللہ آپ پر رحم کرے۔" رضوان ٹھنڈا سانس لے کر گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں بستر پر لیٹ گئی۔ جب کوئی کام نہ ہو تو آرام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔

دوپہر کو میں نے ایک ریسٹورنٹ میں جا کر کھانا کھایا! واپس آ گئی۔ میں رضیہ کی طرف سے کسی خاص رپورٹ کی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مجھے اس کے لیے صبر آزما وقت لینا ہوگا۔

جب شام ہو گئی تو مجھ پر اکتاہٹ کا شدید دورہ پڑا۔ اسی وقت فیصلہ کیا کہ ابھی چل کر گنڈدے کے قمار خانے میں ہنگامہ کیا جائے۔ میں فوراً اٹھی اور روانگی کے لیے تیار ہونے لگی۔ تیار ہو کر دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ کال بیل بجی۔ میں ایک لمحے ٹھٹکی اور پھر فوراً ریوالور نکال کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"کون؟" میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"رضوان۔" باہر سے آواز آئی۔ اس کے لہجے سے گھبراہٹ تھی۔

میں نے ریوالور رکھ کر جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

"خیریت تو ہے؟" میں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"آپ کہیں گئی ہوئی تھیں؟"

"نہیں تو۔ کیوں؟"

"ابھی رضیہ نے آپ کو فون کیا تھا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔"

"اوہ! اس وقت شاید میں باتھ روم میں تھی۔ شاور میں نے پورا کھول رکھا تھا۔ اس کے شور میں فون کی گھنٹی نہیں سنائی دی ہوگی۔"

"بہرحال دوسری بار اس نے مجھے فون کیا تھا۔" رضوان بولا۔

"آخر بات کیا ہے؟"

"اس نے اطلاع دی ہے کہ خان آف کالاگوٹ کے حکم سے آج رات ماہ پارہ کو قتل کر دیا جائے گا۔"

پروفیسر منہاس کے گھر میں اس کی سوتیلی بیٹی ماہ پارہ کی خوابگاہ، اوپری منزل پر تھی۔ رات کے دو بجے اس کی خوابگاہ کے بند دروازے کے پیچھے فائر کی آواز گونجی۔ فائر کے فوراً بعد ایک نسوانی چیخ سنائی دی اور پھر ایک شخص دروازہ کھولتا ہوا باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا لیکن اس کے چہرے سے گھبراہٹ اور پریشانی ترشح تھی۔

خوابگاہ کے کھلے ہوئے دروازے سے ایک بیڈ نظر آ رہا تھا جس پر ایک لڑکی اس طرح اوندھی پڑی ہوئی تھی جیسے وہ لاش ہو۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس شخص کی گولی کا شکار ہوئی ہوگی جو ریوالور لیے ہوئے بھاگتا ہوا کمرے سے نکلا تھا۔

"امکانی قاتل" تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا جہاں ایک مختصر سی راہداری تھی۔ اس سے گزر کر قاتل کو ڈرائنگ روم میں قدم رکھنا تھا جہاں سے وہ بیرونی دروازے کا رخ کرتا لیکن جیسے ہی وہ راہداری طے کر کے مڑا، ایک جھٹکے سے رک گیا۔ اس کے رکنے کا سبب رسی کا وہ پھندا تھا جو اس کے چہرے کے سامنے لہرا رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ پھندا اس کے سر پر تھا۔ وہ اس کے سر پر سے پھسل کر اس کی گردن تک جا پہنچا اور اس کا حلقہ تنگ ہو گیا۔ یہ عمل اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ ریوالور والے کو سنبھلنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی۔ جب وہ صورتِ حال کو کچھ سمجھا تو پھندا پوری طرح تنگ ہو چکا تھا اور رسی تن گئی تھی۔ بے اختیار اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ گئے اور اس نے پھندے کو اپنی گردن سے نکالنا چاہا۔ اس کوشش میں ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا لیکن اس کی پھندے سے نجات حاصل کرنے کی کوشش بارآور نہیں ہو سکی تھی۔ رسی اوپر کی طرف کھنچی اور فرش سے اس کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ فرش سے تقریباً ایک فٹ اوپر ہو گیا۔ یقیناً اس کا سانس گھٹ جاتا اور وہ ہلاک ہو جاتا لیکن اس نے گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے رسی پکڑ لی اور سارا زور اپنی کلائیوں پر ڈال دیا۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سے پھندا اس کی گردن پر مزید سخت نہ ہو سکا۔

اب ڈرائنگ روم میں میری آواز گونجی۔ "ڈیری گڈ! بہت دل کش منظر ہے۔"

رسی سے لٹکے ہوئے آدمی نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے بڑے اطمینان سے کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس شخص کی آنکھوں میں شناسائی کی کیفیت نظر آئی۔ اس کے ہونٹ کھلے مگر پھندے کی سختی اتنی تھی کہ اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی۔ اس کے ہونٹوں کی جنبش سے مجھے صرف اتنا اندازہ ہوا تھا کہ اس نے "بانو" کہنا چاہا تھا۔

میں نے اوپر بالکونی کی طرف دیکھا جہاں رضوان موجود تھا اور وہ رسی اسی نے اوپر کھینچ رکھی تھی۔

"پھندا بہت سخت ہو گیا ہے رضوان!" میں نے کہا۔ "اسے ذرا نیچے کرو تاکہ میں پھندے کو ڈھیلا کر سکوں اور یہ بول سکے۔" یہ کہتے ہوئے میں بڑھی تھی اور اس آدمی کے قریب پہنچ گئی تھی۔ رسی سے لٹکا ہوا وہ شخص چہرے مہرے ہی سے جرائم پیشہ معلوم ہوتا تھا۔ میں نے فرش سے اس کا ریوالور اٹھا لیا اور ایک قریبی صوفے پر ڈال دیا۔

رسی آہستہ آہستہ نیچے ہونے لگی اور پھر جیسے ہی اس شخص کے پیر،

زمین سے ٹیکے، میں نے اس سے کہا۔ "خبردار! تم اپنے ہاتھ رسّی پر اسی جگہ رکھے رہو جہاں وہ ہیں۔ اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو رسّی کو پھر اوپر کھینچ لیا جائے گا۔"

اگر میں نے اسے یہ تاکید نہ کی ہوتی تو یقیناً وہ فرش سے پیر لگتے ہی پھندے کو اپنی گردن سے نکالنے کی کوشش کرتا۔ پھندے کی وجہ سے اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ میں نے پھندے کو اسی کی گردن پر ڈھیلا کیا تو وہ لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم بول سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"آں... ہاں..." اس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"تو تمھیں ماہ پارہ کو قتل کرنے پر مامور کیا گیا تھا؟"

"ن... نہیں... میں تو یہاں... چوری کرنے آیا تھا۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

"وہ گولی چلنے کی آواز اور وہ چیخ کس کی تھی؟"

"مجھے... مجھے نہیں معلوم۔"

"تم اس کمرے میں تھے اور تمھیں اس کے بارے میں نہیں معلوم!" میں نے زہرخند کیا۔

"میں... میں قسم کھاتا ہوں... میں سچ کہہ رہا ہوں۔" وہ جلدی جلدی بولنے لگا۔ "جب میں اس کمرے کا دروازہ کھول کر اندر پہنچا تھا تو وہاں تاریکی تھی۔ پھر اندر پہنچنے کے بعد جیسے ہی میں نے دروازہ بند کیا، کمرے میں روشنی ہوگئی۔ میں اچھل پڑا اور اس وقت میری نظر پلنگ پر پڑی ہوئی ایک لڑکی پر گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ زندہ تھی یا مُردہ! پھر اسی کمرے میں ایک فائر کی آواز گونجی اور ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ مجھے نہ تو فائر کرنے والا دکھائی دیا تھا اور نہ وہ چیخنے والی نظر آئی تھی۔ میں اس صورتِ حال سے اتنا گھبرایا کہ فوراً دروازہ کھول کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ خدا کی قسم، بس اتنی ہی بات ہے۔ میں چوری بھی نہیں کر سکا۔"

"میں تمھاری سب باتوں پر یقین کیے لیتی ہوں لیکن یہ بات قطعی غلط ہے کہ تم یہاں چوری کی نیت سے آئے تھے!"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"رضوان!" میں نے اوپر دیکھا۔

رضوان میرا اشارہ سمجھ گیا۔ اس نے فوراً رسّی اوپر کھینچ لی اور میری توقع کے مطابق وہ شخص اپنا سارا وزن اپنی کلائیوں پر ڈال کر رسّی سے لٹک گیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پھندا اس کی گردن پر پھر سخت ہو جاتا۔ میں نے پھندے کو ڈھیلا ضرور کیا تھا لیکن اسے اس کی گردن سے نکالا نہیں تھا۔

میں دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور بڑے اطمینان سے [illegible] طرح زیادہ دیر تک لٹکے نہیں رہ سکتے۔ گھنٹے آدھ گھنٹے [illegible] کی قوت جواب دے جائے گی اور تم رسّی پر اپنے ہاتھوں [illegible] رکھ سکو گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ پھندا پھر سخت ہو جائے گا اور تم [illegible] کے باعث مر جاؤ گے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ پھانسی پانے [illegible] کتنی اذیت ناک ہوتی ہے؟ تم اس اذیت ناک موت سے [illegible] ہو یا سچ بول کر اپنی زندگی بچانا چاہتے ہو؟"

"م... میں..."

"صرف ہکلانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں صرف سچ سننا [illegible] مجھے تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا ہیں۔ یہ تو میں جانتی ہوں کہ [illegible] ماہ پارہ کو قتل کرنے آئے تھے لیکن جب تک تم اس کا اقرار [illegible] گے، میں کوئی دوسرا سوال نہیں کروں گی۔"

وہ خاموش رہا اور رسّی سے لٹکا ہوا ہانپتا رہا۔ اس کے [illegible] خوف کے تاثرات تھے۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے اطمینان سے ایک صوفے پر بیٹھتے [illegible] "میں تمھارے بولنے کا انتظار کر لوں گی۔ مجھے زیادہ جلدی نہیں ہے۔" [illegible] اوپر دیکھتی ہوئی بولی۔ "تم بھی نیچے آ جاؤ رضوان! رسّی کا سرا گیلری کی [illegible] سے باندھ دو!"

"نہیں... ٹھہرو!" رسّی سے لٹکا ہوا شخص چیخ پڑا۔ "میں [illegible] بتا دوں گا۔ میں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں چوری کرنے آئے تھے؟"

"نہیں، میں ماہ پارہ کو قتل کرنے آیا تھا۔" اس نے مُردہ سی [illegible] میں کہا۔

"گڈ!" میں صوفے سے کھڑی ہوگئی اور پھر اوپر دیکھتی ہوئی بولی۔ "[illegible] اسے نیچے کر دو!"

رضوان نے آہستہ آہستہ رسّی کو ڈھیل دی۔

میں نے اپنے شکار سے کہا۔ "جب تمھارے پیر فرش سے لگ [illegible] تب بھی تم رسّی ہی کو پکڑے رہنا۔ جب تک تم سے میری گفتگو مکمل [illegible] جائے، تم پھندے کو اپنی گردن سے نکالنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

اس کے پیر فرش سے لگ گئے لیکن اس نے میری تنبیہ کو [illegible] نہیں کیا، یعنی پھندے کو اپنے گلے سے نکالنے کی کوشش نہیں کی۔

"ہاں۔" میں بولی۔ "تو تم ماہ پارہ کو قتل کرنے آئے تھے؟"

"ہاں۔"

"اس کام کے لیے تمھیں کس نے بھیجا تھا؟"

[illegible]

"[illegible] میں دانت پر دانت جما کر بولی۔ "یہ نام سن سن کر میرے کان [illegible]"

"ہم ایک کرسٹر بھی جائیں گے!" رضوان نے گیلری سے ہانک لگائی۔ "[illegible] چکا ہوں کہ اس کمبخت گڈو کو گڑیا بنا دیجیے لیکن میری بات آپ [illegible] ہی نہیں آتی۔"

"[illegible]" میں اپنے شکار کو گھورتی ہوئی غرّائی۔ "تمھارا نام کیا [illegible]"

"مجید۔"

"تمھیں گڈو نے یہ کام کیوں سونپا تھا؟"

"یہ تو گڈو ہی جانتا ہوگا۔"

"تمھیں نہیں معلوم؟"

"نہیں۔"

"تمھیں یہ تو معلوم ہوگا کہ گڈو کس کے لیے کام کرتا ہے؟"

"میں بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ کوئی بہت بڑا آدمی ہے۔"

"اس بڑے آدمی کا نام نہیں جانتے؟"

"نہیں۔"

"گڈو جانتا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اسے تو جاننا چاہیے۔"

"[illegible] خیال ہے؟ یقین نہیں؟"

"ہاں، بس خیال ہے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" میں جھنجلا گئی۔ "تم بھی اس بڑے آدمی کا [illegible] ہو اور تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ ماہ پارہ کو قتل کرنے کے لیے کیوں [illegible] گیا تھا۔"

"نہیں نہیں۔" مجید نے گڑگڑانے والے انداز میں کہا۔ "میں قسم کھاتا ہوں [illegible] کچھ نہیں معلوم۔"

"رضوان!" میں نے مخصوص انداز میں پکارا۔

یہ ایک اشارہ تھا جسے رضوان نے فوراً سمجھ لیا اور ایک بار پھر رسّی [illegible] لی۔ مجید اب ایک بار پھر فرش سے ایک فٹ اوپر لٹکا ہوا تھا۔

میں نے رضوان سے کہا۔ "رسّی کو کسی چیز سے باندھ کر نیچے آ جاؤ!"

"میں مر جاؤں گا۔" مجید بلبلایا۔

"مجھے تمھاری زندگی یا موت سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے!" میں نے [illegible] شانے جھٹک کر کہا۔ "میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ تم مجھے کوئی [illegible] دو۔ اگر نہیں دے سکتے تو مر جاؤ۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔

میں نے یہ سارا کھٹ راگ اسی لیے پھیلایا تھا کہ مجھے کوئی خاص بات معلوم ہو سکے۔ اب اگر مجھے کوئی بات نہیں معلوم ہوتی تو تم جہنّم میں جاؤ۔ میری بلا سے!"

"لیکن میں بتاؤں کیسے؟" مجید نے بڑی بے بسی سے کہا۔ "مجھے کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔"

"اگر معلوم نہیں ہے تو یہ تمھاری بدقسمتی ہے۔ اگر تم کچھ جانتے ہوتے تو اس وقت تمھیں زندگی مل جاتی۔ عدم واقفیت کی بنا پر اب تمھیں موت سے گلے ملنا ہوگا۔"

اتنے میں رضوان گیلری سے نیچے آ گیا تھا۔ اس نے رسّی گیلری میں کسی چیز سے باندھ دی تھی۔

"آؤ!" میں نے رضوان سے کہا۔ "اب ہم ماہ پارہ کی خوابگاہ میں چل کر اپنا سامان سمیٹ لائیں۔"

"چلیے جناب!" رضوان نے طویل سانس لے کر کہا۔

جب ہم دونوں جانے کے لیے مڑے تو مجید ایک بار پھر گڑگڑانے لگا۔ وہ انسانیت کے واسطے دے دے کر زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا لیکن میں نے اس کی پکار پر کان نہیں دھرا۔

جب ہم سنگی سیڑھیاں طے کر رہے تھے تو رضوان بولا۔ "کیا آپ واقعی اسے مار ڈالنا چاہتی ہیں؟"

"نہیں۔"

"تو پھر اُسے اس طرح چھوڑ آنے کا مطلب!"

"میں چاہتی ہوں کہ اگر اسے کوئی بات معلوم ہو تو وہ بتانے پر آمادہ ہو ہی جائے۔"

"میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ خان آف کالا کوٹ اور اس کے مقاصد کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہوگا۔"

"اس صورت میں ہم اسے چھوڑ دیں گے۔ کچھ انتظار تو کر لیں۔"

"اور اگر اس کا گلا گھٹ گیا؟"

"وہ خاصا طاقت ور آدمی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ رسّی سے لٹک کر آدھا گھنٹہ تو گزار ہی دے گا۔"

یہ باتیں کرتے ہوئے ہم اوپر ماہ پارہ کی خوابگاہ میں پہنچ گئے۔

"سب سے پہلے تو اس لڑکی کی ہوا نکالو!" میں نے مسکرا کر لاش کی طرف اشارہ کیا۔

وہ لاش دراصل ربڑ کی ایک لڑکی تھی۔ بہت عرصے پیشتر یہ میں نے یورپ کے کسی ملک سے خریدی تھی لیکن اس وقت یہ نہیں سوچا تھا کہ کبھی اس کا یہ مصرف بھی ممکن ہوگا۔ ہوا نکلنے کے بعد وہ ربڑ کا ایک تھیلا سا بن جاتی

تھی جیسے لپیٹ کر بڑی آسانی سے بغل میں بھی دبایا جاسکتا تھا۔ رضوان اس کام میں مصروف ہوا اور میں اس پوشیدہ ٹیپ ریکارڈر کی طرف متوجہ ہوئی جس سے بلند ہونے والی نسوانی چیخ اور فائر کی آواز سے مجید کو کھلا گیا تھا۔ اس ٹیپ ریکارڈر کا کنکشن میں نے اسی سوئچ سے کیا تھا جس سے کمرے کی لائٹ جلتی تھی۔ یہ سارا سیٹ اپ میں نے اس طرح کیا تھا کہ جب کمرے کا دروازہ کھول کر بند کیا جائے تو کمرے کی لائٹ بھی جل اٹھے اور ٹیپ ریکارڈر بھی چل پڑے۔

میں نے وہ سارا اہتمام جھام سمیٹا اور اسی دوران میں رضوان نے ربڑ کی وہ لڑکی بھی تہ کر لی۔

ہم نے یہ سارا بندوبست گیارہ بجے سے پہلے پہلے کر ڈالا تھا اور ماہ پارہ کو یہاں سے منتقل کر دیا تھا۔ اس کے بعد سے ہم قاتل کی آمد کا انتظار کرتے رہے تھے۔

"آؤ اب چلیں۔" میں نے رضوان سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب اس کی طاقت جواب دینے والی ہوگی۔" میرا اشارہ مجید کی طرف تھا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں رخصت ہوتے دیکھ کر اس کی ہمت بالکل ہی جواب دے جائے گی اور وہ کوئی خاص بات بتا سکتا ہے تو ضرور بتا دے گا۔"

"مجھے توقع نہیں کہ وہ کچھ بتا سکے کیونکہ اسے کچھ معلوم ہی نہیں ہوگا۔"

"دیکھ لیتے ہیں۔"

ہم سنگی سیڑھیاں اُتر کر نیچے پہنچے اور جب راہداری سے مُڑ کر ڈرائنگ روم میں پہنچے تو ٹھٹک کر رک گئے، بالکل اسی طرح جیسے مجید رسی کے پھندے کو دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔ ہم بھی رسی کے اسی پھندے کو دیکھ کر ٹھٹکے تھے کیونکہ مجید اب اس میں لٹکا ہوا نہیں تھا۔

"یا مظہر العجائب!" رضوان بڑبڑایا۔

میں نے بہت تیزی سے ہر طرف نظر دوڑائی لیکن وہاں کوئی دکھائی نہیں دیا۔ مجید کا اس طرح غائب ہو جانا میرے لیے حیرت انگیز تھا۔

"یہ ناممکن ہے۔" میں آہستہ سے بولی۔ "وہ از خود اس پھندے سے نہیں نکل سکتا۔"

"تو پھر کوئی اور اسے نکال لے گیا ہوگا!" رضوان نے کہا۔ "آپ کو یاد ہوگا کہ مجید کی آمد کے بعد ہم نے دروازہ اندر سے بند نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے، مکان کے باہر مجید کا کوئی ساتھی اس کا منتظر رہا ہو۔ مجید کی تاخیر سے تشویش میں مبتلا ہو کر وہ اندر آیا ہوگا اور اسی نے مجید کو اس پھندے سے نجات دلائی ہوگی۔"

"یہی ممکن ہے۔" میں نے سر ہلایا۔

"اب ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ باہر سے دروازہ بند کر گئے ہوں۔"

"میں اسے چیک کرتی ہوں۔ تم اوپر جا کر گیلری ...."

رضوان نے گیلری میں جانے کے لیے زینے کا رُخ کیا اور میں دروازے کی طرف بڑھی۔ میں نے دروازے کو کھولنا چاہا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ غالباً مجید اور اس کے امکانی ساتھیوں پر ہمارا اتنا رعب تھا کہ انھوں نے فرار ہونے میں ایک ایک لمحے کی مہلت غنیمت جانی۔ اگر وہ دروازہ باہر سے بند کرتے تو انھیں چند سیکنڈ لگتے اور وہ لوگ چند سیکنڈ بھی "ضائع" نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ہمارا خوف اُن کے ذہن پر مسلط تھا۔

رضوان رسی کھول کر گیلری سے اُتر آیا۔ پھر ہم دونوں باہر نکلے، دروازہ مقفل کیا اور ایک طرف چل پڑے۔ رضوان جو گاڑی لے کر آیا تھا، وہ کچھ دور پارک تھی۔ ہم اس تک پہنچے۔ ماہ پارہ کے گھر سے ہم جو سامان لے کر آئے تھے، وہ پچھلی سیٹ پر رکھا اور میں ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ یہ رضوان کو اس بات کا اشارہ تھا کہ ڈرائیونگ وہی کرے گا چنانچہ اس نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کر کے پوچھا۔ "گھر چلوں؟"

"ڈیفنس؟"

"ہاں۔"

"نہیں، ڈیفنس تو تم اکیلے جاؤ گے۔ مجھے تم اپنے فلیٹ پر ... جاؤ۔"

"آپ کے گھر پر ماہ پارہ اس وقت بہت پریشان بیٹھی ہوگی۔ کیا آپ اس سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کرنا چاہتیں؟"

"کرنا تو چاہتی ہوں لیکن کر نہیں سکتی۔ اس سے پانچ منٹ بات کرنا میرے لیے دوبھر ہوگا۔ اس پر نظر پڑتے ہی میری جمالیاتی حس اتنی بُری طرح مجروح ہوتی ہے کہ چیخ پڑتی ہے۔"

"دو تین چیخیں سننے کے گناہ گار تو میرے کان بھی ہیں۔" رضوان نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔

"میری جمالیاتی حس کا مذاق اُڑا کر تم اپنی ہی کور ذوقی کا ثبوت دے رہے ہو۔" میں نے مُنہ بنا کر کہا۔

"خیر چھوڑیے، یہ بتائیے کہ مجید کے اس طرح غائب ہو جانے کے تاثرات کیا ہیں؟"

"اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ اب تک یہ خبر خان آف کالاگوٹ تک پہنچ گئی ہوگی اور اس نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں ماہ پارہ کو لے اُڑی ہوں گی وہ ماہ پارہ کی وجہ سے ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ جائے گا اور میں

ہوں کہ مقابلہ ذرا باقاعدہ شروع ہو جائے۔ مقابلہ ہوگا، تبھی تو شکست دوں گی۔ یہ البتہ تمھاری ہی ذمے داری ہے کہ ماہ پارہ کی نگرانی کرو۔ اسے تہ خانے سے نہ نکلنے دینا۔"

"کب تک؟"

"جب تک پروفیسر منہاس کا پتا نہ چل جائے۔" میں نے کہا۔ "تمھیں اس سلسلے میں ماہ پارہ سے پوچھ گچھ کر کے اندازہ لگانا ہوگا کہ پروفیسر منہاس کے اغوا کا مقصد کیا ہے؟ ممکن ہے ان دنوں پروفیسر کوئی خاص تجربہ کر رہا ہو جس سے خان آف کالاگوٹ کوئی فائدہ اٹھانا چاہتا ہو۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو ماہ پارہ کو اس تجربے کا علم ہونا چاہیے۔ یہ بات مجھے تم ہی نے بتائی تھی کہ پروفیسر اپنے تجربات میں بھی اس سے مدد لیا کرتا تھا۔"

"مجھے یہ بات اس کے بھائی سلطان نے بتائی تھی جس کی تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔"

"سلطان کو اس سلسلے میں غلط بیانی کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تم بتا رہے تھے کہ وہ ایک کیس کی رپورٹنگ کے سلسلے میں نواب شاہ گیا ہوا ہے؟"

"ہاں، اسے وہاں دو ایک دن ضرور لگ جائیں گے۔"

"خیر، تو تم اس سلسلے میں ماہ پارہ سے پوچھ گچھ کرنا کہ پروفیسر ان دنوں کس قسم کے تجربے میں مصروف تھا۔"

"میں کوشش کروں گا کہ کوئی خاص سراغ مل جائے۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم اس سے کچھ نہ کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

جیسے ہی مجھے کچھ معلوم ہوا، میں فون پر آپ کو اس کی اطلاع دے دوں گا۔"

"تم نے اس بات پر بھی تشویش کا اظہار کیا تھا کہ رضیہ، خان آف کالاگوٹ کے گھر میں کسی خطرے سے دوچار ہو سکتی ہے لہٰذا اس کی حفاظت کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھاؤ گے۔"

"ہاں۔"

"پھر تم نے کیا کیا؟"

"مجھے ابھی کچھ کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔"

"اگر تم اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھاؤ تو مجھ سے مشورہ ضرور کر لینا۔"

"کیوں؟ کیا یہ ضروری ہے؟"

"ہاں، میں نہیں چاہتی کہ تم کوئی بونگا قدم اٹھا کر میرا ہی کھیل بگاڑ دو۔"

"کیا آپ مجھے گھامڑ سمجھتی ہیں؟" رضوان نے ملامت آمیز انداز میں کہا۔

"ہاں۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہہ دیا اور رضوان ہونٹ بھینچ کر مجھے گھورنے لگا۔ "سامنے دیکھو کہیں گاڑی نہ ٹکرا دینا۔" میں اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو دبا نہ سکی۔

"اب میں ضرور آپ کے کسی نہ کسی کام کا بیڑا غرق کر دوں گا۔"

"بعد میں تم ہی پچھتاؤ گے بھی!"

"خواہ مخواہ یہ خوش فہمی ہے آپ کو!"

"اچھی بات ہے۔ دیکھا جائے گا۔"

انھی باتوں میں ہم برنس روڈ پہنچ گئے تھے۔ رضوان نے مجھے اپنے فلیٹ پر اُتارا اور گاڑی لے کر چلا گیا۔

فلیٹ میں پہنچ کر جب میں بستر پر لیٹی تو نیند سے میری آنکھیں جل رہی تھیں۔ جب تک میں مصروف رہی تھی، مجھے نیند کا ذرا بھی احساس نہیں ہوا تھا لیکن بستر نصیب ہوتے ہی میری آنکھیں بند ہوگئیں اور میں بہت جلد نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

تقریباً ساری رات گزار کر سوئی تھی اس لیے اگلے دن شاید دوپہر تک سوتی رہتی لیکن ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز نے مجھے بیدار کر دیا۔ میں نے غنودگی کے عالم میں ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بولی۔ "ہیلو!"

"باجی!" دوسری طرف سے رضیہ کی آواز سنائی دی تو میری آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔

"اوہ ..... ہلو رضیہ!" میں چاق و چوبند ہو جانے والے انداز میں بستر پر بیٹھ گئی اور میں نے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی جو ساڑھے نو بجا رہا تھا۔ میں نے رضیہ سے پوچھا۔ "تم کہاں سے بول رہی ہو؟"

"میں جنرل پوسٹ آفس کے پبلک ٹیلیفون سے بات کر رہی ہوں۔"

"اکیلی ہو؟"

"جی ہاں۔ زریں تو کالج گئی ہوئی ہے۔ میں کچھ شاپنگ کرنے کے بہانے، خان ولا سے نکلی ہوں اور میرے پاس ایک نرگس ویگن بھی ہے۔ زریں نے یہ کار اُس وقت تک کے لیے میری کسٹڈی میں دے دی ہے جب تک میں اس کے گھر میں مقیم ہوں۔"

"کیا ڈرائیور بھی ہے؟"

"جی نہیں، میں خود ہی ڈرائیونگ کر رہی ہوں۔"

"اس وقت کوئی خاص بات بتانے کے لیے فون کیا تھا؟"

"میں جاننا چاہتی تھی کہ کل رات کیا ہوا؟ میرا مطلب ہے، ماہ پارہ کے سلسلے میں۔"

"تمھاری وہ بروقت اطلاع کام آگئی اور ہم نے ماہ پارہ کو بچالیا۔"

"میں نے رضوان کو بھی فون کیا تھا لیکن ملازم نے بتایا کہ وہ سو رہا ہے۔ میں تفصیلات جاننا چاہتی تھی۔"

"تم اپنے دماغ کو دوسری باتوں میں نہ الجھاؤ اور صرف خان ولا کے ماحول پر کڑی نظر رکھو۔"

"آج شام کو شاید میں اور زریں آپ سے ملنے آئیں۔"

"کیا یہ بات خود زریں نے کہی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"تو ٹھیک ہے، آجانا۔"

"اچھی بات ہے۔ تو پھر شام تک کے لیے خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

سلسلہ منقطع کر کے میں بستر سے اٹھی اور باتھ روم کا رُخ کیا۔ تیار ہونے کے بعد میں نے ناشتہ بھی فلیٹ ہی کے باورچی خانے میں تیار کیا اور ناشتہ کرنے کے بعد ایک آرام کرسی پر دراز ہوگئی۔ میں سوچ رہی تھی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ رضوان کی طرف سے مجھے ابھی تک اطلاع نہیں ملی تھی کہ اس نے ماہ پارہ سے کیا معلومات حاصل کیں۔ رضیہ سے ملنے والی، ایک گھنٹے پہلے کی اطلاع کے مطابق وہ سو رہا تھا۔

میری دانست میں یہ بات معلوم ہونا بہت ضروری تھی کہ پروفیسر منہاس ان دنوں کیا تجربہ کر رہا تھا کیونکہ میرے خیال کے مطابق اس کے اغوا کا سبب وہی تجربہ بنا تھا۔

میں بیٹھی ان باتوں پر سوچتی رہی۔ نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ کال بیل بجنے لگی۔ میں ایک دم اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میرا خیال تھا کہ آنے والا شخص رضوان ہی ہو سکتا ہے۔

میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ رضوان ہی تھا۔ اس کے اندر آنے کے بعد میں نے دروازہ بولٹ کیا اور بولی۔ "مجھے یقین ہے کہ تم کوئی اہم اطلاع لے کر آئے ہوگے۔"

"بات تو بڑی اہم معلوم ہوئی ہے۔" رضوان نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ماہ پارہ سے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"پروفیسر منہاس کے تجربے کے متعلق؟"

"ہاں۔"

"اب جلدی سے بتا بھی چکو!"

"وہ ایک حد درجہ خطرناک محلول ایجاد کر چکا ہے۔"

"یعنی؟"

"وہ ایک ایسا محلول ہے جو ہوا لگتے ہی بھاپ بن جاتا ہے اور بھاپ بنتے ہی ہوا میں موجود ساری آکسیجن کو جلا دیتا ہے۔ اس عمل میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا۔"

میں ایسی نظر سے رضوان کی طرف دیکھتی رہی جیسے اس کی بات کو پوری طرح سمجھ نہ سکی ہوں۔

رضوان پھر بولا۔ "یوں سمجھیے کہ اس کمرے میں جو فٹ بائی چودہ فٹ کا ہے، اس محلول کے چند قطرے بھی گرا دیے جائیں تو وہ فوراً بھاپ بن کر اس کمرے کی ساری فضا میں پھیل جائے گا اور یہاں جو ہوا موجود ہے، اس کی آکسیجن کو چشم زدن میں جلا دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کمرے میں جو بھی جاندار ہوگا، وہ دم گھٹ جانے کے باعث ہلاک ہو جائے گا۔"

"مائی گاڈ!" میرے منہ سے نکلا۔ "لیکن وہ خطرناک بھاپ کتنی دیر تک قائم رہتی ہے؟"

"بہ مشکل دس سیکنڈ۔"

"تب تو وہ کوئی بہت زیادہ خطرناک ایجاد نہ ہوئی۔ اس کے بعد مزید ہوا اس کمرے میں آجائے گی اور دس سیکنڈ تک سانس نہ لینے سے انسان مر نہیں سکتا۔"

"لیکن اگر یہ کمرہ ہر طرف سے بند کر دیا جائے تو مزید ہوا نہ آسکے گی اور انسان بالآخر سانس گھٹ جانے کے باعث مر جائے گا۔"

"ایسی تو بہت سی زہریلی گیسیں ایجاد ہو چکی ہیں جو اگر کسی جگہ پر چھوڑ دی جائیں تو وہاں موجود ہر جاندار ہلاک ہو جائے گا۔"

"ہاں۔" رضوان نے سر ہلایا۔ "پروفیسر منہاس کی یہ ایجاد بھی ایک نئی قسم کی زہریلی گیس ہے لیکن پروفیسر ان دنوں اس کوشش میں مصروف تھا کہ اس محلول سے پیدا شدہ بھاپ کی معیاد کو دس سیکنڈ سے بڑھا کر دس منٹ کر دے۔ وہ اس محلول سے یہ کام لینا چاہتا ہے کہ اگر کسی شہر پر اس محلول کی بوچھار کر دی جائے تو آکسیجن کو جلا دینے والی وہ بھاپ دس منٹ تک قائم رہے، یعنی دس منٹ تک وہ اس شہر کی طرف آنے والی ہوا کی آکسیجن کو جلاتی رہے اور ظاہر ہے کہ کسی بھی جاندار کو ختم کرنے کے لیے دس منٹ بہت ہوتے ہیں۔"

"سوال یہ ہے کہ پروفیسر کو اس سلسلے میں کوئی کامیابی ہوئی بھی یا نہیں؟"

"پچھلے دنوں اس نے ماہ پارہ کو بتایا تھا کہ وہ بہت تیزی سے کامیابی کی طرف بڑھ رہا ہے اور اگر اس تیزی کو کسی پیمانے سے ناپنے کی کوشش کی جائے تو اسے یوں کہیں گے کہ اسے کامیابی حاصل کرنے کے لیے سو قدم اٹھانا ضروری ہیں تو پروفیسر اسی قدم اٹھا چکا تھا اور اب صرف بیس قدم اٹھانے کی دیر تھی۔"

"ہوں۔" میں سوچ میں ڈوبی ہوئی رضوان کی طرف دیکھتی رہی۔

رضوان پھر بولا۔ "اگر پروفیسر مکمل کامیابی حاصل کر لیتا ہے تو یقیناً یہ حد درجہ خطرناک ایجاد ہوگی۔ کسی بھی شہر پر بمباری کر کے اسے تباہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ شہر پر اس محلول کی بوچھار کر دی جائے اور ہر ذی روح کو موت کی نیند سُلا دیا جائے۔"

"یہی عمل سرحد پر دشمن کی فوجوں کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے؟"

"ظاہر ہے۔"

"لیکن ....." میں سوچتی ہوئی بولی۔ "اگر خان آف کالاگوٹ نے پروفیسر منہاس کو اسی ایجاد کی بنا پر اغوا کیا ہے تو آخر کیوں؟ خان اس ایجاد سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟"

"وہ خود اس سے کوئی کام لے یا نہ لے لیکن وہ اس ایجاد کو کسی بھی ملک کے ہاتھ بیچ کر خاصی دولت حاصل کر سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہ کوئی اور ہی بات سوچ رہا ہو۔"

"یعنی؟"

"اس کے بارے میں فی الحال میں کوئی اندازہ نہیں کر سکتی لیکن یہ ضرور ہے کہ اس نے کچھ اور سوچا ہو۔"

"تو پھر؟"

"تو پھر کیا!"

"مطلب یہ کہ اب ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"

"ہمیں اس کا پتا لگانے پر زور دینا ہوگا کہ خان آف کالاگوٹ نے پروفیسر منہاس کو کہاں رکھا ہے۔"

"ہمیں اس بات کو مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ پروفیسر منہاس نے ابھی اپنی ایجاد مکمل نہیں کی۔"

"تو پھر؟"

"کیا وہ یہ گوارا کر لے گا کہ خان آف کالاگوٹ کے لیے کام کرے؟"

"تشدد کے ذریعے انسان سے بہت کچھ کرایا جا سکتا ہے۔"

"ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تم واپس گھر جاؤ۔ تمھارا وہاں رہنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ خان آف کالاگوٹ کا ہاتھ ماہ پارہ تک نہ پہنچ سکے۔"

رضوان کو رخصت کرنے کے بعد بھی میں کچھ دیر تک فلیٹ ہی میں رہی۔ دراصل میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مجھے کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ میں اس روز کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔ ایک طرف تو یہ میری گویا ایک اہم ذمّے داری تھی کہ میں خان آف کالاگوٹ کے سلسلے میں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھاؤں لیکن دوسری طرف میں ایک عجیب سی یاسیت کا شکار بھی تھی۔ محرومی کا ایک احساس مجھے بے چین کیے ہوئے تھا۔ جب میں نے اپنے ذہن کو ٹٹولا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میری یہ بے چینی محض سنگیتا کی وجہ سے تھی۔ امریکہ جا کر اس نے مجھے ایک بار بھی تو فون نہیں کیا تھا۔ اگر وہ فون کر لیتی تو اس سے دو باتیں کر کے مجھے قرار آجاتا۔ پھر میں اپنی کسی بھی ذمّے داری کو پورا کرنے کے سلسلے میں کسلمندی کا شکار نہ ہونے پاتی۔

وہ دن میں نے فلیٹ ہی میں بستر پر پڑے پڑے گزار دیا۔ کبھی سنگیتا کی یاد میرے دل و دماغ کو ڈسنے لگتی اور کبھی اپنی ذمّے داری کا احساس میرے دماغ کے لیے نیزے کی اَنی بن جاتا۔ میں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا، بس تیسرے پہر کو غسل کر کے کپڑے تبدیل کرنے کے بعد چائے کے ساتھ دو بٹر ٹوسٹ کھا لیے۔

شام کو زریں اور رضیہ مجھ سے ملنے آئیں۔ ان کی آمد کے باعث میرا ذہنی بھونچال کسی حد تک کم ہو گیا۔ زریں مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ملی۔ اس نے کہا۔ "آپ نے مجھے ایک بڑی اچھی دوست فراہم کر دی ہے۔" اس کا اشارہ رضیہ کی طرف تھا۔

"لیکن تمھاری اس دوست نے کوئی کام بھی کیا!" میں نے یہ سوال تو زریں سے کیا تھا لیکن میری نظر رضیہ کی طرف تھی۔

"میں زریں کے تمام گھر والوں کے ہاتھ دیکھ چکی ہوں۔" رضیہ نے کہا۔ "مگر اس میں مجھے کوئی ہاتھ بھی ایسا نہیں نظر آیا جو زریں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکے۔"

"میں پہلے ہی کہتی تھی۔" زریں چہکی۔ "میرے گھر کا کوئی فرد یعنی میرا عزیز میرے لیے کس طرح نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے!"

"تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ تم نے سب کے ہاتھ دیکھ لیے ہیں؟" میں نے غور سے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"صرف ایک ہستی ایسی ہے جس کا ہاتھ میں اب تک نہیں دیکھ سکی۔"

"وہ کون ہے؟"

"زریں کے والد خان آف کالاگوٹ۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "انھوں نے کبھی میرے اس فن سے دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔"

"دیکھا؟" میں زریں سے بولی۔ "ابھی ایک ہاتھ باقی ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں میڈم!" زریں حیرت سے بولی۔ "بھلا میرے

ڈیڈی میرے لیے کس طرح نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں؟"

"لکیروں کی زبان کو میں دنیا کی سب سے سچی زبان سمجھتی ہوں۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "اور تمھارے ہاتھ کی لکیروں نے مجھے یہی بتایا ہے کہ تمھارے گھر کا ہی کوئی فرد تمھارے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا۔"

"لیکن میرے ڈیڈی..." زریں بہت الجھ گئی تھی۔

"چونکہ نادرہ نے ان کے علاوہ سب کے ہاتھ دیکھ لیے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی تمھارے لیے نقصان دہ نظر نہیں آتا اس لیے میں شبہہ کر سکتی ہوں کہ تمھارے لیے نقصان دہ ثابت ہونے والی وہ شخصیت تمھارے والد ہی کی ہو سکتی ہے۔ اگر مجھے یا نادرہ کو تمھارے والد کا ہاتھ دیکھنے کا موقع مل جاتا تو میرے اس شبہے کی تصدیق یا تردید ہو سکتی تھی۔ ویسے زیادہ امکان تصدیق کا ہے۔ کیا ایسی کوئی صورت ممکن ہے کہ تم اپنے والد کے ہاتھ کا عکس حاصل کر سکو؟"

"آپ نے تو مجھے بہت پریشان کر دیا میڈم!" زریں گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"مجھے افسوس ہے لیکن میں کیا کروں، میں جھوٹ نہیں بول سکتی میں نے تمھارے ہاتھ میں جو کچھ دیکھا تھا، وہی تمھیں بتا دیا۔" میں نے کہا اور پھر رک کر بولی۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ تم کسی طرح اپنے والد کے ہاتھ کا عکس حاصل کر سکو؟"

زریں نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ میں نے کن انکھیوں سے رضیہ کی طرف دیکھا۔ وہ زریں کی چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ کچھ دیر بعد زریں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں کوشش کروں گی۔"

"کس طرح؟"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے! میں سوچوں گی کہ مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔"

میں نے اس سلسلے میں زریں کو زیادہ کرید نا مناسب نہ سمجھا اور بولی۔ "اچھا خیر چھوڑو ان باتوں کو! مقدرات اٹل ہوتے ہیں اور انھیں بمشکل ہی تبدیل کیا جا سکتا ہے للذا اس سلسلے میں قبل از وقت پریشان ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ بتاؤ کہ میں تمھاری کیا خاطر کروں؟"

"تکلفات کی ضرورت نہیں میڈم!" زریں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "بس آپ سے ملنے کو جی چاہا تھا اس لیے میں بہت جلدی میں آئی ہوں۔ اب مجھے اور نادرہ کو اجازت دیجیے!"

"کیوں! آخر اتنی جلدی کیا ہے؟"

"میں نے آج رات اپنے کالج کی کچھ لڑکیوں کو کھانے پر [illegible] دراصل میں کالج میں نادرہ کا تذکرہ کر بیٹھی تھی۔ نتیجہ یہ [illegible] قریبی دوست نادرہ سے ملنے کی مشتاق ہو گئیں۔"

"گویا اس دعوت کا بوجھ تمھیں نادرہ کی وجہ سے [illegible]" میں نے ہنس کر کہا۔

"اس میں بوجھ کی تو کوئی بات نہیں۔ اچھا ہے [illegible] ذرا دلچسپی سے گزر جائے گا۔" زریں کھڑی ہو گئی اور نادرہ [illegible] سے رضیہ نے بھی کھڑا ہو جانا مناسب سمجھا۔

"ارے!" میں بولی۔ "تم تو بالکل ہی تیار ہو گئیں جانے [illegible]"

"وقت کم ہے نا!" زریں نے کہا۔ "کچھ ہی دیر میں میری [illegible] کی لڑکیاں گھر پہنچنا شروع ہو جائیں گی۔"

میں ان دونوں کو چھوڑنے کے لیے دروازے کی طرف گئی [illegible] دیکھ کر زریں کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "یہ تنہا کب آؤ گی؟"

زریں مسکرائی اور پھر آہستہ سے بولی۔ "فون پر بتاؤں [illegible] رضیہ ہماری طرف متوجہ ہوئی تو میں ایسی بن گئی جیسے [illegible] زریں سے کچھ کہا ہی نہ ہو۔

ان دونوں کو رخصت کرنے کے بعد میں پھر آرام کرنے [illegible] دراز ہو گئی اور آنکھیں بند کر کے سوچنے لگی کہ میں نے جو [illegible] پھینکا ہے، وہ سیدھا پڑے گا یا الٹا۔ میں نے خان آف کا [illegible] کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے خود اسی کی لڑکی کو آلۂ کار [illegible] کا پروگرام بنایا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ میں اپنے ذہن [illegible] لائحہ عمل مرتب کر چکی تھی، وہ کس حد تک کارگر ثابت ہوتا [illegible] اندھیرا ہو چکا تھا للذا میں نے اٹھ کر لائٹ آن کی اور [illegible] لگی کہ رات کا کھانا کھانے کے لیے مجھے کسی ریسٹورنٹ کا رخ کرنا [illegible] فی الحال اس کا کوئی امکان نہیں رہا تھا کہ زریں سے دوبارہ [illegible] ہو للذا میں نے اپنا پیلا ڈکسن والا بہروپ ختم کیا اور صبیحہ [illegible] فلیٹ سے نکلی۔

ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتے ہوئے میں نے فیصلہ [illegible] آج ہی گڈو کے قمار خانے میں کچھ ہنگامہ کیا جائے۔ میرا [illegible] گزشتہ رات کو تھا لیکن عین وقت پر رضوان سے ماہ پارہ کے [illegible] کی اطلاع مل گئی تھی اور میرا "ہنگامی پروگرام" دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

کھانے کے بعد میں گڈو کے قمار خانے کی طرف روانہ [illegible] وہ جگہ میری دیکھی بھالی ہوئی تھی۔ مجھے وہاں ایک مرتبہ [illegible] جا چکا تھا۔

باہر سے تو اس قمار خانے پر ایک ریسٹورنٹ ہی کا بورڈ لگا [illegible] تھا لیکن ایک اندرونی دروازے سے گزر کر اس ہال میں پہنچا [illegible] جا سکتا تھا جہاں لمبے پیمانے پر قمار بازی ہوتی تھی۔ اس قمار خانے [illegible] لائسنس تو نہیں تھا لیکن اس شہر کراچی میں بہت سے دھندے [illegible] ہیں جنھیں ناجائز ذرائع کے بل بوتے پر چلایا جاتا ہے۔ کہیں [illegible] اثر و رسوخ کا استعمال ہوتا ہے اور کہیں رشوت کی گرم بازاری کام [illegible] آتی ہے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ گڈو کیا ذریعہ استعمال کرتا ہے اور مجھے [illegible] معلوم کرنے کی فکر بھی نہیں تھی۔

جیسے ہی میں اس ہال میں داخل ہوئی، میں نے محسوس کیا کہ [illegible] وہاں موجود کئی اشخاص کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔ غالباً وہ [illegible] اس قمار خانے کی انتظامیہ سے تعلق رکھتے تھے اور مجھے اچھی طرح [illegible] جانتے تھے۔ میں نے ان میں سے دو آدمیوں کو بڑی تیزی سے ایک [illegible] دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا جس پر "منیجر" کی تختی لگی ہوئی تھی۔ غالباً [illegible] گڈو کا کمرہ تھا اور وہ دونوں آدمی گڈو کو میری آمد سے مطلع کرنے [illegible] گئے تھے۔

میں نے کسی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی اور ایک ایسی [illegible] میز کے پاس جا کھڑی ہوئی جہاں فلیش ہو رہا تھا۔ جو لوگ کھیل رہے تھے، وہ مجھے دیکھتے ہی اپنی کرسیوں سے کھڑے ہو گئے۔ میں یقین سے کہہ سکتی [illegible] ہوں کہ ان میں سے کوئی مجھے نہیں پہچانتا تھا، یہ محض میری شخصیت [illegible] تھی جس کے رعب میں آ کر وہ کھڑے ہو گئے تھے۔

"کیا آپ کھیلنا پسند کریں گی؟" ان میں سے دو آدمیوں نے [illegible] بیک وقت مخاطب کیا۔

"جی نہیں، شکریہ! آپ لوگ تشریف رکھیں اور کھیل جاری رکھیں۔ فی الحال صرف دیکھنا پسند کروں گی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

ان لوگوں میں ایک شخص شاید قمار خانے ہی کا آدمی تھا۔ [illegible] کے چہرے سے خباثت مترشح تھی اور وہ مجھے عجیب سی نظر سے [illegible] دیکھ رہا تھا۔

ان لوگوں نے ایک بار پھر اصرار کیا کہ میں کھیلوں لیکن جب [illegible] آمادہ نہیں ہوئی تو انھوں نے دوبارہ کھیل شروع کر دیا۔ میں [illegible] وہیں سے کھڑی ہوئی کھیل دیکھتی رہی لیکن میں اپنے ارد گرد کے [illegible] حال سے بھی بے خبر نہیں تھی۔ منیجر کے کمرے سے وہ دونوں آدمی [illegible] واپس آ چکے تھے اور اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انتظامیہ سے [illegible] متعلق ہر شخص مجھ پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہو۔

میں پندرہ بیس منٹ تک کھیل دیکھتی رہی اور اتنی دیر میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہاں بے ایمانی ہو رہی تھی۔ قمار خانے کا آدمی پتے باز تھا لیکن جو لوگ اس کے ساتھ کھیل رہے تھے، وہ اس کی پتے بازی کو پرکھ نہیں سکتے تھے۔

میں ٹہلتی ہوئی قمار خانے کے آدمی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی اور کھیل دیکھتی رہی۔ پھر ایک موقع پر جب وہ پتے بانٹ رہا تھا، میں نے اچانک آگے جھک کر اس کی دائیں کلائی تھام لی۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"بے ایمانی نہیں چلے گی!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب!" وہ غرایا۔

"اب مطلب بھی سمجھاؤں!" میں نے طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میرا خیال ہے کہ بے ایمانی کا مطلب ایمانداری نہیں ہوتا!"

بے ایمان قمار باز نے ایک جھٹکا دے کر اپنی کلائی چھڑانا چاہی لیکن اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ گرفت کسی معمولی عورت کی نہیں تھی۔

جو لوگ اس قمار باز سے کھیل رہے تھے، حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے۔

"سنو!" میں نے قمار باز کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے ان شریف آدمیوں کی آنکھوں میں بہت دھول جھونکی ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم وہ سب کچھ واپس کر دو جو تم ان سے جیت چکے ہو۔"

"خبردار!" قمار خانے میں ایک آواز گونجی۔

میں نے چونک کر آواز کی طرف اس لیے بھی دیکھا کہ وہ میرے لیے ایک شناسا آواز تھی۔ ابریز کی آواز! میں نے اس کے ہاتھ میں پستول دیکھا۔ وہ اس سے ان تینوں آدمیوں کو کور کر رہا تھا جو عقب سے مجھ پر حملہ کرنے کے لیے بڑھ رہے تھے۔

ابریز کو وہاں دیکھ کر مجھے تعجب تو ہوا تھا لیکن میں اس وقت ابریز کی موجودگی پر غور کرنے کی سچویشن میں نہیں تھی۔ میں نے قمار باز کی کلائی پر گرفت سخت کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے سنا نہیں؟"

پھر اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے قمار باز اٹھ کر مجھ پر جھپٹ پڑے گا لیکن اسی وقت ایک آواز سنائی دی۔ "نہیں فیروز! جھگڑے کی ضرورت قطعی نہیں ہے۔"

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ وہ گڈو تھا جو اپنے کمرے سے نکل کر ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔

میں نے ابریز کی آنکھوں میں الجھن دیکھی۔ شاید وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ گڈو کو میرے قریب آنے دے یا نہیں۔

میں نے ابریز کو اشارہ کیا کہ وہ پُرسکون رہے۔

گڈو قریب آگیا اور بولا: "کیا معاملہ ہے؟"

"بہت چھوٹا سا معاملہ ہے۔" میں نے بے پروائی سے شانے جھٹک کر کہا: "میں وہ رقم واپس کروانا چاہتی ہوں جو بے ایمانی سے جیتی گئی ہے۔"

"وہ رقم کتنی ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ جیتی ہوئی رقم کا نوّے فی صد حصّہ بے ایمانی سے جیتا گیا ہے۔"

گڈو نے فیروز کے سامنے جمع شدہ رقم کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر اُن لوگوں کی طرف بڑھا دیا جو فیروز کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے پھر اس نے انہی لوگوں سے کہا: "آپ لوگ اس میں سے اپنی اپنی رقم نکال لیں۔"

فیروز ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔ اب میں نے اس کی کلائی بھی چھوڑ دی تھی اور اسے تضحیک آمیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمھیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔" میں تمسخر اڑانے والے انداز میں بولی: "اگر میں تمھاری کلائی چھوڑ دیتی تو تم صاف بچ جاتے۔"

"کیا آپ میرے کمرے میں چلنا پسند کریں گی؟" گڈو مجھ سے بولا۔

"کیوں!"

"میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے اگر آپ کمرے میں نہ چلنا چاہیں تو ہم ہال میں ہی کسی خالی میز پر بیٹھ جاتے ہیں۔"

"نہیں، میں تمھارے کمرے میں چلی چلتی ہوں۔" میں نے بے خوفی کا مظاہرہ کیا۔ میں یہاں ان لوگوں کو یہی باور کرانے تو آئی تھی کہ میں ان سے قطعی خوف زدہ نہیں ہوں۔

"تشریف لائیں!" گڈو نے اپنے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے ابریز کو اشارہ کیا کہ وہ بھی آئے۔ اُس نے ماحول کو سازگار پا کر پستول اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ میرا اشارہ ملنے پر وہ میرے اور گڈو کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں ابھی تک اس الجھن میں تھی کہ وہ یہاں قمار خانے میں کیسے پہنچ گیا۔

ہم گڈو کے کمرے میں داخل ہوئے جو اوسط طریقے سے ڈیکوریٹ تھا۔ گڈو گھوم کر میز کے پیچھے اپنی ریوالونگ چیئر تک گیا، سامنے پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا: "تشریف..." اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے یہ ہماری پہلی ملاقات ہو اور درمیان کسی قسم کے اختلافات نہ ہوں۔

میں اور ابریز بیٹھ گئے۔

"آپ کی یہاں آمد کا مقصد؟" یہ سوال کرتے ہوئے اس کے لہجے میں ہلکی سی سختی آگئی تھی جسے میں نے پوری شدت سے محسوس کیا اور تیوری چڑھا کر بولی۔

"یہ قمار خانہ ہے اور یہاں کوئی بھی آسکتا ہے۔"

"یہاں لوگ جوا کھیلنے آتے ہیں لیکن آپ جوا کھیلنے نہیں آئی تھیں۔"

"میں جوا کھیلنے ہی آئی تھی۔" میں نے بڑے اطمینان سے کہا: "جوا کھیلنے سے پہلے میں یہ اطمینان کرلینا چاہتی تھی کہ یہاں بے ایمانی تو نہیں ہوتی!"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ ہر قمار خانے میں یہ ہوتی ہے۔"

"میں یہاں کے تمام قمار خانوں کو ایمانداری سکھاؤں گی۔" میں نے بڑے اطمینان سے کہا: "ہر چند کہ قمار بازی ہی کوئی اچھی چیز نہیں لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اس میں ایماندارانہ کھیل ضرور ہونا چاہیے۔ اگر تم نے اپنے قمار خانے کے طریقوں میں تبدیلی نہیں کی تو میں یہاں روزانہ ہی آکر ہنگامہ کیا کروں گی۔"

"بانو!" وہ مجھے گھورنے لگا۔

"خوب!" میں طنزیہ انداز میں مسکرائی: "تو تم نے اعتراف کرلیا کہ تم مجھے جانتے ہو!"

"اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ یہاں اس لیے نہیں آئیں کہ یہاں جوئے میں بے ایمانی ہوتی ہے۔"

"پھر کس لیے آئی ہوں؟"

"یہ تو آپ ہی بتائیں گی۔"

"تو سنو گڈو!" میں میز پر آگے کی طرف جھک کر بولی: "میں تمھارے اس قمار خانے کو برباد کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں نے اس وقت صورتِ حال کو سنوارنے کے لیے بہت تحمل سے کام لیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ہمیشہ ہی اتنے تحمل کا مظاہرہ کروں گا۔"

"اگر یہ کسی قسم کی دھمکی ہے تو میں ابھی بہ بہ پیر ویٹ اٹھا کر تمھارا سر پھاڑ سکتی ہوں۔"

"آپ کو پچھتانا پڑے گا بانو!"

"یہ تو وقت بتائے گا کہ پچھتاوا کس کا مقدّر رہے!"

"آخر آپ کا اصل مقصد کیا ہے؟"

"میں تمھیں باور کرانا چاہتی ہوں کہ وہ شخص بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا جس کی پُشت پناہی تمھیں حاصل ہے اور جس کی وجہ سے تم بہت اینٹھتے ہو۔"

"مجھے کسی کی پُشت پناہی حاصل نہیں!"

"فی الحال تم اس سے انکار کرلو لیکن میں تم سے اس کا اقرار کرا کے رہوں گی۔"

گڈو مجھے گھورتا رہا۔ شاید اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کہنا چاہیے۔

ابریز نے اس دوران میں بالکل خاموشی اختیار کیے رکھی تھی۔ گڈو بھی اس سے مخاطب نہیں ہوا تھا۔ اس نے بس ایک آدھ مرتبہ اچٹتی سی نظر ڈالی تھی۔

"اچھا تو اب میں چلتی ہوں۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا: "جب تمھیں یقین ہو جائے کہ تمھارا باس بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو پھر تم مجھ سے مفاہمت کرلینا۔ اگر تم اس خبیث کا آلۂ کار بننے کی بجائے میرے ساتھی بن جاؤ تو زیادہ فائدے میں رہو گے۔"

"آپ اس کمرے سے جا رہی ہیں یا قمار خانے سے؟"

"فی الحال تو میں قمار خانے ہی سے جا رہی ہوں۔ تم اپنے آدمیوں کو سمجھا دو کہ بے ایمانی کا سلسلہ ختم کر دیا جائے۔ میں دوبارہ کسی وقت یہاں آؤں گی۔ اگر میں نے اس سلسلے کو جاری دیکھا تو پھر اس ہال کی تباہی کے ذمّے دار تم خود ہو گے۔"

گڈو کے ہونٹ کھلے اور بند ہو گئے۔ وہ نہ جانے کیا کہتے کہتے رک گیا تھا۔

"آؤ ابریز!" میں نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

ریسٹورنٹ سے باہر پہنچ کر میں نے پہلے تو ٹیکسی کی تلاش میں اِدھر اُدھر ایک نظر ڈالی اور پھر چونک کر ابریز سے بولی: "ارے ہاں! تم تو اپنی کار میں ہو گے! میں ٹیکسی دیکھ رہی تھی۔"

"میں سمجھا، آپ کچھ اور تلاش کر رہی ہیں۔ میری گاڑی اُدھر کھڑی ہے۔" ابریز نے ایک طرف اشارہ کیا۔

ہم اُس طرف بڑھے۔ میں ابریز سے کئی باتیں کرنے کے لیے بے چین تھی لیکن میں نے اس وقت تک تحمل سے کام لیا، جب تک ہم کار میں نہیں بیٹھ گئے۔ ابریز نے انجن اسٹارٹ کیا اور بولا: "کہاں چلوں؟"

"بزنس روڈ۔"

کار حرکت میں آگئی۔

"تم اس قمار خانے میں کہاں سے آنکلے؟" میں نے اپنے ذہن میں چکراتے ہوئے سوالوں میں سے پہلا سوال، زبان آشنا کیا۔

"آپ کے پیچھے پیچھے۔" ابریز نے جواب دیا۔

"تو تم میرے تعاقب میں تھے؟"

"جی ہاں۔"

"مگر کیوں؟"

"بس جب آپ کو دیکھنے کے لیے دل مچلتا ہے تو میں ایسا ہی کرتا ہوں لیکن آپ کو اس کا پتا نہیں چلنے دیتا کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ بس چُپ چاپ خاموشی سے آپ کو دیکھتا رہتا ہوں اور چلا جاتا ہوں۔"

"بے ہودہ بات!" "احمقانہ بات!" ابریز پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔

"مجھے دیکھ کر تمھیں کیا محسوس ہوتا ہے؟"

"سکون!"

"گویا میں کوئی مسکّن دوا ہوں؟" میں مسکرائی۔

"مسکّن دوا تو میں نہیں کہوں گا لیکن میرے لیے مسیحا ضرور ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ آپ کو اپنی مسیحائی کا اندازہ نہیں۔ آپ کو دیکھ کر مجھے جو سکون ملتا ہے اس کا آپ اندازہ بھی نہیں کرسکتیں اور آپ سے باتیں کرکے مجھے جو آسودگی حاصل ہوتی ہے اس کا اظہار کرنے کے لیے تو میرے پاس الفاظ نہیں۔"

"تمھارا یہ کیس میری سمجھ سے بالاتر ہے۔" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"آپ ہی کیا، خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ کبھی کبھی میں نے یوں بھی سوچا ہے کہ شاید میں پاگل ہو گیا ہوں۔"

"نہیں، تم پاگل نہیں ہو۔"

"آپ کی زبان سے یہ سُن کر مجھے خوشی ہوئی۔ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ مجھے پاگل یا بے وقوف ہی سمجھتی ہوں گی۔" ابریز تلخی سے مسکرایا۔

میں چند لمحے خاموش رہ کر بولی: "تم اپنے اس جذبے کو کیا نام دیتے ہو؟"

"پہلے تو میں اسے صرف محبت سمجھتا تھا۔"

"اور اب؟"

"اب۔" ابریز نے ہچکچاتے ہوئے کہا: "میرا خیال ہے کہ یہ شاید عشق سے بھی آگے کی کوئی چیز ہے۔"

میں کچھ رُک کر بولی "تمھاری کیا حالت ہوگی، اگر اچانک میں یہ کہ دوں کہ میں تم سے شادی کے لیے تیار ہوں۔"

"میں فوراً انکار کر دوں گا۔"

"کیا!" میں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"جی ہاں۔ میں انکار کر دوں گا۔"

"مگر... مگر... کیوں؟"

"اس کی کئی وجوہ ہیں۔ میری اور آپ کی عمر میں بہت تفاوت ہے۔ میں دُنیا کی نظر میں آپ کو تماشا نہیں بنانا چاہتا اور نہ خود تماشا بننا چاہتا ہوں۔ دوسرے میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ عشق کی موت کا دوسرا نام شادی ہے۔"

"مائی گاڈ" میرے مُنہ سے نکلا "تمھاری اور رضیہ کی سوچ تو بالکل یکساں ہے۔ اگر تم میری بجائے اس کی طرف ملتفت ہوئے ہوتے تو خوب گزر جاتی۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ کسی اور کے ساتھ میری کیسی گزرتی لیکن اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر آپ کبھی مجھ سے دور ہو گئیں تو آپ کے بارے میں سوچ سوچ کر میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔"

"اچھا چھوڑو۔ اس موضوع پر ہم پھر کسی وقت اطمینان سے گفتگو کریں گے۔ فی الحال کچھ کام کی باتیں ہو جائیں تو بہتر ہے۔"

ابریز چُپ رہا۔ غالباً وہ میری اگلی بات کا منتظر تھا۔

میں نے پوچھا "قمار خانے میں تمھارے پاس پستول کہاں سے آگیا؟"

"میری جیب میں تھا۔"

"لیکن کیوں تھا؟ تم تو محض مجھے دیکھنے کے لیے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے!"

"ہاں لیکن مجھے یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ آپ کچھ ایسے خطرات سے کھیل رہی ہیں جو میرے لیے انجانے ہیں۔ ایک مرتبہ میرے سامنے آپ پر قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے اور اس کے علاوہ بھی کچھ ایسی باتیں میرے مشاہدے میں آئی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کسی وقت بھی کسی بڑے خطرے سے دوچار ہو سکتی ہیں۔ اِس وقت آپ کی اور قمار خانے کے مالک کی باتوں سے بھی میرے اس اندازے کی تصدیق ہو گئی کہ آپ نے خود کو کسی خطرناک معاملے میں پھنسا رکھا ہے یا حالات کے تحت پھنس گئی ہیں۔ ہر دو صورتوں میں خطرات آپ کے سر پر منڈلا رہے ہیں۔"

"اور تم مجھے ان خطرات سے بچائے رکھنا چاہتے ہو؟" میں مسکرائی۔

"کم از کم کوشش ضرور کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا تمھارے ذہن میں کبھی اس شبہے نے بھی سر اُبھارا کہ میں کسی جرائم پیشہ گروہ سے متعلق ہو سکتی ہوں؟"

"یہ شبہہ مجھے کبھی نہیں ہوا۔"

"کیوں؟"

"میرے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ آپ کے بارے میں کوئی غلط بات کبھی سوچ ہی نہیں سکتا۔ ہاں البتہ میرے ذہن میں ایک خیال ضرور اُبھرتا رہتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"کہ شاید آپ حکومت کے کسی ایسے شعبے سے تعلق رکھتی ہیں جس کا تصادم جرائم پیشہ افراد سے ہوتا رہتا ہے۔"

"اِس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ میں کسی بھی سرکاری ملازمت میں نہیں ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو موجودہ حالات سے نپٹنا میرے لیے بہت آسان بات ہوتی۔"

"موجودہ حالات؟"

"میں کسی وقت اس کے بارے میں تمھیں تفصیل سے بتاؤں گی، ممکن ہے تم میرے کچھ کام آسکو۔ میرا خیال ہے کہ میں تم پر کامل اعتماد کر سکتی ہوں۔"

"اس اعتماد کا شکریہ۔ میں ایک بات کہوں؟"

"کہو!"

"آج آپ سے باتیں کر کے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔"

"کیوں؟"

"آپ نے ایک بار بھی میرا مذاق نہیں اُڑایا۔"

"ہوں۔" میں مسکرائی، پھر میں نے ایک طویل سانس لیا اور شاید کچھ کہتے کہتے رُک گئی کیونکہ ابریز نے کار روک دی تھی۔ رضوانہ کا فلیٹ آچکا تھا۔ میں نے ابریز سے کہا "کل کسی وقت میں تم سے تفصیلی ملاقات کروں گی۔"

"زہے نصیب۔"

میں دروازہ کھول کر اُترنے لگی اور پھر ایک دم رُک کر بولی "اچھا اب تم اپنا خیال رکھنا۔"

"کیا مطلب!"

"جو لوگ مجھ سے قریب ہو جاتے ہیں اُنھیں بھی ویسے ہی خطرات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جن سے میں ہوتی ہوں۔"

"آپ میری طرف سے فکرمند نہ ہوں۔ اگر میں اس دُنیا میں نہ رہا تو کیا فرق پڑ جائے گا!" ابریز کے لہجے سے یاسیت ٹپک رہی تھی۔

میں نے اس گفتگو کو طویل کرنا بے کار سمجھا اور صرف اتنا کہا "تمھیں اپنا خیال رکھنا ہوگا۔ اسے میری خواہش سمجھو!"

"شاید آج میرا ستارہ بہت عروج پر ہے۔" ابریز مسکرایا۔

"کیا مطلب!"

"آپ کے مُنہ سے ایسے جملے سننے کو مل رہے ہیں کہ میرے خون کی گردش تیز ہوتی جا رہی ہے۔ اگر آپ مجھ سے ایسی ہی باتیں کرتی رہیں تو شاید ایک بار پھر مجھ میں زندہ رہنے کی لگن پیدا ہو جائے۔"

میں نے ہنس کر اسے خدا حافظ کہا اور کار سے اُتر کر دروازہ بند کر دیا۔ پھر میں بلڈنگ کے گیٹ کی طرف بڑھتی چلی گئی اور ابریز کار بڑھا لے گیا تھا۔

فلیٹ میں پہنچ کر میں نے کپڑے تبدیل کیے اور پھر بستر پر لیٹی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بلا تاخیر ریسیور اُٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بولی "ہیلو!"

"میرا اندازہ یہی تھا کہ تم فلیٹ پہنچ چکی ہوگی۔" یہ خان آف کالاگوٹ کی آواز تھی جسے سُن کر میری پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں مگر میں بولی نہیں تھی اس لیے توقف ہوتے ہی دوسری طرف سے سوال آگیا "ہیلو!"

"کیا بات ہے؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"گڈو کے قمار خانے میں ہنگامے کرنے سے تمھیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"صرف یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے تم نے؟"

"نہیں، وہ دوسری بات ہے۔"

"جلدی سے کہہ ڈالو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"میں ماہ پارہ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"تم نے اسے کہاں چھپایا ہے؟ ظاہر ہے کہ تم اسے فلیٹ میں تو چھپا نہیں سکتیں اور اسے اپنے گھر پر اس لیے نہیں چھوڑو گی کہ وہ جگہ میرے علم میں ہے اور تم اس کی حفاظت کے لیے وہاں نہیں ہو۔"

خان آف کالاگوٹ کی غلط فہمی پر میں زیرِ لب مسکرا دی۔

وہ بولتا رہا "تم نے اسے کسی ایسی جگہ چھپایا ہوگا جو میرے علم میں نہ ہو۔"

"تو پھر؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمھیں آسانی سے اس کے بارے میں بتا دوں گی؟"

"آسانی سے تو نہیں بتاؤ گی، یہ تو میں جانتا ہوں۔"

"تو پھر اس موضوع پر گفتگو کرنے سے فائدہ؟"

"اگر تم نے ماہ پارہ کو میرے حوالے نہیں کیا تو کل کسی وقت اس کے باپ پروفیسر منہاس کی لاش تمھارے گھر کے دروازے پر پڑی ہوگی۔"

"یہ ایک احمقانہ دھمکی ہے خانِ خاناں!" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تم اتنے بے وقوف نہیں ہو سکتے کہ پروفیسر کو اس طرح ضائع کر دو۔ تم نے اسے اغوا کیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا کوئی خاص مقصد ہوگا۔"

"اچھی بات ہے۔" خان میرے جواب پر شاید جھنجھلا گیا "تو پھر کل تک انتظار کرو۔"

"کل کیا ہو جائے گا؟" میں مضحکہ اُڑانے والے انداز میں بولتی رہی۔

"کل تک میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ تم سے بہ آسانی سودے بازی ہو سکے۔"

"سودے بازی؟"

خان آف کالاگوٹ نے کوئی جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا اور میں ریسیور ہاتھ میں تھامے اُلجھی ہوئی نظر سے ماؤتھ پیس کی طرف دیکھتی رہی۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ کل تک خان آف کالاگوٹ کس قسم کی سودے بازی کرنے کی پوزیشن میں آسکتا ہے؟

ریسیور کو کریڈل پر رکھ کر بھی میں اسی اُلجھن میں گرفتار رہی اور بستر پر لیٹ کر اسی کے بارے میں غور کرتی رہی۔ بار بار صرف ایک ہی خیال میرے ذہن میں آرہا تھا کہ خان آف کالاگوٹ میرے کسی قریبی ساتھی کو اُڑانے کی کوشش کرے گا تاکہ اس سے ماہ پارہ کا تبادلہ کر سکے۔ میرے اتنے قریبی ساتھی صرف رضوان اور رضیہ ہی تھے اور اب شاید ابریز بھی ان میں شامل ہو گیا تھا۔ رضیہ اور رضوان پر ہاتھ ڈالنا تو خان آف کالاگوٹ کے لیے کچھ آسان بات نہ ہوتی لیکن ابریز کو وہ بڑی آسانی سے اغوا کرا سکتا تھا۔

میں نے ٹیلیفون اُٹھایا اور اپنے گھر کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ میں اس سلسلے میں رضوان سے بھی مشورہ کر لینا چاہتی تھی۔ لائن ملنے پر مجھے دوسری طرف سے رضوان کی آواز سنائی دی۔

میں نے ماؤتھ پیس میں کہا "میں بانو بول رہی ہوں۔"

"بولتی رہیے! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"سنجیدگی سے سنو! ابھی خان آف کالاگوٹ نے مجھے فون کیا تھا۔"

"اوہ! کیوں!" رضوان فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

میں نے اسے وہ پوری گفتگو بتائی جو خان آف کالاگوٹ سے ہوئی تھی۔ رضوان وہ سب کچھ سن کر فوری طور پر کچھ نہیں بولا۔ قدرے توقف کے بعد اس نے کہا۔ "گویا مجھے پوری طرح چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ماہ پارہ کے سلسلے میں تبادلے کا مال حاصل کرنا چاہے گا۔"

"نہ صرف تمھیں بلکہ میں ابریز کو بھی ہوشیار کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"

"کیا خان آف کالاگوٹ ابریز کو اتنا اہم سمجھ سکتا ہے کہ آپ اس کے عوض ماہ پارہ کو آزاد کر دیں؟"

"بعض وجوہ کی بنا پر خان یہ سمجھ سکتا ہے۔"

"بعض وجوہ؟ کیا آپ ابریز کی طرف کچھ ملتفت ہو گئی ہیں؟ ویسے وہ لڑکا ہے خاصا چونا۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آخر آپ کا دل پسیج ہی گیا؟"

"بکواس بند کرو۔ میں نے یہ خدشہ ایک نئے واقعے کی بنا پر ظاہر کیا تھا۔ آج میں گڈو کے قمار خانے میں بھی گئی تھی اور وہاں ایک چھوٹے سے ہنگامے میں ابریز بھی دخل اندازی کر بیٹھا تھا۔"

"اوہ! وہ کیا معاملہ ہے؟" رضوان نے چونک کر پوچھا۔ "ذرا تفصیل سے بتائیے!"

جواباً میں نے تفصیل سے سارا واقعہ بتا دیا۔ سب کچھ سننے کے بعد رضوان نے ایک طویل سانس لیا اور پھر کہا۔ "ابریز کی طرف سے آپ کی تشویش تو اب واقعی حق بجانب ہے لیکن یہ بات بھی طے ہو گئی کہ یہ لڑکا ابریز آپ کی خاطر اپنی جان پر کھیلنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ کا دل پسیج ہی جانا چاہیے۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ بہت سے مردوں کے دل توڑتی رہی ہیں۔ اب اس بے چارے پر تو رحم کر ہی ڈالیے گا۔"

"میں نے یہ بکواس سننے کے لیے تمھیں فون نہیں کیا ہے۔" میں غرائی۔

"پھر کیا سننے کے لیے فون کیا ہے؟ راگ درباری؟"

"میں تمھیں بس چوکنا کرنا چاہتی تھی۔"

"میں چوکنا ہو گیا۔ آپ فکر نہ کریں۔ اب ا... وہ ناتجربے کار لڑکا محض آپ کے عشق میں گرفتار ہو کر مصیبت کر بیٹھا ہے۔"

"اب میں اسی کو فون کروں گی۔"

"ایک اطلاع بھی سن لیجیے!"

"کیسی اطلاع؟"

"رضیہ نے آپ کو فون کیا تھا لیکن جب آپ نہیں ملیں تو مجھے رنگ کیا۔"

"تمھیں تو وہ رنگ کرتی ہی رہتی ہوگی۔"

"لیکن اس وقت صرف اس لیے رنگ کیا تھا کہ آپ کو پہنچا دوں کہ آج شام ایک غیر ملکی خان ولا میں آیا ہے! وہ کالاگوٹ کا مہمان ہے۔"

"غیر ملکی!" میں بڑبڑائی۔ "رضیہ نے اسے اتنی اہمیت کیوں دی!"

"محض اس لیے کہ وہ ایک غیر ملکی ہے۔"

"ہوں! دیکھا جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے رضیہ کی حفاظت کے سلسلے میں کیا کیا؟ تم نے کہا تھا کہ اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھاؤ گے!"

"ابھی تک میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکا ہوں لیکن میں نے اس کو ایک بات کی تاکید ضرور کر دی تھی۔"

"کس بات کی؟"

"یہ کہ وہ مجھے ہر گھنٹے بعد فون کرتی رہے۔ اگر کبھی اس کا فون نہیں آیا تو میں سمجھ لوں گا کہ وہ کسی چکر میں پھنس گئی ہے۔ اس طرح میں بروقت حرکت میں آسکوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"کیا اس کا امکان نہیں کہ خان آف کالاگوٹ نے رضیہ کو پہچان لیا ہو اور وہ اسی پر ہاتھ ڈال کر ماہ پارہ کا تبادلہ کرنا چاہے۔"

"میں اس امکان کو یکسر نظرانداز تو نہیں کر سکتی لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ رضیہ کوئی تر نوالہ نہیں ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالنا خان کے لیے کوئی آسان بات نہیں ہوگی۔"

"بہرحال ہمیں اس کی طرف سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔"

"اس کی طرف سے باخبر رہنے کے لیے میں نے تمھاری ڈیوٹی لگا تو دی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کے بعد میں نے ابریز کو فون کیا۔ میری آواز سن کر وہ اس

طرح خوش ہو گیا جیسے اسے دو جہاں کی دولت مل گئی ہو۔ وہ بولا۔ "کیسے یاد کر لیا آپ نے!" اس کے لہجے سے مسرت ٹپکی پڑ رہی تھی۔

"ابریز!" میں سنجیدگی سے بولی۔ "آج تم نے جو کچھ کیا، اچھا نہیں کیا!"

"مجھ سے اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے میری غلطی سے آگاہ ضرور کر دیجیے!"

"تمھیں قمار خانے میں پستول نہیں نکالنا چاہیے تھا۔"

"یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ آپ پر ٹوٹ پڑتے اور میں تماشائی بنا رہتا۔"

"میں ہر قسم کی صورت حال سے نپٹنے کے لیے تیار نہ ہوتی تو میں اس چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہی نہیں کیا ہوتا۔ خیر، جو کچھ ہو گیا، وہ ہو گیا۔ تم ذرا ہوشیار رہنا۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ لوگ تم پر وار کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"اوہ! دیکھا جائے گا۔"

"جوانی کے جوش میں نہ آؤ۔ احتیاط بہرحال اچھی چیز ہوتی ہے۔"

"اب آپ ہی یہ کہہ رہی ہیں تو میں محتاط رہوں گا۔"

"ہاں۔ میں یہی چاہتی ہوں کہ تم دو ایک دن ذرا محتاط رہنا۔"

"میری خاطر آپ کی یہ فکرمندی میرے لیے باعث مسرت ہے۔"

میں نے اس رومانٹک موڑ پر گفتگو کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ آخر میں میں نے صرف "شب بخیر" کہا تھا۔ پھر حالات کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے کرتے کسی وقت مجھے نیند آ گئی اور صبح تک میری نیند میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ناشتہ کیا اور ریٹا ڈکسن کا روپ دھار لیا۔ آج چھٹی کا دن تھا اس لیے یہ بات عین ممکن تھی کہ زبیں کسی وقت دھمک پڑتی۔

دس بجے تھے جب میں نے رضیہ کا فون وصول کیا۔

"باجی!" رضیہ نے کہا۔ "میرے پاس ایک سنسنی خیز اطلاع ہے آپ کے لیے۔"

یہ فقرہ خاصا پریشان کن تھا لیکن رضیہ کے لہجے میں جو سکون تھا اس کے باعث میں بھی پرسکون رہی اور میں نے کہا۔ "وہ کیا اطلاع ہے؟"

"رضوان سے آپ کو خان آف کالاگوٹ کے غیر ملکی مہمان کے بارے میں تو اطلاع مل ہی گئی ہوگی!"

"ہاں اس نے مجھے بتا دیا تھا۔"

"اب آپ کے لیے سنسنی خیز اطلاع یہ ہے کہ رات کو ڈھائی بجے خان آف کالاگوٹ اسے اپنے ساتھ ہیلی کوپٹر میں کہیں لے گیا تھا۔"

"ہیلی کوپٹر میں؟" میں چونکی۔

"جی ہاں۔ غالباً آپ کو اس کا علم نہیں کہ خان آف کالاگوٹ کے پاس ایک ہیلی کوپٹر بھی ہے۔"

"مجھے واقعی اس کا علم نہیں۔ تم نے ایک نئی اطلاع دی ہے۔"

"اس ہیلی کوپٹر کو کھڑا کرنے کے لیے خان ولا کے پائیں باغ میں ایک جگہ بنائی گئی ہے۔"

"کیا خان آف کالاگوٹ اس ہیلی کوپٹر کو خود اڑا کر لے گیا تھا؟"

"جی نہیں۔ خان آف کالاگوٹ کا ایک گونگا بھتیجا ہے جسے خان نے شاید اپنے ہی مطلب کے لیے ہوابازی کی تعلیم دلوائی ہے۔ اس کا نام عارف ہے اور وہی اس ہیلی کوپٹر کو اڑا کر لے جاتا ہے۔"

"ہوں!" میں پرتفکر انداز میں بولی۔ "پھر کل رات وہ ہیلی کوپٹر واپس کب آیا تھا؟"

"پانچ بجے کے قریب۔"

"گویا کوئی ڈھائی گھنٹے بعد۔"

"جی ہاں۔"

"وہ غیر ملکی خان آف کالاگوٹ کے ساتھ ہی واپس آ گیا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"تمھیں اس کا نام نہیں معلوم؟"

"پورا نام تو نہیں معلوم۔" رضیہ نے کہا۔ "خان آف کالاگوٹ اسے مسٹر باب کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔"

"مسٹر باب۔" میں نے زیرلب کہا۔

"جی ہاں۔"

"وہ اب بھی خان ولا میں ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تمھیں کچھ اندازہ ہوا کہ خان ولا میں اس کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے اور خان اسے ہیلی کوپٹر میں کہاں لے گیا تھا؟"

"میں ابھی ان دونوں ہی باتوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"پتا لگانے کی کوشش کرو۔"

جواب میں رضیہ نے کچھ کہا تھا لیکن میں سن نہیں سکی کیونکہ اچانک بج اٹھنے والی کال بیل نے مجھے چونکا دیا تھا۔

"اچھا رضیہ! میں تمھاری طرف سے کسی دوسری اطلاع کا انتظار کروں گی۔" میں نے جلدی سے کہا اور سلسلہ منقطع کرکے دروازے کی طرف بڑھی۔ کون ہو سکتا ہے؟ میں سوچ رہی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے کال بیل کا بٹن دبانے والے سے پوچھا۔ "کون ہے؟"

"میں زریں ہوں میڈم!" باہر سے آواز آئی۔

"اوہ!" میں نے دروازہ کھول دیا۔

"زریں مسکراتی ہوئی اندر آئی اور میں نے دروازہ بند کرکے پوچھا "نادرہ کہاں ہے؟"

"میں اسے گھر ہی چھوڑ آئی ہوں۔ آپ کی خواہش جو تھی کہ میں تنہا آؤں!" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"ہوں! گڈ!" میں بھی مسکرائی اور اس کے گلے میں باہیں ڈال کر اس کے عارض پر اپنے جذبے کا اظہار کر بیٹھی، پھر اسے خواب گاہ میں لے گئی اور بستر پر بٹھاتی ہوئی ہنس کر بولی۔ "اب تم کہو گی کہ میں تمھیں وہی مخصوص اورنج اسکوائش پلاؤں!"

"یہ فرمائش تو میں ہمیشہ کیا کروں گی۔"

"تو بیٹھو! میں ابھی لاتی ہوں بنا کے۔"

"میں بھی آپ کا ایک کام کرکے لائی ہوں۔"

"کون سا کام؟"

"آپ نے کہا تھا نا کہ آپ کو ڈیڈی کے ہاتھ کا عکس چاہیے۔"

"میں فوٹوگراف لے کر آئی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے کل رات خود ان کے ہاتھوں کے فوٹو لیے تھے اپنے کیمرے سے۔"

"یہ کیسے ممکن ہوا؟" میں "اورنج اسکوائش" بھول کر زریں کے قریب بیٹھ گئی۔

"بہت آسانی سے۔" زریں مسکرائی۔ "دراصل رات کو ڈیڈی سونے سے پہلے دودھ کا ایک گلاس ضرور پیتے ہیں۔ برسوں پہلے جب میں چھوٹی سی تھی تو میں نے ضد کی تھی کہ ڈیڈی کو دودھ کا گلاس خود پہنچایا کروں گی۔ اس وقت میری یہ ضد پوری کردی گئی اور پھر میری یہ ڈیوٹی بن کر رہ گئی۔ بچپن سے آج تک دودھ کا گلاس میں ہی ان کے کمرے میں پہنچاتی ہوں۔ چوبیس گھنٹوں میں یہی وہ وقت ہوتا ہے جب ڈیڈی میرے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے ہیں چنانچہ کل رات میں نے ان کی اسی شفقت

"وہ کس طرح؟"

"جب میں دودھ لے کر اُن کے کمرے میں گئی تو میں اپنا کیمرہ بھی لٹکا رکھا تھا۔ جب انھوں نے اس کے [illegible] میں نے کہا میرا جی چاہ رہا ہے کہ آج آپ کی کچھ تصویریں میری یہ بات سن کر وہ ہنس دیے اور تصویریں کھنچوانے پر [illegible] میں نے ان کی کئی تصویریں بنائیں اور پھر اس خواہش کا [illegible] کہ میں اُن کے ہاتھ کی بھی کچھ تصویریں بناؤں گی۔ انھوں سے پوچھا، وہ کس لیے؟ میں نے کہا کہ آپ کے ہاتھ بہت [illegible] ہیں۔ یہ جواب سن کر وہ ہنسنے لگے اور پھر میرے گال پر [illegible] لگا کر بولے۔ 'یہ کیوں نہیں کہتی کہ میرے ہاتھوں کے فوٹوگراف [illegible] دوست کو دکھائے گی۔' ان کی اس بات پر میں جھینپ گئی [illegible] نے میرے دل کا چور پکڑ لیا تھا۔ بہرحال انھوں نے اپنے [illegible] کے فوٹوگراف بنانے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا چنانچہ [illegible] وقت وہ فوٹوگراف لے کر آئی ہوں۔"

"اتنی جلدی ڈیولپ کیسے ہوگئے؟" میں نے تعجب [illegible]

"میں نے خود ڈیولپ کیے ہیں۔ گھر میں میرا ذاتی ڈارک [illegible] مجھے فوٹوگرافی کا شوق، جنون کی حد تک ہے میڈم!"

زریں نے اپنا پرس کھولا اور اس میں سے ایک لفافہ [illegible] کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے لفافہ لے کر سائڈ ٹیبل پر [illegible] اور کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "میں تمھارے لیے اورنج اسکوائش [illegible]"

"بالکل بنا لائیے۔ میں نے خواہ مخواہ دیر کردادی۔"

میں ہنستی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

کچھ دیر بعد جب ہم "اورنج اسکوائش" کے گلاس پی رہے تھے زریں بولی۔ "رات کو جب میں نے یہ فوٹو ڈیولپ کیے تو نادرہ بھی میرے ساتھ ڈارک روم میں تھی۔ رات کو ہم دونوں نے بہت [illegible] خواب گاہ کا رُخ کیا تھا۔"

اب یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ رضیہ نے ڈھائی بجے وہ [illegible] کیسے دیکھ لیا تھا جبکہ اتنی رات گئے اسے خوابِ خرگوش میں [illegible] ہونا چاہیے۔

"نادرہ یہ فوٹو دیکھ چکی ہے۔" زریں نے بتایا۔ "میں نے اس [illegible] اس کی رائے پوچھی تھی لیکن وہ کہنے لگی کہ اس سلسلے میں [illegible] ہی سے بات کرنا۔"

"ہوں۔" میں نے سائڈ ٹیبل سے لفافہ اٹھا کر اس میں سے فوٹوگراف نکال لیے۔ بلاشبہ وہ بڑے صاف فوٹوگراف تھے جن سے زریں کی دہارت کا پتا چلتا تھا۔ ہاتھوں کی لکیریں بالکل صاف نظر آرہی تھیں۔ ان لکیروں نے مجھے بتایا کہ وہ ایک شاطر اور شیطان آدمی کی کہانی بیان کررہی ہیں۔ میں خاصی دیر تک ان لکیروں کو پڑھتی رہی۔

آخر زریں سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ بولی "اب بتا بھی چکیں!"

"آں!" میں خیالات سے چونک اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"بتائیے!" وہ بولی۔ "کیا یہ ہاتھ کسی ایسے آدمی کے ہو سکتے ہیں جو کبھی میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمھارے اس سوال کا جواب اثبات میں دوں گی۔"

"کیا!" زریں اچھل پڑی۔ اس وقت اس کا گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا نہ ہوتا تو یقیناً اس کے ہاتھ سے گر جاتا۔

"ہاں زریں!" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "یہی وہ شخص ہے جو تمھارے مستقبل پر اثرانداز ہوگا۔"

"آخر کیسے؟" زریں بے چین ہوگئی۔

"ایسے کہ۔۔۔۔" میں بولتے بولتے دانستہ چپ ہوگئی۔

"ہاں ہاں، کیسے!" زریں کی بے تابی بڑھی۔

"شاید تمھیں میری باتوں پر یقین نہ آئے۔"

"میں تو آپ کی اس بات پر بھی یقین کر چکی ہوں جو ابھی آپ نے کہی ہے۔" زریں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اگر تمھیں میری اُس بات پر یقین آگیا ہے تو پھر اب اس بات پر بھی یقین کرلو کہ تمھارے والد اچھے کردار کے آدمی نہیں ہیں۔"

زریں اس طرح میرا منہ تکنے لگی جیسے میری بات اس کی سمجھ میں نہ آسکی ہو۔

میں زور دے کر بولی۔ "وہ کئی اعتبار سے ایک بُرے آدمی ہیں۔"

"کس اعتبار سے میڈم؟" زریں نے مغموم آواز میں پوچھا۔ "میں تو اپنے ڈیڈی کو بہت اچھا آدمی سمجھتی ہوں۔"

"انھیں سبھی اچھا آدمی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ایک دن آئے گا جب اُن کی وہ سب بُرائیاں لوگوں کے سامنے آجائیں گی اور تم اس میں شرم محسوس کروگی کہ تم خان آف کالاگوٹ کی بیٹی ہو۔"

"کاش میں وہ دن آنے سے پہلے ہی مرجاؤں!"

"نہیں۔" میں نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹتے ہوئے کہا۔ "تم زندہ رہوگی۔ میں نے ان لکیروں میں ایک لکیر ایسی بھی دیکھی ہے کہ میں زیادہ متفکر نہیں ہوں۔"

"کون سی لکیر؟"

"ایک لکیر ہے جو یہ بتاتی ہے کہ اگر کوشش کی جائے تو آنے والے بُرے وقت سے بچا جا سکتا ہے لیکن اس سلسلے میں تمھیں بہت کچھ کرنا ہوگا۔"

"میں اس کے لیے اپنی جان پر بھی کھیلنے کو تیار ہوں۔"

"جان پر کھیلنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی جان!" میں نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

"آخر کچھ بتائیے تو سہی کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"دراصل سب سے پہلے تو یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ تمھارے والد کس قسم کی بُرائیوں میں ملوث ہیں۔"

"لکیروں سے اس کا پتا نہیں چلتا؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "لکیروں کی زبان بہت مبہم ہوتی ہے۔ ان لکیروں میں زندگی کا ہر واقعہ درج نہیں ہوتا۔"

"زیادہ پریشان نہ ہو۔ وہ سب کچھ تم بہت آسانی سے کرلوگی جو میں تمھیں بتاؤں گی۔ بس اک ذرا سکون سے تھوڑا سا وقت گزار لو!"

سکون، سے میری جو مُراد تھی، وہ زریں نے بھی سمجھ لی اور پھر ہم نے ایک گھنٹہ بڑے سکون سے گزار دیا۔

میرا خیال تھا کہ زریں اب پوری طرح میری گرفت میں ہے اور میں اسے بڑی آسانی سے خان آف کالاگوٹ کے خلاف استعمال کرسکوں گی۔

"تم سب سے پہلے تو ایسا کرو۔" میں نے زریں سے کہا۔ "کہ گھر جا کر نادرہ کو میرے پاس بھیج دو۔ میں نادرہ کو سمجھا دوں گی کہ ان حالات میں کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔ پھر وہ جیسا کہے تم اس پر عمل کرتی رہو۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ تمھارے والد کو ان غلاظتوں سے نکال لوں جو تمھارے مستقبل پر اثرانداز ہو سکتی ہیں۔"

"کاش ان غلاظتوں کا علم ہو سکتا جن میں میرے والد پھنسے ہوئے ہیں۔" زریں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"فکر نہ کرو، سب معلوم ہو جائے گا۔" میں نے اس کا شانہ تھپک کر اسے تسلی دی۔ "میں اس معاملے کو اُدھورا نہیں چھوڑ سکتی۔" میرے فقرے میں جو عزم پوشیدہ تھا اسے زریں نہیں سمجھ سکتی تھی۔

"میڈم!" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "یہ آپ کی بات ہے کہ میں نے اس پر یقین کرلیا۔ اگر آپ کی جگہ اور کوئی یہ بات کہتا تو میں

اس سے جھگڑ بیٹھتی۔"

"مگران باتوں کی بھنک بھی تمھارے والد کے کانوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ انھیں تمھارے رویّے سے بھی کسی قسم کا شبہہ ہوگیا تو بات بگڑ جائے گی۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ مجھ سے یہ بے وقوفی سرزد نہیں ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تمھیں جانا چاہیے۔ خاصی دیر ہوگئی ہے۔"

زرّیں جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔ میں اسے چھوڑنے کے لیے دروازے تک گئی۔ اس نے کہا: "تو میں نادر کو بھیج دوں؟"

"ہاں۔"

اسے رخصت کرنے کے بعد میں صوفے پر بیٹھی سوچتی رہی کہ ابھی تک تو صورتِ حال اس طرح میرے قابو میں ہے جس طرح میں چاہتی تھی۔ زرّیں کو میں نے اپنی مٹھی میں لے لیا تھا اور اب رضیہ کے ذریعے اس سے بہت کچھ کام لے سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد رضیہ نے فون پر مجھ سے رابطہ قائم کیا اور پوچھا: "زرّیں بتا رہی تھی کہ آپ نے مجھے بُلایا ہے!"

"ہاں کیا تم خان وِلا سے بول رہی ہو؟"

"جی نہیں۔ وہاں سے تو چل پڑی ہوں۔ راستے میں خیال آیا کہ آپ سے فون پر رابطہ قائم کرلوں۔ زرّیں نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ نے مجھے کس وقت بُلایا ہے۔"

"چلو اچھا ہوا کہ تم نے فون کرلیا۔ اب تم گھر پہنچو، میں وہیں آ رہی ہوں۔"

"ڈیفنس؟"

"ہاں۔"

"او کے باجی!"

میں نے سلسلہ منقطع کیا اور فلیٹ سے نکل آئی۔ میں نے رضیہ سے گفتگو کرنے کے لیے اپنے گھر کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ وہاں گفتگو میں رضوان بھی شریک ہو جاتا۔ بعض اوقات وہ جھونک میں بڑے پتے کی بات کر جاتا تھا۔

فلیٹ سے نکل کر مجھے خیال آیا تو میں دوبارہ فلیٹ میں داخل ہوئی۔ اب زرّیں سے ملاقات کا امکان نہیں رہا تھا اس لیے میں نے ریٹا ڈکسن والا بہروپ ختم کیا اور اس کے بعد پھر فلیٹ سے نکل آئی۔ میں نے ایک ٹیکسی کی اور ڈیفنس کی طرف روانہ ہوگئی۔

جب میں گھر پہنچی تو رضیہ وہاں موجود تھی۔ ایک ڈکس ویگن کو میں نے پورچ میں کھڑا دیکھا اور سمجھ گئی کہ یہ وہی کار ہے جو زرّیں نے رضیہ کے لیے وقف کردی ہے۔

رضوان اور رضیہ ڈرائنگ روم میں ہی موجود تھے۔

"سنیے خاتون!" رضوان مجھے دیکھتے ہی غرّایا: "آپ کسی کا بندوبست کر لیجیے۔ میں اب زیادہ دن تک یہاں قید نہیں!"

"اُکتا گئے؟" میں مسکرائی: "حالانکہ یہاں ماہ پارہ بھی موجود..."

"اور میری زندگی کے لیے عذاب بن کر رہ گئی ہے۔"

"کیوں؟"

"وہ کہتی ہے کہ میں ہر وقت اس کے ساتھ نہ جانے کیوں رہا کروں۔"

"تو رہا کرو، میں نے منع تو نہیں کیا۔" میں مسکرا کر بولی: "ویسے بھی تم خوب صورت لوگوں کی معیّت میں رہنا پسند کرتے ہو۔"

"ہوں!" رضوان غرّایا: "تو آپ مجھ سے انتقام لے رہی ہیں۔"

"میں انتقام نہیں لے رہی ہوں، تمھاری بھلائی چاہتی ہوں۔ آخر کب تک لنڈورے پھرتے رہو گے۔ میں چاہتی ہوں کہ ماہ پارہ سے تمھاری شادی ہو جائے اور پھر تم ہنسی خوشی رہنے لگو۔"

"ہنسی خوشی!" رضوان نے ہونٹ بھینچ لیے اور مجھے گھورنے لگا۔

اب مجھے ہنسی آگئی اور پھر میں نے مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھ کر رضیہ سے کہا: "میں نے تمھیں یہ سمجھانے کے لیے بُلایا ہے کہ تم کو ایک اہم رول ادا کرنا ہے۔ زرّیں اب پوری طرح میری گرفت میں ہے اور اب ہم اس سے بہت کام لے سکتے ہیں۔"

"اس نے مجھے ان باتوں کے بارے میں بتایا تھا جو آپ اس سے کر چکی ہیں۔" رضیہ نے سر ہلا کر کہا: "وہ بہت افسردہ تھی۔"

"تو سب سے پہلے تمھیں اسی پر زور دینا ہوگا کہ اس کی افسردگی ختم کردو۔ اپنی افسردگی کی وجہ سے وہ خان آف کالاگوٹ کی توجہ کا مرکز بن سکتی ہے۔"

"میں اسے سنبھال لوں گی۔"

"اور اس کے بعد تمھیں خود ہی یہ دیکھنا ہوگا کہ اسے خان آف کالاگوٹ کے خلاف کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔"

"میں آپ کو بتاؤں کہ میں اس کام کا آغاز کر چکی ہوں۔"

"وہ کیسے؟"

"کل رات اس نے میرے سامنے ہی وہ فوٹو ڈیولپ کیے تھے۔ اسی لیے تو میں نے اتنی رات گئے اس ہیلی کوپٹر کو دیکھ لیا تھا۔ میں نے کل رات ہی جب زرّیں سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے

بتایا کہ اس کے والد کبھی کبھی رات کو اچانک اپنے ٹیکسٹائل مِل کے معائنے کے لیے جاتے ہیں تو کار کی بجائے ہیلی کوپٹر استعمال کرتے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے حکومت سے خصوصی اجازت نامہ حاصل کر رکھا ہے۔"

"ہوں۔"

"ان باتوں کے بعد زرّیں کے سامنے تو میں اپنی خواب گاہ میں چلی گئی تھی لیکن کوئی ایک گھنٹے بعد پائیں باغ کے اس حصّے میں پہنچ گئی تھی جہاں سے میں نے ہیلی کوپٹر کو اُڑتے دیکھا تھا۔ پھر میں وہیں ایک کنج میں چھپی رہی تھی۔ دراصل میں دیکھنا چاہتی تھی کہ ہیلی کوپٹر کب واپس آتا ہے۔ جیسا میں نے آپ کو بتایا کہ ہیلی کوپٹر پانچ بجے لوٹا تھا اور میں نے اس میں سے صرف تین شخصیتیں اترتے دیکھی تھیں۔ خان آف کالاگوٹ، وہ غیر ملکی مسٹر باب اور خان کا گونگا بھتیجا عارف۔"

"ہوں!" میں نے سر ہلایا: "تمھیں یقین ہے کہ خان کو وہاں پر تمھاری موجودگی کا شبہہ بھی نہیں ہوا تھا؟"

"اس کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔"

"اچھا تو آج تم نے کیا کام شروع کیا ہے؟"

"میں نے زرّیں سے اسی ہیلی کوپٹر کا ذکر چھیڑ دیا تھا اور آج اس کے چہرے کے تاثرات کل رات کے تاثرات سے مختلف تھے۔"

"تم نے کیا کہا تھا اس سے؟"

"یہی کہ کیا واقعی خان آف کالاگوٹ اس ہیلی کوپٹر میں اپنی ٹیکسٹائل مِل کے معائنے کے لیے جاتا ہے یا اس کی منزل کوئی اور نامعلوم جگہ ہوتی ہے؟"

"پھر اس نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے کہا نا کہ کل رات کی بہ نسبت آج وہ تذبذب کا شکار تھی۔ اس نے یہ جواب دیا تھا کہ صورتِ حال پر جو ایک نئی روشنی پڑی ہے، اس کے باعث اب وہ اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"ہوں!" میں سوالیہ انداز سے رضیہ کی طرف دیکھتی رہی۔ میں چاہتی تھی کہ اگر کوئی اور بات ہو تو رضیہ وہ بھی بتا دے۔

رضیہ نے کہا: "میں نے زرّیں پر زور دیا ہے کہ اس ہیلی کوپٹر کی اصل منزل کا پتا چلنا ضروری ہے۔ زرّیں اس سلسلے میں عارف سے کام لے سکتی ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"عارف لاکھ گونگا اور بہرا سہی لیکن آنکھوں کی زبان سے اس نے زرّیں کو اکثر یہ بتایا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔"

"اوہ! یہ نکتہ تو واقعی بہت کام کا ہے۔"

"محبت کے نکتے واقعی بہت کام کے ہوتے ہیں۔" رضوان بول پڑا: "لیکن آپ نے کبھی اس پہلو پر صحیح زاویے سے غور نہیں کیا۔"

"صحیح زاویے سے کیا مطلب؟" میں اسے گھورنے لگی۔

"میں کبھی رضیہ کی عدم موجودگی میں اس مسئلے پر گفتگو کروں گا۔"

میں مُنہ بنا کر پھر رضیہ کی طرف متوجّہ ہوگئی اور بولی: "عارف کے اس جذبے کا زرّیں پر کیا ردِعمل ہوا؟"

"وہ اب تک تو عارف کو نظر انداز کرتی رہی ہے۔"

"لیکن اب اسے عارف پر توجّہ دینا پڑے گی۔"

"ظاہر ہے کہ اس ہیلی کوپٹر کی اصل منزل ہمیں عارف ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔"

"اس غیر ملکی باب کو اس ہیلی کوپٹر میں کہاں لے جایا جاسکتا ہے۔"

"مجھے ایک شبہہ ہے۔" رضوان بول پڑا۔

"کیا؟" میں اس کی طرف متوجّہ ہوگئی۔

"شاید خان آف کالاگوٹ اسے وہاں لے گیا ہو جہاں اس نے پروفیسر منہاس کو رکھا ہوگا۔"

"اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ وہ کسی غیر ملکی طاقت سے پروفیسر منہاس کے تجربے کا سودا کرنا چاہتا ہے۔"

"اس نکتے پر آپ پہلے بھی سوچ چکی ہیں۔"

"ہوں۔" میں نے سر ہلایا: "اور ہمیں یہ سودا مکمل ہونے سے پہلے پہلے پروفیسر منہاس تک پہنچنا چاہیے۔"

"اور خان آف کالاگوٹ ماہ پارہ تک پہنچنے کی فکر میں ہے۔" رضیہ بولی۔

"ہاں، اس نے کہا تو یہی تھا۔" رضوان نے کہا۔

"کیا مطلب!"

"یہ بات ابھی ابھی میرے ذہن میں آئی ہے کہ ماہ پارہ تک پہنچ کر اسے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔"

"کیوں!" رضیہ اسے گھورنے لگی: "آخر اس نے ماہ پارہ کو قتل کروانے کی کوشش کیوں کی تھی؟"

"اس کوشش کا مقصد تو یہ ہوگا کہ ہمیں ماہ پارہ سے پروفیسر منہاس کے تجربے کا علم نہ ہوسکے۔"

رضوان کی بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ میں نے پلکیں جھپکا کر اُس کی طرف دیکھا اور بولی: "تو اب اس نے مجھے دھمکی کیوں دی تھی کہ وہ جلد ہی ماہ پارہ کا سودا کرنے کی پوزیشن میں آ جائے گا؟"

"اس کا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ماہ پارہ کی حفاظت کے چکر میں پڑی رہ جائیں اور دوسری طرف وہ پروفیسر منہاس کے تجربے کا سودا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ آپ دو ایک دن اس کی طرف پوری طرح متوجہ نہ ہو سکیں۔"

"ہوں!" میں مسکرائی۔ "بعض اوقات تم خاصی عقلمندی کی باتیں کرنے لگتے ہو۔ میں تمھارے اس خیال سے پوری طرح متفق ہوں کہ اب اسے ماہ پارہ کے حصول سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اسے اندازہ ہو گا کہ جو بات وہ چھپانا چاہتا تھا، وہ اب ہمارے علم میں آ چکی ہو گی۔ اس کے بعد اُس کے لیے ماہ پارہ کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔"

"تو اب مجھے کیا کرنا ہو گا باجی!" رضیہ نے پوچھا۔

"تمھارا ایک کام تو وہی ہے کہ خان آف کالاگوٹ پر نظر رکھو اور دوسرا کام تم خود ہی کر چکی ہو۔ زرّیں اور عارف کے ذریعے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ خان آف کالاگوٹ اس ہیلی کوپٹر میں کہاں آتا جاتا ہے۔"

"کچھ اور تو نہیں کہنا ہے آپ کو مجھ سے؟"

"نہیں، کیوں؟"

"زرّیں نے کہا تھا کہ میں کھانے کے وقت تک لوٹ آؤں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ!"

رضیہ کھڑی ہو گئی۔

اس کی روانگی کے بعد میں نے ملازمہ سے کہا کہ میرے اور رضوان کے لیے کھانا لگایا جائے۔

"ماہ پارہ کو بھی بُلا لیجیے کھانے کی میز پر۔" رضوان شرارت سے مسکرایا۔

"اگر تم اس کے بغیر اُداس ہو تو میں چلی جاتی ہوں۔ تم اسے بُلا لو کھانے کی میز پر۔"

"میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ وہ آپ کو بہت پسند کرتی ہے۔ کئی مرتبہ آپ کو پوچھ چکی ہے۔"

"اس کے بھائی کا کیا ہوا؟"

"وہ آج ہی نواب شاہ سے لوٹا ہے۔ فون پر اس سے میری گفتگو ہو چکی ہے۔ وہ ماہ پارہ کے سلسلے میں بھی پریشان ہو گیا تھا لیکن میں نے اسے مطمئن کر دیا۔ آج تیسرے پہر کو وہ ماہ پارہ لینے آئے گا۔"

کچھ دیر بعد میں اور رضوان کھانے کی میز پر پہنچ گئے۔ اس دوران میں ذکر پروفیسر منہاس ہی کا رہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔" رضوان بولا۔ "کہ خان آف کالاگو[ٹ] پروفیسر کی اس ایجاد کے عوض کتنی دولت حاصل کر سکتا ہے!"

"تمھاری یہ بات وضاحت طلب ہے۔"

"خان آف کالاگوٹ کے پاس دولت کی کمی نہیں اور ا[س] ایجاد کے عوض اسے اربوں روپیا تو نہیں مل سکتا!"

"تم بالکل ٹھیک سوچ رہے ہو۔"

"تو پھر ثابت ہوا کہ بات پیسے کی نہیں بلکہ نظریا[تی] کی ہے۔"

میں نے اس وقت جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔ شاید [وہ] وہی بات کہنے والا تھا جو میں سوچ چکی تھی۔

"میرا مطلب ہے۔" رضوان پھر بولا۔ "کہ خان آف کالاگوٹ کس[ی] خاص نظریے کا حامی ہے اور اسی نظریے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ وہ کون سا نظریہ ہے تو میرے خیال کے مطابق دنیا میں صرف دو ہی نظریے اسٹیبلش ہو سکے ہیں۔"

"اسٹیبلش!" میں مسکرائی۔

"ہاں!" رضوان نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں ا[س] بات کی وضاحت کے لیے اس سے بہتر لفظ استعمال نہیں کر سکت[ا] تھا۔ اس وقت دنیا میں صرف دو ہی نظریات کام کر رہے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت لہٰذا خان آف کالاگوٹ یا [تو] امریکی بلاک کا ایجنٹ ہے یا روسی بلاک کا۔ اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہو گا کہ وہ کس بلاک کے لیے کام کر رہا ہے۔ باب کی شخصیت سے پتا چل سکتا ہے کہ وہ کس ملک کا باشندہ ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ جس ملک کا باشندہ ہو، اسی کے لیے کام کر رہا ہو۔ غدار ہر جگہ پائے جاتے ہیں کسی بھی امریکی بلاک کا باشندہ روس کے لیے اور کسی [بھی] روسی بلاک کا باشندہ امریکہ کے لیے کام کر سکتا ہے۔"

"ہوں!" میں مسکرائی۔ "میں نے کہا نا کہ جب تم سنجیدگی سے باتیں کرتے ہو تو اچھی خاصی ذہانت کی باتیں کر لیتے ہو۔"

رضوان نے میری "چوٹ" پر کوئی چوٹ نہیں کی، بس ا[یک] مرتبہ مجھے دیکھا اور بولتا رہا۔ "آج کل یہ دونوں ہی بلاک ہمارے

ملک پر اپنا تسلط جمانے کی فکر میں ہیں۔ خصوصاً روسی بلاک اس سلسلے میں خاصا تلملایا ہوا ہے کیونکہ ابھی تک اسے یہاں، امریکی بلاک سے زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ بس معاہدۂ تاشقند کے بعد اس کا زور کچھ بڑھا ہے اور ہمارے لوگوں میں امریکہ کے خلاف کچھ جذبات پیدا ہو گئے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ روس کی کوئی بہت بڑی کامیابی نہیں۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خان آف کالاگوٹ روسی ایجنٹ ہے؟"

"نہیں، میں کسی ثبوت کے بغیر یہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔ میں تو صرف حالات کا تجزیہ کر رہا تھا۔"

"حالات کا تجزیہ کرنا ہمارے اکابرین کا کام ہے۔ ہمیں صرف اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔"

"یہاں کوئی سی، آئی، ڈی والا نہیں بیٹھا ہوا ہے جو آپ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے ڈر رہی ہیں۔" رضوان نے مُنہ بنا کر کہا۔

میں ہنس کر میز سے اٹھ گئی۔ ہم کھانا کھا چکے تھے۔

"چائے ڈرائنگ روم میں پئیں گے۔" میں نے کہا۔

ہم ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے اور ملازمہ نے چائے وہاں پہنچا دی۔ چائے پینے کے دوران میں رضوان نے پوچھا: "اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"بس اب چائے پی کر جاؤں گی۔"

"کہاں؟"

"واپس فلیٹ۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے امریکہ کے لیے کال بُک کرنا ہے۔ سنگیتا نے اب تک مجھے کوئی فون نہیں کیا۔ نہ جانے کیا بات ہے!"

"ہائے!" رضوان نے ایک دل دوز آہ بھری۔ "کیسی بے قراری ہے۔ اب ذرا تصور کیجیے کہ مجھے رضیہ سے جُدا کر کے آپ نے مجھ پر کتنا ظلم کر رکھا ہے۔"

"تم دونوں تو ٹیلیفون پر باتیں کرتے ہی رہتے ہو۔" میں یہ کہتے کہتے ایک دم چونک پڑی اور بولی: "یہ بو کیسی ہے؟"

اب رضوان نے بھی ناک سکوڑی۔ "ہاں، ہے تو!" وہ بولا۔

بُو بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ اسی وقت باہر سے کسی ملازمہ کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے ایک جھٹکے سے پیالی رکھ دی اور اٹھ کر دروازے کی طرف لپکی۔ میرے پیچھے رضوان بھی تھا۔ اس پر کیا گزری؟ مجھے نہیں معلوم لیکن میرے قدم ڈگمگا سے گئے تھے۔ اس بُو نے میرے ذہن پر کچھ عجیب سا اثر مرتسم کیا تھا۔

جیسے ہی میں برآمدے میں نکلی، میں نے اپنی ایک ملازمہ کو وہاں ڈھیر کی صورت میں پڑا دیکھا۔ دو آدمی بھی نظر آئے جنھوں نے اپنے چہروں پر گیس ماسک چڑھا رکھے تھے اور ان کے ہاتھوں میں اسپرے گن تھیں۔ ان گنوں سے کسی مائع شے کی بہت تیز بوچھار ہو رہی تھی اور غالباً اسی کی بُو نے ساری فضا کو مسموم کر دیا تھا۔

میں نے چاہا کہ اپنا ریوالور پرس سے نکالوں لیکن میرے ہاتھ کانپ کر رہ گئے۔ میری پنڈلیوں میں جیسے جان ہی نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے کسی چیز کا سہارا لینا چاہا مگر ناکام رہی اور گر پڑی۔ میرا خیال ہے کہ میں نے رضوان کے گرنے کی آواز بھی سُنی تھی اور بے ہوش ہونے سے قبل میرے ذہن میں آخری خیال یہ آیا تھا کہ پروفیسر منہاس کی ایجاد کا پہلا تجربہ ہم ہی لوگوں پر تو نہیں کیا گیا؟

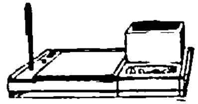

جب میری آنکھ کھُلی تو میں نے خود کو اور رضوان کو ایک کشادہ کمرے کے دو مختلف بستروں پر پایا۔ چند لمحوں تک میں بستر ہی پر پڑی رہی کیوں کہ میرے ذہن میں بے ہوشی سے قبل کے واقعات چکرانے لگے تھے۔ پھر جب مجھے سب کچھ یاد آ گیا تو میں ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئی اور بہ نظرِ غائر اس کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

دوسرے بستر پر پڑے ہوئے رضوان کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ابھی تک بے ہوش ہے۔

میں بستر سے اُٹھ کر دروازے تک گئی اور توقع کے مطابق اُسے کھولنے میں ناکام رہی۔ وہ باہر سے بند تھا، گویا اب ہم دشمن کی قید میں تھے اور دشمن ظاہر ہے کہ خان آف کالاگوٹ کے سوا کون ہو سکتا تھا؟

اب میں رضوان کے بستر کے قریب گئی اور اسے ہلایا جُلایا۔ اس کے سانس اعتدال سے چل رہے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ اسے ہوش آنے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں اس کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد پھر اسی بستر پر جا بیٹھی جس پر میری آنکھ کھُلی تھی۔

اس میں تو کوئی شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ میں اور رضوان خان آف کالا گوٹ کی قید میں تھے۔ اب دیکھنا صرف یہ تھا کہ ہم کہاں قید ہیں اور ہمیں اِس طرح اغوا کرنے کا مقصد کیا ہے؟ کیا خان آف کالا گوٹ اسی طرح ماہ پارہ کا سودا کرنا چاہتا ہے؟

ماہ پارہ؟ یہ لڑکی اب ایک اہم سوال بن گئی تھی۔ میں نے اور رضوان نے تو یہ سوچا تھا کہ اب خان آف کالا گوٹ کے لیے ماہ پارہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ اگر میں اپنے اِس خیال کو اب بھی درست جانتے رہتی تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا کہ ہمیں اغوا کرنے کا دوسرا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟

میں ان سوالوں سے تو اُلجھتی رہی لیکن پریشانی یا خوف کا کوئی احساس میرے ذہن میں دُور دُور تک نہیں تھا۔ اِس اعتبار سے شاید میں ایک ایبنارمل عورت ہوں کہ بعض اوقات خطرناک ترین صورتِ حال بھی مجھے پریشان نہیں کر پاتی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا رہتا ہے جیسے ان حالات سے نبٹنا میرے لیے ناممکن نہیں! اس وقت بھی میں کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی تھی، بلکہ شاید میں کچھ مطمئن بھی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے خان آف کالا گوٹ نے میری مشکلات کو کچھ اور آسان کر دیا ہے۔ مجھے یہ احساس کیوں تھا، میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ غالباً اِسے بس چھٹی حس کی کرشمہ سازی کہا جا سکتا ہے۔

رضوان کی بڑبڑاہٹ سُن کر اور اُسے کروٹ بدلتے دیکھ کر میں اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ غالباً اب رضوان کو ہوش آ رہا تھا۔ میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس نے آنکھیں کھول دی تھیں اور اب پلکیں جھپکا جھپکا کر چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید اس کے ذہن میں بھی بے ہوشی سے قبل کی وہ ساری باتیں چکرا رہی ہوں گی جو میرے ذہن میں بھی چکرا رہی تھیں۔ پھر میں نے اُسے بوکھلا کر اُٹھتے دیکھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اُس کا مُنہ اِس طرح کھُلا تھا جیسے اس نے کوئی عجوبہ دیکھا ہو۔

"کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں؟" میں بولی۔

"مم... میں یہ... سوچ رہا ہوں کہ... مرنے کے بعد اللہ میاں نے ہم دونوں کو یکجا کر دیا!"

"مرنے کے بعد نہیں، مرنے سے پہلے۔"

"ہائیں! تو کیا ہم زندہ ہیں؟" رضوان اپنا جسم ٹٹولنے لگا۔

"کم از کم میں تو ہوں۔"

"اگر آپ زندہ ہیں اور میں مر چکا ہوں تو اب بھوت ہوں! کر آپ سے چمٹ جاؤں گا۔"

"لیکن یہ ضرور بتا دینا کہ تم لاتوں کے بھوت بنو گے یا باتوں کے!"

رضوان نے اس نوک جھونک کو زیادہ طویل نہیں کیا اور اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا "کیا یہ دروازہ باہر سے بند ہے؟"

"تو کیا کھُلا ہونا چاہیے؟"

"کھُلنے یا بند ہونے کا کیا سوال؟ ہونا ہی نہیں چاہیے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ابھی پوری طرح ہوش میں نہیں آئے۔ بہتر ہوگا کہ کچھ دیر چُپ رہو تاکہ تمھاری دماغی حالت معمول پر آ جائے۔"

رضوان نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور پھر بولا "میرا خیال ہے کہ خان آف کالا گوٹ نے ہمارے کفن دفن کا سارا انتظام مکمّل کر لیا ہوگا!"

"اگر خان آف کالا گوٹ ایسا کر چکا ہے تو یقیناً وہ سب کچھ اب اس کے کام آئے گا۔"

"لیکن یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ اس نے فی الحال ہمارے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔"

"کیا تمھارا اشارہ کسی خاص بات کی طرف ہے؟"

"آپ نے محسوس نہیں کیا کہ ہم ایک ایئرکنڈیشنڈ کمرے میں ہیں؟"

"نہ صرف محسوس کیا ہے بلکہ اس پر متعجب ہوں!"

"تعجب کا زور کس نکتے پر ہے؟"

"اس نکتے پر کہ ہمارے شہر میں تو ابھی اتنی گرمی نہیں تھی۔"

"کیا مطلب!" رضوان اچھل پڑا۔

"تمھارا یہ اُچھلنا ظاہر کرتا ہے کہ تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو۔"

"آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ ہم اس وقت کراچی میں نہیں ہیں؟"

"میں اس کا شبہ کر رہی ہوں۔"

"تو پھر ہم کہاں ہو سکتے ہیں؟" رضوان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "وقت تو یہ بتا رہا ہے کہ ہم رات بھر

بے ہوش رہے ہیں۔ اب صبح کے آٹھ بج رہے ہیں اور تاریخ بھی بدل چکی ہے۔"

"یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ... ہیں لیکن کراچی سے بہت زیادہ دور تو بہرحال نہیں ہوں گے۔ ممکن ہے کہ یہ سندھ کا اندر ... رہو۔"

"... ہمیں ہیلی کوپٹر ہی سے یہاں پہنچایا گیا ہوگا!"

... ہے۔ کار کے ذریعے بھی رات بھر میں خاصا فاصلہ ... ہے۔"

اس ... زے میں ایسی کھڑکھڑاہٹ ہوئی جیسے کی ہول میں ... گئی ہو۔ میں اور رضوان چونک کر اس طرف دیکھنے لگے۔ دروازہ کھُلتا نظر آیا اور پھر ایک آدمی کی شکل دکھائی دی۔ وہ چھوٹتے ہی بولا "ناشتے کی میز پر میزبان آپ کے منتظر ہیں۔"

میں نے اور رضوان نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا پھر میں کھڑی ہوتی ہوئی آہستہ سے بولی "آؤ چلتے ہیں۔"

میں اور رضوان اس آدمی کے پیچھے پیچھے اس کمرے سے نکلے۔ اب ہمیں ایک پتلی سی راہداری میں چلنا پڑ رہا تھا۔ مصنوعی روشنی اس راہداری میں بھی پھیلی ہوئی تھی اور میں اس عمارت کی ساخت کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ کہیں کوئی ایسا روزن بھی نظر نہیں آ رہا تھا جہاں سے روشنی یا ہوا اندر آ سکتی۔

راہداری کے سرے پر ایک آہنی دروازہ تھا۔ اس دروازے کے قریب فرش پر کوئی چار فٹ چوڑی ایک دھاتی چادر لگی ہوئی تھی۔ جیسے ہی ہمارے رہبر کا قدم اس چادر پر پڑا، دروازہ خود بخود کھُلتا چلا گیا۔ یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ دھاتی چادر پر پڑنے والا دباؤ کسی ایسے میکنزم کو حرکت میں لایا ہوگا جو دروازے کو کھول سکتا ہو۔

اب ہم ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے تھے جہاں کھانے کی اتنی بڑی میز بچھی ہوئی تھی جس پر آٹھ آدمی کھانا کھا سکتے تھے۔ میز پر ناشتہ لگا ہوا تھا اور میز کے سرے پر جو شخصیت بیٹھی ہوئی تھی اسے دیکھ کر مجھے ذرا بھی تعجب نہیں ہوا تھا۔

"خوش آمدید صبیحہ بانو!" خان آف کالا گوٹ کی آواز نے اس کمرے میں گونج سی پیدا کی۔

"میرا نام رضوان ہے۔" رضوان بڑی سنجیدگی سے بولا "اگر ... ہو تو مجھے بھی خوش آمدید کہہ سکتے ہو۔"

"میں مسخروں کو برداشت تو کر سکتا ہوں، انھیں خوش آمدید ... سکتا۔" خان آف کالا گوٹ نے سرد لہجے میں کہا۔

"واہ!" رضوان قہقہہ لگا کر بولا "یہ تو تم نے نہایت مسخرے پن ... بات کہی۔"

اس فقرے پر خان آف کالا گوٹ بُری طرح تلملا گیا۔ اس کے چہرے سے مترشح تھا کہ اس نے خود پر قابو پائے رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی ورنہ وہ گھنگھور گھٹا کی طرح برس پڑتا۔

میں نے اپنے بیٹھنے کے لیے میز کے دوسرے سرے کی کرسی کا انتخاب کیا اور رضوان کو اشارہ کیا کہ وہ میرے قریب بیٹھے لیکن اس نے میز کے وسط کی ایک کرسی کا انتخاب کیا اور بیٹھتے ہی اس پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا جس میں نیپکن سے لپٹے ہوئے گرم گرم توسٹ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے دو توسٹ نکال کر اپنی پلیٹ میں رکھے اور چھُری اٹھا کر ایک توسٹ پر مکھن لگانے لگا۔

"صبیحہ بانو!" خان آف کالا گوٹ سرد لہجے میں بولا "کیا تم اپنے درباریوں کو آدابِ محفل سے آگاہ نہیں رکھتی ہو؟"

رضوان نے اپنے کان کے قریب اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے بھنبھناتے ہوئے مچھر کو بھگا رہا ہو۔ اس حرکت کے بعد وہ پھر توسٹ پر مکھن لگانے میں مصروف ہو گیا۔ خان آف کالا گوٹ نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے اور اِدھر میں یہ سوچ رہی تھی کہ رضوان نے آخر یہ بے تکی حرکتیں کیوں شروع کر دی ہیں؟ کیا اسے احساس نہیں کہ ہم اس وقت ایک خطرناک دشمن کے شکنجے میں ہیں؟

"محترم میزبان!" میں خان آف کالا گوٹ کی طرف دیکھتی ہوئی سپاٹ لہجے میں بولی "میرا خیال ہے کہ ہمیں ناشتہ شروع کر دینا چاہیے!"

"میں تو صرف ایک کپ چائے پیوں گا۔ میں اپنے گھر سے ناشتہ کر کے آیا ہوں۔"

اس جواب پر میں نے چند لمحوں کے لیے بڑے غور سے خان آف کالا گوٹ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ میں اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ اُس کے اِس جواب کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ کیا وہ مجھے یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ جس جگہ ہم قید ہیں، وہ مقام اس کے گھر سے زیادہ دور نہیں؟ جب کہ میرے خیال کے مطابق یہ مقام اندرونِ سندھ کسی جگہ تھا۔ کراچی میں ابھی اتنی گرمی نہیں تھی کہ ایئرکنڈیشنڈ سسٹم کو آن رکھنے کی ضرورت ہوتی۔

بہرحال میں نے خان کے اس جواب کے سلسلے میں اپنے دماغ پر زیادہ دباؤ نہیں ڈالا اور بے پروائی ظاہر کرنے کے سے انداز میں شانے اچکا کر ناشتے میں مصروف ہوگئی۔ دوسری طرف رضوان ماحول سے گویا بالکل بے خبر ہو کر ٹوسٹ اور انڈوں سے انصاف کرنے میں منہمک تھا۔

جو شخص ہمیں لے کر آیا تھا وہ دروازے ہی پر ایستادہ تھا۔ اس کمرے کے دو دروازے تھے اور دوسرے دروازے پر بھی ایک آدمی مستعد کھڑا تھا۔ اس آدمی کے کوٹ کی پھولی ہوئی جیب ظاہر کر رہی تھی کہ اس میں ریوالور موجود ہے۔

"تو تم نے دیکھا صبیحہ بانو!" خان آف کالاگوٹ قدرے توقف سے بولا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ میں بہت جلد ماہ پارہ کا سودا کرنے کی پوزیشن میں آجاؤں گا۔"

میں کوئی جواب دینے کی بجائے اسے گھورنے لگی۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ خان نے میرے گھر کے تہ خانے سے شاید ماہ پارہ کو بھی برآمد کر لیا ہوگا لیکن اس فقرے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ خان کے آدمیوں کے ہاتھ ماہ پارہ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔

میں نے خان کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ لرزتے دیکھی۔

"خوب!" میں نے دھیرے سے کہا۔ "گویا تم میرے عوض ماہ پارہ کا مطالبہ کرو گے!"

"تم دونوں کے عوض!" خان نے لفظ "دونوں" پر زور دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے لیے اب ماہ پارہ کی کیا اہمیت باقی رہ گئی ہے!"

"اب کا کیا مطلب ہوا؟ پہلے اس کی کیا اہمیت تھی؟"

"پہلے تو تم یہ نہیں چاہتے ہوگے کہ کہیں کسی پروفیسر منہاس کے تجربے کا علم ہو سکے۔"

"ہوں۔" خان نے سر ہلایا۔ "تم نے ٹھیک سوچا۔ پہلے تو میں واقعی صرف اسی نکتے پر سوچ رہا تھا لیکن اب صورتِ حال دوسری ہے۔"

"یعنی؟"

"کیا تم مفاہمت کی فضا میں گفتگو کرنے کے لیے تیار ہو؟"

"کیا مطلب!"

"اگر..."

اس وقت رضوان نے اتنے زور سے ڈکار لی کہ خان کالاگوٹ چونک گیا۔ رضوان نے ٹوسٹ اور انڈوں کا صفایا کرنے کے بعد ڈکار لی تھی اور اب ٹی پاٹ کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ اس نے میری یا خان آف کالاگوٹ کی طرف دیکھا تک نہیں کی تھی۔ اُس کی اس حرکت پر نہ صرف خان جھنجلایا بلکہ میں بھی بور ہوگئی تھی۔

بات کو بڑھنے سے روکنے کے لیے میں خان کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو خان!"

"میں۔" خان نے ایک طویل سانس لے کر رضوان کی طرف سے نظر ہٹالی اور مجھ سے کہا۔ "اگر تم ماہ پارہ کا پتا بتا دینے پر آمادہ ہو جاؤ تو میں بھی تمہیں بتا دوں گا کہ اب میرے لیے ماہ پارہ کی کیا اہمیت ہے۔"

"گویا مشروط؟"

"ہاں۔"

"اگر میں انکار کر دوں؟"

"تو میں ماہ پارہ کی اہمیت کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن تمہیں تو بالآخر ماہ پارہ کا پتا بتانا ہی پڑے گا۔ تم یہاں سے کسی قیمت پر بھی نہیں نکل سکتیں صبیحہ بانو! اس عمارت سے صرف وہی لوگ نکل سکے ہیں جنھوں نے میری بات مانی ہے۔ انکار کرنے والوں کے ڈھانچے اس عمارت میں اب بھی موجود ہیں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان کا دیدار بھی کرا سکتا ہوں۔"

"واہ!" رضوان نے ہانک لگائی۔ "کیا شاعرانہ بات ہے! ڈھانچوں کا دیدار! سبحان اللہ!"

"میرا خیال ہے۔" خان آف کالاگوٹ غرایا۔ "تمہارے اس مسخرے ساتھی کو ڈھانچے میں تبدیل کرنے کا انتظام تو میں مکمل کر ہی دوں۔"

"خان!" میں نے اس کے ذہن کو رضوان کی طرف سے ہٹانے کے لیے کہا۔ "میں تمہیں ماہ پارہ کے بارے میں ہرگز کچھ نہیں بتاؤں گی۔ تم آخر کب تک مجھے اس عمارت میں قید رکھ سکتے ہو؟"

"جب تک تم ڈھانچا نہ بن جاؤ!"

"کیا تم اتنا طویل انتظار کر سکو گے؟" میں مسکرائی۔

"کیا مطلب!" خان مجھے گھورنے لگا۔

...ا خیال ہے کہ تم اتنا طویل انتظار نہیں کر سکتے۔ تم جلد ماہ پارہ کو پانا چاہتے ہو۔"

...خان آف کالاگوٹ نے ایک طویل سانس لیا اور پھر مجھے ...بولا۔ "تو تمہیں اندازہ ہے کہ میں اس سلسلے میں جلدی ...ں۔"

...سامنے کی بات ہے۔"

...تو سنو!" خان کرسی سے کھڑا ہوگیا۔ "مجھے واقعی جلدی ...ہے... میں تمہیں شام تک کی مہلت دیتا ہوں۔ اچھی ...طرح سمجھ کر فیصلہ کر لو کہ تمہیں ان حالات میں کیا کرنا چاہیے! ...شام کو بھی تمہارا جواب انکار میں ہوا تو پھر تمہیں حد درجہ ...ناک اور اذیت ناک صورتِ حال کا سامنا کرنا ہوگا۔"

...اس کے بعد خان آف کالاگوٹ نے میرے جواب کا ...انتظار نہیں کیا۔ وہ تیزی سے دوسرے دروازے کی طرف ...بڑھا۔

"...سنو!" رضوان نے ہانک لگائی۔ "گھر پہنچ کر اپنی خیریت ...ضرور بھیجنا۔ دو فٹ تار بھی کافی ہوگا۔"

...خان آف کالاگوٹ ایک جھٹکے سے رکا۔ ایسا معلوم ہوا ...جیسے وہ پلٹ کر رضوان کے سلسلے میں کوئی سخت حکم صادر ...کرے گا جس کی تعمیل کرنے کے لیے اس کے دونوں آدمی حرکت ...میں آ جائیں گے لیکن پھر نہ جانے کیا سوچ کر وہ پلٹے بغیر آگے ...بڑھا اور دروازے سے نکل گیا۔

"ہائے!" رضوان نے ٹھنڈا سانس لیا۔ "بڑے بے مروت ...ہیں حسن والے۔"

...مجھے رضوان پر جھنجلاہٹ کے باوجود خان آف کالاگوٹ ...کے لیے "حسن والے" کی پھبتی پر ہنسی آگئی۔

جو شخص ہمیں یہاں لایا تھا بلند آواز میں بولا۔ "اب تم ...دونوں بھی واپس چلو!"

"چلو بھائی!" رضوان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "ہمارے ...محبوب کی رخصت کے بعد یہاں کیا خاک رونق رہ گئی ہے۔"

میں رضوان کا ہاتھ پکڑ کر اس دروازے کی طرف بڑھی جس ...سے ہم یہاں آئے تھے۔ وہ آدمی ہمیں راستہ دینے کے لیے ایک ...جانب ہٹ گیا۔ جب ہم دروازے سے گزر گئے تو وہ بھی ہمارے ...پیچھے پیچھے آنے لگا۔ اب ہم پھر اسی پتلی سی راہداری میں چل ...رہے تھے جس کے اختتام پر ہمارا قید خانہ تھا۔

اگر میں چاہتی تو ... کے بغیر بھی اس آدمی کو ٹھکانے لگا سکتی تھی جو ہمارا رہبر تھا لیکن اس کے بعد؟ ہمیں کچھ نہیں معلوم تھا کہ اس عمارت سے نکلنے میں ہمیں کن کن رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یقیناً وہ رکاوٹیں ایسی ہی ہو سکتی تھیں کہ ان سے گزرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہوتا۔ انہی رکاوٹوں کی وجہ سے خان آف کالاگوٹ کو بھی اطمینان ہوگا ورنہ وہ ایک تنِ تنہا شخص کو ہمارا محافظ یا رہبر نہ بناتا۔

جب وہ شخص ہمیں اس کمرے میں چھوڑ کر جانے لگا تو رضوان نے جلدی سے کہا۔ "سنو بھائی! یہ تو بتاتے جاؤ کہ دوپہر کے کھانے کا مینو کیا ہے؟"

اس شخص نے جواب دینے کی بجائے دھڑ سے دروازہ بند کیا اور پھر باہر سے قفل لگنے کی آواز سنائی دی۔

"لیلیٰ کم بخت تو لیلیٰ کا کتا بھی کم بخت۔" رضوان نے ٹھنڈا سانس لیا اور دھم سے بستر پر گر گیا۔

"اب مجھے تمہاری دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا ہے۔" میں اسے گھورتی ہوئی بولی۔

"شبہے کی وجہ؟" رضوان نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ "کیا محض اس لیے کہ تنہائی ملنے کے باوجود میں نے ابھی تک آپ سے اظہارِ عشق نہیں کیا!"

"خیر مجھ سے اظہارِ عشق کر کے تو تمہیں یقیناً جوتے کھانا پڑیں گے مگر خان سے تم جس طرح پیش آرہے تھے وہ تو سو فیصد احمقانہ فعل تھا۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ فی الحال ہم بالکل بے بس ہیں؟"

"کاش آپ کو عشق کی بے بسی کا بھی احساس ہو سکے!"

"کیا بات ہوئی!"

"مجھے خان آف کالاگوٹ کی مونچھوں سے عشق ہوگیا ہے۔" رضوان مضحکہ خیز سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "جب وہ غصے سے لرزتی ہیں تو مجھے وہ کتیا یاد آجاتی ہے جو لنکا شائر میں میری کار کے نیچے آکر مر گئی تھی۔"

"تمہارا دماغ ضرور چل گیا ہے۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"چل نہیں گیا بلکہ دوڑ گیا ہے۔"

"مجھے یقین ہے۔" میرا منہ بنا رہا۔ میں ان حالات میں رضوان سے سنجیدگی کی توقع کر رہی تھی لیکن وہ مسلسل بہک رہا تھا۔ میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس کٹھن صورتِ حال سے

نپٹنے کے لیے رضوان سے مشورہ کرنے کی بجائے صرف اپنے طور پر سوچوں۔

جب میں نے رضوان کی بے تکی باتوں کو فراموش کر کے اپنے طور پر سوچنے کا فیصلہ کیا تو میرے ذہن میں پہلا سوال یہ اُبھرا کہ اس وقت رضیہ کیا سوچ رہی ہوگی؟ اُسے اس بات کا علم تو میری ملازماؤں سے ہوگیا ہوگا کہ کل رات میرے گھر پر کیا واقعہ پیش آیا تھا اور وہ واقعہ معلوم ہونے کے بعد وہ سمجھ گئی ہوگی کہ مجھے اور رضوان کو اغوا کرنے والے خان آف کالاگوٹ ہی کے آدمی ہو سکتے ہیں۔ اب رضیہ اس فکر میں ہوگی کہ کسی طرح ہم تک پہنچ جائے لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب وہ خان آف کالاگوٹ کا تعاقب کر سکے۔ اگر خان آف کالاگوٹ اسی مقام تک پہنچنے کے لیے ہیلی کوپٹر استعمال کرتا رہا ہے تو اس بات کا قوی امکان تھا کہ رضیہ ہم تک پہنچ جائے گی۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ ایسے ہنگامی حالات میں وہ بڑی تیزی و طراری کا ثبوت دیتی ہے۔ وہ ایسی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کر ہی لیتی کہ ہم تک پہنچ جائے لیکن اس میں کچھ دیر لگنے کا احتمال ضرور تھا۔ یہ بات ممکن تھی کہ وہ آج رات کی بجائے کل رات یہاں پہنچتی جب کہ خان آف کالاگوٹ نے مجھے صرف آج رات تک کا وقت دیا تھا۔

ماہ پارہ میرے گھر کے تہ خانے میں قید تھی اور یہ ناممکن تھا کہ میں خان آف کالاگوٹ کو اس کے بارے میں بتا دیتی لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہ فکر بھی لاحق تھی کہ رضوان کی عدم موجودگی کے باعث میری ملازمۂ خاص، ماہ پارہ کو خورد و نوش کا سامان پہنچانے کے لیے جب تہ خانے میں جائے گی تو عین ممکن ہے کہ ماہ پارہ، رضوان کو نہ پا کر آپے سے باہر ہو جائے اور تہ خانے سے نکلنے کی کوشش کرے۔ وہ تہ خانے کی قید سے عاجز تو تھی ہی اور یہ بات مجھے رضوان بتا چکا تھا۔

غرض یہ کہ جب میں نے سوچنا شروع کیا تو بہت سی الجھنیں میرے ذہن میں در آئیں اور فوری طور پر ان کا کوئی حل بھی میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔

میں نے رضوان کی طرف دیکھا جو میری طرف ایسے انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے مجھے کچا چبا جائے گا۔

میں حیرت سے بولی "کیا دیکھ رہے ہو؟"

"تمہاری خبیث صورت!" رضوان چیخ کر بولا۔

میں بھونچکا رہ گئی۔ رضوان کا یہ طرزِ تخاطب میرے لیے دھماکے سے کم نہیں تھا۔ اُس نے کبھی اس طرح [illegible] نہیں کی تھی۔

"تم بہت گھٹیا عورت ہو۔" رضوان دانت پیستا [illegible] "تمہاری وجہ سے مجھے ہمیشہ مشکلات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ [illegible] جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں مار ڈالوں۔ اپنے ہاتھوں سے تمہارا [illegible] گھونٹ دوں۔"

"تمہارا دماغ تو سچ مچ چل گیا ہے!" میں غرّاتی ہو[illegible] ہوگئی۔

"ہاں سچ مچ چل گیا ہے میرا دماغ۔" رضوان [illegible] "تم برسوں سے مجھے بے وقوف بناتی چلی آ رہی ہو اور [illegible] محبت میں بے وقوف بنتا چلا آ رہا ہوں۔ جب سے مجھے [illegible] آیا ہے، میں جھلاہٹ کا شکار ہوں اور مسلسل یہ سو[illegible] کہ تم محبت کے معاملے میں مجھے بے وقوف بنا کر ہمیشہ اپنا [illegible] کرتی رہی ہو۔ تم نے ہمیشہ مجھے اپنا آلۂ کار بنایا ہے اور [illegible] میں پھنستا رہا ہوں۔ آج مجھے یقین آگیا ہے کہ خان آف کالا[illegible] جیسی شخصیت سے ٹکر لینا تم جیسی عورتوں کے بس کی [illegible] نہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ اب میں اس معاملے میں [illegible] کالاگوٹ کا ساتھ دوں۔"

"کیا بکواس کیے جا رہے ہو؟" غصے کی وجہ سے [illegible] لہجے میں ارتعاش پیدا ہو گیا۔

"یہ بکواس نہیں ہے۔ میں خان آف کالاگوٹ کو [illegible] کے بارے میں بتا دوں گا۔"

"رضوان!" میں غصے سے کانپتی ہوئی بولی "اپنے [illegible] کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرو۔"

"میرا دماغ بالکل قابو میں ہے۔"

"یہ مت بھولو کہ میں تمہاری ساری ہڈیاں پیس [illegible] ہوں۔"

"میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر تمہیں [illegible] اٹھانا پڑے گا۔ میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو [illegible] تمہارے ہاتھوں پٹتے رہے ہیں۔ ابھی تمہیں تجربہ نہیں ہوا [illegible] کیا ہوں۔"

مجھے رضوان پر غصہ تو آ رہا تھا لیکن میں متعجب [illegible] یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں رضوان کے منہ سے جو کچھ سن [illegible] ہوں، وہ حقیقت ہے۔ کبھی میرے سان گمان میں بھی [illegible]

[illegible] تھا کہ رضوان مجھ سے اتنے ہتک آمیز طریق پر گفتگو کر سکتا [illegible]

[illegible] ضوان فیصلہ کن انداز میں بولا "مجھے اب تم سے یا تمہارے [illegible] سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میں خان آف کالاگوٹ کو [illegible] کا پتا بتا دوں گا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ جس جگہ ماہ پارہ کو رکھا [illegible] جگہ ایسی نہیں جس کا پتا بتایا جا سکے یا خان آف کالاگوٹ [illegible] میرے پتے کو سمجھ سکے لیکن یہ تو ممکن ہے کہ میں خود خان [illegible] ٹ کو اس جگہ لے جاؤں جہاں ماہ پارہ قید ہے۔"

[illegible] وان کی ان باتوں نے مجھے اور چونکا دیا۔ میں اسے گھورنے [illegible] نے ایک ایسی بات کہی تھی جس کا کوئی سر پیر ہی نہیں [illegible] پارہ جس جگہ قید تھی، اس جگہ کا پتا بتانے میں کوئی پیچیدگی [illegible] سمجھنے میں کوئی دشواری ہو سکتی تھی۔

[illegible] رہی ہو صبیحہ بانو!" رضوان زہر لے کر بولا "میں اب [illegible] کالاگوٹ کو اس ویرانے میں ضرور لے جاؤں گا جہاں [illegible] کٹیا میں ماہ پارہ کو قید کر رکھا ہے۔"

[illegible] طرح اچانک بجلی کا کوندا لپک جاتا ہے، اسی طرح [illegible] یکلخت میرے دماغ میں آگئی اور مارے محبت کے [illegible] میرا جی چاہا کہ رضوان کو چوم لوں۔ رضوان نے خان آف [illegible] کو پھانسنے کے لیے اچھی خاصی پلاننگ کر ڈالی تھی۔ غالباً [illegible] یہ تھا کہ اس کمرے میں کوئی خفیہ مائکروفون ضرور [illegible] کمرے میں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ خان آف [illegible] کوئی آدمی ضرور سن رہا ہوگا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ [illegible] کروفون کے علاوہ کوئی پوشیدہ ٹیلیویژن آئی بھی ہو جس [illegible] ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھی جا رہی ہو۔ اسی اندیشے کے [illegible] نے مجھے کوئی اشارہ بھی نہیں کیا تھا جس سے میں سمجھ سکتی [illegible] کھیل رہا ہے۔

[illegible] جبکہ میں رضوان کا مقصد سمجھ چکی تھی، تو یہ ضروری ہو گیا [illegible] اس ڈرامے میں اپنے کردار کو بھرپور بناؤں۔ میں نے رضوان [illegible] ہوئے کہا "اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھو اور سوچو کہ تم کیا کہہ [illegible] نے جو کچھ بھی کہا ہے، بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے۔" رضوان [illegible] تم اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر لو تو بہتر ہوگا۔"

[illegible] رضوان کا انداز بڑا تیکھا تھا۔

"ورنہ" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا "ورنہ مجھے بھی بعد میں افسوس ہوگا کہ میں نے تمہارے ہاتھ پیر توڑ ڈالے۔"

"یہ دم خم ہیں!" رضوان نے بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں اس کے سوا کر بھی کیا سکتی ہوں۔ میں تمہیں اس قابل نہیں رہنے دوں گی کہ تم خان آف کالاگوٹ کو ماہ پارہ تک لے جا سکو!"

"آؤ تو پھر یہ حسرت بھی پوری کر لو!" رضوان نے ایک قدم میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "آج میں بھی دیکھ لوں گا کہ تم جوڈو کراٹے کی کتنی بڑی ماہر ہو۔"

"رضوان! اپنی شامت کو دھکا نہ دو تو بہتر ہے۔"

"نہیں صبیحہ بانو! آج تو یہ معرکہ ہو کر رہے گا۔ یہی بہانہ سہی، آج میں وہ آگ بھی بجھا لینا چاہتا ہوں جو برسوں سے میرے سینے میں دہک رہی ہے۔ تم نے مجھے بہت تڑپایا ہے۔ آج تمہیں کم از کم ایک مرد کی برتری کا تو قائل ہونا ہی پڑے گا۔"

میں حقارت آمیز انداز میں ہنس پڑی۔

"ابھی تمہاری ہنسی، تمہاری کراہوں میں تبدیل ہو جائے گی۔" رضوان یہ کہتا ہوا میری طرف جھپٹا۔

اِدھر اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں یہ معرکہ آرائی بے سود ہی ثابت نہ ہو۔ یہ ہماری خام خیالی بھی ہو سکتی تھی کہ اس کمرے میں خفیہ مائکروفون یا خفیہ ٹیلیویژن آئی ہو سکتی ہے۔ ان دونوں چیزوں کی عدم موجودگی کے باعث یہ سارا ڈراما فلاپ ہی ہوتا اور اس ڈرامے میں جان ڈالنے کے لیے مجھے اور رضوان کو، چوٹیں بلاوجہ ہی کھانا پڑتیں۔

رضوان نے قریب آتے ہی مجھے اپنی گرفت میں جکڑ لینا چاہا لیکن میں نے اپنی دائیں ٹانگ کو اتنی تیزی سے حرکت دی کہ رضوان اس سے الجھ کر چِت گرا۔

"یہ پہلا سبق ہے۔" میں نے بڑے اطمینان سے کہا "اب بھی اگر تمہیں ہوش نہ آیا تو یہ تمہاری بدنصیبی ہوگی۔"

رضوان کوئی جواب دینے کی بجائے بڑی پھرتی سے اُٹھا اور کسی ارنے بھینسے کی طرح تیر کی مانند میری طرف آیا۔ میں نے تیزی سے اس کی زد سے نکل جانا چاہا لیکن رضوان یہ بات پہلے ہی سوچ چکا تھا کہ میں ایسا کروں گی چنانچہ وہ دانستہ، بائیں پہلو کے بل اس طرح سلپ ہوا کہ اس کی دونوں ٹانگیں میرے پیروں تک پہنچ گئیں۔ اس نے بڑی تیزی سے اپنی دونوں ٹانگوں کو میری پنڈلیوں میں الجھا کر اس طرح کروٹ لی کہ میں اس کے اُوپر گری اور اس نے دونوں ہاتھوں سے میری گردن دبوچ لی۔

ابھی تک کوئی بھی اس کمرے میں نہیں آیا تھا جبکہ میں چاہتی تھی کہ جلد از جلد کوئی دخل اندازی کرے اور ہم دونوں زیادہ چوٹیں کھانے سے محفوظ ہو جائیں۔ ویسے اگر دخل اندازی نہ ہوتی تو بھی اس ڈرامے سے کم از کم ایک فائدہ ضرور ہوتا۔ ہمیں یہ یقین ہو جاتا کہ اس کمرے میں خفیہ مائکروفون وغیرہ فٹ نہیں ہیں اور اس یقین کے بعد ہم بے خوف و خطر ہر قسم کی گفتگو کر سکتے تھے۔

رضوان نے میری گردن بڑے زور سے دبائی تھی لیکن جیسے ہی میں نے اپنی دونوں کہنیاں اس کے سینے پر رکھ کر بھرپور دباؤ ڈالا رضوان کے مُنہ سے چیخ نکل گئی اور اس طرح مجھے محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً گلوخلاصی ہو گئی۔ میں نے اپنے جسم کو رضوان کے جسم پر اس طرح اُچھالا جیسے اسپرنگ والے گدّے پر اچھلا جا سکتا ہے۔

اس طرح میں کسی سہارے کے بغیر اپنے پیروں پر سیدھی کھڑی ہوئی اور پھر فوراً ہی دوبارہ اچھلی۔ اس دفعہ میرا ہدف رضوان کا سینہ تھا لیکن وہ بڑی تیزی سے کروٹ لے کر میری زد سے نکل گیا۔ اب میں فوراً ہی اس کی کمر پر کودی اور پھر ایک کھڑا ہاتھ رضوان کے شانے پر مارا۔ یہ ہاتھ میں نے جان بوجھ کر ذرا ڈھیلا رکھا تھا ورنہ رضوان کے شانے کی ہڈی، دوسری مرتبہ فریاد کرنے کے قابل نہیں رہ جاتی، پھر بھی وہ ضرب اتنی شدید تھی کہ رضوان کے مُنہ سے چیخ نکل گئی۔

ٹھیک اسی وقت کمرے کا دروازہ ایک پُرشور آواز کے ساتھ کھُلا اور کئی آدمی اندر گھُستے چلے آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"خبردار!" وہ گرجا۔ "تم دونوں فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ!"

میں نے چونکے ہوئے انداز میں مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر فوراً رضوان کو چھوڑ کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

رضوان پھرتی سے اُٹھا اور غصّے میں بھرا ہوا میری طرف لپکا لیکن فوراً ہی دو آدمی ہمارے بیچ میں حائل ہو گئے۔ انھوں نے رضوان کے دونوں بازو پکڑ لیے۔

"بس اب جھگڑا ختم!" ریوالور والے نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

رضوان کھا جانے والی نظر سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"اسے ساتھ لے چلو!" ریوالور والے نے ان دونوں آدمیوں سے کہا جو رضوان کو پکڑے ہوئے تھے۔

"میں خود بھی تم لوگوں کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔" رضوان نے کہا۔ "مجھے جلد از جلد تمھارے باس سے ملنا ہے۔"

"رضوان!" میں نے للکارنے والے انداز میں کہا۔ "تم ... حماقت کرنے جا رہے ہو اور میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی!"

رضوان نے بڑی حقارت سے میری طرف تھوک دیا ... جانے کے لیے دروازے کی طرف مُڑا۔

ان لوگوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور رضوان ... کر چلے گئے۔ دروازہ باہر سے مقفل کر دیا گیا۔

میں چند لمحے اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی دروازے کی طرف دیکھتی رہی اور پھر آگے بڑھ کر تھکے ہوئے انداز میں ... اوندھی ڈھیر ہو گئی۔ اب میرے ہونٹوں پر خفیف سی ... کھیل رہی تھی۔ رضوان کی اس پلاننگ نے میرا جی خوش ... اب میں یہاں تنہا تو رہ گئی تھی لیکن اس بات کا ... پیدا ہو گیا تھا کہ رضوان یہاں سے نکلنے کے بعد میرے ... سکے گا۔ اب سارا انحصار اس بات پر تھا کہ خان آف ... رضوان پر کس حد تک اعتماد کر سکتا ہے؟

میں بستر پر اوندھی لیٹی ہوئی اس ڈرامے پر ... جو ذرا دیر قبل اس کمرے میں کھیلا گیا تھا۔ میں ... کہہ سکتی تھی کہ رضوان دل ہی دل میں مجھے اس وقت ... بُرا بھلا کہہ رہا ہوگا۔ دراصل میرے ہاتھوں اُسے دو ... ضربیں بھی پہنچ گئی تھیں لیکن میں ایسا کرنے پر مجبور تھی ... ایسا نہ کرتی تو وہ ڈراما جاندار نہ بن پاتا۔ ویسے رضوان ... بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس ... گردن اس بُری طرح دبوچی تھی کہ اس کی انگلیوں کی ... میری گردن میں اب تک جلن ہو رہی تھی۔

دوپہر تک میں بستر ہی پر لیٹی رہی۔ اس کے علاوہ ... بھی کیا سکتی تھی؟ مجھے کسی ایسے ردِّعمل کا انتظار تھا ... کے کسی عمل کا نتیجہ ہوتا۔

دوپہر کو کمرے کا دروازہ کھُلا تو میں نے غور ... کی طرف دیکھا لیکن صورتِ حال کی کسی خاص تبدیلی کا اندازہ ... لگا سکی۔ وہ شخص میرے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔ کھانے کی ... تپائی پر رکھ کر وہ مجھ سے بولا۔ "باس کا پیغام آیا ہے ... وقت کھانے پر آپ کا ساتھ دینے نہیں آ سکیں گے لہٰذا ... اکیلی ہی کھانا کھا لیں۔"

پھر وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر واپس ... میں نے اسے پکارا۔ "سنو!"

وہ پلٹا۔ "جی!"

"کیا کھانے سے قبل دخترِ رز کا بندوبست ممکن ہے؟"

"مجھے اس سلسلے میں ہدایت لینا پڑے گی۔"

"کس سے؟"

"ماسٹر سے۔"

"ماسٹر کون؟"

"جو یہاں کا انچارج ہے۔"

"یہ کون سی عمارت ہے؟"

میرا خیال تھا کہ وہ بے اختیاری میں میرے اس سوال کا ... دے بیٹھے گا لیکن میرا یہ اندازہ قطعی غلط ثابت ہوا۔ اس ... قدرے رُک کر کہا۔ "میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"اچھا!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "تم اپنے ماسٹر ... پوچھ لو۔"

"میں جا کر معلوم کرتا ہوں۔ اگر مجھے اجازت مل گئی تو میں دس ... منٹ میں مطلوبہ شے لے آؤں گا اور اگر میں نہ آؤں تو آپ سمجھ ... لیجیے گا کہ اجازت نہیں ملی۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ شخص چلا گیا۔ اس کا انداز نہایت خادمانہ ہی تھا۔ ... لہٰذا ان لوگوں کو ہدایت کر دی گئی ہو گی کہ میرے ساتھ کوئی سخت ... برتاؤ نہ کیا جائے۔

دس منٹ کی بجائے پندرہ منٹ گزر گئے لیکن وہ آدمی ... واپس نہیں آیا۔ میں سمجھ گئی کہ اسے اجازت نہیں ملی ہو گی۔

میں نے کھانا کھایا اور پھر بستر پر لیٹ گئی۔ اب وقت ... گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی بھی بڑھ رہی تھی۔ رضوان ... سے جدا ہوئے تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ میرے اندازے کے مطابق ... اب تک کچھ نہ کچھ ہو جانا چاہیے تھا لیکن کچھ نہیں ہوا تھا۔

تیسرے پہر کا وقت ہو گیا لیکن صورتِ حال میں کوئی تبدیلی ... نہیں ہوئی۔ اب میرا ذہنی انتشار خاصا بڑھ چکا تھا۔ میں اٹھ کر ... کمرے میں ٹہلنے لگی۔

چھ بجے کے قریب کمرے کا دروازہ پھر کھُلا اور وہی ... شخص اندر آیا جو دوپہر کو میرے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔

"آپ کے لیے ایک خط ہے۔" اس نے ایک لفافہ میری طرف ... بڑھایا۔

"کس کا خط ہے؟" میں نے تعجب سے پوچھا اور لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"پڑھ کر دیکھ لیجیے!" اس نے کہا اور کھانے کے خالی برتن اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔ میں نے فوراً لفافہ چاک کر کے اس میں سے وہ سفید کاغذ نکال لیا جس پر ٹائپ میں یہ عبارت درج تھی۔

صبیحہ بانو! تمھارا ساتھی بہت چالاک ثابت ہوا۔ وہ میرے آدمیوں کو ڈاج دے کر نکل جانے میں کامیاب ہو چکا ہے مگر یقین جانو کہ وہ اب بھی تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکے گا۔ وہ اب بھی اس بات سے بے خبر ہے کہ تم کہاں ہو۔ یہ اطلاع میں تم کو اس لیے دے رہا ہوں کہ تم اطمینان سے بیٹھی نہ رہو بلکہ سوچو کہ تمھیں کیا فیصلہ کرنا ہے۔ رات کے کھانے پر میں تم سے ملاقات کروں گا اور تمھارا جواب سننے کے بعد مجھے اپنا لائحۂ عمل طے کرنا ہے۔ تم دونوں نے جو ڈراما کھیلا، وہ واقعی خوب صورت تھا۔ میری طرف سے مبارک باد!

"خان"

وہ خط پڑھ کر میں ذرا دیر تک سکتے کی سی حالت میں کھڑی رہ گئی۔ وہ جو میں نے اُمیدوں کی ایک چھوٹی سی عمارت بنائی تھی جیسے ایک زلزلے کا شکار ہو کر منہدم ہو گئی۔ صرف اتنی بات تو اطمینان بخش تھی کہ رضوان اس قید خانے سے نکل گیا تھا اور اب وہ زہنیہ سے مل کر گویا ایک اور ایک گیارہ بن جاتا لیکن یہ بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی تھی کہ گیارہ کا وہ ہندسہ میرے لیے کب بارآور ثابت ہو سکے گا۔ وقت تو بہت کم رہ گیا تھا۔ رات قریب تھی اور مجھے خان آف کالاگوٹ کو جواب دینا تھا۔ میرے منفی جواب کا ردِّعمل یقیناً میرے لیے کوئی پریشانی لاتا۔ مجھے رات تک کی مہلت دینے کا مطلب ہی یہ تھا کہ اس کے بعد خان آف کالاگوٹ کوئی سخت قدم اٹھاتا۔

میں نے خط پھاڑ کر ایک طرف پھینک دیا اور بیٹھی سوچتی رہی کہ اب میں اپنے طور پر کیا قدم اٹھا سکتی ہوں جبکہ میں رات کا اور خان آف کالاگوٹ کی کارروائی کا انتظار کروں یا اس سے پہلے ہی کچھ کر گزرنے کی کوئی کوشش کی جائے؟ پھر سب سے اہم سوال یہ تھا کہ کیا کوشش کی جا سکتی ہے؟

اس پہلو پر غور کرتے ہوئے مجھے کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ایک بار پھر کمرے کا دروازہ کھُلا اور اسی آدمی کی شکل نظر آئی جو دوپہر کو میرے لیے کھانا اور کچھ دیر پہلے خان آف کالاگوٹ کا خط لایا

تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے دیکھی اور اس ٹرے میں تمام مطلوبہ لوازمات موجود تھے۔

وہ بولا "ماسٹر نے باس سے آپ کی اس خواہش کا ذکر کیا تھا اور باس سے ماسٹر کو اس کی اجازت مل گئی کہ آپ کو مطلوبہ شے فراہم کر دی جائے۔"

"ویری گڈ!" میں نے مسکرا کر کہا۔ میں سمجھ گئی تھی کہ خان آف کالا گوٹ نے مجھ پر یہ عنایت کیوں کی تھی۔ اس نے سوچا ہو گا کہ نشہ ہو جانے کے بعد ممکن ہے، میں اپنی قوتِ ارادی پر قابو نہ رکھ سکوں اور اُسے وہ سب کچھ بتا دوں جو وہ مجھ سے معلوم کرنا چاہتا تھا۔

ٹرے تپائی پر رکھنے کے بعد جب وہ جانے لگا تو اچانک میں نے ایک فیصلہ کر ڈالا۔ اس فیصلے کے کسی پہلو پر غور کرنے کی مہلت نہیں تھی ورنہ شاید میں وہ فیصلہ نہ کرتی۔

میں بجلی کی طرح اس شخص پر کوند گئی اور کراٹے کا صرف ایک ہاتھ اُسے بے ہوش کرنے کے لیے کافی تھا۔ پھر میں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اور جست لگا کر کمرے سے نکل گئی۔ میں دیر اس لیے نہیں کر سکتی تھی کہ کمرے میں پوشیدہ ٹیلیویژن آئی نے "کسی" کو اس بات سے باخبر کر دیا ہو گا کہ میں کیا حرکت کر چکی ہوں۔ اب اس سے پہلے کہ وہ لوگ میری راہ مسدود کرنے کی کوشش کرتے، مجھے وہاں سے نکل جانا چاہیے تھا۔ میں نے دوڑتے ہوئے راہداری طے کی اور آہنی دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ جیسے ہی دھاتی پلیٹ پر میرے جسم کا دباؤ پڑے گا، آہنی دروازہ کھل جائے گا لیکن ہوا یہ کہ جیسے ہی دھاتی پلیٹ پر میرا پہلا قدم پڑا، میں ایک شدید جھٹکا کھا کر پیچھے کی طرف گری۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جھٹکے نے مجھے بُری طرح بوکھلا دیا تھا اور میں کوئی ایک منٹ تک راہداری کے فرش پر چت پڑی رہی تھی۔

اس ایک منٹ کے بعد میرے سنبھلتے ہوئے دماغ نے کچھ کام شروع کیا اور یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ اس دھاتی پلیٹ میں کرنٹ دوڑ رہا تھا اور وہ برقی رَو اتنی طاقت ور تھی کہ اس نے مجھے کسی گڑیا کی طرح اچھال دیا تھا۔

میں فرش سے اٹھی اور دیوار کے سہارے کھڑی ہو گئی۔ میری پنڈلیاں اب تک سنسنا رہی تھیں۔ میں ہونٹ بھینچ کر اس دھاتی پلیٹ کو اس طرح غصے سے گھورنے لگی جیسے وہ کوئی ذی رُوح دشمن ہو۔

یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس دھاتی پلیٹ میں اچانک برقی رَو کہاں سے آ گئی؟ اس سوال کے دو جواب ممکن یہ کہ ٹیلیویژن آئی کے ذریعے جس نے بھی مجھے فرار ہو اس نے کوئی خاص بٹن دبا دیا ہو گا جس کے دبتے ہی میں برقی رَو جاری ہو گئی ہو گی اور یا پھر اس دھاتی گزرنے والے کو اسے عبور کرنے سے پہلے کوئی ایسا عمل کرنا جس کے نتیجے میں برقی رَو کا سلسلہ وقتی طور پر منقطع ہو جاتا ہو۔

بہر حال، بات جو کچھ بھی ہو فرار کی میری یہ پہلی کوشش نا چکی تھی۔

دفعتاً آہنی دروازہ کھلا اور مجھے ایک آدمی نظر آیا۔ شخص تھا جو آج صبح مجھے اور رضوان کو خان آف کالا گوٹ کے ناشتہ کرانے لے گیا تھا۔

"یہاں سے کبھی کوئی فرار نہیں ہو سکا صبیحہ بانو!" وہ آگے آیا اور ظاہر ہے کہ آگے آنے کے لیے اُسے اس دھا پر سے گزرنا پڑا لیکن اس پر برقی رَو کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوا۔ نے مزید کہا "اپنے کمرے میں واپس چلو صبیحہ بانو!"

میں اس کے سوا کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔ میں واپسی کے مُڑ گئی۔ میرے پیچھے پیچھے وہ بھی کمرے میں چلا آیا۔

جس شخص کو میں نے بے ہوش کیا تھا، وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا۔ میرے پیچھے آنے والے نے اسے بے ہوشی ہی کے عا میں اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا اور کمرے سے نکل گیا۔

باہر سے دروازہ ایک بار پھر مقفل ہو چکا تھا اور میرے ذہن پر ناکامی کی جھنجلاہٹ طاری تھی۔ اس جھنجلاہٹ میں مجھے دخترِ رز ہی یاد آئی۔ دو تین گلاس میں نے شاید صرف پون گھنٹے میں پی ڈالے تھے۔ تیسرا گلاس ختم کرنے کے بعد میں نے خود کو سنبھالا اور اس انداز میں سوچنے کا آغاز کیا کہ جھنجلاہٹ کبھی کسی مسئلے کا حل نہیں سوچ کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر دراز ہی ہوتا چلا گیا۔ مجھ جیسی عورت کے لیے دخترِ رز کی یہ مقدار اتنی نہیں تھی کہ میرا دماغ سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہ جاتا۔

اب رات ہو چکی تھی لیکن مصنوعی روشنی کے باعث وہاں کے ما میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اب کسی وقت بھی خان آف کالا گو کا بلاوا آ سکتا تھا۔ میں اب تک کوئی ایسی تدبیر نہیں سوچ سکی تھی اس قید خانے سے نجات حاصل کر سکتی لیکن میں نے ایک کام کرنے فیصلہ ضرور کر ڈالا تھا۔

میں نے بستر کی چادر اٹھائی اور بلا تاخیر بوتل گدے پر اُ

اس طرح میں خان آف کالا گوٹ پر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ میں بوتل خالی کر دی ہے اور میں بہت زیادہ نشے میں ہوں لیکن میری کوشش صرف اسی صورت میں بار آور ہو سکتی تھی جب اس کمرے میں ٹیلیویژن آئی موجود نہ ہو۔ ابھی تک تو اس کا اندیشہ رہا تھا کہ یہاں مائکرو فون اور خفیہ ٹیلیویژن آئی موجود ہو گی لیکن اب میں اپنے میں آنے والے اس امکان کو آزمانا چاہتی تھی کہ شاید ٹیلیویژن نہ ہو، صرف خفیہ مائکرو فون ہی ہو۔ ابھی تک جو کچھ ہو چکا تھا، اس ٹیلیویژن آئی کی موجودگی ثابت نہیں ہوئی تھی، البتہ خفیہ مائکرو فون ہونا یقینی تھا۔ اگر وہ بھی نہ ہوتا تو وہ لوگ میرے اور رضوان کے جھگڑے آگاہ کیسے ہوتے؟ اب اگر میرا یہ نیا منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو یہ بات ثابت ہو جاتی کہ اس کمرے میں ٹیلیویژن آئی موجود نہیں ہے۔

بوتل میں میں نے صرف ایک چوتھائی چھوڑی تھی اور اس کا ڈھکنا یا۔ میں نے گدے پر جو شراب انڈیلا تھا وہ گدے میں جذب یا تھا۔ چادر کو دوبارہ اس پر بچھا کر میں نے اس کے گیلے پن کو پوشیدہ بلباب میں نے بوتل میں بچے ہوئے مشروب سے ایک چھوٹا سا گلاس یا اور اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔ میں چاہتی تھی کہ جب ئی مجھے لینے آئے تو پیتا ہوا دیکھے۔

میں تصور کرنے لگی کہ اس وقت رضوان اور رضیہ سر جوڑے بیٹھے ہوں گے یا سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کے بعد انھوں نے کسی پروگرام پر عمل شروع کر دیا ہو گا۔ ممکن ہے کہ جلد ہی وہ مجھے رہائی دلانے لیے یہاں پہنچ جاتے لیکن میں صرف ان پر تکیہ نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے اپنے طور پر بھی کچھ کر گزرنے کی کوشش سے پہلو نہیں بچانا تھا۔

بجے کے قریب جب کمرے کا دروازہ کھلا تو میں اس کے کھلنے کی آواز کو سنتے ہی گلاس مُنہ سے لگا چکی تھی۔ جب وہ آدمی اندر آیا تو میں جھومتی ہوئی پی رہی تھی۔

یہ وہی شخص تھا جو آج صبح مجھے اور رضوان کو خان آف کالا گوٹ پاس لے گیا تھا۔ اس نے حیرت کے ساتھ بوتل کی طرف دیکھا اور "یہ سب پی گئیں؟"

"سب؟... سب کہاں؟" میں نے جھومتے ہوئے کہا "ابھی میں دو... دو گلاس... باقی ہیں۔"

"میں نے تم جیسی پینے والی عورت کبھی نہیں دیکھی!" وہ ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔

"تو اب دیکھ لو!" میں نے ایک بھرپور انگڑائی لیتے ہوئے کہا نشیلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ میں مسکرائی بھی کچھ اس انداز میں تھی جیسے خود کو اس کے سپرد کرنے کے لیے پوری طرح آمادہ ہوں۔

اس کی نگاہ میرے جسمانی خدوخال میں الجھی اور میں نے دیکھا کہ وہ اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا تھا۔ یقیناً میری حرکت نے اس کے جسم میں کچھ سنسناہٹوں کو بیدار کر دیا ہو گا لیکن پھر فوراً ہی مجھے اس کے چہرے پر ایسا تاثر نظر آیا جیسے وہ کسی خواب سے چونکا ہو۔ اس نے جلدی سے کہا "کھانے کی میز پر خان آپ کے منتظر ہیں۔"

"اوہ... گڈ! مجھے بھوک بھی لگ رہی ہے۔ چلو!" میں کھڑی ہوتی ہوئی بولی اور وہ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

میں راہداری میں ڈگمگاتے قدموں سے اس کے پیچھے چلنے لگی۔ اس نے صرف ایک مرتبہ مُڑ کر میری طرف دیکھا اور پھر سیدھا چلتا رہا۔ میرے ذہن میں اُس وقت صرف یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ آہنی دروازے کے سامنے لگی ہوئی دھاتی پلیٹ میں کیا اس وقت بھی کرنٹ دوڑ رہا ہو گا؟ اور کیا اس برقی رَو کو منقطع کرنے کے لیے میرے رہبر کو کوئی خاص حرکت کرنا پڑے گی؟

میں بڑے انہماک سے اپنے رہبر پر نظر رکھے رہی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کوئی معمولی سی حرکت بھی میری نظر سے پوشیدہ رہ جائے۔ میرا یہ انہماک اس وقت واقعی بڑے کام آ گیا۔ میں نے اپنے رہبر کی ایک عجیب سی حرکت دیکھی۔ اس نے دھاتی پلیٹ پر قدم رکھنے سے پہلے اس پلیٹ کے بائیں کونے پر اپنے بائیں پیر کے جوتے کی ایڑی کا دباؤ ڈالا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنا دایاں پیر، دھاتی پلیٹ پر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی آہنی دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔

اوہ گاڈ! میرا ذہن چیخا۔ شاید اس برقی رَو کا سلسلہ منقطع کرنے کی یہی تدبیر ہے کہ اس پر قدم رکھنے سے قبل اس پلیٹ کے بائیں کونے کو دبا دیا جائے۔

جب میں اس پلیٹ پر سے گزری تو میں نے اپنا پہلا قدم دھاتی پلیٹ کے اسی کونے پر رکھا اور یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی کہ اس کونے کا کچھ حصہ دھات کی طرح سخت نہیں بلکہ ربر کی طرح نرم تھا۔

دوسری طرف کمرے میں ڈائننگ ٹیبل کے سرے کی کرسی پر میرا "میزبان" موجود تھا۔ اس نے حسب معمول مجھے خوش آمدید کہا اور بڑے غور سے میرے ڈگمگاتے قدموں کا جائزہ لیا۔

"تم نے بہت زیادہ پی لی ہے صبیحہ بانو؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"نہیں تو!" میں نشے کی سی حالت میں ہنس پڑی "میں نے کچھ زیادہ تو نہیں پی۔"

"جناب!" میرا رہبر بول پڑا "بوتل میں مشکل سے تھوڑی سی بچی ہو گی۔"

"خوب!" خان آف کالاگوٹ کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ ابھری جیسے یہ معلوم کر کے اسے خوشی ہوئی ہو۔

اِدھر میں بھی دل ہی دل میں اس بات پر خوش ہو رہی تھی کہ اس کمرے میں ٹیلیویژن آئی پوشیدہ نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو یہ لوگ اس بات سے آگاہ ہو جاتے کہ میں نے دختِ رز کا بڑا حصہ بستر کے گدّے کو "پلا" دیا تھا۔

میں خان آف کالاگوٹ کی اجازت کے بغیر ڈائننگ ٹیبل کے دوسرے سرے کی کرسی پر بیٹھ گئی اور رکابیوں کی طرف دیکھتی ہوئی بولی "یہ خوشبوئیں تو میری اشتہا کو اور بڑھا رہی ہیں۔"

"شروع کر دو!" خان نے کہا اور خود بھی ایک رکابی کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

کھانے کے دوران میں ہم دونوں نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ میں اس طرح کھانے میں مصروف ہو گئی تھی جیسے خان آف کالاگوٹ کی موجودگی کو بھول گئی ہوں۔ میں اس وقت نشے میں ہونے کی بہت شاندار ایکٹنگ کر رہی تھی لیکن مجھے خوب احساس تھا کہ خان آف کالاگوٹ بڑی گہری نظر سے میرا جائزہ لے رہا ہے۔

کھانے کے بعد میں نے اس طرح مسکرا کر خان آف کالاگوٹ کی طرف دیکھا جیسے وہ میرا کوئی دیرینہ دوست ہو۔

"تمھیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی صبیحہ بانو!" وہ بڑی شائستگی سے بولا۔

"نہیں، قطعی نہیں۔"

"کیا تم نے اس بات سے اندازہ نہیں لگایا کہ میں ایک اچھا دوست ثابت ہو سکتا ہوں؟"

"بے شک!"

"تو پھر تمھیں مجھ سے مفاہمت کر لینا چاہیے۔"

"ماہ پارہ کے سلسلے میں؟" میں ہنس پڑی۔

"ہاں۔"

"وہ... وہ... اس کا کیا ہوا؟" میں اس طرح اپنی پیشانی رگڑنے لگی جیسے کوئی نام بھول رہی ہوں۔ مجھے اب کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ خان آف کالاگوٹ کو میرے نشے میں ہونے کا یقین آگیا ہو گا۔ میں نے چونکے ہوئے انداز میں اپنی پیشانی تھپتھپائی اور بولی "ہاں! میں رضوان کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

"وہ" خان آف کالاگوٹ مسکرایا "بلاشبہ تم دونوں نے نہایت خوبصورت ڈراما کھیلا تھا۔ میں دھوکا کھا ہی گیا۔"

"لیکن... بعد میں... ہوا کیا تھا؟"

"میرے آدمی رضوان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہاں لے گئے تھے اس لیے وہ اب بھی اس بات سے بے خبر ہی ہو گا کہ اسے کس جگہ قید کیا گیا تھا۔"

"وہ تمھارے آدمیوں کے ہاتھ سے کس طرح نکلا؟"

"چونکہ اس پر بڑی حد تک اعتماد ہو گیا تھا لہٰذا ماہ پارہ کی تلاش میں اس کے ساتھ صرف دو آدمی بھیجے گئے تھے۔ ان دونوں آدمیوں کو بھی اس کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں تھا لہٰذا وہ دھوکے میں مار کھا گئے۔ رضوان انھیں بے ہوش کر کے نکل بھاگا۔"

"خوب!" میں آہستہ سے ہنس پڑی۔

"لیکن... جیساکہ میں نے تمھیں خط میں لکھا تھا، وہ اس مقام سے بے خبر ہی ہے جہاں اِس وقت تم موجود ہو۔"

"ہو گا!" میں نے بے پروائی سے کہا "مجھے اب اس کی پروا نہیں ہے۔ تم یہ تو بتاؤ کہ تمھیں ماہ پارہ کی اتنی شدید ضرورت کیسے پڑ گئی؟"

"چلو بتائے دیتا ہوں، حالانکہ تم نے ابھی تک اس سلسلے میں دوستی نبھانے کا کوئی وعدہ نہیں کیا ہے۔"

میں سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ پھر بولا "یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ پروفیسر منہاس ان دنوں ایک خاص تجربے میں مصروف تھا اور میں نے اس کی اس ایجاد سے فائدہ اٹھانے کے لیے اسے اغوا کیا ہے۔ اس ایجاد کی تکمیل میں جو کسر رہ گئی تھی، وہ ابھی تک باقی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ جلد از جلد مکمل ہو جائے لیکن پروفیسر کو اس میں دیر لگ رہی ہے۔"

"وہ تمھارے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو گیا؟" میں تعجب سے بولی۔

"میرے لیے کام کرنے پر سبھی کو تیار ہونا پڑتا ہے۔ صرف تم نے ہی کچھ دیر لگا دی ہے۔"

"اچھا تو ہاں، ذکر شاید ماہ پارہ کا تھا!"

"دراصل پروفیسر منہاس کے کام کی رفتار بہت سست ہے اور اس کے بیان کے مطابق وہ اس بات کا عادی ہو چکا ہے کہ تجربہ گاہ میں ماہ پارہ اسے اسسٹ کرتی رہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر ماہ پارہ آجائے تو وہ اس کام کو بہت جلد تکمیل تک پہنچا دے۔"

"اوہ... اچھا!" میں نے سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلایا۔

"لہٰذا میں ہر قیمت پر ماہ پارہ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم کس ملک کے لیے کام کر رہے ہو خان؟"

خان آف کالاگوٹ نے چونکے ہوئے انداز میں میری طرف دیکھا اور بولا "یہ خیال تمھیں کیوں ہوا کہ میں کسی ملک کے لیے کام کرتا ہوں!"

"ظاہر ہے کہ ایسی چیزوں سے تم خود تو کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے!"

خان آف کالاگوٹ نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بہت غور سے میری طرف دیکھنے لگا تھا۔ اچانک مجھے احساس ہو گیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ میں ذرا دیر کے لیے، نشے کی اداکاری بھول کر سنبھلے ہوئے انداز میں باتیں کرنے لگی تھی اور خان آف کالاگوٹ نے اسے محسوس کر لیا تھا۔

وہ آہستہ سے بولا "اس کا فیصلہ تو مستقبل ہی کرے گا کہ تمھارے ذریعے میں خود کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہوں یا نہیں!"

"مستقبل!" میں نے اس طرح ٹھنڈا سانس لیا جیسے ظاہر کر رہی ہوں کہ میری ذہنی رَو پھر بہک رہی ہے "یہ مستقبل بھی بڑی عجیب شئے ہے خان!... اس کے لیے انسان کیا کچھ کرتا ہے اور کیا کچھ سوچتا ہے لیکن وہ سب کچھ نہیں ہو پاتا جو انسان چاہتا ہے۔ میں نے بھی اپنے مستقبل کے لیے کچھ خواب دیکھے تھے جو پورے نہیں ہوئے۔ میں نے اپنی قوم اور وطن کے لیے نہ جانے کیا کچھ کرنا چاہا لیکن انھوں نے میرا ساتھ دیا نہ... اوہ!" میں اپنی پیشانی رگڑنے لگی اور پھر بولی "یہ میں کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئی۔"

"یہ فضول باتیں نہیں ہیں صبیحہ بانو!" خان آف کالاگوٹ نے زور دے کر کہا "یہ قوم اس قابل ہی نہیں ہے کہ تم اس کے لیے کچھ سوچو!"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو!" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا اور پھر اپنی پیشانی میز کی سطح سے ٹکا دی "مجھے اب کچھ نیند آرہی ہے۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن سونے سے پہلے تمھیں ایک فیصلہ کرنا ہے۔"

"کون سا فیصلہ؟" میں نے سر اٹھایا اور اس طرح آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی جیسے اپنی نیند کو بھگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔

"ماہ پارہ کے بارے میں تم نے کیا سوچا؟"

"میں اس کے بارے میں کیا سوچ سکتی ہوں؟"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے اسے کہاں چھپایا ہے؟"

"خان!" میں نے اس طرح کہا جیسے اپنے نشے پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہوں "اس وقت مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرے خیالات میں کوئی انقلاب آگیا ہو۔ اس وقت پہلی مرتبہ میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ میں تمھارا ساتھ دوں لیکن... لیکن..."

"لیکن کیا؟" خان آف کالاگوٹ نے بے تابی سے پوچھا۔

"میں عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت اور درکار ہو گا۔"

خان آف کالاگوٹ کے چہرے پر جھنجلاہٹ کی سی کیفیت نظر آئی لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا اور بولا "لیکن میں تمھیں سوچنے کے لیے پورا دن دے چکا ہوں۔"

"یہ دن تو صرف یہ سوچنے میں گزر گیا کہ میں یہاں سے کس طرح فرار ہو سکتی ہوں لیکن ابھی ذرا دیر پہلے... ہاں... ابھی کچھ دیر قبل... جب مستقبل کا ذکر چھڑا تھا... اس وقت سے میں اپنے ذہن میں ایک بھونچال سا محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں ماضی میں اپنی زندگی کے بہترین سال ضائع کر چکی ہوں۔"

"تو پھر اب تمھیں کیا ہچکچاہٹ ہے فیصلہ کرنے میں؟"

"مجھے اپنی زندگی کا رُخ بدلنے کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے اور یہ فیصلہ اتنا معمولی نہیں ہے کہ میں اسے عجلت میں کر سکوں۔"

"تم سوچنے کے لیے مزید کتنا وقت چاہتی ہو؟" خان آف کالاگوٹ اپنی جھنجلاہٹ کو ضبط کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ میں تمھیں کل صبح جواب دے سکوں گی۔"

"ناممکن!" خان آف کالاگوٹ نے میز پر گھونسا مارا "تمھیں اتنا وقت دینا میرے لیے ممکن نہیں۔ میں اب زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر ایسی تیسی میں جاؤ!" میں نے بڑے اطمینان سے کہا اور ایک بار پھر اپنی پیشانی میز پر ٹکا دی۔ میں یہ ظاہر کرنا

چاہ رہی تھی کہ نشے کی وجہ سے میرا ذہن بہت بوجھل ہے۔

خان آف کالاگوٹ کو اب شاید دھمکیوں پر اتر آنا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ خود پر قابو پائے رکھنے کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا۔ اس نے نرمی سے کہا۔ "سنو صبیحہ بانو! اب تم زندگی کے جس نئے رخ کی طرف جانا چاہتی ہو، وہ نیا رخ تم سے بھی عجلت کا متقاضی ہے۔ تم اگر جلدی کرو گی تو یہ دراصل تمہارے ہی حق میں بہتر ثابت ہوگا۔ تم اس سے بہتیرے فوائد حاصل کر سکو گی جبکہ تاخیر کی صورت میں وہ فوائد کچھ کم ہو جائیں گے۔ میں اس کا باعث تمہیں ابھی نہیں سمجھا سکتا مگر یقین کرو کہ میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

میں نے میز پر ٹکی ہوئی اپنی پیشانی اٹھائی اور خان آف کالاگوٹ کی طرف دیکھنے لگی، پھر میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کچھ بھی ہو خان! میں سوچنے کے لیے کچھ وقت ضرور چاہوں گی۔ تم مجھے سوچنے کے لیے زیادہ سے زیادہ کتنا وقت دے سکتے ہو؟"

خان کے چہرے سے خفیف سی جھنجلاہٹ مترشح تھی۔ اس نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر بولا۔ "مجھے ابھی ایک ضروری کام سے جانا بھی ہے۔ مجھے اس میں دو تین گھنٹے لگ جائیں گے۔ میں تمہیں سوچنے کے لیے بس اتنا ہی وقت دے سکتا ہوں۔"

"دو تین گھنٹے۔" میں نے جیسے سوچتے ہوئے کہا۔ "چلو ٹھیک ہے۔ میں تین گھنٹے بعد تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گی۔"

"اس بات کا امکان بھی ہے کہ میں تین گھنٹے بعد بھی نہ آسکوں۔"

"تو؟"

"اس صورت میں تم اپنے جواب سے میرے ایک آدمی کو آگاہ کر دینا۔"

"کس آدمی کو؟"

خان آف کالاگوٹ نے دوسرے دروازے پر کھڑے ہوئے آدمی کی طرف دیکھا اور تحکمانہ انداز میں بولا۔ "ماسٹر کو بلا کر لاؤ۔"

وہ آدمی چلا گیا۔ میں اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ کسی ماسٹر کا ذکر سن چکی تھی اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اس مقام پر خان آف کالاگوٹ کا نائب ہے لہٰذا اسے ماسٹر کہا جاتا ہے، پھر بھی میں نے بڑی سنجیدہ سی آواز میں خان آف کالاگوٹ سے پوچھا۔ "یہ ماسٹر کس اسکول میں پڑھاتا ہے؟"

خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے میرے سوال کو نشے کا سبب سمجھا تھا۔ "وہ ... ان آدمیوں کو پڑھاتا ہے جو یہاں متعین ہیں۔"

"واہ!" میں نے کھل کر ایک قہقہہ لگایا۔

"گویا!" خان بھی مسکرایا تھا۔

میں سنجیدہ ہو کر بولی۔ "یہ اسکول تم نے کب رکھا ہے خان!"

"خاصا عرصہ ہو گیا!"

"ہوں۔" میں نے ایک بار پھر اپنی پیشانی میز پر ٹکا دی۔

خان چپ بیٹھا رہا۔ ذرا دیر بعد دو آدمیوں کی آہٹیں سنائی دیں لیکن میں نے میز کی سطح سے ... پھر میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان دونوں آدمیوں میں سے ... کے قدموں کی آہٹ دروازے ہی پر رک گئی تھی ... کے قدموں کی آہٹ میز کے اس سرے پر آکر رکی تھی جہاں خان آف کالاگوٹ بیٹھا ہوا تھا۔

"بانو!" خان آف کالاگوٹ نے قدرے بلند آواز میں پکارا۔

"آں!" میں نے گویا چونک کر سر اٹھایا۔

"یہ ماسٹر ہے۔"

میں نے اپنی آنکھوں کو حتی الامکان نشیلا بنانے کی کوشش کی اور اس آدمی کی طرف دیکھا جو خان آف کالاگوٹ کے ... پر مودبانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

وہ چالیس بیالیس سال کا ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ ... کے بال خاصے لمبے لمبے تھے۔ وہ تھا تو مقامی لیکن اس نے ... کا مخصوص لباس پہن رکھا تھا جو کراٹے اور جوڈو وغیرہ سکھانے والے کوچ پہنتے ہیں۔ اس کی تیز چمکیلی آنکھیں میرے چہرے پر ... ہوئی تھیں۔

"یہ ... یہ ماسٹر ہے!" میں تمسخرانہ انداز میں ہنس پڑی۔ میرے اس انداز پر ماسٹر کے چہرے پر سرخی سی پھیل گئی تھی مگر غالباً خان آف کالاگوٹ کی موجودگی کے باعث مجھ سے کچھ نہیں کہہ سکا۔

خان آف کالاگوٹ نے میرے مذاق کو نظر انداز کر دیا اور بولا۔ "ہاں بانو! تم تین گھنٹے بعد اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔ ... مجھے اطلاع دے دے گا۔"

...لیفون پر؟"

...ی بھی ذریعے سے۔" خان نے جواب دیا۔ "تم اس کے بارے ...

...ہو!"

...بلا، ٹھیک ہے۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔

...ب میں چلو گا۔" خان کھڑا ہو گیا۔

...بائی!" میں نے ہاتھ ہلایا اور ایک بار پھر میز پر سر ٹکا دینا ...

...میں۔" خان بول پڑا۔

...یا نہیں!" میں تعجب سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

...م یہاں نہیں بیٹھو گی، اپنے کمرے میں جاؤ!"

...تھا۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور کھڑی ہو کر ... قدموں سے واپس اسی دروازے کی طرف چل پڑی جہاں ... کھڑا تھا۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر مجھے راستہ دیا اور پھر ... پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ مجھے میرے "قید خانے" میں چھوڑ کر جب ... جانے لگا تو میں نے اس سے کہا۔ "سنو!"

... وہ سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ٹھنڈا سوڈا مل سکے گا؟ اب میں اس بوتل میں یہ تھوڑی ... ہی کیوں رہنے دوں!"

"اچھا۔" اس نے سر ہلا کر کہا۔ "میں ابھی بھجواتا ہوں۔"

"ابھی نہیں۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "آدھے گھنٹے بعد۔"

"اچھی بات ہے۔"

وہ چلا گیا اور دروازہ باہر سے مقفل ہو گیا۔

میں نے آدھے گھنٹے بعد سوڈا بلاوجہ نہیں منگوایا تھا۔ ... گھنٹے کی مہلت میں نے کچھ سوچنے کے لیے حاصل کی تھی ... سوڈا اس لیے منگوایا تھا کہ سوڈا لانے والے پر ہاتھ صاف کر کے ... بار پھر یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں۔ اس بات ... مجھے کچھ کچھ اندازہ تو ہو ہی چکا تھا کہ اس دھاتی پلیٹ کی برقی رو ... سلسلہ کس طرح منقطع ہوتا ہے؟

وہ مسئلہ اب بھی اپنی جگہ باقی تھا کہ اس زنداں سے نکلنے کے ... میں خود کو کہاں پاؤں گی؟ اگر یہ اندرون سندھ کا علاقہ ہوا ... خان آف کالاگوٹ کی دسترس سے نکلنا خاصا مشکل ہو جائے گا ... کیوں کہ اندرون سندھ تو اس کا اثر و رسوخ بہت ہی زیادہ تھا۔ ... قدم قدم پر خود کو اس کے گرگوں کے جال میں پاتی لیکن اب ... حالات اس نہج پر آگئے تھے کہ بڑے سے بڑا خطرہ مول لے کر بھی مجھے یہاں سے فرار کی کوشش کرنا ہی تھی۔ رضیہ اور رضوان کا انتظار اب زیادہ وقت گزرنے تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ویسے بھی اب مجھے کم از کم آج رات ان کی طرف سے کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ اگر وہ یہاں پہنچتے تو خان آف کالاگوٹ کے تعاقب میں پہنچ جاتے لیکن اب تو خان آف کالاگوٹ یہاں سے واپس بھی جا چکا تھا۔

آدھے گھنٹے تک میں اسی مسئلے سے الجھتی رہی کہ مجھے یہاں سے فرار ہونے کے لیے کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

آدھے گھنٹے کے بعد دروازہ کھلا اور ایک آدمی کی شکل نظر آئی جو میرے لیے سوڈا لے کر آیا تھا۔ یہ میرے لیے ایک نئی مشکل تھی۔ یہ وہ آدمی نہیں تھا جسے بے ہوش کر کے میں ایک مرتبہ یہاں سے فرار ہونے کی ناکام کوشش کر چکی تھی۔

اجنبی نے سوڈے کی بوتلیں تپائی پر رکھیں تو میں اس سے بولی۔ "نہیں، وہاں نہیں، یہاں لا کے رکھ دو!" میں نے بستر کی سائیڈ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔ بوتل بھی سائیڈ ٹیبل ہی پر رکھی ہوئی تھی۔

اجنبی، سوڈے کی بوتلیں اٹھا کر سائیڈ ٹیبل کی طرف لایا تو میں نے دختِ رز کی بوتل اٹھائی اور اس کا ڈھکنا کھولنے لگی۔ میرا انداز ایسا تھا جیسے میں پینے کے لیے بے چین بیٹھی ہوں لیکن میری اس حرکت کا اصل مقصد کچھ اور تھا۔ وہ مقصد، اجنبی کی سمجھ میں اس لیے نہیں آسکا کہ سمجھ میں آنے کا لمحہ آنے سے پہلے وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے پوری قوت سے اس کے سر پر بوتل دے ماری تھی۔ میں نے اس عمل میں اتنی قوت استعمال کی تھی کہ بوتل کی گردن تو ٹوٹ کر میرے ہاتھ میں رہ گئی تھی اور بوتل اس کے سر پر سے اچھل کر فرش پر جا گری تھی۔ وہاں چونکہ قالین بچھا ہوا تھا لہٰذا اس کے ٹوٹنے سے آواز بررست چھناکا نہیں ہو سکا جو فرش پر گر کر ٹوٹنے سے ہوتا ہے۔

اجنبی تیورا کر قالین پر گرا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔ اس کے سر سے خون بھی بہنے لگا تھا۔ میں جلدی سے اس پر جھکی اور اس کے لباس کی تلاشی لینے لگی۔ میں توقع کر رہی تھی کہ اس کی کسی جیب میں ریوالور یا پستول مل جائے گا لیکن میری یہ توقع پوری نہ ہو سکی اور میں اس کے لباس سے صرف ایک چاقو ہی برآمد کر سکی۔

میں نے اسی کو غنیمت جان کر اپنے قبضے میں کیا اور تیزی سے کھلے ہوئے دروازے کی طرف لپکی۔ یہ اطمینان تو مجھے حاصل ہو ہی چکا تھا کہ وہاں کوئی خفیہ ٹیلیویژن آئی نہیں ہے، صرف

مائکروفون ہے۔

میں نے دروازہ بند کیا اور تیزی سے چلتی ہوئی راہداری طے کر کے آہنی دروازے تک پہنچ گئی۔ دھاتی پلیٹ پر قدم رکھنے سے پہلے میں اس کے قریب جھک گئی اور اس کے بائیں کونے کا جائزہ لینے لگی۔ اتنے قریب سے بغور دیکھنے پر مجھے اندازہ ہوا کہ اس کونے میں کوئی چھ انچ کا ٹکڑا کم از کم اس دھات کا ہرگز نہیں ہے جس دھات کی باقی پلیٹ تھی لیکن اس ٹکڑے پر اتنی خوب صورتی سے رنگ کیا گیا تھا کہ وہ اس دھاتی پلیٹ سے الگ کوئی چیز نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں نے آہستگی سے ہاتھ بڑھایا اور انگلی سے اس ٹکڑے کو چھوا۔ اس لمس سے مجھے کوئی برقی جھٹکا نہیں لگا لیکن میں نے ربڑ کی نرمی ضرور محسوس کر لی۔ اس کے بعد میں نے دھاتی پلیٹ کو چھو کر دیکھا اور جھٹکے سے میرا ہاتھ جھنجھنا گیا۔ دھاتی پلیٹ میں کرنٹ موجود تھا۔ اب میں سیدھی کھڑی ہوئی اور میں نے اپنے بائیں پیر کی ایڑی اس چھ انچ کے ٹکڑے پر رکھ کر دباؤ ڈالا۔ اس دباؤ کے ساتھ ہی میرے اس پیر نے مدھم سی "کلک" کی آواز محسوس کی۔ اب میں نے اس پر سے پیر ہٹا لیا اور جھک کر ایک بار پھر انگلی سے اس دھاتی پلیٹ کو چھوا۔ اس مرتبہ مجھے کوئی جھٹکا نہیں لگا۔ برقی رَو کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ اب میں نے کھڑے ہو کر اپنا دایاں پیر بھی دھاتی پلیٹ پر رکھ دیا۔ برقی رَو یقیناً منقطع ہو چکی تھی۔ اب میں نے اپنا دوسرا پیر بھی دھاتی پلیٹ پر رکھ دیا اور جب میرے جسم کا دباؤ اس پلیٹ پر پڑا تو آہنی دروازہ کھلتا چلا گیا۔ میں ہوا کے تیز جھونکے کی طرح اس میں سے گزری اور میں نے خود کو ایک ہنگامہ خیز طوفان میں گھرا ہوا پایا۔ میرے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ اس طرف آتے ہی میں اس قسم کے کسی طوفان سے دوچار ہو سکتی ہوں۔

یہ وہی کمرہ تھا جہاں آج دو مرتبہ خان آف کالاگوٹ سے میری ملاقات ہوئی تھی مگر اس وقت اس کمرے کی گویا صورت پہچاننا مشکل تھی۔ ڈائننگ ٹیبل الٹی پڑی تھی اور کرسیاں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ وہاں آرائش و زیبائش کا جو سامان تھا، وہ بھی اس طوفان کی نذر ہو گیا تھا جس سے اب میں بھی دوچار ہو چکی تھی۔

ہوا یہ تھا کہ جیسے ہی میں آہنی دروازے سے گذر میں پہنچی تھی، مجھ پر دو افراد جھپٹ پڑے تھے۔ انھوں دروازے کو کھلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"باجی!" رضیہ مجھ پر نظر پڑتے ہی چیخ اٹھی تھی۔

حیرت کا وہ جھٹکا، رضیہ اور مجھے دونوں ہی کو کمرے میں موجود جو چار افراد پہلے رضیہ سے بھڑے میں سے دو مجھ سے بھڑ گئے تھے اور بقیہ دو رضیہ کو قابو کی کوشش کر رہے تھے۔ رضیہ کو وہ چاروں مل کر قابو تھے تو پھر دو افراد اس کا کیا بگاڑ سکتے تھے لیکن میں میری آمد کے سبب رضیہ میری طرف متوجہ ہو گئی تھی نے چیخ کر مجھے پکارا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب وہ دونوں پڑے تھے۔ رضیہ کی طرف متوجہ ہونے کے سبب میں پورا "انصاف" نہ کر سکی تھی اور ایسا ہی رضیہ کے ساتھ بھی اُدھر وہ دونوں رضیہ پر حاوی آنے لگے تھے اور خاطر مدارات نہ ہونے کے سبب وہ دونوں بھی اب حملہ آور ہو گئے تھے جنھوں نے مجھے پہلے ہی آتے ہی زیر کر دینا چاہا تھا۔

"رضیہ! سنبھلو!" میں نے اپنے اوپر حملہ کرنے والے ایک کے سینے پر فلائنگ کِک لگاتے ہوئے میں نے دیکھا تھا کہ ایک شخص کرسی اٹھا کر رضیہ کی سے اس پر حملہ کرنے والا تھا اور رضیہ دوسرے گمر میرا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ رضیہ اس شخص کی طرف نہیں تھی جو اس کی پشت سے حملہ کرنے والا تھا۔ رضیہ اپنے موجود شخص کا جبڑا سہلاتی ہوئی ایک دم مڑی تھی اور لات، پیچھے والے شخص کے پیٹ پر پڑی تھی۔

جس شخص کے سینے پر میری فلائنگ کِک پڑی تھی دوبارہ اٹھنا نصیب نہیں ہوا مگر دوسرا ذرا جان دار ثابت ہوا وہ اپنے ساتھی کا حشر دیکھنے کے باوجود مجھ پر ہاتھ اٹھانے کر بیٹھا تھا۔ اس کا اٹھتا ہوا سا کھڑا ہاتھ میرے شانے پر میں جھکائی دے کر نکل گئی تھی۔

یہ بات میرے لیے یقیناً حیرت کا سبب تھی کہ وہ چار غیر مسلح تھے مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا، اس کا احساس مجھے کچھ ہی ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ انھوں نے رضیہ سے لڑائی کیوں پسند کی؟ کیا وہ غیر مسلح تھے؟ اور کیا رضیہ کے نہیں تھا؟ رضیہ نے آخر ایسی غلطی کیوں کی؟

یہ تو اسی وقت پتا چل گیا تھا جب میں نے اپنے مقابلے پر تنہا شخص کو زمین چٹوا دی تھی کہ وہ لوگ غیر مسلح بہرحال تھے۔ اس شخص کے کوٹ کی ابھری ہوئی جیب سے ریوالور دور جا گرا تھا لیکن رضیہ کیوں غیر مسلح تھی؟ یہ مسئلہ ابھی ا تھا۔

اس دوران میں رضیہ نے بھی ایک شخص کو گرا لیا تھا۔ اب تین افراد بے ہوش پڑے تھے اور چوتھا شخص اپنے تین ساتھیوں کا حشر دیکھ کر کمرے کے دوسرے دروازے کی طرف اٹھا تھا۔

"رک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گی!" میں نے لپک کر بے ہوش کا ریوالور اٹھاتے ہوئے چیخ کر کہا۔ مجھے خطرہ یہ تھا کہیں س کمرے سے نکل کر، باہر سے دروازہ بند نہ کر دے۔

یہ خطرہ شاید رضیہ نے بھی محسوس کر لیا تھا اس لیے وہ رنے والے کے پیچھے بھاگی تھی۔ فرار ہونے والا رُکا نہیں بھاگتا ہوا دروازے سے نکل گیا تھا۔ میں اس پر اس فائر نہ کر سکی تھی کہ فوراً ہی رضیہ سامنے آ گئی تھی۔ اندازے کی سی بھی غلطی مجھے ہولناک نتائج سے دوچار کر سکتی تھی۔ بہرحال رضیہ کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ مفرور شخص اور رضیہ آگے پیچھے بھاگتے ہوئے اس کمرے سے نکل گئے تھے اور میرے لیے بھی اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ انہی کے پیچھے جاؤں۔

دوسرے ہی لمحے میں بھی اس کمرے سے بھاگتی ہوئی نکلی۔ ایک چوڑی سی راہداری تھی۔ رضیہ اس شخص کو چھاپ لینے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ رضیہ، نادرہ ہی کے میک اپ میں تھی جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ خان ولا ہی سیدھی وہاں پہنچی تھی لیکن رضوان کہاں تھا؟ کیا اس نے رضیہ سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا؟ اگر ایسا ہی تھا تو کیوں؟ رضوان اس کیوں نہیں ملا؟ میں نے تو سوچا تھا کہ وہ دونوں ہی وہاں ساتھ پہنچیں گے مگر رضیہ فی الحال تنہا نظر آ رہی تھی۔ کہیں رضوان عمارت کے کسی حصے میں تو دشمنوں سے نبرد آزما نہیں تھا؟ میں سوچنے میں اس لیے حق بجانب تھی کہ مجھے ان چاروں میں ماسٹر نہیں آیا تھا۔ وہاں ان کی تعداد کتنی تھی، اس سے میں بہرحال بے خبر تھی۔

میں جب تک دوڑتی ہوئی رضیہ کے قریب پہنچی، اس نے فرار ہونے والے کو غفلت کی نیند سلا دیا۔ یہ نیند صرف بے ہوشی کی حد تک تھی یا وہ واقعی ابدی نیند سو گیا تھا، اس بات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

رضیہ ابھی اٹھ کر کھڑی نہ ہو پائی تھی کہ معاً فضا ایک فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ میں نے زمین پر لیٹنے میں دیر نہیں کی تھی اور لیٹے لیٹے اس طرف ایک فائر جھونک دیا تھا جس طرف سے گولی چلائی گئی تھی۔ رضیہ نے بھی میری تقلید کی تھی۔

اس راہداری میں دونوں جانب کمرے بنے ہوئے تھے اور ایک کمرے کا دروازہ راہداری کے اختتام پر بالکل سامنے تھا۔ گولی اُدھر ہی سے آئی تھی۔ اس کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔

"ریوالور پھینک دو صبیحہ بانو، ورنہ تم دونوں کو بھون دیا جائے گا۔" اچانک میں نے راہداری کی دوسری سمت سے ایک بھاری آواز سنی۔ اس کے ساتھ یہ یقین دلانے کے لیے کہ دھمکی دینے والا اپنے دعوے میں سچا ہے، فوراً ہی ایک فائر ہوا۔ چلائی جانے والی گولی میرے اور رضیہ کے سروں پر سے ایک زناٹا سا پیدا کرتی ہوئی گزر گئی۔ چند لمحے بعد ہی وہی بھاری آواز پھر گونجی "تم دونوں جانب سے گھر چکی ہو صبیحہ بانو! بہتر یہی ہے کہ ریوالور پھینک دو!"

میں نے اسی طرف سر اٹھا کر دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ وہ آواز راہداری کے دوسرے سرے پر بنے ہوئے ایک کمرے سے آ رہی تھی اور اس کمرے کا دروازہ بھی تھوڑا سا کھلا ہوا تھا جس سے ریوالور کی نال باہر جھانک رہی تھی۔ دھمکی دینے والا اسی دروازے کے پیچھے چھپا ہوا تھا اس لیے میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

"باجی! ریوالور پھینک دیں۔" اچانک رضیہ نے سرگوشی کی۔

میں نے خود بھی یہی فیصلہ کیا تھا۔ وہ لوگ اسی صورت میں کھل کر سامنے آ سکتے تھے۔ یقیناً رضیہ بھی یہ بات سمجھ چکی تھی کہ وہ لوگ مجھے اور اسے زندہ پکڑنا چاہتے ہیں۔ ان چاروں نے مسلح ہونے کے باوجود ریوالور استعمال نہیں کیے تھے، اس کا سبب بھی یہی رہا ہو گا۔ خان آف کالاگوٹ بہرحال اس وقت تک مجھے ہلاک کرنا نہیں چاہتا تھا جب تک مجھ سے ماہ پارہ کے بارے میں نہ پوچھ لیتا لیکن انھوں نے رضیہ کو کیوں زندہ چھوڑ دیا تھا، یہ میں ابھی سمجھ نہیں پائی تھی۔

اگر میں ریوالور پھینکنے کا فیصلہ نہ کرتی تو یہ امکان ضرور تھا کہ

وہ لوگ جھنجلا کر محتاط فائرنگ شروع کر دیتے اور اس فائرنگ کے نتیجے میں ضروری نہیں تھا کہ نتیجہ میرے حق میں ہی نکلتا۔ اس محتاط فائرنگ سے میں اور رضیہ ہلاک نہ بھی ہوتے، زخمی تو ہو ہی سکتے تھے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ ہم دونوں ہی کو قیدی بنانے میں کامیاب ہو جاتے۔ زخمی حالت میں، رضیہ اور میں بہرحال ان کا مقابلہ نہ کر پاتے۔

میں نے چند ہی لمحوں میں یہ ساری باتیں سوچ لی تھیں اور شاید رضیہ بھی اسی نتیجے پر پہنچی تھی۔ اس نے یونہی تو مجھے ریوالور پھینکنے کا مشورہ نہیں دیا ہوگا۔

"میں ریوالور پھینک رہی ہوں، یہ لو!" میں نے بلند آواز میں کہا اور اس طرف ریوالور پھینک دیا جدھر سے دھمکی دینے والے کی آواز آئی تھی۔

"تم نے ریوالور پھینک کر یقیناً عقل مندی کا ثبوت دیا ہے صبیحہ بانو!" جواب میں پھر وہی بھاری آواز سنائی دی اور اسی کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھلا۔

میں نے کمرے سے نکلنے والے شخص کو ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ ماسٹر تھا۔ اُسی کے ساتھ اس کا ایک اور ساتھی کمرے سے نکلا تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

میں اور رضیہ دونوں ہی ایک دم اچھل کر کھڑے ہو گئے تھے اور ہمارا رُخ ماسٹر کی طرف تھا۔

"دوسری طرف بھی دیکھ لو صبیحہ بانو!" ماسٹر کی بھاری آواز سنائی دی۔ اس کے شانوں پر بڑے بڑے بال لہرا رہے تھے اور جسم پر وہی مخصوص لباس تھا جو پہلے بھی میں دیکھ چکی تھی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ راہداری کی دوسری سمت سے بھی دو افراد ہماری طرف بڑھ رہے تھے۔ اُدھر ہی سے گولی چلائی گئی تھی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بھی ریوالور تھے۔ گویا مجھے اور رضیہ کو دونوں جانب سے مسلح افراد نے گھیر لیا تھا اور کوئی راہِ مفر نہیں تھی مگر اس قسم کے حالات سے تو میں ماضی میں متعدد بار دوچار ہو چکی تھی۔ رضیہ کے لیے بھی یہ کوئی ایسی تشویش ناک صورتِ حال نہیں تھی۔ وہ بہرحال میری بہن تھی اور میں اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ جب میں دوبارہ ماسٹر کی طرف مڑی تو میری اچٹتی ہوئی نگاہ رضیہ کے چہرے پر بھی پڑی۔ اُس کا چہرہ پُرسکون تھا۔

اب ماسٹر اپنے ساتھی سمیت ہم سے کچھ فاصلے پر رک گیا تھا اور اس نے رُکتے ہوئے مخالف سمت سے ہماری جانب بڑھنے والے اپنے ساتھیوں کو بھی ہاتھ کے اشارے سے

"تم نے دیکھا صبیحہ بانو!" ماسٹر میری طرف دیکھتا عمارت میں داخل ہونے والا کوئی شخص میری مرضی جا سکتا۔ اسے کسی چوہے کی طرح پکڑ لیا جاتا ہے۔"

"اپنے آقا کے لہجے میں بات نہ کرو جس کے کُتے کی طرح دُم ہلاتے پھرتے ہو۔" میں نے تمسخرانہ میں کہا۔ "یہ لہجہ اُسی مسخرے کو زیب دیتا ہے۔" میں نے کر اسے کُتا اور خان آف کالا گوٹ کو مسخرا کہا تھا تاکہ جائے اور میں اپنے مقصد میں کامیاب رہی۔

"اگر اب تم نے خان کی شان میں کوئی گستاخی کی تو تمہیں گولی مار دوں گا۔" ماسٹر کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

میں جواب میں ہنس پڑی، پھر بولی۔ "تم اسی لیے اکڑ کر بات کر رہے ہو کہ تمہارے ہاتھ میں ریوالور ہے تمہاری اتنی ہمت نہ ہوتی کہ صبیحہ بانو سے اس لہجے میں سکو۔"

"میں نے بھی تمہارے بارے میں سُنا ہے کہ تم بہت ہو۔" ماسٹر کے لہجے میں طنز تھا۔ "آج مجھے یہی دیکھنا ہے کہ تم نے کیا سیکھا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ریوالور جیب لیا، پھر اپنے ساتھیوں سے بلند آواز میں بولا۔ "اپنے اپنے جیب میں رکھ لو اور دوسری لڑکی کو سنبھال لو! میں اس کے لیے کافی ہوں۔"

اس کے چار ساتھیوں سے میں اور رضیہ کچھ دیر پہلے نبرد آزما ہو چکے تھے اور میں سمجھ چکی تھی کہ وہ سبھی جوڈو اور کراٹے کے فن تھے لیکن وہ میرے اور رضیہ کے سامنے کسی طرح نہیں ٹک سکے تھے! مجھے اسی لیے یقین تھا کہ اس وقت ماسٹر کے ساتھ جو لوگ ہمارے مقابلے پر تھے، وہ بھی اس فن سے نابلد نہیں ہوں گے مجھے بقیہ افراد کی طرف سے تو کوئی ایسی خاص فکر نہیں تھی لیکن اس کی خود اعتمادی نے مجھے خاصا چوکنا کر دیا۔ اس کے علاوہ یہ خیال رکھنا تھا کہ بہرحال وہ سب مسلح تھے اور کسی بھی لمحے پانسا پلٹتے دیکھ کر ریوالور نکال سکتے تھے۔ مجھے اور رضیہ کو ان میں سے کسی کو اتنی مہلت نہیں دینا تھی کہ وہ ریوالور نکال سکتا۔

ماسٹر کے حکم پر اس کے ساتھیوں نے ریوالور جیبوں میں رکھ لیے تھے اور اب نپے تُلے قدموں سے ہماری طرف بڑھ رہے تھے۔ رضیہ میری وہاں موجودگی کے سبب اب تک خاموش تماشائی

تھی مگر اب عمل کا وقت آ چکا تھا۔ اس نے مخالف سمت سے آنے والوں کو سنبھالنے کے لیے اپنا رُخ تبدیل کر لیا تھا۔ میں اُدھر متوجہ ہو گئی تھی جدھر سے ماسٹر اپنے ساتھی سمیت میری طرف قدم بہ قدم بڑھ رہا تھا۔

"اے لڑکی! اگر تجھے اپنے ہاتھ پیر نہیں تڑوانے تو خاموشی سے میرے ساتھیوں کے پاس چلی جا!" ماسٹر نے رضیہ کو مخاطب کیا۔

"او چوہے! اگر تو صبیحہ بانو کی بجائے مجھ سے دو دو ہاتھ کرنا چاہے تو میں بھی تیری ہڈیاں توڑنے کے لیے تیار ہوں۔" رضیہ کی آواز مجھے اپنی پُشت کی طرف سے سنائی دی۔

"اچھا تو پھر تیری حسرت بھی نکال دوں گا۔" ماسٹر غرایا۔ "مگر تیرے لیے میرے شاگرد ہی کافی ہیں۔ توڑ دو اس بدزبان کے ہاتھ پیر!" آخری جملہ اس نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

ماسٹر کیوں کہ مجھ سے تنہا لڑنے کا دعویٰ کر چکا تھا اس لیے اس کے ساتھ آنے والا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آ رہا تھا تاکہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے جا ملے۔ وہ ماسٹر سے چند قدم آگے تھا۔ اپنے ساتھیوں تک پہنچنے کے لیے بہرحال میرے قریب سے گزرنا تھا اور میں یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے کسی صورت اس کے ساتھیوں تک نہیں پہنچنے دوں گی۔ اس طرح رضیہ کے مقابلے پر چار افراد ہو جاتے۔ ہر چند مجھے یقین تھا کہ رضیہ ان تینوں کے لیے بھی کم نہیں تھی مگر یہ بات میری سرشت کے خلاف تھی کہ میں جانتے بوجھتے ہوئے اس شخص کو رضیہ پر حملہ کرنے کا موقع دے دیتی۔

ماسٹر کے ساتھی کو شاید توقع نہیں تھی کہ میں اس کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش کروں گی۔ اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ وہ سوچ رہا ہوگا میں اس سے بھڑ کر اصل مقابلے سے نہ تو دستبردار ہوں گی اور نہ اس طرح خواہ مخواہ اپنی طاقت ضائع کروں گی۔ وہ سبھی شاید اس بات سے بے خبر تھے کہ رضیہ اور میں دو جسم نہیں ایک جان ہیں اور صبیحہ بانو ہی کا دوسرا نام رضیہ ہے۔ ماسٹر نے اسی لیے رضیہ کو اپنی دانست میں "نیک" مشورہ دیا تھا اور مُنہ کی کھائی تھی۔

"صبیحہ بانو!" اچانک ماسٹر نے مجھے مخاطب کیا۔ "آج تم نے خان کے سامنے مجھے دیکھ کر بڑے تضحیک آمیز انداز میں کہا تھا، یہ ماسٹر ہے! اس وقت میں نے خان کی موجودگی کے سبب تم سے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس وقت تمہیں ضرور بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں!"

"ماسٹر! تم نے میرا نام ہی نام سنا ہے لیکن مجھے نہیں جانتے۔ اگر تم مجھ سے واقعی واقف ہوتے تو یوں اپنی موت کو دعوت نہ دیتے۔" میں نے پُرسکون آواز میں جواب دیا۔

"میں تم سے اچھی طرح واقف ہوں صبیحہ بانو! میں نے تمہارے قصے سن رکھے ہیں۔ اب تک تمہارا سابقہ لونڈوں سے پڑا ہوگا۔ کوئی مرد تم سے نہیں ٹکرایا ہوگا ورنہ تم اس کی برتری تسلیم کر لیتیں۔"

"تو تم مرد ہو!" یہ کہہ کر میں بہت زور سے ہنس پڑی۔

"اس کا فیصلہ تو ابھی ہو جائے گا۔" ماسٹر دانت پیس کر بولا۔ اسے اپنی مردانگی پر میری ہنسی یقیناً گراں گزری تھی۔

اسی دوران میں ماسٹر کا ساتھی میرے اتنے قریب پہنچ چکا تھا کہ میں آسانی سے اس پر حملہ آور ہو سکتی تھی۔ ماسٹر اس سے چند قدم پیچھے تھا۔

اسی وقت مجھے پُشت سے رضیہ کی غراہٹ سنائی دی مگر میں نے مڑ کر دیکھنے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ رضیہ یقیناً اپنے شکار پر جھپٹی ہوگی۔

دوسرے ہی لمحے میں اپنی جگہ سے اچھلی اور پھر میرے جوتوں کی دونوں ایڑیاں پوری قوت سے ماسٹر کے ساتھی کے چہرے پر پڑیں۔ وہ چیخ مار کر اُلٹ گیا۔ حملہ کیوں کہ قطعی غیر متوقع تھا اس لیے وہ بے خبری میں مارا گیا۔ میری ایڑیوں کی بھرپور ضرب نے اس کا چہرہ بگاڑ دیا تھا اور وہ دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھے تڑپ رہا تھا۔ اس کی انگلیوں کے درمیان سے خون بہہ رہا تھا۔ شاید میری بھرپور ضرب سے اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

پھر اس سے پہلے کہ میں سنبھل کر ماسٹر پر حملہ کرتی، اس نے ایک وحشیانہ نعرہ مار کر مجھ پر چھلانگ لگا دی تھی۔ اس نے بھی وہی داؤ آزمانا چاہا تھا جو میں اس کے ساتھی پر آزما چکی تھی مگر میں نے انتہائی تیزی سے ایک طرف ہٹتے ہوئے اس کا داؤ ناکام بنا دیا تھا اور وہ اپنے ہی زور میں مجھ سے کچھ فاصلے پر گر پڑا تھا۔

میں نے تیزی سے ایک طرف ہٹ کر پلٹنے میں دیر نہیں کی تھی مگر ماسٹر بھی کم پھرتیلا ثابت نہیں ہوا تھا۔ وہ زمین پر گرتے ہی ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اب میرا رُخ اس سمت ہو گیا تھا جدھر رضیہ، ماسٹر کے دونوں ساتھیوں کے مُنہ سے چیخیں نکلوا رہی تھی۔ میرے لیے یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی کہ رضیہ ان دونوں پر بھاری پڑ رہی تھی۔ وہ دونوں رضیہ

سے زیچ نیچ کر لڑ رہے تھے۔

اس بار بھی میں نے ماسٹر کو پہل کرنے کا موقع دیا اور اسے چڑانے کے لیے ہاتھ کا اشارہ بھی کیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے بپھر کر پھر میری جانب جست لگائی اور عین اسی لمحے میرے پیروں نے بھی زمین چھوڑ دی۔ میرے اور ماسٹر کے جسم فضا میں ایک دوسرے سے ٹکرائے اور اس ٹکراؤ سے میں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ میں تو اس بات سے باخبر تھی کہ وہ مجھ پر جست لگائے گا لیکن شاید اسے یہ توقع نہیں تھی کہ میں اس کے بھاری جسم سے ٹکرانے کی ہمت کر لوں گی۔ میں نے اس کی اس لاعلمی سے فائدہ اٹھایا تھا۔ جیسے ہی میرا جسم اس کے جسم سے ٹکرایا تھا، میں نے اپنے دونوں ہاتھ ملا کر ہتھیلیاں اس کے سر پر ماری تھیں۔ میں اس کے بھاری جسم سے ٹکرا کر زمین پر شانے کے بل گری تھی اور وہ تیورا کر ایک طرف جا پڑا تھا۔

میں اس مرتبہ بھی زمین پر گرتے ہی اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی مگر ماسٹر پھرتی کا مظاہرہ نہ کر پایا تھا۔ میری کھڑی ہتھیلیوں کی ضرب نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہوں گی۔ وہ یقیناً سخت جان تھا جو اتنی شدید ضرب سہہ گیا تھا ورنہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید کافی دیر میں اٹھ کر کھڑا ہو سکتا۔

ماسٹر اٹھ کر کھڑا تو ہو گیا تھا مگر بار بار اپنے سر کو جھٹکے دے رہا تھا۔

"آؤ ماسٹر! وہاں کھڑے کیسے سینگ مار رہے ہو!" میں نے ہنس کر کہا اور اسی کے ساتھ اسے دوبارہ جست لگانے پر اکسانے کے لیے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" ماسٹر نے مجھ پر اپنی تیز چمکیلی آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا۔

"یہ ارمان بہت سے لوگ اپنے سینوں میں لے کر مر گئے ماسٹر! اور شاید تم بھی مر جاؤ۔"

ادھر میرا فقرہ پورا ہوا اور ادھر ماسٹر نے مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ اس بار میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔ ماسٹر کو یہی توقع رہی ہو گی کہ اب کے بھی میں پہلے کی طرح فضا میں اس کے جسم سے ٹکراؤں گی اس لیے اس بار اس کے دونوں پاؤں آگے تھے اور وہ کمان سے چھوٹے ہوئے کسی تیر کی طرح میری طرف آ رہا تھا۔ جیسے ہی اس کا بھاری جسم میرے قریب آیا، میں نے بجلی کی سی تیزی سے پینترا بدلا اور پھر میری دائیں ٹانگ اٹھی۔ میرے جوتے کی نوک پوری قوت سے اس کی کمر پر پڑی تھی اور اسی کے ساتھ میں تیزی سے پیچھے ہٹ کر دیوار سے جا لگی تھی۔ اس بار اس سے چیخ بھی نکل گئی تھی۔

ماسٹر کمر کے بل زمین پر آ رہا تھا اور گر کر بار بار فضا میں اچھل رہا تھا۔ اسی وقت میری نگاہ ماسٹر کے اس ساتھی پر پڑی جو میری ایک ضرب بھی نہ سہہ سکا تھا۔ وہ میرے قریب ہی پڑا تھا اور بے ہوش تھا۔

ماسٹر کو اب میں اٹھنے کی مہلت نہیں دینا چاہتی تھی۔ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر اس کی طرف جھپٹی۔ اگر میں اس پر جست لگاتی تو یقیناً حماقت کرتی کیوں کہ میری توقع کے خلاف وہ ایک دم پلٹ کر اس جگہ سے ہٹ گیا تھا بلکہ تقریباً جھومتا ہوا پیروں پر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے غالباً یہی سوچا ہو گا کہ میں پر جست لگاؤں گی اور یوں اپنے ہی زور میں زمین چاٹوں گی۔ میں نے پہلے اس پر جست ہی لگانے کا فیصلہ کیا تھا مگر لمحے میں اپنا فیصلہ بدل دیا تھا۔

اسے کھڑا ہوتا دیکھ کر میں ایک جھٹکے سے رک گئی تھی۔ عین اس وقت میری سماعت سے پے در پے دو بھیانک چیخیں ٹکرائی تھیں۔ میری نگاہ غیر ارادی طور پر اس طرف اٹھ گئی جہاں سے چیخیں سنائی دی تھیں۔ رضیہ اپنے حصے کا کام نپٹا کر ریوالور کے ساتھ میری طرف آ رہی تھی۔ اس نے اپنے مقابل دونوں کو زمین پر لٹا دیا تھا۔ وہ دونوں زمین پر بے سدھ پڑے تھے۔ میں نے رضیہ کے ہاتھ میں ریوالور بھی دیکھا تھا جو یقیناً اس نے ان دونوں میں سے کسی کی جیب سے نکالا ہو گا۔

ماسٹر کی پشت رضیہ کی طرف تھی۔ میرے ذہن میں نہ جانے کیوں یہ خیال آ گیا کہ کہیں رضیہ، ماسٹر پر گولی نہ چلا دے۔ یہ سوچ کر میں بلند آواز میں بولی "رضیہ گولی نہ چلانا!"

میرے اور ماسٹر کے درمیان صرف دو تین گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ ماسٹر میری بات سن کر اچھل پڑا، پھر دوسرے ہی لمحے وہ کسی چھپکلی کی طرح زمین پر گر پڑا تھا اور گرتے ہی اس نے اپنا ہاتھ جیب میں ڈال دیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے رضیہ کے ریوالور نے شعلہ اگل دیا تھا۔ وہ ماسٹر کی طرف سے غافل نہیں تھی اور یقیناً اس نے ماسٹر کو جیب میں ہاتھ ڈالتے دیکھ لیا تھا۔ ماسٹر اسی لیے اپنی جیب سے ریوالور نکالنے میں ناکام رہا تھا اور گولی کھانے کے بعد چیخ کر دوسری طرف الٹ گیا تھا۔ اگر گولی چلانے میں رضیہ سے ایک لمحے کی بھی

تاخیر ہو جاتی تو ماسٹر اپنی جیب سے ریوالور نکال چکا ہوتا۔

رضیہ کے پاس اس صورت حال میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میرے منع کرنے کے باوجود وہ ماسٹر کو نشانہ بنا دیتی اور اس نے یہی کیا تھا۔

مجھے یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی کہ ماسٹر سفر آخرت پر روانہ ہو چکا ہے۔ ہر چند کہ رضیہ نے اس کے بازو کو نشانہ بنایا تھا مگر گولی بازو کا گوشت پھاڑتی ہوئی اس کے سینے میں اتر گئی۔ اگر رضیہ اس زاویے سے فائر نہ کرتی تو گولی سیدھی چلتی اور اس صورت میں مجھے بھی خطرہ پیش آ سکتا تھا کیوں کہ میں ماسٹر کے سامنے ہی کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ کے کہیں چوٹ تو نہیں آئی باجی؟" رضیہ نے میرے قریب پہنچ کر پوچھا۔ اس کے لہجے میں بلا کی محبت تھی۔

"پگلی!" میں ہنس دی۔ "تو تو مجھے اچھی طرح جانتی ہے، پھر بھی یہ بات پوچھ رہی ہے!"

میں نے ایک ہی نظر میں یہ دیکھ لیا تھا کہ رضیہ زخمی نہیں ہے اس لیے اس سے کچھ پوچھنا غیر ضروری سمجھا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس عمارت میں یہی آٹھ افراد تھے جن میں سے دو ایک مر چکے ہیں اور بقیہ بے ہوش ہیں۔" میں نے تائید طلب انداز میں رضیہ سے کہا۔

"ہاں، میرا خیال بھی یہی ہے باجی! اگر اور لوگ بھی ہوتے تو یقیناً اس ہنگامہ آرائی کے بعد خاموش نہ بیٹھتے۔" رضیہ نے جواب دیا، پھر فوراً ہی بولی "ہاں یہاں زرّیں کسی کمرے میں ضرور بند ہو گی۔"

"زرّیں!" میں چونک کر بولی۔

"ہاں وہ میرے ہی ساتھ آئی تھی۔" رضیہ نے بتایا۔

میں نے اس وقت یہ وضاحت ضروری نہیں سمجھی کہ زرّیں، رضیہ کے ساتھ کس طرح وہاں پہنچ گئی تھی اور وہاں کس طرح قید ہو گئی تھی۔ یہ ساری باتیں بعد میں ہو سکتی تھیں۔

"رضیہ! زرّیں کی تلاش سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم ان آٹھوں افراد کو غیر مسلح کر کے کسی کمرے میں بند کر دیں۔" میں نے کہا۔ "اگر اس دوران میں، ان میں سے کسی کو ہوش آ گیا تو ہمارے لیے کوئی مشکل کھڑی کر سکتا ہے۔"

رضیہ نے میرے خیال سے اتفاق کیا اور پھر ہم دونوں نے ان آٹھوں کو گھسیٹ کر، غیر مسلح کرنے کے بعد راہداری کے ایک کمرے میں ذبح کیے ہوئے جانوروں کی طرح ڈال دیا، اس کے بعد باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ ان میں سے چار کو ہم، بڑے کمرے سے گھسیٹ کر لائے تھے۔ آٹھ افراد میں سے تین جہنم رسید ہو گئے تھے، بقیہ ابھی تک بے ہوش تھے۔ ان تین میں ماسٹر بھی شامل تھا۔ ماسٹر تو خیر رضیہ کے ہاتھوں مارا گیا مگر بقیہ دو کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کس کے ہاتھوں ہلاک ہوئے تھے۔ ان دونوں کی گردنوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

دو دو ریوالور میں نے اور رضیہ نے اپنے پاس رکھ لیے تھے جن سے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی تھی، بقیہ چار ریوالور ہم نے راہداری ہی میں پھینک دیے تھے کیوں کہ ان کا بوجھ اٹھائے پھرنا میری نظر میں اس وقت بے سود تھا۔ میرے خیال میں ابھی خطرہ پوری طرح ٹلا نہیں تھا اس لیے میرا اور رضیہ کا مسلح ہونا ضروری تھا۔ جب تک ہم اس عمارت سے نکل کر کسی محفوظ جگہ نہ پہنچ جاتے، کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کن حالات سے گزرنا پڑتا۔

اب تک مجھے رضیہ کو کچھ بتانے کا موقع مل سکا تھا نہ کچھ پوچھنے کا، لیکن اب ان آٹھوں کے جاندار اور بے جان جسموں کو راہداری کے ایک کمرے میں بند کرنے کے بعد میں کسی فوری خطرے سے محفوظ ہو گئی تھی۔ میں نے رضیہ سے پہلا سوال رضوان کے بارے میں کیا۔

"رضوان نے مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "یا ممکن ہے، اس نے کوشش کی ہو کیوں کہ آج دوپہر کے بعد میں زرّیں کے ہمراہ شاپنگ کے لیے صدر گئی تھی اور ہم دونوں کافی دیر بعد لوٹے تھے۔ زرّیں مجھے ساتھ لے جانے پر بضد ہو گئی تھی ورنہ میں نہ جاتی۔"

"ہوں۔" میں نے گہرا سانس لیا۔ "یہی ہو سکتا ہے۔"

"مگر باجی! رضوان کو تو آپ کے ساتھ ہی ہونا چاہیے تھا۔ مجھے تو یہی اندازہ تھا۔" رضیہ کے لہجے سے کسی قدر فکرمندی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"وہ بھی میری طرح یہیں قید تھا مگر یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔"

"لیکن... وہ... وہ یہاں آپ کو چھوڑ کر تنہا..."

"حالات ایسے ہی تھے۔" میں نے رضیہ کی بات کاٹ کر کہا۔ "میں تمہیں تفصیل سے سب کچھ بتا دوں گی لیکن پہلے تم یہ بتاؤ کہ یہاں کس طرح پہنچ گئیں؟"

"زرّیں نے کسی طرح عارف کو اس پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ اگر آج رات خان آف کالا گوٹھ کو ہیلی کوپٹر میں لے کر کہیں جائے گا تو مجھے

اور اسے پہلے ہی ہیلی کو پٹر میں چھپا دے گا۔" رضیہ نے جواب دیا۔

میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ زرّیں نے اس گونگے کو کس طرح اس بات پر آمادہ کیا ہوگا۔

میں نے ابھی مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا کہ رضیہ پھر بول اٹھی۔ "میں نے لاکھ چاہا کہ زرّیں صرف مجھے ہیلی کو پٹر میں جانے دے مگر وہ نہیں مانی۔ میری باتوں نے خود اس کے ذہن میں تجسس پیدا کر دیا تھا کہ خان آف کالا گوٹ درحقیقت کہاں جاتا ہے!"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں اسی وقت سے یہاں ہو جب خان آف کالا گوٹ آیا تھا؟" میں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"ہاں" رضیہ بولی۔ "میں زرّیں کے ہمراہ ہیلی کو پٹر سے اتر کر اس عمارت کے اِردگرد پھیلے ہوئے درختوں کے جھنڈ میں چھپ گئی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ جب خان آف کالا گوٹ، ہیلی کو پٹر میں بیٹھ کر واپس چلا جائے گا تو زرّیں کو وہیں چھوڑ کر عمارت کا رُخ کر دوں گی۔ میرا قیاس تھا کہ خان آف کالا گوٹ نے آپ کو اور رضوان کو اسی عمارت میں رکھا ہوگا۔"

"تمھیں یہ کب معلوم ہوا کہ میں اور رضوان، خان آف کالا گوٹ کے ہتھے چڑھ گئے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"آج صبح! جب میں نے رضوان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو مجھے ایک ملازمہ سے رات کو پیش آنے والے عجیب واقعے کا علم ہوا۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "میں اسی وقت خان ولا سے روانہ ہو گئی تاکہ تفصیلی واقعات جان کر کسی نتیجے پر پہنچ سکوں۔ پھر میں نے ملازماؤں سے گفتگو کر کے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ خان آف کالا گوٹ آپ پر اور رضوان پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ پہلے مجھے شبہ ہوا کہ شاید آپ کو خان ولا ہی میں رکھا گیا ہے لیکن پھر میرا خیال بدل گیا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر یہی خیال آ رہا تھا کہ خان آف کالا گوٹ نے جہاں پروفیسر منہاس کو رکھا ہوگا، وہیں وہ آپ کو بھی رکھے گا۔ اس خیال کا ایک سبب یہ تھا کہ خان آف کالا گوٹ، پروفیسر منہاس کو کسی ایسی ہی جگہ رکھ سکتا تھا جو ہر طرح محفوظ اور خفیہ ہو۔ خان ولا بہرحال وہ جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ جگہ میرے خیال میں وہی ہو سکتی تھی جہاں خان آف کالا گوٹ ہیلی کو پٹر میں بیٹھ کر جاتا تھا۔ اس نتیجے تک۔۔۔"

"ٹھہرو رضیہ!" میں نے ہاتھ اٹھا کر رضیہ کی بات کاٹ دی۔ "تم نے پروفیسر منہاس کا ذکر چھیڑ کر ایک اور راہ سجھا دی۔ میں تمھارے اس خیال سے قطعی متفق ہوں کہ پروفیسر منہاس بھی اسی عمارت میں کہیں قید ہے۔ اب مزید تفصیلات میں جانے کا وقت نہیں، فوراً زرّیں اور پروفیسر منہاس کو تلاش کرنے کے بعد اس عمارت سے نکل جانا چاہیے۔ یہاں کسی بھی وقت کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی دیکھا اور بولی۔ "اس وقت گیارہ بجنے والے ہیں۔ آج رات بارہ بجے کے بعد خان آف کالا گوٹ یا تو یہاں خود آئے گا یا پھر ماسٹر سے رابطہ قائم کرے گا۔ ہمارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے اور یہ بھی طے شدہ نہیں کہ وہ ایک گھنٹے سے پہلے ماسٹر سے رابطہ قائم نہیں کرے گا۔ ممکن ہے، وہ پہلے ہی رابطہ قائم کرے اور اسے کوئی جواب نہ ملنے کی صورت میں فوراً ہی کوئی ایسی چال چل دے کہ ہم اس کے جال میں دوبارہ پھنس جائیں۔"

رضیہ نے مجھ سے اس بات کی وضاحت نہیں چاہی تھی کہ مجھے یہ کیسے یقین ہے، خان آف کالا گوٹ ایک گھنٹے بعد یا تو خود وہاں پہنچے گا یا ماسٹر سے رابطہ قائم کرے گا۔ یہ وقت تفصیلات میں جانے کا نہیں تھا اور اس بات کا اندازہ رضیہ کو بھی ہو گیا ہوگا۔

میرے ذہن میں بھی اس وقت کئی تشنہ سوالات کلبلا رہے تھے مگر میں نے فی الحال انھیں ذہن سے جھٹک دیا۔ میں اور رضیہ اس وقت راہداری میں کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ پہلے ہم نے وہیں دونوں جانب بنے ہوئے کمروں کا جائزہ لینا ضروری سمجھا۔ انہی کمروں میں سے ایک میں ہم نے ان آٹھوں افراد کو بند کیا تھا۔

وہ چھ کمرے تھے، دو راہداری کے دونوں سروں پر تھے اور چار درمیان میں۔ ان میں ایک بڑا سا کمرہ بھی تھا جس میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ کمرہ بالکل خالی پڑا تھا۔

"اس کمرے میں غالباً ماسٹر اپنے شاگردوں کو جوڈو کراٹے کی تربیت دیتا ہوگا۔" میں نے اس ہال نما کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

رضیہ نے میرے خیال سے اتفاق کیا۔ بقیہ تمام کمرے رہائشی تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ آٹھوں افراد انہی کمروں میں رہتے ہوں گے۔ ان میں سے ایک کمرے میں ماسٹر کی بڑی سی تصویر بھی دیوار پر آویزاں تھی۔

وہاں مزید وقت ضائع کرنا بیکار تھا اس لیے میں اور رضیہ راہداری کے سرے پر بنے ہوئے ایک دروازے کی طرف بڑھے۔

کچھ دیر بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ عمارت کافی بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ ابھی تک ہم نہ زرّیں کو تلاش کر سکے تھے اور نہ پروفیسر منہاس کو! ہمیں اس عمارت میں چکر لگاتے ہوئے تقریباً دس منٹ گزر چکے تھے۔ میں نے اس دوران میں رضیہ سے بقیہ واقعات بھی معلوم کر لیے تھے۔

رضیہ کے بیان کے مطابق اس نے ایک نتیجے تک پہنچنے کے بعد زرّیں کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ عارف کو تھوڑی سی "گھاس" ڈال دے۔ زرّیں بمشکل اس کار خیر پر آمادہ ہوئی تھی اور نتیجہ حسبِ توقع نکلا تھا۔ عارف نے ان دونوں کو پہلے ہی ہیلی کو پٹر کے پچھلے حصے میں چھپا دیا تھا جہاں دو پیراشوٹ نہ جانے کس لیے پڑے رہتے تھے حالانکہ وہ ہوائی جہاز نہیں ہیلی کو پٹر تھا۔ زرّیں اور رضیہ بہ آسانی ان پیراشوٹس کے نیچے چھپ گئی تھیں۔ خان آف کالا گوٹ کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا تھا کہ ہیلی کو پٹر میں اس کے گونگے بھتیجے کے علاوہ بھی دو عدد معصوم دل دھڑک رہے ہیں۔

اندازے کے مطابق تقریباً ایک گھنٹے یا اس سے کچھ کم، ہیلی کو پٹر فضا میں پرواز کرتا رہا تھا۔ پھر جب خان آف کالا گوٹ اس سے اتر کر چلا گیا تھا تو رضیہ اور زرّیں بھی عارف کو بائی بائی کہہ کر وہاں سے چل دی تھیں۔ وہ گونگا بے چارہ کہتا سنتا بھی کیا، وہ اوں آں کر کے رہ گیا تھا جس پر نہ زرّیں نے توجہ دی تھی نہ رضیہ نے۔

جب خان آف کالا گوٹ دوبارہ ہیلی کو پٹر میں بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا تو رضیہ اور زرّیں عمارت کی طرف بڑھی تھیں لیکن ان دونوں ہی کو چھاپ لیا گیا تھا۔ رضیہ نے دانستہ اس وقت ہنگامہ برپا کرنے سے گریز کیا تھا کیوں کہ ان دونوں کو پکڑ کر عمارت ہی میں لے جایا جا رہا تھا۔ رضیہ کا ریوالور اس سے اسی وقت چھین لیا گیا تھا۔

زرّیں کو دیکھتے ہی ماسٹر چونک اٹھا تھا۔ اس سے رضیہ نے اندازہ لگایا تھا کہ کم از کم ماسٹر، زرّیں کو ضرور پہچانتا ہے۔ جب ماسٹر کے حکم پر زرّیں کو اور رضیہ کو اس کے گرگے الگ الگ لے جانے لگے تو زرّیں غصّے سے بے قابو ہو گئی۔ اس نے ماسٹر کو بہت دھمکیاں دیں کہ وہ اپنے والد سے کہہ کر اسے ملازمت سے الگ کرا دے گی اور یہ کہ رضیہ اس کی دوست ہے مگر ماسٹر نے ایک نہ سنی۔ رضیہ اور زرّیں کو جدا ہونا ہی پڑا۔ رضیہ نے اس وقت بھی ہنگامے سے دانستہ گریز کیا۔ وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی کہ اس کے مقابل کم سے کم افراد ہوں اور پھر اسے یہ موقع مل ہی گیا۔ رضیہ کو غالباً وہ اسی کمرے میں قید کرنا چاہتے تھے جہاں انھوں نے مجھے رکھا تھا۔

رضیہ کے بیان کی روشنی میں میرے لیے یہ سمجھنا اب مشکل نہیں رہا تھا کہ وہ لوگ مسلح ہونے کے باوجود رضیہ کو قابو میں کرنے کے لیے ریوالور کیوں استعمال نہیں کر رہے تھے اور وہ غیر مسلح کیوں تھی۔ رضیہ نے یہ بھی بتایا تھا کہ خود ماسٹر نے اپنے گرگوں کو ریوالور استعمال کرنے سے گریز کا حکم دیا تھا۔ ماسٹر نے اسی لیے رضیہ کے ہمراہ زیادہ آدمی بھیجے تھے کہ اگر وہ کوئی ہنگامہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی رہی ہو تو اپنے ساتھ آنے والے افراد کی تعداد دیکھ کر ڈر جائے۔ ماسٹر کی یہ بدنصیبی ہی تھی کہ وہ رضیہ سے واقف نہیں تھا۔

"رضیہ!" میں نے ایک طرف مڑتے ہوئے رضیہ سے کہا۔

"جی باجی!"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ماسٹر نے تم دونوں کو۔۔۔" میں کہتے کہتے رک گئی۔ میں نے رضیہ سے کہا۔ "تم نے کچھ سنا؟"

"ہاں کچھ محسوس تو ہوا تھا جیسے کوئی سسکیاں سی لے رہا ہو۔" رضیہ نے میرے خیال کی تائید کر دی۔ میں رک گئی اور رضیہ نے بھی میری تقلید کی مگر اب وہ آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

"وہ آواز غالباً اس طرف سے آئی تھی۔" میں نے سامنے کی جانب اشارہ کیا جدھر تاریکی تھی۔

"اس عمارت میں اگر دو ہی افراد قید ہیں تو پھر وہ سسکیاں زرّیں ہی کی ہو سکتی ہیں۔" رضیہ بولی۔

"چند لمحے خاموش رہو۔" میں نے کہا۔ "ممکن ہے وہ آواز پھر سنائی دی جائے اور ہم صحیح سمت کا اندازہ لگا سکیں۔" میں رضیہ کے خیال سے متفق تھی مگر اس کا اظہار ضروری نہیں سمجھا تھا۔

کچھ دیر بعد پھر سسکیاں ابھریں اور میں چونک اٹھی۔ میرا

اندازہ غلط نہیں تھا۔ سسکیوں کی وہ آواز سامنے ہی سے آ رہی تھی۔

رضیہ اور میں ایک ساتھ اس طرف لپکے۔ ہمارے قدموں کی گونج سناٹے کو مجروح کر رہی تھی۔

روشنی سے تاریکی میں پہنچنے کے بعد چند لمحے مجھے کچھ نظر ہی نہ آیا تھا۔ سسکیاں پھر رک گئی تھیں۔

ابھی میں کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی کہ رضیہ نے زریں کا نام لے کر اسے پکارا۔

"نادرہ!" جواب میں فوراً ہی زریں کی آواز سنائی دی۔ "میں ... میں یہاں ہوں۔"

"گھبراؤ مت زریں! میں آگئی ہوں۔" رضیہ نے جواب میں کہا۔

میں نے دانستہ کچھ بولنے سے گریز کیا تھا۔ یوں بھی اس وقت میں یہ سوچ رہی تھی کہ صبیحہ بانو کی حیثیت سے تو زریں میرے لیے اجنبی ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت میں ریٹا ڈکسن کے میک اپ میں نہیں تھی اس لیے زریں مجھے نہیں پہچان سکتی تھی اور فی الحال اجنبیت کی یہ دیوار گرانا ضروری بھی نہیں تھا۔

وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں زریں کو بند کیا گیا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک اور چھوٹا سا کمرہ تھا۔ یہ دونوں کمرے اصل عمارت سے کافی دُور بنے ہوئے تھے جو غالباً زیادہ استعمال میں نہیں رہتے تھے۔ اسی وجہ سے شاید وہاں بجلی بھی نہیں تھی اور اگر تھی بھی تو بلب نہیں لگائے گئے تھے۔ اس کمرے کے دروازے کو باہر سے مقفل کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی گئی تھی، صرف کنڈی لگا دی گئی تھی جسے کھول کر ہم نے بہ آسانی زریں کو کمرے سے نکال لیا۔

"وہ ... وہ لمبے بالوں والا بدمعاش کہاں گیا؟ اور ... اور اس کے ساتھی ... مگر ... مگر یہاں ڈیڈی نے اتنے سارے آدمی کیوں رکھے ہوئے ہیں!" زریں، رضیہ کے ساتھ آگے آگے چلتی ہوئی اس سے بولی۔

میں دانستہ ان دونوں کے پیچھے چل رہی تھی۔ زریں نے رضیہ کے ہمراہ کسی اور کی موجودگی پر حیرت کا اظہار تو کیا تھا مگر ابھی تک رضیہ نے اس سے میرا تعارف نہیں کرایا تھا۔ رضیہ نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی تھی اور دوسری بات کرنے لگی تھی۔

"کیا تمھیں اس عمارت کے بارے میں پہلے سے کچھ علم تھا؟" رضیہ نے زریں سے سوال کیا۔

اب ہم سب تاریکی سے نکل کر روشنی میں آچکے تھے۔ زریں نے فطری تجسس کے تحت رضیہ کی بات کا جواب دینے سے پہلے میری طرف مڑ کر دیکھا تھا۔ اس کے پھول جیسے رخساروں پر آنسوؤں کی نمی اب بھی تھی۔ مجھے وہ نمی، تازہ کھلے ہوئے گلابوں پر شبنم کی نمی کی مانند محسوس ہوئی۔

میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ زریں مجھے دیکھ کر چونکی تھی اور اس چونکنے کا سبب میں اچھی طرح سمجھتی تھی۔ میں نے ضرور تاہم کا میک اپ بس یوں ہی سا کیا تھا۔ زریں کے چونک اٹھنے کا سبب یہی مشابہت رہی ہوگی۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا زریں!" رضیہ نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"میں نے بس ایک بار یہ سنا تھا کہ اندرونِ سندھ ڈیڈی کی ذاتی شکارگاہ ہے جہاں وہ کبھی کبھار ہی جاتے ہیں۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو یہ وہی جگہ ہے۔" زریں نے جواب دیا۔

"مقام کے بارے میں تمھیں کچھ پتا نہیں ہے؟" رضیہ نے جلدی سے دوسرا سوال کر دیا۔ "کیا تم نے کبھی یہ نہیں سنا کہ وہ شکارگاہ تھی کس جگہ؟"

"ایک بار ڈیڈی کسی سے باتیں کر رہے تھے تو میں نے اتنا سنا تھا کہ شکارگاہ ٹھٹھہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔" زریں نے جواب دیا۔

اب میں بھی قدم بڑھا کر ان دونوں کے قریب پہنچ گئی تھی۔ رضیہ نے زریں سے بڑے کام کی بات معلوم کی تھی۔ اب مجھے علم ہو چکا تھا کہ میں کراچی سے کتنی دُور ہوں۔

اب ہم چلتے ہوئے پھر اس جگہ پہنچ گئے تھے جہاں میں نے سسکیوں کی آواز سنی تھی۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ اب وقت بہت کم تھا اور ابھی پروفیسر منہاس کو بھی اس عمارت میں تلاش کرنا تھا۔

"نادرہ! ہم اس طرف نہیں گئے۔" اچانک میں نے رضیہ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔ اس طرف زمین کچی تھی اور چند درختوں کی دوسری جانب نرم تاریکی سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے دانستہ رضیہ کو نادرہ کہہ کر مخاطب کیا تھا کیونکہ زریں اُسے اسی نام سے جانتی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں باجی!" رضیہ نے جواب دیا۔ "ہمیں اس طرف چلنا چاہیے۔"

توقع کے مطابق پہلے میری آواز سن کر اور پھر رضیہ کے منہ سے "باجی" سن کر زریں چونک اٹھی تھی۔

"ان کی آواز اور ... اور آنکھیں ... اور ... اور جسم ..." زریں ہکلا کر رہ گئی۔

"ہاں زریں! باجی کا چہرہ مُہرہ میری استاد ریٹا ڈکسن سے بہت ملتا جلتا ہے اور آواز بھی!" رضیہ نے جلدی سے کہا۔ "یہی کہنا چاہتی ہو نا تم؟"

"ہاں!" زریں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ کوئی غیرمعمولی بات نہیں۔ دنیا میں بہت سے لوگوں کے چہرے اور آوازیں بڑی حد تک ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ تم نے ہم شکلوں کے بہت سے قصے سنے ہوں گے۔ باجی اور ریٹا ڈکسن ہم شکل تو نہیں مگر ان میں مشابہت بہت ہے۔" رضیہ نے معاملے کو سنبھال لیا۔

"مگر تمھاری باجی یہاں ... یہاں کیسے آگئیں؟" زریں نے سوال کیا۔ اس کے لہجے میں اب بھی حیرت تھی۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے زریں! فی الحال صرف اتنا سمجھ لو کہ تمھارے والد نے مجھے اغوا کرا لیا تھا اور یہاں قید کر دیا تھا۔" اس بار میں نے زریں کو مخاطب کر لیا۔

"اُغ ... اغوا ... میرے ڈیڈی ... میرے ڈیڈی نے ... وہ ... وہ ... ڈیڈی ... ایسے ... ایسے میں ڈیڈی!" یہ کہتے ہوئے زریں کی آواز بھرا گئی۔

"نہ صرف مجھے بلکہ انھوں نے ایک غریب پروفیسر کو بھی یہاں قید کر رکھا ہے اور ہم اب اسی کو تلاش کر رہے ہیں۔" میں نے اسے مزید بتایا۔

"مگر کیوں؟ ڈیڈی ... ڈیڈی نے اس پروفیسر کو کس لیے ...؟"

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔" میں نے زریں کی بات کاٹ کر کہا۔ "یہ تفصیلی باتیں ہیں جو بعد میں ہوتی رہیں گی۔ ابھی ہم خطرے کی حدود میں ہیں۔"

زریں نے میرے اغوا کی وجہ تو نہیں پوچھی تھی لیکن پروفیسر کے اغوا کا سبب ضرور جاننا چاہتی تھی۔

"وہ بدمعاش کہاں گئے؟" زریں نے پھر وہی سوال کیا جسے پہلے رضیہ نے نظرانداز کر دیا تھا۔

"میں نے اور باجی نے ان سب کو باندھ کر ایک کمرے میں ڈال دیا ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

زریں نے رضیہ کو ایسی نظر سے دیکھا جیسے اس نے کہہ دیا ہو کہ رات کے وقت سورج نظر آ رہا ہے۔

ہم باتیں کرتے ہوئے کہیں رُکے نہیں تھے بلکہ اس طرف بڑھ رہے تھے جدھر میں نے اشارہ کیا تھا۔

درختوں کی دوسری جانب ایک چھوٹا سا قطعۂ زمین عبور کر کے ہم ایک برآمدے میں پہنچ گئے جس میں پچیس واٹ کا بلب جل رہا تھا۔

وہاں بھی دو کمرے برابر برابر بنے ہوئے تھے اور دونوں ہی کے دروازے مقفل تھے۔ اس کا اندازہ میں نے اور رضیہ نے دروازوں کے ہینڈل پکڑ کر لگایا تھا۔

"کیا خیال ہے نادرہ؟" میں نے رضیہ کو معنی خیز انداز میں دیکھا۔

"ٹھیک ہے باجی!" وہ میرا مطلب سمجھ گئی تھی۔

پھر دوسرے ہی لمحے دو دھماکے ہوئے اور زریں چیخ پڑی۔ "یہ ... یہ ... کیا کر رہی ہو تم نادرہ؟"

رضیہ نے باری باری دونوں قفل فائر کر کے توڑ دیے تھے۔

"زریں! گھبراؤ مت! ہم جو کچھ کر رہے ہیں، ایک مظلوم شخص کی جان بچانے کے لیے کر رہے ہیں۔" میں نے زریں کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دی اور اس کا جسمانی لمس محسوس کر کے میرے بدن میں ایک برقی رَو سی دوڑ گئی۔ وہ تھی ہی اتنی حسین! خوف زدہ ہو کر تو وہ اور بھی خوب صورت لگ رہی تھی۔

پھر باری باری ہم نے دونوں ہی کمرے دیکھے تھے مگر دونوں ہی خالی تھے۔ ہم نے ان دونوں کمروں کے بلب روشن کر دیے تھے لیکن ہمیں وہاں کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔

"یہاں تو کوئی نہیں۔" رضیہ نے دوسرے کمرے کو بھی خالی پا کر کہا اور پھر وہ میری نگاہوں کی سیدھ میں دیکھنے لگی۔ میری نگاہ سامنے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ کمرے کی وہ دیوار ایک پردے کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ پردہ چھت سے لے کر زمین تک پڑا ہوا تھا۔

رضیہ میری نگاہ کا مفہوم سمجھ کر تیزی سے اس کی طرف

گئی اور پردہ ایک طرف کھسکاتے ہی چونک اٹھی۔ وہاں دیوار میں ایک آہنی دروازہ نظر آرہا تھا۔

"رضیہ! دروازے کو ہاتھ نہ لگانا! اس میں برقی رَو بھی ہوسکتی ہے۔" میں نے بروقت رضیہ کو تنبیہہ کی اور وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا تھا۔ "پروفیسر منہاس یقیناً یہیں قید ہے۔" میں پُریقین لہجے میں بولی۔ پھر میں نے رضیہ کو بتایا کہ جہاں مجھے قید کیا گیا تھا، وہ قید خانہ بھی ایک آہنی دروازے کے پیچھے تھا۔

زرّیں حیران حیران سی کھڑی ہوئی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ اس آہنی دروازے کو کھولنے اور بند کرنے کا طریقہ بھی وہی ہوگا جو میرے "قید خانے" کو کھولنے اور بند کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ میں وہ آہنی دروازہ کھول کر اندر سے باہر آئی تھی لیکن اسے باہر سے کس طرح کھولا جاتا تھا، میں اس سے ناآشنا تھی۔

پھر بغیر وقت ضائع کیے میں نے اور رضیہ نے وہاں کسی پوشیدہ بٹن کی تلاش شروع کردی لیکن ناکام رہے۔ اسی تلاش کے دوران میں، میں نے اس کمرے کے فرش پر غور کیا۔ اس عمارت میں اب تک میں نے دو کمروں کے فرش ایک جیسے دیکھے تھے پہلا کمرہ وہ تھا جہاں میں خان آف کالاکوٹ سے ملی تھی اور دوسرا کمرہ یہ تھا۔ ان دونوں کمروں کے فرش چوکور ٹائلوں کے بنے ہوئے تھے۔ اس کمرے میں بھی ایک آہنی دروازہ تھا اور اس کمرے میں بھی! یہ مماثلت میری نظر میں بے معنی نہیں تھی۔

وہ دروازہ دھاتی پلیٹ کے ایک مخصوص حصّے پر پیر کا دباؤ ڈالنے کے بعد، دھاتی پلیٹ پر جسم کے دباؤ سے کھلا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں یہ خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا کہ کہیں آہنی دروازے کے قریب کسی چوکور ٹائل پر دباؤ ڈالنے سے تو یہ آہنی دروازہ نہیں کھل جائے گا؟

دوسرے ہی لمحے میں آہنی دروازے کی طرف تیزی سے بڑھی اور اسی دوران میں رضیہ کو بھی اپنے خیال سے آگاہ کردیا جو میرے پیچھے پیچھے ہی لپکی تھی۔

اور پھر میرا خیال صحیح ثابت ہوا۔ آہنی دروازے کے دونوں پٹ بغیر کوئی آواز پیدا کیے دیوار کی دونوں جانب تیزی سے کھسک کر غائب ہوگئے۔ ظاہر ہے کہ رضیہ نے تو اس پر حیرت کا اظہار نہیں کیا ہوگا مگر زرّیں ضرور اُچھل پڑی تھی۔

آہنی دروازے کے اندر کی جانب دھاتی پلیٹ نظر آرہی تھی، میری نگاہ اس پر جم گئی اور پھر میں نے وہ جگہ تلاش کرلی جہاں مجھے پیر رکھنا تھا تاکہ دھاتی پلیٹ میں دوڑتی ہوئی برقی رَو کا سلسلہ منقطع ہوجائے۔

"تم زرّیں کے ساتھ یہیں رہو!" میں نے پلٹ کر رضیہ سے کہا۔ "اس راہداری کے اختتام پر ایک کمرہ بنا ہوگا اور مجھے یقین ہے کہ پروفیسر منہاس اسی میں قید ہوگا۔ ہاں سنو! کمرے کا دروازہ بھی مقفل ہوگا اور اسے توڑنے کے لیے مجھے فائر بھی کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے آپ جائیں۔" رضیہ نے اثباتی انداز میں سر ہلایا۔

میں نے دوسرے ہی لمحے اس دھاتی پلیٹ کے مخصوص حصّے پر اپنے پیر کا دباؤ ڈالا اور پھر ہلکی سی کلک کی آواز محسوس کی۔ اس کے بعد میں بہت اطمینان سے دھاتی پلیٹ پر چلتی ہوئی راہداری میں پہنچ گئی۔

راہداری طے کرنے کے بعد حسبِ توقع مجھے ایک کمرے کا دروازہ نظر آگیا۔ دروازہ مجھے مقفل ہی ملا مگر میں نے فائر کرکے قفل توڑنے میں دیر نہیں کی۔

"کک... کون ہے؟" دروازہ کھلتے ہی میری سماعت سے ایک کانپتی ہوئی سی آواز ٹکرائی۔ پروفیسر منہاس یقیناً فائر کی آواز سن کر بیدار ہوگیا تھا۔ کمرے میں ہلکی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ پروفیسر منہاس کو شاید اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ وہ زیادہ پاور کا بلب روشن کرسکتا۔ مدھم نیلی روشنی میں مجھے اس کا صرف ہیولا سا نظر آرہا تھا۔

"آپ پروفیسر منہاس ہیں نا؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں... ہاں مگر تم... تم کون ہو؟ ابھی ابھی... وہ فائر کی آواز..."

"وہ فائر میں نے اس کمرے کا قفل توڑنے کے لیے کیا تھا۔" میں سوئچ بورڈ کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"قفل توڑنے کے لیے!... مگر... مگر کیوں؟ کیا تمہارا تعلق خان آف کالاکوٹ سے نہیں ہے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "آپ مجھے اس کا دشمن سمجھ سکتے ہیں اور اپنا ہمدرد!"

میں اس دوران میں سوئچ بورڈ تک پہنچ چکی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں نے بٹن دبا دیا اور کمرہ تیز روشنی میں نہا گیا۔

"تمہیں... تمہیں میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" چند لمحے بعد پروفیسر منہاس کی آواز پھر سنائی دی۔ وہ میری طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا اور میں بھی اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ باریش اور دُبلا پتلا تھا۔

"میں آپ کے بیٹے سلطان کی دوست ہوں۔" میں نے مزید سوال جواب سے بچنے کی خاطر کہا۔

"لیکن... لیکن تم... تم یہاں کیوں آئی ہو؟" پروفیسر منہاس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"آپ کو آزاد کرانے کے لیے!" میں نے جواب دیا۔

"نہیں... مجھے... مجھے آزادی نہیں چاہیے! مجھے یہیں قید رہنے دو!" پروفیسر منہاس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "مجھ جیسے بزدلوں اور ضمیر فروشوں کے لیے آزادی ضروری نہیں... قطعی ضروری نہیں!"

"پروفیسر! وقت کم ہے اور ہم خطرے میں ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ فوراً میرے ساتھ چلے چلیں ورنہ ماہ پارہ کی زندگی کو بھی کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے۔" میں نے دانستہ جھوٹ بولا۔

"ماہ پارہ! وہ... وہ کہاں ہے؟ کیا وہ بھی خان آف کالاکوٹ کی قید میں ہے مگر ایسا ہوتا تو... تو..."

"یہ باتیں بعد میں ہوسکتی ہیں پروفیسر!" میں نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ اس وقت پونے بارہ بجنے والے تھے۔ اس عمارت سے نکلنے کے لیے اب میرے پاس صرف پندرہ منٹ باقی تھے۔ میں چاہتی تھی کہ پروفیسر منہاس کو وہاں سے نکال لے جانے کے بعد خان آف کالاکوٹ کی مزاج پرسی کروں۔ پروفیسر منہاس اور زرّیں کی موجودگی میں، میں اس سے بھڑنا نہیں چاہتی تھی۔

سوتیلی بیٹی ہونے کے باوجود پروفیسر منہاس، ماہ پارہ سے محبت کرتا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب یہ بات سن کر اس کے چہرے کا رنگ متغیّر ہوگیا اور پھر کچھ دیر بعد وہ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگیا۔

میں نے راہداری میں پروفیسر منہاس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "وہ لیبارٹری بھی یقیناً اسی عمارت میں ہوگی جہاں آپ خان آف کالاکوٹ کے ایما پر کام کررہے تھے!"

میری بات سن کر پروفیسر منہاس چونک اٹھا اور بولا۔ "تو تمہیں سب کچھ معلوم ہے!"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کے مقاصد نیک تھے پروفیسر!"

پروفیسر منہاس نے اس بات پر کوئی خیال آرائی نہیں کی۔ وہ سر جھکائے چلتا رہا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا پروفیسر!" میں نے اُسے ٹوکا۔

"ہاں وہ لیبارٹری اسی عمارت میں ہوگی۔"

"ہوگی سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"مجھے ہمیشہ وہاں آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جایا جاتا رہا ہے اور وہاں سے واپسی میں بھی یہی احتیاط برتی گئی ہے۔" پروفیسر منہاس نے بتایا۔ "لیکن مجھے اتنا اندازہ ضرور ہے کہ وہ لیبارٹری زمیں دوز ہے۔"

"ٹھہریے پروفیسر!" میں نے جلدی سے پروفیسر منہاس کا بازو پکڑ لیا۔ "جس دھاتی پلیٹ پر آپ پاؤں رکھنے والے تھے اس میں برقی رَو دوڑ رہی ہے۔"

"پھر؟" پروفیسر منہاس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس دھاتی پلیٹ پر پاؤں رکھے بغیر تو ہم دروازہ عبور نہیں کرسکتے۔"

میں نے پروفیسر منہاس کو اس میکنزم کے بارے میں مختصراً بتایا، پھر بولی۔ "آپ میرے بعد اس دھاتی پلیٹ پر پاؤں رکھیے گا۔"

آہنی دروازے کی دوسری جانب رضیہ اور زرّیں موجود تھیں۔

"یہ دونوں کون ہیں؟" پروفیسر آہنی دروازہ عبور کرتے ہوئے بولا۔

"انھیں بھی آپ میری طرح اپنا ہمدرد سمجھ سکتے ہیں۔" میں نے مختصر جواب دیا اور گھڑی دیکھی۔ اب بارہ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ میں رضیہ سے مخاطب ہوئی۔ "اب جلد سے جلد اس عمارت سے نکل چلو! اگر وقت ہوتا تو میں وہ زمیں دوز لیبارٹری ضرور تلاش کرتی جس کے بارے میں مجھے پروفیسر سے معلوم ہوا ہے مگر پروفیسر کی غیر موجودگی کے بعد خان آف کالاکوٹ کے لیے وہ لیبارٹری بے مصرف ہی ہے۔"

"باجی! ممکن ہے کہ اس عمارت کے بیرونی حصّے میں کوئی گیرج وغیرہ ہو اور ہمیں وہاں کوئی کار یا جیپ مل جائے۔" رضیہ نے کہا۔

میں نے رضیہ کے خیال سے اتفاق کیا، پھر بولی۔ "لیکن ہم اس کی تلاش میں وقت ضائع نہیں کریں گے۔"

پھر ہم سبھی تیزی سے حرکت میں آگئے۔ وہ عمارت کیا تھی، پوری شیطان کی آنت تھی۔ ہم اس کی بھول بھلیوں میں کھو کر راستہ بھول گئے۔ یوں بھی رات کا وقت تھا اور پوری عمارت میں روشنی نہیں تھی۔ اس کے کچھ حصّے تاریک پڑے ہوئے تھے۔

ہمیں اس شیطانی عمارت سے نکلنے میں تقریباً دس منٹ لگ

گئے۔ اب وقت نہیں رہا تھا کہ ہم کسی گیرج کی تلاش میں، اندھیرے میں بھٹکتے پھرتے کیوں کہ عمارت کے باہر تاریکی تھی۔

عمارت سے نکلتے ہی میں نے خود کو ایک چھوٹے سے جنگل میں پایا۔

کچھ کچھ فاصلے سے وہاں درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے جنھوں نے عمارت کو چھپا رکھا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ جنگل، عمارت کی چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔

ہم سب نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے کہ کہیں تاریکی میں بھٹک نہ جائیں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکیں۔ میرے ایک ہاتھ میں پروفیسر منہاس کا ہاتھ اور دوسرے میں رضیہ کا ہاتھ تھا۔ رضیہ نے زریں کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

ابھی ہم چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ اچانک میں چلتے چلتے چونک پڑی۔ میری سماعت سے ایک ہیلی کوپٹر کی گڑگڑاہٹ ٹکرائی تھی۔ وہ گڑگڑاہٹ رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھی۔

ظاہر ہے کہ اس ہیلی کوپٹر میں آنے والا خان آف کالا گوٹ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا! تین گھنٹے کی مہلت پوری ہو چکی تھی اور وہ مجھ سے براہِ راست جواب لینے آ پہنچا تھا۔ اس نے یقیناً میرے معاملے کو اہم سمجھتے ہوئے اسے ماتحت پر چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔

"باجی! ہیلی کوپٹر کی آواز!" رضیہ نے میری طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ہاں، میں بھی سن چکی ہوں" میں نے جواب دیا۔ "اگر اس وقت میرے ساتھ پروفیسر منہاس نہ ہوتے اور زریں بھی تمھارے ساتھ یہاں نہ آئی ہوتی تو آج خان آف کالا گوٹ سے آخری معرکہ ہو ہی جاتا۔" میں نے دانستہ آواز دھیمی رکھی تھی تاکہ زریں میری بات نہ سن سکے۔ یہ کہتے ہی میں نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی، رضیہ اور بقیہ افراد نے بھی میرا ساتھ دیا تھا۔

میں جانتی تھی کہ خان آف کالا گوٹ کچھ دیر بعد ہی حقیقت سے آگاہ ہو جائے گا، پھر وہ کسی زخمی سانپ کی طرح بل کھانے لگے گا اور فوراً ہی ہماری تلاش شروع کر دے گا۔ ان حالات میں ہم اس عمارت سے جلد از جلد جتنی بھی دور ہو جاتے، بہتر تھا۔

ہیلی کوپٹر کی گڑگڑاہٹ اب بہت واضح اور قریب محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی آواز سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ کہاں اترے گا۔

پھر تھوڑی دیر بعد سناٹا چھا گیا۔ ہیلی کوپٹر غالباً اتر چکا تھا۔ پروفیسر منہاس اور زریں دونوں ہی کو شاید صورتِ حال کی نوعیت کا احساس ہو گیا تھا اس لیے وہ دونوں خاموشی سے میرا اور رضیہ کا ساتھ دے رہے تھے۔ اب میں نے اپنی رفتار سے بھی تیز کر دی تھی۔ اب ہم سب تقریباً دوڑ رہے تھے۔

"میں... میں بوڑھا شاید تم... تم لوگوں کا ساتھ نہ دے پاؤں... مجھے... مجھے یہیں چھوڑ جاؤ۔"

"آپ ہی کی خاطر تو ہم نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا پھر بھلا ہم آپ کو یہاں چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں!" میں نے مجبوراً کسی قدر رکتے ہوئے کہا۔

"مگر کیوں؟ تم لوگوں نے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی؟ میں... میں اس قابل تو نہیں تھا۔ میں ایک بزدل آدمی ہوں، خان کی بات تسلیم کرنے کی بجائے خودکشی کر لیتا۔ میں... میں ملک و قوم کا غدار ہوں۔ میں ہرگز اس سلوک کا مستحق نہیں ہوں" منہاس جذباتی ہو گیا۔ ہرچند کہ وہ بہادر شخص نہیں تھا مگر اس کا ضمیر زندہ تھا۔

"آپ ملک و قوم کی امانت ہیں پروفیسر! آپ جیسے با صلاحیت افراد کو کچھ کر دکھانے کا موقع دیا جائے تو ہمارے ملک کی قسمت بدل سکتی ہے۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے پروفیسر کہ ہم اپنے ملک کے ذہین اور باصلاحیت افراد کو ابھرنے کا موقع نہیں دیتے۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے پروفیسر! آپ جیسے لوگ دنیا میں نہیں ہوتے۔ آپ لوگ زندگی بھر اپنے کام کی دھن میں گزار دیتے ہیں اور خاموشی سے مر جاتے ہیں۔ پھر صدیوں کے ماتھے پر آپ لوگوں کا نام رقم ہو جاتا ہے۔" میں نے بھی جذبات کا جواب جذبات سے دیا اور یہ میرے سچے جذبات تھے۔ میں اچھی طرح یہ بات جانتی تھی کہ ہر شخص تشدد نہیں سہہ سکتا اور یہ کوئی غیر فطری بات بھی نہیں تھی۔

"مجھے... مجھے مزید شرمندہ نہ کرو..." پروفیسر منہاس کی آواز بھرا گئی اور وہ مزید کچھ نہ کہہ سکا۔

اس کے بعد مجھے پروفیسر منہاس سے تیز چلنے کے لیے نہیں کہنا پڑا تھا۔ اس کا سانس پھول رہا تھا لیکن اس کے باوجود وہ قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔

میں آگاہ نہیں تھی کہ وہ جنگل کتنی دور تک پھیلا ہوا تھا مگر بہرحال کہیں نہ کہیں ختم ہونا ہی تھا۔ ہمیں اس جنگل میں چلتے ہوئے تقریباً پندرہ بیس منٹ ہو چکے تھے۔ ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ وہاں خطرناک جنگلی جانور نہ ہوں لیکن اب تک ہم اس خطرے سے محفوظ ہی رہے تھے۔

زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ اور گزرے ہوں گے کہ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ فضا میں کسی ہیلی کوپٹر کا ہلکا ہلکا شور ابھر رہا تھا۔

"نادرہ! وہ ہماری تلاش میں آ رہا ہے" میں نے رضیہ کو مخاطب کیا۔

"لیکن باجی، وہ اس تاریکی میں ہمیں کیسے تلاش کر سکتا ہے!" رضیہ بولی۔

"کون آ رہا ہے؟" اچانک مجھے زریں کی آواز سنائی دی۔

"وہی شخص جس نے مجھے اور پروفیسر کو اغوا کرایا تھا" میں نے زریں کے سوال کا جواب دیا۔

"مگر... مگر آپ تو کہہ رہی تھیں کہ آپ کو اور پروفیسر کو میرے ڈیڈی نے اغوا کرایا تھا؟" زریں بولی۔ اس کے لہجے میں بچوں جیسا بھولپن تھا۔

"میں نے غلط نہیں کہا تھا زریں!" میں نے کہا۔ "تم ہیلی کوپٹر کا شور سن رہی ہو نا! مجھے یقین ہے کہ اس ہیلی کوپٹر میں تمھارے ڈیڈی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

جواب میں زریں کچھ نہیں بولی۔ میں سمجھ گئی کہ وہ ال فیل کر رہی ہوگی۔ اس کا باپ ہمارا دشمن تھا اور وہ ہمارے ساتھ تھی۔ یہ اس کے لیے بہرحال نہایت آکورڈ پوزیشن تھی۔

اس دوران میں ہیلی کاپٹر کا شور مزید قریب آ گیا اور پھر کچھ دیر بعد ہی ایک بڑا سا روشن دائرہ رقص کرنے لگا۔ میں اچھل پڑی۔

"تم نے دیکھا نادرہ! وہ ہیلی کوپٹر سے سرچ لائٹ پھینک کر ہمیں تلاش کر رہا ہے" میں نے رضیہ سے کہا۔

"ہاں، ہاں باجی! یہ بات میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی کہ وہ ہماری تلاش کے لیے سرچ لائٹ بھی استعمال کر سکتا ہے۔" رضیہ بولی۔

"لیکن اس کی کوشش رائیگاں ہی جائے گی۔ جنگل گھنا ہے اور جب تک ہم اس جنگل میں ہیں وہ ہمیں نہیں ڈھونڈ پائے گا۔"

"اس کا مطلب تو یہی ہوا باجی، کہ ہم اس جنگل سے نہ نکلیں!"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔ "جنگل سے نکل کر ہماری زندگی خطرے سے دوچار ہو سکتی ہے۔"

"آپ کا خیال درست ہے، وہ ہم پر فائرنگ بھی کر سکتا ہے۔" رضیہ نے اس خطرے کی بو محسوس کر لی جس نے میرے ذہن میں سر ابھارا تھا۔

پھر کافی دیر سرچ لائٹ کا رقص جاری رہا۔ ایک بار تو ہیلی کوپٹر بالکل ہمارے سروں کے اوپر سے گزرا۔ اسی وقت سرچ لائٹ کا دائرہ ہم سے تقریباً پچاس گز آگے چکرایا۔ میں چونک اٹھی۔ سرچ لائٹ نے اسی حصے کو روشن کر دیا تھا۔ وہاں جنگل کی حدود ختم ہو رہی تھیں۔ میرے قدم خود بہ خود رک گئے۔ اب تک جنگل ہمارے لیے پناہ گاہ کا کام دے رہا تھا۔ ہم اس سے نکلتے تو اپنی موت ہی کو دعوت دیتے۔

میرے رکتے ہی بقیہ افراد بھی رک گئے تھے۔

"آؤ کسی گھنے درخت کے نیچے بیٹھ جائیں" میں نے کہا۔ اتنی دیر تاریکی میں سفر کرنے کے بعد میری آنکھیں بڑی حد تک تاریکی کی عادی ہو چکی تھیں۔ درختوں کے ہیولوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ کون سا درخت زیادہ گھنا ہوگا۔ ہیلی کوپٹر اب لوٹ کر کسی اور سمت چلا گیا تھا۔

سب سے پہلے، پروفیسر منہاس نے میری رائے سے اتفاق کیا۔ میں مسکرا دی۔ اس بوڑھے نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ اسے کبھی زندگی میں اتنا طویل اور دشوار گزار سفر بھی کرنا پڑے گا۔ خطرہ تو خیر درپیش تھا ہی جس سے بچنے کے لیے ضروری تھا کہ ہم جنگل میں رہیں مگر مجھے پروفیسر منہاس اور زریں پر بھی رحم آ رہا تھا اس طرح کچھ دیر وہ بھی سستا لیتے۔

ہم سب ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اسی وقت زریں کی آواز سنائی دی۔ "نادرہ! مجھے پیاس لگ رہی ہے۔"

پروفیسر منہاس نے بھی اس کی آواز میں آواز ملائی۔ "اور مجھے بھی!"

اتنی دور پیدل چلنے کے بعد تھوڑی بہت پیاس مجھے بھی لگ رہی تھی لیکن ابھی میں اس سے چار گنا فاصلہ عبور کرنے کے بعد بھی پیاس برداشت کر سکتی تھی اور رضیہ کے بارے میں بھی میرا یہی خیال تھا، پروفیسر منہاس اور زریں کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ ان حالات میں انھیں صرف تسلی ہی دی جا سکتی تھی کیوں کہ پانی ہمارے پاس نہیں تھا۔

ابھی میں، زریں اور پروفیسر منہاس کو تسلی بھی نہ دے پائی تھی کہ اچانک فضا پے در پے دھماکوں سے گونج اٹھی۔

دھماکوں کی آواز سن کر مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی کیوں کہ میں پہلے ہی سوچ چکی تھی، خان آف کالا گوٹ ہماری تلاش میں ناکام ہونے کے بعد جھنجلا کر یہی کرے گا۔ دھماکوں کی آواز زیادہ دور سے نہیں آئی تھی۔

"یہ... یہ دھماکے... شاید وہ... وہ فائرنگ کر رہا ہے" پروفیسر منہاس کی خوف زدہ آواز ابھری۔ "اور وہ فائرنگ

نا ہوا ادھر بھی آسکتا ہے۔"

"جی! اس کی اس حرکت کا مقصد غالباً یہی ہے کہ اگر ہم جنگل میں ہوں تو گھبرا کر یہاں سے نکل جائیں۔" رضیہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"تمہارا اندازہ سو فیصد درست ہے۔" میں نے رضیہ کے خیال سے اتفاق کیا۔ "اور ہم بہرحال ایسا نہیں کریں گے۔"

ابھی میری بات ختم ہی ہوئی تھی کہ پھر دھماکے سنائی دینے لگے۔ اب ان کی سمت مختلف تھی۔ یہ اندازہ میں نے ہوا کے دوش پر آنے والی آوازوں سے لگایا تھا۔

تڑ تڑ تڑ! ہمارے آس پاس گولیاں برس رہی تھیں۔ خان آف کالاگوٹ پر جیسے جنون طاری ہوگیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے برین گن چل رہی ہو لیکن میرا خیال اس سے مختلف تھا۔ وہ برین گن کے برسٹ نہیں ہو سکتے تھے۔ اس خیال کا بڑا سبب لمبی نال والے وہ ریوالور تھے جو میرے اور رضیہ کے پاس تھے۔ یہ ریوالور، خان آف کالاگوٹ کے آدمیوں کے تھے، امریکی موزر! موزر بڑی بور کا ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ خودکار بھی! اس سے ایک وقت میں ایک فائر بھی کیا جا سکتا ہے اور مسلسل فائرنگ بھی۔ یہ ریوالور میں نے پہلے بھی دیکھا تھا اور استعمال بھی کیا تھا۔

اسے ہماری خوش قسمتی ہی کہا جا سکتا ہے کہ خان آف کالاگوٹ کا ہیلی کوپٹر ہم سے کچھ دور گولیاں برساتا ہوا گزر گیا۔ پروفیسر منہاس اور زرّیں شاید اس قدر خوف زدہ ہوگئے تھے کہ ان سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا البتہ رضیہ تو مجھے علم تھا کہ ایسے موقعوں پر اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کرتا ہے۔ وہ یقیناً کچھ نہ کچھ سوچ رہی تھی اور میرا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ جب کچھ دیر بعد فائرنگ رک گئی اور سناٹا پھیل گیا تو وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"باجی! ہم اس جنگل کو بھی اپنے لیے پوری طرح محفوظ نہیں سمجھ سکتے۔ ہمیں یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھنا چاہیے۔"

"پھر؟" میں نے یوں ہی کہہ دیا کیوں کہ میرا ذہن خود کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

"خان آف کالاگوٹ سے آخری معرکہ آج ہی کیوں نہ ہو جائے!" رضیہ بولی۔

"کس طرح؟"

"کیا ہم اس کے ہیلی کوپٹر کو ہٹ نہیں کر سکتے!" رضیہ نے گویا میرے دل کی بات کہہ دی تھی۔ میں پروفیسر منہاس اور زرّیں کی وجہ سے کچھ ہچکچا رہی تھی لیکن رضیہ نے جو کچھ سوچا تھا اس میں پروفیسر اور زرّیں کو کوئی خطرہ پیش نہیں آسکتا تھا۔ ہرچند کہ اس طرح ناکامی کی صورت میں میری اور رضیہ کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی لیکن میں یہ خطرہ مول لینے پر آمادہ ہوگئی۔

چند لمحے بعد ہی میں اور رضیہ، پروفیسر اور زرّیں کو نیچے ہی چھوڑ کر ایک بڑے سے درخت پر چڑھ گئے۔

رضیہ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ موزر کی رینج کتنی ہوتی ہے۔

"اب اگر وہ ادھر سے گزرا تو ہم اسے مار گرائیں گے۔" رضیہ نے پُرجوش آواز میں کہا۔

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میری نگاہیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں جو خالی تھا۔ اب ہیلی کوپٹر کی آواز بھی دور دور تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔

"رضیہ!" کچھ دیر بعد میں مدھم لہجے میں بولی۔ "یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ مایوس ہو کر لوٹ گیا ہو! بہرحال یہ بات اس کے علم میں نہیں آسکتی کہ ہم وہاں سے کب فرار ہوئے ہیں۔"

"لگتا تو ایسا ہی ہے باجی!" رضیہ نے جواب دیا۔ "ہم کچھ دیر اور اس کا انتظار کریں گے، پھر جنگل سے نکل کر کسی قریبی آبادی تک پہنچنے کی کوشش کریں گے تاکہ ہمیں وہاں سے کوئی کنوینس مل سکے۔"

"اگر یہ جگہ اُتھل سے چند میل کے فاصلے پر ہے جیسا کہ زرّیں نے بتایا ہے تو گوٹ وہارو بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہوگا لیکن مسئلہ تو یہ ہے کہ ہمیں سمتوں کا بھی علم نہیں۔ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اُتھل یا گوٹ وہارو تک پہنچنے کے لیے ہمیں کس سمت کا انتخاب کرنا چاہیے اور یہ اچھا ہی ہے۔" میں نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی باجی!"

"سیدھی سی بات ہے کہ خان آف کالاگوٹ ہماری تلاش میں ناکام ہو کر کسی قریبی آبادی ہی کا رُخ کرے گا۔" میں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

میری بات سن کر رضیہ نے طویل سانس لیا۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں مگر اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"یہ جنگل بہرحال خان آف کالاگوٹ کی حدود میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں بہرحال خطرہ ہے جو کسی بھی وقت اور کسی بھی شکل میں ہمارے سامنے آسکتا ہے۔ فی الحال تاریکی سے فائدہ اٹھا کر ہم اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ اس جگہ سے ممکنہ حد تک دور نکل جائیں۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن یہ اسی وقت مناسب ہوگا جب ہمیں یقین ہو جائے کہ خان آف کالاگوٹ واپس جا چکا ہے۔"

"بالکل!" میں بولی۔

پھر ہم نے تقریباً نصف گھنٹہ درخت ہی پر گزارا لیکن ہر طرف سناٹا چھایا رہا۔ خان آف کالاگوٹ کے ہیلی کوپٹر کا دور دور پتا نہیں تھا۔ اب مزید وقت ضائع کرنا لاحاصل تھا اس لیے میں اور رضیہ، درخت سے اُتر آئے۔

یہ زرّیں کی حماقت ہی تھی کہ اس دوران میں اس نے پروفیسر منہاس کو اپنے بارے میں بتا دیا تھا۔ یہ جاننے کے بعد کہ زرّیں اسی خان آف کالاگوٹ کی بیٹی ہے جس نے اسے قید کر رکھا تھا، پروفیسر منہاس اس سے کچھ کھنچا کھنچا سا تھا۔ جب میں اور رضیہ، درخت سے اترے تو وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف سے مُنہ پھیرے بیٹھے تھے۔ جب مجھے اس کا سبب معلوم ہوا تو میں نے پروفیسر منہاس کو سمجھایا کہ جو کچھ اس کے ساتھ پیش آیا ہے، اس میں زرّیں کا کوئی قصور نہیں۔ زرّیں اپنے باپ کی حرکتوں سے قطعی لاعلم تھی۔ میں نے زرّیں کی طرف سے خود اس کی صفائی پیش کی تو وہ سسک پڑی۔ وہ بڑی حساس لڑکی تھی۔

"نادرہ! ریٹا ڈکسن نے... انھوں نے... غلط... غلط نہیں کہا تھا... غلط نہیں کہا تھا۔" یہ کہتے ہوئے زرّیں رونے لگی۔ "لکیریں... لکیریں جھوٹ نہیں بولتیں۔"

رضیہ نے اسے کسی طرح سمجھا بجھا کر چُپ کرایا کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ ہمیں فوراً ہی وہاں سے روانہ ہونا ہے۔ پھر کچھ دیر بعد ہی ہم اس جنگل سے نکل گئے۔ آسمان پر چاند روشن تھا۔ ہم اس کی خنک روشنی میں ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے ایک طرف بڑھنے لگے مگر اس ریگستان میں تیز رفتاری ممکن نہیں تھی۔ ہر طرف ریت کا صحرا تھا اور ہم بے منزل ایک سمت چلے جا رہے تھے۔ ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ خان آف کالاگوٹ کی دسترس سے جتنی دور نکل سکیں بہتر ہے۔ چلتے ہوئے ہمارے پاؤں، ریت میں دھنس رہے تھے جس سے چلنے میں قباحت ہو رہی تھی لیکن یہ قباحت اس خطرے سے بہرحال کم تھی جس سے ہم کچھ دیر پہلے دوچار تھے۔

ہم تقریباً ایک بجے اس جنگل سے چلے تھے اور اب پونے دو ہونے والے تھے۔ چلتے چلتے ہمیں پون گھنٹے کے قریب ہو چکا تھا۔ پروفیسر منہاس اور زرّیں کا بُرا حال تھا۔ وہ دونوں یہ جاننے کے باوجود کہ ہمارے پاس پانی نہیں ہے کئی بار پانی مانگ چکے تھے۔ چلتے چلتے میرا حلق بھی خشک ہوگیا تھا لیکن پیاس ابھی ناقابلِ برداشت نہیں ہوئی تھی۔ رضیہ کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں رہی ہوگی مگر وہ قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔

پروفیسر منہاس اور زرّیں کے قدم لڑکھڑانے لگے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے کچھ دیر رُکنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی میں اس فیصلے کا اظہار نہ کر پائی تھی کہ چونک اٹھی۔ رضیہ کو بھی میں نے چونکتے دیکھا تھا۔ ہرچند کہ وہ آواز بہت مدھم تھی مگر میں نے اور رضیہ نے سن لی تھی۔

جنگل اب بہت پیچھے رہ گیا تھا اور یہ کسی صورت ممکن نہیں تھا کہ ہم دوبارہ وہاں پناہ لے سکتے۔ خان آف کالاگوٹ کی چال کامیاب رہی تھی۔ وہ ہمیں کسی نہ کسی طرح اس جنگل سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ پہلے اس نے اندھا دھند فائرنگ کر کے یہ مقصد حاصل کرنا چاہا تھا، پھر اس نے بالکل برعکس عمل کیا تھا۔ اس نے تقریباً سوا گھنٹے صبر کیا تھا اور اس صبر کا پھل اسے مل گیا تھا۔ اب ہمارے لیے کوئی پناہ نہ تھی۔ دور تک پھیلا ہوا ریت کا صحرا تھا اور کھلا آسمان!

ہیلی کوپٹر کی آواز رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھی، گویا موت ہماری طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ ہمارے قدم گویا موت کا استقبال کرنے کے لیے خود بہ خود رک گئے تھے۔

اب ہماری تلاش، خان آف کالاگوٹ کے لیے بہت آسان تھی۔ وہ یقیناً ہمیں تلاش کرتا ہوا ہی اس طرف آرہا تھا۔ اس ریگستان میں رات کے وقت اُدھر آنے والا اکیلا وہی ہو سکتا تھا۔

معاً میں نے اپنے ہاتھ پر رضیہ کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا۔ اس دباؤ میں وہ سبھی کچھ تھا جس کی مجھے رضیہ سے توقع تھی، جوش، ولولہ اور محبت! میں نے بھی اس کا ہاتھ پُرجوش انداز میں دبایا۔ ہمت رکھنا اور حوصلہ نہ ہارنا! یہ وہ الفاظ تھے جو زبانوں سے ادا نہیں کیے گئے تھے مگر انھیں سن لیا گیا تھا۔ پروفیسر منہاس اور زرّیں کے چہرے فق تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے ان دونوں پر سحر کر دیا ہو۔ وہ دونوں بُتوں کی مانند بے حس و حرکت کھڑے ہوئے اس طرف دیکھے جا رہے تھے جدھر سے ہیلی کوپٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

کچھ دیر ہی گزری تھی کہ ہیلی کوپٹر نظر بھی آنے لگا۔ وہ زیادہ بلندی پر پرواز نہیں کر رہا تھا۔ چاندنی کے سبب خان آف کالاگوٹ نے سرچ لائٹ کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یوں بھی ہیلی کوپٹر نیچی پرواز کر رہا تھا اس لیے سرچ لائٹ کے بغیر بھی ہمیں دیکھا جانا ممکن تھا۔

پھر شاید خان آف کالاگوٹ نے ہمیں دیکھ ہی لیا کیوں کہ ہیلی کوپٹر بڑی تیزی سے ہماری طرف بڑھا تھا۔ وہ لمحہ انتہائی

ی زندگی کے لیے جنگ لڑنا تھی۔ رضیہ کے اور میرے ریوالور کی
یں بیک وقت سیدھی ہو گئی تھیں اور ہم نے ایک دوسرے کے
تھ چھوڑ دیے تھے۔

لیکن اس سے پہلے کہ میں یا رضیہ ہیلی کوپٹر پر فائر کرتے، چانک فضا پہلے دھماکے سے گونج اٹھی۔ پہلا فائر خان آف کالاگوٹ ہی کی طرف سے کیا گیا تھا۔ میں نے اور رضیہ نے اس لیے فائر نہیں کیا تھا کہ ابھی ہیلی کوپٹر ریوالور کی رینج سے باہر تھا مگر چند لمحے بعد ہی صورتِ حال بدل گئی۔ میرے اور رضیہ کے ریوالور سے دو شعلے لپکے اور اس کے ساتھ ہی ہیلی کوپٹر بلند ہونے لگا۔

پھر ہیلی کوپٹر بالکل قریب آ گیا لیکن وہ اتنی بلندی پر چکر لگا رہا تھا کہ ہمارا فائرنگ کرنا لاحاصل تھا۔ ہمارے پاس گولیاں بھی محدود تھیں اور ہم انھیں ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"اس کے پاس یقیناً موزر ہی ہے، اگر برین گن ہوتی تو وہ بلندی کے باوجود فائرنگ کرتا۔" میں نے رضیہ سے کہا۔

ابھی رضیہ میری بات سے اتفاق یا اختلاف نہ کر پائی تھی کہ اچانک ہیلی کوپٹر تیزی سے نیچے آیا اور اسی کے ساتھ ہم پر گولیوں کی بوچھار سی ہو گئی۔ گولیاں ہمارے آس پاس سے ہو کر گزر گئیں لیکن ہم میں سے کسی کو زخمی یا ہلاک نہ کر سکیں۔ اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ فائرنگ انتہائی جلدی میں کی گئی تھی اور ہیلی کوپٹر پھر تیزی کے ساتھ بلند ہوتا چلا گیا تھا مگر اس دوران میں میری چلائی ہوئی ایک گولی اس کے پچھلے حصے میں پیوست ہو گئی تھی۔ خان آف کالاگوٹ جان چکا تھا کہ ہم بھی مسلح ہیں اس لیے وہ بچ بچ کر لڑ رہا تھا۔ رضیہ نے بھی ہیلی کوپٹر پر فائر کیا تھا مگر اس کا فائر بیکار گیا تھا۔ ہیلی کوپٹر اس کے فائر کی رینج سے باہر ہو چکا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ ہم بھی فی الحال خان آف کالاگوٹ کی طرح مسلح تھے لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس کا پلا بھاری تھا۔ وہ جب چاہتا ہیلی کوپٹر کو نیچے لا کر ہم پر فائرنگ کر سکتا تھا مگر ہماری پوزیشن مختلف تھی۔ ہمیں اس پر فائرنگ کرنے کا موقع صرف اسی وقت مل سکتا تھا جب خود ہم اس کے نشانے پر ہوتے۔ اس کے علاوہ یہ کہ ہمارے پاس گنتی کی گولیاں تھیں اور ظاہر ہے، اس کے پاس خاصا ایمونیشن رہا ہو گا ورنہ وہ یوں اسے ضائع نہ کرتا۔

مجھے توقع تھی کہ ہیلی کوپٹر پھر نیچے آ کر ہم پر فائرنگ کرے گا اور پھر چند لمحے بعد ہی میری توقع پوری ہو گئی مگر اسی دوران میں ایک اور خطرناک واقعہ پیش آیا۔

جیسے ہی ہیلی کوپٹر نے غوطہ لگایا، زرّیں اچھل کر اس کی طرف بھاگی اور پھر وہ پوری قوت سے چیخی "ڈیڈی! ... ڈیڈی! مجھے گولی مار دیجیے ڈیڈی!"

اسی لمحے ہیلی کوپٹر سے فائرنگ ہوئی۔ میں نے اور رضیہ نے ایک ساتھ اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور اسی دوران میں ہیلی کوپٹر کی طرف گولیاں چلائیں۔ اگر میں اور رضیہ لمحے بھر بھی چھلانگ لگانے میں دیر کرتے تو ہمارے جسم گولیوں سے چھلنی ہو جاتے۔ کچھ گولیاں زرّیں کے آس پاس سے بھی گزری تھیں۔ ہیلی کوپٹر ایک بار پھر بلند ہوتا چلا گیا تھا۔

پروفیسر منہاس شاید مرنے سے کچھ زیادہ ہی ڈرتا تھا۔ اسی خوف نے اس کی جان بچالی تھی۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکا تھا۔ اگر وہ کھڑا ہوتا تو کوئی نہ کوئی گولی اسے ضرور چاٹ جاتی کیوں کہ وہ مجھ سے اور رضیہ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ ہوش میں بھی تھا یا نہیں!

میں نے اور رضیہ نے زرّیں کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ زرّیں جیسے اپنے ہوش میں نہیں تھی۔ وہ اب بھی چیخے چلی جا رہی تھی "ڈیڈی! میں ذلیل و رسوا ہو کر جینا نہیں چاہتی! مجھے قتل کر دیں، گولی مار دیں!"

"زرّیں! ہوش میں آؤ!" میں نے اس کا شانہ پکڑ کر ہلایا۔ "تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ خودکشی ہے اور خودکشی حرام ہے۔"

وہ چیختے چیختے خاموش ہو گئی، پھر اس نے عجیب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس کے سوکھے ہوئے ہونٹ ہلے مگر وہ کچھ نہ کہہ سکی اور پھر اس کے رخساروں پر موتی پھسلنے لگے۔

اس وقت بھی مجھے بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ اسے سینے سے لگا لوں اور اس کے موتی چوم لوں مگر زیادہ دیر تک اس کی طرف متوجہ نہ رہ سکی۔ ہیلی کوپٹر ایک بار پھر قریب آتی جا رہی تھی۔ میں آسمان کی طرف دیکھنے لگی مگر اس بار ہیلی کوپٹر تیزی سے نیچے نہیں آ رہا تھا۔ میں اور رضیہ اس پر فائر کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھے لیکن وہ ایک خاص حد تک نیچے آ کر رک گیا اور اپنی جگہ گردش کرنے لگا۔

اچانک ایک تیز آواز سنائی دی جیسے کوئی لاؤڈ اسپیکر پر بول رہا ہو۔ ہیلی کوپٹر کے شور کے باوجود وہ آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی اور وہ آواز خان آف کالاگوٹ کے سوا کسی کی نہیں تھی۔

"زرّیں! ... زرّیں! ان دونوں کو چھوڑ کر ایک طرف دائیں سمت بھاگ جاؤ، فوراً! میں تمھیں ہیلی کوپٹر میں اٹھا لوں گا۔ جلدی کرو بیٹی! جلدی!" خان آف کالاگوٹ کہہ رہا تھا۔

"نہیں! نہیں! نہیں!" زرّیں ایک بار پھر چیخ اٹھی۔

صاف ظاہر تھا کہ خان آف کالاگوٹ نے زرّیں کو دیکھ لیا تھا اور اسی لیے اس بار اس نے فائرنگ سے گریز کیا تھا۔ وہ اس بات سے بے خبر ہی رہا ہو گا کہ اس کا خون اس سے بغاوت کر چکا ہے ورنہ ایسی احمقانہ حرکت نہ کرتا۔

جب زرّیں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تو دوبارہ اسے تاکید کی گئی۔ ہیلی کوپٹر اتنی بلندی پر تھا کہ ہم اسے ہٹ نہیں کر سکتے تھے اس لیے ہم نے گولیاں ضائع نہیں کیں۔

"زرّیں! اگر تم اپنے والد کے مشورے پر عمل کرنا چاہو تو ہم تمھیں ایسا کرنے سے نہیں روکیں گے۔" میں نے زرّیں سے کہا۔

"نہیں، ہرگز نہیں!" زرّیں پُرجوش لہجے میں بولی۔ "مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے!"

"زرّیں! میرے پاس دوربین ہے اور میں تمھیں دیکھ رہا ہوں۔" معاً خان آف کالاگوٹ کی آواز پھر گونجی۔ "تم بے فکر رہو، اگر ان دونوں میں سے کسی نے تمھیں روکنا چاہا یا تم پر فائر کیا تو میں انھیں بھون ڈالوں گا۔ تم اپنی دوست نادرہ کو سمجھاؤ کہ وہ اس چالاک عورت کی باتوں میں نہ آئے اور وہ بھی چاہے تو تمھارا ساتھ دے کر اپنی زندگی بچالے مگر اس صورت میں اسے اپنا ریوالور پھینکنا ہو گا۔ میں تم پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے ہوں اور چوکنا ہوں۔ تم فوراً میرے مشورے پر عمل کرو!" اس کے بعد خان آف کالاگوٹ نے مجھے مخاطب کیا۔ "اور تم سنو صبیحہ بانو! یہ رات تمھاری زندگی کی آخری رات ہے۔ اب مصالحت کا وقت گزر چکا ہے۔ تمھیں مرنا ہو گا، ہر قیمت پر مرنا ہو گا!"

جواب میں میرا کہنا کچھ فضول تھا کیوں کہ خان آف کالاگوٹ تک میری آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ میں نے ایک بار پھر زرّیں سے کہا کہ وہ اپنے باپ کا حکم مان لے۔ میں بہرحال دانستہ یا نادانستہ اس کا احسان نہیں لینا چاہتی تھی۔ میں اپنی فطرت سے مجبور تھی۔ اگر مجھے وہ زندگی، زرّیں کے طفیل ملنا تھی تو منظور نہیں تھی۔

زرّیں نے ایک بار پھر اپنے باپ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اسی کے ساتھ وہ چیخ پڑی تھی "ڈیڈی! اگر آپ تک میری آواز پہنچ رہی ہے تو سنیں کہ مجھے موت قبول ہے، ذلت کی زندگی نہیں۔ میں یہ سننے کے لیے زندہ نہیں رہنا چاہتی کہ میرا باپ جرائم پیشہ تھا، قاتل تھا!" یہ کہہ کر زرّیں نے اپنے دونوں ہاتھ زور زور سے انکار میں ہلا دیے تھے۔ اسے شاید اب احساس ہو چکا تھا کہ اس کی آواز خان آف کالاگوٹ تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اگر اس کی آواز وہاں تک نہ پہنچے تو کم از کم ہاتھوں کے اشارے سے اس کا مقصد سمجھ لیا جائے۔

دوسرے ہی لمحے خان آف کالاگوٹ کی آواز پھر سنائی دی۔ "زرّیں! یہ تم ہاتھ کیوں ہلا رہی ہو؟ کیا مقصد ہے اس کا؟ کیا تم میرا حکم ماننا نہیں چاہتیں؟" یہ کہتے ہوئے خان آف کالاگوٹ کے لہجے میں سختی آ گئی۔ "اگر میں نے ٹھیک سمجھا ہے تو ایک بار پھر انکار میں ہاتھ ہلاؤ تاکہ میں تمھیں نافرمانی کی سزا دے سکوں۔"

زرّیں نے دوبارہ انکار میں ہاتھ ہلا دیے اور اسی وقت پے در پے کئی دھماکوں کی آوازیں سن کر میں اچھل پڑی۔ رضیہ کا بھی یہی حال ہوا تھا۔ وہ فائرنگ ہیلی کوپٹر سے نہیں کی گئی تھی اور یہی بات میرے لیے تشویش کا سبب بنی تھی۔ ہم پر فائرنگ کرنے والے جو بھی تھے، اتنی دور تھے کہ ہمیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ فائرنگ رائفلوں یا بندوقوں ہی سے کی گئی ہو گی ورنہ ریوالوروں سے فائرنگ کی صورت میں وہ لوگ ہمیں نظر ضرور آتے۔ بہرحال فاصلہ کافی ہونے کے سبب ان میں سے ایک گولی بھی ہم تک نہیں پہنچ سکی تھی لیکن یہ صورتِ حال بدل بھی سکتی تھی۔ وہ لوگ قریب بھی تو آ سکتے تھے۔

چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ مخالف سمت سے بھی فائرنگ ہوئی اور پھر چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ اسی دوران میں خان آف کالاگوٹ کا قہقہہ بلند ہوا۔

"تم نے دیکھا صبیحہ بانو! میرے آدمی چاروں طرف سے تمھیں گھیرے میں لے چکے ہیں۔" خان آف کالاگوٹ نے مجھے مخاطب کیا۔ "اب اگر میں تمھیں نشانہ نہ بھی بناؤں تو تم نہیں بچ سکتیں۔ ہرچند کہ زرّیں میرا خون ہے مگر اس کی رگوں میں، اس کی ماں کا خون بھی دوڑ رہا ہے۔ وہ بھی اسی کی طرح احمق اور بے وقوف تھی۔ میرا ایک حکم نہ مان کر وہ بے وقوف بھی موت کی نیند سو گئی تھی اور آج اس کی بیٹی نے زندہ رہنے کا موقع کھو دیا۔ اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔"

خان آف کالاگوٹ کے الفاظ سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی تھی کہ زرّیں کی ماں کو اسی نے قتل کیا تھا۔ یہ سن کر زرّیں خود پر قابو نہ پا سکی۔ نہ جانے اس میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی کہ ایک ہی جھٹکے میں اس نے رضیہ کا ریوالور چھین لیا جو اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔

"قاتل! میری ماں کے قاتل!" زرّیں نے یہ کہتے ہوئے

ے درپے ہیلی کوپٹر پر فائرنگ شروع کر دی تھی مگر رضیہ نے ...راُہی ں سے ریوا ر چھین لیا تھا۔

"و... کر رہی ہو ز یں!" رضیہ نے اسے ڈانٹ دیا "گولیاں ان تک میں پہنچ سکـ ں، وہ بلندی پر ہے اور اتنا بے وقوف میں کہ ہ ی گولی کا نشا ہ بن جائے!"

زر ہ نے غصے م ، اپنے ہی سر کے بال نوچ لیے تھے اور پھر ریت بیٹھ کر رو ے لگی تھی۔

تھ ے تھوڑے وقفے کے بعد چاروں طرف سے فائرنگ جاری تھی اور یہ صورتِ حال ، ہر حال خطرناک تھی۔ فائرنگ کرنے والے ت سے زد نہیں آئے تھے، اس کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے ت بڑے علاقے کو گھیرے میں لیا تھا اور ظاہر ہے، اتنے بڑے علا قے کو گھیرے میں لینے کے لیے کافی بڑی تعداد کا ہونا ضروری تھ ۔ اس سے خان آف کالاگوٹ کی طاقت کا اظہار بھی ہوتا تھا۔ ان لوگوں میں سے بہرحال نہیں تھا جو کچھ نہ ہو کر بھی خود کو بہت ظاہر کرتے ہیں۔

پر سر منہاس اس قدر نڈھال اور تھکا ہوا تھا کہ ایک بار ریت پر گ تے کے بعد اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ اس کی عم تقاضا بھی تھ ۔

ا خان آف کا ا ٹ نے ہم پر فائرنگ کرنے کا ارادہ شاید مو ے کر دیا تھا۔ وہ اپنے ہیلی کوپٹر کو مزید اوپر لے گیا تھا مگر ہمارے سروں پر ں چکر لگا رہا تھا۔ غالباً و ں وقت کا منتظر تھ جب اس کے آدمی قریب پہنچ جاتے۔ یہ بات اچھی ح سمجھتے پ روں طرف سے جو فائرنگ کی جا رہی تھی، ا ہراساں کرنا تھا۔ اس امکان کو بہرحال نظر انداز نہیں ... جا سکتا تھا، اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا ہو کہ ہمیں زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کریں۔ اس کا ایک سبب پر فیسر منہاس بھ ہو سکتا تھا۔ خان آف کالاگوٹ کے علم میں ا وقت یہ بات یقیناً نہیں ہوگی کہ زرّیں بھی ہمارے ساتھ ہے۔ جب اس نے اپنے آدمیوں کو وہ علاقہ گھیر لینے کا حکم دیا ہو اگر اسے یہ با ضرور ہوگا کہ ہم پروفیسر منہاس کو لے اڑے ہ ہے۔ اسے میرا اور رضیہ کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن پروفیسر منہاس کو وہ لازماً زندہ پکڑنا چاہتا ہوگا تاکہ اس ے کام لے سکے۔

ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں یہ سوچنے میں حق بہ جانب تھی کہ اس فائرنگ کا مقصد ہمیں ہلاک کرنا بہرحال نہیں ہے۔ اس نتیجے تک پہنچنے کے باوجود میری فکر کم نہیں ہوئی۔ خان آف کالاگوٹ کی قید میں جانے کا مطلب بھی گویا موت ہی تھا۔ اس کے آگے ہتھیار ڈالنے کا تو خیر سوال ہی نہیں تھا۔

اس دوران میں رضیہ، زرّیں کو کسی نہ کسی طرح چپ کرانے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن اس کی سسکیاں اب بھی نہیں رُکی تھیں۔

اُ... سی وقت پھر چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئ... فائرنگ پہلے کی نسبت شدید تھی۔ اس بات نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ آخر اس شدت کی کیا ضرورت تھی! ابھی میں کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکی تھی کہ فائرنگ میں مزید شدت آگئی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں محاذِ جنگ کے قریب ہوں۔

"یوں لگتا ہے باجی، جیسے دو گروہوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی ہو۔" رضیہ میرے قریب آ کر بولی۔

"ہاں محسوس تو یہی ہو رہا ہے مگر دوسرا گروہ کون سا ہو سکتا ہے!" میں نے کہا۔

"وہ دیکھیں باجی!" معاً رضیہ نے میری توجہ ہیلی کوپٹر کی طرف مبذول کرائی۔

میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ہیلی کوپٹر تیز رفتاری سے ایک طرف جا رہا تھا۔

"یہ اچانک ہوا کیا؟" رضیہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی۔

"عین ممکن ہے کہ جس نتیجے تک ہم پہنچے ہیں، خان آف کالاگوٹ نے بھی وہی نتیجہ اخذ کیا ہو۔" میں نے کہا۔ "وہ خود وہاں پہنچ کر حالات کا جائزہ لینا چاہتا ہوگا۔ ہماری طرف سے اسے فکرمند ہونے کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ اس نے اپنی دانست میں اس پورے علاقے کو ہمارے لیے قید خانہ بنا دیا ہے۔ ہم بھلا چاروں طرف سے گھرے ہونے کی صورت میں جا بھی کہاں سکتے ہیں۔" میں نے چند لمحے توقف کے بعد پھر کہا۔ "لیکن ہم اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ اس جگہ سے کدھر ہی اور نکل جائیں۔ وہ صورتِ حال کا جائزہ لے کر پھر ادھر ہی آئے گا۔ ہماری دوبارہ تلاش میں اسے بہرحال کچھ وقت لگے گا اور اس دوران میں ہمیں کچھ سوچنے کا موقع مل جائے گا۔"

رضیہ نے میرے خیال سے اتفاق کیا۔ زرّیں کو تو ہم ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا گیا مگر پروفیسر منہاس اٹھ کر چلنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس کی ہمت جواب دے گئی تھی اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ یا تو اسے وہیں چھوڑ دیا جاتا یا کمر پر لاد کر چلا جاتا۔ اسے وہاں چھوڑنے کا سیدھا مطلب یہ ہوتا کہ ہم نے اپنے دشمن سے جزوی شکست قبول کر لی ہے اس لیے میں نے دوسری صورت پر عمل کیا۔

"ارے ارے... یہ... یہ کیا کر رہی ہو تم؟" پروفیسر منہاس یہ کہتا ہی رہ گیا اور میں نے اسے اٹھا کر اپنی کمر پر لاد لیا۔ پروفیسر منہاس کے جسم کا بوجھ میرے لیے قابلِ برداشت تھا۔ یوں بھی وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔

"چلو!" میں نے رضیہ سے کہا۔

زرّیں مجھے اس طرح حیرت سے دیکھ رہی تھی جیسے میں کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔ رضیہ، زرّیں کا ہاتھ پکڑ کر میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ فائرنگ کی آوازیں اب تک آ رہی تھیں اور ان میں وہی شدت برقرار تھی۔

"تیز چلو!" میں نے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے رضیہ سے کہا۔ "ہم یہاں سے جتنی دور نکل جائیں اچھا ہے تاکہ خان آف کالاگوٹ ہمیں فوراً تلاش نہ کر سکے۔"

رضیہ نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ زرّیں اس کے ساتھ تقریباً گھسٹ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی کبھی پہلے ایسے حالات سے دوچار نہیں ہوئی ہوگی۔

سفر جاری رہا۔ پھر میں اس وقت کھل اٹھی جب میری نگاہ ایک چھوٹے سے تالاب پر پڑی۔ میں اس کی طرف تقریباً دوڑنے لگی۔ یہی وہ لمحے تھے جب اچانک فائرنگ بند ہو گئی اور اسی کے ساتھ میری سماعت سے ہیلی کوپٹر کا شور ٹکرایا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ ہیلی کوپٹر ابھی دور تھا۔ خان آف کالاگوٹ پھر قضا بن کر ہمارے سروں پر چکرانے والا تھا۔ اس دوران میں کم از کم پیاس تو بجھائی ہی جا سکتی تھی۔ پانی دیکھ کر پیاس کی شدت بڑھ گئی تھی۔ میرے حلق میں بھی اب کانٹے پڑنے لگے تھے۔ پروفیسر منہاس کو کمر پر لاد کر میں تقریباً ڈیڑھ دو میل ریت پر چلی تھی، وہ بھی انتہائی تیز رفتاری سے لیکن اس کے باوجود وہاں پانی نظر نہ آتا تو میں رکنے کا فیصلہ نہ کرتی۔ فائرنگ اچانک کیوں رک گئی؟ اور خان آف کالاگوٹ کیوں لوٹ آیا؟ تالاب کی طرف دوڑتے ہوئے یہ دونوں سوال میرے ذہن میں ضربیں سی لگا رہے تھے۔

پھر اس سے پہلے کہ ہم تالاب تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے، ہیلی کوپٹر ہمارے سروں پر چکرانے لگا۔ میں نے دوڑتے دوڑتے ایک دم رک کر پروفیسر منہاس کو ریت پر پھینک دیا۔ اسی وقت ہیلی کوپٹر تیزی سے نیچے آنے لگا۔

اس بار فائرنگ ہماری طرف سے شروع ہوئی۔ میری اور رضیہ کی چلائی ہوئی دو گولیاں ہیلی کوپٹر کی باڈی میں لگیں۔ خان آف کالاگوٹ نے بھی جوابی فائرنگ کی مگر اسے چند لمحوں کی دیر ہو گئی تھی۔ ہیلی کوپٹر اس وقت تک اونچا ہو... لگتا تھا خان آف کالاگوٹ نے اپنے گونگے اور بہرے بھتیجے کو بہت اچھی تربیت دلوائی تھی۔ اب تک مجھے یا رضیہ کو اتنا موقع نہیں ملا تھا کہ ہم ہیلی کوپٹر کی ٹنکی کو نشانہ بنا سکتے۔ وہ جتنی تیزی سے نیچے آتا تھا، اتنی ہی تیزی سے بلند ہوتا چلا جاتا تھا۔

میری اور رضیہ کی نگاہیں ہیلی کوپٹر پر جمی ہوئی تھیں۔ اب اس چوہے بلی کے سے کھیل سے مجھے الجھن ہونے لگی تھی۔ اب تک میں نے مصلحت کے پیشِ نظر بہت محتاط ہو کر فائرنگ کی تھی۔ ایک ریوالور خالی ہونے والا تھا اور اب میں نے وہ ریوالور اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیا تھا جس سے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ میں اس ہنگامے کے دوران میں چلائی جانے والی گولیاں نہیں گن سکی تھی۔ وہ ریوالور کسی بھی وقت میرا ساتھ چھوڑ سکتا تھا جو میرے اندازے کے مطابق اب خالی ہونے والا تھا۔ رضیہ کو بھی میں نے اب دوسرا ریوالور استعمال کرنے کی تاکید کر دی تھی۔ اگر میں فائرنگ کرنے میں اس قدر احتیاط سے کام نہ لیتی تو شاید اب تک خان آف کالاگوٹ کے ہیلی کوپٹر کو ہٹ کر چکی ہوتی۔

جب میں نے ایک بار پھر ہیلی کوپٹر کو غوطہ لگاتے دیکھا تو سوچا، اس پار یا اُس پار!

پھر جیسے ہی میں نے ہیلی کوپٹر ... ریوالور کی ر نج میں محسوس کیا، ریوالور کی لبلبی دباتی چلی گئی۔ اوپر سے خان آف کالاگوٹ بھی گولیاں برسا رہا تھا لیکن مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہمارے ساتھ زرّیں کی موجودگی نے اسے فائرنگ کرنے میں بہت محتاط کر دیا تھا۔ گولیاں ہمارے قریب آ آ کر ریت میں دھنس رہی تھیں۔ لاکھ اس کے سینے میں دل کی جگہ پتھر تھا مگر وہ بہرحال باپ تھا۔ اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ زرّیں کی پروا کیے بغیر براہِ راست اندھا دھند فائرنگ کر سکتا۔

فضا پے در پے دھماکوں سے گونج رہی تھی۔ اس بار خان آف کالاگوٹ بھی پہلے کی نسبت ز... دہ دیر مقابلے پر ڈٹا تھا۔ مجھے بغیر رُکے فائرنگ کرتے دیکھ کر ر... یہ کا ریوالور بھی مسلسل شعلے اُگل رہا تھا۔ ہیلی کوپٹر تالاب سے کچھ فاصلے پر فضا میں چکرا رہا تھا۔

پھر وہ لمحہ آ ہی گیا جب رضیہ چیخ پڑی: "وہ مارا!"

میری چلائی ہوئی ایک گولی نے ہیلی کوپٹر کی ٹنکی میں سوراخ کر ہی دیا تھا۔

ہیلی کوپٹر میں ایک دم آگ بھڑک اٹھی تھی اور وہ بڑی تیزی

کے ساتھ زمین کی طرف آنے لگا تھا۔ اب کسی بھی لمحے اس کی ٹنکی پھٹ سکتی تھی اور فضا میں اس کے چیتھڑے بکھر سکتے تھے۔ آخر کار میں ہیلی کوپٹر کو ہٹ کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔ ہیلی کوپٹر اب شعلوں میں گھر چکا تھا۔

پھر اس سے پہلے کہ ہیلی کوپٹر کے چیتھڑے اڑ جاتے، میں نے کسی کو اس میں سے چھلانگ لگاتے دیکھا مگر میں اسے پہچان نہ سکی۔ اس کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔

شعلوں میں گھرا ہوا ہیلی کوپٹر ہمارے بالکل اوپر سے گزرتا ہوا آگے سے نکل گیا۔ وہ اس قدر نیچا تھا کہ ہم نے شعلوں کی تپش بھی محسوس کی۔ وہ کہیں بھی گر کر تباہ ہو سکتا تھا۔ یہ سوچ کر میں نے رضیہ کو اشارہ کیا تھا اور رضیہ، زریں سمیت ریت پر گر پڑی تھی۔

ہیلی کوپٹر سے چھلانگ لگانے والا سیدھا تالاب میں گرا اور ایک چھپاکا ہوا۔ اسی کے چند لمحے بعد ایک زبردست دھماکا سنائی دیا اور ہم سے تقریباً سو گز دور ہیلی کوپٹر کے چیتھڑے بکھر گئے مگر ہم اس سے پہلے ہی ریت پر گر پڑے تھے اس لیے کہ اس کا کوئی بھی ٹکڑا ادھر آ سکتا تھا۔ پھر یہی ہوا بھی تھا۔ ہیلی کوپٹر کے جلتے ہوئے ٹکڑے ہمارے اوپر سے گزرے تھے مگر ہم قطعی محفوظ رہے تھے۔ پروفیسر منہاس اسی طرح اب تک ریت پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے ہنگامے کے دوران میں ایک بار بھی اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جلتے ہوئے ہیلی کوپٹر سے تالاب میں گرنے والا خان آف کالاگوٹ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا اور میرا اندازہ غلط نہیں نکلا۔

میں اور رضیہ ابھی اٹھ کر کھڑے ہوئے تھے کہ میں نے کسی کو تالاب سے نکل کر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اس کے قدم بری طرح ڈگمگا رہے تھے اور میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ خان آف کالاگوٹ ہی تھا۔

"خان! ٹھہر جاؤ!" میں چیخ اٹھی "رک جاؤ ورنہ میں گولی مار دوں گی۔"

میری دھمکی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ بھاگتا ہی رہا۔ میں نے اس کے پیروں کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا لیکن فائر نہیں ہوا۔ میرا ریوالور خالی ہو چکا تھا۔ میں نے وہ ریوالور ریت پر پھینک کر دوسرے ریوالور سے فائر کیا مگر گولی اس کے نہیں لگی۔ میں نے یہ فائر بائیں ہاتھ سے کیا تھا کیوں کہ دائیں ہاتھ میں ... وقت ضائع ہوتا۔

اسی وقت رضیہ کے ریوالور نے شعلہ اگل دیا۔ خان آف کالاگوٹ کی چیخ سنائی دی اور وہ لہرا کر ریت پر گر پڑا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ رضیہ نے بھی اس کے پیروں کو نشانہ بنایا تھا۔ رضیہ میری بہن تھی اور یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ میں اپنا شکار خود کرنے کی قائل ہوں۔

تقریباً ساٹھ ستر گز کے فاصلے پر میرا شکار ریت پر پڑا ہوا تڑپ رہا تھا۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر زقند بھری۔ میرے ہی ساتھ رضیہ اور زریں بھی ادھر دوڑ پڑی تھیں۔ رضیہ تو خیر میری تیز رفتاری کا ساتھ دے رہی تھی مگر زریں پیچھے رہ گئی تھی۔

جس وقت میں دوڑتی ہوئی خان آف کالاگوٹ کے قریب پہنچی، ایک دم اچھل پڑی۔ وہ میری توقع کے خلاف اچانک اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا لیکن اس کی حالت دگرگوں تھی۔ اس کے جسم پر ریت اور پانی میں لتھڑا ہوا لباس چیتھڑوں کی صورت میں جھول رہا تھا۔ چہرہ جھلسا ہوا تھا۔ مونچھ کا دایاں حصہ جل گیا تھا جس سے اس کا چہرہ مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ جسم کے کچھ حصے قطعی بے لباس تھے۔

مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اسے گولی نہیں لگی۔ اس نے محض گولی لگنے کی کامیاب اداکاری کی تھی ورنہ وہ اپنے پیروں پر نہ کھڑا ہو سکتا۔

اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر مجھے جو ذہنی جھٹکا لگا تھا، اب میں اس سے سنبھل چکی تھی۔ میرے اور رضیہ کے ریوالوروں کی نالیں، خان آف کالاگوٹ کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

خان آف کالاگوٹ مجھے اس طرح گھور رہا تھا جیسے میری طاقت کا اندازہ لگانا چاہتا ہو۔ معاً میں نے خطرہ محسوس کیا۔ خان آف کالاگوٹ کے دونوں ہاتھ پشت کی طرف تھے۔ میرے اور خان آف کالاگوٹ کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ تھا۔

"خان! اسی طرح بے حس و حرکت کھڑے رہنا!" میں نے اسے وارننگ دی "اگر تم نے اپنے جسم کو ذرا سی بھی جنبش دی تو..."

میں اپنا جملہ پورا نہ کر پائی تھی کہ خان آف کالاگوٹ وحشیانہ انداز میں ہنس پڑا، پھر بولا "ڈر رہی ہو تم مجھ سے! میرے ہاتھ میں صرف چاقو ہے، اگر ریوالور ہوتا تو اب تک تم دونوں ریت پر پڑی ایڑیاں رگڑ رہی ہوتیں۔" یہ کہتے ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کر لیے۔

مجھے اعتراف ہے کہ خان آف کالاگوٹ بڑے دل گردے کا مالک تھا۔ اس نے ہاتھ آگے کرتے ہوئے یہ بھی پروا نہیں کی تھی کہ میں اسے وارننگ دے چکی ہوں اور اس کی طرف، ریوالوروں کی نالیں اٹھی ہوئی ہیں، اس کا سینہ چھلنی بھی کیا جا سکتا ہے۔

پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی، خان آف کالاگوٹ پھر بولا "اگر تمہارے ہاتھ میں ریوالور کی بجائے چاقو ہوتا تو تمہیں بتاتا کہ..."

"لو، میں نے تمہاری آخری حسرت بھی پوری کر دی۔" میں نے ریوالور ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا "اب میرے دونوں ہاتھ خالی ہیں اور تمہارے پاس چاقو ہے۔ مرنے سے پہلے اپنی یہ حسرت نکال لو!" یہ کہہ کر میں رضیہ سے مخاطب ہوئی "تم اس پر فائر نہیں کرو گی۔ یہ میرا شکار ہے!"

رضیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ خوب جانتی تھی کہ ایسے موقع پر میں کسی دوسرے کی مداخلت قطعی پسند نہیں کرتی۔ رضیہ ... قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"کون کس کا شکار ہے صبیحہ بانو، یہ ابھی پتا چل جائے گا" خان آف کالاگوٹ دانت پیس کر بولا اور اسی کے ساتھ اس نے مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ اس قدر زخمی ہونے کے باوجود اس کی پھرتی قابلِ داد تھی۔

میں اس کی طرف سے غافل نہیں تھی مگر پھر بھی اپنی جگہ سے

پھر جیسے ہی خان آف کالاگوٹ اپنے بھاری تن و توش سمیت مجھ سے ٹکرایا، میں نے اس کے دائیں ہاتھ کی کلائی پر ہاتھ مارا۔ یہ جچا تلا ہاتھ تھا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور چاقو چھوٹ کر دور جا گرا۔ میں اس کے بھاری جسم سے ٹکرا کر گر گئی تھی لیکن میں نے اٹھنے میں دیر نہیں کی تھی۔ میں دانستہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی تاکہ وہ قریب آ جائے تو اس کی کلائی پر ہاتھ لگا سکوں اور میں اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھی۔

"خان! چاقو دوبارہ اٹھا لو۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔ لہجے میں تمسخر تھا۔

مجھے امید نہیں تھی کہ وہ دوبارہ چاقو اٹھانے کی کوشش کرے گا مگر وہ میری بات سن کر اس طرف بڑھ گیا جہاں چاقو پڑا تھا۔ میری آنکھوں میں اس وقت سونیا کا چہرہ گھوم رہا تھا اور میں انتقام کی آگ میں جل رہی تھی۔

میں نے اس لمحے جب وہ چاقو اٹھانے جھک رہا تھا، میں نے جست لگائی۔ پھر اس کے ماتھے پر پڑنے والی ضرب شدید تھی کہ وہ چیخ مار کر الٹ پڑا تھا۔ وہ چاروں شانے چت ریت پر پڑا تھا اور اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔ میرے پاؤں کی ٹھوکر نے اس کی پیشانی کی کھال میں شگاف ڈال دیا تھا۔

پھر چند ہی لمحے گزرے تھے کہ وہ آہستہ آہستہ اٹھنے لگا۔ ابھی اس میں جان بھی باقی تھی اور ہمت بھی! میں انتظار کرنے لگی کہ وہ اٹھ کر کھڑا ہو جائے تو اس پر حملہ کروں مگر اس سے پہلے ہی ایک دھماکا ہوا اور خان آف کالاگوٹ کے سینے سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ چند لمحے میں سمجھ ہی نہیں پائی تھی کہ اس پر گولی کس نے چلائی! رضیہ سے میں اس حرکت کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔ خان آف کالاگوٹ سینہ تھامے گرنے لگا مگر اسی وقت پے در پے دو گولیاں اور اس کے جسم میں اتر گئیں۔

اچانک فضا میں ایک ہذیانی قہقہہ بلند ہوا اور پھر ایک آواز ابھری "میں نے اپنی ماں کا انتقام لے لیا۔ میں نے اپنی ماں کے قاتل کو ہلاک کر دیا۔" اس کے بعد پھر قہقہے سنائی دینے لگے۔

میں نے مڑ کر دیکھا۔ رضیہ سے کچھ فاصلے پر زریں کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا جو خان آف کالاگوٹ سے نبرد آزما ہوتے وقت میں نے پھینک دیا تھا۔ زریں نے نہ جانے کب وہ ریوالور ڈھونڈ لیا تھا۔

پھر میں اس وقت کانپ کر رہ گئی جب زریں کو ریوالور کی نال اٹھاتے دیکھا۔ اب اس نے ریوالور کی نال کا رخ اپنی کنپٹی کی طرف کر لیا تھا۔

اگر رضیہ نشانے کی اتنی پکی نہ ہوتی تو زریں خودکشی کر چکی ہوتی۔ رضیہ نے زریں کے ریوالور کی نال کو نشانہ بنایا تھا اور اس زاویے سے کہ زریں کو معمولی سی خراش بھی نہیں آئی تھی۔ زریں کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ کر بہت دور گرا تھا اور پھر جیسے وہ ہوش میں آ گئی تھی۔

"ڈیڈی! ڈیڈی!" وہ چیختی ہوئی اس طرف دوڑی تھی جہاں خان آف کالاگوٹ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

وہ منظر میں آج بھی نہیں بھلا سکی۔ زریں اپنے باپ کی خون آلود لاش سے لپٹ لپٹ کر رو رہی تھی۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر میری آنکھوں کے گوشے بھی نم ہو گئے تھے۔

چند لمحے بعد ہی میں نے پروفیسر منہاس کو گرتے پڑتے اور ریت پر تقریباً گھسٹتے ہوئے ادھر آتے دیکھا تھا۔ شاید اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ کھیل ختم ہو چکا ہے۔

اسی وقت فضا میں ہلکا سا ارتعاش محسوس کر کے میں چونک اٹھی۔ پھر کچھ دیر ہی میں یہ ارتعاش ہلکی ہلکی سی گڑگڑاہٹ میں تبدیل ہو گیا۔

"باجی!" رضیہ نے مجھے مخاطب کیا۔ "شاید ابھی کھیل ختم نہیں ہوا!"

"ہاں میں بھی یہی محسوس کر رہی ہوں مگر اب... اب ادھر کون آسکتا ہے!" میں نے کہا۔

"کیا آپ خان آف کالاگوٹ کے ساتھیوں کو بھول گئیں باجی؟" رضیہ جلدی سے بولی۔

"لیکن اگر ان لوگوں کے پاس کوئی ہیلی کوپٹر ہوتا تو وہ بہت پہلے خان آف کالاگوٹ کی مدد کرنے آچکے ہوتے۔" میں نے جواب دیا۔

"ممکن ہے خان آف کالاگوٹ نے انھیں ادھر آنے سے منع کیا ہو!" رضیہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

اس وقت تک گڑگڑاہٹ میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا اور میں سمجھ چکی تھی کہ وہ کسی ایک ہیلی کوپٹر کی آواز بہرحال نہیں ہے۔ وہ ایک نہیں، کئی ہیلی کوپٹر ہو سکتے ہیں۔ اگر آنے والے واقعی خان آف کالاگوٹ ہی کے ساتھی تھے تو اب ہم اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ ان سے مقابلہ کر سکتے اس لیے میرا ذہن بچاؤ کی صورتیں سوچنے میں مصروف ہو گیا۔

پھر کچھ ہی دیر بعد ہیلی کوپٹر نظر بھی آنے لگے۔ وہ تعداد میں تین تھے اور بہت نیچی پرواز کر رہے تھے۔ قریب آنے پر انھیں نشانہ بنانا بہت آسان تھا مگر میرے ہاتھ خالی تھے۔ میں انتہائی تیزی کے ساتھ اس طرف لپکی جدھر میں نے زرین کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ کر گرتے دیکھا تھا۔ میں پہلے ہی محسوس کر چکی تھی کہ رضیہ کے ہاتھ میں صرف ایک ریوالور تھا اور اس کے بارے میں بھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس میں کتنی گولیاں باقی تھیں۔ دوسرا ریوالور رضیہ نے خالی ہو جانے کے بعد پھینک دیا ہوگا جیسا خود میں نے کیا تھا۔

یقین کے ساتھ تو اس ریوالور کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس میں گولیاں بچی تھیں یا نہیں جسے میں تلاش کرنا چاہتی تھی لیکن کسی بھی امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

پھر اس سے پہلے کہ میں وہ ریوالور ڈھونڈھ لیتی، ایک سرچ لائٹ کا دائرہ مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر چکرایا۔ میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک ہیلی کوپٹر بالکل میرے سر پر پہنچ چکا تھا اور وہ سرچ لائٹ اسی سے پھینکی جا رہی تھی۔ ہیلی کوپٹر اس قدر نیچے تھا کہ مجھے واضح طور پر اس کے دروازے میں کھڑا ہوا شخص نظر آرہا تھا۔ ہیلی کوپٹر میں روشنی تھی اسی لیے میں نے اس شخص کو پہچان لیا تھا اور اچھل پڑی تھی۔ اسی وقت سرچ لائٹ کا دائرہ براہِ راست مجھ پر پڑا اور تیز روشنی کے سبب میری آنکھیں خود بخود ... گئیں۔

"رضوان!" میری سماعت سے رضیہ کی آواز ٹکرائی ... قوت سے چیخی تھی تاکہ ہیلی کوپٹر کے شور میں اس کی آواز ... پہنچ جائے۔

ہیلی کوپٹر کے دروازے میں نظر آنے والا رضوان ہی ... رضیہ نے اسی لیے اس ہیلی کوپٹر پر فائر نہیں کیا تھا۔

میں، رضیہ اور رضوان ڈرائنگ روم میں بیٹھے ... پی رہے تھے۔ ابھی ابھی رضوان تمام تفصیلات بتا کر فار... تھا۔ وہ اس شرط پر مجھے تفصیلات بتانے پر راضی ہوا تھا کہ ... اور رضیہ کو برازیل جانے کی اجازت دے دوں۔ میں نے ... کی طرف دیکھا تھا اور رضیہ نے نگاہیں جھکا لی تھیں، گویا ... یہی مرضی تھی۔ میں نے انھیں برازیل جانے کی اجازت دے دی ...

"اللہ آپ کے ہونے والے بچوں کو جیتا رکھے۔" رضوان ... اجازت ملتے ہی کہا تھا۔ "آپ بھی ایسا کیوں نہ کریں کہ اب ... لے کر پیرس یا لندن چلی جائیں بلکہ میں تو یہ مشورہ دوں گا ... تشریف لے جائیں۔ وہاں دو عدد لڑکیاں آپ کے لیے ... فرشِ راہ کیے بیٹھی ہوں گی۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں ... چار!"

میں سمجھ گئی تھی کہ رضوان نے سنگیتا اور فریحہ کی ... کیا تھا مگر میں رضیہ کی موجودگی کے سبب اس وقت رضوان ... ٹال گئی۔

"تم نری بکواس ہی کیے جاؤ گے یا کام کی بات بھی کرو ..." ... نے رضوان پر آنکھیں نکالی تھیں۔

"کام کی بات تو خیر ایک ہی ہوتی ہے جو آپ اس ... کے موڈ میں نہیں۔ خیر چھوڑیے پھر کبھی سہی۔" یہ کہہ کر رضوا... پر آگیا تھا۔

رضوان کو اس قید خانے سے نکال کر خان آف کا... پاس لے جایا گیا تھا۔ وہ سفر ایک جیپ کے ذریعے کیا گیا ... کی آنکھوں سے اس وقت پٹی کھولی گئی تھی جب کراچی کی ... ہو گئی تھیں۔ دو آدمی رضوان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے ... ریوالوروں کی نالیں اس کی پسلیوں میں گڑی ہوئی ... آف کالاگوٹ، رضوان سے خان ولا ہی میں ملا تھا۔ اس ... آف کالاگوٹ کے ساتھ اس کا غیر ملکی مہمان باب ... آف کالاگوٹ کوئی خط پڑھ کر باب کو سنا رہا تھا اور ... سے وہ خط سن رہا تھا۔ رضوان نے اس کمرے میں داخل ہوتے دروازے کے شیشوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔ خان کے آدمی ... لے کر کمرے میں داخل ہوئے تھے تو خان آف کالاگوٹ خط تہ کر کے میز پر رکھ دیا تھا۔

خان آف کالاگوٹ غالباً اپنے مہمان کے سامنے رضوان ... بات کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے باب سے معذرت ... اور کہا تھا کہ وہ خود ابھی کچھ دیر بعد اس کے کمرے میں آجائے ... باقی باتیں وہیں ہوں گی۔

خان آف کالاگوٹ اپنے مہمان کو چھوڑنے کمرے کے دروازے ... تھا اور اسی دوران میں رضوان کو ہاتھ کی صفائی دکھانے کا ... مل گیا تھا۔ وہ پاؤں کھجانے کے بہانے جھکا تھا اور اس خط ... اٹھا کر اپنے موزے میں منتقل کر دیا تھا۔

اس کے بعد رضوان نے خان آف کالاگوٹ کو اس طرح باتوں ... رکھا تھا اور میرے بارے میں کچھ ایسے اہم انکشافات کیے تھے ... کے ذہن سے اس خط کا خیال ہی نکل گیا تھا جسے کچھ دیر پہلے اس ... میز پر رکھا تھا۔ رضوان نے اسے اپنے بندھ ... دام ہونے ... دلایا تھا۔

پھر خان آف کالاگوٹ کے حکم پر اس کے آدمی رضوان کو لے ... سے روانہ ہو گئے تاکہ مہ پارہ کو میں نے جہاں چھپا رکھا تھا، ... اسے نکال لے جائیں۔ رضوان ان دونوں کو منگھو پیر کی ... طرف لے گیا تھا اور پھر بہ آسانی ڈاج دے کر نکل گیا تھا۔

... وقت رضوان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ... میں وہ خان آف کالاگوٹ کے خلاف کتنا مضبوط اور اہم ... حاصل کر چکا تھا۔ رضوان کو اس بات کا احساس اس وقت ... نے وہ خط پڑھا۔

خان آف کالاگوٹ کے نام تھا۔ اس خط کو لکھنے والا ... بڑے عہدے پر فائز تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ خان آف ... ایما پر تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور اب صرف خان ... دیر ہے۔ اس خط میں خان آف کالاگوٹ سے اس کے ... دریافت کیا گیا تھا جس پر پروفیسر منہاس کام کر رہا ... کے بارے میں معلوم کیا گیا تھا کہ اب کس منزل میں ہے۔ ... پڑھ کر رضوان سناٹے میں آگیا تھا۔ اس پر یہ حقیقت منکشف ... خان آف کالاگوٹ اقتدار پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ ... رضوان کے لیے یہ سمجھنا بھی دشوار نہیں رہا تھا کہ خان کا ... باب کسی بڑی طاقت کا نمائندہ ہے جس سے خان آف ... جوڑ کر چکا ہے۔

اس کے بعد رضوان فوراً ہی حرکت میں آگیا تھا لیکن اوپر تک پہنچنے کے لیے اس کا بڑا وقت ضائع ہوا تھا۔ فوراً ہی دارالحکومت سے رابطہ قائم کیا گیا تھا جہاں سے ملٹری ایکشن کے احکامات ملنے میں خاصی دیر لگی تھی۔ رات کو تقریباً دو بجے ملٹری حرکت میں آگئی تھی اور پھر خان آف کالاگوٹ کے ہر ٹھکانے پر چھاپا مارا گیا تھا۔ خان ولا کو بھی گھیر لیا گیا تھا مگر نہ جانے کس طرح باب کو سن گن مل گئی تھی اور وہ وہاں سے پہلے ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

خان آف کالاگوٹ کے ایک بوڑھے ملازم سے اس کی شکارگاہ کا پتا چلا تھا جو ٹھٹھہ اور گوٹھ وہار کے درمیان واقع تھی۔ یہ پتا چلتے ہی ملٹری ہیلی کوپٹر اور ٹرک اس سمت روانہ ہو گئے تھے۔

وہاں پہنچتے ہی ملٹری نے اس پورے علاقے کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور پھر فائرنگ کی آوازیں سنتے ہی اس طرف کا رخ کیا گیا تھا جدھر سے یہ آوازیں آرہی تھیں۔

پھر وہ لوگ ملٹری کے سامنے زیادہ دیر نہیں ٹک سکے تھے جو حلقہ بنائے فائرنگ کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔

رضوان بھی اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے ملٹری آپریشن میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ بھی ایک ملٹری ہیلی کوپٹر میں تھا۔

پھر خان آف کالاگوٹ کی لاش کو ملٹری نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ زرین اور پروفیسر منہاس ہمارے ساتھ ہی رہے تھے۔

ہم سب ایک ملٹری ہیلی کوپٹر ہی میں کراچی پہنچے تھے۔ راستے میں رضیہ نے میرے ایما پر زرین کو اپنے اور میرے بارے میں بتا دیا تھا۔ اس وقت زرین اتنی نڈھال اور اداس تھی کہ وہ کسی انکشاف پر نہیں چونکی تھی۔ ریٹا ڈکسن اور صبیحہ بانو ایک ہی شخصیت کے دو روپ تھے، اس پر بھی زرین نے کسی خاص ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ زرین کو ہم خان ولا میں چھوڑ کر ڈیفنس آگئے تھے۔ پروفیسر منہاس اب بھی ہمارے ساتھ تھا کیوں کہ اسے بتا دیا گیا تھا، مہ پارہ میری کوٹھی کے تہ خانے میں موجود ہے اور اسے وہاں کیوں رکھا گیا تھا۔

کوٹھی پہنچتے ہی میں نے اس "سیاہ پارہ" سے جان چھڑانے کے لیے رضوان سے کہا تھا کہ وہ فوراً اپنے دوست سلطان کو فون کر کے وہاں بلا لے تاکہ وہ اپنے والد پروفیسر منہاس اور اپنی سوتیلی بہن ماہ پارہ کو وہاں سے لے جائے۔

رضوان کی غیر موجودگی میں میری ملازمۂ خاص مہ پارہ کے لیے خورد و نوش کا بندوبست کرتی رہی تھی اس لیے مہ پارہ کے جسم پر چڑھا ہوا بدگوشت جوں کا توں موجود تھا۔

سلطان اپنے والد کے بارے میں خوش خبری سنتے ہی فوراً میری کوٹھی پہنچ گیا تھا اور پھر وہ اپنے والد اور سوتیلی بہن سمیت چلا ...

ہی رخصت کر دیا گیا کیوں کہ ہم سبھی نرغے سے ہو رہے تھے۔
میں نے کراچی آتے ہوئے راستے میں بہت کوشش کی تھی کہ رضوان مجھے تفصیلات سے آگاہ کر دے مگر وہ رام نہیں ہوا تھا۔
آئندہ دو روز کے اندر خان آف کالاگوٹ کے بارے میں کئی اور باتیں سامنے آئیں۔ اگر یہ باتیں سامنے نہ آتیں تو میں کبھی نہ سمجھ پاتی کہ سنگیتا کا محبوب شکیل کیوں موت سے دوچار ہوا اور خان آف کالاگوٹ نے اس کیس کو کیوں رکوا دیا تھا، پھر وہ کیوں میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔
خان آف کالاگوٹ کے پروردہ تمام سنگٹھے قانون کی گرفت میں آ چکے تھے۔ انہی کے ذریعے تمام باتیں سامنے آئی تھیں۔
خان آف کالاگوٹ اقتدار پر قابض ہونے کے لیے غیر قانونی اسلحہ بھی جمع کر رہا تھا جس میں غیر ملکی اسلحہ بھی شامل تھا جو اسمگلروں کے ذریعے ملک میں لایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خود اندرون ملک غیر قانونی طور پر جو اسلحہ تیار کیا جاتا تھا، خان آف کالاگوٹ وہ بھی خریدتا تھا۔ یہ تمام اسلحہ شکار گاہ کی عمارت کے زیر زمین تہ خانوں میں ذخیرہ کیا جا رہا تھا۔ ملٹری نے تمام ملکی اور غیر ملکی اسلحے پر قبضہ کر لیا تھا۔ کچھ ایسے ممالک کا اسلحہ بھی ملا تھا جن سے بظاہر دوستانہ مراسم تھے اور حکومت نہیں چاہتی تھی کہ ان ممالک سے تعلقات خراب ہوں اس لیے اخبارات میں کچھ نہیں آیا۔ پوری سازش کا خاموشی کے ساتھ قلع قمع کر دیا تھا مگر رضوان تو ایک بھیدی تھا، وہ ساری خبریں لے آتا تھا۔
سنگیتا کے محبوب شکیل کا تصادم ایک ایسے ہی ٹرک سے ہوا تھا جس میں غیر قانونی اسلحہ لدا ہوا تھا۔ یہی سبب تھا کہ خان آف کالا گوٹ اس معاملے کو دبانا چاہتا تھا۔ وہ اپنے منصوبے میں ایک حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا مگر درمیان میں، میں نے ٹانگ اڑا دی۔ اس نے مجھے اس معاملے میں دلچسپی لینے سے روکنا چاہا اور پھر بات بڑھتی چلی گئی۔ شکیل کو قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ حادثے کا شکار ہوا تھا۔ خان آف کالاگوٹ نے مجھے اس معاملے سے جتنا دور رکھنے کی کوشش کی، میں اس میں اور ملوث ہوتی چلی گئی۔ خان آف کالاگوٹ کی ایک معمولی سی غلطی اُسے لے ڈوبی۔ اگر وہ مجھے نہ چھیڑتا تو شاید اتنی جلدی اپنے انجام کو نہ پہنچتا۔ شاید اس نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ خیر اسی پر کیا منحصر اکثر مرد عورت کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور اسے خود سے کمتر اور کمزور جان کر موت کی نیند سو جاتے ہیں۔
اگلے ہفتے میں نے رضوان اور رضیہ کو خیر باد کہا۔ وہ دونوں برازیل چلے گئے۔ میرا ارادہ بھی چند دن مکمل آرام کر کے نیویارک جانے کا تھا۔ مجھے ان دنوں سنگیتا بہت یاد آ رہی تھی۔ میں اُسے بتانا چاہتی تھی کہ میں نے اس کے محبوب کا انتقام لے لیا ہے۔
کوئی ہفتے بھر بعد میں نے بھی نیویارک کے لیے سیٹ بک ... میں اسی دوران میں ابریز سے بھی ملی۔ اس نے کچھ اس انداز ... نیویارک کے لیے سی آف کرنے کی خواہش کا اظہار کیا کہ مجھے ... ہی پڑا۔
جس دن میں روانہ ہونے والی تھی، میں نے ابریز کو فون کر ... وقت مقررہ پر ائیر پورٹ پہنچ گیا۔ جب مسافروں سے جہاز ... کی درخواست کی جا رہی تھی اور میں ابریز کو خدا حافظ کہہ کر ... والی تھی تو اچانک اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے حیرت ... کی طرف دیکھا۔
"ذرا ٹھہریے!" ابریز نے عجیب سے لہجے میں کہا ... میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔
"کیوں، کوئی بات کہنا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں!" اس نے جواب دیا۔
"پھر؟" میں حیرت سے بولی۔
"بس کچھ دیر اسی طرح کھڑی رہیں بانو!" اس کی آو... دور سے آ رہی تھی۔ "میں... میں اس منظر کو اپنی آنکھوں ... لینا چاہتا ہوں۔"
میں چاہتی تو اس کی خواہش کو ٹھکرا سکتی تھی مگر نہ ... میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں اسی طرح کھڑی رہی اور ابریز ... بغیر دیکھتا رہا۔ اگر میں بول کر اس کی محویت ختم نہ کر... تو نہ جانے کب تک مجھے یونہی دیکھے جاتا۔ میرے دل میں کبھی اس ... کوئی خواہش کسی مرد کے لیے پیدا نہیں ہوئی ؎

کوئی ایسا ہو کہ دیکھے جائے
میں جہاں تک نظر آئے جاؤں

اور اس دن بھی میرے دل میں یہ خواہش پیدا ... حالانکہ مجھے یقین ہے، میں جب تک نظر آتی رہی ہوں گی، ابریز بغیر پلک جھپکائے دیکھتا رہا ہو گا۔

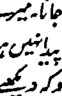

چھلاوا

ختم شد